دُرُوسُ الهِدَايَةِ

(جلد اول: از کتاب الطہارات تا کتاب الحج)

صوتی دروس وتقاریر کا مرتب علمی مسودہ

افادات وتدریس:

حضرت مولانا محمد زہیر مدظلہ العالی

ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ

استاذ الحدیث والفقہ، جامعہ اشرفیہ لاہور

طالبِ دعا، مرتب ومحشی:

محمد ساجد اکرم

جامعۃ التوحید، چک کانی پور

دروسِ ہدایہ

(جلدِ اول: از کتاب الطہارات تا کتاب الحج)

صوتی دروس و تقاریر کا مرتب علمی مسودہ

افادات و تدریس:

حضرت مولانا محمد زہیر مدظلہ العالی

ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ

استاذ الحدیث والفقہ، جامعہ اشرفیہ لاہور

جامعہ اشرفیہ لاہور • ۱۴۳۴ھ / ۲۰۱۳ء

التماسِ دعا و ایصالِ ثواب

اس علمی خدمت سے استفادہ کرنے والے تمام معزز اساتذہ، علماء اور طلبۂ کرام سے عاجزانہ گزارش ہے کہ مرتب کی **والدۂ مرحومہ** اور **ہمشیرۂ مرحومہ** کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں:

"یااللہ! ان کی چھوٹی بڑی تمام لغزشوں کو معاف فرما، ان کی قبروں کو نور سے منور کر، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرما۔ نیز میرے تمام علمی محسنین اور اساتذہ کے درجات بلند فرما۔ آمین!"

طالبِ دعا و مرتب:

محمد ساجد اکرم

پاکپتن، پنجاب، پاکستان

مختصر فہرستِ کتب، ابواب واسباق

(مطلوبہ کتاب، باب یا سبق پر کلک کرکے براہِ راست اس صفحے پر پہنچیں)

شمار	کتاب / بنیادی حصہ	شامل اہم ابواب ومضامین	اسباق	صفحہ
۱	تمہید، مقدمہ وخطبۂ مصنف	اغراضِ تالیف، مبادیاتِ فقہ، سوانحِ مصنف اور خطبۂ ہدایہ	۱ تا ۵۰	2
۲	کتاب الطہارات	وضو، غسل، پانی کے احکام، تیمم، مسح علی الخفین، حیض ونفاس، انجاس	۶ تا ۳۸	24
۳	کتاب الصلاۃ	اوقات، اذان، شرائط، صفتِ صلاۃ، امامت، نوافل، سہو، مریض، مسافر، جمعہ، عیدین، جنائز، شہید	۳۹ تا ۹۰	284
۴	کتاب الزکاۃ	وجوب ونصاب، سوائم، زکوٰۃِ مال وعروض، عاشر، معادن ورکاز، عشر، مصارف، صدقۃ الفطر	۹۱ تا ۱۱۵	766
۵	کتاب الصوم	وجوبِ صوم، رؤیتِ ہلال، مفسداتِ روزہ، قضاوکفارہ، اعذار، نذر اور اعتکاف	۱۱۶ تا ۱۳۰	1005
۶	کتاب الحج	فرضیت ومواقیت، احرام، طواف وسعی، وقوف ورمی، قران، تمتع، جنایات، احصار، حجِ بدل، ہدایا	۱۳۱ تا ۱۶۹	1158

کلک ایبل اشاریۂ ابواب وفصولِ ہدایہ (مع نمبرِ سبق وصفحہ)

باب / فصل کا عنوان	سبق	صفحہ	باب / فصل کا عنوان	سبق	صفحہ
تمہید اور ابتدائیہ علمِ فقہ	۱–۰	2	باب صلاۃ الجمعہ	۷۹–۸۱	643
سوانحِ مصنف وخطبۂ ہدایہ	۵–۲	8	باب العیدین والاستسقاء	۸۲–۸۴	666
باب الوضوء (فرائض وسنن)	۹–۶	24	باب الجنائز وفصل التکفین	۸۵–۸۸	705
فصل فی نواقض الوضوء	۱۳–۱۰	40	باب الشہید کے احکام	۸۹–۹۰	741
فصل فی الغسل وموجباتہ	۱۴–۱۵	67	کتاب الزکاۃ (شرائط ونصاب)	۹۱–۹۵	766
باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء	۱۶–۲۱	82	باب صدقۃ السوائم (اونٹ، گائے، بکری)	۹۶–۱۰۲	806
فصل فی البئر واسآر الحیوانات	۲۲–۲۵	133	باب زکاۃ المال وفصل فی العروض	۱۰۳–۱۰۴	867
باب التیمم کے احکام ومسائل	۲۶–۲۸	168	باب العاشر والمعادن والرکاز	۱۰۵–۱۰۸	889
باب المسح علی الخفین	۲۹–۳۰	196	باب زکاۃ الزروع والثمار (عشر)	۱۰۹–۱۱۱	925
باب الحیض والاستحاضہ والنفاس	۳۱–۳۴	215	باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ	۱۱۲–۱۱۳	954
باب الانجاس وتطہیرہا	۳۵–۳۸	246	باب صدقۃ الفطر ومقدارِ واجب	۱۱۴–۱۱۵	984
باب المواقیت واوقاتِ مکروہہ	۳۹–۴۱	284	کتاب الصوم ورؤیتِ ہلال	۱۱۶–۱۲۰	1005
باب الاذان والاقامہ	۴۲–۴۳	305	باب مایوجب القضاء والکفارہ	۱۲۱–۱۲۹	1046
باب شروط الصلاۃ المتقدمہ	۴۴–۴۶	322	باب الاعتکاف کے احکام ومسائل	۱۳۰	1146
باب صفۃ الصلاۃ والقراءۃ فیہا	۴۷–۵۴	350	کتاب الحج وفصل فی المواقیت	۱۳۱–۱۳۳	1158
باب الامامہ واحکام جماعت	۵۵–۵۸	415	باب الاحرام، طواف، سعی، وقوف ورمی	۱۳۴–۱۴۳	1188
باب الحدث فی الصلاۃ ومفسداتہا	۵۹–۶۳	450	باب القران وباب التمتع	۱۴۴–۱۵۱	1272
باب الوتر والنوافل والتراویح	۶۴–۶۶	491	باب الجنایات وکفاراتِ احرام	۱۵۲–۱۶۱	1342
باب ادراک الفریضہ وقضاء الفوائت	۶۷–۶۹	526	باب اضافۃ الاحرام وباب الاحصار	۱۶۲–۱۶۴	1444
باب سجود السہو وصلاۃ المریض	۷۰–۷۴	559	باب الحج عن الغیر (حجِ بدل)	۱۶۵–۱۶۶	1470
باب سجود التلاوہ وصلاۃ المسافر	۷۵–۷۸	611	باب الہدایا، مسائلِ منثورہ واختتام	۱۶۷–۱۶۹	1488

«کتاب کے آخر میں مکمل تفصیلی فہرستِ اسباق وذیلی مسائل (صفحہ 1506) پر جانے کے لیے یہاں کلک کریں»

تمہید: ریکارڈنگ اور اشاعت کے متعلق ضروری وضاحت
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

تمہید: ریکارڈنگ اور اشاعت کے متعلق ضروری وضاحت

بتاریخ: ۱۴۳۴ھ / ۲۰۱۳ء

ابتدائی دعائیں اور تضرع و مناجات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔ أَمَّا بَعْدُ:

محترم طلبائے کرام! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

محمد زہیر ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ سے مخاطب ہے۔ بندہ کو امسال یعنی ۱۴۳۴ ہجری مطابق ۲۰۱۳ عیسوی جامعہ اشرفیہ لاہور میں فقہِ حنفی کی معروف ترین کتاب ہدایہ کی جلدِ اول از کتاب الطہارات تا کتاب الحج کی تدریس کا موقع ملا، اور اللہ جل جلالہ کے خصوصی فضل و کرم سے کتاب احسن طریقے سے اختتام تک پہنچی۔ ان تمام اسباق کی ریکارڈنگ پیشِ خدمت ہے۔

فائدہ و تنبیہ

یہاں پر ایک اہم بات عرض کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں: بندہ سے بہت سے طلباء و علماء و مدرسین حضرات مطالبہ کرتے ہیں کہ ان ریکارڈ شدہ درسوں کو کتابی صورت میں بھی شائع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ فی الحال بے انتہا مصروفیات کی وجہ سے یہ کام بندہ کے لیے تو ممکن نہیں، البتہ جو شخص یا جو ادارہ بھی ان درسوں کو یا بندہ کی کسی بھی کتاب کے درسوں کو کتاب کی صورت میں شائع کرنا چاہے تو اس کی عام اجازت ہے۔

آخر میں اللہ جل جلالہ سے دعا فرمائیں:

يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

اے اللہ! آپ کی توفیق کے بغیر نہ تو انسان کوئی نیکی کر سکتا ہے، اور نہ کسی گناہ سے بچ سکتا ہے۔ اے اللہ! متکلم و سامعین سب کو زندگی بھر سنتِ بیضاء کے مطابق نیک اعمال کرنے کی توفیق نصیب فرما۔

اے اللہ! ہمارے تمام گناہ معاف فرما، اور آئندہ ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمیں اپنے ان محبوب بندوں میں شامل فرما جن سے آپ کے سب فرشتے اور تمام مخلوقات محبت کرتی ہیں۔ اے اللہ! زمانۂ حال میں جہاد کرنے والوں اور تمام اہلِ اسلام کی خصوصی نصرت و حفاظت فرما۔

محترم طلبائے کرام! میں بیمار بھی ہوں اور کچھ مشکلات بھی درپیش ہیں۔ آپ حضرات سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ جل جلالہ مجھے شفائے کاملہ عاجلہ نصیب فرمائیں، تمام مشکلات حل فرمائیں، اور تمام رکاوٹیں دور فرماتے ہوئے جملہ حاجات کو احسن طریقے سے پورا فرمادیں۔

اے اللہ! ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما، اور قبر کی تاریکی اور قیامت کے دن کی شرمندگی سے ہماری حفاظت فرما، اور اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں آپ بلا حساب کتاب جنت میں داخل فرمائیں گے۔

2

اے اللہ! متکلم کے تمام درسوں کو مقبولیتِ عامہ نصیب فرماتے ہوئے ان کے نفع کو تا قیامت جاری وساری فرما، **فَإِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيرٌ۔**

آمِينَ، آمِينَ، ثُمَّ آمِينَ۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

سبق نمبر ا: ابتدائیہ، تعارفِ کتاب اور علمِ فقہ کی مبادیات

بتاریخ: ۱۹ ستمبر ۲۰۱۲ء

ابتدائی دعائیں اور تضرع و مناجات

اچھا بھائی، آیئے شروع میں دعا پڑھ لیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِينُ، يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْعِلْمَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِينُ، يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِينُ، يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيمُ۔

يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ۔ يَا مُعِزُّ، يَا سَتَّارُ، يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ يَا فَتَّاحُ۔

اللَّهُمَّ أَصْلِحْ أَحْوَالَنَا، اللَّهُمَّ أَصْلِحْ قُلُوبَنَا، وَيَسِّرْ أُمُورَنَا۔ اللَّهُمَّ وَفِّقْنَا لِمُطَالَعَةِ هٰذِهِ الْعُلُومِ وَالْأَسْرَارِ وَالْفَوَائِدِ وَالْأَحْكَامِ۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ قَلِّبْ قُلُوبَنَا إِلَيْكَ، يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ قَلِّبْ قُلُوبَنَا إِلَيْكَ۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا، اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّ رَسُولِكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا، اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّ الْقُرْآنِ وَحُبَّ الْإِسْلَامِ وَحُبَّ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمْ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔

يَا مُنَوِّرَ الْقُلُوبِ، يَا شَارِحَ الصُّدُورِ اشْرَحْ صُدُورَنَا فَلَا شَارِحَ إِلَّا أَنْتَ۔ يَا مُنَوِّرَ الْقُلُوبِ نَوِّرْ قُلُوبَنَا فَلَا مُنَوِّرَ إِلَّا أَنْتَ۔

رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا، رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا، رَبَّنَا زِدْنَا عِلْمًا۔ اللَّهُمَّ زِدْنَا نُورًا، اللَّهُمَّ زِدْنَا نُورًا۔

اللَّهُمَّ أَصْلِحْ قُلُوبَنَا وَأَحْوَالَنَا وَجَمِيعَ أُمُورِنَا۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْ تَوْفِيقَكَ وَعَوْنَكَ خَيْرَ رَفِيقِنَا فِي صُعُوبَتِنَا وَفِي جَمِيعِ أُمُورِنَا، وَفِي حَرَكَاتِنَا وَفِي سَكَنَاتِنَا، وَفِي جَمِيعِ أُمُورِنَا، وَفِي لَيَالِينَا وَفِي نُهُرِنَا۔ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، يَا شَارِحَ الصُّدُورِ، يَا مُنَوِّرَ الْقُلُوبِ، اللَّهُمَّ وَفِّقْنَا لِمُطَالَعَةِ هٰذِهِ الْعُلُومِ۔

يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ۔ يَا عَزِيزُ يَا لَطِيفُ، يَا غَفَّارُ يَا سَتَّارُ، يَا غَفَّارُ يَا سَتَّارُ، يَا غَفَّارُ يَا سَتَّارُ، يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ، يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ، يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ۔

اللَّهُمَّ قَلِّبْ قُلُوبَنَا إِلَيْكَ۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ أَحْيَا سُنَّةَ نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا، اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْنَا۔ يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ يَا اللَّهُ، يَا اللَّهُ، يَا اللَّهُ۔ يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ، يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ، يَا عَلِيمُ يَا خَبِيرُ۔

اللَّهُمَّ وَفِّقْنَا لِلْعَمَلِ الصَّالِحِ، اللَّهُمَّ وَفِّقْنَا لِلْعَمَلِ الصَّالِحِ، اللَّهُمَّ وَفِّقْنَا لِلْعَمَلِ الصَّالِحِ۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الصَّالِحِينَ، الذَّاكِرِينَ، الْمُصَلِّينَ، الصَّائِمِينَ، الشَّاكِرِينَ، الْمُحْسِنِينَ۔ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْمَحْرُومِينَ، اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْمَحْرُومِينَ۔

اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا وَنَوِّرْ قُبُورَنَا، اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا وَنَوِّرْ قُبُورَنَا۔

اللَّهُمَّ أَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، اللَّهُمَّ أَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، اللَّهُمَّ أَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي دَرْسِنَا وَدِرَاسَتِنَا، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي دَرْسِنَا وَدِرَاسَتِنَا، يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ يَا عَزِيزُ يَا لَطِيفُ، يَا كَرِيمُ، يَا سَتَّارُ، يَا غَفَّارُ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا، اللَّهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا۔ اللَّهُمَّ نَقِّ قُلُوبَنَا، اللَّهُمَّ نَقِّ قُلُوبَنَا، اللَّهُمَّ نَقِّ قُلُوبَنَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔

آمِينَ، آمِينَ، آمِينَ، ثُمَّ آمِينَ۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اچھا بھائی، کوئی طالب علم عبارت پڑھ لے بھائی تھوڑی سی۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَعْلَى مَعَالِمَ الْعِلْمِ وَأَعْلَامَهُ، وَأَظْهَرَ شَعَائِرَ الشَّرْعِ وَأَحْكَامَهُ، وَبَعَثَ رُسُلَهُ... صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ... إِلَى سَبِيلِ... وَأَنْزَلَ الْعُلَمَاءَ... إِلَى سَنَنِ سُنَنِهِمْ...

إِلَى سَنَنِ سُنَنِهِمْ۔

مَسْلَكًا لِلِاجْتِهَادِ، اجتہاد کا ہمزہ وصلی ہے گر جائے گا، لام کے نیچے کسرہ پڑھیں۔ جی۔

مَسْلَكًا لِلِاجْتِهَادِ مُسْتَبِينِينَ فِي ذَلِكَ، وَهُوَ هَدْيُ الرَّشَادِ، وَخَصَّ فَوَائِدَ فِقْهِهِمْ بِالتَّوْفِيقِ... وَالنَّوَازِلُ يَضِيقُ عَنْهَا...

وَالنَّوَازِلُ يَضِيقُ عَنْهَا۔

وَالنَّوَازِلُ يَضِيقُ عَنْهَا... وَاقْتِنَاصِ الشَّوَارِدِ، بِالِانْتِبَاذِ عَنِ الْمَوَارِدِ، وَالِاعْتِبَارِ بِمَنْ هَانَ... وَبِالْوُقُوفِ عَلَى الْمَعَانِي... وَقَدْ دَعَانِي مَنْ عَلَيَّ الْمُعَوَّلُ... أَنْ أَشْرَحَهَا بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى شَرْحًا...

اچھا بھائی، بس بھائی۔ اب لکھ لیجیے۔ علمِ فقہ میں ہے ہدایہ، تو علمِ فقہ کی تعریف، موضوع، اور غرض وغایت لکھ لیجیے بھائی۔ علمِ فقہ، جی لکھیے بھائی۔ کوئی طالب علم ویسے نہ بیٹھا ہو۔

تم کیوں نہیں لکھ رہے بھائی؟ اور کون نہیں لکھ رہا؟ آپ کیوں نہیں لکھ رہے؟ جی؟ کاپی اور بغیر قلم کے بیٹھے ہیں، کیسے طالب علم ہوتے ہیں بھائی؟ کس، کس کاپی پہ لیں بھائی؟ جب بھی میں لکھواؤں کسی طالب علم نے ویسے نہیں بیٹھنا۔

بھائی قلم کی اپنے پاس عادت بنائیں، چوبیس گھنٹے آپ کے پاس جیب پر قلم ہونا چاہیے۔ قلم تو اہلِ علم کی نشانی ہے۔ موبائل ہر ایک نے رکھا ہوتا ہے، دنیاداروں کی نشانی ہے۔ اہلِ علم کی زینت اختیار کریں، ان کا انداز اختیار کریں، اللہ آپ کو اہلِ علم میں سے بنادے گا۔ ان کی عادات، بڑے لوگوں کی عادات انسان اختیار کرتا ہے، اللہ انسان کو بڑا بنادیتا ہے۔ جن کا رنگ اختیار کروگے، انہی میں سے اللہ آپ کو بنادے گا۔

میں تو سفید کپڑے پہنتا ہوں، دوسرے کبھی نہیں پہنتا۔ شاید اللہ ہمیں بھی علماء میں سے شمار کرلے بھائی، ان جیسا رنگ تو اختیار کرلیں۔ ان جیسے شاید عمل کی اللہ ہمیں بھی توفیق دے دے بھائی۔

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ، لَعَلَّ اللَّهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا۔

تو ہمیشہ قلم اپنے پاس رکھیں بھائی، ہمیشہ۔ اللہ آپ سب کو بڑا عالم بنائے، آپ سب سے دین کا کام لے بھائی۔ کسی کے پاس دو قلم نہیں ہیں بھائی؟ چلو بھائی، پھر لکھیے۔

الْفِقْهُ هُوَ عِلْمٌ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ عَنْ أَدِلَّتِهَا التَّفْصِيلِيَّةِ۔

یعنی علمِ فقہ وہ ادلۂ تفصیلیہ سے شرعی عملی احکام کے جاننے کا نام ہے۔

بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ: الشَّرْعِيَّةِ کی قید سے غیر شرعی احکام نکل گئے۔ یہاں ہماری بحث صرف شرعی احکام کے بارے میں ہوگی، غیر شرعی کے بارے میں نہیں، تو یہاں **الشَّرْعِيَّةِ** کی قید بڑھائی۔

الْعَمَلِيَّةِ کی قید کے ذریعے وہ احکام نکل گئے جن کا تعلق صرف اعتقاد سے ہے۔

بھائی دیکھیے، یہاں یاد رکھیے، دو چیزیں ہیں: ایک ہے عمل، ایک ہے اعتقاد۔ عمل ہے مثلاً آپ نماز پڑھتے ہیں، آپ کو باقاعدہ عمل کرنا پڑتا ہے۔ روزہ رکھتے ہیں، سمجھ میں آیا؟ اور اسی طرح صدقات کرتے ہیں، باقاعدہ عمل کرنا پڑتا ہے۔ ذکر کرتے ہیں، باقاعدہ عمل کرنا پڑتا ہے، زبان کو حرکت دینی پڑتی ہے۔ اور بعض چیزیں وہ ہیں جن کا تعلق صرف اعتقاد سے ہے، کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ مثلاً اللہ ایک ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیغمبر ہیں، جنت ہے، جہنم ہے، فرشتے ہیں، قیامت قائم ہوگی، یہ سارے، ان کا تعلق صرف اعتقاد سے ہے۔ تو یہاں فقہ کے اندر صرف ان احکام کی بحث ہوگی جن کا تعلق عمل سے ہے۔ عقیدے کی بحث یہاں نہیں ہوگی بھائی، عقیدے کی بحث نہیں ہوگی بھائی۔

کون چھینکا؟ اونچی آواز سے الحمدللہ نہیں کہا بھائی۔ اونچی آواز، سب سنیں بھائی۔

يَرْحَمُكَ اللَّهُ

جو بھی چھینکے اونچی آواز سے الحمد للہ کہے، ساری جماعت والے سنیں بھائی، اور پھر سب جواب میں **يَرْحَمُكَ اللَّهُ** کہیں بھائی۔ اس سنت کو اپنائیں، خود بھی اس پر عمل کریں، اور اپنے متعلقین میں بھی اس سنت کو پھیلائیں بھائی۔ اللہ ہم سب کو سنتیں پھیلانے والا بنائے بھائی۔

تو بعض چیزوں کا تعلق عمل سے ہے، بعض کا تعلق صرف عقیدے سے ہے۔ یہاں عقیدے کی بحث نہیں ہو گی، عقیدے کی بحث جو ہے وہ علمِ کلام میں ہوتی ہے۔ عقیدے سے متعلق جو علم ہے اس کا نام کیا ہے؟ علمِ کلام۔ وہ بھی آپ اگلے سال ان شاء اللہ پڑھیں گے، تو اس میں عقیدے کی بحث ہے۔ یہاں عمل سے متعلق احکام بیان ہوں گے علمِ فقہ کے اندر بھائی۔ جی۔

ادلۂ تفصیلیہ سے مراد ہے ہر مسئلے کے تفصیلی دلائل، یعنی کہ ادلۂ اربعہ: قرآن، حدیث، اجماع، اور قیاس میں سے۔

یہاں اجمالی دلائل نہیں بیان ہوں گے کہ ایک قانون بیان کر دیا جائے اور پھر اس کے مطابق کئی کئی مسائل ہوں، نہیں بھائی۔ ہر ہر مسئلے کے قرآن و حدیث، اجماع، قیاس وغیرہ سے، ہر ہر مسئلے کی دلیل ذکر ہو گی تفصیل کے ساتھ۔ اور ادلۂ تفصیلیہ وہی ادلۂ اربعہ ہیں بھائی: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ تو اس میں سے ہر ایک مسئلے کی دلیل بیان ہو گی بھائی۔

علمِ فقہ کا موضوع: **فِعْلُ الْمُكَلَّفِ**، یعنی مکلف آدمی کا فعل۔ مکلف سے مراد ہے عاقل بالغ۔

اور علمِ فقہ کا مقصد اور غایہ ہے: سعادتِ دارین۔ یعنی دونوں جہانوں کی نیک بختی حاصل کرنا، دونوں جہانوں کی کامیابی حاصل کرنا۔ دنیا میں بھی کامیابی ملے اور آخرت میں بھی کامیابی ملے بھائی۔

چلیے، بس بھائی۔ **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۲: صاحبِ ہدایہ کے احوال اور تالیف کا پس منظر
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر ۲: صاحبِ ہدایہ کے احوال اور تالیف کا پس منظر

بتاریخ: ۲۰ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ صاحبِ ہدایہ کے احوال اور نام ونسب

لکھیے بھائی: صاحبِ ہدایہ کے احوال۔

صاحبِ ہدایہ کا نام: برہان الدین، ابو الحسن، علی ابنِ ابی بکر، **اَلْفَرْغَانِيُّ الْمَرْغِينَانِيُّ** ہے۔ [**مَرْغِينَان**: م،ر،غ،ی،ن،ا،ن)۔

آپ فرغانہ علاقے کی ایک بستی اور ایک شہر مرغینان کے رہنے والے تھے۔ تو فرغانہ کی نسبت سے آپ فرغانی، اور مرغینان کی نسبت سے مرغینانی کہلاتے ہیں۔

بھائی میں نے نام لکھوایا برہان الدین ابو الحسن علی ابنِ ابی بکر، تو تفصیل آپ خود سمجھ گئے ہوں گے کہ برہان الدین شروع میں جو آیا یہ صاحبِ ہدایہ کا لقب ہے، اور ابو الحسن ان کی کنیت ہے، علی ان کا نام ہے، اور بیٹے کس کے ہیں؟ ابو بکر کے بھائی۔

آپ حضرت صدیقِ اکبر **رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ** کی اولاد میں سے ہیں۔

آپ کی ولادت ۸ رجب ۵۱۱ ہجری بروز پیر ہوئی۔

آپ نے اپنے زمانے کے ــــ یہ کون چھینکا ہے؟ الحمد للہ کیوں نہیں کہتے بھائی؟ اونچی آواز سے، ساری جماعت سے بھائی۔ [**اَلْحَمْدُ لِلَّهِ، يَرْحَمُكَ اللَّهُ**]۔

جی، کیا لکھا؟ آپ نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء، شیوخ، محدثین، اور فقہاء سے علمِ دین حاصل کیا۔

بھائی آپ کیوں نہیں لکھ رہے؟ گزشتہ سبق میں آئے تھے آپ میرے؟ ہاں، لکھیں بھائی، ویسے نہ بیٹھیں۔

یہ پھر کون چھینکا؟ پرانا ہے کہ نئے ساتھی ہیں بھائی؟ اونچی آواز سے کہو بھائی: **يَرْحَمُكَ اللَّهُ**۔

جی، سے علمِ دین حاصل کیا، اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت بہت جلد علومِ دینیہ میں فضل وکمال حاصل کر لیا۔

الگ سطر میں لکھیے آگے بھائی: صاحبِ ہدایہ بہت بڑے فقیہ، محدث، مفسر، اصولی، اور ادیب تھے۔

علم کے ساتھ ساتھ اللہ جل جلالہ نے ورع وتقویٰ (ورع: و،ر،ع)۔ ورع اور تقویٰ میں فرق جانتے ہو یا نہیں جانتے بھائی؟ ورع تقویٰ سے بھی اونچا مقام ہے۔ تقویٰ میں تو جن چیزوں سے بچنا ضروری ہے، ان سے بچتا ہے انسان، اور ورع کے اندر مشتبہات سے بھی بچتا ہے انسان بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ اس سے بھی اونچا مقام ہے پرہیز گاری کا بھائی۔ جی، کیا لکھا؟ ورع وتقویٰ اور پرہیز گاری کے اعتبار سے بھی بڑا اونچا مقام نصیب فرمایا تھا۔

آپ نے **مُخْتَصَرُ الْقُدُورِيِّ**، اور امام محمد **رَحِمَهُ اللَّهُ** کی تصنیف **جَامِعُ الصَّغِيرِ** سے انتخاب کرتے ہوئے ایک جامع متن تحریر فرمایا، جس کا نام **بِدَايَةُ الْمُبْتَدِي** رکھا۔

پھر آپ نے اس متن کی شرح بھی خود ہی تصنیف فرمائی، جس کا نام **كِفَايَةُ الْمُنْتَهَى** رکھا۔

یہ شرح اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل تھی۔ ہمارے بزرگوں کی زندگیوں میں اللہ نے عجیب برکات رکھی تھیں بھائی۔ انسان حیران ہوتا ہے اتنی اتنی بڑی کتابیں انہوں نے لکھیں، اتنی اتنی جلدوں میں، جیسے اسی کو دیکھ لیں ۸۰ جلدوں میں شرح لکھی بھائی۔ اور بعض مفسرین اور بعض دیگر علماء کی بعض کتابیں سینکڑوں سینکڑوں جلدوں میں ہیں بھائی، انسان حیران ہوتا ہے کہ یہ کیسے انہوں نے لکھیں بھائی۔ اور اتنی قیمتی کتابیں، عام کتابیں بھی نہیں کہ انسان ویسے لکھتا چلا جائے، کہ بعد والے تمام علماء ان کتابوں کے محتاج ہیں بھائی، ایسی ایسی قیمتی کتابیں۔ اور یہ کیسے انہوں نے لکھیں انسان حیران ہوتا ہے۔ انہوں نے سوچا بھی ہو گا، نئے نئے نکات بیان کرتے ہیں، ہر جگہ قدم قدم پر ہر ایک جو بھی لکھتا ہے کہ میرے ذہن میں اللہ نے یہ نکتہ ڈالا، یہ نکتہ ڈالا۔ کتنا سوچ سوچ کر انہوں نے لکھا ہو گا، اور آج کل تو سہولت ہے بھائی، روشنائی والے قلم ہیں،

8

لکھتے آپ چلے جائیں۔ پہلے تو قلم کو بار بار دوات میں ڈبونا پڑتا تھا بھائی، ایک دو لفظ سے زیادہ وہ چلتا ہی نہیں تھا۔ تو وہ کیسے سوچتے، کیسے لکھتے، کتنی برکت رکھی تھی اللہ نے ان کی زندگیوں میں کہ تھوڑے وقت میں وہ اتنا زیادہ زیادہ کام کر گئے کہ انسان حیران ہے۔

جی، لکھیے بھائی آگے۔ کیا لکھا؟

چونکہ یہ شرح نہایت طویل ہو گئی تھی، لہٰذا آپ نے اس شرح کو مختصر کرتے ہوئے چار جلدوں میں اس کا خلاصہ تحریر فرمایا، اور اس کا نام **هِدَايَة** رکھا۔

آپ نے ذوالقعدہ ۵۷۳ ہجری (۵، ۷، ۳) کو بدھ کے روز ہدایہ کی تصنیف کا کام شروع کیا، اور شب و روز انتہا درجے کی محنت کرتے ہوئے تیرہ (۱۳) سال میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

اس مدت کے دوران آپ نے ہمیشہ روزہ رکھا، اور کوشش کی کہ آپ کے روزے کے بارے میں کسی کو خبر نہ ہو۔ چنانچہ خادم گھر سے کھانا لے کر آتا تو آپ اسے فرماتے کہ کھانا رکھ جاؤ۔ جب خادم چلا جاتا تو آپ کسی طالب علم وغیرہ کو بلا کر وہ کھانا اسے کھلا دیتے۔ خادم واپس آ کر برتن خالی دیکھتا تو سمجھتا کہ آپ کھانا کھا چکے ہیں۔

بھائی آپ کیوں آخر یہ آخری کنارے تک سطر کی لکھتے چلے جاتے ہیں؟ ہمیشہ یاد رکھو، جب بھی کوئی چیز لکھو دونوں طرف کچھ نہ کچھ جگہ خالی چھوڑ دیا کرو بھائی۔ اور جب بھی مضمون کوئی لکھیں، دو چار سطریں پانچ سطروں کے بعد پھر نیا پیرا شروع کیا کریں۔ مسلسل تحریر ہو بڑی بری لگتی ہے، انسان کا پڑھنے کو دل ہی نہیں کرتا اس کو۔ پہرے بنالیں، آپ کتابوں وغیرہ سب میں دیکھتے ہوں گے پہرے بنائے ہوتے ہیں چھوٹے چھوٹے بھائی۔ اور دونوں طرف خالی جگہ کو چھوڑیں، اس سے ایک تو تحریر خوبصورت لگتی ہے، اور کبھی پھر ایسا ہوتا ہے کچھ اضافہ کرنا پڑتا ہے یا کچھ تصحیح کرنی پڑتی ہے تو کنارے پر انسان کے پاس جگہ ہوتی ہے آرام سے تصحیح کر لیتا ہے۔

جی، آگے لکھیے: چنانچہ آپ کی اس محنت، عرق ریزی، اور اخلاص پر اللہ جل جلالہ نے یہ انعام نصیب فرمایا کہ آپ کی کتاب کو علماء اور طلباء کی نگاہوں کا مرکز بنا دیا، اور اسے اس قدر مقبولیت نصیب فرمائی کہ سینکڑوں سال سے یہ کتاب مدارسِ دینیہ کے نصاب میں داخل ہے، اور اولیاء اللہ اسے پڑھ رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔ اور یہ فقہِ حنفی کی معتبر ترین کتاب ہے۔

صاحبِ ہدایہ بہت بڑے ادیب بھی تھے۔ عظیم محدث، مفسر، فقیہ، اور جامع العلوم علامہ انور شاہ کشمیری **رَحِمَهُ اللَّهُ** جنہیں اللہ تعالیٰ نے محیر العقول حافظہ اور ذہن نصیب فرمایا تھا، ان کو اللہ نے ایسا عجیب قوی حافظہ نصیب فرمایا تھا اور ایسا ذہن کہ انسان حیران رہتا ہے بھائی۔ کوئی معمولی عبارت کسی کتاب پر نظر ڈال لیتے سرسری سی نظر، تو پچیس تیس سال تک اسے بھولتے نہیں تھے۔ گہری نظر پر تو پھر عمر بھر ہی نہیں بھولتے تھے۔ اور آپ اخبار کا مطالعہ نہیں کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ اخبار نہیں دیکھتے، کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے: اخبار دیکھتا ہوں تو سارا اخبار میرے حافظے میں محفوظ ہو جاتا ہے، تو کیا ضرورت ہے مجھے ان بے کار چیزوں کو ذہن میں محفوظ کرنے کی۔

یہ جو فقہ کی ایک کتاب آپ پڑھتے ہیں قدوری کے ساتھ، کیا نام ہے؟ نور الایضاح۔ اس کے بارے میں بھی یہ روایت سنی ہے کہ آپ مصر تشریف لے گئے تھے، وہاں ایک مکتبے میں یہ کتاب آپ کو ملی۔ تو بڑا کوئی پرانا نسخہ تھا، آپ نے وہیں مکتبے میں بیٹھے بیٹھے جلدی جلدی اس کا مطالعہ کر لیا اور پھر واپس آ کر پوری کتاب کو اپنے حافظے سے لکھ دیا بھائی آپ نے۔ عجیب ذہن تھا۔

جی، لکھیے بھائی آگے۔

كَانَ آيَةً مِنْ آيَاتِ اللَّهِ بِلَا مِرْيَةٍ، وَنَادِرَةً مِنْ نَوَادِرِ الدَّهْرِ بِلَا فِرْيَةٍ۔

معنی سمجھ میں آ رہا ہے عبارت کا بھائی؟ **كَانَ آيَةً مِنْ آيَاتِ اللَّهِ**، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی تھے بھائی، اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، **بِلَا مِرْيَةٍ**: بغیر شک وشبہ کے۔ **وَنَادِرَةً مِنْ نَوَادِرِ الدَّهْرِ**: اور زمانے کی نایاب چیزوں میں سے ایک نایاب چیز تھے، **بِلَا فِرْيَةٍ**: بغیر کسی جھوٹ کے۔ **فِرْيَة** جھوٹ کو کہتے ہیں، یعنی اس بات میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، آپ حقیقتاً زمانے کی نایاب چیزوں میں سے ایک نایاب چیز تھے۔

ہدایہ فقہ کے ساتھ ساتھ ادبی اعتبار سے بھی اس قدر عظیم کتاب ہے، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ — ان سے، ان کو اللہ نے جیسے میں نے بیان کیا، اللہ نے عجیب حافظہ اور عجیب ذہن دیا تھا، اور صرف حافظہ ہی نہیں قوی تھا بلکہ ذہن بھی ایسا تھا کہ جو فوراً چیزوں کا تجزیہ کر لیتا فوراً بھائی۔ ایک صرف حافظے کا قوی ہونا ہے، یہ اور چیز ہے، ایک ذہن کا چیزوں کا تجزیہ کر لینا، کھرے کھوٹے کو الگ کر دینا، اور مختلف چیزوں کو آپس میں ملا دینا، یہ ایک عجیب الگ صلاحیت ہوتی ہے من جانب اللہ کہ انسان فوراً نتیجے تک پہنچ جاتا ہے بھائی، فوراً نتیجے تک۔ مختلف اقوال آئے، وہ تحقیق وغیرہ، وہ سارا کچھ ایک دم ذہن تجزیہ کر کے سارا کچھ سامنے لے آتا ہے کہ کون سی بات صحیح ہے، اس کے یہ دلائل ہیں، فلاں دلائل فلاں جگہ تھے، یہ ساری چیزوں کا تجزیہ ایک دم ذہن کر لیتا ہے بھائی۔ بڑا عجیب ذہن اللہ نے ان کو دیا تھا۔

اور ان سے جب دینی کتابوں کے بارے میں پوچھا جاتا بھائی، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے کہ حضرت! فلاں کتاب جیسی کتاب آپ لکھ سکتے ہیں؟ بڑی بڑی عظیم کتابوں کے بارے میں پوچھا جاتا، تو جواب میں فرماتے: اس سے بہتر لکھ سکتا ہوں۔ کوئی دوسری کوئی کتاب ذکر کی جاتی، پوچھا جاتا کہ حضرت! آپ اس جیسی کتاب لکھ سکتے

ہیں؟ فرماتے: اس سے بہتر لکھ سکتا ہوں، اس سے بدرجہا بہتر لکھ سکتا ہوں۔ لیکن دو چار کتابیں ایسی تھیں جن کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ میں ان جیسی کتاب نہیں لکھ سکتا۔ انہی میں سے ایک کتاب ہدایہ بھی تھی۔ فرماتے تھے: اس جیسی میں چند سطریں بھی نہیں لکھ سکتا۔ اتنی عظیم ادبی کتاب ہے، ادبی اعتبار سے بھی اتنی حسین اور دلکش اور پیاری عبارتیں صاحبِ ہدایہ لے کر آئے ہیں کہ یہ عام انسان کے بس کی بات نہیں بھائی۔

جی، کیا لکھا؟ کہ علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَهُ اللَّهُ ہدایہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب ادبی اعتبار سے اس قدر بلند ہے کہ اس جیسی چند سطریں بھی نہیں لکھ سکتا۔

آگے الگ سطر میں لکھیے بھائی: صاحبِ ہدایہ کی عادت تھی کہ آپ عموماً درس کا آغاز بدھ کے دن فرمایا کرتے تھے، اور اس سلسلے میں یہ حدیث روایت کرتے تھے کہ نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ بدھ کے دن جو کام بھی شروع کیا جائے وہ ضرور پورا ہوتا ہے۔

حدیث کے عربی الفاظ یہ ہیں:

مَا مِنْ شَيْءٍ بُدِئَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ إِلَّا تَمَّ۔

بُدِئَ: ب، د، اوری، ی پر ہمزہ لکھیں، یہ ہمزہ ہے دراصل، ب داوری کے اوپر ہمزہ۔ **الْأَرْبِعَاء:** بدھ کے دن کو کہتے ہیں نا عربی میں، اربعاء کے آخر میں الف اور ہمزہ ہے بھائی۔ **تَمَّ:** ت دو نقطوں والی اور م مشدد)۔ **مَا مِنْ شَيْءٍ بُدِئَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ إِلَّا تَمَّ۔**

صاحبِ ہدایہ کی وفات ۱۴ ذوالحجہ ۵۹۳ ہجری (۵، ۹، ۳) کو پیر کی شب میں ہوئی۔

آپ کو سمرقند میں دفنایا گیا۔

لکھ لیا بھائی؟ جی، بحث مکمل ہوئی۔

تو سمرقند میں اس جبلِ علم کو زمین کے حوالے کر دیا گیا بھائی۔

والد صاحب رَحِمَهُ اللَّهُ جب بڑے علماء کا تذکرہ ہوتا اور ان کی وفات کا ذکر آتا تو فرمایا کرتے تھے: دیکھو بھائی! یہ کتنی بڑی علمی شخصیت تھی جس کو زمین میں دفنا دیا گیا۔ اور پھر اس موقع پر یہ مصرع آپ کی زبان پر آجایا کرتا تھا:

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

دیکھو یہ علم کا ایک آسمان تھا بھائی، اتنا بلند علمی مقام تھا ان کا، لیکن ان کو بھی زمین کھا گئی۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

اور مجھے یاد ہے، جب حضرت شیخ رَحِمَهُ اللَّهُ کا انتقال ہوا اور ان کو دفنایا گیا تو ان کے سارے شاگردوں کی زبان پر یہی مصرع تھا بھائی:

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

چلیے بھائی، اللہ آپ سب کو بڑا عالم بنائے، آمین۔

سبق نمبر ۳:خطبۂ مصنف کی تشریح (الحمد للہ الذي أعلى معالم العلم)
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر ۳:خطبۂ مصنف کی تشریح (الحمد للہ الذي أعلى معالم العلم)

ہدایہ صفحہ:۱۶ــــ بتاریخ:۲۲ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ ابتدائی دعائیں اور تضرع ومناجات

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَعْلَى مَعَالِمَ الْعِلْمِ وَأَعْلَامَهُ، وَأَظْهَرَ شَعَائِرَ الشَّرْعِ وَأَحْكَامَهُ، وَبَعَثَ رُسُلًا وَأَنْبِيَاءَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ إِلَى سَبِيلِ الْحَقِّ هَادِينَ، وَأَخْلَفَهُمْ عُلَمَاءَ إِلَى سَنَنِ سُنَنِهِمْ دَاعِينَ۔ [1]

یہ خطبہ ہے ہدایہ کا۔ صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَعْلَى مَعَالِمَ الْعِلْمِ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے بلند کیا علم کی نشانیوں کو۔ «**أَعْلَى، يُعْلِي، إِعْلَاءً**» کا معنی: بلند کرنا۔ «**مَعَالِم**» جمع ہے «**مَعْلَم**» کی، اور **مَعْلَم** کہتے ہیں نشانِ راہ کو، اسی طرح نشانی کو بھی۔ تو تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے بلند کیا، اونچا کیا علم کی نشانیوں کو، **وَأَعْلَامَهُ:** «**أَعْلَام**» جمع ہے «**عَلَم**» کی، علم علامت کو بھی کہتے ہیں، جھنڈے کو بھی کہتے ہیں، پہاڑ کو بھی کہتے ہیں، اور اسی طرح قوم کے سردار کو بھی۔ «**وَأَعْلَامَهُ**» میں ہا ضمیر راجع ہے علم کو۔ وہ اللہ جس نے بلند کیا علم کی نشانیوں کو اور علم کے جھنڈوں کو۔

معنی سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے بلند کیا علم کی نشانیوں کو اور علم کے جھنڈوں کو۔ علم کی نشانیوں کو بلند کیا یعنی اللہ نے علم کو فضیلت نصیب فرمائی، علم کی پیروی کی جاتی ہے اور اس کا اتباع کیا جاتا ہے۔ اور اعلام، علم کے جھنڈے، اس سے مراد علماء ہیں بھائی۔ علم کے جھنڈوں سے کیا مراد ہیں؟ علماء ہیں، کہ ان کو بھی اللہ نے بلند کیا ہے، ان کو فضیلت نصیب فرمائی ہے، بلند مقام نصیب فرمایا ہے۔

وَأَظْهَرَ شَعَائِرَ الشَّرْعِ: «**أَظْهَرَ**» کا عطف «**أَعْلَى**» پر ہے۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے ظاہر کیا **شَعَائِرَ الشَّرْعِ**۔ «**شَعَائِر**» یہ جمع ہے «**شِعَارَة**» کی، اور بعض علماء لکھتے ہیں یہ جمع ہے «**شَعِيرَة**» کی۔ **شِعَارَة یا شَعِيرَة** علامتی کام کو کہا جاتا ہے، وہ کام جسے بطورِ علامت کے کیا جاتا ہے۔ یہاں **شِعَارَة** اور **شَعِيرَة** کا معنی ہے شریعت کی وہ علامتی عبادت جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہو۔

ایک عام عبادت ہے، ایک وہ عبادت جو علامت ہے بھائی، دیکھنے والوں کو بھی پتہ چلتا ہے یہ مسلمان ہے۔ ایک آپ گھر کے اندر نماز پڑھتے ہیں، ایک مسجد کے اندر باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔ باجماعت نماز کو سب دیکھتے ہیں اور یہ کفر اور اسلام میں فرق کرنے والی ہے۔ جو بھی آپ کو یہ نماز پڑھتا ہوا دیکھے گا، کفار بھی دیکھیں گے وہ سمجھ جائیں گے کہ آپ مسلمان ہیں۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ اسی طرح اذان ہے بھائی، اذان بھی شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ اذان کسی بستی میں ہوئی، آپ کو اذان سنتے ہی پتہ چل گیا معلوم ہوا یہ مسلمانوں کی بستی ہے یا یہاں مسلمان رہتے ہیں بھائی۔ اسی طرح عید کی نماز ہے بھائی، جمعے کی نماز ہے جس میں بڑا جمِ غفیر ہوتا ہے، دیکھنے والوں کو بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ لوگ اہلِ اسلام ہیں بھائی۔ اسی طرح حج ہے وغیرہ بھائی۔ تو شعائرِ اسلام وہ عبادات جو اسلام کے لیے علامت ہیں، بطورِ اشتہار کے، بطورِ شہرت کے یہ فرق کرنے والی ہیں کفر اور اسلام کے اندر بھائی، ان کو دیکھتے ہی پتہ چل جاتا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ تو شعائرِ اسلام وہ عبادتیں جو بطورِ شہرت کے کفر اور اسلام کے اندر فرق کرنے والی ہیں۔

وَأَظْهَرَ شَعَائِرَ الشَّرْعِ: اور وہ اللہ جس نے ظاہر کیا شریعت کے شعائر کو، شریعت کی علامتوں کو، **وَأَحْكَامَهُ:** ہا ضمیر شرع کو راجع ہے، اور شریعت کے احکام کو۔ ظاہر فرمانے کا معنی ہے غالب کرنا، ان کو اللہ نے کیا کر دیا؟ غالب کر دیا۔

آج کل اگرچہ اسلام مغلوب ہے، کفر غالب ہے، مسلمان کمزور ہو چکے، تو اگرچہ ظاہری طور پر مسلمان یا اسلام مغلوب بھی ہو جائے، لیکن یاد رکھیے، دلائل کے میدان میں اسلام ہمیشہ غالب ہے بھائی۔ دلائل کے میدان میں اسلام ہمیشہ غالب ہے۔ تو صاحبِ ہدایہ کے زمانے میں وہ تو ابتدائی زمانے کے قریب تھے، اور اس وقت اسلام کو دنیا

[1] شاملہ (ص ا) میں «سَبِيلِ» کے بجائے «سبل»، شاملہ (ص ا) میں «سُنَنِهِمْ» کے بجائے «سننهم» درج ہے۔

کے اندر بڑی قوت حاصل تھی، بڑی قوت اللہ نے نصیب فرمائی تھی کیونکہ مسلمان اسلام پر چلتے تھے، اس پر عمل کرتے تھے۔ آج جب کہ ہم اسلام سے دور ہو گئے تو اللہ نے کفار کو ہم پر غالب کر دیا۔ اگر مسلمان پھر اللہ کے دین کی طرف لوٹ جائیں، اس پر اسی طرح عمل کرنے لگیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ چند دنوں کے اندر ہی اسلام پھر پوری دنیا پر غالب ہو جائے گا بھائی۔ اللہ ہم سب کو پھر اپنے دین کی طرف کامل طور پر لوٹا دیں، اس پر عمل کرنے والا ہمیں بنا دیں۔

وَأَظْهَرَ شَعَائِرَ الشَّرْعِ وَأَحْكَامَهُ، وَبَعَثَ رُسُلًا وَأَنْبِيَاءَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ: اور بھیجا—وہ اللہ جس نے بھیجا، «**بَعَثَ**» کا عطف «**أَظْهَرَ**» پر یا «**أَعْلَى**» پر ہے—وہ اللہ جس نے بھیجا رسولوں کو اور نبیوں کو۔

ایک ہے رسول اور ایک نبی، فرق دونوں میں آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ رسول وہ پیغمبر جس کو اللہ نے کتاب دی ہو، اور نبی عام ہے بھائی۔ تو رسول ہوا خاص اور نبی ہوا عام۔ ہر رسول نبی ہے، لیکن ہر نبی رسول نہیں۔ بعض علماء نے اس کا عکس قول کیا بھائی، وہ کہتے ہیں رسول عام ہے، نبی خاص ہے۔ نبی صرف انسانوں میں سے ہو سکتا ہے، غیر انسان نبی نہیں، جبکہ رسول فرشتوں میں سے بھی ہو سکتا ہے۔ فرشتوں پر بھی رسل کا اطلاق کیا گیا ہے قرآن کے اندر۔ تو رسول عام ہوا، وہ انسان بھی ہو سکتا ہے اور فرشتہ بھی، جبکہ نبی صرف کیا ہو گا؟ خاص ہے صرف انسان کے۔

اور بھیجا رسولوں کو اور انبیاء کو، **صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ:** اللہ کی رحمتیں ہوں ان سب پر، یہ درمیان میں دعا ہے، جملہ معترضہ ہے بھائی۔ اللہ کی رحمتیں ہوں ان پر سب کے سب پر۔

إِلَى سَبِيلِ الْحَقِّ هَادِينَ: راہِ حق کی طرف ہادین۔ ہادی کسے کہتے ہیں؟ رہنمائی کرنے والا۔ یہ «**هَادِينَ**» یاد رکھیے، صفت ہے رسل اور انبیاء کی۔ اور بھیجا ایسے رسولوں اور انبیاء کو جو ہدایت دینے والے ہیں، جو رہنمائی کرنے والے ہیں۔ کس طرف رہنمائی کرنے والے ہیں؟ **إِلَى سَبِيلِ الْحَقِّ:** راہِ حق کی طرف۔ تو یہ «**إِلَى سَبِيلِ الْحَقِّ**» جار مجرور ہے اور یہ متعلق ہے «**هَادِينَ**» کے ساتھ۔ ہدایت دینے والے ہیں، رہنمائی کرنے والے ہیں کس طرف؟ راہِ حق کی طرف۔ تو یہ «**هَادِينَ**» کو مقدم ہونا چاہیے تھا «**إِلَى سَبِيلِ الْحَقِّ**» پر، لیکن اس کو مؤخر کر دیا رعایتِ سجع کے لیے۔ کس کے لیے؟ رعایتِ سجع کے لیے۔

رعایتِ سجع اس کو کہتے ہیں—آپ ان شاء اللہ مختصر المعانی میں بھی پڑھیں گے—کہ یہ جو نثر، ایک ہوتی ہے نظم (اشعار وغیرہ) اور ایک یہ نثر ہے عام کلام۔ عام کلام کے اندر چھوٹے چھوٹے حصے جملے کے لانا جن کا اختتام ایک جیسے وزن پر اور حروف پر ہو رہا ہو بھائی، تو یہ جو چھوٹے چھوٹے حصے ہیں جملے کے ان کو کہتے ہیں فقرے۔ اور ان کا اختتام ایک جیسے وزن اور حروف پر ہو، یہ ہے رعایتِ سجع۔ تو یہاں پر دیکھیے: «**إِلَى سَبِيلِ الْحَقِّ هَادِينَ**»، «**وَأَخْلَفَهُمْ عُلَمَاءَ إِلَى سَنَنِ سُنَنِهِمْ دَاعِينَ**»۔ دیکھیے یہاں پر «**دَاعِينَ**» آیا تو پہلے کیا آیا تھا؟ «**هَادِينَ**»۔ تو یہ جو چھوٹے چھوٹے حصے ہیں یہ فقرے کہلاتے ہیں اور ان کا اختتام ایک جیسے وزن اور حروف وغیرہ پر ہو۔ تفصیل ان شاء اللہ مختصر المعانی میں پڑھیں گے، میں نے آسان لفظوں میں بیان کر دیا۔ اس کو کہتے ہیں رعایتِ سجع۔ تو ہادین کو اگر یہ مقدم رکھتے تو پھر رعایتِ سجع حاصل نہ ہوتی، اس لیے اس کو مؤخر کر دیا۔

إِلَى سَبِيلِ الْحَقِّ هَادِينَ: رہنمائی کرنے والے ہیں راہِ حق کی طرف۔

وَأَخْلَفَهُمْ: اور ان انبیاء اور رسولوں کا خلیفہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کو بھیجا اور ان کا خلیفہ بنایا، تو ہم ضمیر یہ رسل اور انبیاء کو راجع ہے۔ کس کو خلیفہ بنایا؟ **عُلَمَاءَ:** علماء کو۔

إِلَى سَنَنِ سُنَنِهِمْ دَاعِينَ: یہاں پھر وہی ترکیب، یہ جار مجرور «**إِلَى سَنَنِ سُنَنِهِمْ**» اس کا تعلق کس سے ہے؟ «**دَاعِينَ**» سے ہے، اور داعی کا کیا معنی ہوتا ہے؟ دعوت دینے والا۔ اور یہ «**دَاعِينَ**» صفت ہے علماء کی۔ اور ان کا خلیفہ اور انبیاء کا خلیفہ بنایا ایسے علماء کو جو دعوت دینے والے ہیں **إِلَى سَنَنِ سُنَنِهِمْ**۔

«**سَنَن**» بفتح السین، اس کا معنی ہوتا ہے طرز اور طریقہ۔ اور «**سُنَن**» یہ سین کے ضمہ کے ساتھ، یہ جمع ہے «**سُنَّة**» کی، اور سنت کہتے ہیں طریقۂ خاص کو۔ کسی کا خاص طریقہ ہو کہتے ہیں یہ اس کی سنت ہے، خاص طریقہ بھائی۔ اور اسی طرح سیرت کو بھی کہتے ہیں بھائی سنت۔ تو سنن کا کیا معنی ہوا؟ طرز اور طریقہ، اور سنن کا معنی کر لیں عادات یا سیرت کے طریقے کی طرف۔ ترجمہ یوں کر لیجیے: اور خلیفہ بنایا ان کا ایسے علماء کو جو دعوت دینے والے ہیں ان انبیاء کی سیرت کے طریقے کی طرف، یا ان انبیاء کی عادات کے طریقے کی طرف۔

يَسْلُكُونَ فِيمَا لَمْ يُؤْثَرْ عَنْهُمْ مَسْلَكَ الِاجْتِهَادِ: «**سَلَكَ، يَسْلُكُ**» کے معنی ہوتے ہیں چلنے کے، راستے پر چلنا۔ لیکن یہ عام راستے پر چلنا، ظاہری راستے پر چلنا یہ سلوک نہیں کہلاتا۔ ایک عام آدمی راستے پر چل رہا ہے، سڑک پر چلنا، گلی میں چلنا، یہ سلوک نہیں کہلاتا۔ سلوک کا معنی ہے راستے پر چلنا، لیکن عملی راستہ مراد ہے، جس کا تعلق عمل سے ہو۔ مثلاً استاد آپ کو کوئی باتیں بتلاتا ہے دین کی اور آپ انہی پر چلتے ہیں، تو یہ ہے آپ کا اس راستے پر چلنا جو استاد نے آپ کو بتلایا، یہ سلوک کہلائے گا بھائی۔ تو یہ ظاہری راستے پر چلنا یہ سلوک نہیں ہے، بلکہ عملی راستے پر چلنا یہ سلوک کہلاتا ہے بھائی۔

«**يَسْلُكُونَ**»: یہ یاد رکھیے، صفتِ ثانیہ ہے علماء کی۔ پہلی صفت آئی «**دَاعِينَ**»، دوسری صفت کیا آئی؟ «**يَسْلُكُونَ**»۔ اور علماء اسم ہے، داعین اس کے لیے اسم صفت آئی۔ یسلکون فعل ہے، آپ حیران ہوں گے یہ کیسے صفت ہے؟ علماء لفظ جو آیا یہ ہے نکرہ، اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور یہ فعل جب اپنے فاعل سے مل جائے تو جملہ بن جاتا ہے، اور جملہ بھی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ تو جملہ چاہے جملہ اسمیہ ہو مبتدا خبر سے مل

کر بنا ہو یا جملہ فعلیہ ہو فعل فاعل وغیرہ سے مل کر بنا ہو، وہ نکرہ کے حکم میں ہے اور لہٰذا نکرہ کی صفت بن سکتا ہے۔ تو علماء کا لفظ بھی نکرہ اور یسلکون یہ جملہ فعلیہ یہ بھی نکرہ کے حکم میں اس کی صفتِ ثانیہ بھائی۔

اور ان کا خلیفہ بنایا ایسے علماء کو جو چلتے ہیں **فِيمَا لَمْ يُؤْثَرْ عَنْهُمْ:** ان احکام کے اندر، ان مسائل کے اندر ــــ ما سے کیا مراد ہے؟ مسائل ــــ ان مسائل کے اندر جن کے بارے میں کوئی بات نقل نہیں کی گئی، کوئی روایت نہیں کی گئی عنہم ان انبیاء سے۔ علماء ان مسائل میں جن مسائل کے بارے میں انبیاء سے کوئی روایت نہیں ہے، اس میں چلتے ہیں **مَسْلَكَ الِاجْتِهَادِ:** اجتہاد کے راستے پر چلتے ہیں بھائی۔

اس عبارت کے اندر اشارہ کر دیا صاحبِ ہدایہ نے کہ علماء جو ہیں وہ ہمیشہ انبیاء کے راستے پر چلتے ہیں، ان کی پیروی کرتے ہیں، دوسرے لوگوں کو بھی انبیاء کے طریقے کی طرف بلاتے ہیں، اور اجتہاد صرف وہاں کرتے ہیں جہاں پر انبیاء سے کوئی روایت نہ ہو، منقول نہ ہو۔ اگر انبیاء سے ایک بات ذکر ہو چکی ہے پھر وہاں اجتہاد نہیں کرتے بھائی۔ چلتے ہیں وہ ان مسائل کے اندر جن کے بارے میں کوئی روایت منقول نہ ہو انبیاء سے، اس میں اجتہاد کے راستے پر چلتے ہیں۔

مُسْتَرْشِدِينَ مِنْهُ فِي ذٰلِكَ: یہ حال ہے بھائی، یسلکون کی واو ضمیر سے۔ یہ نہ کہیں یسلکون میں ہم ضمیر ہے، وہ ابتدا میں آپ کو سمجھانے کے لیے بتلایا جاتا تھا، اس کے اندر ہم ضمیر نہیں ہے بلکہ یہ واو جمع مذکر غائب کی ضمیر ہے۔ تو یہ اس سے حال ہے۔ اس حال میں کہ وہ چلتے ہیں اجتہاد کے راستے پر، اس حال میں کہ **مُسْتَرْشِدِينَ:** «**اِسْتَرْشَدَ**» کے معنی ہوتے ہیں رہنمائی لینا۔ اس حال میں کہ وہ رہنمائی لیتے ہیں **مِنْهُ:** ہا ضمیر راجع ہے لفظِ اللہ کو، اللہ سے رہنمائی لیتے ہیں وہ علماء **فِي ذٰلِكَ:** ذلک کے ذریعے اشارہ ہے «**مَا لَمْ يُؤْثَرْ**» کی طرف، یا ذلک اشارہ ہے مسلک الاجتہاد کی طرف۔ اس اجتہاد کے راستے میں وہ کس سے رہنمائی لیتے ہیں؟ اللہ سے۔ یا ان مسائل کے اندر وہ کس سے مدد لیتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ سے، جن میں انبیاء سے روایت نہ ہو۔

وَهُوَ وَلِيُّ الْإِرْشَادِ: اور اللہ ہی ــــ ارشد، یرشد کے معنی رہنمائی کرنا، استرشد کا معنی رہنمائی لینا اور ارشد کے معنی رہنمائی کرنا۔ اور ولی کا معنی صاحب، مالک بھائی۔ اللہ ہی رہنمائی کے صاحب ہیں، رہنمائی کے مالک ہیں، یعنی رہنمائی کرنے والے ہیں، یعنی ہدایت دینے والے ہیں۔ اور اللہ ہی ہدایت دینے والے ہیں۔ «**وَهُوَ وَلِيُّ الْإِرْشَادِ**»: ہو امبتدا، ولی الارشاد خبر، اور خبر بھی آگئی معرفہ۔ اور خبر معرفہ ہو تو وہ عموماً تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ تو یہ ترجمہ نہ کریں اللہ رہنمائی ہدایت دینے والے ہیں، بلکہ اب تخصیص کے ساتھ: اللہ ہی ہدایت دینے والے ہیں۔ اور اللہ ہی ہدایت دینے والے ہیں۔

وَخَصَّ أَوَائِلَ الْمُسْتَنْبِطِينَ بِالتَّوْفِيقِ: «**وَخَصَّ**» اس کا بھی اسی پر «**أَعْلَى**» پر عطف ہے بھائی۔ اور اللہ نے خاص فرمایا **أَوَائِلَ الْمُسْتَنْبِطِينَ:** «**أَوَائِل**» جمع ہے «**أَوَّل**» کی، اول کہتے ہیں پہلے کو۔ اور خاص کیا اللہ نے پہلے استنباط کرنے والوں کو۔ استنباط کے معنی ہوتے ہیں کسی بات میں غور و فکر کر کے نئی بات معلوم کرنا، جیسے شریعت کے اندر قرآن و حدیث میں غور و فکر کر کے احکام معلوم کرنا بھائی، یہ کیا ہے؟ استنباط ہے۔ قرآن و حدیث میں غور و فکر کرنا اور اس سے مسائل نکالنا، یہ ہے استنباط بھائی۔

اور اللہ نے خاص فرمایا پہلے استنباط کرنے والوں کو ــــ پہلے استنباط کرنے والے متقدمین مجتہدین مراد ہیں بھائی، صحابہ میں سے جو گزرے، تابعین میں سے جو گزرے، ائمہ فقہاء میں سے جو گزرے بھائی، اسی میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی آگئے بھائی۔ بین السطور لکھا ہے یعنی ابا حنیفۃ واصحابہ، اوائل المستنبطین سے کیا مراد ہیں؟ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے ساتھی یعنی آپ کے شاگرد جو ہیں وہ مراد ہیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کو عام ہی رکھا جائے بھائی۔ عام ہی رکھا جائے تو اس میں مجتہدین صحابہ بھی آگئے، تابعین بھی آگئے، اور دیگر متقدمین مجتہدین وہ سب اس کے اندر داخل ہو گئے۔

اور خاص کیا اللہ نے پہلے استنباط کرنے والوں کو توفیق کے ساتھ، ان کو خاص کیا یعنی اللہ نے ان کو خاص طور پر یہ توفیق نصیب فرمائی، **حَتَّى وَضَعُوا مَسَائِلَ:** یہاں تک کہ انہوں نے مسائل بنائے بھائی، مسائل وضع کیے۔ یہ جو فقہ کی کتابوں میں آپ مسائل پڑھتے ہیں، یہ ترتیب، یہ طریقہ، اس کی ابتدا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کی۔ صحابہ بھی اجتہاد کرتے تھے، تابعین بھی، لیکن وہ کوئی مسئلہ پیش آتا عموماً تو پھر اس کے بارے میں اجتہاد کرتے۔ امام صاحب اور آپ کے فقہاء نے ہر ممکنہ صورت کے بارے کو پہلے ہی سے کیا کر دیا؟ اس میں استنباط کیا کہ یہ صورت اگر ایسا ہوا تو پھر کیا حکم ہو گا، قرآن و حدیث میں غور کر کے اس کا بھی حکم نکالا۔ پھر اگر اس طرح ہوئی صورت تو پھر کیا ہو گا، اس کا بھی حکم۔ تو یہ اس طریقے سے یہ ترتیب دی۔

حَتَّى وَضَعُوا مَسَائِلَ مِنْ كُلِّ جَلِيٍّ وَدَقِيقٍ: یہاں تک کہ انہوں نے مسائل مدون کیے۔ «**جَلِيّ**» کہتے ہیں ظاہر کو، واضح کو، اور «**دَقِيق**» گہری بات جو آسانی سے سمجھ میں نہ آئے بھائی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مسائل مدون کیے ہر قسم کے ظاہر اور گہرے، ہر قسم کے مسائل مدون کیے، ظاہری مسائل بھی مدون کیے اور گہرے مسائل بھی مدون کیے۔

غَيْرَ أَنَّ الْحَوَادِثَ مُتَعَاقِبَةُ الْوُقُوعِ...

بس بھائی، میرا خیال آج اتنا ہی کافی ہے۔ ایک مرتبہ پھر ترجمہ ذرا دیکھ لیں بھائی، یہ ذرا مشکل ہے:

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے علم کی نشانیوں کو اور علم کے جھنڈوں کو اونچا کیا، اور شریعت کے احکام اور اس کے شعائر کو، اس کی علامتی عبادات کو غالب فرمایا، اور بھیجا رسولوں کو اور انبیاء کو—ان سب پر اللہ کی رحمت نازل ہو—بھیجا ایسے رسولوں اور انبیاء کو جو ہدایت دینے والے ہیں، رہنمائی کرنے والے ہیں حق راستے کی طرف، اور ان انبیاء اور رسولوں کا خلیفہ ایسے علماء کو بنایا جو ان انبیاء کی سیرت کے طریقے کی طرف دعوت دینے والے ہیں، اور چلنے والے ہیں ان مسائل کے اندر جس میں ان انبیاء سے کوئی روایت نہیں ہے اجتہاد کے راستے پر، اس حال میں کہ یہ علماء رہنمائی لینے والے ہیں اللہ سے اس اجتہاد کے راستے میں، اور اللہ ہی ہدایت دینے والے ہیں، اور اللہ نے پہلے استنباط کرنے والوں کو خاص طور پر یہ توفیق دی یہاں تک کہ انہوں نے مسائل کو وضع کیا ہر قسم کے ظاہر بھی اور گہرے بھی۔

چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۴:خطبۂ مصنف (وخص أوائل المستنبطین بالتوفیق) دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر ۴:خطبۂ مصنف (وخص أوائل المستنبطین بالتوفیق)

ہدایہ صفحہ:۱۶—بتاریخ:۲۳ ستمبر ۲۰۱۲ء

وَخَصَّ أَوَائِلَ الْمُسْتَنْبِطِينَ بِالتَّوْفِيقِ حَتَّى وَضَعُوا مَسَائِلَ مِنْ كُلِّ جَلِيٍّ وَدَقِيقٍ، غَيْرَ أَنَّ الْحَوَادِثَ مُتَعَاقِبَةُ الْوُقُوعِ، وَالنَّوَازِلَ يَضِيقُ عَنْهَا نِطَاقُ الْمَوْضُوعِ، وَاقْتِنَاصُ الشَّوَارِدِ بِالِاقْتِبَاسِ مِنَ الْمَوَارِدِ۔

وَخَصَّ أَوَائِلَ الْمُسْتَنْبِطِينَ: اور اللہ نے خاص فرمایا—«**أَوَائِل**» جمع ہے «**أَوَّل**» کی—پہلے استنباط کرنے والوں کو۔ استنباط کا معنی میں نے بیان کیا تھا کہ کسی بات میں غور وفکر کرکے اس سے نئی بات معلوم کرنا، یہ کیا ہے؟ استنباط ہے۔ جیسے قرآن وحدیث میں غور وفکر کرکے اس سے احکام کا نکالنا، یہ استنباط ہے۔

اور اللہ نے خاص فرمایا پہلے استنباط کرنے والوں کو توفیق کے ساتھ، یعنی اللہ نے ان کو خاص طور پر یہ توفیق دی، **حَتَّى وَضَعُوا مَسَائِلَ مِنْ كُلِّ جَلِيٍّ وَدَقِيقٍ:** یہاں تک کہ انہوں نے مدون کیے مسائل من کل جلی، ہر قسم کے ظاہر—جلی کہتے ہیں ظاہر کو، واضح کو، ہر قسم کے ظاہر اور واضح مسائل مدون کیے—ودقیق، دقیق کہتے ہیں گہری بات کو جو غور وفکر کے بغیر سمجھ میں نہ آئے بھائی۔ ہر قسم کے واضح اور گہرے مسائل انہوں نے مدون کیے۔

غَيْرَ أَنَّ الْحَوَادِثَ مُتَعَاقِبَةُ الْوُقُوعِ: «**غَيْرَ**» یہاں استثناء کے لیے آیا ہے، مگر یہ کہ **أَنَّ الْحَوَادِثَ** [«**حَوَادِث**» جمع ہے «**حَادِثَة**» کی، اور واقعہ کو کہتے ہیں، کوئی بات جو نئی پیش آئے وہ کیا ہے؟ وہ واقعہ ہے۔ مگر یہ کہ واقعات جو ہیں **مُتَعَاقِبَةُ الْوُقُوعِ:** متعاقب ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے، مسلسل آنے والے، ایک کے بعد دوسرا۔ تو واقعات جو ہیں متعاقب الوقوع، مسلسل واقع ہونے والے ہیں۔

وَالنَّوَازِلَ: «**نَوَازِل**» جمع ہے «**نَازِلَة**» کی، اور نازلہ کہتے ہیں سخت مصیبت کو، لیکن یہاں اس سے مراد کیا ہیں؟ واقعات، وہی جو حوادث کا معنی ہے وہی نوازل۔ اور واقعات جو ہیں **يَضِيقُ عَنْهَا:** «**ضَاقَ، يَضِيقُ**» کے معنی تنگ ہونا، کہ واقعات جو ہیں کہ تنگ ہیں ان سے، کیا تنگ ہیں؟ **نِطَاقُ الْمَوْضُوعِ۔**

«**نِطَاق**» کہتے ہیں کمر بند کو، وہ چیز یا وہ پیٹی وغیرہ جس کو کمر پر باندھا جائے وہ کیا ہے؟ نطاق ہے۔ «**الْمَوْضُوعِ**»: وضع کیے گئے، پیچھے آیا تھا نا «**حَتَّى وَضَعُوامَسَائِلَ**» یہاں تک کہ انہوں نے مسائل وضع کیے، تو جو مسائل وضع کیے گئے وہ کیا ہوئے؟ موضوع، مفعول کا وزن ہے، وضع کیے ہوئے مسائل۔ تو واقعات جو ہیں کہ تنگ ہو جاتا ہے ان سے **نِطَاقُ الْمَوْضُوعِ،** وضع کیے ہوئے مسائل کا کمر بند۔ یعنی نطاق کا کیا معنی کیا میں نے؟ کمر بند، لیکن مراد ہے یہاں دائرہ، حلقہ، جیسے کمر بند نے ایک مخصوص حصے کا احاطہ کیا ہوتا ہے، اسی طرح دائرے اور حلقے نے بھی کیا کیا ہوتا ہے؟ ایک مخصوص حصے کا احاطہ کیا ہوتا ہے۔

تو واقعات جو ہیں اس سے تنگ ہو جاتا ہے، تنگ ہو گیا اس سے **نِطَاقُ الْمَوْضُوعِ،** وہ وضع کیے ہوئے مسائل کا دائرہ۔ وہ جو مسائل جو انہوں نے وضع کیے تھے ان کا دائرہ تنگ پڑ گیا، ان کا دائرہ کیا ہوا؟ تنگ پڑ گیا۔ بھائی مسائل تو انہوں نے بہت زیادہ وضع کیے، لیکن جتنے بھی وضع کیے، چاہے لاکھ تھے، دو لاکھ تھے، تین لاکھ تھے، دس لاکھ تھے، ہیں تو محدود یا نہیں؟ ایک حد تھی ان کی یا نہیں بھائی؟ ایک حد تھی، محدود تھے، تو واقعات جو ہیں ان سے وضع کیے ہوئے مسائل کا دائرہ تنگ پڑ گیا، نئے نئے واقعات پیش آئے جو اس میں ذکر ہی نہیں تھے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے سب کو بھائی؟

غَيْرَ أَنَّ الْحَوَادِثَ مُتَعَاقِبَةُ الْوُقُوعِ: مگر یہ کہ واقعات جو ہیں وہ مسلسل پیش آنے والے ہیں، **وَالنَّوَازِلَ يَضِيقُ عَنْهَا نِطَاقُ الْمَوْضُوعِ:** اور واقعات جو ہیں کہ تنگ پڑ جاتا ہے ان سے وضع کیے ہوئے مسائل کا دائرہ۔

یہاں دراصل یہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں بتایا کہ اوائلِ مستنبطین جو تھے ان کو اللہ نے خاص طور پر یہ توفیق نصیب فرمائی کہ انہوں نے ہر طرح کے ظاہر اور گہرے مسائل مدون کیے۔ جب انہوں نے ہر طرح کے مسائل مدون کر دیے تو پھر آپ کو یہ کتاب لکھنے کی حاجت کیوں پیش آئی؟ آپ کو یہ کتاب لکھنے کی حاجت کیوں پیش آئی؟ انہوں نے سارا کچھ مدون کر دیا، سارا کچھ مسائل نکال دیے، لکھ دیے تو اس کے بعد اب یہ آگے کتابوں کا سلسلہ جو چل رہا ہے اس کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کیوں یہ کتاب لکھ رہے ہیں؟

تو جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ ہاں، انہوں نے ہر طرح کے گہرے اور ظاہری مسائل مدون کر لیے تھے، لیکن مسائل تو آپ جانتے ہیں اگرچہ وہ بہت زیادہ مسائل انہوں نے مدون کیے، لاکھ تھے، پانچ لاکھ تھے، دس لاکھ تھے، جتنے بھی تھے، لیکن تھے تو محدود، ایک حد تھی ان کی، اور نئی نئی باتیں تو پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ تو اور بھی بہت سی نئی چیزیں پیش آئیں جو ان کے ان وضع کردہ مسائل کے دائرے سے باہر تھیں، وہ دائرہ ان کے لیے تنگ پڑ گیا، وہ نئی پیش آنے والے مسائل کیا تھے؟ اس دائرے سے باہر تھے، نئی باتیں پیش آئیں جو انہوں نے ذکر نہیں کی تھیں۔

غَيْرَ أَنَّ الْحَوَادِثَ مُتَعَاقِبَةُ الْوُقُوعِ: مگر یہ کہ نئے واقعات جو ہیں وہ مسلسل پیش آتے رہتے ہیں، **وَالنَّوَازِلَ يَضِيقُ عَنْهَا نِطَاقُ الْمَوْضُوعِ:** اور نئی باتیں جو ہیں تنگ پڑ جاتا ہے ان سے وضع کیے ہوئے مسائل کا دائرہ۔

وَاقْتِنَاصُ الشَّوَارِدِ: «**اِقْتِنَاص**» جو ہے اس کا معنی ہے شکار کرنا بھائی، شکار کرنا۔ «**الشَّوَارِد**» جمع ہے «**شَارِدَة**» کی، شاردہ کہتے ہیں بدکے ہوئے جانور کو، جو جانور آپ کے قابو سے نکل جائے، بے قابو ہو جائے، اسے کیا کہتے ہیں؟ شاردہ۔ عربی میں کہتے ہیں جب اونٹ قابو سے نکل جائے اور وحشی بن جائے تو کہتے ہیں: **شَرَدَ الْبَعِيرُ،** اونٹ کیا ہوا؟ بے قابو ہو گیا۔

تو شوارد جمع ہے شاردہ کی۔ «**وَاقْتِنَاصُ الشَّوَارِدِ**» کیا ترجمہ ہو گا لفظی؟ اور بے قابو جانوروں کا، وحشی جانوروں کا شکار جو ہے۔ لفظی ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ لیکن یہ تو لفظی ترجمہ ہوا، مراد یہ ہے: شوارد سے مراد ہیں مشکل مسائل۔ جیسے بے قابو جانور کو قابو میں لانا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح بعض مسائل بڑے مشکل اور گہرے ہوتے ہیں، ہر ایک کے لیے ان کو حل کرنا ممکن نہیں ہوتا بھائی۔ اور اقتناص، شکار کرنے سے مراد ہے ان کو حل کرنا بھائی، حل کرنا۔ جانور جب قابو میں آ گیا تو اسی طرح مشکل مسئلہ جب اس میں غور و فکر کیا وہ کیا ہو جائے گا؟ حل ہو جائے گا، جیسے شکار کے ذریعے وہ جانور قابو میں آ جاتا ہے۔

وَاقْتِنَاصُ الشَّوَارِدِ: اور گہرے مسائل کو حل کرنا، **بِالِاقْتِبَاسِ مِنَ الْمَوَارِدِ:** تو «**وَاقْتِنَاصُ الشَّوَارِدِ**» یہ ہے مبتدا، «**بِالِاقْتِبَاسِ مِنَ الْمَوَارِدِ**» یہ کیا ہے؟ اس کی خبر ہے۔

«**اِقْتِبَاس**» کا معنی ہے آگ کا شعلہ حاصل کرنا، آگ حاصل کرنا، **قَبَس** کہتے ہیں آگ کے شعلے کو۔ لیکن یہاں اقتباس حاصل کرنے کے معنی میں ہے، حاصل کرنا۔ «**مِنَ الْمَوَارِدِ**»: «**مَوَارِد**» جمع ہے «**مَوْرِد**» کی، اور مورد کہتے ہیں آنے کی جگہ، جیسے چشمہ ہے، چشمے کے پاس، چشمہ بھی مورد ہے آنے کی جگہ، سارے پیاسے اس کے پاس آئیں گے بھائی۔ یعنی یوں کہیں پائے جانے کی جگہ، کوئی چیز جہاں پائی جائے۔

اور الموارد کے اندر یاد رکھیے، الف لام عوض ہے مضاف الیہ سے، **أَيْ مَوَارِدِ الْأَحْكَامِ،** احکام کے پائے جانے کی جگہیں۔ احکام کے پائے جانے کی جگہیں کون سی ہیں بھائی؟ قرآن اور حدیث بھائی، قرآن اور حدیث۔ تو موارد الاحکام وہی نصوص مراد ہیں، نص اور نصوص، یہ قرآن و حدیث کے لیے لفظ استعمال ہوتا ہے بھائی۔ نصوص میں یہ آیا ہے، کیا معنی ہے؟ نص میں آیا ہے؟ قرآن یا حدیث میں آیا ہے۔ تو موارد سے مراد ہیں نصوص بھائی، احکام کے پائے جانے کی جگہیں، یعنی احکام کے پائے جانے کی جگہوں سے حاصل کرنے کے ساتھ ہو گا۔

اور مشکل مسائل کو حل کرنا، یہ کس طرح ہو گا؟ **بِالِاقْتِبَاسِ مِنَ الْمَوَارِدِ:** نصوص سے، احکام کے پائے جانے کی جگہوں سے اخذ کرتے ہوئے ہو گا، وہاں سے حاصل کرتے ہوئے ہو گا۔ مشکل مسائل کیسے حل ہوں گے؟ کہاں سے اخذ کریں گے ہم ان کو؟ قرآن و حدیث کی روشنی ہی میں حل کریں گے، تو وہاں سے حاصل کرتے ہوئے، وہاں سے اخذ کرتے ہوئے مشکل مسائل حل ہوں گے بھائی۔

وَالِاعْتِبَارُ بِالْأَمْثَالِ: «**اِعْتِبَار**»: «**اِعْتَبَرَ، يَعْتَبِرُ، اِعْتِبَارًا**» کے معنی ہوتے ہیں سبق حاصل کرنا بھائی، سبق حاصل کرنا، عبرت پکڑنا۔ اسی طرح اس کا معنی ہے قیاس کرنا بھائی، قیاس کرنا۔ قیاس بھی کیا ہے بھائی؟ دوسری چیز کو دیکھ کر انسان سبق حاصل کرتا ہے۔

آپ کو پتہ ہے شراب حرام ہے — قیاس کی بات کر رہا ہوں — شراب کیا ہے؟ حرام ہے۔ اس کا حکم نصوص میں آ چکا۔ اب ہیروئن ایک نئی چیز آئی جو اس زمانے میں تھی نہیں، اس کے حکم کا پتہ ہی نہیں، تو اب آپ کیا کریں گے؟ قیاس کریں گے، اس کا حکم نکالنا ہے، تو آپ دیکھیں گے اس جیسی کون سی چیز ہے؟ آپ نے دیکھا اس جیسی چیز شراب ہے، جیسے اس میں نشہ ہے اسی طرح اس کے اندر بھی کیا ہے؟ نشہ ہے۔ اور اس کا حکم کیا تھا؟ حرام، تو وہی حکم اب اس پر بھی لگا دیا۔ تو دیکھو آپ نے اس چیز کو دیکھ کر سبق حاصل کر لیا، پتہ لگ گیا، معلوم ہوا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ ہے قیاس مولانا، قیاس۔

وَالِاعْتِبَارُ بِالْأَمْثَالِ: اور قیاس کرنا مثلوں سے۔ «**أَمْثَال**» جمع ہے «**مِثْل**» اور «**مَثَل**» کی۔ مثل اور مثل کا کیا معنی ہوتا ہے؟ کوئی چیز جو دوسری کے مانند ہو، اس جیسی ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مثل۔ اور قیاس میں بھی کیا کیا جاتا ہے؟ ایک چیز کا حکم نکالتے ہیں اسی کے مثل چیز کو دیکھتے ہوئے۔ ہیروئن کا حکم نکالا کس کو دیکھتے ہوئے؟ کہ شراب اس کے مثل ہے، جب اس کے مثل ہے تو حکم بھی وہی آپ نے لگا دیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ ہے، اس کی جمع ہے مثل کی امثال بھائی۔

وَالِاعْتِبَارُ بِالْأَمْثَالِ: تو امثال کا معنی یہاں کر لیں نظیر بھائی، نظیر۔ اور نظیروں سے قیاس کرنا — شراب کیا ہے؟ ہیروئن کی نظیر ہے، اس کے مثل ہے — اور نظیروں سے قیاس کرنا **مِنْ صَنْعَةِ الرِّجَالِ:** یہ خبر آ گئی۔ «**صَنْعَة**» کہتے ہیں کاریگری کو، ہنر کو، «**الرِّجَال**» مرد بھائی، مراد یہاں کامل مرد ہیں۔ تو نظیروں سے

قیاس کرنا یہ کامل مردوں کا ہنر ہے، یہ کامل مردوں کا کام ہے۔ ہر ایک نظیروں سے قیاس نہیں کر سکتا بھائی، قیاس کرنا کس کا کام ہے؟ مجتہدین کا کام ہے، اور وہ کامل مرد ہیں بھائی۔

وَبِالْوُقُوفِ عَلَى الْمَآخِذِ يُعَزُّ عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ: «**وُقُوف**»: «**وَقَفَ، يَقِفُ، وُقُوفًا**» کے معنی ٹھہرنے کے، رکنے کے، اور اسی طرح اس کا معنی ہے واقف ہونا، جان لینا۔ یہاں جان لینے کے معنی میں ہے۔ «**مَآخِذ**» جمع ہے «**مَأْخَذ**» کی، جہاں سے کسی چیز کو اخذ کیا جائے، لیا جائے۔ «**مَآخِذ**» احکام کے مآخذ، وہی قرآن وحدیث، یعنی دلائل۔ واقف ہونا، مطلع ہونا دلائل پر۔

«**يُعَزُّ عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ**»: یہ حال ہے بھائی، اس حال میں کہ «**عَضَّ، يَعَضُّ**» کے معنی دانتوں سے کسی چیز کو پکڑنا۔ «**نَوَاجِذ**» کہتے ہیں داڑھوں کے دانت۔ اور یہ عربی میں محاورہ ہے، کوئی شخص جب کسی چیز کو مضبوطی سے تھام لے تو کہتے ہیں اس نے اس کو داڑھ کے ساتھ تھام لیا۔ کنایہ ہے عربی میں کسی چیز کو مضبوطی سے تھامنا۔

تو وہ مآخذ، اس حال میں کہ جن کو تھاما جاتا ہے دانتوں کے ساتھ، یعنی ایک مسئلہ ہے، آپ نے اس میں غور کیا اور بڑی مدت غور کے بعد، بڑی محنت کے بعد بالآخر آپ کو دلیل اس کی ملی، اور دلیل سے وہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اب جب مشکل کے بعد آپ نے اس مسئلے کو حل کیا ہے، تو کیا آپ اس کی دلیل کو اب ہمیشہ یاد رکھیں گے یا نہیں رکھیں گے؟ آپ ہمیشہ اس کو یاد رکھیں گے۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ وہ مآخذ، وہ دلیلیں جو ہیں اس حال میں کہ ان کو مضبوطی سے تھاما جاتا ہے۔ جب انسان دلیل پر مطلع ہوتا ہے، اور وہ بھی مشکل کے بعد اس پر مطلع، تو پھر اس کو کوشش کرتا ہے بھولے نہ بھائی، ہمیشہ اس کو یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو دانتوں سے تھامنے کا کیا معنی ہے؟ مراد کیا ہے؟ ان کو مضبوطی سے یاد رکھتا ہے۔

اور قیاس کرنا دلیلوں پر مطلع ہو کر، جن کو مضبوطی سے تھاما جاتا ہے، یہ کامل مردوں کا کام ہے۔

وَقَدْ جَرَى عَلَيَّ الْمَوْعِدُ فِي مَبْدَإِ بِدَايَةِ الْمُبْتَدِي: اور تحقیق جاری ہوا تھا مجھ پر وعدہ — «**مَوْعِد**» مصدر ہے وعد کے معنی میں — تحقیق جاری ہوا تھا مجھ پر وعدہ، یعنی میں نے وعدہ کیا تھا، بدایۃ المبتدی کے شروع میں، **أَنْ أَشْرَحَهَا بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى:** کہ میں اس کی شرح کروں گا اللہ کی توفیق سے، **شَرْحًا أَرْسُمُهُ بِكِفَايَةِ الْمُنْتَهَى:** ایسی شرح جس کا نام میں کفایۃ المنتہی رکھوں گا۔ «**رَسَمَ، يَرْسُمُ**» کے معنی ہوتے ہیں لکھنے کے، یہاں مراد ہے نام رکھنا۔ جس کا نام میں کفایۃ المنتہی رکھوں گا۔ صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ بدایۃ المبتدی کی ابتدا کے اندر میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں بدایۃ المبتدی کی شرح لکھوں گا اللہ کی توفیق سے، ایسی شرح جس کا نام کفایۃ المنتہی ہو گا۔

فَشَرَعْتُ فِيهِ: تو پس میں اس میں شروع ہوا، اس شرح کے کرنے میں شروع ہوا۔

وَالْوَعْدُ يُسَوِّغُ بَعْضَ الْمَسَاغِ: اور وعدہ کچھ کام کو آسان کر دیتا ہے۔ بھائی ایک کام بڑا مشکل ہو انسان کے لیے دشوار ہو، لیکن جب کسی سے وعدہ کر بیٹھے تو اب دل میں یہ خیال آتا ہے کہ میں نے تو وعدہ کر لیا ہے اب کرنا تو ہے، تو پھر کچھ نہ کچھ آسان لگتا ہے بھائی۔ تو یہی صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں بطورِ عاجزی کے یہ عبارت لے کر آئے کہ اگرچہ مجھ میں تو اہلیت نہیں ہے میں اس قابل تو نہیں ہوں کیونکہ موارد پر مطلع ہونا اور ان سے مسائل کا نکالنا یہ کامل مردوں کا کام ہے، یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، لیکن میں وعدہ کر بیٹھا تھا کیا کرتا، اور وعدے کی وجہ سے کام کچھ نہ کچھ آسان ہو جاتا ہے، تو میں اس میں شروع ہوا۔

وَحِينَ أَكَادُ أَتَّكِئُ عَنْهُ اتِّكَاءَ الْفَرَاغِ: اور جس وقت کہ میں قریب ہوا کہ تکیہ لگاؤں اس سے فارغ ہو کر — «**اِتَّكَأَ**» کے معنی ہوتے ہیں تکیہ لگانے کے، انسان جب کسی کام کو پورا کر لیتا ہے تو پھر کسی چیز سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا ہے، تھک گیا ہے تو اب کیا کرے گا وہ؟ ٹیک لگا کر بیٹھ جائے گا۔ تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: اور جس وقت کہ میں قریب ہوا کہ اس سے فارغ ہو کر تکیہ لگاؤں، یعنی اس کے پورا ہونے کے قریب پہنچ گئی، تقریباً پوری ہو گئی —

تَبَيَّنْتُ فِيهِ: تو مجھے معلوم ہوا اس شرح میں، **نَبْذًا مِنَ الْإِطْنَابِ:** کچھ طوالت۔ «**نَبْذ**» کا معنی ہوتا ہے تھوڑا سا، معمولی سا، اور «**إِطْنَاب**» کہتے ہیں طوالت کو، تو مجھے اس میں کچھ طوالت معلوم ہوئی بھائی۔ کتنی جلدوں میں تھی وہ کفایۃ المنتہی؟ اسی (۸۰) جلدوں میں تھی، تو کہتے ہیں جب میں اختتام کے قریب پہنچا تو مجھے وہ شرح کچھ طویل لگی بھائی۔

یاد رکھیے، علمِ بلاغت میں آپ پڑھیں گے مختصر المعانی میں: ایک ہے اطناب، ایک ہے تطویل۔ اطناب کا معنی بھی طوالت، تطویل کا معنی بھی طوالت، لیکن فرق یہ ہے دونوں کے اندر کہ تطویل جو طوالت ہے وہ بغیر فائدے کے ہے، ایک بات آپ نے کرنی تھی چار لفظوں میں آپ نے پانچ لفظ استعمال کر دیے، بات آپ نے لمبی کر دی اور اس زائد لفظ کا کوئی فائدہ بھی نہیں، اور آپ نے بات کرنی تھی وہ مسئلہ ادا ہو سکتا تھا چار لفظوں میں آپ نے کتنے استعمال کر لیے؟ چھ کر لیے یا دس کر لیے، لیکن وہ جو زائد لفظ ایک یا دو استعمال کیے وہ بھی فائدے سے خالی نہیں، ان کا بھی کچھ نہ کچھ زائد فائدہ تھا۔ تو یہ ہے اطناب، اور بغیر فائدے کے زائد لفظ ہو تو یہ تطویل ہے۔ صاحبِ ہدایہ اطناب کا لفظ لائے، اشارہ کر دیا اگرچہ اس میں طوالت تھی لیکن وہ طوالت بھی فائدے سے خالی نہیں تھی، اس میں فائدے تھے بڑے۔ تو کہتے ہیں: «**تَبَيَّنْتُ فِيهِ نَبْذًا مِنَ الْإِطْنَابِ**» تو معلوم ہوا مجھے اس میں کچھ طوالت معلوم ہوئی۔

چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر۵:خطبۂ مصنف(تسمیۂ ہدایہ اور منہج تالیف)

ہدایہ صفحہ:۱۶—بتاریخ:۲۴ستمبر ۲۰۱۲ء

وَخَشِيتُ أَنْ يُهْجَرَ لِأَجْلِهِ الْكِتَابُ، فَصَرَفْتُ عِنَانَ الْعِنَايَةِ إِلَى شَرْحٍ آخَرَ مَوْسُومٍ بِالْهِدَايَةِ، أَجْمَعُ فِيهِ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى بَيْنَ عُيُونِ الرِّوَايَةِ وَمُتُونِ الدِّرَايَةِ، تَارِكًا لِلزَّوَائِدِ فِي كُلِّ بَابٍ، مُعْرِضًا عَنْ هٰذَا النَّوْعِ مِنَ الْإِسْهَابِ، مَعَ مَا أَنَّهُ يَشْتَمِلُ عَلَى أُصُولٍ يَنْسَحِبُ عَلَيْهَا فُصُولٌ۔ [1]

ہدایہ کا خطبہ چل رہا ہے۔ گزشتہ سبق کے آخر میں آپ نے پڑھا کہ صاحبِ ہدایہ فرمارہے تھے کہ بدایۃ المبتدی کی ابتدا میں میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کی شرح کروں گا اللہ کی توفیق سے جس کا نام کفایۃ المنتہی ہوگا، تو میں اس میں شروع ہوا اور وعدہ کچھ آسانی کر دیتا ہے۔ اور جس وقت کہ قریب تھا کہ میں اس سے فارغ ہو کر تکیہ لگاؤں، یعنی اس کو مکمل کر دوں، «**تَبَيَّنْتُ فِيهِ نَبْذًا مِنَ الْإِطْنَابِ**» تو مجھے اس میں کچھ طوالت معلوم ہوئی۔

وَخَشِيتُ: «**خَشِيَ، يَخْشَى**» کا معنی خوف ہونا، ڈرنا۔ اور مجھے ڈر ہوا، خوف ہوا، **أَنْ يُهْجَرَ لِأَجْلِهِ الْكِتَابُ:** کہ چھوڑ دیا جائے اس طوالت کی وجہ سے کتاب کو۔

«**الْكِتَاب**» سے مراد یا تو کفایۃ المنتہیٰ ہے، کہ یہ بڑی طویل ہو گئی ہے تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں طوالت کی وجہ سے اس کو چھوڑ ہی نہ دیا جائے، طلباء و علماء یہ نہ کہیں کہ اس کو کون پڑھے، اتنی لمبی کتاب ہے۔ لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس سے مراد ہے بدایۃ المبتدی، وہ جو کفایۃ المنتہی کا متن تھا، وہ جو میں نے قدوری اور جامع صغیر کو ان سے جمع کر کے، ترتیب دے کر ایک بہترین اور جامع متن بنایا تھا، تو مجھے خوف ہوا کہ اس کفایۃ المنتہیٰ کی بے انتہا طوالت کی وجہ سے کہیں اس متن کو بھی طلباء و علماء نہ چھوڑ دیں، کہ یہ متن اس کی تو اتنی لمبی شرح ہے، کون ساری اس شرح کو دیکھے اس کو سمجھنے کے لیے۔

وَخَشِيتُ أَنْ يُهْجَرَ لِأَجْلِهِ الْكِتَابُ: اور مجھے خوف ہوا کہ چھوڑ دیا جائے اس طوالت کی وجہ سے کتاب کو، **فَصَرَفْتُ:** «**صَرَفَ، يَصْرِفُ**» کے معنی پھیرنے کے، تو میں نے پھیر دیا، **عِنَانَ الْعِنَايَةِ:** «**عِنَان**» کہتے ہیں لگام کو، اور «**الْعِنَايَة**» کہتے ہیں توجہ کو، تو میں نے پھیر دیا توجہ کی لگام کو، **إِلَى شَرْحٍ آخَرَ:** ایک دوسری شرح کی طرف، یعنی میں نے اپنی توجہ ایک دوسری شرح کی طرف کر لی۔ **مَوْسُومٍ بِالْهِدَايَةِ:** جو کس نام سے موسوم ہو؟ ہدایہ کے نام سے موسوم ہو، یعنی جس کا نام ہدایہ رکھا گیا ہو۔ تو میں نے اپنی توجہ ایک دوسری شرح جس کا نام ہدایہ ہو اس کی طرف پھیر لی۔

فَصَرَفْتُ عِنَانَ الْعِنَايَةِ: تو میں نے پھیر دیا توجہ کی لگام کو۔ صاحبِ ہدایہ کا فصیح و بلیغ خطبہ چل رہا ہے، یہاں انہوں نے عنایت یعنی توجہ کو تشبیہ دی ہے گھوڑے کے ساتھ، یا یوں کہیں سواری کے ساتھ۔ تو یہ استعارہ بالکنایہ ہوا۔ کس کو تشبیہ دی؟ توجہ کو، تو یہ توجہ کیا ہوئی؟ مشبہ، اور کس کے ساتھ تشبیہ دی؟ سواری کے ساتھ، تو وہ ہوا مشبہ بہ۔ اور مشبہ ذکر ہے، مشبہ بہ محذوف ہے، سواری کا ذکر ہے کہیں؟ نہیں۔ تو مشبہ ذکر ہو اور مشبہ بہ محذوف ہو، یعنی یوں کہیں تشبیہ دل میں دی ہے، مشبہ ذکر کر دیا اور مشبہ بہ کو حذف کر دیا، تو یہ یاد رکھیے استعارہ بالکنایہ کہلاتا ہے۔

اب ہمیں کیسے پتہ چلا کہ انہوں نے دل کے اندر تشبیہ دی ہے؟ کوئی آپ عالم الغیب تو ہیں نہیں، تو اس کے لیے قرینہ چاہیے۔ تو یہ جو عنان کا لفظ ہے، یہ قرینہ ہے، یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں پر توجہ کو تشبیہ دی گئی ہے سواری کے ساتھ۔ کیوں؟ کیونکہ لگام سواری کی اور گھوڑے کی ہوا کرتی ہے، توجہ کی تو کوئی لگام نہیں ہوا کرتی۔ تو یہ جو قرینہ ہے یہ استعارہ تخییلیہ کہلاتا ہے۔ استعارہ تخییلیہ کسے کہتے ہیں؟ مشبہ بہ کے لازم کو مشبہ کے لیے ثابت کرنا۔ سواری کے ساتھ لگام لازم ہے، اس لازم کو کس کے لیے ثابت کر دیا؟ مشبہ یعنی توجہ کے لیے۔

اور پھر اس سواری کے مناسب ہے کہ اس کو دائیں بائیں پھیرا جائے، جس طرف جانا ہو سواری کو اس طرف پھیرا جاتا ہے۔ تو مشبہ بہ کے مناسب کو عبارت میں ذکر کرنا یہ ہے استعارہ ترشیحیہ۔ تو ایک ہوا استعارہ بالکنایہ (مشبہ ذکر ہو، مشبہ بہ ذکر نہ ہو)، ایک استعارہ تخییلیہ (مشبہ بہ کے لازم کو مشبہ کے لیے ثابت کرنا)، اور ایک استعارہ

[1] شاملہ (ص۱) میں «**عِنَانَ الْعِنَايَةِ**» کے بجائے «**العنان والعناية**»، شاملہ (ص۱) میں «**بِالْهِدَايَةِ**» کے بجائے «**بـ الهداية**» درج ہے۔

ترشیحیہ ہوا کہ مشبہ بہ کے مناسب کو عبارت میں مشبہ کے لیے ذکر کرنا۔

فَصَرَفْتُ عِنَانَ الْعِنَايَةِ إِلَى شَرْحٍ آخَرَ مَوْسُومٍ بِالْهِدَايَةِ: تو میں نے توجہ کی لگام کو ایک دوسری شرح کی طرف پھیر دیا جو موسوم ہو ہدایہ کے نام کے ساتھ۔

أَجْمَعُ فِيهِ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى: جمع کروں گا اس میں میں اللہ کی توفیق سے، **بَيْنَ عُيُونِ الرِّوَايَةِ وَمُتُونِ الدِّرَايَةِ۔**

«عُيُونُ الرِّوَايَةِ»: «عَيْنُ الشَّيْءِ» کہتے ہیں عمدہ چیز کو، پسندیدہ چیز کو۔ اور روایت اصطلاحِ فقہاء کے اندر وہ فرعی مسائل جو پچھلے مجتہدین سے منقول ہوں۔ اصطلاحِ فقہ کے اندر روایت کس کو کہتے ہیں؟ وہ فرعی مسئلہ جو گزشتہ مجتہدین سے منقول ہو اس کو روایت کہتے ہیں۔ تو عیون الروایۃ یعنی عمدہ روایتیں، جو منقول ہیں پچھلے مجتہدین سے، وہ اس میں جمع کروں گا۔

«وَمُتُونِ الدِّرَايَةِ»: درایت کہتے ہیں علم کو، عقل و فہم کو، اور متن کہتے ہیں کمر کو، پشت کو۔ تو **«مَتْنُ الشَّيْءِ»** کہتے ہیں کسی چیز کا مضبوط حصہ، جیسے انسان کی مضبوطی بھی کمر کے ذریعے ہے۔ تو اس میں جمع کروں گا عمدہ روایتیں اور مضبوط درایت، یعنی مراد ہیں یہاں دلائل، دلائلِ عقلیہ کہہ لیں۔ اس میں میں عمدہ روایتیں اور مضبوط دلائلِ عقلیہ جمع کروں گا اس ہدایہ کے اندر۔

تَارِكًا لِلزَّوَائِدِ: «تَارِكًا» یہ حال واقع ہو رہا ہے **«أَجْمَعُ»** کی ضمیر سے، اس حال میں کہ میں چھوڑنے والا ہوں گا، **لِلزَّوَائِدِ:** زائد چیزوں کو، **فِي كُلِّ بَابٍ:** ہر باب میں۔ میں ہدایہ شرح لکھوں گا، عمدہ روایتیں اور مضبوط دلائلِ نقلیہ و عقلیہ اس کے اندر ذکر کروں گا، لیکن کیا کروں گا؟ ہر باب میں زائد باتوں کو چھوڑ دوں گا۔

مُعْرِضًا عَنْ هٰذَا النَّوْعِ مِنَ الْإِسْهَابِ: یہ بھی اسی طرح حال ہے تارکاً کی طرح، اس حال میں کہ میں اعراض کرنے والا ہوں گا، پہلو تہی کرنے والا ہوں گا اس نوع سے، **مِنَ الْإِسْهَابِ: «أَسْهَبَ، يُسْهِبُ، إِسْهَابًا»** کہتے ہیں لمبی بات کرنا، طویل بات کرنا۔ اس حال میں کہ میں اعراض کرنے والا ہوں گا، پہلو تہی کرنے والا ہوں گا اس قسم کی لمبی بات سے جو میں نے کس کے اندر کی تھی؟ کفایۃ المنتہی میں کی تھی، اس قسم کی لمبی باتوں سے میں اعراض کرنے والا ہوں گا اس میں۔

مَعَ مَا أَنَّهُ يَشْتَمِلُ عَلَى أُصُولٍ: یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ جب آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اس میں ہر باب میں زائد باتیں چھوڑنے والا ہوں گا اور اس قسم کی لمبی باتوں سے اعراض کرنے والا ہوں گا، تو پھر تو اس کتاب کے اندر ہدایہ کے اندر کوئی خاص چیز نہ ہوئی ہو گی، بہت سی باتیں رہ جائیں گی۔ تو جواب دے رہے ہیں: **«مَعَ مَا أَنَّهُ يَشْتَمِلُ عَلَى أُصُولٍ»** باوجود اس کے کہ وہ مشتمل ہو گی ایسے اصولوں پر، ایسے قواعد وضوابط پر، **يَنْسَحِبُ عَلَيْهَا فُصُولٌ:** کہ جس پر متفرع ہوں گے فصول، یعنی فرعی مسائل۔ اصول اصل کی جمع ہے، قواعد وضوابط۔ **«اِنْسَحَبَ، يَنْسَحِبُ»** کا معنی ہوتا ہے گھسٹنا، کھچنا، الگ ہونا، متفرع ہونا۔ تو اس پر متفرع ہوں گے، اس سے نکلیں گے، کیا نکلیں گے اس پر؟ فصول۔ فصل کا معنی ہوتا ہے جدا ہونا، تو مراد مختلف قسم کے فرعی مسائل ہیں جو ہر ایک دوسرے سے الگ ہو گا۔

مَعَ مَا أَنَّهُ يَشْتَمِلُ عَلَى أُصُولٍ يَنْسَحِبُ عَلَيْهَا فُصُولٌ: باوجود اس کے کہ وہ شرح مشتمل ہو گی ایسے اصول وضوابط پر کہ جن سے اور فرعی مسائل ان سے نکل سکیں گے۔ یعنی اس کتاب کے اندر اگرچہ میں زائد باتوں کو چھوڑ دوں گا، لمبی بات نہیں کروں گا، لیکن اس کے باوجود یہ ایسے قواعد وضوابط کو جامع ہو گی اور اس کے اندر جمع ہوں گے جس سے آگے اور فرعی مسئلے نکالے جا سکیں گے، معلوم کیے جا سکیں گے۔

وَأَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يُوَفِّقَنِي لِإِتْمَامِهَا: اور میں سوال کرتا ہوں اللہ سے، میں درخواست کرتا ہوں اللہ سے کہ وہ مجھے توفیق دے اس ہدایہ کے پورا کرنے کی، **وَيَخْتِمَ لِي بِالسَّعَادَةِ بَعْدَ اسْتِتْمَامِهَا:** اور میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرا خاتمہ فرمائے نیک بختی کے ساتھ، یعنی میرا اللہ اچھا انجام فرمائے اس ہدایہ کے پورا ہو جانے کے بعد۔ اللہ مجھے اس کے پورا کرنے کی توفیق دے اور اس کے پورا ہو جانے کے بعد اللہ میرا انجام اچھا فرمائے۔

حَتَّى إِنَّ مَنْ سَمَتْ هِمَّتُهُ: «حَتَّى» کے بعد یہاں **اِنّ** پڑھنا ہے، انّ نہیں۔ علامہ عینی جنہوں نے شرح لکھی ہے مشہور شرح ہدایہ کی، **«البنایۃ»**، وہ اس شرح کے اندر لکھتے ہیں کہ یہ حتی تعلیلیہ ہے، یعنی ماقبل کی علت بیان کر رہا ہے۔ تو یہ جو آگے جملہ آ رہا ہے اس میں ماقبل کی وہ علت اور وجہ بیان کر رہے ہیں: **حتّٰی،** تاکہ اس وجہ سے، **إِنَّ مَنْ سَمَتْ هِمَّتُهُ: «سَمَا، يَسْمُو»** کے معنی بلند ہونا۔ تاکہ جس کی ہمت بلند ہو، **إِلَى مَزِيدِ الْوُقُوفِ:** مزید واقفیت کی طرف، جو زیادہ جاننا چاہتا ہے جس کی ہمت بلند ہے، **يَرْغَبُ فِي الْأَطْوَلِ وَالْأَكْبَرِ:** تو وہ راغب ہو گا، وہ رغبت کرے گا اس کے اندر جو زیادہ طویل ہے اور جو زیادہ بڑی ہے، یعنی کفایۃ المنتہی میں۔

دو شرحیں ہو جائیں گی: ایک کفایۃ المنتہی جو اطول بھی ہے اور اکبر بھی ہے، اور ایک ہدایہ ہے۔ تو یہ علت بیان کر رہے ہیں تاکہ جس کی ہمت اونچی ہو وہ رغبت کرے گا لمبی اور بڑی شرح میں۔

وَمَنْ أَعْجَلَهُ الْوَقْتُ عَنْهُ: اور جس شخص کو وقت جلدی کروائے اس سے، یعنی جس کے پاس وقت تنگ ہو، اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ وہ زائد واقفیت حاصل کر سکے یعنی اس لمبی شرح کا مطالعہ کر سکے، **يَقْتَصِرُ عَلَى الْأَصْغَرِ وَالْأَقْصَرِ:** وہ اکتفاء کرے گا چھوٹی اور کم لمبی شرح پر۔ **«أَصْغَر»** اکبر کے مقابلے میں آیا، اور

«أَقْصَر» اطول کے مقابلے میں آیا۔

وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشَقُونَ مَذَاهِبُ: «عَشِقَ، يَعْشَقُ» کے معنی چاہنا۔ اور لوگوں کے لیے ان چیزوں میں جن کو وہ چاہتے ہیں، پسند کرتے ہیں، مختلف طریقے ہیں۔ یعنی ہر ایک کی اپنی اپنی پسند ہوا کرتی ہے۔ کسی کو طویل بات پسند ہوتی ہے، کسی کو مختصر بات پسند ہوتی ہے، تو دونوں شرحیں ہوں گی۔ جس کے پاس وقت ہو گا، وہ زیادہ واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ لمبی شرح دیکھے گا، جس کے پاس وقت تنگ ہے وہ ہدایہ کی طرف جائے گا۔

وَالْفَنُّ خَيْرٌ كُلُّهُ: اور یہ فن، الف لام عہدِ خارجی کا ہے، فن سے مراد فنِ فقہ ہے۔ اور یہ فنِ فقہ جو ہے، خیر کلہ، سارا کا سارا ہی اچھا ہے۔ یہ اب ابھار رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، ترغیب دے رہے ہیں کہ فن سارا کا سارا ہی اچھا ہے، لہٰذا انسان کو اس فن کو حاصل کرنا چاہیے۔

ثُمَّ سَأَلَنِي بَعْضُ إِخْوَانِي: پھر درخواست کی مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے—مراد دینی بھائی ہیں، بعض ساتھیوں نے کہا—**أَنْ أُمْلِيَ عَلَيْهِمُ الْمَجْمُوعَةَ الثَّانِيَةَ:** کہ میں ان کو املا کرواؤں، املا یعنی لکھوانا، کہ میں ان کو املا کرواؤں دوسرے مجموعے کی یعنی ہدایہ کی۔

فَافْتَتَحْتُهُ مُسْتَعِينًا بِاللَّهِ تَعَالَى: پس میں نے اس کا افتتاح کیا، اس کو شروع کیا اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے، **فِي تَحْرِيرِ مَا أُقَاوِلُهُ:** اس چیز کے لکھنے میں جو میں کلام کروں، جو میں بحث کروں۔ اس کے لکھنے میں میں اللہ سے مدد طلب کرنے والا ہوں، **مُتَضَرِّعًا إِلَيْهِ فِي التَّيْسِيرِ لِمَا أُحَاوِلُهُ:** اس حال میں کہ میں عاجزی کرنے والا ہوں اللہ کی طرف اس چیز کے آسان کرنے میں جس کا میں ارادہ کرتا ہوں۔ «حَاوَلَ، يُحَاوِلُ» کا معنی ارادہ کرنا۔

إِنَّهُ الْمُيَسِّرُ لِكُلِّ عَسِيرٍ: یقیناً وہ اللہ آسان کرنے والے ہیں ہر مشکل کو، **وَهُوَ عَلَى مَا يَشَاءُ قَدِيرٌ:** اور وہ جو کچھ چاہے اس پر قادر ہے، **وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيرٌ:** اور اللہ قبول کرنے کے لائق ہے۔ ہم نے یہ دعا کی ہے اور اللہ کی ذات اس لائق ہے کہ وہ ہماری دعا کو قبول فرمائے، رد نہ فرمائے۔

وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ: اور اللہ ہمارے لیے کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز ہیں۔

چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

کتاب الطھارات

از فرضیتِ وضو و احکامِ طہارت تا احکامِ نجاست

سبق نمبر ٦: کتاب الطہارات: فرضیتِ وضو اور آیتِ وضو کی تفسیر

بتاریخ: ۲۷ ستمبر ۲۰۱۲ء

▪ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

كِتَابُ الطَّهَارَاتِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ الآية۔

فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْأَعْضَاءِ الثَّلَاثَةِ وَمَسْحُ الرَّأْسِ بِهٰذَا النَّصِّ، وَالْغَسْلُ هُوَ الْإِسَالَةُ، وَالْمَسْحُ هُوَ الْإِصَابَةُ۔ [1]

ہدایہ کے اندر آج ہم کتاب الطہارات شروع کر رہے ہیں۔ ہدایہ عجیب مبارک اور پیاری کتاب ہے اور اس میں اللہ نے عجیب برکت اور انوارات رکھے ہیں، ان شاء اللہ آپ بھی محسوس کریں گے ہدایہ کی لذت اور اس کے انوارات کو، ان شاء اللہ۔

كِتَابُ الطَّهَارَاتِ: طہارات جمع ہے طہارت کی، اور طہارت جو ہے عربی زبان میں کہتے ہیں:

اَلنَّظَافَةُ عَنِ الْأَقْذَارِ وَالْأَوْسَاخِ، سَوَاءٌ كَانَتْ حِسِّيَّةً أَوْ مَعْنَوِيَّةً۔

تو طہارت عربی زبان میں کہتے ہیں پاکی حاصل کرنا گندگیوں اور میل کچیل سے، چاہے وہ گندگی اور میل کچیل حسی ہو یعنی آنکھوں سے نظر آنے والی ہو، محسوس ہونے والی ہو، یا معنوی ہو جیسے گناہ وغیرہ۔ اور طہارت کے مقابلے میں نجاست کا لفظ آتا ہے۔ نجاست عربی زبان میں ہر گندگی کو کہتے ہیں، چاہے وہ حسی ہو یا معنوی ہو۔ حسی جو آنکھوں سے دکھائی دے جیسے خون ہے، پیشاب وغیرہ، اور معنوی جیسے گناہ وغیرہ۔

تو لہٰذا طہارت عربی زبان میں پاکی حاصل کرنا گندگی اور میل کچیل سے، چاہے وہ گندگی اور میل کچیل حسی ہو یا معنوی ہو جیسے گناہ وغیرہ۔

اور اصطلاحِ شریعت میں، یعنی فقہ کے اندر، طہارت جو ہے وہ کہتے ہیں:

اَلنَّظَافَةُ عَنْ حَدَثٍ أَوْ خَبَثٍ۔

اَلْحَدَثُ: هُوَ أَمْرٌ مَعْنَوِيٌّ، وَيُقَالُ لَهُ: نَجَاسَةٌ حُكْمِيَّةٌ۔

اور حدث یہ امر معنوی ہے اور اسے نجاستِ حکمیہ بھی کہتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کا وضو ٹوٹ گیا، اب بظاہر اس کے بدن پر کوئی نجاست نہیں لگی ہوئی، لیکن آپ کہتے ہیں اس حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ معلوم ہوا اسے طہارت اس وقت حاصل نہیں ہے، تو اسے حدث لاحق ہوا ہے۔ یہ ایک امر معنوی ہے اور نجاستِ حکمیہ ہے یعنی نجس ہونے کا شریعت نے حکم لگایا۔

[1] حوالۂ آیت (شاملہ ص ۲): (المائدة ٦)۔ • حوالۂ آیت (شاملہ ص ۲): (المائدة)۔

وَأَمَّا الْخَبَثُ: فَمَعْنَاهُ فِي الشَّرْعِ الْعَيْنُ الْمُسْتَقْذَرَةُ، كَالدَّمِ۔

اور **خَبَث** وہ چیز جو گندگی ہو، ناپاکی ہو، جس کا باقاعدہ جسم ہے، جیسے خون، پیشاب وغیرہ، یہ خبث ہے۔

اور طہارت میں یاد رکھیے، طہارت ط کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، ط کے کسرہ کے ساتھ بھی، اور ط کے ضمہ کے ساتھ بھی:

۱۔ طَہارت: اگر ط کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے فعلِ نظافت، پاکی حاصل کرنے کا فعل، پاکی حاصل کرنا۔ ۲۔ طِہارت: ط کے کسرہ کے ساتھ ہو تو یہ آلۂ نظافت کو کہتے ہیں، وہ آلہ جس کے ذریعے پاکی حاصل کی جائے جیسے برتن یا صابن وغیرہ۔ ۳۔ طُہارت: ط کے ضمہ کے ساتھ ہو تو وہ چیز جس کے ذریعے پاکی حاصل کی جائے یعنی پانی۔

اور یاد رکھیے، یہاں کتاب الطہارات کے اندر طہارتِ ظاہری کے بارے میں ہم پڑھیں گے۔ طہارت کی بہت سی قسمیں ہیں، مثلاً ایک ظاہری طہارت، اسی طرح طہارت القلب عما سوی اللہ، اسی طرح طہارت عن الاثام، طہارت عن الاخلاق الذمیمہ، لیکن یہاں پر کس کا بیان ہو گا؟ طہارتِ ظاہری کا بیان ہو گا۔

طہارت کی تعریف شریعت میں: «**اَلنَّظَافَةُ عَنْ حَدَثٍ أَوْخَبَثٍ**»۔ تو طہارت دو قسم پر ہے: طہارت عن الحدث، اور طہارت عن الخبث۔

طہارت عن الخبث تو ظاہر ہے کہ کوئی ظاہری گندگی بدن یا کپڑے وغیرہ پر لگی ہے تو وہ دھونے کے ذریعے پاک ہو گی۔ البتہ طہارت عن الحدث کے اندر تفصیل ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وضو: اور یہ طہارتِ صغریٰ ہے۔ ۲۔ غسل: اور یہ طہارتِ کبریٰ ہے۔ ۳۔ تیمم: جو کہ طہارتِ اضطراری ہے، مجبوری کی حالت میں۔

كِتَابُ الطَّهَارَاتِ: یہاں دو آسان ترکیبیں یاد رکھیے:

یا تو اس کو خبر بنائیں مبتدائے محذوف کے لیے، **أَيْ: هٰذَا كِتَابُ الطَّهَارَاتِ**، یہ ہے طہارتوں کی کتاب۔ تو ھذا مبتدا محذوف ہے اور کتاب الطہارات اس کی خبر ہے، تو مرفوع پڑھیں گے۔ یا اس کو منصوب پڑھیں اور مفعول بنائیں **اِقْرَأْ** کے لیے، **أَيْ: اِقْرَأْ كِتَابَ الطَّهَارَاتِ**، تو یہ مفعول ہو گا اقرأ کے لیے۔

ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ مسائل اور ابحاث کے اندر عنوانات قائم کرتے ہیں: کتاب، باب، اور فصل وغیرہ کے، جس سے مختلف قسم کے مسائل منضبط ہوتے ہیں، ان میں ترتیب آجاتی ہے اور ان کو یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

تو اس سلسلے میں سب سے بڑا عنوان جو قائم کیا جاتا ہے وہ کتاب ہے۔ کتاب کے تحت جو چھوٹے عنوان آتے ہیں وہ باب کہلاتے ہیں، اور پھر باب کے تحت فصلیں ذکر کی جاتی ہیں تو فصل کا عنوان باب سے چھوٹا ہے، اور باب کا عنوان کتاب سے چھوٹا ہے۔ کتاب کے اندر وہ مسائل ذکر ہوتے ہیں جن کی جنس ایک ہوتی ہے۔ کتاب میں کئی باب ہوں گے اور ہر باب میں ایک نوع کے مسائل ذکر ہوں گے، اور فصل میں ایک صنف کے مسائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

كِتَابُ الطَّهَارَاتِ: طہارات جمع ہے طہارت کی، اور طہارت مصدر ہے، اور مصدر اسم جنس ہوتا ہے اور اسم جنس اسے کہتے ہیں جس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ جب قلیل اور کثیر پر اطلاق ہوتا ہے تو اس کی جمع عام طور پر استعمال نہیں کی جاتی۔ پھر صاحبِ ہدایہ طہارات جمع کیوں لے کر آئے؟

جواب یہ ہے کہ مصدر کی بھی جمع آتی ہے، وہ مصدر جس کے آخر میں تائے تانیث ہو جیسے طہارۃ، تو اس مصدر کی جمع لائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح بعض اوقات حاصل بالمصدر کے اعتبار سے مصدر کی جمع لائی جاتی ہے، جیسے بیوع، بیع مصدر ہے اور اس کی جمع بیوع لائی جاتی ہے۔

حاصل بالمصدر کسے کہتے ہیں؟ مصدر سے جو ہیئت حاصل ہو، جو کیفیت حاصل ہو اسے حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ ہنسنا مصدر ہے، ہنسی حاصل بالمصدر ہے۔ دوڑنا مصدر ہے، دوڑ حاصل بالمصدر ہے۔ مصدر خارج میں دکھائی نہیں دیتا، حاصل بالمصدر خارج میں دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح طہارت پاک ہونا بھی ہے اور پاکی بھی ہے۔ اور یہاں جمع اس لیے لے کر آئے تاکہ طہارت کی انواع و اقسام (وضو، غسل، تیمم) کی طرف اشارہ ہو جائے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ الآية۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو — **أَيْ: إِذَا أَرَدْتُمُ الْقِيَامَ إِلَى الصَّلَاةِ** تو اپنے چہروں کو دھولو۔

کلامِ عرب میں بعض اوقات فعل بول کر ارادۂ فعل مراد ہوتا ہے، جیسے یہاں پر قیام بول کر ارادۂ قیام مراد ہے۔ کیونکہ کھڑے ہونے کے بعد وضو نہیں کیا جاتا بلکہ جب ارادہ ہوتا ہے تب وضو کیا جاتا ہے۔

اور یہاں پر ایک قید معتبر ہے: **وَأَنْتُمْ مُحْدِثُونَ**، یعنی جب تم بے وضو ہو تب وضو کرو۔ اگر وضو ہے تو دوبارہ وضو واجب نہیں۔ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں ادا فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آج آپ نے وہ عمل کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جان بوجھ کر کیا تاکہ تمہارے لیے تنگی نہ ہو، جواز بتلانے کے لیے کیا۔

آیتِ مبارکہ: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾

«**وَأَرْجُلَكُمْ**»: ارجل کا عطف کس پر ہے؟ ایدیکم اور وجوہکم پر ہے، نہ کہ برءوسکم پر، اس لیے کہ ارجلکم منصوب ہے۔ اور چہرہ اور ہاتھ دھونا فرض ہے، لہٰذا پاؤں کا حکم بھی دھونا ہے۔

فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْأَعْضَاءِ الثَّلَاثَةِ وَمَسْحُ الرَّأْسِ بِهٰذَا النَّصِّ: پس وضو کے فرائض تین اعضاء کا دھونا ہے اور سر کا مسح کرنا ہے اس نص یعنی آیت کی وجہ سے۔

صاحبِ ہدایہ نے پہلے آیت کو ذکر کیا اور اس کے بعد وضو کے فرائض ذکر کیے، حالانکہ فرائض دعویٰ تھا اور آیت اس کی دلیل تھی، لیکن صاحبِ ہدایہ نے آیت کو مقدم کیا برکت حاصل کرنے کے لیے تاکہ کتاب الطہارات کی ابتدا قرآن کی آیت سے ہو جائے۔

چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر۷: وَالْغُسْلُ هُوَ الْإِسَالَةُ، وَالْمَسْحُ هُوَ الْإِصَ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر۷: وَالْغُسْلُ هُوَ الْإِسَالَةُ، وَالْمَسْحُ هُوَ الْإِصَ...

ہدایہ صفحہ:۱۷—بتاریخ:۲۹ ستمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالْغَسْلُ هُوَ الْإِسَالَةُ، وَالْمَسْحُ هُوَ الْإِصَابَةُ، وَحَدُّ الْوَجْهِ مِنْ قِصَاصِ الشَّعْرِ إِلَى أَسْفَلِ الذَّقَنِ، وَإِلَى شَحْمَتَيِ الْأُذُنَيْنِ، لِأَنَّ الْمُوَاجَهَةَ تَقَعُ بِهٰذِهِ الْجُمْلَةِ، وَهُوَ مُشْتَقٌّ مِنْهَا، وَالْمِرْفَقَانِ وَالْكَعْبَانِ يَدْخُلَانِ فِي الْغَسْلِ عِنْدَنَا، خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى۔ [1]

گزشتہ سبق میں کتاب الطہارات ہم نے شروع کی تھی، اور صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ وضو کے فرائض چار ہیں: تین اعضاء کا دھونا—یعنی چہرے کا، ہاتھوں کا، اور پاؤں کا—اور چوتھی چیز سر کا مسح ہے، یہ بھی وضو میں فرض ہے، اور دلیل یہ آیت ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ**﴾۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں:

وَالْغَسْلُ هُوَ الْإِسَالَةُ: اور غسل یعنی دھونا جو ہے وہ پانی کا بہانا ہے—**أَيِ: إِسَالَةُ الْمَاءِ**[]**وَالْمَسْحُ هُوَ الْإِصَابَةُ:** اور مسح جو ہے وہ پانی کا پہنچانا ہے—**أَيِ: إِصَابَةُ الْمَاءِ۔**

تو دھونا کس کو کہتے ہیں؟ پانی کو کسی چیز پر بہادیا جائے، یہ ہے دھونا۔ اور مسح کرنا: پانی کو اس تک پہنچادیا جائے۔

اب غسل اور مسح ان کا معنی تو ظاہر تھا، ہر ایک جانتا ہے، پھر صاحبِ ہدایہ نے اس کو ذکر کیوں کیا؟

جواب یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ دراصل اس کے ذریعے رد کرنا چاہتے ہیں اور جواب دینا چاہتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کو۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دھونے میں ملنا بھی شرط ہے، اعضاء کو دھوتے ہوئے صرف پانی کا بہانا کافی نہیں بلکہ ہاتھ سے ملنا []**دَلْک**[] بھی ضروری ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے بتلایا کہ غسل کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور غسل صرف پانی بہادینے کا نام ہے، اس میں دَلک کی شرط نہیں، لہٰذا ملنا ضروری نہیں۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسح جو ہے وہ تین مرتبہ کیا جائے گا، سر کا مسح تین مرتبہ کیا جائے گا۔ صاحبِ ہدایہ جواب دے رہے ہیں کہ مسح جو ہے وہ صرف پانی کا پہنچادینا ہے، اس میں تین دفعہ کی شرط نہیں ہے۔

اور یاد رکھیے، غسل پانی کا بہانا ہے اور اس میں تقاطر ضروری ہے، اس عضو سے کم از کم چند قطرے پانی کے ٹپک جائیں تو پھر ہم کہیں گے کہ اس عضو کو اس نے دھویا ہے۔ اگر اتنا قلیل پانی استعمال کیا کہ چند قطرے بھی نہیں ٹپکے تو پھر غسل نہیں ہوا اور وضو نہیں ہوگا۔ اگر چند قطرے بھی نہیں ٹپکے یہ تو مسح ہوگیا، غسل تو نہ ہوا، حالانکہ غسل ضروری ہے اور غسل کے اندر چند قطروں کا ٹپکنا ضروری ہے۔

وَحَدُّ الْوَجْهِ مِنْ قِصَاصِ الشَّعْرِ إِلَى أَسْفَلِ الذَّقَنِ: اب چار فرائض ذکر ہوئے، ان چار فرضوں میں سے پہلا فرض کیا ہے؟ چہرے کا دھونا۔ اب چہرے کے کتنے حصے کو دھونا فرض ہے؟ چہرے کی حد کیا ہے؟

---

[1] شاملہ (ص۲) میں «الْأُذُنَيْنِ» کے بجائے «الأذن» درج ہے۔ • تکملۂ عبارت از نسخہ مکتبہ شاملہ (ص۲): «باب الصوم ولنا أن هذه الغاية لإسقاط ما وراءها إذ لولاها لاستوعبت الوظيفة الكل وفي باب الصوم لمد الحكم إليها إذ الاسم يطلق على الإمساك ساعة»۔ • تکملۂ عبارت از نسخہ مکتبہ شاملہ (ص۲): «عليه وآله وسلم أتى سباطة قوم فبال وتوضأ ومسح على ناصيته وخفيه والكتاب مجمل فالتحق بيانا به»۔

صاحبِ ہدایہ بیان فرمارہے ہیں: چہرے کی حد جو ہے وہ بالوں کے اگنے کی جگہ سے — «قِصَاص» کہتے ہیں بالوں کے اگنے کی جگہ، جہاں ماتھے پر بال سر کے شروع ہوتے ہیں — یہاں سے لے کر ٹھوڑی کے نچلے حصے تک — «ذَقَن» کہتے ہیں ٹھوڑی کو، اسفل نچلا حصہ — ٹھوڑی کے نچلے حصے تک، یہ لمبائی کے اندر چہرے کی حد ہے۔ ماتھے پر جہاں بال اگنا شروع ہوتے ہیں سر کے، یہاں سے لے کر ٹھوڑی کے نچلے حصے تک یہ لمبائی میں چہرے کی حد ہے۔

وَإِلَى شَحْمَتَيِ الْأُذُنَيْنِ: اور چوڑائی میں دونوں کانوں کی جو لو ہیں ان تک۔ «شَحْمَة» کہتے ہیں کان کا جو نچلا نرم حصہ ہے، اس کو شحمہ کہتے ہیں، کان کی لو۔ اور دونوں کانوں کی لو یعنی دونوں جانب، تو ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک یہ سارا چہرے کے اندر داخل ہے، یہ چوڑائی میں چہرے کی حد ہو گئی۔

تو چہرے کی حد لمبائی میں بھی بیان کر دی اور چوڑائی میں بھی، اور اس درمیان والے سارے حصے کو دھونا فرض ہے کیونکہ یہ «وَجْه» کے اندر داخل ہے، اور قرآن میں بھی چہرے کے دھونے کا حکم ہے۔

«قِصَاص» مثلث القاف ہے: قِصاص، قَصاص، قُصاص، تینوں حرکتیں جائز ہیں، اور معنی وہی بالوں کے اگنے کی جگہ ہے۔

لِأَنَّ الْمُوَاجَهَةَ تَقَعُ بِهٰذِهِ الْجُمْلَةِ: دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ چہرے کی آپ نے یہ حد کیوں بیان کی؟ دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مواجہت جو ہے — مواجہت کہتے ہیں آمنا سامنا کرنا — کسی سے آمنا سامنا اس سارے حصے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اسی سے «وَجْه» مشتق ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مواجہت باب مفاعلہ ہے اور یہ مزید فیہ ہے، اور وجہ ثلاثی مجرد ہے، اور ثلاثی مجرد سے مزید فیہ کا اشتقاق ہوتا ہے، نہ کہ مزید فیہ سے ثلاثی مجرد کا۔

جواب یہ ہے کہ اگر ثلاثی مزید فیہ ایک معنی کے اندر ثلاثی مجرد سے زیادہ مشہور ہو، تو وہاں ثلاثی مجرد کو ثلاثی مزید فیہ سے مشتق کہہ دیا جاتا ہے، جیسے علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں رَعْد کو اِرْتَعَدَ سے مشتق قرار دیا۔

وَالْمِرْفَقَانِ وَالْكَعْبَانِ يَدْخُلَانِ فِي الْغَسْلِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: اور کہنیاں اور دونوں ٹخنے یہ داخل ہیں دھونے میں ہمارے نزدیک، بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے۔

قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾، اور آگے فرمایا: ﴿وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾۔ تو الیٰ کے بعد مرافق اور کعبین کا ذکر ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا بھی فرض ہے یا ان سے نیچے تک دھونا فرض ہے؟

ہمارے فقہاء کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے دھونے کے حکم میں داخل ہیں، ان کا دھونا بھی فرض ہے۔ اگر ان کو نہیں دھوئیں گے تو وضو ہی نہیں ہوگا، اور وضو نہیں ہوا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔

جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرافق اور کعبین غایہ ہیں، اور غایہ مغیا کے حکم میں داخل نہیں ہوتا، جیسے قرآن میں ہے: ﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾، تو الی اللیل میں رات غایہ ہے اور بالاتفاق رات روزے کے حکم میں داخل نہیں، روزہ دن کا ہوتا ہے رات کا نہیں۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ غایہ دو قسم پر ہے: غایۂ اسقاط، اور غایۂ اثبات۔ اگر غایہ مغیا کی جنس میں سے ہو، تو وہ مغیا کے حکم میں داخل رہتا ہے۔ اور اگر غایہ مغیا کی جنس میں سے نہ ہو، تو وہ مغیا کے حکم سے خارج رہتا ہے۔

عربی زبان میں «يَد» کا اطلاق انگلیوں سے لے کر کندھے تک پورے بازو پر ہوتا ہے۔ تو کہنی ہاتھ کی جنس میں سے ہے، اگر ﴿إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ نہ ہوتا تو پورا بازو کندھے تک دھونا پڑتا۔ تو ﴿إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ نے غایۂ اسقاط کا فائدہ دیا کہ کہنی سے اوپر والے حصے کو ساقط کر دیا، لیکن کہنی خود دھونے میں داخل رہی۔ اسی طرح «رِجْل» کا اطلاق پوری ٹانگ پر ہوتا ہے، ﴿إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ نے ٹخنے سے اوپر والے حصے کو ساقط کر دیا، لیکن ٹخنے خود دھونے میں داخل رہے۔

اور روزے کے باب میں ﴿إِلَى اللَّيْلِ﴾ غایۂ اثبات ہے، کیونکہ امساک تو تھوڑی دیر کے لیے بھی ہوتا ہے، الی اللیل نے اس کو کھینچ کر رات تک پہنچا دیا، لیکن رات خود روزے میں داخل نہیں ہوئی۔

وَالْكَعْبُ هُوَ الْعَظْمُ النَّاتِئُ، وَهُوَ الصَّحِيحُ: کعب وہ ابھری ہوئی ہڈی ہے، پاؤں کے دونوں طرف جو دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں ان کو عربی زبان میں کعب کہتے ہیں۔ اور اسی کعب سے «كاعب» کا لفظ بھی ہے، وہ لڑکی جس کی چھاتی ابھر آئے اسے کاعب کہتے ہیں، جیسے قرآن میں ہے: ﴿وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا﴾۔ اور یہی قول صحیح ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت تھی کہ تسمہ باندھنے کے مقام پر جو ہڈی ہے وہ کعب ہے، لیکن وہ قول درست نہیں کیونکہ آیت میں ﴿إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ تثنیہ آیا ہے، یعنی ہر پاؤں میں دو ٹخنے ہیں، اور تسمہ باندھنے کے مقام پر ہڈی ہر پاؤں میں ایک ہی ہوتی ہے۔ تو دو ٹخنے وہی ہیں جو پاؤں کے اطراف میں ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں۔

وَالْمَفْرُوضُ فِي مَسْحِ الرَّأْسِ مِقْدَارُ النَّاصِيَةِ وَهُوَ رُبُعُ الرَّأْسِ: اور سر کے مسح میں جو فرض مقدار ہے وہ ناصیہ کی مقدار ہے، اور ناصیہ سر کا

چوتھائی حصہ ہے۔

ناصیہ سر کا اگلا حصہ ہے جو پیشانی کے اوپر ہوتا ہے، اور یہ چوتھائی سر بنتا ہے۔

دلیل: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی سباطہ (کوڑے کرکٹ کی جگہ) پر تشریف لائے، پیشاب کیا اور وضو فرمایا، اور اپنی ناصیہ پر اور اپنے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھائی سر پر مسح کیا، اس سے کم مقدار پر مسح کسی حدیث میں ثابت نہیں۔ معمول تو پورے سر کا تھا، لیکن جواز بتلانے کے لیے کم سے کم چوتھائی پر فرمایا، معلوم ہوا کہ چوتھائی فرض ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ خبرِ واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں اور قرآن میں ناصیہ کا ذکر نہیں، تو جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں سر کے مسح کا حکم مجمل تھا کہ کتنے حصے پر کیا جائے، اور حدیث نے اس اجمال کا بیان کیا ہے، اور مجمل کے لیے خبرِ واحد بیان بن سکتی ہے۔

اور یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہے جو تین بالوں پر مسح کو کافی سمجھتے ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف بھی حجت ہے جو پورے سر کے استیعاب کو فرض کہتے ہیں۔

اور بعض روایات میں ہمارے فقہاء نے ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار کو بھی فرض کہا ہے کیونکہ تین انگلیاں پانچ کا اکثر ہیں اور اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے۔

وَسُنَنُ الطَّهَارَةِ: غَسْلُ الْيَدَيْنِ قَبْلَ إِدْخَالِهِمَا الْإِنَاءَ إِذَا اسْتَيْقَظَ الْمُتَوَضِّئُ مِنْ نَوْمِهِ۔

فرائض کے بعد اب صاحبِ ہدایہ وضو کی سنتیں بیان فرمارہے ہیں۔ سنت شریعت کا وہ طریقہ ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی فرمائی ہو اور کبھی جواز بتلانے کے لیے ترک بھی کیا ہو۔

پہلی سنت: وضو کرنے والا جب نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھولے۔

حدیث: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ**»۔ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ ہرگز اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے۔

عقلی دلیل: ہاتھ آلۂ تطہیر ہے، باقی اعضاء کو اسی کے ذریعے دھونا ہے، تو عقل کا تقاضا ہے کہ پہلے آلے کو صاف کیا جائے پھر باقی اعضاء کو۔

طریقہ: اگر برتن چھوٹا ہو تو بائیں ہاتھ سے برتن اٹھا کر پہلے دایاں ہاتھ دھوئے، پھر بایاں۔ اگر برتن بڑا ہو تو کسی لوٹے یا پیالے کے ذریعے پانی لے کر دھوئے۔ اگر چھوٹا برتن نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر تھوڑا پانی نکال کر دایاں ہاتھ دھوئے، پھر بایاں۔

اور یہ دھونا کلائی کے جوڑ [رُسْغ] تک ہوگا، کیونکہ صفائی کے لیے اتنے حصے کا دھونا کافی ہے۔

انگوٹھی، چھلا اور نیل پالش کا حکم: اگر کسی نے انگوٹھی یا چھلا پہنا ہو تو وضو کرتے ہوئے اسے ہلانا ضروری ہے تاکہ نیچے پانی پہنچ جائے۔ اور اگر عورت نے نیل پالش لگائی ہو تو چونکہ اس کی تہ بن جاتی ہے اور پانی نیچے نہیں پہنچتا، لہٰذا نیل پالش کی موجودگی میں وضو نہیں ہوگا۔ البتہ تیل لگا ہو تو تیل کے باوجود وضو ہو جائے گا۔

چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۸: مسئلہ: لَاوُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ

ہدایہ صفحہ: ۱۹ — بتاریخ: ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: وَتَسْمِيَةُ اللَّهِ تَعَالَى فِي ابْتِدَاءِ الْوُضُوءِ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ»، وَالْمُرَادُ بِهِ نَفْيُ الْفَضِيلَةِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا مُسْتَحَبَّةٌ، وَإِنْ سَمَّاهَا فِي الْكِتَابِ سُنَّةً، وَيُسَمِّي قَبْلَ الِاسْتِنْجَاءِ وَبَعْدَهُ، هُوَ الصَّحِيحُ۔ [1]

گزشتہ سبق میں ہم نے وضو کی سنتوں کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا، اور پہلی سنت ذکر ہوئی تھی کہ وضو کرنے والا اگر نیند سے بیدار ہوا ہے تو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے ان کو تین مرتبہ دھولے۔

اور اس سلسلے میں حدیث بھی ذکر ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «**إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ**»۔

آج دوسری سنت ذکر کررہے ہیں وضو کی:

قَالَ: وَتَسْمِيَةُ اللَّهِ تَعَالَى فِي ابْتِدَاءِ الْوُضُوءِ: صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: اور اللہ کا نام ذکر کرنا وضو کی ابتدا میں۔

یاد رکھیے ہمیشہ، ایک لفظ «**وُضو**» ہے واو کے ضمہ کے ساتھ، اور ایک لفظ «**وَضو**» ہے واو کے فتحہ کے ساتھ۔ واو کے فتحہ کے ساتھ ہو تو یہ اس پانی کا نام ہے جس سے وضو کیا جائے، اور واو کے ضمہ کے ساتھ ہو تو یہ فعلِ وضو کا نام ہے۔ تو اس لفظ کو «**وُضو**» پڑھنا ہمیشہ۔

یہاں صاحبِ قدوری نے لفظ «**تسمیہ**» ذکر کیا، **تَسْمِيَة**۔ یاد رکھیے تسمیہ کا معنی ہے مطلقاً ذکرِ اسم اللہ، مطلقاً اللہ کا نام ذکر کرنا، یہ ہے تسمیہ۔ چاہے بسم اللہ کی صورت میں ہو، چاہے غیر بسم اللہ کی صورت میں ہو۔ اللہ اکبر کہہ دیا، سبحان اللہ کہہ دیا، الحمد للہ کہہ دیا، لا الہ الا اللہ کہہ دیا، یہ سب ذکرِ اسم اللہ ہیں۔ اور بالخصوص «**بسم الله**» ہو تو اس کے لیے لفظ ہے بسملہ، **بَسْمَلَةٌ**، یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنا۔ چونکہ سنت مطلقاً اللہ کا نام ذکر کرنا ہے نہ کہ بالخصوص بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا، اسی لیے صاحبِ قدوری نے «**وَتَسْمِيَةُ اللَّهِ تَعَالَى**» فرمایا۔ اگر بالخصوص بسم اللہ مسنون ہوتا تو فرماتے: «**وَالْبَسْمَلَةُ فِي ابْتِدَاءِ الْوُضُوءِ**»۔

چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں کہ جس طرح بھی اللہ کا ذکر کر دیا جائے وضو کے آغاز میں تو سنت ادا ہو جائے گی۔ ہاں البتہ کتبِ احناف میں مشہور یہ ہے کہ یہ دعا پڑھے جو حاشیے میں دی ہوئی ہے:

■ مسئلہ: بِسْمِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ...

«بِسْمِ اللَّهِ الْعَظِيمِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى دِينِ الْإِسْلَامِ»۔

دلیل: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ»**: اس شخص کا وضو نہیں جس نے اللہ کا نام نہ لیا۔

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۲): «**الله**»۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں تو آیا کہ اس کا وضو ہی نہیں ہے، تو پھر اس کو فرائض کے اندر ذکر کرنا چاہیے تھا، لیکن صاحبِ قدوری اس کو سنتوں میں ذکر کر رہے ہیں۔

تو جواب دے رہے ہیں صاحب ہدایہ: **وَالْمُرَادُ بِهِ نَفْيُ الْفَضِيلَةِ**: مراد اس کے ذریعے فضیلت اور کمال کی نفی ہے، یعنی اس کا وضو کامل نہیں ہے، افضل نہیں ہے۔ جیسے حدیث میں آتا ہے: «**لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ**»، اور حدیث میں آتا ہے: «**لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا عَهْدَلَهُ**»، تو وہاں بھی کمال کی نفی مراد ہے، نہ کہ اصلِ نماز یا اصلِ ایمان کی نفی۔ اسی طرح یہاں بھی کمالِ وضو کی نفی ہے۔

وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا مُسْتَحَبَّةٌ، وَإِنْ سَمَّاهَا فِي الْكِتَابِ سُنَّةً: اور اصح قول یہ ہے کہ یہ تسمیہ مستحب ہے، اگرچہ صاحبِ قدوری نے کتاب کے اندر اس کو سنت قرار دیا ہے۔ مستحب جس کو مندوب بھی کہتے ہیں، یعنی پسندیدہ طریقہ۔ البتہ متعدد ائمہ احناف (جیسے امام طحاوی، امام قدوری، امام نسفی) کے نزدیک یہ سنتِ مؤکدہ ہے۔

وَيُسَمِّي قَبْلَ الِاسْتِنْجَاءِ وَبَعْدَهُ، هُوَ الصَّحِيحُ: اور اللہ کا نام لے استنجاء سے پہلے بھی اور استنجاء کے بعد بھی، یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ استنجاء ملحقاتِ وضو میں سے ہے، لہٰذا اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اللہ کا ذکر ہونا چاہیے۔

وَالسِّوَاكُ: تیسری سنت: مسواک کرنا۔

سواک وہ لکڑی جس کے ساتھ دانتوں کو صاف کیا جاتا ہے، اس کی جمع «**سُوک**» آتی ہے۔ اور سواک مصدر بھی ہے، بمعنی مسواک کرنا۔

احادیث میں مسواک کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وہ دو رکعتیں جو مسواک کر کے پڑھی جائیں، ان ستر رکعتوں سے افضل ہیں جو بغیر مسواک کے پڑھی جائیں۔ اور فرمایا کہ مجھے بار بار جبرائیل مسواک کی تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ شاید اس کے بارے میں قرآن میں حکم نازل فرما دیا جائے گا۔ مسواک اللہ کی رضا کا باعث ہے، حافظے کو بڑھاتی ہے، کثرتِ اولاد کا سبب ہے، پل صراط پر بجلی کی رفتار سے گزرنے کا ذریعہ ہے، اور قبر کی وسعت کا سبب ہے۔

میرے والدِ محترم حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کو اللہ نے سنتوں کی ایسی محبت نصیب فرمائی تھی کہ انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا۔ اتنی باقاعدگی سے مسواک استعمال فرماتے تھے کہ ڈیڑھ دو انچ کی رہ جاتی تو پھر نئی مسواک لیتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سنتوں پر عمل کرنے والا بنائے۔

لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُوَاظِبُ عَلَيْهِ: دلیل یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسواک پر ہمیشگی فرماتے تھے، **وَعِنْدَ فَقْدِهِ يُعَالِجُ بِالْأُصْبُعِ**: اور مسواک کے نہ ہونے کے وقت انگلی سے دانتوں کو صاف کر لے۔ اگر کسی وقت مسواک نہ ہو تو انگلی کے ذریعے دانت صاف کر لے تو سنت ادا ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص برش کر لے تو دانتوں کی صفائی کی سنت تو ادا ہو جائے گی، لیکن خاص لکڑی والی فضیلت حاصل نہیں ہو گی۔

وَالْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ: چوتھی اور پانچویں سنت: کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔

لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَهُمَا عَلَى الْمُوَاظَبَةِ: کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ہمیشگی کے ساتھ کیا ہے۔

طریقہ: تین مرتبہ کلی کرے، اور ہر مرتبہ نیا پانی لے، اور اسی طرح تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے۔ تو کل چھ چلو ہو گئے۔ تین کلی کے لیے اور تین استنشاق کے لیے۔

وَالْمَحْكِيُّ مِنْ وُضُوئِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے یہی مروی ہے۔

وَمَسْحُ الْأُذُنَيْنِ: چھٹی سنت: دونوں کانوں کا مسح کرنا۔

وَهُوَ سُنَّةٌ بِمَاءِ الرَّأْسِ، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ: اور یہ سر کے پانی سے سنت ہے، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے جو نیا پانی لینے کے قائل ہیں۔

دلیل: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**: «**الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ**»۔ دونوں کان سر میں سے ہیں، یعنی سر کے پانی کے ساتھ ہی ان کا مسح کیا جائے گا۔

طریقہ: شہادت کی انگلیوں (سبابتین) سے کان کے اندرونی حصے کا مسح کرے، اور انگوٹھوں (ابہامین) سے کان کے بیرونی حصے کا مسح کرے۔

وَتَخْلِيلُ اللِّحْيَةِ: ساتویں سنت: داڑھی کا خلال کرنا۔

لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِذَلِكَ: کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرائیل علیہ السلام نے اس کا حکم دیا تھا۔

داڑھی کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ لحیۂ خفیفہ: جس میں سے چہرے کی جلد دکھائی دے۔ اس میں بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا فرض ہے۔ ۲۔ لحیۂ کثہ: گھنی داڑھی۔ اس میں جو حصہ دائرۂ وجہ کے اندر ہے اس کا دھونا فرض ہے، اور جو حصہ لٹکا ہوا ہے (مسترسل) اس کا دھونا فرض نہیں۔

خلال کرنا سنت ہے: گردن کی طرف سے انگلیاں داڑھی کے بالوں میں داخل کر کے خلال کرے۔

وَتَخْلِيلُ الْأَصَابِعِ: آٹھویں سنت: انگلیوں کا خلال کرنا۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «خَلِّلُوا أَصَابِعَكُمْ لَا تَتَخَلَّلْهَا نَارُجَهَنَّمَ»: اپنی انگلیوں کا خلال کرو تا کہ ان میں جہنم کی آگ داخل نہ ہو۔ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر خلال کرے، اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔

وَتَكْرَارُ الْغَسْلِ إِلَى الثَّلَاثِ: نویں سنت: اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ بھی دھویا اور فرمایا کہ یہ وہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ نماز قبول نہیں کرتے۔ دو دو مرتبہ بھی دھویا اور فرمایا کہ اس پر دگنا اجر ہے۔ اور تین تین مرتبہ بھی دھویا اور فرمایا: **«هٰذَا وُضُوئِي وَوُضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي، فَمَنْ زَادَ عَلَى هٰذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ تَعَدَّىوَظَلَمَ»**۔ یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے، پس جس نے اس پر زیادتی کی یا کمی کی تو اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔

زیادتی اسراف ہے، اور کمی کی صورت میں وعید اس پر ہے جو تین بار دھونے کو سنت نہ سمجھے۔

چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر۹: مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ لِلْمُتَوَضِّئِ أَنْ يَّنْوِيَ الط...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر۹: مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ لِلْمُتَوَضِّئِ أَنْ يَّنْوِيَ الط...

ہدایہ صفحہ: ۲۲ــــ بتاریخ: ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَيُسْتَحَبُّ لِلْمُتَوَضِّئِ أَنْ يَّنْوِيَ الطَّهَارَةَ، فَالنِّيَّةُ فِي الْوُضُوءِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً فَرْضٌ؛ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ، فَلَا يَصِحُّ بِدُونِ النِّيَّةِ كَالتَّيَمُّمِ». [1]

گزشتہ سبق میں ہم نے وضو کی سنتوں کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا اور وضو کی سنتیں آپ نے پڑھیں کہ نیند سے بیدار ہونے والا پانی میں برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے ان کو تین مرتبہ دھولے، اسی طرح وضو کے شروع میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور اسی طرح مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، دونوں کانوں کا مسح کرنا، داڑھی کا خلال کرنا، انگلیوں کا خلال کرنا، یہ سنت ہیں۔ اسی طرح تین مرتبہ اعضاء کا دھونا بھئی، یہ بھی کیا ہے؟ سنت ہے اور اس سلسلے میں یہ حدیث ذکر ہوئی نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھویا اور فرمایا کہ یہ وہ وضو ہے کہ اس کے بغیر اللہ نماز کو قبول نہیں فرماتے۔ اور دو دو مرتبہ وضو کیا یعنی دو دو مرتبہ اعضاء کو دھویا اور فرمایا یہ وضو ہے اس شخص کا جس کو اللہ دگنا اجر عطا فرماتے ہیں۔ اور تین تین مرتبہ وضو فرمایا یعنی تین تین مرتبہ اعضاء کو دھویا اور فرمایا یہ میرا وضو ہے اور جو مجھ سے پہلے انبیاء گزرے ہیں ان کا وضو ہے۔

«فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ تَعَدَّى وَظَلَمَ» اور حدیث میں کیا ہے جس نے اس پر زیادتی کی یا اس میں کمی کی تو تحقیق اس نے زیادتی کی حد سے تجاوز کیا «وَظَلَمَ» اور ظلم کیا۔ اب یہاں پر دیکھیے بھئی: «فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا» جس نے اس پر زیادتی کی، اس صورت میں تو یہ وعید سمجھ میں آتی ہے «تَعَدَّى» اور «ظَلَمَ» کی، کہ جس نے زیادتی کی اس نے اسراف کیا اور اسراف اللہ کو پسند نہیں۔ لیکن یہ جو آیا کہ «أَوْ نَقَصَ»، کمی کی بھئی، کمی کی تین مرتبہ سے یعنی کم اعضاء کو دھویا تو اس صورت میں زیادہ سے زیادہ اس نے سنت کو ترک کیا ہے، تو اس صورت میں وعید کا کیا معنی بھئی؟ وعید کا کیا معنی؟ تو صاحب ہدایہ اس کا جواب دے رہے ہیں: «وَالْوَعِيدُ لِعَدَمِ رُؤْيَتِهِ سُنَّةً»، کہ وعید جو ہے اس کو سنت نہ سمجھنے کے لیے نہ سمجھنے کی صورت میں ہے، یعنی جو شخص تین مرتبہ دھونے کو سنت نہیں سمجھتا اس کے لیے یہ وعید ہے۔ یعنی عمل میں کمی کر دے، عمل کی بات نہیں یہاں پر، اس کے لیے یہ وعید نہیں ہے بلکہ جو اس کا اعتقاد نہ رکھے کہ تین مرتبہ دھونا سنت ہے، اس کے لیے یہ وعید ہے بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ تو عمل میں کمی بیشی ہو جائے ضرورت کی بنا پر تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بھئی۔ خود حدیث کے اندر بھی آتا ہے بعض مواقع پر نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھویا بھئی، بعض مواقع پر دو دو مرتبہ دھویا اعضاء کو۔ تو کسی ضرورت وغیرہ کی بنا پر اس تین کے عدد پر کمی بھی کی جا سکتی ہے اور زیادتی بھی کی جا سکتی ہے لیکن ضرورت کی بنا پر، اور اس کے لیے اس صورت میں اس شخص کے لیے یہ وعید نہیں ہے۔ ہاں جو تین مرتبہ دھونے کو سنت نہیں سمجھتا اس کے لیے یہ وعید ہے کہ وہ ظلم کرتا ہے اور زیادتی کرتا ہے، حد سے تجاوز کرتا ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَيُسْتَحَبُّ

«قَالَ: وَيُسْتَحَبُّ» سنتوں کا بیان مکمل ہوا، آگے صاحبِ قدوری مستحبات بیان فرما رہے ہیں بھئی۔ «قَالَ»، ضمیر کس کو راجع ہے؟ صاحبِ قدوری کو بھئی۔ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «وَيُسْتَحَبُّ لِلْمُتَوَضِّئِ أَنْ يَّنْوِيَ الطَّهَارَةَ»، اور مستحب ہے وضو کرنے والے کے لیے کہ وہ پاکی کی نیت کرے۔ پاکی کی نیت

[1] شاملہ (ص ۳) میں «يَصِحُّ» کے بجائے «تصح» درج ہے۔

کرے۔ مستحب کا بیان پہلے میں کر چکا کہ مستحب کسے کہتے ہیں؟ دین کا وہ پسندیدہ طریقہ جو نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور صحابہ سے ثابت ہو، حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور صحابہ نے اس پر کبھی کبھار عمل کیا ہو یا اس کو دیکھ کر پسند فرمایا ہو بھئی۔ تو یہ مستحب ہے اور اس کے کرنے پر تو ثواب ہے اور چھوڑنے پر کوئی گناہ نہیں ہے بھئی۔ تو صاحبِ قدوری فرمارہے ہیں کہ وضو کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ نیت کرلے، تو نیت کرنا صاحبِ قدوری کے نزدیک کیا ہوا؟ مستحب ہوا۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں: «فَالنِّيَّةُ فِي الْوُضُوءِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا»، کہ ہمارے نزدیک وضو میں نیت کرنا یہ مستحب نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ سنت ہے بھئی۔ میں نے بتلایا تھا یہ دلائل کی بنا پر بھئی، تو بعض کے سامنے بعض دلائل آئے ان کی بنا پر انہوں نے مستحب قرار دے دیا، ورنہ عام علمائے احناف کے نزدیک یہ کیا ہے؟ نیت کرنا سنت ہے بھئی، سنت ہے۔ تو کہتے ہیں: «فَالنِّيَّةُ فِي الْوُضُوءِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا»، کہ نیت کرنا وضو کے اندر سنت ہے ہمارے نزدیک، «وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فَرْضٌ»، امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک نیت کرنا وضو میں فرض ہے، بلکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض ہے، صرف احناف کے نزدیک سنت ہے۔ ائمہ ثلاثہ بھئی: امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ، امام احمد ابن حنبل رَحِمَهُ اللهُ، اور امام مالک رَحِمَهُ اللهُ، تینوں ائمہ جو ہیں بڑے فقہاء ان کے نزدیک نیت کرنا فرض ہے۔ تو امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کا قول یہاں ذکر کیا صاحبِ ہدایہ نے کہ ان کے نزدیک فرض ہے، «لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ فَلَا يَصِحُّ بِدُونِ النِّيَّةِ»، امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کی دلیل ذکر فرمارہے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کیونکہ وضو جو ہے یہ عبادت ہے «فَلَا يَصِحُّ بِدُونِ النِّيَّةِ» تو یہ صحیح نہیں ہوگا بغیر نیت کے، کیونکہ حدیث آتی ہے: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»، اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور وضو بھی ایک عمل ہے تو لہٰذا اس کا دار و مدار بھی نیت پر ہوگا، نیت ہے تو وضو ہوگا نیت نہیں تو وضو بھی نہیں بھئی۔ تو امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کی دلیل آئی: «لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ فَلَا يَصِحُّ بِدُونِ النِّيَّةِ»، کیونکہ وضو جو ہے وہ عبادت ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا بغیر نیت کے، «كَالتَّيَمُّمِ»، جیسے کیا ہے؟ تیمم ہے، تیمم بھئی۔ جیسے تیمم بغیر نیت کے صحیح نہیں، تیمم میں تو بالاتفاق سب کے نزدیک نیت کرنا ضروری ہے، بغیر نیت کے تیمم صحیح نہیں ہے بھئی، تیمم نہیں ہوگا۔

تو دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ صاحبِ ہدایہ نے امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کی دو دلیلیں ذکر کر دیں بھئی۔ ہدایہ کی فصیح و بلیغ عبارات چل رہی ہیں تو دیکھیے مختصر عبارت میں گویا دو دلیلیں ذکر کر دیں۔ ایک دلیل تو یہ ذکر کر دی کیونکہ یہ وضو کیا ہے؟ عبادت ہے، اور کوئی بھی عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی، اے احناف آپ بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی بھی عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں۔ نماز ہے بغیر نیت کے پڑھے کوئی تو نماز نہیں ہوگی، روزہ ہے بھئی روزہ بغیر نیت کے کوئی رکھتا ہے تو روزہ ہی نہیں ہوگا بھئی۔ بلکہ فرق ہی نیت سے ہوگا کہ ایک شخص بلاوجہ نہیں کھا پی رہا یا بطورِ عبادت کے نہیں کھا رہا اس کا پتہ ہی کس سے چلے گا؟ نیت سے چلے گا، اگر اس نے نیت کی ہے معلوم ہوا وہ عبادت کی نیت سے نہیں کھا پی رہا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ معلوم ہوا عبادت میں نیت ضروری ہے اور وضو بھی ایک عبادت ہے۔ تو ایک دلیل ان کی یہ ذکر کر دی اور «كَالتَّيَمُّمِ» بھئی مثال ذکر کر دی، یہ بھی گویا دوسری دلیل ذکر کر دی کہ وہ وضو کو کس پر قیاس کرتے ہیں؟ تیمم پر قیاس کرتے ہیں کہ تیمم جو وضو کا خلیفہ ہے نائب ہے، اس میں تو بالاتفاق جو ہے نیت ضروری ہے، جب نائب کے اندر نیت ضروری ہے تو اصل کے اندر بطریقِ اولیٰ نیت ضروری ہوگی بھئی۔

تو ہم جواب دیتے ہیں، جواب دیتے ہیں کہ جو «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» جو حدیث ہے، یہاں پر آپ صحت کا لفظ محذوف مانتے ہیں بھئی، صحت: «إِنَّمَا صِحَّةُ الْأَعْمَالِ» اعمال کا صحیح ہونا اس کا دار و مدار کس پر ہے؟ نیت پر ہے، جبکہ ہمارے نزدیک یہاں ثواب کا لفظ مضاف محذوف ہے: «إِنَّمَا ثَوَابُ الْأَعْمَالِ» اعمال کا جو ثواب ہے اس کا دار و مدار نیتوں پر ہے، نیت ہوگی تو ثواب ملے گا نیت نہیں تو ثواب بھی نہیں، اور عبادت کے اندر تو مقصود ہی ثواب ہوا کرتا ہے لہٰذا جب وہاں ثواب نہیں تو عبادت بھی نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو ہمارے نزدیک ثواب کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ اور وضو جو ہے وضو، یہ عبادت بھی ہے اور «مِفْتَاحٌ لِلصَّلَاةِ» بھی ہے، نماز کی چابی بھی ہے، وضو ہے تو نماز ہوگی وضو اور طہارت نہیں تو نماز بھی نہیں ہوگی بھئی۔ تو ہم کہتے ہیں کہ وضو کے اندر دو پہلو ہیں: ایک عبادت کا پہلو ہے اور ایک مفتاح للصلاۃ ہونے کا پہلو ہے۔ تو اگر نیت نہ کی تو پھر عبادت نہیں بنے گی یعنی ثواب نہیں ملے گا لیکن طہارت پھر بھی حاصل ہو جائے گی اور مفتاح للصلاۃ یہ بن جائے گا، اس لیے کیونکہ اس نے پانی کو اعضاء پر بہایا ہے اور پانی کا کام ہی پاک کرنا ہے، اس نے نیت کرے کوئی یا نیت نہ کرے پانی کو جب استعمال کیا وہ کس چیز کا فائدہ دے گا؟ پاکی کا فائدہ دے گا بھئی۔ تو یہاں بھی پاکی حاصل ہو جائے گی بغیر نیت کے بھی اور اس سے نماز ادا کی جاسکتی ہے لیکن اس وضو کا ثواب نہیں ملے گا بھئی، وہ عبادت نہیں بنے گا بھئی۔ جواب سمجھ میں آیا بھئی؟

اور دوسری بات آپ نے تیمم کو ذکر کیا تھا، کس پر قیاس کیا تھا؟ تیمم پر وضو کو قیاس کیا تھا کہ تیمم خلیفہ ہے اس کے اندر نیت کا ہونا ضروری تو اصل کے اندر بھی نیت کا ہونا ضروری، تو ہم جواب دیتے ہیں کہ وضو اور تیمم کے اندر فرق ہے۔ وضو کے اندر ہم پانی استعمال کرتے ہیں اور پانی کی ذات ہی نجاست کو بہا دینے والی ہے اس کو ختم کر دینے والی ہے، پانی نجاست کو بہا کر لے جاتا ہے تو لہٰذا یہ طہارت کا فائدہ دے گا بھئی، طہارت کا فائدہ دے گا نیت کریں یا نہ کریں۔ لیکن جبکہ تیمم وہ مٹی سے کیا جاتا ہے اور مٹی کی ذات مطہر نہیں ہے، مٹی تو ملوث ہے وہ تو چیز کو اور میلا کرے گی اور آلودہ کرے گی۔ تو وہاں پر مٹی عام حالات کے اندر وہ پاکی کا فائدہ دیتی ہی نہیں، آپ خود بھی دیکھتے ہیں مٹی کیا کرتی ہے؟ چیز کو اور میلا اور خراب کرتی ہے پاکی کا فائدہ نہیں دیتی۔ ہاں اس مٹی سے جب انسان تیمم کرتا ہے نماز پڑھنے کا ارادہ ہے پانی وغیرہ موجود نہیں ہے، اس حالت کے اندر وہ اس مٹی سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، اس صورت کے اندر یہ مٹی مطہر بنے گی، باقی عام احوال میں تو مٹی مطہر نہیں ہے بلکہ وہ کیا ہے؟ ملوث ہے۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟ تو لہٰذا مٹی، یہاں وضو میں پانی استعمال ہوا تیمم کے اندر مٹی استعمال ہوئی تو دونوں کے اندر بڑا فرق ہے،

پانی کی ذات ہی چیز کو پاک کرنے والی ہے جبکہ مٹی کی ذات چیز کو پاک کرنے والی نہیں وہ صرف نماز کا جب ارادہ ہو اس وقت انسان تیمم کرتا ہے تو شریعت نے اجازت دی ہے اور وہ مٹی پاکی کا فائدہ دے گی، ویسے عام حالات میں وہ پاکی کا فائدہ نہیں دیتی بھئی۔ تو لہٰذا آپ کا اس وضو کو تیمم پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، یہ قیاس مع الفارق ہے بھئی۔ فارق کہتے ہیں مختلف چیز، مختلف چیز۔ قیاس ایک جیسی چیز کو اس کے مثل پر کیا جاتا ہے، جو دو چیزیں ایک جیسی ہوں تو ایک چیز کو کیا کیا جاتا ہے؟ دوسری چیز پر قیاس کیا جاتا ہے، نہ یہ کہ دو چیزیں بالکل مختلف ہوں وہاں قیاس درست نہیں ہے، تو یہاں پر بھی آپ کا وضو کو تیمم پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وضو میں پانی کا استعمال اور تیمم میں مٹی کا استعمال ہے بھئی۔ اور دوسرا جواب بھی دیں گے، دوسرا جواب یہ کہ تیمم کا معنی ہی کیا ہے؟ ارادہ کرنا، ارادہ کرنا۔ تو اس کا معنی ہی بتلا رہا ہے کہ اس کے اندر کیا ضروری ہے؟ ارادہ کرنا اور نیت کرنا ضروری ہے بھئی، جبکہ وضو کے اندر ایسا نہیں، وضو کا معنی نیت کرنا نہیں ہے بھئی۔ تو وہاں اس کے معنی، اس کا نام ہی بتلا رہا ہے کہ اس کے اندر نیت کرنا ضروری ہے بھئی۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی بھئی؟

یہی دیکھیے اب دوبارہ بھئی: «وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فَرْضٌ»، اور امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک جو ہے نیت کرنا فرض ہے، «لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ»، کیونکہ یہ وضو جو ہے یہ عبادت ہے، «فَلَا يَصِحُّ بِدُونِ النِّيَّةِ»، تو یہ بغیر نیت کے صحیح نہیں ہو گا، «كَالتَّيَمُّمِ»، جیسے کہ تیمم ہے۔ «وَلَنَا»، اور ہماری دلیل یہ ہے، اب احناف کی دلیل ذکر کر رہے ہیں: «أَنَّهُ لَا يَقَعُ قُرْبَةً إِلَّابِالنِّيَّةِ»، قربت کہتے ہیں نیکی کا کام بھئی، جو اللہ کے تقرب کا باعث ہو، اللہ سے قرب کا باعث ہو بھئی، ثواب کا باعث ہو بھئی۔ تو یہاں عبادت کے معنی میں ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ «أَنَّهُ لَا يَقَعُ قُرْبَةً» کہ یہ وضو یہ قربت نہیں واقع ہو گا یعنی عبادت نہیں بنے گا یعنی اس کا ثواب نہیں ملے گا «إِلَّا بِالنِّيَّةِ» مگر کس کے ساتھ؟ نیت، وضو جو ہے یہ قربت نہیں بنے گا یعنی عبادت نہیں بنے گا «إِلَّا بِالنِّيَّةِ» مگر نیت کے ساتھ ہی، «وَلَكِنَّهُ يَقَعُ مِفْتَاحًا لِلصَّلَاةِ»، لیکن یہ نماز کے لیے مفتاح واقع ہو جائے گا، نماز کے لیے مفتاح بن جائے گا اس سے نماز ادا کی جا سکتی ہے، «لِوُقُوعِهِ طَهَارَةً بِاسْتِعْمَالِ الْمُطَهِّرِ»، اس لیے کیونکہ یہ طہارت واقع ہو گیا، طہارت بن گیا ہے یہ وضو، کیوں؟ «بِاسْتِعْمَالِ الْمُطَهِّرِ» مطہر، پاک کرنے والی چیز کے استعمال کی وجہ سے۔ وہ کیا چیز ہے پاک کرنے والی؟ پانی، پانی کے استعمال کی وجہ سے یہ طہارت واقع ہو جائے گا، «بِخِلَافِ التَّيَمُّمِ»، بخلاف کس کے؟ تیمم کے، «لِأَنَّ التُّرَابَ غَيْرُ مُطَهِّرٍ إِلَّا فِي حَالِ إِرَادَةِ الصَّلَاةِ»، اس لیے کیونکہ مٹی وہ مطہر نہیں ہے «إِلَّا فِي حَالِ إِرَادَةِ الصَّلَاةِ» سوائے نماز کے ارادے کی نماز کے ارادے کی حالت میں، اس وقت جو ہے یہ مٹی مطہر ہے، ویسے مطہر نہیں ہے اپنی ذات کے اعتبار سے بلکہ یہ تو ملوث ہے، چیز کو آلودہ اور میلا کرنے والی ہے۔ «أَوْ هُوَ يُنْبِئُ عَنِ الْقَصْدِ»، یہ دوسرا جواب دے رہے ہیں کہ تیمم کے اندر جو ہے نیت ضروری ہے کہ تیمم جو ہے «يُنْبِئُ عَنِ الْقَصْدِ» وہ ارادے کا کی خبر دیتا ہے۔ انبأ ینبئ کے معنی ہیں خبر دینا اور «عَنِ الْقَصْدِ»، قصد کسے کہتے ہیں؟ ارادے۔ تیمم کا نام ہی ارادے کی خبر دیتا ہے کہ اس میں کیا ہونا چاہیے با قاعدہ؟ ارادہ ہونا چاہیے، با قاعدہ نیت ہونی چاہیے، تیمم کا نام ہی ہمیں یہ بتلاتا ہے۔

تو ہمارے نزدیک وضو کے اندر نیت کرنا سنت ہے بھئی، سنت ہے، فرض یا شرط نہیں ہے۔ لہٰذا یہ وضو وغیرہ کے اعضاء بغیر نیت کے بھی دھل گئے تو وضو ہو جائے گا بھئی، وضو ہو جائے گا۔ ایک شخص تالاب کے اندر غوطہ لگاتا ہے وضو کی نیت نہیں ہے لیکن سارے اعضاء دھل گئے، سارا بدن گیلا ہو گیا، پانی اچھی طرح پہنچ گیا، اس کا وضو ہو گیا بھئی، اب اسی سے کیا کر سکتا ہے؟ نماز ادا کر سکتا ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَيَسْتَوْعِبَ رَأْسَهُ بِالْمَسْحِ

«وَيَسْتَوْعِبَ رَأْسَهُ بِالْمَسْحِ»، «وَيَسْتَوْعِبَ»، یہ یَنوی پر عطف ہے اور یَنوی پر ان داخل ہوا تھا، نصب اس نے دیا تھا تو یہاں بھی نصب پڑھیں گے: «وَيَسْتَوْعِبَ رَأْسَهُ بِالْمَسْحِ»، استوعب یستوعب استیعاب کے معنی ہیں گھیر لینے کے، احاطہ کر لینا، «وَيَسْتَوْعِبَ رَأْسَهُ»، اور وضو کرنے والا احاطہ کر لے گا اپنے سر کا «بِالْمَسْحِ» مسح کے ساتھ، یعنی مسح میں کیا کر لے گا؟ پورے سر کو گھیر لے گا، پورے سر کا مسح کرے گا۔ یہ مستحب ہے بھئی کس کے نزدیک؟ صاحب قدوری کے نزدیک۔ آگے صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں: «وَهُوَ السُّنَّةُ»، اور یہی سنت ہے بھئی۔ ہمارے نزدیک یہ کیا ہے؟ سنت ہے بھئی کہ پورے سر کا مسح کیا جائے، حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ معمول تھا بھئی۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: السُّنَّةُ هُوَ التَّثْلِيثُ بِمِيَاهٍ مُخْتَلِفَةٍ»، اور امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ سنت جو ہے وہ تثلیث ہے، تین مرتبہ کرنا مسح کو «بِمِيَاهٍ مُخْتَلِفَةٍ»، میاہ جمع ہے ماء کی بھئی، مختلف پانیوں کے ساتھ، «اعْتِبَارًا بِالْمَغْسُولِ»، قیاس کرتے ہوئے مغسول پر۔ اعضائے مغسولہ پر وہ قیاس کرتے ہیں بھئی، وہ اعضاء جن کو دھویا جاتا ہے وضو میں ان میں مسنون کیا ہے؟ سنت کیا ہے کتنی مرتبہ دھویا جائے؟ تین تین مرتبہ ان کو دھویا جائے گا، تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ مسح بھی کیا جائے گا کتنی مرتبہ؟ تین مرتبہ کیا جائے گا بھئی اور مختلف پانیوں سے یعنی ہر مرتبہ نیا پانی لے گا پھر مسح کرے گا، پھر نئے پانی سے ہاتھ تر کرے گا پھر مسح کرے گا، تو تین مرتبہ اس طرح کرے گا بھئی نئے پانی کے ساتھ، نئے پانی کے ساتھ۔ یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کا قول گزرا بھئی اور ان کی دلیل بھی کہ وہ قیاس کرتے ہیں اس کو مغسول پر۔ نیز ان کی دلیل حدیث بھی ہے بھئی۔ یاد رکھیے یہ صاحب ہدایہ مختصر طریقے پر چل رہے ہیں، مسائل اور ان کی

ایک ایک دلیل وغیرہ، دلیلِ نقلی کے ساتھ ساتھ کبھی دلیلِ عقلی بھی ذکر کرتے ہیں اور جہاں جہاں دلیلِ عقلی جو ہے مؤید ہو رہی ہو اس کو ذکر کرتے ہیں۔ تو یہاں دلائل کا استقصاء اور ان کا احاطہ مقصود نہیں۔ احناف کے صرف یہی دلائل نہیں ہیں بھئی، احناف کے پاس ہر ہر مسئلے کے اندر بھئی دلائل کے انبار موجود ہیں بھئی۔ حضرت شیخ رَحِمَهُ اللهُ ترمذی شریف کے اندر وہاں پر احناف کے دلائل لکھواتے تھے بھئی، وہاں بھی اگرچہ احاطہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اتنے دلائل ہر ہر مسئلے کے اندر احادیث ہیں، دلائلِ عقلیہ نقلیہ ہر قسم کے، اتنے دلائل ہوتے احادیث قرآن سے بھی، احادیث سے بھی اور اسی طرح قیاس وغیرہ، اتنے دلائل ہوتے تھے کہ انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے بھئی۔ لیکن ان کو یاد کرنے کے لیے اتنا ہی قوی حافظہ بھی چاہیے بھئی، اتنا قوی۔ اور دلائل، عجیب دلائل بھئی، اتنے قوی دلائل احناف کے پاس ہر ہر مسئلے میں موجود اور ان کو ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ رَحِمَهُ اللهُ کی زبان پر یہ جملہ آجایا کرتا تھا، فرماتے تھے: یہ ہے احناف کا مذہب بھئی، یوں لگتا ہے براہِ راست آسمان سے نازل ہو رہا ہے بھئی، براہِ راست، اتنے قوی دلائل قرآن سے، احادیث سے، قیاس سے۔ تو یہاں پر مختصراً صاحبِ ہدایہ مختصرات کرتے ہیں، ایک آدھی دلیل ان کی جو دلیل ہے اس مسئلے میں قوی اس کو ذکر کر دیتے ہیں اور پھر اس کا جو جواب وغیرہ احناف دیتے ہیں اس کو ذکر کر دیتے ہیں بھئی۔

تو یہاں ایک تو ان کے قیاس کو ذکر کیا امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کے، اسی طرح بعض احادیث کے اندر بھی تین مرتبہ مسح کا ذکر آیا ہے بھئی۔ تو آگے اب ہماری دلیل بھی اور امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کا جواب بھی آرہا ہے: «وَلَنَا»، اور ہماری دلیل یہ ہے: «أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً»، کہ حضرت انس رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے وضو فرمایا تین تین مرتبہ، تین تین مرتبہ کا کیا مطلب ہے؟ اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا، «وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً» اور مسح فرمایا اپنے سر پر ایک مرتبہ، «وَقَالَ» اور فرمانے لگے: «هَذَا وُضُوءُ رَسُولِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، یہ ہے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا وضو کہ آپ اس طرح وضو فرماتے تھے۔ دیکھیے اس حدیث کے اندر اعضاء تو تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے لیکن سر پر ایک مرتبہ مسح کرنے کا ذکر ہے، معلوم ہوا مسح کے اندر تثلیث مسنون نہیں بلکہ مسنون کیا ہے؟ ایک مرتبہ مسح کیا جائے۔

صحابِ کرام میں سے بہت سے صحابہ سے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا وضو روایت ہے، صحابہ لوگوں کے سامنے وضو کر کے فرماتے تھے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا وضو کر کے دکھاتے تھے کہ یہ ہے اس طرح حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وضو فرماتے تھے بھئی۔ عجیب لوگ تھے صحابہ، سرورِ کونین صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ایک ایک سنت کو ہم تک پہنچا دیا، اتنی اتنی باریک باتیں اتنی باریک باتیں ان کو بھی انہوں نے امت تک پہنچایا بھئی۔ حضرت عثمانِ غنی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے بارے میں آتا ہے، آپ خلیفۃ المسلمین تھے، آخری عمر کے ایام میں بوڑھے ہو چکے ہیں ضعیف ہو چکے ہیں اور ایک مرتبہ وضو فرمایا اور وضو فرمانے کے بعد کھڑے ہوئے، تو کھڑے ہو کر پھر ہلکا سا مسکرائے بھئی۔ اور ساتھی پاس موجود تھے حیران ہوئے کہنے لگے: یا امیر المؤمنین، یہ آج آپ نے ایسا فعل کیا جو اس سے پہلے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ وضو کے بعد کھڑے ہونے کے بعد آپ ہلکا سا مسکرائے ہیں۔ تو حضرت عثمانِ غنی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے عجیب جواب دیا، فرمایا کہ میرے محبوبِ اعظم ایک مرتبہ وضو کے بعد جب اس طرح کھڑے ہوئے تھے تو اسی طرح ہلکا سا مسکرائے تھے، تو میرا آج دل کیا کہ مجھے وہ سنت یاد آئی تو میں نے دل کیا کہ اس پر عمل کر لوں بھئی۔ صحابہ نے اس طرح ایک ایک دین کی بات ہم تک پہنچائی بھئی، صحابہ کا نام بھی آتا ہے تو دل کے اندر حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے بھئی۔ عجیب لوگ تھے، عجیب لوگ۔ ان کے واقعات پڑھتا ہے انسان حیران رہ جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہیں سے واپس تشریف لا رہے تھے کسی غزوہ سے اور تو آرام کا وقت ہوا رات کا وقت، تو پوچھا کہ کون حفاظت وغیرہ کرے گا؟ کون پہرہ دے گا؟ دو صحابہ نے کہا: ہم پہرہ دیں گے، ایک انصاری تھے ایک مہاجر تھے بھئی۔ تو وہ دو حفاظت کے لیے تیار ہوئے اور پھر آپس میں طے کیا کہ باری باری پہرہ دیتے ہیں، ایک صحابی سو گئے اور ایک کھڑے ہوئے بھئی حفاظت کے لیے، اور پھر کہ وہیں پر نماز کی نیت باندھ لی کہ میں نماز ادا کرتا ہوں، کوئی آئے گا اس کا بھی پتہ لگے گا اور نماز کا ثواب بھی کما لیتا ہوں، مشغول ہو گئے نماز کے اندر بھئی۔ تو ایک شخص جو تاک میں تھا پیچھے آرہا تھا، اس کی غالباً بیوی کو گرفتار کیا گیا تھا اور اس نے بدلے کا ارادہ کیا ہوا تھا، تو جب دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے، وہ صحابی نماز میں مصروف تھے بھئی، ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور حفاظت کر رہا ہے، تو اس نے تیر چلایا بھئی، وہ تیر صحابی کو لگا بھئی۔ اندازہ لگائیں کتنی تکلیف کا باعث ہو گا! لیکن اس صحابی نے نماز نہیں توڑی بھئی، اسی طرح نماز پڑھ رہے ہیں، خون جاری ہے، ابتدائی زمانہ ہے، اور تو تیر لگا ان کو، نماز اسی طرح پڑھتے رہے۔ دوسری مرتبہ پھر اس نے دوسرا تیر چلایا دوسرا تیر بھی ان کو لگا، انہوں نے نماز پھر بھی نہیں توڑی اسی طرح پڑھتے رہے۔ پھر اس نے تیسرا تیر چلایا تیسرا تیر بھی ان کو لگا، سارے کپڑے خون سے بھر گئے ہیں لیکن وہ اپنی نماز میں مصروف ہیں، تو نماز مکمل کی اور پھر اپنے ساتھی کو جگایا کہ اس طرح کوئی شخص آیا ہے جو تیر چلا رہا ہے، صحابی نے دوسرے نے ان کو دیکھا تو حیران رہ گئے کہنے لگے: سبحان اللہ! عجیب آدمی ہو بھئی، جب پہلا تیر لگا تھا تو تم اسی وقت فوراً مجھے بتاتے، تم نے کیوں جلدی مجھے نہیں جگایا اور نہیں بتایا؟ صحابی نے عجیب جواب دیا، فرمانے لگے کہ میں اس وقت ایک سورت کی تلاوت میں مصروف تھا اور میرا دل نہیں مانا کہ میں اس سورت کو درمیان میں چھوڑ دوں بھئی۔ تو عجیب لوگ تھے صحابہ بھئی۔

تو حدیث میں ہے: «وَلَنَا أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً»، کہ حضرت انس رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے وضو فرمایا تین تین مرتبہ، تین تین مرتبہ کا کیا مطلب ہے؟ اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا، «وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً»، اور مسح فرمایا اپنے سر پر ایک مرتبہ، «وَقَالَ: هَذَا وُضُوءُ رَسُولِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، اور فرمانے لگے: یہ ہے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا وضو کہ آپ اس طرح وضو

فرماتے تھے۔ دیکھیے اس حدیث کے اندر اعضاء تو تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے لیکن سر پر ایک مرتبہ مسح کرنے کا ذکر ہے، معلوم ہوا مسح کے اندر تثلیث مسنون نہیں بلکہ مسنون کیا ہے؟ ایک مرتبہ مسح کیا جائے۔

■ مسئلہ: وَالَّذِي يُرْوَى مِنَ التَّثْلِيثِ

«وَالَّذِي يُرْوَى مِنَ التَّثْلِيثِ»، اور وہ جو روایت کیا گیا ہے تثلیث میں سے یعنی تین مرتبہ مسح کرنے کے بارے میں جو ذکر آیا ہے حدیث کے اندر، «مَحْمُولٌ عَلَيْهِ بِمَاءٍ وَّاحِدٍ»، وہ محمول ہے ایک پانی پر۔ بعض احادیث میں میں نے بتایا وہ بھی امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کی دلیل ہیں کہ ان میں تین تین مرتبہ مسح کرنے کا ذکر ہے، اس کا جواب دے رہے ہیں صاحب ہدایہ کہ وہ کس پر محمول ہیں؟ ہر مرتبہ نیا پانی نہیں بلکہ اسی پانی کے ساتھ تین مرتبہ مسح کرلے، «وَهُوَ مَشْرُوعٌ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ»، اور یہ بھی مشروع ہے جائز ہے بنا پر اس کے جو روایت کیا گیا ہے امام اعظم ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللهُ سے۔ امام صاحب کے نزدیک بھی یہ جائز ہے، مسنون ہے امام صاحب کے نزدیک ایک پانی سے اگر تین مرتبہ کیا کرلیتا ہے؟ مسح کرلیتا ہے، کیونکہ یہ حدیث کے اندر آیا ہے بھئی۔

یہ تو نقلی دلیل ذکر کی بھئی، احناف کی دلیل حضرت انس رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی حدیث آگئی یہ نقلی دلیل۔ آگے عقلی دلیل بھی صاحب ہدایہ ذکر کر رہے ہیں بھئی کہ عقل بھی یہی بتلاتی ہے یہی فیصلہ کرتی ہے کہ مسح ایک مرتبہ ہونا چاہیے یا تین مرتبہ تو ہو لیکن نئے پانی سے نہ ہو، اگر نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کیا جائے گا تو یہ تو مسح نہ رہے گا یہ تو غسل بن جائے گا بھئی، کیا بن جائے گا؟ غسل بن جائے گا اور شریعت نے مسح کرنے کا حکم دیا ہے سر کے اندر، دھونے کا حکم نہیں دیا بھئی۔ تو مسح ہی بدل کر غسل بن جائے گا تو عقل بھی یہی کہتی ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ مسح کرنا چاہیے یہاں پر شریعت نے مسح کا حکم دیا ہے، تین دفعہ کریں گے تو کیا بن جائے گا؟ غسل بن جائے گا۔ «وَلِأَنَّ الْمَفْرُوضَ هُوَ الْمَسْحُ وَبِالتَّكْرَارِ يَصِيرُ غَسْلًا»، اور اس لیے کیونکہ جو فرض کیا گیا ہے وہ تو مسح ہے «وَبِالتَّكْرَارِ يَصِيرُ غَسْلًا» اور تکرار کی وجہ سے وہ غسل بن جائے گا، «فَلَا يَكُونُ مَسْنُونًا»، تو وہ مسنون نہیں ہو گا بھئی، مسنون تو مسح ہے غسل نہیں۔ «فَصَارَ كَمَسْحِ الْخُفِّ»، تو یہ کس کی طرح ہو گیا؟ موزے کے مسح کی طرح ہو گیا، موزے کا مسح تو ایک مرتبہ کیا جاتا ہے، موزے کا، امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ نے مسح کو قیاس کیا تھا اعضائے مغسولہ پر تو اعضائے مغسولہ پر نہیں قیاس کرنا چاہیے مسح کو، مسح کو مسح دوسری جگہ جو ہے مسح اس پر قیاس کرنا چاہیے اور موزے کے اندر مسح کا حکم ہے اور وہ کتنی مرتبہ کیا جاتا ہے؟ ایک مرتبہ، تو لہٰذا سر کے اندر بھی مسح کا حکم ہے تو یہاں بھی مسح کتنی دفعہ کیا جائے گا؟ ایک مرتبہ۔ «فَصَارَ كَمَسْحِ الْخُفِّ»، تو یہ موزے کے مسح کی طرح ہو گیا، «بِخِلَافِ الْغَسْلِ»، بخلاف غسل دھونے کے، اس میں تین مرتبہ کا ذکر ہے «لِأَنَّهُ لَا يَضُرُّهُ التَّكْرَارُ»، اس کو تکرار نقصان نہیں دیتا۔ مسح کے اندر تکرار ہو تو نقصان آئے گا بھئی، کیا نقصان آئے گا کہ مسح نہ رہے گا بلکہ کیا بن جائے گا؟ غسل، لیکن غسل کے اندر اگر تکرار آئے تو اس سے غسل کو کوئی نقصان نہیں ہوتا، ایک مرتبہ چیز کو دھوئیں یا تین مرتبہ دھوئیں وہ دھونا ہی ہے، دھونے سے وہ نکلے گا نہیں لیکن مسح مسح سے نکل کر کیا بن جائے گا؟ غسل بھئی۔ «بِخِلَافِ الْغَسْلِ لِأَنَّهُ لَا يَضُرُّهُ التَّكْرَارُ»، بخلاف دھونے کے اس لیے کیونکہ غسل جو ہے اس کو تکرار نقصان نہیں دیتا۔

«وَيُرَتِّبُ الْوُضُوءَ، فَيَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ تَعَالَى بِذِكْرِهِ، وَبِالْمَيَامِنِ»، «وَيُرَتِّبُ الْوُضُوءَ»، اس کا بھی عطف اسی یستوعب یا ینوی پر عطف ہے، اور یہ کہ ترتیب سے کرے وضو کو وضو کرنے والا، «فَيَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ تَعَالَى بِذِكْرِهِ»، پس ابتدا کرے اس چیز سے جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے ابتدا فرمائی ہے، اللہ نے وضو کا حکم دیا: «فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ»، تو ابتدا کہاں سے فرمائی اللہ نے؟ چہرے سے بھئی، چہرے کے ذکر سے، تو اسی سے وضو کرنے والا بھی ابتدا کرے یعنی ترتیب وہی رکھے بھئی، ترتیب وہی بھئی۔ «فَيَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ تَعَالَى بِذِكْرِهِ»، تو ابتدا کرے اس چیز کی جس کے ذکر سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے، «وَبِالْمَيَامِنِ»، اور داہنی طرف سے کرے، یہ مستحب ہے وضو کے اندر، یعنی اعضاء کے اندر پہلے دائیں طرف کو دائیں مثلاً ہاتھ دھونے ہیں تو پہلے دائیں ہاتھ کو دھوئے اور اس کے بعد بائیں ہاتھ کو۔

■ مسئلہ: وَالتَّرْتِيبُ فِي الْوُضُوءِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا

«وَالتَّرْتِيبُ فِي الْوُضُوءِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا»، صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ ترتیب سے کرنا یہ ہمارے نزدیک کیا ہے؟ سنت ہے، صاحب قدوری نے تو مستحبات میں ذکر کیا لیکن یہ سنت ہے «عِنْدَنَا» ہمارے نزدیک، «وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فَرْضٌ»، اور امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک یہ فرض ہے بھئی، فرض ہے۔ بلکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض ہے بھئی ترتیب سے کرنا۔ «لِقَوْلِهِ»، دلیل ذکر کر رہے ہیں امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کی، بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: «فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ»، الآیۃ، تو تم پس دھو اپنے چہروں کو، الآیۃ۔ الآیۃ معروفۃ، آیت معروف ہے معلوم ہے، ہم نے کچھ حصہ پڑھ دیا باقی آپ کو معلوم ہے، یا اقرأ الآیۃ منصوب پڑھیں الآیۃ کو، کہ کچھ حصہ ہم نے ذکر کر دیا باقی آپ پڑھ لیجیے۔ تو یہ «فَاغْسِلُوا»، یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کی دلیل ہے کہ اس کے اندر فا آئی، «وَالْفَاءُ لِلتَّعْقِيبِ»، اور فا کس لیے ہوتی ہے؟ تعقیب کے لیے، ایک چیز کو دوسری چیز کے پیچھے لانا، اس کے بعد لانا، اس کے عقب میں لانا فا اس چیز کا فائدہ دیتی ہے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو»، اس جملے سے آپ کو کیا پتہ چلا کہ کون آیا ہے پہلے؟ زید، «فَعَمْرٌو» تو یہ جو فا کے بعد ہے وہ بعد میں آیا ہے، تو فا نے تعقیب کا فائدہ دیا،

تعقیب مع الوصل کا یعنی زید کے فوراً بعد عمرو آیا ہے۔ فوراً بعد کا کیا معنی؟ یاد رکھیے فوراً بعد کا یہ معنی نہیں کہ جیسے ہی زید آیا ساتھ ہی فوراً کون آ گیا؟ عمرو، عرف میں جسے فوراً سمجھا جاتا ہے بھئی عرف میں۔ زید آیا زید کے آنے کے پانچ دس منٹ بعد عمرو آیا تھا لیکن اگلے دن کوئی آپ سے پوچھتا ہے زید کے بعد عمرو کتنی دیر بعد آیا تھا؟ آپ کہتے ہیں فوراً ہی آ گیا تھا بھئی۔ تو یہ عرف میں یہ تھوڑی دیر اس کو دیر سمجھا ہی نہیں جاتا بھئی۔ تو یہ ہے تعقیب مع الوصل بھئی۔ تو امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں پر «فَاغْسِلُوا» کے اندر فا آئی اور فا تعقیب کا فائدہ دیتی ہے کہ یہ جو بعد میں آ رہا ہے اس کو یہ بعد میں ہونا چاہیے، پیچھے کیا ذکر تھا؟ ارادۂ قیام للصلاۃ: جب تم نماز کے لیے اٹھنے کا ارادہ کرو تو اس ارادے کے بعد کیا کر لو پہلے؟ پہلے وضو کر لو، «فَاغْسِلُوا» چہروں کو دھو لو، «وَأَيْدِيَكُمْ» اور ہاتھوں کو دھو لو۔ معلوم ہوا یہاں پر ارادے پر چہرے کا دھونا مرتب ہو رہا ہے، ارادے پر چہرے کا دھونا مرتب ہو رہا ہے یعنی اس کے بعد آ رہا ہے ترتیب سے، تو جب ایک جگہ ترتیب آ گئی تو باقی سب کے اندر بھی کیا آ جائے گی؟ ترتیب آ جائے گی، تو چہرے کو دھویا جائے گا پھر اس کے بعد ہاتھوں کو، اس کے بعد مسح کا ذکر ہے قرآن میں، پھر اس کے بعد پاؤں کے دھونے کا ذکر ہے، تو یہ ترتیب یہ قرآن سے ثابت ہے تو یہ فرض ہے بھئی، فرض ہے۔ اور یہ فائدہ کس نے دیا ترتیب کا؟ فا نے دیا، کیونکہ باقی جگہ اگرچہ واؤ ہے لیکن یہاں دو ہی صورتیں ہیں: یا تو سب میں ترتیب کو مانا جائے یا کسی میں بھی ترتیب کو نہ مانا جائے، کسی میں بھی ترتیب کو نہ مانا جائے تو فا کو معطل کرنا لازم آئے گا کہ فا تو پھر اس کا مطلب ہے کوئی فائدہ ہی نہیں دے رہی، اور فا فائدہ دے تو پھر کیا کرنا پڑے گا جب ایک جگہ ترتیب آ گئی تو سب جگہ ترتیب ماننا پڑے گی بھئی، یہ دلیل ہے امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کی۔

«وَلَنَا»، اور ہماری دلیل یہ ہے: «أَنَّ الْمَذْكُورَ فِيهَا حَرْفُ الْوَاوِ»، کہ وہاں پر کیا مذکور ہے قرآن کے اندر؟ حرفِ واؤ مذکور ہے، «وَهِيَ لِمُطْلَقِ الْجَمْعِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ»، اور یہ واؤ جو ہے یہ مطلقِ جمع کے لیے ہوتا ہے اہل لغت کے اجماع سے، یعنی اہل لغت اہل زبان جو عرب ہیں ان کا اجماع ہے بڑے بڑے جو ائمہ ہیں ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ واؤ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ مطلقِ جمع کا، مطلقِ جمع کا، یعنی اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، اس جملے نے صرف اتنا بتلایا کہ یہ مجیئت کے فعل میں، آنے کے فعل میں دونوں جمع ہیں، زید بھی اور عمرو بھی، یعنی زید نے بھی آنے والا فعل کیا ہے عمرو نے بھی آنے والا فعل کیا ہے، ترتیب نہیں ہے۔ زید کا لفظ اگرچہ لفظوں میں پہلے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ زید پہلے آیا ہے اور عمرو بعد میں، ہو سکتا ہے عمرو پہلے آیا ہو اور زید بعد میں پھر بھی آپ کا یہ کہنا «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» زید کو لفظوں میں مقدم کرنا درست ہے، اس لیے کیونکہ واؤ ترتیب کا فائدہ دیتا ہی نہیں، وہ صرف کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ مطلقِ جمع، جمع کا کیا معنی؟ دونوں کو ما قبل اور ما بعد کو یہ جمع کر دیتا ہے اس حکم کے اندر جو ان پر لگایا جا رہا ہے اور یہاں کس چیز کا حکم زید پر لگایا جا رہا ہے؟ مجیئت کا، آنے کا، تو یہی حکم کس کے لیے ہو جائے گا؟ عمرو کے لیے بھی، تو دونوں جمع ہو گئے اس آنے کے حکم میں۔ اور یہ کوئی تفصیل بیان نہیں کرے گا، چاہے زید پہلے آیا ہو اور عمرو بعد میں یا عمرو پہلے ہو زید بعد میں، دونوں صورتوں میں آپ کہہ سکتے ہیں «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»۔ زید کے فوراً بعد عمرو آیا ہو یا زید آج آیا ہے اور عمرو دس سال پہلے آیا تھا لیکن آئے تو دونوں ہیں تو آپ کہہ سکتے ہیں «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»۔ واؤ وہ صرف جمع کرنے کا فائدہ دیتا ہے، ترتیب وغیرہ کا فائدہ نہیں دیتا۔ اور قرآن میں بھی «فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ» واؤ آیا «إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا» واؤ آیا بھئی مسح سے پہلے بھی، «وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ» یہاں بھی کیا آیا؟ واؤ آیا بھئی۔ تو یہاں پر ان اعضاء کے درمیان واؤ آیا ہے اور واؤ صرف جمع کرنے کا فائدہ دیتا ہے، یعنی ان کا یہ حکم میں جمع تو ہوں گے لیکن ان کے اندر ترتیب نہیں بھئی، ترتیب نہیں، کیونکہ واؤ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ مطلقِ جمع کا فائدہ دیتا ہے، مطلقِ جمع کا۔ یہ معنی ہے بھئی: «وَلَنَا أَنَّ الْمَذْكُورَ فِيهَا حَرْفُ الْوَاوِ، وَهِيَ لِمُطْلَقِ الْجَمْعِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ»۔

«فَتَقْتَضِي»، تو بھئی فا کا کیا فائدہ ہوا؟ فا بھی تو آئی تھی، اس کا بھی بتلا رہے ہیں کہ بھئی فا جو ہے وہ جس مقام پر آئی ہے وہاں ترتیب کا فائدہ دے گی، جس مقام پر آئی۔ فا کس مقام پر آئی؟ فا سے ما قبل کیا ہے؟ ارادۂ قیام للصلاۃ، نماز کے لیے جب اٹھنے کا ارادہ کرو، اور فا کے ما بعد کیا کیا ذکر ہے؟ چہرے کے دھونے کا بھی حکم اور ہاتھوں کے دھونے کا بھی حکم، سر کے مسح کا بھی حکم، پاؤں کے دھونے کا بھی حکم، یہ چار چیزیں فا کے بعد ہیں، ان چار چیزوں کے بیچ میں تو واؤ آیا وہ ترتیب کا فائدہ نہیں دے گا بلکہ صرف کس چیز کا فائدہ دے گا؟ جمع کرنے کا فائدہ دے گا، ان کو جمع کیا جائے گا اور یہ مجموعہ بن گیا، یہ چار چیزیں کیا بن گئیں؟ مجموعہ۔ یہ مجموعہ اس پر فا داخل ہوئی ہے اس سارے مجموعے پر، تو یہ سارا مجموعہ ارادۂ قیام کے بعد ہونا چاہیے۔ یہ سارا مجموعہ کیا ہے؟ اور یہ مجموعہ کیا ہے؟ وضو۔ معلوم ہوا ارادۂ قیام للصلاۃ ہو جب نماز کے لیے اٹھنے کا ارادہ ہو تو اس ارادے کے فوراً بعد کیا ہونا چاہیے؟ اس کے بعد فوراً وضو ہونا چاہیے، تو تمام یہ جملۂ اعضاء یہ سارے کیا ہیں ان کا حکم یہ فا کے مؤخر ہے بھئی فا سے، تو فا ان میں ترتیب کا فائدہ دے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی سب کو اچھی طرح؟ یہ معنی ہے: «فَتَقْتَضِي إِعْقَابَ غَسْلِ جُمْلَةِ الْأَعْضَاءِ»، تو یہ فا تقاضا کرتی ہے «إِعْقَابَ» پیچھے لانا بعد میں لانا «غَسْلِ جُمْلَةِ الْأَعْضَاءِ» تمام اعضاء کے دھونے کو پیچھے لانے کا تقاضا کرتی ہے بعد میں لانے کا، یہ فا تمام اعضاء کے دھونے کو اس کے بعد میں لانے کا تقاضا کرتی ہے یعنی ارادۂ قیام کے بعد یہ سارے ہونے چاہییں بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

■ مسئلہ: وَالْبِدَايَةُ بِالْمَيَامِنِ فَضِيلَةٌ

«وَالْبِدَايَةُ بِالْمَيَامِنِ فَضِيلَةٌ»، اور دائیں طرف سے ابتدا کرنا یہ فضیلت ہے، یعنی یہ فضیلت والی بات ہے افضل چیز ہے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے اس قول کی وجہ سے، دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی: «إِنَّ اللهَ تَعَالَى يُحِبُّ التَّيَامُنَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى التَّنَعُّلِ وَالتَّرَجُّلِ»،

کہ اللہ تعالیٰ جو ہیں دائیں طرف سے کرنے کو یہ پسند فرماتے ہیں ہر چیز کے اندر، اللہ تعالیٰ ہر چیز میں دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے ہیں «**حَتَّى التَّنَعُّلِ**»، تنعل کا معنی جوتے پہننا، «**وَالتَّرَجُّلِ**»، ترجل کا معنی کنگھی کرنا بالوں میں، اللہ تعالیٰ ہر چیز میں دائیں طرف سے کرنے کو پسند فرماتے ہیں حتیٰ کہ جوتے پہننے میں اور کنگھی کرنے میں، حتیٰ کہ جوتے پہننے اور کنگھی کرنے میں بھی۔

«**فَصْلٌ فِي نَوَاقِضِ الْوُضُوءِ**»، اچھا بھئی، آگے وضو کو توڑنے والی چیزوں کا بیان ہے۔ وضو کے فرائض بھی ذکر ہوئے، وضو کی سنتیں بھی ذکر ہوئیں، اور وضو کے مستحبات بھی ذکر ہوئے بھئی، مستحبات بھی۔ تو وضو گویا مکمل ہوا بھئی۔

یاد رکھیے وضو کے بعد سورۃ «**إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ**» بھئی سورۂ قدر وضو کے بعد پڑھنی چاہیے بھئی۔ حدیث میں آتا ہے جو شخص وضو کے بعد سورۂ قدر پڑھتا ہے سورۂ «**إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ**» پڑھتا ہے، وہ صدیقین میں سے شمار ہو گا بھئی۔ کتنی عظیم فضیلت ہے کہ جو شخص وضو کے بعد اس سورت کے پڑھنے کو اپنا معمول بنالے! اسی طرح یہ دعا پڑھنی چاہیے وضو کے بعد بھئی: «**اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ**»، جی یہ لکھ لیجیے بھئی دعا بھئی: «**اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ**» —کیسے لکھیں گے بھئی؟ «**وَاجْعَلْنِي**»، ہمزۂ وصلیہ وہ پھر پڑھتے ہوئے گر جائے گا، پہلے تا ہے دو نقطوں والی پھر طا ہے، «**الْمُتَطَهِّرِينَ**» —«**وَاجْعَلْنِي**» —نون کے بعد یا بھی ہے بھئی متکلم کی—«**مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ**»، صاد کے ساتھ: «**الصَّالِحِينَ**»، «**وَاجْعَلْنِي مِنَ الَّذِينَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ**»، «**يَحْزَنُونَ**»: یا، حا، زا، «**يَحْزَنُونَ**»۔ لکھ لیا بھئی؟ تو یہ دعا پڑھے بھئی: «**اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الَّذِينَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ**» تو یہ دعا بھی وضو کے بعد پڑھنی چاہیے بھئی۔ چلیے بس بھئی: **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۰: مسئلہ: مَا یَخْرُجُ مِنَ السَّبِیلَیْنِ

ہدایہ صفحہ: ۲۳ــــ بتاریخ: ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ فِي نَوَاقِضِ الْوُضُوءِ

اَلْمَعَانِي النَّاقِضَةُ لِلْوُضُوءِ كُلُّ مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ الآيَةَ، وَقِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَا الْحَدَثُ؟ قَالَ: «مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ»، وَكَلِمَةُ «مَا» عَامَّةٌ فَتَتَنَاوَلُ الْمُعْتَادَ وَغَيْرَهُ۔ [1]

گزشتہ سبق میں وضو کا بیان مکمل ہوا تھا، وضو کے فرائض بھی پڑھ لیے آپ نے، وضو کی سنتیں بھی پڑھ لیں، مستحبات بھی پڑھ لیے۔ بھئی وضو سے پہلے کیا دعا پڑھی جائے گی بھئی؟ «**بِسْمِ اللهِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى دِينِ الْإِسْلَامِ**» اور وضو کے بعد کیا پڑھیں گے؟ «**اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ**» اور اسی طرح میں نے ذکر کیا تھا کہ وضو کے بعد سورۂ «**إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ**» یعنی سورۂ قدر جو پڑھے گا، حدیث میں آتا ہے وہ صدیقین میں سے ہے بھئی۔ تو کس نے ان کو اپنا معمول بنالیا بھئی؟ جی؟ ہاں، شاباش بھئی! باقی بھی، بھئی باقی ان کو اپنا معمول بناؤ بھئی معمول بھئی۔ میں نے بتایا جو سنتیں پڑھتے جارہے ہیں اور ان کو اپنا معمول بنائیں بھئی، بے انتہا برکات اور رحمتیں آپ کا احاطہ کرلیں گی جن کا آپ تصور بھی نہیں کرسکتے، اور یہ وقت کے ساتھ ساتھ چیز بڑھتی چلی جاتی ہے بھئی۔

جی، تو آج ہم نواقضِ وضو کے بارے میں پڑھیں گے۔ «**فَصْلٌ فِي نَوَاقِضِ الْوُضُوءِ**»، **أَيْ: هَذَا فَصْلٌ**، یہ فصل ہے نواقضِ وضو کے بیان میں۔ نواقض جمع ہے ناقض کی اور وہ چیز جو وضو کو توڑنے والی ہے، توڑنے والی، تو نواقضِ وضو وضو کو توڑنے والی چیزیں، ان کا بیان کریں گے اس فصل میں صاحبِ ہدایہ بھئی۔

جی، تو فرماتے ہیں: «**اَلْمَعَانِي النَّاقِضَةُ لِلْوُضُوءِ كُلُّ مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ**»۔ المعانی کا لفظ آیا بھئی، یہاں ایک قیمتی نکتہ یاد رکھیے گا۔ فقہ کی کتابوں میں معنی کا لفظ آئے تو عموماً عموماً اکثر جو ہے وہ سبب اور علت کے معنی میں ہوگا۔ کس معنی میں ہوگا؟ سبب اور علت کے معنی میں ہوگا۔ تو المعنی کی جمع آئی المعانی، وہ اسباب، «**اَلنَّاقِضَةُ لِلْوُضُوءِ**» جو توڑنے والے ہیں وضو کو بھئی۔ آسان لفظوں میں یوں کہیے: وہ چیزیں جو وضو کو توڑنے والی ہیں وہ کیا کیا ہیں؟ فرماتے ہیں: «**كُلُّ مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ**»، ہر وہ چیز جو نکلے «**مِنَ السَّبِيلَيْنِ**» ان دو راستوں سے، یعنی پیشاب پاخانے کے راستے سے جو کچھ نکلے وہ چیز وضو کو توڑنے والی ہے۔

دلیل اس کی کیا ہے؟ کہتے ہیں: «**لِقَوْلِهِ تَعَالَى**»، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿**أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ**﴾ یا آئے تم میں سے کوئی ایک «**مِنَ الْغَائِطِ**» قضائے حاجت سے بھئی۔ تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت سے آئے بھئی۔ آگے اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ﴿**أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ**﴾ یا تم ملامست کرلو عورتوں کے ساتھ، اپنی بیویوں سے صحبت کرلو، ﴿**فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا**﴾ پھر تم کو پانی نہ ملے تو کس سے وضو کا... تیمم کرلو؟ پاک مٹی سے تیمم۔ پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ معلوم ہوا پانی ملے تو پھر کیا ہوگا؟ وضو یا غسل بھئی۔ قضائے حاجت سے آئے تو اس صورت میں وضو آئے گا، اور بیوی سے صحبت کی ہے تو اس صورت میں غسل بھئی۔

تو یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ جو شخص قضائے حاجت سے آئے اس کو کیا کرنا چا... کیا کرنا چاہیے؟ وضو کرنا چاہیے بھئی، وضو کرنا چاہیے۔ معلوم ہوا اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے، اور قضائے حاجت میں انہی دو راستوں سے جو پیشاب اور پاخانے کا خروج ہوا، معلوم ہوا اس سے وضو ٹوٹ گیا ہے بھئی۔ یہاں غائط کا لفظ آیا بھئی، غائط یہ کنایہ

[1] حوالۂ آیت (شاملہ ص۵): (**النساء ٤٣**)، ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۵): «**وآله**»۔ • شاملہ (ص۵) میں «**وَمَا**» کے بجائے «**ما**» درج ہے۔

ہے قضائے حاجت سے بھی قضائے حاجت سے۔ غائط اصل میں پست اور نشیبی زمین کو کہتے ہیں، وہ زمین جو ذرا نیچی ہو نیچی، تو چونکہ انسان قضائے حاجت کے لیے بھی ایسی جگہ کا انتخاب کرتا ہے جو نیچی ہو، پست ہو، دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل ہو، اس لیے غائط کے ذریعے کنایہ کیا گیا قضائے حاجت سے بھی، قضائے حاجت۔ تو ایک یہ دلیل ہوئی بھی، یہ آیت بھی۔

اور نیز آگے حدیث بھی دلیل کے طور پر ذکر فرمارہے ہیں: «وَقِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: «وَمَا الْحَدَثُ؟» کہ حدث کیا چیز ہے؟ «قَالَ: مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ»، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمانے لگے: «مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ»، وہ چیز جو سبیلین سے نکلے وہ حدث ہے یعنی وہ وضو کو توڑ دے گی۔

■ مسئلہ: وَكَلِمَةُ مَا عَامَّةٌ فَتَتَنَاوَلُ الْمُعْتَادَ...

«وَكَلِمَةُ مَا عَامَّةٌ فَتَتَنَاوَلُ الْمُعْتَادَ وَغَيْرَهُ» اور کلمۂ ما عام ہے، یہ شامل ہے معتاد کو بھی اور غیرہ، أَيْ: غَيْرَ الْمُعْتَادِ، اور غیر معتاد کو بھی شامل ہے۔ یہ دراصل رد کر رہے ہیں، جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ امام مالک رحمہ اللہ کو۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ «كُلُّ مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ» یہ ناقض نہیں بلکہ صرف وہ چیز ناقض ہے جو معتاد... جس کا خروج معتاد ہے، جس کا خروج کیا ہے؟ معتاد۔ یعنی جو چیز ان دو راستوں سے عادتاً نکلتی ہے وہ تو ناقضِ وضو ہے، جو چیز نکلی ان دو راستوں سے لیکن عادتاً نہیں نکلتی وہ، تو وہ ناقضِ وضو نہیں، ناقضِ وضو نہیں۔ مثلاً خون نکل آیا بھئی، اب خون تو عادتاً ان راستوں سے نہیں نکلتا بھئی، تو یہ ناقضِ وضو نہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں بھئی کہ دمِ استحاضہ جو ہے یہ ناقض للوضوء نہیں کیونکہ یہ معتاد نہیں ہے، معتاد نہیں ہے، یہ تو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہو گا، تو جب معتاد نہیں اور ان کے نزدیک تو معتاد کی شرط ہے لہٰذا ان کے نزدیک دمِ استحاضہ ناقض للوضوء نہیں ہے بھئی۔ تو صاحبِ ہدایہ جواب فرمارہے ہیں: «وَكَلِمَةُ مَا عَامَّةٌ»، کہ حدیث میں کیا آیا؟ «مَا يَخْرُجُ مِنَ السَّبِيلَيْنِ»، «مَا» آیا، وہ چیز جو، تو یہ عام ہے۔ یہ معتاد کو بھی شامل ہے اور غیر... یہاں کوئی یہ قید نہیں ہے کہ معتاد چیز نکلے بھئی، بلکہ «مَا» کا لفظ آیا اور «مَا» عام ہے، وہ معتاد کو بھی شامل اور غیر معتاد کو بھی۔ تو کہتے ہیں: «وَكَلِمَةُ مَا عَامَّةٌ فَتَتَنَاوَلُ الْمُعْتَادَ وَغَيْرَهُ»، غیرہ کی ہا ضمیر معتاد کو راجع ہے، تو یہ شامل ہے معتاد کو بھی اور غیر معتاد کو بھی۔

«وَالدَّمُ وَالْقَيْحُ إِذَا خَرَجَا مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَا إِلَى مَوْضِعٍ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ، وَالْقَيْءُ مِلْءُ الْفَمِ»۔ «وَالدَّمُ»، اور خون، «وَالْقَيْحُ»، قیح کہتے ہیں وہ زخم سے جو مواد نکلے، پیپ وغیرہ، اس کو کیا کہتے ہیں؟ قیح کہتے ہیں۔ اور خون اور پیپ، «إِذَا خَرَجَا مِنَ الْبَدَنِ»، جب یہ دونوں نکلیں بدن سے، «فَتَجَاوَزَا»، دیکھو تثنیہ کا صیغہ آرہا ہے، پس یہ دونوں تجاوز کر جائیں، «إِلَى مَوْضِعٍ»، ایسی جگہ کی طرف، «يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ»، کہ ملا ہوا ہو اس جگہ کے ساتھ حکمِ تطہیر، پاک کرنے کا حکم۔ یعنی زخم سے خون نکلا یا پیپ نکلی، بدن سے خون یا پیپ نکلے اور وہ تجاوز کر گئے، بڑھ گئے زخم کے منہ سے اس جگہ کی طرف جس کے دھونے کا شریعت نے حکم دیا ہے، جس کے ساتھ پاکی کا حکم ملا ہوا ہے، یعنی جس کے شریعت نے دھونے اور پاک کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو جب یہ خون اور پیپ اپنی جگہ سے بڑھ جائیں، زخم وغیرہ کے منہ سے بڑھ جائیں، بھئی زخم لگ گیا کسی کو، زخم سے خون نکلا، اب زخم کے مقام کے ساتھ جو جلد ہے، جو کھال ہے، اس کے بھی پاک کرنے کا حکم دیا ہے شریعت نے یا نہیں دیا بھئی؟ وضو میں یا غسل میں، کسی ایک میں تو یہ ضرور داخل ہو گا بھئی یا دونوں میں داخل ہو گا۔ تو زخم سے خون نکل آیا اور وہ خون بڑھ گیا، ساتھ والی کھال پر لگ گیا، اور وہ کھال وہ ایسی جگہ ہے جس کے شریعت نے پاک کرنے کا حکم دیا ہے، پاک کرنے کا حکم دیا ہو، تو اگر ایسی جگہ پر لگ جائے وہ خون یا پیپ بڑھ کر تجاوز کر جائے جس کے شریعت نے پاک کرنے کا حکم دیا ہو، چاہے وضو میں دیا ہو چاہے غسل میں دیا ہو، تو اس صورت میں یہ خون اور یہ پیپ جو ہے ناقض للوضوء ہو گی بھئی۔

آسان لفظوں میں یوں کہیے: قلیل خون جو ہے یا قلیل پیپ جو ہے وہ ناقض للوضوء نہیں، لیکن کثیر ہو جائے جو اس کے اتنی ہو کہ اس جگہ کی طرف کیا کر جائے؟ تجاوز کر جائے، یعنی یوں کہیے بہہ جائے بھئی۔ زخم یا خون یا پیپ کیا ہو؟ بہے۔ تو صرف ان کا نکلنا اس یہ ناقض للوضوء نہیں، بلکہ ان کا بہنا ضروری ہے۔ اتنی اتنی ہو یعنی بہہ جائے، بہہ جائے بھئی۔ تو وہ اس ساتھ والی کھال پر لگے گی اور کھال کے تو شریعت نے کھال کو تو پاک کرنے کا حکم دیا ہے سارے بدن کی جلد کو بھئی، وضو میں یا غسل میں، جس میں بھی دیا ہو لیکن پاکی کا حکم اس کے ساتھ ملا ہوا ہے شریعت کی جانب سے۔ تو اس صورت میں یہ جو خون نکلا یا پیپ نکلی اور جس میں بہنا بھی پایا گیا، یہ ناقض للوضوء ہو گی بھئی۔ اور اگر خون اور پیپ جو ہے وہ زخم کے منہ پر ہی ہے بھئی، قلیل ہے، تو پھر اس صورت میں یہ ناقض للوضوء نہیں بھئی۔ کسی شک اور وہم میں پڑنے کی ضرورت نہیں بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ تو کیا شرط ذکر ہوئی؟ بہنا خون اور پیپ کا، اور کس جگہ کی طرف؟ جس کے ساتھ جس کے بارے میں شریعت کا حکم ہو دھونے کا اور پاک کرنے کا، اس جگہ کی طرف تجاوز کر جائے، تجاوز کر جائے۔ یہ ضروری نہیں، تجاوز کرنا ضروری نہیں، اتنی مقدار نکل آئے... اب ایک آدمی ہے زخم سے خون نکل رہا ہے وہ اس کو صاف کرتا جا رہا ہے، صاف کرتا جا رہا ہے، اب وہ ساتھ والی کھال تک بہہ کر نہیں پہنچا، تو آپ یہ نہ کہیں کہ اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔ اگر وہ اس کو صاف نہ کرتا تو بہہ جاتا یا نہ بہہ جاتا؟ تو وہ تجاوز کر جاتا، بس اتنی مقدار نکلی ہے تو یہ ناقض للوضوء ہے بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ اب آپ اس مسئلے کے مفتی بن گئے بھئی۔ اب آپ کسی کو بھی بتاسکتے ہیں کہ خون یا پیپ نکلی ہو تو کہ وضو ٹوٹا ہے یا نہیں۔ لہٰذا مجھے مسئلہ بتایئے بھئی: ایک آدمی ہے اور وہ گرا اور ہاتھ پر اچھی خاصی بڑی خراش آگئی، خراش آگئی۔ اور خون ظاہر ہوا، پوری خراش پر، لیکن بہا نہیں، آپ کیا حکم لگائیں گے؟ وضو نہیں ٹوٹا، شاباش بھئی! کیونکہ کھا... یہاں صرف ظہور ہوا ہے، خون ظاہر ہوا ہے، کھال کے نیچے کھال کے نیچے خون تو موجود ہے وہ ابھی بھی اپنی جگہ پر ہے خون بھئی، اپنی جگہ پر ہے اور اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ ہاں لیکن اگر یہ ذرا زیادہ ہوا تو اس سے کیا ہو گا یعنی بہنے والا، بہنے کے قابل ہوا اتنا زیادہ ہوا، تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا بھئی ٹوٹ جائے گا۔

اب ایک اور مسئلہ مجھے بتایئے۔ ایک آدمی ہے اس کی آنکھ کے اندر کوئی دانہ وغیرہ تھا بھئی کوئی، اور اس سے خون یا پیپ نکلی دانے سے اور وہ خون یا پیپ آنکھ کے اندر ہی ہے، آنکھ سے باہر نہیں نکلی، آپ کیا حکم لگائیں گے بھئی؟ وہ پیپ یا خون آنکھ میں پھیل گیا لیکن آنکھ سے باہر نہیں نکلا، آپ کیا حکم لگائیں گے؟ وضو نہیں ٹوٹا۔ کیوں نہیں ٹوٹا؟ کیونکہ آنکھ کے اندر کا حصہ اس کے دھونے کا حکم شریعت کی طرف سے نہ وضو میں ہے اور نہ غسل میں ہے، لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اور صورت مجھے بتلایئے بھئی۔ ایک آدمی ہے اس کے ناک میں کوئی دانہ وغیرہ تھا اس سے خون نکلا اور خون بہہ کر... خون اس سے نکل کر بہا لیکن ناک کے اندر ہی رہا، ناک سے باہر نہیں نکلا، آپ کیا حکم لگائیں گے؟ جی؟ شاباش، وضو ٹوٹ گیا! کیونکہ اگرچہ وضو کے اندر تو ناک کے اندر کا حصہ اس کو پانی پہنچانا ضروری نہیں لیکن غسل کے اندر شریعت نے حکم دیا ہے اور اس میں ناک کے اندر پانی پہنچانا اور اس کا دھونا ضروری ہے بھئی۔ تو خون دیکھو تجاوز کر گیا ایسی جگہ کی طرف جس کے ساتھ پاک کرنے اور دھونے کا حکم ملا ہوا تھا۔ اب مسئلہ اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو معلوم ہوا عند الاحناف بھئی خون اور پیپ جو ہیں ان میں صرف خروج نہیں کافی بلکہ سیلان بھی ضروری ہے کہ وہ بہے بھی بھئی بہے بھی۔ معلوم ہوا خون ایک دو قطرے کے لگ بھگ ہو بہے بھئی، تو پھر وضو ٹوٹے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں: «**وَالدَّمُ وَالْقَيْحُ إِذَا خَرَجَا مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَا إِلَى مَوْضِعٍ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ**»، اور خون اور پیپ جب یہ دونوں نکلیں بدن سے پس یہ دونوں تجاوز کر جائیں ایسی جگہ کی طرف کہ اس جگہ کے ساتھ ملا ہوا ہو پاک کرنے کا حکم، «**وَالْقَيْءُ مِلْءَ الْفَمِ**»، اور قے، یہ «**مِلْءَ الْفَمِ**» یہ حال ہے، اس حال میں کہ وہ منہ بھر ہو بھئی۔ قے سے بھی وضو ٹوٹے گا جبکہ وہ کتنی ہو؟ منہ بھر ہو بھئی، منہ بھر ہو۔

تو عند الاحناف بھئی قئ قلیل جو ہے وہ ناقض للوضوء نہیں، ہاں قئ کثیر جو ہے وہ ناقض للوضوء ہے بھئی، ناقض للوضوء، اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور کتنی قے ناقض للوضوء ہے؟ انہوں نے ابھی آپ کو کیا بتلایا؟ «**مِلْءَ الْفَمِ**»، منہ بھر ہو۔ منہ بھر کا یہ معنی نہیں کہ اتنی مقدار ہو منہ کو بھر دے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ہاں منہ کو بھر دے یہ معنی مراد نہیں بھئی۔ جی آگے تفصیل آئے گی شرح کے اندر بھئی کہ منہ بھر وہ مقدار ہے کہ جس کو ممکن نہ ہو انسان کے لیے روکنا مگر تکلف کے ساتھ بھئی، تکلف کے ساتھ۔ انسان کو قے آتی ہے وہ اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ جی تو اگر بہت تھوڑی مقدار ہوئی، منہ تک آئی، تو یہ ناقض للوضوء نہیں۔ لیکن اگر ذرا زیادہ ہوئی، منہ سے نکل آئی، تو یہ کیا ہے؟ ناقض للوضوء ہے۔ تو «**مِلْءَ الْفَمِ**» کا یہ معنی نہیں کہ منہ بھر ہو، وہ تو بہت زیادہ مقدار ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: الخ...

«**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: الْخَارِجُ مِنْ غَيْرِ السَّبِيلَيْنِ لَا يَنْقُضُ الْوُضُوءَ، لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ**»۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ «**الْخَارِجُ مِنْ غَيْرِ السَّبِيلَيْنِ**»، وہ چیز جو نکلے سبیلین کے علاوہ سے بھئی، «**لَا يَنْقُضُ الْوُضُوءَ**»، وہ وضو کو نہیں توڑے گی۔ بھئی ہمارے نزدیک تو بدن سے جو بھی نجاست نکلے اور وہ جیسے خون اور پیپ اور وہ بہنے کے قابل ہو اتنی مقدار ہو کہ بہنے والی ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں، اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ صرف خروجِ نجاست سے وضو نہیں ٹوٹتا، وہ فرماتے ہیں، بلکہ بلکہ خروجِ نجاست ہو سبیلِ معتاد سے۔ خروجِ نجاست کس سے ہو؟ خروجِ نجاست ہو اور سبیلِ معتاد سے ہو جس سے عادتاً نجاست نکلتی ہے، یعنی وہ جو دو سبیلین ہیں بھئی، پیشاب پاخانے کا جو راستے ہیں جن سے عادتاً نجاست نکلتی ہے ان سے اگر نجاست نکلے گی تو وضو ٹوٹے گا۔ سبیلین کے علاوہ باقی بدن سے اگر نجاست نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، نہیں ٹوٹے گا۔

لہٰذا اگر کہیں زخم لگ گیا، خون نکل آیا، تو خون اگرچہ نجس ہے ہمارے نزدیک بھی، ان کے نزدیک بھی، لیکن یہ سبیلِ معتاد سے نکلا ہے یا غیر معتاد سے نکلا؟ غیر معتاد سے، لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا بھئی۔ قے آئی کسی کو، اب قے نجس ہے بھئی، لیکن یہ سبیلِ معتاد سے نکلی ہے یا غیر معتاد سے؟ غیر معتاد سے، تو لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، وہ فرماتے ہیں۔ تو یاد رکھیے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی خون جو ہے وہ نجس ہے، لیکن اس کے نکلنے سے وہ فرماتے ہیں وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ وہ کیا قید لگاتے ہیں کہ نجاست نکلے اور کہاں سے نکلے؟ سبیلِ معتاد سے نکلے بھئی، سے۔ لہٰذا اصول الشاشی وغیرہ کتابوں میں جو امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ لکھا گیا ہے کہ ان کے نزدیک خون نجس نہیں ہے بھئی، نجس نہیں ہے، اور اس لیے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، یہ درست نہیں ہے بھئی۔ خون تو وہ بھی نجس خون کو کہتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک کون سی قید کا اعتبار ہے؟ سبیلِ معتاد کی قید ہے، اس لیے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا بھئی۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «الْخَارِجُ مِنْ غَيْرِالسَّبِيلَيْنِ»، وہ چیز جو نکلے سبیلین کے علاوہ سے، «لَا يَنْقُضُ الْوُضُوءَ»، وہ وضو کو نہیں توڑتی، «لِمَا رُوِيَ»، ماسے کیا مراد ہے؟ ماسے مراد حدیث ہے۔ «لِمَا» بوجہ اس حدیث کے «رُوِيَ» جو روایت کی گئی ہے: «أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ»، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی «فَلَمْ يَتَوَضَّأْ» تو آپ نے وضو نہیں فرمایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قے ناقض للوضوء نہیں بھئی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ غَسْلَ غَيْرِ مَوْضِعِ الْإِصَابَةِ أَمْ...

«وَلِأَنَّ غَسْلَ غَيْرِ مَوْضِعِ الْإِصَابَةِ أَمْرٌ تَعَبُّدِيٌّ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ، وَهُوَ الْمَخْرَجُ الْمُعْتَادُ»۔ «وَلِأَنَّ»، دوسری دلیل بھئی، عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی، کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ غَسْلَ غَيْرِ مَوْضِعِ الْإِصَابَةِ أَمْرٌتَعَبُّدِيٌّ»۔ امام شافعی رحمہ اللہ عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ بدن سے نجاست خارج ہو سبیلین کے اندر بھی، تو عقل تو یہ کہتی ہے صرف اس مقام کو دھونا چاہیے اور صاف کرنا چاہیے۔ عقل کیا کہتی ہے؟ جہاں سے نجاست نکلی ہے، جہاں نجاست لگی ہے، صرف اس مقام کو دھونا چاہیے اور اس کو صاف کر لینا چاہیے اور اس سے طہارت حاصل ہو جانی چاہیے۔ لیکن شریعت نے اس صورت میں حکم دیا ہے کہ نہیں، چار اعضاء کو دھونا پڑے گا، چہرہ، ہاتھ اور پاؤں جو ہیں ان کو دھونا پڑے گا اور سر کا مسح کرنا پڑے گا۔ تو شریعت نے ان چیزوں کو دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ عقل میں نہیں، عقل تو کیا کہتی ہے کہ صرف اس جگہ کو دھونا چاہیے جہاں سے نجاست نکلی ہے اور جہاں پر نجاست لگی ہے، پھر شریعت نے ان چار جگہوں کے دھونے کا حکم کیوں دیا؟ یہ نجاست یہ کس طرح ان اعضاء کی طرف سرایت کر گئی بھئی؟ زوالِ طہارت کا حکم کیسے ان کی طرف سرایت کر گیا؟ یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آتی، لیکن شریعت نے حکم دیا ہے لہٰذا ہم اس پر عمل کرتے ہیں، تو یہ امر تعبدی ہے۔ یہ کیا ہے؟ امر تعبدی ہے۔

امر تعبدی بھئی جس کو بطورِ عبادت کے کیا جائے بھئی۔ بھئی شریعت شریعت کا کوئی حکم ہو اور ہمیں اس کی علت اور وجہ ہماری عقل میں نہ آئے تو اس کو کہتے ہیں یہ امر تعبدی ہے۔ ہمیں تو اس کی علت سمجھ میں نہیں آ رہی، ہماری عقل میں نہیں آ رہی، لیکن شریعت نے حکم دیا ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا، یہ امر تعبدی ہے بطورِ عبادت کے، بس شریعت نے جیسا حکم دے دیا ویسا ہی کرنا پڑے گا، عقل میں آئے یا عقل میں نہ آئے بھئی۔ تو یہ ہے امر تعبدی بھئی، معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟

تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَلِأَنَّ غَسْلَ غَيْرِ مَوْضِعِ الْإِصَابَةِ»، اور اس لیے کیونکہ دھونا اس جگہ کے علاوہ، الاصابۃ کا معنی پہنچنا، «أَيْ: إِصَابَةِ النَّجَاسَةِ»، جہاں کیا ہے؟ نجاست پہنچی ہے، نجاست پہنچنے کے علاوہ جگہ کا دھونا، «أَمْرٌ تَعَبُّدِيٌّ»، یہ کیا ہے؟ امر تعبدی ہے، «فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِالشَّرْعِ»، تو یہ حکم بند رہے گا «عَلَى مَوْرِدِالشَّرْعِ»، کس پر؟ شریعت کے وارد ہونے کی جگہ پر بھئی۔ تو یہ حکم بند رہے گا۔ «وَهُوَ الْمَخْرَجُ الْمُعْتَادُ»۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے احناف! آپ بھی کہتے ہیں جو حکم خلافِ قیاس ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتا ہے، اس پر اور چیزوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ قیاس کس چیز کا نام ہے؟ عقلی دلیل کا نام، رائے کا نام ہے رائے کا بھئی۔ آپ نے مثلاً ہیروئن کو کس پر قیاس کیا؟ شراب پر قیاس کیا، تو دیکھیے یہاں پر وجہ آپ کی عقل میں آ رہی تھی کہ شراب کو کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟ نشے کی وجہ سے۔ اور تو جو چیز عقل میں آئے گی وہیں پر آپ کیا کریں گے؟ قیاس کریں گے۔ ایک چیز کی علت عقل میں ہی نہیں آتی تو اس پر کیسے دوسری چیز کو قیاس کریں گے؟

تو یہاں پر بھی شریعت نے خارج من السبیلین کی صورت میں وضو کا حکم دیا یعنی چار اعضاء کے دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ علت کیا ہے؟ یہ نجاست یا یہ زوالِ طہارت کس طرح ان چار اعضاء کی طرف سرایت کر گیا؟ کیسے وہاں تک یہ زوالِ طہارت پہنچ گئی بھئی؟ طہارت تو صرف اس مقام کی زائل تھی، صرف اسی کو دھونا چاہیے تھا، لیکن شریعت ان اعضاء کے بھی دھونے کا حکم دے رہی ہے، معلوم ہوا وہ زوالِ طہارت جو ہے وہ سرایت کر گیا ہے، ان اعضاء تک بھی پہنچ گیا ہے، ان کی طہارت بھی زائل ہو گئی ہے، لیکن کیسے یہ سرایت ہوئی؟ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی بھئی۔ تو یہ حکم خلافِ قیاس ہوا، ہماری عقل میں نہیں آ رہا، اور آپ کا ضابطہ ہے کہ جو حکم خلافِ قیاس ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتا ہے، جب وہ عقل میں ہی نہیں آ رہا تو اس پر کسی دوسری چیز کو کیسے قیاس کیا جائے گا؟ تو سبیلین کے اندر خروجِ نجاست کی صورت میں جو وضو کا حکم دیا گیا یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی، تو لہٰذا اس پر باقی بدن کے کسی حصے سے اگر نجاست خارج ہو اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ قیاس تو آپ تب کرتے جب یہ پہلی بات کی علت اور وجہ ہماری عقل میں آتی بھئی۔ اصل کے اندر علت ہمیں سمجھ میں آئے گی تو فرع یعنی دوسری چیز کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟ جی۔

تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ «لِأَنَّ غَسْلَ غَيْرِ مَوْضِعِ الْإِصَابَةِ»، نجاست پہنچنے کے علاوہ اور جگہ کا جو دھونا ہے، «أَمْرٌ تَعَبُّدِيٌّ»، یہ امر تعبدی ہے، «فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِالشَّرْعِ»، تو یہ حکم جو ہے بند رہے گا شریعت کے وارد ہونے کی جگہ کے پر، یعنی جس بارے میں شریعت نے حکم دیا ہے وہیں تک بند رہے گا، اور شریعت نے کس وقت حکم دیا ہے؟ کس مخرجِ معتاد کے اندر جہاں سے عادتاً، یعنی وہ سبیلین جو ہیں، ان میں شریعت نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے، تو یہ وضو کرنے کا حکم اسی مقام کے ساتھ بند رہے گا۔ وہاں سے جب کوئی نجاست نکلے گی تو وضو کا حکم دیا جائے گا، باقی وضو کا حکم کیوں دیا ہمیں ہماری عقل میں یہ بات آ ہی نہیں رہی، لہٰذا اس پر ہم بدن کے باقی حصوں سے اگر نجاست نکلے اس کو اس پر قیاس نہیں کریں گے اور اس صورت میں وضو توڑنے کا حکم نہیں لگائیں گے۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ جی۔ تو کہتے ہیں

سبق نمبر ۱۰: مسئلہ: مَا یَخْرُجُ مِنَ السَّبِیلَیْنِ
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

یہ حکم بندر ہے گا شریعت کے وارد ہونے کی جگہ پر، «وَهُوَ الْمَخْرَجُ الْمُعْتَادُ»، اور شریعت وارد ہونے کی جگہ کون سی ہے؟ مخرجِ معتاد جہاں سے عادتاً نجاست نکلتی ہے یعنی سبیلین۔

■ مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلْوُضُوءُ م...

«وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ»۔ «وَلَنَا»، اب ہماری دلیلیں شروع ہوئیں بھئی۔ «وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، اور ہماری دلیل جو ہے حضور علیہ السلام کا قول ہے: «اَلْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ»، وضو جو ہے وہ واجب ہو گا ہر بہنے والے خون سے۔ وضو ہر بہنے والے خون سے وضو واجب ہو گا، یہ حدیث ہماری دلیل ہے، یہ ایک نقلی دلیل آ گئی۔

«وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، اور دوسری دلیل ہماری حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ»۔ حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مَنْ قَاءَ»، جس کو قے آئی، «أَوْ رَعَفَ»، رعاف کہتے ہیں بھئی ناک سے خون کا نکلنا، نکسیر جس کو کہتے ہیں نکسیر پھوٹنا، کہ جس شخص کو قے آئی یا اس کی نکسیر پھوٹی، «فِي صَلَاتِهِ»، کس حالت میں؟ نماز میں، نماز کے اندر، «فَلْيَنْصَرِفْ»، تو اس کو چاہیے کہ پلٹ جائے، لوٹ جائے، «وَلْيَتَوَضَّأْ»، اور اسے چاہیے کہ وضو کرے، «وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ»، اور اسے چاہیے کہ وہ بنا کرے اپنی نماز پر، «مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ»، جب تک اس نے کلام نہیں کیا۔

بھئی بناءِ صلاۃ جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟ بناءِ صلاۃ، آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور نماز کے اندر آپ کا وضو ٹوٹ گیا، دو رکعتیں مثلاً پڑھ چکے ہیں، دو رکعتیں باقی ہیں، آپ کا وضو ٹوٹ گیا، تو اب بہتر تو یہ ہے کہ آپ وضو کر کے نئے سرے سے نماز پڑھیں، لیکن اگر آپ اسی پر بنا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی بھی شریعت نے اجازت دی ہے کہ آپ کا وضو ٹوٹا آپ فوراً پلٹ جائیں اور جا کر وضو کر کے آئیں، جا کر وضو کر کر آئیں اور پھر آ کر اسی جگہ سے نماز پڑھنا شروع کر دیں جہاں سے وضو ٹوٹا تھا بھئی۔ یعنی دو رکعتیں پڑھ چکے تھے اب اگلی دو رکعتیں پڑھ لیجیے، آپ کی نماز مکمل ہو گئی بھئی۔ تو یہ ہے بنا کرنا، اسی پر باقی حصے کی بنیاد رکھی، بنا کی بھئی۔

لیکن اس میں یاد رکھیے بھئی، یہ جو انسان کا وضو ٹوٹا اور واپس پلٹا اور جا کر اس نے وضو کیا اور پھر آ کر نماز شروع کی وہیں سے پڑھنا شروع کی، تو یہ جو واپس پلٹنے، وضو کرنے اور واپس آنے کی صورت ہے اس میں وہ شخص ابھی بھی من وجہ نماز ہی کے اندر ہے۔ لہٰذا اس میں بھی کوئی منافیِ صلاۃ عمل کرنے کی اجازت نہیں۔ نماز میں جیسے کسی سے کلام کرنے کی اجازت نہیں، تو اب یہ جو واپس جا رہا ہے، واپس جاتے ہوئے اگر اس نے کسی کے ساتھ کلام کر لیا، کسی نے اس کو سلام کیا یا اس نے کسی کو سلام کر دیا، بس بھئی نماز ٹوٹ گئی، اب بنا نہیں کر سکتے، کیونکہ کون سا عمل کر لیا؟ منافیِ صلاۃ۔ یا کوئی چیز کھالی پی لی بھئی، یہ بھی اس نے منافیِ صلاۃ عمل کیا، اب بنا نہیں کر سکتا۔ تو اس حالت میں صرف شریعت نے اتنی اجازت دی کہ سیدھا جائے، وضو کرے اور پھر سیدھا آ کر کیا کر لے؟ اسی پر بنا کر لے، درمیان میں کوئی منافیِ صلاۃ عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے بھئی، ورنہ نماز پر بنا درست نہیں بھئی۔

مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟ جی، تو یہ بات ذکر ہوئی اس حدیث کے اندر، اور اس حدیث میں آیا: «مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ»، جس نے قے کی، معلوم ہوا قے سے وضو ٹوٹ گیا جبھی تو واپس لوٹنے اور وضو کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ناک سے خون نکلا، معلوم ہوا خون نکلنے سے وضو ٹوٹ گیا ہے۔ اب قے کے اندر بھی خروجِ نجاست، نکسیر کے اندر بھی خروجِ نجاست، ناک سے خون نکلا، اور یہ سبیلِ معتاد سے ہے یا غیر معتاد سے؟ یہ تو سبیلِ غیر معتاد سے ہے بھئی۔ ناک سے تو عموماً نجاست نہیں نکلتی، منہ سے تو عموماً نجاست نہیں نکلتی، تو لہٰذا سبیلِ غیر معتاد سے نجاست خارج ہوئی پھر بھی معلوم ہوا وضو ٹوٹ جائے گا بھئی۔ یہ معنی ہے: «فَلْيَنْصَرِفْ»، اس کو چاہیے کہ پلٹ جائے، «وَلْيَتَوَضَّأْ»، اور اسے چاہیے کہ وضو کرے، «وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ»، اور اسے چاہیے کہ اپنی نماز پر بنا کرے، «مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ»، جب تک اس نے کلام نہیں کیا۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ خُرُوجَ النَّجَاسَةِ مُؤَثِّرٌ فِي زَوَا...

«وَلِأَنَّ خُرُوجَ النَّجَاسَةِ مُؤَثِّرٌ فِي زَوَالِ الطَّهَارَةِ»، یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ کی عقلی دلیل کا جواب دے رہے ہیں بھئی، اور یہ ہماری عقلی دلیل بھی ہے بھئی۔ تو ان کا جواب بھی ہو جائے گا اور ہماری عقلی دلیل بھی ہو جائے گی یہی بھئی۔ جواب سمجھ لیجیے بھئی: ہم کہتے ہیں کہ خارج من السبیلین جو ہے، یہ ہے مقیس علیہ، اس پر قیاس کریں گے ہم، یہ اصل ہے، خارج من السبیلین، جو سبیلین سے جو چیز خارج ہوئی۔ وہ ہے مقیس علیہ، اور خارج من غیر السبیلین، یعنی جو خون نکلا ہے یا پیپ نکلی ہے بدن سے یا قے آئی ہے، یہ خارج ہے نجس اور من غیر السبیلین ہے۔ تو خارج من السبیلین وہ کیا ہے؟ اصل ہے، مقیس علیہ ہے، اس پر قیاس کر رہے ہیں، اور کس کو قیاس کر رہے ہیں؟ خارج من غیر السبیلین، یہ ہے مقیس بھئی، یعنی فرع ہے بھئی۔

44

ہم کہتے ہیں کہ یہاں پر جو ہے خارج من السبیلین جو ہے وہ ہے مقیس علیہ، وہ ہے اصل، اس پر ہم قیاس کرتے ہیں، اور کس کو قیاس کرتے ہیں؟ خارج من غیر السبیلین، سبیلین کے علاوہ بدن سے کوئی نجاست نکلی جیسے خون ہے، پیپ ہے، قے ہے وغیرہ بھئی، تو وہ وہیں مقیس بھئی، یعنی فرع ہیں بھئی۔ ہم کہتے ہیں کہ خارج من السبیلین کی صورت میں زوالِ طہارت ہوا، اتنی بات تو عقل میں آتی ہے۔ یعنی خروجِ نجاست، خروجِ نجاست وہ مزیلِ طہارت ہے۔ بھئی سبیلین سے جب کوئی نجاست خارج ہوئی تو شریعت نے کیا حکم دیا تھا؟ وضو کرنے کا حکم دیا تھا، تو اس سے اتنی بات تو عقل میں آرہی ہے کہ خروجِ نجاست سے طہارت زائل ہو جاتی ہے۔ جبھی طہارت زائل ہوئی ہے جبھی تو شریعت نے کس چیز کا حکم دیا؟ وضو کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو خروجِ نجاست سے طہارت زائل ہو جاتی ہے، یہ بات تو عقل میں آرہی ہے۔ کس کے اندر؟ اصل کے اندر۔ اصل کیا ہے؟ خارج من السبیلین۔ تو خارج من السبیلین جو اصل ہے اس کے اندر اتنی بات تو ہمیں سمجھ میں آرہی ہے کہ خروجِ نجاست سے کیا ہوا ہے؟ زوالِ طہارت۔ یہ بات عقل کے مطابق ہے، خروجِ نجاست سے کیا ہونا چاہیے؟ زوالِ طہارت ہونا چاہیے بھئی۔ عقل بتلاتی ہے یا نہیں بتلاتی؟ یہ بات تو عقل کے مطابق ہے اور اتنی بات سمجھ میں آرہی ہے کہ خروجِ نجاست کا اثر پڑتا ہے اور طہارت کیا ہو جاتی ہے؟ زائل ہو جاتی ہے۔ اتنی بات عقل میں آجاتی ہے، ایک بات یہ عقل میں آتی ہے، ہاں دوسری بات عقل میں نہیں آتی کہ چار اعضاء کو دھونے کا حکم کیوں دیا گیا؟

چار اعضاء کو... امام شافعی رحمہ اللہ نے یہی ذکر فرمایا تھا نا کہ چار اعضاء کو دھونے کا حکم کیوں دیا گیا؟ دھونا تو صرف اسی مقام کو چاہیے تھا جہاں پر نجاست جہاں لگی ہے، جہاں سے نکلی ہے، لیکن شریعت نے وضو کرنے کا حکم دیا، چار اعضاء کو دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا، وہ وجہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم کہتے ہیں ہاں، آپ کی بات ٹھیک ہے، یہ بات واقعی عقل میں نہیں آتی کہ ان چار اعضاء کے دھونے کا حکم کیوں دیا، لیکن ایک بات تو یہاں سے اصل کے اندر عقل میں آجاتی ہے کہ خروجِ نجاست جو ہے اس کا اثر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے طہارت زائل ہو جاتی ہے، طہارت زائل ہو جاتی ہے۔ تو اتنی بات عقل میں آتی ہے، اتنی بات عقل میں آتی ہے۔

اور یہی خارج من غیر السبیلین کی صورت میں بھی، خروجِ نجاست ہوا یا نہیں ہوا بھئی؟ یہ فرع ہے، یہاں بھی خروجِ نجاست ہے، اور ابھی ہم نے بتلایا کہ خروجِ نجاست کیا ہے؟ مؤثر ہے، کس چیز کے اندر؟ زوالِ طہارت کے اندر، تو لہٰذا بدن کے کسی اور حصے سے بھی اگر نجاست نکلے گی، خون، پیپ یا قے وغیرہ، تو یہ بھی مؤثر ہوں گے کس چیز کے اندر؟ زوالِ طہارت کے اندر۔ تو جیسے سبیلین کے اندر خروجِ نجاست کی صورت میں زوالِ طہارت کا حکم آجاتا تھا، یہاں پر بھی کیا آجائے گا؟ زوالِ طہارت کا حکم آجائے گا۔ اور جب وہاں زوالِ طہارت کا حکم آیا تھا سبیلین کے اندر تو ساتھ ایک اور حکم بھی آگیا تھا کہ اب وضو کر لو۔ کیا کر لو؟ طہارت زائل ہو چکی ہے، وضو کر لو۔ تو یہاں پر بھی جب زوالِ طہارت آئے گی تو اس کے ساتھ یہ حکم آجائے گا کہ کیا کر لو؟ وضو کر لو۔

دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟ کہ یہاں کتنی چیزیں ہیں؟ دو چیزیں۔ ایک چیز یہ کہ خروجِ نجاست کی وجہ سے طہارت زائل ہو جاتی ہے، سبیلین کے اندر خروجِ نجاست ہوا تو طہارت زائل ہو گئی۔ اتنا تو پتہ چل رہا ہے یہ تو عقل تسلیم کر رہی ہے، لیکن پھر چار اعضاء کو دھونے کا حکم کیوں دیا گیا، وضو کرنے کا حکم کیوں دیا گیا، یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ تو جو پہلی بات سمجھ میں آرہی ہے وہ تو متعدی ہو جائے گی بھئی۔ باقی بدن سے خون، پیپ یا قے نکلے تو اس صورت میں کیا حکم آجائے گا؟ زوالِ طہارت۔ اور جہاں زوالِ طہارت کا حکم آیا تھا وہاں شریعت نے کیا حکم دیا تھا؟ وضو کرنے کا حکم دیا تھا، تو وہاں جب وضو کا حکم آرہا تھا تو یہاں بھی یقینی طور پر کیا آجائے گا؟ وضو کا حکم آجائے گا اور کہا جائے گا خون، پیپ اور قے کی صورت میں کہ وضو ٹوٹ چکا ہے، طہارت زائل ہو چکی ہے، اب کیا کر لیجیے؟ وضو کر لیجیے۔ معلوم ہوا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟

اب دیکھیے کتاب پر: «**وَلِأَنَّ خُرُوجَ النَّجَاسَةِ مُؤَثِّرٌ فِي زَوَالِ الطَّهَارَةِ**»، اور اس لیے کیونکہ نجاست کا نکلنا یہ مؤثر ہے زوالِ طہارت کے اندر، «**وَهَذَا الْقَدْرُ فِي الْأَصْلِ مَعْقُولٌ**»، اور اتنی مقدار یعنی یہ والی جو بات ہے، دو باتیں ہو گئی تھیں نا کل، تو اتنی مقدار جو ہے «**فِي الْأَصْلِ**»، کس کے اندر؟ اصل کے اندر، اصل کون ہے؟ وہ مقیس علیہ یعنی خارج من السبیلین، تو اتنی بات تو اصل یعنی خارج من السبیلین کے اندر معقولٌ، یہ عقل میں آنے والی ہے، «**وَالِاقْتِصَارُ عَلَى الْأَعْضَاءِ الْأَرْبَعَةِ غَيْرُ مَعْقُولٍ**»، اور اکتفاء کرنا چار اعضاء پر، یہ عقل میں بات آنے والی نہیں، یعنی وضو جو ہے اس کا جو حکم دیا گیا ہے یہ عقل میں آنے والا نہیں، «**لَكِنَّهُ يَتَعَدَّى**»، لیکن یہ جو حکم ہے یعنی ہا ضمیر راجع ہے اقتصار علی الاعضاء الاربعۃ کو، لیکن یہ جو چار اعضاء پر اکتفاء کرنے کا حکم دیا گیا، چار اعضاء پر اکتفاء کرنے کا حکم، چار اعضاء پر اکتفاء کرنے کا کیا معنی؟ یعنی وضو، وضو۔ لیکن یہ جو چار اعضاء پر اکتفاء کرنے کا حکم ہے، «**يَتَعَدَّى**»، یہ بھی متعدی ہو گا «**ضَرُورَةَ تَعَدِّي الْأَوَّلِ**»، یہاں ضرورت کے معنی ہوں گے بدیہی اور یقینی کے بھئی۔ ضرورت کا کیا معنی کریں گے یہاں؟ بدیہی اور یقینی بھئی۔

تو یہ جو چار اعضاء پر اکتفاء کرنے کا حکم ہے یہ بھی متعدی ہو جائے گا، یعنی اصل سے کس کی طرف جائے گا؟ فرع کی طرف، یعنی خارج من غیر السبیلین کی طرف یہ حکم متعدی ہو جائے گا، «**ضَرُورَةَ تَعَدِّي الْأَوَّلِ**»، پہلے حکم کے متعدی ہونے کے یقینی ہونے کی وجہ سے۔ یعنی پہلا حکم کا متعدی ہونا تو یقینی ہے، پہلا حکم کیا تھا؟ کہ خروجِ نجاست مؤثر ہے کس کے اندر؟ زوالِ طہارت کے اندر، وہ تو یقینی طور پر متعدی ہوا، کیونکہ سبیلین کے اندر بھی خروجِ نجاست تھا اور اس سے طہارت زائل ہوئی تھی، تو یہاں پر بھی خروجِ نجاست ہے تو طہارت زائل۔ تو یہ طہارت زائل ہونے کا حکم یہ تو یقینی طور پر متعدی ہو گا، اور جب یہ یقینی طور پر متعدی ہو گا تو اس کے ساتھ ہی دوسرا حکم، اقتصار علی الاعضاء الاربعۃ، وہ حکم بھی کیا ہو جائے گا؟ متعدی ہو جائے گا بھئی، متعدی ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو اول سے کیا مراد ہے؟ «**ضَرُورَةَ تَعَدِّي الْأَوَّلِ**»، کیونکہ پہلی بات کا متعدی ہونا یقینی ہے، اس لیے یہ اقتصار علی الاربعۃ کا حکم بھی کیا ہو جائے گا؟ متعدی ہو گا۔ ترجمہ بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں بھئی؟

خلاصہ یہ، خلاصہ یہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے، عقلی دلیل انہوں نے ذکر فرمائی تھی کہ خروجِ نجاست جو ہے اس کے اندر شریعت نے وضو کرنے کا حکم دیا حالانکہ صرف اس مقام کو دھونے کا حکم دینا چاہیے تھا لیکن باقی اعضاء کے دھونے کا حکم دیا گیا، یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی۔ معلوم ہوا یہ بات خلافِ عقل ہے، امر تعبدی ہے، اور ضابطہ ہے کہ جو چیز خلافِ عقل ہوتی ہے وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے، یعنی شریعت میں جیسی وارد ہوئی ہے وہیں پر حکم رہے گا، دوسری جگہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ تو لہٰذا یہ بھی جو وضو کرنے کا حکم ہے اپنے مورد پر بند رہے گا، اور وضو کرنے کا حکم شریعت نے کس وقت دیا ہے جو نصوص میں آیا ہے؟ جب سبیلین سے کوئی چیز خارج ہو تب شریعت کہتی ہے وضو ٹوٹ چکا ہے، کیا کرلو؟ وضو کرلو۔ اور اے احناف! آپ قیاس کر رہے ہیں خارج من غیر السبیلین کو خارج من السبیلین پر، حالانکہ یہاں تو وجہ ہی عقل میں نہیں آتی، تو لہٰذا اس پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں۔

صاحبِ ہدایہ نے جواب دیا کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں اصل کے اندر، یعنی خارج من السبیلین کے اندر دو چیزیں ہیں: ایک چیز ہے کہ خروجِ نجاست سے طہارت زائل ہو گئی، ایک یہ بات۔ دوسری بات: اب چار اعضاء کو دھولو، یہ دوسری بات۔ پہلی بات تو عقل میں آنے والی ہے، خروجِ نجاست کی وجہ سے طہارت زائل ہو جاتی ہے، عقل بھی کہتی ہے خروجِ نجاست کی صورت میں کیا ہونا چاہیے؟ طہارت کو زائل ہو جانا چاہیے، لیکن پھر یہ چار اعضاء کو دھونے اور مسح کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن پہلی بات تو کم از کم سمجھ میں آتی ہے، اور جب پہلی بات عقل کے مطابق ہے تو پھر یہاں پر قیاس کرنا صحیح ہو گا بھئی، کیا کرنا؟ قیاس کرنا۔ اور وہاں پر سبیلین کے اندر خروجِ نجاست کی وجہ سے کیا ہوا تھا؟ زوالِ طہارت، تو یہاں پر بھی بدن سے جب نجاست نکلے تو خروجِ نجاست ہے اور خروجِ نجاست کی صورت میں کیا ہوتا ہے؟ زوالِ طہارت ہوتا ہے تو یہاں بھی زوالِ طہارت ہو گا۔ باقی چار اعضاء پر اکتفاء کرنے کا حکم دیا گیا وہ اگرچہ عقل میں نہیں آتا، لیکن جہاں زوالِ طہارت کا حکم آتا ہے وہیں پر کون سا حکم آجاتا ہے؟ وضو کا، یعنی چار اعضاء پر اکتفاء کرنے... سبیلین کے اندر زوالِ طہارت کے بعد پھر کیا حکم آیا تھا؟ وضو کا حکم آیا تھا، تو یہاں پر بھی جب زوالِ طہارت کا حکم متعدی ہو گیا تو اس کے ساتھ وضو کا حکم بھی کیا ہو جائے گا؟ متعدی ہو جائے گا اور کہا جائے گا کہ وضو کر لیا جائے، وضو ٹوٹ چکا ہے۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟

اب ذرا لفظ ترجمہ صرف دیکھ لیجیے: «وَلِأَنَّ خُرُوجَ النَّجَاسَةِ مُؤَثِّرٌ فِي زَوَالِ الطَّهَارَةِ»، اور اس لیے کیونکہ خروجِ نجاست جو ہے وہ مؤثر ہے زوالِ طہارت کے اندر، «وَهَذَا الْقَدْرُ فِي الْأَصْلِ مَعْقُولٌ»، اور اتنی مقدار جو ہے اتنی بات جو ہے اصل یعنی مقیس علیہ کے اندر، اور وہ کیا ہے؟ وہ خارج من السبیلین کے اندر معقولؔ، عقل میں آنے والی ہے، «وَالِاقْتِصَارُ عَلَى الْأَعْضَاءِ الْأَرْبَعَةِ غَيْرُ مَعْقُولٍ»، اور اکتفاء کرنا اعضاءِ اربعہ پر یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے، «لَكِنَّهُ يَتَعَدَّى»، لیکن یہ بھی کیا ہو جائے گا؟ یہ بھی متعدی ہو جائے گا «ضَرُورَةَ تَعَدِّي الْأَوَّلِ»، کیونکہ پہلے کا متعدی ہونا یقینی ہے، پہلی بات تو یقیناً متعدی ہو گی، خروجِ نجاست کی صورت میں زوالِ طہارت تو پایا جائے گا، جب زوالِ طہارت ہو تو پھر کیا حکم دیا جائے گا؟ وضو کا حکم دیا جائے گا، تو وضو کا حکم بھی متعدی ہو جائے گا اس کی طرف بھئی۔

چلیے، بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱: مسئلہ: فَلَمْ يَتَوَضَّأْ

ہدایہ صفحہ: ۲۴ــــ بتاریخ: ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۲ء

غَيْرَ أَنَّ الْخُرُوجَ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِالسَّيَلَانِ إِلَى مَوْضِعٍ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ ، وَبِمِلْءِ الْفَمِ فِي الْقَيْءِ ، لِأَنَّ بِزَوَالِ الْقِشْرَةِ تَظْهَرُ النَّجَاسَةُ فِي مَحَلِّهَا فَتَكُونُ بَادِيَةً لَا خَارِجَةً ، بِخِلَافِ السَّبِيلَيْنِ ، لِأَنَّ ذَاكَ الْمَوْضِعَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ النَّجَاسَةِ۔ [1]

گزشتہ سبق میں نواقض وضو کا بیان شروع ہوا تھا کہ کن کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے پڑھا کہ سبیلین سے کوئی چیز خارج ہو، اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح خون اور پیپ، جب یہ بدن سے نکلیں اور بڑھ جائیں اس جگہ کی طرف جس کے شریعت نے پاک کرنے کا حکم دیا ہے، تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر قے ہو منہ بھر تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا بھائی۔ اور پھر یہاں پر امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ کا اختلاف ذکر ہوا تھا۔ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ فرماتے ہیں کہ صرف خروج نجاست جو ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، بلکہ خروج نجاست ہو سبیل معتاد سے تو پھر وضو ٹوٹے گا بھائی۔ لہٰذا بدن کے کسی اور حصے سے خون نکلے، پیپ نکلے، یا اسی طرح قے آئے، اب اگرچہ یہاں خروج نجاست تو ہوا ہے لیکن یہ خروج نجاست سبیل معتاد سے نہیں یعنی سبیلین سے نہیں، تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اس کی دلیل ذکر کی تھی انہوں نے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے قے کی «فَلَمْ يَتَوَضَّأْ» تو آپ نے وضو نہیں فرمایا۔ اور نیز عقلی دلیل بھی ذکر کر دی، کہتے ہیں عقل تو یہ کہتی ہے کہ جہاں سے خروج نجاست ہوا ہے صرف اسی مقام کو دھونا چاہیے، لہٰذا سبیلین سے بھی نجاست خارج ہو تو صرف اسی مقام کو دھونا چاہیے، لیکن شریعت نے چار اعضاء کے دھونے کا، مسح کرنے کا، یعنی وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی کہ ان اعضاء کو دھونے اور ان پر مسح کا حکم کیوں دیا؟ تو اکتفاء کرنا چار اعضاء پر، یہ ایک عقل میں آنے والی بات نہیں، امر تعبدی ہے، امر تعبدی۔ اور جب یہ **خِلَافُ الْعَقْلِ** ہے تو یہ حکم اپنے مورد پر بند رہے گا اور مورد کیا، شریعت کا حکم کس بارے میں آیا تھا؟ صرف سبیلین سے خارج ہونے کے بارے میں کہ اس صورت میں کیا کر لو؟ وضو کر لو۔ تو وہیں سے جب نجاست نکلے گی تب ہی وضو کیا جائے گا۔ اگر بدن کے کسی اور حصے سے نجاست نکلے تو اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ خود **خِلَافُ الْعَقْلِ** ہے اور قیاس وہاں کیا جاتا ہے جب کسی چیز کی علت اور وجہ عقل میں آ رہی ہو بھائی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آئی بھائی؟

اس کے جواب میں صاحب ہدایہ نے دلائل ذکر فرمائے۔ ایک حدیث ذکر فرمائی کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں: «**الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ**» کہ وضو واجب ہو گا ہر بہتے خون کی وجہ سے، ہر اس خون کی وجہ سے جو بہنے والا ہو۔ اور اسی طرح حدیث میں آتا ہے: «**مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ**» تو اس کے اندر بھی قے اور ناک سے خون نکلنے کا ذکر ہے اور اس کے بعد وضو کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، معلوم ہوا قے اور خون وغیرہ نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اور پھر امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ نے جو عقلی دلیل ذکر کی تھی اس کا بھی جواب ذکر کیا جو ان کا جواب بھی ہے اور ہماری عقلی دلیل بھی ہے بھائی کہ ہم کہتے ہیں کہ سبیلین سے خروج نجاست کی صورت میں زوال طہارت ہوا ہے اور شریعت نے چار اعضاء پر اکتفاء کرنے کا حکم دیا یعنی وضو کرنے کا حکم دیا۔ تو یہاں دو چیزیں ہیں، دو باتیں ہیں: ایک پہلی بات تو یہ کہ خروج نجاست جو ہے، سبیلین میں، خروج نجاست جو ہے اس نے اپنا اثر دکھایا اور طہارت زائل ہو گئی۔ معلوم ہوا خروج نجاست **مُزِيلُ الطَّهَارَةِ** ہے، طہارت کو زائل کرنے والا ہے۔ اتنی بات تو سمجھ میں آ رہی ہے وہاں سے، عقل، یہ بات تو عقل کے مطابق ہے کہ خروج نجاست سے کیا ہوا؟ طہارت زائل ہوئی۔ باقی پھر یہ چار اعضاء پر اکتفاء کرنے کا حکم جو دیا گیا یعنی وضو کا جو حکم دیا گیا، وہ بات عقل میں آنے والی نہیں۔ لیکن بہر حال پہلی بات تو عقل کے مطابق ہے کہ خروج نجاست جو ہے وہ **مُزِيلُ الطَّهَارَةِ** ہے، وہ طہارت کو کیا کر دیتی ہے؟ زائل کر دیتی ہے۔ یہ کس کے اندر؟ اصل کے اندر، یعنی سبیلین کے اندر، جو **خَارِجٌ مِنَ السَّبِيلَيْنِ** ہے۔ تو اگر بدن کے کسی اور حصے سے خون یا پیپ نکلے یا اسی طرح انسان کو قے آئے، تو یہاں بھی خروج نجاست ہوا ہے۔ وہاں بھی خروج نجاست تھا، یہاں بھی خروج نجاست،

[1] شاملہ (ص ۵) میں «**ذَاكَ**» کے بجائے «**ذلك**» درج ہے۔

اور وہاں خروج نجاست مؤثر تھا زوال طہارت کے اندر، اس سے طہارت ختم ہو جاتی تھی، تو یہاں پر بھی خون اور پیپ اور قے کی صورت میں یہ خروج نجاست ہے، یہ مؤثر ہوں گے اور طہارت کو زائل کر دیں گے۔ تو یہ زوال طہارت والا حکم تو متعدی ہو گا بھائی، ظاہری سی بات ہے بھائی۔ بدن سے اور کہیں سے بھی نجاست نکلے تو کون سا حکم لگ جائے گا؟ زوال طہارت والا حکم لگ جائے گا۔ اور باقی وہ جو چار اعضاء پر اکتفاء کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اگرچہ عقل میں آنے والا نہیں لیکن جب پہلا حکم متعدی ہوا کہ طہارت زائل ہو گئی تو اس کے ساتھ یقینی طور پر دوسرا حکم بھی متعدی ہو گا کہ طہارت زائل ہو گئی ہے اب کیا کر لو؟ وضو کر لو۔ معلوم ہوا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

آگے دیکھیے آج کا سبق بھائی اب: «غَيْرَ أَنَّ الْخُرُوجَ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِالسَّيَلَانِ» سَيَلَان، یہاں یاد رکھیے سین پر بھی فتحہ ہے، یا پر بھی فتحہ ہے، تو یا متحرک ہے ساکن نہیں بھائی۔ «إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِالسَّيَلَانِ إِلَى مَوْضِعٍ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ» یہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں صاحب ہدایہ، صاحب ہدایہ۔ سوال اور اشکال یہ ہوتا ہے کہ سبیلین کے اندر خروج نجاست سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن یہ جو خون اور پیپ اور قے کا آپ نے ذکر کیا، اس میں آپ خروج کے ساتھ ایک زائد قید کا اعتبار کرتے ہیں۔ خون اور پیپ میں کہتے ہیں کہ وہ بہنے کے قابل ہو، صرف خروج سے وضو نہیں ٹوٹتا آپ کے نزدیک بلکہ بہنا بھی اس میں ضروری ہے کہ اتنی مقدار ہو کہ اس جگہ کی طرف وہ بڑھ جائے جس کے دھونے کا شریعت نے حکم دیا۔ معلوم ہوا آپ سَيَلَان، بہنے کی بھی شرط لگاتے ہیں۔ اور قے کے اندر صرف خروج قے کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ مِلْءُ الْفَمِ کی قید بڑھاتے ہیں کہ منہ بھر ہونی چاہیے بھائی، پھر وضو ٹوٹے گا بھائی۔ تو اگر آپ اس کو کس پر قیاس کر رہے ہیں؟ سبیلین سے جو خارج ہوا اس پر، تو وہاں تو صرف خروج کا اعتبار تھا، یہاں آپ نے سَيَلَان اور مِلْءُ الْفَمِ کی قید اپنی طرف سے بڑھا دی بھائی۔ تو صاحب ہدایہ اس کا جواب دے رہے ہیں، جواب دے رہے ہیں۔

کہتے ہیں بھائی، ہم نے کوئی قید زائد نہیں بڑھائی، زائد نہیں بڑھائی، اصل اعتبار تو خروج ہی کا ہے۔ جہاں خروج پایا جائے گا وہاں، خروج نجاست، وہاں وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور جو آپ ہمیں کہہ رہے ہیں سَيَلَان کی قید ہم نے بڑھائی، بھائی دیکھیے یہ جو انسانی کھال ہے، جلد ہے، اس ساری کے نیچے خون موجود ہے۔ اس ساری کے نیچے خون موجود ہے، کھال کے ایک ایک حصے کے نیچے خون موجود ہے۔ کھال کے نیچے خون اپنی جگہ پر ہے، تو جب تک یہ خون کھال کے نیچے ہے اپنی جگہ پر ہے اب اگرچہ نجاست موجود ہے لیکن اپنے محل کے اندر موجود ہے اور اس کے باوجود شریعت نے اجازت دی ہے وضو وغیرہ کیا ہے تو کیا کر سکتے ہو؟ نماز پڑھ سکتے ہو، نماز پڑھ لو۔ حالانکہ کھال کے نیچے خون ہے اور خون کیا ہے؟ نجس، نجاست موجود ہے لیکن کہاں پر ہے؟ اپنے محل کے اندر موجود ہے۔ معلوم ہوا جب تک نجاست اپنے محل کے اندر موجود ہو شریعت طہارت کے ٹوٹنے کا حکم نہیں لگاتی بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آئی بھائی؟

لہٰذا جب ایک آدمی کو خراش وغیرہ بدن پر آئی، باریک کھال اتر گئی، خون اپنی جگہ پر اب دکھائی دینے لگا بھائی، وہ باریک کھال اوپر سے اتر گئی، خون ظاہر ہو گیا۔ تو یہ جو خون ہے، یہ ابھی بھی اپنی جگہ پر ہی ہے، صرف ظہور ہوا ہے، خروج ہوا ہی نہیں بھائی۔ ہاں، یہ خون جب بہے گا تو معلوم ہوا اپنی جگہ سے منتقل ہو گیا ہے۔ کیا ہوا ہے؟ منتقل ہو گیا ہے۔ اب ہم کہیں گے خروج ہوا ہے۔ اس سے پہلے خروج ہے ہی نہیں، صرف کیا چیز ہے؟ ظہور ہے بھائی، ظہور ہے بھائی۔ ظہور ہے۔ تو ظہور کی صورت میں نہیں وضو ٹوٹتا بلکہ معتبر خروج ہی ہے جیسے سبیلین کے اندر خروج معتبر ہے، خروج نجاست، تب ہی وضو ٹوٹے گا۔ تو یہاں باقی جگہ بھی خروج ہی کا اعتبار ہے لیکن خروج ہو گا کب؟ کب کہیں گے کہ وہ خون خارج ہوا ہے؟ جب وہ اپنی جگہ چھوڑ دے، آگے بڑھ جائے، ایک دو قطرے کے برابر ہے، بہنے کے قابل ہے، اب ہم کیا کہیں گے؟ کہ خارج ہوا ہے، خروج پایا گیا، اور خروج ہی معتبر تھا تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا اگر وہ اپنی جگہ پر ہے آگے نہیں بڑھا تو پھر خروج ہوا ہی نہیں بلکہ کیا ہوا ہے؟ ظہور ہوا۔ ظہور سے تو وضو نہیں ٹوٹے گا بلکہ کس سے ٹوٹے گا؟ خروج، خروج نجاست معتبر ہے، ظہور نجاست نہیں۔ کہ وہ اپنی جگہ کو چھوڑ دے، محل کو چھوڑ دے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے بھائی کہ سبیلین کے اندر ظہور بھی ہو جائے تو آپ کہتے ہیں وضو ٹوٹ گیا۔ پیشاب کا قطرہ ظاہر ہوا، ابھی بہا نہیں، تھوڑا سا بس ظاہر ہوا، لیکن آپ کیا حکم لگاتے ہیں؟ وضو، تو خروج تو وہاں بھی نہیں، وہاں تو صرف ظہور ہے۔ اور تو آپ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹنا چاہیے لیکن آپ کیا کہتے ہیں؟ پیشاب کے قطرے کا ظہور بھی ہو گیا، وہ ظاہر ہو گیا اپنے مقام پر، تو بس وضو ٹوٹ گیا، وضو کرنا پڑے گا بھائی۔ تو وہ بھی بتلائیں گے صاحب ہدایہ آپ کو کہ بھائی پیشاب کا قطرہ جب ظاہر ہوا تو جہاں ظاہر ہوا ہے پیشاب کا محل یہ ہے یا یہ پیچھے سے آیا ہے؟ پیچھے، اس کا محل یہ نہیں ہے، پیشاب تو اپنے مقام پر تھا، وہاں سے یہاں آیا۔ معلوم ہوا انتقال پایا گیا، منتقل ہو گیا، اپنی اصل جگہ سے منتقل ہو گیا ہے۔ تو لہٰذا وہاں پر، وہاں پر ظہور بھی دراصل خروج ہے کہ اس نجاست نے اپنے محل کو چھوڑ دیا ہے، اپنے محل سے کیا ہوئی ہے؟ منتقل ہوئی ہے۔ تو وہاں پر اس لیے ہم ظہور ہی کیا چیز ہے دراصل؟ خروج ہے، لیکن کھال پر اگر پیپ یا زخم ہو، خون ہو تو وہ جب تک وہ بہے گا نہیں وہ اس میں انتقال نہیں بھائی۔ تو انتقال ضروری ہے، منتقل ہونا، تب ہی ہم کیا کہیں گے؟ خروج ہوا ہے۔ تو پیشاب، پاخانے وغیرہ کے وہاں پر تو ظہور ہو جائے تو وہاں گویا خروج ہو چکا ہے کہ نجاست اپنے محل کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئی ہے بھائی۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اب دیکھیے کتاب پر بھائی: «غَيْرَ أَنَّ الْخُرُوجَ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِالسَّيَلَانِ إِلَى مَوْضِعٍ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ» علاوہ اس کے کہ خروج جو ہے یہ تو متحقق ہو گا «بِالسَّيَلَانِ»، بہنے سے ہی۔ انما آیا، خروج کب پایا جائے گا؟ بہنے سے ہی خروج پایا جائے گا۔ «إِلَى مَوْضِعٍ» ایسی جگہ کی طرف «يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ» کہ جس کے ساتھ پاک کرنے کا حکم ملا ہوا ہو اس جگہ تک۔ «وَبِمِلْءِ الْفَمِ فِي الْقَيْءِ» اور منہ بھر ہونے سے قے کے اندر بھائی۔ «لِأَنَّ بِزَوَالِ الْقِشْرَةِ»

قِشْرَة کہتے ہیں چھلکے کو بھائی، **قِشْرَةٌ** کسے کہتے ہیں؟ چھلکے کو۔ یہاں مراد کھال ہے، باریک کھال بھائی جسم کی جو اوپر کی ہے۔ «**لِأَنَّ بِزَوَالِ الْقِشْرَةِ**» اس لیے کیونکہ جلد کے اور کھال کے زائل ہو جانے سے «**تَظْهَرُ النَّجَاسَةُ فِي مَحَلِّهَا**» نجاست جو ہے وہ اپنے محل میں ظاہر ہو گی «**فَتَكُونُ بَادِيَةً لَا خَارِجَةً**» **بَدَا يَبْدُو** کے معنیٰ ہیں ظاہر ہونے کے، تو وہ نجاست ظاہر ہوئی ہے، ظاہر ہونے والی ہے «**لَا خَارِجَةً**» خارج ہونے والی، تو وہ ظاہر تو ہے خارج نہیں، «**بِخِلَافِ السَّبِيلَيْنِ**» بخلاف کس کے؟ سبیلین کے، جو پیشاب وغیرہ کے جو راستے ہیں۔ «**لِأَنَّ ذَاكَ الْمَوْضِعَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ النَّجَاسَةِ**» اس لیے کیونکہ وہ مقام جو ہے وہ نجاست کا مقام نہیں ہے۔ وہاں پر نجاست ظاہر ہو تو وہ تو نجاست کا مقام نہیں، معلوم ہوا نجاست پیچھے سے منتقل ہو کر اب اس حصے تک پہنچ گئی ہے۔ «**فَيُسْتَدَلُّ بِالظُّهُورِ عَلَى الِانْتِقَالِ وَالْخُرُوجِ**» تو استدلال کیا جائے گا ظہور سے ہی، کس پر؟ انتقال اور خروج پر۔ تو سبیلین کے اندر ظہور ہی انتقال اور خروج ہے لیکن باقی بدن کے اندر ظہور جو ہے وہ خروج نہیں ہے، وہاں انتقال نہیں جب تک وہ بہنے کے قابل نہ ہو بھائی۔ یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

جی، یہاں ایک عبارت کی بات آپ کو بتلا دوں بھائی: «**بِالظُّهُورِ عَلَى الِانْتِقَالِ**» یاد رکھیے سب اسی طرح پڑھتے ہیں: «**عَلَى الِانْتِقَالِ، عَلَى الِانْتِقَالِ**»، حالانکہ یہ درست نہیں، یہ رائج غلطی ہے ہمارے ہاں عبارتوں میں بھائی۔ «**عَلَى الِانْتِقَالِ**»، دیکھیے انتقال کا ہمزہ میں پڑھ رہا ہوں، عام طور پر سب اسی طرح پڑھتے ہیں۔ حالانکہ انتقال کون سا باب ہے؟ جی، بابِ افتعال ہے اور آپ نے پڑھا ہے بابِ افتعال کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے، اور ہمزۂ وصلی آپ پڑھ چکے ہمیشہ درجِ عبارت میں گر جاتا ہے، اس کو کبھی بھی درجِ عبارت کے بیچ میں روانی سے پڑھتے ہوئے کبھی بھی اس کو برقرار نہیں رکھا جاتا۔ لیکن پڑھا اس کو، سب پڑھتے اسی طرح ہیں «**عَلَى الِانْتِقَالِ، عَلَى الِانْتِقَالِ**»۔ اب اس کو پڑھ رہے ہیں یا نہیں پڑھ رہے؟ حالانکہ انتقال کا ہمزہ شروع کا وصلی ہے، اس کو کیا ہونا چاہیے؟ گر جانا چاہیے، تو یہ درست نہیں ہے اس طرح پڑھنا۔ پھر کس طرح پڑھیں گے؟ یاد رکھیے اس طرح پڑھیں گے: «**عَلَى لِنْتِقَالِ**»۔ کس طرح؟ دیکھیے «**اَلِانْتِقَالِ**»، ال، الف لام آیا شروع میں، اس کا ہمزہ وصلی وہ گر جائے گا، صرف لام رہ گیا۔ آگے انتقال کا ہمزہ بھی وصلی وہ بھی گر جائے گا۔ تو کیا رہ گیا؟ لام، اور آگے نون ہے۔ لام بھی ساکن، ال تھا نا ال، لام بھی ساکن آگے نون بھی ساکن، تو اب لام کو کسرہ دیں گے کیونکہ «**اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ**»، تو کیا بن جائے گا؟ «**لِنْتِقَالِ، لِنْتِقَالِ**»۔ ہمیشہ یاد رکھنا، تو یہ اس طرح کے لفظ جگہ جگہ آتے ہیں جہاں مصدر وغیرہ ہوتا ہے اور اس کے شروع میں ہمزۂ وصل ہوتا ہے لیکن اس کو گرایا نہیں جاتا۔ ہاں صرف بابِ افعال کا ہمزہ قطعی ہے، اس کو پڑھا جائے گا وہ نہیں گرے گا کیونکہ وہ ہمزۂ وصل ہے ہی نہیں۔ باقی سارے باب کے جو ہیں ان کے شروع میں جو ہمزۂ وصل آتا ہے وہ درجِ عبارت میں گر جاتا ہے۔

اب مسئلہ ہے کہ اس سے پچھلے لفظ کو کیسے پڑھا جائے گا ملا کر بھائی؟ ملا کر۔ تو ایک بات تو طے ہو گئی «**لِنْتِقَالِ**»، لام کے کسرہ کے ساتھ آپ نے ہمیشہ اس طرح کا لفظ آئے تو اسی طرح پڑھنا ہے۔ پچھلے لفظ کو کیسے ملانا ہے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذرا اس کو ملا کر پڑھیں لام کے ساتھ۔ پہلے جیسے پڑھتے تھے جو رائج پڑھنا ہے اس طرح ذرا پڑھیں: «**عَلَلْ، عَلَلْ**»۔ اصل میں تھا **عَلَى**، لام **عَلَى** عین لام اور اس کے بعد الف پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے آپ؟ **عَلَى**۔ تو جب لام کے ساتھ اس کو ملایا تھا آپ نے «**عَلَلْ**»، معلوم ہوا وہ الف گر گیا۔ لام کے بعد جو الف تھا **عَلَى** کا وہ گر گیا، اور اب صرف لام پر فتحہ پڑھ رہے ہیں «**عَلَلْ**»۔ بلکہ ذرا اس کو ملاؤ، الاسلام لفظ کے ساتھ ملا دو، اسلام کا ہمزہ تو وصلی ہے وہ تو نہیں گرے گا، وہاں **عَلَى** کو ذرا ملائیں کیسے پڑھیں گے؟ «**عَلَى الْإِسْلَامِ، عَلَى الْإِسْلَامِ**»۔ تو اس کے ساتھ جوڑ کر دیکھ لیا کریں، وہاں سے آپ کو ہمیشہ پتہ چل جائے گا کہ اس ماقبل والے لفظ کو کیسے پڑھنا ہے۔ تو «**عَلَى الِانْتِقَالِ**» میں **عَلَى** کا الف کیا ہوا؟ گر گیا۔ صرف لام پر فتحہ رہ گیا «**عَلَلْ**»، اگر الف ہوتا تو کیسے پڑھتے؟ «**عَلَالْ، عَلَالْ**»، لیکن آپ تو الف نہیں پڑھ رہے، «**عَلَى الْإِسْلَامِ، عَلَى الْإِسْلَامِ**»۔ معلوم ہوا صرف ماقبل میں لام رہ گیا ہے اور اس پر فتحہ پڑھا جا رہا ہے اور اگلے لام کے ساتھ اس کو ملا رہے ہیں «**عَلَلْ**»۔ لیکن اگلے لام کو چھوڑو، **عَلَى** میں کیا رہ گیا؟ الف گر گیا، صرف آخر میں لام پر فتحہ رہ گیا۔ تو ملاتے ہوئے معلوم ہوا اس کا الف، **عَلَى** کا الف گر جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح کریں گے، **عَلَى** کا الف گر جائے گا۔ بھائی کیوں گرے گا؟ وجہ کیا؟ اگلے، بھائی وجہ یہ کہ ہم نے «**لِنْتِقَالِ**»، لام کو تو کسرہ دے دیا۔ لیکن یہ کسرہ مستقل لام کی حرکت ہے یا عارضی طور پر ہم نے دیا؟ عارضی طور پر، اور عارضی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں، ابھی بھی یوں سمجھا جائے گا گویا لام ساکن ہے۔ لام بھی ساکن، پیچھے **عَلَى** کا الف بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ آیا، اور اس صورت میں کیا کرتے ہیں؟ اول حرفِ مدہ جو ہوتا ہے اس کو گراتے ہیں، تو یہاں الف گر جائے گا۔ الف گر، جیسے «**عَلَى الْإِسْلَامِ**» میں الف گر گیا تھا۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ «**عَلَى لِنْتِقَالِ، عَلَى... عَلَى لِنْتِقَالِ**»۔ تیزی سے پڑھیں گے پتہ بھی نہیں چلے گا «**عَلَى لِنْتِقَالِ**»، سننے والا سمجھے گا شاید «**عَلَى الِانْتِقَالِ**» پڑھ رہا ہے کیونکہ رائج تو یہی ہے، سب پڑھتے بھی اسی طرح ہیں لیکن وہ درست نہیں بلکہ کس طرح پڑھا جائے گا؟ «**عَلَى لِنْتِقَالِ، عَلَى لِنْتِقَالِ**»۔

بھائی یہاں پر اگر **مِنْ** آ جائے، **مِنْ**، کیسے پڑھیں گے؟ جس لفظ کو بھی جوڑنا ہے ذرا آسان طریقہ ہے، الاسلام کے شروع میں لے جاؤ: «**مِنَ الْإِسْلَامِ**»۔ معلوم ہوا **مِنْ** میں نون پر کیا آ چکا؟ فتحہ، ملاتے ہوئے آپ فتحہ لے آتے ہیں: «**مِنَلْ**»۔ بس یہاں پر بھی اسی طرح پڑھو فتحہ، لیکن اب ملانا نہیں کیونکہ «**لِنْتِقَالِ**» کے لام کے نیچے تو کسرہ ہے وہ تو ساکن نہیں، نون پر صرف البتہ فتحہ پڑھو: «**مِنَ لِنْتِقَالِ، مِنَ... مِنَ لِنْتِ**»، تیز پڑھیں گے پتہ بھی نہیں چلے گا بھائی: «**مِنَ لِنْتِقَالِ**»۔ اچھا، **فِي** ملائیں گے تو کیسے پڑھیں گے؟ الاسلام کے شروع میں ذرا **فِي** لے جاؤ: «**فِي الْإِسْلَامِ، فِلْ**»، فا کے بعد یا گر چکی ہے۔ اگر یا ہوتی کیسے پڑھتے؟ «**فِيلْ... فِيلْ إِسْلَام**»، لیکن «**فِيلْ إِسْلَام**» پڑھتے ہیں یا «**فِلْ إِسْلَام**» پڑھتے ہیں؟ معلوم ہوا یا اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر جاتی ہے، صرف فا کے نیچے کسرہ پڑھتے ہیں بس۔ تو یہاں پر بھی «**لِنْتِقَالِ**» سے پہلے **فِي** آ گیا تو یا کو گرا دیں، فا کے نیچے صرف کسرہ پڑھیں، کیسے پڑھیں گے؟ «**فِ لِنْتِقَالِ، فِلِنْتِقَالِ**»۔ طریقہ سمجھ میں

آیا بھائی؟ لیکن پڑھا ویسے ہر جگہ ہمزۂ وصل کو پڑھتے ہیں حالانکہ تو یہ رائج غلطیوں میں سے ہے بھائی۔

جی، تو کہتے ہیں: «فَيُسْتَدَلُّ بِالظُّهُورِ عَلَى الِانْتِقَالِ وَالْخُرُوجِ» تو استدلال کیا جائے گا ظہور سے انتقال اور خروج پر کہ ظہور بھی کیا ہے دراصل؟ انتقال اور خروج ہی ہے سبیلین کے اندر۔ یہاں تک پوری بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ آگے دیکھیے:

■ مسئلہ: وَمِلْءُ الْفَمِ أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ لَا يُمْكِنُ...

«وَمِلْءُ الْفَمِ أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ لَا يُمْكِنُ ضَبْطُهُ إِلَّا بِتَكَلُّفٍ» اب مِلْءُ الْفَمِ کا معنیٰ بیان کر رہے ہیں۔ میں نے بتلایا تھا کہ مِلْءُ الْفَمِ کا ظاہری معنیٰ کیا ہے؟ منہ بھر ہو، اتنی مقدار جو منہ کو بھر دے۔ لیکن میں نے بتایا یہ تو بہت زیادہ مقدار ہے قے کا، اتنی مقدار کثیر نہیں اس سے بہت کم مقدار ہو وہ بھی ناقض للوضوء ہے۔ تو احناف فرق کرتے ہیں: قلیل قے ناقض للوضوء نہیں، کثیر قے کیا ہے؟ ناقض للوضوء ہے۔ اب قلیل اور کثیر میں فرق کیسے کیا گیا؟ کہتے ہیں کثیر وہ ہے جو مِلْءُ الْفَمِ ہو اور قلیل وہ ہے جو مِلْءُ الْفَمِ نہ ہو۔ لیکن مِلْءُ الْفَمِ کا یہ معنیٰ نہیں کہ منہ کو بھر دے، بلکہ مِلْءُ الْفَمِ کا کیا معنیٰ ہے؟ وہ اب بیان کر رہے ہیں: «وَمِلْءُ الْفَمِ» اور منہ بھر ہونے کا معنیٰ یہ ہے «أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ» کہ وہ اس طور پر ہو «لَا يُمْكِنُ ضَبْطُهُ إِلَّا بِتَكَلُّفٍ» کہ روکنا، اس کو ضبط کرنا یعنی اس کو روکنا ممکن نہ ہو مگر کس کے ساتھ؟ تکلف کے ساتھ۔ «لِأَنَّهُ يَخْرُجُ ظَاهِرًا» اس لیے کیونکہ وہ ظاہراً نکلی ہے «فَاعْتُبِرَ خَارِجًا» تو اس کو خارج معنیٰ تسلیم کیا جائے گا، اس کا اعتبار کیا جائے گا بھائی۔

بھائی دیکھیے، قے انسان کو آتی ہے انسان اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی صرف بمشکل حلق تک کچھ آئی روک لی، کبھی کچھ منہ تک آ گئی روک لی، اور کبھی زیادہ قے آئی تو اس کو روک نہ سکا بھائی، روک نہ سکا۔ اور قلیل قے وہ ناقض للوضوء نہیں احناف کے نزدیک، کثیر قے ناقض للوضوء ہے۔ اور کثیر کے لیے انہوں نے بتلایا وہ مِلْءُ الْفَمِ ہونی چاہیے بھائی، مِلْءُ الْفَمِ۔ اور مِلْءُ الْفَمِ وہ مقدار ہے جسے انسان بغیر تکلف کے نہ روک سکے، نہ روک سکے۔

بھائی دیکھیے یہ منہ جو ہے منہ انسان کا، منہ کا اندر والا حصہ، یہ مِنْ وَجْهٍ خارج کا حکم ہے اس کا، مِنْ وَجْهٍ داخل کا حکم ہے۔ بعض اعتبارات سے شریعت نے اس کو داخل کا حکم دیا، بعض جگہ پر شریعت نے اس کو خارج کا حکم دیا منہ کا جو اندر والا حصہ ہے۔ جیسے دیکھیے، روزے کی حالت میں کوئی انسان اگر اپنے منہ میں لقمہ رکھے اور منہ بند کر لے، پھر نکال لے، ویسے سمجھانے کے لیے ایک بات کر رہا ہوں بھائی، پھر اس لقمے کو نکال لے آپ کیا حکم لگائیں گے؟ روزہ ٹوٹ گیا کہ نہیں ٹوٹا؟ جی؟ روزہ نہیں ٹوٹا بھائی۔ کراہت وغیرہ کی بات نہیں کر رہا ویسے ایک بات کر رہا ہوں کہ روزہ ٹوٹے گا یا نہیں یہ بتائیں؟ روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ وہ لقمہ وہ پیٹ میں نہیں گیا، اندر نہیں گیا، اور بھائی منہ میں تو رکھا تھا معلوم ہوا منہ کو شریعت نے خارج والا حکم دیا ہے۔ منہ کو کون سا حکم دیا ہے؟ خارج والا حکم دیا ہے۔ اور اسی طرح بعض اعتبارات سے منہ کا حکم داخل والا ہے۔ بھائی روزے کے اندر آپ اپنا لعاب نگل لیں تو روزہ ٹوٹ جائے گا؟ نہیں، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا حالانکہ منہ سے لعاب گیا ہے پیٹ تک، معلوم ہوا منہ کا حکم داخل والا ہی ہے گویا لعاب پہلے ہی اندر تھا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح آپ وضو کرتے ہیں۔ وضو کے اندر چہرے کا دھونا فرض ہے بھائی، تو منہ کا اندر کا حصہ اس میں داخل ہے؟ اس کا دھونا فرض ہے؟ نہیں، آپ نے پڑھا کلی کرنا یہ سنت ہے بھائی۔ معلوم ہوا یہاں پر منہ کو شریعت نے کون سا حکم دیا؟ داخل والا حکم دیا ہے بھائی، داخل والا۔ اور اسی طرح غسل میں دیکھیں غسل میں خارج والا حکم ہے منہ کے اندر والے حصے کا، غسل میں کلی کرنا فرض ہے، کلی کرنا فرض ہے، اور معلوم ہوا یہاں اس کو شریعت نے کون سا حکم دیا ہے؟ ظاہر والا، خارج والا حکم دیا ہے۔ تو منہ بعض اعتبار، مِنْ وَجْهٍ جو ہے اس کا حکم خارج کی طرح ہے اور مِنْ وَجْهٍ اس کا حکم کس کی طرح ہے؟ داخل کی طرح ہے بھائی داخل کی طرح۔

تو لہٰذا وہ قے جو إِلَى الْفَمِ ہو، منہ تک آئے منہ سے نہ نکلے، تھوڑی سی مقدار منہ تک آئی اور روک لی، تو قے کی وہ قلیل تھوڑی سی مقدار جو خارج إِلَى الْفَمِ ہو، منہ تک آئے، وہ ناقض للوضوء نہیں۔ اور قے کی وہ مقدار جو خارج مِنَ الْفَمِ ہو، منہ سے نکل آئے روک ہی نہ سکا، وہ ناقض للوضوء ہے بھائی۔ منہ کا حکم بھی مِنْ وَجْهٍ داخل کا تھا مِنْ وَجْهٍ خارج کا تھا، لہٰذا یہاں پر بھی وہ قلیل قے آئی إِلَى الْفَمِ، منہ تک آئی روک لی، تو گویا ہوئی ہی نہیں یوں سمجھا جائے گا بھائی، منہ کا حکم داخل والا ہے۔ اور اگر قے منہ سے نکل آئی، تھوڑی سی تھی لیکن نکل آئی روک نہ سکا، تو یہ خارج مِنَ الْفَمِ ہو گئی تو ظاہراً نکلی ہے یا نہیں بھائی؟ نجاست ظاہراً خارج ہوئی ہے، جب ظاہراً خارج ہوئی ہے تو اس کو خارج ہی شمار کیا جائے گا، جب خارج ہے تو خروج پایا گیا اور خروج نجاست کی صورت میں تو کیا حکم لگتا تھا؟ کہ وضو ٹوٹ جاتا تھا، لہٰذا اب اس میں بھی وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا۔ معلوم ہوا تھوڑی سی مقدار ہو جسے روک لیا منہ تک ہی انسان نے روک لیا بھائی، تو منہ بھر سے اس کا حقیقی معنیٰ پورا منہ کو بھر دے اتنی مقدار نہیں مراد بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ تو وہ قے جو خارج إِلَى الْفَمِ ہو وہ ناقض للوضوء نہیں، اور اگر منہ تک آئی وہ روک نہ سکا اور منہ سے نکل آئی تھوڑی سی بھی ذرا مقدار تھی تو کیا ہوا؟ وہ خارج مِنَ الْفَمِ ہوئی، وہ کیا ہو جائے گی؟ ناقض للوضوء ہو گی۔ مسئلہ سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «وَمِلْءُ الْفَمِ أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ لَا يُمْكِنُ ضَبْطُهُ إِلَّا بِتَكَلُّفٍ» اور مِلْءُ الْفَمِ جو ہے وہ قے ہے کہ وہ اس حال میں ہو کہ ممکن نہ ہو اس کو روکنا مگر تکلف سے۔ «لِأَنَّهُ يَخْرُجُ ظَاهِرًا» اس لیے کیونکہ وہ نکلی ہے ظاہراً، کون سی قے؟ خارج مِنَ الْفَمِ یا خارج إِلَى الْفَمِ؟ خارج مِنَ الْفَمِ، جو

خارج ہوئی ہے منہ سے نکلی ہے۔ «لِأَنَّهُ يَخْرُجُ ظَاهِرًا» تو کیونکہ وہ ظاہراً نکلی ہے «فَاعْتُبِرَ خَارِجًا» تو اس کو خارج ہی اس کا اعتبار کیا جائے گا کہ یہ خارج ہوئی ہے اور خروج پایا گیا اور اس سے کیا ہو گا؟ وضو ٹوٹ جائے گا۔

■ مسئلہ: وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى قَلِيلُ الخ...

«وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى قَلِيلُ الْقَيْءِ وَكَثِيرُهُ سَوَاءٌ» اور امام زفر رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ تھوڑی قے اور زیادہ قے سَوَاءٌ یہ برابر ہیں۔ ہم نے تو فرق کیا تھا: قلیل قے یا قلیل خون یا قلیل پیپ یہ ناقض للوضوء نہیں، کثیر ہے تو وہ ناقض للوضوء ہیں۔ امام زفر رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ نہیں، خروج نجاست مطلقاً ناقض للوضوء ہے بھائی، مطلقاً ناقض للوضوء۔ خون اور پیپ زخم کے منہ پر ہی کیوں نہ ظاہر ہو جائے، یہ وضو کو توڑ دیں گے۔ قے قلیل ہی کیوں نہ ہو، وہ کیا کرے گی؟ وضو کو توڑ دے گی۔ «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ قَلِيلُ الْقَيْءِ وَكَثِيرُهُ سَوَاءٌ» کہ امام زفر رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ تھوڑی قے اور کثیر قے سَوَاءٌ یہ برابر ہیں، یعنی ان سب سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ «وَكَذَا لَا يَشْتَرِطُ السَّيَلَانَ» اور اسی طرح وہ بہنے کی شرط بھی نہیں لگاتے کس کے اندر؟ خون اور پیپ میں۔ «اعْتِبَارًا بِالْمَخْرَجِ الْمُعْتَادِ» قیاس کرتے ہوئے، اعتبار کا کیا معنیٰ؟ قیاس کرتے ہوئے بِالْمَخْرَجِ الْمُعْتَادِ، مخرج معتاد پر یعنی سبیلین پر۔ سبیلین کے اندر بھائی، سبیلین کے اندر ظہور نجاست بھی ہوتا ہے تو کیا حکم لگا دیا جاتا ہے؟ وضو کے ٹوٹنے کا۔ تو یہاں پر بھی ظہور سے ہی، خون اور پیپ میں بھی بہنے کی شرط نہیں ہے بلکہ ظہور سے ہی وضو ٹوٹ جائے گا۔ تو وہ شرط نہیں لگاتے بہنے کی، قیاس کرتے ہوئے مخرج معتاد پر۔ «وَلِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اس قول کے مطلق ہونے کی وجہ سے کہ حدیث میں آیا ہے: «الْقَلْسُ حَدَثٌ» قَلْس کا لفظ آیا بھائی، قَلْس۔ قَلْس قے کو کہتے ہیں، قے۔ «الْقَلْسُ حَدَثٌ» حدیث میں آیا کہ قے یہ حدث ہے۔ یعنی یہ ناقض للوضوء ہے۔ اور «الْقَلْسُ» کا لفظ حدیث میں مطلق آیا، اس میں مِلْءُ الْفَمِ یا غیر مِلْءُ الْفَمِ کی کوئی قید وغیرہ موجود نہیں، معلوم ہوا مطلقاً قے، چاہے مِلْءُ الْفَمِ ہو یا نہ ہو، وہ ہر صورت میں کیا کرے گی؟ وضو کو توڑ دے گی۔ تو یہ قول مطلق ہے اس سے معلوم ہوا ہر حال میں وضو ٹوٹ جائے گا، یہ امام زفر رَحِمَهُ اللهُ کی دلیل ہے۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل بھائی، امام زفر رَحِمَهُ اللهُ کو جواب دے رہے ہیں بھائی ہماری دلیلیں ذکر ہو رہی ہیں اب: «وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور ہماری دلیل حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کا قول ہے: «لَيْسَ فِي الْقَطْرَةِ وَالْقَطْرَتَيْنِ مِنَ الدَّمِ وُضُوءٌ إِلَّا أَنْ يَكُونَ سَائِلًا» نہیں ہے ایک یا دو قطرے خون کے ان میں وضو «إِلَّا أَنْ يَكُونَ سَائِلًا» مگر یہ کہ وہ خون بہنے والا ہو۔ یہ حدیث ہے اور اس سے پتہ چلا کہ ایک دو قطرے جن کا ظہور ہوا ہے وہ ناقض للوضوء نہیں ہیں۔

اور دوسری دلیل ہماری: «وَقَوْلُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ حِينَ عَدَّ الْأَحْدَاثَ جُمْلَةً أَوْ دَفْعَةً تَمْلَأُ الْفَمَ» اور دوسری دلیل ہماری حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کا قول ہے: «حِينَ عَدَّ الْأَحْدَاثَ جُمْلَةً» جب آپ نے شمار کروایا، عَدَّ يَعُدُّ کے معنیٰ شمار، جب آپ نے شمار کروایا الْأَحْدَاثَ، حدثوں کو یعنی وضو کو توڑنے والی چیزوں کو جُمْلَةً اکٹھا، حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے جب وضو کو توڑنے والی چیزوں کو اکٹھا شمار کروایا اور گنوایا، تو اس میں فرمایا: «أَوْ دَفْعَةً تَمْلَأُ الْفَمَ»، دَفْعَةً، دَفْعَةً قے کو کہتے ہیں، قے۔ اور قے ایسی قے، دیکھو دَفْعَةً نکرہ آیا، نکرہ بھائی، اور تَمْلَأُ اس کے بعد فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے؟ موصوف صفت بھائی، اور موصوف سے پہلے پھر کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ «أَوْ دَفْعَةً تَمْلَأُ الْفَمَ» یا ایسی قے جو منہ کو بھر دے۔ معلوم ہوا کہ قے قلیل ناقض للوضوء نہیں ہے۔ یہ امام زفر رَحِمَهُ اللهُ کا جواب ہوا بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِذَا تَعَارَضَتِ الْأَخْبَارُ

«وَإِذَا تَعَارَضَتِ الْأَخْبَارُ» اب یہاں احادیث کے اندر تعارض آیا۔ اخبار یہ یاد رکھیے اخبار جمع ہے خبر کی، اور حدیث کا ایک نام خبر بھی ہے۔ آپ اصول الشاشی اور نور الانوار میں پڑھ چکے کہ حدیث کے کئی نام ہیں بھائی: اثر، اثر بھی کہتے ہیں ثا کے ساتھ، خبر بھی، حدیث بھی، سنت بھی، یہ سب حدیث کے نام ہیں بھائی۔ تو یہاں پر احادیث میں تعارض آیا بھائی۔ امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ نے حدیث ذکر کی تھی: «أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ»، اس سے کیا پتہ چلا؟ کہ قے ناقض للوضوء نہیں۔ اور امام زفر رَحِمَهُ اللهُ نے حدیث ذکر کی: «الْقَلْسُ حَدَثٌ»، اس سے کیا پتہ چلا؟ کہ قے ناقض للوضوء ہے، وہ حدث ہے۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں صاحب ہدایہ، فرماتے ہیں کہ ہم ان احادیث میں تطبیق دے دیتے ہیں، ہمارے قول کی صورت میں ان میں تطبیق آ جاتی ہے۔ ہم نے کیا کہا کہ قلیل قے ناقض للوضوء نہیں اور کثیر قے وہ ناقض للوضوء ہے۔ تو جو امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ نے حدیث ذکر کی «قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ»، اس میں قے سے مراد قے قلیل ہے، اور امام زفر رَحِمَهُ اللهُ کی جو حدیث ہے «الْقَلْسُ حَدَثٌ»، قے حدث ہے، اس میں قے سے مراد قے کثیر ہے۔ اب دیکھیے احادیث میں تعارض نہ رہا، ورنہ تو بظاہر کیا تھا؟ دونوں میں تعارض اور تقابل تھا بھائی۔

«وَإِذَا تَعَارَضَتِ الْأَخْبَارُ» اور جب متعارض ہو گئیں خبریں «يُحْمَلُ مَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ عَلَى الْقَلِيلِ» تو محمول کیا جائے گا وہ جس

کوروایت کیاامام شافعی رَحِمَهُ اللهُ نے اس کو «عَلَى الْقَلِيلِ» کس پر؟ قلیل قے پر۔ «وَمَا رَوَاهُ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ عَلَى الْكَثِيرِ» اور وہ حدیث جس کوروایت کیاامام زفر رَحِمَهُ اللهُ نے اس کو محمول کیا جائے گا کثیر پر۔ یعنی محمول کرنے کا کیا معنیٰ؟ یہ اس سے مراد ہوں گے کہ یہ اس بارے میں ہے۔ تو امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کی حدیث کو محمول کیا جائے گا قلیل قے پر اور امام زفر رَحِمَهُ اللهُ کی حدیث کو محمول کیا جائے گا کثیر قے پر۔ «وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْمَسْلَكَيْنِ مَا قَدَّمْنَاهُ» اور فرق دونوں مسلکوں یعنی دونوں مذہبوں کے درمیان «مَا» وہ ہے «قَدَّمْنَاهُ» جس کو ہم نے مقدم کر دیا یعنی پہلے ذکر کر دیا۔ دونوں مسلکوں میں، دونوں مذہبوں میں فرق جو ہے ہم نے مقدم ذکر کر دیا۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک بھائی، صرف خروج نجاست جو ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا بلکہ خروج نجاست کہاں سے ہو؟ سبیلین سے ہو بھائی، پھر وضو ٹوٹے گا۔ یا یوں کہو کہ خون، پیپ اور قے، جب یہ سبیلین کے علاوہ بدن سے کہیں سے نکلیں تو مطلقاً امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک یہ ناقض للوضوء نہیں ہیں، ان سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور امام زفر رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک مطلقاً ان سے وضو ٹوٹ جائے گا چاہے قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔ اور ہمارے نزدیک ان میں قلیل اور کثیر کا فرق کیا گیا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

«وَلَوْ قَاءَ مُتَفَرِّقًا بِحَيْثُ لَوْ جُمِعَ يَمْلَأُ الْفَمَ فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُعْتَبَرُ اتِّحَادُ الْمَجْلِسِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ يُعْتَبَرُ اتِّحَادُ السَّبَبِ وَهُوَ الْغَثَيَانُ» بھائی، صورت یہ ہے: ایک آدمی ہے اس کو متلی محسوس ہوئی، متلی آئی، اور اس نے تھوڑی تھوڑی نہایت تھوڑی تھوڑی اس کو قے آئی بھائی، تھوڑی تھوڑی کئی مرتبہ میں۔ لیکن اس تھوڑی تھوڑی کو جمع کیا جائے تو وہ منہ بھر بن جاتی ہے، یہ کچھ مقدار پھر بن جاتی ہے، مِلْءُ الْفَمِ بن جاتی ہے۔ تو کیا اب اس کا وضو ٹوٹے گا یا وضو نہیں ٹوٹے گا بھائی؟ تو امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ اس کو تھوڑی تھوڑی قے آئی، اس کو جمع کیا جائے گا بشرطیکہ مجلس ایک ہی ہو۔ ایک ہی مجلس کے اندر اگر اس کو کئی مرتبہ تھوڑی تھوڑی قے آئی ہے تو اس کو جمع کریں گے اور یہ مقدار مِلْءُ الْفَمِ تک پہنچ گئی تو اس صورت میں وضو ٹوٹنے کا حکم لگائیں گے ورنہ وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں۔ تو امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللهُ اتحاد مجلس کا اعتبار کرتے ہیں۔ کیونکہ اتحاد مجلس کا اعتبار اور بھی کئی شرعی معاملات میں ہوتا ہے۔ آپ بھی پڑھتے ہیں کہ ایک ہی مجلس کے اندر اگر کسی شخص نے ایک ہی آیتِ سجدہ کو کئی مرتبہ پڑھ لیا تو بھائی آیتِ سجدہ پڑھنے سے تو سجدہ واجب ہوتا ہے اور اگر ایک مرتبہ یہاں بیٹھ کر وہ آیت پڑھی، دوسری مرتبہ دوسری جگہ بیٹھ کر وہی آیت پڑھی، تو مجلس ایک نہیں لہٰذا کتنے سجدے کرنے پڑیں گے؟ دو سجدے۔ لیکن اگر مجلس ایک ہی تھی اس میں پھر چاہے اس ایک آیت کو وہ دس مرتبہ پڑھ لے، تو اتحاد مجلس کی وجہ سے اب ایک ہی سجدہ اس پر آئے گا۔ معلوم ہوا شریعت بعض معاملات میں کس کا اعتبار کرتی ہے؟ اتحاد مجلس۔ اسی طرح بیع بھائی ایجاب و قبول کا نام ہے، اس میں بھی اتحاد مجلس کا اعتبار ہے کہ جس مجلس میں ایجاب ہوا اسی میں قبول ہونا چاہیے بھائی۔ مثلاً میں آپ سے قلم خریدتا ہوں تو جو پہلے کلام کرے اس کو ایجاب کہا جاتا ہے چاہے وہ مشتری کرے چاہے بائع کرے۔ میں نے قلم خریدنا ہے، میں آپ سے کہتا ہوں: یہ آپ کا قلم میں نے سو روپے میں خرید لیا، یہ ہوا ایجاب۔ تو یہ مشتری، بائع کی طرف سے بھی ایجاب ہو سکتا ہے، وہ پہلے بات شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے: یہ قلم میں نے آپ کو سو روپے میں بیچ دیا، تو جو بھی پہلے کلام کرے وہ کیا ہوتا ہے؟ ایجاب۔ اور دوسرے کی طرف سے پھر قبول ہوتا ہے کہ مجھے منظور ہے۔ تو یہ ایجاب اور یہ قبول یہ ایک ہی مجلس میں ہونا ضروری ہیں پھر ہی بیع تام ہوگی۔ لہٰذا اگر ایک شخص آج ایجاب کرتا ہے اور دوسرا اگلے دن آکر کہتا ہے مجھے قبول ہے تو اس سے بیع منعقد نہیں ہوئی کیونکہ مجلس متحد نہیں۔ ایجاب جس مجلس میں ہوا تھا اسی کے اندر قبول کا ہونا ضروری تھا۔ معلوم ہوا شریعت بعض مسائل میں کس کا اعتبار کرتی ہے؟ اتحاد مجلس کا اعتبار کرتی ہے۔ لہٰذا یہاں قے کے اندر بھی مجلس کا اعتبار کیا جائے گا، مجلس ایک ہوئی تو اس متفرق قے کو جمع کریں گے اور دیکھیں گے مِلْءُ الْفَمِ تک اس کی مقدار پہنچ رہی ہے تو وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا، اور اگر مجلس بدل رہی ہے تو پھر اس قلیل قے کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

جبکہ امام محمد رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ اعتبار کیا جائے گا اتحاد سبب کا۔ جس سبب سے یہ قے آرہی ہے یعنی جس متلی کی وجہ سے یہ قے آرہی ہے، اگر ایک ہی متلی سے تھوڑی تھوڑی قے آئی ہے تو اس کو جمع کریں گے، اور اگر ایک متلی سے تھوڑی سی قے آئی بہت معمولی سی، پھر متلی ختم ہو گئی، پھر اور سبب سے متلی ہوئی اور پھر تھوڑی سی قے آئی، اب اس قے کو اور وہ پچھلی قے کو جمع نہیں کریں گے کیونکہ دونوں کا سبب کیا ہے؟ ایک نہیں ہے، الگ الگ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ کیونکہ شریعت میں بھی سبب کا اعتبار کیا جاتا ہے، نماز ظہر کی آپ پر، ظہر کی نماز کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ وقت ہے۔ تو جب تک ظہر کا وقت نہیں آیا، سبب نہیں پایا گیا تو آپ پر ظہر کی نماز بھی واجب نہیں، ہاں جب وقت آجائے گا تو سبب پایا گیا تو آپ پر ظہر کی نماز بھی واجب ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ قَاءَ مُتَفَرِّقًا

«وَلَوْ قَاءَ مُتَفَرِّقًا» اور اگر قے کی کسی نے متفرق طور پر یعنی تھوڑی تھوڑی «بِحَيْثُ لَوْ جُمِعَ يَمْلَأُ الْفَمَ» اس حیثیت سے کہ اگر اس تھوڑی تھوڑی کو جمع کیا جائے «يَمْلَأُ الْفَمَ» تو وہ منہ کو بھر دے «فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُعْتَبَرُ اتِّحَادُ الْمَجْلِسِ» تو امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک اعتبار کیا جائے گا اتحاد مجلس کا «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ يُعْتَبَرُ اتِّحَادُ السَّبَبِ» امام محمد رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک اعتبار کیا جائے گا اتحاد سبب کا «وَهُوَ الْغَثَيَانُ» اور سبب کیا ہے؟ «وَهُوَ الْغَثَيَانُ»، غین پر بھی فتحہ، ثا پر بھی فتحہ، غَثَيَان۔ غَثَيَان کہتے ہیں متلی کو بھائی، متلی۔ «وَهُوَ الْغَثَيَانُ» اور وہ متلی ہے۔

«ثُمَّ مَا لَا يَكُونُ حَدَثًا لَا يَكُونُ نَجِسًا» پھر جو چیز حدث نہیں ہے وہ نجس بھی نہیں ہے۔ یہ فقہ کا مشہور ضابطہ ہے بھائی: «مَا لَيْسَ بِحَدَثٍ لَيْسَ

بِنَجِسٍ، مَا لَيْسَ بِحَدَثٍ لَيْسَ بِنَجِسٍ » جو چیز حدث نہیں وہ نجس یعنی ناپاک بھی نہیں ہے۔ یاد رکھیے یہاں دو لفظ ہیں، دو: ایک ہے **نَجَس**، ایک ہے **نَجِس**۔ **نَجَس** کا معنیٰ ہے نجس ہونا، مصدر ہے مصدر۔ کیا معنیٰ ہے؟ ناپاک ہونا۔ اور **نَجِس** اس کا معنیٰ ہے ناپاک۔ ناپاک، جو چیز ناپاک ہے بھائی اس کو نجس کہتے ہیں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ معنیٰ سمجھ میں آیا کہ نہیں؟ **نَجَس** کا معنیٰ ناپاک ہونا، اور **نَجِس**: ناپاک، جس پر نجاست لگ گئی بھائی۔ تو ضابطہ کیا ہوا؟ « **مَا لَا يَكُونُ حَدَثًا لَا يَكُونُ نَجِسًا** »، جو چیز حدث نہیں، « **لَا يَكُونُ نَجِسًا** » وہ ناپاک بھی نہیں۔ جو حدث نہیں وہ ناپاک بھی نہیں۔ ضابطہ پتہ چل گیا؟

اب مجھے مسئلہ بتایئے بھائی: ایک آدمی ہے، اس کے بدن پر ایک جگہ زخم ہے اور اس زخم سے خون تو نہیں بہہ رہا، ہاں البتہ وہ تر رہتا ہے، گیلا رہتا ہے، کچھ نہ کچھ تھوڑا مواد اس پر نکل کے جما رہتا ہے، جیسا آپ دیکھتے بھی ہیں کچھ نہ کچھ پانی وغیرہ یا تھوڑا سا خون سا وہ معمولی سا نکلتا ہے اس کے اوپر ہی اوپر رہتا ہے، بہتا نہیں ہے آگے بھائی، بہتا نہیں ہے۔ تو اس کی وجہ سے وضو ٹوٹا؟ جی؟ اس سے وضو نہیں ٹوٹا، تو یہ حدث نہیں۔ جب حدث نہیں تو یہ نجس بھی نہیں، ناپاک بھی نہیں۔ لہٰذا یہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو وہ کپڑا نجس نہیں بھائی، اور کسی وہم میں اور شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ « **مَا لَيْسَ بِحَدَثٍ لَيْسَ بِنَجِسٍ** » بھائی۔ ضابطہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

■ مسئلہ: ثُمَّ مَا لَا يَكُونُ حَدَثًا لَا يَكُونُ نَجِسًا

« **ثُمَّ مَا لَا يَكُونُ حَدَثًا لَا يَكُونُ نَجِسًا** » کہ جو چیز حدث نہیں ہے وہ نجس یعنی ناپاک بھی نہیں ہے « **يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ** » یہ روایت کیا گیا ہے امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللهُ** سے، وہ فرماتے ہیں « **مَا لَا يَكُونُ حَدَثًا لَا يَكُونُ نَجِسًا** »۔ « **وَهُوَ الصَّحِيحُ** » صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں یہی صحیح قول ہے، جو چیز حدث نہیں وہ نجس بھی نہیں۔ « **لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَجِسٍ حُكْمًا** » کیونکہ یہ ناپاک نہیں ہے حکماً، باعتبار حکم، حکم کے اعتبار سے ناپاک نہیں ہے « **حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ** » کیونکہ اس سے طہارت نہیں ٹوٹتی، طہارت اس سے ختم نہیں ہوتی۔ جب اس سے طہارت ختم نہیں ہوتی معلوم ہوا یہ نجس نہیں ہے کیونکہ خروج نجاست کی صورت میں تو کیا ہوتا تھا؟ زوال طہارت کا حکم آتا تھا لیکن زوال طہارت کا حکم نہیں آ رہا معلوم ہوا یہ ناپاک بھی نہیں ہے کیونکہ اگر ناپاک ہوتا تو ناپاک کے خروج کی صورت میں تو طہارت زائل ہو جایا کرتی ہے، معلوم ہوا یہ نجس ہی نہیں ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے « **لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَجِسٍ حُكْمًا** » کیونکہ یہ ناپاک نہیں ہے باعتبار حکم کے « **حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ** » کیونکہ اس سے طہارت نہیں ٹوٹتی یعنی وضو نہیں ٹوٹتا۔

اچھا بھائی، یہاں پر آیا: « **لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَجِسٍ حُكْمًا حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ** » اس لیے کیونکہ یہ حکم کے اعتبار سے ناپاک نہیں ہے، « **حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ** » کیونکہ اس کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تو دیکھیے **حَيْثُ** کا ترجمہ بھائی، تو جہ سے سنیے بھائی، **حَيْثُ** کا ترجمہ میں نے یہاں « **کیونکہ** » کے ساتھ کیا بھائی: « **حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ** » کیونکہ اس کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا، تو اس لیے یہ حکم کے اعتبار سے بھی ناپاک نہیں ہے بھائی۔ یاد رکھیے بھائی **حَيْثُ** جو ہے **حَيْثُ**، یہ دو تین معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور ایک معنیٰ جو ہے کہ یہ کبھی تعلیل کے لیے آئے گا، علت بیان کرنے کے لیے، کسی چیز کی علت اور سبب بیان کرے گا، اور اس وقت اس کا معنیٰ « **کیونکہ** » کے ساتھ کیا جائے گا یا اس کا ترجمہ « **اس وجہ سے** » یوں کیا جائے گا۔ یہاں یہ **حَيْثُ** تعلیل کے لیے ہے: « **لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَجِسٍ حُكْمًا حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ** »، تو یہاں **حَيْثُ** کا ترجمہ چاہے « **کیونکہ** » کے ساتھ کر لیں یا « **اس وجہ سے** »: « **لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَجِسٍ حُكْمًا** » اس لیے کیونکہ یہ حکم کے اعتبار سے ناپاک نہیں ہے « **حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ** » اس وجہ سے کہ اس کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تو یہ **حَيْثُ** تعلیل کے لیے کبھی آتا ہے اور اس کا کیا معنیٰ کیا جاتا ہے؟ « **کیونکہ** » یا « **اس وجہ سے** »۔ اور اسی طرح کبھی **حَيْثُ** کا لفظ جگہ کے لیے بھی آئے گا، جگہ اور مکان کے معنیٰ میں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: « **جَلَسْتُ حَيْثُ ضَرَبْتَ زَيْدًا** »، « **جَلَسْتُ** » میں بیٹھ گیا « **حَيْثُ** » اس جگہ « **ضَرَبْتَ زَيْدًا** » جہاں آپ نے زید کی پٹائی کی تھی۔ « **جَلَسْتُ حَيْثُ ضَرَبْتَ زَيْدًا** » میں بیٹھ گیا اس جگہ جہاں آپ نے زید کی پٹائی کی تھی، تو دیکھو **حَيْثُ** کا کیا ترجمہ میں نے کیا؟ « **جہاں** » یا اس کا ترجمہ کر لیں « **اس جگہ** »، تو یہ جگہ کے معنیٰ میں بھی آئے گا۔ تو **حَيْثُ** کبھی حیثیت کے لیے آئے گا حیثیت کے معنیٰ میں، اور کبھی تعلیل کے لیے آئے گا علت اور وجہ بیان کرنے کے لیے، اور کبھی جگہ کے معنیٰ میں آئے گا مکان کے معنیٰ میں آئے گا، تو آپ نے خیال رکھنا ہے بھائی یہ تینوں طرح استعمال ہوتا ہے بھائی۔ تو یہاں پر یہ تعلیل کے لیے ہے بھائی۔

چلیے، بس بھائی، « **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ** »۔

سبق نمبر ۱۲: مسئلہ: خَارِجٌ مِنْ غَيْرِ السَّبِيلَيْنِ

ہدایہ صفحہ: ۲۶ــــ بتاریخ: ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۲ء

وَهٰذَا إِذَا قَاءَ مِرَّةً أَوْ طَعَامًا أَوْ مَاءً، فَإِنْ قَاءَ بَلْغَمًا فَغَيْرُ نَاقِضٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى: نَاقِضٌ إِذَا قَاءَ مِلْءَ الْفَمِ، وَالْخِلَافُ فِي الْمُرْتَقِي مِنَ الْجَوْفِ، أَمَّا النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ فَغَيْرُ نَاقِضٍ بِالِاتِّفَاقِ۔ [1]

گزشتہ سبق میں ہماری عقلی دلیل ذکر ہوئی تھی کہ خون، پیپ اور قے جو **مِلْءُ الْفَمِ** ہو، یہ جب نکلیں یہ نجاستیں بدن سے تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔ وضو ٹوٹ جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ «**خَارِجٌ مِنْ غَيْرِ السَّبِيلَيْنِ**» نجاست جو ہے وہ ناقض للوضوء نہیں، اور کہتے ہیں اس لیے کیونکہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے صرف اس جگہ کو دھونا چاہیے جہاں سے نجاست خارج ہوئی ہے۔ لیکن یہ جو شریعت نے وضو کرنے کا حکم دیا یہ عقل میں آنے والا نہیں تو یہ خلاف العقل ہوا، اور جو حکم خلاف العقل ہوتا ہے وہ اپنے مورد پر بند رہتا ہے، اور یہ حکم وضو کا یہ کس سلسلے میں وارد ہوا تھا؟ مخرج معتاد یعنی سبیلین سے جب نجاست نکلے اس وقت اس بارے میں ہے، تو یہ اپنے مورد پر بند رہے گا اور صرف اسی صورت میں وضو کا حکم دیا جائے گا جب نجاست کہاں سے نکلے؟ سبیلین سے نکلے، کیونکہ یہ حکم خود خلاف العقل ہے۔ اس پر باقی بدن سے کوئی نجاست نکلے تو اس کو اس سبیلین سے نکلنے والی نجاست پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ہم نے جواب دیا کہ یہاں پر دو باتیں ہیں: ایک پہلی بات تو یہ کہ خروج نجاست سے طہارت زائل ہو جاتی ہے، یہ بات تو پہلی چیز کے اندر یعنی «**خَارِجٌ مِنَ السَّبِيلَيْنِ**» میں بھی ہمیں سمجھ میں آ رہی ہے بھئی یہ عقل کے مطابق ہے۔ تو سبیلین میں خروج نجاست ہوا اور اس کی وجہ سے کیا ہوا ہے؟ زوال طہارت ہوا ہے۔ تو پہلی بات عقل کے مطابق ہے، اور اور سبیلین میں خروج نجاست کی وجہ سے کیا ہوا؟ طہارت زائل۔ تو باقی بدن سے بھی اگر خون نکلے اور پیپ نکلے یا اسی طرح قے ہو تو خروج نجاست پایا گیا، تو لہٰذا یہاں پر بھی کیا حکم لگایا جائے گا؟ زوال طہر۔ تو زوال طہارت کا حکم یہ تو عقل کے مطابق ہے لہٰذا یہ حکم یہاں متعدی ہو گا اور لگے گا۔ اور سبیلین کے اندر زوال طہارت کے ساتھ ہی دوسرا حکم وضو کا آیا تھا، وہ اگرچہ عقل میں آنے والا نہیں لیکن جب زوال طہارت کا حکم متعدی ہو گا تو وضو کا حکم بھی خود بخود اس کے ساتھ یقینی طور پر متعدی۔ جب زوال طہارت ہو گیا، طہارت ختم ہو گئی ہے تو اب طہارت حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ وضو کیا جائے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا یہ حکم بھی متعدی ہو گا۔

اس پر اشکال ہوا تھا کہ آپ نے یہ جو خون کے اندر قید لگائی کہ بہنے والا بھی ہو، کچھ مقدار ہو ایک دو قطرے وہ بہہ جائے، اور اسی طرح آپ نے جو قے کے اندر **مِلْءُ الْفَمِ** کی قید لگائی یہ قید کیوں بڑھائی آپ نے؟ سبیلین پر اگر قیاس کر رہے ہیں اس کو تو سبیلین کے اندر تو مطلقاً خروج نجاست ہوتے ہی کیا حکم لگایا جاتا ہے؟ زوال طہارت کا حکم لگایا جاتا ہے۔ تو لہٰذا باقی بدن کے اندر بھی خون بہے یا نہ بہے، ظاہر نکل آیا تو خروج تو پایا گیا، لہٰذا خروج کی صورت میں کیا ہونا چاہیے؟ وضو ٹوٹنے، لیکن آپ یہاں خروج کا صرف اعتبار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ خون اور پیپ وہ بہنے والی ہو، کچھ مقدار ہو اس کی، اور قے کے اندر نکلنے سے ہی آپ وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگاتے بلکہ کہتے ہیں **مِلْءُ الْفَمِ** ہونی چاہیے، تو یہاں پر دو قیدیں آپ زیادہ لگاتے ہیں۔ اگر اس پر قیاس کر رہے ہیں تو اس کے مطابق ہونا چاہیے، وہاں خروج معتبر تو یہاں بھی کیا معتبر ہونا چاہیے؟ خروج ہی معتبر ہونا چاہیے، سیلان یا **مِلْءُ الْفَمِ** کی قید نہیں ہونی چاہیے۔

تو اس کا بھی جواب دیا تھا کہ بدن کی جلد کے ہر ہر حصے کے نیچے خون موجود ہے، ہر ہر حصے کے۔ اور اسی طرح بدن کے اندر پیشاب اور پاخانہ بھی موجود ہے لیکن جب تک وہ اپنے محل کے اندر ہے شرعاً معاف ہے۔ شرعاً کیا ہے؟ معاف ہے، اس کے نجس ہونے کا شریعت اعتبار نہیں کرتی، اور لہٰذا اسی لیے آپ وضو کر لیتے ہیں اب بدن کی کھال کے نیچے خون موجود ہے اسی طرح دوسری نجاستیں اپنے محل پر موجود ہیں لیکن وضو کے بعد شریعت اجازت دیتی ہے اب آپ کیا کر سکتے ہیں؟ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ معلوم ہوا نجاست جب تک اپنے محل کے اندر ہے وہ معاف ہے بھئی، شرعاً معاف ہے۔ اور سبیلین سے جب نجاست نکلتی ہے وہاں نجاست منتقل ہو گئی، اپنے محل کو اس نے چھوڑ دیا۔ تو یہاں پر بھی انتقال ضروری ہے بھئی۔ خون اور پیپ جب وہ خراش آئی اور کھال اتر گئی اوپر کی، خون اور پیپ ظاہر ہوئے لیکن وہ اپنی جگہ پر ہیں اور جب

[1] شاملہ (ص ۵) میں «قَاءَ» کے بجائے «كان» درج ہے۔

تک نجاست اپنی جگہ پر ہے اس کے اندر انتقال نہیں وہ منتقل نہیں ہوئی اپنی جگہ سے اس وقت تک شریعت کی طرف سے وہ معاف ہے بھئی۔ تو جب یہ کھال اتری، خون اور پیپ اپنی جگہ پر ظاہر ہوئے تو یہ اپنی جگہ پر ہیں بھئی، جگہ پر ہیں اور جب اپنی، جب تک اپنی جگہ پر ہیں اس وقت تک معاف ہیں۔ یہ باہر نکلیں گے تو انتقال پایا جائے گا، اپنی جگہ یہ چھوڑیں گے تو انتقال پایا جائے گا تو اس وقت وضو ٹوٹنے کا حکم لگائیں گے۔ تو اسی لیے ہم نے ایک دو قطرے کی قید لگائی تاکہ یہ انتقال پایا جائے، اپنی جگہ سے منتقل ہونا پایا جائے۔ منتقل ہونا پایا جائے۔ اور یہ خون جب جلد اتر گئی تو یہ خروج ہے ہی نہیں، صرف ظہور ہے ظہور۔ نجاست اپنی جگہ پر ظاہر ہوئی ہے، اپنی جگہ سے ابھی بھی منتقل نہیں ہوئی، خروج پایا ہی نہیں گیا صرف ظہور ہوا ہے، اور ظہور سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ کس سے ٹوٹتا ہے؟ خروج سے ٹوٹتا ہے۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سبیلین کے اندر تو اگر پیشاب کا قطرہ ظاہر بھی ہو جائے تو وہاں پر آپ وضو ٹوٹنے کا حکم لگاتے ہیں پھر وہاں کیوں ظہور اور خروج میں فرق نہیں کرتے؟ وہاں کے، وہاں ظہور بھی ہو جائے تو آپ کیا کہتے ہیں؟ خروج ہو گیا۔ تو ہم نے جواب دیا تھا کہ بھئی خروج کے اندر نجاست اپنی جگہ سے منتقل ہو گی تبھی کہا جائے گا نا نکل آئی نجاست، خارج ہو گئی، تبھی خروج پایا جائے گا۔ اور پیشاب کا قطرہ جب اپنی جگہ پر ظاہر ہوا تو یہی مقام پیشاب یہیں پر ہوتا ہے یا یہ پیچھے کہیں سے چلا اور یہاں تک پہنچا؟ کہیں سے چلا اور یہاں پہنچا، معلوم ہوا یہاں پر انتقال پایا گیا ہے، یہاں پر نجاست اپنی جگہ سے منتقل ہو گئی ہے، لہٰذا یہاں پر ظہور بھی کیا ہے دراصل؟ خروج ہی ہے، لیکن باقی بدن پر اگر خراش آئی ہے اور خون صرف ظاہر ہوا ہے تو یہ ظہور ہی ہے انتقال تو یہاں ہے ہی نہیں، نجاست اپنی جگہ سے منتقل نہیں، جب منتقل نہیں ہوئی تو خروج نہیں پایا گیا، جب خروج نہیں پایا گیا تو وضو بھی نہیں ٹوٹے گا بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

اس کے بعد ایک یہ مسئلہ بھی ذکر ہوا تھا: ایک شخص کو تھوڑی تھوڑی قے آئی، اگر اس قے کو جمع کیا جائے تو وہ **مِلْءُ الْفَمِ** بن جاتی ہے، تو کیا اس قے کو جمع کیا جائے گا اور اس کے ناقض للوضوء ہونے کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں؟ تو بتلایا تھا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو ہیں وہ اس صورت میں اتحاد مجلس کا اعتبار کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں اگر ایک ہی مجلس ہے اسی مجلس کے اندر اس کو تھوڑی قے آئی پھر بہت تھوڑی سی قے آئی پھر بہت معمولی سی قے آئی اور مجلس ایک ہی ہے تو ان کو جمع کیا جائے گا، اور اگر یہ ساری مقدار **مِلْءُ الْفَمِ** کے برابر بن جاتی ہے تو اس صورت میں وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں یہاں سبب کا اعتبار کیا جائے گا، سبب کیا ہے؟ متلی۔ اگر ایک ہی متلی سے یہ تھوڑی تھوڑی قے کئی مرتبہ کی ہے تو اس کو جمع کیا جائے گا، اور اگر تھوڑی سی قے کی پھر متلی ختم ہو گئی طبیعت ٹھیک ہو گئی پھر تھوڑی دیر بعد پھر متلی محسوس ہوئی تو یہ سبب دوسرا ہے لہٰذا اب ان کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ تو ایک متلی ہو گی تو ان کو جمع کریں گے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، ایک ہی متلی نہیں تو ان کو جمع بھی نہیں۔

اس کے بعد فقہ کا ایک بڑا ہی قیمتی ضابطہ آپ کے سامنے آیا تھا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «**مَا لَا يَكُونُ حَدَثًا لَا يَكُونُ نَجِسًا**» جو چیز حدث نہیں وہ نجس ناپاک بھی نہیں۔ میں نے بتلایا تھا ایک لفظ **نَجَس** ہے ایک **نَجِس۔ نَجَس** کا کیا معنیٰ؟ ناپاک ہونا، مصدر ہے۔ اور **نَجِس** جو ناپاک ہو جائے اس چیز کو کیا کہتے ہیں؟ **نَجِس۔** تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیز حدث نہیں وہ نجس یعنی ناپاک بھی نہیں، لہٰذا ایک آدمی ہے اس کو خراش آ گئی اب خراش پر تھوڑا سا خون نکل آیا، خون ظاہر ہوا ہے یعنی خراش لیکن بہا نہیں تو یہ ناقض للوضوء نہیں۔ جب ناقض للوضوء نہیں تو یہ نجس بھی نہیں بھئی، ناپاک بھی نہیں۔ لہٰذا اگر یہ کپڑوں کو لگ بھی جائے تو بھی کپڑے کیا ہیں؟ پاک ہیں بھئی پاک ہیں، اس میں نماز پڑھ لے تو نماز ٹھیک ہو گئی۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ اس کو کیا کر لے؟ ہاں پانی میسر ہے موقع ہے تو دھو لینا چاہیے تاکہ اختلاف سے نکل جائے، کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نجس ہے، نجس ہے بھئی۔ لیکن فتویٰ اسی پر ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر کہ یہ نجس نہیں ہے۔ تو بہتر یہ ہے اس کو دھو لے تاکہ اختلاف سے ہی نکل جائے۔

اب آگے دیکھیے بھئی: «**وَهٰذَا إِذَا قَاءَ مِرَّةً أَوْ طَعَامًا أَوْمَاءً**» اور یہ حکم جو ہم نے ذکر کیا کہ قے **مِلْءُ الْفَمِ** ہو گی تو ناقض للوضوء ہو گی، اگر **مِلْءُ الْفَمِ** نہیں تو ناقض للوضوء بھی نہیں۔ یہ حکم جو ہے یہ اس وقت ہے جب وہ قے کرے **مِرَّةً، صَفْرَاء** بھئی **صَفْرَاء۔ مِرَّة** اس کے لیے اردو میں لفظ ہے پت بھئی پت۔ اگر پت کی قے کرے، مراد کیا ہے؟ کہتے ہیں یہ **صَفْرَاء** اور **صَفْرَاء** کو کہتے ہیں، اسی طرح **سَوْدَاء** بھی، زیادہ تر یہ **صَفْرَاء** کے لیے استعمال ہوتا ہے، **صَفْرَاء** کے۔ **صَفْرَاء، سَوْدَاء** وغیرہ یاد رکھیے یہ قدیم اطباء، حکماء اور قدیم اطباء قدیم طب والے جو ہیں یہ فرماتے ہیں کہ بدن انسانی میں چار قسم کے اخلاط ہیں۔ چار اخلاط ہیں بھئی: الف، خ، لام الف اور طا بھئی: اخلاط۔ بدن انسانی میں چار اخلاط ہیں یعنی چار چیزیں ملی ہوئی ہیں، ایک کا نام ہے **صَفْرَاء،** ص کے ساتھ، ص، ف، ر، الف، ہمزہ: **صَفْرَاء،** ایک ہے **سَوْدَاء،** ایک ہے **بَلْغَم** اور ایک ہے خون۔ یہ چار چیزیں بدن کے اندر ملی ہوئی ہیں اور ان میں تناسب ہے، ایک خاص مقدار ہے ان کی آپس میں ایک دوسرے کی نسبت سے۔ اس تناسب کے اندر اگر کمی بیشی ہو جائے، ایک چیز کی مقدار بڑھ جائے یا دوسرے کی کم ہو جائے یا ان کے اندر اور کوئی تغیر و تبدل آئے ان اخلاط کے اندر بھئی یہ تبدیلی آئے کچھ خرابی آ جائے تو پھر انسان بیمار ہو جاتا ہے بھئی۔ تو اگر یہ اخلاط متناسب ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی خرابی وغیرہ نہیں تو انسان تندرست رہتا ہے اور ان میں جب تبدیلی آتی ہے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے بھئی، بیمار ہو جاتا ہے۔ خون بھئی خون، چوتھی چیز خون ہے۔ **صَفْرَاء، سَوْدَاء، بَلْغَم** اور خون بھئی۔ **صَفْرَاء** بھئی نام سے ہی ظاہر ہے ص سے، یہ **أَصْفَر** سے ہے، **أَصْفَر** زرد کو کہتے ہیں عربی میں، تو **صَفْرَاء** یہ زرد رنگ کا کوئی مادہ ہے۔ **سَوْدَاء** یہ **أَسْوَد** کی مؤنث ہے یہ سیاہ رنگ کا مادہ ہے۔ خون سرخ رنگ کا ہے اور اسی طرح **بَلْغَم** بھئی۔ تو یہ چار چیزیں ہیں بھئی چار چیزیں۔

تو یہ جو پیچھے حکم بیان ہوا کہتے ہیں: «**إِذَا قَاءَ مِرَّةً**» جب اس شخص نے قے کی پت کی یعنی **صَفْرَاء** کی اور یا **سَوْدَاء** اس کی قے کی، «**أَوْ طَعَامًا**» یا کس

چیز کی قے آئی اسے؟ طعام کی بھئی۔ مِرَّةً میں نے بتلادیا صَفْرَاء یا سَوْدَاء، یعنی قے کی ہے زرد رنگ کا پانی نکلا بھئی یا اس طرح، تو جب اس کو قے کی پت کی اس نے کی ہو، «أَوْ طَعَامًا» یا کس چیز کی قے کرے؟ یا اس نے کھانے کی وہ قے کرے، «أَوْ مَاءً» یا کس چیز کی قے کرے؟ پانی کی۔ یہ تین چیزوں کی قے کرے تو پھر مِلْءُ الْفَمِ کا اعتبار ہے، مِلْءُ الْفَمِ مقدار ہوئی تو ناقض للوضوء ہے، مِلْءُ الْفَمِ سے کم ہوئی تو ناقض للوضوء نہیں۔

■ مسئلہ: فَإِنْ قَاءَ بَلْغَمًا

«فَإِنْ قَاءَ بَلْغَمًا» اگر اس نے بلغم کی قے کی، «فَغَيْرُ نَاقِضٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ» تو طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ناقض للوضوء نہیں۔ چاہے مِلْءُ الْفَمِ یا اس سے زیادہ مقدار ہی کیوں نہ ہو، تو صرف بلغم کی قے کی کسی نے تو وہ ناقض للوضوء نہیں طرفین کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ ہے۔ «وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: نَاقِضٌ إِذَا قَاءَ مِلْءَ الْفَمِ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بلغم کی قے بھی ناقض ہو گی جب کتنی قے کرے؟ منہ بھر ہو بھئی۔

«وَالْخِلَافُ فِي الْمُرْتَقِي مِنَ الْجَوْفِ» آگے صاحبِ ہدایہ تفصیل بیان فرمارہے ہیں، تفصیل بیان فرمارہے ہیں کہ یہ جو بلغم کے اندر اختلاف ہے کہ طرفین فرماتے ہیں بلغم کی قے کی تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو ٹوٹ جائے گا، کہتے ہیں بلغم دو قسم کی ہے: ایک وہ بلغم جو پیٹ سے آئے معدے سے آئے اور ایک وہ بلغم ہے جو سر سے اترے۔ تو یہ جو اختلاف ہے یہ پیٹ سے آنے والی یعنی معدے سے آنے والی بلغم کے بارے میں ہے۔ اگر قے کی ہے اور وہ بلغم کہاں سے آئی ہے؟ معدے سے آئی ہے تو طرفین فرماتے ہیں کہ یہ ناقض للوضوء نہیں جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مِلْءُ الْفَمِ ہے تو یہ ناقض للوضوء۔ «أَمَّا النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ» باقی جو سر سے اترنے والی بلغم ہے کہتے ہیں: «فَغَيْرُ نَاقِضٍ بِالِاتِّفَاقِ» اس میں بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹے گا، «لِأَنَّ الرَّأْسَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ النَّجَاسَةِ» کیونکہ سر جو ہے وہ نجاست کی جگہ نہیں ہے بھئی، معدہ تو نجاست کی جگہ ہے سر نجاست کی جگہ نہیں ہے بھئی۔

دراصل امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل آگے آئے گی وہ فرماتے ہیں کہ بلغم خود تو نجس نہیں لیکن یہ بلغم آئی ہے معدے سے اور معدہ ہے محلِ نجاست۔ بھئی آپ کو قے آتی ہے آپ دیکھتے نہیں کتنی نجس ہوتی ہے قے بھئی، تو معدہ کس چیز کا محل ہے؟ نجاست کا محل، اور یہ بلغم بھی آئی ہے معدے کی جانب سے تو یہ بھی ساتھ ملی ہوئی تھی اس نجاست کے اور ساتھ ملی ہونے کی وجہ سے اب کیا بن گئی یہ بھی؟ یہ بھی نجس ہو گئی۔ تو لہٰذا جب یہ مِلْءُ الْفَمِ ہو گی تو اس سے کیا ہو جائے گا؟ وضو ٹوٹ جائے گا، ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ طرفین فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے جو معدے سے بلغم آئی اس کے وہ نجاست کے ساتھ ملی ہوئی تھی، نجاست اس کے ساتھ ملی ہوئی تھی لیکن بلغم ایسی چیز ہے کہ اس کے اندر کوئی چیز داخل نہیں ہوتی یہ لیس دار چپچپاہٹ والی چیز ہے تو اس کے ساتھ وہ نجاست اگر لگی بھی ہے وہ اس کے اندر داخل نہیں ہوئی معمولی سی کوئی لگی ہے بہت معمولی سی مقدار لگی ہو گی اس کے ساتھ اور معمولی مقدار نجاست کی قے میں نکلے تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹتا، تو لہٰذا یہاں اگرچہ بلغم خود مِلْءُ الْفَمِ یا اس سے بھی زیادہ ہے لیکن اس کے ساتھ جو نجاست لگی ہوئی ہے وہ کتنی ہے؟ وہ بڑی تھوڑی سی مقدار ہے اور تھوڑی نجاست کے نکلنے سے تو وضو نہیں ٹوٹتا لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا بھئی۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: «وَالْخِلَافُ فِي الْمُرْتَقِي» اِرْتَقَى يَرْتَقِي کے معنیٰ ہوتے ہیں چڑھنا بھئی، «وَالْخِلَافُ فِي الْمُرْتَقِي مِنَ الْجَوْفِ» اور اختلاف جو ہے اس بلغم میں ہے جو مُرْتَقٍ مِنَ الْجَوْفِ ہے جو پیٹ سے چڑھنے والی ہے یعنی پیٹ سے اوپر آئی ہے پیٹ کی طرف سے آئی ہے۔ «أَمَّا النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ فَغَيْرُ نَاقِضٍ بِالِاتِّفَاقِ» باقی وہ بلغم جو سر سے اتری ہے تو وہ بالاتفاق ناقض نہیں ہے، «لِأَنَّ الرَّأْسَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ النَّجَاسَةِ» اس لیے کیونکہ سر جو ہے وہ نجاست کی جگہ نہیں ہے۔ بھئی یہاں پر لفظ آیا «بِالِاتِّفَاقِ»، اس کو کیسے پڑھیں گے بھئی؟ بِالِاتِّفَاقِ۔ اکثر کیسے پڑھتے ہیں اس کو؟ بِالِاتِّفَاقِ، ہمزہ اس کا پڑھتے ہیں حالانکہ اس کا ہمزہ وصلی ہے اور ہمزہ وصلی کو درجِ عبارت میں پڑھنا صحیح نہیں تو لام کے نیچے کسرہ دے کر اس کو تا سے ملائیں گے: لِتِّفَاقِ، اور با کو جیسے ملا کر پڑھا جاتا ہے اسی طرح پڑھیں گے تو بِلِتِّفَاقِ بِالِاتِّفَاقِ۔ «لِأَنَّ الرَّأْسَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ النَّجَاسَةِ» اس لیے کیونکہ سر جو ہے وہ نجاست کی جگہ نہیں ہے۔

■ مسئلہ: لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ نَجِسٌ بِ...

«لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ نَجِسٌ بِالْمُجَاوَرَةِ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ «أَنَّهُ نَجِسٌ» کہ یہ قے کیا ہے؟ نَجِس پڑھنا، نَجِس بھئی، نَجِس کا کیا معنیٰ؟ ناپاک۔ یہ جو بلغم ہے جو معدے سے آئی ہے «نَجِسٌ» یہ ناپاک ہے «بِالْمُجَاوَرَةِ»، مجاورت کہتے ہیں پڑوسی ہونا یعنی ساتھ ملے ہوئے ہونا۔ یہ بلغم ناپاک ہے کس وجہ سے؟ ساتھ ملے ہونے کی وجہ سے، کس چیز کے ساتھ ملی ہوئی تھی یہ؟ نجاست کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ «وَلَهُمَا أَنَّهُ لَزِجٌ» طرفین کی دلیل یہ ہے: «أَنَّهُ لَزِجٌ»، لَزِج کہتے ہیں لیس دار بھئی، لیس دار چپچپاہٹ والی چیز بھئی کہ وہ فرماتے ہیں «أَنَّهُ لَزِجٌ» کہ بلغم جو ہے یہ لزج ہے لیس دار چپچپاہٹ

والی ہے، «لَا تَتَخَلَّلُهُ النَّجَاسَةُ» تخلل کا معنیٰ داخل ہونا، اس کے اندر نجاست داخل نہیں ہوتی، «وَمَا يَتَّصِلُ بِهِ قَلِيلٌ» اور جو اس کے ساتھ ملی بھی ہے وہ کیا ہے؟ وہ قلیل ہے، «وَالْقَلِيلُ فِي الْقَيْءِ غَيْرُ نَاقِضٍ» اور تھوڑی سی نجاست تو قے کے اندر یہ کیا ہے؟ غیر ناقض ہے بھئی، تھوڑی سی نجاست، اسی لیے تو ہم نے مِلْءُ الْفَمِ کی قید لگائی بھئی۔ مِلْءُ الْفَمِ سے جو کم ہے معلوم ہوا تھوڑی نجاست ہے، مِلْءُ الْفَمِ ہے تو وہ زیادہ نجاست۔

«وَلَوْ قَاءَ دَمًا» یاد رکھیے بھئی یہ نشان آپ کی کتابوں میں نہیں ہوگا یہ متن ہے بھئی متن، اس پر لکیر کھینچ لیجیے: «وَلَوْ قَاءَ دَمًا وَهُوَ عَلَقٌ يُعْتَبَرُ فِيهِ مِلْءُ الْفَمِ لِأَنَّهُ سَوْدَاءُ مُحْتَرِقَةٌ» یہ سارا متن ہے بھئی، مُحْتَرِقَةٌ تک یہ سارا متن ہے بھئی۔ بھئی قے جو انسان کو آئے وہ پانچ قسم کی ہو سکتی ہے، چار کی تفصیل اوپر گزر گئی۔ مِرَّة کی اگر قے آئی یعنی پت کی: صَفْرَاء اور سَوْدَاء، یا طعام کی ہوگی یا پانی کی یا بلغم، ان کی تفصیل گزر گئی۔ پانچویں قسم کی جو قے آسکتی ہے وہ ہے خون بھئی خون، اب اس کو بیان کرنے لگے ہیں۔ «وَلَوْ قَاءَ دَمًا» اور اگر قے کیا خون کو، «وَهُوَ عَلَقٌ» عَلَق کہتے ہیں جمے ہوئے کو، جما ہوا خون جو ہے: «وَلَوْ قَاءَ دَمًا وَهُوَ عَلَقٌ» اور قے کیا، قے کی خون کی، «وَهُوَ عَلَقٌ» اور وہ خون جما ہوا تھا، «يُعْتَبَرُ فِيهِ مِلْءُ الْفَمِ» تو اس میں اعتبار کیا جائے گا مِلْءُ الْفَمِ کا، «لِأَنَّهُ سَوْدَاءُ مُحْتَرِقَةٌ» اس لیے کیونکہ یہ سَوْدَاء ہے مُحْتَرِقَةٌ جلا ہوا۔ یہ کیا ہے؟ سَوْدَاء ہے جلا ہوا بھئی، جلا ہوا۔ تو اگر کسی کو قے آئی خون کی اور خون کس قسم کا تھا؟ جما ہوا تھا، تو اس صورت میں مِلْءُ الْفَمِ کا اعتبار کیا جائے گا، اگر مِلْءُ الْفَمِ مقدار ہوئی تو ناقض للوضوء ہے اگر مِلْءُ الْفَمِ مقدار نہ ہوئی تو ناقض للوضوء نہیں، اور یاد رکھیے یہ خون نہیں ہے دراصل، صورت تو خون جیسی ہے لیکن خون نہیں ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ سَوْدَاء ہے جلا ہوا سَوْدَاء ہے بھئی، میں نے جو چار اخلاط بتائے ان میں سے بھئی ایک۔

«وَإِنْ كَانَ مَائِعًا» اور اگر یہ خون بہنے والا ہوا، مائع کہتے ہیں بہنے والی چیز کو مائع کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ مَائِعًا» اور اگر یہ خون بہنے والا تھا، «فَكَذٰلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى» تو اسی طرح ہوگا حکم امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھئی، یعنی اس میں مِلْءُ الْفَمِ ہی کا اعتبار کیا جائے گا اگر قلیل ہوا تو ناقض للوضوء نہیں، «اعْتِبَارًا بِسَائِرِ أَنْوَاعِهِ» قیاس کرتے ہوئے باقی انواع پر، باقی قسموں پر قیاس کرتے ہوئے ان میں مِلْءُ الْفَمِ کیا تھا ناقض للوضوء، تو لہٰذا اس خون کے اندر بھی مِلْءُ الْفَمِ ہوگا تو ناقض للوضوء ہے ورنہ ناقض للوضوء نہیں۔

آگے شیخین رحمہما اللہ کا قول آرہا ہے: «وَعِنْدَهُمَا إِنْ سَالَ بِقُوَّةِ نَفْسِهِ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ» صاحبین کے نزدیک: «إِنْ سَالَ» اگر یہ خون بہتا ہے «بِقُوَّةِ نَفْسِهِ» اپنی ذاتی قوت سے یعنی خود بہنے والا ہے، یہ خون کیا ہے؟ خود بہنے والا ہے، «يَنْقُضُ الْوُضُوءَ» تو یہ وضو کو توڑ دے گا۔ یہ اَلْوُضُوءَ پر زبر پڑھنا یہ مفعول ہے، وضو کو یہ خون کیا کرے گا یہ جو قے آئی ہے یہ؟ توڑ دے گی، تو یہ اَلْوُضُوءَ فاعل نہیں اگر یہ فاعل ہوتا تو پیچھے يَنْقُضُ نہ آتا اِنْتَقَضَ آتا، «اِنْتَقَضَ الْوُضُوءُ» تو وضو ٹوٹ جائے گا، لیکن یہاں کیا عبارت آئی؟ يَنْقُضُ، تو یہ متعدی ہے تو یہ اَلْوُضُوءَ منصوب مفعول ہے بھئی: «يَنْقُضُ الْوُضُوءَ» تو یہ وضو کو توڑ دے گا، «وَإِنْ كَانَ قَلِيلًا» اگرچہ تھوڑا سا ہو۔ بھئی شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ خون کی قے آئی اور وہ خون بہنے والا ہے خود بہہ رہا ہے تو اس صورت میں اگرچہ مِلْءُ الْفَمِ مقدار نہ ہو تھوڑی سی مقدار ہی کیوں نہ ہو پھر بھی یہ وضو کو توڑ دے گا۔ اس کی کیا وجہ مِلْءُ الْفَمِ کی قید یہاں کیوں نہیں معتبر؟ وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ خون وہ خون جما ہوا ہو وہ تو سوداء تھا لیکن یہ بہہ رہا ہے اور رنگ بھی سرخ ہے معلوم ہوا یہ خون ہی ہے۔ یہ کیا ہے؟ خون ہی ہے اور خون آیا کہاں سے؟ معدے سے آیا ناقے کہاں سے آتی ہے؟ معدے، تو یہ خون معدے سے آیا ہے اور معدہ تو خون کی جگہ نہیں، معدے میں نجاست وغیرہ تو ہوتی ہے لیکن خون تو نہیں ہوتا لیکن یہ آیا وہیں سے ہے معلوم ہوا کہ اندر کوئی زخم ہے کوئی پھوڑا وغیرہ ہے کوئی پھنسی ہے کوئی دانہ ہے یا کوئی رگ کٹی ہے اس سے یہ خون نکلا ہے اور جب اس سے نکلا ہے تو بدن سے خارج ہوا تو انتقال پایا گیا یا نہیں پایا گیا؟ نجاست نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے اور نجاست اپنی جگہ چھوڑ دے تو قلیل ہی کیوں نہ ہو اس سے کیا ہوتا ہے؟ وضو ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا یہاں پر بھی انتقالِ نجاست کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَعِنْدَهُمَا إِنْ سَالَ بِقُوَّةِ نَفْسِهِ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ» اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر خون بہے اپنی ذاتی قوت سے «يَنْقُضُ الْوُضُوءَ» تو یہ وضو کو توڑ دے گا، «وَإِنْ كَانَ قَلِيلًا» اگرچہ تھوڑا سا ہو، «لِأَنَّ الْمِعْدَةَ لَيْسَتْ بِمَحَلِّ الدَّمِ» اس لیے کیونکہ معدہ جو ہے وہ خون کا مقام نہیں ہے، «فَيَكُونُ مِنْ قُرْحَةٍ فِي الْجَوْفِ» قُرْحَة اور قَرْحَة یہ دانہ کوئی بدن پر جو نکلا ہو پھوڑا، پھنسی وغیرہ اس کو کہتے ہیں بھئی، «فَيَكُونُ مِنْ قُرْحَةٍ فِي الْجَوْفِ» تو یہ جو ہے جوف پیٹ، پیٹ میں کسی پھوڑے یا پھنسی وغیرہ سے ہوگا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ نَزَلَ مِنَ الرَّأْسِ إِلَى مَا لَانَ مِنَ...

«وَلَوْ نَزَلَ مِنَ الرَّأْسِ إِلَى مَا لَانَ مِنَ الْأَنْفِ نَقَضَ الْوُضُوءَ بِالِاتِّفَاقِ» اور اگر جو ہے یہ خون اترا مِنَ الرَّأْسِ سر سے إِلَى مَا اس حصے تک لَانَ جو نرم ہے، لَانَ يَلِينُ کے معنیٰ نرم نرم ہونا، مِنَ الْأَنْفِ ناک میں سے۔ بھئی اگر آپ ناک پر ہاتھ لگائیں اور دیکھیں اس کا نصف حصہ نرم ہے اور باقی حصہ سخت ہے ہڈی ہے بھئی، تو یہ جو نرم حصہ ہے یہاں تک غسل وغیرہ میں پانی پہنچانا فرض ہے بھئی فرض ہے۔ معلوم ہوا یہ وہ حصہ ہے جس کے شریعت نے پاک کرنے کا حکم دیا اور

خون بہہ کر اس حصے تک پہنچ گیا تو خون بہہ کر اس حصے تک پہنچ گیا جس کے ساتھ پاک کرنے کا حکم ملا ہوا ہے تو اس صورت میں کیا حکم لگایا جائے گیا؟ وضو کے ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں: «**وَلَوْ نَزَلَ مِنَ الرَّأْسِ إِلَى مَا لَانَ مِنَ الْأَنْفِ**» اور اگر خون اترا سر سے اس حصے تک جو نرم ہے ناک میں سے «**نَقَضَ الْوُضُوءَ بِالِاتِّفَاقِ**» تو یہ وضو کو توڑ دے گا بالاتفاق بھئی، یعنی ہمارے سارے ائمہ کے نزدیک بھئی، «**لِوُصُولِهِ إِلَى مَوْضِعٍ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ**» بوجہ پہنچنے اس کے ایسے مقام تک کہ ملا ہوا ہے اس کے ساتھ پاک کرنے کا حکم، «**فَيَتَحَقَّقُ الْخُرُوجُ**» تو خروج پایا گیا۔ خروج کیا ہے؟ جب ایسی جگہ تک پہنچ گیا تو وہ خروج پایا گیا اور خروجِ نجاست کی صورت میں تو وضو ٹوٹتا تھا تو یہاں پر بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

«**وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا أَوْ مُتَّكِئًا أَوْ مُسْتَنِدًا إِلَى شَيْءٍ لَوْ أُزِيلَ لَسَقَطَ**» ان چیزوں کا بیان ہو رہا ہے جو ناقض للوضوء ہیں جو وضو کو توڑ دیتی ہیں، وضو کو توڑ دیتی ہیں۔ انہی میں سے ایک نوم ہے نیند بھی بھئی، نیند۔ نیند بھی کیا ہے؟ ناقض للوضوء۔ «**وَالنَّوْمُ**» اور نیند، «**مُضْطَجِعًا**» پہلو پر لیٹے ہوئے، اضطجاع کہتے ہیں انسان کا ایک پہلو پر لیٹنا یعنی دائیں طرف یا بائیں طرف۔ تو پہلو پر لیٹ کر جو نیند ہے وہ ناقض للوضوء ہے، کوئی سو جائے پہلو پر تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور صرف پہلو پر لیٹنا یہ **مُضْطَجِعًا** یہ کوئی قیدِ احترازی نہیں ہے اس کا یہ معنیٰ نہیں کوئی گردن کے بل یعنی کمر کی کمر زمین پر رکھ کر سیدھا لیٹے یہ اس سے نکل گیا، نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ لیٹ کر جس حالت میں بھی انسان لیٹ کر سو جائے چاہے دائیں پہلو پر چاہے بائیں پہلو پر چاہے کمر زمین پر رکھ کر یا چاہے سینہ زمین پر رکھ کر جس حالت میں بھی سو جائے گا تو وضو ٹوٹ جائے گا بھئی، وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کی وجہ آگے ذکر ہو گی: اصل میں ہمارے نزدیک نیند ناقض للوضوء نہیں۔ کیونکہ وضو تو ٹوٹتا ہے خروج نجاست سے، نیند تو خود خروج نجاست نہیں ہے بھئی۔ لیکن چونکہ نیند کے اندر عادتاً خروج نجاست ہوتا ہے بدن سے کوئی ہوا وغیرہ خارج ہوئی انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا کیونکہ وہ متنبہ نہیں اس کو ہوش ہی نہیں ہے۔ تو لہٰذا چونکہ عادتاً اس حالت میں خروج نجاست ہو گا اس لیے اس کو یقین کی طرح ہی سمجھ لیا گیا۔ ایک چیز جس کا ہمیں پتہ ہی نہیں چل سکتا، بھئی نیند میں خروج نجاست ہوا ہے یا نہیں ہوا یہ ہمیں پتہ نہیں چل سکتا لیکن نیند میں عادتاً عموماً ہوتا کیا ہے؟ خروج نجاست اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ تو جب نیند میں پتہ نہیں چل سکتا تو نیند ہی کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا کہ نیند ہی سے کیا ہو جائے گا؟ وضو ٹوٹ جائے گا۔ لیکن وہ نیند ایسی ہو جس میں خروج نجاست کا احتمال ہو، جس میں خروج نجاست کا احتمال نہیں اس نیند سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔ چنانچہ آگے آپ کو بتائیں گے کوئی کھڑے کھڑے سو جائے نماز میں یا نماز کے بغیر یا رکوع کے اندر سو جائے یا سجدے کے اندر سو جائے تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا بھئی، وضو نہیں ٹوٹے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

جی دیکھیے بھئی: «**وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا**» اور سونا **مُضْطَجِعًا** پہلو پر لیٹے ہوئے، «**أَوْ مُتَّكِئًا أَوْ مُسْتَنِدًا إِلَى شَيْءٍ لَوْ أُزِيلَ لَسَقَطَ**»، «**وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا أَوْ مُتَّكِئًا أَوْمُسْتَنِدًا**» اور نیند پہلو پر لیٹے ہوئے اور «**أَوْ مُتَّكِئًا**» یا تکیہ لگائے ہوئے «**أَوْ مُسْتَنِدًا**» یا ٹیک لگائے ہوئے «**إِلَى شَيْءٍ**» کسی چیز کی طرف «**لَوْ أُزِيلَ**» کہ اگر ہٹا دیا جائے اس چیز کو «**لَسَقَطَ**» تو یہ شخص گر جائے، تو یہ نیند جس میں انسان زمین پر سیدھا لیٹا ہو پہلو پر ہو یا جیسے بھی لیٹا ہو یا کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے سو گیا سو گیا اس طور پر کہ اگر اس چیز کو ہٹا دیا جائے تو یہ آدمی گر جائے اتنی نیند آگئی بھئی، تو اس صورت میں یاد رکھیے اس نیند سے وضو ٹوٹ جائے گا دوبارہ وضو کرنا پڑے گا نماز کے لیے۔ یہاں دو لفظ آئے بھئی: **مُتَّكِئًا أَوْ مُسْتَنِدًا۔ مُتَّكِئًا**، یاد رکھیے اتکاء اور استناد میں فرق بھئی، اتکاء اور استناد میں فرق۔ استناد کے اندر انسان جب کسی چیز سے ٹیک لگاتا ہے تو اپنی کمر اس کے ساتھ لگاتا ہے، اس کو کہتے ہیں استناد۔ اپنی کمر کسی چیز کے ساتھ لگا کر بیٹھنا یعنی ٹیک لگا کر بیٹھنا یہ کیا ہے؟ استناد ہے استناد۔ اور اتکاء جو ہے اس کے اندر انسان ایک کولہے پر جو بیٹھے، ایک کولہے پر۔ زمین پر بیٹھتے ہوئے بدن کا جو حصہ زمین پر انسان رکھتا ہے اگر ایک جانب صرف رکھے اور اس پر بیٹھا ہو ٹیک لگا کر یا ویسے جیسے بھی بیٹھا ہو تو اس صورت میں اگر وہ سو جائے، اس صورت میں سو جائے تو یہ سونا بھی کیا ہے؟ ناقض للوضوء ہے بھئی، ناقض للوضوء۔

تفصیل میں یہیں بیان کر دیتا ہوں آگے پوری تفصیل صاحبِ ہدایہ بھی بیان کریں گے۔ بھئی انسان جب تک جاگ رہا ہے اس کو اپنے بدن پر پوری گرفت ہے، آپ اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں آپ کے جوڑ اعضاء وغیرہ آپ کی گرفت میں ہیں۔ اگر آپ کی گرفت میں نہ ہوتے تو آپ ایک طرف کو گر جاتے لیکن آپ نے اپنے بدن کو سیدھا رکھا ہوا ہے بیٹھے ہوئے ہیں یہ کس وجہ سے؟ کیونکہ آپ کے اپنے بدن پر گرفت ہے گرفت ہے بھئی۔ چنانچہ اسی لیے بے ہوش آدمی ہے اس کو آپ بٹھائیں گے وہ بیٹھے گا ہی نہیں وہ ہمیشہ ایک طرف کو گر جائے گا کیونکہ اس کو اپنے جوڑ وغیرہ اس کی گرفت میں ہی نہیں ہیں اس وقت وہ ہوش میں ہی نہیں ہے۔ تو بیدار انسان جو ہوتا ہے وہ اس کو اپنے بدن پر گرفت ہوتی ہے اسی طرح وہ اپنے بدن سے کوئی نجاست وغیرہ نہیں نکلنے دیتا اس پر بھی اس کو گرفت ہوتی ہے۔ لیکن جب سو جائے گا اس کے اپنے بدن پر جو یہ قابو تھا یہ قابو ختم ہو جائے گا اب اسے کوئی پتہ نہیں کہ بدن سے نجاست نکلی ہے یا نہیں۔ تو بیداری کی حالت میں تو قابو اور گرفت ہوتی ہے لیکن نیند کی حالت میں یہ بیدا... یہ گرفت باقی نہیں رہتی۔ تو جب نیند کی حالت میں یہ گرفت باقی نہیں رہتی تو اس صورت میں وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا وضو ٹوٹنے کا حکم۔ لیکن یہ اس وقت جب یہ گرفت پوری طرح ختم ہو جائے، اگر تھوڑی سی بھی گرفت باقی ہے تو اس صورت میں وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگائیں گے تھوڑی سی بھی۔ مثلاً ایک آدمی کھڑے کھڑے سو گیا، بدن پر ابھی بھی اس کے گرفت ہے، اگر گرفت... کیا گرفت ہے؟ کھڑا ہوا ہے یہ گرفت ہے، اگر بے ہوش آدمی کو آپ کھڑا کریں وہ کبھی کھڑا ہو گا؟ کیونکہ اس کو اپنے بدن پر ذرا بھی گرفت نہیں ہے لیکن یہ سویا ہوا ہے اور کھڑا ہے معلوم ہوا کچھ گرفت ہے اس کو اپنے بدن پر قابو ہے۔ کوئی سجدے کے اندر سو گیا تو بھی کیا ہے؟ بدن پر گرفت ہے ورنہ ایک طرف وہ گر جاتا۔ کوئی رکوع میں سو گیا تو بھی کیا ہے؟ اس کو اپنے بدن پر گرفت ہے ورنہ وہ ایک طرف کو گر جاتا بھئی۔

تو وہ نیند جس میں اپنے بدن سے پوری گرفت ختم ہو جائے وہ ناقض للوضوء ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے بدن پر گرفت نہ رہی تو ہو سکتا ہے نجاست خارج ہو گئی ہو۔ لیکن وہ حالت جس میں اپنے بدن پر گرفت ہو اس میں نیند بھی ہو اس حالت میں تو وہ ناقض للوضوء نہیں بھئی ناقض للوضوء نہیں، کیونکہ جسم پر قابو ابھی بھی باقی ہے بھئی باقی ہے۔ اور نیز ایک اور چیز کہ وہ نیند اگر بیٹھے ہونے کی حالت میں ہو اور بیٹھے ہونے کی حالت میں ٹیک لگایا ہوا ٹیک لگائی ہوئی ہے کسی چیز سے انسان نے لیکن مقعد اس کی زمین پر ہے، جو حصہ زمین پر بیٹھتے ہوئے انسان رکھتا ہے وہ حصہ زمین پر اچھی طرح ٹکا ہوا ہے تو اس صورت میں بھی یاد رکھیے یہ معمولی سی ٹیک پوری ٹیک کے اندر یہ ہو ہی نہیں سکتا، تھوڑی سی ٹیک لگائی ہو اس میں ہو سکتا ہے کہ بدن کا یہ حصہ زمین پر اچھی طرح لگا ہوا ہو، تو جب اچھی طرح لگا ہوا ہے یہ حصہ مقعد زمین پر اور اس معمولی سی کوئی ٹیک بھی لگی ہوئی ہے اس میں اگر نیند آ جائے تو یہ ناقض للوضوء نہیں، ناقض للوضوء نہیں۔ لیکن اگر یہ حصہ زمین سے اٹھ گیا جیسے اتکاء کے اندر، اتکاء کے اندر ایک کولہے پر ایک جانب پر ٹیک لگا کر انسان بیٹھا ٹیک لگا کر تو اس صورت میں دیکھیے وہ حصہ زمین سے اٹھ گیا، جب زمین سے اٹھ گیا اور اس حالت میں نیند آ گئی تو اب شاید احتمال ہے خروج نجاست کا، بدن پر اب پورا قابو نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں کیا حکم لگایا جائے گا؟ وضو کے ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟ دیکھیے اب صاحبِ ہدایہ یہ سب بیان کریں گے بھئی۔ تو اتکاء اور استناد میں میں نے فرق بتلایا: اتکاء کون سا ٹیک لگانا یا بیٹھنا جس میں ایک کولہے پر ہو اور استناد کے اندر ٹیک کس کے ساتھ لگائی جائے گی؟ کمر، کمر کسی چیز کے ساتھ لگا دی اور ٹیک لگایا تو یہ استناد ہے۔

کہتے ہیں: «**وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا أَوْ مُتَّكِئًا أَوْ مُسْتَنِدًا إِلَى شَيْءٍ لَوْ أُزِيلَ لَسَقَطَ**» اور نیند پہلو پر لیٹے ہوئے یا اتکاء کی حالت میں یا ٹیک لگائے ہوئے «**إِلَى شَيْءٍ**» کسی چیز کی طرف «**لَوْ أُزِيلَ**» کہ اگر اس چیز کو ہٹا دیا جائے «**لَسَقَطَ**» تو یہ سونے والا گر پڑے، «**لِأَنَّ الِاضْطِجَاعَ سَبَبٌ لِاسْتِرْخَاءِ الْمَفَاصِلِ**» اس لیے کیونکہ اضطجاع پہلو پر لیٹنا یہ سبب ہے «**لِاسْتِرْخَاءِ الْمَفَاصِلِ**»، مفاصل جمع ہے مفصل کی **مَفْصِل، مَفْصِل** کہتے ہیں بدن کے جوڑ بند وغیرہ بھئی، استرخاء کا معنیٰ ڈھیلا ہو جانا، اس لیے کیونکہ پہلو پر لیٹنا «**سَبَبٌ لِاسْتِرْخَاءِ الْمَفَاصِلِ**» یہ جوڑوں کے ڈھیلا ہو جانے کا سبب ہے، پہلو پر لیٹنا یہ جوڑوں کے ڈھیلا ہونے کا سبب ہے، «**فَلَا يَعْرَى عَنْ خُرُوجِ شَيْءٍ عَادَةً**»، **عَرِيَ يَعْرَى** کے معنیٰ خالی ہونا، «**فَلَا يَعْرَى**» تو یہ جو پہلو پر لیٹنا ہے یہ خالی نہیں ہو گا «**عَنْ خُرُوجِ شَيْءٍ**» کسی چیز کے نکلنے سے «**عَادَةً**»، عادتاً یہ کسی چیز کے نکلنے سے خالی نہیں یعنی عادتاً اس حالت میں خروج نجاست ہوتا ہے اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا بھئی، «**وَالثَّابِتُ عَادَةً كَالْمُتَيَقَّنِ بِهِ**» اور وہ چیز جو عادتاً ثابت ہو «**كَالْمُتَيَقَّنِ بِهِ**» وہ یقینی چیز کی طرح ہے، جو چیز... بھئی ہمیشہ تو نہیں نیند کی حالت میں خروج نجاست ہو گا لیکن عادتاً کیا ہے؟ عادتاً ایسا ہوتا ہے اور جو چیز عادتاً ثابت ہو وہ کس کی طرح ہے؟ یقینی چیز کی طرح ہے تو یہاں بھی یقینی کی طرح اس کو سمجھا جائے گا۔

■ مسئلہ: وَالِاتِّكَاءُ يُزِيلُ مُسْكَةَ الْيَقْظَةِ

«**وَالِاتِّكَاءُ يُزِيلُ مُسْكَةَ الْيَقْظَةِ**» اور اتکاء، اس کا کیا معنیٰ کیا تھا میں نے؟ ایک سرین کے ایک جانب پر ٹیک لگا کر بیٹھنا۔ تو یہی تفصیل بیان کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ بھی کہ اتکاء جو ہے یعنی ایک جانب پر بیٹھنا «**يُزِيلُ**» یہ زائل کر دیتا ہے «**مُسْكَةَ الْيَقْظَةِ**»، **مُسْكَة** وہی قابو اور گرفت بھئی، **يَقْظَة** بیداری، کیونکہ اتکاء جو ہے یہ بیداری کی گرفت کو ختم کر دیتا ہے، کیوں ختم کرتا ہے؟ «**لِزَوَالِ الْمَقْعَدِ عَنِ الْأَرْضِ**» اس لیے کیونکہ مقعد جو حصہ زمین پر رکھتا ہے انسان بیٹھتے ہوئے وہ ہٹ گئی ہے «**عَنِ الْأَرْضِ**» کہاں سے؟ زمین سے ہٹ گئی ہے، جب ایک طرف پر لیٹا ہوا ہے تو پورا حصہ تو نیچے نہیں لگا ہوا وہ زمین سے ہٹ گئی ہے۔ «**وَيَبْلُغُ الِاسْتِرْخَاءُ فِي النَّوْمِ غَايَتَهُ بِهٰذَا النَّوْعِ مِنَ الِاسْتِنَادِ**» اور پہنچ جاتا ہے استرخاء یعنی اعضاء کا ڈھیلا ہونا «**فِي النَّوْمِ**» نیند کے اندر «**غَايَتَهُ**» اپنی انتہا کو، اعضاء کا ڈھیلا ہونا نیند میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے «**بِهٰذَا النَّوْعِ مِنَ الِاسْتِنَادِ**» اس قسم کا ٹیک لگانے سے، اس قسم کا ٹیک اس قسم کی ٹیک لگانے سے جو اعضاء کا ڈھیلا ہونا ہے نیند کے اندر اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے یعنی اعضاء وغیرہ کامل طور پر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، جب کسی چیز سے ٹیک لگائے گا چاہے کمر لگائے چاہے ایک طرف پر ہو کر ایک کولہے پر ہو کر ٹیک لگائے تو اعضاء کیا ہوئے؟ ڈھیلے ہونے میں اپنی انتہا کو پہنچ گئے یعنی کامل طور پر ڈھیلے پڑ گئے۔ «**غَيْرَ أَنَّ السَّنَدَ يَمْنَعُهُ مِنَ السُّقُوطِ**» علاوہ اس کے کہ یہ جو ٹیک ہے یہ روکتی ہے اس کو گرنے سے، ٹیک کی وجہ سے وہ آدمی گر نہیں رہا، اس چیز نے اس کو تھام کے رکھا ہوا ہے، اگر یہ ٹیک والی چیز نہ ہوتی تو یہ نیچے گر جاتا، معلوم ہوا اعضاء وغیرہ سب بالکل ڈھیلے پڑ چکے ہیں لیکن گر کیوں نہیں رہا؟ کیونکہ اس چیز نے اس کو تھام رکھا ہے جس سے اس نے ٹیک لگائی ہوئی ہے۔

«**بِخِلَافِ حَالَةِ الْقِيَامِ وَالْقُعُودِ وَالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا**» بخلاف کھڑے ہونے کے اور بیٹھنے کی قعود کی حالت جو ہے اور رکوع کی جو حالت ہے «**وَالسُّجُودِ**» اور سجدے کی جو حالت ہے «**فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا**» نماز میں ہو اور چاہے نماز کے علاوہ، ان حالتوں میں ان حالتوں میں استرخاء اپنی انتہا کو نہیں پہنچتا، اعضاء پورے طور پر ڈھیلے نہیں پڑے ورنہ وہ کھڑا نہ رہتا گر جاتا، بیٹھا نہ رہتا گر جاتا، رکوع میں نہ رہتا بلکہ گر، اسی طرح سجدے میں نہ رہتا بلکہ گر جاتا۔ تو ان میں استرخاء ان حالتوں میں اگر کوئی سو بھی جائے تو استرخاء کامل نہیں لہٰذا وضو نہیں ٹوٹے گا بھئی وضو نہیں، کیونکہ کچھ گرفت بدن پر ابھی بھی باقی ہے جبھی تو وہ اس حالت میں ہے نیچے کو نہیں گرا۔ یاد رکھیے یہاں لفظ **سُجُود** آیا، **سُجُود** یہ نہ سمجھنا سجدے کی جمع ہے، عربی میں سجدے کو کہتے ہی **سُجُود** ہیں، عربی میں کیا کہتے ہیں؟ **سُجُود**۔ تو بخلاف حالت قیام کے اور قعود کے اور رکوع کے اور سجدے کے «**فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا**» نماز میں اور غیر نماز میں یعنی چاہے نماز میں اس حالت میں سو جائے کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے رکوع میں یا سجدے میں یا نماز کے علاوہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے یا سجدے یا رکوع میں سو جائے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ استرخاء

کامل نہیں۔ اور **السُّجُود** آیا یاد رکھیے یہ مردوں کے سجدے کا حکم ہے عورتوں کے سجدے کا یہ حکم نہیں۔ عورتوں کے نماز کی الگ حالت ہے بھئی، عورتیں مردوں کی طرح نماز نہیں پڑھتیں، ان کے لیے شریعت کے الگ احکام ہیں نماز کے سلسلے میں، وہ ایسی حالت اختیار کریں گی جس میں ستر زیادہ ہو، پردہ زیادہ ہو۔ لہٰذا وہ جو سجدہ کرتی ہیں عورتیں اس میں پورے بدن کو ہی گویا زمین کے ساتھ لگا دیتی ہیں تو اس میں وہ استرخاء کامل طور پر پایا جائے گا اگر سو جائیں بھئی، تو وہاں وضو ٹوٹ جائے گا۔ لیکن مرد اس نے تو اپنے بدن کو گھٹنوں پر رکھا ہوا ہے اور وہ استرخاء کامل ختم ہو گا تو یہ ایک طرف کو گر جائے گا، عورت میں اس طرح گرنے کی صورت نہیں، تو یہ مردوں کے سجدے کا حکم ہے۔ ہاں کوئی عورت اس طرح مردوں کی طرح سجدے میں ہو اس کی نیند کا پھر یہی حکم ہے جو اس مردوں کے سجدے کا حکم ہے۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی؟

«**وَهُوَ الصَّحِيحُ**» یہی قول صحیح ہے، «**لِأَنَّ بَعْضَ الِاسْتِمْسَاكِ بَاقٍ**» اس لیے کیونکہ کچھ قابو کچھ گرفت ابھی بھی باقی ہے، ان حالتوں میں سو جائے تو کچھ قابو ابھی بھی باقی ہے۔ «**إِذْ لَوْزَالَ**» اس لیے کیونکہ اگر یہ کچھ استمساک بھی زائل ہو تا یہ بھی ختم ہو جائے «**لَسَقَطَ**» تو یہ گر جاتا، اگر یہ بھی ختم ہو جاتا تو یہ گر۔ «**فَلَمْ يَتِمَّ الِاسْتِرْخَاءُ**» تو استرخاء یعنی اعضاء کا ڈھیلا پڑنا تام نہیں کامل نہیں۔ ان حالتوں میں جو نماز کی حالتوں میں سو گیا۔

اچھا آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ ہم نے کہا نیند کی حالت میں اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اس لیے وضو ٹوٹ جاتا ہے، نیند کی حالت میں کیا ہوتا ہے؟ اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اس لیے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ فیصلہ ہم نے کوئی اپنی عقل سے نہیں کیا اگرچہ عقل بھی اس کی تائید کر رہی ہے لیکن یہ حکم ہم نے صرف قیاس کے ذریعے نہیں ثابت کیا بلکہ اس کا پتہ حدیث سے چلتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ یہ جو نماز وغیرہ کی جو حالتیں ہیں ان کے اندر آدمی سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا اور باقی حالتوں کے اندر لیٹنے وغیرہ کی حالت میں سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ وہ حدیث ذکر کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں: «**وَالْأَصْلُ فِيهِ**» اور اصل جو ہے اس حکم کے اندر «**قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے آپ فرماتے ہیں: «**لَا وُضُوءَ عَلَى مَنْ نَامَ قَائِمًا أَوْ قَاعِدًا أَوْ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا، إِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا، فَإِنَّهُ إِذَا نَامَ مُضْطَجِعًا اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ**» نہیں ہے وضو اس شخص پر جو کھڑے ہوئے سو جائے یا بیٹھے ہوئے یا رکوع کرتے ہوئے یا سجدہ کرتے ہوئے، وضو تو اسی شخص پر ہے جو سو جائے پہلو پر، اس لیے کہ جب وہ سو گیا پہلو پر تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ گئے۔ معلوم ہوا اس حدیث میں علت بھی باقاعدہ ذکر ہو گئی کیونکہ اس کے کہ پہلو پر لیٹنے والے کا وضو کیوں ٹوٹا؟ اس کے اعضاء ڈھیلے، جوڑ ڈھیلے پڑ گئے۔ تو ہم نے بھی اسی طرح جہاں جہاں اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے تھے پوری طرح وہاں ہم نے وضو اس نیند کے اندر ہم نے وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا اور جس کے اندر اعضاء پورے ڈھیلے نہیں پڑتے تھے اس میں ہم نے بھی وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگایا بھئی۔ اچھا چلیے بس بھئی: **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۱۳: مسئلہ: وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا

ہدایہ صفحہ: ۲۶ — بتاریخ: ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۲ء

وَالْغَلَبَةُ عَلَى الْعَقْلِ بِالْإِغْمَاءِ وَالْجُنُونِ لِأَنَّهُ فَوْقَ النَّوْمِ مُضْطَجِعًا فِي الِاسْتِرْخَاءِ، وَالْإِغْمَاءُ حَدَثٌ فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا وَهُوَ الْقِيَاسُ فِي النَّوْمِ إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالْأَثَرِ، وَالْإِغْمَاءُ فَوْقَهُ فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ۔

گزشتہ سبق میں ہم نواقضِ وضو کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ آپ نے پڑھا کہ وہ نیند جو **مُضْطَجِعًا** ہو یا **مُتَّكِئًا** ہو یا **مُسْتَنِدًا إِلَى شَيْءٍ** ہو تو وہ **نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ** ہے۔ اور اس کی وجہ ذکر ہوئی تھی حدیث میں بھی جیسا آیا تھا کہ جب انسان اس طریقے پر سوتا ہے تو اس کے جوڑ وغیرہ جو ہیں وہ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور انسان کی اپنے بدن پر گرفت ختم ہو جاتی ہے، تو اس صورت میں عادۃً جو ہے بدن سے کچھ خروجِ نجاست ہوتا ہے، انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا، یعنی ہوا وغیرہ خارج ہو گئی اور اسے پتہ بھی نہیں چلا۔ تو چونکہ عادۃً ان حالتوں میں خروجِ نجاست ہوتا ہے، تو جو چیز عادۃً ثابت ہے اس کو کس کی طرح کر لیا گیا؟ یقینی کا حکم دے دیا گیا، وہ یقینی چیز کی طرح ہی ہو گئی، اور لہٰذا اس وجہ سے جو ہے اس کو، **نَوْم** کو **نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ** قرار دیا گیا۔ تو اصل میں وضو کو توڑنے والی چیز وہ **نَوْم** نہیں ہے بلکہ وہ خروجِ نجاست ہے لیکن چونکہ نیند میں خروجِ نجاست کا علم ہو نہیں سکتا کہ خروجِ نجاست پایا گیا ہے یا نہیں پایا گیا، اگر پایا گیا ہو تو پھر وضو ٹوٹنے کا حکم لگائیں، نہ پایا گیا ہو تو وضو ٹوٹنے کا حکم نہ لگائیں، چونکہ اس کا علم ہو ہی نہیں سکتا، انسان پر اس وقت غفلت طاری ہوتی ہے تو لہٰذا نیند ہی کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ نیند ہی کو جو چیز نیند میں جس کا احتمال تھا، اس نیند ہی کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا اور نیند ہی سے وضو کے ٹوٹنے کا حکم لگا دیا گیا، لیکن ہر نیند نہیں، وہ نیند جس کے اندر بدن پر قابو انسان کا ختم ہو جائے، بدن پر انسان کی گرفت ختم ہو جائے۔

اور اس کی صورتیں ذکر کیں کہ ایک ہے پہلو پر لیٹنا، میں نے بتایا پہلو پر لیٹنا، «**وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا**» آیا، یہ کوئی احترازی قید نہیں، اس کا یہ معنی نہیں کہ پہلو پر صرف لیٹے پھر اور سو جائے تو وضو ٹوٹے گا اور کوئی چت لیٹ جائے یعنی کمر زمین پر رکھ کر سیدھا لیٹ جائے یا سینہ زمین پر رکھ کر لیٹ جائے اور سو جائے تو ان سے وضو نہیں ٹوٹے گا، ایسا نہیں ہے بھائی، بلکہ **مُضْطَجِعًا** سے مراد لیٹ کر نیند ہے، لیٹ کر نیند۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ **مُضْطَجِعًا** کو بالخصوص کیوں ذکر کیا؟ جواب یہ کہ چونکہ حدیث کے اندر **مُضْطَجِعًا** کا ذکر آیا تھا اس لیے برکت حاصل کرنے کے لیے اسی حدیث کے لفظ کو ذکر کر دیا گیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ جی حدیث کل کے سبق کے آخر میں آپ نے پڑھی تھی اس میں **مُضْطَجِعًا** کا لفظ آیا تھا تو یہاں پر بھی انہوں نے متن میں **مُضْطَجِعًا** کا لفظ ذکر کر دیا۔ تو جو بھی نیند، جس حالت میں بھی لیٹ کر انسان سو جائے تو وہ **نَوْم نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ** ہے۔

اسی طرح **اِتِّكَاء** آیا، **اِتِّكَاء** میں نے بتلایا کہ کسی چیز کے ساتھ پہلو پر ٹیک لگانا اس طریقے پر کہ انسان کی مقعد زمین سے اٹھ جائے، ایک پہلو پر ہو جائے بھائی۔ تو اب اس صورت میں بھی چونکہ خروجِ نجاست کا احتمال ہے جب سو جائے تو لہٰذا یہ **نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ** ہے۔ اور **اِسْتِنَاد**، **اِسْتِنَاد** میں نے بتلایا تھا کہ کسی چیز سے ٹیک لگائے اور کمر لگائے اس چیز کے ساتھ۔ تو **اِتِّكَاء** اور **اِسْتِنَاد** میں کیا فرق ہوا؟ **اِتِّكَاء** میں پہلو پر ہو گا انسان اور **اِتِّكَاء** میں کمر لگائی ہوئی ہو گی ٹیک کے اندر بھائی، یہ فرق ہے بھائی۔ **اِتِّكَاء** کے اندر، **اِتِّكَاء** کے اندر پہلو لگایا ہو گا ٹیک میں اور **اِسْتِنَاد** میں کمر لگائی ہوئی ہو گی بھائی ٹیک کے اندر بھائی۔

جبکہ اس کے علاوہ وہ حالتیں جس میں بدن پر کچھ گرفت اور کچھ قابو باقی ہو، اس حالت میں انسان سو بھی جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کیونکہ بدن پر گرفت پورے طور پر ختم نہیں ہوئی بھائی، پورے طور پر **اِسْتِرْخَاءِ مَفَاصِل** نہیں ہے۔ تو جہاں **اِسْتِرْخَاءِ مَفَاصِل** کامل طور پر ہو گا وہاں اس نیند سے وضو ٹوٹے گا اور جہاں **اِسْتِرْخَاء** کامل نہیں اس **نَوْم** سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ لہٰذا کوئی کھڑے کھڑے سو گیا یا بیٹھے بیٹھے سو گیا یا رکوع کی حالت میں سو گیا یا سجدے کی حالت میں سو گیا، چاہے نماز میں ہو یا خارجِ نماز میں ہو تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ بدن پر پوری گرفت ختم نہیں ہوئی، کھڑے ہوئے سو گیا، اگر پوری گرفت ختم ہوتی تو یہ تو کھڑا رہ ہی نہیں سکتا تھا، یہ گر جاتا۔ بے ہوش آدمی کو آپ کھڑا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے بدن پر گرفت ہی نہیں ہے لیکن یہ آدمی کھڑے ہوئے سو رہا ہے، معلوم ہوا **اِسْتِرْخَاء** تو ہے لیکن کامل نہیں، پوری گرفت ابھی ختم نہیں ہوئی بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو وہ **نَوْم** جس میں **اِسْتِرْخَاء** کامل ہو اس میں وضو ٹوٹنے کا حکم لگائیں گے بھائی۔

اب دیکھیے کتاب پر آگے بھائی: «وَالْغَلَبَةُ عَلَى الْعَقْلِ بِالْإِغْمَاءِ» اور اسی طرح غلبہ آنا عقل پر بِالْإِغْمَاءِ، بے ہوشی کی وجہ سے۔ بے ہوشی کی وجہ سے عقل پر جو عقل جو مغلوب ہو جائے یہ بھی نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ ہے بھائی، یہ بھی کیا ہے نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ ہے۔ بھائی بے ہوش آدمی، یہ بے ہوشی تو نیند سے بھی بڑھ کر ہے، نیند کوئی آدمی سویا ہوا ہو اس کو آپ متنبہ کریں گے، ہلائیں گے وہ جاگ جائے گا لیکن بے ہوشی کے اندر ہلانے سے بھی وہ نہیں جاگتا، معلوم ہوا اس میں جو غفلت ہے وہ نیند سے بھی بڑھ کر ہے بھائی، بڑھ کر ہے۔ «وَالْجُنُونُ» اس کو مرفوع پڑھنا بھائی، اس کا عطف «الْغَلَبَةُ» پر ہے بھائی، اغماء پر نہیں۔ کیونکہ اغماء پر عطف ہو تو پھر پڑھیں گے: «وَالْجُنُونِ» «بِالْإِغْمَاءِ» باء جارہ داخل ہوئی تھی، پھر ترجمہ یوں بن جائے گا: «وَالْغَلَبَةُ عَلَى الْعَقْلِ بِالْجُنُونِ» اور عقل پر غلبہ آئے کس کی وجہ سے؟ عقل مغلوب ہو جائے کس کی وجہ سے؟ جنون کی وجہ سے، اور یہ ترجمہ درست نہیں کیونکہ جنون کے اندر عقل مغلوب نہیں ہوتی عقل بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے بھائی۔ عقل بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے تو لہٰذا اس کا عطف اغماء پر نہیں ہے، «الْغَلَبَةُ» پر ہے بھائی۔ اور اسی طرح جنون بھائی، کوئی پاگل ہو گیا تو جنون بھی کیا ہے نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ ہے بھائی۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ فَوْقَ النَّوْمِ مُضْطَجِعًا فِي الِاسْت...

«لِأَنَّهُ فَوْقَ النَّوْمِ مُضْطَجِعًا فِي الِاسْتِرْخَاءِ» اس لیے کیونکہ یہ جو ہے یہ نیند سے بڑھ کر ہے... یہ نَوْم... «فَوْقَ النَّوْمِ مُضْطَجِعًا» پہلو پر جو نیند ہے اس سے بڑھ کر ہے «فِي الِاسْتِرْخَاءِ» کس کے اندر؟ اِسْتِرْخَاء کے اندر بھائی، اِسْتِرْخَاء کے اندر۔ یہ کس کی بات ہو رہی ہے؟ بے ہوشی کی وجہ سے جو غلبہ عقل پر آیا، یہ بے ہوشی کی وجہ سے جو عقل مغلوب ہوئی، یہ پہلو پر جو نیند ہے اس سے بڑھ کر ہے «فِي الِاسْتِرْخَاءِ» کس چیز میں؟ اِسْتِرْخَاءِ مَفَاصِل کے اندر، اعضاء کے ڈھیلا پڑنے میں۔ «وَالْإِغْمَاءُ حَدَثٌ فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا» اور اغماء، بے ہوشی جو ہے یہ حدث ہے تمام احوال کے اندر۔ بھائی نیند تو تھی ایسی حالت میں، جو اوپر جیسے بیان ہوا، پہلو پر نیند ہو یا اِتِّكَاء کی صورت میں نیند ہو یا اِسْتِنَاد کی صورت میں نیند ہو، یہ نَوْم تو ناقض ہے۔ کھڑے ہوئے کوئی سو جائے، بیٹھے ہوئے سو جائے، رکوع میں سو جائے، وہ حدث نہیں آپ نے پڑھا، اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، لیکن جو اغماء ہے یہ تمام احوال میں حدث ہے بھائی، تمام احوال میں حدث۔ جس طرح بھی ہو بے ہوشی آ گئی تو اس صورت میں وضو ٹوٹنے کا حکم لگائیں گے۔

«وَهُوَ الْقِيَاسُ فِي النَّوْمِ» اور یہی قیاس ہے نیند میں بھی۔ یہی قیاس کس میں ہے؟ نیند میں۔ قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے نیند کے اندر بھی کہ نیند جس حالت میں بھی آ جائے وضو ٹوٹنا چاہیے، وہ حدث ہونی چاہیے وہ نَوْم بھائی۔ کھڑے ہوئے سو جائے، بیٹھے ہوئے سو جائے، رکوع میں سو جائے، سجدے میں سو جائے، لیٹ کر سو جائے، تکیہ لگا کر، جو بھی صورت ہو، نَوْم کو کیا ہونا چاہیے؟ عقل کیا کہتی ہے؟ غفلت آ گئی ہے نا انسان پر، غفلت تو آ گئی ہے، تو اس کو حدث ہونا چاہیے، نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ ہونا چاہیے، لیکن حدیث سے ہمیں پتہ چلا کہ کوئی کھڑے ہوئے سو جائے، نماز کی حالت میں سو جائے، بیٹھے ہوئے، رکوع کرتے ہوئے، اس کا وضو نہیں ٹوٹتا، تو اس وجہ سے ہم نے یہاں پر قیاس کو ترک کر دیا کیونکہ حدیث جو ہے وہ مقدم ہے ہر حال میں عِنْدَ الْأَحْنَافِ قیاس سے بھائی۔ ایک بات حدیث میں آ جائے اور ایک بات جو قیاس سے معلوم ہو رہی ہے تو قیاس تو رائے کا نام ہے، عقلی دلیل کا نام ہے، اور رائے اور عقل حدیث کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو یہاں پر بھی قیاس تو یہی بتلا رہا تھا کہ وضو ٹوٹنا چاہیے ہر نیند سے لیکن حدیث سے پتہ چلا کہ قیام، قعود وغیرہ کی صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا اس لیے ہم نے بھی یہی کہا کہ ان صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ حدیث میں آیا۔

تو کہتے ہیں: «وَهُوَ الْقِيَاسُ فِي النَّوْمِ إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالْأَثَرِ» اور یہی قیاس ہے نیند میں بھی، مگر یہ کہ ہم نے اس کو جانا بِالْأَثَرِ، حدیث سے۔ اثر یہ حدیث کا نام ہے، میں نے بتلایا تھا اصولِ فقہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حدیث کے کئی نام ہیں، خبر بھی کہتے ہیں حدیث کو، اثر بھی کہتے ہیں، سنت بھی کہتے ہیں اور اسی طرح حدیث بھی، تو چار نام ہیں حدیث کے معروف بھائی۔ تو «إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالْأَثَرِ» مگر اس کو ہم نے جانا حدیث سے۔ «وَالْإِغْمَاءُ فَوْقَهُ» اور اغماء جو ہے، بھائی حدیث سے تو نیند کا پتہ چلا تھا کہ نیند جو ہے وہ نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ ہے لیکن کھڑے ہوئے نیند وہ نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ نہیں اور بیٹھے ہوئے نیند یہ نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ نہیں، رکوع کی صورت میں نیند یہ نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ نہیں۔ تو آپ اس پر بے ہوشی کو کیوں نہیں قیاس کرتے؟ بے ہوشی میں بھی عقل پر انسان کیا ہوتا ہے غافل ہو جاتا ہے ہر چیز سے، نیند میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ بھائی بے ہوشی نیند سے بڑھ کر ہے جیسا میں نے ابھی ذکر کیا، سوئے ہوئے کو متنبہ کریں گے وہ جاگ جائے گا لیکن بے ہوش آدمی نہیں جاگتا، معلوم ہوا یہ اس سے بڑھ کر ہے تو یہ تمام احوال میں حدث ہو گی، وضو ٹوٹ جائے گا بھائی۔ «وَالْإِغْمَاءُ فَوْقَهُ» اور بے ہوشی جو ہے نیند سے بڑھ کر ہے «فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ» تو اس پر، نیند پر قیاس نہیں کیا جائے گا اسے۔

■ مسئلہ: وَالْقَهْقَهَةُ فِي صَلَاةٍ ذَاتِ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ

«وَالْقَهْقَهَةُ فِي صَلَاةٍ ذَاتِ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ» اور قہقہہ «فِي صَلَاةٍ» ایسی نماز میں «ذَاتِ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ» جو رکوع اور سجدے والی ہو۔

بھائی ایک لفظ ہے «ذُو» اور ایک ہے «ذَاتٌ»۔ «ذُو» استعمال ہوتا ہے مذکر کے لیے۔ مال والا آدمی آپ کیا کہتے ہیں: «رَجُلٌ ذُو مَالٍ»۔ «رَجُلٌ ذُو مَالٍ»۔ تو مذکر کے لیے «ذُو» کا لفظ استعمال ہوتا ہے کہ وہ اسم جنس کو کسی کی صفت بناتا ہے۔ تو «ذُو» نے کیا فائدہ دیا؟ مال کو کس کی صفت بنا دیا کہ یہ مال والا کون ہے؟ رجل ہے، یہ فائدہ «ذُو» نے۔ اور مؤنث میں «ذَاتٌ» کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہاں بھی «صَلَاةٍ» کا لفظ چونکہ مؤنث ہے تو اس کے لیے «ذُو رُكُوعٍ» نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ «ذَاتِ رُكُوعٍ»۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی۔ «وَالْقَهْقَهَةُ فِي صَلَاةٍ ذَاتِ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ» اور قہقہہ ایسی نماز میں جو رکوع اور سجدے والی ہے۔ «وَالْقِيَاسُ أَنَّهَا لَا تَنْقُضُ» اور قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ وضو کو نہ توڑے، قہقہہ جو ہے وضو کو نہ توڑے «وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ» قیاس یہی تقاضا کرتا ہے کہ قہقہے سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہیے کیونکہ وضو ٹوٹتا ہے خروجِ نجاست سے اور قہقہہ لگانے کی صورت میں تو خروجِ نجاست نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَالْقِيَاسُ أَنَّهَا لَا تَنْقُضُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى» اور قیاس یہ ہے کہ یہ وضو کو نہ توڑے، اور یہی قول ہے امام شافعی رَحِمَهُ اللَّهُ کا، وہ فرماتے ہیں قہقہے سے وضو نہیں ٹوٹے گا «لِأَنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ نَجِسٍ» اس لیے کیونکہ یہ کوئی ایسی نکلنے والی چیز نہیں ہے جو ناپاک ہو، کوئی ناپاک نکلنے والی چیز نہیں ہے قہقہہ بھائی۔ وضو تو کس سے ٹوٹے گا؟ خارجِ نجس سے اور قہقہہ تو خارجِ نجس نہیں ہے بھائی، نہیں ہے۔

«وَلِهَذَا لَمْ يَكُنْ حَدَثًا فِي صَلَاةِ الْجِنَازَةِ وَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ وَخَارِجِ الصَّلَاةِ» اور اسی وجہ سے یہ قہقہہ جو ہے یہ حدث نہیں ہے یعنی اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا «فِي صَلَاةِ الْجِنَازَةِ» کس میں؟ نمازِ جنازہ میں اور سجدۂ تلاوت میں «وَخَارِجِ الصَّلَاةِ» اور نماز سے خارج۔ امام شافعی رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں کہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہیے کیونکہ یہ خارجِ نجس نہیں ہے اور اسی وجہ سے تو نمازِ جنازہ میں کوئی قہقہہ لگائے تو وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگا... لگایا جاتا، احناف آپ بھی وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگاتے، سجدۂ تلاوت میں کوئی قہقہہ لگائے آپ بھی وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگاتے، نماز سے باہر کوئی قہقہہ لگائے آپ بھی وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگاتے، تو معلوم ہوا قہقہہ نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ نہیں ہے بھائی کیونکہ وضو ٹوٹتا ہے خارجِ نجس سے اور یہ خارجِ نجس نہیں ہے۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل، ہم نے کیا ذکر کیا تھا؟ قہقہہ مطلقاً نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ ہے یا ایسی نماز جو رکوع اور سجدے والی ہو؟ ہم کہتے ہیں کہ ایسی نماز جو رکوع اور سجدے والی ہے اس میں قہقہہ وضو کو توڑے گا۔ نمازِ جنازہ، نماز تو ہے لیکن اس کے اندر رکوع اور سجدہ نہیں، سجدۂ تلاوت اس کے اندر وہ بھی کامل نہیں ہے بھائی نماز، اور اسی طرح نماز سے باہر، تو ان میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ «وَلَنَا» ہماری دلیل جو ہے «قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَلَا مَنْ ضَحِكَ مِنْكُمْ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ جَمِيعًا» نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ قول ہے: «أَلَا مَنْ ضَحِكَ مِنْكُمْ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ جَمِيعًا» «أَلَا» آگاہ رہو، حرفِ تنبیہ ہے، یا خبردار کے ساتھ ترجمہ بات کرتے ہیں یا سنو، جو بھی مناسب آپ کو لگے۔ «أَلَا» سنو! «مَنْ ضَحِكَ مِنْكُمْ قَهْقَهَةً» جو تم میں سے قہقہہ لگا کر ہنسا ہے «فَلْيُعِدِ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ جَمِيعًا» پس اسے چاہیے کہ وضو اور نماز دونوں کو لوٹا لے۔ وضو اور نماز دونوں کو لوٹا لے۔ دیکھا! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قہقہے سے وضو ٹوٹ گیا ہے اسی لیے حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صرف نماز کے لوٹانے کا حکم نہیں دے رہے بلکہ وضو کے بھی لوٹانے کا حکم دے رہے ہیں۔

بھائی یہ ایک صحابی تھے، ان کی نظر کمزور تھی تو مسجد کے اندر یہ تشریف لائے، نماز کھڑی ہو چکی تھی، یہ اندر تشریف لائے نظر کمزور تھی کوئی گڑھا وغیرہ تھا اس کے اندر پاؤں آیا اور یہ گر گئے تو پچھلی صفوں میں چند صحابہ جو تھے وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے، قہقہہ لگا کر۔ تو نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جب نماز مکمل فرمائی تو ان صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم میں سے جو جو قہقہہ لگا کر ہنسا تھا وہ اپنے نماز کو بھی لوٹائے اور اپنے وضو کو بھی لوٹائے، پھر وضو کرے اور پھر نماز پڑھے۔ تو یہ بطورِ ڈانٹ کے حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، ڈانٹ کے طور پر کہ نماز جیسی عظیم الشان عبادت کے اندر قہقہہ لگایا، لہٰذا اب کیا کرو؟ وضو بھی دوبارہ کرو بھائی، بطورِ زجراً فرمایا، ڈانٹتے ہوئے فرمایا بھائی۔ اور نماز بھی کون سی تھی بھائی؟ رکوع اور سجدے والی، کامل نماز تھی تو معلوم ہوا کامل نماز کے اندر جو شخص قہقہہ لگائے اس کا اس کی نماز تو ٹوٹتی ہی ہے، وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، وہ دوبارہ کرنا پڑے گا۔

اس پر آپ کے ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ بھائی، ان کا مقام تو بڑا اونچا ہے، بڑا اونچا مقام ہے۔ تمام دنیا کے اولیاء مل جائیں، ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں بھائی۔ صحابہ کو وہ مقام اللہ نے نصیب فرمایا کہ انسان حیران رہتا ہے، اور یہ مقام ان کا کیوں تھا؟ کیونکہ انہوں نے سرورِ کونین صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی زیارت کی تھی۔ تو وہ لمحہ جو اللہ نے ان کو نصیب فرما دیا سرورِ کونین کی زیارت کا، اس ایک لمحے کی بدولت ہی ان کا اتنا اونچا مقام بن گیا کہ اب اور کوئی ولی جو ان کے علاوہ ہو وہ اس مقام اور مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ تو ایک لمحے کا جب یہ اثر ہے تو جنہوں نے تمام زندگیاں حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ گزاریں، ان کا کیا مقام ہوگا ان صحابہ کا، آپ خود اندازہ لگا لیجیے بھائی۔ صحابہ عجیب لوگ ہیں، ان کا ذکر بھی آتا ہے تو دل کے اندر حلاوتِ ایمانی محسوس ہوتی ہے بھائی، عجیب لذت محسوس ہوتی ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ جن کو جن کا اتنا اونچا مقام تھا، انہوں نے کس طرح نماز جیسی عظیم الشان عبادت کے اندر قہقہہ لگایا؟ تو جواب یاد رکھیے بھائی، بھائی یہ پچھلی صفوں کے کچھ صحابہ تھے اور نو مسلم تھے، نئے نئے لوگ آتے تھے، مسلمان ہوتے تھے، ابھی ایمان پوری طرح دل میں بسا ہی نہیں اور ابھی انہیں نماز وغیرہ کے پورے احکامات کا علم ہی نہیں کہ نماز میں قہقہہ نہیں لگانا یا بات وغیرہ نہیں کرنی، تو یہ نئے نئے جو مسلمان تھے وہ صحابہ تھے بھائی۔

اب دیکھیے آگے کتاب پر: «وَبِمِثْلِهِ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ» اور اس جیسی احادیث جو ہے، اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس جیسی حدیث، خبرِ مشہور وغیرہ کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ «وَالْأَثَرُ وَرَدَ فِي صَلَاةٍ مُطْلَقَةٍ» اور حدیث جو وارد ہوئی ہے یہ مطلق صلاۃ کے بارے میں ہے یعنی کامل صلاۃ کے بارے

میں، کامل نماز کے بارے میں یہ حدیث آئی ہے، یعنی یہ کون سی نماز تھی جس میں یہ واقعہ پیش آیا اور وضو لوٹانے کا حکم دیا؟ کامل نماز۔ تو اس کے بارے میں یہ حدیث آئی ہے۔ «فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهَا» تو لہٰذا یہ بندر ہے گی، یہ حکم بندر ہے گا اسی نماز پر۔ یعنی قہقہے سے وضو ٹوٹنے کا حکم کب لگایا جائے گا؟ جب وہ کس قسم کی نماز میں قہقہہ انسان لگائے؟ رکوع اور سجدے والی میں۔

■ مسئلہ: وَالْقَهْقَهَةُ مَا يَكُونُ مَسْمُوعًا لَهُ وَلِجِيرَانِهِ...

«وَالْقَهْقَهَةُ مَا يَكُونُ مَسْمُوعًا لَهُ وَلِجِيرَانِهِ» یہاں سے فرق بیان کر رہے ہیں کہ ایک ہے قہقہہ، ایک ہے ضِحْك بھائی اور ایک ہے تَبَسُّم بھائی، تَبَسُّم کو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ یاد رکھیے تین چیزیں ہیں بھائی، تین قسم کا ہنسنا: ایک ہے قہقہہ، ایک ہے ضِحْك اور ایک ہے تَبَسُّم۔ تَبَسُّم جس میں آواز نہ ہو بھائی، آواز نہ ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ اس میں دانت انسان کے نظر آجائیں لیکن آواز بالکل نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر ہے ضِحْك، ضِحْك وہ ہے جس میں کچھ آواز ہو لیکن اتنی ہلکی آواز ہے کہ صرف خود سنی، باقی نے نہیں سنی بھائی، باقی جو باقیوں کو جو سنائی نہ دے، تو یہ کیا ہے؟ ضِحْك۔ بالکل کوئی آپ کے ساتھ ہے وہ اگر بمشکل سن لے اور کوئی سنا... کسی کو عام جو سامنے بیٹھے ہیں یا کچھ ان کو سنائی نہ دے، یہ ہے ضِحْك بھائی۔ اور قہقہہ جس میں پاس بیٹھے ہوئے بھی ہنسی کی آواز سن لیں اس کو قہقہہ کہا جاتا ہے۔ تو یاد رکھیے قہقہہ جس میں پاس والوں کو بھی آواز سنائی دیتی ہے، اس کے اندر نم... اگر نماز میں لگائے تو وضو... نماز بھی ٹوٹے گی اور وضو بھی ٹوٹے گا۔ اور اگر ضِحْك ہو، صرف خود آواز سنی ہے اوروں کو سنائی نہیں دی، تو اس کے اندر نماز تو ٹوٹے گی لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر تَبَسُّم ہے تو اس میں وضو بھی نہیں ٹوٹے گا اور نماز بھی نہیں ٹوٹے گی۔ تو اب بیان کر رہے ہیں قہقہہ، ضِحْك کسے کہتے ہیں، کہتے ہیں: «وَالْقَهْقَهَةُ مَا يَكُونُ مَسْمُوعًا لَهُ وَلِجِيرَانِهِ» اور قہقہہ وہ ہے جو اس اس شخص کو خود بھی سنائی دے اور اس کے پڑوسی یعنی اس کے ساتھ والوں کو بھی۔ «وَالضِّحْكُ مَا يَكُونُ مَسْمُوعًا لَهُ دُونَ جِيرَانِهِ» اور ضِحْك وہ ہے کہ جو سنائی دے اس شخص کو ہی، نہ کہ اس کے اس کے ساتھ والوں کو۔ «وَهُوَ عَلَى مَا قِيلَ يُفْسِدُ الصَّلَاةَ دُونَ الْوُضُوءِ» اور یہ جو ضِحْك جو ہے، جیسا بنابر اس قول کے جو کیا... جو کہا گیا ہے یہ نماز کو فاسد کرتا ہے نہ کہ وضو کو۔

«وَالدَّابَّةُ تَخْرُجُ مِنَ الدُّبُرِ نَاقِضَةٌ فَإِنْ خَرَجَتْ مِنْ رَأْسِ الْجُرْحِ أَوْ سَقَطَ اللَّحْمُ مِنْهُ لَا يَنْقُضُ» «وَالدَّابَّةُ تَخْرُجُ مِنَ الدُّبُرِ» دابہ کہتے ہیں، یاد رکھیے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو دَابَّة کہا جاتا ہے، لیکن یہاں مراد ہے کیڑا بھائی۔ آگے صاحب ہدایہ بھی بتلائیں گے آگے شرح میں: «وَالْمُرَادُ بِالدَّابَّةِ الدُّودَةُ» کہ دابہ سے کیا مراد ہے؟ کیڑا۔ «وَالدَّابَّةُ تَخْرُجُ مِنَ الدُّبُرِ» اور وہ کیڑا جو نکلے دبر سے، یعنی انسان کے پاخانے کے مقام سے «نَاقِضَةٌ» یہ کیا ہے؟ وضو کو توڑنے والا ہے، اس سے وضو ٹوٹ جائے گا بھائی۔ «فَإِنْ خَرَجَتْ مِنْ رَأْسِ الْجُرْحِ أَوْ سَقَطَ اللَّحْمُ» اگر کیڑا نکلا «مِنْ رَأْسِ الْجُرْحِ» زخم سے، بدن پر کہیں اور زخم تھا، اس سے کیڑا نکلے «أَوْ سَقَطَ اللَّحْمُ مِنْهُ» یا اس زخم سے گوشت گر پڑے، گوشت کٹ کر کچھ گوشت کا ٹکڑا اس سے کٹ کر گر پڑا «لَا يَنْقُضُ» تو یہ وضو کو نہیں توڑے گا بھائی، یہ وضو کو نہیں توڑے گا۔ «وَالْمُرَادُ بِالدَّابَّةِ الدُّودَةُ» اور دابہ سے مراد جو ہے وہ دُودَة، کیڑا ہے بھائی۔

«وَهَذَا» اور یہ اس وجہ سے، بھائی یہ انہوں نے ذکر کیا کہ اگر زخم سے کیڑا نکلا یا زخم سے گوشت کا ٹکڑا کٹ کر گر پڑا تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیوں نہیں ٹوٹے گا؟ وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ کیڑا خود نجس نہیں، ناپاک نہیں، ہاں اس کے اوپر کچھ خون یا پیپ وغیرہ لگی ہوئی ہے وہ نجس ہے لیکن کیڑا خود نجس نہیں۔ اور جو کیڑے پر لگی ہوئی ہے نجاست وہ تو تھوڑی سی ہے بھائی، وہ قلیل ہے، اور آپ نے پڑھا ہے قلیل نجاست وہ بدن سے خارج ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، الّا یہ کہ سبیلین سے خارج ہو، سبیلین کے اندر قلیل نجاست بھی کیا ہے؟ نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ۔ اسی لیے کہا کہ سبیلین سے اگر... دبر سے اگر کوئی کیڑا نکلے اب اس پر بھی قلیل نجاست ہے لیکن قلیل نجاست اگر سبیلین سے خارج ہو گی تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا بھائی۔ کہتے ہیں: «وَهَذَا لِأَنَّ النَّجِسَ مَا عَلَيْهَا وَذَلِكَ قَلِيلٌ» اور یہ حکم اس وجہ سے کیونکہ ناپاک وہ چیز ہے «عَلَيْهَا» جو اس کیڑے پر ہے «وَذَلِكَ قَلِيلٌ» اور وہ تو قلیل ہے، وہ نجاست تو تھوڑی سی ہے «وَهُوَ حَدَثٌ فِي السَّبِيلَيْنِ دُونَ غَيْرِهِمَا» اور وہ تھوڑی نجاست وہ حدث ہے سبیلین کے اندر «دُونَ غَيْرِهِمَا» نہ کہ ان دونوں کے علاوہ میں۔

■ مسئلہ: فَأَشْبَهَ الْجُشَاءَ وَالْفُسَاءَ

«فَأَشْبَهَ الْجُشَاءَ وَالْفُسَاءَ» «جُشَاءٌ» جُشَاء کہتے ہیں ڈکار کو بھائی، ڈکار۔ «فُسَاءٌ» فُسَاء کہتے ہیں بھائی پاخانے کے مقام سے جو ہوا خارج ہو اگر بغیر آواز کے ہوا سے عربی میں فُسَاء کہتے ہیں۔ اگر آواز کے ساتھ ہو اس کے لیے عربی میں لفظ ہے «ضُرَاطٌ» بھائی، ضاد، را، الف، طا، ضُرَاط، ضاد، را، الف، طا بھائی۔ تو کہتے ہیں: «فَأَشْبَهَ الْجُشَاءَ وَالْفُسَاءَ» تو یہ مشابہ ہو گیا جُشَاء اور فُسَاء کے۔ یعنی اگر یہ کیڑا نکلا ہے دبر سے تو یہ مشابہ ہوا فُسَاء کے، اور فُسَاء میں بھی اگرچہ قلیل نجاست خارج ہوئی ہے لیکن وہ کیا ہے نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ، لہٰذا یہاں بھی اگر دبر سے خارج ہوا یہ کیڑا تو یہ نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ۔ اور اگر یہ کیڑا بدن

کے کسی اور حصے، زخم وغیرہ سے نکلا ہے تو یہ، یا اسی طرح جو گوشت کٹ کر گر... گرا ہے، یہ مشابہ ہو گئے **جُشَاء** کے، کس کے؟ **جُشَاء** کے۔ اور **جُشَاء** کے اندر جو ہوا انسان ڈکار لیتا ہے، یہ ہوا کہاں سے آئی بھائی؟ معدے سے، اور معدہ کیا ہے؟ محلِ نجاست ہے، لہٰذا اس ہوا کے ساتھ بھی کچھ نجاست خارج ہوئی لیکن وہ قلیل ہے اور اس کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ دونوں مشابہ ہوئے **جُشَاء** اور **فُسَاء** کے۔

«**بِخِلَافِ الرِّيحِ الْخَارِجَةِ مِنَ الْقُبُلِ وَالذَّكَرِ**» بخلاف اس ہوا کے جو نکلے «**مِنَ الْقُبُلِ وَالذَّكَرِ**»۔ بھائی مرد اور عورت کی جو آگے والی شرمگاہ ہے، عورت کے لیے **قُبُل** کا لفظ استعمال ہوتا ہے، مرد کے لیے **ذَكَر** کا، تو وہ ہوا جو خارج ہوئی **قُبُل** سے اور **ذَكَر** سے یعنی مرد اور عورت کے آگے والی شرمگاہ سے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا بھائی۔ اس سے... «**لِأَنَّهَا لَا تَنْبَعِثُ عَنْ مَحَلِّ النَّجَاسَةِ**» «**انْبَعَثَ**» کے معنی چلنا، روانہ ہونا۔ اس لیے کیونکہ وہ ہوا جو ہے وہ محلِ نجاست میں سے نہیں چلی، محلِ نجاست سے نہیں اٹھی بھائی۔ کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے، بھائی اگلے حصے سے تو ہوا خارج ہی نہیں ہوتی لیکن کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے اگر ہوا خارج ہوئی تو وہ معلوم ہوا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اور وہ محلِ نجاست سے نہیں چلی، وہاں سے نہیں اٹھی تو لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ «**لِأَنَّهَا لَا تَنْبَعِثُ عَنْ مَحَلِّ النَّجَاسَةِ**» اس لیے کیونکہ وہ نہیں اٹھی محلِ نجاست سے۔

«**حَتَّى لَوْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ مُفْضَاةً**» یہاں تک کہ اگر عورت **مُفْضَاة** ہوئی «**يُسْتَحَبُّ لَهَا الْوُضُوءُ**» بھائی **مُفْضَاة، مُفْضَاة** وہ عورت کہ کسی بیماری کی وجہ سے اس کے سبیلین مل گئے ہوں، ایک ہی راستہ بن گیا ہو بھائی، اس عورت کو کیا کہیں گے؟ **مُفْضَاة**۔ اگر کوئی عورت **مُفْضَاة** ہے اور اس کے **قُبُل** سے یعنی اگلے حصے سے ہوا خارج ہوئی تو اس عورت کے لیے مستحب ہے کہ وضو کر لے۔ اگلے حصے سے جو ہوا خارج ہو وہ تو **نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ** نہیں لیکن چونکہ اس یہ عورت تو **مُفْضَاة** ہے تو اس میں احتمال ہے چونکہ شاید یہ ہوا اگلے مقام سے نہ خارج ہوئی ہو بلکہ کہاں سے آئی ہو؟ پچھلے مقام سے، تو اس احتمال کی وجہ سے اس کے لیے مستحب ہے، واجب نہیں بلکہ کیا ہے؟ مستحب ہے۔ «**لَوْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ مُفْضَاةً يُسْتَحَبُّ لَهَا الْوُضُوءُ**» اور اگر عورت **مُفْضَاة** ہو تو اس عورت کے لیے وضو کرنا مستحب ہے وہ کون سی ہوا کی بات ہو رہی ہے جو کہاں سے خارج ہو؟ اگلے حصے سے، اس میں اس کے لیے مستحب ہے کہ وضو کر لے «**لِاحْتِمَالِ خُرُوجِهَا مِنَ الدُّبُرِ**» اس لیے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ ہوا خارج ہوئی ہو دبر سے۔

■ مسئلہ: فَإِنْ قُشِرَتْ نَفْطَةٌ فَسَالَ مِنْهَا مَاءٌ أَوْ...

«**فَإِنْ قُشِرَتْ نَفْطَةٌ فَسَالَ مِنْهَا مَاءٌ أَوْ صَدِيدٌ أَوْ غَيْرُهُ**» «**فَإِنْ قُشِرَتْ نَفْطَةٌ**» «**نَفْطَةٌ**» کہتے ہیں آبلے کو، آبلہ، چھالا بھائی چھالا۔ بھائی کہیں کچھ بدن کا کوئی حصہ کچھ جل جائے، آپ دیکھتے ہیں وہاں جلد پھول جاتی ہے، اس کے اندر پانی جمع ہو جاتا ہے، یہ ہے آبلہ اور چھالا بھائی، آبلہ اور چھالا۔ تو «**فَإِنْ قُشِرَتْ نَفْطَةٌ**» اگر آبلے کو چھیل دیا گیا «**فَسَالَ مِنْهَا مَاءٌ**» تو اس سے پانی بہہ نکلا «**أَوْ صَدِيدٌ**» یا پیپ بہہ نکلی «**أَوْ غَيْرُهُ**» یا ان کے علاوہ کوئی اور چیز بہہ نکلی «**إِنْ سَالَ عَنْ رَأْسِ الْجُرْحِ نَقَضَ**» اگر وہ پیپ یا پانی جو ہے اگر بہہ جائے زخم کے سر سے، «**نَقَضَ**» تو کیا کرے گا؟ وضو کو توڑ دے گا۔ «**وَإِنْ لَمْ يَسِلْ لَا يَنْقُضُ**» اور اگر وہ نہ بہے زخم کے منہ سے، زخم کے اس چھالے کے منہ پر ہی رہتا ہے، «**لَا يَنْقُضُ**» تو پھر یہ پانی یا پیپ جو ہے وضو کو نہیں توڑے گا۔ «**وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَنْقُضُ فِي الْوَجْهَيْنِ**» اور امام زفر **رَحِمَهُ اللَّهُ** فرماتے ہیں کہ یہ پانی یا پیپ وغیرہ جو چھالے سے نکلے ہیں یہ توڑ دیں گے وضو کو «**فِي الْوَجْهَيْنِ**» دونوں صورتوں میں، یعنی چاہے چھالے کے اوپر ہی رہیں، چاہے چھالے سے بہہ جائیں، دونوں صورتوں میں یہ وضو کو توڑ دے گا۔ «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَنْقُضُ فِي الْوَجْهَيْنِ**» امام شافعی **رَحِمَهُ اللَّهُ** فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں یہ وضو کو نہیں توڑیں گے۔ امام زفر فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں وضو کو یہ توڑ دیں گے۔ امام شافعی **رَحِمَهُ اللَّهُ** فرماتے ہیں چاہے زخم کے منہ اس چھالے کے منہ پر رہے وہ پانی چاہے بہہ جائے، دونوں صورتوں میں یہ وضو کو نہیں توڑیں گے۔

«**وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْخَارِجِ مِنْ غَيْرِ السَّبِيلَيْنِ**» اور یہ خارج من غیر السبیلین کا مسئلہ ہی ہے بھائی۔ یہ وہی مسئلہ ہے بھائی، پیچھے ذکر ہو چکا کہ نجاست بدن سے جہاں سے بھی نکلے، چاہے پیپ ہو، چاہے خون ہو یا قے ہو، جہاں سے بھی نکلے وہ سبیلین کے علاوہ، امام شافعی **رَحِمَهُ اللَّهُ** فرماتے تھے سبیلین کے علاوہ جہاں سے بھی نجاست نکلے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور امام زفر **رَحِمَهُ اللَّهُ** فرماتے تھے کہ چاہے وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو وہ نجاست، اس سے کیا ہو گا؟ وضو ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ ہمارے نزدیک تفصیل تھی کہ اگر قلیل ہو تو پھر وہ **نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ** نہیں اور کثیر ہو تو **نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ** ہے۔ یہ کہاں پر؟ غیر سبیلین میں، اور سبیلین میں تو قلیل بھی کیا ہے؟ **نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ** ہے۔ تو یہ وہی مسئلہ ہے۔

«**وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ نَجِسَةٌ**» اور یہ سب نجس ہیں بھائی، یہ جو پانی یا پیپ وغیرہ چھالے سے نکلے ہیں یہ سب کیا ہیں؟ نجس ہیں۔ بھائی پیپ کی تو بات سمجھ میں آئی، یہ پانی جو اس سے نکلا ہے یہ کیسے نجس ہے؟ یہ ناپاک کیسے؟ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الدَّمَ يَنْضَجُ فَيَصِيرُ قَيْحًا**» اس لیے کیونکہ اولاً جو ہے خون ہوتا ہے اور وہ خون پک جاتا ہے تو وہ کچ لہو بن جاتا ہے۔ «**نَضَجَ يَنْضَجُ**» کے معنی پک جانا، اور **قَيْح** کہتے ہیں کچ لہو کو بھائی، کچ لہو۔ بھائی زخم کے اندر خون اور پیپ ملی ہوئی ہو اس کو کہتے ہیں کچ لہو، کیا کہتے ہیں؟ کچ لہو۔ تو اولاً کیا ہو گا زخم وغیرہ میں؟ خون ہو گا۔ پھر وہ خون پک کر کیا بن جائے گا؟ کچ لہو، کچھ پیپ بن گئی اور کچھ خون ہے۔ پھر اس

کے بعد اور پکے گا اور سارا ہی پیپ میں بدل جائے گا، وہ ہے صَدِید بھائی، وہ کیا ہے؟ صَدِید، پیپ بن جائے گی۔ اب خون نہیں ہے صرف پیپ ہے۔ اور پھر اس کے بعد اور پکے گا اور پھر صرف پانی رہ جائے گا بھائی پانی، تو یہ اسی کی صورتیں بدل گئیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو کہتے ہیں: «وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ نَجِسَةٌ لِأَنَّ الدَّمَ يَنْضَجُ فَيَصِيرُ قَيْحًا ثُمَّ يَزْدَادُ نَضْجًا فَيَصِيرُ صَدِيدًا ثُمَّ يَصِيرُمَاءً» اور یہ سب ناپاک ہیں، اس لیے کیونکہ خون جو ہے وہ پکتا ہے تو وہ قیح وہ کچ لہو بن جاتا ہے، پھر وہ اور بڑھ جاتا ہے پکنے کے اعتبار سے یعنی اور پک جاتا ہے تو وہ پیپ ہو جاتا ہے، پھر وہ پانی بن جاتا ہے۔

■ مسئلہ: هَذَا إِذَا قَشَرَهَا فَخَرَجَ بِنَفْسِهِ

«هَذَا إِذَا قَشَرَهَا فَخَرَجَ بِنَفْسِهِ» یہ صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ کیا ذکر کیا اوپر متن کے اندر مسئلہ؟ کہ دانے کو چھالے کو چھیل دیا گیا اور اس میں سے پانی یا پیپ نکلی اور وہ پانی اور پیپ اگر زخم کے چھالے کے منہ پر رہے تو نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ نہیں اور اگر بہہ گئے تو نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ ہیں۔ کہتے ہیں یہ اس صورت میں ہے یہ حکم: «إِذَا قَشَرَهَا فَخَرَجَ بِنَفْسِهِ» جب اس نے چھالے کو چھیلا تو یہ پانی یا پیپ خود بہے، خود نکل آئے۔ اس نے دبایا نہیں صرف کیا کیا اوپر سے؟ چھیل دیا تو وہ خود بہے۔ «وَأَمَّا إِذَا عَصَرَهَافَخَرَجَ» باقی اگر اس نے اس کو نچوڑا یعنی دبایا «فَخَرَجَ بِعَصْرِهِ» پھر وہ پیپ یا پانی نکلا اس کے نچوڑنے سے یعنی اس کے دبانے سے «فَلَا يَنْقُضُ» پھر یہ وضو کو نہیں توڑے گا۔ وہ پانی یا پیپ خود نکلے تو یہ وضو کو توڑ دے گا، اس کے دبانے سے نکلا ہے خود نہیں نکل رہا تھا لیکن اس نے دبایا تو نکل آئے، تو اس صورت میں یہ وضو کو نہیں توڑے گا۔ کیوں؟ کیوں نہیں توڑے گا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ مُخْرَجٌ» کیونکہ یہ جو دبانے سے نکلا ہے یہ مُخْرَج ہے، مُخْرَج کا معنی نکالا گیا، اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اور وضو ٹوٹتا تھا جب کیا ہو؟ خَارِج، خود نکلنے والی چیز ہو خود، تو خارج... یہ تو یہ خارج ہے ہی نہیں، یہ تو کیا ہے؟ مُخْرَج ہے، نکالا گیا ہے، نکلنے والا نہیں بلکہ نکالا گیا ہے۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ مُخْرَجٌ وَلَيْسَ بِخَارِجٍ» کیونکہ یہ مُخْرَج ہے نکالا گیا ہے، اور یہ خود نکلنے والا نہیں۔ «وَاللَّهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

یہ صاحبِ ہدایہ نے فرمایا، یہ ان کا قول ہے بھائی یاد رکھیے، کہ اگر دبانے سے وہ پیپ یا پانی نکلا ہے تو پھر نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ نہیں چاہے بہہ ہی کیوں نہ جائے اور اگر بغیر دبائے نکلا ہے تو پھر یہ نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ ہے۔ یہ کس کے نزدیک؟ صاحبِ ہدایہ کے نزدیک بھائی صاحبِ ہدایہ، لیکن یاد رکھیے فتویٰ اس قول پر نہیں ہے۔ فتویٰ اسی دوسرے قول پر ہے کہ چاہے وہ پانی اور پیپ خود نکلے یا اس کے دبانے سے نکلے اور تجاوز کر جائے بڑھ جائے اس جگہ کی طرف جس کے بارے میں پاک کرنے کا حکم ہے یعنی بہہ جائے تو بس اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا، چاہے وہ خارج ہو چاہے وہ مُخْرَج ہو نکالا گیا ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ کیونکہ جب دبانے سے بھی نکلا، مُخْرَج نکالا گیا ہے، جب نکالا گیا ہے تو خارج ہو گیا یا نہیں بھائی؟ خارج تو ہو گیا، تو ہر صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا، فتویٰ اس قول پر ہے۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۴: مسئلہ: عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ

ہدایہ صفحہ: ۳۰ــــ بتاریخ: ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ فِي الْغُسْلِ. وَفَرْضُ الْغُسْلِ الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ وَغَسْلُ سَائِرِ الْبَدَنِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى هُمَا سُنَّتَانِ فِيهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ» أَيْ: مِنَ السُّنَّةِ، وَذَكَرَ مِنْهَا الْمَضْمَضَةَ وَالِاسْتِنْشَاقَ، وَلِهَذَا كَانَا سُنَّتَيْنِ فِي الْوُضُوءِ.

وضو کا بیان مکمل ہوا۔ وضو کے فرائض بھی ذکر ہوئے، سنتیں بھی، مستحبات بھی، اور وضو کو توڑنے والی چیزیں بھی ذکر ہوئیں۔ اب غسل کا ذکر آیا بھائی، غسل کا۔ «**فَصْلٌ فِي الْغُسْلِ**»، «**أَيْ: هَذَا فَصْلٌ فِي الْغُسْلِ**»، یہ فصل ہے غسل کے بیان میں۔ «**وَفَرْضُ الْغُسْلِ الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ**»، یاد رکھیے! غسل کے اندر تین فرائض ہیں بھائی، تین فرض۔ تین چیزیں فرض ہیں: کلی کرنا اچھی طرح، ناک میں پانی ڈالنا، ناک کا جو نرم حصہ ہے اس سارے تک پانی اندر پہنچانا، اور سارے بدن پر پانی بہانا کہ بدن پر ایک بال کے برابر بھی جگہ خشک نہ رہے بھائی۔ یہ فرض ہے، فرض بھائی۔ تو اس میں خوب احتیاط ہونی چاہیے بھائی۔ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور سارے بدن پر پانی کا بہانا بھائی، سارے بدن پر۔

تو اس میں خوب احتیاط کرے انسان، بدن کا کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے کہ وہ نہ دھلے۔ جب تک وہ حصہ... اگر کوئی حصہ رہ گیا ہے تو انسان جنابت ہی کی حالت میں ہے۔ کلی کرنا بھول گیا تو جنابت ہی کی حالت میں ہے، ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا تو جنابت ہی کی حالت میں ہے بھائی۔ تو پھر اگر کوئی حصہ یا کوئی چیز ان میں سے بھول گیا بعد میں یاد آیا، تو اب یہ نہیں کہ سارا غسل دوبارہ کرنا پڑے گا بھائی، بلکہ صرف اس حصے کو دھولے تو غسل پورا ہو جائے گا بھائی، غسل پورا ہو جائے گا۔ کلی کرنا بھول گیا تھا، بعد میں یاد آیا کئی گھنٹوں بعد، تو بس ابھی تک جنابت میں تھا اب کلی کر لے، کیا ہو جائے گا؟ پاک۔ اور اس دوران اگر کوئی نماز وغیرہ پڑھی تھی تو وہ نماز نہیں ہوئی، اس کو بھی لوٹا لے بھائی۔ تو پھر سارا غسل نہیں کرنا پڑے گا۔ کوئی حصہ خشک رہ گیا تھا تو بعد میں پتہ لگا بھائی تو اس حصے کو دھولے اور غسل جو ہے وہ پورا ہو جائے گا، تو سارا غسل دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو شریعت کے اندر بڑی آسانی ہے بھائی، بڑی آسانی ہے۔ فقہائے کرام پر اللہ تعالی کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں بھائی۔ مسائل کو کتنا آسان کر دیا! یہ ایک ایک مسئلہ اس پر انہوں نے کتنی کتنی محنت کی ہو گی، کتنا سوچا ہو گا، اور کتنی احادیث میں، آیات میں غور کیا ہو گا اور پھر جا کر یہ تمام مسائل نکالے اور پھر ان کو مرتب کر کے، ترتیب دے کر ایک آسان صورت میں ہمارے سامنے ذکر کر دیا بھائی، آسان صورت میں۔ تو کتنی آسانی کر دی بھائی، کتنی آسانی کر دی!

حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو فقہاء کو برا کہتے ہیں بھائی۔ اللہ تعالی ان کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے بھائی۔ اللہ! خصوصاً بعض لوگ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں بھائی۔ امام صاحب کو کتنا عظیم مقام اللہ نے نصیب فرمایا، انسان سوچتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے بھائی، سوچتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے۔ بارہ تیرہ سو سال ہو گئے وہاں نا، لاکھوں کروڑوں لوگ امام صاحب کے مسلک کے مطابق زندگی گزار چکے اور گزار رہے ہیں، اور اندازہ لگائیے ثواب کے سمندر کے سمندر چل رہے ہیں جو سب ان کے حصے میں جا رہے ہیں بھائی۔ ثواب کے سمندر بھائی۔ کتنا اونچا مقام کہ انسان تصور نہیں کر سکتا اس کا بھائی۔

امام بخاری رحمہ اللہ بھائی، جنہوں نے بخاری شریف جیسی عظیم الشان کتاب لکھی اور اس سے ساری امت نفع اٹھا رہی ہے، ساری امت نفع اٹھا رہی ہے۔ وہ امام صاحب کو «**قَالَ بَعْضُ النَّاسِ**» کے ساتھ ذکر کرتے ہیں بخاری میں بھائی۔ ناراض ہیں، ان کا ذکر اچھے لفظوں سے نہیں کرتے بھائی، اچھے لفظوں سے۔ ان کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے بلکہ کیا فرماتے ہیں: «**قَالَ بَعْضُ النَّاسِ**»، بطورِ... اور یہ بطور تحقیر کے بھائی۔ لیکن والد صاحب **رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً** وہ ترمذی شریف کا جب درس ہوتا، احادیث پر بحث ہوتی تھی اور امام بخاری انہوں نے کہیں نام نہیں لیا امام صاحب کا، اور امام ترمذی وہ بھی ان کی صحبت میں رہے، تو وہ بھی

امام صاحب کا کہیں نام نہیں لیتے بھائی۔ جہاں امام صاحب... باقی سب کا ائمہ کا تقریباً ہر صفحے پر امام ترمذی نام لیتے ہیں لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام نہیں لیتے بھائی۔ امام صاحب کی جہاں بات آتی ہے فرماتے ہیں: «قَالَ أَهْلُ الْكُوفَةِ»، کوفہ والوں نے یوں کہا ہے، کوفہ والوں نے۔ ایک جگہ صرف انہوں نے ترمذی میں امام صاحب کا نام لیا ہے لیکن وہ بھی ناراضگی میں بھائی، وہاں بھی سمجھ... تو وہ بھی ذکر نہیں فرماتے۔

تو والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری کا بہت اونچا مقام ہے، انسان تصور نہیں کر سکتا، اتنا اونچا مقام ہے کہ اتنی عظیم الشان کتاب لکھ گئے کہ صدیوں سے، ہزار سے زیادہ سال گزر گئے اور ساری امت ان کی کتاب سے نفع اٹھا رہی ہے۔ اسی طرح امام ترمذی عظیم الشان کتاب لکھ گئے حدیث کی، لیکن فرماتے تھے ان کے مقابلے میں جب امام صاحب کی طرف نظر کی جائے تو فرماتے تھے: بے شک امام بخاری اور امام ترمذی کا بہت اونچا مقام، آج ہمیں وہ مل جائیں تو ان کے پاؤں کی خاک کو بھی ہم اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا اپنی سعادت سمجھیں گے۔ سعادت سمجھیں گے لیکن وَاللهِ ثُمَّ وَاللهِ! ایک لاکھ امام بخاری بھی اکٹھے ہو جائیں تو ابو حنیفہ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح امام ترمذی کے بارے میں فرماتے کہ وَاللهِ! ایک لاکھ امام ترمذی اکٹھے ہو جائیں تو ابو حنیفہ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔

بے شک یہ عظیم ہستیاں ہیں سب، لیکن امام صاحب کا مقام بڑا اونچا بھائی۔ کروڑوں لوگ بھائی، اربوں لوگ ان کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق، جو انہوں نے قرآن حدیث وغیرہ سے سمجھا اور لوگوں کو بتلایا، پوری پوری زندگی ایک ایک مسئلے کے اندر ان کا اتباع کرتے ہوئے زندگیاں گزار رہے ہیں، ہر ہر چیز کا ثواب ان کے نامہ اعمال میں جا رہا ہے۔ ان کو اللہ نے مقتدا بنایا بھائی، لوگ کیا کر رہے ہیں ان کی؟ اقتدا کر رہے ہیں بھائی، اقتدا۔ قیامت کے دن لوگ یہ تو کہیں گے کہ اے اللہ! میں حنفی ہوں، میں حنفی ہوں، مجھے جنت میں داخل فرمایئے، میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اقتدا کی جنہوں نے ہر چیز قرآن و سنت کے مطابق ہمیں بتلائی۔ لیکن امام بخاری، امام ترمذی وہ مقتدا نہیں ہیں بھائی۔ مذاہب میں آپ تفصیل پڑھیں گے آگے بھی، تو کہیں بھی ان کا الگ مذہب نہیں ذکر ہوتا۔ تو وہ، انہوں نے حدیث کی عظیم کتابیں تو لکھیں لیکن مقتدا نہیں ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ مقتدا نہیں ہیں۔

تو امام صاحب کا بڑا اونچا مقام، اور حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو امام صاحب کی شان میں گستاخی کرتے ہیں بھائی، حیرت ہوتی ہے۔ اور گستاخی عموماً وہی کرتا ہے جس کے پاس علم کچھ بھی نہیں ہوتا۔ گستاخی وہی کرتا ہے جس کے پاس علم نہیں ہوتا بھائی۔ دین سارا ادب کا نام ہے، دین سارا ادب کا نام ہے۔ بے ادبی سے انسان اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور کسی کا نہیں بھائی، اور کسی کا نہیں۔ عجیب لوگ ہوتے ہیں بھائی، علم کچھ بھی نہیں ہوتا اور انگلیاں اٹھاتے ہیں امام صاحب پر۔ حیرت ہوتی ہے بھائی، حیرت بھائی۔ یہ تو یوں ہی ہے جیسے چیونٹی یا چیونٹی سے بھی کوئی ادنیٰ ہو اور وہ آسمان کو برا بھلا کہے، ایک طرف آسمان، انتہائی بلندی اور عظیم چیز اور ایک طرف چیونٹی ہے بھائی۔ تو بس یہی... اللہ ان سب کو سمجھ دے بھائی، ان سب کو سمجھ دے۔

دیکھیے! یہ مسائل ہم پڑھ رہے ہیں، ایک ایک مسئلہ قرآن و حدیث دلائل ساتھ ذکر ہو رہے ہیں بھائی، اور یہ نہیں کہ ہمارے صرف یہی دلائل ہیں۔ صاحب ہدایت نے فرمایا کہ میں نے اسی جلدوں کو مختصر کر کے یہ چار جلدیں لکھی ہیں بھائی۔ اور یہاں چار جلدیں لکھنے کے لیے کیا کرنا پڑا؟ بس ایک ایک دلیل ذکر کرتے جا رہے ہیں بھائی، ایک دلیل ذکر کر دی مختصراً۔ یہ نہیں کہ ہمارے پاس یہی دلائل ہیں بھائی۔ قرآن سے، حدیث سے، اجماع وغیرہ، ہر مسئلے میں احناف کے پاس بڑے بڑے قوی دلائل ہیں، پہاڑ کی طرح مضبوط دلائل موجود ہیں بھائی۔ احناف جب کسی مسئلے پر آتے ہیں تو بال کی بھی کھال اتار دیتے ہیں بھائی، اتنی گہرائی تک چلے جاتے ہیں کہ انسان حیران رہتا ہے بھائی، اتنی گہرائی تک چلے جاتے ہیں۔ اور اس کا اندازہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے درس میں ہوتا تھا جب احناف کے دلائل چلتے تھے بھائی۔ دیگر ائمہ کے دلائل بھی ذکر ہوتے اور احناف کے دلائل بھی ذکر ہوتے تھے، لیکن وہاں پتہ چلتا تھا کہ احناف کے دلائل کتنے قوی ہیں، کتنے قوی ہیں۔

تو یاد رکھیے! ہمارے نزدیک چاروں ائمہ برحق ہیں: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ۔ ان کے عِنْدَ اللہِ مقبولیت کا اندازہ اسی سے لگا لو بھائی۔ فقہاء اولاً بہت زیادہ فقہاء تھے بھائی، فقہاء کی تعداد تو بہت زیادہ لیکن ان چار کو اللہ نے ایسی مقبولیت نصیب فرمائی کہ تمام دنیا کے اندر انہی کے پیروکار ہیں اس وقت اور فقہاء اور ان کے مذاہب ختم ہوئے بھائی۔ انہی چار کے متبعین ہیں بھائی، ان کے مسلک پر زندگی گزارتے ہیں، ان کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق جو انہوں نے قرآن و حدیث سے اخذ کیا۔ تو اتنا اونچا ان کا مقام ہے بھائی۔

یاد رکھیے! یاد رکھیے بھائی! اللہ آپ میں سے ہر ایک کو بڑا مدرس بنائے بھائی۔ درس کے اندر بھی کبھی کسی امام کی شان میں بے ادبی کا لفظ آپ کی زبان پر نہ آئے بھائی، درس کے اندر بھی۔ بعض مدرسین ان کی توجہ نہیں ہوتی، بعض اوقات بے ادبی والا انداز اختیار کر لیتے ہیں بھائی، وہ انداز آپ کبھی نہ اختیار کرنا۔ مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کو جواب دینے لگے ہیں، ان کی دلیل ذکر ہو جاتی ہے پھر ہماری دلیل ذکر ہونے لگتی ہے تو عجیب انداز بنا لیتے ہیں: اے امام شافعی رحمہ اللہ! آپ کو ہماری یہ دلیل نظر نہیں آئی؟ یہ دیکھیں حدیث کے اندر، فلاں حدیث میں یہ آ رہا ہے، آپ کے قیاس کا یہ جواب ہے۔ بھائی یہ کیا انداز ہے بات کرنے کا بھائی؟ کس کے بارے میں بات کر رہے ہو بھائی؟ امامِ دنیا کے بارے میں بات کر رہے ہو اور اتنا بے ادبی والا انداز؟ تو ہر چیز میں ادب ہو، ہر چیز میں بھائی۔ ہمارے نزدیک چاروں ائمہ برحق ہیں بھائی، ہاں صرف ہم ترجیح امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو دیتے ہیں، ان کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ حق پر نہیں ہیں بھائی، سب حق پر ہیں بھائی۔ تو ائمہ کا بے انتہا ادب ہو بھائی، بزرگوں کا بے انتہا ادب ہو بھائی، ادب ہو۔

والد صاحب درس میں جب بھی ائمہ کا ذکر آتا بڑے ان کی بڑی تعریف فرماتے جب بھی ذکر آتا تھا۔ اور کبھی بے ادبی والا لفظ ان کی زبان پر نہیں آتا تھا، ہمیشہ ائمہ کا انتہا درجے کا ادب واحترام اور ان کی بے انتہا تعریف وتوصیف فرماتے۔ اور ایک مرتبہ طلبہ بتلاتے ہیں، طلبہ بتلاتے ہیں کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ سبق پڑھا رہے تھے، پڑھاتے پڑھاتے اچانک ان کو کیا خیال آیا کہ ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ آواز حلق میں اٹک گئی، بولنا چاہتے ہیں، بولا ہی نہیں جا رہا بھائی جیسے رونے کی کیفیت انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔ بڑی کوشش کی حضرت نے بولنے کی لیکن ایک دو لفظ ادا کرتے ہیں پھر وہی کیفیت بن جاتی ہے۔ آخر مجبور ہو کر سبق بند کیا، تشریف لے گئے بھائی۔ عجیب انسان حیران ہوتا ہے بھائی۔ اگلے دن پھر اسی طرح یہی کیفیت سبق کے اندر، درمیان میں چلتے چلتے ایک دم سبق پھر وہی حالت آ گئی، اب بولنا چاہتے ہیں، بولا ہی نہیں جا رہا، پھر سبق چھوڑ کر چلے گئے۔ تیسرے دن آخر حضرت نے خود ذکر فرمایا سبق میں کہ بھائی میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے، مجھے جب اس خواب کا خیال ذہن میں آتا ہے تو بس پڑھانا میرے لیے مشکل ہو جاتا ہے، پڑھانا مشکل۔ فرمانے لگے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سبق ہو رہا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ، امام دنیا تشریف لائے ہوئے ہیں، اور مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کا درس بڑا قیمتی ہوتا ہے، بڑا قیمتی ہوتا ہے، اور مزید فرمانے لگے کہ آپ سب ائمہ کا خیال رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں آخری جملہ تو امام شافعی رحمہ اللہ نے عجیب ہی فرمایا، وہ جب میرے دل میں اس کا خیال آتا ہے تو مجھے اتنا رونا آتا ہے کہ میرے لیے سبق پڑھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ آخر میں فرمانے لگے کہ میں بھی کبھی کبھی آپ کے سبق میں آتا ہوں۔ میں بھی کبھی کبھی آپ کے سبق میں آتا ہوں۔ تو ائمہ کا ہمیشہ یاد رکھیے بھائی، بڑا ادب واحترام بھائی۔ یہ دنیائے علم کے آفتاب وماہتاب ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، اور یہ جو میں نے حضرت کے الفاظ ذکر کیے امام بخاری، امام ترمذی بھائی، یہ کوئی تنقیص کے انداز میں ہرگز نہیں تھا، نہ... یہ بڑے بڑے **جِبَالُ الْعُلُوم** ہیں مولانا، اتنا اونچا مقام کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے ان کے بارے میں۔ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ بس ویسے میں نے حضرت کا بتلایا کہ وہ فرماتے تھے کہ سب کا بڑا اونچا مقام، لیکن بہر حال امام صاحب کا تو بڑا اونچا مقام ہے، بڑا اونچا مقام ہے۔

تو یہ جو اتنا لمبا کلام کیا گیا اس کے ذریعے مقصد جو ہے دراصل مرتبوں کا فرق سمجھانا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو بے شک امام بخاری اور امام ترمذی **رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً** ان کا مقام بہت اونچا، ہمارے تصور سے بھی ان کا مقام اونچا ہے، لیکن بہر حال مرتبوں کا فرق کرنا پڑے گا۔ جیسے، جیسے کسی مسئلے میں صدیق وعمر **رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا** بھی ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجاتے ہیں، ہم اور تو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اتنا کہہ سکتے ہیں کہ صدیق کا مقام بہت اونچا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو اس کلام کے ذریعے مقصد مرتبوں کا فرق بیان کرنا ہے بھائی، مرتبوں کا فرق بیان کرنا۔

اللہ! چلیے بھائی، بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ کیا بات ذکر ہو رہی تھی؟ غسل کے فرائض بھائی۔ تو غسل میں سارے بدن کو انسان دھوئے بھائی اور کوئی حصہ خشک نہ رہے۔ بالخصوص یہ کانوں کے اندر پانی اچھی طرح پہنچائے بھائی کانوں کے اندر، کان کا اندر والا حصہ یہ کبھی خشک رہ جاتا ہے تو یہاں انگلی وغیرہ سے پانی خوب اچھی طرح سارے حصے کو پہنچ جائے، اور اسی طرح ناف بھائی، ناف۔ ناف میں بھی بعض اوقات احتیاط نہ ہو تو پانی نہیں پہنچتا تو وہاں بھی خوب احتیاط سے پانی پہنچائے بھائی۔ تو یہ تین چیزیں فرض ہیں غسل میں بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**وَفَرْضُ الْغُسْلِ الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ وَغَسْلُ سَائِرِالْبَدَنِ**»، اور غسل کا فرض جو ہے وہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا، «**وَغَسْلُ سَائِرِالْبَدَنِ**»، بھائی غسل پڑھا میں نے، غُسل نہیں پڑھا۔ کہاں غَسل پڑھیں گے، کہاں غُسل؟ غَسل کا معنی دھونا، اور غُسل نہانا بھائی۔ تو کہاں غَسل پڑھیں گے، کہاں غُسل پڑھیں گے؟ یاد رکھیے! جب ان کی اضافت ہو، مضاف بنیں، آگے مضاف الیہ آئے، تو اگر ان کی اضافت مغسول کی طرف ہو تو پھر غَسل پڑھیں گے، اگر غیر مغسول کی طرف ہو تو پھر غُسل پڑھیں گے۔ اگر اس غسل لفظ کی اضافت کس کی طرف ہو؟ مغسول کی طرف، تو پھر غَسل پڑھیں گے، اور اگر غیر مغسول کی طرف اضافت ہو تو کیا پڑھیں گے؟ غُسل پڑھیں گے۔ دیکھیے! آپ مجھے بتائیے بھائی، غَسل یا غُسل کا لفظ آیا اور اس کے آگے لکھا ہوا تھا «**الْمَيِّتِ**»، یہ ہے مضاف مضاف الیہ: غسل اور المیت۔ تو کیا پڑھیں گے؟ «**غَسْلُ الْمَيِّتِ**» یا «**غُسْلُ الْمَيِّتِ**»؟ جی؟ میت کیا ہے؟ مغسول ہے یا نہیں؟ اس کو دھویا جاتا ہے، تو یہاں جہاں مغسول ہو وہاں غَسل پڑھیں گے: «**غَسْلُ الْمَيِّتِ**»، کیا پڑھیں گے؟ «**غَسْلُ الْمَيِّتِ**»۔ اور اگر مضاف الیہ مغسول کے علاوہ کوئی ہو جیسے «**الْجُمُعَةِ**» کا لفظ آگے آجائے، تو «**غَسْلُ الْجُمُعَةِ**» پڑھیں گے یا «**غُسْلُ الْجُمُعَةِ**» پڑھیں گے؟ «**غُسْلُ الْجُمُعَةِ**» پڑھیں گے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو یہاں پر آگے آ رہا ہے «**سَائِرِ الْبَدَنِ**»، سارا بدن۔ تو «**غَسْلُ سَائِرِالْبَدَنِ**» پڑھیں گے یا «**غُسْلُ سَائِرِالْبَدَنِ**»؟ «**غَسْلُ سَائِرِالْبَدَنِ**»، آگے مغسول کا ذکر آ رہا ہے بھائی، مغسول کا ذکر۔ اور سائر لفظ آیا، اس کے بارے میں بھی یاد رکھیے۔ سائر یہ پورے کے معنی میں بھی آتا ہے اور باقی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اگر ہو یہ پورے کے معنی میں تو «**سَائِرُ الْبَدَنِ**» کا کیا معنی ہو گا؟ پورا بدن۔ «**سَائِرُ الْبَدَنِ**» کا کیا معنی؟ پورا بدن۔ اور اگر یہ باقی کے معنی میں ہو تو «**سَائِرُ الْبَدَنِ**» کا کیا معنی ہو گا؟ باقی بدن، کیا معنی ہو گا؟ باقی بدن بھائی۔ تو یہ دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ آپ نے موقع محل کو دیکھنا ہے، کہاں اس کا معنی پورے کے کرنے ہیں اور کہاں اس کا معنی باقی کے کرنے ہیں۔ تو یہاں آیا «**وَغَسْلُ سَائِرِالْبَدَنِ**»، کیا ترجمہ کریں گے؟ پورا بدن یا باقی بدن؟ پورا بدن، اس لیے کیونکہ کلی کی ہے، وہ تو منہ کے اندر والا حصہ ہے، ناک میں پانی پہنچایا، یہ تو ناک کے اندر والا حصہ ہے، معلوم ہوا سارا باہر کا بدن ابھی باقی ہے تو پورا کریں گے یہاں ترجمہ۔ تو کہتے ہیں: «**الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ**»، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا، «**وَغَسْلُ سَائِرِالْبَدَنِ**»، اور پورے بدن کا دھونا۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَح...

«وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً هُمَا سُنَّتَانِ فِيهِ»، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دونوں یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا «سُنَّتَانِ فِيهِ»، یہ سنت ہیں «فِيهِ أَيْ فِي الْغُسْلِ»، کس کے اندر؟ غسل۔ ہمارے نزدیک تو یہ دونوں فرض، ان کے نزدیک یہ دونوں سنت ہیں۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، آگے ان کی دلیل ذکر کر دی، حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ»، دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔ فطرت میں سے۔ «أَيْ: مِنَ السُّنَّةِ»، یہ صاحبِ ہدایت کی عبارت ہے، یہ حدیث نہیں، حدیث کا حصہ نہیں۔ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں، فطرت کا لفظ آیا، کیا معنی؟ «أَيْ: مِنَ السُّنَّةِ» بھائی، کس میں سے ہیں؟ سنت میں، دس چیزیں سنت میں سے ہیں۔ «وَذَكَرَ مِنْهَا الْمَضْمَضَةَ وَالِاسْتِنْشَاقَ»، اور ذکر ان دس میں سے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمضہ اور استنشاق کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس چیزیں سنت میں سے ہیں اور ان دس میں سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو بھی ذکر فرمایا، معلوم ہوا یہ دونوں کیا ہیں؟ سنت ہیں۔ «وَلِهَذَا كَانَا سُنَّتَيْنِ فِي الْوُضُوءِ»، اور اسی وجہ سے یہ سنت ہیں کس کے اندر؟ وضو کے اندر بھی۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل تھی۔

«وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى»، اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: «وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا»، اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو، «فَاطَّهَّرُوا»، تو خوب پاکی حاصل کرو، خوب پاک ہو بھائی، خوب پاک ہو جاؤ۔ تو یہ «أَمْرٌ بِالِاطِّهَارِ»، یہ جو آیت میں آیا «وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا»، یہ کیا ہے «فَاطَّهَّرُوا»؟ «أَمْرٌ بِالِاطِّهَارِ»، یہ اطہار کا امر ہے، اطہار کا حکم دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ۔ اور اطہار کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ تَطْهِيرُ جَمِيعِ الْبَدَنِ»، وہ پورے بدن کو پاک کرنا ہے۔ «إِلَّا أَنَّ مَا تَعَذَّرَ إِيصَالُ الْمَاءِ إِلَيْهِ خَارِجٌ»، مگر یہ کہ وہ حصہ «تَعَذَّرَ» کہ مشکل ہو «إِيصَالُ الْمَاءِ إِلَيْهِ» اس کو پانی پہنچانا «خَارِجٌ»، وہ اس سے خارج ہو گا۔ وہ اس پاک کرنے کے حکم سے خارج ہو گا بھائی، خارج ہو گا۔ تو پورے بدن کو پاک کیا جائے گا، مگر بدن کا وہ حصہ جہاں پانی پہنچانا مشکل ہو وہ اس حکم سے خارج، وہاں پانی پہنچانا فرض نہیں۔ پانی پہنچانا فرض نہیں۔ جیسے کان کے اندر والا حصہ بھائی، کان کے... بھائی ایک تو یہ باہر والا حصہ ہے جس کا میں نے ابھی بتایا احتیاط سے دھونا، یہ تو یہ باہر والا حصہ، ایک کان کا جو سوراخ ہے اس کے اندر پانی پہنچانا، وہ مشکل ہے بھائی۔ پہنچ تو جائے گا لیکن مشکل ہے، تکلیف کا باعث ہو گا۔ اسی طرح آنکھ کے اندر پانی کا پہنچانا، دیکھیے یہ مشکل ہے، تو اس طرح وہ جہاں جہاں پانی کا پہنچانا مشکل وہ اس حکم سے خارج ہیں بھائی۔ باقی پورے بدن کو پاک کرنے کا حکم، تو جہاں جہاں پانی آسانی سے پہنچ سکتا ہے ان کو دھویا جائے گا بھائی۔ اور آپ بتائیے، کلی کرنا، منہ کے اندر پانی پہنچانا، یہ مشکل ہے؟ نہیں، لہٰذا یہ بھی داخل ہو گا، اس کو بھی دھونا پڑے گا۔ ناک کے اندر یہ پانی پہنچانا، یہ بھی کوئی مشکل نہیں، لہٰذا یہ بھی داخل ہیں فرض کے اندر بھائی۔

«بِخِلَافِ الْوُضُوءِ»، بخلاف وضو کے۔ تو غسل کے اندر یہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا یہ فرض ہیں، بخلاف وضو کے، اس میں فرض نہیں۔ کیوں؟ «لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ غَسْلُ الْوَجْهِ وَالْمَوَاجَهَةُ فِيهِمَا مُنْعَدِمَةٌ»، يَرْحَمُكَ اللهُ! «لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ»، اس لیے کیونکہ وضو میں واجب جو ہے «غَسْلُ الْوَجْهِ»، چہرے کا دھونا ہے بھائی، وجہ کا دھونا۔ تو آیت میں کس طرح آیا ہے؟ «فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ»، دھو اپنے چہروں کو۔ اور تو چہرے کو دھونے کا حکم دیا گیا، وجہ کو دھونے کا حکم دیا گیا، اور آپ پڑھ چکے وجہ اس کی حد صاحب ہدایت نے بیان فرمائی تھی کہ ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک چوڑائی میں، اور پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک یہ سارا وجہ میں داخل ہے، اور یہ کس سے پتہ چلا تھا؟ کیونکہ وجہ مشتق ہے کس سے؟ مواجہہ سے۔ مواجہہ کا معنی آمنا سامنا کرنا کسی سے بھائی، اور سامنا اس سارے حصے کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لیے یہ وجہ ہوا اور وجہ کے دھونے کا دھونا تو اس کا تو حکم دیا جا رہا ہے تو وہ فرض ہے۔ تو یہ وجہ، لیکن یہ جو ناک کا اندر والا حصہ ہے اور منہ کا اندر والا حصہ ہے، یہ وجہ سے خارج ہے۔ کیوں خارج ہے؟ کیونکہ وجہ مشتق ہے مواجہہ سے، سامنا کرنا، اور یہ جو کسی کا سامنا کسی کا کیا جاتا ہے تو منہ کے اندر والا حصہ اس کے سامنے ہوتا ہے؟ نہیں، وہ تو وہ چھپا ہوا ہے۔ ناک کے اندر والا حصہ بھی اس کے سامنے نہیں چھپا ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا اس کے ساتھ مواجہہ نہیں ہوتی، جب مواجہہ نہیں ہوتی تو معلوم ہوا وہ وجہ میں داخل نہیں، جب وجہ میں داخل نہیں ہمیں تو وجہ کے دھونے کا حکم ملا ہے تو اس لیے جو سامنے کا ظاہر جتنا حصہ ہے اس سارے کو دھویا جائے گا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا یہ وضو میں فرض نہیں ہو گا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ غَسْلُ الْوَجْهِ»، اس لیے کیونکہ واجب جو ہے وضو کے اندر وہ چہرے کا دھونا ہے، وجہ کا دھونا ہے، «وَالْمَوَاجَهَةُ فِيهِمَا مُنْعَدِمَةٌ»، اور مواجہہ جو ہے، سامنا کرنا، «فِيهِمَا»، ان دونوں میں، کن دونوں میں؟ یہ جو ناک کا اندر والا حصہ ہے اور منہ کا اندر والا، ان دونوں میں مواجہہ جو ہے «مُنْعَدِمَةٌ»، معدوم ہے، ان میں مواجہہ نہیں پائی جاتی۔

■ مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِمَا رَوَى

«وَالْمُرَادُ بِمَا رَوَى»، جی، اب جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث ذکر کی تھی، اس کا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَالْمُرَادُ بِمَا رَوَى حَالَةُ الْحَدَثِ»، اور مراد اس حدیث سے جس کو روایت کیا امام شافعی رحمہ اللہ نے، اس سے مراد «حَالَةُ الْحَدَثِ»، بے وضو ہونے کی حالت ہے۔ اس حدیث میں جو کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو سنت قرار دیا گیا وہ کون سی حالت مراد ہے وہاں پر؟ وہ حدث یعنی بے وضو ہونے کی حالت مراد ہے، جنابت کی حالت وہاں مراد نہیں۔ بھائی دلیل کیا ہے اس بات کی کہ وہاں بے وضو ہونے کی حالت مراد ہے؟ کہتے ہیں: «بِدَلِيلِ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی

دلیل سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس مضمضہ اور استنشاق کے بارے میں: «إِنَّهُمَا فَرْضَانِ فِي الْجَنَابَةِ سُنَّتَانِ فِي الْوُضُوءِ»، یہ دونوں یعنی مضمضہ اور استنشاق یہ جنابت میں فرض ہیں اور وضو میں سنت ہیں، تو یہ حدیث میں آیا بھائی۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھائی؟

«وَسُنَّتُهُ أَنْ يَبْدَأَ الْمُغْتَسِلُ فَيَغْسِلَ يَدَيْهِ وَفَرْجَهُ وَيُزِيلَ النَّجَاسَةَ»، اب سنت طریقہ بیان کر رہے ہیں غسل کا، سنتیں یعنی اس کی۔ فرض بیان ہو گئے، تین فرض ہیں: ناک میں پانی ڈالنا، کلی کرنا، اور سارے بدن پر پانی بہانا۔ سنت طریقہ یاد رکھیے غسل کا یہ ہے کہ انسان پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح دھو لے، اس کے بعد استنجا کر لے خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو، مسنون ہے اس طرح، پہلے دونوں ہاتھوں کو دھولے پھر استنجا کر لے، اس کے بعد اگر بدن پر کہیں نجاست لگی ہوئی ہے تو اس نجاست کو دھو لے۔

ڈالے، بدن سے دور کر دے۔ اس کے بعد پھر وضو کر لے جیسا کہ نماز کے لیے وضو کرتا ہے انسان جیسے پیچھے ذکر گزر گیا، پورا وضو کر لے اور پھر وضو کرنے کے بعد، اس کے بعد پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہالے بھئی۔ کیا کرے؟ تین مرتبہ۔ یہ ہے مسنون طریقہ غسل کا۔ دیکھئے بھئی:

■ مسئلہ: وَسُنَّتُهُ

«وَسُنَّتُهُ» اور غسل کی سنت جو ہے «أَنْ يَبْدَأَ الْمُغْتَسِلُ» یہ کہ ابتدا کرے غسل کرنے والا «فَيَغْسِلَ يَدَيْهِ وَفَرْجَهُ» پس دھوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو اور اپنی شرمگاہ کو۔ شرمگاہ کو دھوئے یعنی استنجا کر لے۔ «وَيُزِيلَ النَّجَاسَةَ إِنْ كَانَتْ عَلَى بَدَنِهِ» اور دور کرے نجاست کو اگر وہ اس کے بدن پر کہیں لگی ہوئی ہو، اس نجاست کو دھو ڈالے۔ «ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ» پھر وضو کرے اس کا وضو جو ہے نماز کے لیے، جو نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے وہ وضو کر لے۔ جی «فَيَغْسِلَ» میں نے اس کو منصوب پڑھا، «وَيُزِيلَ» منصوب پڑھا، «يَتَوَضَّأَ» یہ بھی منصوب۔ ان سب کا عطف پیچھے «يَبْدَأَ» پر ہو رہا ہے اور «يَبْدَأَ» پر «أَنْ» داخل ہے وہ نصب دے رہا ہے تو یہ سارے بھی منصوب ہوں گے۔

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ» پھر وضو کرے جیسے کہ یہ نماز کے لیے وضو کرتا تھا «إِلَّا رِجْلَيْهِ» سوائے دونوں پاؤں کے، پاؤں نہ دھوئے۔ پاؤں ابھی مؤخر کر دے، مؤخر کر دے۔

«ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ عَلَى رَأْسِهِ» پھر اس کے بعد پانی بہائے اپنے سر پر، بھئی سارے بدن پر تین مرتبہ پانی بہانا ہے، اب اس میں بتلا رہے ہیں آغاز کہاں سے کرے؟ کس طرح؟ کہتے ہیں: «ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ عَلَى رَأْسِهِ» پھر پانی بہائے اپنے سر پر «وَسَائِرِ جَسَدِهِ» کیا ترجمہ کریں گے؟ جی؟ ہاں باقی بدن پر، کیونکہ سر پر تو ڈال لیا بھئی، تو یہاں پورے کے معنی نہیں، پورے کے ساتھ ترجمہ نہیں ہو گا۔ «وَسَائِرِ جَسَدِهِ» اور اپنے باقی جسم پر «ثَلَاثًا» کتنی مرتبہ؟ تین مرتبہ بھئی، تین مرتبہ۔ اس میں بھی علماء فرماتے ہیں کہ پھر پہلے دائیں کندھے پر جو ہے تین دفعہ ڈالے، پھر اس کے بعد بائیں کندھے، اور پہلی مرتبہ جب پانی ڈالے تو اس وقت بدن کو اچھی طرح مل لے تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے، پھر دوسری اور تیسری دفعہ پانی ڈالے تاکہ پانی خوب اچھی طرح پہنچ جائے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ يَتَنَحَّى عَنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ

«ثُمَّ يَتَنَحَّى عَنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ» پھر ہٹ جائے اس جگہ سے «فَيَغْسِلَ رِجْلَيْهِ» تو دھولے اپنے دونوں پاؤں بھئی۔ پاؤں رہ گئے تھے، ان کو چھوڑ دیا تھا، وضو باقی کیا تھا اور پاؤں نہیں دھوئے تھے، تو اب جب غسل باقی سارا کر لیا تو اب اس جگہ سے ہٹ جائے اور اپنے دونوں پاؤں دھولے بھئی۔

بھئی یہ پاؤں کیوں چھوڑ دیے شروع میں؟ اور پھر آخر میں کیوں ان کو دھویا؟ یاد رکھئے، یہ اس لیے اس طرح ذکر فرمایا کہ حدیث میں اس طرح آتا ہے۔ مَيْمُونَة رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا وہ فرماتی ہیں کہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس طرح غسل فرماتے تھے، تو پاؤں جو تھے ان کو وضو کرتے ہوئے پاؤں نہیں دھوتے تھے اور پھر جب غسل کر لیتے تو اس جگہ سے ہٹ کر پھر پاؤں کو دھو لیا کرتے تھے، دھو لیا کرتے تھے۔

لیکن فقہائے کرام اس کی وجہ لکھتے ہیں بھئی، کہتے ہیں حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ایسا اس لیے فرماتے تھے کیونکہ آپ جہاں پر وضو اور غسل فرماتے تھے پانی وہیں پر جمع ہوتا رہتا تھا، تو مَاءِ مُسْتَعْمَل کے اندر وہ پاؤں ہیں تو اب اگر پہلے ان کو دھو بھی لیا جائے تو فائدہ کوئی نہیں، بعد میں پھر کیا کرنا پڑے گا؟ دھونا تو پڑے گا، تو اس لیے حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پہلے نہیں دھوتے تھے اور پھر بعد میں جب وہاں سے ہٹ جاتے اس پانی سے تو پھر پاؤں دھو لیا کرتے تھے۔ تو یہ وجہ تھی اس وجہ سے حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ایسا فرماتے تھے۔ چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر انسان ایسی جگہ پر غسل کرے جہاں پانی کھڑا نہیں رہتا بلکہ بہہ کر نکلتا جاتا ہے، کسی تختے پر وضو کر رہا ہے اور پانی بہتا جا رہا ہے یا کسی پتھر پر ہے اور پانی بہتا جا رہا ہے یا آج کل کے جیسے غسل خانے جس میں پانی بہتا جا رہا ہے اب نکلتا جا رہا ہے تو پھر پاؤں اسی وقت دھولے بھئی۔

■ مسئلہ: هٰكَذَا حَكَتْ مَيْمُوْنَةُ اغْتِسَالَ رَسُوْلِ اللّٰ...

«هٰكَذَا حَكَتْ مَيْمُوْنَةُ اغْتِسَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» اسی طرح حکایت کیا ہے یعنی نقل کیا ہے اُمّ المومنین حضرت مَيْمُوْنَة رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا نے حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے غسل کو۔ «وَإِنَّمَا يُؤَخِّرُ غَسْلَ رِجْلَيْهِ لِأَنَّهُمَا فِي مُسْتَنْقَعِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ» اور مؤخر کرے غسل کرنے والا «غَسْلَ رِجْلَيْهِ» اپنے دونوں پاؤں کے دھونے کو «لِأَنَّهُمَا فِي مُسْتَنْقَعِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ» اس لیے کیونکہ دونوں پاؤں جو ہیں مَاءِ مُسْتَعْمَل کے کھڑے ہونے کی جگہ میں ہیں۔ «مُسْتَنْقَع» کہتے ہیں پانی کے اکٹھا ہونے کی جگہ، مُسْتَنْقَع، قاف پر فتحہ ہے بھئی۔ مَاءِ مُسْتَعْمَل وہ پانی جو استعمال ہو تا جا رہا ہے، اس، جی۔ تو «لِأَنَّهُمَا فِي مُسْتَنْقَعِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ» اس لیے کیونکہ دونوں پاؤں جو ہیں وہ مَاءِ مُسْتَعْمَل کے کھڑے ہونے کی جگہ میں ہیں «فَلَا يُفِيدُ الْغَسْلُ» لہٰذا دھونا فائدہ ہی نہیں دے گا، اگر ابھی دھو بھی لے فائدہ نہیں۔ «حَتَّى لَوْ كَانَ عَلَى لَوْحٍ لَا يُؤَخِّرُ» حتی کہ اگر یہ کسی تختے پر ہوا غسل کرنے والا «لَا يُؤَخِّرُ» تو یہ مؤخر نہ کرے بھئی۔ یہ کیا کرلے؟ اس جب وضو کر رہا ہے اسی وقت پاؤں دھو لے۔

«وَإِنَّمَا يَبْدَأُ بِإِزَالَةِ النَّجَاسَةِ» بھئی اوپر آیا تھا متن میں کہ بدن وضو سے پہلے کیا کرے؟ بدن پر کوئی نجاست لگی ہے اس کو دھو ڈالے، تو یہ کیوں پہلے اس یہ کیا جائے گا؟ تو صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے: بھئی تاکہ بعد میں جب غسل وغیرہ کرے گا، پانی ڈالے گا تو اگر نجاست بدن پر لگی ہو گی وہ تو اور پھیل جائے گی، لہٰذا پہلے کیا کر لے اس نجاست کو؟ بدن سے دور کر لے۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا يَبْدَأُ بِإِزَالَةِ النَّجَاسَةِ الْحَقِيقِيَّةِ» اور ابتدا کرے وہ نَجَاسَتِ حَقِيقِيَّه کو دور کرنے سے «كَيْ لَا تَزْدَادَ بِإِصَابَةِ الْمَاءِ» تاکہ کہیں وہ بڑھ نہ جائے پانی کے پہنچنے سے۔

نَجَاسَتِ حَقِيقِيَّه کا لفظ آیا بھئی۔ بھئی ایک ہے نَجَاسَتِ حَقِيقِيَّه جس کا ظاہری جسم ہوتا ہے، دکھائی دیتی ہے آنکھوں سے نجاست بھئی، وہ ہے نَجَاسَتِ حَقِيقِيَّه۔ اور ایک نَجَاسَتِ حُكْمِيَّه ہے، بے وضو ہونا، ایک آدمی کا وضو ٹوٹ گیا، اب دیکھئے بدن پر تو کوئی نجاست نہیں لگی ہوئی لیکن شریعت نے کیا حکم دیا کہ طہارت زائل ہو چکی، نجاست آ چکی، تو یہ کونسی نجاست ہے؟ نَجَاسَتِ حُكْمِيَّه، تو اس کا کوئی جسم نہیں وغیرہ اور نَجَاسَتِ حَقِيقِيَّه جو دکھائی دے آنکھوں سے، جس کا ظاہری جسم ہو۔

■ مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ أَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَ...

«وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ أَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَهَا فِي الْغُسْلِ» اور نہیں ہے عورت پر یہ کہ وہ کھولے، «أَنْ تَنْقُضَ» یہ کہ وہ کھولے «ضَفَائِرَهَا»، ضفائر جمع ہے ضفیرہ کی، «ضَفِيرَةٌ» بھئی وہ جو عورتیں رسی کی طرح بال بنا لیتی ہیں، کیا کہتے ہیں بھئی؟ جی؟ مینڈھی اور چٹیا؟ ہاں مینڈھی یا چٹیا وغیرہ جو بنا لیتی ہیں یہ وہ اس کو ضفیرہ کہتے ہیں، تو یہ ضفائر اس کی جمع ہے۔ تو بتلا رہے ہیں کہ عورت پر اپنی مینڈھیاں کھولنا غسل میں یہ واجب نہیں ہے بھئی، غسل میں واجب نہیں ہے۔

یاد رکھئے اس سے عام جو چٹیا وغیرہ بنا لے وہ مراد نہیں ہے بھئی۔ میں نے ابھی بتلا دیا کہ غسل کے اندر سارے بدن پر پانی بہانا ضروری ہے، سارے بدن کا دھونا ضروری، جسم کے ایک ایک بال تک پانی پہنچنا چاہئے، سر کے بال، سارے، سب تک پانی کا پہنچانا اور ان پر پانی کا بہانا ضروری ہے، چاہے مرد ہو چاہے عورت ہو سب کے لیے یہی حکم۔ ہاں یہ ضفائر کی حالت یہ عورتوں کی آسانی کے لیے ہے بھئی۔ میں نے بتلایا شریعت کے ہر حکم میں شریعت میں بڑی آسانیاں ہیں، تو ضفائر وہ عام ایک دو چٹیا جو بنائی ہو، بھئی اس کا کھولنا کوئی مشکل کام ہے؟ اس کا کھولنا تو کوئی مشکل کام نہیں، کوئی مشقت والا نہیں ہے، لہٰذا اس کو کھولنا پڑے گا اور وہاں بالوں کی جڑوں کو بھی پانی پہنچانا پڑے گا اور سارے بالوں کو بھی ان پر بھی پانی بہانا پڑے گا اچھی طرح کہ کوئی بال خشک نہ رہے۔

ہاں البتہ ضفائر اگر زیادہ، آپ نے اگر کبھی دیکھا ہو دیہات وغیرہ میں کہ وہ عورتیں یہ باریک باریک مینڈھیاں بالوں کی بہت ساری بنا لیتی ہیں سر پر بھئی، بہت زیادہ بنا لیتی ہیں، وہ باریک باریک بھئی، وہ مینڈھیاں مراد ہیں۔ اب دیکھئے وہ تو بنانے میں بھی اس کو کم از کم ایک دو گھنٹے لگتے ہیں اور کھولنے میں بھی پھر اتنا، اب غسل کرنا ہے ان ساروں کو کھولنے کا حکم دیا جائے، اب پھر مشقت والا کام، ساروں کو کھولنا بڑا مباکام، پھر دوبارہ بنانا اور لمبا کام بھئی، تو شریعت نے آسانی دے دی کہ اگر اس طرح بال بنائے ہوئے ہیں تو اب کیا کر سکتی ہے عورت؟ اب ان سارے بالوں کو پانی پہنچانا ضروری نہیں بلکہ صرف بالوں کی جڑوں کو اچھی طرح پانی پہنچا دے تو کافی ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آئی بھئی؟ تو یہ وہ صورت مراد ہے بھئی، یہ عام ایک دو چٹیا ہوں وہ ان کا کھولنا کوئی مشکل نہیں ہے، تو یہ تو دَفْعِ حَرَج کے لیے یہ حکم دیا گیا بھئی، مشکل کو دور کرنے کے لیے۔

اور یہ حکم خاص ہے عورت کے لیے۔ لہٰذا آج کل کوئی فیشن کرتا ہے اور اس طرح کے بال بنا لیتا ہے، فیشن تو اسی طرح ہوتے ہیں بھئی الٹے سیدھے ہی ہوتے ہیں، تو کوئی مرد اس طرح کر لیتا ہے اور اس طرح بہت سے بال لمبے رکھتا ہے اور مینڈھیاں بنا لیتا ہے بہت ساری، لیکن یاد رکھئے اس کے لیے غسل میں تمام بالوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے بھئی، تمام بالوں تک بھی اور بالوں کی جڑوں تک بھی، اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ کھولے بغیر ہی غسل کر لے۔

تو کہتے ہیں: «وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ أَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَهَا فِي الْغُسْلِ» اور نہیں ہے عورت پر واجب یہ کہ وہ کھولے اپنی مینڈھیاں غسل کے اندر «إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ أُصُولَ الشَّعْرِ» جب پہنچ جائے پانی بالوں کی جڑوں کو۔ جڑوں تک تو ضرور پہنچانا پڑے گا، جب جڑوں تک پانی پہنچ جائے تو ان کو کھولنے کی ضرورت نہیں۔ دلیل اس کی کہتے ہیں «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے «لِأُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا» حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت أُمّ سَلَمَة رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا سے فرمایا: «يَكْفِيكِ إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ أُصُولَ شَعْرِكِ» کافی ہے تیرے لیے جب پہنچ جائے پانی تیرے بالوں کی جڑوں کو۔ تمہارے بالوں کی جڑوں کو پانی پہنچ جائے تو یہ تمہارے لیے کافی ہے۔ تو عورتوں کے بال لمبے ہیں بھئی اور شریعت نے ان کو منع کیا ہے بال کاٹنے سے، تو وہ ان بالوں کو پھر سنبھالنا بھی کوئی آسان کام نہیں، تو وہ پھر یوں عرب میں یوں کرتی تھیں عورتیں کہ وہ مینڈھیاں بنا لیتیں اور اس طرح ان کو سمیٹ دیتیں پھر سارے بالوں کو اور پھر کئی کئی دن تک اسی طرح یہ رہتے تھے بھئی، تو اس وجہ سے شریعت نے آسانی فرمائی بھئی۔

■ مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَيْهَا بَلُّ ذَوَائِبِهَا

«وَلَيْسَ عَلَيْهَا بَلُّ ذَوَائِبِهَا» جی حدیث مکمل ہوئی، یہ اب صاحبِ ہدایہ کی عبارت ہے۔ «وَلَيْسَ عَلَيْهَا» اور نہیں ہے اس عورت پر «بَلُّ»، بل کا معنی تر کرنا، «ذَوَائِب»، ذوائب وہ لمبے بال بھئی، زلفیں زلفیں، «وَلَيْسَ عَلَيْهَا بَلُّ ذَوَائِبِهَا» اور عورت پر واجب نہیں ہے اپنی زلفوں کو تر کرنا، گیلا کرنا۔ عورت پر اپنی زلفوں کو یعنی لمبے بالوں کو گیلا کرنا ضروری نہیں۔ بھئی اس سے یہ نہ سمجھ جانا، میں نے ابھی آپ کو بتایا تمام بالوں کو پانی پہنچانا فرض ہے مرد ہو یا عورت، یہ وہی مینڈھیوں والی حالت بیان ہو رہی ہے، اس حالت کے اندر جب بال اس طرح بنائے ہوئے ہیں تو اب بالوں کی جڑوں کو پانی پہنچا دیا وہ کافی ہے اور جو لمبے بال ہیں جو زلفیں ہیں جن سے مینڈھیاں بنائی ہوئی ہیں ان سب کو پانی پہنچانا ضروری نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ نہ سمجھنا اس سے کہ عورت کے بال کھلے بھی ہوں تو بھی اس کے لیے سارے بالوں کو پانی پہنچانا ضروری نہیں، ویسے عام حالت میں تمام بالوں تک ایک ایک بال تک پانی پہنچانا فرض ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَيْسَ عَلَيْهَا بَلُّ ذَوَائِبِهَا» اور عورت پر واجب نہیں ہے اپنی زلفوں کو گیلا کرنا۔ «وَالصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے «لِمَا فِيهِ مِنَ الْحَرَجِ» بوجہ اس میں حرج ہونے کے، اس میں کیا ہے؟ حرج ہے، تو عام کھلے بالوں اس میں تو پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں، ہاں مینڈھیاں بنی ہوں تو اس وقت پانی پہنچانے میں حرج ہے، مشکل ہے بھئی۔ «بِخِلَافِ اللِّحْيَةِ» بخلاف کس کے؟ داڑھی کے، ہاں اس میں نے بتایا داڑھی کے بھی ایک ایک بال تک پانی پہنچے بھئی، «لِأَنَّهُ لَا حَرَجَ فِي إِيصَالِ الْمَاءِ إِلَى أُثْنَائِهَا» اس لیے کیونکہ کوئی حرج نہیں ہے، کوئی مشکل نہیں ہے پانی پہنچانے میں «إِلَى أُثْنَائِهَا» داڑھی کے بیچ میں، داڑھی کے بیچ میں بالوں تک پانی پہنچانے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

«قَالَ: وَالْمَعَانِي الْمُوجِبَةُ لِلْغُسْلِ إِنْزَالُ الْمَنِيِّ عَلَى وَجْهِ الدَّفْقِ وَالشَّهْوَةِ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ حَالَةَ النَّوْمِ وَالْيَقَظَةِ» جی غسل کے فرائض بھی بیان ہوئے، غسل کی سنتیں بھی بیان ہو گئیں، اب وہ چیزیں ذکر فرمائیں گے صاحبِ ہدایہ جن کی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے، تو فرمارہے ہیں: «وَالْمَعَانِي»، بھئی معانی معنی کی جمع ہے، میں پہلے بیان کر چکا معنی کا لفظ فقہ کی کتابوں میں آئے تو عموماً کس معنی میں ہوتا ہے؟ سبب اور علت کے معنی میں، تو معانی اسباب بھئی اسباب، «وَالْمَعَانِي الْمُوجِبَةُ لِلْغُسْلِ» اور وہ اسباب جو واجب کرنے والے ہیں غسل کو، پہلا سبب کیا ہے؟ «إِنْزَالُ الْمَنِيِّ» منی کا نکلنا «عَلَى وَجْهِ الدَّفْقِ وَالشَّهْوَةِ»، دفق کہتے ہیں جوش کے ساتھ بھئی یعنی کود کر، منی کا نکلنا «عَلَى وَجْهِ الدَّفْقِ» کود کر «وَالشَّهْوَةِ» اور شہوت کے طریقے پر، شہوت سے، «مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ» مرد سے اور عورت سے، یعنی مرد یا عورت جس سے بھی انزالِ منی جس میں بھی پایا جائے اور وہ منی نکلے شہوت کے ساتھ بھئی، «حَالَةَ النَّوْمِ وَالْيَقَظَةِ» یہ حالتِ نوم میں ہو اور حالتِ بیداری میں، یعنی جس حالت میں بھی انزالِ منی ہو گا چاہے بیداری کی حالت میں، چاہے نیند کی حالت میں، چاہے مرد سے ہو، چاہے عورت سے ہو تو اس صورت میں غسل فرض ہو جائے گا، غسل فرض۔

اور ایک قیمتی بات یاد رکھنا، قیمتی بات، یہ شہوت کی قید عِنْدَ الْأَحْنَافِ معتبر ہے، انزالِ منی شہوت کے ساتھ ہو تو تب غسل واجب ہو گا۔ اگر انزالِ منی بغیر شہوت کے ہو تو پھر غسل واجب نہیں۔ اگر انزالِ منی شہوت کے ساتھ ہو تو پھر کیا واجب ہو گا؟ غسل، اور اگر بغیر شہوت کے ہو بھئی؟ تو پھر غسل واجب نہیں۔ مثلاً ایک آدمی ہے بڑا کمزور ہے، اس نے وزن زیادہ اٹھا لیا اور زیادہ وزن اٹھانے کی وجہ سے انزالِ منی ہوا، منی خارج ہو گئی یا کسی نے اس کو مارا یا وہ گر پڑا اور اس سے اس کی منی خارج ہو گئی تو یہ منی خارج ہوئی ہے بغیر شہوت کے، لہٰذا اس صورت میں غسل واجب نہیں ہو گا۔ تو انزالِ منی کے ساتھ کیا شرط ہے وہ کس حالت میں ہو؟ شہوت کے ساتھ ہو، پھر غسل فرض ہو گا بھئی، غسل فرض ہو گا۔ اسی لیے «وَالشَّهْوَةِ» کی قید لگائی متن میں۔ اور یہ جو کہا نا «عَلَى وَجْهِ الدَّفْقِ» کہ جوش کے ساتھ ہو یعنی کود کر نکلے، یہ کوئی قیدِ احترازی نہیں ہے کہ کود کر مطلب نہ نکلے تو پھر غسل فرض نہیں، یہ چونکہ ہو گا ہی عموماً اس طرح اس لیے اس قید کو ساتھ ذکر کر دیا، ہو گا ہی کہ انزالِ منی ہو گا ہی کس طرح؟ دفق کے ساتھ ہو گا تو اس لیے یہ ذکر کیا بھئی۔ تو بس ہمارے نزدیک معتبر کیا ہے؟ شہوت کی قید معتبر ہے۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ خُرُوجُ ال...

«وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ خُرُوجُ الْمَنِيِّ كَيْفَمَا كَانَ يُوجِبُ الْغُسْلَ» امام شافعی رَحِمَهُ اللَّه فرماتے ہیں کہ منی کا خروج كَيْفَمَا كَانَ جیسے بھی ہو يُوجِبُ الْغُسْلَ یہ غسل کو واجب کر دے گا، چاہے شہوت ہو چاہے شہوت نہ ہو غسل واجب ہو گا۔ دلیل کہتے ہیں «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے: «الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ»، الماء اول ماء سے مراد ہے غسل، دوسرے ماء سے مراد ہے منی، خود معنی کر رہے ہیں: «أَيِ الْغُسْلُ مِنَ الْمَنِيِّ» غسل کس سے ہو گا؟ منی سے، تو دیکھو اس حدیث کے اندر آیا کہ غسل منی سے ہو گا یعنی کہ منی خارج ہونے سے، اس میں کوئی شہوت کی قید نہیں ہے، مطلق منی کا ذکر آیا، معلوم ہوا منی کا خروج ہو چاہے شہوت کے ساتھ ہو چاہے بغیر شہوت کے، ہر صورت میں کیا کرنا پڑے گا؟ غسل، یہ کس سے معلوم ہوا؟ حدیث سے بھئی۔ یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللَّه کی دلیل۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الْأَمْرَ بِالتَّطْهِيرِ يَتَنَاوَلُ الْجُنُبَ» کہ اَمر بِالتَّطْهِير وہ جو پاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ جنب کو شامل ہے۔ اَمر بِالتَّطْهِير بھئی، ابھی جو پیچھے گزرا تھا بھئی غسل کے شروع میں: «وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا» اگر تم جنابت میں ہو تو خوب پاک ہو جاؤ، خوب اپنے آپ کو پاک کر لو، تو یہ «اطَّهَّرُوا» امر آیا، تو یہ جو اَمر بِالتَّطْهِير تھا «يَتَنَاوَلُ الْجُنُبَ» یہ کس کو شامل ہے؟ جنب کو، کس کے بارے میں کہا جا رہا ہے؟ کس کو حکم دیا جا رہا ہے؟ جنبی کو، تو یہ جنب کو شامل ہے یعنی جو حالتِ جنابت میں ہے۔ «وَالْجَنَابَةُ فِي اللُّغَةِ خُرُوجُ الْمَنِيِّ عَلَى وَجْهِ الشَّهْوَةِ» اور جنابت کا جو ہے یہ عربی زبان میں یہ منی کا خارج ہونا عَلَى وَجْهِ الشَّهْوَةِ شہوت کے طریقے پر، اس کو کہتے ہیں بھئی۔ اس میں حکم کس کو دیا گیا خوب پاک ہونے کا؟ جنب کو، اور یہ جنابت سے ہے اور جنابت عربی زبان میں کسے کہتے ہیں؟ جب شہوت کے ساتھ خروجِ منی ہو تو اس کے لیے جنابت کا لفظ عربی میں استعمال ہوتا ہے، معلوم ہوا یہاں شہوت کی قید، قرآن میں جنب کا لفظ آیا اور جنب کا لفظ کس سے ہے؟ جنابت سے، اور جنابت کسے کہتے ہیں عربی زبان میں؟ شہوت کے ساتھ منی کا خارج ہونا، لہٰذا یہاں پر بھی یہ قید معتبر ہو گی، اگر تم جنبی ہو یعنی شہوت کے ساتھ منی خارج ہوئی ہو تو کیا کر لو؟ غسل کر لو۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟

«يُقَالُ» مثال بھی ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ بھائی، «يُقَالُ» کہتے ہیں یعنی عربی زبان میں یوں کہتے ہیں: «أُجْنِبَ الرَّجُلُ» یہ کب کہتے ہیں؟ «إِذَا قَضَى شَهْوَتَهُ مِنَ الْمَرْأَةِ» جب وہ پوری کر لے اپنی شہوت مِنَ الْمَرْأَةِ اپنی بیوی سے بھائی۔ جب بیوی سے کیا کر لے؟ شہوت پوری کر لے تو عربی میں کہتے ہیں «أُجْنِبَ الرَّجُلُ»، «أُجْنِبَ الرَّجُلُ»، اور جب بیوی سے شہوت پوری کی، خروجِ منی ہوا، تو خروجِ منی شہوت کے ساتھ ہے یا بغیر شہوت کے؟ شہوت کے ساتھ ہے بھائی۔ جی تو یہ ہماری دلیل ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْخُرُوجِ عَنْ شَهْوَةٍ

«وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْخُرُوجِ عَنْ شَهْوَةٍ» اور امام بھائی امام شافعی رَحِمَهُ اللَّه نے تو حدیث ذکر کر دی: «الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ» غسل کس سے ہو گا؟ منی سے، اس میں تو کوئی شہوت کی قید نہیں، کہتے ہیں: «وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْخُرُوجِ عَنْ شَهْوَةٍ» کہ حدیث محمول ہے منی کے شہوت کے ساتھ نکلنے پر، وہاں منی سے مراد کیا ہے؟ شہوت وہ منی جو شہوت کے ساتھ نکلے بھائی، حدیث سے وہ حالت مراد ہے، وہ حالت مراد ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

جی نیز ہم کہتے ہیں دلائل ہمارے پاس بڑے ہیں لیکن مختصراً بھائی، دلیل تو دے دی، قرآن سے ہی دلیل دے دی کہ «إِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا» آیا ہے اور جنب کا لفظ آیا، جنب کیا ہے؟ جنابت سے اور جنابت کہتے کس کو ہیں عربی زبان میں؟ منی کس کے ساتھ نکلی ہو؟ شہوت کے ساتھ نکلی ہو بھائی، تو وہاں وہ آیت دلیل ہے بھائی، اور نیز ہم کہتے ہیں ہم جواب دیتے ہیں کہ حدیث میں تو آیا تھا «الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ» اور ماءِ ثانی سے آپ نے کیا مراد لیا؟ منی مراد لی، منی مراد لی، اور آپ کہہ رہے ہیں کہ یہاں منی مطلقاً ذکر ہے تو یہ شہوت کے ساتھ جو نکلے وہ بھی شامل، بغیر شہوت کے نکلے وہ بھی، ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں تو حدیث کو تو مطلق آپ نے بھی نہیں رکھا، حدیث میں تو ما کا لفظ آیا تھا اور ما کا لفظ پانی وہ تو پیشاب کو بھی شامل ہوا، وہ تو منی اس کو بھی شامل ہوا، وہ تو ودی اس کو بھی شامل ہوا، وہ تو مذی اس کو بھی شامل ہوا، ان کا بھی آگے ذکر آ رہا ہے، تو یہ بھی یہ چیزیں بھی خارج ہوتی ہیں، پیشاب بھی وہیں سے، منی بھی وہیں سے، مذی اور ودی، تو آپ نے تخصیص کی اور کیا کہا کہ یہ چاروں نہیں مراد بلکہ کیا مراد ہے؟ منی مراد ہے، تو اب تخصیص تو آپ نے بھی کی ہے تو ہم بھی تخصیص کرتے ہیں اور دلیل کے ساتھ باقاعدہ کرتے ہیں ویسے تخصیص نہیں ہے بھائی۔ تو آپ کہتے ہیں اس سے پیشاب نہیں مراد، اس سے مذی نہیں مراد، ودی نہیں مراد، صرف کیا مراد ہے؟ منی، تو آپ نے تخصیص کر دی تو اسی طرح ہم بھی تخصیص کرتے ہیں کہ منی بھی مطلقاً نہیں مراد بلکہ جو کس کے ساتھ نکلے؟ شہوت کے ساتھ نکلے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْخُرُوجِ عَنْ شَهْوَةٍ» اور حدیث جو ہے یہ محمول ہے شہوت سے خروج پر۔

«ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى» جی آگے یہ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں کہ ایک ہے منی کا اپنے مقام سے جدا ہونا یعنی پشت سے، کمر سے، تو وہاں سے منی جدا ہو گی چلے گی اور پھر اس کا خروج ہو گا، بدن سے خارج ہو گی۔ تو جدا ہونا یہ کس کے ساتھ ہے؟ شہوت کے ساتھ۔ جدا ہونا کس کے ساتھ

ہو گا؟ شہوت کے ساتھ ہو گا بھائی، شہوت ہو گی بھائی تو پھر ہی ہمارے نزدیک وہ معتبر ہے، وہ خروجِ منی شہوت کے ساتھ ہو، آپ اوپر پڑھ چکے۔ تو اپنے محل سے منی جدا ہوئی شہوت کے ساتھ اور پھر نکلتی بھی ہے شہوت کے ساتھ، تو کیا شہوت دونوں جگہ شہوت کو دیکھا جائے گا یا صرف اپنے محل سے جب چلتی ہے اور جدا ہوتی ہے صرف اس وقت شہوت ہو وہ کافی ہے؟ انفصال ہے جدا ہونا اور ایک ہے خروج، تو انفصال اور خروج دونوں کے وقت شہوت ہونا ضروری ہے؟ بھائی شہوت ہونا تو ضروری ہے یہ تو ہم نے بتا دیا، تو شہوت انفصال اور خروج دونوں کے وقت ہونا ضروری ہے یا صرف انفصال کے وقت شہوت ہو خروج کے وقت نہ بھی ہو پھر بھی کیا کہا جائے گا کہ غسل واجب ہو گیا؟

تو یاد رکھئے یہاں اختلاف ہے۔ طرفین **رَحِمَهُمَا اللَّه** یعنی امام ابو حنیفہ **رَحِمَهُ اللَّه** اور امام محمد **رَحِمَهُ اللَّه** فرماتے ہیں کہ انفصال شہوت کے ساتھ ہو تو بس یہ کافی ہے، خروج چاہے شہوت کے ساتھ نہ ہو پھر بھی غسل واجب ہو جائے گا۔ صرف کیا ہو؟ انفصال۔ مثلاً انفصال منی اپنے محل سے یعنی پشت سے چلی، جدا ہوئی شہوت کے ساتھ لیکن اس آدمی نے اس کو خروج سے روک دیا انگلی وغیرہ یا کسی چیز کے ذریعے اس کو خروج سے روک دیا، تو چلی تو تھی وہ شہوت کے ساتھ لیکن جب تھوڑی دیر جب شہوت ختم ہو گئی اب اس نے اس کو نکلنے دیا تو اب دیکھو خروج بغیر شہوت کے ہے۔ طرفین فرماتے ہیں اصل کیا ہے؟ انفصال، بس انفصال کے اندر جب شہوت تھی تو غسل واجب ہو گا چاہے خروج کے وقت شہوت نہ بھی ہو۔ جبکہ امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللَّه** فرماتے ہیں نہیں، دونوں جگہ شہوت کے ساتھ ہو، انفصال بھی شہوت کے ساتھ اور خروج بھی شہوت کے ساتھ ہو پھر ہی غسل واجب ہو گا بھائی، اور فتویٰ طرفین کے قول پر ہے بھائی۔ انفصال شہوت کے ساتھ ہو تو بس کافی ہے چاہے خروج شہوت کے ساتھ نہ بھی ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُتَعَالَى**» پھر معتبر جو ہے طرفین **رَحِمَهُمَا اللَّه** کے نزدیک «**انْفِصَالُهُ عَنْ مَكَانِهِ عَلَى وَجْهِالشَّهْوَةِ**» منی کا جدا ہونا ہے اپنے مقام سے شہوت کے طریقے پر، یہ اسی کا اعتبار ہے طرفین کے نزدیک۔ «**وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ظُهُورُهُأَيْضًا**» اور امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللَّه** کے نزدیک انفصال کے ساتھ ساتھ ظہور بھی معتبر ہے «**اعْتِبَارًا لِلْخُرُوجِبِالْمَزَايَلَةِ**» قیاس کرتے ہوئے خروج کو مزایلت پر، جدا ہونے پر، مزایلت وہی انفصال بھائی، مزایلت کا معنی اپنی جگہ سے ہٹ جانا، جدا ہونا، تو وہ قیاس کرتے ہیں خروج کو کس پر؟ انفصال پر، کہ جیسے انفصال کے اندر شہوت ضروری تھی وہ فرماتے ہیں خروج کے اندر بھی کیا ضروری؟ شہوت ضروری ہے۔ «**إِذِ الْغُسْلُ يَتَعَلَّقُ بِهِمَا**» اس لیے کیونکہ غسل کا تعلق دونوں سے ہے، صرف انفصال سے نہیں بلکہ انفصال اور خروج دونوں کے ساتھ تعلق ہے غسل کے واجب ہونے کا، تو دونوں کے وقت شہوت ہو پھر ہی غسل واجب ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا

«**وَلَهُمَا**» اور طرفین کی دلیل یہ ہے «**أَنَّهُ مَتَى وَجَبَ مِنْ وَجْهٍ فَالِاحْتِيَاطُ فِي الْإِيجَابِ**» طرفین فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے شہوت دونوں جگہ ہونی چاہئے، انفصال کے وقت بھی اور خروج کے وقت بھی، لیکن انفصال کے وقت جب شہوت پائی گئی تو من وجہ غسل آ گیا یا نہیں؟ من وجہ بعض اعتبار سے کیا ہوا؟ غسل، تو احتیاط اسی میں ہے کہ غسل کو واجب قرار دیا جائے کیونکہ یہ باقی ناپاکی کا معاملہ ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ کیا کیا جائے؟ غسل کو واجب قرار دے دیا جائے انفصال عن شہوت پر ہی، چاہے خروج عن شہوت نہ بھی ہو۔ تو وہ فرماتے ہیں: «**وَلَهُمَا**» طرفین کی دلیل یہ ہے «**أَنَّهُ مَتَى وَجَبَ مِنْوَجْهٍ**» کہ جب غسل واجب ہو گیا من وجہ یعنی بعض اعتبارات سے «**فَالِاحْتِيَاطُ فِي الْإِيجَابِ**» تو احتیاط کس میں ہے؟ واجب کرنے میں ہے یعنی غسل کو واجب قرار دینے میں ہے۔

بھئی یہاں آپ نے پڑھا کہ وہ اسباب جو غسل کو واجب کرنے والے ہیں ان میں ایک انزالِ منی ہے جبکہ وہ شہوت کے طریقے پر ہو مرد سے یا عورت سے اور بیداری کی حالت میں ہو یا نیند کی حالت میں، تو ایک ضروری مسئلہ یاد رکھئے گا ہمیشہ بھائی جو اکثر پیش آتا ہے اور پریشانی ہوتی ہے پھر، کہ نیند کی حالت میں جو انزالِ منی ہو اس کو احتلام کہتے ہیں، احتلام، اور احتلام ہونے کے بعد بعض اوقات ایسا ہوتا ہے انسان غسل کر لیتا ہے اور پھر بعد میں کچھ قطرات منی وغیرہ کے خارج ہوتے ہیں، یاد رکھئے اس صورت میں دوبارہ غسل کرنا پڑے گا بھائی، کیا کرنا پڑے گا؟ دوبارہ، ہاں اگر آپ نے غسل سے پہلے پیشاب کر لیا تھا اور پھر اس کے بعد غسل کیا ہے اب اگر اس کے بعد منی کے قطرات خارج بھی ہوں تو پھر دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں۔ تو لہٰذا غسل سے پہلے انسان پیشاب کر لے تو پھر اس کے بعد نہا لے، پھر اگر اب منی کے قطرات خارج بھی ہوں گے تو فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ اب دوبارہ غسل واجب نہیں کیونکہ یہ خروجِ منی ہوا ہے بغیر شہوت کے اور اس صورت کے اندر غسل واجب نہیں ہے بھائی۔ چلیے بس بھائی، «**هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**»۔

سبق نمبر ۱۵: باب پڑھ رہے تھے جو غسل کو واجب کرنے والے ہیں

ہدایہ صفحہ: ۳۱ــــ بتاریخ: ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۲ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَالْتِقَاءُ الْخِتَانَيْنِ مِنْ غَيْرِ إِنْزَالٍ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ وَغَابَتِ الْحَشَفَةُ وَجَبَ الْغُسْلُ، أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ»، وَلِأَنَّهُ سَبَبٌ لِلْإِنْزَالِ، وَنَفْسُهُ يَتَغَيَّبُ عَنْ بَصَرِهِ، وَقَدْ يَخْفَى عَلَيْهِ لِقِلَّتِهِ، فَيُقَامُ مَقَامَهُ.» [1]

گزشتہ سبق میں ہم وہ اسباب پڑھ رہے تھے جو غسل کو واجب کرنے والے ہیں۔ ایک سبب ہم نے گزشتہ سبق میں پڑھا تھا کہ جس سے غسل واجب ہوتا ہے، اور وہ ہے انزالِ منی۔ انزالِ منی مرد سے ہو یا عورت سے، نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں، لیکن ہمارے نزدیک اس میں ایک قید ملحوظ ہے کہ انزالِ منی کس طریقے پر ہو؟ شہوت کے ساتھ ہو بھئی، شہوت کے ساتھ۔ لہٰذا اگر بغیر شہوت کے ہو گا تو اس میں عِنْدَ الْأَحْنَافِ غسل واجب نہیں بھئی۔

آج دوسرا سبب ذکر ہو رہا ہے غسل کے وجوب کا: «**وَالْتِقَاءُ الْخِتَانَيْنِ**» اور ملنا دو شرمگاہوں کا «**مِنْ غَيْرِ إِنْزَالٍ**» بغیر انزال کے۔ ختانین لفظ سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے تثنیہ کا صیغہ ہے۔ تو یاد رکھیے ختان وہ مقام جو ختنہ کیا جاتا ہے اس کو ختان کہتے ہیں، چاہے مرد میں ہو یا عورت میں، اور یاد رکھیے عربوں میں مردوں کے علاوہ عورتوں کا بھی ختنہ کیا جاتا تھا بھئی، تو یہ ختان وہ مقام بھئی۔ تو جب دو ختان مل جائیں، وہ ختنے کے مقام یعنی دو شرمگاہیں جب مل جائیں یعنی مرد... مرد اور عورت کی شرمگاہیں مل جائیں «**مِنْ غَيْرِ إِنْزَالٍ**» بغیر انزال کے، لیکن لفظوں سے یہ نہ سمجھیے کہ صرف مل جانا یہ سبب ہے وجوبِ غسل کا، صرف ملنا نہیں بلکہ کچھ دخول بھی ہو جائے معمولی سا، پھر جو ہے غسل واجب ہو گا۔

دیکھیے آگے خود دلیل ذکر کر رہے ہیں اور اس میں اور وضاحت سے ذکر آ گیا: «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے: «**إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ**» جب دو ختانان مل جائیں «**وَغَابَتِ الْحَشَفَةُ**» اور حشفہ غائب ہو جائے۔ حشفہ ذکر کا اگلا حصہ، وہ غائب ہو جائے یعنی کچھ دخول پایا جائے، «**وَجَبَ الْغُسْلُ**» تو غسل واجب ہو جائے گا، «**أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ**» انزال ہو یا انزال نہ ہو۔ تو صرف... صرف تھوڑا سا دخول ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا بھئی، اس میں پھر انزال کی بھی قید نہیں ہے بھئی۔ یہ یہاں سا... یہ ساری حدیث ہے بھئی «**أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ**» تک بھئی۔

مسئلہ: وَلِأَنَّهُ سَبَبٌ لِلْإِنْزَالِ

«**وَلِأَنَّهُ سَبَبٌ لِلْإِنْزَالِ**» یہاں سے عقلی وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں «**وَلِأَنَّهُ سَبَبٌ لِلْإِنْزَالِ**» کیونکہ یہ جو دخول ہے، یہ جو التقاءِ ختانین ہے یہ سبب ہے انزال کا۔ یہ کس چیز کا سبب ہے؟ انزال کا۔ انزال کا سبب ہے، «**وَنَفْسُهُ يَتَغَيَّبُ عَنْ بَصَرِهِ**» اور نفسِ ذکر جو ہے وہ تو غائب ہے اس شخص کی نگاہوں سے۔ جب کچھ دخول ہو گیا تو نفسِ ذکر کیا ہوا؟ نگاہوں سے غائب ہوا، «**وَقَدْ يَخْفَى عَلَيْهِ لِقِلَّتِهِ**» اور کبھی اس پر مخفی رہے گا «**لِقِلَّتِهِ أَيْ لِقِلَّةِ الْمَنِيِّ**» کہ اس حالت میں دیکھیے یہ ادخال جو ہے یہ سبب ہے انزالِ منی کا، انزالِ منی کا۔ تو جب صحبت کی، ادخال ہوا، اب نفسِ ذکر تو نگاہوں سے غائب ہے اور ہو سکتا ہے اس حالت میں کچھ خروجِ منی ہو، کیونکہ یہ سبب ہے کس چیز کا؟ خروجِ منی کا۔ تو ہو سکتا ہے اس حالت میں کچھ خروجِ منی ہو اور وہ قلیل ہو لہٰذا اس کو پتہ ہی نہ چلے، ہو سکتا ہے قلیل ہو اور اس کو... تو لہٰذا نفسِ دخول ہی کو کیا کر دیا گیا؟ یا یوں کہیں نفسِ ادخال ہی کو سبب قرار دے دیا گیا کس چیز کا؟ غسل کا۔ جیسے نوم کے اندر تھا بھئی، نوم۔ اصل میں تو نوم **نَاقِضٌ لِلْوُضُوءِ**

[1] شاملہ (ص۸) میں «وَغَابَتِ» کے بجائے «وتوارت»، شاملہ (ص۹) میں «لِلْإِنْزَالِ» کے بجائے «الإنزال» درج ہے۔

نہیں، اس سے تو وضو نہیں ٹوٹتا، لیکن نوم کی حالت میں چونکہ عادۃً خروجِ ریح ہوتا ہے، تو اب نوم میں پتہ نہیں خروجِ ریح ہوا ہے یا نہیں، اگر ہوا ہو تو وضو ٹوٹے گا، اگر نہیں ہوا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، تو چونکہ یہاں وضو ٹوٹنے کا جو سبب ہے یعنی خروجِ ریح، اس کا پتہ تو نہیں چل سکتا، تو اس خروجِ ریح کا جو سبب ہے، یہ خروجِ ریح کیوں ہوتا ہے نیند میں؟ نیند کی وجہ سے، کیونکہ غفلت آگئی، پتہ ہی نہیں انسان کو، تو لہٰذا اس سبب کے سبب کو سبب کا قائم مقام بنا دیا گیا، یعنی وضو ٹوٹنے کا سبب تھا خروجِ نجاست، اور خروجِ نجاست کا سبب کیا ہے؟ نیند ہے۔ تو اب خروجِ نجاست کا تو پتہ نہیں، تو اس سبب کا سبب یعنی نیند جو ہے، اسی کو سبب کے قائم مقام کر دیا گیا، یعنی خروجِ نجاست کے... خروجِ نجاست کے قائم مقام کر دیا گیا کہ جب ایسی نیند آجائے جس میں کامل استرخائے مفاصل ہو تو بس اسی سے وضو ٹوٹنے کا حکم لگا دیا جائے گا۔ تو سبب کے سبب کو کیا کر دیا گیا؟ سبب کے قائم مقام بنا... وہ خود تو سبب نہیں تھا، ہاں وہ سبب کا سبب تھی نیند بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہاں پر بھی ادخال یہ، ادخال یہ عقل... عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی کہ ادخال جو ہے یہ سبب ہے انزالِ منی کا، اور ادخال کیا تو اب ہو سکتا ہے انزالِ منی ہوا ہو لیکن قلیل ہونے کی وجہ سے پتہ نہ چلا ہو اور تو پتہ نہیں یہاں پتہ نہیں چل سکتا کہ کچھ انزالِ منی ہوا ہے یا نہیں، اس انزالِ منی کا جو سبب تھا ادخال، اسی کو قائم مقام کر دیا گیا انزالِ منی کے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟ تو سبب کے سبب کو سبب کا قائم مقام کر دیا گیا بھئی۔ یہ معنی ہے «وَنَفْسُهُ يَتَغَيَّبُ عَنْ بَصَرِهِ» اور نفس ذکر تو اس کی نگاہوں سے غائب ہے، «وَقَدْ يَخْفَى عَلَيْهِ لِقِلَّتِهِ» اور کبھی اس پر مخفی رہے گا یہ انزالِ منی «لِقِلَّتِهِ» کس وجہ سے؟ خلت... منی کے قلیل ہونے کی وجہ سے، «فَيُقَامُ مَقَامَهُ» تو اس ادخال ہی کو کیا کر دیا گیا؟ اس کے قائم مقام کر دیا گیا یہ التقاءِ ختان کو۔

«وَكَذَا الْإِيلَاجُ فِي الدُّبُرِ لِكَمَالِ السَّبَبِيَّةِ» بھئی التقاءِ ختانین بتا دیا کہ یہ بغیر انزال کے ہو پھر بھی اس میں غسل کیا ہو گا؟ واجب۔ اور ختان کس کو کہتے ہیں؟ ختنے کا مقام یعنی آگے والی شرمگاہیں۔ اور اسی طرح اگر ایلاج کیا، ایلاج کا معنی ادخال ادخال، اور اسی طرح اگر ادخال کیا «فِي الدُّبُرِ» دبر میں یعنی پاخانے کے مقام میں، تو اس صورت میں بھی ادخال پایا گیا تو پھر وضو ٹوٹو... غسل واجب ہو جائے گا بھئی، غسل واجب ہو جائے گا۔ کیوں؟ «لِكَمَالِ السَّبَبِيَّةِ» کہ کمالِ سببیّت کی وجہ سے کہ یہ کامل سبب ہے شہوت کا بھئی، یہ کیا ہے؟ کامل سبب ہے شہوت کے آ... بھئی۔ تو کہتے ہیں «وَكَذَا الْإِيلَاجُ فِي الدُّبُرِ» اور اسی طرح دبر میں ادخال کرنا «لِكَمَالِ السَّبَبِيَّةِ» یہ بھی سبب ہو گا وجوبِ غسل کا «لِكَمَالِ السَّبَبِيَّةِ» سبب کے کیونکہ اس میں کامل درجے کی شہوت موجود ہے بھئی، کامل۔

چنانچہ اسی وجہ سے بعض فساق اس طریقے کو اختیار کرتے ہیں۔ بعض فساق کیا کرتے ہیں؟ اس طریقے کو اختیار کرتے ہیں، حالانکہ حدیث میں آتا ہے: جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ دبر میں وطی کرے تو وہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرماتے بھئی۔ کتنی سخت وعید آگئی حدیث کے اندر کہ جو شخص اس طرح کی بدفعلی کرتا ہے اپنی بیوی کے ساتھ، اللہ اس کی طرف رحمت کی نظر ہی نہیں فرماتے بھئی! اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر ہی نہیں فرماتے، کتنی بڑی وعید ہے، انسان کانپ اٹھتا ہے، جب انسان کی طرف اللہ رحمت کی نظر ہی نہیں فرمائیں گے تو اس کا کیا حال ہو گا بھئی؟ تو اس صورت میں بھی ایلاج فی الدبر کے اندر بھی بھئی غسل واجب ہو گا۔

■ مسئلہ: وَيَجِبُ عَلَى الْمَفْعُولِ بِهِ احْتِيَاطًا

«وَيَجِبُ عَلَى الْمَفْعُولِ بِهِ احْتِيَاطًا» اور مفعول بہ پر بطورِ احتیاط کے غسل واجب ہو گا بھئی۔ مفعول بہ پر جس کے ساتھ یہ ایلاج فی الدبر کیا گیا اس پر بطورِ احتیاط کے غسل واجب ہو گا، کیونکہ احتمال ہے اس میں بھی خروجِ منی ہوا اور احتمال ہے کہ اس کے خروجِ منی نہ ہو، لیکن خروجِ منی کا احتمال آگیا اور ہو سکتا ہے قلت کی وجہ سے اسے پتہ نہ چلے، تو لہٰذا بطورِ احتیاط کے اس پر بھی غسل کو واجب قرار دیا گیا۔ «بِخِلَافِ الْبَهِيمَةِ وَمَا دُونَ الْفَرْجِ لِأَنَّ السَّبَبِيَّةَ نَاقِصَةٌ» بخلاف بہیمہ، چوپائے یا مویشی سے کسی نے وطی کی، «وَمَا دُونَ الْفَرْجِ» اور فرج کے علاوہ میں بھئی مثلاً رانوں وغیرہ میں، تو اس صورت میں صرف ایلاج، ادخال سے غسل فرض نہیں ہو گا «لِأَنَّ السَّبَبِيَّةَ نَاقِصَةٌ» اس لیے کیونکہ اس میں سببیّت کیا ہے؟ ناقص ہے، یہ شہوت کا سبب ہونے میں ناقص ہے بھئی۔ ہاں اس میں جب تک انزال نہ ہو اس وقت تک غسل فرض نہیں ہو گا۔

«وَالْحَيْضُ» یاد رکھیے حیض وہ خون جو ہر مہینے عورت کو چند دن آتا ہے اسے حیض کہتے ہیں، اور نفاس وہ خون ہے جو بچے کی ولادت کے بعد عورت کو چند دن خون آتا ہے اسے نفاس کہا جاتا ہے۔ «وَالْحَيْضُ» تیسرا سبب آیا بھئی غسل کے وجوب کا، وہ حیض ہے بھئی، «لِقَوْلِهِ تَعَالَى» اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: «حَتَّى يَطَّهَّرْنَ» «حَتَّى يَطَّهَّرْنَ بِالتَّشْدِيدِ» تشدید کے ساتھ، یہاں تک کہ وہ خوب پاک ہو جائیں، خوب پاک ہو جائیں۔ تو جیسے حیض کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں: «وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ» اور یہ صحابہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، «قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ» آپ فرما دیجیے کہ یہ گندگی ہے، تو اپنی بیویوں سے جدا رہو حیض کے اندر، «وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ» اور ان کے قریب نہ جاؤ یعنی ان سے صحبت نہ کرو «حَتَّى يَطَّهَّرْنَ» یہاں تک کہ وہ خوب پاک ہو جائیں، خوب پاک ہو جائیں۔

تو یہاں بھئی یاد رکھیے دو قرأتیں ہیں بھئی، ایک «يَطَّهَّرْنَ» اور ایک «يَطْهُرْنَ»۔ «يَطَّهَّرْنَ» کا معنی ہے کہ خوب پاک ہو جائیں، اور «يَطْهُرْنَ» کا معنی ہے کہ پاک ہو جائیں، پاک ہو جائیں۔ اور احناف دونوں قرأتوں پر عمل کرتے ہیں، دونوں قرأتوں پر عمل۔ وہ اس طرح کہ حیض جو ہے اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن

ہے بھئی، دس دن، دس دن۔ تو وہ قرأت جو تخفیف کے ساتھ ہے «حَتَّى يَطْهُرْنَ» یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پاک ہو جائیں، اس کو... اس آیت کو، اس قرأت کو وہ محمول کرتے ہیں جب حیض رکے پورے دس دن ہونے پر۔ جب پورے دس دن ہونے پر حیض ختم ہوا ہے اب آگے تو حیض آنے کا احتمال نہیں، تو حیض کے رکتے ہی عورت پاک ہو گئی، اب خاوند اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ قرآن میں تو اللہ کیا فرما رہے ہیں: «فَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ» ان کے قریب نہ جاؤ یعنی ان سے قربت نہ کرو «حَتَّى يَطْهُرْنَ» یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، تو دس دن کے گزرتے ہی جیسے ہی حیض رکا عورت کیا ہو گئی؟ پاک ہو گئی، اب خاوند اس سے صحبت کر سکتا ہے بغیر غسل کے ہی بھئی وہ، عورت کے غسل کرنے سے پہلے بھی کیا کر سکتا ہے؟ اس سے... سو وہ پاک ہو چکی ہے۔

اور «يَطَّهَّرْنَ» کی جو قرأت ہے تشدید کے ساتھ، اس کا کیا معنی ہے؟ یہاں تک کہ وہ خوب پاک ہو جائیں، یہ اس کو محمول کرتے ہیں احناف اس حالت پر جب حیض دس دن سے کم میں ہی رک جائے، چھ یا سات دن میں ہی کیا ہوا مثلاً؟ حیض رک گیا، لیکن حیض تو دس دن تک ہو سکتا ہے تو احتمال ہے ابھی پوری طرح رکا نہ ہو، تھوڑی دیر کے لیے رکا ہے پھر جاری ہو جائے، تو لہٰذا اس صورت میں اس پر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ غسل کر لے، پھر اس کے بعد اب وہ خوب پاک ہو گئی، اب خاوند اس سے صحبت کر سکتا ہے، یا اتنا وقت گزر جائے کامل نماز کا ایک وقت گزر جائے اس پر کہ اس کے جس سے پتہ لگ جائے یعنی کچھ دیر گزر گئی اور پھر پتہ لگ گیا کہ اب اس کو حیض اب نہیں آ رہا، بالکل رک چکا ہے بھئی۔ تو تشدید والی قرأت کو کس حالت پر محمول کرتے ہیں؟ جب دس... تو اس میں جب تک صرف حیض رکتے ہی عورت پاک تو ہوئی ہے لیکن خوب پاک نہیں ہوئی، لہٰذا کیا کر لے؟ غسل کر لے، پھر خاوند قربت کر سکتا ہے، یا کچھ وقت گزر جائے تاکہ پتہ لگ جائے کہ خوب پاک ہو گئی ہے اب حیض آنے کا احتمال نہیں، تو پھر خاوند صحبت کر سکتا ہے، تو احناف دونوں قرأتوں پر عمل کرتے ہیں بھئی۔

تو یہ تو بیان تھا دونوں قرأتوں پر عمل کا۔ اس آیت سے استدلال کس طرح ہے؟ کس طرح یہ دلیل ہے کہ حیض کی وجہ سے غسل واجب ہو گا بھئی؟ بھئی آیت کیا آئی: «حَتَّى يَطَّهَّرْنَ» تو یہ تشدید والی آیت جو ہے یہ دلیل ہے کہ حیض کے بعد غسل واجب ہو گا۔ اس لیے کیونکہ جب عورت کا حیض ختم ہوا، رک گیا تو وہ پاک تو ہو گئی، لیکن قرآن میں اللہ کیا فرما رہے ہیں: «حَتَّى يَطَّهَّرْنَ» یہاں تک کہ وہ خوب پاک ہو جائے، تو پاک تو وہ ہوئی ہے لیکن خوب پاک وہ غسل کے ذریعے ہو گی بھئی، تو اس طرح یہ آیت دلیل ہے کہ حیض کی وجہ سے کیا واجب ہوتا ہے؟ غسل، کیونکہ یہاں خوب پاک ہونے کا حکم دیا گیا، اور خوب پاک ہونا کس طرح ہو گا؟ کہ غسل کر لے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو کہتے ہیں «وَالْحَيْضُ» اور تیسرا سبب حیض ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: «حَتَّى يَطَّهَّرْنَ بِالتَّشْدِيدِ» [يَرْحَمُكَ اللهُ] تشدید کے ساتھ، «وَكَذَا النِّفَاسُ بِالْإِجْمَاعِ» اور اسی طرح نفاس ہے بالاجماع بھئی۔ نفاس بھی کیا ہے؟ سبب ہے کس چیز کا؟ وجوبِ غسل کا بالاجماع بھئی۔ تو یہ چار اسباب ذکر ہوئے وجوبِ غسل کے: ایک انزالِ منی، ایک التقاءِ ختانین، اور ایک حیض اور چوتھا کیا ہے؟ نفاس بھئی۔ یہ غسل ان سے واجب ہوتا ہے۔

آگے اب غسل کن کن مواقع پر کرنا سنت ہے وہ ذکر فرما رہے ہیں: «وَسَنَّ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْغُسْلَ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ» [يَرْحَمُكَ اللهُ] «لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ وَعَرَفَةَ وَالْإِحْرَامِ» اور مسنون کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کو جمعے کے لیے اور عیدین دونوں عیدوں کے لیے اور عرفات کے دن کے لیے اور احرام کے لیے بھئی، احرام کے لیے۔ جمعے کے دن غسل کرنا سنت ہے بھئی۔ اسی طرح دونوں عید میں دونوں عید کے دن جو ہیں ان میں غسل کرنا سنت ہے۔ یومِ عرفہ بھئی، حج کے دن جو ہے اس دن غسل کرنا زوال کے بعد سنت ہے۔ اور اسی طرح احرام بھئی، احرام جب انسان عمرے یا حج کا احرام باندھے تو اس سے پہلے کیا کر لے؟ غسل کر لے، یہ سنت ہے۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ «صَاحِبُ الْكِتَابِ نَصَّ عَلَى السُّنِّيَّةِ» صاحبِ کتاب یعنی صاحبِ قدوری نے تصریح کی ہے سنت ہونے پر، کس چیز پر؟ یہ اوپر قدوری کی عبارت آئی تو انہوں نے اس میں ان چار مواقع پر غسل کو سنت قرار دیا، اس کے سنت ہونے کی تصریح کر دی، کیا کہا؟ «وَسَنَّ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» تو انہوں نے اس کے سنت ہونے کی تصریح کی ہے۔ «وَقِيلَ: هَذِهِ الْأَرْبَعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ» اور کہا گیا ہے کہ یہ چار جو ہیں یہ مستحب ہیں یعنی ان چار مواقع پر غسل کرنا بعض علماء کیا فرماتے ہیں؟ مستحب ہے۔

■ مسئلہ: وَسَمَّى مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى الْغُسْلَ...

«وَسَمَّى مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى الْغُسْلَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ حَسَنًا فِي الْأَصْلِ» اور قرار دیا ہے امام محمد رحمہ اللہ نے غسل کو یومِ جمعہ میں، جمعہ کے دن میں غسل کو «حَسَنًا» اچھا حسن قرار دیا ہے «فِي الْأَصْلِ»۔ اصل کا لفظ آئے تو اس سے مراد امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب مبسوط ہوتی ہے بھئی، مبسوط۔ تو امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مبسوط کے اندر جمعے کے دن کا جو غسل ہے اس کو حسن قرار دیا ہے، کیا قرار دیا ہے؟ حسن۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ مستحب ہے یا سنت ہے جمعے کے دن غسل۔ حسن کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حسن کا کیا معنی؟ اچھا ہے، بہتر ہے، اور یہ مستحب کو بھی شامل اور سنت کو بھی شامل۔ مستحب بھی کیا ہے؟ بہتر ہے، سنت بھی کیا ہے؟ بہتر ہے، دونوں حسن ہیں تو دونوں اس میں داخل بھئی، دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

«وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ: وَاجِبٌ» اور امام مالک رحمہ اللہ جو ہیں وہ واجب فرماتے ہیں «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ

سے: «مَنْ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ» جو جمعے کے لیے آئے «فَلْيَغْتَسِلْ» تو اسے غسل کرنا چاہیے بھئی، غسل کرنا چاہیے۔ تو یہ «فَلْيَغْتَسِلْ» امر کا صیغہ ہے اور امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے، تو جمعے کے دن غسل واجب ہو گا بھئی جو جمعے کے لیے آئے، جس پر جمعہ واجب ہے۔ «وَلَنَا» اور ہماری دلیل «قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ فَهُوَ أَفْضَلُ» حدیث میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے وضو کیا جمعے کے دن «فَبِهَا وَنِعْمَتْ» فبھا تو اچھی بات ہے و نعمت اور کیا ہی خوب ہے، «وَمَنِ اغْتَسَلَ فَهُوَ أَفْضَلُ» اور جس نے غسل کیا تو وہ افضل ہے، غسل کیا ہے؟ افضل ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل کرنا افضل ہے، وضو بھی کر لے تو اچھی بات ہے، وضو بھی کر لے تو اچھی بات ہے۔ معلوم ہوا غسل واجب نہیں، حدیث کے الفاظ پر آپ غور کر رہے ہیں بھئی؟ جس نے وضو کر لیا تو اچھی بات ہے، معلوم ہوا غسل کرنا واجب نہیں، غسل کر لے تو وہ افضل ہے، معلوم ہوا واجب نہیں ہے غسل بھئی جمعہ۔

«وَبِهَذَا يُحْمَلُ» اور اس حدیث کی وجہ سے «يُحْمَلُ» محمول کیا جائے گا «مَا رَوَاهُ» اس حدیث کو جس کو امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا «عَلَى الِاسْتِحْبَابِ» کس پر؟ استحباب پر۔ امام مالک رحمہ اللہ نے دلیل ذکر کی تھی «مَنْ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ» حدیث بھئی، اور ہم اس حدیث کو محمول کرتے ہیں استحباب پر کہ یہاں جو امر دیا گیا وہ وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لیے ہے، جو جمعے کے لیے آئے اس کے لیے مستحب ہے وہ کیا کر لے؟ غسل کر لے۔ یہ ہم نے استحباب پر کیوں محمول کیا؟ اس حدیث کی وجہ سے جو ابھی ہم نے ذکر کی تھی، اس سے پتہ چلا تھا غسل واجب نہیں۔ تو دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی، آپ پڑھ چکے ہیں کہ امر کبھی کبھار استحباب کے لیے بھی آتا ہے بھئی، کس لیے آتا ہے؟ تو یہاں امر استحباب کے لیے ہو جائے گا، اور ہماری حدیث سے بھی استحبا... استحباب ہی کا پتہ چل رہا تھا کہ غسل کرنا افضل ہے، مستحب ہے، تو دونوں احادیث میں تطبیق آ گئی۔ میں نے بتایا اس سے دونوں احادیث کے اندر تطبیق آ گئی، تطبیق آ گئی۔ بظاہر دونوں احادیث ایک دوسرے کے مقابل لگ رہی تھیں، مقابل معلوم ہو رہی تھیں، ایک حدیث سے کیا معلوم ہو رہا تھا کہ غسل واجب ہے، دوسری حدیث سے کیا معلوم ہو رہا تھا کہ غسل افضل ہے، مستحب ہے، تو جب اس حدیث میں امر اس کو ہم نے محمول کر لیا استحباب پر کیونکہ آپ نے پڑھا ہے امر کبھی کبھار کس لیے آتا ہے؟ استحباب پر، تو دونوں احادیث میں تطبیق آ گئی بھئی، تطبیق آ گئی۔ تطبیق کا معنی ہے موافقت، موافقت، اب دونوں حدیثیں ایک دوسرے کے موافق ہو گئیں، اس حدیث سے بھی کیا معلوم ہو رہا ہے؟ استحباب، اور اس حدیث سے بھی کیا معلوم ہو رہا ہے؟ استحباب، تو اس کو کہتے ہیں تطبیق بھئی، تطبیق بھئی، کہ دونوں احادیث ایک دوسرے کے مطابق ہو گئیں، موافق ہو گئیں بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَبِهَذَا يُحْمَلُ مَا رَوَاهُ عَلَى الِاسْتِحْبَابِ» اور اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی محمول کیا جائے گا اس حدیث کو «رَوَاهُ» جس کو امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا «عَلَى الِاسْتِحْبَابِ» کس پر؟ استحبا... «أَوْ عَلَى النَّسْخِ» یا اس حدیث... اس کو محمول کیا جائے گا نسخ پر کہ یہ منسوخ ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی روایت منسوخ اور یہ حدیث اس کے لیے ناسخ۔ پہلے واجب کا حکم تھا اور پھر اس کے بعد وہ حکم منسوخ کر دیا گیا بھئی، منسوخ کر دیا گیا۔ اور اس کا پتہ اور احادیث سے بھی چلتا ہے بھئی، احادیث میں آتا ہے بھئی کہ صحابہ کرام جو ہیں یہ کام کاج کرنے والے لوگ تھے اور ابتداء کے اندر کوئی مال وغیرہ کسی کے پاس کچھ تھا ہی نہیں، غربت کا زمانہ تھا، بے انتہا غربت کا زمانہ، صحابہ کام کاج کرتے تھے، اس زمانے میں کپڑے ہاتھ سے بنتے تھے، کپڑے کسی کو اچھے کپڑے تو میسر آتے ہی نہیں تھے، وہی جو کپڑے میسر ہیں اور اسی میں کام کاج کرتے تو وہ پسینہ وغیرہ آتا اور کپڑے ہوتے نہیں تھے کہ بدل لیں یا کیا کریں، تو لہٰذا وہ صحابہ ایک مرتبہ خصوصاً جمعے کی نماز کے لیے تشریف لائے تو پسینے کی بو وغیرہ محسوس، اور مسجد کی چھت بھی نیچی تھی، تو وہ پسینے کی بو پھیلی ہوئی تھی اور تو آپ نے اس موقع پر پھر حکم فرمایا کہ جو جمعے کی نماز کے لیے آئے وہ غسل کر کے آئے بھئی، تاکہ اس کی پسینے کی بو سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو بھئی، تو آپ نے غسل کو کرنے کا حکم دیا۔ تو اس وقت پھر غسل واجب تھا بھئی، اور پھر اس کے بعد جب آسانی آ گئی، کچھ مال وغیرہ حاصل ہو گیا بھئی، تو اور وہ لوگوں کے کپڑے کچھ بہتر ہو گئے تو پھر اس کے بعد اس کے وجوب کا حکم منسوخ ہو گیا بھئی، پھر اس کے بعد کیا قرار دیا گیا؟ مستحب بھئی کہ کر لے تو اچھی بات ہے بھئی۔ یہ اس یہ تفصیل آتی ہے، احادیث سے معلوم ہوتی ہے بعض بھئی، اس میں یہ پوری تفصیل مذکور ہے۔ تو ان احادیث سے پتہ چلا کہ اوّلاً غسل واجب تھا، اس کے بعد اس کا وجوب منسوخ ہو گیا بھئی، وجوب منسوخ۔ اسی لیے کہا «أَوْ عَلَى النَّسْخِ» یا اس کو کس پر محمول کیا جائے گا؟ نسخ پر، منسوخ ہونے پر۔

■ مسئلہ: ثُمَّ هَذَا الْغُسْلُ لِلصَّلَاةِ عِنْدَ أَبِي يُو...

«ثُمَّ هَذَا الْغُسْلُ لِلصَّلَاةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» پھر اس میں اختلاف ہے بھئی، یہ جو غسل ہے جمعے کے دن، یہ جمعے کی نماز کے لیے سنت ہے یا جمعے کے دن کے لیے یہ غسل مسنون ہے بھئی؟ جمعے کے دن کے لیے۔ ثمرۂ اختلاف ظاہر ہو گا کہ ایک شخص غسل کرتا ہے جمعے سے پہلے اور پھر اس نے اسی غسل کے ساتھ وہ نماز جمعے کی ادا کر لی، تو اس نے اس کی سنت غسل سنت ادا ہو گئی، غسل کی سنت بھئی کہ یہ غسل کس کے لیے ہوا؟ نماز۔ اور ایک شخص ہے وہ غسل کرتا ہے لیکن پھر اس کا وضو ٹوٹ گیا، اب وہ وضو کر کے نماز میں شریک ہوا، تو اس کی وہ سنت ادا نہ ہوئی بھئی، کیونکہ نماز کے لیے تو غسل نہ ہوا، کیا ہوا؟ نماز کے لیے تو... ہاں، وضو ہوا۔ البتہ جمعے سے پہلے جمعے کے دن غسل کر لیا تو اگر دن کی سنت قرار دیا جائے تو سنت ادا ہو گئی، اگر نماز کے لیے سنت قرار دیا جائے تو وہ سنت ادا نہیں ہوئی، بھئی فرق سمجھ

میں آیا بھئی؟ تو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نماز کے لیے سنت ہے غسل بھئی، نماز کے لیے، جبکہ حسن ابن زیاد رحمہ اللہ سے جو روایت آئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعے کے دن کے لیے غسل ہے، مسنون بھئی۔ لیکن صاحب ہدایۃ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دے رہے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے کہ یہ غسل کس کے لیے مسنون ہے؟ جمعے کے دن کے لیے نہیں بلکہ جمعے کی نماز کے لیے، کیونکہ نماز کی فضیلت دن پر زیادہ ہے بھئی، بلکہ دن کی فضیلت کس وجہ سے ہے؟ اسی نماز کی وجہ سے ہے، جی اور نیز اس لیے کیونکہ نماز کے ساتھ طہارت مختص ہے، نماز تو بغیر طہارت کے ہو گی ہی نہیں بھئی، تو معلوم ہوا یہ غسل کس لیے مسنون ہے؟ جمعے کے دن کے لیے نہیں بلکہ جمعے کی نماز کے لیے۔

«ثُمَّ هَذَا الْغُسْلُ لِلصَّلَاةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» پھر یہ غسل جو ہے نماز کے لیے ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک «وَهُوَ الصَّحِيحُ» اور یہی قول صحیح ہے «لِزِيَادَةِ فَضِيلَتِهَا عَلَى الْوَقْتِ» اس وجہ سے کہ زیادہ فضیلت ہے نماز کی «عَلَى الْوَقْتِ» اس وقت پر «وَاخْتِصَاصِ الطَّهَارَةِ بِهَا» اور اس وجہ سے کہ طہارت جو ہے پاکی کا اختصاص ہے «بِهَا» کس کے ساتھ؟ نماز کے ساتھ بھئی، «وَفِيهِ خِلَافُ الْحَسَنِ» اور اس کے اندر اختلاف ہے حسن ابن زیاد کا، وہ کیا فرماتے ہیں؟ یہ غسل کس لیے ہے؟ جمعے کے دن کی سنت ہے، نماز کی سنت نہیں بھئی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ غسل جمعے کی نماز کے لیے ہو گا، اسی غسل سے جمعے کی نماز پڑھیں گے تو سنت ادا ہو گی ورنہ سنت ادا نہیں، جبکہ حسن ابن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جمعے کے دن کی سنت ہے، بس جمعے سے پہلے کسی بھی وقت غسل کر لیا تو یہ سنت ادا ہو گئی، چاہے اسی غسل کے ساتھ جمعہ پڑھا یا بعد میں دوبارہ وضو کر کے جمعہ پڑھا، بہر حال سنت ادا ہو چکی بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو یہاں ذکر آیا حسن ابن زیاد رحمہ اللہ کا۔ یاد رکھیے حسن ابن زیاد رحمہ اللہ یہ بھی شاگرد ہیں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے، اسی طرح یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے بھی شاگرد ہیں بھئی، شاگرد ہیں، اور یہ بھی بہت بڑے فقیہ تھے، بہت بڑے بھئی، امام صاحب کے اجل تلامذہ میں سے تھے، بڑے تلامذہ تھے ان میں سے تھے حسن ابن زیاد رحمہ اللہ، اور میں نے جیسے بتایا یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے بھی شاگرد تھے بھئی۔ اور بڑے متقی، بہت بڑے فقیہ تھے، کہتے ہیں کہ یہ اپنے غلاموں کو بھی بِعَيْنِهِ ویسا ہی لباس پہناتے تھے جیسا خود پہنتے تھے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ غلاموں کو بھی وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، تو یہ ان کو بھی ویسا ہی لباس پہناتے تھے بھئی۔ اور ان کے تقویٰ کا اندازہ لگائیے ذرا بھئی، کتنے متقی انسان تھے، لوگ ان کے پاس مسائل وغیرہ پوچھنے کے لیے آتے رہتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور مسئلہ پوچھا، انہوں نے مسئلہ بتلا دیا، وہ شخص چلا گیا، بعد میں پھر کوئی غور کیا، دیکھا تو پتہ چلا کہ مسئلہ تو غلط بتا بیٹھے ہیں بھئی، بڑے پریشان ہوئے، اب اس آدمی کو بھی جانتے نہیں، پہچانتے نہیں کہ یہ کون تھا بھئی، بڑے پریشان کہ میں نے غلط مسئلہ بتا دیا، چنانچہ ایک آدمی کو باقاعدہ اجرت پر مقرر کیا، کرائے پر رکھا کہ جاؤ شہر میں یہ اعلان کرتے جاؤ کہ فلاں دن جس نے حسن ابن زیاد سے مسئلہ پوچھا تھا، حسن ابن زیاد نے وہ مسئلہ غلط بتایا تھا، وہ دوبارہ جائے اور جا کر مسئلہ پوچھ کر آئے بھئی۔ چنانچہ وہ شخص پورے شہر میں اعلان کرتا رہا، کرتا رہا بھائی، یہاں تک کہ وہ شخص جس نے مسئلہ پوچھا تھا اس تک بھی اطلاع پہنچی اور پھر وہ واپس آیا اور آ کر مسئلہ پوچھا اور اس کو پھر مسئلہ بتلایا بھئی۔ تو دیکھیے اندازہ لگائیے کون ایسا کر سکتا ہے بھئی؟ پورے شہر میں اپنی غلطی کا اعلان کرواتے پھرنا کوئی کرے گا بھئی؟ لیکن یہ ہمارے ائمہ تھے مولانا، ہمارے ائمہ، یہ تھے ہمارے فقہاء جن کو لوگ برا کہتے ہیں، ان پر حیرت ہوتی ہے بھئی، حیرت ہوتی ہے۔

■ مسئلہ: وَالْعِيدَانِ بِمَنْزِلَةِ الْجُمُعَةِ

«وَالْعِيدَانِ بِمَنْزِلَةِ الْجُمُعَةِ» اور دونوں عیدیں جو ہیں وہ جمعے کے درجے میں ہیں بھئی، دونوں عید، ایک تو عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ، یہ دونوں عیدیں «بِمَنْزِلَةِ الْجُمُعَةِ» یہ جمعے کے درجے میں ہیں «لِأَنَّ فِيهِمَا الِاجْتِمَاعَ» اس لیے کیونکہ ان میں بھی لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے «فَيُسْتَحَبُّ الِاغْتِسَالُ» تو اس میں بھی غسل کرنا مستحب ہو گا «دَفْعًا لِلتَّأَذِّي بِالرَّائِحَةِ» تاذی کا معنی تکلیف ہونا بھئی، تکلیف ہونا، رائحہ بو بھئی وہ، تو یہ پسینے وغیرہ کی بو مراد ہے، دفعاً کا معنی دور کرنا، «دَفْعًا لِلتَّأَذِّي بِالرَّائِحَةِ» پسینے کی جو بو ہے اس سے جو تکلیف ہو اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے، پسینے کی بو سے ہونے والی تکلیف کو دور کرنے کے لیے مستحب ہو گا غسل کرنا، ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ «فَيُسْتَحَبُّ الِاغْتِسَالُ دَفْعًا لِلتَّأَذِّي بِالرَّائِحَةِ» پس مستحب ہو گا غسل کرنا پسینے کی بو کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے بھائی۔ یعنی پسینے کی بو آئے گی اس سے لوگوں کو تکلیف ہو گی تو غسل کیا جائے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو پسینے کی بو کی وجہ سے، تو اس وجہ سے غسل کرنا مستحب ہو گا عید کے دن بھئی، تو لہٰذا اس ان کا حکم بھی اسی جمعے کے دن کی طرح ہے۔ اور یاد رکھیے یہ جمعے اور عیدین کا غسل مسنون ہے، سنت ہے ان لوگوں کے لیے جن پر جمعہ واجب ہے بھئی، جن پر جمعہ واجب ہو ان کے لیے مسنون کیا ہے کہ وہ اس کے لیے غسل کریں جمعہ بھی اور عیدین بھی، یعنی جو ان میں حاضر ہوں، آئیں بھئی، ان کے لیے مسنون ہے غسل کر کے آئیں بھئی۔

«وَأَمَّا فِي عَرَفَةَ وَالْإِحْرَامِ» اور باقی یوم عرفہ کے دن کا غسل اور احرام کے لیے جو غسل ہے «فَسَنُبَيِّنُهُ فِي الْمَنَاسِكِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى» پس عنقریب ہم اس کو بیان کریں گے مناسک کے اندر، حج کے افعال کے اندر ہم ان کو بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جی یہ اسی اسی میں کتاب الحج آئے گی، وہاں پر بیان

آئے گا بھائی اس کا۔

«قَالَ: وَلَيْسَ فِي الْمَذْيِ وَالْوَدْيِ غُسْلٌ، وَفِيهِمَاالْوُضُوءُ» اور نہیں ہے مذی اور ودی کے اندر غسل اور ان میں وضو ہے بھئی۔ مذی اور ودی میں غسل نہیں بلکہ کیا ہے؟ وضو ہے بھئی، وضو۔ بھئی یہاں دو لفظ ہیں: مذی اور ودی۔ اس میں یاد رکھیے اس کو «الْمَذِيُّ» پڑھنا، یعنی ذال کے نیچے کسرہ اور یا مشدد، اسی طرح «الْوَدِيُّ»، دال کے نیچے کسرہ اور یا مشدد، اس طرح پڑھنا بھی صحیح، اور ذال اور دال کو ساکن پڑھنا اور یا کو غیر مشدد پڑھنا، تو اس طرح بھی دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں: «وَلَيْسَ فِي الْمَذْيِّ وَالْوَدِيِّ» یوں بھی پڑھ سکتے ہیں اور «وَلَيْسَ فِي الْمَذْيِ وَالْوَدْيِ غُسْلٌ» دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں بھئی۔ اور نہیں ہے مذی اور ودی کے اندر غسل «وَفِيهِمَا الْوُضُوءُ» اور ان میں وضو ہے «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے: «كُلُّ فَحْلٍ يُمْذِي» فحل کہتے ہیں طاقتور نر جانور کو بھئی، طاقتور نر جانور جو ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ «فَحْلٌ» کہتے ہیں، مراد یہاں مرد ہے، مرد بھئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «كُلُّ فَحْلٍ يُمْذِي» ہر مرد کو مذی آتی ہے، ہر مرد کو مذی آتی ہے، «وَفِيهِ الْوُضُوءُ» اور اس میں کیا ہے؟ وضو ہے بھئی، یہ حدیث کے اندر آگیا۔

اب آگے تفصیل بیان کر رہے ہیں صاحب ہدایۃ کہ مذی کسے کہتے ہیں، ودی کسے کہتے ہیں اور منی اور ان میں کیا فرق ہے، وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «الْوَدْيُ الْغَلِيظُ مِنَ الْبَوْلِ» ودی جو ہے وہ «الْغَلِيظُ مِنَ الْبَوْلِ» پیشاب میں سے گاڑھی ہے یعنی یہ گاڑھا پیشاب ہے، یا یعنی یہ کیا ہے؟ گاڑھا پیشاب ہے۔ «يَتَعَقَّبُ الرَّقِيقَ مِنْهُ» یتعقب کا معنی پیچھے آنا، رقیق کا معنی پتلا، «مِنْهُ أَيْ مِنَ الْبَوْلِ» «الرَّقِيقُ مِنْهُ» وہ جو پتلا ہو پیشاب میں سے، اس کے پیچھے آتی ہے۔ ودی جو ہے گاڑھی ہے پیشاب میں سے اور وہ جو پتلا پیشاب آتا ہے یہ اس کے پیچھے یعنی اس کے بعد میں نکلتی ہے، اس کے پیچھے آتی ہے خروجاً نکلنے کے اعتبار سے یعنی یہ اس کے بعد نکلتی ہے۔ تو معلوم ہوا ودی جو ہے یہ بھی کس کی طرح ہوتی ہے؟ پیشاب کی طرح، البتہ یہ ہے پیشاب وہ پتلا ہے پانی کی طرح اور ودی کیا ہے؟ گاڑھی ہو گی بھئی، تو یہ اس کے بعد آتی ہے «فَيَكُونُ مُعْتَبَرًابِهِ» تو یہ اسی پر اس کو قیاس کیا جائے گا بھئی۔ یہ چونکہ اسی کی قسم ہے لہٰذا اسی پر قیاس کیا جائے گا، اور پیشاب کے اندر تو غسل واجب ہوتا ہے یا وضو واجب ہوتا ہے؟ وضو واجب ہوتا ہے، لہٰذا ودی میں بھی وضو ہی آئے گا، غسل نہیں بھئی۔

■ مسئلہ: وَالْمَنِيُّ خَاثِرٌ أَبْيَضُ

«وَالْمَنِيُّ خَاثِرٌأَبْيَضُ» خاثر کا معنی گاڑھی، گاڑھا، اور ابیض سفید، اور منی جو ہے وہ گاڑھی ہوتی ہے، ابیض سفید ہوتی ہے، «يَنْكَسِرُ مِنْهُ الذَّكَرُ» انکسر ینکسر کے معنی ٹوٹ جانا، ٹوٹ جاتا ہے اس سے ذکر یعنی اس کی سختی ختم ہو جاتی ہے۔ منی گاڑھی اور سفید ہوتی ہے اور اس کے نکلنے کے بعد سختی ختم ہو جاتی ہے۔ «وَالْمَذْيُ رَقِيقٌ يَضْرِبُ إِلَى الْبَيَاضِ» اور مذی جو ہے «رَقِيقٌ» وہ وہ پتلی ہوتی ہے «يَضْرِبُ إِلَى الْبَيَاضِ» سفیدی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ عربی میں کہتے ہیں جب ایک رنگ دوسرے رنگ جیسا ہو، اس کے قریب ہو، اس سے ملتا جلتا ہو تو کہتے ہیں «هَذَا اللَّوْنُ يَضْرِبُ إِلَى هَذَا» یہ والا رنگ اس رنگ کی طرف مائل ہے، تو یہاں بھی یضرب مائل ہونے کے معنی میں ہے: «وَالْمَذْيُ رَقِيقٌ يَضْرِبُ إِلَى الْبَيَاضِ» اور مذی جو ہے وہ پتلی ہوتی ہے، سفیدی کی طرف مائل ہوتی ہے یعنی اس میں کچھ سفیدی ہوتی ہے۔ منی میں تو زیادہ سفیدی ہو گی، اس میں کم بھئی، اور یہ اس کے مقابلے میں پتلی ہے۔ «يَخْرُجُ عِنْدَ مُلَاعَبَةِ الرَّجُلِ أَهْلَهُ» اور یہ مذی نکلتی ہے جب آدمی، مرد جو ہے ملاعبت کرتا ہے «أَهْلَهُ» اپنے اہل سے یعنی اپنی بیوی سے، یعنی یہ مذی جو ہے یہ شہوت کے وقت نکلتی ہے بھئی، مذی جو ہے شہوت کے وقت نکلتی ہے جب مرد اپنی بیوی سے ملاعبت کرتا ہے بھئی۔ «وَالتَّفْسِيرُ مَأْثُورٌ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا» اور یہ تفسیر جو منی، مذی وغیرہ کی ہم نے کی، یہ ماثور ہے، منقول ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، انہوں نے ان کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ جی کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو بھئی؟ (طالب علم کا سوال: ملاعبت کا کیا معنی؟) اچھا بھئی، ملاعبت بھائی، ملاعبت جو مرد بیوی کے ساتھ صحبت کے سے پہلے بوس و کنار میں مشغول ہے وہ ہے ملاعبت بھائی۔ جی چلیے بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۶: مسئلہ: اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا...

ہدایہ صفحہ: ۳۳ــــ بتاریخ: ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يَجُوزُ بِهِ الْوُضُوءُ وَمَا لَا يَجُوزُ بِهِ، الطَّهَارَةُ مِنَ الْأَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْأَوْدِيَةِ وَالْعُيُونِ وَالْآبَارِ وَالْبِحَارِ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾، وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَيَّرَ لَوْنَهُ أَوْ طَعْمَهُ أَوْ رِيحَهُ». [1]

■ بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يَجُوزُ بِهِ الْوُضُوءُ، یہ باب ہے اس

بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يَجُوزُ بِهِ الْوُضُوءُ، یہ باب ہے اس پانی کے بیان میں جس سے وضو کرنا جائز ہے، **وَمَا لَا يَجُوزُ بِهِ** اور جس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ تو اس باب میں ان پانیوں کا بیان ہو گا جن سے وضو کرنا جائز ہے، پاکی حاصل کرنا جائز ہے، اور جن سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ جی! **الطَّهَارَةُ مِنَ الْأَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ، الطَّهَارَةُ مِنَ الْأَحْدَاثِ**، پاکی حاصل کرنا **مِنَ الْأَحْدَاثِ** تمام حدثوں سے، **جَائِزَةٌ** یہ جائز ہے **بِمَاءِ السَّمَاءِ** آسمان کے پانی سے۔

بھئی احداث آیا، پاکی حاصل کرنا تمام حدثوں سے۔ آپ نے پڑھا ہے حدث یہ نجاستِ حکمیہ کو کہتے ہیں بھئی۔ نجاستِ حکمیہ کو کہتے ہیں، مثلاً سبیلین سے کوئی نجاست خارج ہوئی تو یہ بھی حدث ہے، بدن سے بدن کے کسی اور حصے سے نجاست یعنی خون یا پیپ وغیرہ خارج ہوئی اور بہنے کے قابل ہوئی تو یہ بھی کیا ہے؟ حدث ہے۔ اسی طرح قے آئے **مِلْءُ الْفَمِ** ہے تو یہ بھی کیا ہے؟ حدث ہے۔ اسی طرح یہ یہ تو حدثِ اصغر ہے، آپ نے پڑھا ایک حدثِ اکبر ہے کہ جسے جنابت کہتے ہیں، تو ان سب حدثوں سے پاکی حاصل کرنا **جَائِزَةٌ** یہ جائز ہے **بِمَاءِ السَّمَاءِ** آسمان کے پانی سے۔ آسمان کے پانی سے مراد بارش کا پانی ہے۔

تو ان سب حدثوں سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے **بِمَاءِ السَّمَاءِ** آسمان کے پانی سے، **وَالْأَوْدِيَةِ** اور وادیوں کے پانی سے۔ وادی بھئی دو پہاڑوں کے درمیان کا علاقہ، حصہ جو ہے زمین کا وہ وادی کہلاتا ہے، اور تو ان وادیوں کے اندر بھی جب یہاں پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے تو پہاڑوں سے پانی اکٹھا ہو کر نکلتا ہے اور بہت زیادہ مقدار میں ہوتا ہے، اور یہی پانی جگہ جگہ اکٹھا ہو جاتا ہے تالابوں وغیرہ کی شکل میں، تو یہ جو وادیوں کا پانی ہے اس سے بھی طہارت حاصل کرنا جائز۔ اسی طرح **وَالْعُيُونِ**، أَيْ **بِمَاءِ الْعُيُونِ**، اور اسی طرح جو چشموں کا پانی ہے۔ عین کس کو کہتے ہیں؟ چشمے کو، اس سے بھی وضو کرنا اور غسل کرنا جائز۔ **وَالْآبَارِ** اور کنوؤں کے پانی سے بھئی، آبار جمع ہے بئر کی، کنویں کو کہتے ہیں۔ **وَالْبِحَارِ** اور سمندر، بحار جمع ہے **بَحْر** کی، سمندر کا پانی۔ تو ان سب پانیوں سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے، آسمان کا پانی ہو، وادیوں کا پانی ہو، چشموں کا پانی ہو، کنوؤں کا پانی ہو اور سمندروں کا پانی۔

آگے دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ ان سے پاکی حاصل کرنے کی کیا دلیل ہے، ان سے پاک انسان ہو جاتا ہے کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ تَعَالَى** اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿**وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا**﴾، اللہ فرماتے ہیں اور ہم نے نازل کیا آسمان سے **مَاءً طَهُورًا** پاک پانی۔ طہور کہتے ہیں وہ چیز جو خود پاک ہو اور دوسرے کو پاک کرنے والی ہو بھئی، یعنی طاہر بھی ہو اور مطہر بھی ہو۔ تو اللہ فرما رہے ہیں اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا۔ اسی طرح **وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، **قَوْلِهِ** کا عطف پیچھے جو آیا تھا **قَوْلِهِ تَعَالَى**، اس پر کیا داخل تھا؟ لام جارہ، تو وہ مجرور تھا، یہ بھی مجرور۔ **وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** اور حضور علیہ السلام کا یہ قول: «**الْمَاءُ طَهُورٌ**» پانی پاک ہے، «**لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ**» کوئی چیز اس کو نجس نہیں کرتی، «**إِلَّا مَا غَيَّرَ لَوْنَهُ أَوْ طَعْمَهُ أَوْ رِيحَهُ**» مگر وہ چیز جو بدل

[1] ساقط لفظ/عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۰): «**باب الماء الذي يجوز**»، ساقط لفظ/عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۰): «**الوضوء وما لا يجوز مدخل باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالا يجوز**»، حوالۂ آیت (شاملہ ص ۱۰): (**الفرقان ۴۸**)۔ • شاملہ (ص ۱۰) میں «**وَالْبِحَارِ**» کے بجائے «**والبحا ر**» درج ہے۔

دے اس کے رنگ کو اور ذائقے کو اور بو کو۔ بھئی پانی کے تین اوصاف ہیں: رنگ، بو اور ذائقہ۔ تو اس حدیث سے کیا معلوم ہوا کہ پانی نجس نہیں ہوتا مگر یہ کہ کوئی نجس چیز اس میں ملی اور پانی کے تین اوصاف میں سے کوئی وصف بدل گیا، پانی کا رنگ بدل گیا اس نجاست کی وجہ سے یا اس کی بو بدل گئی یا اس کا ذائقہ بدل گیا، یعنی نجاست کا اثر اس میں دکھائی دینے لگا تو پھر یہ پانی نجس ہو جائے گا، ویسے نجس نہیں ہو گا۔

وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور دوسری حدیث ذکر کر رہے ہیں بطورِ دلیل کے، اور حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے **فِي الْبَحْرِ** سمندر کے بارے میں، سمندر کے پانی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ**» کہ وہ سمندر جو ہے اس کا پانی پاک ہے، **وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ** اور حلال ہے اس کا مردار، یعنی اس کا مردار حلال ہے مراد مچھلی ہے بھئی، مچھلی کو ذبح نہیں کیا جاتا بھئی، تو میتہ سے یہاں کیا مراد ہے؟ مچھلی مراد ہے عند الاحناف۔ سمندر میں جو چیزیں جو جانور ہیں ان میں سے صرف مچھلی حلال ہے بھئی۔

تو دیکھیے یہ دراصل ایک صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں، بھئی سمندر تو بہت وسیع ہوتا ہے اور زمین کے اکثر حصے پر سمندر ہے تو ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف سمندر پر سفر کرنا ہے، تو ہر طرف پانی ہی پانی سینکڑوں میل تک کوئی خشکی ہوتی نہیں اور پانی ملتا ہی نہیں، اور یہ جو سمندر کا پانی ہے یہ بے انتہا نمکین ہوتا ہے، حد سے زیادہ نمکین ہوتا ہے پینے کے قابل نہیں ہوتا، تو وہ صحابی انہوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس تھوڑا سا پانی ہوتا ہے، اگر ہم اس سے وضو کر لیں تو ہم پھر پیاسے ہو جائیں گے وہ پانی تو وضو میں ختم ہو جائے گا، تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: «**هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ**» کہ سمندر جو ہے اس کا پانی پاک ہے، یعنی تم اس سے کیا کر سکتے ہو؟ وضو کر سکتے ہو، بلکہ ایک اور مزید فائدہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرما دیا کہ «**وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ**» سمندر کا مردار یعنی مچھلی جو ہے حلال ہے بھئی، تو احناف کے نزدیک میتہ سے یہاں مراد صرف مچھلی ہے۔ یاد رکھیے جو مچھلی ایک خود مر کر پانی پہ آئے، مچھلی پانی میں خود نہیں مرتی، مر کر پانی کے اوپر آ گئی ہے معلوم نہیں کسی بیماری سے مری ہے، اس کا جائز نہیں ہے کھانا، ہاں جو آپ پکڑتے ہیں تو آپ بھی جو ہے اس کو ذبح تو نہیں کرتے، بس نکال لیتے ہیں وہ خود ہی مر جاتی ہے، تو یہ میتہ مردار خود مری ہے لیکن حلال ہے اس کا کھانا۔

■ مسئلہ: وَمُطْلَقُ الِاسْمِ يُطْلَقُ عَلَى هٰذِهِ الْمِيَاهِ

«**وَمُطْلَقُ الِاسْمِ يُطْلَقُ عَلَى هٰذِهِ الْمِيَاهِ**»، تو تین دلیلیں ذکر کر دیں صاحب ہدایہ نے، ایک آیت ذکر کی اور دو حدیثیں ذکر کیں۔ آگے فرما رہے ہیں: **وَمُطْلَقُ الِاسْمِ يُطْلَقُ عَلَى هٰذِهِ الْمِيَاهِ**، اور مطلقِ اسم یعنی مطلق پانی کا جو نام ہے لفظِ پانی جو ہے، **يُطْلَقُ عَلَى هٰذِهِ الْمِيَاهِ** اس کا اطلاق ان پانیوں پر ہوتا ہے۔ آیت میں اور احادیث میں مطلق پانی کا ذکر آیا تھا، ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا، کوئی قید ہے پانی کے لفظ کے ساتھ؟ نہیں، تو پانی نازل کیا اور اس کی صفت بیان کی کہ وہ کس قسم کا ہوتا ہے؟ پاک ہوتا ہے۔ تو مطلق پانی کا ذکر آیا اور مطلق پانی کا لفظ انہی پانیوں پر بولا جاتا ہے جو ہم نے متن میں ذکر کر دیے: **مَاءُ السَّمَاءِ** آسمانوں آسمان یعنی بارش کا پانی، وادیوں کا پانی، چشموں کا پانی، کنوؤں کا پانی، سمندر کا پانی، ان سب کو عام لوگ کیا کہتے ہیں؟ پانی ہی کہتے ہیں، تو ان پر مطلقِ اسم پانی کا بولا جاتا ہے بھئی۔ تو یہ معلوم ہوا ان سب سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔

«**وَلَا يَجُوزُ بِمَا عُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ**»، اور جائز نہیں ہے یعنی پاکی حاصل کرنا **بِمَا** اس چیز کے ساتھ **عُصِرَ** جو نچوڑی گئی ہو **مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ** درخت سے اور پھل سے۔ وہ پانی جو نچوڑا گیا ہو درخت اور پھل سے اس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے، «**لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَاءٍ مُطْلَقٍ**» اس لیے کیونکہ وہ ماءِ مطلق نہیں ہے بھئی، کیونکہ وہ ماءِ مطلق نہیں ہے اور ان پر پانی کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ عرف کے اندر بھی بھئی کوئی درخت ہے مثلاً اور اس کے بعض اوقات اس کے اندر پانی زیادہ ہوتا ہے تو اس کے پتوں یا اس کی شاخوں وغیرہ کو نچوڑ کر پانی نکال لیا گیا، یا اسی طرح پھلوں میں بعضوں میں رس زیادہ ہے تو اس کو ان کو نچوڑ کر ان سے رس نکال لیا گیا، تو ان سے وضو کرنا اور پاکی حاصل کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان پر پانی کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ ان سے جو چیز نچوڑی گئی ہے اس کو پانی کوئی نہیں کہتا، رس وغیرہ یا کچھ تو کہہ سکتے ہیں لیکن پانی؟ پانی عرف میں اس پر پانی کا لفظ نہیں بولا جاتا، تو یہ ماءِ مطلق ہیں ہی نہیں۔

«**وَالْحُكْمُ عِنْدَ فَقْدِهِ مَنْقُولٌ إِلَى التَّيَمُّمِ**»، اور حکم جو ہے یعنی پاک کرنے کا حکم **عِنْدَ فَقْدِهِ**، فقد کا معنی ہے نہ ہونا بھئی، کسی چیز کا نہ ہونا، **وَالْحُكْمُ** اور پاکی کا جو حکم ہے **عِنْدَ فَقْدِهِ**، ہا ضمیر راجع ہے ماءِ مطلق کو، ماءِ مطلق کے نہ ہوتے ہوئے **مَنْقُولٌ إِلَى التَّيَمُّمِ** وہ نقل کیا گیا ہے کس کی طرف؟ تیمم، وہ منتقل کیا گیا ہے تیمم کی طرف بھئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿**فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا**﴾ پس تم پانی نہ پاؤ تو کیا کر لو؟ تیمم کر لو۔ جب تم پانی نہ پاؤ، دیکھا یہاں کیا لفظ آیا؟ پانی، مطلق پانی کا ذکر کہ مطلق ماء نہ ملے تو کیا کر لو؟ تیمم کر لو۔ تو یہ جو چیزوں سے پانی نچوڑا گیا ہے یہ تو ماءِ مطلق ہی نہیں ہے، اور ماءِ مطلق نہیں یہ تو رس وغیرہ ہے، ماءِ مطلق نہیں۔ اور جب ماءِ مطلق موجود نہ ہو تو پھر شریعت نے کیا حکم دیا ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ پاکی حاصل کرنے کے لیے تیمم کرنا چاہیے، تو ماءِ مطلق کے معدوم ہوتے وقت اس کے نہ ہوتے وقت پاکی کا حکم کس طرف منتقل ہو جاتا ہے؟ تیمم کی طرف، تو لہٰذا جب کسی کے پاس مطلق پانی نہیں ہے اور یہ درخت اور پھلوں سے نچوڑا ہوا رس موجود

ہے تو اب اس سے وضو نہیں کیا جائے گا بلکہ ماءِ مطلق نہیں ہے تو حکم کس طرف منتقل ہو جائے گا؟ تو تیمم کیا جائے گا بھئی۔

■ مسئلہ: وَالْوَظِيفَةُ فِي هَذِهِ الْأَعْضَاءِ تَعَبُّدِيٌّ...

«وَالْوَظِيفَةُ فِي هَذِهِ الْأَعْضَاءِ تَعَبُّدِيَّةٌ فَلَا تَتَعَدَّى إِلَى غَيْرِ الْمَنْصُوصِ عَلَيْهِ»، اور وظیفہ یعنی دھونے کا جو عمل ہے فِي هَذِهِ الْأَعْضَاءِ ان اعضاء کے اندر تَعَبُّدِيَّةٌ وہ کیا ہے؟ تعبدی ہے۔ بھئی وضو کرنے کا حکم دیا گیا، اب یہ یاد رکھیے وضو کا جو حکم دیا گیا یہ خلافِ قیاس ہے، قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ جو جس مقام پر نجاست لگی تھی، جس مقام سے نجاست بدن سے نکلی تھی صرف اس مقام کو دھونا چاہیے لیکن شریعت نے کس چیز کا حکم دیا؟ وضو کرنے کا حکم دیا کہ وضو کر لو، چہرے کو دھو لو، ہاتھوں کو دھو لو، پاؤں کو دھو لو اور سر کا مسح کر لو۔ تو یہ جو حکم دیا گیا یہ عقل میں آنے والا نہیں، اس کی ہمیں علت اور سبب ہماری عقل میں ہمیں اس کی علت سمجھ میں نہیں آتی بھئی، تو یہ جو وضو کا حکم دیا گیا یہ امر تعبدی ہے، یہ کیا ہے؟ یہ بطورِ عبادت کے اس کا حکم دیا گیا ہے، اس کی علت اور وجہ ہماری عقل میں نہیں آتی بھئی۔ عقل تو کیا کہتی ہے؟ صرف اس مقام کو صاف کرنا چاہیے جہاں سے نجاست خارج ہوئی تھی اور نجاست کو ختم کر دینا چاہیے، لیکن ان اعضاء کو دھونے کا حکم دیا گیا حالانکہ ان پر تو کوئی نجاست نہیں لگی ہوئی، لیکن پھر بھی دھونے کا حکم دیا جا رہا ہے اور کیوں دیا جا رہا ہے؟ وجہ ہماری عقل میں نہیں آتی۔ تو یہ وضو کا حکم کیا ہوا؟ خلافِ قیاس ہوا، امر تعبدی ہوا یعنی بطورِ عبادت کے اس کا حکم دیا گیا۔ اور آگے لفظ آیا منصوص علیہ کا بھئی، إِلَى غَيْرِ الْمَنْصُوصِ، منصوص علیہ جس کے بارے میں نص لائی گئی ہے، جس پر نص آئی ہے بھئی، اور وضو کے بارے میں نص کیا آئی ہے؟ وضو کس سے کیا جاتا ہے؟ ماءِ مطلق سے بھئی، پانی سے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے بھئی پانی کے ساتھ۔

اب یہاں سے «وَالْوَظِيفَةُ فِي هَذِهِ الْأَعْضَاءِ»، یہاں سے صاحبِ ہدایہ ایک اعتراض کا ایک اشکال کا جواب ذکر کر رہے ہیں۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ جو درختوں اور پھلوں سے نچوڑا ہوا پانی ہے یہ اگرچہ ماءِ مطلق نہیں یہ بات تو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ ماءِ مطلق کے معنی میں ہے، یہ اسی کی طرح ہے، چنانچہ اسی لیے شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے نچوڑے ہوئے پانی کے ذریعے یعنی ان کے رس کے ذریعے اگر کوئی نجاستِ حقیقیہ کو دھوئے تو وہ نجاست دھل گئی تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی، وہ کپڑے وغیرہ پر۔ اچھا یہاں شیخین کا لفظ آیا بھئی، شیخین، طرفین، صاحبین، آپ کو علم تو ہو گا لیکن پھر آپ کے فائدے کے لیے ذکر کر دیتا ہوں شاید کسی کے ذہن میں نہ ہو بھئی۔

بھئی یاد رکھیے! امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ استاد ہیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے بھی اور امام محمد رحمہ اللہ کے بھی، اور امام محمد رحمہ اللہ یہ شاگرد ہیں دونوں کے یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بھی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے بھی۔ تو امام صاحب دونوں کے استاد اور امام محمد رحمہ اللہ دونوں کے شاگرد بھئی شاگرد، تو لہٰذا دونوں شاگرد یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ جو ہیں ان کو کہتے ہیں صاحبین، کیا کہا جاتا ہے؟ صاحب، صاحب کا معنی ساتھی، یعنی یہ ساتھی ہیں کس چیز میں؟ شاگرد ہونے میں امام صاحب کے بھئی۔ اور امام محمد دونوں کے شاگرد ہیں یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ان کے استاد اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی ان کے استاد، تو یہ دونوں استاد ہیں تو ان کو شیخین کہا جاتا ہے، شیخ لفظ کس لیے استعمال ہوتا ہے؟ استاد کے لیے، تو یہ شیخین ہیں یعنی یہ دونوں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ یہ استاد ہیں ان کے، تو شیخین کا لفظ آئے تو یہ دونوں مراد ہوتے ہیں۔ اور طرفین آئے تو اس سے مراد امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ ہوتے ہیں، طرفین۔ کیوں؟ وجہ یہ بھئی: بھئی دیکھیے! امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ دونوں کے استاد اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ ایک کے استاد، امام محمد رحمہ اللہ دونوں کے شاگرد اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ ایک کے شاگرد، تو جو دونوں کے استاد ہیں وہ ہوئی طرفِ اعلیٰ، اعلیٰ جانب ہوئی، تو ان میں سب سے اعلیٰ کون؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، وہ طرفِ اعلیٰ میں ہیں اوپر کی جانب میں، اور امام محمد رحمہ اللہ طرفِ ادنیٰ میں ہیں نیچے کی طرف کہ وہ دونوں کے شاگرد ہیں، تو دونوں جانبیں طرفِ اعلیٰ اور طرفِ ادنیٰ دونوں طرف آ گئیں تو یہ کیا ہوا؟ طرفین، دونوں طرفین بھئی، ان سے مراد کون ہوتے ہیں؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ۔

بات یہ چل رہی تھی کہ صاحبِ ہدایہ یہاں سے ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے کہا درخت اور پھل سے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ ماءِ مطلق نہیں، تو ایک معترض اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگرچہ یہ دونوں ماءِ مطلق نہیں جو درخت اور پھل سے نچوڑا گیا ہے لیکن یہ اس کے معنی میں ہیں، یہ اسی جیسے ہیں، اسی لیے تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کہیں نجاستِ حقیقیہ لگی ہو مثلاً کپڑے وغیرہ یا کسی چیز پر، نجاستِ حقیقیہ جس کا ظاہری جسم دکھائی دے، تو کسی چیز پر اگر نجاستِ حقیقیہ لگی ہو اور اس کو اس درخت یا پھل سے نچوڑے ہوئے پانی سے دھو لیا جائے اور وہ نجاست وہاں سے دھل جائے، ختم ہو جائے، اس کا اثر نہ رہے تو وہ چیز پاک ہو گئی، وہ چیز کیا ہو گئی؟ پاک ہو گئی، تو دیکھیے یہ درخت اور پھل سے نچوڑے ہوئے پانی سے انہوں نے پاک ہونے کا حکم لگا دیا۔ معلوم ہوا اس کے ذریعے نجاستِ حقیقیہ سے طہارت حاصل کرنا جائز، جب نجاستِ حقیقیہ سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے تو نجاستِ حکمیہ کے اندر بھی اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہونا چاہیے بھئی۔

اعتراض سمجھ میں آیا؟ حدث لاحق ہوا ہے، بے وضو ہوا ہے، اب بدن ہاتھ پاؤں وغیرہ پر کوئی نجاستِ حقیقیہ تو نہیں ہے لیکن حکماً نجاست آ چکی ہے، یہ نجاستِ حکمیہ ہے، تو جب نجاستِ حقیقیہ کو درخت اور پھل سے نچوڑے ہوئے پانی سے زائل کرنا جائز تو اس نجاستِ حکمیہ کو بھی اس درخت اور پھل سے نچوڑے ہوئے پانی کے ساتھ

زائل کرنا جائز ہونا چاہیے، بعبارتِ دیگر ان پانیوں سے یہ جو نچوڑے گئے ہیں ان سے وضو وغیرہ جائز ہونا چاہیے بھئی، ان سے غسل جائز ہونا چاہیے بھئی، اعتراض یہ ہوا۔ تو جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ بھئی دیکھیے! یہ حکم قیاس کے ذریعے ثابت کر رہے ہیں آپ، کس کے ذریعے؟ قیاس کے ذریعے، اور قیاس وہاں کیا جاتا ہے جہاں جو چیز قیاس کے مطابق ہو بھئی، خلافِ عقل نہ ہو، خلافِ قیاس نہ ہو، تو نجاستِ حقیقیہ کے اندر وہاں پر پانی سے دھوتے تھے تو پانی سے شریعت نے کیا حکم دیا؟ پانی سے دھو، جب اس کا اثر ختم ہو جائے تو وہ کپڑا وغیرہ پاک ہو گیا، تو یہ بات عقل میں آنے والی ہے۔ عقل بھی کہتی ہے کہ بھئی نجاست اوپر سے ختم ہو گئی، دھل گئی، اثر ختم ہوا اب اس کو کیا ہونا چاہیے؟ پاک ہو جانا چاہیے، تو وہ چیز چونکہ عقل کے مطابق تھی نجاستِ حقیقیہ کو پانی سے دور کرنا اسی لیے ہم نے اس میں ماءِ مطلق پر قیاس کیا اس نچوڑے ہوئے پانی کو، ان سے بھی اگر کسی نجاستِ حقیقیہ کو دھویا جائے اور وہ زائل ہو جائے، اس کا اثر وغیرہ ختم ہو جائے تو اس پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ پاک ہونے کا حکم لگایا جائے گا بھئی۔ تو وہاں پر اصل کے اندر وہ وہ عقل کے مطابق تھا حکم، تو لہٰذا اس پر دوسری چیز کو قیاس کیا گیا اور وہی حکم وہاں بھی لگا دیا گیا۔ پانی سے وہ نجاستِ حقیقیہ زائل ہو جاتی تھی تو یہ اسی طرح کس میں نچوڑے ہوئے پانی سے بھی جب وہ چیز زائل ہو جائے گی تو وہی طہارت والا حکم لگا دیا جائے گا جیسے پانی سے دھونے کی صورت میں لگاتے تھے بھئی۔ تو وہ حکم قیاس کے مطابق تھا خلافِ قیاس نہیں تھا، اس لیے اس پر قیاس وہاں قیاس کے ذریعے دوسری چیز کے لیے بھی وہی حکم ثابت ہو گیا۔

جبکہ وضو جو ہے یہ تو خلافِ قیاس ہے بھئی، اس کی تو ہمیں وجہ اور علت ہماری عقل میں نہیں آتی، ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ بدن پر تو بظاہر کوئی نجاست نہیں لیکن شریعت کہہ رہی ہے بدن سے نجاست خارج ہوئی ہے تو اب اپنے ہاتھوں کو بھی دھو، چہرے کو بھی دھو، پاؤں کو بھی دھو اور سر کا بھی مسح کرو، تو یہ حکم تو خلافِ قیاس ہے، خلاف، اور جو چیز خلافِ قیاس ہو اس پر دوسری چیز کو قیاس نہیں، تو وضو خود ہے خلافِ قیاس اور تو یہ اسی چیز کے ذریعے ہو گا جس چیز سے جو اس کے بارے میں نص آئی ہے بھئی۔ اور نص میں وضو کے بارے میں کیا آیا ہے؟ کس چیز سے وضو کیا جائے گا؟ ماءِ مطلق سے کیا جائے گا، معلوم ہوا یہاں ماءِ مطلق ہی سے طہارت حاصل ہو گی، اور نچوڑے ہوئے پانی کو ماءِ مطلق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وضو خود کیا ہے؟ خلافِ قیاس ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟ جی۔ تو وہاں منصوص علیہ ماءِ مطلق ہے تو غیر منصوص علیہ نچوڑا ہوا پانی اس کو اس پر اس میں یہ حکم نہیں ہو گا، طہارت نہیں آئے گی بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَالْوَظِيفَةُ فِي هَذِهِ الْأَعْضَاءِ تَعَبُّدِيَّةٌ» اور وظیفہ، وظیفہ کا کیا معنی؟ عمل، مراد کون سا عمل ہے یہاں؟ دھونے کا عمل، اور دھونے کا جو عمل ہے فِي هَذِهِ الْأَعْضَاءِ ان اعضاء میں تَعَبُّدِيَّةٌ یہ تعبدی ہے، «فَلَا تَتَعَدَّى إِلَى غَيْرِ الْمَنْصُوصِ عَلَيْهِ» لہٰذا یہ حکم جو ہے متعدی نہیں ہو گا غیر منصوص علیہ کی طرف یعنی نچوڑے ہوئے پانی کی طرف۔ منصوص علیہ میں تو ہے ماءِ مطلق ہے، نص میں کس کا ذکر آیا ہے؟ تو منصوص علیہ وہ تو پاکی کا فائدہ دے گا لیکن غیر منصوص علیہ کی طرف یہ حکم متعدی نہیں ہو گا کیونکہ یہ حکم وضو کا یہ خلافِ قیاس ہے۔

■ مسئلہ: أَمَّا الْمَاءُ الَّذِي يَقْطُرُ مِنَ الْكَرْمِ فَ...

«أَمَّا الْمَاءُ الَّذِي يَقْطُرُ مِنَ الْكَرْمِ فَيَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِهِ»، كَرْم بسکون الراء بھئی، یہ انگور کی بیل کو بھی کہتے ہیں اور انگور کو بھی کہتے ہیں بھئی، تو یہاں انگور کی بیل مراد ہے۔ بھئی یاد رکھیے یہ انگور کا درخت وغیرہ نہیں ہوتا، اس کی بیل ہوتی ہے بیل۔ جہاں اس کے گھنے باغات ہیں بالخصوص جیسے افغانستان کا جو دوسری جانب کا علاقہ ہے روس کی طرف کا بھئی، اس علاقے میں انگور کے بڑے گھنے باغات ہیں، اور اتنے بڑے بڑے باغات کہ کہتے ہیں اس میں اگر کوئی انسان داخل ہو جائے تو کئی آدمی مل کر بھی اس کو تلاش نہ کر سکیں بھئی۔ تو ان کی بیل زمین پر پھیلی ہوتی ہے لیکن پھر باغات وغیرہ میں کیا کیا جاتا ہے؟ دیواریں وغیرہ بنا کر اس پر پھیلایا جاتا ہے یا لکڑی وغیرہ کھڑی کر کے ان پر پھیلایا جاتا ہے بھئی۔ تو یہ جو انگور کی بیل ہے ان سے پانی ٹپکتا ہے، پانی ٹپکتا ہے اور پھر اس کے نیچے اتنا پانی ٹپکتا ہے کہ اگر کوئی برتن وغیرہ رکھ دیا جائے تو بڑی جلدی وہ برتن بھر جاتا ہے اور بالکل صاف شفاف پانی ہوتا ہے بھئی، صاف شفاف۔ تو یہ جو انگور کی بیل سے پانی ٹپکتا ہے صاف شفاف قسم کا کیا اس سے وضو کیا جائے گا کرنا جائز ہے یا کرنا جائز نہیں؟ اب وہ ذکر فرما رہے ہیں۔

کہتے ہیں: «أَمَّا الْمَاءُ الَّذِي يَقْطُرُ مِنَ الْكَرْمِ» باقی وہ پانی جو ٹپکتا ہے انگور کی بیل سے، «فَيَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِهِ» تو جائز ہے وضو کرنا اس کے ساتھ، «لِأَنَّهُ مَاءٌ خَرَجَ مِنْ غَيْرِ عِلَاجٍ» اس لیے کیونکہ وہ ایسا پانی ہے، دیکھو ماء نکرہ آیا، خرج اس کے بعد فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے اس کے لیے؟ صفت، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی۔ «لِأَنَّهُ مَاءٌ خَرَجَ مِنْ غَيْرِ عِلَاجٍ» اس لیے کیونکہ وہ ایسا پانی ہے جو نکلا ہے بغیر کسی عمل کے۔ علاج کا کیا معنی؟ عمل، یعنی کسی کرنے والے نے ان کو نچوڑا وغیرہ نہیں، کسی آپ کے کسی عمل کا اس میں دخل نہیں ہے، بغیر کسی عمل کے یہ پانی خود نکلا ہے اس لیے اس کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے، لیکن اگر آپ کا عمل آتا ہے، آپ نچوڑ کر درخت وغیرہ سے نکالتے ہیں تو پھر اس صورت میں اس سے وضو جائز نہیں۔

«ذَكَرَهُ فِي جَوَامِعِ أَبِي يُوسُفَ» ذکر کیا ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو اپنی کتاب جوامع ابی یوسف میں، «وَفِي الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَيْهِ حَيْثُ شَرَطَ الِاعْتِصَارَ» اور کتاب کے اندر، کون سی کتاب؟ مختصر القدوری، قدوری میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے نچوڑنے کی شرط لگائی ہے۔ دیکھیے اوپر متن آیا تھا یہ قدوری کا ہے: «بِمَا عُصِرَ» جس کو نچوڑا گیا ہو، تو دیکھیے انہوں نے نچوڑنے کی قید لگائی ہے، معلوم ہوا جس کو نچوڑا گیا ہو اس کے ساتھ وضو جائز

نہیں، اور جو بغیر نچوڑے بغیر کسی عمل کے خود نکلا ہو اس سے وضو جائز ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَجُوْزُ بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ فَأَ...

«**وَلَا يَجُوزُ بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ فَأَخْرَجَهُ عَنْ طَبْعِ الْمَاءِ**»، اور جائز نہیں ہے پاکی حاصل کرنا **بِمَاءٍ** ایسے پانی کے ساتھ، **غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ** کہ اس کا غیر اس پر غالب آجائے، پانی کے علاوہ دوسری چیز پانی پر غالب آجائے، اس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں۔ کب؟ غیر دیکھیے دوبارہ ترجمہ: «**وَلَا يَجُوزُ بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ**» اور جائز نہیں ہے ایسے پانی کے ساتھ کہ غالب آجائے اس پر اس کے علاوہ کوئی چیز، «**فَأَخْرَجَهُ عَنْ طَبْعِ الْمَاءِ**» تو اس غیر نے اس کو نکال دیا پانی کی طبیعت سے۔ پانی کو پانی کی طبیعت سے نِکا پانی کی طبیعت ہی بدل ڈالی، تو پھر اس صورت میں اس سے وضو کرنا غسل کرنا جائز نہیں۔ بھئی پانی کی کیا طبیعت ہے؟ پانی پتلا ہوتا ہے، پتلا ہے پانی کہ گاڑھا ہوتا ہے؟ پانی پتلا ہوتا ہے اور بہنے والا ہوتا ہے، نیز اسی طرح یہ چیزوں کو صاف کرنے والا ہے بھئی۔ یہ کیا ہے؟ پانی کی طبیعت ہے بھئی۔ تو پانی کی طبیعت پتلا ہوتا ہے، بہنے والا ہوتا ہے، چیزوں کو صاف کرنے والا ہے بھئی۔ تو اب اگر کوئی چیز پانی کے ساتھ مل گئی اور اس پر غالب آگئی اور اس چیز نے پانی کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا یعنی وہ اب پتلا نہ رہا گاڑھا ہو گیا، گاڑھا ہو گیا، اب چیز اس سے صاف نہیں ہوتی بھئی، اس طرح پانی کی طبیعت سے نکال دیا، ان سے وضو کرنا جائز نہیں، غسل کرنا جائز نہیں۔

«**كَالْأَشْرِبَةِ**» جیسے کہ شربت ہیں بھئی، اشربہ جمع ہے شراب کی اور شراب عربی زبان میں شربت کو کہتے ہیں بھئی، کس کو کہتے ہیں؟ شربت کو کہتے ہیں، تو چنانچہ آپ عرب میں جائیں گے تو وہاں شربت وغیرہ ان پر لکھا ہو گا مثلاً شراب الفواکہ وغیرہ، تو یہ شربت کو کہتے ہیں، اور اردو میں جسے آپ شراب کہتے ہیں اسے عربی میں خمر کہتے ہیں خمر بھئی، تو یہاں شربت مراد ہیں۔ «**كَالْأَشْرِبَةِ**» جیسے کہ شربت ہیں بھئی، «**وَالْخَلِّ**» اور سرکہ ہے، «**وَمَاءِ الْوَرْدِ**» اور گلاب کا پانی، ورد کہتے ہیں گلاب کو، گلاب کا پانی یعنی عرقِ گلاب بھئی، «**وَمَاءِ الْبَاقِلَّى**» باقلی لام کے شد کے ساتھ پڑھنا بھی صحیح اور تخفیف کے ساتھ باقلا پڑھنا بھی صحیح، اور باقلا لوبئے کو کہتے ہیں، اور لوبئے کا پانی، «**وَالْمَرَقِ**» اور شوربہ، «**وَمَاءِ الزَّرْدَجِ**» اور زردج کا پانی، زردج یہ کوئی پودا ہے کوئی بوٹی ہے جس سے کپڑوں وغیرہ کو رنگنے کا کام لیا جاتا ہے بھئی، جس کو پانی وغیرہ میں ملاتے ہیں اور اس کا کوئی تیز رنگ ہو گا اس کے ذریعے کپڑوں کو رنگا جاتا ہے، تو یہ جو ماءِ زردج ہیں یہ سب بھئی یہ اس کی مثالیں ہیں کہ جس میں پانی میں غیر چیز ملی اور اس اس نے پانی کو پانی کی طبیعت سے ہی نکال دیا، تو اب ان کے ساتھ وضو کرنا اور غسل کرنا، پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے بھئی، یہ سب مثالیں ہیں اس کی بھئی۔

«**لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى مَاءً مُطْلَقًا**» اس لیے کیونکہ ان کو ماءِ مطلق نہیں کہتے، عرف کے اندر ان کو ماءِ مطلق نہیں، ماء کا پانی کا لفظ ان پر نہیں بولا جاتا بھئی۔ آپ کسی سے پانی منگوائیں اور وہ شوربہ اٹھا کر لے آئے تو آپ کیا کہیں گے، اس نے بات مان لیا یا نہیں مانی بھئی؟ آپ اس کو فوراً کہیں گے بھئی میں نے پانی منگوایا تھا یہ آپ کیا اٹھا کر لے آئے! اسی طرح عرقِ گلاب لے آتا ہے آپ کہیں گے بھئی میں نے تو پانی منگوایا تھا، معلوم ہوا عرف میں اس ان کو پانی نہیں کہا جاتا بھئی، یہ معنی ہے «**لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى مَاءً مُطْلَقًا**» اس لیے کیونکہ ان کو ماءِ مطلق نہیں کہا جاتا۔

■ مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِمَاءِ الْبَاقِلَّى مَا تَغَيَّرَ بِ...

«**وَالْمُرَادُ بِمَاءِ الْبَاقِلَّى مَا تَغَيَّرَ بِالطَّبْخِ**»، یہاں سے صاحبِ ہدایہ یہ بتلا رہے ہیں کہ اوپر متن میں آیا تھا ماء باقلی بھئی، لوبئے کا پانی، کہتے ہیں ایک صورت یہ ہے کہ لوبئے کو ویسے پانی میں ڈال دیا جائے اور اس کا تھوڑا سا کچھ اثر پھر پانی میں آجائے گا، وہ مراد نہیں ہے بلکہ لوبئے کو پانی میں ڈالا گیا اور پھر اس کو پکا لیا گیا تو اب تو پورے ہی اجزاء اس کے پانی کے اندر مل جائیں گے بھئی، تو وہ مراد ہے بھئی وہ مراد، اور باقی صرف لوبئے کو ویسے پانی میں ڈالا بغیر پکائے اور پھر اس کا تھوڑا بہت اگر اثر آتا بھی ہے وہ اتنا زیادہ نہیں ہو گا معمولی سا ہو گا، اس کے ساتھ وضو وغیرہ کرنا جائز ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «**وَالْمُرَادُ بِمَاءِ الْبَاقِلَّى مَا تَغَيَّرَ بِالطَّبْخِ**» اور مراد ماءِ باقلی سے وہ پانی ہے جو بدل گیا ہو **بِالطَّبْخِ** پکانے کی وجہ سے، «**فَإِنْ تَغَيَّرَ بِدُونِ الطَّبْخِ**» اور اگر وہ بدلا ہو بغیر پکائے ہی یعنی ویسے لوبیا ڈالا کچھ اس کا اثر آگیا، «**يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِهِ**» اس سے وضو کرنا جائز ہے بھئی جائز، چنانچہ اس کو اس پر پانی کا لفظ بھی بولا جاتا ہے، لوبیا ویسے پانی میں رکھا تھا آپ نکال کر لے آئے تو آپ کا ساتھی آپ کو یہ نہیں کہے گا کہ یہ تو آپ کچھ اور اٹھا کر لے آئے ہیں، آپ صرف اتنا کہیں گے یہ جو جس کے پاس لے کر گئے ہیں یا وہ اتنا کہ بھئی صاف پانی لے کر آتے، کیا کرتے؟ صاف یہ تو صاف نہیں ہے، تو ہے تو معلوم ہوا اس کے نزدیک بھی ہے پانی ہی لیکن صاف نہیں ہے بھئی۔

«**وَيَجُوزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ شَيْءٌ طَاهِرٌ فَغَيَّرَ أَحَدَ أَوْصَافِهِ**»، یہاں سے قیمتی ضابطہ ذکر فرما رہے ہیں کہ پانی کے ساتھ اگر کوئی پاک چیز مل جائے، کیا چیز مل جائے؟ پاک، ہاں نجس چیز کی بات نہیں ہو رہی، پاک چیز اگر پانی میں مل گئی اور پانی کے تین اوصاف میں سے ایک وصف بدل گیا تو کوئی حرج نہیں، اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ پانی میں کوئی پاک چیز ڈالی اور پانی کا رنگ بدلا یا بو کچھ بدل گئی یا کچھ ذائقہ اس میں آگیا، ایک وصف بدلا ہے، دو یا تین وصف نہیں بدلے، تو صرف جب ایک وصف بدلا ہے اور پاک چیز کی وجہ سے بدلا ہے تو کوئی حرج نہیں، یہ اب بھی کیا ہے؟ ماءِ مطلق ہی ہے، اس سے وضو وغیرہ کرنا جائز ہے۔ کہتے ہیں: «**وَيَجُوزُ**

الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ شَيْءٌ طَاهِرٌ» دیکھیے جگہ جگہ یہ ترکیب آتی ہے جو میں نے ذکر کیا، نکرہ کے بعد کیا آجائے؟ فعل آجائے تو وہاں ایسا اور ایسی کا لفظ موصوف سے پہلے لے آیا کریں، بہترین ترجمہ ہو جاتا ہے۔ «**وَيَجُوزُ الطَّهَارَةُ**» اور پاکی حاصل کرنا جائز ہے «**بِمَاءٍ**» ایسے پانی سے «**خَالَطَهُ شَيْءٌ طَاهِرٌ**» کہ مل گئی ہو اس کے ساتھ کوئی پاک چیز «**فَغَيَّرَ أَحَدَ أَوْصَافِهِ**» پس اس پاک چیز نے بدل دیا اس پانی کے اوصاف میں سے ایک کسی ایک وصف کو، «**كَمَاءِ الْمَدِّ**» جیسے کہ سیلاب کا پانی ہے بھئی۔ مد کس کو کہتے ہیں؟ سیلاب کو۔

سیلاب کو، بھائی۔ تو جیسے سیلاب کا پانی ہے، بھائی، سیلاب کا پانی آپ دیکھیں اس میں اگرچہ مٹی وغیرہ ملی ہو گی، تنکے وغیرہ ہوں گے لیکن کیا چیز ملی ہے؟ مٹی ملی ہے، پاک چیز ملی ہے اور ایک وصف بدلا ہے، بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی، بھائی؟ تو اور ویسے بھی یہ مٹی وغیرہ یہ تو پانی میں مل جائے، یہ ویسے بھی معاف ہے کیونکہ ان سے بچنا تو ممکن ہی نہیں ہے، بھائی۔ ان سے بچنا تو مم... آپ اپنے ہاں نہ دیکھیں، صاف ستھرا پانی نلکوں میں آتا ہے، بھائی، جہاں ان علاقے والوں سے پوچھیں جہاں پانی کی قلت ہوتی ہے، بھائی۔ تو یہ مٹی وغیرہ تو پانی میں ملی ہوئی ہوتی ہے، بھائی۔ «**كَمَاءِ الْمَدِّ**»، جیسے سیلاب کا پانی۔

■ مسئلہ: وَالْمَاءُ الَّذِي اخْتَلَطَ بِهِ الزَّعْفَرَانُ أَ...

«**وَالْمَاءُ الَّذِي اخْتَلَطَ بِهِ الزَّعْفَرَانُ أَوِ الصَّابُونُ أَوِ الْأُشْنَانُ**»، اور وہ پانی کہ مل گئی ہو اس کے ساتھ، مل گیا ہو زعفران، «**أَوِ الصَّابُونُ**» یا صابن، «**أَوِ الْأُشْنَانُ**» یا اشنان۔ بھئی، زعفران یہ ایک زرد رنگ کے، سرخی مائل گھاس کا نام ہے، گھاس کا، بھئی۔ اور آپ نے دیکھی ہی ہو گی، بھائی، یہ کھانوں وغیرہ میں بھی استعمال ہوتی ہے اور طبیب وغیرہ دوائیوں میں بھی اس کو استعمال کرتے ہیں، بھائی، زعفران۔ تو یہ زرد رنگ کی گھاس ہے اور اس کا رنگ اترتا ہے، بھائی۔ پانی وغیرہ میں ڈالیں گے تو اس کا رنگ اترے گا، پانی کا رنگ کچھ زرد سا ہو جائے گا۔ صابن تو آپ جانتے ہیں، بھائی، صابن۔

«**وَالْأُشْنَانُ**» اور اشنان، یہ بھی ایک بوٹی ہے، ایک پودا ہے جس سے صابن جیسا کام لیا جاتا ہے۔ جن علاقوں میں یہ ہوتا ہے تو اس سے صابن کی طرح چیزوں کو دھونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، بھائی۔ جیسے صابن سے چیز اچھی طرح صاف ہو جاتی ہے، اسی طرح اشنان بوٹی جو ہے اس کے ذریعے بھی چیز اچھی طرح دھل جاتی ہے۔ تو دیکھیے، اب وہ پانی جس کے ساتھ زعفران مل جائے یا صابن مل جائے اور یا اشنان مل جائے۔ اب یہ چیزیں ملیں اور پانی کا ایک وصف بدلا تو بھی یہ **مَاءٍ مُطْلَقٌ** ہی ہے اور اس کے ساتھ وضو وغیرہ کرنا جائز ہے، بھائی۔ یعنی یہ قلیل سے یہ مل گئے، قلیل سے۔ آگے بتلائیں گے، کثیر کی بات نہیں ہو رہی، زیادہ مل جائے وہ تو پانی پر غالب آ جائیں گے، بھائی، تو اس صورت میں پھر وضو وغیرہ جائز نہیں۔

«**قَالَ: أَجْرَى فِي الْمُخْتَصَرِ مَاءَ الزَّرْدَجِ مَجْرَى الْمَرَقِ**»۔ «**قَالَ**»، یاد رکھیے یہ جو «**قَالَ**» آیا، اس سے مراد صاحب ہدایہ خود ہیں۔ «**قَالَ**» سے کون مراد ہیں؟ صاحبِ ہدایہ خود ہیں۔ اور صاحبِ ہدایہ جہاں اپنی بات کرتے ہیں، کوئی بات اپنی طرف سے ذکر فرماتے ہیں تو وہ «**أَقُولُ**» نہیں کہتے کہ میں کہتا ہوں، بلکہ «**قَالَ**» کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس لیے کیونکہ «**أَقُولُ**» میں کہتا ہوں، اس میں انانیت ہے۔ کیا چیز ہے؟ انانیت، کچھ بڑائی کا شائبہ اس میں معلوم ہوتا ہے۔ اور تو وہ عاجزی کے طور پر «**أَقُولُ**» نہیں کہتے بلکہ کیا فرماتے ہیں؟ «**قَالَ**»، بھائی۔

اور علامہ ابو السعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ ہدایہ صرف «**قَالَ**» نہیں فرماتے تھے، وہ جہاں بھی آتا تھا وہ لکھتے تھے «**قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ**»۔ اللہ کا کمزور بندہ کہتا ہے، کمزور بندہ، ضعیف بندہ جو ہے وہ کمزور اور ضعیف بندہ یوں کہتا ہے۔ لیکن پھر بعد میں ان کے شاگرد اور شاگردوں کے جو شاگرد تھے، پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل ہوتی تھیں تو وہ انہوں نے جب ان کو نقل کیا تو «**الْعَبْدُ الضَّعِيفُ**» کی جگہ اس کو بدل دیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، «**قَالَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ**» سے تو استاد کے لیے انہوں نے رضی اللہ کا لفظ شامل کر دیا۔

تو «**قَالَ**»، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «**أَجْرَى فِي الْمُخْتَصَرِ مَاءَ الزَّرْدَجِ مَجْرَى الْمَرَقِ**»، بھائی، یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ اوپر متن میں دیکھیے **مَاءِ زَرْدَجْ** کا ذکر آیا۔ زردج میں نے بتایا بوٹی ہے جس سے کپڑوں وغیرہ کو رنگا جاتا۔ تو **مَاءِ زَرْدَجْ** کا ذکر آیا، اور کون سے جگہ ذکر آیا؟ کس کی مثالوں میں؟ جن سے وضو کرنا جائز ہے یا جائز نہیں ہے؟ جن سے وضو کرنا جائز نہیں ہے اس کے اندر **مَاءِ زَرْدَجْ** کو ذکر فرمایا، اس کے قائم مقام کیا، بھائی۔ لیکن فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **مَاءِ زَرْدَجْ** یہ **مَاءِ زَعْفَرَانْ** کے درجے میں ہے، اور **مَاءِ زَعْفَرَانْ** کا ذکر تو کہاں آیا تھا؟ جس سے وضو کرنا جائز ہے، بھائی۔ تو لہٰذا فرماتے ہیں یہی صحیح قول ہے، **مَاءِ زَرْدَجْ** اس کا حکم **مَاءِ زَعْفَرَانْ** والا ہے، مرق وغیرہ والا حکم نہیں ہے، بھائی، اس سے وضو کرنا جائز ہے، بھائی۔

تو کہتے ہیں صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «**أَجْرَى فِي الْمُخْتَصَرِ مَاءَ الزَّرْدَجِ مَجْرَى الْمَرَقِ**»، قائم کیا مختصر میں یعنی قدوری میں **مَاءِ زَرْدَجْ** کو «**مَجْرَى الْمَرَقِ**»، شوربے کے مقام میں۔ صاحبِ قدوری نے مختصر میں کیا کیا؟ **مَاءِ زَرْدَجْ** کو قائم مقام کیا مرق کے، شوربے کے۔ «**أَجْرَى مَجْرَى الْمَرَقِ**» کا کیا معنیٰ؟ «**أَجْرَى مَجْرَى الْمَرَقِ**»، شوربے کے قائم مقام کیا، بھائی، شوربے کے قائم۔ تو کہتے ہیں «**أَجْرَى فِي الْمُخْتَصَرِ مَاءَ الزَّرْدَجِ مَجْرَى الْمَرَقِ**» کہ صاحبِ قدوری نے مختصر کے اندر **مَاءِ زَرْدَجْ** کو جو ہے قائم مقام کیا ہے شوربے کے، یعنی یہ فرمایا کہ اس سے وضو جائز نہیں۔

■ مسئلہ: وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَ...

«وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ مَاءِ الزَّعْفَرَانِ»، اور روایت کیا گیا ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے کہ یہ مَاءِ زَعْفَرَانْ کے درجے میں ہے۔ «وَهُوَ الصَّحِيحُ»، اور یہی قول صحیح ہے کہ یہ مَاءِ زَعْفَرَانْ کے درجے میں ہے، بھائی، مَاءِ زَعْفَرَانْ۔ «كَذَا اخْتَارَهُ النَّاطِفِيُّ وَالْإِمَامُ السَّرَخْسِيُّ»، اور اسی طرح اسی کو اختیار کیا ہے، پسند فرمایا ہے، کس نے؟ ناطفی رحمہ اللہ نے، یہ بھی بڑے فقیہ گزرے۔ انہوں نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، اسی کو پسند کیا ہے، اور امام سرخسی رحمہ اللہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ تو یہی قول صحیح ہے۔

تو یہاں پر امام ناطفی اور امام سرخسی کا ذکر آیا، بھائی۔ یاد رکھیے، امام ناطفی یہ بھی بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں فقہائے احناف میں سے اور ان کا نام تھا ابو العباس احمد ابن محمد، بھائی۔ ابو العباس احمد ابن محمد اور یہ شاگرد ہیں ابو عبد اللہ جرجانی کے، بھائی۔ ابو عبد اللہ جرجانی کے شاگرد ہیں اور ان کی وفات ہوئی ہے چار سو چھیالیس ہجری میں، چار سو چھیالیس ہجری میں۔ «يَرْحَمُكَ اللهُ»۔ تو چار سو چھیالیس ہجری میں ان کی وفات ہوئی ہے، بھائی، یہ امام ناطفی اور ان کے مزید احوال عام کتابوں میں نہیں ملتے، بھائی۔

دوسرا ذکر آیا امام سرخسی کا۔ دوسرا ذکر کس کا آیا؟ «يَرْحَمُكَ اللهُ»۔ دوسرا ذکر آیا امام سرخسی کا۔ یاد رکھنا اس لفظ کا تلفظ، بھائی، سین کے ساتھ ساتھ راپر بھی فتحہ ہے اور خا ساکن ہے: سَرَخْسِي، سَرَخْسِي، امام سرخسی، بھائی۔ امام سرخسی جو ہیں یہ بہت بڑے بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں، بھائی، اور فقہائے احناف میں بڑا اونچا مقام ہے ان کا، بھائی۔ ان کا نام ابو بکر محمد ابن احمد ہے، بھائی، ابو بکر محمد ابن احمد، بھائی۔ اور ان کی وفات ہوئی ہے چار سو تراسی ہجری میں، چار آٹھ تین، چار سو تراسی ہجری میں۔ یہ سرخس خراسان کا ایک شہر تھا سرخس، اس کے رہنے والے تھے، اسی نسبت سے سرخسی کہلاتے ہیں۔ اور آپ یہ شاگرد ہیں شمس الائمہ امام حلوانی کے۔ یہ کس کے شاگرد ہیں؟ شمس الائمہ امام حلوانی کے شاگرد ہیں اور جیسے استاد کا لقب شمس الائمہ تھا، اسی طرح آپ کو بھی اللہ نے اتنا اونچا مقام نصیب فرمایا کہ آپ بھی شمس الائمہ ہی کے لقب سے جانے جاتے تھے، بھائی۔ آپ کو بھی شمس الائمہ کہا جاتا تھا۔

اور ان پر اللہ کی طرف سے بڑی آزمائشیں بھی آئیں لیکن بڑی خندہ پیشانی سے انہوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے ایک فتویٰ دیا تھا خاقان کے خلاف، بھائی، جو ترکی کا بادشاہ تھا۔ خاقان کے خلاف کوئی فتویٰ دیا، بھائی، چنانچہ اس بادشاہ نے ان کو جیل میں ڈال دیا اور پندرہ سال تک یہ جیل میں رہے، بھائی، پندرہ سال تک۔ اور جیل بھی ایسی جیل نہیں جیسی آج کل کی ہے، بلکہ ایک گہرے کنوئیں میں ان کو قید کروا دیا، بھائی۔ اور ان کی ہمت دیکھیے اور ان کے علم کا اندازہ لگائیے، بھائی، یہ پندرہ سال تک اس گہرے کنوئیں کے اندر قید رہے لیکن علم کے چاہنے والے، علم کے طلب کرنے والے آپ جیسے طلبہ ان کے پاس پھر بھی پہنچتے رہے۔ طلبہ آتے، کنوئیں کے پاس جمع ہو جاتے اور یہ کنوئیں کے اندر سے ان کو درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح درس دیتے ہوئے انہوں نے مشہور کتاب جو ہے مبسوطِ سرخسی، مبسوطِ سرخسی انہوں نے جیل کے اندر بیٹھے ہوئے، کنوئیں کے اندر قید کی حالت میں املا کروائی جو پندرہ جلدوں کے اندر ہے، بھائی، پندرہ جلدوں میں۔ اور پندرہ جلدوں میں ہے اور آج کل یہ جو چھپی ہے تیس جلدوں کے اندر ہے، بھائی، تیس جلدوں میں چھپی ہے، تو جلدیں بھی بڑی بڑی تھیں جن کو اب دگنا کر دیا گیا، بھائی۔ سمجھ میں آیا، بھائی؟ تو تیس جلدوں میں۔

اور جانتے ہو یہ مبسوطِ سرخسی کیا ہے؟ یہ شرح ہے کافی کی، کافی کتاب جو صدر، جو حاکم شہید کی کتاب ہے، بھائی، حاکم شہید۔ حاکم شہید کی کتاب ہے کافی اور اس میں انہوں نے ظاہرِ روایت کی ساری کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔ کافی کیا ہے؟ ظاہرِ روایت کی جو چھ کتابیں ہیں: مبسوط، زیادات، سیر صغیر، سیر کبیر، جامعِ صغیر، جامعِ کبیر۔ تو انہوں نے کافی کے اندر ان ساری کتابوں کو مرتب کر کے مختصر طریقے پر سب کو جمع کر دیا ہے بڑے خوبصورت انداز میں۔ اور پھر اس کی شرح کی کس نے؟ امام سرخسی نے، اور قید کی حالت میں۔ اور قید کی حالت میں تھے، کوئی کتاب پاس نہیں ہوتی تھی، کوئی شروحات وغیرہ پاس نہیں تھیں لیکن حافظے کا عالم دیکھیے، بھائی۔ حافظے کا عالم دیکھیے کہ اس کافی کی شرح انہوں نے پندرہ جلدوں میں لکھوائی، بھائی۔ اور اس کے اندر وہ بڑی کثرت سے احادیث بھی نقل کرتے ہیں، صحابہ کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں، فقہاء کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔ تو یہ انہوں نے سارا اپنے حافظے سے انہوں نے لکھوایا، اتنا عظیم اور اتنا قوی حافظہ اللہ نے ان کو نصیب فرمایا تھا۔ تو یہ کتاب پندرہ جلدوں میں لکھوائی۔

اسی طرح دوسری کتاب، بھائی، جامعِ کبیر کی شرح انہوں نے لکھی دو جلدوں کے اندر، وہ بھی اسی طرح قید کی حالت میں ہی املا کروائی، بھائی، قید کی حالت میں۔ ہاں، وہ جب تکمیل کے قریب تھی تو اس وقت رہائی کا پروانہ آ گیا، بادشاہ نے رہا کرنے کا حکم دیا، تو پھر رہا ہونے کے بعد جو کچھ حصہ رہ گیا تھا اس کو انہوں نے اسی سال مکمل کر لیا، بھائی، مکمل کر لیا۔ تو یہ ہیں، بھائی، ہمارے فقہائے کرام جنہوں نے دین کے لیے کتنی کتنی قربانیاں دیں اور کس طرح طلبہ نے ان سے علم حاصل کیا، بھائی، علم۔ اور پھر حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو فقہاء پر اعتراض کرتے ہیں، بھائی۔ اپنی حالت کو دیکھتے نہیں دین کے اندر کیا حالت ہے اور ان لوگوں کا اندازہ لگائیے کہ بادشاہ کے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں، بھائی، بادشاہ کے خلاف بلا خوف و خطر، بھائی۔ بادشاہ نے اپنی باندی کو آزاد کیا تھا اور بغیر عدت کے پھر فوراً نکاح کر لیا، حالانکہ اس میں کیا ضروری تھا کہ عدت گزارے تو پھر اس کے ساتھ نکاح کرے، تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ یہ بادشاہ نے ناجائز کام کیا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ تو بادشاہ نے پھر جیل میں ڈلوا دیا۔ جی، تو یہ ہیں امام سرخسی «رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً»، بھائی، «رَحْمَةً»۔

اچھا، بھائی، یہاں ایک اور فائدہ بھی آپ کو بتلا دوں۔ خاقان لفظ آیا خاقان، خاقان: خ، ا، ق دو نقطوں والا، اور پھر ن، خاقان۔ خاقان ترکی کے بادشاہ کو کہتے تھے،

سبق نمبر ۱۶: مسئلہ: اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

ترکی کے بادشاہ کا لقب تھا۔ یہ کوئی خاص بادشاہ نہیں تھا، ترکی کے ہر بادشاہ کو خاقان کہا جاتا تھا۔ جیسے روم کے ہر بادشاہ کو قدیم زمانے میں قیصر کہتے تھے، فارس کے ہر بادشاہ کو کسریٰ کہتے تھے، بھائی، کاف چھوٹا، س، ر اور ی اوپر کھڑی زبر۔ فارس کے ہر بادشاہ کو کیا کہتے تھے؟ کسریٰ کہتے تھے۔ مصر کے ہر بادشاہ کو عزیز کہتے تھے، بھائی، عزیز کہتے تھے۔ قبطیوں کے ہر بادشاہ کو فرعون کہتے تھے، بھائی۔ حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے، بھائی، نجاشی۔ تو یہ نجاشی جن کا ذکر آتا ہے جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، یہ ان کا نام نہیں تھا نجاشی، ان کا نام اصحمہ تھا، اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تو نجاشی ان کا لقب، کیونکہ حبشہ کے ہر بادشاہ کو کہتے ہی کیا تھے؟ نجاشی۔ تو اسی طرح ترکی کے ہر بادشاہ کو خاقان کہا جاتا تھا۔ اور اسی طرح چین کے ہر بادشاہ کو فغفور کہا جاتا تھا: ف، غ، ف، و، ر۔ تو یہ قدیم بادشاہوں کے لقب تھے، تو یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ روم کے بادشاہ نے یوں کہا، بلکہ بس کہہ دیا جاتا قیصر نے یوں کہا ہے، سب سمجھ جاتے کس بادشاہ کی بات ہو رہی ہے؟ روم کے بادشاہ کی بات ہو رہی ہے، یا کسریٰ نے یوں کہا ہے، معلوم ہوا فارس کے بادشاہ کی بات ہو رہی ہے، یا عزیز نے یوں کہا ہے، معلوم ہوا کس بادشاہ کی بات ہو رہی ہے؟ مصر کے، بھائی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَجُوزُ...

«**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِمَاءِ الزَّعْفَرَانِ وَأَشْبَاهِهِ**»، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو کرنا جائز نہیں ہے **مَاءِ زَعْفَرَانْ** کے ساتھ «**وَأَشْبَاهِهِ**» اور جو اس کے مشابہ ہیں۔ «**أَشْبَاهِ**» جمع ہے «**شِبْهٌ**» کی، «**شِبْهٌ**» کا معنی ہے مثل، مثل، جیسا۔ تو جو اس کے مشابہ، **مَاءِ زَعْفَرَانْ** جیسے ہیں یعنی **مَاءِ صَابُونْ، مَاءِ أُشْنَانْ** اور **مَاءِ زَرْدَجْ**، ہمارے نزدیک تو ان سے وضو کرنا جائز، امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ان کے ساتھ وضو کرنا جائز نہیں ہے، بھائی۔

«**مِمَّا لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْأَرْضِ**»، ان چیزوں میں سے جو زمین کی جنس میں سے نہیں ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **مَاءِ زَعْفَرَانْ** اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں جو زمین کی جنس میں سے نہیں ہیں، ان کے پانیوں سے وضو کرنا، طہارت حاصل کرنا جائز نہیں۔ بھئی، کچھ چیزیں تو زمین کی جنس میں سے ہیں، مٹی ہے، ریت ہے اور اسی طرح اور جو چیزیں ہیں زمین کی جنس میں سے چونا وغیرہ، جی، تو یہ چیزیں، ان کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جو زمین کی جنس میں سے جو چیزیں ہیں ریت، مٹی وغیرہ، ان سے تو بچنا ممکن ہی نہیں، ان سے بچنا تو ممکن ہی نہیں ہے، اس لیے یہ معاف ہیں، ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس پانی سے وضو اس پانی سے وضو وغیرہ کرنا جائز ہو گا، بھائی۔ لیکن جس پانی کے اندر زعفران، اشنان اور اس جیسی چیزیں مل جائیں، ان سے وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ **مَاءِ مُطْلَقْ** رہا ہی نہیں، اب وہ **مَاءِ مُقَيَّدْ** بن گیا۔ کیا بن گیا؟ **مَاءِ مُقَيَّدْ** بن گیا، اب اس کو کوئی پانی نہیں کہتا بلکہ زعفران کا پانی کہتا ہے، اس کو کوئی پانی نہیں کہتا بلکہ اشنان کا پانی کہتا ہے، تو دیکھو «**مَاءُ الزَّعْفَرَانِ**»، «**مَاءُ الْأُشْنَانِ**»، دیکھو اضافت ہو رہی ہے باقاعدہ، اشنان کا پانی، زعفران کا پانی۔ تو یہ **مَاءِ مُطْلَقْ** نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ **مَاءِ مُقَيَّدْ**۔ اور ہمیں وضو وغیرہ کا جو حکم دیا گیا ہے وہ **مَاءِ مُطْلَقْ** کے ساتھ وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب وہ نہ ہو **مَاءِ مُطْلَقْ**، یہ والا پانی **مَاءِ زَعْفَرَانْ** ہے تو **مَاءِ مُطْلَقْ** تو نہیں ہے، اور کوئی پانی ہے ہی نہیں تو **مَاءِ مُطْلَقْ** معدوم ہوا، اور **مَاءِ مُطْلَقْ** جب معدوم ہو تو پھر تیمم کیا جائے گا، یہ زعفران کے پانی سے وضو نہیں کیا جائے گا۔

تو کہتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «**لِأَنَّهُ مَاءٌ مُقَيَّدٌ**»، یہ دلیل ان کی آ گئی کیونکہ یہ **مَاءِ مُقَيَّدْ** ہے۔ «**أَلَا يَرَى**»، بھئی، یہ «**تَرَى**» ہونا چاہیے، «**تَرَى**»، بھائی، یا نہیں، تا۔ ہدایہ کے دیگر نسخوں میں یہاں تا ہے: «**أَلَا تَرَى**» اور یہی مناسب بنتا ہے یہاں۔ «**أَلَا تَرَى**»، کیا آپ دیکھتے نہیں «**أَنَّهُ يُقَالُ مَاءُ الزَّعْفَرَانِ**» کہ کہا جاتا ہے «**مَاءُ الزَّعْفَرَانِ**»، اس پانی کو کیا کہتے ہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل چل رہی ہے، فرماتے ہیں کہ یہ **مَاءِ مُطْلَقْ** نہیں بلکہ یہ کیا ہے؟ **مَاءِ مُقَيَّدْ**۔ کیا آپ دیکھتے نہیں اس کو کیا کہا جاتا ہے؟ «**مَاءُ الزَّعْفَرَانِ**» کہا جاتا ہے، «**بِخِلَافِ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ**»، بخلاف زمین کے اجزاء کے، ان کے وہ ملے ہوئے ہوں تو وضو جائز، «**لِأَنَّ الْمَاءَ لَا يَخْلُو عَنْهَا عَادَةً**»، اس لیے کیونکہ پانی خالی نہیں ہوتا ان چیزوں سے عادۃً۔ عادۃً مٹی، ریت وغیرہ سے پانی خالی نہیں، یہ چیزیں تو ملی ہی ہوتی ہیں، لہٰذا ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن زعفران وغیرہ مل گئے تو یہ **مَاءِ مُقَيَّدْ** بن گیا، **مَاءِ مُطْلَقْ** رہا ہی نہیں۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«**وَلَنَا**»، اب صاحبِ ہدایہ ہماری دلیل ذکر فرما رہے ہیں کہ «**وَلَنَا أَنَّ اسْمَ الْمَاءِ بَاقٍ عَلَى الْإِطْلَاقِ**»، ہماری دلیل یہ ہے کہ **اسْمِ مَاءْ** باقی ہے اپنے اطلاق پر۔ پانی کا نام ابھی بھی علی الاطلاق باقی ہے یعنی ابھی بھی اس پر مطلقاً پانی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ زعفران اگرچہ تھوڑا سا مل بھی جائے پھر بھی اس کو کیا کہا جاتا ہے؟ پانی ہی۔ اشنان یا صابن معمولی سا کچھ مل بھی جائے تو بھی اس کو کیا کہا جاتا ہے؟ پانی ہی کہا جاتا ہے۔ «**أَلَا يَرَى**»، یہاں پھر یہ تا ہونی چاہیے: «**أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَمْ يَتَجَدَّدْ لَهُ اسْمٌ عَلَى حِدَةٍ**»، کیا آپ دیکھتے نہیں «**أَنَّهُ لَمْ يَتَجَدَّدْ لَهُ**» کہ نہیں نیا ہوا اس کے لیے «**اسْمٌ**» کوئی نام «**عَلَى حِدَةٍ**» علیحدہ، بھائی۔ ہم کہتے ہیں، بھائی، کہ زعفران وغیرہ مل جائے پھر بھی یہ کیا ہے؟ **مَاءِ مُطْلَقْ** ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ اس کے لیے کوئی علیحدہ نام نہیں ہے، بھائی، اب بھی اس پر کیا لفظ بولا جاتا ہے؟ پانی ہی کا لفظ بولا جاتا ہے: «**مَاءُ الزَّعْفَرَانِ**»، ماء کا لفظ آیا یا نہیں آیا، بھائی؟ تو پانی ہی کا لفظ بولا جاتا ہے۔

اور باقی آپ جو فرما رہے ہیں کہ زعفران کی قید آ گئی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ بھئی یہ جو اضافت ہے، یہ دو قسم کی ہے: ایک اضافتِ تعریف ہے، ایک اضافتِ تقیید ہے،

بھائی۔ ت، ق، ی پھری اور د: اضافتِ تقیید، بھائی۔ تو ہم کہتے ہیں اضافت دو قسم پر ہے: ایک اضافتِ تعریف ہے، ایک اضافتِ تقیید ہے۔ اضافتِ تعریف وہ پہچان کے لیے ہوتی ہے، اس سے چیز کی حقیقت نہیں بدلتی۔ چیز کی حقیقت وہی ہوتی ہے، صرف پہچان کے لیے اضافت کی جاتی ہے۔ اور اضافتِ تقیید، اس میں چیز کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے، حقیقت ہی اور ہوتی ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر جو «مَاءُ الزَّعْفَرَانِ» کے اندر اضافت ہے، یہ اضافتِ تعریف کے قبیل سے ہے۔ یہاں جو اضافت کی گئی ہے وہ صرف پہچان کے لیے کی گئی ہے، اس وجہ سے نہیں کی گئی کہ پانی کی حقیقت ہی بدل گئی ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے آپ کہتے ہیں «مَاءُ الْعَيْنِ»، چشمے کا پانی، «مَاءُ الْبِئْرِ»، کنوئیں کا پانی۔ تو دیکھیے یہاں ماء کی اضافت اگرچہ عین اور کنوئیں کی طرف ہے، چشمے اور کنوئیں کی طرف، لیکن یہ اضافت کس لیے ہے؟ صرف پہچان کے لیے، یہ بتلانے کے لیے کہ یہ کنوئیں کا پانی ہے یا یہ کس کا پانی ہے؟ چشمے کا پانی ہے، صرف پہچان کروانے کے لیے، بتلانے کے لیے ہے۔ پانی اسی طرح پانی ہے، اس کی حقیقت کوئی بدلی ہوئی ہے؟ پانی تو وہی ہے، تو یہ اضافت صرف پہچان کے لیے ہے۔ تو «مَاءُ الزَّعْفَرَانِ» کے اندر بھی یہ اضافت صرف کس لیے ہے؟ پہچان کے لیے ہے، یہ اضافتِ تقیید کے قبیل سے نہیں ہے۔ اضافتِ تقیید وہاں جو اضافت ہوتی ہے وہ یہ بتلانے کے لیے ہوتی ہے کہ چیز کی حقیقت ہی بدل چکی ہے، جیسے «مَاءُ الْمَرَقِ»، «مَاءُ الْمَرَقِ»، شوربے کا پانی۔ اب یہاں ماء کی اضافت مرق کی طرف ہو رہی ہے لیکن آپ بتائیے، شوربہ پانی ہی ہوتا ہے یا اس کی حقیقت ہی بدل چکی ہے؟ اس کی تو حقیقت ہی بدل چکی ہے، معلوم ہوا یہ اضافتِ تعریف نہیں بلکہ اضافتِ تقیید ہے جس میں حقیقت ہی بدلی ہوتی ہے۔ تو «مَاءُ الزَّعْفَرَانِ» یہ اضافتِ تعریف کے قبیل سے ہے، اضافتِ تقیید کے قبیل سے نہیں۔ یہ صرف پہچان کے لیے ہے، تھوڑا بہت جو زعفرا... زعفران مل گیا ہے پانی کے اندر، بس بتلانے کے لیے ہے، بھائی۔ پانی کی حقیقت اسی طرح ہے، پانی اسی طرح پتلا ہے، پانی اسی طرح بہنے والا ہے، پانی اسی طرح چیزوں کو صاف کرنے والا ہے، بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی، بھائی؟

■ مسئلہ: أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَمْ يَتَجَدَّدْ لَهُ اسْمٌ عَ...

«أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَمْ يَتَجَدَّدْ لَهُ اسْمٌ عَلَى حِدَةٍ»، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس کے لیے کوئی علیحدہ نیا نام نہیں ہے۔ «وَإِضَافَتُهُ إِلَى الزَّعْفَرَانِ كَإِضَافَتِهِ إِلَى الْبِئْرِ وَالْعَيْنِ»، اور یہ جو ماء کی اضافت ہوئی ہے زعفران کی طرف، یہ جیسے کہ ماء کی اضافت ہے بئر اور عین کی طرف، یہ اسی کی طرح ہے۔ «وَلِأَنَّ الْخَلْطَ الْقَلِيلَ لَا يُعْتَبَرُ بِهِ لِعَدَمِ إِمْكَانِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ»، اور اس لیے کیونکہ خلط کہتے ہیں ملنا کسی چیز کا دوسری کے ساتھ، تو یہاں ملاوٹ کے معنی میں ہے: «وَلِأَنَّ الْخَلْطَ الْقَلِيلَ»، اور اس لیے کیونکہ تھوڑی سی ملاوٹ جو ہے یعنی ان چیزوں کی جو تھوڑی سی ملاوٹ ہے «لَا يُعْتَبَرُ بِهِ»، اس کا کوئی اعتبار نہیں «لِعَدَمِ إِمْكَانِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ»، اس لیے کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اس سے بچنا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، بھائی، آپ کے علاقے کی بات نہیں ہو رہی، جن علاقوں میں زعفران پایا جاتا ہے، جہاں استعمال ہوتا ہے زعفران، تو وہاں پر ہر چیز میں وہ استعمال کرتے ہیں تو پانی کے اندر کچھ نہ کچھ کبھی کہیں گر جائے گا تھوڑا بہت، اس سے تو بچنا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ وہ عام استعمال کرتے ہیں، ان کے پاس ہر چیز میں زعفران گھر میں پڑا ہوا ہے، چیزوں میں پڑا ہوا ہے، استعمال کر رہے ہیں، وہاں اگتا ہے وغیرہ، تو وہ کچھ نہ کچھ تو پانی کے اندر گر جائے گا، اس سے بچنا تو ممکن ہی نہیں، اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اس پانی سے اب وضو جائز نہیں تو وہ لوگ تو بڑی مشکل میں اور تکلیف میں پڑ جائیں گے۔ تو لہٰذا عند الاحناف یہ اگر چیزیں تھوڑی بہت مل بھی جائیں تو وہ ماءِ مُطْلَق ہی ہے، اس سے وضو کرنا اور پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ الْخَلْطَ الْقَلِيلَ لَا يُعْتَبَرُ بِهِ»، اور تھوڑی ملاوٹ جو ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے «لِعَدَمِ إِمْكَانِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ»، اس وجہ سے کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے «كَمَا فِي أَجْزَاءِ الْأَرْضِ»، جیسے کہ زمین کے اجزاء میں ہے، زمین کے جیسے اجزاء ہیں مٹی، ریت وغیرہ جیسے ان سے بچنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح ان سے بچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ «فَيُعْتَبَرُ الْغَالِبُ»، تو لہٰذا غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔ اب تھوڑا سا زعفران ملا تو زعفران غالب یا پانی غالب؟ پانی غالب ہے، تو اس غالب کا «فَيُعْتَبَرُ الْغَالِبُ»، غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔ «وَالْغَلَبَةُ بِالْأَجْزَاءِ لَا بِتَغَيُّرِ اللَّوْنِ»، اور غلبہ جو ہے وہ اجزاء سے ہوتا ہے، رنگ کے بدلنے سے نہیں۔ زعفران کا تو رنگ ہے، وہ تھوڑا سا بھی ملے گا تو پانی کے اندر کچھ نہ کچھ زردی تھوڑی سی آ جائے گی، تو اس زردی کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ زعفران پانی پر غالب آ گیا ہے، بلکہ غالب آنے کا پتہ کس سے چلے گا؟ اجزاء اس کے غالب آ جائیں، خوب سارا اگر جائے اب وہ خوب غالب آ جائے گا، تو اس صورت میں تو ہم بھی کہتے ہیں اب اس کے ساتھ وضو کرنا جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَالْغَلَبَةُ بِالْأَجْزَاءِ لَا بِتَغَيُّرِ اللَّوْنِ»، اور غلبہ جو ہے وہ اجزاء کے ساتھ ہے نہ کہ رنگ کے بدلنے سے، «وَهُوَ الصَّحِيحُ»، یہی قول صحیح ہے۔

«وَإِنْ تَغَيَّرَ بِالطَّبْخِ بَعْدَ مَا خَلَطَ بِهِ غَيْرُهُ لَا يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِهِ»، یہاں سے یہ مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ اگر پانی کے ساتھ کوئی پاک چیز ملی اور پھر اس کو پکایا گیا اور اس وجہ سے وہ بدل گیا پانی، یعنی اس چیز کے اجزاء پانی کے ساتھ بالکل مل گئے، بھائی، تو اب اس صورت میں اس اس صورت میں اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، بھائی۔ تو اگر پانی میں چیز ملی اور پھر اس کو پکایا اور پکانے سے پانی اب بدلا ہے، تو اب اس کے ساتھ وضو کرنا جائز نہیں ہے، بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ تَغَيَّرَ بِالطَّبْخِ»، اور اگر پانی بدلا پکانے کی وجہ سے «بَعْدَ مَا خَلَطَ بِهِ غَيْرُهُ»، بعد اس کے جبکہ اس کے ساتھ اس کے غیر کوئی چیز مل گئی تھی، پانی کے ساتھ کوئی اور چیز مل گئی تھی پھر اس کو پکایا گیا اور وہ بدل گیا، «لَا يَجُوزُ التَّوَضُّؤُ بِهِ»، تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے «لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ فِي مَعْنَى الْمُنْزَلِ مِنَ السَّمَاءِ»، اس لیے کیونکہ

اب وہ پانی باقی نہیں رہا مُنْزَلْ مِنَ السَّمَاءِ کے معنی میں۔ اب یہ آسمان سے نازل کیے ہوئے پانی کی طرح نہ رہا، بھائی۔

■ مسئلہ: إِلَّا إِذَا طُبِخَ فِيهِ مَا يُقْصَدُ بِهِ الْمَبْ...

«إِلَّا إِذَا طُبِخَ فِيهِ مَا يُقْصَدُ بِهِ الْمُبَالَغَةُ فِي النَّظَافَةِ»، ہاں، سوائے اس صورت میں جب پانی میں پکایا جائے ایسی چیز کو کہ مقصود اس کے ذریعے پاکی، صاف ستھرا کرنے میں مبالغہ مقصود ہو۔ نظافت کا معنی صاف ستھرا کرنا، دھونا اور اس میں مبالغہ۔ سوائے اس چیز... بھئی، کوئی چیز پانی کے ساتھ ملا کر پکائی گئی اور ملا کر پکانے کا مقصد کیا تھا کہ زیادہ صفائی حاصل ہو اس پانی کے ساتھ، تو دیکھیے اس صورت میں اب اس سے وضو وغیرہ کرنا جائز ہے، بھائی، جائز ہے۔ یہ معنی ہے: «إِلَّا إِذَا طُبِخَ فِيهِ مَا يُقْصَدُ بِهِ الْمُبَالَغَةُ فِي النَّظَافَةِ»، مگر یہ کہ جب پکایا جائے پانی کے اندر ایسی چیز کو کہ مقصود اس کے ذریعے مبالغہ فی النظافت ہو، نظافت، پاکی حاصل کرنے میں مبالغہ مقصود ہو، «كَالْأُشْنَانِ وَنَحْوُهُ»، جیسے کہ اشنان ہے اور اس جیسی چیزیں ہیں، بھائی۔

«وَنَحْوُهُ» پڑھنا، بھائی، «نَحْوِهِ» نہ پڑھنا، اس کا عطف «كَالْأُشْنَانِ» پر ہے، «أُشْنَان» پر نہیں۔ «أُشْنَان» پر عطف ہو تو اشنان تو کیا ہے؟ مجرور، اس پر کاف جارہ داخل ہوا اور کاف جارہ کس معنی میں ہے؟ «مِثْلُ» کے معنی میں ہے: أَيْ مِثْلُ الْأُشْنَانِ، اور نحو کا اپنا معنی بھی کیا؟ مثل کے معنی میں، تو اگر اس کا عطف اشنان پہ ہو گا تو عبارت کیسے بن جائے گی؟ «كَنَحْوِهِ»، کاف کا معنی بھی مثل، نحو کا معنی بھی مثل کہ اس کے مثل کا مثل نہ ہو، بھائی، پھر ترجمہ صحیح نہیں، بھائی۔ تو لہٰذا اس کا عطف اس پر ہو گا، جی: «وَنَحْوُهُ»، اور اس جیسی چیزیں۔

«لِأَنَّ الْمَيِّتَ يُغْسَلُ بِالْمَاءِ الَّذِي أُغْلِيَ بِالسِّدْرِ»، اس لیے کیونکہ میت جو ہے اس کو غسل دیا جاتا ہے اس پانی کے ساتھ «أُغْلِيَ بِالسِّدْرِ»، جس کو جوش دیا گیا ہو، جس کو ابالا گیا ہو سدر، بیری کے ساتھ۔ سدر بیری کو کہتے ہیں یعنی پتے مراد ہیں اس کے۔ اس لیے کیونکہ میت جو ہے اس کو غسل دیا جاتا ہے اس پانی کے ساتھ جس میں جس میں بیری کو ابالا گیا ہو، بیری کے پتوں کو جوش دیا گیا ہو۔ «بِذَلِكَ وَرَدَتِ السُّنَّةُ»، اسی کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے۔ اسی کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے یعنی یہ سنت ہے، مسنون ہے، بھائی، کہ میت کو کس طرح اسی طرح غسل دیا جائے ایسے پانی کے ساتھ جس میں بیری کے پتوں کو جوش دیا گیا ہو، ابالا گیا ہو۔

بھئی، بعض احادیث کے اندر ذکر آتا ہے، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا انتقال ہوا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وہاں پر عورتیں، صحابیات موجود تھیں ان سے فرمایا کہ اس کو غسل دے دو بیری کے پانی سے۔ اسی طرح بعض احادیث میں آیا ہے کہ اس کو غسل دینے کا ماء اور پانی اور بیری کے ساتھ۔ تو بہر حال یہ ذکر تو آیا ہے احادیث کے اندر بیری کا پانی ہے یا بیری اور پانی کا ذکر آیا ہے لیکن یہ ذکر حدیث میں نہیں ہے کہ پانی کو میں بیری کے پتے ڈال کر ان کو ابالا جائے، بھائی۔ یہ ابالنے کا ذکر نہیں ملتا احادیث کے اندر۔ چنانچہ شارحین یہاں پر اعتراض کرتے ہیں صاحب ہدایہ پر کہ آپ نے کیا فرمایا کہ اسی پر سنت وارد ہوئی ہے یعنی یہ سنت میں اس کا ذکر آیا ہے، احادیث میں، حالانکہ احادیث میں تو ابالنے کا ذکر کہیں نہیں۔ ماء اور سدر کا ذکر تو ملتا ہے، ابالنے کا ذکر نہیں ملتا، بھائی۔ تو جواب یہ کہ صاحب ہدایہ حدیث کی مراد بیان کر رہے ہیں، بھائی۔ کیا کر رہے ہیں؟ حدیث کی مراد بیان کر رہے ہیں۔ اگر صرف بیری کے پتوں کو پانی میں ڈالا جائے تو پھر تو فائدہ نہیں، بیری کے پتوں کو کیا کیا جائے؟ پانی میں جوش دیا جائے گا، ابالا جائے گا تو پھر ہی ان میں زیادہ پاک کرنے کی وہ پانی پھر زیادہ پاک کرنے والا ہو گا، تو وہ مراد بیان فرما رہے ہیں۔ لیکن بہر حال ابالنے کا ذکر احادیث میں نہیں ہے، بھائی۔

■ مسئلہ: إِلَّا أَنْ يَغْلِبَ ذَلِكَ عَلَى الْمَاءِ

«إِلَّا أَنْ يَغْلِبَ ذَلِكَ عَلَى الْمَاءِ»، مگر یہ کہ وہ بیری پانی پر غالب آجائے۔ وہ چیز کیا ہو؟ پانی پر غالب آجائے۔ جو بھی چیز پانی میں ملا کر پکائی گئی زیادہ صاف کرنے کے لیے، اس سے پاکی حاصل کرنا جائز، مگر یہ کہ وہ چیز پانی پر غالب آجائے، پانی کو بدل ہی دے تو پھر اس سے وضو وغیرہ جائز نہیں۔ «فَيَصِيرُ كَالسَّوِيقِ الْمَخْلُوطِ»، سویق کہتے ہیں ستو کو، بھائی، ستو۔ تو یہ پھر اس صورت میں کس کی طرح ہو جائے گا؟ «كَالسَّوِيقِ»، اس ستو کی طرح «الْمَخْلُوطِ» جو ملایا گیا ہے، یعنی جو پانی کے ساتھ ملایا گیا ستو ہے، پھر یہ اس کی طرح۔ بھائی، وہ چیز جب زیادہ ملائی اور پانی کو جوش دیا گیا تو اب وہ چیز اس نے پانی ہی کو بدل دیا پورے طور پر، جیسے ستو کو پانی کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو وہ پھر پانی نہیں رہتا، اسے کوئی بھی پانی نہیں کہتا، بھائی۔ «فَيَصِيرُ كَالسَّوِيقِ الْمَخْلُوطِ»، تو یہ ہو جائے گا ملائے ہوئے ستو کی طرح۔ «لِزَوَالِ اسْمِ الْمَاءِ عَنْهُ»، اس وجہ سے کہ دور ہو گیا، زائل ہو گیا اس سے پانی کا نام۔ اس سے پانی کا نام دور ہو گیا، اب اسے پانی کوئی نہیں کہتا، بھائی۔ ستو وغیرہ تو کہیں گے، پانی نہیں کہتے، بھائی۔ چلیے بس بھائی، «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۷: مسئلہ: وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ

ہدایہ صفحہ: ۳۵ــــ بتاریخ: ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۲ء

وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ لَمْ يَجُزِ الْوُضُوءُ بِهِ قَلِيلًا كَانَتِ النَّجَاسَةُ أَوْ كَثِيرًا، وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: يَجُوزُ مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ أَحَدُ أَوْصَافِهِ لِمَا رَوَيْنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: يَجُوزُ إِنْ كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَا يَحْمِلُ خَبَثًا۔ [1]

■ مسئلہ: وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ

«**وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ**» اور ہر ایسا پانی۔ دیکھیے! ماء، «**كُلُّ مَاءٍ**» نکرہ آیا، اور اس کے بعد «**وَقَعَتْ**» فعل آیا، تو یہ موصوف صفت بنیں گے۔ «**وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ**» ہر ایسا پانی کہ نجاست گر پڑے اس میں، «**لَمْ يَجُزِ الْوُضُوءُ بِهِ**» تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، «**قَلِيلًا كَانَتِ النَّجَاسَةُ أَوْكَثِيرًا**» تھوڑی ہو نجاست یا زیادہ۔

ہر وہ پانی جس کے اندر نجاست گر پڑے، اس سے وضو کرنا جائز نہیں یعنی اس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں، چاہے تھوڑی نجاست گری ہو، چاہے زیادہ، وہ پانی نجس ہو جائے گا بھائی۔ یاد رکھیے! اس سے مراد ماء قلیل ہے۔ کیا مراد ہے؟ ماء قلیل مراد ہے، ماء کثیر یعنی ماء جاری کے جو حکم میں ہوتا ہے، اور ماء جاری اس کا حکم آگے آرہا ہے، اسی صفحے کے آخر میں: «**وَالْمَاءُ الْجَارِي**» بھائی۔ یہاں سے پھر ماء جاری اور اسی طرح آگے ماء کثیر جو ہے اس کا حکم بیان کریں گے، تو یہ کس کا ذکر ہو رہا ہے؟ ماء قلیل کا، جو قلیل پانی ہو بھائی۔

یہ نہایت اہم مسئلہ ہے، اور خصوصاً دورۂ حدیث شریف کے اندر اس کی خوب تفصیل آجائے گی بھائی، خوب تفصیل۔ یہاں مختصر طور پر صاحب ہدایہ نے اس کو ذکر کیا اور صرف تین مذاہب ذکر کیے: ایک تو احناف کا مذہب، ایک امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب اور ایک امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بیان کیا۔

تفصیل یاد رکھیے بھائی! امام مالک رحمہ اللہ جو ہیں، وہ فرماتے ہیں: پانی، اس میں نجاست گرے تو وہ نجس نہیں ہوتا جب تک اس میں نجاست کا اثر دکھائی نہ دے۔ یعنی اثر دکھائی دینے کا معنی یہ ہے کہ پانی کے تین اوصاف میں سے کوئی وصف بدل جائے۔ پانی کا رنگ، بو، ذائقہ، ان میں سے کسی کے اندر تبدیلی آتی ہے تو پھر اس پانی کو نجس کہیں گے ورنہ نجس نہیں کہیں گے۔ جی، تو امام مالک رحمہ اللہ، وہ قلیل اور کثیر کا فرق کرتے ہی نہیں، وہ فرماتے ہیں پانی نجس ہوتا ہی نہیں جب جتنی بھی نجاست گر پڑے، جب تک اس نجاست کا اثر اس پانی میں دکھائی نہ دے، تو وہ قلیل اور کثیر ماء کا فرق کرتے ہی نہیں ہیں بھائی۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور احناف جو ہیں، وہ قلیل اور کثیر میں فرق کرتے ہیں۔ شوافع کے نزدیک بھی اور احناف کے نزدیک بھی ماء قلیل کے اندر نجاست گر پڑے چاہے تھوڑی سی ہی کیوں نہ ہو، پانی نجس ہو جائے گا۔ اور اگر ماء کثیر ہو، زیادہ ہو تو اس میں نجاست گرنے سے وہ نجس نہیں ہو گا جب تک اس میں نجاست دکھائی نہ دے بھائی، جب تک اس میں نجاست کا اثر نہ دکھائی دے، اس وقت تک وہ پانی نجس نہیں ہو گا بھائی۔ خلاصۂ مذاہب سمجھ میں آیا بھائی؟ امام مالک رحمہ اللہ ماء قلیل، ماء کثیر میں کوئی فرق نہیں کرتے، فرماتے ہیں پانی نجس ہو گا ہی نہیں جتنی بھی نجاست گر پڑے جب تک اس نجاست کا اثر پانی کے اندر ظاہر نہ ہو جائے بھائی، پانی کے رنگ، بو یا ذائقے میں کوئی تبدیلی نہ نظر آئے بھائی، اس وقت تک پانی نجس نہیں۔ جبکہ احناف اور شوافع فرق کرتے ہیں۔ احناف اور شوافع کے نزدیک ماء قلیل اس کے اندر تھوڑی سی بھی نجاست گر گئی تو پانی کیا ہو جائے گا؟ نجس ہو جائے گا بھائی، اوصاف کا بدلنا ضروری نہیں۔ ماء قلیل ہے، بس نجاست گری، نجس ہو جائے گا۔ ہاں ماء کثیر جو ہے وہ نجاست کے گرنے سے نجس نہیں ہوتا اِلّا یہ کہ اس کے اندر نجاست کا اثر دکھائی دینے لگے بھائی۔

---

[1] شاملہ (ص ۱۱) میں «**النَّجَاسَةُ فِيهِ**» کے بجائے «**فيها لنجاسة**»، شاملہ (ص ۱۱) میں «**إِنْ**» کے بجائے «**إذا**»، شاملہ (ص ۱۱) میں «**لَا**» کے بجائے «**لم**» درج ہے۔

پھر ماء قلیل کسے کہتے ہیں اور ماء کثیر کسے کہتے ہیں؟ اس میں شوافع کا مذہب الگ اور احناف کا مذہب الگ۔ اس بات پہ تو اتفاق تھا کہ ماء قلیل نجس ہو جاتا ہے اور ماء کثیر نجس نہیں، ہاں لیکن قلیل کسے کہیں گے، کثیر کسے کہیں گے، وہ الگ تعریف کرتے ہیں۔ شوافع کے نزدیک پانی اگر دو مٹکے کی مقدار ہو، دو مٹکے بھائی، دو مٹکے کی مقدار پانی ہو تو یہ ماء کثیر ہے، اس سے کم ہو تو یہ ماء قلیل ہے بھائی۔ تو دو مٹکے سے کم پانی ہے، اس میں ایک قطرہ بھی پیشاب کا گر گیا یا خون کا گر گیا یا شراب کا گر گیا، پانی سارا کیا ہو جائے گا؟ نجس ہو جائے گا، نجس ہو جائے گا۔ اور دو مٹکے ہو تو پھر وہ نجس نہیں ہو گا اِلّا یہ کہ کیا ہو؟ نجاست کا اثر دکھائی دینے لگے۔ آپ چلو میں پانی لیتے ہیں اور باقاعدہ اس کے اندر پانی کا اثر نظر آتا ہے تو پھر اس صورت میں وہ نجس شمار ہو گا۔ تفصیل سمجھ میں آئی بھائی؟ تو شوافع کے نزدیک ماء کثیر کتنا ہے؟ دو مٹکے، اور ماء قلیل جو دو مٹکے سے کم ہو بھائی ان کا۔

جبکہ احناف جو ہیں، احناف، احناف میں ماء قلیل اور ماء کثیر کسے کہیں گے اس میں کئی اقوال ہیں۔ ایک دو قول بس میں ذکر کروں گا بھائی۔ احناف کے نزدیک ماء قلیل اور ماء کثیر یہ مبتلیٰ بہ کی رائے کے سپرد ہے۔ احناف کے نزدیک بھائی ماء کثیر کسے کہیں گے؟ وہ فرماتے ہیں کہ یہ مبتلیٰ بہ کی رائے کے سپرد ہے۔ مبتلیٰ بہ جس کا پانی کے استعمال سے واسطہ پڑا ہے، جس کو یہ بات پیش آئی ہے، اگر اس کی رائے میں ایک پانی کثیر ہے تو اس کو کثیر سمجھا جائے گا اور اگر اس کی رائے میں وہ ماء جس سے اس کا واسطہ پڑا ہے اگر وہ قلیل ہے تو اس کو قلیل سمجھا جائے گا بھائی۔ کیا سمجھا جائے گا؟ قلیل۔ یعنی مطلب یہ ہے مبتلیٰ بہ جو ہے اس کے سامنے کچھ پانی موجود ہے۔ پانی میں نجاست گری، ایک شخص ہے اس کو پانی کی ضرورت پیش آئی اور پانی نہیں، ایک جگہ پر پانی اس نے دیکھا مثلاً پانی ہے اور اس کے ایک کنارے پر نجاست ہے، اگر اس مبتلیٰ بہ جس کا اس پانی کے استعمال سے واسطہ پڑا ہے اگر اس کی یہ رائے ہے کہ یہ نجاست دوسرے کنارے تک دوسری طرف پہنچ گئی ہو گی تو یہ سارا پانی نجس شمار ہو گا، معلوم ہوا یہ ماء قلیل ہے۔ اور اگر اس کا خیال یہ ہے کہ یہ نجاست دوسری طرف نہیں پہنچی ہو گی تو معلوم ہوا اس کی رائے میں یہ ماء کثیر ہے، تو اس کے لیے دوسری طرف سے وضو کرنا جائز ہے بھائی۔ جی، تو معلوم ہوا احناف کے نزدیک ایک قول کیا ہوا کہ ماء قلیل اور کثیر اس کا یہ کس کے سپرد ہے؟ مبتلیٰ بہ کی رائے کے سپرد۔ اور مبتلیٰ بہ کیا معنی کون؟ وہ جو اس میں مبتلا ہوا یعنی جس کو پیش آیا ہے یہ واقعہ، جس کا اس پانی سے واسطہ پڑا ہے۔ تو اس کا اگر یہ خیال ہے کہ نجاست کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچا ہو گا تو معلوم ہوا اس کے خیال میں یہ ماء کثیر ہے۔ اور رائے مختلف ہوتی ہیں بھائی۔ ایک آدمی کے نزدیک ہو سکتا ہے ایک ماء قلیل ہو اور دوسرے کے نزدیک کیا ہو؟ کثیر ہو، تو بہر حال جو بھی مبتلیٰ بہ ہے اس کی رائے کے سپرد ہے بھائی، رائے کے سپرد ہے۔

یہ ایک قول ہے بھائی، ایک قول۔ اور یہ، یہی مذہب ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھائی، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا۔ اور اسی کی طرف رجوع ثابت ہے امام محمد رحمہ اللہ سے بھی بھائی، انہوں نے بھی اسی کی طرف رجوع فرمایا بھائی۔

جبکہ متأخرینِ احناف جس قول پر فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر پانی دہ در دہ ہو بھائی، یعنی «عَشْرًا فِي عَشْرٍ»، دہ در دہ، اگر اتنی مقدار ہے پانی کی تو پھر یہ ماء کثیر ہے، اگر اس سے کم ہے تو یہ قلیل ہے بھائی۔ دہ در دہ یعنی «عَشْرًا فِي عَشْرٍ» یعنی دس ضرب دس، دس ضرب دس۔ دس ضرب دس کا معنی یہ کہ پانی اتنا ہو کہ چوڑائی بھی اس کی دس گز ہو اور لمبائی بھی اس کی کتنی ہو، کتنی جگہ میں وہ پھیلا ہوا ہے؟ دس۔ لمبائی دس گز اور چوڑائی بھی دس گز، تو یہ ہے «عَشْرًا فِي عَشْرٍ»، دہ در دہ بھائی۔ یہ تالاب یا یہ جوہڑ جو ہے یہ دہ در دہ ہے اور یہ ماء کثیر شمار ہو گا۔ اس کے اندر اگر ایک طرف نجاست گرتی ہے تو دوسری طرف وضو کرنا جائز ہے بھائی۔ متأخرینِ احناف اس پر فتویٰ دیتے ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ متأخرینِ احناف اس پر فتویٰ دیتے ہیں۔

اور یہ گز یاد رکھنا شرعی گز مراد ہے، آج کل جو کپڑے کا گز رائج ہے وہ نہیں۔ شرعی گز یہ ذراع کو کہتے ہیں، کہنی سے لے کر یہ کہنی سے لے کر یہ بڑی انگلی کے سرے تک، یہ جو فاصلہ ہے یہ ہے ذراع بھائی، یہ ہے شرعی گز۔ اور یہ ڈیڑھ فٹ ہے بھائی، کتنا ہے؟ ڈیڑھ فٹ ہے بھائی۔ تو یہ آدمیوں کو نہ دیکھیں، کسی کا قد چھوٹا ہو گا، ہاتھ اس کا چھوٹا، کسی کا لمبا، تو بہر حال یہ متوسط درجے کا آدمی ہو تو اتنا ہو تا ہے اور یہ ڈیڑھ فٹ ہے۔ تو بس شرعی گز کتنا ہوا؟ شرعی گز یاد رکھیے ڈیڑھ فٹ کا ہے، اور آج کل جو کپڑے کا گز رائج ہے وہ تین فٹ کا ہے۔ معلوم ہوا اس میں دو وہ دو شرعی گز کے برابر ہے بھائی۔ اور میٹر، میٹر اس سے بھی تقریباً تین انچ زیادہ لمبا ہو تا ہے بھائی۔ جو آج کل گز ہے، میٹر اس سے تین انچ تقریباً زیادہ ہو تا ہے بھائی۔ تو ایک فٹ میں ہوئے بارہ انچ، ڈیڑھ فٹ میں کتنے ہوئے؟ اٹھارہ انچ۔ تو شرعی گز ہوا اٹھارہ انچ کا۔ اور یہ عام آج کل جو رائج کپڑے کا گز ہے وہ کتنا ہوا؟ تین فٹ ہے۔ تین فٹ، ایک فٹ میں بارہ انچ تو کل کتنے ہوئے؟ چھتیس انچ۔ تو گز چھتیس انچ کا ہوا آج کل کا۔ اور میٹر اس سے بھی تین انچ زیادہ ہو تا ہے تقریباً، تو وہ کتنا ہوا؟ انتالیس انچ کا ہو تا ہے بھائی۔ تو یہ شرعی گز مراد ہے۔ تو ایک تالاب ہے «عَشْرًا فِي عَشْرٍ»، لمبائی بھی دس گز شرعی اور چوڑائی بھی دس شرعی گز، تو یہ کتنا ہوا؟ فٹ کے حساب سے بتایئے بھائی! پندرہ فٹ چوڑائی اور پندرہ فٹ لمبائی، یہ دہ در دہ ہے بھائی۔ تو یہ ماء کثیر ہے، ماء کثیر۔ تو اس میں ایک طرف نجاست گرے تو دوسری طرف سے وضو کرنا جائز۔

یاد رکھیے! یہ جو دہ در دہ آیا بھائی دہ در دہ، یعنی چوڑائی بھی دس گز، دس شرعی گز اور لمبائی بھی پانی کی کتنی ہو؟ دس شرعی گز ہو۔ تو اس پانی کا رقبہ جو ہے ناسو مربع گز ہو گیا۔ زمین وغیرہ کا رقبہ عموماً جو بیان کیا جاتا ہے بھائی مربع گزوں کے ساتھ، وہ کس طرح ہو تا ہے؟ لمبائی کو چوڑائی کے ساتھ ضرب دیتے ہیں۔ تو لمبائی کتنی اس پانی کی؟ دس گز، چوڑائی بھی کتنی؟ دس گز، تو دس ضرب دس کتنا ہو گیا؟ سو۔ تو یہ اس پانی کو کہیں گے یہ سو مربع گز ہے۔ تو سو مربع گز کا تالاب یہ ہے ماء کثیر بھائی، ماء کثیر۔ تو سو مربع گز ہوں بھائی، چاہے لمبائی ایک طرف ایک جانب کم ہے، دوسری جانب زیادہ، تو بھی صحیح ہے۔ مثلاً ایک پانی ہے اس کی چوڑائی جو ہے وہ پانچ گز ہے اور لمبائی اس کی بیس گز ہے۔ لمبائی کتنی؟ اور چوڑائی کتنی ہے؟ پانچ گز۔ تو اب آپ یہ نہ کہیں یہ تو دہ در دہ نہیں ہے، بلکہ لمبائی ضرب چوڑائی: بیس گز ضرب پانچ گز کتنا ہوا؟ سو گز، یہ بھی سو گز ہے،

یہ وہی دہ در دہ ہے بھائی۔ تو اس سے بھی اس میں بھی ایک طرف نجاست گر پڑے تو دوسری طرف سے وضو کرنا جائز ہے بھائی۔ اور اگر ایک پانی ہے اس کی چوڑائی چار گز ہے اور لمبائی پچیس گز ہے، تو بھی یہ کتنے مربع گز ہوا؟ یہ بھی پچیس ضرب چار یہ سو مربع، تو یہ بھی سو مربع گز ہوا، یہ بھی کیا ہے؟ دہ در دہ ہی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو اس میں ایک طرف نجاست گرے تو دوسری طرف سے وضو کرنا جائز۔

پھر اس میں یہ بھی تفصیل یاد رکھنا کہ مراد ہے وہ نجاست جس کا ظاہری جسم ہو، کیا ہو؟ جو دکھائی دیتی ہے یعنی آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً اس طرف پانی کے اندر کوئی جانور مرا ہوا پڑا ہے، تو دوسری طرف سے وضو کرنا جائز ہے بھائی، دوسری طرف سے۔ تو ایسی نجاست اگر پانی کے اندر پڑی ہے جو دکھائی دیتی ہے، ایک طرف پڑی ہے اور ماء کثیر ہے، تو دوسری طرف سے وضو کرنا جائز ہو گا۔ اور اگر اس پانی میں ایسی نجاست گری کہ پانی میں گرنے کے بعد اب اس کا پتہ نہیں، پانی کے ساتھ مل گئی، پانی کے ساتھ مل گئی، تو یاد رکھیے اس صورت میں پھر اس طرف سے بھی وضو کرنا جائز، ہر طرف سے اب دوسری طرف سے تو وضو کرنا تھا ہی جائز، اب ہر طرف سے وضو کرنا جائز ہوا۔ لہٰذا ماء کثیر کے اندر اگر ایسی نجاست گر پڑے جس کا جو دکھائی دے رہی ہے اور پانی میں گرنے کے بعد بھی دکھائی دے رہی ہے، تو اس طرف سے وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ یہاں پر اس کے ذرات پانی کے اندر ہیں لیکن دوسری طرف سے وضو کرنا جائز ہو گا۔ اور اگر ایسی نجاست ہے جو دکھائی نہیں دے رہی، مثلاً پیشاب وغیرہ ہے، پانی میں مل گیا، اس کا تو اب پتہ نہیں چلے گا، تو پھر اس صورت میں ہر یہ طرف سے وضو کرنا جائز کیونکہ یہ ماء کثیر ہے، یہ ماء جاری کے حکم میں ہے، اور «يَرْحَمُكَ اللهُ»، اور یہ نجاست کے گرنے سے نجس نہیں ہوتا اِلّا یہ کہ پانی سے چلو بھریں تو اس میں آپ کو اس کا اثر دکھائی دے، پھر یہ حصہ نجس ہو گا ورنہ نہیں بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو متأخرینِ احناف فتویٰ کس پر دیتے ہیں کہ کتنا ماء کثیر ہو گا؟ جو دہ در دہ ہو بھائی۔ دس گز یعنی پندرہ فٹ چوڑائی اور پندرہ فٹ ہی لمبائی ہو، اور گہرائی کتنی ہو؟ تو بعض کہتے ہیں کہ ایک ذراع گہرائی ہونی چاہیے کم از کم، یعنی ڈیڑھ فٹ، بعضوں نے کہا دو ذراع بھائی کم از کم یعنی تین فٹ گہرائی، لیکن صحیح قول کہ اتنی گہرائی ہونی چاہیے کہ اگر چلو بھریں تو زمین نہ نکل آئے بھائی۔ بھائی پانی پھیلا تو ہوا ہے کتنے میں؟ پندرہ ضرب پندرہ فٹ حصے میں پھیلا تو ہوا ہے لیکن گہرائی ہے مثلاً ایک ڈیڑھ انچ ہے، یہ دو انچ ہے، اب ہم چلو بھرتے ہیں تو بالکل زمین نکل آتی ہے، اوپر سے پانی چند لمحوں کے لیے ختم ہو جاتا ہے پھر مل جاتا ہے بھائی۔ گہرائی اتنی ہو کہ چلو بھرنے سے زمین نہ کھلے، یعنی اس سے زیادہ ہونی چاہیے، اس سے زیادہ ہونی چاہیے بھائی۔

اور یہ دہ در دہ کا قول اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ کہاں سے آیا؟ یاد رکھیے یہ کہیں قرآن وحدیث میں ذکر نہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس قول کی یہ ہے: کہتے ہیں ایک مرتبہ امام محمد رحمہ اللہ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ ماء کثیر کسے کہیں گے؟ امام محمد رحمہ اللہ اس وقت ایک چھوٹی سی مسجد میں تشریف فرما تھے، چھوٹی سی مسجد تھی۔ فرمایا: میری اس مسجد کے برابر۔ پوچھا گیا کہ ماء کثیر کسے کہیں گے؟ فرمایا: میری اس مسجد کے برابر ہو تو وہ ماء کثیر ہے۔ چنانچہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد مسجد کو ماپا گیا تو باہر کی طرف سے اس کی لمبائی اور چوڑائی جو تھی وہ «عَشْرًا فِي عَشْرٍ» تھی، دہ در دہ تھی، چوڑائی بھی دس گز تھی یعنی پندرہ فٹ اور لمبائی بھی پندرہ فٹ، وہ چھوٹی سی مسجد تھی بھائی۔ بعضوں نے اندر کی طرف سے ماپا تو وہ آٹھ ضرب آٹھ ذراع تھی بھائی، تو بعضوں نے اندر کا اعتبار کیا، انہوں نے آٹھ ضرب آٹھ کا قول کیا کہ یہ ماء کثیر ہے، اس سے کم ہو جائے تو قلیل ہے، اور بعضوں نے باہر کا اعتبار کیا اور کیا کہا؟ دس ضرب دس گز ہو تو یہ ماء کثیر ہے، اس سے کم ہو تو ماء قلیل ہے، اور فتویٰ اسی پر ہے دہ در دہ پر بھائی، دہ در دہ پر۔

لیکن میں نے بتایا امام محمد رحمہ اللہ نے بعد میں رجوع فرما لیا تھا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی طرف اور فرمایا تھا: «لَا أُوَقِّتُ فِيهِ شَيْئًا»، میں اس میں کوئی تحدید نہیں کرتا، کوئی حد بیان نہیں کرتا بلکہ یہ کس کے سپرد ہے؟ مبتلیٰ بہ کی رائے کے سپرد ہے بھائی، مبتلیٰ بہ کی رائے کے سپرد ہے۔ لیکن بہر حال متأخرینِ احناف دہ در دہ پر فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر اتنا ماء ہو تو ماء کثیر ہے، اس سے کم ہو تو ماء قلیل ہے، اس سے عوام کے لیے آسانی ہو جاتی ہے، وہ پریشان وغیرہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں کہ اب یہ ماء قلیل ہے یا کثیر، بلکہ کیا کیا جائے؟ دیکھا جائے دہ در دہ ہے تو ماء کثیر ہے، دہ در دہ نہیں تو ماء قلیل ہے بھائی۔ جی، تو متأخرینِ احناف اسی قول پر فتویٰ دیتے ہیں بھائی۔

تو تین مذاہب آپ کے سامنے بیان ہوئے بھائی: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانی نجس ہوتا ہی نہیں ہے کیونکہ حدیث میں کیا آیا؟ «الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ»، ایک ڈیڑھ صفحہ قبل آپ نے یہ حدیث پڑھی: «الْمَاءُ طَهُورٌ» پانی پاک ہے، «لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ» اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔ تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث میں آیا ہے بھائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پانی پاک ہے، اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی، لہٰذا پانی کے جب تک اوصافِ ثلاثہ میں سے کوئی وصف نہ بدل جائے اس کو نجس نہیں شمار ہو گا، اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بھائی۔ وہ قلیل کثیر کا فرق نہیں کرتے۔ جبکہ احناف اور شوافع قلیل اور کثیر کا فرق کرتے ہیں۔ شوافع کے نزدیک کثیر وہ ہے جو قلتین ہو یعنی دو مٹکے ہو، اور احناف کے نزدیک ماء کثیر جو ہے وہ در دہ ہے بھائی۔

تو یہ پانی کے مسئلے میں احناف کے مذہب میں سب سے زیادہ شدت ہے بھائی، سب سے زیادہ سختی ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ سب سے زیادہ شدت ہے۔ آپ کی یا میری بات نہیں ہو رہی بھائی، ہمارے ہاں تو یہاں کثیر پانی ہوتا ہے، ان علاقے والوں سے پوچھیں جو کئی کئی میل سے پانی لے کر آتے ہیں بھائی، کئی کئی میل سے پانی لے کر آتے ہیں اور وہ پانی لے کر آیا اور اس میں تھوڑی سی نجاست گر گئی اور اس سارے پر نجس ہونے کا حکم لگا دیا گیا، تو اندازہ لگائیے وہ کتنی تکلیف میں اور مصیبت میں پڑ جائے گا بھائی۔ اور میں نے بتایا یہ کوئی قرآن اور حدیث کی بات بھی نہیں ہے بھائی، حدیث میں کوئی تحدید نہیں بھائی، البتہ قلتین والی حدیث آئی، اس میں بھی علماء نے کلام کیا ہے، تو

سبق نمبر ۱۷: مسئلہ: وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ

بہر حال دہ در دہ یہ تو بہت زیادہ مقدار ہے بھائی، اس سے ذرا کم ہو جائے تو اس میں ذرا نجاست گرے اور کہا جائے سارا پانی نجس ہو گیا بھائی، تو کتنی تکلیف کا باعث ہو گا، کتنی مشکل کا باعث ہو گا بھائی۔ احتیاط اپنی جگہ ہے بھائی، احتیاط اپنی جگہ ہے لیکن اس کو نجس نہیں کہنا چاہیے بھائی، لیکن بہر حال تمام متأخرینِ احناف اسی پر فتویٰ دیتے ہیں بھائی۔

جبکہ سب سے زیادہ آسانی امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں ہے بھائی۔ وہ فرماتے ہیں پانی میں نجاست گر پڑے، جب تک نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہو گا پانی نجس ہی نہیں ہو گا بھائی۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ظاہرِ حدیث کے زیادہ قریب ہے بھائی، حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے: «**الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ**» بھائی، «**شَيْءٌ**»۔ تو جہاں پانی کی قلت ہو، ان کے لیے امام مالک کے قول میں کتنی آسانی آ گئی بھائی۔ چنانچہ اور بھی بہت سے علماء نے امام مالک رحمہ اللہ کے قول کو پسند فرمایا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ شافعی المسلک ہیں، لیکن وہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے پسند ہے، کاش کہ ہمارا مذہب بھی کس کی طرح ہوتا؟ امام مالک رحمہ اللہ کی طرح ہوتا۔ امام رازی رحمہ اللہ جو ہیں وہ بھی اس قول، امام مالک رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں، بعض احناف نے بھی اس کو ترجیح دی ہے بھائی، تو ان کا مذہب ظاہرِ حدیث کے زیادہ قریب ہے بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی، اچھی طرح؟

تو ہمارے نزدیک ماء قلیل اور کثیر میں فرق کیا جائے گا اور متأخرین کس پر فتویٰ دیتے ہیں؟ دہ در دہ ہے تو کثیر ہے، اس سے کم ہے تو قلیل ہے بھائی۔ اور میں نے بتایا جب کثیر ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا، اس میں نجاست گرے اور نجاست کا اثر جس طرف گری ہے اس طرف بھی نہیں دکھائی دے رہا تو پھر چاروں طرف سے وضو کرنا اور طہارت حاصل کرنا جائز ہے، اور اگر اس طرف نجاست کا اثر ہے تو پھر اس طرف سے وضو کرنا جائز نہیں، البتہ دوسری طرف سے وضو وغیرہ کرنا جائز ہے بھائی، جائز ہے بھائی۔

اب دیکھیے کتاب پر بھائی! کہتے ہیں: «**وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ**» اور ہر ایسا پانی جس میں نجاست گر پڑے، میں نے بتایا کون سا ماء یہاں مراد ہے؟ ماء قلیل یا ماء کثیر؟ یہاں ماء قلیل مراد ہے کیونکہ کثیر کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ کہتے ہیں: «**وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ لَمْ يَجُزِ الْوُضُوءُ بِهِ**» ہر ایسا پانی جس میں نجاست گر پڑے اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، «**قَلِيلًا كَانَتِ النَّجَاسَةُ أَوْ كَثِيرًا**» تھوڑی ہو نجاست یا زیادہ ہو، «**وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ يَجُوزُ**» اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز ہے یعنی نجاست گر پڑے تو بھی وضو کرنا جائز ہے، «**مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ أَحَدُ أَوْصَافِهِ**» جب تک بدل نہ جائے اس پانی کے اوصاف میں سے کوئی ایک، «**لِمَا رَوَيْنَا**» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی بھائی، وہ جو ایک ڈیڑھ صفحہ قبل حدیث گزری ہے: «**الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ**»۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ يَجُوزُ

«**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ يَجُوزُ**» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانی میں اگر نجاست گر پڑے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے «**إِنْ كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ**» اگر وہ پانی کتنا ہو؟ دو مٹکے ہو بھائی، «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے: «**إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ**» جب پہنچ جائے پانی دو مٹکوں کی مقدار کو «**لَا يَحْمِلُ خَبَثًا**»، خبث کہتے ہیں نجاست، ناپاکی، «**لَا يَحْمِلُ خَبَثًا**» تو وہ نجاست نہیں اٹھاتا یعنی نجس نہیں ہوتا۔ نجاست نہیں اٹھاتا یعنی نجس نہیں ہوتا یعنی اس میں نجاست گر پڑے تو بھی وہ پانی پاک ہے جب کہ نجاست کا اثر دکھائی نہ دیتا ہو۔

«**وَلَنَا**» اور احناف کی دلیل، ہماری جو دلیل ہے: «**حَدِيثُ الْمُسْتَيْقِظِ مِنْ مَنَامِهِ**» وہ جو نیند سے بیدار ہونے والے کی حدیث ہے، وہ ہماری دلیل ہے۔ حدیث میں کیا آیا تھا؟ «**إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا**»، وضو کے باب میں یہ حدیث ذکر ہوئی تھی کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو ہر گز داخل نہ کرے اپنے ہاتھ کو پانی میں یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھو لے۔ تین مرتبہ۔ تو اس حدیث کے اندر دیکھیے، احتمالِ نجاست کی وجہ سے بھی ہاتھ کو پانی میں داخل کرنے سے منع کیا گیا۔ معلوم ہوا حقیقتاً نجاست گرے گی تو پانی کیا ہو جائے گا یقیناً؟ جب احتمالِ نجاست کی وجہ سے پانی میں ہاتھ داخل کرنے سے منع کیا گیا تو حقیقۃً نجاست کی وجہ سے پانی بطریقِ اولیٰ نجس ہو جائے گا، معلوم ہوا پانی نجس ہو جاتا ہے نجاست اس میں گرے تو۔

«**وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» اور ہماری دلیل جو ہے، دوسری حدیث ذکر کر رہے ہیں حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «**لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ**»، یہاں تک ہے حدیث بھائی۔ «**لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ**» حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر گز پیشاب نہ کرے تم میں سے کوئی ایک «**فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ**» ماء دائم کے اندر یعنی کھڑے پانی میں۔ کھڑے ہوئے پانی کے اندر تم میں سے کوئی بھی ہر گز پیشاب نہ کرے «**وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ**» اور ہر گز اس کے اندر غسلِ جنابت نہ کرے بھائی، ہر گز اس کے اندر جنابت کا غسل نہ کرے۔ دیکھیے! اس حدیث کے اندر کھڑے ہوئے پانی کے اندر پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس کے اندر جنابت کا غسل کرنے سے بھی منع فرمایا، تو یہ حدیث جو ہے اس کے اندر دیکھیے یہ قید نہیں ہے کہ صفت بدلے گی پانی کی یا صفت نہیں، یہ ذکر نہیں۔ نیز اس میں یہ نہیں ذکر کہ پانی دو مٹکے کی مقدار ہو یا نہ ہو، کوئی فرق نہیں، مطلقاً فرمایا کہ کھڑے پانی میں سے تم میں سے کوئی پیشاب نہ کرے، معلوم ہوا پیشاب سے پانی نجس ہو جائے گا بھائی، حالانکہ پیشاب کی وجہ سے پانی کا کوئی وصف تو نہیں بدلے گا۔ اسی طرح غسلِ جنابت سے بھی منع کیا گیا، حالانکہ اس سے بھی پانی کا کوئی وصف نہیں بدلتا، معلوم ہوا کہ پانی کا وصف نہ بدلے پھر بھی نجاست اس میں گرے تو وہ کیا ہو جاتا ہے؟ نجس ہو جاتا ہے۔ تو یہ

دلیل ہوئی امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف بھی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف بھی، اس میں کوئی قلتین یا غیر قلتین کی قید موجود نہیں ہے بھائی، معلوم ہوا وہ نجس ہو جائے گا چاہے قلتین ہو چاہے نہ ہو دونوں صورتوں کے اندر۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ معنی ہے «وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کا یہ قول جو ہے «لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ» ہر گز تم میں سے کوئی پیشاب نہ کرے کھڑے پانی میں «وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ» اور تم میں سے کوئی ہر گز غسل نہ کرے اس میں جنابت سے، «مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ» یہ صاحبِ ہدایہ کے الفاظ ہیں، «مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ» بغیر کسی فرق کے، اس میں قلتین اور غیر قلتین کا کوئی فرق نہیں کیا گیا بھائی۔

■ مسئلہ: وَالَّذِي رَوَاهُ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ

«وَالَّذِي رَوَاهُ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ» امام مالک رحمہ اللہ کی جو دلیل تھی: «الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ»، اس کے بارے میں بتلا رہے ہیں صاحبِ ہدایہ: «وَالَّذِي رَوَاهُ مَالِكٌ» اور وہ حدیث جس کو روایت کیا امام مالک رحمہ اللہ نے «وَرَدَ فِي بِئْرِ بُضَاعَةَ» وہ بئرِ بضاعہ کے بارے میں ہے بھائی۔ کس کے بارے میں ہے؟ بئرِ بضاعہ، یہ مدینہ منورہ کے اندر ایک کنواں تھا بھائی، جس کو اس کے پانی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: «الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ» بھائی۔ «وَمَاؤُهُ كَانَ جَارِيًا فِي الْبَسَاتِينِ» اور اس کنوئیں کا پانی باغوں میں جاری تھا بھائی، باغوں میں جاری تھا۔ بساتین جمع ہے بستان کی، باغ کو کہتے ہیں، تو اس کا پانی باغوں کے اندر جاری تھا۔ جاری ہونے کا یہ معنی نہیں بھائی تھا تو وہ کنواں ہی، کوئی نہر تو نہیں تھی لیکن اس سے پانی لے کر باغات کو سیر اب کیا جاتا تھا بھائی، کئی باغات کو اس کے پانی سے سیر اب کیا جاتا تھا تو پانی نکالتے تھے اور پانی اس میں آجاتا تھا، تو مراد یہ ہے کہ ماء ماء جاری کی طرح تھا، اس کا پانی کس کی طرح تھا؟ ماء جاری کی طرح۔ بھائی باغات کو اس سے سیر اب کر رہے ہیں، پانی نکالتے جا رہے ہیں اور پھر کنوئیں کے اندر اسی طرح پانی ہے، معلوم ہوا نیچے سے اور پانی آتا جا رہا ہے، تو وہ پانی کس کی طرح ہوا؟ ماء جاری کی طرح ہوا بھائی۔ اور ہماری بحث کس میں چل رہی ہے؟ ماء قلیل کے اندر، تو ماء جاری کے بارے میں تو، ماء کثیر کے بارے میں تو ہم بھی کہتے ہیں کہ جب اس میں نجاست گرے تو وہ پانی نجس نہیں ہو گا اِلّا یہ کہ اس میں نجاست کا اثر دکھائی دینے لگے بھائی۔ صورت سمجھ میں آئی بھائی؟ تو یہ جواب ہوا۔ تو کہتے ہیں وہ حدیث جس کو روایت کیا امام مالک رحمہ اللہ نے وہ بئرِ بضاعہ کے بارے میں آئی ہے: «وَمَاؤُهُ كَانَ جَارِيًا فِي الْبَسَاتِينِ» اور اس کا پانی جو تھا بئرِ بضاعہ کا وہ تو باغوں میں جاری تھا یعنی کثیر تھا۔

«وَمَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ ضَعَّفَهُ أَبُودَاوُدَ» اور وہ حدیث جس کو روایت کیا امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے امام ابو داؤد نے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر کی بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں: «إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَا يَحْمِلُ خَبَثًا»، صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے ضعیف قرار دیا ہے بھائی، ضعیف قرار دیا ہے۔ یاد رکھیے! یہ حدیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ سے پوچھا گیا اس پانی کے بارے میں جو جنگل و بیابان میں ہوتا ہے اور جس پر درندے وغیرہ آتے ہیں، اس سے پانی پیتے ہیں کہ کیا وہ پانی نجس ہے یا نجس نہیں ہے، اس کے بارے میں پوچھا گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: «إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَا يَحْمِلُ خَبَثًا» کہ جب پانی دو قلوں کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی گئی ہے بھائی۔ جو صاحبِ ہدایہ نے کہا کہ اس کو امام ابو داؤد نے ضعیف قرار دیا ہے، شارحین یہاں پر اعتراض کرتے ہیں کہ امام ابو داؤد نے اپنی کتاب سننِ ابی داؤد کے اندر اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس کو ضعیف نہیں کہا بلکہ سکوت کیا ہے، خاموش رہے ہیں بھائی۔ کچھ نہیں کہا کہ یہ صحیح ہے یا غیر صحیح ہے، اور ان کی عادت یہ ہے کہ وہ سکوت کریں، خاموشی کریں، خاموش رہیں، حدیث پر حکم نہ لگائیں، نہ بتلائیں کہ وہ صحیح ہے یا صحیح نہیں، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ تو انہوں نے تو اس حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا بلکہ ان کی عادت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث کیا ہے؟ صحیح ہے، تو صاحبِ ہدایہ نے امام ابو داؤد کی طرف یہ نسبت کیسے کر دی کہ انہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے؟

تو جواب یہ، جواب یہ: کہ ہو سکتا ہے امام ابو داؤد جو ہیں انہوں نے کسی اور مقام پر اس حدیث کو ضعیف کہا ہو بھائی۔ اس کتاب میں تو نہ کہا ہو لیکن ہو سکتا ہے کسی اور کتاب میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہو، ہو سکتا ہے صاحبِ ہدایہ اس کی طرف اشارہ کر رہے ہوں۔ جیسا کہ بعض علماء نے امام ابو داؤد کے اس قول کو نقل بھی کیا ہے، جیسے بحر الرائق وغیرہ والے نے، کہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فریقین کے پاس فریقین کے پاس کوئی حدیث نہیں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی کی تحدید کی گئی ہو۔ پانی کی حد بیان کی گئی ہو ماء قلیل اور کثیر کے سلسلے میں، تو کوئی ایسی حدیث فریقین کے پاس نہیں ہے بھائی۔ کون فرما رہے ہیں؟ امام ابو داؤد کیا فرما رہے ہیں؟ کہ فریقین کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں، کوئی حدیث نہیں جس کے اندر پانی کی کیا کی گئی ہو؟ تحدید کی گئی ہو۔ اور اس حدیث میں تحدید ہے یا نہیں؟ تو جب وہ نفی فرما رہے ہیں، ضعیف قرار دے رہے ہیں، معلوم ہوا تو یہ حدیث بھی کیا ہو گئی؟ اس میں پانی کی تحدید ہے یا نہیں کہ پانی کتنا ہو، کتنی مقدار بیان کی گئی ہے؟ دو مٹکے بھائی، تو اس میں تو تحدید کی گئی ہے جبکہ وہ فرما رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے فریقین کے پاس کوئی حدیث نہیں جس میں کیا ہو پانی کی تحدید ہو، تو معلوم ہوا اس حدیث کو بھی انہوں نے ضعیف قرار دے دیا کیونکہ اس میں تو تحدید ہے اور وہ فرما رہے ہیں کوئی حدیث تحدید والی ثابت نہیں ہے بھائی، تو معلوم ہوا یہ حدیث بھی ان کے نزدیک کیا ہو گئی؟ ضعیف ہو گئی۔ جواب سمجھ میں آیا بھائی؟ جی۔ اور دوسرا جواب کہ ہو سکتا ہے ابو داؤد سے مراد سننِ ابی داؤد والے مصنف مراد نہ ہوں بلکہ کوئی اور ابو داؤد مراد ہوں ائمۂ حدیث میں سے۔

ائمۂ حدیث میں سے ہو سکتا ہے کوئی اور ابو داؤد مراد ہوں، کوئی اور امامِ حدیث مراد ہوں جن کی کنیت ابو داؤد ہو بھائی، ابو داؤد ہو۔

جبکہ علامہ زاہد کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ، جو بہت بڑے عالمِ دین گزرے ہیں ابھی قریب ہی کے زمانے میں، پچاس ساٹھ سال قبل جن کا انتقال ہوا، ترکی کے رہنے والے تھے اور بہت بڑے عالمِ دین تھے، حنفی المسلک، احناف کے لیے بڑی قیمتی کتابیں انہوں نے لکھی ہیں بھائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام ابو داؤد کسی حدیث کے بارے میں سکوت کریں اور خاموش رہیں، اس پر نہ صحیح ہونے کا حکم لگائیں اور نہ غیر صحیح ہونے کا، تو اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ وہ حدیث صحیح ہے، بلکہ بعض اوقات وہ حدیث غیر صحیح بھی ہوتی ہے تو بھی وہ کیا کر جاتے ہیں؟ سکوت کر جاتے ہیں۔ تو ان کے یہ کہنا کہ ان کی عادت یہ ہے کہ وہ صرف صحیح پر سکوت کرتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ کبھی وہ صحیح حدیث پر سکوت کرتے ہیں اور کبھی کیا کرتے ہیں؟ ضعیف حدیث ہوتی ہے اس پر بھی کیا کر جاتے ہیں؟ سکوت کر جاتے ہیں۔ تو سننِ ابی داؤد کا مطالعہ کرنے والے ان کی اس عادت کو آسانی سے اس عادت کو جان سکتے ہیں کہ وہ بعض اوقات حدیث ضعیف ہوتی ہے، اس پر سکوت کر جاتے ہیں، تو سکوت اشارہ ہوتا ہے کس کی طرف؟ ضعف کی طرف بھائی اشارہ ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی امام ابو داؤد نے سکوت فرمایا، معلوم ہوا یہ صحیح ہونے کی وجہ سے سکوت نہیں فرمایا بلکہ کس وجہ سے سکوت فرمایا ہے؟ ضعیف ہونے کی وجہ سے سکوت فرمایا ہے بھائی۔

تو بہر حال یہ تو اس بارے میں بحث تھی کہ صاحبِ ہدایہ نے امام ابو داؤد رحمہ اللہ کی طرف اس کے ضعیف ہونے کی نسبت کی ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ تو خلاصۂ کلام کیا ہوا؟ کہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ یہاں پر انہوں نے سکوت کیا ہے، تو بعضوں نے کہا کہ انہوں نے تو اس کے صحیح ہونے کی جانب اشارہ کیا، تو جواب گزر گیا کہ بھائی، ایک جواب تو یہ جو علامہ زاہد کوثری رحمہ اللہ نے دیا کہ ان کا خاموش رہنا صحیح ہونے کی علامت نہیں ہے، صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے، وہ بعض اوقات خاموش ہونا ضعیف ہونے کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ اور دوسرا جواب کیا ہوا؟ کہ ہو سکتا ہے کسی اور کتاب میں انہوں نے فرمایا ہو کہ یہ حدیث کیا ہے؟ ضعیف ہے، جیسے ان کے قول کو نقل کیا ہے بعض کتابوں میں کہ فریقین کے پاس اس سلسلے میں کوئی حدیث نہیں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تحدید ہو، تحدید ہو۔ اور جب تحدید والی حدیث کی انہوں نے نفی کر دی، یعنی معلوم ہوا اس کو ضعیف قرار دے دیا، تو ماء قلتین میں بھی کیا ہے؟ تحدید ہے، تو اس کی بھی تضعیف ہو گئی بھائی، تو ہو سکتا ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو صاحبِ ہدایہ کا بھائی۔ اور تیسرا جواب کیا ہوا؟ کہ ہو سکتا ہے ابو داؤد کے ذریعے اشارہ سننِ ابی داؤد کے مصنف کی طرف اشارہ نہ ہو بلکہ کسی اور امامِ حدیث کی طرف اشارہ ہو جن کی کنیت ابو داؤد ہو بھائی۔

تو بہر حال یہ تو اس بارے میں بحث تھی۔ ویسے یاد رکھیے بھائی! یہ جو حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے: «إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ»، اس پر علماء نے بڑی بحث کی ہے بھائی، بڑی بحث کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے بھائی۔ یہ میں نے بتلایا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بھائی، صحابہ میں سے صرف ایک صحابی اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ پانی کا معاملہ ہے، یہ پاکی ناپاکی کا مسئلہ ہے، اس کی ہر جگہ پر ضرورت پیش آتی ہے، تو اس طرح کی حدیث کو تو مشہور ہونا چاہیے تھا اور کسی سے یہ منقول نہیں ہے، کسی کو معلوم ہوا اس بارے میں خبر ہی نہیں ہے، اگر خبر ہوتی تو وہ ضرور کیا کرتے صحابہ اس کو؟ روایت کرتے، تو معلوم ہوا یہ حدیث ضعیف ہے بھائی، ورنہ یہ حدیث مشہور ہوتی اور صحابہ بھی اس کو روایت کرتے، سب کو پتہ ہوتا۔ اور پھر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ان کے جو بڑے بڑے تلامذہ ہیں، جو بڑے بڑے محدثین ہیں، بڑے تلامذہ ہیں، وہ روایت نہیں کرتے بھائی۔ حالانکہ اتنا اہم مسئلہ ہے، پانی کی پاکی ناپاکی کا مسئلہ ہے، اگر ان سے روایت صحیح طریقے سے ہوتی تو یقیناً ان کے بڑے جو تلامذہ ہیں، مشہور جو تلامذہ ہیں وہ ضرور روایت کرتے، لیکن وہ نہیں اس کو روایت کرتے بھائی۔ معلوم ہوا یہ حدیث کیا ہے؟ ضعیف ہے بھائی۔

نیز یاد رکھیے! اس حدیث کے اندر اور بھی بڑے اضطرابات ہیں بھائی۔ اس حدیث کی سند میں بھی اضطراب، اس کے متن میں بھی اضطراب ہے بھائی۔ سند بھائی، حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں: ایک حصے کو سند کہتے ہیں، ایک حصے کو متن۔ متن تو جس کے اندر وہ واقعہ یا بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وغیرہ ذکر ہو، وہ ہے متن، اور اس سے پہلے کہ فلاں نے فلاں سے روایت کیا، فلاں نے فلاں سے روایت کیا، فلاں نے فلاں سے روایت کیا، یہ حصہ جو ہے حدیث کا یہ سند کہلاتا ہے جس میں روایت کرنے والوں کے نام ذکر ہوتے ہیں۔ تو اس کی سند میں بھی بڑا اضطراب ہے بھائی، بعض محدثین اس کی سند کسی طرح بیان کرتے ہیں، بعض روایتوں کے اندر سند میں راوی مختلف طریقے سے، بعض میں مختلف طریقے سے، تو سند کے اندر بھی اختلاف ہے، مختلف طریقوں سے سند ہے، معلوم ہوا سند میں بھی اضطراب، سند میں بھی کیا ہے؟ اضطراب۔ اور متن میں بھی اضطراب ہے بھائی۔ متن کیا آیا؟ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں: «إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ» جب پانی دو مٹکوں کی مقدار کو پہنچ جائے، اس میں بھی بڑا اضطراب ہے۔ بعض روایتوں کے اندر یہاں تو دو قلتین کا دو مٹکوں کا ذکر آیا، بعض روایتوں میں ایک قلہ کا ذکر ہے، بعض روایتوں میں ذکر ہے دو یا تین مٹکے، پانی جب دو یا تین مٹکے کی مقدار کو پہنچ جائے، تو یہاں تو صرف کیا ذکر؟ دو، بعضوں میں اس کے ساتھ تین کا بھی ذکر ہے، جب پانی کتنی مقدار کو پہنچ جائے؟ دو یا تین مٹکے کی مقدار کو۔ بعضوں کے اندر چالیس قلوں کا ذکر آیا ہے بعض روایات کے اندر بھائی، بعض روایات میں چالیس مشکیزوں کا ذکر آیا ہے بھائی، بعض روایات میں چالیس ڈول کا ذکر آیا ہے، ڈول جو کنوئیں سے پانی وغیرہ نکالتے ہیں جس کے ذریعے، تو بعض روایات میں چالیس ڈول کا وغیرہ کا ذکر آیا ہے بھائی، معلوم ہوا یہ حدیث کیا ہے؟ ضعیف ہے۔

نیز قلہ، قلتین کا ذکر آیا، قلتین کے تو کئی معانی آتے ہیں بھائی، کئی معانی آتے ہیں۔ «قُلَّةٌ» مٹکے کو بھی کہتے ہیں، «قُلَّةٌ» انسان کے قد کو بھی کہتے ہیں، قد کو،

«قُلَّةٌ» پہاڑ کی چوٹی کو بھی کہتے ہیں، «قُلَّةٌ» مشکیزے کو بھی کہتے ہیں، «قُلَّةٌ» اسی طرح گلاس یا لوٹے وغیرہ اس کو بھی کہتے ہیں، یہاں قلتین سے مٹکا ہی مراد ہے یہ تو تعیین نہیں بھائی، تو اس کے معنی بھی مختلف ہیں۔ اور اگر چلیں مان بھی لیں قلتین سے کیا مراد ہیں؟ مٹکے ہی مراد ہیں، مٹکا ہی ہے اس کا معنی، تو بھی مٹکے بھی تو چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، کون سے مٹکے مراد ہیں؟ تو اس حدیث کے اندر میں اضطراب ہے بھائی، علماء نے اس پر بہت کلام کیا ہے بھائی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو اس حدیث کی سند میں بھی اضطراب، متن میں بھی اضطراب، اور قلتین لفظ کے بھی کئی معانی آتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَمَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى ضَعَّفَهُ أَبُودَاوُدَ» اور وہ حدیث جس کو روایت کیا امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے امام ابو داؤد نے، «أَوْ هُوَ يَضْعُفُ عَنِ احْتِمَالِ النَّجَاسَةِ» یا، یہ دوسرا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ بھائی، کہ شوافع اس حدیث کا کیا ترجمہ کرتے ہیں: «إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ» جب پانی پہنچ جائے دو مٹکوں کو یعنی دو مٹکوں کی مقدار کے برابر ہو پانی، «لَا يَحْمِلُ خَبَثًا» کیا ترجمہ کیا؟ وہ نجس نہیں ہوتا، «لَا يَحْمِلُ خَبَثًا» کا کیا معنی؟ وہ نجس نہیں ہوتا۔ بعض کہتے ہیں حدیث کا یہ معنی نہیں، بلکہ اس میں تو یہ بھی احتمال ہے، ہو سکتا ہے اس کا یہ معنی ہو: «لَا يَحْمِلُ خَبَثًا» وہ نجاست نہیں اٹھا سکتا، وہ نجاست برداشت نہیں کر سکتا، تو معنی ہوا وہ نجس ہو جاتا ہے۔ وہ کیا ہو جاتا ہے؟ نجس ہو جاوہ نجاست کو برداشت نہیں کر سکتا، وہ نجاست کو نہیں اٹھا سکتا، اس کے اٹھانے سے عاجز ہے، تو کیا ہو جائے گا؟ شوافع کے نزدیک اس کا کیا معنی ہوا؟ «لَا يَنْجُسُ»، وہ نجس نہیں ہوتا، اور دوسرا احتمال اس کے اندر کیا ہو گیا؟ «يَنْجُسُ» کہ وہ نجس ہو جاتا ہے بھائی۔ یہ بیان کر رہے ہیں دیکھیے، کہتے ہیں: «أَوْ هُوَ يَضْعُفُ عَنِ احْتِمَالِ النَّجَاسَةِ»، «أَوْ هُوَ» یا وہ، وہ پانی جو ہے «يَضْعُفُ» ضعیف ہوتا ہے، کمزور ہوتا ہے، عاجز ہوتا ہے «عَنِ احْتِمَالِ النَّجَاسَةِ» نجاست کے اٹھانے سے۔ وہ پانی کیا ہوتا ہے؟ کمزور ہوتا ہے نجاست کے اٹھانے سے یعنی اس کے اٹھانے سے عاجز ہوتا ہے یعنی اس کو نہیں اٹھا سکتا، اس کو برداشت نہیں کر سکتا اور نجس ہو جاتا ہے۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟

چلیے بس بھائی، «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۸: وَالْمَاءُ الْجَارِي إِذَا وَقَعَتْ فِيهِ نَجَاسَةٌ جَا...

ہدایہ صفحہ: ۳۵ — بتاریخ: ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۲ء

وَالْمَاءُ الْجَارِي إِذَا وَقَعَتْ فِيهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوءُ بِهِ إِذَا لَمْ يُرَ لَهَا أَثَرٌ ، لِأَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ مَعَ جَرَيَانِ الْمَاءِ ، وَالْأَثَرُ هُوَ الطَّعْمُ أَوِ الرَّائِحَةُ أَوِ اللَّوْنُ۔ [1]

گزشتہ سبق میں یہ بحث شروع ہوئی تھی کہ پانی میں اگر نجاست گر جائے تو وہ نجس ہو گا یا نجس نہیں ہو گا، اس سے وضو وغیرہ طہارت حاصل کرنا جائز ہے یا جائز نہیں؟ تو گزشتہ سبق میں **مَاءِ قَلِيل** کی تفصیل آگئی تھی کہ **عِنْدَ الْأَحْنَافِ مَاءِ قَلِيل** جو ہے، اس کے اندر نجاست گرے، چاہے نجاست تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، وہ نجس ہو جائے گا بھائی، نجس ہو جائے گا۔

اور امام مالک **رَحِمَهُ** اللہُ فرماتے ہیں جب تک پانی کے **أَوْصَافِ ثَلَاثَة** میں سے کوئی وصف نہ بدل جائے اس وقت تک پانی نجس نہیں ہو گا۔ اور امام شافعی **رَحِمَهُ** اللہُ کے نزدیک جب **مَاءِ قُلَّتَيْنِ** کی مقدار ہو تو یہ **مَاءِ كَثِير** ہے، اس کے اندر نجاست گرے تو وہ نجس نہیں ہو گا بھائی۔

اور احناف کے نزدیک **مَاءِ كَثِير** کے بارے میں بتلایا تھا کہ **مَاءِ كَثِير** جو ہے امام صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ **مُبْتَلَى بِهِ** کے سپرد ہے بھائی۔ یعنی یہ **مُبْتَلَى بِهِ** کی رائے کے سپرد ہے، جس کو جس کا پانی کے استعمال سے واسطہ پڑا ہے۔ اگر اس کی رائے میں وہ پانی جو اس کے سامنے ہے وہ کثیر ہے، ایک طرف نجاست گری تو اس کے خیال میں دوسری طرف اس نجاست کا اثر نہیں پہنچتا ہے، تو پھر اس صورت میں یہ اس کے نزدیک **مَاءِ كَثِير** ہے۔ اور اگر اس کے خیال میں ایک طرف جو نجاست پڑی ہے اس کا اثر دوسری طرف پہنچا ہو گا، تو معلوم ہوا یہ اس کے نزدیک **مَاءِ قَلِيل** ہے۔ **مَاءِ قَلِيل** ہے۔ تو اگر اس کا یہ خیال ہے کہ دوسری طرف نجاست کا اثر نہیں پہنچا ہے تو اس کے لیے دوسری طرف سے وضو کرنا جائز ہے۔ اور اگر اس کا خیال ہے کہ دوسری طرف نجاست کا اثر پہنچ گیا ہے تو پھر اس صورت میں اس کے لیے دوسری طرف سے وضو کرنا بھی جائز نہیں ہے بھائی، جائز نہیں ہے۔ جی۔

اور البتہ میں نے بتایا یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور اسی مذہب کی طرف امام محمد **رَحِمَهُ** اللہ کا رجوع بھی ثابت ہے۔ لیکن متاخرینِ احناف جو ہیں وہ فتویٰ دیتے ہیں اس قول پر کہ **مَاءِ كَثِير** وہ ہے جو دہ در دہ ہو، یعنی **عَشْرًا فِي عَشْرٍ** ہو، دس ضرب دس بھائی۔ چوڑائی بھی دس گز اور لمبائی بھی دس گز ہو بھائی، دس گز۔ اور گز سے مراد شرعی گز ہے جو ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ اور پھر اس میں میں نے بتلایا تھا کہ دس ضرب دس کا معنی یہ ہے کہ وہ پانی سو مربع گز ہو، سو مربع گز۔ تو اگر اس کی لمبائی چوڑائی مختلف ہے لیکن وہ سو مربع گز ہے تو اس صورت میں وہ **مَاءِ كَثِير** ہے ورنہ **مَاءِ قَلِيل** ہے۔

تو اس سے لوگوں کو یہ آسانی ہو گئی کہ پانی سامنے موجود ہو تو اب اس میں زیادہ پریشان ہونے کی اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کو کیا شمار کریں۔ بلکہ دیکھ لیں آسانی سے کہ یہ دہ در دہ ہے تو **مَاءِ كَثِير** ہے، ایک طرف نجاست گری ہے تو دوسری طرف سے وضو کرنا جائز ہے۔ اور اگر دہ در دہ نہیں ہے تو پھر اس صورت میں دوسری طرف سے بھی وضو کرنا جائز نہیں ہے بھائی، جائز نہیں ہے۔

اور میں نے بتایا تھا کہ احناف کے ہاں اس مسئلے میں زیادہ شدت ہے بھائی۔ پانی کی تو ہر جگہ بے انتہا ضرورت انسان کو پیش آتی ہے۔ آپ کے ہاں تو پانی کثیر آسانی سے مل جاتا ہے، لیکن وہ علاقے والے جہاں پر پانی میلوں سے لوگ لے کر آتے ہیں ان کے لیے اس قول میں بڑی تنگی اور بڑی سختی ہے کہ کئی میل سے پانی لے کر آئے اور اس میں ایک قطرہ خون کا گر گیا اور سارے پانی کو کیا قرار دے دیا جائے؟ نجس قرار دے دیا جائے کہ اب اس سے وضو وغیرہ نہیں کر سکتے، تو کتنی تکلیف مشکل میں وہ شخص پڑ جائے گا بھائی۔ پھر دوبارہ جانا پڑے گا اور پانی لانا پڑے گا بھائی۔

تو امام مالک **رَحِمَهُ** اللہُ کے مذہب میں بڑی وسعت ہے، بڑی آسانی ہے، اور میں نے بتایا ان کا مذہب ظاہرِ حدیث کے بھی زیادہ قریب ہے کہ « **الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ** » بھائی۔ چنانچہ افریقہ وغیرہ کے ممالک جہاں پانی کی شدید قلت ہے، وہاں امام مالک **رَحِمَهُ** اللہ کا مذہب ہی آپ کو ہر طرف پھیلا ہوا دکھائی دے گا

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۱): « **الطعم أو** »۔ • شاملہ (ص ۱۱) میں « **بِهِ** » کے بجائے « **منه** » درج ہے۔

بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ان کے لیے اور کوئی صورت نہیں کہ وہاں تو پانی بہت کم ملتا ہے، بہت کم بھائی۔

جی، آج اب **مَاءِ كَثِير** کے بارے میں آپ کو بتلا رہے ہیں بھائی، **مَاءِ كَثِير۔ مَاءِ كَثِير** میں نے بتلا دیا آپ کو کہ اس کے اندر اگر نجاست گرے تو وہ نجس نہیں ہوتا، **إِلَّا** یہ کہ چلو میں پانی اٹھائیں تو اس میں نجاست کا اثر دکھائی دے، یعنی رنگ، بو یا ذائقے میں تبدیلی کا پتہ چل رہا ہو تو پھر اس صورت میں یہ نجس ہو گا ورنہ نجس نہیں ہو گا۔

لہٰذا ایک تالاب ہے دہ در دہ بھائی، **عَشْرًا فِي عَشْرٍ**، اس میں ایک طرف نجاست گری ہے۔ اگر وہ نجاست دکھائی دینے والی ہے، اس کا ظاہری جسم ہے یعنی مرئی ہے دکھائی دینے والی ہے، تو پھر جس جانب نجاست گری ہے اس طرف تو وضو کرنا جائز نہیں دوسری جانب سے وضو کرنا جائز ہے۔ اور اگر نجاست ایسی ہے کہ وہ پانی میں گری اور پانی کے ساتھ مل گئی، جیسے کچھ پیشاب گر گیا یا کچھ خون گر گیا اس میں یا کچھ تھوڑا سا تھوڑی سی شراب اس میں گر گئی، اب یہ چیزیں تو پانی کے ساتھ مل جائیں گی بھائی پتہ ہی نہیں چلے گا۔ تو اس صورت کے اندر پھر چاروں طرف سے کیا ہے؟ وضو کرنا جائز ہے کیونکہ یہ **مَاءِ كَثِير** ہے، اور **مَاءِ كَثِير** جو ہے وہ نجاست کے گرنے سے نجس نہیں ہوتا، **إِلَّا** یہ کہ اس میں نجاست کا اثر دکھائی دینے لگے بھائی۔

تو یہ تفصیل تھی **مَاءِ كَثِير** میں۔ اب وہی بیان کرنے لگے ہیں صاحبِ ہدایہ بھی، تو فرماتے ہیں: «**وَالْمَاءُ الْجَارِي إِذَا وَقَعَتْ فِيهِ نَجَاسَةٌ**» اور جاری پانی، بہتا پانی، «**إِذَا وَقَعَتْ فِيهِ نَجَاسَةٌ**» جب اس میں نجاست گر پڑے «**جَازَ الْوُضُوءُ بِهِ**» تو اس سے وضو کرنا جائز ہے «**إِذَا لَمْ يُرَ لَهَا أَثَرٌ**» جب اس کا اثر دکھائی نہ دے۔ **مَاءِ جَارِي** کے اندر نجاست گر پڑی تو اس پانی سے وضو کرنا، طہارت حاصل کرنا جائز ہے جب تک اس کا اثر دکھائی نہ دے۔

لہٰذا فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے ایک آدمی دریا کے نچلی جانب وضو کر رہا ہے، ایک شخص دریا کے اوپر والی جانب پانی کے اندر شراب کا ایک مٹکا ڈال دیتا ہے بھائی، تو نیچے والے کے لیے وضو کرنا جائز ہو گا بھائی، کیونکہ یہ کیا ہے؟ **مَاءِ جَارِي** ہے اور اس میں نجاست گرے تو وہ ماء نجس نہیں ہوتا، **إِلَّا** یہ کہ اس میں اثر دکھائی دینے لگے، نیچے جو وضو کر رہا ہے اس کو باقاعدہ اس پانی کے اندر شراب کا اثر دکھائی دیتا ہے، رنگ بو یا ذائقہ، پھر اس کے لیے بھی اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں جب **مَاءِ جَارِي** کے اندر نجاست گر پڑے «**جَازَ الْوُضُوءُ بِهِ**» تو اس سے وضو کرنا جائز ہے «**إِذَا لَمْ يُرَ لَهَا أَثَرٌ**» جب اس کا اثر دکھائی نہ دے «**لِأَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ مَعَ جَرَيَانِ الْمَاءِ**» اس لیے کیونکہ وہ نجاست جو ہے «**لَا تَسْتَقِرُّ**» وہ ٹھہرے گی نہیں «**مَعَ جَرَيَانِ الْمَاءِ**» پانی کے بہاؤ کے ساتھ۔ پانی بہنے کے ساتھ وہ ٹھہرے گی نہیں نجاست بھائی۔ **مَاءِ جَارِي** میں نجاست گری بھی ہے تو پانی تو بہتا جا رہا ہے وہ اس نجاست کو بہا کر ساتھ لے جائے گا۔

■ مسئلہ: وَالْأَثَرُ

«**وَالْأَثَرُ**» انہوں نے متن میں کہا جب اس کا اثر دکھائی نہ دے، کیا معنی اثر نہ دکھائی دے؟ وہ بتلا رہے ہیں۔ اثر کسے کہتے ہیں وہ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں «**وَالْأَثَرُ هُوَ الطَّعْمُ أَوِ الرَّائِحَةُ أَوِاللَّوْنُ**» اور اثر جو ہے وہ ذائقہ ہے یا بو ہے «**أَوِ اللَّوْنُ**» یا رنگ ہے۔

«**وَالْجَارِي**» اچھا **مَاءِ جَارِي** کہیں گے کسے بھائی؟ وہ بتلا رہے ہیں آپ کو۔ یاد رکھیے کئی تعریفیں کی گئیں **مَاءِ جَارِي** کی، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں «**وَالْجَارِي مَا لَا يَتَكَرَّرُاسْتِعْمَالُهُ**» **مَاءِ جَارِي** وہ ہے جو مکرر کہ مکرر نہ ہوتا ہو «**اسْتِعْمَالُهُ**» اس کا استعمال۔ جس کا استعمال مکرر نہیں ہوتا وہ **مَاءِ جَارِي** ہے۔

مَاءِ جَارِي، مثلاً آپ کے سامنے پانی ہے بہہ رہا ہے، آپ اس میں سے چلو بھرتے ہیں اور چہرہ دھوتے ہیں، اور وہ چہرہ جس پانی سے دھویا وہ پھر واپس اسی پانی میں گرا، اور پھر آپ دوبارہ چلو بھرتے ہیں تو اب وہ پانی یہ نہیں ہوتا، وہ بہہ کر کہاں چلا گیا؟ آگے۔ تو اب جب آپ نے دوبارہ چلو بھرا تو وہ نیا پانی ہے۔ تو یہ ہے **مَاءِ جَارِي**، کیونکہ ماء کا استعمال مکرر نہیں ہوا، ایک دفعہ ہوا، دوسری دفعہ جو اٹھا رہے ہیں وہ پانی آگے بہہ کر جا چکا ہے، تو اس کو کہیں گے **مَاءِ جَارِي**۔ اور اگر وہ پانی بہہ کر آگے نہیں گیا پھر وہ **مَاءِ جَارِي** نہیں ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو **مَاءِ جَارِي** میں استعمال مکرر نہیں ہوتا، اسی میں استعمال شدہ پانی گرتا بھی ہے تو دوبارہ چلو بھرتے ہیں تو وہ پہلے استعمال شدہ پانی بہہ کر آگے جا چکا ہے، معلوم ہوا یہ **مَاءِ جَارِي** ہے۔ اور اگر نہیں بہہ کر آگے جاتا تو معلوم ہوا یہ **مَاءِ جَارِي** نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں «**وَالْجَارِي مَا لَا يَتَكَرَّرُاسْتِعْمَالُهُ**» اور **مَاءِ جَارِي** وہ پانی ہے کہ مکرر نہیں ہوتا اس کا استعمال۔ «**وَقِيلَ**» اور کہا گیا ہے، بعضوں نے اور تعریف کی بھائی، کہتے ہیں «**مَا يَذْهَبُ بِتِبْنَةٍ**»۔ «**تِبْنَةٌ**» یہ تنکا بھائی تنکا۔ «**تِبْنٌ**» اصل میں کہتے ہیں «**تِبْنٌ**» جو جانوروں کو خشک چارہ دیا جاتا ہے، بھس وغیرہ جو ان کو کھلایا جاتا ہے اس کو «**تِبْنٌ**» کہتے ہیں بھائی، «**تِبْنٌ**»۔ تو یہاں «**تِبْنَةٌ**» آیا، تاء وحدت کی بھی آ گئی، تو یعنی تنکا وغیرہ، خشک تنکا۔ تو کہتے ہیں «**وَقِيلَ مَا يَذْهَبُ بِتِبْنَةٍ**» **مَاءِ جَارِي** وہ ہے جو بہا کر لے جائے تنکے کو، جس میں تنکا یا پتہ وغیرہ ڈالا اور پانی اس کو بہا کر آگے لے جاتا ہے تو اس ماء کو کیا کہیں گے؟ **مَاءِ جَارِي** کہیں گے بھائی۔

■ مسئلہ: وَالْغَدِيرُ الْعَظِيمُ الَّذِي لَا يَتَحَرَّكُ أَ...

«وَالْغَدِيرُ الْعَظِيمُ الَّذِي لَا يَتَحَرَّكُ أَحَدُ طَرَفَيْهِ بِتَحْرِيكِ الطَّرَفِ الْآخَرِ» غدیر کہتے ہیں تالاب کو بھائی۔ بارش وغیرہ یا سیلاب کا پانی کہیں اکٹھا ہو گیا تو یہ جو کچا تالاب بن گیا جو ہڑ بن گیا اس کو کیا کہتے ہیں؟ غدیر کہتے ہیں جس میں پانی جمع ہے۔ کہتے ہیں «وَالْغَدِيرُ الْعَظِيمُ» اور وہ بڑا تالاب «الَّذِي لَا يَتَحَرَّكُ أَحَدُ طَرَفَيْهِ» کہ حرکت نہیں کرتی اس کی «أَحَدُ طَرَفَيْهِ» دو جانبوں میں سے ایک جانب «بِتَحْرِيكِ الطَّرَفِ الْآخَرِ» دوسری جانب کو حرکت دینے سے۔ یہ جو بڑا تالاب ہے کہ جس میں ایک جانب کا حرکت کرنا وہ دوسری جانب کو حرکت نہیں دیتا بھائی، جب اس میں نجاست گر پڑے ایک جانب میں «إِذَا وَقَعَتْ نَجَاسَةٌ فِي أَحَدِ جَانِبَيْهِ» جب اس میں نجاست گر پڑے اس کی دو جانبوں میں سے کسی ایک میں «جَازَ الْوُضُوءُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ» تو جائز ہے وضو کرنا دوسری جانب سے «لِأَنَّ الظَّاهِرَ» اس لیے کیونکہ ظاہر یہ ہے «أَنَّ النَّجَاسَةَ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ» کہ نجاست وہاں تک نہیں پہنچی ہو گی۔ ظاہر یہی ہے، جب بڑا تالاب ہے بھائی، ایک جانب کے پانی کو حرکت دیں تو دوسری جانب کا پانی حرکت نہیں کرتا، تو جب حرکت کا اثر ایک جانب سے دوسری جانب کو نہیں پہنچ رہا تو ظاہر یہی ہے کہ نجاست کا اثر بھی وہاں نہیں پہنچا ہو گا بھائی۔ اس لیے کیونکہ حرکت کا اثر وہ نجاست کے اثر سے بڑھ کر ہوتا ہے بھائی، تو جب حرکت کا اثر نہیں پہنچ رہا وہاں تک تو معلوم ہوا نجاست کا اثر بھی وہاں نہیں پہنچا ہو گا بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟

بھائی دیکھیے آگے تفصیل صاحبِ ہدایہ بھی بیان کریں گے۔ بڑا تالاب اس کو کہیں گے یعنی مَاءِ كَثِير، وہی مَاءِ كَثِير بھائی جس کو متاخرین نے کتنے پانی کو قرار دیا؟ جو عشراً فی عشر ہو بھائی۔ اسی کی تعریف بیان ہو رہی ہے۔ اس میں ایک جانب کو ایک جانب پانی کو حرکت دیں تو دوسری جانب اس حرکت کا اثر نہ پہنچے، تو یہ ہے بڑا تالاب بھائی، غدیر، یہ ہے مَاءِ كَثِير بھائی۔ اس میں ایک طرف نجاست گر پڑے تو دوسری طرف سے وضو کرنا جائز ہے، یہ اس وقت جب نجاست دکھائی دینے والی ہو، اور اگر دکھائی دینے والی نہیں ہے پھر تو ہر طرف سے وضو کرنا جائز ہے بھائی، جائز ہے۔

تو دیکھیے متن کے اندر «وَالْغَدِيرُ الْعَظِيمُ الَّذِي لَا يَتَحَرَّكُ أَحَدُ طَرَفَيْهِ بِتَحْرِيكِ الطَّرَفِ الْآخَرِ» یہ جو «الَّذِي لَا يَتَحَرَّكُ» آ رہا ہے اس کے ذریعے غدیرِ عظیم کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ بڑا تالاب، غدیرِ عظیم کا کیا معنیٰ؟ بڑا تالاب۔ کس کو کہیں گے؟ کہتے ہیں «الَّذِي لَا يَتَحَرَّكُ أَحَدُ طَرَفَيْهِ بِتَحْرِيكِ الطَّرَفِ الْآخَرِ» کہ جس میں حرکت نہ کرتی ہو دو جانبوں میں سے ایک جانب دوسری جانب کو حرکت دینے سے۔ دوسری جانب کو آپ نے حرکت دی پانی کو تو اس جانب کا پانی حرکت نہیں کرتا، تو یہ کیا ہے؟ غدیرِ عظیم ہے بھائی۔ اور اس کے اندر جب نجاست گر پڑے کسی ایک جانب میں «جَازَ الْوُضُوءُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ» تو دوسری جانب سے وضو کرنا جائز ہے۔

یہاں ایک قیمتی بات آپ کو بتلاؤں بھائی۔ یاد رکھنا یہ حرکت سے مراد لہروں کی حرکت نہیں ہے۔ آپ پانی میں کنکر وغیرہ پھینکتے ہیں، چھوٹا سا پتھر پھینکیں پانی کی سطح پر لہریں بن کر پھیل جاتی ہیں ہر طرف کو بھائی۔ یہ لہریں ہیں، لہروں کی حرکت نہیں مراد بھائی۔ لہریں تو بڑی دور تک چلی جاتی ہیں، بلکہ باقاعدہ پانی کی حرکت ہے۔ آپ اس کنارے پر بیٹھ کر پانی کو ہلاتے ہیں متوسط درجے کا، تو دوسری جانب کا پانی وہ باقاعدہ اوپر نیچے حرکت کرنے لگے تو یہ ہے کہ اس حرکت کا اثر وہاں تک پہنچ گیا۔ اور اگر اس جانب متوسط درجے کی حرکت آپ نے پانی کو دی، بے شک لہریں پھیل رہی ہیں لیکن دوسری جانب کا پانی جو ہے وہ باقاعدہ اوپر نیچے حرکت نہیں کر رہا تو اس کو کیا کہیں گے؟ مَاءِ كَثِير ہے، یہ غدیرِ عظیم ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لہروں کی حرکت مراد نہیں بلکہ باقاعدہ پانی اوپر نیچے حرکت کرنے لگے بھائی، پانی اوپر نیچے۔

تو اس میں ایک جانب نجاست گر پڑے تو دوسری جانب سے جائز ہے وضو کرنا «لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ النَّجَاسَةَ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ» اس لیے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نجاست دوسرے حصے تک دوسرے کنارے تک نہیں پہنچی ہے۔ «إِذْ أَثَرُ التَّحْرِيكِ فِي السِّرَايَةِ فَوْقَ أَثَرِ النَّجَاسَةِ» ترجمے پہ نظر رکھنا بھائی: «إِذْ أَثَرُ التَّحْرِيكِ» اس لیے کیونکہ حرکت دینے کا جو اثر ہے، آگے ہے «فَوْقَ أَثَرِ النَّجَاسَةِ» یہ نجاست کے اثر سے اوپر ہے، اس سے بڑھ کر ہے۔ حرکت دینے کا اثر... ترجمے پہ نظر ہے عبارت پر بھائی؟ اس لیے کیونکہ تحریک کا، حرکت دینے کا جو اثر ہے «فَوْقَ أَثَرِ النَّجَاسَةِ» یہ نجاست کے اثر سے بڑھ کر ہے، بیچ میں درمیان میں آیا «فِي السِّرَايَةِ» پھیل جانے میں۔ کس اعتبار سے بڑھ کر ہے؟ بھائی حرکت دینے کا اثر نجاست کے اثر سے بڑھ کر ہے، کس چیز میں بڑھ کر ہے؟ «فِي السِّرَايَةِ» پھیل جانے میں، پھیل جانے میں۔ یعنی حرکت دینے کے اندر اثر دور تک جائے گا، پھیل جائے گا، اور نجاست جو پانی میں گری ہے اس کا اتنا اثر نہیں۔ تو جب حرکت کا اثر دوسری جانب کو نہیں پہنچ رہا، پانی اوپر نیچے نہیں ہل رہا، تو معلوم ہوا کہ نجاست بطریقِ اولیٰ دوسرے کنارے تک نہیں پہنچی ہو گی بھائی۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ یہ معنی ہے «إِذْ أَثَرُ التَّحْرِيكِ فِي السِّرَايَةِ فَوْقَ أَثَرِ النَّجَاسَةِ» اس لیے کیونکہ حرکت دینے کا جو اثر ہے وہ پھیل جانے میں نجاست کے اثر سے بڑھ کر ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ

«ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» جی، یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کون سی حرکت کا اعتبار کیا جائے؟ آپ نے کہا ایک جانب کو حرکت دیں تو دوسری جانب کا پانی حرکت نہ کرے، کون سی حرکت مراد ہے؟ ایک حرکت ہے غسل کی وجہ سے، ایک آدمی اس کنارے کے اندر غسل کرتا ہے تو اس صورت میں بھی اس طرف

کا پانی حرکت کر رہا ہے تو اس کا اثر دیکھیں کہ وہاں پہنچتا ہے یا نہیں پہنچتا۔ اور غسل کی صورت میں یقیناً حرکت زیادہ حرکت دینا ہو گا بھائی، اس میں پانی حرکت دینا کیا ہو گا؟ زیادہ ہو گا بھائی۔ اور ایک ہے حرکت دینا کہ وضو کرے انسان متوسط طریقے سے، تو اس صورت میں پانی کے اس جانب کو حرکت دی اور وضو کیا تو دوسری جانب دیکھا جائے کہ اس کا اثر پہنچتا ہے یا نہیں۔ یہ متوسط درجے کی حرکت دی ایک طرف کو۔ اور ایک ہے ہاتھ وغیرہ کے ساتھ، ہاتھ وغیرہ صرف دھوتا ہے اس کے اندر بھائی متوسط طریقے سے۔ تو کس حرکت کو دیکھا جائے گا؟ تین قسم کی حرکتیں ہو گئیں۔ اس کنارے پر آپ نے کیا بات کی تھی کہ اس کنارے پر پانی کو حرکت دیں تو دوسری جانب کے پانی کو اس کا اثر نہ پہنچے، اس طرف پانی نہ ہلے، تو کون سی حرکت دینا مراد ہے اس کنارے کو؟ غسل والی حرکت ہے ایک، ایک وضو کے ساتھ حرکت دینا ہے، اور ایک ہاتھ دھونے کے ساتھ حرکت دینا ہے، تین قسم کی حرکتیں آ گئیں تو کون سی تحریک معتبر ہے ان میں سے؟ تو آپ کو بتلائیں گے بھائی کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رَحِمَهُمَا اللهُ کے نزدیک تحریک بالغسل مراد ہے، کیونکہ غسل جب کریں گے تو اس میں تحریک زیادہ ہو گی، تحریک زیادہ ہو، تو یہ اثر جلدی وہاں پہنچے گا بھائی... پہنچے گا بھائی۔ وضو کریں گے تو متوسط درجے کی تحریک ہو گی، اس کا اثر دور تک نہیں جائے گا۔ اور ہاتھ دھوئیں گے وہ تو بالکل تھوڑی سی تحریک ہے، اس کا تو اور اثر تھوڑے فاصلے تک ہی جائے گا، دور تک نہیں جائے گا۔ تو امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ تحریک بالغسل مراد ہے کیونکہ یہ پاکی ناپاکی کا مسئلہ ہے تو اس میں احتیاط زیادہ ہے۔

غسل کی حرکت میں اس طرف تحریک زیادہ، جب اس طرف تحریک زیادہ ایک کنارے پر، آپ نے اس میں زیادہ حرکت دی جاتی ہے پانی کو غسل کرے گا انسان، تو اس میں تحریک زیادہ ہوئی اس کا اثر دور تک پہنچے گا، دور تک پہنچے گا۔ وضو کی صورت میں اتنی دور تک نہیں پہنچے گا، تو غسل کی تحریک کا اعتبار کرنے میں احتیاط زیادہ ہے۔ احتیاط کس طرح زیادہ ہے؟ سمجھ بھی آ رہی ہے بات کہ نہیں بھائی؟ جی۔ بھائی صرف ہاتھ وغیرہ دھوئیں گے پھر تو صرف قریب تک اثر جائے گا تو تھوڑے پانی کو انسان کیا قرار دے دے گا؟ پاک قرار دے دے گا کہ حرکت کا اثر نہیں جا رہا۔ وضو کا اثر اس سے ذرا دور تک جاتا ہے تو تھوڑا سا اس سے پانی زیادہ ہو اتو وضو کا اثر وہاں تک پہنچے گا اس سے آگے نہیں جائے گا تو پانی کو پاک قرار دے دیا جائے۔ اور غسل کے اندر تو اثر بڑی دور تک جاتا ہے بڑی، تو اس میں تھوڑی مقدار والے پانی میں تو دوسرے کنارے پہ ضرور حرکت ہو گی، ذرا زیادہ ہو گا تو پھر حرکت نہیں ہو گی، تو لہٰذا اس کا اعتبار کیا جائے کیونکہ اس پاکی ناپاکی کا مسئلہ ہے، پانی کی طہارت کا مسئلہ ہے، آپ نے اسی سے وضو کرنا ہے، آپ نے اسی سے غسل کرنا ہے، تو جب غسل والی تحریک کا اعتبار کریں گے تو معلوم ہو اپانی زیادہ ہے تو اس کا اثر نہیں پہنچ رہا اور اب پوری احتیاط آ گئی معلوم ہو ابالکل یہاں تک اس نجاست کا اثر یقیناً نہیں پہنچا ہو گا۔ جب غسل جیسی تحریک کا اثر نہیں پہنچ رہا تو نجاست کا اثر بطریقِ اولیٰ نہیں پہنچا ہو گا، اس میں احتیاط زیادہ ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو شیخین رَحِمَهُمَا اللهُ تحریک بالغسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام محمد رَحِمَهُ اللهُ تحریک بالتوضی یا تحریک بالوضوء کا اعتبار کرتے ہیں، تحریک بالوضوء کا بھائی۔

تو کہتے ہیں «ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ التَّحْرِيكُ بِالِاغْتِسَالِ» پھر امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللهُ سے روایت ہے کہ معتبر جو ہے وہ تحریک بالاغتسال ہے، غسل کے ساتھ جو حرکت دینا ہے اس کو وہ معتبر ہے «وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» اور یہی قول ہے امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللهُ کا بھی «وَعَنْهُ بِالتَّحْرِيكِ بِالْيَدِ» اور «وَعَنْهُ» کی ھا ضمیر ابو حنیفہ کو راجع، اور انہی سے ایک روایت یہ ہے امام صاحب سے کہ معتبر کیا ہے؟ «بِالتَّحْرِيكِ بِالْيَدِ» تو تحریک بالید جو ہے اس کا اعتبار ہے، ہاتھ کے متوسط درجے سے ہاتھ کے ساتھ متوسط درجے سے حرکت دینا «وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ بِالتَّوَضِّي» اور امام محمد رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک تحریک بالتوضی یا تحریک بالوضوء کا اعتبار ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَوَجْهُ الْأَوَّلِ

«وَوَجْهُ الْأَوَّلِ» بھائی اس کی وجہ کیا ہے؟ تحریک ایک تو اس میں احتیاط زیادہ، کہتے ہیں نیز اس لیے، وجہ اگے ذکر کرنے لگے ہیں کہ تحریک بالغسل کا اعتبار کیوں کیا شیخین رَحِمَهُمَا اللهُ نے؟ کہتے ہیں بھائی جو حوض ہوتے ہیں ان میں غسل کی حاجت زیادہ پیش آتی ہے۔ وضو کے لیے تو تھوڑا سا پانی ضرورت ہوتی ہے، وہ انسان گھر وغیرہ پر ہی کر لیتا ہے، لیکن غسل کرنا ہے اس کے لیے زیادہ پانی کی ضرورت، تو اس طرح جہاں پانی جوہڑ وغیرہ یا تالاب کی صورت میں ہو تو وہیں پر لوگ کیا کر لیتے ہیں عموماً؟ اسی میں غسل کر لیتے ہیں بھائی غسل کر لیتے ہیں۔ اور تو معلوم ہوا تالاب وغیرہ میں غسل کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے، جب غسل کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے تو اسی کی تحریک کا بھی اعتبار کرنا چاہیے بھائی۔ غسل کی وجہ سے پانی کو حرکت ہو گی، ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اگر حرکت پہنچ رہی ہے معلوم ہوا گر نجاست بھی گرے گی تو اس کا اثر بھی پہنچ جائے گا بھائی۔

کہتے ہیں «وَوَجْهُ الْأَوَّلِ» اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے «أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهِ فِي الْحِيَاضِ» حیاض جمع ہے حوض کی۔ «أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهِ فِي الْحِيَاضِ أَشَدُّ مِنْهَا إِلَى التَّوَضِّي» ہدایہ کی فصیح و بلیغ عبارات چل رہی ہیں بھائی، عبارت پر نظر رکھنا بھائی۔ وجہ اس پہلے قول کی یہ کہ تحریک بالاغتسال معتبر ہے، اس کی وجہ یہ ہے «أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهِ» «إِلَيْهِ» کی ضمیر راجع ہے اغتسال کو، کہ حاجت الی الاغتسال، یعنی غسل کی حاجت، غسل کی جو ضرورت ہے «فِي الْحِيَاضِ» کس کے اندر؟ حوضوں میں، تالابوں میں «أَشَدُّ» وہ زیادہ شدید ہے، وہ زیادہ ہے «مِنْهَا» ھا ضمیر راجع ہے حاجت کو، کس کو راجع؟ حاجت کو۔ اور آگے

کیا ہے؟ «إِلَى التَّوَضِّي» یعنی الحاجۃ الی التوضی، من الحاجۃ... ھا ضمیر کی جگہ ذرا حاجت کا لفظ لائیں پھر آپ کو ترجمہ سمجھ میں آئے گا بھائی۔ یا بلکہ یوں پہلے سمجھ لیں۔ بھائی ایک ہے حاجت الی الاغتسال، ایک ہے حاجت الی التوضی، اور حوضوں میں کس کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے؟ کیا زیادہ ہوتی ہے؟ حاجت الی الاغتسال وہ حوضوں میں زیادہ ہے کس کی بنسبت؟ حاجت الی التوضی کے مقابلے میں بھائی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ یہی صاحب ہدایہ بیان کر رہے ہیں، آپ یوں کریں «أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهِ» اس کی جگہ لے آئیں اغتسال، «أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى الِاغْتِسَالِ» کہ ضرورت غسل کی طرف «أَشَدُّ» یہ زیادہ ہوتی ہے یہ جو حاجت الی الاغتسال ہے، کس سے زیادہ ہوتی ہے؟ «مِنَ الْحَاجَةِ إِلَى التَّوَضِّي» کس سے؟ حاجت الی التوضی سے زیادہ ہوتی ہے «فِي الْحِيَاضِ» کس کے اندر؟ حوضوں میں۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

«وَبَعْضُهُمْ قَدَّرُوا بِالْمَسَاحَةِ عَشْرًا فِي عَشْرٍ بِذِرَاعِ الْكِرْبَاسِ» اور بعض علماء نے، بعض فقہاء نے «قَدَّرُوا» اندازہ لگایا ہے اس کا «بِالْمَسَاحَةِ» پیائش کے ساتھ، کتنی پیائش؟ «عَشْرًا فِي عَشْرٍ» دہ در دہ بھائی، یعنی دس گز ضرب دس گز «بِذِرَاعِ الْكِرْبَاسِ» کرباس کہتے ہیں موٹا سوتی کپڑا بھائی، کرباس کسے کہتے ہیں؟ موٹا سوتی کپڑا۔ یعنی جو مراد ہے کپڑا بھائی، ذراع الکرباس جو کپڑے کا گز ہے بھائی کپڑے کا گز ہے، اس کے ساتھ پیائش کا اندازہ لگایا ہے اور کتنی پیائش کا؟ «عَشْرًا فِي عَشْرٍ» ہو «بِذِرَاعِ الْكِرْبَاسِ» کپڑے کے ذراع کے ساتھ، اور میں نے بتلایا وہ کیا ہے؟ شرعی گز ہے، کتنا ہے؟ ڈیڑھ فٹ کا ہے ایک ذراع بھائی۔

■ مسئلہ: تَوْسِعَةً لِلْأَمْرِ عَلَى النَّاسِ

«تَوْسِعَةً لِلْأَمْرِ عَلَى النَّاسِ» یہ وجہ بیان کر رہے ہیں، بعضوں نے اس کا پیائش کا کپڑے کے گز کے ساتھ کیوں لگایا؟ «تَوْسِعَةً لِلْأَمْرِ عَلَى النَّاسِ» لوگوں پر معاملے کو وسیع کرنے کے لیے، لوگوں پر معاملے کو وسیع کرنے کے لیے یعنی لوگوں پر معاملے کو آسان بنانے کے لیے، ورنہ کسی شخص کا پانی سے واسطہ پیش آئے گا وہ بیچارہ پریشان ہو گا کہ میں اب اس کو مَاءٍ قَلِيلٍ کہوں یا مَاءٍ كَثِيرٍ کہوں، تو فقہاء نے بتلایا کہ آسانی سے بس دیکھ لو دہ در دہ ہے تو کثیر ہے، دہ در دہ نہیں تو قلیل ہے بھائی۔ تو اس میں لوگوں پر آسانی آگئی۔

اور نیز مساحت اور ذراعِ کرباس ایک تو انہوں نے پیائش کا اعتبار کیا اس کی وجہ اس میں بھی لوگوں کے لیے آسانی آگئی کہ کس چیز کو دیکھیں؟ دہ در دہ کو دیکھیں، عَشْرًا فِي عَشْرٍ کو دیکھ لیں بس، پیائش اس پیائش کو ذہن میں رکھیں اور پانی کو دیکھ لیا کریں۔ اور نیز ذراع بھی ذراعِ کرباس جو ہے اس کا اعتبار کیا جو ڈیڑھ فٹ کا ہے، اور ایک اور ذراع بھی رائج تھا جو اس ڈیڑھ فٹ سے تھوڑا سا چند انچ زیادہ تھا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ اگر اس کا اعتبار کریں وہ گز تو تھوڑا سا بڑا ہے اور یہ گز کتنا تھا ڈیڑھ فٹ کا تو یہ تو 15 ضرب 15 فٹ کا تالاب ہو اس کو کیا کہیں گے؟ مَاءٍ كَثِيرٍ کہیں گے، اگر اس گز کا اعتبار کریں عَشْرًا فِي عَشْرٍ تو وہ یقیناً 15 ضرب 15 سے کچھ بڑا ہونا چاہیے تو آسانی کس کے اندر؟ اس تھوڑے ہی کو کثیر کہہ دیا جائے اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہے، کیونکہ نجاست...

طرف گرے گی، لیکن پھر بھی ہم کہیں گے ماء نجس نہیں کیونکہ ماءِ کثیر ہے۔ اور اگر اس گز کا اعتبار کریں تو فرض کریں مثلاً یہ ۱۵ ضرب ۱۵ ہے، فرض کریں وہ ۱۷ یا ۱۸ گز کا بنتا ہے، ۱۸ ضرب ۱۸ فٹ بھئی۔ ۱۸ فٹ ضرب ۱۸۔ تو یہاں اس میں ہم نے ۱۵ فٹ ضرب ۱۵ فٹ کا اعتبار کیا۔ اس گز کا اعتبار کریں وہ تھوڑا سا تو بڑا ہے، تو وہ کتنا بن جائے گا؟ فرض کرو ۱۸ ضرب ۱۸ فٹ بنتا ہے۔ تو پھر دیکھنا پڑے گا کہ ۱۸ ضرب ۱۸ فٹ ہے تو کثیر ہے، اس سے چھوٹا ہے تو ایک طرف نجاست گری تو سارا ہی نجس ہو گیا۔

تو آسانی کس کے اندر ہے لوگوں کے لیے؟ یہ کون سے گز کا اعتبار کیا جائے؟ کپڑے کے گز کا یعنی شرعی گز کا۔ وہ دوسرے بڑے گز کا اعتبار کرنے میں ان کے لیے حرج ہے بھئی۔

تَوْسِعَةً لِلْأَمْرِ عَلَى النَّاسِ، لوگوں پر معاملے کو آسان کرنے کے لیے، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ میں نے بتایا یہ کس کے نزدیک؟ تمام متاخرین اسی پر فتویٰ دیتے ہیں بھئی۔

وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْعُمْقِ أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ لَا يَنْحَسِرُ بِالِاغْتِرَافِ، بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا یہ عَشْرًا فِي عَشْرٍ کے اندر گہرائی بھئی، بعضوں نے کہا ایک ذراع گہرائی ہو، بعضوں نے کہا دو ذراع گہرائی ہو، لیکن میں نے آپ کو بتایا تھا فتویٰ کس قول پر ہے؟ کہ اگر اس پانی سے چلو بھریں تو زمین کھل کر سامنے نہ آجاتی ہو بھئی۔ آپ نے چلو بھرا اور پانی ہی اوپر سے تھوڑی دیر کے لیے ختم ہوا، زمین سامنے آگئی تو یہ بہت تھوڑا ہے بھئی، اس کا اعتبار نہیں۔ کم از کم اتنا تو ہو کہ چلو بھریں تو بھی زمین دکھائی نہیں دیتی، کھلتی نہیں ہے بھئی۔

کہتے ہیں: وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْعُمْقِ، اور معتبر جو ہے عمق گہرائی کے اندر، أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ، کہ وہ پانی اس حال پر ہو، لَا يَنْحَسِرُ بِالِاغْتِرَافِ، اِنْحَسَرَ کا معنیٰ کھل جانا، کہ وہ کھل نہ جاتا ہو بِالِاغْتِرَافِ چلو بھرنے کی وجہ سے، یعنی کھل نہ جاتا ہو یعنی زمین نہ نکل آتی ہو۔ هُوَ الصَّحِيحُ، یہی قول صحیح ہے۔

وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ: جَازَ الْوُضُوءُ، بھئی میں نے آپ کو بتایا تھا متن میں کیا مسئلہ آیا؟ ایک اس غدیرِ عظیم میں ایک جانب اگر نجاست گر پڑے تو دوسری

جانب سے وضو کرنا جائز ہے۔ میں نے بتایا تھا یہ کون سی نجاست میں ہے؟ جس کا ظاہری جسم ہو، جو دکھائی دے، اور اگر غیر مرئی نجاست ہے جو دکھائی نہیں دیتی، مثلاً تھوڑا سا پیشاب گر گیا وہ تو اس میں مل گیا، تھوڑی سی شراب گر گئی وہ تو مل گئی، تھوڑا سا خون گر گیا وہ تو مل گیا، اب دکھائی نہیں دیتا، تو یہ غیر مرئی نجاست کے اندر کیا حکم بتلایا میں نے؟ کہ چاروں طرف سے وضو کرنا جائز، کیونکہ یہ ماءِ کثیر ہے اور ماءِ کثیر نجاست کے گرنے سے نجس نہیں ہوتا **إِلَّا** یہ کہ اس کا نجاست کا باقاعدہ اثر دکھائی دے۔ یہی بات اب ذکر کرنے لگے ہیں۔

کہتے ہیں: **وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ**، اور یہ جو اوپر کتاب کے اندر مصنف کا قول آیا: **جَازَ الْوُضُوءُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ**، کہ جائز ہے وضو کرنا دوسری جانب سے، **إِشَارَةٌ**، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے، **إِلَى أَنَّهُ يَنْجُسُ مَوْضِعُ الْوُقُوعِ**، کہ نجس ہو جائے گی نجاست کے گرنے کی جگہ۔ متن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، کہ معلوم ہوا جہاں نجاست گری ہے وہ جگہ کیا ہو جائے گی؟ نجس ہو جائے گی۔ آگے بتلا رہے ہیں: **وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت یہ ہے، **أَنَّهُ لَا يَنْجُسُ**، وہ جگہ بھی جہاں نجاست گری ہے وہ بھی نجس نہیں ہو گی، **إِلَّا بِظُهُورِ النَّجَاسَةِ فِيهِ**، مگر یہ کہ اس کے اندر نجاست ظاہر ہو **فِيهِ** اس میں، **كَالْمَاءِ الْجَارِي**، جیسے کس میں تھا؟ ماءِ جاری میں تھا۔ ماءِ جاری میں کیا تھا؟ جب تک نجاست ظاہر نہ ہو، اس کا اثر نہ دکھائی دے وہ نجس نہیں، تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی نجس نہیں ہو گا، صرف اسی وقت نجس ہو گا جب نجاست دکھائی دینے لگے، اس کا اثر نظر آنے لگے، جیسے کہ ماءِ جاری میں تھا۔

قَالَ: وَمَوْتُ مَا لَيْسَ لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فِي الْمَاءِ لَا يُنَجِّسُهُ، كَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزَّنَابِيرِ وَالْعَقْرَبِ وَنَحْوِهَا۔

وَمَوْتُ مَا، اور موت اس جانور کی، **لَيْسَ لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ**، نفس کہتے ہیں خون کو، نفس کا ایک معنیٰ کیا ہے؟ خون بھئی، اور سائلۃ بہنے والا۔ **وَمَوْتُ مَا لَيْسَ لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ**، اور موت ایسے جانور کی کہ نہ ہو اس کا بہنے والا خون، **فِي الْمَاءِ**، پانی میں، یہ **فِي الْمَاءِ** کا تعلق موت سے ہے۔ کس سے تعلق ہے؟ موت۔ مرنا، کس میں مرنا؟ پانی میں مرنا۔ پانی میں مرنا ایسے جانور کا جس کا بہنے والا خون نہیں ہے، **لَا يُنَجِّسُهُ**، وہ اس پانی کو نجس نہیں کرتا۔ یعنی جس جانور کے اندر بہنے والا خون نہیں ہے، وہ اگر پانی میں گر کر مر جائے تو بھی پانی نجس نہیں ہوتا۔

كَالْبَقِّ، بَقٌّ کہتے ہیں کھٹمل کو بھئی، کھٹمل، اور اسی طرح پسو کو، تو کھٹمل اور پسو۔ **وَالذُّبَابِ**، اور جیسے کہ مکھی ہے بھئی مکھی۔ مکھی کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ **ذُبَابٌ** بھئی، یہ جو عام مکھی۔ اور اس میں ایک ادبی نکتہ آپ کو بتلاؤں بھئی: ذباب کو ذباب اس لیے کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ كُلَّمَا ذُبَّ آبَ**، **لِأَنَّهُ كُلَّمَا ذُبَّ آبَ**، اس لیے کیونکہ اس کو جب بھی دور کریں، جب بھی اڑائیں بھئی یہ پھر آ جاتی ہے۔ انسان بار بار اس کو اڑاتا ہے یہ پھر آ جاتی ہے، تنگ کرتی ہے۔ تو **ذَبَّ** کے معنیٰ ہوتے ہیں دور کرنا اور آب کے معنیٰ ہوتے ہیں لوٹنے کے، تو **كُلَّمَا ذُبَّ**، جب بھی اس کو دور کریں، آب، یہ لوٹ آتی ہے، تو اسی سے اس کا نام کیا ہے؟ **ذُبَابٌ** ہے بھئی۔ تو جیسے مکھی ہے۔

وَالزَّنَابِيرِ، زَنَابِيرُ جمع ہے **زُنْبُورٌ** کی، زنبور۔ زنبور بھئی یہ بھیڑ وغیرہ، یہ جو یہاں عام آپ دیکھتے ہیں پیلے رنگ کی جو کاٹنے والی ہوتی ہے، بھیڑ ہے، اسی طرح جو یہ جیسے شہد کی مکھی ہے، تو یہ بھئی، ان کو زنبور کہتے ہیں بھئی۔ اس کی جمع زنابیر آئی بھئی۔ اور اسی طرح جو بھیڑ وغیرہ ہیں۔ **وَالْعَقْرَبِ**، اور بچھو ہے، **وَنَحْوِهَا**، اور ان جیسی جو چیزیں ہیں۔ یہ چیزیں اگر ان میں بہنے والا خون نہیں ہوتا، لہٰذا اگر یہ پانی میں گر کر مر بھی جائیں تو وہ پانی نجس نہیں ہو گا بھئی۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: **يُفْسِدُهُ**، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چیز جو ہے، یہ چیزیں **يُفْسِدُهُ** پانی کو نجس کر دیں گی، پانی کو فاسد کر دیں گی، **لِأَنَّ التَّحْرِيمَ لَا بِطَرِيقِ الْكَرَامَةِ آيَةُ لِلنَّجَاسَةِ**، اس لیے کیونکہ تحریم جو کرامت کے طریقے پر نہ ہو، **آيَةُ لِلنَّجَاسَةِ**، وہ نجس ہونے کی نشانی ہے، نجس ہونے کی علامت ہے۔

بھئی آپ فقہ کے اندر قدوری وغیرہ میں مسئلہ پڑھ چکے ہیں کہ انسانی کھال کو اگر کوئی شخص دباغت دے بھی دے، وہ پاک نہیں ہو گی بھئی۔ پاک؟ کیوں؟ اور اسی طرح خنزیر کی کھال جو ہے اس کو اگر کوئی دباغت دے دے تو وہ بھی پاک نہیں ہو گی، لہٰذا اس پر نماز وغیرہ پڑھنا جائز نہیں۔ اور وہیں پر آپ نے اس کی علت بھی پڑھی ہو گی: انسانی کھال کا استعمال بھی حرام اور خنزیر کی کھال کا استعمال بھی حرام، لیکن انسانی کھال کا استعمال جو حرام قرار دیا گیا وہ انسان کی عزت اور شرافت کی وجہ سے۔ انسان کو اللہ نے بڑی عزت نصیب فرمائی ہے، بڑا اونچا مقام نصیب فرمایا ہے، لہٰذا اس کی عزت اور شرافت کی وجہ سے اس یہ کیا ہے؟ اس کا استعمال حرام قرار دیا۔ اور خنزیر کی کھال کو جو نجس قرار دیا گیا وہ اس کے نجس ہونے کی وجہ سے۔ اس کے؟ اس کے نجس ہونے کی وجہ سے۔ تو دیکھیے ایک تحریم کون سی ہوئی؟ تحریم کا معنیٰ حرام قرار دینا۔ **بِطَرِيقِ الْكَرَامَةِ**، تحریم **بِطَرِيقِ الْكَرَامَةِ** وہی عزت بھئی، شرافت وغیرہ۔ تو انسانی کھال اس کی بھی تحریم ہے، لیکن یہ تحریم کس طریقے پر ہے؟ کرامت کے طریقے پر ہے بھئی۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ چیز جس کو حرام قرار دیا گیا ہو شریعت میں اور یہ تحریم بطریقِ کرامت کے نہ ہو تو یہ نجس ہونے کی علامت ہے۔ یہ تحریم بطریقِ کرامت نہ ہو تو یہ کس چیز کی علامت ہے؟ نجس ہونے کی علامت ہے۔ اور یہ جو جانور ہیں کھٹمل ہے، مکھی ہے، بچھو ہے، بھیڑ وغیرہ، یہ چیزیں بھی حرام ہیں۔ تو ان میں بھی

تحریم ہے ان کے بارے میں، اور یہ تحریم کس وجہ سے ہے؟ کرامت، ان کی عزت کی وجہ سے؟ وہ فرماتے ہیں تو یہ تو سب کہتے ہیں نہیں بھئی، عزت کی وجہ سے تو نہیں۔ تو وہ فرماتے ہیں بس، جو بھی تحریم بطریقِ کرامت نہیں ہو گی وہ نجس ہونے کی علامت ہو گی۔ تو یہ چیزیں بھی ان میں بھی تحریم آئی ہے، ان کو حرام قرار دیا گیا ہے اور یہ تحریم بطریقِ کرامت ہے؟ بطریقِ کرامت؟ نہیں، معلوم ہوا یہ چیزیں نجس ہیں۔ اور جب یہ چیزیں نجس ہیں تو یہ پانی میں گریں گی تو پانی کو بھی کیا کر دیں گی؟ نجس کر دیں گی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يُفْسِدُهُ**، ایسی چیز کا مرنا پانی میں اس کو فاسد کر دے گا، **لِأَنَّ التَّحْرِيمَ لَا بِطَرِيقِ الْكَرَامَةِ آيَةٌ لِلنَّجَاسَةِ**، اس لیے کیونکہ وہ تحریم جو کرامت کے طریقے پر، عزت کے طریقے پر نہ ہو، **آيَةٌ لِلنَّجَاسَةِ**، وہ نشانی ہے نجس ہونے کی۔

بِخِلَافِ دُودِ النَّحْلِ وَسُوسِ الثِّمَارِ، دُودٌ کہتے ہیں کیڑے کو۔ **دُودُ النَّحْلِ** سے کیا مراد ہے؟ شہد کی مکھی۔ **بِخِلَافِ دُودِ النَّحْلِ**، تو **دُودُ النَّحْلِ** کیا ہے؟ شہد کی مکھی۔ **وَسُوسِ الثِّمَارِ**، پھلوں کے کیڑے بھئی، پھلوں کے کیڑے، **بِخِلَافِ دُودِ النَّحْلِ وَسُوسِ الثِّمَارِ**، بخلاف شہد کی مکھی کے اور پھلوں کے کیڑے بھئی۔

بھئی شہد کی مکھی وہ اگر مثلاً شہد میں گر کر مری ہے یا پھلوں کے کیڑے ہیں، پھل کے اندر پھل کے اندر پائے جاتے ہیں تو اس کی وجہ سے اس شہد کو یا اس پھل کو نجس قرار نہیں دیا شریعت نے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ چیزیں پاک ہیں۔ شہد کی مکھی یا پھلوں کے جو کیڑے ہیں، ہیں تو وہ بھی نجس، لیکن ضرورت کی بناء پر شریعت نے ان کو معاف رکھا بھئی۔ کیونکہ پھلوں کے اندر کیڑے وغیرہ ہوتے ہیں، اگر اس کی وجہ سے سارے پھل کو نجس قرار دے دیا جائے تو لوگ بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے بھئی۔ تو ہاں وہ حصہ جو کیڑے والا ہے وہ دور کیا جائے تو باقی حصے کو کیا کر سکتا ہے انسان؟ وہ نجس نہیں ہے بھئی۔ اور شہد ہے اسی طرح اس میں سے مکھی وغیرہ اگر گری ہے تو اس کی وجہ سے اگر سارے اس کو نجس قرار دے دیا جائے تو لوگ تو مشکل میں پڑ جائیں گے، وہ تو عموماً اس میں ایک آدھی تو گر کر ضرور مر جائے گی جتنی بھی احتیاط کر لی جائے۔ تو وہاں ضرورت کی بناء پر ان کو شریعت نے معاف قرار دیا۔ تو ان میں ضرورت تھی اس لیے ان کی نجاست معاف ہے، لیکن ان چیزوں کے اندر، باقی جو متن میں ذکر ہوئیں، ان میں ضرورت نہیں لہٰذا ان میں وہ معافی والا حکم نہیں آئے گا۔ یہ پانی میں گر کر مریں گے تو پھر پانی کیا ہو جائے گا؟ نجس ہو جائے گا۔

بِخِلَافِ دُودِ النَّحْلِ وَسُوسِ الثِّمَارِ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً، **ضَرُورَةً** منصوب پڑھنا کیونکہ یہ **أَنَّ** کا اسم مؤخر ہے۔ **أَنَّ** کے بعد **فِيهِ** جار مجرور آیا۔ یہ جار مجرور وغیرہ **إِنَّ**، **أَنَّ** کے بعد آئیں یا **كَانَ** وغیرہ کے بعد آئیں تو یاد رکھیے یہ کبھی بھی ان کا اسم نہیں بن سکتے۔ اسی طرح یہ مبتدا نہیں بن سکتے۔ یہ جب بھی بنیں گے **إِنَّ**، **أَنَّ** یا **كَانَ** یا کی یا اسی طرح مبتدا کی خبر تو بن سکتے ہیں، یہ خود مبتدا یا اس کے قائم مقام نہیں۔ تو یہ آگے **ضَرُورَةً** یہ ہے اسم بھئی **أَنَّ** کا بھئی۔ **لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً**، اس لیے کیونکہ اس میں ضرورت ہے بھئی، حاجت ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل: **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، حضور علیہ السلام کا قول ہے **فِيهِ**، اس چیز کے بارے میں جو جس کا بہنے والا خون نہ ہو اور پانی میں گر پڑے، اس چیز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**هَذَا هُوَ الْحَلَالُ أَكْلُهُ وَشُرْبُهُ وَالْوُضُوءُ مِنْهُ**»۔ بھئی یہ آپ کے حاشیے میں حدیث دی ہوئی ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا اس برتن کے بارے میں جس میں کوئی کھانے یا پینے کی چیز ہو اور اس میں کوئی ایسی ایسا جانور گر کر مر جائے کہ ایسا کیڑا وغیرہ جس میں بہنے والا خون نہیں ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! یہ پانی یا یہ طعام اس کا استعمال جائز ہو گا یا جائز نہیں ہو گا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: «**هَذَا هُوَ الْحَلَالُ أَكْلُهُ**» یہ جو ہے حلال ہے **أَكْلُهُ** اس کا کھانا، «**وَشُرْبُهُ**» اور اس کا پینا، یعنی وہ طعام جس کے اندر وہ چیز گری ہے یا وہ پانی جس کے اندر وہ چیز گری ہے اس کا کھانا اور پینا حلال ہے، «**وَالْوُضُوءُ مِنْهُ**» اور اس سے وضو کرنا۔

وَلِأَنَّ، یہاں سے عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، وہ فرماتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْمُنَجِّسَ اخْتِلَاطُ الدَّمِ الْمَسْفُوحِ بِأَجْزَائِهِ عِنْدَ الْمَوْتِ**، کہ نجس کرنے والی چیز، پانی میں کوئی جانور گر کر مرتا ہے پانی کو نجس قرار دیا جاتا ہے وہ کس وجہ سے؟ وجہ اس کی یہ کہ اس جانور کے اندر بہنے والا خون ہوتا ہے اور وہ خون جب وہ جانور مرا تو وہ خون جانور کے اجزاء میں بھی ملا اور پانی کے اندر بھی مل گیا بھئی۔ تو جانور کے اندر، مثلاً کوئی جانور باہر گر کر، باہر مرا ہے تو اس کے بدن میں خون تھا، وہ خون جب مرا تو اس جانور کے سارے اجزاء میں داخل ہو گیا۔ کس میں داخل ہو گیا؟ سارے اجزاء میں داخل۔ اور یہی جانور پھر پانی میں گرا تو اب تو سارے اجزاء نجس ہو چکے، یہ دم تو کیا تھا؟ نجس تھا، خون تو نجس تھا۔ وہ سارے جانور کے اجزاء میں پھیل گیا اور وہی جانور کس میں گر گیا؟ پانی میں گر گیا۔ تو وہ اجزاء جانور کے جب پانی میں پھیلیں گے تو وہ نجس ہو چکے ہیں، پانی بھی کیا ہو جائے گا؟ نجس ہو جائے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو معلوم ہوا اصل نجس کرنے والی چیز کیا ہے؟ وہ خون ہے بھئی خون۔

تو وہی بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْمُنَجِّسَ اخْتِلَاطُ الدَّمِ الْمَسْفُوحِ بِأَجْزَائِهِ عِنْدَ الْمَوْتِ**، اس لیے کیونکہ نجس کرنے والی چیز جو ہے وہ مل جانا ہے، مسفوح کا معنیٰ بہنے والا بہتا ہوا، وہ مل جانا ہے دمِ مسفوح کا بہتے خون کا **بِأَجْزَائِهِ أَيْ بِأَجْزَاءِ الْحَيَوَانِ** اس حیوان کے اجزاء کے ساتھ اس بہتے خون کا مل جانا ہے **عِنْدَ الْمَوْتِ** کس وقت؟ موت کے۔ یا ہا ضمیر راجع کر لیں پانی کو، وہ بہتے خون کا مل جانا ہے **بِأَجْزَاءِ الْمَاءِ** کس کے ساتھ؟ پانی کے اجزاء کے ساتھ **عِنْدَ الْمَوْتِ** اس حیوان کی موت کے وقت بھئی۔

حَتَّى حَلَّ الْمُذَكَّى لِانْعِدَامِ الدَّمِ فِيهِ، یہاں تک کہ حلال ہے ذبح کیا ہوا جانور **لِانْعِدَامِ الدَّمِ فِيهِ** اس میں خون نہ ہونے کی وجہ سے۔ بھئی جانور کو

ذبح کرنے کا حکم دیا شریعت نے بھئی جن کا کھانا حلال ہے، کیوں ذبح کرنے کا حکم دیا؟ تاکہ اس کے بدن سے خون بہہ کر نکل جائے کیونکہ خون نجس ہے بھئی۔ خون کیا ہے؟ نجس۔ تو اس جانور سے خون بہہ کر نکل جاتا ہے اسی لیے شریعت نے اس پر حلال ہونے کا حکم لگایا کہ ذبح کی وجہ سے خون نکل گیا۔ **حَتَّى حَلَّ الْمُذَكَّى، مُذَكًّى** ذبح کیا ہوا۔ یہاں تک کہ ذبح شدہ جانور جو ہے وہ حلال ہے **لِانْعِدَامِ الدَّمِ فِيهِ** اس لیے کیونکہ اس میں خون معدوم ہے، **وَلَا دَمَ فِيهَا،** اور خون نہیں ہے **فِيهَا** ان جانوروں میں جن کا پیچھے ذکر ہوا بھئی۔ ان جانوروں میں تو، بھئی نجس کرنے والی چیز کیا ہے پانی کو؟ خون۔ وہ خون ہے وہ جو اس جانور کے اندر ہوتا ہے اور **وَلَا دَمَ فِيهَا** ان جانوروں میں تو خون ہی نہیں ہے۔

خون ہی نہیں لہٰذا پانی نجس نہیں ہوگا اور آپ نے جو قیاس کیا تھا اور فرمایا تھا کہ تحریم لَا **بِطَرِيقِ الْكَرَامَةِ** تو یہ نشانی ہے نجس ہونے کی، ہم کہتے ہیں: نہیں۔ تحریم لَا **بِطَرِيقِ الْكَرَامَةِ،** تحریم کے ساتھ نجس ہونا لازم نہیں ہے۔ تحریم کے ساتھ نجس ہونا؟ کسی چیز کو حرام قرار دیا جائے اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ نجس۔ مٹی کا کھانا، ریت کا کھانا یہ حرام ہے لیکن یہ نجس نہیں ہیں بھئی۔ ان سے تیمم وغیرہ کرتے ہیں یا نہیں کرتے آپ بھئی؟ تو دیکھا، معلوم ہوا یہ پاک ہیں بھئی۔ تو تحریم یہ نجس ہونے کی نشانی نہیں ہے۔ تحریم کے ساتھ نجس ہونا لازم نہیں ہے۔ **وَالْحُرْمَةُ لَيْسَتْ مِنْ ضَرُورَتِهَا النَّجَاسَةُ،** اور حرمت کے نہیں ہے اس کے لوازم میں سے نجس ہونا، اس کے ساتھ نجس ہونا ضروری نہیں ہے، **كَالطِّينِ،** جیسے کہ مٹی ہے۔

وَمَوْتُ مَا يَعِيشُ فِي الْمَاءِ فِيهِ لَا يُفْسِدُهُ، اور موت ما ایسے جانور کی **يَعِيشُ فِي الْمَاءِ** جو کس میں رہتا ہے؟ پانی میں رہتا ہے، **فِيهِ،** یہ ہا ضمیر پھر ما کو راجع، **أَيْ فِي الْمَاءِ۔** تو دو دفعہ گویا آ گیا **فِي الْمَاءِ، فِي الْمَاءِ۔** لیکن ایک **فِي الْمَاءِ** کا تعلق ہے **يَعِيشُ** سے، جو زندہ رہتا ہے پانی میں، وہ جانور جو زندگی گزارتا ہے پانی کے اندر، اور دوسرے **فِيهِ** کا تعلق موت سے ہے۔ وہ جانور جو پانی میں زندگی گزارتا ہے اس کا مر جانا **فِي الْمَاءِ** کس کے اندر؟ پانی کے اندر، لَا **يُفْسِدُهُ** وہ پانی کو فاسد نہیں کرتا۔ یعنی مچھلی وغیرہ جو پانی میں رہتی ہے اگر وہ پانی میں مر جائے تو پانی فاسد نہیں ہوگا چاہے قلیل ہی کیوں نہ ہو بھئی۔

كَالسَّمَكِ، جیسے کہ مچھلی ہے، **وَالضِّفْدَعِ، ضِفْدَعٌ** مینڈک بھئی مینڈک۔ **ضَفْدَعٌ** پڑھنا بھی صحیح، اور **ضُفْدَعٌ** پڑھنا بھی صحیح بھئی، اس میں کئی لغات ہیں بھئی۔ تو اور مینڈک ہے، **وَالسَّرَطَانِ** بھئی، را پر حرکت ہے بھئی فتحہ، اور کیکڑا بھئی کیکڑا۔ کیکڑا جانتے ہیں یا نہیں بھئی؟ یہ بھی پانی میں رہنے والا ایک جانور جس کے دس ٹانگیں ہوتی ہیں دس بھئی اور بچھو جیسے جسم ہوتا ہے اس کا یعنی بچھو کی طرح ڈنک وغیرہ تو یہ نہیں مارتا لیکن اس کی طرح وہ خوفناک کہ دیکھ کر انسان کو کراہت آتی ہے بھئی، تو یہ کیکڑا۔ یہ اب دیکھیے یہ پانی میں رہنے والی چیزیں ہیں مچھلی، مینڈک، کیکڑا وغیرہ، تو یہ اگر پانی کے اندر مر بھی جائیں تو پانی نجس نہیں ہوگا۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُفْسِدُهُ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کیا کر دیں گے پانی کو؟ یہ چیز جو پانی میں زندگی گزارتی ہے یہ پانی میں مر جائے تو اس کو فاسد کر دے گی، **إِلَّا السَّمَكَ،** سوائے مچھلی کے، **لِمَا مَرَّ،** اس وجہ سے جو گزر گئی۔ وہ فرماتے ہیں مچھلی جو ہے وہ فاسد نہیں کرے گی بھئی، **لِمَا مَرَّ** اس وجہ سے جو گزر گئی بھئی۔ کیا وجہ گزری تھی؟ کہ تحریم لَا **بِطَرِيقِ الْكَرَامَةِ** یہ آیت ہے، یہ نشانی ہے نجس ہونے کی۔ تو یہ باقی چیزیں یہ بھی ان کی بھی تحریم وہ کرامت کے طریقے پر نہیں ہے، جب کرامت کے طریقے پر ان کی تحریم نہیں تو یہ نجس ہیں۔ جب نجس ہیں تو پانی میں گریں گے تو پانی کو کیا کر دیں گے؟ نجس کر دیں گے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ مَاتَ فِي مَعْدِنِهِ،** کہ یہ جو جانور جو زندگی پانی میں گزارتا ہے یہ مرا ہے **فِي مَعْدِنِهِ،** معدن کہتے ہیں اصل کو اصل، کسی چیز کی جو اصل ہو، جو اس کا مقام یعنی جو اس کا محل ہو محل، جو اس کا محل ہے۔ بھئی مچھلی کا محل کیا ہے؟ پانی ہے، وہ پیدا بھی اسی میں ہوتی ہے، زندگی میں بھی اسی میں گزارتی ہے تو یہ اس کا معدن ہے، اس کا محل ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ مَاتَ فِي مَعْدِنِهِ،** کہ یہ جو پانی میں زندگی گزارنے والا ہے یہ پانی میں مرا ہے تو یہ مرا ہے **فِي مَعْدِنِهِ** کس کے اندر؟ اپنی اصل کے اندر، اپنے محل میں، **فَلَا يُعْطَى لَهُ حُكْمُ النَّجَاسَةِ،** تو لہٰذا اس کو نجاست کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

بھئی آپ پہلے پڑھ چکے ہیں نجاست جب تک اپنے محل میں ہے اس پر شریعت نجس ہونے کا حکم نہیں لگاتی، جیسے بدن کے اندر پیشاب وغیرہ موجود ہے لیکن وہ جب تک اپنے محل کے اندر ہے آپ وضو کرتے ہیں بدن میں پیشاب موجود ہے لیکن نماز پڑھتے ہیں، آپ اس سے نماز وغیرہ پڑھ لیتے ہیں، تو نجاست ہے بدن کے اندر لیکن وہ اپنے محل میں ہے، تو جب تک نجاست اپنے محل میں ہے وہ شریعت کی طرف سے معاف۔ یا اسی طرح رگوں کے اندر خون ہے، سارے بدن کے اندر خون پھیلا ہوا ہے لیکن جب تک وہ خون اپنے محل میں ہے وہ معاف ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ جب تک کوئی چیز اپنے محل کے اندر ہو اس کو نجاست والا حکم نہیں دیا جاتا۔ تو یہ مچھلی بھی اپنے محل کے اندر ہے لہٰذا اس کے اس محل کے اندر مری ہے تو اس پر نجس ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا کیونکہ یہ اپنے محل میں ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے انڈہ بھئی، انڈہ اس کے اندر اب زردی اگر خون بن جائے یعنی انڈہ خراب ہو جائے، زردی خون بن جائے یا انڈہ وغیرہ خراب ہو جائے تو اب یہ نجاست ابھی تک اپنے محل کے اندر ہے۔ جب تک نکلے گی نہیں اس پر نجس ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لہٰذا ایک شخص یہ خراب انڈہ یا یہ انڈہ جس کی زردی خون میں بدل چکی ہے اس کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھ لیتا ہے تو نماز ہو جائے گی بھئی، کیونکہ وہ نجاست کہاں ہے ابھی تک؟ اپنے اپنے محل میں، اور جب تک اپنے محل میں ہے اس پر نجس ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

كَبَيْضَةٍ حَالَ مُخُّهَا دَمًا، جیسے کہ انڈہ ہے۔ **حَالَ يَحُولُ** کا معنیٰ بدل جانا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف۔ **مُخٌّ،** مُخٌّ کہتے ہیں زردی کو۔ **كَبَيْضَةٍ حَالَ مُخُّهَا دَمًا،** جیسے وہ انڈہ کہ بدل گئی ہو اس کی زردی خون سے۔ **وَلِأَنَّهُ لَا دَمَ فِيهَا،** دوسری وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ پہلی وجہ تو ذکر کر دی کہ یہ جانور

کس میں مرے ہیں؟ اپنے معدن میں، اور جب تک کوئی چیز اپنے اصل اور محل کے اندر ہو شریعت اس پر نجس ہونے کا حکم نہیں لگاتی۔ دوسری وجہ: **وَلِأَنَّهُ لَا دَمَ فِيهَا،** ان کے اندر خون نہیں ہے، **إِذِ الدَّمَوِيُّ لَا يَسْكُنُ فِي الْمَاءِ،** اس لیے کیونکہ خون والا جانور جو ہے وہ پانی میں نہیں رہ سکتا بھئی۔ خون اور، خون کا مزاج گرم، پانی کا مزاج سرد، تو لہٰذا خون والا جانور پانی میں نہیں رہ سکتا بھئی، ان میں خون نہیں ہے۔ اور جو خون دکھائی بھی دیتا ہے خون کی صورت ہے، خون نہیں ہے بھئی، کیونکہ خون کی علامت یہ ہے کہ خون کو دھوپ میں رکھا جائے تو خون سیاہ ہو جاتا ہے، لیکن ان کا جو خون وغیرہ اگر مچھلی کا ہے اس کو دھوپ میں رکھیں بھی وہ سیاہ نہیں ہو گا، سفید وغیرہ تو ہو جائے گا سیاہ نہیں ہو گا، معلوم ہوا یہ خون جیسی چیز تو ہے لیکن خون دراصل نہیں ہے ورنہ اس کو سیاہ ہونا چاہیے تھا۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں: **وَلِأَنَّهُ لَا دَمَ فِيهَا،** اور اس لیے کیونکہ ان جانوروں کے اندر خون نہیں ہے، **إِذِ الدَّمَوِيُّ لَا يَسْكُنُ فِي الْمَاءِ،** اس لیے کیونکہ خون والا جانور جو ہے پانی میں نہیں رہ سکتا، **وَالدَّمُ هُوَ النَّجِسُ،** اور خون ہی تو ناپاک ہے اور ان میں تو خون ہے ہی نہیں لہٰذا پانی بھی نجس نہیں ہو گا۔

وَفِي غَيْرِ الْمَاءِ قِيلَ: غَيْرُ السَّمَكِ يُفْسِدُهُ لِانْعِدَامِ الْمَعْدِنِ، اچھا پانی کے علاوہ کسی چیز میں اگر یہ چیزیں مر گئیں، مچھلی یا مینڈک ہے کس میں؟ پانی کے علاوہ، یعنی دودھ میں گر کر مر گیا یا سرکے میں گرا تو کیا اس دودھ یا سرکے کو نجس کہا جائے گا یا نجس نہیں کہا جائے گا؟ کہتے ہیں: **وَفِي غَيْرِ الْمَاءِ،** اور پانی کے علاوہ میں یعنی سرکے اور سرکے وغیرہ میں، اور کیا دودھ وغیرہ میں، غیر ماء سے کیا مراد ہے؟ سرکہ یا دودھ وغیرہ، ان میں گر کر مر جائے تو پھر، کہتے ہیں: **قِيلَ،** کہا گیا ہے: **غَيْرُ السَّمَكِ يُفْسِدُهُ،** مچھلی کے علاوہ اور چیزیں جو ہیں وہ اس کو فاسد کر دیں گی، وہ سرکہ فاسد ہو جائے گا، وہ دودھ کیا ہو جائے گا؟ فاسد یعنی نجس ہو جائے گا، **لِانْعِدَامِ الْمَعْدِنِ،** کیونکہ معدن معدوم ہے۔ یہ اپنے معدن میں مرے ہیں؟ بھئی دودھ تو ان کا معدن نہیں ہے، سرکہ یا رس وغیرہ جو کسی چیز سے نکالا گیا اس میں مرے ہیں وہ تو ان کا معدن نہیں ہے، تو **لِانْعِدَامِ الْمَعْدِنِ،** معدن معدوم ہونے کی وجہ سے تو یہ نجس کر دیں گے اس کو۔ **وَقِيلَ: لَا يُفْسِدُهُ،** اور کہا گیا کہ یہ فاسد نہیں کریں گے یعنی نجس نہیں کریں گے، **لِعَدَمِ الدَّمِ،** کیونکہ ان میں خون نہیں ہے، **وَهُوَ الْأَصَحُّ،** یہی قول اصح ہے، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں۔

وَالضِّفْدَعُ الْبَحْرِيُّ وَالْبَرِّيُّ سَوَاءٌ، بھئی ایک ہے بحری مینڈک، ایک ہے خشکی کا مینڈک، کیا ان کا حکم الگ ہے یا ایک جیسا ہے؟ کہتے ہیں دونوں برابر ہیں، دونوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے۔ بحری مینڈک یعنی آبی مینڈک اور ایک خشکی کا مینڈک، ان میں فرق یہ ہے کہ جو آبی مینڈک ہوتا ہے اس کے جو انگلیاں ہیں ہاتھ اور پاؤں کی ان میں جھلی ہو گی درمیان میں، اس میں پردہ سا ہو گا اور جو خشکی کا مینڈک ہے اس کی انگلیاں میں ہاتھ کی اور پاؤں کی ان میں جھلی نہیں ہو گی بھئی۔ کہتے ہیں: **وَالضِّفْدَعُ الْبَحْرِيُّ وَالْبَرِّيُّ سَوَاءٌ،** اور آبی مینڈک اور خشکی کا مینڈک **سَوَاءٌ** برابر ہیں، **وَقِيلَ: الْبَرِّيُّ يُفْسِدُهُ،** اور کہا گیا ہے خشکی والا مینڈک وہ فاسد کر دے گا ان چیزوں کو، **لِوُجُودِ الدَّمِ،** کس وجہ سے؟ خون کے پائے جانے کی وجہ سے، **وَعَدَمِ الْمَعْدِنِ،** اور معدن کے نہ ہونے کی وجہ سے بھئی، تو خشکی کا مینڈک کیا کر دے گا؟ فاسد کر دے گا بھئی۔

وَمَا يَعِيشُ فِي الْمَاءِ، اور وہ جو پانی میں رہتا ہے، بھئی پانی میں رہنے والا کس کو کہیں گے؟ کہتے ہیں بتلائیں گے آپ کو، جس کی نسل بھی پانی میں ہوتی ہے یعنی انڈے بچے وغیرہ کس میں ہوتے ہیں؟ پانی ہی میں، اور وہ زندگی بھی کس میں گزارتا ہے؟ ٹھکانہ بھی کہاں ہے؟ پانی میں۔ تو اس کو کہیں گے مَا **يَعِيشُ فِي الْمَاءِ،** وہ چیز جو پانی میں زندگی گزارتی ہے۔ اور اگر انڈے وغیرہ خشکی پر ہوتے ہیں اور زندگی صرف کس میں گزارتا ہے؟ پانی میں، اس کو مَا **يَعِيشُ فِي الْمَاءِ** نہیں کہیں گے۔

کہتے ہیں: **وَمَا يَعِيشُ فِي الْمَاءِ،** اور وہ چیز جو پانی میں رہتی ہے زندگی گزارتی ہے، ماوہ چیز ہے وہ جانور ہے: **يَكُونُ تَوَالُدُهُ وَمَثْوَاهُ فِي الْمَاءِ،** **تَوَالُدٌ** کہتے ہیں نسل بڑھانا یعنی انڈے بچے وغیرہ ہونا، کہ جن کا توالد جن کی نسل بھی جو ہے بڑھتی ہے، **وَمَثْوَاهُ** اور ان کا ٹھکانہ بھی ہوتا ہے **فِي الْمَاءِ** کس میں؟ پانی، کہ ان کی نسل بھی بڑھتی ہے اور ٹھکانہ بھی ہے پانی میں۔

وَمَائِيُّ الْمَعَاشِ دُونَ مَائِيِّ الْمَوْلِدِ مُفْسِدٌ، اور معاش بھئی، یاد رکھیے معاش کہتے ہیں روزی کو، روزی۔ یعنی کھانے پینے کا سامان کرنا، کھانے پینے کا بندوبست کرنا، تو **مَائِيُّ الْمَعَاشِ** وہ جانور جو پانی کے اندر کھانا پینا ان کا ہوتا ہے، وہاں سے وہ روزی حاصل کرتے ہیں بھئی۔ تو وہ جانور جو **مَائِيُّ الْمَعَاشِ** ہیں، **دُونَ مَائِيِّ الْمَوْلِدِ،** لیکن **مَائِيُّ الْمَوْلِدِ** نہیں یعنی ان کی پیدائش وغیرہ پانی میں نہیں ہوتی، ان کی نسل وغیرہ پانی میں نہیں ہوتی، نسل تو زمین پر لیکن روزی وغیرہ کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ پانی سے حاصل کرتے ہیں، جیسے بطخ وغیرہ بھئی۔ جیسے کیا ہے؟ جیسے بطخ ہے، یہ ان کے بارے میں صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **مُفْسِدٌ،** یہ کیا ہیں؟ مفسد ہیں، یہ پانی کو فاسد کرنے والے ہیں یعنی اگر یہ پانی میں مر جائیں گے تو وہ پانی کیا ہو جائے گا؟ فاسد یعنی نجس ہو جائے گا بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھئی؟ چلیے بس بھئی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۹: مسئلہ: المَاءُ المُستَعمَلُ لَا یُطَهِّرُ الأَحدَاث...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر ۱۹: مسئلہ: المَاءُ المُستَعمَلُ لَا یُطَهِّرُ الأَحدَاث...

ہدایہ صفحہ: ۳۷ــــ بتاریخ: ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «المَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَا يُطَهِّرُ الأَحْدَاثَ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى، هُمَا يَقُولَانِ: إِنَّ الطَّهُورَ مَا يُطَهِّرُ غَيْرَهُ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى كَالْمَقْطُوعِ، وَقَالَ زُفَرُ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالَى: إِنْ كَانَ الْمُسْتَعْمِلُ مُتَوَضِّئًا فَهُوَ طَهُورٌ، وَإِنْ كَانَ مُحْدِثًا فَهُوَ طَاهِرٌ غَيْرُ طَهُورٍ». [1]

پانی سے متعلقہ مسائل چل رہے ہیں بھائی۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ ماء قلیل جو ہے اس میں نجاست گرے تو وہ نجس ہو جائے گا، اور ماء کثیر کے اندر نجاست گرے تو وہ نجس نہیں ہو گا الا یہ کہ اس پانی میں نجاست کا اثر دکھائی دے بھائی۔ اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا کہ کوئی ایسی چیز پانی میں گر کر مری ہے جس میں بہنے والا خون نہیں ہے تو یہ پانی کو نجس نہیں کرے گا۔ اور اسی طرح وہ چیزیں جو پانی کے اندر رہتی ہیں، پانی کے اندر زندگی گزارتی ہیں، وہ بھی پانی کو فاسد نہیں کرتیں، وہ پانی میں مر گئیں تو وہ پانی کو فاسد نہیں کرتیں۔

آج آپ کو ماء مستعمل کے بارے میں بتلائیں گے بھائی، ماء مستعمل۔ ماء مستعمل یعنی استعمال شدہ پانی بھائی، استعمال شدہ۔

بھائی دیکھیے! ایک پانی وہ ہے جس سے کسی پاک چیز کو دھویا گیا، یاد رکھیے یہ پاک ہے اور اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔ مثلاً آپ نے پانی سے صاف پلیٹ کو دھو لیا یا صاف کپڑے کو دھو لیا، تو یہ دھونے کے بعد جو پانی بچا ہے یہ اب بھی پاک ہے بھائی، تو یہ بالاتفاق پاک ہے اس میں تو بحث ہی نہیں۔ اور وہ پانی جس کے ساتھ نجاست کو دھویا گیا وہ پانی بالاتفاق نجس ہے، اس کے بارے میں بحث ہی نہیں۔ یہاں صرف آپ کو بتلائیں گے کہ اگر کوئی شخص کسی پانی کے ساتھ وضو کر لیتا ہے تو یہ جو وضو کرنے کے بعد استعمال شدہ پانی یہ کسی برتن میں اکٹھا ہو گیا تو کیا اس کے ساتھ دوبارہ طہارت حاصل کی جا سکتی ہے یا دوبارہ طہارت حاصل نہیں کی جا سکتی؟ یہ ماء مستعمل بھائی، اس کے بارے میں بتلائیں گے بھائی۔

ماء مستعمل کہتے کس کو ہیں؟ آگے تعریف بھی صاحبِ ہدایہ ذکر کریں گے، آپ یہیں پر سمجھ لیجیے۔ بھائی یہ جو ماء مستعمل یہ بتلائیں گے آپ کو، اس سے مراد وہ پانی ہے جس کے ذریعے آپ نے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا ہو یا بطورِ قربت کے آپ نے اس کو استعمال کیا ہو۔ ماء مستعمل کسے کہتے ہیں؟ جس سے آپ نے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا ہو یا اسے قربت حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا ہو۔ دونوں صورتوں میں یہ پانی کیا ہے؟ مستعمل ہے۔

بھائی آپ نے نجاستِ حکمیہ کو پانی سے دور کیا، مثلاً آپ بے وضو تھے، بے وضو تھے، اور آپ نے پانی کے ساتھ وضو کیا، پانی کے ساتھ۔ تو دیکھیے! اس پانی سے جب وضو کیا، آپ کا وضو ہوا یا نہیں ہوا؟ آپ کا وضو تو ہو گیا۔ تو یہ جس پانی سے آپ نے طہارت حاصل کی اور نجاستِ حکمیہ تھی بدن پر، اس کو آپ نے پانی کے ذریعے دور کر دیا، یہ ہے ماء مستعمل بھائی۔ یہ کیا ہے؟ ماء مستعمل۔

بھائی بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہوئی ہو، کیونکہ اگر بدن پر نجاست لگی ہوئی تھی تو پھر تو وہ نجاست پانی کے اندر آ گئی بھائی، اور اس کا حکم پیچھے بیان ہو چکا کہ ماء قلیل کے اندر اگر نجاست گر جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے بھائی، اس کی تو بات ہی نہیں ہے۔ یہ کہ آپ کے بدن پر کوئی ظاہری نجاست نہیں لگی ہوئی تھی، صرف نجاستِ حکمیہ تھی، آپ بے وضو تھے صرف بھائی۔ اس پانی کو آپ نے استعمال کر لیا تو یہ کیا ہے؟ ماء مستعمل ہے۔ تو یہ جو پانی استعمال شدہ اکٹھا ہو گیا برتن کے اندر، یہ ماء مستعمل جس میں کوئی ظاہری نجاست نہیں ملی ہوئی، ظاہری نجاست نہیں ملی ہوئی بھائی۔

[1] شاملہ (ص ۱۲) میں «يُطَهِّرُ» کے بجائے «يجوز استعماله في طهارة»، شاملہ (ص ۱۲) میں «رَحِمَهُمُ» کے بجائے «رحمه» درج ہے۔

یا اسی طرح غسل کا پانی جمع ہوا برتن کے اندر بھائی۔ اب بدن پر کوئی نجاست نہ ہو بھائی، کیونکہ اگر نجاست تھی بدن پر پھر تو اس کا حکم پہلے بیان ہو چکا کہ نجاست سے پانی کیا ہو جاتا ہے؟ نجس۔ تو یہ وہ صورت بیان ہو رہی ہے جب بدن پر کوئی نجاست نہ ہو، صرف آپ نے اس سے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا ہو اس پانی کے ذریعے۔

تو دیکھا، اس صورت میں آپ نے دیکھا نجاستِ حکمیہ آپ کے بدن سے دور ہو چکی اس پانی کی وجہ سے، اور یہ پانی جو اکٹھا ہوا برتن میں یہ ماء مستعمل ہے۔ یا اسی طرح آپ نے وضو کیا لیکن آپ کا پہلے سے وضو تھا۔ مثلاً آپ نے عصر کے وقت وضو کیا تھا اور نماز پڑھی، مغرب کا وقت آیا تو ابھی آپ کا وضو ہے، لیکن آپ فضیلت حاصل کرنے کے لیے کیا کر لیتے ہیں؟ دوبارہ وضو کر لیتے ہیں۔ اب تو نجاستِ حکمیہ بھی بدن پر نہیں تھی اور آپ نے پانی سے وضو کیا، اور یہ پانی اب برتن میں یا کسی چیز میں اکٹھا ہو گیا، تو بھی یہ ماء مستعمل ہے، کیونکہ اس کے ذریعے قربت حاصل کی گئی، یعنی ایک عبادت کو ادا کیا گیا بھائی۔ کس کو ادا کیا گیا؟ ایک عبادت کو ادا، کیونکہ آپ نے نیت کر لی بھائی۔ آپ نے پڑھا ہے وضو کے اندر دو حیثیتیں ہیں: ایک عبادت ہونے کی حیثیت ہے، ایک «مِفْتَاحٌ لِلصَّلَاةِ» ہونے کی حیثیت ہے۔ اگر آپ نیت کریں گے تو پھر یہ مفتاح للصلاۃ بھی بنے گا اور آپ کو اس کا ثواب بھی ملے گا، تو یہ عبادت بن جائے گا۔ اور اگر آپ طہارت کی نیت نہیں کرتے، ویسے ہی پانی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ نے بغیر نیت کے ہی ویسے ہی ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے وضو والے سارے اعضا کو دھو لیا، تو اب بغیر نیت کے وضو ہوا، وضو تو آپ کا ہو گیا کیونکہ پانی تو کیا ہے؟ نجاست کو ختم کرنے والا ہے، تو نجاست چاہے حقیقی ہو چاہے حکمی ہو، پانی اس کو ختم کر دے گا، لیکن چونکہ آپ نے نیت نہیں کی آپ کو ثواب نہیں ملے گا۔ آپ کو ثواب نہیں ملے گا لیکن نجاستِ حکمیہ آپ کے بدن سے دور ہو گئی یا نہیں ہو گئی اس کی وجہ سے؟ دور ہو گئی، اب اس کے ذریعے آپ نماز پڑھ سکتے ہیں۔

تو بعض اوقات وضو وہ عبادت بھی بنے گا اور مفتاح للصلاۃ بھی ہو گا جب آپ نے کیا کیا ہو؟ باقاعدہ نیت کے ساتھ وضو کیا ہو، تو عبادت بھی ہو گئی اور اس سے نماز بھی پڑھ سکتے ہیں تو یہ مفتاح للصلاۃ بھی ہوا، نماز ادا ہو سکتی ہے۔ اور اگر آپ نے نیت نہیں کی تو پھر طہارت تو حاصل ہو گئی، مفتاح للصلاۃ تو یہ بن گیا لیکن عبادت نہ بنا، آپ کو ثواب نہیں ملے گا۔

تو میں صورت بیان کر رہا ہوں کہ آپ کا وضو تھا اور مغرب کی نماز کا وقت آیا، آپ نے فضیلت حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ نیت کے ساتھ دوبارہ وضو کر لیا۔ تو یہ وضو عبادت ہے یا نہیں بھائی؟ افضل کیا ہے ہر نماز کے لیے؟ نیا وضو کیا جائے، افضل یہ صورت ہے۔ اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی وضو سے جب تک وہ ہے آپ جتنی نمازیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں، لیکن افضل یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے علیحدہ وضو کیا جائے، تو آپ نے افضل صورت پر عمل کیا اور نیت کے ساتھ وضو کیا ہے، تو یہ وضو کیا بن گیا؟ عبادت تو بن گیا۔ عبادت بن گیا بھائی، تو اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوا، تو یہ جو پانی مستعمل برتن میں جمع ہو گیا، اس کے ذریعے اگرچہ نجاستِ حکمیہ کو دور نہیں کیا گیا کیونکہ بدن نجاستِ حکمیہ تو تھی ہی نہیں، آپ بے وضو تو تھے ہی نہیں وضو تو آپ کا پہلے سے تھا، تو اس کے ذریعے حدث کو تو دور نہیں کیا گیا، لیکن کس لیے استعمال کیا گیا؟ بطورِ عبادت کے، قربت کے لیے، اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے، تو یہ بھی ماء مستعمل ہے۔

حاصل یہ کہ یہاں ماء مستعمل آیا، ماء مستعمل سے وہ پانی مراد ہے جس کے ذریعے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا گیا ہو یا اسے قربت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔ چاہے دونوں چیزیں جمع ہو جائیں چاہے دونوں میں سے ایک پائی جائے۔ دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں بعض اوقات بھائی، آپ نے نیت بھی کی ہے اور آپ بے وضو بھی تھے، اب وضو کریں گے، ثواب... عبادت بھی بن گیا اور نجاستِ حکمیہ بھی آپ کے بدن سے زائل ہو گئی، دونوں چیزیں پائی گئیں۔ اور کبھی صرف کیا ہو گا؟ نجاستِ حکمیہ تو بدن سے دور نہیں لیکن قربت کے لیے... بھائی دو چیزیں ہیں نا، ماء مستعمل کسے کہیں گے؟ جس سے... دوبارہ توجہ سے بھائی! جس سے دو چیزوں میں سے ایک کم از کم ضرور حاصل ہو: یا تو اس کی وجہ سے بدن سے نجاستِ حکمیہ دور ہو جائے یعنی حدث دور ہو جائے، یا اس کے ذریعے... اسے کس لیے کیا گیا ہو؟ بطورِ قربت کے استعمال کیا گیا ہو۔ نجاست دور ہو، نجاستِ حکمیہ، یا قربت کے لیے اس کو استعمال کیا گیا ہو، دونوں کیا ہیں؟ دونوں صورتوں میں جو پانی جمع ہو گا وہ کیا ہے؟ وہ ماء مستعمل ہے۔ اب اس میں یہ بھی ممکن ہے: صرف نجاستِ حکمیہ بدن سے دور ہو اور ثواب نہ ملے، جب نیت نہ کی ہو۔ دوسری صورت: عبادت تو بنے لیکن نجاست بدن سے دور نہ ہو کیونکہ نجاستِ حکمیہ بدن پر ہے ہی نہیں، آپ دوبارہ وضو پر وضو کر رہے ہیں بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تیسری صورت: دونوں اس کے اندر پائے جائیں، بدن سے نجاستِ حکمیہ بھی دور ہو اور عبادت کا ثواب بھی ملے، وہ کب؟ جب آپ بے وضو تھے اور آپ نے باقاعدہ نیت کے ساتھ کیا کیا ہے؟ وضو کو ادا کیا ہے۔ تو بہر حال ماء مستعمل وہ ہے جس کے ذریعے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا گیا ہو یا اس کو قربت کے لیے استعمال کیا گیا ہو، تو ان دونوں میں سے چاہے ایک چیز پائی جائے یا چاہے دونوں چیزیں پائی جائیں، یہ ماء مستعمل ہو گا بھائی۔ کیا ہو گا؟ ماء مستعمل۔

بھائی وضو پر وضو کا ذکر آیا، یاد رکھنا ایک مسئلہ۔ وضو پر وضو تب افضل ہے اور تب اس کا ثواب ہے جب پہلے وضو سے کم از کم ایک عبادت ادا کر لی گئی ہو۔ عبادت کوئی بھی عبادت، چاہے نفلی عبادت، دو نفل بھی پڑھ لیں آپ تو بس عبادت ہو گئی۔ اگر ایک بھی عبادت ادا نہیں کی گئی اور پھر آپ وضو پر وضو کرتے ہیں، مثلاً آپ نے ظہر کے وقت، نماز کے بعد کسی وقت وضو کر لیا، کیا کر لیا؟ وضو کر لیا، ابھی نماز، عصر کی نماز میں ایک گھنٹہ باقی تھا آپ نے ویسے ہی وضو کر لیا۔ اب جب نماز، عصر کی نماز کا وقت آیا، آپ دوبارہ وضو پر وضو کرتے ہیں فضیلت حاصل کرنے کے لیے، اگرچہ آپ نے پچھلے وضو سے کوئی عبادت ادا نہیں کی، یاد رکھیے اس صورت میں یہ اسراف ہے بھائی۔ صورت میں کیا ہے؟ اسراف ہے، یہ آپ پانی ضائع کر رہے ہیں، فضیلت آپ کو نہیں ملے گی بھائی۔ فضیلت کے لیے کیا ضروری؟ کہ کم از کم پہلے وضو سے ایک... جب یہاں پر جب ایک بھی عبادت نہیں ادا کی تو دوبارہ نیا وضو کرنے کی کیا ضرورت ہے بھائی؟ اسی وضو سے کیا کر لو؟ نماز پڑھ لو۔ لیکن اگر آپ دوبارہ کرتے ہیں، دوبارہ وضو کر

کے نماز پڑھتے ہیں تو فضیلت نہیں حاصل ہوئی بلکہ آپ نے اسراف کیا، پانی کو ضائع کیا بھائی۔ پچھلا وضو تھا، ایک بھی عبادت نہیں ادا کی اور پھر دوبارہ وضو آپ کر رہے ہیں بھائی، تو یہ اسراف کر رہے ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو یہ جو ماء مستعمل ہے جو جس کے ذریعے قربت حاصل کی گئی ہے یا نجاستِ حکمیہ کو بدن سے دور کیا گیا ہے، اور خود اس پانی کے اندر کوئی نجاست نہیں، بدن پر کوئی نجاست نہیں تھی، ورنہ اس کا حکم پیچھے گزر چکا بھائی۔ یہ ماء مستعمل ہے، اس کی تفصیل اب بیان کرنے لگے ہیں۔

کہتے ہیں: «**المَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَا يُطَهِّرُ الأَحْدَاثَ**»، کہ ماء مستعمل جو ہے، استعمال شدہ پانی جو ہے، «**لَا يُطَهِّرُ الأَحْدَاثَ**» یہ حدثوں کو پاک نہیں کرتا۔ یعنی اس مستعمل پانی کے ذریعے آپ دوبارہ وضو کرنا چاہتے ہیں کسی موقع پر یا اس کے ذریعے غسل کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھیے اگر آپ کو حدث لاحق ہے تو وہ حدث پاک نہیں ہو گا۔ اس پانی سے آپ دوبارہ وضو... آپ نے وضو کر کے وضو کیا تھا، یہ پانی جمع ہو گیا۔ بعد میں وضو ٹوٹا، اب آپ اسی پانی سے دوبارہ وضو کرنا چاہتے ہیں؟ نہیں بھائی، یہ حدث کو پاک نہیں کرے گا۔ اس سے کر بھی لیں وضو ہو گئی نہیں، آپ اسی طرح بے وضو ہیں بھائی۔ آپ اس سے دوبارہ غسل کرنا چاہتے ہیں، غسل کا پانی جمع ہوا تھا، تو یاد رکھیے یہ ماء مستعمل ہے بھائی، اب اس سے دوبارہ آپ جنابت کی صورت آگئی اور آپ غسل کرنا چاہتے ہیں، آپ نے بے شک اس سے غسل کر لیں لیکن ابھی بھی آپ اسی طرح جنبی کے جنبی ہیں بھائی، آپ کو پاکی حاصل نہیں ہوئی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟ یہ معنی ہے «**المَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَا يُطَهِّرُ الأَحْدَاثَ**» کہ ماء مستعمل جو ہے وہ حدثوں کو پاک نہیں کرتا۔

■ مسئلہ: خِلَافًا لِلْمَالِكِ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ

«**خِلَافًا لِمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ**»، بخلاف امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے، وہ فرماتے ہیں ماء مستعمل سے بھی دوبارہ استعمال کرے تو آدمی پاک ہو جائے گا۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ قرآن میں پانی کو اللہ نے طہور فرمایا ہے: ﴿**وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا**﴾، طہور فرمایا ہے، اور طہور **فَعُول** وزن ہے مبالغے کا صیغہ، تو طہور کا معنی ہو گا: بار بار پاک کرنے والا۔ جیسے **قَطُوع، قَطُوع** قاف، طا، یہ متن میں ہی آرہا ہے ہدایہ کے، **قَطُوع، قَطُوع** کے معنی ہیں بار بار کاٹنے والا، تو جیسے **قَطُوع** کا معنی بار بار کاٹنے والا تھا، اسی طرح **طَهُور** بھی اسی وزن پر ہے تو اس کا معنی ہو گا بار بار صاف کرنے والا، بار بار پاک کرنے والا۔ تو ایک دفعہ وضو کر چکے ہیں، اب یہ جمع ہو گیا برتن کے اندر، آپ دوبارہ وضو کرنا چاہتے ہیں آپ اس سے اب بے وضو ہونے کے بعد، آپ دوبارہ وضو کر لیں پھر آپ کو پاک کر دے گا، پھر تیسری دفعہ پھر وضو کرنا چاہتے ہیں پھر آپ کو پاک کر دے گا، کیونکہ یہ طہور ہے پانی بھائی، یہ بار بار پاک کرنے والا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «**هُمَا يَقُولَانِ: إِنَّ الطَّهُورَ مَا يُطَهِّرُ غَيْرَهُ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى**»، وہ فرماتے ہیں کہ طہور جو ہے وہ چیز ہے وہ پانی ہے جو پاک کرے غیرہ اپنے غیر کو اپنے علاوہ کو «**مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى**» ایک مرتبہ کے بعد پھر بھائی، ایک مرتبہ کے بعد یعنی بار... ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ پاک کرے یعنی بار بار پاک کرے، «**كَالْقَطُوعِ**» جیسے **قَطُوع** ہے جس کے معنی بار بار کاٹنے والا۔ یہ ان کی دلیل ہے۔

آگے ہمارے دلائل بھی ذکر ہوں گے اور لیکن بہر حال یہ ان کی دلیل کا یہ جواب علماء دیتے ہیں کہ آپ کا یہ کہنا کہ طہور **قَطُوع** کی طرح ہے، طہور اور **قَطُوع** کا معنی ہے بار بار کاٹنے والا تو طہور کا معنی بھی کیا ہوا؟ بار بار پاک کرنے والا۔ تو ہم کہتے ہیں یہ تو آپ لغت میں قیاس کر رہے ہیں، کس میں؟ لغت، زبان کے اندر قیاس کر رہے ہیں کہ ایک لفظ کا یہ معنی ہے لہٰذا اس جیسا جو لفظ آیا اس کا بھی یہی معنی ہونا چاہیے، حالانکہ لغت میں قیاس نہیں صحیح، لغت کے اندر سماع پر مبنی ہوتی ہے کہ سنا ہو آپ نے اس معنی میں لوگوں نے کیا کیا ہو؟ اس لفظ کو استعمال کیا ہو، پھر ہی درست ہو گا کہ اس کو بار بار پاک کرنے والا قرار دیا جائے، اور ائمہ لغت میں سے کسی نے طہور کا یہ معنی بیان نہیں کیا کہ وہ کیا ہو؟ بار بار پاک کرنے والا ہو، ائمہ لغت سے یہ معنی منقول نہیں بھائی۔

یہ تو تھا امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک بھائی، وہ فرماتے ہیں ماء مستعمل سے دوبارہ سہ بارہ وضو کرنا، طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ زُفَرُ

«**وَقَالَ زُفَرُ**» اور امام زفر فرماتے ہیں: «**وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ**» اور یہی ایک قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی، «**إِنْ كَانَ الْمُسْتَعْمِلُ مُتَوَضِّئًا**» اگر استعمال کرنے والا باوضو تھا، بھائی امام زفر فرماتے ہیں ان کا مذہب سمجھ لیجیے، امام زفر فرماتے ہیں یہ جو ماء مستعمل ہے، اس میں دیکھو کہ اس کو کس نے استعمال کیا، کس نے اس سے وضو کیا؟ اگر جس نے وضو کیا اس سے وہ پہلے سے ہی باوضو تھا، صرف فضیلت کے لیے اس نے اس پانی کو اس سے دوبارہ وضو کیا تھا، تو اس صورت کے اندر یہ پانی جو ہے یہ طاہر ہے بھائی اور مطہر بھی ہے، طاہر بھی ہے اور... یعنی طہور بھی ہے، طاہر بھی ہے اور... بھائی وہ شخص جب پہلے سے ہی باوضو تھا تو پانی کے اندر نہ نجاستِ حقیقیہ آئی، نہ نجاستِ حکمیہ اس سے دور ہوئی ہے، لہٰذا یہ ابھی بھی طہور ہی ہے، اسی طرح پاک ہے پاک کرنے والا ہے جیسے پہلے پاک کرنے والا تھا، اور اگر وضو کرنے والا جس نے اس سے پہلی دفعہ وضو کیا تھا وہ بے وضو تھا، کیا تھا؟ بے وضو، اور اس کے ذریعے اس نے وضو اور پاکی حاصل کی ہے تو اس صورت میں اب یہ

طاہر تو ہے یہ استعمال شدہ پانی لیکن طہور نہیں، خود تو پاک ہے لیکن دوسرے کو پاک نہیں کرے گا، اب اس سے دوبارہ کوئی طہارت کرنا چاہے تو وہ درست نہیں ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا استعمال کرنے والا اگر پہلے سے باوضو تھا تو یہ ماء کیا ہے؟ پہلے بھی پاک کرنے والا تھا اب بھی کیا ہوگا؟ پاک کرنے والا، اور اگر پہلے جو اس نے پہلی دفعہ استعمال کیا وہ بے وضو تھا، اس کے ذریعے اس نے اپنے بدن سے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا ہے، تو اس صورت میں اب یہ پانی اس کا درجہ گر گیا، اب یہ طاہر تو ہے لیکن طہور نہیں، پاک تو ہے لیکن دوسرے کو پاک نہیں کرے گا، آپ اس سے وضو اب کر بھی لیں آپ کا وضو نہیں ہوگا اس سے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

کہتے ہیں: «**وَقَالَ زُفَرُ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى: إِنْ كَانَ الْمُسْتَعْمِلُ**»، مستعمل، استعمال کرنے والا، «**إِنْ كَانَ الْمُسْتَعْمِلُ مُتَوَضِّئًا**»، اگر وہ پانی استعمال کرنے والا باوضو تھا، «**فَهُوَ طَهُورٌ**»، تو یہ پانی کیا ہے؟ یہ ماء مستعمل طہور ہے، اب بھی پاک کرنے والا ہے، «**وَإِنْ كَانَ مُحْدِثًا**»، اور اگر وہ مستعمل کیا تھا استعمال کرنے والا؟ محدث تھا، بے وضو تھا، «**فَهُوَ طَاهِرٌ غَيْرُ طَهُورٍ**»، **طَاهِرٌ** موصوف، **غَيْرُ طَهُورٍ** اس کی صفت، جی، تو موصوف سے پہلے کیا لائیں گے؟ ایسا، «**فَهُوَ طَاهِرٌ**»، تو وہ ایسا پاک ہے «**غَيْرُ طَهُورٍ**» جو پاک کرنے والا نہیں ہے، یعنی خود تو پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے، «**لِأَنَّ الْعُضْوَ طَاهِرٌ حَقِيقَةً**» بھائی، یہاں سے وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ اگر بے وضو تھا اور اس نے پانی کو استعمال کیا تھا تو آپ نے پانی کو کیا قرار دیا؟ طاہر غیر طہور، کیا قرار دیا؟ غیر طہور، یا یوں کہو آسان لفظوں میں: طاہر غیر مطہر قرار دیا، طاہر غیر مطہر، اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ وجہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْعُضْوَ طَاهِرٌ**» کیونکہ عضو جو تھا وہ پاک تھا «**حَقِيقَةً**» بھائی۔ بھائی جس نے اس سے وضو کیا تھا وہ تھا تو بے وضو، بے وضو تھا، لیکن کیا بدن پر کوئی حقیقی نجاست لگی تھی؟ حقیقی نجاست نہیں لگی تھی تو بایں اعتبار پانی کو پاک کہنا چاہیے۔ اور لیکن چونکہ اس کے ذریعے اس نے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا ہے، یعنی ایک ایسی چیز کو جس کو شریعت نے کیا قرار دیا ہے؟ نجاست قرار دیا، جس پر شریعت نے جس اعضاء پر نجاست کا حکم لگایا تھا اس کو نجاستِ حکمیہ کو اس کے ذریعے دور کیا گیا ہے تو بایں اعتبار اس کو نجس کہنا چاہیے، کیا کہنا چاہیے؟ اس کو ناپاک کہنا، بدن پر کوئی نجاست نہیں اس اعتبار سے دیکھا جائے تو پانی کو پاک کہنا چاہیے، یہ استعمال شدہ پانی جو ہے، اور بایں لحاظ دیکھا جائے کہ اس کے ذریعے اس نے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا ہے تو اس پانی کو کیا کہنا چاہیے؟ ناپاک کہنا چاہیے۔ تو ہم نے کہتے ہیں دونوں مشابہتوں پر عمل کیا اور اس کو طاہر غیر مطہر قرار دیا۔ طاہر قرار دیا اس اعتبار سے کہ اس میں کوئی نجاستِ حقیقیہ تو نہیں ہے بھائی لہٰذا کیا ہے؟ طاہر، اور غیر مطہر قرار دیا کیونکہ اس کے اندر اس کے ذریعے کیا دور کر چکا ہے وہ؟ نجاستِ حکمیہ اس کے ذریعے دور کر چکا ہے، تو ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا۔ دلیل سمجھ میں آئی ان کی بھائی؟

کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْعُضْوَ طَاهِرٌ حَقِيقَةً**»، اس لیے کیونکہ عضو جو تھا وہ تو پاک تھا باعتبار حقیقت کے، یعنی اس کا ہر عضو کیا تھا؟ پاک تھا حقیقت کے اعتبار سے، کوئی نجاست ان پر نہیں لگی تھی، «**وَبِاعْتِبَارِهِ يَكُونُ الْمَاءُ طَاهِرًا**»، اور اس اعتبار سے تو پانی پاک ہوگا، «**لَكِنَّهُ نَجِسٌ حُكْمًا**»، لیکن عضو حکم کے اعتبار سے نجس ناپاک تھا، شریعت نے کیا کہا تھا یہاں کیا آچکی ہے؟ نجاست آچکی، تو وہ باعتبار حکم کے ہے یعنی نجاستِ حکمیہ ہے، «**وَبِاعْتِبَارِهِ يَكُونُ الْمَاءُ نَجِسًا**»، اور اس کے اعتبار سے نجاستِ حکمیہ کے اعتبار سے پانی کیا ہو چکا ہے؟ پانی نجس ہوگا، «**فَقُلْنَا**»، پس ہم قائل ہوئے، ہم نے کہا، «**بِانْتِفَاءِ الطَّهُورِيَّةِ**»، کہ طہوریت کیا ہو گئی؟ منتفی ہو گئی، تو ہم قائل ہوئے انتفائے طہوریت کے کہ طہوریت منتفی ہو چکی اب مطہر نہیں ہے یہ، «**وَبَقَاءِ الطَّهَارَةِ**»، اور اس بات کے قائل ہوئے کہ طہارت ابھی بھی... پاک تو ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے، «**عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ**»، عمل کرتے ہوئے دونوں مشابہتوں پر۔

شَبَهَيْنِ پڑھنا اس لفظ کو بھائی، یاد رکھیے یہ لفظ عام استعمال ہوتا ہے اور اس میں **شِبْہٌ** بھی لفظ آتا ہے اسی صورت میں اور **شَبَہٌ** بھی آتا ہے، **شِبْہٌ** بھی اور **شَبَہٌ، شِبْہٌ** کا معنی ہوتا ہے **مثل، مِثْلٌ**، اور **شَبَہٌ** یہ مصدر ہے اس کے معنی ہوتے ہیں مشابہت۔ **شِبْہٌ** آئے تو اس کا کیا معنی ہوتا ہے؟ **مِثْلٌ، مِثْلٌ** بھائی، اور **شَبَہٌ** کا کیا معنی ہے؟ مشابہت۔ تو آپ موقع و محل دیکھ لیں، جہاں مثل والا معنی بنتا ہو وہاں **شِبْہٌ** پڑھیں اور جہاں مشابہت والا معنی بنتا ہو صحیح وہاں کیا پڑھیں گے؟ **شَبَہٌ**۔ تو یہاں بھی **شَبَہٌ** مناسب بنتا ہے بھائی، «**عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ**»، عمل کرتے ہوئے دونوں مشابہتوں پر۔

یہ امام زفر کا مذہب گزرا، آگے امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب آرہا ہے۔ «**وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: هُوَ طَاهِرٌ غَيْرُ طَهُورٍ**»، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور یہی ایک روایت ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی کہ «**هُوَ طَاهِرٌ غَيْرُ طَهُورٍ**»، کہ وہ پانی وہ ماء مستعمل کیا ہے؟ طاہر ہے غیر طہور ہے یعنی غیر مطہر، پاک تو ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں، مطہر نہیں ہے۔ «**لِأَنَّ مُلَاقَاةَ الطَّاهِرِ الطَّاهِرَ لَا تُوجِبُ التَّنَجُّسَ**»، اس لیے کیونکہ مل جانا پاک چیز کا پاک چیز کے ساتھ «**لَا تُوجِبُ التَّنَجُّسَ**» یہ ثابت نہیں کرتا نجس ہونے کو، یہ نجس ہونے کو ثابت... بھائی عضو بھی پاک تھا، وضو کرنے لگا تو پانی بھی کیا تھا؟ پاک، اعضاء پر بھی کوئی حقیقی نجاست نہیں لگی ہوئی، تو پاک چیز پاک چیز سے ملی ہے تو یہ ماء مستعمل کیا ہے؟ پاک ہے، تو یہ نجس ہونے کو ثابت نہیں کرتا، «**إِلَّا أَنَّهُ أُقِيمَتْ بِهِ قُرْبَةٌ**»، مگر یہ کہ اس کے ذریعے قربت قائم کی گئی ہے، قربت ادا کی گئی ہے یعنی عبادت ادا کی گئی ہے، «**فَتَغَيَّرَتْ بِهِ صِفَتُهُ**»، تو اس کی وجہ سے اس کی صفت بدل گئی، اس پانی کی صفت... «**إِلَّا أَنَّهُ أُقِيمَتْ بِهِ قُرْبَةٌ**»، مگر یہ کہ اس کے ذریعے قربت قائم کی گئی ہے، عبادت ادا کی گئی ہے نیت کے ساتھ، اور اس کی وجہ سے پانی کا مرتبہ کم ہو گیا، پانی کا مرتبہ کم ہوا گر گیا تو اب طاہر تو ہے لیکن مطہر نہیں، پہلے وضو سے پہلے طاہر بھی تھا مطہر بھی، اب درجہ گر گیا استعمال کے بعد، اب طاہر ہے لیکن مطہر نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے «**كَمَالِ الصَّدَقَةِ**»، جیسے کہ صدقے کا مال ہے۔ یہ کاف الگ ہے اور مال الصدقۃ الگ، جیسے کہ مالِ صدقہ ہے بھائی، دیکھ رہے ہیں بھائی متن ہدایہ میں، «**كَمَالِ الصَّدَقَةِ**»، کاف الگ ہے اور مال الصدقۃ الگ، جیسے کہ صدقے کا مال ہے۔ بھائی مال تو سارا پاک ہے لیکن جب آپ

اس میں سے کچھ مال کو الگ کر لیتے ہیں، صدقے یعنی زکوۃ کی نیت سے اس سے علیحدہ کر لیا، آپ جانتے ہیں یہ زکوۃ جو ہے یہ مال کا میل کچیل ہے بھائی، اس کے ذریعے مال کیا ہو جاتا ہے؟ پاک ہو جاتا ہے، تو یہ مال کا میل کچیل ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو یہ زکوۃ دینا علماء نے ناجائز فرمایا ہے اس کو کہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ میل کچیل ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو یہ میل کچیل والا مال دینا یہ درست نہیں ہے، اگر آپ ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ویسے مال دے دیجیے لیکن یہ زکوۃ دینا درست نہیں ہے بھائی۔ تو جیسے دیکھیے وہ مالِ صدقہ اس کے ذریعے کیا کیا گیا؟ قربت ادا کی گئی، عبادت ادا کی گئی، اس کی وجہ سے اس کی صفت گر گئی، صفت کم ہو گئی، اسی طرح یہاں بھی اس ماء مستعمل کے ذریعے کیا کیا گیا ہے؟ عبادت ادا کی گئی ہے تو اس کا درجہ گر گیا، کم ہو گیا بھائی۔ یہ معنی ہے «**إِلَّا أَنَّهُ أُقِيمَتْ بِهِ قُرْبَةٌ فَتَغَيَّرَتْ بِهِ صِفَتُهُ كَمَالِ الصَّدَقَةِ**»، مگر یہ کہ اس کے ذریعے قربت قائم کی گئی ہے یعنی عبادت ادا کی گئی ہے تو بدل گئی اس کی وجہ سے اس پانی کی صفت جیسے کہ صدقے کا مال ہے۔ یہ قول کس کا آیا؟ امام محمد رحمہ اللہ کا، وہ کیا فرماتے ہیں؟ طاہر ہے ماء مستعمل، مطہر نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ أَبُوحَنِيفَةَ وَأَبُويُوسُفَ رَحِمَهُمَ...

«**وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى: هُوَنَجِسٌ**»، شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: «**هُوَ نَجِسٌ**»، یہ پانی یہ ماء مستعمل یہ نجس ہے ناپاک ہے۔ «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «**لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ**»، ہرگز تم میں سے کوئی پیشاب نہ کرے کھڑے پانی میں، «**وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ**»، اور نہ ہرگز اس میں غسل کرے جنابت سے بھائی۔ تو اس حدیث میں دیکھیے بھائی، جیسے کھڑے پانی کے اندر پیشاب کرنے سے منع کیا گیا کیونکہ جب پیشاب کرے گا تو نجاستِ حقیقیہ کس کے ساتھ مل جائے گی؟ پانی کے ساتھ اور اس سے وہ پانی کیا ہو جائے گا؟ نجس ہو جائے گا۔ اسی طرح غسلِ جنابت کرنے سے بھی منع کیا گیا، اب غسلِ جنابت کوئی کرتا ہے اور مثلاً اس کے بدن پر کوئی نجاست نہیں لگی ہوئی، نجاست کو اس نے دھو لیا، صاف کر لیا، لیکن غسل کون سا کر رہا ہے؟ غسلِ جنابت، حالت تو ابھی بھی جنابت والی ہے یعنی نجاستِ حکمیہ ہے، اب وہ غسل کرتا ہے کس کے اندر؟ کھڑے پانی میں، حدیث میں اس سے منع کیا گیا کہ کھڑے پانی میں غسلِ جنابت نہ... اب بدن پر تو کوئی نجاست نہیں، لیکن پھر بھی منع کیا جا رہا ہے حدیث کے اندر، معلوم ہوا نجاستِ حکمیہ سے بھی پانی نجس ہو جاتا ہے۔ نجاستِ حکمیہ سے بھی پانی کیا ہو جاتا ہے؟ نجس ہو جاتا ہے۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟

«**وَلِأَنَّهُ**»، اور دوسری وجہ بھائی، یہ تو تھی حدیث، نقلی دلیل، عقلی دلیل کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّهُ مَاءٌ أُزِيلَتْ بِهِ النَّجَاسَةُ**»، بھائی کس کا قول چل رہا ہے؟ شیخین رحمہما اللہ، وہ کیا فرماتے ہیں؟ یہ پانی ماء مستعمل کیا ہے؟ نجس ہے ناپاک ہے۔ ایک تو یہ حدیث میں آ گیا، دوسرا اس لیے: «**وَلِأَنَّهُ مَاءٌ أُزِيلَتْ بِهِ النَّجَاسَةُ**»، اس لیے کیونکہ یہ ایسا پانی ہے یہ ماء مستعمل جس کے ذریعے نجاست کو زائل کیا گیا ہے، نجاست کو دور کیا گیا ہے۔ کون سی نجاست؟ **النَّجَاسَةُ الْحُكْمِيَّةُ**، نجاستِ حکمیہ کو، «**فَيُعْتَبَرُ بِمَاءٍ أُزِيلَتْ بِهِ النَّجَاسَةُ الْحَقِيقِيَّةُ**»، لہٰذا اس کو قیاس کیا جائے گا اس پانی کے ساتھ جس کے ذریعے نجاستِ حقیقیہ کو دور کیا گیا ہو، اور جس پانی سے نجاستِ حقیقیہ کو دور کیا جاتا ہے وہ تو یقیناً کیا ہوتا ہے؟ نجس ہوتا ہے، تو جس کے ذریعے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا گیا وہ بھی کیا ہو گا؟ نجس ہو گا۔

اچھا، پھر کون سا نجس ہے بھائی؟ ایک آپ پڑھ چکے، ایک نجاستِ غلیظہ ہے ایک نجاستِ خفیفہ ہے، ایک وہ نجاست جس میں سختی ہے جس کا حکم سخت ہے، اور ایک ہلکے درجے کی نجاست ہے، نجاستِ خفیفہ۔ نجاستِ غلیظہ میں آپ نے پڑھا ہے کہ یہ اگر ایک درہم کی مقدار معاف ہے اور اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں، اس کے ساتھ نماز وغیرہ نہیں ہو گی، اور نجاستِ خفیفہ میں آپ پڑھ چکے کہ کپڑے کے چوتھائی حصے تک معاف ہے اس سے زیادہ معاف نہیں ہے۔ مثلاً آستین پر لگی ہے تو آستین کے چوتھے حصے تک، چار حصے شمار کریں ایک حصے کے بقدر اس سے برابر یا اس سے کم کم ہے نجاستِ خفیفہ تو معاف ہے نماز وغیرہ ٹھیک ہو جائے گی، اس سے زیادہ ہے تو یہ معاف نہیں۔ تو اب یہ تو شیخین کا قول آ گیا کہ یہ نجس ہے بھائی، یہ ماء مستعمل کیا ہے؟ نجس ہے۔ یہ اب کون سا نجس ہے؟ نجس ہے یہ نجاستِ غلیظہ یا نجس ہے یہ نجاستِ خفیفہ؟ تو دونوں روایتیں ہیں اس بارے میں، وہ ذکر کر رہے ہیں۔

■ مسئلہ: ثُمَّ فِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ...

«**ثُمَّ فِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: نَجَاسَةٌ غَلِيظَةٌ**»، پھر حسن ابن زیاد رحمہ اللہ کی جو روایت ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے: «**نَجَاسَةٌ غَلِيظَةٌ**»، یہ نجس ہے یہ نجاستِ غلیظہ، یعنی سخت نجاست والا حکم ہے، «**اعْتِبَارًا بِالْمُسْتَعْمَلِ فِي الْحَقِيقِيَّةِ**»، قیاس کرتے ہوئے وہ پانی اس پانی پر جس کو استعمال کیا گیا ہے فی الحقیقۃ کس کے اندر؟ نجاستِ... نجاستِ حقیقیہ کو جس پانی سے دور کیا جائے وہ پانی کیا ہے؟ نجس ہے نجاستِ غلیظہ کے ساتھ بھائی، تو جیسے وہ نجس ہے نجاستِ غلیظہ کے ساتھ، اسی طرح اس پانی سے نجاستِ حکمیہ کو دور کیا گیا ہے، لہٰذا یہ پانی بھی کیا ہو گا؟ نجس ہو گا یہ نجاستِ غلیظہ بھائی۔ یہ معنی ہے «**اعْتِبَارًا بِالْمُسْتَعْمَلِ فِي الْحَقِيقِيَّةِ**»، قیاس کرتے ہوئے اس پانی پر جس کو استعمال کیا گیا ہو نجاستِ حقیقیہ میں۔ تو ایک قول کیا آیا حسن ابن زیاد رحمہ اللہ کا کہ یہ پانی یہ

نجاستِ غلیظہ ہے بھائی، نجاستِ غلیظہ۔

اور دوسرا قول: «وَفِي رِوَايَةِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُهُ: نَجَاسَةٌ خَفِيفَةٌ»، اور ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی عنہ جو کن سے ہے؟ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، «وَهُوَ قَوْلُهُ»، اور یہی قول ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اور یہی قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اپنا بھی ہے، یعنی یہ شیخین کا قول ہے کہ «نَجَاسَةٌ خَفِيفَةٌ»، یہ کیا ہے یہ پانی؟ نجس ہے بہ نجاستِ... یہ نجاستِ خفیفہ ہے۔ «لِمَكَانِ الِاخْتِلَافِ»، مکان یاد رکھیے یہ مصدر ہے بمعنی وجود کے، لوجود الاختلاف، کس وجہ سے؟ اختلاف کے پائے جانے کی وجہ سے۔ بھائی تفصیل ذکر ہو گئی، علماء کا اختلاف، فقہاء کا اختلاف آیا یا نہیں ماء مستعمل کے اندر؟ اختلاف آیا، بعض اس کو طاہر قرار دیتے ہیں، بعض اس کو کیا قرار دیتے ہیں؟ نجس قرار دیتے ہیں، تو لہٰذا اب حکم میں معلوم ہوا اتنی سختی نہ رہی بھائی۔ حدیث میں بھی آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں: «اخْتِلَافُ عُلَمَاءِ أُمَّتِي رَحْمَةٌ»، میری امت کے علماء کا اختلاف بھی رحمت ہے بھائی، تو دیکھیے اب حکم میں وہ سختی نہ رہی لہٰذا اس کو نجاستِ غلیظہ نہیں قرار دیں گے بلکہ کیا قرار دیں گے؟ نجاستِ خفیفہ، کیونکہ یہ اختلاف اس کے اندر اختلاف آ گیا علماء اور فقہاء کا بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو ایک امام محمد رحمہ اللہ کا قول آیا تھا اور وہی ایک روایت تھی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کہ یہ طاہر ہے لیکن مطہر نہیں، دوسرا قول آیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کہ یہ نجاستِ غلیظہ ہے ماء مستعمل، اور تیسرا قول آیا جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی قول ہے کہ یہ نجاستِ خفیفہ ہے بھائی، نجاستِ خفیفہ ہے۔

یہاں آپ کو ایک نہایت قیمتی بات بتلاؤں بھائی، نہایت قیمتی بات بھائی۔ تو گویا بھائی ماء مستعمل کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے تین روایتیں آ گئیں: ایک روایت کے مطابق وہ طاہر ہے، دوسری روایت کے مطابق وہ نجاستِ غلیظہ ہے، اور تیسری روایت کے مطابق وہ نجاستِ خفیفہ ہے بھائی۔ والدِ ماجد شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ رحمہ اللہ درسِ ترمذی کے اندر اس سے متعلق ایک عجیب نکتہ بیان فرماتے تھے بھائی، عجیب نکتہ۔ ترمذی میں شروع میں ابتداء کے اندر حدیث آتی ہے اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وضو سے گناہ بھی خارج ہوتے ہیں بھائی، وضو سے کیا ہوتے ہیں انسان کے؟ گناہ بھی خارج ہوتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ نیکیاں جو ہیں وہ کفارہ ہیں گناہوں کے لیے بھائی، لیکن یاد رکھیے حقوقِ مالیہ اور حقوق العباد اس سے معاف نہیں ہوں گے، حقوقِ مالیہ وغیرہ کے اندر کیا ضروری ہے؟ ادا ضروری ہے بھائی، ہاں اس کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ وضو کے ساتھ وہ معاف ہوتے ہیں کیونکہ نیکیاں گناہوں کے لیے کفارہ ہیں۔

اب وضو کے پانی سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں؟ اس میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں، بعض علماء فرماتے ہیں صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اس سے، بعض فرماتے ہیں کہ صغیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں اور کبیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ والد صاحب رحمہ اللہ پھر یہاں پر اس مقام پر ترمذی کے اندر بھائی جمہور کا مذہب بیان فرماتے تھے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وضو سے صغائر بھی معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾، نیکیاں جو ہیں وہ گناہوں کو لے جاتی ہیں ان کو ختم کر دیتی ہیں، اور تو فرماتے تھے یہاں سیئات سے کیا مراد ہیں؟ صغائر، کیا مراد ہیں؟ جمہور کے مذہب کی بات ہو رہی ہے، جمہور کیا فرماتے ہیں؟ وضو کے پانی سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں وضو کرنے سے؟ صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ البتہ کبیرہ جو ہے وہ معاف نہیں ہوتے، ان کے لیے توبہ کی ضرورت ہے الگ سے توبہ کرنا پڑے گی، کبیرہ مثلاً چوری، ڈاکہ وغیرہ اور جو بڑے گناہ ہیں بھائی۔ یہ جمہور کا مذہب ہے، کیا مذہب ہوا جمہور کا؟ صغیرہ مطلقاً معاف ہو جاتے ہیں اور کبیرہ معاف نہیں ہوتے بھائی۔

آخر میں پھر والد صاحب رحمہ اللہ اور علماء کے بھی اقوال نقل فرماتے، علمائے دیوبند کے اقوال بھی نقل فرماتے، ان کے مذاہب بھی، آخر میں اپنی توجیہ بیان فرماتے تھے، انتہائی لطیف و عجیب توجیہ جس کی وجہ سے احادیث کے اندر تطبیق آ جاتی ہے اور اسی طرح بہت سی احادیث اور بزرگوں کے واقعات اور کرامات کے اندر تطبیق آ جاتی ہے، عجیب توجیہ فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ بڑی دعاؤں کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں یہ بات ڈالی اور بعض احادیث سے میں نے اس کو مستنبط کیا اور اس کی وجہ سے احادیث میں تعارض دفع ہو جاتا ہے، کئی مشکل احادیث حل ہو جاتی ہیں، اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس توجیہ سے جمہور کے مذہب میں اور اہل کشف کے واقعات کے درمیان تطبیق آ جاتی ہے، تطبیق آ جاتی ہے۔

چنانچہ فرماتے کہ یاد رکھیے ہر گناہ، خصوصاً کبیرہ گناہ، اس کی دو حیثیتیں ہیں: ایک نفسِ گناہ اور ایک اس گناہ کا برا اثر بھائی۔ تو وہ فرماتے کہ ہر گناہ خصوصاً گناہِ کبیرہ میں دو حیثیتیں ہیں بھائی: ایک ہے نفسِ کبیرہ یعنی ذاتِ کبیرہ، اور ایک ہے کبیرہ گناہ کا برا اثر بھائی۔ کبیرہ گناہ کا برا اثر جو ظاہر اور باطن اور اعضاء وغیرہ پر پڑتا ہے مثلاً اس کا زنگ ہوتا ہے، بدبو ہوتی ہے، بدصورتی ہوتی ہے، اور اس کے برے اثرات اعضاء پر پڑتے ہیں بھائی، اور گناہ کے تو ظاہری برے اثرات ہوتے ہی ہیں، زنگ بھی ہوتا ہے، بدبو بھی ہوتی ہے، اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے، اور تجربے سے بھی یہ بات ظاہر ہے، ڈاکو کی تصویر بھی آپ دیکھیں تو چہرے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ ڈاکو ہے، وہ گناہ کی ظلمت اور سیاہی اس کے چہرے پر آ جاتی ہے، پتہ لگتا ہے کہ یہ برا آدمی ہے اچھا آدمی نہیں ہے، یہ وہ گناہ کے اثرات پڑتے ہیں بھائی۔ اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ گناہ کے اثرات ہوتے ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سوکن حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا کہ صفیہ تو اتنی سی ہیں یعنی چھوٹے قد والی ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ اے عائشہ! تم نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اس کو سمندر کے پانی کے ساتھ ملا دیا جائے تو سارا سمندر آلودہ ہو جائے، معلوم ہوا گناہ کا بھی کیا ہوتا ہے؟ ظاہری اثر بھی ہوتا ہے بھائی، ظاہری اثر بھائی۔

نیز اسی طرح حدیث میں آتا ہے بھائی کہ حجرِ اسود کے بارے میں آتا ہے کہ حجرِ اسود جو ہے یہ اللہ نے اس کو جنت سے نازل فرمایا ہے اور یہ دودھ کی طرح سفید تھا، پھر اس کو انسانوں کے گناہوں نے سیاہ کر دیا، بعض احادیث میں آتا ہے مشرکین کے گناہوں نے اس کو کیا کر دیا؟ سیاہ کر دیا، حتیٰ کہ یہ اتنا چمکدار تھا کہ میلوں تک اس کی روشنی جاتی تھی بھائی، میلوں تک اس کی روشنی، جی، اب تو اتنا سیاہ ہے کہ آنکھوں سے بھی اس کی سیاہی نظر آتی ہے اسی لیے اس کو حجرِ اسود کہتے ہیں، سیاہ پتھر، اتنا سیاہ ہو چکا، تو یہ گناہوں کے اثرات اس پر پڑے بھائی، معلوم ہوا گناہ کا کیا ہوتا ہے؟ اثر ہوتا ہے بھائی، بدبو وغیرہ اس کا اثر ہوتا ہے۔

اسی طرح بھائی حدیث میں آتا ہے کہ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ بن جاتا ہے بھائی، سیاہ داغ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لے اور پھر گناہ نہ کرے اور اللہ سے استغفار کرے تو اس کا دل پھر صاف ہو جاتا ہے، لیکن اگر پھر گناہ کرتا ہے اسی طرح کرتا چلا جاتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ دل پورے دل پر پھیل جاتا ہے بھائی بڑھتے بڑھتے۔ معلوم ہوا کہ گناہ کا بھی ظاہری اور برا اثر وغیرہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد پھر فرماتے کہ میری توجیہ یہ ہے کہ وضو کے پانی سے صغیرہ تو مطلقاً معاف ہوتے ہیں، صغیرہ تو مطلقاً معاف ہوتے ہیں، اور کبیرہ کے بارے میں جمہور نے کیا کہا تھا؟ کبیرہ معاف نہیں ہوتا، یہاں بھی اسی طرح کہ نفسِ کبیرہ تو معاف نہیں ہوتا، نفسِ کبیرہ تو معاف نہیں ہوتا لیکن کبیرہ کے جو برے اثرات ہیں، جو بدبو وغیرہ ہے، جو اس کی سیاہی وغیرہ ہے، وہ مکمل طور پر یا کچھ نہ کچھ طور پر ضرور زائل ہو جاتی ہے بھائی۔ تو نفسِ کبیرہ تو معاف نہیں، اس کے لیے تو باقاعدہ توبہ کی ضرورت ہے لیکن اس کے برے اثرات وغیرہ وہ ضرور مکمل طور پر یا کچھ حیثیت تک وہ اس سے خارج ہو جاتے ہیں وضو کے پانی کے ساتھ۔

اور فرماتے: اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو ان واقعات اور احادیث میں تعارض باقی رہے گا۔ کئی بزرگوں کے کہتے ہیں واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ماءِ وضو سے گناہِ کبیرہ بھی خارج اور زائل ہو جاتے ہیں۔ بعض بزرگوں کے واقعات سے کیا پتہ چلتا کہ وضو کے پانی کے ساتھ گناہِ کبیرہ بھی خارج ہو جاتے ہیں، تو اگر یہ میری توجیہ نہ مانی جائے پھر تعارض رہتا ہے ان بزرگوں کے کشف و کرامات میں اور جمہور کے مذہب میں۔ جمہور نے تو کیا کہا تھا؟ کبیرہ معاف نہیں ہوتے، اور بزرگ کیا فرماتے ہیں کہ ہم نے گناہوں کو نکلتے ہوئے دیکھا کس کے ساتھ؟ وضو کے پانی کے ساتھ نکلتے ہوئے دیکھا بھائی، تو اب کہتے ہیں میری توجیہ مانی جائے تو ان میں تطبیق آ گئی، بزرگوں نے جو دیکھا وہ گناہوں کے برے اثرات نکلے تھے، تو بزرگوں کی بات صحیح اپنی جگہ پر، اور جمہور جو کہتے ہیں توبہ کرنا پڑے گی وہ نفسِ کبیرہ کے لیے توبہ کرنا پڑے گی بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو جمہور تو کہتے تھے کبیرہ گناہ نہیں نکلتے وضو کے ساتھ، تو والد صاحب کی توجیہ کیا تھی کہ اس کے برے اثرات اس سے نکل جاتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے بھائی کہ امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ نویں دسویں صدی کے بڑے ولی اللہ اور بڑے عالم گزرے ہیں، وہ اپنے زمانے کے عظیم ولی اللہ اور صاحبِ کشف انسان تھے، وہ اپنے شیخ علی خواص رحمہ اللہ کے بارے میں اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ میرے شیخ کو اللہ نے یہ علم دیا تھا کہ وہ کسی آدمی کے غسالے کے اندر اس کے گناہوں کو دیکھ لیتے تھے۔ کون فرما رہے ہیں؟ امام عبد الوہاب شعرانی جو شافعی المسلک ہیں، وہ فرما رہے ہیں کہ میرے شیخ جو تھے علی خواص ان کو اللہ نے یہ کمال نصیب فرمایا تھا، یہ مقام نصیب فرمایا تھا کہ وہ غسل کے اور وضو کے پانی کے اندر اس آدمی کے گناہوں کو دیکھ لیتے تھے، وہ اسی وجہ سے وہ حوض وغیرہ سے وضو نہیں فرماتے تھے کیونکہ اس میں وہ جو گناہ تھے وہ ان کو دکھائی دیتے تھے بھائی، جو آدمی وہاں وضو وغیرہ کرتے ان کے گناہ اس میں دکھائی دیتے تھے۔ اور حتیٰ کہ وہ لکھتے ہیں کہ میرے شیخ جو ہیں حرام کا غسالہ اس کو بھی پہچان لیتے تھے، مکروہ کا غسالہ کہ اس آدمی نے صرف مکروہ کام کیا ہے اس کو بھی پہچان لیتے تھے، اور خلافِ اولیٰ جس نے کیا ہوتا اس کو بھی پہچان لیتے تھے۔

تو وہ فرماتے ہیں: میرے شیخ ایک مرتبہ طہارت حاصل کرنے کے لیے ایک جگہ پر جو وضو وغیرہ یا غسل کی جگہ بنی ہوئی تھی وہاں پر گئے اور پھر بغیر طہارت حاصل کیے ہی نکل آئے اور فرمانے لگے کہ وہاں پر کبیرہ گناہ کا غسالہ پڑا ہوا ہے۔ تو امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ کے داخل ہونے سے پہلے جو آدمی وہاں سے نکلا تھا اس کو میں نے دیکھا تھا کہ فلاں آدمی نکلا ہے، چنانچہ میں فوراً بھاگا، اس آدمی کے پیچھے پہنچا اور اس کو میں نے اپنے شیخ کی یہ بات بتائی کہ تمہارے غسالے کے بارے میں میرے شیخ فرماتے ہیں کہ گناہِ کبیرہ کا غسالہ پڑا ہے، تو اس آدمی نے کہا کہ تمہارے شیخ نے سچ کہا، میں زنا میں مبتلا ہوا تھا، زنا میں، پھر وہ شخص آیا میرے شیخ کے پاس اور ان کے ہاتھ پر اس نے توبہ کی بھائی، توبہ کی۔ معلوم ہوا ان کے شیخ علی خواص نے پانی کے اندر اس شخص کے گناہِ کبیرہ کے برے اثر وغیرہ کو دیکھا تھا اور گناہ کا اثر اس میں خارج ہوا تھا جبھی تو شیخ نے اس کو دیکھا، ہاں لیکن نفسِ گناہ خارج نہیں ہوا تھا اور اس کی وجہ سے وہ آدمی آیا اور باقاعدہ اس نے کیا کی؟ توبہ کی اس سے بھائی۔ معلوم ہوا وضو کی وجہ سے گناہ کا اثر جو ہے وہ خارج ہو جاتا ہے اور معلوم ہوا صرف اثر وغیرہ خارج ہوتا ہے گناہ خارج نہیں ہوتا بھائی۔

اسی طرح وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں شیخ کے ساتھ ایک حوض کے کنارے پر تھا، میں وضو کر رہا تھا، شیخ وضو نہیں کر رہے تھے، میں نے وضو نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ پانی میں خنزیر اور کتے پڑے ہوئے ہیں، میں کیسے وضو کروں؟ میں نے کہا کہ صاف ستھرا پانی تو ہے، کہاں ہے خنزیر اور کتے وغیرہ؟ تو شیخ نے مجھے کہتے ہیں اپنے پاس بلایا اور میری آنکھوں پر اپنا ہاتھ پھیرا تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے حوض میں خنزیر اور کتے وغیرہ دیکھے جو گناہوں کی شکل میں الگ الگ پڑے ہوئے تھے بھائی۔ حتیٰ کہ بدبو سے یہ بھی پتہ چل رہا تھا کہ یہ غیبت کا غسالہ ہے یا فلاں گناہ کا غسالہ ہے یا فلاں گناہ کا غسالہ ہے بھائی۔

چنانچہ امام شعرانی اپنے شیخ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ماءِ مستعمل کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ طاہر غیر مطہر ہے،

دوسرا یہ کہ یہ نجاستِ غلیظہ ہے، اور تیسرا یہ کہ یہ نجاستِ خفیفہ ہے۔ کہتے ہیں میرے شیخ فرماتے ہیں کہ یہ تین اقوال امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہ فقہی نہیں ہیں بلکہ یہ تین اقوال وضو کرنے والے کے گناہوں پر محمول ہیں۔ کس پر محمول ہیں؟ وضو اور طہارت حاصل کرنے والے کے گناہوں پر محمول ہیں بھائی، کیونکہ اس ماء مستعمل میں گناہ خارج ہو جاتا ہے، تو اگر وہ وضو کرنے والا اس نے صرف خلافِ اولیٰ کام کیا تھا تو اس صورت میں وہ جو ماء مستعمل ہے وہ طاہر ہے لیکن مطہر نہیں، تو ہے ابھی بھی طاہر ہی، اور اگر وہ شخص جو وضو کرنے وہ طہارت کرنے والا ہے اگر اس نے کبیرہ گناہ کیا ہے تو وہ ماء مستعمل جو ہے وہ نجاستِ غلیظہ ہوا بھائی، اور اگر وہ طہارت حاصل کرنے والا اس نے صرف صغائر صغیرہ گناہ کیے تھے اور مکروہات کچھ کیے تھے تو اس صورت میں جو وہ ماء مستعمل ہے وہ کیا ہو گا؟ نجاستِ خفیفہ ہو گا۔

چنانچہ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ تینوں اقوال امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے کشف پر مبنی ہیں بھائی، کشف پر مبنی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے مقلدین جو ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس مسئلے میں یہ تین قول ہیں امام صاحب کے جیسے اور مسائل میں اقوال ہوتے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے، یہ تین اقوال مبنی ہیں وضو کرنے والے کے احوال پر، اور فرماتے ہیں کہ یہ نکتہ میرے شیخ علی خواص نے مجھے بتلایا۔

اور فرماتے ہیں کہ پھر تو میں نے اپنے شیخ سے کہا: پھر تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ عظیم صاحبِ کشف لوگوں میں سے تھے؟ تو میرے شیخ فرمانے لگے: ہاں، وہ عظیم صاحبِ کشف لوگوں میں سے تھے، اور نیز وہ میرے شیخ مجھے بتلانے لگے کہ ہمیں یہ بات بھی پہنچی ہے کہ امام صاحب ایک مرتبہ ایک مقام پر وہ وضو خانے میں داخل ہوئے، ایک نوجوان کو دیکھا کہ وضو کر رہا ہے اور اس کے پانی پر نظر ڈالی جو اس سے ٹپک رہا تھا، تو اس سے فرمانے لگے: اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر لے، تو اس لڑکے وہ نوجوان کہنے لگا: میں نے توبہ کی، میں آج کے بعد والدین کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اسی طرح امام صاحب نے ایک اور شخص کے غسالے کو دیکھا تو اس سے فرمانے لگے: اے بھائی! تو شراب پینے سے اور گانے بجانے کو سننے سے توبہ کر لے، اس نے کہا: میں نے توبہ کر لی۔ اسی طرح ایک اور شخص کے غسالے کو دیکھا تو اس سے فرمانے لگے کہ اے میرے بھائی! زنا سے توبہ کر لے، اس آدمی نے کہا: میں نے توبہ کر لی۔ تو امام صاحب وہ پانی میں دیکھ لیتے تھے ان چیزوں کو۔

پھر کہتے ہیں شیخ علی خواص فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھ سے یہ علم سلب فرما لیجیے، مجھ سے یہ علم ختم فرما دیجیے، کیونکہ اس کی وجہ سے میں مسلمانوں کے عیبوں پر مطلع ہوتا ہوں، چنانچہ اللہ نے پھر وہ علم ان سے سلب فرما لیا بھائی، سلب فرما لیا۔

معلوم ہوا امام صاحب کا مقام کتنا اونچا ہے بھائی، کتنا اونچا ہے، کتنے عظیم صاحبِ کشف تھے کہ گناہوں کے اثرات پانی کے اندر دیکھ لیا کرتے تھے، اور اس سے بھی بڑھ کر ان کے تقویٰ کا اندازہ لگائیے کہ اے اللہ اس علم کو میرے لیے مجھ سے سلب فرما لیجیے کیونکہ اس کی وجہ سے میں اپنے مسلمان بھائیوں کے عیبوں پر مطلع ہوتا ہوں بھائی، مطلع ہوتا ہوں۔

اور پھر حضرت شیخ آگے فرماتے کہ امام صاحب نے اس پانی میں گناہِ کبیرہ کے اثرات کو دیکھا ان کے اثرات کو دیکھتے تھے، نفسِ کبیرہ نہیں خارج ہوتا تھا ورنہ توبہ کا کیا معنی کہ بھائی توبہ کر لو یا اے بیٹے توبہ کر لو، ان کو توبہ کا باقاعدہ فرماتے تھے، معلوم ہوا نفسِ کبیرہ وضو کے ساتھ خارج نہیں ہوتا، ہاں اس کے جو برے اثرات بدبو وغیرہ اور سیاہی ہے وہ مکمل طور پر یا کچھ نہ کچھ حد تک اس وضو اور طہارت کے پانی سے نکل جاتی ہے بھائی، نکل جاتی ہے۔

تو یہ تھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کی عجیب اور لطیف توجیہ بھائی، جس کی وجہ سے احادیث میں بھی تطبیق آجاتی ہے اور بزرگوں کے واقعات اور جمہور کے مذہب میں بھی کیا آجاتی ہے؟ تطبیق آجاتی ہے بھائی۔

تو یہ ہیں ہمارے فقہاء، یہ ہیں ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ جن کا اتنا اونچا مقام تھا بھائی، اور جن کے بارے میں احادیث میں آتا ہے، حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر علم ثریا کے پاس بھی ہو تو اہلِ فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا، اس کو پالے گا۔ علماء لکھتے ہیں کہ اس سے مراد امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں، ان کی پیشین گوئی، اتنا اونچا مقام امام صاحب کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باقاعدہ ان کے بارے میں پیشین گوئی فرما رہے ہیں، ان کے امام صاحب کے مقام کا اندازہ لگائیے بھائی، ان کے مقام کا اندازہ لگائیے، اور علماء سب فرماتے ہیں یہ کس کے بارے میں ہے؟ حتیٰ کہ شوافع وغیرہ وہ بھی لکھتے ہیں کہ اس سے کون مراد ہیں؟ شوافع علماء بھی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں، انہی کی طرف اس کے ذریعے اشارہ ہے بھائی۔

پھر بھی ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو امام صاحب پر تنقید کرتے ہیں، فقہاء کو برا کہتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگیاں قرآن و حدیث کی خدمت کرتے ہوئے گزار دیں، لوگوں کے لیے، ہمارے لیے مسائل کو اتنا آسان بنا دیا، اور ان کی عند اللہ مقبولیت کے لیے کیا یہ بات کم ہے کہ اب تک کروڑوں اربوں انسان ان کے مذہب پر گزرے ہیں اور زندگی گزار رہے ہیں، اور سارے زندگی میں ایک ایک مسئلے میں ان کا اتباع کر رہے ہیں جیسا انہوں نے قرآن و حدیث سے سمجھا اور بتلایا، تو ایک ایک عمل کا ثواب جو ہے ان کو ان کے امام صاحب کے نامۂ اعمال میں جمع ہوتا چلا جا رہا ہے، کتنا اونچا مقام ہے۔

دعا کرو ان لوگوں کو اللہ صحیح سمجھ دے دے۔ بھائی کیوں فقہاء پر تنقید کرتے ہو؟ کیا اس دور کے فتنے کم ہیں؟ تمہیں تمہاری توجہ ان کی طرف ہونی چاہیے، اتنے اسلام کے خلاف فتنے اٹھ رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کھلے عام گستاخیاں کی جا رہی ہیں، قرآن کو جلایا جا رہا ہے، عیسائی لگے ہوئے ہیں اپنے مذہب کو پھیلانے کوششیں کر رہے ہیں، اسی طرح یہ قادیانی مرزائی جو ہیں یہ اپنے خبیث مذہب کو پھیلا رہے ہیں بھائی، تو ان کا مقابلہ کیا جائے یہ جو فتنے ہیں، بجائے اس کے کہ امام صاحب کے

خلاف زور لگایا جائے اور اپنی توانائیاں صرف کی جائیں۔ دنیاوی اعتبار سے بھی اپنا نقصان کر رہے ہیں اور اخروی اعتبار سے بھی۔ تو اللہ تعالیٰ ان سب کو سمجھ نصیب فرمائے بھائی، اور اللہ تعالیٰ تمام فقہاء کے تمام فقہائے کرام، تمام ائمہ فقہاء، تمام ائمہ محدثین سب کے اللہ کروڑہا درجات بلند فرمائے بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۲۰: مسئلہ: وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ هُوَ مَاءٌ أُزِيلَ بِ...

ہدایہ صفحہ: ۳۸ــــ بتاریخ: ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۲ء

وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ هُوَ مَاءٌ أُزِيلَ بِهِ حَدَثٌ أَوْ اسْتُعْمِلَ فِي الْبَدَنِ عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ، قَالَ هَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَقِيلَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَيْضًا، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَا يَصِيرُ مُسْتَعْمَلًا إِلَّا بِإِقَامَةِ الْقُرْبَةِ۔ [1]

گزشتہ سبق میں ماءِ مستعمل کے بارے میں بحث شروع ہوئی تھی۔ آپ نے پڑھا کہ ماءِ مستعمل جو ہے، اس کے ذریعے پاکی حاصل کرنا درست نہیں، اس سے پاکی حاصل نہیں ہوتی۔ **يَرْحَمُكَ اللَّهُ۔** ماءِ مستعمل، تعریف بھی میں نے آپ کو بتلائی تھی کہ اس پانی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے نجاست حکمیہ کو دور کیا گیا ہو، یا اس کو قربت کی نیت سے استعمال کیا گیا ہو یعنی وضو پر وضو کیا گیا ہو بھئی، وضو پر وضو۔

تو تعریف میں نے کل ذکر کر دی تھی، آج وہ متن کے اندر آ رہی ہے، ماءِ مستعمل کی تعریف بھئی۔ کہتے ہیں: «**وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ هُوَ مَاءٌ أُزِيلَ بِهِ حَدَثٌ**» ماءِ مستعمل جو ہے «**هُوَ مَاءٌ**» وہ ایسا پانی ہے «**أُزِيلَ بِهِ حَدَثٌ**» کہ جس کے ذریعے حدث کو دور کیا گیا ہو، «**أَوِ اسْتُعْمِلَ فِي الْبَدَنِ عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ**» یا اس کو استعمال کیا گیا ہو بدن میں «**عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ**» کس طریقے پر؟ قربت کے طریقے پر یعنی بطور عبادت کے۔

تو دو صورتیں ہو گئیں بھئی، یا تو اس کے ذریعے کیا کیا گیا ہو؟ حدث کو دور کیا گیا ہو، یا کس طریقے پر استعمال کیا ہو؟ قربت کے طریقے پر۔ میں نے بتلایا تھا کہ چاہے دونوں میں سے کوئی ایک چیز پائی جائے، یا دونوں پائی جائیں، اس کو ماءِ مستعمل کہیں گے۔ پہلی صورت: مثلاً کہ حدث بھی دور کیا گیا ہو اور قربت بھی ہو وہ۔ جیسے مثلاً آپ بے وضو تھے، آپ نے ایک پانی کے ذریعے وضو کیا اور باقاعدہ نیت کے ساتھ کیا، تو اس پانی سے، یہ جو استعمال شدہ پانی ہے، اس سے نجاست حکمیہ بھی دور ہوئی اور نیز اس وضو کا آپ کو ثواب بھی ملا کیونکہ آپ نے باقاعدہ نیت بھی کی ہے۔ تو یہ ایسا پانی ہے جس کے ذریعے حدث کو بھی دور کیا گیا ہے اور اس کو کس طریقے پر استعمال کیا گیا ہے؟ قربت کے طریقے پر بھئی۔

دوسری صورت: کہ صرف حدث کو دور کیا ہو اور قربت نہ ہو وہاں پر۔ کہ ایک شخص تھا، اس نے بغیر نیت کیے ہی وضو، وہ جو پانی وغیرہ ہے، اس کے ساتھ وضو کے سارے اعضاء کو دھو لیا بھئی۔ تو پورا وضو کر لیا، لیکن نیت نہیں تھی، بغیر نیت کے ہی ویسے ہی ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے اس نے ایسا کیا، تو اس سے بھی وضو تو اس کا ہو گیا، یہ وضو مفتاح الصلاۃ تو بن جائے گا، اس کے ذریعے نجاست حکمیہ تو بدن سے دور ہو گئی، لیکن یہ وضو قربت نہیں، اس کا اس کو ثواب نہیں ملے گا کیونکہ نیت نہیں کی۔ تو دیکھو یہاں صرف ازالۂ حدث ہے اور قربت نہیں۔ اور تیسری صورت: کہ قربت ہو اور ازالۂ حدث نہ ہو، جیسے آپ کا پہلے سے ہی وضو تھا، اور پھر دوسری نماز کا وقت آیا، آپ کا وضو تھا، آپ نے پھر فضیلت حاصل کرنے کے لیے تازہ وضو کر لیا، تو یہ اب یہاں ازالۂ نجاست حکمیہ تو نہیں، کیونکہ نجاست حکمیہ تو تھی ہی نہیں آپ کے بدن پر، کیونکہ آپ باوضو تھے۔ البتہ وضو کی فضیلت ملی، آپ نے افضل طریقے کو اختیار کیا، آپ کو ثواب ملا، تو یہ جو پانی استعمال کیا گیا ہے، یہ کس طریقے پر ہے؟ قربت کے طریقے پر استعمال کیا گیا۔ تو حاصل یہ کہ دونوں میں سے کوئی ایک چیز پائی جائے، ازالۂ حدث یا استعمال علی طریق القربۃ، یا دونوں پائی جائیں تو یہ ماء کیا کہلائے گا؟ ماءِ مستعمل کہلائے گا۔

■ مسئلہ: قَالَ: هَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ...

«**قَالَ: هَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى**» «**قَالَ**»، «**قَالَ**» سے یاد رکھیے مراد ہیں صاحب ہدایہ بھئی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: «**هَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، وہ یہ تعریف کرتے ہیں ماءِ مستعمل کی کہ اس کے ذریعے ازالۂ حدث کیا گیا ہو یا «**عَلَى**

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۳): «لأن»۔

وَجْهِ الْقُرْبَةِ » استعمال کیا گیا ہو۔ « وَقِيلَ: هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَيْضًا » اور کہا گیا ہے کہ یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ « وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَصِيرُ مُسْتَعْمَلًا إِلَّا بِإِقَامَةِ الْقُرْبَةِ » امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانی مستعمل نہیں بنے گا « إِلَّا بِإِقَامَةِ الْقُرْبَةِ » مگر قربت قائم کرنے سے یعنی باقاعدہ نیت کرنے سے۔ قربت کب بنے گا وضو؟ جب باقاعدہ کیا کی گئی ہو اس میں؟ نیت۔ تو ان کے نزدیک ازالۂ حدث ہو اور قربت نہ ہو تو یہ ماء مستعمل ہے ہی نہیں۔ تو ان کے نزدیک کیا ضروری کہ وہ پانی کس طریقے پر استعمال کیا گیا ہو؟ قربت کے طریقے پر۔ پھر چاہے ازالۂ حدث ساتھ ہو یا ازالۂ حدث نہ ہو، دونوں صورتیں آ گئیں بھئی اس کے اندر۔ لیکن صرف ازالۂ حدث ہو اور قربت نہ ہو تو پھر اس صورت میں یہ ماء مستعمل نہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ: « لَا يَصِيرُ مُسْتَعْمَلًا إِلَّا بِإِقَامَةِ الْقُرْبَةِ » کہ ماء جو ہے وہ مستعمل نہیں بنتا مگر قربت قائم کرنے سے۔ « لِأَنَّ الِاسْتِعْمَالَ بِانْتِقَالِ نَجَاسَةِ الْآثَامِ إِلَيْهِ، وَإِنَّهَا تُزَالُ بِالْقُرْبَةِ » وجہ اس کی ذکر کرتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ، وہ فرماتے ہیں کیونکہ پانی کا استعمال تب پایا جائے گا، ماء مستعمل تب ہو گا جب گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہو جائے۔ اور گناہوں کی نجاست تب ہی منتقل ہو گی جب وضو باقاعدہ نیت کے ساتھ کیا جائے اور وہ قربت بنے۔ کیا بنے؟ قربت اور عبادت۔ تو جب قربت، گناہ کس چیز سے دور ہوتے ہیں؟ عبادت سے، نیکی سے۔ تو وضو عبادت اور نیکی بنے گا ہی کب؟ جب اس میں نیت کی گئی ہو گی۔ نیکیاں جو ہیں گناہوں کو لے جانے والی ہیں، ان کے لیے کفارہ ہیں، تو یہ نیکی ہو گی، عبادت ہو گا وضو، تو تب ہی گناہ جو ہیں جسم سے منتقل ہو جائیں گے کس کی طرف؟ پانی کی طرف، اور وہ ماء مستعمل بنے گا۔ تو یہ گناہ منتقل ہوتے ہی نہیں بغیر نیکی کے بدن سے بھئی، بغیر نیکی کے۔ تو نیکی کب بنے گا وضو؟ عبادت کب بنے گا؟ جب اس میں باقاعدہ نیت کی ہو گی، اس وقت گناہ اس کی طرف منتقل ہوں گے اور پھر اس کو کہا جائے گا کہ یہ ماء مستعمل ہے، یہ استعمال ہو چکا۔ « لِأَنَّ الِاسْتِعْمَالَ بِانْتِقَالِ نَجَاسَةِ الْآثَامِ إِلَيْهِ » اس لیے کیونکہ استعمال کرنا جو ہے وہ، آثام گناہ بھئی، وہ گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہونے سے ہو گا، « وَإِنَّهَا تُزَالُ بِالْقُرْبَةِ » اور گناہ جو ہیں یہ تو جھڑتے ہیں، یہ تو زائل ہوتے ہیں « بِالْقُرْبَةِ » کس کی وجہ سے؟ قربت کی وجہ سے۔

« وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: إِسْقَاطُ الْفَرْضِ مُؤَثِّرٌ أَيْضًا » امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فرض کا ساقط کرنا بھی موثر ہے۔ « فَيَثْبُتُ الْفَسَادُ بِالْأَمْرَيْنِ » تو فساد دونوں صورتوں میں ثابت ہو گا بھئی، دونوں امروں سے۔ بھئی دیکھیے، اسقاط فرض بھی موثر ہے، اسقاط فرض کا کیا معنی؟ بھئی دیکھیے، قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: جب تم نماز کا ارادہ کرو تو کیا کر لو؟ وضو کر لو۔ جب نماز کا ارادہ کرو تو وضو کر لو۔ معلوم ہوا کہ جب بھی نماز کا ارادہ ہو، اس وقت پاکی حاصل کرنا فرض ہے اگر انسان پاک نہ ہو۔ نماز کے لیے پاکی کی شرط ہے یا پاکی کی شرط نہیں ہے بھئی؟ پاکی کی شرط ہے۔ معلوم ہوا یہ فرض ہے بھئی، فرض ہے نماز کے لیے۔ تو جب ایک شخص وضو کرتا ہے، بغیر نیت کے کرتا ہے، بغیر نیت کے، تو یہ فرض اس کے ذمے سے ساقط ہو گیا یا ساقط نہیں ہوا؟ وضو کیا اس نے بغیر نیت کے، ثواب تو ٹھیک ہے نہیں ملا، لیکن اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں پڑھ سکتا؟ معلوم ہوا وہ فرض ساقط ہو گیا، اس کا وضو ہو چکا ہے، اسے پاکی حاصل ہو چکی ہے کیونکہ پانی کا کام ہی کیا ہے، وہ نجاست کو بہا کر لے جاتا ہے، چاہے نیت کی ہو یا نیت نہ کی ہو۔ تو دیکھو بغیر نیت کے بھی وضو کرے تو فرض تو ذمے سے ساقط ہو گیا۔ تو وہ فرماتے ہیں اسقاط فرض بھی موثر ہے، اس کی وجہ سے بھی ماء کیا بنے گا؟ مستعمل۔ صرف قربت کی وجہ سے نہیں مستعمل کہلائے گا پانی، بلکہ اسقاط فرض بھی اثر پڑے گا اس کا اور اس کی وجہ سے بھی پانی کیا کہلائے گا؟ مستعمل کہلائے گا۔ اسی لیے انہوں نے کیا کہا تھا: « هُوَ مَاءٌ أُزِيلَ بِهِ حَدَثٌ » کیونکہ وہ پانی جس کے ذریعے حدث زائل کیا گیا اس سے اسقاط فرض ہوا ہے، فرض ذمے سے ساقط ہوا، انسان کو طہارت حاصل ہو گئی۔ لہٰذا دونوں چیزوں کی وجہ سے پانی کا فساد ثابت ہو گا۔ قربت کی وجہ سے بھی، کیونکہ قربت کا ذکر آ گیا، اس کی وجہ سے کیا ہوتا ہے؟ گناہ پانی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور نیت نہ کی ہو تو اس کی وجہ سے بھی پانی کا فاسد ہونا یعنی مستعمل ہونا ثابت ہو جائے گا، کیونکہ بغیر نیت کے بھی وضو کرے گا تو فرض ذمے سے کیا ہو جائے گا؟ ساقط ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

یہ بات کر رہے ہیں: « وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: إِسْقَاطُ الْفَرْضِ مُؤَثِّرٌ أَيْضًا » اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: « إِسْقَاطُ الْفَرْضِ مُؤَثِّرٌ أَيْضًا » کہ فرض کا ساقط کرنا یہ بھی موثر ہے بھئی استعمال میں، « فَيَثْبُتُ الْفَسَادُ بِالْأَمْرَيْنِ » تو پانی کا فاسد ہونا ثابت ہو جائے گا دونوں امروں میں، یعنی قربت کی صورت میں بھی اور ازالۂ حدث کی صورت میں بھی، جیسے انہوں نے متن میں بیان کیا۔

■ مسئلہ: وَمَتَى يَصِيرُ الْمَاءُ مُسْتَعْمَلًا؟

« وَمَتَى يَصِيرُ الْمَاءُ مُسْتَعْمَلًا؟ » اور پانی مستعمل کب بنے گا؟ کب اس کو ماء مستعمل کہیں گے؟ تو یاد رکھیے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ ماء مستعمل تب کہلائے گا اور تب بنے گا جب اعضاء سے جدا ہو کر کسی برتن میں اکٹھا ہو جائے۔ کسی جگہ پر وہ پانی کیا ہو جائے؟ اکٹھا ہو جائے، تو وہ اکٹھا ہونے کے بھی اعتبار کرتے ہیں، کہ بدن سے آپ نے وضو کیا، ہاتھ، منہ، چہرے وغیرہ کو دھویا، اور وہ پانی کسی برتن وغیرہ میں اکٹھا ہو گیا، اب اس کو کیا کہیں گے؟ ماء مستعمل کہیں گے۔ صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں: نہیں، اکٹھا ہونا ضروری نہیں ہے، بس جب بدن سے جدا ہو گا تو فوراً یہ کیا ہو گا؟ ماء مستعمل کہلائے گا بھئی، جدا ہوتے ہی۔ اعضاء سے پانی جدا، آپ وضو کر رہے ہیں، ہاتھ دھو رہے ہیں، جوں جوں پانی آپ کے ہاتھ سے جدا ہوتا جا رہا ہے، وہ مستعمل بنتا جا رہا ہے، چاہے کسی برتن وغیرہ میں اکٹھا ہو یا اکٹھا نہ ہو۔ جبکہ دوسرے کیا فرماتے تھے بعض علماء کہ جب وہ اکٹھا ہو جائے گا، پھر اس کو کیا کہا جائے گا؟ ماء مستعمل کہا جائے گا۔

کہتے ہیں: «وَمَتَى يَصِيرُ الْمَاءُ مُسْتَعْمَلًا؟» اور کب بنے گا پانی مستعمل؟ «الصَّحِيحُ» صحیح قول یہ ہے «أَنَّهُ كَمَا زَالَ عَنِ الْعُضْوِ صَارَمُسْتَعْمَلًا» «كَمَا»، «كَمَا» کے اندر یاد رکھیے، یہ کاف مفاجاتیہ ہے۔ کاف کیا ہے؟ مفاجاتیہ۔ آپ نے اذا مفاجاتیہ پڑھا ہے، اس کا کیا معنی ہوتا ہے؟ اچانک یعنی فوراً، فوراً، اچانک یعنی فوراً۔ «كَمَا» تو یہاں بھی اسی طرح: «أَنَّهُ كَمَا زَالَ عَنِ الْعُضْوِ» کہ جیسے ہی یہ جدا ہو گا عضو سے، جیسے ہی جدا ہو گا عضو سے، «صَارَ مُسْتَعْمَلًا» تو یہ کیا بن جائے گا؟ مستعمل، یعنی فوراً ہی مستعمل بن جائے گا عضو سے جدا ہوتے ہی۔ «لِأَنَّ سُقُوطَ حُكْمِ الِاسْتِعْمَالِ قَبْلَ الِانْفِصَالِ لِلضَّرُورَةِ، وَلَا ضَرُورَةَ بَعْدَهُ»۔

بھئی دیکھیے، ہونا تو یہ چاہیے، آپ وضو کرتے ہیں، مثلاً آپ نے ہاتھ پر پانی ڈالا، یہ پانی بہتا ہوا ہاتھ کے اگلے حصے کی طرف جاتا ہے یا نہیں جاتا بھئی؟ یا جہاں پڑتا ہے وہیں رک جاتا ہے؟ ہاں، وہ بہے گا، لازمی بات ہے پانی بہتا ہے، تو آپ نے ہاتھ پر پانی ڈالا، وہ بہہ کر آگے کی طرف چلا گیا۔ تو ہونا تو یہ چاہیے، یہ پانی اس مقام پر ہاتھ کے پڑا ہے، اس مقام سے جیسے ہی آگے گیا، اس کو کیا کہنا چاہیے؟ ماء مستعمل کہنا چاہیے، لیکن اگر یہ حکم لگا دیا جائے، پھر تو لوگ بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے بھئی، پھر کیونکہ پانی تو جب بھی عضو پر ڈالیں گے، وہ بہہ کر آگے عضو پر پورے عضو تک پہنچے گا بھئی۔ تو لہٰذا جب تک جدا نہیں، اس وقت تک ضرورت کی بناء پر اس پر مستعمل ہونے کا حکم نہیں لگایا گیا، اور جب جدا ہو گیا، اب ضرورت نہ رہی، لہٰذا اب اس پر کیا حکم لگا دیا گیا؟ مستعمل ہونے کا حکم لگا دیا گیا۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّ سُقُوطَ حُكْمِ الِاسْتِعْمَالِ قَبْلَ الِانْفِصَالِ» آخر سے ترجمہ کریں: «لِأَنَّ سُقُوطَ حُكْمِ الِاسْتِعْمَالِ قَبْلَ الِانْفِصَالِ» اس لیے کیونکہ جدا ہونے سے پہلے استعمال کا جو حکم ساقط ہوا ہے، «لِلضَّرُورَةِ» وہ کس بناء پر ہے؟ ضرورت اور حاجت کی وجہ سے ہے، «وَلَا ضَرُورَةَ بَعْدَهُ» اور انفصال کے بعد اب ضرورت نہیں، تو اب اس کو ماء مستعمل قرار دیا جائے گا۔

■ مسئلہ: وَالْجُنُبُ إِذَا انْغَمَسَ فِي الْبِئْرِ لِطَلَبِ...

«وَالْجُنُبُ إِذَا انْغَمَسَ فِي الْبِئْرِ لِطَلَبِ الدَّلْوِ، فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: الرَّجُلُ بِحَالِهِ لِعَدَمِ الصَّبِّ وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَهُ لِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ، وَالْمَاءُ بِحَالِهِ لِعَدَمِ الْأَمْرَيْنِ»۔ صورت مسئلہ یہ ہے: ایک آدمی ہے اور جنابت کی حالت میں ہے۔ بدن پر کوئی نجاست نہیں لگی ہوئی، کوئی نجاست وغیرہ تھی، اس کو وہ صاف کر چکا ہے، لیکن حالت کون سی ہے اس کی؟ جنابت والی ہے یعنی نجاست حکمیہ ہے بھئی، حدث اکبر ہے بھئی، اور بدن پر کوئی نجاست وغیرہ نہیں لگی ہوئی۔ یہ پانی، یہ شخص اب کنویں کے اندر غوطہ لگاتا ہے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، یا اس میں کوئی چیز ڈول وغیرہ گر گیا اس کو نکالنے کے لیے۔ اس، یہ آدمی جو جنبی تھا، اس نے کنویں کے اندر غوطہ لگایا اور پھر نکل آیا بھئی۔ اب کیا حکم لگایا جائے گا کہ یہ آدمی پاک ہوا یا پاک نہیں ہوا، جنابت ختم ہوئی یا نہیں ہوئی؟ کنویں کے پانی پر کیا حکم لگے گا کہ وہ پاک ہے یا وہ نجس ہو چکا ہے بھئی؟ تو یہ مسئلہ اب ذکر کر رہے ہیں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جب اس نے اس طرح غوطہ لگایا اور جنابت کی حالت میں تھا، تو جب وہ نکلے گا تو بھی اسی طرح جنبی ہے۔ اگرچہ سارے بدن پر پانی لگ چکا ہے، لیکن پھر بھی وہ جنبی ہے، اور پانی بھی اپنی حالت پر ہے یعنی پہلے طاہر تھا اب بھی کیا ہے؟ طاہر ہے۔ آدمی بھی اپنی حالت پر، پانی بھی اپنی حالت پر۔ آدمی پہلے بھی جنبی تھا، اب بھی کیا ہے؟ جنبی ہے۔ پانی پہلے بھی پاک تھا، اب بھی کیا ہے؟ پاک ہے۔ اور یہ یاد رکھیے، کنویں کا ذکر کیا، مراد ہے جس میں ماء قلیل ہے، ماء کثیر نہیں، ماء کثیر کا حکم یہاں بیان نہیں۔ کنواں تھا، اس میں زیادہ پانی نہیں تھا، دہ در دہ سے کم ہے، اس کے اندر اب اس آدمی نے، جنبی نے غوطہ لگایا، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ وہ آدمی اب بھی جنبی ہے۔ وجہ اس کی کیا؟ وجہ اس کی یہ کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بدن پر پانی کا بہانا ضروری ہے، تب ہی فرض ساقط ہو گا۔ تب ہی کیا ہو گا؟ بھئی طہارت حاصل کرنے کے لیے ان کے نزدیک ضروری ہے کہ بدن کو پانی لگے نہ، بلکہ اس پر باقاعدہ پانی کو بہایا جائے بھئی، پھر کیا ہو گی؟ پاکی حاصل ہو گی۔ اور یہاں اس نے غوطہ لگایا ہے، تو بدن پر پانی تو لگا تو ہے، لیکن پانی کا بہانا تو نہیں پایا گیا، اور وہ تو ان کے نزدیک شرط تھی، لہٰذا آدمی پاک نہیں ہوا، کیونکہ طہارت کے لیے کیا شرط تھی؟ بدن پر پانی کو بہا دے، لیکن اس نے تو پانی بدن پر نہیں بہایا۔ لہٰذا وہ نجاست حکمیہ بدن سے زائل نہیں ہوئی۔ اور جب نجاست حکمیہ بدن سے زائل نہیں ہوئی تو پانی کی طرف منتقل بھی نہیں ہوئی، تو پانی بھی اپنی حالت پر اسی طرح پاک اور آدمی بھی اپنی حالت پر اسی طرح جنبی ہے بھئی، جنبی۔

«وَالْجُنُبُ إِذَاانْغَمَسَ» «اِنْغَمَسَ، يَنْغَمِسُ» کے معنی ہوتے ہیں غوطہ لگانے کے، «وَالْجُنُبُ إِذَا انْغَمَسَ فِي الْبِئْرِ» اور جنبی نے جب غوطہ لگایا کنویں کے اندر «لِطَلَبِ الدَّلْوِ» ڈول نکالنے کے لیے، «فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: الرَّجُلُ بِحَالِهِ» تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ آدمی اپنی حالت پر ہے یعنی جنبی ہے، «لِعَدَمِ الصَّبِّ» «صَبّ» کا معنی ہے بہانا، «لِعَدَمِ الصَّبِّ» بہانا نہیں پایا گیا یعنی پانی کا بہانا جسم پر نہیں پایا گیا، «وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَهُ لِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ» اور وہ شرط ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فرض کو ساقط کرنے کے لیے، «وَالْمَاءُ بِحَالِهِ» اور پانی بھی اپنے حال پر ہے یعنی پاک ہے، «لِعَدَمِ الْأَمْرَيْنِ» کیونکہ دونوں چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی گئی، نہ اس پانی کے ذریعے حدث زائل کیا گیا ہے اور نہ اس کو «عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ» استعمال کیا ہے، کیونکہ وہ تو ڈول نکالنے کے لیے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے کنویں میں اترا تھا، اس نے کوئی پاکی کی نیت نہیں کی تھی بھئی، پاکی کی نیت نہیں کی تھی۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: كِلَاهُمَا طَاهِرَانِ...

«وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: كِلَاهُمَا طَاهِرَانِ» امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں پاک ہوگئے۔ دونوں پاک ہیں بھئی۔ پانی پہلے پاک تھا، اب بھی پاک، لیکن آدمی پہلے جنبی تھا، اب وہ پاک ہو گیا۔ تو آدمی بھی پاک اور پانی بھی پاک۔ پانی بھی پاک۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ اس کی یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک طہارت کے لیے بدن پر پانی کا بہانا شرط نہیں ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تو شرط تھی اور وہ شرط نہیں پائی گئی، شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں، پاکی بھی حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بدن پر پانی کا بہانا پاکی حاصل کرنے کے لیے اور اسقاط فرض کے لیے ضروری نہیں، بس بدن کو پانی پہنچ جائے اچھی طرح۔ اور یہاں بدن کو پانی اچھی طرح پہنچ گیا یا نہیں پہنچ گیا؟ لہٰذا وہ آدمی کیا ہے؟ پاک ہے بھئی، نجاست حکمیہ ختم ہوئی۔ اور پانی بھی پاک ہے، بھئی پانی کیوں پاک ہے؟ کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ پانی تب نجس ہو گا جب قربت کی نیت کرے گا، جب قربت کی نیت کرے گا تب ہی جو گناہ ہوں گے وہ منتقل ہو جائیں گے کس کی طرف؟ پانی کی طرف اور وہ کیا بن جائے گا؟ ماء مستعمل۔ لیکن یہاں چونکہ نیت تو اس نے کی نہیں، وہ تو ڈول نکالنے کے لیے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے پانی میں گیا ہے، تو لہٰذا چونکہ قربت نہیں، نیت قربت نہیں پائی گئی، اس لیے ماء مستعمل بھی نہیں، اسی طرح پاک ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں: «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى: كِلَاهُمَا طَاهِرَانِ» امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں پاک ہیں، وہ آدمی بھی اور پانی بھی۔ «الرَّجُلُ لِعَدَمِ اشْتِرَاطِ الصَّبِّ» اور آدمی اس وجہ سے کیونکہ پانی بہانے کی شرط نہیں، نہیں ہے بھئی، ان کے نزدیک پانی بدن پر بہانے کی شرط، یہ ان کے نزدیک شرط ہے ہی نہیں۔ تو پانی میں آدمی گھسا ہے تو پاک ہو گیا ہے۔ «وَالْمَاءُ» اور ماء، پانی جو ہے «لِعَدَمِ نِيَّةِ الْقُرْبَةِ» اور پانی کیوں پاک ہے؟ قربت کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے۔

«وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: كِلَاهُمَا نَجِسَانِ» امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں نجس ہیں بھئی۔ دونوں کیا ہیں؟ نجس ہیں بھئی، ناپاک ہیں۔ کیوں؟ وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: «الْمَاءُ لِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ عَنِ الْبَعْضِ بِأَوَّلِ الْمُلَاقَاةِ»۔ امام صاحب فرماتے ہیں: وہ آدمی ابھی بھی جنبی ہے اور پانی بھی نجس ہو چکا، پانی بھی نجس ہو چکا۔ والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جہاں امام صاحب کا، امام صاحب سے صاحبین یا ان میں سے کوئی ایک اختلاف کرتا ہے تو اس کی وجہ دراصل یہ ہوتی ہے کہ امام صاحب مسئلے کی اتنی گہرائی میں چلے جاتے ہیں کہ اس گہرائی تک پہنچنا کسی اور کے بس کی بات ہی نہیں ہوتی بھئی۔ تو امام صاحب کیا فرما رہے ہیں؟ وہ آدمی بھی کیا ہے؟ نجس یعنی ناپاک ہے یعنی جنابت کی حالت میں ہے، اور پانی بھی نجس ہو چکا ہے، ناپاک ہو چکا ہے۔ وجہ یہ، وہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی اس شخص نے اپنے بدن کے کسی حصے کو پانی میں اولاً ڈالا، پہلے ہاتھ داخل کیا یا پہلے پاؤں کو داخل کیا، تو اول ملاقات کے ساتھ ہی وہ، وہ پانی نجس ہو گیا۔ وہ پانی کیا ہوا؟ نجس، کیونکہ امام صاحب کے نزدیک بھی تو بدن پر پانی بہانے کی شرط تو نہیں ہے، بدن پر پانی بہانے کی شرط پاکی حاصل کرنے کے لیے، بس پانی پہنچنا چاہیے، تو نجاست اس کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ تو جیسے ہی اس نے پاؤں اس میں داخل کیا، تھوڑا سا حصہ ہی داخل کیا، اس حصے سے نجاست حکمیہ منتقل ہو گئی کس کی طرف؟ پانی کی طرف، تو یہ جو تھوڑا سا حصہ ہے یہ پاک ہو گیا، اس سے نجاست حکمیہ ختم ہوئی۔ یا مثلاً ہاتھ داخل کیا تھا ابھی صرف ہاتھ، ہتھیلی تک، تو یہ حصہ کیا ہوا؟ اس سے نجاست حکمیہ ختم ہوئی اور وہ منتقل ہوئی پانی کی طرف اور وہ پانی نجس ہوا، اور ماء تو ماء قلیل ہے، لہٰذا سارا پانی کیا ہو گیا؟ نجس ہو گیا بھئی۔ اور سارا پانی جب نجس ہوا پھر وہ آدمی کا ابھی صرف ایک حصہ داخل ہوا تھا تو یہ حکم لگ چکا، پانی کیا ہو چکا؟ نجس، اور پھر اس کے اندر وہ پورا آدمی داخل ہو گیا۔ اب وہ کس پانی میں داخل ہوا ہے؟ پاک میں یا نجس میں؟ نجس میں۔ اور نجس پانی کے ساتھ پاکی حاصل ہوتی ہے، وضو یا غسل ہوتا ہے اس سے؟ اس سے وضو یا غسل تو ہوتا ہی نہیں، لہٰذا جنابت باقی بدن پر اسی طرح ہے بھئی۔ تو پانی بھی نجس ہوا اور وہ آدمی بھی جنبی ہے ابھی تک بھئی۔

تو امام صاحب فرماتے ہیں: «كِلَاهُمَا نَجِسَانِ» دونوں نجس ہیں، دونوں ناپاک ہیں۔ «الْمَاءُ لِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ عَنِ الْبَعْضِ بِأَوَّلِ الْمُلَاقَاةِ» اس لیے کیونکہ پانی جو ہے وہ فرض کے ساقط ہو جانے کی وجہ سے ہے «عَنِ الْبَعْضِ» بعض حصے سے «بِأَوَّلِ الْمُلَاقَاةِ» پہلی ملاقات، پہلی ملاقات ہی کے ساتھ وہ بعض حصے سے فرض ساقط ہوا، اس سے نجاست حکمیہ کس کی طرف منتقل ہو گئی؟ پانی کی طرف، تو وہ پانی نجس ہوا اور پھر سارا نجس ہو گیا۔ «وَالرَّجُلُ لِبَقَاءِ الْحَدَثِ فِي بَقِيَّةِ الْأَعْضَاءِ» اور رجل جو ہے وہ بقیہ اعضاء کے اندر حدث کے باقی رہنے کی وجہ سے ہے بھئی، جنبی ہے۔

■ مسئلہ: وَقِيلَ:

«وَقِيلَ:» اور بعضوں نے کہا کہ امام صاحب جو فرماتے ہیں دونوں نجس ہیں، اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ آدمی ابھی بھی جنابت کی حالت میں ہے، بلکہ جنابت اس کی ختم ہو چکی ہے، جنابت سے وہ پاک ہو چکا ہے، لیکن وہ آدمی ناپاک اس لیے ہے کیونکہ اس کے سارے بدن پر ناپاک پانی لگ گیا ہے۔ کیا ہے؟ سارے بدن پر ناپاک پانی لگا ہے، تو جنبی تو نہیں، لیکن بہر حال پانی کون سا لگا؟ ناپاک لگا، اس لیے یہ اس پانی کی وجہ سے ناپاکی ہے اس آدمی پر، جنابت والی ناپاکی نہیں ہے۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: «وَقِيلَ عِنْدَهُ: نَجَاسَةُ الرَّجُلِ بِنَجَاسَةِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ» کہ ان کے، امام صاحب کے نزدیک آدمی کا نجس ہونا جو ہے وہ ماء مستعمل کی نجاست کی وجہ سے ہے، کیونکہ وہ پانی میں گھسا اور وہ ماء کیا بن گیا؟ ماء مستعمل، اس سے نجاست حکمیہ تو بدن سے دور ہو گئی، لیکن یہ اسی کے اندر ہے، اب نکلے گا تو کس پانی سے نکل رہا ہے؟ نجس پانی

سبق نمبر ۲۰: مسئلہ: وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ هُوَ مَاءٌ أُزِيلَ بِ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سے نکل رہا ہے، تو اب ناپاکی ہے لیکن جنابت نہیں ہے بھئی۔

«وَعَنْهُ:» اور یہ بھی ایک روایت ہے امام صاحب سے «أَنَّ الرَّجُلَ طَاهِرٌ» کہ آدمی پاک ہے۔ پانی ناپاک اور آدمی پاک۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْمَاءَ لَا يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الِاسْتِعْمَالِ قَبْلَ الِانْفِصَالِ» اس لیے کیونکہ پانی جو ہے اس کو استعمال کا حکم نہیں دیا جاتا جدا ہونے سے پہلے۔ ماء مستعمل کس کو کب اس کو کہتے ہیں پانی کو؟ جب وہ عضو سے جدا ہو جائے، تو یہ آدمی اس پانی کے اندر گھسا تو اس کے سارے بدن پر پانی لگ گیا اور بدن پر پانی بہانے کی شرط امام صاحب کے نزدیک نہیں تھی، لہٰذا سارے بدن پر جب اچھی طرح پانی لگا تو نجاست حکمیہ ختم ہوئی، نجاست حکمیہ ختم ہوئی۔ لیکن یہ ماء ابھی بھی مستعمل نہیں، مستعمل اس کو کب کہیں گے؟ یہ جب بدن سے جدا ہو جائے گا، اور بدن سے کب جدا ہو گا؟ جب یہ آدمی اس سے نکل آئے گا، اور جب نکل آیا تو خود تو پاک ہے، لیکن پیچھے پانی کیا ہوا؟ وہ ناپاک ہے بھئی۔ یہ معنی ہے «أَنَّ الرَّجُلَ طَاهِرٌ» کہ وہ آدمی پاک ہے، «لِأَنَّ الْمَاءَ لَا يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الِاسْتِعْمَالِ قَبْلَ الِانْفِصَالِ» اس لیے کیونکہ پانی جو ہے اس کو استعمال کا حکم نہیں دیا جاتا قبل الانفصال جدا ہونے سے پہلے، «وَهُوَ أَوْفَقُ الرِّوَايَاتِ عَنْهُ» صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: یہ جو امام صاحب سے روایات کی گئیں تین روایتیں، ان میں سے یہ سب سے زیادہ موافق روایت ہے ان کی، یعنی جو فقہ کے موافق ہے۔ امام صاحب سے جو روایتیں تین نقل ہوئیں اوپر بھئی، ان میں سے یہ والی جو آخری روایت ہے، یہ فقہ کے سب سے زیادہ موافق ہے یعنی ان کے اصولوں سے اور فقہ کے اصولوں سے زیادہ موافق ہے، کیونکہ ماء مستعمل تب ہی اس پانی کو کہیں گے جب بدن سے کیا ہو جائے؟ جدا ہو جائے، تو پہلے یہ تو ثابت کیا جائے کہ یہ ماء مستعمل ہے، اور ماء مستعمل تب ہی ثابت ہو گا جب کیا ہو گا؟ بدن سے، تو اس سے پہلے ماء مستعمل، ماء کا مستعمل ہونا ہی ثابت نہیں بھئی، لہٰذا یہ روایت جو ہے فقہ کے زیادہ موافق ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ معلوم ہو صاحب ہدایہ اس کو ترجیح دے رہے ہیں بھئی کہ وہ آدمی پاک ہو جائے گا، لیکن پانی کیا ہو گا؟ ناپاک ہو گا۔

«قَالَ: وَكُلُّ إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ جَازَتِ الصَّلَاةُ فِيهِ وَالْوُضُوءُ مِنْهُ إِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيرِ وَالْآدَمِيِّ» ۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں: «وَكُلُّ إِهَابٍ» اور ہر کھال «دُبِغَ» جسے، ہر ایسی کھال کہ «دُبِغَ» جسے دباغت دے دی جائے «فَقَدْ طَهُرَ» تو تحقیق وہ پاک ہو گئی۔ دباغت بھئی، یہ چمڑے کو استعمال کے قابل بنانے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے جانور کی کھال بدبو اور خراب ہونے سے محفوظ ہو جائے۔ بھئی جانور کو ذبح کیا گیا اور اس کی کھال اتاری گئی، اب یہ کھال ہے، اس کو ویسے رکھیں گے، یہ تو خراب ہو جائے گی، بدبودار ہو جائے گی، تو کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس کی وجہ سے یہ کھال بدبو اور خراب ہونے سے محفوظ ہو جائے، وہ سب اس کے اندر آجائیں گے دباغت کے اندر۔ البتہ ویسے اس کے لیے خاص طریقے ہوتے ہیں، مختلف قسم کے مصالحے وغیرہ یا چیزیں لگائی جاتی ہیں یا پکایا جاتا ہے اور پھر اس کو محفوظ بنایا جاتا ہے بھئی۔ جی، لیکن آگے آپ کو بتائیں گے کہ یہاں صرف دباغت سے وہ مخصوص طریقے سے دباغت دینا مراد نہیں، بلکہ کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کر لیا جائے جس سے وہ کھال محفوظ ہو جائے تو یہ کھال مدبوغ ہو گی بھئی، اور اس سے اس کو پہن کر نماز پڑھنا بھی جائز، اس سے جائے نماز بنانا بھی جائز، اور اس کے اندر مشکیزہ بنا کر اس کے پانی سے وضو وغیرہ کرنا بھی جائز ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَكُلُّ إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ جَازَتِ الصَّلَاةُ فِيهِ وَالْوُضُوءُ مِنْهُ» ہر ایسی کھال جس کو دباغت دے دی گئی «فَقَدْ طَهُرَ» تو تحقیق وہ پاک ہو جائے گی، «جَازَتِ الصَّلَاةُ فِيهِ» اس میں نماز جائز ہے یعنی اس کو پہن کر نماز جائز ہے، «وَالْوُضُوءُ مِنْهُ» اور اس سے وضو کرنا یعنی اس کے پانی سے وضو کرنا بھی جائز ہے بھئی۔ اس پر نماز پڑھنا اس کو ذکر نہیں فرمایا، کیونکہ جب اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز تو اس کے اوپر نماز پڑھنا بطریق اولیٰ جائز ہو گا بھئی۔ «إِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيرِ» سوائے خنزیر کی کھال کے «وَالْآدَمِيِّ» اور آدمی کی کھال کے بھئی۔ خنزیر کی کھال اس لیے کیونکہ خنزیر نجس العین ہے بھئی، اس کی پوری ذات ہی کیا ہے؟ ناپاک ہے، وہ پاک کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتی۔ اور آدمی کی کھال کہتے ہیں اس کی شرافت اور کرامت کی وجہ سے، انسان کو اللہ نے بڑی عزت نصیب فرمائی ہے، اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے، اور قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ» ہم نے بنی آدم کو معزز بنایا ہے، معزز کیا ہے۔

■ مسئلہ: لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

«لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے، دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ کھال دباغت کی وجہ سے اس سے وضو اور اس میں نماز کیوں جائز ہوتی ہے؟ کہتے ہیں: حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے: «أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ» جس کھال کو بھی دباغت دے دی گئی تو تحقیق وہ پاک ہو گئی۔ «وَهُوَ بِعُمُومِهِ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ فِي جِلْدِ الْمَيْتَةِ» اور یہ حدیث اپنے عموم کے اعتبار سے بھئی، یہ دلیل ہے امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف، «عَلَى» کس لیے آتا ہے؟ ضرر کے لیے، تو یہاں کیا ترجمہ کریں گے؟ خلاف۔ یہ دلیل ہے امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف «فِي جِلْدِ الْمَيْتَةِ» مردار کی کھال۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھئی مردار کی کھال اتاری جائے، وہ دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی۔ مردار، کوئی جانور مر گیا اور اس کی کھال اتار دی گئی بھئی فوراً ہی، اور پھر اس کو دباغت دی گئی، تو بھی دباغت دینے سے بھی یہ پاک نہیں ہو گی۔ وہ حدیث ذکر کرتے ہیں بھئی، آگے اسی سطر کے آخر میں حدیث آ رہی ہے: «لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ» تم لوگ نفع نہ اٹھاؤ مردار سے «بِإِهَابٍ» ساتھ اس کی کھال کے، یعنی مردار کی کھال سے تم لوگ نفع نہ اٹھاؤ۔ تو اس حدیث میں منع کیا گیا باقاعدہ، معلوم ہوا مردار کی کھال جو ہے

سبق نمبر ۲۰: مسئلہ: وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ هُوَ مَاءٌ أُزِيلَ بِ...

اس سے نفع اٹھانا اور دباغت، معلوم ہوا دباغت دینے سے بھی وہ پاک نہیں ہوگی، اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے بھئی۔

صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں: «وَهُوَ بِعُمُومِهِ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي جِلْدِالْمَيْتَةِ» یہ حدیث جو ہم نے ذکر کی یہ اپنے عموم کے ساتھ، اپنے عموم کے اعتبار سے یہ امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف بھی دلیل ہے مردار کی کھال میں، کس کی کھال میں؟ مردار کی، کیونکہ اس حدیث کے اندر آیا «أَيُّمَا إِهَابٍ» جس کھال کو بھی «دُبِغَ» اس کو دباغت دے دی گئی «فَقَدْ طَهُرَ» تو وہ کیا ہو جائے گی؟ پاک ہو جائے گی۔ اس میں کوئی مردار کا استثناء ہے؟ مردار کا استثناء نہیں۔ جس کھال کو بھی دباغت دے دی گئی وہ کیا ہو جائے گی؟ پاک ہو جائے گی، چاہے وہ ذبح شدہ جانور کی ہو، چاہے مردار کی ہو جو خود مرا ہے بھئی۔ تو یہ حدیث عام ہے، مردار کو بھی شامل اور غیر مردار کو بھی شامل، تو یہ اس میں عموم ہے، تو یہ اپنے عموم کے اعتبار سے امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف بھی دلیل بن گئی مردار کی کھال میں۔

اس پر اشکال ہوتا ہے: بھئی امام مالک رحمہ اللہ نے تو جو حدیث ذکر کی، اس میں تو نفع، مردار کی کھال سے نفع اٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔ صاحب ہدایہ اس کا جواب دے رہے ہیں: «وَلَا يُعَارِضُ بِالنَّهْيِ الْوَارِدِ عَنِ الِانْتِفَاعِ مِنَ الْمَيْتَةِ» اور یہ جو ہم نے حدیث ذکر کی یہ معارض نہیں ہے یعنی مقابل نہیں ہے، کس کے مقابل؟ «بِالنَّهْيِ الْوَارِدِ» وہ جو نہی وارد ہوئی ہے، وہ جو نہی آئی ہے «عَنِ الِانْتِفَاعِ مِنَ الْمَيْتَةِ» مردار سے نفع اٹھانے سے۔ مردار سے جو نفع اٹھانے کے بارے میں جو نہی آئی ہے یعنی وہ جو اگلی حدیث ہے، اس میں کیا کیا گیا ہے؟ منع کیا گیا ہے، نہی آئی ہے، تو اس میں جو مردار سے نفع اٹھانے کے بارے میں نہی وارد ہوئی ہے، اس کے یہ حدیث مقابل نہیں، یعنی دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، دونوں میں کوئی، دونوں ایک دوسرے کے مقابل نہیں بھئی۔ کس طرح نہیں مقابل؟ یہاں تو باقاعدہ ذکر ہو رہا ہے؟ بھئی جواب یہ، وجہ یہ، آگے ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ خود بھی، کہ اس حدیث میں اہاب کا لفظ آیا، اہاب: «لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ» اور اہاب کہتے ہیں کچی کھال کو جس کو ابھی دباغت نہ دی گئی ہو۔ تو اہاب نام ہے غیر مدبوغ کھال کا، تو حضور علیہ السلام غیر مدبوغ کھال سے نفع اٹھانے سے منع فرمارہے ہیں، نہ کہ دباغت دی ہوئی بھئی۔ جب دباغت دے دی جائے چمڑے کو تو پھر اس کو اہاب نہیں کہتے، اس کو ادیم کہتے ہیں، ادیم، الف دال یا میم، ادیم۔ تو حدیث کے اندر کس کھال سے نفع اٹھانے سے منع فرمایا گیا ہے؟ غیر مدبوغ کھال سے، اور ہم نے بھی غیر مدبوغ کی تو بات نہیں کی، ہم تو کس کی بات کر رہے ہیں؟ دباغت دی ہوئی کھال کی بات کر رہے ہیں، تو اس میں غیر مدبوغ کا ذکر اور یہاں دباغت دینے کے بعد پاک ہونے کا ذکر، تو دونوں میں کوئی ٹکراؤ اور تقابل نہیں ہے بھئی۔ يَرْحَمُكَ اللَّهُ۔

تو کہتے ہیں: «وَلَا يُعَارِضُ بِالنَّهْيِ الْوَارِدِ عَنِ الِانْتِفَاعِ مِنَ الْمَيْتَةِ» اور یہ حدیث مقابل نہیں ہے اس نہی کے جو آئی ہے مردار سے نفع اٹھانے کے بارے میں، «وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ:» اور وہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ» تم لوگ نفع نہ اٹھاؤ مردار کی کھال سے، «لِأَنَّهُ اسْمٌ لِغَيْرِالْمَدْبُوغِ» اس لیے کیونکہ اہاب جو ہے یہ نام ہے غیر مدبوغ کا، جس کھال کو دباغت نہ دی گئی ہو اس کا نام اہاب ہے، اور دباغت کے بعد اس کو کیا کہتے ہیں عربی میں؟ ادیم کہتے ہیں۔

■ مسئلہ: وَحُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي جِلْدِ الْكَلْبِ

«وَحُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي جِلْدِالْكَلْبِ» اور یہی حدیث جو ہے یہ دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف بھی «فِي جِلْدِالْكَلْبِ» کتے کی کھال میں۔ کتے کی کھال کو بھی دباغت اگر دے دی جائے تو وہ پاک ہو جائے گی بھئی، وہ کھال بھی کیا ہو جائے گی؟ پاک ہو جائے گی بھئی۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتے کی کھال دباغت دینے سے بھی پاک نہیں ہوگی، کیونکہ کتا بھی خنزیر کی طرح نجس العین ہے، اس کی پوری ذات ہی کیا ہے؟ ناپاک ہے۔ ہم کہتے ہیں: نہیں، صحیح قول یہی کہ کتا نجس العین نہیں ہے، اسی لیے کتے کے ساتھ، کتے کو پہرے داری کے لیے رکھنا اور کتے کو شکار، کتے کے ساتھ شکار کرنے کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے، اس کی اجازت دی ہے، معلوم ہوا کتا نجس العین نہیں۔ اگر نجس العین ہوتا تو پھر پہرے داری یا شکار کے لیے بھی اس کے استعمال کی اجازت نہ ہوتی بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَحُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي جِلْدِالْكَلْبِ» اور یہ حدیث دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف بھی «فِي جِلْدِالْكَلْبِ» کتے کی کھال میں، «وَلَيْسَ الْكَلْبُ نَجِسَ الْعَيْنِ» اور کتا جو ہے وہ نجس العین نہیں، «أَلَا تَرَى أَنَّهُ يُنْتَفَعُ بِهِ حِرَاسَةً وَاصْطِيَادًا» کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس کتے سے نفع اٹھایا جاتا ہے «حِرَاسَةً» پہرے داری کے لیے، بطور پہرے داری کے، «وَاصْطِيَادًا» اور بطور شکار کے؟ «بِخِلَافِ الْخِنْزِيرِ» بخلاف خنزیر کے، «لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ» کیونکہ وہ تو نجس العین ہے، وہ خنزیر کیا ہے؟ نجس العین ہے یعنی اس کی پوری ذات ہی نجس ہے، «إِذِ الْهَاءُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ مُنْصَرِفٌ إِلَيْهِ» اس لیے کیونکہ ہا جو آرہی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے اندر «﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾»، «﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾» اس کے اندر جو ہا آئی «﴿فَإِنَّهُ﴾» یہ ہا ضمیر بھئی، یہ «مُنْصَرِفٌ إِلَيْهِ» یہ پلٹ رہی ہے اس کی طرف یعنی خنزیر کے لفظ کی طرف لوٹ رہی ہے یہ حدیث بھئی، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں بھئی، یہ بین السطور آپ کے آیت دی ہوئی ہے: ﴿قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾۔

اللہ فرماتے ہیں: ﴿قُل﴾ اے پیغمبر! آپ فرما دیجیے: ﴿لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ﴾ کہ میں نہیں پاتا اس میں جو میری

طرف وحی کی گئی ہے کوئی حرام کی ہوئی چیز ﴿عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ﴾ ایسے شخص پر جو اس کو کھانے والا ہے۔ ﴿مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ﴾، طاعم کہتے ہیں کھانے والا، ﴿يَطْعَمُهُ﴾ جو اس کو کھاتا ہے، جو اس کو کھائے۔ اللہ فرمارہے ہیں کہ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے: میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی کی گئی ہے کوئی حرام چیز ﴿عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ﴾ کسی کھانے والے پر جو اس کو کھائے، ﴿إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً﴾ مگر یہ کہ وہ چیز کیا ہو؟ مردار ہو، یعنی یہ حرام ہے، ﴿أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا﴾ یا بہنے والا خون ہو، ﴿أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ﴾ یا خنزیر کا گوشت ہو، ﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ کیونکہ وہ گندگی ہے، وہ ناپاکی ہے، تو یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ خنزیر کو، کیونکہ وہ خنزیر کیا ہے؟ گندگی ہے، نجاست ہے، ﴿أَوْ فِسْقًا﴾ یا ایسا فسق، یعنی ایسا ناجائز ذبیحہ ﴿أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ جس پر اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیا گیا ہو۔ ذبح کا کیا طریقہ ہے؟ اس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کرنا ضروری ہے بھئی، تو اگر اللہ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا تو وہ ذبیحہ کیا ہے؟ حرام ہے بھئی، تو فسق سے مراد وہ ہے، وہ ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیا گیا ہو بھئی۔ تو دیکھیے اس آیت کے اندر ﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ خنزیر کو راجع، معلوم ہوا وہ نجس العین ہے بھئی، پورا ہی نجس ہے، پورا ہی ناپاک ہے۔

تو یہی دلیل ذکر کررہے ہیں: «لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ» کیونکہ خنزیر جو ہے نجس العین ہے، «إِذِ الْهَاءُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ مُنْصَرِفٌ إِلَيْهِ» اس لیے کیونکہ ہا جو ہے اللہ کے قول ﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ میں «مُنْصَرِفٌ إِلَيْهِ» یہ اس خنزیر کی طرف لوٹ رہی ہے، «لِقُرْبِهِ» اس کے قریب ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ لفظ، لفظ خنزیر کیا ہے؟ اس ضمیر کے سب سے قریب ہے، تو اولیٰ یہ کہ اسی کی طرف ضمیر کو لوٹایا جائے بھئی۔

بھئی دیکھیے، ترکیب کے اندر یہ بات اکثر میں ذکر کرتا رہتا ہوں، کسی سے اگر ترکیب کہا جائے کہ ترکیب کرو «إِنَّهُ رِجْسٌ» کی، تو وہ کیا ترکیب کرتا ہے؟ «إِنَّ» حرف از حروف مشبہ بالفعل، «هُو» ضمیر، حالانکہ «هُو» کیا ہوتا ہے بھئی؟ اس کا وہ نام لو جو حروف کے اندر اس کا نام تھا، الف با تا ثا، تمام حروف کے نام ہیں۔ یہ جو «إِنَّ» کے بعد آیا حرف، ضمیر آئی، یہ کون سا حرف ہے؟ «هَا» ہے «هَا»، تو اس کو «هَا» کہیں گے: «فَإِنَّهُ»، «إِنَّ» حرف از حروف مشبہ بالفعل، «هَا» ضمیر اس کا اسم بھئی، «هَا» ضمیر، تو اس کو «هُو» نہیں کہیں گے بلکہ «هَا» کہیں گے، جیسے صاحب ہدایہ نے کہا: «إِذِ الْهَاءُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى» کیونکہ «هَا» جو ہے اللہ تعالیٰ کے قول میں۔ اسی لیے آپ بسم اللہ کی ترکیب کرتے ہیں «بِسْمِ»، آپ کیا کہتے ہیں؟ «بَا» جارہ، «بَا» جارہ کہتے ہیں یا «بِي» جارہ کہتے ہیں؟ «بَا» جارہ، دیکھو وہ الف با تا کے اندر جو اس کا نام ہے وہ، تو ایک حرف اسی طرح نہیں ذکر کیا جاتا بلکہ اس کا وہ نام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح صرف کے اندر ترکیب کرتے ہیں اور ضمیریں وغیرہ بتاتے ہیں، کہتے ہیں «ضَرَبْتَ» کے اندر کیا ضمیر ہے فاعل کی؟ کہتے ہیں «تَا» ضمیر ہے، «ضَرَبْتُ» میں «تُو» ضمیر ہے، «ضَرَبْتِ» میں «تِی» ضمیر ہے، حالانکہ ایک حرف کا اس طرح نام نہیں لیا جاتا۔ تو «تَ» یا «تُ» یا «تِ» کہنا یہ غلط ہے، درست نہیں ہے، بلکہ وہ نام لو جو اس حرف کا ہے حروف تہجی میں، کیا نام ہے؟ «تَا»، تو «ضَرَبْتُ» میں «تَا» ضمیر ہے، «ضَرَبْتَ» میں بھی «تَا» ضمیر ہے، اور «ضَرَبْتِ» میں بھی «تَا» ضمیر ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَحُرْمَةُ الِانْتِفَاعِ بِأَجْزَاءِ الْآدَمِيِّ...

«وَحُرْمَةُ الِانْتِفَاعِ بِأَجْزَاءِ الْآدَمِيِّ لِكَرَامَتِهِ» تو خنزیر کا استثناء کیا تھا کہ اس کی کھال دباغت دینے سے بھی پاک نہیں ہوتی، وجہ اس کی یہ کہ وہ کیا ہے؟ نجس العین، اور آدمی کی کھال وہ کیوں استعمال کرنا درست نہیں؟ کہتے ہیں: اس کو جو حرام قرار دیا گیا ہے وہ آدمی کی کرامت اور شرافت کی وجہ سے ہے کہ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے، قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں انسان کے بارے میں؟ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ ہم نے معزز کیا ہے کس کو؟ بنی آدم یعنی انسان کو۔ تو کہتے ہیں: «وَحُرْمَةُ الِانْتِفَاعِ بِأَجْزَاءِ الْآدَمِيِّ لِكَرَامَتِهِ» اور آدمی کے اجزاء سے نفع اٹھانے کی حرمت جو ہے «لِكَرَامَتِهِ» وہ اس آدمی کی کرامت کی وجہ سے ہے یعنی اس کے معزز ہونے کی وجہ سے ہے، «فَخَرَجَا عَمَّا رَوَيْنَاهُ» تو یہ دونوں نکل گئے اس حدیث سے جس کو ہم نے روایت کیا۔ وہ حدیث تو عام تھی، وہ حدیث تو کیا تھی؟ اس میں تو خنزیر بھی داخل ہو رہا تھا اور اس میں تو آدمی بھی داخل ہو رہا تھا، لیکن ان دونوں کو اس سے نکالا گیا، اس کی تخصیص کی گئی اور وہ نکل گئے کس وجہ سے؟ خنزیر کیوں نکلا؟ کیونکہ وہ نجس العین ہے، اس کی پوری ذات ہی نجس، وہ پاک ہوتا ہی نہیں، اور آدمی کی کھال کی حرمت کیوں ہے؟ آدمی کے معزز ہونے کی وجہ سے، تو یہ دوسری دلیلوں کی وجہ سے یہ دونوں وہاں اس حدیث کے عموم سے نکل گئے۔

«ثُمَّ مَا يَمْنَعُ النَّتْنَ وَالْفَسَادَ فَهُوَ دِبَاغٌ» یہاں سے بتلا رہے ہیں بھئی کہ دباغت کہیں گے کس کو؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ دباغت وہ مخصوص مصالحے یا وہ مخصوص پودے جن کے ذریعے دباغت دی جاتی ہے، انہی سے دباغت دی جائے گی تو وہ کھال پاک ہو گی۔ جبکہ صاحب ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں، عند الاحناف دباغت کا کام جو بھی عمل کر دے اسے دباغت کہا جائے گا، جب وہ کھال، اس طریقہ، جو بھی طریقہ آپ نے اختیار کیا اور کھال بدبو سے اور خراب ہونے سے محفوظ ہو گئی تو بس اس کو کیا کہیں گے؟ مدبوغ کہیں گے، یہ دباغ، کیونکہ دباغت کے ذریعے مقصود بھی یہی ہوتا ہے، بھئی وہ مصالحوں کے ذریعے یا مختلف پودوں وغیرہ کے ذریعے یا پکا کر جو دباغت دی جاتی ہے اس کا مقصد بھی کیا ہوتا ہے؟ کہ کھال بدبو اور خراب ہونے سے محفوظ، تو چاہے یہ مقصد کسی طرح بھی حاصل ہو جائے تو یہ دباغت کو، یہ دباغت ہے اور اس کا استعمال کرنا جائز ہو گا، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں، وہ مخصوص طریقے سے جو ہے، اس طریقے سے دباغت دی جائے گی تو کھال

پاک ہوگی، ورنہ تو دباغت ہی نہ ہوئی، کھال بھی پاک نہ ہوئی بھئی۔

«ثُمَّ مَا يَمْنَعُ النَّتْنَ وَالْفَسَادَ» نتن کہتے ہیں بدبو کو بھئی، پھر جو چیز بھی، جو عمل بھی «يَمْنَعُ النَّتْنَ» روک دے بدبو کو «وَالْفَسَادَ» اور خراب ہونے کو، «فَهُوَ دِبَاغٌ» تو وہ کیا ہے؟ دباغ، وہ دباغت ہے، «وَإِنْ كَانَ تَشْمِيسًا أَوْتَتْرِيبًا» «تَشْمِيس» کا معنی ہوتا ہے دھوپ میں کسی چیز کو خشک کرنا، دھوپ لگوانا، شمس سے ہے شمس، تو تشمیس دھوپ لگوانا۔ «أَوْ تَتْرِيبًا» تتریب یہ تراب سے ہے، تراب مٹی کو کہتے ہیں، تو تتریب کا کیا معنی ہوا؟ مٹی لگانا۔ «وَإِنْ كَانَ تَشْمِيسًا أَوْتَتْرِيبًا» اگرچہ تشمیس یا تتریب ہوگئی، یعنی دھوپ کے اندر کوئی کھال کو خشک کرلیتا ہے اور بدبو اور فساد سے کھال محفوظ ہوگئی تو بھی یہ کھال کیا ہوگئی اب؟ مدبوغ ہوگئی۔ کوئی مٹی بار بار لگا کر اس سے رطوبتیں ختم کرتا ہے اور کھال کو بدبو اور فساد سے محفوظ کرلیتا ہے تو یہ کھال کیا ہوئی؟ پاک ہوئی، دباغت دی ہوئی کھال ہو گئی بھئی۔ یہ معنی ہے کہ یہ دباغ ہے اگرچہ تشمیس اور تتریب ہو۔ «لِأَنَّ الْمَقْصُودَ يَحْصُلُ بِهِ» اس لیے کیونکہ مقصود اس سے حاصل ہو جاتا ہے، «فَلَا مَعْنَى لِاشْتِرَاطِ غَيْرِهِ» لہٰذا کوئی سبب نہیں اس کے علاوہ غیر کی شرط لگانے کی۔ کوئی وجہ نہیں اس کے علاوہ کی شرط لگانے کی، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ وہ بعض پودوں وغیرہ کی شرط لگاتے ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ ان کے شرط، ان چیزوں کی شرط لگانے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ مقصود تو کیا تھا؟ بدبو اور فساد سے محفوظ کرنا، وہ جس طریقے سے بھی حاصل ہو جائے تو وہ مدبوغ ہے بھئی۔ یہ معنی ہے: «فَلَا مَعْنَى لِاشْتِرَاطِ غَيْرِهِ» لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے اس کے علاوہ کی شرط لگانے کی۔

■ مسئلہ: ثُمَّ مَا يَطْهُرُ جِلْدُهُ بِالدِّبَاغِ يَطْهُرُ...

«ثُمَّ مَا يَطْهُرُ جِلْدُهُ بِالدِّبَاغِ يَطْهُرُبِالذَّكَاةِ» پھر وہ جانور کہ جس کی جلد پاک ہو جاتی ہے دباغت سے، «يَطْهُرُ بِالذَّكَاةِ» وہ ذبح سے بھی پاک ہو جاتا ہے، وہ ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ بھئی دیکھیے، دباغت کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ اس کھال کے اندر جو نجس رطوبتیں ہیں ان کو ختم کر دیا جاتا ہے اور کھال کو بدبو اور فساد سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح ذبح بھی یہی کام کرتا ہے، ذبح کا عمل بھی، جب جانور کو ذبح کیا تو اس کے بدن سے جو خون تھا، جو نجس رطوبتیں تھیں وہ کیا ہو جائیں گی؟ خارج ہو جائیں گی، لہٰذا اس کا گوشت وغیرہ بھی پاک ہو گیا۔ کسی بھی جانور کو، سوائے وہ دو جن کا استثناء کر دیا گیا، ان دو کے علاوہ کسی بھی جانور کو ذبح کیا جائے تو اس ذبح کی وجہ سے اس کی کھال بھی پاک ہوگئی اور اس کا گوشت بھی پاک ہے بھئی۔ حلال نہیں میں نے کہا، کھانے کے قابل بے شک وہ نہ ہو، بھئی اگر وہ جانور اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اب بھی اسی حکم تو اسی طرح اس کا گوشت کھایا نہیں جائے گا، لیکن بہر حال وہ نجس نہ رہا اب، وہ نجس نہ رہا، نجاست اس کی ختم ہوگئی بھئی۔ تو وہ اب وہ اس کا وہ گوشت پانی وغیرہ میں گرے تو وہ پانی نجس نہیں ہوگا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ مَا يَطْهُرُ جِلْدُهُ بِالدِّبَاغِ يَطْهُرُبِالذَّكَاةِ» پھر وہ جانور کہ اس کی جلد پاک ہو جاتی ہے دباغت سے، وہ پاک ہو جاتا ہے ذبح سے، «لِأَنَّهُ يَعْمَلُ عَمَلَ الدِّبَاغِ» اس لیے کیونکہ ذبح جو ہے یہ بھی دباغت والا عمل کرتی ہے «فِي إِزَالَةِ الرُّطُوبَاتِ النَّجِسَةِ» نجس رطوبتوں کو دور کرنے کے اندر، یعنی اس سے بھی اسی طرح نجس رطوبتیں دور ہو جاتی ہیں ذبح سے جتنا دباغت سے دور ہوتی تھیں، «وَكَذَلِكَ يَطْهُرُلَحْمُهُ»۔ اچھا، لحم اب بیان کر رہے ہیں، معلوم ہوا پیچھے صرف کھال کا ذکر کر رہے ہیں: «ثُمَّ مَا يَطْهُرُ جِلْدُهُ بِالدِّبَاغِ» پھر وہ جانور جس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے «يَطْهُرُ بِالذَّكَاةِ» تو وہ کھال ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ گوشت کا اب بتا رہے ہیں: «وَكَذَلِكَ يَطْهُرُلَحْمُهُ» اسی طرح اس کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے، «وَهُوَ الصَّحِيحُ» اور یہی قول صحیح ہے، کیونکہ بعض علماء، فقہاء فرماتے ہیں کہ گوشت پاک نہیں ہوتا، صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے، «وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَأْكُولًا» اگرچہ ماکول یعنی کھانے والا نہ ہو بھئی، کھانے والا بے شک نہ ہو، ہم کھانے اور نہ کھانے کی بات نہیں کر رہے، ہم بات کر رہے ہیں کہ پاک ہے یا ناپاک ہے، تو پاک ہو جائے گا، لہٰذا اب وہ گوشت کا ٹکڑا کسی پانی کے اندر گرا تو اس پانی کو نجس نہیں کہا جائے گا۔ چلیے، بس بھئی، «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۲۱: وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ وَقَالَ الشَّا...

ہدایہ صفحہ: ۴۰ــــ بتاریخ: ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۲ء

وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى نَجِسٌ لِأَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْمَيْتَةِ، وَلَنَا أَنَّهُ لَا حَيَاةَ فِيهِمَا وَلِهٰذَا لَا يَتَأَلَّمُ بِقَطْعِهِمَا فَلَا يَحُلُّهُمَا الْمَوْتُ إِذِ الْمَوْتُ زَوَالُ الْحَيَاةِ، وَشَعْرُ الْإِنْسَانِ وَعَظْمُهُ طَاهِرٌ۔

گزشتہ سبق میں آخر میں یہ بحث آئی تھی کہ جس کھال کو بھی دباغت دے دی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے، اس میں نماز پڑھنا یا اس کے اندر رکھے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز ہے، سوائے خنزیر کے اور آدمی کی کھال کے۔

اب اسی سے ساتھ اور اجزا مردار کے جو ہیں ان کے بارے میں بتلا رہے ہیں کہ وہ پاک ہیں یا پاک نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: **وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ** اور مردار کے بال **وَعَظْمُهَا** اور اس کی ہڈیاں **طَاهِرٌ** وہ پاک ہیں بھائی۔ مردار کے بال اور ہڈی پاک ہے۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ نَجِسٌ** امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ناپاک ہیں، **لِأَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْمَيْتَةِ** کیونکہ وہ مردار کے اجزا میں سے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ دلیل کیا دیتے ہیں کہ یہ مردار کے اجزا ہیں لہٰذا یہ بھی اس کی طرح ناپاک ہیں۔ **وَلَنَا** اور ہماری دلیل یہ ہے **أَنَّهُ لَا حَيَاةَ فِيهِمَا** ہم کہتے ہیں کہ ان کے اندر زندگی نہیں ہے۔ یہ بالوں میں اور ہڈی کے اندر زندگی نہیں ہے، **وَلِهٰذَا لَا يَتَأَلَّمُ بِقَطْعِهِمَا** اسی وجہ سے وہ حیوان جو ہے وہ تکلیف نہیں محسوس کرتا ان کے کاٹنے کی وجہ سے۔ جس جاندار کے بھی بھائی ہڈی اور کھال ہے اس میں زندگی نہیں، ہڈی جیسے یہ ناخن ہے بھائی ناخن، یہ بھی ہڈی ہے۔ اب اس کو کاٹا جائے یا ان کے بالوں کو کاٹا جائے، ان کو تکلیف نہیں ہوتی معلوم ہوا ان کے اندر زندگی نہیں ہے۔ جب زندگی نہیں تو معلوم ہوا یہ میتہ نہیں مردار نہیں بھائی، کیونکہ زندگی ہوتی اور پھر ختم ہوتی تو کیا کہا جاتا اس کو؟ مردار۔ تو اسی وجہ سے یہ تکلیف نہیں ہوتی ان کو **بِقَطْعِهِمَا** ان کے کاٹنے سے **فَلَا يَحُلُّهُمَا الْمَوْتُ** تو موت ان میں داخل نہیں ہوتی، ان میں سرایت نہیں کرتی **إِذِ الْمَوْتُ زَوَالُ الْحَيَاةِ** کیونکہ موت جو ہے وہ تو زوالِ حیات کا نام ہے۔ زندگی کا ختم ہو جانا اس کا نام موت ہے اور ان بالوں کے اندر اور ہڈی کے اندر تو زندگی ہے ہی نہیں بھائی۔ تو ہڈی جیسے ناخن ہیں بھائی اور اسی طرح حیوان کے سینگ وغیرہ بھائی یہ بھی کیا ہے؟ ہڈی ہے بھائی۔ تو ہمارے نزدیک مردار کے بال اور ہڈی پاک ہے بھائی پاک ہے۔ لہٰذا یہ پانی میں گریں گے تو پانی نجس نہیں ہو گا یا یہ ساتھ رکھے ہوئے ہیں اور نماز پڑھی تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی کیونکہ یہ نجس ہیں ہی نہیں بھائی۔

وَشَعْرُ الْإِنْسَانِ وَعَظْمُهُ طَاهِرٌ اور انسان کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہے ہمارے نزدیک۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ نَجِسٌ** امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ نجس ہیں، انسان کے بال اور ہڈی بھی نجس ہیں۔ **لِأَنَّهُ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ وَلَا يَجُوزُ بَيْعُهُ** دلیل ان کی یہ کیونکہ ان کے ذریعے نفع نہیں اٹھایا جاتا، شریعت نے ان سے نفع اٹھانے کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی ان کی بیع کرنا جائز ہے۔ معلوم ہوا یہ پاک نہیں نجس ہیں بھائی، اسی لیے شریعت ان کی بیع سے اور ان سے نفع اٹھانے سے منع کرتی ہے۔ **وَلَنَا** اور ہماری دلیل یہ **أَنَّ عَدَمَ الِانْتِفَاعِ وَالْبَيْعِ لِكَرَامَتِهِ** کہ ان سے جو ان سے نفع نہ اٹھانا ہے اور ان کی بیع نہ ہونا ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی، **لِكَرَامَتِهِ** وہ کس وجہ سے ہے؟ وہ اس کے انسان کی کرامت اس کی عزت کی وجہ سے ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ **فَلَا يَدُلُّ عَلَى نَجَاسَتِهِ** تو یہ اس کے نجاست پر دلالت نہیں کرتے۔ بیع کا جائز نہ ہونا اور ان سے انتفاع کا جائز نہ ہونا یہ ان چیزوں کے نجس ہونے پر دلالت نہیں کرتے بھائی۔

▪ فَصْلٌ فِي الْبِئْرِ یہ فصل ہے کنویں کے بارے میں یعنی کنویں

فَصْلٌ فِي الْبِئْرِ یہ فصل ہے کنویں کے بارے میں یعنی کنویں کے بیان میں۔ کنویں کے مسائل، ان کا حکم، کنویں کے پانی کا حکم چونکہ ماقبل میں پانی وغیرہ کا ذکر چل رہا تھا تو کنویں کے پانی میں نجاست وغیرہ گر پڑے تو اس کا حکم چونکہ مختلف ہے تو اس کو صاحب ہدایہ علیحدہ فصل میں باقاعدہ ذکر کر رہے ہیں بھائی۔ تو فرماتے ہیں:

فَصْلٌ فِي الْبِئْرِ یہ فصل ہے کنویں کے بارے میں۔ **وَإِذَا وَقَعَتْ فِي الْبِئْرِ نَجَاسَةٌ نُزِحَتْ وَكَانَ نَزْحُ مَا فِيهَا مِنَ الْمَاءِ طَهَارَةً لَهَا بِإِجْمَاعِ السَّلَفِ** اور جب گر پڑے کنویں کے اندر کوئی نجاست **نُزِحَتْ** تو اس کو نکالا جائے گا۔ نزح کے معنی نکالنے کے۔ اس کنویں کو نکالا جائے گا یعنی اس کے پانی کو نکالا جائے گا بھائی، یعنی اس کو خالی کیا جائے گا، کیا کیا جائے گا؟ خالی۔ **وَكَانَ نَزْحُ مَا فِيهَا مِنَ الْمَاءِ** اور اس میں سے پانی کا نکالنا جو ہے **طَهَارَةً لَهَا** یہ اس کے لیے پاکی ہے۔ اس سے پانی نکال دیں گے تو کنواں کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا **بِإِجْمَاعِ السَّلَفِ** سلف کے اجماع سے بھائی۔ سلف کا اس بات پر یعنی صحابہ اور تابعین وغیرہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ کنویں سے پانی، نجاست گر پڑی اور اس کا سارا پانی نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا، یعنی اس کی دیواروں وغیرہ کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔ اور یہ بھی یاد رکھیے پانی نکالیں گے تو کنواں بھی پاک ہو گیا، اس کی دیواریں وغیرہ بھی پاک ہو گئیں، اسی طرح وہ رسی اور ڈول جس کے ذریعے پانی نکالا گیا وہ بھی پاک ہو گئے، ان کو علیحدہ دوبارہ سے دھونے کی ضرورت بھی نہیں ہے بھائی۔ بس یہ پانی کا نکال دینا ہی یہ کنویں کی پاکی ہے بھائی، اور اس پر تمام صحابہ اور تابعین وغیرہ کا اجماع ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں **بِإِجْمَاعِ السَّلَفِ** سلف کے اجماع سے، بزرگوں کے اجماع سے۔

وَمَسَائِلُ الْبِئْرِ مَبْنِيَّةٌ عَلَى اتِّبَاعِ الْآثَارِ دُونَ الْقِيَاسِ صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کنویں کے جو مسائل ہیں ان کی بنیاد اتباعِ آثار پر ہے بھائی، اتباعِ آثار پر ہے، **دُونَ الْقِيَاسِ** نہ کہ قیاس پر۔ یعنی کنویں کے جو مسائل بیان ہوں گے اور ذکر کیے جائیں گے یہ سارے اتباعِ آثار پر مبنی ہیں، احادیث وغیرہ میں اور بزرگوں سے جس طرح منقول ہے، اس میں قیاس وغیرہ کا دخل نہیں ہے بھائی۔ بھائی صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ کنویں کے جو مسائل ہیں ان کی بنیاد اتباعِ آثار پر ہے نہ کہ قیاس پر۔ تو یہاں دو صورتیں ہیں بھائی دو صورتیں کہ کنواں، وہ کنواں جو ہے وہ یا تو اس میں ماء قلیل ہو گا یا ماء کثیر ہو گا۔ یعنی یا وہ کنواں بڑا ہو گا یا چھوٹا ہو گا۔ اگر وہ کنواں دہ در دہ سے کم ہے تو چھوٹا ہے اور اگر دہ در دہ کے برابر یا اس سے بڑا ہے تو وہ ماء کثیر ہے۔ تو اگر تو وہ ماء کثیر ہے اس میں پھر تو نجاست کے گرنے سے اس کو نجس ہونا ہی نہیں چاہیے۔ نجاست کے گرنے سے اس کو نجس ہونا ہی نہیں چاہیے، حالانکہ یہاں کیا بتلایا جا رہا ہے کہ کنویں میں جب نجاست گر پڑے تو اس کو کیا کیا جائے گا؟ خالی کیا جائے گا پانی کو اس کے، سارا پانی کو نکالا جائے گا بھائی۔ تو حالا یا اسی طرح اگر کنواں ماء جاری والا ہے تو یعنی چشمے والا ہے تو پھر تو کنویں سے پانی نکالتے جائیں نیچے سے اور پانی مسلسل آتا رہتا ہے تو یہ تو ماء جاری کی طرح ہوا اور ماء جاری کے اندر بھی آپ نے پڑھا نجاست گرے تو وہ نجس نہیں ہوتا الّا یہ کہ پانی کے اندر اس نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے بھائی، اثر ظاہر ہو جائے۔ تو لہٰذا قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اگر ماء کثیر والا کنواں ہے تو اس کو تو نجس ہونا ہی نہیں چاہیے۔ اور اگر ماء قلیل ہے کنویں کے اندر وہ دہ در دہ سے کم ہے کنواں تو پھر اس صورت میں نجاست کے گرنے سے سارا پانی بھی نجس اور کنویں کی دیواریں اور مٹی گارا وغیرہ سب نجس ہو گیا تو پھر تو قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اب یہ کنواں تا قیامت پاک ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اب وہ دیواریں بھی نجس ہو گئیں، وہ گارا بھی کیا ہو گیا؟ نجس ہو گیا۔ تو جب اگر آپ سارا پانی نکال بھی لیں، سارا پانی، تو بھی وہ پانی وہ دیواریں کیا ہیں؟ نجس ہیں بھائی، اور پانی بھی آئے گا تو وہ انہی کے ساتھ ملے گا تو وہ کیا ہو جائے گا؟ نجس۔ اس کو بھی نکال دیں تو پھر اور پانی آئے گا تو یہ بھی نجس تھا اب اور جو پانی آئے گا وہ بھی کیا ہو جائے گا؟ کیونکہ دیواریں نجس ہیں اور مٹی نجس ہے بھائی۔ تو تا قیامت بھی وہ پھر پاک نہیں ہو، تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا تھا کہ اگر ماء قلیل ہو پھر تو کنویں کو، پھر تو کنواں تا قیامت پاک ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ اسی لیے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ کنویں کے مسائل جو ہیں ان کی بنیاد اتباعِ آثار پر ہے، قیاس پر ان کی بنیاد نہیں ہے بھائی۔ آثار احادیث بھائی احادیث، احادیث پر ان کی بنیاد ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ میں نے بتلایا تھا حدیث کے کئی نام ہیں خبر، اثر، سنت، حدیث بھائی۔ تو آثار جمع ہے اثر کی، احادیث مراد ہیں بھائی احادیث۔ تو کہتے ہیں: **وَمَسَائِلُ الْبِئْرِ مَبْنِيَّةٌ عَلَى اتِّبَاعِ الْآثَارِ دُونَ الْقِيَاسِ** اور کنویں کے مسائل جو ہیں وہ مبنی ہیں آثار کے اتباع پر نہ کہ قیاس پر۔

فَإِنْ وَقَعَتْ فِيهَا بَعْرَةٌ أَوْ بَعْرَتَانِ مِنْ بَعْرِ الْإِبِلِ أَوِ الْغَنَمِ لَمْ تُفْسِدِ الْمَاءَ اسْتِحْسَانًا۔ فَإِنْ وَقَعَتْ فِيهَا بَعْرَةٌ أَوْ بَعْرَتَانِ، بَعْرَةٌ بھائی مینگنی، مینگنی، بکری کا فضلہ جو ہے۔ **فَإِنْ وَقَعَتْ فِيهَا بَعْرَةٌ أَوْ بَعْرَتَانِ** اگر گر پڑے کنویں کے اندر ایک یا دو مینگنیاں **مِنْ بَعْرِ الْإِبِلِ** اونٹ کی مینگنیوں میں سے **أَوِ الْغَنَمِ** غنم کا معنی ہے بھیڑ بکری بھائی۔ یہ دونوں جنسوں کو شامل ہے، بکری کی جنس کو بھی اور بھیڑ کی جنس کو بھی، تو غنم سے یہ دونوں مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح شَاۃ کا لفظ بھی عبارتوں میں آتا ہے اور اس کا عموماً ترجمہ بکری کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یاد رکھیے شَاۃ صرف بکری کو نہیں کہتے، شَاۃ بھی غنم کی طرح یہ بھیڑ اور بکری دونوں جنسوں پر بولا جاتا ہے بھائی۔ تو شَاۃ کا لفظ جہاں بھی آئے وہاں آپ نے اس کا ترجمہ بکری کے ساتھ نہیں کرنا بلکہ بھیڑ بکری کے ساتھ کریں تاکہ واضح پتہ چلے کہ دونوں مراد ہیں۔ تو اگر کنویں میں گر پڑے ایک یا دو مینگنیاں **مِنْ بَعْرِ الْإِبِلِ** اونٹ کی مینگنیوں میں سے **أَوِ الْغَنَمِ** یا بھیڑ بکریوں کی مینگنی میں سے **لَمْ تُفْسِدِ الْمَاءَ** تو یہ پانی کو فاسد نہیں کریں گے **اسْتِحْسَانًا** تو یہ استحساناً پانی کو فاسد نہیں کریں گے۔ **وَالْقِيَاسُ أَنْ تُفْسِدَهُ** اور قیاس تو یہ ہے کہ یہ فاسد کر دیں گے **لِوُقُوعِ النَّجَاسَةِ فِي الْمَاءِ الْقَلِيلِ** اس وجہ سے کہ نجاست گری ہے ماء قلیل کے اندر بھائی۔ تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس پانی کو کیا ہو جانا چاہیے؟ نجس ہو جانا چاہیے کیونکہ ماء قلیل کے اندر نجاست گری ہے بھائی۔ لیکن استحساناً کیا حکم لگایا گیا کہ پانی ناپاک نہیں ہو گا۔ اور یہ جو آیا ایک یا دو مینگنیاں گر پڑیں بھائی یاد رکھیے اس سے عدد مراد نہیں ہے ایک یا دو ہی مراد ہوں بلکہ قلیل ہیں، کیا مراد ہیں؟ قلیل مینگنیاں ہیں، آگے کیونکہ آگے کثیر کا ذکر آئے گا بھائی تو یہ اس کے مقابلے میں ہے اور بتلائیں گے بھائی آپ کو کہ قلیل اور کثیر امام صاحب کے نزدیک جس کو دیکھنے والا قلیل سمجھے وہ قلیل ہیں، جس کو دیکھنے والا کثیر سمجھے وہ کثیر ہیں بھائی۔

اچھا بھائی یہاں پر استحسان کا ذکر آیا، استحسان۔ یاد رکھیے استحسان اس شرعی دلیل کو کہا جاتا ہے جو قیاس کے مقابلے میں جو بھی دلیل آئے متفق علیہ دلیل اس کو

استحسان کہا جاتا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں قیاس ہونا چاہیے بھائی۔ جیسے بھائی ابھی وضو کے مسئلے کے اندر آپ نے پڑھا بھائی۔ وضو کے مسئلے میں آپ نے پڑھا کہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ بدن سے جہاں سے نجاست خارج ہوئی ہے اسی حصے کو دھونا چاہیے اور اسی کو پاک کرنے کا حکم ہو، لیکن قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ قرآن میں وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے بھائی۔ تو دیکھیے یہ حکم خلافِ قیاس ہوا تو اس کے مقابلے میں قیاس ہے تو یہ اور عمل کس پر ہے؟ قیاس پر یا قرآن پر عمل ہے؟ قرآن پر عمل ہے۔ تو بس جو بھی متفق علیہ دلیل ہو چاہے قرآن ہو، چاہے حدیث ہو، چاہے اجماع ہو اور اس کے مقابلے میں قیاس ہو، قیاس دوسری بات کا تقاضا کر رہا ہو، تو یہ جو متفق علیہ دلیل ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اس کو استحسان کہا جاتا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ چاہے کیا ہو؟ قرآن ہو، چاہے کیا ہو؟ حدیث ہو، چاہے اجماع ہو، اس کو استحسان کہیں گے بھائی استحسان، جبکہ اس کے مقابلے میں قیاس ہو بھائی۔

لیکن زیادہ تر اس استحسان کا اطلاق جو ہے وہ قیاسِ خفی پر ہوتا ہے، قیاسِ خفی پر۔ یاد رکھیے قیاس دو قسم پر ہے: ایک قیاسِ جلی ہے، جلی جو ظاہر ہو ظاہر، اور ایک قیاسِ خفی ہے۔ قیاسِ خفی جو ذرا گہرا ہو بھائی۔ قیاسِ جلی جس کی طرف فوراً ذہن چلا جاتا ہے اور قیاسِ خفی جس میں بات ذرا گہری ہو بھائی فوراً ذہن نہیں جاتا، کچھ غور و فکر کرنا پڑتا ہے پھر وہاں تک ذہن پہنچتا ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ قیاسِ خفی بھائی اور وہ اس کو استحسان کہا جاتا ہے۔ تو دیکھیے اس کے مقابلے میں بھی قیاس ہے۔ دلیل کے مقابلے میں استحسان تب ہی کہیں گے جب مقابلے میں کیا ہو؟ قیاس ہو بھائی قیاس ہو۔ اگر قیاس مقابلے میں نہیں ہے تو پھر اس کو استحسان بھی نہیں کہیں گے اگرچہ گہری بات ہی کیوں نہ ہو بھائی۔ تو قیاسِ خفی یعنی استحسان اسی کو دلیل کو کہیں گے جس کے مقابلے میں قیاسِ جلی ہو بھائی قیاسِ جلی۔ اور استحسان کو ہمیشہ ترجیح ہوتی ہے قیاسِ جلی پر بھائی۔ علماء فرماتے ہیں کہ صرف بیس بائیس مسائل ایسے ہیں جن کے اندر قیاس کو ترجیح ہے استحسان پر، باقی تمام جگہوں پر استحسان کو ترجیح ہوتی ہے کس پر؟ قیاس پر ترجیح ہوتی ہے بھائی ترجیح ہوتی ہے۔

اور استحسان کا معنی بھی ہے پسندیدہ، پسندیدہ۔ تو اس کے استحسان سے کا جو حکم ہو گا وہ پسندیدہ ہو گا، اس میں عوام کے لیے آسانی ہو گی، لوگوں کے لیے اس میں آسانی ہو گی۔ جب آسانی ہے تو پھر پسندیدہ ہوا بھائی پسندیدہ ہوا۔ چنانچہ آپ نے ابھی پڑھا بھائی کہ ایک دو مینگنیاں گر پڑیں تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے پانی کو کیا قرار دینا چاہیے؟ نجس قرار دینا چاہیے، لیکن استحساناً اس کو پاک قرار دیا گیا۔ اب آپ بتائیے کس کے اندر آسانی زیادہ ہے؟ استحسان کے اندر، دیکھو یہ پسندیدہ ہوتا ہے، اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہوتی ہے بھائی۔ اور میں نے بتایا ایک دو مینگنیوں سے قلیل مینگنیاں مراد ہیں، یہ عدد ہی نہیں مراد بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْقِيَاسُ أَنْ تُفْسِدَهُ لِوُقُوعِ النَّجَاسَةِ فِي الْمَاءِ الْقَلِيلِ** اور قیاس تو یہ ہے کہ وہ اس پانی کو فاسد کر دیں **لِوُقُوعِ النَّجَاسَةِ فِي الْمَاءِ الْقَلِيلِ** بوجہ گر جانے نجاست کے ماءِ قلیل کے اندر، **وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ** استحسان کی وجہ یہ ہے **أَنَّ آبَارَ الْفَلَوَاتِ،** آبار جمع ہے **بِئْر** کی، **فَلَوَات** جمع ہے **فَلَاة** کی بھائی، فلاۃ کہتے ہیں بیابان کو بھائی، جنگل بیابان بھائی، کہ بیابانوں کے جو کنویں ہوتے ہیں **لَيْسَتْ لَهَا رُءُوسٌ حَاجِزَةٌ، رُءُوس** سرے، **حَاجِزَةٌ** رکاوٹ، حاجز کسے کہتے ہیں؟ رکاوٹ، مانع۔ اس لیے کیونکہ بیابانوں کے جو کنویں ہوتے ہیں ان کے کوئی رکاوٹ والے سرے رکاوٹ والے سر نہیں ہوتے یعنی ان کے اوپر کوئی منڈیر وغیرہ یا کوئی دیوار وغیرہ ان کے کناروں پر نہیں بنی ہوتی، تو **وَالْمَوَاشِي تَبْعَرُ حَوْلَهَا** اور مویشی جو ہیں مینگنیاں کر دیتے ہیں اس کے ارد گرد بھائی۔ جنگلات، جنگل بیابان میں مویشی چر رہے ہیں تو اس کنویں وغیرہ کی کوئی دیوار بھی نہیں تو وہ وہاں پر مویشی چرتے ہوئے کیا کر دیتے ہیں؟ مینگنیاں وہاں کر ہی دیتے ہیں **فَتُلْقِيهَا الرِّيحُ فِيهَا** تو ڈال دیتی ہے آندھی ان کو، ان مینگنیوں کو **فِيهَا** اس کنویں کے اندر۔ یاد رکھیے ایک ہے رِیح لفظ عربی میں، ایک ہے رِیاح بھائی۔ یہ جو نرم اور آہستہ اور خوشگوار ہوا چلتی ہے اس کے لیے عربی میں **رِيَاح** کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور رِیح کا لفظ یہ ہلکی ہوا کے لیے نہیں عام استعمال ہوتا، وہ یہ آندھی وغیرہ جو تیز ہوا ہے اس کو رِیح کہا جاتا ہے بھائی۔ تو لہٰذا وہ مویشی اس کے کنویں کے گرد چرتے ہیں اور مینگنیاں کر دیتے ہیں **فَتُلْقِيهَا الرِّيحُ فِيهَا** تو وہ تیز ہوا ان مینگنیوں کو اس کنویں میں ڈال جا ڈال دیتی ہے، تو **فَجُعِلَ الْقَلِيلُ عَفْوًا لِلضَّرُورَةِ** تو قلیل مقدار کو معاف قرار دیا گیا **لِلضَّرُورَةِ** بناء بر ضرورت کے۔ ضرورت ہے بھائی، وہ مینگنیاں وہ کر دیتے ہیں اور ہوا اس میں ڈال دیتی ہے کنویں کے اندر تو اگر نجس ہونے کا حکم لگایا جائے تو لوگ تو بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے بھائی کیونکہ ایک دو مینگنیاں، دو چار مینگنیاں تو ضرور اس کے اندر ہوا گرا ہی دے گی بھائی۔ تو اس میں ضرورت کی بناء پر اس کو معاف قرار دیا گیا، **وَلَا ضَرُورَةَ فِي الْكَثِيرِ** اور کثیر میں ضرورت نہیں ہے بھائی، اس میں ضرورت نہیں کیونکہ کثیر تو کبھی ہی ہو گا ایسا کہ کثیر گر پڑیں، عموماً قلیل ہی گرتی ہیں۔

اب قلیل یا کثیر کسے کہتے ہیں؟ کثیر کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: **وَهُوَ مَا يَسْتَكْثِرُهُ النَّاظِرُ إِلَيْهِ** وہ مقدار **يَسْتَكْثِرُهُ** کہ جس کو کثیر سمجھے **النَّاظِرُ إِلَيْهِ** اس کی طرف دیکھنے والا، یعنی جس کو ایسے پانی کے استعمال سے واسطہ پڑا ہے جو اس کی طرف دیکھنے والا ہے، وہ دیکھ رہا ہے کنویں کے اندر چند مینگنیاں گری ہوئی ہیں تو اگر وہ ان کو کثیر سمجھتا ہے تو یہ کیا ہیں؟ کثیر ہیں، تو پانی کے نجس ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اور اگر وہ مینگنیاں قلیل ہیں اس کی نگاہوں میں اور اس کی نظر میں تو ان کو کیا سمجھا جائے گا؟ قلیل سمجھا جائے گا اور وہ پانی کیا ہو گا؟ پاک ہو گا۔ تو کہتے ہیں: **وَهُوَ مَا يَسْتَكْثِرُهُ النَّاظِرُ إِلَيْهِ فِي الْمَرْوِيِّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور کثیر وہ ہے کہ جس کو دیکھنے سے اس کی طرف دیکھنے والا اس کو کثیر سمجھے **فِي الْمَرْوِيِّ** اس قول اس قول کے اندر جو روایت کیا گیا ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، **وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ** اور اسی قول پر کیا ہے؟ اسی قول پر اعتماد ہے بھائی، یعنی فقہاء نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ وَالصَّحِيحِ وَالْمُنْكَسِرِ وَالرَّوْثِ وَالْخَثَى اور کوئی فرق نہیں ہے **بَيْنَ الرَّطْبِ، رَطْب** کا معنی تر بھائی تر،

جو گیلی ہو خشک نہ ہو۔ **يَابِس** کا معنی خشک بھائی۔ **صَحِيح** کا معنی جو مینگنی ٹوٹی ہوئی نہیں بھائی سالم ہے۔ **مُنْكَسِر** کا معنی ٹوٹی ہوئی بھائی۔ **رَوْث** کہتے ہیں **رَوْث** یہ گھوڑے گدھے کا جو فضلہ ہے یعنی لید بھائی لید۔ **خَثَى** اس کو **خَثَى** پڑھنا بھی صحیح اور **خِثْيٌ** بھائی **خِثْيٌ**، یعنی ثا کو ساکن پڑھیں، **وَالرَّوْثِ وَالْخِثْيِ، يَرْحَمُكَ اللّٰهُ**، تو چاہے اس طرح پڑھیں **وَالرَّوْثِ وَالْخَثَى** یا اس طرح پڑھ لیں **وَالرَّوْثِ وَالْخِثْيِ**۔ تو **رَوْث** وہ میں نے بتایا گھوڑے اور گدھے وغیرہ کا فضلہ، اور **خَثَى** جو ہے یا **خِثْيٌ** جو ہے یہ گائے بیل وغیرہ کا جو فضلہ ہے یعنی گوبر بھائی گوبر، اور **بَعْر** مینگنی بھائی یہ بکری یا اونٹ وغیرہ کا جو فضلہ ہے۔ تو صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ ان سب کا یہی حکم ہے، ان میں فرق نہیں ہے: **وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ** اور کوئی فرق نہیں ہے تر اور خشک کے اندر **وَالصَّحِيحِ وَالْمُنْكَسِرِ** اور سالم اور ٹوٹی ہوئی میں **وَالرَّوْثِ وَالْخَثَى** اور لید میں اور گوبر میں **وَالْبَعْرِ** اور مینگنی میں، ان میں کوئی فرق نہیں سب کا یہی حکم ہے **لِأَنَّ الضَّرُورَةَ تَشْمَلُ الْكُلَّ** اس لیے کیونکہ ضرورت سب کو شامل ہے، سب میں یہ حاجت ہے بھائی کہ یہ مویشی کیا کریں گے؟ وہاں پر گوبر وغیرہ کریں گے اور ہوا کچھ نہ کچھ اڑا کر پانی میں ڈال دے گی۔

وَفِي شَاةٍ تَبْعَرُ فِي الْمَحْلَبِ بَعْرَةً أَوْ بَعْرَتَيْنِ اور وہ اس بھیڑ بکری میں جو مینگنی کر دے **فِي الْمَحْلَبِ، مَحْلَب** کہتے ہیں وہ دودھ نکالنے کا برتن بھائی، جو مینگنی کر دے دودھ نکالنے کے برتن میں، کتنی مینگنی؟ **بَعْرَةً أَوْ بَعْرَتَيْنِ** ایک یا دو مینگنیاں یعنی قلیل بھائی، **قَالُوا** فقہاء فرماتے ہیں **يُرْمَى الْبَعْرَةُ وَيُشْرَبُ اللَّبَنُ** کہ مینگنی کو پھینک دیا جائے گا اور دودھ کو پی لیا جائے گا **لِمَكَانِ الضَّرُورَةِ** ضرورت کے ہونے کی وجہ سے بھائی۔ کس وجہ سے؟ ضرورت کے ہونے کی وجہ سے کہ اس میں ضرورت ہے بھائی۔ کیونکہ صحراؤں میں رہنے والے عموماً ان کے پاس ان کی خوراک ہی یہی دودھ وغیرہ ہوتا ہے اور دودھ نکالتے ہوئے جانور مینگنی کبھی کبھار عموماً کر ہی دیتے ہیں، تو اگر اس دودھ پر نجس ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو وہ غریب غرباء تو بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے بھائی، تو ضرورت اور حاجت کی بناء پر اس کو مقدار کو بھی فقہاء نے معاف قرار دیا ہے۔ تو وہ فرماتے ہیں **يُرْمَى الْبَعْرَةُ وَيُشْرَبُ اللَّبَنُ** کہ مینگنی کو پھینک دیا جائے گا اور دودھ کو پی لیا جائے گا **لِمَكَانِ الضَّرُورَةِ** ضرورت ہونے کی وجہ سے، **وَلَا يُعْفَى الْقَلِيلُ فِي الْإِنَاءِ** اور معاف نہیں ہے قلیل برتن کے اندر۔ یہ تو وہ دودھ نکالنے والے برتن کا حکم بتایا، اس میں اگر ایک دو مینگنیاں گر جائیں قلیل تو وہ معاف ہیں، عام برتنوں کے اندر عام برتنوں میں کیا وہ بھی اس میں بھی قلیل مقدار معاف ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، وہاں ضرورت نہیں ہے۔ ان برتنوں کو تو ڈھانپ کر اور حفاظت سے رکھا جا سکتا ہے لیکن اس میں تو دودھ نکال رہے ہیں تو عین اسی وقت وہ مینگنی کر دیتی اور جانور کر دیتے ہیں اس وقت مینگنی تو وہ دودھ میں گرے گی تو اس میں ضرورت ہے، باقی برتنوں میں ضرورت نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَلَا يُعْفَى الْقَلِيلُ فِي الْإِنَاءِ عَلَى مَا قِيلَ** اور قلیل مقدار معاف نہیں ہے برتنوں میں **عَلَى مَا قِيلَ** بوجہ اس قول کے جو کیا گیا ہے **لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ** کیونکہ ضرورت نہیں ہے، **وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ كَالْبِئْرِ فِي حَقِّ الْبَعْرَةِ وَالْبَعْرَتَيْنِ** اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ برتن جو ہیں، یہ برتن یہ بھی کنویں کی طرح ہے ایک یا دو مینگنیوں کے حق میں، یعنی ان میں بھی قلیل مقدار، عام برتنوں میں بھی قلیل مقدار معاف ہے بھائی۔

فَإِنْ وَقَعَ فِيهَا خُرْءُ الْحَمَامِ أَوِ الْعُصْفُورِ لَا **يُفْسِدُهُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى۔ فَإِنْ وَقَعَ فِيهَا** اگر گر پڑے کنویں کے اندر **خُرْءُ الْحَمَامِ** کبوتر کی بیٹ، کبوتر کا فضلہ بھائی۔ **خُرْءٌ** کہتے ہیں پرندے کا جو فضلہ ہوتا ہے، پرندے کی بیٹ بھائی۔ **فَإِنْ وَقَعَ فِيهَا خُرْءُ الْحَمَامِ** اور اگر گر پڑے کنویں کے اندر کبوتر کی بیٹ **أَوِ الْعُصْفُورِ** یا چڑیا کی بیٹ لَا **يُفْسِدُهُ** تو وہ اس پانی کو فاسد نہیں کرے گی **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ** بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ کبوتر اور چڑیا کی بیٹ یہ بھی کیا کر دے گی؟ پانی کو فاسد کر دے گی، نجس کر دے گی۔ **لَهُ** امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے **أَنَّهُ اسْتَحَالَ إِلَى نَتْنٍ وَفَسَادٍ فَأَشْبَهَ خُرْءَ الدَّجَاجَةِ، دَجَاجَة** لفظ آیا بھائی، **دَجَاجَة** اس کے اندر دال پر فتحہ پڑھنا بھی جائز، ضمہ پڑھنا بھی جائز اور کسرہ پڑھنا بھی جائز: **دَجَاجَةٌ، دُجَاجَةٌ، دِجَاجَةٌ** بھائی۔ تو یہ تینوں حرکتیں دال پر یعنی فا کلمے پر جائز ہیں تو اس قسم کا لفظ اس کو **مُثَلَّثُ الْفَاء** کہا جاتا ہے بھائی جس میں فا پر تینوں حرکتیں جائز ہوں بھائی، مثلث الفاء۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ذکر ہو رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کبوتر اور چڑیا کی بیٹ یہ بھی پانی کو نجس کر دے گی، وہ فرماتے ہیں کہ حیوانات جو بھی غذا کھاتے ہیں اس میں دو صورتیں ہیں: کبھی وہ غذا اچھی صورت کی طرف بدل جاتی ہے اور کبھی وہی غذا بدبو اور فساد کی طرف بدل جاتی ہے، خراب ہو جاتی ہے بدبو آنے لگتی ہے بھائی۔ کیا چیز؟ وہ غذا جو حیوانات کھاتے ہیں۔ تو کبھی کبھار وہ غذا جو ہے بدبو اور فساد کی طرف بدل جاتی ہے جیسے پیشاب اور پاخانہ، یہ وہی غذا ہے لیکن کس کی طرف بدل گیا؟ بدبو اور فساد کی طرف۔ اور کبھی یہی غذا اچھی حالت کی طرف بدل جاتی ہے جیسے انڈا ہے بھائی۔ اب انڈا کیا ہے؟ یہ وہی خوراک وغیرہ مرغی نے کھائی اور اسی سے اس کے پیٹ میں کیا بن گیا؟ انڈا۔ یا جیسے شہد ہے بھائی، شہد کی مکھی نے خوراک کھائی اسی سے کیا بن گیا؟ شہد بن گیا اور یا اسی طرح دودھ ہے بھائی، یہ دودھ بھی کس سے بنا؟ غذا سے ہی بنا، غذا کھائی اور اس سے دودھ بن گیا، تو بعض اوقات غذا اچھی حالت کی طرف بدلتی ہے تو اس کے پاک ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، وہ تو بالاتفاق سب کے نزدیک کیا ہے؟ پاک۔ جب غذا کس حالت کی طرف بدلے؟ اچھی حالت کی طرف۔ اور اگر غذا بدبو اور فساد کی طرف بدلے تو پھر وہ نجس ہو گی بھائی، کیا ہو گی؟ نجس ہو گی جیسے پیشاب اور پاخانہ ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ یہاں پر بھی یہ جو کبوتر اور چڑیا نے بیٹ کی ہے یہ **اسْتَحَالَ، اسْتَحَالَ** کے معنی بدل جانا حالت کا، یہ بدل گئی ہے اس کی حالت **إِلَى نَتْنٍ وَفَسَادٍ، نَتْن** کہتے ہیں بدبو کو، فساد خرابی، یہ بدل گئی ہے بدبو اور خرابی کی طرف **فَأَشْبَهَ خُرْءَ الدَّجَاجَةِ** تو یہ مشابہ ہو گئی مرغی کی بیٹ کے، یہ عام گھریلو پالتو مرغی جو ہوتی ہے اس کے یہ مشابہ ہو گئی یہ بیٹ، اور مرغی کی بیٹ تو بالاتفاق نجس ہے لہٰذا اس کبوتر اور چڑیا کی بیٹ کو بھی کیا کہا جائے گا؟ نجس

کہا جائے گا بھائی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آئی بھائی؟ کہ یہ غذا کس کی طرف بدلی ہے؟ بدبو اور فساد کی طرف، تو یہ کس کے مشابہ ہو گئی؟ مرغی کی بیٹ کے، کیونکہ وہ بھی کس کی طرف بدلی ہے؟ بدبو اور فساد کی طرف بدلی ہے اور وہ تو بالاتفاق کیا ہے؟ ناپاک ہے، تو یہ بھی اس کے مشابہ ہے تو اس کا بھی وہی حکم ہو گا، یہ بھی کیا ہو گی؟ ناپاک ہو گی بھائی۔

وَلَنَا اور ہماری دلیل جو ہے **إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى اقْتِنَاءِ الْحَمَامَاتِ فِي الْمَسَاجِدِ** اور ہماری دلیل جو ہے وہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے **عَلَى اقْتِنَاءِ الْحَمَامَاتِ**، **اِقْتِنَاء** کا معنی ہے جمع کرنا، حاصل کرنا، مراد ہے رکھنا رکھنا، اور ہماری دلیل تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اس بات کس بات پر؟ **عَلَى اقْتِنَاءِ الْحَمَامَاتِ** کبوتروں کے رکھنے پر **فِي الْمَسَاجِدِ** کس کے اندر؟ مسجدوں میں **مَعَ وُرُودِ الْأَمْرِ بِتَطْهِيرِهَا** باوجود اس کے کہ حکم وارد ہوا ہے ان مسجدوں کے پاک کرنے کا۔ اگرچہ شریعت نے مسجدوں کو پاک کرنے اور پاک رکھنے کا حکم دیا ہے، نجاست والی چیزوں کو اس سے دور رکھنے کا حکم دیا ہے، لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدا سے آج تک کبوتر وغیرہ مساجد میں آتے ہیں، بسیر اکرتے ہیں اور جب وہ آتے ہیں جاتے ہیں یقیناً بیٹ وغیرہ بھی کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود کوئی بھی مسلمان ان کو روکتا نہیں ہے بھائی۔ معلوم ہوا تمام مسلمانوں کا ان کے آنے جانے پر اجماع ہے اور اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس کی بیٹ پاک ہے، نجس نہیں ہے بھائی۔ اگر نجس ہوتی تو پھر یقیناً مسلمان اس کو روکتے، آنے نہ دیتے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

وَاسْتِحَالَتُهُ لَا إِلَى نَتْنٍ رَائِحَةٍ فَأَشْبَهَ الْحَمْأَةَ اب جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا۔ انہوں نے اس کبوتر اور چڑیا کی بیٹ کو قیاس کیا تھا مرغی کی بیٹ پر اور وہ تو ناپاک تھی تو اس کو بھی کیا حکم دیا؟ ناپاکی کا حکم دے دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ غذا جو ہے، غذا وہ اس کو ناپاک تب کہیں گے جب نتن اور فساد دونوں چیزیں اس میں ہوں۔ وہ غذا جب حالت بدل گئی اس میں بدبو بھی ہو اور فساد بھی ہو، فاسد بھی ہو جائے خراب بھی ہو جائے، تو پھر اس کو نجس کہا جائے گا نجس کہا جائے گا۔ لیکن یہاں کبوتر کی جو بیٹ ہے اور چڑیا کی بیٹ ہے اس وہ اس میں فساد تو ہے لیکن بدبو نہیں۔ اس میں بدبو نہیں، یعنی ایسی بدبو نہیں کہ جسے انسان محسوس کرے بھائی، کچھ نہ کچھ بدبو تو ہو گی لیکن عام بدبو اس میں زیادہ اس میں بدبو نہیں ہے یعنی گویا تقریباً ہے ہی نہیں بھائی، اتنی قلیل ہے۔ تو یہ غذا صرف فساد کی طرف بدلی ہے، اس میں بدبو نہیں، بدبو نہیں۔ اور صرف فساد کی وجہ سے اب نجس ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا بھائی جب تک اس میں بدبو بھی نہ آجائے۔ تو اس میں صرف فساد ہے، صرف فساد ہے۔ تو یہ سیاہ سیاہ کیچڑ کے مشابہ ہو گئی۔ یہ بیٹ کس کے مشابہ ہے؟ **حَمْأَةٌ** لفظ آرہا ہے **حَمْأَةٌ**، یاد رکھیے **حَمْأَةٌ** سیاہ کیچڑ کو کہتے ہیں، وہ کیچڑ جو کنویں وغیرہ کی تہہ میں ہوتا ہے۔ اب چونکہ وہ عرصے تک ہوتا ہے تہہ کے اندر لہٰذا آپ دیکھتے ہیں اس کا رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے، سیاہ پڑ جاتا ہے۔ لیکن کیا وہ نجس ہے؟ کوئی اس کو نجس کہتا ہے؟ نہیں، وہ فساد تو اس کے اندر ہے لیکن بدبو نہیں اس لیے کوئی بھی اس کو خراب نہیں کہتا، تو یہ بیٹ بھی اس کے مشابہ ہو گئی کہ اس کے اندر فساد تو ہے لیکن نتن، بدبو نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا بھی وہی حکم، اور وہ تو کسی کے نزدیک بھی ناپاک نہیں لہٰذا اس کو بھی ناپاک نہیں کہا جائے گا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ نے کبوتر وغیرہ کی بیٹ کو قیاس کیا تھا مرغی کی بیٹ پر اور اس کے نجس ہونے کا حکم لگایا تھا اور ہم نے کہا کہ اس کو کس پر قیاس کیا جائے گا؟ سیاہ کیچڑ پر، کالے کیچڑ پر قیاس کیا جائے گا جو پانی کے اندر نیچے ہوتا ہے اور عرصے تک رہنے کی وجہ سے سیاہ ہو جاتا ہے، اور وہ تو بالاتفاق پاک ہے تو یہ بھی کیا ہو گا؟ پاک ہو گا بھائی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کبوتر اور چڑیا کی بیٹ کو قیاس کیا تھا مرغی کی بیٹ پر تو ہم کہتے ہیں کہ اس کو مرغی کی بیٹ پر قیاس نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو پانی کی تہہ میں جو سیاہ کیچڑ ہوتا ہے اس پر قیاس کیا جائے گا۔ اس لیے کیونکہ مرغی کی جو بیٹ ہے اس کے اندر فساد بھی ہے اور بدبو بھی ہے، جبکہ یہ کبوتر اور چڑیا کی بیٹ کے اندر فساد تو ہے لیکن بدبو نہیں، تو لہٰذا یہ اس کے مشابہ نہیں، البتہ یہ کنویں کی جو سیاہ مٹی ہوتی ہے کیچڑ ہوتا ہے اس کے مشابہ ہے کیونکہ اس کے اندر بھی کیا ہے؟ فساد تو ہے لیکن بدبو نہیں، تو یہ زیادہ کس کے مشابہ ہوا؟ مرغی کی بیٹ کے یا اس کالے کیچڑ کے؟ کالے کیچڑ کے زیادہ مشابہ ہوا، تو لہٰذا اس پر قیاس کرنا چاہیے اور اس کا حکم دینا چاہیے اور وہ تو بالاتفاق پاک ہے، لہٰذا اس کو بھی کیا قرار دینا چاہیے؟ پاک قرار دینا چاہیے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ کہتے ہیں: **وَاسْتِحَالَتُهُ لَا إِلَى نَتْنٍ رَائِحَةٍ** اور اس کے حالت کا بدلنا لَا **إِلَى نَتْنٍ رَائِحَةٍ** بدبو کے علاوہ کی طرف، یعنی بدبو اس میں نہیں، بدبو کے علاوہ کی طرف اس کی حالت کا بدلنا ہے **فَأَشْبَهَ الْحَمْأَةَ** تو یہ سیاہ کیچڑ کے مشابہ ہو گئی۔

فَإِنْ بَالَتْ فِيهَا شَاةٌ نُزِحَ الْمَاءُ كُلُّهُ پس اگر پیشاب کر دیا کنویں کے اندر **شَاةٌ** کس نے؟ بھیڑ بکری نے، پھر بکری کہہ رہے ہیں، بھیڑ بکری نے، ہاں۔ پس اگر پیشاب کر دیا کنویں کے اندر بھیڑ بکری نے **نُزِحَ الْمَاءُ كُلُّهُ** تو نکالا جائے گا سارا پانی **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى** شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک سارا پانی نکالا جائے گا بھائی۔ **وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُنْزَحُ إِلَّا إِذَا غَلَبَ عَلَى الْمَاءِ** امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں پانی نہیں نکالا جائے گا **إِلَّا إِذَا غَلَبَ عَلَى الْمَاءِ** مگر یہاں تک کہ وہ پیشاب پانی پر غالب آجائے۔ پانی پر پیشاب کیا آجائے؟ غالب آجائے، پھر نکالا جائے گا۔ **فَيَخْرُجُ مِنْ أَنْ يَكُونَ طَهُورًا** اس کو **فَيَخْرُجُ** بھی پڑھ سکتے ہیں، **فَيُخْرِجُ** بھی۔ **فَيُخْرِجُ** پڑھیں تو کیا ترجمہ ہو گا؟ کہ یہاں تک کہ پیشاب پانی پر غالب آجائے **فَيُخْرِجُ مِنْ أَنْ يَكُونَ طَهُورًا** تو وہ نکال دے گا پانی کو طہور ہونے سے یعنی طہور کیا معنی؟ مطہر، مطہر ہونے سے نکال دے گا۔ پانی طاہر تو اب بھی ہے لیکن مطہر نہیں، اس سے پاکی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ یا اس کو پڑھ لیں **فَيَخْرُجُ** کہ جب **إِلَّا إِذَا غَلَبَ عَلَى الْمَاءِ** مگر یہ کہ وہ پیشاب غالب آجائے پانی پر **فَيَخْرُجُ مِنْ أَنْ يَكُونَ طَهُورًا** تو نکل جائے گا وہ پانی طہور ہونے سے یعنی اب وہ مطہر نہ رہے، پاک ہے لیکن مطہر نہیں ہے بھائی۔

اس اختلاف کی وجہ دراصل یہ ہے کہ شیخین اور امام محمد رحمہ اللہ کا اختلاف ہے بھائی ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کے اندر۔ ماکول اللحم جانور وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے بھائی، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ بھائی، یہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پاک ہے، یہ ناپاک ہے ہی نہیں، یہ

پاک ہے۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا پیشاب بھی ناپاک ہے نجس ہے بھائی۔ تو لہٰذا شیخین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ کنویں کے اندر اس کا پیشاب گرا بھیڑ بکری کا اور یہ تو ناپاک ہے تو ناپاک چیز کنویں میں گری ہے تو کیا کرنا پڑے گا؟ سارے پانی کو نکالنا پڑے گا۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو یہ پیشاب ان کا پاک ہے لہٰذا یہ کنویں میں گرے گا بھی تو پاک چیز گری ہے، پانی کو نکالنے کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔ اختلاف کی وجہ سمجھ میں آئی بھائی؟

وَأَصْلُهُ أَنَّ بَوْلَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ عِنْدَهُ اصلہ، ھاضمیر اختلاف کو راجع کریں۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے **أَنَّ بَوْلَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ عِنْدَهُ نَجِسٌ عِنْدَهُمَا** کہ وہ پیشاب اس جانور کا جس کا گوشت کھایا جاتا ہے وہ پاک ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، **نَجِسٌ عِنْدَهُمَا** اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک نجس ہے ناپاک ہے۔ **لَهُ** امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے **أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَ الْعُرَنِيِّينَ بِشُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ وَأَلْبَانِهَا** کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا عرنیین یعنی قبیلہ عرینہ والوں کو **بِشُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ وَأَلْبَانِهَا** اونٹوں کے پیشاب اور ان کے دودھ کے پینے کا۔ بھائی یہ کچھ لوگ تھے قبیلہ عرینہ والے بھائی، سات آٹھ یا نو افراد تھے اور یہ آئے اور مدینہ منورہ میں رہنے لگے بھائی مدینہ منورہ میں۔ تو مدینہ منورہ کی آب و ہوا ان کو موافق نہ آئی، یہ بیمار ہو گئے، کمزور پڑ گئے، ان کے رنگ زرد ہو گئے، پیٹ پھول گئے ان کے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنی تکلیف اور پریشانی ذکر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مدینے سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر ایک مقام تھا جہاں مسلمانوں کی صدقے کی اونٹنیاں وغیرہ رکھی جاتی تھیں، چرواہے وغیرہ ان کے پاس وہ اونٹنیاں ہوتیں، تو حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم وہاں جا کر رہو اور ان اونٹنیوں کا دودھ بھی پیو اور ان کا پیشاب بھی پیو، دودھ پیو اور پیشاب پیو۔ تو چنانچہ یہ وہاں جا کر رہنے لگے اور پھر یہ وہاں پر تندرست ہو گئے بھائی ان کی صحت ٹھیک ہو گئی، لیکن یہ اتنے بد فطرت لوگ تھے کہ انہوں نے پھر ان چرواہوں کو قتل کر دیا ٹھیک ہونے کے بعد، ان کو قتل کیا اور اونٹنیوں اور اونٹوں کو بھگا کر لے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی، آپ نے صحابہ کی جماعت کو ان کے پیچھے بھیجا بھائی۔ صحابہ گئے اور ان کو گرفتار کر کے لے آئے بھائی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیے اور لوہے کی سلائیاں گرم کر کے ان کی آنکھوں میں پھیر دی گئیں آنکھیں ان کی پھوڑ دی گئیں اور پھر ان کو اسی حالت کے اندر، اسی حالت کے اندر دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر ڈال دیا گیا۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ پانی پانی پکار رہے تھے پیاس کی وجہ سے، جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم **النَّار، النَّار** یعنی آگ آگ فرماتے تھے جواب میں بھائی۔ تو یہ قبیلہ عرینہ والے لوگ تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ اتنی سختی کیوں کی گئی، وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دراصل اسی سزا کے لائق تھے، یہ بیمار ہو گئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیماری کا علاج ان کو بتایا اور نہ صرف علاج بتایا بلکہ اس کا بندوبست بھی کیا کہ جاؤ جا کر رہو وہاں ہماری مسلمانوں کی اونٹنیاں ہیں ان کا دودھ بھی پیو اور پیشاب بھی پیو، باقاعدہ دوا بھی میسر فرما دی اور پھر ان چرواہوں کو بھی کہا ہو گا یہ لوگ آئے ہیں ان کا خیال وغیرہ رکھنا بھائی، تو وہاں رہے اور پھر تندرست ہونے کے بعد تو ان کے ساتھ احسان کیا گیا تھا تو اس کا جواب ان کو احسان سے دینا چاہیے تھا، لیکن احسان نہ کرتے لیکن کم از کم تکلیف تو نہ دیتے، لیکن انہوں نے کیا کیا؟ احسان کا جواب الٹا تکلیف، اور تکلیف کہتے ہیں عام تکلیف بھی نہیں وہ چرواہے جو ہیں صرف اونٹوں کو بھگا کر نہیں لے گئے، چرواہوں کو قتل کیا اور چرواہوں کو بھی کوئی عام قتل نہیں کیا، اسی طرح ظالمانہ طریقے سے قتل کیا تھا انہوں نے چرواہوں کو بھائی۔ حتیٰ کہ ان کی آنکھوں اور زبان کے اندر کیکر کے کانٹے چبھوئے تھے انہوں نے بھائی، تو خوب ظالمانہ طریقے سے ان کو قتل کیا تھا تو اس لیے حضور علیہ السلام نے ان کو سزا بھی اسی طرح عبرت ناک دی تاکہ آئندہ کبھی کسی کو اس طرح کرنے کی جرأت نہ ہو بھائی، جرأت نہ ہو۔ تو اس طرح یہ ان کا یہ ان کو یہ سزا دی گئی بھائی۔

اور یاد رکھیے یہ ہاتھ پاؤں کا کاٹنا، آنکھوں کا پھوڑنا وغیرہ یہ اس کو **مُثْلَہ** کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مثلہ کہتے ہیں اور شریعت میں مثلہ حرام ہے، جائز نہیں ہے کہ کسی جنگ کے اندر بھی کسی کو مخالف کوئی دشمنوں کو قتل کیا جائے تو ان کا مثلہ کرنے کی شریعت نے اس سے منع کیا ہے بھائی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر تو ان کا مثلہ کیا گیا، مثلہ کہتے ہیں اللہ کی تخلیق کو بگاڑنا خراب کرنا، تو دیکھو یہ ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اسی طرح ناک کان کاٹ دیے جائیں وغیرہ آنکھیں پھوڑ دی جائیں تو اس میں بھی تخلیق کا بگاڑنا ہے بھائی، تو اس سے منع کیا گیا ہے تو تو اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ مثلہ تو جائز نہیں پھر کیسے یہ حکم دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ تو جواب یاد رکھیے گا بھائی کہ یہ واقعہ مثلہ کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، اس کے بعد حکم نازل ہوا اور مثلہ کی ممانعت کر دی گئی بھائی، مثلہ کی۔ تو یہ تھی اس واقعے کی تفصیل بھائی۔ یہ جو دلیل ذکر فرما رہے ہیں امام محمد رحمہ اللہ کہ **أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَ الْعُرَنِيِّينَ بِشُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ وَأَلْبَانِهَا** کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عرینہ والوں کو اونٹنیوں کا پیشاب پینے اور ان کا دودھ پینے کا حکم فرمایا تھا، معلوم ہوا یہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے جبھی تو حضور علیہ السلام ان کو پینے کا حکم دے رہے ہیں بھائی، یہ ان کی دلیل ہے بھائی، یہ ان کی دلیل ہے۔

وَلَهُمَا اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل **قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ** حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: **اسْتَنْزِهُوا عَنِ الْبَوْلِ** تم لوگ پیشاب سے بچو **فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ** کیونکہ عام طور پر اکثر جو ہے عذابِ قبر جو ہے منہ اسی کی وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان پیشاب سے بچتا نہیں بے احتیاطی کرتا ہے۔ تو یہ حدیث شیخین کی دلیل ہے **مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ** حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا بغیر کوئی فرق کیے، یہ صاحبِ ہدایہ کے الفاظ ہیں **مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ** بغیر کسی فرق کے، یعنی اس میں ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی ان کا کوئی فرق نہیں کیا گیا بس مطلقاً فرما رہے ہیں پیشاب سے تم لوگ بچو۔ معلوم ہوا چاہے ماکول اللحم کا

جانور کا پیشاب ہو یا غیر ماکول اللحم کا سب کیا ہیں؟ نجس ہیں، اس سے بچنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

بھائی یہ حدیث آئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم لوگ پیشاب سے بچو کیونکہ اکثر عذابِ قبر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا یوں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبر دو قبریں بنی ہوئی تھیں نئی اور تازہ قبریں، ان کے پاس سے گزرے اور پھر آپ نے دو شاخیں درخت کی دو شاخیں لے کر ایک ایک تازہ شاخیں کٹوا کر ایک ایک قبر پر لگادی اور ایک دوسری قبر پر لگادی بھائی۔ اور فرمایا کہ فرمانے لگے کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے قبر کے اندر تو تو میں نے چاہا کہ یہ تر شاخیں لگادوں کہ یہ جب تک یہ تر شاخیں یہ درخت بھی کیا ہیں؟ اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں تو یہ تر شاخیں حضور نے لگائیں کہ یہ ذکر جب تک ذکر کرتی رہیں گی تب تک ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی بھائی، تب تک اللہ ان کے عذاب میں تب تک اللہ ان کے عذاب میں تاکہ تخفیف فرمادیں بھائی۔ تو یاد رکھیے یہ اس طرح علماء نے لکھا ہے کہ اس طرح کرنا جائز ہے بھائی۔ کسی کی قبر پر تر شاخ لگانا جائز ہے لیکن اس میں مبالغے کی ضرورت نہیں مبالغہ اس کے اندر نہ کیا جائے بھائی، کیونکہ تمام صحابہ گزرے ہیں اور کسی سے اس پر عمل ثابت نہیں سوائے ایک آدھ صحابی کے جنہوں نے وصیت کی تھی کہ میری قبر پر اس طرح شاخ لگادی جائے، تو اس پر عمل البتہ ایک آدھ مرتبہ انسان کر سکتا ہے، علماء نے جائز لکھا ہے لیکن مبالغہ نہ ہو مبالغہ نہ ہو بھائی۔ اور اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ درخت اور پودے وغیرہ چونکہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں لہٰذا قبر پر اگر پودے وغیرہ ہوں تو ان کو کاٹنا نہیں چاہیے بھائی کیونکہ ان کی وجہ سے قبر والے کو نفع ملتا ہے نفع پہنچتا ہے اس کو، ان کو کاٹنا نہیں چاہیے۔ لیکن اس میں میں نے بتایا کہ شاخ وغیرہ لگانے میں مبالغہ نہیں ہونا چاہیے بھائی۔ اور یہ جو قبروں پر پھول ڈالتے ہیں، پھول اور پتیاں ڈالتے ہیں یاد رکھیے یہ جائز نہیں، اس شاخ لگانے کے واقعے سے ان پھولوں کے ڈالنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے بھائی، صحیح نہیں ہے۔ یہ پھول وغیرہ اور پھولوں کی پتیاں ڈالنا یاد رکھیے یہ کفار اور مشرکین کا طریقہ ہے وہ اس طرح کرتے ہیں بھائی۔ اس سے قبر والے کو کیا فائدہ حاصل ہو گا کہ اس پر پھول ڈالے جائیں بھائی؟ تو بلکہ اس کے لیے کیا کرے انسان؟ ایصالِ ثواب کرے بھائی یا زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہے ایک شاخ لگادے اس قبر پر کہ تاکہ جب تک وہ خشک نہیں ہوتی یا جو پودے لگے ہیں ان کو کاٹے نہ ان کے اوپر سے سبز پودے بھائی سبز پودے۔ اور یہ قبریں کن کی تھیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں یہ قبریں کفار کی تھیں، لیکن زیادہ علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی قبریں تھیں بھائی۔ کس کی قبریں تھیں؟ مسلمانوں کی قبریں تھیں جبھی تو ان کے عذاب میں تخفیف کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز شاخیں ان پر لگائیں بھائی سبز شاخیں لگائیں۔ اور علماء کہتے ہیں کہ یہ واقعہ یہ واقعہ ایک بھی نہیں ہے بلکہ دو تین واقعات ہیں بھائی دو تین واقعات اس طرح پیش آئے ہیں بھائی اس طرح کے۔ البتہ بعض روایتوں میں یہ آتا ہے بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ ان میں سے ایک قبر سید الاوس جلیل القدر صحابی حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی بھائی، بعض روایات میں یہ آیا ہے، لیکن یاد رکھیے تمام علماء نے اس کی سختی سے تردید کی ہے، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ بھی بڑی سختی سے اس کی تردید فرماتے ہیں کہ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ تو نہایت جلیل القدر صحابی تھے، ان کا اللہ کے ہاں اتنا عظیم مقام تھا اتنا اونچا مرتبہ تھا کہ روایات میں آتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ ان کے انتقال پر عرشِ الٰہی لرز اٹھا بھائی، عرشِ الٰہی لرزنے لگا بھائی۔ تو یہ اتنے جلیل القدر صحابی تھے کہ عرش ان کی موت کی وجہ سے عرشِ الٰہی بھی لرزنے لگا، یا تو غم کی وجہ سے کہ ان کا انتقال ہوا ہے یا خوشی کی وجہ سے کہ ایک عظیم روح جو ہے دنیا سے اس عالم بالا کی طرف منتقل ہوئی ہے بھائی۔ یاد رکھیے مومن کا جنازہ بڑا وزنی ہوتا ہے، ایمان کا بہت وزن ہوتا ہے، تو جتنا ایمان قوی اور اونچے درجے کا ہو گا اتنا ہی جنازہ وزنی ہو گا، لیکن حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ جب اٹھایا گیا تو وہ بڑا ہی ہلکا پھلکا تھا، چنانچہ منافقین باتیں کرنے لگے کہ حضرت سعد ابن معاذ نے وہ یہودیوں کا قبیلہ تھا بنو قریظہ، ان کے بارے میں چونکہ بڑا سخت فیصلہ کیا اور ان سب کے بالغ مردوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا انہوں نے اور ایسا ہی کیا گیا ان سب کو پھر قتل کر دیا گیا، یہ غزوہ خندق کے فوراً بعد کا واقعہ ہے بھائی، تو ان سب کو قتل کر دیا گیا تو منافقین باتیں کرنے لگے بھائی کہ چونکہ انہوں نے انہوں نے ان کے بارے میں بڑا سخت فیصلہ کیا اس لیے ان کا جنازہ ہلکا پھلکا ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام کے سامنے یہ ذکر ہوا تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: ان کا جنازہ اس لیے ہلکا ہے کیونکہ آسمان سے ستر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں شرکت کے لیے آئے ہیں اور وہ ان کے جنازے کو اٹھائے ہوئے ہیں بھائی۔ اندازہ لگائیے اتنے جلیل القدر صحابی بھائی، تو لہٰذا یہ جو بعض روایات میں آیا کہ یہ ان کی قبر تھی یہ درست نہیں ہے بھائی یہ روایت درست نہیں ہے۔ تو یہ اس موقع پر وہ جو قبروں پر حضور علیہ السلام نے وہ سبز شاخیں لگائیں اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: **اسْتَنْزِهُوا عَنِ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ** پیشاب سے بچو تم لوگ کیونکہ اکثر عذابِ قبر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

وَلِأَنَّهُ يَسْتَحِيلُ إِلَى نَتْنٍ وَفَسَادٍ یہ شیخین رحمہما اللہ کی ایک تو دلیل حدیث ذکر کر دی اور ایک ان کی دوسری دلیل قیاس بھی ذکر کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ يَسْتَحِيلُ إِلَى نَتْنٍ وَفَسَادٍ** بھائی دیکھیے حیوان جو بھی غذا کھاتا ہے اس کی دو ہی حالتیں ہیں: یا تو وہ نتن اور فساد کی طرف بدلتا ہے یا کس کی طرف؟ اچھی حالت کی طرف، اور یہ جو ماکول اللحم جانور کا پیشاب ہے یہ بھی کس حالت اچھی حالت کی طرف بدلا ہے یا نتن اور فساد کی طرف بدلا ہے؟ یہ نتن اور فساد کی طرف بدلا ہے اس میں بدبو بھی ہے اور یہ فاسد بھی ہے، تو یہ غیر ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی طرح ہوا۔ کس کا پیشاب؟ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب غیر ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی طرح ہوا کیونکہ وہ بھی کس کی طرف بدلا ہے؟ نتن اور فساد کی طرف، تو یہ بھی نتن اور فساد کی طرف بدلا ہے، یہ ان کی طرح ہوا اور وہ تو بالاتفاق نجس ہیں لہٰذا اس کو بھی کیا کہا جائے گا؟ نجس کہا جائے گا بھائی۔ **وَلِأَنَّهُ يَسْتَحِيلُ إِلَى نَتْنٍ وَفَسَادٍ** اور اس لیے کیونکہ یہ جو پیشاب ہے ماکول اللحم جانوروں کا یہ بدلا ہے **إِلَى نَتْنٍ وَفَسَادٍ** بدبو اور فساد کی طرف، **فَصَارَ كَبَوْلِ مَالَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ** تو یہ ہو گیا وہ پیشاب ان جانوروں کے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کی طرح۔

وَتَأْوِيلُ مَا رَوَى أَنَّهُ عَرَفَ شِفَاءَهُمْ وَحْيًا اور تاویل اس حدیث کی جس کو امام محمد رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ وہ جو حضور علیہ السلام نے عرنیین والوں

کو اونٹوں کے پیشاب پینے کا حکم دیا تھا اس کی تاویل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو ان کی شفاء کا پتہ وحی سے چلا تھا بھائی۔ کس چیز سے؟ وحی کے ذریعے حضور علیہ السلام کو بتلایا گیا تھا کہ یہ ان کی شفاء کس کے اندر ہے ان اونٹوں کے اونٹنیوں کا دودھ بھی پیئیں اور ان کا پیشاب بھی پیئیں بھائی پیشاب بھی پیئیں۔ تو لہٰذا اس سے ان کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوتا بھائی، پاک ہونا۔ اور علماء لکھتے ہیں، علماء لکھتے ہیں چونکہ یہ بد فطرت لوگ تھے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتلایا گیا اور نجس چیز کو ان کے لیے بطورِ علاج کے تجویز کیا گیا بھائی کہ یہ بد فطرت لوگ ہیں تو بری چیز ہی ان کے لیے علاج کے طور پر ذکر کی گئی۔ تو کہتے ہیں: **وَتَأْوِيلُ مَا رَوَى أَنَّهُ عَرَفَ شِفَاءَهُمْ وَحْيًا** اور تاویل اس حدیث کی جس کو روایت کیا امام محمد رحمہ اللہ نے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا تھا ان کی شفاء کو وحی سے۔

ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَحِلُّ شُرْبُهُ لِلتَّدَاوِي اچھا بھائی ماکول اللحم جانوروں کا ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب اس میں آپ نے اختلاف پڑھ لیا، شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ناپاک ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ پاک ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا اس ماکول اللحم جانور کے پیشاب کو بطورِ دوا کے علاج معالجے کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے یا جائز نہیں ہے بھائی؟ تو وہ ذکر کر رہے ہیں: **ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ** پھر امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک **لَا يَحِلُّ شُرْبُهُ لِلتَّدَاوِي** حلال نہیں ہے جائز نہیں ہے اس کا پینا **لِلتَّدَاوِي** علاج معالجے کے لیے، **لِأَنَّهُ لَا يُتَيَقَّنُ بِالشِّفَاءِ فِيهِ** اس لیے کیونکہ یقینی نہیں ہے شفاء اس میں، کیونکہ اس میں شفاء کا ہونا یقینی نہیں ہے، حضور علیہ السلام کو تو وحی کے ذریعے بتلایا گیا تھا، ویسے کسی اور کا اس میں شفاء کا ہونا یقینی نہیں ہے، تو لہٰذا **فَلَا يُعْرَضُ عَنِ الْحُرْمَةِ** لہٰذا حرمت سے اعراض نہیں کیا جائے گا، حرمت حرام ہے تو اس حرمت کو چھوڑا نہیں جائے گا اسی طرح حرام قرار دیا جائے گا علاج کے لیے بھی استعمال جائز نہیں کیونکہ وہاں پر تو ان کا شفاء کا یقینی طور پر علم ہوا تھا وحی کے ذریعے، کوئی اور استعمال کرتا ہے تو وہاں پر شفاء کا یقینی شفاء یقینی نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے **فَلَا يُعْرَضُ عَنِ الْحُرْمَةِ** لہٰذا اعراض نہیں کیا جائے گا حرمت سے۔

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَحِلُّ لِلتَّدَاوِي امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہے تو نجس لیکن علاج کے طور پر اس کا استعمال جائز ہے حلال ہے، **لِلْقِصَّةِ** اس قصے کی وجہ سے، قصۂ عرنیین بھائی۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَحِلُّ لِلتَّدَاوِي وَغَيْرِهِ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان اس کا استعمال حلال ہے جائز ہے **لِلتَّدَاوِي** علاج کے لیے بھی **وَغَيْرِهِ** اور غیر علاج کے لیے بھی اور علاج وغیرہ کے علاج کے علاوہ بھی یہ جائز ہے **لِطَهَارَتِهِ عِنْدَهُ** بوجہ اس کے پاک ہونے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، کیونکہ ان کے نزدیک یہ کیا ہے؟ پاک ہے بھائی پاک ہے۔ چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۲۲: مسئلہ: وَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا فَأْرَةٌ أَوْ عُصْفُورَةٌ

ہدایہ صفحہ: ۴۱ــــ بتاریخ: ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا فَأْرَةٌ أَوْ عُصْفُوْرَةٌ أَوْ صُدَانِيَّةٌ أَوْ صَعْوَةٌ أَوْ سَامٌّ أَبْرَصَ نُزِحَ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا إِلَى ثَلَاثِيْنَ بِحَسَبِ كِبَرِ الدَّلْوِ وَصِغَرِهَا، يَعْنِي بَعْدَ إِخْرَاجِ الْفَأْرَةِ، لِحَدِيْثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ فِي الْفَأْرَةِ إِذَا مَاتَتْ فِي الْبِئْرِ وَأُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهِ يُنْزَحُ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا۔ [1]

کنویں کے مسائل چل رہے ہیں۔ آج آپ کو بتلا رہے ہیں: «**وَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا فَأْرَةٌ أَوْعُصْفُوْرَةٌ**» اگر مر جائے کنویں کے اندر «**فَأْرَةٌ**»، «**فَأْرَةٌ**» کہتے ہیں چوہے کو بھائی۔ «**عُصْفُوْرَةٌ**» چڑیا بھائی، چڑیا۔ «**صُدَانِيَّةٌ**» یہ بھی ایک قسم کی چڑیا ہے لیکن یہ جو عام چڑیا ہوتی ہے اس سے کچھ چھوٹی ہوتی ہے بھائی۔ «**أَوْ صَعْوَةٌ**» یہ بھی ایک قسم کی چڑیا ہے لیکن یہ جو عام چڑیا ہے اس سے معمولی سی بڑی ہوتی ہے بھائی، «**صَعْوَةٌ**»۔

«**أَوْ سَامٌّ أَبْرَصَ**» میم مشدد ہے بھائی، اور جز ثانی جو ہے وہ غیر منصرف۔ «**أَوْ سَامٌّ أَبْرَصَ**»، سام ابرص یہ چھپکلی کی ایک قسم ہے بھائی۔ چھپکلی کی ایک قسم ہے، یہ جو گھروں میں عام چھپکلی پائی جاتی ہے اس سے معمولی سی بڑی ہوتی ہے۔ وہ وہ خاص نوع ہے، خاص قسم ہے اس کو سام ابرص کہتے ہیں عربی میں بھائی۔

تو صاحب قدوری فرما رہے ہیں کہ اگر کنویں کے اندر چوہا گر کر مر جائے یا چڑیا مر جائے «**أَوْ صُدَانِيَّةٌ أَوْصَعْوَةٌ**» یا یہ اس جو چڑیا کی دو قسمیں یہ، «**أَوْ سَامٌّ أَبْرَصَ**» یا یہ جو چھپکلی کی قسم ہے یہ گر کر مر جائے «**نُزِحَ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا إِلَى ثَلَاثِيْنَ**» تو نکالے جائیں گے اس کنویں سے بیس ڈول سے لے کر تیس تک «**بِحَسَبِ كِبَرِ الدَّلْوِوَصِغَرِهَا**» بڑے اور چھوٹے ڈول کے اعتبار سے بھائی۔ یعنی اگر بڑے ڈول ہیں کنویں پر تو پھر بیس ڈول نکال لیے جائیں اور اگر چھوٹے ہیں تو پھر کتنے نکال لیں گے؟ تیس ڈول تک نکال لیں گے بھائی۔

■ مسئلہ: يَعْنِي بَعْدَ إِخْرَاجِ الْفَأْرَةِ

«**يَعْنِي بَعْدَ إِخْرَاجِ الْفَأْرَةِ**» صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ چوہا نکالنے کے بعد۔ بھائی وہ چیز جو گری ہے کنویں کے اندر وہ جانور اور جس کی وجہ سے یہ پانی نکالنے کا حکم دیا گیا تو پہلے اس نجاست کو نکالا جائے گا، اس جانور کو نکالا جائے گا اور پھر اس کے بعد یہ بیس یا تیس ڈول نکالے جائیں گے بھائی، بیس یا تیس ڈول۔

اور اگر وہ چوہا یا چڑیا وغیرہ نکالنے سے پہلے بیس یا تیس ڈول نکالے تو یاد رکھیے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پہلے اس کو نکالیں گے اور اس کے بعد پانی نکالا جائے گا۔

اور دلیل اس کی کہہ رہے ہیں: «**لِحَدِيْثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ فِي الْفَأْرَةِ إِذَا مَاتَتْ فِي الْبِئْرِ وَأُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهِ**»، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ فرماتے ہیں اس چوہے کے بارے میں جب وہ مر جائے کنویں کے اندر اور نکال لیا جائے «**مِنْ سَاعَتِهِ**» اسی گھڑی کے اندر بھائی۔ اسی فوراً ہی کو فوراً ہی کیا کر لیا گیا اسے؟ نکال لیا گیا۔ اس اس بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «**يُنْزَحُ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا**» کہ اس سے کتنے ڈول نکالے جائیں گے؟ بیس ڈول بھائی۔

تو حدیث کے اندر تو صرف چوہے کے بارے میں ذکر ہوا، تو پھر یہ چڑیا وغیرہ ان کا حکم؟ تو وہ صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کہتے ہیں: «**وَالْعُصْفُوْرَةُ وَنَحْوُهَا تُعَادِلُ الْفَأْرَةَ فِي الْجُثَّةِ**» کہ چڑیا اور اس جیسی جو چیزیں ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں «**تُعَادِلُ الْفَأْرَةَ**» وہ چوہے کے برابر ہیں «**فِي الْجُثَّةِ**» کس کے اندر؟ جث

[1] ساقط لفظ/عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۴): «**أو سودانية**»۔ • شاملہ (ص ۱۴) میں «**عِشْرُوْنَ**» کے بجائے «**ما بين عشرين**»، شاملہ (ص ۱۴) میں «**سَاعَتِهِ يُنْزَحُ**» کے بجائے «**ساعتها نزح**» درج ہے۔

سبق نمبر ۲۲: مسئلہ: وَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا فَأْرَةٌ أَوْ عُصْفُورَةٌ

جثہ کے اندر یعنی جسامت کے اندر «فَأَخَذَتْ حُكْمَهَا» تو انہوں نے اسی کا حکم لے لیا۔ یعنی یہ بھی اسی حکم کے اندر ہیں تو ان میں بھی اسی لیے ہم نے کہا کہ ان میں بھی اتنے ہی ڈول نکالے جائیں گے۔

■ مسئلہ: وَالْعِشْرُوْنَ بِطَرِيْقِ الْإِيْجَابِ وَالثَّلَاثُوْنَ...

«وَالْعِشْرُوْنَ بِطَرِيْقِ الْإِيْجَابِ وَالثَّلَاثُوْنَ بِطَرِيْقِ الِاسْتِحْبَابِ» صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں کہ بیس ڈول جو ہیں وہ ایجاب کے طریقے پر ہیں اور تیس ڈول جو ہیں وہ استحباب کے طریقے پر ہیں۔ یعنی بیس ڈولوں کا نکالنا تو واجب ہے اور تیس نکال لے تو بہتر ہے، مستحب ہے بھائی۔

یاد رکھیے یہ جو چوہے وغیرہ کا ذکر آیا اس میں یہ ضروری ہے کہ چوہے پر کوئی اس کے بدن پر کوئی نجاست وغیرہ نہ لگی ہوئی ہو بھائی۔ اگر اس کے بدن پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہے یا مثلاً وہ بلی اس کے پیچھے دوڑ بھاگ رہی ہے اور اس کا بدن زخمی ہے بھائی، یا ویسے ہی بدن زخمی ہے اور خون لگا ہوا ہے اور وہ پانی کے اندر گر گیا تو یاد رکھیے اس صورت میں بیس یا تیس ڈول کا حکم نہیں ہے بلکہ پھر سارا پانی نکالنا پڑے گا، تفصیل آگے آرہی ہے بھائی۔ تو یہ اس صورت میں جب بدن پر کوئی نجاست ان کے نہ لگی ہو۔ اور نیز فقہاء فرماتے ہیں بھائی کہ چوہا بلی سے ڈر کر نہ بھاگا ہو بھائی۔ کیونکہ اگر بلی سے ڈر کر بھاگا ہے تو پھر یقیناً وہ پانی میں گرا اور بلی سے ڈر کر بھاگا ہے خوف کی حالت میں ہے تو وہ ضرور پانی میں پیشاب کر دے گا بھائی، تو لہٰذا اس صورت میں کیا کرنا پڑے گا؟ سارا پانی نکالنا پڑے گا بھائی۔

«فَإِنْ مَاتَتْ»، اب چوہے وغیرہ سے جو بڑے جانور ہیں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ «فَإِنْ مَاتَتْ فِيْهَا حَمَامَةٌ أَوْنَحْوُهَا» اگر کنویں میں گر کر مر جائے کبوتر «أَوْ نَحْوُهَا» یا اس جیسا کوئی پرندہ، جانور وغیرہ «كَالدَّجَاجَةِ» جیسے کہ مرغی ہے «وَالسِّنَّوْرِ» اور بلی ہے «نُزِحَ مِنْهَا» تو نکالے جائیں گے اس کنویں سے «مَا بَيْنَ أَرْبَعِيْنَ دَلْوًا إِلَى سِتِّيْنَ» چالیس سے لے کر ساٹھ ڈول تک بھائی۔ چالیس سے لے کر ساٹھ ڈول تک نکالے جائیں گے۔

■ مسئلہ: وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ أَرْبَعُوْنَ أَوْخَمْ...

«وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ أَرْبَعُوْنَ أَوْخَمْسُوْنَ» اور جامع صغیر کے اندر آیا ہے کہ چالیس یا پچاس نکل ڈول نکالے جائیں گے بھائی۔ متن میں تو کیا آیا چالیس سے ساٹھ، جبکہ جامع صغیر کے اندر چالیس سے (یرحمک اللہ) چالیس سے پچاس کا ذکر آیا ہے «وَهُوَ الْأَظْهَرُ» اور یہ قول زیادہ ظاہر ہے۔ جو جامع صغیر کے اندر آیا بھائی، یہ زیادہ ظاہر اس لیے کیونکہ یہ امام محمد رحمہ اللہ کی آخری تصنیف ہے۔ آخری تصنیف ہے۔ معلوم ہوا اس قول کی طرف انہوں نے رجوع کیا ہے آخر میں بھائی۔ تو لہٰذا یہ قول زیادہ ظاہر ہے۔

اور دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ یہ کبوتر، بلی وغیرہ کے اندر چالیس ڈول چالیس یا پچاس ڈولوں کا ذکر جو آیا اس کی کیا وجہ ہے؟ دلیل کہتے ہیں: «لِمَا رُوِيَ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ» بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے «أَنَّهُ قَالَ فِي الدَّجَاجَةِ» کہ انہوں نے فرمایا مرغی کے بارے میں «إِذَا مَاتَتْ فِي الْبِئْرِ» جب وہ مر جائے کنویں کے اندر، اب وہ آگے حدیث کے ان کا الفاظ آرہے ہیں قول ان کا، کہ «يُنْزَحُ مِنْهَا أَرْبَعُوْنَ دَلْوًا» اس کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں گے۔

حدیث میں چالیس ڈولوں کا ذکر آیا اور جامع صغیر میں کتنا آیا تھا؟ چالیس یا پچاس۔ تو صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں «هَذَا لِبَيَانِ الْإِيْجَابِ» یہ جو حدیث میں چالیس ڈول آئے یہ ایجاب کے بیان کے لیے ہیں، یعنی چالیس ڈول نکالنا واجب ہیں «وَالْخَمْسُوْنَ بِطَرِيْقِ الِاسْتِحْبَابِ» اور پچاس ڈول جو ہیں وہ استحباب کے طریقے پر ہیں یعنی مستحب ہے ان کا نکالنا۔

■ مسئلہ: ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِي كُلِّ بِئْرٍ دَلْوُهَا الَ...

«ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِي كُلِّ بِئْرٍ دَلْوُهَا الَّذِي يُسْتَقَى بِهِ يُسْتَقَى بِهِ مِنْهَا» پھر جو ہے معتبر جو ہے ہر کنویں کے اندر اس کا وہ ڈول ہے «الَّذِي يُسْتَقَى بِهِ» کہ جس کے ذریعے پانی نکالا جاتا ہے «مِنْهَا» اس کنویں سے۔ تو یاد رکھیے ہر کنویں کے اندر اسی کے ڈول کا اعتبار ہے۔ جس کنویں پر جو ڈول استعمال ہوتا ہے اسی کے ساتھ چالیس یا پچاس ڈولوں کا حساب کیا جائے گا بھائی۔

«وَقِيْلَ» اور کہا گیا یہ دوسرا قول ذکر کر رہے ہیں لیکن «قِيْلَ» کے ساتھ ذکر کیا اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ضعیف قول ہے۔ «وَقِيْلَ» اور کہا گیا ہے «دَلْوٌ يَسَعُ فِيْهِ صَاعٌ» ایسا ڈول «يَسَعُ فِيْهِ صَاعٌ» کہ گنجائش ہو جس کے اندر ایک صاع کی۔ «يَسَعُ فِيْهِ» کہ اس میں گنجائش ہو۔ یا یوں ترجمہ کر لیں: «دَلْوٌ يَسَعُ فِيْهِ صَاعٌ» ایسا ڈول کہ جس میں سماتا ہو صاع بھائی، جس میں ایک صاع سماتا ہو بھائی۔

صاع کا یہاں ذکر آیا بھائی، صاع بھائی۔ یہ اوزان شرعیہ وغیرہ اور شرعی مقداریں جو مختلف چیزوں کے اندر بیان ہوتی ہیں ان کا آپ کو علم ہونا چاہیے بھائی، علم ہونا چاہیے۔ یاد رکھیے صاع جو ہیں تین قسم کے ہیں بھائی، تین قسم کے۔ ایک صاع ہاشمی کہلاتا ہے، ایک صاع حجازی کہلاتا ہے، اور ایک صاع عراقی کہلاتا ہے، اور تینوں کی مقداریں مختلف ہیں بھائی۔ تینوں کی مقداریں مختلف ہیں بھائی۔

یاد رکھیے صاع ہاشمی جو ہے وہ بتیس رطل کا ہوتا ہے۔ بتیس رطل، را، طا، لام۔ را، طا بھائی، طا، ظا۔ را، طا، لام، رطل۔ صاع ہاشمی کتنا ہے؟ بتیس رطل کا ہے۔ اور صاع حجازی جو ہے، صاع حجازی جو ہے، پانچ رطل اور ثلث رطل کا ہے۔ صاع حجازی، پانچ رطل اور ثلث رطل، یعنی رطل کا تیسرا حصہ، یعنی سوا پانچ سے کچھ زائد بھائی، سوا پانچ رطل سے کچھ زائد ہوتا ہے صاع حجازی۔ اور صاع عراقی جو ہے، یہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے بھائی، آٹھ رطل بھائی۔ اور یہ ہے صاع حنفی بھائی۔ یہ کیا ہے؟ صاع حنفی بھائی۔

دراصل علماء میں اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ کے اندر کون سا صاع رائج تھا بھائی۔ صاع کا ذکر تو آتا ہے لیکن صاع تو مقدار ہے اور یہ دو تین قسم کے ہیں تو کون سا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا بھائی؟ تو عند الاحناف یہ صاع عراقی رائج تھا بھائی۔ جبکہ اور علماء دوسرے صاع کے بھی بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ رائج تھے، تو البتہ احناف کے نزدیک یہ صاع مراد ہے۔

اب یہاں پر رطل کا ذکر آیا بھائی۔ بھائی میں نے یہ تو ذکر کر دیا صاع عراقی آٹھ رطل کا ہے، لیکن آپ کو ابھی بھی پتہ نہیں چلا ہوگا یہ پہلے پتہ تو چلے رطل کتنا ہوتا ہے۔ یاد رکھیے رطل برابر ہے پونے چونتیس تولے بھائی، پونے چونتیس تولے، یعنی اگر ہندسوں میں لکھنا چاہیں ۳۳.۷۵ تولے۔ پونے چونتیس تولے۔ اور دو رطل ہوں تو یہ بنتا ہے ایک مد بھائی۔ میم، دال بھائی، میم پر پیش ہے، مد۔ دو رطل برابر ہیں ایک مد کے۔ اور چار مد ہوں تو یہ بنتا ہے ایک صاع۔ اور یہ برابر ہے یہ ایک صاع جو ہے برابر ہے دو سو ستر تولے بھائی۔ یہ صاع برابر کتنے کے ہو گیا؟ دو سو ستر تولے۔ اور آج کل کے وزن کے اعتبار سے یہ بنتا ہے تین سیر چھ چھٹانک بھائی۔ یہ صاع کی بات ہو رہی ہے۔ چار مد برابر کتنے کے؟ ایک صاع، اور یہی ایک صاع جو ہے یہ کتنا ہے؟ دو سو ستر تولے، اور یہی آج کل کے اعتبار سے کتنا ہے وزن؟ آج کل کا ہمارے ہاں سیر رائج ہے تو یہ کتنے سیر ہوا؟ تین سیر چھ چھٹانک، یعنی یوں کہو تین سیر ڈیڑھ پاؤ بھائی، تین سیر ڈیڑھ پاؤ، یہ ہے ایک صاع کی مقدار بھائی۔

جی؟ چار مد وہی صاع ہے نا۔ چار مد وہی صاع ہے۔ مد کے اندر کہیں گے صاع کو کہیں گے چار مد ہے۔ تولوں میں کوئی پوچھے تو کہیں دو سو ستر تولے ہے۔ سیروں میں کوئی پوچھے تو کہو تین سیر ڈیڑھ پاؤ ہے، یہ ساری صاع ہی کی مقدار ہے بھائی صاع کی مختلف اعتبارات سے۔

اور یاد رکھیے ساٹھ صاع ہوں تو یہ ایک وسق بنتا ہے۔ واؤ، سین، اور قاف دو نقطوں والا، وسق بھائی۔ یہ بڑا پیمانہ ہے بھائی چیزوں کے پیمائش کا بڑا پیمانہ ہے، وسق بھائی۔ ساٹھ صاع ہوں تو ایک وسق بنتا ہے۔ تو وسق کتنا ہوا؟ ساٹھ صاع میں۔ اور آج کل سیروں کے اعتبار سے اگر حساب لگائیں صاع کا وسق کا وسق، ایک وسق برابر ہے پانچ من اڑھائی سیر بھائی۔ پانچ، بھائی چالیس سیر ہو تو ایک من بنتا ہے، تو وسق کی مقدار میں بیان کر رہا ہوں منوں کے اندر بھائی۔ وسق کتنا ہے؟ پانچ من اڑھائی سیر، ڈھائی سیر کہہ لیں، پانچ من ڈھائی سیر۔

اور بارہ وسق ہوں تو یہ بنتا ہے ایک کر بھائی۔ ایک کر، کاف چھوٹا اور رامشدد، «كُرٌّ»، «كُرٌّ»، بارہ وسق ہیں بھائی۔ اور یہ بھی یاد رکھیے ایک سیر برابر ہوتا ہے اسی تولے کے بھائی۔

تو میں نے آپ کو بتایا ایک صاع برابر ہے کتنے کے؟ دو سو ستر تولے کے برابر ہے، دو سو ستر تولے کے برابر۔ یہ وہ صاع حنفی کی بات ہو رہی ہے یعنی صاع عراقی کی بات ہو رہی ہے، باقیوں کا آپ کو پتہ چل گیا۔ صاع عراقی کتنا ہے؟ آٹھ رطل کا، اور صاع ہاشمی کتنا ہے؟ بتیس رطل کا، یعنی چار گنا بڑا ہے اس سے چار گنا، اور صاع حجازی وہ تقریباً پانچ رطل اور ثلث رطل یعنی سوا پانچ رطل سے کچھ زائد ہے، معلوم ہوا یہ سب سے چھوٹا صاع ہے۔ تو علماء کا اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کون سا صاع رائج تھا مدینہ منورہ کے اندر؟ بعض علماء صاع ہاشمی کی طرف گئے ہیں، بعض علماء صاع حجازی کی طرف گئے ہیں لیکن عند الاحناف بھائی راجح قول یہ ہے کہ کون سا؟ احناف کے نزدیک اس زمانے میں وہ صاع عراقی رائج تھا بھائی، صاع عراقی رائج تھا۔

اور آج کل آپ کے ہاں کلو رائج ہے، کلو۔ تو میں نے سیر کی بات کی کہ ایک صاع برابر ہے تین سیر ڈیڑھ پاؤ۔ اگر کلو میں کرنا چاہیں کلو میں تو اس کا بھی آپ حساب لگا سکتے ہیں کیونکہ ایک تولہ برابر ہوتا ہے گیارہ اعشاریہ چھ چھ تین آٹھ گرام کے۔ ایک تولہ برابر ہے گیارہ اعشاریہ چھ چھ تین آٹھ گرام بھائی، گرام۔

بھئی آپ کو حساب کی بھی ایک قیمتی بات بتاؤں بھائی، یاد رکھنا یہ جو اعشاریہ کے بعد ہندسے ہوتے ہیں ان کو الگ الگ بولا جاتا ہے۔ گیارہ اعشاریہ چھیاسٹھ اس کو اگر کوئی پڑھے تو غلط پڑھتا ہے بھائی۔ تو اس کو کیسے پڑھیں گے؟ گیارہ اعشاریہ چھ چھ تین آٹھ بھائی۔ گیارہ اعشاریہ چھ چھ تین آٹھ۔ تو لہٰذا اعشاریہ کے بعد ہندسے الگ الگ پڑھے جاتے ہیں، ملا کر بھی بعض لوگ پڑھتے ہیں وہ غلط ہے۔ بھئی اس اعتبار سے تو وہ یوں پڑھے گا گیارہ اعشاریہ چھ ہزار چھ سو اڑتیس، حالانکہ اس طرح پڑھنا غلط ہے بھائی، اور عام لوگ کثرت سے یہ غلطی کرتے ہیں بھائی۔

اچھا، تولہ گیارہ اعشاریہ چھ چھ تین آٹھ گرام کے برابر ہوا۔ تو اب آپ حساب لگا رہے تھے کس کے اندر؟ کلو کے اندر، کلو کے اندر۔ یاد رکھیے کلو جو ہوتا ہے وہ ایک ہزار گرام کا ہوتا ہے بھائی، ایک ہزار گرام کا۔ اب آپ آسانی سے حساب لگا سکتے ہیں۔ بھائی ایک صاع میں ہیں دو سو ستر تولے (یرحمک اللہ)، ایک صاع میں کتنے تولے

ہیں؟ دو سو ستر کو گیارہ اعشاریہ چھ چھ تین آٹھ سے ضرب دیں تو گراموں کے اندر صاع کا وزن آپ کے پاس آجائے گا۔ کسی کے پاس کیلکولیٹر ہے تو جلدی کرے بھائی۔ دو سو ستر کو ضرب دیں، دو سو ستر تولے ہیں نا، اور ایک تولہ گیارہ اعشاریہ چھ چھ تین آٹھ کے برابر ہے تو دو سو ستر تولے کو اس کے ساتھ دو سو ستر کو ضرب دے دیں گے تو کتنا جواب آیا؟ تین ہزار ایک سو انچاس اعشاریہ دو دو چھ بھائی۔ یہ گرام آگئے۔ تو تین ہزار ایک سو، معلوم ہوا تین کلو پورے ہیں۔ تین کلو پورے اور ایک سو انچاس اعشاریہ دو دو پانچ، یہ ایک سو انچاس تو اگر دو سو پچاس ہو تا تو یہ پاؤ ہوتا تو یہ تقریباً آدھے پاؤ کے برابر ہے، آدھے پاؤ کے تھوڑا سا زیادہ۔ تو تین کلو اور آدھے پاؤ کے قریب قریب یہ ایک صاع ہوتا ہے بھائی، ایک صاع۔ سیروں میں تھا تین سیر ڈیڑھ پاؤ اور کلو کے اندر تین کلو اور آدھ پاؤ تقریباً بھائی، آدھ پاؤ بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ اوزان آپ کو یاد ہونے چاہئیں بھائی، اور اس میں آپ نے دیکھا تو وسق کا بھی ذکر آیا۔ بعض جگہ وسق کا لفظ آتا ہے، قدیم پیمانے ہیں، اس کا بھی آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ ساٹھ صاع کے برابر ہے اور آج کل کے اعتبار سے جو سیر رائج ہے پانچ من اڑھائی سیر یہ وزن بنتا ہے، اور سب سے بڑا پیمانہ جو ذکر ہوا وہ «**كُرٌّ**» ذکر ہوا۔ آپ نے نحو کی کتابوں میں پڑھا ہو گا: «**اَلْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّيْنَ دِرْهَمًا**» بھائی، «**اَلْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّيْنَ دِرْهَمًا**» کہ گندم جو ہے **بُرٌّ** گندم کو کہتے ہیں، گندم جو ہے «**اَلْكُرُّ مِنْهُ**» (یرحمک اللہ) «**اَلْكُرُّ مِنْهُ**» اس میں سے ایک کر، ایک کر پیمانہ جو ہے «**بِسِتِّيْنَ دِرْهَمًا**» وہ کتنے کے بدلے میں ہے؟ ساٹھ درہم کے بدلے ہے یعنی ساٹھ درہم کا ہے وہ بھائی۔

جی، دیکھیے بھائی اب کتاب پر: «**وَقِيْلَ دَلْوٌ يَسَعُ فِيْهِ صَاعٌ**» اور کہا گیا ہے ایسا ڈول کہ جس میں گنجائش ہو ایک صاع کی۔ «**وَلَوْ نُزِحَ مِنْهَا بِدَلْوٍ عَظِيْمٍ مَرَّةً مِقْدَارُ عِشْرِيْنَ دَلْوًا جَازَ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ**» صاحب ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ اگر ایک ہی بڑے ڈول کے ذریعے یہ مقدار نکال دی جائے تو بھی کافی ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔ مقصد کیا تھا مثلاً؟ بیس ڈول یا چالیس ڈول جتنے بھی نکالنا تھے وہ نکالنا مقصد تھا، تو اب اگر بڑا ڈول ڈالا اور اس بڑے ڈول کے اندر وہ اتنا بڑا ہے کہ ایک ہی ڈول کے اندر وہ عام استعمال والے چالیس ڈول آجاتے ہیں تو وہ بڑا ڈول ایک ہی مرتبہ بھر کر نکال لیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔ مقصد کیا تھا؟ چالیس ڈول کی مقدار پانی نکالنا اور وہ پانی ایک ہی مرتبہ میں نکال لیا بھائی، وہ نکل آیا تو کنواں پاک ہوا۔ یہ معنی ہے «**وَلَوْ نُزِحَ مِنْهَا بِدَلْوٍ عَظِيْمٍ**» اور اگر نکالا گیا کنویں سے بھائی بڑے ڈول کے ساتھ «**مَرَّةً**» ایک ہی مرتبہ میں، کیا نکالا گیا؟ «**مِقْدَارُ عِشْرِيْنَ دَلْوًا**» بیس ڈول کی مقدار «**جَازَ**» تو یہ بھی جائز ہے «**لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ**» کیونکہ مقصود کیا ہوا؟ مقصد حاصل... مقصد کیا تھا؟ چالیس ڈول نکالنا اور وہ مقصد پورا ہو گیا۔

اور یہ بھی یاد رکھیے، اکٹھے نکالنا بھی نہیں ضروری بھائی۔ اگر متفرق طور پر بھی نکل جائیں بیس ڈول تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ دو ڈول آپ نے ابھی نکال لیے، پھر دو چار ڈول تھوڑی دیر بعد نکال لیے، پھر دو چار ڈول کچھ دیر بعد نکال لیے، اس کے بعد دو چار ڈول کل نکال لیے آپ نے۔ بس جب وہ مقدار نکل آئے گی پوری ہو جائے گی چاہے متفرق طور پر ہی کیوں نہ ہو پھر کنواں پاک ہو جائے گا، اس سے پہلے پاک نہیں بھائی۔

اور اسی طرح یاد رکھیے، اگر بے وضو آدمی کنویں کے اندر اتر گیا بھائی، بے وضو تھا تو کنویں میں اترا پانی میں اور پھر نکل آیا تو وضو ہو گیا یا نہیں ہوا بھائی؟ ہو گیا، تو ماء مستعمل بن گیا۔ لہٰذا اب بھی یہی حکم ہے کہ چالیس ڈول نکال لیے جائیں بھائی۔ کتنے نکال لیے جائیں؟ چالیس ڈول وجوباً نکال لیے جائیں گے پھر کنواں پاک ہو جائے گا بھائی، پاک ہو جائے گا۔ یہ کب؟ جب بے وضو تھا، بے وضو تھا۔ یا باوضو تھا لیکن وضو کی بھی نیت کر لی اندر اترتے ہوئے بھائی، تو بھی قربت کی نیت ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ ماء مستعمل بن جائے گا تو لہٰذا اس صورت میں بھی وہ چالیس ڈول نکالنے پڑیں گے۔ اور اگر باوضو تھا اور اندر اترتے ہوئے نیت نہیں کی وضو کی، تو اب حدث بھی دور نہ ہوا کیونکہ حدث تو تھا ہی نہیں اور قربت کی نیت بھی نہ پائی گئی لہٰذا ماء مستعمل نہ ہوا، جب ماء مستعمل نہیں تو اب چالیس ڈول نکالنے کی ضرورت بھی نہیں ہے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟

اللہ تعالیٰ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں ان فقہائے کرام پر بھائی! مسائل کو کتنا آسان کر دیا سب کے لیے بھائی، سب کچھ مرتب کر کے دلائل کے ساتھ کتابوں کے اندر پیش کر دیا ہمارے سامنے اور اب ہم اس سے اس طرح نفع اٹھا رہے ہیں جس طرح کسی آدمی کے سامنے تیار روٹی رکھ دی جائے اور وہ اس کو کھائے بھائی۔ اتنا آسان کر دیا۔

تو یہ تھا بے وضو کے بارے میں۔ ہاں اگر جنبی اترا جنابت کی حالت میں تھا تو پھر یاد رکھیے اس صورت میں سارا پانی نکالنا پڑے گا بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ مَاتَتْ فِيْهَا شَاةٌ أَوْ آدَمِيٌّ أَوْ كَلْبٌ...

«**وَإِنْ مَاتَتْ فِيْهَا شَاةٌ أَوْ آدَمِيٌّ أَوْ كَلْبٌ نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ**» اور اگر کنویں کے اندر مر گیا، مر گئی کنویں کے اندر «**شَاةٌ**» کیا چیز؟ بھیڑ بکری۔ ہاں شاباش، بھیڑ بکری۔ اگر کنویں کے اندر بھیڑ بکری گر کر مر گئی «**أَوْ آدَمِيٌّ**» یا کوئی آدمی «**أَوْ كَلْبٌ**» یا کوئی کتا «**نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيْهَا**» تو نکالا جائے گا وہ سارا جو اس کے اندر ہے «**مِنَ الْمَاءِ**» یعنی کہ پانی بھائی۔ اس میں سے سارا پانی نکالا جائے گا۔

تو یہ «**مِنَ الْمَاءِ**»، یہ عبارتیں اس قسم کی آتی ہیں جگہ جگہ بھائی کہ ما قبل میں مثلاً «**مَا**» موصولہ ذکر ہے اور «**فِيْهَا**» اس کا صلہ ہے۔ «**فِيْهَا**» کیا ہے اس کا؟ صلہ ہے۔ وہ جو اس کنویں میں ہے، وہ کیا ہے بھائی؟ آگے «**مِنْ**» کے ساتھ اس کو بیان کیا جاتا ہے: «**مِنَ الْمَاءِ**» یعنی کہ پانی۔ تو اس میں ترجمہ کرتے ہوئے پھر یوں کیا جائے کہ وہ جو بیان تھا اس کو اٹھا کر «**مَا**» کی جگہ لے آئیں۔ «**جَمِيْعُ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ**»، تو نکالا جائے گا وہ سارا پانی جو اس کنویں کے اندر ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ بامحاورہ ترجمہ ہو جائے گا۔

«لِأَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَفْتَيَا بِنَزْحِ الْمَاءِ كُلِّهِ حِيْنَ مَاتَ زَنْجِيٌّ فِي بِئْرِزَمْزَمَ» اس لیے کیونکہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہم نے «أَفْتَيَا» فتوی دیا «بِنَزْحِ الْمَاءِ كُلِّهِ» سارے پانی کے نکالنے کا «حِيْنَ مَاتَ زَنْجِيٌّ» زنجی کہتے ہیں حبشی کو بھائی، جس وقت کہ ایک حبشی مر گیا «فِي بِئْرِزَمْزَمَ» زمزم کے کنویں میں۔ بھائی زمزم کے کنویں میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہم کے زمانے میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو انہوں نے اس زمزم کے سارے پانی کو نکالنے کا فتوی دیا۔ معلوم ہوا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے گا؟ سارے پانی کو نکالا جائے گا بھائی، جی۔

اور یہی حکم ہے انسان اور اس کے برابر جو جانور ہیں یا اس سے جو بڑے ہیں سب کا پھر یہی حکم ہو گیا اسی لیے «شَاةٌ» بھی ذکر کر دیا، «أَوْ كَلْبٌ» بھی ذکر کر دیا بھائی۔

یہ تو وہ صورتیں تھیں جب یہ جانور گر کر مرے اور پھر ان کو نکال لیا گیا بھائی۔ لیکن اگر وہ جانور پانی کے اندر پھول گیا اور پھٹ گیا تو پھر اس صورت میں چاہے وہ چھوٹا جانور حیوان تھا یا بڑا حیوان تھا سارا پانی نکالنا پڑے گا کیونکہ اس کے نجاست کے جو اجزاء تھے، جو اس کی تری تھی وہ سارے پانی کے اندر پھیل گئی بھائی۔ یہی ذکر کر رہے ہیں بھائی: «فَإِنِ انْتَفَخَ الْحَيَوَانُ فِيْهَا» انتفخ کے معنی پھول جانا بھائی، پھول جانا۔ «أَوْ تَفَسَّخَ»، تفسخ کے معنی ہیں گل جانا بھائی گل جانا، ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ «فَإِنِ انْتَفَخَ الْحَيَوَانُ فِيْهَا» اگر حیوان اس میں کنویں کے اندر پھول گیا یعنی اس کے پانی میں «أَوْ تَفَسَّخَ» یا گل گیا «نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيْهَا» تو وہ سارا جو پانی اس کنویں میں ہے وہ نکالا جائے گا «صَغُرَ الْحَيَوَانُ أَوْكَبُرَ» چھوٹا ہو حیوان یا بڑا ہو، کیوں نکالا جائے گا سارا پانی؟ «لِانْتِشَارِ الْبَلَّةِ فِي أَجْزَاءِ الْمَاءِ» بوجہ پھیل جانے کے، بلۃ کہتے ہیں تری کو۔ تری، گیلا پن بھائی۔ تو تری جو ہے یعنی اس نجاست کی تری اس حیوان کی جو تری ہے وہ پھیل گئی، اس کے پھیل جانے کی وجہ سے «فِي أَجْزَاءِ الْمَاءِ» پانی کے اجزاء کے اندر، تو پھر سارا پانی نکالنا پڑے گا چاہے چڑیا گر کر مری ہے اور پھول گئی ہے یا گل گئی ہے تو سارا پانی نکالنا پڑے گا بھائی، سارا پانی نکالنا پڑے گا۔

اور یہ بھی مسئلہ یاد رکھیے بھائی، یہ بھی مسئلہ یاد رکھیے اگر کوئی حیوان کنویں کے اندر گرا اور مثلاً پھول گیا ہے پھٹ گیا ہے اب کیا کریں گے؟ سارا پانی نکالیں گے، لیکن پہلے اس حیوان کو نکالیں گے اس کے بعد پھر پانی نکالا جائے گا بھائی۔ اگر وہ حیوان بیچ میں ہی ہے تو پھر کوئی فائدہ نہیں بھائی، کوئی فائدہ نہیں۔ لہٰذا پہلے اس کو نکالیں گے۔ تو اگر ایسی صورت پیش آ گئی کوئی حیوان گرا ہے اور پھر وہ مل ہی نہیں رہا بھائی کنویں کے اندر، بہت تلاش کیا مل ہی نہیں رہا۔ اب کیا کریں گے بھائی؟ حیوان کا تو پہلے نکالنا ضروری تھا بھائی۔ تو فقہاء فرماتے ہیں کہ پھر اس صورت میں پاک کرنے کی فی الحال کوئی صورت نہیں ہے۔ ہاں یہ ہے کہ انتظار کیا جائے گا، اس کنویں کو کچھ مدت تک ایسے ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ وہ جانور وہ حیوان جو ہے وہ گل کر مٹی گارا بن گیا ہو گا، تو پھر اس کے بعد پھر سارا پانی نکال لیا جائے تو پھر کنواں پاک ہو جائے گا۔ تو اتنی مدت تک اس کنویں کو چھوڑ دیا جائے، اور اس کی مدت پھر بعض فقہاء نے چھ ماہ لکھی ہے۔ چھ ماہ تک اس کو ایسے ہی چھوڑ دو، چھ ماہ میں وہ یقیناً وہ حیوان جو ہے وہ مٹی گارا بن چکا ہو گا بھائی، چھ ماہ۔ اور اگر کوئی حیوان چھوٹا ہے تو اور اس میں کسی طریقے سے یہ معلوم ہو ہے کہ یہ جلدی مٹی گارا بن گیا ہو گا تو پھر چھ ماہ سے کم کے اندر بھی پاک قرار دیا جا سکتا ہے کہ اتنی مدت گزر جائے تو پھر کنویں کا سارا پانی نکال لیں اب سارا پانی کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا بھائی، پاک ہو جائے گا۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَتِ الْبِئْرُ مَعِيْنَةً بِحَيْثُ لَايُ...

«وَإِنْ كَانَتِ الْبِئْرُ مَعِيْنَةً بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ نَزْحُهَا أُخْرِجُوْا مِقْدَارَ مَا كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ» اور اگر «وَإِنْ كَانَتِ الْبِئْرُ مَعِيْنَةً» اور اگر کنواں جو ہے وہ چشمے والا ہے، کون سا کنواں ہے؟ چشمے والا ہے بھائی۔ انہوں نے پیچھے بتایا کہ اگر یہ آدمی یا بکری وغیرہ گر کر مر جائیں یا کوئی حیوان پھول جائے پھٹ جائے کنویں کے اندر تو پھر سارا پانی نکالنا پڑے گا۔ اب اگر کوئی کنواں چشمے والا ہے اور اس میں سے جتنا پانی نکالتے جائیں نیچے سے اور پانی آتا جاتا ہے تو کنویں کو خالی کرنا ممکن ہی نہیں ہے، پھر اس کو کیسے خالی کیا جائے گا بھائی؟ کیسے اس کو پاک کیا جائے گا؟ وہ طریقہ بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَتِ الْبِئْرُ مَعِيْنَةً» اور اگر کنواں چشمے والا تھا «بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ نَزْحُهَا» اس حیثیت سے کہ ممکن ہی نہیں تھا اس کو نکالنا یعنی اس کو خالی کرنا «أُخْرِجُوْا» تو وہ کنویں والے نکالیں گے «مِقْدَارَ مَا كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ» وہ مقدار جو اس کے اندر ہے پانی کی، جتنی مقدار اس میں پانی کی ہے وہ نکال دیں تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ بھائی خالی تو ہو نہیں سکتا کنواں، جتنا پانی نکالیں نیچے سے اور پانی آتا جا رہا ہے تو بس پھر یوں سمجھیے جس جتنی مقدار وہ جانور گرا ہے اور پانی کی جتنی مقدار اس وقت کنویں کے اندر ہے وہ اتنی مقدار پانی نکال دو تو کنواں کیا ہو جائے گا؟ پاک۔ خالی تو پھر بھی نہیں، آپ اتنی مقدار نکال بھی دیں وہ پانی نیچے سے مسلسل آ رہا ہو گا پانی تو اتنا ہی رہے گا لیکن اتنی مقدار پانی کی نکال دیں تو کنواں کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا۔

بھائی اب اتنا پانی کیسے نکالیں گے؟ کس طرح ہمیں پتہ چلے گا؟ فقہاء اس کا بھی طریقہ ذکر فرماتے ہیں تو بتلا رہے ہیں: «وَطَرِيْقُ مَعْرِفَتِهِ» اور اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے «أَنْ تُحْفَرَحَفْرٌ»، «أَنْ تُحْفَرَحَفْرٌ»، «أَنْ تُحْفَرَ» کہ کھودا جائے گا کھود... حفر کے معنی کھودنے کے بھائی۔ «أَنْ تُحْفَرَ» کہ کھودا جائے گا «حَفْرٌ» گڑھا بھائی، کیا کھودا جائے گا؟ ایک گڑھا کھودا جائے گا «مِثْلُ مَوْضِعِ الْمَاءِ مِنَ الْبِئْرِ» جو کنویں کے اندر پانی کی جگہ جو ہے اس کے مثل ہو۔ کہ ایک

ایسا گڑھا کھودا جائے جو کنویں میں جو پانی کی جگہ ہے اس کے مثل ہو۔ مثلاً دیکھیے بھائی، کنویں جتنا گڑھا گہرا گڑھا کھودنے کی ضرورت نہیں، مثلاً کنواں تو ساٹھ فٹ گہرا ہے، ساٹھ فٹ گہرا، اور اس کے اندر پانی جو کھڑا ہے وہ تیس فٹ پانی کھڑا ہے۔ کتنا پانی کھڑا ہے؟ تیس فٹ۔ تو ساٹھ کنویں کے پاس ایک گڑھا کھود لیا جائے گا یا قریب اور اس کو وہ کتنا گہرا ہو گا؟ پانی کی مقدار کے برابر، پانی کتنا گہرائی پر تھا؟ کتنا تھا؟ تیس فٹ، تو یہ گڑھا بھی تیس فٹ کھود کھودا جائے گا بھائی، اور اسی کے برابر کنویں کے برابر ہی اس کی چوڑائی وغیرہ ہو گئی بھائی اس گڑھے کی بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ معنی ہے: «أَنْ تُحْفَرَ حَفْرٌ مِثْلُ مَوْضِعِ الْمَاءِ مِنَ الْبِئْرِ»، یہ «مِثْلُ» یہ صفت ہے «حَفْرٌ» کی کہ کھودا جائے گا ایسا گڑھا جو مثل ہو گا پانی کی جگہ کے «مِنَ الْبِئْرِ» کس میں سے؟ کنویں، کنویں میں سے جو پانی کی جگہ ہے، پانی کا جو مقام ہے اس کے مثل ایک گڑھے کو کھود لیا جائے گا۔ «وَيُصَبَّ فِيهَا مَا يُنْزَحُ مِنْهَا» اور اس کے اندر پانی بہایا جائے گا، کنویں سے نکالتے جائیں گے اور اس گڑھے میں بہائیں گے تو کہتے ہیں: «وَيُصَبَّ فِيهَا» اور بڑھایا جائے گا اس کے اندر «مَا يُنْزَحُ مِنْهَا» جو اس کنویں سے نکالا گیا ہے «إِلَى أَنْ تَمْتَلِئَ» یہاں تک کہ وہ بھر جائے، وہ گڑھا کیا ہے؟ بھر جائے۔ پانی تیس فٹ تھا تو یہ گڑھا بھی آپ نے تیس فٹ کھودا ہے تو اس کو جب یہ پورا بھر جائے گا تو اتنی مقدار پانی کی آپ نے نکال لی جو کنویں کے اندر موجود تھی۔

«أَوْ تُرْسَلَ» دوسرا طریقہ بھائی۔ بھائی یہ طریقہ بھی مشکل تھا فقہاء نے ایک طریقہ تو بتلایا لیکن یہ طریقہ بھی مشکل، کنویں جتنا اس کے پانی کے برابر ایک پورا گڑھا کھودنا پڑے گا تو وہ کھدائی الگ اور پانی کا پھر نکالنا الگ بھائی، دگنی مشقت ہے۔ تو دوسرا آسان طریقہ بتلا رہے ہیں بھائی کہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کنویں کے اندر کوئی بانس وغیرہ ڈالیں بھائی اور اس بانس کے ذریعے پانی کی اونچائی معلوم کر لی جائے گی۔ مثلاً کنویں کے اندر تیس فٹ پانی کھڑا ہے، کتنا ہے؟ تیس فٹ پانی کھڑا ہے۔ اب ہم پانی نکالتے ہیں تو پانی نیچے سے اور مسلسل آتا رہتا ہے اور ایک وقت میں کتنا پانی کھڑا رہتا ہے؟ تیس فٹ بھائی، تو آپ نے بانس ڈالا اور نشان لگا لیا، دیکھ لیا کہ تیس فٹ پانی کھڑا ہے اس وقت کنویں کے اندر۔ پھر آپ یوں کیجیے بانس نکال کر جلدی جلدی کنویں سے مثلاً پچاس ڈول نکال لیے، جلدی جلدی نکال لیے بھائی، اس میں وقفہ نہیں کرنا کیونکہ نیچے سے پانی آئے گا لیکن وہ نیچے سے پانی ذرا آہستہ آتا ہے اتنی رفتار سے نہیں آتا، تو آپ نے جلدی سے جب پچاس ڈول نکالے اور پھر فوراً دوبارہ آپ بانس ڈالیں اور دیکھیں کتنا کم ہوا ہے۔ فرض کریں وہ ایک فٹ پانی نیچے چلا گیا۔ اس سے آپ کو پتہ چل گیا کہ ایک فٹ کے اندر کتنا پانی آتا ہے؟ پچاس ڈول آتے ہیں، تو تیس فٹ میں کتنے آئیں گے؟ کتنے ڈول؟ تیس کو پچاس سے ضرب دیں۔ پندرہ سو۔ پچاس آپ نکال چکے، کتنے رہ گئے؟ چودہ سو پچاس ڈول پانی آپ نکال دیں تو کنواں کیا ہو جائے گا؟ کہ آپ نے گویا اس کا سارا پانی نکال لیا۔ تو دیکھو اس میں آسانی ہو گئی بھائی، گڑھا کھودنے سے آپ بچ گئے بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

دوسرا طریقہ ذکر کر رہے ہیں: «أَوْ تُرْسَلَ فِيهَا قَصَبَةٌ» یا ڈالا جائے اس کنویں کے اندر «قَصَبَةٌ»، قصبہ کہتے ہیں بھائی یہ جو آپ قلم آپ نے اگر دیکھے ہوں کتابت کے بھائی وہ جو کانے سے بنائے جاتے ہیں، کانے یا بانس سے چھوٹے تو اس کو قصبہ کہتے ہیں اور اس کی بہت سی اقسام ہیں اس پودے کی، بانس بھی اسی نسل کا ہے۔ بانس بھی اسی کانے کی طرح ہی ہوتا ہے لیکن دیکھو جسامت بانس کی بڑی ہے تو یہ ایک ہی نوع کے پودے ہیں ان میں مختلف... تو مراد بانس ہے بھائی۔ «تُرْسَلَ فِيهَا قَصَبَةٌ» ڈالا جائے گا اس میں بانس «وَتُجْعَلَ لِمَبْلَغِ الْمَاءِ عَلَامَةٌ» اور لگا دی جائے گی پانی کے پہنچنے کی جگہ پر کوئی علامت کہ اتنا پانی ہے۔ «ثُمَّ يُنْزَحَ مِنْهَا مَثَلًا عَشْرُ دِلَاءٍ» پھر نکالا جائے اس کنویں سے مثال کے طور پر دس ڈول مثلاً دس نکال لیے «ثُمَّ تُعَادَ الْقَصَبَةُ» پھر لوٹایا جائے اس بانس کو یعنی دوبارہ ڈالا جائے «فَيُنْظَرَ» یہ آپ کی کتابوں میں «تُنْظَرَ» ہے؟ جی؟ ہاں، «فَتُنْظَرَ» نہیں ہونا چاہیے یہ کتابت کی غلطی ہے، «فَيُنْظَرَ» بھائی اور ہدایہ کے دیگر نسخوں میں «يُنْظَرَ» ہی ہے یا ہے یہاں پر۔ «فَيُنْظَرَ» پھر دیکھا جائے «كَمِ انْتَقَصَ» کتنا وہ کم ہوا ہے۔ دس ڈول میں نے ذکر کیا پچاس ڈول، انہوں نے کیا کہا؟ دس ڈول، بس مثال ذکر کر رہے ہیں کہ پھر دیکھا جائے گا «كَمِ انْتَقَصَ» کہ وہ کتنا کم ہوا ہے «فَيُنْزَحَ لِكُلِّ قَدْرِ مِنْهَا عَشْرُ دِلَاءٍ» تو نکالا جائے گا ہر اس مقدار کے لیے کنویں میں سے دس ڈول، جتنا کم ہوا ہے۔ مثلاً کتنا کم ہوا تھا؟ ایک فٹ۔ کتنے ڈول مثلاً نکالے انہوں نے؟ کتنے ذکر کیے؟ دس ڈول، تو ایک فٹ اور کنواں کتنا ہے؟ تیس فٹ۔ تو ہر فٹ کے لیے اتنی ہی مقدار ڈولوں کی نکالتے جائیں یہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «فَيُنْزَحَ لِكُلِّ قَدْرِ مِنْهَا عَشْرُ دِلَاءٍ» پس نکالا جائے گا ہر اس مقدار کے لیے اس کنویں سے دس ڈول «وَهَذَانِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ» جی، اور یہ دونوں طریقے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت کیے گئے ہیں ان کے نزدیک اس طرح کیا جائے گا۔

■ مسئلہ: وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ

«وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جو ہے «نُزِحَ مِائَتَا دَلْوٍ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ» کہ دو سو ڈول سے لے کر تین سو ڈول تک نکال لیے جائیں گے بھائی۔ امام محمد رحمہ اللہ یہ نہیں فرماتے سارا پانی نکالا جائے گا، کتنے نکال لیے جائیں گے؟ دو سو سے تین سو ڈول تک نکال لیے جائیں گے۔ «فَكَأَنَّهُ بَنَى قَوْلَهُ عَلَى مَا شَاهَدَ فِي بَلَدِهِ» تو گویا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے بنیاد رکھی اپنے قول کی اس چیز پر جس کا انہوں نے مشاہدہ کیا تھا اپنے شہر میں۔ کس میں؟ اپنے شہر میں جس چیز کا مشاہدہ کیا تھا اس پر اپنے قول کی بنیاد رکھی۔ ان کے شہر میں وہ دریائے دجلہ کے کنارے تھا اور دجلہ کے کنارے تو اس میں تقریباً کنوؤں کے اندر دو تین سو ڈول پانی ہوتا تھا اور یہ اچھی خاصی مقدار ہے پانی کی بھائی کیونکہ دریا کے کنارے تھا بھائی۔ یہ تو میں نے ویسے آپ کو کہا کہ تیس فٹ پانی گہرا ہو بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ کنوؤں کے اندر ہر جگہ اس طرح پانی نہیں ہوتا بعض علاقوں میں پانی زیادہ ہوتا ہے اور بعض علاقوں میں تو اتنا کم پانی ہوتا ہے کہ کنویں کے اندر بمشکل چند بالٹی پانی ہوتا ہے۔ بلکہ اگر

سندھ کے صحرائی علاقے کی طرف چلے جائیں تو وہاں پر کنویں جو وہ کھودتے ہیں انتہائی گہرے کنوئیں ہوتے ہیں اور اس کے اندر بمشکل سارے دن کے اندر شاید دو تین یا چار بالٹیاں پانی آتا ہو گا بھائی، اور وہ بھی کوئی چشمہ وغیرہ نیچے نہیں ہوتا اسی کنویں کی دیواروں سے آہستہ آہستہ پانی رستا رہتا ہے اور کنویں کے اندر جمع ہوتا رہتا ہے، کنویں کے اندر جمع ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ وہ زیادہ پانی استعمال بھی نہیں کر سکتے، اگر زیادہ پانی نکال لیا وہی چار پانچ بالٹی یا جتنا تھا وہ تو پانی نکل آیا اب اس کنویں کے اندر دوبارہ پانی آنے میں کئی گھنٹے لگیں گے بھائی، کئی گھنٹے لگیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو امام محمد رحمہ اللہ چونکہ جس شہر میں تھے دریا کے کنارے تھا، دریائے دجلہ کے، اور وہاں پانی کثیر ہوتا تھا تو دو تین دو سو سے لے کر تین سو ڈول تک پانی ہوتا تھا اور وہ پانی نکال لیتے تھے تو دو تین سو ڈول ہی سارا پانی ہوتا تھا تو اسی پر بنیاد رکھی اور کیا فرمایا؟ کتنے ڈول نکال لو؟ دو سو سے لے کر تین سو ڈول تک نکال لو۔ دو سو وجوب کے طریقے پر اور تین سو استحباب کے طریقے پر۔ تو دو سو سے لے کر تین سو ڈول نکال لیے جائیں تو کنواں پاک ہو جائے گا بھائی۔ اب یہ ضروری تو نہیں کہ ہر کنویں کے اندر دو سو سے یا تین سو ڈول ہی ہوں، بعض میں اس سے زیادہ بھی ہو گا لیکن امام محمد رحمہ اللہ نے اس مشاہدے کی پر اپنے قول کی بنیاد رکھی اور کیا فرمایا؟ دو سو سے تین سو ڈول نکال لیے جائیں اس کنویں میں سے۔

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ فِي مِثْلِهِ» اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے جامع صغیر کے اندر اس قسم کی محل میں وہ فرماتے ہیں: «يُنْزَحُ حَتَّى يَغْلِبَهُمُ الْمَاءُ» کہ نکالا جائے گا پانی یہاں تک کہ غالب آجائے ان لوگوں پر الماء، پانی، «اَلْمَاءُ»۔ غالب کیا آجائے؟ «اَلْمَاءُ» یہ فاعل ہے یغلب کا۔ «حَتَّى يَغْلِبَهُمُ الْمَاءُ» یہاں تک کہ پانی ان پر غالب آجائے یعنی پانی ان کو تھکا دے۔ کیا مراد ہے؟ پانی ان کو امام صاحب فرماتے ہیں امام صاحب نے کوئی حد نہیں بیان کی کہ دو سو سے یا تین سو ڈول تک بلکہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ پانی نکالتے رہو، نکالتے رہو، نکالتے رہو یہاں تک کہ پانی آپ کو خوب تھکا دے اور اور آپ اتنے تھک جائیں کہ اور نکالنے کی ہمت نہ رہے بھائی تھک جائیں، پانی آپ پر غالب آجائے۔ اتنی مقدار۔

تو وہ فرماتے ہیں اس قسم کے مقام میں: «يُنْزَحُ حَتَّى يَغْلِبَهُمُ الْمَاءُ» نکالا جائے گا پانی یہاں تک کہ پانی ان پر غالب آجائے یعنی ان کو تھکا دے «وَلَمْ يُقَدِّرِ الْغَلَبَةَ بِشَيْءٍ» اور امام صاحب نے اندازہ نہیں لگایا غلبے کا کسی چیز کے ساتھ «كَمَا هُوَ دَأْبُهُ» جیسے کہ ان کا معمول ہے، جیسے کہ ان کا طریقہ ہے بھائی۔ دأب کہتے ہیں معمول کو بھائی، عادت کو۔ جیسے کہ امام صاحب کی عادت ہے ان کا معمول ہے کہ وہ اس قسم کے مواقع میں مبتلیٰ بہ کی رائے کے سپرد کر دیتے ہیں کوئی حد وغیرہ بیان نہیں فرماتے، جیسے گزشتہ مسئلوں میں بھی بیان ہوا کہ کنویں کے اندر اگر مینگنیاں گر جائیں تو امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ کوئی حد نہیں بیان فرمائی بلکہ کہا تھا یہ مبتلیٰ بہ کے رائے کے سپرد ہے۔ اگر وہ ان کو کثیر سمجھتا ہے تو کثیر ہیں، اگر قلیل سمجھتا ہے تو قلیل ہیں بھائی۔ اور اسی طرح اور پیچھے کون سا مسئلہ گزرا تھا؟ قلیل اور کثیر ماء کس کو کہیں گے؟ امام صاحب نے کوئی حد بیان نہیں کی تھی بلکہ فرمایا تھا کہ مبتلیٰ بہ کے رائے کے سپرد ہے۔ اگر وہ کسی ماء کو قلیل سمجھتا ہے کہ اس اس میں نجاست کا اثر دوسری طرف پہنچ گیا ہو گا تو معلوم ہوا وہ اس کی نظر میں قلیل ہے اور اگر اس کے خیال میں نجاست کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچا تو پھر اس کے نزدیک معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ ماء کثیر ہے بھائی۔ تو وہ مبتلیٰ بہ کی رائے کا اعتبار کرتے ہیں تو یہاں بھی انہوں نے غلبے کا اندازہ کسی چیز کے ساتھ نہیں لگایا جیسے کہ ان کی عادت ہے۔

■ مسئلہ: وَقِيْلَ

«وَقِيْلَ» اور کہا گیا ہے «يُؤْخَذُ بِقَوْلِ رَجُلَيْنِ لَهُمَا بَصَارَةٌ فِي أَمْرِالْمَاءِ» کہ لیا جائے گا «بِقَوْلِ رَجُلَيْنِ» دو ایسے آدمیوں کا قول «لَهُمَا بَصَارَةٌ فِي أَمْرِالْمَاءِ» جن کو بصارت ہو پانی کے معاملے میں، یعنی جن کو پانی کے معاملات کا اندازہ ہو، کیا ہو؟ ہاں اس پانی کے معاملے کو وہ جو جاننے والے ہیں ان کے ایسے دو آدمیوں سے رائے لے لی جائے اور پھر اس کے مطابق عمل کیا جائے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

بھائی دیکھیے، اب تک میں آپ کو بتلاتا آیا ہوں نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت بنے گا، کیوں؟ وجہ اس کی کیا؟ کیونکہ نکرہ آیا اس کے بعد فعل آیا اور فعل کس کو چاہے گا؟ فاعل یا نائب فاعل، اور فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بن جائے گا اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے تو گویا نکرہ کے بعد نکرہ آگیا اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ اس کے لیے کیا وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت بنتے ہیں۔ یہاں پر بھی دیکھیے بھائی: «بِقَوْلِ رَجُلَيْنِ»، رجلین نکرہ آیا اور اس کے بعد «لَهُمَا بَصَارَةٌ فِي أَمْرِالْمَاءِ»، تو یہ «لَهُمَا بَصَارَةٌ» میں «لَهُمَا» خبر مقدم اور «بَصَارَةٌ» ہے مبتدا مؤخر۔ مبتدا اپنے خبر مقدم سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ اسمیہ ہوا اور تو جملہ بن گیا اور جملہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے حکم میں۔ تو رجلین نکرہ تھا اس کے بعد نکرہ آیا تو یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت۔ تو ترجمہ کیسے کریں گے؟ موصوف سے پہلے کیا لفظ لے آئیں گے؟ ایسا یا ایسی کا لفظ۔ دیکھیے یہاں اس طرح پھر ترجمہ ہو گا کہ «يُؤْخَذُ بِقَوْلِ رَجُلَيْنِ لَهُمَا بَصَارَةٌ فِي أَمْرِالْمَاءِ» کہ لیا جائے گا دو ایسے آدمیوں کے قول کو کہ جن کو بصارت ہو پانی کے معاملے کی۔

«وَهٰذَا أَشْبَهُ بِالْفِقْهِ» صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ یہ قول جو ہے یہ فقہ کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ شریعت بھی بہت سے مقامات پر عادل دو عادل آدمیوں کے قول کا اعتبار کرتی ہے جیسے گواہی بھی کس کی معتبر ہے؟ دو عادل آدمیوں کی گواہی بھائی۔ اسی طرح بھائی، اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں ہے اور اس حالت میں تو شکار کرنا منع ہے لیکن اگر کسی نے شکار کر لیا تو اس صورت میں اس پر جزا آئے گی اور اسے اس جیسا ہی ایک جانور اس پر آئے گا تو اس میں بھی شریعت کیا کہتی ہے؟ کہ دو عادل آدمیوں سے کیا کیا جائے گا؟ رائے لے لی جائے گی وہ قیمت وغیرہ اس کی لگائیں گے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے یہ قول فقہ کے زیادہ مشابہ ہے بھائی۔

تو فقہ جو ہے، فقہ کس چیز کا نام ہے بھائی؟ قرآن وحدیث سے قرآن، حدیث وغیرہ دلائل شرعیہ سے احکام جاننے کا نام کیا ہے؟ فقہ ہے، ان سے احکام نکالنے اور جاننے کا نام فقہ ہے۔ تو تو یہ قول فقہ کے زیادہ مشابہ ہے یعنی وہ معانی جو قرآن وحدیث وغیرہ سے معلوم ہوتے ہیں یہ قول اس کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ وہاں پر بھی بہت سی چیزوں کے اندر دو عادل آدمیوں کا اعتبار کیا گیا جیسے کہ اس قول کے اندر دو آدمیوں کا دو عادل آدمیوں کے قول کا اعتبار کیا جارہا ہے۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۲۳:وَإِنْ وَجَدُوا فِي الْبِئْرِ فَأْرَةً أَوْ غَيْرَهَا...

ہدایہ صفحہ:۴۲—بتاریخ:۳نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِنْ وَجَدُوا فِي الْبِئْرِ فَأْرَةً أَوْ غَيْرَهَا وَلَا يُدْرَى مَتَى وَقَعَتْ وَلَمْ يَنْتَفِخْ أَعَادُوا صَلَاةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِذَا كَانُوا تَوَضَّؤُوا مِنْهَا، وَغَسَلُوا كُلَّ شَيْءٍ أَصَابَهُ مَاؤُهَا، وَإِنْ كَانَتْ قَدِ انْتَفَخَتْ أَوْ تَفَسَّخَتْ أَعَادُوا صَلَاةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَقَالَا: لَيْسَ عَلَيْهِمْ إِعَادَةُ شَيْءٍ حَتَّى يَتَحَقَّقُوا أَنَّهَا مَتَى وَقَعَتْ. [1]

کنویں سے متعلقہ مسائل چل رہے ہیں بھائی، کہ کنویں کے اندر اگر کوئی نجاست وغیرہ یا کوئی جانور گر جائے تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ اگر کوئی جانور کنویں میں گرا اور مرا اور پھول اور پھٹ گیا تو اس صورت میں سارا پانی نکالنا پڑے گا، چاہے وہ جانور چھوٹا ہو یا بڑا ہو بھائی۔ اور پھر اس کے بعد یہ ذکر ہوا تھا کہ اگر کنواں چشمے والا ہے تو پھر اس وہ تو اس سے تو سارا پانی نکل ہی نہیں سکتا، جتنا نکالتے جاتے ہیں نیچے سے اور پانی آتا رہتا ہے، تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ؟ طریقہ بتلایا تھا کہ کیا کیا جائے، اس کے برابر اسی کے پانی کی مقدار جتنی اس میں ہے، اس کے برابر اتنی گہرائی کا ایک اور گڑھا کھود لیں اور کنویں سے پانی نکال نکال کر اس میں ڈالتے جائیں، جب یہ گڑھا بھر جائے تو گویا کہ سارا پانی آپ نے کنویں کا نکال لیا تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ یا دوسری صورت یہ ذکر ہوئی کہ اس کنویں کے اندر ایک بانس وغیرہ ڈالا جائے اور نشان لگا لیا جائے جتنا پانی ہو اور پھر اس سے چند ڈول نکال کر دیکھیں کہ کتنا فرق پڑا، جلدی جلدی نکالیں، اس میں تاخیر نہیں کرنی کیونکہ نیچے سے اور پانی آئے گا لیکن وہ اتنی رفتار سے نہیں آتا، تو چند ڈول نکال لیں اور پھر دیکھیں کتنا فرق پڑا ہے، کتنا پانی نیچے گیا ہے، تو باقی مقدار کے لیے اسی حساب سے پھر کیا کر لیں گے؟ ڈول نکال لیں تو کنواں پاک سمجھا جائے گا۔

اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ دو سو سے لے کر تین سو ڈول تک نکال لیے جائیں تو کنواں پاک ہو جائے گا، جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس صورت کے اندر وہ فرماتے ہیں کہ پانی نکالتے رہو یہاں تک کہ اور نکالنے کی سکت نہ رہے، انسان تھک جائے، پانی اس پر غالب آجائے، تو امام صاحب جیسے اور مقامات پر بھی مبتلیٰ بہ کی رائے کا اعتبار کرتے ہیں، یہاں بھی انہوں نے جو مبتلیٰ ہوا اسی کے عمل کا اعتبار کیا کہ وہ پانی نکالتا رہے کہ یہاں تک کہ خوب تھک جائے بھائی، کوئی مقدار انہوں نے متعین نہیں فرمائی۔ اور نیز صاحبِ ہدایہ نے بعض دیگر فقہاء کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ اس صورت کے اندر دو عادل دو آدمی جنہیں پانی کے معاملات کا اندازہ ہو ان سے رائے لی جائے اور ان کے قول پر عمل کر لیا جائے کہ اتنا پانی نکال لیا جائے تو کنویں کو کیا سمجھا جائے گا پھر؟ پاک سمجھا جائے گا بھائی صاحب۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ پانی اکٹھا نکالنا بھی ضروری نہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ بعض صورتوں میں مثلاً بیس ڈول نکالنے ہیں یا چالیس ڈول نکالنے ہیں یا جتنا بھی نکالنا ہے، چاہے متفرق طور پر بھی اتنا پانی کنویں سے نکل آئے تو کنواں پاک سمجھا جائے گا۔ اور پھر اس نکالنے کے اندر چاہے نیت ہو یا نیت نہ ہو، کنواں کیا ہو جائے گا؟ پاک، لیکن شرط یہ ہے پہلے اس نجاست کو نکالا جائے، اس جانور وغیرہ کو، اس کے بعد پھر پانی نکالا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا، مثلاً کوئی چیز گری اور اس صورت میں شریعت کا حکم متوجہ ہوا، کوئی ایسا جانور جس میں چالیس ڈول مثلاً نکالنے پڑتے ہیں، جب اس جانور کو نکال دیا اور پھر اس کے بعد چالیس ڈول نکالے اور اس میں بھی کچھ ڈول مثلاً آج نکالے، کچھ ڈول کل نکالے، کچھ ڈول پرسوں نکالے تو جب وہ چالیس ڈول پورے ہو جائیں گے تو کنواں کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا، اس سے پہلے پاک نہیں۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۱۵): «لأن» ۔ • شاملہ (ص۱۵) میں «يَنْتَفِخْ» کے بجائے «تنتفخ ولم تتفسخ»، شاملہ (ص۱۵) میں «تَوَضَّؤُوا» کے بجائے «توضئوا»، شاملہ (ص۱۵) میں «يَتَحَقَّقُوا أَنَّهَا» کے بجائے «يتتحققوا» درج ہے۔

حتی کہ مثلاً اگر کوئی ایسا علاقہ ہے کہ مثلاً کفار کا علاقہ ہے، وہاں چند ایک مسلمان ہیں، اب کنواں مشترکہ ہے، اسی سے کفار بھی استعمال کرتے ہیں، پانی لے جاتے ہیں اور مسلمان بھی اسی سے پانی استعمال کرتے ہیں، اب اس کنویں کے اندر کوئی جانور گر کر مر گیا اور مثلاً کوئی بڑا جانور تھا بکری وغیرہ، اب سارا پانی نکالنا ضروری، تو اس صورت میں آپ نے پڑھا بھائی، کہ سارا پانی نکالنا پڑے گا اور امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ دو سو سے تین سو ڈول تک نکال لیے جائیں، تو جس پر بھی عمل کر لیا جائے علماء دونوں طرف گئے ہیں، اول تو یہ کہ کوشش کی جائے سارا پانی نکالا جائے، اگر وہ دو سو سے تین سو ڈول تک بھی نکال لیے جائیں تو بھی کنواں کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا، دو سو ڈول ہیں وجوب کے طریقے پر اور تین سو ڈول ہیں استحباب کے طریقے پر۔ اب مثلاً یہ کنواں تو ہے کفار کے علاقے میں، سارا ان کا محلہ ہے، سارے ان کے لوگ ہیں، مسلمان تو دو چار ہیں، تو اب وہ تو اس طرح نہیں کرنے دیں گے کہ سارا پانی نکالیں، تو تو مسلمان پھر اس وقت تک اس کنویں کا پانی استعمال نہ کریں جب تک اتنا پانی نہ نکل جائے اس میں سے، مثلاً کفار تو استعمال کر رہے ہیں، وہ تو پانی نکالتے جا رہے ہیں، تو بس جتنے عرصے میں دو سو سے تین سو ڈول پانی نکل جائے، جب وہ پانی نکال لیں گے تو کنواں کیا سمجھا جائے گا؟ پاک سمجھ، کفار مسلسل اپنے استعمال کے لیے دن رات جیسی جیسی ضرورت ہوتی ہے اس کے مطابق نکالتے جا رہے ہیں، تو جب اتنا پانی نکل جائے گا تو کنویں کو کیا سمجھا جائے گا؟ پاک سمجھا جائے گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں کہ کنویں کے اندر کوئی حیوان مرا ہوا ملا اور پتہ نہیں کہ یہ کب گرا ہے، علم ہی نہیں ہے، تو پھر کیا کیا جائے گا؟ تو صاحب ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں بھائی، متن کے اندر آیا کہ اگر کوئی حیوان ملا ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں بھائی، یا تو وہ پھولا اور پھٹا نہیں ہو گا یا پھول گیا ہو گا گل گیا ہو گا۔ اگر وہ حیوان ملا اور پھولا اور گلا نہیں تو اس صورت میں یاد رکھیے پاک کرنے کا تو وہی طریقہ، ایک دن اور رات کی نمازیں لوٹانا پڑیں گی، اگر اسی کنویں کے پانی سے وضو کیا تھا بھائی۔ گزشتہ ایک دن رات کی نمازیں کیا کر لیں گے؟ ان کو لوٹائیں گے اور اگر وہ جانور جو ہے وہ پھول گیا ہے، پھٹ گیا ہے، گل گیا ہے پانی کے اندر تو پھر اس صورت میں تین دن اور تین راتوں کی نمازیں لوٹانا پڑیں گی اگر اسی کے پانی سے وضو کرتے رہے ہیں اور اسی طرح اگر اسی برتن وغیرہ دھوئے ہیں یا کپڑے وغیرہ اس کنویں کے پانی سے دھوئے ہیں تو ان کو دوبارہ دھونا پڑے گا اس عرصے کے اندر بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ ایک دن رات والی صورت میں جو ایک دن رات کے اندر جو کپڑے دھوئے ہیں یا برتن دھوئے ہیں ان کو دوبارہ دھو لیں گے اور تین دن والی صورت کے اندر جو تین دن اور تین راتوں کے اندر جو کپڑے اور برتن وغیرہ دھوئے ہیں ان کو کیا کر لیں گے؟ دوبارہ دھو لیں گے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں: «**وَإِنْ وَجَدُوا فِي الْبِئْرِ فَأْرَةً أَوْ غَيْرَهَا**» اور اگر ان کنویں والوں نے پایا کنویں کے اندر کوئی چوہا یا کوئی اور چیز، «**وَلَا يُدْرَى مَتَى وَقَعَتْ**» اور یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ کب گرا ہے، «**وَلَمْ يَنْتَفِخْ**» اور وہ پھولا نہیں ہے، معلوم ہوا کوئی زیادہ عرصہ اسے نہیں ہوا، «**أَعَادُوا صَلَاةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِذَا كَانُوا تَوَضَّؤُوا مِنْهَا**» تو لوٹا لیں وہ لوگ ایک دن رات کی نمازیں جبکہ وہ اسی سے وضو کرتے تھے، جب اسی پانی سے وضو کرتے تھے تو پھر ایک دن رات کی نمازیں لوٹا لیں، سمجھ میں آیا؟ اگر اسی سے وضو کیا، اگر کہیں اور سے وضو کرتے رہے ہیں پھر نہیں لوٹانے کی ضرورت بھائی، چونکہ اس کا پانی نجس تھا اس لیے، «**وَغَسَلُوا كُلَّ شَيْءٍ أَصَابَهُ مَاؤُهَا**» اور دھو لیں ہر اس چیز کو جس کو اس کا پانی پہنچا ہے، یعنی اس ایک دن رات کے اندر اس کنویں کے پانی سے جو برتن یا کپڑے دھوئے ہیں ان کو بھی دوبارہ دھو لیں، «**وَإِنْ كَانَتْ قَدِ انْتَفَخَتْ أَوْتَفَسَّخَتْ**» اور اگر وہ حیوان جو ہے وہ پھول گیا ہے «**أَوْ تَفَسَّخَتْ**» یا گل گیا ہے یعنی پھول پھٹ گیا ہے، «**أَعَادُوا صَلَاةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا**» تو لوٹائیں بھائی تین دن اور تین راتوں کی نمازیں، «**وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، «**وَقَالَا: لَيْسَ عَلَيْهِمْ إِعَادَةُ شَيْءٍ حَتَّى يَتَحَقَّقُوا أَنَّهَا مَتَى وَقَعَتْ**» اور صاحبین فرماتے ہیں: «**لَيْسَ عَلَيْهِمْ إِعَادَةُشَيْءٍ**» ان لوگوں پر کسی چیز کا اعادہ نہیں، کوئی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، «**حَتَّى يَتَحَقَّقُوا**» یہاں تک کہ ان کو تحقیق ہو جائے «**أَنَّهَا مَتَى وَقَعَتْ**» کہ یہ کب گرا ہے۔

■ اختلافِ ائمہ: صاحبین فرماتے ہیں کسی صورت میں، چاہے حیوان پھٹ

صاحبین فرماتے ہیں کسی صورت میں، چاہے حیوان پھول پھٹ گیا ہے یا پھولا پھٹا نہیں ہے، دونوں صورتوں میں نمازوں وغیرہ کے اعادے کی ضرورت نہیں، کپڑے اور برتن وغیرہ جو دھوئے ہیں ان کو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں، جب تک یہ تحقیق نہ ہو جائے پتہ نہ چل جائے کہ یہ کب گرا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ یوں سمجھا جائے گا یہ حیوان ابھی گرا ہے، اس سے پہلے کنواں پاک ہی تھا بھائی، اس سے پہلے کیا تھا؟ پاک ہی تھا، کوئی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، کنواں پاک تھا بھائی اور کوئی کپڑے اور برتن جو دھوئے تھے پچھلے دنوں کے اندر ان کو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں، بلکہ جس وقت یہ حیوان ہمیں ملا یوں سمجھا جائے گا ابھی گرا ہے، اب سے کنواں نجس ہو گا شمار، اس سے پہلے نجس شمار نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

«**لِأَنَّ الْيَقِينَ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ**» صاحبین کی دلیل بھائی، وہ فرماتے ہیں «**لِأَنَّ الْيَقِينَ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ**» کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یقین جو ہے وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا، یہ اسلام کا، فقہ کا عظیم اصول ہے مولانا، «**اَلْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ**» بھائی، کہ یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ زمانۂ ماضی کے اندر کنویں کا پاک ہونا یقینی تھا یا نہیں تھا بھائی؟ زمانۂ ماضی میں پاک ہونا یقینی تھا اور اب ہمیں حیوان مرا ہوا اس کے اندر ملا ہے، اب شک آگیا کہ پتہ

نہیں کب گرا ہے، گزشتہ ایام کے اندر یہ پہلے سے ہی گرا ہوا تھا، ایک دو دن سے گرا ہوا ہے یا ابھی گرا ہے، تو اس زمانے کے اندر پانی کے نجس ہونے میں شک آ گیا، کیا آ گیا؟ شک آ گیا۔ تو پاک ہونا تو یقینی تھا اور پانی کے نجس ہونے میں شک آ گیا، تو ضابطہ ہے «اَلْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ»، یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا، تو پاک ہونا یقینی تھا تو اس کو پاک ہی سمجھا جائے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ گویا کہ وہ چیز وہ حیوان پانی میں ابھی گرا ہے، یوں سمجھیں گے، بھائی یوں سمجھیں گے کہ ابھی گرا ہے، خود گرا ہے یا کسی اور چیز نے لا کر مثلاً کسی پرندے وغیرہ نے کی چونچ میں یا پنجوں میں تھا اور اس سے گرا ہے بھائی یا کسی اور کسی سبب سے ابھی گرا ہے بھائی۔

«وَصَارَ كَمَنْ رَأَى فِي ثَوْبِهِ النَّجَاسَةَ وَلَا يَدْرِي مَتَى أَصَابَتْهُ» اور صاحبین فرماتے ہیں یہ ہو گیا یہ اسی طرح ہو گیا کہ «كَمَنْ رَأَى فِي ثَوْبِهِ» جس شخص نے دیکھا اپنے کپڑے کے اندر نجاست کو «وَلَا يَدْرِي» اور اسے معلوم نہیں ہے «مَتَى أَصَابَتْهُ» کہ یہ نجاست اس کو کب لگی ہے بھائی۔ بھائی ایک آدمی ہے اس کے اس نے اپنے کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی دیکھی تو اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ یوں سمجھا جائے گا نجاست ابھی لگی ہے اور گزشتہ ایام کی نمازیں لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ تو صاحبین فرماتے ہیں یہ بھی اسی طرح سمجھا جائے گا اور اس کے اندر گزشتہ ایام کی نمازیں لوٹانے کا حکم نہیں تھا، تو لہٰذا اس کے اندر بھی گزشتہ ایام کی نمازیں لوٹانے کا حکم نہیں ہے۔ گویا صاحبین نے اس مسئلے کو قیاس کیا اس کپڑے پر نجاست کے پائے جانے کے مسئلے پر اور اس کے اندر تو حکم تھا کہ نمازیں وغیرہ لوٹانے کی ضرورت نہیں، لہٰذا یہاں پر بھی نمازیں وغیرہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ یہ تھی صاحبین کی دلیل۔

تو یہاں پر بھائی دو قول آ گئے بھائی، ایک امام صاحب کا قول، امام صاحب فرماتے ہیں کہ بعض صورتوں کے اندر ایک دن رات کی نمازوں کو لوٹانا پڑے گا اور بعض صورتوں کے اندر تین دن تین راتوں کی نمازوں کو لوٹانا پڑے گا، جبکہ صاحبین کا قول آیا وہ فرماتے ہیں کوئی نماز وغیرہ لوٹانے کی ضرورت نہیں بلکہ یوں سمجھا جائے گا کہ یہ حیوان وغیرہ ابھی گرا ہے بھائی، ابھی گرا ہے۔ تو یاد رکھیے، یاد رکھیے علماء دونوں طرف گئے ہیں بھائی، بعضوں نے امام صاحب کے قول کو اختیار کیا، بعضوں نے صاحبین کے قول کو اختیار کیا، تو امام صاحب کے قول میں احتیاط زیادہ ہے بھائی، اس میں کیا ہے؟ احتیاط زیادہ ہے، نماز وغیرہ کا مسئلہ ہے تو احتیاط یہی ہے کہ انسان کیا کرے؟ وہ نمازیں گزشتہ ایام کی لوٹا لے، لیکن اگر صاحبین کے قول پر بھی مسئلہ بتلایا جائے تو یہ بھی درست ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو صاحبین کی دلیل ذکر ہوئی بھائی کہ یقین جو ہے وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا بھائی، شک کی وجہ سے، اور نیز صاحبین نے اس کو قیاس کیا اس شخص پر جس نے اپنے کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی دیکھی۔ آگے اب امام صاحب کی دلیل آ رہی ہے: «وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّ لِلْمَوْتِ سَبَبًا ظَاهِرًا وَهُوَ الْوُقُوعُ فِي الْمَاءِ» امام صاحب فرماتے ہیں کہ موت کا ایک ظاہری سبب ہے اور وہ پانی کے اندر گرنا ہے، «فَيُحَالُ بِهِ» «وَهُوَ الْوُقُوعُ فِي الْمَاءِ» اور وہ پانی کے اندر گرنا ہے، «فَيُحَالُ بِهِ» بہ کی ہا ضمیر راجع ہے موت کو، پس حوالہ کیا جائے گا موت کو، «عَلَيْهِ» علیہ کی ہا ضمیر راجع ہے وقوع فی الماء کو، پانی میں گرنے، پس موت کو پانی کے گرنے کے حوالہ کیا جائے گا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ «فَيُحَالُ بِهِ» حوالہ کیا جائے گا، کس کو؟ موت کو، «عَلَيْهِ» کس کے؟ وقوع فی الماء، پانی میں گرنے کے، یعنی موت کو پانی میں گرنے کے حوالہ کیا جائے گا، یعنی یوں سمجھا جائے گا پانی میں گرنے سے یہ مرا ہے، پانی میں گرنے سے اس کی موت آئی ہے۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں کہ موت کا ایک ظاہری سبب ہے اور وہ ظاہری سبب کیا ہے یہاں پر؟ حیوان ہمیں ملا ہے کنویں کے اندر، تو ظاہر یہی ہے کہ یہ اس کنویں کے پانی میں گرنے سے مرا ہے، سمجھ میں آیا؟ ایک احتمال تو یہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے ابھی ابھی کوئی کسی چیز کی وجہ سے یہ پانی میں مرنے کے بعد گرا ہو بھائی، ایک صورت تو یہ تھی جیسے میں نے ابھی ذکر کیا بھائی، احتمال ہے ہو سکتا ہے کوئی پرندہ اوپر جا رہا تھا اور اس کے پنجوں میں یہ چوہا وغیرہ تھا اور اس سے کنویں کے اندر گر پڑا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ بھی احتمال ہے، یا کسی اور وجہ سے گر پڑا، تو اور اسباب احتمالات بھی ہیں لیکن امام صاحب فرماتے ہیں ظاہری سبب کیا اس وقت بظاہر کیا معلوم ہو رہا ہے کہ پانی میں گرنے سے مرا ہے، تو اسی کے حوالہ کیا جائے گا، یعنی یوں ہی سمجھا جائے گا کہ یہ پانی میں گرنے سے مرا ہے اور کچھ وقت اس کو معلوم ہوا گزر چکا ہے بھائی، کچھ وقت گزر چکا ہے۔

تو اب پانی میں گرا ہے تو کس طرح اندازہ لگائیں گے کہ کتنا وقت گزرا ہے؟ کہتے ہیں بھائی اگر پھول گیا ہے پھٹ گیا ہے معلوم ہوا گرے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے، گرا اسی پانی میں گرنے کی وجہ سے مرا ہے اور گرے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے اور اگر پھولا پھٹا نہیں معلوم ہوا زیادہ دیر نہیں گزری، جب زیادہ دیر نہیں گزری تو پھر ہم نے اس میں ایک دن کا نمازوں کے ایک دن رات کی نمازوں کے لوٹانے کا حکم دیا، ایک دن سے کم کا حکم اس لیے نہیں کیونکہ ایک دن سے کم وہ تو وقت ہے، اوقات ہیں، گھڑیاں ہیں اور ان کا ان کے تعیین کی کوئی صورت نہیں، بھائی اس زمانے کے اندر تو گھڑیاں وغیرہ تھیں ہی نہیں، آج کل تو اللہ نے بڑی آسانی کر دی بھائی، آپ دن کے کسی حصے میں ہوتے ہیں، گھڑی پر نظر ڈالتے ہیں، آپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس وقت کتنے گھنٹے گزر چکے ہیں اور کتنے گھنٹے باقی ہیں، نماز کے لیے آپ نے پہنچنا ہوتا ہے، عین آپ کو پتہ ہوتا ہے دو منٹ رہ گئے ہیں اب میں پہنچ سکتا ہوں، آپ فوراً چلتے ہیں اور وہاں جماعت تک پہنچ جاتے ہیں، قدیم زمانے میں تو یہ آسانی نہیں تھی بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اندازے سے بھائی، پہلے ہی جانا پڑے گا ورنہ وقت کا اندازہ نہیں ہوتا تھا، اسی طرح رات کے وقت بھائی، آپ رات کے کسی حصے میں آج آپ کی آنکھ کھلتی ہے، آپ گھڑی دیکھتے ہیں، آپ کو فوراً پتہ چل جاتا ہے اتنی رات گزر چکی ہے اتنی رات باقی ہے، قدیم زمانے میں تو کوئی صورت نہیں تھی کہ جس سے پتہ لگ جائے، کوئی کوئی ماہر ہوتا تھا وہ ستاروں کے ذریعے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی آج کی طرح جو صحیح تعیین کے ساتھ اندازہ ہوتا ہے وہ پہلے نہیں تھا، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ بھائی دن سے کم تو اوقات ہیں، ان میں تو تعیین کی کوئی صورت نہیں، گھڑیاں ہیں، کتنی گھڑی؟ کتنا وقت بھائی؟ اس کی تو تعیین ہو نہیں، اندازہ ہی چلانا، تو لہٰذا کم سے کم مقدار کتنی ہم نے متعین کر دی اس کے لیے؟ ایک دن رات، تو جب اگر پھولا پھٹا نہیں، معلوم ہوا تھوڑی دیر ہوئی ہے اس حیوان کو گرے ہوئے کم اور اس میں کیا کر لو؟ ایک دن رات کی نمازیں لوٹا

لو اور اگر پھول گیا ہے پھٹ گیا ہے تو پھر کیا کرلو؟ تین دن تین راتیں، کیونکہ تین دن تین راتیں یہ کثرت میں داخل ہو گیا، کثرت کی اقل حد کیا ہے بھائی؟ تین ہے بھائی، تو ہم نے بھی کیا کیا؟ تین دن رات کا اعتبار کر لیا، اگرچہ احتمال یہ بھی ہے ہو سکتا ہے یہ حیوان باہر ہی کہیں مرا تھا وہیں پھول پھٹ گیا پھر کسی جانور نے اٹھایا اور ابھی گرا ہے، یہ احتمال ہے یا نہیں؟ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ احتمال ہے لیکن ظاہری سبب اس وقت کیا معلوم ہو رہا ہے؟ پانی میں گرنے سے، پانی میں ملا ہے تو معلوم ہوا پانی میں گرنے سے ہی مرا ہے اور اسی کے حوالہ کیا جائے گا، یعنی یہی سمجھا جائے گا کہ پانی میں گرنے سے مرا ہے اور پھولا پھٹا ہے، معلوم ہوا کافی دیر ہو گئی ہے اس کو پانی کے اندر گرے ہوئے، تو اس صورت میں کیا کرلو؟ تین دن تین راتوں کی نمازیں لوٹا لو، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

■ مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ لِلْمَوْ...

«وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ لِلْمَوْتِ سَبَبًا ظَاهِرًا وَهُوَ الْوُقُوعُ فِي الْمَاءِ فَيُحَالُ بِهِ عَلَيْهِ» کہ موت کا ایک ظاہری سبب ہے اور وہ پانی میں گرنا ہے تو اس موت کو اسی کے حوالہ کیا جائے گا، «إِلَّا أَنَّ الِانْتِفَاخَ دَلِيلُ التَّقَادُمِ» مگر یہ کہ پھولنا جو ہے وہ دلیل ہے تقادم کی یعنی پرانا ہونے کی، دلیل ہے کس چیز کی؟ پرانا ہونے کی، یعنی کہ کافی وقت گزر چکا ہے، «فَيُقَدَّرُ بِالثَّلَاثِ» تو اس کا اندازہ لگایا جائے گا تین کے ساتھ، تین دن راتوں کے ساتھ، «وَعَدَمُ الِانْتِفَاخِ وَالتَّفَسُّخِ دَلِيلُ قُرْبِ الْعَهْدِ» اور نہ پھولنا اور نہ پھٹنا بھائی نہ پھولنا اور نہ پھٹنا جو ہے «دَلِيلُ قُرْبِ الْعَهْدِ»، عہد کہتے ہیں زمانے کو، یہ زمانے کے قریب ہونے کی دلیل ہے یعنی قریبی زمانے میں گرا ہے، «فَقَدَّرْنَاهُ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ» تو ہم نے اس کا اندازہ لگایا ایک دن اور رات کے ساتھ، «لِأَنَّ مَا دُونَ ذَلِكَ سَاعَاتٌ لَا يُمْكِنُ ضَبْطُهَا» اس لیے کیونکہ اس سے کم جو ہیں «سَاعَاتٌ» وہ تو اوقات ہیں، ساعات جمع ہے ساعت کی، گھڑی یعنی اوقات، وقت بھائی، «سَاعَاتٌ» اس کیونکہ اس ایک دن رات سے کم جو ہیں وہ تو اوقات ہیں «لَا يُمْكِنُ ضَبْطُهَا» جن کا ضبط کرنا ممکن نہیں ہے یعنی ان کی تعیین وغیرہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

«وَأَمَّا مَسْأَلَةُ النَّجَاسَةِ فَقَدْ قَالَ الْمُعَلَّى: هِيَ عَلَى الْخِلَافِ، فَيُقَدَّرُ بِالثَّلَاثِ فِي الْبَالِي، وَبِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِي الطَّرِيِّ» معلّٰی یہ ان کا نام ہے معلّٰی ابن منصور رازی رحمہ اللہ بھائی، معلّٰی ابن منصور رازی رحمہ اللہ اور ان کی کنیت ہے ابو یعلیٰ، ابو یعلیٰ اور یہ بھی قدیم فقہاء میں سے ہیں، بہت بڑے محدث اور فقیہ یہ گزرے ہیں بھائی، بہت بڑے محدث اور فقیہ بھائی، ان کی پیدائش ہے ڈیڑھ سو ہجری اور وفات ہے دو سو گیارہ ہجری میں بھائی، دو سو گیارہ ہجری میں، کتنے مبارک انسان تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے اتنے قریب قریب زمانے کے اندر انہوں نے زندگی پائی اور بڑے محدث اور فقیہ تھے اور یہ شاگرد ہیں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کے بھائی، تو یہ بڑے مشہور محدث اور فقیہ گزرے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں بھائی، بھائی یاد رکھیے آگے جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ صاحبین کی دلیل کا۔ صاحبِ ہدایہ کا طریقہ یہ ہے کہ جس قول کو وہ ترجیح دیتے ہیں اس کی دلیل کو مؤخر ذکر کرتے ہیں تاکہ یہ دلیل بھی ہو جائے اور سابقہ جو قول تھا یا سابقہ جو دلیل تھی ان کا جواب بھی ہو جائے بھائی۔ تو بعد میں امام صاحب کا قول لے کر آئے یہ بتلانے کے لیے کہ ان کے نزدیک یہ راجح ہے اور دلیلیں بعد میں ان کی ذکر کیں تاکہ ماقبل میں جو دلیلیں آئی تھیں ان کا کیا بن جائے؟ ان کا جواب بھی ہو جائے بھائی۔ تو چنانچہ کہ انہوں نے کیا کہا تھا کہ «اَلْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ» بھائی، تو اس کے مقابلے میں امام صاحب کی دلیل ذکر کی، صاحبین فرماتے ہیں کہ «اَلْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ» بھائی، کہ ماقبل میں یہ حیوان پانی کے اندر تھا یا نہیں تھا؟ اس میں کیا ہے؟ شک آیا اور دوسری طرف سے امام صاحب کی دلیل آ گئی، امام صاحب کیا فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر کیا ہے کہ پانی میں گرنا اس کی موت کا سبب ہے، لہٰذا یہی سمجھا جائے گا کہ پانی میں گر کر مرا ہے، یہ نہیں کہ کسی اور چیز نے ابھی لا کر ڈالا ہے، پہلے پاک تھا، بلکہ ظاہری جو سبب ہے اسی کے حوالہ کیا جائے گا اور یوں سمجھا جائے گا اسی وجہ سے پانی میں گرا اسی وجہ سے وہ مرا ہے یعنی پانی میں گرنے سے مرا ہے۔

پھر صاحبین نے کیا کیا تھا؟ دوسری دلیل کیا ذکر کی تھی؟ اس مسئلے کو قیاس کیا تھا کس مسئلے پر؟ وہ شخص جس کے کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی ہے اور اس نے اس کو دیکھا تو اب اس کے اندر وہ پچھلی نمازیں لوٹانے کا حکم نہیں ہے بلکہ کیا سمجھا جائے گا؟ یہ نجاست ابھی لگی ہے اس کے کپڑوں پر۔ تو اس کا بھی اب جواب دے رہے ہیں کہ مسئلۂ نجاست کے اندر صاحبین اگرچہ اس کو قیاس کرتے ہیں اس پر، اس مسئلے کو قیاس کرتے ہیں کپڑے پر نجاست لگنے کے مسئلے پر قیاس کرتے ہیں، لیکن اگر اس کو اس پر قیاس کر بھی لیا جائے تو بھی صاحبین کو فائدہ نہیں اس کا، اس لیے کیونکہ امام صاحب کا یہ مسلک نہیں ہے، ان کے نزدیک اگر کسی کو اپنے کپڑے پر نجاست لگی ہوئی معلوم ہو اس کا پتہ چلے تو اس میں بھی امام صاحب یہ نہیں فرماتے کہ پچھلی نمازوں کا اعادہ نہیں کرے گا بلکہ وہاں بھی امام صاحب فرماتے ہیں اگر وہ نجاست تازہ ہے زیادہ پرانی نہیں تو اس میں کیا کرلے؟ ایک دن رات کی نمازیں لوٹا لے اگر انہی کپڑوں میں پڑھی ہیں اور اگر وہ نجاست پرانی ہو چکی ہے تو پھر اس اور یہی کپڑے پہنے ہوئے ہیں اتنے ہی عرصے کے دوران تو پھر کیا کرلے؟ تین دن تین راتوں کی نمازیں لوٹا لے بھائی، تو لہٰذا اگر اس کپڑے کے مسئلے پر قیاس کیا جائے تو بھی یہ صاحبین اس کو اپنی دلیل کے طور پر پیش نہیں کر سکتے کیونکہ اس مسئلے کے اندر بھی اختلاف ہے، اس میں امام صاحب اگر یہ فرماتے کہ پچھلی نمازیں نہیں لوٹانا پڑیں گی پھر تو وہ ان کے لیے یہ ان کی تائید ہوتی اس مسئلے سے ان کی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو پہلا تو یہاں دو جواب ذکر کریں گے بھائی، دو: پہلا منعی ہے، دوسرا تسلیمی۔ منعی جواب ابھی گزرا، منعی انکار، اس میں انکار ہے، ہمیں یہ کہ انکار ہے، تسلیم ہی نہیں ہے یہ بات کہ امام صاحب کا بھی یہی مسلک ہے اس کپڑے کی نجاست والے مسئلے میں، بلکہ اس میں بھی وہ کیا فرماتے ہیں؟ تین راتیں، تو اگر قیاس کر لو تو بھی مسئلہ اسی

طرح رہتا ہے، امام صاحب کے نزدیک کیا کرنا پڑے گا؟ تین دن تین راتوں کی نمازیں یا بعض صورتوں میں ایک دن ایک رات کی نمازیں لوٹانا ہی پڑیں گی بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا مَسْأَلَةُ النَّجَاسَةِ فَقَدْ قَالَ الْمُعَلَّى: هِيَ عَلَى الْخِلَافِ» باقی نجاست کا جو مسئلہ ہے تو معلّٰی ابن منصور رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں «هِيَ عَلَى الْخِلَافِ» کہ یہ مسئلہ بھی اختلاف پر ہے یعنی اس میں بھی کیا ہے؟ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، «فَيُقَدَّرُ بِالثَّلَاثِ فِي الْبَالِي» پس اندازہ لگایا جائے گا تین کے ساتھ یعنی تین دن تین راتوں کے ساتھ «فِي الْبَالِي»، بالی کا معنٰی بوسیدہ یعنی پرانی، پرانی نجاست کے اندر اندازہ کتنے کے ساتھ لگایا جائے گا، کب سے یہ لگی ہے؟ تین دن تین رات سے، «وَبِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِي الطَّرِيِّ»، طری کہتے ہیں تازہ، اور تازہ نجاست کے اندر ایک دن رات کے ساتھ اندازہ لگایا جائے گا کہ گویا یہ نجاست کو لگے ہوئے کتنا وقت ہو چکا ہے؟ ایک دن رات ہو چکے ہیں بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

■ مسئلہ: وَلَوْ سُلِّمَ

«وَلَوْ سُلِّمَ» اور اگر یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے کہ اس مسئلے میں امام صاحب کا بھی یہی قول ہے، ایک تو قول معلّٰی ابن منصور رحمہ اللہ کا ذکر کر دیا کہ ان کے نزدیک اس کپڑے کے مسئلے میں بھی اختلاف ہے تو اگر اس پر قیاس کر بھی لیں تو بھی کوئی فائدہ نہیں اور اگر ہم تسلیم کر بھی لیں کہ کپڑے کے مسئلے میں امام صاحب کا بھی یہی مسئلہ ہے، امام صاحب کے نزدیک بھی یہی مسئلہ ہے کہ اس میں پچھلی نمازیں نہیں لوٹانا پڑیں گی، تو بھی صاحبین اس کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے بھائی، اس لیے کیونکہ ایک طرف ہیں کپڑے، دوسری طرف ہے کنواں، کنویں کو قیاس کر رہے ہیں اور اس کے پانی کو، کس پر قیاس کر رہے ہیں؟ کپڑوں، دونوں ایک جیسی چیزیں ہوں تو قیاس کیا جاتا ہے، اگر مختلف چیزیں ہوں تو قیاس نہیں اور یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں، اس لیے کیونکہ کپڑا انسان نے پہنا ہوا ہے وہ ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے ہے اور کنواں وہ تو ہر وقت انسان کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہے، صورت سمجھ تو دونوں چیزیں مختلف ہو گئیں، ایک چیز ہر وقت نگاہوں میں رہنے والی، ایک چیز نگاہوں میں ہر وقت رہنے والی نہیں، تو دونوں مختلف چیزیں ہیں تو لہٰذا ایک کو دوسری پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَلَوْ سُلِّمَ» اور اگر تسلیم کر لیا جائے، کس بات کو تسلیم کر لیا جائے؟ کہ مسئلۂ نجاست امام صاحب کے نزدیک بھی اسی طرح ہے یعنی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، «فَالثَّوْبُ بِمَرْأَى عَيْنِهِ» تو کپڑا جو ہے وہ اس مرأی دیکھنے کی جگہ، مرأی عینہ آنکھوں کے جائے نگاہ میں ہے، یوں کہیں جائے نظر میں ہے، وہ کپڑا کیا ہے؟ اس کی جائے نظر میں ہے، «وَالْبِئْرُ غَائِبَةٌ عَنْ بَصَرِهِ» اور کنواں جو ہے وہ اس کی نگاہوں سے غائب ہے، «فَيَفْتَرِقَانِ» تو دونوں جدا جدا ہو گئے، دونوں الگ الگ ہو گئے، کپڑا اور کنواں ایک دوسرے سے الگ، جب الگ ہو گئے تو ایک کو دوسرے پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تو خلاصہ یہ، خلاصہ یہ کہ دو جواب دیے بھائی صاحبِ ہدایہ نے، صاحبین نے قیاس کیا تھا کنویں کو کس پر؟ کپڑوں پر نجاست کے پائے جانے پر، تو گویا کنویں کو قیاس کیا تھا اس کے کپڑوں پر اور تو اس کے دو جواب دیے: ایک منعی، ایک تسلیمی۔ منعی جواب: کہ ہمیں یہ بات تسلیم ہی نہیں ہے امام صاحب کے نزدیک یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر نجاست لگی ہو کپڑے پر تو نمازیں نہیں لوٹانا پڑیں، کہ ان کے نزدیک بھی اس میں بھی کیا کرنا پڑے گا؟ نمازیں لوٹانا پڑیں گی بھائی، تو اگر آپ قیاس کر بھی لیں تو یہ آپ کی دلیل نہیں بنتی کیونکہ پھر بھی امام صاحب کے نزدیک اس میں بھی نمازیں لوٹانا، تو اگر آپ قیاس کر لیتے ہیں آپ کے نزدیک نمازیں لوٹانا نہیں اور امام صاحب کے نزدیک کیا ہیں؟ نمازیں لوٹانا ہے، تو قیاس کر بھی لو پھر بھی کیا کرنا پڑے گا؟ ان کے نزدیک نمازیں لوٹانا ہی پڑیں گی۔ تو یہ منعی جواب، ہمیں تسلیم ہی نہیں کہ امام صاحب کا اس میں یہ مسلک ہے بلکہ اس میں بھی نمازیں لوٹانا پڑیں گی۔ اور دوسرا تسلیمی جواب: کہ اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ امام صاحب کے نزدیک کپڑے کے مسئلے میں کوئی نماز نہیں لوٹانا پڑے گی پھر بھی آپ قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، ایک طرف کنواں ہے تو دوسری طرف کپڑے ہیں، کپڑے ہر وقت نظر میں اور کنواں ہر وقت نظر میں نہیں ہے بھائی، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھائی؟

اچھا بھائی، یہ ہوئے کنویں کے مسائل ختم بھائی، آگے اور مسائل ذکر کرنے لگے ہیں۔ یہ تو وہ صورت تھی کہ اگر جانور گرا ہے اور مرا ہوا ملا، لیکن اگر جانور کنویں میں گرا اور زندہ نکل آیا بھائی، زندہ نکل آیا، یاد رکھیے پھر اس صورت میں کنواں پاک ہے، جیسے پہلے پاک تھا اب بھی کیا ہے؟ پاک ہے، الا یہ کہ وہ جانور اپنا منہ پانی کے اندر ڈال دے، اگر اس نے اپنا منہ پانی کے اندر ڈال دیا اور پھر نکل آیا تو اب یاد رکھیے اس کا لعاب پانی کے ساتھ مل گیا اور اس کے اب لعاب کا جو حکم تھا وہی حکم یہاں آجائے گا۔ اگر اس کا لعاب نجس تھا ناپاک تھا تو پھر پانی کیا ہو چکا؟ نجس ہو چکا، اگر اس کا لعاب مکروہ تھا تو اس پانی کا استعمال کیا ہو چکا؟ مکروہ، اور اگر اس کا لعاب پاک تھا تو یہ پانی اب کیا ہے؟ اب بھی پاک ہی ہے جیسے پہلے پاک تھا، تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ جی اور لعاب کس کا پاک ہے کس کا پاک نہیں، کسی چیز کے جھوٹے جھوٹھے کا کیا حکم ہے وہ اب آگے یہ ذکر ہو رہا ہے:

■ مسئلہ: فَضْلٌ فِي الْآسَارِ وَغَيْرِهَا

«فَضْلٌ فِي الْآسَارِ وَغَيْرِهَا» آثار جمع ہے سؤر کی اور سؤر کہتے ہیں جھوٹا بھائی، کوئی پانی وغیرہ کسی برتن سے پیئے اور وہ برتن میں پانی باقی بچ گیا اس کو کیا

کہتے ہیں؟ اس کا جھوٹا کہتے ہیں بھائی جھوٹا، تو آثار سؤر کی جمع۔ تو کہتے ہیں: «فَصْلٌ فِي الْآسَارِ وَغَيْرِهَا» یہ فصل ہے جھوٹے اور وغیرہ کے بیان میں، «وَعَرَقُ كُلِّ شَيْءٍ مُعْتَبَرٌ بِسُؤْرِهِ» عَرَق بھائی بفتح الراء، یہ پسینے کو کہتے ہیں، پسینہ۔ پسینے کا حکم بھی ذکر کر دیا بھائی، سؤر کے اندر تفصیل ہے، عرق کو اسی پر قیاس کیا جائے گا بھائی، یعنی جو کسی چیز کے جھوٹے کا حکم ہے وہی اس کے پسینے کا بھی حکم ہے، یعنی جس حیوان کا جھوٹا یعنی استعمال شدہ پانی وغیرہ پاک ہے وہ اس کا پسینہ بھی پاک ہے اور جس کا جھوٹا نجس ہے تو اس کا پسینہ بھی کیا ہے؟ نجس ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَعَرَقُ كُلِّ شَيْءٍ مُعْتَبَرٌ بِسُؤْرِهِ» اور پسینہ ہر چیز کا جو ہے اس کو وہ اس کو قیاس کیا جائے گا «بِسُؤْرِهِ» اس کے جھوٹے پر۔ بھائی کیوں قیاس کیا جائے گا؟ دلیل کیا ہے؟ دلیل آگے ذکر کر رہے ہیں: «لِأَنَّهُمَا يَتَوَلَّدَانِ مِنْ لَحْمِهِ» اس لیے کیونکہ یہ دونوں چیزیں پیدا ہوئی ہیں اس کے گوشت سے۔ بھائی پسینہ کہاں سے نکلتا ہے؟ جلد سے یعنی گوشت سے نکلتا ہے، اسی طرح منہ کے اندر جو لعاب بنا وہ بھی کس سے بنا؟ گوشت سے ہی بنا، لہٰذا «فَأَخَذَ أَحَدُهُمَا حُكْمَ صَاحِبِهِ» تو لے لیا ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کے حکم کو، یعنی دونوں میں سے جب ایک کا حکم ہے وہی اس دوسرے کا بھی حکم ہو گا کیونکہ پسینہ بھی گوشت سے اور لعاب بھی گوشت سے۔ «لِأَنَّهُمَا يَتَوَلَّدَانِ مِنْ لَحْمِهِ» اس لیے کیونکہ یہ دونوں یعنی پسینہ اور لعاب جو ہیں یہ پیدا ہوئے ہیں «مِنْ لَحْمِهِ» اس چیز کے گوشت سے، «فَأَخَذَ أَحَدُهُمَا حُكْمَ صَاحِبِهِ» تو لے لیا ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کے حکم کو، «وَسُؤْرُ الْآدَمِيِّ وَمَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ» اور آدمی یعنی انسان کا جھوٹا «وَمَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ» اور وہ حیوان جس کے گوشت کو کھایا جاتا ہے، یعنی بھیڑ بکری، گائے بیل، اونٹ وغیرہ یہ سب بھائی، ان سب کا جھوٹا جو ہے «طَاهِرٌ» وہ پاک ہے، انسان کا جھوٹا بھی پاک اور مایؤکل لحمہ کا جھوٹا بھی پاک ہے۔

یاد رکھیے یہ تو انسان اور وہ چیزیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اس میں سارے آ گئے بھائی: انسان بھی، اور بھیڑ بکری، گائے بیل وغیرہ، اونٹ جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، اسی طرح حلال پرندے بھی آ گئے سارے بھائی، ان کا جھوٹا بھی کیا ہے؟ پاک ہے بھائی، پاک ہے، اور اسی طرح گھوڑے کا جھوٹا وہ بھی کیا ہے؟ پاک ہے بھائی یاد رکھیے۔ اب دلیل آگے ذکر کر رہے ہیں: «لِأَنَّ الْمُخْتَلِطَ بِهِ اللُّعَابُ» اس لیے کیونکہ وہ چیز جو ملی ہے پانی کے ساتھ وہ لعاب ہے، پانی کے انہوں نے کسی برتن وغیرہ سے پانی پیا تو پانی کے ساتھ کیا چیز ملی ہے؟ وہ ان کا لعاب ہے، «وَقَدْ تَوَلَّدَ مِنْ لَحْمٍ طَاهِرٍ» اور تحقیق وہ لعاب کس سے پیدا ہوا ہے؟ پاک گوشت سے، بھائی ان کا گوشت کھاتے ہیں یا نہیں کھاتے؟ جب کھاتے ہیں تو گوشت پاک ہوا، معلوم ہوا گوشت پاک ہے، تو وہ اسی پاک گوشت سے بننے والا لعاب ہے تو وہ لعاب بھی کیسا ہو گا؟ پاک ہو گا لہٰذا پانی پاک رہے گا۔ «وَيَدْخُلُ فِي هَذَا الْجَوَابِ الْجُنُبُ وَالْحَائِضُ وَالْكَافِرُ» اور داخل ہیں اس جواب کے اندر جنبی بھی اور حائضہ بھی اور کافر بھی بھائی۔ جنبی بھائی جنابت کی حالت میں کوئی شخص ہے یا حائضہ حیض کی حالت میں عورت ہے یا کافر ہے، ان سب کا بھی یہی حکم ہے، یعنی انہوں نے کیا کہا؟ «سُؤْرُ الْآدَمِيِّ» آدمی کا جھوٹا کیا ہے؟ پاک، تو یہ سارے بھی اسی کے اندر داخل ہیں، جنبی بھی، حائضہ بھی اور کافر بھی، ان کا جھوٹا بھی پاک۔ جنبی کا جھوٹا پاک ہے بھائی اس لیے کیونکہ اس کے بدن پر کوئی نجاست ظاہری طور پر نہیں لگی ہوئی، ہاں شریعت نے حکماً اس کو کیا قرار دیا ہے؟ ناپاک قرار دیا ہے، تو وہ خود تو ناپاک ہے ٹھیک ہے، حقیقت کے اعتبار سے کوئی نجاست نہیں تو اس کا جھوٹا کیا ہے؟ پاک ہے بھائی، پاک ہے۔ اسی طرح حائضہ حیض والی ہے وہ بھی حکماً کیا ہے؟ نجس ہے، حقیقتاً تو کوئی نجاست اس کے بدن پر ویسے منہ وغیرہ پر نہیں ہے تو اس کا جھوٹا بھی۔ اور کافر کافر بھی انسان ہے تو اس کا جھوٹا بھی کیا ہو گا؟ پاک ہو گا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ کافر نے کسی برتن سے پانی پیا تو وہ پانی پاک ہے بھائی، لیکن شرط یہ ہے کہ اس نے اس سے پہلے شراب نہ پی ہو، اگر شراب پی ہے اور اس کے بعد اس نے پانی پیا ہے برتن سے تو پھر یقیناً وہ شراب کے اجزاء وہ ملیں گے پانی کے ساتھ تو پانی کیا ہو جائے گا؟ نجس ہو جائے گا۔

«وَسُؤْرُ الْكَلْبِ نَجِسٌ وَيُغْسَلُ الْإِنَاءُ مِنْ وُلُوغِهِ ثَلَاثًا» اور کتے کا جھوٹا جو ہے «نَجِسٌ» نجس ہے ناپاک ہے، «وَيُغْسَلُ الْإِنَاءُ» اور دھویا جائے گا برتن کو «مِنْ وُلُوغِهِ» اس کے منہ ڈالنے کی وجہ سے «ثَلَاثًا» تین مرتبہ۔ کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے برتن کو کیا کیا جائے گا؟ تین مرتبہ دھویا جائے۔ یہاں ولوغ کا ذکر آیا، ولوغ لفظ بھائی، یاد رکھیے آپ کو ایک ادبی نکتہ بتلائیں بھائی، ادبی نکتہ۔ عربی زبان کے اندر کتے یا درندے وغیرہ کا جو پانی پینا ہے اس کو ولوغ کہتے ہیں، ولوغ۔ کتا یا درندہ اگر آپ نے اس کو دیکھا ہو پانی پیتے ہوئے بھائی وہ زبان کے کنارے سے پانی پیتا ہے، زبان کے ذریعے پانی پیتا ہے بھائی، اس کو کیا کہتے ہیں عربی زبان میں؟ ولوغ کہتے ہیں، ولوغ۔ کتا پانی پیئے اس طرح زبان سے تو عربی میں کہتے ہیں «وَلَغَ الْكَلْبُ» یا «وَلِغَ الْكَلْبُ»۔ اور چھوٹا بچہ ماں کا دودھ پیئے اس کو کہتے ہیں عربی میں رضاعت، رضاعت۔ اور انسان پانی وغیرہ یا کوئی چیز پیئے اس کو کہتے ہیں شرب، شرب بھائی، «شَرِبَ الْإِنْسَانُ مَاءً»۔ اور اونٹ اور دوسرے حیوانات اگر پانی وغیرہ پیئیں اس کو جرع کہتے ہیں اور اسی طرح قرع، جرع: جیم، را، عین اور قرع: قاف چھوٹا اور را اور عین، قرع۔ «جَرَعَ الْبَعِيرُ» یا «قَرَعَ الْبَعِيرُ» جب اونٹ پانی پیئے بھائی تب کہتے ہیں۔ اور اگر پرندہ جو پانی پیتا ہے چونچ کے ذریعے اس کو عربی میں کہتے ہیں غب یا غب بھائی، غَبٌّ اور غِبٌّ بھائی۔ اور تو یہ الفاظ اس کے لیے استعمال اور ایک دوسرے کی جگہ پر بھی یہ پھر یہ استعمال ہو جاتے ہیں، یہ بھی یاد رکھنا بھائی۔ تو یہ مختلف الفاظ ہیں دیکھو، عربی زبان یہ چند ایک میں نے بتائے اور بھی اس طرح استعمال ہوتے ہیں، تو عربی زبان کی وسعت کا اندازہ لگائیں، ہر چیز کے پانی پینے کے لیے بھی الگ لفظ ہے بھائی، الگ لفظ ہے۔ تو ہاں اردو میں کوئی فرق نہیں، انسان پیئے تو بھی کہتے ہیں انسان پانی پیا، کوئی فرق آیا؟ حیوان بھی پیئے پانی پیا، پرندے نے بھی پانی پیئے، پانی پیا، دیکھو وہی لفظ پینے ہی کا استعمال ہو رہا ہے سب کے لیے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَسُؤْرُ الْكَلْبِ نَجِسٌ وَيُغْسَلُ الْإِنَاءُ مِنْ وُلُوغِهِ ثَلَاثًا» اور کتے کا جھوٹا جو ہے وہ ناپاک ہے اور دھویا جائے گا برتن کو اس کے منہ ڈالنے کی وجہ سے «ثَلَاثًا» تین مرتبہ۔ دلیل آگے ذکر کر رہے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يُغْسَلُ الْإِنَاءُ مِنْ وُلُوغِ الْكَلْبِ ثَلَاثًا» حضور علیہ السلام کے اس

قول کی وجہ سے: «يُغْسَلُ الْإِنَاءُ مِنْ وُلُوغِ الْكَلْبِ ثَلَاثًا»، دھویا جائے گا برتن کو کتے کے منہ لگانے کی وجہ سے «ثَلَاثًا» تین مرتبہ، یعنی کسی برتن سے اگر کتا پانی پی لے تو اس برتن کو تین مرتبہ دھویا جائے گا، «وَلِسَانُهُ يُلَاقِي الْمَاءَ دُونَ الْإِنَاءِ» یہاں سے صاحبِ ہدایہ یہ فرمارہے ہیں کہ بھائی ولوغِ کلب کا کیا معنیٰ ہے؟ کتا جو زبان سے پانی پیتا ہے، اگر حدیث میں کیا آیا؟ اگر کتا کسی برتن سے پانی پیئے پانی وغیرہ پیئے تو وہ اس برتن کو کتنی مرتبہ دھوئو؟ تین مرتبہ دھولو اور یہ بات ظاہر ہے جب کتا پانی پیئے گا تو اس کی زبان پانی کے ساتھ لگے گی یا برتن کے ساتھ لگے گی؟ پانی کے ساتھ لگے گی اور حکم کس کو دھونے کا دیا جارہا ہے؟ برتن کو، معلوم ہوا برتن نجس ہو چکا ہے تو جب برتن نجس ہوا ہے تو پانی بطریقِ اولیٰ کیا ہو گا؟ وہ نجس اور ناپاک ہو گا بھائی۔ یہ بات ذکر کر رہے ہیں: «وَلِسَانُهُ يُلَاقِي الْمَاءَ دُونَ الْإِنَاءِ» اور اس کی زبان جو ہے وہ تو ملتی ہے پانی کے ساتھ نہ کہ برتن کے ساتھ، «فَلَمَّا تَنَجَّسَ الْإِنَاءُ فَالْمَاءُ أَوْلَى» تو جب برتن نجس ہو گیا تو پانی بطریقِ اولیٰ نجس ہو گا۔ جی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ کتے کا جھوٹا کیا ہے؟ نجس ہے، جب برتن کے دھونے کا حدیث میں حکم دیا جارہا ہے تو معلوم ہوا وہ پانی بطریقِ اولیٰ کیا ہو چکا؟ نجس ہو چکا یعنی اس کا جھوٹا نجس ہے۔

■ مسئلہ: وَهَذَا يُفِيدُ النَّجَاسَةَ وَالْعَدَدَ فِي الْغَسْلِ

«وَهَذَا يُفِيدُ النَّجَاسَةَ وَالْعَدَدَ فِي الْغَسْلِ» اور یہ حدیث جو ہے یہ فائدہ دیتی ہے، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو نجس ہونا اور دوسرا «وَالْعَدَدَ فِي الْغَسْلِ» دھونے کا عدد بھی پتہ چلا۔ اس حدیث سے کتنی باتیں معلوم ہوئیں؟ دو: نمبر ایک کیا؟ نجس ہونا، معلوم ہوا وہ برتن کیا ہو چکا؟ نجس ہو چکا، اور دوسرا کیا معلوم ہوا؟ کہ پاک کتنی مرتبہ دھونے سے ہو گا؟ تین مرتبہ۔ تو کہتے ہیں: «وَهَذَا يُفِيدُ النَّجَاسَةَ وَالْعَدَدَ فِي الْغَسْلِ» اور یہ حدیث فائدہ دیتی ہے نجس ہونے کا بھی یعنی اس کا بھی اس سے پتہ چلتا ہے «وَالْعَدَدَ فِي الْغَسْلِ» اور عدد کا بھی دھونے کے اندر، «وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي اشْتِرَاطِ السَّبْعِ» اور یہ حدیث حجت ہے دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف «فِي اشْتِرَاطِ السَّبْعِ» سات کی شرط لگانے میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سات مرتبہ دھویا جائے، کتنی مرتبہ؟ سات مرتبہ دھویا جائے گا اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے اس کو مانجھ لیا جائے گا، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور یہ احادیث میں اس کا ذکر آتا ہے بھائی باقاعدہ احادیث کے اندر کہ سات مرتبہ اس برتن کو جس میں کتے نے پانی پیا ہے اس کو سات مرتبہ دھویا جائے اور ایک مرتبہ مٹی سے مانجھ لیا جائے، مٹی کے ساتھ اس کو دھو لیا جائے اور پھر اس میں راوی کا شک ہے کہ پتہ نہیں حدیث میں آیا پہلی مرتبہ میں ہی مٹی سے دھولو یا آخری مرتبہ میں، تو پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھ لے اور پھر سات مرتبہ دھوئے یا پہلے سات دفعہ دھولے اور آخری دفعہ کیا کرلے؟ مٹی سے اس کو مانجھ لے، اس میں راوی کو شک آیا، البتہ زیادہ علماء نے پھر پہلی مرتبہ کو اختیار کیا کہ اولیٰ کیا ہے؟ کیا کرو؟ پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھ لو اور اس کے بعد سات مرتبہ پانی کے ساتھ اس کو دھولو بھائی، جبکہ ایک روایت امام صاحب سے کہ یہ ہمارے نزدیک مستحب ہے، تو ہمارے نزدیک واجب کیا ہے؟ کتنی مرتبہ کم از کم دھولے؟ تین مرتبہ دھولے تو دھونا سے وہ برتن پاک ہو جائے گا، لیکن اور مستحب کیا ہے؟ کتنی مرتبہ دھو لیا جائے؟ سات مرتبہ دھولیا جائے بھائی۔ تو ہمارے نزدیک تین مرتبہ دھونا کافی ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث آگئی، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سات مرتبہ اور ان کے پاس بھی احادیث بطورِ دلیل کے ہیں بھائی، تو یہ ایک امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف دلیل ہوئی یہ حدیث۔

«وَلِأَنَّ مَا يُصِيبُهُ بَوْلُهُ يَطْهُرُ بِالثَّلَاثِ فَمَا يُصِيبُهُ سُؤْرُهُ وَهُوَ دُونَهُ أَوْلَى» یہاں سے قیاس پیش کر رہے ہیں کہ شریعت کے اندر جتنی نجاستیں ہیں وہ باقی ان سب کا حکم ذکر ہوا وہ تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جاتی ہیں، جب تین دفعہ وہ دھونے سے پاک ہو جاتی ہیں تو یہ کتے کا سؤر یہ بھی ایک نجاست ہے یہ یہ بھی تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا، بلکہ اگر کسی برتن کو کسی کتے کا پیشاب وغیرہ لگ جائے تو پیشاب بھی کیا ہے؟ ایک نجاست اور نجاست کتنی دفعہ دھونے سے پاک ہو جاتی ہے؟ تین، تو جب وہ پیشاب تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے تو لعاب تو اس سے کم درجے کا ہے وہ بطریقِ اولیٰ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا بھائی، دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ یہ ذکر کر رہے ہیں: «وَلِأَنَّ مَا يُصِيبُهُ بَوْلُهُ يَطْهُرُ بِالثَّلَاثِ» اور اس لیے کیونکہ وہ چیز وہ چیز یعنی چاہے کپڑا ہو یا برتن ہو «يُصِيبُهُ بَوْلُهُ» جس کو اس کتے کا پیشاب لگ جائے «يَطْهُرُ بِالثَّلَاثِ» وہ تین مرتبہ سے پاک ہو جاتا ہے، «فَمَا يُصِيبُهُ سُؤْرُهُ» تو وہ چیز جس کو اس کا لعاب اس کا جھوٹا لگے، جس کو جس چیز کو اس کا اس کتے کا جھوٹا لگے «وَهُوَ دُونَهُ» اس حال میں کہ وہ جھوٹا اس کے پیشاب سے کم درجے کا ہے نجس ہونے میں کم درجے کا ہے، «أَوْلَى» وہ بطریقِ اولیٰ تین مرتبہ سے پاک ہو جائے گا۔ بھائی کتے کا پیشاب اگر کسی چیز کو لگ جائے تو وہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتی ہے تو لعاب جو اس سے کم درجے کا ہے وہ بطریقِ اولیٰ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گی۔

«وَالْأَمْرُ الْوَارِدُ بِالسَّبْعِ مَحْمُولٌ عَلَى ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ» اور وہ جو حکم آیا ہے سات مرتبہ دھونے کا، میں نے بتایا بھائی امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کیا ہے؟ وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن کے اندر کتنی مرتبہ دھونے کا ذکر ہے؟ سات مرتبہ، تو صاحبِ ہدایہ اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں وہ جو حکم آیا ہے سات مرتبہ دھونے کا «مَحْمُولٌ عَلَى ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ» وہ احادیث محمول ہیں ابتدائے اسلام پر، کس پر محمول ہیں؟ یعنی ابتداء کے اندر سات مرتبہ دھونے کا حکم تھا اور بعد میں تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا کیونکہ ہم نے حدیث پیش کر دی، حدیث میں کتنی دفعہ دھونے کا ذکر ہے؟ تین، معلوم ہوا ابتدائے اسلام میں جو سات مرتبہ دھونے کا حکم تھا ان کے لیے یہ حدیث ناسخ بن گئی، وہ حکم منسوخ اور یہ حکم ان کے لیے ناسخ بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض احادیث میں تین دفعہ دھونے کا ذکر آیا، بعض احادیث کے اندر سات مرتبہ دھونے کا ذکر آیا، صاحبِ ہدایہ نے کیا کیا؟ سات والی روایت کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا اور تین والی روایت کو آخر حکم پر محمول کیا، ناسخ ہونے پر محمول کیا، اس کا عکس کیوں نہیں کیا؟ کس دلیل کی بنیاد پر آپ نے کہا کہ سات مرتبہ دھونا وہ ابتدائے اسلام میں تھا اور تین مرتبہ دھونا یہ آخر زمانہ کے اندر یہ حکم تھا؟ تو جواب یہ: کہ ہم نے غور کیا اس مسئلے کے اندر، پتہ نہیں کون سے ابتدائے اسلام کے اندر کون سا حکم تھا تین والا یا سات، لیکن جب ہم نے غور کیا تو مسئلہ واضح ہو گیا، ابتداء کے اندر لوگوں کا کتوں کے ساتھ اختلاط بہت زیادہ تھا، جیسے آج کل آپ انگریزوں کو دیکھ لیں بھائی کتوں کا اختلاط ان میں بہت زیادہ، تو اس وقت بھی لوگوں کا کتوں کے ساتھ اختلاط بہت زیادہ تھا تو چنانچہ ان کا بڑا سخت حکم ابتداء میں حتی کہ کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کتوں کو کیا کرو؟ قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر اس کے بعد وہ حکم منسوخ ہوا، پھر صرف سیاہ کتے کے قتل کرنے کا حکم تا کہ لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح نفرت بیٹھ جائے، پھر وہ حکم بھی منسوخ ہوا، تو اسی طرح بعض احادیث سے سات بعض میں سات مرتبہ دھونے کا ذکر، بعض میں تین مرتبہ دھونے کا ذکر، کس میں سختی زیادہ ہے؟ کس صورت میں؟ سات مرتبہ دھونے کے اندر سختی زیادہ ہے، معلوم ہوا یہ ابتدائے اسلام سے متعلق ہیں جب حکم بڑا سخت تھا حتی کہ کتوں کو قتل کر دینے کا حکم تھا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور بعد میں پھر جب لوگوں کے دلوں میں کتوں کی نفرت اچھی طرح بیٹھ گئی تو پھر وہ معاملے کی حکم میں وہ سختی نہ رہی اور پھر کتے کو چوکیداری اور شکار وغیرہ کے لیے حفاظت کے لیے رکھنے کی بھی اجازت دے دی گئی کیونکہ اب لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت اچھی طرح بیٹھ چکی تھی، تو لہٰذا پہلے حکم میں سختی تھی پھر نرمی کر دی گئی تو بعض احادیث میں سات مرتبہ دھونے کا ذکر، بعض میں تین مرتبہ دھونے کا ذکر، معلوم ہوا اور سات والے حکم کے اندر تو سختی ہے، معلوم ہوا اس کا تعلق اس ابتدائی زمانے سے ہے اور تین والے حکم کے اندر نرمی ہے، معلوم ہوا اس کا تعلق آخر زمانے کے ساتھ ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

■ مسئلہ: وَسُؤْرُ الْخِنْزِيرِ نَجِسٌ لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ...

«وَسُؤْرُ الْخِنْزِيرِ نَجِسٌ لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ عَلَى مَا مَرَّ» اور خنزیر جو ہے اس کا جھوٹا جو ہے وہ ناپاک ہے «لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ» کیونکہ خنزیر جو ہے وہ نجس العین ہے یعنی اس کی پوری ذات ہی نجس ہے ناپاک ہے، «عَلَى مَا مَرَّ» بناء پر اس کے جو گزر گیا، پیچھے بیان ہوا تھا صاحبِ ہدایہ نے بیان کیا تھا کہ خنزیر کی کھال دباغت دینے سے بھی پاک نہیں ہوتی اور خنزیر نجس العین ہے اور دلیل کیا ذکر کی تھی کہ قرآن کے اندر «فَإِنَّهُ رِجْسٌ»، «فَإِنَّهُ رِجْسٌ» کی ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ خنزیر کو، تو معلوم ہوا خنزیر پورا کا پورا ہی کیا ہے؟ نجس ہے ناپاک ہے، نجس العین ہے۔

«وَسُؤْرُ سِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ» سباعِ بہائم بھائی یہ شکار کرنے والے حیوانات، درندے یعنی درندے، سباع البہائم کیا ہیں؟ درندے، چیر نے پھاڑنے والے شکار کرنے والے جو حیوانات ہیں درندے ہیں، ان کا جو جھوٹا ہے کہتے ہیں «نَجِسٌ» یہ ناپاک ہے، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا سِوَى الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيرِ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے سوائے کتے اور خنزیر کے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خنزیر جیسے نجس العین ہے اسی طرح کتا بھی نجس العین ہے، وہ فرماتے ہیں یہ دو تو نجس العین ہیں لہٰذا ان کا جھوٹا وہ تو ناپاک ہے، لیکن اس کے علاوہ باقی جو درندے ہیں ان کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے بھائی کیونکہ وہ نجس بھی نہیں ہیں، لیکن ہمارے نزدیک نجس ہیں بھائی، نجس ہیں۔ کیوں نجس ہیں؟ ہم کہتے ہیں دیکھو شریعت نے ان کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں دی، معلوم ہوا ان کا گوشت نجس ہے، اگر گوشت پاک ہوتا تو شریعت اجازت دیتی، شریعت نے اجازت نہیں دی معلوم ہوا ان کا گوشت کیا ہے؟ ناپاک ہے اور لعاب بھی کس سے پیدا ہوتا ہے؟ گوشت سے ہی پیدا ہوتا ہے تو لعاب کا بھی وہی حکم ہو گا وہ نجس ہو گا، لہٰذا وہ جس برتن سے پانی پیئے گا وہ پانی کو اس کا لعاب لگے گا وہ پانی بھی کیا ہو جائے گا؟ ناپاک ہو جائے گا، اس لیے ہم نے کہا ان کا جھوٹا نجس ہے بھائی، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

«لِأَنَّ لَحْمَهُمَا نَجِسٌ» بھائی آپ کی کتابوں میں بھی «لَحْمَهُمَا» ہے؟ جی؟ جی۔ بھائی اگر یہ «لَحْمَهُمَا» ہو کیونکہ ان دونوں کا گوشت نجس ہے پھر تو یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل بن جائے گی کیونکہ ان کے نزدیک ان دو کا گوشت نجس ہے، باقی کا گوشت نجس نہیں، ہمارے نزدیک تو سب کا گوشت کھانے کی شریعت نے اجازت نہیں دی تو سب کا گوشت کیا ہے؟ نجس ہے ناپاک ہے، تو یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل بن جائے گی اور یہ مقام کون سا ہے؟ یعنی پھر اس کے بعد آگے اگر امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہوتی تو اس کا پھر جواب بھی ذکر کرتے، آگے جواب وغیرہ کچھ نہیں اور تو یہاں یہ احناف کی دلیل یہاں ذکر ہونی چاہیے نہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا یہ محل نہیں بھائی اور جی تو عام یہاں آپ کے ہاں جتنے نسخے ہیں ان میں عموماً یہ ہما ہی کی ضمیر ہے اور پھر یہ ضمیر لوٹتی ہے کلب اور خنزیر کی طرف اور کلب اور خنزیر کے مسئلہ یہ تو ان کا جھوٹا نجس ہے یہ تو کن کے نزدیک صرف؟ امام تو یہ تو ان کی دلیل بن جائے گی، تو عام نسخوں میں یہ ہما ضمیر ہی ہے، البتہ فتح القدیر جو مشہور شرح ہے ہدایہ کی اس میں یہاں ہا ضمیر ہے واحد مؤنث کی اور ہا ضمیر ہی یہاں ہونی چاہیے، اسی صورت میں یہ احناف کی دلیل بنے گی بھائی اور یہ مقام بھی ہے احناف کی دلیل کا بھائی، تو یہ «لِأَنَّ لَحْمَهَا» ہونا چاہیے اور ہا ضمیر راجع ہے سباع البہائم کو بھائی، درندے بھائی، جمع ہے نا اور جمع کو کون سی دلیل راجع کی جاتی ہے، کون سی ضمیر لوٹائی جاتی ہے عربی میں؟ واحد مؤنث کی کیونکہ جمع بتاویلِ جماعت کے واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے، تو یہ «لِأَنَّ لَحْمَهَا» ہونا چاہیے، «لِأَنَّ لَحْمَهَا نَجِسٌ» اس لیے کیونکہ ان درندوں کا جھوٹ ان کا گوشت کیا ہے؟ ناپاک ہے، «وَمِنْهُ يَتَوَلَّدُ اللُّعَابُ» اور اسی گوشت سے لعاب پیدا ہوتا ہے، «وَهُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي الْبَابِ» اور وہی معتبر ہے اس باب کے اندر۔

اس باب میں یعنی جھوٹھے کے بیان باب میں کس کا اعتبار ہے؟ جھوٹھے کا پتہ کسی حیوان کے جھوٹھے کا کیا حکم ہے اس کا پتہ کس سے چلے گا؟ اس کے لعاب سے، کس سے؟ لعاب سے، اور لعاب جو ہے وہ گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور لعاب ہی کا اعتبار ہے اس باب کے اندر اور وہ لعاب کس سے پیدا ہوا؟ درندوں کا گوشت تو نجس ہے لہٰذا اس سے پیدا ہونے والا لعاب بھی کیا ہو گا؟ نجس ہو گا لہٰذا ان کا جھوٹا بھی نجس ہو گا بھائی۔ چلیے بس بھائی، «**هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**»۔

سبق نمبر ۲۴: مسئلہ: اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ

ہدایہ صفحہ: ۴۴ــــ بتاریخ: ۴ نومبر ۲۰۱۲ء

وَسُؤْرُ الْهِرَّةِ طَاهِرٌ مَكْرُوهٌ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ غَيْرُ مَكْرُوهٍ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصْغِي لَهَا الْإِنَاءَ فَتَشْرَبُ مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ، وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «الْهِرَّةُ سَبُعٌ»، وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ إِلَّا أَنَّهُ سَقَطَتِ النَّجَاسَةُ لِعِلَّةِ الطَّوَافِ فَبَقِيَتِ الْكَرَاهَةُ. [1]

مختلف جانوروں کے جھوٹھے پانی کا، جھوٹھے پانی کا کیا حکم ہے؟ یہ بیان ہو رہا ہے بھئی۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا کہ پسینہ جو ہے اس کا اعتبار کسی چیز کے **سُؤر** پر یعنی اس کے جھوٹھے پر کیا جائے گا۔ اگر کسی حیوان کا جھوٹھا جو ہے وہ پاک ہے تو اس کا پسینہ بھی پاک ہے، اگر کسی حیوان کا جھوٹھا مکروہ ہے تو اس کا پسینہ بھی کیا ہے؟ مکروہ، اور اگر کسی حیوان کا جھوٹھا نجس ہے تو اس کا پسینہ بھی نجس اور ناپاک ہے۔ اور پھر آپ نے پڑھا کہ انسان جو ہے اور وہ تمام حیوانات جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا جھوٹھا پاک ہے بھئی، پاک ہے۔ اور جبکہ کتا جو ہے اس کا جھوٹھا نجس ہے، ناپاک ہے اور اس کی وجہ سے برتن کو تین مرتبہ دھویا جائے گا۔ اور اسی طرح خنزیر اور تمام دوسرے جو درندے ہیں، شکار کرنے والے، چیرنے پھاڑنے والے، ان کا جھوٹھا بھی نجس ہے، ناپاک ہے۔

اب آگے آپ کو بلی کے جھوٹھے کا حکم بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «**وَسُؤْرُ الْهِرَّةِ طَاهِرٌمَكْرُوهٌ**»، اور بلی کا جو جھوٹھا ہے وہ پاک ہے، «**مَكْرُوهٌ**» مکروہ ہے بھئی۔ پاک ہے لیکن مکروہ ہے بھئی۔ «**وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ غَيْرُمَكْرُوهٍ**»، اور امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللَّهُ** سے یہ روایت ہے کہ اس کا جھوٹھا مکروہ بھی نہیں ہے بھئی۔ طاہر ہے اور مکروہ بھی نہیں ہے۔ دلیل ان کی کہتے ہیں: «**لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصْغِي لَهَاالْإِنَاءَ**»، «**يُصْغِي الْإِنَاءَ**» کا معنی ہوتا ہے برتن جھکانا۔ وہ فرماتے ہیں کیونکہ نبی کریم **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** «**كَانَ يُصْغِي لَهَاالْإِنَاءَ**»، وہ برتن کو جھکا دیتے تھے بلی کے لیے، «**فَتَشْرَبُ مِنْهُ**» تو وہ اس سے پانی پی لیتی، «**ثُمَّ يَتَوَضَّأُمِنْهُ**» پھر اسی پانی سے حضور **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** وضو فرما لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹھا کیا ہے؟ پاک ہے بھئی۔

جبکہ «**وَلَهُمَا**» **طَرَفَيْنِ** کی دلیل جو ہے «**قَوْلُهُ عَلَيْهِالسَّلَامُ**»، وہ نبی کریم **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کا یہ قول ہے: «**الْهِرَّةُ سَبُعٌ**»۔ «**سَبُعٌ**» کہتے ہیں درندے کو۔ کہ حدیث میں آیا حضور **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** فرماتے ہیں: بلی درندہ ہے۔ «**وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ**»، اور اس حدیث کے اندر بعض نے کہا کہ حضور **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** بلی کی حقیقت بیان فرما رہے ہیں کہ اس کا تعلق کس قسم کے حیوانات سے ہے؟ یہ کس قسم کا حیوان ہے؟ درندہ۔ لیکن صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں آپ کو بھئی کہ اس کے ذریعے حکم کو بیان کیا جا رہا ہے، حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** کا مقصد حکم کو بیان کرنا ہے، کیونکہ نبی کریم **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** چیزوں کی حقیقت بیان کرنے کے لیے تشریف نہیں لائے بلکہ احکام بتلانے کے لیے تشریف لائے ہیں، تو یہاں پر بھی دراصل حکم بیان ہو رہا ہے کہ بلی درندہ ہے، معلوم ہوا اس کا بھی وہی حکم جو کس کا حکم ہے؟ درندوں کا حکم۔

تو کہتے ہیں: «**وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ**»، اور مقصد جو ہے وہ حکم کو بیان کرنا ہے، «**إِلَّا أَنَّهُ سَقَطَتِ النَّجَاسَةُ لِعِلَّةِ الطَّوَافِ**»، مگر یہ کہ نجس ہونا جو ہے وہ ساقط ہو گیا **عِلَّتِ طَوَاف** کی وجہ سے، «**فَبَقِيَتِ الْكَرَاهَةُ**»، تو کراہت باقی رہی بھئی۔ اس حدیث میں کیا آیا؟ «**الْهِرَّةُ سَبُعٌ**»، بلی درندہ ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بلی جب درندہ ہے تو درندوں کا جھوٹھا تو نجس، تو بلی کے جھوٹھے کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ نجس کہنا چاہیے۔ لیکن دوسری حدیث میں آتا ہے، یہ آپ کے حاشیے میں بھی دی ہوئی ہے، کہ حضور **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے بلی کے بارے میں فرمایا: «**إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجِسَةٍ، لِأَنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْوَالطَّوَّافَاتِ**»،

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۷): «دون الخلقة والصورة»۔ • شاملہ (ص ۱۷) میں «مِنْهُ» کے بجائے «به»، شاملہ (ص ۱۷) میں «الطَّوَافِ» کے بجائے «الطوف» درج ہے۔

سبق نمبر ۲۴: مسئلہ: اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

کہ یہ بلی نجس نہیں ہے، کیونکہ یہ بلی اور بلیلاں اور بلے جو ہیں تم پر چکر لگانے والے ہیں۔ طوافین مذکر کے لیے اور طوافات مؤنث۔ کہ یہ جو ہیں، یہ بلیلاں یہ تم پر چکر لگانے والی ہیں۔

توضرورت اور حاجت کی بناء پر شریعت نے ان کے حکم میں نرمی کر دی بھئی۔ کیونکہ بلی اور بلے اور بلیلاں جو ہیں وہ گھروں کے اندر چکر لگاتے ہیں، ان سے چیزوں کو چھپا کر رکھنا بڑا مشکل کام ہے، جتنی بھی انسان حفاظت کرے یہ کسی نہ کسی طریقے سے اس چیز تک پہنچ جائیں گے، تو اگر ان کے جھوٹھے کو نجس قرار دے دیا جائے پھر تو انسان بڑی مشکل میں پڑ جائے گا۔ تو چنانچہ یہ جو بار بار چکر لگاتے ہیں، آتے جاتے ہیں، اس علت کی وجہ سے، اس سبب کی وجہ سے ان کے جھوٹھے کو شریعت نے نجس قرار نہیں دیا۔ چنانچہ حدیث میں کیا آیا کہ یہ بلیلاں یہ نجس، ناپاک نہیں ہیں کیونکہ یہ تم پر چکر لگانے والے ہیں، گھومنے والے ہیں، یعنی بار بار آنے جانے والے ہیں، یہ چیزوں کو منہ لگائیں گے، تو اس وجہ سے یہ نجس نہیں ہیں بھئی۔

تو حدیث سے علت کا بھی پتہ چل گیا۔ کہ ان کو ناپاک کیوں نہیں قرار دیا گیا؟ وجہ کیا ہے؟ طواف۔ علت کیا ہے؟ طواف، چکر لگانا، گھومنا۔ تو اس حدیث سے، یہ جو متن میں حدیث آئی: «**اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ**»، اس سے تو پتہ چل رہا تھا کہ بلی ہے وہ درندہ ہے، اس کے جھوٹھے کو نجس ہونا چاہیے، لیکن دوسری حدیث سے پتہ چلا کہ ہونا تو نجس چاہیے لیکن ضرورت اور حاجت کی بناء پر چونکہ چکر لگانے والے ہیں اس لیے ضرورت اور حاجت کی بناء پر ان کا جھوٹھا نجس نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «**إِلَّا أَنَّهُ سَقَطَتِ النَّجَاسَةُ لِعِلَّةِ الطَّوَافِ**»، مگر یہ کہ نجس ہونا جو ہے وہ ساقط ہو گیا **عِلَّتِ طَوَاف** کی وجہ سے، «**فَبَقِيَتِ الْكَرَاهَةُ**»، تو کیا باقی رہ گئی؟ کراہت باقی رہ گئی بھئی۔

■ مسئلہ: وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَا قَبْلَ التَّحْرِيمِ

«**وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَا قَبْلَ التَّحْرِيمِ**»، یہاں سے جواب دے رہے ہیں وہ امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللَّهُ** نے جو حدیث ذکر کی تھی کہ نبی کریم **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** بلی کے لیے برتن کو جھکا دیتے اور وہ اس میں سے پانی پی لیتی، پھر اس پانی سے حضور **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** وضو فرما لیتے تھے۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ «**وَمَا رَوَاهُ**»، اور وہ حدیث جس کو امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللَّهُ** نے روایت کیا «**مَحْمُولٌ عَلَى مَا قَبْلَ التَّحْرِيمِ**»، وہ تحریم سے ما قبل پر محمول ہے، یعنی اس کے حرمت کے حکم سے پہلے پر یہ محمول ہے، اس وقت نبی کریم **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** ایسا فرماتے تھے بھئی۔

«**ثُمَّ قِيلَ كَرَاهَتُهُ لِحُرْمَةِ اللَّحْمِ**»، جی، آگے یہ بیان کر رہے ہیں بھئی کہ جو مکروہ قرار دیا گیا اس کی وجہ کیا ہے؟ تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ بلی کا جھوٹھا مکروہ ہے اس وجہ سے کیونکہ اس کا گوشت حرام ہے بھئی۔ اور لعاب، آپ نے پڑھا ہے اس جھوٹھے کے باب میں اعتبار کس کا ہے؟ لعاب کا ہے، اور کیونکہ جب گوشت ناپاک ہے، حرام ہے تو اس سے جو لعاب پیدا ہوا وہ بھی کیا ہو گا؟ حرام ہو گا بھئی، حرام ہو گا۔ تو کہتے ہیں: «**ثُمَّ قِيلَ كَرَاهَتُهُ لِحُرْمَةِ اللَّحْمِ**»، پھر کہا گیا ہے کہ بلی کے جھوٹھے کی کراہت جو ہے اس کے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے ہے، «**وَقِيلَ لِعَدَمِ تَحَامِيهَا النَّجَاسَةَ**»، اور کہا گیا ہے بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کا جھوٹھا مکروہ کیوں ہے؟ اس وجہ سے کیونکہ یہ نجاست سے بچتی نہیں۔ **تَحَامِي** کا معنی ہے بچنا، پرہیز کرنا۔ تو «**وَقِيلَ لِعَدَمِ تَحَامِيهَا النَّجَاسَةَ**»، اور کہا گیا ہے اس کے نجاست سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ نجاست وغیرہ میں رہتی ہے، مختلف قسم کی چیزیں، مردار کوئی جانور وغیرہ ہے شکار کرے گی، کھائے گی، منہ پر خون وغیرہ لگنے کا احتمال ہے تو اس کی وجہ سے اس کے جھوٹھے کو جھوٹھے کو کیا قرار دیا گیا؟ مکروہ قرار دیا گیا بھئی۔

تو دونوں فقہاء، بعضوں نے کیا کہا مکروہ کیوں قرار دیا گیا؟ اس کے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے، اور بعضوں نے کیا کہا کہ اس کو مکروہ کیوں قرار دیا گیا اس کے جھوٹھے کو؟ کیونکہ یہ نجاست سے بچتی نہیں ہے۔ تو یعنی اس میں احتمال احتمال ہے، ہو سکتا ہے ابھی اس نے نجاست منہ پر ہو، اس کے لگی ہوئی ہو۔ تو اس احتمال کی وجہ سے بھی کراہت ثابت ہے اور گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے بھی کراہت ثابت ہو رہی ہے۔ لیکن یاد رکھیے کہ گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے کراہت ثابت ہو گی تو وہ **كَرَاهَتِ تَحْرِيمِي** ہو گی، حرام کے قریب۔ کس کے قریب؟ حرام کے قریب بھئی۔

بھئی دیکھیے، گوشت حرام ہے۔ جب گوشت حرام ہے تو ہونا تو یہ چاہیے کہ اس کا جھوٹھا نجس، ناپاک ہونا چاہیے، لیکن وہ دوسری حدیث آ گئی جس میں علت بیان کر دی گئی اور اس کی نجاست اور بتلایا گیا کہ وہ نجس نہیں ہے، علت کیا بیان کی گئی؟ کیونکہ یہ چکر لگانے والی ہے، **عِلَّتِ طَوَاف** بیان کی گئی وہاں پر۔ تو لہٰذا اس کی وجہ سے اب حرمت والا، یعنی نجاست والا حکم تو نہیں لیکن کراہت والا حکم رہے گا اور کراہت بھی کون سی ہو گی؟ **كَرَاهَتِ تَحْرِيمِي** ہو گی بھئی۔ اور نجاست سے یہ بچتی نہیں، اس صورت میں بھی کراہت ہے لیکن اس صورت میں صرف شک ہے کہ شاید اس کے منہ پر کیا لگی ہوئی ہو؟ نجاست لگی ہوئی ہو، تو شک کی وجہ سے **كَرَاهَتِ تَحْرِيمِي** نہیں ثابت ہو سکتی بلکہ کون سی کراہت ثابت ہو گی؟ **كَرَاهَتِ تَنْزِيهِي**۔ آپ نے پڑھا ہے کراہت دو قسم پر ہے، مکروہ دو قسم پر ہے: **مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي** اور **مَكْرُوهِ تَحْرِيمِي**۔ **مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي** وہ ہے جو حلال کے زیادہ قریب ہے اور **مَكْرُوهِ تَحْرِيمِي** وہ ہے جو حرام کے قریب ہے بھئی، حرام کے قریب ہے۔

تو دونوں قسم کے قول آ گئے۔ صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں: «**وَهَذَا يُشِيرُ إِلَى التَّنَزُّهِ**»، یہ جو قول ہے یہ جو قریب والا، «**هَذَا**» اس میں اشارہ قریب کے لیے، تو قریب کون سا قول ذکر ہوا؟ «**لِعَدَمِ تَحَامِيهَا النَّجَاسَةَ**»، یہ جو قریب قول گزرا «**يُشِيرُ إِلَى التَّنَزُّهِ**» یہ کس چیز کی طرف اشارہ کر رہا ہے؟ تنزہ کی

طرف یعنی مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے، معلوم ہوا بلی کا جھوٹھا وہ مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي ہے، وہ کیا ہے؟ مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي۔ «وَالأَوَّلُ إِلَى الْقُرْبِ مِنَ التَّحْرِيمِ»، اور پہلا قول جو ہے جس میں کیا کہا گیا تھا کہ کراہت کس وجہ سے ہے؟ حُرْمَتِ لَحْم کی وجہ سے ہے، وہ اشارہ کر رہا ہے «إِلَى الْقُرْبِ مِنَ التَّحْرِيمِ» حرام کے قریب ہونے کے، تحریم کے قریب ہونے، اور تحریم کے قریب کون سا مکروہ ہے؟ مَكْرُوهِ تَحْرِيمِي۔ تو یہ پہلا قول اشارہ کر رہا ہے مَكْرُوهِ تَحْرِيمِي ہونے کی طرف، معلوم ہوا بلی کا جھوٹھا مَكْرُوهِ تَحْرِيمِي ہے۔ اور دوسرا قول اشارہ کر رہا ہے کس کی طرف؟ مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي ہونے کی طرف، معلوم ہوا بلی کا جھوٹھا کیا ہے؟ مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي ہے۔ دونوں طرف فقہاء احناف گئے ہیں بھئی۔ بعضوں نے بلی کے جھوٹھے کو مَكْرُوهِ تَحْرِيمِي قرار دیا اور بعض فقہاء نے کیا قرار دیا ہے؟ مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي۔ لیکن یاد رکھیے، زیادہ فقہاء احناف اس بلی کے جھوٹھے کے مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي ہونے کی طرف گئے ہیں، کہ بلی کا جھوٹھا کیا ہے؟ مَكْرُوهِ تَنْزِيهِي ہے، تحریمی نہیں بھئی۔

سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا اب اگر ایک شخص ہے اور اس کے پاس اور کوئی پانی نہیں، صرف ایسا پانی ہے جو بلی کا جھوٹھا ہے تو اس صورت میں تو پھر اس سے وضو کر لے، جب اور پانی نہیں۔ لیکن اگر اور پانی موجود ہے تو پھر اس صورت میں دوسرے پانی سے وضو کر لینا چاہیے اس کو بھئی، دوسرے پانی سے، اس بلی کے جھوٹھے سے وضو نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر بلی کھانے پینے کی چیزوں میں منہ لگا دے، یاد رکھیے ہمیشہ بھئی، تو اس کو نہیں کھانا چاہیے بھئی، سمجھ میں آیا؟ اس کو نہیں، ہاں اگر کوئی غریب ہے جس بیچارے کے پاس اور کچھ ہے ہی نہیں اور بلی نے اس کھانے وغیرہ چیز میں، دودھ میں منہ لگا دیا، اس کے لیے پھر یاد رکھیے مکروہ بھی نہیں ہے، وہ اس کو استعمال کر سکتا ہے بھئی، لیکن اگر اللہ نے دیا ہے مال وغیرہ تو پھر اس چیز کو استعمال نہ کرے بھئی۔

ایک اور ویسے فقہ کی بات ذہن میں آئی، یاد رکھیے یہ کھانے پینے کی چیزیں پڑے پڑے گل سڑ جاتی ہیں، تو یاد رکھیے گل سڑ جائے پھر بھی یہ نجس نہیں، یہ نجس، ناپاک، کھائے تو نہ انسان، چیز تو خراب ہے وہ تو اس کو نقصان ہو گا، لیکن نجاست والا حکم اس کا نہیں ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ نجاست والا حکم نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ أَكَلَتِ الْفَارَةُ ثُمَّ شَرِبَتْ عَلَى فَ...

«وَلَوْ أَكَلَتِ الْفَارَةُ ثُمَّ شَرِبَتْ عَلَى فَوْرِهِ الْمَاءَ يَتَنَجَّسُ إِلَّا إِذَا مَكَثَتْ سَاعَةً»۔ «وَلَوْ أَكَلَتِ الْفَارَةُ»، اور اگر بلی نے چوہا کھایا، «ثُمَّ شَرِبَتْ عَلَى فَوْرِهِ الْمَاءَ»، پھر پیا اس نے فوراً اس کے بعد پانی کو، اس کے فوراً بعد کیا کر لیا؟ چوہا کھایا اور پھر اس کے بعد اس نے پانی پیا ہے، تو اب تو یقینی بات ہے کہ اس کے منہ پہ کیا ہو گی؟ نجاست لگی ہوئی ہے، وہ خون وغیرہ اس کے ذرات لگے ہوں گے، تو وہ جب پانی میں منہ ڈالے گی تو وہ ذرات پانی کے ساتھ بھی ملیں گے تو اس صورت میں پانی نجس ہو جائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں: «يَتَنَجَّسُ»، تو پانی کیا ہو جائے گا؟ نجس ہو جائے گا۔ «إِلَّا إِذَا مَكَثَتْ سَاعَةً»، مگر یہ کہ تھوڑی دیر یہ ٹھہر جائے، تھوڑی دیر بعد، کچھ دیر بعد پھر پانی پیے تو پھر اس صورت میں وہ پانی نجس نہیں ہو گا، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں: «لِغَسْلِهَا فَمَهَا بِلُعَابِهَا»، بوجہ اس کے دھو لینے اپنے منہ کو «بِلُعَابِهَا» اپنے لعاب کے ساتھ، اس لیے کیونکہ آپ نے دیکھا ہے بھئی، بلی وغیرہ کوئی چیز کھا لے اور پھر بیٹھے تو وہ زبان سے اپنے منہ کو چاٹ کر صاف کر لیتی ہے بھئی، تو کچھ دیر جب ٹھہرے گی تو وہ اپنے لعاب کے ذریعے کیا کر لے گی؟ اپنے منہ کو صاف کر لے گی، تو اس وجہ سے پھر اس صورت میں وہ پانی نجس نہیں ہو گا بھئی، ہاں وہ مکروہ اسی طرح ہے۔

آگے فرماتے ہیں: «وَالِاسْتِثْنَاءُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى»، یہ جو استثناء ہے «إِلَّا إِذَا مَكَثَتْ سَاعَةً»، اگر کچھ دیر ٹھہر جائے، پھر معلوم ہوا مکروہ بھی نہیں، یہ شَيْخَيْنِ رَحِمَهُمَا اللَّهُ کے مذہب پر ہے۔ امام محمد رَحِمَهُ اللَّهُ تو فرماتے ہیں کہ نہیں، کچھ دیر ٹھہر بھی جائے پھر بھی پانی کو منہ لگائے گی تو پانی نجس ہو جائے گا، کیونکہ ان کے نزدیک نجاست جو ہے وہ صرف پانی سے ہی دور ہو سکتی ہے، پانی کے بغیر دور ہی نہیں ہو سکتی، اگرچہ لعاب کو اس نے اپنے منہ کو صاف بھی کر لیا زبان سے پھر بھی پانی تو استعمال نہ ہوا، لہٰذا نجاست دور نہ ہوئی، پانی میں منہ لگائے گی تو وہ نجس ہو جائے گا۔

«وَيَسْقُطُ اعْتِبَارُ الصَّبِّ لِلضَّرُورَةِ»، یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے پیچھے ہمیں بتایا تھا کہ امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللَّهُ کے نزدیک نجاست کے دور کرنے کے لیے وہ پانی کا بہانا بھی ضروری ہے۔ غسل کے باب میں بیان ہوا تھا کہ امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللَّهُ کے نزدیک پانی کا بدن پر بہانا ضروری ہے، لہٰذا وہ کنویں کے اندر اگر اس نے غوطہ لگا کر کوئی نکل بھی آیا بدن پر پانی تو نہیں بہایا لہٰذا جنابت سے وہ پاک نہیں ہو گا بھئی۔ تو یہاں پر تو یہاں پر تو پانی کا بہانا نہیں پایا گیا، اگرچہ اس نے لعاب سے منہ کو تو صاف کیا لیکن پانی کا بہا دینا یہ تو نہیں پایا گیا، تو اس کے بغیر ہی کیسے وہ فرماتے ہیں کہ اس کا منہ پاک ہو گیا بھئی؟ تو کہتے ہیں یہاں ضرورت کی اور حاجت کی وجہ سے، کس بناء پر؟ ضرورت اور حاجت کی بناء پر بھئی انہوں نے بہانے کے حکم کے ساقط ہونے کا اعتبار کیا۔ کہتے ہیں: «وَيَسْقُطُ اعْتِبَارُ الصَّبِّ لِلضَّرُورَةِ»، اور ساقط ہو گیا بہانے کا اعتبار «لِلضَّرُورَةِ» بناء بر ضرورت، کیونکہ اس کی حاجت ہے ضرورت ہے، بلی اسی طرح کرتی ہے، کوئی چیز کھا پی لے گی پھر زبان کے ذریعے البتہ منہ کو صاف کر لے گی اور پھر پانی میں منہ لگائے گی، تو اگر اس زبان کے ذریعے صاف کرنے کا اعتبار ہم نہ کریں تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ اس چیز کو نجس قرار دینا پڑے گا، تو ضرورت کی بناء پر ہم نے بہانے کا اعتبار نہیں کیا بھئی۔

■ مسئلہ: وَسُؤْرُ الدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ مَكْرُوهٌ

«وَسُؤْرُ الدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ مَكْرُوهٌ» ۔ دجاجہ مرغی بھئی، مخلاۃ آزاد چھوڑی ہوئی، آزاد گھومنے والی۔ آزاد گھومنے والی مرغی، بھئی جو عام گھروں میں مرغیاں رکھی ہوتی ہیں اس کا حکم بیان ہو رہا ہے کہ اس کا جو جھوٹھا ہے «مَكْرُوهٌ»، وہ مکروہ ہے بھئی۔ وہ مرغی وہ چونچ کے ذریعے کسی پانی سے پیے تو وہ پانی کیا ہو جائے گا؟ مکروہ ہو جائے گا۔ کیوں، مکروہ کیوں ہو گا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا تُخَالِطُ النَّجَاسَةَ»، کیونکہ مرغی جو ہے نجاست کے ساتھ اختلاط کرتی ہے، آپ نے بھی دیکھا ہے گندگی وغیرہ کھاتی پھرتی ہے بھئی، تو اس وجہ سے وہ اجزاء چونکہ اس کے چونچ وغیرہ پر احتمال ہے تو وہ پانی کو کیا قرار دیا گیا؟ مکروہ قرار دیا گیا۔

«وَلَوْ كَانَتْ مَحْبُوسَةً بِحَيْثُ لَا يَصِلُ مِنْقَارُهَا إِلَى مَا تَحْتَ قَدَمَيْهَا لَا يُكْرَهُ لِوُقُوعِ الْأَمْنِ عَنِ الْمُخَالَطَةِ» ۔ اور اگر وہ جو مرغی ہے اگر وہ محبوس تھی، قید کی ہوئی تھی، کسی پنجرے وغیرہ میں بند کیا ہوا تھا «بِحَيْثُ» اس طور پر، اس حیثیت سے «لَا يَصِلُ مِنْقَارُهَا» کہ نہ پہنچتی ہو اس کی چونچ بھئی «إِلَى مَا تَحْتَ قَدَمَيْهَا» اس کے قدموں کے نیچے تک۔ مرغی کو کسی پنجرے وغیرہ میں یا کہیں اس طرح بند کیا ہے یا باندھا ہے کہ اس کی چونچ جو ہے وہ اس کے قدموں تک نہیں پہنچتی، سر کو نیچے تک نہیں لے جا سکتی، تو اس صورت میں بھی «لَا يُكْرَهُ» اس کا جھوٹھا مکروہ نہیں ہے، «لِوُقُوعِ الْأَمْنِ عَنِ الْمُخَالَطَةِ» اس لیے کیونکہ امن واقع ہو گیا، امن حاصل ہو گیا «عَنِ الْمُخَالَطَةِ» کس سے؟ نجاست سے اختلاط۔ نجاست تو زمین پر ہو گی، تو زمین تک وہ سر لے جا ہی نہیں سکتی تو لہٰذا نجاست سے اختلاط نہیں، جب نجاست سے اختلاط نہیں تو اب اس کا جھوٹھا مکروہ بھی نہیں ہے بلکہ پاک ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ لہٰذا اگر صرف پنجرے میں قید کیا ہے تو پھر تو امن نہیں، اور گندگی پنجرے میں نہ ہو اس کا اپنا فضلہ وغیرہ تو ہو گا، اس میں بھی وہ چونچ مارے گی، تو اس صورت میں بھی امن حاصل نہیں۔ ہاں اگر چونچ نیچے تک لے جا ہی نہ سکے پھر کیا ہے؟ اس کا جھوٹھا مکروہ نہیں ہے بھئی۔

«وَكَذَا سُؤْرُ سِبَاعِ الطَّيْرِ» ۔ اور اسی طرح جو چیر نے پھاڑنے والے پرندے ہیں، یعنی جو شکار کرنے والے پرندے ہیں بھئی، عقاب ہے، شکرہ ہے، شاہین ہے وغیرہ، تو ان کا جھوٹھا جو ہے وہ بھی اسی طرح ہے یعنی جیسے آزاد گھومنے والی مرغی کا جھوٹھا مکروہ تھا ان کا جھوٹھا بھی مکروہ ہے بھئی۔ «لِأَنَّهَا تَأْكُلُ الْمَيْتَاتِ»، کیونکہ یہ مردار کھاتے ہیں، یہ شکار کرنے والے مردار کھاتے ہیں، «فَأَشْبَهَ الدَّجَاجَةَ الْمُخَلَّاةَ»، تو یہ مشابہ ہو گئے آزاد گھومنے والی مرغی کے۔

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهَا إِذَا...

«وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ مَحْبُوسَةً يَعْلَمُ صَاحِبُهَا أَنَّهُ لَا قَذَرَ عَلَى مِنْقَارِهَا لَا يُكْرَهُ لِوُقُوعِ الْأَمْنِ عَنِ الْمُخَالَطَةِ» ۔ اور امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللَّهُ سے روایت ہے «أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ مَحْبُوسَةً» کہ یہ شکار کرنے والے پرندے جب قید میں ہوں، قید کیے ہوئے ہوں پنجرے وغیرہ میں، «يَعْلَمُ صَاحِبُهَا» اور ان کا مالک جانتا ہے «أَنَّهُ لَا قَذَرَ عَلَى مِنْقَارِهَا» کہ کوئی گندگی ان کے چونچ پر نہیں لگی ہوئی، «لَا يُكْرَهُ» تو پھر ان کا جھوٹھا مکروہ بھی نہیں ہے «لِوُقُوعِ الْأَمْنِ عَنِ الْمُخَالَطَةِ» اس وجہ سے کہ نجاست سے جو اختلاط ہے اس سے امن حاصل ہو گیا۔ اب اس نجاست سے اختلاط کا احتمال وہاں پر نہیں۔ «وَاسْتَحْسَنَ الْمَشَايِخُ هَذِهِ الرِّوَايَةَ»، اور مشائخ نے، فقہاء نے اس روایت کو پسند فرمایا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا ہے بھئی۔

«وَسُؤْرُ مَا يَسْكُنُ الْبُيُوتَ كَالْحَيَّةِ وَالْفَارَةِ مَكْرُوهٌ» ۔ اور جھوٹھا ان چیزوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں «كَالْحَيَّةِ» جیسے کہ سانپ ہے «وَالْفَارَةِ» اور چوہا ہے، «مَكْرُوهٌ» وہ بھی مکروہ ہے بھئی۔ ان کا جھوٹھا کیوں مکروہ ہے؟ بھئی وہی وجہ عِلَّتِ طَوَافْ ہے بھئی۔ جیسے بلی کے جھوٹھے کو نجس ہونا چاہیے تھا لیکن عِلَّتِ طَوَافْ کی وجہ سے اس کو کیا قرار دیا گیا؟ مکروہ قرار دیا گیا، تو یہ جو سانپ اور چوہے وغیرہ ہیں ان میں بھی یہ علت پائی جاتی ہے، یہ بھی چکر لگاتے ہیں، آتے جاتے ہیں گھروں میں، اور اس وجہ سے ان کے جھوٹھے کو بھی کیا قرار دیا گیا؟ مکروہ۔ بلکہ ان میں عِلَّتِ طَوَافْ بلی سے بھی بڑھ کر ہے، بلی کے تو روکنے کا کوئی نہ کوئی بندوبست آپ کر لیں گے، اس میں احتمال کم ہو جائے گا آنے کا، لیکن ان کے تو روکنے کی کوئی صورت ہی نہیں، بہت ہی مشکل ہے ان کو روکنا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَسُؤْرُ مَا يَسْكُنُ الْبُيُوتَ كَالْحَيَّةِ وَالْفَارَةِ مَكْرُوهٌ»، اور جھوٹھا ان چیزوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں جیسے کہ سانپ ہے اور چوہا ہے «مَكْرُوهٌ» وہ مکروہ ہے، «لِأَنَّ حُرْمَةَ اللَّحْمِ أَوْجَبَتْ نَجَاسَةَ السُّؤْرِ»، اس لیے کیونکہ ان کے گوشت کی حرمت نے، بھئی ان کا گوشت حرام ہے یا نہیں سانپ اور چوہا؟ تو ان کے گوشت کے حرام ہونے نے «أَوْجَبَتْ نَجَاسَةَ السُّؤْرِ»، ان کے جھوٹھے کے نجس ہونے کو ثابت کر دیا، أَوْجَبَتْ أَيْ أَثْبَتَتْ، ان کے گوشت جب حرام ہے تو ان کا جھوٹھا نجس ہونا چاہیے، یہ گوشت کے حرام ہونے نے ثابت، کیوں؟ کیونکہ گوشت حرام ہے تو اسی سے کیا بنے گا؟ لعاب، اور لعاب ہی کا تو اعتبار ہے جھوٹھے کے اندر تو لعاب بھی نجس، تو جب وہ پانی کے اندر منہ لگائیں گے تو وہ لعاب لگے گا تو لہٰذا وہ پانی کیا ہو گا؟ نجس۔ تو ان کے گوشت کی حرمت نے وہ ان کے جھوٹھے کے نجس ہونے کو ثابت کیا، «إِلَّا أَنَّهُ سَقَطَتِ النَّجَاسَةُ لِعِلَّةِ الطَّوَافِ»، مگر یہ کہ وہ نجس ہونا ساقط ہو گیا عِلَّتِ طَوَافْ کی وجہ سے، «فَبَقِيَتِ الْكَرَاهَةُ»، تو کیا باقی رہی؟ کراہت باقی رہی بھئی۔

■ مسئلہ: وَالتَّنْبِيهُ عَلَى الْعِلَّةِ فِي الْهِرَّةِ

«وَالتَّنْبِيهُ عَلَى الْعِلَّةِ فِي الْهِرَّةِ»، یہ سوال کا جواب دے رہے ہیں، سوال یہ کہ آپ کو کہاں سے علم ہوا کہ طواف، چکر لگانا یہ علت ہے نجاست کے ساقط ہونے کی؟ کہ طواف کی وجہ سے نجاست کا حکم کیا ہو جاتا ہے؟ ساقط ہو جاتا ہے، اس کا پتہ کہاں سے چلا؟ تو صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں: «وَالتَّنْبِيهُ عَلَى الْعِلَّةِ فِي الْهِرَّةِ»، اور تنبیہ جو ہے اس علت پر بلی میں ہے بھئی، بلی کے بارے میں اس علت پر تنبیہ موجود ہے، خود حدیث کے اندر نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس کی علت بیان فرماتے ہیں: «لِأَنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ»، تو با قاعدہ حدیث کے اندر ہی علت کو ذکر کر دیا گیا بھئی۔

«وَسُؤْرُ الْحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوكٌ فِيهِ»۔ حمار گدھا بھئی، بغل خچر بھئی، اور گدھے اور خچر کا جھوٹھا جو ہے «مَشْكُوكٌ فِيهِ»، وہ کیا ہے؟ وہ مشکوک ہے بھئی۔ «قِيلَ الشَّكُّ فِي طَهَارَتِهِ»، کہا گیا ہے شک اس کے پاک ہونے میں ہے۔ بھئی متن میں تو صرف اتنا آیا کہ گدھے اور خچر کا جھوٹھا مشکوک ہے، مشکوک ہے۔ اب یہ شک کس چیز کے اندر ہے؟ ایک ہے چیز کا طاہر ہونا، ایک ہے چیز کا مطہر ہونا، طاہر جو خود پاک ہو، مطہر جو دوسرے کو پاک کرنے والی ہو، تو کس چیز میں شک ہے؟ اس کے سُؤْر کے پاک ہونے میں شک ہے یا مطہر ہونے میں شک ہے؟ تو بعض فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ اس کے پاک ہونے میں ہی شک ہے۔ کس میں؟ پاک ہونے ہی میں شک ہے۔

کس طرح؟ کہتے ہیں دیکھیے اگر پاک ہونے میں شک نہ ہوتا تو پاک چیز پانی کے ساتھ مل جائے، آپ نے پڑھا ہے کہ پاک چیز اگر پانی کے ساتھ مل جائے اور تین اوصاف میں سے ایک وصف بدل بھی جائے تو بھی اس پانی کا استعمال کیا ہوتا ہے؟ جائز ہے، اس کے ذریعے پاکی حاصل کی جا، الا یہ کہ وہ چیز پانی پر غالب آجائے تو پھر اس صورت میں اس کے ذریعے پاکی حاصل کرنا درست نہیں ہوتا۔ تو یہاں پر بھی گدھے نے یا خچر نے پانی پیا تو اس کا لعاب پانی کے ساتھ ملا، اور لعاب پانی کے ساتھ زیادہ ملا ہے یا تھوڑا سا ملا ہے؟ یقینی بات ہے تھوڑا سا ملا ہے، پانی پر غالب تو نہیں آیا، پانی پر تو غالب تو نہیں آیا، تو پاک چیز کس کے ساتھ ملی؟ پاک کے ساتھ اگر ملے تو پانی کو پھر بھی کیا ہونا چاہیے؟ پاک کرنے والا ہونا چاہیے، لیکن یہاں کیا کہا جا رہا ہے؟ مشکوک ہے، مشکوک ہے۔ معلوم ہوا اس کے پاک ہونا ہی مشکوک ہے، جب پاک ہونا مشکوک ہوا تو مطہر ہونا بھی کیا ہو گیا؟ مشکوک ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آئی بھئی؟ اگر وہ پاک ہوتا تو پاک چیز پاک چیز کے ساتھ ملی ہے، پھر تو مطہر ہونے میں کوئی شبہ تھا؟ نہیں، اس میں تو کوئی شک ہی نہیں تھا، لیکن معلوم ہوا اس کے پاک ہونے میں ہی شک ہے جبھی تو کہا پانی کے ساتھ ملا ہے تو پانی بھی کیا بن گیا؟ اس کا مطہر، جب طاہر ہونا مشکوک ہوا تو مطہر ہونا بطریقِ اولیٰ کیا ہوا؟ مشکوک ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: «قِيلَ الشَّكُّ فِي طَهَارَتِهِ»، کہ شک جو ہے اس کے پاک ہونے میں ہے، «لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ طَاهِرًا لَكَانَ طَهُورًا»، اسی کیونکہ اگر یہ پاک ہوتا یہ اس کا جھوٹھا «لَكَانَ طَهُورًا» تو وہ پاک کرنے والا بھی ہوتا یعنی مطہر بھی ہوتا، «مَا لَمْ يَغْلِبِ اللُّعَابُ عَلَى الْمَاءِ» جب تک کہ لعاب پانی پر غالب نہ آجائے، «وَقِيلَ الشَّكُّ فِي طَهُورِيَّتِهِ»، اور بعضوں نے کہا کہ اس کا طہور ہونے میں شک ہے، مطہر ہونے میں شک ہے، پاک ہونے میں شک نہیں، پاک تو ہے ہی۔ گدھے اور خچر کا جھوٹھا پاک تو ہے ہی، پاک ہونے میں کوئی شک نہیں، بلکہ شک کس چیز میں ہے؟ مطہر ہونے میں، کہ اس سے کوئی وضو کرے تو پاکی حاصل ہو گی یا پاکی حاصل نہیں؟ تو مطہر ہونے میں شک ہے، پاک ہونے میں شک نہیں ہے۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ لَوْ وَجَدَ الْمَاءَ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ...

«لِأَنَّهُ لَوْ وَجَدَ الْمَاءَ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ غَسْلُ رَأْسِهِ»، اس لیے کیونکہ اگر وہ وضو کرنے والا پانی کو پائے، بھئی ایک شخص ہے، اس نے گدھے یا خچر کے جھوٹھے پانی سے وضو کر لیا، وضو کر لیا۔ چہرہ بھی دھویا، ہاتھ بھی دھوئے، پاؤں بھی دھوئے ہیں اور سر پر مسح بھی کیا ہے۔ اب اس کو پانی پاک بعد میں پانی دوسرا مل گیا، اب اس پانی کے ساتھ جب وہ وضو کرے گا تو ہاتھوں پر پہلے وہ مشکوک پانی لگا تھا، تو جب ہاتھوں کو دھوئے گا تو وہ اثرات اس کے چلے جائیں گے۔ پاؤں کو دھوئے گا پاؤں سے بھی وہ اثرات کیا ہوں گے؟ اس پانی کے اثرات چلے جائیں گے۔ چہرے کو دھوئے گا تو چہرے سے بھی اس مشکوک پانی کے اثرات کیا ہو جائیں گے؟ چلے۔ لیکن سر پر، سر پر تو مسح کیا تھا تو وہ مشکوک پانی سر پر لگا تھا یا نہیں لگا تھا؟ لگا۔ اب مسح کرے گا تو کیا وہ سارے اجزاء چلے جائیں گے؟ جی؟ نہیں۔ تو کیا، کرنا کیا چاہیے؟ جب اس شخص کو اگر اس کے پاک ہونے میں اگر شک ہوتا، یہ فقہاء کی دلیل چل رہی ہے، یہ فرماتے ہیں پاک ہونے میں شک نہیں ہے بلکہ کس چیز میں شک ہے؟ پاک کرنے میں شک، پاک تو ہے ہی ہے، اگر پاک ہونے میں شبہ ہوتا، شک ہوتا تو پھر تو یہ شک اب اس پر سر کا دھونا واجب ہونا چاہیے تھا، لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ اس پر سر کا دھونا واجب نہیں۔ سب کیا فرماتے ہیں؟ اس آدمی پر جس نے پہلے گدھے یا خچر کے جھوٹھے سے مسح کیا تھا اس پر سر کا دھونا واجب نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ پاک ہونے میں شک تھا ہی نہیں، وہ تھا ہی پاک، ورنہ اس فقہاء کیا فرماتے؟ اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ سر دھونا پڑے گا تاکہ اس پانی کے سارے اثرات چلے جائیں، تو سر اس پر سر کا دھونا واجب نہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پانی پاک تھا۔ ہاں مطہر ہونے میں شک تھا۔ دلیل سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھئی؟ معلوم ہوا پاک تو تھا ہی کیونکہ اس کو اس پر واجب نہیں ہے سر کا دھونا، ہاں شبہ صرف کس چیز میں شک کس چیز میں تھا؟ پاک کرنے میں بھئی۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّهُ لَوْ وَجَدَ الْمَاءَ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ غَسْلُ رَأْسِهِ»، اس لیے کیونکہ اگر

یہ شخص جس نے لو وجد الماء اگر

یہ شخص، وضو کرنے والا، یہ پانی کو پالے، «لَا يَجِبُ عَلَيْهِ غَسْلُ رَأْسِهِ» تو اس پر اپنے سر کا دھونا واجب نہیں ہے۔ «وَكَذَا لَبَنُهُ طَاهِرٌ» اور اسی طرح اس کا دودھ بھی جو ہے وہ پاک ہے۔ صاحبِ ہدایہ کیا فرمارہے ہیں بھائی؟ گدھی کا دودھ پاک ہے۔ یاد رکھیے یہ ایک روایت ہے امام محمد رَحِمَهُ اللَّهُ سے بھائی، لیکن ظاہر روایت یہ نہیں ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ ظاہرِ روایت یہی ہے کہ اس گدھی کا دودھ بھی نجس ہے، ناپاک ہے بھائی۔

«وَعَرَقُهُ» را پر فتحہ پڑھیں بھائی۔ «وَعَرَقُهُ لَا يَمْنَعُ جَوَازَالصَّلَاةِ» اور یہ جو گدھے کا پسینہ ہے «لَا يَمْنَعُ جَوَازَالصَّلَاةِ» یہ نماز کے جائز ہونے کو نہیں روکتا۔ «وَإِنْ فَحُشَ» اگرچہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ گدھے کا پسینہ یا خچر کا پسینہ یہ جوازِ صلاۃ سے مانع نہیں، یہ اگر کپڑے پر لگے بھی چاہے زیادہ ہی کیوں نہ لگ جائے، پھر بھی اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے بھائی، جائز ہے۔ سمجھ گیونکہ نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بڑی کثرت سے اس پر سواری فرماتے تھے بھائی۔ تو یقیناً ان کے کپڑوں پر بھی کچھ نہ کچھ لگتا ہو گا بھائی۔ اور تو کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ پھر کپڑے دھوتے ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ جوازِ صلاۃ سے مانع نہیں، «وَإِنْ فَحُشَ» اگرچہ کثیر ہی کیوں نہ ہو۔

■ مسئلہ: فَكَذَا سُؤْرُهُ

«فَكَذَا سُؤْرُهُ» تو اسی طرح اس کا جھوٹا بھی ہے۔ بھائی گدھے اور خچر کا پسینہ اگر کپڑوں پر زیادہ لگ جائے پھر بھی جوازِ صلاۃ سے مانع نہیں، معلوم ہوا پاک ہے۔ معلوم ہوا وہ کیا ہے پسینہ؟ پاک۔ تو کہتے ہیں «فَكَذَا سُؤْرُهُ» تو اسی طرح اس کا جھوٹا بھی ہے یعنی وہ بھی پاک ہے۔ یعنی پاک ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، صرف کس چیز میں شک ہے؟ مطہر ہونے میں شک ہے۔ تو کہتے ہیں «فَكَذَا سُؤْرُهُ» اسی طرح اس کا جھوٹا بھی ہے یعنی وہ بھی پاک ہے «وَهُوَ الْأَصَحُّ» اور یہی قول زیادہ صحیح ہے «وَيُرْوَى نَصُّ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى طَهَارَتِهِ» اور روایت کی گئی ہے امام محمد رَحِمَهُ اللَّهُ کی تصریح «عَلَى طَهَارَتِهِ» اس کے پاک ہونے پر۔ امام محمد رَحِمَهُ اللَّهُ نے تو صراحتاً اس کے پاک ہونے کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا جھوٹا کیا ہے؟ پاک ہے بھائی۔

آگے بیان فرمارہے ہیں کہ یہ شک کی وجہ کیا ہے؟ سُؤْرِ حمار اور سُؤْرِ بغل کو مشکوک قرار دیا گیا کہ ان کا مطہر ہونا مشکوک ہے۔ بھائی کیوں؟ شک اس میں کیوں ہے؟ وجہ اس کی یہ کہ یہاں پر دراصل دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔ بعض دلائل سے اس کی اباحت کا پتہ چلتا ہے، بعض دلائل سے حرمت کا پتہ چلتا ہے، اب کسی ایک کو بھی ہم ترجیح نہیں دے سکے، ترجیح دینے کی کوئی صورت نہیں تھی تو لہٰذا اس کو کیا قرار دیا گیا؟ مشکوک قرار دیا گیا۔ تو سببِ شک کیا ہے؟ تَعَارُضِ أَدِلَّة۔ ادلہ کے اندر کیا آیا؟ تعارض آیا۔ مختلف بعض سے اباحت کا پتہ چل رہا ہے تو بعضوں سے حرمت کا پتہ چل رہا ہے، اس وجہ سے شک ہے بھائی۔ یا سببِ شک جو ہے وہ صحابہ کا آپس میں اختلاف ہے بھائی۔ بعض صحابہ اس کو نجس قرار دیتے ہیں، بعض اس کو پاک قرار دیتے ہیں، تو لہٰذا اس کو کیا قرار دیا گیا؟ مشکوک قرار دیا گیا۔

کہتے ہیں «وَسَبَبُ الشَّكِّ تَعَارُضُ الْأَدِلَّةِ فِي إِبَاحَتِهِ وَحُرْمَتِهِ» اور شک کا سبب جو ہے وہ دلیلوں کا آپس میں مقابل ہونا ہے اس کے مباح ہونے میں اور اس کے حرام ہونے میں «أَوِ اخْتِلَافُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ فِي نَجَاسَتِهِ وَطَهَارَتِهِ» یا شک کا سبب جو ہے وہ صحابہ کا اختلاف ہے اس کے نجس ہونے میں اور اس کے پاک ہونے میں۔ «وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ نَجِسٌ تَرْجِيحًا لِلْحُرْمَةِ وَالنَّجَاسَةِ» اور امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللَّهُ سے روایت ہے کہ ان کا جو جھوٹا ہے وہ نجس ہے، ناپاک ہے «تَرْجِيحًا لِلْحُرْمَةِ وَالنَّجَاسَةِ» ترجیح دیتے ہوئے حرمت اور نجاست کو۔

امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ دونوں طرح کی دلیلیں موجود ہیں۔ بعض دلیلوں سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ پاک ہونے کا، بعض دلائل سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ حرام ہونے کا اور فقہ کا ضابطہ ہے کہ جب اباحت اور حرمت والی دلیلیں جمع ہو جائیں تو حرمت والی دلائل کو ترجیح ہوتی ہے، جانبِ حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ کس کو؟ جانبِ حرمت کو۔ بھائی دیکھیے دو دلیلیں آپ کے پاس آئیں۔ ایک دلیل سے پتہ چل رہا ہے اس چیز کے پاک ہونے کا، دوسری دلیل سے پتہ چل رہا ہے اس کے نجس ہونے کا، ناپاک ہونے کا۔ اگر آپ پاک ہونے والی دلیل پر عمل کرتے ہیں اور اس چیز کو استعمال کر لیتے ہیں تو ہو سکتا ہے وہ اصل میں وہ چیز ناپاک ہو، تو آپ نے کس چیز کو گویا استعمال کر لیا؟ ناپاک۔ آپ نے تو دلیل کو دیکھنا ہے حقیقت تو اللہ ہی جانتے ہیں بھائی پوری۔ تو آپ نے دلیل... تو ہو سکتا ہے وہ چیز کیا ہو؟ ناپاک ہو، تو آپ... لیکن اگر آپ حرمت والی جانب پہ عمل کرتے ہیں اور اس چیز سے اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں تو اس صورت میں کوئی نقصان نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک مباح چیز کے استعمال سے رک گئے آپ بھائی۔ تو لہٰذا جب اباحت اور حرمت میں تعارض آئے تو کس دلیل کو ترجیح، کس کو ترجیح ہوتی ہے؟ حرمت۔ اسی لیے امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں «أَنَّهُ نَجِسٌ» کہ یہ کیا ہے؟ نجس ہے، ناپاک ہے «تَرْجِيحًا لِلْحُرْمَةِ وَالنَّجَاسَةِ» ترجیح دیتے ہوئے حرمت اور نجس ہونے کو۔

■ مسئلہ: وَالْبَغْلُ مِنْ نَسْلِ الْحِمَارِ

«وَالْبَغْلُ مِنْ نَسْلِ الْحِمَارِ» یہ تو سارا گدھے کا بیان تھا، خچر کا بھی یہی حکم ہے یہ آگے بیان فرمارہے ہیں، کہتے ہیں «وَالْبَغْلُ مِنْ نَسْلِ الْحِمَارِ» اور

خچر جو ہے وہ بھی گدھے کی نسل سے ہے «فَيَكُونُ بِمَنْزِلَتِهِ» تو یہ بھی اسی کے درجے میں ہے یعنی اس کا بھی وہی حکم ہے۔ «فَإِنْ لَمْ يَجِدْ غَيْرَهُمَا يَتَوَضَّأُ بِهِمَا وَيَتَيَمَّمُ وَيَجُوزُ أَيَّهُمَاقَدَّمَ» بھائی ایک آدمی ہے اب اس کے پاس صرف ایسا پانی ہے جس سے گدھے یا خچر نے منہ لگایا ہے اور کوئی پانی نہیں، اب کیا کرے؟ تو اگر اور پانی موجود ہے پھر تو اور پانی سے وضو کرنا چاہیے لیکن اگر اور پانی موجود نہیں یہی پانی ہے، تو اس صورت میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اس پانی سے وضو بھی کرے اور پھر تیمم بھی کرے اور اس کے بعد پھر نماز وغیرہ پڑھ لے بھائی۔ اور پھر وضو اور تیمم یعنی دونوں کو جمع کرنا پڑے گا۔ دونوں کو کیا کرنا پڑے گا؟ وضو بھی اور تیمم بھی۔ پھر ان میں سے جس کو پہلے کرنا چاہے کر سکتا ہے، چاہے تو پہلے تیمم کرلے اور پھر اس پانی سے وضو کرلے اور چاہے تو پہلے وضو کرلے اور پھر اس کے بعد کیا کرلے؟ تیمم کرلے بھائی۔

تو کہتے ہیں «فَإِنْ لَمْ يَجِدْغَيْرَهُمَا» اگر نہ پائے ان کے علاوہ کوئی پانی «يَتَوَضَّأُ بِهِمَاوَيَتَيَمَّمُ» تو وضو کرے ان کے ساتھ اور تیمم کرے «وَيَجُوزُ أَيَّهُمَاقَدَّمَ» اور جائز ہے کہ جس کو بھی چاہے ان دونوں میں سے مقدم کر دے۔ «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يُقَدِّمَ الْوُضُوءَ» امام زفر رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وضو کو مقدم کرے۔ امام زفر رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں بھائی امام اعظم ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللَّهُ کے بڑے شاگردوں میں سے اور بلکہ قیاس کے اندر سب سے زیادہ ماہر امام زفر رَحِمَهُ اللَّهُ، وہ وہ فرماتے ہیں دونوں کو جمع تو کرے گا لیکن پھر ترتیب بھی ضروری ہے، پہلے وضو کرنا پڑے گا پھر اس کے بعد تیمم کرے گا۔ تیمم پہلے کرے وضو بعد میں کرے یہ درست نہیں ہے بھائی، درست نہیں۔ دلیل کیا؟ کہتے ہیں «لِأَنَّهُ مَاءٌ وَاجِبُ الِاسْتِعْمَالِ فَأَشْبَهَ الْمَاءَ الْمُطْلَقَ» اس لیے کیونکہ یہ ایسا پانی ہے جو واجب الاستعمال ہے تو یہ مشابہ ہوا ماء مطلق کے۔

عجیب دلیل ہے امام زفر کی بھائی۔ امام زفر فرماتے ہیں دیکھیے! آپ کے پاس گدھے یا خچر کا جھوٹا پانی ہے اور کوئی پانی نہیں، کیا حکم شریعت نے بتلایا بھائی؟ فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ وضو بھی کرنا پڑے گا اور تیمم بھی کرنا پڑے گا، تیمم بھی کرنا پڑے گا۔ تو گویا اس پانی کو سے وضو کرنا اب ضروری ہوا یا نہ ہوا؟ تیمم تو کرنا ہی ہے لیکن اس پانی سے وضو بھی کرنا ضروری ہوا یا نہ ہوا؟ تو یہ ایسا پانی ہے جو واجب الاستعمال ہے، اس کا استعمال کرنا کیا ہے؟ واجب ہے۔ جب اس کا استعمال واجب ہے تو یہ ماء مطلق کے مشابہ ہو گیا۔ کس کے مشابہ ہو گیا؟ ماء مطلق۔ بھائی آپ کے پاس پانی موجود ہو تو آپ تیمم کر سکتے ہیں؟ جی؟ تو جب ماء مطلق ہوتا ہے تیمم کی اجازت نہیں ہوتی، تو یہاں پر بھی یہ پانی بھی ایسا ہے جس کا استعمال شریعت نے واجب قرار دے دیا تو یہ واجب الاستعمال پانی ہوا اور تو یہ ماء مطلق کے مشابہ ہو گیا اور ماء مطلق کے ہوتے ہوئے تیمم کی اجازت نہیں، لہٰذا پہلے اس کو استعمال کرو وضو کرلو بھائی۔ اب کیا کرلیا آپ نے؟ وضو کرلیا، اب کیا کرلو؟ تیمم بھی کرلو۔ دلیل سمجھ میں آئی کہ اوپر سے گزر گئی بھائی؟ وہ فرماتے ہیں کہ جب پانی ہوتا ہے اس وقت تیمم کی اجازت نہیں ہوتی، تو یہاں بھی اس وقت پانی موجود ہے اور فقہاء فرماتے ہیں اس سے وضو بھی کرو اور تیمم بھی کرو، معلوم ہوا یہ پانی بھی واجب الاستعمال ہے۔ جب یہ واجب الاستعمال ہے تو یہ کس کے مشابہ ہوا؟ ماء مطلق کے، اور ماء مطلق کے ہوتے ہوئے تو تیمم نہیں کیا جاتا، لہٰذا پہلے ماء مطلق کی طرح اس سے بھی کیا کرلو؟ اس سے وضو کرلو، اس کو پہلے، پھر اس کے بعد کیا کرلو؟ تیمم کرلو بھائی۔

تو کہتے ہیں «لِأَنَّهُ مَاءٌ وَاجِبُ الِاسْتِعْمَالِ» کیونکہ یہ ایسا پانی ہے جو واجب الاستعمال ہے یعنی جس کا استعمال واجب ہے «فَأَشْبَهَ الْمَاءَ الْمُطْلَقَ» تو یہ ماء مطلق کے مشابہ ہوا «وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ بھائی «أَنَّ الْمُطَهِّرَأَحَدُهُمَا» ہم نے کہا کہ وضو بھی کرنا پڑے گا اور تیمم بھی کرنا پڑے گا، وجہ اس کی یہ کہ دونوں طرف کے دلائل موجود ہیں آپ نے پڑھا۔ بعضوں سے اس کا نجس نجس ہونا پتہ چل رہا ہے، بعضوں سے اس کا طاہر ہونا پتہ چل رہا ہے، تو اب پتہ نہیں وضو کریں گے وضو اس سے ہو گا یا نہیں لہٰذا فقہاء فرماتے ہیں ساتھ تیمم بھی کرلو۔ تو دونوں میں سے کسی ایک سے تو پاکی ضرور حاصل ہو جائے گی، اگر یہ طاہر تھا تو اسی سے پاکی حاصل ہو گئی بعد میں تیمم کر بھی لیا کوئی حرج نہیں پاکی تو پہلے سے ہی حاصل ہے۔ صورت سمجھ؟ اور اگر پاکی حاصل یہ پاک نہیں ہے تو پھر پاکی کس سے حاصل ہو جائے گی؟ تیمم سے حاصل ہو جائے گی، تو دونوں میں سے کسی ایک سے پاکی ضرور حاصل ہو جائے گی۔ دونوں میں سے ایک مطہر ہے، دونوں میں سے ایک مطہر بنے گا تو لہٰذا جمع کرنے کا تو فائدہ ہو گا، ترتیب کا کوئی فائدہ ہی نہیں یہاں پر۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

بھائی دونوں مطہر ہیں یا دونوں میں سے ایک چیز مطہر ہو گی؟ ایک چیز، تو لہٰذا دونوں کرو، جمع کرنے کا فائدہ ہو گا یا نہیں؟ صرف اگر وضو کرو گے تو پتہ نہیں اس سے پاکی حاصل ہوئی، لیکن جب دونوں کرلو گے اب یقینی بات ہے کیا حاصل ہو گئی؟ پاکی۔ تو جمع کرنے کا تو فائدہ ہے، دونوں کرو تاکہ پاکی حاصل ہو جائے کسی ایک سے۔ لیکن ترتیب، وضو پہلے کرلو یا تیمم پہلے کرلو، اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ دونوں میں سے ایک سے پاکی حاصل ہونی ہے اب چاہے پہلے تیمم کرلو، اس سے پاکی حاصل ہو گئی بھائی، اور اگر پہلے وضو کرلیا، بل بلکہ یوں کرو صورتیں بناؤ۔ پہلے کیا کیا؟ وضو، پھر اس کے بعد کیا کیا؟ تیمم۔ تو اگر پہلے وضو سے پاکی حاصل ہوئی ہے، پہلے وضو کیا ہے تو تیمم بیکار گیا کوئی حرج نہیں بیکار گیا، اور اگر وضو سے پاکی حاصل نہیں ہوئی تو بعد میں تیمم کرو گے اس سے کیا حاصل ہو جائے گی؟ پاکی حاصل۔ اس کا عکس کرلو، پہلے تیمم کیا پھر اس کے بعد کیا کیا؟ وضو، اس میں بھی دونوں صورتوں میں، اگر تیمم سے پاکی حاصل ہو رہی ہے تو بعد میں وضو بیکار ہوا کوئی حرج نہیں، اور اگر تیمم سے پاکی حاصل نہیں ہوئی کیونکہ یہ پانی تو پاک ہے تو پھر اس کے بعد پانی استعمال کرو گے اس سے کیا حاصل ہو جائے گی؟ پاکی حاصل ہو جائے گی۔ تو لہٰذا دونوں کو جمع کرنے میں تو فائدہ ہے کیونکہ ایک نے مطہر بننا ہے، ہمیں نہیں پتہ کون مطہر بنے گا، تو دونوں کرو دونوں، لیکن ترتیب کا کوئی فائدہ ہو گا؟ ایک چیز نے بیکار جانا ہے وہ چاہے پہلے والی بیکار ہو چاہے بعد والی ہو، اس سے تو کوئی حرج نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ معنی ہے «وَلَنَا» ہماری دلیل یہ «أَنَّ الْمُطَهِّرَأَحَدُهُمَا» کہ مطہر دونوں میں سے ایک ہے «فَيُفِيدُ الْجَمْعُ دُونَ التَّرْتِيبِ» تو جمع کرنا یہ فائدہ دے گا دون الترتیب، ترتیب کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

■ مسئلہ: وَسُؤْرُ الْفَرَسِ طَاهِرٌ عِنْدَهُمَا

«وَسُؤْرُ الْفَرَسِ طَاهِرٌعِنْدَهُمَا» اور گھوڑے کا جھوٹا جو ہے وہ پاک ہے صاحبین رَحِمَهُمَا اللَّهُ کے نزدیک «لِأَنَّ لَحْمَهُ مَأْكُولٌ» اس لیے کیونکہ اس کا گوشت جو ہے وہ کھایا جاتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک گھوڑا حلال ہے۔ «وَكَذَا عِنْدَهُ فِي الصَّحِيحِ» اور اسی طرح امام صاحب کے نزدیک بھی ہے صحیح قول کے مطابق۔ یاد رکھیے امام صاحب سے گھوڑے کے بارے میں کئی روایات ہیں، کئی روایات ہیں۔ تو صاحبِ ہدایہ نے بتلایا کہ صحیح امام صاحب کے نزدیک صحیح قول کے مطابق گھوڑا کیا ہے؟ حلال ہے۔ البتہ وہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں اس کے گوشت کو، لیکن مکروہ جو قرار دیتے ہیں وہ نجاست وغیرہ کی وجہ سے نہیں، حلال ان کے نزدیک بھی ہے لیکن مکروہ قرار دیتے ہیں اس کی عظمت کی وجہ سے، اس کی شرافت کی وجہ سے، اس کے احترام کی وجہ سے کہ گھوڑا بڑا محترم جانور ہے حتیٰ کہ جہاد کے اندر بہت زیادہ کام آنے والا ہے، لہٰذا اس کا گوشت مکروہ ہے بھائی، اس کا احترام کیا جائے بھائی، اس کو ذبح وغیرہ نہ کیا جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو امام صاحب بھی جو مکروہ قرار دیتے ہیں وہ اس کے احترام کی وجہ سے مکروہ قرار دیتے ہیں نجس وغیرہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ تو صاحبین کے نزدیک گھوڑ گھوڑا کیا ہوا؟ حلال، تو اس کا حلال جو جانور ہوتا ہے اس کا جھوٹا بھی کیا ہوتا ہے؟ حلال ہوتا ہے تو وہ پاک ہوگا۔ اور امام صاحب کے نزدیک اس کا گوشت تو تھا مکروہ لیکن وہ کس وجہ سے تھا؟ احترام کی وجہ سے تھا، تو لہٰذا ان کے نزدیک بھی اس کا جھوٹا کیا ہوگا؟ پاک ہی ہوگا بھائی، وہ جو مکروہ تھا مکروہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ کراہت تو صرف کس وجہ سے تھی؟ احترام کی وجہ سے تھی، جیسے آپ نے پڑھا آدمی کی کھال وغیرہ اس کو کام میں لانا درست نہیں، وہ کس وجہ سے؟ نجس ہونے کی وجہ سے یا احترام کی وجہ سے؟ احترام، تو یہاں بھی اسی طرح وہ مکروہ جو کہا گیا وہ احترام کی وجہ سے تھا تو ان کے نزدیک بھی اس کا جھوٹا پاک ہے بھائی۔

«وَكَذَا عِنْدَهُ فِي الصَّحِيحِ» اور اسی طرح امام صاحب کے نزدیک بھی ہے صحیح قول کے مطابق «لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِإِظْهَارِشَرَفِهِ» اس لیے کیونکہ مکروہ ہونا جو ہے وہ اس کے شرف کو، اس کی عظمت کے ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ «فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا نَبِيذَ التَّمْرِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَلَايَتَيَمَّمُ» اب نبیذِ تمر کی بات کر رہے ہیں۔ بھائی یہاں ذکر تو چل رہا ہے اسآر کا، مختلف حیوانات کا جو جھوٹا ہوتا ہے اس کا حکم، لیکن نبیذِ تمر یہ بھی ایسا پانی جس میں دوسری چیز مل گئی ہے اور پھر اس کے اندر بھی جیسے گدھے اور خچر کے جھوٹے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ وضو اور تیمم دونوں کو جمع کیا جائے، اسی طرح اس مسئلے میں بھی امام محمد رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں بطورِ احتیاط کے دونوں چیزیں جمع کی جائیں، نبیذ سے وضو بھی کیا جائے اور ساتھ ساتھ کیا کر لیا جائے؟ تیمم بھی کر لیا جائے تو اس مناسبت کی وجہ سے اس کو یہاں پر ذکر کیا گیا بھائی۔

تو کہتے ہیں «فَإِنْ لَمْ يَجِدْ» «فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّانَبِيذَ» نبیذ بھائی، نبیذ فَعِيلٌ وزن ہے بھائی، فَعِيلٌ وزن اور نَبْذٌ سے ہے، نون، با، ذال، نَبْذٌ، نَبْذٌ کا معنی ہوتا ہے پھینکنا، پھینکنا۔ اور یہ بھی وہ پانی جس میں کوئی کھجور، کشمش یا انجیر وغیرہ اس طرح کی چیزیں، عرب کا طریقہ تھا وہ یہ پانی میں ڈال دیتے تھے بھائی، پانی تو پانی کے اندر ان کی مٹھاس آجاتی اور زیادہ عرصہ رکھیں تو اس میں نشہ بھی وغیرہ بھی بعض صورتوں میں آجاتا تو اس کو وہ نبیذ کہتے۔ تو یہ نبیذ نَبْذٌ سے ہے، نَبْذٌ سے اور «أَيِ الْمَاءُ الْمَنْبُوذُ فِيهِ التَّمْرُ» وہ پانی کہ پھینکی گئی ہیں جس کے اندر کھجوریں، «الْمَاءُ الْمَنْبُوذُ فِيهِ التَّمْرُ» یا کھجوریں یا اور جس چیز کی ہے وہ چیز اس میں یعنی ڈالی گئی ہے۔ جی یہ تو نبیذ لفظ کی تحقیق تھی بھائی۔

تو نبیذ میں نے بتلایا عرب کا طریقہ تھا وہ کیا کرتے؟ پانی میں کھجوریں وغیرہ یا کشمش وغیرہ یا انجیر اس طرح کی چیزیں پانی میں ڈال کر رکھتے تھے اور وہ کافی دیر تک پڑی رہتیں تو پانی کے اندر ان کی مٹھاس آجاتی اور بعض صورتوں میں پانی کے اندر نشہ بھی پیدا ہو جاتا، وہ اس کو استعمال کرتے تھے اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ نبیذ کہتے ہیں، نبیذ بھائی۔ تو اب یہاں نبی باقی نبیذوں کی بات نہیں ہو رہی، نبیذِ تمر کی بات ہو رہی ہے بھائی، کھجور کی جو نبیذ ہے۔ یاد رکھیے یہ بھی نبیذ اس میں پھر تین صورتیں ہیں، تین صورتیں۔ ایک صورت یہ کہ کھجوریں پانی میں ڈالیں اور ابھی پانی میں مٹھاس بھی نہیں آئی، تو اس صورت میں بالاتفاق اس سے وضو جائز ہے بھائی۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ کھجوریں ڈالیں اور مٹھاس آئی، مٹھاس کے بعد پھر کچھ کڑواہٹ آئی اور نشہ بھی آگیا، اس صورت میں بالاتفاق اس کا استعمال جائز نہیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور تیسری صورت کہ پانی میں صرف مٹھاس آئی ہے اور پانی پتلا ہے، بہنے والا ہے، تو اس میں اختلاف ہے اور اس کی تفصیل یہاں بیان ہوگی۔ جس میں مٹھاس بھی نہ آئی ہو اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں سب کے نزدیک استعمال کر سکتے ہیں۔ جس میں نشہ آجائے اس میں تو استعمال نہیں کر سکتے۔ ہاں جس میں صرف مٹھاس آئی ہے اور پانی اسی طرح پتلا ہے، صرف مٹھاس آئی ہے، بہنے والا ہے تو اس کے میں اختلاف ہے اور وہ ذکر ہو رہا ہے۔

تو کہتے ہیں «فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا نَبِيذَالتَّمْرِ» اور اگر وہ وضو کرنے والا نہ پائے مگر صرف نبیذِ تمر «قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَلَايَتَيَمَّمُ» امام صاحب فرماتے ہیں اس سے وضو کرے اور تیمم نہ کرے بھائی، صرف کیا کر لے؟ وضو کر لے، یہ ماء مطلق کی طرح ہی ہے۔ «لِحَدِيثِ لَيْلَةِ الْجِنِّ» لیلۃ الجن کی حدیث کی وجہ سے، «فَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ» لیلۃ الجن بھائی، نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جنات کو تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے بھائی، جنات کو تبلیغ کے لیے، اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ جن پر فقہِ حنفی کی کا مدار اور بنیاد ہے کہ امام صاحب انہی کے اقوال کو، انہی کے اقوال وغیرہ کو لیتے ہیں بھائی، وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ جلیل القدر صحابی، وہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ہمراہ تھے۔ تو ایک مقام پر جب پہنچے تو

حضور علیہ السلام نے ان کے گرد ایک خط کھینچا، ایک لکیر لگائی زمین پر اور ان سے فرمایا اس لکیر سے باہر نہ نکلنا۔ بعض روایات میں آتا ہے یہ فرمایا کہ اگر اس لکیر سے باہر نکلے تو قیامت تک تمہاری میرے ساتھ ملاقات نہیں ہوگی اور پھر ان کو وہاں چھوڑ کر تھوڑا سا آگے تشریف لے گئے اور جنات سے کو وعظ فرمایا، ان کے سامنے تقریر فرمائی، ان کو ایمان کی دعوت دی، قرآن کی تلاوت ان کے سامنے فرمائی بھائی، قرآن کی آیات سنائیں انہیں، تو یہ ہے لیلۃ الجن۔ اس میں پھر حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صبح جب طلوع ہوگئی، فجر طلوع، فجر جب طلوع ہوگئی حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تشریف لائے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے فرمانے لگے کہ کچھ پانی ہے وضو کر لیں، تو وہ فرمانے لگے پانی تو نہیں ہے ہاں یہ نبیذ تمر ہے۔ حضور علیہ السلام فرمانے لگے «تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُورٌ» بھائی کہ پاکیزہ کھجور ہے «وَمَاءٌ طَهُورٌ» اور پاک کرنے والا پانی ہے، چنانچہ حضور علیہ السلام نے پھر اسی نبیذ تمر سے وضو فرمایا، اسی نبیذ تمر سے وضو فرمایا۔

تو امام صاحب فرماتے ہیں بھائی کہ یہ لیلۃ الجن کی جو حدیث ہے اس میں اس میں ثابت ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے نبیذ تمر سے وضو فرمایا ہے۔ معلوم ہوا جب نبیذ تمر موجود ہو تو پھر تیمم کی اجازت نہیں بلکہ اسی سے کیا کیا جائے گا؟ وضو کیا جائے گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ کہتے ہیں «لِحَدِيثِ لَيْلَةِ الْجِنِّ» لیلۃ الجن کی حدیث کی وجہ سے «فَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَضَّأَ بِهِ حِينَ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ» بیشک حضور علیہ السلام نے اس نبیذ تمر سے وضو فرمایا جس وقت اور جس وقت پانی کو نہ پایا «وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَيَمَّمُ وَلَا يَتَوَضَّأُ بِهِ» امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں تیمم کرے اور وضو اس سے نہ کرے۔ امام صاحب تو کیا فرما رہے تھے؟ وضو کرے، تیمم نہ کرے۔ امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں تیمم کرے، وضو نہ کرے «وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہی ایک روایت امام اعظم ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللَّهُ سے بھی ہے «وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ» اور یہی قول کس کا ہے؟ امام شافعی رَحِمَهُ اللَّهُ کا ہے بھائی «عَمَلًا بِآيَةِ التَّيَمُّمِ» عمل کرتے ہوئے آیتِ تیمم پر «لِأَنَّهَا أَقْوَى» کیونکہ وہ زیادہ قوی ہے۔

کس پر عمل کیا؟ آیتِ تیمم پر بھائی۔ آیتِ تیمم میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں «فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا» تو کہ اگر تم لوگوں کو پانی نہ ملے تو پھر کیا کر لو؟ پاک مٹی سے تیمم کر لو، پانی نہ ملے، وہاں صرف پانی کا ذکر ہے۔ اور یہ جو ہے یہ تو نبیذ ہے، اس کا تو نام ہی الگ ہے، اس کو تو پانی کوئی نہیں کہتا بلکہ کیا کہتے ہیں؟ نبیذ۔ اسی لیے تو حضور علیہ السلام نے آ کر پوچھا پانی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ کیا ہے؟ نبیذ ہے۔ معلوم ہوا اس کو کوئی پانی نہیں کہتا بلکہ کیا کہتے ہیں؟ نبیذ کہتے ہیں۔ تو اس حدیث سے پتہ چل رہا ہے کہ نبیذ سے وضو کرنا جائز، اور آیت سے پتہ چل رہا ہے کہ ماء مطلق نہ ہو، پانی نہ ہو تو پھر وضو جائز نہیں، کیا کرنا پڑے گا؟ تیمم۔ تو صرف نبیذ ہے تو پانی تو نہیں ہے، جب پانی نہیں ہے تو کیا کرنا پڑے گا؟ تیمم۔ تو ایک طرف آیت ہے، ایک طرف حدیث ہے اور ک کیا زیادہ قوی کون؟ آیت، تو آیت قوی ہے، وہ زیادہ قوی ہے حدیث کے مقابلے میں لہٰذا اس پر عمل کیا امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللَّهُ نے؟ آیت پر عمل کیا کیونکہ وہ زیادہ قوی ہے حدیث کے مقابلے میں۔

■ مسئلہ: أَوْهُوَ مَنْسُوخٌ بِهَا

«أَوْ هُوَ مَنْسُوخٌ بِهَا» یا وہ حدیث منسوخ ہے اس آیت کی وجہ سے «لِأَنَّهَا مَدَنِيَّةٌ» کیونکہ یہ آیت مدنی ہے، مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے «وَلَيْلَةُ الْجِنِّ كَانَتْ بِمَكَّةَ» اور لیلۃ الجن یہ کہاں پیش آئی تھی؟ یہ مکہ میں تھی۔ تو یا تو صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ امام ابو یوسف رَحِمَهُ اللَّهُ نے وہ فرماتے ہیں کہ وضو کرے نہیں، وہ فرماتے ہیں تیمم کرے اور وضو نہ کرے۔ یا تو اس وجہ سے کہ وہ عمل فرماتے ہیں آیت پر کیونکہ آیت حدیث کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے، یا اس وجہ سے وہ تیمم کے بار حکم دیتے ہیں کیونکہ یہ جو حدیث ہے یہ آیتِ تیمم سے منسوخ ہے باقاعدہ، کیونکہ یہ لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں پیش آیا اور پھر اس کے بعد یہ جو تیمم والی آیت ہے یہ تو مدینہ منورہ کا واقعہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے، تو یہ مدنی ہے اور معلوم ہوا اس آیت نے اس نبیذ تمر سے جوازِ وضو کے حکم کو کیا کر دیا؟ منسوخ کر دیا بھائی۔ اس آیت میں تو نبیذ کا ذکر نہیں، اس میں تو ہے پانی نہ ملے تو کیا کرو؟ تیمم کرو، ورنہ اگر وہ حکم باقی ہوتا تو نبیذ کا بھی ساتھ ذکر ہوتا لیکن نبیذ کا ذکر نہیں، معلوم ہوا اس آیت نے اس حدیث کو منسوخ کر دیا ہے۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟

«وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ» امام محمد رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں تیمم بھی کرے اور وضو بھی کرے، دونوں چیزوں کو جمع کرے بھائی «لِأَنَّ فِي الْحَدِيثِ اضْطِرَابًا» کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حدیث کے اندر اضطراب ہے۔ امام محمد رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں حدیث کے اندر اضطراب ہے، حدیث کی مختلف طریقوں سے روایت کی گئی ہے، بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ لیلۃ الجن میں حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ کوئی صحابی نہیں تھا، بعض سے پتہ چلتا ہے کہ صحابی تھے ساتھ ایک، اور پھر بعضوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ساتھ تھے، بعضوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت زبیر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ہمراہ تھے، تو حدیث کے اندر اضطراب ہے، اضطراب ہے۔ اور نیز اس اس کی تاریخ میں بھی جہالت ہے بھائی۔ اگر بھائی دیکھیے ادھر، لیلۃ الجن کا واقعہ پہلے کا ہو اور تیمم والی آیت بعد میں مانی جائے تو پھر کیا کہیں گے؟ کہ آیت نے اس نبیذ تمر سے جوازِ وضو کے حکم کو کیا کر دیا؟ منسوخ کر دیا۔ اور اگر آیت پہلے ہے اور حدیث کیا ہے؟ واقعہ بعد کا ہے، بعد میں حضور نبیذ تمر سے وضو فرما رہے ہیں، معلوم ہوا کہ نبیذ تمر سے بھی وضو کرنا جائز ہوگا، ماء مطلق کے ساتھ ساتھ نبیذ تمر بھی یعنی وہ بھی ماء مطلق کے حکم میں داخل ہے بھائی۔ اگر یہ پتہ ہو کہ حدیث پہلے کی ہے آیت بعد کی ہے تو بھی ہم کوئی حکم بتلائیں، یا یہ پتہ ہو کہ آیت پہلے کی ہے اور حدیث

بعد کی ہے تو بھی ہم کوئی متعین صورت ذکر کر دیں لیکن یہاں تو تاریخ میں جہالت ہے، پتہ ہی نہیں ہے کس وقت یہ واقعہ پیش آیا، آیتِ تیمم سے پہلے کا واقعہ ہے یا آیتِ تیمم کے بعد کا واقعہ ہے، تو لہٰذا کوئی چیز طے نہیں کی جاسکتی، لہٰذا دونوں چیزیں پر عمل کرلے احتیاطاً، وضو بھی کرلے اگر اس سے وضو جائز ہے تو وضو ہو جائے گا، بعد میں تیمم بھی کرلے وہ تیمم بیکار چلا جائے گا کوئی حرج نہیں بیکار چلا جائے، اور اگر آیت بعد میں نازل ہوئی ہے تو معلوم ہوا نبیذِ تمر سے وضو کا حکم منسوخ ہو چکا ہے تو پھر اس صورت میں وضو کر بھی لے گا اس سے تو وضو تو نہیں ہو گا لیکن پھر بعد میں کیا کرلے گا ساتھ ہی؟ تیمم کرلے گا تو پاکی حاصل ہو جائے گی، تو دونوں پر بطورِ احتیاط کے عمل کرلے۔

تو کہتے ہیں «**وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ**» اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے «**لِأَنَّ فِي الْحَدِيثِ اضْطِرَابًا**» اس لیے کیونکہ حدیث کے اندر اضطراب ہے «**وَفِي التَّارِيخِ جَهَالَةٌ**» اور تاریخ میں کیا ہے؟ جہالت ہے، اس کا پتہ نہیں کب کب کا یہ واقعہ ہے «**فَوَجَبَ الْجَمْعُ احْتِيَاطًا**» تو واجب ہوا ان دونوں کو جمع کرنا بطورِ احتیاط کے۔

■ مسئلہ: قُلْنَا

«**قُلْنَا**» ہم جواب دیتے ہیں «**لَيْلَةُ الْجِنِّ كَانَتْ غَيْرَ وَاحِدَةٍ فَلَا يَصِحُّ دَعْوَى النَّسْخِ**» امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللَّهُ** ان کی دلیل میں ذکر ہوا تھا کہ یہ لیلۃ الجن کی جو حدیث ہے یہ منسوخ ہے کس کی وجہ سے؟ آیت کی وجہ سے، صاحبِ ہدایہ جواب دے رہے ہیں ان کے استدلال کا کہ «**لَيْلَةُ الْجِنِّ كَانَتْ غَيْرَ وَاحِدَةٍ**» وہ ایک کے علاوہ تھیں یعنی کئی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضور علیہ السلام جنات کو وعظ کے لیے تشریف لے گئے۔ یاد رکھیے علماء لکھتے ہیں کہ چھ مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا، بعض مرتبہ حضور علیہ السلام اکیلے تشریف لے گئے، بعض مرتبہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود **رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ** ساتھ تھے اور بعض مرتبہ کون تھے؟ حضرت زبیر **رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ** حضور کے ساتھ تھے بھائی۔ تو لہٰذا لیلۃ الجن وہ ایک کے علاوہ ہے یعنی کئی مرتبہ واقعہ ہے «**فَلَا يَصِحُّ دَعْوَى النَّسْخِ**» لہٰذا یہاں نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں۔ کچھ واقعات چند مرتبہ تو مکہ میں تشریف لے گئے اور چند مرتبہ مدینہ میں تشریف لے گئے تو آیت بھی مدنی اور لیلۃ الجن کا واقعہ بھی کون سا؟ مدینہ کا، تو لہٰذا اس کے منسوخ کرنے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

«**وَالْحَدِيثُ مَشْهُورٌ**» اور حدیث جو ہے یہ لیلۃ الجن والی یہ حدیث مشہور ہے «**عَمِلَتْ بِهِ الصَّحَابَةُ**» اور اس پر صحابہ نے عمل کیا ہے، یہ مشہور حدیث ہے اور صحابہ نے کیا کیا ہے اس پر؟ عمل کیا ہے، وہ بھی نبیذ سے وضو کو جائز قرار دیتے رہے ہیں «**وَبِمِثْلِهِ يُزَادُ عَلَى الْكِتَابِ**» اور اس قسم کی حدیث کے ذریعے زیادتی کی جاتی ہے کتاب اللہ پر، زیادتی کی جاسکتی ہے کس پر؟ کتاب اللہ پر۔ یعنی اس حدیث کے ذریعے کتاب اللہ کیونکہ یہ حدیث حدیثِ مشہور ہے اس کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز ہے، تو گویا کتاب اللہ میں یوں کہا گیا «**فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً**» اگر تم پانی نہ پاؤ «**وَنَبِيذَ التَّمْرِ**» اور نبیذِ تمر نہ پاؤ تو پھر کیا کرلو؟ تیمم کرلو۔ یہ جو ہم نے نبیذِ تمر کے بھی بڑھا دیا یہ کس وجہ سے بڑھایا؟ حدیثِ مشہور کی وجہ سے اور اس کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے بھائی۔ چلیے بس بھائی «**هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**»۔

سبق نمبر ۲۵: مسئلہ: وَ اَمَّا الِاغْتِسَالُ بِہٖ فَقَدْ قِیلَ یَجُوزُ...

ہدایہ صفحہ: ۴۷ — بتاریخ: ۵ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَأَمَّا الِاغْتِسَالُ بِهِ فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُ عِنْدَهُ اعْتِبَارًا بِالْوُضُوءِ، وَقِيلَ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ فَوْقَهُ، وَالنَّبِيذُ الْمُخْتَلَفُ فِيهِ أَنْ يَكُونَ حُلْوًا رَقِيقًا يَسِيلُ عَلَى الْأَعْضَاءِ كَالْمَاءِ، وَمَا اشْتَدَّ مِنْهَا صَارَ حَرَامًا لَا يَجُوزُ التَّوَضِّي بِهِ، وَإِنْ غَيَّرَتْهُ النَّارُ فَمَا دَامَ حُلْوًا فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ» [1]

نبیذ: تمر سے وضو کا بیان چل رہا ہے بھائی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عرب کا طریقہ تھا وہ کھجوریں وغیرہ پانی میں ڈال دیتے اور اس سے وہ پانی میں مٹھاس وغیرہ آ جاتی، اس پانی کو وہ کیا کہتے تھے؟ نبیذ۔ اور پھر اس میں میں نے بتلایا تین صورتیں ہیں، تین قسم کی نبیذیں ہو گئیں: ایک وہ پانی جس کے اندر کھجوریں ڈالی ہیں لیکن ابھی اس میں مٹھاس نہیں آئی، دوسری صورت کہ پھر اس میں مٹھاس آ گئی یعنی کچھ دیر گزر گئی ہے کھجوریں ڈالے ہوئے، تیسری صورت کہ زیادہ وقت گزر گیا تو اس کے اندر کچھ کڑواہٹ آ گئی اور نشہ بھی آ گیا۔ تو پہلی صورت جس کے اندر صرف، جس میں کھجوریں ڈالی ہیں لیکن ابھی مٹھاس بھی نہیں آئی تو اس صورت میں تو اس پانی سے بالاتفاق وضو جائز ہے۔ اور آخری صورت جس میں نشہ بھی آ گیا اس میں تو بالاتفاق وضو جائز نہیں، البتہ یہ نبیذ جس کے اندر صرف مٹھاس آئی ہے کھجوروں کی، جو دوسرے نمبر پر ہے، اس کے اندر اختلاف ہے اور اس کا ذکر یہاں چل رہا ہے بھائی۔ آپ نے پڑھا کہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نبیذ سے وضو کرنا جائز ہے، لہٰذا جب یہ نبیذ موجود ہے اور پانی کوئی نہیں تو اسی سے وضو کر لے، تیمم کی ضرورت نہیں۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیمم کرے گا، اس سے وضو کرنے کی اجازت نہیں، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو بھی کرے اس سے اور تیمم بھی کر لے، احتیاطاً دونوں کو جمع کر لے بھائی، دونوں کو۔

اب آگے غسل کی بات آ رہی ہے، یہ تو وضو کا بیان تھا وہ مسئلہ گزر گیا۔ اب اس سے غسل کرنا جائز ہے یا جائز نہیں بھائی؟ کہتے ہیں: «**وَأَمَّا الِاغْتِسَالُ بِهِ**» اور باقی اس نبیذ تمر سے غسل کرنا «**فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُ عِنْدَهُ**» تو تحقیق کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ ان کے نزدیک جیسے وضو جائز تھا اسی طرح غسل بھی جائز ہے «**اعْتِبَارًا بِالْوُضُوءِ**» قیاس کرتے ہوئے وضو پر۔ وضو بھی طہارت ہے غسل بھی طہارت ہے، تو جب وضو کرنا جائز ہے تو غسل کرنا بھی جائز ہے بھائی۔ «**وَقِيلَ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ فَوْقَهُ**» اور کہا گیا ہے کہ غسل کرنا جائز نہیں امام صاحب کے نزدیک «**لِأَنَّهُ فَوْقَهُ**» کیونکہ یہ غسل جو ہے یہ وضو سے بڑھ کر ہے۔ غسل کیا ہے وضو سے؟ بڑھ کر ہے، تو وضو کی جو اجازت دی گئی اور اجازت جو ثابت ہوئی حدیث سے وہ خلافِ قیاس ہے بھائی۔ قیاس تو یہ تقاضا کر رہا تھا کہ اس سے وضو بھی جائز نہیں ہونا چاہیے، لیکن لیلۃ الجن والی حدیث کے اندر ذکر آ گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ تمر سے وضو فرمایا، چنانچہ یہاں پر وضو کی تو اجازت دے دی گئی خلافِ قیاس اس حدیث کی وجہ سے، لیکن غسل تو اس سے بڑھ کر ہے بھائی، غسل تو اس سے بڑھ کر ہے، اس کو وضو پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کسی چیز کے مثل کو اس پر قیاس کیا جاتا ہے، اس سے جو بڑھ کر ہو اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ تو غسل کی اجازت نہیں کیونکہ وضو کے اندر اس میں جو حدث ہے حدثِ اصغر ہے، اور غسل میں تو کیا ہے؟ حدثِ اکبر ہے، لہٰذا غسل کرنا جائز نہیں اس سے، ہاں وضو کرنا جائز ہے بھائی۔ تو یہ حکم خلافِ قیاس ہوا تو یہ اپنے مورد پر بند رہے گا، اور جواز صرف کس کے جواز کا ذکر آیا ہے حدیث میں؟ وضو کے، لہٰذا وضو تو جائز ہو گا اور غسل جائز نہیں بھائی۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۱۸): «**رقیقا**»۔ • ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۱۹): «**نحو**»۔ • شاملہ (ص۱۹) میں «**الْمَاءَ**» کے بجائے «**ماء**» درج ہے۔

■ مسئلہ: وَالنَّبِيْذُ الْمُخْتَلَفُ فِيْهِ اَنْ يَكُوْنَ حُلْوًا...

«وَالنَّبِيذُ الْمُخْتَلَفُ فِيهِ أَنْ يَكُونَ حُلْوًا رَقِيقًا يَسِيلُ عَلَى الْأَعْضَاءِ كَالْمَاءِ» اب بیان کر رہے ہیں کہ کون سی نبیز ہے جس میں یہ اختلاف ہے؟ وہ کون سی نبیز ہے؟ میں نے تین قسمیں ذکر کر دیں اور بتلایا تھا وہ نبیز مراد ہے جس میں پانی میں کھجوروں کی مٹھاس آگئی ہے اور نیز وہ پانی پتلا ہو بہنے والا ہو تو اس نبیز کے اندر یہ اختلاف ہے بھائی، وہی صاحب ہدایہ اب بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَالنَّبِيذُ الْمُخْتَلَفُ فِيهِ» اور وہ نبیز جس میں اختلاف کیا گیا ہے «أَنْ يَكُونَ حُلْوًا» کہ وہ کیا ہو؟ میٹھی ہو «رَقِيقًا» پتلی ہو یعنی گاڑھی نہ ہو «يَسِيلُ عَلَى الْأَعْضَاءِ» اور بہتی ہو اعضاء پر۔ اعضاء پر یعنی پانی کی طرح ہی ہے، البتہ کچھ کھجوروں کی اس میں مٹھاس آگئی ہے، باقی بالکل پانی کی طرح ہے بھائی۔ اگر زیادہ دیر رکھیں گے وہ تو گاڑھی ہو جائے گی اور اس صورت میں تو پھر ویسے بھی اس سے وضو کرنا ممکن ہی نہیں رہے گا، وہ تو اعضاء پر کیا بہے گی، چپک جائے گی ساتھ بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو لہٰذا یہ وہ نبیز مراد ہے جو میٹھی ہو، پتلی ہو اور اعضاء پر بہنے والی ہو «كَالْمَاءِ» کس کی طرح؟ پانی کی طرح۔ «وَمَا اشْتَدَّ مِنْهَا صَارَ حَرَامًا» اور وہ جو اس میں سے سخت ہو جائے، تیز ہو جائے وہ حرام ہو جائے گی، کیا ہو جائے گی؟ حرام ہو جائے گی۔ بھائی یہ کھجوریں اگر پانی میں ڈالی جائیں تو فوراً ان کی مٹھاس بھی پانی میں نہیں آتی، کافی وقت لگتا ہے، تو کافی وقت گزرے گا آہستہ آہستہ پانی میں مٹھاس آنا شروع ہو جائے گی۔ اور پھر زیادہ دیر تک رکھیں گے تو پھر یاد رکھیے اس صورت میں وہ مٹھاس کڑواہٹ میں بدل جائے گی اور وہ پانی بھی کچھ گاڑھا ہو گا اور نیز تیز ہو جائے گا تیز، تیز ہو جائے گا، نشہ اس میں آجائے گا بھائی، نشہ آجائے گا۔ تو یہاں کیا آیا «وَمَا اشْتَدَّ مِنْهَا» جو اس میں سے سخت ہو جائے تو اس کا ترجمہ یا یوں کر لیں گاڑھی ہو جائے یا ترجمہ کر لیں تیز ہو جائے، کیا ہو جائے؟ تیز ہو جائے بھائی۔ تیز ہونے سے اب کیا مراد ہے؟ بھائی آج کل اس کو سمجھنا آسان ہے، بھائی آپ یہ بوتل وغیرہ پیتے ہیں اور یہ خوب ٹھنڈی ہو تو یہ کیا کرتی ہے؟ زبان کو کاٹتی ہے، محسوس ہوتا ہے یا نہیں بھائی؟ جی، یہ ہے تیز ہونا۔ تو اس طرح کچھ اس میں تیزی آجاتی ہے کڑواہٹ اور تیزی کہ یہ منہ کو کچھ کاٹتی ہے، تو دونوں میں سے جو معنی بھی آپ کر لیں بھائی۔ «وَمَا اشْتَدَّ مِنْهَا صَارَ حَرَامًا لَا يَجُوزُ التَّوَضِّي بِهِ» اور وہ جو اس میں سے تیز ہو جائے، گاڑھی ہو جائے وہ حرام ہو گی «لَا يَجُوزُ التَّوَضِّي بِهِ» اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔

«وَإِنْ غَيَّرَتْهُ النَّارُ» بھائی یہ تو وہ صورت تھی آگ پر پکائے بغیر ہی خود ہی آہستہ آہستہ کیا ہو گئی؟ گاڑھی ہو گئی اور تیز ہو گئی۔ «وَإِنْ غَيَّرَتْهُ النَّارُ» اور اگر اس کو بدلے آگ بھائی، کھجوریں ڈالیں پانی میں اور پھر اس کو آگ پر پکایا بھائی، آگ پر پکایا تو اس صورت میں بھی اس صورت میں پھر پانی میں اس کے مٹھاس جلدی آئے گی بھائی، جیسے ہی آگ پر رکھیں گے چند منٹوں کے اندر مٹھاس بھی آئے گی اور زیادہ پکائیں گے تو پھر کیا ہو جائے گی؟ گاڑھی بھی ہو جائے گی، تیز بھی ہو جائے گی اور پھر اس میں بھی نشہ آئے گا۔ تو اگر آگ پر پکائی گئی ہو تو پھر اس کے اندر «فَمَا دَامَ حُلْوًا» جب تک وہ میٹھی ہے «فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ» تو وہ اسی اختلاف پر ہے یعنی اس میں بھی یہی اختلاف ہے جب تک میٹھی ہے۔ «وَإِنِ اشْتَدَّ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجُوزُ التَّوَضِّي بِهِ» اور اگر وہ گاڑھی ہو جائے، تیز ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک اس سے وضو کرنا جائز ہے «لِأَنَّهُ يَحِلُّ شُرْبُهُ عِنْدَهُ» اس لیے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے، یعنی اتنی مقدار جس سے نشہ نہ ہو، اتنی مقدار جس سے نشہ نہ ہو اتنی مقدار پینا امام صاحب کے نزدیک جائز ہے «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَتَوَضَّأُ بِهِ لِحُرْمَةِ شُرْبِهِ عِنْدَهُ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے وضو کرنے والا وضو نہ کرے بوجہ اس کے پینے کے حرام ہونے کے ان کے نزدیک، ان کے نزدیک اس کا پینا کیا ہے؟ حرام ہے بھائی، جبکہ امام صاحب کے نزدیک ادنیٰ مقدار جس سے نشہ نہ ہو وہ پینا جائز ہے بھائی، تو ان کے نزدیک اس چیز سے وضو بھی جائز۔

«وَلَا يَجُوزُ التَّوَضِّي بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْأَنْبِذَةِ» انبذہ جمع ہے نبیز کی «وَلَا يَجُوزُ التَّوَضِّي بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْأَنْبِذَةِ» اور جائز نہیں ہے وضو کرنا اس کے علاوہ جو ہیں نبیزیں بھائی «جَرْيًا عَلَى قَضِيَّةِ الْقِيَاسِ» چلتے ہوئے قیاس کے فیصلے پر، کس پر چلتے ہوئے؟ قیاس کے فیصلے پر یعنی قیاس کے طریقے پر چلتے ہوئے باقی نبیزوں سے وضو کرنا جائز نہیں۔ میں نے ابھی ذکر کیا کہ نبیز سے جو وضو ہے وہ خلافِ قیاس لیلۃ الجن کی حدیث سے ثابت ہے اس لیے اس کو علماء، فقہاء نے جائز قرار دیا، ورنہ قیاس تو کیا تقاضا کر رہا تھا؟ کہ اس سے وضو جائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وضو وہ تو ماءِ مطلق کے ساتھ جائز ہے اور اس کو تو، یہ تو ماءِ مطلق ہے ہی نہیں، اس کو تو پانی کوئی نہیں کہتا بلکہ اس کو کیا کہتے ہیں؟ نبیز، چنانچہ حدیث میں بھی آپ نے پڑھا حضور علیہ السلام نے آکر پوچھا حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کیا پانی ہے آپ کے پاس؟ تو وہ جواب میں کیا فرمانے لگے؟ نہیں یہ نبیز ہے بھائی، دیکھو انہوں نے بھی کیا کیا؟ اس کو پانی نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ نبیز کہا، تو معلوم ہوا اس کو نبیز کہتے ہیں، تو اس سے تو وضو جائز ہی نہیں ہونا چاہیے تھا، وضو تو پانی سے جائز ہے اور چیزوں سے جائز نہیں، لیکن حدیث کی وجہ سے اس کی اجازت دی گئی خلافِ قیاس، جبکہ باقی نبیزیں ان کا ذکر تو نہیں ہے تو لہٰذا ان میں وہ قیاس کے طریقے پر چلتے ہوئے قیاس کے مطابق ہی فیصلہ ہو گا اور قیاس تو ان سے وضو کو جائز قرار نہیں دیتا تو ان سے وضو کرنا بھی جائز نہیں ہو گا بھائی، بات سب کو سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے «وَلَا يَجُوزُ التَّوَضِّي بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْأَنْبِذَةِ» اور جائز نہیں ہے وضو کرنا اس کے علاوہ جو ہیں اور نبیزیں «جَرْيًا عَلَى قَضِيَّةِ الْقِيَاسِ» جریان، چلتے ہوئے۔ قضیہ کہتے ہیں فیصلے کو «جَرْيًا عَلَى قَضِيَّةِ الْقِيَاسِ» قیاس کے فیصلے پر چلتے ہوئے یعنی قیاس ان میں یہی فیصلہ کرتا ہے کہ ان سے وضو جائز نہیں ہونا چاہیے۔

■ مسئلہ: بَابُ التَّیَمُّمِ

«بَابُ التَّيَمُّمِ» «وَمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ مُسَافِرٌ أَوْ خَارِجَ الْمِصْرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمِصْرِ مِيلٌ أَوْ أَكْثَرُ يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيدِ»

جی، تیمم کا باب آیا بھائی، تیمم۔ تیمم آپ جانتے ہیں کہ مٹی پر دو ضربیں لگا کر ایک ضرب کے ساتھ چہرے کا مسح کرنا اور دوسری ضرب کے ساتھ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرنا یہ تیمم کہلاتا ہے بھائی، تیمم کہلاتا ہے۔ تو یہاں تیمم کے اندر دیکھیے مٹی سے ہی طہارت حاصل ہو رہی ہے، مٹی ہی کو مطہر بنا دیا گیا اور یاد رکھیے یہ حضور علیہ السلام کی امت کا یہ خاصہ ہے بھائی، اور اس کا سبب جو ہیں وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں بھائی۔ تو تیمم خاصہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت کا، اس سے پہلے کسی امت میں اس طرح مٹی کو مطہر قرار نہیں دیا گیا بھائی، مطہر قرار نہیں دیا گیا۔ اور یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے صحابہ ہمراہ ہیں، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہمراہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک ہار جو تھا وہ گم ہو گیا تو اب اس کی تلاش میں سارے رک گئے۔ اب جس جگہ پر رکے ہار تلاش کر رہے ہیں ہار نہیں مل رہا، اور جس جگہ پر رکے ہیں وہاں کہیں قریب پانی موجود نہیں، صحابہ کے پاس پانی ان کے خود اپنے پاس بھی پانی موجود نہیں اور اس مقام پر بھی کہیں پانی موجود نہیں ہے، تو صحابہ بڑے پریشان ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ دیکھیے آپ کی بیٹی کی وجہ سے کتنی تکلیف بن گئی ہے، پانی بھی ہمارے پاس نہیں اور اس علاقے میں بھی کہیں پانی نہیں ہے، ان کی وجہ سے ہم سب رکے ہوئے ہیں بھائی۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بڑے غصے میں تشریف لائے بھائی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر مبارک رکھے ہوئے سو رہے تھے بھائی، رات کا وقت، اور حضرت ابو بکر صدیق بڑے غصے میں آئے اور آ کر مجھے غصے ہوئے اور بعض روایات میں تو یہ بھی آتا ہے کہ میرے پہلو پر انہوں نے مجھے مارا بھی لیکن اس طرح کہ حضور علیہ السلام بیدار نہ ہوں، اور پھر یہاں تک کہ اس تلاش کے اندر صبح ہو گئی اور حضور علیہ السلام بیدار ہوئے تو اس وقت پھر آیتِ تیمم نازل ہوئی بھائی، اور اللہ کی طرف سے حکم آ گیا کہ پانی نہ ہو تو کیا کر لو؟ پاک مٹی سے تیمم کر لو بھائی۔

صحابہ کو یہ خبر ملی تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی بھائی، ہر طرح کی خوشی اس کا اندازہ ہو سکتا تھا ہر طرح کی نعمت کا لیکن یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مٹی ہی کو مطہر قرار دے دیا جائے گا بھائی، پانی کا تو ان کے ہاں بہت بڑا مسئلہ تھا بھائی، صحرا میں ریگستان میں رہنے والے لوگ تھے تو پانی کی ضرورت پیش آتی تھی بہت زیادہ اور پانی کے سلسلے میں بڑی تکالیف ہوتی تھیں ان لوگوں کو، تو جب یہ خوشخبری اتنی عظیم خوشخبری آئی کہ مٹی ہی کو مطہر قرار دے دیا گیا تو صحابہ کی خوشی وہ دیکھنے کے قابل تھی، سارے آ رہے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اور کہہ رہے ہیں کہ اے ابو بکر! آپ کی اولاد بڑی مبارک ہے لوگوں کے لیے، بعضوں نے تو یہ آ کر کہا کہ اے ابو بکر کی اولاد! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں ہے اس سے پہلے بھی بڑی برکتیں آپ کی وجہ سے لوگوں کو ملی ہیں، اللہ نے دی ہیں۔ تو حضرت ابو بکر صدیق، وہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ دیر پہلے بڑے غصے میں گئے تھے اور ڈانٹا تھا اور وہ سارے آ کر مبارکباد دے رہے ہیں تو پھر حضرت ابو بکر صدیق تشریف لائے اور حضرت عائشہ سے فرمانے لگے: «إِنَّكِ لَمُبَارَكَةٌ» بے شک آپ بڑی مبارک خاتون ہیں، بڑی مبارک عورت ہیں بھائی۔ تو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے یہ نعمت اس امت کو ملی، مٹی کو ہی مطہر قرار دے دیا گیا بھائی، مٹی کو۔ اور یہ واقعہ چار ہجری میں پیش آیا، بعض لکھتے ہیں پانچ ہجری میں، بعض لکھتے ہیں چھ ہجری کے اندر، تو دراصل اختلاف ہے کہ کس غزوہ سے واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا تھا بھائی، تو اس میں پھر تیمم کا یہ حکم نازل ہوا بھائی، تیمم کا حکم۔

جی اب دیکھیے کتاب پر: «بَابُ التَّيَمُّمِ» یہ تیمم کا باب ہے۔ «وَمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ مُسَافِرٌ أَوْ خَارِجَ الْمِصْرِ» اور وہ شخص جو پانی کو نہ پائے اس حال میں کہ وہ مسافر ہو «أَوْ خَارِجَ الْمِصْرِ» یا اس حال میں کہ وہ شہر سے باہر ہو بھائی، شہر سے باہر ہو «بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمِصْرِ مِيلٌ» اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو «أَوْ أَكْثَرُ» یا ایک میل سے زیادہ کا فاصلہ ہو «يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيدِ» وہ تیمم کر لے کس سے؟ پاک مٹی سے بھائی، مٹی سے تیمم کر لے۔ بھائی یہاں متن کے اندر مصر شہر کا ذکر آیا، یاد رکھیے مراد اس سے ہے پانی کی جگہ، پانی کی جگہ مراد ہے کہ پانی کی جگہ سے وہ ایک میل کے فاصلے پر ہو بھائی، تو پھر اس کو مصر کے ساتھ کیوں تعبیر کیا؟ بھائی وجہ اس کی یہ کہ عموماً شہر کے اندر پانی مل جاتا ہے بھائی، تو اس پانی کی جگہ کے بجائے کیا کہہ دیا؟ شہر کا ذکر کر دیا، تو جو شخص پانی نہ پائے اور وہ مسافر ہے بھائی یا مسافر تو نہیں ہے البتہ ویسے شہر سے باہر نکلا ہے اور کچھ دور ہے، اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے «أَوْ أَكْثَرُ» یا ایک میل سے زیادہ کا فاصلہ ہے «يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيدِ» تو تیمم کر لے کس سے؟ پاک مٹی سے بھائی، مٹی سے تیمم کر لے «لِقَوْلِهِ تَعَالَى» اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، وہ دلیل ذکر کر رہے ہیں: «فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا» تو تم پانی نہ پاؤ تو تم کیا کر لو؟ تیمم کر لو پاک مٹی سے، پاک مٹی سے۔ آیت پیچھے سے کس طرح ہے؟ «وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ» «وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ» اور تم لوگ اگر مریض ہو، بیمار ہو «أَوْ عَلَى سَفَرٍ» یا کس پر ہو؟ یا سفر پر ہو یعنی مسافر ہو «أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ» یا تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت سے آئے «أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ» یا تم کیا کرو؟ عورتوں سے ملامست کرو، بیویوں سے یعنی صحبت کرو «فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً» تو تم پانی کو نہ پاؤ «فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا» تو تم کیا کر لو؟ پاک مٹی سے تیمم کر لو، تو یہ ایک آیت دلیل ہے اور نیز

«وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے: «اَلتُّرَابُ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ» مٹی جو ہے مسلمان کے کا طہور ہے یعنی اس کے لیے مطہر ہے، اس کو پاک کرنے والی ہے «وَلَوْ إِلَى عَشْرِ حِجَجٍ» اگرچہ دس سال تک ہو، حجج حجت کی جمع ہے اور سال کو کہتے ہیں «وَلَوْ إِلَى عَشْرِ حِجَجٍ» اگرچہ دس سال تک ہو «مَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ» جب تک پانی نہ پائے بھائی، جب تک وہ پانی نہ پائے۔ تو ایک آیت کو بھی دلیل کے طور پر ذکر کیا اور حدیث کو بھی ذکر کر دیا دلیل کے طور پر۔ تو حدیث میں آ گیا کہ مٹی جو ہے مسلمان کو پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس سال تک ہی کیوں نہ ہو، اور جب تک اسے پانی نہیں ملتا کیا کرتا رہے؟ مٹی سے تیمم کرتا رہے۔

■ مسئلہ: وَالْمِيلُ هُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْمِقْدَارِ

«وَالْمِيلُ هُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْمِقْدَارِ» اور میل جو ہے وہ مختار ہے پسندیدہ ہے «فِي الْمِقْدَارِ» کس کے اندر؟ مقدار کے اندر، یعنی اس کو اختیار کیا ہے فقہاء نے اسی کی طرف گئے ہیں کہ اعتبار میل کا ہے میل کا۔ نماز کے فوت ہو جانے کا خوف اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، آگے ذکر آئے گا امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہو، پانی میل سے کم فاصلے پر ہے لیکن اگر وقت اتنا تھوڑا رہ گیا ہے مثلاً ظہر کا وقت ختم ہونے والا ہے پانی میل سے کم فاصلے پر ہے اور وہ جائے تو جا کر جا کر وضو کرے گا تو اس میں نماز کا وقت نکل جائے گا تو وہ فرماتے ہیں اس صورت میں بھی وہ تیمم کر سکتا ہے۔ صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ نہیں بلکہ مختار کیا ہے؟ میل ہے، میل کا اعتبار، کم از کم پانی کتنے فاصلے پر ہو؟ ایک میل کے فاصلے پر ہو تو پھر تیمم کی اجازت ہے، اور نماز کے فوت ہو جانے کے خوف کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کیونکہ نماز فوت ہونے والی ہے کیوں فوت ہونے والی ہے؟ کیونکہ تاخیر ہو گئی، وقت آخری وقت آ گیا اس کا اور تاخیر خود بخود ہوئی ہے یا اس آدمی نے کی ہے؟ اس آدمی نے کی ہے، تو نماز کے فوت ہو جانے کا خوف اس کے اندر کوتاہی اس آدمی کی جانب سے آئی ہے لہٰذا اس وجہ سے تیمم کی اسے اجازت نہیں ہو گی بھائی، تو اعتبار میل کا ہے نماز کے فوت ہو جانے کے خوف کا اعتبار نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَالْمِيلُ هُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْمِقْدَارِ» اور میل جو ہے وہی مختار ہے مقدار کے اندر «لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُ الْحَرَجُ بِدُخُولِ الْمِصْرِ» اس لیے کیونکہ حرج لاحق ہو گا، حرج کا معنی تنگی بھائی، دشواری مشکل، اس لیے کیونکہ اس کو تنگی پیش آئے گی شہر میں داخل ہونے سے۔

اچھا بھائی! یہاں میل کا لفظ آیا، میل۔ یاد رکھیے میل سے شرعی میل مراد ہے۔ یہ ایک آج کل میل رائج ہے، یہ انگریزی میل ہے یہ مراد نہیں ہے بلکہ شرعی میل مراد ہے۔ یہ اوزانِ شرعیہ کچھ صاع کے تحت میں نے آپ کو کچھ اوزان کچھ پیمانے ذکر کیے تھے بھائی، یہاں میل کا ذکر آیا تو پیمائش کے کچھ پیمانے وہ بھی لکھ لیجیے بھائی پیمائش کے، قدیم پیمانے، جلدی جلدی لکھیے بھائی: ترکی نسل کے گھوڑے کی دم کے چھ بال چوڑائی میں رکھے جائیں تو یہ برابر ہے ایک جو کے دانے کی چوڑائی کے۔ اور چھ جو کے دانے چوڑائی میں ایک دوسرے کے ساتھ رکھے جائیں تو یہ برابر ہوئے ایک اصبع کے، ایک اصبع بھائی، الف ص باعین، اصبع، انگلی۔ تو یہ برابر... چھ جو کے دانے چوڑائی میں رکھیں تو یہ کتنی چوڑائی بن گئی؟ ایک اصبع، ایک انگلی کے برابر چوڑائی یہ ہو گئی بھائی، ایک انگلی کے برابر چوڑائی۔ اور چوبیس اصبع ہوں تو یہ برابر ہے ایک ذراع کے۔ جی؟ اصبع کسے کہتے ہیں میں نے ابھی بتایا پیمائش میں۔ یہ پوچھ رہے ہیں بھائی چوڑائی میں اصبع ہوں یا لمبائی میں؟ جی؟ ابھی بتایا، چھ جو کے دانے چوڑائی میں رکھو تو کتنا بنے گا؟ ایک اصبع، یہ پیمائش کا نام ہے اور یہ انگلی کی چوڑائی کی بات ہو رہی ہے بھائی، لمبائی کی بات نہیں۔ تو چوبیس اصبع چوڑائی میں ہوں تو یہ کتنا بنے گا؟ ایک ذراع۔ ایک ذراع، ذال را الف عین، ذراع۔ بھائی یہ آپ ہاتھ دیکھیں اپنے سامنے ہاتھ، دیکھیں یہ چار انگلیاں، یہ جو چوڑائی ہے ان چار انگلیوں کی، یہ جی؟ چوبیس، چوبیس میں یہ کتنے ہوں گی؟ چھ مرتبہ، تو یہ ہاتھ یہ مٹھی بند کریں اور اس طرح مٹھی کو کھڑا کریں، اس کے اوپر دوسری مٹھی رکھیں پھر تیسری چوتھی، چھ مٹھی جو بنے گی یہ ایک ذراع بن جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ بھائی ہر مٹھی میں کتنی انگلیاں چوڑائی میں؟ چار ہیں، تو چھ مٹھی کتنے بن جائیں گی؟ چوبیس، ایک ذراع کے برابر یہ بن جائیں گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ یہ ہے ایک ذراع بھائی، یہ قدیم پیمانے بیان ہو رہے ہیں بھائی۔ اور چار ذراع ہوں تو یہ بنتا ہے ایک باع، باالف عین، باع۔ اور ایک ہزار باع ہوں تو یہ بنتا ہے ایک میلِ شرعی۔ اور تین میلِ شرعی ہوں تو یہ بنے گا ایک فرسخ، فارا سین خا، فرسخ۔ اور چار فرسخ ہوں تو یہ بنے گا ایک برید، بارا یا دال، برید۔

اچھا! آج کل کیا رائج ہیں؟ آج کل انگریزی گز جو ہیں ان کے حساب سے، یاد رکھیے: ایک میلِ شرعی کتنے کے برابر ہوا؟ ایک ہزار باع کے، ایک ہزار باع کے۔ اور ایک باع میں کتنے ذراع ہوتے ہیں؟ چار، تو ایک ہزار باع کتنے ذراع کے برابر ہوئے؟ ایک ہزار باع، اس کے ذراع بناؤ ذرا، ایک باع میں کتنے ہیں؟ چار ذراع، تو ایک ہزار باع میں کتنے ہوں گے؟ چار ہزار ذراع۔ معلوم ہوا شرعی میل کتنے کے برابر؟ چار ہزار ذراع کے۔ اور ایک ذراع کتنا ہوتا ہے؟ چوبیس اصبع۔ فٹوں کے حساب سے بتائیں، پہلے میں بتلا چکا ہوں، ڈیڑھ فٹ۔ ایک ذراع کتنا ہوتا ہے؟ ڈیڑھ فٹ ہوتا ہے۔ تو چار ہزار ذراع ہیں، چار ہزار شرعی گز ہوئے ایک میل۔ اور آج کل کا جو رائج گز ہے وہ کتنا ہے؟ انگریزی گز جو ہے وہ تین فٹ کا ہے تو اس میں کتنے ذراع آئے؟ ایک گز میں دو ذراع، تو چار ہزار ذراع کتنے انگریزی گزوں کے برابر ہوئے؟ دو ہزار، تو دو ہزار انگریزی گز ہوں تو یہ بنتا ہے ایک میلِ شرعی بھائی، دو ہزار انگریزی گز۔ جی، لکھ لیجیے بھائی: دو ہزار انگریزی گز، یہ برابر ہیں ایک میلِ شرعی کے، ایک میلِ شرعی کے۔ اور یہ جو انگریزی میل ہوتا ہے، یاد رکھیے انگریزی میل شرعی میل سے چھوٹا ہوتا ہے۔ انگریزی میل برابر ہے سترہ سو ساٹھ گز، انگریزی گز۔ انگریزی میل برابر ہے سترہ سو ساٹھ انگریزی گز بھائی۔ اور آج کل میٹر رائج ہیں بھائی، گز بھی اب آہستہ آہستہ یہاں متروک ہو رہا ہے، کیا رائج ہے؟ میٹر، اور میٹر آپ نے پڑھا ہے میٹر گز سے تقریباً تین انچ زیادہ ہوتا ہے، تین انچ۔ تو لہٰذا میل کتنا تھا؟ سترہ سو ساٹھ، تو اس کے اگر میٹر بنائیں میٹر، یہ بنتے ہیں سولہ سو نو، لکھیں بھائی: سولہ سو نو اشاریہ تین چار چار میٹر۔ سولہ سو نو اشاریہ تین چار چار میٹر۔ یہ ایک انگریزی میل کی مقدار بیان ہو رہی ہے۔ گز کتنے تھے؟ انگریزی میل میں گز کتنے تھے؟ انگریزی گز، سترہ سو ساٹھ، دیکھو گز ہیں سترہ

سو ساٹھ، اور میٹروں میں کوئی پوچھے انگریزی میل جو ہوتا ہے وہ کتنے؟ سولہ سو نو اشاریہ تین چار چار میٹر بھائی۔ اور کلو میٹر بھائی، کلو میٹروں کے اندر، بھائی کلو میٹر میں کتنے میٹر ہوتے ہیں؟ ایک ہزار میٹر ہوں تو ایک کلو میٹر بنتا ہے، اور ایک میل کتنے کے برابر ہے؟ میٹروں میں ایک میل سولہ سو نو اشاریہ تین چار چار، معلوم ہوا ایک میل ڈیڑھ کلو میٹر سے بھی زائد ہوتا ہے، ڈیڑھ کلو میٹر سے بھی زائد ہوتا ہے بھائی، زائد ہوتا ہے۔ اور ایک اور فاصلہ بھی آپ پڑھتے رہتے ہیں جسے فرلانگ کہتے ہیں، آپ پڑھتے ہوں گے سنتے ہوں گے، یہ بھی پیمانہ ہے: ایک فرلانگ برابر ہے دو سو تیس گز کے۔ لکھ لیا بھائی؟

جی، اب ایک دو باتیں انہی میں اور بھی سمجھ لیں، لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھائی دیکھیے: انگریزی گزوں کے حساب سے شرعی میل کتنا ہے؟ شرعی میل، شرعی میل دو ہزار گزوں کے برابر، اور انگریزی میل کتنا؟ سترہ سو ساٹھ گز کے برابر۔ شرعی میل دو ہزار گز، انگریزی میل سترہ سو ساٹھ، معلوم ہوا شرعی میل بڑا ہے۔ کتنا بڑا ہے؟ انگریزی میل سے شرعی میل کتنا بڑا ہے؟ دو سو چالیس گز۔ اور دو سو چالیس گز اب اس کے ذرا فرلانگ بناؤ، دو سو تیس گز ہو تو ایک فرلانگ، معلوم ہوا شرعی میل انگریزی میل سے ایک فرلانگ دس گز بڑا ہے۔ کتنا بڑا ہے؟ ایک فرلانگ دس گز۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اچھا! یہ قدیم پیمانے تھے بھائی، آپ نے پڑھا چھ بال ہوں ترکی گھوڑے کی دم کے، یہ خاص نسل کے گھوڑے، ان کا اعتبار، معلوم ہوا ان کی دم کے بال جو ہیں وہ کوئی خاص موٹے وغیرہ ہوں گے، ان کو چوڑائی میں رکھا جاتا تو اس کی پیمائش جو ہوتی یہ کتنے کے برابر بنتی؟ ایک جو کے دانے کے برابر، یہ چھوٹا پیمانہ تھا پیمائش کا۔ پھر اس سے بڑا پیمانہ کیا تھا؟ چھ جو کے دانے چوڑائی میں رکھے جائیں تو کتنا بنتا ہے؟ ایک اصبع، یہ اس سے بڑا پیمانہ بھائی۔ پھر اس سے بڑا پیمانہ ذراع آیا، چوبیس اصبع بھائی، چوبیس اصبع کے برابر یہ ایک ذراع بن گیا۔ اور پھر اس سے بڑا پیمانہ کیا آیا؟ باع کا، باع آیا، چار ذراع ہوں تو ایک باع بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ ایک باع۔ بھائی یہ آپ اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں جانب کندھے کے برابر سیدھے رکھ کر اگر پھیلا دیں، بالکل سیدھا، دایاں ہاتھ دائیں طرف بالکل سیدھا پھیلا دیا، بایاں ہاتھ بالکل بائیں طرف سیدھا کر کے پھیلا دیا ایک دوسرے سے دور کرتے ہوئے، اب دائیں ہاتھ کی جو انگلی کے سرے ہیں وہاں سے لے کر بائیں ہاتھ کی انگلی کے سرے تک یہ جو بیچ میں فاصلہ بن گیا یہ ہے ایک باع۔ یہ کتنا ہے؟ دونوں طرف ہاتھوں کو پھیلا دیا سیدھا کر کے، تو ایک ہاتھ کی انگلی کے سروں سے لے کر دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے تک یہ پیمائش کتنی ہے؟ ایک باع کی، اور ایک باع کتنے کے برابر ہے آپ نے پڑھا ابھی؟ چار ذراع کے برابر۔ یہ کتنے کے برابر ہے؟ آپ تجربہ کر بھی سکتے ہیں، دیکھیں کہ چار ذراع ہے یا نہیں، صرف کہنی سے اپنے ہاتھوں کو موڑیں اسی حالت میں، کہنی سے موڑیں گے آپ دیکھیں گے انگلیوں کے سرے آپس میں مل گئے بھائی۔ دیکھا؟ یہ کہنی سے لے کر انگلی کے سرے تک کتنا تھا؟ ایک ذراع، اور اب اپنے ہاتھوں کو موڑا تو انگلیوں کے سرے آپس میں مل جائیں گے، معلوم ہوا یہ کل فاصلہ کتنا ہے درمیان میں؟ چار ذراع یعنی ایک باع ہے بھائی، باع۔ پیمانے اچھی طرح سمجھ میں آگئے بھائی؟

تو شرعی میل بڑا ہوتا ہے بھائی اور یہاں اس کا ذکر ہے بھائی، کہتے ہیں: «وَالْمِيلُ هُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْمِقْدَارِ» اور میل جو ہے وہ مختار ہے مقدار کے اندر «لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُ الْحَرَجُ بِدُخُولِ الْمِصْرِ» اس لیے کیونکہ اس شخص کو جو ہے حرج لاحق ہوگا، شہر میں داخل ہونے سے دشواری ہوگی تنگی ہوگی۔ بھائی ایک شخص ایک شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ہے یعنی دو ہزار گز کے فاصلے پر، دو ہزار گز، بھائی ذرا کلو میٹر بنائیں، ایک شرعی میل کے کلو میٹر بنائیں بھائی، آج کل کلو میٹروں میں آپ کو اور بات واضح سمجھ میں آئے گی، یہ بنے گا کوئی پونے دو کلو میٹر سے تھوڑا سا زیادہ۔ بھائی انگریزی میل تو ڈیڑھ کلو میٹر سے تھوڑا سا اوپر تھا اور شرعی میل وہ پونے دو کلو میٹر سے تھوڑا سا زیادہ بنے گا، کتنا؟ تو ایک آدمی شہر سے پونے دو کلو میٹر فاصلے پر ہے اب نماز کا وقت ہو گیا، اب اگر اسے یہ حکم دیا جائے کہ نہیں بھائی آپ کو جانا پڑے گا یعنی پانی، پانی کی بات ہو رہی ہے، شہر سے کیا مراد ہے؟ پانی کی جگہ۔ تو اب اگر اسے یہ کہا جائے کہ وہ ایک میل کے فاصلے پر پانی موجود ہے یعنی پونے دو کلو میٹر، آپ کو جانا پڑے گا اور وہاں جا کر وضو کرنا پڑے گا تو دشواری اور تنگی میں وہ پڑ جائے گا یا نہیں پڑ جائے گا بھائی؟ وہ تو سخت تنگی کے اندر پڑ جائے گا کہ اتنی دور جانا اور پھر واپس آنا ہے یہیں پر، تو دگنا فاصلہ ہو جائے گا، اور شریعت کے اندر تو تنگی نہیں ہے بھائی، اللہ تعالیٰ قرآن میں کیا فرماتے ہیں: «مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ» بھائی، اللہ نے دین کے اندر تم پر کوئی حرج نہیں رکھا، کوئی تنگی اور دشواری نہیں رکھی تو یہاں پر لہٰذا اب اس کو تیمم کی اجازت ہوگی بھائی۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُ الْحَرَجُ بِدُخُولِ الْمِصْرِ» اس لیے کیونکہ اس کو حرج لاحق ہوگا، حرج پیش آئے گا یا یوں کہیں تنگی پیش آئے گی شہر میں داخل ہونے سے «وَالْمَاءُ مَعْدُومٌ حَقِيقَةً» اور پانی حقیقتاً معدوم ہے، پانی ہے اس وقت اس کے پاس؟ نہیں، تو شہر جانے کا اگر حکم دیا جائے تو تنگی پیش آئے گی اور شریعت نے تو تنگی نہیں، اور پانی اس وقت ہے نہیں، معدوم ہے حقیقتاً، اور جب پانی معدوم ہو حقیقتاً تو پھر کیا کیا جاتا ہے؟ تیمم کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ شخص بھی کیا کرلے؟ تیمم کرلے، دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟

■ مسئلہ: وَالْمُعْتَبَرُ الْمَسَافَةُ دُونَ خَوْفِ الْفَوْتِ

«وَالْمُعْتَبَرُ الْمَسَافَةُ دُونَ خَوْفِ الْفَوْتِ» اور معتبر جو ہے جس کا اعتبار کیا گیا وہ مسافت ہے نہ کہ نماز کے فوت ہو جانے کا خوف۔ نماز کے فوت ہو جانے کے خوف کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ کس چیز کا اعتبار ہے؟ مسافت۔ معلوم ہوا ایک میل سے کوئی پانی کے قریب ہے، ایک میل سے کم فاصلے پر ہے تو کیا اس کے لیے تیمم کی اجازت ہوگی؟ تیمم کی اجازت نہیں، اگرچہ وقت تھوڑا سا رہ گیا بیس منٹ رہ گئے ہیں، اتنی دیر میں تو وہ بمشکل پانی تک پہنچے گا ہی تو نماز کا وقت ہی گزر جائے گا لیکن اس کے باوجود اس نماز کے فوت ہو جانے کے خوف کا اعتبار نہیں کیا گیا، کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا وجہ میں نے ذکر کی؟ کیونکہ اس میں کوتاہی اس شخص کی طرف سے آئی ہے، اس نے

کوتاہی کی اور نماز کو اتنا مؤخر کیا بھائی، یہی بیان کر رہے ہیں: «لِأَنَّ التَّفْرِيطَ يَأْتِي مِنْ قِبَلِهِ» اس لیے کیونکہ کوتاہی جو ہے وہ اس شخص کی جانب سے آئی ہے۔ تفریط کہتے ہیں حد سے کمی کرنا کسی چیز میں، افراط کہتے ہیں حد سے زیادتی کرنا اور تفریط کہتے ہیں حد سے کم، تو یہاں پر جو کمی آئی ہے یعنی کوتاہی آئی ہے یہ اس شخص کی جانب سے آئی ہے اس کا قصور ہے لہٰذا اس کو تیمم کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ جائے اور جا کر وضو کرے اور پھر اس کے ساتھ نماز پڑھے بھائی۔

«وَلَوْ كَانَ يَجِدُ الْمَاءَ إِلَّا أَنَّهُ مَرِيضٌ فَخَافَ إِنِ اسْتَعْمَلَ الْمَاءَ اشْتَدَّ مَرَضُهُ يَتَيَمَّمُ» اور اگر وہ پانی کو تو پاتا ہے «إِلَّا أَنَّهُ مَرِيضٌ» مگر وہ شخص جو ہے وہ مریض ہے «فَخَافَ» تو اسے یہ خوف ہے «إِنِ اسْتَعْمَلَ الْمَاءَ» کہ اگر اس نے پانی کو استعمال کیا «اشْتَدَّ مَرَضُهُ» تو اس کا مرض شدید ہو جائے گا، سخت ہو جائے گا «يَتَيَمَّمُ» تو یہ شخص کیا کرلے؟ تیمم کرلے، یعنی مرض کے بڑھنے کا خوف ہو تب بھی اجازت ہے وہ تیمم کیا جا سکتا ہے۔ «لِمَا تَلَوْنَا» اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی بھائی، اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے: «فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا» اس آیت کی وجہ سے کیونکہ اسی آیت کے اندر کیا آرہا ہے شروع میں؟ «وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ» اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو، تو دیکھو مریض ہونے کا ذکر آیا بیماری کا۔

«وَلِأَنَّ الضَّرَرَ فِي زِيَادَةِ الْمَرَضِ فَوْقَ الضَّرَرِ فِي زِيَادَةِ ثَمَنِ الْمَاءِ» بھائی فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی اس کے پاس پانی نہیں ہے اور نماز کا وقت آگیا تو اس کو پانی تلاش کرنا چاہیے، لیکن اگر مثلاً اسے پتہ ہے یہاں کہیں قریب پانی نہیں ملے گا، البتہ کچھ لوگوں کے پاس پانی موجود ہے تو اسے چاہیے کہ ان سے مانگے پانی کو، اگر وہ دے دیں تو ٹھیک اگر نہیں دیتے تو پھر اس کے پاس اگر پیسے ہیں تو اس کو وہ پانی اس سے خریدنا چاہیے بھائی، اگر اتنے پیسے ہیں ضرورت کے بقدر کہ اور راستے کی ضرورت بھی پوری ہو رہی ہے تو پھر کیا کرنا چاہیے اس کو؟ پانی خریدنا چاہیے اور پھر اس سے وضو کرنا چاہیے، لیکن اس میں پانی خریدنا تب اس پر ضروری ہے جبکہ وہ ثمنِ مثل کے ساتھ پانی اس کو بیچیں یعنی جتنی اس پانی کی قیمت ہوتی ہے اتنی ہی قیمت وہ بھی مانگیں، مثلاً اس کو وضو کے لیے جتنے پانی کی ضرورت ہے فرض کریں اس کی قیمت ہونی چاہیے دس روپے یا یوں کہیں چلیں بیس روپے۔ کتنی قیمت ہے عام اس پانی کی؟ اس علاقے میں بیس روپے کا اتنا پانی مل جاتا ہے اگر کوئی خریدے بھی کہیں پر، تو بیس روپے اس کی قیمت ہے، تو اگر وہ بیس میں دے رہے ہیں تو اس کو اور پیسے ہیں اس کے پاس اتنے تو اس کو خریدے اور اس سے وضو کرے، لیکن اگر وہ پانی ان سے مانگتا ہے اور وہ کہتے ہیں ہم اتنا پانی پچاس کا دیں گے آپ کو، تو دیکھو ثمنِ مثل سے زائد مانگ رہے ہیں تو اس صورت میں اس پر وہ پانی خریدنا واجب نہیں ہے بھائی، واجب... کیوں؟ کیونکہ اگر پانی خریدے گا تو اس کا نقصان ہوگا، اس کے پیسے ضائع ہوں گے بھائی، تو شریعت نے اس صورت میں پھر اس کو تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ تو دیکھو ثمن کی زیادتی کی وجہ سے پیسوں کا نقصان ہو رہا تھا، جب پیسوں کے نقصان کی صورت میں شریعت نے تیمم کی اجازت دی ہے تو مرض بڑھنے کی وجہ سے جو نقصان ہے وہ تو ان پیسوں کے نقصان سے بڑھ کر ہے، تو اس مرض کے نقصان کی صورت میں بطریقِ اولیٰ کیا ہے؟ تیمم کی اجازت۔ ایک نقصان آرہا ہے مرض کی وجہ سے مرض بڑھ رہا ہے تکلیف بڑھ رہی ہے اور دوسری طرف نقصان کیا ہے؟ پیسوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہے اور تکلیف ہے، تو کون سی تکلیف زیادہ ہے؟ مرض کے بڑھنے کی یا پیسوں کے ضائع ہونے کی؟ جی؟ مرض کے بڑھنے کی تکلیف زیادہ ہے، لہٰذا کیا کرے؟ جب پیسوں کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے تو مرض کے بڑھنے کی صورت میں بطریقِ اولیٰ تیمم کی اجازت ہوگی، یہ دلیل صاحبِ ہدایہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ الضَّرَرَ فِي زِيَادَةِ الْمَرَضِ فَوْقَ الضَّرَرِ فِي زِيَادَةِ ثَمَنِ الْمَاءِ» اس لیے کیونکہ وہ نقصان جو ہے «فِي زِيَادَةِ الْمَرَضِ» جو کس میں ہے؟ جو مرض کی زیادتی میں ہے، اس لیے کیونکہ وہ نقصان یا یوں ترجمہ کریں: اس لیے کیونکہ مرض کی زیادتی کی صورت میں جو نقصان ہے «فَوْقَ الضَّرَرِ فِي زِيَادَةِ ثَمَنِ الْمَاءِ» وہ پانی کی ثمن کی زیادتی کی صورت میں جو نقصان ہے اس سے بڑھ کر ہے۔ مرض کی زیادتی کا نقصان پانی کے ثمن کی زیادتی کے نقصان سے بڑھ کر ہے بھائی «وَذَلِكَ يُبِيحُ التَّيَمُّمَ فَهَذَا أَوْلَى» اور وہ نقصان جو تھا پانی کے ثمن کی زیادتی والا وہ تو تیمم کو جائز کر دیتا ہے مباح کر دیتا ہے «فَهَذَا أَوْلَى» تو یہ جو اس سے زیادہ ضرر ہے یعنی مرض کی زیادتی والا ضرر یہ بطریقِ اولیٰ کیا کرے گا؟ تیمم کو مباح کر دے گا اس کو جائز کر دے گا۔

■ مسئلہ: وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَشْتَدَّ مَرَضُهُ بِالتِّ...

«وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَشْتَدَّ مَرَضُهُ بِالتَّحَرُّكِ أَوْبِالِاسْتِعْمَالِ» اور کوئی فرق نہیں ہے اس کے درمیان کہ مرض بڑھتا ہو سخت ہوتا ہو حرکت کرنے کی وجہ سے «أَوْ بِالِاسْتِعْمَالِ» یا استعمال کی وجہ سے یعنی پانی کے استعمال کی وجہ سے بھائی۔ بھائی دیکھیے مسئلہ یہ ذکر ہوا کہ اگر وضو کرنے سے مرض کے بڑھنے کا خوف ہے تو کیا کر سکتا ہے انسان؟ تیمم کر سکتا ہے۔ اب یہاں پر دو صورتیں ہیں: ہو سکتا ہے مرض بڑھنے کا خوف کیوں ہے؟ پانی استعمال کرنے کی وجہ سے، پانی استعمال کرے گا تو وہ مرض ایسا ہے کہ اس کے اندر پانی استعمال کیا جائے تو وہ مرض بڑھتا ہے، یا پانی کے استعمال کی وجہ سے مرض بڑھنے کا خوف نہیں بلکہ وضو کے لیے اس کو اٹھ کر بیٹھنا پڑے گا اور پھر وضو کرنا پڑے گا تو کثیر حرکت کرنا پڑے گی، اس کثیر حرکت کی وجہ سے مرض بڑھنے کا خطرہ ہے، اس کثیر، پانی کی وجہ سے مرض بڑھنے کا خطرہ نہیں بلکہ کثیر، تو کس کون سے، کس کا اعتبار ہے؟ پانی کے استعمال کی وجہ سے جو مرض بڑھ رہا ہے یا حرکت کی وجہ سے جو مرض بڑھ رہا ہے کس کا اعتبار ہے؟ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں دونوں برابر ہیں، چاہے صرف حرکت کی وجہ سے مرض بڑھنے کا خوف ہو تب بھی تیمم کی اجازت، اور اگر پانی کے استعمال کی وجہ سے مرض بڑھنے کا خوف ہے تو بھی کیا ہے؟ تیمم کی اجازت ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَشْتَدَّ مَرَضُهُ بِالتَّحَرُّكِ أَوْبِالِاسْتِعْمَالِ» اور کوئی فرق نہیں ہے اس کے درمیان کہ مرض بڑھتا ہو

سخت ہو تا ہو حرکت کرنے کی وجہ سے «أَوْ بِالِاسْتِعْمَالِ أَيْ بِاسْتِعْمَالِ الْمَاءِ» یا پانی کے استعمال کرنے کی وجہ سے۔

«وَاعْتَبَرَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ خَوْفَ التَّلَفِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ نے تلف ہو جانے کے خوف کا اعتبار کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مرض کے بڑھنے کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اعتبار ہے تلف ہو جانے کا، تلف یعنی ہلاک ہو جانا۔ ایک آدمی ہے وہ بیمار ہے اس کو خوف ہے اگر میں پانی استعمال کروں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا مر جاؤں گا یا میرا عضو تلف ہو جائے گا، ہاتھ یا پاؤں شل ہو جائیں گے بھائی، تو جان جانے کا خوف ہے یا عضو کے تلف ہو جانے کا خوف ہے تو پھر اس صورت میں اس مریض کے لیے، اس مریض کے لیے تیمم کرنے کی اجازت ہے، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ «وَاعْتَبَرَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ خَوْفَ التَّلَفِ» اور اعتبار کیا ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے تلف ہو جانے کے خوف کا «وَهُوَ مَرْدُودٌ بِظَاهِرِ النَّصِّ» اور یہ جو یہ اعتبار جو ہے یہ ظاہرِ نص سے مردود ہے، رد ہو جاتا ہے رد کیا گیا ہے، ظاہرِ نص ہی سے یہ رد ہو جاتا ہے کیونکہ آیت کے اندر کیا آیا ہے بھائی؟ «وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى» اگر تم کیا ہو؟ مریض ہو، معلوم ہوا مریض ہو تو کیا کر سکتا ہے؟ تیمم، اس میں جان جانے یا عضو کے تلف ہو جانے کی کوئی قید ذکر نہیں ہے، تو لہٰذا ظاہرِ نص سے ہی یہ اعتبار رد ہو جاتا ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے «وَهُوَ مَرْدُودٌ بِظَاهِرِ النَّصِّ» اور یہ جو تلف ہو جانے کے خوف کا اعتبار ہے یہ مردود ہے ظاہرِ نص سے ہی۔

«وَلَوْ خَافَ الْجُنُبُ إِنِ اغْتَسَلَ أَنْ يَقْتُلَهُ الْبَرْدُ أَوْ يُمَرِّضَهُ يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيدِ» اور اگر خوف ہو اجنبی کو یعنی جنابت کی حالت، جنب جو شخص جنابت کی حالت میں ہے حدثِ اکبر میں، کہ اگر خوف ہو اجنابت والے کو «إِنِ اغْتَسَلَ» کہ اگر اس نے غسل کیا «أَنْ يَقْتُلَهُ الْبَرْدُ» تو سردی جو ہے اس کو مار ڈالے گی «أَوْ يُمَرِّضَهُ» یا اس کو مریض بنا بیمار کر دے گی «يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيدِ» تو وہ تیمم کر لے مٹی سے۔ کیا مسئلہ بیان ہوا؟ کہ ایک شخص جنابت کی حالت میں ہے اور کسی ایسے علاقے میں ہے جہاں شدید سردی ہے، اب پانی تو موجود ہے اور وہ اس کے استعمال پر قادر بھی ہے لیکن اس کو یہ خوف ہے کہ اگر میں اس پانی سے وضو کروں گا تو سردی کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤں گا، اتنی شدید سردی ہے، ہلاک ہو جاؤں گا یا ہلاک ہو جانے کا تو خوف نہیں بیمار پڑ جانے کا خوف ہے کہ یقیناً میں اس سے بیمار پڑ جاؤں گا، تو اس صورت میں بھی تیمم کرنے کی اس کے لیے اجازت ہے بھائی، اجازت ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ایسی جگہ پر ہے انسان جہاں کوئی پانی گرم کرنے کی بھی صورت نہیں اور کوئی رضائی وغیرہ سردی کو دور کرنے کی بھی صورت نہیں تو پھر اس صورت میں اگر اسے بیمار ہو جانے کا بھی خوف ہے تو وہ تیمم کر سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَهَذَا إِذَا كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ لِمَا بَيَّنَّا

«وَهَذَا إِذَا كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ لِمَا بَيَّنَّا» اور یہ اس وقت ہے جبکہ وہ شہر سے باہر ہو «لِمَا بَيَّنَّا» اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی، اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی، کیا بیان کی بھائی؟ جو ہم نے پیچھے وجہ ذکر کی وہ کیا؟ کہ اس صورت میں اس کو نقصان ہو رہا ہے بھائی، نقصان ہو رہا ہے۔ ثمن کی زیادتی کی صورت میں جو نقصان تھا وہ کم درجے کا ہے اور بیماری کی صورت میں جو نقصان ہے وہ زیادہ، تو جو ثمن کی زیادتی کے نقصان کی صورت میں تیمم کرنے کی اجازت ہے تو بیماری کے نقصان کی صورت میں بطریقِ اولیٰ تیمم کی اجازت، تو یہاں پر بھی اس کو خوف ہے کہ میں بیمار ہو جاؤں گا تو یہ ضرر ہے اور اس ضرر کی صورت میں اسے تیمم کی اجازت ہو گی، اور اگر ہلاکت کا خوف ہے یہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے، تو جب ادنیٰ نقصان کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے تو زیادہ نقصان کی صورت میں بطریقِ اولیٰ تیمم کی اجازت ہو گی۔

«وَلَوْ كَانَ فِي الْمِصْرِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لَهُمَا» اور اگر وہ شہر میں ہو اتو بھی اسی طرح ہے مسئلہ امام صاحب کے نزدیک بخلاف صاحبین کے۔ ایک آدمی شہر کے اندر ہے لیکن اس علاقے میں شدید سردی پڑتی ہے، اب اس شہر کے اندر اس کے پاس پانی گرم پانی بھی نہیں ہے وہ جنابت کی حالت میں ہے اور کوئی سردی دور کرنے والی چیز بھی نہیں اس کے پاس، اسے خوف ہے اگر میں غسل کروں گا تو پھر یا تو ہلاک ہو جاؤں گا یا بیمار ہو جاؤں گا، تو اس صورت میں امام صاحب فرماتے ہیں چاہے شہر کے اندر ہی کیوں نہ یہ حالت پیش آ جائے، شہر کے اندر یہ حالت پیش آئے تو بھی وہ معتبر ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا اور لہٰذا وہ کیا کر سکتا ہے؟ تیمم کر سکتا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، شہر کے اندر اس حالت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے کیونکہ شہر کے اندر سردی کو دور کرنے والی چیزیں مل جاتی ہیں یا پانی کو گرم کرنے والی چیزیں مل جائیں گی، تو شہر کے اندر ایسی صورت نہایت نادر ہے بہت ہی کم ایسا ہو سکتا ہے کہ شہر میں ایسی صورت پیش آ جائے، اور جو بہت ہی کم ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا لہٰذا اس کا بھی یہاں پر کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، شہر میں اس کی گنجائش نہیں اجازت نہیں ہو گی بھائی، ورنہ تو لوگ پھر حیلے بہانے کریں گے اور اس طرح تیمم کر لیا کریں گے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو شہر میں اس کا اعتبار ہی نہیں، جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، شہر میں ایک آدمی کو چاہے نادر ہے لیکن پیش آ سکتی ہے یا نہیں؟ بے شک، جب پیش آ گئی تو پھر حقیقتاً وہ پانی کے استعمال سے عاجز ہوا اور جب پانی کے استعمال سے حقیقتاً عاجز ہے تو شریعت کا حکم متوجہ ہو گا کہ کیا کر لو؟ مٹی سے تیمم کر لو، تو اس کو بھی تیمم کرنے کی اجازت ہو گی چاہے شہر ہی میں کیوں نہ ہو۔

تو کہتے ہیں: «وَلَوْ كَانَ فِي الْمِصْرِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لَهُمَا» اور اگر وہ شہر میں ہو اتو بھی اسی طرح ہے مسئلہ امام صاحب کے نزدیک بخلاف صاحبین کے «هُمَا يَقُولَانِ: إِنَّ تَحَقُّقَ هَذِهِ الْحَالَةِ نَادِرٌ فِي الْمِصْرِ فَلَا يُعْتَبَرُ» صاحبین فرماتے ہیں کہ اس قسم کی حالت کا ثابت ہونا نادر ہے شہر میں «فَلَا يُعْتَبَرُ» تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا «وَلَهُ: أَنَّ الْعَجْزَ ثَابِتٌ حَقِيقَةً» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ عجز

کیا ہے؟ چاہے نادر پیش آئے لیکن حقیقتاً عجز ثابت ہے یا نہیں؟ حقیقتاً عجز ثابت ہے «**فَلَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِہٖ**» لہٰذا اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے بھائی۔

جی؟ بھائی یہ پوچھ رہے ہیں فتویٰ کس قول پر ہے؟ صاحبین فرمارہے ہیں گنجائش نہیں شہر میں نہیں کر سکتا، اور امام صاحب فرمارہے ہیں کہ شہر میں بھی ایسی حالت پیش آجائے تو وہ تیمم کر سکتا ہے۔ میں نے گزشتہ اسباق میں بھی غالباً میں نے ذکر کیا تھا کہ صاحبِ ہدایہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ اقوال ذکر کرتے ہیں تو جو قوی قول ہوتا ہے اس کو مقدم کرتے ہیں اس کو پہلے ذکر کرتے ہیں، اور جب دلائل ذکر کرتے ہیں تو جو مذہب ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے اس کے دلائل آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ جو مذہب کیا ہوتا ہے؟ راجح ہوتا ہے اس کی دلیلیں آخر میں ذکر کرتے ہیں تاکہ یہ پہلے مذہب والوں کی دلیلوں کے لیے جواب بھی بن جائے، یہ اس مذہب کی دلیل بھی بن جائے اور پچھلے مذہب والوں کی دلیلوں کا جواب بھی بن جائے، تو یہاں کس کی دلیل کو مؤخر کیا؟ امام صاحب کی بھائی، امام صاحب کی، معلوم ہوا وہ راجح ہے بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۲۶: مسئلہ: اَلتَّیَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ضَرْبَۃٌ لِلْوَجْہِ، و...

ہدایہ صفحہ: ۴۹ — بتاریخ: ۶ نومبر ۲۰۱۲ء

وَالتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ يَمْسَحُ بِإِحْدَاهُمَا وَجْهَهُ وَبِالأُخْرَى يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «التَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ، وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ»، وَيَنْفُضُ يَدَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَتَنَاثَرُ التُّرَابُ كَيْ لَا يَصِيرَ مُثْلَةً، وَلَا بُدَّ مِنَ الِاسْتِيعَابِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ. [1]

گزشتہ سبق میں تیمم کا باب شروع ہوا تھا، اور آپ نے پڑھا کہ جس شخص کو پانی نہ ملے اور وہ مسافر ہو، یا اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل یا ایک میل سے زیادہ کا فاصلہ ہو تو اس صورت میں وہ تیمم کر سکتا ہے کہ تیمم کرے اور پھر نماز پڑھ لے بھئی۔ یا اسی طرح پانی تو اگر موجود ہو اس کے پاس لیکن وہ شخص مریض ہے، بیمار ہے، اسے خوف ہے اگر پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو بھی وہ تیمم کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص جُنب ہوا اور اسے خوف ہے کہ اگر میں غسل کروں گا تو سردی مجھے ہلاک کر دے گی یا بیمار کر دے گی تو اس صورت میں بھی وہ مٹی سے تیمم کر سکتا ہے۔

آج آپ کو تیمم بتلا رہے ہیں کہ تیمم کہتے کسے ہیں بھئی؟ تو کہتے ہیں: «**وَالتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ**» تیمم جو ہے وہ دو ضربوں کا نام ہے۔ معلوم ہوا وہ دو ضربیں تیمم کا رکن ہیں بھئی۔ جو دو ضربیں زمین پر انسان لگائے وہ کیا ہیں؟ تیمم کا رکن ہیں، لہٰذا جیسے ہی ضرب لگائے گا تیمم شروع ہو گیا۔ جیسے ہی... اب ایک شخص نے ضرب لگائی زمین پر، ابھی چہرے کا مسح نہیں کیا، کچھ رکا اور اس میں وضو ٹوٹ گیا اس کا، تو پھر دوبارہ ضرب لگانی پڑے گی، اگر مسح کرے گا تو یہ تیمم صحیح نہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ کیونکہ یہ ضرب تیمم کا رکن ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «**وَالتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ**» تیمم دو ایسی ضربیں ہیں، دیکھیے «**ضَرْبَتَانِ**» نکرہ آیا، اس کے بعد فعل آیا تو موصوف صفت بنیں گے، اور تیمم دو ایسی ضربیں ہیں: «**يَمْسَحُ بِإِحْدَاهُمَا وَجْهَهُ**» مسح کرے ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ اپنے چہرے کا، «**وَبِالأُخْرَى يَدَيْهِ**» اور دوسری کے ساتھ اپنے ہاتھوں کا، «**إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ**» کہنیوں تک بھئی، یعنی کہنیوں سمیت۔

دلیل اس بات کی، کہتے ہیں: «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے: «**التَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ، وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ**» تیمم دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لیے۔

■ مسئلہ: وَيَنْفُضُ يَدَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَتَنَاثَرُ التُّرَابُ

«**وَيَنْفُضُ يَدَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَتَنَاثَرُ التُّرَابُ**» **نَفَضَ يَنْفُضُ** کے معنی ہیں جھٹکنا بھئی، جھاڑنا۔ «**وَيَنْفُضُ يَدَيْهِ**» اور وہ تیمم کرنے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو جھاڑ لے «**بِقَدْرِ مَا يَتَنَاثَرُ التُّرَابُ**» اتنی مقدار کہ جس سے وہ مٹی جھڑ جائے بھئی۔ تناثر کا معنی جھڑ جانا۔ **نَفَضَ يَنْفُضُ** کے معنی جھاڑنا اور تناثر کا معنی جھڑنا۔ جی، تو «**وَيَنْفُضُ يَدَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَتَنَاثَرُ التُّرَابُ**» اور جھاڑ لے اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنی مقدار کہ مٹی جو ہے جھڑ جائے، «**كَيْ لَا يَصِيرَ مُثْلَةً**» تاکہ یہ تیمم مثلہ نہ بن جائے بھئی، تیمم مثلہ نہ بن جائے۔

بھئی مثلہ آپ جانتے ہیں کہ صورت کو بگاڑنا۔ جنگوں کے اندر لوگ اس طرح کرتے تھے کہ یا لڑائی وغیرہ میں کہ دوسرے کو قتل کرنے کے بعد اس کے ناک کاٹ دیتے، کان کاٹ دیتے، ہونٹوں کو کاٹ دیتے، آنکھوں کو پھوڑ دیتے، یہ ہے مثلہ بھئی، صورت بگاڑنا۔ تو یہاں پر بھی ہاتھوں کو جھاڑا جائے تاکہ ایسا نہ ہو وہ مٹی ساری چہرے پر لگ جائے تو صورت بگڑ جائے گی، تو یہ بھی کیا ہو گیا؟ مثلہ ہو گیا بھئی، مثلہ ہو گیا، اور مثلہ کرنے سے تو منع کیا گیا ہے۔ تو اس لیے دونوں ہاتھوں کو جھاڑ لے بھئی۔

[1] شاملہ (ص ۱۹) میں «كَيْ لَا» کے بجائے «كيلا» درج ہے۔

جی، تو یہ ہے تیمم بھئی، دو ضربیں ہیں، ایک کے ساتھ چہرے کا مسح کرے گا اور ایک کے ساتھ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرے گا بھئی۔ جی، کون ساتھی آپ کا کر کے دکھائے گا باقی ساتھیوں کو بھئی؟ کوئی ایک ساتھی کر کے دکھائے تیمم بھئی۔ آپ کریں گے؟ جی، کیجیے بھئی۔ کھڑے ہو کر کر کے دکھایئے تاکہ سب دیکھ لیں بھئی۔ اور دیوار کے پاس چلے جائیں بھئی، دیوار کے ساتھ ضرب لگائیں بھئی۔

جی، یہ ایک ضرب لگائی اور پھر ہاتھوں کو جھاڑ لے گا اور پھر چہرے کا مسح کر لے گا، اور اس میں پھر یاد رکھیے، پورے چہرے کو گھیرنا ہے جیسے وضو کرتے ہوئے پورے چہرے کا دھونا فرض تھا، اگر تھوڑا سا بھی حصہ رہ گیا تو فرض ادا نہیں ہو گا، لہٰذا وہ وضو نہیں۔ تو یہاں تیمم اس کا خلیفہ اور نائب ہے تو اس کے اندر بھی پورے چہرے کا مسح ہونا چاہیے، اور چہرے کی حدود بیان ہوئی تھیں، پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک بھئی۔ تو اس میں یہ جو داڑھی کے بال ہیں اور کان کا جو کان ہے اس کے درمیان کچھ جلد ہے بھئی، یاد رکھیے یہ بھی اس کے اندر داخل، اس کو بھی وضو میں دھونا اور تیمم کے اندر اس کا مسح کرنا ضروری ہے۔ تو پورے چہرے کا مسح بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو انہوں نے کر کے دکھایا جیسے، اور اس میں بھی پھر یاد رکھیں، چونکہ مسح کر رہے ہیں اور پورے چہرے کا کرنا ہے تو احتیاط سے، لہٰذا خصوصاً یہ آنکھوں کے اوپر کا حصہ یہ جگہ عموماً چھوٹ جاتی ہے، یا اسی طرح یہ ناک کے نتھنے کا اگلا آخری حصہ جو ظاہر ہے بھئی، یہاں پر بھی انگلی ظاہر حصے پر اچھی طرح لگا لے کہ خشک کہ یہ بغیر مسح کے رہ نہ جائے بھئی۔

جی، یہ ایک ضرب ہوئی، دوسری ضرب بھئی اب۔ جی، دیکھا؟ یہ دوسری ضرب، اس کے ساتھ اب دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرنا ہے بھئی، کہنیوں سمیت۔ تو اس میں بائیں ہاتھ کے ساتھ دائیں ہاتھ کا مسح کر لے گا پورے ہاتھ کا، اور دائیں ہاتھ کے ساتھ پھر پورے بائیں ہاتھ کا کہنی سمیت مسح کر لے گا، اور اس میں بھی کوئی حصہ ہاتھ کا نہ رہے بھئی، حتیٰ کہ انگلیوں کے اندر بھی خلال کرے تاکہ وہاں پر بھی مسح ہو جائے بھئی۔ طریقہ سب کو سمجھ میں آیا بھئی؟ جی شاباش، بیٹھ جایئے بھئی۔ تو یہ ہے تیمم کا طریقہ بھئی۔

■ مسئلہ: وَلَابُدَّ مِنَ الِاسْتِیعَابِ فِي ظَاهِرِ الرِّو...

«وَلَا بُدَّ مِنَ الِاسْتِيعَابِ فِي ظَاهِرِالرِّوَايَةِ» اور ضروری ہے استیعاب کا کرنا «فِي ظَاهِرِالرِّوَايَةِ» کس میں؟ ظاہر روایت، ظاہر روایت کے اندر ہے کہ استیعاب ضروری ہے بھئی۔ ظاہر روایت آپ جانتے ہیں بھئی، امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابیں جو ہیں ان میں جو مسئلہ ذکر ہو اس کو ظاہر روایت کہا جاتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ علماء فرماتے ہیں ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار ہے بھئی، ایک ہزار۔ لیکن اس میں سے یہ چھ کتابیں جو ہیں یہ ظاہر روایت کہلاتی ہیں اور یہ کون کون سی ہیں؟ مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر اور سیر کبیر، یہ چھ کتابیں بھئی، چھ کتابیں۔ کون کون سی؟ مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر اور سیر کبیر۔ یہ چھ کتابیں یہ تو ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونی چاہئیں، کوئی آپ سے پوچھ لے کہ ظاہر روایت سے کیا مراد ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے کہ یہ چھ کتابیں مراد ہیں ظاہر روایت سے، ان میں جو مسئلہ آئے تو کہتے ہیں ظاہر روایت میں یہ ہے۔ سمجھ میں آیا؟

اور باقی کتابیں جو ہیں ان میں کوئی مسئلہ آئے تو اس کو کہتے ہیں وہ کتابیں نوادر کہلاتی ہیں۔ کیا کہلاتی ہیں؟ نوادر بھئی، نوادر۔ یہ لفظ بھی کتابوں میں جگہ جگہ آپ کو ملے گا بھئی کہ یہ روایت ہے، روایتِ نوادر ہے، تو روایتِ نوادر ہے لفظ آئے تو آپ سمجھ جائیں کہ معلوم ہوا کہ ان چھ کتابوں کے علاوہ امام محمد رحمہ اللہ کی کسی کتاب میں یہ مسئلہ ذکر ہے بھئی۔ تو ان چھ کتابوں کو ظاہر روایت کہتے ہیں، وجہ یہ کہ یہ بتواتر امام محمد رحمہ اللہ سے منقول ہیں، تواتر کے طریقے پر، اس کے نقل کرنے والے ہر زمانے کے اندر ہزاروں لوگ ہیں بھئی، امام محمد سے ان کتابوں کو ان کے ہزاروں تلامذہ نے نقل کیا بھئی، تو یہ تواتر، ان کے نقل کس طریقے پر ہے؟ تواتر کے طریقے پر ہے، اور جبکہ باقی کتابیں وہ اس طرح منقول نہیں ہیں بھئی، ان کے نقل کرنے والے اتنے کثیر نہیں ہیں کہ وہ تواتر کی حد کو پہنچیں، اور جب ایک کتاب جس کو نقل کرنے والے تواتر کی حد کو پہنچے ہوں تو یقیناً وہ بڑی مضبوط کتاب ہے، معلوم ہوا اس کے اندر کہیں غلطی نہیں ہوئی، کہیں کمی بیشی نہیں ہوئی، کسی نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں ملائی، کیونکہ بہت لوگ نقل کر رہے ہیں اور سب اسی طرح نقل کر رہے ہیں، اگر یہ بات اس طرح نہ ہوتی تو اس طرح وہ نقل نہ کرتے بھئی۔ تو اس لیے یہ چھ کتابیں جو ہیں یہ تواتر کے طریقے پر منقول ہیں، اس لیے ان کی روایت بڑی مضبوط اور قوی ہے اور اس کو ظاہر روایت کہتے ہیں، جبکہ اس کے علاوہ کتابوں کے اندر کوئی روایت آئے وہ روایتِ نوادر کہلاتی ہے اور وہ اس درجے کی نہیں بھئی۔ بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو یہ انہوں نے ذکر کیا: «وَلَا بُدَّ مِنَ الِاسْتِيعَابِ فِي ظَاهِرِالرِّوَايَةِ» اور استیعاب ضروری ہے ظاہر روایت میں۔ بھئی استیعاب کیوں ضروری ہے؟ دلیل ذکر کر رہے ہیں: «لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْوُضُوءِ» اس لیے کیونکہ یہ تیمم قائم مقام ہے وضو کے، اور وضو کے اندر استیعاب ضروری تھا، اعضاء کا پورا پورا دھونا، اس کو پورا گھیر لینا، اس کا احاطہ کرنا ضروری تھا تو یہ اس کا خلیفہ ہے اس میں بھی اسی طرح ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلِهَذَا قَالُوا

«وَلِهَذَا قَالُوا» اور اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے: «يُخَلِّلُ الْأَصَابِعَ» کہ تیمم کرنے والا اپنی انگلیوں کا خلال کرلے، «وَيَنْزِعُ الْخَاتَمَ» اور انگوٹھی کو اتار لے، کیونکہ انگوٹھی اگر پہنی ہوئی ہے تو انگوٹھی کے نیچے والی جلد جو ہے وہ تو پھر بغیر مسح کے رہ جائے گی حالانکہ استیعاب ضروری ہے، «لِيَتِمَّ الْمَسْحُ» تو انگلیوں کا خلال کرلے اور انگوٹھی کو اتار لے «لِيَتِمَّ الْمَسْحُ» تاکہ مسح پورا ہو جائے۔

«وَالْحَدَثُ وَالْجَنَابَةُ فِيهِ سَوَاءٌ» اور حدث اور جنابت «فِيهِ» تیمم میں «سَوَاءٌ» برابر ہیں۔ حدث اور جنابت کیا ہیں تیمم میں؟ برابر، یعنی دونوں کا ایک ہی تیمم ہے، یہ نہیں کہ غسل کا تیمم کوئی الگ ہے اور اس کے لیے بھی بعینہٖ اسی طرح دو ضربیں ہوں گی، ایک ضرب کے ساتھ چہرے کا مسح ہو گا اور دوسری ضرب کے ساتھ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت بھئی۔

«وَكَذَا الْحَيْضُ وَالنِّفَاسُ» اور اسی طرح حیض اور نفاس بھی ہیں، یعنی ان کے لیے بھی اگر تیمم کی ضرورت پڑتی ہے، پانی نہیں ملتا تو پھر اس کے لیے بھی تیمم اسی طرح کیا جائے گا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور یاد رکھیے بھئی، یاد رکھیے کہ جب ایک انسان کو پانی نہ ملا اور وضو کے بجائے اس نے تیمم کرلیا، یا اس کو اس کے پاس پانی نہیں ہے اور اس نے غسل کے بجائے تیمم کرلیا تو پھر کسی شک اور کوئی شک کرنے کی ضرورت نہیں، وہم میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کو بالکل اسی طرح پاکی حاصل ہوئی ہے جس طرح وضو اور غسل سے پاکی حاصل ہوتی ہے بھئی، کسی قسم کا شک وشبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں اسی حدث اور جنابت تیمم کے اندر برابر ہیں اور اسی طرح حیض اور نفاس بھی۔

دلیل اس کی کیا ہے؟ کہتے ہیں: «لِمَا رُوِيَ» بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی ہے۔ بھئی یہ «مَا» کا ترجمہ میں نے حدیث کے ساتھ کیا، یہ اسم موصول ہے اور اسم موصول آپ نے پڑھا ہے معرفہ ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ معرفہ، اور معرفہ کے ذریعے کسی متعین چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، متعین چیز اس سے مراد ہوتی ہے۔ تو یہ جو اسم موصول ہوتے ہیں ان کے مدلولات ہوتے ہیں، یہ کسی چیز پر دلالت کرتے ہیں، تو یہاں پر یہ «مَا» سے کیا مراد ہے؟ حدیث، اس پر دلالت کر رہا ہے تو لہٰذا اسی لیے میں نے ترجمے میں بھی حدیث کا لفظ ذکر کیا۔

■ مسئلہ: لِمَا رُوِيَ

«لِمَا رُوِيَ» بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی کہ «أَنَّ قَوْمًا جَاؤُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کہ کچھ لوگ جو ہیں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے «وَقَالُوا» اور کہنے لگے: «إِنَّا قَوْمٌ نَسْكُنُ هَذِهِ الرِّمَالَ» ہم ایسے لوگ ہیں جو رہتے ہیں «هَذِهِ الرِّمَالَ» رمال جمع ہے رمل کی اور رمل کہتے ہیں ریت کو، ہم ایسے لوگ ہیں جو ان اس ریت میں یعنی ریگستان میں رہتے ہیں، «وَلَا نَجِدُ الْمَاءَ شَهْرًا أَوْ شَهْرَيْنِ» اور ہمیں پانی نہیں ملتا، ہم پانی نہیں پاتے ایک ماہ یا دو ماہ تک بھئی، ایک ایک دو دو ماہ تک ہمیں پانی ملتا ہی نہیں، «وَفِينَا الْجُنُبُ وَالْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ» اور ہم میں جنابت والے بھی ہوتے ہیں اور حائضہ اور نفاس... حائضہ عورتیں بھی ہوتی ہیں اور نفاس والی بھی ہوتی ہیں، «فَقَالَ: عَلَيْكُمْ بِأَرْضِكُمْ» تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: «عَلَيْكُمْ بِأَرْضِكُمْ» تم اپنی زمین کو لازم پکڑو، یعنی اس سے تیمم کرتے رہو۔ «عَلَيْكُمْ» یاد رکھیے اسم فعل ہے، بمعنی لازم پکڑو، تم لوگ لازم پکڑو «بِأَرْضِكُمْ» اپنی زمین کو۔

«وَيَجُوزُ التَّيَمُّمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الْأَرْضِ كَالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ وَالْحَجَرِ وَالْجَصِّ وَالنُّورَةِ وَالْكُحْلِ وَالزِّرْنِيخِ» اور تیمم کرنا جائز ہے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہر اس چیز سے «بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الْأَرْضِ» ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس میں سے ہو، «كَالتُّرَابِ» جیسے کہ مٹی ہے، «وَالرَّمْلِ» اور ریت ہے، «وَالْحَجَرِ» اور پتھر ہے، «وَالْجَصِّ» اور جیسے کہ گچ ہے، «وَالنُّورَةِ» اور جیسے چونا ہے، «وَالْكُحْلِ» اور جیسے سرمہ ہے، «وَالزِّرْنِيخِ» اور جیسے ہڑتال ہے بھئی۔ بھئی یہ سب چیزیں زمین کی جنس میں سے ہیں، اور جب یہ زمین کی جنس میں سے ہیں تو زمین کی جنس میں سے جو بھی چیز ہو اس سے تیمم کرنا عند الاحناف جائز ہے، تو لہٰذا ان سب سے تیمم کرنا جائز ہوا بھئی۔

تو یہاں کئی چیزیں ذکر ہوئیں: تراب بھئی، تراب۔ تراب تو یہ عام مٹی جو آپ جانتے ہیں۔ رمل ریت کو کہتے ہیں بھئی۔ والحجر، حجر پتھر کو کہتے ہیں۔ والجص، جَصٌّ اور جِصٌّ دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے۔ جص یہ قدیم زمانے میں ایک چونے سے تیار کیا ہوا خاص مصالحہ ہوتا تھا جس کے ذریعے تعمیر کا کام لیا جاتا تھا۔ جیسے آج کل تعمیر کے لیے سیمنٹ استعمال ہوتا ہے بھئی، اینٹوں کو آپس میں جوڑنے کے لیے کیا استعمال کرتے ہیں؟ سیمنٹ استعمال کرتے ہیں، اسی طرح قدیم زمانے کے اندر جو مصالحہ تیار کیا جاتا تھا وہ چونے سے تیار کرتے تھے اور اس کے ذریعے یہ تعمیر وغیرہ اور اینٹوں کو آپس میں جوڑنے کا کام لیتے تھے، اور یہ سیمنٹ سے کئی گنا زیادہ مضبوط ہوتا تھا بھئی، کئی گنا۔ چنانچہ آج بھی آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کی عمارتیں سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود اسی طرح مضبوطی سے کھڑی ہیں، جبکہ سیمنٹ، سیمنٹ کی عمارت تو اتنا عرصہ نہیں گزار سکتی بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ آج اتنی ترقی ہونے کے باوجود ان لوگوں کی بنائی ہوئی چیزوں تک بھی سائنس نہیں پہنچ سکی بھئی۔ تو اس کو جص کہتے تھے، جص۔ اور یہ چونکہ وہی اس میں زیادہ جزو ہی چونا وغیرہ اور اس طرح کی چیزیں تھیں زمین کی، تو لہٰذا یہ بھی زمین کی جنس والی چیز ہوئی تو اس کے ساتھ بھی تیمم کرنا جائز ہے۔

والنورۃ، نورہ یہ عام سفیدی کرنے والا چونا بھئی، جیسے یہ دیوار پر آپ دیکھ رہے ہیں چونا ہے اور اسی سے ابھی انہوں نے آپ کے سامنے تیمم کیا بھئی۔ والکحل، اور سرمہ بھئی، سرمہ۔ بھئی سرمہ اگر آپ نے دیکھا ہو یہ تو پسا ہوا جو آنکھوں میں لگاتے ہیں، یہ دراصل پتھر کو پیس کر بنایا جاتا ہے، اگر سرمے کے پتھر آپ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہو، سیاہ رنگ کا پتھر ہوتا ہے اور بڑا ہی وزنی ہوتا ہے بھئی۔ تو جی وہ ہو یا یہ پسا ہوا جو بھی ہے تو یہ سرمہ یہ زمین کی جنس میں سے ہے اور یہ اس سے تیمم جائز ہے۔

والزرنیخ، زرنیخ یہ اس کو اردو میں ہڑتال کہتے ہیں، اسی طرح سنکھیا بھی کہتے ہیں، سنکھیا: س، ن، ک، دو آنکھوں والی ھ، ی اور ا بھئی، سنکھیا۔ سنکھیا یہ بھی ایک قسم کا پتھر وغیرہ ہوتا ہے اور شفاف ہوتا ہے، شفاف۔ بھئی جیسے شیشہ ہوتا ہے اس کے آر پار دیکھا جا سکتا ہے، اسی طرح کا پتھر ہوتا ہے، شیشے کی طرح شفاف تو نہیں ہوتا لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ شفاف سا ہوتا ہے، اور اس کو ہڑتال کہتے ہیں اور نہایت زہریلا ہوتا ہے بھئی، زہر... زہریلا ہوتا ہے، لیکن ہے بہر حال یہ پتھر اور زمین کی جنس میں سے ہے تو اس سے تیمم کرنا جائز ہے بھئی، جائز ہے۔

اسی طرح اور بھی کوئی زمین کی جنس کی چیز ہو تو اس سے بھی تیمم کرنا جائز ہے، جیسے یاقوت ہے بھئی یاقوت ہے، اور اسی طرح زمرد ہے وغیرہ، یہ بھی پتھر ہیں بھئی پتھر ہیں قیمتی پتھر، تو یہ بھی زمین کی جنس میں سے ہیں۔ تو ان سب سے تیمم کرنا جائز ہے۔ لہٰذا ایک شخص ہے اور اس کے پاس ایک گھڑا رکھا ہوا ہے اور یہ گھڑا کس سے بنتا ہے؟ مٹی سے بنتا ہے، لہٰذا اس سے بھی تیمم کرنا جائز ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

بھئی متن کے اندر یہ مسئلہ ذکر ہو گیا کہ جو بھی چیز زمین کی جنس میں سے ہو اس سے تیمم کرنا جائز ہے جیسے مٹی ہے، اور ریت ہے، اور پتھر ہے، اور گچ ہے، اور گچ بھئی گ اور چ، گچ، والنورۃ اور چونا ہے، والکحل اور سرمہ ہے، سرمے میں وہ سرمے کا پتھر ہوتا ہے بڑا وزنی پتھر تو اس سے کوئی تیمم کرتا ہے، والزرنیخ اور ہڑتال ہے جس کو سنکھیا بھی کہتے ہیں، یہ سب چیزیں زمین کی جنس میں سے ہیں، ان سے تیمم جائز ہے، اور صرف یہی چیزیں نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی جو چیزیں ہیں زمین کی جنس میں سے ان سے بھی تیمم کرنا جائز ہو گا بھئی، جیسے بھئی میں نے ذکر کیا کہ یاقوت ہے اور اسی طرح زمرد ہے، اسی طرح نمک ہے بھئی، نمک بھی آپ جانتے ہیں یہ پتھروں کی صورت میں ہوتا ہے پھر اس کو پیسا جاتا ہے، تو ان سب سے بھی تیمم کرنا جائز ہے۔

فقہاء اس کے لیے باقاعدہ ضابطہ ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح ہمیں پتہ چلے گا کسی چیز سے تیمم جائز ہے یا نہیں؟ کس طرح پتہ چلے گا کوئی چیز زمین کی جنس میں سے ہے یا جنس میں سے نہیں؟ تو ضابطہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ چیز جو آگ میں نہ جلے اور نہ گلے وہ اس سے تیمم جائز ہے۔ جو چیز آگ میں نہ جلے اور آگ میں نہ گلے یعنی نہ پگھلے، جو چیز آگ میں جلتی بھی نہیں اور پگھلتی بھی نہیں اس سے تیمم کرنا جائز ہے بھئی، اس سے تیمم کرنا... اب اس ضابطے کے ذریعے آپ پتہ چلا سکتے ہیں آسانی سے کہ کس چیز سے تیمم جائز ہے، کس سے تیمم... جو چیز آگ میں جلتی بھی نہیں ہے اور پگھلتی بھی نہیں ہے اس سے تیمم کرنا جائز ہو گا۔ جلتی بھی نہ ہو، لہٰذا لکڑی خارج ہو گئی کیونکہ لکڑی کیا ہے؟ آگ میں جل جاتی ہے۔ پلاسٹک بھی نکل گیا کیونکہ پلاسٹک بھی آگ میں جل جاتا ہے وغیرہ۔ اور جو چیز آگ میں نہ پگھلے، لہٰذا لوہا، پیتل، تانبا وغیرہ یہ چیزیں نکل گئیں، اسی طرح شیشہ نکل گیا کیونکہ یہ چیزیں آگ میں پگھل جاتی ہیں بھئی۔ یہ آپ کی آگ تو معمولی سی ہے لیکن یہ لوہے کی چیزیں بنتی کس طرح ہیں؟ یہ بھٹی کے اندر تیز آگ ہو تو پھر یہ چیزیں بھی پگھل کر بالکل پانی کی طرح بن جاتی ہیں، تو یہ چیزیں آگ میں پگھلنے والی ہیں لہٰذا ان سے تیمم جائز نہیں، تیمم جائز...

ہاں البتہ دو چیزیں اس ضابطے سے مستثنیٰ ہیں، ان کا استثناء کیا فقہاء نے: ایک چونا اور ایک راکھ بھئی، راکھ۔ چونا آگ میں جل جاتا ہے پھر بھی اس سے تیمم جائز، ہم نے تو کہا تھا وہ چیز آگ میں نہ جلے اور نہ پگھلے، چونا تو جل جاتا ہے تو اس کو اس ضابطے سے خارج ہونا چاہیے تھا یعنی اس سے تیمم جائز نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن اس کو داخل رکھا، اس سے تیمم کرنا جائز ہے۔ اور راکھ بھئی، کوئی چیز وغیرہ جلائی لکڑی وغیرہ اس کی جو راکھ بچ گئی، اس راکھ کو یہ آگ میں نہ جلتی ہے اور نہ پگھلتی ہے، تو اس سے تیمم ضابطے کے مطابق جائز ہونا چاہیے لیکن فقہاء فرماتے ہیں راکھ سے تیمم جائز نہیں کیونکہ یہ تو خود کسی چیز کا جلنے کے بعد باقی بچنے والا حصہ ہے۔ تو راکھ کو داخل ہونا چاہیے تھا اس کو خارج رکھا، اور چونے کو خارج ہونا چاہیے تھا اس کو داخل رکھا کیونکہ وہ زمین کی جنس میں سے ہے بھئی، اور راکھ زمین کی جنس میں سے نہیں ہے تو لہٰذا راکھ کو خارج رکھا اس سے تیمم نہیں جائز، اور چونا اگرچہ جل جاتا ہے لیکن زمین کی جنس میں سے ہے لہٰذا اس کو داخل رکھا اس سے تیمم کرنا جائز ہے بھئی۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

■ مسئلہ: وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَجُوْزُ...

«وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیمم جائز نہیں ہے مگر مٹی اور ریت کے ساتھ، صرف ان دو چیزوں سے تیمم کیا جا سکتا ہے اور کسی چیز سے تیمم نہیں کیا جا سکتا۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالتُّرَابِ الْمُنْبِتِ» کہ جائز نہیں ہے تیمم مگر اس مٹی سے «الْمُنْبِتِ» جو اگانے والی ہے۔ وہ مٹی جو اگانے والی ہے جس سے پودے وغیرہ اگتے ہیں اس مٹی سے تیمم جائز ہے اور کسی مٹی سے نہیں بھئی۔ «وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی۔ ایک تو روایت پیچھے ذکر ہوا ایک کیا وہ فرماتے ہیں کہ مٹی اور ریت دونوں سے، اور ایک روایت کیا ہے؟ صرف اگانے والی مٹی سے۔

دلیل دیتے ہیں بھئی امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل بھئی: «لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾» اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿فَتَيَمَّمُوا

صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ «أَيْ: تُرَابًا مُنْبِتًا» یعنی کہ اگانے والی مٹی سے۔ تم لوگ تیمم کرو صعید طیب سے یعنی کہ اگانے والی مٹی سے۔ تو صعید کا معنی ہوئے مٹی اور طیب کے معنی ہوئے اگانے والی۔ بھئی یہ معنی آپ نے کہاں سے کیا اگانے والے؟ فرماتے ہیں: «قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا» کہ یہ معنی اور یہ تفسیر کس نے کی ہے اس صعید طیب کی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ تفسیر منقول ہے بھئی، یہ تفسیر منقول ہے۔ «غَيْرَ أَنَّ أَبَا يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ زَادَ عَلَيْهِ الرَّمْلَ بِالْحَدِيثِ الَّذِي رَوَيْنَاهُ» علاوہ اس کے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس پر ریت کی زیادتی کی ہے کہ اس سے بھی تیمم جائز ہے «بِالْحَدِيثِ الَّذِي رَوَيْنَاهُ» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، وہ جو ابھی گزری کہ کچھ لوگ آئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہ ہم ریت میں رہتے ہیں تو ہمیں پانی نہیں ملتا، جنبی ہم جنب ہوتے ہیں، حیض والی عورتیں ہوتی ہیں، نفاس والی تو حضور نے فرمایا کہ تم لوگ مٹی کو لازم پکڑو... تم اپنی زمین کو لازم پکڑو بھئی، تو اس حدیث کی وجہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس پر ریت کی بھی زیادتی کی۔

بھئی دیکھیے، یہاں صاحبِ ہدایہ نے پہلے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول یہ ذکر کیا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ» کہ تیمم جائز نہیں ہے مگر صرف مٹی اور ریت کے ساتھ، ان دو چیزوں سے جائز ہے، اس کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے طور پر ذکر کیا اس کو، معلوم ہوا ان کا یہ مذہب ہے کہ مٹی اور ریت سے تیمم جائز ہے۔ اور آگے کہا: «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالتُّرَابِ الْمُنْبِتِ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی۔ ایک روایت کیا ذکر کی؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مٹی سے جائز ہے، ریت سے بھی جائز نہیں، ترابِ منبت سے، اگانے والی مٹی سے۔

تو دو قول ذکر کر دیے صاحبِ ہدایہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے، پہلے کو «قَالَ» کے ساتھ ذکر کیا معلوم ہوا یہ ان کا قول، اصل یہی قول ہے، کیا قول ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا؟ کہ مٹی اور ریت دونوں سے تیمم کر سکتے ہیں۔ اور آگے اگلی بات جو تھی اس کو روایت کے ساتھ ذکر کیا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے یعنی ان کا مذہب نہیں ہے بھئی، روایت ہے، «عَنْ» کے ساتھ اس کو ذکر کیا: «رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ» کہ صرف مٹی سے جائز ہے، ریت سے بھی جائز نہیں ہے۔ تو صاحبِ ہدایہ نے اس کو روایت کہا، لیکن دیگر علماء نے لکھا ہے بھئی یاد رکھیے کہ جو ریت اور مٹی دونوں سے تیمم کا جائز ہونا ہے یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا پہلا قول تھا، پھر انہوں نے رجوع کر لیا تھا کہ صرف ترابِ منبت سے جائز ہے، اگانے والی مٹی سے، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو جس کو صاحبِ ہدایہ نے «وَهُوَ رِوَايَةٌ» کے ساتھ ذکر کیا یہ ہے مرجوع الیہ قول بھئی جس کی طرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے رجوع فرمایا یعنی یہ ان کا آخری قول ہے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مٹی سے تیمم کیا جا سکتا ہے اور کسی چیز، ریت وغیرہ سے بھی تیمم جائز نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو؟

■ مسئلہ: وَلَهُمَا: أَنَّ الصَّعِيدَ اسْمٌ لِوَجْهِ الْأَرْضِ

«وَلَهُمَا: أَنَّ الصَّعِيدَ اسْمٌ لِوَجْهِ الْأَرْضِ» اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ صعید یہ زمین کے چہرے کا نام ہے یعنی زمین کے اوپر والے حصے کا نام ہے۔ بھئی ایک زمین کا اوپر والا حصہ، ایک اندر والا حصہ، تو صعید کس کو کہتے ہیں؟ جو زمین کا اوپر والا حصہ ہے۔ طرفین کی دلیل چل رہی ہے، طرفین متن میں آیا کہ مٹی، ریت وغیرہ کئی چیزیں ذکر کیں ان سب سے تیمم جائز ہے، اس کی دلیل ذکر ہو رہی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ صعید کا ذکر آیا قرآن کے اندر اور صعید جو ہے زمین کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں، «سُمِّيَ بِهِ لِصُعُودِهِ» اور اس کو صعید کہا گیا اس کے صعود کی وجہ سے، اونچا ہونے کی وجہ سے، صعود کا کیا معنی؟ اونچا ہونا۔ بھئی زمین کا ایک اندر والا حصہ، ایک یہ اوپر والا حصہ، کون سا حصہ اونچا ہے اور اوپر ہے؟ یہ اوپر والی ظاہری سطح جو ہے یہ اوپر ہے، تو صعید کس سے ہے؟ صعود سے ہے اور صعود کا کیا معنی؟ اونچا ہونا، تو اس اوپر والے حصے کو اسی لیے صعید کہا جاتا ہے، تو یہ اوپر والا حصہ مراد ہے۔

«وَالطَّيِّبُ يَحْتَمِلُ الطَّاهِرَ» اور طیب اس کا معنی وہ اگرچہ اس کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے منبت کے کیے ہیں یعنی اگانے والا، لیکن اس میں احتمال ہے طاہر کے معنی کا بھی، پاک، پاک ہو۔ طیب کا کیا معنی؟ پاک، یہ اس معنی کا بھی اس میں احتمال ہے، «فَحُمِلَ عَلَيْهِ» تو اسی پر محمول کیا جائے گا، اسی پاک ہونے کے معنی پر محمول کیا جائے گا، تو صعیدِ طیب کا کیا معنی ہو گا؟ پاک مٹی، کیا معنی ہو گا؟ پاک مٹی۔ تو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا، «لِأَنَّهُ أَلْيَقُ بِمَوْضِعِ الطَّهَارَةِ» اس لیے کیونکہ یہ معنی زیادہ مناسب ہے طہارت کے مقام کے۔ بات چل رہی ہے طہارت کی، کیونکہ تیمم سے کیا ہو گی؟ طہارت حاصل ہو گی، تو طہارت کے مقام میں یہی معنی زیادہ مناسب ہے کہ طیب کے معنی اگانے والے کے نہ کیے جائیں بلکہ کیا معنی کیا جائے؟ طاہر کیا جائے اس کا معنی جبکہ اس کے اندر اس معنی کا احتمال بھی ہے بھئی۔ «أَوْ هُوَ مُرَادٌ بِالْإِجْمَاعِ» یا یہی مراد ہے بالاجماع۔ یا یہی معنی یعنی طاہر معنی...

اجماع مراد ہے بھائی۔ صاحبِ ہدایہ دلیل ذکر فرما رہے ہیں طرفین کی، دلیل کیا ذکر کی؟ کہ ہم نے صعید کا کیا معنی اطیب کا کیا معنی کیا ہے؟ طاہر۔ اس لیے کیونکہ قرآن میں «صَعِيدًا طَيِّبًا» کا ذکر آیا، اور صعید تو زمین کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں جبکہ طیب میں جو ہے اس میں طاہر کے معنی کا بھی احتمال ہے اور وہی معنی یہاں پر زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ طہارت کا مقام ہے اور اس کے مناسب طاہر معنی ہے، طاہر کیا جائے اس کا معنی بھائی، طاہر۔ تو اس وجہ سے ہم نے اس سے طیب والا معنی، طیب کا معنی ہم نے طاہر کے کیے، یا اس وجہ سے ہم نے اس کا معنی طاہر کیا کہ یہی طاہر والا معنی بالاجماع مراد ہے بھائی۔ یہی طاہر والا معنی بالاجماع مراد ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ صاحبِ ہدایہ کیا فرمارہے ہیں کہ یہ طاہر والا معنی بالاجماع مراد ہے، اجماع کا معنی تو یہ ہے کہ جس پر سارے علماء متفق ہوں اور ابھی آپ نے بتایا کہ امام ابو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالی عنہما کیا معنی کر رہے ہیں اس کا؟ اگانے والی مٹی، پاک مٹی نہیں کر رہے بلکہ اگانے۔ امامِ شافعی رحمہ اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں تو اجماع کہاں پر ہے یہاں پر کہ آپ فرمارہے ہیں کہ یہ بالاجماع یہ معنی مراد ہے۔

تو صاحبِ ہدایہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ طاہر، اس مٹی جس سے تیمم کیا جائے اس کا پاک ہونا ضروری ہے بالاجماع، تمام علماء کے نزدیک۔ حتی کہ امامِ شافعی رحمہ اللہ اور دیگر علماء کے نزدیک، فقہاء کے نزدیک بھی اگر مٹی منبت ہو، اگانے والی ہو لیکن پاک نہ ہو، نجاست لگی ہو اس پر، تو ان کے نزدیک بھی اب اگرچہ وہ ترابِ منبت ہے لیکن ان کے نزدیک بھی اس سے تیمم جائز نہیں ہے۔ معلوم ہوا پاک ہونے کا، پاک ہونا ان کے نزدیک بھی ضروری ہے۔ تو معلوم ہوا پاک ہونے کا معنی تو بالاجماع سب کے نزدیک مراد ہے۔ تو لہذا اسی لیے ہم نے اس کا معنی کیا کیا؟ طاہر کیا بھائی، منبت نہیں کیا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

چنانچہ بھائی فقہاء فرماتے ہیں کہ زمین پر نجاست گری، مثلاً کسی نے کسی مقام پر پیشاب کیا اور پھر وہ زمین دھوپ لگنے سے خشک ہو گئی اور نجاست کا اثر بھی، پیشاب کا اثر، نشان، بو وغیرہ سب کچھ وہاں سے ختم ہو گئی۔ تو اس زمین پر، اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس جگہ پر کیونکہ زمین جو ہے وہ خشک ہو جائے تو اسی سے وہ پاک ہو جاتی ہے جبکہ نجاست کا اثر بھی ختم ہوا، نشان بھی نہیں، بو وغیرہ بھی نہیں تو اس پر نماز جائز ہے۔ لیکن اس پر تیمم نہیں جائز بھائی، تیمم کرنا جائز نہیں ہے بھائی، تیمم کرنا جائز اس میں نہیں ہے۔ لیکن یہ وہ صورت ہے جب آپ کو علم ہو کہ یہاں پر پیشاب کیا گیا تھا۔ اگر علم نہیں تو ویسے شک اور وہم نہیں کرنا چاہیے بھائی۔

■ مسئلہ: ثُمَّ لَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ غُبَار...

«ثُمَّ لَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ غُبَارٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى» پھر یہ شرط بھی نہیں ہے کہ اس پر غبار ہو۔ بھائی یہ جو زمین کی جنس کی جو چیزیں بیان ہوئیں بھائی، مٹی، ریت، پتھر وغیرہ ان پر غبار ہونے کی شرط بھی نہیں ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ لہذا آپ کے سامنے ایک پتھر ہے بھائی اور وہ پتھر بالکل دھلا ہوا ہے، دھلا ہوا اور ہموار پتھر ہے اب اس پر غبار کا ایک ذرہ نہیں لیکن پھر بھی آپ اس سے تیمم کرنا چاہتے ہیں تو کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ پتھر کس کی جنس میں سے ہے؟ زمین کی جنس میں سے ہے اور زمین کی جنس میں سے جو بھی چیز ہو اس سے تیمم کرنا جائز ہے بھائی۔ لہذا اس سے بھی جائز ہوا۔ اسی طرح اینٹ ہے بھائی، اینٹ بھی کس سے بنائی جاتی ہے؟ مٹی سے بنائی جاتی ہے تو اس پر بھی غبار بے شک نہ ہو، دھلی ہوئی ہو بالکل، اسی وقت دھلی ہے، تھوڑی دیر ہی ہوئی ہے اور خشک ہے تو آپ اس پر کیا کرنا چاہتے ہیں؟ تیمم کرنا چاہتے ہیں، کر سکتے ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ زمین کی جنس میں سے جو چیز ہے اس پر تیمم کر سکتے ہیں، چاہے وہ گیلی ہو وہ چیز چاہے خشک ہو بھائی، خشک ہو۔

تو یہ معنی ہے «ثُمَّ لَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ غُبَارٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» پھر یہ شرط بھی نہیں ہے کہ اس چیز پر غبار ہو امام صاحب کے نزدیک۔ «لِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا» بہ وجہ مطلق ہونے اس آیت کے جو ہم نے تلاوت کی، اس آیت کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی۔ وہ آیت کیا تھی؟ «فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا» کہ تم لوگ تیمم کرو پاک مٹی سے بھائی۔ تو اس میں غبار ہونے کی کوئی قید ذکر نہیں، مطلقاً ذکر ہے۔ معلوم ہوا چاہے غبار ہو چاہے غبار نہ ہو اس سے کیا کیا جا سکتا ہے؟ تیمم کیا جا سکتا ہے۔

«وَكَذَا يَجُوْزُ بِالْغُبَارِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الصَّعِيْدِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى» اور اسی طرح تیمم کرنا جائز ہے غبار سے بھی «مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الصَّعِيْدِ» باوجود مٹی پر قدرت ہونے کے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ بھائی جو چیز زمین کی جنس میں سے ہے اس پر تو غبار ہو یا نہ ہو ہر صورت میں تیمم کر سکتے ہیں، اور جو چیز زمین کی جنس میں سے نہیں ہے اس پر یاد رکھیے اگر غبار ہے اور ہاتھ وغیرہ مارنے سے وہ اڑتا ہے، پتہ چلتا ہے کہ اس پر غبار ہے تو اس سے بھی تیمم کرنا جائز ہے۔ لہذا آپ کا تکیہ پڑا ہوا ہے اور اس پر غبار پڑ چکا ہے یا مٹی پڑ چکی ہے آپ اس سے تیمم کر سکتے ہیں۔ غلہ ہے اس پر مٹی یا غبار وغیرہ ہے آپ اس سے تیمم کرنا چاہتے ہیں تو، تو زمین کی جنس کی جو چیزیں ہیں ان پر غبار ہونے کی شرط نہیں لیکن اگر کوئی اور چیز ہے تو اس پر کیا ہونا چاہیے؟ غبار ہونا چاہیے تو بھی اس سے آپ تیمم کر سکتے ہیں بھائی۔

یہ معنی ہے اور اسی طرح جائز ہے غبار کے ساتھ بھی باوجود قدرت ہونے مٹی پر امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک، «لِأَنَّهُ تُرَابٌ رَقِيْقٌ» دلیل ان کی بھائی۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو غبار ہے یہ بھی «تُرَابٌ رَقِيْقٌ» پتلی مٹی ہے۔ کیا ہے؟ پتلی مٹی، باریک مٹی ہی کے ذرات ہیں بھائی۔

■ مسئلہ: وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِي التَّيَمُّمِ

«وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِي التَّيَمُّمِ» اور نیت جو ہے فرض ہے تیمم کے اندر بھائی۔ نیت کی تو تیمم ہو گا، نیت نہ کی تو تیمم نہیں ہو گا بھائی۔ مثلاً کوئی شخص کسی کو دکھانے

کے لیے یا سکھانے کے لیے تیمم کرتا ہے، ایک دو ساتھی سفر پر گئے اور نماز کا وقت آیا، پانی نہیں مل رہا تو کہتے ہیں چلو تیمم کرتے ہیں۔ ایک ساتھی کہتا ہے بھائی مجھے تو تیمم کرنا ہی نہیں آتا، دوسرا اس کو کہتا ہے میں آپ کو سکھاتا ہوں بھائی، یوں کرتے ہیں تیمم، چنانچہ اس کے سامنے تیمم کرکے دکھایا۔ اب یہ جو اس نے تیمم کیا اس میں اس نے پاکی کی نیت کی ہے یا نہیں کی؟ پاکی کی نیت نہیں کی، یہ تو اس کو سکھانے کے لیے کر رہا ہے، لہٰذا اس کا تیمم نہ ہوا۔ ہاں اگر اس نے نیت بھی کر لی تو پھر اس کا تیمم ہو جائے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟

تو کہتے ہیں «**وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِي التَّيَمُّمِ**» اور نیت جو ہے فرض ہے تیمم کے اندر، «**وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى: لَيْسَ بِفَرْضٍ**» اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں «**لَيْسَ بِفَرْضٍ**» کہ تیمم میں نیت فرض نہیں ہے، «**لِأَنَّهُ خَلَفٌ عَنِ الْوُضُوْءِ**» خلف لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا بھائی اس کو۔ خلف کا معنی خلیفہ، نائب، جانشین۔ «**لِأَنَّهُ خَلَفٌ عَنِ الْوُضُوْءِ**» امام زفر رحمہ اللہ کی دلیل، وہ فرماتے ہیں کہ تیمم کے اندر نیت فرض نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ نائب ہے وضو کا، تیمم نائب ہے وضو کا اور وضو ہے اصل، اور اصل کے اندر تو نیت فرض نہیں تو لہٰذا نائب کے اندر بھی نیت فرض نہیں ہو گی بھائی کیونکہ نائب جو ہے وہ اصل کے تابع ہوتا ہے۔ تو فرماتے ہیں «**لِأَنَّهُ خَلَفٌ عَنِ الْوُضُوْءِ**» اس لیے کیونکہ یہ تیمم جو ہے یہ خلیفہ ہے وضو کا، «**فَلَا يُخَالِفُهُ فِيْ وَصْفِهِ**» تو یہ تیمم جو ہے وضو کے مخالف نہیں ہو گا اس کے وصف کے اندر، اور وضو کا وصف تو کیا تھا؟ اس میں نیت شرط نہیں، لہٰذا تیمم میں بھی نیت شرط نہیں ہو گی۔

«**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل یہ ہے، «**أَنَّهُ يُنْبِئُ عَنِ الْقَصْدِ**» کہ تیمم جو ہے یہ خبر دیتا ہے ارادے کی۔ یاد رکھیے تیمم کا عربی زبان میں معنی ہی ارادہ کرنا ہے۔ تیمم کا کیا معنی ہے؟ ارادہ کرنا، ارادہ کرنا۔ اور تو یہاں پر بھی انسان پاک مٹی کا ارادہ کرتا ہے پاکی حاصل کرنے کے لیے۔ تو تیمم کا عربی زبان میں معنی ہی ارادہ کرنا ہے اور شرعاً وہ دو ضربیں جن کے ساتھ چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا گیا اس کو بھی تیمم کہا جاتا ہے۔ اور شرعی ناموں کے اندر بھی لغوی معنی کی رعایت ہوتی ہے۔ شرعاً کسی چیز کا کوئی نام رکھا جائے تو اس میں بھی اس کے لغوی معنی کی کیا ہوتی ہے؟ رعایت ہوتی ہے، تو جب اس کا نام تیمم رکھا اور تیمم کا تو معنی ہی کیا ہے؟ ارادہ کرنا، تو اس میں بھی ارادہ کرنا ضروری ہو گا یعنی نیت کرنا ضروری ہو گا۔ یہ معنی ہے ہماری دلیل یہ ہے «**أَنَّهُ يُنْبِئُ عَنِ الْقَصْدِ**» کہ تیمم کا لفظ ہی یہ خبر دیتا ہے ارادہ کرنے کی، «**فَلَا يَتَحَقَّقُ دُوْنَهُ**» تو لہٰذا یہ ثابت ہی نہیں ہو گا بغیر اس ارادے کے، «**أَوْ جُعِلَ طَهُوْرًا فِيْ حَالَةٍ مَخْصُوْصَةٍ**» یا تو ہماری دلیل یہ کہ تیمم کا لفظ ہی کس چیز کی خبر دیتا ہے؟ کیا بتلاتا ہے؟ ارادے کی خبر دیتا ہے، اس کا معنی ہی ارادہ کرنا ہے، یا تو یہ دلیل ہے۔ یا اس لیے نیت ضروری ہے کہ تیمم کو طہور قرار دیا گیا ہے یعنی مطہر قرار دیا گیا ہے «**فِيْ حَالَةٍ مَخْصُوْصَةٍ**» کس کے اندر؟ مخصوص حالت میں۔ بھائی مٹی ہر وقت تو مطہر نہیں ہے بھائی، پانی تو ہر وقت مطہر ہے نیت کرے انسان یا نیت نہ کرے، لیکن مٹی تو مطہر نہیں ہے، ہاں البتہ جب پانی نہ ہو اور انسان کا ارادہ نماز وغیرہ پڑھنے کا ہے تو اس وقت یہ مٹی مطہر بنے گی، کیا بنے گی؟ مٹی مطہر بنے گی۔ تو لہٰذا جب پانی نہ ہو اور نماز کا ارادہ کرے، کیا کرے؟ نماز کا ارادہ کرے تو پھر اس وقت مٹی مطہر بنے گی، تو دیکھو نماز کا جب ارادہ پانی نہ ہو اور کیا کرے؟ نماز کا ارادہ ہو تو پھر کیا کر لے؟ تیمم، تو دیکھو اس کے اندر معلوم ہوا نیت کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ بھائی قرآن میں اللہ کس طرح فرماتے ہیں؟ «**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ**» آگے؟ «**وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا**» تو یہاں دیکھیے بھائی، بات کس کی ذکر ہو رہی ہے؟ «**اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ**» جب تم کیا کرو؟ نماز کا ارادہ کرو اور پھر پانی ہو تو وضو کر لو اور اگر یہ صورتیں پیش آئیں اور پانی نہ پاؤ تو کیا کر لو؟ تیمم کر لو۔ تو دیکھو ارادۂ نماز کی بات یہاں ذکر ہے بھائی۔ تو لہٰذا معلوم ہوا کیا ضروری ہے؟ نیت کرنا، ارادہ کرنا، کیونکہ جب نماز کا ارادہ کرے گا کہ اس سے میں نماز پڑھوں گا تو نیت خود بخود آ گئی بھائی۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہاں تو پھر وضو بھی اسی طرح ذکر ہے «**اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ**» تو اس کے اندر بھی نیت کیا ہونی چاہیے؟ فرض ہونی چاہیے، تو اس کا صاحبِ ہدایہ آگے جواب دے رہے ہیں «**وَالْمَاءُ طَهُوْرٌ بِنَفْسِهِ**» اور پانی تو اپنی ذات کے اعتبار سے ہی پاک کرنے والا ہے، اس لیے اس کے اندر نیت کی شرط نہیں ہے «**عَلَى مَا مَرَّ**» بہ وجہ اس کے جو گزر گیا، جو ہم نے پیچھے بیان کر دیا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟

■ مسئلہ: ثُمَّ إِذَا نَوَى الطَّهَارَةَ أَوِ اسْتِبَاحَةَ...

«**ثُمَّ إِذَا نَوَى الطَّهَارَةَ أَوِ اسْتِبَاحَةَ الصَّلَاةِ أَجْزَأَهُ وَلَا يُشْتَرَطُ نِيَّةُ التَّيَمُّمِ لِلْحَدَثِ أَوْلِلْجَنَابَةِ**» جی، یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ تیمم کرتے ہوئے وضو یا غسل کے تیمم کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ بھائی تیمم دونوں حالتوں میں جائز ہے، وضو نہ ہو اور پاکی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور پانی نہیں ہے تو کیا کر لے انسان؟ تیمم کر لے۔ اسی طرح اگر جنب ہو اور پانی نہیں ہے، نماز پڑھنا چاہتا ہے تو کیا کر لے؟ تیمم کر لے، تیمم کر لے۔ تو اب نیت تو فرض یہ تو آپ نے بتلا دیا کہ نیت کرنا فرض ہے، تو کیا نیت ضروری ہے؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر وضو کا تیمم کر رہا ہے تو وضو کے تیمم کی نیت کرنا ضروری ہے کہ یہ میں تیمم کر رہا ہوں حدث کو دور کرنے کے لیے، اور اگر غسل کا تیمم کر رہا ہے تو غسل کے تیمم کی نیت ضروری ہے کہ میں یہ تیمم کر رہا ہوں جنابت کو دور کرنے کے لیے، اس سے پاکی حاصل کرنے کے لیے۔

صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ لیکن متن میں بتلا رہے ہیں آپ کو کہ نہیں بھائی، حدث یا جنابت سے پاکی حاصل کرنے کی نیت ضروری نہیں بلکہ مطلقاً پاکی کی نیت کرلے تو تیمم صحیح ہے، یا نماز کے جائز ہونے کی نیت کرلے کہ تاکہ مجھے پاکی حاصل ہو تاکہ میرے لیے نماز پڑھنا جائز ہو جائے تو یہ نیت بھی کافی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آئی بھائی؟

«ثُمَّ إِذَا نَوَى الطَّهَارَةَ أَوِ اسْتِبَاحَةَ الصَّلَاةِ أَجْزَأَهُ» پھر جب نیت کی پاکی حاصل کرنے کی «أَوِ اسْتِبَاحَةَ الصَّلَاةِ» یا نماز کے جائز ہونے کی «أَجْزَأَهُ» تو یہ اس تیمم کرنے والے کے لیے کافی ہے، «وَلَا يُشْتَرَطُ نِيَّةُ التَّيَمُّمِ لِلْحَدَثِ أَوْ لِلْجَنَابَةِ» اور حدث کے لیے تیمم کی نیت کرنا یا جنابت کے لیے تیمم کرنے کی نیت کرنے کی شرط نہیں ہے، «هُوَ الصَّحِيحُ مِنَ الْمَذْهَبِ» اور یہی صحیح ہے اس یعنی مذہبِ احناف میں سے۔

«فَإِنْ تَيَمَّمَ نَصْرَانِيٌّ يُرِيدُ بِهِ الْإِسْلَامَ ثُمَّ أَسْلَمَ لَمْ يَكُنْ مُتَيَمِّمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى» صورت یہ: ایک غیر مسلم ہے جیسے مثال کے طور پر مثلاً عیسائی ہے، وہ مسلمان ہونا چاہتا ہے پانی وغیرہ نہیں ہے تو اس نے تیمم کر لیا اور کس نیت سے کیا ہے؟ مسلمان ہونے کے لیے، مسلمان ہونے کے لیے، اور پھر مسلمان ہو گیا۔ اب اسی تیمم کے ساتھ وہ نماز پڑھنا چاہتا ہے تو کیا یہ متیمم شمار ہو گا اور وہ اس سے نماز پڑھ سکتا ہے یا وہ متیمم شمار نہیں ہو گا، نماز کے لیے نماز پڑھنا چاہتا ہے تو پھر اسے تیمم دوبارہ کرنا پڑے گا؟ تو طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں بھائی، وہ جو تیمم کیا تھا اس تیمم کا کوئی اعتبار نہیں ہے بھائی، اس تیمم کا اعتبار نہیں، نماز کے لیے دوبارہ تیمم کرنا پڑے گا۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ جو تیمم کیا تھا وہ ٹھیک ہے، یہ شخص متیمم ہے اور اسی کے ذریعے نماز پڑھ سکتا ہے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

■ مسئلہ: فَإِنْ تَيَمَّمَ نَصْرَانِيٌّ يُرِيدُ بِهِ الْإِس...

«فَإِنْ تَيَمَّمَ نَصْرَانِيٌّ يُرِيدُ بِهِ الْإِسْلَامَ» پس اگر تیمم کیا کسی ایسے عیسائی نے «يُرِيدُ بِهِ الْإِسْلَامَ» جو ارادہ کرتا ہے اس تیمم کے ذریعے اسلام کا، کس لیے تیمم کر رہا ہے؟ اسلام کے لیے۔ بھائی یہ قید بڑھائی کیونکہ اسی پر اختلاف کا مدار ہے۔ تیمم کیا ہے اور کس ارادے سے کیا ہے؟ اسلام کے ارادے سے کیا ہے کیونکہ اسلام قربتِ مقصودہ ہے، تو یہ تیمم ہوا کس لیے؟ کس مقصد کے لیے؟ قربتِ مقصودہ کے لیے ہوا، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کا اعتبار کرتے ہیں کہ یہ قربتِ مقصودہ کے لیے تیمم ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ورنہ ویسے کافر تیمم کرتا ہے اس کا تو سب کے نزدیک بھائی وہ درست ہی نہیں ہے بھائی کیونکہ نیت ضروری ہے بھائی، لیکن یہاں پر وہ نیت کر رہا ہے کس چیز کی باقاعدہ؟ قربتِ مقصودہ کی نیت کر رہا ہے بھائی، قربتِ مقصودہ کی۔

تو کہتے ہیں وہ تیمم کیا عیسائی نے بھائی تو اس اسلام کا اس نے ارادہ کیا اس کے ذریعے، «ثُمَّ أَسْلَمَ لَمْ يَكُنْ مُتَيَمِّمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ» پھر وہ مسلمان ہوا تو وہ تیمم کرنے والا نہیں ہے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک، «وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: هُوَ مُتَيَمِّمٌ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ متیمم ہے یعنی تیمم کرنے والا یعنی تیمم کی حالت میں ہے پاکی، «لِأَنَّهُ نَوَى قُرْبَةً مَقْصُودَةً» امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل آئی بھائی، وہ فرماتے ہیں کیونکہ اس شخص نے قربتِ مقصودہ کی نیت کی ہے۔ کس چیز کی؟ قربتِ مقصودہ کی۔ بھائی قربت یہ لفظ پہلے بھی گزر چکا، قربت وہ فعل جس سے اللہ کا قرب حاصل ہو، اللہ کا قرب حاصل ہو اللہ کا تقرب، تو یہ قربت ہے بھائی، قربت ہے اور مقصود بھی ہے، مقصود یعنی جو کسی دوسری عبادت کے تابع نہ ہو۔ مقصود کا کیا معنی؟ جو بذاتِ خود مقصود ہو کسی دوسرے کے تابع نہ ہو، جیسے وضو ہے، وضو خود مقصود نہیں ہے بلکہ وہ کس کے تابع ہے؟ نماز کے تابع ہے، نماز پڑھنے کا ارادہ ہے تو وضو کرنا واجب ہے، نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں اس وقت نماز کا وقت نہیں تو آپ پر وضو کرنا بھی واجب نہیں ہے بھائی۔ تو قربت بھی ہو اور مقصود بھی ہو یعنی کسی دوسرے عبادت کے تابع نہ ہو۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے قربتِ مقصودہ کی نیت کی ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ اسلام قربتِ مقصودہ ہے، قربت بھی ہے اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور مقصود بھی ہے کسی دوسرے عبادت کے تابع بھی نہیں ہے بلکہ یہ مقصودِ اعظم ہے بھائی سب سے بڑا مقصود ہے، تو لہٰذا اس تیمم کا اعتبار کیا جائے گا۔

«بِخِلَافِ التَّيَمُّمِ لِدُخُولِ الْمَسْجِدِ وَمَسِّ الْمُصْحَفِ» بخلاف تیمم مسجد میں داخل ہونے کے لیے «وَمَسِّ الْمُصْحَفِ» اور قرآن کو ہاتھ لگانے کے لیے، قرآن کو چھونے کے لیے۔ بھائی کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کے لیے تیمم کرتا ہے کسی ضرورت کی بنا پر مسجد میں جانا ہے اور پانی نہیں ہے تو پھر اس صورت میں کیا کرلے؟ تیمم کرلے، یا قرآن کو چھونا چاہتا ہے لیکن پانی نہیں تو اس نے کیا کر لیا؟ تیمم کر لیا، تو اس تیمم کا یاد رکھیے اعتبار نہیں اور اس کے ساتھ وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس کا اعتبار نہیں کیا معنی؟ یعنی اس کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو اسلام کے لیے اس نے تیمم کیا ہے یہ قربتِ مقصودہ کے لیے اس نے تیمم کیا لہٰذا اس کا اعتبار کیا جائے گا بخلاف اس کے کہ جو مسجد میں داخل ہونے یا قرآن کو چھونے کے لیے تیمم کوئی شخص کرتا ہے تو وہ چونکہ قربتِ مقصودہ کے لیے نہیں، مسجد میں داخل ہونا یہ قربتِ مقصودہ ہے؟ یہ قربتِ مقصودہ نہیں۔ اسی طرح قرآن کو چھونا یہ عبادت ہے؟ نہیں بھائی یہ قربتِ مقصودہ، قرآن کو تو چھوا جائے گا اس کو پڑھنے کے لیے چھوا جائے یا مسجد میں جاتا ہے وہ کس لیے جاتا ہے؟ نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے تو وہ خود مقصود، مسجد میں داخل ہونا یا قرآن کو چھونا مقصود نہیں ہے بھائی۔ تو لہٰذا اگر کسی شخص نے مسجد میں داخل ہونے یا قرآن کو چھونے کے لیے تیمم کیا تو یہ تیمم قربتِ مقصودہ کے لیے نہ ہوا لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں یعنی اس سے نماز وغیرہ

سبق نمبر ۲۶: مسئلہ: اَلتَّیَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ، وَ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

نہیں پڑھ سکتا، لیکن یہ شخص تو اسلام لانے کے لیے تیمم کر رہا ہے جو قربتِ مقصودہ ہے لہذا اس کا اعتبار کیا جائے گا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی سب کو؟ یرحمک اللہ۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقُرْبَةٍ مَقْصُوْدَةٍ

«لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقُرْبَةٍ مَقْصُوْدَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ قربتِ مقصودہ نہیں ہے یعنی مسجد میں داخل ہونا اور قرآن کو چھونا۔

«وَلَهُمَا» طرفین کی دلیل یہ ہے، «أَنَّ التُّرَابَ مَا جُعِلَ طَهُوْرًا إِلَّا فِيْ حَالِ إِرَادَةِ قُرْبَةٍ مَقْصُوْدَةٍ لَا تَصِحُّ بِدُوْنِ الطَّهَارَةِ» طرفین فرماتے ہیں کہ تیمم کے لیے قربت کا صرف مقصودہ ہونا کافی نہیں بلکہ قربتِ مقصودہ ایسی ہونی چاہیے جو بغیر طہارت کے ہوتی ہی نہ ہو۔ بغیر طہارت کے؟ قربتِ مقصودہ بھی ہو اور ساتھ ایک اور شرط بھی ہے کہ بغیر طہارت کے وہ ہوتی ہی نہ ہو، پھر اس تیمم کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر صرف قربتِ مقصودہ ہے لیکن بغیر پاکی کے بھی وہ ہو جاتی ہے اس کے لیے تیمم کیا جائے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ نماز ہے، قربت بھی ہے اور مقصود بھی ہے کسی دوسرے عبادت کے تابع نہیں ہے بھائی، تو نماز قربتِ مقصودہ ہے اور بغیر پاکی کے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ہوتی؟ نہیں ہوتی۔ تو دیکھو یہ ایسی قربتِ مقصودہ ہے جو پاکی کے بغیر نہیں ہوتی، اس کے لیے تیمم کرتا ہے تو یہ تیمم درست ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اس سے یہ نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ ایسی قربتِ مقصودہ کا ارادہ کیا ہے جو بغیر طہارت کے صحیح ہی نہیں۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت کے لیے اگر وہ تیمم کرتا ہے تو یہ تیمم درست ہے اس لیے کیونکہ سجدۂ تلاوت کیا ہے؟ ایسی قربتِ مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں، جبکہ اس کے مقابلے میں اسلام مسلمان ہونا، وہ ٹھیک ہے قربتِ مقصودہ تو ہے لیکن کیا بغیر طہارت کے کوئی مسلمان ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ ہو سکتا ہے، تو وہ قربتِ مقصودہ تو ہے لیکن بغیر طہارت کے بھی صحیح ہو جاتا ہے، لہذا اس کے لیے جو تیمم کیا اس کا اعتبار نہیں۔ کس تیمم کا اعتبار ہے؟ جو ایسی قربتِ مقصودہ کے لیے ہو جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہو بھائی۔

تو «وَلَهُمَا» طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: «أَنَّ التُّرَابَ مَا جُعِلَ طَهُوْرًا إِلَّا فِيْ حَالِ إِرَادَةِ قُرْبَةٍ مَقْصُوْدَةٍ لَا تَصِحُّ بِدُوْنِ الطَّهَارَةِ» کہ مٹی جو ہے اس کو طہور نہیں بنایا گیا، اس کو مطہر نہیں قرار دیا گیا «إِلَّا فِيْ حَالِ إِرَادَةِ قُرْبَةٍ مَقْصُوْدَةٍ» مگر ایسی قربتِ مقصودہ کے ارادے کی حالت میں «لَا تَصِحُّ بِدُوْنِ الطَّهَارَةِ» جو بغیر طہارت کے صحیح ہی نہ ہوتی ہو بھائی۔

بھائی قربت کا لفظ آیا، مقصودہ یہ اس کی صفتِ اول ہے اور «لَا تَصِحُّ» یہ نکرہ کے بعد فعل آیا یہ اس کی صفتِ ثانی، اسی لیے میں نے کیا ترجمہ کیا؟ ایسی قربتِ مقصودہ جو بغیر طہارت کے صحیح، جب ایسی قربتِ مقصودہ ہے جو طہارت کے بغیر صحیح نہیں اسی کے ارادہ کرنے کی حالت میں مٹی مطہر بنے گی، اس کے بغیر مٹی مطہر نہیں بنے گی بھائی۔ «وَالْإِسْلَامُ قُرْبَةٌ مَقْصُوْدَةٌ يَصِحُّ بِدُوْنِهَا» اور اسلام تو ایسی قربتِ مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے بھی صحیح ہو جاتا ہے لہذا اس کے لیے تیمم کیا، دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ مٹی کو طہور بنایا گیا ہے، مطہر بنایا گیا ہے صرف اس حالت میں جب انسان ایسی قربتِ مقصودہ کا ارادہ کرے جو بغیر طہارت کے حاصل نہ ہوتی ہو بھائی، اور اسلام قربتِ مقصودہ تو ہے لیکن بغیر طہارت کے بھی صحیح ہو جاتا ہے لہذا اس کی نیت سے اگر تیمم کر بھی لے تو اس صورت میں مٹی وہ طہور نہیں، کیونکہ مٹی کو تو طہور اور مطہر کب بنایا گیا ہے؟ ایسی قربت کا ارادہ کرے ایسی قربتِ مقصودہ جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہو پھر وہ مطہر بنے گی، پاکی کا فائدہ دے گی اور یہ تو قربتِ مقصودہ تو ہے لیکن یہ بغیر پاکی کے بھی ہو جاتی ہے لہذا اس کے لیے مٹی مطہر نہیں بنے گی بھائی۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ

«بِخِلَافِ سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ» بخلاف سجدۂ تلاوت کے، «لِأَنَّهَا قُرْبَةٌ مَقْصُوْدَةٌ لَا تَصِحُّ بِدُوْنِ الطَّهَارَةِ» اس لیے کیونکہ وہ ایسی قربتِ مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں، تو لہذا اس کے لیے جو تیمم کرے گا اس سے نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن اسلام لانے کے لیے جو تیمم کیا اس سے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ مٹی مطہر ہی نہیں بنے گی۔ دلیل اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی بھائی؟

«وَإِنْ تَوَضَّأَ لَا يُرِيْدُ بِهِ الْإِسْلَامَ ثُمَّ أَسْلَمَ فَهُوَ مُتَوَضِّئٌ» بھائی پہلی صورت تھی ایک شخص تھا اس نے اسلام لانے کی نیت سے تیمم کیا تھا، طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اس تیمم کا اعتبار نہیں ہے۔ اب دوسری صورت ہے ایک کافر ہے وہ وضو کرتا ہے اور وضو اسلام لانے کے لیے بھی نہیں کیا، بغیر قربتِ مقصودہ کے اس نے کیا کیا ہے؟ ویسے ہی وضو کر لیا ہے، پھر اس کے بعد ارادہ اس کا بنا اور پھر وہ مسلمان بھی ہو گیا تو کیا اب اس کے وضو کا اعتبار ہے یا وضو کا اعتبار نہیں؟ تو کہتے ہیں اس کے وضو کا اعتبار ہے، اب بھی وہ متوضی ہے اور اسی سے وضو سے وہ نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟ دلیل بھی آ رہی ہے آگے بھائی۔

تو کہتے ہیں «وَإِنْ تَوَضَّأَ لَا يُرِيْدُ بِهِ الْإِسْلَامَ» اگر وضو کیا کسی عیسائی نے، ضمیر اسی نصرانی کو راجع ہے، اگر کسی عیسائی نے، مراد غیر مسلم ہے بھائی، عیسائی خاص طور پر نہیں بلکہ کوئی بھی غیر مسلم، اگر وضو کیا اس غیر مسلم نے «لَا يُرِيْدُ بِهِ الْإِسْلَامَ» اس وضو کے ذریعے اسلام کا ارادہ نہیں ہے اس کا، «ثُمَّ أَسْلَمَ فَهُوَ مُتَوَضِّئٌ» پھر وہ مسلمان ہوا «فَهُوَ مُتَوَضِّئٌ» تو وہ متوضی ہے وضو کی حالت میں ہے، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ

176

کے، وہ فرماتے ہیں نہیں، اس کے وضو کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیوں؟ کہتے ہیں «**بِنَاءً عَلَى اشْتِرَاطِ النِّيَّةِ**» بنا بر نیت کے شرط ہونے کے، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آپ پڑھ چکے ہیں وضو کے لیے بھی کیا ضروری ہے؟ نیت، کیونکہ ان کے نزدیک یہ قربت ہے اور قربت تبھی بنے گی جب اس کے لیے کیا کیا جائے؟ اس کے لیے نیت کی جائے۔ ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے وضو قربت بھی ہے اور مفتاح للصلاۃ بھی ہے، دو کام کرتا ہے وضو، اور اگر آپ نیت کریں گے تو قربت بھی بنے گا اور مفتاح للصلاۃ بھی بنے گا لیکن اگر آپ نیت نہیں کرتے تو ٹھیک ہے قربت تو نہ بنا، ثواب تو نہ ملا لیکن مفتاح للصلاۃ بن جائے گا، اس سے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ تو ہمارے نزدیک چونکہ نیت شرط نہیں اور ان کے نزدیک نیت شرط ہے، تو ہمارے نزدیک جب نیت شرط نہیں تو وضو کر لیا تو بغیر نیت کے وضو پایا گیا اور ہمارے نزدیک تو نیت شرط نہیں تھی لہذا وضو صحیح ہوا، جبکہ ان کے نزدیک نیت شرط ہے، نیت نہیں شرط نہیں تو مشروط نہیں، تو لہذا ان کے نزدیک اس وضو کا اعتبار نہیں ہے بھائی۔

تو «**بِنَاءً عَلَى اشْتِرَاطِ النِّيَّةِ**» بنا بر نیت کے شرط ہونے کے بھائی، یہ دلیل ذکر کر دی امام شافعی رحمہ اللہ کی اور اسی کے ضمن میں ہماری دلیل بھی سمجھ میں آ گئی بھائی، کیونکہ ان کے نزدیک نیت کی شرط ہے اور ہمارے نزدیک نیت کی شرط نہیں، اسی اختلاف پر مسئلے کی بنیاد ہے۔ جی، کوئی بات کسی کو سمجھ میں نہ آئی ہو بھائی؟

کہنیوں تک کی قید، اچھا بھائی یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ تیمم کے اندر کہنیوں تک کی جو قید لگائی کہ کہاں تک مسح کرے؟ کہنیوں تک مسح کرے، اس کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ آیت کے اندر تو کہنیوں کا ذکر نہیں آتا بھائی، آیت کے اندر تو کہنیوں کا ذکر نہیں آتا، آیت میں کس طرح اللہ کیا فرماتے ہیں؟ «**فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ**» سمجھ میں آیا؟ تو یہاں پر دیکھیے «**إِلَى الْمَرَافِقِ**» کی قید نہیں ہے۔ بھائی وجہ اس کی یہ کیونکہ یہ تیمم نائب ہے وضو کا بھائی، اور وضو میں کہاں تک دھونا ضروری تھا؟ کہنیوں تک دھونا ضروری تھا، تو تیمم اس کا نائب ہے اس کے اندر بھی کہنیوں تک ہی مسح ضروری ہو گا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

جی چلیے بس بھائی، «**هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ**»۔

سبق نمبر ۲۷: فَإِنْ تَيَمَّمَ مُسْلِمٌ ثُمَّ ارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ ب...

ہدایہ صفحہ: ۵۱ــــ بتاریخ: ۸ نومبر ۲۰۱۲ء

فَإِنْ تَيَمَّمَ مُسْلِمٌ ثُمَّ ارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ ثُمَّ أَسْلَمَ فَهُوَ عَلَىٰ تَيَمُّمِهِ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: يَبْطُلُ تَيَمُّمُهُ لِأَنَّ الْكُفْرَ يُنَافِيهِ فَيَسْتَوِي فِيهِ الِابْتِدَاءُ وَالِانْتِهَاءُ كَالْمَحْرَمِيَّةِ فِي النِّكَاحِ. [1]

گذشتہ سبق میں آپ نے مسئلہ پڑھا تھا کہ اگر کوئی عیسائی یعنی کوئی غیر مسلم تیمم کرتا ہے اور اس تیمم کے ذریعے وہ اسلام کا ارادہ کرتا ہے، یعنی قربتِ مقصودہ کا، اور پھر اسلام لے آئے تو طرفین رحمہا اللہ کے نزدیک اس کے اس تیمم کا اعتبار نہیں ہے، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے تیمم کا اعتبار ہے۔ طرفین رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے تیمم کا اعتبار اس لیے نہیں کیونکہ تیمم جو ہے وہ مٹی سے پاکی حاصل کرنا ہے اور مٹی کو شریعت نے اسی وقت صرف مطہر قرار دیا ہے یعنی اس سے اسی وقت صرف پاکی حاصل ہوگی جب ایسی قربتِ مقصودہ کا ارادہ کیا جائے جو بغیر طہارت کے صحیح ہی نہ ہوتی ہو۔ تو اسلام قربتِ مقصودہ تو ہے لیکن وہ طہارت کے بغیر بھی کوئی مسلمان ہو تو اس کا اسلام صحیح ہوتا ہے، تو یہ ایسی قربتِ مقصودہ ہے جس کے لیے طہارت ضروری نہیں۔ تو تیمم مٹی تو کب صرف مطہر بنے گی؟ جب ایسی قربتِ مقصودہ ہو جو بغیر طہارت کے صحیح ہی نہ ہوتی ہو۔ تو لہٰذا اس وجہ سے یہ قربتِ مقصودہ تو ہوئی اسلام لیکن بغیر طہارت کے بھی صحیح ہے اس لیے اس کے لیے تیمم کیا بھی جائے تو مٹی مطہر نہیں بنے گی، اس کو پاکی حاصل نہیں ہوگی اور وہ متیمم نہیں ہے، اس کے ذریعے اب وہ نماز وغیرہ نہیں پڑھ سکتا بھائی۔

جبکہ اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص وضو کرتا ہے، کوئی کافر، اور وضو کے اندر اس نے سرے سے اسلام کا اس کا ارادہ ہی نہیں ہے، یعنی قربتِ مقصودہ کا ارادہ ہی نہیں ہے، پھر بھی اس کا یہ وضو صحیح ہے اور وہ پھر مسلمان ہو جاتا ہے تو اسی وضو سے نماز وغیرہ پڑھ سکتا ہے اس لیے کیونکہ پانی جو ہے اس کی ذات ہی پاک کرنے والی ہے، وہ طہارت کا فائدہ دے گا پانی بھائی اور اس کا وضو ہو گا۔

آج آپ کو مسئلہ ذکر کر رہے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے تیمم کیا اور پھر اس کے بعد وہ العیاذ باللہ مرتد ہو گیا، پھر اس کے بعد دوبارہ مسلمان ہوا، تو تیمم کیا تھا حالتِ اسلام میں اور درمیان میں کفر پیش آیا اور پھر اس کے بعد وہ واپس مسلمان ہوا، تو کیا اب اس کا یہ تیمم باقی ہے یا باقی نہیں؟ تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا تیمم باقی ہے بھائی، وہ اپنے تیمم پر ہے، اس تیمم سے وہ نماز وغیرہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کفر درمیان میں آ گیا تو کفر کی وجہ سے اس کا تیمم باطل ہو گیا، اب وہ اس کا تیمم باقی نہیں لہٰذا اس تیمم کی وجہ سے اب نماز بھی نہیں پڑھ سکتا بلکہ تیمم دوبارہ کرنا پڑے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ تَيَمَّمَ مُسْلِمٌ** پس اگر تیمم کیا مسلمان نے، **ثُمَّ ارْتَدَّ** پھر وہ مرتد ہوا، **وَالْعِيَاذُ بِاللهِ** عیاذ، **عَاذَ يَعُوذُ عَوْذًا وَعِيَاذًا** کا معنی ہے پناہ پکڑنا۔ **وَالْعِيَاذُ بِاللهِ** اور اللہ کی پناہ پکڑنا ہے، اللہ کے ساتھ پناہ پکڑنا ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں کا طریقہ ہے کہ جہاں پر ارتداد کا ذکر آتا ہے تو وہ وہاں اللہ کی پناہ کو ذکر کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں مرتد ہونے سے، کفر سے ہماری حفاظت فرما۔ پناہ پکڑنا یعنی حفاظت میں آنا، تو اے اللہ! مرتد ہونے سے اور کفر سے ہماری حفاظت فرما، حفاظت فرما۔ کیونکہ اسلام سب سے بڑی نعمت ہے، اگر ایمان کے ساتھ قبر میں پہنچ گیا تو اس کے بعد پھر راحتیں ہی راحتیں ہیں بھائی۔ اولا تو یقیناً اللہ کی ذات بڑی رحیم ہے، بڑی رحمان ہے، یہ انسان امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور بغیر حساب کتاب کے ہی ہمیں جنت میں داخل فرما دیں گے۔ لیکن اگر سزا بھی ملتی ہے لیکن پھر بھی بالآخر نجات ہو گی اور وہ ایمان تھا تو وہ ایمان اسے جنت میں پہنچا دے گا۔ لیکن اگر کفر والی قبر مل گئی تو اس کے بعد نجات کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، تو یہ سب سے بڑی دولت ہے ایمان بھائی۔ تو جہاں ارتداد کا ذکر آتا ہے وہاں پر وہ اللہ کی حفاظت ذکر کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس مرتد ہونے سے، کفر سے ہماری حفاظت فرما۔

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ تَيَمَّمَ مُسْلِمٌ ثُمَّ ارْتَدَّ** پس اگر تیمم کیا کسی مسلمان نے، پھر وہ مرتد ہوا، **وَالْعِيَاذُ بِاللهِ** اور اللہ کے ساتھ پناہ پکڑنا ہے، پھر اللہ سے پناہ پکڑنا ہے یعنی ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، **ثُمَّ أَسْلَمَ** پھر وہ مسلمان ہوا، **فَهُوَ عَلَىٰ تَيَمُّمِهِ** تو وہ مسلمان اپنے تیمم پر ہی ہے، **وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ يَبْطُلُ تَيَمُّمُهُ** اور

[1] شاملہ (ص ۲۰) میں «تَعَالَىٰ يَبْطُلُ» کے بجائے «بطل»، شاملہ (ص ۲۰) میں «وَالِانْتِهَاءُ» کے بجائے «والبقاء» درج ہے۔

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا تیمم باطل ہو جائے گا، **لِأَنَّ الْكُفْرَ يُنَافِيهِ** اس لیے کیونکہ کفر تیمم کے منافی ہے۔ کفر میں اور تیمم میں منافات ہے، یہ دونوں اکٹھے جمع ہو ہی نہیں سکتے، وہ فرماتے ہیں دونوں میں منافات ہے، جہاں کفر ہے وہاں تیمم نہیں اور جہاں تیمم ہے وہاں کفر نہیں ہو سکتا۔ تو کفر تیمم کے منافی ہوا، **فَيَسْتَوِي فِيهِ الِابْتِدَاءُ وَالِانْتِهَاءُ** تو اس کے اندر ابتداء اور انتہاء، تیمم کے اندر تیمم کے اندر وہ ابتدائے کفر اور ابتداءً کفر ہو یا انتہاءً کفر ہو، دونوں برابر ہیں۔ یعنی جیسے ابتداءً کفر تیمم کے منافی تھا، کوئی شخص کافر ہو اور اب تیمم کرنا چاہتا ہے تو اب ابتداءً ہی کیا ہے؟ تیمم کی ابتداء ہو رہی ہے اور ابتداءً کفر ہے تو اس کا کافر کے تیمم کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے کیونکہ تیمم کے لیے نیت شرط ہے اور کافر نیت کا اہل ہی نہیں ہے، لہٰذا اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے بھائی۔ لہٰذا اگر کافر نماز کی نیت سے بھی تیمم کرے تو اس تیمم کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے کیونکہ تیمم کے لیے نیت کی ضرورت ہے اور اس نے اگرچہ نماز کی نیت کی ہے لیکن کافر تو نماز کا اہل ہی نہیں ہے، اس کی تو نماز کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے، تو لہٰذا جب نماز کا اہل نہیں تو نماز کی نیت کا بھی اہل نہیں، نماز کی نیت بھی اس کی صحیح نہیں، تو گویا بغیر نیت کے تیمم پایا گیا اور بغیر نیت کے تو تیمم صحیح نہیں ہے بھائی۔

تو جیسے ابتداءً کفر تیمم کے منافی ہے اسی طرح انتہاءً بھی کفر تیمم کے منافی ہے۔ ابتداء میں کفر تھا، تیمم کرنا چاہتا ہے تو اس تیمم کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اگر انتہاء میں کفر آ جائے یعنی تیمم تھا، پھر کیا آ گیا؟ کفر آ گیا، تو یہ کفر تو تیمم کے منافی ہے، لہٰذا یہ کیا کرے گا؟ اس تیمم کو باطل کر دے گا، ختم کر دے گا۔ تو اب جب دوبارہ مسلمان ہوا تو کفر کی وجہ سے تیمم ختم ہو چکا ہے، اب اس تیمم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، نیا تیمم کرنا پڑے گا۔

یہ معنی ہے۔ **لِأَنَّ الْكُفْرَ يُنَافِيهِ فَيَسْتَوِي فِيهِ الِابْتِدَاءُ وَالِانْتِهَاءُ** بھئی عبارت میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، کیسے پڑھیں گے؟ **الِابْتِدَاءُ**، تو عموماً اس کو یوں پڑھا جاتا ہے: **فَيَسْتَوِي فِيهِ الِابْتِدَاءُ وَالِانْتِهَاءُ** لام کو تو ساکن کر دیتے ہیں اور اس سے آگے انتہاء اور ابتداء کا ہمزہ وصلی ہے اس کو بھی پڑھتے ہیں، حالانکہ ہمزۂ وصل درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے، تو پھر میں نے طریقہ بتلایا تھا کہ الف لام کا ہمزہ وصلی ہے وہ بھی گر جائے گا، ابتداء کا ہمزہ وصلی ہے وہ بھی گر جائے گا، تو لام بھی ساکن آگے یا بھی ساکن، تو لام کو کسرہ دیں گے کیونکہ **السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ**، تو **لِبْتِدَاءُ** اور اسی طرح **لِنْتِهَاءُ**۔ **كَالْمَحْرَمِيَّةِ فِي النِّكَاحِ** تو اس کے اندر تیمم کے اندر ابتداء اور انتہاء برابر ہیں، یعنی ابتداءً کفر اور انتہاءً کفر دونوں برابر ہیں، دونوں تیمم کے منافی ہیں۔ **كَالْمَحْرَمِيَّةِ فِي النِّكَاحِ** جیسے کہ محرم ہونا نکاح کے اندر بھائی۔ محرم کچھ رشتہ دار جن سے شریعت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکاح کو حرام قرار دیا ہو ان کو محرم کہتے ہیں، جیسے بہن ہے، بیٹی ہے، ماں ہے، پھوپھی ہے وغیرہ بھائی، یہ سب کیا ہیں؟ محرم ہیں بھائی، محرم۔ اور تو یہ محرمیت نکاح کے منافی ہے بھائی۔ محرم ہو تو وہاں نکاح نہیں ہو سکتا بھائی۔ تو محرمیت نکاح کے منافی ہے اور چاہے محرمیت ابتداءً ہو چاہے انتہاءً ہو، یہ نکاح کے منافی ہے۔ ابتداءً محرمیت جیسے ابھی میں نے ذکر کیا بہن ہے، بیٹی ہے، ماں ہے، اب ان کے ساتھ ابتداءً ہی محرمیت ہے، کوئی نکاح کرنا بھی چاہتا ہے نکاح ہو ہی نہیں سکتا بھائی کیونکہ محرمیت کیا ہے؟ نکاح کے منافی ہے۔ اور تو محرمیت جیسے ابتداءً نکاح کے منافی اسی طرح انتہاءً بھی نکاح کے منافی ہے۔ لہٰذا دو آدمی ہیں ان کی اولاد ہے، ایک کا بیٹا ایک کی بیٹی اور وہ صغیر ہیں مثلاً چھوٹے ہیں اور ایک ایک سال کے ہی ہیں فرض کرو، اور وہ دونوں آپس میں رضامند ہو جاتے ہیں، ان کا آپس میں نکاح کروا دیتے ہیں ان کے والد بھائی دونوں کے۔ تو اب دونوں کا نکاح کروایا تو یہ ولی ہیں اور ولی کو نکاح کروانے کا حق حاصل ہے، تو ان کا نکاح ہو گیا بھائی، ان کا نکاح کیا ہوا؟ ہو گیا، ہاں ان کو آخر میں اختیار ملے گا جب یہ بالغ ہوں، جس مجلس میں ان کو نکاح کا پتہ چلے اسی میں کیا کر سکتے ہیں؟ رد کرنا چاہیں تو رد کر سکتے ہیں۔

تو بہر حال یہ نکاح منعقد ہوا، اگر یہ جو دو چھوٹے بچے ہیں ان کا نکاح منعقد ہوا، لیکن اگر کوئی عورت ان دونوں کو دودھ پلا دے اور مدتِ رضاعت کے اندر بھائی، تو دودھ جب عورت نے دونوں کو پلایا تو یہ دونوں کیا ہوئے؟ اس کی اولاد کی طرح ہو گئے اور یہ آپس میں بہن بھائیوں کی طرح بن گئے کیونکہ ایک ہی ماں کی گویا اولاد ہو گئے، وہ ان کی ماں بن گئی اور یہ اس کے اس کی اولاد، تو یہ بہن بھائی کی طرح ہو گئے، تو ان کا تو محرمیت آ گئی اور وہ نکاح کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا۔ تو دیکھیے یہاں محرمیت ابتداءً نہیں تھی، جب نکاح کیا اس وقت محرم نہیں تھے لیکن اب کیا بن چکے؟ ایک دوسرے کے محرم، اور محرمیت جیسے ہی آئی نکاح ختم ہو گیا کیونکہ محرمیت نکاح کے منافی ہے۔ تو محرمیت جیسے ابتداءً نکاح کے منافی ہے اسی طرح انتہاءً بھی منافی ہے۔ تو یہ تیمم اور کفر بھی اسی طرح ہے، کفر تیمم کے منافی ہے ابتداءً بھی اور انتہاءً بھی۔ تو امام زفر رحمہ اللہ نے گویا اس کو قیاس کیا کس پر؟ محرمیت پر۔

وَلَنَا أَنَّ الْبَاقِيَ بَعْدَ التَّيَمُّمِ صِفَةُ كَوْنِهِ طَاهِرًا فَاعْتِرَاضُ الْكُفْرِ عَلَيْهِ لَا يُنَافِيهِ ہم دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ کفر آیا ہے درمیان میں لیکن یہ کفر تیمم پر نہیں آیا بلکہ تیمم تو گزر چکا، تیمم تو اس شخص نے حالتِ اسلام میں کیا تھا، اب صرف اس شخص کے پاک ہونے کی صفت باقی ہے، یعنی تیمم نے اس کو طہارت کا فائدہ دیا تھا، اس کے لیے مٹی مطہر بنی تھی، مٹی کیا بنی تھی؟ مطہر بنی تھی۔ تو تیمم تو گزر چکا ہے صرف اس متیمم کے پاک ہونے کی، طہارت کی صفت باقی ہے۔ تیمم تو اس وقت نہیں ہے، اور اس پاک ہونے کی صفت میں کیا آیا؟ کفر آیا، تو اس پر کفر سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ صفت اسی طرح ہے، پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کا تیمم اسی طرح ہے یعنی وہ پاکی کی حالت میں ہے اور نماز پڑھنا چاہے تو اسی تیمم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے بھائی، دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَلَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ **أَنَّ الْبَاقِيَ بَعْدَ التَّيَمُّمِ** کہ وہ چیز جو باقی ہے تیمم کے بعد **صِفَةُ كَوْنِهِ طَاهِرًا** وہ اس متیمم کے پاک ہونے کی صفت ہے، **فَاعْتِرَاضُ الْكُفْرِ عَلَيْهِ لَا يُنَافِيهِ** تو کفر کا پیش آنا، اعتراض کا کیا معنی؟ پیش آنا۔ **فَاعْتِرَاضُ الْكُفْرِ عَلَيْهِ لَا يُنَافِيهِ** تو کفر کا اس حالت پر پیش آنا لَا **يُنَافِيهِ** یہ اس کے منافی نہیں ہے۔ اب اس حالت میں کفر آ بھی جائے تو صرف پاک ہونے کی صفت ہے، تو اس سے تو پاک ہونے پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا کفر کا۔ **كَمَا لَوِ اعْتَرَضَ عَلَى الْوُضُوءِ** جیسے کہ کفر پیش آ جائے وضو پر، جیسے کفر کس پر پیش آئے؟ وضو پر، تو جیسے وضو پر کفر پیش آئے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح یہاں پر بھی صرف

پاک ہونے کی صفت ہے، اس پر کفر پیش آیا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ **وَإِنَّمَا لَا يَصِحُّ مِنَ الْكَافِرِ ابْتِدَاءً** امام زفر رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ کفر تیمم کے منافی ہے جیسے ابتداءً ویسے ہی انتہاءً، ہم نے بتادیا انتہاءً تو کفر منافی نہیں، مسلمان تھا، تیمم کر لیا اور اس تیمم کی حالت میں کفر آیا، تو شروع میں کفر تھا؟ نہیں، ابتداءً نہیں تھا، ہاں انتہاءً کیا آیا؟ کفر، اور ہم نے بتادیا انتہاءً کفر تیمم کے منافی نہیں۔ اور باقی آپ نے ابتداءً کا کہا تھا وہ تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ ابتداءً کفر ہو تو کافر نیت نہیں کر سکتا حالانکہ نیت تو کیا تھی تیمم کے اندر؟ شرط، تو ابتداءً کفر تیمم کے اس لیے منافی ہے کیونکہ کافر کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں اور نیت تو تیمم میں شرط ہے بھائی، یہی بات ذکر کر رہے ہیں: **وَإِنَّمَا لَا يَصِحُّ مِنَ الْكَافِرِ ابْتِدَاءً** اور تیمم جو ہے وہ صحیح نہیں ہے کافر سے ابتداءً **لِعَدَمِ النِّيَّةِ مِنْهُ** بوجہ اس کی طرف سے نیت نہ ہونے کے، کیونکہ اس کی نیت کا اعتبار نہیں، وہ نیت کا اہل ہی نہیں ہے۔

وَيَنْقُضُ التَّيَمُّمَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ اور توڑ دیتی ہے تیمم کو، **التَّيَمُّمَ** یہ مفعول ہے، **كُلُّ شَيْءٍ** یہ فاعل ہے **يَنْقُضُ** کے لیے، اور توڑ دیتی ہے تیمم کو **كُلُّ شَيْءٍ** ہر وہ چیز، دیکھیے **شَيْءٌ** نکرہ آیا اس کے بعد **يَنْقُضُ** فعل آیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، تو توڑ دیتی ہے تیمم کو ہر ایسی چیز **يَنْقُضُ الْوُضُوءَ** جو وضو کو توڑ دے، **لِأَنَّهُ خَلَفٌ عَنْهُ** اس لیے کیونکہ تیمم جو ہے وضو کا خلیفہ ہے، وضو کا نائب ہے، **فَأَخَذَ حُكْمَهُ** تو اس نے وضو ہی کا حکم لے لیا۔ تیمم خلیفہ ہے اور نائب ہے وضو کا تو اس نے وضو والا ہی حکم لے لیا اور تو وضو جن چیزوں سے ٹوٹتا تھا ان سے تیمم بھی ٹوٹ جائے گا بھائی۔

وَيَنْقُضُهُ أَيْضًا رُؤْيَةُ الْمَاءِ إِذَا قَدَرَ عَلَى اسْتِعْمَالِهِ اور اسی طرح توڑ دیتا ہے تیمم کو **رُؤْيَةُ الْمَاءِ** پانی کا دیکھنا، پانی کو دیکھے تو یہ پانی کا دیکھنا بھی تیمم کو توڑ دے گا **إِذَا قَدَرَ عَلَى اسْتِعْمَالِهِ** جب وہ شخص اس پانی کے استعمال پر قادر بھی ہو۔ اگر قادر نہیں ہے، پانی تو پالیا، پانی تو مل گیا لیکن یہ اس کے استعمال پر قادر نہیں ہے تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے یہ شرط کیسے بڑھادی کہ جب وہ پانی کے استعمال پر قادر ہو؟ آپ نے کیا کہا؟ پانی کا دیکھنا تیمم کو کب توڑے گا؟ جب وہ پانی کے استعمال پر قادر ہو، تو جواب اس کا دے رہے ہیں صاحب ہدایہ، کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْقُدْرَةَ هِيَ الْمُرَادُ بِالْوُجُودِ الَّذِي هُوَ غَايَةُ لِطَهُورِيَّةِ التُّرَابِ** اس لیے کیونکہ قدرت ہی مراد ہے اس وجود سے جو غایت ہے مٹی کے طہوریت کے، مٹی کے مطہر ہونے کی جو غایت ہے اور انتہاء ہے۔ غایت کسے کہتے ہیں؟ حد کو، انتہاء کو۔ بھائی دیکھیے حدیث کے اندر کیا آیا تھا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مٹی مسلمان کے لیے مطہر ہے اگرچہ دس سال تک ہی کیوں نہ ہو، **مَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ** جب تک وہ پانی کو نہ پائے۔ تو جب تک پانی نہ ملے مٹی اس کے لیے مطہر ہے۔ معلوم ہوا جب پانی پالے گا، پانی مل جائے گا تو پھر مٹی مطہر نہیں بنے گی۔ تو اس حدیث میں غایت بیان کی گئی مٹی کے مطہر ہونے کی کہ مٹی مطہر رہے گی جب تک پانی نہ پائے، معلوم ہوا جب پانی کو پالے گا تو پھر مٹی مطہر نہ رہے گی، تو مٹی کے مطہر ہونے کی انتہاء کب ہوگی؟ جب پانی کو پالے گا یعنی جب پانی پایا جائے گا، پانی کا وجود آجائے گا بھائی، اور یہاں وجود سے مراد قدرت ہی ہے بھائی، کیا مراد ہے؟ جب پانی کو پالے گا یعنی اس کے استعمال پر قادر ہو جائے گا بھائی، تو قدرت مراد ہے وجود سے۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْقُدْرَةَ هِيَ الْمُرَادُ بِالْوُجُودِ الَّذِي هُوَ غَايَةُ لِطَهُورِيَّةِ التُّرَابِ** اس لیے کیونکہ قدرت ہی مراد ہے بالوجود الذی اس وجود سے جو غایت ہے، جو انتہاء ہے مٹی کے مطہر ہونے کی، حدیث میں مٹی کے مطہر ہونے کی انتہاء کیا بیان کی گئی؟ پانی کا وجود، اور پانی کے وجود سے قدرت ہی مراد ہے کہ آدمی کیا ہو؟ اس پانی کے استعمال پر قادر بھی ہو، اگر پانی پالے اور استعمال پر قادر ہی نہیں ہے تو پھر تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے بھائی۔

وَخَائِفُ السَّبُعِ وَالْعَدُوِّ وَالْعَطَشِ عَاجِزٌ حُكْمًا سبع کہتے ہیں درندے کو، اور درندے کا خوف کرنے والا، **وَالْعَدُوِّ** اور دشمن کا خوف کرنے والا، **وَالْعَطَشِ** اور پیاس کا خوف کرنے والا **عَاجِزٌ حُكْمًا** وہ حکماً عاجز ہے۔ بھائی ایک آدمی ہے وہ اس کے سامنے قریب ہی پانی موجود ہے لیکن اس کو خوف ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں گا تو وہاں میرا دشمن ہے وہ مجھے نقصان پہنچائے گا یا وہاں کوئی درندہ ہے وہ درندہ مجھے نقصان پہنچائے گا، یا سفر کے اندر ہے ایک آدمی اب پانی اس کے پاس موجود ہے اتنا پانی جس سے وہ وضو کر سکتا ہے لیکن اسے خوف ہے کہ یہاں میں جنگل میں ہوں مجھے قریب کہیں پانی نہیں ملے گا، اگر میں نے اس سے وضو کر لیا اس پانی سے تو پھر راستے میں پیاس مجھے لگے گی اور پیاس سے مجھے سخت تکلیف پہنچے گی تو اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔ اب اگرچہ یہ حقیقتاً پانی کے استعمال سے یہ لوگ عاجز نہیں، ایک شخص ہے پانی سامنے موجود ہے لیکن خوف کیا ہے؟ وہاں کون ہوگا؟ دشمن یا درندہ ہے، تو اب دیکھو حقیقتاً یہ پانی کے استعمال سے عاجز نہیں، پانی تو سامنے موجود ہے یہ جا کر اس کو استعمال کر سکتا ہے لیکن خوف ہے تو اس خوف کی وجہ سے، خوف اور اس ڈر کی وجہ سے اس کو حکماً عاجز قرار دیا ہے، اس کو کیا قرار دیا جائے گا؟ حکماً۔ یعنی حقیقتاً تو عاجز نہیں لیکن حکم لگا دیا گیا اس پر کہ یہ عاجز ہے، کیا حکم لگا دیا گیا؟ کہ یہ عاجز ہے، یہ معنی ہے کہ یہ عاجز ہے حکماً، حکم کے اعتبار سے عاجز ہے یعنی حقیقتاً نہیں، اور تو جب حکم لگا دیا گیا عاجز ہونے کا تو جب انسان عاجز ہو، پانی نہ ہو تو پانی سے عاجز ہو تو اس صورت میں کیا کر سکتا ہے؟ تیمم کر سکتا ہے، تو لہٰذا اس کو بھی تیمم کرنے کی اجازت ہوگی۔

وَالنَّائِمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ قَادِرٌ تَقْدِيرًا حَتَّى لَوْ مَرَّ النَّائِمُ الْمُتَيَمِّمُ عَلَى الْمَاءِ بَطَلَ تَيَمُّمُهُ عِنْدَهُ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سویا ہوا شخص، کوئی شخص سویا ہوا ہے اور سواری اس کی چل رہی ہے جنگل کے اندر بھائی، اور اس نے تیمم کر رکھا ہے اب یہ پانی اس کے پاس نہیں اس نے تیمم کر رکھا ہے اور یہ سواری پر سو گیا بیٹھے بیٹھے سو گیا کیونکہ اگر لیٹ کر سوئے گا پھر تو وضو جیسے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح تیمم بھی ٹوٹ جائے گا، تو یہ بیٹھے بیٹھے سو گیا اور اس نیند کی حالت میں اس کی سواری پانی کے پاس سے گزری، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا، اور اگرچہ حقیقتاً تو وہ پانی کے استعمال پر قادر نہیں

کیونکہ وہ تو سویا ہوا تھا اس بیچارے کو تو پتہ ہی نہیں چلا کہ پانی کے پاس سے میں گزرا ہوں، اگرچہ وہ قادر نہیں پانی کے استعمال پر حقیقتاً لیکن تقدیراً اس کو یوں شمار کیا جائے گا کہ وہ پانی کے استعمال پر قادر ہے۔ تقدیراً کا کیا معنی؟ یعنی فرض کر لیا گیا، کیا کر لیا جائے گا؟ فرض، ہاں وہ حقیقتاً تو پانی کے استعمال پر قادر نہیں لیکن فرض کر لیا جائے گا کہ یہ کیا ہے؟ پانی کے استعمال پر قادر ہے، اور جب یہ فرض کر لیا گیا کہ یہ پانی کے استعمال پر قادر ہے، جب پانی کے استعمال پر قادر ہے پھر تو تیمم کی اجازت نہیں ہوتی اور تیمم کیا ہو اور پانی کے استعمال پر قادر ہو جائے تو تیمم ٹوٹ جاتا ہے تو اس کا بھی تیمم ٹوٹ جائے گا بھائی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو قادر کیوں فرض کیا گیا پانی کے استعمال پر کہ یہ پانی کے استعمال پر قادر ہے؟ تو وجہ اس کی یہ کہ دراصل یہاں عذر اس کی اپنی ذات کی طرف سے آیا ہے، نیند اس کے، سویا یہ خود ہے تو عذر کس کی طرف سے آیا؟ پانی کا پتہ کیوں نہیں چلا؟ کیونکہ یہ سو گیا تھا، اور یہ سونے کا عذر کس کی طرف سے آیا؟ اس کی اپنی ذات کی طرف سے آیا ہے، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ دراصل یہاں کوتاہی اس کی اپنی طرف سے آئی ہے، اس کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے وہ نیند کے عالم میں پانی کے پاس سے گزر گیا تو یہ عذر جو آیا یہ کس کی وجہ سے آیا، کس کی طرف سے آیا؟ اس شخص کی طرف سے آیا، تو یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے اور اپنی کوتاہی کی وجہ سے کسی کو عاجز قرار نہیں دیا جا سکتا بھائی۔ جیسے آپ پڑھ چکے ایک شخص نماز کو مؤخر کرتا چلا گیا، اب آخری دس منٹ رہ گئے، اب ان دس منٹوں کے اندر اگر وہ دیکھتا ہے پانی کچھ فاصلے پر موجود ہے اب اگر میں وضو کروں گا پانی کے پاس جاؤں گا وضو کر کے آؤں گا تو یہ دس منٹ بھی گزر جائیں گے اور میری نماز فوت ہو جائے گی تو پھر بھی شریعت کا حکم کیا ہے؟ اسے کیا کرنا پڑے گا؟ وضو ہی کرنا پڑے گا، وہ تیمم نہیں کر سکتا کیونکہ کوتاہی اس کی اپنی طرف سے آئی ہے تو اپنی کوتاہی کی وجہ سے کسی کو عاجز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تو یہاں پر بھی کوتاہی اس شخص کی اپنی طرف سے آئی ہے لہٰذا اس عذر کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس کو قادر ہی سمجھا جائے گا تو یہ قادر ہوا تقدیراً، یعنی فرض کر لیا گیا کہ یہ کیا ہے؟ قادر ہے، اور اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَالنَّائِمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ قَادِرٌ تَقْدِيرًا اور سویا ہوا شخص جو ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ قادر ہے تقدیراً، **حَتَّى لَوْ مَرَّ النَّائِمُ الْمُتَيَمِّمُ عَلَى الْمَاءِ بَطَلَ تَيَمُّمُهُ عِنْدَهُ** یہاں تک کہ اگر گزرا سویا ہوا تیمم کرنے والا، یعنی تیمم کیے ہوا جس نے تھا اور وہ گزرا ہے پانی پر، تو اس کا تیمم باطل ہو جائے گا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔

وَالْمُرَادُ مَا يَكْفِي لِلْوُضُوءِ اور مراد یہ ہے وہ پانی وہ مقدار پانی کی جو وضو کے لیے کافی ہو۔ بھائی متن کے اندر بھی آیا کہ کوئی شخص اگر پانی کو دیکھ لے تو اس پانی اور اس کے استعمال پر قادر بھی ہو تو پانی کا دیکھنا اس کے تیمم کو توڑ دے گا، تیمم اس کا ختم ہو جائے گا۔ صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں بھائی مراد پانی کی وہ مقدار ہے جو وضو کے لیے کافی ہو، جس سے وضو ہو سکے بھائی۔ کم از کم اتنی مقدار پانی کی ہو اس کو دیکھے گا تو اور اس کے استعمال پر قادر ہے تو پھر اس کا تیمم ٹوٹے گا، اس لیے کیونکہ اس سے اگر اتنا پانی کم ہے اس سے وضو کر ہی نہیں سکتا تو اس کا تو ابتداءً بھی اعتبار نہیں تھا تو انتہاءً بھی اعتبار نہیں ہو گا۔ ابتداءً بھائی، ایک آدمی ہے اس کے پاس کچھ پانی موجود ہے لیکن اتنا نہیں ہے کہ جس سے وضو کے فرائض پورے کر سکے، تو اس پانی کا اعتبار ہے یا اس کو تیمم کی اجازت ہو گی شریعت کی جانب سے؟ اجازت ہو گی اس کی طرف سے، تو دیکھو ابتداءً بھی پانی کم ہے وضو سے اس کا اس کو عدم شمار کیا جاتا ہے کہ گویا اس کے پاس پانی ہے ہی نہیں، تو ابتداءً جیسے تھوڑی مقدار اس کا کوئی اعتبار نہیں انتہاءً جو تھوڑی مقدار ہو پانی کی اس کا کوئی اعتبار نہیں، انتہاءً یعنی پہلے سے تیمم کیا ہوا ہے اب پانی اس کو ملا اور کتنا ملا ہے؟ وضو سے کم ہے، وضو نہیں ہو سکتا، تو ابتداءً جیسے اس کم مقدار کا اعتبار نہیں تھا انتہاءً بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اس پانی کو اگر وہ دیکھ بھی لے اور اس کے استعمال پر قادر ہو پھر بھی اس کے تیمم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اس کا تیمم اپنے حال پر باقی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْمُرَادُ مَا يَكْفِي لِلْوُضُوءِ** اور مراد وہ پانی ہے جو کافی ہو وضو کے لیے، **لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِمَا دُونَهُ ابْتِدَاءً فَكَذَا انْتِهَاءً** اس لیے کیونکہ کوئی اعتبار نہیں ہے اس پانی کا جو اس سے کم ہو یعنی جو وضو کے لیے کافی نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے ابتداءً، **فَكَذَا انْتِهَاءً** تو اسی طرح انتہاءً بھی اس کم مقدار کا کوئی اعتبار نہیں ہے بھائی۔ یہاں ایک قیمتی بات یاد رکھیے بھائی، ایک شخص نے تیمم کیا ہے اور اس کو پانی ملا تو آپ فوراً ہی یہ حکم نہ لگا دیں کہ اس کا تیمم باطل ہو گیا بلکہ یہ دیکھیں گے کہ اس نے تیمم کون سا کیا ہوا ہے، اگر اس نے وضو کا تیمم کر رکھا ہے تو پھر اس صورت میں اتنا پانی مل جائے جس سے وضو کر سکے تو تب اس کا تیمم باطل ہو گا، اور اگر کسی شخص نے تیمم غسل کا کیا ہے تو پھر اتنا پانی مل جائے جس سے وہ غسل کر سکے تب اس کا وہ تیمم غسل والا باطل ہو گا، مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور وضو اور غسل کے لیے اتنا پانی ہے جس سے وضو کر سکتا ہے یا غسل کر سکتا ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ خوب پانی ہو جیسے آپ لوگ وضو کرتے ہیں خوب پانی لگاتے ہیں بلکہ اتنی پانی کی مقدار جس سے فرائض پورے ہو جائیں یعنی ایک مرتبہ چہرے کو دھولے، ایک مرتبہ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولے اور ایک مرتبہ دونوں پاؤں دھولے، بس اتنا تھوڑی سی مقدار پانی کی ہے جس سے یہ چیزیں ایک ایک دفعہ آرام سے ہو سکتی ہیں تو پھر ہم کہیں گے یہ وضو کے بقدر پانی مل گیا۔ اسی طرح غسل کے لیے بھی بہت زیادہ پانی نہیں بلکہ اتنی مقدار جس سے کیا کر سکے؟ جس سے غسل کے سارے فرائض ایک مرتبہ پورے ہو جائیں تو بس یہ کہیں گے کہ غسل کے لیے یہ پانی کافی ہے اور اس کا تیمم باطل ہوا۔

وَلَا يَتَيَمَّمُ إِلَّا بِصَعِيدٍ طَاهِرٍ اور وہ تیمم اور تیمم نہیں کرے گا مگر پاک مٹی سے، اور تیمم نہ کرے مگر پاک مٹی سے، **لِأَنَّ الطَّيِّبَ أُرِيدَ بِهِ الطَّاهِرُ** جی دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ بھائی، متن میں کیا آیا کہ تیمم نہ کرے مگر کس کے ساتھ؟ پاک مٹی سے، یہ مٹی کے ساتھ پاک ہونے کی قید بڑھا دی کیوں؟ اس کی وجہ

کیا ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الطَّيِّبَ أُرِيدَ بِهِ الطَّاهِرُ** اس لیے کیونکہ جو طیب کا لفظ آیا آیت کے اندر: **فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا** تم تیمم کرو پاک مٹی سے، تو یہاں طیب سے کیا مراد ہے؟ پاک ہے، **لِأَنَّ الطَّيِّبَ أُرِيدَ بِهِ الطَّاهِرُ** اس لیے کیونکہ طیب کا جو لفظ آیا اس سے مراد طاہر ہے، طاہر کا پاک کا ارادہ کیا گیا ہے۔ **وَلِأَنَّهُ** یہاں سے دوسری عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی، کہتے ہیں **وَلِأَنَّهُ** تو پہلی دلیل کیا ذکر کر دی؟ نقلی، کہ آیت میں طیب کا لفظ آیا ہے بھائی اس لیے طیب ہونا یعنی پاک ہونا ضروری، دوسری عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مٹی جو ہے یہاں تیمم کے اندر وہ آلۂ تطہیر ہے، مٹی سے پاکی حاصل کر رہا ہے وہ، تو جب اس سے پاکی حاصل کر رہا ہے وہ آلۂ تطہیر ہے تو آلۂ تطہیر کا پاک خود پاک ہونا ضروری ہے پھر ہی اس کو پاکی کا فائدہ دے گی، جیسے وضو کے اندر آلۂ تطہیر پانی ہے تو پانی خود پاک ہو گا تو اس دوسرے کا اس سے وضو ہو جائے گا اور اگر پانی ہی پاک نہیں ہے تو اس سے وضو حاصل وضو بھی نہیں ہو گا، پاکی حاصل نہیں ہو گی۔

کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ آلَةُ التَّطْهِيرِ** اور اس لیے کیونکہ مٹی جو ہے وہ آلۂ تطہیر ہے، **فَلَا بُدَّ مِنْ طَهَارَتِهِ فِي نَفْسِهِ** تو لہٰذا اس مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے فی ذاتہ اس کی اپنی ذات کے اعتبار سے، یعنی مٹی اپنی ذات کے اعتبار سے پاک ہونی چاہیے **كَالْمَاءِ** جیسے کہ پانی ہے وضو کے اندر بھائی۔

وَيُسْتَحَبُّ لِعَادِمِ الْمَاءِ وَهُوَ يَرْجُوهُ أَنْ يُؤَخِّرَ الصَّلَاةَ إِلَى آخِرِ الْوَقْتِ بتلا رہے ہیں یہاں سے یہ مسئلہ کہ ایک شخص ہے اس کے پاس پانی نہیں ہے اور لیکن اس کا گمان ہے، غالب گمان ہے کہ آخرِ وقت میں مجھے پانی مل جائے گا۔ مثلاً ظہر کا وقت شروع ہوا اور اس وقت اس مسافر کے پاس پانی موجود نہیں لیکن اس کو امید ہے کہ اگر میں نماز کو مؤخر کر دوں یعنی ظہر کے آخری وقت میں جا کر پڑھوں تو اس وقت تک مجھے کہیں نہ کہیں سے پانی مل جائے گا، تو اس شخص کے لیے مستحب یہ ہے کہ نماز کو مؤخر کر دے۔ لازمی نہیں ہے، اگر اس وقت بھی وہ تیمم کر کے نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ کیا کرے؟ نماز کو مؤخر کر دے تاکہ اگر آخر میں پانی مل جائے تو پھر وضو کر کے نماز پڑھ لے اور اگر اس وقت بھی پانی نہ ملا تو پھر کیا کر لے؟ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

کہتے ہیں: **وَيُسْتَحَبُّ لِعَادِمِ الْمَاءِ وَهُوَ يَرْجُوهُ أَنْ يُؤَخِّرَ الصَّلَاةَ إِلَى آخِرِ الْوَقْتِ** اور مستحب ہے پانی کو نہ پانے والے کے لیے **وَهُوَ يَرْجُوهُ** اس حال میں کہ اس کو پانی کی امید ہے، اس کا غالب گمان ہے کہ پانی مجھے آخر وقت میں مل جائے گا۔ تو مستحب ہے اس دوبارہ عبارت پہ نظر رکھنا بھائی، اور مستحب ہے اس شخص کے لیے جو پانی کو جو جس کے پاس پانی موجود نہیں اس حال میں کہ اس کو پانی کی امید ہے، کیا مستحب ہے؟ یہ فاعل **يُسْتَحَبُّ** کا آگے آرہا نائب الفاعل آگے آرہا ہے، یہ مستحب کیا ہے؟ **أَنْ يُؤَخِّرَ الصَّلَاةَ إِلَى آخِرِ الْوَقْتِ** نماز کو آخر وقت تک کہ وہ آخر وقت تک نماز کو مؤخر کر دے، **فَإِنْ وَجَدَ الْمَاءَ يَتَوَضَّأُ وَإِلَّا تَيَمَّمَ وَصَلَّى** پس اگر وہ پانی کو پالے اس آخر وقت میں تو وضو کر لے، ورنہ **وَإِلَّا** اور اگر ایسا نہ ہو، **وَإِلَّا** یاد رکھیے بھائی عبارت کی یہ بات، یہ **إِلَّا** یہ حرفِ استثناء نہیں ہے، یہ **إِلَّا** دراصل کیا ہے؟ **وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ**، اصل میں ہے **إِنْ** اور لَا، **إِنْ** اور لَا، پھر نون کو بھی لام کر کے لام میں اس کا ادغام کر دیا گیا تو کیا بن گیا؟ **إِلَّا**، تو یہ وہ **إِلَّا** استثناء والا نہیں ہے یہ بلکہ **إِلَّا** ہے **أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ** اور اگر ایسا نہ ہو یعنی پانی نہ ملے **تَيَمَّمَ وَصَلَّى** تیمم کر لے اور نماز پڑھ لے۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کہیں پر **إِلَّا** آیا وہ استثناء والا **إِلَّا** ہے یا کہیں پر **إِلَّا** آیا وہ **إِنْ** اور لَا سے مرکب ہے؟ تو یاد رکھیے اگر **إِلَّا** سے پہلے واو آجائے جیسے یہاں پر ہے **وَإِلَّا**، تو یہ واو اگر **إِلَّا** سے پہلے آئے تو سمجھ جائیے کہ یہ وہ استثناء والا **إِلَّا** نہیں ہے بلکہ **إِنْ** اور لَا سے مرکب ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ **إِنْ** لَا نون کو لام کر کے لام میں ادغام کیوں کیا گیا؟ **يَرْمُلُونَ** کا قاعدہ آپ نے صرف میں پڑھا ہے، یہ جگہ جگہ ہر سطر میں یہ ضابطہ تقریباً لگے گا جگہ جگہ کہ حروفِ یرملون والا، حروفِ یرملون کا کیا ضابطہ ہے؟ کہ نونِ ساکن اگر آجائے حروفِ یرملون سے پہلے یعنی یَا، رَا، مِیم، لَام، وَاو، نُون ان حروف سے پہلے اگر نونِ ساکن آجائے تو اس نونِ ساکن کو یہ جو آگے حرف آرہا ہے اس کی جنس سے بدل دیں گے، یعنی وہی حرف اس سے بھی بنا دیں گے اور پھر اس کا اس میں ادغام کر دیں گے۔ کیا کر دیں گے؟ ادغام، تو یہاں دیکھیے **إِنْ** لَا **وَإِنْ** لَا نون ساکن آیا **إِنْ** اور آگے لَا لام آیا بھائی اور لام بھی کس میں سے ہے؟ حروفِ یرملون، **يَرْمُلُونَ** اس میں لام ہے یا نہیں بھائی؟ یَا، رَا، مِیم، لَام، لام اس میں آرہا ہے، تو لام سے پہلے نونِ ساکن آیا تو اس نون کو بھی لام کر کے کیا کر دیا گیا؟ لام میں ادغام کر دیا گیا تو کیا بن گیا؟ **إِلَّا** بن گیا بھائی، تو یہ یرملون والا ضابطہ یہ ہر وقت آپ کے ذہن میں ہو عبارت پڑھتے ہوئے جگہ جگہ بلکہ تقریباً ہر سطر یا دوسری سطر میں یہ ضابطہ لگتا چلا جاتا ہے۔

تو اگر ایسا نہ ہو یعنی پانی نہ ملے: **تَيَمَّمَ وَصَلَّى** تیمم کر لے اور نماز پڑھ لے، **لِيَقَعَ الْأَدَاءُ بِأَكْمَلِ الطَّهَارَتَيْنِ** تاکہ اس کی جو ادا ہے یعنی جو اس نے نماز ادا کی ہے تو وہ جو ادا ہے وہ دو طہارتوں میں سے جو زیادہ کامل ہے اس کے ساتھ ادا ہو جائے، اس کے ساتھ واقع ہو جائے۔ بھائی دیکھیے تیمم بھی کامل طہارت اور وضو بھی کامل طہارت لیکن وضو زیادہ کامل طہارت ہے، تیمم بھی کامل طہارت لیکن وضو زیادہ کامل طہارت ہے، تو لہٰذا اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ نماز ادا کرنا چاہتا ہے تو تاکہ زیادہ کامل طہارت کے ساتھ نماز ادا ہو جائے اس لیے اس کے لیے مستحب ہے۔

مستحب ہے نماز کو مؤخر کرنا۔ یہ معنی ہے **لِيَقَعَ الْأَدَاءُ بِأَكْمَلِ الطَّهَارَتَيْنِ** تاکہ ادا واقع ہو دو طہارتوں میں سے زیادہ کامل کے ساتھ۔ **فَصَارَ كَالطَّامِعِ فِي الْجَمَاعَةِ** تو ہو گیا یہ شخص اس شخص کی طرح **الطَّامِعِ فِي الْجَمَاعَةِ** جو امید رکھنے والا ہے جماعت کی، جو جماعت میں یعنی جماعت کی امید رکھنے والا ہے۔

سمجھ میں آیا؟ بھئی ایک آدمی ہے اور نماز کا وقت ہو گیا اور وہ نماز پڑھنا چاہتا ہے لیکن اس کو امید ہے اگر میں نماز کو تھوڑا سا مؤخر کر دوں تو پھر مجھے جماعت مل جائے گی بھئی، میرے کچھ ساتھی وغیرہ آجائیں گے تو ہم جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں گے۔ تو اس شخص کو جس کو جماعت کی امید ہے اس کے لیے بھی مستحب کیا ہے کہ نماز کو

مؤخر کردے۔ تو یہ تیمم والا جو اوپر جو متن میں ذکر ہوا جس کو پانی نہیں مل رہا تو یہ بھی، یہ شخص بھی اسی جماعت میں امید کرنے والے کی طرح ہوا اور جیسے اس کے لیے مؤخر کرنا مستحب تھا اسی طرح اس کے لیے بھی مؤخر کرنا مستحب ہے۔ یہ معنی ہے **فَصَارَ كَالطَّامِعِ فِي الْجَمَاعَةِ** تو یہ تیمم کرنے والا ہو گیا اس شخص کی طرح جو امید رکھنے والا ہے جماعت کی۔

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ فِي غَيْرِ رِوَايَةِ الْأُصُولِ أَنَّ التَّأْخِيرَ حَتْمٌ، جب کہ ایک روایت شیخین رحمہما اللہ سے وہ یہ ہے جو **فِي غَيْرِ رِوَايَةِ الْأُصُولِ** جو کس میں ہے؟ اصول کے روایتوں کے علاوہ میں ہے۔

بھئی یہ بات میں پہلے ذکر کر چکا کہ احناف کی جو کتابیں ہیں وہ دو قسم کی، امام محمد رحمہ اللہ نے جو مسائل ذکر فرمائے بھئی وہ دو قسم کے ہیں، کچھ کو ظاہرِ روایت کہتے ہیں اور کچھ کو نوادر کہتے ہیں۔ ظاہرِ روایت وہ چھ کتابیں ہیں: مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر، جامعِ کبیر اور جامعِ صغیر۔ یہ چھ کتابیں ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں، کوئی آپ سے پوچھ لے کہ ظاہرِ روایت کسے کہتے ہیں تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ ان چھ کتابوں کے اندر جو مسئلہ آجائے اسے کیا کہتے ہیں؟ ظاہرِ روایت۔ اور اس کے علاوہ کسی اور کتاب میں امام محمد رحمہ اللہ کی کسی اور کتاب میں مسئلہ آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ روایتِ نوادر، کہ نوادر میں یہ مسئلہ آیا یوں آیا ہے، یہ نوادر کی روایت ہے بھئی۔

تو یہ چھ کتابیں چونکہ تواتر کے ساتھ منقول ہیں لہٰذا ان کا رتبہ باقی کتابوں سے بڑھ کر ہے اور یہ بڑی قوی کتابیں ہیں کیونکہ تواتر کے ساتھ منقول ہوئی ہیں، جب کہ باقی کتابیں جو ہیں وہ تواتر کے درجے کو نہیں پہنچیں، اتنی کثرت سے، اتنے کثیر اس کے نقل کرنے والے نہیں ہیں تو لہٰذا ان میں وہ قوت نہیں، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ نوادر۔ پھر یاد رکھیے یہ نوادر جو ہیں یہ کئی قسم کی ہیں بھئی، لیکن ہیں سب نوادر۔ بعض کو ہارونیات کہتے ہیں، بعض کو جرجانیات کہتے ہیں، بعض کو کیسانیات کہتے ہیں، بعض کو رقیات وغیرہ کہتے ہیں، کئی نام ہیں۔ اور یہ نام ان کو جو امام محمد رحمہ اللہ کی کتابیں ہیں تو ان کو جو نقل کرنے والے ہیں، جو امام محمد رحمہ اللہ کے جو شاگرد ان سے روایت کرتے ہیں اور نقل کرتے ہیں، ان کے اعتبار سے ان کے نام رکھے گئے اور بعض اوقات جس مقام پر امام محمد رحمہ اللہ نے تصنیف فرمائی تھی اس کے اعتبار سے ان کا نام رکھا گیا، جیسے رقیات بھئی۔ تو یہ وہ کتابیں جو رقہ مقام پر امام محمد رحمہ اللہ نے تصنیف فرمائیں، رقہ مقام پر، تو یہ کیا کہلاتی ہیں؟ رقیات کہلاتی ہیں۔ اور باقی جرجانیات، کیسانیات، ہارونیات وغیرہ یہ ان کے وہ تلامذہ جو ہیں ان کے ناموں کی طرف نسبت ہے بھئی۔ جرجانیات جو ان کے شاگرد جرجانی ہیں وہ روایت کرنے والے، ہارونیات جو ان کے شاگرد ہارون روایت کرنے والے وغیرہ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن ہے بہر حال یہ سب نوادر۔ تو بس دو نام تو آپ کے ہر وقت ذہن میں ہونے چاہییں، ایک کہ ظاہرِ روایت کسے کہتے ہیں اور نوادر کسے کہتے ہیں، یہ آپ کو پتہ ہونا چاہیے بھئی۔

تو یہاں پر ذکر کر رہے ہیں کہ شیخین رحمہما اللہ سے ایک روایت آئی ہے جو اصول کی روایتوں کے علاوہ ہے یعنی اصول میں وہ روایت نہیں، یعنی ظاہر روایت وہ نہیں، اصول کے علاوہ میں ہے یعنی نوادر وغیرہ کی روایت ہے **أَنَّ التَّأْخِيرَ حَتْمٌ** کہ تاخیر وہ حتمی ہے یعنی لازمی ہے، قطعی ہے۔ بھئی متن میں تو کیا آیا کہ جس کو پانی نہیں ملا، اس وقت پانی نہیں ہے اور آخر میں پانی ملنے کی امید ہے تو نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے، یہ معلوم ہوا لازم نہیں۔ لیکن غیر اصول کی روایت میں کیا آیا ہے کہ مؤخر کرنا **أَنَّ التَّأْخِيرَ حَتْمٌ** مؤخر کرنا لازمی ہے، یہ اگر اس وقت پڑھے گا تو نماز ہو گی نہیں اس کی بلکہ اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ نماز کو مؤخر کرنا پڑے گا۔ کہتے ہیں: **لِأَنَّ غَالِبَ الرَّأْيِ كَالْمُتَحَقَّقِ** اس لیے کیونکہ غالب رائے یعنی غالب گمان بھی جو ہے **كَالْمُتَحَقَّقِ** وہ ثابت شدہ چیز کی طرح ہوتا ہے، کس کی طرح؟ اور آپ مجھے بتائیے، جب پانی آپ کے پاس موجود ہے، ثابت شدہ ہے، آپ کے پاس ثابت ہے، موجود ہے تو تیمم کی اجازت ہو گی؟ تیمم کی اجازت نہیں۔ تو اسی طرح یہاں بھی اس کو غالب گمان ہے کہ پانی مجھے مل جائے گا، یقین تو نہیں لیکن غالب گمان ہے، لیکن غالب گمان بھی کس کی طرح ہے؟ یقینی چیز کی طرح ہی ہے اور تو گویا کہ پانی یقیناً اس کو مل جائے گا ثابت شدہ چیز کی طرح ہے، اور لہٰذا اس وجہ سے اس کو تیمم کرنے کی اجازت نہیں ہو گی بھئی۔

لیکن یہ میں نے بتلایا صاحبِ ہدایہ نے بتلایا کون سی روایت ہے؟ اصول کے علاوہ روایت ہے بھئی، نوادر کی روایت ہے۔ **وَوَجْهُ الظَّاهِرِ** اور ظاہر کی وجہ یعنی ظاہر روایت کی وجہ، متن میں جو آیا تھا وہ تھا ظاہر روایت، اس کے مطابق مؤخر کرنا مستحب ہے لازم نہیں، تو ظاہرِ روایت کی وجہ کیا ہے؟ مستحب کیوں ہے؟ کہتے ہیں: **أَنَّ الْعَجْزَ ثَابِتٌ حَقِيقَةً** کہ عجز اس وقت حقیقتاً ثابت ہے۔ بھئی ایک آدمی ہے اس کے پاس پانی نہیں ہے، اس کو امید ہے غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں پانی مل جائے گا لیکن اس وقت تو پانی نہیں، اس وقت تو وہ پانی سے عاجز ہے پانی کے استعمال سے، اور جب انسان حقیقتاً پانی کے استعمال سے عاجز ہو تو شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ تیمم۔ تو یہاں بھی وہ حقیقتاً اس وقت عاجز ہے لہٰذا اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہو گا کیونکہ شریعت ایسی صورت میں تیمم کی اجازت دیتی ہے۔

تو ظاہرِ روایت کی وجہ یہ ہے **أَنَّ الْعَجْزَ ثَابِتٌ حَقِيقَةً** کہ عجز جو ہے وہ حقیقتاً ثابت ہے **فَلَا يَزُولُ حُكْمُهُ إِلَّا بِيَقِينٍ مِثْلِهِ** لہٰذا اس عجز کا حکم وہ زائل نہیں ہو گا، ختم نہیں ہو گا **إِلَّا بِيَقِينٍ مِثْلِهِ** مگر اسی کے مثل یقین سے۔ بھئی فقہ کا اسلام کا معروف ضابطہ آپ جانتے ہیں: **اَلْيَقِينُ لَا يَزُولُ إِلَّا بِالْيَقِينِ**، یقین صرف یقین ہی سے زائل ہوتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یقین صرف یقین ہی سے زائل ہوتا ہے۔ تو آخر وقت میں پانی کے ملنے کا غالب گمان ہے یا یقین ہے کہ ضرور مل جائے گا؟ غالب گمان ہے۔ تو اس وقت عجز حقیقتاً ثابت ہے اور عجز کی صورت میں کیا حکم آتا ہے؟ تیمم کا حکم آتا ہے۔ تو یہ اس وقت عجز حقیقتاً ثابت ہے اور یہ عجز یقینی ہے، اس وقت جو عجز ہے وہ کس قسم کا ہے؟ وہ یقینی ہے۔ تو آخر میں اگر پانی کا ملنا یقینی ہو گا تو وہ اس یقین کو باطل کرے گا، اگر وہ یقینی نہیں صرف غالب گمان ہے تو وہ اس یقین کو باطل نہیں

کرے گا، لہٰذا اس لیے اس کے لیے مؤخر کرنا لازم نہیں۔ اگر پانی کا آخر میں ملنا یقینی ہوتا تو وہ یقین کیا کرتا؟ اس یقین کو باطل کر دیتا، کس یقین کو؟ کہ پانی نہیں ہے تیمم کر لو، اس عجز کو کیا کر دیتا وہ؟ باطل، اور جب عجز باطل ہوتا تو پھر اس صورت میں ہم بھی کہتے کہ اس کے لیے لازمی ہے، کیا کرے؟ نماز کو مؤخر کرے۔ لیکن یہاں پر اس وقت تو عجز تو یقینی ہے لیکن آگے پانی کا ملنا یقینی نہیں ہے بھئی۔ یہ معنی ہے **فَلَا يَزُولُ حُكْمُهُ إِلَّا بِيَقِينٍ مِثْلِهِ** لہٰذا عجز کا حکم جو ہے وہ زائل نہیں ہو گا یعنی ختم نہیں ہو گا مگر اسی کے مثل یقین سے۔

وَيُصَلِّي بِتَيَمُّمِهِ مَا شَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ، بھئی یاد رکھیے ہمارے نزدیک تیمم طہارتِ مطلقہ ہے، لہٰذا جس طرح ایک آدمی وضو کرتا ہے اور جب تک اس کا وضو رہتا ہے وہ اس سے جتنے چاہے جتنی چاہے نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ ظہر کو وضو کیا ہے اور یہ وضو اس کا عشاء تک رہتا ہے تو ساری نمازیں اسی وضو سے پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح تیمم بھی طہارتِ مطلقہ ہے ہمارے نزدیک، تو یہ تیمم کے ذریعے بھی جتنے فرائض اور نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تیمم طہارتِ ضروریہ ہے، اس کی اجازت شریعت نے ضرورت کی بنا پر دی ہے۔ ایک آدمی ہے اور مثلاً اس کے پاس پانی نہیں ہے، نماز کا وقت آ گیا، اب ضرورت ہے نماز پڑھنے کی کیونکہ شریعت نے اس پر لازم کی ہے نماز، تو اب ضرورت ہے اور پانی نہیں ہے، تو اس ضرورت کی وجہ سے شریعت نے اس کو کیا اجازت دے دی ہے کہ تیمم کر لو اور نماز پڑھ لو۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیمم طہارتِ مطلقہ نہیں بلکہ طہارتِ ضروریہ ہے، ضرورت کی وجہ سے اس کی اجازت دی گئی ہے، اور جب یہ تیمم کر لے گا اور وہ فرض پڑھ لے گا تو ضرورت پوری ہو گئی، لہٰذا اگلے فرضوں کو اسی تیمم سے وہ نہیں پڑھ سکتا، اس کے لیے علیحدہ تیمم کرنا پڑے گا کیونکہ وہ الگ ضرورت ہے، یہاں اس وقت ضرورت پوری ہو چکی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ طہارتِ ضروریہ ہے، جب ضرورت پوری ہو جائے تو بس یہ اتنا ہی عمل کرے گا۔ اور باقی ہاں، وہ فرماتے ہیں نوافل اور سنتیں پڑھ سکتا ہے اس کے ساتھ، اس لیے کیونکہ نوافل اور سنتیں وہ فرضوں کے تابع ہوتی ہیں۔ تو ایک تیمم سے ان کے نزدیک ایک ہی فرض اور اس کی سنتیں اور اس کے ساتھ نوافل پڑھ سکتا ہے، دوسرے فرض کے لیے دوسرا تیمم کرنا پڑے گا، جب کہ ہمارے نزدیک ایک ہی تیمم سے جتنے فرض اور جتنے نوافل چاہے وہ پڑھ سکتا ہے جب تک کوئی چیز منافیِ تیمم یا منافیِ طہارت نہ آ جائے۔

وَيُصَلِّي بِتَيَمُّمِهِ مَا شَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ پڑھے وہ یعنی تیمم کرنے والا نماز پڑھے اپنے تیمم کے ساتھ **مَا شَاءَ** جو وہ چاہے **مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ** فرائض اور نوافل میں سے۔ **وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى يَتَيَمَّمُ لِكُلِّ فَرْضٍ** امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تیمم کرے گا ہر فرض کے لیے یعنی الگ تیمم کرے گا ہر فرض کے لیے، **لِأَنَّهُ طَهَارَةٌ ضَرُورِيَّةٌ** اس لیے کیونکہ تیمم جو ہے وہ طہارتِ ضروریہ ہے وہ فرماتے ہیں۔ **وَلَنَا** اور ہماری دلیل یہ **أَنَّهُ طَهُورٌ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ** کہ تیمم جو ہے وہ مطہر ہے پانی کے نہ ہونے کی حالت میں۔ تیمم کیا ہے؟ پانی جب نہ ہو تو تیمم کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ پاکی کا فائدہ دیتا ہے تو یہ مطہر ہے۔ **فَيَعْمَلُ عَمَلَهُ مَا بَقِيَ شَرْطُهُ** تو یہ تیمم اپنا عمل کرتا رہے گا جب تک اس کی شرط باقی ہو۔ پانی نہ ہو تو تیمم کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ پاکی کا، اور یہ پاکی باقی رہے گی جب تک تیمم کی شرط باقی ہے، اور تیمم کی کیا شرط تھی، کب تک باقی رہے گا؟ **مَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ** جب تک وہ پانی کو نہ پالے بھئی۔ یہ معنی ہے **فَيَعْمَلُ عَمَلَهُ مَا بَقِيَ شَرْطُهُ** تو یہ تیمم اپنا عمل کرے گا جب تک اس کی شرط باقی ہے۔

وَيَتَيَمَّمُ الصَّحِيحُ فِي الْمِصْرِ إِذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ فَخَافَ إِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ أَنْ تَفُوتَهُ الصَّلَاةُ، بھئی ایک شخص ہے شہر کے اندر ہے، تندرست ہے، بیمار بھی نہیں ہے، وہ بھی بعض صورتوں میں تیمم کر سکتا ہے۔ کب؟ مثلاً جنازے کی نماز کھڑی ہونے لگی ہے اور ایک آدمی ہے اس کا وضو نہیں ہے۔ اب قریب ہی پانی موجود ہے لیکن اس شخص کو یہ خوف ہے کہ اگر میں جاؤں گا اور جا کر وضو کر کے آؤں گا تو اتنی دیر میں تو جنازہ نکل جائے گا بھئی، نماز ہو جائے گی جنازے کی، تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ کیا کر لے؟ تیمم کر لے اور نمازِ جنازہ میں شریک ہو جائے۔ اسی طرح ایک شخص عید کی نماز کے لیے آیا ہے اور اس کا وضو ٹوٹ گیا، ادھر اب جماعت کھڑی ہونے لگی ہے، اب قریب پانی موجود ہے لیکن اس کو یہ خوف ہے کہ اگر میں وضو کرنے جاؤں گا تو پوری جماعت ہی نکل جائے گی، واپسی تک جماعت ختم ہو چکی ہو گی، تو اس شخص کے لیے بھی جائز ہے کہ تیمم کر کے عید کی نماز میں شریک ہو جائے۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھئی کس کس چیز کے لیے تیمم شہر میں جائز ہے اور کس چیز کے لیے شہر میں تیمم جائز نہیں؟ تو ضابطہ یاد رکھنا: جس چیز کا بدل اور نائب موجود ہو اس کے لیے تیمم کرنے کی اجازت نہیں ہو گی شہر میں، اور اگر جس چیز کا بدل اور نائب نہیں ہے اس کے لیے شہر کے اندر اور تندرست ہونے کی حالت میں بھی آپ کیا کر سکتے ہیں؟ تیمم کر سکتے ہیں جب کہ اس کے فوت ہو جانے کا خوف ہو۔ تو اب دیکھیے یہ نمازِ جنازہ جو ہے اس کا بدل اور اس کا نائب کوئی نہیں، یہ اگر رہ جائے کسی کی تو اس کی قضا وغیرہ نہیں ہے بھئی۔ اسی طرح عید کی نماز جو ہے اس کی قضا نہیں کی جاتی، معلوم ہوا اس کا کوئی بدل اور نائب نہیں۔ جب کہ اس کے مقابلے میں جو عام نمازیں ہیں ان کا بدل موجود ہے، ایک آدمی ہے ظہر کی نماز اس کی رہ گئی، ظہر کا سارا وقت نکل گیا لیکن پھر بھی آخر وقت میں تیمم کرنے کی اسے اجازت نہیں کہ جلدی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لے، مثلاً پانچ منٹ رہ گئے ہیں ظہر کا وقت نکلنے والا ہے، اب اسے خوف ہے کہ میں وضو کرتا ہوں تو وقت ہی نکل جائے گا تو لہٰذا تیمم کر کے پڑھ لیتا ہوں، نہیں بھئی اس کے لیے گنجائش نہیں، کیوں؟ اس لیے کیونکہ ظہر کی نماز کا نائب اور بدل موجود ہے اور وہ کیا؟ اس کی قضا کر لے، ادا نہ کر سکا تو پھر کیا کر لے اس کی؟ قضا کر لے۔ اسی طرح جمعے کی نماز، ایک شخص کو خوف ہے کہ اگر میں وضو کرنے جاؤں گا تو جمعے کی نماز نکل جائے گی تو اس کو بھی تیمم کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس لیے کیونکہ اگر جمعہ فوت بھی ہو گیا تو اس کا بدل اور نائب یعنی ظہر کی نماز وہ بعد میں پڑھ سکتا ہے، جمعہ نکل بھی جائے۔ تو جس چیز کا بدل اور نائب ہے اس کے لیے تیمم کی اجازت نہیں اور جس چیز کا بدل

اور نائب نہیں اور خوف ہے کہ وضو کروں گا تو یہ چیز فوت ہو جائے گی اور آگے تو اس کا بدل کوئی نہیں تو پھر اس کے لیے شریعت نے اجازت دی ہے، وہ کیا کر سکتا ہے؟ تیمم کر سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَيَتَيَمَّمُ الصَّحِيحُ فِي الْمِصْرِ** اور تیمم کر سکتا ہے صحیح آدمی، صحیح یعنی تندرست جو بیمار نہ ہو، اور تیمم کر سکتا ہے تندرست شخص **فِي الْمِصْرِ** شہر کے اندر بھی **إِذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ** جب جنازہ حاضر ہو جائے **وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ** اس حال میں کہ ولی اس کے علاوہ کوئی اور ہے، جنازے کا ولی یہ نہیں ہے جس کا ذکر کیا جا رہا ہے بلکہ جنازے کا ولی کوئی اور ہے تو اس شخص کے لیے یہ تیمم کر سکتا ہے۔ دیکھیے، دوبارہ عبارت: **وَيَتَيَمَّمُ الصَّحِيحُ** اور صحیح اور تندرست آدمی تیمم کر سکتا ہے **فِي الْمِصْرِ** شہر میں، کب؟ **إِذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ فَخَافَ إِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ أَنْ تَفُوتَهُ الصَّلَاةُ** کہ جب جنازہ حاضر ہو جائے اس حال میں کہ ولی اس کے علاوہ کوئی اور ہے تو اس شخص کو یہ خوف ہے کہ اگر وہ طہارت میں یعنی وضو میں مشغول ہوا تو اس کی نماز فوت ہو جائے گی یعنی نمازِ جنازہ فوت ہو جائے گی تو یہ صحیح اور تندرست شخص بھی شہر میں تیمم کر سکتا ہے۔ **لِأَنَّهَا لَا تُقْضَى** اس لیے کیونکہ نمازِ جنازہ جو ہے اس کی قضا نہیں کی جاتی **فَيَتَحَقَّقُ الْعَجْزُ** تو عجز ثابت ہو گیا۔ عجز کیا ہوا؟ ثابت ہو گیا، کیونکہ وضو کرتا ہے تو جنازے کی نماز نکل جاتی ہے، وضو کرتا ہے تو جنازہ فوت ہو رہا ہے تو یہ پانی کے استعمال سے گویا عاجز ہوا۔ سمجھ میں آئی بات بھائی؟ تو تیمم کر سکتا ہے۔

وَكَذَا مَنْ حَضَرَ الْعِيدَ اور اسی طرح جو شخص عید کی نماز میں حاضر ہوا **فَخَافَ إِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ أَنْ يَفُوتَهُ الْعِيدُ يَتَيَمَّمُ** تو اس کو خوف ہے کہ اگر وہ طہارت یعنی وضو میں مشغول ہوا تو اسے خوف ہے **أَنْ يَفُوتَهُ الْعِيدُ** کہ عید کی نماز اس سے فوت ہو جائے گی، رہ جائے گی **يَتَيَمَّمُ** تو یہ شخص بھی تیمم کر سکتا ہے **لِأَنَّهَا لَا تُعَادُ** کیونکہ عید کی نماز کا اعادہ نہیں کیا جاتا، اس کو دوبارہ نہیں لوٹایا جاتا، اس کی کوئی قضا وغیرہ نہیں ہے بھئی۔

وَقَوْلُهُ: وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ، صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ متن کے اندر جو قید آئی تھی: **وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ،** یہ قید متن میں بڑھائی بھئی۔ بھئی یہ قید کیوں بڑھائی؟ کہتے ہیں: یہ جو قید متن میں آئی **وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ إِشَارَةٌ** یہ اشارہ ہے **إِلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِلْوَلِيِّ** کہ ولی کے لیے یہ کرنا جائز نہیں یعنی جو جنازے کا ولی ہے وہ تیمم نہیں کر سکتا۔ وجہ اس کی یہ کہ جو جنازے کا ولی ہے اس کے لیے تو لوگ انتظار کر لیں گے وہ اگر جا کر وضو کر کے آئے بھئی، اور فرض کریں انتظار نہیں بھی کرتے تو پھر ولی کو شریعت نے اجازت دی ہے وہ کیا کر سکتا ہے؟ وہ دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھ سکتا ہے بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں یہ جو متن میں **وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ** کی قید آئی **إِشَارَةٌ** یہ اشارہ ہے **إِلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِلْوَلِيِّ** کہ ولی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ تیمم کرے **وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ** اور یہ روایت ہے حسن ابن زیاد رحمہ اللہ کی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے **وَالصَّحِيحُ** اور یہی قول صحیح ہے بھئی، **لِأَنَّ لِلْوَلِيِّ حَقَّ الْإِعَادَةِ،** اعادہ، اس کا ہمزہ قطعی ہے کیونکہ باب افعال ہے اور آپ نے پڑھا ہے باب افعال کا ہمزہ کیا ہے؟ قطعی، لہٰذا اس کو پڑھیں گے۔ اس لیے کیونکہ ولی جو ہے اس کو اعادے کا یعنی نماز کو لوٹانے کا حق ہے **فَلَا فَوَاتَ فِي حَقِّهِ** لہٰذا اس کے حق میں فوت ہونا ہے ہی نہیں، اس کے حق میں فوت ہونا نہیں ہے۔ دوسرا آدمی تو وضو کرے گا تو اس کی تو نماز فوت ہو جائے گی لیکن ولی کے لیے تو فوت ہونا ہے ہی نہیں کیونکہ وہ دوبارہ کیا کر سکتا ہے؟ لوٹا سکتا ہے، وہ پھر پڑھ لے تو فوت ہو گی یا ہو جائے گی؟ وہ جب دوبارہ پڑھے گا تو فوت تو نہ ہوئی، نماز تو ہو گئی بھئی۔ جی، تو انہوں نے یہ کیا کہا کہ یہ روایت ہے حسن ابن زیاد رحمہ اللہ کی، میں نے بتلایا تھا حسن ابن زیاد رحمہ اللہ یہ شاگرد ہیں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اور اسی طرح یہ شاگرد ہیں امام زفر اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے بھی اور بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں بھئی فقہائے احناف میں سے۔

وَإِنْ أَحْدَثَ الْإِمَامُ أَوِ الْمُقْتَدِي فِي صَلَاةِ الْعِيدِ تَيَمَّمَ وَبَنَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَقَالَا: لَا **يَتَيَمَّمُ،** اور اگر امام کو حدث پیش آیا یعنی اس کا وضو ٹوٹ گیا **أَوِ الْمُقْتَدِي** یا مقتدی کو حدث پیش آیا یعنی اس کا وضو ٹوٹ گیا **فِي صَلَاةِ الْعِيدِ** عید کی نماز میں **تَيَمَّمَ وَبَنَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ** تو تیمم کر لے اور اسی پر بنا کر لے امام صاحب کے نزدیک۔ بنائے صلاۃ آپ پڑھ چکے، بنائے صلاۃ کسے کہتے ہیں؟ ایک آدمی مثلاً نماز پڑھ رہا ہے اور درمیان میں اس کا ایک دو رکعتیں پڑھ چکا تھا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا تو شریعت نے اسی نماز پر بنا کرنے کی اجازت دی ہے کہ یہ جائے اور جا کر وضو کر کے آئے اور پھر آ کر وہیں سے نماز پڑھ لے یعنی جو پڑھ چکا وہ ہو چکی، اگلی دو رکعتیں وہیں سے پڑھنا شروع کر دے اور نماز کو پورا کر لے بھئی۔ لیکن اس میں میں نے بتلایا تھا شرط یہ ہے کہ یہ جو واپس گیا وضو کرنے کے لیے اور واپس آیا یہ اس وقت بھی من وجہ نماز کی حالت میں ہے، لہٰذا اس دوران کوئی منافیِ صلاۃ عمل نہیں ہونا چاہیے، اگر اس دوران اس نے کسی سے بات کر لی حتی کہ کسی کے سلام کا جواب دے دیا یا اس دوران اس نے کوئی چیز کھا لی پی لی تو یہ کھانا پینا اور بات کرنا نماز کے منافی ہے تو اس صورت میں پھر بنا کی اجازت نہیں ہو گی بھئی۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں امام کو یا مقتدی دونوں میں سے کسی کو بھی عید کی نماز میں حدث پیش آ جائے، ان کا وضو ٹوٹ جائے تو تیمم کر لے وہیں پر **وَبَنَى** اور اسی پر بنا کر لے **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ** امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَا:** لَا **يَتَيَمَّمُ** صاحبین فرماتے ہیں کہ تیمم نہیں کر سکتا، تیمم نہیں کرے گا۔

بھئی اس کی کیا وجہ ہے؟ صاحبین کی دلیل ذکر ہو رہی ہے، کہتے ہیں: **لِأَنَّ اللَّاحِقَ يُصَلِّي بَعْدَ فَرَاغِ الْإِمَامِ فَلَا يَخَافُ الْفَوْتَ،** بھئی دیکھیے لاحق آیا، لاحق کا لفظ آیا۔ یاد رکھیے نماز پڑھنے والے جو ہیں وہ تین قسم کے ہوئے بھئی جو جماعت کے ساتھ پڑھ رہے ہیں: ایک ہے لاحق، ایک ہے مسبوق، ایک ہے مدرک بھئی۔

لاحق یہ متن میں آگیا، کتاب کے اندر۔ مسبوق: م، س، ب، واورق دو نقطوں والا، مسبوق۔ اور مدرک: م، د، را ور ک چھوٹا بھئی، مدرک۔ تو یہ تین قسم کے لفظ آتے ہیں: لاحق، مسبوق اور مدرک، یہ ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونے چاہییں بھئی، ذہن میں ہونے چاہییں۔ یاد رکھیے مدرک: **أَدْرَكَ يُدْرِكُ إِدْرَاكًا**، ادراک کا کیا معنی ہوتا ہے؟ پالینا، تو مدرک وہ ہے جس نے ساری رکعتیں پالی ہیں، ساری رکعتیں امام کے ساتھ اس نے پڑھی ہیں بھئی، اس کو کیا کہیں گے؟ مدرک کہیں گے۔ اور مسبوق، مسبوق وہ ہے جس کی ایک یا ایک سے زیادہ رکعتیں چھوٹ گئی ہوں پھر وہ آکر جماعت میں شریک ہوا، ایک رکعت ہو چکی تھی پھر آکر شریک ہوا یا ایک سے زیادہ ہو چکی تھیں اور پھر وہ آکر نماز میں شریک ہوا، یہ ہے مسبوق۔ اور لاحق، لاحق وہ ہے جو نماز پر بنا کرتا ہے پھر بھئی۔ کیا کرتا ہے؟ بنا۔ امام یا مقتدی جو ہے اس کا وضو ٹوٹ گیا اور وہ گیا اور پھر آکر پھر وہ کیا کرتا ہے؟ باقی نماز پوری کرتا ہے، تو دیکھو درمیان میں وضو ٹوٹنے کی وجہ سے اس کی کچھ رکعتیں رہ گئیں، شامل ہوا تھا جماعت میں لیکن درمیان کی کچھ رکعتیں رہ گئیں، اس کو کیا کہیں گے؟ لاحق کہیں گے بھئی۔ تو چاہے وضو ٹوٹنے کی وجہ سے کچھ درمیان کی رکعتیں رہ گئیں یا سو جانے کی وجہ سے، وہ کھڑے کھڑے ہی سو گیا تھا اس دوران ایک رکعت نکل گئی یا بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا اور آپ نے پڑھا ہے نماز کی حالت میں کوئی سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس کی بہر حال رکعتیں تو رہ گئیں یا نہیں رہ گئیں؟ تو اس کو کیا کہیں گے؟ لاحق کہیں گے بھئی۔

تو صاحبین نے مسئلہ ذکر کیا، کیا بتلایا کہ امام یا مقتدی کا وضو ٹوٹ گیا عید کی نماز میں تو وہ تیمم کر کے بنا نہیں کر سکتا بلکہ کیا کرنا پڑے گا؟ جائے جا کر وضو کر کے آئے اور یہ شخص ہے اب لاحق بھئی، کیا ہے؟ لاحق ہے، اور لاحق تو جماعت کے بعد بھی چاہے واپس پہنچے وہ کیا کر سکتا ہے؟ اپنی نماز کو پورا کر سکتا ہے۔ تو امام جائے گا اگر وہ واپس آیا جماعت ہو رہی تھی، دوسرے کو آگے کر دیا اور خود چلا گیا، تو اگر وہ واپس آیا تو کیا ہوا؟ لاحق، درمیان کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہیں نا، تو لاحق جماعت ہو بھی جائے وہ بعد میں آکر جو رکعتیں رہ گئی ہیں وہ پوری کر سکتا ہے، اور مقتدی تھا وہ بھی اسی طرح کر سکتا ہے، اگر واپس پہنچا جتنی رکعتیں اور کچھ مل گئیں، کوئی رکعت مل جاتی ہے تو شامل ہو، اگر رہ گئی ہے تو پھر اس کو بعد میں پورا کر لے، لہٰذا ان کے حق میں فوت ہونا ہے ہی نہیں۔ ان کے حق میں نماز تو نہیں فوت ہو رہی، نماز ہو جائے گی ان کی یا نہیں ہو گی؟ اسی نماز پر بنا کر کے نماز پوری کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے؟ پوری کر سکتے ہیں، لہٰذا ان کے حق میں نماز کا فوت ہونا ہے ہی نہیں، نماز ان کی چھوٹ ہی نہیں رہی، لہٰذا ان کو یہاں ہم تیمم کی اجازت نہیں دے سکتے بلکہ یہ کیا کریں؟ جائیں جا کر وضو کر کے آئیں اور پھر بنا کر لیں بھئی۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں۔

جب کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عید کا دن ہے عام دن نہیں ہے، بے انتہا ہجوم ہو گا اور اس ہجوم کی وجہ سے ہو سکتا ہے یہ وضو کرنے جا رہا ہے اور اس حالت میں بھی حالتِ نماز میں ہے، اس نے نماز کے منافی کوئی کام نہیں کرنا، تو عید کا دن ہے بے انتہا ہجوم ہے، ہو سکتا ہے کوئی ایسا عارض پیش آجائے جس کی وجہ سے اس کی نماز ہی فاسد ہو جائے، اور جب نماز فاسد ہو گئی تو جو پہلے پڑھی تھی وہ رکعتیں بھی گئیں اور واپس پہنچا تو نماز بھی نکل چکی ہے تو دیکھو عید کی نماز اس کی فوت ہو جائے گی۔ تو لہٰذا یہ معلوم ہوا یہ شخص عاجز ہے اور عاجز کے لیے تو تیمم کی اجازت ہے۔ تو بے انتہا ہجوم ہے، کوئی عارض پیش آسکتا ہے، مثلاً واپس آرہا ہے وضو کر کے جماعت ہو چکی ہے، یہ لاحق ہو گیا نا، لیکن کوئی اس کو گلے لگا لیتا ہے: مبارک ہو بھئی، مبارکباد دینا شروع کر، عید کی مبارک دے رہا ہے، یا کوئی سلام کر دیتا ہے یا کوئی بھی بات پیش آسکتی ہے تو لہٰذا اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ یہ ہجوم والا دن ہے، اس لیے اگرچہ اس نے شروع میں وضو کیا تھا لیکن بیچ میں اب کیا کر سکتا ہے؟ تیمم کر سکتا ہے۔ اور یاد رکھیے یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب اس نے شروع نماز وضو کے ساتھ کی تھی۔ اگر شروع ہی تیمم کے ساتھ کی تھی تو بالاتفاق بھئی وہ تیمم کر کے بنا کر سکتا ہے، پھر تو صاحبین بھی فرماتے ہیں کہ ابتدا کس سے کی تھی؟ تیمم سے، لہٰذا اب بیچ میں بھی کیا کر سکتا ہے؟ تیمم کر سکتا ہے۔

تو صاحبین کی دلیل آرہی ہے، کہتے ہیں: **لِأَنَّ اللَّاحِقَ يُصَلِّي بَعْدَ فَرَاغِ الْإِمَامِ** اس لیے کیونکہ لاحق جو ہے وہ تو نماز پڑھ لے گا امام کے فارغ ہو جانے کے بعد بھی **فَلَا يَخَافُ الْفَوْتَ** تو اسے فوت ہو جانے کا خوف نہیں ہے۔ **وَلَهُ** امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْخَوْفَ بَاقٍ** کہ خوف ابھی بھی باقی ہے **لِأَنَّهُ يَوْمُ الزِّحْمَةِ**، زحمت بھیڑ بھئی، ہجوم، اس لیے کیونکہ یہ ہجوم والا دن ہے، بھیڑ کا دن ہے **فَيَعْتَرِيهِ عَارِضٌ يُفْسِدُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ** تو پیش آسکتا ہے اس کو کوئی ایسا عارض جو اس پر اس کی نماز کو فاسد کر دے۔ صاحبِ ہدایہ آگے بتلا رہے ہیں: **وَالْخِلَافُ فِيمَا إِذَا شَرَعَ بِالْوُضُوءِ** اور اختلاف اس صورت میں ہے جب اس شخص نے یا امام نے نماز کو شروع کیا تھا کس کے ساتھ؟ وضو کے ساتھ، تب یہ اختلاف ہے جو متن میں آیا، **وَلَوْ شَرَعَ بِالتَّيَمُّمِ تَيَمَّمَ وَبَنَى بِالِاتِّفَاقِ** اور اگر اس نے تیمم کے ساتھ نماز کو شروع کیا تھا تو تیمم کرے گا اور بنا کرے گا بالاتفاق بھئی، پھر تو بالاتفاق ہے۔

لِأَنَّا لَوْ أَوْجَبْنَا الْوُضُوءَ يَكُونُ وَاجِدًا لِلْمَاءِ فِي صَلَاتِهِ فَيَفْسُدُ، اس لیے کیونکہ اگر ہم وضو کو واجب قرار دے دیں تو یہ شخص پانی کو پانے والا ہوا **فِي صَلَاتِهِ** کس کے اندر؟ اپنی نماز میں، **فَيَفْسُدُ**، یہ **فَتَفْسُدُ** ہونا چاہیے بھئی بہر حال، تو یہاں **فَيَفْسُدُ** ہے، تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی کیونکہ دورانِ صلاۃ میں وہ پانی کو پانے والا بن گیا۔ بھئی دیکھیے! اگر اس نے، امام یا مقتدی جو تھا اس نے نماز کس طرح شروع کی ہے؟ تیمم کے ساتھ، پھر بالاتفاق وہ کیا کر سکتا ہے؟ درمیان میں وضو ٹوٹا ہے تو تیمم کر کے اس پر بنا کر سکتا ہے، اس لیے کیونکہ اگر اس حالت میں جب درمیان میں وضو ٹوٹا ہم اس کو کیا کہیں؟ وضو کرو، وضو کرو۔ معلوم ہوا یہ پانی کو پانے والا بن گیا۔ پہلے تو متیمم تھا پانی سے عاجز تھا، اب پانی کو پانے والا ہوا، اور یہ پانی کو پانے والا ہوا بیچ نماز کے۔ اور جب تیمم کے اندر انسان پانی کو دیکھ لیتا ہے، تو بھئی جب پانی کو دیکھا تو کوئی مانعِ طہارت چیز پائی گئی؟ اس کا کوئی وضو ٹوٹا ہے؟ کوئی نجاست بدن سے خارج ہوئی ہے؟ نہیں، تو مانعِ طہارت تو

کوئی چیز نہیں پائی گئی، پھر کیوں تیمم ٹوٹ جاتا ہے؟ وجہ یہ کہ وہ جو پچھلا حدث تھا اس کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ تیمم کیا تھا، پاکی حاصل ہو گئی تھی، کس سے حاصل ہوئی تھی پاکی؟ حدث سے، تو اب جب پانی نظر آتا ہے، پانی پر یہ قادر ہو جاتا ہے تو اس حدث کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اگر ہم اس کو کہیں کہ وضو کرنا پڑے گا اور اس نے شروع تو کس کے ساتھ کیا تھا؟ تیمم کے ساتھ، معلوم ہوا وہ تیمم کیوں کیا تھا؟ پاکی حاصل کرنے کے لیے، حدث پر تیمم کیا تھا، تو اب اگر ہم اس کو کہیں وضو کرنا پڑے گا تو گویا یہ پانی کو پانے والا ہوا، اور کوئی شخص پانی کو پالے تو اس کا تیمم ٹوٹ جاتا ہے اور کس وجہ سے تیمم ٹوٹتا ہے؟ اس سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے، اور یہاں بیچ نماز میں اس سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہوا، گویا یہ بے وضو ہی نماز پڑھ رہا تھا۔ گویا بے وضو ہی نماز پڑھ رہا تھا، اور بے وضو نماز ہو سکتی ہے؟ نہیں، تو لہٰذا بیچ میں اگر ہم یہ کہہ دیں کہ شروع تیمم سے کیا تھا اور بیچ میں اب وضو ٹوٹا ہے ہم کہہ دیں وضو کرنا پڑے گا تو اس حدث کا اثر ظاہر ہو گا اور اس کی نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔ اگر نماز پوری ہو جائے پھر اس کے بعد پانی ملتا ہے، اب تو نماز پوری ہو چکی، اب اس حدث کا اثر ظاہر بھی ہو اس پہ کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن یہاں صورت کیا ہے؟ بیچ نماز کے اندر اس حدث کا اثر ظاہر ہو رہا ہے لہٰذا نماز ہی کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ معنی ہے، اس وجہ سے اگر شروع میں تیمم کیا تھا اور پھر بیچ میں وضو ٹوٹا ہے تو پھر بالاتفاق کیا کرلے؟ تیمم کر کے اسی پر بنا کرلے، کسی کے نزدیک بھی اس پر وضو کرنا واجب نہیں، **لِأَنَّا لَوْ أَوْجَبْنَا الْوُضُوءَ** اس لیے کیونکہ اگر ہم اس پر وضو کو واجب قرار دے دیں **يَكُونُ وَاجِدًا لِلْمَاءِ فِي صَلَاتِهِ** تو اس صورت میں یہ پانی کو پانے والا ہوا، **يَكُونُ وَاجِدًا لِلْمَاءِ**، لیکن پڑھنا کیسے ہے؟ وہ یرملون والا قاعدہ لگے گا: **وَاجِدٌ لِلْمَاءِ فِي صَلَاتِهِ**، تو یہ پانی کو پانے والا ہوا نماز میں **فَيَفْسُدُ** تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وَلَا يَتَيَمَّمُ لِلْجُمُعَةِ وَإِنْ خَافَ الْفَوْتَ لَوْ تَوَضَّأَ، جمعے کے لیے تیمم نہیں کر سکتا اگرچہ اس کو فوت ہو جانے کا خوف ہے **لَوْ تَوَضَّأَ** اگر یہ وضو کرے۔ عبارت پر نظر ہے؟ **وَإِنْ خَافَ الْفَوْتَ لَوْ تَوَضَّأَ** اگرچہ اس کو فوت ہو جانے کا خوف ہو، کب خوف ہو؟ **لَوْ تَوَضَّأَ** اگر یہ کیا کرے؟ وضو کے لیے جاتا ہے پھر اس کو خوف ہے جمعے کے فوت ہو جانے کا تو بھی یہ جمعے کے لیے تیمم نہیں کر سکتا، بلکہ کیا کرنا پڑے گا؟ وضو کرنا پڑے گا، بتلا دیا: **لَا يَتَيَمَّمُ لِلْجُمُعَةِ** جمعے کے لیے تیمم نہیں، تو وضو کرے گا۔ **فَإِنْ أَدْرَكَ الْجُمُعَةَ صَلَّاهَا** پس اگر یہ جمعے کی نماز کو پالے، وضو کر کے آئے اور جمعے کی نماز پالے **صَلَّاهَا** تو اس کو پڑھ لے **وَإِلَّا صَلَّى الظُّهْرَ أَرْبَعًا** ورنہ ظہر کے چار رکعتیں پڑھ لے **لِأَنَّهَا تَفُوتُ إِلَى خَلَفٍ** اس لیے کیونکہ یہ جمعہ جو ہے یہ فوت ہوتا ہے کس کی طرف؟ خلیفہ یعنی نائب اور بدل کی طرف، جمعے کا خلیفہ موجود ہے **وَهُوَ الظُّهْرُ** اور وہ ظہر ہے بھئی **بِخِلَافِ الْعِيدِ** بخلاف عید کے کہ اس کا کوئی بدل نہیں، اگر وہ نکل گیا، عید کی نماز نکل گئی تو اس کی قضا وغیرہ نہیں ہے بھئی۔

چلیے بس، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**

کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہ آئی ہو؟ جی؟ بھئی یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ متن میں آیا تھا اگر کوئی عیسائی اسلام لانے کے ارادے سے تیمم کرتا ہے تو کیا اس کا تیمم معتبر ہو گا؟ کیونکہ وہ تو عیسائی ہے وہ تو نیت کا اہل نہیں؟ بھئی وہ اسی لیے تو اسلام لانے کی قید ذکر کی انہوں نے یہاں پر، اسلام لانے کے لیے وہ کیا کر رہا ہے؟ تیمم کر، اور اسلام ہے قربتِ مقصودہ، تو قربتِ مقصودہ کی نیت سے تیمم کر رہا ہے، اسی وجہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کے تیمم کا اعتبار کرتے ہیں لیکن طرفین کیا ہیں؟ اعتبار نہیں کرتے بھئی کہ قربت صرف قربتِ مقصودہ نہ ہو بلکہ ایسی قربتِ مقصودہ جو بغیر طہارت کے ہوتی ہی نہ ہو۔

سبق نمبر ۲۸: وَكَذَا إِذَا خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ لَوْ تَوَضَّأَ لَم...

ہدایہ صفحہ: ۵۳ــــ بتاریخ: ۱۲ نومبر ۲۰۱۲ء

وَكَذَا إِذَا خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ لَوْ تَوَضَّأَ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْضِي مَا فَاتَهُ لِأَنَّ الْفَوَاتَ إِلَى خَلَفٍ وَهُوَ الْقَضَاءُ، وَالْمُسَافِرُ إِذَا نَسِيَ الْمَاءَ فِي رَحْلِهِ فَتَيَمَّمَ وَصَلَّى ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ لَمْ يُعِدْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالَى يُعِيدُهَا۔ [1]

تیمم سے متعلقہ مسائل چل رہے ہیں۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ اگر نماز جنازہ کا موقع ہے یا اسی طرح عید کی نماز کا وقت ہے اور کوئی شخص بے وضو ہے، اس کے قریب ہی پانی موجود ہے لیکن اسے خوف ہے کہ اگر میں وضو کرنے جاؤں گا اور واپس آؤں گا تو جب تک نماز جنازہ یا وہ عید کی نماز نکل چکی ہو گی۔ تو چونکہ یہ دو چیزیں، یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا کوئی بدل اور نائب نہیں۔ نماز جنازہ رہ گئی تو پھر اس کی قضا نہیں کی جاتی، اسی طرح عید کی نماز اگر رہ جائے اس کی بھی کوئی قضا وغیرہ کوئی اس کا بدل نہیں ہے۔ تو لہٰذا اس وقت اس کو عاجز شمار کیا جائے گا، یہ عاجز ہوا پانی کے استعمال سے۔ اور جب عاجز ہو تو شریعت حکم دیتی ہے تیمم کرنے کا تو اس شخص کی طرف بھی یہ حکم متوجہ ہو گا اور یہ تیمم کر کے اس میں شرکت کر سکتا ہے بھائی۔

لیکن جس چیز کا بدل اور نائب موجود ہو وہاں پر پھر تیمم کی اجازت نہیں ہو گی۔ جیسے جمعہ کی نماز ہے اس کا بدل اور نائب موجود، ایک آدمی ہے اس کو خوف ہے کہ اگر میں وضو کروں گا تو میری جمعہ کی نماز نکل جائے گی تو اسے تیمم کی اجازت نہیں ہو گی، کیونکہ جمعہ کی نماز اگر فوت بھی ہو گئی تو اس کے بعد اس کا بدل ظہر کی نماز ہے کہ انسان کیا کرے؟ ظہر کی نماز پڑھ لے۔ اسی طرح عام وقتی نمازیں ہیں، اگر وہ بھی آخری وقت ہے مثلاً پانچ سات منٹ رہ گئے، دس منٹ رہ گئے، ظہر کا یا عصر کا وقت ختم ہونے والا ہے، اب اس شخص کو خوف ہے کہ اگر میں وضو کروں گا تو یہ وقت بھی نکل جائے گا، میری نماز فوت ہو جائے گی تو بھی اسے تیمم کی اجازت نہیں کیونکہ یہاں پر اس نماز کا بدل موجود ہے کہ اگر وقت کے اندر نہیں پڑھ سکا تو بعد میں کیا کر سکتا ہے؟ اس کی قضا کر سکتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آئی بات بھائی؟ تو وہی بیان کر رہے ہیں۔

وَكَذَا إِذَا خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ لَوْ تَوَضَّأَ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْضِي مَا فَاتَهُ اور اسی طرح جب خوف ہو اسے **فَوْتَ الْوَقْتِ** وقت کے فوت ہو جانے کا کہ وقت گزر جائے گا، مثلاً جو نماز پڑھنا چاہتا ہے اس کا وقت گزر جائے گا۔ **لَوْ تَوَضَّأَ** کب خوف ہے یہ اسے؟ **لَوْ تَوَضَّأَ** اگر یہ وضو کرے۔ تو وضو کرتا ہے پھر فوت ہو جانے کا خوف ہے۔ تو فرما رہے ہیں: **لَمْ يَتَيَمَّمْ** یہ تیمم نہیں کر سکتا، یہ تیمم نہیں کرے گا، **وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْضِي مَا فَاتَهُ** اور وضو کرے گا اور قضا کرے گا اس کی جو فوت ہو جائے یعنی جو گزر گئی اس کی کیا کرلے بعد میں؟ وقت گزر گیا تو بعد میں قضا کرلے۔ **لِأَنَّ الْفَوَاتَ إِلَى خَلَفٍ** اسی کیونکہ یہ فوت ہونا، **الْفَوَاتَ** الف لام آیا، الف لام کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ کسی متعین چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ تو یہ جو فوت ہونا ہے یہ جو وقت کا فوت ہونا تھا، کیونکہ یہ فوت ہونا جو ہے **إِلَى خَلَفٍ** یہ کس کی طرف ہے؟ نائب کی طرف، یہ تو اس کا نائب موجود ہے۔ تو یہ فوت ہونا نائب کی طرف ہے **وَهُوَ الْقَضَاءُ** اور وہ قضا ہے۔

وَالْمُسَافِرُ إِذَا نَسِيَ الْمَاءَ فِي رَحْلِهِ فَتَيَمَّمَ وَصَلَّى ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ صورت مسئلہ یہ کہ ایک مسافر ہے سفر کر رہا ہے اور اس کے کجاوے میں، کجاوہ جانتے ہیں یا نہیں بھائی؟ **رَحْل** کہتے ہیں کجاوے کو، **رَحْل** لفظ آرہا ہے آگے متن میں۔ کجاوہ کہتے ہیں یہ لکڑی وغیرہ کا بنا ہوتا ہے اور اونٹ وغیرہ جانوروں پر رکھتے ہیں اوپر سامان لادنے کے لیے بھائی۔ اس میں دو جانبیں بنی ہوتی ہیں تو ایک طرف بھی سامان وغیرہ رکھ دیتے ہیں اور دوسری طرف بھی۔

تو ایک مسافر ہے اس نے اپنے کجاوے کے اندر پانی رکھا ہوا ہے، اس نے رکھا ہے یا اس کے کہنے پر اس کے کسی ملازم وغیرہ، غلام نے رکھا ہے۔ اب یہ سفر میں ہے، وہاں یہ اس پانی کو بھول گیا، وہ پانی وضو کرنے کے قابل ہے، اتنا پانی ہے اس سے آرام سے کیا کر سکتا ہے؟ وضو کر سکتا ہے، یا باقاعدہ رکھا ہی وضو کے لیے زیادہ پانی ہے۔ لیکن یہ سفر کے دوران بھول گیا اور جنگل میں ہے، نماز کا وقت ہوا، پانی وہاں موجود نہیں، یہ اس پانی کو بھول چکا ہے، اس نے تیمم کر لیا اور تیمم سے نماز پڑھ لی۔

[1] شاملہ (ص ۲۱) میں «رَحِمَهُمُ» کے بجائے «رحمه» درج ہے۔

پھر اس کو بعد میں یاد آیا کہ پانی تو وضو کا موجود ہے۔ تیمم بھی کر چکا، وہ نماز بھی پڑھ چکا ہے، تو اب کیا کیا جائے گا؟ کیا اس نماز کا اعادہ کرے گا پھر وضو کر کے یا وہ کافی ہو گئی؟ تو یاد رکھیے طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دوبارہ وضو کر کے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ وہ تیمم بھی صحیح ہوا اور نماز بھی صحیح ہو گئی، ادا ہو گئی۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اعادہ کرے گا، وضو کرے اور پھر دوبارہ وہ نماز پڑھے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْمُسَافِرُ إِذَا نَسِيَ الْمَاءَ** اور مسافر جب بھول گیا پانی کو **فِي رَحْلِهِ** اپنے کجاوے میں **فَتَيَمَّمَ وَصَلَّى** تو اس نے تیمم کر لیا اور نماز پڑھ لی **ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ** پھر اس کو پانی یاد آیا **لَمْ يُعِدْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى** تو اعادہ نہیں کرے گا اس نماز کا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک، **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُعِيدُهَا** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا اعادہ کرے گا اس نماز کا۔

وَالْخِلَافُ فِيمَا إِذَا وَضَعَهُ بِنَفْسِهِ أَوْ وَضَعَهُ غَيْرُهُ بِأَمْرِهِ اور یہ اختلاف جو ہے **فِيمَا** اس صورت میں ہے **إِذَا وَضَعَهُ بِنَفْسِهِ** کہ جب اس نے وہ پانی خود رکھا ہو **أَوْ وَضَعَهُ غَيْرُهُ بِأَمْرِهِ** یا اس کے علاوہ کسی نے رکھا لیکن **بِأَمْرِهِ** اس کے حکم سے، اس کے کہنے پر۔ یا یہ اختلاف کس وقت ہے؟ یہ جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نماز کا اعادہ کرے گا، طرفین فرماتے ہیں اعادہ نہیں کرے گا، کہتے ہیں یہ اس صورت میں ہے جب یہ وہ جو پانی وضو کے لیے تھا وہ اس نے خود رکھا تھا یا کسی اور نے رکھا تھا لیکن اس کے کہنے پر رکھا تھا۔ اس کے کہنے پر رکھا تھا، اس صورت میں ہے بھائی۔ اگر رکھا ہی کسی اور نے ہے پھر تو مثلاً اس کے کسی ساتھی نے رکھ دیا تھا اس کے لیے، وہ تو پھر اس کو علم ہی نہیں ہے، پتہ ہی نہیں ہے بھائی۔ لہٰذا اس صورت میں بالاتفاق اسے اعادے کی ضرورت نہیں، اس کا تیمم بھی صحیح اور ہاں۔ البتہ اگر خود رکھا تھا یا اس کے کہنے پر کسی نے رکھا تھا اس صورت میں اختلاف ہے جو کہ متن کے اندر آپ نے پڑھا بھائی۔

وَذِكْرُهُ فِي الْوَقْتِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ اور اس کا یاد آنا، یاد کرنا وقت کے اندر اور وقت کے بعد دونوں برابر ہیں۔ چاہے وقت کے اندر اسے یاد آئے چاہے وقت کے بعد۔ مثلاً ظہر کی نماز کا وقت ہوا تھا اور اسے یاد وہ بھول چکا تھا پانی کو، اس نے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی۔ اور پھر اس کو ظہر کے وقت کے اندر ہی یاد آ گیا کہ پانی تو موجود ہے۔ یا دوسری صورت یہ کہ ظہر کا وقت گزر گیا عصر کا وقت جب آیا اس وقت اسے یاد آیا کہ پانی موجود ہے وضو کا۔ تو صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلا دیا چاہے وقت اس نماز کا وقت ابھی باقی ہے اس کے اندر ہی اسے یاد آ جائے، چاہے نماز کا وقت گزرنے کے بعد آئے یاد دونوں صورتوں میں مسئلہ اسی طرح ہے۔ وقت گزر گیا پھر بھی اعادے کی ضرورت نہیں، وقت کے اندر یاد آ جائے پھر بھی اعادے کی ضرورت نہیں۔ یہ معنی ہے: **وَذِكْرُهُ فِي الْوَقْتِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ** اور اس کا یاد آنا وقت کے اندر اور وقت کے بعد **سَوَاءٌ** یہ دونوں برابر ہیں۔

لَهُ أَنَّهُ وَاجِدٌ لِلْمَاءِ لَهُ سے دلیل ذکر ہو رہی ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے، انہوں نے کیا فرمایا تھا؟ اعادہ کرے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ **أَنَّهُ وَاجِدٌ لِلْمَاءِ** کہ یہ شخص پانی کو پانے والا ہے، اور تیمم کرنے کا حکم تو کب دیا گیا ہے؟ **فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً** جب تمہیں پانی نہ ملے تو اس وقت تیمم کی اجازت ہوتی ہے، اور یہ شخص تو پانی کو پانے والا ہے، پانی اس کے پاس موجود ہے، لہٰذا اس کو اعادہ کرنا پڑے گا کہ وضو کرے اور پھر نماز پڑھے۔

فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ فِي رَحْلِهِ ثَوْبٌ فَنَسِيَهُ تو یہ ہو گیا اس شخص کی طرح کہ جس کے کجاوے میں کپڑا تھا تو وہ اس کو بھول گیا۔ یہ جو پانی کو بھولنے والا ہے یہ اسی شخص کی طرح ہو گیا جس کے کجاوے میں کپڑا تھا اور وہ اس کو بھول گیا۔ صورت یہ کہ ایک شخص ہے اور وہ سفر میں ہے تو اس کے کپڑوں پر نجاست لگ گئی بھائی، نجاست لگ گئی۔ اب اس کے کجاوے میں اور کپڑے موجود ہیں لیکن وہ ان کو بھول گیا کہ وہاں اور بھی کپڑے رکھے ہیں۔ آج کل تو کپڑے بڑے عام ہو گئے، قدیم زمانے میں تو کپڑے ہاتھ سے بنتے تھے اور بڑے مہنگے ہوتے تھے، کم ہی لوگ ہوتے تھے جن کے پاس زیادہ کپڑے ہوتے بھائی، ایک دو کپڑوں میں لوگ گزارا کرتے تھے بھائی۔ تو اب تو اللہ کی نعمتیں اور خوب آسانیاں آ گئیں بھائی۔ تو اس وہ اس کپڑے کو بھول گیا اب ان کپڑوں پر نجاست لگ گئی ہے، کافی زیادہ نجاست لگی ہے تو اس نے کیا کیا؟ ننگے ہی نماز ادا کر لی بھائی۔ ننگے ہی نماز ادا کر لی۔ بعد میں اس کو یاد آیا بھائی، اوہو! کپڑے تو موجود ہیں کجاوے کے اندر۔ تو اس شخص کے لیے اعادے کا حکم ہے۔ اس کو کیا کہا جائے گا؟ کہ وہ کپڑے پہن کر دوبارہ نماز کو لوٹائے، دوبارہ نماز کا اعادہ کرے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ یہ جس شخص نے تیمم کیا تھا پانی کو بھول گیا تھا اس کو گویا وہ قیاس کر رہے ہیں اس شخص پر جو کپڑے کو بھول گیا ہے اور جب اس کے لیے تو کیا حکم ہے؟ اعادے کا حکم ہے تو یہ تیمم والا بھی بالکل اسی کی طرح ہے لہٰذا اس کو بھی کیا حکم دیا جائے گا؟ نماز کے اعادے کا حکم دیا جائے گا۔ تو انہوں نے اس تیمم کرنے والے کو فاقد الثوب پر قیاس کیا۔

فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ فِي رَحْلِهِ ثَوْبٌ فَنَسِيَهُ تو یہ ہو گیا اس شخص کی طرح جبکہ اس کے کجاوے کے اندر کپڑا ہو **فَنَسِيَهُ** تو وہ اس کو بھول گیا ہو۔ یہ تو ایک دلیل بھائی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی، دوسری دلیل:

وَلِأَنَّ رَحْلَ الْمُسَافِرِ مَعْدِنٌ لِلْمَاءِ عَادَةً فَيَفْتَرِضُ الطَّلَبُ اور اس لیے کیونکہ مسافر کا جو وہ مسافر کا جو کجاوہ ہوتا ہے **مَعْدِنٌ لِلْمَاءِ**، معدن کہتے ہیں اصل اور سرچشمہ، محل بھائی، محل یہاں محل کے معنی۔ اس لیے کیونکہ مسافر کا جو کجاوہ ہے وہ پانی کا محل ہوتا ہے عادۃً، پانی کی جگہ ہوتا ہے عادۃً، وہاں عادۃً پانی رکھا جاتا ہے بھائی جب انسان جاتا ہے سفر پر۔ **فَيَفْتَرِضُ الطَّلَبُ** تو طلب کرنا فرض ہوا بھائی۔ اس شخص پر طلب کرنا فرض۔ بھائی دیکھیے، تیمم جب کوئی شخص کرتا ہے تو تیمم کب تیمم کی اجازت دی ہے شریعت نے؟ جب اس کو پانی نہ ملے اور پانی اول تو اس کو تلاش کرنا چاہیے کہ کہیں ہو سکتا ہے قریب سے پانی مل جائے۔ اگر نہیں ملتا پھر اس کو کیا

کرنا چاہیے؟ پھر وہ تیمم کر سکتا ہے۔ تو دیکھو تیمم کرنے والے پر طلب ضروری ہے، اولاً کیا ضروری؟ طلب ضروری ہے، تو یہاں پر اس شخص نے طلب کی ہی نہیں، اس پر تو طلب ضروری تھی کہ پانی کو تلاش کرے اور پانی عموماً کہاں رکھا جاتا ہے؟ کجاوے میں رکھا جاتا ہے تو یہ ذرا ہی تلاش کرتا، ذرا ہی توجہ کرتا تو اس کو آسانی سے مل جاتا۔ تو اس نے بغیر تو طلب اس پر فرض تھی اس نے اس فرض کو چھوڑ دیا ہے تو لہٰذا اس کا تیمم ہی نہ ہوا بھائی۔

یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّ رَحْلَ الْمُسَافِرِ مَعْدِنٌ لِلْمَاءِ عَادَةً** بھائی **يَرْمَلُونَ** والا قاعدہ جگہ جگہ لگتا چلا جاتا ہے بھائی۔ دیکھو **مَعْدِنٌ لِلْمَاءِ، مَعْدِنٌ لِلْمَاءِ** نون تنوین آئی آخر میں **مَعْدِنٌ** کے، وہ نون ساکن کو بھی لام کر کے لام میں ادغام کیا گیا تو کیسے پڑھیں گے؟ **مَعْدِنٌ لِلْمَاءِ عَادَةً**، اس لیے کیونکہ مسافر کا جو کجاوہ ہوتا ہے وہ پانی کا محل ہوتا ہے عادۃً **فَيَفْتَرِضُ الطَّلَبُ** تو طلب کرنا فرض ہوا، یعنی پانی کا طلب کرنا فرض ہو گا۔

وَلَهُمَا یہ طرفین کی اب دلیل آگئی۔ طرفین کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ لَا قُدْرَةَ بِدُونِ الْعِلْمِ**، وہ فرماتے ہیں کہ بغیر علم کے قدرت نہیں ہو سکتی۔ **وَهِيَ الْمُرَادُ بِالْوُجُودِ** اور یہی قدرت ہی مراد ہے وجود سے۔ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ **فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً** تم پانی کو نہ پاؤ، اس نہ پانے سے کیا مراد ہے؟ کہ انسان پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ مٹی جو ہے مسلمان کے لیے طہور ہے اگرچہ دس سال تک ہی کیوں نہ ہو، **مَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ** جب تک اسے پانی نہ ملے۔ تو یہاں پر بھی پانی نہ ملنے سے کیا مراد ہے؟ پانی کے وجود، کہ پانی نہ پایا جائے اور وجود سے کیا مراد ہے؟ قادر ہونا، قدرت مراد ہے کہ انسان اس کے استعمال پر قادر نہ ہو، یہ بات گزشتہ سبق میں گزر چکی ہے بھائی۔

تو یہاں پر وجود سے مراد وجود سے مراد قدرت ہے اور قدرت تو بغیر علم کے ہو ہی نہیں سکتی، اور یہاں جب وہ بھول گیا تو بھول گیا تو اسے علم ہی نہیں، جب علم نہیں تو پانی پر قادر نہیں، اور جب پانی پر قدرت نہ ہو تو شریعت نے کیا حکم دیا؟ انسان کیا کرلے؟ تیمم کرلے، اس لیے اس کو تیمم کی اجازت شرعاً اس کے لیے گویا آچکی اور اب اس نے شرعی طریقے کے مطابق، جو شرعاً حکم تھا کہ تیمم کر کے نماز پڑھو، اس طریقے سے اس نے تیمم کر کے نماز پڑھی ہے لہٰذا اس کو اعادے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

یہ معنی ہے: **أَنَّهُ لَا قُدْرَةَ بِدُونِ الْعِلْمِ** اس لیے کیونکہ بغیر علم کے قدرت نہیں ہے **وَهِيَ الْمُرَادُ بِالْوُجُودِ** اور یہی قدرت ہی مراد ہے وجود سے۔

وَمَاءُ الرَّحْلِ مُعَدٌّ جی **مَعْدِنٌ** ہے آپ کی کتابوں میں؟ **مَعْدِنٌ** کا لفظ یہاں نہیں ہونا چاہیے بھائی، پچھلے ایک جملے میں آیا تھا، یہ لفظ ہے **مُعَدٌّ مُعَدٌّ**، تو یہ کتابت کی غلطی ہے اس کو درست کر لیجیے بھائی، **مَعْدِنٌ** لفظ یہاں نہیں ہے، **مُعَدٌّ، مُعَدٌّ** کا معنی تیار کیا ہوا، تیار کیا ہوا۔ جی طرفین کی دلیل چل رہی ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کیا ذکر کیا تھا؟ کہ مسافر کا جو وہ کجاوہ ہوتا ہے وہ پانی کا محل ہوتا ہے لہٰذا اس پر کیا ضروری تھی؟ طلب فرض تھی اور اس نے وہ فرض عمل کیے ہی نہیں، طلب کیے ہی نہیں، ویسے ہی تیمم کر لیا، لہٰذا اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھنا پڑے گی بھائی۔ اس کا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں:

وَمَاءُ الرَّحْلِ مُعَدٌّ لِلشُّرْبِ لَا لِلِاسْتِعْمَالِ اور جو کجاوے کا پانی ہوتا ہے وہ تیار کیا ہوتا ہے پینے کے لیے نہ کہ استعمال کے لیے، وہ کس لیے رکھا گیا ہوتا ہے؟ ہاں، کجاوے میں جو پانی رکھا جاتا ہے وہ اتنا زیادہ نہیں ہوتا، وہ تو تھوڑی سی مقدار ہوتی ہے صرف پینے کے لیے کہ کہیں پیاس لگے تو انسان اس کو پی لے، وہ استعمال وضو یا غسل کے قابل نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ تو کہتے ہیں: **وَمَاءُ الرَّحْلِ مُعَدٌّ لِلشُّرْبِ لَا لِلِاسْتِعْمَالِ** اور کجاوے کا جو پانی ہے اس کو تیار کیا گیا ہوتا ہے پینے کے لیے نہ کہ استعمال کے لیے۔

وَمَسْأَلَةُ الثَّوْبِ عَلَى الِاخْتِلَافِ باقی امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کو قیاس کیا تھا اس کپڑے کے مسئلے پر، کہ یہ جس نے جو پانی کو بھول گیا اور تیمم جس نے کیا یہ کس شخص کی طرح ہو گیا؟ اس شخص کی طرح جو کپڑے کو بھول گیا ہے اور اس نے ننگے ہی نماز ادا کر لی ہے۔ تو جواب اس کا دے رہے ہیں کہ کپڑے کا مسئلہ بھی اختلاف پر ہی ہے، یعنی اس میں بھی طرفین کا امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے اختلاف ہے۔ لہٰذا اگر اس پر امام ابو یوسف رحمہ اللہ قیاس کر بھی لیں، اگر قیاس کر بھی لیں دلیل کس کے خلاف بنا رہے ہیں؟ طرفین کے خلاف، تو طرفین کے نزدیک اس مسئلے کے اندر بھی اس شخص پر جس نے ننگے نماز پڑھی ہے اس پر نماز کا اعادہ نہیں۔ تو اگر اس پر قیاس کر بھی لیں تو بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ وہ مسئلہ ان کے نزدیک، اگر اس پر قیاس کر بھی لیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس کپڑے کو بھولنے والے پر اعادہ ہے، تو لہٰذا تیمم کرنے والے کو اس پر قیاس کریں گے تو تیمم والے پر کیا آئے گا؟ اعادہ آئے گا۔ اور طرفین کے نزدیک کپڑے کو بھولنے والے پر اعادہ نہیں، تو اس پر اگر قیاس کر بھی لیں تو بھی ان کے نزدیک اس پر اعادہ نہیں، لہٰذا اس دلیل کا ان کو فائدہ نہیں بھائی۔

وَمَسْأَلَةُ الثَّوْبِ عَلَى الِاخْتِلَافِ اور کپڑے کا مسئلہ جو ہے وہ اختلاف پر ہے۔ **وَلَوْ كَانَ عَلَى الِاتِّفَاقِ فَفَرْضُ السَّتْرِ يَفُوتُ لَا إِلَى خَلَفٍ وَالطَّهَارَةُ بِالْمَاءِ تَفُوتُ إِلَى خَلَفٍ وَهُوَ التَّيَمُّمُ وَلَوْ كَانَ عَلَى الِاتِّفَاقِ** اور اگر کپڑے کا مسئلہ اتفاق پر ہو، یعنی اس میں اتفاق ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اولاً پہلا جواب منعی دیا کہ ہمیں تسلیم ہی نہیں ہے کہ کپڑے کے مسئلے میں طرفین بھی اعادے کا حکم دیتے ہیں۔ دوسرا جواب تسلیمی دے رہے ہیں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ طرفین کیا کرتے ہیں کپڑے کے مسئلے میں اعادے کا حکم دیتے ہیں، اگر اس کو مان بھی لیا جائے کہ مسئلہ اتفاقی ہے پھر بھی اس متیمم کو اس فاقد الثوب پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کیونکہ وہاں پر جس نے کپڑے کے بغیر ننگے ہو کر نماز پڑھی تو ستر کا ڈھانپنا تو فرض تھا، تو وہ فرض فوت ہو گیا اور اس کا بدل کوئی نہیں آیا۔ ستر کا ڈھانپنا کیا تھا نماز میں؟ فرض تھا اور وہ ننگے نماز پڑھ رہا ہے تو یہ فرض رہ گیا اور اس کا کوئی بدل آیا؟ بدل نہیں، جبکہ یہاں پر وضو اگر رہ گیا، پانی کو بھولا ہے

وضوہ کیا تو اس کا نائب اور بدل یعنی تیمم آچکا ہے۔ تو لہٰذا وہاں اس کا نائب اور بدل کوئی نہیں، یہاں ایک چیز کا نائب اور بدل موجود ہے، لہٰذا اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں تو اگر ہم مان بھی لیں کہ بالاتفاق اعادہ کرنا پڑے گا وجہ اس کی کیا؟ کیونکہ وہاں پر وہ جو فرض چھوٹ گیا اس کا کوئی بدل نہیں آیا اس لیے وہاں اعادے کا حکم دیا گیا، اور یہاں پر جو فرض وضوہ کیا تھا اس کا بدل تیمم آچکا ہے لہٰذا یہاں اعادے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

وَلَوْ كَانَ عَلَى الِاتِّفَاقِ اور اگر وہ مسئلہ اتفاق پر بھی ہو، **فَفَرْضُ السَّتْرِ يَفُوتُ لَا إِلَى خَلَفٍ** تو ستر ڈھانپنے کا جو فرض ہے وہ فوت ہوتا ہے لَا **إِلَى خَلَفٍ** بغیر کسی نائب کے، یعنی کسی نائب کی طرف فوت نہیں ہوتا۔ **وَالطَّهَارَةُ بِالْمَاءِ تَفُوتُ إِلَى خَلَفٍ** یا **وَالطَّهَارَةِ** پڑھیں بھائی، **فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ** یہ **السَّتْرِ** پر عطف ہو جائے گا: **وَالطَّهَارَةِ بِالْمَاءِ تَفُوتُ إِلَى خَلَفٍ وَهُوَ التَّيَمُّمُ** اور طہارت کا فرض جو ہے، طہارت بالماء کا جو فرض ہے **تَفُوتُ إِلَى خَلَفٍ** یہ کس کی طرف فوت ہوا ہے یہاں پر؟ نائب اور بدل کی طرف، **وَهُوَ التَّيَمُّمُ** اور وہ کیا ہے؟ تیمم ہے بھائی، تیمم ہے۔

وَلَيْسَ عَلَى الْمُتَيَمِّمِ طَلَبُ الْمَاءِ إِذَا لَمْ يَغْلِبْ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّ بِقُرْبِهِ مَاءً اور نہیں ہے تیمم کرنے والے پر پانی کو طلب کرنا جب اس کے گمان پر یہ بات غالب نہ ہو **أَنَّ بِقُرْبِهِ مَاءً** کہ اس کے قریب ہی پانی ہے۔ بھائی یاد رکھیے ایک شخص جنگل میں جا رہا ہے اور نماز کا وقت آیا اب اس کے پاس پانی موجود نہیں، تو اگر اس شخص کا غالب گمان ہے کہ مجھے یہاں قریب ہی پانی مل جائے گا تو پھر اس کے لیے تیمم جائز نہیں ہے، اولاً طلب کرے تلاش کرے پانی کو بھائی، اور پھر تلاش کے بعد پانی نہ ملے تو اب اس کے لیے تیمم جائز ہو گا۔ تو یہ طلب ضروری ہے اس پر، کس صورت میں؟ جب اس کا غالب گمان ہو کہ پانی قریب مل جائے گا۔ اور اگر اس کا غالب گمان ہے کہ یہاں پانی نہیں ملے گا تو پھر طلب بھی اس سے ساقط ہو گئی بھائی۔ سمجھ میں آئی بات بھائی؟ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو یہی ذکر کر رہے ہیں کہ نہیں ہے تیمم کرنے والے پر پانی کو طلب کرنا جب اس کی غالب رائے یہ نہ ہو کہ اس کے قریب پانی ہے۔

لِأَنَّ الْغَالِبَ عَدَمُ الْمَاءِ فِي الْفَلَوَاتِ اس لیے کیونکہ غالب جو ہے وہ پانی کا نہ ہونا ہے **فِي الْفَلَوَاتِ** بیابانوں میں۔ بیابانوں، بیابان جہاں پانی، سبزہ وغیرہ، درخت نہ ہو اس کو بیابان کہتے ہیں بھائی۔ اس لیے کیونکہ غالب جو ہے وہ پانی کا نہ ہونا ہے بیابانوں میں، **وَلَا دَلِيلَ عَلَى الْوُجُودِ** اور پانی کے وجود پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ بھائی اس کی غالب رائے بھی کیا ہے؟ پانی نہیں ملے گا، ہاں غالب رائے ہوتی کہ پانی مل جائے گا پھر تو دلیل موجود تھی لہٰذا اس پر کیا ضروری ہو جاتی؟ طلب، لیکن اب غالب رائے ہے کہ پانی نہیں ملے گا، یہاں پر دور دور تک کسی انسان وغیرہ کسی آبادی کا نام و نشان نہیں ہے، کسی کوئی تو یہاں پر جب غالب گمان ہے پانی نہیں ملے گا تو طلب بھی اس سے کیا ہو جائے گی؟ ساقط، کیونکہ دلیل کوئی نہیں ہے طلب کی بھائی۔

وَلَا دَلِيلَ عَلَى الْوُجُودِ اور کوئی دلیل نہیں ہے اس پانی کے وجود پر **فَلَمْ يَكُنْ وَاجِدًا** تو یہ پانی کو پانے والا نہ ہوا بھائی، تو یہ تیمم کرے گا۔

وَإِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّ هُنَاكَ مَاءً لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَيَمَّمَ حَتَّى يَطْلُبَهُ اور اگر یہ اس کے گمان پر یہ بات غالب ہوئی کہ وہاں پانی موجود ہے تو جائز نہیں اس کے لیے تیمم کرنا **حَتَّى يَطْلُبَهُ** یہاں تک کہ اس پانی کو طلب کر لے، **لِأَنَّهُ وَاجِدٌ لِلْمَاءِ نَظَرًا إِلَى الدَّلِيلِ** اس لیے کیونکہ یہ شخص پانی کو پانے والا ہے دلیل کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ دلیل کیا ہے؟ اس کا غالب گمان ہے کہ پانی مل جائے گا، یہ دلیل ہے۔ تو دلیل کی طرف نظر کرتے ہوئے پانی کو پانے والا ہے تو لہٰذا اس کو پانی کو طلب کرنا چاہیے۔

ثُمَّ پھر کتنی مقدار تلاش کرے پانی کو بھائی؟ کہتے ہیں: **ثُمَّ يَطْلُبُ مِقْدَارَ الْغَلْوَةِ وَلَا يَبْلُغُ مِيلًا كَيْ لَا يَنْقَطِعَ عَنْ رُفَقَائِهِ** کہتے ہیں اور طلب کرے **مِقْدَارَ الْغَلْوَةِ**، غلوہ کہتے ہیں ایک تیر پھینکنے کی مقدار، کتنی مقدار؟ تیر پھینکنے کی، بھائی آپ کے پاس تیر کمان موجود ہیں اور آپ پوری قوت سے تیر پھینکیں جتنی دور تک پھینک سکتے ہیں، یہ ہے ایک غلوہ کی مقدار بھائی۔ زیادہ سے زیادہ جتنی دور تک تیر پھینکا جا سکے۔ اور اس کی مقدار لکھی ہے فقہاء نے تین سو سے لے کر چار سو ذراع تک۔ تین سو ذراع سے لے کر چار سو ذراع تک بھائی، یہ ہے غلوہ کی مقدار۔ اور یہ تین سو سے لے کر چار سو ذراع ہیں ذراع بھائی، یعنی شرعی گز، اور ذراع ہوتا ہے ڈیڑھ فٹ کا، اور آج کل جو گز رائج ہیں وہ انگریزی گز وہ تین فٹ کا یعنی دو شرعی گز کے برابر۔ تو تین سو سے لے کر چار سو شرعی گز، یہ کتنے انگریزی گز ہوئے؟ آدھا ہو جائے گا، ڈیڑھ سو سے لے کر دو سو تک، ڈیڑھ سو گز سے لے کر دو سو گز تک کے فاصلے تک اس پر پانی کا طلب کرنا ضروری ہے، اتنا کم از کم اتنا تو تلاش کرے بھائی ڈیڑھ دو سو گز بھائی، جنگل میں ہے بھائی تو یہ تو کوئی اتنا زیادہ فاصلہ نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **ثُمَّ يَطْلُبُ مِقْدَارَ الْغَلْوَةِ** پھر غلوہ کی مقدار جو ہے وہ طلب کرے پانی کو **وَلَا يَبْلُغُ مِيلًا** اور ایک میل تک نہ پہنچے، یعنی ایک میل فاصلے تک نہ پہنچے تلاش کرتے کرتے اتنی دور نہ جائے بھائی۔ **كَيْ لَا يَنْقَطِعَ عَنْ رُفَقَائِهِ** تاکہ کہیں منقطع نہ ہو جائے، جدا نہ ہو جائے **عَنْ رُفَقَائِهِ** اپنے ساتھیوں سے۔ جنگل ہے بھائی قدیم زمانے میں تو سفر بڑا مشکل تھا تو اگر اب یہ دور تلاش کرنے جائے گا تو ہو سکتا ہے پیچھے ساتھی ہیں یا قافلے والے ہیں وہ نکل جائیں اور پھر بعد میں یہ بڑی مشکل اور تکلیف میں پڑ جائے، تو میل تک نہ پہنچے لیکن کم از کم کتنا تلاش کر لے؟ ایک غلوہ کی مقدار تو تلاش کر لے بھائی۔

اور یہ بھی مسئلہ یاد رکھیے، اگرچہ ابا بلکہ آپ مجھے بتائیے مسئلہ، ایک آدمی ہے جنگل میں جا رہا ہے اور نماز کا وقت ہوا، اب یہ پانی اس کے پاس نہیں ہے، اس کا غالب گمان ہے کہ پانی یہاں قریب نہیں ملے گا چنانچہ اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، لیکن اس کے قریب ہی چند گز کے فاصلے پر جو درخت کھڑے تھے ان کے پیچھے اچھا خاصا پانی

موجود تھا، یہ نماز پڑھ کر چلا اور چند قدم ہی گیا درختوں کے پیچھے دیکھا کافی سارا پانی موجود ہے۔ اب آپ بتایئے بھائی، نماز ہو گئی یا اس کا اعادہ کرے گا؟ جی؟ ہاں شاباش، نماز اس کی ہو گئی۔ جب پچھلے مسئلے میں آپ نے پڑھا جب خود رکھ کر بھول گیا تھا تو اس صورت میں اعادہ نہیں تھا یہاں تو اسے بالکل علم ہی نہیں ہے بھائی، تو عدمِ علم کی صورت میں عدمِ علم کو کیا شمار کیا جائے گا؟ عدمِ قدرت، کیونکہ علم ہوتا تو قدرت ہوتی پانی پر، تو لہٰذا قدرت نہیں تو اس کا تیمم صحیح اور نماز بھی صحیح، اعادے کی ضرورت نہیں بھائی۔

وَإِنْ كَانَ مَعَ رَفِيقِهِ مَاءٌ طَلَبَ مِنْهُ اور اگر اس کے ساتھی کے پاس پانی ہے **طَلَبَ مِنْهُ** تو اس سے طلب کرے گا **قَبْلَ أَنْ يَتَيَمَّمَ** قبل تیمم کرنے کے۔ بھائی سفر میں ہے، اس کے پاس تو پانی نہیں لیکن اس کے ساتھی کے پاس پانی موجود ہے تو اس سے طلب کرے تیمم کرنے سے پہلے، پانی اس سے مانگے۔ مانگے اگر وہ نہ دے تو پھر تیمم کر لے۔ **لِعَدَمِ الْمَنْعِ غَالِبًا** بوجہ نہ روکنے کے غالباً، اس لیے کیونکہ غالباً اور اکثر کیا ہے پانی کے استعمال سے کوئی کسی کو روکتا نہیں تو اس کو بھی کیا کرنا چاہیے اپنے ساتھی سے پانی کو مانگنا چاہیے تاکہ پانی سے پھر وضو کر لے۔ تو پانی کے اندر **لِعَدَمِ الْمَنْعِ غَالِبًا** بوجہ روکنے کے نہ ہونے کے غالباً۔ **فَإِنْ مَنَعَهُ مِنْهُ يَتَيَمَّمُ** اگر وہ اس کو روک دے **مِنْهُ** اس پانی سے **يَتَيَمَّمُ** تو کیا کر لے؟ پھر تیمم کر لے **لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ** عجز کے پائے جانے کی وجہ سے۔

وَلَوْ تَيَمَّمَ قَبْلَ الطَّلَبِ أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللہ اور اگر اس نے تیمم کر لیا طلب سے پہلے ہی، اس سے مانگا ہی نہیں پانی بلکہ اس سے پہلے ہی کیا کر لیا؟ تیمم کر لیا اور نماز پڑھ لی، **أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ** تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا امام صاحب کے نزدیک۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بغیر مانگے ہی اگر اس نے تیمم کر لیا تو اس کا تیمم کافی ہے، صحیح ہو جائے گا۔ **لِأَنَّهُ**، دلیل ان کی کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ** لَا **يَلْزَمُ الطَّلَبُ مِنْ مِلْكِ الْغَيْرِ** اس لیے کیونکہ لازم نہیں ہے طلب کرنا غیر کی ملکیت سے، ایک چیز غیر کی ملکیت میں ہے تو اس سے طلب کرنا لازم نہیں ہے بھائی، وہ غیر کی چیز ہے۔ سمجھ میں آئی بھائی؟ اور جی اور کیونکہ سوال کے اندر، مانگنے کے اندر عزت نفس جو ہے انسان کی گوارا نہیں کرتی کہ غیر سے کوئی چیز مانگے بھائی۔

وَقَالَا لَا **يُجْزِيهِ لِأَنَّ الْمَاءَ مَبْذُولٌ عَادَةً** صاحبین فرماتے ہیں یہ جائز نہیں یہ اس کے لیے کافی نہیں، کیونکہ پانی جو ہے **مَبْذُولٌ عَادَةً** وہ عادۃً خرچ کیا جاتا ہے۔ بذل کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ خرچ کرنے، بذل خرچ کرنا، یعنی پانی کوئی دوسرے سے مانگے تو پانی خرچ کر دیا جاتا ہے یعنی دے دیا جاتا ہے، تو لہٰذا اس پر طلب ضروری ہے، بغیر طلب کے اگر تیمم کرے گا تو تیمم صحیح نہیں ہے۔ تو صاحبین فرماتے ہیں: لَا **يُجْزِيهِ** یہ اس کے لیے کافی نہیں **لِأَنَّ الْمَاءَ مَبْذُولٌ عَادَةً** اس لیے کیونکہ پانی جو ہے وہ عادۃً خرچ کیا جاتا ہے یعنی دے دیا جاتا ہے، تو اس کے اوپر طلب ضروری۔

امام جصاص فرماتے ہیں کہ یہاں اختلاف ذکر ہوا متن کے اندر، لیکن کوئی اختلاف نہیں صاحبین اور امام صاحب میں۔ صاحبین تو فرما رہے ہیں طلب ضروری ہے، امام صاحب فرما رہے ہیں طلب ضروری نہیں۔ تو امام جصاص فرماتے ہیں نہیں کوئی اختلاف نہیں، یہاں غالب گمان کا اعتبار ہے۔ صاحبین کا قول مبنی ہے غالب گمان پر، اگر اس کا غالب گمان ہے تو پھر کیا کر لے؟ مانگ لے، اور امام صاحب کا قول مبنی ہے اس کے کہ جب غالب گمان نہیں ہے تو جب اس کا غالب گمان یہ ہے کہ پانی نہیں دے گا تو پھر امام صاحب کے نزدیک نہ مانگے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو غالب گمان میں مانگنا چاہیے اور غالب گمان ہے کہ نہیں دے گا تو پھر نہ مانگے بھائی۔

وَلَوْ أَبَى أَنْ يُعْطِيَهُ إِلَّا بِثَمَنِ الْمِثْلِ وَعِنْدَهُ ثَمَنُهُ لَا يُجْزِيهِ التَّيَمُّمُ اور اگر اس نے انکار کر دیا کہ اس کو وہ پانی دے، **وَلَوْ أَبَى، أَبَى يَأْبَى** کا معنی انکار کرنا، اور اگر اس نے ساتھی سے مانگا اور اس نے انکار کر دیا اس کو دینے سے **إِلَّا بِثَمَنِ الْمِثْلِ** مگر کس کے بدلے؟ ثمنِ مثل کے بدلے، ثمنِ مثل کے عوض میں، کہ پیسوں پر دوں گا تمہیں پانی، مفت نہیں دوں گا۔ **وَعِنْدَهُ ثَمَنُهُ** اور اس کے پاس اس کے ثمن موجود ہیں، اس کے پاس اتنے پیسے ہیں کیا کر سکتا ہے؟ اس سے پانی خرید سکتا ہے۔ لَا **يُجْزِيهِ التَّيَمُّمُ** تو اس شخص کے لیے تیمم جائز نہیں **لِتَحَقُّقِ الْقُدْرَةِ** بوجہ قدرت کے پائے جانے کے، کیونکہ پیسوں سے خرید سکتا ہے جب پیسوں سے خرید سکتا ہے تو یہ پانی کے استعمال پر کیا ہوا؟ قادر ہوا، قدرت ہے اس کو، اور جب قادر ہے تو پھر تیمم کی اجازت نہیں۔

وَلَا يَلْزَمُهُ تَحَمُّلُ الْغَبَنِ الْفَاحِشِ اور لازم نہیں ہے اس پر غبنِ فاحش کو برداشت کرنا۔ بھائی یاد رکھیے صورت یہ، اس نے ساتھی سے یا کسی کے پاس پانی تھا پانی طلب کیا اور اس نے کہا میں پیسوں کے پر دوں گا مفت نہیں دوں گا، تو پھر یا تو وہ اس کو ثمنِ مثل کے بدلے دے گا۔ ثمنِ مثل یعنی اس جیسے پانی کی جو قیمت ہونی چاہیے اس مقام پر، اس نے بھی وہی پیسے مانگے ہیں کوئی زیادہ نہیں مانگے۔ یہ ہے ثمنِ مثل۔ اور دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تھوڑے سے زیادہ مانگ لے، مثلاً اتنا پانی پچاس کا تھا وہ اس سے ساٹھ روپے مانگ لیتا ہے تو تھوڑے سے زیادہ مانگ لیے اس نے۔ تیسری صورت کہ غبنِ فاحش کے ساتھ یعنی پچاس کا پانی ہے وہ پچھتر مانگ لیتا ہے یا سو روپیہ مانگ لیتا ہے تو یہ کیا ہے؟ غبنِ فاحش ہے۔ تو غبن کہتے ہیں اصل میں نقصان، نقصان بھائی۔ غبنِ فاحش کثیر نقصان بھائی، فاحش کا کیا معنی؟ کثیر، کثیر نقصان۔ تو اگر اس کو ثمن میں کثیر نقصان لازم آتا ہے تو پھر اس پر پانی کا خریدنا واجب نہیں۔

لِأَنَّ الضَّرَرَ مُسْقَطٌ اس لیے کیونکہ ضرر جو ہے اس کو ساقط کر دیا گیا ہے، **مُسْقَطٌ** اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس لیے کیونکہ ضرر کو کیا کیا گیا ہے؟ ساقط کر دیا گیا ہے بھائی۔ شریعت کسی پر نقصان کو لازم نہیں کرتی بلکہ نقصان سے بچاتی ہے، تو یہاں پر بھی دیکھیے بھائی اب اگر وہ چیز وہ پانی اس کو غبنِ فاحش کے ساتھ دے رہا ہے تو اس صورت میں شریعت اجازت دیتی ہے کہ غبنِ فاحش کو برداشت کرنے کی ضرورت نہیں، تمہارا پیسوں کا نقصان ہو رہا ہے تم کیا کر سکتے ہو؟ تیمم کر سکتے ہو۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اب غبنِ فاحش کہتے کس کو ہیں؟ کہتے کس کو ہیں؟ پتہ کیسے چلے گا ہمیں غبنِ فاحش ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں تو مختلف تعریفیں کیں بھائی، مختلف۔ امام صاحب سے پوچھا گیا کہ غبنِ فاحش کسے کہتے ہیں؟ تو فرمانے لگے کہ مثلاً ایک درہم کی چیز کوئی تمہیں ڈیڑھ درہم کی دے تو یہ غبنِ فاحش ہے۔ یعنی ڈیڑھ گنا ثمن پہ دے تو یہ کیا ہے؟ غبنِ فاحش ہے۔ بعضوں نے کہا غبنِ فاحش جس میں دگنی قیمت پر دے، ایک چیز مثلاً پچاس کی ہونی چاہیے دوسرا آپ کو سو کی دے رہا ہے یہ کیا ہے؟ غبنِ فاحش ہے۔ بعضوں نے کہا غبنِ فاحش وہ ہے جو قیمت لگانے والوں کی میں سے کسی کی قیمت پہ نہ آتا ہو بھائی۔ بھائی آپ دیکھتے ہیں آپ کوئی چیز ہے مثلاً گاڑی فروخت کرنا چاہتے ہیں آپ بازار لے جاتے ہیں اور جو اس گاڑی کے کاروبار کرنے والے ہیں ان سے قیمت لگواتے ہیں، آپ جتنوں سے بھی قیمت لگوالیں ہر ایک الگ الگ قیمت لگائے گا لیکن ان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہو گا، قریب قریب ہوں گی، مثلاً ایک نے اگر پانچ لاکھ لگائی ہے دوسرا کتنی؟ پونے پانچ، سوا پانچ، اس کے آس پاس قریب قریب قیمتیں لگائیں گے کیونکہ تاجروں کو اندازہ ہوتا ہے چیزوں کا تو ان کی قیمتیں قریب قریب ہوتی ہیں۔ تو یہ ہیں **مقوِّمین**، قیمت لگانے والے۔ کون ہیں؟ قیمت لگانے والے۔ تو جو قیمت لگانے والوں میں سے کسی کی قیمت پر نہ ہو، اس سے بڑھ کر ہو وہ ہے غبنِ فاحش۔ اسے کیا کہیں گے؟ غبنِ فاحش کہیں گے۔ مثلاً یہ پانی اس کی اگر قیمت لگوائی جائے کوئی کہے گا یہ پینتالیس کا ہونا چاہیے، کوئی کہے گا یہ سینتالیس کا ہونا چاہیے، کوئی کہے گا یہ باون کا ہونا چاہیے، کوئی کہے گا پچپن کا، کوئی پچاس کہے گا، یہ سارے قریب قریب ہیں۔ اور وہ اس سے بڑھ کر مانگ رہا ہے مثلاً ستر مانگ رہا ہے، بھائی یہ تو کسی قیمت لگانے والے کی قیمت اس کے کے مطابق نہیں ہے، اس کو کیا کہیں گے؟ غبنِ فاحش کہیں گے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يَلْزَمُهُ تَحَمُّلُ الْغَبَنِ الْفَاحِشِ، غَبَن** با کے فتحہ اور با کے سکون دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، **الْغَبَنُ الْفَاحِشُ** اور **الْغَبْنُ الْفَاحِشُ** دونوں طرح۔ **وَلَا يَلْزَمُهُ تَحَمُّلُ الْغَبَنِ الْفَاحِشِ** اور اس لازم نہیں ہے اس شخص پر غبنِ فاحش کو برداشت کرنا **لِأَنَّ الضَّرَرَ مُسْقَطٌ** اس لیے کیونکہ ضرر جو ہے اس کو ساقط کر دیا گیا ہے۔

وَاللهُ أَعْلَمُ اور اللہ خوب جاننے والے ہیں، صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ ہم نے تو اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ مسائل جو ہیں ان کو آپ کے سامنے تمام شرعی قوانین، دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھیں، لیکن پھر بھی انسان ہے اس سے غلطی ہو سکتی ہے، ہم نے مسائل لکھ دیے اور اللہ ہی خوب جاننے والے ہیں ہر چیز کو بھائی۔

بھئی تیمم کا باب مکمل ہوا اور آپ نے پڑھا کہ عذر کی حالت میں جب پانی کے استعمال پر انسان قادر نہ ہو تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ تیمم کر سکتا ہے، تیمم کر سکتا ہے۔ لیکن یہاں ایک قیمتی بات یاد رکھنا کہ یاد رکھیے اگر یہ عذر جو ہے انسانوں کی طرف سے ہو، جس کی وجہ سے پانی انسان استعمال نہیں کر سکتا اور تیمم کر کے نماز پڑھنا پڑی، یہ عذر اگر کس کی طرف سے ہو؟ انسانوں کی طرف سے ہو، مثلاً ایک شخص جیل میں ہے اور جیل کے اندر اب جیل والے اس کو پانی نہیں دیتے تو اس کو تیمم کر کے نمازیں پڑھنا پڑیں تو یہ عذر کس کی طرف سے آیا؟ انسانوں کی طرف سے، انسانوں نے اس تک پانی نہیں پہنچنے دیا اس کو پانی نہیں دیا۔ تو اس صورت میں یاد رکھیے مسئلہ کہ یہ شخص تیمم کر کے نمازیں پڑھتا رہے لیکن یہ عذر انسانوں کی طرف سے آیا ہے لہٰذا بعد میں ان ساری نمازوں کی قضا کرنا پڑے گی۔ اس وقت تیمم کر کے پڑھتا رہے، بعد میں کیا کرے؟ جب پانی پر قادر ہو جائے تو پھر وضو کر کے ان ساری نمازوں کو لوٹانا پڑے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

■ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ یہ باب ہے موزوں پر مسح کے

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ یہ باب ہے موزوں پر مسح کے بیان میں۔ خفین بھائی وہ جو چمڑے کے موزے ہوتے ہیں پہنے جاتے ہیں ان کو خفین کہتے ہیں عربی میں، تثنیہ ہے بھائی **خُفٌّ** واحد ہے اس کا۔ **بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ** یہ باب ہے موزوں پر مسح کے بیان میں۔ **الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ** موزوں پر مسح جو ہے وہ جائز ہے بالسنۃ، کس سے؟ سنت سے بھائی، یعنی حدیث سے۔ حدیث سے اس کا ثبوت ہے، بہت سی احادیث ہیں اس سلسلے میں جن سے موزوں پر مسح کے جواز کا پتہ چلتا ہے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ تو موزوں پر مسح کرنا جائز ہے سنت سے، یعنی کس دلیل کیا ہے؟ اس کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ سنت یعنی احادیث سے پتہ چلتا ہے، قرآن میں اس کا ذکر نہیں بھائی۔

وَالْأَخْبَارُ فِيهِ مُسْتَفِيضَةٌ اور احادیث جو ہیں اس میں اس سلسلے میں مستفیضہ ہیں، شائع ہیں یعنی عام ہیں یعنی مشہور ہیں۔ احادیث کیا ہیں؟ مشہور ہیں جن سے موزوں پر مسح کے جواز کا پتہ چلتا ہے بھائی۔ بھائی متن میں لفظ آیا: **بِالسُّنَّةِ**، میں نے آپ کو بتلایا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات کے چار نام ہیں: حدیث، اثر، خبر، سنت۔ حدیث کو اثر بھی کہتے ہیں، حدیث ہی کو سنت بھی کہتے ہیں، حدیث ہی کو خبر بھی کہتے ہیں، تو خبر، اثر، سنت، حدیث یہ چار نام ہیں حدیث کے بھائی۔ تو کہتے ہیں موزوں پر مسح کرنا **جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ** کس سے ثابت ہے؟ سنت سے، حدیث سے جائز ہے یعنی اس سے ثابت ہے۔ **وَالْأَخْبَارُ فِيهِ مُسْتَفِيضَةٌ** یہ اخبار جمع ہے خبر کی اور خبر بھی نام ہے کس چیز کا؟ حدیث کا، اور احادیث اس کے اندر مستفیضہ ہیں، مشہور ہیں بھائی۔

حَتَّى قِيلَ إِنَّ مَنْ لَمْ يَرَهُ كَانَ مُبْتَدِعًا یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ بے شک وہ شخص جو اس کو نہیں اس کا یقین کرتا، یعنی اس کا اعتقاد نہیں رکھتا، موزوں پر مسح کے جواز کا جو شخص عقیدہ نہیں رکھتا **كَانَ مُبْتَدِعًا** تو وہ بدعتی ہے۔ اہلِ سنت والجماعت میں سے نہیں ہے بلکہ کس میں سے ہے؟ اہلِ بدعت میں سے ہے۔ **حَتَّى**

قِيلَ إِنَّ مَنْ لَمْ يَرَهُ كَانَ مُبْتَدِعًا کہ وہ شخص جو ان کا عقیدہ نہیں رکھتا، جو **لَمْ يَرَهُ** جو ان کو دیکھتا نہیں، دیکھنے سے مراد رؤیتِ بصری آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ رؤیتِ قلبی مراد ہے، اور اس وہ رؤیت بمعنی علم کے ہوتی ہے یقین کے لیے آتی ہے، کس کے لیے؟ یقین کے لیے۔ جو ان کا یقین نہیں رکھتا یعنی جو ان کا اعتقاد نہیں رکھتا، یعنی جو اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ تو کہا گیا: **إِنَّ مَنْ لَمْ يَرَهُ كَانَ مُبْتَدِعًا** جو ان کا جو اس کا اعتقاد نہیں رکھتا **كَانَ مُبْتَدِعًا** تو وہ بدعتی ہے۔

لَكِنَّ مَنْ رَآهُ ثُمَّ لَمْ يَمْسَحْ آخِذًا بِالْعَزِيمَةِ كَانَ مَأْجُورًا لیکن جو شخص اس کو ایک جو شخص اس کا **رَآهُ** اس کا اعتقاد رکھتا ہے یعنی اس کو جائز سمجھتا ہے **ثُمَّ لَمْ يَمْسَحْ** پھر وہ مسح نہیں کرتا **آخِذًا بِالْعَزِيمَةِ** عزیمت کو پکڑتے ہوئے، عزیمت پر عمل کرتے ہوئے **كَانَ مَأْجُورًا** تو وہ ماجور ہو گا یعنی اس کو اجر دیا جائے گا، وہ اس کو اجر ملے گا بھائی اللہ کی طرف سے۔

بھائی دیکھیے، جو شخص مسح علی الخفین کو جائز ہی نہیں سمجھتا وہ تو کس میں سے ہے؟ اہلِ سنت والجماعت میں سے ہے ہی نہیں بلکہ اہلِ بدعت میں سے ہے بھائی، اہلِ بدعت میں سے۔ کیونکہ اس کے اندر بڑی بہت زیادہ احادیث ہیں بھائی، بہت سے صحابہ سے اور بہت سی احادیث روایت ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ موزوں پر مسح جائز ہے بھائی، جائز ہے۔ لیکن جو شخص اس کو جائز سمجھتا ہے پھر مسح نہیں کرتا موزوں پر بلکہ عزیمت پر عمل کرتا ہے، عزیمت، جو اصل حکم ہے۔ بھائی ایک ہے عزیمت، ایک ہے رخصت بھائی، ایک ہے اصل حکم اور بعض اوقات ایک چیز کی رخصت مل جاتی ہے شریعت کی طرف سے، تو جو شخص عزیمت پر عمل کرتا ہے یعنی موزوں پر مسح کرنے کے بجائے پاؤں دھوتا ہے تو اس کو اجر ملے گا اللہ کی طرف سے کیونکہ موزوں پر مسح آسان کام تھا، رخصت تھی، اور جبکہ پاؤں کا دھونا وہ تو مشکل کام ہے بھائی، خصوصاً سردی کے اندر یہ آپ دیکھتے ہیں بھائی، تو وہ اس نے چونکہ پاؤں دھونے کی مشقت برداشت کی، مشکل راستے کا انتخاب کیا لہٰذا اس کو اللہ کی طرف سے اجر ملے گا بھائی۔ یہ معنی ہے اس کہنے کا کہ جو اس کو جائز تو سمجھتا ہے لیکن مسح نہیں کرتا عزیمت پر عمل کرتے ہوئے تو وہ ماجور ہو گا کہ اسے اجر ملے گا۔

تو جو انہوں نے کیا کہا؟ کہا گیا ہے کہ جو شخص اس کو جائز نہیں سمجھتا وہ اہلِ بدعت میں سے ہے، اہلِ بدعت میں سے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے بھائی کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اہلِ سنت والجماعت کسے کہتے ہیں، کون ہیں اہلِ سنت والجماعت؟ تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرمانے لگے جو شیخین کو فضیلت دیتا ہو، ختنین سے محبت رکھتا ہو، اور مسح علی الخفین کو جائز سمجھتا ہو۔ وہ کس میں سے ہے؟ اہلِ سنت۔ اور شیخین کو جو فضیلت دیتا ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کو باقی صحابہ پر فضیلت دیتا ہے کہ باقی صحابہ سے ان کا درجہ بڑھ کر ہے، اور محبت رکھتا ہے ختنین سے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دو داماد ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے محبت رکھتا ہے، اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھتا ہے، یہ ہے اہلِ سنت والجماعت۔ تو امام صاحب نے یہ نشانی بیان فرمائی کس کی؟ اہلِ سنت والجماعت کی بھائی، اہلِ سنت۔

بھائی اہلِ سنت والجماعت یاد رکھیے بھائی، اہلِ سنت وہ لوگ جو سنت پر عمل کرتے ہیں، کس پر عمل کرتے ہیں؟ سنت پر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے، بھائی ہر چیز سنت ہے فرائض بھی کس میں ہیں؟ بھائی وہ سنتِ اصطلاحی نہیں کہہ رہا، سنت یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض پر عمل کیا ہے یا نہیں کیا؟ تو یہ بھی سنت ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو وہ فرض کے مقابلے میں صرف سنت جو آئے وہاں یہ وہ مراد نہیں ہے بلکہ جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہو، اور دین سارا نام ہی سنت کا ہے۔ دین نام ہی کس کا ہے؟ سنت کا ہے یعنی وہ حضور علیہ السلام کے افعال بھائی، اسی میں فرائض بھی آ گئے، اسی میں سنتیں بھی آ گئیں، اسی میں واجبات وغیرہ بھی آ گئے، یہ سارے بھائی۔ تو سمجھ میں آئی بات؟ تو اہلِ سنت وہ ہیں جو سنت پر عمل کرتے ہیں، **وَالْجَمَاعَةِ** کتنی قیمتی قید ساتھ آ گئی۔ لیکن سنت پر اپنے طریقے سے عمل نہیں کرتے، اس طریقے سے **وَالْجَمَاعَةِ** جو صحابہ کی جماعت جس طرح عمل کرتی تھی اس طرح عمل کرتے ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ صحابہ کی جماعت جس طرح عمل کر کرتی تھی۔ اگر صحابہ کے عمل کو نکال دیں تو پھر تو احادیث سے ان کا معنی ہر شخص اپنی فہم کے مطابق کوئی کچھ معنی کرے گا، کوئی کس طریقے سے عمل کرے گا اور کوئی کس طریقے سے عمل کرے گا۔ تو دین پر عمل ہو سنت پر عمل بھی ہو لیکن کس طریقے سے ہو؟ جس طرح صحابہ نے حضور علیہ السلام سے سیکھا اور آگے پہنچایا اسی طریقے سے عمل ہو بھائی، اسی طریقے سے عمل ہو۔ تو یہ ہے اہلِ سنت والجماعت بھائی، سنت پر عمل کرتے ہیں اور کس طریقے سے کرتے ہیں؟ صحابہ کے بتلائے ہوئے طریقے سے۔

اور یہ جو آپ ہدایہ میں پڑھ رہے ہیں بھائی، ہدایہ میں پڑھ رہے ہیں، یہ کوئی امام صاحب کے سارے کوئی اپنی طرف سے باتیں نہیں کر رہے، آپ دیکھ رہے ہیں امام صاحب، صاحبین وغیرہ کے اقوال صاحبِ ہدایہ ذکر کر رہے ہیں تو یہ وہ سارے یہ وہی طریقے ہیں جو کس سے منقول ہیں؟ صحابہ سے منقول ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کبار جلیل القدر صحابہ جو ہیں جیسا انہوں نے سمجھا اور بیان کیا اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے آگے اس کو بیان کیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ دین کا وہی طریقہ ہے بھائی، وہی طریقہ۔

اب اگر کوئی شخص صرف احادیث پہ نظر کرتا ہے، معلوم ہوا اس نے صحابہ کے واسطے کو نکال دیا، احادیث کو بھی دیکھو، حدیث میں کیا آ رہا ہے اور پھر یہ بھی دیکھو صحابہ نے اس کا کیا معنی لیا تھا اور کس طرح صحابہ اور تابعین ان پر اس پر عمل کرتے تھے، انہوں نے کیا سمجھا تھا اس سے؟ تو اس کے مطابق اس پر پھر عمل کیا جائے گا بھائی۔ اپنی فہم میں جو بات آ جائے انسان اس طرح عمل کرنے لگے پھر تو کہیں پر بات کیسی بن جائے گی اور کہیں پر دین کی صورت ہی بدل جائے گی بھائی، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

کیونکہ ایک ہی بات کے بعض اوقات کئی معنی نکل آتے ہیں تو پھر مشکل میں انسان پڑ جائے گا بھائی۔ جی، چلیے بس کریں، بس بھائی: **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

جی کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہیں آئی؟ جی؟ (طالب علم کا سوال): دیکھو وہ مسئلہ یہاں تو پانی بالکل سامنے اس کے گزرا ہے، وہاں اور سامنے ہونے کے باوجود اس کی نظر نہیں پڑی۔ سامنے ہو پھر تو انسان کی نظر پڑ جاتی ہے۔ تو کیوں نہیں نظر پڑی؟ اس کی اپنی کوتاہی تھی لہٰذا اس عذر کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری طرف تو پانی اس کے سامنے ہے ہی نہیں، وہ تو رکاوٹ کے پیچھے ہے، اور اس کا بھی غالب گمان یہ ہے یہاں پانی نہیں ملے گا تو یہاں غالب گمان ہی جو ہے اس کو شریعت نے دلیل قرار دیا اور تو یہاں کوئی دلیل ہو نہیں سکتی، غالب گمان کو دیکھا جائے گا بھائی۔ ٹھیک ہے؟ تو اس کو کوتاہی نہیں کہیں گے، اس میں کیا کوتاہی ہے اس کی؟ موقع ہے، آدمی اس کے ذہن نہیں ہے یہاں پانی نہیں مل سکتا۔

(طالب علم کا سوال) جی؟ (طالب علم کا سوال) بھول گیا، بھول گیا مولانا، بھول گیا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور حدیث میں کیا آیا ہے؟ **رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ،** یہ اس امت کا خاصہ ہے نسیان وغیرہ کو اٹھا دیا گیا، اس سے جو غلطی ہو وہ معاف ہے، یہاں وہ بھول گیا اور بھولنے میں بالکل علم ہی نہیں ہوتا انسان کے ذہن۔ ہاں اگر وہ صرف اگر وہ صرف اس کا غالب گمان ہے کہ کجاوے میں پانی نہیں ہے اور اس نے نماز پڑھ لی تو پھر بالاتفاق اس کو اعادہ کرنا پڑے گا بھائی۔ بھائی غالب گمان غالب گمان نہیں، مطلب اتنی غالب گمان ہے کجاوے میں نہیں ہے، یہ خیال ہے اور پھر کجاوے میں دیکھا ہی نہیں، نہیں بھائی اتنی یہاں غالب گمان کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ بھول اسی لیے بھولنے کو ذکر کیا متن کے اندر کہ وہ بالکل بھول گیا اسے یاد ہی نہیں ہے، تو اب لہٰذا عدمِ علم ہے اور عدمِ علم ہے تو عدمِ قدرت ہے اور عدمِ قدرت ہے تو وہ عاجز ہوا اور عاجز ہوا تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ تیمم کر سکتا ہے بھائی۔ اور دوسری طرف صرف اس کا گمان غالب ہے کہ نہیں ہو گا پانی کجاوے میں، یہاں گمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے بھائی، کجاوہ کوئی پاس ہے کوئی دور نہیں جانا پڑے گا، اتنی بھی تکلیف نہیں کرتا غالب گمان پر ہی عمل کر لیتا ہے کہ کجاوے میں پانی شاید نہیں ہے۔ تو بھولنا اور چیز، غالب گمان اور چیز ہے بھائی۔

(طالب علم کا سوال): جی؟ چاروں طرف، بس جس طرف بھی اس کا اندازہ ہے اس طرف کو تلاش کر لے کہ کس طرف مل سکتا ہے اس طرح۔

سمجھ میں آیا؟ غالب گمان کا یہاں اعتبار نہیں ہے، کیونکہ غالب مثلاً غالب گمان کس کو کہتے ہیں؟ ایک خیال ہے کہ کجاوے میں پانی ہے، دوسرا خیال ہے کہ کجاوے میں پانی نہیں لیکن یہ غالب گمان ہے۔ لیکن دوسرا خیال بھی کچھ ہے یا نہیں؟ وہ تھوڑا سا تو ہے، چاہے معمولی سا ہی ہے لیکن ہے تو۔ لہٰذا یہاں اس کو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ جی چلیے بس بھائی۔

سبق نمبر ۲۹: مسئلہ: وَيَجُوزُ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ

ہدایہ صفحہ: ۵۵ــــ بتاریخ: ۱۳ نومبر ۲۰۱۲ء

وَيَجُوزُ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ ثُمَّ أَحْدَثَ. خَصَّهُ بِحَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ لِأَنَّهُ لَا مَسْحَ مِنَ الْجَنَابَةِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وَبِحَدَثٍ مُتَأَخِّرٍ لِأَنَّ الْخُفَّ عُهِدَ مَانِعًا، وَلَوْ جَوَّزْنَاهُ بِحَدَثٍ سَابِقٍ كَالْمُسْتَحَاضَةِ إِذَا لَبِسَتْ ثُمَّ خَرَجَ الْوَقْتُ، وَالْمُتَيَمِّمِ إِذَا لَبِسَ ثُمَّ رَأَى الْمَاءَ كَانَ رَافِعًا.

جی گزشتہ سبق میں مَسْحُ الْخُفَّيْنِ کا باب شروع ہوا تھا، اور آپ نے پڑھا کہ مَسْحُ الْخُفَّيْنِ یہ جائز ہے، ثابت ہے سنت سے، یعنی احادیث سے اس کا ثبوت ہے، اور اس کے اندر جو احادیث ہیں وہ کثیر ہیں، مشہور ہیں بھائی، مشہور ہیں۔ اور مَسْحُ الْخُفَّيْنِ یہ علامت ہے، نشانی ہے أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ کی بھائی۔ چنانچہ خوارج اور جو شیعہ وغیرہ ہیں، ان کے نزدیک یہ درست نہیں بھائی۔ تو اسی لیے اس کو کیا قرار دیا گیا ہے؟ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔

جی آج فرمارہے ہیں: «وَيَجُوزُ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ» اور جائز ہے مَسْحُ الْخُفَّيْنِ «مِنْ كُلِّ حَدَثٍ» ہر ایسے حدث سے «مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ» جو وضو کو واجب کرنے والا ہے۔ اور مَسْحُ الْخُفَّيْنِ جائز ہے ہر ایسے حدث سے جو وضو کو واجب کرنے والا ہے۔ یہ «مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ» کی قید کے ذریعے دراصل غسل کو نکال رہے ہیں، وہ حدث جو غسل کو واجب کرنے والا ہے، اس صورت میں مَسْحُ الْخُفَّيْنِ جائز نہیں بھائی، بلکہ صرف کون سے حدث کی صورت میں مَسْحُ الْخُفَّيْنِ جائز ہے؟ وہ حدث جس سے وضو واجب ہوتا ہے، اس وقت صرف مَسْحُ الْخُفَّيْنِ جائز ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ» اور جائز ہے مَسْحُ الْخُفَّيْنِ ہر ایسے حدث سے جو وضو کو واجب کرنے والا ہے «إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ» جبکہ پہنا ہو ان موزوں کو «عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ» کامل طہارت پر، یعنی پورے وضو پر «ثُمَّ أَحْدَثَ» پھر حدث لاحق ہوا ہو۔ پہنا تھا، اس وقت کیا تھا؟ کامل طہارت تھی، یعنی پورا وضو تھا «ثُمَّ أَحْدَثَ» پھر حدث لاحق ہوا، اور حدث بھی کون سا؟ جو وضو کو واجب کرنے والا ہے، وہ حدث لاحق ہوا، تو اس حدث سے مَسْحُ الْخُفَّيْنِ، اس حدث کی وجہ سے جائز ہے، موزوں پر مسح کیا جاسکتا ہے، موزے اتار کر پاؤں دھونا ضروری نہیں بھائی۔

■ مسئلہ: خَصَّهُ بِحَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ

«خَصَّهُ بِحَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ» مصنف نے، متن نے یعنی صاحبِ قدوری نے خاص کیا اس مَسْحُ الْخُفَّيْنِ کو کس کے ساتھ؟ «بِحَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ» اس حدث کے ساتھ جو وضو کو واجب کرنے والا ہے۔ بھائی یہ فوائدِ قیود ذکر کر رہے ہیں جو میں نے ذکر کر دی، یہ «مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ» کی قید کیوں لگائی؟ غسل کو نکالنے کے لیے، یہی بیان کر رہے ہیں کہ صاحبِ قدوری نے خاص کیا اس کو مَسْحُ الْخُفَّيْنِ کو «بِحَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ» ایسے حدث کے ساتھ جو وضو کو واجب کرنے والا ہے «لِأَنَّهُ لَا مَسْحَ مِنَ الْجَنَابَةِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ» اس لیے کیونکہ جنابت سے مسح نہیں ہے، یعنی مَسْحُ الْخُفَّيْنِ نہیں ہے، یعنی یہ جائز نہیں ہے «عَلَى مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ» بناءبر اس کے، بوجہ اس کے جو ہم بیان کریں گے إِنْ شَاءَ اللَّهُ۔ آگے ہم کیا کریں گے اس کی؟ وجہ بیان کریں گے کہ جنابت سے مَسْحٌ عَلَى الْخُفَّيْنِ کیوں جائز نہیں اس کی۔

«وَبِحَدَثٍ مُتَأَخِّرٍ» اور ایسے حدث، یہ اس کا عطف بھی پیچھے «بِحَدَثٍ مُوجِبٍ» جو آیا شرح کے اندر، اسی پر عطف ہے، «خَصَّهُ بِحَدَثٍ مُتَأَخِّرٍ» اور خاص کیا اس کو ایسے حدث کے ساتھ جو متاخر ہو، کیا ہو؟ متاخر ہو، یعنی جو طہارت کے بعد ہو۔ کیا کہا تھا متن میں؟ «إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ ثُمَّ أَحْدَثَ» کہ جب موزوں کو پہنا ہو کس پر؟ طہارتِ کاملہ پر، پھر حدث لاحق ہوا، تو دیکھو حدث بعد میں آیا، پہلے کیا تھی؟ طہارتِ کاملہ، تو صاحبِ قدوری نے یہ جو حدث کے متاخر ہونے کے ساتھ اس مَسْحُ الْخُفَّيْنِ کو خاص کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْخُفَّ عُهِدَ مَانِعًا» اس لیے کیونکہ موزہ جو ہے، اس عہد کے معنی ہوتے

ہیں جاننے کے، اور اسی طرح عہد کے معنی ہوتے ہیں مقرر کرنے کے، «لِأَنَّ الْخُفَّ عُهِدَمَانِعًا» اس لیے کیونکہ موزے کو مقرر کیا گیا ہے مانع، یعنی شرعاً، شریعت نے موزے کو کیا مقرر کیا ہے؟ مانعِ حدث مقرر کیا ہے، رافعِ حدث نہیں۔

ایک ہے مانع، ایک ہے رافع۔ رافعِ حدث، حدث کو اٹھا دینے والی چیز، وہ تو مثلاً وضو ہے، دھونا ہے پاؤں کا، اعضاء کا۔ آپ جب وضو کرتے ہیں، جب پورا وضو کر لیا تو حدث اٹھ گیا، ختم ہو گیا۔ یہ کیا ہے؟ وضو کیا ہے؟ رافعِ حدث۔ اس وضو کے اندر آپ پاؤں دھوتے ہیں، تو پاؤں کا دھونا کیا ہے؟ پاؤں سے حدث کو اٹھا دیتا ہے، ختم کر دیتا ہے یا نہیں کر دیتا؟ یہ ہے رافعِ حدث، جو چیز حدث کو دور کر دے، ختم کر دے۔ یہ کیا ہے؟ رافع۔ اور ایک ہے مانعِ حدث، موزہ مانعِ حدث ہے، حدث کو روکتا ہے، حدث کو اٹھاتا نہیں۔ مثلاً جب وضو کرتے ہیں آپ پاؤں دھوتے ہیں، تو جب پاؤں دھوئے تو اس غسل نے، پاؤں کے دھونے نے پاؤں سے حدث کو ختم کر دیا، اس کو رفع کر دیا، اٹھا دیا، تو غسل ہوا رافعِ حدث۔ لیکن جب آپ نے موزے پہنے ہوئے ہیں، تو یاد رکھیے یہ موزہ حدث کو اٹھاتا نہیں، ختم نہیں کرتا، اس کے لیے مانع ہے، اس کو روکتا ہے۔

مثلاً آپ نے وضو کر کے موزے پہن لیے تھے، اور موزے پہننے کے بعد پھر بعد میں آپ کو حدث لاحق ہوا، آپ کا وضو ٹوٹ گیا۔ اور جیسے ہی وضو ٹوٹتا ہے شریعت کیا حکم دیتی ہے، اب نماز پڑھنی ہے تو کیا کرو؟ پھر وضو کرو۔ کیوں؟ کیونکہ معلوم ہوا آپ کے یہ جو اعضاء جن کے دھونے وغیرہ، مسح کا شریعت نے حکم دیا، معلوم ہوا ان میں حدث اتر چکا، ان پر حدث آ چکا ہے۔ ان پر کیا آ چکا؟ حدث۔ تو لہٰذا آپ نے وضو کر کے موزے پہنے تھے، اب آپ کو حدث لاحق ہوا، آپ کا وضو ٹوٹا، اب وہ حدث آئے گا۔ سر پر تو کچھ نہیں، سر پر بھی حدث آ گیا، اس کا مسح اسی طرح کریں گے وضو کرتے ہوئے، چہرے پر کچھ نہیں، وہاں بھی حدث آ گیا، ہاتھوں پر کچھ نہیں، وہاں بھی حدث آ گیا، ان سب کو دھونا پڑے گا۔ لیکن موزے پہنے ہوئے ہیں، موزے مانع بن گئے، انہوں نے حدث کو روک لیا، پاؤں تک نہیں جانے دیا، اپنے ہی اوپر روک لیا۔ اب آپ کیا کریں گے؟ باقی دوبارہ وضو کرنا ہے تو باقی اعضاء تو وضو کے دھوئیں گے اور مسح وغیرہ کریں گے، لیکن پاؤں نکال کر دھونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ پاؤں تک اندر حدث پہنچا ہی نہیں، موزہ اس کے لیے کیا بن گیا؟ مانع بن گیا، اس نے اپنے اوپر حدث کو روک لیا، اب موزے کے اوپر مسح کر لو، وہ حدث بھی ختم ہوا۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو موزہ کیا ہے؟ مانعِ حدث ہے، اور رافعِ حدث نہیں، رافعِ حدث تو کیا ہے؟ دھونا ہے، دھوئیں گے تو پھر کیا ہو گا؟ حدث ختم ہو گا۔ تو موزہ مانع ہے، رافع نہیں۔ یہ بات سب کو سمجھ میں آ گئی؟

یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ صاحبِ قدوری نے اس مسح کو خاص کیا کس کے ساتھ؟ ایسے حدث کے ساتھ جو کیا ہو؟ متاخر ہو، بعد میں ہو، کس کے بعد ہو؟ طہارتِ کاملہ کے بعد ہو، کیونکہ «لِأَنَّ الْخُفَّ عُهِدَمَانِعًا» اس لیے کیونکہ موزے کو مقرر کیا گیا ہے مانع، یعنی شرعاً موزے کو مانع مقرر کیا گیا ہے۔ کس طرح؟ دیکھیے بھائی ادھر توجہ کیجیے۔ آپ نے وضو کر لیا، پاؤں بھی دھو لیے، پورا وضو کر لیا، اس کے بعد اب پاؤں پر حدث ہے؟ پاؤں پر حدث نہیں، آپ نے موزے پہن لیے۔ اب موزے پہننے کے بعد اب آپ پر جب حدث لاحق ہوا، تو یہ حدث کس کے بعد آیا؟ طہارتِ کاملہ کے بعد آیا۔ اب جو حدث آیا ہے، یہ موزے نے اپنے اوپر روک لیا، تو لہٰذا پہلے طہارت ہونی چاہیے تاکہ پاؤں پاک ہیں، اور اس پاک پاؤں پر آپ نے کیا پہن لیے؟ موزے پہن لیے۔ اب حدث پہنچنا چاہے گا تو پاؤں تک نہیں پہنچے گا، بلکہ موزہ اس کو اپنے اوپر روک لے گا۔ لیکن اگر طہارتِ کاملہ پہلے نہیں تھی، یعنی آپ نے بغیر وضو کے ہی موزے پہن لیے ہیں، تو پھر پاؤں پر تو اسی طرح حدث تھا، اب بھی اگر موزوں پر مسح جائز قرار دیا جائے، پھر تو کہنا پڑے گا کہ موزے پر مسح کرنے سے پاؤں کے اندر کا حدث ہی ختم ہوا، تو موزے کو تو رافع قرار دینا پڑے گا، حالانکہ موزہ تو رافع ہے ہی نہیں، بلکہ موزہ تو کیا ہے؟ مانع ہے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ اس لیے انہوں نے قید لگائی کہ وہ حدث طہارتِ کاملہ پر مؤخر ہونا چاہیے، کیونکہ موزے کو مانع مقرر کیا گیا ہے، اور اگر پہلے طہارتِ کاملہ نہیں تھی اور پھر موزے کو مسح، موزے پر مسح کو جائز قرار دیا جائے، تو موزے کو کیا قرار دینا پڑے گا؟ رافعِ حدث قرار دینا پڑے گا، حالانکہ موزہ تو رافعِ حدث نہیں ہے بھائی۔

یہ معنی ہے «وَبِحَدَثٍ مُتَأَخِّرٍ» اور صاحبِ قدوری نے خاص کیا موزے کو، موزے پر مسح کو ایسے حدث کے ساتھ جو متاخر ہو، یعنی طہارتِ کاملہ کے بعد ہو، «لِأَنَّ الْخُفَّ عُهِدَمَانِعًا» اس لیے کیونکہ موزہ جو ہے اس کو شرعاً جانا گیا ہے مانع، اس کو شرعاً مانع جانا گیا ہے۔ دونوں ترجمے ٹھیک بنتے ہیں بھائی، جاننے کا ترجمہ کر لیں یا مقرر کرنے کا، اس لیے کیونکہ موزے کو شرعاً مانع مقرر کیا گیا ہے، یا یوں ترجمہ کر لیں: اس لیے کیونکہ موزے کو شرعاً مانع جانا گیا ہے کہ یہ مانع ہے، رافع نہیں۔ «وَلَوْ جَوَّزْنَاهُ بِحَدَثٍ سَابِقٍ» اگر ہم اس مسح کو جائز قرار دے دیں سابقہ حدث کی وجہ سے، یعنی پہلے حدث تھا اور اس پر کیا پہن لیے ہیں؟ موزے پہن لیے ہیں، اگر پھر بھی ہم اس کو جائز قرار دے دیں کہ بے وضو تھا اور موزے پہن لیے ہیں اور یہ شخص ان پر اب کیا کر سکتا ہے؟ مسح کر سکتا ہے، تو دیکھو سابقہ حدث پر ہی ہم کس کو جائز قرار دے رہے ہیں؟ موزوں پر مسح کو جائز، تو اس صورت میں، سطر کے آخر میں آ رہا ہے «كَانَ رَافِعًا» تو موزہ کیا ہو جائے گا؟ رافعِ حدث ہو جائے گا، حالانکہ یہ تو رافعِ حدث نہیں ہے، بلکہ مانعِ حدث اس کو شریعت نے مقرر کیا۔

درمیان میں دو مثالیں ذکر کر رہے ہیں: «كَالْمُسْتَحَاضَةِ إِذَا لَبِسَتْ ثُمَّ خَرَجَ الْوَقْتُ» جیسے کہ مستحاضہ، بھائی آپ جانتے ہیں ہر عورت کو، بالغہ عورت کو ہر مہینے کے اندر چند مخصوص دن خون آتا ہے جسے حیض کہتے ہیں۔ اور اس حیض کے علاوہ جو خون آئے اسے کیا کہتے ہیں؟ استحاضہ، جو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اسے کیا کہتے ہیں؟ استحاضہ کہتے ہیں، آگے اس کی باقاعدہ تفصیل اور باب وغیرہ آ جائے گا۔ اس کو استحاضہ کہتے ہیں۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ عورت مستحاضہ ہو، یعنی اس کو استحاضے کی بیماری ہے، ہر وقت خون جاری ہے اس کا، تو اس کے لیے شریعت کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت کے لیے الگ وضو کرے گی۔ مثلاً ظہر کی نماز پڑھنا چاہتی ہے

تو ظہر کے لیے الگ وضو کرلے گی، پھر اس کے ذریعے جو کچھ ظہر کے وقت کے اندر وہ جو پڑھنا چاہتی ہے، نمازیں وغیرہ پڑھتی رہے، پھر جیسے ظہر کا وقت نکلے گا، عصر کا وقت آئے گا، تو پھر اس کو عصر کے لیے نیا وضو کرنا پڑے گا، کیا کرنا پڑے گا؟ نیا وضو کرنا پڑے گا۔ تو ایک عورت ہے مستحاضہ، اس نے «إِذَا لَبِسَتْ» اس نے کیا کیا؟ موزے پہن لیے «ثُمَّ خَرَجَ الْوَقْتُ» پھر کیا نکل گیا؟ پھر وہ وقت نکل گیا۔

اب دیکھیے مستحاضہ کا ہر وقت خون جاری ہے، ہر وقت خون جاری ہے، اور پھر اس نے موزے پہن لیے۔ تو جب وقت گزرتا ہے تو وہ سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ جب کیا ہوتا ہے؟ سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ بھائی حدث تو ہر وقت ہے اس کا، ہر وقت خون جاری ہے، اور خون کا نکلنا کیا ہے؟ حدث ہے، اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن یہ چونکہ معذور ہے، تو اس عذر کی وجہ سے شریعت نے اس کو رخصت دے دی کہ معذور ہے، مجبوری ہے، اور نماز تو ضرور پڑھنی ہے، اب کوئی وقت ایسا بیچ میں آ ہی نہیں رہا جس میں خون کا بہنا رک جائے، تو شریعت نے کہا بس وضو کر لیا ہے اور وقت کے اندر اندر اب اس خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور عذر ٹوٹنے والے، وضو توڑنے والے اور عذر آجائیں پھر تو وضو ٹوٹے گا، لیکن اس خون بہنے کے عذر کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ تو اب جب وقت نکلے گا تو جیسے ہی وقت نکلے گا، اس سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہو جائے گا، اور کیا حدث تھا سابقہ؟ وہ جو خون بہہ رہا تھا، اور وضو ٹوٹ جائے گا۔

اسی طرح ایک شخص نے جب تیمم کیا ہو، اور تیمم کے اندر پانی نہیں تھا، اس نے تیمم کر لیا، نماز وغیرہ پڑھ سکتا ہے اس سے، لیکن جیسے ہی اس کو پانی کے استعمال پر قادر ہو گا، پانی ملے گا، وہ سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہو جائے گا۔ پہلے تو مٹی مطہر تھی، لیکن جیسے ہی پانی پر قادر ہوا، مٹی کا مطہر ہونا ختم اور وہ سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہو جائے گا، اور کہیں گے کہ اب یہ وضو کرے۔ بھائی وضو کیوں کرے؟ اس نے تو تیمم کیا ہوا تھا، کوئی خروجِ نجاست تو ہوا نہیں کہ آپ حکم دے رہے ہیں کہ اس کو کیا کرنا چاہیے؟ وضو کرنا۔ وضو تو کب ٹوٹتا ہے؟ خروجِ نجاست کی صورت میں ٹوٹتا ہے، اور یہاں اس کو صرف پانی ملا ہے، پانی کے استعمال پر قادر ہوا، پھر بھی شریعت کی طرف سے کیا حکم ہے؟ دوبارہ وضو کرے، اور وضو تو ٹوٹتا ہے صرف خروجِ نجاست کی صورت میں، معلوم ہوا اسی پچھلے حدث کا اثر کیا ہو گیا؟ جس کے لیے اس نے تیمم کیا تھا، اسی حدث کا اثر اب ظاہر ہو گیا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو لہٰذا یہاں پر اگر ایک استحاضہ والی عورت ہے، اس کو، اس کے لیے ہم وقت کے گزرنے کے بعد بھی موزوں پر مسح کو جائز قرار دیں، استحاضے والی عورت ہے، خون ہر وقت جاری ہے، اس نے کیا کر لیا؟ وضو کر لیا اور وضو کر کے موزے پہن لیے، تو ان موزوں پر وہ مسح کر سکتی ہے وقت کے اندر اندر۔ وقت کے اندر کسی اور وجہ سے وضو ٹوٹتا ہے، اس خون کی وجہ سے تو وضو ٹوٹے گا ہی نہیں اب اس کا وقت کے اندر، یہ جو جاری ہے۔ ہاں کسی اور عذر کی وجہ سے، مثلاً پیشاب وغیرہ کرے، اس سے وضو ٹوٹے گا اور پھر اس کے، پھر وضو کرتی ہے اسی وقت کے اندر تو موزوں پر مسح کر لے، کیا کر لے؟ کیونکہ وضو پر اس نے کیا کیے ہیں؟ موزے پہنے ہیں۔ لیکن جیسے ہی وقت گزرے گا، اس سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہو جائے گا، جو کس سے پہلے تھا؟ موزے پہننے سے بھی پہلے کا ہے، مسلسل ہے، تو وہ سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہو گا، اور گویا اس نے موزے پہنے ہوئے ہیں حدث پر ہی، کس پر پہنے ہوئے ہیں؟ کیونکہ سابقہ حدث ہے نا، پہلے کا جو حدث ہے، تو اس نے گویا موزے بغیر طہارت کے ہی پہنے ہوئے ہیں، اور بغیر طہارت کے تو موزے پر مسح درست نہیں، ورنہ تو اس صورت میں کیا قرار دینا پڑے گا؟ موزے کو رافعِ حدث قرار دینا پڑے گا، حالانکہ موزہ تو رافعِ حدث نہیں، بلکہ مانعِ حدث، لہٰذا اس کے لیے وقت کے گزرنے کے بعد پھر اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے بھائی، لہٰذا ان کو اتارے، دوبارہ وضو کرے، پاؤں بھی دھوئے اور پھر کیا کرلے؟ موزے پہن لے۔

یہ معنی ہے: «كَالْمُسْتَحَاضَةِ إِذَا لَبِسَتْ ثُمَّ خَرَجَ الْوَقْتُ» جیسے کہ مستحاضہ ہے، «إِذَا لَبِسَتْ» جب اس نے پہنے موزے «ثُمَّ خَرَجَ الْوَقْتُ» پھر وقت نکل گیا، اسی لیے کہا جب وقت نکل گیا، وقت کے اندر اندر وہ کر سکتی ہے ان پر مسح۔ «وَالْمُتَيَمِّمِ» اس کا عطف بھی مستحاضہ پر ہے، اس پر کاف جارہ داخل تھا، مجرور تھا، تو یہ بھی مجرور، اور جیسے کہ متیمم ہے «إِذَا لَبِسَ» جب اس نے موزے پہن لیے «ثُمَّ رَأَى الْمَاءَ» پھر کس کو دیکھ لیا؟ پانی۔ ایک آدمی ہے اس کو پانی نہیں مل رہا تھا، اس نے تیمم کر لیا اور پھر موزے پہن لیے، موزے پہن لیے، اب جب پانی کو دیکھے گا، پانی کے استعمال پر قادر ہوا تو وہی سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہو گا، اور گویا اس نے بغیر طہارت کے ہی موزے پہن رکھے ہیں بھائی، اور بغیر طہارت کے تو موزوں پر مسح جائز نہیں، لہٰذا اس کے لیے بھی موزوں پر مسح جائز نہیں ہو گا، اگر جائز قرار دے دیا جائے پھر تو کیا ماننا پڑے گا موزے کو؟ رافعِ حدث بھائی۔ یہ معنی ہے، اور جیسے کہ وہ تیمم کرنے والا جب اس نے پہنے ہوں موزے «ثُمَّ رَأَى الْمَاءَ» پھر کس کو دیکھا؟ پانی۔ یہ وہ جزا آگئی: «وَلَوْ جَوَّزْنَاهُ بِحَدَثٍ سَابِقٍ كَانَ رَافِعًا» تو اگر ہم جائز قرار دے دیں مَسْحٌ عَلَى الْخُفَّيْنِ کو سابقہ حدث کی وجہ سے، جیسے کہ ان دو مثالوں میں ہے، «كَانَ رَافِعًا» تو یہ کیا ہو جائے گا موزہ؟ رافعِ حدث ہو گا۔

■ مسئلہ: وَقَوْلُهُ: إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ...

«وَقَوْلُهُ: إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ لَا يُفِيدُ اشْتِرَاطَ الْكَمَالِ وَقْتَ اللُّبْسِ بَلْ وَقْتَ الْحَدَثِ» اور مصنف کا قول، صاحبِ قدوری کا جو قول ہے متن میں «إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ» جب پہنے ہوں موزے کامل طہارت پر، «لَا يُفِيدُ اشْتِرَاطَ الْكَمَالِ وَقْتَ اللُّبْسِ» یہ قول فائدہ نہیں دیتا طہارت کے کامل ہونے کی شرط کا، اشْتِرَاطُ الْكَمَالِ، أَيْ كَمَالُ الطَّهَارَةِ، طہارت کے کامل ہونے، ترجیح پر نظر رکھنا بھائی، طہارت کے کامل ہونے کی شرط کا فائدہ نہیں دیتا یہ قول «وَقْتَ اللُّبْسِ» کس وقت؟ پہنتے وقت، معلوم ہوا موزے پہنتے وقت طہارت کا کامل ہونا ضروری نہیں۔ موزے پہنتے وقت

طہارت کا کامل ہونا ضروری نہیں، کیونکہ یہ قول پہنتے وقت طہارت کے کامل ہونے کی شرط کا فائدہ نہیں دیتا «بَلْ وَقْتَ الْحَدَثِ» بلکہ حدث کے وقت کیا ہے؟ طہارت کے کامل ہونے کی شرط کا فائدہ دیتا ہے۔

صاحبِ ہدایہ یہاں سے بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ متن میں جو عبارت آئی «إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ ثُمَّ أَحْدَثَ» جب پہنا ہو ان موزوں کو طہارتِ کاملہ پر پھر اس کو حدث لاحق ہوا، اس سے اس بات کا فائدہ نہیں، یہ کلام اس بات کا فائدہ نہیں دے رہا کہ جس وقت پہنے ہوں، موزے پہنے، اس وقت طہارت کامل ہونی چاہیے، ایسا نہیں۔ جس وقت موزے پہنے، اس وقت طہارت کا کامل ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً ایک آدمی ہے، صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لیتا ہے اور پھر باقی وضو پورا کر لیتا ہے۔ ایک آدمی ہے حالتِ حدث میں ہے، لیکن وہ کس طرح کرتا ہے؟ پہلے صرف پاؤں دھوئے اور موزے پہن لیے، تو موزے طہارتِ کاملہ پر ہوئے یا غیر کاملہ پر؟ غیر کاملہ پر، اور پھر کیا کر لیتا ہے؟ ساتھ ہی باقی وضو بھی پورا کر لیتا ہے بھائی۔ تو معلوم ہوا صاحبِ قدوری کے قول سے معلوم ہو رہا ہے کہ جس وقت پہنے، اس وقت طہارت کا کامل ہونا ضروری نہیں، ہاں وقتِ حدث، جس وقت حدث پیش آیا اب آگے، اس وقت وضو کا پورا ہونا ضروری ہے۔ پہننے کے بعد کیا کر لیا تھا اس نے؟ وضو پورا کر لیا، اب جب حدث پیش آئے گا کس پر پیش آئے گا؟ طہارتِ کاملہ پر پیش آئے گا، تو اب اس موزوں پر مسح جائز ہے۔

ترجمہ سمجھ میں آیا؟ تو صاحبِ ہدایہ کے کہنے کا یہ معنی کہ یہ قول پہنتے وقت طہارت کے کامل ہونے کی شرط کا فائدہ نہیں دے رہا، مطلب یہ ہے صاحبِ ہدایہ کا کہ صاحبِ قدوری کا یہ ارادہ نہیں ہے، ورنہ لفظ تو اسی چیز کا فائدہ دے رہے ہیں، لفظ سے تو یہی پتہ چل رہا ہے کہ موزے پہنتے وقت ہی کیا ہونی چاہیے؟ طہارت کامل ہونی چاہیے «إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ» جب ان کو پہنا ہو کس وقت؟ کامل طہارت پر، لیکن صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ یعنی صاحبِ قدوری کا یہ ارادہ نہیں، وہ اپنے اس قول کے ذریعے یہ فائدہ نہیں دینا چاہتے کہ جس وقت پہنے موزے اس وقت طہارت کامل ہونی چاہیے، پھر کامل طہارت کے اوپر کیا کرے؟ موزوں کو پہن لے، یہ اس بات، اپنے قول کے ذریعے وہ اس کلام کا، اس شرط کا فائدہ نہیں، بلکہ ان کا ارادہ کیا ہے؟ وہ کس چیز کا فائدہ دینا چاہتے ہیں؟ کہ جب حدث لاحق ہو اس وقت کیا ہونی چاہیے؟ طہارت کامل ہونی چاہیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو آپ کے ذہن میں یہ شک اور شبہ نہ آئے کہ بھائی لفظوں سے تو یہی پتہ چل رہا ہے کہ کامل طہارت کے بعد کیا کرے؟ موزے پہنے، متن میں، بلکہ لفظوں سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے، لیکن صاحبِ قدوری کا یہ ارادہ نہیں ہے، بلکہ ان کے کہنے کا مطلب کیا ہے؟ ہاں، جب حدث لاحق ہو اس وقت طہارت کیا ہونی چاہیے؟ اس سے پہلے وہ کامل طہارت ہو پھر حدث پیش آئے۔

یہ معنی ہے: «وَقَوْلُهُ: إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ لَا يُفِيدُ اشْتِرَاطَ الْكَمَالِ وَقْتَ اللُّبْسِ بَلْ وَقْتَ الْحَدَثِ» اور مصنف، یعنی صاحبِ قدوری کا جو قول ہے کہ جب پہنا ہو ان موزوں کو کامل طہارت پر، یہ فائدہ نہیں دیتا کامل طہارت کی شرط کا «وَقْتَ اللُّبْسِ» کس وقت؟ پہنتے وقت «بَلْ وَقْتَ الْحَدَثِ» بلکہ کس وقت؟ حدث کے وقت جو ہے طہارت کے کامل ہونے کی شرط کا فائدہ دیتا ہے۔ «وَهَذَا الْمَذْهَبُ عِنْدَنَا» اور یہی مذہب ہمارے نزدیک ہے، ہمارے نزدیک بھی موزہ پہنتے وقت کامل طہارت کا ہونا ضروری نہیں، ہاں پاؤں دھو کر بھی موزے پہن سکتا ہے، البتہ حدث جب پیش آئے اس وقت کیا ہو؟ کامل طہارت ہو۔

■ مسئلہ: حَتَّى لَوْ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ

«حَتَّى لَوْ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ» یہاں تک کہ اگر وضو کرنے والے نے اپنے پاؤں دھو لیے «وَلَبِسَ خُفَّيْهِ» اور پاؤں دھو کر موزے پہن لیے «ثُمَّ أَكْمَلَ الطَّهَارَةَ» پھر طہارت یعنی وضو کو پورا کیا «ثُمَّ أَحْدَثَ» پھر اس کو حدث پیش آیا «يُجْزِيهِ الْمَسْحُ» تو اس کے لیے یہ مسح کافی ہے بھائی، مسح درست ہے اس کا یعنی۔ «وَهَذَا لِأَنَّ الْخُفَّ مَانِعٌ حُلُولَ الْحَدَثِ بِالْقَدَمِ» اور یہ اس لیے کیونکہ موزہ جو ہے وہ مانع ہے، وہی بات جو میں نے بیان کر دی، مانع ہے، کس چیز کا مانع ہے؟ «مَانِعٌ حُلُولَ الْحَدَثِ بِالْقَدَمِ» قدم میں، یعنی پاؤں میں حدث کے اترنے سے مانع ہے۔ کیونکہ موزہ کیا ہے پاؤں میں حدث کے اترنے سے مانع ہے، «فَيُرَاعَى كَمَالُ الطَّهَارَةِ وَقْتَ الْمَنْعِ» تو رعایت رکھی جائے گی طہارت کے کامل ہونے کی منع کے وقت۔ موزہ کیا ہے؟ مانعِ حدث ہے، رافعِ حدث نہیں۔ تو جب یہ مانعِ حدث ہے، یہ حدث کو روک رہا ہے، تو ضروری ہے کہ جس وقت حدث لاحق ہوا، حدث اترا ہے، اس وقت طہارت کامل ہونی چاہیے، پھر یہ مانع بنے گا، پھر یہ کیا بنے گا؟ مانع بنے گا۔ طہارت پوری تھی، وضو پورا تھا، موزے پہنے ہوئے ہیں وضو کے بعد، اب کامل طہارت پر کیا پیش آیا؟ حدث، اور موزہ کیا ہے؟ مانع، موزے نے اپنا اثر دکھانا ہے، اس نے مانع بننا ہے، تو جب مانع بنے اس وقت کیا ہونی چاہیے؟ کامل طہارت ہونی چاہیے، پوری طہارت حاصل ہو تاکہ یہ کیا بن سکے؟ مانع بن سکے بھائی۔

یہ معنی ہے: «لِأَنَّ الْخُفَّ مَانِعٌ حُلُولَ الْحَدَثِ بِالْقَدَمِ فَيُرَاعَى كَمَالُ الطَّهَارَةِ وَقْتَ الْمَنْعِ» اس لیے کیونکہ موزہ جو ہے وہ حدث کے پاؤں میں اترنے سے مانع ہے، تو رعایت رکھی جائے گی طہارت کے کامل ہونے کی «وَقْتَ الْمَنْعِ» منع کے وقت، اس وقت کامل طہارت ہو بھائی تاکہ موزہ کیا کرے؟ اپنا اثر دکھائے اور حدث کو اپنے اوپر روک لے، اس کے لیے مانع بن جائے۔ «حَتَّى لَوْ كَانَتْ نَاقِصَةً عِنْدَ ذَلِكَ كَانَ الْخُفُّ رَافِعًا» حتی کہ اگر اس وقت طہارت ناقص تھی، عِنْدَ ذَلِكَ اس وقت، «كَانَ الْخُفُّ رَافِعًا» پھر تو موزہ کیا بن جائے گا؟ رافعِ حدث بنے گا، کیا بنے گا؟ رافعِ حدث بن جائے گا، حالانکہ اس کو تو مانع قرار دیا گیا ہے، رافع نہیں۔

«وَيَجُوزُ لِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا» اور جائز ہے موزوں پر مسح مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات، اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں، تک وہ مسح کر سکتا ہے۔ مسافر کون ہے بھائی؟ کس کو کہتے ہیں مسافر؟ جو ارادہ کرتا ہے تین دن کی مسافت تک دور جانے کا، لاہور سے جانا چاہتا ہے اور جہاں مثلاً جانا چاہتا ہے وہ لاہور سے کم از کم 77، 78 کلو میٹر ہے، 48 میل، 48 میل یہ تقریباً 78 کلو میٹر، 77 کلو میٹر بنتا ہے، تو اتنے فاصلے تک وہ جانا چاہتا ہے تو یہ لاہور سے نکلتے ہی، شہر سے نکلتے ہی مسافر بن جائے گا۔ اور وہاں پہنچا اور وہاں 15 دن سے کم اس کے رہنے کی نیت ہے تو وہاں بھی مسافر ہی ہے۔ اگر 15 دن یا 15 سے زیادہ رہنے کی نیت کرتا ہے تو وہاں بھی وہ مقیم بن جائے گا بھائی، مقیم بن جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور نیز وہاں اپنا گھر وغیرہ اس کا نہ ہو بھائی، اگر اپنا اس کا یہاں بھی گھر ہے وہاں بھی اس نے گھر وغیرہ بنایا ہوا ہے، کبھی یہاں رہتا ہے کبھی وہاں رہتا ہے، تو پھر تو گھر ہے اس کا وہاں پر، لہٰذا وہاں تو کم مدت کی بھی نیت کرے پھر بھی مسافر نہیں ہے بھائی، بلکہ وہاں کیا ہے؟ مقیم ہی ہے کیونکہ اس کا اپنا گھر ہے وہاں پر، تو یہ کسی اور جگہ مثلاً جاتا ہے جہاں اس کی اقامت نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہ ہے گھر دو جگہ ہے دونوں جگہ وہ رہتا ہے کبھی ایک جگہ رہتا ہے کبھی دوسری جگہ رہتا ہے، اور یہ گیا مثلاً، یا یوں کہیں ایک جگہ ملازمت وغیرہ، کام وغیرہ کرتا ہے تو وہاں بھی اس نے گھر بنایا ہوا ہے اور ادھر دوسری طرف بھی بچے وغیرہ، وہاں بھی گھر، تو اب یہ کیا کرتا ہے؟ یہاں لاہور سے چلا اس علاقے کی طرف بھائی، تو وہاں تو پہنچ کر مقیم ہو گا، ہاں راستے میں وہ مسافر ہی ہے، کیونکہ 77 کلو میٹر یا اس سے زیادہ کے اس نے سفر پر وہ نکلا ہے، تو کیا ہو گا؟ مسافر ہی ہے، ہاں وہاں پہنچتے ہی کیا ہو جائے گا؟ مقیم ہو جائے گا بھائی، مقیم ہو جائے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ لِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا» اور جائز ہے مَسْحُ الْخُفَّيْنِ مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات، اور مسافر کے لیے تین دن «وَلَيَالِيهَا» اور ان کی جو راتیں ہیں، یعنی ان تین دنوں کی جو راتیں، یعنی تین دن اور تین رات تک۔ دلیل کیا ہے؟ وہ ذکر، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَمْسَحُ الْمُقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا» بوجہ نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اس قول کے کہ مسح کرے مقیم ایک دن اور ایک رات، اور مسافر کرے تین دن اور تین راتوں تک۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَابْتِدَاؤُهَا عَقِيبَ الْحَدَثِ

«قَالَ: وَابْتِدَاؤُهَا عَقِيبَ الْحَدَثِ» اور ابتدا جو ہے اس کی، ہا ضمیر راجع ہے مدتِ مسح کو بھائی، اور مدتِ مسح کی جو ابتدا ہے «عَقِيبَ الْحَدَثِ» وہ کس کے بعد ہو گی؟ حدث کے بعد۔ بھائی دیکھیے یاد رکھیے، ایک شخص نے ظہر کے وقت وضو کیا اور اس وقت موزے پہن لیے بھائی، تو اب آپ یہ نہ کہیں مدت شروع ہو گئی اور اگلے دن ظہر تک یہ مسح کر سکتا ہے، نہیں، جب پہنے اس وقت مدت شروع نہیں ہو گی، بلکہ جس وقت حدث لاحق ہو۔ لہٰذا ایک شخص نے ظہر کے وقت موزے پہنے بھائی، موزے پہنے، اور مغرب کے وقت اس کا وضو ٹوٹا، تو جب وضو ٹوٹا، اس وقت سے مدت شروع ہو گی، تو اگلے دن مغرب تک یہ ان موزوں پر کیا کر سکتا ہے؟ مسح کر سکتا ہے، مسح کر سکتا ہے۔ وجہ اس کی یہ، کیونکہ مغرب تک تو وضو کا اثر تھا، وضو کی طہارت تھی، مغرب کے وقت وضو ٹوٹا اور موزے نے اپنا کام شروع کیا، مانع بن گیا، حدث کو اس نے قدم تک جانے نہیں دیا، تو جس وقت اس کا اثر شروع ہو گا، جب وہ مانع بنے گا اس وقت سے، اس وقت سے مدت کی ابتدا ہو گی۔

یہ معنی ہے «وَابْتِدَاؤُهَا عَقِيبَ الْحَدَثِ» اور اس مدت کی ابتدا جو ہے وہ حدث کے بعد ہو گی، «لِأَنَّ الْخُفَّ مَانِعٌ سِرَايَةَ الْحَدَثِ» اس لیے کیونکہ موزہ جو ہے وہ حدث کی سرایت سے مانع ہے، حدث کے پہنچنے سے مانع ہے، «فَتُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ الْمَنْعِ» پس اعتبار کیا جائے گا اس مدت کا منع کے وقت سے، جس وقت موزہ کیا کرے؟ حدث کو منع کرے، روکے بھائی، اس وقت سے وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔

«وَالْمَسْحُ عَلَى ظَاهِرِهِمَا خُطُوطًا بِالْأَصَابِعِ يُبْدَأُ مِنْ قِبَلِ الْأَصَابِعِ إِلَى السَّاقِ» اور مسح جو ہے «عَلَى ظَاهِرِهِمَا» موزوں کے ظاہر پر ہو گا۔ مسح کس پر ہو گا؟ موزوں کے ظاہر پر، یعنی اوپر والا حصہ، ظاہر حصہ موزوں کا یہ جو اوپر والا ہے بھائی، جس قدم کا اوپر والا حصہ، اور باطنِ خف، موزے کا نیچے والا حصہ جو زمین کی طرف ہے۔ کس کی طرف ہے؟ زمین کی طرف، جو آپ زمین پر چلتے ہیں تو حصہ زمین پر جو آپ کے پاؤں کا لگ رہا ہے، اس کے ساتھ مل جاتا ہے، وہ نیچے کی تلوہ جو ہے، تلوہ وہ ہے باطنِ خف، باطنِ خف۔ تو مسح جو کرنا ہے وہ ظاہرِ خف پر کرنا ہے، یہ اوپر والے حصے پر مسح کرنا ہے، جو زمین کی طرف حصہ ہے یعنی باطنِ خف، اس پر مسح نہیں بھائی۔

کہتے ہیں «وَالْمَسْحُ عَلَى ظَاهِرِهِمَا» اور مسح جو ہے موزوں کے ظاہر پر ہو گا «خُطُوطًا بِالْأَصَابِعِ» اس حال میں کہ وہ خط ہوں گے انگلیوں کے ساتھ۔ خط کھینچنا کس کے ساتھ؟ انگلیوں کے ساتھ، خط کھینچنا، لکیر لگانا انگلیوں کے ساتھ بھائی۔ «يُبْدَأُ مِنْ قِبَلِ الْأَصَابِعِ إِلَى السَّاقِ» ابتدا کی جائے گی انگلیوں کی جانب سے پنڈلی کی طرف۔ آپ جانتے ہیں موزہ پر کیسے مسح کیا جاتا ہے؟ کہ انگلیوں کو گیلا کر کے پھر موزے پر، پاؤں پر جو ہے وہ انگلیوں کی طرف، انگلیوں کی جانب میں رکھتے ہیں، پاؤں کی انگلیوں کی جانب ان ہاتھ کی انگلیوں کو رکھا اور پھر کھینچ کر اوپر کی طرف لے آئے، کس کی طرف؟ پنڈلی کی طرف، جی وہی طریقہ بیان ہو رہا ہے۔ تو کہتے ہیں «وَالْمَسْحُ عَلَى ظَاهِرِهِمَا خُطُوطًا بِالْأَصَابِعِ» اور مسح جو ہے موزوں کے ظاہر پر ہو گا خط کھینچتے ہوئے انگلیوں کے ساتھ «يُبْدَأُ مِنْ قِبَلِ الْأَصَابِعِ إِلَى السَّاقِ» ابتدا کی جائے گی انگلیوں کی جانب سے پنڈلی کی طرف۔

■ مسئلہ: لِحَدِيثِ مُغِيرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّ...

«لِحَدِيثِ مُغِيرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى خُفَّيْهِ وَمَدَّهُمَا مِنَ الْأَصَابِعِ إِلَى أَعْلَاهُمَا مَسْحَةً وَاحِدَةً، وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَثَرِ الْمَسْحِ عَلَى خُفِّ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ خُطُوطًابِالْأَصَابِعِ» حدیث ذکر کر رہے ہیں بھائی کہ موزوں کے ظاہر پر مسح کیوں ہو گا؟ باطن پر کیوں نہیں؟ دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں «لِحَدِيثِ مُغِيرَةَ» حضرت مغیرہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کی حدیث کی وجہ سے، وہ فرماتے ہیں کہ «أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى خُفَّيْهِ» کہ سرورِ کونین صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے ہاتھ مبارک رکھے «عَلَى خُفَّيْهِ» اپنے موزوں پر، اپنے ہاتھ رکھے، یعنی دونوں ہاتھ بھائی، «يَدَيْهِ» نون تثنیہ کا اضافت کی وجہ سے گر گیا، «عَلَى خُفَّيْهِ» کس پر؟ اپنے دونوں موزوں پر، یعنی دائیں موزے پر دایاں ہاتھ رکھا اور بائیں موزے پر بایاں ہاتھ رکھا «وَمَدَّهُمَا» اور ان کو کھینچا «مِنَ الْأَصَابِعِ إِلَى أَعْلَاهُمَا» انگلیوں سے اوپر کی جانب «مَسْحَةً وَاحِدَةً» ایک ہی مرتبہ کا مسح، ایک ہی مرتبہ اس طرح حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کیا۔ حضرت مغیرہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فرماتے ہیں «وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَثَرِ الْمَسْحِ عَلَى خُفِّ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ خُطُوطًابِالْأَصَابِعِ» وہ فرماتے ہیں حضرت مغیرہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کہ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں مسح کے اثر کو، مسح کے نشان کو حضور علیہ السلام کے موزے پر «خُطُوطًا بِالْأَصَابِعِ» اس حال میں کہ وہ کیا تھا؟ خط تھے «بِالْأَصَابِعِ» کس کے ساتھ؟ انگلیوں کے ساتھ۔ تو حضرت مغیرہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فرماتے ہیں کہ گویا میری نگاہوں میں وہ، آج بھی وہ منظر ہے کہ حضور علیہ السلام کے انگلیوں کے نشانات تھے لکیروں کی صورت میں ان کے موزوں پر بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

«ثُمَّ الْمَسْحُ عَلَى الظَّاهِرِحَتْمٌ» پھر مسح جو ہے ظاہر پر، موزوں کے ظاہر پر «حَتْمٌ» وہ حتمی ہے، ضروری ہے، قطعی ہے «حَتَّى لَا يَجُوزَ عَلَى بَاطِنِ الْخُفِّ» یہاں تک کہ مسح جائز نہیں ہے باطنِ خف پر، یعنی موزے کے نچلے حصے پر جو زمین کی طرف ہے، اس پر اگر کوئی مسح کر بھی لے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، بلکہ موزے کے ظاہر پر مسح ضروری ہے۔ «حَتَّى لَا يَجُوزَ عَلَى بَاطِنِ الْخُفِّ وَعَقِبِهِوَسَاقِهِ» یہاں تک کہ مسح جائز نہیں ہے موزے کے باطن پر «وَعَقِبِهِ» اور اس کے پچھلے حصے پر، عقب کہتے ہیں ایڑی کو، ایڑی کی جانب یہ بھی جائز نہیں، «وَسَاقِهِ» ساق پنڈلی بھائی، اور موزے کی پنڈلی جو ہے اوپر ٹخنوں سے اوپر جو حصہ ہے اس پر بھی مسح جائز نہیں، بلکہ مسح کہاں کرنا پڑے گا؟ موزے کے ظاہر پر بھائی، سامنے والے حصے پر۔

وجہ کیا؟ بھائی باطنِ خف نچلے حصے پر کیوں نہیں جائز؟ ایڑی کی طرف مسح کیوں نہیں جائز؟ اور پنڈلی کی طرف کیوں نہیں جائز؟ کہتے ہیں «لِأَنَّهُ مَعْدُولٌ بِهِ عَنِ الْقِيَاسِ فَيُرَاعَى جَمِيعُ مَا وَرَدَ بِهِالشَّرْعُ» اس لیے کیونکہ یہ جو مَسْحُ الْخُفَّيْنِ ہے معدولٌ بہ ہے قیاس سے، یعنی یہ پھیرا گیا ہے قیاس سے، یہ تو خلافِ قیاس ہے بھائی، خلافِ قیاس ہے۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے حدث پیش آیا ہے، تو حدث پیش آیا ہے تو اب پاؤں کو دھونا پڑے گا، بغیر دھوئے وہ حدث دور نہیں ہو گا، لیکن شریعت نے کیا حکم دیا کہ اگر موزے پہنے ہوئے ہیں تو کیا کر سکتے ہو ان پر؟ مسح، تو یہ جو حکم آیا موزوں پر مسح کا، یہ خلافِ قیاس ہے۔

جب یہ خِلَافُ الْقِيَاسِ ہوا تو اس میں ان تمام چیزوں کی رعایت رکھنا پڑے گی جس کے ساتھ شریعت وارد ہوئی ہے۔ یعنی جیسے شریعت نے حکم دیا ہے اسی طرح کرنا پڑے گا، اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ قیاس کے مطابق ہی نہیں ہے تو پھر اس پر کیسے قیاس کرتے ہوئے عقل کے ذریعے کوئی حکم لگایا جائے۔ اور شریعت تو کیا وارد ہوئی ہے؟ کس حصے پر ہو؟ اگلے حصے پر، سامنے والے حصے پر ہو، ظاہر پر ہو اور تین خط کھینچے جائیں کس کے ساتھ؟ انگلیوں کے، تین انگلیوں کے ساتھ۔

لِأَنَّهُ مَعْدُولٌ بِهِ عَنِ الْقِيَاسِ اس لیے کیونکہ یہ مَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ جو ہے، یہ قیاس سے پھیرا گیا ہے یعنی قیاس کے خلاف ہے، قیاس کے مطابق نہیں۔ فَيُرَاعَى جَمِيعُ مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ تو رعایت رکھی جائے گی ان سب کی جن کے ساتھ شریعت وارد ہوئی ہے یعنی جس طرح شریعت نے بتلایا ہے۔

وَالْبِدَايَةُ مِنَ الْأَصَابِعِ، بھائی متن میں آیا تھا: يُبْدَأُ مِنْ قِبَلِ الْأَصَابِعِ إِلَى السَّاقِ کہ ابتدا کی جائے گی انگلیوں سے کس کی طرف؟ پنڈلی کی طرف۔ اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں: وَالْبِدَايَةُ مِنَ الْأَصَابِعِ اسْتِحْبَابٌ اور انگلیوں سے ابتدا کرنا یہ استحباب ہے یعنی مستحب ہے، مستحب ہے۔ کر لو گے تو اس کے مطابق ثواب ملے گا اور اگر نہیں کرو گے تو مسح ہو جائے گا البتہ مستحب رہ جائے گا، ثواب پھر اس کا نہیں۔ تو کہتے ہیں: اور ابتدا کرنا انگلیوں کی طرف سے اسْتِحْبَابٌ یہ مستحب ہے، بھائی مستحب کس اعتبار سے ہے؟ کہتے ہیں: اعْتِبَارًا بِالْأَصْلِ اصل پر قیاس کرتے ہوئے، وَهُوَ الْغَسْلُ اور وہ ہے دھونا۔ جب ہم پاؤں دھوتے تھے، دھونا ہے اصل اور مسح کیا ہے؟ یہ اس کا نائب ہے، تو وہ دھونا جو اصل تھا اس کے اندر ابتدا کہاں سے کرتے تھے؟ انگلیوں سے دھونے کی جیسے ابتدا کرتے تھے، اسی طرح مسح کے اندر بھی ابتدا کہاں سے کریں گے؟ انگلیوں کی طرف سے کریں گے بھائی۔

لہٰذا اگر کوئی موزے پر مسح کرتا ہے اور اگلے حصے پر ہی پاؤں کے اور ظاہر پر ہی کرتا ہے لیکن چوڑائی میں کرتا ہے، یعنی یہ بڑی انگلی کی جانب سے شروع کرتا ہے چھوٹی انگلی کی جانب چوڑائی میں تین انگلیوں کی مقدار مسح کر لیتا ہے تو بھی اس کا مسح ہو گیا بھائی۔ یا اوپر والے حصے سے نیچے والے حصے کی طرف مسح کر لیتا ہے تین انگلیوں کے ساتھ تو بھی اس کا مسح ہو گیا، البتہ یہ مستحب کے خلاف ہوا بھائی، سمجھ میں آیا؟ مستحب کے مطابق نہ ہوا بھائی۔

تو یہاں سے آپ کو پتہ چل گیا بھائی کہ مسح جو ہے ظَاهِرِ خُفّ پر ہو گا، باطن پر نہیں بھائی، باطن پر نہیں۔ چنانچہ حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ فرماتے

ہیں کہ اگر دین رائے کے تابع ہوتا تو بَاطِنِ خُفّ وہ مسح کے زیادہ لائق ہے ظَاهِرِ خُفّ سے۔ حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کیا فرماتے ہیں کہ یہ دین عقل سے نہیں ہے، بس جیسا شریعت نے حکم دے دیا اس کے مطابق اس پر عمل کرنا پڑے گا، چاہے آپ کی عقل میں بات آئے یا عقل میں نہ آئے، ورنہ اگر عقل سے ہوتا تو عقل کے اعتبار سے دیکھا جائے پھر تو موزے کے باطن پر مسح کرنا زیادہ بہتر تھا بجائے ظاہر کے۔ کیونکہ باطن نیچے والا حصہ جو ہے جو تلوا ہے وہ تو زمین پر لگتا جارہا ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو اس پر کیا تھا مسح، عقل تو کہتی ہے اس پر مسح اولیٰ ہے، لیکن کہتے ہیں: میں نے دیکھا نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو کہ آپ اپنے موزوں کے ظاہر پر مسح فرمارہے ہیں نہ کہ باطن پر۔

وَفَرْضُ ذَلِكَ مِقْدَارُ ثَلَاثِ أَصَابِعَ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ اور فرض جو ہے اس مسح کی مقدار جو ہے وہ تین انگلیاں ہیں مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ ہاتھ کی انگلیوں میں سے۔ کتنی مقدار فرض ہے کہ جس سے مسح ادا ہو جائے گا؟ تو کیا بتلایا انہوں نے؟ تین انگلیوں کی مقدار اور انگلیاں بھی ہاتھ کی انگلیاں مراد ہیں، پاؤں کی انگلیاں مراد نہیں ہیں بھائی۔ تو اتنی مقدار مسح کرلے۔

وَقَالَ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللهُ مِنْ أَصَابِعِ الرِّجْلِ اور امام کرخی رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں: مِنْ أَصَابِعِ الرِّجْلِ پاؤں کی انگلیوں میں سے۔ کس کا اعتبار ہے؟ پاؤں کی انگلیوں کا اعتبار ہے۔ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ اعْتِبَارًا لِآلَةِ الْمَسْحِ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: پہلا قول صحیح ہے اعْتِبَارًا لِآلَةِ الْمَسْحِ آلۂ مسح کا اعتبار کرتے ہوئے۔ مسح کس سے کر رہے ہیں؟ ہاتھ کی انگلیوں سے، ہاتھ سے کر رہے ہیں تو ہاتھ ہوا آلۂ مسح، تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اس ہاتھ کی تین انگلیاں مراد ہیں، پاؤں کی انگلیاں مراد نہیں بھائی۔ تو اعتبار کس کا کرتے ہوئے؟ آلۂ مسح کا۔

جی فرض مقدار بھی آپ کو پتہ چل گئی بھائی، مسح کرنا ہے ظَاهِرِ خُفّ پر اور کم از کم کتنی مقدار؟ تین انگلیوں کی مقدار بھائی۔ اور کیا طریقہ بتلایا؟ کہ پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے شروع کرے اور اوپر کی جانب انگلیوں کو کھینچ کرلے جائے، یہ ہے طریقہ۔ تفصیل یاد رکھیے بھائی، تفصیل۔ آپ موزوں پر مسح کرنا چاہتے ہیں اور کتنی انگلیوں سے کریں گے؟ تین انگلیوں سے۔ آپ تین انگلیاں موزوں پر پاؤں کی انگلیوں کی جانب رکھتے ہیں، تو یہ انگلیوں کے صرف سرے نہیں رکھنے، ہاتھ کی انگلیوں کے صرف سرے نہیں لگانے مسح کرتے ہوئے بلکہ پوری انگلی موزے پر بچھادیں ہاتھ کی، ہتھیلی کو جدا رکھیں، انگلی پوری تینوں انگلیاں پوری پوری موزے پر لگی ہوئی ہیں پھر اس کو کھینچ کر اوپر کی طرف لے آئیں بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ کہ صرف انگلیوں کے سرے نہیں رکھنے بلکہ پوری انگلی رکھنی ہے بھائی، پوری انگلی رکھنی ہے۔ ہاں اگر صرف انگلیوں کے سرے رکھے تو بھی آپ کا مسح درست ہو جائے گا بشرطیکہ انگلیوں سے مسلسل پانی ٹپک رہا ہے، ہاتھ اتنا گیلا ہے کہ آپ نے صرف انگلیوں کے سرے رکھے اور ان کو کھینچ کر اوپر کی طرف لے گئے، تین انگلیوں کی مقدار کھینچ کرلے گئے اور وہ جوں جوں آپ انگلیوں کے سرے موزے پر کھینچ کر اوپر لے جارہے ہیں وہ جگہ ساری گیلی ہی ہوتی جارہی ہے بھائی، پانی اتنا ہے، تو پھر اس صورت میں بھی مسح صحیح ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ تو ہاں کم از کم اتنا پانی لگے، اتنی جگہ پر مسح ہو پھر ہو گا۔ اور ایک انگلی سے کوئی مسح کرنا چاہے تو بھی مسح ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس میں ہر مرتبہ نیا پانی لے، انگلی کو دوبارہ گیلا کرے اور ہر مرتبہ اس سے خط کھینچے بھائی۔ تو ایک مرتبہ خط کھینچا، پھر انگلی کو گیلا کیا پھر دوسرا خط کھینچا، پھر تیسری مرتبہ گیلا کیا، تیسرا خط تیسری لکیر کھینچ دی موزوں پر تیسرے، تو اب یہ مسح درست ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو بھائی یہاں ذکر آیا کہ امام کرخی رَحِمَهُ اللهُ جو ہیں وہ پاؤں کی انگلیوں کا، وہ فرماتے ہیں پاؤں کی انگلیوں کا اعتبار کیا جائے گا، جبکہ متن میں کیا آیا کہ مسح کی مقدار کے اندر ہاتھ کی انگلیوں کا اعتبار کیا جائے گا، تو ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر مسح کرلے گا تو مسح ہو جائے گا، فرض ادا ہو جائے گا بھائی۔ تو امام کرخی رَحِمَهُ اللهُ کا ذکر آیا بھائی، امام کرخی رَحِمَهُ اللهُ۔ یاد رکھیے، امام کرخی رَحِمَهُ اللهُ ان کا یہ نام جو ہے ابو الحسن عبید اللہ ابنِ حسین ہے بھائی، ابو الحسن عبید اللہ ابنِ حسین بھائی۔ ابو الحسن عبید اللہ ابنِ حسین۔ اور ان کی پیدائش ہوئی ہے 260 ہجری میں اور وفات ہوئی ہے 340 ہجری میں۔ اور یہ بہت بڑے فقیہ اور اصولی گزرے ہیں اور یہ استاد ہیں ابو بکر جصاص رَحِمَهُ اللهُ کے۔ یہ عراق کے رہنے والے تھے، مفتیِ عراق۔ اور ان کا ایک رسالہ ہے اصول کے اندر، اصول کے اندر اصولِ کرخی اور اس پر احناف کی فروع کا مدار ہے، بڑا ہی قیمتی رسالہ انہوں نے تصنیف فرمایا۔ تو یہ بہت بڑے فقیہ تھے، ان کی بڑی شہرت تھی، اللہ نے ان کو بڑا اونچا مقام نصیب فرمایا تھا، فقہ کے اندر ان کا مقام بڑا اونچا، تو اصول کے اندر جو انہوں نے رسالہ لکھا اس پر احناف کی فروع کا مدار ہے۔ اسی طرح انہوں نے جامعِ صغیر کی بھی شرح لکھی اور جامعِ کبیر کی بھی جو ظَاهِرِ الرِّوَايَة آپ پڑھ چکے ہیں بھائی، امام محمد رَحِمَهُ اللهُ کی کتابیں، ان کی بھی انہوں نے شروحات لکھیں بھائی۔

جی تو سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ امام کرخی رَحِمَهُ اللهُ بہت بڑے امام گزرے ہیں احناف کے بھائی اور 340 ہجری میں ان کا انتقال ہوا ہے اور یہ ابو بکر جصاص رَحِمَهُ اللهُ کے استاد ہیں، عراق کے رہنے والے تھے اور بڑی اللہ نے ان کو مقبولیت اور شہرت اور نام نصیب فرمایا، بہت اونچا مقام تھا، بہت علم اللہ نے نصیب فرمایا۔ فقہ کے اندر اتنا اونچا مقام کہ اصول کے اندر انہوں نے ایک رسالہ لکھا جس پر احناف کی فروع کا مدار ہے بھائی، احناف کی فروع کا یہ فروعی مسائل کا مدار ہے بھائی۔ اسی طرح انہوں نے جامعِ صغیر اور جامعِ کبیر کی بھی شرح لکھی بھائی۔ تو ان کا ذکر جگہ جگہ ملے گا بھائی، یہ تو ان کا یاد رکھنا کہ ان کا انتقال کس وقت ہوا ہے؟ 340 ہجری کے اندر، تو پیدائش ہے 260 ہجری کی اور انتقال ہے 340 ہجری میں۔

وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى خُفٍّ فِيهِ خَرْقٌ كَثِيرٌ يَتَبَيَّنُ مِنْهُ قَدْرُ ثَلَاثِ أَصَابِعَ مِنْ أَصَابِعِ الرِّجْلِ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ جَازَ۔

یہاں سے آپ کو یہ مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ مسح کرنا اس موزے پر جائز ہو گا جس میں زیادہ پھٹن نہ ہو، زیادہ پھٹا ہوا نہ ہو۔ اگر تھوڑا پھٹا ہوا ہے تو اس موزے پر مسح جائز ہے اور اگر موزہ زیادہ پھٹا ہوا ہے تو اس پر مسح جائز نہیں۔ اب کیسے کس کو زیادہ پھٹن کہیں گے اور کس کو کم پھٹن؟ وہ بتلائیں گے آپ کو، کہ اگر موزہ اتنا پھٹا ہوا ہے کہ اس سے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیاں جو ہیں وہ ظاہر ہو جاتی ہیں، اتنا پاؤں چلتے ہوئے اتنا حصہ پاؤں کا ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی موزے کے موزہ جس حصے سے بھی پھٹا ہو، چاہے ایڑی کی طرف پھٹا ہو چاہے کسی دوسری جانب سے پھٹا ہو، لیکن کتنا پھٹا ہو؟ کہ اتنا پھٹا ہوا ہے جس سے تین انگلیاں کی مقدار جو ہے ظاہر ہو جاتی ہے، اتنا حصہ پاؤں کا ظاہر ہو جاتا ہے چلتے ہوئے، تو یہ کثیر پھٹن ہے، اس پر پھر مسح کرنا جائز نہیں۔ ہاں اس سے کم ہے تو پھر وہ قلیل ہے بھائی، وہ کیا ہے؟ قلیل ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى خُفٍّ فِيهِ خَرْقٌ كَثِيرٌ** اور جائز نہیں ہے مسح کرنا ایسے موزے پر جس میں اتنی کثیر پھٹن ہو، **يَتَبَيَّنُ مِنْهُ** کہ ظاہر ہوتی ہو اس پھٹن میں سے، **قَدْرُ ثَلَاثِ أَصَابِعَ مِنْ أَصَابِعِ الرِّجْلِ** تین انگلیوں کی مقدار پاؤں کی انگلیوں میں سے، **وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ** اور اگر اس سے کم پھٹن ہے، **جَازَ** پھر اس موزے پر مسح کرنا جائز ہے بھائی، جائز ہے۔

بھائی دیکھیے، یہاں پر **وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى خُفٍّ**، یہ **خُفٍّ** نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے، کیونکہ فعل نے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بننا ہے اور جملہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے حکم میں، تو گویا نکرہ کے بعد نکرہ آگیا اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ عموماً آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ اسی طرح یہ تو تھا نکرہ کے بعد فعل آئے، اگر نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آگیا وہ بھی جملہ ہے اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو وہ بھی صفت بنے گا اس ماقبل کے نکرہ کے لیے۔ یہاں دیکھیے: **عَلَى خُفٍّ**، **خُفٍّ** آیا نکرہ، **فِيهِ خَرْقٌ**، **فِيهِ** خبرِ مقدم، **خَرْقٌ** مبتدائے مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر کیا بنا؟ جملہ اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ، تو یہ صفت بنے گا **خُفّ** کی، ایسا موزہ **فِيهِ خَرْقٌ** جس میں کیا ہو؟ پھٹن ہو۔ پھر اس کے بعد دوبارہ دیکھیے: **خَرْقٌ كَثِيرٌ**، **خَرْقٌ** نکرہ آیا، اس کے بعد پھر **كَثِيرٌ** نکرہ آیا، یہ اس کی صفتِ اول، پھر **يَتَبَيَّنُ** فعل آیا اور فعل اپنے فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ، تو نکرہ کے بعد فعل آگیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، تو یہ **يَتَبَيَّنُ مِنْهُ** یہ جملہ جو ہے یہ صفتِ ثانی بنے گا **خَرْق** کے لیے۔ کیا بنے گا؟ اور موصوف صفت کا ترجمہ میں نے کیا طریقہ بتلایا تھا؟ پوری بات کریں بھائی، ایسا یا ایسی ادھوری بات کر... موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لائیں۔ تو یہاں دو ہو گئے موصوف، ایک تو **خُفّ** ہے اس کی صفت ہے **فِيهِ خَرْقٌ كَثِيرٌ** اور ایک **خَرْقٌ** ہے اس کی صفت کیا ہے؟ **كَثِيرٌ** اور **يَتَبَيَّنُ**۔ اب ترجمہ دیکھیے: **وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى خُفٍّ فِيهِ خَرْقٌ كَثِيرٌ يَتَبَيَّنُ مِنْهُ قَدْرُ ثَلَاثِ أَصَابِعَ مِنْ أَصَابِعِ الرِّجْلِ**، **وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى خُفٍّ** اور جائز نہیں ہے مسح کرنا ایسے موزے پر، **فِيهِ خَرْقٌ كَثِيرٌ** جس میں ایسی کثیر پھٹن ہو، **يَتَبَيَّنُ مِنْهُ** کہ ظاہر ہوتے ہوں اس پھٹن میں سے، **قَدْرُ ثَلَاثِ أَصَابِعَ مِنْ أَصَابِعِ الرِّجْلِ** تین انگلیوں کی مقدار پاؤں کی انگلیوں میں سے۔ جی ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ دیکھیے یہ قواعد کا خیال رکھیں گے تو بڑا بہترین ترجمہ ہو جاتا ہے۔ **وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ جَازَ** اور اگر وہ پھٹن اس سے کم ہے تو پھر اس موزے پر مسح جائز ہے۔

وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى لَا **يَجُوزُ** اور امام زفر اور امام شافعی **رَحِمَهُمَا** اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں۔ **وَإِنْ قَلَّ** اگرچہ پھٹن تھوڑی ہی ہو۔ **لِأَنَّهُ لَمَّا وَجَبَ غَسْلُ الْبَادِي يَجِبُ غَسْلُ الْبَاقِي** اس لیے کیونکہ جب ظاہر کا دھونا واجب ہوا، **الْبَادِي** ظاہر بھائی ظاہر، **بَدَا يَبْدُو** سے ہے، جب واجب ہوا ظاہر کا دھونا تو واجب ہوا باقی کا بھی دھونا۔ امام زفر، امام شافعی **رَحِمَهُمَا** اللہ فرماتے ہیں کہ بھائی موزے کے اندر اگر قلیل پھٹن ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس پر مسح جائز نہیں ہے، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں، دلیل دیتے ہیں کہ جو حصہ ظاہر ہے اگرچہ تھوڑی سی پھٹن ہے لیکن تھوڑا سا حصہ نظر آرہا ہے یا نہیں؟ تھوڑا سا حصہ نظر آرہا ہے اور جو حصہ نظر آرہا ہے اس کا تو دھونا واجب ہے۔ جب اس کا دھونا واجب تو باقی پاؤں کا بھی دھونا واجب ہو گا، اس لیے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کچھ پر مسح کو ضروری قرار دیا جائے اور کچھ پر دھونے، ایک ہی وظیفے کے اندر، ایک ہی فرض کے اندر غسل اور مسح دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ یا تو مسح ہے تو غسل نہیں، غسل ہے تو مسح نہیں، تو یہاں پر کچھ حصہ تو ظاہر ہے اور جو حصہ ظاہر ہے اس پر اس کا تو دھونا واجب، جب اس کا دھونا واجب تو کہنا پڑے گا باقی کا دھونا بھی واجب۔ ورنہ اگر باقی پر مسح جائز قرار دیا جائے تو پھر تو کیا صورت بن جائے گی؟ ایک ہی وظیفے کے اندر کچھ غسل آگیا اور کچھ مسح، ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا جائز نہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ لَمَّا وَجَبَ غَسْلُ الْبَادِي يَجِبُ غَسْلُ الْبَاقِي** اس لیے کیونکہ جب ظاہر حصہ **الْبَادِي** وہ جو ظاہر حصہ ہے اس کا دھونا واجب ہے تو **يَجِبُ غَسْلُ الْبَاقِي** تو باقی کا دھونا بھی واجب ہو گا۔ **وَلَنَا** ہماری دلیل یہ ہے بھائی، احناف کی دلیل: **أَنَّ الْخِفَافَ** لَا **تَخْلُو عَنْ قَلِيلِ خَرْقٍ** کہ موزے جو ہیں، **خِفَاف** جمع ہے **خُفّ** کی، ہماری دلیل یہ کہ موزے وہ خالی نہیں ہوتے **عَنْ قَلِيلِ خَرْقٍ** عادۃً تھوڑی پھٹن سے عادۃً۔ عادۃً یعنی عام طور پر موزے تھوڑی پھٹن سے خالی نہیں ہوتے، تھوڑا بہت تو موزہ کسی نہ کسی جانب سے پھٹا ہی ہوتا ہے بھائی، تو موزوں میں عام طور پر تھوڑی بہت پھٹن ہوتی ہے۔ آج کل تو اگرچہ بڑی سہولیات آ گئیں خاص بڑے خاص قسم کے موزے، لیکن قدیم زمانے میں موزے کہاں کسی غریب بیچارے کو ملتے تھے، کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا الّا یہ کہ کوئی بڑا ہی مالدار ہو تو اس کو موزے مل جاتے۔ تو وہ ہم دلیل دیتے ہیں کہ موزے جو ہیں وہ تھوڑی پھٹن سے خالی نہیں ہوتے عادۃً، تو اگر تھوڑی پھٹن کی صورت میں بھی موزہ اتار کر پاؤں دھونے کو واجب قرار دیا جائے تو لوگ حرج میں، تنگی میں اور مشکل میں پڑ جائیں گے۔ سردیوں کے اندر ہیں، موزے پہنے ہوئے ہیں اور شریعت کا حکم کیا قرار دیا جائے کہ موزے اتار کر پاؤں دھونا پڑیں گے تو لوگ تو مشکل میں پڑ جائیں گے بھائی، کیونکہ تھوڑی بہت پھٹن تو ہر موزے میں ہی ہوتی ہے۔ ہاں کثیر پھٹن کم ہی ہوتی ہے، وہ کسی کسی کے ہی

موزے میں ہو گی، تو اس صورت میں پھر تنگی نہیں صرف اسی کو حکم ہو گا کہ وہ کیا کرے؟ کثیر پھٹن ہے اور اس پر تو مسح جائز نہیں، موزہ اتارے اور پاؤں دھوئے بھائی۔ جبکہ قلیل تو ہر موزے میں ہی ہوتی ہے، سب سب کی مشکل میں پڑ جائیں گے۔

■ دلیل واستدلال: ہماری دلیل یہ ہے: أَنَّ الْخِفَافَ لَا تَخْلُو

ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْخِفَافَ لَا تَخْلُو عَنْ قَلِيلِ خَرْقٍ عَادَةً** کہ موزے جو ہیں وہ خالی نہیں ہوتے تھوڑی پھٹن سے عام طور پر، **فَيَلْحَقُهُمُ الْحَرَجُ فِي النَّزْعِ** تو لوگوں کو حرج اور تنگی لاحق ہو گی، تنگی پیش آئے گی موزے اتارنے میں، **وَتَخْلُو عَنِ الْكَثِيرِ** اور موزے جو ہیں وہ خالی ہوتے ہیں کس سے؟ کثیر پھٹن سے تو خالی ہوتے ہیں، **فَلَا حَرَجَ** تو اس کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں۔

وَالْكَثِيرُ اب کثیر کہتے کسے ہیں؟ وہی متن والی شرح کر رہے ہیں اسی کی، کہتے ہیں: **وَالْكَثِيرُ أَنْ يَنْكَشِفَ قَدْرُ ثَلَاثِ أَصَابِعِ الرِّجْلِ أَصْغَرِهَا** اور کثیر یہ ہے کہ کھل جائے، **اِنْكَشَفَ** کا معنی کھل جانا، کہ کھل جائے یعنی ظاہر ہو **قَدْرُ ثَلَاثِ أَصَابِعِ الرِّجْلِ** پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار اس میں سے کھل جائیں یعنی نظر آتی ہوں، **أَصْغَرِهَا** ان انگلیوں میں سے جو چھوٹی ہیں، وہ انگلیاں بھائی۔ **وَهُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے بھائی۔ **لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْقَدَمِ هُوَ الْأَصَابِعُ** بھائی انگلیوں کا اعتبار کیوں کیا؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْقَدَمِ هُوَ الْأَصَابِعُ** اس لیے کیونکہ پاؤں کے اندر جو اصل ہیں وہ انگلیاں ہیں، پاؤں میں اصل۔ جیسے ہاتھ میں آپ پڑھ چکے اصل کیا ہیں؟ انگلیاں، چنانچہ اسی وجہ سے اگر ایک ہاتھ کے اندر کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو دیت پچاس اونٹ ہے، پچاس اونٹ دینے پڑیں گے، لیکن اگر ایک انگلی کاٹ دیتا ہے تو پانچ انگلیاں ہیں تو ایک انگلی کے مقابلے میں کتنے آئے؟ دس، تو ایک انگلی کاٹے تو دس اونٹ دینے پڑیں گے، دو کاٹی ہیں تو بیس دینے پڑیں گے اور اگر پانچوں انگلیاں کاٹ دیں تو کتنے دینے پڑیں گے؟ پچاس اونٹ، حالانکہ ہتھیلی تو ابھی بھی پوری باقی ہے لیکن پھر بھی انگلیوں ہی پر کیا آگئی؟ ساری دیت آگئی، معلوم ہوا انگلیاں اصل ہیں، ہتھیلی ان کے تابع ہے۔ لہٰذا جس کی انگلیاں نہیں وہ ہاتھ سے کوئی کام سرانجام بھی نہیں دے سکتا، اگرچہ ہتھیلی موجود ہے لیکن وہ کسی کام کی نہیں بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح پاؤں کی انگلیاں پاؤں میں بھی انگلیاں اصل ہیں، چنانچہ پورے ایک پاؤں کے اندر پچاس اونٹ ہیں تو ایک انگلی میں کتنے ہیں؟ دس اونٹ ہیں، تو کوئی کسی کے پاؤں کی ایک انگلی کاٹے تو اس میں بھی دس اونٹوں کی دیت آئے گی، دو کاٹے تو بیس، تین کاٹے تو تیس، معلوم ہوا پاؤں کے اندر بھی کیا ہیں؟ انگلیاں اصل ہیں، اسی لیے ان کے مقابلے میں دیت آرہی ہے اگرچہ باقی پاؤں باقی بھی ہے لیکن دیت کس کے مقابلے میں آتی جارہی ہے؟ صرف انگلیوں کے مقابلے میں، معلوم ہوا انگلیاں اصل ہیں اصل بھائی۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْقَدَمِ هُوَ الْأَصَابِعُ** اس لیے کیونکہ اصل جو ہیں قدم میں یعنی پاؤں کے اندر **هُوَ الْأَصَابِعُ** وہ انگلیاں ہیں، **وَالثَّلَاثُ أَكْثَرُهَا** اور تین ان کا اکثر ہیں۔ بھائی نصف سے چیز زائد ہو تو اس کو اکثر شے کہتے ہیں، اکثر شے، تو ہاتھ کے اندر دو انگلیوں کا دیکھیں تو یہ نصف سے زائد ہیں یا کم ہیں؟ کم ہیں، تو اس کو اقل کہیں گے، اقل۔ اور اگر تین انگلیاں دیکھیں تو یہ نصف سے، کیونکہ ہاتھ میں کل پانچ انگلیاں ہیں تو تین جو ہیں یہ نصف سے بڑھ گئیں اور نصف سے جو چیز زائد ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اکثر شے، تو تین انگلیاں کیا ہیں؟ اکثر، **أَكْثَرُ الْأَصَابِعِ** ہیں بھائی تو... اور آپ نے ضابطہ پڑھا ہے: **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ** تو اکثر کے لیے کل ہی کا حکم ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی تین انگلیاں جو ہیں وہ کل کے قائم مقام ہو گئیں بھائی۔ تو جب موزے کے اندر تین چھوٹی انگلیوں کے برابر پھٹن ہے تو تین انگلیاں کیا ہیں؟ اکثر انگلیوں، اور **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ** تو جب تین انگلیوں کے برابر قدم ظاہر ہے تو یوں ہی سمجھا جائے گا گویا سارا قدم ہی ظاہر ہے بھائی، کیونکہ **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**۔ اور جب سارا قدم ظاہر ہو پھر تو حکم کیا ہوتا ہے؟ اس کو دھونا ضروری ہے، تو لہٰذا اتنی پھٹن ہو تو اس صورت میں بھی پاؤں کا دھونا ضروری ہو گا۔ یہ معنی ہے: **وَالثَّلَاثُ أَكْثَرُهَا** اور تین انگلیاں جو ہیں وہ اس انگلیوں کا اکثر ہیں کیونکہ انگلیاں کل پانچ بھائی ایک پاؤں میں، **فَتُقَامُ مَقَامَ الْكُلِّ** تو ان کو کل کے قائم مقام کر دیا جائے گا۔ **وَاعْتِبَارُ الْأَصْغَرِ لِلِاحْتِيَاطِ** اور جو چھوٹی انگلی کا اعتبار کیا گیا وہ بطورِ احتیاط کے ہے، کس کے ہے؟ بھائی انہوں نے کہا نا پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار بھائی۔ وجہ اس کی یہ کہ اگر بڑی انگلی کا اعتبار کریں تو پھر تو زیادہ پھٹن میں بھی مسح کی گنجائش ہو گی اور چھوٹی انگلی کا اعتبار کریں تو اس میں پھر تھوڑی پھٹن کے اندر تو مسح جائز ہو گا، کیونکہ تین انگلیاں اس میں سے ظاہر ہو رہی ہیں بھائی، جس میں سے تین انگلیاں کیا ہیں؟ بھائی جس میں سے اتنا موزہ پھٹا ہوا ہے اس میں سے چھوٹی تین انگلیاں ظاہر ہو جاتی ہیں تو اس پر مسح جائز نہیں۔ لیکن اگر بڑی انگلی کا اعتبار کیا جائے وہ بڑی تو اس میں سے ظاہر نہیں ہوں گی تو کیا کہنا پڑے گا؟ کہ مسح کرنا اس پر جائز ہے، وہ زیادہ پھٹن اس سے بھی زیادہ پھٹن ہو گی پھر جا کر کہیں گے مسح کرنا جائز نہیں۔ اور چونکہ یہ طہارت کا مسئلہ ہے، وضو کا مسئلہ ہے تو احتیاط کس کے اندر ہے؟ کس کا اعتبار کیا جائے؟ چھوٹی انگلی کا اعتبار کیا جائے۔ یہ معنی ہے: **وَاعْتِبَارُ الْأَصْغَرِ لِلِاحْتِيَاطِ** اور چھوٹی انگلی کا اعتبار جو ہے وہ احتیاط کے طور پر ہے۔

وَلَا مُعْتَبَرَ بِدُخُولِ الْأَنَامِلِ إِذَا كَانَ لَا يَنْفَرِجُ عِنْدَ الْمَشْيِ اور یہ بھی یاد رکھیے، ایک شخص ہے اس کے موزے میں پھٹن ہے اور اتنی پھٹن ہے کہ اس سے تین انگلیاں پاؤں کی ظاہر ہو جاتی ہیں، آپ نے آپ کے موزے میں پھٹن تھی آپ نے موزے کو دیکھا پاؤں کی چھوٹی انگلی کے ساتھ تو دیکھا تین انگلیاں اس میں سے ظاہر ہو جاتی ہیں اتنی پھٹن ہے۔ لیکن جب آپ اس کو پہن کر چلتے ہیں تو اتنا پاؤں کھلتا نہیں۔ ویسے آپ موزے کو پکڑ کر اس کو غور سے دیکھیں اس جگہ کو کھولیں تو

آپ کو پتہ لگے گا کتنی مقدار ہے پھٹن؟ تین، لیکن جب آپ چلتے ہیں پہنے ہوئے ہیں آپ نے موزے اور چلتے ہیں اس وقت وہ اتنا کھلتا نہیں ہے، مثلاً سلائی ایک جانب سے اکھڑ گئی ہے اب وہ سلائی تو آپ ویسے دیکھیں گے موزے کو ہاتھ میں پکڑ کر پھر تو آپ کو پتہ چلے گا لیکن موزہ پہنا ہوا ہے اور آپ چل رہے ہیں اس وقت اتنا نہیں کھلتا تو پھر یاد رکھیے اس پر بھی آپ مسح کر سکتے ہیں۔ تو اعتبار کس چیز کا ہے؟ کہ ظاہر ہو اتنا حصہ پاؤں کا، چلتے ہوئے اتنا حصہ پاؤں کا کھلتا ہو نظر آتا ہو تو پھر اس پر مسح جائز... پھر اس پر مسح جائز نہیں ہو گا ورنہ جائز ہو گا۔ یہ معنی ہے: **وَلَا مُعْتَبَرَ بِدُخُولِ الْأَنَامِلِ** اور انگلیوں کے داخل ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، **إِذَا كَانَ لَا يَنْفَرِجُ عِنْدَ الْمَشْيِ** جبکہ وہ جگہ کھلتی نہ ہو چلتے وقت بھائی۔ وہ پھٹن کھلتی نہ... چلتے ہوئے جب نہیں کھلتی، ہاں اتنی پھٹن ہے انگلیاں تو اس میں داخل ہو جاتی ہیں لیکن اس کا کوئی اعتبار نہیں، جب چلتے ہوئے نہیں کھلتی اتنی جگہ ظاہر نہیں ہوتی تو اس پر مسح درست ہے بھائی۔

وَيُعْتَبَرُ هَذَا الْمِقْدَارُ فِي كُلِّ خُفٍّ عَلَى حِدَةٍ اور یہ بھی یاد رکھیے، ہر موزے کی پھٹن کا علیحدہ اعتبار ہو گا۔ ایک موزے کے اندر تھوڑی تھوڑی پھٹن ہے ان کو تو جمع کریں گے، لیکن دونوں موزوں کے اندر پھٹن جو ہے ان کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ ایک موزے کے اندر تھوڑی تھوڑی پھٹن ہے ان ساروں کو جمع کریں گے، اگر وہ اتنی مقدار بن جاتی ہے تین انگلیوں کے برابر تو پھر اس موزے پر مسح جائز نہیں ورنہ مسح جائز ہے، دوسرے موزے کو الگ دیکھا جائے گا اس کی پھٹن کو اکٹھا کیا جائے گا۔ یہ معنی ہے: اور اعتبار کیا جائے گا اس مقدار کا **فِي كُلِّ خُفٍّ عَلَى حِدَةٍ** ہر موزے میں علیحدہ، **فَيُجْمَعُ الْخَرْقُ فِي خُفٍّ وَاحِدٍ وَلَا يُجْمَعُ فِي خُفَّيْنِ** تو جمع کیا جائے گا پھٹن کو ایک ہی موزے کے اندر یعنی اس کی جتنی پھٹن ہو گی ان کو تو جمع کریں گے، **وَلَا يُجْمَعُ فِي خُفَّيْنِ** اور دونوں موزوں میں پھٹن کو جمع نہیں کریں گے۔ **لِأَنَّ الْخَرْقَ فِي أَحَدِهِمَا لَا يَمْنَعُ قَطْعَ السَّفَرِ بِالْآخَرِ** اس لیے کیونکہ پھٹن کا ہونا کہ دونوں میں سے کسی ایک کے اندر، یہ روکتا نہیں ہے دوسرے میں سفر کو طے کرنے سے، دوسرے میں بھی کیا کیا جا سکتا ہے؟ سفر کو طے کیا جا سکتا ہے۔ بھائی دیکھیے یہ موزہ جو ہے اس پر موزہ اس پر مسح جائز ہے، شریعت نے مسح کو جائز قرار دیا۔ تو موزہ کیا بن جاتا ہے؟ مانع بن جاتا ہے یعنی محافظ بن گیا، مانع کا کیا معنی؟ محافظ، یہ پاؤں کا محافظ بن گیا اس نے پاؤں تک حدث کو پہنچنے ہی نہیں دیا، پاؤں تک حدث کو پہنچنے ہی نہیں دیا اور اسی موزے کے اندر اگر آپ چلنا چاہیں تو آپ جوتوں کی طرح ان کو چمڑے کے بنے ہوئے ہیں آپ چل سکتے ہیں بھائی، مسافت اس میں سفر اس میں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ بھی کس کی طرح ہیں؟ جوتوں کی طرح ہیں، جیسے جوتے چمڑے سے بنے ہوتے ہیں موزے بھی کس کے بنے ہوئے ہیں؟ چمڑے کے، چمڑے کے۔ تو جب اس میں سفر کر سکتے ہیں دیکھو چلتے ہوئے بھی موزہ پاؤں کے لیے محافظ بنا ہوا ہے مانع بنا ہوا ہے، اطمینان سے آپ چل رہے ہیں کس کا کام دے رہا ہے؟ یہ جوتوں والا کام کر رہا ہے پوری طرح بھائی، تو موزہ کیا ہے پاؤں کے لیے؟ مانع ہے محافظ ہے۔ تو یہاں پر بھی موزے چمڑے والے موزوں پر اسی لیے مسح کو جائز قرار دیا گیا کہ کیونکہ یہ پاؤں کے لیے مانع ہے، اس کے لیے کیا ہے گویا محافظ ہے محافظ ہے اور اس کو پہن کر آپ چل بھی سکتے ہیں، چل لیں آپ سفر کریں دیکھیں یہ محافظ ہے یا نہیں، یہ پاؤں کی پوری حفاظت کرتا ہے۔

اور اسی لیے یہ آج کل کی جو جرابیں ہیں ان پر مسح فقہاء لکھتے ہیں جائز نہیں ہے بھائی، فقہاء فرماتے ہیں کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ یہ پاؤں کے لیے مانع محافظ مانع بن ہی نہیں سکتیں، چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں اگر چمڑے کے موزے نہیں ہیں بلکہ اون وغیرہ کے بنے ہوئے ہیں تو اگر وہ موٹے ہیں اتنے موٹے ہیں کہ بغیر باندھے ہی پنڈلی کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں جیسے عام موزہ ہوتا ہے۔ ہاں یہ بھی مسئلہ پھر رہ نہ جائے، یاد رکھنا موزہ کم از کم اتنا ہونا چاہیے کہ دونوں ٹخنوں کو ڈھانپ لے، اگر ٹخنوں سے نیچے ہے موزہ جیسے بوٹ ہوتے ہیں جوتے ہیں، نہیں بھائی ان پر مسح جائز نہیں بلکہ موزہ کم از کم کتنا ہو؟ ٹخنوں کو اس نے ڈھانپا ہوا ہو، باقی جتنے بھی اونچے ہوں اس کے میں کوئی حرج نہیں بھائی۔ تو کیا مسئلہ میں ذکر کر رہا تھا؟ کہ موزہ ہاں موزہ جو ہے وہ پاؤں کے لیے محافظ ہے مانع ہے اور جو نرم جرابیں آج کل والی ہیں ان پر فقہاء، مفتی حضرات فرماتے ہیں مسح جائز نہیں، اس لیے کیونکہ وہ پاؤں کے لیے مانع نہیں محافظ نہیں، آپ ان کو پہن کر سفر نہیں کر سکتے۔ کم از کم اتنی موٹی جرابیں اگر ہوں کہ وہ پنڈلی کے ساتھ بغیر باندھے ہی کھڑی رہتی ہیں یعنی خوب موٹی اون کی بنی ہوئی جرابیں ہیں اور مانع بھی ہیں یعنی محافظ بھی ہیں پاؤں کے لیے یعنی آپ ان میں چلیں تو ایک میل، دو میل تک چل بھی سکتے ہوں، ایک دو میل تک یہ آپ کا ساتھ دیں اس وقت تک نہ پھٹیں تو معلوم ہوا یہ ان پر مسح جائز ہے، یہ موٹی جرابیں ان پر کیا ہے مسح؟ کیونکہ یہ پاؤں کے لیے مانع ہیں، اس کی حفاظت کر رہی ہیں بھائی۔ جبکہ یہ باریک جرابیں جو آج کل ہوتی ہیں ان میں تو چند گز آپ چلیں گے زمین پر تو یہ فوراً پھٹ جائیں گی، تھوڑا سا ہی چلیں گے پچاس گز، سو گز، دو سو گز یہ ضرور پھٹ جائیں گی بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ اس سے بھی تھوڑا سا لیکن یہ تو تھوڑی سی مقدار ہے، تو ان میں سفر گویا ذرا بھی نہیں ہو سکتا بھائی، تو لہٰذا یہ مانع بھی نہیں بنیں گی اور ان پر مسح بھی جائز نہیں ہے۔ تفصیل اس مسئلے کی آگے بھی آئے گی بھائی اسی باب کے آخر میں۔

تو بہر حال یہاں جو مقام آیا کہ کیونکہ دونوں موزوں کے دونوں موزے ہیں ان میں پھٹن ہے تو ہر ایک کی پھٹن کو علیحدہ جمع کیا جائے گا، کیونکہ ایک موزے کی پھٹن دوسرے موزے کے مانع بننے میں رکاوٹ نہیں۔ دوسرا موزہ پھر بھی کیا بنے گا؟ مانع ہے، اس محافظ ہے، اس میں سفر ہو سکتا ہے یا نہیں ایک موزے کے اندر؟ جی؟ ہاں اس میں سفر ہو سکتا ہے، تو ایک موزے کی پھٹن سے دوسرے موزے پر اثر نہیں پڑتا بھائی، دوسرے موزے پر اثر نہیں پڑتا۔ تو ایک میں پھٹن ہے اس کو الگ دیکھا جائے گا، دوسرے میں پھٹن ہے اس کو الگ دیکھا جائے گا، الگ جمع کیا جائے گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، لیکن اس کا یہ معنی نہ سمجھنا ایک موزے میں پھٹن ہے اس کو تو آپ نے اتار کر پاؤں دھو لیا اور دوسرے پر مسح کر لیا، نہیں نہیں، یہ تو آپ ایک ہی وظیفے میں کیا کر رہے ہیں؟ ایک ہی فرض کے اندر مسح اور غسل کو جمع کر رہے ہیں، نہیں، جب ایک پاؤں کو دھونا ہے ایک موزہ اتر گیا تو دوسرے کو بھی پاؤں کو بھی دھونا ہی پڑے گا، غسل اور مسح کو یہاں جمع نہیں کر سکتے۔

تو دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ **لِأَنَّ الْخَرْقَ فِي أَحَدِهِمَا لَا يَمْنَعُ قَطْعَ السَّفَرِ بِالْآخَرِ** اس لیے کیونکہ ان دونوں موزوں میں سے ایک کے اندر جو پھٹن ہے وہ مانع نہیں ہے سفر طے کرنے سے دوسرے موزے میں، دوسرا پھر بھی کیا بن سکتا ہے؟ مانع بن سکتا ہے، لہٰذا اس کا الگ اعتبار کیا جائے گا۔

بِخِلَافِ النَّجَاسَةِ الْمُتَفَرِّقَةِ بخلاف کس کے؟ نجاستِ متفرقہ کے، الگ الگ نجاست کے، **لِأَنَّهُ حَامِلٌ لِلْكُلِّ** اس لیے کیونکہ وہ شخص ساری نجاست کو اٹھانے والا ہے۔ بھائی دونوں موزوں میں پھٹن ہے، اس پھٹن کو تو جمع دونوں موزوں کی پھٹن کو تو جمع نہیں کیا جائے گا آپس میں بلکہ ہر موزے کی پھٹن کا الگ اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن اگر دونوں موزوں پر نجاست لگی ہوئی ہے پھر اس نجاست کو جمع کیا جائے گا اور آپ پڑھ چکے بھائی کہ وہ نجاست مثلاً اگر وہ نجاستِ غلیظہ ہے اور آپ پڑھ چکے ہیں نجاستِ غلیظہ جو ہے ایک درہم کی مقدار تک معاف ہے اتنی پھیلی ہوئی ہو۔ ہاں اس سے زائد ہے تو وہ معاف نہیں، اس کے اندر نماز جائز نہیں ہے بھائی۔ تو اگر دونوں موزوں کی نجاست کو جمع کیا گیا اور وہ کتنی مقدار بن گئی؟ ایک درہم سے زائد مقدار بن گئی پھیلنے کے اندر، تو پھر اس صورت میں ان موزوں کے اندر نماز جائز نہیں ہو گی بھائی، نماز جائز نہیں ہو گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو ایک درہم کی مقدار تک معاف ہے، ایک درہم سے زائد معاف نہیں ہے بھائی۔ اس صورت میں نماز اس کے ساتھ جائز نہیں ہے بھائی، آپ پڑھ چکے ہیں۔ تو لہٰذا دونوں موزوں میں نجاست کو تو جمع کیا جائے گا، بھائی جمع کیوں کیا جائے گا؟ اس کا الگ الگ اعتبار کیوں نہیں کرتے؟ کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ یہاں اس شخص کا اعتبار کیا جائے گا، ایک موزے پر بھی تھوڑی نجاست، دوسرے پر بھی تھوڑی نجاست، ہاں دونوں کو ملایا تو ایک درہم کی مقدار ہو گئی، تو گویا یہ شخص اتنی نجاست اٹھائے ہوئے ہے اور اتنی نجاست کی صورت میں تو نماز جائز نہیں ہوتی تھی لہٰذا اس کے لیے بھی اس طرح نماز جائز نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ النَّجَاسَةِ الْمُتَفَرِّقَةِ** بخلاف متفرق یعنی الگ الگ نجاست کے، **لِأَنَّهُ حَامِلٌ لِلْكُلِّ** اس لیے کیونکہ وہ شخص اس ساری نجاست کو اٹھانے والا ہے، اس ساری نجاست کو اٹھائے ہوئے ہے۔

وَانْكِشَافُ الْعَوْرَةِ نَظِيرُ النَّجَاسَةِ اور عورت، عورت کہتے ہیں وہ چیز جس کا ظاہر کرنا عیب ہو۔ وہ چیز جس کا ظاہر کرنا عیب ہو، اسی لیے اردو میں جو خواتین ہیں ان کو کیا کہتے ہیں؟ عورت کہتے ہیں، کیونکہ ان کا ظاہر کرنا ان کا بے پردہ گھومنا بھی کیا ہے؟ عیب ہے بھائی عیب، یہ ہے ادبی نکتہ بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَانْكِشَافُ الْعَوْرَةِ نَظِيرُ النَّجَاسَةِ** اور عورت میں نے بتایا جس کا ظاہر کرنا عیب ہو، یہاں سے یہاں مراد ہے ستر، وہ حصہ بدن کا جس کا ڈھانپنا ضروری ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو عورت کا یعنی ستر کا کھل جانا یہ نجاست کی نظیر ہے۔ کس کی نظیر ہے؟ نجاست کی نظیر ہے، یہ اس کے مثل ہے۔ یعنی جیسے نجاستِ متفرقہ کو جمع کرتے تھے، دونوں موزوں میں بھی نجاست کو کیا کرتے تھے؟ جمع کرتے، اسی طرح انکشافِ عورت کو بھی جمع کیا جائے گا۔ اور اگر سارا وہ انکشافِ عورت ربعِ عضو تک پہنچ جائے تو پھر اس صورت میں نماز جائز نہیں ہو گی۔ مثلاً بھائی عورت کے اندر دیکھ لیں عورت جو ہے، عورت کا سارا بدن کیا ہے؟ وہ ستر ہے۔ اب اس کا اس کے کپڑوں میں پھٹن مثلاً کچھ حصہ بازو کا نظر آ رہا ہے، کچھ حصہ پنڈلی کا نظر آ رہا ہے، کچھ حصہ پیٹ کا کچھ دکھائی دیا، ان سب کو جمع کیا جائے گا جیسے نجاست کو جمع کرتے تھے اور اگر یہ چوتھائی عضو تک پہنچ جائے، کسی عضو کے چوتھائی حصے تک یہ پھٹن پہنچ جائے یا انکشافِ عورت تو اس کے لیے اس طرح نماز جائز... اس طرح نماز جائز نہیں ہو گی، نماز نہیں ہو گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ انکشافِ عورت نظیر ہے نجاست کی، یعنی جس طرح نجاست کو جمع کرتے تھے انکشافِ عورت کو بھی کیا کیا جائے گا؟ جمع کیا جائے گا۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۳۰: باب چل رہا ہے بھائی، مسح الخفین کا

ہدایہ صفحہ: ۵۷ — بتاریخ: ۱۴ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ لِمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ لِحَدِيثِ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا لَا عَنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ عَنْ بَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ أَوْ نَوْمٍ، وَلِأَنَّ الْجَنَابَةَ لَا تَتَكَرَّرُ عَادَةً فَلَا حَرَجَ فِي النَّزْعِ بِخِلَافِ الْحَدَثِ لِأَنَّهُ يَتَكَرَّرُ» [1]

مسح الخفین کا باب چل رہا ہے بھائی، مسح الخفین کا۔

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ مسح الخفین وہ جائز ہے ایسے حدث کی وجہ سے جو وضو کو واجب کرنے والا ہے، جبکہ موزوں کو پہنا ہو طہارتِ کاملہ پر اور پھر حدث پیش آجائے۔ پھر کیا پیش آجائے؟ حدث پیش آجائے۔ جی، تو آگے اب آپ کو بتلا رہے ہیں: «**وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ لِمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ**» اور یہ مسح الخفین جو ہے یہ جائز نہیں ہے اس شخص کے لیے جس پر غسل واجب ہو۔ یعنی جنابت کی وجہ سے جو جنابت کا جو حدث پیش آیا ہے اس صورت میں مسح الخفین جائز نہیں، بلکہ موزے اتار کر پاؤں کو اس میں دھونا ضروری ہے بھائی۔

دلیل کیا ہے اس کی؟ کہتے ہیں: «**لِحَدِيثِ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ**» حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، «**أَنَّهُ قَالَ**» وہ فرماتے ہیں: «**كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا**» کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے تھے «**إِذَا كُنَّا سَفْرًا**» سفر، یہ اسم جمع ہے مسافر کے لیے بھائی، مسافر جو ہیں جمع، تو یہ اسم جمع ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے تھے «**إِذَا كُنَّا سَفْرًا**» جب ہم مسافر ہوتے تھے «**أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا**» کہ ہم نہ اتاریں اپنے موزوں کو «**ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا**» تین دن اور تین راتیں «**لَا عَنْ جَنَابَةٍ**» نہ کہ جنابت سے۔

دیکھو نفی پر نفی داخل ہوئی، اور نفی پر نفی داخل ہو تو یہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔ کیسے؟ مثلاً آپ کہتے ہیں زید نہیں آئے گا، نفی ہے۔ اسی پر ایک اور نفی داخل کریں: ایسا نہیں ہے کہ زید نہیں آئے گا۔ کیا معنی؟ معلوم ہوا آئے گا۔ تو دیکھو نفی پر نفی داخل ہو وہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اثبات کا۔ تو یہاں ما قبل میں بھی تھا: «**أَنْ لَا نَنْزِعَ**» نفی، کہ ہم نہ اتاریں موزوں کو، آگے «**لَا عَنْ جَنَابَةٍ**» پھر نفی آئی، تو کس چیز کا فائدہ دیا؟ اثبات کا۔ معلوم ہوا جنابت کی صورت میں اتارنے پڑیں گے بھائی۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہاں پر «**لَا**» آیا جبکہ مشہور روایتوں کے اندر «**إِلَّا**» ہے کہ ہم نہ اتاریں اپنے موزوں کو تین دن اور تین راتیں «**إِلَّا عَنْ جَنَابَةٍ**» مگر جنابت سے کہ اس میں اتاریں گے۔ «**وَلَكِنْ عَنْ بَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ أَوْ نَوْمٍ**» مگر بول یعنی پیشاب سے یا غائط یعنی قضائے حاجت سے یا نوم یعنی نیند سے۔ ان صورتوں میں ہم یعنی نہ اتاریں اور اسی پر مسح کریں۔

یہ تو عقلی دلیل تھی بھائی۔ نص ذکر کر دی باقاعدہ کہ جنابت کی صورت میں مسح جائز نہیں۔ اب عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ الْجَنَابَةَ لَا تَتَكَرَّرُ عَادَةً**» اس لیے کیونکہ جنابت وہ عام طور پر مکرر نہیں ہوتی، بار بار نہیں ہوتی، جنابت کا حدث کبھی کبھی لاحق ہوتا ہے، «**فَلَا حَرَجَ فِي النَّزْعِ**» لہٰذا اب اس میں موزے کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں، «**بِخِلَافِ الْحَدَثِ**» بخلاف کس کے؟ حدث کے، «**لِأَنَّهُ يَتَكَرَّرُ**» کہ وہ مکرر ہوتا ہے بار بار۔ حدث بار

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۲۳): «وآله»۔ • شاملہ (ص ۲۳) میں «عَنْ» کے بجائے «من» درج ہے۔

سبق نمبر ۳۰: باب چل رہا ہے بھائی، مسح الخفین کا
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

بار پیش آتا ہے لیکن جنابت کبھی کبھار پیش آتی ہے۔ تو حدث جو بار بار پیش آتا ہے اس میں مسح کی حاجت ہے اور جنابت جو کبھی کبھار پیش آتی ہے اگر اس میں مسح نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں بھائی۔

■ مسئلہ: وَيَنْقُضُ الْمَسْحَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ

«وَيَنْقُضُ الْمَسْحَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ» اور توڑ دیتی ہے مسح کو ہر ایسی چیز «يَنْقُضُ الْوُضُوءَ» جو کیا کرے؟ وضو کو توڑ دے، «لِأَنَّهُ بَعْضُ الْوُضُوءِ» اس لیے کیونکہ مسح جو ہے وہ بعض وضو ہے یعنی وضو کا جز ہے اور جو چیز کُل کو یعنی وضو کو توڑ دیتی ہے وہ جز کو یعنی مسح کو بھی کیا کرے گی؟ توڑ دے گی۔

«وَيَنْقُضُهُ أَيْضًا نَزْعُ الْخُفِّ» اور اسی طرح مسح کو توڑ دیتا ہے «نَزْعُ الْخُفِّ» موزے کا اتارنا۔ اگر موزہ پہنا ہے اور اس پر مسح کیا ہے پھر موزے کو اتار دیا تو مسح ٹوٹ جائے گا بھائی، مسح ٹوٹ جائے گا۔ بھائی کیوں مسح کیوں ٹوٹ جائے گا؟ کہتے ہیں: «لِسِرَايَةِ الْحَدَثِ إِلَى الْقَدَمِ» بہ وجہ حدث کے سرایت کر جانے پاؤں تک، کہ حدث جو ہے وہ پاؤں تک پہنچ گیا بھائی۔ موزے نے تو کیا کیا تھا؟ حدث کو اپنے اوپر روک رکھا تھا، اب جب موزے کو اتار دیا تو وہ حدث کہاں پہنچ گیا؟ پاؤں تک پہنچ گیا۔ «لِسِرَايَةِ الْحَدَثِ إِلَى الْقَدَمِ حَيْثُ زَالَ الْمَانِعُ» بہ وجہ حدث کے پہنچ جانے کے پاؤں تک کیونکہ وہ مانع جو تھا وہ دور ہو گیا۔

«وَكَذَا نَزْعُ أَحَدِهِمَا» اسی طرح دونوں موزوں میں سے ایک کو اتار دینا یہ بھی مسح کو توڑ دے گا۔ ایک موزہ اتارا ہے تو بھی اس پاؤں پر حدث سرایت کر گیا، تو اس پاؤں کا دھونا ضروری ہوا، جب اس کا دھونا ضروری تو دوسرے کا دھونا بھی ضروری ہوا کیونکہ مسح اور غسل ایک ہی وظیفے کے اندر شرعاً جمع نہیں ہو سکتے، جمع نہیں ہو سکتے۔ «وَكَذَا نَزْعُ أَحَدِهِمَا لِتَعَذُّرِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْغَسْلِ وَالْمَسْحِ فِي وَظِيفَةٍ وَاحِدَةٍ» بہ وجہ متعذر ہونے کے یعنی ممکن نہ ہونے کے، کیا ممکن نہیں ہے؟ جمع کرنا «بَيْنَ الْغَسْلِ وَالْمَسْحِ»، تو غسل اور مسح کے درمیان جمع کرنا ممکن نہ ہونے کی وجہ سے شرعاً بھائی۔ کس وجہ سے جمع کرنا ممکن نہیں ہے؟ شرعاً یعنی ان کو جمع کرنا، ویسے تو جمع کر سکتا ہے انسان لیکن شرعاً ان کی اجازت نہیں ہے، تو شرعاً ان کے جمع کرنے کے ممکن نہ ہونے کی وجہ سے «فِي وَظِيفَةٍ وَاحِدَةٍ» ایک ہی وظیفے میں، ایک ہی فعل یعنی ایک ہی فرض کے اندر۔

■ مسئلہ: وَكَذَا مُضِيُّ الْمُدَّةِ لِمَا رَوَيْنَا

«وَكَذَا مُضِيُّ الْمُدَّةِ لِمَا رَوَيْنَا» اور اسی طرح مدت کا گزرنا یہ بھی مسح کو توڑ دیتا ہے۔ مسافر کے لیے کتنی اجازت تھی؟ تین دن اور تین راتیں، اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات۔ تو یہ جو مدت جب گزر جائے گی تو مسح ٹوٹ جائے گا، «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، جو باب کے شروع میں آئی تھی کہ مقیم کیا کرے؟ ایک دن اور ایک رات مسح کرے اور مسافر تین دن اور تین راتیں مسح کرے۔

«وَإِذَا تَمَّتِ الْمُدَّةُ نَزَعَ خُفَّيْهِ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ» اچھا بھائی یہاں ایک اور مسئلہ بھی یاد رکھنا۔ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ جو چیز وضو کو توڑے گی وہ مسح کو بھی توڑ دے گی، اور اسی طرح دونوں موزوں کا اتارنا یا ایک موزے کا اتارنا یا اسی طرح مدت کا پورا ہو جانا اور گزر جانا، یہ سب چیزیں کیا کریں گی؟ مسح کو توڑ دیں گی۔ اسی طرح اگر آپ نے موزے پر مسح کیا ہے اور پھر پاؤں کہیں پانی والی جگہ پر پڑ گیا اور موزے کے اندر پانی چلا گیا اور آپ کا اکثر قدم بھیگ گیا، گیلا ہو گیا، تو یاد رکھیے اب مسح ٹوٹ گیا اور موزے کو اتار کر پاؤں دھونا پڑے گا۔ اور پھر صرف ایک پاؤں دھونا پڑے گا یا دونوں دھونا پڑیں گے؟ دونوں پاؤں دھونا پڑیں گے کیونکہ مسح اور غسل دونوں کا جمع کرنا شرعاً درست نہیں ہے ایک ہی وظیفے کے اندر بھائی۔

جی، تو کہتے ہیں: «وَإِذَا تَمَّتِ الْمُدَّةُ» اب طریقہ بتلا رہے ہیں بھائی کہ جب مدت گزر جائے پھر کیا کرے انسان؟ آپ نے موزے پر مسح شروع کیا تھا اور مثلاً مدت پوری ہو رہی ہے آج ظہر کے وقت بھائی، ایک دن اور ایک رات، آپ مقیم ہیں۔ تو اب اس وقت آپ کا وضو ہے بھائی، تو پھر یہ نہیں کہ اب آپ کو سارا وضو دوبارہ کرنا پڑے گا بلکہ صرف موزے اتاریں، پاؤں دھوئیں اور پھر موزوں کو پہن لیجیے بھائی، کیونکہ باقی اعضاء کو تو آپ نے دھویا ہوا ہے، وضو کیا ہوا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ «وَإِذَا تَمَّتِ الْمُدَّةُ» اور جب مدت پوری ہو جائے «نَزَعَ خُفَّيْهِ» تو اتارے اپنے دونوں موزے «وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ» اور اپنے دونوں پاؤں دھو لے «وَصَلَّى» اور نماز پڑھ لے، کیونکہ باقی اعضاء کو تو دھویا ہوا ہے، صرف مسح ٹوٹا ہے تو وہ پاؤں دھو لے تو وضو پھر اسی طرح ہے۔ «وَلَيْسَ عَلَيْهِ إِعَادَةُ بَقِيَّةِ الْوُضُوءِ» اور نہیں ہے اس شخص پر باقی وضو کا اعادہ کرنا۔

■ مسئلہ: وَكَذَا إِذَا نَزَعَ قَبْلَ الْمُدَّةِ

«وَكَذَا إِذَا نَزَعَ قَبْلَ الْمُدَّةِ» اور اسی طرح جب اتار لیا موزے کو مدت سے پہلے۔ مدت سے پہلے اگر اتار لیا تو بھی اسی طرح مسئلہ ہے۔ مثلاً آپ نے آج

208

موزے پر مسح کرنا شروع کیا ہے اور یہ کل ظہر تک یہ وقت ہے، تو آپ نے شام ہی کو کیا کیا؟ موزہ اتار دیا۔ تو باقی وضو تو آپ کا ہے تو پھر باقی اعضاء کو دھونے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف کیا کریں؟ پاؤں دھوئیں اور پھر موزے پہن لیجیے۔ یہ معنی ہے «**وَكَذَا إِذَا نَزَعَ قَبْلَ الْمُدَّةِ**» اور اسی طرح جب اتار دیا موزے کو مدت سے پہلے ہی، «**لِأَنَّ عِنْدَ النَّزْعِ يَسْرِي الْحَدَثُ السَّابِقُ إِلَى الْقَدَمَيْنِ**» اس لیے کیونکہ موزہ اتارتے وقت سرایت کر جاتا ہے یعنی پہنچ جاتا ہے وہ سابقہ حدث دونوں قدموں تک، «**كَأَنَّهُ لَمْ يَغْسِلْهُمَا**» گویا کہ اس نے ان دونوں پاؤں کو دھویا ہی نہیں۔ باقی اعضاء تو دھو لیے ہیں وضو کرتے ہوئے اور یہ اعضاء، یہ پاؤں رہ گئے ہیں۔ جی، تو ان کو دھولے گا۔

«**وَحُكْمُ النَّزْعِ يَثْبُتُ بِخُرُوجِ الْقَدَمِ إِلَى السَّاقِ**» بھائی ایک آدمی ہے اس نے موزے پہنے ہوئے ہیں، تو کتنا پاؤں موزے سے نکل آئے تو کہا جائے گا کہ موزہ اتر گیا، اب پاؤں دھونا ضروری؟ تو یاد رکھیے کہ جب قدم، پاؤں جو ہے، موزے کی پنڈلی میں آجائے، کہاں تک آجائے؟ موزے کی پنڈلی میں آجائے تو بس، اگرچہ موزے سے پاؤں نکلا نہیں ابھی، موزے ہی کے اندر ہے لیکن کس جگہ تک آگیا؟ موزے کی پنڈلی تک آگیا، تو بس یہ گویا موزہ اتر گیا آپ کا۔ اب آپ دوبارہ پاؤں ڈال بھی لیں، نہیں بھائی، آپ کا مسح ٹوٹ چکا ہے، کیا کرنا پڑے گا؟ پھر پاؤں کو دھونا۔ تو اگرچہ پاؤں موزے میں ہی ہے لیکن پنڈلی تک نکل آیا۔ اور آپ نے پڑھا مسح صرف کس حصے پر کیا جاسکتا ہے موزے میں؟ سامنے والے ظاہر حصے پر کیا جاتا ہے۔ تو معلوم اور پنڈلی پر اگر کوئی مسح کرے یا ایڑی پر مسح کرے اس کا کوئی اعتبار ہے؟ اس کا کوئی اعتبار نہیں، آپ پڑھ چکے ہیں۔ تو پنڈلی کا جب مسح کے اندر کوئی اعتبار نہیں ہے تو اس تک قدم بھی نکل آیا تو گویا پاؤں جو ہے موزے سے نکل آیا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ یہ معنی ہے: «**وَحُكْمُ النَّزْعِ يَثْبُتُ بِخُرُوجِ الْقَدَمِ إِلَى السَّاقِ**» اور اتارنے کا حکم جو ہے وہ ثابت ہو جائے گا پاؤں کے نکلنے سے پنڈلی تک، «**لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِهِ فِي حَقِّ الْمَسْحِ**» اس لیے کیونکہ پنڈلی کا کوئی اعتبار نہیں ہے مسح کے حق میں، اس پر تو مسح کرنا درست ہی نہیں ہے بھائی۔

«**وَكَذَا بِأَكْثَرِ الْقَدَمِ هُوَ الصَّحِيحُ**» اور اسی طرح یعنی موزہ اتارنے کا حکم ثابت ہو گا اسی طرح «**بِأَكْثَرِ الْقَدَمِ**» کس سے؟ اکثر قدم کے نکلنے سے بھی بھائی۔ اکثر، جیسے پاؤں نکل آتا تھا، پورا پاؤں نکل آیا پنڈلی تک تو بھی یہی حکم کہ گویا موزہ اتر چکا، اور اکثر پاؤں کا اکثر حصہ نکل آیا پنڈلی تک، پورا پاؤں نہیں نکلا لیکن اکثر حصہ پنڈلی تک آگیا تو کیا کہا جائے گا؟ موزہ اتر گیا اور جب اتر گیا تو پاؤں کو دھونا پڑے گا۔ یہ معنی ہے: «**وَكَذَا بِأَكْثَرِ الْقَدَمِ**» اور اسی طرح اکثرِ قدم سے بھی «**هُوَ الصَّحِيحُ**» یہی قول صحیح ہے۔

■ مسئلہ: وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيمٌ فَسَافَرَ...

«**وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيمٌ فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَسَحَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا**» جی، یہاں سے آپ کو یہ مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ یاد رکھیے یہ جو کہا مقیم ایک دن اور ایک رات تک مسح کرے گا اور مسافر تین دن اور تین رات تک مسح کرے گا اس میں آخرِ وقت کو دیکھا جائے گا۔ مثلاً مقیم تھا اس کو اجازت ہے ایک دن ایک رات تک مسح کرنے کی شرعاً بھائی، اب وہ وقت مثلاً پورا ہو رہا ہے ظہر کے وقت اور ظہر سے کچھ دیر پہلے وہ شخص سفر پر چل پڑا، تو مسافر بن گیا۔ اب یہ نہیں کہ ظہر کے وقت وہ موزے اتارے گا بلکہ اب کون سی مدت پوری کرے گا؟ مسافر والی مدت پوری کرے گا کیونکہ اس حکم کا تعلق وقت سے ہے اور جس حکم کا تعلق وقت سے ہوتا ہے اس میں آخرِ وقت کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسے حائضہ بھائی۔ ایک عورت ہے اس کو حیض کے ایام ہیں اور ظہر کے آخری وقت میں حیض رک گیا، وہ پاک ہو گئی بھائی، تو آخری وقت میں مثلاً ظہر کے صرف دس منٹ باقی تھے تو اس میں بھی اس پر اب ظہر کی نماز واجب ہو جائے گی۔ باقی ظہر کے سارے وقت میں حیض تھا لیکن آخری وقت میں کیا تھی؟ پاک تھی، تو ظہر کی نماز اس پر واجب ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک عورت پاک تھی اور ظہر کے آخری وقت میں حیض شروع ہو گیا آخری دس منٹوں میں، تو پہلے وقت میں پاک تھی لیکن ابھی اس نے نماز نہیں پڑھی تھی، تو اب اعتبار آخری وقت کا ہے اور اس آخری وقت میں تو وہ حیض والی ہے لہٰذا اس سے یہ نماز ساقط ہو جائے گی، اس پر اس کی قضا بھی نہیں ہے بھائی۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں حیض کے ایام میں جو نمازیں ہیں ان کی عورتوں پر قضا بھی نہیں، ان کے ذمے ہے ہی نہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

«**وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيمٌ فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَسَحَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا**» اور جس نے ابتدا کی مسح کی اس حال میں کہ وہ مقیم تھا تو پھر اس نے سفر کیا ایک دن ایک رات کے پورا ہونے سے پہلے ہی، ایک دن رات کے پورا ہونے سے پہلے سفر پر چل پڑا ہے۔ اگر پورا ہونے کے بعد چلے گا پھر تو وقت پورا ہو چکا اور وقت پورا ہوتے ہی کیا ہوتا ہے؟ وہ سابقہ حدث سرایت کر جاتا ہے قدم تک، تو پھر تو قدم تک حدث سرایت کر چکا، پھر نہیں اجازت۔ اسی لیے کہا ایک دن رات کے پورا ہونے سے پہلے وہ مسافر ہوا «**مَسَحَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا**» تو مسح کرے گا تین دن اور تین راتیں، «**عَمَلًا بِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ**» عمل کرتے ہوئے حدیث کے اطلاق پر۔ حدیث میں مطلق آیا تھا کہ مسافر کیا کرے گا؟ تین دن اور تین راتیں مسح کر سکتا ہے، حدیث میں مطلق آیا تھا، تو یہاں پر بھی آخرِ وقت میں وہ کیا ہے؟ مسافر ہے، اس میں یہ نہیں کہ ابتدا سے مسافر ہو یا آخرِ وقت میں مسافر ہو، کوئی قید نہیں، مطلقاً ہے سب کو شامل ہے۔ تو آخرِ وقت میں بھی یہ کیا بن گیا؟ مسافر، تو حدیث اس پر صادق آرہی ہے، یہ مسافر ہے اور مسافر کتنا مسح کر سکتا ہے؟ تین دن اور تین رات۔ یہ معنی ہے «**عَمَلًا بِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ**» عمل کرتے ہوئے حدیث کے اطلاق پر۔

«وَلِأَنَّهُ حُكْمٌ مُتَعَلِّقٌ بِالْوَقْتِ فَيُعْتَبَرُ فِيهِ آخِرُهُ» اور اس لیے کیونکہ یہ حکم جو ہے متعلق ہے وقت کے ساتھ، یہ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں، کیونکہ یہ حکم جو ہے یہ مسح کا یہ متعلق ہے وقت کے ساتھ «فَيُعْتَبَرُ فِيهِ آخِرُهُ» تو اس میں اعتبار کیا جائے گا آخرِ وقت کا۔ «بِخِلَافِ مَا إِذَا اسْتَكْمَلَ الْمُدَّةَ لِلْإِقَامَةِ ثُمَّ سَافَرَ» بخلاف اس کے کہ جب اس نے پورا کر لیا مدت کو، اقامت کی مدت کو پورا کر لیا «ثُمَّ سَافَرَ» پھر اس نے سفر کیا، «لِأَنَّ الْحَدَثَ قَدْ سَرَى إِلَى الْقَدَمِ» اس لیے کیونکہ حدث جو ہے وہ تحقیق سرایت کر گیا قدم تک، پاؤں تک پہنچ گیا، «وَالْخُفُّ لَيْسَ بِرَافِعٍ» اور موزہ تو رافعِ حدث نہیں ہے، وہ تو صرف کیا ہے؟ مانع، تو اب بھی اگر مدت پوری ہو گئی، حدث سرایت کر گیا، اب بھی اگر مسافر سفر پر چلا ہے اور اسی پر مسح کی اجازت دی جائے تو موزے کو کیا قرار دینا پڑے گا؟ رافعِ حدث، حالانکہ موزہ تو رافعِ حدث نہیں بلکہ مانعِ حدث ہے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ أَقَامَ وَهُوَ مُسَافِرٌ إِنِ اسْتَكْمَلَ م...

«وَلَوْ أَقَامَ وَهُوَ مُسَافِرٌ إِنِ اسْتَكْمَلَ مُدَّةَ الْإِقَامَةِ نَزَعَ» «وَلَوْ أَقَامَ» اگر وہ مقیم ہوا وہ مسح کرنے والا «وَهُوَ مُسَافِرٌ» اس حال میں کہ وہ مسافر تھا بھائی، پھر مقیم ہو گیا۔ «إِنِ اسْتَكْمَلَ مُدَّةَ الْإِقَامَةِ» اگر وہ مدتِ اقامت کو پورا کر چکا ہے «نَزَعَ» تو کیا کرلے گا؟ موزے کو اتار لے گا۔ «لِأَنَّ رُخْصَةَ السَّفَرِ لَا تَبْقَى بِدُونِهِ» اس لیے کیونکہ سفر کی رخصت بغیر سفر کے باقی نہیں رہے گی۔ سفر میں تو تین دن اور تین راتیں، لیکن اب یہ مقیم بن گیا۔ جب مقیم بن گیا اس کی مدت کتنی ہے؟ ایک دن اور ایک رات، اور یہ مثلاً اسے تو ڈیڑھ دن ہو چکا ہے پہنے ہوئے، تو مدت پوری کر چکا، لہٰذا اب آگے مزید مقیم ہوتے ہی مزید مسح نہیں کر سکتا بلکہ کیا کرے؟ موزے اتارنے پڑیں گے بھائی۔ «وَإِنْ لَمْ يَسْتَكْمِلْهَا أَتَمَّهَا» اور اگر اس نے اس مدت کو پورا نہیں کیا یعنی مقیم والی مدت کو «أَتَمَّهَا» تو اس مدت کو مدتِ اقامت کو پورا کر لے، «لِأَنَّ هَذِهِ مُدَّةُ الْإِقَامَةِ وَهُوَ مُقِيمٌ» اس لیے کیونکہ یہ مدتِ اقامت ہے اور وہ بھی مقیم ہے۔ سفر پر نکلا اور مسح شروع کیا، ابھی ایک دن رات بھی پورا نہ ہوا، پورا نہیں ہوا تھا کہ وہ مقیم ہو گیا کہیں پر، نیت کر لی اس نے پندرہ دن رہنے کی، تو اب مقیم والی مدت پوری کرے گا اور ایک دن رات ابھی پورا نہیں کیا تو اسی ایک دن رات کو کیا کرلے؟ پورا کر لے اور اس سے پھر اس کے بعد پھر وہ مزید مسح نہیں کر سکتا۔

«وَمَنْ لَبِسَ الْجُرْمُوقَ فَوْقَ الْخُفِّ مَسَحَ عَلَيْهِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور جس شخص نے جرموق پہنے موزوں کے اوپر تو ان پر مسح کرے گا بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ بھائی جرموق یہ موزے کی حفاظت کے لیے موزے کے اوپر ایک اور اسی طرح کا موزہ چمڑے کا بنا ہوا پہنا جاتا ہے، اسے کیا کہتے ہیں؟ جرموق۔ اور یہ جو جرموق ہوتا ہے یہ موزے سے چھوٹا ہوتا ہے، جرموق کیا ہوتا ہے؟ موزے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ تو جس شخص نے جرموق پہنا موزے کے اوپر «مَسَحَ عَلَيْهِ» اس پر مسح کرے گا «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ «فَإِنَّهُ يَقُولُ الْبَدَلُ لَا يَكُونُ لَهُ بَدَلٌ» وہ فرماتے ہیں کہ بدل جو ہے اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ یہ جو موزہ ہے یہ پاؤں کا بدل ہے، شریعت نے اس کو کیا قرار دیا ہے؟ پاؤں کا بدل۔ تو موزے پر مسح کرنا اسی طرح ہے جیسے پاؤں کا دھونا، تو یہ پاؤں کا بدل ہوا۔ اور اگر جرموق پر بھی مسح کی اجازت دے دی جائے تو جرموق موزے کا بدل ہو جائے گا، تو یہ بدل کا بدل ہوا، بدل کا بدل۔ تو بدل کا بدل، جب شریعت نے ایک چیز کو بدل قرار دیا ہے تو کوئی اپنی رائے کے ذریعے، اپنی عقل کے ذریعے آگے پھر بدل کا بدل نہیں مقرر کر سکتا۔ یہ معنی ہے «فَإِنَّهُ يَقُولُ الْبَدَلُ لَا يَكُونُ لَهُ بَدَلٌ» کہ بدل جو ہے اس کا بدل نہیں ہو سکتا یعنی رائے کے ذریعے۔

«وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَسَحَ عَلَى الْجُرْمُوقَيْنِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جرموقین پر مسح فرمایا۔ جی، یہ ایک دلیل بھائی کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جرموقین پر مسح فرمایا۔

دوسری دلیل عقلی: «وَلِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْخُفِّ اسْتِعْمَالًا وَغَرَضًا» اور اس لیے جرموق پر مسح جائز ہو گا اس لیے کیونکہ جرموق کیا ہے؟ موزے کے تابع ہے استعمال کے اعتبار سے بھی اور غرض اور مقصد کے اعتبار سے بھی۔ استعمال میں بھی جرموق موزے کے تابع ہے، جرموق استعمال ہی کیسے کیا جاتا ہے؟ موزے کے اوپر پہنا جاتا ہے، تو یہ استعمال میں بھی موزے کے تابع ہے، اور مقصد کے اعتبار سے بھی یہ موزے کے تابع ہے کیونکہ اس کا مقصد کیا ہے؟ موزے کی حفاظت ہے۔ جیسے موزے کا مقصد ہے پاؤں کی حفاظت، جرموق کا کیا مقصد ہوتا ہے؟ موزے کی حفاظت تاکہ موزے کی حفاظت ہو اور مٹی وغیرہ کوئی یہ چیزیں اس پر نہ لگیں بھائی۔ تو یہ استعمال کے اعتبار سے بھی موزے کے تابع ہوا اور مقصد کے اعتبار سے بھی موزے کے تابع ہوا۔

■ مسئلہ: فَصَارَ كَخُفٍّ ذِي طَاقَيْنِ

«فَصَارَ كَخُفٍّ ذِي طَاقَيْنِ» تو گویا یہ دو طاق والے موزے کی طرح ہو گیا، دو تہوں والے۔ «ذِي طَاقَيْنِ» دو تہوں والے۔ تو موزے کے اوپر جرموق پہنا تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے اس شخص نے دو تہوں والا موزہ پہن رکھا ہو اور جو دو تہوں والا موزہ ہے اس پر تو بالاتفاق مسح جائز ہے، تو اس پر بھی جرموق پر بھی مسح جائز ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ دو تہہ والا، ایک آدمی موزے سلواتا ہی اس طرح ہے کہ چمڑے کی دو تہہ لگواتا ہے تاکہ خوب گرم ہوں بھائی، تو ان پر تو بالاتفاق مسح

جائز، تو جرموق بھی جب موزے پر پہنا یہ بھی کس کی طرح ہو گیا؟ گویا دو تہوں والا موزہ ہے۔

«وَهُوَ بَدَلٌ عَنِ الرِّجْلِ لَا عَنِ الْخُفِّ» اور یہ جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا۔ انہوں نے کیا فرمایا تھا کہ بدل کا بدل نہیں ہو سکتا، رائے کے ذریعے اب بدل کا بھی آگے بدل مقرر کر لیا جائے ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ جواب دے رہے ہیں کہ یہ جرموق جو ہے یہ موزے کا بدل نہیں ہے، «بَلْ هُوَ بَدَلٌ عَنِ الرِّجْلِ» یہ بھی کس کا بدل ہے؟ پاؤں کا بدل ہے «لَا عَنِ الْخُفِّ» نہ کہ موزے کا بھائی، یہ پاؤں ہی کا بدل ہے تو یہ گویا دو تہہ والا موزہ ہی ہے بھائی، موزہ دو تہہ والا بن گیا۔

«بِخِلَافِ مَا إِذَا لَبِسَ الْجُرْمُوقَ بَعْدَمَا أَحْدَثَ» بخلاف اس کے کہ جب جرموق کو پہنا ہو بعد اس کے کہ جب اس کو حدث لاحق ہوا، حدث پیش آیا۔ بھائی ایک آدمی ہے اس کو حدث پیش آیا اور پھر اس نے موزے پر جرموق پہنے اور اب جرموق کے اوپر مسح کرنا چاہتا ہے، نہیں بھائی، اب جرموق پر مسح نہیں کر سکتا کیونکہ حدث موزے تک پہنچ چکا۔ پاؤں تک تو موزے نے نہیں پہنچنے دیا لیکن موزے پر کیا آ چکا؟ حدث آ چکا۔ اب جرموق اوپر پہنے گا تو مسح تو جرموق پر ہوا اور نیچے اندر موزے تک حدث پہنچ چکا ہے بھائی، تو یہ مسح کوئی فائدہ نہیں دے گا، اس حدث کو دور نہیں کرے گا۔ ہاں تو لہٰذا جب جرموق بھی پہنے کب پہنے گا؟ جب موزوں پر حدث نہ ہو یعنی وضو ہو، اس وقت کیا کرے گا؟ جرموق پہن لے۔ اب حدث آئے گا اب موزے تک بھی نہیں پہنچے گا بلکہ کہاں پر رک جائے گا؟ جرموق ہی اپنے اوپر اس کو روک لے گا، تو اسی کے اوپر اب مسح کر سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ «بِخِلَافِ مَا إِذَا لَبِسَ الْجُرْمُوقَ بَعْدَمَا أَحْدَثَ» بخلاف اس کے کہ جب پہنا ہو جرموق بعد اس کے کہ جب اس کو حدث پیش آ گیا تھا، پھر مسح نہیں کر سکتا، «لِأَنَّ الْحَدَثَ حَلَّ بِالْخُفِّ» اس لیے کیونکہ حدث جو ہے وہ اتر چکا ہے موزے پر، «فَلَا يَتَحَوَّلُ إِلَى غَيْرِهِ» لہٰذا وہ کسی غیر کی طرف نہیں پھرے گا۔ حدث کہاں اتر چکا؟ موزے پر حدث اتر چکا ہے، اب جرموق اوپر پہن لیے اور ان پر مسح جائز ہو جائے تو یہ تو کہنا پڑے گا یہ حدث کس کی طرف پھر کر چلا گیا؟ جرموق کی طرف، حالانکہ حدث جب اتر چکا ہے وہ جرموق کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔ یہ معنی ہے «فَلَا يَتَحَوَّلُ إِلَى غَيْرِهِ» لہٰذا یہ پھرے گا نہیں، پلٹے گا نہیں اس موزے کے علاوہ کی طرف۔

■ مسئلہ: وَلَوْ كَانَ الْجُرْمُوقُ مِنْ كِرْبَاسٍ لَا يَجُوزُ...

«وَلَوْ كَانَ الْجُرْمُوقُ مِنْ كِرْبَاسٍ لَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَيْهِ» اور اگر جرموق جو ہیں کرباس کے تھے یعنی سوتی کپڑا بھائی، عام سوتی کپڑا، اور اگر جرموق جو تھے سوتی کپڑے کے تھے «لَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَيْهِ» تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، «لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ بَدَلًا عَنِ الرِّجْلِ» اس لیے کیونکہ جو سوتی کپڑا ہے وہ پاؤں کا بدل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ سوتی کپڑا پاؤں کا بدل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بھائی دیکھیے موزہ تو پاؤں کا بدل ہے، پاؤں کا بدل ہے۔ جیسے انسان ویسے چلتا ہے اسی طرح موزے پہن کر بھی چلے تو موزوں میں اچھی خاصی جوتے کی طرح ہی کام دیں گے بھائی، کافی سفر ان میں ہو سکتا ہے، اور جبکہ سوتی کپڑا اس میں تو سفر نہیں ہو سکتا بھائی، وہ تو تھوڑا سا ہی پہن کر چلیں گے تو وہ پھٹ جائیں گے بھائی، تو سوتی کپڑا وہ پاؤں کا بدل نہیں ہو سکتا۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ بَدَلًا عَنِ الرِّجْلِ» اس لیے کیونکہ سوتی کپڑا وہ صلاحیت نہیں رکھتا پاؤں کا بدل ہونے کی، کیونکہ اس میں مسلسل چلنا ممکن نہیں ہے بھائی۔

«إِلَّا أَنْ تَنْفُذَ الْبَلَّةُ إِلَى الْخُفِّ» مگر یہ کہ پہنچ جائے تری جو ہے جو گیلا پن ہے «إِلَى الْخُفِّ» موزے تک۔ سوتی کپڑا ہے بھائی، سوتی کپڑے کا جرموق کسی نے موزے پر پہن لیا تو اس سوتی کپڑے پر مسح جائز نہیں «إِلَّا» یہ کہ آپ نے اس جرموق پر جو سوتی کپڑے کا ہے اس پر آپ نے مسح کیا اور وہ جو پانی تھا وہ اندر موزے تک پہنچ گیا بھائی۔ کافی پانی لگا سوتی کپڑے کو اور کہاں تک پہنچ گیا؟ موزے تک پہنچ گیا، پھر مسح درست ہو جائے گا۔ لیکن وہ اس وجہ سے درست نہیں ہوا مسح کہ آپ نے سوتی کپڑے پر کیا ہے بلکہ اس لیے کیونکہ پانی موزے تک پہنچ گیا تو گویا موزے پر ہی مسح ہو گیا۔ موزے پر ہی مسح ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ آپ نہ کہیں بھائی ہاتھ تو نہیں لگا موزے کو، بھائی ہاتھ لگانے کی بات کس نے کی ہے کہ ہاتھ لگانا فرض ہے؟ موزے کو ویسے بھی تین انگلیوں کی مقدار پانی لگ جائے اگلے حصے پر تو مسح ہو جائے گا۔ آپ نے وضو کر لیا ابھی موزے پر مسح نہیں کیا، آپ چل پڑے اور مثلاً گیلی گھاس میں سے گزرے، موزہ گیلا ہو جائے گا یا نہیں؟ گیلا ہو جائے گا۔ یا بارش میں چند قدم چلے، موزہ گیلا ہو گیا، بس مسح ہو گیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہاں پر بھی جب موزے تک مسح پہنچ گیا، پانی پہنچ گیا تو موزے پر ہی گویا مسح ہو گیا اور تو یہ درست ہو جائے گا۔

«وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَا مُجَلَّدَيْنِ أَوْ مُنَعَّلَيْنِ، وَقَالَا: يَجُوزُ إِذَا كَانَا ثَخِينَيْنِ لَا يَشِفَّانِ» اور جائز نہیں ہے مسح کرنا «عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ» جرابوں پر۔ جورب کہتے ہیں جراب کو بھائی، جراب کو۔ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک «إِلَّا أَنْ يَكُونَا مُجَلَّدَيْنِ أَوْ مُنَعَّلَيْنِ» اس کو منعلین بھی پڑھ سکتے ہیں منعّلین بھی پڑھ سکتے ہیں، مگر یہ کہ وہ جرابیں مجلدین یا منعلین ہوں بھائی۔ مجلد، مجلد، وہ جراب جس کے دونوں طرف چمڑا لگا ہو، یعنی زمین کی طرف جو قدم کا حصہ ہے اس طرف بھی چمڑا لگا ہو اور جو سامنے اوپر ظاہر حصہ ہے اس پر بھی کیا لگا ہو؟ چمڑا لگا ہو، تو یہ جراب کیسی ہوئی؟ مجلد ہوئی مجلد۔ جیسے جلد ہوتی ہے کتاب کی دونوں طرف سے کتاب کا احاطہ کیا ہوتا ہے اسی طرح اس چمڑے نے بھی دونوں طرف سے احاطہ کر لیا ہے اس جراب کا، یہ ہے مجلد۔ اور ایک ہے منعل یا منعّل، یہ نعل سے ہے نعل، جوتا جوتا، تو وہ ہے جس میں صرف نچلے حصے جو زمین کی طرف

موزے کا حصہ ہے صرف اس حصے پر چمڑا لگا ہو تو اس جراب کو کہیں گے منعل یا اس کو کیا کہیں گے؟ منعّل بھائی۔

تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جراب پر مسح جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ جرابیں جو ہیں مجلدین ہوں یعنی ان کے دونوں طرف، زمین کی طرف اور اوپر سامنے کی طرف چمڑا لگا ہوا ہو، «أَوْ مُنَعَّلَيْنِ» یا صرف کس طرف چمڑا لگا ہو؟ زمین کی طرف چمڑا لگا ہو۔ «وَقَالَا» اور صاحبین فرماتے ہیں «يَجُوزُ» کہ جرابوں پر بھی مسح جائز ہے لیکن ہر جراب نہیں، «إِذَا كَانَا ثَخِينَيْنِ» جب وہ جرابیں موٹی ہوں «لَا يَشِفَّانِ» باریک نہ ہوں، باریک نہ ہوں۔ شَفَّ يَشِفُّ کے معنی ہوتے ہیں کپڑے وغیرہ کا اتنا باریک ہونا کہ اس کے آر پار نظر آئے بھائی، آر پار دیکھا جا سکے۔ تو فرماتے ہیں مراد ہے یہاں باریک بھائی، جب جرابیں کیا ہوں؟ موٹی ہوں، باریک نہ ہوں، صاحبین فرماتے ہیں جرابوں پر بھی پھر مسح کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے جرابیں بنوائیں اور خوب موٹی اونی جرابیں ہیں، اور پھر اس میں آگے شرح کے اندر بتلائیں گے کہ وہ جرابیں پنڈلی کے ساتھ کھڑی رہتی ہیں بغیر باندھے ہی، باندھنے کی ضرورت نہیں، اتنی موٹی جرابیں ہیں، اتنی موٹی جرابیں ہیں، تو ان پر بھی مسح جائز ہے، اس لیے کیونکہ یہ بھی پاؤں کے لیے مانع ہیں بھائی۔ ان کے اندر بھی خوب موٹی ہیں تو اچھا خاصا سفر ہو سکتا ہے بھائی، لیکن یہ جو آج کل کی جرابیں ہیں ان پر تو کسی صورت میں مسح جائز نہیں کیونکہ یہ تو بڑی باریک ہوتی ہیں اور یہ تو پہن کر آپ ننگے پاؤں چلیں، چند گز چلیں گے تو یہ پھٹ جائیں گی بھائی، تو یہ مانع بنتی نہیں پاؤں کے لیے۔

تو کہتے ہیں «وَقَالَا» صاحبین فرماتے ہیں «يَجُوزُ» جرابوں پر بھی مسح جائز ہے «إِذَا كَانَا ثَخِينَيْنِ» جب جرابیں جو ہیں موٹی ہوں «لَا يَشِفَّانِ» باریک نہ ہوں، «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَسَحَ عَلَى جَوْرَبَيْهِ» بہ وجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جرابوں پر مسح فرمایا۔ تو روایات سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جرابوں پر مسح فرمایا، جی، لیکن وہ موٹی جرابیں ہیں بھائی۔ «وَلِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْمَشْيُ فِيهِ» اور اس لیے کیونکہ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی، کیونکہ جرابوں کے اندر، اس موٹی جراب کے اندر چلنا ممکن ہے، اس جراب کے اندر چلنا ممکن ہے «إِذَا كَانَ ثَخِينًا» جب وہ موٹی ہو۔ «وَهُوَ أَنْ يَتَمَسَّكَ عَلَى السَّاقِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُرْبَطَ بِشَيْءٍ» اور وہ یہ کہ وہ جمی رہے، ٹھہری رہے علی الساق پنڈلی پر «مِنْ غَيْرِ أَنْ يُرْبَطَ بِشَيْءٍ» بغیر اس کے کہ اس کو باندھا جائے کسی چیز کے ساتھ۔ یعنی بغیر باندھے ہی قدم کے ساتھ پنڈلی کے ساتھ کھڑی رہتی ہے، موٹی جراب ہے۔ «فَأَشْبَهَ الْخُفَّ» تو یہ جراب کس کے مشابہ ہو گئی؟ یہ تو موزہ جو چمڑے کا موزہ ہے اسی کے مشابہ ہو گئی۔ عام ویسے اگر موٹی جراب نہیں وہ تو قدم کے ساتھ اوپر ٹھہرے گی ہی نہیں، آپ چل ہی نہیں سکتے اس میں، وہ خود ہی اتر جائے گی تو وہ پاؤں کا بدل ہو ہی نہیں سکتی بھائی۔ چمڑے کے موزے تو پہنے آپ اس میں چلتے جائیں بھائی، وہ جوتے کی طرح کام کریں گے لیکن جراب ہے اور بغیر باندھے باریک جراب ہے تو بغیر باندھے وہ رہے گی نہیں پاؤں کے ساتھ بلکہ پاؤں سے چلتے ہوئے اتر جائے گی اور نیز پھٹ بھی جائے گی بھائی، اتر جائے گی بھائی، اتر جائے گی۔ آپ کہیں گے ہم آج کل جرابیں پہنتے ہیں وہ تو پاؤں سے اس میں چلیں بھی وہ اترتی نہیں ہیں، بھائی وہ آپ نے اس کو باندھا ہوتا ہے، باندھے بغیر ذرا رکھیں اس کو پھر کیسے رہتی ہے؟ بھائی اس کے اندر وہ الاسٹک وغیرہ ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ وہ الاسٹک وہی باندھنے کا کام تو کر رہی ہے۔ اس کے بغیر کوئی جراب کو پہنے باریک اور پھر دیکھیں کہ کیسے پاؤں کے ساتھ وہ رہتی ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَهُ أَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْخُفِّ

«وَلَهُ أَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْخُفِّ» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ جراب جو ہے یہ خف کے معنی میں نہیں، «لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ مُوَاظَبَةُ الْمَشْيِ فِيهِ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر چلنے کی مواظبت، پابندی یعنی مسلسل اس کے اندر چلا نہیں جا سکتا، «لَا يُمْكِنُ مُوَاظَبَةُ الْمَشْيِ فِيهِ» اس میں مسلسل چلنا ممکن نہیں ہے «إِلَّا إِذَا كَانَ مُنَعَّلًا» مگر یہ کہ جب وہ جراب کیا ہو؟ منعل ہو، نیچے چمڑا لگا ہو، پھر ہو سکتا ہے۔ «وَهُوَ مَحْمَلُ الْحَدِيثِ» اور یہی محمل ہے حدیث کا۔ یعنی جو حدیث میں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جرابوں پر مسح فرمایا اس سے ایسی ہی جراب مراد ہے جس کے نیچے کیا لگا ہو؟ چمڑا لگا ہو۔ «وَعَنْهُ أَنَّهُ رَجَعَ إِلَى قَوْلِهِمَا» اور امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ امام صاحب نے رجوع فرما لیا تھا صاحبین کے قول کی طرف۔ وفات سے تین دن پہلے یا وفات سے سات دن پہلے امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرما لیا کہ موٹی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے بھائی، موٹی جراب۔ «وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى» اور اسی پر فتویٰ ہے بھائی۔ تو یہ جو آج کل کی باریک جرابیں ہیں بھائی ان پر تو مسح کسی صورت میں درست نہیں ہے بھائی، ان میں چلنا ہی ممکن ہی نہیں ہے۔ بلکہ آج کل کی یہ جرابیں، یہ جو باریک جرابیں ہیں عام جو استعمال ہوتی ہیں، یہ تو اگر مجلدین یا منعلین ہوں تو بھی احتیاط اس میں ہے کہ ان پر انسان مسح نہ کرے کیونکہ طہارت کا مسئلہ ہے بھائی، طہارت اور وضو نہیں ہو گا تو نماز ہی نہیں ہو گی بھائی۔ ہاں وہ موٹی جراب ہے وہ مجلدین، موٹی جراب خوب موٹی ہے پھر تو ویسے بھی مسح اس پر جائز بھائی۔

«وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْبُرْقُعِ وَالْقُفَّازَيْنِ» اور جائز نہیں ہے مسح کرنا عمامہ پر، پگڑی پر۔ پگڑی پر مسح کرنا جائز نہیں، ایک انسان نے پگڑی پہنی ہوئی ہے اور وضو کرتے ہوئے وہ سر پر مسح کرنے کے بجائے کس پر کر لیتا ہے؟ پگڑی پر ہی، نہیں بھائی یہ مسح نہیں ہو سکتا، یہ درست نہیں ہے۔ «وَالْقَلَنْسُوَةِ» اور ٹوپی پر، یا ٹوپی ہے اسی کے اوپر مسح کر لیتا ہے، یہ درست نہیں۔ «وَالْبُرْقُعِ» برقع کہتے ہیں نقاب کو بھائی، نقاب کو۔ تو کوئی عورت ہے وضو کرتے ہوئے کیا کرتی ہے؟ نقاب پر ہی مسح کر لیتی ہے تو یہ مسح درست نہیں ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ نقاب جو چہرے پر ہے، سر پر ہے سارا، تو چاہے سر پر کرے، چہرے پر

کرے، بھائی نقاب پر مسح درست نہیں ہے۔ «وَالْقُفَّازَيْنِ» اور دستانوں پر، دستانوں پر بھی مسح صحیح نہیں ہے بھائی۔ «لِأَنَّهُ لَا حَرَجَ فِي نَزْعِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ» اس لیے کیونکہ ان چیزوں کے اتارنے میں، یہ جو متن میں ذکر ہوئیں پگڑی، ٹوپی ہے، نقاب ہے اور دستانے ہیں، ان کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں۔ «وَالرُّخْصَةُ لِدَفْعِ الْحَرَجِ» اور رخصت جو دی ہے شریعت نے وہ تو کس لیے دی ہے؟ حرج کو دور کرنے کے لیے، تنگی کو دور کرنے کے لیے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو سردیوں کے اندر لوگ موزے چمڑے کے لوگ پہنتے ہیں، استعمال کرتے ہیں، تو اب اگر یہ حکم دیا جائے کہ ہر مرتبہ اتارنا پڑے گا تو لوگ کس میں پڑ جائیں گے؟ حرج میں اور مشکل میں پڑ جائیں گے۔

«وَيَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَبَائِرِ» اور جائز ہے مسح کرنا جبائر پر، جبائر پر مسح کرنا جائز ہے۔ جبائر جمع ہے جبیرہ کی، اور جبیرہ جو ہے وہ جو ہڈی وغیرہ ٹوٹ جائے یا کوئی جوڑ نکل جائے تو آپ نے دیکھا ہو گا وہ قدیم طریقہ علاج وہ پہلوان وغیرہ پھر کیا کرتے ہیں؟ اس پر لکڑی باندھ دیتے ہیں اور اوپر پھر پٹی کر دیتے ہیں، لکڑی رکھ کر اوپر پٹی باندھ دیتے ہیں تو وہ جو لکڑیاں اوپر باندھی جاتی ہیں ٹوٹی ہوئی ہڈی پر ان کو جبیرہ کہتے ہیں بھائی، اسی کی جمع جبائر ہے۔ تو اگر جبائر ہیں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے «وَإِنْ شَدَّهَا عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ» اگرچہ ان کو باندھا ہو بغیر وضو کے۔ بھائی جبائر وہ تو ضرورت ہے تکلیف کی وجہ سے، اب ایک شخص کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے تو فوراً ہی کیا کیا جاتا ہے؟ جبیرہ کو باندھ دیا جاتا ہے، تو اس میں بھی اگر طہارت کی شرط لگا دی جائے تو یہ تو بہت ہی زیادہ حرج میں انسان پڑ جائے گا بھائی۔ تو ان کو بغیر وضو ہی کے چاہے ان کو باندھا گیا ہو پھر بھی ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ ذَلِكَ وَأَمَرَ...

«لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ ذَلِكَ وَأَمَرَ عَلِيًّا بِهِ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک گٹا ٹوٹ گیا تھا، حاشیے میں یہ حدیث دی ہوئی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: «قَالَ: انْكَسَرَتْ إِحْدَى زَنْدَيَّ» کہ ٹوٹ گیا میرا ایک گٹا۔ گٹا یہ جو بھائی کلائی اور ہاتھ کے درمیان کا یہ جو جوڑ ہے یہاں کہیں ہڈی ان کی کوئی ٹوٹ گئی تو کہتے ہیں: «فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَنِي أَنْ أَمْسَحَ عَلَى الْجَبَائِرِ» تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو حضور علیہ السلام نے مجھے ان جبائر پر ہی وہ پٹی جو لکڑی ان کے اوپر باندھی گئی تھی انہی پر مسح کرنے کا حکم دیا۔

«وَلِأَنَّ الْحَرَجَ فِيهِ فَوْقَ الْحَرَجِ فِي نَزْعِ الْخُفِّ» اور اس لیے کیونکہ اس جبائر کے اندر جو ہے حرج جو ہے وہ موزے اتارنے کے اندر جو حرج تھا اس سے بھی بڑھ کر ہے بھائی۔ اس کا حرج اس موزے اتارنے کے حرج سے بھی بڑھ کر ہے۔ «فَكَانَ أَوْلَى بِشَرْعِ الْمَسْحِ» تو یہ جو ہے زیادہ لائق ہے مسح کے مشروع ہونے کے۔ موزے پر بھائی، موزے پر مسح شریعت نے کیوں جائز قرار دیا؟ حرج کو دور کرنے کے لیے، تو ان کے اتارنے میں تو موزوں کے اتارنے سے بھی زیادہ تنگی اور مشکل ہے تو یہ زیادہ لائق ہے مسح کے مشروع ہونے کے، مسح کے جائز ہونے کے۔

«وَيُكْتَفَى بِالْمَسْحِ عَلَى أَكْثَرِهَا، ذَكَرَهُ الْحَسَنُ» اور اکتفاء کیا جائے گا اس کے اکثر حصے پر مسح کے ساتھ۔ یعنی جبائر کے اکثر حصے پر، سارے جبیرہ پر مسح ضروری نہیں بلکہ اکثر۔ اکثر کسے کہتے ہیں؟ جو نصف سے زائد ہو، نصف سے زائد۔ تو اس کے اکثر یعنی نصف سے زائد حصے پر مسح پر اکتفاء کیا جائے گا یعنی وہ کافی ہو جائے گا، سارے جبیرہ پر مسح ضروری نہیں۔ «ذَكَرَهُ الْحَسَنُ» اس کو ذکر کیا ہے حسن ابن زیاد رحمہ اللہ نے۔

■ مسئلہ: وَلَا يَتَوَقَّتُ لِعَدَمِ التَّوْقِيفِ بِالتَّوْقِيتِ

«وَلَا يَتَوَقَّتُ لِعَدَمِ التَّوْقِيفِ بِالتَّوْقِيتِ» اور یہ موقت بھی نہیں ہے، یہ جو جبیرہ پر مسح کیا یہ موقت بھی نہیں، اس کا کوئی وقت بھی متعین نہیں ہے۔ بھائی موزوں پر تو مسح مقیم کے لیے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں حد مقرر ہے، وقت متعین ہے اس کے لیے باقاعدہ، لیکن جبیرہ پر مسح جو ہے اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں۔ یہ معنی ہے «وَلَا يَتَوَقَّتُ» اور یہ کسی وقت کے ساتھ بھی مقید نہیں «لِعَدَمِ التَّوْقِيفِ بِالتَّوْقِيتِ» توقیف کہتے ہیں نص کو بھائی، نص۔ بھائی یہ قرآن وحدیث بھائی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ نص کہتے ہیں، قرآن اور حدیث میں کوئی بات آئے تو کہتے ہیں نص میں یہ بات آئی ہے۔ تو توقیف سے مراد ہے نص بھائی، اور توقیفی چیز، توقیفی چیز وہ ہے جو نص سے ثابت شدہ ہو یعنی اس میں رائے وغیرہ کا دخل نہ ہو، قیاس وغیرہ چیزوں کا دخل نہ ہو، نص میں باقاعدہ ایک چیز آئی ہو تو اس کو کہتے ہیں توقیفی۔ جیسے آپ سنتے رہتے ہیں اللہ کے اسماء توقیفی ہیں۔ اللہ کے نام کیا ہیں؟ توقیفی ہیں یعنی جو نص سے ثابت شدہ ہیں انہی ناموں کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر کیا جائے گا، وہی اللہ کی ذات کے لیے وہی نام استعمال کیے جائیں گے، باقی اگرچہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہوں لیکن پھر بھی ان کو اسماء اللہ کے طور پر استعمال کرنا صحیح نہیں ہے بھائی۔ تو «وَلَا يَتَوَقَّتُ لِعَدَمِ التَّوْقِيفِ بِالتَّوْقِيتِ» اور یہ وقت کے ساتھ متعین بھی نہیں ہوتے «لِعَدَمِ التَّوْقِيفِ» نص کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ کس چیز کی نص نہیں ہے؟ «بِالتَّوْقِيتِ» تعینِ وقت کی بھائی، تعینِ وقت کی نص کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ «وَلَا يَتَوَقَّتُ» اور یہ کسی وقت

کے ساتھ مقید بھی نہیں ہوتے «لِعَدَمِ التَّوْقِيفِ بِالتَّوْقِيتِ» کیونکہ تعینِ وقت کی نص نہیں ہے، اس کی نص نہ ہونے کی وجہ سے، تعینِ وقت کی نص کی نہ ہونے کی وجہ سے۔

«وَإِنْ سَقَطَتِ الْجَبِيرَةُ عَنْ غَيْرِ بُرْءٍ لَا يَبْطُلُ الْمَسْحُ» اور اگر جبیرہ گر گیا، کھل گیا «عَنْ غَيْرِ بُرْءٍ» بغیر تندرست ہوئے ہی، بغیر ٹھیک ہوئے ہی، «لَا يَبْطُلُ الْمَسْحُ» تو مسح باطل نہیں ہو گا۔ ایک شخص ہے اس نے جبیرہ پر مسح کر رکھا ہے اور وہ جبیرہ کھل گیا، گر گیا، تو اس سے اس کا مسح باطل نہیں ہو گا، کب؟ جبکہ ابھی وہ تکلیف وغیرہ ہے وہ صحیح نہیں ہوئی بھائی، بغیر ٹھیک ہوئے ہی۔ «لِأَنَّ الْعُذْرَ قَائِمٌ وَالْمَسْحُ عَلَيْهَا كَالْغَسْلِ لِمَا تَحْتَهَا مَا دَامَ الْعُذْرُ بَاقِيًا» کیونکہ عذر قائم ہے «وَالْمَسْحُ عَلَيْهَا كَالْغَسْلِ لِمَاتَحْتَهَا» اور جبیرہ پر مسح کرنا یہ اسی طرح ہے جیسے کہ جو جبیرہ کے نیچے جگہ ہے اس کو دھویا گیا ہو، یہ اسی طرح جبیرہ پر مسح جبیرہ کے ماتحت کو دھونے کی طرح ہی ہے «مَا دَامَ الْعُذْرُ بَاقِيًا» جب تک وہ عذر باقی ہے۔

«وَإِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ» اور اگر وہ جبیرہ گرا «عَنْ بُرْءٍ» اس جگہ کے ٹھیک ہو جانے پر، اس عذر کے دور ہو جانے پر، «بَطَلَ» تو مسح کیا ہے؟ باطل ہو جائے گا، «لِزَوَالِ الْعُذْرِ» اس عذر کے زائل ہو جانے کی وجہ سے، اس کے ختم ہو جانے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَقْبَلَ

«وَإِنْ كَانَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَقْبَلَ» اور اگر وہ شخص نماز میں تھا «اسْتَقْبَلَ»، استقبل کے معنی ہوتے ہیں نئے سرے سے شروع کرنا۔ اگر نماز میں تھا اور جبیرہ کھل گیا، گر پڑا اور عذر ختم ہو چکا، وہ زخم وہ جگہ ٹھیک ہو چکی، تو آپ نے پڑھا ہے کہ جبیرہ پر مسح کس کی طرح ہے؟ اس کے ماتحت جلد کو دھونے کی طرح، اور یہاں وہ جگہ ٹھیک ہو چکی ہے، اب جبیرہ گرا ہے نماز پڑھتے ہوئے، تو وہ جبیرہ جیسے ہی گرے گا وہ مسح باطل ہوا، وہ مسح اور وہ سابقہ حدث کا اثر ظاہر ہو گا لہٰذا کیا کرنا پڑے گا؟ نماز کو نئے سرے سے پڑھنا پڑے گا۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَقْبَلَ» اور اگر وہ شخص نماز میں تھا استقبل تو نئے سرے سے شروع کرے گا، «لِأَنَّهُ قَدَرَ عَلَى الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْبَدَلِ» اس لیے کیونکہ یہ شخص جو ہے یہ اصل پر قادر ہو گیا «قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ» مقصود کے حاصل ہونے سے پہلے ہی «بِالْبَدَلِ» کس کے ساتھ؟ بدل۔ بدل کے ساتھ ابھی مقصود حاصل نہیں ہوا تھا کہ یہ اصل پر قادر ہو گیا۔ بدل کیا؟ مسح۔ مسح کے ساتھ ابھی مقصود حاصل نہیں ہوا تھا یعنی نماز پوری نہیں ہوئی تھی، اس سے پہلے یہ اصل یعنی غسل، دھونے پر بھی قادر ہو گیا، تو جب اصل پر قادر ہو گیا تو اب بدل کے ساتھ نماز درست نہیں، لہٰذا نئے سرے سے نماز پڑھے گا اس جگہ کو دھونے کے بعد بھائی۔ مسئلہ سب کو سمجھ میں آ گیا بھائی؟

تو دیکھیے بھائی، مسح علی الخفین کے باب کے آخر میں مسح علی الجبائر کا بھی ذکر آ گیا، تو یہ مسح علی الجبائر جو ہے یہ مسح علی الخفین سے تین باتوں کے اعتبار سے مختلف ہے۔ تین فرق ہیں بھائی مسح علی الخفین اور مسح علی الجبائر میں: ایک فرق تو یہ: کہ مسح علی الخفین کے اندر ضروری تھا کہ ان کو پہنا گیا ہو طہارت پر، لیکن مسح علی الجبائر کے اندر اگرچہ ان کو بغیر وضو کے ہی کیوں نہ باندھا گیا ہو پھر بھی ان پر مسح صحیح ہے بھائی، صحیح ہے۔ اور دوسرا فرق یہ: کہ مسح علی الخفین مدت کے گزرنے سے وہ ٹوٹ جاتا ہے مسح، لیکن مسح علی الجبائر میں کوئی مدت کی قید نہیں ہے، جب تک چاہے جب تک وہ ٹھیک نہیں ہوتے ان پر مسح کرتا رہے بھائی۔ اور تیسرا فرق یہ: کہ مسح علی الخفین کے اندر موزہ اترنے سے مسح ٹوٹ جاتا تھا، لیکن مسح علی الجبائر کے اندر اگر بغیر ٹھیک ہوئے جبائر کھل جائیں تو پھر بھی مسح نہیں ٹوٹے گا بھائی۔ تین فرق سمجھ میں آ گئے بھائی؟

چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام، واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۳۱: مسئلہ: أَقَلُّ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثّ...

ہدایہ صفحہ: ۶۰ــــ بتاریخ: ۱۵ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الْحَيْضِ وَالِاسْتِحَاضَةِ، أَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا، وَمَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ فَهُوَ اسْتِحَاضَةٌ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «أَقَلُّ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا، وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ»، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي التَّقْدِيرِ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ۔ [1]

■ بَابُ الْحَيْضِ وَالِاسْتِحَاضَةِ

بَابُ الْحَيْضِ وَالِاسْتِحَاضَةِ۔ یہ باب ہے حیض اور استحاضہ کے بیان میں۔

حیض بھائی لغت میں بہنے والے خون کو کہتے ہیں، نکلنے والے خون کو کہتے ہیں عربی زبان میں۔ اور شرعاً وہ خون جو بالغہ عورت کے رحم سے ہر ماہ چند یوم تک آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ اصطلاحی تعریف یہ آپ کے حاشیے میں دی ہوئی ہے بھائی: **قِيلَ: «هُوَ دَمٌ يَنْفِضُهُ رَحِمُ امْرَأَةٍ سَلِيمَةٍ مِنَ الدَّاءِ وَالصِّغَرِ»**، وہ دم ہے جو پھینکے یعنی خارج ہو جو کس سے؟ **رَحِمِ امْرَأَةٍ**، ایسی عورت کے رحم سے، **سَلِيمَةٍ مِنَ الدَّاءِ**، جو بیماری سے سلامت ہو یعنی بیمار نہ ہو، **وَالصِّغَرِ**، اور صغر سے بھی سلیم ہو یعنی صغیرہ نہ ہو۔ اور اسی طرح آئسہ بھی نہ ہو بھائی، وہ بھی بیماری کی وجہ سے ہو گا۔ بھائی یاد رکھیے یہ جو حیض ہے، یہ بیماری کی علامت نہیں بلکہ یہ صحت کی علامت ہے بھائی، صحت کی۔ تندرست عورت کو آتا ہے حیض بھائی۔ اور ہر ماہ چند دن آتا ہے اور اس میں عورت کی عادت کا معتبر ہے بھائی، عورت کی عادت۔ ہر عورت کی کوئی مخصوص عادت ہوتی ہے اسی کے مطابق اسے یہ خون آتا ہے۔ مثلاً کوئی عورت ہے اس کو اسے چار دن آتا ہے تو ہر مہینے ہی چار دن آئے گا۔ کسی کو پانچ دن یا چھ دن آتا ہے تو ہر مہینے ہی اتنے ہی دن آئے گا۔ عورتوں کی اس میں عادت ہوتی ہے عادت بھائی۔ تو **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** اس میں عادت کا اعتبار ہے بھائی۔ اور اگر مثلاً ایک عورت کو ہر مہینے چار دن خون آتا ہے اگلے مہینے مثلاً پانچ دن آیا تو ہم کہیں گے عادت بدل گئی بھائی، عادت بدل گئی۔ پھر اس سے اگلے مہینے مثلاً چھ دن آیا تو ہم پھر کہیں گے عادت بدل گئی بھائی۔ تو یہ سارا کیا شمار ہو گا؟ حیض شمار ہو گا کیونکہ آگے آپ کو بتلا رہے ہیں کہ حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ تو یہ تین اور دس کے درمیان چاہے ہر مہینے بدلتا رہے اس کو کیا کہیں گے کہ عورت کی عادت بدل رہی ہے، بدل رہی ہے۔

تو کہتے ہیں دیکھیے کتاب میں: **أَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا**، حیض کی کم سے کم مدت جو ہے وہ تین دن اور ان کی راتیں یعنی تین راتیں ہیں، **وَمَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ فَهُوَ اسْتِحَاضَةٌ**، اور جو اس سے کم ہو تو وہ استحاضہ ہے۔ وہ کیا ہے؟ استحاضہ۔ بھائی یاد رکھیے عورت کو جو خون آئے وہ تین قسم کا ہو سکتا ہے۔ ایک کو حیض کہتے ہیں، ایک کو استحاضہ کہتے ہیں، ایک کو نفاس کہتے ہیں۔ حیض تو ابھی جیسے میں نے ذکر کیا جو عادت کے مطابق ہر بالغہ عورت کو ہر مہینے چند یوم خون آتا ہے اس کو حیض کہتے ہیں۔ اور اسی طرح بچے کی ولادت کے بعد جو خون آئے وہ کیا کہلاتا ہے؟ نفاس کہلاتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ، ان کے علاوہ جو خون آئے گا اسے استحاضہ کہتے ہیں اور وہ کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہو گا تو اس کو استحاضہ کہتے ہیں بھائی، استحاضہ۔ تفصیل آگے بھی آجائے گی بھائی، استحاضہ کا مستقل مفصل طور پر بیان کریں گے۔ تو سب سے پہلے حیض کے بارے میں بتلا رہے ہیں کہ حیض کی کم سے کم مدت جو ہے وہ تین دن تین راتیں ہیں بھائی، اور اس سے جو کم ہو جائے وہ استحاضہ ہے۔ ایک عورت کو خون آنا شروع ہوا اور وہ دو دن کے بعد ہی رک گیا معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ استحاضہ ہے کیونکہ حیض تو کم از کم کتنے دن ہوتا ہے؟ تین دن تک، اس سے کم نہیں بھائی۔ اور آگے آپ

[1] شاملہ (ص ۲۵) میں «لِقَوْلِهِ» کے بجائے «قوله» درج ہے۔

کو بتلائیں گے زیادہ سے زیادہ حیض دس دن تک ہوتا ہے تو اگر خون آنا شروع ہوا اور دس دن سے بھی زائد ہو گئے تو یہ جو زائد ہو گا یہ کیا ہو گا؟ استحاضہ ہو گا بھائی۔ اور اس میں پھر عادت کا بھی اعتبار کریں گے جی، تفصیل آگے آئے گی آہستہ آہستہ ساتھ ساتھ بھائی۔

تو کہتے ہیں حیض کی کم سے کم مدت جو ہے وہ تین دن اور راتیں ہیں اور وہ جو اس سے کم ہو جائے تو وہ استحاضہ ہے۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «أَقَلُّ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا»**، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ کم سے کم حیض جو ہے **لِلْجَارِيَةِ**، جاریہ جیسے باندی کو کہتے ہیں عربی زبان میں، اسی طرح لڑکی کو بھی کہتے ہیں۔ تو اقل حیض جو ہے **لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ**، بکر کنواری بھائی، ثیب غیر کنواری بھائی، کہ کم سے کم حیض جو ہے کنواری لڑکی یا غیر کنواری لڑکی کے لیے **ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا** وہ تین دن اور تین راتیں ہیں بھائی، **وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ**، اور زیادہ سے زیادہ حیض کتنا ہے؟ کنواری ہو یا غیر کنواری لڑکی ان کے لیے زیادہ سے زیادہ حیض کی مدت وہ دس دن ہے، **وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي التَّقْدِيرِ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ**، اور یہ حدیث حجت ہے دلیل ہے **عَلَى الشَّافِعِيِّ**، علی کس لیے آتا ہے؟ ضرر کے لیے، تو کیا معنی کریں گے؟ خلاف خلاف۔ یہ دلیل یہ حدیث جو ہے دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف **فِي التَّقْدِيرِ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ** ایک دن اور رات کے ساتھ اندازہ کرنے میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اقل مدت حیض جو ہے وہ ایک دن اور ایک رات ہے بھائی۔ کم از کم اتنا ہو سکتا ہے بھائی، کم از کم۔ جبکہ ہمارے نزدیک تین دن اور تین راتیں بھائی، اس سے کم حیض نہیں ہو سکتا۔ اور یہ حدیث ہماری دلیل ہے جس میں کیا آیا کہ کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: أَنَّهُ يَوْمَانِ وَالْأَكْثَرُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّالِثِ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اقل مدت حیض دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ۔ یعنی اکثر یعنی نصف سے جو زائد ہو۔ معلوم ہوا ڈھائی دن سے زیادہ خون آ جائے تو یہ کیا ہے؟ حیض۔ اس سے کم نہیں ہو سکتا، ڈھائی دن سے زیادہ ہو گا بھائی۔ تو تیسرے دن میں انہوں نے آپ نے ضابطہ پڑھا ہے: **«لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ»**، تو یہاں پر بھی انہوں نے اکثر کو کل کا حکم دے دیا کہ تیسرے دن کے جب اکثر حصے میں خون آیا تو گویا کہ سارا دن ہی خون آیا تو یہ تین دن ہی ہوئے گویا۔ تو ان کے نزدیک دو دن **وَالْأَكْثَرُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّالِثِ** اور تیسرے دن کا اکثر حصہ، **إِقَامَةً لِلْأَكْثَرِ مَقَامَ الْكُلِّ**، اکثر کو کل کے قائم مقام کرتے ہوئے۔ **قُلْنَا** ہم جواب دیتے ہیں: **هَذَا نَقْصٌ عَنِ التَّقْدِيرِ الشَّرْعِيِّ**، کہ یہ کم کرنا ہے شریعت کے مقرر کیے ہوئے سے۔ شریعت نے تو کیا مقرر کیا حدیث میں کیا آیا؟ تین دن تین راتیں۔ تو اگر آپ کی بات مان لی جائے تیسرے دن کے صرف اکثر ہی کا اعتبار کر لیا جائے تو شریعت نے تو مقرر کیے تھے تین دن اور اس صورت میں کیا کرنا کیا کرنا پڑے گا؟ شریعت کے مقرر کی ہوئی مقدار سے کم کو ماننا پڑے گا اور یہ صحیح نہیں بھائی، اس میں شریعت نے جو چیز مقرر کی ہے اس میں کمی نہیں کی جا سکتی۔

وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ، اور زیادہ سے زیادہ حیض کی مدت جو ہے وہ دس دن ہے، **وَالزَّائِدُ اسْتِحَاضَةٌ**، اور جو اس سے زائد ہے وہ استحاضہ ہے، **لِمَا رَوَيْنَا**، اس حدیث کی وجہ سے جو ابھی ہم نے روایت کی، **وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي التَّقْدِيرِ بِخَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا**، اور یہ حدیث دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف پندرہ دن کے ساتھ اس کا اندازہ لگانے میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حیض زیادہ سے زیادہ پندرہ دن تک ہو سکتا ہے، پندرہ دن تک ہو سکتا ہے۔ تو یہ حدیث ان کے خلاف دلیل ہوئی، اس میں کیا آیا زیادہ سے زیادہ کتنے دن تک ہے؟ دس دن تک ہے بھائی۔ اور والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حق یہ ہے کہ اس مسئلے کے اندر صرف احناف کے پاس احناف کی دلیل قوی ہے اور کسی کے پاس قوی دلیل موجود نہیں ہے بھائی، ہمارے پاس یہ واضح حدیث ہے بھائی اور بھی دلائل ہیں تو باقیوں کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل ہے ہی نہیں جس سے ان کا مذہب ثابت ہو بھائی۔

ثُمَّ الزَّائِدُ وَالنَّاقِصُ اسْتِحَاضَةٌ، پھر وہ جو زائد ہے یعنی دس سے جو زائد ہے، **وَالنَّاقِصُ** اور وہ جو کم ہے یعنی جو تین سے کم ہے، **اسْتِحَاضَةٌ** وہ استحاضہ ہے، **لِأَنَّ تَقْدِيرَ الشَّرْعِ يَمْنَعُ إِلْحَاقَ غَيْرِهِ بِهِ**، اس لیے کیونکہ شریعت کا مقرر کرنا یہ روک دیتا ہے کس چیز کو روکتا ہے؟ **إِلْحَاقَ غَيْرِهِ بِهِ** کہ اس کے غیر کو اس کے ساتھ ملایا جائے۔ شریعت نے جب بتلا دیا کم سے کم کتنے ہیں حیض کی مدت؟ تین دن، تو تین سے کم کو اس کے ساتھ ملانا درست نہیں۔ اور شریعت نے جب بتلا دیا کہ زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے؟ دس دن ہے، تو دس سے زائد جو ہے اس کو اس حیض کے ساتھ ملانا صحیح نہیں، وہ حیض شمار نہیں ہو گا بلکہ وہ کیا شمار ہو گا؟ استحاضہ۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ تَقْدِيرَ الشَّرْعِ يَمْنَعُ إِلْحَاقَ غَيْرِهِ بِهِ**، اس لیے کیونکہ شریعت کا مقرر کرنا یہ روک دیتا ہے اس کے علاوہ کو اس کے ساتھ ملانے سے۔

وَمَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ حَيْضٌ، بھائی حیض کے مسائل اچھی طرح سمجھ لیں بھائی۔ جہاں کوئی شبہ وغیرہ آئے وہ سوال پوچھتے جایئے آپ بھائی اور خوب اچھی طرح آپ کے ذہن میں مسائل اس کے واضح ہو جائیں بھائی، پھر اس طرح تفصیل آگے نہیں آئے گی۔

وَمَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ حَيْضٌ، اور وہ جس کو عورت دیکھے یہ مِن بیان ہے مَا کا۔ یہ جگہ جگہ اس طرح کی عبارت آ رہی ہے کہ **مِنْ** کے ذریعے مَا کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور وہ جس کو عورت دیکھے بھائی وہ کیا چیز ہے؟ **مِنَ الْحُمْرَةِ** یعنی کہ سرخی، **وَالصُّفْرَةِ** اور زردی، **وَالْكُدْرَةِ** کدرت کہتے ہیں مٹیالا پن بھائی، گدلا ہونا، میلا ہونا، میلا سیاہی کی طرف مائل، گدلا ہونا، سیاہی کی طرف مائل جو میلا ہے بھائی۔ تو وہ جس کو عورت دیکھے یعنی کہ سرخی، زردی اور گدلا پن، **حَيْضٌ** وہ حیض ہے۔ تو یہ **مِنْ** کے ذریعے کیا بیان ہو رہا ہے؟ مَا کا بیان۔ اور میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا کہ یہ جو بیان ہوتا ہے ترجمہ کرتے ہوئے اس کو جس کا بیان ہے اس کی جگہ پر لے جائیں۔ **حُمْرَةٌ** سرخی یعنی سرخ رنگ، **صُفْرَةٌ** زردی یعنی زرد رنگ، **وَالْكُدْرَةِ** اور گدلا رنگ یعنی میلا رنگ جو سیاہی کی طرف مائل ہو، **حَيْضٌ** یہ سب کیا ہیں؟ حیض۔ تو یہ **حُمْرَةٌ، صُفْرَةٌ** اور **كُدْرَةٌ** یہ بیان ہے کس کا؟ مَا کا، تو ترجمہ کرتے ہوئے اسی کی جگہ پر ذرا لے جائیں: اور وہ سرخی اور زردی اور میلا پن وہ مٹیالا

رنگ جس کو عورت دیکھے، **حَيْضٌ** وہ کیا ہے؟ حیض۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟

حَتَّى تَرَى الْبَيَاضَ خَالِصًا، یہاں تک کہ خالص سفیدی دیکھ لے بھائی، خالص۔ یاد رکھیے یہ حیض کے لیے عورتیں کپڑا رکھتی ہیں وہ خون وغیرہ کو روکنے کے لیے، تو اس پر اس کپڑے کو رکھا اگر اس پر سرخ رنگ ہے یہ بھی حیض ہے۔ اگر زرد ہے تو وہ بھی حیض ہے اور اگر سیاہی مائل میلا ہے تو وہ بھی کیا ہے؟ حیض ہے۔ **حَتَّى تَرَى الْبَيَاضَ خَالِصًا،** یہاں تک کہ کیا دیکھ لے؟ خالص سفیدی یعنی جیسا کپڑا رکھا تھا اسی طرح سفید ہے تو معلوم ہوا اب حیض رک چکا ہے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: «لَا تَكُونُ الْكُدْرَةُ مِنَ الْحَيْضِ إِلَّا بَعْدَالدَّمِ»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کدرت جو میلا پن ہے سیاہی کی طرف جو مائل گدلا پن ہے وہ حیض **لَا تَكُونُ مِنَ الْحَيْضِ** یہ حیض میں سے نہیں ہے، **إِلَّا بَعْدَ الدَّمِ** مگر یہ کہ یہ خون کے بعد ہو۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گدلا پن یعنی یہ جو میلا سیاہی مائل رنگ ہے یہ اگر سرخ خون کے بعد دیکھے عورت، پہلے سرخ خون تھا اس کے بعد یہ رنگ دیکھا تو یہ حیض میں شمار ہو گا اور اگر یہ گدلا پن خون سرخ خون سے پہلے تھا شروع میں تھا تو پھر اس صورت میں یہ حیض میں سے نہیں۔ اس صورت میں یہ حیض میں سے نہیں ہے بھائی، یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

دلیل کیا؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ مِنَ الرَّحِمِ لَتَأَخَّرَ خُرُوجُ الْكَدِرِ عَنِ الصَّافِي،** اس لیے کیونکہ اگر یہ رحم سے ہوتا تو مؤخر ہوتا اس گدلے کا نکلنا **عَنِ الصَّافِي** صاف کے بعد بھائی۔ وہ فرماتے ہیں یہ یہ جو گدلا پن دیکھا عورت نے یہ معلوم ہوا یہ رحم سے خارج نہیں ہوا۔ اگر رحم سے خارج ہوتا تو پھر یہ سرخ خون کے بعد ہوتا، سرخ خون کے بعد ہوتا۔ اس لیے کیونکہ یہ گدلا پن ہے میلا پن ہے اور پہلے صاف چیز نکلتی ہے اس کے بعد جو میل وغیرہ ہوتا ہے وہ اس کے بعد نکلتا ہے تو بعد میں آئے تو یہ حیض ہے، یہ اسی کا معلوم ہوا میل وغیرہ، اور اگر پہلے آئے تو پھر یہ حیض میں سے نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ مِنَ الرَّحِمِ،** اگر یہ رحم ہی میں سے ہوتا، **لَتَأَخَّرَ خُرُوجُ الْكَدِرِ عَنِ الصَّافِي،** تو مؤخر ہوتا اس مٹیالے پن کا نکلنا صافی یعنی صاف سے۔

وَلَهُمَا، اور طرفین کی دلیل تو وہ حدیث ہے **رُوِيَ** جو روایت کی گئی ہے: **أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا جَعَلَتْ مَا سِوَى الْبَيَاضِ الْخَالِصِ حَيْضًا،** کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرار دیا **مَا سِوَى الْبَيَاضِ الْخَالِصِ** خالص سفیدی کے علاوہ کو **حَيْضًا** حیض بھائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خالص سفیدی کے علاوہ باقی سب کو کیا قرار دیا؟ حیض قرار دیا، **وَهَذَا لَا يُعْرَفُ إِلَّا سَمَاعًا،** اور اس بات کو نہیں جانا جا سکتا مگر سماعت سے ہی سننے سے ہی۔ عورتیں صحابیہ عورتیں جو تھیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اپنے وہ حیض کے کپڑے بند کر کے بھجواتیں کہ آپ دیکھ لیں کہ یہ جو رنگ ہے اب مثلاً زرد رنگ ہے یا میلا پن ہے یہ حیض ہے یا حیض نہیں؟ اگر حیض نہیں ہے تا کہ پھر ہم نمازیں پڑھنا شروع کر دیں بھائی۔ نمازیں پڑھنا، تو وہ پوچھنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجتیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب کو حیض قرار دیا سوائے خالص سفیدی کے، سب کو حیض قرار دیا۔ اور حضرت عائشہ سب کو حیض قرار دے رہی ہیں اس بات کا پتا معلوم ہوا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا جبھی تو سب کو وہ کیا قرار دے رہی ہیں؟ حیض قرار دے رہی ہیں کیونکہ ویسے تو اس بات کا پتا نہیں چل سکتا کہ یہ حیض میں سے ہے یا حیض میں سے نہیں ہے، معلوم ہوا انہوں نے سنا ہو گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ یہ معنی ہے: **وَهَذَا لَا يُعْرَفُ إِلَّا سَمَاعًا،** اور اس بات کو جانا نہیں جا سکتا مگر سماعت سے ہی سننے سے ہی۔

اور باقی جواب دے رہے ہیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل کا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے کہ مٹیالا پن اگر صاف خون کے بعد دیکھے تو وہ حیض ہے اگر پہلے دیکھے تو وہ حیض نہیں، اس لیے کیونکہ میل کچیل جو ہے وہ صاف چیز کے بعد نکلتی ہے تو پہلے صاف خون نکلے گا اس کے بعد میلا وہ دیکھے گی عورت تو تو ہم جواب دیتے ہیں کہ: **وَفَمُ الرَّحِمِ مَنْكُوسٌ،** رحم کا منہ جو ہے **مَنْكُوسٌ** اوندھا ہے الٹا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تو اس صورت میں ہے بھائی دیکھیے برتن ہے کوئی گھڑا وغیرہ ہے اس میں پانی ہے تو اگر اس گھڑے کو الٹائیں گے تو پہلے صاف پانی نکلے گا اور آخر میں جو پیندے کے اندر میل کچیل ہے وہ آخر میں نکلے گی بھائی۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ یہاں بھی اسی طرح پہلے صاف خون آئے گا اور اس کے بعد وہ میلا آئے تو وہ حیض ہی میں سے ہے لیکن اگر پہلے میلا آئے تو یہ حیض میں سے نہیں ہے بھائی۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ کہ آپ کی بات ٹھیک ہے پہلے صاف نکلے اور پھر بعد میل کچیل بعد میں آتی ہے لیکن یہ تو اس وقت ہے جب برتن کو اوپر کی طرف سے الٹایا جائے، لیکن اگر برتن کے پیندے میں سوراخ کیا جائے تو پہلے میل کچیل نکلے گا اور اس کے بعد پھر صاف پانی نکلے گا۔ تو یہاں بھی اسی طرح عورت کا رحم اوندھا ہے یعنی الٹا ہے تو اس میں بھی پہلے میل جو ہے وہ نکل سکتا ہے، صورت سمجھ میں آئی؟ گدلا پن پہلے آ سکتا ہے۔ **وَفَمُ الرَّحِمِ مَنْكُوسٌ،** اور رحم کا منہ جو ہے **مَنْكُوسٌ** اوندھا ہے الٹا ہے، **فَيَخْرُجُ الْكَدِرُ أَوَّلًا،** تو مٹیالا پن جو ہے وہ نکلے گا پہلے، **كَالْجَرَّةِ،** جیسے کہ گھڑا ہوتا ہے، **إِذَا ثُقِبَ أَسْفَلُهَا،** جب سوراخ کر دیا جائے اس کے نچلے حصے میں۔

وَأَمَّا الْخُضْرَةُ، باقی بھائی سبز رنگ اگر کوئی دیکھے کچھ سبزی مائل رنگ دیکھے کپڑے پر عورت تو کہتے ہیں: **فَالصَّحِيحُ أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا كَانَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْأَقْرَاءِ تَكُونُ حَيْضًا،** تو صحیح قول یہ ہے کہ اگر عورت جو ہے **مِنْ ذَوَاتِ الْأَقْرَاءِ** حیض والیوں میں سے ہو۔ کس میں سے ہو؟ آپ نے پڑھا ہے بھائی اقراء جمع ہے قرء کی، اسی طرح قروء بھی۔ جیسے اصول الشاشی میں مسئلہ آتا ہے، ہاں: ﴿**يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ**﴾، تو قروء کس کو کہتے ہیں؟ قرء کی جمع اور یہ حیض کو کہتے ہیں تو اسی کی ایک جمع اقراء آتی ہے۔ تو کہتے ہیں ہاں کہتے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ: **أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا كَانَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْأَقْرَاءِ،** عورت جو ہے جب وہ

حیض والیوں میں سے ہو، **تَكُونُ حَيْضًا**، تو یہ سبز بھی کیا ہو گا؟ کس میں سے ہو گا؟ یہ بھی حیض ہو گا، **وَيُحْمَلُ عَلَى فَسَادِ الْغِذَاءِ**، اور اس کو محمول کیا جائے گا غذا کی خرابی پر۔ کس پر؟ غذا کی خرابی پر محمول کیا جائے گا بھائی۔ حیض کا ویسے یہ رنگ تو نہیں ہوتا لیکن سبز رنگ کا عورت دیکھ رہی ہے معلوم ہوا یہ اس کی غذا میں کوئی خرابی ہے بھائی، اس کی خوراک میں کوئی خوراک میں خرابی ہے یا اس کے ہضم میں خرابی ہے جس کی وجہ سے یہ رنگ اس نے دیکھا، لیکن یہ ہے کس میں سے؟ حیض ہی میں سے ہے البتہ یہ خرابی اس خرابی غذا کی وجہ سے آئی جو رنگ میں تبدیلی آئی۔

وَإِنْ كَانَتْ كَبِيرَةً، اور اگر وہ عورت بڑی ہے بھائی، بڑی ہے۔ بھائی یاد رکھیے عورت جب پچپن ساٹھ سال کی ہو جائے تو پھر حیض آنا بند ہو جاتے ہیں اس کو کہتے ہیں آئسہ۔ کیا کہتے ہیں؟ آئسہ کہتے ہیں۔ تو اگر کوئی بڑی عمر کی عورت ہے اور وہ اس سبز رنگ کو دیکھتی ہے، صرف سبز رنگ ہی تو پھر کہتے ہیں اس کو استحاضہ شمار کیا جائے گا، یہ حیض نہیں ہو گا بھائی۔ دیکھیے بھائی: **وَإِنْ كَانَتْ كَبِيرَةً**، اور اگر عورت بڑی عمر کی ہے، کیا معنی بڑی عمر کی؟ آئسہ ہے، **لَا تَرَى غَيْرَ الْخُضْرَةِ**، اور وہ سبز رنگ کے علاوہ اور نہیں دیکھتی مثلاً سبز ہی مسلسل ہے، **تُحْمَلُ عَلَى فَسَادِ الْمَنْبِتِ**، تو اس کو محمول کیا جائے گا منبت، منبت اگنے کی جگہ یعنی وہ رحم، وہ رحم جہاں اولاد ہوتی ہے جس میں تو وہ رحم جو ہے اس کی خرابی پر اس کو محمول کیا جائے گا، **فَلَا تَكُونُ حَيْضًا**، تو یہ حیض نہیں ہو گا بھائی۔

وَالْحَيْضُ يُسْقِطُ عَنِ الْحَائِضِ الصَّلَاةَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهَا الصَّوْمَ، اور حیض جو ہے وہ ساقط کر دیتا ہے حائضہ سے نماز کو۔ حیض کیا ہے؟ حائضہ سے نماز کو ساقط کر دیتا ہے، **وَيُحَرِّمُ عَلَيْهَا الصَّوْمَ**، اور اس پر روزے کو حرام کر دیتا ہے۔ بھائی نماز کے لیے **يُسْقِطُ** کا لفظ لے کر آئے، حیض ساقط کر دیتا ہے، معلوم ہوا بعد میں ان کی قضا بھی نہیں کرنی، بالکل نماز ہی سرے سے ساقط ہو گئی۔ اور روزے کے لیے **يُحَرِّمُ** کا لفظ لے کر آئے صاحب قدوری، معلوم ہوا اس وقت روزہ رکھنا حرام ہے ہاں البتہ بعد میں کیا کرنا پڑے گی اس کی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ چنانچہ یہی بتلا رہے ہیں: **وَتَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَوَاتِ**، اور قضا کرے گی وہ عورت روزے کی اور نماز کی قضا نہیں کرے گی، **لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: «كَانَتْ إِحْدَانَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا طَهُرَتْ مِنْ حَيْضِهَا تَقْضِي الصِّيَامَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَوَاتِ»**، بوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کے وہ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کوئی عورت جو ہے حضور علیہ السلام کے زمانے میں **إِذَا طَهُرَتْ مِنْ حَيْضِهَا** جب وہ پاک ہو جاتی تھی اپنے حیض سے، **تَقْضِي الصِّيَامَ** تو وہ روزوں کی قضا کرتی تھی، **وَلَا تَقْضِي الصَّلَوَاتِ** اور نمازوں کی قضا نہیں کرتی تھی، معلوم ہوا نمازیں ساقط ہو جاتی ہیں۔

وَلِأَنَّ فِي قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ حَرَجًا لِتَضَاعُفِهَا وَلَا حَرَجَ فِي قَضَاءِ الصَّوْمِ، یہاں سے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں نقلی دلیل کے ساتھ ساتھ بھائی۔ کہتے ہیں اور اس لیے کیونکہ نمازوں کی قضا میں **حَرَجًا** حرج ہے، **لِتَضَاعُفِهَا** بوجہ ان کے دگنا ہونے کے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں اگر عورت پر نمازوں کی بھی قضا آئے تو اس میں حرج ہے تنگی ہے عورت تنگی مشکل میں پڑ جائے گی بوجہ ان نمازوں کے دگنا ہو جانے کے، نمازیں دگنی ہو جائیں گی۔ حیض کے ایام میں نمازیں نہیں پڑھیں مثلاً چھ سات دن تک تو اگلے دنوں کے اندر وقتی نمازیں بھی پڑھنا پڑیں گی اور وہ قضا بھی پڑھنا پڑیں گی تو نمازیں کیا ہو گئیں؟ دگنی ہو گئیں اس کے لیے۔ اور پھر اگر اس مہینے نہ کر سکی تو اگلے مہینے پھر اور بڑھ جائیں گی، اگلے مہینے اور بڑھ جائیں گی تو ان میں اس میں عورت کے لیے تنگی ہے مشکل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کے اندر تنگی نہیں رکھی بھائی۔ اور جبکہ روزوں کی قضا کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کیونکہ روزوں روزے وہ تو سال میں ایک ہی مرتبہ آتے ہیں تو اگر اس مہینے کے اندر جو پانچ چھ روزے نہیں رکھے وہ بعد میں رکھے تو کوئی تنگی نہیں، گیارہ مہینے ہیں اطمینان سے رکھ سکتی ہے بھائی، اس میں کوئی مشکل نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّ فِي قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ حَرَجًا لِتَضَاعُفِهَا وَلَا حَرَجَ فِي قَضَاءِ الصَّوْمِ**، اس لیے کیونکہ نمازوں کی قضا کے اندر حرج ہے ان کے دگنا ہو جانے کی وجہ سے اور کوئی حرج نہیں ہے روزوں کی قضا میں۔

تو مسئلہ آپ نے پڑھ لیا بھائی۔ ایک عورت ہے، **يَرْحَمُكَ اللَّهُ**، ایک عورت ہے اور اس پر ایام حیض کی نمازوں کی قضا بھی نہیں البتہ روزوں کی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا۔ چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں ایک عورت نماز پڑھ رہی ہے اور عین نماز کے بیچ میں حیض شروع ہو گیا تو یہ نماز بھی اس سے ساقط ہو گئی، یہ نماز بھی کیا ہو گئی؟ ساقط۔ بشرطیکہ یہ فرض نماز ہو بھائی، فرض نماز۔ ہاں اگر سنت یا نفل تھے ان کی اس کو قضا سنت یا نفل کے اندر ایسا ہوا تو اس کی بعد میں قضا کرنا پڑے گی بھائی۔ فرض نماز کیوں ساقط اور نفلوں اور سنتوں کی کیوں قضا کرنا پڑے گی؟ بھائی مسئلہ واضح ہے کہ فرض ظہر کے وقت میں کیا کر رہی ہے؟ ظہر کی نماز پڑھ رہی ہے اور حیض شروع ہو گیا، آپ نے پڑھا اعتبار کس کا ہے؟ آخر وقت کا ہے تو آخر وقت میں تو حیض شروع ہو چکا ہے لہٰذا اس پر ظہر کی نماز ہی اس سے ساقط ہو گئی بھائی۔ اور جبکہ نفل اور سنتیں ان کی قضا کیوں کرے گی؟ وجہ یہ کہ سنتیں بھی دراصل نفل ہی ہیں لیکن حضور علیہ السلام نے ان کو باقاعدگی سے ادا فرمایا اس لیے ان نفلوں کو ہم کیا کہتے ہیں؟ سنت کہتے ہیں۔ تو نفل اور سنت آپ نے پڑھا ہے کہ نفل ویسے تو نفل ہیں لیکن جب ایک دفعہ شروع کر دیے جائیں تو وہ واجب ہو جاتے ہیں۔ تو یہ عورت کے ذمے یہ نماز واجب نہیں تھی لیکن جیسے ہی اس نے شروع کر دی اب اس پر کیا ہو چکی؟ واجب ہو گئی، اب یہ حیض کی وجہ سے ساقط نہیں ہو گی کیونکہ اس کا تعلق وقت کے ساتھ نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ جی؟ وتر بھی ساقط ہو جائیں گے بھائی۔ جبکہ روزے کا حکم اس کے برعکس ہے یعنی روزوں کی قضا کرنا پڑے گی، روزے کی حالت میں حیض شروع ہو گیا تو بعد میں اس کی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔

ایک اور نکتہ آپ کو بتلاؤں بھائی: یہاں متن میں اوپر آیا: «**وَالْحَيْضُ يُسْقِطُ عَنِ الْحَائِضِ**»، اور حیض جو ہے وہ ساقط کر دیتا ہے حائضہ سے نماز کو۔ **الْحَائِضِ** کہا اس کے ساتھ تا نہیں ملائی گئی: **الْحَائِضَةُ**، کیوں؟ وجہ یہ کہ یہ جو تا ملائی جاتی ہے یہ فرق کرنے کے لیے ہوتی ہے **بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ قَائِمٌ** کا معنی وہ مرد جو کھڑا ہے، **قَائِمَةٌ** وہ عورت جو کھڑی ہے، تو دیکھو یہاں مذکر اور مؤنث دونوں میں یہ صفت آتی ہے قیام والی دونوں کے لیے ہوتی ہے اس لیے تا کے ذریعے فرق کریں گے۔ لیکن بعض صفات ایسی ہیں جو صرف عورت کے ساتھ خاص ہیں تو وہاں پھر تا کے ذریعے بھی فرق کرنے کی ضرورت نہیں جیسے یہ حیض یہ خاص ہے صرف کس کے ساتھ؟ عورت کے ساتھ تو لہٰذا یہاں تا بھی نہیں ملائی جاتی بھائی، اس کے بغیر ہی پتا لگ گیا کیونکہ یہ صفت ہی کس کی ہے؟ عورت کی ہے۔ اسی طرح حامل لفظ آئے گا: **حَامِلٌ**، تو حاملہ ہونا بھی چونکہ صرف عورت کی صفت ہے لہٰذا وہاں بھی تا ملا کر فرق نہیں کیا جائے گا بلکہ عورت کے لیے کیا لفظ استعمال کر لیں گے؟ حامل کا لفظ، حامل بغیر تا کے۔ ہاں البتہ اگر حامل کے معنی وزن اٹھانے کے ہیں پھر مذکر اور مؤنث کا فرق تا کے ساتھ کیا جائے گا، مذکر کے لیے **حَامِلٌ** کہیں گے اور مؤنث کے لیے **حَامِلَةٌ** کہیں گے بھائی۔

وَلَا تَدْخُلُ الْمَسْجِدَ، اور حیض والی جو عورت ہے وہ داخل نہیں ہو سکتی ہو گی مسجد میں، مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی، **وَكَذَا الْجُنُبُ**، اور اسی طرح جنبی بھی جنب بھی جو ہے جو حالت جنابت میں ہے وہ بھی داخل نہیں ہو سکتا، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**: «**فَإِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَاجُنُبٍ**»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ بیشک میں حلال نہیں کرتا مسجد کو حائضہ کے لیے اور جنب کے لیے۔ تو حدیث میں آیا بھائی کہ عورت حائض کے لیے اور جنب کے لیے مسجد میں جانا حلال نہیں ہے۔

وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حائضہ اور جنب جو ہے وہ مسجد میں ویسے تو نہیں جا سکتے لیکن اگر گزرنا ہو مسجد میں سے، دوسری طرف جانا ہے تو گزر سکتے ہیں، گزرنا ہو تو گزر سکتے ہیں۔ لیکن یہ حدیث مطلق ہے اس میں کوئی گزرنے اور غیر گزرنے کا فرق کیا گیا؟ نہیں بھائی، مطلقاً حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں حلال نہیں کرتا مسجد کو حائض اور جنب کے لیے، معلوم ہوا گزرنا بھی ان کے لیے صحیح نہیں بھائی۔ ہاں اگر کوئی ایسا موقع آیا کہ گزرے بغیر کوئی صورت ہی نہیں ہے مثلاً پانی لینے کے لیے جانا ہے، کوئی شخص جنابت کی حالت میں ہے پانی لینے کے لیے جانا ہے اور وہ راستہ مسجد ہی سے ہو کر جاتا ہے دوسری طرف سے راستہ ہی کوئی نہیں ہے تو پھر علماء لکھتے ہیں جب مجبوری ہو گزرنا ہی ہے تو پھر انسان تیمم کر کے گزر جائے مسجد میں سے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ اور یہ بھی میں نے بتایا جب کوئی اور صورت ہی نہ ہو پھر، ورنہ ویسے جائز نہیں ہے بھائی۔

وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ، اور یہ حدیث اپنے اطلاق کے اعتبار سے یعنی یہ مطلق ہے اس میں گزرنے وغیرہ کا کوئی فرق نہیں کیا گیا تو یہ مطلق ہوئی، تو یہ حدیث اپنے اطلاق کے اعتبار سے **حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ** دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف، **فِي إِبَاحَةِ الدُّخُولِ**، کس چیز کے اندر؟ داخل داخل ہونے کے مباح کرنے میں، امام شافعی رحمہ اللہ نے داخل ہونے کو مباح قرار دیا ہے تو اس داخل ہونے کے مباح کرنے میں، **عَلَى وَجْهِ الْعُبُورِ وَالْمُرُورِ**، عبور اور گزرنے کے طریقے پر، عبور کرتے ہوئے اور گزرتے ہوئے۔ عبارت کا ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ **فِي إِبَاحَةِ الدُّخُولِ عَلَى وَجْهِ الْعُبُورِ وَالْمُرُورِ**، ترجمے پہ نظر رکھیے آخر سے ہو گا اولا پہلے حصے کا کروں گا پھر آخر سے، اور یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے حجت ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف گزرنے اور عبور کرنے کے طریقے پر مسجد کے اندر داخل ہونے کو مباح کرنے میں، یعنی انہوں نے جو مسجد میں سے گزرنے اور عبور کرنے کے طریقے پر داخل ہونے کو مباح قرار دیا ہے اس چیز میں، اس مسئلے میں یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف دلیل ہے اور حجت ہے۔

وَلَا تَطُوفُ بِالْبَيْتِ، اور حائضہ جو ہے وہ طواف نہیں کر سکتی بیت اللہ کا، **لِأَنَّ الطَّوَافَ فِي الْمَسْجِدِ**، اس لیے کیونکہ طواف کس میں ہوتا ہے؟ مسجد میں ہوتا ہے، اور ابھی گزرا کہ حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اور نیز اس لیے بھی کیونکہ طواف کس کی طرح ہے؟ بیت اللہ کا طواف بھی نماز کی طرح ہے بھائی، نماز ہی ہے گویا ایک طرح کی تو یہ نماز کی طرح ہے اور اس کے لیے طہارت واجب ہے بھائی، اور یہ تو پاکی کی حالت میں نہیں ہے بھائی۔

وَلَا يَأْتِيهَا زَوْجُهَا، اور نہیں آ سکتا اس کے پاس اس کا خاوند یعنی وہ اس سے قربت نہیں کر سکتا، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**: ﴿**وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ**﴾، بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: اور تم قربت نہ کرو ان سے یعنی اپنی بیویوں سے حتی کہ وہ پاک ہو جائیں بھائی۔

وَلَيْسَ لِلْحَائِضِ وَالْجُنُبِ وَالنُّفَسَاءِ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ، اور نہیں ہے حائضہ کے لیے اور جنب کے لیے اور نفاس والی کے لیے **قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ** قرآن کی قرأت کرنا تلاوت کرنا۔ یعنی حائض، جنب اور نفاس والے قرآن کی تلاوت نہیں کر سکتے یہ ان کے لیے جائز نہیں ہے۔ دلیل کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**: «**لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَالْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ**»، حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے کہ نہیں تلاوت کر سکتے حائضہ اور جنب **شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ** کچھ بھی قرآن میں سے، حائض اور جنب قرآن میں سے کچھ بھی تلاوت نہیں کریں گے۔

وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْحَائِضِ، اور یہ حدیث دلیل ہے امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف **فِي الْحَائِضِ** حیض کے بارے میں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنب کے لیے تو وہ بھی کہتے ہیں وہ تلاوت نہیں کر سکتا۔

لیکن حائض کے لیے وہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے گنجائش ہے، وہ کیا کر سکتی ہے؟ تلاوتِ قرآن کر سکتی ہے۔ لیکن اس حدیث میں آ گیا کہ حائضہ بھی قرآن کی تلاوت

نہیں کر سکتی، تو یہ ان کے خلاف بھی دلیل ہوئی۔

«وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ يَتَنَاوَلُ مَا دُونَ الْآيَةِ» اچھا! امام طحاوی جو ہیں، امام طحاوی رَحِمَهُ اللّٰهُ بھئی احناف کے فقہاء میں سے بڑے بہت بڑے فقیہ بھئی، تو وہ فرماتے ہیں، امام طحاوی کس میں سے ہیں؟ فقہائے احناف میں سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آیت سے کم جو ہے، اس کی تلاوت حائضہ کر سکتی ہے۔ پوری آیت کی تلاوت تو نہیں کر سکتی، لیکن آیت سے کم کی تلاوت کر سکتی ہے بھئی، آیت سے کم کی۔ آیت سے کم یعنی کچھ لفظ پڑھ لے پھر رک جائے، تو آیت سے کم حصے کی تلاوت کر سکتی ہے۔

«وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ» تو صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ بھئی یہ امام طحاوی کے خلاف بھی حجت ہے، کیونکہ اس میں یہ نہیں آیا کہ آیت سے پوری آیت نہیں پڑھ سکتی، بلکہ مطلقاً آیا قرآن میں سے کوئی چیز نہیں پڑھ سکتی۔ یہ آیت کو بھی شامل ہے اور آیت سے کم کو بھی شامل ہے، تو لہٰذا وہ بھی نہیں کر سکتی۔

تو کہتے ہیں: «وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ يَتَنَاوَلُ مَا دُونَ الْآيَةِ» اور یہ حدیث جو ہے اپنے اطلاق کے ساتھ، «يَتَنَاوَلُ» شامل ہے، «مَا دُونَ الْآيَةِ» آیت سے کم کو بھی، «فَيَكُونُ حُجَّةً عَلَى الطَّحَاوِيِّ» تو یہ حدیث دلیل ہو گی امام طحاوی رَحِمَهُ اللّٰهُ کے خلاف، «فِي إِبَاحَتِهِ» اس مادون الآیۃ کے مباح کرنے میں، کس کو؟ آیت سے کم کو انہوں نے جو مباح قرار دیا ہے، اس کے اندر یہ حدیث ان کے خلاف کیا ہو گئی؟ دلیل ہو گئی، حجت ہو گئی بھئی۔

یاد رکھیے! علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت مثلاً استانی ہے، پڑھانے والی ہے، قرآن پڑھاتی ہے، اب اس کو چونکہ ضرورت ہے، حاجت ہے، تو وہ اب ہر مہینے کئی دن تعطیل ہو، سبق ہی نہ ہو، تو بڑا حرج لازم آئے گا۔ تو وہ عورت آیت کو توڑ توڑ کر پڑھا سکتی ہے، یعنی دو دو تین تین لفظ پڑھ کر پھر رک جایا کرے، تو آیت توڑ توڑ کر کیا کرے؟ سبق پڑھا سکتی ہے ان ایام کے اندر بھئی، ان ایام کے اندر۔

«وَلَيْسَ لَهُمْ مَسُّ الْمُصْحَفِ إِلَّا بِغِلَافِهِ» اور جائز نہیں ہے ان کے لیے: «مَسُّ الْمُصْحَفِ» قرآن کو چھونا، «إِلَّا بِغِلَافِهِ» مگر اس کے غلاف کے ساتھ۔ یہ جو پیچھے آیا حائض، جنب اور نفساء متن کے اندر بھئی، ان تینوں کے لیے قرآن کو چھونا جائز نہیں ہے، «إِلَّا بِغِلَافِهِ» مگر اس قرآن کے غلاف کے ساتھ۔ غلاف ہو درمیان میں، اس کے ذریعے قرآن کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

«وَلَا أَخْذُ دِرْهَمٍ» اور ان کے لیے جائز نہیں ہے ایسے درہم کو لینا، «فِيهِ سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ» جس میں قرآن کی کوئی سورت ہو، «إِلَّا بِصُرَّتِهِ» صُرَّہ کہتے ہیں تھیلی کو، «إِلَّا بِصُرَّتِهِ» مگر اس درہم کی تھیلی کے ساتھ۔ بھئی قرآن کو بھی یہ لوگ ہاتھ نہیں لگا سکتے اور ایسے درہم کو بھی نہیں پکڑ سکتے اور اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے جس میں قرآن کی کوئی سورت لکھی ہوئی ہو، «إِلَّا بِصُرَّتِهِ» مگر اس کی تھیلی کے ساتھ بھئی۔ اس کی تھیلی کے ساتھ، تھیلی کے اندر ہے درہم، پھر اس کو پکڑ سکتے ہیں۔ ویسے ہاتھ، براہِ راست درہم کو یا قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

یہاں عبارت دیکھیے: «وَلَا أَخْذُ دِرْهَمٍ» درہم نکرہ آیا، «فِيهِ سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ»، «فِيهِ» خبرِ مقدم، «سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ» مبتدائے مؤخر۔ یہ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ تو نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آیا، اور نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آئے تو کیا بنتا ہے اس کے لیے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے ہوئے موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسے۔ تو «وَلَا أَخْذُ دِرْهَمٍ فِيهِ سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ» اور نہ ایسے درہم کو پکڑنا جائز ہے جس کے اندر قرآن کی کوئی سورت ہو، «إِلَّا بِصُرَّتِهِ» مگر اس کی تھیلی سے۔

«وَكَذَا الْمُحْدِثُ لَا يَمَسُّ الْمُصْحَفَ إِلَّا بِغِلَافِهِ» اور اسی طرح جو بے وضو ہو، وہ بھی قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا مگر اس کے غلاف کے ساتھ۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ» قرآن کو ہاتھ نہ لگائے مگر پاک آدمی۔ پاک شخص ہی کیا کرے؟ قرآن کو ہاتھ لگائے۔ تو یہ بے وضو بھی اس میں داخل، جنابت والا بھی داخل، حیض والی بھی داخل اور نفاس والی، سب اس کے اندر آ گئے۔ تو یہ حدیث دلیل ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے حدیث کو دلیل کے طور پر ذکر کیا: «لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ»، اس کے بجائے آیت کو کیوں نہیں ذکر کیا بطورِ دلیل کے؟ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ» بھئی، «لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ»۔ وجہ اس کی یہ کہ وہاں پر اور بھی احتمال ہے کہ ہا ضمیر قرآن کو راجع نہ ہو، بلکہ کس کو راجع ہو؟ لوحِ محفوظ کو، کہ نہیں چھوتے اس کو، لوحِ محفوظ کو، «إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ» مگر پاک، یعنی فرشتے۔ پاکیزہ ہی جو ہیں، وہ ہی اس کو چھوتے ہیں، تو کون مراد ہوں مطہرون سے؟ فرشتے۔ تو وہاں اور بھی احتمال ہے، قطعی طور پر کہ قرآن ہی مراد ہو، قطعی بات نہیں ہے، وہاں اور بھی احتمالات ہیں جو مفسرین نے لکھے۔ تو اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا، جبکہ یہاں پر تو اور کوئی احتمال ہی نہیں ہے حدیث کے اندر: «لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ» قرآن کو نہ ہاتھ لگائے مگر پاک۔

«ثُمَّ الْحَدَثُ وَالْجَنَابَةُ حَلَّالِيد» یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ جو بے وضو ہے، وہ قرآن کی تلاوت کر سکتا ہے۔ ہاتھ تو نہیں لگا سکتا بے وضو شخص قرآن کو، لیکن اس کی تلاوت کرنا چاہے زبانی، کیا کر سکتا ہے؟ تلاوت کر سکتا ہے۔ جبکہ جو جنب ہے، وہ ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا اور زبانی تلاوت بھی کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے بھئی۔ تو اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ کیا وجہ ہے بے وضو تلاوت کر سکتا ہے اور جنب تلاوت نہیں کر سکتا؟ تو فرماتے ہیں کہ دیکھیے! بے وضو جو ہے اس پر بھی حدث آیا، جو جنابت میں ہے اس پر بھی حدث طاری ہے، لیکن جو بے وضو ہے وہ وضو کرتا ہے اور وضو کے اندر کلی کرنا فرض ہے یا فرض نہیں؟ وضو میں تو کلی کرنا فرض نہیں۔ ہاتھوں کا دھونا فرض ہے یا فرض نہیں؟ ہاتھوں کا دھونا تو فرض ہے لیکن کلی کرنا فرض نہیں۔ معلوم ہوا حدث ہاتھوں پر تو آ چکا ہے، لیکن منہ میں نہیں آیا بھئی۔ اسی

لیے ہاتھ پر جب حدث آیا ہے تو بے وضو قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا کیونکہ ہاتھ پر کیا آچکا؟ حدث۔ لیکن کلی کرنا فرض نہیں۔ معلوم ہوا بغیر کلی کے ہی کوئی وضو کرے گا تو وضو ہو جائے گا یا نہیں ہو جائے گا؟ سنت تو رہ جائے گی لیکن وضو تو ہو جائے گا۔ معلوم ہوا حدث منہ میں نہیں اترا، جب حدث منہ میں نہیں اترا تو تلاوت منہ کے ذریعے زبانی کرنا چاہتا ہے، تو منہ میں تو حدث نہیں، لہٰذا زبانی تلاوت کر سکتا ہے۔

جبکہ جنابت میں جو ہے، اس کے لیے جب وہ غسل کرتا ہے، ہاتھوں کا دھونا بھی فرض اور کلی کرنا بھی فرض، معلوم ہوا حدث ہاتھ پر بھی اتر چکا اور منہ میں بھی اتر چکا ہے۔ تو جب ہاتھ پر حدث اتر چکا ہے تو قرآن کو یہ جنابت والا ہاتھ نہیں لگا سکتا اور منہ کے اندر جب حدث اتر چکا ہے تو جب تک غسل نہ کر لے، پوری طرح پاکی حاصل نہ کر لے، قرآن کی زبانی تلاوت بھی نہیں کر سکتا۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھئی؟

«ثُمَّ الْحَدَثُ وَالْجَنَابَةُ حَلَّا الْيَدَ» پھر حدث اور جنابت یہ اتر چکے ہیں ہاتھ پر، «فَيَسْتَوِيَانِ فِي حُكْمِ الْمَسِّ» تو یہ دونوں برابر ہو چکے ہیں چھونے کے، ہاتھ لگانے کے حکم میں۔ یہ بے وضو اور جنابت والے برابر ہیں کس چیز کے اندر؟ ہاتھ لگانے کے حکم میں برابر ہیں، کیونکہ دونوں کے لیے حدث کہاں اتر چکا ہے؟ ہاتھ پر اتر چکا ہے تو دونوں ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ «وَالْجَنَابَةُ حَلَّتِ الْفَمَ دُونَ الْحَدَثِ» اور جنابت وہ منہ میں تو اتری ہے، «دُونَ الْحَدَثِ» لیکن حدث نہیں، وہ منہ میں نہیں آیا، «فَيَفْتَرِقَانِ فِي حُكْمِ الْقِرَاءَةِ» تو دونوں مختلف ہو گئے قراءت کے حکم میں۔ قراءت کے حکم میں دونوں کیا ہو گئے؟ مختلف ہو گئے۔ تو بے وضو کے لیے زبانی قراءت جائز ہے، لیکن جنابت والے کے لیے زبانی قراءت بھی جائز نہیں کیونکہ حدث اتر چکا ہے منہ میں۔

«وَغِلَافُهُ مَا يَكُونُ مُتَجَافِيًا عَنْهُ» صاحبِ ہدایہ اب تفصیل بیان کر رہے ہیں، متن میں آیا تھا کہ قرآن کو غلاف کے بغیر یہ لوگ ہاتھ نہیں لگا سکتے، صاحبِ ہدایہ یہاں سے آپ کو بتلائیں گے کہ یاد رکھنا، غلاف وہ چیز ہے جو قرآن سے الگ ہو۔ قرآن کے ساتھ اس کو جوڑا نہیں گیا، قرآن کے ساتھ اس کو سیا نہیں گیا۔ اگر کوئی کپڑا ایسا ہے جس کو قرآن کے ساتھ ہی سی دیا گیا، قرآن کے ساتھ ہی جوڑ دیا گیا، تو وہ قرآن ہی کے حکم میں ہو گیا کیونکہ وہ جدا تو نہیں ہوتا، ساتھ جڑ گیا، تو وہ بھی قرآن ہی کے حکم میں ہے، اس کو بھی بغیر وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ ہاں جو غلاف الگ ہو جاتا ہے، جیسے وہ قرآن کے لیے غلاف بنایا جاتا ہے جس میں لپیٹ کر رکھا جاتا ہے اور پھر جب تلاوت کرنی ہو تو اس غلاف کو اتار کر الگ کر دیتے ہیں بھئی، تو یہ الگ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہاتھ لگانا جائز ہے کیونکہ یہ الگ ہے، الگ ہے۔ معلوم ہوا کوئی ایسی چیز ہونی چاہیے جو قرآن سے الگ ہے۔

اور اسی طرح قرآن کے بھی تابع نہ ہو اور ہاتھ لگانے والے کے بھی تابع نہ ہو، پھر اس چیز سے قرآن کو پکڑا جا سکتا ہے۔ جو قرآن کے بھی تابع نہ ہو اور جو ہاتھ لگا رہا ہے اس کے بھی تابع نہ ہو، ایک الگ چیز ہو، الگ کپڑا ہو۔ لہٰذا آپ رومال کے ذریعے قرآن کو پکڑتے ہیں جنابت کی حالت میں، آپ قرآن کو پکڑ سکتے ہیں کیونکہ وہ رومال نہ آپ کے تابع اور نہ قرآن کے تابع۔ ہاں اگر آپ اپنی آستین کے ذریعے قرآن کو پکڑنا چاہتے ہیں جنابت کی حالت میں، پھر درست نہیں ہے کیونکہ یہ آستین آپ کے تابع ہے۔ آپ نے اس کپڑے کو پہنا ہوا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ درست نہیں۔

لہٰذا عورتیں اگر قرآن کو ہاتھ لگانا چاہتی ہیں، پکڑنا چاہتی ہیں، ایک جگہ سے مثلاً دوسری جگہ اس کو رکھنا ہے اور حیض کی حالت میں ہے یا نفاس کی حالت میں ہے یا جنابت کی حالت میں ہے اور وہ اپنے دوپٹے کے ساتھ اس کو پکڑتی ہے، تو یہ درست نہیں ہے بھئی، کیونکہ دوپٹہ کیا ہے؟ اس عورت نے اوڑھ رکھا ہے، یہ اس کے تابع ہے بھئی۔ ہاں اگر اوڑھا نہیں ہوا، الگ ہے، پھر ٹھیک ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح دستانوں کے ساتھ اگر کوئی قرآن کو پکڑنا چاہتا ہے اس حالت میں، تو بھی درست نہیں ہے کیونکہ دستانے اس نے پہن رکھے ہیں، وہ اس کے تابع ہو گئے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ اسی طرح قرآن پر جو کپڑا وغیرہ لگا ہوا ہے یا چمڑا لگا ہوا ہے، اگر وہ ساتھ سلا ہوا ہے، جڑا ہوا ہے، تو وہ قرآن کے تابع ہو گیا، لہٰذا صرف اس کے ساتھ پکڑنا درست نہیں بلکہ کوئی الگ کپڑا وغیرہ ہونا چاہیے بھئی۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو کہتے ہیں: «وَغِلَافُهُ مَا يَكُونُ مُتَجَافِيًا عَنْهُ» اور غلاف وہ ہے جو اس قرآن سے جدا ہو، الگ ہو، «دُونَ مَا هُوَ مُتَّصِلٌ بِهِ» نہ کہ وہ جو کہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، «كَالْجِلْدِ الْمُشَرَّزِ» جیسے کہ وہ جلد جو اس کے ساتھ جوڑی گئی ہو، وہ چمڑا جو اس کے ساتھ جوڑا گیا ہو، یعنی اس کے ساتھ صحیح نہیں ہے بھئی۔ «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے۔

«وَيُكْرَهُ مَسُّهُ بِالْكُمِّ» کُمّ کہتے ہیں آستین کو، اور مکروہ ہے قرآن کو چھونا، قرآن کو ہاتھ لگانا، «بِالْكُمِّ» آستین کے ساتھ، «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے، «لِأَنَّهُ تَابِعٌ لَهُ» اس لیے کیونکہ وہ آستین اس چھونے والے کے تابع ہے، «بِخِلَافِ كُتُبِ الشَّرِيعَةِ» بخلاف کس کے؟ کتبِ شریعت۔ آستین اس کے تابع ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جی۔

اور خصوصاً آج کل تو یہ آستین آپ کی قمیص کی چھوٹی ہوتی ہے، قدیم زمانے میں آستین بڑی ہوتی تھی، حتیٰ کہ آستین ہی کے اندر جیب وغیرہ ہوا کرتی تھی اور وہ چیزیں اس کے اندر رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں آپ جگہ جگہ پڑھیں گے کہ کوئی اپنا واقعہ، کوئی بات ذکر کرتے ہیں میں نے وہ چیز پھر اپنی آستین میں رکھ لی، تو آپ پھر حیران نہ ہوں کہ آستین میں کیسے رکھ لی؟ ان کا کوئی خاص طریقہ، لباس تھا کہ آستین بڑی ہوتی اور اس میں وہ جیب وغیرہ بھی اسی کے اندر ہوتی تھی بھئی، جیب بھی۔ اور بڑی آستین یہ مالداروں کی علامت ہوتی تھی بھئی۔ پہلے کپڑا ہاتھ سے بنتا تھا بھئی، کسی کو کپڑا ملتا ہی نہیں تھا بھئی، غریب غرباء ایک ہی کپڑے میں ساری زندگی، دو کپڑوں

میں ساری زندگی گزار دیتے۔ اب تو اللہ کی طرف سے بڑی ہی آسانیاں آگئیں بھئی، آپ میں سے ہر ایک کے کتنے کتنے کپڑے ہوں گے، پہلے کوئی اس کا تصور نہیں کر سکتا تھا بھئی۔ تو جتنی بڑی آستین ہوتی، وہ امراء کی علامت تھی، مالدار جو ہوتا اس کی خوب بڑی آستین ہوتی۔ چنانچہ امامِ اعظم ابو حنیفہ **رَحِمَهُ اللّٰهُ** اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے: خوب کھلی آستینیں سلوایا کرو بھئی، خوب کھلی آستینیں، تاکہ پتہ لگے کہ یہ دین پڑھنے والے کوئی غریب وغیرہ نہیں ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں مکروہ ہے آستین کے ساتھ چھونا، یہی قول صحیح ہے کیونکہ آستین اس چھونے والے کے تابع ہے۔ «**بِخِلَافِ كُتُبِ الشَّرِيعَةِ**» بخلاف شریعت کی جو کتابیں ہیں، یعنی تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ، وہ «**لِأَهْلِهَا**» **أَيْ لِأَهْلِ الشَّرِيعَةِ**، اہلِ شریعت کے لیے، یعنی علماء کے لیے، علماء طلباء کے لیے، «**حَيْثُ يُرَخَّصُ فِي مَسِّهَابِالْكُمِّ**» اس حیثیت سے کہ رخصت ہے ان کو چھونے میں، «**بِالْكُمِّ**» آستین کے ساتھ۔ بھئی قرآن کو تو آستین کے ساتھ بھی چھونا کیا ہے؟ مکروہ ہے، جی آستین کے ساتھ چھونا بھی مکروہ ہے، یعنی مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ آستین اس شخص کے تابع ہے۔ لیکن اگر شریعت کی کتابیں ہیں، مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ اور اس کو کوئی اہلِ شریعت یعنی علماء، طلباء وغیرہ جو ہیں، وہ کتبِ شریعت کو آستین کے ساتھ چھونا چاہیں، پکڑنا چاہیں، تو وہ ان کو پکڑ سکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے شریعت کی کتاب جو ہے، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ، بغیر وضو کے ان کو ہاتھ لگانا مکروہ ہے، مکروہِ تحریمی بھئی۔ مکروہِ تحریمی ہے، اور البتہ آستین کے ساتھ ہاتھ لگاتا ہے اہلِ شریعت میں سے کوئی، تو اس کے لیے یہ رخصت ہے کیونکہ اگر اس کے لیے آستین کے ساتھ ہاتھ لگانے کی بھی گنجائش نہ ہو، تو وہ تنگی اور تکلیف میں پڑ جائے گا۔ اب ہر وقت تو انسان کا وضو نہیں ہے، تو کسی وقت کوئی چیز دیکھنا پڑی اور وضو نہیں ہے، مثلاً پانی بھی اس وقت قریب نہیں ہے، دور جانا پڑے گا اور کپڑا بھی اور کوئی نہیں، تو وہ آستین کے ذریعے کیا کر سکتا ہے؟ اس کو دیکھ سکتا ہے بھئی۔ جبکہ قرآن کو ہاتھ لگانا، وہ تو حرام ہے بھئی، حرام ہے بغیر وضو کے، جبکہ دینی کتابوں کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا مکروہِ تحریمی ہے بھئی۔

«**بِخِلَافِ كُتُبِ الشَّرِيعَةِ لِأَهْلِهَا حَيْثُ يُرَخَّصُ فِي مَسِّهَا بِالْكُمِّ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً**» بخلاف شریعت کی کتابوں کے، «**لِأَهْلِهَا**» اہلِ شریعت کے لیے، «**حَيْثُ يُرَخَّصُ فِي مَسِّهَابِالْكُمِّ**» اس حیثیت سے کہ ان کو رخصت ہے اس کو چھونے میں اپنی آستین کے آستین کے ساتھ، «**لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً**» اس لیے کیونکہ اس کے اندر ضرورت ہے بھئی۔

«**وَلَا بَأْسَ بِدَفْعِ الْمُصْحَفِ إِلَى الصِّبْيَانِ لِأَنَّ فِي الْمَنْعِ تَضْيِيعَ حِفْظِالْقُرْآنِ**» اور کوئی حرج نہیں ہے قرآن دینے میں بچوں کو، بچوں کے حوالے قرآن کرنے میں قرآن کو بچوں کے حوالے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، «**لِأَنَّ فِي الْمَنْعِ تَضْيِيعَ حِفْظِالْقُرْآنِ**» اس لیے کیونکہ منع کرنے کے اندر حفظِ قرآن کو ضائع کرنا ہے، «**وَفِي الْأَمْرِ بِالتَّطْهِيرِ حَرَجًابِهِمْ**» اور طہارت کا حکم دینے میں، «**حَرَجًا بِهِمْ**» ان کے لیے تنگی ہے، ان کے لیے حرج ہے، «**وَهَذَا هُوَالصَّحِيحُ**» یہی قول صحیح ہے۔

بعض مشائخ نے، بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ قرآن جو ہے وہ بچوں کو نہ دیا جائے، اس لیے کیونکہ بچے طہارت وغیرہ کا خیال نہیں رکھتے، تو اور قرآن کو تو بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا صحیح نہیں ہے بھئی۔ صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں: نہیں، بچے قرآن کو مثلاً اتنا کچھ سمجھنے والا بچہ ہے، وہ مراد ہے بھئی جو پڑھتا ہے اس کو، ان کو قرآن دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کیونکہ اگر قرآن نہیں دیں گے تو حفظِ قرآن کا ضائع کرنا لازم آئے گا۔ بچے نے حفظ کرنا ہے، اب وہ بغیر ہاتھ لگائے تو بغیر قرآن لیے ہوئے تو وہ حفظ نہیں کر سکتا، اور نیز اگر ان کو وہ بچہ ہے، چھوٹا ہے مثلاً چھ سات سال، آٹھ سال کا ہے، اگر ان کو ہر وقت طہارت پاک ہو گے تو پھر قرآن ہاتھ کو ہاتھ لگا سکتے ہو، اگر یہ ان پر پابندی لگائی جائے تو اس صورت میں وہ تنگی کے اندر پڑ جائیں گے بھئی۔ ہاں یہ ہے کہ قرآن ان کو دیا جائے کیونکہ حفظِ قرآن کے لیے اس کی ضرورت ہے، اور طہارت کی تاکید کرتا رہے، سمجھاتا رہے، وہ جوں جوں تھوڑا آگے چھ سات سال کا ہے، آٹھ کا ہے، نو کا، وہ سمجھتا چلا جائے گا اور پھر خود ہی خیال رکھے گا بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

«**وَإِذَا انْقَطَعَ دَمُ الْحَيْضِ لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ أَيَّامٍ لَمْ تَحِلَّ وَطْئُهَا حَتَّىتَغْتَسِلَ**» اور جب رک جائے حیض کا خون، «**لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِأَيَّامٍ**» [**يَرْحَمُكَ اللّٰهُ**]۔ بھئی مسئلہ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ حیض والی عورت جو ہے، اس پر سے نمازیں ساقط ہو جاتی ہیں، روزوں کی البتہ وہ قضا کرے گی۔ یہ عورت جو ہے مسجد میں بھی داخل نہیں ہو سکتی، بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کر سکتی، اس کا خاوند اس سے قربت بھی نہیں کر سکتا اور یہ قرآن کی تلاوت بھی نہیں کر سکتے اور قرآن کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔

اب آگے آپ کو مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ جب حیض کا خون رک جائے تو پھر کب خاوند کے لیے قربت کرنا حلال ہو گا؟ کیا خون کے رکتے ہی قربت کرنا حلال ہو گا یا اور بھی کوئی قیود ہیں ان کا لحاظ رکھنا پڑے گا؟ وہ اب آپ کو بتلانے لگے ہیں۔ تفصیلِ مسئلہ، خلاصۂ کلام یاد رکھیے بھئی! کہ اگر حیض کا خون اس میں یاد رکھیے عادت کو بھی دیکھنا ہے۔ اگر مثلاً عورت کی عادت ہے کہ اس کو ہر ماہ چھ دن خون آتا ہے، تو اس ایک مہینے مثلاً چار دن کے بعد ہی خون رک گیا، تو چار دن کے بعد خون رک جائے پھر بھی خاوند کے لیے صحبت کرنا جائز نہیں جب تک پچھلی عادت کے مطابق دن نہ گزر جائیں۔ اور عادت تو کیا تھی، اس عورت کو کتنے دن خون آتا ہے؟ چھ دن خون آتا ہے۔ تو لہٰذا اگلے دو دن تک بھی خاوند کے لیے صحبت کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ عادت کے دن پورے نہ ہو جائیں۔ وجہ اس کی یہ کیونکہ خون کبھی رک جاتا ہے، کبھی پھر شروع ہو جاتا ہے، تو یہ نہ ہوا بھی حیض رکا ہی نہ ہو۔ لہٰذا بطورِ احتیاط کے کیا ضروری ہے کہ اگلے دو دن تک بھی اس سے قربت نہ کرے بھئی۔

اور اگر اپنے وقت پر حیض رکتا ہے، تو پھر اس کے اندر دیکھیں گے کہ یہ پورے دس دن پر رکا ہے یا دس سے کم دن ہیں، چار ہیں یا پانچ ہیں یا چھ ہیں جو اس کی عادت ہے بھئی، اس کے مطابق۔ اگر عادت کے مطابق رکا ہے، مثلاً چھ دن عادت ہے اور یہ خون بھی رک گیا چھ دن کے پورا ہونے پر، تو اب بھی خاوند قربت نہیں کر سکتا جب تک اس خون کا رکنا پکا نہ ہو جائے، پختہ طریقے سے یہ بات پتہ نہ چل جائے کہ حیض رک چکا ہے۔ لہٰذا خون کے رکتے ہی فوراً صحبت نہیں کر سکتا، بلکہ کچھ وقت تھوڑا سا گزرے تاکہ یہ بات یقینی ہو جائے کہ خون رک چکا ہے۔ اور پھر وہ کتنا وقت ہے؟ کہتے ہیں اتنا وقت جس میں وہ عورت، اول تو یہ کہ قربت خاوند نہ کرے بلکہ پہلے عورت غسل کر لے پھر اس کے بعد قربت کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اتنا وقت گزر گیا کہ جس میں عورت غسل کر سکتی ہے، غسل کر سکتی ہے اور تکبیرِ تحریمہ یعنی «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہہ سکتی ہے، اتنا وقت جب گزر جائے تو پھر اس کے بعد صحبت جائز ہو جائے گی، اگرچہ اس نے غسل نہ کیا ہو، اگرچہ اس نے غسل نہ کیا ہو۔

مسئلہ سمجھ میں آیا بھئی؟ حیض کب رکا ہے؟ چھ دن بعد مثلاً اور عادت کے مطابق، پوری عادت کے مطابق رکا ہے، پھر بھی خاوند کے لیے صحبت جائز نہیں جب تک عورت غسل نہ کر لے یا اتنا وقت اس پر گزر جائے جس میں غسل کر کے تکبیرِ تحریمہ کہہ لے، تکبیرِ تحریمہ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تاکہ پختہ طور پر علم ہو جائے کہ خون واقعی رک چکا ہے، اب نہیں آئے گا بھئی۔

اور اگر پورے دس دن کے ہونے پر خون رکا ہے، تو اب دس دن کے بعد تو حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے ہی دس دن، دس دن سے زیادہ تو حیض ہوتا ہی نہیں، لہٰذا اب تو یقینی بات ہے کہ خون آگے جو آئے گا، اگر آیا بھی وہ حیض کا نہیں ہو گا، لہٰذا اب بغیر غسل کے بھی صحبت کرنا جائز ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ جی، اب تفصیل دیکھیے۔

«وَإِذَا انْقَطَعَ دَمُ الْحَيْضِ لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ أَيَّامٍ» اور جب رک جائے حیض کا خون دس دن سے کم میں ہی، «لَمْ تَحِلَّ وَطْئُهَا حَتَّى تَغْتَسِلَ» تو حلال نہیں ہے، جائز نہیں ہے اس کے ساتھ صحبت کرنا، قربت کرنا، «حَتَّى تَغْتَسِلَ» یہاں تک کہ یہ غسل کر لے، «لِأَنَّ الدَّمَ يَدُرُّ تَارَةً وَيَنْقَطِعُ أُخْرَى» يَدُرُّ پڑھ لیں یا يَدُرَّ پڑھ لیں، دَرَّ يَدُرُّ کے معنی ہوتے ہیں بہنے کے، «لِأَنَّ الدَّمَ يَدُرُّ تَارَةً وَيَنْقَطِعُ أُخْرَى» اس لیے کیونکہ خون جو ہے يَدُرُّ تَارَةً کبھی بہتا ہے، «وَيَنْقَطِعُ أُخْرَى» اور کبھی منقطع ہو جاتا ہے، رک جاتا ہے۔ یہ حیض کا خون کیا ہے؟ کبھی بہتا ہے اور کبھی رک جاتا ہے۔ تو «وَيَنْقَطِعُ أُخْرَى» أَيْ مَرَّةً أُخْرَى يا تَارَةً أُخْرَى، «يَدُرُّ تَارَةً وَيَنْقَطِعُ تَارَةً أُخْرَى»، تو یہ أُخْرَى صفت ہے کس کی؟ تَارَةً محذوف کے لیے۔ تو یہ کبھی بہتا ہے اور کبھی رک جاتا ہے، «فَلَا بُدَّ مِنَ الِاغْتِسَالِ لِيَتَرَجَّحَ جَانِبُ الِانْقِطَاعِ» تو ضروری ہے غسل کرنا تاکہ راجح ہو جائے رکنے کی جانب، منقطع ہونے کی جانب کیا ہو جائے؟ راجح، پتہ چل جائے پختہ طور پر کہ رک چکا ہے خون، منقطع ہو چکا ہے۔

«وَلَوْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَمَضَى عَلَيْهَا أَدْنَى وَقْتِ الصَّلَاةِ بِقَدْرِ أَنْ تَقْدِرَ عَلَى الِاغْتِسَالِ وَالتَّحْرِيمَةِ حَلَّ وَطْئُهَا» اور اگر اس نے غسل نہیں کیا، «وَمَضَى عَلَيْهَا أَدْنَى وَقْتِ الصَّلَاةِ» اور گزر گیا اس عورت پر نماز کا ادنیٰ وقت، «بِقَدْرِ» اس قدر مقدار، «أَنْ تَقْدِرَ عَلَى الِاغْتِسَالِ» کہ وہ عورت قادر تھی قادر ہو، «عَلَى الِاغْتِسَالِ» غسل کرنے پر، «وَالتَّحْرِيمَةِ» اور تحریمہ تکبیرِ تحریمہ کہنے پر، یعنی «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہنے پر، «حَلَّ وَطْئُهَا» تو اب اس کے ساتھ قربت کرنا حلال ہے۔ بھئی اب کیوں حلال ہے؟ کہتے ہیں دلیل ذکر کر رہے ہیں: «لِأَنَّ الصَّلَاةَ صَارَتْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهَا» اس لیے کیونکہ نماز جو ہے وہ اس کے ذمے دین ہو گئی، جب اتنا وقت گزر گیا۔

بھئی دیکھیے! آپ نے مسئلہ گزشتہ یا اس سے گزشتہ سبق میں، میں نے ذکر کیا تھا کہ جن چیزوں کا تعلق وقت سے ہوتا ہے، اس میں آخرِ وقت کا اعتبار ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک عورت اگر آخرِ وقت میں حیض شروع ہو گیا، مثلاً ظہر کا آخری وقت ہے اس میں حیض شروع ہوا، تو آخرِ وقت کا اعتبار ہے اور آخرِ وقت میں تو یہ عورت حیض والی ہے اور حیض والی پر تو نماز واجب نہیں ہوتی، لہٰذا اس کے ذمے یہ ظہر کی نماز بھی نہیں ہے، یہ ساقط ہو گئی۔

اور اگر اس کا عکس ہو، یعنی ظہر کے اولِ وقت میں حیض والی تھی اور آخرِ وقت میں حیض رک گیا، رک گیا، تو اب یہ آخرِ وقت میں اس پر نماز واجب ہو گی یا نہیں؟ تو کہتے ہیں بھئی وقت کو دیکھ لیں۔ اگر اتنا وقت مل گیا ہے، اتنا وقت ہے جس میں یہ جلدی سے غسل کر سکتی ہے اور تحریمہ کہہ سکتی ہے، «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہہ سکتی ہے، تو اس صورت میں یہ نماز ظہر کی اس پر واجب ہو جائے گی، اور اگر اتنا وقت ہی نہیں تھا جس میں غسل کر کے کیا کر سکے؟ تحریمہ کہہ سکے، مثلاً آخری پانچ منٹ میں رکا ہے، پھر اس کے ذمے یہ نماز بھی نہیں ہے کیونکہ یہ نماز پڑھنے پر یہ قادر ہی نہیں تھی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

جی، تو یہاں پر بھی جب یہ عورت ہے اس کا حیض رک گیا، عادت کے مطابق رکا ہے اور پھر قربت کے لیے کیا ضروری؟ پہلے وہ کیا کر لے؟ غسل کر لے، لیکن اس نے غسل نہیں کیا، لیکن اتنا وقت گزر گیا جس میں غسل کر سکتی ہے اور تحریمہ کہہ سکتی ہے، جب اتنا وقت کسی نماز کا عورت کو مل جائے تو وہ نماز اس پر کیا ہو جاتی ہے؟ واجب ہو جاتی ہے، بعد میں پڑھنا پڑے گی۔ نماز اس کے ذمے دین ہو گئی، اس کو بعد میں پڑھنا پڑے گی۔ تو شریعت نے اس پر نماز کو واجب کیا ہے، معلوم ہوا ہے وہ حکماً پاک ہو چکی ہے۔ حکماً گیا ہو چکی ہے؟ پاک ہو چکی ہے۔ اگر حکماً پاک نہ ہوتی، پھر تو نماز اس پر آتی ہی نہ۔ تو اگرچہ اس نے غسل نہیں کیا لیکن حکماً گیا ہو چکی؟ پاک ہو چکی ہے، اسی لیے اس پر نماز شریعت واجب کر دیتی ہے۔

«لِأَنَّ الصَّلَاةَ صَارَتْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهَا» اس لیے کیونکہ نماز جو ہے وہ دین ہو گئی اس عورت کے ذمے میں، «فَطَهُرَتْ حُكْمًا» تو یہ عورت پاک ہو

گئی حکماً۔ حقیقتاً تو ابھی پاک نہیں، حقیقتاً تو کب پاک ہو گی؟ جب غسل کرے گی، لیکن حکماً پاک ہو چکی، لہٰذا خاوند صحبت کر سکتا ہے۔

«**وَلَوْ كَانَ انْقَطَعَ دَمُهَا دُونَ عَادَتِهَا فَوْقَ الثَّلَاثِ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتَّى تَمْضِيَ عَادَتُهَا وَإِنِ اغْتَسَلَتْ**» اور اگر خون رک گیا، «**دُونَ عَادَتِهَا**» اس عورت کی عادت سے کم میں، عادت تو تھی مثلاً چھ دن، خون کب رک گیا؟ چار دن میں ہی مثلاً، «**فَوْقَ الثَّلَاثِ**» عادت سے کم میں، تین سے زیادہ میں۔ خون کتنے دن میں رکا ہے؟ عادت سے تو کم ہے لیکن تین دنوں سے زیادہ ہے۔ یہ قید کیوں لگائی تین دنوں سے زیادہ کی؟ ہاں، کیونکہ تین دن سے زیادہ ہو گا تو حیض ہو گا، ورنہ تو کیا ہے؟ استحاضہ ہے۔ تو تین دن سے زیادہ اور عادت سے کم کے اندر اگر خون منقطع ہو گیا، «**لَمْ يَقْرَبْهَا**» تو خاوند اس سے قربت نہیں کرے گا، «**حَتَّى تَمْضِيَ عَادَتُهَا**» یہاں تک کہ اس عورت کی عادت گزر جائے، یعنی وہ دن گزر جائیں، «**وَإِنِ اغْتَسَلَتْ**» اگرچہ یہ غسل کر لے۔ یعنی خاوند اس سے قربت نہیں کرے گا اگرچہ یہ غسل بھی کر لے، یہاں تک کہ کیا ہے؟ اس کے وہ دن گزر جائیں عادت والے۔ «**لِأَنَّ الْعَوْدَ فِي الْعَادَةِ غَالِبٌ**» اس لیے کیونکہ لوٹنا، یعنی خون کا واپس لوٹنا، پھر آ جانا یہ عادت میں غالب ہے۔ اکثر کیا ہے؟ عادت کے دنوں کے اندر خون پھر آ جایا کرتا ہے، لہٰذا اس لیے احتیاط کے طور پر اس وقت اس کے لیے صحبت کرنا جائز نہیں۔ «**لِأَنَّ الْعَوْدَ فِي الْعَادَةِ غَالِبٌ**» اس لیے کیونکہ خون کا پھر لوٹنا عادت کے اندر یہ غالب ہے، «**فَكَانَ الِاحْتِيَاطُ فِي الِاجْتِنَابِ**» تو احتیاط جو ہے وہ اجتناب میں، پرہیز کرنے میں ہے۔

«**وَإِنِ انْقَطَعَ الدَّمُ لِعَشَرَةِ أَيَّامٍ حَلَّ وَطْيُهَا قَبْلَ الْغُسْلِ**» اور اگر خون منقطع ہوا یعنی رک گیا دس دن پر، «**حَلَّ وَطْيُهَا**» تو پھر اس کے ساتھ قربت کرنا، صحبت کرنا خاوند کے لیے جائز ہے، «**قَبْلَ الْغُسْلِ**» غسل سے پہلے ہی، «**لِأَنَّ الْحَيْضَ لَا مَزِيدَ لَهُ عَلَى الْعَشَرَةِ**» اس لیے کیونکہ حیض جو ہوتا ہے وہ تو زائد نہیں ہوتا دس دن پر، «**إِلَّا أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ قَبْلَ الِاغْتِسَالِ**» مگر یہ کہ مستحب نہیں ہے غسل سے پہلے صحبت کرنا۔ مستحب کیا ہے؟ چاہے دس دن پر ہی حیض رکے، پھر بھی کیا مستحب کیا ہے کہ غسل کے بعد قربت کی جائے، «**لِلنَّهْيِ فِي الْقِرَاءَةِ بِالتَّشْدِيدِ**» بوجہ اس نہی کے جو تشدید والی قراءت میں ہے بھئی۔

قراءت میں ایک قراءت کیا ہے؟ «**حَتَّى يَطْهُرْنَ**»، یہ تو بغیر تشدید کے ہے، اس میں شد نہیں، اور ایک قراءت کیا ہے؟ «**حَتَّى يَطَّهَّرْنَ**» یہاں تک کہ وہ خوب پاک ہو جائیں۔ تو اس میں تشدید والی قراءت میں جو نہی آئی ہے کہ یہاں تک کہ وہ خوب پاک ہو جائیں، تو خون رکنے پر تو وہ پاک ہو گئی، لیکن غسل کرے گی تو پھر خوب پاک ہو جائے گی بھئی۔ تو قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «**فَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطَّهَّرْنَ**» ان کے ساتھ قربت نہ کرو، صحبت نہ کرو یہاں تک کہ وہ خوب پاک ہو جائیں۔ تو چونکہ یہ نہی جو آئی ہے تشدید والی قراءت میں، اس وجہ سے مستحب یہ ہے کہ کب کرے قربت خاوند؟ جب وہ غسل کر لے بھئی۔

اور یاد رکھیے! حیض کی حالت میں خاوند کا بیوی سے صحبت کرنا یہ گناہِ کبیرہ ہے بھئی، کبیرہ گناہ ہے، بہت بڑا گناہ۔ اور اس صورت میں علماء، فقہاء فرماتے ہیں کہ انسان توبہ اور استغفار بھی کرے اور ایک دینار صدقہ کر دے، بعضوں نے لکھا کہ آدھا دینار صدقہ کر دے بھئی، سمجھ میں آیا؟ اور ایک دینار جو ہے وہ ساڑھے ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے بھئی۔

«**لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَالْجُنُبُ شَيْئًا**» بھئی یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ حدیث میں تو آیا تھا قراءت نہ کرے قرآن کی حائض اور جنب: «**لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَالْجُنُبُ شَيْئًا**»، تو اس میں تو نفاس والی کا ذکر نہیں ہے، اور متن میں تو نفاس والی کا بھی یہی حکم بیان کیا گیا؟ جواب یہ کہ نفاس والی بھی حائض ہی کے حکم میں ہے۔ نفاس والی بھی کس کے حکم میں ہے؟ حائض ہی کے حکم میں ہے، اسی کی طرح ہے، تو دونوں کا حکم ایک ہی ہے بھئی۔

جی، یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ اگر عورت حج کے لیے گئی اور وہاں پر یہ ایامِ حیض شروع ہو گئے بھئی۔ یہ آگے مسئلہ تفصیل سے کتاب الحج کے اندر بھی آ جائے گا، تو یاد رکھیے، وہ صرف طواف نہیں کر سکتی ان ایام میں، باقی حج کے سارے افعال کر سکتی ہے، عرفات بھی جا سکتی ہے، مزدلفہ بھی جائے گی، منیٰ بھی جائے گی، رمیِ جمرات بھی کرے گی، سارے افعال کر سکتی ہے۔ صرف طواف اور سعی جو ہے اس کو مؤخر کر دے گی، اور شریعت نے اس کو رخصت دی ہے وہ مؤخر کر سکتی ہے بھئی۔

جی جی، نمازیں لوٹانا پڑیں گی۔ جب پتہ چل جائے یہ ایام حیض کے ہیں، تو ان کی نمازیں ساقط ہو جائیں گی، اور چاہے پڑھی ہی کیوں نہ ہوں، ان کا اعتبار نہیں۔ اور جو اگر پتہ چلا بعد میں خون آیا اور پھر بعد میں اندازہ ہوا کہ یہ تو استحاضہ کا تھا، تو جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں ان کو لوٹانا پڑے گا بھئی، کیونکہ استحاضہ کے اندر نماز ساقط نہیں ہوتی، نماز پڑھنا پڑتی ہے۔ چلیے بس بھئی! **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۳۲: مسئلہ: وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ ف...

ہدایہ صفحہ: ۶۴ــــ بتاریخ: ۱۷ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ فَهُوَ كَالدَّمِ الْمُتَوَالِي، قَالَ: هَذِهِ إِحْدَى الرِّوَايَاتِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَوَجْهُهُ أَنَّ اسْتِيعَابَ الدَّمِ مُدَّةَ الْحَيْضِ لَيْسَ بِشَرْطٍ بِالْإِجْمَاعِ، فَيُعْتَبَرُ أَوَّلُهُ وَآخِرُهُ كَالنِّصَابِ فِي بَابِ الزَّكَاةِ».

گزشتہ سبق میں حیض کے مسائل شروع ہوئے تھے اور آپ نے پڑھا کہ حیض وہ خون ہے جو ہر ماہ عورت کو آتا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

اور حیض کے ایام میں عورت سے نماز ساقط ہو جاتی ہے، روزہ نہیں رکھ سکتی ان ایام میں، البتہ روزے کی قضا کرنا پڑے گی جبکہ نماز کی قضا بھی اس کے ذمے نہیں بھائی۔ اور اسی طرح ان ایام کے اندر خاوند اس سے صحبت نہیں کر سکتا اور وہ قرآن کی تلاوت نہیں کر سکتی وغیرہ۔

یاد رکھیے! ایامِ حیض کے اندر عورت کے لیے قرآن کی تلاوت جائز نہیں۔ اور اگر کوئی استانی ہے اس کو پڑھانے کی ضرورت ہے، میں نے بتلایا تھا وہ کیا کرے کہ دو دو تین تین لفظ جدا جدا کر کے پڑھائے، پوری آیت نہ پڑھے بھائی۔ اور نصف آیت بھی اگر کسی چھوٹی آیت کے برابر ہوتی ہے تو نصف بھی نہ پڑھے، بس یہی بہتر طریقہ ہے دو دو تین تین لفظ پڑھائے بھائی۔

اور اس میں پھر یاد رکھیے صرف قرآن کی تلاوت منع ہے، قرآن نہیں پڑھ سکتی۔ باقی ذکر و اذکار عورت کے لیے جائز ہیں بھائی: «**سُبْحَانَ اللَّهِ**»، «**اَلْحَمْدُ لِلَّهِ**»، «**لَا إِلَهَ إِلَّااللَّهُ**»، «**لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّابِاللَّهِ**» اور اسی طرح درود شریف وغیرہ یہ سب چیزیں وہ پڑھ سکتی ہے بھائی۔ اور علماء نے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ایامِ حیض کے اندر مستحب یہ ہے عورت کے لیے کہ جب نماز کا وقت آئے تو وضو کر کے کچھ دیر مصلے پر بیٹھ جایا کرے اور نماز کے بقدر کچھ ذکر وغیرہ کر لیا کرے تاکہ وہ نماز کی عادت چھوٹنے نہ پائے بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ نماز تو نہیں پڑھ سکتی لیکن اس کی عادت برقرار رہے تو اس وقت پھر وضو کر کے اور پھر مصلے پر بیٹھ کر کچھ دیر ذکر وغیرہ کر لیا کرے بھائی۔

■ مسئلہ: وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ

«**وَالطُّهْرُ إِذَاتَخَلَّلَ**» آج طہرِ متخلل کا مسئلہ ہم پڑھیں گے بھائی، طہرِ متخلل۔ یاد رکھیے یہ طہر جو ہے، طہر، پاکی کا زمانہ، دو حیضوں کے درمیان کا جو پاکی کا زمانہ ہے اس کو طہر کہتے ہیں۔ اور پھر اس میں تفصیل یاد رکھیے، آگے یہ آپ کو بتلائیں گے بھی کہ طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

تو یہ جو طہر ہے اگر کم سے کم پندرہ دن ہو تو اس کو طہرِ صحیح کہیں گے۔ لیکن اگر یہ پاکی کا زمانہ پندرہ دن سے کم ہو جائے مثلاً چودہ دن کا ہو یا بارہ دن کا ہو یا دس دن کا ہو، تو یہ طہر، طہرِ فاسد ہے بھائی، فاسد۔ اور یہ ہے طہرِ متخلل بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ طہرِ متخلل ہے، یہ جو طہرِ فاسد آیا۔ اور اس کا حکم آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جاری خون کی طرح ہے۔ مثلاً بھائی ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا، پھر آٹھ دن اس نے خون نہیں دیکھا بھائی، اور پھر ایک دن خون دیکھا، تو یہ سارا جاری خون کی طرح ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ گویا عورت کو دس دن مسلسل خون آیا۔

طہرِ متخلل کس کی طرح ہے بھائی؟ جاری خون کی طرح بھائی۔ حیض کے مسائل اچھی طرح سمجھ لیجیے، آگے اتنی تفصیل نہیں آئے گی بھائی۔ تو یہ ہے طہرِ متخلل بھائی۔ اور یوں سمجھا جائے گا بھائی دیکھا تو اس نے خون صرف پہلے دن اور دسویں دن، اور درمیان کے آٹھ دن خون آیا ہی نہیں، لیکن کیا سمجھا جائے گا اس کو؟ کس طرح سمجھا جائے گا؟ گویا دس دن مسلسل خون اسے آیا بھائی، مسلسل خون آیا۔ اور یہ سارے بیچ کے ایام بھی شامل ہیں، تو دس دن خون آیا۔ اور حیض کتنا، دس دن کا ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے، دس دن کا بھی حیض ہو سکتا ہے۔ تو اس سارے کو حیض شمار کیا جائے گا۔

اس سارے کو کیا شمار کریں گے؟ حیض شمار کریں گے۔ یہ ہے طہرِ متخلل۔ اور اگر وہ پاکی کا زمانہ پندرہ دن کا ہوا تو پھر یہ بہتے خون کے حکم میں نہیں ہے بلکہ یہ پاکی ہی کا زمانہ ہے اور پاکی کے زمانے میں تو عورت پر نماز، روزہ وغیرہ یہ سب چیزیں لازم ہوتی ہیں تو ان ایام میں بھی وہ چیزیں لازم ہوں گی بھائی۔

صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ چلیے، اور وضاحت میں کر دیتا ہوں۔ یاد رکھیے یہ حیض میں ہر عورت کی عادت مقرر ہوتی ہے۔ مثلاً ایک عورت ہے ایک مہینے چھ دن خون اس نے دیکھا، تو اگلے مہینے بھی اسی طرح ہو گا، چھ دن ہی اس کے حیض کے ہوں گے۔ اس سے اگلے مہینے بھی اس کے چھ دن اسی طرح حیض کے ہوں گے بھائی۔ یہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے ان کو علم ہوتا ہے بھائی۔ تو کسی کو چار دن حیض کی عادت، کسی کے پانچ دن، کسی کے چھ دن بھائی۔ اور آپ پڑھ چکے کم سے کم مدت کتنی ہے حیض کی؟ تین دن۔ زیادہ سے زیادہ کتنی ہے؟ دس دن ہے۔ تو اس کے درمیان کی کوئی بھی عادت ہو سکتی ہے عورت کی۔ اور یہ عموماً جیسے عادت ہوتی ہے اسی کے مطابق آتا ہے۔

لیکن بعض اوقات عادت بدلتی بھی ہے۔ مثلاً ایک عورت ہے وہ ہر مہینے چار دن حیض کی عادت ہے اس کی، چار دن خون آتا ہے۔ لیکن ایک مہینہ ایسا آیا کہ اس نے پانچ دن خون دیکھا، تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ چار دن حیض کے اور ایک دن استحاضہ کا، بلکہ یوں کہیں گے اس کی عادت بدل گئی۔ جب تک وہ خون تین اور دس کے درمیان ہے تو کہیں گے عادت بدل گئی۔ اس سے اگلے مہینے فرض کرو اسے سات دن خون آیا، پھر کہیں گے ہم کہ اس کی عادت بدل گئی، یہ سات کے سات دن کیا ہیں؟ حیض۔ اس سے اگلے مہینے اسے دس دن خون آیا، تو کیا کہیں گے ہم کہ اس کی عادت بدل گئی۔ تو چاہے عادت کبھی بدلے، چاہے ہر مہینے ہی بدلتی جا رہی ہے، لیکن جب وہ تین اور دس کے درمیان ہے اس کو کیا شمار کریں گے؟ حیض شمار کریں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور اگر یہ خون دس دن سے بڑھ جائے، پھر سمجھ جائیں گے یہ استحاضہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ زائد استحاضہ ہے۔ اب ایک عورت کی عادت ہے تو یہ جو دس دن سے بڑھ گیا تو اب آپ یہ نہ کہیں دس دن حیض کے اور مثلاً باقی زائد دن استحاضہ کے، بلکہ اس عورت کی پچھلی عادت کو دیکھا جائے گا۔ مثلاً اس عورت کی عادت تھی پانچ دن کی، تو وہ پانچ دن اس میں سے حیض شمار ہو گا اور باقی سارے کیا شمار ہوں گے؟ استحاضہ شمار ہو گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو پانچ دن حیض کے، پچھلی عادت کو دیکھا جائے گا۔

لہٰذا یہ پانچ، چھ، سات دن جو اوپر ہوئے، ان میں خون آ رہا تھا اور اس میں اس نے نمازیں وغیرہ نہیں پڑھی تھیں۔ جب دس سے اوپر چلا گیا اب پتہ چلا کہ استحاضہ ہے۔ پہلے تو پتہ ہی نہیں تھا، احتمال تھا دس پہ ہی رک جائے، دس پہ ہی رک جاتا تو سارا ہی کیا شمار ہوتا؟ حیض، اور ہم کیا کہتے؟ عادت بدل گئی۔ لیکن جب دس سے اوپر چلا گیا، پتہ چلا استحاضہ ہے بھائی۔ تو اب پچھلی عادت کو دیکھیں گے بھائی، پچھلی عادت کو۔ اور عادت تو کتنی تھی؟ پانچ دن۔ تو پانچ سے جو زائد دن ہیں ان میں ان کی نمازیں بھی اس کے ذمے ہیں۔ لہٰذا دس سے اوپر ہوتے ہی کیا کر لے؟ غسل فوراً کر لے اور اب نمازیں پڑھنا شروع کر دے، استحاضے کا جیسے آگے بیان بھی آئے گا، اس کے مطابق بھائی، ہر وقت کے لیے الگ وضو کرے گی۔ اور پچھلی نمازیں جو رہ گئیں، پانچ دن تو حیض تھا، پانچ دن جو تھا وہ اس نے نمازیں نہیں پڑھیں حیض سمجھ کر لیکن وہ تو کیا نکلا؟ استحاضہ معلوم ہوا، تو ان کی بھی اس کے ذمے قضا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

ایک عورت ہے اس کو ہر مہینے مثلاً چار دن حیض آتا ہے، چار دن۔ پھر ایک مہینہ اس کو آٹھ دن حیض آیا۔ اس سے اگلے مہینے خون جاری ہوا دس دن سے اوپر چلا گیا۔ تو اب کیا کریں گے؟ پرانی عادت کو دیکھیں تو کتنا ہے؟ چار۔ پچھلے مہینے کی عادت کو دیکھیں تو کتنا حیض؟ آٹھ دن۔ یاد رکھیے پھر اس میں صرف پچھلے مہینے کو دیکھیں گے، اس سے پیچھے کو نہیں دیکھیں گے۔ پچھلے مہینے میں اس کو خون کتنا تھا؟ آٹھ دن، ہم کہیں گے آٹھ دن جب آیا تھا ہم نے اسی وقت کہا تھا عادت بدل گئی، کیونکہ دس کے درمیان ہے، تین اور دس کے درمیان۔ لہٰذا اب اس مہینے تو دس سے بھی اوپر چلا گیا، معلوم ہوا استحاضہ ہے، زائد۔ لیکن کتنا استحاضہ اور کتنا حیض؟ پچھلے مہینے میں کتنا تھا؟ آٹھ دن، تو اس میں سے بھی آٹھ دن حیض کے شمار ہوں گے، اس سے اگلے دن جو ہیں وہ استحاضہ کے شمار ہوں گے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

اب طہرِ متخلل آیا بھائی، طہرِ متخلل میں نے بتلایا کہ جاری خون کے حکم میں ہے، جاری خون کے حکم میں۔ یہاں ایک قول متن میں ذکر ہو گا اور ایک قول آگے شرح کے اندر صاحبِ ہدایہ ذکر کریں گے۔ تو جو شرح کے اندر صاحبِ ہدایہ ذکر کریں گے اسی پر عمل کرتے ہیں فقہاء، مفتی حضرات، کیونکہ اس میں آسانی ہے، آسانی۔

اس کے مطابق یاد رکھیے کہ انہوں نے بتلایا، اقل، یہ آگے آپ کو بلکہ بتلائیں گے، اقلِ طہر جو ہے وہ پندرہ دن کا ہے۔ پندرہ دن سے اگر طہر کم ہوا تو یہ طہرِ متخلل ہو گا۔ اور یہ سارا کس کے حکم میں ہو گا؟ جاری خون کے حکم میں ہو گا۔ لہٰذا ایک عورت کی ہر مہینے عادت ہے مثلاً پہلی تاریخ سے لے کر پانچ تاریخ تک، یہ اس کے حیض کے ایام ہیں۔ اب اگلا مہینہ جب آیا تو پہلی تاریخ کو اس نے خون دیکھا ایک دن، پھر چودہ دن خون نہیں دیکھا، چودہ دن، پھر اس کے بعد ایک دن اس نے خون دیکھا۔ تو کیا سمجھا جائے گا؟ یہ بیچ میں جو طہر آیا یہ طہرِ متخلل ہے، بیچ میں آیا ہے دو خونوں کے۔ اور یہ طہر فاسد ہے اور یہ کس کے حکم میں ہے؟ جاری۔ گویا یوں سمجھا جائے گا: ایک دن پہلا، چودہ دن بیچ کے، اور ایک دن آخر کا، کتنے دن ہو گئے؟ سولہ۔ گویا اس عورت کو سولہ دن مسلسل خون آیا ہے، یوں سمجھا جائے گا بھائی، مسلسل۔

اب حساب لگائیں گے کہ اس میں سے حیض کیا ہے؟ اس میں سے استحاضہ کیا ہے؟ حیض کے ایام کی نمازیں ساقط، استحاضے کے ایام کی نمازیں پڑھنی پڑیں گی بھائی۔ اب آپ حساب لگائیں گے بھائی، کس کو دیکھیں گے؟ سولہ دن مسلسل خون آیا، معلوم ہوا استحاضہ، اتنا تو پتہ چل گیا۔ اب ہم نے حیض کا پتہ چلانا ہے، کس کو دیکھیں گے؟ پچھلے مہینے کو دیکھیں گے۔ پچھلے، عادت کو دیکھ لیں یا بالکل آخری، عادت اگر بدل رہی ہے تو پھر کس کو دیکھو؟ پچھلے، اور پچھلے مہینے میں کس تاریخ سے کس تاریخ تک حیض آیا تھا؟ ایک سے پانچ تک۔ لہٰذا اس مہینے کے اندر بھی یہ جو سولہ دن جاری خون کے حکم میں تھے یہ ایام، اس میں سے بھی پہلی تاریخ سے لے کر پانچ تاریخ تک ان کو کیا شمار کریں گے؟ حیض۔ ان پانچ دنوں میں پہلے دن خون تھا، اگلے چار دن میں خون نہیں ہے، لیکن یہ کس کے حکم میں ہے؟ جاری خون۔ لہٰذا ایک سے پانچ تک یہ کیا شمار ہو گا؟ حیض۔ لہٰذا ان دنوں کی نمازیں اس سے ساقط۔ اگرچہ خون رکنے کے بعد اس نے غسل کر کے فوراً ہی اگلے دن سے نمازیں شروع کر دی تھیں لیکن ان نمازوں کا بھی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ تو کس کے ایام ہیں؟ حیض کے، لہٰذا یہ نمازیں اس سے ساقط ہو گئیں۔

ہاں، پانچ سے آگے چھٹا دن، سولہ تاریخ تک، یہ سارا استحاضہ ہے۔ اور استحاضہ کے ایام میں کیا کرنا پڑتی ہے؟ نماز، روزہ وغیرہ لازم ہے اس کے ذمے۔ لہٰذا پانچویں دن جب چھٹا دن آیا تو اب اس کے ذمے نمازیں آ گئیں۔ تو ان ایام میں اس نے اگر نمازیں پڑھی ہیں تو آپ فوراً یہ نہ کہہ دینا یہ نمازیں ہو گئیں، نہیں۔ پانچ کے بعد تو حیض ختم ہوا، پانچ تک تو کیا شمار ہے؟ حیض۔ اور حیض سے پاک ہونے کے لیے عورت کو کیا کرنا پڑتا ہے؟ غسل کرنا پڑتا ہے۔ اگر پانچ کے بعد اس نے غسل کر لیا تھا اور پھر نمازیں پڑھی تھیں تو وہ نمازیں صحیح ہو گئیں۔ اگر بغیر غسل کیے اس نے دو تین دن اور نمازیں پڑھ لی تھیں پھر یہ غسل اس نے کیا تھا تو وہ تین دن کی نمازیں بغیر غسل کے ہوئیں اور بغیر غسل کے تو وہ پاک ہی نہیں، نمازیں بھی نہیں ہوئیں، لہٰذا ان کی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ اچھی طرح؟

اچھا، اور ایک اور مثال دیکھ لیجیے بھائی تاکہ اور وضاحت ہو جائے۔ ایک عورت ہے مثلاً اس کی عادت ہے ہر مہینے کی چار تاریخ سے لے کر دس تک اسے حیض آتا ہے۔ یہ کتنے دن ہو گئے؟ چھ دن ہو گئے؟ سات دن ہو گئے۔ ہاں، اول آخر کا اعتبار کر لیں، چلیں سات دن بنا لیں۔ کتنا ہے؟ ہاں، تو یہ سات دن حیض کے ہوئے۔ کس تاریخ سے کس تاریخ تک؟ چار سے دس تک، یعنی چار ہی کو شروع ہو جاتا ہے اور دس کو بھی رہتا ہے، تو چار سے دس تک ہوا، یہ سات دن ہو گئے۔

اب اگلے مہینے کی یکم ہی کو اس نے خون دیکھ لیا، اور پھر دس دن تک خون نہیں دیکھا، اور پھر اس نے تین دن تک خون دیکھا۔ پہلی تاریخ کو بھی دیکھا اور پھر دس دن نہیں دیکھا اور پھر تین دن دیکھا، کتنے ہو گئے؟ چودہ دن۔ تو یہ بیچ میں دس دن خون نہیں دیکھا، اور طہر کی تو کم سے کم مدت کتنی ہے؟ پندرہ دن۔ تو یہ کون سا طہر صحیح ہوا یا فاسد ہوا؟ یہ طہر فاسد ہوا، تو یہ یوں سمجھا جائے گا گویا چودہ دن اسے مسلسل خون آیا ہے بھائی، چودہ دن۔ اب اس میں سے ہم نے حساب کرنا ہے کہ حیض کے ایام کون سے اور استحاضے کے ایام کون سے ہیں؟ حیض کے ایام کی نماز اس کے ذمے نہیں اور استحاضے کے ایام کی نمازیں اس کے ذمے ہیں بھائی۔

اس عورت کی عادت کیا تھی؟ چار سے دس تک۔ دس کو خون رکا تھا پچھلے مہینے اور پھر اب یکم کو آیا ہے، یعنی بیس دن بیچ میں خون نہیں آیا۔ جب بیس دن نہیں آیا معلوم ہوا یہ طہر صحیح ہے کیونکہ یہ پندرہ سے زائد ہے۔ لہٰذا ان کی تو بات ہی نہیں ہے بھائی، ان میں تو اس نے نماز وغیرہ پڑھی ہے۔ اب یکم سے خون آیا تھا اور کتنے دن ہم نے شمار کر لیے؟ چودہ دن گویا اس کو مسلسل خون آیا۔ اور اب ان میں سے حیض کا حساب لگانا ہے، تو حیض اسے کب آتا تھا؟ چار سے دس تک۔ لہٰذا ان چودہ دنوں میں سے بھی چار دن سے لے کر دس دن تک، یہ جو ایام ہیں یہ حیض کے ہیں۔ ان میں خون اس نے بالکل نہیں دیکھا لیکن یہ ایام کس کے ہیں؟ حیض، کیونکہ جاری خون کے حکم میں ہے۔ تو اس چار سے پچھلے تین دن، یکم کو اس نے خون دیکھا تھا، دو اور تین، ان تین دنوں میں استحاضہ تھا، اس کی نمازیں اس کے ذمے ہیں۔ نمازیں اس کے ذمے ہیں۔ پہلے دن خون آیا تھا اس نے نماز چھوڑ دی تھی، وہ بھی اس کے ذمے ہے۔ اور بعد میں بھی اگر اس نے غسل کیے بغیر پڑھی نہیں تو اس کے ذمے ہیں بھائی۔ اور سمجھ میں آیا؟ بعد میں غسل اس نے کر لیا ہو گا تو ان دنوں کی اگر پڑھی ہیں وہ نمازیں اس کی ہو گئیں بھائی۔ پھر اگلے چار سے دس تک کیا ہے؟ حیض۔ لہٰذا ان میں اگر اس نے پڑھی بھی ہیں لیکن یہ تو حیض کے ایام ہیں، نماز ان کا اعتبار نہیں۔ گیارہ، خون پھر کب دیکھا؟ ایک تاریخ کو دیکھا پھر کتنے دن نہیں دیکھا؟ پھر دس دن نہیں دیکھا، پھر تین دن دیکھا ہے، معلوم ہوا دو سے گیارہ تک خون نہیں آیا۔ بارہ، تیرہ، چودہ، پھر یہ تین دن خون آیا ہے، ٹھیک ہے؟ اب ان میں ایامِ حیض کون سے؟ چار سے لے کر دس تک۔ تو دس تک یہ ہیں حیض کے ایام، معلوم ہوا آگے گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، یہ سارے کس کے ایام؟ استحاضہ، ان کی نماز اس کے ذمے ہے۔ اور اس میں بھی اگر اس نے نماز پڑھی بھی ہے، کس دن پڑھی ہے؟ گیارہ کو تو خون نہیں تھا، اس دن ہو سکتا ہے اس نے نماز پڑھی ہو گی، اس میں بھی اگر اس نے دس دن کے بعد غسل کر کے یہ نماز پڑھی تھی تو یہ نماز ہو گئی، ورنہ کیا کرنا پڑے گی اس کی بھی؟ قضا۔ اس گیارہویں دن کی نمازوں کی بھی قضا کرنا پڑے گی اور بارہ، تیرہ، چودہ کو جو خون دیکھا ہے اس میں بھی نمازیں اگر چھوڑی تھیں ان میں بھی کیا کرنا پڑے گی ان کی؟ قضا۔ مسئلہ سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو یہ ہے طہر متخلل بھائی، طہر متخلل۔ کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہیں آئی؟ خوب وضاحت ہو گئی؟ جی، اب دیکھیے کتاب پر:

■ مسئلہ: وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي...

«وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ فَهُوَ كَالدَّمِ الْمُتَوَالِي» اور طہر جب وہ بیچ میں آ جائے دو خونوں کے «فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ»

مدتِ حیض کے اندر اندر «فَهُوَ كَالدَّمِ الْمُتَوَالِي» تو وہ جاری خون کی طرح ہے، متوالی جو پے در پے ہو، مسلسل، تو وہ کس کی طرح ہے؟ وہ طہر جو دو خونوں کے درمیان آئے «فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ» کس کے اندر؟ مدتِ حیض کے اندر «فَهُوَ كَالدَّمِ الْمُتَوَالِي» وہ کس کی طرح ہے؟ جاری خون کی طرح ہے، مسلسل خون کی طرح ہے۔ بھائی یہاں متن میں قید آئی «فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ»، مدتِ حیض کے اندر اندر جو طہر آیا۔ مثلاً ایک دن خون دیکھا، پھر پانچ دن نہیں دیکھا، پھر ایک دن خون دیکھا۔ یہ کتنے دن ہو گئے؟ سات دن، اور یہ مدتِ حیض کے اندر ہے یا نہیں؟ مدتِ حیض تو کتنی ہے؟ دس دن۔ اس سارے کو جاری خون شمار کیا جائے گا اور اس سارے کو حیض شمار کیا جائے گا۔ پہلے دن خون دیکھا، پھر سات دن خون نہیں دیکھا، اور پھر ایک دن یا دو دن خون دیکھا، تو یہ بھی کیا ہے؟ ایک دن خون دیکھا پھر سات دن نہیں دیکھا، سات اور ایک آٹھ، پھر اس کے بعد مثلاً ایک دن اور خون دیکھا، کتنا ہوا؟ نو، تو یہ مدتِ حیض کے اندر اندر ہے۔ اس سارے کو کیا شمار کریں گے؟ حیض ہی شمار کریں گے۔ دمِ متوالی ہے، یہ جاری خون کی طرح ہے بھائی۔ متن کے قول کے مطابق جو مدتِ حیض کے اندر نہ ہو، یعنی ایک دن خون دیکھا، چودہ دن خون نہیں دیکھا، پھر ایک دن خون دیکھا، یہ سارا جاری خون کی طرح نہیں۔ کیونکہ یہ مدتِ حیض کے اندر ہے یا اس سے باہر نکل گیا؟ باہر نکل گیا، لیکن میں نے بتایا فتویٰ کس قول پر ہے جو کس میں ذکر کریں گے؟ شرح میں ذکر کریں گے، جو امام صاحب کا بھی قول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ فرق سمجھ میں آ گیا دونوں قولوں میں؟ متن والے قول کے مطابق مدتِ حیض کے اندر اندر جو طہر آئے گا وہ ہے طہرِ متخلل، اور شرح والے قول کے مطابق جو طہر بھی پندرہ دن سے کم ہے وہ کیا ہے؟ طہرِ متخلل ہے اور وہ سارا جاری خون کے حکم میں ہے۔

«قَالَ: هَذِهِ إِحْدَى الرِّوَايَاتِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى» صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک روایت ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایتوں میں سے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی روایتوں میں سے یہ ایک روایت ہے جو متن میں آئی ہے۔ «وَوَجْهُهُ» وجہ اس کی یہ ہے کہ جاری خون کی طرح، کیوں ہے یہ سارا؟ کہتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے: «أَنَّ اسْتِيعَابَ الدَّمِ مُدَّةَ الْحَيْضِ لَيْسَ بِشَرْطٍ بِالْإِجْمَاعِ» کہ خون کا گھیر لینا، احاطہ کر لینا مدتِ حیض کا «لَيْسَ بِشَرْطٍ» یہ شرط نہیں ہے۔ حیض کے اندر یہ ضروری نہیں کہ خون سارے جتنے دن حیض کے ہیں ان سارے دنوں میں خون آئے، بالإجماع ان سارے دنوں میں خون کا آنا ضروری نہیں، شرط نہیں ہے۔ حیض میں ایسا ہی، کبھی خون آتا ہے کبھی رک جاتا ہے، کبھی پھر آتا ہے اور کبھی رک جاتا ہے، اور کبھی مسلسل رہتا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو بالإجماع حیض کے دنوں میں خون کا مسلسل آنا اور خون کا سارے دنوں کا احاطہ کر لینا، گھیر لینا یہ شرط نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں «وَوَجْهُهُ أَنَّ اسْتِيعَابَ الدَّمِ مُدَّةَ الْحَيْضِ لَيْسَ بِشَرْطٍ بِالْإِجْمَاعِ» وجہ اس قول کی یہ ہے کہ خون کا احاطہ کر لینا مدتِ حیض کا یعنی سارے وقت کا یہ شرط نہیں ہے بالإجماع، «فَيُعْتَبَرُ أَوَّلُهُ وَآخِرُهُ» تو اعتبار کیا جائے گا اس کے اول اور آخر کا، خون کے اول اور آخر کا اعتبار کیا جائے گا «كَالنِّصَابِ فِي بَابِ الزَّكَاةِ» جیسے کہ نصاب تھا زکوٰۃ کے باب میں۔ زکوٰۃ کے مسائل میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس میں نصاب کا کوئی شخص مالک ہو اور اس پر سال گزر جائے، یعنی شروع سال کے اندر نصاب کے بقدر مال اس کے پاس موجود تھا اور آخرِ سال میں بھی نصاب کے بقدر مال موجود ہے تو اس کو اس کی حساب کر کے زکوٰۃ دینا پڑے گی، درمیانِ سال میں اگرچہ مال نصاب سے کم ہی کیوں نہ ہو جائے۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے، اول اور آخر میں کیا ہونا چاہیے؟ خون ہونا چاہیے، درمیان میں اگر نہ بھی آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مسلسل خون آتا ہی نہیں ہے بالإجماع۔

«وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے «وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہی ایک روایت ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی «وَقِيلَ: هُوَ آخِرُ أَقْوَالِهِ» اور کہا گیا ہے کہ یہ امام صاحب کے قولوں میں سے آخری ہے، یعنی ان کا آخری قول ہے، اور وہ کیا؟ وہ آگے یہ جو آ رہا ہے: «أَنَّ الطُّهْرَ» یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے اور یہی امام صاحب کا کہتے ہیں آخری قول بھی ہے «أَنَّ الطُّهْرَ إِذَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَا يَفْصِلُ» کہ طہر جو ہے جب وہ پندرہ دن سے کم ہو «لَا يَفْصِلُ» تو وہ فصل نہیں کرے گا، یعنی فاصل نہیں بنے گا، جدائی نہیں کرے گا، بلکہ سارے کو کیا شمار کیا جائے گا؟ مسلسل خون شمار کیا جائے گا۔ طہر جب کب، پندرہ دن سے کم ہو۔ ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا پھر چودہ دن خون نہیں دیکھا، پھر اس کے بعد ایک دن خون دیکھا، تو دیکھیے یہ طہر پندرہ دن سے کم ہے تو یہ فاصل نہیں بنے گا، ان دونوں خونوں کو الگ نہیں شمار کریں گے بلکہ گویا یہ سارا مسلسل اس کو خون ہی شمار کریں گے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے کہ «أَنَّ الطُّهْرَ إِذَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَا يَفْصِلُ» کہ طہر جب وہ پندرہ دن سے کم ہو تو وہ فصل نہیں کرے گا، جدائی نہیں کرے گا، یعنی فاصل نہیں بنے گا «وَهُوَ كُلُّهُ كَالدَّمِ الْمُتَوَالِي» اور وہ سارا کا سارا جو ہے کس کی طرح ہے؟ بہتے مسلسل خون کی طرح ہے «لِأَنَّهُ طُهْرٌ فَاسِدٌ» اس کے کیونکہ یہ طہر فاسد ہے «فَيَكُونُ بِمَنْزِلَةِ الدَّمِ» تو یہ کس کے درجے میں ہوا؟ خون ہی کے درجے میں ہوا «وَالْأَخْذُ بِهَذَا الْقَوْلِ أَيْسَرُ» اور لینا اس قول کو زیادہ آسان ہے، اس قول پر عمل کرنا زیادہ آسان ہے، اس کو لے لینا اور اس پر عمل کرنا، کیونکہ متن والے قول کو لیں تو مدتِ حیض کے اندر طہر ہے یعنی دس دن کے اندر اندر ہے تو وہ تو فاصل نہیں بنے گا لیکن اگر اس سے زیادہ ہو تو وہ کیا بن جائے گا؟ فاصل بن جائے گا۔ لیکن اس قول کو لیں تو پندرہ دن سے جو کم ہو گا وہ فاصل نہیں بنے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو اس میں آسانی ہے۔ «وَتَمَامُهُ يُعْرَفُ فِي كِتَابِ الْحَيْضِ» اور اس پورے کو جانا جائے گا کتاب الحیض سے بھائی، کس سے؟ یعنی وہ جو امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط کے اندر کتاب الحیض ذکر کی ہے وہاں اس کی ساری تفصیل مذکور ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَأَقَلُّ الطُّهْرِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا

«وَأَقَلُّ الطُّهْرِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا» اور طہر کی کم سے کم مدت جو ہے وہ پندرہ دن ہے «هَكَذَا نُقِلَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى» اسی طرح نقل کیا گیا ہے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے جو جلیل القدر تابعی گزرے ہیں بھائی، ان سے نقل کیا گیا کہ طہر کی کم سے کم مدت کتنی ہے؟ پندرہ دن ہے۔ «وَإِنَّهُ لَا يُعْرَفُ إِلَّا تَوْقِيفًا» اور اس کو نہیں جانا جا سکتا مگر نص سے ہی۔ میں نے بتلایا تھا توقیف کا کیا معنی ہے؟ نص میں ہونا کسی چیز کا، نص کے اندر آنا، اور نص کسے کہتے ہیں؟ قرآن اور حدیث کو۔ تو صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ انہوں نے ذکر کیا کہ طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہوتی ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو بغیر سماع کے نہیں جانا جا سکتا، عقل کے ذریعے یہ بات کبھی بھی طے نہیں ہو سکتی کہ طہر کی کم سے کم مقدار کتنی ہے؟ پندرہ دن ہے۔ لیکن وہ فرمارہے ہیں کہ کم سے کم مدت کتنی ہے؟ پندرہ دن، معلوم ہوا انہوں نے کسی صحابیِ رسول سے سنا ہو گا اور صحابی نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا۔ تو لہٰذا یہ کس کے درجے میں ہوا؟ قولِ مرفوع کے درجے ہی میں ہوا گویا، سماع پر ہی ہے یہ۔

«وَلَا غَايَةَ لِأَكْثَرِهِ» اور اکثر مدت کی کوئی انتہا نہیں، طہر کی کم سے کم مدت تو پندرہ دن ہے، زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ چاہے ساری زندگی ہی خون آئے ہی نہ، سارے کو کیا شمار کریں گے؟ طہر، پاکی کے ایام ہی شمار کریں گے، تو زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ «وَلَا غَايَةَ لِأَكْثَرِهِ» اور اکثر کی کوئی انتہا نہیں ہے «لِأَنَّهُ يَمْتَدُّ إِلَى سَنَةٍ وَسَنَتَيْنِ» اس لیے کیونکہ طہر جو ہے وہ لمبا ہو جاتا ہے ایک سال تک اور دو سال تک بھی «فَلَا يَتَقَدَّرُ بِتَقْدِيرٍ» لہٰذا یہ مقرر نہیں ہو گا کسی اندازے سے «إِلَّا إِذَا اسْتَمَرَّ بِهَا الدَّمُ» مگر یہ کہ مسلسل آئے اس پر خون بھائی، اس عورت کو کیا آئے؟ مسلسل خون آئے۔

بھائی دیکھیے، طہر کی کم سے کم مدت ہے پندرہ دن، توجہ ہے سبق کی طرف؟ پندرہ دن ہے۔ زیادہ کی کوئی انتہا نہیں ہے، سال تک بھی ہو سکتا ہے، دو سال تک بھی طہر چل سکتا ہے، سارا طہر شمار ہو گا۔ ساری عمر بھی ایسا ہو سکتا ہے حیض آئے ہی نہ، سارا کیا شمار ہو گا؟ طہر شمار ہو گا کیونکہ اکثر مدت کی کوئی انتہا نہیں اس کے اندر بھائی۔ تو جب اکثر کی کوئی انتہا ہے ہی نہیں تو کسی اندازے سے یہ مقرر بھی نہیں ہو گا کیونکہ کوئی انتہا ہے ہی نہیں کہ مقرر کر لیا جائے۔ ہاں، جب عورت کو مسلسل خون آئے تو پھر اس صورت میں اندازے کے ساتھ مقرر کیا جائے گا۔

مثلاً ایک عورت بالغہ ہوئی اور بالغہ ہونے کے بعد اس نے مثلاً پانچ دن خون دیکھا، پانچ دن، اور اگلے مہینے جب خون شروع ہوا پھر رکا ہی نہیں مسلسل اب خون جاری ہے۔ تو اب اس کی عادت کا پتہ ہے، وہ پچھلے ایامِ عادت کی طرف ہم دیکھیں گے۔ پچھلے مہینے کتنے دن؟ پانچ دن، مثلاً ایک سے لے کر پانچ تاریخ تک اس کو خون آیا تھا تو آگے مسلسل خون جاری ہوا تو وہاں پر بھی ایک تاریخ سے لے کر پانچ تاریخ تک کیا شمار کریں گے؟ حیض، اور باقی ایام میں اگرچہ خون جاری ہے لیکن غسل کر کے وہ نمازیں پڑھے گی بھائی۔

نمازیں، کیسے ہو گا؟ دیکھو، دوسرے مہینے میں خون شروع ہوا پانچ دن پر رکنا چاہیے تھا لیکن رکا نہیں، چھٹے دن بھی آرہا ہے، ساتویں دن بھی آرہا ہے، تو وہ عورت ابھی نماز نہیں پڑھے گی، انتظار کرے گی شاید دس سے پہلے پہلے رک جائے، عادت بدل گئی ہو۔ لیکن دسواں دن بھی گزر گیا گیارہواں شروع ہوا اور خون ابھی بھی جاری ہے، اب ہم لوٹیں گے کس کی طرف؟ گزشتہ عادت کی طرف، معلوم ہوا ایک سے پانچ تک حیض آیا تھا پچھلے مہینے میں تو اس مہینے میں بھی ایک سے لے کر پانچ تک حیض ہے اور اس کے بعد کے ایام کی نمازیں اس کے ذمے ہیں، لہٰذا ان کی قضا کرے گی۔ اب ہر مہینے اب خون تو اس کو مسلسل ہے رکتا ہی نہیں ہے بیماری کی وجہ سے تو اب وہ ہر مہینے اسی طرح کرے گی بھائی۔ تو ہر مہینے پانچ دن وہ کیا کرے گی؟ پانچ دن اس میں ایک تاریخ سے لے کر پانچ تک یہ حیض کے ایام ہوں گے اور باقی چھ تاریخ سے لے کر تیس تاریخ تک یعنی پچیس دن یہ کس کے شمار ہوں گے؟ استحاضہ کے، استحاضہ کے شمار ہوں گے اور ان میں اس کے لیے وہ نمازیں بھی پڑھے گی، روزے بھی رکھے گی اور ہر وقتی نماز کے لیے الگ وضو کرے گی بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ اسی طرح حساب کرے گی۔

اور اگر اس کو پہلے مہینے پانچ تاریخ سے لے کر دس تک خون آیا تھا تو اگلے مہینے پہلی ہی سے شروع ہو گیا خون اور پھر مسلسل خون ہے، تو اس میں کیا کریں گے؟ پہلے پانچ دن استحاضہ کے، کیونکہ ایک سے شروع ہو گیا حالانکہ عادت کیا تھی پچھلی؟ پانچ سے دس۔ ہاں، پانچ سے دس تک کیا شمار ہو گا؟ حیض، پھر اگلے بیس دن بھی کیا شمار ہو گا؟ استحاضہ شمار ہو گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ استحاضہ۔

یہ تو وہ صورت تھی جب عورت کی عادت کا پہلے پتہ تھا پھر استحاضہ شروع ہو گیا۔ اور ایک عورت ہے اس کو ابتدا سے ہی وہ مستحاضہ ہو گئی، پہلے مہینے سے ہی جو خون شروع ہوا تو پھر رکا ہی نہیں، اس کا اب کیا کریں گے؟ اس کا کیا حکم ہے؟ یاد رکھیے یہ آگے صاحبِ ہدایہ بھی آپ کو بتائیں گے کہ شروع سے جب خون شروع ہوا ابتدا سے، دس دن سے بڑھ گیا تو دس دن جو ہے اس کو حیض شمار کریں گے کیونکہ عادت کا پتہ ہی نہیں، تو اکثر مدت حیض کی کتنی ہے؟ دس دن۔ تو یہاں بھی دس دن کیا شمار کریں گے؟ حیض کے، اور اگلے بیس دن کس کے شمار ہوں گے؟ استحاضہ کے۔ اب یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا جب تک یہ خون رکتا نہیں بھائی۔ خون مسلسل جب تک جتنے عرصے تک بھی جاری رہے ہر مہینے میں سے وہ دس دن کیا شمار کرے گی؟ حیض کے پہلے دس دن، اگلے بیس دن استحاضہ کے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے کہ وہ مقرر نہیں ہوتا کسی اندازے سے بھی: «إِلَّا إِذَا اسْتَمَرَّ بِهَا الدَّمُ» مگر یہ کہ مسلسل ہو اس عورت کو خون، اس عورت کو مسلسل خون آئے

پھر کسی اندازے کے ساتھ اس کو مقرر کیا جائے گا جیسے ابھی میں نے بیان کیا، یا تو پچھلی عادت کو دیکھ لو اگر عادت ہے، اور اگر عادت نہیں تو پھر ہر مہینے میں سے دس دن حیض کے اور بیس دن استحاضہ کے۔ «يُعْرَفُ ذَلِكَ فِي كِتَابِ الْحَيْضِ» یہ جانا جاتا ہے کس کے اندر؟ کتاب الحیض کے اندر، یعنی وہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے جو ایسا امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

■ مسئلہ: وَدَمُ الِاسْتِحَاضَةِ كَالرُّعَافِ

«وَدَمُ الِاسْتِحَاضَةِ كَالرُّعَافِ» اور استحاضہ کا جو خون ہے وہ رعاف کی طرح ہے، نکسیر کی طرح ہے، یعنی جو ناک سے خون آئے اس کی طرح ہے۔ «لَا يَمْنَعُ الصَّوْمَ وَلَاالصَّلَاةَ» نہ تو یہ روزے سے روکتا ہے اور نہ نماز سے «وَلَا الْوَطْءَ» اور نہ صحبت سے، خاوند صحبت بھی اس میں کر سکتا ہے۔ دلیل کیا ہے بھائی کہ دمِ استحاضہ رعاف کی طرح ہے اس میں نماز بھی پڑھے گی، روزہ بھی رکھے گی؟ تو کہتے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «تَوَضَّئِي وَصَلِّي وَإِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيرِ».

صحابہ دین کی ایک ایک بات انہوں نے ہم تک پہنچائی، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے بھائی۔ ایک ایک بات۔ صحابیہ عورتیں ان میں سے جو جن کو استحاضہ کی بیماری تھی وہ باقاعدہ مسائل پوچھا کرتی تھیں بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بعد کس سے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔ اور ان کی تعداد علماء نے لکھی ہے کہ دس عورتیں تھیں ان میں سے جو مستحاضہ تھیں، بعض نے گیارہ لکھا ہے۔ تو انہی میں سے ایک جو ہیں حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں بھائی۔ وہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور کہنے لگیں: یارسول اللہ! میں ایک مستحاضہ عورت ہوں، پاک ہوتی نہیں، یعنی ہر وقت میرا خون جاری رہتا ہے، تو کیا میں نمازوں کو چھوڑ دوں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ یہ رگ کا خون ہے، کس کا خون ہے؟ رگ کا خون ہے، کوئی رگ وغیرہ کٹ گئی اس کی وجہ سے یہ خون جاری رہتا ہے، یہ حیض نہیں ہے، یہ کیا ہے؟ استحاضہ ہے۔ تو یہ رگ کا خون ہے، یہ حیض نہیں ہے، تو اپنے ایام حیض کے اندر نمازوں سے پرہیز کرو، پھر اس کے بعد غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کر لیا کرو۔

ایام حیض میں کیا کرو؟ نماز سے پرہیز کرو، اور پھر اس کے بعد غسل کر لو اور پھر اس کے بعد ہر نماز کے لیے کیا کر لیا کرو؟ وضو کر لو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں معلوم ہوا کہ دیکھو استحاضہ ہے، خون جاری ہے پھر بھی کیا فرما رہے ہیں؟ غسل کر لو اور اس کے بعد ہر نماز کے لیے وضو، معلوم ہوا استحاضہ میں بھی نماز پڑھنا پڑے گی بھائی، لیکن ہر وقتی نماز کے لیے کیا کرلے وہ؟ وضو کرلے۔ جو حضور علیہ السلام نے فرمایا: «تَوَضَّئِي وَصَلِّي وَإِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيرِ» تو وضو کرلے اور نماز پڑھ اگرچہ خون ٹپک رہا ہو چٹائی پر۔

■ مسئلہ: وَلَمَّا عُرِفَ حُكْمُ الصَّلَاةِ ثَبَتَ حُكْمُ ال...

«وَلَمَّا عُرِفَ حُكْمُ الصَّلَاةِ ثَبَتَ حُكْمُ الصَّوْمِ وَالْوَطْءِ بِنَتِيجَةِ الْإِجْمَاعِ» اور جب نماز کے حکم کو جان لیا گیا، حدیث میں تو کس کا صرف ذکر آیا ہے؟ نماز کا حکم ذکر ہوا، لیکن جب نماز کا حکم جان لیا گیا «ثَبَتَ حُكْمُ الصَّوْمِ وَالْوَطْءِ بِنَتِيجَةِ الْإِجْمَاعِ» تو روزے اور صحبت کا حکم بھی ثابت ہو گیا نتیجۃً اجماع سے، کس سے؟ نتیجۃً اجماع سے، یعنی اس پر تمام علماء کا اجماع ہے بھائی کہ استحاضے کے ایام میں نماز بھی پڑھی جائے گی اور روزہ بھی رکھا جائے گا اور خاوند کے لیے قربت کرنا بھی جائز ہے بھائی۔ تو جب نماز کا حکم جان لیا گیا حدیث سے تو روزے اور صحبت کا حکم ثابت ہو گیا کس سے؟ نتیجۃً اجماع سے، اجماع کی دلالت سے، اجماع نے اس پر دلالت کر دی۔

بھائی دیکھیے، جب نماز کے حکم کا پتہ چل گیا حالانکہ عورت کا خون بہہ رہا ہے اور خون کا نکلنا یہ تو منافیِ طہارت ہے اور نماز کے لیے تو طہارت ضروری ہے، تو ایک منافیِ صلاۃ چیز کے ہونے کے باوجود وہ کیا کرے گی؟ نماز پڑھے گی۔ تو جب نماز اس پر واجب ہے، جب نماز وہ پڑھ سکتی ہے تو پھر روزے کے تو منافی نہیں ہے خون کا نکلنا۔ آپ نے روزہ رکھا ہو، آپ کے بدن سے کہیں سے خون نکل آئے وہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ نہیں، تو روزے کے تو خون کا نکلنا منافی ہے ہی نہیں، اسی طرح صحبت کے بھی منافی نہیں۔ تو جب نماز اس کے لیے ثابت ہے، وہ نماز پڑھ سکتی ہے حالانکہ ایک منافی چیز ہونے کے باوجود، تو باقی دو چیزیں بطریقِ اولیٰ اس کے لیے ثابت ہو جائیں گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

«وَلَوْ زَادَ الدَّمُ عَلَى عَشَرَةِ أَيَّامٍ وَلَهَا عَادَةٌ مَعْرُوفَةٌ دُونَهَا» اور اگر خون بڑھ گیا دس دن پر «وَلَهَا عَادَةٌ مَعْرُوفَةٌ دُونَهَا» اور اس عورت کی کوئی معلوم عادت ہے دونہا یعنی دس دن سے کم، بھائی ایک عورت ہے اس کو خون شروع ہوا اور وہ خون دس دن سے بڑھ گیا اور اس عورت کی ایک معلوم عادت ہے دونہا دس دن سے کم، مثلاً ہر مہینے چھ دن یا سات دن اس کی دس سے کم، چھ یا سات دن جتنے بھی ہیں وہ اس کی معلوم عادت ہے «رُدَّتْ إِلَى أَيَّامِ عَادَتِهَا» تو اس کو لوٹایا جائے گا اس کے عادت کے ایام کی طرف۔ جب دس سے بڑھ گیا، دس سے کم ہی رہتا خون تو سارے کو ہم کیا کہتے؟ عادت تو تھی چھ دن کی لیکن چھ سے بڑھ گیا اور دس

سبق نمبر ۳۲: مسئلہ: وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ ف...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سے کم ہی رہا، نو دن تک رہا تو ہم کیا کہیں گے؟ عادت بدل گئی۔ لیکن اگر دس سے بڑھ گیا اب پتہ چلا کیا ہے؟ زائد استحاضہ ہے۔ اب اس میں پچھلی عادت کو دیکھیں گے، پچھلے مہینے عادت تھی مثلاً چھ دن کی تو وہ چھ دن حیض کے اور باقی سارے استحاضہ۔

یہ معنی ہے: «رُدَّتْ إِلَى أَيَّامِ عَادَتِهَا» تو اس کو لوٹایا جائے گا اس کے عادت کے ایام کی طرف «وَالَّذِي زَادَ اسْتِحَاضَةٌ» اور وہ جو زائد ہوا عادت پر وہ استحاضہ ہے «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے: «الْمُسْتَحَاضَةُ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا» کہ مستحاضہ جو ہے «تَدَعُ» یہ وَدَعَ يَدَعُ کے معنی چھوڑنے کے، «تَدَعُ الصَّلَاةَ» وہ چھوڑے گی نماز کو «أَيَّامَ أَقْرَائِهَا» اپنے حیض کے ایام میں۔ مستحاضہ وہ اپنے حیض کے ایام میں نماز کو چھوڑ دے گی، چھوڑ دے گی۔ دلیل سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی سمجھ میں بھائی؟ معلوم ہوا وہ اپنی عادت کو دیکھے گی بھائی، اس وقت تو وہ مستحاضہ ہے اور مستحاضہ کسے کہتے ہیں جس کا مسلسل خون آرہا ہے، اور حضور علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ یہ مستحاضہ جس کو مسلسل خون آرہا ہے کیا کرے؟ اپنے ایامِ حیض میں نماز کو چھوڑ دے، کس میں؟ اب وہ ایامِ حیض کا یہاں پتہ ہی نہیں چل رہا یہ تو مسلسل خون ہے۔ تو ایامِ حیض کا پتہ ہی کیسے چلے گا معلوم ہوا؟ اس کی عادت کی طرف اس کو لوٹایا جائے گا، پچھلے مہینے کی عادت کو دیکھا جائے گا کہ مثلاً پانچ سے دس تک اس کو ایامِ حیض تھے تو اس مہینے میں بھی پانچ سے دس تک کیا شمار کرے؟ ایامِ حیض۔ اس عادت کو دیکھ کر طے کر لیں گے یہ ایامِ حیض ہیں، ان ایام میں کیا کر دے؟ نماز کو چھوڑ دے گی اور اس سے پہلے اور اس کے بعد میں وہ نمازیں پڑھتی رہے گی بھائی۔ يَرْحَمُكَ اللَّهُ۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ دلیل ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الزَّائِدَ عَلَى الْعَادَةِ يُجَانِسُ مَ...

«وَلِأَنَّ الزَّائِدَ عَلَى الْعَادَةِ يُجَانِسُ مَا زَادَ عَلَى الْعَشَرَةِ فَيُلْحَقُ بِهِ» اور دوسری دلیل بھائی، ایک تو یہ حدیث آگئی۔ اس حدیث سے ہی پتہ چل گیا کہ مستحاضہ اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑے گی، اور حیض کے دنوں کا پتہ ہی کس سے چلے گا؟ اس کی پچھلی عادت کو دیکھا جائے گا۔ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ عادت کی طرف کیوں لوٹائیں گے؟ اور باقی زائد کو استحاضہ کیوں شمار کریں گے؟ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ الزَّائِدَ عَلَى الْعَادَةِ يُجَانِسُ مَا زَادَ عَلَى الْعَشَرَةِ فَيُلْحَقُ بِهِ» اس لیے کیونکہ وہ جو عادت پر بڑھ گیا جو خون وہ اس خون کے ہم جنس ہے جو دس پر بڑھ گیا۔ دس سے زائد کیا ہوتا ہے؟ استحاضہ، اور وہ بھی ہے خون۔ اور یہ جو عادت سے بڑھ گیا یہ بھی کیا ہے؟ خون ہے، یہ عادت سے بڑھ گیا ہے تو یہ اس کے جنس میں سے ہوا۔ وہ بھی زائد ہے اور خون ہے، یہ بھی زائد ہے اور خون ہے، تو دونوں کا ایک ہی حکم ہو گا۔ دس سے زائد خون تھا، زائد تھا اور خون تھا تو اس کو کیا قرار دیا تھا؟ استحاضہ۔ یہاں بھی زائد ہے عادت سے اور کیا ہے؟ خون ہے، اس کو کیا قرار دیں گے؟ استحاضہ۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ یہ معنی ہے: «وَلِأَنَّ الزَّائِدَ عَلَى الْعَادَةِ يُجَانِسُ مَا زَادَ عَلَى الْعَشَرَةِ فَيُلْحَقُ بِهِ» اس لیے کیونکہ وہ خون جو زائد ہے عادت پر وہ ہم جنس ہے اس خون کے جو زائد ہے دس پر، تو اسی کے ساتھ اس کو ملایا جائے گا۔

«وَإِنِ ابْتَدَأَتْ مَعَ الْبُلُوغِ مُسْتَحَاضَةً» اور اگر کسی عورت نے ابتدا ہی کی «مَعَ الْبُلُوغِ» بلوغ کے ساتھ «مُسْتَحَاضَةً» اس حال میں کہ وہ کیا تھی؟ مستحاضہ تھی «فَحَيْضُهَا عَشَرَةُ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَالْبَاقِي اسْتِحَاضَةٌ» تو اس کا حیض کتنا ہے؟ دس دن ہے ہر مہینے میں سے اور باقی استحاضہ ہے۔ بھائی کیا وجہ ہے دس دن کو حیض کیوں قرار دیا اور باقی کو استحاضہ؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّا عَرَفْنَاهُ حَيْضًا فَلَا يُخْرَجُ عَنْهُ بِالشَّكِّ» اس لیے کیونکہ ہم نے اس کو حیض جانا ہے لہٰذا اس کو شک کی وجہ سے نکالا نہیں جائے گا۔

بھائی دیکھیے، اگر ابتدا سے ہی ایک عورت مستحاضہ ہو گئی، عادت ہے ہی نہیں پچھلی کہ عادت کی طرف دیکھا جائے، ابتدا سے ہی خون مسلسل شروع ہو گیا اب رکتا ہی نہیں۔ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس میں کیا کریں گے؟ کیا مسئلہ ہے اس کا؟ دس دن اس کے ہر مہینے میں سے حیض کے اور بیس دن استحاضہ کے شمار کریں گے بھائی۔ بھائی یہ دس دن حیض کے کیوں شمار کریں گے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حیض کی زیادہ سے زیادہ کتنی مدت ہے؟ دس دن ہے، اور کم سے کم مدت کتنی ہے؟ تین دن ہے۔ تو یہ تین دن، یہ تو تین سے لے کر دس دن تک، تین سے لے کر دس دن کے اندر، ان کے اندر شک آگیا کہ یہ حیض کے اندر داخل ہیں یا داخل نہیں۔ یہ تین دن تو یقینی حیض کے، اس تین سے لے کر دس دن تک یہ جو زائد سات دن ہیں یہ ان میں شک ہے کہ یہ حیض میں داخل ہیں یا داخل نہیں، لیکن ہم نے جانا ہے حدیث سے پتہ چلا کہ حیض کی زیادہ سے زیادہ کتنی مدت ہے؟ دس دن ہے۔ تو حدیث سے یقینی طور پر پتہ چل گیا کہ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن تک ہو سکتی ہے اور یہاں پر ان سات دنوں کے حیض ہونے میں شک آیا تو شک کی وجہ سے وہ حیض سے خارج نہیں ہوں گے، کیونکہ حیض دس دن تک یقینی طور پر ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ سات دن جو تین سے لے کر دس تک ہیں یہ بھی حیض میں داخل ہیں یا داخل نہیں، اس میں شک آیا، لیکن شک کی وجہ سے ان کو اب حیض سے نکالیں گے نہیں بھائی۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّا عَرَفْنَاهُ حَيْضًا فَلَا يُخْرَجُ عَنْهُ بِالشَّكِّ» اس لیے کیونکہ اس کو ہم نے کیا جانا ہے؟ حیض جانا ہے دس دنوں کو، تو یہ شک کی وجہ سے خارج نہیں ہوں گے۔ «وَاللَّهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۳: مسئلہ: اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ

ہدایہ صفحہ: ۶۵ — بتاریخ: ۱۸ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: وَالْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهِ سَلَسُ الْبَوْلِ وَالرُّعَافُ الدَّائِمُ وَالْجُرْحُ الَّذِي لَا يَرْقَأُ يَتَوَضَّئُونَ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ، فَيُصَلُّونَ بِذَلِكَ الْوُضُوءِ فِي الْوَقْتِ مَا شَاءُوا مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: تَتَوَضَّأُ الْمُسْتَحَاضَةُ لِكُلِّ مَكْتُوبَةٍ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ». [1]

بھئی حیض سے متعلقہ مسائل مکمل ہوئے۔ اب اس فصل کے اندر معذور کے احکام بیان ہوں گے، معذور کے۔ یعنی وہ افراد جن کے ساتھ کوئی ناقضِ وضو عذر ہر وقت ہو، ان کے لیے ادائے صلاۃ کی کیا صورت ہو گی بھئی، ادائے صلاۃ کی؟

جیسے یہ دو تین انہوں نے ذکر کر دیے: ایک مستحاضہ ہے اور ایک وہ جس کو سلسل البول کی بیماری ہے، اور اسی طرح جس کا کہ دائمی نکسیر ہے یا زخم ہے ایسا جو رکتا نہیں۔

سب سے پہلے تو فرق یاد رکھیے حیض اور استحاضہ کا۔ یاد رکھیے حیض میں جو خون آتا ہے وہ عورت کے رحم سے آتا ہے، جبکہ استحاضہ کے اندر وہ رحم کا خون نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی رگ وغیرہ سے آتا ہے اور یہ مسلسل ہوتا ہے، جبکہ رحم کا خون وہ تو ہر مہینے باقاعدہ عادت کے مطابق خارج ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے جب وہ عادت سے بڑھ جاتا ہے اور اپنے دس دن سے بھی بڑھ جاتا ہے تو پھر ہم اس پر کیا حکم لگاتے ہیں؟ استحاضہ کا کہ معلوم ہوا یہ رحم کا خون نہیں۔ اقل مقدار اس کی حیض کی تین دن مقرر کی گئی تاکہ یقینی طور پر علم ہو جائے کہ یہ خون رحم سے آرہا ہے بھئی، اور زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے؟ دس دن ہے بھئی۔ تو اس سے زائد استحاضہ، دس دن سے، اور تین سے جو کم ہے وہ بھی اسی طرح استحاضہ ہے۔

تو اس فصل میں معذور کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَالْمُسْتَحَاضَةُ**، اور مستحاضہ، **وَمَنْ بِهِ سَلَسُ الْبَوْلِ**، اور وہ شخص جس کو سلسل البول کی بیماری ہو۔ سلسل البول بھئی جس کو پیشاب کے قطرات آتے ہوں بھئی۔ پیشاب کے قطرات اور ہر وقت جاری ہیں، رکتے ہی نہیں ہیں۔ تو یہ جو بیماری ہے پیشاب کے قطرات کی اس کو کہتے ہیں **سَلَسُ الْبَوْلِ**، لام پر فتحہ ہے، **سَلَسُ الْبَوْلِ**، اور جس کو یہ بیماری ہو اس کو کہتے ہیں **سَلِسُ الْبَوْلِ**، لام پر کسرہ آجائے گا، زیر آجائے گی، تو اس کو **سَلِسُ الْبَوْلِ** کہیں گے۔ تو مستحاضہ عورت جو ہے یعنی وہ عورت جسے استحاضہ کی بیماری ہے، **وَمَنْ بِهِ سَلَسُ الْبَوْلِ**، اور وہ شخص جس کو سلسل البول کی بیماری ہے، **وَالرُّعَافُ الدَّائِمُ**، اور وہ شخص جسے دائمی نکسیر ہے بھئی، ہر وقت جس کی ناک سے خون بہتا رہتا ہے رکتا ہی نہیں ہے، **وَالْجُرْحُ الَّذِي لَا يَرْقَأُ**، اور وہ زخم، اور اسی طرح وہ شخص جس کو ایسا زخم ہے **الَّذِي لَا يَرْقَأُ** جو تھمتا ہی نہیں، رکتا ہی نہیں بھئی، ہر وقت کچھ نہ کچھ خون اس سے بہتا رہتا ہے۔

یہ سب جو ہیں **يَتَوَضَّئُونَ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ**، یہ وضو کریں گے ہر نماز کے وقت کے لیے، **فَيُصَلُّونَ بِذَلِكَ الْوُضُوءِ فِي الْوَقْتِ مَا شَاءُوا مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ**، تو پڑھیں گے اس وضو کے ذریعے اس وقت کے اندر جو یہ چاہیں فرائض اور نوافل میں سے۔ جو یہ چاہیں فرائض اور نوافل۔

تو ہمارے نزدیک یہ جس شخص کا عذر ہے وہ اس وضو کے ذریعے وقت کے اندر اندر مثلاً ظہر کے وقت وضو کیا تو ظہر کے وقت میں جتنے بھی فرائض ہیں نوافل ہیں وہ پڑھ سکتا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ ظہر کی نماز پڑھ لی اور نوافل پڑھ سکتا ہے، قضا نمازیں پڑھنا چاہتا ہے وہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور دوسرے وقت کے لیے مثلاً عصر کی نماز کے لیے اس کو پھر نئے سرے سے وضو کرنا پڑے گا۔

[1] شاملہ (ص ۲۸) میں «فَصْلٌ» کے بجائے «الاستحاضة» درج ہے۔

تو اس وقت کے اندر اندر اب دیکھیے یہ عذر پھر بھی موجود ہے، استحاضہ کی بیماری ہے خون مسلسل بہہ رہا ہے یا سلسل البول کی بیماری ہے قطرات مسلسل جاری ہیں یا دائمی نکسیر ہے یا زخم ہے اس سے مسلسل تھوڑا تھوڑا خون بہہ رہا ہے، اور حالانکہ خون بہنے سے کیا ہوتا ہے؟ وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن یہ معذور ہیں بھئی، یہ اس وقت کے اندر اندر اس عذر کے ذریعے ان کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ تو یہ جو حکم آیا کہ اس وقت کے اندر اس وضو سے جو بھی فرائض اور نوافل پڑھ سکتے ہیں اس کا یہ معنی نہیں کہ اس وقت میں ان کا وضو ٹوٹے گا ہی نہیں۔ بلکہ صرف اس عذر کی وجہ سے ان کا وضو نہیں ٹوٹے گا بھئی، اس پر شریعت ٹوٹنے کا، وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگاتی۔ ہاں اور وضو ٹوٹنے والے عذر جو آئے تو ان سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ مثلاً ایک شخص ہے اس کی دائمی نکسیر ہے یا زخم سے تھوڑا تھوڑا خون بہہ رہا ہے تو یہ عذر تو ہے لیکن اس کی وجہ سے شریعت نے رخصت دے دی۔ اب ایک دفعہ وضو کر لیا تو اس وقت کے اندر اندر وہ وضو ان اس عذر کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر وہ اور کوئی عذر پیش آتا ہے، کوئی اور حدث لاحق ہوتا ہے مثلاً وہ پیشاب کرتا ہے تو اس سے پھر وضو ٹوٹ جائے گا پھر کیا کرنا پڑے گا؟ نیا وضو۔ تو اس عذر کی وجہ سے ان کا وضو نہیں ٹوٹے گا بھئی، اس عذر کی وجہ سے۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھیے معذور بھئی، معذور۔ معذور کا حکم تب کسی شخص پر لگائیں گے جب پوری نماز کا وقت گزر جائے اور درمیان میں اس کو اتنا وقت بھی نہیں ملتا جس کے اندر وضو کر کے نماز ادا کر لے، پھر اس کو معذور کہیں گے۔ پھر اس کو معذور۔ پوری نماز کا وقت گزرے اور اس میں اس کو وقت ہی نہیں ملتا وضو کر کے نماز ادا کرنے کا اس عذر کی وجہ سے۔ مثلاً استحاضہ کی بیماری ہے، اب سارا ظہر کا وقت استحاضہ ہے اور اس میں پندرہ منٹ بھی اتنے اتنا وقت بھی نہیں ملتا کہ جس میں یہ عورت کیا یعنی اتنی دیر کے لیے بھی خون نہیں رکتا جس میں کیا کر لے؟ وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ تو جب پورا ایسا وقت گزر جائے گا تو پھر اس کو معذور قرار دے دیں گے۔ ایک شخص کا زخم ہے اور اس سے خون نکل رہا ہے، پورا وقت جب گزر گیا اور اس کے اندر اسے اتنا وقت بھی نہیں ملا جس کے اندر وضو کر کے نماز پڑھ لے تو پھر معذور کا حکم آئے گا بھئی، ویسے نہیں۔

مثلاً دیکھیے ایک شخص ہے اب آپ نے اس پر دیکھیں گے کہ معذور کا حکم لگاتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ظہر کا وقت شروع ہوا تھا کہ اس کا کچھ دیر ہی ہوئی تھی ابھی آغاز ہی ہوا تھا تو اس کا اس کے زخم سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ اور خون مسلسل بہہ رہا ہے تو علماء، فقہاء فرماتے ہیں اس کو ابھی نماز نہیں پڑھنی چاہیے، یہ اپنی نماز کو مؤخر کرتا جائے۔ آخرِ وقت تک ظہر کے انتظار کرتا رہے شاید خون رک جائے تو پھر اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ اور اگر آخرِ وقت آ گیا اب تھوڑا سا ہی وقت رہ گیا ہے اب تو نماز قضا ہونے کا احتمال ہے تو اب آرام وضو کر کے پھر کیا کر لے؟ اسی طرح نماز پڑھ لے لیکن ابھی معذور کا حکم نہیں لگانا۔ کیوں نہیں لگانا؟ کیونکہ ظہر کی نماز کے بعد شروع، ظہر کے وقت کے بعد شروع ہوا ہے۔ اب عصر کا وقت انتظار کریں گے۔ اگر عصر کا وقت بھی سارا اسی طرح گزر گیا کہ جس میں اتنا وقت بھی نہیں ملا جس میں وضو کر کے کیا کر لے؟ نماز پڑھ لے، تو اب اس پر معذور کا حکم آ گیا۔ اب اس عذر کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اس وقت کے اندر اندر بھئی، اس وقت کے اندر۔ لہٰذا اب مغرب کو وضو کرے تو وہ وضو عشاء تک رہے گا، اس عذر کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا اس عذر کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا اور کسی عذر سے ٹوٹ سکتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ معذور کے لیے شریعت میں آسانی آ گئی بھئی کہ اس عذر سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا اور پورے وقت تک یہی حکم ہے، پورے وقت تک۔ یہاں تک کہ وقت نکلے گا تو پھر اس کا وضو ٹوٹے گا بھئی۔

اور جب معذور کا ایک دفعہ حکم جیسے معذور کا حکم آیا مشکل سے، ہر ایک کو معذور نہیں کہیں گے، بلکہ کس کو کہیں گے؟ جس کو پورے وقت میں اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ وضو اور نماز ادا کر سکے، اس کو معذور کہیں گے۔ تو آتا بھی مشکل سے ہے لیکن جب آ جائے پھر فوراً جائے گا بھی نہیں۔ اب یہ معذور، شرعاً معذور ہو گیا یہ آدمی تو اب جب تک کوئی ایسا پورا وقت نہ گزر جائے جس میں یہ عذر ایک دفعہ بھی نہ آئے پھر وہ معذور ہونے سے نکلے گا۔ مثلاً یہ خون جاری ہوا بھئی اگلے دن تک بہہ رہا ہے مسلسل خون بھئی، اور عصر کے بعد کیا حکم لگا دیا گیا تھا؟ معذور ہونے کا حکم لگا دیا۔ پھر مغرب کا وقت آیا، مغرب کے بعد یہ خون رک جاتا ہے، پھر آتا ہے، پھر رک جاتا ہے، پھر آتا ہے۔ لیکن اب رکتا بھی رہے اب معذور کا حکم آ چکا ہے۔ اب اس وقت کے اندر اس عذر کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا بھئی، نہیں ٹوٹے گا۔ پھر عشاء کے بعد بھی اسی طرح رہا، اگلے دن بھی اسی طرح رہا، اگلے دن پھر اب خون کافی دیر تک رک جاتا ہے بھئی، گھنٹہ گھنٹہ رکا رہتا ہے، آتا ہی نہیں بہتا ہی نہیں خون۔ تو لیکن گھنٹے کا اعتبار نہیں۔ اب پورے وقت کو ہم نے دیکھنا ہے کہ پورا ایسا وقت ہے۔ ظہر کا وقت شروع ہوا، خون اس میں ہے ہی نہیں خون بالکل رکا ہوا ہے۔ ظہر کے آخری ادھے گھنٹے میں فرض کریں پھر خون تھوڑا سا نکل آیا۔ بس ابھی بھی یہ معذور ہے، پورا وقت ابھی بھی نہیں نکلا جس میں خون بالکل نہ نکلا ہو۔ عصر کا وقت آیا، عصر سے مغرب کا پورا وقت گزر گیا اس میں خون نہیں آیا بھئی، اب اب یہ معذور کے حکم سے نکل گیا بھئی۔ اب اس عذر سے اس کا وضو ٹوٹے گا بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو معذور کا حکم آئے گا کب؟ جب پورا وقت آئے، پورا وقت گزرے اور اس میں وضو اور نماز کا وقت ہی اسے نہ ملے، اور جائے گا کب جب ایک دفعہ معذور کا حکم آ گیا؟ جب پھر پورا وقت کوئی ایسا گزر جائے جس میں وہ عذر سرے سے پایا ہی نہ جائے پھر ہم کہیں گے اب یہ معذور کے حکم سے کیا ہوا؟ خارج ہوا۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا بھئی؟

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: تَتَوَضَّأُ الْمُسْتَحَاضَةُ لِكُلِّ مَكْتُوبَةٍ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ».

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ جو ہے **لِكُلِّ مَكْتُوبَةٍ** ہر فرض نماز کے لیے وضو کرے گی۔ نوافل اور سنتیں تو فرض کے تابع ہیں، البتہ ہر فرض کے لیے اسے نیا وضو کرنا پڑے گا اور اس وضو سے وہی ایک فرض پڑھ سکتی ہے اور اس کے ساتھ سنتیں اور نفل۔ دوسرا فرض پڑھنا ہے تو نیا وضو کرنا پڑے گا۔ تو ہمارے نزدیک پورے وقت کے اندر جتنے بھی فرائض اور نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتی ہے، وہ فرماتے ہیں نہیں، ایک ہی فرض پڑھ سکتی ہے ایک وضو سے۔ دلیل وہ ذکر کرتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ**

السَّلَامُ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے کہ «**اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ**» کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مستحاضہ وضو کرے گی **لِكُلِّ صَلَاةٍ** ہر نماز کے لیے۔ کس کے لیے؟ ہر نماز کے لیے وضو کرے گی۔ تو یہاں صلاۃ مطلق آیا اور **اَلْمُطْلَقُ إِذَا يُطْلَقُ يُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْكَامِلُ**، فردِ کامل مراد ہوتا ہے اور فردِ کامل کیا ہے؟ سنت ہے نفل ہے یا فرض ہے؟ فرض جو ہے فردِ کامل ہے تو فرض مراد ہیں، معلوم ہوا وہ ہر فرض کے لیے وضو کرے گی۔

دوسری دلیل: **وَلِأَنَّ اعْتِبَارَ طَهَارَتِهَا ضَرُورَةُ أَدَاءِ الْمَكْتُوبَةِ**، اس لیے کیونکہ اس عورت کی طہارت کا کا معتبر ہونا، اس کا اعتبار کرنا **ضَرُورَةُ أَدَاءِ الْمَكْتُوبَةِ**، وہ فرضی نماز کے ادا کی ضرورت ہے، فرضی نماز کی ادا کے لیے اس کی ضرورت۔ بھئی یہاں پر تو ایک منافی صلاۃ چیز پائی جا رہی ہے، وہ خون بہہ رہا ہے یا وہ عذر ہے پیشاب کے قطرات مسلسل جاری ہیں، تو یہ چیز تو طہارت کے منافی ہے اور طہارت نماز کے لیے ضروری ہے، تو اب اس عورت کو نماز کی ادا کی ضرورت ہے کیونکہ اس پر شریعت نے نماز کو فرض کیا ہے۔ اب اس ضرورت کی بنا پر اس عورت کی طہارت کا اعتبار کرنا پڑے گا۔ کس بنا پر؟ بھئی اس عورت کو نماز کی ادائیگی کی ضرورت ہے یا ضرورت نہیں ہے؟ ضرورت تو ہے۔ اور ادھر عذر ہے خون مسلسل جاری ہے یا وہ شخص ہے اس کے پیشاب کے قطرات مسلسل بہہ رہے ہیں، اب وہ عذر رکتا ہی نہیں ہے تو شریعت نے کیا آسانی فرما دی؟ کہ اس کی طہارت کا اعتبار کر لیا گیا بھئی، ورنہ تو طہارت تو دراصل حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو طہارت نہیں، لیکن اس کا اعتبار کیوں کیا گیا؟ اس کی نماز کی، فرضی نماز کی ادائیگی کی ضرورت کی وجہ سے۔ جی، تو جب ایک فرض ادا کر لیا، امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل چل رہے ہیں، کہ اس عورت کی جو طہارت کا یا اس معذور کی جو طہارت کا اعتبار کیا گیا وہ کس بنا وجہ سے کیا گیا؟ کیونکہ اس کو نا فرض نماز کی ادائیگی کی ضرورت ہے۔ تو اس ضرورت کی بنا پر اس کی طہارت کا اعتبار کیا گیا اور جب اس نے فرض نماز ادا کر لی تو ضرورت پوری ہو گئی۔ ضرورت کیا ہوئی؟ اب طہارت کا اعتبار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، لہٰذا اب طہارت بھی نہیں۔ نئے فرض کے لیے کیا کرے؟ نیا وضو کرے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

وَلِأَنَّ اعْتِبَارَ طَهَارَتِهَا ضَرُورَةُ أَدَاءِ الْمَكْتُوبَةِ، اور اس لیے کیونکہ اس کی طہارت کا اعتبار کرنا جو ہے وہ اس فرض نماز کے ادا کی ضرورت کی پر ہے، **فَلَا تَبْقَى بَعْدَ الْفَرَاغِ عَنْهَا**، تو یہ ضرورت باقی نہیں رہے گی اس نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد۔ **وَلَنَا**، اور ہماری دلیل جو ہے **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: «**اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ**»، مستحاضہ وضو کرے گی ہر نماز کے وقت کے لیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر کی تھی اس میں کیا تھا: «**تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ**»، اور ہم نے جو حدیث ذکر کی اس میں آیا «**تَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ**»، تو اس میں وقت کا لفظ آیا۔ معلوم ہوا وقت کے لیے کیا کرے گی وہ؟ ہر فرض نماز کے وقت کے لیے وضو کرے گی اور اس وقت کے اندر وہ وضو رہے گا بھئی، شرعاً معتبر ہے وہ۔

وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْأَوَّلِ، یہاں سے جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر کی تھی۔ انہوں نے تو حدیث ذکر کی تھی «**تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ**»، ہر نماز کے لیے، تو جواب دے رہے ہیں: **وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْأَوَّلِ**، اور یہی مراد ہے اول سے یعنی پہلی حدیث سے بھی۔ ہم نے کیا حدیث ذکر کی؟ مستحاضہ وضو کرے گی ہر نماز کے وقت کے لیے، اور پہلی حدیث سے بھی یہی مراد ہے، **لِكُلِّ صَلَاةٍ أَيْ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ**، کہ کس کے لیے وضو کرے گی؟ ہر نماز کے وقت کے لیے، تو پہلی حدیث سے بھی یہی مراد ہے جو ہم نے حدیث جو ہماری حدیث میں ہے۔ بھئی کیوں؟ اس سے یہ وہاں پر وقت آپ کیسے مراد لیتے ہیں؟ وہاں تو وقت کا ذکر نہیں ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ اللَّامَ تُسْتَعَارُ لِلْوَقْتِ**، اس لیے کیونکہ لام کو مستعار لیا جاتا ہے وقت کے لیے۔ یعنی لام کو مجازاً وقت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے کلامِ عرب کے اندر بھئی، تو وہاں پر بھی آیا **لِكُلِّ صَلَاةٍ**، تو وہ لام کس لیے ہے؟ وقت کے معنی میں ہے تو لہٰذا وہاں وقت کا معنی آئے گا۔ کہتے ہیں: **لِأَنَّ اللَّامَ تُسْتَعَارُ لِلْوَقْتِ**، اس لیے کیونکہ لام جو ہے اس کو عاریتاً لیا جاتا ہے، عاریتاً استعمال کیا جاتا ہے **لِلْوَقْتِ**، وقت کے لیے، **يُقَالُ**، چنانچہ عربی زبان میں کہتے ہیں: **آتِيكَ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ أَيْ وَقْتَهَا**، کہ میں تمہارے پاس ظہر کی نماز کے وقت آؤں گا۔ تو کہتے کیا ہیں: **آتِيكَ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ**، لام کے ساتھ کہتے ہیں اور یہ لام کس معنی میں ہوتا ہے؟ وقت کے معنی میں ہوتا ہے۔ یہ تو پہلی دلیل بھئی۔

وَلِأَنَّ الْوَقْتَ أُقِيمَ مَقَامَ الْأَدَاءِ تَيْسِيرًا فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَيْهِ، یہ دوسری دلیل اب ذکر کر رہے ہیں۔ **وَلِأَنَّ الْوَقْتَ أُقِيمَ مَقَامَ الْأَدَاءِ**، اور اس لیے کیونکہ وقت جو ہے اس کو ادا کے قائم مقام کر دیا گیا **تَيْسِيرًا** آسانی کے لیے۔ آسانی کے لیے وقت ہی کو ادا کے قائم مقام کر دیا گیا **فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَيْهِ**، تو حکم کا مدار بھی اسی پر ہو گا۔ معذور کے لیے کیا کر دیا گیا؟ مستحاضہ کے لیے کیا کر دیا گیا؟ وقت کو، آسانی کے لیے وقت ہی کو کس کے قائم مقام کر دیا گیا؟ ادا کے قائم مقام کر دیا گیا، تو یہاں اب وہ وقت سے حکم متعلق ہو جائے گا تو حکم کا مدار وقت پر ہو گا۔ جب تک وہ وقت ہے وہ وضو ہے، جب وہ وقت نکلے گا تو طہارت بھی کیا ہو جائے گی؟ ختم ہو جائے گی بھئی، طہارت ختم ہو جائے گی۔ تو آسانی کے لیے وقت کو ادا کے قائم مقام کر دیا گیا بھئی، کیونکہ ہو سکتا ہے مستحاضہ کو اور نمازوں کے پڑھنے کی بھی ضرورت ہو، قضا نمازیں وغیرہ بھی پڑھنی ہوں تو وہ مشکل میں پڑ جائے گی، ہر نماز کے لیے کیا کرے؟ علیحدہ وضو کرے تو مشکل میں پڑ جائے گی اور حرج اور تنگی کو تو شریعت نے دور کیا گیا ہے تو شریعت نے یہاں پر وقت ہی کو کیا کر دیا؟ ادا کے قائم مقام کر دیا گیا، تو اب صرف وقت کو دیکھا جائے گا بھئی۔

وَإِذَا خَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ وُضُوءُهُمْ، اور جب وقت نکل جائے گا تو ان کا وضو باطل ہو جائے گا ان سب کا جو ذکر ہوئے، **وَاسْتَأْنَفُوا الْوُضُوءَ لِصَلَاةٍ أُخْرَى**، اور یہ نئے سرے سے کریں گے وضو دوسری نماز کے لیے، **وَهَذَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا الثَّلَاثَةِ**، یہ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک ہے بھئی یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ، **وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَسْتَأْنِفُونَ إِذَا دَخَلَ الْوَقْتُ**، اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں نئے

سرے سے کریں گے **إِذَا دَخَلَ الْوَقْتُ** جب وقت داخل ہو جائے۔ تفصیلِ مذاہب یاد رکھیے آگے صاحب ہدایہ بھی ذکر کریں گے بھئی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان معذوروں، معذورین کی طہارت ختم ہو گی صرف خروجِ وقت سے۔ جب کسی فرضی نماز کا وقت نکل جائے گا، ختم ہو جائے گا تو تب ان کی طہارت ختم ہو جائے گی، آگے کے لیے نیا وضو کرنا پڑے گا۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی طہارت ختم ہو گی دخولِ وقت سے۔ جب کسی فرضی نماز کا وقت شروع ہو گا تو پچھلی طہارت ان کی پچھلا وضو ان کا ختم ہو جائے گا۔

تو طرفین کے نزدیک طہارت کب ختم ہو گی؟ وضو کب ختم ہو گا؟ خروجِ وقت کے وقت، جب فرضی نماز کا وقت نکل جائے، ختم ہو جائے، اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک طہارت کب ختم ہو گی ان کی؟ دخولِ وقت سے، جب کسی فرضی نماز کا وقت شروع ہو جائے گا۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی طہارت باطل ہو گی دخولِ وقت سے بھی اور خروجِ وقت سے بھی۔ کسی نئی نماز کا وقت فرضی نماز کا وقت شروع ہو تو اس سے بھی ان کے طہارت ختم، وضو ختم ہو جائے گا اور کسی فرضی نماز کا وقت نکلے گا تب بھی ان کی ان کا وضو کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا۔ تو طرفین کے نزدیک اعتبار صرف کس کا ہے؟ خروجِ وقت کا۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک اعتبار صرف کس کا ہے؟ دخولِ وقت کا۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں کا اعتبار ہے، دخولِ وقت سے بھی وضو ٹوٹے گا اور خروجِ وقت سے بھی وضو ٹوٹے گا۔ لہٰذا ایک شخص معذور ہے اس نے فجر کے وقت وضو کر لیا تو جب سورج طلوع ہوا فجر کی نماز کا وقت ختم ہو گیا، تو جن کے نزدیک خروجِ وقت طہارت جس سے باطل ہو جاتی تھی خروجِ وقت سے ان کے نزدیک اس کا وضو کیا ہوا؟ ختم ہو گیا، اور وہ کون کون ہیں؟ طرفین بھی اور امام ابو یوسف بھی، یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھئی، تینوں کے نزدیک وضو ختم ہوا۔ اب کچھ فرض وغیرہ پڑھنے ہیں تو اس کے لیے نیا وضو کرنا پڑے گا، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اب کچھ فرض اور نوافل پڑھنے ہیں تو کسی نئے وضو کی ضرورت نہیں، ابھی وضو باقی ہے بھئی، ابھی وضو باقی ہے جب تک کوئی دوسرا عذر نہ پیش آ جائے۔

جی دوسری مثال دیکھیے: ایک شخص مثلاً دس گیارہ بجے دن کے وضو کرتا ہے اور یہ کسی فرضی نماز کا وقت نہیں ہے بھئی، آگے ظہر کا وقت شروع ہونا ہے لیکن یہ جو طلوعِ آفتاب سے لے کر ظہر تک کا وقت ہے اس میں کوئی نماز فرض نہیں ہے، تو اب اس نے شخص نے وضو کر لیا اور آگے ظہر کی نماز کا وقت شروع ہوا۔ تو جن کے نزدیک دخولِ وقت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا اور یہ شخص جس نے دس گیارہ بجے وضو کیا تھا اسی وضو سے اب ظہر کی نماز نہیں پڑھ سکتا بھئی، کیونکہ جیسے ظہر کا وقت داخل ہوا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا اور وہ کس کس کے نزدیک ٹوٹے گا؟ امام زفر اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھئی، تو ظہر کی نماز کے لیے اس کو نیا وضو کرنا پڑے گا۔ جبکہ امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس وقت صرف دخولِ وقت پایا گیا ہے خروجِ وقت نہیں پایا گیا، لہٰذا اسی وضو کے ساتھ وہ کیا کر سکتا ہے؟ ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہے۔ جی تینوں کے مذاہب کا اچھی طرح پتہ چل گیا سب کا بھئی؟

یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَإِذَا خَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ وُضُوءُهُمْ**، اور جب وقت نکل جائے تو ان کا وضو باطل ہوا، **وَاسْتَأْنَفُوا الْوُضُوءَ لِصَلَاةٍ أُخْرَى**، اور یہ نئے سرے سے کریں گے وضو دوسری نماز کے لیے، **وَهَذَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا الثَّلَاثَةِ**، اور یہ ہمارے تین فقہاء کے نزدیک یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے، **وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَسْتَأْنِفُونَ إِذَا دَخَلَ الْوَقْتُ**، کہ نئے سرے سے کریں گے وضو **إِذَا دَخَلَ الْوَقْتُ** جب وقت داخل ہو جائے۔ **فَإِنْ تَوَضَّئُوا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ أَجْزَأَهُمْ حَتَّى يَذْهَبَ وَقْتُ الظُّهْرِ**، پس اگر انہوں نے وضو کیا بھئی جس وقت کہ سورج طلوع ہو گیا، سورج طلوع ہو گیا، سورج، **فَأَجْزَأَهُمْ**، تو یہ وضو ان کے لیے کافی ہے ان سب کے لیے، **حَتَّى يَذْهَبَ وَقْتُ الظُّهْرِ**، یہاں تک کہ ظہر کا وقت چلا جائے، ظہر کا وقت چلا جائے، نکل جائے بھئی۔

کیوں؟ کیونکہ آگے سورج طلوع ہونے کے بعد وضو کیا ہے، آگے ظہر کا وقت شروع ہو گا تو دخولِ وقت پایا گیا بھئی، دخولِ وقت پایا گیا اور دخولِ وقت میں کس کے نزدیک وضو ٹوٹتا ہے؟ امام زفر اور امام ابو یوسف، ان کے نزدیک اس سے ظہر نہیں پڑھ سکتا لیکن طرفین کیا فرماتے ہیں؟ پڑھ سکتا ہے۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں: **وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى**، اور یہ کس کے نزدیک ہے؟ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک کہ اس سے وہ ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہے، ظہر کی نماز کے ختم ہونے تک اس کا وضو رہے گا۔ **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَزُفَرُ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: أَجْزَأَهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ وَقْتُ الظُّهْرِ**، اور امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وضو اس کے لیے کافی ہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت داخل ہو۔ ان کے نزدیک ظہر کا وقت داخل ہوتے ہی وضو کیا ہوا ان کا؟ ختم ہوا۔

وَحَاصِلُهُ، اور حاصلِ کلام یہ ہے **أَنَّ طَهَارَةَ الْمَعْذُورِ تَنْتَقِضُ بِخُرُوجِ الْوَقْتِ بِالْحَدَثِ السَّابِقِ**، اور یہ بھی یاد رکھیے یہاں اصل سبب وضو ٹوٹنے کا سبب یہ دخولِ وقت یا خروجِ وقت نہیں ہے۔ دخولِ وقت کہیں آپ نے نواقضِ وضو میں پڑھا ہے بھئی؟ نہیں، وضو تو ٹوٹتا ہے کوئی منافی وضو چیز پائی جائے تب وضو ٹوٹتا ہے۔ تو دراصل یہاں ناقضِ وضو دخولِ وقت یا خروجِ وقت نہیں ہے بلکہ وہ سابقہ حدث ہے۔ وہ سابقہ وہ جو عذر مسلسل اس کے ساتھ لاحق ہے وضو اس کی وجہ سے ٹوٹے گا لیکن اس کا اثر کب ظاہر ہو گا؟ دخولِ وقت کے وقت یا خروجِ وقت پر ظاہر ہو گا۔ جنہوں نے اعتبار کیا دخولِ وقت کا ان کے نزدیک معلوم ہوا یہ جو پچھلا حدث ظاہر نہیں ہو گا جب تک دخولِ وقت نہ پایا جائے، اور جنہوں نے خروجِ وقت کا اعتبار کیا وہ فرماتے ہیں کہ وہ حدث پچھلا ظاہر نہیں ہو گا جب تک خروجِ وقت نہ پایا جائے۔ اور جب یہ پایا جائے گا تو وہی پچھلا حدث ظاہر ہو گیا، اس کا اثر ظاہر ہوا اور وہ تو کیا تھا؟ منافی وضو تھا لہٰذا اس کا اثر جب ظاہر ہوا تو وضو بھی ختم ہوا بھئی۔

تو کہتے ہیں حاصلِ کلام یہ کہ **أَنَّ طَهَارَةَ الْمَعْذُورِ تَنْتَقِضُ بِخُرُوجِ الْوَقْتِ**، کہ معذور کی طہارت جو ہے یعنی اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے **بِخُرُوجِ**

الْوَقْتِ وقت کے نکلنے سے، **بِالْحَدَثِ السَّابِقِ**، اسی سابقہ حدث کی وجہ سے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى** طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک، **وَبِدُخُولِ الْوَقْتِ عِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور دخولِ وقت سے امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک، **وَبِأَيِّهِمَا كَانَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور ان دونوں میں سے جس کے ساتھ بھی ہو، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔ یعنی ان کے نزدیک دونوں سے، دخولِ وقت سے بھی اور خروجِ وقت سے بھی۔ **وَفَائِدَةُ الِاخْتِلَافِ** لَا **تَظْهَرُ إِلَّا فِيمَنْ تَوَضَّأَ قَبْلَ الزَّوَالِ كَمَا ذَكَرْنَا**، اور اختلاف کا فائدہ ظاہر نہیں ہوتا **إِلَّا فِيمَنْ** مگر اس شخص کے اندر **تَوَضَّأَ قَبْلَ الزَّوَالِ** جس نے وضو کیا زوال سے پہلے، زوال سے پہلے، یعنی دس گیارہ بجے دن کو وضو کر لیا، **كَمَا ذَكَرْنَا** جیسے ہم نے ذکر کر دیا اوپر متن میں کہ طلوعِ شمس کے بعد وضو کیا، **أَوْ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ**، یا جو شخص وضو کب کرتا ہے؟ سورج طلوع ہونے سے پہلے۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے، تو سورج جب طلوع ہو گا تو جن کے نزدیک خروجِ وقت ناقض ہے ان کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا، اور جن کے نزدیک دخولِ وقت ناقض ہے ان کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا۔

لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ، اب دلائل ذکر کر رہے ہیں۔ **لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، امام زفر رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے **أَنَّ اعْتِبَارَ الطَّهَارَةِ مَعَ الْمُنَافِي لِلْحَاجَةِ إِلَى الْأَدَاءِ**، کہ جو طہارت کا اعتبار کیا گیا باوجود ایک منافی چیز کے ہونے کے، منافی چیز کیا ہے؟ وہ عذر جو ہے وہ خون جو بہہ رہا ہے یا جو پیشاب کے قطرات بہہ رہے ہیں، تو یہ ایک منافی چیز کے ہونے کے باوجود جو طہارت کا اعتبار کیا گیا یہ **لِلْحَاجَةِ إِلَى الْأَدَاءِ** نماز کی ادائیگی کی حاجت کی وجہ سے ہے، **وَلَا حَاجَةَ قَبْلَ الْوَقْتِ**، اور حاجت وقت سے پہلے نہیں ہے۔ ان معذورین کے ساتھ ایک عذر قائم ہے اور عذر ایسا ہے جو منافی طہارت ہے اور اس عذر کے ہوتے ہوئے تو طہارت نہیں رہتی لیکن شریعت نے کیا کیا؟ ان کی طہارت کا اعتبار۔ کیوں اعتبار کیا ان کی طہارت کا؟ کیونکہ ان کو حاجت ہے، کس چیز کی حاجت ہے؟ ادائے صلاۃ کی، کس کی؟ معلوم ہوا ان کی طہارت کا اعتبار کیا گیا ان کی اس ادائے صلاۃ کی حاجت کی وجہ سے، اور ادائے صلاۃ کی حاجت وقت سے پہلے نہیں ہوتی وقت کے بعد ہوتی ہے جب وقت شروع ہو جائے بھئی۔ ظہر کی نماز کی ادائیگی کی حاجت کب ہو گی؟ ضرورت کب ہو گی؟ جب ظہر کا وقت شروع ہو جائے۔ لہٰذا اس وقت جب وقت شروع ہو جائے پھر یہ طہارت کریں گے تو اب یہ طہارت معتبر ہو گی شرعاً، اس سے پہلے تو حاجت ہی نہیں تھی، حاجت ہی نہیں تھی۔

اچھا اب عصر کا وقت آ رہا ہے، عصر کا وقت آ رہا ہے، جب عصر کا وقت داخل ہو گا اب طہارت کی حاجت پیش آئے گی، اس سے پہلے طہارت کی حاجت تھی؟ جی؟ اس سے پہلے تو عصر کی نماز کے لیے طہارت کی حاجت نہیں ہے، لہٰذا وہ پچھلی طہارت کا اعتبار اب نہیں کیا جائے گا۔ اب کس چیز کی ضرورت ہے؟ اب کیا ہے؟ دلیل سمجھ بھی آ رہی ہے نہیں کہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں دیکھیے ان معذورین کی طہارت کا اعتبار کیا شریعت نے کیونکہ ان کو نماز ادا کرنے کی ضرورت ہے اور حاجت ہے، تو اس حاجت کی بنا پر ان کی طہارت کا اعتبار کیا گیا۔ اور یہ حاجت ان کو کب پیش آئے گی؟ جب وقت داخل ہو جائے۔ تو وقت داخل ہونے کے بعد طہارت کریں گے تو یہ طہارت معتبر ہے، اس سے نماز ادا کر سکتا ہے، اور اگر وقت داخل ہونے سے پہلے وضو کر لیا، بھئی ابھی تو حاجت ہی نہیں ہے، لہٰذا وقت داخل ہونے کے بعد کیا ہو گی؟ اس طہارت کا اعتبار نہیں ہو گا، یہ نئے سرے سے وضو کرنا پڑے گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟

یہ معنی ہے **لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ** امام زفر رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے **أَنَّ اعْتِبَارَ الطَّهَارَةِ مَعَ الْمُنَافِي لِلْحَاجَةِ إِلَى الْأَدَاءِ وَلَا حَاجَةَ قَبْلَ الْوَقْتِ فَلَا تُعْتَبَرُ**، کہ طہارت کا اعتبار جو ہے باوجود ایک منافی چیز کے ہوتے ہوئے **لِلْحَاجَةِ إِلَى الْأَدَاءِ** ادا کی حاجت کی وجہ سے ہے، **وَلَا حَاجَةَ قَبْلَ الْوَقْتِ** اور وقت سے پہلے تو کوئی حاجت نہیں ہے، **فَلَا تُعْتَبَرُ** لہٰذا اس وقت سے دخولِ وقت سے پہلے طہارت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ **وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے **أَنَّ الْحَاجَةَ مَقْصُورَةٌ عَلَى الْوَقْتِ**، کہ یہ حاجت بندھے وقت پر۔ حاجت پیش آئی، بھئی شریعت نے کیا کیا؟ حاجت کی بنا پر ان معذورین کی طہارت کا اعتبار کیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ضرورت طہارت کی کب ہے اس کو؟ وقت کے اندر اندر ہے۔ ظہر کی نماز پڑھنی ہے تو ظہر کے وقت کے اندر پڑھنی ہے تو اس وقت اس کو ضرورت ہے۔ تو لہٰذا نہ اس سے پہلے ضرورت نہ اس کے بعد ضرورت ہے، لہٰذا اس سے پہلے طہارت کی اس کا بھی اعتبار نہیں، دخولِ وقت سے ٹوٹ جائے گی۔ اس کے بعد، اس کے بعد بھی اس طہارت کی ضرورت نہیں، لہٰذا خروجِ وقت سے بھی کیا ہو گی؟ طہارت ٹوٹ جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟

وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْحَاجَةَ مَقْصُورَةٌ عَلَى الْوَقْتِ، کہ یہ حاجت بندھے، مقصورۃٌ، بندھے، بندھے **عَلَى الْوَقْتِ** وقت پر بھئی، یعنی اسی وقت ضرورت ہے اس سے آگے پیچھے نہیں۔ **فَلَا يُعْتَبَرُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ**، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہے نہ اس وقت سے پہلے نہ اس وقت کے بعد۔ **وَلَهُمَا**، اور طرفین کی دلیل یہ ہے **أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِ الطَّهَارَةِ عَلَى** طرفین کی کیا دلیل تھی؟ ان کا کیا مذہب تھا؟ کہ طہارت کب باطل ہو گی؟ خروجِ وقت سے باطل ہو گی، دخولِ وقت سے باطل نہیں ہو گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ وقت سے پہلے اگر طہارت ہے تو اس طہارت کا اعتبار ہونا چاہیے۔ ظہر کے وقت سے پہلے ہی طہارت ہے اس کا اعتبار ہونا چاہیے، اس کی اس کو ضرورت ہے۔ بھئی کیا ضرورت ہے؟ کہتے ہیں جیسے ہی تاکہ وقت شروع ہو یہ ادا پر قادر ہو سکے۔ جیسے ہی وقت شروع ہو یہ کس پر قادر ہو سکے؟ ادا پر۔ اگر اس سے پہلے والی طہارت کا اعتبار آپ نہیں کرتے اور دخولِ وقت سے کیا کہیں ہم؟ طہارت ختم ہو گئی، اب وقت شروع ہو گیا اور یہ ادا پر قادر نہیں، تو وقت شروع ہوتے ہی یہ ادا پر قادر ہو سکے، ادا پر قادر ہو سکے، لہٰذا پہلے اگر مقدم بھی کر لے طہارت اس کا اعتبار کیا جائے گا بھئی۔

کیوں کیا جائے گا اس کا؟ ظہر بھائی دیکھیے، ظہر کا وقت شروع ہونے لگا ہے اور وہ ظہر سے پہلے ہی کیا کر لیتا ہے؟ وضو، تو طرفین فرماتے ہیں یہ طہارت معتبر ہے، یعنی ظہر کا وقت شروع ہو گا دخولِ وقت سے وضو نہیں ٹوٹے گا بھئی۔ کیوں نہیں ٹوٹے گا بھائی؟ وہ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کو ضرورت ہے اس طہارت کی۔ بھئی اس وقت

کیا ضرورت ہے ابھی تو وقت نہیں شروع ہوا؟ کہتے ہیں یہ ضرورت یہ ہے تاکہ جیسے ہی وقت شروع ہو فوراً یہ کس پر قادر ہو سکے؟ ادا پر، اور یہ تبھی ہو سکتا ہے جب پہلے جو ہے طہارت اس کے اس کا اعتبار کیا جائے بھئی۔ لہٰذا معلوم ہوا دخولِ وقت سے طہارت باطل نہیں ہو گی۔ ہاں خروجِ وقت جب وقت گزر گیا اب اس کی حاجت نہ رہی لہٰذا اب وہ طہارت ختم ہو جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟ دیکھیے صاحبِ ہدایہ اور واضح لفظوں میں بیان کریں گے۔

وَلَهُمَا، طرفین کی دلیل یہ ہے **أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِ الطَّهَارَةِ عَلَى الْوَقْتِ،** کہ ضروری ہے طہارت کو مقدم کرنا وقت پر، **لِيَتَمَكَّنَ مِنَ الْأَدَاءِ،** تاکہ یہ شخص جو ہے قادر ہو جائے ادا پر، **كَمَا دَخَلَ الْوَقْتُ،** جیسے ہی وقت داخل ہو۔ تاکہ یہ شخص کیا ہو؟ طہارت کا وقت پر مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ یہ شخص ادا پر قادر ہو **كَمَا دَخَلَ الْوَقْتُ** جیسے ہی وقت داخل ہو۔ **وَخُرُوجُ الْوَقْتِ دَلِيلُ زَوَالِ الْحَاجَةِ،** اور وقت کا نکلنا یہ دلیل ہے حاجت کے زائل ہو جانے، ختم ہو جانے کی کہ اب حاجت نہ رہی، **فَظَهَرَ اعْتِبَارُ الْحَدَثِ عِنْدَهُ،** تو ظاہر ہو گا حدث کا اعتبار اس وقت بھئی۔ یعنی اب حدث، اب حدث کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس سے پہلے حدث تھا تو لیکن شریعت کے نزدیک وہ معتبر نہیں، ہاں جب وقت گزر گیا اب حاجت نہ رہی لہٰذا اب حدث کا اعتبار کیا جائے گا اور طہارت ختم ہو جائے گی۔

وَالْمُرَادُ بِالْوَقْتِ وَقْتُ الْمَفْرُوضَةِ، اور وقت سے مراد وقت المفروضۃ فرضی نماز کا وقت ہے، فرض کی ہوئی نماز کا وقت ہے، **حَتَّى لَوْ تَوَضَّأَ الْمَعْذُورُ لِصَلَاةِ الْعِيدِ،** یہاں تک کہ اگر وضو کیا معذور نے عید کی نماز کے لیے، **لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الظُّهْرَ بِهِ عِنْدَهُمَا،** تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ظہر کی نماز بھی پڑھ لے اسی وضو سے **عِنْدَهُمَا** کس کے نزدیک؟ طرفین کے نزدیک۔ کیونکہ وضو کب کیا ہے؟ عید کی نماز کے لیے، معلوم ہوا طلوعِ آفتاب کے بعد کیا ہے، اور آگے ظہر کے وقت جب شروع ہو گا تو کوئی خروجِ وقت پایا گیا؟ نہیں، اس سے پچھلا وقت تو کسی اس میں تو کوئی نماز فرض نہیں۔ تو لہٰذا ظہر کی نماز بھی اس سے ادا کر سکتا ہے۔

لَهُ، اس کے لیے جائز ہے **أَنْ يُصَلِّيَ الظُّهْرَ بِهِ عِنْدَهُمَا،** کہ پڑھ لے ظہر کی نماز بھی اسی سے طرفین کے نزدیک، **وَهُوَ الصَّحِيحُ،** اور یہی قول صحیح ہے، **لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ صَلَاةِ الضُّحَى،** اس لیے کیونکہ عید کی نماز جو ہے وہ چاشت کی نماز کے درجے میں ہے، عید کی نماز کس کے درجے میں ہے؟ چاشت کی نماز جو صبح سورج تھوڑا سا جب بلند ہو جائے اور ادا کی جاتی ہے، اور یہ تو عید کی نماز بھی اسی کی طرح ہے۔ یعنی جیسے وہ فرض نہیں اسی طرح عید کی نماز بھی فرض نہیں۔ عید کی نماز واجب ہے واجب، فرض نہیں۔ تو جیسے چاشت، تو مشابہت کس چیز میں آئی؟ فرض نہ ہونے میں، یہ کس کی طرح ہے؟ کس کے درجے میں ہے؟ چاشت، کس چیز میں؟ فرض نہ ہونے میں، جیسے وہ فرض نہیں یہ عید کی نماز بھی فرض نہیں۔

وَلَوْ تَوَضَّأَ مَرَّةً لِلظُّهْرِ فِي وَقْتِهِ وَأُخْرَى فِيهِ لِلْعَصْرِ، بھئی صورت یہ ہے اب آپ مجھے مسئلہ بتائیے: ایک آدمی نے ظہر کے وہ معذور ہے، اور اس نے ظہر کی نماز کے لیے وضو کیا اور اس سے اس نے ظہر کی نماز ادا کر لی۔ پھر عصر کا وقت قریب آیا ابھی شروع نہیں ہوا، اس نے عصر کی نماز کے لیے بھی وضو کر لیا۔ اب عصر کا وقت شروع ہوا تو آپ مجھے بتائیے اس وضو سے یہ عصر کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ جو اس نے کیا ہی عصر کی نماز کی نیت سے ہے بھئی؟ جی؟ ہاں یہ اس سے وضو سے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکتا بھئی۔ کیوں نہیں پڑھ سکتا؟ کیونکہ طرفین جو ہیں طرفین، ان کے نزدیک خروجِ وقت سے وضو ٹوٹ جائے گا، اور اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی، ان سب کے نزدیک خروجِ وقت سے وضو ٹوٹ جائے گا، اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کا وقت داخل ہونے سے وضو ٹوٹ جائے گا، لہٰذا اس طہارت سے عصر کی نماز وہ نہیں پڑھ سکتا۔

یہ معنی ہے: **وَلَوْ تَوَضَّأَ مَرَّةً لِلظُّهْرِ فِي وَقْتِهِ وَأُخْرَى فِيهِ لِلْعَصْرِ،** اور اگر وضو کیا ایک مرتبہ ظہر کی نماز کے لیے **فِي وَقْتِهِ** اسی ظہر کے وقت میں، **وَأُخْرَى** اَيْ **مَرَّةً أُخْرَى** اور دوسری مرتبہ وضو کیا **فِيهِ** اسی وقت میں یعنی ظہر میں، **لِلْعَصْرِ** کس کے لیے؟ عصر کے لیے، **فَعِنْدَهُمَا لَيْسَ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْعَصْرَ بِهِ،** تو طرفین کے نزدیک اس شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ عصر کی نماز پڑھے **بِهِ** اس وضو سے، **لِانْتِقَاضِهِ بِخُرُوجِ وَقْتِ الْمَفْرُوضَةِ،** بوجہ ٹوٹ جانے اس وضو کے **بِخُرُوجِ وَقْتِ الْمَفْرُوضَةِ** فرضی نماز کے وقت کے نکلنے کی وجہ سے کہ فرضی نماز کا وقت نکلا ہے۔ بھئی ابھی میں نے ذکر کیا ٹوٹ تو سب کے نزدیک جائے گا، یہ وضو تو سب کے نزدیک ٹوٹے گا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی اور امام زفر رحمہ اللہ کے، لیکن بالخصوص طرفین کو ذکر کیا یہاں پر۔ کس کو ذکر کیا؟ بالخصوص طرفین کو ذکر کیا، کیونکہ شبہ ان کے قول پر آتا تھا، ان کے نزدیک طہارت کو وقت پر مقدم کرنا بھی جائز تھا، تو یہاں پر بھی یہ شبہ پڑتا تھا کہ شاید اس نے عصر کے لیے پہلے سے وضو کر لیا ہے تو وقت پر کیا کیا؟ طہارت کو مقدم کر لیا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک عصر کی نماز جائز ہونی چاہیے، لیکن بتلایا ان کے نزدیک بھی عصر کی نماز اس وضو کے ساتھ جائز نہیں، کیونکہ دخولِ وقت سے تو وضو نہیں ٹوٹا بے شک، لیکن خروجِ وقت سے وضو ٹوٹ گیا ان کے نزدیک بھی۔

وَالْمُسْتَحَاضَةُ هِيَ الَّتِي لَا يَمْضِي عَلَيْهَا وَقْتُ صَلَاةٍ إِلَّا وَالْحَدَثُ الَّذِي ابْتُلِيَتْ بِهِ يُوجَدُ فِيهِ، اور مستحاضہ وہ عورت ہے کہ نہیں گزرتا اس پر نماز کا وقت مگر یہ کہ وہ حدث جس میں وہ مبتلا کی گئی ہے **يُوجَدُ فِيهِ** اس وقت میں وہ حدث پایا جاتا ہے، یعنی وہ استحاضہ۔ **وَكَذَا كُلُّ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَاهَا، وَهُوَ مَنْ ذَكَرْنَاهُ، وَمَنْ بِهِ اسْتِطْلَاقُ بَطْنٍ وَانْفِلَاتُ رِيحٍ،** اور اسی طرح تو یہ تو مستحاضہ کی بات ہوئی بھئی، اور شروع میں جیسے معذوروں کا حکم ذکر کر دیا تھا بھئی، تو مستحاضہ تو وہ ہے جس کو پوری نماز کے اندر نماز کے وقت میں کوئی وقت ملتا ہی نہیں جس میں وہ حدث نہ پایا جائے۔ **وَكَذَا كُلُّ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَاهَا،** اور اسی طرح ہر وہ شخص جو اس مستحاضہ کے معنی میں ہے، جو اس کی طرح ہے۔ بھئی وہ کون کون ہے؟ بتلا رہے ہیں: **وَهُوَ مَنْ ذَكَرْنَاهُ،** اور یہ وہ ہیں جن کو ہم نے ذکر کر دیا۔ جو کہاں پر آئے تھے بھئی؟ متن کے اندر آئے تھے بھئی پچھلے فضل جہاں شروع ہوئی تھی: مستحاضہ، سلسل البول والے، رعاف دائم والے اور وہ زخم جو

تھمتا نہیں، وہ، **وَمَنْ بِهِ اسْتِطْلَاقُ بَطْنٍ**، اور اسی طرح وہ شخص جس کو پیٹ چلنے کی بیماری ہے یعنی دست وغیرہ لگے ہیں اور شدید بیماری ہے کہ وہ اس میں پیٹ رکتا ہی نہیں، **وَانْفِلَاتُ رِيحٍ**، اور اسی طرح وہ شخص جس کو خروجِ ریح کا مرض ہو، یعنی ہر وقت ریح خارج ہوتی رہتی ہے۔

اچھا **وَكَذَا** اور یہی حکم ہے **كُلُّ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَاهَا** ہر اس شخص کا جو اس مستحاضہ کے معنی میں ہے، **وَهُوَ مَنْ ذَكَرْنَاهُ** اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے ذکر کر دیا پیچھے جہاں فصل شروع ہوئی تھی ان کا ذکر آیا تھا جو معذورین ہیں، یہ جو ہم نے ذکر کر دیے، اسی طرح **وَمَنْ بِهِ اسْتِطْلَاقُ بَطْنٍ** اور اسی طرح وہ شخص جس کو پیٹ چلنے کی بیماری ہے یعنی دست وغیرہ لگے ہیں اب وہ پیٹ رکتا ہی نہیں، شدید بیماری میں مبتلا ہے، **وَانْفِلَاتُ رِيحٍ** اور اسی طرح جس کو خروجِ ریح کا مرض ہو اور ایسا شدید مرض ہے کہ پوری نماز کے وقت کے اندر اس کو تھوڑا سا بھی وقت نہیں ملتا جس میں کیا کر لے؟ وضو کر کے نماز پڑھ لے، تو یہ سب بھی ان سب کا بھی یہی حکم ہے۔ **لِأَنَّ الضَّرُورَةَ بِهَذَا يَتَحَقَّقُ**، اس لیے کیونکہ ضرورت جو ہے ان چیزوں سے ثابت ہو جاتی ہے۔ ان کے لیے بھی طہارت کا اعتبار کرنے کی، اور یہ سب چیزیں جو ہم نے ذکر کر دیں ان کے ساتھ ضرورت ثابت ہو جاتی ہے کہ ان کو ضرورت ہے، **وَهِيَ تَعُمُّ الْكُلَّ**، اور ضرورت جو ہے وہ تو عام ہے ان سب کو یعنی ان سب کو شامل ہے۔

بھئی دوبارہ دیکھیے: **لِأَنَّ الضَّرُورَةَ بِهَذَا يَتَحَقَّقُ**، اس لیے کیونکہ ضرورت جو ہے ان عذروں کی وجہ سے ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ جو ہم نے ذکر کر دیے جو عذر، وہ جو پیچھے متن میں آئے تھے، اسی طرح استطلاقِ بطن کا مرض ہے جسے انفلاتِ ریح کا مرض ہے، تو ان عذروں سے ضرورت ثابت ہو جاتی ہے **وَهِيَ تَعُمُّ الْكُلَّ** اور یہ ضرورت سب کو عام ہے یعنی سب کو شامل ہے۔ تو ان یہ جو ہم نے عذر ذکر کیے ان سے ضرورت ثابت ہو جاتی ہے اور ضرورت تو ان سب کو ہے، ان عذروں سے کیا ثابت ہو جاتی ہے؟ ضرورت، اور ضرورت تو ان سب کو ہے، کس چیز کی ضرورت ہے؟ نماز کی ادائیگی کی ضرورت ہے، تو اس ضرورت کی بنا پر ان کی طہارت کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ پھر اس پورے وقت میں اس وضو سے جتنے فرائض اور نوافل پڑھنا چاہیں پڑھ سکتے ہیں بھئی۔ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۳۴: فَصْلٌ فِي النِّفَاسِ

ہدایہ صفحہ: ۶۷ــــ بتاریخ: ۲۰ نومبر ۲۰۱۲ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ فِي النِّفَاسِ وَالنِّفَاسُ هُوَ الدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ مِنْ تَنَفَّسَ الرَّحِمُ بِالدَّمِ، أَوْ مِنْ خُرُوجِ النَّفْسِ بِمَعْنَى الْوَلَدِ أَوْ بِمَعْنَى الدَّمِ، وَالدَّمُ الَّذِي تَرَاهُ الْحَامِلُ ابْتِدَاءً أَوْ حَالَ وِلَادَتِهَا قَبْلَ خُرُوجِ الْوَلَدِ اسْتِحَاضَةٌ. [1]

فَصْلٌ فِي النِّفَاسِ

فَصْلٌ فِي النِّفَاسِ۔ یہ فصل ہے نفاس کے بیان میں۔

وَالنِّفَاسُ هُوَ الدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ اور نفاس وہ خون ہے جو نکلتا ہے **عَقِيبَ الْوِلَادَةِ**، ولادت کے پیچھے یعنی ولادت کے بعد۔ بچے کی پیدائش کے بعد، بچے کی ولادت کے بعد جو خون نکلتا ہے اسے نفاس کہا جاتا ہے۔

اب تک آپ نے حیض اور استحاضہ کے بارے میں پڑھا۔ آپ نے پڑھا حیض جو ہے وہ رحم سے آنے والا خون ہے اور اس کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ اور اسی طرح یہ جو نفاس کا خون ہے یہ بھی رحم سے ہی آتا ہے اور یہ وہ خون ہے جو بچے کی پیدائش کے بعد آئے بھائی، اسے کیا کہتے ہیں؟ نفاس کہتے ہیں۔ جبکہ تیسری قسم استحاضہ ہے اور استحاضہ وہ رحم سے نہیں آتا بلکہ اس کی رگ وغیرہ کٹ جاتی ہے، کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے، اس سے وہ خون جاری ہوتا ہے بھائی۔ تو نفاس کے بارے میں انہوں نے آپ کو بتلا دیا: وہ خون ہے جو بچے کی پیدائش کے بعد نکلے۔

لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ مِنْ تَنَفَّسَ الرَّحِمُ بِالدَّمِ۔ یہ یہاں سے وجہ تسمیہ ذکر کر رہے ہیں کہ اس کو نفاس کیوں کہتے ہیں جو بچے کی پیدائش کے بعد خون آئے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ مِنْ تَنَفَّسَ الرَّحِمُ بِالدَّمِ**، اس لیے کیونکہ یہ ماخوذ ہے **تَنَفَّسَ الرَّحِمُ بِالدَّمِ۔ تَنَفَّسَ الرَّحِمُ بِالدَّمِ:** رحم نے خون اگلا، رحم نے خون ڈالا، یا رحم نے خون نکالا۔ سمجھ میں آیا، معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ عرب کا کلام ذکر کر رہے ہیں، **تَنَفَّسَ الرَّحِمُ بِالدَّمِ** عرب کہتے ہیں، کب کہتے ہیں؟ جب رحم سے خون نکلے وہ کیا کہتے ہیں؟ **تَنَفَّسَ الرَّحِمُ بِالدَّمِ**، یہ اسی سے ماخوذ ہے، اسی وجہ سے اس کو نفاس کہتے ہیں۔ تو یہ **تَنَفَّسَ الرَّحِمُ بِالدَّمِ** سے ماخوذ ہے، اسی لیے اس کو نفاس کہا جاتا ہے۔

أَوْ مِنْ خُرُوجِ النَّفْسِ، یا یہ ماخوذ ہے خروجِ نفس سے، **بِمَعْنَى الْوَلَدِ أَوْ بِمَعْنَى الدَّمِ**، کہ جو نفس ہے وہ ولد کے معنی میں ہے یا خون کے معنی میں ہے۔ تو خروجِ نفس کہا اور نفس کے دو معنی بیان کر دیے بھائی۔ نفس کے کئی معانی آتے ہیں عربی زبان میں، تو جیسے ایک معنی نفس کا کیا ہے؟ روح کو بھی کہتے ہیں، جان کو بھی کہتے ہیں، اسی طرح نفس جو ہے وہ خون کو بھی کہتے ہیں، اولاد وغیرہ بچے کو بھی کہتے ہیں۔ اور ایک لفظ ہوتا ہے **نَفَس، نَفَس**، فا کے فتحہ کے ساتھ، وہ سانس کو کہتے ہیں۔ **نَفَس** کا کیا معنی؟ سانس۔ تو یہ لفظ ہے خروجِ نفس کہ یہ نفاس کا لفظ ماخوذ ہے خروجِ نفس سے اور یہ نفس کا لفظ کس معنی میں ہے؟ ولد یعنی بچے یا خون کے معنی میں۔ تو خروجِ نفس، پہلے معنی کون سا کریں؟ بچے کا۔ خروجِ نفس، بچے کا نکلنا، یا **بِمَعْنَى الدَّمِ**، خون کے معنی میں، اب ترجمہ کریں: خروجِ نفس یعنی خون کا نکلنا، تو اس وجہ سے اس کو نفاس کہا جاتا ہے بھائی۔

[1] شاملہ (ص ۳۰) میں «**وَالنِّفَاسُ**» کے بجائے «**فصل في النفاس النفاس**» درج ہے۔

وَالدَّمُ الَّذِي تَرَاهُ الْحَامِلُ ابْتِدَاءَ أَوْ حَالَ وِلَادَتِهَا قَبْلَ خُرُوجِ الْوَلَدِ اسْتِحَاضَةٌ، اور وہ خون جسے حاملہ عورت دیکھے، دیکھیے یہاں پر الحامل آیا اور الحامل لفظ، اور اس کے ساتھ مونث کے لیے گول تا ساتھ نہیں ملائی گئی، الحاملۃ نہیں کہا گیا، کیونکہ تا کے ذریعے فرق کیا جاتا ہے **بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ،** لیکن یہ وصف خاص ہے عورت کے ساتھ، حاملہ کون ہوتی ہے؟ عورت ہوتی ہے صرف، اس لیے یہاں تا کے ذریعے بھی فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ جیسا میں نے آپ کو بتایا تھا اگر حامل کا معنی بوجھ اٹھانے والا، وزن اٹھانے والا، اس معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو پھر وہاں پر مذکر اور مونث کا فرق تا کے ساتھ کیا جائے گا۔ مونث کے لیے تا آئے گی، مذکر کے لیے تا نہیں آئے گی۔

تو کہتے ہیں: **وَالدَّمُ الَّذِي تَرَاهُ الْحَامِلُ ابْتِدَاءً،** اور وہ خون جسے حاملہ عورت دیکھے **ابْتِدَاءً،** ابتدا میں یعنی حمل کے دنوں میں دیکھے ولادت سے پہلے۔ تو یہ سارا وقت ابتدائے حمل سے لے کر بچے کی پیدائش تک یہ سارا اس میں داخل ہو گیا، یہ مراد ہے ابتداءً سے، جس کو حاملہ کب دیکھے؟ ابتدا میں دیکھے یعنی بچے کی پیدائش سے پہلے دیکھے، **أَوْ حَالَ وِلَادَتِهَا،** یا ولادت کی حالت میں دیکھے، **قَبْلَ خُرُوجِ الْوَلَدِ،** بچے کے نکلنے سے پہلے، **اسْتِحَاضَةٌ،** وہ استحاضہ ہے۔ وہ کیا ہے؟ استحاضہ ہے۔

بھائی یاد رکھیے جب کوئی عورت حاملہ ہو تو حالتِ حمل میں حیض نہیں آتا بھائی، حیض، کیونکہ حیض کا خون جو ہے وہ رحم سے آتا ہے اور جب حمل ٹھہر جاتا ہے تو رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ جو رحم ہے اس کی مثال انہوں نے ذکر کی تھی جیسے ایک الٹا گھڑا ہو، الٹا مٹکا۔ اب اس کے اندر بچے کی پیدائش ہوئی تو بچہ ہے اس کے اندر تو اس کے اندر تو چیز نہیں ٹھہرے گی جب الٹی ہو مگر یہ کہ اس کا منہ کیا ہو جائے؟ بند ہو جائے، پھر ہی اس کے اندر وہ حمل ٹھہرے گا بھائی۔ تو لہٰذا حمل کی حالت میں حیض نہیں آتا۔ تو اس دوران اگر کوئی خون آئے تو وہ حیض نہیں کہیں گے اسے بلکہ وہ دراصل کیا ہے؟ استحاضہ ہے کیونکہ رحم کا منہ تو بند ہے بھائی۔ اور اسی طرح بچہ نکلنے سے پہلے، اس وقت تک رحم کا منہ بند ہے تو وہ سارا کیا شمار ہو گا؟ استحاضہ ہی شمار ہو گا۔ اسی لیے کہا کہ وہ خون جسے حاملہ ابتدا میں دیکھے یا بچے کی پیدائش کی حالت میں دیکھے اس کے نکلنے سے پہلے تو وہ استحاضہ ہے۔

وَإِنْ كَانَ مُمْتَدًّا، اگرچہ وہ لمبا ہی ہو۔ ممتد کا کیا معنی؟ طویل ہو، لمبا ہی کیوں نہ ہو۔ بھائی دیکھیے اس سے پہلے حیض کے بارے میں آپ نے پڑھا کہ عورت جیسے ہی خون کو دیکھے تو کیا فوراً اس کو حیض قرار دیا جائے گا؟ نہیں، بلکہ کیا کیا جائے گا؟ تین دن تک دیکھا جائے گا، اگر تین دن پورے خون آیا تو پھر اس کو حیض کہیں گے ورنہ وہ کیا ہے؟ استحاضہ ہے۔ یہ تین دن تک کیوں دیکھتے ہیں؟ تا کہ، کیونکہ اس سے پہلے پتہ نہیں ہے کہ یہ خون کسی رگ سے آ رہا ہے یا رحم سے آ رہا ہے۔ تو تین دن تک مسلسل نکلا معلوم ہوا یہ کہاں سے آیا ہے؟ رحم سے آیا ہے تو پھر اس کو حیض کہا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اگرچہ وہ خون لمبا ہی کیوں نہ ہو جائے یعنی حیض کی مدت کو ہی کیوں نہ پہنچ جائے پھر بھی اس کو حیض نہیں کہیں گے۔ حمل کی حالت میں عورت نے خون دیکھا ابتدا میں یا بچے کے نکلنے سے پہلے، بچے کی پیدائش سے پہلے، یہ سارا استحاضہ ہی کہلائے گا اگرچہ یہ خون لمبا ہی کیوں نہ ہو یعنی حیض کی مدت کو ہی کیوں نہ پہنچ جائے یعنی تین یا تین سے زیادہ دن تک ہی کیوں نہ آ جائے پھر بھی اس کو حیض نہیں کہیں گے بلکہ اس کو کیا کہیں گے؟ استحاضہ کہیں گے کیونکہ میں نے وجہ ذکر کر دی کیونکہ جب بچہ ہے پیٹ میں تو رحم کا منہ کیا ہو جاتا ہے؟ بند ہو جاتا ہے، تو یہ خون معلوم ہوا اس سے نہیں آیا بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ **وَإِنْ كَانَ مُمْتَدًّا،** اگرچہ وہ خون لمبا ہی کیوں نہ ہو یعنی چاہے حیض کی مدت کو ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: حَيْضٌ اعْتِبَارًا بِالنِّفَاسِ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حیض ہے قیاس کرتے ہوئے نفاس پر۔ وہ اس کو نفاس پر قیاس کرتے ہوئے اسے حیض قرار دیتے ہیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ **إِذْ هُمَا جَمِيعًا مِنَ الرَّحِمِ،** اس لیے کیونکہ یہ دونوں خون رحم سے آتے ہیں، حیض کا خون بھی اور نفاس کا خون بھی۔ اور نفاس کا خون تو آتا ہے بچے کی پیدائش کے بعد اور یہ اس سے پہلے ہے، لہٰذا اس کو کیا قرار دیتے ہیں وہ؟ حیض قرار دیتے ہیں بھائی، حیض قرار دیتے ہیں۔ وہ اس کو کس پر قیاس کرتے ہیں؟ نفاس پر۔

یاد رکھیے ایک مسئلہ آگے ذکر ہو گا۔ ایک عورت ہے اس کے ایک ہی حمل سے دو بچے ہوئے اور ایک بچے کی پیدائش ہوئی اور اس کے چند دن بعد پھر دوسرے بچے کی پیدائش ہوئی۔ تو پہلے بچے کی پیدائش کے بعد جو خون آئے وہ کیا ہے؟ نفاس ہے بھائی، شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، وہ نفاس ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر اس کے پیٹ میں ابھی بھی حمل ہے، ابھی بھی کیا ہے؟ حمل ہے، اور پھر بھی رحم سے خون آ رہا ہے، پھر بھی کس سے خون آ رہا ہے؟ رحم سے۔ تو حالتِ حمل میں بھی رحم سے خون آ سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ ایک بچے کی پیدائش ہو گئی اس کے بعد جو خون آیا اس کو شیخین رحمہما اللہ کیا قرار دے رہے ہیں؟ نفاس قرار دے رہے ہیں حالانکہ ابھی بھی ایک بچہ جو ہے وہ پیٹ میں ہے، تو حمل ہے لیکن حمل ہونے کے باوجود خون جو نکل رہا ہے اس کو نفاس قرار دیا جا رہا ہے اور نفاس تو وہ خون ہوتا ہے جو رحم سے آتا ہے، معلوم ہوا یہ خون کس سے آ رہا ہے؟ رحم سے آ رہا ہے، معلوم ہوا حمل کی حالت میں بھی رحم سے خون آ سکتا ہے۔ رحم سے خون آ سکتا ہے۔ تو یہاں پر بھی بچے کی پیدائش سے پہلے یا ابتدا کی حالت میں عورت کو خون آتا ہے تو یہ خون رحم سے ہو سکتا ہے اور جب رحم سے خون ہے تو پھر اس کو کیا قرار دیا جائے گا؟ حیض قرار دیا جائے گا کیونکہ نفاس تو قرار نہیں دے سکتے وہ تو بچے کی پیدائش کے بعد ہوتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی بھائی؟ یہ معنی ہے کہ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: حَيْضٌ اعْتِبَارًا بِالنِّفَاسِ،** امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حیض ہے قیاس کرتے ہوئے اس کو نفاس پر، **إِذْ هُمَا جَمِيعًا مِنَ الرَّحِمِ،** اس لیے کیونکہ یہ دونوں خون جو ہوتے ہیں رحم سے ہوتے ہیں۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ بِالْحَبَلِ يَنْسَدُّ فَمُ الرَّحِمِ كَذَا الْعَادَةُ،** کہ حبل سے، حبل حمل کو کہتے ہیں، کہ حمل کی وجہ سے **يَنْسَدُّ فَمُ الرَّحِمِ،** انسد ینسد کے معنی بند ہو جانا، حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے **كَذَا الْعَادَةُ** اسی طرح عادت ہے۔ عام طور پر اسی طرح ہوتا ہے کہ کیا؟ جب حمل عورت کو ٹھہر جائے تو رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے۔

وَالنِّفَاسُ بَعْدَ انْفِتَاحِهِ بِخُرُوجِ الْوَلَدِ، اور نفاس جو ہوتا ہے وہ اس رحم کا منہ کھلنے کے بعد ہوتا ہے **بِخُرُوجِ الْوَلَدِ،** بوجہ بچے کے نکلنے کے، اس کی پیدائش کے۔ بھائی دیکھیے جب عورت حاملہ ہوئی تو رحم کا منہ بند ہو گیا اور جب رحم کا منہ بند ہوا تو اس دوران جو خون آیا معلوم ہوا وہ رحم سے نہیں آرہا کیونکہ اس کا منہ بند ہے، اور ہاں جب بچے کی پیدائش ہوتی ہے تو رحم کا منہ کھل جاتا ہے بچے کے نکلنے کی وجہ سے، اور جب منہ کھل گیا اب جو خون آیا معلوم ہوا وہ کہاں سے آرہا ہے؟ رحم سے آ رہا ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو نفاس جو ہوتا ہے **بَعْدَ انْفِتَاحِهِ بِخُرُوجِ الْوَلَدِ،** وہ اس رحم کا منہ کھلنے کے بعد ہوتا ہے اس بچے کے نکلنے کی وجہ سے۔

وَلِهَذَا كَانَ نِفَاسًا بَعْدَ خُرُوجِ بَعْضِ الْوَلَدِ، اسی لیے وہ خون نفاس ہو گا بعض ولد کے نکلنے کے بعد۔ بھائی بچے کی پیدائش ہو رہی ہے، کچھ بچے کی پیدائش ہو چکی، کچھ نکل چکا ہے، اس حالت میں بھی جو خون آئے اس کو کیا کہیں گے؟ نفاس۔ اگرچہ ابھی پورا بچہ نکلا نہیں، پورے بچے کی پیدائش نہیں ہوئی، لیکن کچھ بچہ نکل چکا، جب کچھ نکلا ہے معلوم ہوا رحم کا منہ کھل چکا ہے، جب رحم کا منہ کھل گیا تو اب جو خون آرہا ہے معلوم ہوا کہاں سے آرہا ہے؟ رحم سے آرہا ہے، لہٰذا اس کو کیا قرار دیا جائے گا؟ اس کو نفاس قرار دیا جائے گا۔ اور اسی لیے وہ نفاس ہوتا ہے **بَعْدَ خُرُوجِ بَعْضِ الْوَلَدِ،** بعض بچے کے نکلنے کے بعد، **فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى،** اس روایت میں جو مروی ہے طرفین رحمہما اللہ سے، **لِأَنَّهُ يَنْفَتِحُ،** اس لیے کیونکہ رحم کا منہ جو ہے وہ کھل جاتا ہے، **فَيَتَنَفَّسُ بِهِ، أَيْ: فَيَتَنَفَّسُ بِالدَّمِ،** تو وہ خون اگلتا ہے، خون ڈالتا ہے، رحم کا منہ کھل جاتا ہے تو وہ خون اگلتا ہے، خون نکلتا ہے اس میں سے۔

کیا دلیل ہوئی؟ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ یہ حیض ہے، کس پر قیاس کیا تھا؟ نفاس پر۔ اور میں نے مسئلہ ذکر کر دیا کہ وہ جو دو بچوں میں سے ایک کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے اس کو کیا ہم کہتے ہیں؟ نفاس کہتے ہیں، معلوم ہوا ابھی حالانکہ حمل پیٹ میں ہے ایک بچہ، لیکن پھر بھی معلوم ہوا رحم سے خون نکل سکتا ہے تو وہ بچے کی پیدائش کے بعد ہے اس لیے آپ نے اس کو نفاس قرار دیا اور یہاں بھی بچے کی پیدائش نہیں ہوئی لیکن خون آیا ہے تو اور حمل کے ہوتے ہوئے بھی خون آسکتا ہے رحم سے، لہٰذا اس کو کیا قرار دیں گے؟ حیض قرار دیں گے۔ دلیل ہماری گزر گئی، ہم کہتے ہیں نہیں، ایسا ہو ہی نہیں سکتا، عادۃً ایسا نہیں ہوتا کیونکہ جب عورت کو حمل ٹھہر جاتا ہے تو رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے، اور وہاں پر ہم نے نفاس کیوں قرار دیا تھا؟ کیونکہ وہاں ایک بچے کی پیدائش ہو گئی تھی، جب ایک بچہ نکل آیا معلوم ہوا رحم کا منہ کھل چکا ہے، اب جو خون آیا ہے وہ کہاں سے آیا ہے؟ رحم سے آیا ہے اس لیے ہم نے وہاں پر نفاس قرار دیا تھا اور یہاں تو ایسا نہیں ہے اور رحم کا منہ بند ہے، لہٰذا اب جو خون آئے گا معلوم ہوا وہ رحم سے نہیں آیا وہ کسی رگ وغیرہ سے آیا ہے تو اس کو استحاضہ قرار دیا جائے گا نہ کہ حیض۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

وَالسِّقْطُ الَّذِي اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ وَلَدٌ، سقط کہتے ہیں ناتمام بچہ، نامکمل بچہ۔ **الَّذِي اسْتَبَانَ،** استبان کے معنی ظاہر ہونے کے، وہ نامکمل بچہ کہ ظاہر ہو چکی ہو **بَعْضُ خَلْقِهِ** اس کی بعض پیدائش، **وَلَدٌ** وہ بھی بچہ ہے بھائی یعنی اسی کے حکم میں ہے۔ بھائی مسئلہ یہاں سے یہ بتلانا چاہتے ہیں، اوپر تو انہوں نے آپ کو بتا دیا کہ بچے کی پیدائش کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس ہے بھائی، نفاس، اور وہاں نفاس کے احکامات لگیں گے اور اس سے پہلے جو خون آیا وہ استحاضہ ہے اور وہاں استحاضہ کے احکامات لگیں گے بھائی۔ اب ایک عورت ہے اس کو ناتمام بچے کی پیدائش ہوئی بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ ناتمام بچے کی پیدائش ہو گئی وقت سے پہلے ہی، تو اب اس کے بعد جو خون آیا کیا اس کو نفاس قرار دیں گے یا اس کو استحاضہ قرار دیں گے؟ تو ذکر کر رہے ہیں کہ اگر اس بچے کی کچھ خلقت ہو چکی ہے، کچھ یعنی اس کے اعضا وغیرہ بن گئے ہیں تو پھر یہ بچے کے حکم میں ہے۔ یہ جو ناتمام بچہ ہے یہ بھی کس کے حکم میں ہے؟ بچے کے حکم میں ہے، اور بچے کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے وہ تو نفاس ہوتا ہے لہٰذا اب جو خون آئے اس کو بھی کیا کہیں گے؟ نفاس۔ اور اگر اس بچے کی کچھ خلقت بھی نہیں مکمل ہوئی بلکہ صرف گوشت کا ایک لوتھڑا ہے تو پھر یہ بچے کے حکم میں نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد جو خون نکلے گا اس کے اندر پھر غور کیا جائے گا: اگر وہ حیض کی مدت کو پہنچتا ہے تو کیا کریں گے؟ حیض کی صورت اگر وہاں بنتی ہے، طہر وغیرہ گزرا ہے اور حیض کی مدت کو وہ خون پہنچا ہے تو اس کو حیض قرار دیں گے اور اگر حیض کی مدت کو نہیں پہنچتا تو پھر اس کو کیا قرار دے دیں گے؟ استحاضہ۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

وَالسِّقْطُ الَّذِي اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ وَلَدٌ، اور وہ ناتمام بچہ کہ جس کی بعض خلقت جو ہے ظاہر ہو چکی ہو یعنی بعض اعضا بن چکے ہوں، **وَلَدٌ،** وہ بھی کیا ہے؟ بچہ ہے، **حَتَّى تَصِيرَ بِهِ نُفَسَاءَ،** یہاں تک کہ ہو جائے گی اس کی وجہ سے عورت نفاس والی۔ جس کو نفاس ہو اس کو کہتے ہیں **نُفَسَاء۔** تو وہ عورت نفاس والی ہو جائے گی، **وَتَصِيرَ الْأَمَةُ أُمَّ وَلَدٍ بِهِ،** اور باندی اس کی وجہ سے ام ولد ہو جائے گی، **وَكَذَا الْعِدَّةُ تَنْقَضِي بِهِ،** اور اسی طرح عدت جو ہے اس کی وجہ سے پوری ہو جائے گی۔

تو یہ بھی بچے کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے عورت کیا بن جائے گی؟ نفاس والی ہو جائے گی۔ **وَتَصِيرُ الْأَمَةُ أُمَّ وَلَدٍ بِهِ،** اور اس کی وجہ سے باندی ام ولد بن جائے گی۔ بھائی آپ جانتے ہیں کہ باندی سے جو اولاد ہو آقا کی اور پھر آقا اس کا دعویٰ بھی کر دے کہ یہ میری اولاد ہے تو یہ باندی ام ولد کہلاتی ہے۔ کیا کہلاتی ہے؟ ام ولد کہلاتی ہے، اور آزادی اس عورت کا، اب اس باندی کا حق ہو گیا کیونکہ یہ آقا کے بچے کی ماں ہے، لہٰذا آقا کے مرتے ہی یہ آزاد ہو جائے گی۔ لیکن اس میں یہ ضروری

ہے کہ آقا دعویٰ بھی کرے کہ یہ میری اولاد ہے، جب تک آقا یہ دعویٰ نہیں کرتا اور اقرار نہیں کرتا اس وقت تک یہ ام ولد نہیں کہلائے گی بھائی۔ تو یہاں پر بھی انہوں نے کہا کہ یہ جو ناتمام بچہ ہے یہ بچے کے حکم میں ہے اور وہی احکامات لاگو ہوں گے تو جب بچہ ہوا، یہ ناتمام بچہ بھی کس کے حکم میں؟ بچے کے حکم میں، اور جب اس میں بھی آقا کہہ دے کہ یہ حمل مجھ سے تھا، یہ حمل کس سے تھا؟ تو یہ باندی ام ولد بن جائے گی، اگرچہ ناتمام بچہ تھا لیکن جب آقا نے کہہ دیا یہ حمل مجھ سے تھا تو یہ کیا بن جائے گی؟ ام ولد، اس ناتمام بچے کی وجہ سے ام ولد بن جائے گی بھائی۔ تو آقا کا دعویٰ ضروری، اسی لیے انہوں نے بین السطور لکھا: **إِنِ ادَّعَاهُ الْمَوْلَى**، اگر آقا کیا کرے اس کا؟ دعویٰ کرے۔ یہ معنی ہے: **وَتَصِيرُ الْأَمَةُ أُمَّ وَلَدٍ بِهِ**، اور باندی جو ہے اس بچے کی وجہ سے ام ولد ہو جائے گی، **وَكَذَا الْعِدَّةُ تَنْقَضِي بِهِ**، اور اسی طرح اس کی وجہ سے عدت گزر جائے گی، پوری ہو جائے گی۔

آپ جانتے ہیں حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ کوئی شخص ہے، عام عورت ہے، غیر حاملہ ہے بیوی اس کی، اس کو طلاق دیتا ہے تو کتنی عدت ہے اس پر بھائی؟ جی؟ تین حیض گزارے گی، اس کے بعد وہ آگے کہیں نکاح کر سکتی ہے، اس سے پہلے نکاح نہیں کر سکتی بھائی، تفصیل تو آپ جانتے ہوں گے لیکن یہ عام عورت جس کو حیض آتا ہے اس میں وہ تین حیض گزارے گی۔ لیکن اگر وہ حاملہ تھی تو پھر اس صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہے، جب تک یہ بچے کی پیدائش نہیں ہو جاتی اس وقت تک یہ عورت کہیں آگے نکاح نہیں کر سکتی، عدت پوری نہیں ابھی۔ تو جیسے ہی بچے کی پیدائش ہو گی اس کی عدت پوری ہو جائے گی بھائی۔ تو یہاں پر بھی یہ جو ناتمام بچہ ہے کس کے حکم میں ہے؟ بچے کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر اس پر عدت تھی تو وہ عدت اس کی پیدائش سے پوری ہو جائے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

اور عوام میں ایک بات جو بڑی مشہور ہے کہ حالتِ حمل میں ہو، مسئلہ آکر پوچھتے ہیں کہ خاوند نے طلاق دی، بیوی حاملہ تھی۔ وہ سمجھتے ہیں شاید حالتِ حمل میں طلاق ہوتی نہیں۔ حالانکہ طلاق تو حالتِ حمل میں بھی ہو جاتی ہے، مذاق کے اندر بھی خاوند طلاق کہے، اور پھر خاوند بیوی کے سامنے بھی کہنا نہیں ضروری، کہیں خلوت کے اندر بھی اگر کہہ دیتا ہے تب بھی طلاق ہو جائے گی بھائی۔ کاغذ پر کہتے ہیں لکھا تھا اور بیوی کو لکھا لیکن بھیجا نہیں، بھیجا نہیں تو کیا طلاق ہو گئی یا نہیں ہوئی؟ بھائی لکھ دیا تو بس طلاق ہو گئی، بیوی کو وہ کاغذ پہنچایا نہ پہنچا، چاہے تنہائی میں اس نے لکھا کاغذ پر اور کاغذ کو پھاڑ کر پھینک دیا، بس بھائی طلاق ہو گئی۔ اب یہ اس عورت کے پاس جاتا ہے اگرچہ اور کسی کو بھی نہیں علم، صرف اللہ ہی جانتے ہیں کہ اس نے طلاق لکھی تھی، لیکن عورت مطلقہ ہو چکی ہے، اب اس کے پاس جاتا ہے مثلاً تین طلاقیں اس طرح لکھ دی تھیں اور عورت اس پر حرام ہو گئی بھائی، اب اس کے پاس جاتا ہے اس سے قربت کرتا ہے تو یہ سب زنا ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، تو یہ لوگ مسائل پوچھتے ہیں اس طرح کے، یہ آپ یاد رکھیے ہمیشہ بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَكَذَا الْعِدَّةُ تَنْقَضِي بِهِ**، اور اسی طرح عدت جو ہے اس سے پوری ہو جاتی ہے۔

وَأَقَلُّ النِّفَاسِ لَا حَدَّ لَهُ، یہاں سے اب مدتِ نفاس بیان کر رہے ہیں۔ آپ کو بتلائیں گے کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اور کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں۔ ایک دن بھی ہو سکتا ہے، ایک دن سے کم بھی ہو سکتا ہے، چند لمحے بھی ہو سکتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں تو چاہے خون تھوڑی دیر کے لیے آیا اور پھر رک گیا تو بس نفاس ختم ہوا، لیکن عورتیں کیا کرتی ہیں؟ چالیس دن تک ہی وہ سمجھتی ہیں کہ ہم نفاس والیاں ہیں حالانکہ نہیں۔ جیسے ہی خون رکا وہ کیا ہو گئیں؟ پاک ہو گئیں، ہاں اگر پھر خون شروع ہو جائے وہ الگ بات ہے، خون بالکل ہی رک گیا، بند ہو گیا، بس جب خون رکا عورت کیا ہو گئی؟ نفاس ختم ہوا، لہٰذا اب غسل کرے گی اور نماز وغیرہ پڑھے گی بھائی، نماز وغیرہ۔ ہاں اگر پھر خون آرہا ہے، کچھ دیر رکا ہے پھر آگیا، پھر تو ابھی نفاس جاری ہے، وہ الگ صورت۔ تو اقل کی کوئی مدت نہیں ہے۔

وَأَقَلُّ النِّفَاسِ لَا حَدَّ لَهُ، اور کم سے کم جو نفاس ہے اس کی کوئی حد نہیں، **لِأَنَّ تَقَدُّمَ الْوَلَدِ عَلَمُ الْخُرُوجِ مِنَ الرَّحِمِ فَأَغْنَى عَنِ امْتِدَادٍ جُعِلَ عَلَمًا عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْحَيْضِ**۔ تو ہدایہ کی فصیح و بلیغ عبارات چل رہی ہیں بھائی، صاحبِ ہدایہ بڑی مختصر عبارت کے اندر بڑی لمبی بات کہہ جاتے ہیں۔ دیکھیے اب بھائی: **لِأَنَّ تَقَدُّمَ الْوَلَدِ عَلَمُ الْخُرُوجِ مِنَ الرَّحِمِ فَأَغْنَى عَنِ امْتِدَادٍ جُعِلَ عَلَمًا عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْحَيْضِ**، کتنی مختصر عبارت میں کتنی لمبی بات کر گئے۔

بھائی دیکھیے حیض کے اندر ایک عورت ہے اس کو جیسے ہی خون آتا ہے آپ اس پر کیا حیض کا حکم فوراً لگاتے ہیں؟ نہیں، بلکہ کیا کرتے ہیں؟ تین دن تک دیکھا جائے گا، تین دن مسلسل ہو گا تو پتہ چل جائے گا حیض ہے۔ تو معلوم ہوا وہاں پر خون کا لمبا ہونا ضروری ہے، یہ خون کا لمبی مدت تک یعنی تین دن تک آنا یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ خون کہاں سے آرہا ہے؟ رحم سے آرہا ہے، لہٰذا اب اس کو حیض قرار دیا جائے گا کیونکہ علامت سے ہی پتہ لگے گا، ویسے تو پتہ ہمیں نہیں چل سکتا تو علامت یہ ہے۔ اور یہاں پر جو بھی جتنا بھی خون آئے چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، چاہے تھوڑی دیر کے لیے آیا پھر بھی اس کو نفاس قرار دیں گے کیونکہ یہاں پر علامت موجود ہے کہ یہ خون رحم سے آیا ہے، اور وہ علامت کیا ہے؟ بچے کی پیدائش۔ جب بچے کی پیدائش ہوئی معلوم ہوا رحم کا منہ کھل گیا ہے اور معلوم ہوا یہ خون وہیں سے آرہا ہے۔ اب جب بچے کی پیدائش کی علامت آگئی تو اب وہ وقت کے لمبا ہونے کی علامت کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔ پہلے تو وہ علامت تھی لیکن یہاں جب دوسری علامت موجود ہے تو اس امتدادی علامت کی ضرورت نہیں ہے بھائی، دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو چاہے تھوڑی دیر ہی کیوں نہ ہو اس کو کیا قرار دیں گے؟ نفاس قرار دیں گے، یہاں اس کا لمبی مدت کے لیے تین دن کے لیے ہونا بھی ضروری نہیں۔

یہ معنی ہے: **لِأَنَّ تَقَدُّمَ الْوَلَدِ عَلَمُ الْخُرُوجِ**، اس لیے کیونکہ بچے کا مقدم ہونا یعنی اس خون پر بچے کا مقدم ہونا یعنی جو بچے کی پیدائش ہوئی ہے، **عَلَمُ**

الْخُرُوجِ مِنَ الرَّحِمِ، یہ علامت ہے رحم سے نکلنے کی بھائی، **فَأَغْنَى**، تو اس علامت نے بے پروا کر دیا **عَنِ امْتِدَادٍ**، دیکھو امتداد نکرہ آیا اور اس کے بعد **جُعِلَ** فعل آیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ، تو امتداد کا کیا معنی ہے؟ طویل ہونا، لمبا ہونا، طوالت یعنی۔ تو **فَأَغْنَى عَنِ امْتِدَادٍ**، تو اس بچے کے مقدم ہونے کی جو علامت ہے اس نے بے نیاز کر دیا **عَنِ امْتِدَادٍ** ایسی طوالت سے **جُعِلَ عَلَمًا عَلَيْهِ** جس کو اس پر نشانی قرار دیا گیا ہے۔ پہلے کیا نشانی تھی؟ حیض کے اندر خون کا ممتد ہونا تین دن تک، اب جب بچے کی پیدائش ہو گئی تو اس نشانی نے اس نشانی سے کیا کر دیا؟ بے نیاز کر دیا، اب اس نشانی کی ضرورت نہیں کہ تین دن انتظار کیا جائے، دیکھا جائے تین دن ہو جاتا ہے تو پھر حکم لگائیں گے یہ رحم سے ہے، تین دن سے کم ہے تو معلوم ہوا رحم سے نہیں ہے، بلکہ یہاں پر دوسری نشانی موجود ہے تو جب یہ نشانی موجود ہے تو اس نشانی کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کی ضرورت ہی نہ رہی۔ یہ معنی ہے کہ **فَأَغْنَى عَنِ امْتِدَادٍ جُعِلَ عَلَمًا عَلَيْهِ**، تو اس بچے کے مقدم ہونے کی جو نشانی ہے اس نے بے نیاز کر دیا ایسی طوالت سے جس کو اس پر علم قرار دیا گیا ہے، **بِخِلَافِ الْحَيْضِ**، بخلاف کس کے؟ حیض کے، کہ وہاں پر اور کوئی نشانی نہیں ہے تو وہاں پر امتداد کو علامت قرار دیا جائے گا۔

وَأَكْثَرُهُ أَرْبَعُونَ يَوْمًا، اور زیادہ سے زیادہ نفاس کی مدت جو ہے وہ چالیس دن ہے، **وَالزَّائِدُ عَلَيْهِ اسْتِحَاضَةٌ**، اور وہ جو اس پر زائد ہے وہ استحاضہ ہے۔ دلیل کیا ہے بھائی زیادہ سے زیادہ چالیس دن کی؟ کہتے ہیں: **لِحَدِيثِ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا**، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی وجہ سے۔ **سَلَمَةَ**، لام پر فتحہ پڑھنا بھائی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی وجہ سے، وہ فرماتی ہیں کہ **أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَّتَ لِلنُّفَسَاءِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا**، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت مقرر فرمایا نفاس والی کے لیے **أَرْبَعِينَ يَوْمًا**، کتنے دن؟ چالیس دن بھائی، یہ حدیث دلیل ہے۔

وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي اعْتِبَارِ السِّتِّينَ، اور یاد رکھیے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ دن ہے، ساٹھ دن۔ تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَهُوَ حُجَّةٌ**، یہ حدیث دلیل ہے **عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ**، امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف **فِي اعْتِبَارِ السِّتِّينَ**، ساٹھ کا اعتبار کرنے میں۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ مدت کتنی معتبر کی ہے؟ ساٹھ دن، تو ان کے خلاف بھی یہ حدیث دلیل ہے کہ اس حدیث میں چالیس دن کا ذکر آیا ہے۔

وَلَوْ جَاوَزَ الدَّمُ الْأَرْبَعِينَ، اور اگر تجاوز کر جائے، بڑھ جائے خون **الْأَرْبَعِينَ**، چالیس دن سے، **وَكَانَتْ وَلَدَتْ قَبْلَ ذَلِكَ**، اور یہ عورت جو ہے یہ جنم دے چکی ہے اس سے پہلے بھی، اس کی اولاد ہو چکی ہے اس سے پہلے بھی، **وَلَهَا عَادَةٌ فِي النِّفَاسِ**، اور اس کی کوئی عادت ہے نفاس کے اندر، **رُدَّتْ إِلَى أَيَّامِ عَادَتِهَا**، تو اس کو لوٹایا جائے گا اس کے عادت کے ایام کی طرف۔ بھائی جس طرح حیض کے اندر عورت کی عادت ہوتی ہے اسی طرح نفاس کے اندر بھی عورت کی عادت ہوتی ہے۔ تو مثلاً ایک عورت ہے اس کو تیس دن تک خون آتا ہے بچے کی پیدائش کے بعد، تو ہر مرتبہ ہی تقریباً اس کو تیس دن ہی آئے گا۔ لیکن اگر کسی مرتبہ بچے کی پیدائش کے بعد تیس کے بجائے پینتیس دن آ گیا تو آپ اس پر کیا حکم لگائیں گے؟ جی شاباش، حالت بدل گئی، جب تک اس اکثر کے اندر اندر ہے، چالیس دن کے اندر اندر ہے تو ہم کیا کہیں گے؟ عادت بدل گئی بھائی، یہ نہ کہہ دینا کہ تیس دن نفاس ہے اور پانچ دن استحاضہ، بلکہ جب تک اس مدت کے اندر ہے تو ہم کہیں گے عادت بدل گئی۔ ہاں جب خون چالیس دن سے بھی بڑھ گیا، اب پتہ چلا کہ یہ استحاضہ ہے، جو زائد ہے وہ استحاضہ، اور باقی جو عادت سے زائد ہے مثلاً اسے تو تیس دن تک نفاس کا خون آتا تھا تو کہتے ہیں اب عادت کا اعتبار کریں گے اور یوں کہیں گے کہ تیس دن تک جو تھا وہ نفاس کا خون تھا اور اس کے بعد کون سا خون ہے؟ استحاضہ کا، لہٰذا یہ جو اگلے آخری دس دن تھے تیس کے بعد، ان ایام کی بھی عورت کے ذمے نمازیں وغیرہ باقی ہیں، ان کی اس کو قضا کرنا پڑے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے: **وَلَوْ جَاوَزَ الدَّمُ الْأَرْبَعِينَ**، اور اگر تجاوز کر جائے خون چالیس دن سے، **وَكَانَتْ وَلَدَتْ قَبْلَ ذَلِكَ**، اور اس سے پہلے وہ جنم دے چکی ہے، **وَلَهَا عَادَةٌ فِي النِّفَاسِ**، اور اس کی نفاس میں کوئی عادت ہے، **رُدَّتْ إِلَى أَيَّامِ عَادَتِهَا**، تو اس کو لوٹایا جائے گا اس کے عادت کے ایام کی طرف، **لِمَا بَيَّنَّا فِي الْحَيْضِ**، بوجہ اس کے جو ہم نے بیان کیا حیض کے اندر۔ اس وجہ سے جو ہم نے حیض میں بیان کی تھی۔ حیض میں کیا وجہ بیان کی تھی؟ حیض کے اندر انہوں نے دلیل ذکر کی تھی کہ حیض میں جو دس دن سے زائد خون آئے اس کو استحاضہ قرار دیتے ہیں تو جو عادت سے زائد ہے وہ بھی زائد ہے تو اس کو بھی کیا قرار دیا جائے گا؟ استحاضہ۔ جو اکثر مدت سے زائد ہو اس کو کیا قرار دیتے تھے؟ استحاضہ، تو جو عادت سے زائد ہو گا وہ بھی زائد ہے، دونوں کا ایک ہی حکم ہو گا، اس کو بھی کیا قرار دیں گے؟ استحاضہ۔ تو یہاں پر بھی جب چالیس دن سے خون بڑھ گیا تو چالیس دن سے جو زائد ہے وہ کیا ہے؟ استحاضہ، کیونکہ وہ خون ہے اور زائد ہے۔ تو اسی طرح جو چالیس سے پچھلے دن ہیں، عادت سے زائد ہیں وہ ایام، ان میں بھی جو خون ہے وہ خون ہے اور عادت سے زائد ہے، تو جیسے چالیس سے جو زائد ہوتا تھا وہ خون تھا اور زائد تھا تو جو عادت سے زائد ہے وہ بھی خون ہے اور زائد، تو جو چالیس سے زیادہ ہوتا تھا اس کو استحاضہ قرار دیتے تھے تو جو عادت سے زائد ہے وہ بھی زائد ہے اور خون ہے اس کو بھی کیا قرار دیا جائے گا؟ استحاضہ قرار دیا جائے گا۔

وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا عَادَةٌ فَابْتِدَاءُ نِفَاسِهَا أَرْبَعُونَ يَوْمًا، اور اگر اس کی کوئی عادت نہیں ہے یعنی پہلا بچہ ہے، **فَابْتِدَاءُ نِفَاسِهَا أَرْبَعُونَ يَوْمًا**، تو اس کے نفاس کی ابتدا وہ کتنے دن ہے؟ چالیس دن ہے یعنی پورے چالیس دن ہی کو جو ہے اس کو نفاس قرار دیا جائے گا۔ کب؟ جب خون چالیس دن سے بڑھ گیا ہے تو سارے چالیس دن ہی کو نفاس قرار دیا جائے گا۔ **لِأَنَّهُ أَمْكَنَ جَعْلُهُ نِفَاسًا**، اس لیے کیونکہ اس کو نفاس قرار دینا ممکن ہے۔ اس کو نفاس قرار دینا ممکن کیونکہ نفاس

کی بھی زیادہ سے زیادہ مدت حدیث کے اندر کیا آئی؟ چالیس، اور اس عورت کا خون چالیس دن سے بھی بڑھ گیا، تو چالیس دن کو نفاس قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں بھائی؟ دیا جا سکتا ہے، تو لہٰذا اس کو نفاس قرار دیں گے۔

فَإِنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنِفَاسُهَا مِنَ الْوَلَدِ الْأَوَّلِ، صورتِ مسئلہ یہ: ایک عورت ہے اس نے ایک ہی پیٹ سے دو بچوں کو جنم دیا جس کو آپ جڑواں کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ جڑواں۔ تو ایک ہی پیٹ سے دو بچوں کے ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان دو بچوں کے درمیان جو وقفہ ہے وہ چھ ماہ سے کم ہو۔ بھائی آپ جانتے ہیں حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے، چھ ماہ کے اندر ایک کامل بچے کی پیدائش ہو سکتی ہے لیکن اس سے کم کے اندر نہیں۔ لہٰذا ایک عورت نے ایک بچے کو جنم دیا اور پھر چار پانچ ماہ بعد دوسرے بچے کو جنم دیا تو کیا کہیں گے؟ یہ ایک ہی حمل سے ہیں، کس سے ہیں؟ کیونکہ پانچ ماہ گزرے ہیں، پانچ ماہ میں تو دوسرا حمل ہو ہی نہیں سکتا، اس میں پورے بچے کی پیدائش نہیں ہو سکتی، معلوم ہوا یہ ایک ہی حمل تھا، ہاں اسی میں دو بچے بنے، ایک کی پیدائش پہلے ہو گئی، ایک کی پیدائش بعد میں ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو صورت یہ کہ ایک عورت ہے اس کے اسی طرح دو جڑواں بچے ہوئے لیکن ان کے درمیان کچھ دن کا یا کچھ دیر کا فرق آیا، اب نفاس کب سے شمار کریں گے؟ پہلے بچے کی پیدائش کے بعد جو خون شروع ہوا اسی سے نفاس شروع ہو جائے گا یا دوسرے بچے کی پیدائش کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس کہلائے گا؟ تو یاد رکھیے آپ کو بتائیں گے کہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے بچے کی پیدائش کے بعد ہی جو خون ہے وہ کیا ہے؟ نفاس ہے، اور اسی سے مدتِ نفاس کا اعتبار کریں گے۔ لہٰذا دوسرے بچے کی پیدائش اگرچہ چالیس دن بعد ہی کیوں نہ ہو، چالیس دن بعد دوسرے بچے کی پیدائش ہوئی لیکن نفاس تو پورا ہو گیا چالیس دن پر، لہٰذا اس سے آگے اب نفاس والے احکام نہیں لگیں گے۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟

فَإِنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنِفَاسُهَا مِنَ الْوَلَدِ الْأَوَّلِ، اگر جنم دیا عورت نے دو بچوں کو ایک ہی بطن سے، ایک ہی پیٹ سے، **فَنِفَاسُهَا مِنَ الْوَلَدِ الْأَوَّلِ،** تو اس عورت کا نفاس جو ہے پہلے بچے سے ہے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ،** شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، **وَإِنْ كَانَ بَيْنَ الْوَلَدَيْنِ أَرْبَعُونَ يَوْمًا،** اگرچہ دونوں بچوں کے درمیان چالیس دن ہی کیوں نہ ہوں بھائی یعنی چالیس دن کا وقفہ۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: مِنَ الْوَلَدِ الْأَخِيرِ، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا نفاس کب ہو گا؟ آخری بچے سے شمار ہو گا یعنی دوسرے بچے کی پیدائش سے اس کا نفاس شمار کیا جائے گا، **وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ،** اور یہی قول ہے امام زفر رحمہ اللہ کا بھی، وہ فرماتے ہیں دوسرے بچے سے نفاس کو شمار کیا جائے گا۔

دلیل کیا ہے امام محمد اور امام زفر کی؟ وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّهَا حَامِلٌ بَعْدَ وَضْعِ الْأَوَّلِ،** اس لیے کیونکہ یہ عورت حاملہ ہے **بَعْدَ وَضْعِ الْأَوَّلِ،** پہلے بچے کو جنم دینے کے بعد۔ پہلے بچے کو جنم دینے کے بعد ابھی بھی یہ عورت کیا ہے؟ حاملہ ہے، **فَلَا تَصِيرُ نُفَسَاءَ،** تو یہ نفاس والی نہیں بنے گی، **كَمَا أَنَّهَا لَا تَحِيضُ،** جیسے کہ اس کو حیض نہیں آتا۔ بھائی جب تک عورت حاملہ ہے اس کو حیض نہیں آتا، اسی طرح یہ عورت جو ہے ایک بچہ تو پیدا ہو گیا لیکن دوسرا بچہ ابھی پیٹ میں ہے تو یہ حاملہ ہے، اور حاملہ جیسے حیض نہیں آتا اسی طرح اس کو نفاس بھی نہیں، وہ بچے کی پیدائش کے بعد ہو گا اور وہ دوسرا بچہ جب پیدا ہو گا پھر نفاس ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ یہ معنی ہے: **فَلَا تَصِيرُ نُفَسَاءَ كَمَا أَنَّهَا لَا تَحِيضُ،** کہ یہ نفاس والی نہیں ہو گی جیسے کہ اس کو حیض نہیں آتا۔

وَلِهَذَا تَنْقَضِي الْعِدَّةُ بِالْأَخِيرِ بِالْإِجْمَاعِ، اور اسی وجہ سے اس کی عدت پوری ہو گی آخری بچے سے بالاجماع۔ کس سے پوری ہو گی؟ بالاجماع آخری بچے سے اس کی عدت پوری ہو گی۔ صورت یہ: یہی عورت ہے فرض کریں جس کا ایک بچہ پہلے ہوا اور چند دن کے بعد دوسرا بچہ ہوا۔ اس کو فرض کریں خاوند نے طلاق دی تھی تو اس پر عدت تھی اور عدت کتنی ہے عورت کی، حاملہ کی؟ وضع حمل ہے، چنانچہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿**وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ**﴾، اور حمل والیاں جو ہیں ان کی عدت جو ہے وہ کہ وہ اپنے حمل کو جنم دے دیں۔ کس کو جنم دے دیں؟ اپنے حمل کو جنم دے دیں، یہ ہے ان کی عدت۔ تو بالاجماع اس پہلے بچے کی پیدائش سے اس عورت کی عدت پوری نہیں بلکہ عدت کب پوری ہو گی؟ جب دوسرے بچے کی پیدائش ہو جائے گی تب اس کی عدت پوری ہو گی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، تو معلوم ہوا اعتبار کس کا ہے؟ دوسرے بچے کا ہے، لہٰذا نفاس کا شمار بھی کس سے ہو گا؟ دوسرے بچے سے ہو گا بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟

وَلَهُمَا، اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْحَامِلَ إِنَّمَا لَا تَحِيضُ لِانْسِدَادِ فَمِ الرَّحِمِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا،** امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ ان کی دلیل کیا تھی؟ کہ جیسے حاملہ کو حیض نہیں آتا اسی طرح یہ عورت ابھی بھی حاملہ ہے، اس کو جو خون آئے گا اس کو نفاس بھی، تو جیسے اس کو حیض نہیں آ سکتا اسی طرح نفاس بھی نہیں آ سکتا۔ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حاملہ کو حیض تو اس لیے نہیں آتا **لِانْسِدَادِ فَمِ الرَّحِمِ،** بوجہ رحم کا منہ بند ہو جانے کی وجہ سے، کیونکہ جب حمل ٹھہر گیا تو رحم کا منہ بند ہو گیا اس لیے اس کو حیض تو نہیں آ سکتا، **عَلَى مَا ذَكَرْنَا،** بوجہ اس کے جو ہم نے ذکر کر دیا کہ رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے، **وَقَدِ انْفَتَحَ بِخُرُوجِ الْأَوَّلِ،** اور رحم کا منہ تو تحقیق کھل چکا ہے **بِخُرُوجِ الْأَوَّلِ،** کس وجہ سے؟ پہلے بچے کے نکلنے کی وجہ سے، **وَتَنَفَّسَ بِالدَّمِ،** اور اس نے خون اگلا ہے، خون ڈالا ہے، خون اس سے نکلا ہے، **فَكَانَ نِفَاسًا،** تو وہ کیا ہو گا؟ نفاس۔

امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ کہ جیسے عورت کو حالتِ حمل میں حیض نہیں آ سکتا اسی طرح نفاس بھی نہیں آ سکتا، تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حیض تو اس لیے

نہیں آسکتا حاملہ کو کیونکہ دورانِ حمل رحم کا منہ بند ہوتا ہے، اور یہاں پر اس کو آپ نفاس بھی اسی وجہ سے قرار نہ دیں یہ درست نہیں اس لیے کیونکہ یہاں پر پہلے بچے کی پیدائش کی وجہ سے رحم کا منہ کھل چکا ہے، معلوم ہوا اب یہ خون اسی سے آرہا ہے تو اس کو کیا قرار دیا جائے گا؟ نفاس قرار دیا جائے گا۔

وَالْعِدَّةُ تَعَلَّقَتْ بِوَضْعِ حَمْلٍ مُضَافٍ إِلَيْهَا فَيَتَنَاوَلُ الْجَمِيعَ، اور باقی آپ نے کہا تھا کہ آخری بچے کے ساتھ عدت پوری ہو گی بالإجماع، معلوم ہوا اعتبار کس کا ہے؟ آخری بچے کا ہے، تو ہم جواب دیتے ہیں، شیخین رحمہما اللہ جواب دیتے ہیں کہ وہاں پر قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿**أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ**﴾، وہ جنم دے دیں وہ عورتیں، کس کو جنم دے دیں؟ ﴿**حَمْلَهُنَّ**﴾، اپنے حمل کو۔ جب وہ اپنے حمل کو جنم دے دیں گی تو ان کی عدت پوری ہو جائے گی۔ اب بتایئے بھائی ایک عورت ہے اس کے ایک بچے کی پیدائش ہو گئی، ایک بچہ ابھی بھی پیٹ میں ہے تو آپ کیا کہیں گے؟ اس عورت نے اپنے حمل کو، پورے حمل کو جنم دے دیا یا بعضِ حمل کو ابھی جنم دیا ہے؟ بعضِ حمل، تو قرآن میں تو اللہ فرمارہے ہیں وہ جب اپنے حمل کو جنم دے دے، تو ابھی تو اپنے حمل کو پورا اس نے جنم نہیں دیا، تو جب اپنے حمل کو پورا جنم دے دیں گی تو اب کہیں گے کہ عورت نے اپنے حمل کو جنم دے دیا ہے۔ پہلے بچے پر تو کیا کہیں گے؟ بعضِ حمل کو جنم دیا، ابھی پورے حمل کو جنم نہیں دیا اس نے، ابھی بھی حمل پیٹ میں ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہاں پر ﴿**حَمْلَهُنَّ**﴾، حمل کی اضافت ہے **ہُنَّ** ضمیر کی طرف، ان عورتوں کی طرف کہ وہ جنم دے دیں اپنے حمل کو اور اس سے پھر مراد پورا حمل ہو گا، بعضِ حمل مراد نہیں، اور پورا حمل پہلے بچے کی پیدائش پر ہو گا یا دوسرے بچے کی؟ دوسرے بچے کی پیدائش پر ہو گا، اسی لیے وہاں پر بالإجماع دوسرے بچے کی پیدائش پر عدت کے پورا ہونے کا علماء فرماتے ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۵: بَابُ الْاَنْجَاسِ وَتَطْهِيرِهَا

ہدایہ صفحہ: ۶۸ — بتاریخ: ۲۱ نومبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الْأَنْجَاسِ وَتَطْهِيرِهَا: تَطْهِيرُ النَّجَاسَةِ وَاجِبٌ مِنْ بَدَنِ الْمُصَلِّي وَثَوْبِهِ وَالْمَكَانِ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْهِ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾، وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «حُتِّيهِ ثُمَّ اقْرُصِيهِ ثُمَّ اغْسِلِيهِ بِالْمَاءِ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ»، وَإِذَا وَجَبَ التَّطْهِيرُ فِي الثَّوْبِ وَجَبَ فِي الْبَدَنِ وَالْمَكَانِ؛ لِأَنَّ الِاسْتِعْمَالَ فِي حَالَةِ الصَّلَاةِ يَشْمَلُ الْكُلَّ. [1]

■ بَابُ الْاَنْجَاسِ وَتَطْهِيرِهَا: انجاث جمع ہے نجس کی، نجس

بَابُ الْأَنْجَاسِ وَتَطْهِيرِهَا: انجاث جمع ہے نجس کی، نجس کی۔ تو یہ باب ہے نجاستوں، **وَتَطْهِيرِهَا** اور نجاستوں کے پاک کرنے کے بیان میں۔ اس باب میں نجاستیں اور ان کے پاک کرنے کا طریقہ بیان کیا جائے گا بھائی۔ ابھی تک جو تفصیل ذکر ہو رہی تھی، وہ نجاست حکمیہ کی تھی بھائی۔ اب صاحبِ ہدایہ نجاستِ حقیقیہ کو ذکر کریں گے بھائی۔ نجاستِ حقیقیہ بھائی۔

تو کہتے ہیں: **بَابُ الْأَنْجَاسِ وَتَطْهِيرِهَا،** یہ باب ہے نجاستوں کے بیان میں اور ان کے پاک کرنے کے بیان میں۔ تو انجاث جمع ہے نجس کی، یاد رکھیے، نجس بھائی، مصدر ہے: نجس ہونا، نجس ہونا، ناپاک ہونا۔ اور اسی طرح یہ نجاست کو بھی کہتے ہیں۔ نجس کس کو کہتے ہیں؟ نجاست اور ناپاکی اس کو بھی کہتے ہیں، جیسے خون ہے، پیشاب ہے، تو یہ نجاستیں ہیں بھائی۔

اور جو چیز ناپاک ہو اس کو کہتے ہیں نجس، یعنی جس پر کوئی ناپاکی لگ گئی، وہ ہو گئی ناپاک، تو اس کو کیا کہیں گے؟ نجس۔ مثلاً خون تو ہے نجس، نجاست ہے، خون نجاست ہے، اور جب یہ کپڑے کو لگ گیا تو کپڑا خود تو نجس نہیں، لیکن خون کی وجہ سے اب کیا ہو گیا؟ ناپاک ہو گیا، تو اس کو کیا کہیں گے؟ نجس کہیں گے بھائی، نجس بھائی۔ تو عبارت میں اب یہ لفظ آئے گا تو آپ نے غور کرنا ہے کہ نجس پڑھنا ہے یا نجس پڑھنا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **تَطْهِيرُ النَّجَاسَةِ وَاجِبٌ مِنْ بَدَنِ الْمُصَلِّي وَثَوْبِهِ وَالْمَكَانِ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْهِ،** نجاست کو پاک کرنا واجب ہے نماز پڑھنے والے کے بدن سے، یعنی اس کے جسم سے، **وَثَوْبِهِ** اور اس کے کپڑوں سے، **وَالْمَكَانِ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْهِ** اور اس جگہ سے جس پر وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ تو ان تینوں چیزوں کا نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے نماز کی حالت میں۔ بدن بھی انسان کا پاک ہو، اس پر کوئی نجاست نہ لگی ہو، اور اسی طرح اس کے کپڑے بھی پاک ہونے چاہئیں، اور اسی طرح وہ جگہ جس پر وہ نماز پڑھ رہا ہے، وہ بھی پاک ہونی چاہیے۔ دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾،** بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: **﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾،** اور آپ اپنے کپڑے **فَطَهِّرْ** تو ان کو پاک رکھیے، ان کو پاک کیجیے۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ اور مراد اس سے نماز کی حالت ہے کہ نماز کی حالت میں کیا کیجیے اپنے کپڑوں کو؟ پاک رکھیے۔ پاک رکھیے کیونکہ نماز جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کی حالت ہے تو اس وقت انسان کو بہترین حالت پر ہونا چاہیے، اور بہترین حالت کون سی ہے کہ انسان کیا ہو؟ پاک ہو بھائی، ناپاکی وہاں کپڑوں وغیرہ پر نہ ہو۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۳۲): «**المدثر ٤**»، ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۳۲): «**بما ذكرنا**»۔ • شاملہ (ص ۳۲) میں «**لِأَنَّ**» کے بجائے «**فإن**» درج ہے۔

دوسری یہ تو آیت دلیل تھی، **وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ** اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**حُتِّيهِ ثُمَّ اقْرُصِيهِ**»، حتّا یحتُّ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو رگڑنا، رگڑنا، ملنا۔ **ثُمَّ اقْرُصِيهِ**، اور **قَرَصَ يَقْرُصُ** کے معنی ہوتے ہیں انگلیوں کے کناروں سے کسی چیز کو ملنا، یعنی کھرچنا، انگلیوں کے کناروں سے۔ تو حضور علیہ السلام، یہ حضور علیہ السلام کے پاس کوئی صحابیہ تشریف لائیں اور انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہمارے کپڑوں پر حیض کا خون لگ جاتا ہے تو ہم کیا کریں؟ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: «**حُتِّيهِ**»، اس کو کیا کرو؟ اس کو رگڑ دو، «**ثُمَّ اقْرُصِيهِ**»، پھر اس کو کھرچ دو، یعنی انگلیوں کے کناروں سے اس کو کھرچ دو، «**ثُمَّ اغْسِلِيهِ بِالْمَاءِ**»، پھر اس کو پانی سے دھولو، «**وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ**»، اور تجھے کوئی نقصان نہیں دے گا اس کا نشان بھائی۔ مثلاً تم نے اس کو رگڑ دیا، کھرچ دیا اور دھولیا، پھر بھی اگر اس کا کوئی داغ وغیرہ باقی ہے تو اس کا کوئی نقصان نہیں ہے بھائی، کپڑے پاک ہو جائیں گے بھائی۔ تو «**وَلَا يَضُرُّكِ**»، یہ مؤنث کی ضمیر ہے بھائی کیونکہ پیچھے «**حُتِّيهِ**» اور «**ثُمَّ اقْرُصِيهِ**»، یہ کون سے صیغے آرہے ہیں؟ مؤنث کے صیغے آرہے ہیں۔ «**وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ**»، اور نقصان نہیں دے گا تجھے اس کا نشان۔ **وَإِذَا وَجَبَ**، جی تو یہ دلیل ذکر کر دی۔ معلوم ہوا کپڑوں کا نجاست سے پاک کرنا ضروری ہے بھائی۔ آیت بھی ذکر کر دی دلیل کے طور پر اور حدیث بھی۔

لیکن اس سے تو صرف کپڑوں کے پاک کرنے کا پتہ چلا، باقی بدن اور جگہ کا بھی پاک ہونا ضروری، اس کی کیا دلیل ہے؟ تو وہ صاحبِ ہدایہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَإِذَا وَجَبَ التَّطْهِيرُ فِي الثَّوْبِ وَجَبَ فِي الْبَدَنِ وَالْمَكَانِ**، جب تطہیر کا حکم واجب ہوا، پاک کرنا واجب ہوا **فِي الثَّوْبِ** کس کے اندر؟ کپڑے میں، **وَجَبَ فِي الْبَدَنِ وَالْمَكَانِ** تو پاک کرنا واجب ہوا بدن اور مکان میں بھی، جگہ کے اندر بھی، **لِأَنَّ الِاسْتِعْمَالَ فِي حَالَةِ الصَّلَاةِ يَشْمَلُ الْكُلَّ**، اس لیے کیونکہ استعمال کرنا نماز کی حالت میں وہ ان سب کو شامل ہے۔ کپڑوں کے پاک کرنے کا حکم دیا شریعت نے کس حالت کے اندر؟ نماز کی حالت میں۔ معلوم ہوا نماز کی حالت میں کپڑے صاف ہونے چاہئیں۔ تو جب کپڑے پاک ہونے چاہئیں تو اسی سے پتہ چل گیا کہ بدن اور جگہ بھی کیا ہونی چاہیے؟ پاک ہونی چاہیے کیونکہ نماز کی حالت میں صرف کپڑے نہیں استعمال ہوں گے بلکہ بدن بھی استعمال ہوگا، وہ جگہ بھی استعمال۔ تو جب کپڑوں کے پاک کرنے کا پتہ چل گیا تو اسی سے پتہ چل گیا کہ اور جو چیزیں نماز کی حالت میں استعمال ہوں گی، ان کا بھی پاک ہونا ضروری ہے بھائی۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الِاسْتِعْمَالَ فِي حَالَةِ الصَّلَاةِ يَشْمَلُ الْكُلَّ**، اس لیے کیونکہ استعمال کرنا نماز کی حالت میں وہ ان سب چیزوں کو شامل ہے، یعنی بدن کو بھی اور مکان کو بھی کپڑوں کے ساتھ ساتھ بھائی۔

وَيَجُوزُ تَطْهِيرُهَا بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ إِزَالَتُهَا بِهِ: تطہیر النجاسۃ، ھا ضمیر کس کو راجع ہے؟ نجاست۔ **وَيَجُوزُ تَطْهِيرُهَا**، نجاست کو پاک کرنا جائز ہے **بِالْمَاءِ** پانی کے ساتھ، **وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ**، مائع کہتے ہیں بہنے والی چیز کو، اور ہر پاک بہنے والی چیز کے ساتھ، **يُمْكِنُ إِزَالَتُهَا بِهِ**، بھائی مائع لفظ آیا، بہنے والی چیز، اس کی ایک صفت آگئی طاہر بھائی کہ وہ بہنے والی چیز کیسی ہونی چاہیے؟ پاک ہونی چاہیے۔ تو مائع ہے نکرہ، آگے آرہا ہے: **يُمْكِنُ إِزَالَتُهَا بِهِ**، یہ فعل آگیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہ صفتِ ثانی بنے گی مائع کے لیے، صفتِ ثانی۔ اور ترجمہ کرنے کا کیا طریقہ ہے پھر؟ ایک طریقہ تو میں ذکر کرتا ہوں کہ موصوف سے پہلے کیا لے آؤ؟ ایسا یا ایسی کا لفظ لے آؤ۔ اسی طرح یہ بھی شاید میں آپ کو بتا چکا ہوں، عربی میں تو موصوف مقدم ہوتا ہے اور صفت مؤخر ہوتی ہے: **رَجُلٌ شُجَاعٌ**، رجل موصوف، شجاع اس کی صفت، تو موصوف مقدم ہے، صفت مؤخر۔ لیکن اسی کا اردو میں ترجمہ کریں، کیا ترجمہ آپ کرتے ہیں؟ بہادر آدمی۔ دیکھو بہادر کو مقدم کر دیا جو مؤخر تھا عربی میں، اور آدمی کا لفظ عربی میں مقدم تھا اس کو آپ نے مؤخر کر دیا۔ تو اردو میں صفت مقدم ہوتی ہے اور موصوف مؤخر ہوتا ہے۔ تو دو طریقے ہیں موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کے اردو میں بھائی، آسان طریقے: ایک طریقہ کیا ہے کہ اس صفت کو اردو میں مقدم کر دو۔ دوسرا طریقہ یہ کہ صفت کو مؤخر ہی رکھو لیکن موصوف سے پہلے کیا لے آؤ؟ ایسا یا ایسی کا، ایسا یا ایسی کا لفظ لے آؤ۔ تو یہاں پر اب دو صفات آگئیں، تو اس کا ترجمہ کرنے کا طریقہ پھر کیسے کریں گے ترجمہ؟ یوں کیجیے: ایک صفت کو اٹھا کر مقدم کر دیا کریں بھائی، ایک صفت کو مقدم کر دیں، اور دوسری کے لیے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں بھائی۔

تو کیسے ترجمہ کریں گے؟ **وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ إِزَالَتُهَا بِهِ**، اور جائز ہے نجاست کو پاک کرنا پانی کے ساتھ اور ہر ایسی پاک بہنے والی چیز کے ساتھ کہ ممکن ہو اس نجاست کو دور کرنا اس سے، کہ اس کے ذریعے نجاست کو دور کرنا ممکن ہو۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ ہر ایسی پاک بہنے والی چیز، دیکھو پاک کو میں نے اس بہنے والی چیز پر کیا کر دیا؟ مقدم۔ اور دوسری صفت کے لیے شروع میں کیا لے آیا؟ ایسی۔ ہر ایسی پاک بہنے والی چیز کہ اس کے ذریعے نجاست کو دور کرنا ممکن ہو۔ **كَالْخَلِّ** جیسے سرکہ ہے، **وَمَاءِ الْوَرْدِ** اور گلاب کا پانی، یعنی عرقِ گلاب ہے، **وَنَحْوِ ذَلِكَ** اور اس جیسی چیزیں، **مِمَّا إِذَا عُصِرَ انْعَصَرَ**، ان چیزوں میں سے کہ جب ان کو نچوڑا جائے **انْعَصَرَ** تو وہ نچڑ جائیں۔ جب ان کو نچوڑا جائے تو وہ نچڑ جائیں۔ جیسے پانی ہے بھائی، کپڑے پر پانی لگایا ہے، آپ نے اس کو نچوڑیں گے، پانی اس سے نکل جائے گا۔ اور جیسے سرکہ ہے، کپڑے پر لگایا، اس کو نچوڑیں گے تو سرکہ کپڑے سے نکل جائے گا۔ اور کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ وہ نچوڑنے سے نچڑتی نہیں ہیں بلکہ اور پھیل جائیں گی، جیسے گھی ہے بھائی۔ گھی اب کپڑے پر لگایا ہے، وہ نچوڑنے سے نکلے گا نہیں کپڑے سے، اسی طرح اور کپڑے کے اندر پھیل جائے گا بھائی۔ کچھ تو نکل آیا لیکن باقی تو اسی طرح نکلتا نہیں ہے نچوڑنے سے، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اسی طرح دودھ ہے وغیرہ، تو وہ نکل گئے۔ جب یہ قید لگا دی: **مِمَّا إِذَا عُصِرَ انْعَصَرَ**، کہ جب اس کو نچوڑا جائے تو وہ چیز نچڑ جائے، کپڑے سے نکل جائے، تو گھی اور دودھ وغیرہ اس جیسی چیزیں نکل گئیں کیونکہ اگر ان کو نچوڑا بھی جائے، کچھ تو نکل جائے گا لیکن پھر بھی اسی طرح کپڑے کے اندر وہ چیز باقی رہے گی۔

وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى، اور یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے، یعنی وہ فرماتے ہیں کہ نجاست صرف پانی سے

ہی نہیں صاف ہوتی بلکہ ہر ایسی پاک بہنے والی چیز سے نجاست پاک ہو جاتی ہے جس کے ذریعے اس کو دھویا جائے تو وہ نجاست کو ختم کر دے، اس کو دور کر دے، اور نیز وہ چیز نچوڑنے سے نچڑ بھی جاتی ہو، وہ ایسی بہنے والی چیز ہو۔ یہ کس کا مذہب ہے؟ شیخین رحمہما اللہ کا۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى: لَا **يَجُوزُ إِلَّا بِالْمَاءِ،** جبکہ امام محمد اور امام زفر اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: **لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالْمَاءِ،** کہ جائز نہیں ہے مگر پانی کے ساتھ۔ یعنی نجاست صرف کس چیز سے دھونے سے پاک ہو گی؟ پانی کے ساتھ دھونے سے پاک ہو گی، سرکے وغیرہ سے دھونے سے پاک نہیں ہو گی۔ **لِأَنَّهُ يَتَنَجَّسُ بِأَوَّلِ الْمُلَاقَاةِ،** اس لیے کیونکہ یہ چیز جو ہے نجس ہو جاتی ہے پہلی ملاقات سے ہی، **وَالنَّجِسُ لَا يُفِيدُ الطَّهَارَةَ،** اور جو چیز ناپاک ہو وہ پاک کرنے کا فائدہ نہیں دیتی، پاکی کا فائدہ نہیں دیتی، **إِلَّا أَنَّ هَذَا الْقِيَاسَ تُرِكَ فِي الْمَاءِ لِلضَّرُورَةِ،** مگر یہ کہ اس قیاس کو چھوڑ دیا گیا پانی کے اندر بوجہ ضرورت کے۔

امام محمد، امام زفر اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نجاست صرف پانی کے ساتھ دھونے سے پاک ہو گی، باقی چیزوں کے ساتھ دھونے سے پاک نہیں۔ وجہ اس کی یہ، وہ فرماتے ہیں کہ دوسری چیزیں جو ہیں وہ جیسے ہی نجاست کے ساتھ ملیں گی تو وہ چیزیں اولِ ملاقات کے ساتھ ہی نجس ہو جائیں گی، ناپاک ہو جائیں گی، اور جب خود ناپاک ہو گئیں تو ناپاک چیز سے تو کوئی چیز پاک نہیں ہوتی، تو اب وہ کپڑے کو بھی پاک نہیں کریں گی بھائی، کپڑے کو بھی اور اس چیز کو بھی۔ بھائی دیکھیے، قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک چیز جب ناپاک ہو گئی، مثلاً کپڑا ہے، تو اب قیامت تک اس کو دھوتے رہیں، اس کو پاک نہیں ہونا چاہیے بھائی۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے، کیوں؟ وجہ دیکھیے بھائی، کپڑے پر نجاست لگ گئی، مثلاً خون لگ گیا، آپ اس کو پانی سے دھوتے ہیں، جیسے ہی پانی اس کو لگے گا وہ پانی کیا ہو جائے گا؟ ناپاک ہو جائے گا۔ ناپاک ہو جائے گا۔ اب ٹھیک ہے، خون کے اجزاء تو سارے ختم ہو گئے، خون کے اجزاء تو سارے، لیکن وہ جو پانی رہ گیا، وہ کیا تھا؟ ناپاک۔ اگلا اور پانی ڈالیں، وہ بھی اس پانی ناپاک سے ملے گا، وہ بھی ناپاک ہو جائے گا۔ وہ دوسرا نکل گیا، دوسرا پانی رہ گیا، لیکن وہ بھی ناپاک ہے۔ اب تیسری دفعہ پھر پانی ڈالا، وہ بھی اس اگلے پانی کے ساتھ جب ملے گا، وہ بھی کیا ہو جائے گا؟ ناپاک ہو جائے گا۔ تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک چیز جب ناپاک ہو گئی تو اب وہ دھونے سے پاک ہو ہی نہیں سکتی، لیکن اس قیاس کو پانی کے اندر ترک کر دیا گیا، چھوڑ دیا گیا ضرورت کی وجہ سے، کس کی وجہ سے؟ ضرورت کی وجہ سے۔ کیونکہ اگر یہ، کیونکہ چیز کو پاک کرنے کی، کپڑے کو پاک کرنے کی لوگوں کو حاجت ہے اور ضرورت ہے بھائی، اور اگر یہ حکم لگا دیا جائے کہ یہ اب جتنی دفعہ بھی دھولو، یہ پاک ہی نہیں ہو گی، پھر تو لوگ بڑی تنگی اور مشکل میں پڑ جائیں گے۔ ہر نماز کے لیے الگ کپڑے کہاں سے لے کر آئیں بھائی؟ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا پانی کے اندر اس ضرورت کی بنا پر اس قیاس کو چھوڑ دیا گیا، لیکن باقی چیزیں اسی طرح قیاس کے مطابق ان پر، ان میں عمل کیا جائے گا۔ اور قیاس کے مطابق تو جب سرکے سے بھی کسی کپڑے کو دھوئیں گے تو وہ اس پر نجاست لگی ہے، سرکہ جیسے ہی اس کے ساتھ لگے گا، وہ کیا ہو جائے گا؟ ناپاک، اور جب وہ ناپاک ہوا تو اب پاک کرنے کا فائدہ نہیں دے گا۔ اسی طرح عرقِ گلاب سے بھی دھوئیں گے، وہ جیسے ہی اس نجاست کے ساتھ ملے گا، وہ کیا ہو جائے گا؟ ناپاک، اس کے ساتھ اب جب وہ ناپاک ہوا تو اس کے ساتھ کپڑا صاف نہیں ہو گا۔ بھائی دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ يَتَنَجَّسُ بِأَوَّلِ الْمُلَاقَاةِ،** اس لیے کیونکہ یہ چیز جو ہے، جو بہنے والی چیز ہے، یہ نجس ہو جائے گی پہلی ملاقات سے ہی، یعنی جب اس نجاست سے پہلی ملاقات کرے گی، اس سے ملے گی تو ساتھ ہی یہ نجس ہو جائے گی، **وَالنَّجِسُ لَا يُفِيدُ الطَّهَارَةَ،** اور جو چیز ناپاک ہوتی ہے وہ طہارت کا فائدہ نہیں دیتی، **إِلَّا أَنَّ هَذَا الْقِيَاسَ تُرِكَ فِي الْمَاءِ لِلضَّرُورَةِ،** مگر یہ کہ اس قیاس کو پانی کے اندر ترک کر دیا گیا، چھوڑ دیا گیا بوجہ ضرورت کے۔

وَلَهُمَا: اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْمَائِعَ قَالِعٌ،** کہ بہنے والی چیز جو ہے وہ **قَالِعٌ** اکھاڑنے والی ہے۔ کیا کرتی ہے وہ؟ اکھاڑ ڈالتی ہے چیز کو۔ جب نجاست کے اجزاء کپڑے وغیرہ کسی چیز پر لگے ہیں، اب آپ اس کو سرکے سے دھوئیں گے، یہ بہنے والی پاک چیز ہے تو یہ کیا کرے گی؟ اس نجاست کو جڑ سے ہی وہاں سے اکھاڑ دے گی، اس کے اجزاء وہاں سے ختم کر دے گی۔ یہ معنی ہے: **قَالِعٌ،** تو شیخین کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْمَائِعَ قَالِعٌ،** کہ بہنے والی چیز جو ہے وہ اکھاڑنے والی ہے، **وَالطَّهُورِيَّةُ بِعِلَّةِ الْقَلْعِ،** اور پاک کرنا کس وجہ سے ہوتا ہے؟ **بِعِلَّةِ الْقَلْعِ،** اکھاڑنے کی علت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کسی چیز کو مطہر کب قرار دیا جاتا ہے؟ پانی کو مطہر ہم کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ وہ نجاست کو اکھاڑ دیتا ہے، اس کو جڑ سے ہی ختم کر دیتا ہے۔ تو یہ معنی ہے: **وَالطَّهُورِيَّةُ بِعِلَّةِ الْقَلْعِ،** اور پاک کرنا جو ہے وہ اکھاڑنے کی علت کی وجہ سے ہوتا ہے، **بِعِلَّةِ الْقَلْعِ وَالْإِزَالَةِ،** ازالہ کا عطف قلع پر ہے، اور پاک کرنا جو ہے وہ اکھاڑنے اور زائل کرنے کی علت کی وجہ سے ہوتا ہے، **وَالنَّجَاسَةُ لِلْمُجَاوَرَةِ،** اور نجس ہونا جو ہے وہ ملے ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نجس ہونا ملے ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، مجاورت: ملا ہونا، ساتھ ہونا کسی چیز کے، **فَإِذَا انْتَهَتْ أَجْزَاءُ النَّجَسِ يَبْقَى طَاهِرًا،** پس جب ختم ہو جائیں گے ناپاکی کے اجزاء تو وہ کپڑا پاک رہ جائے گا، پاک ہو کر باقی، وہ چیز پاک ہو کر باقی رہ جائے گی۔

دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ بھائی دیکھیے، شیخین رحمہما اللہ کی دلیل ہے، وہ فرماتے ہیں کوئی بھی پاک بہنے والی چیز ہو جس سے، جو نجاست کو ختم کر سکے، اس کے ساتھ دھونے سے کپڑا کیا ہو جائے گا؟ کپڑا یا کوئی چیز جو بھی نجس ہے وہ پاک ہو جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں وجہ یہ کہ یہ جو بہنے والی چیز ہوتی ہے، یہ کیا ہے؟ اکھاڑنے والی ہے نجاست کو، اور وہ کپڑا کیا ہے؟ ناپاک ہے، کیوں ناپاک ہے؟ اس کے ساتھ نجاست ملی ہوئی ہے، نجاست اس کے ساتھ مجاور ہے، اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے، لگی ہوئی ہے۔ تو اس کپڑے کے ساتھ نجاست کی مجاورت ہے۔ تو جب اس کے اوپر یہ بہنے والی پاک چیز کے ساتھ اس کو دھویا تو یہ بہنے والی پاک چیز کیا کرے گی؟ اس نجاست کو اکھاڑ ڈالے گی،

اور جب اس نجاست کو اکھاڑ دیا، اس کو زائل کر دیا، ختم کر دیا تو پھر اس کو کیا قرار دیں گے؟ پاک، کہ اس نے اس کو کیا کر دیا ہے؟ تو وہ کپڑا ناپاک کیوں تھا؟ نجاست کے ساتھ ملنے کی وجہ سے۔ اور پاک ہونا کس وجہ سے ہوتا ہے؟ جب اس نجاست کے اجزاء وہاں سے اکھڑ جائیں، ختم ہو جائیں۔ تو جب وہ مائع کے ذریعے، اس بہنے والی چیز کے ذریعے ہم اس کو دھوئیں گے تو وہ بہنے والی چیز کیا کرے گی؟ نجاست کو وہاں سے اکھاڑ ڈالے گی، اور جب نجاست وہاں سے اکھڑ گئی، زائل ہو گئی تو اب کیا حکم لگایا جائے گا؟ یہ کپڑا یا چیز کیا ہو گئی؟ پاک ہو گئی، پاک ہو گئی بھائی۔

حاصلِ دلیل یہ ہوا کہ پانی کو مطہر قرار دیا گیا کس وجہ سے؟ کہ یہ نجاست کو اکھاڑ ڈالتا ہے، اور یہی وصف ان چیزوں، بہنے والی چیزوں میں بھی موجود ہے۔ یہ بھی کیا کرتے ہیں؟ نجاست کو اکھاڑ ڈالتے ہیں، ختم کر دیتے ہیں۔ جب پانی نجاست کو اکھاڑ ڈالتا ہے اور ختم کر دیتا ہے تو اس کپڑے اور اس چیز کو کیا قرار دیا جاتا ہے؟ پاک قرار دیا، تو جب کوئی اور چیز بھی اس نجاست کو اکھاڑ ڈالے اور ختم کر دے تو کیا حکم لگایا جائے گا؟ کہ وہ کپڑا وغیرہ پاک ہو گیا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

جی دیکھیے دوبارہ بھائی دلیل: **وَلَهُمَا،** شیخین کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْمَائِعَ قَالِعٌ،** کہ وہ پاک بہنے والی چیز جو ہے **قَالِعٌ** وہ اکھاڑنے والی ہے، کس کی طرح؟ پانی کی طرح۔ **وَالطَّهُورِيَّةُ بِعِلَّةِ الْقَلْعِ وَالْإِزَالَةِ،** اور مطہر ہونا کس وجہ سے ہوتا ہے؟ کسی چیز کو مطہر کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ طہوریت کا معنی کریں: مطہر ہونا، کیا ہونا؟ طہور کا کیا معنی تھا؟ مطہر نا، اور اس کے ساتھ یائے مشدد اور تا ساتھ ملا دی گئی، مصدر بن گیا اب یہ، طہوریت، کیا معنی؟ مطہر ہونا۔ مطہر ہونا کب ہو گا؟ کس وجہ سے کسی چیز کو مطہر قرار دیا جائے گا؟ جب وہ نجاست کو اکھاڑ ڈالتی ہو وہ چیز، نجاست کو ختم کر دیتی ہو تو اس کو کیا کہیں گے کہ یہ چیز کیا ہے؟ مطہر ہے۔ تو یہی ذکر کر رہے ہیں کہ یہ جو بہنے والی چیزیں ہیں یہ اکھاڑنے والی ہیں نجاست کو پانی کی طرح، اور مطہر ہونا کس وجہ سے ہوتا ہے؟ کسی چیز کو مطہر کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ **بِعِلَّةِ الْقَلْعِ وَالْإِزَالَةِ،** نجاست کو زائل کرنے اور اکھاڑنے کی علت کی وجہ سے۔ جو چیز بھی نجاست کو اکھاڑنے والی ہے وہ کیا اس کو کیا کہا جائے گا؟ مطہر۔ **وَالنَّجَاسَةُ لِلْمُجَاوَرَةِ،** اور اس چیز کا یا کپڑے وغیرہ کا نجس ہونا وہ کس وجہ سے ہے؟ نجاست کے ساتھ ملے ہونے کی وجہ سے ہے اس کا نجس ہونا۔ **فَإِذَا انْتَهَتْ أَجْزَاءُ النَّجَسِ،** پس جب اس چیز سے ہم اس کو دھوئیں گے اور تو یہ چیز کیا کرے گی یہ بہنے والی چیز؟ نجاست کے اجزاء کو اکھاڑ دے گی، ختم کرے گی۔ **فَإِذَا انْتَهَتْ أَجْزَاءُ النَّجَسِ،** جب ختم ہو جائیں گے اس نجاست کے اجزاء، **يَبْقَى طَاهِرًا** تو وہ چیز پاک ہو کر باقی رہ جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَجَوَابُ الْكِتَابِ لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ الثَّوْبِ وَالْبَدَنِ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَإِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: اور یہ جو کتاب، یعنی قدوری کا جواب ہے، یعنی قدوری کے اندر جو عبارت آئی، یہ فرق نہیں کرتا **بَيْنَ الثَّوْبِ وَالْبَدَنِ** کپڑے اور بدن کے بیچ، کپڑے اور بدن۔ بھائی قدوری کی عبارت ذرا دیکھیے: **وَيَجُوزُ تَطْهِيرُهَا بِالْمَاءِ،** اور جائز ہے نجاست کو پاک کرنا پانی کے ساتھ، **وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ،** ہر پاک بہنے والی چیز۔ اب دیکھیے، یہاں یہ نہیں ذکر کہ کپڑے کو نجاست سے پاک کرنا جائز ہے پانی کے ساتھ اور ہر بہنے والی چیز کے ساتھ، بلکہ عبارت عام ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ پانی اور بہنے والی چیز کے ساتھ نجاست کو پاک کیا جا سکتا ہے، چاہے وہ کس پر لگی ہو؟ کپڑے پر، چاہے کس پر لگی ہو؟ بدن پر۔ کوئی یہاں تفرقہ کیا گیا؟ کہا گیا کہ کپڑے کی نجاست وہ صاف ہو گی پانی اور بہنے والی چیز سے؟ نہیں، کپڑے کا ذکر نہیں، تو یہ شامل ہوا کس کو؟ کپڑے کو بھی اور بدن کو بھی۔ یہ معنی ہے کہ اس نے کتاب کے جو جواب ہے اس نے فرق نہیں، وہ فرق نہیں کرتا **بَيْنَ الثَّوْبِ وَالْبَدَنِ،** کپڑے اور بدن کے درمیان۔ یعنی دونوں معلوم ہوا اس سے صاف ہو جائیں گے۔ پانی سے تو ہوتا ہی ہے بدن صاف، معلوم ہوا بہنے والی چیز سے بھی کیا ہو جائے گا؟ بدن پر نجاست لگی ہے، خون وغیرہ لگا ہے تو سر کے وغیرہ سے دھونے سے کیا ہو جائے گا وہ؟ پاک ہو جائے گا۔ **وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ،** اور یہی قول ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا، **وَإِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ،** اور یہ ایک روایت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے۔

وَعَنْهُ أَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے، **فَلَمْ يُجَوِّزْ فِي الْبَدَنِ بِغَيْرِ الْمَاءِ،** پس انہوں نے جائز قرار نہیں دیا بدن کے اندر پانی کے علاوہ کو۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دوسری روایت کیا ہے؟ وہ فرق کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کپڑے وغیرہ جو ہیں ان میں تو ہر پاک بہنے والی چیز سے نجاست کو صاف کیا جا سکتا ہے، لیکن بدن پر اگر کوئی نجاست ہو تو وہ پانی کے علاوہ اور دوسری چیزوں سے صاف نہیں ہو گی بھائی۔

وَإِذَا أَصَابَ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جِرْمٌ كَالرَّوْثِ وَالْعَذِرَةِ وَالدَّمِ وَالْمَنِيِّ فَجَفَّتْ فَدَلَكَهُ بِالْأَرْضِ جَازَ: اور جب لگ جائے موزے کو کوئی ایسی نجاست **لَهَا جِرْمٌ** جس کا جسم ہو۔ **نَجَاسَةٌ** نکرہ آیا، اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ کیوں صفت بنتا ہے؟ کیونکہ وہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنے گا؟ جملہ، اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں۔ تو نکرہ کے بعد نکرہ آتا ہے، اس لیے اس کو کیا بنا دیتے ہیں؟ صفت۔ اسی طرح ایک جملہ اسمیہ بھی ہوتا ہے جو مبتدا اور خبر سے مل کر بنتا ہے، تو وہ بھی جب مبتدا اور خبر سے مل کر کیا بن جائے گا؟ جملہ، اور جملہ تو کس کے حکم میں؟ نکرہ۔ تو لہٰذا اگر نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ بھی آ جائے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ جیسے یہاں پر ہے، نجاست کا لفظ ہے نکرہ، اور اس کے بعد آیا: **لَهَا جِرْمٌ، لَهَا** ہے خبرِ مقدم، **جِرْمٌ** ہے مبتدائے مؤخر، مبتدائے مؤخر اپنی خبرِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ صفت ہوئی کس کی؟ نجاست کی۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ، کیا طریقہ بتلایا؟ موصوف سے پہلے کیا لفظ لے آئیں گے؟ ایسا۔ اب دیکھیے ترجمہ: **وَإِذَا أَصَابَ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جِرْمٌ،** اور جب لگے موزے کو ایسی نجاست جس کا جسم ہو، یعنی ظاہری جسم

ہو، **كَالرَّوْثِ** جیسے کہ گوبر ہے، **وَالْعَذِرَةِ** اور جیسے پاخانہ ہے، عذرہ انسان کے فضلے کو کہتے ہیں بھائی۔ **كَالرَّوْثِ** جیسے گوبر ہے، **وَالْعَذِرَةِ** اور پاخانہ ہے، **وَالدَّمِ** اور خون ہے، **وَالْمَنِيِّ** اور جیسے کہ منی ہے، تو یہ ایسی نجاستیں ہیں جن کا جسم ہے، جن کا کیا ہے؟ جسم ہے۔ جسم، آگے بتلائیں گے کہ جس کا جسم نہ ہو، مراد یہ ہے کہ خشک ہونے کے بعد بھی اس کا جسم باقی رہتا ہے۔ اب جیسے پیشاب ہے، جسم تو پیشاب کا بھی ہے، اس کا بھی وجود ہے، لیکن خشک ہونے کے بعد اس کا کوئی جسم وغیرہ باقی نہیں رہتا، تو یہاں وہ مراد ہے کہ خشک ہونے کے بعد بھی ان کا جسم باقی رہتا ہے، جیسے یہ سب ذکر ہوئے۔ تو جب کوئی موزے کو ایسی کوئی نجاست لگ جائے جس کا کوئی جسم ہو، **فَجَفَّتْ** تو وہ نجاست کیا ہوئی؟ خشک ہو گئی، **فَدَلَكَهُ بِالْأَرْضِ** تو اس شخص نے کیا کیا اس کو؟ رگڑ دیا زمین کے ساتھ، زمین کے ساتھ اس کو مل دیا، رگڑ دیا اچھی طرح، **جَازَ** تو بھی یہ بھی جائز ہے، یعنی نماز کے حق میں یہ اب پاک ہو گیا۔ اب اس کے اندر نماز پڑھی جا سکتی ہے اس موزے کے اندر۔

معلوم ہوا، جب کوئی ایسی نجاست موزے وغیرہ کو لگے جس کا ظاہری جسم ہو، خشک ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، تو جب یہ نجاست خشک ہو جائے اور پھر اس کو کیا کر دیا جائے؟ زمین پر رگڑ دیا جائے، اچھی طرح اس جگہ سے ختم کر دیا جائے موزے پر سے، تو وہ موزہ پاک ہو جائے گا، اس کو پانی سے دھونے کی ضرورت نہیں۔ اس کے ساتھ نماز جائز ہے بھائی۔ یہ معنی ہے بھائی **جَازَ** کہ جائز ہے، یعنی نماز کے حق میں یہ صاف ہو گیا، پاک ہو گیا۔

وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، اور یہ استحسان ہے بھائی۔ یہ کیا ہے؟ اس کو جو جائز قرار دیا گیا یہ استحسان کی وجہ سے۔ **وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ**، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں، یعنی اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اس کو پاک نہیں کہیں گے، **وَهُوَ الْقِيَاسُ**، اور یہی قیاس ہے بھائی۔ قیاس بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ یہ پاک نہیں ہونا چاہیے، **إِلَّا فِي الْمَنِيِّ خَاصَّةً**، مگر منی کے اندر خاص طور پر بھائی، منی کے اندر، کہ وہ پاک ہو جاتی ہے جب اس کو کھرچ دیا جائے۔ وجہ کیا؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْمُتَدَاخِلَ فِي الْخُفِّ لَا يُزِيلُهُ الْجَفَافُ وَالدَّلْكُ**، اس لیے کیونکہ وہ جو داخل ہو گیا موزے کے اندر، بھائی وہ نجاست موزے پر لگی تو اس کے کچھ اجزاء موزے کے اندر جذب ہو گئے، کیا ہوئے؟ جذب۔ تو وہ جو اجزاء وہ موزے کے اندر داخل ہو گئے، **لَا يُزِيلُهُ الْجَفَافُ**، جفاف کا معنی خشک ہونا، **دَلْك** کا معنی ملنا، رگڑنا، تو اس کو، وہ جو جذب ہو گئے، جو داخل ہو گئے، ان کو خشک ہونا اور رگڑنا دور نہیں کرتا۔ خشک ہونے اور رگڑنے سے وہ دور نہیں ہوتے کیونکہ وہ تو اندر داخل ہو گئے موزے کے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منی کے علاوہ باقی چیزیں جو ہیں وہ منی جو ہے اس کا حکم الگ ہے، اس کی تفصیل آگے آ جائے گی۔ اس کے علاوہ باقی کوئی ایسی نجاست جس کا ظاہری جسم ہے، وہ موزے کو لگ گئی اور موزے کو موزہ خشک ہوا اور پھر زمین پر رگڑ دیا تو یہ صاف نہیں ہو گا، پاک نہیں ہو گا، اس لیے کیونکہ اس نجاست کے اجزاء اس موزے کے اندر داخل ہو گئے اور خشک ہونے اور پاک ہونے سے تو وہ اجزاء نہیں نکلیں گے بھائی، لہٰذا یہ صاف نہیں ہو گا۔ یہ ہے قیاس بھائی، قیاس۔

لیکن شیخین رحمہما اللہ کیا فرماتے ہیں؟ پاک ہو جائے گا جیسا متن میں آیا، اور یہ کس بنا پر؟ استحسان کی بنا پر، استحسان کی بنا پر بھائی۔ آپ کو میں نے بتلایا تھا: ایک ہے استحسان، ایک ہے قیاس۔ یاد رکھیے استحسان جو ہے ہر ایسی دلیل کو کہتے ہیں جس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاس موجود ہو۔ کیا موجود ہو؟ قیاس موجود ہو بھائی، ہر ایسی دلیل۔ لیکن زیادہ تر رائج اور شائع اس کا استعمال جو ہے قیاسِ خفی کے اندر ہے، قیاسِ خفی کے اندر۔ قیاسِ خفی کو زیادہ تر استحسان کہا جاتا ہے، لیکن دیکھیے قیاسِ خفی کو بھی استحسان تب کہیں گے جب اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی موجود ہو۔ اگر قیاس خفی ہے، قیاسِ خفی کا کیا معنی؟ یعنی ذرا گہری بات ہے، کیا ہے؟ ایک قیاسِ جلی ہوتا ہے کہ فوراً ذہن اس تک پہنچ جاتا ہے، ایک قیاسِ خفی ہوتا ہے جس میں تھوڑا سا غور کرنا پڑتا ہے، کیا کرنا پڑتا ہے؟ غور کرنا پڑتا ہے۔ تو قیاس خفی ہو تو پھر بھی اس کو اس وقت تک استحسان نہیں کہیں گے جب تک اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی نہ ہو۔ تو ایک قیاس ہے وہ خفی ہے، ذہن فوراً وہاں نہیں پہنچتا بلکہ غور کے بعد پہنچتا ہے، تو بھی اس کو استحسان نہیں کہیں گے۔ ہاں، کب استحسان کہیں گے اس قیاسِ خفی کو؟ جب اس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاسِ جلی موجود۔ تو مقابلے میں قیاسِ جلی کا ہونا ضروری ہے، پھر ہی قیاسِ خفی کو استحسان کہا جائے گا بھائی۔ تو یہاں پر بھی دیکھیے استحساناً اس کو کیا قرار دیا گیا؟ جائز قرار دیا گیا، اور قیاس تو کیا قیاسِ جلی تو کیا تقاضا کر رہا تھا جیسا امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ اس کو اس سے پاک خشک ہونے اور رگڑنے سے اس کو پاک نہیں ہونا چاہیے، قیاس تو یہ تقاضا کر رہا تھا قیاسِ جلی، لیکن قیاسِ خفی کی وجہ سے اس کو کیا قرار دیا گیا؟ پاک قرار دیا گیا تو یہ ہے استحسان کیونکہ اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی موجود ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا اس کو استحسان کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ پسندیدہ ہوتا ہے۔ مستحسن کسے کہتے ہیں؟ پسندیدہ کو۔ تو یہ بھی پسندیدہ ہوتا ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہو جاتی ہے۔ اب دیکھیے کس میں آسانی ہے؟ موزے کے خشک ہونے کے بعد اس کو رگڑ دیا گیا، اب اس کو پاک قرار دینے میں لوگوں کے لیے آسانی ہے یا نجس قرار دینے میں آسانی ہے بھائی؟ پاک قرار دینے میں آسانی ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس لیے اس کو استحسان کہا گیا بھائی تو یہ پسندیدہ ہوتا ہے۔

اور استحسان کیا ہے؟ آگے بتلائیں گے، استحسان یہ ہے کہ ہاں استحسان، استحسان کس کو کہتے ہیں؟ میں نے کیا بتلایا؟ کوئی بھی شرعی دلیل جس کے مقابلے میں کیا آ جائے؟ قیاسِ جلی آ جائے، کوئی بھی شرعی دلیل، جب اس کے مقابلے میں کیا آ جائے؟ قیاسِ جلی آ جائے، اس شرعی دلیل کو کیا کہیں گے؟ استحسان کہیں گے، چنانچہ آگے دیکھیں گے آپ، وہ دلیل کے طور پر حدیث ذکر کرتے ہیں شیخین رحمہما اللہ، تو اس حدیث پر عمل کیا جا رہا ہے اور اس دلیل کو کیا قرار دیا جا رہا ہے؟ استحسان قرار دیا جا رہا ہے، کیا کہا جا رہا ہے؟ استحسان۔ تو یہاں عمل حدیث پر کر رہے ہیں لیکن اس حدیث کو ہی کیا کہا جا رہا ہے کہ یہ استحسان ہے، کیوں استحسان ہے؟ کیونکہ اس کے مقابلے میں کیا آ رہا ہے؟ قیاسِ جلی۔ اور جس دلیل کے مقابلے میں بھی کیا آ جائے، قیاسِ جلی آ جائے، اس دلیل کو کیا کہتے ہیں؟ استحسان کہتے ہیں بھائی۔ بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اور آگے اس کا جواب بھی دیں گے ان کے قیاس کا اور یعنی قیاسِ خفی بتلائیں گے بھائی۔

تو کہتے ہیں یہ استحسان ہے، **وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ:** لَا يَجُوزُ، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے، **وَهُوَ الْقِيَاسُ** اور یہی قیاس بھی ہے، **إِلَّا فِي الْمَنِيِّ خَاصَّةً** مگر منی کے اندر خاص طور پر، وہ بغیر دھوئے بھی پاک ہو جاتی ہے کھرچنے سے ہی، اور آگے اس کی تفصیل سے ذکر کریں گے۔ **لِأَنَّ الْمُتَدَاخِلَ فِي الْخُفِّ** لَا **يُزِيلُهُ الْجَفَافُ وَالدَّلْكُ،** اس لیے کیونکہ وہ جو داخل ہو گیا، وہ جو نجاست داخل ہو گئی کس کے اندر؟ موزے کے اندر، اس کے جو اجزاء داخل ہو گئے، لَا **يُزِيلُهُ الْجَفَافُ وَالدَّلْكُ،** ان اجزاء کو زائل نہیں کرتا خشک ہونا اور رگڑنا، **بِخِلَافِ الْمَنِيِّ،** بخلاف کس کے؟ منی کے، **عَلَى مَا نَذْكُرُهُ،** بوجہ اس کے جو ہم ذکر کریں گے، ہم آگے اس کو کیا کریں گے؟ ذکر کریں گے، وہ پاک ہو جائے گی۔

وَلَهُمَا: شیخین رحمہما اللہ کی دلیل جو ہے، **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** حضور علیہ السلام کا قول ہے: «**فَإِنْ كَانَ بِهِمَا أَذًى**»، اگر ان جوتوں میں کوئی گندگی وغیرہ لگی ہو، «**فَلْيَمْسَحْهُمَا بِالْأَرْضِ**»، تو چاہیے اس شخص کو کہ وہ پونچھ دے ان کو، مل دے ان کو **بِالْأَرْضِ** کس کے ساتھ؟ زمین کے ساتھ، «**فَإِنَّ الْأَرْضَ لَهُمَا طَهُورٌ**»، پس بے شک زمین جو ہے ان دونوں جوتوں کے لیے **طَهُورٌ** پاک کرنے والی ہے ان کو۔

بھائی یہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز ادا فرما رہے تھے، نماز شروع کی اور پھر آپ نے ایک طرف جوتے اتار دیے بھائی۔ یاد رکھیے، اس زمانے میں نماز جوتوں کے ساتھ ادا کی جاتی تھی، نماز کس کے ساتھ؟ جوتوں کے ساتھ۔ وجہ یہ کہ جوتے ان کی، جوتے وغیرہ پاک ہوتے تھے، نجاست وغیرہ وہاں کم ہوتی تھی، اس لیے کیونکہ ریتلا علاقہ تھا، ریتلا علاقہ۔ اور نیز آج کل کی طرح اس طرح بکثرت چیزیں وغیرہ اتنی نہیں تھیں، اور جیسے آج کل تعفن والی چیزیں، کوڑا وغیرہ آپ دیکھتے ہیں اس میں کتنا تعفن وغیرہ ہوتا ہے، پہلے تو لوگوں کو کھانے پینے کو ہی مشکل سے ملتا تھا، بس بقدرِ ضرورت چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ اب تو ہر ہر چیز کی ہزار ہا قسمیں آ گئیں اور تو لہٰذا اس وقت ایسی چیزیں نہیں ہوتی تھیں، راستے گلیاں اس طرح تعفن سے بھرے نہیں ہوتے تھے، ریتلا علاقہ تھا۔ تو لہٰذا اگر نجاست کبھی کوئی لگ بھی جائے تو وہ بھی ریت کی وجہ سے کیا ہو جاتی تھی؟ جوتے کے ساتھ سے، جوتے سے صاف ہو جاتی۔ تو لہٰذا وہ جوتوں کے ساتھ ہی نماز ادا کی جاتی تھی بھائی، تو جوتے پاک ہوتے۔ نماز میں ان کے جب جوتے پاک ہوں نماز کے اندر اگر پہنے نماز ہو جائے گی بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ کس چیز سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے؟ ناپاک چیز سے، نجس چیز سے بھائی۔ تو حضور علیہ السلام نے نماز کے اندر ہی جوتے اتار دیے بھائی۔ حضور علیہ السلام نے جوتے اتارے تو صحابہ جو پیچھے کھڑے تھے انہوں نے بھی سب نے اپنے جوتے اتار دیے۔ تو حضور علیہ السلام نے نماز مکمل کروانے کے بعد پوچھا بھائی کہ تم لوگوں نے جوتے کیوں اتارے؟ کس وجہ سے اتارے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! ہم نے آپ کو جوتے اتارتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی اتار لیے۔ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے آ کر مجھے بتایا تھا کہ آپ کے جوتے میں نجاست لگی ہے، میں نے تو اس لیے جوتے کو اتار دیا۔ پھر آپ فرمانے لگے: تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں آئے تو اسے چاہیے کہ دیکھ لے کہ اس کے جوتے میں کوئی نجاست تو نہیں لگی۔ اگر کوئی نجاست وغیرہ لگی ہوئی ہو تو کیا کر دیں ان کو؟ زمین کے ساتھ رگڑ دے، تو زمین کے ساتھ ان کو رگڑ دے، زمین ان کو پاک کرنے والی ہے۔ جب رگڑے گا تو جوتے کیا ہو جائیں گے؟ پاک ہو جائیں گے۔ تو یہ حدیث کے اندر آیا ہے بھائی۔ یہ معنی ہے، یہ حدیث اس طرح ہے پوری بھائی: «**فَإِنْ كَانَ بِهِمَا أَذًى**»، اگر ان جوتوں میں کوئی گندگی ہو، یعنی اس کو دکھائی دے، «**فَلْيَمْسَحْهُمَا بِالْأَرْضِ**»، تو چاہیے کہ ان کو کس سے رگڑ دے؟ کس سے پونچھ ڈالے؟ زمین کے ساتھ، «**فَإِنَّ الْأَرْضَ لَهُمَا طَهُورٌ**»، پس بے شک زمین ان کے لیے مطہر ہے، پاک کرنے والی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے شیخین کی۔

اور دوسرا اب دوسری دلیل، امام محمد رحمہ اللہ نے کس کو ذکر کیا تھا؟ قیاس کو، اس کا بھی جواب دیں گے۔ کہتے ہیں بھائی دیکھیے، ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، جب نجاست موزے پر لگے گی تو اس کے کچھ اجزاء موزے کے اندر جذب ہو جائیں گے، لیکن تھوڑے سے جذب ہوں گے زیادہ نہیں کیونکہ موزہ ٹھوس ہوتا ہے، سخت ہوتا ہے، چمڑا کیا ہوتا ہے؟ چمڑا سخت ہوتا ہے، زیادہ اجزاء اس میں جذب نہیں ہوں گے، تھوڑے سے جذب ہوں گے۔ اب کچھ اجزاء تو موزے کے اندر جذب ہو گئے، اور کون سی نجاست کی بات چل رہی ہے؟ وہ جو جس کا جسم ہوتا ہے باقاعدہ باہر۔ اب جب یہ باہر والا نجاست کا جسم خشک ہو گا تو وہ جو کچھ اجزاء موزے کے اندر جذب ہوئے تھے، یہ باہر والا نجاست کا جسم پھر ان کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ یہ جب خشک ہو رہا ہے تو جہاں سے بھی اس کو تری ملے گی یہ کیا کرے گا اس تری کو؟ اس تری اور ان اجزاء کو اپنی طرف کھینچ لے گا بھائی۔ جب کھینچ لے گا، اب وہ اجزاء اس باہر والے جسم میں آ گئے موزے سے نکل کر، اور جب یہ باہر والا جسم زمین سے وہ رگڑے گا، یہ باہر والے اجزاء کیا ہو جائیں گے؟ زائل ہو جائیں گے، موزے سے الگ ہو جائیں گے۔ اور جب یہ اجزاء الگ ہوں گے تو جن اجزاء کو انہوں نے جذب کیا تھا وہ بھی ان کے ساتھ ہی کیا ہو جائیں گے؟ الگ ہو جائیں گے، تو موزہ پاک رہ جائے گا پیچھے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟ یہی ذکر کر رہے ہیں: **وَلِأَنَّ الْجِلْدَ لِصَلَابَتِهِ** لَا **يَتَدَاخَلُهُ أَجْزَاءُ النَّجَاسَةِ إِلَّا قَلِيلٌ،** اور اس لیے کیونکہ چمڑا جو ہوتا ہے **لِصَلَابَتِهِ** اپنے ٹھوس ہونے کی وجہ سے، اپنے سخت ہونے کی وجہ سے لَا **يَتَدَاخَلُهُ أَجْزَاءُ النَّجَاسَةِ إِلَّا قَلِيلٌ،** اس میں داخل نہیں ہوتے نجاست کے اجزاء مگر تھوڑے سے، **ثُمَّ يَجْتَذِبُهُ الْجِرْمُ،** پھر ان اجزاء وہ جو داخل ہوئے تھے، ان کو جذب کر لے گا، کون جذب کر لے گا؟ **الْجِرْمُ،** وہ جو نجاست کا باہر ظاہری جسم ہے، وہ ان اجزاء کو واپس اپنی طرف جذب کر لے گا، **إِذَا جَفَّ** جب یہ کیا ہو گا؟ خشک۔ یہ ان اجزاء کو کب اپنی طرف جذب کرے گا؟ جب یہ خشک ہو جائے گا، **فَإِذَا زَالَ،** پھر جب یہ خشک نجاست کا جسم جو ہے یہ جب زائل ہو گا، یعنی ہٹ جائے گا، ادھر سے دور ہو جائے گا، **زَالَ مَا قَامَ بِهِ،** تو وہ اجزاء جو اس کے ساتھ قائم تھے، جو اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے وہ بھی زائل ہو جائیں گے، دور ہو جائیں گے، یعنی موزے سے ختم

ہو جائیں گے۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھائی؟

وَفِي الرَّطْبِ لَا يَجُوزُ حَتَّى يَغْسِلَهُ: یہ تو وہ نجاست جس کا ظاہری جسم تھا اور وہ خشک ہو جاتی تھی اس کا حکم تھا۔ اور اگر وہ تر ہے، یعنی خون لگ گیا موزے کو اور ابھی وہ تر ہی ہے، گیلا ہی ہے، سمجھ میں آیا پھر کیا کریں گے؟ کہتے ہیں: **وَفِي الرَّطْبِ،** اور تر کے اندر، گیلے اس گیلے کے اندر، **لَا يَجُوزُ** اس میں جائز نہیں ہے، **حَتَّى يَغْسِلَهُ** یہاں تک کہ اس کو دھولے۔ یہ نجاست خشک ہو جائے پھر تو زمین پر رگڑنا، مل دینا کافی ہے، لیکن اگر خشک نہیں ہوئی، گیلی ہی ہے تو پھر اس کے اندر دھونا ضروری ہے۔ گیلی ہے تو زمین پر رگڑ بھی دے پھر بھی اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے اور تر کے اندر جائز نہیں ہے حتی یغسلہ یہاں تک کہ اس کو دھو لے، **لِأَنَّ الْمَسْحَ بِالْأَرْضِ يُكَثِّرُهُ وَلَا يُطَهِّرُهُ،** اس لیے کیونکہ زمین کے ساتھ پونچھنا، یعنی زمین کے ساتھ اس کو مل دینا **يُكَثِّرُهُ،** وہ تو اس تر کو کیا کر دے گا؟ اس کو زیادہ کر دے گا، اور پھیل جائے گی یہ نجاست تو، **وَلَا يُطَهِّرُهُ** اس کو پاک نہیں کرے گا۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے: **أَنَّهُ إِذَا مَسَحَهُ بِالْأَرْضِ حَتَّى لَمْ يَبْقَ أَثَرُ النَّجَاسَةِ يَطْهُرُ،** کہ جب اس نے اس کو پونچھ دیا زمین کے ساتھ یہاں تک کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہا، یعنی خوب اچھی گیلی نجاست تھی اور خوب اچھی طرح زمین کے ساتھ مل دیا یہاں تک کہ اس نجاست کا کوئی نشان وغیرہ باقی نہ رہا، **يَطْهُرُ** تو موزہ پاک ہو جائے گا، **لِعُمُومِ الْبَلْوَى،** عمومِ بلوی کی وجہ سے، یعنی بکثرت لوگوں کے اس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے۔ لوگ بھائی لوگوں کو لوگ کثرت سے اس میں مبتلا ہیں، موزے پہنے ہوئے ہیں تو عموماً اس پر کیا ہو گی؟ نجاست لگ ہی جائے گی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس پر نجاست لگ ہی جائے گی تو اس میں بکثرت لوگ مبتلا ہیں تو ضرورت ہے کہ حکم میں آسانی ہونی چاہیے کیونکہ عمومِ بلوی کی وجہ سے بھی کیا ہوتا ہے؟ شریعت کے حکم میں نرمی آجاتی ہے حکم میں، سختی باقی نہیں رہتی، تو یہاں بھی عمومِ بلوی ہے، لوگ بکثرت اس میں مبتلا ہوتے ہیں، اس وجہ سے، اور نیز **وَإِطْلَاقِ مَا يُرْوَى، لِعُمُومِ الْبَلْوَى وَإِطْلَاقِ مَا يُرْوَى،** اور اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جس کو روایت کیا گیا۔ وہ حدیث میں مطلق ہے، حدیث میں کیا آیا تھا؟ «**فَإِنْ كَانَ بِهِمَا أَذًى فَلْيَمْسَحْهُمَا بِالْأَرْضِ**»، تو اس کو زمین کے ساتھ مل دے۔ بھائی وہاں پر خشک اور گیلی نجاست میں کوئی فرق کیا گیا؟ نہیں، وہ تو مطلق ہے، اور جب مطلق ہے تو وہ دونوں صورتوں کو شامل ہوئی، لہٰذا دونوں کو کیا ہونا چاہیے؟ پاک ہو جانا چاہیے جب زمین سے مل دیا۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب اس کو زمین سے مل دیا یہاں تک کہ اس کا نجاست کا اثر باقی نہ رہا، **يَطْهُرُ** تو یہ موزہ پاک ہو جائے گا **لِعُمُومِ الْبَلْوَى وَإِطْلَاقِ مَا يُرْوَى،** بوجہ عمومِ بلوی کے اور بوجہ اس حدیث کے مطلق ہونے کے جس کو ہم نے روایت کیا، **وَعَلَيْهِ مَشَايِخُنَا،** اور اسی پر ہمارے مشائخ یعنی فقہاء ہیں۔ صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں: اسی پر ہمارے فقہاء ہیں، اور یاد رکھیے اسی پر فتویٰ ہے کہ یہ جو نجاست جس کا جسم ہے، چاہے یہ خشک ہو، چاہے تر ہو، جب اس کو زمین کے ساتھ رگڑ دیا خوب اچھی طرح اور اس کو موزے وغیرہ سے ختم کر دیا اس کا نشان وغیرہ، تو وہ موزہ کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا۔

فَإِنْ أَصَابَهُ بَوْلٌ فَيَبِسَ لَمْ يَجُزْ حَتَّى يَغْسِلَهُ: پس اگر موزے کو پیشاب لگ گیا **فَيَبِسَ** تو وہ پیشاب خشک ہو گیا، **لَمْ يَجُزْ** تو جائز نہیں ہے، **حَتَّى يَغْسِلَهُ** یہاں تک کہ اس کو دھولے۔ بھائی اب اس نجاست کا ذکر آیا کہ جس کا خشک ہونے کے بعد کوئی ظاہری جسم باقی نہیں رہتا، جیسے پیشاب ہے اور جیسے شراب ہے کہ خشک ہونے کے بعد ان کا جسم باقی نہیں رہتا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ ان کے اندر یاد رکھیے، ان میں ان کو جب یہ کسی چیز پر لگ جائیں تو اس کا دھونا ضروری ہے، بغیر پانی یا کسی چیز سے دھوئے بغیر یہ پاک نہیں ہوں گے۔ تو ان کے اندر دھونا ضروری ہے، بغیر دھوئے وہ پاک نہیں ہوں گی موزہ وغیرہ رگڑنے سے۔ کہتے ہیں: **فَإِنْ أَصَابَهُ بَوْلٌ،** اگر اس کو موزے کو پیشاب لگا **فَيَبِسَ** تو وہ خشک ہو گیا، **لَمْ يَجُزْ** تو وہ تو پھر جائز نہیں ہے **حَتَّى يَغْسِلَهُ** یہاں تک کہ اس کو دھولے، **وَكَذَا كُلُّ مَائِعٍ لَهُ جِرْمٌ كَالْخَمْرِ،** اور اسی طرح ہر وہ نجاست کہ جس کا کوئی جسم نہ ہو جیسے کہ شراب ہے، **لِأَنَّ الْأَجْزَاءَ تَتَشَرَّبُ فِيهِ،** اس وجہ سے کہ ان ان کے جو اجزاء ہیں **تَتَشَرَّبُ فِيهِ** وہ اس موزے کے اندر جذب ہو جاتے ہیں، **وَلَا جَاذِبَ يَجْذِبُهَا،** اور کوئی ایسا جاذب بھی نہیں ہے کہ پھر ان کو واپس جذب کر لے بھائی۔

وہ نجاست جس کا ظاہری جسم تھا، مثلاً گوبر لگ گیا موزے پر، اب گوبر کا جو حصہ باہر لگا ہوا ہے تو اس کے کچھ نجاست کے کچھ اجزاء تو موزے میں جذب ہوئے تھے لیکن پھر جب باہر والا گوبر جو ہے وہ خشک ہوا تو جو موزے کے اندر اجزاء جذب ہوئے تھے اس کو اس نے واپس اپنی طرف کھینچ لیا تھا، اور پھر جب یہ باہر والا حصہ گرا تھا گوبر موزے سے الگ ہوا تھا تو وہ اجزاء بھی کیا ہو گئے موزے سے الگ ہو گئے۔ لیکن یہاں پر ایسا نہیں، یہ پیشاب لگا ہے یا شراب لگی موزے پر تو اس کے کچھ اجزاء موزے کے اندر جذب ہو جائیں گے، اب یہاں کوئی اور ایسا جاذب نہیں، کوئی چیز جذب کرنے والی نہیں ہے جو ان اجزاء کو واپس اپنی طرف کھینچ لے، تو وہ اجزاء اندر ہی رہ گئے۔ لہٰذا اب وہ رگڑنے اور ملنے سے پاک نہیں ہوں گے بلکہ کیا کرنا پڑے گا اس کو؟ پانی سے دھونا پڑے گا۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الْأَجْزَاءَ تَتَشَرَّبُ فِيهِ،** اس لیے کیونکہ اجزاء جو ہیں اس نجاست کے وہ ان کے اندر جذب ہو جاتے ہیں، **وَلَا جَاذِبَ يَجْذِبُهَا** اور کوئی ایسا جاذب بھی نہیں ہے جو ان کو جذب کر لے یعنی واپس کھینچ لے، **وَقِيلَ: مَا يَتَّصِلُ بِهِ مِنَ الرَّمْلِ جِرْمٌ لَهُ،** اور کہا گیا ہے کہ وہ جو اس کے ساتھ مل جائے ریت میں سے **جِرْمٌ لَهُ** وہ اس کا جرم ہے۔ بھائی پچھلی نجاست کا تو جرم تھا، ظاہری جسم تھا، لیکن اس کا جسم نہیں۔ تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ یہ جو شراب ہے اور یہ جو پیشاب وغیرہ ہے یہ کپڑے یہ موزے کو لگ گیا تو ان کا جرم وہ جو ریت ان کے ساتھ لگ جائے گی وہی ان کا جرم ہے، وہی ان کا جسم ہے۔ تو یہ جو ریت وغیرہ ساتھ لگ جائے گی، یہ ریت جب خشک ہو گی تو کیا کرے گی؟ اس اندر کے اجزاء کو اپنی طرف کھینچ لے گی، لہٰذا اس کو جب وہ زمین سے یہ خشک ہو جائے اور زمین سے رگڑ کر اس اوپر والی ریت کو دور کر دے گا تو وہ نجاست بھی ختم ہو جائے گی اور موزہ پاک ہو جائے گا۔

جی، لیکن **قِيلَ** کے ساتھ ذکر کیا کہ یہ کمزور قول ہے بھائی۔ اصل مسئلہ وہی جو متن میں آیا کہ بغیر دھوئے یہ پاک نہیں ہوں گے۔

وَالثَّوْبُ لَا يُجْزِي فِيهِ إِلَّا الْغَسْلُ وَإِنْ يَبِسَ: اور کپڑا جو ہے اس کے اندر کافی نہیں ہے مگر دھونا ہی۔ کپڑے پر بھائی یہ تو موزے کا ذکر چل رہا تھا، اگر کپڑے پر یہ نجاست ان میں سے کوئی لگی ہے چاہے ظاہری جسم ہے اس کا چاہے چاہے ظاہری جسم نہ ہو، اس میں دھونا ہی کافی ہو گا اور کوئی چیز نہیں، **وَإِنْ يَبِسَ** اگرچہ وہ خشک ہی کیوں نہ ہو جائے۔ بھائی کیوں اس میں اور یہ مل دینا کافی کیوں نہیں؟ پانی کیوں ضروری ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الثَّوْبَ لِتَخَلْخُلِهِ يَتَدَاخَلُهُ كَثِيرٌ مِنْ أَجْزَاءِ النَّجَاسَةِ،** اس لیے کیونکہ کپڑا جو ہے وہ اپنے تخلخل کی وجہ سے، تخلخل کا معنی ہے اجزاء کا ڈھیلا ہونا، یعنی آپس میں ملے نہ ہونا۔ موزہ تو ٹھوس تھا، سخت تھا، یعنی اس کے اجزاء آپس میں ملے ہوئے تھے، اس کے اندر کوئی چیز زیادہ داخل نہیں ہو سکتی بھائی، جبکہ کپڑا تو کیا ہے اس کے اجزاء آپس میں ملے ہوئے نہیں ہیں، جدا جدا ہیں، تو اس کے اندر چیز اچھی طرح جذب ہو جاتی ہے۔ جب اچھی طرح جذب ہو گئی، اب بغیر دھوئے وہ اجزاء اس سے نکلیں گے نہیں بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الثَّوْبَ لِتَخَلْخُلِهِ،** اس لیے کیونکہ کپڑا جو ہے وہ اپنے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے یا یوں کہیں اپنے اجزاء کے درمیان اپنے اجزاء کے خوب ملے نہ ہونے کی وجہ سے **يَتَدَاخَلُهُ كَثِيرٌ مِنْ أَجْزَاءِ النَّجَاسَةِ،** اس میں داخل ہو جاتے ہیں نجاست کے بہت سے اجزاء، **فَلَا يُخْرِجُهَا إِلَّا الْغَسْلُ،** تو ان کو نہیں نکالے گا مگر دھونا ہی۔ پانی سے دھوئیں گے پھر ہی وہ وہ دھونے سے ہی دھونا ہی ان کو نکالے گا بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۳۶: مسئلہ: فَاغْسِلِيهِ إِنْ كَانَ رَطْبًا، وَافْرُكِيهِ إِ...

ہدایہ صفحہ: ۷۰ — بتاریخ: ۲۲ نومبر ۲۰۱۲ء

وَالْمَنِيُّ نَجَسٌ يَجِبُ غَسْلُهُ رَطْبًا، فَإِذَا جَفَّ عَلَى الثَّوْبِ أَجْزَأَ فِيهِ الْفَرْكُ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: «فَاغْسِلِيهِ إِنْ كَانَ رَطْبًا، وَافْرُكِيهِ إِنْ كَانَ يَابِسًا»، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: الْمَنِيُّ طَاهِرٌ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا. [1]

نجاستوں کا اور ان کے پاک کرنے کا بیان چل رہا ہے۔ آپ نے کل پڑھا کہ نمازی کا بدن، اس کے کپڑے اور وہ جگہ جس پر وہ نماز پڑھ رہا ہے اس کو پاک ہونا چاہیے بھائی۔ اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ نجاست جو ہے اس کو پانی کے ساتھ پاک کرنا بھی جائز ہے اور اسی طرح ہر ایسی پاک بہنے والی چیز جس کے ذریعے اس نجاست کا ازالہ کیا جاسکے، اس کو دور کرنا ممکن ہو، اس کے ذریعے بھی چیز کو پاک کیا جاسکتا ہے، دھویا جاسکتا ہے جیسے سرکہ ہے اور عرقِ گلاب وغیرہ کہ وہ چیز جو نچوڑنے سے نچڑ جائے۔ اور اس کے بعد پھر آپ نے یہ مسئلہ بھی پڑھا کہ اگر موزے کو نجاست لگ جائے ایسی نجاست جس کا کوئی جسم ہے۔ یعنی سوکھنے کے بعد بھی اس کا جسم باقی رہتا ہے۔ یعنی یوں کہیے کوئی گاڑھی نجاست لگ جائے۔ کس قسم کی؟ گاڑھی نجاست لگ جائے اور وہ خشک ہو جائے تو اس موزے کو زمین کے ساتھ اچھی طرح رگڑ دینے سے وہ موزہ پاک ہو جائے گا، اس میں نماز جائز ہے۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جائز نہیں ہے بھائی، جائز نہیں ہے، اس لیے کیونکہ موزے کے اندر کچھ اجزاء داخل ہو گئے اور اب خشک ہونے سے اور رگڑنے سے وہ دور نہیں ہوں گے، دھونا پڑے گا، دھونا پڑے گا۔ اور پھر آپ نے یہ مسئلہ بھی پڑھا کہ اگر یہ گاڑھی نجاست اگر تر ہو تو پھر اس کو دھونا پڑے گا۔ اس میں صرف زمین کے ساتھ رگڑ دینا اور مل دینا کافی نہیں ہے۔ لیکن میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے بھائی، چاہے یہ گاڑھی نجاست خشک ہو، چاہے تر ہو، دونوں صورتوں میں جب زمین کے ساتھ اچھی طرح مل دیا، اس نجاست کو ختم کر دیا تو موزہ کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا۔ اور جبکہ اس کے مقابلے میں جو پتلی نجاست ہے، جس کا سوکھ جانے کے بعد کوئی جسم نہیں رہتا جیسے پیشاب وغیرہ، تو اس کے اندر دھونا ضروری ہے بھائی، دھونا ضروری ہے۔ اور یہ تو موزے کا حکم تھا، اب کپڑے کا حکم جو ہے اس کی تفصیل شروع ہوئی، انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ کپڑا جو ہے اس کے اندر دھونا ہی ضروری ہے، بغیر دھوئے کپڑا پاک نہیں ہو گا بھائی۔

آج آپ کو بتلا رہے ہیں: «**وَالْمَنِيُّ**» جی اس کو کیا پڑھیں گے؟ **نَجَسٌ** پڑھیں گے یا **نَجِسٌ** پڑھیں گے؟ **نَجَسٌ**۔ جی؟ **نَجَسٌ**۔ **نَجَسٌ** کا کیا معنی میں نے بتلایا تھا؟ **نَجَسٌ** نجاست بھائی، ناپاکی۔ اور **نَجِسٌ**؟ جو چیز ناپاک ہو۔ جی اب کیا پڑھیں گے؟ «**وَالْمَنِيُّ نَجَسٌ**» شاباش! منی نجاست ہے۔ ترجمہ تو یوں ہی کر لیں گے، منی ناپاک ہے۔ لیکن **نَجِسٌ** وہ چیز جس پر نجاست لگی تو وہ کیا ہو گئی؟ ناپاک۔ اور منی پر کوئی چیز لگی ہے وہ ناپاک ہوئی ہے یا اس کی ذات ہی نجس ہے؟ ذات ہی نجس ہے تو یہاں **نَجَسٌ** پڑھیں گے کہ منی نجاست ہے۔ منی کیا ہے؟ نجاست ہے۔ تو کہتے ہیں «**وَالْمَنِيُّ نَجَسٌ**» اور منی جو ہے نجاست ہے۔ اور ترجمہ کیا کر لیں گے؟ ترجمہ وہی منی ناپاک ہے۔

■ مسئلہ: يَجِبُ غَسْلُهُ رَطْبًا

«**يَجِبُ غَسْلُهُ رَطْبًا**» واجب ہے اس کا دھونا تر ہونے کی حالت میں۔ جب منی تر ہو، گیلی ہے تو اس کو دھونا واجب ہے، بغیر دھوئے پاک نہیں ہو گی۔ «**فَإِذَا جَفَّ عَلَى الثَّوْبِ أَجْزَأَ فِيهِ الْفَرْكُ**» پس جب وہ خشک ہو جائے کپڑے پر تو کافی ہے اس کے اندر کھرچ دینا۔ فَرک کا کیا معنی؟ کھرچنا، کھرچنا۔ تو اس کے اندر کھرچ دینا بھی کافی ہے۔ «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا**» دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی، کہ جب تر ہو، گیلی ہو منی تو اس کا دھونا کیوں ضروری اور خشک ہو جائے تو اس کے اندر کھرچنا کافی کیوں ہے؟ کہتے ہیں «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے «**لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ**

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۳۲): «**إن كان**»۔ • شاملہ (ص ۳۳) میں «**رَوَيْنَا**» کے بجائے «**رويناه**» درج ہے۔

تَعَالَى عَنْهَا » جو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ حضور نے فرمانے لگے حضرت عائشہ سے: « **فَاغْسِلِيهِ إِنْ كَانَ رَطْبًا، وَافْرُكِيهِ إِنْ كَانَ يَابِسًا** » کہ تو اس کو دھوڈال اگر یہ تر ہو۔ یہ منی اگر تر ہو، گیلی ہو تو اس کو کیا کر دے؟ دھولے، اور تو اس کو کھرچ دے اگر خشک ہو۔ تو لہٰذا منی تر ہو تو اس کو دھونا واجب ہے اور خشک ہو جائے تو اچھی طرح کھرچ دینے سے بھی کپڑا پاک ہو جائے گا۔

« **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: الْمَنِيُّ طَاهِرٌ** » امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منی پاک ہے بھائی، منی پاک ہے۔ تو ہمارے نزدیک منی نجس ہے، نجاستِ مغلظہ ہے، نجاستِ غلیظہ ہے، سخت نجاست ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منی پاک ہے بھائی، پاک ہے۔ « **وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا** » اور دلیل ان کے خلاف وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کر دی، اس حدیث میں کیا آیا؟ « **فَاغْسِلِيهِ إِنْ كَانَ رَطْبًا** » دیکھیے حضور علیہ السلام دھونے کا حکم دے رہے ہیں گیلی ہونے کی صورت میں، معلوم ہوا یہ نجاست ہے جبھی دھونے کا حکم دے رہے ہیں، اور خشک ہونے کی صورت میں اس کے کھرچنے کا حکم دے رہے ہیں بھائی، معلوم ہوا یہ نجاست ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے اپنے دلائل، ہمارے اپنے دلائل۔ تو ایک وہ یہ بھی ذکر فرماتے ہیں شوافع یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ دیکھیے کھرچنے کا حکم دیا گیا خشک ہونے کی صورت میں، خشک ہونے کی صورت میں۔ معلوم ہوا نجس نہیں نجس نہیں ہے، ناپاک نہیں ہے، کیونکہ کھرچنے سے سارے اجزاء تو نہیں نکلیں گے، کچھ اجزاء تو رہ جائیں گے، معلوم ہوا پاک ہے بھائی۔ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ اگر پاک ہوتی تو کھرچنے کا حکم بھی نہ ہوتا۔ پاک چیز کپڑے پر لگی ہے تو اس کو کھرچ کر دور کرنے کی کیا ضرورت ہے بھائی؟ یہ کھرچنے کا حکم دینا ہی کس بات کی علامت ہے، کس بات کی دلیل ہے؟ یہ ناپاک ہے بھائی ناپاک۔

اور یاد رکھیے بھائی! یہ کھرچنا یہ بھی تطہیر کا طریقہ ہے، پاک کرنے کا طریقہ ہے۔ شامی وغیرہ میں اگر آپ دیکھیں تو وہاں پر تیس سے زیادہ تطہیر کے طریقے ہیں **عِندَ الْأَحْنَافِ**۔ تیس سے زیادہ طریقے جس سے چیزیں پاک ہو جاتی ہیں۔ یہ صرف دھونے سے ہی چیزیں پاک نہیں ہوتیں اور بھی طریقے ہیں۔ مثلاً ایک تو یہ دھونا ہے، پانی وغیرہ یا کسی پاک بہنے والی چیز سے اس نجاست کو دھو دیا جائے کہ اس کا نشان اثر وغیرہ ختم ہو جائے تو چیز کیا ہو جاتی ہے؟ پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسح بھی، مسح۔ مسح بھی تطہیر کا ایک طریقہ ہے، جیسے ابھی آپ نے پڑھا کہ موزے پر اگر نجاست لگ جائے تو اس کو زمین کے ساتھ کیا کر دیا جائے؟ مل دیا جائے، پونچھ دیا جائے تو وہ کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا۔ تو معلوم ہوا مسح بھی تطہیر کا ایک طریقہ ہے۔

اسی طرح خشک ہونا یہ بھی تطہیر کا طریقہ ہے، زمین جو ہے اس پر اگر نجاست لگی اور پھر وہ زمین دھوپ سے یا ہوا وغیرہ سے یا آگ سے خشک ہو گئی اور نجاست کا اثر ختم ہوا تو وہ زمین کیا ہو جائے گی؟ پاک ہو جائے گی۔ معلوم ہوا خشک ہونا بھی کیا ہے؟ تطہیر کا ایک طریقہ ہے۔ اسی طرح عین یعنی ذات کا بدل جانا یہ بھی تطہیر کا ایک طریقہ ہے۔ ایک شخص ہے اس کے پاس شراب ہے، اب شراب نجس ہے ناپاک ہے، لیکن یہ شراب اگر وہ کسی طریقے سے کس میں بدل دیتا ہے؟ سرکے کے اندر بدل دیتا ہے، بعض طریقے ہیں نمک وغیرہ یا ڈالتے ہیں یا اور طریقے، تو وہ شراب کس میں بدل جاتی ہے؟ سرکے کے اندر بدل جاتی ہے، تو جب سرکے کے اندر بدلے گی تو اس کی ذات ہی بدل گئی، عین ہی بدل گئی تو یہ قلبِ عین جو ہے یہ ذات کا بدل جانا، پلٹ جانا یہ بھی کیا ہے؟ تطہیر کا ایک طریقہ ہے۔ اب جب وہ سرکہ بن گیا تو اب پاک ہے بھائی، اب ناپاک نہیں بھائی۔

اسی طرح دباغت بھی آپ نے پڑھا ہے تطہیر کا ایک طریقہ ہے، کھال کو اگر دباغت دے دی جائے تو کھال کیا ہو جاتی ہے؟ پاک ہو جاتی ہے، تو یہ مختلف طریقے ہیں۔ انہی میں سے ایک طریقہ یہ فرک بھی ہے، کھرچنا بھی ہے، کھرچنا بھی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کھرچ دینا بھی کافی ہے۔ اور اس سے بھی وہ کپڑا پاک ہو جائے گا۔ منی ہے تو نجس بھائی، نجاستِ مغلظہ ہے، لیکن اس کے اندر، اس کے اندر شریعت کی جانب سے حکم میں تخفیف آ گئی بھائی، کہ صرف کھرچ دینے ہی کو کیا قرار دے دیا گیا؟ تطہیر قرار دے دیا گیا۔ تو یہ دراصل اس کے حکم میں نرمی آ گئی بھائی حاجت اور ضرورت کی بنا پر، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں « **وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا** » اور دلیل جو ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف وہ حدیث ہے **رَوَيْنَاهُ** جس کو ہم نے روایت کیا، جو ابھی اوپر ذکر ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نیز اور حدیث بھی ذکر کر رہے ہیں: « **وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِنَّمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ مِنْ خَمْسٍ، وَذَكَرَ مِنْهَا الْمَنِيَّ** » کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کپڑے کو تو پانچ چیزوں ہی کی وجہ سے دھویا جائے گا، « **وَذَكَرَ مِنْهَا الْمَنِيَّ** » اور ان پانچ میں سے حضور نے منی کو ذکر فرمایا، کہ اس صورت میں بھی کیا کیا جائے گا؟ کپڑے کو دھویا جائے گا۔ معلوم ہوا منی نجس ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ أَصَابَ الْبَدَنَ

« **وَلَوْ أَصَابَ الْبَدَنَ** » اور اگر منی بدن کو لگ جائے، یہ تو تھا کپڑے پر لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے، اگر جسم پر لگ جائے بدن پر لگ جائے، « **قَالَ مَشَايِخُنَا: يَطْهُرُ بِالْفَرْكِ** » تو ہمارے فقہاء فرماتے ہیں یعنی ماوراء النہر کے فقہاء « **يَطْهُرُ بِالْفَرْكِ** » تو بھی پاک ہو جائے گی کھرچ دینے سے، « **لِأَنَّ الْبَلْوَى فِيهِ أَشَدُّ** » اس لیے کہ ابتلاء جو ہے اس کے اندر زیادہ شدید ہے۔ بھائی منی کے اندر چونکہ عموم بلویٰ ہے، لہٰذا اس کے حکم میں شریعت کی جانب سے تخفیف آ گئی اور خشک ہونے پر صرف کھرچ دینے ہی کو تطہیر قرار دے دیا گیا کہ اس سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ تو ماوراء النہر کے فقہاء فرماتے ہیں کہ کپڑے کے اندر جب کھرچ دینا

کافی ہے حالانکہ ابتلاء بدن کے اندر زیادہ ہے، کس کے اندر زیادہ ہے؟ بدن کو اس کا لگنا زیادہ ہے کیونکہ کپڑے کو تو انسان دور بھی کر سکتا ہے لیکن بدن تو ساتھ ہی ہے، اس کو تو ہٹانا ممکن نہیں، تو اس کے اندر ابتلاء زیادہ ہے، اس میں زیادہ کثرت سے لوگ مبتلا ہوتے ہیں، تو لہٰذا جب اس کے اندر ابتلاء زیادہ ہے تو اس کے اندر بطریقِ اولیٰ کھرچ دینا کافی ہو گا جب خشک ہو جائے۔

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَطْهُرُ إِلَّا بِالْغَسْلِ» جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بدن جو ہے وہ پاک نہیں ہو گا مگر صرف دھونے سے ہی۔ بدن میں کھرچنا کافی نہیں بلکہ دھونا ضروری ہے۔ دلیل کیا؟ وجہ کیا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ حَرَارَةَ الْبَدَنِ جَاذِبَةٌ» اس لیے کیونکہ بدن کی جو حرارت ہے، بدن کی جو حرارت ہے اور گرمی ہے «جَاذِبَةٌ» یہ چیز کو کھینچنے والی ہے۔ بدن کی حرارت کیا کرتی ہے؟ چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے، یعنی کوئی چیز لگے اس پر تو یہ اس کو کھینچتی ہے، وہ چیز اس پر اچھی طرح لگ جاتی ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ چیز کو اپنے ساتھ یہ کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیتی ہے، حرارت کی وجہ سے وہ چیز اس کے ساتھ لگ جاتی ہے۔ تو بدن کی جو حرارت ہے وہ جاذبہ ہے، وہ کھینچنے والی ہے چیز کو، «فَلَا يَعُودُ إِلَى الْجِرْمِ» تو وہ واپس اس جسم کی طرف نہیں لوٹے گی۔ وہ اس نجاست کے جسم کی طرف واپس نہیں لوٹے گی بھائی۔ بھائی دیکھیے موزے کے مسئلے میں آپ نے پڑھا تھا، اگر گاڑھی نجاست لگی تو اس کے کچھ اجزاء موزے کے اندر جذب ہو جائیں گے، لیکن باہر جو گاڑھی نجاست لگی ہوئی ہے وہ جب خشک ہو گی تو وہ اندر والے اجزاء کو واپس اپنی طرف کھینچے گی، واپس اپنی طرف کھینچے گی، جبکہ یہاں پر بدن کی حرارت وہ چیز کو اپنی طرف کھینچنے والی ہے، جب وہ کھینچ رہی ہے اپنی طرف تو وہ جو اجزاء جسم کے ساتھ لگ گئے نجاست کے، واپس اس جسم کی طرف، اس نجاست کی طرف واپس نہیں جائیں گے، بدن کے ساتھ ہی لگے رہیں گے۔ معنی سمجھ میں آیا؟ تو یہ «فَلَا يَعُودُ إِلَى الْجِرْمِ» تو وہ اس جسم کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے، «وَالْبَدَنُ لَا يُمْكِنُ فَرْكُهُ» اور بدن اس کو تو کھرچنا ممکن نہیں ہے بھائی۔

«وَالنَّجَاسَةُ إِذَا أَصَابَتِ الْمِرْآةَ أَوِ السَّيْفَ اكْتُفِيَ بِمَسْحِهِمَا، لِأَنَّهُ لَا تَتَدَاخَلُهُمَاالنَّجَاسَةُ» بھائی نجاست، «وَالنَّجَاسَةُ إِذَا أَصَابَتِ الْمِرْآةَ أَوِالسَّيْفَ» اور نجاست جب وہ لگ جائے آئینے کو، مرآۃ کہتے ہیں آئینہ بھائی شیشہ جس میں آپ صورت دیکھتے ہیں، «أَوِ السَّيْفَ» یا نجاست لگ جائے تلوار کو، «اكْتُفِيَ بِمَسْحِهِمَا» تو اکتفاء کیا جائے گا ان کو پونچھنے کے ساتھ۔ یعنی ان کو کسی کپڑے وغیرہ سے کیا کر دیا جائے؟ پونچھ دیا جائے تو یہ صاف ہو جائیں گے، پاک ہو جائیں گے۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ لَا تَتَدَاخَلُهُمَاالنَّجَاسَةُ» اس لیے کیونکہ ان کے اندر نجاست داخل نہیں ہو سکتی، ان کی سطح تو ٹھوس ہے، سخت ہے اور خوب ہموار ہیں۔ تو لہٰذا نجاست اندر داخل نہیں ہو گی، صرف اوپر لگ گئی، اور اوپر والا حصہ بڑا ہموار ہے، جب کپڑے سے پونچھ دیں گے تو نجاست اچھی طرح صاف ہو جائے گی بھائی۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ لَا تَتَدَاخَلُهُمَاالنَّجَاسَةُ» اس لیے کیونکہ نجاست ان کے اندر داخل نہیں ہو سکتی، «وَمَا عَلَى ظَاهِرِهِ يَزُولُ بِالْمَسْحِ» اور وہ جو ان کے ظاہر پر لگے گی «يَزُولُ بِالْمَسْحِ» وہ کس وجہ سے ختم ہو جائے گی؟ مسح، پونچھ دینے کی وجہ سے وہ زائل ہو جائے گی، ختم ہو جائے گی۔ تو لہٰذا اس میں یہ ضروری ہے بھائی کہ وہ تلوار بالکل ہموار ہو پھر پاک ہو گی، اور اگر تلوار جو ہے وہ کھردری ہے اور تو پھر اس صورت میں پونچھ دینے سے اگر وہ نجاست کے اجزاء اس کے اندر رہتے ہیں تو پھر درست نہیں ہے بھائی، پھر پاک نہیں ہو گی، لیکن اگر ہموار ہے، اس کو کپڑے سے پونچھ دیا تو پھر تلوار کیا ہو جائے گی؟ پاک ہو جائے گی اور لہٰذا کوئی شخص ایسی تلوار لٹکا کر نماز پڑھتا ہے تو نماز پڑھنا جائز ہے، صحیح ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ أَصَابَتِ الْأَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِا...

«وَإِنْ أَصَابَتِ الْأَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ وَذَهَبَ أَثَرُهَا جَازَتِ الصَّلَاةُ عَلَى مَكَانِهَا» اور اگر زمین کو نجاست لگ جائے «فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ» تو وہ خشک ہو گئی سورج کی وجہ سے یعنی دھوپ لگنے سے زمین خشک ہو گئی «وَذَهَبَ أَثَرُهَا» أَيْ أَثَرُ النَّجَاسَةِ اور نجاست کا اثر چلا گیا ختم ہو گیا «جَازَتِ الصَّلَاةُ عَلَى مَكَانِهَا» تو نماز پڑھنا جائز ہے اس نجاست کے مکان پر یعنی جہاں پر کیا لگی تھی پہلے؟ نجاست۔ بھائی یاد رکھیے سورج کو جو ذکر کیا متن کے اندر، یہ کوئی قیدِ احترازی نہیں ہے بلکہ ویسے ذکر کیا کہ زمین خشک ہو جائے اور بطورِ مثال کہ کس سے خشک ہو جائے؟ سورج کی وجہ سے۔ اسی طرح حکم ہے چاہے ہوا وغیرہ یا آگ کی وجہ سے وہ زمین خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر اس پر سے ختم ہو گیا تو اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ نجاست کا اثر ختم ہوا، رنگ، بو وغیرہ وہاں سے ختم ہو گئی تو اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ زمین کا خشک ہو جانا یہ اس کا پاک ہو جانا ہے۔ زمین کا پاک ہو جانا ہے، یہ آگے حدیث کے اندر دلیل کے طور پر حدیث ذکر کریں گے بھائی صاحبِ ہدایہ۔ تو لہٰذا ایسی جگہ سے ایسی جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں «وَإِنْ أَصَابَتِ الْأَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ وَذَهَبَ أَثَرُهَا» اور اگر زمین کو نجاست لگ جائے تو وہ سورج کی وجہ سے خشک ہو گئی اور اس نجاست کا اثر ختم ہو گیا، یعنی رنگ، بو وغیرہ وہاں سے ختم ہو گئی «جَازَتِ الصَّلَاةُ عَلَى مَكَانِهَا» تو جائز ہے نماز اس جگہ پر۔

«وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: لَا تَجُوزُ، لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِالْمُزِيلُ» امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، ایسی جگہ پر نماز پڑھنا جائز نہیں، «لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِالْمُزِيلُ» اس لیے کیونکہ کوئی مزیل، کوئی زائل کرنے والی چیز نہیں پائی گئی۔ نجاست وہاں پر خشک ہوئی ہے لیکن کوئی

نجاست کو ختم کرنے والی چیز وہاں پر نہیں پائی گئی، لہٰذا یہ زمین اب بھی نجس ہے بھائی نجس ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہاں اگر کوئی مزیل پایا جائے، کوئی زائل کرنے والی چیز پائی جائے، مثلاً پانی سے آپ نے پانی کے ساتھ اس جگہ کو دھو دیا تو اب مزیل پایا گیا، پانی سے کیا ہوتی ہے؟ نجاست ختم ہو جاتی ہے، پانی نجاست کو بہا کر لے جاتا ہے پھر تو اس جگہ پر نماز جائز ہے، لیکن اگر صرف خشک ہوئی ہے تو اس سے وہ جگہ پاک نہیں ہو گی، لہٰذا اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِ الْمُزِيلُ» اس لیے کیونکہ کوئی زائل کرنے والی چیز نہیں پائی گئی، «وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ التَّيَمُّمُ بِهَا» اور اسی وجہ سے اس جگہ کے ساتھ تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ کس کی دلیل چل رہی ہے؟ امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ۔ وہ فرماتے ہیں اسی وجہ سے اس جگہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے بھائی جائز۔

یاد رکھیے ہمارے نزدیک بھی ایسی جگہ سے تیمم جائز نہیں۔ ہاں نماز کا پڑھنا جائز، جب زمین خشک ہو گئی، نجاست کا اثر وغیرہ ختم ہو گیا تو اس پر نماز تو اس جگہ پر پڑھ سکتے ہیں لیکن اس جگہ سے تیمم کرنا صحیح نہیں۔ لیکن پھر اس میں یہ یاد رکھنا ویسے وہم نہیں کرنا چاہیے، ہاں اگر آپ کو یقینی طور پر پتہ ہے کہ اس مقام پر کیا لگی، گری تھی؟ نجاست گری تھی اور کوئی مزیل بھی نہیں ہے تو لہٰذا اس جگہ سے تیمم نہ تیمم نہیں تیمم کرنا جائز نہیں ہے، تیمم کریں گے بھی تو ہو گا ہی نہیں، ہو گا ہی نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن اگر علم یقینی طور پر نہیں ہے تو پھر بلاوجہ شک نہیں کرنا چاہیے بھائی۔

تو وہ امام شافعی اور امام زفر رحمہما اللہ کی دلیل ذکر ہو رہی ہے، وہ فرماتے ہیں اس جگہ پر نماز بھی جائز نہیں کیونکہ کوئی مزیل نہیں پایا گیا، کوئی زائل کرنے والی چیز نہیں پائی گئی اور اسی وجہ سے اس سے تیمم کرنا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ آپ بھی تسلیم کرتے ہیں بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: زَكَاةُ الْأَ...

«وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: زَكَاةُ الْأَرْضِ يُبْسُهَا» اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے: «زَكَاةُ الْأَرْضِ يُبْسُهَا» زمین کا پاک ہونا اس کا خشک ہو جانا ہے۔ یعنی زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے، زمین خشک ہو جائے تو کیا ہو جاتی ہے؟ پاک ہو جاتی ہے، یہ حدیث کے اندر آیا، یہ ہماری دلیل ہے بھائی دلیل۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوا زمین پاک ہو جائے گی، جب پاک ہو گئی تو اس پر نماز کا پڑھنا جائز ہے بھائی جائز ہے۔

اور نیز امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ نے یہ ذکر کیا تھا کہ اسی وجہ سے تیمم بھی اس سے جائز نہیں ہے، اس کا اب جواب دینے لگے ہیں۔ کہتے ہیں «وَإِنَّمَا لَا يَجُوزُ التَّيَمُّمُ، لِأَنَّ طَهَارَةَ الصَّعِيدِ ثَبَتَتْ شَرْطًا بِنَصِّ الْكِتَابِ، فَلَا تَتَأَدَّى بِمَا ثَبَتَ بِالْحَدِيثِ» اور تیمم جائز اس سے جائز نہیں ہے «لِأَنَّ طَهَارَةَ الصَّعِيدِ ثَبَتَتْ شَرْطًا بِنَصِّ الْكِتَابِ» اس لیے کیونکہ مٹی کی طہارت، مٹی کا پاک ہونا وہ ثابت ہے شرط ہو کر کتاب اللہ کی نص سے۔ کس سے؟ کتاب اللہ کی نص سے وہ شرط ہو کر ثابت ہے، «فَلَا تَتَأَدَّى بِمَا ثَبَتَ بِالْحَدِيثِ» لہٰذا وہ طہارتِ ارض ادا نہیں ہو گی اس چیز سے جو حدیث سے ثابت ہے۔

بھائی دیکھیے انہوں نے کہا کہ طہارتِ صعید، مٹی کی کا پاک ہونا یہ شرط ہو کر ثابت ہے کتاب اللہ کی نص سے۔ کتاب اللہ میں کس طرح آیا ہے؟ «فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا» بھائی، کتاب اللہ میں «صَعِيدًا طَيِّبًا» آیا پاک مٹی، صعید کی صفت طیب آئی ہے اور طیب کا کیا معنی بیان کیا تھا؟ پاک بھائی۔ تو مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے۔ آپ کے ذہنوں میں اشکال پیدا ہو گا کہ کتاب اللہ کے اندر تو طیب وہ صعید کی صفت کے طور پر ذکر ہوئی ہے، شرط کے طور پر تو ذکر نہیں اور یہاں صاحبِ ہدایہ کیا فرما رہے ہیں کہ مٹی کا پاک ہونا شرط ہے، تو یاد رکھیے بھائی صفت بھی شرط کے درجے میں ہوتی ہے۔ کتاب اللہ میں کیا آیا: تم لوگ تیمم کرو، کس سے؟ «صَعِيدًا طَيِّبًا» کس سے؟ پاک مٹی سے۔ معلوم ہوا مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے، مٹی کا پاک ہونا اور جو چیز ضروری ہو وہ شرط ہوتی ہے، اسی لیے اس کو کس لفظوں کے ساتھ ذکر کر دیا صاحبِ ہدایہ نے؟ شرط، کہ شرط ہے یعنی ضروری ہے۔

تو صاحبِ ہدایہ جواب دے رہے ہیں، امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ نے ذکر کیا تھا کہ اسی وجہ سے یہ زمین پاک نہیں، اسی وجہ سے اس سے تیمم کرنا بھی جائز نہیں، تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مٹی کی جو طہارت ہے وہ کتاب اللہ سے شرط ہو کر ثابت ہوئی ہے، لہٰذا وہ مٹی کی طہارت اس سے ادا نہیں ہو گی جو حدیث سے ثابت ہے۔ کیا معنی؟ بھائی دیکھیے کتاب اللہ ہے قطعی، آپ جانتے ہیں بھائی، کتاب اللہ کیا ہے؟ قطعی۔ بھائی ایک ہے خبرِ متواتر اور ایک ہے خبرِ واحد۔ خبرِ متواتر آپ نے پڑھا کسے کہتے ہیں؟ وہ حدیث جس کے روایت کرنے والے ہر زمانے کے اندر اتنے زیادہ لوگ ہوں کہ عقل ان کے اِجْتِمَاعٌ عَلَى الْكَذِبِ کو محال سمجھے۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ خبرِ متواتر۔ جیسے قرآن ہے بھائی قرآن، قرآن بھی کیا ہے؟ متواتر ہے۔ قرآن کو نقل کرنے والے ہر زمانے میں لاکھوں لوگ ہیں اور اسی طرح ہم تک پہنچا ہے اور یہ بات محال ہے کہ اتنے لوگ جھوٹ پر اکٹھے ہو جائیں، معلوم ہوا قرآن بعینہٖ اسی صورت میں ہے جس طرح یہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، کیونکہ یہ کیا ہے کس طرح منقول ہے؟ تواتر کے طریقے پر منقول ہے، تواتر کے طریقے پر۔ جبکہ خبرِ واحد جو ہے جو جس کو روایت کرنے والے اتنے زیادہ نہ ہوں، اور یہ حدیث جو ہے یہ جو ذکر ہوئی: «زَكَاةُ الْأَرْضِ يُبْسُهَا» یہ خبرِ واحد ہے۔ یہ کیا ہے؟ خبرِ واحد۔ تو جو چیز تواتر کے طریقے پر منقول ہو وہ یقین کا فائدہ دیتی ہے کہ یقیناً بات ایسی ہی ہے۔ قرآن تواتر کے طریقے پر منقول ہے تو معلوم ہوا یقیناً قرآن اسی شکل میں ہے جس طرح حضور علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، اتنے لوگ جھوٹ پر اکٹھے نہیں ہو سکتے بھائی، تو قرآن کیا ہے؟ قطعی ہے، یقینی ہے بھائی، اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں، جبکہ خبرِ واحد جو ہے اس کو روایت کرنے والے اتنے زیادہ نہیں تو وہ ظن کا فائدہ دیتی ہے یعنی غالب گمان یہ ہے کہ بات

اسی طرح ہو گی۔ اتنے زیادہ لوگ روایت کرنے والے نہیں، ہاں البتہ کچھ لوگ روایت کرنے والے ہیں، قابلِ اعتماد لوگ ہیں، تو بات کیا ہو گی؟ غالب گمان ہے کہ بات اسی طرح ہو گی، اگرچہ تھوڑا سا وہم اور شبہ یہ بھی دل میں آتا ہے شاید کسی نے اپنی طرف سے یہ بات کر دی ہو حدیث بنا کر یا شاید کسی سے بھول میں غلطی سے اس طرح بیان کر دیا ہو انہوں نے، شبہ تو آتا ہے لیکن معمولی سا ہے، البتہ غالب گمان کیا ہے؟ کہ یہ کیا ہو گی؟ بات اسی طرح ہو گی۔ تو خبرِ واحد ہے ظنی اور کتاب اللہ ہے قطعی۔ اور کتاب اللہ سے کیا پتہ چلا؟ مٹی کو پاک ہونا چاہیے، اس سے پھر کیا کر لو؟ تیمم کر لو۔ تو کتاب اللہ جب قطعی ہے تو اس سے جو چیز ثابت ہو گی وہ بھی قطعی ہو گی۔ معلوم ہوا مٹی کا پاک ہونا بھی قطعی ہونا چاہیے، پھر اس سے کیا کرو؟ تیمم کرو۔ اور حدیث خبرِ واحد سے پتہ چلا کہ زمین جب مٹی جو ہے وہ خشک ہو جائے گی تو پاک ہو جائے گی۔ تو اس سے پتہ چلا مٹی پاک ہو جائے گی لیکن یہ حدیث ہے خبرِ واحد اور خبرِ واحد ہوتی ہے ظنی اور ظنی کے ذریعے جو چیز ثابت ہو گی وہ بھی کیا ہو گی؟ ظنی ہی ہو گی بھائی۔ معلوم ہوا کہ غالب گمان یہ ہے کہ زمین کیا ہو جائے گی جب خشک ہو جائے گی؟ پاک ہو جائے گی بھائی، کیونکہ یہ خبرِ واحد کے ذریعے ثابت ہے اور وہ بھی کیا ہے؟ ظنی ہے، غالب گمان کا فائدہ دیتی ہے۔

تو کتاب اللہ سے پتہ چلا کہ تیمم کس مٹی سے جائز؟ جس مٹی کا پاک ہونا قطعی ہو یقینی ہو، اور حدیث سے پتہ چلا جب زمین خشک ہو جائے گی تو وہ پاک ہو جائے گی، لیکن یہ پاک ہونا زمین کا کس طریقے پر ہے؟ ظنی ہے، ظنی ہے۔ تو کتاب اللہ سے پتہ چلا کہ مٹی کا قطعی یقینی پاک ہونا ضروری ہے اور حدیث سے پتہ چل رہا ہے کہ ظنی طور پر پاک ہو گئی ہے۔ جب کتاب اللہ سے پتہ چل گیا کہ مٹی کا قطعی طور پر پاک ہونا ضروری تو اس کے لیے قطعی طور پر مٹی پاک ہو گی تبھی تیمم جائز ہو گا، ورنہ تیمم جائز نہیں۔ حدیث سے ظنی طور پر تو مٹی کے پاک ہونے کا پتہ چلا لیکن یقینی طور پر پتہ نہیں، لہٰذا اس وجہ سے وہ جو کتاب اللہ کے ذریعے مٹی کا پاک ہونا ثابت ہے، حدیث کے ذریعے وہ مٹی کے پاک ہونا اس درجے کا ثابت نہیں، لہٰذا اس سے تیمم جائز نہیں ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

یہ معنی ہے «لِأَنَّ طَهَارَةَ الصَّعِيدِ ثَبَتَتْ شَرْطًا بِنَصِّ الْكِتَابِ، فَلَا تَتَأَدَّى بِمَا ثَبَتَ بِالْحَدِيثِ» اس لیے کیونکہ مٹی کی پاکی جو ہے وہ ثابت ہے شرط ہو کر کتاب اللہ کی نص سے، پس لہٰذا یہ مٹی کی پاکی ادا نہیں ہو گی اس چیز کے ساتھ جو ثابت ہے کس سے؟ حدیث سے جو ثابت ہے، اس سے طہارتِ صعید ثابت نہیں ہو گی، اس سے ادا نہیں ہو گی کیونکہ وہ ظنی ہے اور ضروری کس قسم کی طہارت ہے؟ قطعی طہارت ضروری ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو «فَلَا تَتَأَدَّى» تتأدیٰ کی ضمیر کس کو لوٹائیں گے؟ طہارتِ صعید کو۔ کس کو؟ تو مٹی کی طہارت اس سے نہیں ہو گی جو حدیث سے ثابت ہے، کس کے لیے؟ تیمم کے حق میں خاص طور پر، تیمم کے حق میں۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھائی؟ اچھا۔

■ مسئلہ: وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَا دُونَهُ مِنَ النَّجَسِ...

«وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَا دُونَهُ مِنَ النَّجَسِ الْمُغَلَّظِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْخَمْرِ وَخُرْءِ الدَّجَاجِ وَبَوْلِ الْحِمَارِ جَازَتِ الصَّلَاةُ مَعَهُ، وَإِنْ زَادَ لَمْ تَجُزْ» اب آگے نجاستِ خفیفہ اور نجاستِ غلیظہ ان کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔ یاد رکھیے ایک وہ نجاست ہے جو بڑی سخت ہے، اس کے حکم میں بڑی شدت اور سختی ہے، اسے نجاستِ غلیظہ کہتے ہیں۔ اور دوسری نجاست وہ ہلکے درجے کی نجاست ہے، اس کے حکم میں تخفیف ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ نجاستِ خفیفہ کہتے ہیں۔ نجاستِ غلیظہ کے سلسلے میں یاد رکھیے کہ وہ درہم کی مقدار تک معاف ہے، ایک درہم یا اس سے کم ہو تو معاف ہے یعنی اس کے ساتھ نماز ادا کی تو نماز ہو جائے گی۔ نماز ہو جائے گی، اگرچہ بہتر یہ نہیں ہے کہ اسی کے ساتھ نماز ادا کی جائے، اگر پانی وغیرہ ہے انسان کو اس سے بدن یا کپڑے کو صاف کرنا چاہیے، لیکن اگر پانی وغیرہ نہیں ملتا اور وہ اسی طرح نماز پڑھ لیتا ہے تو نماز ہو جائے گی بھائی، جبکہ مقدار کتنی ہو؟ ایک درہم یا ایک درہم سے کم ہو۔ یہ نجاستِ غلیظہ میں ہے۔

جبکہ نجاستِ خفیفہ کے اندر یاد رکھیے وہ ربعِ ثوب تک ہو تو ربعِ ثوب سے کم ہو تو معاف ہے، ربعِ ثوب کو پہنچ جائے تو معاف نہیں۔ یعنی کپڑے کے چوتھائی حصے تک پہنچ جائے تو معاف نہیں، اس سے کم کم ہے تو معاف ہے۔ اور کس کپڑے تک؟ کیا سارے کپڑوں کے اعتبار سے دیکھا جائے گا؟ پھر تو چوتھا حصہ بہت بڑا بن جائے گا۔ تو یاد رکھیے فقہاء فرماتے ہیں سارا کپڑا مراد نہیں ہے بلکہ جس حصے پر کپڑے کے لگی ہے اس کا اس کے چوتھے حصے کو دیکھا جائے گا۔ مثلاً آستین پر نجاستِ خفیفہ لگی ہے تو آستین کے چار حصے کیجیے اور غور کیجیے یہ چار حصے کریں تو اس سے یہ کم ہے یا اس کے برابر ہے؟ اگر اس چوتھے حصے سے یہ کم ہے تو اس کے ساتھ نماز جائز ہو جائے گی اور اگر چوتھے حصے کے برابر ہے یا اس سے زائد ہے تو اس صورت میں پھر نماز اس کے ساتھ جائز نہیں ہو گی بھائی۔

تو کہتے ہیں «وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَا دُونَهُ مِنَ النَّجَسِ الْمُغَلَّظِ» اور درہم کی مقدار اور جو اس سے کم ہو، درہم اور درہم سے جو کم ہو، کس میں سے؟ «مِنَ النَّجَسِ الْمُغَلَّظِ» نجاستِ مغلظہ میں سے، نجاستِ غلیظہ میں سے، «كَالدَّمِ» جیسے کہ خون ہے، «وَالْبَوْلِ» اور پیشاب ہے، «وَالْخَمْرِ» اور شراب ہے، «وَخُرْءِ الدَّجَاجِ» اور مرغی کی بیٹ ہے، «وَبَوْلِ الْحِمَارِ» اور گدھے کا پیشاب ہے، «جَازَتِ الصَّلَاةُ مَعَهُ» تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔ کتنی مقدار میں؟ درہم اور درہم سے کم مقدار میں۔ «وَإِنْ زَادَ لَمْ تَجُزْ» اور اگر اس سے زیادہ ہو یعنی درہم کی مقدار سے یہ نجاستِ غلیظہ زیادہ ہے «لَمْ تَجُزْ» تو اس کے ساتھ نماز جائز نہیں بھائی، جائز نہیں۔

یہاں ایک دو باتیں اور بھی یاد رکھیے بھائی۔ انہوں نے ذکر کر دیا کہ خون یہ بھی نجاستِ غلیظہ ہے، پیشاب بھی نجاستِ غلیظہ ہے، شراب بھی نجاستِ غلیظہ ہے، اسی

طرح مرغی کی بیٹ جو ہے وہ بھی نجاستِ غلیظہ ہے بھائی۔ یاد رکھیے پرندوں کے اندر مرغی، بطخ اور مرغابی ان تین کی بیٹ نجاستِ غلیظہ ہے بھائی۔ مرغی، بطخ اور مرغابی ان کی بیٹ جو ہے وہ نجاستِ غلیظہ ہے غلیظہ ہے۔ اور اس کے ان کے علاوہ باقی جو حلال پرندے ہیں ان کی بیٹ پاک ہے۔ وہ نجاست ہی نہیں سرے سے بلکہ پاک ہے، جیسے کبوتر ہے، چڑیا ہے، مینا ہے وغیرہ بھائی، ان کی بیٹ کیا ہے؟ پاک ہے بھائی پاک ہے۔ جبکہ وہ پرندے جو حرام ہیں ان کی بیٹ نجاستِ خفیفہ ہے، آگے تفصیل آجائے گی بھائی، صاحبِ ہدایہ بھی بیان کریں گے۔ جو حرام پرندے ہیں ان کی بیٹ کیا ہے؟ نجاستِ خفیفہ ہے بھائی، نجاستِ خفیفہ ہے۔

اور اسی طرح یہ بھی یاد رکھیے، یہ آگے بھی آجائے گا، کہ جو فضلہ ہے یعنی پاخانہ ہے تمام جانوروں کا، چاہے وہ ماکول اللحم ہیں چاہے غیر ماکول اللحم ہیں، یعنی چاہے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے یا گوشت نہیں کھایا جاتا، یا یوں کہیے مختصر لفظوں میں، چاہے وہ جانور حلال ہیں چاہے حرام ہیں، سب کا جو فضلہ ہے پاخانہ ہے وہ نجاستِ غلیظہ ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا یہ گوبر یہ بھی کیا ہے؟ نجاستِ غلیظہ ہے بھائی نجاستِ غلیظہ ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ جی دیکھیے اب دوبارہ ذرا:

■ مسئلہ: وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَادُونَهُ مِنَ النَّجَسِ...

«وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَا دُونَهُ مِنَ النَّجَسِ الْمُغَلَّظِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْخَمْرِ وَخُرْءِ الدَّجَاجِ وَبَوْلِ الْحِمَارِ جَازَتِ الصَّلَاةُ مَعَهُ، وَإِنْ زَادَ لَمْ تَجُزْ» اور درہم اور اس سے کم مقدار جو ہے نجاستِ مغلظہ میں سے جیسے کہ خون ہے اور پیشاب ہے اور شراب ہے اور مرغی کی بیٹ ہے اور گدھے کا پیشاب ہے، «جَازَتِ الصَّلَاةُ مَعَهُ» تو یہ ان میں نماز جائز ہے یعنی درہم یا درہم سے کم مقدار جب ہو، «وَإِنْ زَادَ لَمْ تَجُزْ» اور اگر اس سے زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

«وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: قَلِيلُ النَّجَاسَةِ وَكَثِيرُهَا سَوَاءٌ» امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ، تھوڑی اور زیادہ نجاست دونوں جو ہیں «سَوَاءٌ» برابر ہیں، «لِأَنَّ النَّصَّ الْمُوجِبَ لِلتَّطْهِيرِ لَمْ يَفْصِلْ» اس لیے کیونکہ وہ نص جو تطہیر کو واجب کرنے والی ہے «لَمْ يَفْصِلْ» وہ فرق نہیں کرتی۔ وہ نص، وہ آیت جو تطہیر کو واجب کرنے والی ہے اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اور وہ کیا نص تھی؟ «وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ» تو اس کے اندر یہ نہیں ذکر کہ درہم یا درہم سے کم ہو تو...

کوئی حرج نہیں۔ بلکہ یہ عام ہے کہ کپڑے کو کیا کیجیے؟ پاک رکھیے! معلوم ہوا تھوڑی نجاست سے بھی پاک ہونا ضروری اور زیادہ نجاست سے بھی پاک ہونا ضروری ہے بھائی۔ تو اس نص نے کوئی فرق نہیں کیا۔

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْقَلِيلَ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ...

«وَلَنَا أَنَّ الْقَلِيلَ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَيُجْعَلُ عَفْوًا» کہ ہم کہتے ہیں کہ تھوڑی نجاست جو ہے، ممکن نہیں ہے اس سے بچنا، «فَيُجْعَلُ عَفْوًا» تو اس کو معاف قرار دیا گیا۔ تھوڑی نجاست سے تو بچنا ممکن ہی نہیں ہے، اس لیے تھوڑی نجاست کو «فَيُجْعَلُ عَفْوًا» تو اس کو معاف قرار دیا جائے گا۔ «وَقَدَّرْنَاهُ بِقَدْرِ الدِّرْهَمِ» اور ہم نے اس کا اندازہ لگایا ہے ایک درہم کی مقدار سے۔ کتنی مقدار سے؟ ایک درہم کی مقدار سے اندازہ لگایا ہے، کیونکہ تھوڑی نجاست سے تو بچنا ممکن ہی نہیں ہے انسان کے لیے بھائی، تھوڑی بہت نجاست تو لگ ہی جاتی ہے، تو لہٰذا تھوڑی نجاست کو معاف قرار دیا جائے گا۔ اور ہم نے اس کا اندازہ کس سے لگایا؟ ایک درہم سے۔ بھائی یہ ایک درہم سے کیسے اندازہ لگایا؟ جو آگے بتلا رہے ہیں: «أَخْذًا عَنْ مَوْضِعِ الِاسْتِنْجَاءِ» اخذ کرتے ہوئے استنجا کے مقام سے۔ کس سے؟ استنجا کے مقام سے اخذ کرتے ہوئے، یعنی پاخانے کا جو مقام ہے، وہ کتنا ہے تقریباً؟ ایک درہم۔ بھائی دیکھیے، مسنون طریقہ کیا ہے؟ استنجا کس سے کیا جائے؟ جی؟ مٹی کے ڈھیلے سے استنجا کیا جائے، ہاں پانی سے، اس کے بعد پانی سے بھی کر لے تو یہ افضل ہے، تو ورنہ کس سے کافی ہے؟ مٹی کے ڈھیلے سے استنجا کر لیا تو کافی ہے۔ اب آپ مجھے بتائیے، مٹی کے ڈھیلے سے جب کوئی شخص استنجا کرے گا، تو کیا نجاست کے اجزا پورے طور پر صاف ہو جاتے ہیں یا معمولی سے پھر بھی رہ جائیں گے؟ ہاں، کچھ نہ کچھ تو رہ جائیں گے، ظاہر سی بات ہے، جو پاکی پانی سے حاصل ہوتی ہے وہ مٹی کے ڈھیلے سے تو حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو دیکھو پھر بھی شریعت کی طرف سے رخصت آئی ہے کہ اس نے ڈھیلے سے استنجا کی اجازت دی اور وہ مسنون ہے، حالانکہ تھوڑی نجاست رہ جاتی ہے، معلوم ہوا تھوڑی نجاست معاف ہے۔ معلوم ہوا تھوڑی نجاست کیا ہے؟ معاف ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ معنی ہے: «وَقَدَّرْنَاهُ بِقَدْرِ الدِّرْهَمِ» اور ہم نے اس کا اندازہ لگایا ہے ایک درہم کی مقدار کے ساتھ، «أَخْذًا عَنْ مَوْضِعِ الِاسْتِنْجَاءِ» اخذ کرتے ہوئے اس کو استنجا کے مقام سے۔

«ثُمَّ يُرْوَى اعْتِبَارُ الدِّرْهَمِ مِنْ حَيْثُ الْمَسَاحَةِ» اب یہ جو متن میں آیا، کتنی نجاستِ غلیظہ معاف ہے بھائی، جس میں نماز ہو جائے گی؟ ایک درہم یا ایک درہم سے کم۔ اب یہ ایک درہم سے کیا مراد ہے؟ درہم کا وزن مراد ہے یا درہم جتنا کی پیمائش مراد ہے کہ جتنا درہم کا پھیلاؤ ہوتا ہے؟ تو یاد رکھیے اس میں دو روایتیں ہیں۔ بعض نے کہا: درہم سے درہم کی پیمائش مراد ہے۔ کتنی مراد ہے؟ درہم کی پیمائش مراد ہے، اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ درہم کی مقدار سے درہم کا وزن مراد ہے۔ دونوں روایتیں آئی ہیں پھر بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب پھر یہ بھی یاد رکھیے آگے صاحبِ ہدایہ بھی ذکر کرنے لگے ہیں، درہم کی پیمائش کتنی ہے؟ یعنی چوڑائی وغیرہ کتنی

ہے؟ لمبائی چوڑائی میں کس طرح اندازہ لگایا جائے گا؟ تو یاد رکھیے، یہ اپنی ہتھیلی کو ذرا اپنے سامنے پھیلایئے بھائی، اور پھر انگلیوں کو خوب سخت کر لیجیے جس حد تک سخت کر سکتے ہیں، بالکل سخت ہو جائے ہتھیلی بھائی۔ انگلیاں بالکل سیدھی تاکہ نیچے کی طرف اگر مڑ رہی ہیں، جتنی مڑ سکتی ہیں موڑیں۔ اب اس ہتھیلی، بھائی اس ہتھیلی میں تھوڑا پانی لیں اور پھر اس کو اس طرح پھیلا دیں جیسے میں نے ابھی بتایا۔ آپ دیکھیں گے سارا پانی گر جائے گا، ہتھیلی کے بیچ میں یہ جو تھوڑا سا گہرا حصہ رہ گیا اس کے اندر تھوڑا سا پانی رک جائے گا۔ یہ ہے درہم کے پھیلاؤ کی مقدار بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ ہے کتنے؟ درہم کے پھیلاؤ کی مقدار۔ جب ہتھیلی پر پانی ڈالیں اور پھر اس کو خوب سخت کر لیں، تو بس یہ تھوڑا سا گہرا حصہ رہ جائے گا، یہ آپ اس کا باقاعدہ تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہیں، یہ درمیان والے تھوڑے سے حصے میں پانی رہ جائے گا، یہ ہے ایک درہم کے پھیلاؤ کی مقدار بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو بعضوں فقہاء فرماتے ہیں: یہ مقدار پھیلاؤ، پیمائش کے اندر مراد ہے، اور بعضوں نے کیا کہا؟ وزن مراد ہے، وزن مراد ہے۔ وہ دونوں صاحبِ ہدایہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «ثُمَّ يُرْوَى اعْتِبَارُ الدِّرْهَمِ مِنْ حَيْثُ الْمَسَاحَةِ» پھر روایت کیا گیا ہے درہم کے اعتبار کو کس حیثیت سے؟ پیمائش کی حیثیت سے، کہ پیمائش کے اعتبار سے درہم کا اعتبار کیا جائے گا۔ «وَهُوَ قَدْرُ عَرْضِ الْكَفِّ» اور وہ، عرض کہتے ہیں چوڑائی کو، اور وہ ہتھیلی کی چوڑائی کی مقدار ہے۔ ہتھیلی کی چوڑائی کی مقدار، اور میں نے بتا دیا، پوری ہتھیلی نہیں مراد بلکہ ہتھیلی کا درمیان والا گہرا حصہ مراد ہے۔ تو یہ ہتھیلی کی چوڑائی کی مقدار ہے۔ «فِي الصَّحِيحِ» صحیح قول کے مطابق۔ بھائی دو روایتیں، متن میں تو صرف آیا کہ درہم کی مقدار، اب اس سے کیا مراد ہے؟ پیمائش مراد ہے یا وزن مراد ہے؟ تو صاحبِ ہدایہ نے بتلا دیا کہ دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کس کی ہے؟ پیمائش مراد ہے، دوسری روایت کیا ہے؟ کہ وزن مراد ہے۔ صاحبِ ہدایہ «فِي الصَّحِيحِ» کے ذریعے بتلا رہے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے بھائی، اس صحیح قول کے مطابق۔ تو «فِي الصَّحِيحِ» کا تعلق «قَدْرُ عَرْضِ الْكَفِّ» سے نہیں ہے کہ صحیح قول کیا ہے؟ ہتھیلی کی چوڑائی کی مقدار۔ یہ «فِي الصَّحِيحِ» کا تعلق اس سے نہیں ہے، «فِي الصَّحِيحِ» کا تعلق «اعْتِبَارُ الدِّرْهَمِ مِنْ حَيْثُ الْمَسَاحَةِ» سے ہے۔ صحیح قول کے مطابق کیا مراد ہے درہم کی؟ پیمائش مراد ہے، اور وہ پیمائش کتنی ہے؟ ہتھیلی کی چوڑائی کی مقدار بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

■ مسئلہ: وَيُرْوَى

«وَيُرْوَى» اب دوسری روایت ذکر کرنے لگے ہیں، اور روایت کیا گیا ہے کہ درہم کی مقدار جو ہے وہ «مِنْ حَيْثُ الْوَزْنِ» کس حیثیت سے ہے؟ وزن کی حیثیت سے ہے۔ یاد رکھیے، ایک ہے درہم، ایک ہے دینار۔ درہم ہوتا تھا چاندی کا اور دینار ہوتا تھا سونے کا، اور درہم کا وزن تھا تین ماشے ایک رتی اور خمسِ رتی، رتی کا پانچواں حصہ۔ تین ماشے ایک رتی اور خمسِ رتی، خمسِ رتی۔ یہ اوزانِ شرعیہ ہیں، انشاء اللہ یہ یہاں بھی کچھ زیادہ ضرورت نہیں ہے، یہ وہاں ہمیں ضرورت پیش آئے گی زکوٰۃ کے باب میں، زکوٰۃ پہ، وہاں انشاء اللہ پھر میں آپ کو تفصیل لکھوا دوں گا سب کی، اور اگر کہیں بیچ میں زیادہ ضرورت پڑ گئی تو وہاں آپ کو لکھوا دوں گا۔ تو یہ درہم کا وزن کتنا ہوتا تھا؟ تین ماشے، ایک رتی اور خمسِ رتی، رتی کا پانچواں حصہ، پانچواں حصہ۔ جبکہ دینار جو ہے وہ ساڑھے چار ماشے کا ہوتا تھا۔ تو دیکھو درہم چھوٹا ہوا، تین ماشے ایک رتی بلکہ سوا رتی سے تھوڑا سا کم، تین ماشے اور سوا رتی سے تھوڑا سا کم، جبکہ دینار کتنا ہے؟ ساڑھے چار ماشے کا، وہ بڑا ہوتا ہے۔ اور اسی دینار وزن جو ساڑھے چار ماشے ہیں، اس کا دوسرا نام ہے مثقال بھائی۔ مثقال بھی کس وزن کو کہتے ہیں؟ ساڑھے چار ماشے۔ لہٰذا کہیں آ جائے دینار، کہیں آ جائے مثقال، کہیں آ جائے ساڑھے چار ماشے، یہ سب ایک ہی چیز ہیں۔ دینار بھی کتنے کا؟ ساڑھے چار، مثقال بھی کتنے کا؟ ساڑھے چار ماشے کا۔

تو یہاں درہم کی مقدار ذکر ہوئی بھائی، تو کہتے ہیں: «وَيُرْوَى مِنْ حَيْثُ الْوَزْنِ» اور روایت کیا گیا ہے کہ درہم جو ہے وزن کی حیثیت سے مراد ہے، لیکن درہم کا جو عام وزن ہوتا ہے تین ماشے، ایک رتی اور خمسِ رتی، وہ درہم مراد نہیں ہے، «وَهُوَ الدِّرْهَمُ الْكَبِيرُ الْمِثْقَالُ» بڑا درہم مراد ہے، اور بڑا درہم کتنے کا ہوتا تھا؟ ایک مثقال کا ہوتا تھا اور وہ کتنا ہے؟ ساڑھے چار ماشے، یعنی ایک دینار کے برابر۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں درہم جو ہے وزن کی حیثیت سے مراد ہے، «وَهُوَ الدِّرْهَمُ الْكَبِيرُ الْمِثْقَالُ» اور وہ بڑا درہم ہے مثقال جو ہے، «وَهُوَ مَا يَبْلُغُ وَزْنُهُ مِثْقَالًا» بڑا درہم مثقال جو ہے، وہ کتنا ہے؟ وہ خود بتلا رہے ہیں: «وَهُوَ مَا يَبْلُغُ وَزْنُهُ مِثْقَالًا» وہ درہم ہے کہ جس کا وزن ایک مثقال کو پہنچے۔

«وَقِيلَ» اور کہا گیا، پھر بعض فقہاء نے ان دونوں روایتوں کے اندر تطبیق دی۔ بظاہر دونوں روایتیں اب ایک دوسرے کے معارض ہو گئیں۔ کہ قدرِ درہم سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کیا کہا؟ پیمائش مراد، بعضوں نے کیا کہا؟ وزن مراد ہے، تو بعض علماء، ائمہ نے پھر ان کے اندر تطبیق دی، ایسی صورت بیان کر دی کہ ان کا جو آپس کا ٹکراؤ بظاہر نظر آ رہا تھا وہ ختم ہو گیا۔ وہ کس طرح؟ وہ فرماتے ہیں کہ جو پتلی، بہنے والی نجاست ہے، نجاستِ غلیظہ، اس کے اندر پھیلاؤ کو دیکھیں گے کہ ایک درہم تک تو نہیں لگ گئی؟ جیسے پیشاب ہے۔ پیشاب میں اب کیا دیکھا جائے گا؟ پیشاب کپڑے پر لگے گا اس کا تو الگ وزن کوئی ہے ہی نہیں، کپڑے میں ہی بس جذب ہو جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ تو وہ اس میں پیمائش کو دیکھیں گے کہ یہ ایک درہم کی مقدار تو نہیں پھیل گیا؟ اگر اس کے برابر ہے یا اس سے کم ہے تو نماز اس میں جائز، اگر اس سے زائد ہے تو نماز جائز نہیں۔ اور جو گاڑھی نجاست ہو گی جس کا باقاعدہ اپنا وزن ہو، جیسے گوبر ہے، وہ لگ گیا اگر کپڑے پر تو اس کے اندر پھر کیا دیکھیں گے؟ وزن دیکھیں گے۔ اب چاہے درہم کے

سبق نمبر ۳۶: مسئلہ: فَاغْسِلِيهِ إِنْ كَانَ رَطْبًا، وَافْرُكِيهِ إِ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

برابر نہ پھیلا ہو لیکن وزن اتنا ہے، وزن اس درہم سے زائد ہے تو اس میں نماز جائز نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اس میں بھی پھر، اگر وزن اس کا کیا ہے؟ کم ہے، لیکن وہ پھیل گیا درہم سے زیادہ، تو بھی وہی حکم آجائے گا، پھر بھی اس میں نماز جائز نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو تطبیق آگئی یا نہیں آگئی؟ کہ پھیلاؤ کس نجاست میں دیکھا جائے گا؟ پتلی، بہنے والی میں، اور گاڑھی نجاست میں کس کو دیکھا جائے گا؟ وزن۔ تو معلوم ہوا وہ روایت جو پھیلاؤ کے بارے میں آئی وہ بہنے والی نجاست کے بارے میں آئی، اور وہ روایت جو وزن کے بارے میں آئی ہے وہ کس کے بارے میں آئی ہے؟ وہ گاڑھی نجاست کے بارے میں آئی ہے، تو دیکھو اب تعارض ہی نہ رہا۔ اس کا محل ہی اور، اس کا محل ہی اور، تعارض ہی نہیں۔ تو یہ معنی ہے: «وَقِيلَ فِي التَّوْفِيقِ بَيْنَهُمَا» اور کہا گیا ہے ان دونوں میں توفیق کے طور پر، توفیق دیتے ہوئے یعنی تطبیق دیتے ہوئے۔ تطبیق کا معنی میں نے بیان کیا تھا، توفیق اور تطبیق کا کیا معنی؟ اقوال کو ایک دوسرے کے مطابق کر دینا، ان کو ایک دوسرے کے موافق کر دینا۔ بظاہر تو کیا تھا؟ تعارض، لیکن اب اس قول سے دونوں میں کیا آگئی؟ تطبیق آگئی، پتہ چلا ایک دوسرے کے موافق ہیں، ایک دوسرے کے مقابل نہیں ہیں بھائی۔ تو ان میں توفیق دیتے ہوئے کہا گیا کہ «إِنَّ الْأُولَى فِي الرَّقِيقِ» کہ پہلی روایت کس نجاست میں ہے؟ رقیق پتلی نجاست کے بارے میں ہے، «وَالثَّانِيَةَ فِي الْكَثِيفِ» اور دوسری روایت جو ہے «فِي الْكَثِيفِ» گاڑھی نجاست کے بارے میں ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنَّمَا كَانَتْ نَجَاسَةُ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ م...

«وَإِنَّمَا كَانَتْ نَجَاسَةُ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ مُغَلَّظَةً» بھائی ان اشیاء کی نجاست کو مغلظہ کیوں قرار دیا گیا؟ یہ خون ہے، پیشاب ہے، شراب وغیرہ، ان کو نجاستِ مغلظہ کیوں قرار دیا گیا؟ تو اس میں قیمتی ضابطہ یاد رکھنا، آگے صاحبِ ہدایہ خود بھی اس کو ذکر کریں گے۔ امام صاحب کا ضابطہ الگ ہے، صاحبین کا ضابطہ الگ ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں: نجاستِ غلیظہ وہ ہوگی جس میں نص آجائے جس سے پتہ چلے کہ یہ چیز نجس ہے۔ کیا آجائے؟ جس چیز کے بارے میں، توجہ ہے سبق کی طرف؟ جس چیز کے بارے میں نص آجائے یعنی قرآن یا حدیث، اس میں نص آجائے کہ یہ چیز کیا ہے؟ نجس ہے، اور کوئی مقابلے میں ایسی نص نہ ہو جس سے اس کے پاک ہونے کا پتہ چلے۔ تو ایک ہی مثلاً قسم کی نص آئی ہے جس سے صرف کیا پتہ چل رہا ہے؟ کہ یہ چیز نجس ہے، تو دوسری اس کے مقابل کوئی نص ہے؟ جب مقابل کوئی نص نہیں تو اس کو نجاستِ غلیظہ قرار دیں گے۔ اور اگر نص جو ہے وہ دو قسم کی آرہی ہیں ایک چیز کے بارے میں، بعض سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز پاک ہے، بعض سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز ناپاک ہے، جیسے پیشاب کے بارے میں، آپ اصولِ فقہ میں پڑھ چکے ہیں، حدیثِ عُرَنِيِّين سے کیا پتہ چلا؟ حضور علیہ السلام نے ان کو اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب کیا ہے؟ پاک ہے، پینے کا حضور علیہ السلام حکم دے رہے ہیں، اور جبکہ دوسری طرف حدیث آتی ہے: «اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ» پیشاب سے بچو، کیونکہ عام طور پر عذابِ قبر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے، اس سے پتہ چلا کہ پیشاب نجس ہے بھائی، نجس ہے۔ تو اس میں کوئی تفصیل نہیں کہ کس چیز کے پیشاب سے بچو، وہ سب کو شامل ہوا، تو اس میں ماکول اللحم بھی آگئے۔ تو گویا ماکول اللحم جو جانور ہیں ان کے پیشاب کے بارے میں دو قسم کی نصوص آگئیں، کچھ نصوص سے، احادیث سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ کہ وہ پاک ہے، اور کچھ سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ ناپاک ہے، تو دیکھو نصوں میں تعارض آگیا۔ تو جب دو نصوں میں تعارض آجائے ایک چیز کے نجس اور پاک ہونے کے سلسلے میں، تو امام صاحب کا ضابطہ یہ ہے، اس کو پھر نجاستِ غلیظہ نہیں قرار دیں گے، نجاستِ خفیفہ قرار دیں گے۔ کیونکہ ایک نص سے اگر اس کے نجس ہونے کا پتہ چل رہا ہے، تو دوسری نص سے اس کے پاک ہونے کا پتہ چل رہا ہے، تو اس سے اس کے حکم میں سختی نہ رہی، معلوم ہوا حکم میں نرمی ہے، تو اس کو کیا قرار دیں گے؟ نجاستِ خفیفہ قرار دیں گے۔ امام صاحب کا ضابطہ سمجھ میں آیا؟ تو وہ نجاستِ غلیظہ کس کو قرار دیتے ہیں؟ جہاں نصوں میں تعارض نہ ہو بلکہ صرف نجس ہونے کی نص آئی ہو۔ اور وہ نجاستِ خفیفہ کب قرار دیتے ہیں؟ جب نصوں میں کیا آئے؟ تعارض آئے، ایک نص سے پتہ چل رہا ہے کہ نجس ہے، دوسری سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ کہ پاک ہے، تو پھر اس کو وہ کیا قرار دیتے ہیں؟ نجاستِ خفیفہ قرار دیتے ہیں۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

جبکہ صاحبین کا اور ضابطہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس نجاست کے سلسلے میں اجتہاد کی گنجائش ہوگی وہ نجاستِ خفیفہ ہے، اور جہاں اجتہاد کی گنجائش نہیں وہ نجاستِ غلیظہ ہے۔ کیا فرماتے ہیں؟ جس نجاست میں اجتہاد کی گنجائش ہے، یعنی فقہاء دونوں طرف گئے ہیں، بعض نے ایک چیز کو پاک قرار دیا ہے، بعض نے کیا قرار دیا ہے؟ نجس قرار دیا ہے، دیکھو معلوم ہوا اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، جبھی بعض فقہاء ایک طرف چلے گئے، بعض دوسری طرف چلے گئے۔ تو جس نجاست کے اندر بھی اجتہاد کی گنجائش ہوگی یعنی فقہاء کا اختلاف ہوگا، وہ نجاستِ خفیفہ ہے، اور جہاں پر فقہاء کا اختلاف نہیں وہ نجاستِ غلیظہ ہے بھائی۔ تو امام صاحب دیکھتے ہیں تعارضِ نصین کو، کس کے اندر؟ نجاستِ خفیفہ اور غلیظہ میں، اور صاحبین دیکھتے ہیں تعارضِ مجتہدین کو، کس کو؟ یا یوں کہیں تعارضِ مذہبین کو دیکھتے ہیں، دو مذہبوں کے تعارض کو دیکھتے ہیں۔ ضابطے اچھی طرح سمجھ میں آگئے؟

اب یہ ذکر کر رہے ہیں: «وَإِنَّمَا كَانَتْ نَجَاسَةُ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ مُغَلَّظَةً» کہ ان اشیاء کی نجاست نجاستِ مغلظہ ہے، «لِأَنَّهَا ثَبَتَتْ بِدَلِيلٍ مَقْطُوعٍ بِهِ» اس لیے کیونکہ ان کی نجاست ثابت ہے ایسی دلیل سے، «مَقْطُوعٍ بِهِ» جو قطعی ہے، یقینی ہے۔ کیونکہ ان کی نجاست کس سے ثابت ہے؟ قطعی دلیل سے ثابت ہے۔ کس سے ثابت ہے؟ قطعی دلیل سے ثابت ہے۔ اس کا معنی یہ نہ سمجھ لینا کہ خبرِ متواتر، یعنی دلیلِ قطعی کیا کیا چیزیں ہیں؟ جیسے قرآن ہے، قرآن قطعی

261

ہے، کیوں قطعی ہے؟ کیونکہ یہ متواتر ہے، تواتر کے طریقے پر نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ ہر زمانے کے اندر سینکڑوں، لاکھوں لوگ اس کو نقل کرنے والے ہیں، معلوم ہوا یہ جیسا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آج سے چودہ صدیاں قبل نازل ہوا تھا، آج بھی بعینہٖ اسی حالت کے اندر ہے، کہیں کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیونکہ اتنے لوگ جھوٹ پر کبھی جمع نہیں ہوسکتے بھائی۔ اسی طرح حدیث کے اندر بھی ایک قسم ہے خبرِ متواتر بھائی، تو اس میں بھی اس کو روایت کرنے والے بہت زیادہ راوی ہوتے ہیں، تو یہ جو متواتر ہے، خبرِ متواتر، یہ یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ جبکہ خبرِ واحد جو ہے اس کے مقابلے میں جس کو روایت کرنے والے اتنے زیادہ نہ ہوں، وہ ظن کا فائدہ دیتی ہے کہ غالب گمان یہ ہے بات اسی طرح ہوگی، یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ تو یہاں جو آیا نا کہ یہ ثابت ہے قطعی دلیل سے، تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ثابت ہے قرآن سے یا خبرِ متواتر سے، یہ مراد نہیں ہے، بلکہ کیا مراد ہے؟ مراد یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ان کی نجاست قطعی ہے کیونکہ نجاست کی احادیث تو ہیں ان کے بارے میں، پاک ہونے کی کوئی حدیث نہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک بھی ان کی نجاست قطعی ہے، اس لیے کیونکہ اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں۔ جب اختلاف نہیں ہے معلوم ہوا قطعی طور پر یہ نجس ہی ہے۔ جب نصوں کے اندر تعارض نہیں ہے تو معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ قطعی طور پر نجس ہی ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ یہ معنی ہے کہ «لِأَنَّهَا ثَبَتَتْ بِدَلِيلٍ مَقْطُوعٍ بِهِ» اس لیے کیونکہ ان کی نجاست ثابت ہے قطعی دلیل سے، یعنی جس میں تعارضِ نصوص بھی نہیں اور جس میں مجتہدین کا اختلاف بھی نہیں ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَتْ مُخَفَّفَةً

«وَإِنْ كَانَتْ مُخَفَّفَةً» اور اگر وہ نجاست کیا ہو؟ مخففہ نجاستِ خفیفہ ہو، «كَبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ» جیسے پیشاب ان جانوروں کا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، یعنی حلال جانوروں کا پیشاب، «جَازَتِ الصَّلَاةُ مَعَهُ حَتَّى يَبْلُغَ رُبْعَ الثَّوْبِ» تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے یہاں تک کہ یہ کپڑے کے چوتھائی حصے کو پہنچ جائے۔ چوتھائی حصے کو پہنچ جائے پھر جائز نہیں ہے، اس سے کم کم میں جائز ہے، تو جائز ہے ان میں نماز یہاں تک کہ یہ کہاں پہنچ جائے؟ چوتھائی کپڑے کو، پھر جائز نہیں ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو یہ «بَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ» یعنی حلال جانوروں کا پیشاب جو ہے، حلال۔ اسی طرح میں نے آپ کو بتادیا حرام پرندوں کی بیٹ جو ہے وہ بھی کیا ہے؟ نجاستِ خفیفہ ہے۔ اور نیز اسی طرح یاد رکھیے گھوڑے کا پیشاب جو ہے وہ بھی کیا ہے؟ نجاستِ خفیفہ ہے، نجاستِ خفیفہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

«يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» یہ روایت کیا گیا ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کہ نجاستِ مخففہ وہ جب تک ربعِ ثوب کو نہ پہنچ جائے اس میں نماز جائز ہے۔ تو یہ امام صاحب سے نقل کیا گیا ہے، «لِأَنَّ التَّقْدِيرَ فِيهِ بِالْكَثِيرِ الْفَاحِشِ» اس لیے کیونکہ اندازہ اس کے اندر جو ہے لگایا گیا ہے کثیرِ فاحش کے ساتھ، یعنی بہت زیادہ ہو۔ جب یہ نجاست خفیف ہے، تھوڑی لگ جائے تو معاف ہے، ہاں جب بہت زیادہ ہو جائے تو معاف نہیں، اور وہ بہت زیادہ کتنی ہو جائے؟ ربعِ ثوب، کتنا؟ ہاں، دلیل ذکر کر رہے ہیں یہ ربعِ ثوب کو کیوں قرار دیا؟ تو اس میں اندازہ لگایا جائے گا کثیرِ فاحش کے ساتھ، بہت زیادہ کے ساتھ، جب یہ بہت زیادہ لگ جائے گی تو نماز جائز نہیں ہوگی۔ اور پھر ربع کیوں قرار دیا گیا؟ بہت زیادہ کا اندازہ کس سے لگایا گیا؟ ربع، معلوم ہوا ربع ہو گیا چوتھائی وہ لگ گیا، چوتھائی یہ نجاست لگ گئی تو معلوم ہوا بہت زیادہ لگ گئی ہے۔ بھائی ربع کے ساتھ کیوں اندازہ لگایا گیا؟ وہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَالرُّبْعُ مُلْحَقٌ بِالْكُلِّ فِي بَعْضِ الْأَحْكَامِ» اور ربع جو ہے وہ ملایا گیا ہے اس کو کل کے ساتھ بعض احکام میں۔ ربع پر ہی کل کا حکم لگا دیا گیا ہے بعض احکام کے اندر، جیسے آپ جانتے ہیں سر کے چوتھائی حصے پر ہی مسح کو پورے سر پر مسح کے قائم مقام قرار دیا گیا، تو ربعِ رأس کو دیکھیے، کل رأس کے قائم مقام قرار دیا گیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حج کے اندر حلق کرواتا ہے، بال یا بال کٹواتا ہے، تو اس میں بھی چوتھائی سر کے بال کٹوالے تو یہ کیا ہے؟ کافی ہے، گویا کل سر کے بال ہی اس نے کٹوا، تو معلوم ہوا شریعت نے بعض احکام میں چوتھائی کو کس کے قائم مقام کیا ہے؟ کل کے قائم مقام کیا ہے، اس لیے ہم نے بھی کثیرِ فاحش کا اندازہ کس سے لگایا؟ ربع کے ساتھ۔

«وَعَنْهُ» اور امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ «رُبْعُ أَدْنَى ثَوْبٍ تَجُوزُ فِيهِ الصَّلَاةُ» وہ کم سے کم کپڑا اس کم سے کم کپڑے کا چوتھائی جو ہے جس میں نماز جائز ہو، «كَالْمِئْزَرِ» جیسے تہبند ہے، جیسے کیا ہے؟ بھائی وہ کم سے کم کپڑا جس کے اندر نماز جائز ہو جیسے تہبند ہے، یعنی دھوتی بھائی۔ اب دھوتی صرف پہن کر کوئی شخص، کوئی مرد نماز ادا کرتا ہے تو ستر ڈھانپا ہوا ہے یا ستر نہیں ڈھانپا ہوا؟ ستر ڈھانپا ہوا ہے، تو نماز ہو جائے گی بھائی، نماز ہو جائے گی۔ یعنی مثلاً مجبوری ہے، اور کوئی کپڑا ہی نہیں ہے، تو صرف اتنا کپڑا ہے اس سے اس نے کیا کیا؟ ستر ڈھانپ لیا، نماز ہو جائے گی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس کا جو کم سے کم کپڑا جس کے اندر نماز جائز ہو جاتی ہے اس کا چوتھائی مراد ہے، یہ ایک روایت ہے امام صاحب سے۔ «وَقِيلَ» اور کہا گیا ہے «رُبْعُ الْمَوْضِعِ الَّذِي أَصَابَهُ» اس جگہ کا چوتھائی مراد ہے جس کو وہ نجاستِ خفیفہ لگی ہے، اس کپڑے کا چوتھائی مراد ہے، «كَالذَّيْلِ وَالدِّخْرِيصِ» ذیل کہتے ہیں دامن کو دامن کو۔ دامن، یہ قمیص کا نچلا حصہ بھائی نچلا حصہ۔ تو دامن پر اگر لگی ہے نجاستِ خفیفہ تو اس کا چوتھا حصہ مراد، چوتھے حصے سے کم کم معاف ہے، چوتھے حصہ یا اس کے زائد معاف نہیں، اس میں نماز جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں: «كَالذَّيْلِ وَالدِّخْرِيصِ» جیسے کہ دامن ہے اور دخریص۔ دخریص بھائی انہوں نے لکھا ہے کپڑے کا وہ حصہ جس کے ذریعے کپڑوں کو کھلا کیا جاتا ہے۔ کپڑوں کو کیا کیا جاتا ہے؟ کھلا کیا جاتا ہے۔ تو غالباً شاید یہ مراد ہو یہ جو قمیص شلوار قمیص آپ پہنتے ہیں اس میں تو پتہ نہیں چلے گا، کرتا اگر آپ نے پہنا ہو، کرتے میں آپ دیکھتے ہیں اطراف میں وہ پٹی سی جوڑتے ہیں کنار سائیڈوں پر، لمبائی میں اوپر سے نیچے تک۔ ہوتا ہے یا نہیں بعض؟ جی، بعض اوقات تو پورا ایک کپڑا لگا ہوتا ہے، بعض اوقات وہ کناروں پر دونوں طرف دامن کے دونوں طرف آخر نیچے تک ایک پٹی جا رہی ہوتی ہے۔ صورت سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟ شاید غالباً وہ مراد ہے، تو بہر حال یا کوئی قدیم کپڑوں میں ہوتا ہوگا اس

طرح کی کوئی چیز، تو یہ مراد، بس یہ تو بطورِ مثال کے ذکر کر رہے ہیں بھائی کہ ہر کپڑے کا چوتھائی اس سے کم کم معاف ہے، اس کے برابر یا اس سے زائد معاف نہیں، لہٰذا آستین ہے، آستین کے چوتھائی تک پہنچ جائے تو معاف نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ شِبْرٌ فِي شِبْرٍ

«وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ شِبْرٌ فِي شِبْرٍ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے ایک بالشت ضربِ ایک بالشت، «شِبْرٌ فِي شِبْرٍ» ایک بالشت، شبر کہتے ہیں بالشت کو۔ بالشت جانتے ہیں یا نہیں جانتے بھائی؟ بالشت نہیں جانتے؟ بھائی یہ جو آپ ناپتے ہیں کسی چیز کو ہاتھ سے تو دیکھیے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کو خوب پھیلا کر ان کے ذریعے ماپتے ہیں کہ ایک بالشت ہے چیز یا دو بالشت ہے، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس کا اندازہ کس سے لگایا جائے گا؟ ایک بالشت، ایک بالشت ہو جائے تو یہ کثیرِ فاحش ہو گئی، بہت زیادہ ہو گئی، لہٰذا اب اس میں نماز جائز نہیں، اس سے کم ہونی چاہیے۔

«وَإِنَّمَا كَانَ مُخَفَّفًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ» اچھا بھائی اس کو نجاستِ خفیفہ قرار دیا گیا حلال جانوروں کے پیشاب کو، نجاستِ خفیفہ، کیوں بھائی نجاستِ خفیفہ کیوں قرار دیا گیا؟ امام صاحب نے اپنے ضابطے پر چلتے ہوئے نجاستِ خفیفہ قرار دیا کہ اس کے اندر نصوص کا تعارض ہے، اس میں کیا ہے نصوص کا؟ تعارض، اس لیے نجاستِ خفیفہ، اور صاحبین نے اپنے مسلک پر چلتے ہوئے اس کو نجاستِ خفیفہ قرار دیا اور وہ کیا؟ کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، معلوم ہوا اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، بعض نے اس کو پاک قرار دیا بعض نے نجس قرار دیا ہے، تو یہ اختلافِ فقہاء جو ہے اس سے اس کے نجاست میں کمی آگئی، معلوم ہوا حکم میں سختی نہیں۔ یہ معنی ہے، تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا كَانَ مُخَفَّفًا» اور یہ بولِ مایوکل لحمہ یہ جو ہے نجاستِ مخففہ ہے امام صاحب کے نزدیک اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، «لِمَكَانِ الِاخْتِلَافِ فِي نَجَاسَتِهِ» مکان یہ لفظ اس طرح پہلے بھی ایک دو جگہ آ چکا ہے، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ مصدرِ میمی یہ وجود کے معنی میں ہے، کس معنی میں ہے؟ یعنی «لِوُجُودِ الِاخْتِلَافِ فِي نَجَاسَتِهِ»، تو نجاستِ مخففہ ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی، «لِمَكَانِ الِاخْتِلَافِ فِي نَجَاسَتِهِ» ترجمہ کیا کریں گے؟ اس کے نجس ہونے میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ ترجمہ آخر سے کر رہا ہوں: «لِمَكَانِ الِاخْتِلَافِ فِي نَجَاسَتِهِ» اس بولِ مایوکل لحمہ کے نجس ہونے میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے، یہ کس کی دلیل ہوئی؟ یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اصل ہے، ان کے نزدیک جب فقہاء کا اختلاف پایا جائے تو یہ کس چیز کی دلیل ہوتا ہے؟ خفیف ہونے کی، نجاستِ خفیفہ ہونے کی دلیل ہوتا ہے، تو یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل آگئی۔ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں آئی بھائی؟ «لِمَكَانِ الِاخْتِلَافِ فِي نَجَاسَتِهِ» اس وجہ سے کہ اس کے نجس ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے یعنی فقہاء کا اختلاف ہے، «أَوْ لِتَعَارُضِ النَّصَّيْنِ» یا کس وجہ سے یہ نجاستِ خفیفہ ہے؟ دو نصوں کے آپس میں تعارض کی وجہ سے۔ یہ کس کے مطابق؟ امام صاحب کے مطابق، تو دونوں کو ذکر کر دیا اور ساتھ ساتھ ہر ایک کی دلیل بھی ذکر کر دی۔ «عَلَى اخْتِلَافِ الْأَصْلَيْنِ» بوجہ دونوں اصلوں کے مختلف ہونے کے۔ بوجہ دونوں اصلوں کے؟ دونوں کی اصل ہی الگ ہے، امام صاحب کی اصل اور ضابطہ الگ، صاحبین کی اصل اور ان کا ضابطہ الگ۔ تو اب دوبارہ ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: یہ بولِ مایوکل لحمہ یعنی حلال جانور کا جو پیشاب ہے وہ نجاستِ خفیفہ ہے امام صاحب کے نزدیک بھی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے دونوں کے نزدیک، کیونکہ «لِمَكَانِ الِاخْتِلَافِ فِي نَجَاسَتِهِ أَوْ لِتَعَارُضِ النَّصَّيْنِ» بوجہ اس کے نجس ہونے میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ اس میں نصوص کا تعارض ہے، اس وجہ سے «عَلَى اخْتِلَافِ الْأَصْلَيْنِ» بوجہ دونوں اصلوں کے مختلف ہونے، اس وجہ سے کہ دونوں کی اصلیں مختلف ہیں، امام صاحب کی اصل اور تو ان کے نزدیک تعارضِ نصین کی وجہ سے یہ نجاستِ مخففہ ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اصل اور تو ان کے نزدیک اختلافِ نجاست کی وجہ سے کیا ہے یہ نجاستِ خفیفہ ہے بھائی۔ چلیے بس بھائی، «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

گھوڑے کا پیشاب نجاستِ خفیفہ ہے۔ آگے یہ آگے ہدایہ میں بھی یہ آپ کو بتائیں گے، کیونکہ گھوڑا حلال ہے۔ صاحبین کے نزدیک تو حلال ہے، امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے، اور مکروہ بھی عزت کی وجہ سے ہے، نجس ہونے کی وجہ سے نہیں، کیونکہ یہ آلۂ جہاد ہے، تو یہ حلال ہوا، اور ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ابھی بتایا کیا ہے؟ خفیفہ ہے۔

جی؟ جی، ابھی جو میں نے آپ کو بتلایا نا کہ مرغی، بطخ اور مرغابی کی بیٹ نجاستِ غلیظہ ہے، اسی طرح متن میں آیا خون وغیرہ، یہ نجاستِ غلیظہ ہیں، پھر کچھ ذکر ہوئے نجاستِ خفیفہ والی چیزیں میں نے ذکر کیں کہ حرام پرندوں کی بیٹ کیا ہے؟ نجاستِ خفیفہ ہے، گھوڑے کا پیشاب کیا ہے؟ نجاستِ خفیفہ ہے، تو یہ میں آپ کو مفتیٰ بہ اقوال بتلا رہا تھا جن پر فتویٰ ہے بھائی، سمجھ میں آئی بات؟ یہ مفتیٰ بہ اقوال میں ذکر کر رہا تھا۔

جی؟ بھائی گھوڑا حلال ہے، امام صاحب بھی مکروہ جو قرار دیتے ہیں صرف آلۂ جہاد ہونے کی وجہ سے اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں، ورنہ فی نفسہٖ وہ نجس نہیں ہے بھائی، نجس نہیں ہے۔

جی؟ طوطا حلال ہے، حرام ہے؟ حلال ہے تو بس پاک ہے، میں نے ضابطہ بتا دیا، تین ہیں تین: مرغی، حلال پرندوں میں صرف تین ہیں جن کی بیٹ نجاستِ غلیظہ ہے، باقی پاک ہیں۔ نجاست کھاتا ہے یا نہیں؟ یہ مرغی وغیرہ نجاستیں کھاتی پھرتی ہیں، سمجھ میں آیا؟ طوطا نجاست نہیں کھاتا۔

جی؟ سب سب نجاستِ غلیظہ کا سب کا حکم آپ کو بتا دیا۔

اچھا، شاباش! انہوں نے سوال کیا کہ منی کو نجاستِ غلیظہ قرار دیا گیا، کیا قرار دیا گیا؟ نجاستِ غلیظہ قرار دیا گیا، اور حالانکہ اس کے اندر بھی نصوص کے درمیان تعارض ہے بھائی۔ بھائی امام صاحب نصوص کے اندر جب تعارض ہو تو اس کو نجاستِ خفیفہ قرار دیتے ہیں اس وقت جب کوئی ترجیح وغیرہ کی صورت نہیں ہوتی بھائی، ترجیح کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ جبکہ وہاں منی کے اندر بھائی وہاں پر بہت احادیث ہمارے ادلہ اور نصوص وغیرہ بہت زیادہ ہیں جن سے واضح طور پر پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ نجس ہے بھائی، نجس، اس لیے وہاں پر انہوں نے اس کو نجاستِ غلیظہ قرار دیا بھائی۔ چلیے بس بھائی۔

یاد رکھیے یاد رکھیے، یہ جو راستوں میں پانی ہو، راستے میں کہیں پڑا ہے اور اس کے چھینٹے آپ پر پڑتے ہیں، تو اس میں شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ پاک ہے، فقہاء فرماتے ہیں۔ الا یہ کہ اس کے اندر نجاست کا اثر ظاہر ہو، پھر وہ نجس ہے، ورنہ کیا ہے؟ پاک ہے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ جہاں کہیں پانی کھڑا ہوا ہے، آپ گزر رہے ہیں آپ پر چھینٹے پڑ گئے، تو اب وہم کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کپڑے ناپاک ہو گئے، بلکہ فقہاء کیا فرماتے ہیں کہ کپڑے آپ کے پاک ہیں، الا یہ کہ اس پانی میں نجاست کا اثر دکھائی دے رہا ہے، پھر اس صورت میں اب نجاست کا اثر دکھائی دے رہا ہے پھر کپڑے نجس ہوں گے بھائی۔ تو اگر اس جگہ ایسی جگہ سے آنا جانا ہوتا ہی رہتا ہے اور اس طرح چھینٹے پڑتے ہی رہتے ہیں، تو پرواکرنے کی ضرورت نہیں، بچنے کی کوشش کرتا رہے اور اس میں شک کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر ایسی جگہ جانا کم ہوتا ہے تو پھر احتیاط یہ ہے دھولے اس کو، کیا کرلے؟ دھولے۔

جی؟ اس کی بات نہیں کر رہا بھائی، اس کی بات نہیں کر رہا۔ بھائی بارش کے پانی کی بات کر رہے ہیں، بارش کا پانی راستوں میں کھڑا ہوتا ہے، گٹر کے پانی کی... «**إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**» اس میں تو اتنی سخت بدبو ہوتی ہے، قریب سے آدمی نہیں گزر سکتا۔

سبق نمبر ۳۷: وَإِذَا أَصَابَ الثَّوْبَ مِنَ الرَّوْثِ أَوْ مِنْ أَخْ...

ہدایہ صفحہ: ۷۲ — بتاریخ: ۲۶ نومبر ۲۰۱۲ء

وَإِذَا أَصَابَ الثَّوْبَ مِنَ الرَّوْثِ أَوْ مِنْ أَخْثَاءِ الْبَقَرِ أَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ لَمْ تَجُزِ الصَّلَاةُ فِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى، لِأَنَّ النَّصَّ الْوَارِدَ فِي نَجَاسَتِهِ وَهُوَ مَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَمَى بِالرَّوْثَةِ وَقَالَ هٰذَا رِجْسٌ أَوْ رِكْسٌ لَمْ يُعَارِضْهُ غَيْرُهُ، وَبِهٰذَا يَثْبُتُ التَّغْلِيظُ عِنْدَهُ وَالتَّخْفِيفُ بِالتَّعَارُضِ۔

نجاستِ حقیقیہ سے متعلقہ مسائل بیان ہو رہے ہیں کہ کیسے اس کو پاک کیا جائے گا۔ اور گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ نجاست جو ہے دو قسم پر ہے، ایک نجاستِ حقیقی جو ہے، ایک نجاستِ مغلظہ ہے، ایک نجاستِ مخففہ ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں ایک نجاستِ غلیظہ ہے، ایک نجاستِ خفیفہ ہے۔ نجاستِ غلیظہ جو سخت نجاست ہے۔ تو اس نجاستِ غلیظہ کے اندر آپ نے پڑھا ایک درہم کی مقدار تک معاف ہے، یعنی اس میں نماز ہو جائے گی لیکن اگر ایک درہم سے زائد ہوئی تو پھر اس کے اندر نماز جائز نہیں۔ اولاً تو یہ ہے، یہ معنی نہیں کہ ایک درہم کے بقدر لگی ہے تو انسان اسی طرح ان کپڑوں میں نماز پڑھ لے، بلکہ کیا کرے؟ اس کو دھوئے بھائی۔ اس کے ساتھ نماز پڑھنا یہ مکروہ ہے بھائی۔ لیکن مثلاً اگر اور پانی نہیں مل رہا، مجبوری ہے تو اس صورت میں کیا کرے؟ اگر اس میں نماز پڑھے گا تو ہو جائے گی نماز بھائی۔ لیکن بہتر کیا ہے کہ اس کو دھو لے، صاف کر لے۔ ہاں ایک درہم سے زائد لگی ہو پھر تو نماز ہی نہیں ہو گی سرے سے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ جی، اور دوسری قسم ہے نجاستِ خفیفہ اور نجاستِ خفیفہ آپ نے پڑھا کہ کپڑے کے جس حصے پر لگی ہو، اس حصے کے چوتھائی تک اگر پہنچ جائے تو پھر اس میں نماز جائز نہیں، چوتھے حصے تک اگر ہو جائے اس کے۔ مثلاً آستین پر لگی ہے نجاستِ خفیفہ تو آستین کے چوتھے حصے سے کم کم لگی ہو تو پھر اس میں نماز پڑھے تو جائز ہو جائے گی لیکن اگر چوتھے حصے کے برابر ہو گئی تو پھر اس میں نماز جائز نہیں۔ تو یہ ہمیشہ یاد رکھنا: نجاستِ غلیظہ درہم کی مقدار تک معاف ہے اور نجاستِ خفیفہ چوتھائی سے کم معاف ہے، چوتھائی کے برابر معاف نہیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ غلطی اکثر لگ جاتی ہے انسان کو کہ وہ درہم کے برابر تک معاف ہے تو یہ بھی چوتھائی تک معاف ہو گی، نہیں نہیں، چوتھائی سے کم معاف ہے، چوتھائی تک معاف نہیں، چوتھائی ہو جائے تو اس میں نماز جائز نہیں ہے بھائی۔

جی، آج آپ کو بتلا رہے ہیں: **وَإِذَا أَصَابَ الثَّوْبَ مِنَ الرَّوْثِ أَوْ مِنْ أَخْثَاءِ الْبَقَرِ أَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ لَمْ تَجُزِ الصَّلَاةُ فِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔** اور جب لگ جائے کپڑے کو **مِنَ الرَّوْثِ**، روث گوبر کو بھی کہتے ہیں اور لید کو بھی۔ گوبر یہ گائے بھینس وغیرہ کا جو فضلہ ہے اور لید یہ گھوڑے، خچر، گدھے وغیرہ کا جو فضلہ ہے اسے لید کہتے ہیں۔ تو روث کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے، گوبر کو بھی کہہ دیتے ہیں روث اور لید کو بھی کہہ دیتے ہیں روث۔ لیکن یہاں پر آگے بقر کا ذکر الگ آ رہا ہے، **أَخْثَاءِ الْبَقَرِ** کا، لہٰذا یہاں روث سے مراد ہے لید بھائی۔ کیا مراد ہے؟ لید جو گھوڑے، خچر، گدھے وغیرہ کا فضلہ ہے۔ تو اگر کپڑے کو لید لگ جائے **أَوْ مِنْ أَخْثَاءِ الْبَقَرِ**، اخثاء جمع ہے خثا کی یا خثی کی اور یہ گوبر کو کہتے ہیں۔ **أَوْ مِنْ أَخْثَاءِ الْبَقَرِ** یا گائے، بیل وغیرہ کا گوبر لگ جائے، کتنا لگے؟ **أَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ**، بھائی یہ ضابطہ تو میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں، تمام جانور چاہے وہ حلال ہیں، چاہے حرام ہیں، ان کا جو فضلہ ہے، ان کا جو پاخانہ ہے وہ کیا ہے؟ نجاستِ غلیظہ ہے بھائی۔ یہی بات بیان ہو رہی ہے کہ اگر کپڑے کو لید یا گائے کا گوبر جو ہے لگ جائے **أَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ** ایک درہم سے زائد مقدار، **لَمْ تَجُزِ الصَّلَاةُ فِيهِ** اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ معلوم ہوا یہ سب کیا ہے؟ نجاست کون سی نجاست ہے؟ نجاستِ غلیظہ ہے۔ اسی لیے کہا **لَمْ تَجُزِ الصَّلَاةُ فِيهِ** اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ** امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور یہ یاد رکھیے اسی پر فتویٰ ہے بھائی۔

لِأَنَّ النَّصَّ الْوَارِدَ فِي نَجَاسَتِهِ اس لیے کیونکہ وہ نص جو آئی ہے ان کے نجس ہونے کے بارے میں، **وَهُوَ مَا رُوِيَ** اور وہ حدیث ہے جو روایت کی گئی ہے، **أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ** کہ حضور علیہ السلام، **رَمَى بِالرَّوْثَةِ** آپ نے پھینک دیا گوبر... گوبر کو۔ بھائی، حدیث میں آتا ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ تین پتھر لے آؤں ان ک... آپ

کے لیے بھائی، تین پتھر لے آؤں استنجا کے لیے۔ چنانچہ میں نے ادھر آس پاس دیکھا، مجھے دو پتھر ملے، تیسرا پتھر نہیں ملا تو میں ایک خشک گوبر کا ٹکڑا اٹھا کر لے آیا بھائی، خشک گوبر کا۔ تو میں نے حضور علیہ السلام کو دیے تو آپ نے دو پتھر تو لے لیے اور وہ گوبر کو پھینک دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور فرمایا کہ **هٰذَا رِجْسٌ** یا یہ فرمایا **هٰذَا رِكْسٌ** بھائی۔ **رِجْسٌ** اور **رِكْسٌ** کا ایک معنی ہے گندگی اور نجاست یعنی یہ تو نجاست ہے یا نجس ہے بھائی۔ تو حضور علیہ السلام نے اس گوبر کے ٹکڑے کو پھینک دیا نجس کہہ کر۔ معلوم ہوا گوبر کیا ہے؟ نجس ہے بھائی۔ تو یہ وہی حدیث ذکر ہو رہی ہے، **وَهُوَ مَا رُوِيَ** اور وہ حدیث ہے جو روایت کی گئی ہے **أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَمَى بِالرَّوْثَةِ** کہ آپ نے گوبر کو پھینک دیا **وَقَالَ** اور فرمایا **هٰذَا رِجْسٌ أَوْ رِكْسٌ** یہ گندگی ہے، نجاست ہے۔ تو یہ راوی کو شک ہوا ہے بھائی، راوی، حدیث کو جو روایت کرنے والا ہے کہ یہ صحابی کو شک ہو گا یا بعد والے کسی راوی کو شک ہو گا کہ حضور علیہ السلام نے **رِجْسٌ** فرمایا یا **رِكْسٌ** فرمایا بھائی۔ بہر حال دونوں کا معنی ایک ہی ہے بھائی، نجاست اور گندگی۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **هٰذَا رِجْسٌ** یا **هٰذَا رِكْسٌ** فرمایا کہ یہ گندگی ہے۔

یہ جو حدیث ہے، امام صاحب کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں یہ جو حدیث ہے **لَمْ يُعَارِضْهُ غَيْرُهُ** اس کے معارض کوئی اور حدیث نہیں۔ اس حدیث سے پتہ چل رہا ہے کہ گوبر نجس ہے اور کوئی حدیث نہیں جس سے کیا پتہ چلے کہ گوبر پاک ہے۔ اگر دو نصوص آتیں اور ان میں تعارض ہوتا، ایک سے گوبر کے نجس ہونے کا پتہ چلتا، دوسرا کسی چیز پر ہوتی کہ گوبر پاک ہے، نصوص میں تعارض آئے تو امام صاحب کا ضابطہ کیا ہے؟ نجاست کا مخففہ ہونا کس سے ثابت ہوتا ہے؟ تعارضِ نصین سے، ضابطہ یاد ہے یا بھول گئے؟ امام صاحب کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر ایک چیز کے نجس ہونے پر نص آئے لیکن اس کے مقابل کوئی دوسری نص نہ آئے تو وہ اس کے نجاستِ مغلظہ ہونے کی دلیل ہے اور اگر ایک چیز کے بارے میں دو قسم کی نصوص آ رہی ہیں، بعض سے اس کے پاک ہونے کا پتہ چل رہا ہے، بعض سے اس کے نجس ہونے کا پتہ چل رہا ہے تو تعارضِ نصین کی وجہ سے اس چیز کے نجس ہونے میں خفت آ جائے گی، اب حکم میں وہ سختی نہیں رہے گی تو پھر اس کو کیا قرار دیں گے؟ نجاستِ خفیفہ۔

جی، تو امام صاحب فرماتے ہیں **لَمْ يُعَارِضْهُ غَيْرُهُ** اس نص کے معارض اور مقابل کوئی اور نص نہیں، **وَبِهٰذَا يَثْبُتُ التَّغْلِيظُ عِنْدَهُ** اور اس سے تغلیظ ثابت ہوتی ہے **عِنْدَهُ** اَیْ **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ** کن کے نزدیک؟ امامِ اعظم ابو حنیفہ، کیونکہ معارض کوئی نہیں، تعارض ہو تا تو خفت ثابت ہوتی، تعارض نہیں تو کیا ثابت ہو گی؟ تغلیظ ثابت ہو گی یعنی نجاستِ مغلظہ اس کو قرار دیں گے۔ **وَالتَّخْفِيفُ بِالتَّعَارُضِ** اور تخفیف کیسے ثابت ہوتی ہے امام صاحب کے نزدیک؟ **بِالتَّعَارُضِ** کس کی وجہ سے؟ تعارض کی وجہ سے، اور یہاں تعارض کوئی نہیں ہے۔

وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں **يُجْزِيهِ** یہ اس کے لیے کافی ہے یعنی اگر ایک درہم سے زائد گوبر یا لید لگی ہے اور اس میں نماز پڑھتا ہے تو نماز ہو جائے گی، وہ اس کو کیا قرار دیتے ہیں؟ نجاستِ خفیفہ قرار دیتے ہیں، بات سمجھ میں آ گئی؟ وہ فرماتے ہیں: **قَالَا يُجْزِيهِ** صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ اس کے لیے کافی ہو گا یعنی نماز ہو جائے گی **حَتَّى يَفْحُشَ** یہاں تک کہ یہ گوبر یا لید جو ہے بہت زیادہ ہو جائے، یعنی بہت زیادہ لگا ہو کپڑوں پر۔ تو معلوم ہوا امام صاحب کے نزدیک جو ہے وہ یہ گوبر اور لید کیا ہیں؟ نجاستِ مغلظہ اور اسی پر فتویٰ، اور صاحبین کے نزدیک یہ کیا ہیں؟ نجاستِ مخففہ۔ اسی لیے کیا کہا: **حَتَّى يَفْحُشَ** یہاں تک کہ وہ زیادہ لگے تو پھر جائز نہیں۔ بھائی، ان کے نزدیک نجاستِ خفیفہ کیوں؟ صاحبین کا ضابطہ کیا تھا؟ جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو یعنی فقہاء دونوں طرف گئے ہوں، بعضوں نے اس کو نجس قرار دیا ہو تو بعضوں نے اس کو پاک قرار دیا ہو تو پھر اس صورت میں پھر اس حکم میں کمی آ جائے گی۔ یہ ضابطہ ذکر کرنے لگے ہیں: **لِأَنَّ لِلِاجْتِهَادِ فِيهِ مَسَاغًا** اس لیے کیونکہ اجتہاد کو اس کے اندر **مَسَاغًا** گنجائش ہے، اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، **وَبِهٰذَا يَثْبُتُ التَّخْفِيفُ عِنْدَهُمَا** اور اس سے تخفیف ثابت ہوتی ہے صاحبین کے نزدیک بھائی۔ ضابطہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ چنانچہ امامِ مالک رحمہ اللہ، دیکھیے آپ کے حاشیے میں انہوں نے دیا ہوا ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ گوبر، لید وغیرہ کیا ہیں؟ پاک ہیں بھائی، پاک ہیں بھائی۔ اور اسی طرح ابنِ ابی لیلیٰ بھائی، یہ بھی بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں بھائی، **رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى. لِأَنَّ لِلِاجْتِهَادِ فِيهِ مَسَاغًا** اس لیے کیونکہ اس کے اندر اجتہاد کی گنجائش ہے **وَبِهٰذَا يَثْبُتُ التَّخْفِيفُ عِنْدَهُمَا** اور اس کی وجہ سے یعنی جہاں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے اس کی وجہ سے تخفیف ثابت ہوتی ہے صاحبین کے نزدیک، یہ صاحبین کی دلیل۔

دوسری دلیل صاحبین کی: **وَلِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً** اور نیز اس لیے کیونکہ گوبر اور لید وغیرہ میں ضرورت بھی ہے **لِامْتِلَاءِ الطُّرُقِ بِهَا**، امتلاء کا معنی بھرا ہونا، طرق جمع ہے طریق کی راستے کو کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ راستے ان سے بھرے ہوتے ہیں، یہ گوبر، لید وغیرہ راستوں میں بکثرت ہوتی ہے۔ آج کل تو گاڑیاں آ گئیں بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ قدیم زمانے میں تو انہی جانوروں کو سواری کے لیے، سامان وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تو ان کی کیا ہے یہ گوبر اور لید وغیرہ کی راستوں میں کثرت ہو کثیر ہوتے ہیں یعنی راستے ان سے بھرے ہوتے ہیں۔ **وَهِيَ مُؤَثِّرَةٌ فِي التَّخْفِيفِ**، ہی ضمیر راجع ہے ضرورت کو۔ دلیل کیا چل رہی ہے؟ کیونکہ ان میں، دوسری دلیل صاحبین کی، کیونکہ ان میں ضرورت ہے اس وجہ سے کہ ان کے ان سے راستے بھرے ہوتے ہیں **وَهِيَ مُؤَثِّرَةٌ فِي التَّخْفِيفِ** اور ضرورت موثر ہو ہے تخفیف کے اندر۔ ضرورت کی وجہ سے کسی چیز کے حکم میں وہ سختی نہیں رہتی بلکہ حکم میں نرمی آ جاتی ہے، تو ضرورت موثر ہے تخفیف کے اندر بھائی، لہٰذا یہ ان کو نجاستِ غلیظہ نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ کیا قرار دیا جائے گا؟ نجاستِ خفیفہ، یہ ان کی دلیل تھی۔

بِخِلَافِ بَوْلِ الْحِمَارِ، بخلاف کس کے؟ گدھے کے پیشاب کے، گدھے کے پیشاب۔ بھائی، یہ ایک ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ کہ جہاں گزشتہ سبق کے اندر بھائی نجاستِ غلیظہ کا بیان شروع ہوا تھا وہاں مثالیں آئیں تھیں: **كَالدَّمِ، وَالْبَوْلِ، وَالْخَمْرِ، وَخُرْءِ الدَّجَاجِ، وَبَوْلِ الْحِمَارِ**، گدھے کا

پیشاب، وہ کیا ہے؟ نجاستِ غلیظہ قرار دیا تھا صاحبین نے بھی اور امام صاحب نے بھی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ گوبر اور لید کے اندر جس طرح ضرورت ہے، گدھے وغیرہ کے پیشاب میں بھی تو ضرورت ہے، سواری اور سامان کے لیے زیادہ لوگ کیا استعمال کرتے ہیں؟ گدھے استعمال کرتے ہیں اور جیسے وہ راستے میں لید کر دیتے ہیں اسی طرح پیشاب بھی کر دیتے ہیں تو اس میں بھی ضرورت ہوتی، تو اس کو آپ نے نجاستِ خفیفہ کیوں نہیں قرار دیا؟ اس کو تو آپ نے نجاستِ غلیظہ قرار دیا۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: **بِخِلَافِ بَوْلِ الْحِمَارِ** بخلاف گدھے کے پیشاب کے **لِأَنَّ الْأَرْضَ تُنَشِّفُهُ** اس لیے کیونکہ زمین اس کو جذب کر لے گی۔ زمین اس کو ہاں، گدھے کے وہ فرماتے ہیں صاحبین کہ گدھے کے پیشاب میں نہیں ضرورت کیونکہ لید تو پڑی رہے گی لیکن پیشاب تو کیا ہے وہ تو چند منٹ میں زمین جذب کر لے گی، لہٰذا اس میں ضرورت نہیں، البتہ گوبر اور لید وغیرہ میں ضرورت ہے تو وہ نجاستِ مخففہ ہوں گے بھائی۔

قُلْنَا ہم جواب دیتے ہیں: **اَلضَّرُورَةُ فِي النِّعَالِ،** ضرورت جوتوں کے اندر ہے **وَقَدْ أَثَّرَتْ فِي التَّخْفِيفِ مَرَّةً حَتَّى تَطْهُرَ بِالْمَسْحِ** اور تحقیق کہ ضرورت نے اثر دکھایا تخفیف کے اندر **مَرَّةً** ایک مرتبہ **حَتَّى تَطْهُرَ بِالْمَسْحِ** یہاں تک کہ جوتے پاک ہو جاتے ہیں پونچھنے سے ہی۔ آپ نے پڑھا تھا پیچھے مسئلہ، موزے کو اگر نجاست لگ جائے چاہے خشک ہو جائے، چاہے تر ہی ہو اس کو زمین سے رگڑ کر اچھی طرح صاف کر دیا جائے کہ نجاست کا اثر ختم ہو جائے تو وہ موزہ کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا اور موزے کس کے بنے ہوتے ہیں؟ چمڑے کے، تو وہی حکم جوتے کا بھی ہے۔ جوتے کے ساتھ بھی اگر نجاست لگ گئی، زمین کے ساتھ اس کو رگڑ دیا گیا تو جوتا کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا۔ تو صاحبین نے دلیل کیا دی تھی؟ گوبر اور لید کے کو نجاستِ خفیفہ قرار دیا تھا، کس وجہ سے؟ دوسری دلیل کیا تھی ان کی؟ ضرورت کی وجہ سے، کس کی بنا پر؟ ضرورت کی بنا پر اس کو نجاستِ خفیفہ قرار دیا جائے بھائی، کیونکہ اس میں ضرورت ہے، راستوں میں یہ پڑی ہوتی ہے۔ اس کا جواب دے رہے ہیں بھائی امام صاحب کی جانب سے صاحبِ ہدایہ بھائی کہ ٹھیک ہے، ضرورت ہے۔ گوبر اور لید میں ضرورت ہے لیکن کپڑوں کے اندر ضرورت ہے یا صرف جوتوں کے اندر ضرورت ہے؟ گوبر اور لید راستوں میں پڑے ہوتے ہیں، کپڑوں پہ لگیں گے یا جوتوں پر لگیں گے؟ جوتوں میں لگیں گے، تو ضرورت صرف کس کے اندر ہے؟ جوتوں کے اندر ہے اور ضرورت کی وجہ سے تخفیف آتی ہے یا نہیں آتی؟ یہ تو یہ تو قطعی ضابطہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے کیا آجاتی ہے حکم میں؟ تخفیف۔ تو ان میں بھی ایک مرتبہ تخفیف آچکی ہے، کس طرح؟ بھائی، جوتوں پر نجاست لگی ہے تو حکم تو کیا ہونا چاہیے تھا؟ جوتے کو دھویا جائے لیکن تخفیف آگئی شریعت کی طرف سے: نہیں، زمین کے ساتھ رگڑ دو اچھی طرح، نجاست کو ختم کر دو، جوتا کیا ہو جائے گا؟ پاک۔ آسانی آگئی یا نہیں آگئی بھائی؟ دھونا تو بڑا مشکل کام تھا لیکن اب آسانی آگئی کہ صرف زمین سے ہی اچھی طرح رگڑنے سے وہ پاک ہو... تو ضرورت کس کے اندر تھی؟ صرف ضرورت صرف کس میں ہے؟ جوتوں میں ہے، کپڑوں کے اندر نہیں۔ اور جوتوں کے اندر ایک مرتبہ تخفیف اپنا اثر دکھا چکی ہے یا نہیں؟ او ضرورت، ضرورت، جوتوں کے اندر ضرورت ایک مرتبہ اپنا اثر دکھا چکی ہے، اس کے حکم میں کیا آگئی؟ تخفیف آگئی، لہٰذا اب مزید تخفیف نہیں ہو گی اور کپڑوں کے اندر تخفیف نہیں ہو گی بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ جوتوں کے اندر تخفیف آئے گی اور متن میں تو جو مسئلہ ذکر ہو رہا ہے وہ کپڑے پر اگر گوبر وغیرہ لگ جائے وہ ذکر ہو رہا ہے۔ تو جواب دے رہے ہیں: **قُلْنَا** ہم کہتے ہیں: **اَلضَّرُورَةُ فِي النِّعَالِ** ضرورت جوتوں کے اندر ہے **وَقَدْ أَثَّرَتْ فِي التَّخْفِيفِ مَرَّةً حَتَّى تَطْهُرَ بِالْمَسْحِ** اور تحقیق کہ ضرورت نے اثر دکھا دیا تخفیف کے اندر ایک مرتبہ یہاں تک کہ جوتے پاک ہو جاتے ہیں پونچھنے سے، **فَتَكْفِي مُؤْنَتَهَا،** جی، **فَتَكْفِي مُؤْنَتَهَا، فَتَكْفِي** کے اندر ضمیر راجع ہے ضرورت کو، پس ضرورت کافی ہو گئی، پس ضرورت کافی ہو جائے گی۔ **مُؤْنَتَهَا، مُؤْنَتْ يا مَؤُوْنَتْ** یہ کہتے ہیں مشقت کو، مشقت کو، اور یہ ہا ضمیر جو ساتھ مؤنت کے ساتھ ملی ہوئی ہے یہ نعال کو راجع کریں بھائی، کس کو؟ نعال۔ جی، **مُؤْنَتَهَا اَیْ مُؤْنَةَ النِّعَالِ،** پس ضرورت کافی ہو گئی جوتوں کی مشقت میں، ضرورت کافی ہو گئی جوتوں کی مشقت میں یعنی ضرورت نے ضرورت نے جوتوں کی مشقت سے بچا لیا۔ ضرورت نے جوتوں کی مشقت میں کافی ہو گئی، کیا معنی کہ ضرورت میں کافی ہو گئی ان کی کس کی مشقت میں کافی ہو گئی؟ اس کے اندر مشقت سے بچا لیا کہ مشقت سے کیا بچایا ضرورت نے؟ ہاں، دھونے کے بجائے پونچھنے سے ہی کیا ہو جاتے ہیں؟ جوتے پاک ہو جاتے ہیں۔

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَأْكُولِ اللَّحْمِ وَغَيْرِ مَأْكُولِ اللَّحْمِ اور کوئی فرق نہیں ہے ماکول اللحم وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور وہ جانور غیر ماکول جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا بھائی، ان میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی دونوں کا یہی حکم ہے، **وَزُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا** اور امام زفر رحمہ اللہ نے فرق کیا ان دونوں کے درمیان۔ بھائی، کوئی فرق نہیں ہے ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کے اندر جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرق کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں، وہ غیر ماکول اللحم میں امام صاحب کی موافقت کرتے ہیں اور ماکول اللحم کے اندر صاحبین کی موافقت کرتے ہیں۔ بھائی، امام صاحب نے تو ماکول اللحم جانوروں کے پاخانے کو اور ان کے فضلے کو بھی نجاستِ غلیظہ قرار دیا ابھی متن میں گزرا، تو غیر ماکول اللحم کے تو وہ بطریقِ اولیٰ کیا ہو گا؟ نجاستِ غلیظہ۔ تو امام زفر رحمہ اللہ موافقت کر رہے ہیں امامِ اعظم ابو حنیفہ کی **فِي غَيْرِ مَأْكُولِ اللَّحْمِ،** کس کے اندر؟ غیر ماکول اللحم جو ہیں یعنی حرام جانور جو ہیں، ان میں امام صاحب کی موافقت کرتے ہیں اور حرام جانوروں کے فضلے کے بارے میں امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ نجاستِ غلیظہ، تو اس میں امام ابو امام زفر بھی کیا فرماتے ہیں؟ ان کا فضلہ جو ہے، حرام جانوروں کا فضلہ کیا ہے؟ نجاستِ غلیظہ ہے۔ **وَوَافَقَهُمَا فِي الْمَأْكُولِ** اور امام زفر نے موافقت کی ہے صاحبین کی ماکول اللحم جانوروں میں یعنی حلال جانوروں میں، جیسے ابھی اوپر گزرا، گائے، بیل وغیرہ کا جو گوبر ہے اس کو صاحبین نے کیا قرار دیا تھا؟ نجاستِ خفیفہ، تو امام زفر رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ ماکول اللحم یعنی حلال جانوروں کا فضلہ کیا ہے؟ نجاستِ خف... تو امام صاحب اور صاحبین انہوں نے تو فرق نہیں کیا تھا، جن کے نزدیک عید... امام صاحب کے نزدیک سب کیا ہیں؟ نجاستِ مغلظہ، اور صاحبین کے نزدیک سب کیا ہیں؟ نجاستِ مخففہ، لیکن امام امام زفر رحمہ

اللہ کیا فرماتے ہیں؟ وہ غیر ماکول اللحم میں امام صاحب کی موافقت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حرام جانوروں کا فضلہ نجاستِ غلیظہ ہے اور حلال جانوروں میں وہ امام صاحبین کی موافقت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ان کا فضلہ کیا ہے؟ نجاستِ خفیفہ ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ الرَّيَّ کہ امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب وہ داخل ہوئے رے شہر میں بھائی، **لَمَّا دَخَلَ الرَّيَّ، یا** مشدد ہے، جب وہ رے شہر میں داخل ہوئے **وَرَأَى الْبَلْوَى،** بلویٰ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ پہلے بھی یہ لفظ کئی دفعہ گزر چکا ہے، مبتلا ہونا یعنی ابتلا، **وَرَأَى الْبَلْوَى** اور اس میں ابتلا کو دیکھا یعنی لوگ کثرت سے اس میں مبتلا ہیں کہ ان کے کپڑوں وغیرہ پر کیا لگ جاتی ہے؟ نجاست وغیرہ لگ جاتی ہے، **أَفْتَى** تو انہوں نے امام محمد رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا **أَنَّ الْكَثِيرَ الْفَاحِشَ لَا يَمْنَعُ أَيْضًا** کہ کثیرِ فاحش یعنی بہت زیادہ بھی یہ اگر گوبر وغیرہ لگ جائے کپڑوں پر، **لَا يَمْنَعُ** تو بھی یہ نماز سے مانع نہیں، یہ بھی نماز سے پھر بھی یہ نماز سے روکتا نہیں۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ ضرورت آگئی بھائی، کثرت سے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور ضرورت کیا پیدا کرتی ہے؟ تخفیف پیدا کرتی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ کثیرِ فاحش بھی ان کے اندر وہ مانعِ صلاۃ نہیں ہے بھائی۔

وَقَاسُوا عَلَيْهَا طِينَ بُخَارَى، قاسوا اور اسی پر قیاس کیا ہے فقہاء نے **طِينَ بُخَارَى** بخارا کی کیچڑ کو۔ طین کہتے ہیں کیچڑ، گارا وغیرہ۔ بخارا علاقے کا جو بخارا علاقے کا جو گارا ہے اس کو بھی فقہاء نے اسی پر قیاس کیا ہے۔ وہاں بھی یہ مٹی وغیرہ میں یہ گوبر وغیرہ بہت زیادہ ہوگا اور تو ہر جگہ گوبر پڑا ہے تو جو کیچڑ وغیرہ بنے گی اس میں بھی گوبر ہوگا، اسی پر فقہاء فقہاء نے اسی پر قیاس کیا۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کیا فتویٰ دیا تھا رے شہر میں جانے کے بعد؟ کہ کثیرِ فاحش بھی مانعِ صلاۃ نہیں، تو باقی فقہاء نے طینِ بخارا کو بھی اسی پر قیاس کیا اور کیا فتویٰ دیا؟ کہ بخارا کی کیچڑ اگر زیادہ بھی کپڑوں پر لگ جائے پھر بھی یہ کثیرِ فاحش بھی مانعِ صلاۃ نہیں ہے بھائی۔

وَعِنْدَ ذٰلِكَ رُجُوعُهُ فِي الْخُفِّ يُرْوَى اور اس وقت امام محمد رحمہ اللہ کا رجوع کرنا **فِي الْخُفِّ** موزے کے اندر **يُرْوَى** روایت کیا گیا ہے۔ کیا کیا گیا ہے؟ بھائی، موزے پر نجاست کی اگر لگ جائے آپ نے تفصیل پڑھی تھی اس باب کے شروع میں کہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر نجاست خشک ہو جائے، موزے پر لگی ہے اور خشک ہو جائے تو زمین پر رگڑ دینے سے موزہ پاک ہو جائے گا۔ وہیں پر امام محمد رحمہ اللہ کا قول بھی آیا تھا، وہ فرماتے ہیں: نہیں، پاک نہیں ہوگا۔ منی کے اندر وہ فرماتے تھے، اس کا مسئلہ ذرا الگ ہے اور اس کی تفصیل بھی اگرچہ ہم پڑھ چکے ہیں، وہاں آیا تھا کہ منی کا مسئلہ ذرا مختلف ہے، باقی چیزیں، باقی کوئی نجاست جسم والی یعنی گاڑھی نجاست موزے کو لگ جائے تو اس کا کچھ حصہ موزے میں جذب ہو جائے گا، جب وہ جذب ہو گیا اب وہ کھرچ وہ رگڑنے سے تو نہیں نکلے گا اور خشک ہونے سے، لہٰذا دھونا پڑے گا۔ مسئلہ ذہن میں آگیا، یاد آیا کچھ بھائی؟ تو اس وقت تو ان کا فتویٰ پہلے یہی تھا کہ موزے پر گاڑھی نجاست لگ جائے تو صرف زمین پر رگڑنے سے وہ پاک نہیں، لیکن پھر اس وقت جب انہوں نے اتنا کثرت سے لوگوں کا ابتلا دیکھا اس کے اندر تو کیا فتویٰ دیا؟ کیا کیا؟ اس موزے کے مسئلے میں بھی اس سابقہ قول سے رجوع کر لیا بھائی۔ یہ معنی ہے: **وَعِنْدَ ذٰلِكَ رُجُوعُهُ فِي الْخُفِّ يُرْوَى** اور اس وقت امام محمد رحمہ اللہ کا رجوع کرنا موزے کے اندر **يُرْوَى** یہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے اس موقع پر اس سے رجوع فرما لیا تھا۔

وَإِنْ أَصَابَهُ بَوْلُ الْفَرَسِ لَمْ يُفْسِدْهُ اور اگر کپڑے کو لگ جائے **بَوْلُ الْفَرَسِ** گھوڑے کا پیشاب، میں نے مسئلہ بتلا دیا تھا، گھوڑے کا پیشاب کیا ہے؟ نجاستِ خفیفہ ہے بھائی، نجا... نجاستِ خفیفہ۔ **وَإِنْ أَصَابَهُ بَوْلُ الْفَرَسِ** اور اگر کپڑوں کو گھوڑے کا پیشاب لگ جائے **لَمْ يُفْسِدْهُ** تو یہ کپڑوں کو فاسد نہیں کرے گا **حَتَّى يَفْحُشَ** یہاں تک کہ وہ کثیر ہو جائے، بہت زیادہ ہو جائے **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ** رحمہما اللہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک بھائی، **وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ** رحمہ اللہ **لَا تَمْنَعُ وَإِنْ فَحُشَ** امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مانع نہیں بنے گا **وَإِنْ فَحُشَ** اگرچہ کثیر ہی ہو جائے، اگرچہ وجہ یہ ہے کہ گھوڑے کا پیشاب جو ہے یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک نجاستِ خفیفہ ہے اور نجاستِ خفیفہ آپ نے پڑھا، یرحمک اللہ، نجاستِ خفیفہ میں آپ نے پڑھا کہ وہ کثیرِ فاحش ہو تو معاف نہیں، اس سے کم ہو تو معاف ہے بھائی۔ اور جبکہ امام محمد رحمہ اللہ ان کے بارے میں تو آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ان کے نزدیک سرے سے نجس ہی نہیں ہے بلکہ پاک ہے۔ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب کیا ہے؟ پاک ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، سمجھ میں آیا بھائی؟ اصولِ فقہ میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں اور یہاں پر بھی ذکر ہو چکا ہے بھائی۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں گھوڑا ماکول اللحم ہے، حلال جانور ہے، لہٰذا اس کا پیشاب نجس ہی نہیں، جتنا مرضی کپڑوں کو لگ جائے پاک چیز لگی ہے، اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، نماز ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جبکہ شیخین کے نزدیک یہ کیا ہے؟ نجاستِ خفیفہ، اور نجاستِ خفیفہ معاف ہے جب تک کثیرِ فاحش نہ ہو جائے، اور وہ کتنا ہے؟ کپڑے کے چوتھے حصے تک نہ پہنچ جائے، تو چوتھے حصے تک پہنچ جائے تو معاف نہیں، اس سے کم ہو تو معاف ہے۔

دیکھیے اب یہی دلیلیں ذکر کر رہے ہیں: **لِأَنَّ بَوْلَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ عِنْدَهُ** اس لیے کیونکہ پیشاب اس جانور کا جس کا گوشت کھایا جاتا ہو **طَاهِرٌ عِنْدَهُ** یہ پاک ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، **مُخَفَّفٌ نَجَاسَتُهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ** رحمہ اللہ اور اس کی نجاست مخفف مخفف ہے یعنی خفیفہ ہے کن کے نزدیک؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، **وَلَحْمُهُ مَأْكُولٌ عِنْدَهُمَا** اور اس کا گوشت کھایا جاتا ہے صاحبین کے نزدیک۔ صاحبین کے نزدیک گھوڑا کیا ہے؟ ماکول اللحم ہے، اس یہ حلال جانور ہے، حلال جانور ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہاں پر ذبح وغیرہ نہیں کرتے بھائی، آپ پاکستان میں دیکھتے ہیں یہاں ذبح وغیرہ نہیں کرتے، حالانکہ اور دنیا کی بعض جگہیں ہیں وہاں پر احناف ہیں اور وہ اس کو ذبح بھی کرتے ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو یہ حلال ہے بھائی۔

وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَالتَّخْفِيفُ لِتَعَارُضِ الْآثَارِ اور امام صاحب کے نزدیک اس کی تخفیف جو ہے **لِتَعَارُضِ الْآثَارِ** کس وجہ

سے ہے؟ آثار، میں نے جمع ہے اثر کی اور اثر بھی نام ہے ایک حدیث کا بھائی۔ حدیث کے میں نے بتائے تھے چار نام ہیں: حدیث، خبر، اثر اور سنت بھائی۔ تو یہ تو اس کے بارے میں تعارض ہے آثار میں یعنی احادیث میں، اور احادیث میں تعارض آجائے تو اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟ تخفیف کا پتہ چلتا ہے، لہٰذا اس کی نجاست نجاستِ غلیظہ نہیں بلکہ نجاستِ خفیفہ ہے امام صاحب کے نزدیک۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو امام صاحب کے امام صاحب البتہ گھوڑے کو گوشت جو ہے اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں لیکن مکروہ مکروہ یعنی مکروہِ تحریمی، فقہ کی کتابوں میں جب مطلق کراہت کا ذکر آئے تو مراد کراہتِ تحریمی ہوتی ہے بھائی۔ تو امام صاحب کے نزدیک مکروہِ تحریمی ہے لیکن اس وجہ سے نہیں مکروہ کہ گھوڑے کا گوشت نجس ہے ان کے نزدیک، بلکہ اس لیے کہ یہ آلۂ جہاد ہے بھائی، اگر اس کو لوگ ذبح کرنا شروع کر دیں گے پھر تو یہ کم ہو جائے گا، اس لیے انہوں نے کیا قرار دیا ہے؟ مکروہ قرار دیا۔ تو نجس ہونے کی وجہ سے مکروہ قرار نہیں دیا، حقیقت کے اعتبار سے ان کے نزدیک بھی یہ ماکول اللحم ہے، اس کا گوشت حلال گوشت جائز ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تعارضِ آثار، تعارضِ آثار کیا ہے بھائی؟ ایک تو وہ حدیثِ **عُرَنِیِّین** ہے جس میں ماکول اللحم جانور جو تھے یعنی اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا اہلِ **عُرَینہ** کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور دوسری حدیث وہ کیا ہے؟ حدیث میں آتا ہے: **اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ، اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ** کہ تم لوگ پیشاب سے بچو کیونکہ اکثر عام طور پر عذابِ قبر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو یہاں ان دو حدیثوں میں تعارض آیا اور اس کی وجہ سے حکم میں تخفیف آگئی۔

وَإِنْ أَصَابَهُ خُرْءُ مَالَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الطُّيُورِ بھائی، اب ان پرندوں کا ذکر آیا جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا، میں حکم پہلے بیان کر چکا ہوں، کیا حکم ہے بھائی ان کی بیٹ کا؟ حرام پرندوں کی بیٹ کیا ہے؟ نجاستِ خفیفہ ہے، نجاستِ خفیفہ۔ یہی بتلا رہے ہیں: **وَإِنْ أَصَابَهُ** اور اگر کپڑے کو لگ جائے **خُرْءُ مَالَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ**، **خُرْءُ** بیٹ کو کہتے ہیں، **خُرْءُ مَالَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الطُّيُورِ** پرندوں میں سے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کی بیٹ، اگر کپڑے کو لگ جائے پرندوں میں سے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کی بیٹ، اگر یہ کپڑے کو لگ جائے کتنی لگے؟ **أَكْثَرَ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ** ایک درہم سے زائد مقدار، **أَجْزَأَتِ الصَّلَاةُ فِيهِ** اس میں نماز جائز ہے۔ ایک درہم سے زائد لگ جائے پھر بھی نماز جائز، معلوم ہوا کہ کون سی نجاست ہے؟ نجاستِ خفیفہ ہے **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ** شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، **وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوزُ** امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں درہم سے زائد لگ جائے پھر اس میں نماز جائز نہیں، معلوم ہوا ان کے نزدیک کیا ہے؟ نجاستِ غلیظہ ہے۔ اچھا، شیخین رحمہما اللہ تو فرماتے ہیں درہم سے زیادہ لگ جائے تو بھی نماز ان کپڑوں میں جائز، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درہم سے زائد لگ جائے تو اس میں نماز جائز نہیں۔ اب اس کا کیا معنی؟ تو بعض فقہاء نے لکھا کہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ان کی بیٹ نجس ہے ہی نہیں، پاک ہے۔ بیٹ کیا ہے؟ پاک، نجس ہے ہی نہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نجاستِ غلیظہ ہے بھائی۔ تو اسی لیے شیخین فرماتے ہیں کہ درہم سے زائد بھی لگ جائے تو اس میں نماز جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ نجس ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو گویا اختلاف کس چیز میں آیا؟ نجس ہونے میں ہی اختلاف آگیا، شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک نجس ہے ہی نہیں اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نجس ہے بھائی۔

یہی بات ذکر کر رہے ہیں: **فَقَدْ قِيلَ** پس تحقیق کہا گیا ہے **إِنَّ الِاخْتِلَافَ فِي النَّجَاسَةِ** کہ اختلاف کس چیز کے اندر ہے؟ نجس ہونے میں ہی اختلاف ہے، شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک نجس ہے ہی نہیں اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نجس ہے بھائی۔ **وَقَدْ قِيلَ** اور تحقیق کہا گیا ہے **فِي الْمِقْدَارِ** کہ اختلاف کس چیز کے اندر ہے؟ مقدار میں ہے، **وَهُوَ الْأَصَحُّ** اور یہی قول زیادہ صحیح ہے یعنی مقدار میں یہ اختلاف ہے، نجس ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، نجس دونوں کے نزدیک ہے، شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک بھی نجس اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی نجس، البتہ اختلاف صرف کس چیز میں ہے؟ مقدار میں ہے۔ کیا معنی؟ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک درہم سے زیادہ لگی ہے تو اس میں نماز جائز نہیں، معلوم ہوا وہ کون سی نجاست ہے؟ نجاستِ غلیظہ، اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ان کے نزدیک نجس ہونے میں اختلاف نہیں ہے، صرف کس چیز میں اختلاف ہے؟ مقدار، درہم سے زائد لگے پھر بھی اس میں نماز جائز، معلوم ہوا کون سی نجاست؟ نجاستِ خفیفہ ہے، معلوم ہوا نجس ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، نجس دونوں کے نزدیک، البتہ شیخین کے نزدیک نجاستِ خفیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نجاستِ غلیظہ۔ یہ معنی ہے: **وَقَدْ قِيلَ فِي الْمِقْدَارِ وَهُوَ الْأَصَحُّ** اور تحقیق کہا گیا ہے کہ اختلاف جو ہے مقدار میں ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

هُوَ يَقُولُ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں **إِنَّ التَّخْفِيفَ لِلضَّرُورَةِ** کہ تخفیف جو ہوتی ہے وہ ضرورت کی وجہ سے ہوتی ہے **وَلَا ضَرُورَةَ** اور یہاں پر کوئی ضرورت نہیں **لِعَدَمِ الْمُخَالَطَةِ**، مخالطت کہتے ہیں گھل مل کر رہنا، مل جل کر رہنا۔ اور یہاں کس کی بات چل رہی ہے؟ حرام پرندوں کی، اور حرام پرندے تو انسانوں کے ساتھ گھل مل کر نہیں رہتے، گھل مل کر نہیں رہتے، لہٰذا یہاں کوئی ضرورت نہیں، ضرورت ہوتی تو ان میں تخفیف آجاتی، ہم اس کو نجاستِ غلیظہ قرار نہ دیتے، کیا قرار دیتے؟ نجاستِ خفیفہ، لیکن یہاں کوئی ضرورت ہی نہیں، کیوں نہیں ضرورت؟ کیونکہ ان کا انسانوں کے ساتھ گھلنا ملنا نہیں ہے، یہ تو انسانوں سے دور رہتے ہیں، لہٰذا بلا ضرورت کے اس کو نجاستِ خفیفہ نہیں قرار دیا جائے گا۔ تو وہ فرماتے ہیں **إِنَّ التَّخْفِيفَ لِلضَّرُورَةِ** کہ تخفیف جو ہوتی ہے للضرورۃ بنا پر ضرورت کے ہوتی ہے **وَلَا ضَرُورَةَ لِعَدَمِ الْمُخَالَطَةِ** اور کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں پر بوجہ گھلنے گھلانا ملنا نہ ہونے کی وجہ سے، **فَلَا يُخَفَّفُ** لہٰذا اس کو نجاستِ خفیفہ قرار نہیں دیا جائے گا۔

وَلَهُمَا شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے **أَنَّهَا تَذْرُقُ فِي الْهَوَاءِ** کہ یہ بیٹ کر دیتے ہیں ہوا میں سے، **وَالتَّحَامِي عَنْهُ مُتَعَذِّرٌ** اور بچنا اس سے مشکل ہوتا ہے۔ یہ کس سے کر دیتے ہیں؟ ہوا سے، تو بچنا اس سے ممکن ہی نہیں ہے بھائی، انسان کی توجہ ہی نہیں ہوتی بھائی، **فَتَحَقَّقَتِ الضَّرُورَةُ** تو ضرورت ثابت ہو گئی، کیا

سبق نمبر ۳۷: وَإِذَا أَصَابَ الثَّوْبَ مِنَ الرَّوْثِ أَوْ مِنْ أَخْ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

ثابت ہو گئی؟ ضرورت ثابت ہو گئی۔ جی، یہ شیخین رحمہ اللہ کی دلیل بھائی۔

وَلَوْ وَقَعَ فِي الْإِنَاءِ قِيلَ يُفْسِدُهُ اچھا بھائی، ان کی بیٹ یہ جو حرام پرندے ہیں، ان کی بیٹ اگر برتن میں گرے تو کیا حکم ہے؟ تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ برتن کو یہ کیا کر دے گی؟ فاسد کر دے گی، نجس کر دے گی، بعض فرماتے ہیں نہیں، برتن کو بھی نجس نہیں کرے گی بوجہ ضرورت کے کیونکہ برتنوں کو بھی ان سے بچانا مشکل ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَلَوْ وَقَعَ فِي الْإِنَاءِ قِيلَ يُفْسِدُهُ** اور اگر وہ بیٹ ان کی واقع ہو جائے یعنی گر پڑے **فِي الْإِنَاءِ** برتن میں، **قِيلَ يُفْسِدُهُ** تو کہا گیا ہے اس برتن کو فاسد کر دے گی یعنی نجس کر دے گی، **وَقِيلَ** لَا **يُفْسِدُهُ** اور کہا گیا ہے کہ اس کو نجس نہیں کرے گی **لِتَعَذُّرِ صَوْنِ الْأَوَانِي عَنْهُ**، اوانی جمع ہے **آنِیَۃ** کی، برتن کو کہتے ہیں بھائی، **لِتَعَذُّرِ صَوْنِ الْأَوَانِي عَنْهُ** بوجہ برتنوں کے اس سے بچانا ممکن نہ ہونے کی کیونکہ ممکن نہیں ہے برتنوں کو بچانا اس سے بھائی۔

وَإِنْ أَصَابَهُ مِنْ دَمِ السَّمَكِ أَوْ مِنْ لُعَابِ الْبَغْلِ أَوِ الْحِمَارِ أَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ أَجْزَأَتِ الصَّلَاةُ فِيهِ اور اگر کپڑے کو لگ جائے **مِنْ دَمِ السَّمَكِ** مچھلی کے خون میں سے، **أَوْ مِنْ لُعَابِ الْبَغْلِ** یا خچر کے لعاب میں سے، **أَوِ الْحِمَارِ** یا گدھے کے لعاب میں سے کتنا لگ جائے؟ **أَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ** ایک درہم سے زائد مقدار، **أَجْزَأَتِ الصَّلَاةُ فِيهِ** تو اس کپڑے میں نماز جائز ہے، کافی ہو جائے گی، اس میں نماز کافی ہو جائے گی۔

أَمَّا دَمُ السَّمَكِ باقی مچھلی کا خون جو ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس میں کیوں نہ اس کپڑے میں نماز کیوں جائز ہو گی؟ کہتے ہیں: **فَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِدَمٍ عَلَى التَّحْقِيقِ** اس لیے کیونکہ جو مچھلی کا خون ہے وہ خون ہے ہی نہیں **عَلَى التَّحْقِيقِ** بنابر تحقیقی قول کے، تحقیق کے مطابق وہ تو وہ خون ہے ہی نہیں، **فَلَا يَكُونُ نَجَسًا** تو وہ نجس بھی نہیں ہو گا۔ بات سمجھ میں آئی؟ مچھلی کا خون وہ حقیقت میں خون ہے ہی نہیں، خون ہوتا تو کپڑوں کو نجس کرتا، جب خون ہی نہیں تو کپڑوں کو بھی نجس نہیں کرے گا۔ دلیل اس کی پہلے بھی گزر چکی کہ خون جو ہے وہ تو دھوپ میں رکھا جائے، دھوپ اس کو لگتی ہے تو وہ سیاہ پڑ جاتا ہے جبکہ مچھلی کا خون اس کو دھوپ لگتی ہے وہ سفید ہو جاتا ہے، معلوم ہوا وہ خون نہیں، خون جیسا رنگ تو ضرور ہے لیکن خون نہیں۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے، روایت کیا گیا ہے **أَنَّهُ اعْتَبَرَ فِيهِ الْكَثِيرَ الْفَاحِشَ** کہ انہوں نے اس کے اندر کثیرِ فاحش کا اعتبار کیا ہے۔ کس چیز کا اعتبار کیا ہے؟ کثیرِ فاحش کا، کیا معنی؟ یعنی کثیرِ فاحش لگ جائے تو پھر ان کپڑوں میں نماز جائز نہیں، معلوم ہوا انہوں نے اس کو نجاستِ خفیفہ قرار دیا ہے۔ تو انہوں نے اعتبار کیا ہے اس میں کثیرِ فاحش کا، **فَاعْتَبَرَهُ نَجَسًا** تو انہوں نے اس کو اعتبار کیا ہے نجاست بھائی یعنی اس کو نجاست کا اعتبار کیا، پہلا قول تو کیا تھا؟ یہ خون ہی نہیں ہے لہٰذا سرے سے نجاست ہی نہیں ہے، دوسرا قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس میں انہوں نے کثیرِ فاحش کا اعتبار کیا ہے، اس سے کیا پتہ چلا کہ ان کے نزدیک یہ نجس ہے البتہ نجاستِ خفیفہ ہے۔

وَأَمَّا لُعَابُ الْبَغْلِ باقی متن میں آیا تھا کہ گدھے یا خچر کا لعاب لگ جائے کپڑوں پر پھر بھی اس میں نماز جائز، اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَأَمَّا لُعَابُ الْبَغْلِ وَالْحِمَارِ فَلِأَنَّهُ مَشْكُوكٌ فِيهِ** اور باقی خچر اور گدھے کا جو لعاب ہے پس وہ جو ہے وہ مشکوک ہے بھائی، وہ کیا ہے؟ مشکوک ہے، **فَلَا يَتَنَجَّسُ بِهِ الطَّاهِرُ** تو اس سے پاک چیز نجس نہیں ہو گی۔ وہ تو کیا ہے؟ مشکوک، تو پاک چیز اس کی وجہ سے نجس نہیں ہو گی۔ کس کو لگا وہ لعاب گدھے یا خچر کا؟ کپڑوں کو لگا ہے اور کپڑے کا پاک ہونا یقینی، اس سے پہلے کیا تھا کپڑے کا پاک ہونا؟ یقینی، اور اب جو لعاب لگا ہے اس کا نجس ہونا اس کا نجس ہونا مشکوک ہے، اور ضابطہ آپ پڑھ چکے: **اَلْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ** کہ یقین جو ہے وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں، تو اب کپڑوں کے نجس ہونے میں شک آیا اور شک کی وجہ سے ان کو نجس نہیں قرار دیا جا سکتا۔

فَإِنِ انْتَضَحَ عَلَيْهِ الْبَوْلُ مِثْلَ رُءُوسِ الْإِبَرِ فَذٰلِكَ لَيْسَ بِشَيْءٍ اگر چھینٹے پڑے اس پر **الْبَوْلُ** کس کے؟ پیشاب کے، **مِثْلَ رُءُوسِ الْإِبَرِ، اِبَر** کہتے ہیں سوئی کو، سوئی، **مِثْلَ رُءُوسِ، رُءُوس** میں یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی، اس میں دو واؤ ہونے چاہییں، دو واؤ، سمجھ میں آیا بھائی؟ دو واؤ۔ یہ جو ایک واؤ ہے اس کے اوپر تو ہمزہ لکھی ہے، یہ دراصل ہمزہ ہی ہے۔ یاد رکھیے عربی میں ہمزہ کی کتابت سب سے مشکل کام ہے، اسی ہمزہ کو کبھی الف کی صورت میں لکھتے ہیں، کبھی یا کی صورت میں لکھتے ہیں، کبھی واؤ کی صورت میں لکھتے ہیں اور کبھی اس کی اپنی ہمزہ ہی کی صورت میں لکھتے ہیں۔ دیکھو شروع میں آئے ہمزہ، **اَقْوَال، اَقْوَال**، اقوال کے شروع میں کیا ہے؟ ہمزہ، لیکن اس کو لکھتے کس شکل میں ہیں؟ الف کی صورت میں، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور اسی طرح کبھی ہمزہ کو کس کی صورت میں لکھتے ہیں؟ یا کی صورت میں، **شَيْئًا، شَيْئًا** الف آخر میں ہے، الف سے پہلے کیا ہے؟ ہمزہ، یہاں اس کو لکھتے کیسے ہیں **شَيْئًا** کو؟ دندانے کے اوپر ہمزہ لکھتے ہیں یا نہیں لکھتے؟ حالانکہ دندانہ تو یا کے لیے بنایا جاتا ہے، ہمزہ تو الگ لکھی جاتی ہے ہمیشہ بھائی، تو یہ دیکھو یا کی صورت میں لکھا، یا اور کوئی مثال دیکھ لیں جس میں ہمزہ کو یا کی صورت میں لکھا ہو۔ **قُرِئَ**، ہاں دیکھو **قُرِئَ، قُرِئَ** قاف، **قَرَأَ** سے مجہول کا صیغہ **قُرِئَ**، قاف دو نقطوں والا، را اور اس کے بعد آپ کس طرح لکھتے ہیں؟ یا کے اوپر ہمزہ لکھتے ہیں، تو یہ ہمزہ ہے لیکن کس صورت میں لکھی گئی؟ یا کی صورت میں لکھی گئی۔ اور کبھی ہمزہ کو واؤ کی صورت میں لکھتے ہیں جیسے جی؟ یہی دیکھ لیں، یہ **رُءُوس** کا لفظ آیا، تو یہ **رَأْس** تھا اس میں ہمزہ کو اب واؤ کی صورت میں لکھا تو آگے ایک اور واؤ ہونا چاہیے بھائی، **رُءُوس**، ہمزہ کی آواز کو پیش کو میں لمبا کر رہا ہوں یا نہیں کر رہا؟ اگر واؤ نہ ہوتا تو **رُءُس** پڑھا جاتا، **رُءُس**، لیکن ہم واؤ پڑھ رہے ہیں، **رُءُوس** بھائی، تو یہاں ایک اور واؤ ہونا چاہیے بھائی۔ اچھا بھائی، **مِثْلَ رُءُوسِ الْإِبَرِ** اگر چھینٹے پڑے اس پر پیشاب کے **مِثْلَ رُءُوسِ الْإِبَرِ** سوئی کے سروں کے برابر بھائی، سوئی کے سروں کے برابر یعنی بہت چھوٹے پیشاب کے تو چھینٹے پڑیں، **فَذٰلِكَ لَيْسَ بِشَيْءٍ** تو وہ کوئی چیز نہیں ہیں، تو

وہ کوئی چیز نہیں یعنی اس میں نجاست کا اعتبار کرنے کی اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بھائی، وہ بہت چھوٹے ہیں، ان سے بچنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے، احتیاط کرے اور باقی ان سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ فرماتے ہیں: **فَذٰلِكَ لَيْسَ بِشَيْءٍ** یہ کوئی چیز نہیں، **لِأَنَّهُ لَا يُسْتَطَاعُ الِامْتِنَاعُ عَنْهُ** اس وجہ سے کہ استطاعت نہیں ہے ان سے باز رہنے کی یعنی بچنے کی یعنی ان سے بچنے کی کسی کی استطاعت نہیں ہے، کوئی ان سے بچ نہیں سکتا جتنی بھی کوشش کرلے، تو باحتیاط البتہ کرے، چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۳۸: وَالنَّجَاسَةُ ضَرْبَانِ مَرْئِيَّةٌ وَغَيْرُ مَرْئِيَّةٍ...

ہدایہ صفحہ: ۷۳ — بتاریخ: ۱ دسمبر ۲۰۱۲ء

وَالنَّجَاسَةُ ضَرْبَانِ مَرْئِيَّةٌ وَغَيْرُ مَرْئِيَّةٍ فَمَا كَانَ مِنْهَا مَرْئِيًّا فَطَهَارَتُهَا بِزَوَالِ عَيْنِهَا لِأَنَّ النَّجَاسَةَ حَلَّتِ الْمَحَلَّ بِاعْتِبَارِ الْعَيْنِ فَتَزُولُ بِزَوَالِهِ إِلَّا أَنْ يَبْقَى مِنْ أَثَرِهَا مَا يَشُقُّ إِزَالَتُهُ لِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ۔ [1]

وَالنَّجَاسَةُ ضَرْبَانِ مَرْئِيَّةٌ وَغَيْرُ مَرْئِيَّةٍ، بھئی مختلف نجاستوں کو کیسے پاک کرنا ہے، اس کا ذکر چل رہا ہے بھئی۔ آج آپ کو بتلا رہے ہیں کہ: **وَالنَّجَاسَةُ ضَرْبَانِ**، نجاست دو قسم پر ہے: **مَرْئِيَّةٌ**، دکھائی دینے والی، **وَغَيْرُ مَرْئِيَّةٍ**، اور دکھائی نہ دینے والی۔ یعنی دوسرے آسان لفظوں میں یوں کہیے، ایک گاڑھی نجاست ہے، ایک پتلی نجاست ہے۔ ایک دکھائی دینے والی ہے، ایک دکھائی نہ دینے والی۔ معنی یہ ہے: خشک ہونے کے بعد۔ ایک چیز پر نجاست لگ گئی، خشک ہو گئی، اب بھی اس کا وہ نجاست اس مقام پر موجود دکھائی دے رہی ہے۔ اور ایک نجاست وہ ہے کہ جب خشک ہو گئی تو اب اس مقام پر دکھائی نہیں دے رہی، مثلاً پیشاب ہے، کپڑے پر لگ گیا، خشک ہونے کے بعد اب پتہ ہی نہیں چل رہا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ دو قسم کی نجاستیں ہوئیں۔

اب بتلائیں گے کہ یہ ان میں سے ہر ایک کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ ایک وہ نجاست جو خشک ہونے کے بعد بھی دکھائی دیتی ہے، اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ ایک وہ نجاست جو خشک ہونے کے بعد پھر دکھائی نہیں دیتی، اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

تو کہتے ہیں: **وَالنَّجَاسَةُ ضَرْبَانِ**، نجاست دو قسم پر ہے: **مَرْئِيَّةٌ وَغَيْرُ مَرْئِيَّةٍ**، ایک دکھائی دینے والی ہے اور ایک دکھائی نہ دینے والی۔ **فَمَا كَانَ مِنْهَا مَرْئِيًّا**، پس وہ نجاست جو دکھائی دینے والی ہے، **فَطَهَارَتُهَا بِزَوَالِ عَيْنِهَا**، تو اس کا پاک ہونا جو ہے اس کی ذات کے زائل ہو جانے سے ہو گا۔ وہ نجاست جو دکھائی دینے والی ہے، اس کی ذات کو زائل کر دیا جائے تو وہ چیز یا وہ کپڑا وغیرہ پاک ہو جائے گا۔ مثلاً کپڑے پر گوبر لگ گیا تو اب گوبر ایسی نجاست ہے جو دکھائی دینے والی ہے، خشک ہونے کے بعد بھی دکھائی دیتی ہے، تو اس قسم کی نجاست جب کپڑے وغیرہ یا کسی چیز پر لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کہ اس کو دھویا جائے یہاں تک کہ اس کی ذات ہی وہاں سے ختم ہو جائے۔ آپ کپڑے کو دھوئیں یہاں تک کہ گوبر کیا ہو جائے؟ کپڑے پر سے بالکل ختم ہو جائے۔ جب گوبر کی ذات... کپڑا نجس تھا، کیوں نجس تھا؟ کیونکہ اس پر گوبر لگا ہوا ہے۔ لیکن جب آپ نے دھویا، یا مثلاً خون لگا ہوا ہے، جب آپ نے دھویا تو اس خون کا نشان کیا ہوا؟ کپڑے پر سے وہ خون ختم ہو گیا، تو وہ کپڑا کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا وہ نجاست جو دکھائی دینے والی ہے: **فَطَهَارَتُهَا بِزَوَالِ عَيْنِهَا**، اس کی طہارت جو ہے اس کی عین یعنی اس کی ذات کے زائل ہو جانے سے ہو گی کہ اس کی ذات وہاں سے ختم ہو جائے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

دوسری نجاست کون سی تھی؟ جو دکھائی دینے والی نہیں، جیسے پیشاب لگا ہے کپڑے پر، اب وہ تو خشک ہونے کے بعد دکھائی بھی نہیں دے رہا، اس کے پاک کرنے کا الگ طریقہ ہے، وہ آگے ذکر ہو گا۔ یہ تو خون تھا مثلاً دکھائی دینے والا، اس میں تو پتہ لگ گیا تھا کہ خون اب ختم ہو گیا، کپڑے پر سے چلا گیا، لیکن وہاں تو پتہ نہیں چلے گا، وہ تو دکھائی دینے والی نہیں، اس کا حکم الگ، وہ آگے بیان کریں گے۔ لیکن یہاں کس کا حکم بیان ہوا؟ جو دکھائی دینے والی نجاست ہے، اس سے وہ کپڑا یا چیز وغیرہ کب پاک ہو گی؟ جب وہ نجاست وہاں سے ختم ہو جائے، اس کی ذات ہی ختم ہو جائے۔

دلیل کیا ہے؟ کیوں؟ کس وجہ سے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ النَّجَاسَةَ حَلَّتِ الْمَحَلَّ بِاعْتِبَارِ الْعَيْنِ فَتَزُولُ بِزَوَالِهِ**، اس لیے کیونکہ نجاست **حَلَّتِ الْمَحَلَّ**، وہ ایک جگہ پر نازل ہوئی ہے، ایک جگہ پر اتری ہے، یعنی ایک جگہ پر لگ گئی ہے۔ اس لیے کیونکہ یہ جو نجاست ہے یہ ایک مقام پر لگ گئی ہے، **بِاعْتِبَارِ الْعَيْنِ**،

---

[1] شاملہ (ص ۳۴) میں «**فَطَهَارَتُهَا بِزَوَالِ**» کے بجائے «**فطهارته زوال**»، شاملہ (ص ۳۴) میں «**بِزَوَالِهِ**» کے بجائے «**بزوالها**»، شاملہ (ص ۳۴) میں «**يَشُقُّ**» کے بجائے «**تشق**» درج ہے۔ • نسخہ مکتبہ شاملہ (ص ۳۴) میں عبارت کے بعد یہ اضافہ ہے: «**وَهَذَا يُشِيرُ إِلَى أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ الْغَسْلُ بَعْدَ زَوَالِ الْعَيْنِ وَإِنْ زَالَ بِالْغَسْلِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَفِيهِ كَلَامٌ**»۔ نیز شاملہ (ص ۳۵ تا ۳۷) میں کتاب الطہارات کے آخر میں دو فصول («فصل في الاستنجاء» اور «فصل: ويكره استقبال القبلة بالفرج في الخلاء») مزید مذکور ہیں جو صوتی دروس میں شامل نہیں۔

کس اعتبار سے لگی ہے؟ اپنی ذات کے اعتبار سے لگی ہے، دکھائی دے رہی ہے، لگی ہوئی ہے، **فَتَزُوْلُ بِزَوَالِهِ**، تو یہ زائل بھی کس سے ہو گی؟ ذات ہی کے ختم ہونے سے وہ چیز وہاں سے ختم ہو جائے گی، وہ گوبر ہے یا وہ خون ہے، وہ وہاں سے ختم ہو جائے گا تو وہ چیز کیا ہو جائے گی؟ پاک۔ یہ معنی ہے **فَتَزُوْلُ بِزَوَالِهِ**، تو یہ نجاست زائل ہو گی **بِزَوَالِهِ**، اس عین کے، اس ذات کے زائل ہو جانے سے۔

إِلَّا أَنْ يَبْقَى مِنْ أَثَرِهَا مَا يَشُقُّ إِزَالَتُهُ، مگر یہ کہ باقی رہے اس نجاست کے اثر میں سے مَا وہ چیز **يَشُقُّ إِزَالَتُهُ**، کہ مشقت دے اس کا زائل کرنا، مشکل میں ڈالے اس کا زائل کرنا۔ بھئی دیکھیے، انہوں نے آپ کو بتلایا وہ نجاست جو دکھائی دینے والی ہے، وہ اگر کپڑے یا کسی چیز پر لگ جائے تو اس کپڑے یا چیز کو دھوئیں گے جب تک کہ اس نجاست کا جسم وہاں سے ختم ہو جائے۔ جب اس کی ذات، اس کا جسم نجاست کا وہاں سے ختم ہو گا تو وہ کپڑا یا وہ چیز پاک ہو جائے گی۔ **إِلَّا** یہ کہ اس کا اس کے جو نشان ہے وہ نجاست کا باقی رہ جاتا ہے، وہ ختم ہو ہی نہیں رہا آسانی سے، اس کے لیے صابن وغیرہ کسی خاص چیز کی ضرورت پڑے گی۔ تو کہتے ہیں بھئی اگر ایسا نشان... نجاست کو ختم کر دیا، صرف اس کا نشان باقی ہے، وہ نہیں ختم ہو رہا تو کوئی حرج نہیں، وہ کپڑا یا وہ چیز کیا ہو چکی؟ پاک ہو گئی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **إِلَّا أَنْ يَبْقَى مِنْ أَثَرِهَا**، مگر یہ کہ باقی رہے اس نجاست کے اثر میں سے مَا **يَشُقُّ إِزَالَتُهُ**، مَا وہ چیز **يَشُقُّ**، مشقت دیتا ہو یا مشکل میں ڈالتا ہو **إِزَالَتُهُ**، اس کا زائل کرنا۔ یعنی اب ویسے پانی سے وہ ختم نہیں ہو رہا نشان، کس سے ختم ہو گا؟ صابن وغیرہ سے، تو صابن سے دھونے کی ضرورت نہیں، بس کپڑے کو دھو دیا آپ نے، نجاست وہاں سے ختم ہو گئی ہے، صرف اس کا نشان باقی ہے، وہ ختم نہیں ہو رہا، کوئی حرج نہیں، وہ کپڑا کیا ہو چکا؟ پاک ہو گیا۔

بھئی کیوں؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ**، اس لیے کیونکہ تنگی جو ہے اس کو دور کیا گیا ہے۔ اللہ قرآن میں کیا فرماتے ہیں: مَا **جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ**، اللہ نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تو اگر یہاں صابن وغیرہ یا کسی چیز کو لازم قرار دیا جائے، اب ہر شخص تو ہر وقت اس چیز کو صابن وغیرہ تو اس کے پاس نہیں ہوتا، تو انسان کس میں پڑ جائے گا؟ تنگی اور مشقت میں پڑ جائے گا، اور تنگی اور مشقت تو دین کے اندر نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں اگر نشان کچھ رہ بھی گیا ہے، اس سے کوئی اثر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

وَهَذَا يُشِيرُ، اور یہ بات اشارہ کر رہی ہے اس بات کی طرف **إِلَى أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ الْغَسْلُ بَعْدَ زَوَالِ الْعَيْنِ**، کہ... بھئی دیکھیے، یہاں سے یہ ذکر کر رہے ہیں کہ متن میں جو انہوں نے ہمیں مسئلہ بتلایا، کیا بتلایا؟ کہ وہ نجاست جس کا ظاہری جسم ہو، اس نجاست کو دھو جب اس کا وہ ظاہری جسم وہاں سے ختم ہو جائے تو وہ کپڑا وغیرہ کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا۔ معلوم ہوا چاہے ایک ہی دفعہ دھونے سے وہ نجاست ختم ہو گئی تو کپڑا کیا ہو جائے گا؟ پاک۔ یہ کس سے معلوم ہو رہا ہے؟ متن سے یہ معلوم ہو رہا ہے، صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ یہی ذکر کر رہے ہیں: **وَهَذَا يُشِيرُ**، اور یہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے **إِلَى أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ الْغَسْلُ بَعْدَ زَوَالِ الْعَيْنِ**، کہ شرط نہیں ہے دھونے کی اس کے عین کے زائل ہو جانے کے بعد۔ اس نجاست کی ذات جب زائل ہو گئی اور ختم ہو گئی، وہاں سے ہٹ گئی، اس کے بعد پھر دھونے کی ضرورت، دھونے کی شرط نہیں ہے۔ **وَإِنْ زَالَ بِالْغَسْلِ مَرَّةً وَاحِدَةً**، اگرچہ وہ زائل ہو جائے، دور ہو جائے ایک ہی مرتبہ دھونے سے۔ یہ کس سے معلوم ہو رہا ہے؟ متن سے۔

وَفِيهِ كَلَامٌ، اور اس کے اندر کلام ہے، یعنی فقہاء نے اس بارے میں کیا کیا ہے؟ کلام کیا ہے۔ تو متن سے تو بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ نجاست ختم ہو گئی تو کپڑا پاک ہو گیا چاہے پہلی مرتبہ دھوتے ہی نجاست ختم ہوئی، کپڑا کیا ہو گیا؟ پاک ہو گیا، دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ لیکن فقہاء نے کیا کیا ہے اس بارے میں؟ کلام کیا ہے، بعض فرماتے ہیں کہ نہیں، ہاں دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں، بس ایک دفعہ میں بھی دھل گئی، ختم ہو گئی تو نجاست ختم۔ بعض کہتے ہیں نہیں، اس کے بعد بھی کیا کیا جائے؟ تین کا عدد پورا کر لیا جائے بھئی، تاکہ خوب اچھی طرح ہو جائے صاف۔

وَمَا لَيْسَ بِمَرْئِيٍّ فَطَهَارَتُهُ أَنْ يَغْسِلَ حَتَّى يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّ الْغَاسِلِ أَنَّهُ قَدْ طَهُرَ۔ اب اس نجاست کا حکم بیان کر رہے ہیں جو خشک ہونے کے بعد دکھائی نہیں دیتی بھئی، جیسے پیشاب ہے وہ کپڑے پر لگ گیا۔ یاد رکھیے، اس میں پہلے میں کیا تھا؟ کہ نجاست کا... نجاست خود وہاں سے کیا ہو جائے؟ زائل ہو جائے۔ اب یہاں تو نجاست دکھائی نہیں دے رہی، اب کیا کیا جائے؟ کہتے ہیں اب کپڑے کو یا اس چیز کو دھو یہاں تک کہ تمہارا غالب گمان ہو جائے کہ اب کپڑا پاک ہو گیا ہو گا، اب وہ نجاست یہاں سے ختم ہو گئی ہو گی۔ تو یہاں کس کا اعتبار کرنا ہے؟ غالب گمان کا کہ اس کو دھوئیں گے بھئی۔ کہتے ہیں: **وَمَا لَيْسَ بِمَرْئِيٍّ**، اور وہ نجاست جو دکھائی دینے والی نہیں ہے **فَطَهَارَتُهُ**، تو اس کی طہارت جو ہے **أَنْ يَغْسِلَ**، وہ یہ کہ اس کو دھوئے **حَتَّى يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّ الْغَاسِلِ**، یہاں تک کہ غالب گمان ہو جائے دھونے والے کا، **حَتَّى يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّ الْغَاسِلِ**، یہاں تک کہ یہ بات غالب ہو جائے دھونے والے کے گمان پر **أَنَّهُ قَدْ طَهُرَ**، کہ وہ چیز، وہ غیر مرئی نجاست کیا ہو گئی ہے؟ پاک ہو گئی ہے، یعنی وہاں سے ختم ہو گئی ہے۔

لِأَنَّ التَّكْرَارَ لَا بُدَّ مِنْهُ لِلِاسْتِخْرَاجِ، اس لیے کیونکہ تکرار لَا **بُدَّ مِنْهُ**، وہ ہونا ضروری ہے **لِلِاسْتِخْرَاجِ**، اس کو نکالنے کے لیے۔ بھئی دیکھیے، کپڑے پر کس قسم کی نجاست لگی ہے؟ جو نظر آنے والی نہیں۔ تو اس میں اب صرف ایک دفعہ دھونے سے وہ نجاست پاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، بلکہ جب تک دھونے والے کا غالب گمان نہ ہو جائے کہ نجاست اب ختم ہو گئی ہو گی، اس وقت تک وہ کپڑا یا چیز وغیرہ پاک نہیں ہے بھئی۔ اور معلوم ہوا کئی مرتبہ دھونا پڑے گا۔ کیا کرنا پڑے گا؟ کئی مرتبہ دھونا پڑے گا۔ کیونکہ تکرار ضروری ہے۔ تکرار یعنی ایک چیز کو دوبارہ کرنا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ تکرار کہلاتا ہے۔ تو تکرار یہاں ضروری، یعنی ایک مرتبہ دھونے کے

بعد دوبارہ دھونا ضروری ہے **لِلاسْتِخْرَاجِ**، کس لیے؟ اس نجاست کو نکالنے کے لیے۔ وہ نجاست وہ تو اب جذب ہو گئی ہے، وہ تو اب دکھائی نہیں دے رہی، اس کو نکالنے کے لیے کیا ضروری؟ تکرار۔ سمجھ میں آیا؟ تو کپڑے، مثلاً کپڑے ہی کا ذکر چل رہا ہے تو تکرار اس کے اندر ضروری ہے **لِلاسْتِخْرَاجِ**، اس نجاست کو نکالنے کے لیے۔

وَلَا يُقْطَعُ بِزَوَالِهِ، اور قطعی نہیں ہو سکتا اس کا زائل ہونا، **فَاعْتُبِرَ غَالِبُ الظَّنِّ**، لہٰذا اعتبار کیا گیا غالب ظن کا **كَمَا فِي أَمْرِ الْقِبْلَةِ**، جیسے کس کے معاملے میں تھا؟ قبلے کے معاملے میں تھا بھئی، قبلے کے معاملے میں۔ بھئی دیکھیے، ایک شخص جنگل میں ہے اور نماز کا وقت ہو گیا، اب اسے قبلے کی سمت کا اندازہ نہیں کہ قبلہ کس طرف ہے، تو کیا حکم دیا ہے شریعت نے؟ کہ تحری کرے، اپنا ذہن دوڑائے اور غور کرے قبلہ کس طرف ہو گا، اور جس طرف ذہن بتلا دے کہ اس طرف ہو گا قبلہ تو اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے۔ تو جس طرف اس کا غالب گمان ہوا، دیکھو اس نے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی۔ تو یہاں پر بھی اب دیکھیے وہ نجاست کپڑے پر لگی ہے اور اس کا جسم تو دکھائی نہیں دے رہا، اور کپڑا کب پاک ہو گا؟ جب وہ نجاست وہاں سے نکل جائے۔ اور نجاست کے نکلنے کا یہاں آنکھوں سے نظر ہی نہیں آ رہی تو یقینی طور پر علم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ نجاست قطعی طور پر اب زائل ہو گئی ہے، ختم ہو گئی ہے۔ جب قطعی طور پر علم نہیں ہو سکتا تو پھر غالبِ گمان کا اعتبار کیا جائے گا۔ دیکھو وہ شخص جنگل میں تھا، قبلے کی یقینی سمت کا جب علم نہیں تھا تو کس کا اعتبار کرنا پڑا؟ غالب گمان کا اعتبار کرنا پڑا۔ یہاں پر بھی وہ نجاست دکھائی دینے والی نہیں ہے تو اس کے ختم ہونے کا یقینی طور پر تو پتہ نہیں چل سکتا کہ ابھی ختم ہوئی ہے یا ختم نہیں، تو لہٰذا کس کا اعتبار کیا جائے گا؟ غالب گمان کا۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟ یہ معنی ہے: **وَلَا يُقْطَعُ بِزَوَالِهِ**، اور یقینی نہیں ہو سکتا اس کا زائل ہونا **فَاعْتُبِرَ غَالِبُ الظَّنِّ**، تو اعتبار کیا گیا غالب گمان کا **كَمَا فِي أَمْرِ الْقِبْلَةِ**، جیسے قبلے کے معاملے میں ہے۔

وَإِنَّمَا قَدَّرُوا بِالثَّلَاثِ لِأَنَّ غَالِبَ الظَّنِّ يَحْصُلُ عِنْدَهُ، اور فقہاء نے اس کا اندازہ لگایا ہے **بِالثَّلَاثِ**، کتنی مرتبہ کے ساتھ؟ تین... یعنی تین مرتبہ اس کپڑے کو دھولے تو وہ کپڑا پاک ہو جائے گا بھئی۔ **وَإِنَّمَا قَدَّرُوا بِالثَّلَاثِ**، اور فقہاء نے اس کا اندازہ لگایا ہے تین کے ساتھ۔ بھئی تین کے ساتھ کیوں؟ تین مرتبہ دھونا کیوں؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ غَالِبَ الظَّنِّ يَحْصُلُ عِنْدَهُ**، اس لیے کیونکہ غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے اس وقت، یعنی تین مرتبہ جب دھولے تو کیا حاصل ہو جاتا ہے؟ غالب گمان ہو جاتا ہے کہ اب وہ نجاست یہاں سے ختم ہو گئی ہو گی۔

فَأُقِيمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ مَقَامَهُ تَيْسِيرًا، تو ظاہری سبب ہی کو قائم مقام کر دیا گیا اس کے **تَيْسِيرًا**، آسانی کے لیے۔ بھئی دیکھیے، یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ بھئی وہ نجاست جس کا ظاہری جسم جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی، اس میں وہ کپڑا کب پاک ہو گا جب کیا حاصل ہو جائے؟ غالب گمان ہو جائے کہ وہ نجاست یہاں سے ختم ہو گئی ہو گی، اتنی مرتبہ اس کو دھوئیں، دھوئیں، اور یہ غالب گمان عام طور پر تین دفعہ دھونے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ تین مرتبہ جب آپ نے اس کو دھو لیا اور نچوڑ لیا تو اس سے کیا حاصل ہو جاتا ہے؟ غالب گمان کہ اب نجاست ختم ہو گئی ہو گی، کپڑے میں سے نکل گئی ہو گی۔ تو تین دفعہ سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا تین دفعہ دھونے کو ہی غالب گمان کے قائم مقام کر دیا گیا۔ لہٰذا اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں جب ایسی نجاست لگے تو کتنی دفعہ دھولو کپڑے کو؟ تین دفعہ دھولو۔ کیوں دیا تین دفعہ دھونے کا حکم؟ کیونکہ تین دفعہ دھونے سے کیا حاصل ہو جاتا ہے؟ غالب گمان۔ گویا تین دفعہ دھونا یہ سببِ ظاہری ہے کس چیز کا؟ اس سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ غالب گمان۔ تو تین دفعہ دھونا یہ سببِ ظاہری ہے کس کا؟ غالب گمان کا۔ تو اس سببِ ظاہری ہی کو غالب گمان کے قائم مقام کر دیا فقہاء نے اور کیا حکم لگا دیا؟ تین دفعہ دھولے گا تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔

بھئی اصل تو تین دفعہ نہیں تھا، اصل تو کیا تھا؟ غالب گمان تھا، غالب گمان تھا سبب۔ اور غالب گمان اب کب حاصل ہو گا؟ بھئی اب بعض لوگ سادہ ہوتے ہیں، اگر آپ اس کو یہ کہیں بھئی جب تک غالب گمان نہیں، وہ پتہ نہیں بیچارہ لگا رہے گا، کتنی دفعہ دھوتا رہے گا، کتنی مشکل میں پڑ گیا یا نہیں پڑ گیا؟ تو فقہاء نے آسانی فرما دی کہ بھئی عموماً کتنی دفعہ سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے؟ تین دفعہ سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے، تو سبب تھا غالب گمان، اور غالب گمان کا سبب کیا ہے؟ وہ کس سے حاصل ہوتا ہے؟ تین دفعہ دھونے سے، تو یہ سبب کا سبب ہوا۔ تو سبب کے سبب کو آسانی کے لیے کیا کر دیا گیا؟ سبب قرار دے دیا گیا پاک ہونے کا، کیا ہونے کا؟ پاک ہونے کا۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟

بھئی بعض اوقات سبب پر انسان مطلع ہی نہیں ہو سکتا تو وہاں بھی سبب کے سبب کو قائم مقام کر دیا جاتا ہے، جیسے دیکھیے بھئی: وضو ٹوٹتا ہے خروجِ نجاست سے، لیکن جب انسان سویا ہو خروجِ نجاست کا پتہ نہیں چل سکتا، اس لیے وہ نیند جس میں استرخائے مفاصل ہو، اس نیند ہی کو کیا کر دیا گیا؟ وضو ٹوٹنے کا سبب قرار دے دیا۔ مسئلہ ذہن میں آیا؟ کیا مسئلہ تھا؟ بھئی نیند، بھئی نیند میں تو فی ذاتہٖ نیند میں تو کوئی ناقضِ وضو چیز نہیں، نیند سے وضو کیوں ٹوٹا؟ وجہ یہ کہ نیند سے تو ٹھیک ہے وضو نہیں ٹوٹتا، لیکن نیند کے اندر عموماً کیا ہو جاتا ہے؟ خروجِ نجاست، اور نیند... انسان غفلت میں اس کو پتہ نہیں چلے گا، اس کا پتہ نہیں چل سکتا اس خروجِ نجاست کا، لہٰذا نیند وہ سبب تھی کس چیز کا؟ خروجِ نجاست، اور خروجِ نجاست سبب تھا کس چیز کا؟ وضو ٹوٹنے کا۔ تو یہاں سبب کے سبب یعنی نیند ہی کو کیا کر دیا گیا؟ وضو ٹوٹنے کا... نیند ہی کو سبب قرار دے دیا گیا کس چیز کا؟ وضو کے ٹوٹنے کا، وہ نیند جس میں استرخائے مفاصل ہو۔ تو دیکھو سبب کے سبب ہی کو کس کا درجہ دے دیا گیا؟ سبب کا درجہ، یعنی ناقضِ وضو کا یہ سبب ہے۔ حالانکہ یہ سبب تو نہیں، یہ تو سبب کس چیز کا ہے؟ خروجِ نجاست کا، اور خروجِ نجاست سبب ہے کس چیز کا؟ وضو، تو یہ سبب کا سبب ہے۔ تو بعض اوقات جب اصل سبب پر انسان مطلع نہ ہو سکے تو سبب کے سبب ہی کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ سبب کے قائم مقام۔

اسی طرح بعض اوقات سبب پر، سبب جو ہے اس میں مشکل ہو تو سبب کے سبب کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ سبب کا قائم مقام۔ جیسے یہاں پر اب ہم کیا کہیں؟ ہر ایک کو یہی

حکم بتلایا جائے کہ بھئی کپڑے کو دھونا ہے یہاں تک کہ تمہارا کیا ہو جائے؟ غالب گمان ہو جائے کہ کپڑا کیا ہو گیا ہے؟ پاک۔ اب ٹھیک ہے، بعض لوگ تو بات کو آسانی سے سمجھ جائیں گے، بعض بیچارے مشکل میں پڑ جائیں گے، بھئی کتنی دفعہ دھوئیں؟ ان بیچاروں کی کوئی رائے بنتی نہیں ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کریں، وہ دھوتے ہی رہیں گے، کتنی دفعہ دھولیں گے، مشکل میں پڑ جائیں گے، تو فقہاء نے کیا کیا؟ یہاں پر سبب کیا تھا کس سے کپڑے کو پاک قرار دیا جائے گا؟ غالب گمان سے جب ہو جائے کہ پاک ہو گیا۔ اور غالب گمان عموماً کس سے حاصل ہو جاتا ہے، اس کا سبب کیا ہے؟ تین دفعہ دھولینا، تو اس سبب کے سبب ہی کو کیا کر دیا گیا؟ پاک ہونے کا سبب قرار دے دیا گیا، تین دفعہ دھولے گا، بس کیا ہو جائے گا؟ کپڑا پاک ہو جائے گا۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ غَالِبَ الظَّنِّ يَحْصُلُ عِنْدَهُ**، اس لیے کیونکہ غالب گمان اس وقت حاصل ہو جاتا ہے، کس وقت بھئی؟ تین مرتبہ سے۔ تو اس لیے کیونکہ غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے تین مرتبہ سے، **فَأُقِيمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ مَقَامَهُ تَيْسِيرًا**، تو اس سببِ ظاہری کو ہی قائم مقام کر دیا گیا اس غالب گمان کے۔ اس سببِ ظاہری کو، کون سا سببِ ظاہری؟ تین مرتبہ دھونا، یہ جو سببِ ظاہری ہے، کس چیز کا سببِ ظاہری ہے؟ غالب گمان کا۔ تو اس سببِ ظاہری یعنی تین مرتبہ دھونے کو ہی اس غالب گمان کے قائم مقام کر دیا گیا **تَيْسِيرًا**، کس لیے؟ آسانی کے لیے بھئی۔

وَيَتَأَيَّدُ ذَلِكَ بِحَدِيثِ الْمُسْتَيْقِظِ مِنْ مَنَامِهِ، اور اس کی تائید ہوتی ہے اس حدیث سے، کون سی حدیث؟ **الْمُسْتَيْقِظِ مِنْ مَنَامِهِ**، وہ جو نیند سے بیدار ہونے والے کی حدیث ہے۔ وہ حدیث میں کیا آیا تھا؟ **إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا**، جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو پانی میں ہاتھ داخل نہ کرے یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھولے، تو دیکھو وہاں بھی تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا۔ تو فقہاء نے جو تین دفعہ کا اندازہ لگایا اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: **وَيَتَأَيَّدُ ذَلِكَ بِحَدِيثِ الْمُسْتَيْقِظِ مِنْ مَنَامِهِ**، اور اس کی تائید ہوتی ہے وہ جو نیند سے بیدار ہونے والے کی حدیث ہے اس سے۔

ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْعَصْرِ فِي كُلِّ مَرَّةٍ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، پھر ضروری ہے، عصر کہتے ہیں نچوڑنا، پھر ضروری ہے نچوڑنا، کپڑے کو نچوڑنا **فِي كُلِّ مَرَّةٍ**، ہر مرتبہ میں **فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ**، کس کے مطابق؟ ظاہر روایت کے مطابق کپڑے کو ہر مرتبہ نچوڑنا بھی ضروری ہے، **لِأَنَّهُ هُوَ الْمُسْتَخْرِجُ**، اس لیے کیونکہ نچوڑنا ہی نکالنے والا ہے کس چیز کو؟ نجاست کو۔ نچوڑیں گے تو نجاست کپڑے سے نکلے گی بھئی، صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا تین مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ دھونے کے بعد اس کپڑے کو نچوڑ لے بھئی۔ اور تیسری مرتبہ میں فقہاء فرماتے ہیں خوب اچھی طرح نچوڑے تاکہ بالکل پانی وغیرہ ختم ہو جائے بھئی، ختم ہو جائے۔ تو معلوم ہوا ایسی نجاست میں کپڑے کو تین دفعہ دھویا جائے گا، اور ہر مرتبہ دھونے کے بعد کپڑے کو نچوڑنا بھی ضروری ہے، اور تیسری مرتبہ میں قوت کے ساتھ نچوڑے بھئی، قوت کے ساتھ۔

پھر ایک اور مسئلہ بھی بھئی یاد رکھیے، آگے نئی الگ فصل شروع ہو رہی ہے استنجا کے بیان میں، لیکن اسی گذشتہ فصل سے متعلقہ ایک دو مسائل یاد رکھیے گا۔ انہوں نے طریقے بتلائے آپ کو نجاست کے پاک کرنے کے۔ اب کپڑے پر نجاست لگ جائے تو کیا بتلایا انہوں نے کہ اگر اس کا ظاہری جسم ہے تو اس کو دھو یہاں تک کہ وہ نجاست ختم ہو جائے کپڑے پر سے۔ اگر وہ دکھائی دینے والی نہیں ہے تو اس کو کتنی دفعہ دھونا ضروری؟ تین مرتبہ دھونا ضروری اور ہر مرتبہ نچوڑا بھی جائے گا۔ اب اگر کوئی ایسا کپڑا ہے جس کو نچوڑنا ہی ممکن نہیں ہے، مثلاً کوئی موٹی چیز ہے جیسے قالین ہے، یا کوئی بچھونا ہے، اس پر نجاست لگ گئی ہے، تو اس میں یاد رکھیے اس کا طریقہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کو دھولے ایک مرتبہ اور پھر رکھ دے، اور پھر جب اس سے قطرے ٹپکنا بند ہو جائیں پانی کے، پھر اس کو دھولے پھر اسی طرح رکھ دے، پھر جب قطرے ٹپکنا بند ہو جائیں تو پھر تیسری مرتبہ دھولے، اب پاک ہو گئی وہ چیز بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

پھر یہاں ایک اور چیز بھی یاد رکھیے بھئی، جس کی عموماً حاجت پیش آتی رہتی ہے۔ یاد رکھیے اگر کوئی بچھونا وغیرہ ہے اس کے اگر ایک کنارے پر نجاست لگی ہے تو دوسرے کنارے پر یعنی جو کنارہ پاک ہے اس پر نماز جائز ہے۔ قالین کے ایک کنارے پر اگر نجاست لگ گئی، اس کا یہ معنی نہیں کہ اب آپ دوسرے پاک حصے پر بھی نماز نہیں پڑھ سکتے، بلکہ پاک حصے پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

ایک اور مسئلہ بھی یاد رکھیے۔ بھئی بعض اوقات گھی وغیرہ ہے، اس کے اندر نجاست گر گئی، گھی ہے، یا شیرہ ہے، یا شہد ہے وغیرہ، تو اب اس کو کیسے پاک کیا جائے گا؟ فقہاء نے اس کا بھی طریقہ لکھا ہے کہ مثلاً گھی کے اندر نجاست گر گئی ہے، اب آپ اس کو پاک کرنا چاہتے ہیں، دوبارہ قابلِ استعمال بنانا چاہتے ہیں، تو اس کا طریقہ انہوں نے لکھا ہے۔ مثلاً بھئی تھوڑا بہت ہے اس میں تو آپ کو ضرورت نہیں پیش آئے گی، یا جسے اللہ نے مال دیا ہے اس کو تو ضرورت پیش نہیں آئے گی، ایک شخص غریب ہے وہ بیچارہ کیا کرے بھئی؟ اس کے لیے تو دوبارہ اتنا گھی لانا ہی بڑا مشکل ہے، تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ لکھا ہے فقہاء نے۔ یا مثلاً آپ کاروبار کر رہے ہیں، اب بہت سارا کئی من گھی پڑا ہے، اس کے اندر ایک چوہا گر کر مر گیا، اب کیا کریں بھئی؟ اب لاکھوں کا نقصان ہو رہا ہے ایک طرف آپ کا۔ نہیں بھئی، آسانی ہے شریعت کے اندر، طریقہ بتلایا ہے، آپ اگر اس کو اب بھی پاک کرنا چاہتے ہیں، کہ جتنا گھی ہے اسی کے بقدر اس میں پانی ڈال دیں، اس کو ملا دیں اس کے ساتھ، اور پھر اس کو آگ پر گرم کریں یہاں تک کہ وہ پانی خشک ہو جائے، ایک دفعہ دیکھیے پانی سے دھل گیا وہ گھی، دوبارہ اس میں اتنا ہی پانی ڈالیں اور پھر اس کو آگ پر پکائیں یہاں تک کہ وہ پھر خشک ہو جائے پانی، اور پھر اسی طرح تیسری مرتبہ کر لیں، جب تین دفعہ اس طرح کر لیں گے تو وہ گھی کیا ہو گیا؟ پاک ہو گیا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

اب دیکھیے آگے بھئی کتاب پر: **فَصْلٌ فِي الِاسْتِنْجَاءِ**، یہ فصل ہے استنجا کے بیان میں بھئی۔ **اَلِاسْتِنْجَاءُ سُنَّةٌ**، استنجا کرنا سنت ہے، **لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ**، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پابندی فرمائی ہے، مواظبت فرمائی ہے۔ **وَيَجُوزُ فِيهِ الْحَجَرُ وَمَا قَامَ مَقَامَهُ يَمْسَحُهُ حَتَّى يُنْقِيَهُ**، اور جائز ہے اس کے اندر پتھر **وَمَا قَامَ مَقَامَهُ**، اور وہ چیز جو پتھر کے قائم مقام ہے، یعنی مٹی کا ڈھیلا وغیرہ۔ جو پتھر ہے یا جو چیز پتھر کے قائم مقام ہے اس کے ساتھ بھی استنجا جائز ہے۔ **يَمْسَحُهُ**، اس استنجا کے مقام کو پونچھے اس پتھر وغیرہ سے **حَتَّى يُنْقِيَهُ**، یہاں تک کہ اس کو صاف کر دے، نجاست کو اس پر سے ختم کر دے۔ **لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْإِنْقَاءُ**، اس لیے کیونکہ مقصود کیا ہے؟ اِنقاء، پاک کرنا ہے، صاف کرنا ہے، **فَيُعْتَبَرُ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ**، تو اعتبار کیا جائے گا اسی چیز کا جو مقصود ہے۔ یاد رکھیے امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں بھئی کہ استنجا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم کتنی دفعہ کرے؟ تین دفعہ، تین پتھر استعمال کرنا ضروری ہے۔ صاحبِ کتاب نے آپ کو بتایا کہ ہمارے نزدیک تین پتھر استعمال کرنا ضروری نہیں بلکہ اصل مقصود کیا ہے؟ پاک کرنا، صاف کرنا، لہٰذا اس مقصود کا اعتبار کیا جائے گا جتنی مرتبہ سے بھی وہ مقصود حاصل ہو جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: **يَمْسَحُهُ حَتَّى يُنْقِيَهُ**، اس کو پونچھے، صاف کرے یہاں تک کہ وہ کیا ہو جائے؟ صاف ہو جائے، لہٰذا عدد نہیں۔ **لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْإِنْقَاءُ**، اس لیے کیونکہ مقصود کیا ہے؟ وہ صاف کرنا ہے، **فَيُعْتَبَرُ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ**، تو اعتبار اسی چیز کا کیا جائے گا جو مقصود ہے۔

وَلَيْسَ فِيهِ عَدَدٌ مَسْنُونٌ، اور اس کے اندر کوئی مسنون عدد نہیں۔ میں نے آپ کو بتایا امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں، کتنے پتھر ضروری؟ تین پتھر ضروری، لیکن یہ صاحبِ کتاب آپ کو بتلا رہے ہیں: **وَلَيْسَ فِيهِ عَدَدٌ مَسْنُونٌ**، اور اس کے اندر کوئی عددِ مسنون نہیں، **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الثَّلَاثِ**، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین ہونا ضروری ہیں یعنی تین پتھر، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، وہ دلیل ذکر کرتے ہیں بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: **وَلْيَسْتَنْجِ مِنْكُمْ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ**، اور چاہیے کہ استنجا کرے تم میں سے کوئی ایک **بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ**، کتنے پتھروں سے؟ تین پتھروں سے۔ کہتے ہیں دیکھیے یہ حدیث کے اندر آگیا، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، امر آرہا ہے: **وَلْيَسْتَنْجِ**، چاہیے کہ کیا کرے؟ استنجا کرے **مِنْكُمْ**، تم میں سے کوئی ایک **بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ**، کتنے پتھروں سے؟ تین سے، تو معلوم ہوا تین کا ہونا ضروری ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں: **وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، اور ہماری دلیل وہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: **مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ**، جو استنجا کرے **فَلْيُوتِرْ**، تو کتنی دفعہ کرے؟ طاق، بھئی ایک ہے جفت ایک طاق۔ مثلاً تین کیا ہے، جفت ہے یا طاق ہے؟ طاق ہے، اور پانچ بھی طاق ہے، سات بھی طاق، جبکہ چار، چھ، آٹھ یہ کیا ہیں؟ جفت۔ تو حدیث میں کیا آیا: **مَنِ اسْتَجْمَرَ**، جو پتھر سے استنجا کرے **فَلْيُوتِرْ**، تو اس کو طاق مرتبہ کرے یعنی تین ہو گئے یا پانچ وغیرہ، **فَمَنْ فَعَلَ فَحَسَنٌ**، جس نے ایسا کیا **فَحَسَنٌ**، تو یہ اچھی بات ہے، **وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ**، اور جس نے ایسا نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔ دیکھو اس حدیث میں آگیا جس نے ایسا نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں، جس نے کیا اچھا کیا، جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔ معلوم ہوا تین پتھر ہونا ضروری نہیں ورنہ حضور علیہ السلام فرماتے کہ تین سے کم درست نہیں۔

نیز: **وَمَا رَوَاهُ مَتْرُوكُ الظَّاهِرِ**، اور وہ حدیث جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا **مَتْرُوكُ الظَّاهِرِ**، وہ متروک الظاہر ہے، اس حدیث کا ظاہر متروک ہے۔ ظاہر حدیث کا کیا ہے؟ حدیث سے کیا پتہ چل رہا ہے ظاہری طور پر اس حدیث سے؟ کہ تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے، اس حدیث کے ظاہر سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے، حالانکہ اس حدیث کا یہ ظاہری معنی بھی متروک ہے، فقہاء کے نزدیک یہ معنی مراد نہیں۔ چنانچہ بالاجماع اگر کسی شخص نے ایسے پتھر سے استنجا کیا جس کے تین کنارے تھے اور ایک کنارے سے استنجا کیا پھر دوسرے سے کیا اور پھر تیسرے سے، تو بالاجماع یہ جائز ہے، یہ کیا ہے؟ جائز ہے۔ حتیٰ کہ اے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ آپ کے نزدیک بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ معلوم ہوا اس حدیث کا ظاہر آپ کے نزدیک بھی متروک ہے، ورنہ تو حدیث کا ظاہر تو کیا بتلا رہا تھا؟ تین الگ الگ پتھر ہوں، ضرور ہونے چاہیے تھے، لیکن آپ کے نزدیک بھی کسی ایک ایسے پتھر سے استنجا کر لیا جائے جس کے تین کنارے ہوں، تینوں سے الگ الگ مرتبہ تو استنجا ہو جائے گا، ایسا کرنا جائز ہے، معلوم ہوا اس کا ظاہری معنی آپ کے نزدیک بھی متروک ہے بھئی۔

یہ معنی ہے: **وَمَا رَوَاهُ مَتْرُوكُ الظَّاهِرِ**، اور وہ حدیث جو اس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا اس کا ظاہر متروک ہے، **فَإِنَّهُ لَوِ اسْتَنْجَى بِحَجَرٍ لَهُ ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ جَازَ بِالْإِجْمَاعِ**، اگر استنجا کیا استنجا کرنے والے نے **بِحَجَرٍ**، حجر نکرہ آیا بھئی اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے اس کے لیے؟ صفت۔ کیونکہ وہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ، اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں۔ اسی طرح اگر نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آجائے وہ بھی کیا جملہ ہے اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ، تو وہ بھی اس نکرہ کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ تو یہاں بھی **بِحَجَرٍ** یہ نکرہ آیا، **لَهُ ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ**، **لَهُ** خبرِ مقدم، **ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ** مبتدائے مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ اور جملہ اسمیہ ہو کر یہ حجر کے لیے صفت بنے گی۔ تو ترجمہ کیسے کریں گے پتھر سے پہلے یا حجر سے پہلے کیا لفظ لے آئیں گے؟ ایسا۔ **فَإِنَّهُ لَوِ اسْتَنْجَى بِحَجَرٍ لَهُ ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ**، پس اگر استنجا کیا استنجا کرنے والے نے **بِحَجَرٍ**، ایسے پتھر سے **لَهُ ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ**، جس کے تین کنارے تھے **جَازَ بِالْإِجْمَاعِ**، تو یہ بالاجماع جائز ہے بھئی۔

وَغَسْلُهُ بِالْمَاءِ أَفْضَلُ، اور پانی کے ساتھ اس کو دھونا افضل ہے بھئی۔ یہ تو پتھر کے ساتھ استنجا کا ذکر تھا، پانی کے ساتھ دھونا افضل۔ اچھا بھئی یاد رکھیے یہ پیچھے لفظ آیا ایک لفظ آیا استنجاء اور ایک لفظ آیا استجمر، استجمار۔ استنجاء، استنجا کرنا مطلقاً چاہے پتھر سے ہو چاہے پانی سے ہو۔ پتھر سے ہو اس کو بھی کیا کہہ دیں گے؟ استنجاء۔

پتھر سے استنجا یا مٹی کے ڈھیلے سے کرے اس کو بھی کیا کہیں گے ؟ استنجاء۔ لیکن استجمار، یہ بھی اس کا معنی بھی...

استنجاء کرنا ہے لیکن یہ بالخصوص پتھر وغیرہ یا ڈھیلے سے کرنا۔ پانی سے کرے اس کو استجمار نہیں کہیں گے۔ اس کو استنجاء کہیں گے۔ صورت سمجھ فرق سمجھ میں آیا بھائی؟ تو کہتے ہیں: «وَغَسْلُهُ بِالْمَاءِ أَفْضَلُ» اور اس کو پانی سے دھونا افضل ہے، «لِقَوْلِهِ تَعَالَى» بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے دلیل ذکر کر رہے ہیں: ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا﴾ اس میں یعنی اس بستی کے اندر «رِجَالٌ» ایسے لوگ ہیں، نکرہ کے بعد فعل آرہا ہے، ایسے لوگ ہیں «يُحِبُّونَ» جو پسند کرتے ہیں «أَنْ يَتَطَهَّرُوا» کہ وہ پاک ہوں بھائی، پاک رہیں۔ وہ کیا کرتے ہیں پاک ہونے کو؟ تو اس بستی میں ایسے لوگ ہیں جو پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ یہ آیت نازل ہوئی اہل قباء کے بارے میں۔ قباء وہ مقام جہاں پر ہجرت کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، مدینہ منورہ کے قریب ہی چند میل کے فاصلے پر یہ بستی تھی اور یہیں پر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی پہلی مسجد تعمیر فرمائی بھائی، پہلی مسجد۔ ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی۔ لیکن چونکہ یہ اسلام کی پہلی مسجد تھی اس کو اللہ نے یہ فضیلت بخشی کہ جو اس مسجد کے اندر دو رکعت نفل پڑھ لیتا ہے اللہ اس کو عمرے کا ثواب نصیب فرماتے ہیں، صرف دو رکعت نفل بھائی۔ تو اب تو بڑی بہترین اس مسجد کو بہترین بنا دیا گیا ہے اور حج اور عمرے وغیرہ پر جانے والے وہاں زیارت کے لیے جاتے ہیں اور تو وہاں جب بھی موقع ملے جتنے انسان زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھ لے تو اتنا ہی عظیم ثواب حاصل کر لے گا بھائی۔ عمرہ؟ عمرے پہ تو اچھا خاصا وقت لگتا ہے، احرام باندھنا پڑے گا، آپ کو حرم سے باہر نکل کر پھر وہاں سے نیت کر کے آنا ہو گا احرام کی اور پھر آئیں گے بیت اللہ کا طواف کریں گے اور اگر ہجوم ہو تو اسی ایک طواف پہ بعض اوقات کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں، ہجوم نہ ہو تو پھر ذرا جلدی بھی ہو جاتا ہے، اور پھر صفا مروہ کے درمیان سات چکر لگانے پڑیں گے یعنی سعی کرنا پڑے گی تو وہ بھی اچھا خاصا فاصلہ ہے بھائی، اور پھر اس کے بعد پھر بال کٹوائیں گے، اب جا کر ایک عمرہ مکمل ہوا بھائی اور کتنے ہی گھنٹے آپ کے لگ گئے بھائی، اور یہاں مسجد قباء کے اندر دو رکعت نفل، ہر دو رکعت پر آپ کو ایک عمرے کا ثواب اللہ نصیب فرماتے ہیں بھائی۔

تو یہ لوگ جہاں یہاں پہلی مسجد حضور علیہ السلام نے تعمیر فرمائی اور پھر حضور علیہ السلام تشریف لے آئے مکہ مدینہ منورہ بھائی۔ تو پھر آیت نازل ہوئی اہل قباء کے بارے میں کسی موقع پر اور اس میں ذکر آیا اللہ فرماتے ہیں: ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا﴾ اس بستی میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں پاک ہونے کو یعنی پاکی کو پسند کرتے ہیں۔ بعد میں اہل قباء میں والے آئے حضور علیہ السلام کے پاس تو حضور علیہ السلام نے ان سے پوچھا بھائی کہ کیا بات ہے تم لوگ کیا عمل کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر باقاعدہ تمہاری مدح کے اندر آیت میں تمہارا ذکر اللہ نے فرمایا ہے بھائی، آیت کے اندر؟ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ اور تو کوئی ایسی خاص بات نہیں ہاں ہم مٹی کے ڈھیلے یا پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجاء کر لیتے ہیں، پانی سے بھی۔ تو دیکھو معلوم ہوا صرف اس بات پر ہی اللہ نے ان کی قرآن میں مدح فرمائی۔

تو کہ اب دلیل ذکر کر رہے ہیں: «وَغَسْلُهُ بِالْمَاءِ أَفْضَلُ» اور پانی کے ساتھ دھونا افضل ہے، بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا﴾ اس بستی میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں پاکی کو، «نَزَلَتْ فِي أَقْوَامٍ» یہ آیت نازل ہوئی ایسے لوگوں کے بارے میں «كَانُوا يُتْبِعُونَ الْحِجَارَةَ الْمَاءَ»، اتبع یتبع کے معنی پیچھے لانا، بعد میں لانا، جو بعد میں لاتے تھے «الْحِجَارَةَ» پتھروں کے، یعنی استنجاء میں پتھر استعمال کرنے کے بعد اس کے پیچھے اور کیا لاتے تھے «الْمَاءَ» پانی کو۔ یعنی پتھر استعمال کرنے کے بعد کس کو استعمال کرتے تھے یہ لوگ؟ پانی کو استعمال کرتے تھے، ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اللہ نے تعریف فرمائی ہے، معلوم ہوا پانی کے ساتھ استنجاء کرنا افضل ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ هُوَ أَدَبٌ

«ثُمَّ هُوَ أَدَبٌ» اب بھائی استنجاء مٹ کرنا مسنون ہے۔ مٹی کے ڈھیلے یا پتھر کے ساتھ کرنا تو مسنون ہے، یہ پانی کے ساتھ استنجاء کرنا یہ کیا ہے بھائی؟ یہ بھی مسنون ہے؟ تو فرما رہے ہیں صاحب ہدایہ: «ثُمَّ هُوَ أَدَبٌ» پھر یہ پانی کے ساتھ استنجاء کرنا ادب ہے، پتھر کے ساتھ تو کرنا تو مسنون اور یہ پانی کے ساتھ کرنا ادب ہے یعنی مستحب ہے بھائی، مستحب ہے۔ «وَقِيلَ: سُنَّةٌ فِي زَمَانِنَا» اور کہا گیا ہے ہمارے زمانے میں یہ سنت ہے، بعض فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ ہمارے زمانے میں یہ سنت ہے بھائی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ پانی کے بارے میں کہ پانی سے استنجاء کر لیا کرو۔ اور وہ ذکر فرماتے ہیں وجہ اس کی بھائی کہ پچھلے لوگ جو تھے ان کا پاخانہ سخت ہوتا تھا، مینگنی کی طرح سخت پاخانہ، خوراکیں ان کی، بیچاروں کے پاس کوئی خوراک وغیرہ تھی نہیں، پھر بعد میں اللہ نے وسعت دے دی، خوراکیں، قسم قسم کے خوراکیں آگئیں، اب جو پاخانہ ہوتا ہے وہ پتلا ہوتا ہے، لہٰذا وہ پانی ہی سے اچھی طرح صاف ہو گا، لہٰذا آج کے زمانے میں کیا فرماتے ہیں، سنت کیا ہے؟ پانی کا استعمال، جی۔ تو کہتے ہیں: «ثُمَّ هُوَ أَدَبٌ» کہا گیا پھر وہ ادب ہے یعنی مستحب ہے، «وَقِيلَ: سُنَّةٌ فِي زَمَانِنَا» اور کہا گیا ہے سنت ہے ہمارے زمانے میں۔

«وَيَسْتَعْمِلُ الْمَاءَ إِلَى أَنْ يَقَعَ فِي غَالِبِ ظَنِّهِ أَنَّهُ قَدْ طَهُرَ» اب پانی کے ساتھ استنجاء کرے کتنی مرتبہ دھونا ضروری؟ کہتے ہیں وہ پانی استعمال کرے «إِلَى أَنْ يَقَعَ فِي غَالِبِ ظَنِّهِ» یہاں تک کہ اس کے یہ بات واقع ہو جائے اس کے غالب گمان میں «أَنَّهُ قَدْ طَهُرَ» کہ وہ کیا ہو چکا ہے؟ پاک ہو چکا ہے۔ یعنی اس میں بھی کوئی عدد مقرر نہیں ہے بلکہ پاک ہونے کو دیکھا جائے گا۔ «وَلَا يُقَدَّرُ بِالْمَرَّاتِ» اور اس کو مقرر نہیں کیا جائے گا مرات کے ساتھ، مرتبہ کے ساتھ

کہ اتنی مرتبہ کے ساتھ، اتنی مرتبہ کرنا ضروری ہے۔ «**إِلَّا إِذَا كَانَ مُوَسْوِسًا**» یا یوں کہیں، قدر کا معنی اندازہ لگانا، «**وَلَا يُقَدَّرُ بِالْمَرَّاتِ**» اس کا اندازہ نہیں لگایا جائے گا کس کے ساتھ؟ مرات یعنی مرتبہ کے ساتھ کہ کتنی مرتبہ کرنا ضروری، «**إِلَّا إِذَا كَانَ مُوَسْوِسًا**» مگر یہ کہ وہ استنجاء کرنے والا موسوس ہو یعنی وسوسہ کرنے والا ہو، وہم کرنے والا ہو بھائی۔ وہم کی بڑی خطرناک بیماری ہے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے بھائی۔ وہم جس کو وہم ہو جاتا ہے آپ نے شاید بعضوں کو دیکھا ہو گا وہ بار بار ایک کام کو کرتے ہیں پھر وہم ہوتا ہے، شاید یہ مثلاً وضو کر رہے ہیں پھر وضو کر لیتے ہیں کہ شاید وضو صحیح نہیں ہوا، پھر دوبارہ وضو کر لیتے ہیں شاید وضو نہیں ہوا بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو یہ بیماری ہے اور یہ کوئی ہنسنے والی بات نہیں ہے بھائی، دعا کرتا رہے انسان کہ اللہ اس سے حفاظت فرمائے۔ یہ جس کو لگ جاتی ہے اور جان چھوٹنے کی صورت نہیں سمجھ میں آتی، لہٰذا اسی لیے فقہاء بھی فرماتے ہیں وہم نہیں کرنا چاہیے، جب ایک دفعہ آپ نے ایک عمل کر لیا اس میں وہم کرنے کی ضرورت نہیں، اس آپ نے وضو کر لیا ہے اب وہم کرنے کی ضرورت نہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں: «**إِلَّا إِذَا كَانَ مُوَسْوِسًا**» مگر یہ کہ وہ شخص وہ استنجاء کرنے والا وسواس کرنے والا ہو یعنی وہم کرنے والا ہو، «**فَيُقَدَّرُ بِالثَّلَاثِ فِي حَقِّهِ**» تو اندازہ لگایا جائے گا تین کے ساتھ اس کے حق میں، یعنی اس کے لیے کم از کم کتنی مرتبہ وہ دھولے؟ تین مرتبہ۔ «**وَقِيلَ: بِالسَّبْعِ**» اور کہا گیا ہے سات مرتبہ، کتنی مرتبہ؟ سات مرتبہ، تو بہر حال جس سے اس کی تسلی ہو بھائی۔

«**وَلَوْ جَاوَزَتِ النَّجَاسَةُ مَخْرَجَهَا لَمْ يَجُزْ إِلَّا الْمَاءُ**» اور اگر تجاوز کر جائے نجاست اپنے مخرج سے تو پھر جائز نہیں ہے مگر پانی ہی۔ بھائی دیکھیے! ابھی آپ نے مسئلہ پڑھا کہ مسنون کیا ہے، استنجاء کس سے کیا جائے؟ مٹی کے ڈھیلے سے استنجاء کیا جائے یا پتھر سے استنجاء کیا جائے اور پانی استعمال کرنا افضل ہے بھائی، پانی استعمال کرنا افضل ہے۔ یہ تو اس وقت ہے مٹی کے ساتھ یا پتھر کے ساتھ استنجاء کرنا جب وہ نجاست یعنی وہ پاخانہ اپنے مخرج ہی پر لگا ہو، ارد گرد نہ پھیل جائے۔ اگر وہ نجاست اپنے مخرج سے ارد گرد پھیل گئی، ارد گرد والی جلد پر لگ گئی تو پھر اب پتھر سے یا مٹی کے ڈھیلے سے استنجاء کافی نہیں ہو گا بلکہ پھر کس کے ساتھ دھونا ضروری؟ پانی کے ساتھ دھونا ضروری ہے، مسئلہ سمجھ میں آیا؟ یہی ذکر کر رہے ہیں: «**وَلَوْ جَاوَزَتِ النَّجَاسَةُ مَخْرَجَهَا**» اور اگر تجاوز کر جائے، بڑھ جائے نجاست «**مَخْرَجَهَا**» اپنے مخرج سے یعنی نکلنے کی جگہ سے «**لَمْ يَجُزْ**» تو پھر جائز نہیں ہے «**إِلَّا الْمَاءُ**» مگر پانی، پھر پانی ہی ضروری ہے۔

■ مسئلہ: وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ: إِلَّا الْمَائِعُ

«**وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ: إِلَّا الْمَائِعُ**» اور قدوری کے بعض نسخوں کے اندر «**إِلَّا الْمَائِعُ**» کا لفظ آیا ہے، اس متن میں تو کیا آیا؟ پھر جائز نہیں سوائے پانی کے، اور بعضوں میں کیا آیا؟ پھر جائز نہیں سوائے مائع بہنے والی چیز کے علاوہ اور کوئی چیز جائز نہیں۔ تو بعض نسخوں میں ماء کا لفظ بعض میں مائع کا لفظ آیا ہے۔ «**وَهَذَا يُحَقِّقُ اخْتِلَافَ الرِّوَايَتَيْنِ فِي تَطْهِيرِ الْعُضْوِ بِغَيْرِ الْمَاءِ عَلَى مَا بَيَّنَّا**» اور یہ ثابت کرتا ہے دو روایتوں کے اختلاف کو عضو کے پاک کرنے میں پانی کے علاوہ کے ساتھ، بنا بوجہ اس کے جو ہم نے بیان کر دیا۔ بھائی دیکھیے! یہ باب جہاں شروع ہوا تھا، جی، یہ صفحہ ۶۸ نکالیے بھائی، صفحہ ۶۸ میں آخری سطر میں کیا آیا تھا؟ بھائی جہاں «**بَابُ الْأَنْجَاسِ وَتَطْهِيرِهَا**» یہ باب شروع ہوا تھا، اس کی آخری اسی صفحے پر آیا تھا: «**وَيَجُوزُ تَطْهِيرُهَا بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ إِزَالَتُهَا بِهِ**» اور جائز ہے نجاست کو پاک کرنا پانی کے ساتھ بھی اور ہر پاک بہنے والی چیز کے ساتھ بھی۔ اسی متن کے آگے دو سطریں چھوڑ کر شرح میں آیا تھا: «**وَجَوَابُ الْكِتَابِ لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ الثَّوْبِ وَالْبَدَنِ**» کہ کتاب کا جو جواب ہے یعنی کتاب میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ کپڑے اور بدن میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ کتاب میں کیا آیا تھا؟ نجاست کو پاک کرنا جائز ہے «**بِالْمَاءِ**» پانی کے ساتھ «**وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ**» اور ہر پاک بہنے والی چیز کے ساتھ۔ تو دیکھیے متن کے اندر آیا ہر بہنے والی چیز کے ساتھ نجاست پاک ہو جائے گی، اس میں بدن اور کپڑے کا کوئی فرق نہیں کیا گیا، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کپڑے پر لگے تب بھی پانی کے ساتھ کے بجائے اگر کوئی بہنے والی چیز سے صاف کرے تو صاف ہو جائے گی، بدن پر لگ جائے تو پانی کے بجائے اگر کوئی پاک بہنے والی چیز سے صاف کرے تو کیا ہو جائے گی؟ صاف ہو جائے گی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور یہی آگے کہا تھا: «**وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ**» اور یہی ایک قول ہے امام صاحب کا، یہی قول ہے امام صاحب کا اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے فرق کیا ہے: «**فَلَمْ يُجَوِّزْ فِي الْبَدَنِ بِغَيْرِ الْمَاءِ**» پس انہوں نے جائز قرار نہیں دیا بدن کے اندر بغیر الماء پانی کے علاوہ، وہ فرماتے ہیں بدن میں صرف پانی ہی ہونا ضروری ہے، کپڑے وغیرہ پر نجاست لگی ہے تو وہ پاک بہنے والی کسی بھی چیز سے صاف ہو جائے گی لیکن بدن پر لگی ہے تو کیا ضروری ہے؟ پانی کا ہونا ضروری ہے۔ تو یہی بات صاحب ہدایہ بھی ذکر کر رہے ہیں کہ یہاں پر بھی متن کے اندر بھائی، اب واپس اپنے سبق پر آیئے، یہاں پر بھی بعض نسخوں میں کیا آیا ہے؟ الماء کا لفظ اور بعض نسخوں میں کیا آیا ہے؟ بہنے والی چیز کا ذکر آیا ہے، «**وَهَذَا يُحَقِّقُ اخْتِلَافَ الرِّوَايَتَيْنِ فِي تَطْهِيرِ الْعُضْوِ بِغَيْرِ الْمَاءِ**» اور یہ اختلاف دو نسخوں کا یہ جو دو نسخوں کا اختلاف ہے یہ ثابت کرتا ہے، کیا ثابت کرتا ہے؟ «**اخْتِلَافَ الرِّوَايَتَيْنِ**» دو روایتوں کے اختلاف کو «**فِي تَطْهِيرِ الْعُضْوِ**» کس بارے میں؟ کسی عضو کے پاک کرنے کے بارے میں «**بِغَيْرِ الْمَاءِ**» پانی کے علاوہ کے ساتھ «**عَلَى مَا بَيَّنَّا**» بوجہ اس کے جو ہم نے ذکر کر دیا، ہم نے پیچھے بھی ذکر کیا تھا کہ کتاب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ چاہے بدن پر نجاست ہو چاہے کپڑے پر ہو کسی بھی پاک بہنے والی چیز سے دھویا جائے وہ کیا ہو جائے گی؟ پاک ہو جائے گی، اور بعضوں نے کیا کیا ہے؟ فرق کیا ہے۔ تو کہتے ہیں یہاں بھی

جو نسخے میں اختلاف آیا بتلاتا ہے معلوم ہوا اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، بعض روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے صرف پانی سے ہی، بدن پر نجاست لگی ہے بھائی یہ استنجے کا مسئلہ چل رہا ہے نجاست کہاں پر لگی ہے؟ بدن پر لگی ہے، اور بعض نسخوں میں کیا آیا؟ پانی ہی ضروری ہے، معلوم ہوا پانی کے بجائے کسی اور چیز سے دھوئے گا تو وہ صفائی اور پاکی حاصل نہیں ہوگی، اور بعض نسخوں میں کیا آیا؟ بہنے والی چیز، معلوم ہوا پانی کے علاوہ اور بھی کوئی پاک بہنے والی چیز ہو اس کے ساتھ بھی اگر دھولے گا تو بدن کیا ہو جائے گا؟ پاک ہو جائے گا، معلوم ہوا کتنی روایتیں ہیں اس سلسلے میں؟ دو روایتیں ہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں: «**وَهَذَا يُحَقِّقُ اخْتِلَافَ الرِّوَايَتَيْنِ فِي تَطْهِيرِ الْعُضْوِ بِغَيْرِ الْمَاءِ عَلَى مَا بَيَّنَّا**» اور یہ جو ہے یہ دو نسخوں کا اختلاف یہ ثابت کرتا ہے پانی کے بغیر بھی عضو کے پاک ہونے کے بارے میں پانی کے بغیر پانی کے علاوہ کے ساتھ عضو کے پاک ہونے کے بارے میں جو دو روایتوں کا اختلاف، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ ترجمہ آخر سے کر رہا ہوں، «**وَهَذَا يُحَقِّقُ**» یہ دو نسخوں کا اختلاف یہ ثابت کرتا ہے کیا ثابت کرتا ہے؟ «**اخْتِلَافَ الرِّوَايَتَيْنِ فِي تَطْهِيرِ الْعُضْوِ بِغَيْرِالْمَاءِ**» پانی کے علاوہ کے ساتھ عضو کو پاک کرنے کے بارے میں روایتوں کے اختلاف، اس بارے میں روایتوں میں اختلاف موجود ہے، «**عَلَى مَا بَيَّنَّا**» بوجہ اس کے جو ہم نے بیان کر دیا شروع باب میں۔

«**وَهَذَا لِأَنَّ الْمَسْحَ غَيْرُمُزِيلٍ**» بھائی یہ کس وجہ سے متن میں کیا آیا؟ پانی کے علاوہ اور کوئی چیز اب جائز نہیں۔ اب پتھر کے ساتھ اس جگہ کو صاف بھی کر لیں جو نجاست ادھر ادھر لگ گئی پھر بھی پاکی حاصل نہیں ہوگی، کیوں نہیں حاصل ہوگی؟ صرف کس سے پاکی اب حاصل ہوگی؟ پانی سے، پتھر سے پاکی حاصل نہیں۔ کہتے ہیں اس لیے: «**وَهَذَا لِأَنَّ الْمَسْحَ غَيْرُمُزِيلٍ**» اسی کیونکہ پونچھنا جو ہے یعنی پتھر وغیرہ سے وہ پونچھنا «**غَيْرُ مُزِيلٍ**» وہ پونچھنا نجاست کو زائل کرنے والا نہیں۔ بھائی آپ پتھر کے ساتھ یا مٹی کے ڈھیلے کے ساتھ استنجاء کرتے ہیں تو کیا نجاست کے سارے اجزاء جلد پر سے ختم ہو جاتے ہیں؟ نہیں، سارے اجزاء تو ختم نہیں، سارے اجزاء ختم نہیں، تو معلوم ہوا پونچھنا جو ہے، مسح کرنا یعنی پتھر یا ڈھیلے سے یہ نجاست کو پورے طور پر ختم کرنے والا نہیں ہے، مگر استنجاء کے معاملے میں شریعت نے آسانی فرمادی کہ جب تک وہ نجاست کیا ہے؟ اپنے مخرج پر لگی ہوئی ہے، مٹی کے ڈھیلے یا پتھر سے بھی استنجاء کر لو گے تو تمہیں کیا حاصل ہوگئی؟ پاکی حاصل، یہ شریعت نے یہ معلوم ہوا نرمی کی ہے حکم کے اندر ورنہ حقیقتاً تو نجاست پورے طور پر صاف نہیں، تو یہ اب جو حکم آیا کہ مٹی کے ڈھیلے سے یا پتھر سے استنجاء کر لو گے تو بھی پاک ہو جاؤ گے، یہ خلاف العقل ہے یا مطابق عقل ہے؟ جی؟ بھائی یہ خلاف العقل ہے، خلاف القیاس ہے۔ قیاس تو کیا کہہ رہا ہے؟ قیاس، آپ عقل خود دیکھ رہے ہیں بھائی آپ کو نجاست پوری طرح صاف ہوئی ہے؟ نہیں، تو یہ ایک ایسا حکم آیا جو خلاف القیاس آیا بھائی، کیا آیا؟ خلاف، قیاس تو یہ تقاضا کر رہا ہے پتھر کے ساتھ استنجاء کرو تو پاکی حاصل نہیں ہونی چاہیے کیونکہ کچھ نہ کچھ نجاست کے اجزاء ابھی بھی وہاں پر باقی ہیں، موجود ہیں، لیکن خلاف القیاس ایک حکم آگیا کہ یہ مسنون ہے، اس طرح کر لو گے پاکی حاصل ہو جائے گی، تو یہ حکم ہوا خلاف القیاس۔ اور آپ ضابطہ پڑھ چکے ہیں اصول فقہ کے اندر، جو حکم خلاف القیاس ہوتا ہے وہ اپنے مورد پر بند رہتا ہے یعنی جس محل کے بارے میں جس چیز کے بارے میں آیا ہے اسی پر رہے گا، اور چیزوں کے اوپر اس کو قیاس نہیں کر، تو لہٰذا جب تک نجاست اپنے مخرج کے اوپر تھی تو اس وقت تک مٹی یا پتھر کے ڈھیلے سے استنجاء کر لیں گے تو پاک ہونے کا حکم لگایا جائے گا لیکن اگر یہ نجاست پھیل گئی، ارد گرد والی جلد پر لگ گئی تو اب وہ بھی پتھر کے ڈھیلے سے صاف کرنے سے وہ جگہ بھی صاف ہو جائے گی؟ نہیں بھائی، یہ حکم وہاں پر ہم نہیں لگا سکتے کیونکہ یہ حکم تو خود کیا تھا؟ خلاف القیاس، تو اب ساتھ والی جلد کو اس مخرج پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے، کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْمَسْحَ غَيْرُمُزِيلٍ**» اسی کیونکہ پونچھنا جو ہے وہ تو نجاست کو پورے طور پر زائل کرنے والا نہیں ہے، «**إِلَّا أَنَّهُ اكْتُفِيَ بِهِ فِي مَوْضِعِ الِاسْتِنْجَاءِ**» مگر یہ کہ اسی پر اکتفاء کر لیا گیا استنجاء کے مقام میں، «**فَلَا يَتَعَدَّاهُ**» لہٰذا یہ اس سے متعدی نہیں ہوگا یعنی دوسرے محل کی طرف یہ حکم متعدی نہیں ہوگا۔

«**ثُمَّ يُعْتَبَرُ بِالْمِقْدَارِ الْمَانِعِ وَرَاءَ مَوْضِعِ الِاسْتِنْجَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ؛ لِسُقُوطِ اعْتِبَارِ ذَلِكَ الْمَوْضِعِ**»

پھر بھائی آپ نے پڑھا تھا کہ ایک درہم کی مقدار نجاست غلیظہ اگر بدن پر لگی ہو تو یہ مقدار نماز سے مانع نہیں، اس کے ساتھ بھی اگر نماز پڑھیں گے تو نماز ہو جائے گی۔ تو یہ ضروری نہیں کہ انسان اسی طرح نجاست لگے ہونے کی حالت میں نماز پڑھے، ہاں اگر پانی نہیں ملتا اور ایک درہم یا ایک درہم سے کم مقدار نجاست کی بدن پر لگی ہوئی ہے تو نماز پڑھیں گے نماز ہو جائے گی بھائی، ورنہ اولاً تو کیا کرنا چاہیے؟ پانی سے دھولے، صاف کر لے بھائی۔ ہاں اور اگر اس ایک درہم سے زائد مقدار بدن پر لگی ہے نجاست تو یہ مانع مقدار ہے، یہ نماز سے مانع ہے، اب اس کے ساتھ آپ نماز ادا کریں گے تو نماز ادا نہیں ہوگی۔ اب اب نجاست اگر استنجاء کے مقام سے پھیل گئی ادھر ادھر لگ گئی، تو اب جو ادھر ادھر نجاست لگ گئی کیا صرف اس کے اندر مقدار درہم کا اعتبار کیا جائے گا یا مخرج یعنی محل نجاست کو بھی ساتھ ملایا جائے گا؟ تو اس میں اختلاف ہے۔ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جو جو مخرج ہے یعنی استنجاء کا مقام ہے اس کا اعتبار نہیں کرنا، اس کے علاوہ جو پھیلی ہے نجاست اس کو دیکھو، اگر وہ درہم کی مقدار یا اس سے کم ہے تو یہ مقدار مانع نہیں اور اگر یہ درہم کی مقدار سے زائد ہے تو پھر یہ مقدار مانع بنے گی اور اس میں نماز جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا محل استنجاء کے علاوہ کتنا کتنی مقدار مانع بنے گی؟ ایک درہم سے زائد مقدار، تو استنجاء کے مقام کا اعتبار نہیں کرنا کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ استنجے کا جو مقام ہے اس کا اعتبار ساقط ہے، اس کا اعتبار شریعت نے ساقط کر دیا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ بھائی کیا معنی اس کا اعتبار ساقط ہے؟ بھائی دیکھیے، ایک آدمی ہے وہ مٹی کے ڈھیلے سے یا پتھر سے استنجاء کر لیتا ہے، اب اس نے نجاست کو تو صاف کر دیا لیکن آپ مجھے بتائیے کیا نجاست پورے طور پر صاف ہوگئی یا کچھ اجزاء پھر بھی باقی ہوں گے؟ کچھ اجزاء یقیناً ابھی محل استنجاء پر باقی ہوں گے کیونکہ پوری صفائی پانی سے تو حاصل ہو سکتی ہے پتھر سے پوری صفائی حاصل نہیں، تو کچھ نجاست ابھی بھی لگی ہوئی ہے لیکن یہ اس کا اعتبار شریعت نہیں کرتی، شریعت اس کا اعتبار یہ ساقط ہے۔ چنانچہ یہ

آدمی جس نے پتھر سے استنجاء کیا ہے اس کے بدن کے کسی حصے پر مثلاً بازو پر خون لگ گیا، آپ کیا حکم دیں گے؟ کیا حکم دیں گے؟ اگر ایک درہم یا اس سے ایک درہم یا اس سے کم ہے تو نماز جائز ہے، ایک درہم سے زائد ہے تو اس کے ساتھ نماز جائز نہیں، دیکھو محل استنجاء کا اعتبار آپ نے نہیں کیا حالانکہ وہاں پر بھی کچھ نجاست کے اجزاء ہیں لیکن اس کا اعتبار ساقط ہے، اس کا اعتبار کیا ہے؟ تو جیسے باقی بدن کے اندر ایک درہم سے زائد مقدار کا الگ اعتبار کرنا پڑے گا تب وہ مانع بنے گا، محل نجاست کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر اس محل نجاست یعنی محل استنجاء کے پاس بھی اگر نجاست پھیل گئی تو اس موضع استنجاء کے علاوہ دیکھا جائے گا، ایک درہم سے زائد ہے تو مانع ہے، ایک درہم سے زائد نہیں تو مانع نہیں۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، محل نجاست یعنی یوں کہیں موضع استنجاء یعنی محل استنجاء کو ملا کر دیکھو، اس سمیت جو ارد گرد نجاست پھیل گئی ہے یہ درہم کی مقدار سے زائد ہو گئی تو یہ مقدار مانع بن جائے گی۔ تو امام محمد رحمہ اللہ موضع استنجاء کو بھی ساتھ ملا کر درہم سے زائد ہونے درہم یا درہم سے زائد ہونے کا اعتبار کرتے ہیں جبکہ شیخین رحمہما اللہ اس کے علاوہ جو ہے ایک درہم سے زائد ہونے کا اعتبار کرتے ہیں پھر وہ مانع ہو گا بھائی، مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا بھائی؟ یہ معنی ہے، کہتے ہیں: «ثُمَّ يُعْتَبَرُ بِالْمِقْدَارِ الْمَانِعِ وَرَاءَ مَوْضِعِ الِاسْتِنْجَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ» پھر معتبر وہ مقدار جو مانع ہے اس کا اعتبار کیا گیا «وَرَاءَ مَوْضِعِ الِاسْتِنْجَاءِ» استنجاء کے مقام کے علاوہ، «عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ» شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک استنجاء کے مقام کے علاوہ مقدار مانع کا اعتبار کیا جائے گا «لِسُقُوطِ اعْتِبَارِ ذَلِكَ الْمَوْضِعِ» اس وجہ سے کہ اس مقام کا اعتبار ساقط ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے جیسے کہیں اور خون لگ جائے تو وہاں صرف اس خون لگنے کی جگہ کو دیکھا جاتا ہے استنجاء کے مقام کو ساتھ شامل نہیں کیا جاتا۔ «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ مَعَ مَوْضِعِ الِاسْتِنْجَاءِ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک استنجاء کے مقام کے ساتھ اس کا اعتبار کیا جائے گا «اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْمَوَاضِعِ» قیاس کرتے ہوئے باقی جگہوں پر۔ امام محمد رحمہ اللہ کس پر قیاس کرتے ہیں؟ باقی جگہوں پر، بدن کے باقی حصوں میں سے کہیں مثلاً بازو پر اگر خون لگ جائے اگر وہ درہم کی مقدار سے زائد ہو جائے تو کیا ہوتا ہے؟ مانع صلاۃ ہوتا ہے، تو لہٰذا استنجاء کے مقام کو ملا کر کس کا اعتبار کیا جائے گا؟ ایک درہم سے زائد ہونے کو دیکھیں گے کہ اگر زائد ہے تو مانع صلاۃ ہے اور کم ہے تو مانع صلاۃ، تو جیسے باقی بدن میں نجاست کے درہم سے زائد ہونے کا جیسے اعتبار تھا اسی طرح وہاں پر بھی استنجاء کے مقام میں بھی استنجاء کے مقام کو ملاتے ہوئے اعتبار کیا جائے گا، دلیل سمجھ میں آ گئی؟ جی، یہ معنی ہے «اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْمَوَاضِعِ» قیاس کرتے ہوئے باقی جگہوں پر۔

■ مسئلہ: وَلَا يَسْتَنْجِي بِعَظْمٍ وَلَا بِرَوْثٍ

«وَلَا يَسْتَنْجِي بِعَظْمٍ وَلَا بِرَوْثٍ» اور استنجاء نہ کرے «بِعَظْمٍ» ہڈی کے ساتھ «وَلَا بِرَوْثٍ» اور نہ گوبر لید وغیرہ کے ساتھ۔ ہڈی اور گوبر، بھائی کسی بھی چیز سے استنجاء کر سکتا ہے انسان، پتھر ہو، مٹی کا ڈھیلا ہو یا اور کوئی ایسی چیز جس سے صفائی وغیرہ ہو جائے لیکن یاد رکھیے کوئی نقصان دہ چیز نہ ہو لہٰذا شیشے سے استنجاء کرنا صحیح نہیں، اسی طرح کوئی وہ چیز قیمت والی نہ ہو، قیمتی چیز کے ساتھ استنجاء کرنا یہ بھی اسراف ہے، یہ بھی درست نہیں ہے، اور سمجھ میں آیا؟ اسی طرح ہڈی کے ساتھ بھی استنجاء کرنا صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں منع کیا گیا، گوبر لید وغیرہ کے ساتھ بھی استنجاء درست نہیں کیونکہ یہ خود نجاست ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ اور اسی طرح مثلاً دائیں ہاتھ سے استنجاء نہیں کرنا چاہیے، یہ سب چیزیں کیا ہیں؟ ان سے منع کیا گیا ہے بھائی۔ ہاں اگر کر لے، استنجاء ہو جائے گا لیکن یہ کیا کیا اس نے؟ برا کیا بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو کہتے ہیں: «وَلَا يَسْتَنْجِي بِعَظْمٍ وَلَا بِرَوْثٍ» اور استنجاء نہ کرے ہڈی کے ساتھ اور نہ گوبر لید وغیرہ کے ساتھ، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنْ ذَلِكَ» اس لیے کیونکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، «وَلَوْ فَعَلَ يُجْزِيهِ» اور اگر کر لے کوئی ایسا تو یہ کافی ہو جائے گا اس کے لیے «لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ» کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا، اور مقصود کیا تھا؟ اس مقام کا صاف کرنا۔

«وَمَعْنَى النَّهْيِ فِي الرَّوْثِ النَّجَاسَةُ، وَفِي الْعَظْمِ كَوْنُهُ زَادَ الْجِنِّ» اور یہ نہی کا معنی، معنی کا لفظ میں نے آپ کو بتلایا تھا فقہ کی کتابوں میں آئے تو اس کا عموماً ترجمہ کیا کریں گے؟ علت اور سبب، تو «وَمَعْنَى النَّهْيِ» اور نہی کا سبب کیا ہے؟ «فِي الرَّوْثِ» کس کے اندر؟ گوبر میں، اور نہی جو منع کرنے کی سبب ہے گوبر لید وغیرہ میں «النَّجَاسَةُ» وہ نجاست ہے کیونکہ یہ دونوں یہ چیزیں کیا ہیں؟ نجس، «وَفِي الْعَظْمِ» اور ہڈی میں منع کرنے کا سبب کیا ہے؟ کہتے ہیں «كَوْنُهُ زَادَ الْجِنِّ» کہ وہ جنوں کی خوراک ہے بھائی، کیا ہے وہ ہڈی؟ جنوں کی خوراک ہے۔ بھائی یاد رکھیے حدیث میں اس سے منع کیا گیا تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ گوبر میں کیوں منع، گوبر سے استنجاء کرنے سے حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا کیونکہ وہ نجاست ہے اور ہڈی سے؟ کیونکہ وہ جنوں کی خوراک ہے، جنوں کی، یہ حدیث میں آتا ہے بھائی حدیث میں آتا ہے۔ اور حتیٰ کہ بعض احادیث میں دونوں کے بارے میں آتا ہے، گوبر اور ہڈی دونوں کے بارے میں آتا ہے کہ یہ جنوں کی خوراک ہیں دونوں کے بارے میں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو پھر جنوں کی خوراک کیسے ہے؟ علماء لکھتے ہیں بھائی، بعض فقہاء علماء لکھتے ہیں کہ آپ نے مثلاً گوشت کھایا اور ہڈی پھینک دی، اس ہڈی پر پھر اللہ جنات کے لیے غذا پیدا فرما دیتے ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ اسی طرح گوبر پر بھی ان کے لیے کوئی غذا اللہ پیدا فرما دیتے ہیں۔ اور بعضوں نے لکھا کہ جنات کی خوراک انسانوں کی طرح نہیں ہے، جنات کی خوراک؟ انسان تو لقمے بناتا ہے کھاتا ہے چباتا ہے غذا کو دانتوں کے ساتھ لیکن جنات وہ لطیف مخلوق ہے ہوا کی طرح لہٰذا ان کی خوراک بھی اسی طرح کی ہے اور ان کی خوراک صرف سونگھنا ہے، وہ صرف اس ہڈی اور کو سونگھتے ہیں تو اسی سے وہ سیر ہو جاتے ہیں بھائی۔ اچھا بھائی یہ میں نے کیا ذکر کیا

قول؟ کہ ان کی غذا کس طرح ہے؟ سونگھنے سے، لیکن یہ قول درست نہیں بھائی، علماء نے اس کو ترجیح نہیں دی، نہیں بھائی جنات بھی کیا ہیں؟ انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں لقمے بناتے ہیں، ان میں بھی اسی طرح نکاح وغیرہ ہوتے ہیں، ان کی بھی اسی طرح اولاد وغیرہ ہوتی ہے، یہ سب سلسلے ان میں بھی چلتے ہیں۔ تو زیادہ راجح وہی کہ یا اسی پر اللہ کیا فرمادیتے ہوں گے؟ ان کے لیے دوبارہ خوراک پیدا فرمادیتے ہیں۔ اور میں نے بتایا بعض احادیث میں ہڈی کا بھی ذکر اور گوبر کا بھی ذکر آیا کہ یہ دونوں کیا ہیں؟ جنات کی خوراک، تو بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہڈی جو ہے وہ جنات کی خوراک اور جو گوبر ہے وہ جنات کے جو جانور اور مویشی ہیں ان کی خوراک ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، باقی حقیقت حال تو پوری اللہ ہی جانتے ہیں۔

«**وَلَا بِطَعَامٍ**» اور کھانے کے ساتھ بھی استنجاء نہ کرے، کھانے والی چیز کے ساتھ «**لِأَنَّهُ إِضَاعَةٌ وَإِسْرَافٌ**» اس لیے کیونکہ یہ ضائع کرنا ہے یعنی رزق کو ضائع کرنا ہے «**وَإِسْرَافٌ**» اور اسراف کرنا ہے، حد سے تجاوز کرنا ہے فضول خرچی کرنا ہے، «**وَلَا بِيَمِينِهِ**» اور دائیں ہاتھ سے بھی نہ کرے استنجاء «**لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنِ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِينِ**» کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

یاد رکھیے بیت الخلاء میں جب انسان جائے تو ننگے سر نہیں جانا چاہیے بھائی، ہمیشہ سر ڈھانپ کر جائے۔ اسی طرح اللہ کا نام وغیرہ اس طرح کی کوئی چیز انسان کے پاس نہ ہو، ہاں تعویذ وغیرہ ہے اور وہ چھپا ہوا ہے پھر تو ٹھیک ہے لیکن ویسے انگوٹھی وغیرہ ہے اس پر اگر اللہ کا نام لکھا ہے یا اسی طرح کاغذ وغیرہ تو وہ باہر ہی رکھ جائے بھائی، باہر ہی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے انگوٹھی بنوائی تھی بادشاہوں کو خطوط لکھنے کے لیے اور تاکہ اس اس کے ذریعے مہر لگاتے تھے بھائی، کیونکہ صحابہ نے مشورہ دیا تھا آپ بادشاہوں کو خط لکھ رہے ہیں تو بادشاہ ایسے خط کو اہمیت نہیں دیں گے مہر ہونی چاہیے، مہر لگی ہو پتہ چلے کوئی بڑی شخصیت کی طرف سے ایک اہم خط آیا ہے، چنانچہ حضور علیہ السلام نے پھر مہر بنوائی بھائی اور اس مہر پر تھا: «**مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ**»، محمد کا لفظ نیچے، رسول کا درمیان میں اور لفظ اللہ سب سے اوپر بھائی، شکل آپ نے صورت دیکھی ہو گی بھائی آپ نے، اور تو یہ حضور علیہ السلام جب تشریف لے جاتے بیت الخلاء تو استنجاء وغیرہ کے لیے تو اس کو اتار دیتے تھے بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو اس کو اتارا۔ اور پھر جب بیت الخلاء میں داخل ہو تو پہلے بایاں قدم، نجس مقام ہے نا، نجس مقام میں بایاں پاؤں پہلے داخل کرے اور جب نکلنے لگے تو دایاں پاؤں پہلے باہر نکالے بھائی، اور جاتے ہوئے دعا پڑھے بھائی اندر داخل ہونے سے پہلے: «**بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ**» بھائی، یہ دعا یہ اپنا معمول بنائیں، یاد رکھیے یہ نجس جگہوں پر شیاطین ہوتے ہیں، وہ پھر بعض اوقات انسان کو نقصان پہنچاتے ہیں اور جب یہ دعا انسان پڑھ لیتا ہے تو پھر ان شیاطین اور انسان کے درمیان ایک دیوار بنا دی جاتی ہے بھائی، تو یہ دعا پڑھے۔ سمجھ میں آیا؟ دعا تو یہ ہے: «**اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ**» لیکن اس سے پہلے کیا لے؟ اللہ کا نام لینا ہے تو یوں پڑھے: «**بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ**» بھائی۔ اور والد صاحب کا عجیب طریقہ تھا مولانا، عجیب طریقہ، وہ ایسے اعمال ان کا عمل کا طریقہ ایسا ہو تاکہ انسان کی خود بخود تربیت ہوتی چلی جائے، مجھے یاد ہے ہم چھوٹے سے تھے جب بیت الخلاء جانے لگتے والد صاحب تو بیت الخلاء سے کئی قدم دور، صحن میں ہی ابھی بیت الخلاء سات آٹھ دس دور ہے ابھی یہیں پر اونچی آواز سے دعا پڑھ لیتے تھے بھائی، تو اب مقصد کیا ہوتا تھا؟ کہ یہ باقی بھی سن لیں، وہ آہستہ آہستہ اس طرح ان کی تربیت کا انداز ہوتا تھا، تو آپ بھی اس طریقے سے بھائی جب پڑھیں تو آپ کے جو سننے والے ہوں گے وہ سیکھتے چلے جائیں گے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور جب بیت الخلاء سے باہر نکلے تو پھر یہ دعا پڑھے بھائی: «**غُفْرَانَكَ، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي**»، «**الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي**» بھائی، چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

کتاب الصلاۃ

از مواقیتِ صلاۃ تا نمازِ جنازہ و احکامِ شہید

سبق نمبر ۳۹: کتاب الصلاۃ: باب المواقیت (نماز کے اوقات کا بیان)

ہدایہ صفحہ: ۷۶ — بتاریخ: ۲ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

كِتَابُ الصَّلَاةِ بَابُ المَوَاقِيْتِ أَوَّلُ وَقْتِ الفَجْرِ إِذَا طَلَعَ الفَجْرُ الثَّانِي وَهُوَ المُعْتَرِضُ فِي الأُفُقِ، وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ، لِحَدِيثِ إِمَامَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ أَمَّ رَسُولَ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيهَا فِي اليَوْمِ الأَوَّلِ حِينَ طَلَعَ الفَجْرُ وَفِي اليَوْمِ الثَّانِي حِينَ أَسْفَرَ جِدًّا وَكَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ۔ [1]

كِتَابُ الصَّلَاةِ: طہارت سے متعلقہ مسائل ذکر ہو گئے۔ اب صاحبِ ہدایہ نماز کا بیان شروع فرمارہے ہیں، نماز کے۔

صلوٰۃ بھائی یاد رکھیے، عربی زبان میں صلوٰۃ کے معنیٰ دعا کے آتے ہیں بھائی۔ صلوٰۃ کا کیا معنیٰ ہے عربی زبان میں؟ دعا بھائی۔ اور اصطلاحِ شریعت کے اندر صلوٰۃ وہ عبادت کا مخصوص طریقہ جو مخصوص افعال کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، مخصوص افعال اور مخصوص ارکان کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، یعنی وہ قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ جو ہیں، تو وہ مخصوص ارکان کے ساتھ جس عبادت کو ادا کیا جاتا ہے اس کو صلوٰۃ کہا جاتا ہے بھائی۔ تو عربی زبان میں صلوٰۃ کا کیا معنیٰ ہے؟ دعا بھائی، اور اصطلاحِ شریعت میں عبادت کا وہ مخصوص طریقہ ہے بھائی، عبادت کا مخصوص طریقہ۔

تو **كِتَابُ الصَّلَاةِ أَيْ: هَذَا كِتَابُ الصَّلَاةِ**، یہ کتاب نماز کی، یعنی نماز کے بیان میں۔

■ بَابُ المَوَاقِيْتِ: مواقیت جمع ہے میقات کی، میقات

بَابُ المَوَاقِيْتِ: مواقیت جمع ہے میقات کی، میقات۔ میقات اسمِ ظرف کا صیغہ ہے بھائی۔ میقات کا معنیٰ ہے کسی چیز کا مقررہ وقت بھائی، یا اسی طرح اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کی مقررہ جگہ، کسی چیز کی مقررہ۔ تو یہاں میقات سے مقررہ وقت مراد ہے، نمازوں کے مقررہ اوقات کا ذکر ہونے لگا ہے کہ نمازوں کے اوقات کون کون سے ہیں۔ اسی طرح میقات جو ہے کسی چیز کی مقررہ جگہ جو ہے اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ میقات۔ چنانچہ آگے **كِتَابُ الحَجِّ** آئے گی، وہاں میقات کا ذکر آئے گا، وہاں وقت نہیں مراد میقات سے بلکہ وہ جگہ مراد ہے جہاں سے آگے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

■ بَابُ المَوَاقِيْتِ: یہ باب ہے مواقیت کے بیان میں، یعنی نماز

بَابُ المَوَاقِيْتِ: یہ باب ہے مواقیت کے بیان میں، یعنی نمازوں کے مقررہ اوقات کے بیان میں۔ اوقات کے ذکر کو مقدم کیا بھائی صاحبِ ہدایہ نے اس لیے کیونکہ آپ پڑھ چکے اصولِ فقہ کے اندر کہ نمازوں کے وجوب کا سبب ان کا وقت ہے۔ کسی شخص پر ظہر کی نماز تب واجب ہو گی جب وہ ظہر کا وقت پالے گا۔ اگر ظہر کا وقت ہی ابھی نہیں آیا تو اس پر ظہر کی نماز بھی فرض نہیں۔ ظہر کا وقت پالے گا تو ظہر کی نماز فرض ہو جائے گی، عصر کا وقت پائے گا تو عصر کی نماز اس پر فرض ہو جائے گی۔ اسی طرح کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے اگر وہ ظہر کے وقت میں مسلمان ہوا تو پھر اس پر اس نے ظہر کا وقت پالیا تو ایمان کی حالت میں تو اس پر ظہر کی نماز فرض ہے، اور اگر وہ عصر

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۳۷): «البياض»۔ • شاملہ (ص ۳۷) میں «المَوَاقِيْتِ» کے بجائے «المواقيت مدخل كتاب الصلاة باب المواقيت»، شاملہ (ص ۳۷) میں «أَنَّهُ» کے بجائے «فإنه»، شاملہ (ص ۳۷) میں «تَطْلُعُ» کے بجائے «أن» درج ہے۔

کو مسلمان ہوا ہے تو اس نے تو ظہر کا وقت ایمان کی حالت میں نہیں پایا لہٰذا اس پر ظہر کی نماز کی قضا بھی نہیں ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو اوقات چونکہ نمازوں کے وجوب کا سبب ہیں اس لیے ان کے بیان کو مقدم کیا۔

تو کہتے ہیں: **أَوَّلُ وَقْتِ الفَجْرِ إِذَا طَلَعَ الفَجْرُ الثَّانِي۔** فجر کا اول وقت یعنی ابتدائی وقت جو ہے: **إِذَا طَلَعَ الفَجْرُ الثَّانِي** جب فجر ثانی طلوع ہو جائے۔ بھائی یاد رکھیے، فجر دو قسم پر ہے: ایک فجر اول، ایک فجر ثانی۔ یا دوسرے لفظوں میں اول کو فجر کاذب کہتے ہیں اور دوسرے کو فجر صادق، فجر صادق۔ اگر آپ سحری کے بعد مشرق کی طرف آسمان کا جو کنارہ ہے یعنی افق جو ہے اس کا مشاہدہ کریں، تو صبح صادق سے چند منٹ پہلے اس طرف روشنی آپ کو دکھائی دے گی، لیکن وہ روشنی ستون کی صورت میں اوپر کی طرف نکلی ہوئی ہو گی، لمبائی میں طے ہو گی بھائی، افق میں چوڑائی کے اندر نہیں پھیلی ہو گی بلکہ کس طرح ہو گی؟ لمبائی میں ستون جس طرح ہوتا ہے اس طرح سیدھی اوپر کو جا رہی ہو گی معمولی سی، بہت معمولی سی بھائی، وہ دکھائی دے گی، یہ ہے فجر کاذب بھائی، فجر کاذب یا یوں کہیں فجر اول ہے، کیا ہے؟ فجر اول۔ پھر اس کے کچھ دیر بعد پھر چوڑائی کے اندر روشنی پھیلنا شروع ہوتی ہے اور یہ ہے فجر صادق بھائی، فجر صادق۔ اور یہ روشنی جب پھیلتی ہے پھر بڑھتی ہی چلی جاتی ہے روشنی اور یہاں تک کہ پھر سورج نکل آتا ہے بھائی۔ تو صبح کا وقت فجر اول یعنی فجر کاذب سے نہیں شروع ہو گا فجر کی نماز کا وقت بلکہ کب شروع ہو گا؟ فجر صادق سے یعنی دوسری فجر جو ہے جس میں روشنی کس طرح نظر آئے گی؟ چوڑائی میں پھیلی ہوئی نظر آئے گی پورے افق پر۔ پہلی مرتبہ کیسے نظر آئی تھی؟ ستون کی صورت میں لمبائی کے اندر اوپر کی طرف گئی ہوئی تھی۔

تو کہتے ہیں: **أَوَّلُ وَقْتِ الفَجْرِ إِذَا طَلَعَ الفَجْرُ الثَّانِي،** فجر کا اول وقت جو ہے جس وقت فجر ثانی طلوع ہو جائے، **وَهُوَ المُعْتَرِضُ فِي الأُفُقِ،** اور وہ ہے، فجر ثانی وہ ہے: **المُعْتَرِضُ فِي الأُفُقِ** جو چوڑائی میں پھیلی ہوئی ہو، معترض: پھیلی ہوئی، جو پھیلی ہوئی ہو **فِي الأُفُقِ،** افق کہتے ہیں آسمان کا کنارہ، وہ آخری کنارہ جو زمین کے ساتھ ملا ہوا دکھائی دیتا ہے وہ کنارہ بھائی، تو وہ افق پر جب چوڑائی کے اندر ہے وہ ہے فجر ثانی بھائی۔ **وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ،** اور فجر کا آخری وقت وہ ہے جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ جیسے ہی سورج طلوع ہو گا، سورج کا معمولی سا بھی کنارہ نکل آیا، نظر آنے لگا تو فجر کا وقت ختم ہو چکا بھائی۔ اس سے پہلے پہلے تھا فجر کا وقت بھائی۔ تو فجر کی ابتدا کب ہوتی ہے فجر کے وقت کی؟ جب فجر صادق طلوع ہو جائے یعنی چوڑائی کے اندر وہ روشنی پھیلنا نظر آجائے، اور آخری وقت کیا ہے؟ کب تک پڑھ سکتا ہے فجر کی نماز؟ جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے بھائی، اس وقت تک ادا ہی ادا ہے اور اس کے بعد اگر پڑھے گا تو قضا ہے۔

دلیل اس کی کیا ہے کہ یہ اول وقت یہ ہے اور آخری وقت یہ ہے؟ کہتے ہیں: **لِحَدِيثِ إِمَامَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ،** حضرت جبرائیل علیہ السلام کی امامت والی حدیث کی وجہ سے، **أَنَّهُ أَمَّ رَسُولَ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيهَا،** کہ انہوں نے امامت فرمائی حضور علیہ السلام کی بھائی، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو دن تک حضور علیہ السلام کی امامت فرمائی نمازوں میں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ تشریف لاتے اور اس نماز کے وقت کے اندر امامت وہ فرماتے، حضور علیہ السلام ان کے مقتدی ہوتے، ان کے پیچھے نماز پڑھتے۔ ایک تو نمازوں کے اوقات بتلانا مقصود تھے کہ کون سا وقت ہے نماز کا، کون سی نماز کا کون سا وقت ہے، اور نیز نماز کا طریقہ سکھلانا تھا کہ اس اس طرح نماز پڑھی جائے، اس وقت کی اتنی رکعات اس طرح ہوں گی، دوسرے وقت کی اس طرح ہوں گی، تیسرے وقت کی اس طرح بھائی۔

تو کہتے ہیں: **أَنَّهُ أَمَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فِي اليَوْمِ الأَوَّلِ حِينَ طَلَعَ الفَجْرُ،** کہ انہوں نے امامت فرمائی حضور علیہ السلام کی **فِيهَا أَيْ: فِي صَلَاةِ الفَجْرِ** فجر کی نماز میں **فِي اليَوْمِ الأَوَّلِ** پہلے دن **حِينَ طَلَعَ الفَجْرُ** جس وقت فجر طلوع ہو گئی تھی، یعنی فجر صادق پہلے دن اس وقت امامت فرمائی، اس دن نماز پڑھائی، **وَفِي اليَوْمِ الثَّانِي حِينَ أَسْفَرَ جِدًّا،** اسفر کا معنیٰ روشن ہو جانا، اور دوسرے دن اس وقت امامت فرمائی جس وقت خوب روشنی ہو گئی تھی، **وَكَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ،** اور قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جاتا، خوب روشنی ہو گئی تھی، سورج بالکل نکلنے والا تھا، اس وقت دوسرے دن امامت فرمائی۔ **ثُمَّ قَالَ فِي آخِرِ الحَدِيثِ،** پھر فرمایا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آخرِ حدیث میں، یعنی آخرِ حدیث میں آتا ہے انہوں نے پھر فرمایا: **«مَا بَيْنَ هَذَيْنِ الوَقْتَيْنِ وَقْتٌ لَكَ وَلِأُمَّتِكَ»،** ان دو وقتوں کے بیچ وقت ہے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے، یعنی اس وقت کے اندر یہ فجر کی نماز ادا کیجیے۔ کون سے دو وقت؟ ایک پہلے دن فجر صادق کے بعد سے اور دوسرے دن سورج طلوع ہونے کے قریب تھا، تو ان دو وقتوں کے درمیان جو ہے یہ وقت آپ کا اور آپ کی امت کے لیے یعنی اس وقت میں فجر کی نماز ادا کیجیے۔

وَلَا مُعْتَبَرَ بِالفَجْرِ الكَاذِبِ، صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں: اور کوئی اعتبار نہیں ہے فجر کاذب کا، **وَهُوَ البَيَاضُ الَّذِي يَبْدُو طُولًا،** اور یہ وہ سفیدی ہے یعنی فجر کاذب وہ سفیدی ہے **الَّذِي يَبْدُو طُولًا** جو ظاہر ہوتی ہے لمبائی میں، **ثُمَّ يَعْقُبُهُ الظَّلَامُ،** ظلام کہتے ہیں اندھیرے کو، تاریکی کو، پھر اس کے پیچھے تاریکی آتی ہے، پھر اس کے بعد کیا آتی ہے؟ چوڑائی میں روشنی آتی ہے وہ ہے فجر صادق بھائی۔ **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ،** دلیل کیا ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: **«لَا يَغُرَّنَّكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الفَجْرُ المُسْتَطِيلُ»،** تم کو دھوکے میں نہ ڈالے بلال کی اذان اور نہ لمبی فجر، اور نہ لمبی فجر، **«وَإِنَّمَا الفَجْرُ المُسْتَطِيرُ فِي الأُفُقِ»،** اور فجر تو مستطیر ہوتی ہے افق کے اندر، حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ فجر تو مستطیر ہوتی ہے افق کے اندر۔ کیا معنیٰ؟ صاحبِ ہدایہ اب حدیث کا معنیٰ بیان کر رہے ہیں: **أَيْ: المُنْتَشِرُ فِيهَا،** یعنی اس میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ فجر کے مستطیر ہونے کا کیا معنیٰ ہے؟ کہ فجر تو افق میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا یہ ہے فجر اصل میں، جو پہلے فجر تھی لمبائی میں وہ فجر نہیں ہے۔ اسی لیے حضور نے فرمایا کہ تم کو دھوکے میں نہ ڈالے بلال رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی اذان اور وہ لمبی فجر بھائی، لمبی فجر۔

بھائی یاد رکھیے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دیتے تھے تہجد کے لیے یا سحری کھانے کے لیے، اور پھر فجر کی اذان حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ فجر کی اذان دیا کرتے تھے، تو حضور علیہ السلام صحابہ سے کیا فرمارہے ہیں؟ تم کو بلال کی اذان دھوکے میں نہ ڈال دے، یعنی ان کی اذان تو سحری یا تہجد کے لیے ہوتی ہے تو تم یہ دھوکے میں یہ نہ سمجھ جانا کہ فجر طلوع ہو گئی ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ معنیٰ ہے حدیث کا بھائی۔

وَأَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، اور ظہر کا اول وقت وہ ہے جس وقت سورج ڈھل جائے، یعنی سورج ڈھل جائے۔ بھائی دیکھیے، سورج طلوع ہوتا ہے مشرق کی جانب سے، اور پھر جب طلوع ہوتا ہے آہستہ آہستہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے اور دوپہر کے وقت ایک وقت آتا ہے جب سورج عین اپنی انتہائی بلندی کو پہنچ جاتا ہے، پھر اس کے بعد اب سورج پھر واپس ڈھلنا شروع ہوا مغرب کی جانب، تو جو سب سے بلندی پر آیا بھائی یہ ہے نصف النہار، اسے کیا کہتے ہیں؟ نصف النہار کہتے ہیں، تو اس سے آگے جیسے ہی سورج دوسری طرف چلا گیا مغرب کی جانب ڈھل گیا، کچھ اتر گیا، تو یہ اس کو کہیں گے زوال ہو گیا ہے، اور یہ ظہر کا وقت شروع ہو گیا بھائی۔ سورج جیسے ہی ڈھل جائے گا کون سا وقت شروع ہو جائے گا؟ ظہر کا۔

وَأَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، اور اول وقت ظہر کا **إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ** جب سورج ڈھل جائے، **لِإِمَامَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي اليَوْمِ الأَوَّلِ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ،** اس لیے کیونکہ بوجہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے امامت فرمانے کے پہلے دن جس وقت کہ سورج ڈھل گیا تھا۔ پہلے دن کس وقت امامت فرمائی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے؟ جب سورج جیسے ہی ڈھلا تھا یعنی اول وقت کے اندر ہی انہوں نے ظہر کی نماز کی امامت فرمائی۔

وَآخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ سِوَى فَيْءِ الزَّوَالِ، اور ظہر کا آخری وقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک **إِذَا صَارَ** جب ہو جائے **ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ،** ظل کہتے ہیں سائے کو، سایا، **ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ** جب ہو جائے ہر چیز کا سایا **مِثْلَيْهِ** اس کے دو مثل، اصل میں کیا تھا؟ **مِثْلَيْنِهِ،** نون اضافت کی وجہ سے گر گیا تو یہ تثنیہ ہے، جب ہر چیز کا سایا اس کے دو مثل ہو جائے **سِوَى فَيْءِ الزَّوَالِ** علاوہ زوال کے سائے کے۔ بھائی یہاں دو لفظ آئے: **ظِلٌّ** اور **فَيْءٌ،** ظل بھی سائے کو کہتے ہیں، فیء بھی سائے کو کہتے ہیں، لیکن فرق یہ کہ زوال سے پہلے کا جو سایا ہے اسے کہتے ہیں ظل، دوپہر سے پہلے پہلے۔ بھائی سورج جیسے ہی مشرق سے طلوع ہو گا ہر چیز کا سایا آپ کو نظر آنا شروع ہو جائے گا اور پھر یہ سایا سورج جوں جوں اونچا ہوتا جائے گا سایا بھی آہستہ آہستہ چھوٹا ہوتا چلا جائے گا، اور عین سر پر جب سورج آجائے گا اس کے بعد پھر سایا کس طرف کا رخ کرے گا؟ پہلے سایا کس طرف تھا؟ مغرب کی طرف تھا، اب سایا کس طرف آجائے گا؟ مشرق کی طرف آجائے گا۔ تو زوال سے پہلے کا جو سایا ہے اسے کہتے ہیں ظل، اور زوال اور اس کے بعد کا جو سایا ہے اسے کیا کہتے ہیں؟ فیء، فاء کے معنیٰ لوٹنے کے، لوٹنے کے، تو فیء اس لیے اس کو کہتے ہیں کیونکہ یہ سایا مشرق کی طرف لوٹ آیا ہے، مغرب سے کس طرف؟ مشرق کی طرف لوٹ آیا ہے اس لیے اس کو فیء کہتے ہیں۔ لیکن یہ ظل ہی کا لفظ بعض اوقات عام ہر سائے پر بھی بول دیا جاتا ہے، زوال سے پہلے سائے کو ظل کہتے ہیں لیکن بعض اوقات زوال کے بعد والے کو بھی کیا کہہ دیا جاتا ہے؟ ظل کہہ دیا جاتا ہے۔

تو امام صاحب کے نزدیک ظہر کا آخری وقت کب ہے؟ **إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ** جب ہر چیز کا سایا اس کے دو مثل ہو جائے **سِوَى فَيْءِ الزَّوَالِ** علاوہ فیءِ زوال کے۔ فیءِ زوال جو عین جب سورج سر پر ہو اس وقت جو کسی چیز کا وہ جو چھوٹا سا سایا ہے اس کو کہتے ہیں فیءِ زوال، کیا کہتے ہیں؟ بھائی دیکھیے، اس کا طریقہ بھی آگے آپ فلکیات کی کتابوں میں پڑھیں گے کہ یہ کیسے معلوم کریں گے کہ عین اس وقت سورج سر پر آگیا ہے اور اب پھر اس وقت زوال ہو گیا ہے وغیرہ بھائی، تو اس کا وہ طریقہ ذکر کرتے ہیں کہ زمین پر بالکل ہموار زمین ہو اونچی نیچی نہ ہو اور اس پر ایک دائرہ کھینچ لیں، اور اس دائرے کے بالکل مرکز میں ایک سیدھی لکڑی گاڑ دیں جو بالکل سیدھی ہو کسی ایک طرف بھی معمولی سی جھکی ہوئی بھی نہ ہو۔ اب آپ جب سورج طلوع ہو گا صبح کے وقت، آپ دیکھیں گے کہ سایا مغرب کی طرف ہے، پھر سورج جوں جوں اونچا ہوتا چلا جائے گا سایا چھوٹا ہوتا چلا جائے گا اور مغرب سے آہستہ آہستہ مشرق کی طرف کا رخ کر رہا ہے لیکن ہے ابھی مغرب ہی کی طرف بھائی۔ پھر عین جب سورج سر پر آجاتا ہے تو سایا بہت چھوٹا ہو گیا اور بالکل وہ لکڑی کے قریب ہی آگیا۔ پھر جیسے سورج ڈھلنا شروع ہوتا ہے اب سایا مشرق کی طرف کا رخ کر لیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ لمبا ہونا شروع ہو جاتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس میں طریقہ ہے، تفصیل مختصر یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ جب وہ دائرہ آپ نے لگا لیا، بیچ میں لکڑی گاڑ کر سیدھی کھڑی کر دی، اب سایا سورج مشرق سے طلوع ہوا، آپ سائے پر نظر رکھیے گا، سایا چھوٹا ہوتے ہوتے ایک وقت آئے گا کہ بالکل دائرے کے اندر داخل ہونے لگا ہے اس کا سرا، سائے کا سرا، جہاں وہ داخل ہو اس جگہ پر دائرے پر نشان لگا لیں۔ پھر وہ سایا چھوٹا ہوتے ہوتے پھر لمبا ہونا شروع ہو گا مشرق کی طرف اور عین ایک نقطے پر وہ دائرے سے اب نکلنے لگا ہے، جس جگہ سے نکلنے لگے وہاں پر بھی نشان لگا لیں۔ تو اب یہ دیکھیے دائرے پر دو نشان لگ گئے، ان دو نشانوں میں دیکھیے دونوں طرف ایک ایک قوس آ گئی، ٹیڑھا خط آگیا یعنی دائرے والا، ہاں اس قوس کو تنصیف کر دیں، آدھا کر دیں، جو حساب کے طریقوں میں وہ پرکار وغیرہ کی مدد سے اس کو پھر تقسیم کیا جاتا ہے، تو جب عین جب اس کو تنصیف کر دیں گے اس عین نصف پر آپ ایک سیدھی لکیر کھینچیں جو شمال سے جنوب کی طرف جا رہی ہو گی بھائی۔ جب عین اس لکیر کے اوپر سایا آجائے یہ ہے جب سورج عین سر پر ہے۔ اگلے دن پھر اب اس کو دیکھنا پڑے گا۔ اگلے یہ لکیر آج آپ نے لگالی، دو نشان لگائے تھے اور پھر ان قوس جو لگی تھیں ان کی آپ نے ان کو نصف نصف کر دیا، ایک سیدھا خط کھینچا شمال سے جنوب کی طرف، اور پھر اس عین اگلے دن اس لکیر کے اوپر جب سایا آئے گا تو یہ ہو گا یہ وقت ہے نصف النہار کا یعنی سورج

عین سر پر ہے، اور یہ سب سے سائے کی چھوٹے سے چھوٹا سایا ہو گا اس وقت بھائی اس چیز کا، اور اس سے پہلے بھی تھوڑا لمبا تھا سایا، اب چھوٹا ہوا، پھر چند منٹ ہی گزریں گے آپ دیکھیں گے سایا پھر اب مشرق کی طرف ہو کر لمبا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ تو جیسے ہی سایا اس لکیر سے دوسری طرف آجائے گا تو معلوم ہوا سورج ڈھل گیا ہے، سورج کیا ہے؟ ڈھل گیا ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ تفصیل وہاں فلکیات کی کتابوں میں آپ کو مل جائے گی بھائی۔

تو یہ جو عین زوال کے، نصف النہار کے وقت کسی چیز کا جو سایا ہے اس کو کہتے ہیں فیءِ زوال، کیا کہتے ہیں؟ فیءِ زوال کہتے ہیں بھائی کیونکہ اب سورج ڈھلنے لگا ہے۔ تو اس فیءِ زوال کے علاوہ جب کسی چیز کا سایا دو مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا اور عصر کا وقت شروع ہو جائے گا بھائی، یہ کس کے نزدیک؟ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ۔ لہٰذا آپ نے جو لکڑی درمیان میں گاڑی تھی فرض کریں وہ تھی دس فٹ کی، دس فٹ کی، اور عین دوپہر کے وقت بھائی سورج کا سایا اس لکڑی کا سایا بڑا چھوٹا ہو گا، یوں سمجھیں فرض کریں ایک فٹ تھا آپ نے اس وقت ماپا، کتنا تھا؟ سایا ایک فٹ، یہ ہے فیءِ زوال عین نصف النہار کے وقت۔ یہ دس فٹ کی لکڑی، اور لکڑی کا جو حصہ زمین کے اندر گاڑ دیا ہے اس کو نہیں شمار کرنا، لکڑی کا جو حصہ زمین کے اوپر ہے وہ کتنا ہے؟ دس فٹ ہے، اور یہ جو سایا عین زوال کے وقت بنا وہ کتنا ہے؟ وہ ایک فٹ ہے، یہ ہے فیءِ زوال۔ اس فیءِ زوال کے علاوہ اس لکڑی سے دگنا جب سایا ہو جائے گا تو یہ ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا اور کون سا شروع ہو جائے گا؟ عصر کا شروع ہو جائے گا۔ تو لکڑی کتنے فٹ تو لکڑی کتنے فٹ کی؟ دس، تو دو مثل سایا کب ہو گا جب کتنا ہو جائے؟ بیس فٹ، بیس فٹ سایا ہو جائے۔ اور نیز وہ فیءِ زوال کے علاوہ، اس کو بھی ساتھ ملائیں وہ کتنا تھا؟ ایک فٹ، تو کتنا ہو گا اب؟ اکیس فٹ، تو بس جس وقت اس لکڑی کا سایا اکیس فٹ کا ہو جائے گا یہ وقت ہے کہ اس وقت اس لکڑی کا سایا فیءِ زوال کے علاوہ دو مثل ہے، اور یہ آخرِ ظہر کا وقت ختم ہوا اور کون سا شروع ہو گیا؟ عصر کا وقت شروع ہو گیا، کس کے نزدیک؟ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ جبکہ آگے بتلائیں گے آپ کو صاحبین کے نزدیک ایک مثل ہو جائے فیءِ زوال کے علاوہ تو عصر کا وقت شروع ہو گیا، لہٰذا صاحبین کے نزدیک سایا کتنا ہو گا جب عصر کا وقت شروع ہو گا؟ گیارہ فٹ، دس ایک دس فٹ ہوا تو یہ ایک مثل، اور فیءِ زوال کتنا؟ ایک فٹ، تو کتنا ہو گیا؟ گیارہ فٹ۔ تو صاحبین کے نزدیک یہ دس فٹ کی لکڑی کا سایا گیارہ فٹ جیسے ہی ہو گا کون سا وقت شروع ہو گیا؟ عصر کا وقت اور ظہر کا ختم، اور امام صاحب کے نزدیک کب شروع ہو گا عصر کا وقت؟ جب اکیس فٹ ہو جائے اس وقت ظہر کا وقت ختم اور عصر کا شروع ہو گا بھائی۔

یہ معنٰی ہے: **وَآخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ سِوَى فَيْءِ الزَّوَالِ**، اور ظہر کی نماز کا آخری وقت امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب ہو جائے ہر چیز کا سایا اس کے دو مثل علاوہ فیءِ زوال کے۔ **وَقَالَا: إِذَا صَارَ الظِّلُّ مِثْلَهُ**، اور صاحبین فرماتے ہیں: **إِذَا صَارَ الظِّلُّ مِثْلَهُ** جب ہر چیز کا سایا اسی کے مثل یعنی ایک گنا ہو جائے اور علاوہ فیءِ زوال کے وہ پیچھے شرط ذکر کہہ ذکر کر دی تھی اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا۔ **وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور یہی ایک روایت ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی۔ امام صاحب کی بھی ایک روایت کیا ہے کہ جب ایک مثل ہو جائے علاوہ فیءِ زوال کے تو کون سا وقت شروع ہو جائے گا؟ عصر کا۔ **وَفَيْءُ الزَّوَالِ: هُوَ الْفَيْءُ الَّذِي يَكُونُ لِلْأَشْيَاءِ وَقْتَ الزَّوَالِ**، اور فیءِ زوال وہ سایا ہے جو کسی چیزوں کا ہوتا ہے **وَقْتَ الزَّوَالِ** کس وقت؟ زوال کے وقت۔ **لَهُمَا**، صاحبین کی کیا دلیل ہے کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جائے گا؟ وہ ذکر کرنے لگے ہیں: صاحبین کی دلیل یہ ہے: **إِمَامَةُ جِبْرِيلَ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ لِلْعَصْرِ فِي هَذَا الْوَقْتِ**، ان کی دلیل جو ہے وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی امامت کروانا ہے **فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ لِلْعَصْرِ** پہلے دن عصر کی نماز کی، پہلے دن انہوں نے امامت کروائی **فِي هَذَا الْوَقْتِ** اس وقت میں، یعنی جب ہر چیز کا سایا ایک مثل ہو گیا تھا علاوہ فیءِ زوال کے، معلوم ہوا عصر کا وقت شروع ہو گیا۔ یہ تھی صاحبین کی دلیل۔

امام صاحب: **وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ»**، حضور علیہ السلام کا قول ہے، وہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: **«أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ»**، تم لوگ ٹھنڈا کرو ظہر کو، یعنی ٹھنڈے وقت میں پڑھو، **«فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ»**، اس سے کیونکہ جو گرمی کی شدت ہے **«مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ»**، وہ جہنم کے شدت کی وجہ سے ہے، جہنم کے کھولنے کی وجہ سے ہے، جہنم کے جوش مارنے کی وجہ سے ہے بھائی۔ تو گرمی کی شدت کس وجہ سے ہے؟ جہنم کے جوش مارنے کی وجہ سے ہے، تو تم ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو بھائی، ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ یہ حدیث میں آیا ہے۔ **وَأَشَدُّ الْحَرِّ فِي دِيَارِهِمْ فِي هَذَا الْوَقْتِ**، امام صاحب کی دلیل چل رہی ہے، وہ کیا فرماتے ہیں؟ دو مثل کے بعد اور فیءِ زوال کے علاوہ پھر عصر کا وقت شروع ہو گا، تو فرماتے ہیں امام صاحب کہ دیکھو حدیث میں آیا کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، **وَأَشَدُّ الْحَرِّ فِي دِيَارِهِمْ فِي هَذَا الْوَقْتِ**، اور سخت ترین گرمی صحابہ کے وطن میں **فِي هَذَا الْوَقْتِ** اس وقت میں ہوتی ہے، صحابہ کے علاقے میں، ان کے علاقے میں سخت ترین گرمی کس وقت ہوتی ہے؟ یہ جب ایک مثل جب سایا ہوتا ہے اس وقت سخت ترین گرمی ہوتی ہے، اور حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، معلوم ہوا اس کے بعد پڑھنی پڑے گی، معلوم ہوا ابھی بھی ظہر کا وقت باقی ہے، ظہر کا وقت باقی ہے۔ دیکھیے ابھی دلیل پوری نہیں ہوئی، حدیث میں یہ آیا، اور سخت ترین گرمی صحابہ کے دیار میں یعنی عرب کے علاقے میں **فِي هَذَا الْوَقْتِ** اس وقت میں ہوتی ہے، **وَإِذَا تَعَارَضَتِ الْآثَارُ**، اور جب آثار، میں نے بتلایا تھا آثار جمع ہے اثر اور اثر نام ہے کس چیز کا؟ حدیث کا، اور جب احادیث میں تعارض آ گیا، **لَا يَنْقَضِي الْوَقْتُ بِالشَّكِّ**، تو وقت نہیں گزرے گا شک کی وجہ سے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ دیکھیے ٹھیک ہے، امامتِ جبرائیل علیہ السلام کے اندر انہوں نے امامت فرمائی کس وقت پہلے دن عصر کی؟ جب سایا ایک مثل تھا۔ لیکن دوسری طرف ایک حدیث آ رہی ہے کہ **«أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ»**، ظہر کو کیا کرو؟ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ اس حدیث سے پتہ چل رہا ہے کہ اول وقت میں عصر کا وقت شروع ہو گیا، ایک مثل کے بعد ہی کیا ہوا؟ عصر کا وقت شروع، اور اس حدیث سے پتہ چل رہا ہے کہ ایک مثل کے بعد بھی ظہر کا وقت باقی ہے، معلوم ہوا

ابھی عصر کا وقت شروع نہیں، تو احادیث میں تعارض آگیا، جب تعارض آگیا تو اب شک آگیا کہ پتہ نہیں ظہر کا وقت نکل گیا ہے یا نہیں؟ ایک مثل کے بعد کیا آگیا؟ شک آگیا کہ پتہ نہیں ایک حدیث سے چل رہا ہے پتہ کہ نکل گیا، دوسری سے پتہ چل رہا ہے کہ وقت نہیں نکلا، تو ظہر کا وقت نکلنے میں گزر جانے میں شک آگیا، اور ظہر کا وقت پہلے تو یقینی تھا، ایک مثل سے پہلے تو یقینی، اور ایک مثل کے بعد اس کا وقت گزرنے میں شک آگیا، تو شک کی وجہ سے اب یہ یقین ضابطہ آپ نے پڑھا ہے، کیا ضابطہ؟ «**اَلْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ**»، یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا، باطل نہیں ہوتا، تو یہاں بھی ظہر کا وقت یقینی تھا پہلے، تو اب بھی شک کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا، اب بھی کون سا وقت ہوگا؟ ظہر ہی کا ہوگا، دلیل سمجھ میں آئی؟ کہ حدیث میں کیا آیا؟ تعارض آگیا، اور تعارض کی وجہ سے شک آگیا کہ یہ پتہ نہیں اب ظہر کا وقت گزر گیا ہے یا نہیں گزرا؟ پہلے تو کیا تھا ظہر کا وقت مثل سے پہلے تو ظہر کا وقت یقینی اور مثل کے بعد وقت گزرنے میں شک آگیا، تو شک کی وجہ سے اب وقت گزرنے کا نہیں کہا جائے گا بلکہ کیا کہا جائے گا؟ اب بھی وقت ہے کیونکہ وہ کیونکہ ظہر کا وقت ہونا تو پہلے یقینی تھا، اب کیا آرہا ہے شک کہ گزر گیا، تو شک کی وجہ سے گزرنے کا حکم نہیں لگایا جائے گا کیونکہ شک یقین کو باطل نہیں کرتا، پہلے ظہر کا وقت یقینی ہے تو وہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ إِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ، اور عصر کا پہلا وقت **إِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ** جب ظہر کا وقت نکل جائے **عَلَى الْقَوْلَيْنِ** دونوں قولوں پر۔ جب ظہر کا وقت نکل جائے دونوں قولوں کے مطابق تو عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ کیا معنیٰ دونوں قولوں کے مطابق؟ یعنی ہر ایک کے مطابق۔ کس طرح؟ امام صاحب کے نزدیک عصر کا وقت کب شروع ہو جائے گا؟ جب دو مثل کے بعد ظہر جب دو مثل پر ظہر کا وقت پورا ہوتے ہی پھر آگے کیا شروع ہو جائے گا؟ عصر کا وقت شروع ہو جائے گا، اور صاحبین کے نزدیک کب شروع ہو جائے گا عصر کا وقت؟ ایک مثل پر ظہر کا وقت پورا ہوتے ہی ساتھ ہی کیا شروع ہو جائے گا؟ عصر کا وقت شروع ہو جائے گا، صورت سمجھ میں آگئی؟

وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ، اور آخری وقت عصر کی نماز کا جب تک سورج غروب نہ ہو جائے۔ دلیل اس کی کیا؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: «**مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا**»، کہ جس نے ایک رکعت عصر کی نماز کی پالی **قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ** سورج غروب ہونے سے پہلے، یعنی نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھ چکا اس کے بعد سورج غروب ہو گیا، تو ابھی تو عصر کی نماز پوری نہیں کی تھی، بیچ میں ہی سورج کیا ہوا؟ غروب ہوا، پھر بھی حدیث میں آرہا ہے «**فَقَدْ أَدْرَكَهَا**» تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا یعنی یہ اس کی نماز قضا نہیں بلکہ ادا ہی ہے بھائی۔ معلوم ہوا سورج غروب ہونے تک وقت ہے، اس سے پہلے ایک رکعت بھی پالی تو اس نے عصر کی نماز پالی بھائی۔

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، اور مغرب کا ابتدائی وقت، اول وقت جو ہے **إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ** جب سورج غروب ہو جائے، **وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ**، اور آخری وقت مغرب کا جب تک شفق غائب نہ ہو جائے، جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ جب شفق غائب ہو جائے گی تو مغرب کا وقت بھی ختم ہو جائے گا، مغرب کا وقت بھی۔ اور شفق کسے کہتے ہیں؟ آگے ذکر کریں گے۔ امام صاحب کے نزدیک شفق سفیدی کا نام، صاحبین کے نزدیک شفق سرخی کا نام۔ سورج جب غروب ہوتا ہے تو مغربی کنارے پر آپ کو افق سرخ رنگ کا دکھائی دیتا ہے، اور یہ سرخی تقریباً پندرہ منٹ کے لگ بھگ یا اس کے لگ بھگ کچھ کمی بیشی کے ساتھ، یہ پندرہ منٹ سرخی تقریباً رہتی ہے، پھر اس کے بعد سفیدی چھا جاتی ہے اس طرف اور پھر یہ سفیدی تقریباً گھنٹہ سوا گھنٹے تک رہتی ہے بھائی، گھنٹے سوا گھنٹے۔ اس سفیدی کے بعد پھر تاریکی چھا جاتی ہے مغربی افق پر بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ اب وہ شفق کسے کہتے ہیں؟ تو یہ یاد رکھیے صحابہ کے زمانے سے ہی اختلاف چلا آرہا ہے۔ بعض کیا فرماتے ہیں کہ شفق ایک سرخی کا نام ہے، اور بعض کیا فرماتے ہیں؟ شفق ایک سفیدی کا نام ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ آگے اختلاف اب صاحبِ ہدایہ بھی تفصیل ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ** اور آخری وقت مغرب کی نماز کا جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: مِقْدَارُ مَا يُصَلَّى فِيهِ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مغرب کے آخری وقت وہ کتنی مغرب کے وقت کی مقدار کتنی ہے؟ اتنا وقت کہ **يُصَلَّى فِيهِ** کہ پڑھی جائیں اس میں **ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ**، کتنی رکعتیں؟ تین رکعتیں اس کے اندر پڑھ ہی جائیں بھائی، تین رکعتیں۔ اور یہ ایک قول امام شافعی رحمہ اللہ کا جو صاحبِ ہدایہ نے ذکر کیا، اور ایک جدید قول کہتے ہیں ان کا یہ کہ جس میں انسان مغرب کی نماز کا اتنا وقت ہے جس میں انسان وضو کر کے اذان کہہ سکے اور پھر اقامت کہہ اذان دے سکے اور اقامت کہہ سکے اور تین فرض پڑھ لے اور پھر دو سنتیں پڑھ لے، بس اتنا وقت ہے مغرب کا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ایک قول کیا ذکر کیا؟ جس میں کتنی صرف پڑھ لے؟ تین رکعتیں پڑھ لے، تو پھر بعضوں نے تطبیق بھی دی، کہتے ہیں نہیں یہ کوئی دو الگ قول نہیں ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے، ایک ہی قول ہے، لیکن یہ تین کو اس لیے انہوں نے ذکر کیا کیونکہ مغرب کے فرض کتنے ہیں؟ تین رکعت، باقی ان فرضوں کے جو تابع چیزیں ہیں وہ بھی اسی کے اندر داخل ہیں، اور فرضوں کے تابع کیا ہے؟ وضو کرنا پڑے گا یا نہیں بھائی؟ وضو بھی، اذان بھی دینا پڑے گی، اقامت بھی کہنا پڑے گی، جماعت بھی ہوگی، اور پھر اس کے بعد دو سنتیں بھی پڑھی جائیں گی، تو وہ بھی اس کے تابع ہیں اس لیے ان کو ذکر نہیں فرمایا ورنہ یہ وہی قول ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو ان کی دلیل امام شافعی رحمہ اللہ کی کہتے ہیں: **لِأَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَّ فِي يَوْمَيْنِ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ**، کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے امامت فرمائی تھی ان دونوں دن ایک ہی وقت میں۔ بھائی باقی نمازوں کے اندر تو اول وقت اور آخر وقت میں نمازیں، پہلے دن اول وقت نمازیں پڑھائیں اور دوسرے دن آخر وقت میں، لیکن مغرب کے بارے میں دونوں دن ایک ہی وقت، اسی وقت میں، جیسے ہی سورج غروب ہوا تھا اس کے بعد مغرب کی نماز کی امامت فرمائی تھی انہوں نے، تو اس

سے معلوم ہوا اس کا اتنا ہی وقت ہے ورنہ اس میں بھی وہ اول اور آخر کا اس کی صورت ہوتی۔ **وَلَنَا،** اور ہماری دلیل: **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** حضور علیہ السلام کا قول ہے: «**أَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ**»، کہ پہلا وقت مغرب کا جس وقت سورج غروب ہو جاتا ہے، «**وَآخِرُ وَقْتِهَا حِينَ يَغِيبُ الشَّفَقُ**»، اور آخری وقت مغرب کا جب شفق غائب ہو جائے۔ اول وقت کیا؟ جب سورج غروب ہو جائے، اور آخر وقت کیا؟ جب شفق غائب ہو جائے، معلوم ہوا شفق کے غائب ہونے تک وقت ہے مغرب کا۔ ہاں پھر آگے شفق میں ایک اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک شفق سرخی کا نام اور سرخی تو زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ تک رہتی ہے تو وہی ہے، امام صاحب کے نزدیک شفق جو ہے وہ سفیدی کا نام ہے اور سرخی پندرہ بیس منٹ، پھر اس کے بعد سفیدی تو گھنٹہ سوا گھنٹے تک رہتی ہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں یہ سارا مغرب کا وقت ہے۔ ہاں البتہ اول وقت میں امامت اس لیے کروائی تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کراہت سے بچنے کے لیے، کراہت سے، ہاں مستحب یہ ہے، بہتر یہ ہے کہ اسی وقت نماز مغرب کی جلدی ادا کی جائے، اس کے بعد اگر ادا کی وہ بھی ادا ہی ہو گی قضا نہیں ہو گی، البتہ مکروہ ہے بھائی، تاخیر کرنا مکروہ ہے، تو کراہت سے بچنے کے لیے ایک ہی وقت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے امامت فرمائی۔

وَمَا رَوَاهُ كَانَ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْكَرَاهَةِ، اور وہ حدیث جس کو روایت کیا امام شافعی رحمہ اللہ نے: **كَانَ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْكَرَاهَةِ** وہ کس وجہ سے ہے؟ وہ بچنے کے لیے ہے کراہت سے، یعنی ایک ہی وقت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے امامت کیوں فرمائی تھی؟ کراہت سے بچنے کے لیے۔

ثُمَّ الشَّفَقُ: هُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي فِي الْأُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، پھر شفق جو ہے وہ سفیدی ہے جو افق میں یعنی آسمان کے کنارے پر ہوتی ہے **بَعْدَ الْحُمْرَةِ** کس کے بعد؟ سرخی کے بعد، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ اور یاد رکھیے یہی اسی طرح نقل کیا گیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی، حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اسی طرح ہے، تو کہتے ہیں کہ یہ کس چیز کا نام ہے؟ سفیدی کا نام ہے۔ **وَعِنْدَهُمَا: هُوَ الْحُمْرَةُ،** اور صاحبین کے نزدیک شفق وہ سرخی ہے، **وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ،** اور یہی ایک روایت کس سے؟ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی، **وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ،** اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی، وہ بھی فرماتے ہیں شفق کس چیز کا نام ہے؟ سرخی کا نام ہے۔ **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ،** دلیل ذکر کر رہے ہیں شفق سرخی کیسے ہے؟ کہتے ہیں بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: «**الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ**»، شفق جو ہے وہ سرخی ہی ہے۔ **وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ،** اور امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل جو ہے وہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «**وَآخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا اسْوَدَّ الْأُفُقُ**»، اور مغرب کا آخری وقت اس وقت تک ہے جب آسمان سیاہ ہو جائے، اسود الافق: آسمان سیاہ ہو جائے، اور سیاہ کب ہوتا ہے؟ سرخی کے بعد یا سفیدی کے بعد؟ سفیدی کے بعد، معلوم ہوا شفق اس سارے کا نام شفق ہی ہے اور اس کے بعد جب آسمان سیاہ ہو گا اس وقت مغرب کا وقت ختم ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

وَمَا رَوَاهُ مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مَا ذَكَرَهُ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْمُوَطَّإِ، اور وہ حدیث جس کو روایت کیا ہے بھائی یہ امام شافعی رحمہ اللہ نے، یہ بھائی حدیث ذکر کی: «**الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ**»، حدیث میں کیا آیا شفق کس چیز کا نام ہے؟ سرخی کا نام ہے، اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ وہ حدیث جس کو انہوں نے روایت کیا وہ موقوف ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر، یعنی یہ حدیثِ موقوف ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، حضور علیہ السلام کا قول نہیں ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ جو حدیث جس کو انہوں نے روایت کیا یہ موقوف ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر، **ذَكَرَهُ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ،** اور اس کو اس حدیث کو ذکر کیا ہے امام مالک رحمہ اللہ نے **فِي الْمُوَطَّإِ** اپنی حدیث کی کتاب مؤطا کے اندر اس کو ذکر کیا ہے انہوں نے، اور کس کے طور پر ذکر کیا کہ یہ حضور علیہ السلام کا قول ہے یا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے؟ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، **وَفِيهِ اخْتِلَافُ الصَّحَابَةِ،** اور اس کے اندر صحابہ کا اختلاف، یعنی شفق کے اندر صحابہ کا بھی اختلاف ہے، بعض اس سرخی کو قرار دیتے ہیں اور بعض کس کو قرار دیتے ہیں؟ سفیدی کو قرار دیتے ہیں، تو اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو سرخی کو قرار دیا ہے اپنے قول میں، تو باقی صحابہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے کس کو قرار دیا ہے؟ سفیدی کو قرار دیا ہے۔

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ، اور عشاء کا اول وقت **إِذَا غَابَ الشَّفَقُ** جب شفق غائب ہو جائے، یعنی جب مغرب کا وقت نکلے گا فوراً کس کا وقت شروع ہو جائے گا؟ عشاء کا، **وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ،** اور عشاء کی نماز کا آخری وقت جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے، یعنی فجر تک ہے، فجر تک عشاء کا وقت۔ **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: «**وَآخِرُ وَقْتِ الْعِشَاءِ حِينَ لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ**»، اور عشاء کا آخری وقت جو ہے جب تک کہ فجر طلوع نہ ہو جائے اس وقت تک ہے، **وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي تَقْدِيرِهِ بِذَهَابِ ثُلُثِ اللَّيْلِ،** اور یہ حدیث دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف **فِي تَقْدِيرِهِ بِذَهَابِ ثُلُثِ اللَّيْلِ** ان کا جو انہوں نے اندازہ لگایا ہے ثلثِ لیل کے جانے کے ساتھ۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شفق جب ختم ہو تو عشاء کا وقت شروع ہو گیا، اور ثلثِ لیل تک رہے گا، تہائی رات تک، رات کے تیسرے حصے تک۔ یعنی فرض کریں اگر رات ہے نو گھنٹے کی، سورج غروب ہونے سے لے کر فجر صادق تک کتنا ہے وقت؟ نو گھنٹے، تو اس میں سے اول تو شفق میں جب تک ہے یہ ہے مغرب کا وقت، اور اس کے بعد جو وقت ہو گا وہ عشاء کا، اور کب تک رہے گا؟ ثلثِ لیل، رات کتنی تھی کل؟ نو گھنٹے، تو تین گھنٹے پہلے، تین گھنٹے، اس کے اندر اندر پڑھے گا یہ ہے عشاء کی نماز کا وقت بھائی، یہ وقت گزر جائے گا تو عشاء کا وقت

بھی گزر جائے گا، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور یہ تین گھنٹے جو ثلثِ لیل ہے اسی کے اندر وہ مغرب کا وقت بھی آ گیا بھائی، اس کا بھی تھوڑا سا وقت نکال دو تو تین گھنٹے سارا نہ ہوا عشاء کا وقت بلکہ اس سے کم ہو گیا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنٰی ہے: **وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي تَقْدِيرِهِ بِذَهَابِ ثُلُثِ اللَّيْلِ،** اور یہ حدیث دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف جو انہوں نے ثلثِ لیل کے گزرنے کے ساتھ اندازہ لگایا ہے عشاء کے وقت کا۔

وَأَوَّلُ وَقْتِ الوِتْرِ بَعْدَ العِشَاءِ، اب وتروں کا بیان کر رہے ہیں کہ وتروں کا اول وقت جو ہے **بَعْدَ العِشَاءِ** کس کے بعد ہے؟ عشاء کے بعد ہے، **وَآخِرُهُ مَا لَمْ يَطْلُعِ الفَجْرُ،** اور وتروں کا آخری وقت جو ہے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** دلیل ذکر کر رہے ہیں بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے **فِي الوِتْرِ** وتر کے بارے میں، آپ نے فرمایا: «**فَصَلُّوهَا مَا بَيْنَ العِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الفَجْرِ**»، کہ تم لوگ پڑھو وتروں کو، وتر کی نماز کو: **مَا بَيْنَ العِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الفَجْرِ** عشاء سے لے کر طلوعِ فجر کے بیچ میں، عشاء سے لے کر طلوعِ فجر کے بیچ میں۔ معلوم ہوا کب شروع ہو گا وتر کا وقت؟ عشاء کے بعد، عشاء کے بعد اور طلوعِ فجر تک رہے گا۔

قَالَ: هَذَا عِنْدَهُمَا، قال سے مراد ہیں صاحبِ ہدایہ خود بھائی۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **هَذَا عِنْدَهُمَا** یہ صاحبین کے نزدیک ہے، یعنی جو متن میں ذکر ہوا یہ کس کا قول ہے؟ صاحبین کا قول ہے، **وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقْتُهُ وَقْتُ العِشَاءِ،** کہ وتروں کا وہی وقت ہے جو عشاء کا وقت ہے۔ صاحبین تو کیا فرماتے تھے؟ وتروں کا وقت کب شروع ہو گا؟ عشاء کی نماز کے بعد شروع ہو گا، جب آپ عشاء کی نماز پڑھ لیں گے تو اب کس کا وقت شروع ہو گیا؟ وتروں کا، اس سے پہلے وتروں کا وقت تھا ہی نہیں۔ عشاء کی نماز کا وقت تو تھا لیکن وتروں کا نہیں تھا۔ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، جیسے ہی عشاء کا وقت شروع ہوا یہ عشاء کا بھی ہے، یہ وتروں کا بھی ہے، دونوں کا ایک ہی وقت ہے۔ ہاں البتہ وتر کو وہ بھی فرماتے ہیں کہ عشاء پر مقدم نہیں کریں گے بھائی، اگر کر دیے کسی نے مقدم تو پھر دوبارہ لوٹانا پڑیں گے کیونکہ ان میں ترتیب ضروری ہے، پہلے عشاء ہے اس کے بعد کیا ہیں؟ وتر۔ صاحبین کے نزدیک تو اگر پہلے وتر پڑھ لیے پھر تو وتر ہوئے ہی نہیں کیونکہ ابھی ان کا وقت ہی نہیں شروع ہوا، نماز پڑھ لے گا عشاء کی تو پھر کس کا وقت شروع ہو گا؟ وتر، امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، عشاء کا وقت شروع ہوا تو یہی وتروں کا بھی وقت ہے، وتروں کا وقت شروع ہو گیا لیکن پہلے پڑھ نہیں سکتا۔ ہاں اگر کسی نے بھولے سے پڑھ لیے، وہ سمجھا تھا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی اور وتر پڑھ لیے، پھر خیال بعد میں کچھ دیر بعد یاد آیا او ہو عشاء کی تو آج ابھی میں نے نماز نہیں پڑھی تھی، تو اب یہ وتر اس نے نماز پر مقدم کیے بھول کر یا جان بوجھ کر؟ بھول کر، تو اب امام صاحب فرماتے ہیں اعادے کی ضرورت نہیں بھائی، بھول کر ایسا ہوا ہے لہٰذا اب عشاء کی نماز پڑھ لے اور وتر ہو گئے کیونکہ وتر کا وقت شروع ہو چکا تھا عشاء کے وقت کے ساتھ ہی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقْتُهُ وَقْتُ العِشَاءِ** کہ وتر کا وقت جو ہے وہ عشاء کا وقت ہے، **إِلَّا أَنَّهُ لَا يُقَدَّمُ عَلَيْهِ** مگر یہ کہ وتر جو ہیں ان کو مقدم نہیں کیا جائے گا عشاء پر **عِنْدَ التَّذَكُّرِ** یاد ہوتے وقت، جب انسان کو کیا ہو؟ یاد ہو تو پھر جان بوجھ کر وتروں کو مقدم نہیں کر سکتا، **لِلتَّرْتِيبِ** کس وجہ سے؟ ترتیب کی وجہ سے کہ ان میں ترتیب ضروری ہے، پہلے عشاء ہو اور اس کے بعد کیا ہوں؟ وتر۔ ہاں اگر بھولے سے پڑھ لیے ہیں تو پھر امام صاحب کے نزدیک وتر کا اعادہ نہیں، صاحبین پھر بھی فرماتے ہیں وتر کا اعادہ کرے کیونکہ جب تک عشاء پڑھی نہیں وتر کا وقت شروع بھی نہیں ہوا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہاں ایک بات یاد رکھیے گا بھائی: عصر کی نماز کا وقت بھائی امام صاحب کے نزدیک بھائی، فتویٰ امام صاحب ہی کے قول پر ہے اور ظہر میں اور عصر میں۔ صاحبین تو کیا فرماتے تھے؟ ایک مثل کے بعد ہی عصر کا وقت شروع ہو گیا، لیکن فتویٰ کس کے قول پر؟ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر، تو لہٰذا ظہر کا وقت دو مثل کے جب تک سایا نہ ہو جائے اس وقت تک رہے گا، جیسے ہی دو مثل ہو گا ظہر کا وقت ختم اور کون سا شروع؟ عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ لیکن علماء لکھتے ہیں کہ اگر کہیں مجبوری ہو، انسان سفر میں ہے اب وہاں پر مثلِ اول کے اندر گاڑی رک گئی، اس وقت وقت ہے آپ عصر کی نماز اطمینان سے پڑھ سکتے ہیں، اور آپ کو پتہ ہے آگے پھر مشکل پیش آ جائے گی گاڑی پتہ نہیں رکتی ہے یا نہیں رکتی، تو اس صورت میں اس صورت میں انسان مثلِ اول کے میں بھی یعنی صاحبین کے قول کے مطابق کو بھی اختیار کر سکتا ہے اور اس وقت کیا کون سی نماز پڑھ لے؟ عصر کی نماز پڑھ لے، لہٰذا اس مسئلے کو خصوصاً یاد رکھیں، اور بعض لوگ اس میں شدت کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں نہیں، مثلِ ثانی کے بعد ہی عصر پڑھنی ہے پہلے نہیں، نہیں بھائی، جب ضرورت ہے اور صاحبین کا قول بھی موجود ہے تو سفر وغیرہ میں تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ مثلِ اول کے بعد بھی عصر کی نماز پڑھ سکتے ہیں بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

جی مغرب بھائی، مغرب میں نے بتایا، مغرب کا وقت جو ہے وہ مستحب وقت جو پہلا ہے یعنی سرخی جب تک ہے آسمان کے کنارے پر، اور آخرِ وقت یاد رکھیے فتویٰ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے مغرب کے اندر بھی، مغرب کا وقت صرف یہ پندرہ بیس منٹ نہیں ہے بلکہ ڈیڑھ گھنٹے کے لگ بھگ وقت ہے بھائی مغرب کا، تو اس کا یہ معنٰی نہیں کہ آپ نماز کو آپ اطمینان سے مؤخر کریں، نہیں بھائی، اس نماز کو اول وقت ہی میں پڑھیں، بعد میں پڑھیں گے تو مکروہ ہو جائے گی، ہو گی تو ادا ہی قضا نہیں، بس اتنا فرق آ گیا کہ قضا نہیں ہو گی بلکہ کیا ہو گی؟ ادا، لیکن ہو گی مکروہ بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ المَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۴۰: مسئلہ: أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ

ہدایہ صفحہ: ۷۹ — بتاریخ: ۴ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ». وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: يُسْتَحَبُّ التَّعْجِيلُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ. وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ وَمَا نَرْوِيهِ.

نمازوں کے اوقات کا بیان چل رہا ہے۔ سب سے پہلے صاحبِ ہدایہ نے نمازوں کے مطلقاً اوقات بیان فرمائے۔ اب مستحب اوقات بیان فرمارہے ہیں نمازوں کے بھئی، کہ جن میں نمازوں کا ادا کرنا افضل ہے، ثواب زیادہ ہے، تو وہ مستحب اوقات بھئی۔ اس کے بعد آگے پھر وہ جن اوقات میں نمازوں کا ادا کرنا مکروہ ہے اس کو ذکر کریں گے۔ تو گویا پہلے، پہلے انہوں نے مطلق اوقات بیان کیے، اور اب کامل اوقات بیان کریں گے، اور آخر میں پھر ناقص اوقات کو بیان کریں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «**فَصْلٌ: وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ**» اور مستحب ہے روشن کرنا فجر کو، یعنی فجر کی نماز کو روشنی کر کے پڑھنا مستحب ہے۔ اسفار کا معنی، **أَسْفَرَ يُسْفِرُ** کے معنی روشن ہو جانا۔ **إِسْفَارٌ بِالْفَجْرِ** کا معنی ہے فجر کو روشن کرنا، یعنی فجر کی نماز کو روشنی کر کے پڑھنا، یعنی جب کچھ تھوڑی سی روشنی ہو جائے تو پھر اس وقت فجر کا ادا کرنا مستحب ہے۔ یعنی اتنا وقت ہو جس میں مسنون طریقے سے فجر کی نماز ادا ہو جائے، یعنی خوب روشنی ہو جائے، اور ابھی سورج طلوع ہونے میں اتنا وقت باقی ہو کہ انسان مسنون طریقے سے مسنون قراءت کے ساتھ باجماعت جو نماز ادا کی جاتی ہے وہ ادا ہو جائے، اور پھر اگر فرض کریں اعادے کی ضرورت پیش آجائے، پتہ چلے کہ وضو ہی نہیں تھا، بغیر وضو نماز پڑھ لی ہے، تو پھر بھی اتنا وقت ہو کہ اس میں کیا کیا جا سکے؟ آرام سے اعادہ کیا جا سکے، بس اتنا وقت پہلے بھئی سورج نکلنے سے پہلے یعنی روشن کر کے۔

تو کہتے ہیں: «**وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ**» اور مستحب ہے فجر کی نماز کو روشن کر کے پڑھنا۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں: «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «**أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ**» کہ تم فجر کو روشن کر کے پڑھو، فجر کی نماز کو، «**فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ**» کیونکہ یہ کیا ہے؟ اجر کے اعتبار سے زیادہ عظیم ہے، افضل ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يُسْتَحَبُّ...

«**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُسْتَحَبُّ التَّعْجِيلُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ**» تو ہمارے نزدیک فجر کی نماز میں اسفار کرنا مستحب ہے بھئی، اس میں زیادہ اجر ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستحب ہے تعجیل، بھئی جلدی کرنا، «**فِي كُلِّ صَلَاةٍ**» ہر نماز کے اندر۔ ہر نماز میں جلدی کرنا افضل ہے، تو لہٰذا فجر کی نماز بھی جلدی ادا کی جائے، یعنی تاریکی کے اندر ہی، جب فجر طلوع ہو جائے اور ابھی تاریکی ہی ہو تو نماز کو ادا کر لیا جائے، جبکہ ہمارے نزدیک مستحب ہے کہ تاخیر ذرا کی جائے، روشنی ہو جائے۔

«**وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ**» اور دلیل جو ہے، حجت جو ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف، «**مَا**» وہ حدیث ہے «**رَوَيْنَاهُ**» جس کو ہم نے روایت کیا۔ یہ حدیث جو ہم نے روایت کی یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف حجت اور دلیل ہے ہماری۔ اس میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم باقاعدہ امر فرما رہے ہیں، حکم دے رہے ہیں: «**أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ**» بھئی، اور امر کا کم از کم درجہ کیا ہے؟ کہ مستحب ہو بھئی، مستحب ہو۔ تو ایک وہ دلیل ہے جس کو ہم نے روایت کیا، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ہماری دلیل ہے، «**وَمَا نَرْوِيهِ**» اور ایک وہ حدیث جس کو ہم روایت کریں گے، جو آگے آرہی ہے بھئی اسی سطر کے آخر میں بھئی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھئی۔

کہتے ہیں: «وَالْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ» اس کا عطف «وَالْإِبْرَادُ» اسی اسفار پر ہے: «وَيُسْتَحَبُّ الْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ» أَبْرَدَ يُبْرِدُ کے معنی ٹھنڈا کرنا۔ «وَالْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ» اور مستحب ہے ظہر کو ٹھنڈا کرنا «فِي الصَّيْفِ» کس کے اندر؟ گرمیوں کے اندر بھئی۔ گرمیوں کے اندر ذرا گرمی کچھ کم ہو جائے پھر ظہر کی نماز ادا کی جائے۔ «وَتَقْدِيمُهُ فِي الشِّتَاءِ» اور مستحب ہے ظہر کی نماز کو مقدم کرنا «فِي الشِّتَاءِ» کس میں؟ سردیوں کے موسم میں۔ «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، بھئی یاد رکھیے اس سے مراد وہ حدیث ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے ذکر ہوئی تھی مطلق اوقات کے اندر کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ ظہر کا آخری وقت کیا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل ہو جائے، اور دلیل کیا ذکر کی تھی؟ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ» ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، «فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ» کیونکہ گرمی کی شدت جو ہے وہ جہنم کی شدت کی وجہ سے ہوتی ہے اس کے جوش مارنے کی وجہ سے، تو وہ حدیث مراد ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں دلیل اس کی: «لِمَا رَوَيْنَا» وہ حدیث جو ہم نے روایت کی۔ «وَلِرِوَايَةِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ فِي الشِّتَاءِ بَكَّرَ بِالظُّهْرِ، وَإِذَا كَانَ فِي الصَّيْفِ أَبْرَدَ بِهَا» حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم «إِذَا كَانَ فِي الشِّتَاءِ» سردیوں میں ہوتے «بَكَّرَ بِالظُّهْرِ» تو جلدی کرتے ظہر میں یعنی جلدی نماز پڑھاتے، «وَإِذَا كَانَ فِي الصَّيْفِ» اور جب گرمیوں میں ہوتے «أَبْرَدَ بِهَا» تو اس کو ٹھنڈا کرتے، یعنی کچھ گرمی جب کم ہو جاتی تو پھر ظہر کی نماز پڑھاتے گرمیوں میں۔ جی تو یہ حدیث ہے بھئی۔ وہ جو پیچھے آیا تھا نا «وَمَا نَرْوِيهِ» وہ حدیث جو ہم روایت کریں گے، اس سے مراد یہ حدیث ہے۔ تو دیکھیے اس کے اندر پتہ چلا کہ گرمیوں میں ظہر کی نماز کو کیا کیا جائے گا؟ ٹھنڈا کر کے، یعنی تاخیر کے ساتھ کچھ ادا کی جائے گی۔ اسی طرح پچھلی حدیث سے پتہ چلا تھا کہ فجر کو بھی روشن کر کے کچھ پڑھا جائے گا یعنی تاخیر کے ساتھ۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ہوئیں یہ دونوں دلیلیں، کیونکہ وہ کیا فرماتے ہیں کہ سب نمازوں میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

■ مسئلہ: وَتَأْخِيرُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ...

«وَتَأْخِيرُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ فِي الصَّيْفِ وَالشِّتَاءِ» اس کا عطف بھی اسی پر ہے: «وَيُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُ الْعَصْرِ» اور مستحب ہے عصر کی نماز کو مؤخر کرنا «مَا لَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ» جب تک کہ سورج بدل نہ جائے «فِي الصَّيْفِ وَالشِّتَاءِ» گرمیوں میں اور سردیوں میں، یعنی دونوں موسموں میں۔ دونوں میں عصر کو مؤخر کیا جائے گا جب تک سورج بدل نہ جائے، یعنی سورج کے بدلنے سے پہلے پہلے۔ بھئی دیکھیے، صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اس کی روشنی ہلکی ہوتی ہے اور اس کی ٹکیا باقاعدہ دکھائی دیتی ہے، اس پر نظر ٹھہرتی ہے، جمتی ہے۔ پھر جوں جوں سورج بلند ہوتا ہے اس کی چمک بڑھتی جاتی ہے اور پھر اس پر نظر جمانا مشکل ہو جاتا ہے کچھ دیر کے بعد۔ پھر زوال کے بعد سورج ڈھلنا شروع ہوتا ہے، پھر اس کی روشنی کم ہونے لگتی ہے، اور مغرب سے کچھ دیر پہلے بھئی، آپ دیکھتے ہیں کہ سورج کی ٹکیا واضح نظر آنے لگتی ہے اور اس پر نظر ٹھہرنے لگتی ہے۔ تو بس یہ جب سورج کی ٹکیا پر نظر جمنے لگے تو یہ مکروہ وقت شروع ہو گیا۔ اس سے پہلے پہلے کیا ہے؟ ادا کی جائے۔ مؤخر کی جائے عصر کی نماز لیکن اس وقت سے پہلے پہلے ادا کر لی جائے بھئی۔ یہ معنی ہے: «وَتَأْخِيرُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ فِي الصَّيْفِ وَالشِّتَاءِ» اور عصر کو مؤخر کرنا گرمیوں میں اور سردیوں میں جب تک کہ سورج متغیر نہ ہو جائے۔

«لِمَا فِيهِ مِنْ تَكْثِيرِ النَّوَافِلِ» دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی کیوں مؤخر کیا جائے گا عصر کی نماز کو؟ کہتے ہیں بوجہ اس میں جو ہے نوافل کی تکثیر ہے «لِكَرَاهَتِهَا بَعْدَهُ» اس وجہ سے کہ نوافل مکروہ ہیں «بَعْدَهُ» عصر کی نماز کے بعد۔ بھئی آپ جانتے ہیں فقہ کا مسئلہ، پڑھا ہو گا سنا ہو گا کہ عصر کی نماز کے بعد نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے بھئی۔ تو عصر سے پہلے پہلے نوافل پڑھے جا سکتے ہیں، تو لہٰذا عصر کی نماز ذرا مؤخر کی جائے گی تو نوافل زیادہ پڑھنے کا موقع مل جائے گا بھئی۔ اور اگر جلدی ادا کر لیں گے پھر تو عصر کی نماز کے بعد نوافل کا ادا کرنا مکروہ ہے، تو اس لیے تاخیر کی جائے گی تاکہ نوافل زیادہ سے زیادہ کوئی پڑھنا چاہے پڑھ سکے بھئی۔ یہ معنی ہے «لِمَا فِيهِ مِنْ تَكْثِيرِ النَّوَافِلِ» بوجہ اس کے کہ اس کے اندر نوافل کی تکثیر ہے «لِكَرَاهَتِهَا بَعْدَهُ» بوجہ نوافل کے مکروہ ہونے کے «بَعْدَهُ» أَيْ بَعْدَ الْعَصْرِ أَيْ صَلَاةِ الْعَصْرِ کہ عصر کی نماز کے بعد مکروہ ہیں۔

«وَالْمُعْتَبَرُ تَغَيُّرُ الْقُرْصِ» اچھا بھئی، جب تک سورج نہ بدل جائے متن میں آیا، اس سے کیا مراد ہے؟ بعض فقہاء نے لکھا اس کا کہ سورج جب ایک دو نیزے کی مقدار بلند رہ جائے تو یہ اب تغیرِ شمس ہو گیا، اس سے پہلے پہلے ادا کی جائے۔ صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ جب سورج پر نظر جمنے لگے تو بس اب کہا جائے گا سورج متغیر ہو گیا، ایک دو نیزوں کا اعتبار نہیں بلکہ جب اس پر نظر ٹھہرنے لگے تو کہا جائے گا متغیر ہو گیا، اس سے پہلے پہلے ادا کی جائے۔ تو کہتے ہیں: «وَالْمُعْتَبَرُ تَغَيُّرُ الْقُرْصِ» اور معتبر جو ہے اس کے اندر، قرص کہتے ہیں ٹکیا کو، ٹکیا۔ «تَغَيُّرُ الْقُرْصِ» سورج کی ٹکیا کا بدلنا معتبر ہے، یعنی وہ ایک دو نیزوں کا اعتبار نہیں ہے۔ سورج کی ٹکیا کا بدلنا معتبر ہے «وَهُوَ أَنْ يَصِيرَ بِحَالٍ» اور وہ یہ کہ سورج کی ٹکیا ہو جائے اس حال پر «لَا تَحَارُ فِيهِ الْأَعْيُنُ» کہ نہ چندھیاتی ہوں اس میں «الْأَعْيُنُ» آنکھیں، نگاہیں۔ نظریں اس سے چندھیاتی نہ ہوں بھئی۔ سورج جب روشن ہو دوپہر کو یا اس سے پہلے عصر کو جب متغیر ہوتا ہے اس سے پہلے سورج کی ٹکیا پر

نظر نہیں جمتی، آنکھیں چندھیا جاتی ہیں بھئی، نظر لوٹ آتی ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ کہتے ہیں: «أَنْ يَصِيرَ بِحَالٍ لَا تَحَارُ فِيهِ الْأَعْيُنُ» کہ اس حال پر ہو جائے کہ اس میں آنکھیں نہ چندھیائیں «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے۔ «وَالتَّأْخِيرُ إِلَيْهِ مَكْرُوهٌ» اور اس وقت تک مؤخر کرنا مکروہ ہے، یعنی اس سے پہلے پہلے کیا کرلے؟ عصر کی نماز ادا کرلی جائے، اور اس وقت تک مؤخر کرنا کہ یہ وقت آجائے کہ نظر جمنے لگے سورج کی ٹکیا پر، یہ مکروہ ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ تَعْجِيلُ الْمَغْرِبِ

«وَيُسْتَحَبُّ تَعْجِيلُ الْمَغْرِبِ» اور مستحب ہے مغرب میں جلدی کرنا۔ مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ «لِأَنَّ تَأْخِيرَهَا مَكْرُوهٌ» اس لیے کیونکہ اس کو مؤخر کرنا مکروہ ہے «لِمَا فِيهِ مِنَ التَّشَبُّهِ بِالْيَهُودِ» بوجہ اس کے اندر جو اس کے اندر ہے یعنی، بھئی میں نے پہلے بھی ذکر کیا جگہ جگہ «مَا» کا بیان «مِنْ» کے ساتھ آتا ہے، ماکا بیان۔ «لِمَا فِيهِ» بوجہ اس کے «فِيهِ» «أَيْ ثَبَتَ فِيهِ» جو اس کے اندر ہے، بھئی وہ کیا چیز ہے؟ من سے بیان آیا: «مِنَ التَّشَبُّهِ بِالْيَهُودِ» یعنی یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے بھئی، یہودیوں کے ساتھ مشابہت۔ اور اس کا میں نے، تو اس کا «مِنْ» کا ترجمہ 'یعنی' سے کرتے ہیں۔ تو لفظی ترجمہ یوں ہوا: «لِأَنَّ تَأْخِيرَهَا مَكْرُوهٌ» اس لیے کیونکہ مغرب کی نماز کو مؤخر کرنا مکروہ ہے «لِمَا فِيهِ» اس چیز کی وجہ سے «فِيهِ» جو اس کے اندر ہے، جو اس تاخیر کے اندر ہے، وہ کیا ہے؟ «مِنَ التَّشَبُّهِ بِالْيَهُودِ» یعنی یہودیوں کے ساتھ تشبیہ۔ بامحاورہ ترجمہ کرنے کا طریقہ بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو من کے ذریعے جو بیان آیا ہے، اس بیان کو، یہ کس کا بیان ہے؟ ماکا، ماموصولہ کا، تو اس کو اٹھا کر ماموصولہ کی جگہ پر لے جائیں اور پھر ترجمہ کیجیے: «لِمَا فِيهِ» اس وجہ سے جو اس میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے، اس میں کیا ہے؟ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ تو یہودی جو ہیں وہ مغرب کی جو اپنی عبادت ہے اس کو تاخیر کے ساتھ ادا کرتے ہیں، تو ان کی مشابہت سے بچنا ضروری ہے، اس لیے اس کو مکروہ قرار دیا گیا۔ یہ ایک عقلی دلیل ذکر کر دی کہ مستحب ہے مغرب کی نماز کو جلدی ادا کرنا۔

دوسری دلیل: «وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْمَغْرِبَ وَأَخَّرُوا الْعِشَاءَ» کہ ہمیشہ میری امت جو ہے «بِخَيْرٍ» وہ خیر پر رہے گی «مَا عَجَّلُوا الْمَغْرِبَ» جب تک کہ وہ جلدی کرتے رہیں گے مغرب میں «وَأَخَّرُوا الْعِشَاءَ» اور مؤخر کرتے رہیں گے عشاء۔ میری امت ہمیشہ خیر پر، بھلائی پر رہے گی جب تک وہ مغرب میں جلدی کریں اور جب تک وہ عشاء میں تاخیر کریں۔ تو یہ دیکھیے یہاں سے بھی پتہ چلا کہ مغرب کی نماز میں جلدی کی جائے گی بھئی۔

یہاں پر اعتراض ہوتا ہے صاحب ہدایہ پر بھئی کہ دو دلیلیں ذکر کیں، ایک عقلی دلیل اور ایک حدیث ذکر کی، ہونا حدیث جو ہے اس کو پہلے ذکر کرنا چاہیے تھا اور عقلی دلیل کو بعد میں ذکر کرنا چاہیے تھا، لیکن انہوں نے عقلی دلیل کو پہلے ذکر کیا اور حدیث کو بعد، یعنی نقلی دلیل کو بعد میں ذکر کیا۔ تو جواب اس کا یہ کہ حدیث کے آخر میں آرہا ہے «وَأَخَّرُوا الْعِشَاءَ» اور عشاء کو کیا کریں؟ مؤخر کریں، اور آگے متن میں آرہا ہے «وَتَأْخِيرُ الْعِشَاءِ» تو آگے تاخیرِ عشاء کا ذکر تھا، تو لہٰذا حدیث کے اندر جو بات ذکر ہوئی تھی وہ آگے آنے والی بات کے ساتھ مل جائے بھئی، اس لیے اس کو کیا کیا؟ کیونکہ حدیث میں بھی آخر میں کس کا ذکر؟ عشاء کی تاخیر کا، اور آگے متن میں بھی کس کا ذکر؟ عشاء کی تاخیر کا، اس لیے اس کے قریب کرنے کے لیے، ساتھ ملانے کے لیے حدیث کو مؤخر ذکر کیا بھئی۔

■ مسئلہ: وَتَأْخِيرُ الْعِشَاءِ إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللّٰ...

«وَتَأْخِيرُ الْعِشَاءِ إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ» اور عشاء کو مؤخر کرنا، یعنی «أَيْ يُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُ الْعِشَاءِ» اور مستحب ہے عشاء کی نماز کو مؤخر کرنا «إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ» ثلثِ لیل سے پہلے تک، یعنی ایک تہائی رات کے گزرنے سے پہلے تک مؤخر کرنا، یعنی ایک تہائی رات گزرنے کے لگ بھگ کیا کر دینا ہے اس کو؟ مؤخر کر دینا ہے، اس سے پہلے بس اس کے قریب۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ» «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي» اگر میں یہ دشوار نہ پاتا اپنی امت پر «لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ» تو البتہ میں مؤخر کر دیتا عشاء کی نماز کو «إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ» ایک تہائی رات تک۔ اگر میں یہ اپنی امت پر دشوار نہ پاتا اس بات کو کہ میری امت اس کو مشکل سمجھے گی، دشوار سمجھے گی، تو میں عشاء کے بارے میں کیا حکم دیتا؟ کب تک اس کو مؤخر کرو؟ ثلثِ لیل تک بھئی۔ معلوم ہوا ثلثِ لیل تک مؤخر کرنا کیا ہے؟ افضل ہے جبھی حضور علیہ السلام یہ فرما رہے ہیں۔ جی، یہ ایک نقلی دلیل۔

اب عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں: «وَلِأَنَّ فِيهِ قَطْعَ السَّمَرِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ بَعْدَهُ» سَمَرٌ اور سَمْرٌ، سمر کا معنی ہے رات کو باتیں کرنا، رات کی قصہ گوئی بھئی، رات کو گپ شپ لگانا، باتیں کرنا۔ اور آگے «بَعْدَهُ» اس کو ظرف بنائیں سمر کے لیے، «أَيْ بَعْدَهُ أَيْ بَعْدَ الْعِشَاءِ» عشاء کے بعد باتیں کرنا، «اَلسَّمَرُ بَعْدَهُ» عشاء کے بعد باتیں کرنا۔ جی، «الْمَنْهِيُّ عَنْهُ» یہ صفت ہے سمر کی، عشاء کے بعد باتیں کرنا «الْمَنْهِيُّ عَنْهُ» جس سے منع کیا گیا ہے۔ عشاء کے بعد بیٹھ کر باتیں کرنے اور قصہ گوئی سے حدیث کے اندر منع کیا گیا ہے، اس لیے کیونکہ اگر اس کے بعد عشاء کے بعد بیٹھ کر گپ شپ لگائے گا، باتیں کرے گا تو پھر نیند پوری نہیں ہوگی اور پھر فجر

کے اندر مشکل پیش آئے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس لیے، تو یہاں پر دلیل ذکر ہو رہی ہے: «وَلِأَنَّ فِيهِ قَطْعَ السَّمَرِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ بَعْدَهُ» اور اس لیے کیونکہ اس کے اندر، کس کے اندر؟ تاخیرِ عشاء میں، ھا ضمیر کس کو راجع؟ تاخیرِ عشاء۔ اس لیے کیونکہ تاخیرِ عشاء کے اندر قطع کرنا ہے، کاٹنا ہے یعنی ختم کرنا ہے۔ کس چیز کو ختم کرنا ہے؟ «اَلسَّمَرَ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ بَعْدَهُ» عشاء کے بعد جو باتیں کرنا ہے جس سے منع کیا گیا ہے اس کو ختم کرنا ہے۔ جب عشاء کی نماز تاخیر سے ادا کی جائے گی، بھئی اگر جلدی ادا کر لی جائے گی پھر تو کافی وقت ہو گا تو ہو سکتا ہے بعض لوگ پھر بھی کیا کر لیں؟ باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں، لیکن جب عشاء کی نماز مؤخر کر کے ادا کی جائے گی تو اب تو رات کافی گزر چکی، اب لوگ کیا کریں گے؟ عشاء کے بعد بیٹھنے سے اور باتیں کرنے سے بچیں گے کہ پھر صبح نیند پوری نہیں ہو گی، تو اس وجہ سے عشاء کو مؤخر کرنا مستحب ہے تاکہ عشاء کے بعد کی باتیں ختم ہو جائیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ معنی ہے «وَلِأَنَّ فِيهِ قَطْعَ السَّمَرِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ بَعْدَهُ» اس لیے کیونکہ تاخیرِ عشاء کے اندر عشاء کے بعد قصہ گوئی جس سے منع کیا گیا ہے اس کا ختم کرنا ہے۔

«وَقِيلَ فِي الصَّيْفِ تُعَجَّلُ كَيْ لَا تَتَقَلَّلَ الْجَمَاعَةُ» اور کہا گیا ہے بھئی کہ گرمیوں کے اندر «تُعَجَّلُ» جلدی کی جائے گی عشاء کے اندر «كَيْ لَا تَتَقَلَّلَ الْجَمَاعَةُ» تاکہ کہیں جماعت کم نہ ہو جائے۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ گرمیوں میں عشاء کے اندر جلدی کی جائے گی تاکہ کہیں جماعت کم نہ ہو جائے، لوگ تھوڑے نہ آئیں۔ اس لیے کیونکہ گرمیوں کے اندر رات چھوٹی ہوتی ہے، تو اگر عشاء تاخیر سے ادا کی جائے گی تو لوگ سستی کریں گے کہ بھئی رات تو چھوٹی سی ہے، عشاء میں ابھی جماعت میں تو بڑی دیر ہے، تو خود ہی اکیلے ہی پڑھ کر جلدی سونے کی کوشش کریں گے اور اس کی وجہ سے جماعت چھوٹی ہو جائے گی، حالانکہ جماعت تو جتنی بڑی ہو اتنی ہی زیادہ اس کی فضیلت اور ثواب زیادہ ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو کہتے ہیں: «وَقِيلَ فِي الصَّيْفِ تُعَجَّلُ» اور کہا گیا ہے گرمیوں میں جلدی کی جائے گی، جلدی پڑھی جائے گی «كَيْ لَا تَتَقَلَّلَ الْجَمَاعَةُ» تاکہ کہیں جماعت قلیل نہ ہو جائے۔

■ مسئلہ: وَالتَّأْخِيرُ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ مُبَاحٌ

«وَالتَّأْخِيرُ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ مُبَاحٌ» اور مؤخر کرنا عشاء کو نصفِ لیل تک، آدھی رات تک، «مُبَاحٌ» یہ مباح ہے، جائز ہے۔ آدھی رات تک یاد رکھیے عشاء کو مؤخر کرنا جائز ہے۔ عشاء کا وقت تو فجر تک ہے بھئی طلوعِ فجر تک، فجر صادق تک بھئی، لیکن آدھی رات تک مؤخر، ثلثِ لیل کس تک مؤخر کرنا مستحب، اور آدھی رات تک مؤخر کرنا جائز ہے، مباح ہے، اور آدھی رات کے بعد پڑھنا یہ مکروہ ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَالتَّأْخِيرُ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ مُبَاحٌ» اور مؤخر کرنا عشاء کی نماز کو آدھی رات تک «مُبَاحٌ» یہ جائز ہے «لِأَنَّ دَلِيلَ الْكَرَاهَةِ وَهُوَ تَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ عَارَضَهُ دَلِيلُ النَّدْبِ وَهُوَ قَطْعُ السَّمَرِ بِوَاحِدٍ فَيَثْبُتُ الْإِبَاحَةُ إِلَى النِّصْفِ»۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی نصفِ لیل تک مؤخر کرنا جائز کیوں ہے؟ کہتے ہیں دیکھیے یہاں دو دلیلیں ہیں اور ان دونوں میں ٹکراؤ آیا، تعارض آرہا ہے۔ ایک دلیل ہے کراہت کی، ایک دلیل ہے استحباب کی، کس چیز کی؟ استحباب کی۔ کراہت کی دلیل یہ ہے کہ اگر آدھی رات تک اس سے زیادہ یعنی ثلثِ لیل سے زیادہ آدھی رات کے لگ بھگ تک اگر عشاء کی نماز کو مؤخر کیا جائے گا تو جماعت چھوٹی ہو جائے گی کیونکہ لوگ سستی کریں گے اور گھر پر ہی نماز پڑھ کر سو جائیں گے کہ اس سے زیادہ تاخیر ہو گئی نیند پوری نہیں ہو گی، اور تو یہ دلیل کس چیز کی؟ کراہت کی، معلوم ہوا اس سے زیادہ ثلث سے زیادہ مؤخر کرنا مکروہ ہے، مکروہ ہے۔ اور یعنی آدھی رات تک، آدھی رات تک مؤخر کرنا مکروہ ہے۔ یہ دلیل ہوئی کراہت کی۔ اور ایک ہے دلیل ندب کی کہ مؤخر کریں گے تو وہ رات کی قصہ گوئی وہ ختم ہو جائے گی، کیونکہ جتنی مؤخر ہو گی پھر اس کے بعد کوئی باتوں کے لیے نہیں بیٹھے گا کیونکہ اب وقت ہی تھوڑا رہ گیا۔ تو ایک دلیل مؤخر کرنے میں، ایک دلیل کس چیز کی؟ کراہت کی، اور دوسری دلیل ندب کی، اور تو دو دلیلیں آگئیں تو «وَإِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا» جب دونوں میں تعارض آیا تو دونوں کیا ہو گئیں؟ ساقط ہو گئیں دونوں دلیلیں بھئی، ایک ٹکراؤ آیا اور ختم ہوئیں تو لہٰذا نصف تک جائز ہو جائے گا، باقی کیا رہ جائے گی؟ اباحت۔ معلوم ہوا ندب کے مقابلے میں کون سی دلیل آگئی؟ کراہت والی، تو معلوم ہوا مندوب بھی نہیں، اور کراہت والی بھی ختم ہوئی دلیل، معلوم ہوا مکروہ بھی نہیں، تو باقی کیا رہ گئی؟ اباحت رہ گئی بھئی، صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے «لِأَنَّ دَلِيلَ الْكَرَاهَةِ وَهُوَ تَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ» اس لیے کیونکہ کراہت کی جو دلیل ہے اور وہ جماعت کا کم کرنا ہے «عَارَضَهُ دَلِيلُ النَّدْبِ» تو یہ جو کراہت والی دلیل ہے اس کے معارض ہو گئی اس کے مقابل ہو گئی ندب کی دلیل، مستحب ہونے کی دلیل «وَهُوَ قَطْعُ السَّمَرِ بِوَاحِدٍ» اور وہ کسی ایک کے ساتھ قصہ گوئی جو ہے اس کو ختم کرنا ہے، یہ ندب کی دلیل ہے۔ تقلیلِ جماعت یہ کون سی دلیل تھی؟ کراہت، اور قطعِ سمر بواحد یہ کون سی دلیل ہے؟ یہ استحباب کی دلیل ہے، یہ اس کراہت والی دلیل کے مقابل ہو گئی «فَيَثْبُتُ الْإِبَاحَةُ إِلَى النِّصْفِ» تو اباحت مباح ہونا ثابت ہو گیا نصفِ لیل تک۔

«وَإِلَى النِّصْفِ الْأَخِيرِ مَكْرُوهٌ» اور آخری نصف رات تک، یعنی پہلا حصہ نصف نہیں بلکہ دوسرا نصف حصہ جو ہے نصفِ اخیر جو ہے اس تک مؤخر کرنا عشاء کی نماز کو «مَكْرُوهٌ» یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے۔ بھئی اس کی کیا دلیل ہے کہ آدھی رات کے بعد عشاء کی نماز پڑھنا مکروہ ہے؟ بھئی دیکھیے، یہاں اب دلیلِ کراہت تو ہے، دلیلِ ندب کوئی نہیں۔ دلیلِ کراہت کیا؟ آدھی رات کے بعد پڑھیں گے، آخری نصف حصے میں رات کے پڑھیں گے تو کیا ہو گی؟ جماعت کم ہو گی، لوگ سستی کر کے گھر پر ہی پڑھ کر سونے کی کوشش کریں گے کہ جلدی سو جائیں بھئی، تو تقلیلِ جماعت تو ہو گی یعنی کراہت والی دلیل تو آگئی، لیکن ندب والی کیا دلیل تھی؟ رات کی قصہ گوئی کا خاتمہ ہو گا؟ کہتے ہیں رات کی قصہ گوئی تو پہلے ہی ختم ہو چکی، اتنی تاخیر کے بعد تو کوئی پھر بیٹھ کر باتیں نہیں کرے گا تو وہ قصہ گوئی تو ختم ہو ہی چکی، اب صرف کون سی دلیل

رہ گئی؟ کراہت والی دلیل رہ گئی، تو لہٰذا اب نصفِ اخیر میں نماز عشاء کی پڑھنا مکروہ ہو گا، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں «لِمَا فِيهِ مِنْ تَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ» بوجہ اس میں جماعت کے تقلیل ہونے کے، «وَقَدِ انْقَطَعَ السَّمَرُ قَبْلَهُ» اور تحقیق سمر تو یعنی رات کی قصہ گوئی وہ تو ختم ہو چکی ہے «قَبْلَهُ» اس سے پہلے ہی بھئی، اتنی تاخیر ہو چکی ہے تو اب اس کے بعد تو کوئی ویسے بھی نہیں بیٹھے گا۔

■ مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ فِي الْوِتْرِ لِمَنْ يَأْلَفُ صَلَاةَ...

«وَيُسْتَحَبُّ فِي الْوِتْرِ لِمَنْ يَأْلَفُ صَلَاةَ اللَّيْلِ آخِرَ اللَّيْلِ» اور مستحب ہے وتر کے اندر «لِمَنْ يَأْلَفُ صَلَاةَ اللَّيْلِ»، أَلِفَ يَأْلَفُ کے معنی ہوتے ہیں محبت کرنے کے اور اسی طرح اس کے معنی ہوتے ہیں عادت ہونے کے، تو مستحب ہے وتروں میں «لِمَنْ يَأْلَفُ صَلَاةَ اللَّيْلِ» جس کو عادت ہے رات کی نماز کی یعنی تہجد کی جس کو عادت ہے یا یوں کہیں جس کو محبت ہے تہجد کی نماز سے، اس کے لیے مستحب ہے وتروں میں «آخِرَ اللَّيْلِ» رات کا آخر، آخری حصے میں وتر پڑھے یہ اس کے لیے مستحب ہے جس کو تہجد کی عادت ہے۔ صلاۃ اللیل سے کیا مراد؟ تہجد بھئی۔ «فَإِنْ لَمْ يَثِقْ بِالِانْتِبَاهِ أَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ» اور اگر اس کو بھروسا نہ ہو، اعتماد نہ ہو «بِالِانْتِبَاهِ» جاگنے کا، کہ رات کے آخری حصے میں جاگنے کا بھروسا اور اعتماد نہ ہو کہ اس وقت آنکھ نہیں کھلے گی تو «أَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ» تو وتر پڑھ لے «قَبْلَ النَّوْمِ» سونے سے پہلے۔ مستحب تو یہ ہے کہ آخری حصے میں پڑھے لیکن اگر جاگنے کا یقین نہ ہو تو پھر کیا کرلے؟ سونے سے پہلے وتر پڑھ لے۔

«لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ» بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ» جس کو یہ خوف ہے کہ وہ نہیں اٹھے گا آخر لیل میں، رات کے آخری حصے میں «فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ» تو اس کو وتر پہلے حصے میں پہلے پڑھ لینے چاہییں، «وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ» اور جس کو توقع ہو کہ وہ آخر لیل میں رات کے آخری حصے میں اٹھ جائے گا «فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ» تو اس کو آخر لیل میں وتر پڑھنے چاہییں۔

«وَإِذَا كَانَ يَوْمُ غَيْمٍ فَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ تَأْخِيرُهَا، وَفِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ تَعْجِيلُهَا»۔ غَيْمٌ کہتے ہیں بادل کو، بادل۔ «وَإِذَا كَانَ يَوْمُ غَيْمٍ» اور جب بادل والا دن ہو، یعنی ابر آلود دن ہو، ابر چھایا ہوا ہو آسمان پر، بادل چھائے ہوں، «فَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ تَأْخِيرُهَا» تو مستحب ہے فجر کی نماز میں اور ظہر کی نماز میں اور مغرب کی نماز میں «تَأْخِيرُهَا» نماز کو مؤخر کرنا، «وَفِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ تَعْجِيلُهَا» عصر اور عشاء کی نماز میں «تَعْجِيلُهَا» نماز کو جلدی پڑھنا بھئی جلدی کرنا اس میں۔

اچھا، تین نمازوں میں مستحب ہے بادل والے دن تاخیر کرنا، تاخیر کرنا۔ اور دو نمازوں میں مستحب ہے جلدی کرنا۔ اب یہ عموماً یاد نہیں رہتا کہ کون سی نمازوں میں تاخیر مستحب اور کن میں تعجیل مستحب، تو اس کے لیے یاد رکھنے کے لیے بھئی علماء نے ضابطہ ذکر کیا ہے، ضابطہ ہے: «اَلْعَيْنُ مَعَ الْغَيْنِ»۔ «اَلْعَيْنُ مَعَ الْغَيْنِ»، عین کس کے ساتھ ہے؟ عین غین کے ساتھ ہے بھئی، «اَلْعَيْنُ مَعَ الْغَيْنِ»۔ عین سے بھئی وہ نمازیں جن کے شروع میں عین آ رہا ہے، اور وہ کون کون سی ہیں؟ عصر اور عشاء، عصر اور عشاء۔ اور ان میں عجلت کی جائے گی، جلدی کی جائے گی، عجلت کا لفظ بھی کس سے بنتا ہے؟ عین سے، تو جن نمازوں کے شروع میں عین ہے ان میں عجلت کی جائے گی، «مَعَ الْغَيْنِ»، غین سے ہے غیم بھئی، غین سے کیا بنتا ہے؟ متن میں آیا غیم، بادل۔ «اَلْعَيْنُ مَعَ الْغَيْنِ» یعنی عین والی نمازوں میں عجلت ہو گی «مَعَ الْغَيْنِ» أَيْ مَعَ الْغَيْمِ کس کے ساتھ؟ بادلوں کے ساتھ بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ اب یہ ضابطہ ذہن میں انسان رکھے پھر نہیں بھولتا بھئی غلطی نہیں ہوتی۔

لیکن یہ یاد رکھیے بھئی، یہ تو وہ زمانہ تھا جب گھڑیاں نہیں تھیں بھئی، اوقات کا پتہ نہیں چلتا تھا بھئی، اوقات کا پتہ نہیں چلتا تھا، تو لہٰذا بادل ہیں وقت کا پتہ نہیں، تو یہ نہ ہو کہیں وقت سے پہلے نماز نہ پڑھ لیں یا یہ نہ ہو کہ وقت نکل جائے پھر جا کر کیا کر رہے ہیں؟ نماز پڑھ رہے ہیں وغیرہ۔ یہ ابھی دلیلیں آ رہی ہیں، یہ ویسے میں ذکر کر رہا ہوں تفصیل وہ ذکر کریں گے صاحب ہدایہ، تو اس وجہ سے کیا کیا گیا؟ بعض نمازوں میں تعجیل کو مستحب قرار دیا گیا بادلوں کی وجہ سے اور بعضوں میں تاخیر۔ لیکن اب تو گھڑیاں موجود ہیں، اب وقت کا پتہ چل جاتا ہے، تو لہٰذا جب گھڑی موجود تو ایسا کوئی خطرہ نہیں لہٰذا اپنے وقت پر ادا کی جائیں گی۔ ہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں گھڑی وغیرہ نہیں پھر اسی پر اسی طرح عمل کیا جائے گا جیسے بیان ہو رہا ہے، صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب دلیل ذکر کرنے لگے ہیں بھئی، کہتے ہیں: «لِأَنَّ فِي تَأْخِيرِ الْعِشَاءِ تَقْلِيلَ الْجَمَاعَةِ عَلَى اعْتِبَارِ الْمَطَرِ»۔ بھئی عشاء میں کیوں تاخیر کی جاتی کی جائے گی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ عشاء کے مؤخر کرنے میں «تَقْلِيلَ الْجَمَاعَةِ» جماعت کو کم کرنا ہے «عَلَى اعْتِبَارِ الْمَطَرِ» بارش کے اعتبار سے۔ بادل ہیں تو بارش کا احتمال ہے، بارش کا خطرہ ہے یا بارش ہلکی ہو رہی ہے تو پھر اس صورت میں اگر دیر کریں گے تو بارش کی وجہ سے لوگ کیا کریں گے؟ سستی کریں گے، گھروں پر ہی نماز پڑھ لیں گے اور جماعت قلیل ہو جائے گی بھئی، لہٰذا اس وجہ سے کیا کیا جائے؟ عشاء کی نماز میں جلدی کی جائے۔ «وَفِي تَأْخِيرِ الْعَصْرِ تَوَهُّمَ الْوُقُوعِ فِي الْوَقْتِ الْمَكْرُوهِ» اور عصر کو مؤخر کرنے میں، عصر میں انہوں نے کیا کہا جلدی کی جائے، تو مؤخر کرنے میں «تَوَهُّمَ الْوُقُوعِ فِي الْوَقْتِ الْمَكْرُوهِ» مکروہ وقت میں اس کے واقع ہونے کا وہم ہو گا۔ وہم پڑے گا بھئی کہیں ایسا نہ ہو عصر کی نماز کس وقت میں ادا ہو جائے؟ مکروہ، لہٰذا اس میں تاخیر نہیں کی جائے گی بلکہ تعجیل۔ تو

عشاء میں تعجیل کی جائے گی، جلدی کی جائے گی تاکہ جماعت کم نہ ہو جائے، اور عصر میں جلدی کی جائے گی تاکہ کہیں مکروہ وقت میں ادا نہ ہو جائے بھئی، دلیل سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَلَا تَوَهُّمَ فِي الْفَجْرِ

«وَلَا تَوَهُّمَ فِي الْفَجْرِ» اور فجر کی نماز میں کوئی وہم نہیں، باقی نمازوں میں تو تاخیر مستحب تھی بادل والے دن، کہتے ہیں فجر میں کوئی وہم نہیں «لِأَنَّ تِلْكَ الْمُدَّةَ مَدِيدَةٌ» اس لیے کیونکہ وہ مدت، وہ وقت جو ہے مدیدہ ہے، لمبا ہے۔ فجر کا وقت لمبا ہے، اس میں اگر تاخیر بھی کی جائے گی گزرنے کا خطرہ نہیں ہے بھئی۔

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ التَّأْخِيرُ فِي الْكُلِّ لِلِاحْتِيَاطِ» امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ تاخیر کرنا «فِي الْكُلِّ» سب نمازوں میں «لِلِاحْتِيَاطِ» یہ بطورِ احتیاط، کہ احتیاط کے طور پر، بطورِ احتیاط کے تمام نمازوں میں پانچوں میں تاخیر کی جائے گی، یہ روایت آئی ہے امام صاحب سے۔ «أَلَا تَرَى» کیا آپ دیکھتے نہیں؟ دلیل ذکر کر رہے ہیں: «أَنَّهُ يَجُوزُ الْأَدَاءُ بَعْدَ الْوَقْتِ لَا قَبْلَهُ» کہ ادا جائز ہے وقت کے بعد، اس سے پہلے جائز نہیں بھئی۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ یہ روایت آئی ہے کہ بادل والے دن تمام نمازوں میں تاخیر مستحب ہے، کیوں مستحب ہے؟ صاحب ہدایہ دلیل ذکر فرما رہے ہیں کہ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ وقت سے پہلے کوئی نماز ادا کرنا جائز نہیں، ظہر کا وقت ابھی ہوا نہیں آپ جلدی کریں، بادل ہیں کہیں ایسا نہ ہو وقت ہونے سے پہلے ہی ظہر کی نماز پڑھ لیں، اور وقت سے پہلے پڑھیں گے تو نماز ہی نہیں ہوگی، اور اگر تاخیر کسی نماز میں کرتے ہیں اور تاخیر کرنے کی صورت میں اگرچہ وقت نکل بھی گیا ہو فرض کریں، وقت نکل بھی جائے پھر بھی نماز بہر حال ہو جائے گی، ادا نہ ہوئی قضاء تو ہو گئی بہر حال، قضاء ہو جائے گی یا نہیں بھئی؟ تو پھر ہو تو جائے گی، تو تاخیر کے اندر احتیاط زیادہ ہے، تعجیل کے اندر خطرہ ہے کہیں وقت سے پہلے ہی ادا نہ ہو جائے بھئی، دلیل سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ معنی ہے «أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَجُوزُ الْأَدَاءُ بَعْدَ الْوَقْتِ لَا قَبْلَهُ» کہ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ادا جائز ہے وقت کے بعد بھی، «لَا قَبْلَهُ» اس سے پہلے جائز نہیں ہے بھئی۔

اچھا بھئی، ایک مسئلہ یاد رکھیے، یہاں انہوں نے ذکر کیا کہ آدھی رات کے بعد عشاء کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، آدھی رات کے بعد عشاء کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اب یہ مکروہِ تحریمی ہے یا مکروہِ تنزیہی ہے؟ تو یاد رکھیے بعض علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ مکروہِ تحریمی ہے، مکروہِ تحریمی۔ اور یاد رکھیے جو نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے وہ واجب الاعادہ ہوتی ہے، اس کا اعادہ بندے کے ذمے واجب ہوتا ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو لہٰذا جن کے نزدیک، جن کے نزدیک عشاء کی نماز آدھی رات کے بعد مکروہِ تحریمی ہے تو ان کے نزدیک وہ نماز اگر کوئی پڑھ لیتا ہے وہ واجب الاعادہ ہے، اس کو پھر بعد میں کیا کرنا چاہیے؟ اس کو لوٹانا چاہیے بھئی لوٹانا چاہیے۔ اور لیکن زیادہ اظہر یہ ہے کہ یہ مکروہِ تحریمی نہیں ہے، مکروہِ تنزیہی ہے، تو یہ قول زیادہ صحیح ہے اور اسی کی طرف زیادہ علماء گئے ہیں کہ مکروہِ تنزیہی ہے بھئی۔ اس لیے کیونکہ یہاں کراہت کی دلیل وقت کے اندر کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ مکروہ صرف کس وجہ سے ہے؟ تقلیلِ جماعت، کہ اس وجہ سے جماعت کیا ہو جائے گی؟ کم ہو گی، اس وجہ سے کراہت ہے بھئی، تو یہ مکروہِ تنزیہی ہے مکروہِ تحریمی نہیں ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۴۱: مسئلہ ثَلَاثَۃُ أَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ عَلَي...

ہدایہ صفحہ: ۸۱ — بتاریخ: ۵ دسمبر ۲۰۱۲ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ فِي الْأَوْقَاتِ الَّتِي تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ

لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظَّهِيرَةِ، وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا؛ لِحَدِيثِ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: «ثَلَاثَةُ أَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ نُصَلِّيَ، وَأَنْ نَقْبِرَ فِيهَا مَوْتَانَا: عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ حَتَّى تَرْتَفِعَ، وَعِنْدَ زَوَالِهَا حَتَّى تَزُولَ، وَحِينَ تَضَيَّفُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ». [1]

فَصْلٌ فِي الْأَوْقَاتِ الَّتِي تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ:

فَصْلٌ فِي الْأَوْقَاتِ الَّتِي تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ: یہ فصل ہے ان اوقات کے بیان میں جن میں نماز کا پڑھنا مکروہ ہے بھائی، جن میں نماز کا پڑھنا مکروہ ہے بھائی۔ تو یہاں اس فصل میں وہ اوقات بیان ہوں گے جن میں نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح وہ اوقات بھی بیان ہوں گے جن میں نماز کا پڑھنا جائز ہی نہیں ہے بھائی، نماز کا پڑھنا جائز ہی نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: **فَصْلٌ فِي الْأَوْقَاتِ الَّتِي تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ،** یہ فصل ہے ان اوقات کے بیان میں جن میں نماز مکروہ ہے۔

لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظَّهِيرَةِ، جائز نہیں ہے نماز **عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ** سورج کے طلوع ہوتے وقت، **وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظَّهِيرَةِ،** ظہیرہ کہتے ہیں **نِصْفُ النَّهَارِ** کو بھائی، جب سورج عین سر پر ہو۔ **وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا** اور نہ سورج کے قیام کے وقت، سورج کے قائم ہوتے وقت **فِي الظَّهِيرَةِ** دوپہر کو یعنی **نِصْفُ النَّهَارِ** کو بھائی۔ **وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا** اور نہ غروب کے وقت بھائی۔

بھئی، یہ تین اوقات ہیں بھئی: ایک سورج طلوع ہوتے وقت، ایک جب سورج عین سر پر ہو، اور ایک سورج غروب ہوتے وقت۔ ان اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

کیا وجہ اس کی؟ کہتے ہیں: **لِحَدِيثِ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ،** حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے، **قَالَ** وہ فرماتے ہیں: **ثَلَاثَةُ أَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ،** کہ تین اوقات ہیں کہ منع فرمایا حضور علیہ السلام نے اس میں ہمیں، **أَنْ نُصَلِّيَ** یہ کہ ہم اس میں نماز پڑھیں، **وَأَنْ نَقْبِرَ فِيهَا مَوْتَانَا،** **قَبَرَ يَقْبِرُ** کے معنی دفن کرنا، اور یہ کہ ہم اس میں اپنے مردے دفن کریں۔ **عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ حَتَّى تَرْتَفِعَ،** ایک سورج طلوع ہوتے وقت یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے، **وَعِنْدَ زَوَالِهَا حَتَّى تَزُولَ،** اور دوسرا سورج کے زوال کے وقت یہاں تک کہ سورج کو زوال ہو جائے یعنی سورج ڈھل جائے، **وَحِينَ تَضَيَّفُ لِلْغُرُوبِ،** اور ایک **تَضَيُّفُ** کا معنی ہے مائل ہونا، قریب ہونا، **وَحِينَ تَضَيَّفُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ،** اور جب سورج غروب کے قریب ہو جائے یہاں تک کہ غروب۔

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۴۱): «فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلاة»، ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۴۱): «فيها»۔

تو حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم اس میں نماز پڑھیں یا یہ کہ اس میں اپنے مردے دفن کریں، اور وہ تین اوقات کون سے ہیں؟ ایک تو سورج طلوع ہوتے وقت، یہاں تک کہ سورج کچھ بلند ہو جائے بھئی۔ جب سورج کچھ بلند ہو جائے پھر اس کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔ اور ایک عین زوال کے وقت، یہاں تک کہ سورج جب ڈھل جائے۔ تو عین زوال کے وقت بھی نماز وغیرہ جائز نہیں، ہاں جب سورج ڈھل جائے، کچھ منٹ گزر جائیں تو پھر جائز ہو گا۔ اور **وَحِينَ تَضَيَّفُ لِلْغُرُوبِ**، اور ایک تیسرا وقت جبکہ سورج غروب کے قریب ہو جائے **حَتَّى تَغْرُبَ** یہاں تک کہ غروب۔ تو غروب ہونے کے بعد نماز پڑھ سکتے ہیں، لیکن جب غروب ہونے کے قریب ہو اس وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ: «وَأَنْ نَقْبِرَ» صَلَاةُ الْجَنَازَةِ، صاحب ہدایہ حدیث کا مفہوم بیان فرمارہے ہیں، کہ حدیث کے اندر تو یہ آیا کہ یہ کس سے منع فرمایا؟ یہ کہ ہم نماز پڑھیں اور یہ کہ ہم اپنے مردوں کو دفن کریں۔ تو کہتے ہیں مردوں کو دفن کرنے سے مردے دفن کرنا ہی نہیں مراد، بلکہ اس سے مراد نماز جنازہ ہے۔ کیا مراد ہے؟ نماز جنازہ ہے بھئی۔ آگے وجہ بھی ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس وقت دفن کرنا **بِالْإِجْمَاعِ** غیر مکروہ ہے۔ تمام علماء، فقہاء کے نزدیک دفن کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ تو کراہت کس چیز کے اندر ہے؟ نماز اور اسی طرح نماز جنازہ میں ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ**، اور حضور علیہ السلام کے قول جو ہے **وَأَنْ نَقْبِرَ**، اس سے مراد جو ہے **صَلَاةُ الْجَنَازَةِ** نماز جنازہ ہے، **لِأَنَّ الدَّفْنَ غَيْرُ مَكْرُوهٍ**، اس لیے کیونکہ دفن جو ہے وہ غیر مکروہ ہے، جی۔ اور حاشیے میں انہوں نے بتلایا کہ یہ **بِالْإِجْمَاعِ** بھئی، اس وقت دفن کرنا غیر مکروہ ہے بھئی۔

وَالْحَدِيثُ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ فِي تَخْصِيصِ الْفَرَائِضِ وَبِمَكَّةَ، یہ باء ہونی نہیں چاہیے بھئی، اور محشی حضرات بھی لکھتے ہیں کہ بعض نسخوں میں باء موجود نہیں ہے بھئی۔

اچھا، یاد رکھیے امام شافعی رحمہ اللہ وہ تخصیص فرماتے ہیں فرائض کی۔ اس حدیث میں تو کیا آیا؟ مطلقاً ہر نماز سے منع کیا گیا، یہاں فرض اور نفل وغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا ان تین اوقات میں کوئی بھی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اس سے تخصیص کرتے ہیں، اس حکم سے نکالتے ہیں فرائض کو، کہ فرائض پڑھنا ان اوقات میں جائز ہیں بھئی۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں کوئی انسان رہتا ہو اور وہ اس وقت کے ان تین اوقات کے اندر کوئی فرض نماز پڑھنا چاہتا ہے تو فرض نماز وہ فرماتے ہیں پڑھ سکتا ہے۔ اور اسی طرح انہوں نے اس حدیث سے تخصیص کی ہے مکہ مکرمہ کی بھئی، کہ یہ حکم مکہ مکرمہ کے علاوہ کے لیے ہے، مکہ میں یہ حکم نہیں ہے، یعنی وہاں انسان مطلقاً نماز پڑھ سکتا ہے، چاہے فرائض پڑھنا چاہے، چاہے نوافل ان تین اوقات میں وہ پڑھ سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ نے جو فرائض اور مکہ کی تخصیص کی ہے تو یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف یہ حدیث حجت ہے، دلیل ہے، کیونکہ اس کے اندر کہیں فرائض اور نوافل کا فرق نہیں کیا گیا، یہ حدیث مطلق ہے، سب نمازوں کو شامل ہے، چاہے نوافل ہوں چاہے فرائض ہوں، معلوم ہوا کوئی بھی ان اوقات میں نہیں پڑھ سکتے۔ اور نیز یہ حدیث مطلق ہے، اس میں کسی جگہ کا ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا سب جگہ یہی حکم ہے، چاہے مکہ میں ہو چاہے مکہ کے علاوہ میں ہو۔ یہ معنی ہے: **وَالْحَدِيثُ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ**، اور یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ حجت ہے یا یوں اپنے اطلاق کی وجہ سے حجت ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف، **فِي تَخْصِيصِ الْفَرَائِضِ** فرائض کی تخصیص کرنے میں، **وَبِمَكَّةَ** اور مکہ کی تخصیص میں۔

وَحُجَّةٌ عَلَى أَبِي يُوسُفَ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ان تین اوقات کے اندر اور نمازیں پڑھنا تو جائز نہیں ہے، لیکن جمعہ کے دن زوال کے وقت یعنی جب سورج عین سر پر ہو، اس وقت نوافل پڑھنا جائز ہیں بھئی، نفل انسان پڑھ سکتا ہے۔ لیکن یہ حدیث ان کے خلاف بھی حجت ہے بھئی، اس حدیث میں کوئی جمعہ وغیرہ کے دن کی تخصیص نہیں کی گئی، مطلقاً منع کیا گیا بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَحُجَّةٌ عَلَى أَبِي يُوسُفَ**، اور یہ حدیث دلیل ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے خلاف بھی، **فِي إِبَاحَةِ النَّفْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ**، نفلوں کو مباح قرار دینے میں جمعہ کے دن زوال کے وقت، کہ انہوں نے جمعہ کے دن زوال کے وقت نفلوں کو مباح قرار دیا ہے، اس میں یہ حدیث امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے خلاف بھی حجت ہے بھئی۔

قَالَ: وَلَا صَلَاةُ جَنَازَةٍ لِمَا رَوَيْنَا، اس کا عطف بھی پیچھے **الصَّلَاةُ** پر آیا تھا: **لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ**، اور جائز نہیں ہے نماز جنازہ بھی ان تین اوقات میں، **لِمَا رَوَيْنَا** اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی، یہ جو ابھی حدیث آئی تھی، اور صاحب ہدایہ نے بتلا دیا: **أَنْ نَقْبِرَ مَوْتَانَا**، کیا معنی ہے **أَنْ نَقْبِرَ فِيهَا مَوْتَانَا** کا؟ نماز جنازہ مراد ہے، تو اس حدیث سے پتہ چلا نماز جنازہ بھی اس وقت جائز نہیں۔

وَلَا سَجْدَةُ تِلَاوَةٍ؛ اور نہ ہی سجدۂ تلاوت جائز ہے، **لِأَنَّهَا فِي مَعْنَى الصَّلَاةِ**، کیونکہ سجدۂ تلاوت بھی کس کے معنی میں ہے؟ نماز ہی کے معنی میں ہے، اس کے لیے بھی وہی نماز کی شرائط وغیرہ ہیں تو یہ بھی اسی کی طرح ہے، تو اس کا بھی وہی حکم ہے۔

إِلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ عِنْدَ الْغُرُوبِ، سوائے اسی دن کے عصر کے غروب کے وقت۔ اسی دن کی عصر غروب کے وقت پڑھنا چاہتے ہیں، وہ ہو جائے گی بھئی، ہو جائے گی۔ سورج غروب ہو رہا ہے، غروب ہونے والا ہے، اور ایک شخص کی اسی دن کی عصر کی نماز باقی ہے، وہ نماز پڑھے گا وہ ہو جائے گی، لیکن اگر قضا کوئی عصر پڑھتا ہے

اس وقت وہ نہیں ہو گا۔ اس لیے کہا **عَصْرَ يَوْمِهِ**، اسی دن کی عصر پڑھنا چاہے تو وہ غروب کے وقت پڑھ سکتا ہے یعنی ہو جائے گی، لیکن قضا کوئی عصر پڑھنا چاہے وہ نہیں ہو گی۔ یہ معنی ہے **إِلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ عِنْدَ الْغُرُوبِ**، مگر اسی دن کی عصر غروب کے وقت، **لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْءُ الْقَائِمُ مِنَ الْوَقْتِ**۔

بھئی دیکھیے، یہ دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ، کہ اسی دن کی کی عصر کی نماز غروب کے وقت پڑھنا کیوں جائز ہے؟ دلیل ذکر کر رہے ہیں، آپ اصول فقہ کے اندر پڑھ چکے ہوں گے۔

بھئی دیکھیے، نماز کے وجوب کا سبب وقت ہے۔ مثلاً ظہر کی نماز جب ظہر کا وقت آئے گا تو آپ پر فرض ہو گی، اس سے پہلے فرض ہی نہیں۔ لہٰذا ایک آدمی کا انتقال ظہر کے وقت ہو گیا، ظہر کے وقت، تو اب ابھی تو عصر کا وقت آیا ہی نہیں تھا پہلے انتقال ہو گیا، لہٰذا عصر کی نماز اس کے ذمے باقی بھی نہیں اس دن کی، کیونکہ اس وقت کو اس نے پایا ہی نہیں۔ تو جب وقت کو پائے گا کوئی شخص تو اس پر وہ نماز واجب اور فرض ہو گی۔ تو معلوم ہوا نماز کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ وقت ہے بھئی، وقت ہے۔

وقت ہے اور اگر یہ وقت کامل ہو گا تو وجوب بھی کامل درجے کا ہو گا، تو ادا بھی کس قسم کی چاہیے؟ کامل ادا چاہیے بھئی۔ جب وقت کامل ہے تو وجوب اس وقت کی وجہ سے آ رہا ہے تو وجوب بھی کس قسم کا آئے گا؟ کامل آئے گا، تو کامل ہی ادا بھی چاہیے پھر ہی ادا ہو گی۔ اور اگر وہ وقت ناقص ہے تو وجوب بھی ناقص ہو گا، تو لہٰذا ناقص بھی ادا کر دی جائے تو وہ نماز ادا ہو جائے گی۔ لیکن اگر واجب تو ہوئی تھی کامل کہ وقت کیسا تھا؟ کامل تھا، تو نماز بھی کامل واجب ہوئی، لیکن وہ شخص اس کو ادا کرتا ہے وقت ناقص کے اندر، تو بھئی ادا تو واجب تو ہوئی تھی کامل اور یہ ادا کر رہا ہے ناقص، تو یہ ادا صحیح نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب یہاں صاحب ہدایہ آپ کو بتلائیں گے، کہتے ہیں دیکھیے: [**يَرْحَمُكَ اللهُ**] صاحب ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ دیکھیے یہاں وجوب کا سبب وقت ہے۔ وجوب کا سبب وقت ہے۔ اب اس میں تین صورتیں ہیں، تین احتمال ہیں۔

یا تو سارے وقت کو وجوب کا سبب قرار دیا جائے، مثلاً ظہر کی نماز اس کے وجوب کا سبب سارے ظہر کے وقت کو قرار دیا جائے، یعنی زوال سے لے کر عصر کا وقت شروع ہونے تک، اس سارے وقت کو سبب قرار دیا جائے کہ یہ سبب ہے وجوب کا، اس کی وجہ سے نماز ظہر کی واجب ہوتی ہے، اس کی وجہ سے۔ تو اگر سارے وقت کو وجوب کا سبب قرار دیا جائے تو پھر ظہر کی نماز ظہر کے وقت میں کوئی پڑھے تو وہ جائز ہی نہیں ہونی چاہیے بھئی۔ کیوں؟ کیونکہ نماز واجب کب ہو گی؟ جب پورے وقت کو، ظہر کے پورے وقت کو ایک آدمی پالے گا، کیونکہ آپ نے کس کو قرار دیا ہے وجوب کا سبب؟ فرض کریں اگر آپ سارے وقت کو وجوب کا سبب قرار دیتے ہیں تو پورا سبب پایا جائے گا تو نماز واجب ہو گی، اور واجب ہونے سے پہلے کوئی نماز ادا کرے تو نماز ادا ہوتی ہے؟ نہیں۔ ابھی عصر، عصر کا وقت نہیں آیا تو عصر کی نماز بھی آپ پر واجب نہیں، لہٰذا آپ عصر سے پہلے ہی عصر کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں، بھئی ابھی واجب ہی نہیں ہوئی آپ کیسے ادا کر رہے ہیں اس کو بھئی؟ تو وہ نماز بھی نہیں۔ لہٰذا اگر آپ پورے وقت کو وجوب کا سبب قرار دیتے ہیں تو ضروری ہو گا کہ پورا وقت گزرنے کے بعد اس نماز کو ادا کیا جائے، کیونکہ جب تک پورا وقت نہیں گزرا، پورا وقت تو سبب ہے کس چیز کا؟ تو جب تک پورا وقت نہیں گزرا وجوب بھی نہیں آیا، نماز بھی آپ پر واجب نہیں۔ تو معلوم ہوا جب پورا وقت گزرے گا ظہر کا پھر آپ پر کون سی نماز واجب ہو جائے گی؟ ظہر کی، اور پھر آپ کو عصر میں جا کر پڑھنا پڑے گی، اس سے پہلے پڑھیں گے تو ادا ہی نہیں ہو گی۔ یہ خرابی کس صورت میں لازم آتی ہے؟ اگر پورے وقت کو وجوب کا سبب قرار دیا جائے تو پھر یہ خرابی لازم آتی ہے کہ وقت کے اندر نماز ادا کرنے سے وہ ادا ہی نہیں ہو گی، بلکہ بعد میں جا کر ادا کرنا پڑے گی تاکہ پہلے وجوب ہو گا تو نماز ادا ہو گی، وجوب ہی نہیں تو ادا کیسے بھئی؟ صورت سمجھ میں آ گئی؟

دوسری صورت یہ ہے کہ نماز آپ ظہر کی پڑھنے لگے ہیں تو جو تھوڑا سا وقت ظہر کا پہلے گزر گیا، اس وقت ماضی کو سبب قرار دیا جائے وجوب کا۔ پہلی صورت کیا تھی؟ پورے وقت کو۔ اب دوسری، اس میں تو خرابی لازم آئی لہٰذا پورے وقت کو سبب نہیں قرار دیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کچھ وقت جو گزر گیا ہے ماضی کے اندر اس وقت کو وجوب کا سبب قرار دیا جائے، مثلاً ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے ساڑھے بارہ، مثلاً زوال کتنے بجے ہے؟ ساڑھے بارہ، اور ایک شخص اس نماز کو ادا کرتا ہے ڈیڑھ بجے یا دو بجے، جب دو بجے ادا کر رہا ہے تو جو وقت پیچھے ظہر کا گزر چکا یعنی گھنٹہ ڈیڑھ جو پہلے گزر چکا، اس کو وجوب کا سبب قرار دیا جائے، یہ دوسری صورت ہے۔ اس صورت میں بھی خرابی لازم آتی ہے، کیا خرابی؟ وجوب کا سبب کس کو قرار دیا؟ یہ جو وقت گزر گیا تھا، تو اس وقت کے بعد نماز ادا کر رہا ہے وہ، وقت کے اندر ادا کر رہا ہے یا وقت کے بعد ادا کر رہا ہے؟ وقت کے بعد ادا کر رہا ہے، اور وقت کے بعد جو نماز ادا کی جائے وہ ادا کہلاتی ہے یا قضا کہلاتی ہے؟ وہ تو قضا کہلاتی ہے، تو اس ادا کو بھی قضا کہنا لازم آئے گا۔ اس ادا کو بھی، کیونکہ نماز تو اپنے وقت میں پڑھنی چاہیے نہ کہ وقت کے بعد، اور خرابی کس وجہ سے آئی کہ آپ نے کس وقت کو وجوب کا سبب قرار دیا تھا؟ وقت ماضی کو بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تیسری صورت ہے جس میں پھر یہ خرابی لازم نہیں، کہ نماز کے ساتھ جو وقت، جو لمحہ ملا ہوا ہے، متصل ہے، اس کو وجوب کا سبب قرار دیا جائے۔ آپ نماز شروع کرنے لگے ہیں، عین شروع کرتے وقت جو وقت کا چھوٹے سے چھوٹا جز، سیکنڈوں سے سیکنڈ سے بھی یوں کہیں کروڑوں گنا چھوٹا جز جو نماز کے ساتھ جڑا ہوا ہے، متصل ہے، جس کے ساتھ ہی آپ کی نماز شروع ہو رہی ہے، وہ جو جڑا ہوا وقت ہے اس کو کیا کیا جائے؟ وجوب کا سبب قرار دیا جائے۔ اس صورت میں پھر یہ خرابیاں لازم نہیں آتیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو لہٰذا جب اس جز کو سبب قرار دے دیا گیا تو اب عصر کی نماز، بات چل رہی ہے کہ اسی دن کی عصر کی نماز غروب کے وقت بھی جائز ہے۔ اسی دن کی عصر کی نماز کیوں

جائز ہے؟ وجہ اب ذکر کرنے لگے ہیں کہ دیکھیے وجوب کا سبب ہم نے کس وقت کو قرار دیا، کس لمحے کو قرار دیا ہے؟ جو عین اس نماز کے ساتھ متصل ہے، ملا ہوا ہے۔ تو جب ایک شخص سورج غروب ہونے والا ہے اور عصر کی نماز شروع کرتا ہے تو کون سا لمحہ نماز کے وجوب کا سبب ہے؟ جو اس نماز کے ساتھ ملا ہوا ہے، اور اس وقت تو سورج غروب ہونے والا ہے وقت ہے مکروہ، تو معلوم ہوا یہ وقت مکروہ ہے تو اس کی، جو نماز کے ساتھ ملا ہوا ہے جو وہ لمحہ وہ بھی کیا ہے؟ مکروہ وقت ہے۔ تو اس کی وجہ سے جو وجوب آئے گا وہ، وہ یہ یوں کہیں وہ یہ وقت ہے ناقص، یہ وقت کیا ہے؟ ناقص ہے، تو جب یہ وقت ناقص تو اس کی وجہ سے جو وجوب آیا وہ بھی کس قسم کا؟ ناقص۔ جب ناقص وجوب آیا تو یہ جو ادا کر رہا ہے یہ کامل وقت میں ہے یا ناقص وقت میں؟ ناقص وقت میں، تو ادا بھی کس قسم کی ہو گئی؟ ناقص۔ تو لہٰذا اسی وجہ سے اس دن کی عصر کی نماز جائز ہے کیونکہ اس کا وجوب جس وقت کی وجہ سے آیا وہ وقت بھی کیا؟ ناقص، تو وجوب آیا ناقص، جب وجوب ناقص تو ادا ناقص سے بھی کام چل جائے گا، لہٰذا اس وقت نماز ادا کرے گا تو نماز ہو جائے گی۔ جبکہ باقی نمازوں کے جو اوقات ہیں ان میں جو پورا وقت کامل ہے، جب پورا وقت کامل ہے تو وجوب بھی کس قسم کا آئے گا؟ کامل، تو لہٰذا وہ کامل ادا کے ساتھ ہی وہ ادا ہو گی، ناقص وقت میں وہ ادا، تو کامل وقت میں ہی ادا ہو گی، ناقص وقت میں ادا نہیں۔

اور جب یہ تو تھا وہ صورت جب نماز وقت کے اندر پڑھے، تو وہ جز جو نماز کے ساتھ متصل ہے اس کو وجوب کا سبب قرار دیا جائے گا۔ اور اگر وقت پورا گزر جائے اور ایک شخص نے نماز ہی نہیں پڑھی تو اب پورے وقت کو وجوب کا سبب قرار دیا جائے گا۔ اب پورے وقت کو وجوب کا سبب قرار دیا جائے گا۔ مثلاً ظہر کی نماز ہے اور ایک عصر کا وقت شروع ہو گیا، ایک شخص نے ابھی تک نماز ظہر کی نہیں پڑھی، اب وہ قضا نماز پڑھنا چاہتا ہے، تو کیا کہیں گے؟ قضا اس کے ذمے ہے یا نہیں ہے؟ قضا ہے، قضا اس کے ذمے واجب۔ تو یہ وجوب کس وقت کی وجہ سے آیا؟ اب کہیں گے پورے ظہر کا وقت جو ساڑھے بارہ سے لے کر مثلاً ساڑھے چار یا پانچ بجے تک جتنا بھی وقت ہے، یہ سارا وقت اس نماز کے وجوب کا سبب ہے۔ اس نے اس وقت کو پایا لہٰذا اس پر نماز کیا ہو گئی؟ واجب ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو وقت کے بعد جب ادا کریں گے تو پھر پورے وقت کو وجوب کا سبب قرار دیں گے۔ بھئی کیوں؟ اب پورے وقت کو کیوں وجوب کا سبب قرار دیتے ہیں؟ کہتے ہیں بھئی ہم تو پہلے بھی پورے وقت ہی کو وجوب کا سبب قرار دینا چاہتے تھے، لیکن اس میں کیا لازم آ رہی تھی؟ اس میں خرابی لازم آ رہی تھی کہ وقت کے اندر تو پھر کوئی ادا کر ہی نہیں سکتا، ادا کرنا ہی کب پڑے گی؟ وقت کے بعد بھئی۔ اور اب تو وقت گزر گیا ہے اب پورے وقت کو اگر وجوب کا سبب قرار دے بھی دیا جائے تو وہ خرابی لازم نہیں آتی، اب تو نماز ویسے ہی قضا ہو چکی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے **إِلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ عِنْدَ الْغُرُوبِ**، مگر اسی دن کی عصر کی نماز غروب کے وقت، **لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْءُ الْقَائِمُ**۔ اچھا بھئی، میں نے کیا بتلایا؟ اسی دن کی عصر کی نماز پڑھنا چاہے تو اس وقت پڑھ سکتا ہے، گزشتہ دن کے عصر کی قضا کرنا چاہتا ہے غروب کے وقت وہ نہیں ہو گی ادا، اس لیے کیونکہ اس کے وجوب کا سبب کیا بنا؟ پورا وقت عصر۔ گزشتہ دن کا عصر کی نماز اس نے نہیں پڑھی اور نماز قضا ہو گئی، اب کیا کہیں گے؟ پورا عصر کا وقت یہ کیا ہے؟ وجوب کا سبب، اور اس میں سے اکثر وقت کیا ہے؟ کامل ہے یا ناقص ہے؟ اکثر وقت کامل ہے تھوڑا سا ناقص ہے، اور **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**، تو گویا سارا وقت ہی گویا کس قسم کا تھا؟ کامل، تو وجوب بھی کس قسم کا آیا؟ کامل، تو نماز کی ادا بھی کامل وقت میں ہونی چاہیے، ناقص وقت میں غروب کے وقت ادا کرے گا تو ادا نہیں ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں مگر یہ کہ اسی دن کی عصر غروب کے وقت، **لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْءُ الْقَائِمُ مِنَ الْوَقْتِ**، اس لیے کیونکہ سبب جو ہے یعنی وجوب کا سبب جو ہے وہ جز ہے وقت کا **الْقَائِمُ** جو قائم ہے یعنی موجود ہے **مِنَ الْوَقْتِ** وقت میں سے، کیونکہ نماز کے وجوب کا سبب وہ جز ہے جو موجود ہے وقت میں سے، اس نماز کے ساتھ ملا ہوا ہے، متصل ہے۔ **لِأَنَّهُ لَوْ تَعَلَّقَ بِالْكُلِّ**، اس لیے کیونکہ اگر وجوب کا تعلق سارے وقت کے ساتھ ہو، **لَوَجَبَ الْأَدَاءُ بَعْدَهُ**، تو واجب ہو گا ادا کو وقت کے بعد کیا جائے بھئی، کہ تو پھر اس صورت میں لازم آئے گا کہ ادا جو ہے وہ واجب ہو گی وقت کے گزرنے کے بعد۔ **وَلَوْ تَعَلَّقَ بِالْجُزْءِ الْمَاضِي**، اور اگر وجوب کا تعلق کس کے ساتھ ہو؟ اس جز کے ساتھ جو گزر چکا ہے، **فَالْمُؤَدِّي فِي آخِرِ الْوَقْتِ قَاضٍ**، تو نماز کو ادا کرنے والا آخر وقت میں **قَاضٍ** وہ قضا کرنے والا ہے، کیونکہ وقت کے بعد ادا کر رہا ہے۔ آپ نے وجوب کا سبب کس کو قرار دیا؟ جو وقت گزر چکا ہے، صورت وہی بات بیان کر رہے ہیں میں نے کہا پہلے انہوں نے ذکر کر دیا سارے وقت کو وجوب کا سبب نہیں دیا جا سکتا، کیوں؟ کیونکہ **لَوْ تَعَلَّقَ بِالْكُلِّ**، اگر سارے وقت کو کیا کیا جائے؟ وجوب کا سبب قرار دیا جائے، **لَوَجَبَ الْأَدَاءُ بَعْدَهُ**، تو واجب ہو گی ادا اس وقت کے گزرنے کے بعد، اس سے پہلے ادا ہی نہیں کر سکتا۔ اور دوسری صورت کیا ذکر کی تھی؟ اگر جز ماضی کا جو وقت گزر چکا ہے ماضی کے اندر اگر اس کو کیا کیا جائے؟ وجوب کا سبب قرار دیا جائے تو پھر اس وقت آپ وقت کے اندر ادا کر رہا ہے لیکن اس کو کیا کہنا لازم آئے گا کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ قضا کر رہا ہے، کیونکہ وجوب کا سبب جو وقت تھا وہ تو ماضی میں گزر چکا ہے اور یہ اس کے بعد ادا کر رہا ہے تو یہ کیا ہے؟ قضا کرنے والا ہے، ادا کرنے والا نہیں۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں: **وَلَوْ تَعَلَّقَ بِالْجُزْءِ الْمَاضِي**، اور اگر وجوب کا تعلق ماضی کے جز کے ساتھ ہو، **فَالْمُؤَدِّي**، تو وہ شخص جو نماز کو ادا کرنے والا ہے، **فِي آخِرِ الْوَقْتِ**، کس میں؟ آخر وقت کے اندر، ہے وقت کے اندر ہی لیکن آخر وقت ہے، تو وہ **قَاضٍ** وہ کیا ہو گا؟ نماز کو قضا کرنے والا ہے، یعنی اس کی قضا کر رہا ہے، حالانکہ وہ تو قضا نہیں کر رہا بلکہ ادا کر رہا ہے۔ معلوم ہوا ان دونوں صورتوں میں خرابی لازم آتی ہے، پورے وقت کو بھی وجوب کا سبب قرار نہیں دے سکتے اور جز ماضی کو بھی وجوب کا سبب قرار نہیں دے سکتے۔

تو **وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ**، تو اور جب اسی طرح جب اس طرح ہے بات، **فَقَدْ أَدَّاهَا كَمَا وَجَبَتْ**، تو تحقیق اس نے نماز کو یعنی عصر کی نماز کو اسی دن کے عصر کی نماز کو جو غروب کے وقت ادا کر رہا ہے، **فَقَدْ أَدَّاهَا كَمَا وَجَبَتْ**، تو اس نے بھی اس نماز کو ادا کیا جیسے وہ واجب ہوئی تھی۔ آخر وقت میں واجب بھی کیسی ہوئی؟

سبق نمبر ۴۱: مسئلہ بثَلَاثَةُ أَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ عَلَي...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

ناقص، اور یہ ادا بھی کس وقت میں کر رہا ہے؟ ناقص، تو جیسی واجب ہوئی تھی ویسی ہی ناقص یہ ادا کر رہا ہے تو یہ ادا ہو جائے گی۔

بِخِلَافِ غَيْرِهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ، بخلاف کہ اس نماز کے علاوہ جو اور نمازیں ہیں، **لِأَنَّهَا وَجَبَتْ كَامِلَةً**، اس لیے کیونکہ وہ نمازیں جو ہیں وہ کامل ہو کر واجب ہوئی ہیں کیونکہ ان کا وقت کامل ہے، **فَلَا تَتَأَدَّى بِالنَّاقِصِ**، تو وہ نمازیں ادا نہیں ہوں گی کس کے ساتھ؟ ناقص کے ساتھ، ناقص وقت میں یا ناقص ادائیگی کے ساتھ وہ ادا نہیں ہوں گی۔

قَالَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، اس سے کون مراد ہیں؟ صاحب ہدایہ، وہ فرماتے ہیں: **وَالْمُرَادُ بِالنَّفْيِ الْمَذْكُورِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ الْكَرَاهَةُ**، صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں متن میں تو آیا تھا: «**وَلَا صَلَاةُ جَنَازَةٍ وَلَا سَجْدَةُ تِلَاوَةٍ**»، **أَيْ: لَا تَجُوزُ**، یہ جائز نہیں، صاحب ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھئی یہاں جائز ہونے سے مراد کراہت ہے، یہ معنی نہیں کہ یہ ہوں گی نہیں۔ ہاں، یہ کیا ہے ان کا ان اوقات میں ادا کرنا، تین اوقات میں ان کا ادا کرنا مکروہ ہے، مکروہ تحریمی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْمُرَادُ بِالنَّفْيِ الْمَذْكُورِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ الْكَرَاهَةُ**، اور وہ نفی جو ذکر ہوئی بھئی نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت کے بارے میں اس سے مراد جو ہے **الْكَرَاهَةُ** کراہت ہے، **حَتَّى لَوْ صَلَّى فِيهِ أَوْ تَلَا سَجْدَةً فِيهِ وَسَجَدَهَا جَازَ**، یہاں تک کہ اگر اس وقت کے اندر **صَلَّى** نماز جنازہ کو پڑھ لیا **فِيهِ** اس وقت کے اندر، **أَوْ تَلَا سَجْدَةً فِيهِ** یا تلاوت کر لی آیۂ سجدہ کی **فِيهِ** اس وقت میں، **وَسَجَدَهَا** اور اس پھر سجدہ کر لیا اس تلاوت آیۂ سجدہ کا، **جَازَ** تو یہ بھی جائز ہے، **لِأَنَّهَا أُدِّيَتْ نَاقِصَةً كَمَا وَجَبَتْ**، اس لیے کیونکہ یہ ناقص ادا کیے گئے جیسے کہ **وَجَبَتْ** جیسے کہ یہ واجب ہوئے تھے۔

بھئی ان اوقات میں اگر سجدۂ تلاوت کر لیتا ہے یا نماز جنازہ پڑھ لیتا ہے تو یہ ادا ہو جائیں گے۔ ادا ہو جائیں گے، اور البتہ مکروہ ہوں گے۔ بھئی کیوں ادا ہو جائیں گے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ان کا وجوب ناقص ہوا تو ادا بھی ناقص وقت میں ہو جائے گی۔ بھئی ان کا وجوب ناقص کیسے ہوا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ نماز جنازہ تب واجب ہوتی ہے جب جنازہ حاضر ہو جائے، اور نماز اور جنازہ جب اس مکروہ وقت میں حاضر ہوا تو اسی وقت وجوب بھی آیا نماز جنازہ کا تو وجوب بھی کس قسم کا آئے گا؟ ناقص آئے گا، تو لہٰذا اس ناقص وقت میں ادا ہو جائے گی۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے آیۂ سجدہ تلاوت کرنے سے، اور جب اس ناقص وقت کے اندر آیۂ سجدہ تلاوت کی تو وجوب بھی کس قسم کا آیا؟ ناقص آیا، تو اس وقت میں ادا کرے گا تو ادا بھی ناقص ہوئی وجوب کے مطابق بھئی، تو ادا ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **لِأَنَّهَا أُدِّيَتْ نَاقِصَةً كَمَا وَجَبَتْ**، اس لیے کس کے کیونکہ اس کو ادا کیا گیا ناقص ہی جیسے یہ واجب ہوئی تھی، **إِذِ الْوُجُوبُ بِحُضُورِ الْجَنَازَةِ وَالتِّلَاوَةِ**، اس لیے کیونکہ وجوب جو ہے واجب ہونا جو ہے وہ جنازے کے حاضر ہونے سے اور تلاوت کرنے سے ہے بھئی۔ یہاں تک دلیل سمجھ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَنَفَّلَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ، اور مکروہ ہے نفل پڑھنا فجر کے بعد **حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ** یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، **وَبَعْدَ الْعَصْرِ** اور عصر کی نماز کے بعد **حَتَّى تَغْرُبَ** یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

بھئی یاد رکھیے فجر جب فجر صادق طلوع ہو جائے تو پھر فجر کی دو سنتوں کے علاوہ اور نوافل پڑھنا مکروہ ہیں بھئی، اس وقت میں اور نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں بھئی، اور نوافل پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور اسی طرح عصر کی نماز پڑھ لی تو عصر کی نماز کے بعد اب نوافل پڑھنا مکروہ ہیں بھئی، مکروہ ہے، نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں۔ ہاں ان اوقات میں قضا نماز وغیرہ پڑھ سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے اور مکروہ ہے نفل پڑھنا فجر کے بعد **حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ** یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، **وَبَعْدَ الْعَصْرِ** اور عصر کی نماز کے بعد **حَتَّى تَغْرُبَ** یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، دلیل اس کی کیا؟ کہتے ہیں: **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنْ ذَلِكَ**، بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، ان اوقات میں نوافل سے منع فرمایا ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ فِي هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائِتَ وَيَسْجُدَ لِلتِّلَاوَةِ وَيُصَلِّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ، اور کوئی حرج نہیں ہے کہ پڑھے نماز ان اوقات کے اندر **الْفَوَائِتَ** فوت شدہ۔ ان اوقات میں فوت شدہ یعنی قضا نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، **وَيَسْجُدَ لِلتِّلَاوَةِ** اور کوئی حرج نہیں کہ ان اوقات میں سجدۂ تلاوت کرے، **وَيُصَلِّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ**، [يَرْحَمُكَ اللهُ] اور ان کوئی حرج نہیں ہے کہ ان اوقات میں **يُصَلِّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ** کیا کرے؟ نماز جنازہ پڑھے بھئی، جنازے پر نماز پڑھے یعنی نماز جنازہ پڑھے۔

بھئی کیا وجہ ہے؟ فوت شدہ یعنی قضا نمازیں پڑھنے میں بھی آپ نے بتلایا، سجدۂ تلاوت کرنے میں اور اسی طرح نماز جنازہ ان دو اوقات میں یعنی طلوع فجر کے بعد طلوع شمس تک اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک، ان دو وقتوں میں قضا نمازیں پڑھنے میں، سجدۂ تلاوت کرنے میں اور نماز جنازہ پڑھنے کے اندر اس میں کوئی حرج نہیں وہ پڑھ سکتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ كَانَتْ لِحَقِّ الْفَرْضِ**، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جو کراہت تھی وہ حق فرض کی وجہ سے تھی۔ کس کی وجہ سے؟ **لِيَصِيرَ الْوَقْتُ كَالْمَشْغُولِ بِهِ**، تاکہ یہ وقت اس طرح ہو جائے گویا کہ اسی فرضوں میں مشغول تھا بھئی، انہی فرضوں میں گزرا۔

بھئی دیکھیے، حدیث میں منع کیا گیا ہے فجر، فجر صادق کے طلوع ہو جانے کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک اس دوران نوافل پڑھنے سے منع کیا گیا، تو صرف اس وقت فجر کی دو سنتیں پڑھ سکتا ہے اور پھر اس کے بعد جماعت ہو جائے گی، نوافل وغیرہ نہیں پڑھ سکتا بھئی۔ اسی طرح عصر کی نماز کے بعد نوافل نہیں پڑھ سکتا یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ کیوں؟ اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ کراہت اس وجہ سے کہ یہ وقت جو ہے فرضوں کا حق ہے۔ یہ وقت کس کا حق ہے؟ فرضوں کا حق ہے۔ تو یہ وقت ہونا تو یہ چاہیے کہ اس سارے وقت کو فرضوں میں صرف کرنا چاہیے، یعنی فجر کی نماز اتنی لمبی ہونی چاہیے کہ کیا کر لے؟ اس سارے وقت کا احاطہ کر لے، سارے وقت کا۔ تو یہ ہونا تو اس طرح چاہیے لیکن اس کے اندر چونکہ لوگوں کے لیے مشکل تھی شریعت نے یہ حکم نہیں دیا، بس اس کے اندر جیسے نماز مسنون طریقے سے ہے وہ ادا کر لی جائے، لیکن بہر حال یہ وقت حق کس کا ہے؟ فرضوں کا حق ہے، لہٰذا اگر آپ اس میں نوافل پڑھیں گے تو یہ وقت آپ نے کس کو دے دیا؟ نوافل کو دے دیا، اور یہ وقت تو حق تھا کس کا؟ فرضوں کا، تو یہ آپ نے وقت حقدار کو دیا یا غیر حقدار کو دے دیا؟ غیر حقدار کو دینا لازم آئے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اس لیے ان اوقات میں نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے۔ تو یہ وقت کس کا حق ہے؟ فرضوں کا حق ہے۔

تو جب یہ فرضوں کا حق ہے تو اس یہ کراہت جو ہے یہ فرضوں کے حق میں اور اسی طرح واجب کے حق میں ظاہر نہیں ہو گی، واجب لذاتہ کے حق میں۔ یعنی اسی وقت میں اگر کوئی قضا نماز پڑھنا چاہے تو قضا نماز بھی کیا ہے؟ فرض ہے۔ تو حق بھی کس کا تھا؟ فرض کا، اور ادا بھی کس کو کیا؟ فرض ہی کو، لہٰذا یہ فرض ہو جائیں گے، صحیح ہیں بھئی۔ اور اسی طرح وہ چیز جو اپنی ذات کی وجہ سے واجب ہے، جو اپنی ذات کی وجہ سے واجب ہے جیسے نماز جنازہ ہے جب جنازہ حاضر ہو گیا تو جو موجود لوگ ہیں ان پر کیا ہو جاتا ہے؟ جنازہ نماز جنازہ ان پر واجب ہو جاتی ہے۔ تو اسی طرح سجدۂ تلاوت ہے تو یہ چیزیں اپنی ذات کے اعتبار سے واجب ہیں، یعنی یوں کہیں شریعت کی طرف سے واجب ہیں بندے کے عمل کا اس میں دخل نہیں۔ کس کی طرف سے واجب ہیں؟ شریعت کی طرف سے واجب ہیں بندے کے عمل کا اس میں دخل نہیں، جب بندے کے عمل کا دخل نہیں شریعت کی طرف سے واجب ہیں، ضروری ہیں، تو لہٰذا فرض بھی کیا تھے؟ ضروری، اسی طرح یہ واجب لذاتہ بھی کیا ہے؟ ضروری، تو لہٰذا ان کو بھی پڑھے گا تو یہ صحیح ہیں بھئی۔ کیونکہ حق کس کا تھا؟ فرض، یعنی وہ بھئی نفل ہیں وہ آپ اپنی طرف سے زائد پڑھتے ہیں اور فرض کس کی طرف سے ہیں؟ شریعت کی طرف سے، تو جب آپ اس وقت کو فرضوں میں لگاتے ہیں تو اسی چیز میں لگا رہے ہیں جو شریعت کی طرف سے ہے، یعنی حقدار کو حق دے رہے ہیں۔ سجدۂ تلاوت کر رہے ہیں یا نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں یہ بھی کس کی طرف سے ہیں؟ شریعت کی طرف سے، تو اسی چیز کو وقت ادا کر رہے ہیں، اسی چیز کو حق دے رہے ہیں جس کا وہ حق ہے تو وہ ادا ہو جائیں گی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ دلیل سمجھ میں آئی؟

کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ كَانَتْ لِحَقِّ الْفَرْضِ لِيَصِيرَ الْوَقْتُ كَالْمَشْغُولِ بِهِ**، اس لیے کیونکہ کراہت جو ہے یہ فرضوں کے حق کی وجہ سے ہے تاکہ یہ وقت جو ہے اس میں مشغول کی طرح ہی ہو جائے، **لَا لِمَعْنًى فِي الْوَقْتِ**، نہ کہ کسی سبب کی وجہ سے وقت کے اندر، یعنی وقت کے اندر کوئی علت نہیں، وقت کے اندر کوئی خرابی نہیں، بلکہ خرابی کیا تھی کہ یہ وقت حق کس کا ہے؟ فرضوں کا، تو فرض یا شریعت کی طرف سے جو چیز واجب ہے ان کو تو پڑھا جا سکتا ہے، جو شریعت کی طرف سے واجب نہیں وہ ان کو ان کو نہیں کی ادا کی، ان کو یہ وقت نہیں دیا جا سکتا۔

اچھا بھئی، کیا دلیل چل رہی ہے؟ یہاں کراہت کس وجہ سے ہے؟ کہ یہ وقت کس کا حق ہے؟ فرضوں کا، معلوم ہوا وقت کے اپنی ذات میں کوئی خرابی نہیں ہے، بلکہ صرف کیا وجہ ہے کہ یہ وقت فرضوں کا حق ہے، تو لہٰذا یہ کراہت جو ہے دوسرے فرضوں کے لیے بھی ظاہر نہیں ہو گی، دوسرے فرائض پڑھتا ہے یعنی قضا نمازیں پڑھتا ہے وہ پڑھنا بھی مکروہ نہیں۔ سجدۂ تلاوت کے حق میں بھی یہ کراہت ظاہر نہیں ہو گی، معلوم ہوا سجدۂ تلاوت بھی اس وقت کرنا مکروہ نہیں۔ نماز جنازہ بھی شریعت کی طرف سے واجب ہے لہٰذا اس کے حق میں بھی کراہت ظاہر نہیں ہو گی تو نماز جنازہ اگر پڑھے گا تو مکروہ نہیں بلکہ صحیح ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے **لَا لِمَعْنًى فِي الْوَقْتِ**، اس وجہ سے نہیں کہ کوئی علت پائی جا رہی ہے وقت کے اندر یعنی کوئی خرابی وقت میں ہے، وقت میں کوئی خرابی نہیں بلکہ یہ وقت جو ہے فرضوں کا حق تھا۔ **فَلَمْ تَظْهَرْ فِي حَقِّ الْفَرَائِضِ**، تو یہ کراہت ظاہر نہیں ہو گی فرضوں کے حق میں بھی، **وَفِيمَا وَجَبَ لِعَيْنِهِ**، اور ان چیزوں کے اندر بھی جو اپنی ذات کے اعتبار سے واجب ہیں، **كَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ**، جیسے کہ سجدۂ تلاوت ہے۔

آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ سجدۂ تلاوت تو شریعت کی طرف سے واجب نہیں، ہم تلاوت کریں گے آیۂ سجدہ تو سجدہ ہم پہ واجب ہو گا۔ تو ہمارے عمل کا دخل آگیا۔ اور بات چل رہی ہے ان چیزوں کی جو واجب لعینہٖ ہیں جس میں بندے کے عمل کا دخل نہ ہو، صورت سمجھ میں؟ آگے آپ کو یہ بتائیں گے یہ جو دو وقت ہیں یہ فجر کے بعد سے طلوع شمس تک اور عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک، ان وقتوں میں اگر آپ نے منت مانی تھی نفلوں کی اور وہ منت پوری ہوئی اب آپ کے ذمے دس نفل واجب ہو گئے، اب وہ نفل آپ اس وقت میں پڑھنا چاہتے ہیں وہ منت والے، تو کہیں گے نہیں وہ پڑھنے کی وہ بھی پڑھنا مکروہ ہے۔ کیوں مکروہ ہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ واجب لعینہٖ نہیں، وہ شریعت کی جانب سے واجب نہیں وہ تو نفل ہی تھے، آپ نے اپنے اوپر ان کو کیا کیا ہے؟ واجب کیا، تو اس میں آپ کے عمل کا دخل آگیا۔ تو یہ معلوم ہوا وہ واجب لعینہٖ نہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہی اشکال یہاں بھی ہوتا ہے کہ سجدۂ تلاوت بھی اس میں بھی بندے کے عمل کا دخل ہے، آپ آیۂ سجدہ تلاوت کریں گے تو آپ پر سجدہ واجب ہے، آپ آیۂ سجدہ تلاوت نہیں جب تک کرتے آپ پر سجدہ کرنا بھی واجب نہیں، تو اس میں بھی کس کے عمل کا دخل آگیا؟ بندے کے عمل کا دخل آگیا تو پھر آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ یہ سجدۂ تلاوت واجب لعینہٖ کی مثال ہے؟ جواب یہ کہ سجدۂ تلاوت جو ہے وہ واجب لعینہٖ ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے

واجب ہے۔ بھئی کیسے واجب ہے؟ وہ تو ہم تلاوت کریں گے پھر واجب ہو گا ویسے واجب ہی نہیں ہو گا؟ کہتے ہیں نہیں، آپ کی تلاوت کے بغیر بھی آپ پر واجب ہو جاتا ہے، آپ بیٹھے ہوئے تھے آپ کے ساتھی نے آیۂ سجدہ تلاوت کر لی، آپ پر واجب ہوا یا نہیں ہوا؟ واجب ہو گیا، معلوم ہوا اس میں آپ کے عمل کا دخل نہیں۔ کیوں واجب ہوا؟ کیونکہ آپ نے آیۂ سجدہ کو سن لیا، سن لیا بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو معلوم ہوا سجدۂ تلاوت کیا ہے؟ واجب لعینہٖ ہے۔

تو کہتے ہیں لہٰذا یہ کراہت ظاہر نہیں ہو گی فرضوں کے حق میں بھی یعنی فرض بھی مکروہ نہیں ہوں گے، **وَفِيمَا وَجَبَ لِعَيْنِهِ**، اور ان چیزوں کے بارے میں بھی جو اپنی ذات کے اعتبار سے واجب ہیں جیسے سجدۂ تلاوت، لہٰذا وہ بھی مکروہ نہیں ہوں گے۔

وَظَهَرَتْ فِي حَقِّ الْمَنْذُورِ، ہاں البتہ یہ کراہت ظاہر ہو گی نذر کے حق میں، نذر منت کو کہتے ہیں، منذور جن کی جس چیز جن نوافل کی منت مانی گئی ہے، ان کے حق میں یہ کراہت ظاہر ہو گی یعنی وہ منت والے نفل اس وقت پڑھنا مکروہ ہوں گے، **لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ وُجُوبُهُ بِسَبَبٍ مِنْ جِهَتِهِ**، اس لیے کیونکہ تعلق ہوا ہے ان کے وجوب کا ایک ایسے سبب کے ساتھ **مِنْ جِهَتِهِ** یہ جو اس شخص کی طرف سے ہے، جو اس منت ماننے والے کی طرف سے ہے۔ بھئی یہ منت والے نوافل آپ پر کیوں واجب ہوئے؟ منت پوری ہو گئی، اور وہ منت کس نے مانی تھی؟ اس منت ماننے والے نے مانی تھی، اگر وہ منت نہ مانتا تو اس پر یہ دس نفل واجب ہوتے؟ نہیں، تو معلوم ہوا اس میں اس کے عمل کا دخل آ گیا، معلوم ہوا یہ واجب لعینہٖ نہیں۔ جب واجب لعینہٖ نہیں تو ان کے ان کے لیے وہ کراہت ظاہر ہو گی اور ان کی اس وقت ادائیگی مکروہ ہو گی۔ یہ معنی ہے **لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ وُجُوبُهُ بِسَبَبٍ مِنْ جِهَتِهِ**، اس لیے کیونکہ وہ جو منذور ہے اس کے وجوب کا تعلق ایک ایسے سبب سے ہے **مِنْ جِهَتِهِ** جو اس منت ماننے والے کی جانب سے ہے یعنی اس کے عمل کا دخل ہے۔

وَفِي حَقِّ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ، یاد رکھیے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے جائیں تو یہ ایک طواف کہلاتا ہے، کتنے چکر؟ سات۔ حجر اسود سے طواف کی ابتدا ہوتی ہے اور پھر حجر اسود حجر اسود سے دروازے کی جانب چلتے ہوئے یعنی بایاں کندھا بیت اللہ کی طرف رہتا ہے طواف میں، بایاں کندھا بیت اللہ کی طرف رہتا ہے، یعنی یوں کہیں انسان کا قلب جو ہے وہ بیت اللہ کی طرف رہتا ہے، کیونکہ دل کس جانب ہوتا ہے؟ بائیں جانب ہوتا ہے، تو قلب بیت اللہ کی جانب رہتا ہے اور اس طرح سات چکر جب ہو جائیں گے اور ساتویں چکر پر جب حجر اسود پر پہنچ جائے گا تو یہ ایک طواف مکمل ہوا، اور ہر طواف کے بعد دو دو رکعتیں پڑھنا واجب ہیں بھئی۔ ہر طواف کے ساتھ دو رکعتیں پڑھنا واجب ہیں، تو یہ سات چکر جب لگا لے گا پھر دو رکعتیں بھی اس کو پڑھنا پڑیں گی بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ دو رکعتیں واجب الطواف ہیں، کیا ہیں؟ واجب الطواف۔ اب کوئی شخص طواف کرتا ہے اور اس پر دو یہ دو رکعتیں واجب ہیں اور ان کو وہ اس وقت ادا کرنا چاہتا ہے کہتے ہیں بھئی اس میں بھی اس کے عمل کا دخل ہے لہٰذا ان کا ادا کرنا بھی مکروہ ہو گا۔ بھئی اس کے عمل کا کیسے دخل ہے؟ کہتے ہیں بھئی اس نے طواف کیا تو اس پر یہ دو رکعتیں واجب ہوئیں، اگر یہ طواف نہ کرتا تو اس پر یہ دو رکعتیں بھی واجب نہ ہوتیں۔ یہ معنی ہے: **وَفِي حَقِّ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ**، اور طواف کی دو رکعتوں کے حق میں، اصل میں تھا **رَكْعَتَيْنِ** نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

وَفِي الَّذِي شَرَعَ فِيهِ ثُمَّ أَفْسَدَهُ، اسی طرح یاد رکھیے آپ نے پڑھا ہو گا کہ نوافل، نوافل ہیں جب تک شروع نہ کیے جائیں، مرضی ہے پڑھیں نہ پڑھیں، لیکن جب ایک دفعہ شروع کر دیے اب یہ واجب ہو گئے، لہٰذا اگر کسی وجہ سے درمیان میں نفل کو توڑنا پڑا تو آپ پر اس کی قضا ضروری ہو گی، آپ کو پھر اب دو رکعتیں پڑھنا پڑیں گی بعد میں، اب وہ نفل نہیں ہیں بلکہ اب وہ واجب بن چکے آپ کے ذمے ہیں بھئی۔ تو کیا یہ جو نفل توڑ دیے تھے نفل فاسد ہو گئے تھے اور پھر ان کو کیا کرتا ہے وہ؟ پھر لوٹاتا ہے، تو کیا ان اوقات میں وہ پڑھ سکتا ہے؟ کہتے ہیں نہیں، اس میں بھی اس کے عمل کا دخل ہے لہٰذا ان کا پڑھنا بھی مکروہ ہو گا بھئی، مکروہ ہو گا۔ بھئی اس کے عمل کا کیسے دخل ہے؟ کہتے ہیں بھئی یہ نہ شروع کرتا تو اس پر واجب بھی نہ ہوتے بھئی۔

کہتے ہیں: **وَفِي الَّذِي شَرَعَ فِيهِ ثُمَّ أَفْسَدَهُ**، اور اسی طرح یہ کراہت ظاہر ہو گی ان نفلوں کے حق میں بھی، اس نماز کے حق میں بھی **شَرَعَ فِيهِ** جس میں یہ شخص شروع ہو گیا یعنی اس کو شروع کر دیا **ثُمَّ أَفْسَدَهُ** پھر اس کو کیا کر دیا؟ فاسد کر دیا یعنی توڑ دیا۔ **لِأَنَّ الْوُجُوبَ لِغَيْرِهِ**، اب یہ دلیل ذکر کر رہے ہیں، پیچھے دو باتیں ذکر کیں: طواف کی دو رکعتوں کے حق میں بھی کراہت ظاہر ہو گی اور وہ نفل جو شروع کیے تھے اور پھر فاسد کر دیے ان کے حق میں بھی یہ کراہت ظاہر ہو گی، کیوں؟ کہتے ہیں **لِأَنَّ الْوُجُوبَ لِغَيْرِهِ**، اس لیے کیونکہ یہاں وجوب کس کی وجہ سے ہے؟ غیر کی وجہ سے ہے، یعنی اس شخص کے اپنے عمل کا دخل ہے بھئی، وہ کیا؟ کہتے ہیں: **وَهُوَ خَتْمُ الطَّوَافِ**، اور وہ طواف کا ختم کرنا، پورا کرنا ہے، اس وقت میں طواف کو اس نے پورا کیا ہے، اگر یہ اس وقت نہ کرتا تو اس پر یہ دو بھی اس پر واجب نہ ہوتیں۔ **وَصِيَانَةُ الْمُؤَدَّى عَنِ الْبُطْلَانِ**، اور وہ جو نفل پڑھ کر نفل شروع کر کے فاسد کر دیے تھے اس میں بھی اس میں بھی کس کے عمل کا دخل آیا اور اب اس کو بطلان سے بچانے کے لیے اس پر یہ نفل کیا ہیں؟

بھئی دیکھیے، جب ایک شخص نفل شروع کرتا ہے، شروع کرنے سے پہلے نفل ہیں پڑھنا چاہے پڑھے، نہیں پڑھنا چاہتا نہ پڑھے، لیکن جب شروع کر دیے اب واجب ہو گئے۔ کیوں واجب ہو گئے؟ وجہ اس کی یہ کہ جب یہ نفلوں کو بیچ میں فاسد کرے گا تو کچھ حصہ نفل کا پیچھے گزر گیا یا نہیں گزر گیا؟ کچھ حصہ گزر گیا اور وہ حصہ صحیح تھا یا صحیح نہیں تھا؟ وہ حصہ تو صحیح تھا، تو اس کو باطل ہونے سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس کو پھر ادا کر کے پورا کر دیں۔ کیا کر دیں؟ ورنہ اگر اگر واجب نہ قرار دیا جائے تو وہ جو صحیح حصہ تھا عبادت کا وہ باطل ہو جائے گا یا نہیں ہو جائے گا؟ وہ تو باطل ہو جائے گا، ختم ہوا، رہ گئے ویسے ہی، لہٰذا شریعت نے کیا کہا کہ جب نفل شروع کر دیے ہیں تو

اب آپ پر کیا ہو گئے؟ واجب۔ دلیل اس کی کیا؟ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: **وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ**، اپنے عملوں کو باطل نہ کرو، اور یہ جو صحیح ہوا تھا یہ بھی عمل تھا یا عمل نہیں تھا؟ یہ بھی عمل تھا، عبادت تھی، لہٰذا اس کو باطل نہیں کر سکتے اب، اب اس کو پورا کرنا پڑے گا، اور پورا کرنے کی کیا صورت ہے؟ اس سے آگے تو پڑھ نہیں سکتے، تو نئے سرے سے اسی کو پورے طور پر پڑھ لے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ معنی ہے: **وَصِيَانَةُ الْمُؤَدَّى عَنِ الْبُطْلَانِ**، اور بچانے کے لیے اس کو وہ جو ادا کیا گیا تھا **عَنِ الْبُطْلَانِ** کس چیز سے؟ باطل ہونے سے بچانے کے لیے اس پر یہ نماز واجب ہوئی ہے اور اس میں اس کے عمل کا دخل ہے کہ اس نے خود شروع کیے تھے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ دیکھیے بھئی: **لِأَنَّ الْوُجُوبَ لِغَيْرِهِ**، اس لیے کیونکہ وجوب جو ہے غیر کی وجہ سے آیا ہے، اس کی ذات کی وجہ سے وجوب نہیں آیا بلکہ غیر کی وجہ سے وجوب آیا، بھئی وہ کیا غیر ہے جس کی وجہ سے وجوب آیا یہ طواف کی دو رکعتوں کا؟ کہتے ہیں: **وَهُوَ خَتْمُ الطَّوَافِ**، اور وہ طواف کا ختم کرنا ہے، اس کی وجہ سے وجوب آیا اور وہ اس کے عمل کی وجہ سے تھا، اور نیز یہ نفلوں کو شروع کرنے کے بعد جب فاسد کیا تھا اس میں بھی وجوب آیا، وجوب ان کی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں وہ تو نفل تھے بلکہ وجوب کس وجہ سے آیا ہے؟ غیر کی وجہ سے، اور وہ غیر کیا ہے؟ **صِيَانَةُ الْمُؤَدَّى عَنِ الْبُطْلَانِ**، اس ادا کیے ہوئے حصے کو باطل ہونے سے بچانے کے لیے ہے اور وہ جو حصہ تھا وہ اس نے خود شروع کیا تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَنَفَّلَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ بِأَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، اور مکروہ ہے نفل پڑھنا فجر طلوع ہو جانے کے بعد **بِأَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ** فجر کی دو رکعت سے زیادہ۔ بھئی یہی مسئلہ جو میں نے ابھی بیان کیا، طلوع فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اس کے اندر فجر کی نماز واجب ہے اور اس کے ساتھ صرف کیا پڑھ سکتے ہیں؟ صرف دو سنتیں پڑھ سکتے ہیں اور نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے، یہی بات بیان کر رہے ہیں: **وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَنَفَّلَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ بِأَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ**، اور مکروہ ہے نفل پڑھنا فجر طلوع ہو جانے کے بعد **بِأَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ** فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ، ان دو سے زیادہ نفل پڑھنا مکروہ ہے، وہ دو اور وہ دو تو کیا ہیں؟ سنت ہیں بھئی۔

لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزِدْ عَلَيْهِمَا مَعَ حِرْصِهِ عَلَى الصَّلَاةِ، بھئی مکروہ کیوں ہے اور نفلوں کا پڑھنا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے **لَمْ يَزِدْ عَلَيْهِمَا** ان دو رکعتوں پر زیادتی نہیں فرمائی، حضور علیہ السلام نے ہمیشہ طلوع فجر کے بعد صرف یہی دو سنتیں ہی ادا فرمائی ہیں، **مَعَ حِرْصِهِ عَلَى الصَّلَاةِ** باوجود حضور علیہ السلام کے نماز پر حرص کے، باوجود اس کے کہ حضور علیہ السلام نماز کے بڑے حریص تھے اور آپ کی کوشش ہوتی تھی زیادہ سے زیادہ ادا فرمائیں، لیکن آپ نے کبھی بھی طلوع فجر کے بعد ان دو سنتوں پر زائد نوافل ادا نہیں کیے، معلوم ہوا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اور نوافل کا ادا کرنا مکروہ ہے۔

وَلَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَ الْغُرُوبِ قَبْلَ الْفَرْضِ، اور نفل نہ پڑھے سورج غروب ہو جانے کے بعد **قَبْلَ الْفَرْضِ** مغرب کے فرضوں سے پہلے۔ سورج غروب ہو گیا اب مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا ہے، اس نماز سے پہلے آپ نفل پڑھنا چاہتے ہیں کہتے ہیں نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ کیوں؟ کہتے ہیں: **لِمَا فِيهِ مِنْ تَأْخِيرِ الْمَغْرِبِ**، کیونکہ اس کے اندر مغرب میں تاخیر لازم آئے گی، مغرب کو مؤخر کرنا لازم آئے گا۔

وَلَا إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ لِلْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَى أَنْ يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ، اور اسی طرح نفل نہ پڑھے جس وقت امام نکل آئے، نکل آئے **لِلْخُطْبَةِ** کس کیا دینے کے لیے؟ خطبہ دینے کے لیے **يَوْمَ الْجُمُعَةِ** جمعے کے دن، **إِلَى أَنْ يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ** یہاں تک کہ وہ خطبے سے فارغ ہو جائے۔ جمعے کے دن جب امام خطبہ دینے کے لیے نکل آئے تو اس کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ امام خطبہ دے کر فارغ ہو جائے پھر پڑھ سکتے ہیں اس سے پہلے پڑھنا مکروہ۔

بھئی اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں: **لِمَا فِيهِ مِنَ الِاشْتِغَالِ عَنِ اسْتِمَاعِ الْخُطْبَةِ**، اس وجہ سے کہ اس میں مشغول ہونا ہے، **اِسْتِمَاع** کا معنی توجہ سے سننا، **عَنِ اسْتِمَاعِ الْخُطْبَةِ** خطبہ توجہ سے سننے سے مشغول ہونا یعنی اس سے اعراض کرنا ہے۔ **اِشْتَغَلَ** کا صلہ جب **عَنْ** آجائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں اعراض کرنے کے، منہ موڑنا بھئی۔ اس وجہ سے کہ اس کے اندر اعراض کرنا ہے، رخ پھیرنا ہے کس چیز سے؟ خطبے کو توجہ سے سننے سے، یعنی اس سے منہ موڑنا ہے، حالانکہ خطبے کو تو توجہ کے ساتھ سننا ضروری ہے بھئی، سننا ضروری ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

جی، چلیے بس بھئی۔ **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

طالب علم: بھئی یہ جو عصر کا عصر کے وقت نوافل مکروہ ہیں، یہ عصر کا وقت شروع ہونے کے بعد ہے یا عصر کی سنتوں کے بعد؟

مدرس: عصر کی، بھئی یہ پوچھ رہے ہیں کہ یہ عصر کے بعد نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے تو کیا عصر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد؟ تو یاد رکھیے عصر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ آپ نے ابھی پچھلے سبق میں پڑھا تھا کہ عصر کے اندر تاخیر مستحب ہے، عصر کی نماز ذرا دیر کر کے پڑھی جائے، مؤخر کر کے۔ کیوں دیر کر کے پڑھی جائے؟ حالانکہ عصر کا وقت شروع ہو چکا ہے، اور وجہ انہوں نے ذکر کی تھی تکثیرِ نوافل تاکہ نفل زیادہ سے زیادہ ہو سکیں وقت مل جائے۔ تو عصر کا وقت شروع ہو گیا آپ پھر بھی نوافل پڑھ سکتے ہیں جب تک آپ نے عصر کے فرض نہیں پڑھے، جب فرض پڑھ لیں گے اس کے بعد اب نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے بھئی۔

سبق نمبر ۴۲: بَابُ الْأَذَانِ

ہدایہ صفحہ: ۸۴ــــ بتاریخ: ۶ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«بَابُ الْأَذَانِ» «الْأَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ لَا سِوَاهَا لِلنَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ، وَصِفَةُ الْأَذَانِ مَعْرُوفَةٌ وَهُوَ كَمَا أَذَّنَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَا تَرْجِيعَ فِيهِ» [1]

«**بَابُ الْأَذَانِ**» بھائی۔ یاد رکھیے یہ لفظ اذان ہے بھائی، اذان۔ آذان نہیں بھائی، الف کو لمبا نہیں کرنا شروع میں۔ «**بَابُ الْأَذَانِ**»۔

اور اذان جو ہے، عربی زبان میں اطلاع دینا۔ اطلاع دینا، اس کا کیا معنی ہے؟ اطلاع دینا۔ اور بعض علماء نے لکھا کہ بلند آواز کے ساتھ اطلاع دینا اس کو اذان کہتے ہیں عربی زبان میں۔ جبکہ اصطلاحِ شریعت میں نماز کا وقت داخل ہونے پر جو اعلان کیا جاتا ہے، جو اطلاع دی جاتی ہے مخصوص طریقے پر، مخصوص الفاظ کے ساتھ، اسے اذان کہتے ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ تعریف انہوں نے دی ہوئی ہے آپ کے حاشیے میں کہ «**الْأَذَانُ هُوَ لُغَةً إِعْلَامٌ، وَشَرْعًا إِعْلَامُ دُخُولِ وَقْتِ الصَّلَاةِ عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ**»۔ نماز کے وقت کے داخل ہونے کا اعلان کرنا، اس کی اطلاع دینا مخصوص طریقے پر بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**بَابُ الْأَذَانِ**» یہ باب ہے اذان کے بیان میں۔ «**الْأَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ**» اذان جو ہے سنت ہے پانچ نمازوں کے لیے، «**وَالْجُمُعَةِ**» اور جمعے کے لیے۔ پانچ نمازیں اور جو جمعہ ہے اس کے لیے اذان سنت ہے، یعنی سنتِ مؤکدہ ہے بھائی۔ «**لَا سِوَاهَا**» نہ کہ اس کے علاوہ اور نمازوں کے لیے۔ تو انہی کے لیے اذان دینا یہ سنتِ مؤکدہ ہے۔ باقی جو نمازیں ہیں مثلاً عیدین کی نماز ہے، صلاۃ کسوف ہے، صلاۃ خسوف ہے، نماز استسقاء ہے وغیرہ، ان کے لیے اذان مسنون نہیں بھائی، ان میں اذان نہیں ہے بھائی۔ ہاں، یہ پانچ نمازیں اور جمعے کے لیے اذان سنتِ مؤکدہ ہے۔ اور دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «**لِلنَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ**» بوجہ متواتر منقول ہونے کے۔ کہ یہ بتواتر منقول ہے، ان پانچ نمازوں کے لیے اذان ہے، باقیوں کے لیے نہیں ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَصِفَةُ الْأَذَانِ

«**وَصِفَةُ الْأَذَانِ**» اور اذان کی صفت، یعنی اذان کا طریقہ جو ہے، «**مَعْرُوفَةٌ**» معلوم ہے، معروف ہے۔ اذان کا طریقہ معروف ہے، معلوم ہے۔ «**وَهُوَ كَمَا أَذَّنَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ**» اور وہ اسی طرح جس طرح اذان دی تھی اس فرشتے نے، «**الْمَلَكُ**» وہ فرشتہ «**النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ**» جو آسمان سے اترا تھا۔ اذان کا طریقہ معروف ہے، معلوم ہے، وہ اسی طرح جس طرح کہ اذان دی تھی اس فرشتے نے جو آسمان سے اترا تھا۔

بھئی، یاد رکھیے، یہ اذان جو ہے یہ اس کا آغاز سن ایک ہجری میں ہوا، بعضوں نے دو ہجری لکھا لیکن راجح قول ایک ہجری کا ہے بھائی، سن ایک ہجری میں۔ ابتدا کے اندر مسلمان کم تھے اور تو «**الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ**» ان لفظوں کے ساتھ اعلان کر دیا جاتا۔ «**الصَّلَاةُ**» «**الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ**» نماز جمع کرنے والی ہے۔ تو اس کے ذریعے مسلمانوں کو نماز کے وقت کی اطلاع کی جاتی تھی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ان لفظوں کے ساتھ اعلان فرماتے اور پھر مسلمان آہستہ آہستہ جب زیادہ ہونے لگے، تو اب ضرورت محسوس ہوئی بھائی۔ اب پہلے تو صرف قریب قریب تھے، اب دور والے بھی ہیں ان کو اطلاع دینی ہے نماز وغیرہ کی، تو اس کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ کس طریقے سے لوگوں کو نماز کی اطلاع کی جائے؟

تو بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ آگ جلائی جائے بھائی اس کے لیے۔ اور اسی طرح بعضوں نے اور طریقے کہے، بعضوں نے کہا جس طرح یہ عیسائی وغیرہ کیا کرتے ہیں، وہ عبادت کے لیے وہ گھنٹا بجاتے ہیں جس سے سب کو اطلاع ہو جاتی ہے، اسی طرح گھنٹا وغیرہ بجایا جائے۔ تو چنانچہ پھر کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے وہ گھنٹا بنانے کا حکم بھی دے دیا تاکہ پھر اس کے لیے کیا کیا جائے، اس کو بجا کر سب کو نماز کے کا وقت ہونے کی اطلاع دی جائے۔

[1] شاملہ (ص ۴۳) میں «**لَا**» کے بجائے «**دون ما**» درج ہے۔

تو عبد اللہ ابن زید ابن عبد ربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد اللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ صحابیِ رسول، انہوں نے رات کو خواب دیکھا۔ خواب کے اندر دیکھا کہ ایک شخص ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک گھنٹا ہے، تو یہ اس کو کہتے ہیں کہ کیا تم یہ گھنٹا بیچ دو بیچو گے میرے ہاتھ؟ میں خریدنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا، وہ فرشتہ تھا بھائی خواب میں دیکھا، اس نے کہا: اس کا کیا کرو گے؟ اس نے کہا: اس کے ذریعے ہم لوگوں کو نماز کی اطلاع دیا کریں گے۔ تو اس نے کہا: کیا اس سے اچھا طریقہ میں تمہیں نہ بتلاؤں؟ اور پھر انہوں نے وہ اذان کا طریقہ ان کو بتلایا خواب کے اندر بھائی، خواب کے اندر۔ اور پھر جانے لگے، پھر کہنے لگے اور جب نماز کھڑی ہونے لگے تو اس وقت یہ اقامت کا وہ طریقہ بھی انہوں نے سکھا دیا انہوں نے۔ سمجھ میں آیا؟ اذان کا طریقہ بھی فرشتے نے سکھایا اور اقامت کا طریقہ بھی۔ چنانچہ وہ پھر جب انہوں نے خواب دیکھا، بیدار ہوئے تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ طریقہ حضور علیہ السلام کے سامنے ذکر فرمایا۔ تو حضور علیہ السلام نے پھر ان کو حکم دیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ طریقہ سکھا دیں بھائی۔ اور بعض روایات میں آتا ہے کہ فرشتے کو دیکھا جو سبز دو چادریں اوڑھی ہوئی تھیں اور اس نے اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر بلند آواز کے ساتھ اذان والے کلمات کہے بھائی۔ تو اس طرح یہ اذان شروع ہوئی بھائی۔

اور روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دے رہے تھے، اذان شروع فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جلدی جلدی اپنی چادر کھینچتے ہوئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انہوں نے آ کر کہا کہ میں نے بھی خواب میں اسی طرح دیکھا ہے۔ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: «**سَبَقَكَ الْوَحْيُ**»۔ وحی تم پر سبقت کر گئی۔ «**سَبَقَكَ الْوَحْيُ**»، وحی تم پر سبقت کر گئی۔ معلوم ہوا، وحی کے ذریعے بھی پھر اس کی تائید نازل ہوئی بھائی۔ خواب بھی دکھایا گیا صحابہ کو اور پھر وحی کے ذریعے بھی اس کی تائید ہوئی کہ اس طریقے سے اذان دی جائے نماز کے لیے۔

اور روایات میں آتا ہے کہ یہ خواب صرف حضرت عبد اللہ ابن زید اور صرف حضرت عمر نے نہیں دیکھا، کئی صحابہ نے دیکھا تھا یہ خواب بھائی، کئی صحابہ نے۔ اور پھر وحی کے ذریعے بھی اس کی تائید ہوئی، یعنی یہ اللہ کی طرف سے ہی مقرر کردہ طریقہ ہے بھائی، مقرر کردہ۔ تو وحی سے پہلے خواب صحابہ کو دکھلا دیا گیا، پھر وحی کے ذریعے بھی تائید ہوئی، تو یہ صحابہ کو خواب دکھا دیا گیا وحی سے پہلے ہی بطورِ تعظیم کے، صحابہ کی تعظیم کے طور پر ان کو پہلے ہی خواب میں یہ طریقہ بتلا دیا گیا بھائی اور پھر وحی کے ذریعے بھی اس کی تائید کی گئی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ یہ تھی اذان کا آغاز کی صورت بھائی۔

یہ معنی ہے، کہتے ہیں: «**وَصِفَةُ الْأَذَانِ مَعْرُوفَةٌ**» اور اذان کا طریقہ جو ہے معروف ہے، سب کو یعنی معلوم ہے، «**وَهُوَ كَمَا أَذَّنَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ**» اور وہ جس طرح کہ اذان دی تھی اس فرشتے نے جو اترا تھا آسمان سے۔ «**وَلَا تَرْجِيعَ فِيهِ**» اور اذان کے اندر ترجیع نہیں ہے بھائی، ترجیع۔ بھائی، ترجیع کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھیے، ترجیع یہ ہے کہ اذان میں جو شہادتین ہیں: «**أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ**» اور «**أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ**»، یہ جو شہادتین ہیں، ان کو پہلے دو دو مرتبہ آہستہ آواز سے کہا جائے اور پھر بلند آواز سے کہا جائے، یہ ہے ترجیع۔ ترجیع کا معنی لوٹانا، لوٹانا۔ تو پہلے ان کو آہستہ آواز سے کہا اور پھر انہی کو دوبارہ لوٹایا، دوبارہ ان کو دہرایا اونچی آواز کے ساتھ، یہ کیا ہے؟ ترجیع۔ ہماری اذان میں ترجیع نہیں بھائی، ترجیع نہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ اذان میں ترجیع ہے۔ بعض روایات میں اس کا ذکر آتا ہے بھائی، ترجیع ہے۔ تو ہمارے نزدیک اذان کے کلمات جو ہیں وہ پندرہ ہیں بھائی، پندرہ۔ شروع میں چار مرتبہ «**اللّٰهُ أَكْبَرُ**» ہے، پھر «**أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ**» یہ دو مرتبہ، پھر «**أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ**» یہ دو مرتبہ، کتنے ہو گئے؟ آٹھ ہو گئے۔ پھر «**حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ**» دو مرتبہ اور پھر «**حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ**» دو مرتبہ، کتنے ہو گئے؟ بارہ، اور پھر «**اللّٰهُ أَكْبَرُ**» دو مرتبہ، چودہ ہو گئے اور «**لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ**» یہ پندرہ بھائی۔ تو اذان کے کلمات ہمارے نزدیک پندرہ ہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک انیس ہیں، کیونکہ وہ شہادتین پہلے ان کو دو دو مرتبہ آہستہ آواز سے کہا جائے اور پھر دو دو مرتبہ بلند آواز سے، تو وہ چار کلمات ان کے زائد ہو گئے، انہی کو چار مرتبہ اونچی آواز سے کہنا ہے، تو ان کے نزدیک اذان کے کلمات انیس ہیں بھائی۔ تو یہ جو پہلے آہستہ آواز سے شہادتین کہی جائیں اور پھر اونچی آواز سے، اس کو کہتے ہیں ترجیع بھائی، ترجیع بھائی، انہی کا لوٹانا، انہی شہادتین کا دہرانا بھائی۔ تو ترجیع کا کیا معنی؟ لوٹانا، دہرانا۔

■ مسئلہ: وَلَا تَرْجِيعَ فِيهِ

«**وَلَا تَرْجِيعَ فِيهِ**» اور اذان کے اندر ترجیع نہیں ہے اور ترجیع کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «**وَهُوَ أَنْ يُرَجِّعَ فَيَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالشَّهَادَتَيْنِ بَعْدَ مَا خَفَضَ بِهِمَا**» اور وہ یہ کہ لوٹائے بھائی، پس بلند کرے اپنی آواز کو شہادتین کے ساتھ بعد اس کے کہ جب ان دونوں کے ساتھ آواز کو پست کیا تھا، یعنی پہلے پست کیا تھا، اس کے بعد بلند آواز کے ساتھ ان کو پھر لوٹائے بھائی۔ «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيهِ ذٰلِكَ**» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں «**فِيهِ**» یعنی اذان کے اندر «**ذٰلِكَ**» وہ ہے، یعنی ترجیع ہے، ترجیع ہے «**لِحَدِيثِ أَبِي مَحْذُورَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَهُ بِالتَّرْجِيعِ**» حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترجیع کا حکم دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترجیع کا حکم دیا تھا۔

«**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل یہ ہے «**أَنَّهُ لَا تَرْجِيعَ فِي الْمَشَاهِيرِ**» کہ مشہور احادیث کے اندر ترجیع کا ذکر نہیں ہے، اذان کی جو مشہور احادیث ہیں ان میں ترجیع کا ذکر نہیں۔ «**وَكَانَ مَا رَوَاهُ تَعْلِيمًا**» اور وہ حدیث جس کو انہوں نے روایت کیا ہے، یعنی کہ حضور علیہ السلام نے ان کو ترجیع کا حکم دیا تھا، «**تَعْلِيمًا**» تو حضور کا یہ حکم دینا بطورِ تعلیم کے تھا، «**فَظَنَّهُ تَرْجِيعًا**» تو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ترجیع سمجھے۔ وہ کیا سمجھے؟ حضور علیہ السلام نے ان کو تعلیم دینے کے لیے

یہ حکم دیا تھا اور وہ اس کو ترجیع سمجھے کہ باقاعدہ اذان ہی اس طرح دینی ہے، حالانکہ حضور علیہ السلام ان کو بطورِ تعلیم کے یہ حکم فرمارہے تھے تاکہ ان کے دل میں ایمان پوری طرح اپنی جگہ بنالے، تاکہ ان کے دل میں ایمان پوری طرح اپنی جگہ بنالے۔

یہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یاد رکھیے، یہ مکہ والوں کے مؤذن تھے، حضور علیہ السلام نے ان کو مکہ میں مؤذن مقرر فرمایا بھائی۔ اور واقعہ اس کا یوں ہوا کہ فتح مکہ کے بعد مکہ کے قریب ہی کہیں حضور علیہ السلام صحابہ کے ہمراہ تھے اور نماز کا وقت ہوا، تو حضور علیہ السلام نے اذان کا حکم دیا اور وہ صحابہ جب وہ اذان دے رہے تھے، یہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی بچے تھے بھائی اور یہ بچوں کے ساتھ کھیل میں لگے ہوئے تھے کہیں قریب ہی بھائی، اور ابھی یہ مسلمان نہیں تھے بھائی۔ صحابی جو ہیں وہ جب اذان کے کلمات کہتے، یہ کھیل رہے تھے بچوں کے ساتھ، یہ بھی اونچی آواز کے ساتھ ان کی نقل اتارتے بھائی۔ ادھر یہ اذان کے کلمات صحابی کہتے، ادھر وہ بچوں کے اندر اونچی آواز میں اس کی نقل اتارتے تھے بھائی۔ جب اذان ہوگئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون بچوں میں اذان دے رہا تھا؟ ذرا اس کو بلاؤ بھائی۔

تو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بلایا اور تو وہ خوف کی وجہ سے وہ پھر آئے بھائی کہ اگر میں نہیں جاؤں گا تو یہ نہ ہو کہیں یہ مجھے ڈانٹیں گے، غصے ہوں گے یا کہیں یہ نہ ہو پٹائی کریں، بچے تھے بھائی۔ بڑے کو دیکھ کر جیسے انسان ڈرتا ہے کوئی بڑا بات کہے، تو کہتے ہیں وہ آگئے بھائی، آگئے۔ تو آئے تو حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ کہو بھائی وہ اذان کے کلمات اونچی آواز سے۔ تو انہوں نے اونچی آواز سے وہ کلمات کہے لیکن اور تھے سمجھدار بھائی اور مومن نہیں تھے، تو چنانچہ جب وہ شہادتین پر پہنچے، «**أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ**» اور «**أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ**» پر، تو یہ کلمات جان بوجھ کر آہستہ کہے، کیونکہ مومن تو وہ تھے نہیں، اس بات کو تو تسلیم نہیں کرتے تھے اور اب انکار بھی نہیں کرسکتے کہ یہ سارے لوگ موجود ہیں اس وقت، کیسے انکار کروں میں؟ تو چنانچہ یہ کلمات ذرا آہستہ آواز سے کہے۔ تو حضور علیہ السلام نے حکم دیا ان کلمات کو پھر لوٹانے کا کہ اونچی آواز سے کہو، تو پھر ان کلمات کو انہوں نے اونچی آواز سے کہا بھائی۔ تو یہ ہے، تو یہ حضور علیہ السلام نے ان کے دل میں ایمان کو جمانے کے لیے، پختہ کرنے کے لیے ان کو یہ حکم دیا تھا، بطورِ تعلیم کے تھا لیکن وہ اس کو کیا سمجھے کہ ترجیع یعنی طریقہ ہی یہ ہے، اسی طرح اذان دی جائے گی۔

اور پھر جب انہوں نے اذان دے دی تو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر کے اگلے حصے کے جو بال ہیں ان پر ہاتھ رکھا اور پھر اس ہاتھ کو پھیرتے ہوئے میرے چہرے پر لے آئے، میرے چہرے سے پھیرتے ہوئے میری گردن پر لے آئے اور میری گردن سے پھیرتے ہوئے سینے تک حضور علیہ السلام کا ہاتھ پہنچ گیا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے جس وقت ہاتھ نہیں رکھا تھا، تو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ نفرت اس شخص سے تھی جو میرے ساتھ کھڑا تھا، یعنی حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ نفرت تھی لیکن جب حضور علیہ السلام نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے پھیرتے ہوئے میرے سینے تک لے آئے، تو حضور علیہ السلام نے ابھی جوں جوں ہاتھ پھیرتے چلے گئے، میرے سینے کے اندر ٹھنڈک محسوس ہونے لگی اور حضور علیہ السلام نے ابھی سینے سے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا کہ دنیا میں سب سے بڑھ کر محبوب میری وہ شخصیت ہوگئی بھائی۔ تو یہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ، تو یہ ان کی آواز بڑی اونچی تھی، ان کو پھر حضور علیہ السلام نے مکہ کا مؤذن مقرر فرمایا بھائی، اونچی آواز تھی۔

اور صحابہ کا عشق بھائی، کیسا عجیب عشق دیا تھا اللہ نے! انسان سن کر حیران رہتا ہے، ان کی قربانیاں، ان کی زندگیاں دیکھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے اور صحابہ کا ذکر بھی آجائے تو دل کے اندر عجیب ایمانی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے بھائی۔ وہ لوگ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنی زندگیاں جو ہیں جو حضور علیہ السلام کے احکام پر چلنے میں گزار دیں، کسی مشکل کی پروا نہیں کی، نہ اپنے رشتہ داروں کی پروا کی، نہ اپنی زمین اور جائیدادوں کی پروا کی، نہ اپنے وطن کی پروا کی، بس حضور علیہ السلام کے احکام پر چلنے کے لیے یہ ہر وقت تیار رہتے تھے بھائی۔

اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ انہوں نے سر کے اگلے حصے پر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھِ مبارک رکھا تھا، چنانچہ حضرت ابو محذورہ نے پھر زندگی بھر سر کے اس اگلے حصے کے بال نہیں کٹوائے بھائی کہ اس پر میرے محبوبِ اعظم کا ہاتھ لگا ہے، ان بالوں کو پھر انہوں نے نہیں کٹوایا بھائی۔ تو یہ حضور علیہ السلام نے مکہ میں ان کو مؤذن مقرر فرمایا بھائی۔

اور چار مؤذن مشہور ہیں بھائی حضور علیہ السلام کے۔ ایک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھائی، وہ سید المؤذنین ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا ہیں؟ سید المؤذنین ہیں۔ اسی طرح یہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ مکہ میں مؤذن تھے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھائی، یہ نابینا تھے، یہ بھی مؤذن تھے۔ اسی طرح حضرت سعد قرظ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھائی، یہ بھی حضور کے زمانے میں اذان دیا کرتے تھے۔

تو کہتے ہیں: «**لِحَدِيثِ أَبِي مَحْذُورَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ**» حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے «**أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَهُ بِالتَّرْجِيعِ**» کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترجیع کا حکم دیا، «**وَلَنَا أَنَّهُ لَا تَرْجِيعَ فِي الْمَشَاهِيرِ**» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مشہور احادیث میں ترجیع نہیں ہے، «**وَكَانَ مَا رَوَاهُ تَعْلِيمًا فَظَنَّهُ تَرْجِيعًا**» اور وہ جس حدیث کو انہوں نے روایت کیا، یعنی حضور علیہ السلام نے جو ان کو حکم دیا تھا، «**تَعْلِيمًا**» یہ بطورِ تعلیم کے تھا، «**فَظَنَّهُ تَرْجِيعًا**» تو انہوں نے اس کو ترجیع سمجھا بھائی۔

سبق نمبر ۴۲: بَابُ الْأَذَانِ
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

■ مسئلہ: وَيَزِيدُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ:...

«وَيَزِيدُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، مَرَّتَيْنِ» اور بڑھادے مؤذن فجر کی اذان میں بعد الفلاح، یعنی حی علی الفلاح کہنے کے بعد، «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ» کیالفظ بڑھادے؟ «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ» کے الفاظ کا اضافہ کرے «مَرَّتَيْنِ» دو مرتبہ۔ بھائی، یہاں یاد رکھیے، «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ»۔ نوم، نوم میں واؤ آرہا ہے اور واؤ سے پہلے نون پر فتحہ ہے۔ بھائی، آپ نے پڑھا ہے صرف کے اندر کہ الف، واؤ اور یا ان کو حروفِ مدہ کہتے ہیں جب ان کے ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو۔ یعنی یا سے پہلے کسرہ آجائے، واؤ سے پہلے ضمہ آئے اور الف سے پہلے فتحہ، الف سے تو پہلے ہوتا ہی ہمیشہ فتحہ ہے، تو بہر حال واؤ اور یا کے اندر بھی ان سے پہلے اگر واؤ سے پہلے ضمہ آئے اور یا سے پہلے کسرہ آئے تو ان کو حرفِ مدہ کہیں گے۔ مد کا معنی ہے کھینچنا، کیونکہ اس صورت میں یہ آواز کے کھینچنے کا فائدہ دیں گے۔ یا سے پہلے کسرہ آئے تو کیا کرے فائدہ دے گی یا؟ اسی کسرے کو کھینچ کر لمبا کر دے گی۔ اور اسی طرح واؤ سے پہلے ضمہ آئے تو وہ فائدہ کیا دے گا واؤ؟ اسی ضمے کو لمبا کر دے گا بھائی۔ تو اس وقت ان کو حرفِ مدہ کہیں گے، لیکن واؤ اور یا سے پہلے اگر حرکت فتحے کی آئے، یعنی وہ حرکت ان کے موافق نہ ہو۔ واؤ کے موافق تو ضمہ تھا لیکن ماقبل میں کیا آگیا؟ فتحہ۔ یا یا کے موافق تو کسرہ تھا لیکن یا سے پہلے کیا آگیا؟ فتحہ۔ اس صورت میں ان کو حرفِ لین کہتے ہیں، لام یا نون حرفِ لین۔ حرفِ لین کہتے ہیں، اب یہ حرفِ مدہ نہیں، اب یہ آواز کو لمبا کرنے کا فائدہ نہیں دیں گے۔ لہٰذا «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ» دیکھیے، واؤ سے پہلے نون پر فتحہ آیا تو لہٰذا یہ واؤ حرفِ لین ہے، حرفِ مدہ نہیں، لہٰذا یہاں یہ آواز کو لمبا کرنے کا فائدہ نہیں دے گا، یہاں آواز لمبی نہیں کی جائے گی۔ آواز لمبی، ہاں، بعض لوگ اذان دیتے ہیں وہ کیا کرتے ہیں، اس نوم کو بھی نووووم خوب لمبا کر کے کھینچ دیتے ہیں حالانکہ یہاں تو واؤ حرفِ مدہ ہے ہی نہیں۔ ہاں، عرب کی اذان سنیں آپ، اس میں آپ دیکھیں گے کہ یہ نوم کے لفظ کو بڑا ہی مختصر پڑھتے ہیں: «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ»۔ باقی الفاظ کو لمبا کریں گے جہاں مد آرہا ہے لیکن نوم کا لفظ بڑا ہی مختصر سا، ذرا بھی اس میں مد نہیں کریں گے اور یہ ہے صحیح طریقہ بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَيَزِيدُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، مَرَّتَيْنِ» کہ بڑھادے فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ» دو مرتبہ، «لِأَنَّ بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ» اس لیے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ»۔ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان کے بعد آکر حضور علیہ السلام کو اطلاع دیتے، فجر کے وقت اذان دی اور پھر آکر حضور علیہ السلام کو اطلاع دی، گھر کے باہر کھڑے ہو کر فرمانے لگے: «الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ»۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ حضور علیہ السلام تو سوئے ہوئے ہیں۔ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت فرمایا: «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ»۔ تو بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور علیہ السلام کو بتلایا ہوگا بیدار کر کے، تو حضور علیہ السلام پھر حضرت بلال سے فرمانے لگے کہ اے بلال، یہ کتنے اچھے کلمات ہیں، ایسا کرو ان کو اپنی اذان میں داخل کر دو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ جو ہم کہتے ہیں «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ»، یہ وہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ ہیں۔ یہ دیکھیے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رنگ وغیرہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حبشی ہیں، کالا رنگ ہے لیکن کیا مقام اللہ نے ان کو نصیب فرمایا ہے کہ اس وقت دنیا کے چاروں کونوں کے اندر جب بھی اذان دی جاتی ہے، اس میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ الفاظ اس میں ہمیشہ ذکر کیے جاتے ہیں فجر کے اندر بھائی۔ تو یہ وہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ ہیں۔

دیکھیے، یہی ذکر کر رہے ہیں: «لِأَنَّ بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، حِينَ وَجَدَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَاقِدًا» کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا «الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ» نماز نیند سے بہتر ہے جس وقت انہوں نے حضور علیہ السلام کو سویا ہوا پایا، «فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَا أَحْسَنَ هٰذَا يَا بِلَالُ!» تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: کتنا اچھا ہے یہ اے بلال! یعنی یہ الفاظ، یہ کلمات کیا ہیں؟ کتنے اچھے ہیں اے بلال! «اِجْعَلْهُ فِي أَذَانِكَ» اس کو اپنی اذان میں کر دو، یعنی اس میں داخل کر دو۔ «وَخُصَّ الْفَجْرُ بِهِ لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ» اور اس کو خاص کیا گیا فجر کی اذان کے ساتھ کیونکہ وہ وقت نیند اور غفلت کا ہے، تو یہ الفاظ صرف کس اذان میں ہیں؟ فجر کی اذان میں ہیں۔

■ مسئلہ: وَالْإِقَامَةُ مِثْلُ الْأَذَانِ

«وَالْإِقَامَةُ مِثْلُ الْأَذَانِ» اور اقامت بھی اذان کی طرح ہی ہے، «إِلَّا أَنَّهُ يَزِيدُ فِيهَا بَعْدَ الْفَلَاحِ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، مَرَّتَيْنِ» مگر یہ کہ اس میں اقامت کے اندر بڑھادے حی علی الفلاح کے بعد، کونسے لفظ بڑھائے؟ «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» یہ لفظ بڑھادے «مَرَّتَيْنِ» دو مرتبہ۔ «هٰكَذَا فَعَلَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ» اسی طرح کیا اس فرشتے نے جو اترا تھا آسمان سے، «وَهُوَ الْمَشْهُورُ» اور یہی مشہور ہے۔ «ثُمَّ هُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَوْلِهِ: إِنَّهَا فُرَادَى فُرَادَى، إِلَّا قَوْلَهُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» پھر یہ جو ہے حدیث جو ہے یہ حجت ہے، دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ان کے اس قول کے اندر کہ «إِنَّهَا فُرَادَى فُرَادَى» کہ اقامت جو ہے وہ ایک ایک مرتبہ ہے «إِلَّا قَوْلَهُ» مگر یہ قول جو ہے «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ»۔

بھائی، دیکھیے ہمارے نزدیک، میں نے ابھی ذکر کر دیا، اذان کے کلمات پندرہ ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں ترجیع بھی ہے تو ان کے نزدیک انیس

308

الفاظ ہیں، انیس کلمات ہیں۔ اسی طرح اقامت کے اندر بھی وہ اختلاف کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں اقامت کے اندر کلمات ایک ایک دفعہ ذکر ہوں گے۔ کتنی مرتبہ؟ ایک۔ ہاں، شروع میں «اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ» وہ پہلے چار دفعہ تھا، اب کتنی دفعہ ہو گا؟ دو دفعہ، اور پھر اس کے بعد «أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» ایک مرتبہ، «أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ» ایک مرتبہ، «حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ» ایک مرتبہ، «حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ» ایک مرتبہ، ہاں «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» یہ دو مرتبہ ہو گا اور پھر اس کے بعد «اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ»، «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» بھائی۔ تو یہ کتنے کلمات ہوئے؟ گیارہ کلمات ہوئے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اقامت کے گیارہ کلمات ہیں۔ جبکہ ہمارے نزدیک اقامت کے وہی اذان والے پندرہ کلمات بھی اور دو مرتبہ «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» کا اضافہ بھی بیچ میں ہو گیا، کتنے ہو گئے؟ سترہ۔ تو ہمارے نزدیک اقامت کے کلمات ہیں سترہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہیں گیارہ ہیں بھائی۔

«وَيَتَرَسَّلُ فِي الْأَذَانِ وَيَحْدُرُ فِي الْإِقَامَةِ» اور ترسل کرے اذان میں اور حدر کرے اقامت میں۔ ترسل کا معنی ہے ٹھہر ٹھہر کر کہنا بھائی، یعنی الگ الگ ایک ایک کلمے کو دوسرے سے الگ الگ کہنا۔ اور حدر کہتے ہیں جلدی جلدی کہنا، جیسے اقامت میں آپ دیکھتے ہیں کہ جلدی جلدی الفاظ کہے جاتے ہیں، یعنی ملا کر، درمیان میں وقفہ نہیں کیا جاتا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو ترسل کا معنی ٹھہر ٹھہر کر یعنی سکتہ کر کے، رک کر، ایک کلمے کو دوسرے کلمے سے الگ کرتے ہوئے، جبکہ اقامت میں حدر ہو گا جلدی جلدی کہی جائے گی۔ کہتے ہیں: «وَيَتَرَسَّلُ فِي الْأَذَانِ وَيَحْدُرُ فِي الْإِقَامَةِ» اور ترسل کرے اذان میں اور حدر کرے اقامت میں، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: جب تو اذان دے تو ترسل کر، یعنی ٹھہر ٹھہر کر کلمات کہو «وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ» اور جب تو اقامت کہے تو حدر کر، یعنی جلدی جلدی کہہ ملا کر۔ «وَهٰذَا بَيَانٌ لِلِاسْتِحْبَابِ» اور یہ استحباب کا بیان ہے، یعنی اذان میں یہ جو ترسل ہے اور اقامت میں جو حدر ہے یہ کیا ہے؟ یہ مستحب ہے بھائی۔ تو یہ جو حدیث میں آیا یہ استحباب بیان ہو رہا ہے، یہ وجوب کے لیے نہیں ہے بھائی امر بھائی۔

■ مسئلہ: وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ

«وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ» اور استقبال کرے ان دونوں کے اندر قبلے کا، یعنی قبلہ رخ ہو اذان میں بھی اور اقامت میں بھی ان دونوں کے اندر، «لِأَنَّ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ أَذَّنَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ» اس لیے کیونکہ وہ فرشتہ جو اترا تھا آسمان سے اس نے اذان دی تھی کس طرف رخ کر کے؟ قبلے کی طرف رخ کر کے۔ «وَلَوْ تَرَكَ الِاسْتِقْبَالَ جَازَ» اور اگر استقبالِ قبلہ کو چھوڑ دیا، یعنی قبلے کی طرف رخ نہ کیا، «جَازَ» پھر بھی جائز ہے «لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ» کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔ اذان کے اندر کس طرف رخ کرے؟ قبلے کی طرف رخ کرے، لیکن اگر قبلے کی طرف رخ نہ کرے تو پھر بھی جائز ہے کیونکہ مقصد حاصل ہو گیا، کیونکہ اذان کا مقصد کیا ہے؟ لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دینا مقصد ہے، وہ حاصل ہو گیا۔ لیکن جائز تو ہے، «وَيُكْرَهُ لِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ» اور مکروہ ہے سنت کی مخالفت کی وجہ سے، کیونکہ مسنون طریقہ کیا ہے کہ قبلہ رخ ہو کر اذان دی جائے۔

«وَيُحَوِّلُ وَجْهَهُ لِلصَّلَاةِ وَالْفَلَاحِ يَمْنَةً وَيَسْرَةً» اور پھیرے اپنے چہرے کو للصلاۃ، یعنی حی علی الصلاۃ کے لیے «وَالْفَلَاحِ» اور حی علی الفلاح کے لیے۔ اس میں وہ اذان دینے والا اپنے چہرے کو پھیرے «يَمْنَةً وَيَسْرَةً» دائیں طرف اور بائیں طرف بھائی، دائیں طرف اور یعنی حی علی الصلاۃ جب کہنے لگے تو چہرہ دائیں طرف پھیرے بھائی۔ ہاں، قدموں کو نہیں پھیرنا، قدم اسی جگہ پر رہیں، سینہ بھی اسی طرح قبلہ رخ رہے، صرف کس کو پھیرنا ہے؟ چہرے کو پھیرنا ہے «حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ» کہتے ہوئے دائیں طرف اور «حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ» کہتے ہوئے چہرے کو بائیں طرف پھیرنا ہے۔ یہ معنی ہے «وَيُحَوِّلُ وَجْهَهُ لِلصَّلَاةِ وَالْفَلَاحِ يَمْنَةً وَيَسْرَةً» اور پھیرے اپنے چہرے کو صلاۃ اور فلاح کے لیے دائیں طرف اور بائیں طرف، «لِأَنَّهُ خِطَابٌ لِلْقَوْمِ فَيُوَاجِهُهُمْ» بھائی، کیوں یہ دائیں اور بائیں کیوں چہرے کو پھیرے گا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ خِطَابٌ لِلْقَوْمِ» کیونکہ یہ خطاب ہے قوم کو، لوگوں کو خطاب ہے: «حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ» جلدی آؤ نماز کی طرف، «حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ» جلدی آؤ فلاح کی طرف، بھلائی کی طرف بھائی۔ تو دیکھیے، تو یہ اب خطاب ہو رہا ہے، جلدی آؤ، لوگوں کو خطاب کیا جا رہا ہے، تو لہٰذا اس میں «فَيُوَاجِهُهُمْ» ان کی مواجہت کرے، یعنی ان کا سامنا کرے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ مواجہت کسے کہتے ہیں؟ کسی کا سامنا کرنا، کسی کے بالمقابل ہونا، اس کے سامنے ہونا، تو اس میں بھی اسی وجہ سے یہ کلمات کہتے ہوئے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو، اپنا چہرہ ان کی طرف پھیر دے۔

«وَإِنِ اسْتَدَارَ فِي صَوْمَعَتِهِ فَحَسَنٌ» اور اگر یہ گھوم گھوم گیا، استدارہ کا معنی گھوم جانا، اور اگر وہ اذان دینے والا گھوم جائے «فِي صَوْمَعَتِهِ» صومعہ وہ اذان کے لیے جو اونچی جگہ بنائی جاتی ہے وہ ہے صومعہ بھائی۔ اصل میں صومعہ جو ہے وہ یاد رکھیے عیسائیوں کے عبادت خانے کو کہتے تھے لیکن اسی طرح یہ لفظ کس کے لیے استعمال ہونے لگا؟ جو اذان کے لیے اونچی جگہ جو بنائی جاتی اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ صومعہ۔ بعضوں نے اس کا ترجمہ منار کے ساتھ کیا، بہر حال جو بھی جگہ ہو جو اذان کے لیے بنائی گئی ہے تو وہ صومعہ ہے بھائی، صومعہ۔ اور اگر وہ گھوم گیا اپنے صومعہ کے اندر «فَحَسَنٌ» تو یہ اچھا ہے۔

بھائی دیکھیے، یاد رکھیے جو اذان ہے یہ مسجد سے باہر کہی جاتی ہے اور بلند جگہ پر تاکہ لوگوں تک سب تک آواز پہنچ جائے، اب تو سپیکر آ گئے اب تو بلند جگہ کی ضرورت نہ رہی، لیکن پہلے کیا کیا جاتا تھا؟ اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر مسجد سے باہر اور اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اذان دی جاتی تھی تاکہ دور تک آواز پہنچے بھائی، جو دور رہتے ہیں ان کو بھی

پتہ چل جائے وہ بھی نماز کے لیے پہنچ جائیں بھائی۔ تو اب تو سپیکر وغیرہ کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ رہی کہ اونچی جگہ پر دی جائے، ہاں البتہ یہ ہے مسجد سے باہر اذان دی جائے گی بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ باہر دی جاتی ہے اذان، اور اقامت وہ تو نماز کھڑی ہونے لگی ہے صف کے اندر کھڑے ہو کر مسجد کے اندر ہی ہو گی۔ اب جو اونچی جگہ بنائی جاتی تھی، اس میں اس کو کیا کہتے ہیں؟ صومعہ۔ اور اس میں وہ مینار کی سی شکل ہوتی اور اس میں کھڑکیاں اوپر گنبد سا بنا ہوتا اور ارد گرد کیا ہوتی؟ کھڑکیاں وغیرہ ہوتیں۔ تو اگر یہ اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر حی علی الصلاۃ کہتے ہوئے دائیں طرف رخ کرتا ہے اور کھڑکی سامنے ہے اس کے، پھر تو اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت نہیں، سینہ پھیرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اسی طرح آواز دائیں طرف والوں کو جا رہی ہے اور حی علی الفلاح کہتے ہوئے بائیں طرف رخ کرتا ہے اور کھڑکی سامنے ہی ہے اس کی طرف رخ ہو جاتا ہے، آواز دور تک جا رہی ہے، سمجھ میں آیا؟ تو اس صورت میں تو ہلنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر کچھ اس طرح بنا ہوا ہے کہ کھڑکی قریب نہیں ہے ذرا فاصلے پر ہے، اب تھوڑے سے فاصلے پر ہے، کچھ تھوڑی سی کھلی جگہ ہے، اب اگر رخ بھی پھیرے گا تو بھی آواز پھر دور تک نہیں جائے گی بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا اس صورت میں وہ اس کی طرف گھوم کر رخ کر سکتا ہے، یہ ذکر فرما رہے ہیں۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے کہ «**وَإِنِ اسْتَدَارَ فِي صَوْمَعَتِهِ فَحَسَنٌ**» اور اگر وہ اپنے صومعہ کے اندر گھوم گیا، یعنی اس اذان کی وہ جو اونچی جگہ ہے اس کے اندر گھوم گیا تو «**فَحَسَنٌ**» تو بہتر ہے، اچھا ہے۔ «**وَمُرَادُهُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ تَحَوُّلَ الْوَجْهِ يَمِينًا وَشِمَالًا**» اور مراد یہ ہے صاحبِ کتاب کی کہ جب وہ اذان دینے والا استطاعت نہیں رکھتا کہ وہ پھیرے اپنے چہرے کو دائیں اور بائیں، یعنی دائیں اور بائیں پھیرنے کی جب استطاعت نہیں رکھتا پھر اس وقت کیا کرے؟ اس کھڑکی کے کی طرف بھی رخ کر سکتا ہے۔ کھڑکی مثلاً کندھے کے ذرا پیچھے کو ہے تھوڑی سی، اب صرف چہرہ پھیرنے سے تو اس کے سامنے نہیں ہوتا تو اس کے سامنے «**مَعَ ثَبَاتِ قَدَمَيْهِ مَكَانَهُمَا**» ثبات کا معنی جمے رہنا، «**ثَبَاتِ قَدَمَيْهِ**» اپنے دونوں قدموں کو کے جمے ہوتے ہوئے «**مَكَانَهُمَا**» ان کی جگہ پر۔ دونوں قدم اب اس جگہ پر جمے ہوئے ہوں، اس حالت میں وہ دائیں اور بائیں چہرے کو پھیرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو پھر یہ مراد ہے بھائی۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ «**كَمَا هُوَ السُّنَّةُ**» جیسے کہ یہ سنت ہے بھائی، یعنی اپنے قدموں کو اسی جگہ رکھے اور صرف چہرے کو، سنت تو یہ ہے قدم وہیں جمے ہونے چاہئیں، سینہ سیدھا ہی رہنا چاہیے، صرف کس کو پھیرنا چاہیے؟ چہرے کو پھیرنا چاہیے۔ لیکن یہاں پر اب وہ استطاعت ہی نہیں رکھتا، وہ صومعہ ہی کچھ اس قسم کا بنا ہوا ہے کہ اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ کچھ نہ کچھ گھوم کر اس کے سامنے آنا پڑے گا جو کھڑکی بنی ہوئی ہے دائیں اور بائیں، تو پھر اس صورت میں ان کے سامنے آ کر کہہ سکتا ہے، کیونکہ مقصد لوگوں کو اطلاع دینا ہے اور اس کے اندر زیادہ پھر دور تک آواز جائے گی بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔ «**بِأَنْ كَانَتِ الصَّوْمَعَةُ مُتَّسِعَةً**» بایں طور کہ وہ صومعہ جو ہے «**مُتَّسِعَةً**» تھوڑا کھلا ہے، وسیع ہے، تو پھر اس صورت میں یہ حکم ہے۔ «**فَأَمَّا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ فَلَا**» اور باقی بغیر ضرورت کے پھر یعنی صومعے کے اندر گھومنا تو کہتے ہیں «**فَلَا**» پھر یہ اچھا نہیں ہے بھائی۔ معنی اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

■ مسئلہ: وَالْأَفْضَلُ لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يَجْعَلَ أُصْبُعَيْهِ...

«**وَالْأَفْضَلُ لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يَجْعَلَ أُصْبُعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ**» اور افضل مؤذن کے لیے یہ ہے کہ وہ کر دے اپنی دونوں انگلیاں «**فِي أُذُنَيْهِ**» اپنے دونوں کانوں میں۔ بھائی، یہ جو شہادتین کی دو انگلیاں ہیں، شہادت کی، تو یہ اس کو دونوں کانوں میں ڈال کر پھر اذان دی جائے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ «**بِذٰلِكَ أَمَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِلَالًا**» اور اسی کے ساتھ یہی حکم دیا تھا حضور علیہ السلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، «**وَلِأَنَّهُ أَبْلَغُ فِي الْإِعْلَامِ**» اور اس لیے کیونکہ یہ زیادہ بلیغ ہے اعلان کے اندر۔ زیادہ، اس میں زیادہ مبالغہ ہو گا اعلان کے اندر، یعنی آواز خوب اونچی ہو گی۔ حضور علیہ السلام نے بھی حدیث میں آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ انگلیاں کانوں میں ڈال لو، اس سے آواز اونچی ہو گی، اس سے کیا ہو گی؟ آواز اونچی ہو گی۔ «**وَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَحَسَنٌ**» اور اگر ایسا نہ کرے «**فَحَسَنٌ**» تو بھی اذان کیا ہے؟ اچھی ہے، «**لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ أَصْلِيَّةٍ**» اس لیے کیونکہ یہ سنتِ اصلیہ نہیں۔ یہ کوئی شرعی حکم نہیں دیا حضور علیہ السلام نے کہ کانوں میں کیا کر لے؟ انگلیاں ڈال لے، بلکہ خود اس کی وجہ بھی حضور نے آگے ذکر فرما دی کہ اس کی وجہ سے آواز کیا ہو جائے گی؟ اونچی ہو جائے گی۔ معلوم ہوا یہ صرف آواز کو اونچا کرنے کے لیے حضور علیہ السلام نے حکم دیا تھا، تو لہٰذا افضل تو یہی ہے کہ اسی طرح دی جائے اذان جس طرح حضور علیہ السلام نے حکم دیا تھا لیکن اگر اس کو چھوڑ بھی دیا تو بھی درست ہے۔

«**وَالتَّثْوِيبُ فِي الْفَجْرِ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، مَرَّتَيْنِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ، حَسَنٌ**» اور تثویب کرنا فجر کے اندر کس کے ساتھ؟ حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح کے ساتھ «**مَرَّتَيْنِ**» دو مرتبہ «**بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ**» اذان اور اقامت کے درمیان «**حَسَنٌ**» یہ بہتر ہے بھائی، بہتر ہے۔ تثویب، یاد رکھیے، تثویب کا معنی بھی ہے لوٹانا، لوٹانا۔ اسی سے ثواب بھی ہے، کیونکہ ثواب بھی کیا ہے کہ انسان کے عمل کا نفع اسی کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو تثویب کا معنی ہے لوٹانا اور اصطلاح میں تثویب کہتے ہیں، اذان اور اقامت کے درمیان لوگوں کو کو پھر مطلع کرنا نماز پر، پھر اعلان کرنا اذان اور اقامت کے درمیان۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اذان اور اقامت کے درمیان پھر لوگوں کو کہنا بھائی «**حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ**» اور «**حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ**» دو دو مرتبہ، حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح دو دو مرتبہ بھائی۔ تثویب سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ بھائی دیکھیے، ایک مرتبہ اذان ہو گئی ہے اور اذان کے بعد اب سب کو پتہ چل گیا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، نماز کی

تیاری میں مشغول ہو۔ لیکن پھر اس کے درمیان بیچ میں پھر کیا کہہ دیا، بیٹھے ہوئے لوگ تھے کچھ ان کو کیا کہہ دیا؟ نماز کا وقت ہو گیا ہے، کسی کوئی بھی لفظ ہو جائے، یہ نہیں حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح جو انہوں نے ذکر کیا انہی لفظوں کے ساتھ ہے بلکہ جن لفظوں کے ساتھ بھی ہو جائے کہ ان کو پھر کہہ دیں بھائی نماز کا وقت ہو گیا ہے، نماز کھڑی ہونے لگی ہے، اس طرح کے لفظوں کے ساتھ، یہ تثویب ہے۔ یہ کیا ہے؟ تثویب۔ تو دیکھو اطلاع دے رہے ہیں آپ، اعلان کے بعد اعلان، ایک دفعہ اعلان ہو چکا، اذان ہو چکی، پھر اس کے بعد اس اعلان کو لوٹا رہے ہیں آپ، ان کو پھر کیا کہہ رہے ہیں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، یہ ہے تثویب بھائی۔ یہ کیا ہے؟ تثویب۔ اب یہ کہتے ہیں، فجر میں حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح دو دو مرتبہ کہہ کر تثویب کرنا اذان اور اقامت کے درمیان «حَسَنٌ» یہ کیا ہے؟ اچھی ہے، «لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، تاکہ لوگ کیا ہو جائیں؟ متوجہ ہو جائیں بھائی۔ «وَكُرِهَ فِي سَائِرِ الصَّلَوَاتِ» اور مکروہ ہے یہ تثویب فی سائر الصلوات، باقی نمازوں کے اندر۔ فجر میں کہی جائے اور باقی نمازوں میں نہ کہی، فجر میں کیوں کہی جائے؟ کیونکہ فجر نیند اور غفلت کا وقت ہے بھائی۔

«وَمَعْنَاهُ الْعَوْدُ إِلَى الْإِعْلَامِ» تثویب کا معنی بیان کر رہے ہیں صاحب ہدایہ کہ تثویب کا معنی ہے «الْعَوْدُ إِلَى الْإِعْلَامِ» اطلاع کی طرف، اعلان کی طرف رجوع کرنا، یعنی پھر لوگوں کو اطلاع دینا، ان کو اعلان کرنا۔ «وَهُوَ عَلَى حَسَبِ مَا تَعَارَفُوهُ» اور یہ اسی کے مطابق ہو گی جس کو وہ جو ان میں متعارف ہو۔ یعنی متعارف طریقے کے مطابق ہو گی، یہی حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کہنا ضروری نہیں، کوئی بھی لفظ ہو جائیں: «الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ» نماز کیا ہے؟ جمع کرنے والی ہے یا آپ اپنی زبان میں کہہ دیتے ہیں نماز کا وقت ہو گیا ہے یا آپ کہہ دیتے ہیں نماز کھڑی ہو گئی، کھڑی ہونے والی ہے بھائی، جماعت کا وقت ہو رہا ہے، جن لفظوں سے بھی ذکر کر دیں یہ کیا ہے؟ تثویب ہے، تثویب ہے۔ اسی لیے کہا «وَهُوَ عَلَى حَسَبِ مَا تَعَارَفُوهُ» یہ اسی کے مطابق جیسے کہ ان میں لوگوں میں متعارف ہو اسی کے مطابق ہو گی جس طرح بھی ہو، چاہے عربی میں ہو، چاہے اپنی زبان میں ہو۔

■ مسئلہ: وَهٰذَا تَثْوِيبٌ أَحْدَثَهُ عُلَمَاءُ الْكُوفَةِ...

«وَهٰذَا تَثْوِيبٌ أَحْدَثَهُ عُلَمَاءُ الْكُوفَةِ بَعْدَ عَهْدِ الصَّحَابَةِ» اور یہ جو تثویب ہے، یعنی اذان اور اقامت کے درمیان جو اعلان کیا جاتا ہے، اطلاع دی جاتی لوگوں کو کہا جاتا، «أَحْدَثَهُ عُلَمَاءُ الْكُوفَةِ» اس کو ایجاد کیا تھا کوفہ کے علماء نے «بَعْدَ عَهْدِ الصَّحَابَةِ» صحابہ کے زمانے کے بعد «لِتَغَيُّرِ أَحْوَالِ النَّاسِ» لوگوں کے احوال بدل جانے کی وجہ سے۔ کیونکہ صحابہ کے بعد بھائی اور بہت سے لوگ اسلام کے اندر داخل ہوئے بھائی اور اور زمانہ آہستہ آہستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے وقت دور ہوتا چلا جا رہا ہے، تو دین کے اندر تھوڑی تھوڑی کچھ سستی پیدا ہونا شروع ہوئی، تو انہوں نے کیا کیا؟ اس تثویب کو ایجاد کیا تاکہ لوگوں کو پھر اطلاع کر دی جائے اذان اور اقامت کے درمیان کہ نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ یہ معنی ہے «وَهٰذَا» کس کو ایجاد کیا تھا کوفہ کے علماء نے «بَعْدَ عَهْدِ الصَّحَابَةِ» صحابہ کے زمانے کے بعد «لِتَغَيُّرِ أَحْوَالِ النَّاسِ» لوگوں کے احوال بدل جانے کی وجہ سے کہ لوگوں میں کیا آ گئی تھی؟ کچھ سستی۔

«وَخَصُّوا الْفَجْرَ بِهِ لِمَا ذَكَرْنَا» اور خاص کیا اس کو فجر کے ساتھ ہی کہ اسی میں تثویب وہ اسی میں تثویب کرتے «لِمَا ذَكَرْنَا» اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی، کیونکہ یہ وقت کیا ہے؟ نیند اور غفلت والا ہے۔ «وَالْمُتَأَخِّرُونَ اسْتَحْسَنُوهُ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا» اور متاخرین جو ہیں انہوں نے اس کو پسند کیا ہے تمام نمازوں میں، کہ تمام نمازوں میں تثویب کی جا سکتی ہے، بہتر ہے۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «لِظُهُورِ التَّوَانِي فِي الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ» توانی کہتے ہیں سستی کو، سستی ظاہر ہو جانے کی وجہ سے امورِ دینیہ کے اندر۔ امورِ دینیہ میں کیا آ گئی ہے لوگوں کے اندر؟ سستی آ گئی ہے تو اس لیے بہتر ہے ہر نماز میں کے لیے تثویب جائز ہے، یعنی اذان اور اقامت کے درمیان۔

«وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «لَا أَرَى بَأْسًا أَنْ يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ لِلْأَمِيرِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا» کہ «لَا أَرَى بَأْسًا» میں کوئی حرج نہیں دیکھتا اس بات میں «أَنْ يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ» کہ مؤذن یہ کہے «لِلْأَمِيرِ» امیر سے۔ امیر جو ہے جو حاکم ہے اس سے مؤذن یہ کہے «فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا» تمام نمازوں میں، تو یہ کہنے میں میں کوئی حرج نہیں دیکھتا، اس یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں، کہہ سکتا ہے۔ کیا کہہ سکتا ہے؟ یہ: «السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَمِيرُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، الصَّلَاةُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» یعنی ان لفظوں کے ساتھ تثویب کرے۔ پہلے جا کر کیا کر دے؟ امیر کو جا کر سلام کر دیتا ہے اور پھر کہتا ہے: «حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، الصَّلَاةُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ تو یہ کہنے میں امیر کو، حاکم کو یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ «وَاسْتَبْعَدَهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اور اس کو بعید سمجھا ہے امام محمد رحمہ اللہ نے، «لِأَنَّ النَّاسَ سَوَاسِيَةٌ فِي أَمْرِ الْجَمَاعَةِ» وہ اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگ جو ہیں برابر ہیں جماعت کے معاملے میں۔ تمام لوگ جماعت کے معاملے میں برابر ہیں، یہاں کسی امیر اور غیر امیر یعنی حاکم اور غیر حاکم کے اندر کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا ان کے لیے جیسے عام لوگوں کے لیے تثویب صحیح نہیں، تو اس حاکم کے لیے بھی تثویب صحیح نہیں ہے بھائی۔

مسئلہ: وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ خَصَّهُمْ بِذٰلِكَ

«وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ خَصَّهُمْ بِذٰلِكَ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہ جو امیر ہیں، جو حاکم ہیں، ان کی تخصیص کی ہے اس کے ساتھ، کیوں؟ «لِزِيَادَةِ اشْتِغَالِهِمْ بِأُمُورِالْمُسْلِمِينَ» بوجہ ان کے زیادہ مشغول ہونے کے مسلمانوں کے معاملات میں، کیونکہ یہ لوگ جو ہیں حاکم ہے جیسے، وہ کس کے امور میں زیادہ مشغول ہے؟ مسلمانوں کے امور میں مشغول ہے، کوئی ایک آدمی آئے گا اپنا مقدمہ لے کر، کبھی دوسرا آدمی آئے گا اپنا مسئلہ لے کر، تو یہ لوگ چونکہ ہر وقت مسلمانوں کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، ان کی مشغولیت زیادہ ہے، لہٰذا ان کے لیے تثویب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بھائی، تثویب میں کوئی۔ تو کہتے ہیں: «لِزِيَادَةِ اشْتِغَالِهِمْ بِأُمُورِالْمُسْلِمِينَ» بوجہ ان کے زیادہ مشغول ہونے مسلمانوں کے معاملات میں «كَيْ لَا تَفُوتَهُمُ الْجَمَاعَةُ» تاکہ کہیں ان سے جماعت رہ نہ جائے، اس لیے تثویب ان کو کرنا درست ہے۔ «وَعَلَى هٰذَا الْقَاضِي وَالْمُفْتِي» اور اسی پر ہے قاضی بھی اور مفتی بھی، یعنی ان کے لیے بھی تثویب کرنا درست ہے بھائی، تثویب کرنا درست ہے بھائی۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تثویب درست ہے قاضی، مفتی کے لیے اور حاکم وغیرہ کے لیے۔ وجہ یہ کہ یہ لوگ بھی لوگوں کے معاملات میں مشغول رہتے ہیں ہر وقت، تو ان کے لیے تثویب کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ کہیں ان کی جماعت نہ رہ جائے بھائی، مشغولیت کی وجہ سے پتہ ہی نہ چلے۔ اور مشغولیت بھی کوئی اپنی مشغولیت نہیں ہے بلکہ کیا مشغولیت ہے؟ مسلمانوں کے معاملات میں ہی مشغولیت ہے، لہٰذا ان کو تثویب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ «وَاسْتَبْعَدَهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ» امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو بعید سمجھا ہے، بعید سمجھا ہے یعنی اس کا اس کو رد کیا ہے کہ سارے لوگ جماعت کے معاملے میں برابر ہیں چاہے حاکم ہو چاہے غیر حاکم۔ لیکن بہر حال یاد رکھیے بھائی، فتویٰ اسی پر ہے متاخرین کے نزدیک تثویب جائز ہے بھائی، تثویب کیا ہے؟ جائز ہے بھائی جائز ہے، کیونکہ امورِ دینیہ کے اندر سستی آگئی ہے تو لہٰذا اگر اذان اور اقامت کے درمیان کسی کو نماز کی طرف متوجہ کیا جائے تو یہ تثویب ہے اور یہ مستحسن ہے، پسندیدہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۳: مسئلہ: وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ إِلّ...

ہدایہ صفحہ: ۸۸ — بتاریخ: ۹ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى ، وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى : يَجْلِسُ فِي الْمَغْرِبِ أَيْضًا جَلْسَةً خَفِيفَةً لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْفَصْلِ إِذِ الْوَصْلُ مَكْرُوهٌ ، وَلَا يَقَعُ الْفَصْلُ بِالسَّكْتَةِ».

«وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ» اذان سے متعلقہ مسائل ذکر ہو رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کچھ وقفہ ہونا چاہیے کیونکہ اذان یہ اعلان ہے نماز کا وقت ہو جانے کا، اور پھر اس کے بعد کچھ وقت کچھ وقفہ ہو کہ لوگ تیاری کر کے نماز کے لیے حاضر ہو سکیں بھائی۔ لہٰذا اذان دیتے ہی فوراً نماز شروع کر دی جائے یہ درست نہیں بھائی، بلکہ کیا ہونا چاہیے؟ وقفہ، کچھ وقفہ ہونا چاہیے بھائی۔

البتہ مغرب کا وقت چونکہ مختصر ہوتا ہے تو اس کے اندر اب کتنا وقفہ ہونا چاہیے بھائی، کتنا ہونا چاہیے؟ تو اس میں صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے، اس کو ذکر کر رہے ہیں جبکہ باقی جگہ تو اختلاف ہے ہی نہیں بھائی ظاہر سی بات ہے باقی نمازوں کا وقت اتنا مختصر نہیں ہوتا، تو اس لیے اس کو بالخصوص ذکر کیا۔

تو فرماتے ہیں: «وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ» اور بیٹھ جائے وہ یعنی اذان دینے والا، «بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ» اذان اور اقامت کے درمیان، یعنی جلسہ کرے اس میں کچھ، «إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ» سوائے مغرب کے۔ باقی نمازوں میں کیا کرے اذان دینے والا؟ اذان اور اقامت کے درمیان جلسہ کرے، کچھ دیر بیٹھ جائے بھائی۔ «إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ» سوائے کس کے؟ مغرب کے بھائی۔ تو جلسہ کرے یعنی اس میں وقفہ کرے بھائی۔

■ مسئلہ: وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰہ

«وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام صاحب کے نزدیک۔ وہ فرماتے ہیں: «إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ» سوائے کس کے؟ مغرب کے، اس میں جلسہ نہ کرے بھائی، کیونکہ اس کا وقت کیا ہوتا ہے؟ تھوڑا ہوتا ہے، مستحب وقت تھوڑا ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ «وَقَالَا يَجْلِسُ فِي الْمَغْرِبِ أَيْضًا جَلْسَةً خَفِيفَةً» اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جلسہ کرے مغرب میں بھی «جَلْسَةً خَفِيفَةً» تھوڑا سا جلسہ، تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائے بھائی۔

«لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْفَصْلِ» اس لیے کیونکہ فصل کا ہونا تو ضروری، اذان اور اقامت کے درمیان فصل یعنی جدائی کا ہونا ضروری ہے، «إِذِ الْوَصْلُ مَكْرُوهٌ» اس لیے کیونکہ وصل یعنی ملانا تو مکروہ ہے کہ اذان دی اور ساتھ ہی کیا شروع کر دی؟ اقامت شروع کر دی۔ تو یہ وصل کیا دونوں کو ملا دیا۔ تو وصل تو مکروہ ہے بھائی، مکروہ۔ تو لہٰذا کچھ نہ کچھ فصل ہونا چاہیے، ہاں وقت تھوڑا ہے لہٰذا مغرب میں کیا کرے؟ جلسہ خفیف ہونا چاہیے، تھوڑا سا ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْفَصْلِ إِذِ الْوَصْلُ مَكْرُوهٌ» اس لیے کیونکہ فصل کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وصل جو ہے مکروہ ہے، «وَلَا يَقَعُ الْفَصْلُ بِالسَّكْتَةِ لِوُجُودِهَا بَيْنَ كَلِمَاتِ الْأَذَانِ» اور فصل واقع نہیں ہو گا سکتہ کرنے سے یعنی خاموش رہنے سے۔ اذان دی اور پھر کچھ خاموش رہا اور پھر اقامت شروع کر دی تو سکتہ آیا، کیا آیا درمیان میں؟ سکتہ، کچھ خاموشی آئی، کہتے ہیں نہیں بھائی اس سے فصل واقع نہیں ہو گا، جدائی واقع نہیں ہو گی۔ کیوں؟ سکتے کی وجہ سے جدائی کیوں نہیں واقع ہو گی؟ کہتے ہیں: «لِوُجُودِهَا بَيْنَ كَلِمَاتِ الْأَذَانِ» اس لیے کیونکہ سکتہ تو اذان کے کلمات کے بیچ میں بھی ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے کے بعد مؤذن سکتہ

کرتا ہے یا نہیں کرتا؟ پھر اگلے کلمات کہتا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر سکتہ کرتا ہے کچھ دیر خاموش ہوتا ہے، اتنی دیر خاموش رہے کہ دوسرا سننے والا اس کا جواب دے سکے بھائی۔ سننے والا کیا کرے؟ جواب دے سکے اذان کے کلمات کا۔

توصاحبین فرماتے ہیں یہاں پر اب سکتے سے فصل واقع نہیں ہوگا اس لیے کیونکہ سکتہ تو اذان کے اپنے کلمات کے درمیان بھی پایا جاتا ہے، «فَيَفْصِلُ بِالْجَلْسَةِ كَمَا بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ» تو لہٰذا فصل کرے گا یہ مؤذن کس کے ساتھ؟ جلسے کے ساتھ، کچھ دیر کیا کرے؟ بیٹھ جائے مختصر سا، «كَمَا بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ» جیسے دو خطبوں کے درمیان کیا جاتا ہے بھائی عید کے دن یا جیسے جمعہ کے خطبے ہیں بھائی۔ خطیب کیا کرتا ہے خطبہ دینے والا؟ خطبہ دینے کے بعد درمیان میں دونوں کے درمیان فصل کرتا ہے، کس طرح فصل کرتا ہے؟ کچھ بیٹھ جاتا ہے تھوڑا سا، خفیف سا بیٹھتے ہیں زیادہ دیر تو نہیں تھوڑی دیر کے لیے بیٹھتے ہیں لیکن اس سے فصل آجاتا ہے، تو اس میں بھی کیا کر لے؟ فصل کر لے، کچھ خفیف جلسہ ہو جائے۔

یہ توصاحبین کی دلیل تھی۔ «وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے «أَنَّ التَّأْخِيرَ مَكْرُوهٌ» کہ تاخیر کرنا کیا ہے یہاں پر؟ مکروہ ہے، مغرب کی نماز میں تاخیر کرنا اور اس کو مؤخر کرنا مکروہ ہے، «فَيُكْتَفَى بِأَدْنَى الْفَصْلِ احْتِرَازًا عَنْهُ» تو اکتفا کیا جائے گا ادنیٰ فصل پر ہی، تھوڑا سا فصل ہو جائے اسی پر کیا کر لیا جائے گا؟ اکتفا کر لیا جائے گا، «احْتِرَازًا عَنْهُ» أَيْ احْتِرَازًا عَنِ التَّأْخِيرِ، کس سے بچنے کے لیے؟ تاخیر، کیونکہ تاخیر تو کیا ہے؟ مکروہ۔ جب تاخیر مکروہ ہے تو یہاں پر تھوڑے سے فصل پر اکتفا کر لیا جائے گا، زیادہ فصل نہیں ورنہ تو کیا لازم آئے گا؟ نماز مکروہ ہو جائے گی تاخیر ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: وَالْمَكَانُ فِي مَسْأَلَتِنَا مُخْتَلِفٌ

«وَالْمَكَانُ فِي مَسْأَلَتِنَا مُخْتَلِفٌ» اور نیز آپ نے کیا ذکر کیا تھا مثال کے طور پر دو خطبے ذکر کیے تھے کہ ان میں کیا کیا جاتا ہے فصل کے لیے؟ جلسہ خفیف کیا جاتا ہے، کہتے ہیں بھائی یہ ہمارا مسئلہ جو اذان اور اقامت والا ہے یہ خطبے سے مختلف ہے اس لیے کیونکہ خطبے میں جگہ ایک ہی ہوتی ہے، اسی جگہ پر خطیب پہلا خطبہ دیتا ہے اور اسی جگہ پر دوسرا بھی دیتا ہے، تو جگہ ایک ہوتی ہے۔ اور ہمارے مسئلے کے اندر جگہ الگ، اذان جو ہے وہ مسجد سے باہر دی جاتی ہے اور اقامت کہاں کہی جاتی ہے؟ مسجد کے اندر کہی جاتی ہے، تو جگہ الگ ہے بھائی، جگہ الگ ہے۔

نیز آواز بھی الگ ہے بھائی، آواز بھی الگ ہے دونوں کے اندر۔ اذان میں کیا کیا جاتا ہے؟ ترسل کیا جاتا ہے، ٹھہر ٹھہر کر اذان دی جاتی ہے، اور اقامت میں کیا کیا جاتا ہے؟ حدر کیا جاتا ہے، جلدی جلدی اقامت کہی جاتی ہے۔ تو آواز سے بھی دونوں میں فرق ہو گیا، جگہ کے اعتبار سے بھی دونوں میں کیا ہو گیا؟ فرق ہو گیا، جبکہ خطبے میں ایسا نہیں ہے وہاں جگہ بھی ایک ہے اور وہاں پر آواز بھی ایک، جس آواز کے ساتھ جس طریقے سے پہلا خطبہ اسی طریقے سے دوسرا۔ تو وہاں فصل کا پتہ ہی کس سے چلے گا؟ فصل ہو گا ہی کس سے؟ جلسے سے، لیکن یہاں پر فصل ادنیٰ فصل سے بھی تھوڑا سا فرق بھی آجائے تو فصل ہو جائے گا، جلسہ ضروری نہیں۔

مسئلہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں؟ دونوں خطبے ایک جیسے ہیں، جگہ بھی ایک، اس میں آواز بھی ایک، کوئی فرق نہیں، تو وہاں فرق فصل کے لیے بیٹھنا ضروری تھا، لیکن یہاں پر آواز بھی الگ، جگہ بھی الگ، تو لہٰذا ادنیٰ ادنیٰ فصل ہی آجائے وہ کافی ہے، جلسہ ضروری نہیں ہے بھائی۔ کیونکہ چیزیں دونوں میں فرق پہلے ہی ہے، جگہ بھی دونوں کی الگ، دونوں کی آواز بھی الگ ہے، لہٰذا تھوڑے سے فصل ہی کافی ہو جائے گا۔

کہتے ہیں: «وَالْمَكَانُ فِي مَسْأَلَتِنَا مُخْتَلِفٌ» اور جگہ جو ہے ہمارے مسئلے کے اندر مختلف ہے یعنی اقامت اور اذان کی، «وَكَذَا النَّغْمَةُ» اور اسی طرح آواز جو ہے وہ بھی مختلف ہے، یعنی اذان کے اندر جو ہے وہ ترسل ہوتا ہے اور اقامت میں حدر ہوتا ہے، «فَيَقَعُ الْفَصْلُ بِالسَّكْتَةِ» لہٰذا یہاں فصل سکتے سے بھی ہو جائے گا۔ کچھ خاموش رہا اس سے بھی کیا ہو جائے گا؟ بھائی دو خطبوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے صرف سکتے پر اکتفا نہیں کیا گیا، تھوڑی دیر خاموش ہو جائے خطیب پھر اگلا خطبہ شروع کر دے، نہیں، تھوڑی دیر خاموش رہے تو اس سے فصل نہیں آئے گا، پتہ ہی نہیں چلے گا فصل کا، تو وہاں کیا ضروری؟ وہ بیٹھ جائے تاکہ فصل آجائے، دونوں الگ الگ ہو جائیں۔ اور یہاں پر دونوں کی جب آواز بھی الگ دونوں کی جگہ بھی الگ، تو لہٰذا سکتے سے ہی کیا آجائے گا دونوں میں؟ فصل آجائے گا۔ یہ معنی ہے «فَيَقَعُ الْفَصْلُ بِالسَّكْتَةِ» تو فصل واقع ہو جائے گا سکتے سے ہی۔ «وَلَا كَذَلِكَ الْخُطْبَةُ» اور خطبہ اس طرح نہیں ہے، یعنی اس میں جگہ بھی الگ نہیں، آواز بھی الگ نہیں۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَفْصِلُ بِ...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَفْصِلُ بِرَكْعَتَيْنِ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الصَّلَوَاتِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فصل کیا جائے گا دو رکعتوں کے ساتھ، کیا کیا جائے گا؟ دو رکعتیں پڑھی جائیں گی، «اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الصَّلَوَاتِ» قیاس کرتے ہوئے باقی نمازوں پر۔ باقی نمازوں کے اندر جس طرح اذان اور اقامت کے درمیان فصل کس طرح کیا جاتا ہے؟ جیسے دو رکعتیں وغیرہ پڑھ لیں، تو جیسے وہاں فصل کیا جاتا ہے یہاں بھی کیا کیا جائے گا؟ فصل دو رکعتیں پڑھ کر کیا جائے

گا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرق کیا جائے گا دو رکعتوں کے ساتھ قیاس کرتے ہوئے باقی نمازوں پر۔

«وَالْفَرْقُ قَدْذَكَرْنَاهُ» اور فرق تحقیق ہم نے ذکر کر دیا، صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ ہم نے کیا کر دیا باقی نمازوں سے اس نماز کا فرق ذکر کر دیا، باقی نمازوں کے اندر تاخیر مکروہ نہیں، اس کے اندر تاخیر کیا ہے؟ مکروہ ہے بھائی۔

تو یاد رکھیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ جو مغرب کی اذان اور اقامت ہے اس کے درمیان تھوڑا سا سکتہ کافی ہے امام صاحب کے نزدیک۔ اتنا سکتہ اتنی دیر خاموش رہے جس میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھی جا سکے، بس یہ فصل کافی ہے، یہ فصل۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ فصل کافی ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ تین قدم چل لے، یہ بھی کیا ہے اس سے بھی فصل آجائے گا، یہ بھی کافی ہے بھائی، یہ بھی کافی ہے۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا جلسہ ہو، تھوڑا سا بیٹھ جائے معمولی سا جلسہ آجائے گا تو دونوں جدا ہو جائیں گے ایک دوسرے سے جیسے خطبے کے درمیان امام دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرتا ہے اس طرح معمولی سا جلسہ کر لے بھائی، جلسہ کر لے۔ تو یہ اختلاف ہے۔

جبکہ امام حلوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف صرف افضل ہونے میں ہے، کس چیز میں؟ افضل ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں حتیٰ کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی بیٹھ بھی جائے تو بھی جائز ہے بھائی، ہاں افضل کیا ہے؟ بیٹھے نا، بس وہی تھوڑا سا فصل آگیا اس سکتے سے وہ کیا ہے؟ کافی ہے۔ جی، اور صاحبین کے نزدیک جلسہ افضل ہے۔ تو امام حلوانی کیا فرماتے ہیں کہ اختلاف صرف کس چیز میں ہے؟ افضل ہونے میں ہے، صاحبین کے نزدیک بیٹھنا افضل، امام صاحب کے نزدیک نہ بیٹھنا افضل ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ يَعْقُوبُ رَأَيْتُ أَبَاحَنِيفَةَ رَحِمَهُ...

«وَقَالَ يَعْقُوبُ رَأَيْتُ أَبَا حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يُؤَذِّنُ فِي الْمَغْرِبِ وَيُقِيمُ وَلَا يَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ» اور یعقوب فرماتے ہیں یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا نام کیا تھا؟ یعقوب بھائی۔ ابو یوسف تو ان کی کنیت ہے نام ان کا یعقوب ہے۔ اور یہ عبارت ذکر کر رہے ہیں جامع صغیر کی بھائی، کس کی عبارت ذکر ہو رہی ہے؟ «قَالَ يَعْقُوبُ رَأَيْتُ أَبَاحَنِيفَةَ» یہ کس کی عبارت ہے؟ جامع صغیر امام محمد رحمہ اللہ کی جو کتاب ہے جامع صغیر اس کے اندر وہ اس مقام پر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو کنیت کے ساتھ ذکر نہیں کرتے بلکہ کس کے ساتھ ذکر کرتے ہیں؟ ان کے نام کے ساتھ ذکر کرتے ہیں بھائی، نام کے ساتھ۔

تو کہتے ہیں کہ یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے خود فرمایا امام محمد رحمہ اللہ سے کہ میرا نام ذکر کرنا کنیت یہاں ذکر نہ کرنا بھائی، میرا نام ذکر کرنا کیونکہ آگے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام ذکر ہو رہا ہے اور ان کا نام کنیت کے ساتھ ذکر ہو رہا ہے، اور میرا نام بھی کنیت کے ساتھ ذکر ہو گا تو یہ تو کچھ برابری معلوم ہو گی حالانکہ وہ میرے شیخ ہیں، میرے استاد ہیں، تو میرا نام کیا کرنا نام کے ساتھ مجھے ذکر کرنا اور ان کی اسی کنیت کے ساتھ ان کا نام ذکر کرنا جس کے ساتھ وہ مشہور ہیں یعنی ابو حنیفہ بھائی۔

تو کہتے ہیں: «قَالَ يَعْقُوبُ رَأَيْتُ أَبَا حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يُؤَذِّنُ فِي الْمَغْرِبِ وَيُقِيمُ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا «يُؤَذِّنُ فِي الْمَغْرِبِ» کہ وہ اذان دیتے ہیں مغرب میں «وَيُقِيمُ» اور اقامت کہتے ہیں «وَلَا يَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ» اور وہ بیٹھتے نہیں، جلسہ نہیں کرتے اذان اور اقامت کے درمیان۔ یہ کس نے روایت کیا؟ امام ابو یوسف نے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب کو مغرب میں اذان دیتے اور اقامت کہتے ہوئے دیکھا ہے، وہ اذان دیتے اور اقامت کہتے تھے اور درمیان میں بیٹھتے نہیں تھے بھائی، بیٹھتے نہیں تھے۔

■ مسئلہ: وَهٰذَا يُفِيدُ مَاقُلْنَاهُ

«وَهٰذَا يُفِيدُ مَا قُلْنَاهُ» صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں «وَهٰذَا» یہ روایت جو جامع صغیر میں آئی، یہ جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام صاحب کا واقعہ ذکر کیا، «هٰذَا» یہ وہ چیز جو ہے «يُفِيدُ مَا قُلْنَاهُ» یہ فائدہ دیتا ہے وہ جو ہم نے قول کیا، جو ہم نے بات کی اسی کا فائدہ دے رہا ہے۔ کیا ہم نے کیا ذکر کیا؟ کہ امام صاحب کے نزدیک کیا ہے؟ جلسہ نہیں ہونا چاہیے مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان، ادنیٰ فصل آگیا وہ کیا ہے؟ کافی ہے۔ ایک تو اس چیز کا فائدہ دیا اس روایت نے، اور دوسری بات: «وَأَنَّ الْمُسْتَحَبَّ كَوْنُ الْمُؤَذِّنِ عَالِمًابِالسُّنَّةِ» اور اس بات کا فائدہ دیا کہ مستحب جو ہے مؤذن کا عالماً بالسنۃ ہونا ہے، مؤذن جو ہے اس کو سنت کا عالم ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ عالماً بالسنۃ ہونا چاہیے یعنی احکام شریعت پر واقف ہونا چاہیے بھائی۔ یہ بھی اس روایت سے پتہ چلا کیونکہ امام صاحب اذان اور اقامت کہہ رہے ہیں اذان دے رہے ہیں اور امام صاحب کیا ہیں؟ احکام شریعت پر واقف ہیں بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو اس نے فائدہ دیا اس بات کا جو ہم نے ذکر کی اور اس بات کا بھی کہ «وَأَنَّ الْمُسْتَحَبَّ كَوْنُ الْمُؤَذِّنِ عَالِمًابِالسُّنَّةِ» کہ مستحب جو ہے وہ مؤذن کے لیے عالماً بالسنۃ ہونا ہے، سنت کا عالم ہو یعنی احکام شریعت کو جاننے والا ہو، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ»

اور اذان دے تمہارے لیے خیار کم جو تم میں سے بہتر ہے۔ تمہارے لیے وہ شخص اذان دے جو تم میں سے بہتر ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یعنی احکام شریعت کو جاننے والا ہے بھائی۔

« **وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيمُ** » اور اذان دے فوت شدہ نماز کے لیے اور اقامت کہے۔ اور اذان دی جائے گی فوت شدہ نماز کے لیے اور اقامت کہی جائے گی بھائی۔ ایک شخص ہے اس کی نماز فوت ہو گئی، اب وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ یا مثلاً ایک جماعت ہے بھائی اس کی نماز فوت ہو گئی بھائی کسی وجہ سے، اب فوت شدہ نماز بعد میں ادا کرنا چاہتے ہیں تو کیا کریں اذان اور اقامت کہیں گے یا نہیں؟ تو بتلا دیا انہوں نے آپ کو کہ وہ اس کے لیے اذان بھی دیں اور پھر اقامت بھی کہیں۔ کہتے ہیں: « **وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيمُ** » اور اذان کہے گا فوت شدہ نماز کے لیے اور اقامت بھی کہے گا، « **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَضَى الْفَجْرَ غَدَاةَ لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ** » کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ نے فجر کی قضا نماز پڑھی بھائی، « **غَدَاةَ لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ** »، غداۃ کا معنی صبح ہونا سورج کا نکل آنا بھائی، یعنی چاشت کا وقت سورج جب کچھ اونچا ہو جائے تھوڑا سا، غداۃ لیلۃ التعریس لیلۃ التعریس کے دن نکلنے پر حضور علیہ السلام نے فجر کی قضا فرمائی غداۃ لیلۃ التعریس لیلۃ التعریس کے دن نکلنے پر جب سورج نکل آیا تھا کچھ بلند ہو گیا تھا، اس کی قضا فرمائی « **بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ** » اذان اور اقامت کے ساتھ بھائی، اذان اور اقامت کے ساتھ۔

بھائی یہ روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ سفر پر تھے، رات کے وقت سفر کر رہے ہیں بھائی، رات کافی گزر چکی ہے اکثر حصہ تھوڑا حصہ باقی ہے، تو صحابہ تھک گئے ہوں گے انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ کچھ آرام نہ کر لیں۔ تو تعریس کہتے ہیں تعریس، عرّس یعرّس تعریس کا معنی ہے رات کے آخری حصے میں پڑاؤ ڈالنا، رات کے آخری حصے میں آرام کرنا، یہ کیا ہے؟ تعریس ہے۔ تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ تعریس نہ کر لیں؟ یعنی رات تو گزر چکی کچھ حصہ ہے اس میں کیا کر لیں کچھ آرام نہ کر لیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ مجھے خوف ہے کہ تم نماز سے سو جاؤ گے یعنی نماز کہیں رہ نہ جائے کیونکہ سفر میں تھے تھکے ہوئے تھے، اب فورا جیسے لیٹے اگر آنکھ لگ گئی پھر تو پتہ ہی نہیں چلے گا بھائی، نماز کا وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے یا آدھی گزر چکی ہے، تو مجھے خوف ہے کہ تم نماز سے سو جاؤ گے۔ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ فرمانے لگے: میں جگا دوں گا، یا رسول اللہ میں کیا کروں گا؟ جگا دوں گا۔

چنانچہ سب پڑاؤ ڈال لیا، پہلو لگا لیے سب نے پہلو لگائے، سو گئے بھائی۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے ذمہ داری لے لی میں جگا دوں گا، حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ بھی اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے کہ فجر ہوتے ہی میں کیا کروں گا اذان دوں گا، پھر اذان دینی ہے جگانا ہے سب کو بھائی۔ تو ان کی ان پر بھی نیند کا غلبہ ہوا بھائی وہ سو گئے اور ادھر سورج نکل آیا بھائی، **يَرْحَمُكَ اللَّهُ**، سورج تھوڑا سا نکل آیا تھا تو حضور علیہ السلام سب سے پہلے بیدار ہوئے بھائی اور سورج نکل آیا تھا تو حضور علیہ السلام حضرت بلال سے فرمانے لگے: اے بلال وہ بات کدھر گئی جو تم نے کہی تھی؟ یعنی تم نے کیا کہا تھا؟ میں جگا دوں گا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ مجھ پر اتنی نیند آئی کہ اس جیسی نیند مجھے پہلے کبھی نہیں آئی، اتنی نیند ایک دم مجھ پر طاری ہو گئی مجھے پتہ نہ چلا۔

تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ تمام ارواح جو ہیں اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں، جب چاہتے ہیں اللہ ارواح کو قبض فرما لیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں واپس لوٹا دیتے ہیں۔ یاد رکھیے علماء لکھتے ہیں کہ نیند کی حالت میں بھی روح بدن سے نکل جاتی ہے، جیسے موت کے اندر، موت کی حالت میں روح بدن سے نکل جاتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ موت کی حالت میں جب روح نکلتی ہے اس کا بدن سے تعلق بالکل ٹوٹ جاتا ہے، جبکہ نیند کی حالت میں جب روح نکلتی ہے اس کا بدن سے تعلق باقی رہتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ بدن کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے، چنانچہ اسی وجہ سے نیند میں انسان ایسا غافل ہوتا ہے ارد گرد کا اسے کچھ پتہ نہیں چلتا، ہاں روح کا تعلق ہے آپ جیسے ہی ذرا سا اس کو ہلائیں گے فورا روح ایک دم واپس آ گئی اور وہ کیا ہو جائے گا؟ بیدار ہو جائے گا۔

تو روح جو ہے یہ بدن اس کے لیے آلہ ہے، اور روح کی مثال یوں کہیں آفتاب کی طرح ہے اور جب انسان بیدار ہوتا ہے تو اس کی شعاعیں پورے بدن پر پڑتی ہیں پورا بدن حرکت میں ہے متحرک ہے زندگی کے آثار اس میں نظر آ رہے ہیں، اور جب نیند کا وقت آتا ہے تو اس وقت باقی بدن سے اس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے، ہاں باطنی طور پر تعلق اس کا اب بھی رہتا ہے باطنی طور پر اس کا تعلق اب بھی اس کے ساتھ رہتا ہے بھائی۔ تو بتلانا یہ مقصد تھا کہ یہ جو نیند ہے یہ بھی موت کی طرح ہے، موت کی طرح، ہاں موت میں صرف کیا فرق ہے کہ تعلق پوری طرح کٹ گیا بدن سے روح کا جبکہ نیند کے اندر پوری طرح نہیں کٹا بھائی۔

پھر اسی کے اندر جو روح نکلی ہے آپ نے قرآن میں تفسیر وغیرہ میں بھی پڑھا ہو گا بعض آیات کی تفاسیر میں کہ جس کی زندگی ابھی باقی ہوتی ہے نیند کی حالت میں روح نکلی ہے لیکن زندگی اگر باقی ہے وہ روح واپس اللہ اس کو واپس بھیج دیں گے، اور جس کی زندگی باقی نہیں تو اس کی روح واپس نہیں آتی، چنانچہ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں بعض اوقات نیند کی حالت میں کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور ان کو کسی کو ساتھ والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ روح نکلی تھی نیند کی حالت میں اور پھر موت کا فیصلہ ہوا تعلق اسی کے بیچ میں نکلی ہوئی تو تھی ہی اب وہ جو تھوڑا تعلق تھا وہ بھی ٹوٹ گیا پتہ ہی نہیں چلا اور پھر واپس روح نہ آئی بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرمانے لگے کہ ہاں تمام ارواح کیا ہیں اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں جس وقت وہ چاہتے ہیں ان ارواح کو لوٹا دیتے ہیں۔ پھر فرمایا: اے بلال اٹھو اور اذان دو بھائی نماز کے لیے۔ تو چنانچہ جب سورج کچھ بلند ہو گیا پھر اس وقت جو ہے وہ نماز ادا کی گئی بھائی۔ یہ ہے وہ لیلۃ التعریس کا واقعہ۔

تو کہتے ہیں: « **وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيمُ** » اور اذان دے گا فوت شدہ نماز کے لیے اور اقامت کہے، « **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَضَى الْفَجْرَ غَدَاةَ**

لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ » کیونکہ حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز قضا فرمائی لیلۃ التعریس کے دن نکلنے پر، « بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ » اذان اور اقامت کے ساتھ بھائی، اذان بھی دی گئی اور اقامت بھی کہی گئی۔ « وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي اكْتِفَائِهِ بِالْإِقَامَةِ » اور یہ حدیث جو ہے دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف فی اکتفائہ ان کے اکتفا کرنے پر بالا قامۃ کس کے ساتھ؟ اقامت، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بس اقامت کافی ہے، کیا کر لیا جائے؟ اقامت کافی ہے، لیکن اس حدیث میں دیکھو اذان کا بھی ذکر ہے۔

■ مسئلہ: فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ أَذَّنَ لِلْأُولَى وَأَ...

« فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ أَذَّنَ لِلْأُولَى وَأَقَامَ لِمَا رَوَيْنَا » بھائی اب کئی نمازیں فوت ہو گئیں، کئی نمازیں رہ گئیں اب کیا کیا جائے؟ کیا ہر نماز کے لیے علیحدہ اذان اور اقامت کہی جائے؟ یا صرف پہلی کے لیے اذان اور اقامت کہی جائے باقیوں کے لیے نہ اذان ہو نہ اقامت؟ یا پہلی کے لیے اذان اور اقامت دونوں اور باقیوں کے لیے صرف کیا ہو؟ اقامت، کس صورت پر عمل کیا جائے گا؟ بتلا رہے ہیں: « فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ » اگر کئی نمازیں فوت ہو جائیں اس کی « أَذَّنَ لِلْأُولَى » تو پہلی کے لیے کیا کرے؟ اذان دے « وَأَقَامَ » اور اقامت کہے « لِمَا رَوَيْنَا » اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی۔

« وَكَانَ مُخَيَّرًا فِي الْبَاقِي » اور اس شخص کو اختیار ہے باقی نمازوں کے اندر « إِنْ شَاءَ أَذَّنَ وَأَقَامَ » اگر چاہے تو کیا کرے؟ اذان بھی دے اور اقامت بھی کہے ہر نماز کے لیے۔ اگلے متن میں ہے: « وَإِنْ شَاءَ اقْتَصَرَ عَلَى الْإِقَامَةِ » اور اگر چاہے تو باقی نمازوں کے اندر صرف اقامت پر اکتفا کر لے، کیا کر لے؟ اقامت پر اکتفا کر لے۔ تو کہتے ہیں: « إِنْ شَاءَ أَذَّنَ وَأَقَامَ » اگر چاہے تو ہر نماز کے لیے کیا کہے اذان کہے اور اقامت کہے « لِيَكُونَ الْقَضَاءُ عَلَى حَسَبِ الْأَدَاءِ » تاکہ قضا بھی کس کے مطابق ہو جائے؟ ادا کے، جیسے ادا ہوتی تھی ہر نماز اذان اور اقامت کے ساتھ تو یہاں قضا بھی کئی نمازیں کر رہا ہے سب کو اذان اور اقامت کے ساتھ کر لے۔ « وَإِنْ شَاءَ اقْتَصَرَ عَلَى الْإِقَامَةِ » اور اگر چاہے تو اکتفا کر لے صرف اقامت پر « لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلِاسْتِحْضَارِ وَهُمْ حُضُورٌ » بھائی صرف کس پر اکتفا کر لے؟ اقامت پر، یعنی اذان کو باقی نمازوں کے لیے چھوڑ دے، پہلی کے لیے اذان دے دے باقیوں کے لیے اذان کو چھوڑ دے۔ کیوں اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں: « لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلِاسْتِحْضَارِ » اس لیے کیونکہ اذان تو ہے وہ حاضر کرنے کے لیے ہے، کس لیے ہے؟ بھائی اذان کس لیے دی جاتی ہے تاکہ لوگ نماز کے لیے آ جائیں، حاضر ہو جائیں، اور اس وقت تو یہ سارے مسافر ہیں یا یہ ان کی کئی نمازیں چھوٹ گئی ہیں ان لوگوں کی اور سارے حاضر ہیں جنہوں نے قضا پڑھنی ہے وہ تو سارے کیا ہیں؟ حاضر۔ اور اذان کس لیے تھی دوسروں کو حاضر کرنے کے لیے، یہاں تو سب پہلے سے ہی حاضر ہیں لہٰذا باقی نمازوں میں اذان کی حاجت نہیں۔

« لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلِاسْتِحْضَارِ وَهُمْ حُضُورٌ » اس لیے کیونکہ اذان جو ہے حاضر کرنے کے لیے ہے اور وہ تو حاضر ہیں۔ « قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُقَامُ لِمَا بَعْدَهَا » قال سے مراد ہے صاحب ہدایہ، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: « وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ » امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے « أَنَّهُ » وہ فرماتے ہیں « أَنَّهُ يُقَامُ لِمَا بَعْدَهَا » کہ اقامت کہے گا بعد والی نمازوں کے لیے۔ متن میں تو کیا آیا؟ اگر چاہے تو بعد والی نمازوں کے لیے اذان بھی دے سکتا ہے اور اقامت بھی کہہ سکتا ہے اور چاہے تو صرف کیا کر لے؟ اقامت، یعنی دونوں صورتوں میں سے جو چاہے اختیار کر لے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ آئی ہے کہ ان کے بعد بعد والی نمازوں میں اقامت کہے، انہوں نے اذان کے اختیار کا نہیں لکھا بلکہ صرف کیا لکھا ہے؟ بعد کی نمازوں کے لیے اقامت کہے گا۔

■ مسئلہ: قَالُوا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ هَذَا قَوْلَهُمْ جَمِيعًا

« قَالُوا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ هَذَا قَوْلَهُمْ جَمِيعًا » توفقہاء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ ان سب کا قول ہو۔ امام محمد رحمہ اللہ نے تو صرف اتنا لکھا کہ کیا کر لے باقی نمازوں کے لیے اقامت کہہ لے اور اختلاف وغیرہ کوئی ذکر نہیں کیا کہ اس بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں یا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں یا یہ میرا قول ہے یا ان کا قول ہے، انہوں نے صرف اتنا لکھا۔ تو مشائخ اور فقہاء فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ ان سب ہی کا قول ہو اسی لیے انہوں نے اختلاف کو یہاں ذکر نہیں کیا کہ پہلی کے لیے اذان اور اقامت کہے اور باقیوں میں کیا کر لے؟ اقامت کہہ لے۔ مسئلہ بھی سمجھ میں آ رہا ہے کہ نہیں؟ تو یہ معنی « قَالُوا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ هَذَا قَوْلَهُمْ جَمِيعًا » کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ان سب کا قول ہو یعنی ہمارے تینوں ائمہ کا۔

« وَيَنْبَغِي أَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ عَلَى طُهْرٍ فَإِنْ أَذَّنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ جَازَ » اور مناسب یہ ہے کہ اذان اور اقامت کہے « عَلَى طُهْرٍ » پاکی کی حالت میں یعنی وضو کی حالت میں، « فَإِنْ أَذَّنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ جَازَ » اگر اذان دے دی بغیر وضو کے تو بھی جائز۔

لِأَنَّهُ ذِكْرٌ کیونکہ اذان ذکر ہے۔ وہ کیا ہے؟ اللہ کا ذکر ہے، اللہ کا نام لیا جاتا ہے بھائی اذان، تو وہ ذکر ہے۔ وَلَيْسَ بِصَلَاةٍ اور وہ تو نماز تو نہیں ہے۔ نماز کے لیے تو وضو ضروری ہے لیکن اذان تو ذکر ہے، لہٰذا اس کے لیے وضو ضروری نہیں۔ ہاں، بہتر ہے کس کے ساتھ اذان دی جائے؟ وضو کے ساتھ، لیکن اگر بغیر وضو بھی کسی نے دے دی تو جائز ہو جائے گی، یعنی درست ہو گئی۔ کیونکہ یہ ذکر ہے وَلَيْسَ بِصَلَاةٍ اور یہ نماز نہیں ہے۔ فَكَانَ الْوُضُوءُ فِيهِ اسْتِحْبَابًا تو وضو اس کے اندر

وہ استحباب، یعنی مستحب ہو گا بھائی۔ **كَمَا فِي الْقِرَاءَةِ** جیسے کس کے اندر ہے؟ قراءت کے اندر۔ بھائی، آپ قراءت کرتے ہیں قرآن کی زبانی، زبانی۔ زبانی قراءت کرتے ہیں تو دیکھیے، وضو ہو تو افضل ہے۔ وضو نہ ہو تو بھی آپ تلاوت کر سکتے ہیں۔ تو بھی کیا کر سکتے ہیں؟ تلاوت کر سکتے ہیں، تو یہاں بھی اسی طرح بھائی۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يُقِيمَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ اور مکروہ ہے کہ اقامت کہی جائے بغیر وضو کے بھائی۔ **لِمَا فِيهِ مِنَ الْفَصْلِ بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ** بوجہ اس کے، **فِيهِ** جو اس کے... اس میں ہے۔ اس چیز کی وجہ سے، **فِيهِ** جو اس میں ہے، دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ بھائی، وہ کیا چیز ہے؟ **مِنْ** کے ذریعے بیان آیا، یعنی کہ فصل ہے **بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ** اقامت اور نماز۔ تو یہ فصل کیا ہے؟ **اَلْفَصْلُ بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ** یہ بیان ہے مَاکا۔ اور میں نے بتلایا تھا ترجمہ پھر کیا کرو با محاورہ ترجمہ کرنے کے لیے؟ اس بیان کو اٹھا کر کس کی جگہ لے جاؤ؟ مَا کی جگہ، اور پھر ترجمہ کرو: **أَيْ لِلْفَصْلِ بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ فِيهِ** اس لیے کیونکہ اس میں اذان اور اقامت کے درمیان فصل آتا ہے اس صورت میں۔ بھائی، ایک آدمی ہے بغیر وضو کے اقامت کہتا ہے اور اقامت کے تو ساتھ ہی نماز کھڑی ہو جاتی ہے، نماز شروع ہو جاتی ہے، لیکن اگر اس نے اقامت بغیر وضو کے کہی ہے تو اسے کہاں جانا پڑے گا؟ وضو کرنے جانا پڑے گا۔ تو دیکھو، فصل آ گیا کس کے درمیان؟ اقامت اور نماز کے درمیان، حالانکہ یہ فصل تو کیا ہے؟ مکروہ ہے بھائی۔ اقامت کے ساتھ ہی نماز ہونی چاہیے، درمیان میں فصل نہیں ہونا چاہیے۔

یہ معنی ہے **وَيُكْرَهُ أَنْ يُقِيمَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ لِمَا فِيهِ مِنَ الْفَصْلِ بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ** اور مکروہ ہے کہ اقامت کہے بغیر وضو کے، اس لیے کیونکہ اس کے اندر فصل ہے اقامت اور نماز کے درمیان۔ **وَيُرْوَى أَنَّهُ لَا تُكْرَهُ الْإِقَامَةُ أَيْضًا** اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ اقامت بھی مکروہ نہیں، جیسے اذان بغیر وضو کے مکروہ نہیں، اسی طرح اقامت بھی مکروہ نہیں، یہ بھی روایت کیا گیا ہے۔ کیوں؟ اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ أَحَدُ الْأَذَانَيْنِ** اس لیے کیونکہ یہ بھی دو اذانوں میں سے ایک اذان ہے۔ دو اذانوں میں سے ایک اذان ہے۔ پہلی اذان، اس میں نماز کا وقت ہونے کا اعلان ہوتا ہے۔ یہ دوسری اذان ہے، اس میں نماز کے کھڑے ہونے کا اعلان ہوتا ہے کہ جماعت کھڑی ہو رہی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ بھی اذان ہی ہوئی۔ تو جیسے پہلی اذان میں وضو کا نہ ہونا جائز تھا، اس میں بھی جائز ہے، یعنی مکروہ نہیں۔

وَيُرْوَى اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے **أَنَّهُ يُكْرَهُ الْأَذَانُ أَيْضًا** کہ اذان بھی مکروہ ہے۔ دوسری روایت اذان کے بارے میں کیا آئی ہے؟ کہ اذان بھی بغیر وضو کے مکروہ ہے۔ **لِأَنَّهُ يَصِيرُ دَاعِيًا** ان کی دلیل بھی ذکر ہو رہی ہے: **لِأَنَّهُ يَصِيرُ دَاعِيًا إِلَى مَالَا يُجِيبُ بِنَفْسِهِ** اس لیے کیونکہ مؤذن جو ہے وہ داعی ہو گیا، بلانے والا ہوا **إِلَى** مَا اس چیز کی طرف لَا **يُجِيبُ بِنَفْسِهِ** جس کا وہ خود جواب نہیں دے سکتا، جس کو وہ خود قبول نہیں کر سکتا۔ بھائی دیکھیے، مؤذن کیا کرتا ہے؟ نماز کی طرف سب کو بلا رہا ہے لیکن خود اس دعوت کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ اس وقت بے وضو ہے۔ بے وضو کوئی نماز دے رہا ہے؟ وہ سب کو، باقیوں کو تو نماز کی طرف بلا رہا ہے لیکن خود اس کا جواب نہیں دے سکتا، یعنی اس کو قبول، اس دعوت کو خود اس پر عمل نہیں کر سکتا، اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ کیوں نہیں کر سکتا قبول؟ کیونکہ بے وضو ہے، جا کر اسے وضو کرنا پڑے گا پھر جا کر وہ نماز کے لیے تیار ہو گا۔ ابھی تک وہ نماز کے لیے تیار ہی نہیں۔ تو لہٰذا اس وجہ سے بعضوں نے کہا اذان بھی بغیر وضو کے مکروہ ہے بھائی، اذان بھی بغیر وضو کے مکروہ ہے کیونکہ ایسی چیز کی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے جس کے لیے ابھی وہ خود تیار نہیں بھائی۔ پہلے خود تو تیار ہونا چاہیے، پھر دوسروں کو کیا کرے انسان؟ بلائے اور دعوت دے۔ یہ معنی ہے **لِأَنَّهُ يَصِيرُ دَاعِيًا إِلَى مَالَا يُجِيبُ بِنَفْسِهِ** اس لیے کیونکہ مؤذن جو ہے وہ دعوت دینے والا ہو گیا **إِلَى** مَا اس چیز کی طرف لَا **يُجِيبُ بِنَفْسِهِ** جس کا جواب وہ خود نہیں دے سکتا، یعنی جس کو وہ خود قبول نہیں کر سکتا۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ اور مکروہ ہے کہ اذان دے **وَهُوَ جُنُبٌ** اس حال میں کہ وہ جنب ہو بھائی، حالت جنابت میں ہو۔ بھائی، بغیر وضو اذان دی جائے تو جائز ہے۔ ہاں، بہتر یہ ہے کس کے ساتھ ہو؟ وضو کے ساتھ۔ لیکن اگر بغیر وضو کے بھی اذان دی، اذان ہو جائے گی۔ لیکن جنابت کی حالت میں اگر کوئی شخص اذان دیتا ہے یہ مکروہ ہے بھائی، یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے، مکروہ تحریمی بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور اس صورت میں اعادہ کیا جائے گا، اعادہ، کیونکہ کراہت تحریمی کے ساتھ ہوئی بھائی، کراہت تحریمی کے ساتھ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا: ایک مکروہ تنزیہی ہے، ایک مکروہ تحریمی۔ مکروہ تحریمی جو حرام کے قریب ہے زیادہ اور مکروہ تنزیہی جو حلال کے زیادہ قریب ہے بھائی۔ یہ معنی ہے **وَيُكْرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ** اور مکروہ ہے کہ اذان دے اور وہ جنب ہو یعنی حالت جنابت میں ہو۔ **رِوَايَةً وَاحِدَةً** اس حال میں کہ یہ ایک روایت ہے، یہ کیا ہے؟ یہ ایک روایت ہے بھائی۔

وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ اور فرق کی وجہ دو روایتوں میں سے ایک پر... فرق کی روایت دو روایتوں میں سے ایک، یہ ایک روایت آئی نا متن کے اندر کہ اذان بغیر وضو کے بھی جائز ہے اور جنابت کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے، یعنی بغیر وضو کے مکروہ نہیں، ہاں جنابت کے ساتھ مکروہ، یہ ایک روایت آئی۔ تو اس کی وجہ اب بیان کر رہے ہیں بھائی۔ وجہ یہ بیان کریں گے، کہتے ہیں کہ دیکھیے بھائی، یہ جو اذان ہے اذان، اس کی من وجہ مشابہت ہے نماز کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ نماز کے ساتھ، یعنی من وجہ یعنی بعض اعتبارات سے۔ بعض اعتبارات سے اذان کی مشابہت نماز کے ساتھ ہے اور بعض اعتبارات سے اذان کی مشابہت نماز کے ساتھ نہیں ہے۔ تو بعض اعتبارات سے مشابہت ہے، بعض اعتبارات سے مشابہت نہیں ہے۔

مشابہت کس اعتبار سے ہے؟ مشابہت دیکھیے بھائی۔ اذان کے اندر بھی استقبال قبلہ ہے، کس طرف رخ کر کے اذان دینی چاہیے؟ قبلے کی طرف منہ کر کے، اور نماز میں بھی استقبال قبلہ ہے۔ نیز نماز کا آغاز بھی تکبیر سے ہوتا ہے، اذان کا آغاز بھی کس سے ہے؟ تکبیر سے ہے، تکبیر سے ہے۔ اور اذان کے کلمات کی بھی خاص ترتیب

ہے جیسے نماز کے ارکان کی خاص ترتیب ہے: پہلے قیام ہے، پھر رکوع ہے، پھر اس کے بعد سجدہ ہے، جیسے نماز کے ارکان کی ترتیب ہے اسی طرح اذان کے کلمات کی بھی کیا ہے؟ ترتیب۔ تو ان بعض اعتبارات سے نماز کے ساتھ اس کی مشابہت ہے، باقی اعتبارات سے اس کی مشابہت نہیں۔ تو دونوں جہتیں یہاں آ گئیں۔ من وجہ دیکھیں تو مشابہت ہے، من وجہ دیکھیں تو اذان کی نماز کے ساتھ مشابہت نہیں، تو ہم نے دونوں کی رعایت رکھی۔ مشابہت ہونے کی بھی رعایت رکھی اور مشابہت نہ ہونے کی بھی رعایت رکھی۔ مشابہت ہے، لہٰذا کم از کم بڑے حدث سے انسان کو پاک ہونا چاہیے، کم از کم کیا ہے؟ بڑے یعنی جنابت سے انسان کو پاک ہونا۔ اور مشابہت نہیں ہے تو لہٰذا وضو ضروری نہیں ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو دونوں جہتوں کی رعایت ہو گئی۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ اور فرق کی وجہ بھائی، یہ جو کہ اذان کے بغیر کراہت... وضو کے بغیر کراہت نہیں ہے اور جنابت کے ساتھ کراہت ہے، یہ فرق کیوں ہے؟ تو یہ جو فرق کی وجہ ہے دو روایتوں میں سے ایک پر **هُوَ** وہ یہ ہے **أَنَّ لِلْأَذَانِ شَبَهًا** اس لفظ کو **شَبَهًا** پڑھنا، **شِبْهًا** نہ پڑھنا۔ شاید پہلے بھی میں ذکر کر چکا ہوں۔ ایک لفظ ہوتا ہے **شِبْهٌ**، ایک لفظ ہوتا ہے **شَبَهٌ**۔ **شِبْهٌ** بمعنی **مِثْلٌ** کے، **مِثْلٌ**، اور **شَبَهٌ** کا معنی ہے مشابہت، یہ مصدر ہے۔ آپ خود دیکھ لیجیے یہاں کون سا لفظ مناسب بنتا ہے؟ پہلے **شِبْهٌ** ذرا پڑھیں: **وَهُوَ أَنَّ لِلْأَذَانِ شِبْهًا بِالصَّلَاةِ** اذان کے لیے مثل ہے نماز کے ساتھ، اور دوسرا ترجمہ کریں: **لِلْأَذَانِ شَبَهًا بِالصَّلَاةِ** اذان کے لیے مشابہت ہے نماز کے ساتھ۔ کون سا ترجمہ صحیح بنتا ہے؟ مشابہت والا بھائی۔ اور تو دو روایتوں پر فرق کی... دو روایتوں میں سے جو ایک روایت ہے اس میں فرق کی وجہ، بھائی بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ ایک روایت ذکر ہوئی، کیا؟ اذان بغیر وضو کے جائز ہے، مکروہ نہیں، اور جنابت کے ساتھ مکروہ ہے۔ تو یہ دو روایتوں میں سے ایک روایت آئی اور اس روایت میں دیکھو فرق کیا جا رہا ہے بغیر وضو اذان کو مکروہ نہیں کہا جا رہا اور جنابت کے ساتھ مکروہ کہا جا رہا ہے، تو ان دونوں میں فرق کی وجہ کیا ہے؟ وہ ذکر کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے **أَنَّ لِلْأَذَانِ شَبَهًا بِالصَّلَاةِ** کہ اذان جو ہے اس کی مشابہت ہے نماز کے ساتھ۔ **فَيُشْتَرَطُ الطَّهَارَةُ عَنْ أَغْلَظِ الْحَدَثَيْنِ دُونَ أَخَفِّهِمَا** پس شرط لگائی جائے گی طہارت کی، یعنی پاک ہونے کی **عَنْ أَغْلَظِ الْحَدَثَيْنِ** دو حدثوں میں سے جو زیادہ غلیظ ہے اس سے طہارت کی شرط لگائی جائے گی، یعنی دو حدثوں میں سے جو زیادہ سخت ہے، زیادہ بڑا ہے۔ ایک ہے حدث اصغر، بے وضو ہونا اور ایک ہے حدث اکبر، یعنی جنابت کی حالت میں ہونا۔ تو کون سا حدث بڑا ہے؟ جنابت والا، تو اس سے پاک ہونے کی شرط لگائی جائے گی **دُونَ أَخَفِّهِمَا** نہ کہ ان دونوں میں سے جو ہلکا ہے اس سے پاک ہونے کی۔ دونوں میں سے ہلکا کون سا حدث ہے؟ حدث اصغر یعنی بے وضو، اس سے پاک ہونے کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔ **عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ** عمل کرتے ہوئے دونوں مشابہتوں پر، دونوں مشابہتوں پر۔

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ اور جامع صغیر کے اندر آیا ہے، یعنی امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **إِذَا أَذَّنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ** جب اذان دے دی بغیر وضو کے **وَأَقَامَ** اور اقامت بھی کہی بھائی بغیر وضو کے **لَا يُعِيدُ** تو اعادہ نہیں کرے گا، یعنی اس کا اعادہ نہیں کرے گا، **وَالْجُنُبُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيدَ** اور جنابت والا جو ہے وہ مجھے زیادہ پسند ہے کہ وہ اعادہ کر لے۔ کیا ذکر کیا گیا؟ بے وضو اگر اقامت اور اذان... اذان کہی اور اقامت کہی تو اعادہ نہ کرے اور جنابت کی حالت میں اگر اذان اور اقامت کہی ہے تو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ کیا ہے؟ مجھے پسند یہ ہے کہ اعادہ کر لے، یعنی مستحب یہ ہے کہ اعادہ کر لے، **وَإِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ** اور اگر وہ اعادہ نہ کرے **أَجْزَأَهُ** تو بھی یہ کافی ہو جائے گی، یعنی یہ نماز کیا ہے؟ کافی ہو جائے گی، نماز ٹھیک ہو جائے گی۔

أَمَّا الْأَوَّلُ باقی پہلی بات بھائی، کون سی پہلی بات؟ دو باتیں کیں نا: بغیر وضو کے کہے تو اعادہ نہیں اور جنابت میں ہو تو اعادہ پسندیدہ ہے۔ تو پہلی بات یعنی کون سی؟ بغیر وضو کے اعادہ نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں: **أَمَّا الْأَوَّلُ** پہلی چیز یعنی بے وضو کے لیے اعادہ نہیں **فَلِخِفَّةِ الْحَدَثِ** حدث کے خفیف ہونے کی وجہ سے کیونکہ ٹھیک ہے حدث تو تھا، بے وضو تو تھا لیکن کون سا حدث تھا؟ حدث اصغر تھا، حدث خفیف تھا، اس لیے۔

وَأَمَّا الثَّانِي اور باقی دوسرا جو ہے، دوسری کیا چیز ہے؟ جنابت کی وجہ سے کہ اعادہ کرنا پسندیدہ ہے، مستحب ہے۔ وہ جو دوسرا ہے اس کے بارے میں، **فَفِي الْإِعَادَةِ بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ رِوَايَتَانِ** تو اس میں جو اعادہ ہے جنابت کی وجہ سے جو ذکر ہوا **رِوَايَتَانِ** دوسری بات جو ہے اس میں اعادہ جنابت کی وجہ سے، اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں بھائی۔ دو روایتیں ہیں، بین السطور انہوں نے دیا ہوا ہے کہ ظاہر روایت میں یہ ہے کہ اعادہ مستحب ہے اور امام کرخی کی روایت میں اعادہ واجب ہے بھائی، اعادہ کیا ہے؟ واجب ہے بھائی جنابت کی حالت میں جو اذان وغیرہ دی۔

وَالْأَشْبَهُ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: اور فقہ کے زیادہ مشابہ جو ہے وہ یہ ہے، اشبہ بالفقہ یہ ہے **أَنْ يُعَادَ الْأَذَانُ دُونَ الْإِقَامَةِ** کہ اذان کا اعادہ کیا جائے نہ کہ اقامت کا۔ **أَنْ يُعَادَ الْأَذَانُ دُونَ الْإِقَامَةِ** کس کا اعادہ کیا جائے؟ اذان کا اعادہ کیا جائے گا **دُونَ الْإِقَامَةِ** نہ کہ اقامت کا۔ **لِأَنَّ تَكْرَارَ الْأَذَانِ مَشْرُوعٌ دُونَ الْإِقَامَةِ** اس لیے کیونکہ اذان کا تکرار تو مشروع ہے، جائز ہے، یعنی شریعت میں ہے **دُونَ الْإِقَامَةِ** اقامت میں نہیں۔ اقامت کے اندر تکرار مشروع نہیں اور اذان میں تکرار مشروع ہے۔ بھائی، کوئی ایسا موقع ہے آپ کے ذہن میں جب ایک ہی نماز کے لیے دو اذانیں دی جاتی ہوں؟ جی؟ ہاں، دیکھا جمعے کے دن۔ جمعے کے دن دیکھو ایک ہی نماز ہے اور اس کے لیے کتنی اذانیں ہیں؟ دو۔ تو معلوم ہوا تکرارِ اذان یہ مجموعی اعتبار سے مشروع ہے، یعنی کہیں نہ کہیں اس کا حکم پایا جا رہا ہے، یہ اس کا حکم ہے، دو اذانیں دی جاتی ہیں جمعے کی نماز کے لیے۔ لیکن اقامت کا کوئی ایسی صورت ہے شرعی حکم کہیں پر اقامت کا تکرار ہو؟ کہیں اقامت کا کہیں تکرار مشروع نہیں، تو اسی لیے کہا گیا کہ صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ اذان کا تو اعادہ کیا جائے گا کیونکہ اذان کا تکرار مشروع ہے اور اقامت کا اعادہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اقامت کا تکرار مشروع

نہیں، اور بھی کسی مقام پر تکرار نہیں ہے اقامت کا۔ یہ معنی ہے **لِأَنَّ تَكْرَارَ الْأَذَانِ مَشْرُوعٌ دُونَ الْإِقَامَةِ** اس لیے کیونکہ اذان کا تکرار تو مشروع ہے **دُونَ الْإِقَامَةِ** نہ کہ اقامت کا۔

وَقَوْلُهُ إِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ بھائی، یہ جو اسی سے پچھلی سطر میں آیا تھا امام محمد رحمہ اللہ کا قول: **وَالْجُنُبُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيدَ وَإِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ** اور اگر وہ اعادہ نہ کرے تو بھی کافی ہے، **أَجْزَأَهُ** اس کے لیے کافی ہے۔ یہ کافی ہونے سے کیا مراد ہے؟ اذان کافی ہے یا نماز اس کے لیے کافی ہے؟ صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ نہیں، مراد کیا ہے؟ نماز کیا ہے اس کے لیے؟ کافی ہے، نماز پھر بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ **وَقَوْلُهُ إِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ** اور امام محمد رحمہ اللہ کا قول جو ہے **إِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ يَعْنِي الصَّلَاةَ** مراد کیا ہے اس سے ان کی؟ نماز، اس سے مراد نماز ہے، نماز اس کے لیے کافی ہو جائے گی یعنی نماز صحیح ہو جائے گی۔ کیوں؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهَا جَائِزَةٌ بِدُونِ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ** اس لیے کیونکہ نماز جو ہے وہ تو بغیر اذان اور اقامت کے بھی جائز ہے بھائی۔

قَالَ: وَكَذَلِكَ الْمَرْأَةُ تُؤَذِّنُ اور کہتے ہیں: اسی طرح عورت ہے اس حال میں کہ وہ اذان دے، اور اسی طرح ہے وہ عورت **تُؤَذِّنُ** جو کیا کرے؟ اذان دے۔ یعنی جیسے جنابت والے کے لیے، جس نے جنابت کی حالت میں اذان دی ہے وہاں پر اعادۂ اذان کیا ہے؟ مستحب ہے۔ اسی طرح عورت بھی اگر اذان دے دے تو اعادۂ اذان مستحب ہے۔ یہ معنی ہے **مَعْنَاهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُعَادَ لِيَقَعَ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ** صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں معنی یہ ہے اس متن میں جو عبارت آئی کہ مستحب یہ ہے **أَنْ يُعَادَ** کہ اذان کا اعادہ کیا جائے **لِيَقَعَ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ** تاکہ اذان سنت طریقے پر ہو جائے کیونکہ سنت طریقہ کیا ہے اذان کا؟ آدمی، اذان دینے والا مرد ہونا چاہیے، عورت نہیں بھائی، مسنون طریقہ یہ ہے بھائی۔ اور نیز اس لیے کیونکہ عورت کی آواز جو ہے وہ بھی عورت ہے بھائی، عورت کی آواز اس کو بھی چھپانا ضروری، چنانچہ اسی لیے فقہاء لکھتے ہیں: اگر کبھی عورت کو دروازے پر کوئی گھر کے آیا دستک دی، عورت کو پوچھنا پڑ جائے تو اس کو سخت لہجے میں بات کرنی چاہیے بھائی، کس لہجے میں؟ سخت لہجے میں بات کرنی چاہیے تاکہ دوسرا جو شخص ہے اس کے دل میں کوئی برا خیال بھی نہ آئے بھائی، تو عورت کی آواز بھی اس کو بھی چھپانا ضروری ہے بھائی۔

وَلَا يُؤَذِّنُ لِصَلَاةٍ قَبْلَ دُخُولِ وَقْتِهَا وَيُعَادُ فِي الْوَقْتِ بھائی، یہاں سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اذان جب بھی دی جائے گی جس نماز کے لیے بھی اذان دینی ہے جب اس کا وقت شروع ہو گا پھر اذان دی جائے گی۔ وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں۔ اگر وقت سے پہلے اذان دے دی تو پھر وقت کے اندر اس کا اعادہ کرنا پڑے گا۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فجر میں، فجر کے لیے نصف اخیر شب میں، یعنی آخری نصف حصہ جو ہے، آدھی رات کے بعد فجر کے لیے اذان دی جاسکتی ہے بھائی، فجر کے لیے اذان دی جاسکتی ہے۔ اور وہ دلیل ذکر کرتے ہیں کہ اہل حرمین جو ہیں وہ یعنی اہل حرمین جو ہیں وہ مکہ، مدینہ والے، ان میں بتوارث یہ طریقہ اسی طرح چلا آیا ہے، نسل در نسل اسی طرح نقل ہوتا چلا آیا ہے، وہاں آخری نصف شب کے اندر فجر کی اذان دی جاتی ہے، معلوم ہوا فجر کے اندر وقت سے پہلے بھی اذان دینا جائز ہے بھائی۔

وَلَا يُؤَذِّنُ لِصَلَاةٍ قَبْلَ دُخُولِ وَقْتِهَا وَيُعَادُ فِي الْوَقْتِ اور اذان نہ دے نماز کے لیے اس کا وقت داخل ہونے سے پہلے، اذان نہیں دی جائے گی نماز کے لیے اس کا وقت داخل ہونے سے پہلے، **وَيُعَادُ فِي الْوَقْتِ** اور اس کو لوٹایا جائے گا وقت میں یعنی اگر پہلے دے دی۔ **لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلْإِعْلَامِ** اس لیے کیونکہ اذان جو ہے وہ اعلان کے لیے ہے، اطلاع دینے کے لیے ہے۔ کس چیز کی اطلاع؟ کہ نماز کا وقت شروع ہو گیا ہے، **وَقَبْلَ الْوَقْتِ تَجْهِيلٌ** اور وقت سے پہلے تو تجہیل ہے۔ بھائی، اذان تو اس لیے ہوتی ہے تاکہ دوسروں کو بتلا دیا جائے نماز کا وقت شروع ہو گیا ہے اور اگر وقت سے پہلے اذان دے دی جائے تو یہ تو وقت کو اور مجہول بنانا ہوا، تجہیل کا کیا معنی؟ مجہول بنانا۔ دوسرے کو اور جہالت میں ڈال دیا، وہ بیچارہ شک میں پڑ جائے گا کہ شاید نماز کا وقت ہو گیا ہے، حالانکہ وقت تو نہیں ہوا بھائی، تو یہ تو اور تجہیل ہے بھائی۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، **وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى** اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا: **يَجُوزُ لِلْفَجْرِ فِي النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنَ اللَّيْلِ** کہ فجر کے لیے رات کے آخری نصف کے اندر بھی اذان جائز ہے، **لِتَوَارُثِ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ** بوجہ اہل حرمین کے اس پر توارث کے۔ اہل حرمین کیا ہیں؟ ان کا اس پر توارث ہے یعنی اسی طرح اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے، اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے، یہ ہے توارث کہ پہلے سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔

وَالْحُجَّةُ عَلَى الْكُلِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور حجت ان سب کے خلاف، یعنی امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حرمین وغیرہ ان سب کے خلاف دلیل جو ہے **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے **لِبِلَالٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ** جو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ حضور علیہ السلام فرمانے لگے حضرت بلال سے: **«لَا تُؤَذِّنْ حَتَّى يَسْتَبِينَ لَكَ الْفَجْرُ هَكَذَا»**، **وَمَدَّ يَدَهُ عَرْضًا**۔ حضرت بلال سے حضور فرمانے لگے: تو اذان نہ دے یہاں تک کہ تیرے لیے ظاہر ہو جائے فجر اس طرح، اور پھر **وَمَدَّ يَدَهُ عَرْضًا** اور پھر حضور نے لمبا کیا اپنے ہاتھ کو چوڑائی میں۔ ہاتھ کے ذریعے کوئی حضور علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ فجر کس طرح ہو جائے تمہارے لیے جب تک؟ یوں چوڑائی کے اندر جب تک ظاہر نہ ہو۔ میں نے بتلایا تھا ایک فجر کاذب ہے، وہ چوڑائی میں نہیں پھیلی ہوتی افق پر بلکہ ستون کی صورت میں اوپر کی طرف لمبائی کے رخ جا رہی ہوتی ہے، جبکہ فجر صادق میں روشنی کیا ہوتی ہے؟ پورے افق پر جو کنارہ ہوتا ہے آسمان کا، اس

پر پورے پر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے حضرت بلال سے فرمایا کہ تم اذان نہ دو جب تک تمہارے لیے اس طرح فجر ظاہر نہ ہو جائے اس طرح اور وہ اس طرح کہتے ہوئے آپ نے حضور علیہ السلام نے ہاتھ کو چوڑائی میں پھیلایا بھی، چوڑائی کا اشارہ بھی کر دیا کہ جب تک چوڑائی میں فجر ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک اذان نہ دو، نہ دو۔ تو معلوم ہوا دیکھو، حضور علیہ السلام منع فرمارہے ہیں حضرت بلال کو اس سے، معلوم ہوا پہلے اذان دینا جائز نہیں۔

وَالْمُسَافِرُ يُؤَذِّنُ وَيُقِيمُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِابْنَيْ أَبِي مُلَيْكَةَ: «إِذَا سَافَرْتُمَا فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا» اور مسافر اذان بھی دے اور اقامت بھی کہے بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے جو آپ نے فرمایا **لِابْنَيْ أَبِي مُلَيْكَةَ** ابی ملیکہ کے دو بیٹوں سے بھائی، ابی ملیکہ کے دو بیٹوں سے حضور علیہ السلام نے فرمایا: **«إِذَا سَافَرْتُمَا»** جب تم دونوں سفر کرو **«فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا»** تو اذان بھی تم دونوں کہو **«وَأَقِيمَا»** اور اقامت بھی تم کہو، اذان بھی کہو اور اقامت بھی کہو۔ تو صاحب ہدایہ نے یہاں ذکر کیا ابی ملیکہ کے دو بیٹوں کا بھائی، دو بیٹوں کا، جبکہ محشی حضرات لکھتے ہیں کہ یہ جن سے فرمایا حضور علیہ السلام نے وہ ابی... وہ جو ہے مالک ابن حویرث اور ان کے چچازاد بھائی تھے، ان سے فرمایا بھائی، ان سے فرمایا۔

فَإِنْ تَرَكَهُمَا جَمِيعًا يُكْرَهُ اور اگر ان دونوں کو چھوڑ دیا تو **يُكْرَهُ** مکروہ ہے۔ مسافر ہے، جنگل میں ہے، نماز کا وقت ہے، اذان بھی دے، اقامت بھی کہے اور اگر دونوں کو چھوڑ دیا تو مکروہ ہے۔ **وَلَوِ اكْتَفَى بِالْإِقَامَةِ جَازَ** اور اگر صرف اقامت پر اکتفا کر لیا تو بھی جائز ہے **لِأَنَّ الْأَذَانَ لِاسْتِحْضَارِ الْغَائِبِينَ** اس لیے کیونکہ اذان جو ہوتی ہے وہ غائب لوگوں کو حاضر کرنے کے لیے ہوتی ہے **وَالرُّفْقَةُ حَاضِرُونَ** اور حال یہ ہے کہ سارے ساتھی یہاں پر حاضر ہیں، تو لہٰذا اذان کی کوئی ضروری نہیں۔ **وَالْإِقَامَةُ لِإِعْلَامِ الِافْتِتَاحِ** اور اقامت جو ہے وہ تو نماز کے آغاز کا اعلان کرنے کے لیے ہے **وَهُمْ إِلَيْهِ مُحْتَاجُونَ** اور اس کے وہ محتاج ہیں۔ اقامت کے ذریعے تو کیا ہوتا ہے؟ کہ نماز شروع ہو رہی ہے اس کا اعلان کیا جاتا ہے، اس کے یہ محتاج ہیں کیونکہ نماز شروع ہونے لگی ہے سب ساتھیوں کو پتہ لگ جائے کہ سمجھ میں آیا؟ ہاں، اذان ضروری نہیں بھائی، تو صرف اقامت پر اکتفا کر لے تو بھی کافی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اذان بھی دیں اور اقامت بھی کہیں۔

فَإِنْ صَلَّى فِي بَيْتِهِ فِي الْمِصْرِ يُصَلِّي بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ اگر نماز پڑھی اپنے گھر میں **فِي الْمِصْرِ** شہر کے اندر، **يُصَلِّي بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ** تو نماز پڑھے اذان اور اقامت کے ساتھ۔ گھر میں نماز پڑھ رہا ہے تو کس کے ساتھ نماز پڑھے؟ اذان اور اقامت، اذان بھی دے اور اقامت بھی کہے **لِيَكُونَ الْأَدَاءُ عَلَى هَيْئَةِ الْجَمَاعَةِ** تاکہ ادا کس شکل پر ہو جائے؟ جماعت کی صورت پر ہو جائے، **وَإِنْ تَرَكَهُمَا جَازَ** اور اگر ان دونوں کو چھوڑ دیا تو بھی جائز ہے، یعنی شہر کے اندر اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دیتا ہے، گھر میں نماز ادا کرتا ہے، وہ یہ بھی جائز ہے **لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ** حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی وجہ سے، وہ فرماتے ہیں: **«أَذَانُ الْحَيِّ يَكْفِينَا»** کہ محلے کی اذان جو ہے ہمارے لیے کافی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ایک مرتبہ کسی موقع پر گھر پر نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا اور ایک دو ساتھی جن کو نماز پڑھانی، تو بعض نے کہا کہ اذان اور اقامت نہیں ہو گی اذان، تو فرمانے لگے کہ محلے کی اذان ہمارے لیے کافی ہے بھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ پھر اس صورت میں معلوم ہوا اذان ضروری نہیں ہے بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

اذان میں یاد رکھیے، اذان کے لیے بہتر یہ ہے کہ مسجد سے باہر ہو، اذان میں بہتر یہ ہے۔ ہاں، مسجد کے اندر بھی اذان دے دے تو اذان ہو جائے گی بھائی اور کراہت بھی نہیں ہے کیونکہ اذان ذکر اللہ ہے بھائی اور مسجد تو بنی ہی ذکر اللہ کے لیے ہے، وہاں کیسے اس کو مکروہ کہا جا سکتا ہے؟ ہاں، البتہ طریقہ کیا ہے؟ کہ اذان مسجد سے باہر دی جاتی ہے بھائی۔

بھائی دیکھیے، انہوں نے کہا جنبی مسجد میں اس کا تو داخل ہونا ہی جائز نہیں تو وہ کیسے اقامت کہے گا؟ یہ ایک فرضی ایک مسئلہ اگر پیش آ جائے وہ ذکر کر دیا آپ کے سامنے، تو لہٰذا اگر وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو یہ تو درست نہیں ہے بھائی، اور صورت آپ بنالیں، صورت بنانا کیا مشکل ہے؟ ایک مسجد ہے۔ بھائی، اقامت کہنے والے کا امام کے پیچھے کھڑے ہونا تو ضروری نہیں ہے، چاہے وہ دوسری صف میں ہو چاہے تیسری صف میں ہو، اقامت کہہ سکتا ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ یہ معنی نہیں ہے کہ اقامت والا امام کے پیچھے ہی کھڑا ہو گا۔ تو جو جنبی تھا مثلاً وہ اقامت اس نے صف کے آخری کنارے میں کھڑے ہو کر کہہ دی جو مسجد سے باہر تھا حصہ، ہاں، تو وہ مسجد سے باہر کھڑا ہو کر اس نے کیا کیا اقامت کہی، سمجھ میں آیا؟ تو یہ صورت بنالیں۔

سبق نمبر ۴۴: بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ الَّتِي تَتَقَدَّمُهَا

ہدایہ صفحہ: ۹۱ــــ بتاریخ: ۱۰ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ شُرُوْطِ الصَّلَاةِ الَّتِيْ تَتَقَدَّمُهَا يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّيْ أَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْأَحْدَاثِ وَالْأَنْجَاسِ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾، وَيَسْتُرَ عَوْرَتَهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿خُذُوْا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾۔ [1]

■ بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ الَّتِي تَتَقَدَّمُهَا یہ باب ہے

بَابُ شُرُوْطِ الصَّلَاةِ الَّتِيْ تَتَقَدَّمُهَا یہ باب ہے نماز کی ان شرطوں کے بیان میں **الَّتِيْ تَتَقَدَّمُهَا، أَيْ تَتَقَدَّمُ الصَّلَاةَ**، جو کیا ہیں؟ نماز پر مقدم ہوتی ہیں۔ بھائی یاد رکھیے! ایک ہے شرط اور ایک ہے رکن۔ شرطِ شے وہ ہوتی ہے جس پر کسی شے کا وجود موقوف ہوتا ہے۔ شرط ہے تو مشروط ہے، شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں۔ جیسے نماز کے لیے وضو یعنی طہارت شرط ہے، طہارت ہے تو نماز ہے، طہارت نہیں تو نماز بھی نہیں ہوگی بھائی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو شرطِ شے وہ ہے جو شے سے خارج ہوتی ہے، البتہ اس شے کا وجود اس پر موقوف ہوتا ہے۔ شرط ہے تو وہ چیز بھی ہے، اگر شرط نہیں تو وہ چیز بھی نہیں۔

اور ایک ہے رکنِ شے بھائی۔ رکنِ شے جس جو اس چیز کے اندر داخل ہو، اس کا حصہ ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ رکنِ شے بھائی۔ تو کچھ چیزیں نماز کا رکن ہیں، نماز کے اندر داخل ہیں، نماز کی حقیقت میں داخل ہیں، جیسے قیام ہے، رکوع ہے، سجدہ وغیرہ، یہ ہیں **أَرْكَانُ الصَّلَاةِ**۔ یہ کیا ہیں؟ **أَرْكَانُ الصَّلَاةِ**، کیونکہ نماز انہی چیزوں پر مشتمل ہیں مشتمل ہے، قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ بھائی۔ یہ کیا ہیں؟ **أَرْكَانُ الصَّلَاةِ**۔

اور جبکہ کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان پر نماز کا وجود موقوف ہے، ان کو وہ ہیں وہ ہوں گی تو نماز ہوگی، وہ چیزیں نہیں تو نماز بھی نہیں۔ جیسے طہارت کا ہونا یعنی وضو ہونا چاہیے انسان کا۔ اسی طرح بھائی کپڑے اس کے جو ہیں وہ بھی پاک ہونے چاہییں، بدن بھی پاک ہو اور کپڑے بھی پاک ہونے چاہییں۔ اسی طرح قبلہ رخ ہو بھائی۔ تو یہ سب کیا ہیں؟ شرائطِ صلاۃ ہیں بھائی۔ تو اس باب میں شرائط کا ذکر ہوگا اور اس کے بعد آگے پھر وہ ارکان وغیرہ سب کو بیان کریں گے۔

تو کہتے ہیں: **بَابُ شُرُوْطِ الصَّلَاةِ الَّتِيْ تَتَقَدَّمُهَا**، یہ باب ہے نماز کی ان شرطوں کے بیان میں جو نماز پر مقدم ہیں، یعنی ان کو نماز سے پہلے ہونا چاہیے تو پھر نماز ہوگی ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّيْ أَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْأَحْدَاثِ وَالْأَنْجَاسِ، واجب ہے یعنی فرض ہے، **يَجِبُ** یہاں کس معنی میں ہے؟ فرض۔ واجب ہے یعنی فرض ہے **عَلَى الْمُصَلِّيْ** نمازی پر **أَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ** کہ وہ طہارت کو مقدم کرے، یعنی طہارت یعنی پاکی کو نماز پر مقدم کرے **مِنَ الْأَحْدَاثِ وَالْأَنْجَاسِ۔ أَحْدَاث** جمع ہے **حَدَث** کی، اور یہ نجاستِ حکمیہ کو کہتے ہیں۔ کس کو کہتے ہیں؟ نجاستِ حکمیہ۔ جیسے بھائی ایک شخص بے وضو ہے، اب یہاں حقیقۃً تو کوئی نجاست نہیں، لیکن شریعت نے کیا حکم لگایا ہے؟ نجاست کا حکم لگایا، تو یہ کیا ہے؟ نجاستِ حکمیہ ہے۔ اور ایک ہے حقیقتِ نجاست، یعنی بدن پر خون لگا ہوا ہے یا کپڑوں پر خون لگا ہوا ہے تو یہ ہے نجاست یعنی نجاستِ حقیقی۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۴۶): «باب شروط الصلاة التي تتقدمها»، ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۴۶): «المدثر ٤»، حوالۂ آیت (شاملہ ص۴۶): (المائدة ٦)۔

توحدث سے کیامراد ہے؟ نجاستِ حکمیہ، اور انجاس آگے آرہاہے وہ اس سے مراد ہے نجاستِ حقیقیہ بھائی۔ تو واجب ہے، فرض ہے نمازی پر **أَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْأَحْدَاثِ** کہ وہ طہارت **مِنَ الْأَحْدَاث** یعنی نجاستِ حکمیہ اور **وَالْأَنْجَاسِ** اور نجاستِ حقیقیہ جن کا وجود ہوتا ہے ان سے طہارت جو ہے ان سے طہارت حاصل کرنے کو اس کو مقدم کرے نماز پر۔ تو طہارت **مِنَ الْأَحْدَاث** اور طہارت **مِنَ الْأَنْجَاس** یہ مقدم ہونا فرض ہے کس کے لیے؟ نمازی کے لیے، کہ اس کو پاکی حاصل ہو نجاستِ حکمیہ سے بھی، یعنی حکماً بھی کوئی نجاست نہ ہو، بے وضو وغیرہ نہ ہو، اور اسی طرح اس کے بدن اور کپڑوں وغیرہ پر بھی کوئی نجاست نہ لگی ہوئی ہو بھائی، یعنی نجاستِ حقیقیہ۔

تو یہ فرض ہے نمازی پر کہ وہ مقدم کرے طہارت من الاحداث اور انجاس کو نماز پر، **عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ** بوجہ اس کے جو ہم نے ذکر کر دیا، یعنی پہلے اس کی دلیلیں ذکر کر دیں، آگے پھر بھی اسی کو ذکر کر رہے ہیں: **قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى:** ﴿**وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ**﴾، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور اپنے کپڑے جو ہیں تو ان کو پاک کرو۔ **وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى:** ﴿**وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا**﴾، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور اگر تم جنب ہو، جنابت کی حالت میں ہو، تو خوب پاک خوب پاکی حاصل کرو، خوب پاک ہو جاؤ۔ تو جی معلوم ہوا کہ طہارت کیا ہے؟ طہارت ضروری بھائی، کپڑوں کی بھی طہارت اور بدن کی بھی طہارت، یعنی نجاستِ حقیقیہ سے بھی اور نجاستِ حکمیہ سے بھی۔

وَيَسْتُرَ عَوْرَتَهُ، يَسْتُرَ اس کو بھی منصوب پڑھیں گے، **يُقَدِّمَ** پر عطف ہے اور اس پر **أَنْ** داخل ہوا تھا تو اس پر بھی گویا **أَنْ** داخل ہے۔ **وَيَسْتُرَ عَوْرَتَهُ** اور اپنے ستر کو چھپائے، اپنے ستر کو ڈھانپ لے، فرض ہے نمازی پر کہ وہ اپنے ستر کو چھپائے۔ **لِقَوْلِهِ تَعَالَى،** اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿**خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ**﴾، تم پکڑو اپنی زینت کو یعنی اپنی زینت کو اختیار کرو **عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** ہر مسجد کے پاس، ہر مسجد کے نزدیک کیا کرو؟ اپنی زینت اختیار کرو۔

آگے صاحبِ ہدایہ معنیٰ بیان کر رہے ہیں بھائی: **أَيْ مَا يُوَارِي عَوْرَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ،** یعنی وہ چیز جو ڈھانپ لے **عَوْرَتَكُمْ** تمہارے ستر کو۔ عورت کہتے ہیں عورت وہ چیز جس کا ظاہر کرنا عیب ہو۔ عورت کسے کہتے ہیں؟ وہ چیز، وہ حصہ جس کا ظاہر کرنا عیب ہو بھائی۔ تو **مَا يُوَارِي عَوْرَتَكُمْ** یعنی اس زینت سے کیا مراد ہے؟ وہ چیز **يُوَارِي عَوْرَتَكُمْ** جو تمہارے عورت یعنی تمہارے ستر کو ڈھانپ لے۔ **عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ،** بھائی آیت میں کیا آیا؟ **عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ،** صاحبِ ہدایہ معنیٰ کر رہے ہیں کہ ہر مسجد کے نزدیک اس سے کیا مراد ہے؟ **عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ** یعنی ہر نماز کے۔ یعنی تم اس چیز کو اختیار کرو جو ڈھانپ لے تمہارے ستر کو **عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ** ہر نماز کے وقت بھائی۔ تو معلوم ہوا ستر عورت بھی فرض ہے۔

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، اور دوسری دلیل بھائی، حدیث میں آتا ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**لَا صَلَاةَ لِحَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ**»، کہ نماز نہیں ہوتی حائضہ کی **إِلَّا بِخِمَارٍ** مگر اوڑھنی کے ساتھ یعنی دوپٹے کے ساتھ۔ حائضہ کی نماز نہیں ہوتی مگر کس کے ساتھ؟ دوپٹے کے ساتھ۔ یاد رکھیے حائض سے مراد بالغہ ہے، یعنی وہ عورت جس کو حیض آتا ہو۔ تو کیا مراد ہے؟ بالغہ۔ ہاں، تو حائض سے جس کو حقیقۃً حیض آرہا ہے وہ مراد نہیں، کیونکہ اس کے اس پر تو نماز ہے ہی نہیں، اس کی تو نماز ہوتی ہی نہیں بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو حائض سے کیا مراد ہے؟ بالغہ یعنی جس کو حیض آتا ہے، بالغ ہو چکی ہے۔ تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**لَا صَلَاةَ لِحَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ**»، کہ بالغہ عورت جو ہے اس کی نماز نہیں ہوتی **إِلَّا بِخِمَارٍ** مگر اوڑھنی کے ساتھ یعنی دوپٹے کے ساتھ۔ خود معنیٰ بیان کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ: **أَيْ لِبَالِغَةٍ،** کہ حائض سے کیا مراد ہے؟ بالغہ مراد ہے۔

وَعَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا تَحْتَ السُّرَّةِ إِلَى الرُّكْبَةِ، اب عورت کا ذکر آیا کہ عورت کا ڈھانپنا نماز میں فرض ہے، اور یعنی ستر کا ڈھانپنا نماز میں فرض ہے فرض ہے۔ وہ ستر کیا ہے؟ کسے کہتے ہیں ستر؟ مرد کا ستر کیا؟ عورت کا ستر کیا؟ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: **وَعَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا تَحْتَ السُّرَّةِ إِلَى الرُّكْبَةِ،** مرد کا جو ستر ہے وہ **مَا تَحْتَ السُّرَّةِ** وہ جو ناف کے نیچے سے ہے **إِلَى الرُّكْبَةِ** گھٹنے تک بھائی۔ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک یہ ہے مرد کا ستر، اور آگے آپ کو بتلائیں گے بھائی کہ ناف جو ہے وہ ستر میں داخل نہیں اور گھٹنے ستر میں داخل ہیں۔ تو ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک، تو یہاں گھٹنے بھی کیا ہیں؟ ستر میں داخل ہیں، ان کا ڈھانپنا بھی ضروری ہے۔

دلیل ذکر کر رہے ہیں، اس کی کیا دلیل ہے کہ مرد کی یہ عورت ہے یا ستر ہے؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ،** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتِهِ**»، کہ مرد کا ستر جو ہے وہ اس کے **مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتِهِ** اس کی ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے بیچ میں ہے بھائی، ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے مابین ہے۔ **وَيُرْوَى،** اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے یہ حدیث بھی: «**مَا دُونَ سُرَّتِهِ حَتَّى تُجَاوِزَ رُكْبَتَهُ**»، کہ مرد کی عورت یعنی ستر جو ہے **مَا دُونَ سُرَّتِهِ** اس کے ناف کے نیچے سے **حَتَّى تُجَاوِزَ رُكْبَتَهُ** یہاں تک کہ وہ وہ تجاوز کر جائے کس سے؟ اپنے گھٹنے سے۔ یعنی مرد کا ستر جو ہے وہ اس کی ناف کے نیچے سے لے کر یہاں تک کہ وہ تجاوز کر جائے گھٹنے سے۔ معلوم ہوا گھٹنا بھی کس میں داخل؟ ستر میں داخل ہے۔

وَبِهٰذَا يَتَبَيَّنُ، اور اس سے دلیل سے یہ بات ظاہر ہو گئی یعنی احادیث سے: **أَنَّ السُّرَّةَ لَيْسَتْ مِنَ الْعَوْرَةِ،** کہ ناف جو ہے وہ عورت میں سے ستر میں سے نہیں، **خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ،** بخلاف اس کے جو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ بھائی ہمارے نزدیک ناف ستر میں داخل نہیں، لیکن گھٹنے ستر میں داخل ہیں، ان کا ڈھانپنا ضروری ہے، فرض ہے نماز میں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ اس کا عکس فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں ناف ستر میں داخل ہے اور گھٹنے داخل نہیں۔ ناف داخل ہے اور گھٹنے داخل نہیں۔ تو کہتے ہیں اس سے حدیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ **أَنَّ السُّرَّةَ لَيْسَتْ مِنَ الْعَوْرَةِ** کہ ناف جو ہے وہ عورت میں سے نہیں ہے، **خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ** بخلاف اس کے جو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یعنی وہ فرماتے ہیں کہ یہ ناف جو ہے عورت میں سے ہے۔ جبکہ اس حدیث سے

کیا ظاہر ہوا کہ وہ عورت میں سے نہیں ہے۔

وَالرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ، اور اسی طرح یا اس کا عطف پیچھے جوڑیں: **وَالرُّكْبَةَ مِنَ الْعَوْرَةِ**، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ گھٹنا جو ہے وہ **مِنَ الْعَوْرَةِ** کس میں سے ہے؟ ستر میں سے ہے، **خِلَافًا لَهُ أَيْضًا**، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے وہ اس میں بھی کیا کرتے ہیں؟ اختلاف کرتے ہیں۔

وَكَلِمَةُ «إِلَى» نَحْمِلُهَا عَلَى كَلِمَةِ «مَعَ» عَمَلًا بِكَلِمَةِ «حَتَّى»، اور کلمۂ **«إِلَى»** جو آیا حدیث میں پہلی روایت کیا آئی تھی؟ **«مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتِهِ»**، تو یہاں **«إِلَى»** آیا اور **«إِلَى»** آتا ہے کس لیے؟ غایہ بیان کرنے کے لیے، اور غایہ مغیا میں کبھی داخل ہوتا ہے اور کبھی داخل نہیں ہوتا، غایہ یعنی حد بیان کر دی۔ **إِلَى** گھٹنوں تک، تو گھٹنے ہوئے غایہ۔ تو اب یہ غایہ کبھی وہ حکم میں داخل ہوتا ہے، کبھی داخل نہیں ہوتا۔ صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ یہاں **«إِلَى»** کو ہم نے **«مَعَ»** کلمے پر محمول کیا، یعنی **«إِلَى»** بمعنی **«مَعَ»** کے ہے، اور **«مَعَ»** کا کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ ساتھ بھائی، کہ آدمی کی عورت یعنی ستر جو ہے وہ اس کے ناف سے گھٹنوں تک یعنی گھٹنوں سمیت ہے، گھٹنوں سمیت ہے گھٹنوں کے ساتھ ہے۔

تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَكَلِمَةُ «إِلَى» نَحْمِلُهَا عَلَى كَلِمَةِ «مَعَ»**، اور کلمۂ **«إِلَى»** جو حدیث میں آیا اس کو ہم محمول کرتے ہیں کلمۂ **«مَعَ»** پر، **عَمَلًا بِكَلِمَةِ «حَتَّى»** عمل کرتے ہوئے کلمۂ **«حَتَّى»** پر، کس پر عمل کرتے ہوئے؟ **«حَتَّى»** کلمے پر عمل کرتے ہوئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے **«إِلَى»** کو **«مَعَ»** کے معنیٰ میں کیوں لیا؟ جواب دے رہے ہیں بھائی کہ **«إِلَى»** کو **«مَعَ»** کے معنیٰ میں اس لیے لیا کیونکہ ہم نے اس کو تاکہ عمل ہو جائے کس پر؟ کلمۂ **«حَتَّى»**، کیونکہ دوسری روایت کیا آئی تھی اسی حدیث کی؟ بعض روایات میں کیا الفاظ آئے ہیں؟ **«مَا دُونَ سُرَّتِهِ حَتَّى تُجَاوِزَ رُكْبَتَهُ»**، تو یہاں **«حَتَّى»** کا لفظ آیا بھائی، تو ہم نے **«إِلَى»** کلمے کو جو ایک روایت میں آیا تھا اس کو **«مَعَ»** کے معنیٰ میں لے لیا تاکہ عمل ہو جائے کس روایت پر؟ **«حَتَّى»** والی روایت پر بھائی۔

یاد رکھیے **«حَتَّى»** بھی غایہ بیان کرنے کے لیے آتا ہے اور اس میں بھی کبھی مابعد ما قبل کے میں شامل کے مابعد ما قبل کے حکم میں شامل ہوتا ہے اور کبھی شامل نہیں ہوتا، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ **«حَتَّى»** بھی کس لیے آتا ہے؟ غایہ بیان کرنے، اور غایہ کبھی مغیا میں داخل ہوتا ہے اور کبھی داخل نہیں ہوتا، لیکن یہاں پر تو ظاہر ہے: **«حَتَّى تُجَاوِزَ رُكْبَتَهُ»** یہاں تک کہ وہ اس کے گھٹنے اپنے گھٹنے سے تجاوز کر جائے، معلوم ہوا گھٹنا داخل ہے، سمجھ میں آئی بات؟ تو یہاں ہم نے **«إِلَى»** کو **«مَعَ»** کے معنیٰ میں لیا تاکہ عمل ہو جائے کلمۂ **«حَتَّى»** پر، تو اب دیکھیے دونوں کا ایک ہی معنیٰ بن گیا، **«إِلَى»** کا معنیٰ بھی **«حَتَّى»**، **«مَعَ»** کے معنیٰ میں۔ اس پہلی روایت سے بھی پتہ چل رہا ہے کہ گھٹنا کس کے گھٹنا ستر میں داخل اور دوسری روایت سے بھی کیا پتہ چل رہا ہے کہ گھٹنا ستر میں داخل۔ **وَعَمَلًا بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** اور نیز عمل کرتے ہوئے حضور علیہ السلام کے اس قول پر: **«الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ»**، گھٹنا کس میں سے ہے؟ ستر میں سے ہے، تو یہ بھی حدیث میں آیا ہے تو اس پر بھی عمل ہو گیا۔ تو ہم نے **«إِلَى»** کو کس معنیٰ میں لیا؟ **«مَعَ»** کے معنیٰ میں، کیوں؟ ایک تو اس حدیث پر تاکہ عمل ہو جائے کہ **«الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ»**، اور دوسرا تاکہ کس پر عمل ہو جائے؟ کلمۂ **«حَتَّى»** پر عمل ہو جائے جو دوسری روایت میں آیا تھا۔

وَبَدَنُ الْحُرَّةِ كُلُّهَا عَوْرَةٌ إِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا، اور آزاد عورت جو ہے اس کا بدن **كُلُّهَا** سارا کا سارا **عَوْرَةٌ** وہ ستر ہے۔ اب عورت کا ستر بیان ہو رہا ہے کہ آزاد عورت جو ہے اس کا سارا بدن جو ہے وہ ستر ہے **إِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا** سوائے اس کے چہرے کے **وَكَفَّيْهَا** اور اس کی دو ہتھیلیوں کے۔ اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ سارا بدن اس کا عورت ہے یعنی ستر ہے، اس کو ڈھانپنا ضروری نماز کے اندر۔ **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: **«الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ مَسْتُورَةٌ»**، کہ مرأۃ جو ہے وہ عورت ہے، **مَسْتُورَةٌ** چھپائی جانے والی ہے چیز ہے بھائی۔ مرأۃ عورت کیا ہے؟ چھپائی، **«الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ»** کہ مرأۃ جو ہے وہ عورت ہے **مَسْتُورَةٌ** چھپائی جانے والی چیز ہے۔

وَاسْتِثْنَاءُ الْعُضْوَيْنِ لِلِابْتِلَاءِ بِإِبْدَائِهِمَا، اور دو اعضاء کا استثناء کیا صاحبِ قدوری نے، کس کا؟ چہرے کا اور ہتھیلیوں کا، کہ ان کو اس حکم سے نکال دیا کہ وہ ستر نہیں ہیں۔ یہ کس وجہ سے؟ کہتے ہیں: **لِلِابْتِلَاءِ بِإِبْدَائِهِمَا**، اس وجہ سے ابداء کا معنیٰ ہے ظاہر کرنا، اس لیے کہ ان دونوں کے ظاہر کرنے کے ساتھ وہ عورت مبتلا کی گئی ہے۔ ان دونوں کا تو ظاہر کرنے میں تو وہ مبتلا کی گئی ہے، یعنی یہ تو اس کے لیے اس کے بغیر تو وہ کوئی کام سرانجام دے ہی نہیں سکتی بھائی، صورت سمجھ اگر چہرے کو بھی چھپا لے اور ہتھیلیوں کو بھی چھپا لے پھر تو کوئی کام سرانجام، تو ان کو ظاہر کرنے کے ساتھ وہ مبتلا کی گئی ہے بھائی۔ ان کو ظاہر کرنا پڑتا ہے اس کو بھائی۔ اور اسی طرح بھائی، پھر خصوصاً بھائی، اگر گواہی وغیرہ دینی ہو اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ چہرہ ظاہر کرنا پڑے گا، پتہ چلے یہ وہی عورت ہے گواہی جو دے رہی ہے یا کوئی اور عورت ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو یہ دو چہرے چہرہ اور ہتھیلیاں یہ ستر میں داخل نہیں، ستر میں داخل نہیں۔ ہاں، ستر میں داخل ہونے کا داخل نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا پردہ بھی نہیں ہو گا، پردہ تو ہو گا، چہرے کو کیا کیا جائے گا؟ چھپا کر رکھا جائے گا، البتہ یہ ستر نہیں۔ ستر اور چیز، پردہ اور چیز ہے بھائی۔ ستر تو یہ ہے نماز کے اندر بھائی، کوئی نہ بھی ہو عورت کے لیے ستر ڈھانپنا ضروری ہے بھائی۔ اور صرف دو چیزوں کا استثناء کیا چہرے اور ہتھیلیوں کا۔ معلوم ہوا عورت کے جو بال ہیں وہ بھی ستر میں داخل ہیں، اور جب ستر میں داخل ہیں نماز میں ان کا بھی چھپانا ضروری ہے، ان کا بھی چھپانا۔ لہٰذا اگر کوئی عورت باریک دوپٹہ اوڑھ کر اس کے ساتھ نماز پڑھتی ہے اس میں سے تو اس کے بال دکھائی دیں گے لہٰذا اس کی نماز نہیں ہو گی۔ تو نماز کے لیے بالخصوص ایسا دوپٹہ جس میں سے بال دکھائی نہ دیں بھائی، کیونکہ یہ ستر ہے اور نماز میں ستر عورت ضروری ہے بھائی ضروری ہے۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں، چہرہ چہرہ وہ ستر میں داخل نہیں، وہ کھلا بھی ہو پھر بھی نماز ہو جائے گی، لیکن اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اب چہرے کا پردہ بھی نہیں کرے گی، پردہ اور چیز ستر اور چیز ہے بھائی۔

قَالَ: وَهٰذَا تَنْصِيْصٌ عَلَى أَنَّ الْقَدَمَ عَوْرَةٌ، قَالَ سے مراد صاحبِ ہدایہ، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَهٰذَا تَنْصِيْصٌ،** اور یہ نص ہے تصریح ہے اس بات پر **عَلَى أَنَّ الْقَدَمَ عَوْرَةٌ** کہ قدم جو ہے وہ بھی عورت ہے۔ متن میں بھائی کہا گیا عورت آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے صرف دو اعضاء کا استثناء کیا گیا چہرے اور ہتھیلیوں کا، معلوم ہوا باقی سارے اعضاء کس کے اندر داخل؟ ستر میں، انہی میں قدم بھی ہے، عورت کے پاؤں بھی ہیں، تو معلوم ہوا وہ بھی ستر میں داخل ہیں۔ اور یہ گویا صاحبِ قدوری نے تصریح کر دی، صراحتاً کہہ دیا، جب دو چیزوں کا کہہ دیا یہ ستر نہیں باقی سب ستر ہیں تو یہ بھی اس میں آگیا یعنی کہ قدم بھی ستر ہے۔ تو گویا صاحبِ قدوری نے اس بات پر تصریح کر دی کہ قدم بھی کس میں داخل ہیں؟ ستر میں داخل ہیں۔ یہ معنیٰ ہے: **وَهٰذَا تَنْصِيْصٌ عَلَى أَنَّ الْقَدَمَ عَوْرَةٌ،** اور یہ تصریح ہے اس بات پر کہ قدم بھی عورت ہے۔

وَيُرْوَى أَنَّهَا لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ، اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ قدم جو ہیں وہ عورت نہیں ہیں **وَهُوَ الْأَصَحُّ** اور یہی قول زیادہ صحیح ہے بھائی۔ صاحبِ قدوری نے تو تصریح کر دی کہ قدم بھی ستر میں داخل، لیکن دوسری روایت کیا ہے کہ قدم ستر میں داخل نہیں ہے اور یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

فَإِنْ صَلَّتْ وَرُبُعُ سَاقِهَا مَكْشُوْفٌ أَوْ ثُلُثُهَا تُعِيْدُ الصَّلَاةَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى، فَإِنْ صَلَّتْ اور اگر عورت نماز پڑھے **وَرُبُعُ سَاقِهَا مَكْشُوْفٌ** اور اس کی چوتھائی پنڈلی جو ہے چوتھائی پنڈلی **مَكْشُوْفٌ** کھلی ہوئی ہو یعنی ڈھانپی نہیں ہوئی **أَوْ ثُلُثُهَا** یا تہائی پنڈلی جو ہے وہ کھلی ہوئی ہے **تُعِيْدُ الصَّلَاةَ** تو وہ نماز کا اعادہ کرے گی، نماز دوبارہ لوٹائے گی، اس کی یہ نماز نہیں ہوئی **عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ** طرفین رحمہا اللہ کے نزدیک بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ الرُّبُعِ لَا تُعِيْدُ، اور وہ جو پنڈلی جو کھلی ہوئی ہے اگر وہ ربع سے کم ہے، چوتھائی حصے سے کم ہے یعنی چوتھائی پنڈلی سے کم حصہ نظر آرہا ہے **لَا تُعِيْدُ** تو پھر اعادہ نہیں کرے گی، اعادہ نہیں ہے بھائی۔

تو یہ ضابطہ ذکر ہو گیا اور یہ ضابطہ تمام اعضاء میں جاری ہو گا جو ستر ہیں۔ جو جو اعضاء ستر ہیں ستر کے اندر داخل ہیں ان میں چوتھائی حصے سے کم کم اگر کھل جائے نماز میں، کم کھلا ہو تو نماز ہو جائے گی اور اگر وہ کھلے ہوئے حصے کی مقدار چوتھائی عضو تک پہنچ گئی تو پھر اس کی نماز نہیں ہو گی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟

اب دیکھیے متن میں آیا: **فَإِنْ صَلَّتْ وَرُبُعُ سَاقِهَا مَكْشُوْفٌ،** اگر اس حال میں کہ اس کی چوتھائی پنڈلی کھلی ہوئی ہو **أَوْ ثُلُثُهَا** یا تہائی پنڈلی کھلی ہوئی ہو۔ بھائی چوتھائی حصہ بڑا ہوتا ہے یا تہائی حصہ بڑا؟ ظاہر سی بات ہے چوتھائی حصہ ایک چیز سے چار حصے کریں تو یہ ایک ایک حصے میں کم آئے گا اور ایک چیز کے تین حصے کریں تو اب ایک حصے میں زیادہ آئے گا تو چوتھائی کم ہے، تہائی اس سے زیادہ ہے۔ تو جب چوتھائی کہہ دیا گیا کہ چوتھائی حصہ کھلا ہوا ہو اور اس نے نماز پڑھ لی تو نماز نہیں ہو گی تو ثلث کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ جب ربع کے اندر کھلے ہونے کی صورت میں نماز نہیں ہو رہی، یعنی کم حصہ کھلے ہونے کی صورت میں نماز نہیں ہو رہی تو ثلث کی صورت میں تو زیادہ حصہ کھلا ہو گا، اس میں تو بطریقِ اولیٰ نماز نہیں ہو گی بھائی۔ اشکال سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اشکال ہوتا ہے یہاں پر کہ ربع کا جب ذکر آگیا تو پھر ثلث کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

تو بعض علماء نے جواب دیا کہ بھائی یہ کسی کاتب کی غلطی ہے۔ کسی پہلے کتابیں کیا کیا کتابیں ہاتھ سے نقل ہوتی تھیں تو جو نقل کرنے والا تھا اس سے غلطی سے ثلث یہاں اس نے لکھ دیا اور اسی طرح پھر نقل ہوتا چلا آیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ آپ کہیں گے اگر کاتب کی غلطی تھی اس کو نکال کیوں نہیں دیتے؟ نہیں بھائی، یہ تو ایک احتمال ہے کہ شاید کیا ہو کاتب کی غلطی، اور اگر اس طرح لفظ نکال دیا جائے تو پھر ہر دوسرا آدمی اٹھے گا وہ کہے گا بھائی یہ مسئلہ یہاں بھی ہو سکتا ہے کاتب کی غلطی ہوئی ہو تو اس لفظ کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ نکالنا چاہیے، وہ دوسرے کو بھی نکال دے گا تو کچھ عرصے بعد ہی کتاب کا حلیہ کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔ تو بس جیسا جیسی کتاب نقل ہوتی چلی آئی اسی طرح اس کو امانت کے طور پر آگے نقل کر دیا جاتا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی بھائی۔ تو یہ کسی کاتب سے غلطی ہوئی، بعضوں نے یہ جواب دیا۔

اور بعضوں نے کہا کہ نہیں، یہ امام محمد رحمہ اللہ کے جو شاگرد لکھنے والے تھے ان کو شک ہوا یہاں پر کہ پتہ نہیں امام محمد رحمہ اللہ نے ربع فرمایا تھا یا ثلث، شک آگیا تو انہوں نے دونوں ذکر کر دیے اور وہی نسخہ آگے نقل ہوتا چلا آیا بھائی، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

اور بعضوں نے یہ کہا، بعضوں نے یہ جواب دیا کہ دراصل امام اعظم سے یہ مسئلہ پوچھا ہی اسی طرح گیا تھا، اسی لیے اس کو ذکر بھی اسی طرح کیا گیا، کوئی آدمی آیا ہو گا یا کسی شاگرد نے پوچھا ہو گا، اس نے پوچھا ہی اسی طرح تھا کہ ربعِ ساق یا ثلثِ ساق اگر کھلی ہوئی ہو تو نماز ہو گی یا نماز نہیں ہو گی؟ تو اسی طرح اس کو لکھ لیا گیا کہ اگر ربع یا ثلث کھلی ہوئی ہو۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ الرُّبُعِ لَا تُعِيْدُ، اور اگر چوتھائی حصے سے کم حصہ کھلا ہوا ہو تو لَا **تُعِيْدُ** تو نماز کا اعادہ وہ نہیں کرے گی۔

وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا **تُعِيْدُ إِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ النِّصْفِ،** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت نماز کا اعادہ نہیں کرے

گی **إِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ النِّصْفِ** اگر وہ حصہ جو کھلا ہوا ہے **أَقَلَّ مِنَ النِّصْفِ** نصف سے کم ہو۔ طرفین تو کیا فرماتے ہیں؟ ربع سے ربع تک پہنچ جائے اور اتنا حصہ کھلا ہو تو نماز کو دوبارہ لوٹانا پڑے گا، اور اگر ربع سے کم ہو تو پھر ٹھیک ہو جائے گی نماز۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، نصف سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی، نصف پنڈلی سے کم کھلی ہوئی ہے تو نماز ہو جائے گی، ہاں نصف سے زیادہ پنڈلی کھلی ہوئی تھی تو پھر نماز نہیں ہو گی بھائی۔ مذہب سمجھ آیا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا؟ تو کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں لَا **تُعِيْدُ** وہ عورت نماز کا اعادہ نہیں کرے گی **إِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ النِّصْفِ** اگر وہ جو حصہ کھلا ہوا ہے وہ نصف سے کم ہو۔

لِأَنَّ الشَّيْءَ إِنَّمَا يُوْصَفُ بِالْكَثْرَةِ إِذَا كَانَ مَا يُقَابِلُهُ أَقَلَّ مِنْهُ إِذْ هُمَا مِنْ أَسْمَاءِ الْمُقَابَلَةِ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ہے اکثر شے، ایک ہے **اقلّ** شے، اکثر حصہ، اکثر کسے کہتے ہیں کہ جب دوسرا حصہ اس کے مقابلے میں کم ہو۔ تو جب ایک چیز نصف سے زیادہ ہو جائے اس کو کہتے ہیں اکثر شے، اور دوسری جانب اس کے مقابلے میں کیا ہو گا؟ **اقلّ** شے، وہ اقل تھوڑا حصہ ہے۔ نصف سے زائد ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اکثر شے، اور نصف سے کم ہو تو وہ **اقلّ** شے ہے، تو یہاں پر بھی جب تک وہ حصہ جو کھلا ہوا ہے وہ اقل ہے تھوڑا ہے تو اس وقت تک نماز کا اعادہ اس عورت پر نہیں، لیکن جب وہ نصف سے زیادہ حصہ کھلا ہوا تو یہ ہو گئی اکثر شے، یعنی اکثر پنڈلی کا ہو گیا، اور **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ،** اکثر کے لیے کیا حکم ہوتا ہے؟ کل والا ہی حکم ہوتا ہے، گویا ساری پنڈلی ہی کھلی ہوئی ہے، لہٰذا اس صورت میں کیا حکم دیا جائے گا؟ نماز نہیں نماز نہیں ہوئی، نماز کو لوٹانا پڑے گا بھائی۔ صورت دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟

وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّ الشَّيْءَ إِنَّمَا يُوْصَفُ بِالْكَثْرَةِ إِذَا كَانَ مَا يُقَابِلُهُ أَقَلَّ مِنْهُ،** کہ ایک چیز کو موصوف کیا جاتا ہے کثرت کے ساتھ یعنی کہ وہ کثیر ہے، کب؟ **إِذَا كَانَ مَا يُقَابِلُهُ أَقَلَّ مِنْهُ** جبکہ وہ حصہ جو اس کے مقابل ہو وہ اس سے کم ہو اقل ہو۔ **إِذْ هُمَا مِنْ أَسْمَاءِ الْمُقَابَلَةِ،** اس لیے کیونکہ یہ دونوں جو ہیں اسمائے مقابلہ میں سے ہیں، یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ اکثر شے اور اکثر اور اقل، ایک چیز اکثر ہے تو معلوم ہوا اس کے مقابلے والی اقل، اور ایک چیز اگر اقل ہے تو معلوم ہوا اس کے مقابلے والی چیز اکثر ہے۔ تو یہاں بھی اکثر کے لیے حکمِ کل والا ضابطہ کب لگے گا؟ جب نصف سے زائد پنڈلی کھلی ہو۔

وَفِي النِّصْفِ عَنْهُ رِوَايَتَانِ، اچھا یہ تو وہ صورت ذکر ہوئی امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کیا فرمایا؟ نصف سے کم حصہ کھلا ہوا ہو تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، نصف سے زائد ہو تو نماز لوٹانا پڑے گی۔ اچھا اگر پورا نصف حصہ کھلا ہوا ہے پوری نصف پنڈلی، پھر کیا حکم ہے؟ پھر کیا حکم ہے؟ تو اس کے بارے میں کہتے ہیں ان سے دو روایتیں ہیں۔ کہ نصف کی صورت میں ایک روایت یہ کہ نماز کا اعادہ کرے گی وہ، اسے کرنا پڑے گا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسے نماز کا اعادہ نہیں کرنا پڑے گا، نماز ہو گئی اس کی بھائی۔ تو کتنی روایتیں آئیں؟ دو روایتیں۔ یہی بات ذکر کر رہے ہیں: **وَفِي النِّصْفِ عَنْهُ رِوَايَتَانِ،** اور نصف کے بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں۔

اب اس کی دلیل کیا؟ ایک روایت کیا آئی؟ اگر نصف حصہ کھلا ہو تو نماز ہو گئی، اس کی کیا دلیل؟ دوسری روایت ہے اگر نصف حصہ کھلا ہو تو نماز نہیں ہوئی، اس کی کیا دلیل ہو؟ وہ اب ذکر کرنے لگے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں معلوم ہوا انہوں نے وہ جو روایت ہے، کون سی ایک روایت کو یہ بتلا دیں کون سی؟ اگر نصف حصہ کھلا ہو تو نماز ہو گئی۔ یہ روایت پہلے یہ لے لیتے ہیں۔ نصف حصہ کھلا ہے تو وہ کیا فرماتے ہیں؟ نماز کا اعادہ اس عورت پر نہیں، گویا انہوں نے اس بات کا اعتبار کیا کہ جب نصف حصہ کھلا ہوا ہے، وہ حصہ جو کھلا ہوا ہے وہ نصف تک پہنچ گیا ہے، لیکن اکثر بنا ہے؟ نہیں، نصف سے بڑھے گا تو اکثر بنے گا، اور **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ** ہوتا ہے۔ تو جب یہ نصف تک ہے تو اکثر میں داخل نہیں، اس کو اکثر نہیں کہیں گے، جب اکثر میں یہ داخل نہیں تو لہٰذا اس پر وہ اعادہ بھی نہیں، کیونکہ یہ اکثر میں داخل نہیں، اکثر میں داخل ہوتا تو پھر ہم کہتے **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ،** اکثر کے لیے کل کا حکم ہے، گویا ساری پنڈلی کھلی ہوئی ہے اور جب ساری پنڈلی کھلی ہے تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ نماز کو لوٹانا پڑے گا کیونکہ پنڈلی تو ستر میں تھی، اس کا ڈھانپنا تو لیکن یہاں پر تو یہ اکثر میں داخل ہی نہیں، لہٰذا اکثر والا حکم بھی نہیں لگے گا تو اس پر نماز کا اعادہ بھی نہیں۔

دوسری روایت جو انہوں نے ذکر کی کیا؟ یرحمک اللہ۔ دوسری کیا روایت ذکر کی کہ اگر نصف تک ہو تو کیا کرنا پڑے گا؟ اعادہ کرنا پڑے گا۔ تو اس میں گویا کہتے ہیں انہوں نے اعتبار کیا اقل سے نکل جانے کا۔ کس چیز سے؟ اقل سے۔ جو حصہ کھلا ہوا تھا وہ نصف تک پہنچ گیا، جب نصف تک نصف تک پہنچ گیا تو اب اقل رہا؟ نہیں، اقل کی حد سے نکل گیا اور جب اقل کی حد سے نکل گیا، معلوم ہوا کس میں دوسری طرف تو ایک ہی جانب رہ گئی کیا؟ اکثر، معلوم ہوا کس میں داخل ہو گیا؟ اکثر میں داخل ہو گیا۔ صورت سمجھ؟ تو لہٰذا جب اکثر میں داخل ہو گیا تو **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ،** تو گویا پوری پنڈلی ہی کھلی ہوئی ہے اور جب پوری پنڈلی کھلی ہوئی ہے تو پھر تو نماز نہیں ہو گی، حالانکہ پنڈلی تو ستر میں داخل تھی، اس کا تو ڈھانپنا ضروری تھا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو صاحبِ ہدایہ دونوں کو دونوں کی دلیلیں اکٹھی ذکر کریں گے: **فَاعْتَبَرَ الْخُرُوْجَ عَنْ حَدِّ الْقِلَّةِ،** تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اعتبار کیا ہے **حدِّ** قلت سے نکل جانے کا، **حدِّ** قلت سے یہ کس روایت میں؟ جب اس پر اعادہ آئے گا، کیونکہ معلوم ہوا **حدِّ** قلت سے نکل گئی ہے وہ حصہ جو کھلا ہوا ہے تو کس میں داخل ہو گیا؟ **حدِّ** کثرت میں۔ **أَوْ عَدَمَ الدُّخُوْلِ فِيْ ضِدِّهِ،** یا انہوں نے اعتبار کیا ہے اس کی جو ضد ہے یعنی اکثر میں داخل نہ ہونے کا۔ یا **أَوْ عَدَمَ الدُّخُوْلِ فِيْ ضِدِّهِ،** یعنی یا انہوں نے اعتبار کیا ہے داخل نہ ہونے کا **فِيْ ضِدِّهِ** اس اقل کی ضد میں، اور اقل کی ضد کیا ہے؟ اکثر، یعنی انہوں نے اکثر میں داخل نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے کہ یہ اکثر میں داخل نہیں، یہ کون سی روایت ہو گی؟ جب اعادہ نہیں، یعنی وہ حصہ جو کھلا ہوا ہے وہ نصف ہے، جب نصف تک ہے تو اکثر میں تو پھر بھی نہیں داخل، جب اکثر میں نہیں داخل اکثر میں داخل ہوتا تو ہم کہتے پوری پنڈلی کھلی ہوئی ہے اور اب کیا کرنا پڑے گا؟ نماز کو لوٹانا پڑے گا کیونکہ پنڈلی تو ستر میں تھی اس کا ڈھانپنا تو تو جب یہ جب یہ نصف تک پہنچ گئی تو بھی اکثر میں تو ابھی بھی داخل نہیں، جب اکثر میں داخل نہیں تو لہٰذا اس عورت پر نماز کا اعادہ بھی نہیں۔ یہ معنیٰ ہے: **أَوْ عَدَمَ الدُّخُوْلِ فِيْ**

ضِدِّهِ، یا انہوں نے اعتبار کیا ہے اس کی اقل کی ضد یعنی اکثر میں داخل نہ ہونے کا۔ بات بھی سمجھ میں آئی یا نہیں سب کو؟

وَلَهُمَا، اب طرفین کی دلیل آئی، انہوں نے کیا ذکر کیا تھا؟ کہ ربع تک کھلی ہوئی ہو پنڈلی تو نماز کو لوٹانا پڑے گا، اور وہ فرماتے ہیں **وَلَهُمَا** ان کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الرُّبُعَ يَحْكِي حِكَايَةَ الْكَمَالِ**، کہ ربع چوتھائی حصہ جو ہے وہ حکایت کرتا ہے وہ بیان کرتا ہے **حِكَايَةَ الْكَمَالِ** کمال کی بھائی، کامل ہونے کی حکایت بیان کرتا ہے۔ ربع کیا بیان کرتا ہے؟ ربع جو ہے وہ کامل ہونے کی حکایت بیان کرتا ہے، یعنی ربع کامل ہونے کو بیان کرتا ہے یوں کہیں، ربع کس چیز کو بیان کرتا ہے؟ کامل ہونے کو بیان کرتا ہے، ربع آ گیا گویا وہ چیز پوری ہی آ گئی، تو ربع پنڈلی جب کھل گئی گویا پوری ہی پنڈلی کھل گئی اور جب پوری پنڈلی کھل گئی تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ اعادہ، کیونکہ پنڈلی تو ستر میں داخل تھی اس کا ڈھانپنا تو فرض تھا بھائی۔

تو یہ معنیٰ ہے ان کی دلیل ہے کہ **أَنَّ الرُّبُعَ يَحْكِي حِكَايَةَ الْكَمَالِ** کہ چوتھائی حصہ جو ہے وہ کمال کو یعنی کامل ہونے کو بیان کرتا ہے **كَمَا فِي مَسْحِ الرَّأْسِ وَالْحَلْقِ فِي الْإِحْرَامِ**، جیسے کہ مسحِ رأس کے اندر ہے، شریعت نے کیا حکم دیا؟ چوتھائی سر پر مسح فرض قرار دیا، معلوم ہوا چوتھائی سر ہی کو کل سر کے قائم مقام کر دیا گیا، تو چوتھائی حصہ بھی کیا ہے؟ کامل ہونے کی حکایت کرتا ہے۔ اسی طرح **وَالْحَلْقِ فِي الْإِحْرَامِ**، اور جیسے کہ احرام کے اندر حلق، احرام کے اندر حلق کروانا ہے، حلق کا معنیٰ سر منڈوانا، استرے سے سر کے بال صاف کرنا یہ ہے حلق بھائی۔ اب دیکھیے احرام کی حالت میں انسان پر بہت سی پابندیاں لاگو ہو جاتی ہیں، ان انہی میں سے ایک مثلاً پابندی ہے کہ وہ بال نہیں کاٹ سکتا اپنے۔ اب ایک شخص ہے اگر وہ سارے سر کے بال منڈوا لیتا ہے تو اس پر دم واجب ہو گا، ایک قربانی اس کو کرنا پڑے گی، اور فقہاء لکھتے ہیں اگر چوتھائی سر کو منڈوا دیا چوتھا حصہ، تو بھی یہ اسی طرح گویا سارے سر کو منڈوا دیا تو اس پر بھی دم آئے گا، ایک جانور کی قربانی کرنا پڑے گی۔ تو معلوم ہوا ربع کس کے قائم مقام ہے؟ کل کے قائم مقام ہے، جیسے سر کے مسح میں بھی ربع کل کے قائم مقام، اسی طرح احرام میں سر منڈوانے میں بھی چوتھائی سر کا منڈوانا کل سر کے قائم مقام ہے۔

وَمَنْ رَأَى وَجْهَ غَيْرِهِ يُخْبِرُ عَنْ رُؤْيَتِهِ، اسی طرح جب کوئی شخص دیکھ لیتا ہے دوسرے کے چہرے کو **يُخْبِرُ عَنْ رُؤْيَتِهِ** تو وہ اس کے دیکھنے کی خبر دیتا ہے۔ بھائی ایک آدمی ہے اس نے دور سے دوسرے آدمی کو دیکھا، دور سے دیکھا اور چہرے کو دیکھا، تو یعنی ایک جانب کو دیکھ لیا، مراد کیا ہے؟ ایک جانب، تو بھی وہ آ کر آپ کو بتلائے گا: آج میں نے زید کو دیکھا۔ حالانکہ زید کا کہ صرف ایک جانب اس نے دیکھی ہے اور ایک جانب یہ چوتھائی ہے کیونکہ چار جانبیں ہیں، تو یہ ایک جانب کیا ہے؟ چوتھائی، تو دیکھو ایک چوتھائی کو دیکھنے سے ہی وہ کل کو تعبیر کر رہا ہے، میں نے کل کو گویا زید پورے کو دیکھ لیا بھائی۔ یہ معنیٰ ہے: **وَمَنْ رَأَى وَجْهَ غَيْرِهِ** اور جو شخص دیکھتا ہے دوسرے کے چہرے کو **يُخْبِرُ عَنْ رُؤْيَتِهِ** وہ اس کے دیکھنے کی خبر دیتا ہے **وَإِنْ لَمْ يَرَ إِلَّا أَحَدَ جَوَانِبِهِ الْأَرْبَعَةِ** اگرچہ اس نے نہیں دیکھا مگر اس کی چار جانبوں میں سے ایک، یعنی اگرچہ اس نے صرف ایک جانب کو دیکھا ہے چار جانبوں میں سے۔

وَالشَّعْرُ وَالْبَطْنُ وَالْفَخِذُ كَذٰلِكَ، شعر بال بھائی، بطن پیٹ، فخذ ران بھائی۔ اور بال اور پیٹ اور ران وہ **كَذٰلِكَ** وہ بھی اسی طرح ہیں بھائی، یعنی **عَلَى هٰذَا الِاخْتِلَافِ** یعنی اسی اختلاف پر ہیں۔ بال، پیٹ اور ران وہ بھی اسی اختلاف پر ہیں، یعنی طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر چوتھائی حصہ ان کا کھلا ہوا تو نماز نہیں ہو گی، چوتھائی سے کم ہوا تو نماز ہو جائے گی، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر نصف سے کم ہوا تو نماز ہو جائے گی اور نصف سے زیادہ ہوا تو نماز نہیں ہو گی۔

لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ عُضْوٌ عَلَى حِدَةٍ، اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ عضو ہے بھائی، تو وہی جو پنڈلی کا جیسے حکم تھا وہی یہاں بھی لگے گا۔

وَالْمُرَادُ بِهِ النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ هُوَ الصَّحِيْحُ، بھائی متن میں شعر بالوں کا ذکر آیا، صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ مراد ان بالوں سے وہ بال ہیں **النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ** وہ جو لٹکے ہوئے ہیں سر سے۔ عورت کے وہ بال مراد ہیں جو کس سے لٹکے ہوئے ہیں؟ سر سے جو لٹکے ہوئے بال ہیں وہ مراد ہیں، وہ حصہ بالوں کا مراد نہیں جو جلد کے ساتھ لگا ہوا ہے یعنی کہ جڑوں والا حصہ مراد نہیں، بلکہ وہ حصہ جو بال نیچے لٹکے ہوئے ہیں وہ مراد ہیں، **هُوَ الصَّحِيْحُ** یہی قول صحیح ہے۔ جیسے میں نے ابھی آپ کو بتلا دیا کہ یہ بھی کس میں داخل ہیں عورت کے بال؟ ستر میں داخل ہیں، تو نماز میں اگر باریک دوپٹہ اوڑھا اور اس میں سے بال نظر آ رہے ہیں تو نماز ہی نہیں ہو گی کیونکہ یہ ستر میں داخل ہے اور ان کا ڈھانپنا تو فرض تھا نماز میں۔

وَإِنَّمَا وُضِعَ غَسْلُهُ فِي الْجَنَابَةِ لِمَكَانِ الْحَرَجِ، لِمَكَانِ الْحَرَجِ، أَيْ لِوُجُوْدِ الْحَرَجِ، پہلے بھی یہ بیان ہو چکا مکان کا لفظ یہ کس معنیٰ میں ہے؟ وجود کے معنیٰ میں، یہ مصدر ہے مکان بھائی مصدر۔ یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، ایک سوال کا بھائی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے بالوں آپ نے کہا بال بھی گویا ایک عضو ہیں، بال بھی کیا ہیں؟ عضو۔ جب بال عضو ہیں تو غسلِ جنابت کے اندر تمام اعضاء کو پانی پہنچانا فرض ہے، تمام ظاہری اعضاء کو پانی پہنچانا فرض ہے، اور آپ نے ہمیں مسئلہ بتلایا تھا کہ عورت نے اگر مینڈھیاں بنائی ہوئی ہوں یعنی وہ بالوں کی بال ہاں چوٹیا وغیرہ اس لیکن وہ میں نے اس وقت تفصیل بیان کی تھی کہ عام چوٹیا وغیرہ مراد نہیں، وہ تو ایک آدھ ہے اس کے کھولنے میں کوئی حرج نہیں، مراد کون سی ہیں؟ وہ جو مینڈھیا جو باریک باریک عورتیں بنا لیتی ہیں ان کا تو واقعی بنانا بھی مشکل کام پھر ان کو کھولنا بھی مشکل کام، تو وہاں پر اگر اس طرح کے بال عورت نے بنائے ہیں تو اب بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا کافی ہے، بالوں سارے بالوں تک پانی پہنچانا ضروری نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو وہاں پر تو آپ نے ہمیں بتلایا تھا کہ ان بالوں تک پانی نہ پہنچے جو اس نے مینڈھیاں بنائی ہوئی ہیں پھر بھی غسل ہو جائے گا، صرف بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچا دے۔ سوال سمجھ میں آرہا ہے؟ تو اگر یہ بال بھی عضو میں سے ہیں جیسے آپ نے یہاں بتایا تو پھر تو ان تک بھی پانی پہنچانا فرض ہونا چاہیے تھا، تو صاحبِ ہدایہ اس کا جواب دیں گے کہ بھائی ہاں ان کا بھی دھونا فرض ہے ویسے، لیکن وہاں پر اس کے دھونے کو ساقط کر دیا گیا، دھونے کا حکم ان سے ساقط کر دیا گیا کس وجہ سے؟ حرج کو دور کرنے کے لیے، تنگی کو دور کرنے کے لیے ورنہ تو عورت تنگی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے گی اگر اس کے دھونے کا بھی حکم دیا جائے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور مسئلہ میں نے بتایا تھا بال ویسے کھلے ہوئے ہوں تو پھر سارے بالوں تک پانی پہنچانا فرض ہے۔

کہتے ہیں: **وَإِنَّمَا وُضِعَ غَسْلُهُ فِي الْجَنَابَةِ لِمَكَانِ الْحَرَجِ**، اور یہ جو بال ہیں ان کا دھونا ساقط کیا گیا **فِي الْجَنَابَةِ** جنابت کے مسئلے میں **لِمَكَانِ الْحَرَجِ** کس وجہ سے؟ حرج کے پائے جانے کی وجہ یعنی **لِوُجُوْدِ الْحَرَجِ** حرج کے پائے جانے کی وجہ سے۔

وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيْظَةُ عَلَى هٰذَا الِاخْتِلَافِ، اور عورتِ غلیظہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔ بھائی ایک تو عام ستر ہے وہ ہے عورت ستر، بھائی عورت کے بال کس میں داخل؟ ستر میں داخل، مرد کے گھٹنے بھی کس میں داخل؟ ستر میں اس کے داخل ہیں، لیکن ایک ہے عورتِ غلیظہ، عورتِ غلیظہ سے مراد ہے شرمگاہ، کیا مراد ہے؟ شرمگاہ۔ اب آگے بتلا رہے ہیں: **وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيْظَةُ عَلَى هٰذَا الِاخْتِلَافِ**، اور عورتِ غلیظہ یعنی شرمگاہ بھی اسی اختلاف پر ہے، یعنی اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔ یعنی عورتِ غلیظہ یعنی شرمگاہ، شرمگاہ کے بھی میں جس عضو کا چوتھائی چوتھائی حصہ ظاہر تھا نماز کے اندر تو صاحبین طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوئی، چوتھائی سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی، چوتھائی ہو تو نہیں ہو۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر نصف سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی، نصف سے زائد ہو تو نماز کا کیا کرنا پڑے گا؟ اعادہ۔ یہ معنٰی ہے: **وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيْظَةُ عَلَى هٰذَا الِاخْتِلَافِ**، اور عورتِ غلیظہ یعنی شرمگاہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔

وَالذَّكَرُ يُعْتَبَرُ بِانْفِرَادِهِ وَكَذَا الْأُنْثَيَانِ، اور ذکر جو ہے **يُعْتَبَرُ بِانْفِرَادِهِ** اس کا اعتبار کیا جائے گا اکیلے ہی، ذکر جو ہے اس کا اکیلے ہی اعتبار کیا جائے گا، **وَكَذَا الْأُنْثَيَانِ** اور اسی طرح انثیان یعنی خصیین جو ہیں ان کا اکیلے اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی ذکر میں اگر چوتھائی حصہ کھلا ہوا تو پھر نماز نہیں، اس سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح خصیین کا الگ اعتبار کیا جائے گا۔ **وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ** اور یہی قول صحیح ہے، **دُوْنَ الضَّمِّ** نہ کہ ملا کر، یعنی ان کو ملا کر ایک عضو نہیں شمار کریں گے بلکہ دونوں کو الگ الگ عضو شمار کریں گے۔

وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْأَمَةِ، اور وہ حصہ جو عورت ہے یعنی ستر ہے **مِنَ الرَّجُلِ** کس میں سے؟ مرد میں سے، **فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْأَمَةِ** تو وہی ستر ہے باندی میں سے بھی، کس میں سے؟ باندی میں سے بھی وہی ستر ہے۔ نیز **وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ**، باندی کا پیٹ اور اس کی پشت جو ہے کمر، **عَوْرَةٌ** وہ بھی کیا ہے؟ عورت۔

تو یاد رکھیے باندی کا حکم عام عورت کی طرح نہیں۔ اس لیے کیونکہ باندی کس لیے رکھی جاتی ہے؟ خدمت کے لیے رکھی جاتی ہے۔ اگر عام عورت کی طرح اس پر کے لیے بھی پردے کے وہی احکام آجائیں کہ اس کو پردہ وغیرہ کرنا پڑے گا تو اس کے تو رکھنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ مقصد کیا تھا؟ بھائی غلام ہے وہ تو گھر کے اندر کے کام کاج نہیں کر سکتا کیونکہ خواتین تو پردہ کریں گی، تو ہاں باندی ہے وہ گھر کے اندر بھی آجا سکتی ہے اور باہر کے کام بھی کے لیے بھی اس کو بھیجتے ہیں، تو لہٰذا اس کا حکم عام عورت سے مختلف ہے مختلف ہے۔ تو اب باندی اس کا کون سے بدن کا حصہ ستر ہے؟ بتلایا: ایک تو وہ حصہ جو مرد کے لیے ہے یعنی ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک یہ بھی، اور نیز اس باندی کا پیٹ بھی، اسی میں پیٹ بھی آیا چھاتی بھی آگئی، اور نیز اس کی کمر بھی ساری، یہ سارا کے کس میں داخل ہے؟ ستر میں داخل ہے، ستر میں۔ معلوم ہوا اس کے بازو ستر میں داخل نہیں، گھٹنوں سے نیچے جو پنڈلیاں ہیں وہ ستر میں داخل نہیں ہیں بھائی، ستر میں داخل نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ**، اور باندی کا پیٹ اور اس کی کمر جو ہے وہ بھی عورت ہے، **وَمَا سِوَى ذٰلِكَ مِنْ بَدَنِهَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ**، اور اس کے علاوہ جو اس کے بدن میں سے ہے وہ عورت نہیں یعنی ستر نہیں ہے۔

دلیل کیا؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ: «أَلْقِي عَنْكِ الْخِمَارَ يَا دَفَارِ، أَتَتَشَبَّهِيْنَ بِالْحَرَائِرِ؟»**، بھائی دیکھیے آپ جانتے ہیں ابتداء میں پردے کا حکم نہیں تھا، پردے کا حکم پردہ نہیں تھا کیونکہ اسلام کے احکامات تدریجاً نازل ہوئے حضور علیہ السلام کی تیئیس سالہ دورِ نبوت کے اندر بھائی۔ تو ابتداء میں پردے کا حکم نہیں تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار حضور علیہ السلام سے آکر یہ درخواست کرتے تھے کہ پردے کا حکم دیجیے، پردے کا حکم عورتوں کو۔ اور پھر جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے تھی اسی طرح اللہ نے حکم نازل فرما دیا پردے کا۔ تو پردے کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿**يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ**﴾، اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے: ﴿**يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ**﴾ کہ وہ جھکا لیا کریں اپنے اوپر اپنی جو بڑی چادر جو ہے اس کو اپنے اوپر جھکا لیا کریں، ﴿**ذٰلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ**﴾ یہ بات اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی ﴿**فَلَا يُؤْذَيْنَ**﴾ تو وہ تکلیف نہیں دی جائیں گی، ان کو تکلیف نہیں دی جائے گی۔ بعض منافقین وغیرہ یہ عورتوں کو تنگ کرتے تو پھر یہ حکم نازل ہوا کہ اس طرح وہ اپنی چادر جھکا لیا کریں یعنی اپنے آپ کو چھپا لیا کریں اس میں، اس سے وہ پہچانی جائیں گی کہ یہ آزاد عورت ہے، کیا ہے؟ آزاد عورت ہے، تو وہ پھر اس کو تکلیف نہیں دیں گے۔ منافقین تنگ کرتے کوئی اور پھر کہتے: اوہو، ہم تو سمجھے باندی ہے، ہم تو کیا سمجھے تھے؟ باندی۔ تو

پردے کا حکم اللہ نے نازل فرمایا کہ وہ عورتیں اپنے اوپر اپنی چادر کو جھکا لیا کریں، اپنے آپ کو اس میں چھپا لیا کریں، اس سے وہ پہچانی جائیں گی۔ پہچانی جائیں گی کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اب چہرہ کھلا ہو گا اس سے پہچانی جائیں گی، بلکہ کیا پہچانی جائیں گی؟ کہ یہ آزاد عورت ہے، باندی نہیں ہے بھائی، یہ پہچانی جائیں گی، اس سے یہ پتہ چل جائے گا جب انہوں نے اپنے آپ کو ڈھانپ کر رکھا ہو گا پورے طور پر، تو پھر ان کو تکلیف نہیں دی جائے گی۔ اب منافقین وغیرہ یہ بہانہ بھی نہیں بنا سکیں گے کہ ہم تو سمجھے تھے کہ یہ باندی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ حکم نازل ہوا پردے کا بھائی۔ پھر ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے اندر آپ نے ایک باندی کو دیکھا کہ اس نے اپنے آپ کو ڈھانپا ہوا ہے اور جا رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو آپ کا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو جلال مشہور تھا بھائی، تو غصے سے اس پہ فرمانے لگے: «**أَلْقِي عَنْكِ الْخِمَارَ**»، اپنے سے دوپٹہ ہٹا دو، گرا دو، «**يَا دَفَارِ**»، **دَفَارِ** بھائی یاد رکھیے یہ مبني علی الکسر ہے بھائی، مبني علی الکسر۔ تو یاد فایہ جو پیش را پر لگی ہوئی ہے نا یہ کتابت کی غلطی ہے، «**يَا دَفَارِ**»۔ اور انہوں نے بین السطور بکسر الدال لکھا ہے، یر حمک۔ تو بین السطور انہوں نے بکسر الدال لکھا ہے، لیکن لغت وغیرہ میں یہ دال کے فتحہ کے ساتھ ہے بھائی۔ تو «**يَا دَفَارِ**» یہ مبنی ہے مبنی ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور آپ جانتے ہیں مبنی جو ہے اس پر اعراب وغیرہ نہیں، تو یہ اسی طرح پڑھنا ہے: «**يَا دَفَارِ**»، تو اس کو مبني علی الضم نہیں بنانا۔ «**يَا دَفَارِ**»، اے بدبو یہ باندی کو کہا جاتا ہے ناگواری کے طور پر، ایک ناگواری کے طور پر ایک کلمہ جب عام استعمال ہوتا ہے کلامِ عرب کے اندر، تو کہا: «**أَلْقِي عَنْكِ الْخِمَارَ يَا دَفَارِ**»، اپنے سے دوپٹہ اپنے سے اوڑھنی ہٹا دو یا دفار، اے بدبو والی۔ دفر بدبو کو کہتے ہیں، تو یہ ناگواری کا ایک کلمہ ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ «**يَا دَفَارِ**» اے بدبو والی! «**أَتَتَشَبَّهِيْنَ بِالْحَرَائِرِ؟**»، کیا تو آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہے؟ یعنی «**أَتَتَشَبَّهِيْنَ بِالْحَرَائِرِ**»، کیا تو آزاد عورتوں جیسی بن رہی ہے؟ ان جیسی بننا چاہتی ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا اس سے بھائی۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ معلوم ہوا باندی جو ہے اس کا حکم آزاد عورت کی طرح نہیں ہے بھائی۔

وَلِأَنَّهَا تَخْرُجُ لِحَاجَةِ مَوْلَاهَا فِيْ ثِيَابِ مِهْنَتِهَا، اور اس لیے کیونکہ یہ باندی نکلے گی **لِحَاجَةِ مَوْلَاهَا** اپنے آقا کی ضرورت کے لیے **فِيْ ثِيَابِ مِهْنَتِهَا،** مہنت کہتے ہیں کام کاج کو، اپنے کام کاج کے کپڑوں میں عادۃً عام طور پر۔ یہ باندی کیا ہے؟ آقا کی ضرورت آقا کے کاموں کے لیے گھر سے اپنے عموماً نکلے گی کام کاج کے کپڑوں میں، **فَاعْتُبِرَ حَالُهَا بِذَوَاتِ الْمَحَارِمِ فِيْ حَقِّ جَمِيْعِ الرِّجَالِ دَفْعًا لِلْحَرَجِ،** لہٰذا اعتبار کیا گیا اس باندی کی حالت کا بذوات، قیاس کیا گیا اس باندی کی حالت کو قیاس کیا گیا **بِذَوَاتِ الْمَحَارِمِ** کس کے ساتھ؟ ذواتِ محارم جو ہیں جو محرم عورتیں ہیں ان کی حالت پر قیاس کیا گیا **فِيْ حَقِّ جَمِيْعِ الرِّجَالِ** تمام مردوں کے حق میں **دَفْعًا لِلْحَرَجِ** حرج کو دور کرنے کے لیے۔

بھائی باندی ہے، اس نے گھر کے اندر کے بھی کام کرنے ہیں اور گھر کے باہر بھی اس کو بھیجنا پڑے گا کبھی ایک کام کے لیے، کبھی دوسرے کام کے لیے، تو اب اسے بار بار آنا جانا پڑے گا۔ اور اس نے کام کاج کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں جیسے گھر کے اندر پہنے ہیں کام کاج کے لیے، انہی کپڑوں میں باہر جانا پڑے گا، کیونکہ بار بار تو کپڑے بدلنا پھر تو بھیجنا ہی اس کا بند کرنا پڑے گا اگر وہ بار بار کپڑے تبدیل کرے باہر جانے کے لیے، پردے والے کپڑے پہنے، تو پھر اور مقصد ہی ختم ہو جائے گا، پھر خدمت کیسے ہو گی لی جائے گی اس سے بھائی؟ تو لہٰذا باندی کو قیاس کیا گیا محرم عورتوں پر تمام مردوں کے حق میں۔ یعنی جیسے محرم عورتوں کا حکم ہے اسی طرح باندی کا بھی حکم ہے تمام مردوں کے حق میں۔ یعنی ستر عورت کے سلسلے میں کیا حکم ہے؟ جیسے محرم، بھائی جیسے گھر کے اندر جو محرم ہوتی ہے، ماں ہے، بہن ہے، بیٹی وغیرہ، تو جو جیسے ان کے لیے ان کا حکم ہے محرم کے ساتھ محرم کے ساتھ، تو وہی حکم ہو گا باندی کا تمام مردوں کے حق میں۔ یعنی جیسے یہ محرم کو کے لیے بدن کا جو حصہ ظاہر کرنا جائز ہے عورتوں کو اپنے جسم کا جو حصہ ظاہر کرنا جائز ہے محرم کے سامنے، اسی طرح باندی کے لیے بھی وہ حصہ عام مردوں کے لیے ظاہر کرنا جائز ہے بھائی، وہ اس کے لیے اس میں وہ ستر میں داخل ہی نہیں وہاں پر بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: **فَاعْتُبِرَ حَالُهَا بِذَوَاتِ الْمَحَارِمِ،** تو قیاس کیا گیا اس باندی کی حالت کو محرم عورتوں پر **فِيْ حَقِّ جَمِيْعِ الرِّجَالِ** تمام مردوں کے حق میں، **دَفْعًا لِلْحَرَجِ** کس لیے؟ حرج کو دور کرنے کے لیے ورنہ تو حرج اور تنگی اور مشکل پیش آئے گی بھائی۔

چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.**

جی؟ جی جی، نماز بھی۔ جو مرد کے لیے ستر ضروری مرد کے لیے اس کا ڈھانپنا ضروری، جو آزاد عورت کے لیے ستر ہے اس کے لیے نماز میں وہ ستر ڈھانپنا فرض، اور جو باندی کے لیے ستر ہے وہ جو باندی کے لیے ستر ہے اس کے لیے بدن کا وہ حصہ نماز میں چھپانا فرض ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ وہ حصہ چھپانا فرض ہے اور باقی جو محرم عورتیں ہیں ان کے لیے ان کا پتہ چلا کہ ان کے بازو جو ہیں، بازو وہ گھر کے افراد کے لیے ستر نہیں، ان کے بازو گھر محرموں کے لیے ستر نہیں۔ اسی طرح سمجھ میں آیا بھائی؟ لیکن وہ گھر کے محرم مردوں کے لیے ستر نہیں ہے، ورنہ نماز کے لیے تو بتا دیا آزاد عورت کا سارا بدن کیا ہے؟ ستر ہے، اس کو گھر میں بھی یہ سارے کچھ چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ اور قدموں کے علاوہ باقی سارا بدن اس کا چھپا ہونا چاہیے نماز کے اندر، ورنہ نماز نہیں ہو گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

سبق نمبر ۴۵: مسئلہ: قَالَ: وَلَوْلَمْ يَجِدْ مَا يُزِيلُ بِهِ النَّ...

ہدایہ صفحہ: ۹۳ــــ بتاریخ: ۱۱ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«قَالَ: وَلَوْ لَمْ يَجِدْ مَا يُزِيلُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلَّى مَعَهَا وَلَمْ يُعِدْ، وَهَذَا عَلَى وَجْهَيْنِ: إِنْ كَانَ رُبْعُ الثَّوْبِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهُ طَاهِرًا يُصَلِّي فِيهِ، وَلَوْ صَلَّى عُرْيَانًا لَا يُجْزِيهِ؛ لِأَنَّ رُبْعَ الشَّيْءِ يَقُومُ مَقَامَ كُلِّهِ، وَإِنْ كَانَ الطَّاهِرُ أَقَلَّ مِنَ الرُّبْعِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى.» [1]

صاحبِ ہدایہ نماز کی ان شرطوں کا بیان کر رہے ہیں جن کا نماز پر مقدم ہونا اور ان کا پایا جانا ضروری ہے۔ اب تک دو شرطیں انہوں نے ذکر کر دیں۔ پہلی شرط یہ کہ بدن اور کپڑے پاک ہونے چاہئیں، ہر قسم کے **حَدَث** سے بھی اور نجاستوں سے بھی۔ اور دوسری شرط یہ ذکر کر دی کہ **سَتْرِ عَوْرَت** بھی ہو بھائی! انسان نے اپنے **سَتْر** کو ڈھانپا ہوا ہو۔ پھر **سَتْر** مرد کا کیا ہے، عورت کا کیا ہے، وہ بھی بیان کر دیا۔

آج آپ کو یہ مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ صورت یہ ہے کہ ایک شخص ہے، اس کے پاس کپڑے تو ہیں لیکن ان کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی ہے اور نجاست بھی زیادہ لگی ہوئی ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ نجاستِ غلیظہ ہو تو وہ ایک درہم کی مقدار معاف ہے اور ایک درہم سے زائد ہو تو معاف نہیں، اس میں نماز جائز نہیں۔ تو اب ایک شخص ہے اس کے پاس کپڑے تو موجود ہیں لیکن ان پر نجاست لگی ہوئی ہے، مثلاً نجاستِ غلیظہ ہے اور وہ زیادہ حصے پر لگی ہے، یا نجاستِ خفیفہ لگی ہے اور نجاستِ خفیفہ آپ نے پڑھا کپڑے کے جس حصے پر لگی ہے اس کے چوتھائی حصے تک پہنچ جائے تو اس میں نماز جائز نہیں، چوتھائی سے تو کم تو معاف ہے لیکن چوتھائی یا اس سے زیادہ معاف نہیں۔ اب صورت یہ کہ آدمی کے پاس کپڑے ہیں، ان پر یہ نجاست لگی ہوئی ہے چاہے غلیظہ ہے چاہے خفیفہ ہے لیکن زیادہ حصے پر لگی ہے، اتنے حصے پر کہ جس میں اب نماز جائز نہیں بھائی، نماز جائز نہیں۔ تو اب کیا کرے؟ اور کپڑے اس کے پاس نہیں ہیں۔ اگر ان کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو کپڑوں کا تو پاک ہونا شرط تھا، یہ شرط پوری نہیں ہوتی۔ اور اگر ان کپڑوں کو اتار کر ننگے نماز پڑھتا ہے تو **سَتْرِ عَوْرَت** بھی فرض تھا، تو وہ فرض رہ جاتا ہے۔ تو کیا کرے گا اس صورت میں؟ تو وہ ذکر کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: «**قَالَ: وَلَوْ لَمْ يَجِدْ مَا يُزِيلُ بِهِ النَّجَاسَةَ**»، اگر کوئی شخص نہ پائے کوئی ایسی چیز جس کے ذریعے نجاست کو زائل کر دے، یعنی پانی وغیرہ نہیں ہے جس سے کیا کرلے؟ کپڑے کو دھو لے، «**صَلَّى مَعَهَا وَلَمْ يُعِدْ**»، تو اسی کے ساتھ نماز پڑھ لے، «**وَلَمْ يُعِدْ**» اور پھر اس نماز کا اعادہ بھی نہیں ہے، اس کا اعادہ بھی نہیں کرے گا، نماز ہو گئی۔

آگے صاحبِ ہدایہ اب تشریح فرما رہے ہیں، کہتے ہیں: «**وَهَذَا عَلَى وَجْهَيْنِ**»، یہ دو صورت پر، دو طرح پر ہو گا۔ ایک صورت تو یہ کہ کپڑے پر کپڑے کا چوتھائی یا چوتھائی سے زیادہ حصہ پاک ہو گا۔ کپڑے کا باقی کپڑے پر نجاست لگی ہے لیکن کتنا حصہ پاک؟ چوتھا حصہ پاک ہے، یعنی باقی تین چوتھائی پر نجاست لگی ہوئی ہے۔ تو چوتھا حصہ پاک یا چوتھے سے زیادہ حصہ پاک ہے، ایک صورت یہ۔ دوسری صورت یہ کہ چوتھائی سے بھی کم پاک ہے بھائی، سارے ہی تقریباً کپڑے پر کیا لگی ہوئی ہے؟ نجاست لگی ہوئی، تو دو صورتیں بنیں گی۔

تو کہتے ہیں: «**إِنْ كَانَ رُبْعُ الثَّوْبِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهُ طَاهِرًا**»، اگر چوتھائی کپڑا یا اس سے زیادہ پاک ہے، «**يُصَلِّي فِيهِ**»، تو اسی کے اندر نماز پڑھے، «**وَلَوْ صَلَّى عُرْيَانًا لَا يُجْزِيهِ**»، اگر اس نے ننگے نماز پڑھی تو «**لَا يُجْزِيهِ**» یہ اس کے لیے کافی نہیں بھائی۔ معلوم ہوا اب اگر چوتھائی کپڑا یا چوتھائی سے زیادہ پاک ہے تو انہی کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے بھائی، انہی کپڑوں میں اگر ننگے نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہو گی۔ «**لِأَنَّ رُبْعَ الشَّيْءِ يَقُومُ مَقَامَ كُلِّهِ**»، اس لیے

[1] شاملہ (ص ۴۷) میں «وَلَوْ» کے بجائے «ومن»، شاملہ (ص ۴۷) میں «يُجْزِيهِ» کے بجائے «يجزئه»، شاملہ (ص ۴۷) میں «تَعَالَى» کے بجائے «وهو أحد» درج ہے۔

کیونکہ کسی چیز کا چوتھا حصہ وہ اس کے کل کے قائم مقام ہو جاتا ہے جیسے کہ کل بعض مسائل میں ذکر ہوا تھا بھائی۔ چوتھائی سر پر مسح ہی کو کل کا قائم مقام کیا ہے شریعت نے۔ اسی طرح احرام کی حالت میں اگر سر منڈوالے تو دم واجب ہوتا ہے، تو اگر صرف چوتھائی سر کوئی منڈوالے تو بھی گویا کل سر ہی منڈوالیا، اس صورت میں بھی دم واجب ہو گا۔ تو دیکھو چوتھائی کو کل کے قائم مقام۔ تو یہاں پر بھی جب چوتھائی کپڑا پاک ہے یا اس سے زیادہ پاک ہے تو یوں سمجھا جائے گا گویا کل کپڑا ہی پاک ہے، اسی کے اندر نماز پڑھے گا، اس کے بغیر نماز جائز نہیں۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَ الظَّاهِرُ أَقَلَّ مِنَ الرُّبُعِ فَكَ...

«وَإِنْ كَانَ الطَّاهِرُ أَقَلَّ مِنَ الرُّبْعِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اور اگر وہ جو پاک حصہ ہے وہ چوتھائی حصے سے کم ہے تو بھی اسی طرح حکم ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔ یعنی سارے کپڑے پر نجاست لگی ہے، چوتھائی سے بھی کم حصہ پاک ہے، تو امام محمد رحمہ اللہ اس صورت میں بھی یہی فرماتے ہیں کہ کپڑوں ہی میں نماز پڑھنا واجب ہے، ننگے نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہو گی۔ «وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اور یہی ایک قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی۔ «لِأَنَّ فِي الصَّلَاةِ فِيهِ تَرْكَ فَرْضٍ وَاحِدٍ، وَفِي الصَّلَاةِ عُرْيَانًا تَرْكُ فُرُوضٍ»، یا اسی پر عطف کریں «تَرْكَ فُرُوضٍ»، اس لیے کیونکہ «فِي الصَّلَاةِ فِيهِ»، کیونکہ انہی کپڑے انہی کپڑوں میں نماز کا پڑھنا اس صورت میں «تَرْكُ فَرْضٍ وَاحِدٍ»، ایک فرض کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔ انہی کپڑوں میں نماز پڑھے گا تو کیا امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ان کا مذہب کیا ذکر ہوا؟ کہ اگر چوتھائی سے کم حصہ پاک ہے، اکثر کپڑے پر کیا لگی ہوئی ہے؟ نجاست، پھر بھی ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ انہی کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اگر انہی کپڑوں میں نماز پڑھے گا تو ایک فرض چھوٹے گا اور اگر ننگے نماز پڑھے گا تو کئی فرض چھوٹ جائیں گے۔ تو ایک صورت میں ایک فرض چھوٹ رہا ہے، ایک صورت میں کئی فرض چھوٹ رہے ہیں، تو لہٰذا اسی صورت کو اختیار کیا جائے گا جس میں ایک فرض چھوٹ رہا ہے، اس کو اختیار کرنا لازم ہے۔ اور کیا فرض چھوٹ رہا ہے؟ کپڑے کا پاک ہونا ضروری تھا، وہ فرض چھوٹ رہا ہے، کپڑا پاک نہیں ہے۔ لیکن اگر ننگے نماز پڑھتا ہے پھر کئی فرض چھوٹ جائیں گے، اس لیے کیونکہ ننگے نماز پڑھے گا تو بیٹھ کر اشارے کے ساتھ پڑھے گا۔ تو قیام بھی چھوٹ گیا، اور رکوع بھی چھوٹ گیا، رکوع بھی اشارے سے ہو گا۔ سجدہ بھی اشارے سے ہو گا، تو دیکھو قیام بھی چھوٹ گیا، رکوع بھی چھوٹ گیا، سجدہ بھی چھوٹ گیا، نیز سَتْرِ عَوْرَت بھی چھوٹ گیا کیونکہ ننگے ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے، تو دیکھو کئی فرض چھوٹ گئے۔ لہٰذا کون سی صورت اختیار کی جائے گی؟ انہی کپڑوں کے اندر نماز پڑھی جائے گی۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّ فِي الصَّلَاةِ فِيهِ تَرْكَ فَرْضٍ وَاحِدٍ»، اس لیے کیونکہ انہی کپڑوں کے اندر نماز جو ہے اس میں ایک فرض کا چھوڑنا ہے، «وَفِي الصَّلَاةِ عُرْيَانًا تَرْكُ الْفُرُوضِ»، اور ننگے نماز پڑھنے کے اندر کئی فرضوں کا چھوڑنا ہے۔

«وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى يَتَخَيَّرُ بَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ عُرْيَانًا وَبَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ، وَهُوَ الْأَفْضَلُ»، شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اختیار ہو گا اس آدمی کو، کس آدمی کو؟ چوتھائی سے کم کپڑا پاک ہے۔ چوتھائی یا چوتھائی سے زیادہ ہو پھر تو اس میں واجب ہے کپڑوں سمیت نماز پڑھے گا لیکن اگر چوتھائی سے بھی کم کپڑا پاک ہے تو اس آدمی کو اختیار ہے: «بَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ عُرْيَانًا وَبَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ»، اس بات کے بھی اس میں کہ وہ ننگے ہو کر نماز پڑھے یا انہی کے اندر نماز پڑھے، اس کو اختیار ہو گا۔ چاہے وہ ننگے ہو کر نماز پڑھنا چاہتا ہے پڑھ سکتا ہے، چاہے انہی کپڑوں میں پڑھنا چاہتا ہے تو پڑھ سکتا ہے۔ «وَهُوَ الْأَفْضَلُ»، اور یہ افضل ہے، «وَأَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ»، کہ اسی کے انہی کپڑوں میں نماز پڑھنا یہ افضل ہے، یہ افضل۔ دلیل ان کی کیا؟ امام محمد رحمہ اللہ کی تو دلیل گزر گئی، وہ فرماتے ہیں اگر ننگے نماز پڑھے گا تو کئی فرض چھوٹ جائیں گے اور اگر انہی کپڑوں میں نماز پڑھے گا تو ایک فرض چھوٹے گا۔ اب شیخین رحمہما اللہ کی دلیل آئی، وہ فرماتے ہیں: «لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَانِعٌ جَوَازَ الصَّلَاةِ حَالَةَ الِاخْتِيَارِ»، اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک مانع ہے نماز کے جائز ہونے سے اختیاری حالت میں۔ شیخین رحمہما اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ان میں سے ہر ایک اختیاری حالت میں مانع ہے جوازِ صلاۃ سے۔ مثلاً حالتِ اختیار ہے۔ ایک شخص کے پاس کے کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی ہے لیکن دوسرے کپڑے بھی موجود ہیں پاک کپڑے، تو کیا اب ان نجس کپڑوں میں اس کے لیے نماز جائز ہو گی؟ نہیں۔ جب صاف کپڑے موجود ہیں تو وہ بدل کر وہ پہن کر پھر نماز پڑھنا پڑے گی۔ تو دیکھا یہ کپڑے کا نجس ہونا یہ حالتِ اختیاری میں مانع جوازِ صلاۃ ہے یعنی مانعِ صلاۃ ہے، یہ کیا ہے؟ مانعِ صلاۃ۔ اسی طرح ننگے ہو کر نماز پڑھنا حالتِ اختیاری میں یہ بھی مانعِ صلاۃ ہے۔ کپڑے موجود ہیں اور پھر ایک آدمی کیا کرتا ہے؟ ننگے ہو کر نماز پڑھتا ہے حالانکہ سَتْرِ عَوْرَت تو فرض تھا لہٰذا اس صورت میں نماز نہیں ہو گی۔ تو معلوم ہوا اختیاری حالت میں یہ دونوں چیزیں مانعِ صلاۃ ہیں۔ کپڑے کا نجس ہونا یہ بھی کیا ہے؟ مانعِ صلاۃ، اور ننگے ہو کر نماز پڑھنا یہ بھی کیا ہے؟ مانع، تو دونوں برابر ہوئے۔ دونوں کیا ہوئے؟ برابر ہوئے۔

«وَيَسْتَوِيَانِ فِي حَقِّ الْمِقْدَارِ»، اور یہ دونوں مقدار کے حق میں بھی برابر ہیں، کس میں؟ مقدار کے حق میں بھی برابر ہیں۔ یعنی دونوں کے اندر قلیل معاف ہے، کثیر معاف نہیں۔ قلیل معاف ہے، کثیر معاف نہیں۔ بھائی سَتْرِ عَوْرَت ضروری ہے یا نہیں؟ سَتْرِ عَوْرَت ضروری، لیکن قلیل معاف ہے۔ لہٰذا اگر آپ نے کل پڑھا کوئی عضو جس کا چھپانا ضروری تھا، اس کا چوتھائی سے کم حصہ کھلا تو اس میں نماز ہو جائے گی۔ چوتھائی سے کم ہے تو نماز ہو جائے گی۔ ہاں چوتھائی یا چوتھائی سے زیادہ ہوا تو اس میں نماز نہیں ہو گی۔ تو معلوم ہوا قلیل دیکھو معاف ہے، سَتْرِ عَوْرَت کی صورت میں بھی قلیل حصہ کھل جائے تو وہ معاف۔ اسی طرح نجاست کے مسئلے

میں بھی ایسا ہے کہ نجاست بھی اگر قلیل ہو تو معاف ہوتی ہے اور کثیر ہو تو معاف نہیں، نجاستِ غلیظہ وہ درہم یا اس سے کم ہو تو معاف ہے اس سے زائد معاف نہیں، اور نجاستِ خفیفہ **رُبْعِ ثَوْب** سے کم ہو تو معاف ہے، **رُبْعِ ثَوْب** یا اس سے زائد ہو تو معاف نہیں۔ تو دیکھو معلوم ہوا **سَتْرِ عَوْرَت** کے مسئلے میں بھی قلیل معاف ہے، کثیر معاف نہیں، نجاست کے مسئلے میں بھی قلیل معاف ہے، کثیر معاف نہیں، تو مقدار میں بھی دونوں برابر ہوئے یعنی دونوں میں کثیر اور قلیل کا فرق ہے، دونوں میں کثیر اگرچہ وہ مختلف ہے، **سَتْرِ عَوْرَت** کے اندر ربع سے کم معاف ہے اور نجاست میں اگر غلیظہ ہو تو درہم تک معاف ہے، تو وہ مقدار وہ مراد نہیں معنی یہ ہے کہ کثیر اور قلیل کا یعنی دونوں میں فرق ہے۔ تو جب برابر ہیں مقدار کے حق میں بھی، «**فَيَسْتَوِيَانِ فِي حُكْمِ الصَّلَاةِ**»، تو دونوں نماز کے حکم میں بھی برابر ہوں گے بھائی، نماز کے حکم میں بھی برابر ہوں گے۔ یعنی اس نجس کپڑے کے ساتھ پڑھے یا ننگے ہو کر پڑھے دونوں برابر ہیں، اس کو اختیار ہو گا جس طرح کرنا چاہے کر لے۔ دلیل سمجھ میں آئی؟ شیخین رحمہما اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ حالتِ اختیار کے اندر یہ دونوں چیزیں مانعِ صلاۃ ہیں، **سَتْر** کا کھلا ہونا یہ بھی مانعِ صلاۃ، کپڑے کا نجس ہونا یہ بھی مانعِ صلاۃ، نیز مقدار کے حق میں بھی دونوں برابر ہیں یعنی دونوں میں قلیل معاف ہے کثیر معاف نہیں، لہٰذا «**فَيَسْتَوِيَانِ فِي حُكْمِ الصَّلَاةِ**»، تو یہ دونوں نماز کے حکم میں برابر ہوں گے تو لہٰذا یہاں اس کو اختیار ہو گا چاہے ننگے ہو کر نماز پڑھے اور چاہے انہی کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھ لے۔

اور باقی امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب دے رہے ہیں، انہوں نے کیا فرمایا تھا؟ کہ اگر ننگے ہو کر نماز پڑھے گا تو کئی فرض چھوٹ جائیں گے اور کپڑوں سمیت پڑھے گا تو ایک فرض چھوٹے گا، تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھائی قیام بھی چھوٹے گا لیکن قیام کا خلیفہ کیا ہو گا؟ بیٹھ کر، بیٹھنا قیام کا خلیفہ ہو گیا۔ اور رکوع اور سجدے کا خلیفہ کیا ہے؟ اشارہ، وہ جو رکوع کا اشارہ کرے گا وہ رکوع کا خلیفہ اور نائب ہو گیا اس کا قائم مقام ہو گیا، اور سجدے کا اشارہ سجدے کے قائم مقام ہو گیا، تو ہر ان باقی چیزوں کا خلیفہ آ گیا، کیا آ گیا؟ خلیفہ، اور جس چیز کا خلیفہ موجود ہے گویا وہ چیز خود ہی موجود ہے تو گویا اس کا ترک کرنا ہے ہی نہیں، قیام رکوع اور سجدے کا ترک کرنا ہے ہی نہیں کیونکہ جب خلیفہ نائب موجود ہے تو گویا کہ اصل موجود ہے بھائی۔ کہتے ہیں: «**وَتَرْكُ شَيْءٍ إِلَى خَلَفٍ لَا يَكُونُ تَرْكًا**»، اور چھوڑنا کسی چیز کا «**إِلَى خَلَفٍ**» کس کی طرف؟ نائب کی طرف، «**لَا يَكُونُ تَرْكًا**» یہ ترک نہیں، لہٰذا جب نائب آ گئے تو گویا ان کو چھوڑا ہی نہیں، جب چھوڑا ہی نہیں تو صرف ایک ہی فرض چھوٹا اور وہ کیا؟ **سَتْرِ عَوْرَت** والا فرض چھوٹا۔ بیٹھ کر ننگے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے تو کئی فرض اب یوں نہیں کہیں گے کئی فرض چھوٹے بلکہ کیا چھوٹا؟ ایک ہی فرض چھوٹا **سَتْرِ عَوْرَت** والا جب ننگے ہو کر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے، اور کپڑوں سمیت اگر نماز پڑھے گا تب بھی ایک ہی فرض چھوٹے گا اور وہ کیا کہ کپڑوں کا پاک ہونا نہیں پایا گیا بھائی۔

■ مسئلہ: وَالْأَفْضَلِيَّةُ

«**وَالْأَفْضَلِيَّةُ**»، باقی شیخین رحمہما اللہ نے کیا ذکر کیا تھا کہ افضل کیا ہے؟ کپڑوں سمیت نماز پڑھ لے، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں: «**وَالْأَفْضَلِيَّةُ لِعَدَمِ اخْتِصَاصِ السَّتْرِ بِالصَّلَاةِ، وَاخْتِصَاصِ الطَّهَارَةِ بِهَا**»، اور افضل ہونا اس وجہ سے ہے کہ **سَتْر** کا اختصاص نماز کے ساتھ نہیں ہے جبکہ طہارت کا نماز کے ساتھ اختصاص ہے۔ بھائی دیکھیے، ایک ہے **سَتْرِ عَوْرَت**، ایک ہے طہارت۔ ایک ہے **سَتْرِ عَوْرَت**، ایک ہے طہارت۔ تو کپڑوں سمیت نماز پڑھتا ہے تو طہارت والا فرض چھوٹتا ہے، ننگے ہو کر نماز پڑھتا ہے تو **سَتْرِ عَوْرَت** والا فرض چھوٹتا ہے فرض چھوٹتا ہے، لیکن افضل کیا ہے؟ کپڑوں سمیت نماز پڑھے، اس لیے کیونکہ یہ فرض زیادہ قوی ہے، زیادہ مؤکد ہے، اس لیے کیونکہ **سَتْرِ عَوْرَت** یہ **حَقُّ الصَّلَاةِ** بھی ہے اور **حَقُّ النَّاسِ** بھی ہے۔ **سَتْرِ عَوْرَت** کیا ہے؟ **سَتْر** کو ڈھانپ کر رکھنا یہ صرف نماز میں ضروری ہے یا نماز کے باہر بھی ضروری ہے؟ نماز کے باہر بھی ضروری ہے، تو معلوم ہوا یہ **حَقُّ النَّاسِ** بھی ہے اور **حَقُّ الصَّلَاةِ** بھی ہے، جبکہ طہارت نماز میں تو ضروری نماز سے باہر ضروری نہیں تو یہ صرف **حَقُّ الصَّلَاةِ** ہے۔ تو ایک چیز جو ہے وہ **حَقُّ النَّاسِ** اور **حَقُّ الصَّلَاةِ** دونوں ہے اور ایک صرف **حَقُّ الصَّلَاةِ** ہے تو کیا زیادہ قوی اور اعلیٰ؟ جو **حَقُّ النَّاسِ** بھی ہے اور **حَقُّ الصَّلَاةِ** بھی ہے، اور وہ کیا ہے؟ **سَتْرِ عَوْرَت**، کہ عورت کو ڈھانپ کر **سَتْر** کو ڈھانپ کر نماز پڑھے یعنی انہی کپڑوں میں نماز پڑھے بھائی، تو یہ افضل ہے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: «**وَالْأَفْضَلِيَّةُ لِعَدَمِ اخْتِصَاصِ السَّتْرِ بِالصَّلَاةِ**»، اور افضل ہونا جو ہے وہ **سَتْر** کا خاص نہ ہونا ہے نماز کے ساتھ، «**وَاخْتِصَاصِ الطَّهَارَةِ بِهَا**»، اور طہارت کا نماز کے ساتھ خاص ہونا ہے۔

«**وَمَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْبًا صَلَّى عُرْيَانًا قَاعِدًا يُومِئُ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ**»، اور جس شخص کو کپڑا نہ ملے، اب وہ صورت آ گئی کہ کپڑا ہے ہی نہیں اس کے پاس، اور جس کو کپڑا نہ ملے «**صَلَّى عُرْيَانًا**»، تو وہ ننگے نماز پڑھے گا «**قَاعِدًا**» بیٹھ کر، «**يُومِئُ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ**» اشارہ کرے گا رکوع اور سجدے میں۔ «**هَكَذَا فَعَلَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، اسی طرح کیا ہے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے۔ یہ روایات میں آتا ہے بھائی بعض صحابہ سفر پر تھے اور سمندر میں سفر کر رہے تھے بھائی اور پھر وہ کشتی وغیرہ ان کی ٹوٹ گئی اور وہ جب سمندر سے نکلے تو ننگے تھے بھائی، وہ کپڑے وغیرہ بھی پھٹ گئے ہوں گے اسی میں کشتی اور جہاز کے ساتھ غرق ہو گئے ہوں گے، اب وہ کسی طرح جان بچا کر نکل آئے تو اب کپڑے تھے نہیں تو انہوں نے بیٹھ کر اشارے کے ساتھ نماز ادا کی بھائی، بیٹھ کر اشارے کے ساتھ۔ یہ معنی ہے: «**هَكَذَا فَعَلَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، اسی طرح کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے۔

«**فَإِنْ صَلَّى قَائِمًا أَجْزَأَهُ**»، بھائی صورت تو انہوں نے بتا دی، کپڑا نہ ملے تو ننگے ہی پڑھے گا نماز اور بیٹھ کر اشارے سے رکوع سجدہ کرے گا، «**فَإِنْ صَلَّى قَائِمًا**»، اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے «**أَجْزَأَهُ**»، تو یہ بھی کافی ہے اس کے لیے۔ «**لِأَنَّ فِي الْقُعُودِ سَتْرَ الْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ، وَفِي الْقِيَامِ**

أَدَاءَ هَذِهِ الْأَرْكَانِ، فَيَمِيلُ إِلَى أَيِّهِمَاشَاءَ»، اس لیے کیونکہ بیٹھنے کی صورت میں تو عورتِ غلیظہ یعنی شرمگاہ کا ڈھانپنا ہے اور قیام کے اندر ان ارکان کا ادا کرنا ہے تو لہٰذا مائل ہو جائے ان میں سے جس کی طرف چاہے بھائی۔ کپڑے نہیں تو ہونا کیا چاہیے؟ بیٹھ کر اشارے کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرے کیونکہ اس صورت میں سَتْرِ عَوْرَت ہو گا یعنی عورتِ غلیظہ یعنی شرمگاہ کیا رہے گی؟ چھپی رہے گی، اور اگر کھڑے ہو کر رکوع سجدے کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس صورت میں قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ ادا ہو جائیں گے تو لہٰذا جو صورت وہ اختیار کرنا چاہے کر سکتا ہے، اس لیے کیونکہ بیٹھ کر پڑھنے میں اگر سَتْرِ عَوْرَت ہے تو کھڑے ہو کر ادا کرنے میں قیام اور رکوع کا ادا کرنا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: «لِأَنَّ فِي الْقُعُودِ سَتْرَ الْعَوْرَةِالْغَلِيظَةِ»، اس لیے کیونکہ بیٹھنے میں جو ہے عورتِ غلیظہ یعنی شرمگاہ کا سَتْر ہے، «وَفِي الْقِيَامِ أَدَاءَ هَذِهِ الْأَرْكَانِ»، اور قیام کے اندر ان ارکان کا یعنی قیام، رکوع اور سجدے وغیرہ کا ادا کرنا ہے، «فَيَمِيلُ إِلَى أَيِّهِمَاشَاءَ»، تو وہ مائل ہو جائے ان میں سے جس کی طرف وہ چاہے۔ «إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَفْضَلُ»، مگر یہ کہ پہلی صورت افضل ہے۔ پہلی صورت کیا ہے؟ افضل ہے کہ بیٹھ کر اشارے کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرے۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ السَّتْرَ وَجَبَ لِحَقِّ الصَّلَاةِ وَحَقِّ النَّاسِ»، اس لیے کیونکہ سَتْر وہ واجب ہے حَقُّ الصَّلَاةِ کی وجہ سے بھی اور حَقُّ النَّاسِ کی وجہ سے بھی کہ سَتْر ڈھانپا ہونا چاہیے نماز کا بھی حق ہے اور یہ لوگوں کا بھی حق ہے، «وَلِأَنَّهُ لَا خَلَفَ لَهُ»، اور نیز اس لیے کیونکہ اس کا کوئی خلیفہ نہیں ہے، سَتْرِ عَوْرَت کا کوئی خلیفہ نہیں، «وَالْإِيمَاءُ خَلَفٌ عَنِ الْأَرْكَانِ»، اور اشارہ یہ نائب ہے ارکان کا۔ بھائی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارے سے کرے اس طرح نماز پڑھنا افضل ہے۔ کیوں افضل ہے؟ وجہ یہ کہ جب بیٹھے گا تو عورتِ غلیظہ چھپ جائے گی اور یہ حَقُّ النَّاسِ بھی ہے اور حَقُّ الصَّلَاةِ بھی ہے، تو لہٰذا اس کا چھپانا بہتر ہے۔ اور نیز اس لیے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا تو سَتْرِ عَوْرَت کا کوئی خلیفہ نہ آیا۔ بیٹھ کر پڑھتا تو کم از کم عورتِ غلیظہ تو چھپ جاتی، اب کھڑے ہو کر پڑھے گا تو اس میں عورتِ غلیظہ کا ڈھانپنا بھی ضروری تھا، اس کا کوئی نائب نہیں، اس کا کوئی قائم مقام نہیں، سَتْرِ عورتِ غلیظہ ہے ہی نہیں یہاں پر۔ لیکن اگر بیٹھ کر پڑھے گا اشارہ کرنا وہ رکوع، سجدے اور قیام کا کیا ہو جائے گا؟ نائب ہے، تو ان کا تو نائب پایا جائے گا بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں۔ تو کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا تو اس کا کوئی خلیفہ بھی نہیں ہو گا جبکہ بیٹھ کر پڑھے گا تو اس صورت میں جو بیٹھنا ہے وہ قیام کا خلیفہ ہوا اور اشارہ کرنا یہ رکوع اور سجدے کا خلیفہ ہوا تو لہٰذا بیٹھنے کی صورت میں ان کے خلیفہ بھی آ گئے اور سَتْرِ عورتِ غلیظہ بھی پایا گیا جبکہ کھڑے ہونے کی صورت میں سَتْرِ عورتِ غلیظہ نہیں اور اس کا کوئی نائب بھی نہیں ہے بھائی، نائب بھی نہیں ہے۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّ السَّتْرَ وَجَبَ لِحَقِّ الصَّلَاةِ وَحَقِّ النَّاسِ»، اس لیے کیونکہ سَتْر واجب ہے نماز کے حق کی وجہ سے بھی اور لوگوں کے حق کی وجہ سے بھی، «وَلِأَنَّهُ لَا خَلَفَ لَهُ»، اور اس لیے کیونکہ اس کا تو کوئی خلیفہ نہیں ہے، «وَالْإِيمَاءُ خَلَفٌ عَنِ الْأَرْكَانِ»، اور اشارہ کرنا یہ تو ارکان کا خلیفہ ہے یعنی بیٹھنے کی صورت میں یہ پایا جائے گا تو اس لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَيَنْوِي الصَّلَاةَ الَّتِي يَدْخُلُ فِيهِ...

«قَالَ: وَيَنْوِي الصَّلَاةَ الَّتِي يَدْخُلُ فِيهَا بِنِيَّةٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيمَةِ»، «يَنْوِي» میں نے منصوب پڑھا بھائی، اس کا عطف وہ جو پیچھے آیا تھا «وَيَسْتُرَ عَوْرَتَهُ» اس پر عطف ہے، یا «يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ» اس پر عطف ہے اور اس پر «أَنْ» داخل ہوا تھا وہ منصوب تھا تو یہ بھی کیا پڑھیں گے؟ منصوب پڑھیں گے بھائی۔ یہ تیسری شرط آ گئی۔ پہلی شرط کیا تھی؟ طہارت کا مقدم کرنا، دوسری شرط؟ سَتْرِ عَوْرَت، اور تیسری شرط کیا ہے؟ نماز کی نیت کرنا۔ «وَيَنْوِي الصَّلَاةَ»، اور فرض ہے نماز پڑھنے والے پر کہ وہ نماز کی نیت کرے، وہ نماز «الَّتِي يَدْخُلُ فِيهَا»، جس میں وہ داخل ہو رہا ہے یعنی جسے شروع کر رہا ہے، «بِنِيَّةٍ»، ایسی نیت کے ساتھ «لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيمَةِ»، کہ جدائی نہ ہو اس نماز کے درمیان اس نیت کے درمیان، کہ جدائی نہ ہو اس نیت کے درمیان اور تحریمہ کے درمیان «بِعَمَلٍ»، کسی عمل کے ساتھ۔ یعنی نیت کرنا بھی فرض ہے اور نیت ایسی ہونی چاہیے کہ نیت اور تکبیرِ تحریمہ، جو نماز کے شروع میں «اللهُ أَكْبَرُ» کہتے ہیں تو یہ جو نیت اور تکبیرِ تحریمہ کے درمیان کسی عمل کا فصل نہیں ہونا چاہیے، کسی عمل کے ذریعے جدائی نہ آئے، ایسا نہ ہو نیت کی نماز کی اور تکبیرِ تحریمہ کہنے سے پہلے کسی کے ساتھ باتیں شروع کر دیں اور پھر تحریمہ کہتا ہے، اللہ اکبر کہتا ہے تو یہ درست نہیں بھائی۔ نیت تو کیا تھی؟ فرض تھی، اور کیسی نیت ہونی چاہیے؟ جو تحریمہ کے ساتھ ملی ہوئی ہو، یہاں تو ایسا عمل آ گیا جس نے اس نیت کو ختم کر دیا، اب اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ معنی ہے کہ «لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيمَةِ بِعَمَلٍ»، کہ جدائی نہ ہو اس نیت اور اس تحریمہ کے درمیان کسی عمل کا۔ «وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، اور اصل جو ہے اس کے اندر حضور علیہ السلام کا قول ہے: «الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»، اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں یعنی اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، نیت ہے تو عمل ہے یعنی اس کا ثواب ملے گا، نیت نہیں تو اس کا ثواب بھی نہیں۔

«وَلِأَنَّ ابْتِدَاءَ الصَّلَاةِ بِالْقِيَامِ، وَهُوَ مُتَرَدِّدٌ بَيْنَ الْعَادَةِوَالْعِبَادَةِ»، یہ دوسری عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں، ایک نقلی دلیل ذکر کر دی، نیت ہونا کیوں ضروری؟ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے: «الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»، اور دوسری دلیل کہتے ہیں اس لیے کیونکہ نماز کی ابتدا قیام سے ہو گی، نماز کی ابتدا کس سے؟ قیام سے ہو گی اور قیام یعنی کھڑے ہونا، یہ کھڑا ہونا ہمیشہ عبادت کے طور پر تو نہیں ہوتا، انسان ویسے بھی کھڑا ہوتا ہے، تو تاکہ فرق ہو جائے نیت کے ذریعے، نیت کرے گا تو عادت اور عبادت میں فرق آئے گا، اگر نیت نہیں کرتا تو پھر تو فرق ہی نہیں ہو سکے گا کہ یہ عادۃً کھڑا ہے یا عبادۃً کھڑا ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔ یہ معنی ہے: «وَلِأَنَّ ابْتِدَاءَ الصَّلَاةِبِالْقِيَامِ»، اس لیے کیونکہ نماز کی ابتدا جو ہے وہ قیام کے ساتھ ہے، «وَهُوَ مُتَرَدِّدٌ بَيْنَ الْعَادَةِوَالْعِبَادَةِ»، اور قیام وہ تو متردد ہے

عادت اور عبادت کے درمیان یعنی عادۃً بھی قیام ہوتا ہے اور بطورِ عبادت کے بھی قیام ہوتا ہے تو یہ متردد ہوا ان دونوں کے درمیان یعنی دونوں میں پایا جاتا ہے، «**وَلَا يَقَعُ التَّمَيُّزُ إِلَّا بِالنِّيَّةِ**»، اور امتیاز واقع نہیں ہوگا مگر نیت کے ساتھ، یعنی فرق صرف کس سے ہوگا؟ نیت، نیت کی ہے تو پتہ چل گیا یہ قیام عبادت کے طور پر ہے، نماز پڑھ رہا ہے، اور نیت نہیں کی تو معلوم ہوا کہ یہ قیام ویسے ہی ہے بھائی، عبادت کے طور پر نہیں ہے بلکہ عادۃً ہے ویسے ہی۔ آپ کہیں گے کہ «**اللهُ أَكْبَرُ**» جو اس نے کہہ دیا اس سے پتہ چل گیا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے، بغیر نیت نہیں کی لیکن کیا کہہ دیا ہے؟ اللہ اکبر، تو جواب یہ کہ «**اللهُ أَكْبَرُ**» بھی تو کوئی ویسے کبھی کہتا ہے یا نہیں کہتا بھائی؟ سمجھ میں آیا تو وہ تو ویسے ذکر کے طور پر بھی انسان کہہ سکتا ہے تو لہٰذا اس سے فرق نہیں ہوگا، نیت کا ہونا ضروری ہے۔

«**وَالْمُتَقَدِّمُ عَلَى التَّكْبِيرِ كَالْقَائِمِ عِنْدَهُ إِذَا لَمْ يُوجَدْ مَا يَقْطَعُهُ، وَهُوَ عَمَلٌ لَا يَلِيقُ بِالصَّلَاةِ**»، «**وَالْمُتَقَدِّمُ**»، اور وہ نیت جو وہ چیز جو مقدم ہو «**عَلَى التَّكْبِيرِ**»، کس پر؟ تکبیر پر، مراد وہ نیت ہے، وہ جب مقدم ہو کس پر؟ یعنی تکبیر تحریمہ پر جو نیت مقدم ہے، «**كَالْقَائِمِ عِنْدَهُ**»، وہ اسی طرح ہے جیسے کہ وہ قائم یعنی موجود ہے تکبیر کے وقت، «**عِنْدَهُ أَيْ عِنْدَالتَّكْبِيرِ**»، تکبیر کے وقت، «**إِذَا لَمْ يُوجَدْ**»، جب نہ پائی جائے «**مَا يَقْطَعُهُ**»، کوئی ایسی چیز جو اس کو ختم کر دے، جو اس کو کاٹ دے یعنی ختم کر دے۔ اور وہ کیا چیز ہے جو اس کو ختم کرے گی؟ کہتے ہیں: «**وَهُوَ عَمَلٌ**»، وہ کوئی ایسا عمل ہے، دیکھیے عمل نکرہ آیا اس کے بعد «**لَا يَلِيقُ**» فعل آیا اس کی صفت بنے گا، «**وَهُوَ عَمَلٌ لَا يَلِيقُ بِالصَّلَاةِ**»، اور وہ کوئی ایسا عمل جو نماز کے لائق نہ ہو۔ بھائی دیکھیے، نیت اور تکبیرِ تحریمہ کے درمیان فصل نہیں ہونا چاہیے، فصل نہیں ہونا چاہیے، جدائی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ عین تکبیرِ تحریمہ سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے بلکہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ تکبیرِ تحریمہ سے کچھ دیر پہلے بھی اگر آپ نے کیا کر لی؟ نیت کر لی تو بھی یہ اسی طرح سمجھا جائے گا کہ گویا تکبیرِ تحریمہ کے وقت نیت پائی جا رہی ہے، جب کچھ دیر پہلے کر لی تو «**كَالْقَائِمِ عِنْدَهُ**»، گویا یہ نیت اس وقت بھی موجود ہے «**عِنْدَهُ**»، کس وقت؟ تکبیر کے وقت بھی موجود ہے جب تک کوئی بیچ میں ایسا عمل نہ آجائے جو اس کو ختم کر دے یعنی کوئی ایسا عمل جو نماز کے لائق نہ ہو، نماز کے منافی ہو تو پھر یہ نیت پھر اس کا اعتبار نہیں ہے، مثلاً نیت کی اور پھر جیسے میں نے ابھی مثال ذکر کی کہ کسی کے ساتھ باتیں کرنا شروع کر دیں، اب باتیں کرنا تو نماز کے لائق نہیں، باتیں تو نماز کے منافی ہیں، اس سے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے، یا اسی طرح نیت کی اور پھر اس کے بعد کھانا پینے میں مشغول ہوا کوئی چیز کھا پی لی اور پھر اس کے بعد تکبیرِ تحریمہ کہتا ہے تو یہ تو درمیان میں ایسا عمل آگیا جو نماز کے لائق نہیں، کھانے پینے سے تو نماز ٹوٹ جایا کرتی ہے تو لہٰذا یہ ایسا عمل آیا اس نے اس نیت کو ختم کر دیا۔ تو بیچ میں ایسا کوئی عمل نہ ہو تو پھر کچھ پہلے بھی نیت کی ہو تو وہ نیت ٹھیک ہے، یوں ہی سمجھا جائے گا گویا تکبیرِ تحریمہ کے وقت یہ نیت موجود ہے۔ مثلاً ایک آدمی ہے وہ وضو کر رہا ہے، وضو کرتے ہوئے ہی نیت کر لیتا ہے کہ میں جا کر یہ امام نماز پڑھا رہا ہے میں جا کر کیا کروں گا؟ اس کے ساتھ یہ ظہر کی نماز ادا کروں گا، یہ نیت کر لی ہے، اس نیت کے ساتھ وہ وضو کر رہا ہے اور پھر اور کوئی عمل نہیں کرتا، سیدھا جا کر نماز میں «**اللهُ أَكْبَرُ**» کہہ کر شریک ہو جاتا ہے تو فقہاء لکھتے ہیں یہ نیت معتبر ہے، اس کی نماز ٹھیک ہے بھائی ہو جائے گی کیونکہ درمیان میں کوئی ایسا عمل نہیں آیا جو نماز کے منافی ہو بھائی، تو اگرچہ کچھ وقت گزرا ہے لیکن پھر بھی یوں ہی سمجھا جائے گا کہ گویا تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہی یہ نیت موجود ہے پائی جا رہی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «**وَالْمُتَقَدِّمُ عَلَى التَّكْبِيرِ**»، اور وہ نیت جو مقدم ہو تکبیرِ تحریمہ پر، «**كَالْقَائِمِ عِنْدَهُ**»، وہ اسی نیت کی طرح ہے جو موجود ہو تکبیرِ تحریمہ کے وقت، «**إِذَا لَمْ يُوجَدْ مَا يَقْطَعُهُ**»، جب نہ پائی جائے کوئی ایسی چیز جو اس کو ختم کر دے، بھائی وہ کیا چیز ہے جو اس کو ختم کرے گی؟ کہتے ہیں: «**وَهُوَ عَمَلٌ لَا يَلِيقُ بِالصَّلَاةِ**»، اور وہ کوئی ایسا عمل ہے جو نماز کے لائق نہ ہو یعنی منافیِ صلاۃ ہو۔

■ مسئلہ: وَلَا عِبْرَةَ بِالْمُتَأَخِّرَةِ مِنْهَا عَنْهُ

«**وَلَا عِبْرَةَ بِالْمُتَأَخِّرَةِ مِنْهَا عَنْهُ**»، اور اس نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے جو تکبیرِ تحریمہ سے متاخر ہو اس کے بعد ہو۔ بھائی ایک آدمی تکبیرِ تحریمہ یاد رکھیے یہ مسئلہ آگے یہ آپ کو بتلائیں گے، «**اللهُ أَكْبَرُ**» آپ کہتے ہیں نماز کے شروع میں، تو یہ جو تکبیرِ تحریمہ ہے یہ نماز میں داخل نہیں۔ تکبیرِ تحریمہ جیسے ہی پورا لفظ ہو گا ساتھ ہی نماز شروع ہو جائے گی۔ دلائل آپ پڑھ چکے ہوں گے بھائی اصولِ فقہ وغیرہ میں بھی: ﴿**وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى**﴾، اللہ کا نام ذکر کیجیے اور نماز پڑھ لیے، تو دیکھیے اللہ کا نام ذکر کیجیے «**فَصَلَّى**»، دیکھو فا، فا کس لیے آتی ہے؟ تعقیب مع الوصل، یعنی اس کے فوراً بعد اب نماز شروع ہو گی، یہ خود نماز کے اندر داخل نہیں، ہاں البتہ اس کو شمار نماز کے ارکان ہی میں سے کیا جاتا ہے اس لیے کیونکہ یہ بالکل نماز کے ساتھ متصل ہے۔ تکبیرِ تحریمہ میں «**اللهُ أَكْبَرُ**»، جیسے ہی اکبر کی را ختم ہوئی پوری کی آپ نے، جیسے ہی را پوری کی ساتھ ہی نماز شروع ہو گئی، درمیان میں فرق ہے ہی نہیں، جدائی ہے ہی نہیں۔ اسی لیے فقہاء مسئلہ لکھتے ہیں کہ آپ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، پڑھنے لگے ہیں، امام نے کہا «**اللهُ أَكْبَرُ**»، امام نے اللہ اکبر کو ذرا لمبا کر دیا «**اللهُ أَكْبَرُ**»، آپ نے امام کی را سے پہلے ہی اپنا اکبر کا لفظ پورا کر دیا «**اللهُ أَكْبَرُ**»، تو آپ کی نماز پہلے شروع ہو گئی اور امام کی نماز بعد میں شروع ہو گئی، لہٰذا آپ کی نماز صحیح نہیں کیونکہ آپ تو کیا کر رہے ہیں؟ امام کا اتباع کر رہے ہیں، اس کی اقتداء کر رہے ہیں، تو لہٰذا امام کے امام کے «**اللهُ أَكْبَرُ**» سے پہلے آپ کی را ختم نہیں ہونی چاہیے بھائی، اس میں احتیاط کرے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ کیونکہ نماز را پورا اس پر تلفظ ہو گا تو نماز شروع ہو جائے گی۔ اب دیکھیے ایک آدمی تکبیرِ تحریمہ کے بعد نیت کرتا ہے، صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ «**اللهُ أَكْبَرُ**» کہتے ہی پھر اب وہ نیت کرتا ہے تو کچھ لمحے گزر گئے یا نہیں گزرے؟

گزر گئے، کچھ لمحے تو گزر گئے، چاہے بہت ہی قلیل گزرے ہوں لیکن گزر تو گئے۔ اور وہ تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد تو کیا شروع ہو جاتی ہے؟ نماز شروع ہو جاتی ہے۔ تو گویا را کے ختم ہوتے ہی نماز نے شروع ہونا تھا، اور نماز کے اول حصے کی بنیاد نماز کے آخری حصے کی بنیاد ہوتی ہے اول حصے پر۔ آخری حصہ تبھی صحیح ہو گا جب پہلا حصہ صحیح ہو۔ پہلا صحیح نہیں تو آخری بھی صحیح نہیں۔ اگر پہلی رکعت میں ایک آدمی دوسرے سے باتیں کر لیتا ہے اور باقی پھر اگلی بھی تین رکعتیں پوری کر لیتا ہے، آپ بتایئے نماز ہو گی یا نہیں ہو گی؟ نماز نہیں ہو گی۔ اس لیے، کیونکہ، نماز کیوں نہیں ہو گی؟ کیونکہ نماز کے آخری حصے کی بنیاد کس پر ہے؟ پہلے۔ یعنی ہر جو بعد میں جو بھی حصہ آ رہا ہے وہ اس سے ماقبل پر اس کی بنیاد ہے۔ جہاں کہیں بھی خرابی آئی تو باقی ساری بھی کیا ہو جائے گی نماز؟ فاسد ہو جائے گی۔ تو یہاں پر بھی تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد نماز شروع ہونی تھی، لیکن ابھی اس نے نیت ہی نہیں کی تھی۔ نیت اب کر رہا ہے اور معمولی سا، چلیں فوراً ہی وہ نیت کرتا ہے لیکن پھر بھی ادنیٰ معمولی سا وقت، ایک سیکنڈ سے بھی کم چلو لگا لیں۔ کچھ حصہ گزر گیا یا نہیں گزر گیا بغیر نیت؟ اور وہ نماز نہیں۔ اور اگلے حصے کی تو بنیاد اسی پر تھی، جب وہ نماز نہیں تو آگے والے کی بنیاد بھی اس پر صحیح نہیں ہو گی۔ لہٰذا اسی لیے جو وہ نیت جو تکبیر تحریمہ سے مؤخر ہو اس کا اعتبار نہیں ہے، اس صورت میں نماز نہیں ہو گی بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے۔

«**وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْمُتَأَخِّرَةِ مِنْهَا**» اور کوئی اعتبار نہیں ہے وہ جو مؤخر ہو **مِنْهَا أَيْ مِنَ النِّيَّةِ**، کس میں سے؟ نیت میں سے، وہ نیت جو متاخر ہے **عَنْهُ أَيْ عَنِ التَّكْبِيرِ**، کس سے؟ تکبیر، تو کوئی اعتبار نہیں ہے اس نیت کا جو مؤخر ہو تکبیر تحریمہ سے۔ «**لِأَنَّ مَا مَضَى لَا يَقَعُ عِبَادَةً**» اس لیے کیونکہ وہ حصہ جو وقت وہ وقت، وہ حصہ جو گزر گیا ہے «**لَا يَقَعُ عِبَادَةً**» وہ تو عبادت ہو کر واقع نہیں ہوا بھائی۔ کچھ حصہ جو وقت گزرا ہے وہ تو عبادت نہیں بنا، وہ نماز نہیں بنا، **لِعَدَمِ النِّيَّةِ** نیت نہ ہونے کی وجہ سے۔

«**وَفِي الصَّوْمِ جُوِّزَتْ لِلضَّرُورَةِ**» اور روزے میں اجازت دی گئی، جائز قرار دیا گیا ضرورت کی بناء پر۔ یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے ابھی ہمیں بتایا نماز کے مسئلے کے اندر بھائی کہ ابتدائے نماز میں اگر نیت نہیں تھی یعنی چند لمحے بھی نیت مؤخر ہو گئی تو کچھ لمحے وہ عبادت نہ بنے، جب وہ عبادت نہ بنے تو اگلے حصے کی بنیاد بھی اس پر صحیح نہیں، لہٰذا نماز سرے سے ہو گی ہی نہیں بھائی۔ تو پھر روزے میں بھی ایسا ہونا چاہیے، حالانکہ روزے میں آپ کہتے ہیں کہ اگر زوال سے پہلے بھی کوئی نیت کر لے تو روزہ ہو جائے گا۔ روزے میں زوال سے پہلے بھی کیا کر لے؟ نیت کر لے تو روزہ ہو جائے گا، حالانکہ کچھ حصہ تو گزر چکا ہے، وقت گزر چکا ہے، وہ تو عبادت نہ بنا کیونکہ اس میں تو نیت نہ پائی گئی۔ تو صاحبِ ہدایہ جواب دے رہے ہیں: «**وَفِي الصَّوْمِ جُوِّزَتْ لِلضَّرُورَةِ**» اور روزے میں جائز قرار دیا گیا ضرورت کی بناء پر، کیونکہ وہاں ضرورت ہے، حاجت ہے۔ ضرورت یہ ہے، وجہ یہ ہے کیونکہ روزے کی ابتداء کا وقت جو ہے فجر صادق ہے اور وہ وقت نیند اور غفلت کا ہے۔ اگر وہاں پر بھی نیت کو مقدم کرنے کی شرط لگا دی جائے تو لوگ تنگی اور تکلیف میں پڑ جائیں گے، حرج میں پڑ جائیں گے، اور حرج تو دین میں نہیں ہے، حرج کو تو دور کیا گیا ہے۔ اس لیے وہاں اس حاجت اور ضرورت کی بناء پر نیت کے متاخر ہونے کو بھی جائز قرار دیا گیا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے «**وَفِي الصَّوْمِ جُوِّزَتْ لِلضَّرُورَةِ**» اور روزے میں جائز قرار دیا گیا ضرورت کی وجہ سے۔

«**وَالنِّيَّةُ**» جی، اب بتلا رہے ہیں نیت کہتے کس کو ہیں؟ نیت کہتے، میں نے آپ کو بتلایا تھا بھائی، جی، ذکر ہوا تھا کہ نیت جو ہے وہ دل کے ارادے کا نام ہے اور یہ جو زبان سے کہا، نیت کی جاتی ہے، یہ، یہ ضروری نہیں ہے بھائی، ضروری نہیں ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ ہاں تو یہ ضروری نہیں ہے۔ اور بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں بھائی، بدعت کہتے ہیں لیکن فقہاء فرماتے ہیں یہ بہتر ہے کہ زبان سے بھی کیا کر لے انسان؟ نیت کر لے۔ بھائی عام آدمیوں کے لیے تو دل سے ارادہ کرنے میں کوئی مشکل نہیں، لیکن جو سادہ لوگ ہیں کوئی دیہاتی آدمی وغیرہ ہیں ان کے لیے صرف دل کے ارادے کو اگر بیان کیا جائے ان کے لیے نیت مشکل ہو جائے گی۔ وہ جب تک زبان سے نہیں کہتے ان کی نیت بنتی نہیں، توجہ ہی نہیں ہوتی ایک چیز کی طرف پورے طور پر۔ تو اس لیے فقہاء کیا فرماتے ہیں کہ زبان سے بھی کہہ لے تاکہ نیت مجتمع ہو جائے، نیت ٹھیک طرح بن جائے پورے طور پر بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو بہر حال یہ نیت دل کے ارادے کا نام ہے، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**وَالنِّيَّةُ هِيَ الْإِرَادَةُ**» اور نیت یہ ارادہ ہی ہے۔ «**وَالشَّرْطُ أَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهِ أَيَّ صَلَاةٍ يُصَلِّي**» اور شرط اس کی یہ ہے کہ جانتا ہو اپنے دل سے کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔ نماز شروع کرنے لگا ہے تو دل میں ارادہ ہو نماز پڑھنے کا، یعنی یہ پتہ ہو کہ کون سی نماز میں پڑھ رہا ہوں، فجر کی پڑھ رہا ہوں یا ظہر کی پڑھ رہا ہوں یا عصر کی پڑھ رہا ہوں، بس یہ کافی ہے۔

«**أَمَّا الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِهِ**» اور باقی جو زبان سے ذکر کرنا ہے نیت کا، یعنی «**فَلَا مُعْتَبَرَ بِهِ**» اس کا کوئی اعتبار نہیں، «**وَيَحْسُنُ ذَلِكَ لِاجْتِمَاعِ عَزِيمَتِهِ**» ہاں، اچھی ہے یہ، یہ زبان سے ذکر کرنا بھی اچھا ہے «**لِاجْتِمَاعِ عَزِيمَتِهِ**» یرحمک اللہ، «**لِاجْتِمَاعِ عَزِيمَتِهِ**» تاکہ اس کی عزیمت مجتمع ہو جائے یعنی ارادہ پورے طور پر بن جائے بھائی۔

«**ثُمَّ إِنْ كَانَتِ الصَّلَاةُ نَفْلًا يَكْفِيهِ**» اب آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ دل کے، انہوں نے یہ تو بتلا دیا نیت دل کے ارادے کا نام ہے، تو کیا نیت کافی ہو گی نماز کے لیے، فرضوں کے لیے، نفلوں کے لیے، سنتوں کے لیے؟ تو آپ یاد رکھیے بھائی، نفلوں کے لیے اور تو اور اسی طرح سنتوں کے لیے تو صرف مطلق نماز کی نیت ہی کافی ہے۔ اتنا ہو دل میں: میں نماز پڑھنے لگا ہوں، بس یہ کافی ہے۔ میں کیا کرنے لگا ہوں؟ نماز پڑھنے لگا ہوں۔ ہاں، فرضوں کے اندر فرض کی تعیین بھی ضروری ہے۔ صرف یہ نیت کافی نہیں: میں فرض نماز پڑھنے لگا ہوں، بلکہ وقت کی بھی تعیین، کس ظہر کے فرض پڑھنے لگا ہوں یا عصر کے پڑھنے لگا ہوں یا مغرب کے، وہ فرضوں کی تعیین بھی اس

میں ضروری ہے۔ اس لیے کیونکہ فرض مختلف ہیں، میں فرض نماز پڑھنے لگا ہوں، کچھ پتہ چلا کون سے فرض؟ فرض تو مختلف ہیں، عصر کی بھی نماز فرض ہے، مغرب کی بھی فرض ہے، عشاء کی بھی، فجر کی بھی، ظہر کی بھی۔ تو لہٰذا وہاں صرف فرض نماز یہ نیت کافی نہیں بلکہ تعیین بھی ہونی چاہیے۔ اور پھر اس میں یہ بھی یاد رکھیے کہ مثلاً ایک آدمی زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہتا ہے اور دل میں ہے کہ میں ظہر کی نماز پڑھنے لگا ہوں، دل میں کیا ہے؟ لیکن زبان سے غلطی سے نکل گیا: میں عصر کی نماز پڑھتا ہوں اور نماز شروع کر دی۔ پھر فوراً خیال آیا اوہو! میں نے تو کیا کہہ دیا؟ عصر کہہ دیا۔ کوئی حرج نہیں، فقہاء فرماتے ہیں نماز ہو جائے گی، کیونکہ نیت کس چیز کے ارادے کا نام ہے؟ دل، اور دل میں تو کیا تھا؟ ظہر ہی کی نیت تھی، لہٰذا ظہر کی نماز ہو گئی بھائی۔ اسی طرح اگر رکعتوں میں غلطی ہو گئی، میں ظہر کی نماز پڑھنے لگا ہوں دو رکعت اور ساتھ ہی اللہ اکبر کہہ دیا، پھر خیال آیا اوہو! ظہر کی نماز تو کتنے رکعت ہوتی ہے؟ چار۔ کوئی حرج نہیں فقہاء فرماتے ہیں، کیونکہ فرضوں کی تعیین کر دی، کون سے فرض پڑھنے لگا ہے؟ ظہر کے، تو ظہر کے تو ہوتے ہی چار ہیں، دو کہہ بھی دیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

کہتے ہیں: «**ثُمَّ إِنْ كَانَتِ الصَّلَاةُ نَفْلًا يَكْفِيهِ مُطْلَقُ النِّيَّةِ**» پھر کہتے ہیں اگر نماز وہ نفل نماز ہے تو کافی ہے اس کے لیے مطلق نیت، یعنی کیا نیت کرے؟ میں نماز پڑھ رہا ہوں، بس یہ نیت کافی ہے۔ «**وَكَذَا إِذَا كَانَتْ سُنَّةً فِي الصَّحِيحِ**» اور اسی طرح جبکہ وہ نماز سنت ہو صحیح قول کے مطابق۔ یعنی سنت پڑھنے لگا ہے تو صرف یہ نیت کافی ہے کہ میں کیا کرنے لگا ہوں؟ نماز پڑھنے لگا ہوں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ہاں سنت کی باقاعدہ کرے تو اور اچھی بات ہے۔ «**وَإِنْ كَانَتْ فَرْضًا**» اور اگر فرض نماز ہے وہ «**فَلَا بُدَّ مِنْ تَعْيِينِ فَرْضٍ كَالظُّهْرِ**» تو پھر فرض کا تعیین ضروری ہے، کالظہر مثلاً جیسے کہ ظہر کی نماز مثال کے طور پر کہ اس کی باقاعدہ نیت کرے، «**لِاخْتِلَافِ الْفُرُوضِ**» بوجہ فرضوں کے مختلف ہونے کی، کیونکہ فرض تو کیا ہیں؟ مختلف ہیں، فجر بھی فرض ہے، ظہر بھی فرض ہے، عصر بھی، تو تعیین ضروری ہے۔

«**وَإِنْ كَانَ مُقْتَدِيًا بِغَيْرِهِ يَنْوِي الصَّلَاةَ وَمُتَابَعَتَهُ**» اور اگر وہ شخص اقتداء کرنے والا ہے کسی دوسرے کی، یعنی اگر آپ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، اس کی اقتداء کرنا چاہتے ہیں، اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو پھر نماز کی بھی نیت کریں گے اور اس کے متابعت کی بھی نیت کریں گے کہ میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ یہ بھی ضروری ہے۔ تو کہتے ہیں: «**وَإِنْ كَانَ مُقْتَدِيًا بِغَيْرِهِ**» اور اگر وہ اقتداء کرنے والا تھا اپنے علاوہ کسی کی، «**يَنْوِي الصَّلَاةَ**» تو نیت کرے نماز کی بھی، «**وَمُتَابَعَتَهُ**» اور اس دوسرے کی متابعت کی، اقتداء کی بھی نیت کرے۔ «**لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ فَسَادُ الصَّلَاةِ مِنْ جِهَتِهِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْتِزَامِهِ**» اس لیے کیونکہ اس شخص کو، مقتدی پر لازم آتا ہے نماز کا فساد اس امام کی طرف سے، تو ضروری ہے اس کا التزام کرنا۔ بھائی دیکھیے، اکیلے نماز پڑھ رہے ہیں تو نفلوں میں صرف نماز کی نیت کافی اور فرض اکیلے پڑھ رہے ہیں تو صرف اس فرض کی تعیین کی نیت یہ کافی ہے، لیکن اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں تو اس نماز کی بھی نیت ہو اور ساتھ ساتھ اس امام کی اقتداء کی بھی نیت کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کیونکہ اب آپ اس کی اقتداء کرنے لگے ہیں، اس کی قراءت آپ کی قراءت بنے گی، اس کی نماز ٹھیک ہوئی تو آپ کی نماز ٹھیک ہو گئی، اس کی نماز اگر فاسد ہوئی تو آپ کی نماز فاسد ہو گی، تو یہ گویا اس کے عمل کو اپنے اوپر آپ لازم کر رہے ہیں۔ کیا کر رہے ہیں؟ تو لہٰذا اس کو، اس کے لیے التزام آپ کو باقاعدہ کرنا پڑے گا، تبھی اس کی قراءت آپ کی قراءت بنے گی، اس کی نماز صحیح ہوتی ہے تو آپ کی نماز صحیح اور اس کی نماز فاسد ہوتی ہے تو آپ کی بھی نماز فاسد۔ اگر آپ التزام، اگر آپ متابعت کی نیت نہیں کرتے تو پھر تو اس کی نماز سے آپ کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، آپ کی تو گویا الگ نماز ہو گئی بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں: «**لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ فَسَادُ الصَّلَاةِ مِنْ جِهَتِهِ**» اس لیے کیونکہ یہ جو اس کے اقتداء کرنے والا ہے اس پر نماز کا فاسد ہونا لازم ہوتا ہے **مِنْ جِهَتِهِ** اس کی طرف سے، کس کی طرف سے؟ امام کی طرف سے اس کی، اس کی نماز کا فساد اس پر لازم ہوتا ہے، «**فَلَا بُدَّ مِنَ الْتِزَامِهِ**» تو ضروری ہے اس کا التزام، اس کو اپنے اوپر لازم کرنا ضروری ہے، یعنی یہ کہے کہ میں اس کی کیا کر رہا ہوں؟ اقتداء کر رہا ہوں۔ تو یہ جب نیت کر لے گا اب اس نے گویا التزام کر لیا، اب اس کی قراءت اس کی قراءت بن گئی، اس کے، اس کی طرف سے نماز میں فساد آیا تو اس کی نماز میں بھی کیا آئے گا؟ فساد، کیونکہ اس نے التزام کر لیا بھائی۔

«**قَالَ: وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ**» «**وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ**» یہ چوتھی شرط آ گئی، اور قبلے کا استقبال کرے یعنی قبلے کی طرف رخ کرے۔ نمازی پر فرض ہے کہ نماز میں کیا کرے؟ قبلے کی طرف رخ کرے، «**لِقَوْلِهِ تَعَالَى: فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ**» اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، پس تم پھیر و اپنے چہروں کو شطر، یعنی کرو اپنے چہروں کو **شَطْرَهُ** اس کی جانب یعنی مسجدِ حرام کی طرف کرو۔

«**ثُمَّ مَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَفَرْضُهُ إِصَابَةُ عَيْنِهَا**» پھر جو شخص مکہ میں ہے تو اس کا فرض عینِ کعبہ کو پہنچنا ہے۔ «**وَمَنْ كَانَ غَائِبًا فَفَرْضُهُ إِصَابَةُ جِهَتِهَا، هُوَ الصَّحِيحُ**» اور جو مکہ سے غائب ہے تو اس کا فرض کعبے کی جہت کو پانا ہے، اس کو پہنچنا ہے، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے۔ بھائی دیکھیے، یاد رکھیے جو شخص مکہ مکرمہ میں ہے اس کے لیے عینِ قبلے کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، عینِ کعبہ کی طرف، اور جو مکہ سے دور ہے مکہ میں نہیں ہے ان کے لیے عینِ کعبہ کو پانا نہیں ضروری بلکہ جہتِ کعبہ کافی ہے، یعنی کعبے کی طرف رخ کر لے، کعبے کی طرف رخ کر لے تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ جو مثلاً لاہور میں رہنے والا ہے اس کے لیے عینِ کعبے کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں۔ کیوں نہیں ضروری؟ بھائی وجہ یہ کہ اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہے اس کے عینِ کعبے کی طرف رخ کرنا۔ آج اتنی ترقی ہو گئی اور کوئی آلہ آپ کو ایسا مل جاتا ہے کہ یہاں سے لکیر اور خط کھینچیں سیدھا بیت اللہ کو جا کر وہ خط ٹکرائے، بیت اللہ کو، اب آپ کو عینِ کعبہ کا پتہ چل گیا یا نہیں بھائی؟

ہیں۔ اب آپ اس طرح نماز ادا کرتے ہیں کہ عین اس لکیر پر سجدہ کرتے ہیں تو یاد رکھیے پھر بھی ضروری نہیں کہ آپ کا رخ عینِ کعبہ کو ہو جائے۔ اس لیے کیونکہ اس لکیر سے اگر ایک سوئی کی نوک کے برابر بھی آپ کا ماتھا ادھر ادھر ہوا، کتنا؟ سوئی کی نوک، اس کا تو احساس ہی نہیں ہو سکتا کسی کو، تو سوئی کی نوک کے برابر بھی اگر آپ کا ماتھا ایک جانب کو ہوا تو جوں جوں فاصلہ بڑھتا جائے گا یہ آپ کے ماتھے سے نکلا ہوا خط بھی دور ہوتا چلا جائے گا اور ہو سکتا ہے کعبہ کو تو کیا، ماتھے سے اب، اب آپ کا ماتھا سوئی کے برابر ہلا ہوا ہے، اب اس سے ایک خط سیدھا کھینچیں جو اس خط سے ایک سوئی کے برابر ہلا ہوا ہے، تو جوں جوں فاصلہ بڑھتا گیا یہ خط دور ہوتا جائے گا یا نہیں بھائی؟ دور ہوتا چلا جائے گا۔ حتیٰ کہ خانہ کعبہ کو تو کیا لگنا ہے ہو سکتا ہے یہ خط مکہ کو بھی جا کر نہ لگے، مکہ سے بھی باہر باہر ہی کہیں سے نکل جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا دور والے جو ہیں ان کے لیے عینِ کعبہ کی طرف رخ کرنا ممکن ہی نہیں ہے بھائی، ممکن ہی نہیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اتفاقاً تو ہو سکتا ہے لیکن ہمیشہ نہیں، اگر بتا بھی دیا جائے، میں نے بتایا بھائی۔ تو ان کے لیے ممکن ہی نہیں ہے تو چنانچہ ان کے لیے عینِ کعبہ کی طرف رخ نہیں ضروری کیونکہ اس پر تو وہ قادر ہی نہیں ہیں، ہاں کعبے کی جانب کو رخ کر لیں، کعبے کی جانب کو۔ جیسے دیکھیے اب میں بیٹھا ہوں، میرے سامنے کی طرف خانہ کعبہ ہے اور یہ ایک میری دائیں جانب ہے، ایک بائیں جانب ہے، ایک پشت کی جانب ہے تو دائیں، بائیں یا پشت کی جانب ادھر کو رخ نہیں کرنا، ہاں سامنے کی طرف رخ کر لے کیونکہ یہ کعبے کی جہت ہے۔ اس میں اب گنجائش نکل آئی، اگر انسان تھوڑا بہت دائیں طرف بھی اس کا رخ ہو گیا یا بائیں طرف بھی رخ ہو گیا لیکن ہے تو کس جانب کو رخ؟ کعبے کی جہت میں ہے، کعبے کی جانب میں رخ ہے تو نماز ہو جائے گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جبکہ جو شخص مکہ مکرمہ میں ہے اس کے لیے عینِ کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، عینِ کعبہ۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جو مکہ میں ہے عینِ کعبہ کی طرف رخ کرنا تو اس کے لیے بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ کعبہ جو ہے، بیت اللہ جو ہے وہ تو ایک بڑا کمرہ، کمرے کی مثل ہے، کس کی طرح ہے؟ ایک بڑے کمرے کی طرح ہے۔ ٹھیک ہے مسجدِ حرام کے اندر جو نماز ادا کرتا ہے اس کو تو آنکھوں سے ہی دکھائی دے رہا ہے، وہ اس کی طرف سیدھا رخ کرنے پر قادر ہے، لیکن جو مثلاً مکہ کے ذرا دور کے حصے میں رہتا ہے لیکن ہے مکہ میں، تین چار کلو میٹر، پانچ کلو میٹر دور رہتا ہے، اب وہاں سے وہ رخ کرتا ہے خانہ کعبہ کی طرف لیکن خانہ کعبہ تو اس کو دکھائی نہیں دے رہا تو اس سے بھی اگر خط کھینچا جائے تو ضروری تو نہیں خانہ کعبہ کو جا کر لگے، ہو سکتا ہے تھوڑا سا ایک طرف کو ہو یا تھوڑا سا دوسری طرف کو ہو۔ صورت سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں؟ ہاں تو اس کے لیے بھی بڑا مشکل ہے، تو پھر یہ کیا معنیٰ کہ «**ثُمَّ مَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَفَرْضُهُ إِصَابَةُ عَيْنِهَا**» جو شخص مکہ میں ہے تو اس کا فرض **إِصَابَةُ عَيْنِهَا أَيْ عَيْنِ الْكَعْبَةِ** عینِ کعبہ کو پالینا ہے، عینِ کعبہ کو پہنچنا ہے کہ اس کا فرض کیا ہے جو مکہ میں ہے؟ اس کا رخ کس طرف ہونا چاہیے؟ عینِ کعبہ، بیت اللہ کی طرف ہونا چاہیے بھائی۔ تو مراد یہ ہے کہ نیت اس کی یہ ہونی چاہیے۔ کیا ہونی چاہیے؟ نیت اور کوشش اس کی یہ ہونی چاہیے بھائی کہ کس کی طرف میرا رخ ہو؟ عینِ کعبہ کی طرف میرا رخ ہو بھائی، اور جو شخص مکہ سے غائب ہے اس کی نیت کیا ہو؟ کہ کعبے کے جانب، کعبے کی جہت میں میرا رخ ہے بھائی، کیونکہ عینِ کعبہ کی طرف تو وہ رخ کر ہی نہیں سکتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے، تو کہتے ہیں: «**ثُمَّ مَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَفَرْضُهُ إِصَابَةُ عَيْنِهَا، وَمَنْ كَانَ غَائِبًا فَفَرْضُهُ إِصَابَةُ جِهَتِهَا، هُوَالصَّحِيحُ**» تو جو شخص مکہ میں ہو اس کا فرض جو ہے عینِ کعبہ کو پالینا ہے، اس تک پہنچنا ہے، اور جو مکہ سے غائب ہے یعنی دور ہے اس کا فرض جو ہے جہتِ کعبہ تک کو پہنچنا ہے یعنی اس کو پانا ہے، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے۔ «**لِأَنَّ التَّكْلِيفَ بِحَسَبِ الْوُسْعِ**» اس لیے کیونکہ مکلف بنانا جو ہے وہ گنجائش کے بقدر ہوتا ہے۔ اس لیے کیونکہ مکلف بنانا، اس لیے کیونکہ تکلیف کا کیا معنیٰ؟ مکلف بنانا، **كَلَّفَ يُكَلِّفُ تَكْلِيفًا**، تو مکلف بنانا گنجائش کے بقدر ہو گا۔ یعنی مکلف بنانا یعنی ذمہ دار بنانا، کسی شخص کو اسی قدر ذمہ دار بنایا جائے گا جتنی اس کے لیے گنجائش ہے بھائی، جتنا وہ کر سکتا ہے۔ تو شریعت، شریعت کے احکام جو ہیں وہ ایسے ہیں کہ انسان ان کو کر سکتا ہے، کوئی حکم ایسا نہیں کہ اس پر قادر ہی نہیں۔ تو اگر یہ کہا جائے عینِ کعبہ کو رخ کرنا پڑے گا پھر تو انسان اس پر قادر ہی نہ رہے گا، تو لہٰذا ہر ایک کی گنجائش کے بقدر وہ مکلف ہے، اس کی ذمہ داری ہے۔ تو جو مکہ والے ہیں ان کی گنجائش کتنی ہے؟ وہ کیا کر سکتے ہیں؟ وہ عینِ کعبہ کی نیت اور اس کی طرف رخ کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں، جبکہ جو مکہ سے دور ہیں وہ تو عینِ کعبہ کی طرف رخ کرنے پر قادر ہی نہیں ہیں، وہ تو صرف کس چیز پر قادر ہیں؟ جہت پر قادر ہیں کہ کعبے کی جہت میں کعبے کی جانب میں رخ کر لیں بھائی۔ یہ معنیٰ ہے «**لِأَنَّ التَّكْلِيفَ بِحَسَبِ الْوُسْعِ**» اس لیے کیونکہ مکلف بنانا وہ گنجائش کے بقدر ہوتا ہے۔

«**وَمَنْ كَانَ خَائِفًا يُصَلِّي إِلَى أَيِّ جِهَةٍ قَدَرَ**» اور جو شخص خوف زدہ ہے، ڈر رہا ہے یعنی خوف کی حالت میں ہے، **يُصَلِّي** وہ نماز پڑھے گا **إِلَى أَيِّ جِهَةٍ قَدَرَ** جس جہت پر بھی وہ قادر ہو۔ جس جانب رخ کرنے پر وہ قادر ہے اس طرف کو رخ کر کے نماز پڑھ لے۔ ایک شخص ہے اس کے سامنے دشمن دور کھڑے ہیں، اب اس کو خوف ہے مثلاً دائیں طرف قبلہ ہے، اگر میں اس طرف رخ کروں گا تو دشمن مجھ پر حملہ کر دیں گے بھائی۔ تو لہٰذا شریعت نے آسانی دے دی کہ جس طرف کو رخ کرنے پر یہ قادر ہے اسی طرف کو رخ کر کے نماز پڑھ لے بھائی۔ اسی طرف کو رخ کر کے نماز پڑھ لے، اس لیے کیونکہ یہ معذور ہوا، عذر ہے اس شخص کا بھائی، عذر ہے۔ جیسے بھائی جیسے ایک آدمی جنگل میں ہے اور نماز کے اندر تو استقبالِ قبلہ ضروری ہے لیکن وہاں اب اس کو قبلے کی جانب کا پتہ ہی نہیں کہ کعبہ کس طرف کو ہے اور کوئی بتانے والا بھی نہیں ہے تو وہ اس صورت میں شریعت نے کیا حکم دیا ہے؟ کہ وہ تحری کر لے اور جس طرف ذہن گواہی دے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے، تو وہ جس رخ پر بھی تحری کر کے نماز پڑھے گا اس کی نماز ہو جائے گی۔ اگرچہ بعد میں پتہ چلا کہ اس نے دوسری طرف رخ کیا تھا، خانہ کعبہ تو دوسری طرف ہے بھائی، پھر بھی نماز ہو جائے

گی۔ کیوں ہو جائے گی؟ کیونکہ اس کا عذر ہے، اس کو کوئی بتانے والا ہی نہیں۔ یہاں بھی، یہاں پر بھی اس شخص کا عذر ہے تو جس طرف یہ رخ کرنے پر قادر ہے اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے۔

تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ كَانَ خَائِفًا يُصَلِّي إِلَى أَيِّ جِهَةٍ قَدَرَ**» اور جو شخص خوف زدہ ہے تو وہ نماز پڑھے گا جس جہت پر بھی وہ قادر ہے، «**لِتَحَقُّقِ الْعُذْرِ**» بوجہ عذر کے پائے جانے کے، «**فَأَشْبَهَ حَالَةَ الِاشْتِبَاهِ**» تو یہ شخص مشابہ ہو گیا کس کے؟ اشتباہ کی حالت کے، جیسے وہ جو جنگل میں تھا اس پر قبلہ مشتبہ ہوا تھا اور اس کا عذر تھا تو اس نے جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھی ہے تحری کے بعد اس کی نماز ہو جائے گی تو یہاں پر بھی اس کا بھی عذر ہے تو یہ بھی جس رخ پر قادر ہے اس پر نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

«**فَإِنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ مَنْ يَسْأَلُهُ عَنْهَا اجْتَهَدَ**» اگر مشتبہ ہو گیا نماز پڑھنے والے پر قبلہ، **وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ** اور نہیں ہے کوئی اس کے پاس موجود، کوئی اس کے پاس، **وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ** اور اس کے پاس بھی نہیں ہے کوئی **مَنْ يَسْأَلُهُ عَنْهَا** کوئی ایسا شخص کہ اس سے پوچھ لے **عَنْهَا** اس قبلے کے بارے میں، **اجْتَهَدَ** تو یہ شخص کیا کرے گا؟ اجتہاد کرے گا یعنی کوشش کرے گا۔

«**لِأَنَّ الصَّحَابَةَ تَحَرَّوْا وَصَلَّوْا وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» اس لیے کیونکہ صحابہ کرام نے تحری کی **وَصَلَّوْا** اور نماز پڑھی **وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** اور انکار نہیں فرمایا ان پر حضور علیہ السلام نے یعنی رد نہیں فرمایا۔ صحابہ ایسے ہی ایک موقع تھا اور تاریک رات تھی اور ان کو قبلے کا پتہ نہیں تھا، انہوں نے کیا کیا؟ سفر میں تھے قبلے، تو انہوں نے تحری کر کے نماز پڑھ لی بھائی۔ بعد میں پتہ چلا کہ کعبہ تو دوسری طرف تھا۔ حضور علیہ السلام کے سامنے یہ بات ذکر کی تو حضور علیہ السلام نے رد نہیں فرمایا بھائی۔ معلوم ہوا ان کا یہ عمل ٹھیک تھا کیونکہ اور کوئی صورت ہی نہیں تھی وہاں پتہ چلنے کی، کوئی بتانے والا بھی نہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے ان پر انکار نہیں فرمایا۔

«**وَلِأَنَّ الْعَمَلَ بِالدَّلِيلِ الظَّاهِرِيِّ وَاجِبٌ عِنْدَ انْعِدَامِ دَلِيلٍ فَوْقَهُ، وَالِاسْتِخْبَارُ فَوْقَ التَّحَرِّي**» کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ظاہری دلیل پر عمل واجب ہوتا ہے جب اس سے اوپر کی دلیل نہ پائی جائے۔ «**وَلِأَنَّ الْعَمَلَ بِالدَّلِيلِ الظَّاهِرِيِّ وَاجِبٌ**» اس لیے کیونکہ ظاہری دلیل پر عمل جو ہے وہ واجب ہوتا ہے **عِنْدَ انْعِدَامِ دَلِيلٍ فَوْقَهُ** جب ایسی دلیل معدوم ہو فوقہ جو اس سے بڑھ کر ہے۔ جب اوپر والی دلیل موجود نہیں تو اس کے نیچے نچلے درجے پہ جو دلیل ہے اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ «**وَالِاسْتِخْبَارُ فَوْقَ التَّحَرِّي**» اور پوچھنا جو ہے یہ تحری سے اوپر ہے۔ پوچھنا کیا ہے؟ اگر پوچھنا، اگر کوئی آدمی ہے تو پھر پوچھنا ضروری ہے پھر تحری کی اجازت نہیں ہے، اور اگر کوئی بتانے والا نہیں ہے تو پھر پوچھنا تو ممکن ہی نہیں ہے تو پھر کیا کرے گا؟ تحری پر عمل کرے گا کیونکہ تحری استخبار سے نیچے پھر تحری کی دلیل ہی رہ گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تحری کا معنیٰ ہے کہ انسان غور و فکر کرے کہ قبلہ کس طرف ہو گا اور پھر جس طرف ذہن کہہ دے اس رخ پر وہ نماز پڑھ لے گا۔ تو یہ جو اس نے غور و فکر کیا یہ ہے تحری، یہ کیا ہے؟ تحری۔ غور و فکر کر کے جو غالب گمان بنتا ہے یہ ہے تحری بھائی کہ اس طرف کو ہو گا بھائی۔ تو لہٰذا تحری، غور و فکر کر کے اپنی جس جہت پر ذہن گواہی دے اس طرف نماز پڑھنے کی تبھی اجازت ہو گی جب کوئی ایسا آدمی نہ ہو جس سے پوچھ سکے۔ اگر ایسا بتانے والا آدمی موجود ہے پھر تحری کے ساتھ نماز جائز نہیں ہو گی، الا یہ کہ تحری کر کے پھر بھی اس نے نماز پڑھ لی اور پتہ چلا صحیح رخ پر پڑھی ہے پھر ہو جائے گی بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

«**فَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ أَخْطَأَ بَعْدَ مَا صَلَّى لَا يُعِيدُهَا**» پھر اگر اس کو علم ہوا کہ اس نے غلطی کی ہے **بَعْدَ مَا صَلَّى** بعد اس کے کہ جب اس نے نماز پڑھ لی تھی **لَا يُعِيدُهَا** تو پھر اس کا اعادہ نہیں کرے گا۔ ایک آدمی نے تحری کی، تحری کر کے ایک طرف کو رخ کر کے نماز پڑھ لی اور بعد میں پتہ چلا کہ قبلہ اس طرف نہیں تھا تو کہتے ہیں اب نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

«**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُعِيدُهَا إِذَا اسْتَدْبَرَ**» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کا اعادہ کرے گا **إِذَا اسْتَدْبَرَ**، استدبار کا معنیٰ ہے پشت کرنا، **إِذَا اسْتَدْبَرَ** جب اس نے پشت کی ہو، قبلے کی طرف جب پشت کی ہو۔ یعنی جب نماز پڑھتے ہوئے قبلہ کس طرف کو تھا؟ اس نے تو تحری کر کے نماز پڑھی ہے لیکن اصل میں قبلہ اس کی پشت کی جانب تھا، اس صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو اس کو نماز لوٹانا پڑے گی۔ ہاں دائیں بائیں تھا پھر لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ کہتے ہیں: «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُعِيدُهَا إِذَا اسْتَدْبَرَ لِتَيَقُّنِهِ بِالْخَطَإِ**» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **يُعِيدُهَا** نماز کا اعادہ کرے گا **إِذَا اسْتَدْبَرَ** جب اس نے پشت کی ہو **لِتَيَقُّنِهِ بِالْخَطَإِ** اس لیے کیونکہ یقینی ہو گیا اس کا اس کے، اس کو **لِتَيَقُّنِهِ بِالْخَطَإِ** اس لیے کیونکہ اس کو یقین ہو گیا غلطی کا، پتہ چل گیا کہ اس نے غلط نماز پڑھی ہے، غلط رخ پر۔

«**وَنَحْنُ نَقُولُ**» ہم کہتے ہیں نہیں، اس صورت میں بھی اعادہ نہیں کرے گا۔ دلیل دے رہے ہیں: «**وَنَحْنُ نَقُولُ: لَيْسَ فِي وُسْعِهِ إِلَّا التَّوَجُّهُ إِلَى جِهَةِ التَّحَرِّي**» ہم کہتے ہیں کہ اس کی گنجائش میں نہیں ہے مگر متوجہ ہونا تحری کی جہت پر۔ ہم کہتے ہیں اس نے تو اپنی پوری کوشش کر لی، اس کی گنجائش کتنی تھی؟ کوئی بتانے والا تھا نہیں، کہ تحری کرے، ذہن دوڑائے، کس طرف ذہن بتلاتا ہے کہ خانہ کعبہ ہے اور ذہن اس نے کوشش کی اور غور کیا اور جو اس سے ہو سکتا تھا وہ اس نے کر لیا، لہٰذا اب غلطی کا بے شک پتہ چل بھی جائے بعد میں اب نماز کا اعادہ اس پر نہیں۔ اس لیے کیونکہ اس کے پاس اسی کی گنجائش تھی اور کوئی صورت ہی نہیں تھی اور جو

گنجائش تھی اس کے مطابق تو اس نے اپنی پوری کوشش کی ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

ہم کہتے ہیں: «لَيْسَ فِي وُسْعِهِ إِلَّا التَّوَجُّهُ إِلَى جِهَةِ التَّحَرِّي» ہم کہتے ہیں کہ نہیں ہے اس کی گنجائش میں مگر متوجہ ہونا تحری کی جانب کو، «وَالتَّكْلِيفُ مُقَيَّدٌ بِالْوُسْعِ» اور مکلف بنانا یہ تو مقید ہے کس کے ساتھ؟ گنجائش، یعنی جتنی گنجائش ہوتی ہے اسی قدر آدمی ذمہ دار ہوتا ہے، اسی کے بقدر اس نے کوشش کرلی ہے۔

«وَإِنْ عَلِمَ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَدَارَ إِلَى الْقِبْلَةِ» اور اگر اس نے جان لیا اس بات کو نماز کے اندر ہی تو گھوم جائے، اسْتَدَارَ گھوم جائے إِلَى الْقِبْلَةِ قبلے کی طرف۔ بھائی ایک آدمی ہے اس کو کوئی بتانے والا بھی نہیں ہے، وہ نماز پڑھنا چاہتا ہے، اس نے تحری کی اور اس ایک رخ پر اس نے نماز شروع کردی تحری کرنے کے بعد۔ نماز کے اندر تھا کہ اچانک ایک اور آدمی وہاں پہنچا بھائی اور اس نے اس کو بتلایا کہ بھائی قبلہ بائیں طرف کو ہے، بائیں طرف کو ہے، تو اب یہ نہیں کہ نماز توڑنے کی ضرورت ہے، اسی نماز کے اندر گھوم کر اپنا رخ اس جانب کو کرلے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: «وَإِنْ عَلِمَ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ» اور اگر اس کو علم ہو گیا اس کا نماز میں ہی یعنی کعبے کی جہت کا پتہ چل گیا، «اسْتَدَارَ إِلَى الْقِبْلَةِ» تو قبلے کی طرف گھوم جائے۔ «لِأَنَّ أَهْلَ قُبَاءٍ لَمَّا سَمِعُوا بِتَحَوُّلِ الْقِبْلَةِ اسْتَدَارُوا كَهَيْئَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ وَاسْتَحْسَنَهَا النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بھائی ابتدائے اسلام میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی اور پھر بعد میں قبلے کی طرف یعنی خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، اس طرف رخ کر کے۔ تو یہ حکم نازل ہوا اور اہل قباء نماز کے اندر، صبح کی نماز میں مشغول تھے تو ایک شخص آیا، مدینہ یہ قباء مدینہ کے قریب ہی ایک بستی ہے چند میل کے فاصلے پر بھائی، تو مدینہ سے کوئی شخص آیا اس نے ان کو دیکھا کہ وہ بیت المقدس کی طرف رخ کیے فجر کی نماز پڑھ رہے ہیں تو اس نے کہا اونچی آواز سے کہا ان سے کہ قرآن، حضور علیہ السلام پر رات کو قرآن نازل ہوا ہے اور قرآن نازل ہوا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کرلیں، قبلے کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو تم لوگ بھی قبلے کی طرف رخ کرلو۔ چنانچہ وہ نماز کے اندر ہی گھوم کر انہوں نے اپنا رخ قبلے کی طرف کرلیا بھائی، خانہ کعبہ کی طرف انہوں نے رخ کر، نماز کے اندر ہی صفیں کی صفیں گھوم گئیں اپنی جگہ پر اور رخ کس طرف کرلیا؟ قبلے کی طرف رخ کرلیا۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اس کو پسند فرمایا، آپ نے اس کو پسند فرمایا۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّ أَهْلَ قُبَاءٍ لَمَّا سَمِعُوا بِتَحَوُّلِ الْقِبْلَةِ» اس لیے کیونکہ اہل قباء نے جب سنا قبلے کے بدلنے کے بارے میں، «اسْتَدَارُوا كَهَيْئَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ» تو وہ گھوم گئے جیسے کہ ان کی ہیئت تھی نماز میں اسی طرح وہ گھوم گئے، «وَاسْتَحْسَنَهَا النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور اس کو پسند فرمایا حضور علیہ السلام نے۔

«وَكَذَا إِذَا تَحَوَّلَ رَأْيُهُ إِلَى جِهَةٍ أُخْرَى تَوَجَّهَ إِلَيْهَا» اور اسی طرح اگر اس کی رائے پھر گئی، پلٹ گئی إِلَى جِهَةٍ أُخْرَى دوسری جانب کو، تَوَجَّهَ إِلَيْهَا تو اس طرف کو متوجہ ہو جائے، اس طرف کو۔ بھائی دیکھیے ایک شخص نے تحری کی، ذہن نے کہا اس طرف کو ہو گا کعبہ اور اس نے اس طرف رخ کر کے نماز شروع کردی۔ نماز کے بیچ میں ذہن نے کہا کہ نہیں بھائی، اس طرف نہیں، فلاں طرف کو ہو گا، اس طرف کو غالب گمان بن گیا۔ تو اب کہتے ہیں نماز کے اندر ہی اس جانب کو گھوم جائے، اس جانب کو گھوم جائے اور اس کی طرف رخ کرلے، اور پہلے والی نماز نہیں ٹوٹی جو پہلے حصہ ادا کیا تھا کیونکہ اس سے پہلے اس کا ذہن اسی طرف تھا کہ اس طرف کو قبلہ ہے، لیکن اب ذہن نے کہا دوسری طرف ہے تو اب جو ذہن نے کہا ہے آئندہ مستقبل میں اس پر عمل کرنا ضروری ہوا، لہٰذا اب اگر یہ تاخیر کرتا ہے تو اب نماز اس کی نہیں ہو گی کیونکہ اب ذہن کیا بتلا رہا ہے کہ قبلہ دوسری جانب ہے، اب اسی طرح پڑھتا رہا تو نماز نہیں ہو گی بلکہ اسی جانب کو گھومنا پڑے گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے «وَكَذَا إِذَا تَحَوَّلَ رَأْيُهُ إِلَى جِهَةٍ أُخْرَى تَوَجَّهَ إِلَيْهَا» اور اسی طرح اگر اس کی رائے پھر گئی کسی دوسری جانب کو تو اس طرف کو متوجہ ہو جائے، «لِوُجُوبِ الْعَمَلِ بِالِاجْتِهَادِ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ» اس لیے کیونکہ اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے فِيمَا يَسْتَقْبِلُ مستقبل، زمانہ آئندہ زمانے کے اندر، اب اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، گزشتہ زمانے پر تو عمل نہیں ہو سکتا۔ «مِنْ غَيْرِ نَقْضِ الْمُؤَدَّى قَبْلَهُ» بغیر توڑے وہ جو ادا کی ہے اس سے پہلے۔ اجتہاد پر عمل آئندہ زمانے کے لیے واجب ہوتا ہے، جو گزشتہ زمانے میں اس سے پہلے ادا کی ہے اس کو توڑے بغیر۔ تو آئندہ زمانے کے اندر اب تاخیر نہ کرے فوراً دوسری جانب کو گھوم جائے، اب اگر تاخیر کرتا ہے اور اس طرف رخ نہیں کرتا، پہلی ہی جہت پر نماز پڑھتا رہتا ہے تو اس کی نماز نہیں ہو گی بھائی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۶: وَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَتَحَرَّى...

ہدایہ صفحہ: ۹۶ــــ بتاریخ: ۱۳ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَتَحَرَّى الْقِبْلَةَ وَصَلَّى إِلَى الْمَشْرِقِ وَتَحَرَّى مَنْ خَلْفَهُ فَصَلَّى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ إِلَى جِهَةٍ وَكُلُّهُمْ خَلْفَهُ وَلَا يَعْلَمُونَ مَا صَنَعَ الْإِمَامُ أَجْزَأَهُمْ.

نماز کی شرائط بیان ہو رہی ہیں، اور شرائط میں سے آخری شرط جو صاحبِ ہدایہ نے ذکر کی وہ استقبالِ قبلہ ہے، کہ نماز پڑھنے والے کے لیے فرض ہے کہ اس کا رخ کس طرف ہونا چاہیے؟ قبلے کی طرف ہونا چاہیے، یہ شرط ہے بھائی۔

اور گزشتہ سبق کے آخر میں یہ ذکر ہوا تھا کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو جہاں قبلے کی سمت کا اس کو پتہ نہیں ہے اور کوئی بتانے والا بھی نہیں ہے، تو اس کو تحری کرنی چاہیے بھائی، یعنی خود غور و فکر کرے کہ قبلہ کس طرف ہو گا، اور پھر یہ تحری کے بعد جو ذہن جس طرف بتلادے کہ فلاں طرف قبلہ ہو گا، تو یہ تحری ہے، اور پھر اس کے مطابق عمل کرے اور اس رخ پر نماز پڑھ لے، اور بعد میں اگر پتہ چل بھی جائے کہ نماز تو اس نے صحیح رخ پر نہیں پڑھی، تو بھی نماز صحیح ہو گئی، اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں بھائی۔

اور اگر نماز کے اندر ہی کسی نے اس کو بتایا کہ قبلہ فلاں طرف ہے، تو یہ اس طرف کو گھوم جائے اور اسی قبلے کی طرف اپنا رخ کر لے نماز کے اندر ہی۔ اسی طرح اگر نماز کے اندر اس کی تحری بدل گئی، اس کا غالب گمان اب یہ ہوا کہ دوسری طرف، اس طرف کو ہے قبلہ، تو اس طرف کو گھوم جائے اور اس طرف رخ کر کے اب نماز پڑھے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کیونکہ اب آئندہ زمانے میں، مستقبل کے اندر اس کے لیے اس نئی تحری پر، یعنی یہ جو نیا اجتہاد ہوا، اس پر اس کے لیے عمل واجب ہو گیا۔ اب اگر وہ تاخیر کرتا ہے اور اسی پہلی سمت پر ہی نماز پڑھتا ہے تو اب نماز نہیں ہو گی بھائی۔ تو اس دوسری تحری پر عمل کیا ہوا؟ واجب ہوا، تو یہ پہلی تحری کے لیے ناسخ کے درجے میں ہے، گویا وہ کیا ہو گئی؟ منسوخ ہو گئی، یعنی اس کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور اگر اس نے تاخیر کی تو اس کی نماز نہیں ہو گی، کتنی تاخیر سے نہیں ہو گی؟ تو علماء لکھتے ہیں، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر تین مرتبہ **سُبْحَانَ** اللہ کہنے کی مقدار تک اس نے اپنا رخ اس نئی تحری والی جانب نہ بدلا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ اس سے پہلے بدل لیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی، صحیح ہو جائے گی۔

اب صورت ذکر کر رہے ہیں کہ کچھ افراد تھے اور تاریک رات کے اندر انہوں نے ایک مقام پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ اب اتنی تاریکی ہے کہ کوئی شخص کسی کو دکھائی نہیں دے رہا، پتہ نہیں چل رہا، اور ہر ایک نے اپنی تحری کے مطابق عمل کیا بھائی، ہر ایک نے اپنی تحری کے مطابق عمل کیا کہ قبلہ اس طرف ہو گا۔ تو یاد رکھیے، اس صورت میں مثلاً امام کی تحری کسی اور طرف ہے، اس کا رخ کسی اور طرف ہے، باقیوں کا رخ دوسری طرف ہے، تو اس صورت میں نماز ٹھیک ہو جائے گی بھائی، سب کی نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ کہ کسی کی پشت امام کی طرف نہ ہو، یعنی امام کے چہرے کی طرف، کسی کی پشت امام کے چہرے کی طرف نہ ہو بھائی، بس، باقی جس طرف بھی جس کا رخ ہے نماز ہو جائے گی بھائی، نماز ہو جائے گی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جی۔

وَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، اور جس نے امامت کی کچھ لوگوں کی **فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ**، تاریک رات میں، اندھیری رات میں، **فَتَحَرَّى الْقِبْلَةَ**، تو اس جس نے امامت کی ہے اس نے تحری کی قبلے کی، **وَصَلَّى إِلَى الْمَشْرِقِ**، اور نماز پڑھی مثلاً مشرق کی طرف رخ کر کے، اس طرف اس کی تحری واقع ہوئی۔ **وَتَحَرَّى مَنْ خَلْفَهُ**، اور انہوں نے بھی تحری کی جو اس کے پیچھے تھے، **فَصَلَّى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ إِلَى جِهَةٍ**، تو ان میں سے ہر ایک نے ایک رخ پر نماز پڑھ لی، **وَكُلُّهُمْ خَلْفَهُ**، اس حال میں کہ وہ سب اس کے پیچھے ہیں، وہ سب کیا ہیں؟ اس کے پیچھے۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ کسی کی پشت امام کے چہرے کی طرف نہ ہو، یعنی امام سے آگے نہ ہو، امام سے آگے نہ، اسی لیے انہوں نے قید بڑھائی: **وَكُلُّهُمْ خَلْفَهُ**، اس حال میں کہ وہ سب اس کے پیچھے ہیں، **وَلَا يَعْلَمُونَ مَا صَنَعَ الْإِمَامُ**، اور

ان کو علم نہیں ہے کہ امام نے کیا کیا ہے، یعنی امام نے کس طرف رخ کیا ہے۔ امام نے؟ ہاں، یہ قید اس کا بھی اعتبار ضروری ہے کہ ان کو علم نہیں ہے۔ اب وہ کوئی کس طرف رخ ہے، کسی کا کس طرف رخ ہے، کوئی ایک صورت کوئی ایسی جگہ جہاں کچھ پتہ ہی نہیں چل رہا، اتنی تاریکی ہے بھائی۔ تو **أَجْزَأَهُمْ**، تو یہ ان کے لیے کافی ہو جائے گا بھائی، یہ ان کے لیے کافی ہو جائے گا یعنی ان کی نماز ہو جائے گی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جبکہ ان کو امام کا علم نہیں ہے کہ امام کا رخ کس طرف کو ہے تو ہر ایک پھر اپنی تحری پر عمل کرتا ہے۔ اور اگر امام کا ان کو پتہ چل رہا ہے، امام کا ایک طرف کو رخ ہے، اور ان کی تحری یہ ہے کہ قبلہ دوسری طرف کو ہے، تو پھر ان کی نماز نہیں ہو گی اس کے پیچھے، کیونکہ ان کا اعتقاد تو کیا ہوا؟ امام غلط پڑھ رہا ہے، غلط رخ پر نماز پڑھ رہا ہے، تو لہٰذا اس کی اقتداء ان کے لیے کرنا صحیح ہی نہیں، تو اس صورت میں پھر علیحدہ ہی اپنی نماز پڑھنا بہتر ہے بھائی۔

یہ معنی ہے: **وَلَا يَعْلَمُونَ مَا صَنَعَ الْإِمَامُ أَجْزَأَهُمْ**، اور وہ نہیں جانتے کہ امام نے کیا کیا ہے، **أَجْزَأَهُمْ** تو یہ ان کے لیے کافی ہے، **لِوُجُودِ التَّوَجُّهِ إِلَى جِهَةِ التَّحَرِّي**، اس وجہ سے کہ تحری کی جہت پر جو ہے توجہ پائی گئی ہے، ہر ایک نے اپنی تحری کی طرف توجہ کی ہے۔ **وَهَذِهِ الْمُخَالَفَةُ غَيْرُ مَانِعَةٍ كَمَا فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ**، اور یہ مخالفت جو ہے امام کی یہ مانع نہیں، یعنی اقتداء کے صحیح ہونے سے یہ مانع نہیں، **كَمَا فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ**، جیسے خانہ کعبہ کے اندر بھائی، خانہ کعبہ کے اندر جیسے، بھائی بیت اللہ سے باہر نماز پڑھیں تو رخ بیت اللہ کی طرف، خانہ کعبہ کی طرف کرنا ضروری ہے، اور بیت اللہ کے اندر جو نماز پڑھنا چاہتا ہے تو وہ جس طرف کو بھی رخ کرنا چاہے بھائی، بیت اللہ کی جس جانب کی دیوار کی طرف بھی رخ کرنا چاہے رخ کر سکتا ہے۔ اب بیت اللہ کے اندر اگر کوئی امامت کرواتا ہے اور کچھ لوگ اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو وہ جس طرف بھی رخ کر لیں ان کی نماز ہو جائے گی، نماز ہو جائے گی بشرطیکہ وہ امام کے پیچھے ہوں بھائی، کیونکہ جس طرف بھی رخ کریں گے اس طرف بیت اللہ کی دیواریں ہیں بھائی، بشرطیکہ پیچھے ہوں امام کے، یعنی جس دیوار کی طرف امام کا رخ ہے اس دیوار کی طرف کوئی امام سے زیادہ قریب نہ ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جیسے وہاں جائز تھا یہاں بھی اسی طرح سب کے لیے جائز ہے بھائی، یہ مخالفت اقتداء کے مانع نہیں بھائی۔

وَمَنْ عَلِمَ مِنْهُمْ بِحَالِ إِمَامِهِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ، اور جس نے جان لیا ان لوگوں میں سے امام کے حال کو **تَفْسُدُ صَلَاتُهُ**، اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اندھیری رات ہے، سب نماز پڑھ رہے ہیں، ہر ایک امام کے حال کا پتہ ہی نہیں ہے کسی کو، تو ہر ایک کیا کر رہا ہے؟ اپنی اپنی تحری پر عمل کر رہا ہے۔ اب ان میں سے جس کو امام کے حال کا پتہ چل گیا اور امام کا رخ اس کی تحری کے رخ پر نہیں ہے، تو اس شخص کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد، یعنی اس کے لیے اقتداء صحیح نہ رہے گی بھائی، اس لیے کیونکہ جب جان لیا تو پتہ لگ گیا امام کا رخ تو دوسری طرف کو ہے، اور اس کی تحری تو ہے مثلاً کہ قبلہ ہے شمال کی طرف اور امام تو کس رخ پر نماز پڑھ رہا ہے؟ مشرق کی طرف، تو اس نے کیا اعتقاد کیا کہ امام غلط رخ پر نماز پڑھ رہا ہے، جب غلط رخ پر پڑھ رہا ہے تو اس کے لیے اس کی اقتداء صحیح نہیں، جب اقتداء صحیح نہیں تو اس کی نماز اس کے پیچھے صحیح نہیں ہے بھائی۔

یہ معنی ہے جس نے جان لیا ان میں سے امام کے حال کو، اپنے امام کے حال کو، **تَفْسُدُ صَلَاتُهُ**، اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، **لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ إِمَامَهُ عَلَى الْخَطَإِ**، اس لیے کیونکہ اس نے اعتقاد کر لیا اپنے امام کے غلطی پر ہونے کا، کہ اس کا امام کس پر ہے؟ غلطی پر ہے۔ **وَكَذَا لَوْ كَانَ مُتَقَدِّمًا عَلَى الْإِمَامِ**، اور اسی طرح اگر وہ مقدم ہوا امام پر، امام کا پتہ چلا اور اندازہ ہوا کہ میں تو امام سے آگے ہوں بھائی، تو بھی اس کی نماز نہیں، کیوں نہیں ہو گی؟ کہتے ہیں: **لِتَرْكِهِ فَرْضَ الْمَقَامِ**، اس لیے کیونکہ اس نے مقام کے فرض کو چھوڑ دیا، اس کا تو فرض کیا تھا؟ پیچھے کھڑا ہو کیونکہ اقتداء کر رہا ہے، تو لہٰذا اس نے اپنے مقام کے فرض کو چھوڑ دیا تو لہٰذا اس کی نماز نہیں ہوئی، کیونکہ جب اقتداء کر رہا ہے تو اس کے لیے پیچھے ہونا ضروری ہے، اس سے آگے ہونا اس کے لیے جائز نہیں بھائی۔

■ بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ

بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ۔ فَرَائِضُ الصَّلَاةِ سِتَّةٌ: التَّحْرِيمَةُ۔ بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ، یہ باب ہے نماز کی صفت کے بارے میں، یعنی نماز کی کیفیت کے بارے میں، نماز کی ہیئت کے بارے میں، یعنی کس کیفیت پر نماز ادا کی جائے گی، نماز پڑھنے کا کیا طریقہ ہے وہ اس میں بیان ہو گا بھائی۔ **بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ**، یہ باب ہے نماز کی صفت کے بیان میں، یعنی اس کی کیفیت کے بیان میں، **فَرَائِضُ الصَّلَاةِ سِتَّةٌ**، تو بھائی اب تک تو شرائطِ صلاۃ ذکر ہو رہی تھیں تو اب مقصود شروع ہو گیا، طہارت وغیرہ بھی بیان ہو گئی اور نماز کی شرطیں بھی بیان ہو گئیں، اب نماز کا ذکر شروع ہوا بھائی۔

تو کہتے ہیں: **فَرَائِضُ الصَّلَاةِ سِتَّةٌ**، نماز کے فرائض چھ ہیں: **التَّحْرِيمَةُ**، نمبر ایک کیا ہے؟ تحریمہ ہے، تکبیر تحریمہ بھائی، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**: ﴿**وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ**﴾، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿**وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ**﴾ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر، ﴿**وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ**﴾ اپنے رب کی بڑائی بیان کر، اور یہاں پر «**كَبِّرْ**» امر کا صیغہ آیا اور امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے آتا ہے، تو معلوم ہوا تکبیر تحریمہ واجب ہے، فرض ہے بھائی۔ **وَالْمُرَادُ بِهِ تَكْبِيرَةُ الِافْتِتَاحِ**، اور اس سے مراد افتتاح کی تکبیر ہے، نماز شروع کرنے کی تکبیر ہے، اس لیے کیونکہ بالاجماع اس کے علاوہ اور کوئی تکبیر واجب نہیں ہے، معلوم ہوا یہی تکبیر مراد ہے۔ تو معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟

بھائی، نماز کے فرائض ذکر ہو رہے ہیں بھائی، نماز کے فرائض، اور گزشتہ سبق میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہے رکن شے اور ایک ہے شرطِ شے، شرطِ شے، شے سے خارج ہوتی ہے، رکنِ شے، شے کا جو رکن ہوتا ہے وہ اس کے اندر داخل ہوتا ہے، تو یہ تکبیرِ تحریمہ یہ نماز کے لیے میں نے آپ کو بتلایا تھا شرط ہے، نماز کے اندر داخل نہیں **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** بھائی، احناف کے نزدیک یہ نماز کے اندر داخل نہیں بلکہ یہ نماز کے لیے شرط ہے، لیکن اس کو نماز کے ارکان کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا اتصال نماز کے ساتھ بڑا قوی ہے، تکبیرِ تحریمہ کی جیسے ہی «را» تک، اللہُ **أَكْبَرُ** آپ نے کہا اور «را» کا لفظ جیسے ہی مکمل ہوا ساتھ ہی نماز شروع ہو گئی، ساتھ ہی نماز کیا ہوئی؟ شروع، تو چونکہ اس کا اتصال نماز کے ساتھ بڑا شدید ہے لہٰذا اس، اور نیز اس کے لیے وہی شرطیں ہیں جو نماز کے لیے شرطیں ہیں، اس میں بھی استقبالِ قبلہ ضروری، اس میں بھی قیام ضروری، اس کے اندر بھی ستر عورت ضروری، اس کے اندر بھی طہارت وغیرہ ضروری، تو اس کا چونکہ اتصال بڑا قوی ہے اور اس کے لیے وہی شرطیں ہیں اس لیے اس کو کس میں، ساتھ ذکر کرتے ہیں؟ نماز کے ارکان کے ساتھ ذکر کرتے ہیں لیکن یہ ہے، رکنِ صلاۃ نہیں۔ اسی لیے صاحبِ قدوری نے کہا: **فَرَائِضُ الصَّلَاةِ سِتَّةٌ**، نماز کے فرائض چھ ہیں، ارکان نہیں کہا کیونکہ تحریمہ تو ارکان میں سے نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **فَرَائِضُ الصَّلَاةِ سِتَّةٌ: التَّحْرِيمَةُ**، نماز کے فرائض چھ ہیں، ایک تحریمہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿**وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ**﴾ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر، **وَالْمُرَادُ بِهِ تَكْبِيرَةُ الِافْتِتَاحِ**، اور اس سے مراد نماز کے شروع کی تکبیر ہے۔ **وَالْقِيَامُ**، اور دوسرا فرض کیا ہے؟ قیام، کھڑے ہونا، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**: ﴿**وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ**﴾، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿**وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ**﴾ اور تم لوگ کھڑے ہو اللہ کے لیے فرماں برداری کرتے ہوئے، یا تم لوگ کھڑے ہو اللہ کے لیے خشوع کرتے ہوئے یعنی عاجزی کرتے ہوئے۔ تو یہاں دیکھیے «**قُومُوا**» امر آیا اور امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے، کہ چیز معلوم ہوا فرض ہے، تو معلوم ہوا قیام فرض ہے۔ **وَالْقِرَاءَةُ**، اور قراءت بھائی، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**: ﴿**فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**﴾، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿**فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**﴾ پس تم پڑھو وہ جو آسان ہو قرآن میں سے، یعنی جو میسر ہو کس میں سے؟ قرآن میں سے، جو بھی میسر ہو جو بھی پڑھنا چاہو قرآن میں سے وہ پڑھ سکتے ہو، تو «**فَاقْرَءُوا**» امر آیا اور امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے آتا ہے، معلوم ہوا قراءت فرض ہے بھائی، تو قیام بھی فرض اور قراءت بھی فرض کیونکہ امر کے صیغے آ رہے ہیں، اور بالاجماع نماز سے باہر تو کوئی قیام فرض نہیں، نماز سے باہر تو کوئی قراءت فرض نہیں، معلوم ہوا یہ کون سی قراءت ہے؟ نماز کی قراءت اور اس میں نماز کا قیام ذکر ہو رہا ہے۔

وَالرُّكُوعُ وَالسُّجُودُ، اور اسی طرح رکوع کرنا اور سجدہ کرنا، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**: ﴿**وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا**﴾، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿**وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا**﴾ اور تم رکوع کرو اور سجدہ کرو، تو یہاں بھی امر کے صیغے آئے اور امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے، معلوم ہوا یہ بھی فرض ہیں۔ **وَالْقَعْدَةُ فِي آخِرِ الصَّلَاةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ**، اور قعدہ جو ہے یعنی بیٹھنا نماز کے آخر میں تشہد کی مقدار، بھائی نماز کے آخر میں جو ہم التحیات کے لیے بیٹھتے ہیں یہ فرض ہے فرض۔ کتنی مقدار؟ کہتے ہیں: تشہد کی مقدار یعنی جس میں تشہد پڑھا جاتا ہے اتنی مقدار بیٹھنا فرض ہے، اور تشہد کہاں تک؟ یعنی **عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** تک بھائی، **عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** تک یہاں اتنی مقدار بیٹھنا فرض ہے، تشہد پڑھنا فرض نہیں بلکہ بیٹھنا اتنی مقدار فرض ہے۔ دلیل اس کی کیا ہے؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ حِينَ عَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ**: «**إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ**»، بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے جو آپ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جس وقت کہ آپ نے ان کو تشہد سکھایا، حضور علیہ السلام نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس وقت تشہد سکھایا تو اس وقت آپ نے فرمایا ان سے: «**إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ**»، جب تو نے یہ کہہ لیا یا یہ کر لیا تو تحقیق تیری نماز پوری ہو گئی۔ حضور، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشہد سکھایا بھائی اور پھر کیا فرمایا؟ جب تو یہ کہہ لے یعنی یہ پڑھ لے، یا یہ کر لے یعنی تشہد کی اتنا یہ بیٹھ جائے، تو تحقیق تیری نماز پوری ہو گئی، تو حضور علیہ السلام نے: **عَلَّقَ التَّمَامَ بِالْفِعْلِ**، معلق کر دیا پورا ہونے کو یعنی نماز کے پورا ہونے کو بالفعل کس کے ساتھ؟ فعل، اس قعدے کے کرنے کے ساتھ معلق کر دیا نماز کے پورا ہونے کو، **قَرَأَ أَوْ لَمْ يَقْرَأْ**، چاہے قراءت اس میں یعنی یہ تشہد پڑھے یا نہ پڑھے، تشہد پڑھے یا نہ پڑھے۔

دلیل بھی سمجھ میں آ رہی ہے یا نہیں؟ حضور علیہ السلام نے نماز کے پورا ہونے کو کس کے ساتھ معلق کیا؟ فعلِ قعدہ کے ساتھ، قعدے کا فعل کر لے یعنی وہ بیٹھ جائے اتنی دیر۔ بھائی کس طرح؟ حدیث میں تو آیا: «**إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا**»، جب تو یہ تشہد پڑھ لے یا یہ کر لے یعنی اس میں اس کی یہ جو بیٹھنے والا عمل ہے تشہد کے لیے یہ عمل کر، پڑھ لے یا اس طرح کر لے تو تمہاری نماز کیا ہوئی؟ پوری۔ اس میں تو یہ تو نہیں آیا اس سے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے، اس سے تو یہ پتہ چلا کہ یا تو تشہد کا پڑھنا فرض ہے یا اتنا بیٹھنا فرض ہے۔ سمجھ میں آ رہی ہے؟ اعتراض سمجھ میں آ رہا ہے؟ حدیث سے تو کیا ثابت ہو رہا ہے؟ ان دو میں سے ایک چیز فرض ہے، جو بھی کر لے گا نماز کیا ہو جائے گی؟ پوری۔ پڑھ لے گا تو بھی نماز کیا ہو جائے گی؟ پوری۔ بیٹھ جائے گا، یہ فعل بیٹھنے کا کر لے گا تو بھی نماز کیا ہو جائے گی؟ معلوم ہوا ان دونوں میں سے ایک فرض ہے، دونوں فرض نہیں، نہیں بھائی، حدیث سے یہ پتہ نہیں چل رہا بلکہ حدیث سے یہ علم ہو رہا ہے کہ بیٹھنا فرض ہے، پڑھنا فرض نہیں۔ کس طرح؟ دیکھو بھائی، حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ جب تو یہ تشہد پڑھ لے یا یہ والا عمل کر لے یعنی بیٹھ جائے اتنی دیر، تو تیری تمہاری نماز کیا ہوئی؟ تو دیکھو، بعد میں کیا ذکر ہوا؟ جب تو یہ کر لے، اس میں فعل کا ذکر ہے یعنی بیٹھنے کا ذکر ہے، اور ماقبل میں کس کا ذکر ہے؟ پڑھنے کا، جب تو یہ پڑھ لے، اور جب پڑھے گا تو یہ بیٹھنا پایا جائے گا یا نہیں؟ پایا جائے گا۔ تو بیٹھنا دونوں صورتوں میں پایا جا رہا ہے، لیکن پڑھنا ایک صورت میں، اور اس میں بھی پڑھے یا دوسری صورت میں پڑھنا نہیں، پہلی صورت میں پڑھنے کا ذکر ہے دوسری صورت میں «**أَوْ**» کے بعد «**فَعَلْتَ**» کے اندر پڑھنے کا ذکر نہیں، معلوم ہوا پڑھنا فرض نہیں تشہد کا، لیکن بیٹھنا دونوں صورتوں میں آ رہا ہے۔ صرف اکیلے خالی بیٹھے تو

بھی بیٹھنا تو پایا گیا، اور تشہد پڑھے تو بھی بیٹھنا تو پایا گیا، تو بیٹھنا دونوں صورتوں میں پایا جارہا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ بیٹھنا اتنی دیر وہ فرض ہے، پڑھنا فرض نہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے صاحبِ ہدایہ کا کہ: **عَلَّقَ التَّمَامَ بِالْفِعْلِ قَرَأَ أَوْ لَمْ يَقْرَأْ**، حضور علیہ السلام نے نماز کے پورا ہونے کو معلق فرمادیا اس قعدے کے کرنے کے ساتھ، پڑھے یا نہ پڑھے یعنی تشہد پڑھے یا نہ پڑھے تو وہ فرض نہیں۔

قَالَ: وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ، قال صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ**، اور اس کے علاوہ جو ہے تو وہ سنت ہے، یعنی یہ فرائض ہم نے ذکر کر دیے اس کے علاوہ نماز میں جو ہے وہ کیا ہے؟ سنت ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ نماز کے اندر فرائض کے علاوہ صرف سنتیں تو نہیں ہیں، بلکہ وہاں تو واجبات بھی ہیں بھائی، واجبات بھی ہیں، تو ان کو ذکر نہیں فرمایا صاحبِ قدوری نے، ان کو کیسے سنت کہہ دیا؟ وہ تو واجبات ہیں بھائی۔ تو جس کا جواب آگے صاحبِ ہدایہ بھی دیں گے بھائی کہ سنت سے مراد، سنت سے مراد وہ وہ قسم نہیں جو فرض اور واجب کے مقابلے میں آتی ہے۔ کسی چیز کے بارے میں ہم کہتے ہیں یہ فرض ہے، کسی چیز کے بارے میں ہم کہتے ہیں واجب ہے، کسی چیز کے بارے میں ہم کیا کہتے ہیں؟ یہ سنت، تو یہ سنت کس کے مقابلے میں ہے؟ فرض، واجب اور معلوم ہوا یہ فرض بھی نہیں، یہ واجب بھی نہیں، یہ نفل بھی نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ سنت ہے، تو یہ ان کے مقابلے میں آتا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو سنت کا لفظ کبھی استعمال ہوتا ہے اور یہ وہ پانچ چھ قسموں میں سے ایک قسم ہے جو احکامِ شریعت کی ہم بیان پڑھتے ہیں کتابوں کے اندر: فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے، مستحب ہے اور مباح ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ وہ والی سنت مراد نہیں صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے، بلکہ یہاں سنت سے مراد ہے: **مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ**، وہ چیز جو سنت سے ثابت ہو، تو اس کے علاوہ جو ہے وہ سنت سے ثابت ہے، اور واجبات بھی کس سے ثابت ہیں؟ سنت سے، یعنی حدیث سے، حضور علیہ السلام نے ان کو کیا ہے نماز کے اندر، تو اس میں واجب بھی داخل اور سنتیں وغیرہ بھی داخل اور مستحبات بھی داخل۔

تو کہتے ہیں: **وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ**، اور اس کے علاوہ جو ہے تو وہ سنت ہے، **أَطْلَقَ اسْمَ السُّنَّةِ وَفِيهَا وَاجِبَاتٌ**، دیکھو پہلے اعتراض ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ صاحبِ قدوری نے اطلاق کیا سنت کے نام کا، یعنی اس نام کو بولا، اس کو اطلاق کیا، **وَفِيهَا وَاجِبَاتٌ**، اور حال یہ ہے کہ نماز میں تو واجبات بھی ہیں، **كَقِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ**، جیسے فاتحہ کا پڑھنا، بھائی یاد رکھیے، **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** قرآن کی ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں یہ پڑھنا نماز میں فرض ہے، تو یہ آیت کوئی بڑی آیت پڑھ لے یا تین چھوٹی آیتیں پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا، لیکن بالخصوص فاتحہ ہی کو پڑھنا یہ واجب ہے بھائی، یہ کیا ہے؟ واجب ہے، اور آپ جانتے ہیں فرض چھوٹ جائے تو نماز ہو گی ہی نہیں، اور اگر واجب چھوٹ جائے تو پھر اس کے چھوٹ جائے تو وہ سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ انہوں نے آپ کا حاشیہ دیکھ لیجیے ذرا بڑا قیمتی حاشیہ، نمبر سولہ ہے بھائی میری کتاب میں، سولہ نمبر حاشیہ۔ وہ کہتے ہیں واجبات، **قَوْلُهُ وَاجِبَاتٌ، اَلْمُرَادُ مِنْ وَاجِبَاتِ الصَّلَاةِ مَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ بِدُونِهَا وَتَجِبُ سَجْدَتَا السَّهْوِ بِتَرْكِهَا سَاهِيًا**، نماز کے واجبات سے مراد جو ہے وہ کہ ان کے نماز بھی جائز ہو جاتی ہو اور سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، سہو کے سجدے واجب ہوتے ہیں دو اس کو چھوڑنے کی وجہ سے بھولے سے۔ بھائی یاد رکھیے، واجب وہ ہے کہ جس کے جو بھول کر رہ جائے، بھولے سے رہ جائے تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا اور اس صورت میں نماز مکمل ہو جائے گی، لیکن یہ صورت ہے کہ جب واجب بھولے سے رہ جائے، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر واجب کو چھوڑتا ہے تو یاد رکھیے، یاد رکھیے نماز تو اس کی ٹھیک ہے ہو گئی، فرض اس کے ذمے سے ساقط ہوا لیکن بڑی ہی خراب نماز اس نے ادا کی، اس نے شریعت کے ایک حکم کو معمولی سمجھ لیا تو وہ گنہگار ہوا اور اس پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے، یہ نماز اس کو پھر لوٹانی چاہیے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اگر نہیں لوٹاتا تو گنہگار ہو گا۔ تو بھولے سے واجب رہ جائے تو سجدۂ سہو سے تلافی ہو جائے گی، لیکن جان بوجھ کر چھوڑتا ہے واجب کو تو سجدۂ سہو سے بھی تلافی نہیں ہو گی بلکہ کیا کرنا چاہیے اسے؟ اس پر نماز کا پھر پڑھنا واجب ہے بھائی واجب ہے۔

اور سنت جو ہے، سنت کے بارے میں بتلا رہے ہیں: **وَالسُّنَنُ أَيْ مَا فَعَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى طَرِيقِ الْمُوَاظَبَةِ وَلَمْ يَتْرُكْهَا إِلَّا بِعُذْرٍ**، سنت وہ ہے جس کو حضور علیہ السلام نے مواظبت کے طریقے پر کیا ہو، پابندی سے کیا ہو، **وَلَمْ يَتْرُكْهَا إِلَّا بِعُذْرٍ**، اور اس کو نہ چھوڑا ہو مگر کسی عذر کی وجہ سے، یعنی اس پر سنت، بھائی یاد رکھیے حضور علیہ السلام کا وہ فعل جس پر آپ نے پابندی فرمائی ہو لیکن کبھی کبھار چھوڑ بھی دیا ہو، کبھی کبھار کیا کیا ہو؟ لیکن ویسے عام معمول ہمیشہ اس کو ادا کرتے ہیں لیکن کبھی بتلانے کے لیے کہ یہ سنت ہے فرض یا واجب نہیں، اس کو آپ نے چھوڑ بھی دیا ہو، تو یہ کیا ہے؟ سنت ہے سنت ہے۔

اور اسی طرح آگے آداب کو بھی ذکر کیا، بعض چیزیں آداب ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ آداب ہیں، یعنی مستحبات ہیں، اور وہ ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کبھار کیا ہو اور اس پر پابندی نہ فرمائی ہو، کبھی کبھار کیا ہو۔

جی، تو اب دیکھیے میں نے کیا بتلایا آپ کو کہ واجب اگر بھولے سے رہ جائے تو سجدۂ سہو سے تلافی ہو جائے گی، لیکن اگر جان بوجھ کر چھوڑا تو نماز کا اعادہ واجب ہے، نماز پھر پڑھنی چاہیے بھائی۔ تو صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں: **كَقِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ**، تو لہٰذا ایک آدمی نے قرآن کی سے کسی مقام سے ایک بڑی آیت پڑھ لی یا تین چھوٹی آیتیں پڑھ لیں تو فرض ادا ہو گیا اور اسی طرح وہ نماز پڑھ لے گا تو نماز اس کی ہو جائے گی اگرچہ کہ اس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، کیونکہ بالخصوص سورۂ فاتحہ کا پڑھنا تو کیا ہے؟ واجب ہے۔ ہاں، قراءت فرض تھی اور فرض تو اس نے پورا کر لیا ہے، قرآن سے کہیں سے بھی وہ پڑھ لے: ﴿**فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**﴾ جہاں سے بھی میسر ہو جہاں سے بھی آسانی سے ہو سکے پڑھ لو، تو وہ فرض تھا، فرض اس نے کر لیا تو نماز ہو گئی، لیکن واجب کو اس نے جان بوجھ کر چھوڑا ہے تو اس صورت میں نماز اس کی بڑی ہی

خراب ہوئی، اس کو اعادہ کرنا چاہیے بھائی۔

تو کہتے ہیں وہ نماز میں واجبات بھی ہیں: **كَقِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ**، جیسے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا، **وَضَمِّ السُّورَةِ مَعَهَا**، اور اس کے ساتھ ایک سورت کا ملانا، پہلی رکعتوں میں کیا کیا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملا کر پڑھی جاتی ہے یا کوئی سورت کا حصہ پڑھا جاتا ہے بھائی، تو یہ ملانا واجب، سورۂ فاتحہ کا پڑھنا یہ الگ واجب، اس کے ساتھ سورت کا ملانا یہ الگ واجب، **وَمُرَاعَاةِ التَّرْتِيبِ فِيمَا شُرِعَ مُكَرَّرًا مِنَ الْأَفْعَالِ**، اور ترتیب کی رعایت رکھنا فیما ان افعال کے اندر **شُرِعَ مُكَرَّرًا**، جو مکرر مشروع ہوئے ہیں، جو مکرر کیا ہیں؟ مشروع ہوئے ہیں، **مِنَ الْأَفْعَالِ**، افعال میں سے، یہ «**مِنْ**» بیان ہے «**مَا**» کا بھائی، «**مَا**» کا، یعنی کہ وہ افعال، تو ترتیب کی رعایت رکھنا وہ افعال جو مکرر مشروع ہوئے ہیں یعنی جن کا تکرار ہے نماز کے اندر ان افعال میں ترتیب کی رعایت رکھنا، ترتیب کی رعایت رکھنا۔ کیا مکرر افعال ہیں نماز کے اندر بھائی؟ ہر رکعت کے اندر قیام ہے بھائی، ہر رکعت کے اندر کیا ہے؟ رکوع ہے، ہر رکعت کے اندر سجدے ہیں، تو یہ مکرر ہیں بھائی، چیزیں کیا ہیں نماز کے اندر؟ مکرر ہیں، ہر رکعت میں بار بار قیام بھی آتا ہے، رکوع بھی آتا ہے، سجدے بھی آتے ہیں، تو ان یہ جو مکرر افعال ہیں ان کے اندر ترتیب یہ کیا ہے؟ واجب ہے، ترتیب واجب ہے بھائی۔

وَالْقَعْدَةِ الْأُولَى، اور اسی طرح پہلا قعدہ، بھائی آخری قعدہ ابھی آپ نے پڑھ لیا کہ وہ تو فرض ہے، تو پہلا قعدہ مثلاً چار رکعت والی نماز ہے تو آخری قعدہ تو چار رکعتوں کے بعد آئے گا، یہ جو دو رکعتوں کے بعد بیٹھنا ہے تشہد کے لیے یہ واجب ہے یا فرض ہے؟ صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلا دیا: **وَالْقَعْدَةِ الْأُولَى**، یہ بھی کس میں سے ہے؟ واجبات میں سے ہے۔ **وَقِرَاءَةِ التَّشَهُّدِ فِي الْأَخِيرَةِ**، اور تشہد کا پڑھنا آخری قعدے کے اندر بھائی، آخری قعدہ خود بیٹھنا تو فرض ہے لیکن اس کے اندر تشہد کا پڑھنا واجب ہے بھائی واجب۔ **وَالْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ**، اور اسی طرح وتر کے اندر جو دعائے قنوت ہے وہ بھی کیا ہے؟ واجب ہے بھائی واجب، تو اگر بھول جائیں انسان تو کیا کرنا پڑے گا؟ سجدۂ سہو، اور اسی طرح یاد رکھیے وتروں کے اندر جس طرح دعائے قنوت واجب ہے اسی طرح دعائے قنوت پڑھنے سے پہلے جو اللہُ **أَكْبَرُ** کہا جاتا ہے یہ اللہُ **أَكْبَرُ** کہنا بھی واجب ہے، اور اس اللہُ **أَكْبَرُ** کے کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں یہ ہاتھوں کا اٹھانا بھی واجب ہے بھائی **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** بھائی۔ **وَتَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ**، اور اسی طرح دونوں عیدوں کی جو تکبیریں ہیں جو اس میں زائد تکبیریں نماز میں پڑھی جاتی ہیں وہ بھی کیا ہیں؟ واجبات میں سے ہیں، **وَالْجَهْرِ فِيمَا يُجْهَرُ فِيهِ وَالْمُخَافَتَةِ فِيمَا يُخَافَتُ فِيهِ**، اور جہر کرنا یعنی بلند آواز سے قراءت کرنا فیما یجہر فیہ جن نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کی جاتی ہے، کون سی نمازیں ہیں جن میں بلند آواز سے قراءت کی جاتی ہے؟ فجر ہے، مغرب ہے اور عشاء، تو ان میں جہراً قراءت کرنا، اونچی آواز سے قراءت کرنا جبکہ کیا ہو؟ امام ہو، یہ واجب ہے بھائی، اور **وَالْمُخَافَتَةِ فِيمَا يُخَافَتُ فِيهِ**، اور آہستہ کرنا آواز کو ان نمازوں میں جن میں آواز کو آہستہ کیا جاتا ہے یعنی قراءت کو آہستہ کیا جاتا ہے تو یہ بھی واجب ہے بھائی، اور کن قراءت، کن نمازوں کے اندر قراءت آہستہ آواز سے کی جاتی ہے؟ ظہر اور عصر بھائی، تو ان کے اندر آہستہ آواز سے قراءت کرنا واجب ہے بھائی۔

وَلِهَذَا يَجِبُ عَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ بِتَرْكِهَا، اور اسی وجہ سے واجب ہو جاتے ہیں اس شخص پر جو نماز پڑھنے والا ہے **سَجْدَتَا**، تثنیہ سجدتان نون اضافت سے گر گیا بھائی، تو اس پر واجب ہو جاتے ہیں **سَجْدَتَا السَّهْوِ**، سہو کے دو سجدے **بِتَرْكِهَا**، ان چیزوں کے چھوڑنے کی وجہ سے، تو معلوم ہوا یہ سب چیزیں واجب ہیں۔ **هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ**، یہی قول صحیح ہے بھائی صحیح۔ بھائی یاد رکھیے، بعض جگہ آتا ہے **صَحِيحٌ**، بعض جگہ قول آتا ہے **أَصَحُّ**، زیادہ صحیح ہے، تو بتائیے کس میں قوت زیادہ ہے؟ **أَصَحُّ** میں؟ نہیں بھائی نہیں، **صَحِيحٌ** کے اندر قوت زیادہ ہے، کیونکہ جب **صَحِيحٌ** کہہ دیا معلوم ہوا جو دوسرا قول ہے وہ صحیح ہے ہی نہیں۔ جو دوسرا قول اس سلسلے میں آیا وہ صحیح ہے ہی نہیں، اور جب کہا **أَصَحُّ** تو اصح کا مطلب ہے زیادہ صحیح ہے، معلوم ہوا ایک اور بھی کم صحیح قول بھی ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اصح کے مقابلے میں صحیح قول موجود ہوگا، لیکن صحیح جب کہہ دیا تو معلوم ہوا دوسرا قول غیر صحیح ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو قوت کس کے اندر زیادہ؟ صحیح کے اندر زیادہ ہے۔

کہتے ہیں: **هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ**، یہی قول صحیح ہے، **وَتَسْمِيَتُهَا سُنَّةً فِي الْكِتَابِ**، اور اس کا نام سنت رکھنا کتاب میں، بھائی اوپر قدوری، صاحبِ قدوری نے کیا کہا تھا؟ **فَهُوَ سُنَّةٌ**، باقی چیزیں کیا ہیں؟ وہ سنت ہیں، تو کہتے ہیں کتاب میں ان کا نام سنت رکھا گیا کیوں؟ **لِمَا أَنَّهُ ثَبَتَ وُجُوبُهَا بِالسُّنَّةِ**، اس وجہ سے کہ ان کا واجب ہونا سنت سے ثابت ہے، کس سے ثابت ہے؟ سنت سے ثابت ہے، کہ حضور علیہ السلام نے ان پر پابندی فرمائی ہے اور کبھی ان کو چھوڑا نہیں ہے بھائی۔

وَإِذَا شَرَعَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ، اور جب شروع کرے شروع ہو نماز کے اندر نماز پڑھنے والا **كَبَّرَ**، تو تکبیر کہے گا، **لِمَا تَلَوْنَا**، اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی، اور وہ کون سی آیت تھی؟ ﴿**وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ**﴾ تو اس شروع میں تکبیرِ تحریمہ کہے گا، یہ ایک دلیل تو وہ آیت ہوئی، **وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، دوسری دلیل حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ**»، نماز کی تحریم جو ہے وہ تکبیر ہے۔ نماز کی تحریم جو ہے وہ تکبیر ہے بھائی۔ بھائی یاد رکھیے، تکبیرِ تحریمہ کو تحریمہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ **حَرَّمَ يُحَرِّمُ تَحْرِيمٌ** کا معنی ہے حرام کرنا، حرام کرنا، تو چونکہ یہ تکبیر بھی نماز کے منافی جتنی چیزیں ہیں ان کو حرام کر دیتی ہے انسان پر، اس تکبیر سے پہلے آپ کسی سے بات کرنا چاہتے تھے بات بھی کر سکتے تھے، کھانا کچھ کھانا چاہتے تھے کھا بھی سکتے تھے، لیکن جیسے ہی تکبیرِ تحریمہ کہی اب یہ نماز کے منافی چیزیں یعنی کسی سے بات کرنا بھی منع اور کھانا پینا بھی منع کیونکہ اب نماز شروع ہو گئی ہے، تو اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تکبیرِ تحریمہ، کیونکہ یہ اور چیزوں کو، نماز کے منافی چیزوں کو حرام کرنے والی ہے۔ تو یہ دلیل ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ**»، نماز کی تحریم کیا ہے؟ تکبیر ہے، **وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَنَا**، اور یہ ہمارے نزدیک شرط ہے، میں نے ابھی بتلایا تھا آپ کو ہمارے نزدیک تکبیرِ تحریمہ نماز کا رکن نہیں بلکہ کیا ہے؟ شرط ہے، یہی ذکر کر رہے ہیں: **وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَنَا**، اور یہ ہمارے

نزدیک شرط ہے، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ**، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں رکن ہے، تکبیرِ تحریمہ کیا ہے؟ نماز کا رکن ہے بھائی۔ **حَتَّى أَنَّ مَنْ يُحَرِّمُ لِلْفَرْضِ كَانَ لَهُ أَنْ يُؤَدِّيَ بِهَا التَّطَوُّعَ**، حتی ہمارے نزدیک یہ شرط ہے بھائی، یہاں تک کہ: **أَنَّ مَنْ يُحَرِّمُ لِلْفَرْضِ**، جو شخص تکبیرِ تحریمہ کہتا ہے فرضوں کے لیے، ایک آدمی ہے اور کیا پڑھنا چاہتا ہے؟ فرض پڑھنا چاہتا ہے اور وہ تکبیرِ تحریمہ کہتا ہے...

ہے تکبیرِ تحریمہ۔ اور تحریمہ تو نماز کا رکن نہیں۔ لہٰذا تحریمہ تکبیرِ تحریمہ کہتے ہی، اللہ اکبر کہتے ہی اس کی نیت بدل گئی، اس نے کہا میں نفل پڑھ لیتا ہوں۔ کیا پڑھتا ہوں؟ فرض نہیں پڑھتا بلکہ ابھی نفل پڑھ لیتا ہوں، تو بھائی وہ اسی تحریمہ کے ساتھ اب نفل پڑھ سکتا ہے۔ نماز کو جاری رکھے اور نفل پڑھ لے۔

تحریمہ کے بعد اس کی کیا نیت بنی؟ میں نفل پڑھتا ہوں، تو نفل ہو جائیں گے، وہ نفل پڑھ لے بھائی۔ بھائی کیوں، نفل کیوں ہو جائیں گے؟ وجہ یہ کہ تحریمہ شرطِ صلاۃ ہے، رکنِ صلاۃ نہیں۔ تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر تحریمہ رکن ہوتا تو پھر تو آپ کہتے ایک رکن ادا ہو گیا ہے فرض کا اب جا کر نیت بدل رہی ہے تو اب کیا اعتبار۔ ہمارے نزدیک تو کیا ہے تحریمہ؟ شرط ہے۔ جب شرط ہے تو اب نماز تو اب شروع ہو رہی ہے آگے، لہٰذا اس میں وہ کیا کر سکتا ہے؟ نفل پڑھنا چاہے تو نفل بھی نہیں۔ کیونکہ ابھی فرضوں کا کوئی رکن ادا ہی نہیں ہوا، کوئی رکن ادا ہو جائے گا تو پھر اس کے بعد ہم کہیں گے اب نہیں بدل سکتا کیونکہ کیا کر دیا اس نے، ایک رکن کو ادا کر لیا۔ اور ابھی تک تو کوئی رکن ادا نہیں ہوا، ابھی تو صرف شرط پوری ہوئی تھی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: **حَتَّى أَنَّ مَنْ يُحَرِّمُ لِلْفَرْضِ كَانَ لَهُ أَنْ يُؤَدِّيَ بِهَا التَّطَوُّعَ**، یہاں تک کہ جو شخص تکبیرِ تحریمہ کہہ لے فرضوں کے لیے، تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ادا کر دے اس تحریمہ کے ساتھ **التَّطَوُّعَ** کس کو؟ نفل کو۔ جی۔

وَهُوَ يَقُولُ، اور امام شافعی **رَحِمَهُ اللهُ** فرماتے ہیں: **إِنَّهُ يُشْتَرَطُ لَهَا مَا يُشْتَرَطُ لِسَائِرِ الْأَرْكَانِ**، بھائی امام شافعی **رَحِمَهُ اللهُ** فرماتے ہیں کہ تکبیرِ تحریمہ رکن ہے، نماز کا جز ہے۔ نماز کا جز۔ وہ دلیل دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ تکبیرِ تحریمہ کے لیے وہ تمام شرائط ہیں جو نماز کے باقی ارکان کے لیے شرطیں ہیں۔ جیسے نماز کے باقی ارکان میں استقبالِ قبلہ ضروری تھا، تحریمہ میں بھی استقبالِ قبلہ ضروری ہے۔ نماز کے باقی ارکان کے اندر وضو کا ہونا ضروری تھا، تحریمہ کے لیے بھی وضو کا ہونا ضروری ہے۔ نماز کے باقی ارکان کے اندر کپڑوں کا پاک ہونا ضروری تھا، تحریمہ کے اندر بھی کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اور اسی طرح نماز کے باقی ارکان پر نیت کا مقدم ہونا ضروری تھا اور یہاں پر بھی آپ پڑھ چکے، نیت کا تحریمہ پر مقدم ہونا، وہ ساری چیزیں جو باقی ارکان کے لیے ضروری ہیں وہ ساری کس کے لیے ضروری؟ تحریمہ کے لیے بھی ضروری۔ معلوم ہوا یہ بھی نماز کا رکن ہے۔ یہ کیا ہے نماز کا؟ رکن۔ اس کے لیے بھی وہی شرطیں ہیں جو کس کے لیے تھیں؟ باقی نماز کے ارکان کے لیے شرطیں تھیں بھائی۔

وَهُوَ يَقُولُ، اور امام شافعی **رَحِمَهُ اللهُ** فرماتے ہیں: **إِنَّهُ يُشْتَرَطُ لَهَا مَا يُشْتَرَطُ لِسَائِرِ الْأَرْكَانِ**، کہ اس کے لیے بھی وہی شرطیں ہیں جو شرطیں ہیں باقی ارکان کے لیے، **وَهَذَا آيَةُ الرُّكْنِيَّةِ**، اور یہ رکن ہونے کی نشانی ہے۔ معلوم ہوا یہ بھی کیا ہے؟ رکن ہے بھائی۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ عُطِفَ الصَّلَاةُ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى**، کہ اس پر صلاۃ کا عطف کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: **وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى، وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى**، اور جس نے اللہ کا نام لیا **فَصَلَّى** پھر نماز پڑھی۔ اور اللہ کا نام لیا اور پھر نماز پڑھی، تو دیکھیے بھائی: **وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ**، اللہ کا نام لیا، اپنے رب کا نام ذکر کیا، **فَصَلَّى**، پھر نماز پڑھی۔ تو **صَلَّى**، نماز کا عطف ہو رہا ہے کس پر؟ **وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ**، اپنے پروردگار کا نام ذکر کرنا جو ہے اس پر نماز کا عطف ہو رہا ہے، اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے کہ معطوف جو ہے وہ معطوف علیہ سے غیر ہوتا ہے۔ معطوف کیا ہوتا ہے؟ غیر۔ بھائی میں آپ سے کہتا ہوں: **جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو**۔ یہ زید پر کس کا عطف کیا گیا؟ عمرو کا۔ یہ عطف کس چیز کا تقاضا کرتا ہے؟ کہ معلوم ہوا کہ عمرو زید کے علاوہ ہے، اور ہے کوئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے سے غیر ہیں، الگ الگ ہیں۔ ایک ہی چیز ہو تو پھر تو عطف ہی درست نہیں ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: **جَاءَنِي زَيْدٌ وَزَيْدٌ**۔ بھائی یہ عطف ہی درست نہیں ہے کیونکہ یہ تو کیا کر رہے ہیں آپ؟ **عَطْفُ الشَّيْءِ عَلَى نَفْسِهِ** کر رہے ہیں، ایک چیز کو اپنی ہی ذات پر عطف کر رہے ہیں اور اپنی ہی ذات پر عطف صحیح نہیں، اس لیے کیونکہ عطف کس چیز کا تقاضا کرتا ہے؟ مغایرت کا تقاضا کرتا ہے بھائی مغایرت کہ دونوں ایک دوسرے سے معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے سے غیر ہیں الگ الگ ہیں۔ تو یہاں پر بھی اللہ کے نام کا ذکر کرنا یعنی وہ تکبیر ہے، اور آگے **فَصَلَّى** نماز کا ذکر ہے اور دونوں میں عطف کیا گیا فا کے ذریعے، کس کے ذریعے؟ فا کے ذریعے عطف کیا گیا، تو یہ عطف تقاضا کرتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوں۔ معلوم ہوا نماز الگ چیز ہے اور تکبیرِ تحریمہ الگ چیز ہے، یعنی تکبیرِ تحریمہ نماز کے اندر داخل نہیں، ورنہ عطف نہ کیا جاتا بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو بھائی یہاں پر اگر تکبیرِ تحریمہ وہ نماز کا رکن قرار دیا جائے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ تکبیرِ تحریمہ کو اگر نماز کا رکن قرار دیا جائے، تو معلوم ہوا **فَصَلَّى**، اس صلاۃ میں بھی تکبیرِ تحریمہ آ گئی۔ کیا آ گئی؟ تکبیرِ تحریمہ۔ کیونکہ تکبیرِ تحریمہ کو رکن قرار دیا معلوم ہوا وہ نماز کا جز ہے، تو آگے صلاۃ کا ذکر ہے جب کل کا ذکر ہے تو کل کے اندر کون داخل ہوتا ہے؟ جز بھی داخل ہوتا ہے۔ تو لہٰذا مابعد میں بھی تکبیرِ تحریمہ کا ذکر، ماقبل میں بھی تکبیرِ تحریمہ کا ذکر، تو گویا **عَطْفُ الشَّيْءِ عَلَى نَفْسِهِ** لازم آیا، چیز کا اپنی ہی ذات پر عطف کرنا لازم آیا اور چیز کا اپنی ذات پر تو عطف کرنا صحیح نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور نیز عطف بھی واؤ کے ذریعے نہیں ہو رہا، فا کے ذریعے ہو رہا ہے عطف بھائی، فا کے ذریعے عطف۔ تو لہٰذا آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ چلو ما قبل میں جز ذکر ہے، مابعد میں کل ذکر ہے، تو جز اور کل کیا ہوتے ہیں؟ ایک دوسرے سے غیر ہوتے ہیں، جز ایک ہے اور کل اور بھی چیزیں اس میں شامل ہوتی ہیں۔ لہٰذا مغایرت تو پھر بھی آ گئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ جز کے اندر تو صرف ایک حصہ اور کل کے اندر اور بھی حصے آ گئے، الگ الگ چیزیں ہو گئیں یا نہیں گویا؟ ایک طرف ایک چیز کا ذکر ہے، ایک طرف کل چار چیزوں کا ذکر آ گیا تو پھر بھی مغایرت تو ہے، جو جز ہے وہ کل نہیں اور جو کل ہے وہ جز نہیں۔ تو جواب یہ: وہ تعبیر بھی یہاں نہیں چلتی، اس لیے کیونکہ یہاں عطف ہو رہا ہے فا کے ذریعے، کس کے ذریعے؟ فا کے ذریعے عطف ہو رہا ہے۔ اگر ما قبل میں جز ذکر ہے اور مابعد میں صلاۃ کے اندر بھی وہ جز کیا ہے؟ داخل ہے فرض کر لیں، کیا ہے؟ آپ یہ تاویل کر اگر یہ کہیں کہ ما قبل میں جز ذکر ہے مابعد میں کل، تو جب کل ذکر ہے اس کل کے اندر بھی وہ جز آیا یا نہیں آیا؟ وہ جز آ گیا۔ اور فا کس لیے آتی ہے؟ **تَعْقِيبٌ مَعَ الْوَصْلِ** کے، ایک چیز دوسری چیز کے بعد آئے، اور ما قبل میں بھی تکبیرِ تحریمہ ہے اگر آپ کی بات مان لی جائے، اور مابعد میں بھی کیا ہے؟ تکبیرِ تحریمہ ہے، تو پھر فا کے ذریعے تو عطف ہو ہی نہیں سکتا بھائی، کیونکہ فا تو کیا بتلاتی ہے؟ ایک چیز دوسری چیز کے بعد ہو، تحریمہ کے بعد تحریمہ ہو وہی تحریمہ؟ اسی تحریمہ کے بعد پھر یہی تحریمہ ہو، وہ اور تحریمہ تو آ سکتی ہے وہی والی تحریمہ تو دوبارہ نہیں آ سکتی بھائی۔ صورتِ خرابی سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو لہٰذا اگر یہاں پر اس کو **فَصَلَّى** کے اندر مانا جائے تو پھر اس صورت کہ اس کے اندر تکبیرِ تحریمہ داخل ہے، رکن ہے، تو **عَطْفُ الشَّيْءِ عَلَى نَفْسِهِ** کی خرابی لازم آتی ہے بھائی۔

تو کیا دلیل ذکر کر رہے ہیں: **وَلَنَا**، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ عُطِفَ الصَّلَاةُ عَلَيْهِ**، کہ عطف کیا گیا ہے نماز کا **عَلَيْهِ** اس تکبیر پر، نماز کا عطف کیا گیا ہے اس تکبیر پر **فِي قَوْلِهِ تَعَالَى** اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: **وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى**، اور اپنے رب کا نام لیا، **فَصَلَّى** پھر نماز پڑھی، **وَمُقْتَضَاهُ الْمُغَايَرَةُ**، اور اس عطف کا تقاضا کیا ہے؟ مقتضا کیا ہے؟ مغایرت ہے، یعنی دونوں ایک دوسرے سے غیر ہیں الگ ہیں، تکبیرِ تحریمہ اور نماز، **وَلِهَذَا لَا يَتَكَرَّرُ كَتَكْرَارِ الْأَرْكَانِ**، اور اسی وجہ سے تکبیرِ تحریمہ مکرر نہیں ہوتی جیسے کہ ارکان کا تکرار ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے... یہ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ آیت آ گئی، دوسری دلیل یہ ذکر کر رہے ہیں کہ تکبیرِ تحریمہ نماز کے اندر داخل نہیں، اگر نماز کے اندر داخل ہوتی تو نماز کے جو ارکان ہیں ان سب کا تکرار ہے۔ ہر رکعت میں قیام بھی ہے، ہر رکعت کے اندر قراءت بھی ہے، ہر رکعت کے اندر رکوع بھی ہے، سجدہ بھی ہے، تو جیسے ان میں تکرار تھا اگر یہ تحریمہ نماز کا رکن ہوتی تو اس میں بھی کیا ہوتا؟ تکرار ہوتا بھائی، لیکن اس کے اندر تکرار نہیں، معلوم ہوا یہ نماز کا رکن نہیں۔ تو یہ دوسری دلیل آ گئی۔ یہ معنی ہے: **وَلِهَذَا لَا يَتَكَرَّرُ كَتَكْرَارِ الْأَرْكَانِ**، اور اسی وجہ سے یہ تکبیر جو ہے مکرر نہیں ہوتی جیسے کہ اور ارکان کا تکرار ہوتا ہے۔

وَمُرَاعَاةُ الشَّرَائِطِ، اب یہ جواب دے رہے ہیں امام شافعی **رَحِمَهُ اللهُ** کے قیاس کا، انہوں نے کیا فرمایا تھا کہ یہ بھی رکن ہے تکبیرِ تحریمہ بھی، کیونکہ اس کے لیے بھی وہی شرائط ہیں جو باقی ارکان کے لیے ہیں یعنی استقبالِ قبلہ، طہارت وغیرہ سب چیزیں شرط ہیں۔ ہم جواب دیتے ہیں: **وَمُرَاعَاةُ الشَّرَائِطِ**، اور ان شرطوں کی رعایت رکھنا، **لِمَا يَتَّصِلُ بِهِ مِنَ الْقِيَامِ**، اس وجہ سے ہے جو اس کے ساتھ قیام ملا ہوا ہے، وہ چیز جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے یعنی کہ قیام۔ تو باقی شرطوں کی رعایت کیوں رکھی جاتی ہے؟ کیونکہ تکبیرِ تحریمہ کے فوراً بعد کیا شروع ہو جائے گا؟ نماز شروع ہو گی، قیام شروع ہو جائے گا بھائی۔ جیسے ہی راپر تلفظ مکمل ہو گا ساتھ ہی نماز شروع، قیام اس کا شروع ہو گیا۔ قیام کیا ہوا؟ شروع۔ اور اس ارکانِ صلاۃ فوراً شروع ہو رہے ہیں اور ان کے لیے تو یہ ساری چیزیں شرط تھیں، تو تحریمہ ساتھ ملی ہوئی ہے لازمی بات ہے اس کے لیے شرط ہوں گی ہی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو دراصل یہ شرط تحریمہ کے لیے نہیں بلکہ دراصل کس کی وجہ سے ہیں؟ اس قیام کے لیے جو اس کے ساتھ ہی ملا ہوا ہے، بیچ میں فصل ہے ہی نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ تحریمہ میں یہ شرطیں پوری نہ ہوں اور بعد میں کیا کر لے؟ پوری کر لے، کیونکہ بعد میں بیچ میں تو وقت ہی نہیں ہے فصل ہے ہی نہیں۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو کہتے ہیں: **وَمُرَاعَاةُ الشَّرَائِطِ لِمَا يَتَّصِلُ بِهِ مِنَ الْقِيَامِ**، اور ان تمام شرائط کی رعایت رکھنا جو ہے اس چیز کی وجہ سے ہے **يَتَّصِلُ بِهِ** جو اس تکبیر کے ساتھ ملی ہوئی ہے، وہ کیا چیز ہے؟ **مِنَ الْقِيَامِ** یعنی کہ قیام ہے، میں نے بتلایا یہ جگہ جگہ مِن کے ساتھ مَا کا بیان کیا جاتا ہے بھائی۔

وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيرِ، اور ہاتھوں کو اٹھائے تکبیر کے ساتھ بھائی۔ ہاتھوں کو اٹھائے تکبیر... تکبیر بھائی تکبیرِ تحریمہ تو فرض ہے یعنی اللہ اکبر شروع میں کہنا تو فرض اور اس کے ساتھ کیا کرے گا انسان؟ ہاتھ بھی اٹھاتا ہے کانوں تک بھائی، تو یہ ہاتھوں کا اٹھانا یہ آپ کو بتلائیں گے یہ سنت ہے۔ یہ کیا ہے؟ سنت ہے۔

اور البتہ ہاتھ اٹھانے کب ہیں؟ کہتے ہیں: **وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيرِ**، **مَعَ** آیا، ہاتھ اٹھائے اپنے دونوں، **وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ** اور نمازی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے **مَعَ التَّكْبِيرِ** تکبیر کے ساتھ بھائی، یعنی ادھر تکبیر کہہ رہا ہے تو ادھر ہاتھ بھی اٹھا کر کانوں تک لے جا رہا ہے۔ دونوں کام اکٹھے ہونے چاہئیں۔ ادھر تکبیر کہہ رہا ہے تو ساتھ ہی کانوں تک ہاتھ بھی اٹھاتا جا رہا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یعنی تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھائے وہ، تکبیر کے ساتھ ہی، کیونکہ **مَعَ** کا لفظ آیا۔

وَهُوَ سُنَّةٌ، اور یہ ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے، **لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ**، اس لیے کیونکہ نبی کریم **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے اس پر پابندی فرمائی ہے۔ یہ کس چیز کی دلیل ذکر ہو رہی ہے؟ ہاں کہ یہ جو ہاتھوں کا اٹھانا ہے یہ سنت ہے، اور کیا دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ؟ کہ حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** نے اس پر پابندی فرمائی ہے، مواظبت فرمائی ہے۔ اور ابھی گزشتہ حاشیہ میں نے آپ کو پڑھایا تھا اس میں کیا آیا تھا؟ جس چیز پر حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** نے پابندی فرمائی ہو وہ تو واجب ہونے کی دلیل ہے، ایک چیز کی پابندی فرمائی ہو اور چھوڑا نہ ہو، یہ کس چیز کی دلیل ہے؟ واجب ہونے کی۔ اور کبھی چھوڑ دیا ہو، پابندی فرمائی لیکن کبھی بہت کم بیشک، لیکن کبھی چھوڑ بھی دیا ہے تو وہ کس چیز کی نشانی ہے؟ سنت ہونے کی نشانی ہے۔ تو یہاں پر صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** نے اس پر پابندی

فرمائی ہے، تو اس کو تو کیا قرار دینا چاہیے؟ واجب۔ اور نیز اس سلسلے میں جتنی احادیث آتی ہیں کسی کے اندر یہ نہیں کہ حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** نے ہاتھ اٹھانے کو چھوڑ دیا ہو نماز کے شروع میں۔ جب بھی نماز کا ذکر آتا ہے ساتھ کیا ذکر ہوتا ہے؟ کہ ہاتھ بھی اٹھائے۔ تو اس کو تو کیا کہنا چاہیے؟ واجب کہنا چاہیے، تو پھر اس کو سنت کیسے قرار دیا؟ تو وجہ اس کی یہ بھائی، حاشیے میں آپ کی دلیل دی ہوئی ہے کہ حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** نے ایک مرتبہ ایک دیہاتی کو نماز کے واجبات ذکر کیے اس کے سامنے، اس کو واجبات سکھائے بھائی اور ان واجبات کے اندر آپ نے نماز کے ابتدا میں تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کو ذکر نہیں فرمایا، باقی واجبات ذکر فرمائے لیکن ہاتھ اٹھانے کو ذکر نہیں فرمایا، معلوم ہوا یہ واجب نہیں بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو بعض علماء یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** نے پابندی فرمائی ہے لیکن ترک بھی ثابت ہے۔ کیا ہے؟ ترک بھی ثابت ہے۔ یہ دلیل نہ دینا بھائی، یہ دلیل درست نہیں، ترک ثابت ہی نہیں ہے۔ جب بھی نماز کا ذکر آیا ہے ساتھ کس کا ذکر آیا ہے؟ ہاتھ اٹھانے کا ضرور ذکر ہے، تو ترک تو ثابت ہی نہیں ہے، لیکن پھر بھی ہمارے نزدیک یہ کیا ہے؟ سنت ہے۔ ہونا کیا چاہیے تھا؟ واجب۔ کیوں سنت ہے؟ دلیل ذکر کر دی، کیونکہ ایک حدیث میں کیا آیا، حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** واجبات شمار کروا رہے ہیں اور وہاں پر آپ نے ہاتھ اٹھانا، ہاتھ اٹھانے کو ذکر نہیں فرمایا، معلوم ہوا یہ ہاتھوں کا اٹھانا واجب نہیں ہے، سنت ہے بھائی۔

یہ معنی ہے: **وَهُوَ سُنَّةٌ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ**، کیونکہ نبی کریم **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** نے اس پر پابندی فرمائی ہے۔

وَهَذَا اللَّفْظُ يُشِيرُ إِلَى اشْتِرَاطِ الْمُقَارَنَةِ، بھائی یہاں سے صاحب ہدایہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ متن میں آپ نے غور کیا، متن کے الفاظ بھائی، متن میں **مَعَ** کا لفظ ذکر کیا، **مَعَ** کا کیا معنی؟ ساتھ، یعنی یہ ہاتھوں کا اٹھانا تکبیر کے ساتھ ہو گا، جیسے میں نے ابھی ذکر کیا، ادھر تکبیر پر تکلم کر رہا ہے، تکبیر کہہ رہا ہے تو ساتھ ہی ہاتھوں کو بھی اٹھاتا جا رہا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں: متن سے یہ معلوم ہوا ہے، متن سے یہ معلوم ہوا اور یہی نقل کیا امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللهُ** سے بھی اور امام طحاوی **رَحِمَهُ اللهُ** سے بھی، لیکن اصح قول یہ ہے کہ ہاتھ پہلے اٹھائے اور تکبیر بعد میں کہے۔ ہاتھ اٹھاتے ہوئے تکبیر نہیں کہنی بلکہ پہلے ہاتھ اٹھا لے اس کے بعد کیا کہے؟ تکبیر کہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟

کہتے ہیں: **وَهَذَا اللَّفْظُ يُشِيرُ إِلَى اشْتِرَاطِ الْمُقَارَنَةِ**، مقارنت کا معنی ملے ہونا، ملے ہونا، اور یہ جو لفظ ہے جو متن میں آیا ہے یعنی **مَعَ** کا جو لفظ آیا، **يُشِيرُ** یہ اشارہ کر رہا ہے **إِلَى اشْتِرَاطِ الْمُقَارَنَةِ** مقارنت کے شرط ہونے کی طرف۔ مقارنت یعنی ملے ہونا شرط ہے، کون سا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے؟ **مَعَ** کا لفظ اشارہ کر رہا ہے کہ مقارنت شرط ہے۔ مقارنت یعنی ملے ہونا، کن چیزوں کا ملے ہونا شرط ہے؟ ہاتھوں کا اٹھانا اور تکبیر کا کہنا ان دونوں کو ملے ہونا چاہیے کہ ادھر ہاتھ اٹھاتا جا رہا ہے تو ساتھ کیا کہتا جا رہا ہے؟ تکبیر پر بھی تلفظ کرتا جا رہا ہے۔

وَهَذَا اللَّفْظُ يُشِيرُ إِلَى اشْتِرَاطِ الْمُقَارَنَةِ، اور یہ لفظ جو ہے یہ اشارہ کر رہا ہے مقارنت کے شرط ہونے کی طرف، **وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ**، اور یہی روایت کیا گیا ہے امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللهُ** سے، **وَالْمَحْكِيُّ عَنِ الطَّحَاوِيِّ**، اور یہی حکایت کیا گیا ہے امام طحاوی سے بھائی، یہی حکایت کیا گیا ہے امام طحاوی سے بھائی۔ تو یہاں امام ابو یوسف کے لیے صاحب ہدایہ نے **مَرْوِيٌّ** کا لفظ استعمال کیا اور امام طحاوی کے لیے **حِكَايَةٌ** کا لفظ استعمال کیا، تو یہ محشی بیان کرتے ہیں بھائی کہ **مَرْوِيٌّ** سے مراد ہے، مروی سے اشارہ ہے کس کی طرف؟ قول کی طرف، کس کی طرف؟ قول کی طرف، یعنی امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللهُ** سے یہ قول روایت کیا گیا ہے، اور امام طحاوی کے ساتھ حکایت کا لفظ ذکر کیا، اس کے ذریعے اشارہ ہے فعل کی طرف، کس کی طرف؟ فعل کی طرف، یعنی امام طحاوی سے قول نہیں ذکر کہ ہاتھ اٹھانے کے ساتھ ساتھ کیا کرے؟ تکبیر کہے، یہ قول نہیں، ہاں ان سے یہ فعل منقول ہے کہ وہ اس طرح انہوں نے کیا، ادھر ہاتھ اٹھا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ کیا کہہ رہے ہیں؟ تکبیر بھی کہہ رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ فرق سمجھ میں آگیا دونوں میں؟ تو یہ معنی ہے: **وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ** اور یہی روایت کیا گیا ہے امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللهُ** سے یعنی ان کا قول ہے، **وَالْمَحْكِيُّ عَنِ الطَّحَاوِيِّ** اور یہی حکایت کیا گیا ہے امام طحاوی سے یعنی ان کا فعل نقل کیا گیا ہے۔

وَالْأَصَحُّ، اور زیادہ صحیح قول یہ ہے: **أَنَّهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ أَوَّلًا**، کہ وہ نماز پڑھنے والا اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے گا **أَوَّلًا** پہلے، **ثُمَّ يُكَبِّرُ**، پھر تکبیر کہے، پھر کیا کرے؟ پھر تکبیر، تو پہلے ہاتھ اٹھائے گا پھر تکبیر کہے گا، یہ قول زیادہ صحیح ہے بھائی۔

لِأَنَّ فِعْلَهُ نَفْيُ الْكِبْرِيَاءِ عَنْ غَيْرِ اللهِ تَعَالَى، اس لیے کیونکہ ان دونوں ہاتھوں کا فعل کر کے، اٹھانے کا فعل کرنا یہ بڑائی کی نفی کرنا ہے غیر اللہ سے بھائی۔ عبارت پر نظر ہے؟ **لِأَنَّ فِعْلَهُ**، اس لیے کیونکہ اس کا کرنا، کس کا کرنا؟ رفع یدین کا کرنا، اس لیے کیونکہ رفع یدین کا کرنا یہ کیا ہے؟ نفی ہے، بڑائی کی نفی کرنا ہے **عَنْ غَيْرِ اللهِ تَعَالَى** اللہ تعالیٰ کے غیر، یعنی غیر اللہ سے بڑائی کی نفی کرنا ہے، یعنی اللہ کے سوا اور بڑائی کسی کے لیے بڑائی نہیں ہے بھائی، کسی کے لیے بڑائی نہیں۔

یہ کس سے ثابت ہوتا ہے؟ ہاتھ اٹھانے سے ہی۔ ہاتھ اٹھا... بھائی جب آپ یہ یاد رکھیے گا بھائی، یہ جب آپ یہ جب آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں تو یہ آپ غیر اللہ کی بڑائی کی نفی کر دیتے ہیں۔ غیر اللہ کی بڑائی کی نفی کر دیتے ہیں۔ کس طرح بھائی غیر اللہ کی بڑائی کی نفی؟ بھائی آپ ذرا تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں، اٹھائیے کس طرح اٹھاتے ہیں؟ غور کرتے جائیں، آہستہ آہستہ ذرا اپنے ہاتھوں کو نیچے رکھیں اور آہستہ آہستہ اوپر لائیں لائیں بھائی کانوں تک لے کر آئیں۔ غور کیا کسی چیز پر؟ یہ آپ یہ جو ہاتھ

پیچھے کی طرف لارہے ہیں، پیچھے کی طرف آرہے ہیں یا نہیں؟ ہاں جب آپ اٹھاتے ہیں دیکھو ہاتھ کہنی سے آگے کی طرف آتا ہے اور پھر آگے سے گھومتا ہوا کانوں تک جاتا ہے۔ یہ جو آپ اس طریقے سے ہاتھ یوں لاتے ہیں تو گویا ساری دنیا کو اللہ کے علاوہ باقی سب چیزوں کو آپ نے پشت کی طرف پھینک دیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ جو آپ ہاتھ اٹھا کر لاتے ہیں آپ غور کریں، آگے سے ہاتھ آتے ہیں آپ کے کہنی سے مڑ جاتے ہیں اور پھر آگے کی طرف سے پیچھے کی طرف پہنچتے ہوئے کانوں تک جاتے ہیں، تو یہ گویا آپ نے اللہ کے علاوہ باقی تمام دنیا کو اپنی پشت کی جانب پھینک دیا اور پھینکنے کا کیا معنی ہے؟ کہ ان میں کوئی عظمت ہے یا عظمت نہیں ہے؟ ان میں کوئی عظمت نہیں ہے، ان سب چیزوں سے آپ نے بڑائی کی نفی کر دی، اور پھر نفی کرنے کے بعد آپ نے کہا: اللہ اکبر، بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے۔

یہ معنی ہے: **لِأَنَّ فِعْلَهُ نَفْيُ الْكِبْرِيَاءِ عَنْ غَيْرِ اللهِ تَعَالَى**، اس لیے کیونکہ رفعِ یدین کا کرنا یہ بڑائی کی نفی کرنا ہے اللہ کے علاوہ سب سے، تو یہ ہوئی نفی، **وَالنَّفْيُ مُقَدَّمٌ**، اور نفی مقدم ہوتی ہے۔ نفی کیا ہوتی ہے؟ مقدم ہوتی ہے۔ بھائی یہ جو آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں اس کے ذریعے اللہ کے علاوہ سب چیزوں سے بڑائی کی نفی کر دی اور پھر اللہ اکبر کہہ کر اللہ کے لیے بڑائی ثابت کریں گے، کیا کریں گے؟ اللہ کے لیے بڑائی ثابت کریں گے۔ تو اولاً باقیوں سے بڑائی کی نفی کی جائے گی اور پھر اللہ کے لیے بڑائی ثابت کی جائے گی، تو یہ ہاتھوں کا اٹھانا ہے نفی اور یہ تکبیر ہے اثبات اور نفی مقدم ہوتی ہے اثبات پر۔ یا یوں کہو آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ ایک ہے تخلیہ، ایک ہے تحلیہ۔ تخلیہ خاکے ساتھ، اور ایک ہے تحلیہ حاکے ساتھ۔ تخلیہ کا معنی ہے خالی کرنا، تخلیہ کا کیا معنی؟ خالی کرنا، اور تحلیہ حِلیۃ سے ہے، حِلیۃ زیور کو کہتے ہیں تو تحلیہ کا معنی ہے مزین کرنا، زیور پہنانا۔ تو ایک ہے تخلیہ، ایک ہے تحلیہ، اور تخلیہ مقدم ہوتا ہے تحلیہ پر۔ تخلیہ مقدم ہوتا ہے؟ تحلیہ پر۔ آپ نے کہیں جانا ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟ نئے کپڑے پہلے پہنتے ہیں پھر نہاتے ہیں، یا پہلے نہاتے ہیں پھر نئے کپڑے پہنتے ہیں؟ پہلے نہاتے ہیں پھر نئے کپڑے پہنتے ہیں، تو یہ جو پہلے نہانا ہے یہ ہے تخلیہ، یعنی میل کچیل کو دور کر رہے ہیں، اپنے آپ کو اس سے خالی کر رہے ہیں اور پھر اس کے بعد تحلیہ، اپنے آپ کو مزین کر رہے ہیں نئے کپڑے پہن رہے ہیں۔ تو تخلیہ مقدم ہوتا ہے کس پر؟ تحلیہ پر مقدم ہوتا ہے۔ آپ کمرے میں سفیدی کرنا چاہتے ہیں تو اسی طرح میلی دیواروں پر سفیدی شروع کر دیں گے یا پہلے دیواروں کو صاف کیا جاتا ہے؟ پہلے دیواروں کو صاف کیا جاتا ہے، یہ کیا ہے؟ تخلیہ ہے، اور پھر اس کے بعد کیا کیا جاتا ہے؟ ان کو مزین کیا جاتا ہے، سفیدی کی جاتی ہے، یہ تحلیہ ہے، اور یہی نکتہ ہے لَا **إِلٰهَ إِلَّا** اللہُ کے اندر بھائی۔ لَا **إِلٰهَ**، پہلے سارے معبودوں کی کیا کر دی؟ نفی کر دی، تو یہ ہے تخلیہ، اور پھر اس کے بعد معبود ہونا کس کے لیے ثابت کیا؟ معبود صرف اللہ ہی ہیں، تو دیکھو یہ ہے کیا ہے؟ تحلیہ، تو پہلے تخلیہ ہو پھر کیا ہوتا ہے؟ تحلیہ۔ تو میں نے یہاں دو لفظ بتلا دیے آپ کو بھائی، ایک ہے تحلیہ حاکے ساتھ، اور ایک ہے تخلیہ خاکے ساتھ۔ تخلیہ خاکے ساتھ جو ہے اس کا معنی ہے خالی کرنا، اور تحلیہ حاکے ساتھ جو ہے اس کا معنی ہے مزین کرنا، مزین۔ تو پہلے تخلیہ ہوتا ہے خاکے ساتھ اور پھر تحلیہ ہے حاکے ساتھ۔ بلکہ آسان لفظوں میں یوں ہی کہیے، پہلے نفی ہوتی ہے پھر کیا ہوتا ہے؟ اثبات۔ دیکھو پہلے انسان نہاتا ہے پھر نئے کپڑے پہنتا ہے، تو یہ نہانا یہ ہے نفی، جسم سے میل کچیل کو دور کر رہا ہے یہ ہے نفی، اور نئے کپڑے پہننا یہ ہے اثبات، مزین کر رہا ہے اپنے آپ کو، تو نفی کیا ہوتی ہے؟ مقدم ہوتی ہے اثبات پر۔ کمرے میں سفیدی کرنے لگیں تو پہلے دیواروں کو صاف کرتے ہیں پھر سفیدی کرتے ہیں، تو یہ دیواروں کو صاف کرنا، میل کو دور کرنا، گندگی کو دور کرنا یہ ہے نفی، یہ ہے نفی، اور سفیدی کرنا یہ ہے اثبات۔ اسی طرح کلمۂ توحید کے اندر: لَا **إِلٰهَ إِلَّا** اللہُ، لَا **إِلٰهَ** یہ ہے نفی، اور **إِلَّا** اللہُ یہ ہے اثبات، سمجھ میں آیا؟ تو ہر جگہ نفی مقدم ہوتی ہے اور اثبات مؤخر ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی دو چیزیں ہیں، ایک ہے ہاتھوں کا اٹھانا یہ ہے تخلیہ، اور ایک ہے تکبیر کا کہنا یہ ہے تحلیہ، اور تخلیہ مقدم ہوتا ہے کس پر؟ تحلیہ پر۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **لِأَنَّ فِعْلَهُ نَفْيُ الْكِبْرِيَاءِ عَنْ غَيْرِ اللهِ تَعَالَى**، اس لیے کیونکہ رفعِ یدین کا کرنا یہ اللہ کے علاوہ سے بڑائی کی نفی کرنا ہے، تو یہ ہوئی نفی، **وَالنَّفْيُ مُقَدَّمٌ**، اور نفی کیا ہوتی ہے؟ مقدم ہوتی ہے، کیونکہ آگے تکبیر اس میں تو اثبات ہے بھائی تو وہ مؤخر ہوگی۔

وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ، اور اٹھائے نمازی، نماز پڑھنے والا بلند کرے **يَدَيْهِ** اپنے دونوں ہاتھوں کو، **حَتَّى يُحَاذِيَ** یہاں تک کہ محاذی کر دے یعنی برابر کر دے، **بِإِبْهَامَيْهِ** اپنے دونوں انگوٹھوں کو، **شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ** اپنی دونوں کانوں کی لو کے۔ **شَحْمَةُ الْأُذُنِ** یہ جو کان کی لو ہے، یہ جو کان کا نرم حصہ ہے نیچے والا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ شحمۃ الاذن۔ تو نمازی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ برابر کر دے اپنے دونوں انگوٹھے **شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ** اپنی دونوں کانوں کی لو کے، **وَعِنْدَ شَافِعٍ رَحِمَهُ** اللہُ اور امام شافعی **رَحِمَهُ** اللہُ کے نزدیک: **يَرْفَعُ إِلَى مَنْكِبَيْهِ**، اٹھائے گا دونوں ہاتھ **إِلَى مَنْكِبَيْهِ** کہاں تک؟ اپنے دونوں کندھوں تک۔ اپنے کندھوں تک ہاتھ اٹھائے گا، تو ہمارے نزدیک سنت طریقہ کیا ہے؟ ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے؟ کانوں کی لو تک، جبکہ امام شافعی **رَحِمَهُ** اللہُ کے نزدیک ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا جائے گا بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ اور یہ سب سنتیں ہیں سرورِ کونین **صَلَّى** اللہُ **عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کی، دونوں کا ثبوت ہے حدیث سے بھائی، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی تمام سنتوں کی حفاظت فرمائی اور اس پر لوگوں کو تقسیم فرما دیا، تو کچھ لوگ جو ہیں وہ کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اس سنت کو برقرار رکھا گیا بھائی، لوگ اس پر عمل کر رہے ہیں، اور حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** سے کندھوں تک ہاتھ اٹھانا بھی ثابت ہے تو اس پر بھی بعض لوگوں کو اس پر عمل کی توفیق اللہ نے دے دی وہ اس پر عمل کر رہے ہیں، تو مقصد کیا ہے وہی حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** کی ایک ایک سنت کی اللہ نے حفاظت فرمائی ہے بھائی۔

تو امام شافعی **رَحِمَهُ** اللہُ فرماتے ہیں: **يَرْفَعُ إِلَى مَنْكِبَيْهِ**، ہاتھ اٹھائے گا اپنے دونوں کندھوں تک، **وَعَلَى هَذَا تَكْبِيرَةُ الْقُنُوتِ وَالْأَعْيَادِ وَالْجَنَازَةِ**، اور اسی اختلاف پر ہیں بھائی قنوت کی تکبیر بھی، یعنی دعائے قنوت کے لیے تکبیر کہتے ہوئے اس میں جو ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں اس میں بھی یہی اختلاف ہے،

وَالْأَعْيَادِ، اور اسی اختلاف پر ہیں بھائی عیدوں کی تکبیریں بھی یعنی اس میں بھی یہی اختلاف ہے، **وَالْجَنَازَةِ**، اور اسی اختلاف پر ہے جنازے کی تکبیر جو ہے اس میں بھی یہی۔ تو ہمارے نزدیک ان سب میں کہاں تک ہاتھ اٹھائیں گے؟ کانوں تک بھائی، اور ان کے نزدیک؟ کندھوں تک۔

لَهُ، ان کی دلیل جو ہے: **حَدِيثُ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ**، حضرت ابو حمید ساعدی **رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ** کی حدیث ہے، **قَالَ** وہ فرماتے ہیں: **كَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى مَنْكِبَيْهِ**، کہ نبی کریم **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** جب تکبیر فرماتے، تکبیر کہتے تھے، **رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى مَنْكِبَيْهِ** تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اپنے دونوں کندھوں تک، یہ ان کی دلیل ہے، اس میں کیا کہاں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر آیا؟ کندھوں تک۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل جو ہے: **رِوَايَةُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَالْبَرَّاءِ وَأَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ**، اور ہماری دلیل جو ہے وہ روایت ہے حضرت وائل بن حجر **رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ** ان کی بھی حدیث ہے، اسی طرح حضرت براء **رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ** کی بھی حدیث ہے اور اسی طرح حضرت انس **رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ** سے بھی حدیث روایت کی گئی ہے: **أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ**، کہ حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے **حِذَاءَ أُذُنَيْهِ** اپنے دونوں کانوں تک، یعنی اپنے دونوں کانوں کے برابر یعنی ان تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔ یہ ایک دلیل بھائی۔

تو ہماری دلیل کیا ہوئی؟ یہ احادیث بھی ہیں، دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں عقلی دلیل: **وَلِأَنَّ رَفْعَ الْيَدِ لِإِعْلَامِ الْأَصَمِّ**، اور اس لیے کیونکہ ہاتھ کا اٹھانا یہ بہرے کو اطلاع دینے کے لیے ہے۔ ہاتھوں کا اٹھانا کیا ہے؟ اصم کہتے ہیں بہرا شخص جسے سنائی نہیں دیتا اس کو اطلاع دینے کے لیے ہے، اطلاع دینے کے لیے۔ بھائی جیسے یہ ہاتھوں کا اٹھانا یہ غیر اللہ سے بڑائی کی نفی ہے اس کے اندر، اسی طرح یہ ہاتھوں کے اٹھانے میں بہرے شخص کو اطلاع دینا بھی ہے کہ نماز شروع ہو گئی۔ نماز کیا ہوئی؟ شروع ہو گئی، اس لیے کیونکہ وہ بہرا ہے، اللہ اکبر کہنے تو یہ تو اس کو سنائی تو دیتا نہیں، تو اس کو کس سے پتہ چلے گا نماز شروع ہو گئی ہے؟ ہاتھ اٹھانے سے اس کو پتہ چلے گا بھائی۔ اور ہاتھ کندھے تک اٹھائے جائیں اور وہ پیچھے کھڑا ہو تو اسے تو پتہ ہی نہیں چلے گا، تو کس صورت میں اسے پتہ چلے گا کہ کہاں تک ہاتھ اٹھائے جائیں؟ کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھائے جائیں تو اب وہ اوپر صاف واضح اس کو ہاتھ دکھائی دیں گے اور وہ بھی سمجھ جائے گا کہ نماز شروع ہو رہی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ دوسری دلیل آئی۔

وَلِأَنَّ رَفْعَ الْيَدِ لِإِعْلَامِ الْأَصَمِّ، اور اس لیے کیونکہ ہاتھ کا اٹھانا یہ بہرے کو اطلاع دینے کے لیے ہے، **وَهُوَ بِمَا قُلْنَا**، اور یہ کس کے ساتھ ہو گا بہرے کو اطلاع دینا؟ اس صورت کے ساتھ ہو گا جو ہم نے کہی یعنی کانوں تک ہاتھ اٹھانے سے ہو گا۔

وَمَا رَوَاهُ يُحْمَلُ عَلَى حَالَةِ الْعُذْرِ، یہ جواب دے رہے ہیں امام شافعی **رَحِمَهُ اللهُ** نے جو حدیث ذکر کی تھی بھائی، کہ وہ حدیث جس کو انہوں نے روایت کیا: **يُحْمَلُ عَلَى حَالَةِ الْعُذْرِ**، اس کو محمول کیا جائے گا عذر کی حالت پر۔ یعنی حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** کی عام عادت تو یہ تھی کہ آپ کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھاتے تھے، لیکن اس حدیث میں جو آیا کہاں تک ہاتھ اٹھاتے؟ تو وہ کسی عذر کی وجہ سے ہو گا۔ جیسا کہ اور احادیث میں بھی آتا ہے، یہی حضرت وائل بن حجر **رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ** فرماتے ہیں کہ میں آیا مدینہ منورہ میں اور میں نے دیکھا کہ حضور **عَلَيْهِ السَّلَامُ** اور صحابہ جو ہیں وہ کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھاتے ہیں بھائی تکبیر کہتے ہوئے، اور پھر اگلے سال میں پھر آیا تو سردی کا زمانہ تھا، چادریں اوڑھی ہوئی تھیں، چادریں وغیرہ اور گرم چیزیں پہنی ہوئی تھیں تو اسی کے اندر ہاتھ کندھوں تک اٹھا لیتے تھے، کیونکہ کانوں تک اب ہاتھ اٹھانا مشکل تھا، ہاتھ چادر کے اندر لپٹے ہوئے ہیں تو کندھوں تک ہاتھ اٹھا لیتے تھے۔ تو معلوم ہوا یہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا یہ کس حالت میں ہے؟ عذر کی حالت میں، جب اس طرح کوئی چیز وغیرہ پہنی ہو۔

یہ معنی ہے: **وَمَا رَوَاهُ يُحْمَلُ عَلَى حَالَةِ الْعُذْرِ**، اور وہ حدیث جس کو انہوں نے روایت کیا اس کو محمول کیا جائے گا عذر کی حالت پر۔

وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا، اور عورت جو ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے گی اپنے کندھوں کے برابر تک۔ عورت کے لیے یاد رکھیے نماز اس طرح نہیں ہے جس طرح مردوں کے لیے نماز ہے۔ افعال تو وہی ہیں سارے، افعال تو سارے وہی ہیں، لیکن ان کو کرنا اس طریقے سے ہے جس میں ستر ہو، جس میں پردہ ہو۔ کیا ہو؟ پردہ زیادہ ہو، لہٰذا عورت کانوں کی لو تک نہیں اٹھائے گی بلکہ کہاں تک اٹھائے گی؟ کندھوں تک اٹھائے گی، کیونکہ اس میں اس کے لیے پردہ زیادہ ہے بھائی۔

وَهُوَ صَحِيحٌ، یہی قول صحیح ہے، **لِأَنَّهُ أَسْتَرُ لَهَا**، کیونکہ یہ اس کے لیے زیادہ اس میں ستر ہے یعنی زیادہ پردہ ہے عورت کے لیے اس میں۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۴۷: مسئلہ: اللہُ أَکْبَرُ

ہدایہ صفحہ: ۹۹ــــ بتاریخ: ۱۶ دسمبر ۲۰۱۲ء

فَإِنْ قَالَ بَدَلَ التَّكْبِيرِ: اللهُ أَجَلُّ، أَوْ أَعْظَمُ، أَوْ الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ، أَوْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَوْ غَيْرَهُ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى، أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: إِنْ كَانَ يُحْسِنُ التَّكْبِيرَ لَمْ يَجُزْ إِلَّا قَوْلُهُ: اللهُ أَكْبَرُ، أَوْ اللهُ الْأَكْبَرُ، أَوْ اللهُ الْكَبِيرُ. [1]

نماز کا طریقہ اور اس کی کیفیت ذکر ہو رہی ہے۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ نماز کے آغاز پر تکبیر کہی جائے گی اور تکبیرِ تحریمہ اس کو کہتے ہیں اور ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے گا بھائی، کانوں تک۔ جبکہ عورت جو ہے وہ اپنے ہاتھ جو ہے وہ کندھوں تک اٹھائے گی، کیونکہ اس میں اس کے لیے پردہ زیادہ ہے بھائی، پردہ زیادہ ہے۔ اور اس میں ایک مسئلہ یہ بھی یاد رکھیے کہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے جب کانوں تک لے جاتے ہیں، تو ہتھیلیوں کا رخ قبلے کی طرف ہونا چاہیے بھائی۔ بعض لوگ ہاتھ اٹھاتے ہیں، ہتھیلیوں کا رخ چہرے کی طرف رکھتے ہیں، نہیں بھائی، ہتھیلیوں کا رخ کس طرف ہونا چاہیے؟ قبلے کی طرف، صحیح طریقہ یہ ہے بھائی کہ ہتھیلی قبلے کی طرف ہو۔

آج آپ کے سامنے یہ مسئلہ ذکر کریں گے کہ اگر کوئی «اللهُ أَكْبَرُ» کے بجائے کوئی اور ایسا لفظ عربی کا ذکر کر دے جس میں اللہ کی عظمت بیان ہو رہی ہو تو بھی طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے یعنی اس کی نماز ہو جائے گی۔ یعنی «اللهُ أَكْبَرُ» کہنے کے بجائے کوئی «اللهُ أَجَلُّ» کہہ دیتا ہے، «أَجَلُّ» کا بھی وہی معنی جو «أَكْبَرُ» کا ہے، اور «اللهُ أَعْظَمُ» کہہ دیتا ہے، یا «الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ» کہہ دیتا ہے، یا اسی طرح «لَا إِلٰهَ إِلَّااللهُ» کہہ دیتا ہے، یا اسی طرح «سُبْحَانَ اللهِ» وغیرہ کہہ دیتا ہے، تو طرفین یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کافی ہے، نماز ہو جائے گی بھائی۔ نماز کیا ہے؟ ہو جائے گی بھائی، ہو جائے گی۔

البتہ یہ یاد رکھیے کہ یہ مکروہ ہے بھائی۔ ہاں، افتتاح صرف کس سے ہونا چاہیے؟ «اللهُ أَكْبَرُ»، کیونکہ حضور علیہ السلام سے یہی ثابت ہے، آپ نے ہمیشہ نماز کا آغاز کس سے فرمایا؟ «اللهُ أَكْبَرُ» سے، «اللهُ أَكْبَرُ» سے۔ لیکن طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کیونکہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ»، کہ اللہ کی بڑائی بیان کرو، اور «فَكَبِّرْ» بمعنی «عَظِّمْ» کے ہے یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرو، تعظیم بیان کرو، تو تعظیم بیان کرو اور ان سب لفظوں سے بھی یہ سب لفظ بھی اللہ کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں، لہٰذا ان سب سے نماز ہو جائے گی، لیکن چونکہ ثابت صرف «اللهُ أَكْبَرُ» ہے تو ان سے نماز پڑھ لے ہو تو جائے گی لیکن کیا ہے؟ مکروہ ہے بھائی، مکروہ ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ «اللهُ أَكْبَرُ» یا «اللهُ الْأَكْبَرُ» کہے یا «اللهُ الْكَبِيرُ» کہے تو یہ کہنا جائز ہے، باقی اگر «لَا إِلٰهَ إِلَّااللهُ» کہتا ہے تو نہیں بھائی، پھر یہ جائز ہی نہیں ہے بھائی، اور تکبیرِ تحریمہ کیا ہے نماز کے لیے؟ شرط ہے، شرط ہے، تو معلوم ہوا پھر نماز ہی نہیں ہو گی۔

■ مسئلہ: فَإِنْ قَالَ بَدَلَ التَّكْبِيرِ: اللهُ أَجَلُّ

«فَإِنْ قَالَ بَدَلَ التَّكْبِيرِ: اللهُ أَجَلُّ» اگر تکبیر کی جگہ پر «اللهُ أَجَلُّ» کہہ دیا، «أَوْ أَعْظَمُ» یا یعنی کہ «اللهُ أَعْظَمُ» کہہ دیا، «أَوِ الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ» یا یہ کہہ دیا «الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ»، «أَوْ لَا إِلٰهَ إِلَّااللهُ» کہہ دیا، «أَوْ غَيْرَهُ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى» یا اس کے علاوہ اللہ کے اسماء میں سے کوئی نام ذکر کر دیا، «أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَااللهُ» تو یہ کافی ہو جائے گا طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، تو باقی انہوں نے حاشیے کے اندر انہوں نے دیا ہوا ہے کہ امام قدوری نے ذکر کیا ہے، تصریح ذکر کی ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کہ «اللهُ أَكْبَرُ» کے علاوہ کسی اور لفظ سے شروع کرنا، جو لفظ ہم نے ذکر کیے اس طرح تعظیم والا کوئی لفظ ہو، ہو تو جائے گی نماز، کیا ہے؟ نماز ہو تو جائے گی البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے بھائی۔

«وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: إِنْ كَانَ يُحْسِنُ التَّكْبِيرَ لَمْ يَجُزْ إِلَّا قَوْلُهُ: اللهُ أَكْبَرُ، أَوْ اللهُ الْأَكْبَرُ، أَوْ اللهُ الْكَبِيرُ» اگر وہ اچھے طریقے سے تکبیر کہہ سکتا ہے، تو پھر جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ «اللهُ أَكْبَرُ» کہے، یا «اللهُ الْأَكْبَرُ» کہے، یا «اللهُ الْكَبِيرُ» کہے۔ وہ فرماتے ہیں اگر

[1] شاملہ (ص ۵۰) میں «يَجُزْ» کے بجائے «يجزئه» درج ہے۔

ایک شخص اچھے طریقے سے تکبیر کہہ سکتا ہے، «اللهُ أَكْبَرُ» کہہ سکتا ہے، تو اس کے لیے صرف «اللهُ أَكْبَرُ» کہنا جائز، اسی طرح «اللهُ الْأَكْبَرُ» الف لام کے ساتھ یہ بھی جائز ہے، اور «اللهُ الْكَبِيرُ» یہ کہنا بھی جائز ہے بھائی، جائز ہے۔ جبکہ نیز جامع صغیر کے اندر ذکر کیا ہے امام محمد رحمہ اللہ نے اور وہاں پر انہوں نے «اللهُ كَبِيرٌ» کو بھی ذکر کیا ہے۔ متن میں تو صرف کیا آیا؟ «اللهُ الْكَبِيرُ» الف لام کے ساتھ ہے «الْكَبِيرُ»، لیکن جامع صغیر کے اندر «اللهُ كَبِيرٌ» یعنی بغیر الف لام کے بھی کبیر کا لفظ ذکر ہے، تو معلوم ہوا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف ان چار لفظوں کے ساتھ تحریمہ کہہ سکتا ہے اور لفظ نہیں کہہ سکتا جبکہ وہ عربی اچھی طرح عربی کے یہ لفظ ادا کر سکتا ہو۔ اگر ادا کر ہی نہیں سکتا پھر تو الگ مسئلہ ہے، بات ہم کس کی کر رہے ہیں جو اچھے طریقے سے ادا کر سکتا ہے ان لفظوں کو، تو بھی وہ ان چار لفظوں کے ذریعے نماز ادا کرے تو ہو جائے گی۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالْأَوَّلَيْنِ» جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے مگر پہلے دو کے ساتھ ہی۔ پہلے دو کون سے؟ «اللهُ أَكْبَرُ» اور «اللهُ الْأَكْبَرُ»۔ تو اکبر پر الف لام ہو یا نہ ہو، یہ دو صورتیں ہیں، بس انہی کے ساتھ جائز ہے نماز اور باقیوں کے ساتھ جائز ہی نہیں ہے۔ «وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالْأَوَّلِ» امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے مگر پہلے کے ساتھ ہی یعنی اسی کے ساتھ نماز کا آغاز کر سکتا ہے۔ پہلا کون سا؟ «اللهُ أَكْبَرُ»، صرف یہ کہہ سکتا ہے، باقی «اللهُ الْأَكْبَرُ» کہا، یہ جائز ہی نہیں ہے، نماز ہی نہیں ہو گی۔ دلیل کیا ان کی؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ هُوَ الْمَنْقُولُ» کیونکہ یہی منقول ہے، احادیث وغیرہ میں صرف کیا لفظ ذکر ہوتا ہے، حضور علیہ السلام نماز کی ابتدا کس لفظ سے فرماتے تھے؟ «اللهُ أَكْبَرُ»، صرف یہی منقول ہے، «وَالْأَصْلُ فِيهِ التَّوْقِيفُ» اور اصل اس کے اندر توقیف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کیونکہ صرف «اللهُ أَكْبَرُ» کا لفظ یہی نقل ہوا ہے احادیث وغیرہ کے اندر اور اصل اس کے اندر توقیف ہے، توقیف میں نے بتلایا تھا نص سے کسی چیز کا ثابت ہونا، قرآن و حدیث میں کوئی چیز ہو تو اس کو کہتے ہیں توقیفی، یہ کیا ہے؟ توقیفی۔ تو کہتے ہیں اصل اس کے اندر توقیف ہے یعنی نص سے ثابت ہونا ہے، جو لفظ نص میں آیا ہے نص سے ثابت ہے، اسی سے نماز کا آغاز ہو گا اور کسی لفظ سے نماز کا آغاز جائز نہیں، اور نص میں احادیث میں تو صرف کیا آیا ہے؟ «اللهُ أَكْبَرُ» آیا ہے اور کوئی لفظ نہیں آیا، معلوم ہوا صرف اسی کے ساتھ نماز جائز ہو گی، دلیل ان کی سمجھ میں آئی بھائی؟ تو وہ فرماتے ہیں کیونکہ یہی لفظ منقول ہے «وَالْأَصْلُ فِيهِ التَّوْقِيفُ» اور اصل اس کے اندر توقیف ہے۔

■ مسئلہ: وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى يَقُولُ: إِ...

«وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى يَقُولُ: إِدْخَالُ الْأَلِفِ وَاللَّامِ أَبْلَغُ فِي الثَّنَاءِ» امام شافعی رحمہ اللہ کا کیا مذہب ذکر ہوا تھا؟ «اللهُ أَكْبَرُ» بھی اور «اللهُ الْأَكْبَرُ» الف لام کے ساتھ بھی، وہ فرماتے ہیں: «إِدْخَالُ الْأَلِفِ وَاللَّامِ أَبْلَغُ فِي الثَّنَاءِ» الف لام کا داخل کرنا یہ زیادہ بلیغ ہے کس کے اندر؟ ثناء، یعنی یہ ثناء ہے، حمد کے اندر، اللہ کی تعریف کے اندر یہ زیادہ بلیغ ہے الف لام کے ساتھ، اس لیے یہ بھی جائز ہے۔ کہتے ہیں دیکھیے «اللهُ أَكْبَرُ» کا کیا معنی ہے؟ یعنی «اللهُ أَكْبَرُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ»، اللہ سب سے بڑے ہیں یعنی ہر چیز سے بڑے ہیں۔ اور «اللهُ الْأَكْبَرُ» کہیں تو پھر لفظِ اللہ تو ہوا مبتدا اور «الْأَكْبَرُ» ای خبر اور خبر بھی معرفہ ہے، اور آپ نے ضابطہ پڑھا ہے کہ خبر بھی معرفہ ہو تو وہ حصر کا فائدہ دیتی ہے، حصر، قصر اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، تینوں کا ایک معنی ہے تینوں لفظوں کا: حصر، قصر اور تخصیص۔

لہٰذا جیسے «إِيَّاكَ نَعْبُدُ»، یہاں «إِيَّاكَ» کو «نَعْبُدُ» پر مقدم کیا گیا کس لیے؟ تخصیص کے لیے، اگر مؤخر ہوتا اور یوں ہوتا «نَعْبُدُكَ» تو کیا ترجمہ ہوتا؟ اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، تو اللہ کے لیے عبادت کرنے کا اثبات تو ہو جاتا کہ ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں، لیکن کسی اور کی عبادت نہیں کرتے یہ نفی نہ ہوتی، لیکن جب «إِيَّاكَ» کو مقدم کر دیا گیا «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» تو اب تخصیص آ گئی، کیونکہ تقدیم ماحقه التاخیر یفید الحصر والقصر والتخصیص، تینوں لفظوں کا ایک معنی ہے اس لیے میں تینوں ہمیشہ ذکر کرتا ہوں تاکہ آپ کو یاد رہیں بھائی: حصر، قصر اور تخصیص۔ تو جب تقدیم کی، مقدم کیا ایسے لفظ کو جس کا حق مؤخر ہونا تھا تو یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» اب کیا ترجمہ ہو گا؟ اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، یہ دیکھو آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، یہ تخصیص آ گئی، اور تخصیص کہتے ہیں کہ اگر مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہو تو باقی سب سے نفی ہو، اور اگر مذکور سے ایک چیز کی نفی ہو تو باقی سب کے لیے کیا ہو؟ اثبات۔ تو یہاں پر کیا کہا گیا؟ اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اللہ کے لیے عبادت ثابت کی تو باقی سب سے عبادت کی نفی کر دی، یہ ہے تخصیص۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں پر بھی جب خبر کیا آ گئی معرفہ «اللهُ الْأَكْبَرُ» تو اب تخصیص آ گئی، کیا معنی ہو گا؟ اللہ ہی سب سے بڑے ہیں یا اللہ ہی بڑے ہیں بھائی، اللہ ہی سب سے بڑے ہیں، اللہ ہی سب سے بڑے ہیں، تو دیکھیے باقی سب سے بڑائی کی نفی ہو گئی۔ تو اس میں زیادہ مبالغہ ہے کس کے اندر؟ ثناء اور تعریف کے اندر، لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔ «اللهُ الْأَكْبَرُ» کہنا بھی جائز ہے۔ یہ معنی ہے «وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ يَقُولُ: إِدْخَالُ الْأَلِفِ وَاللَّامِ أَبْلَغُ فِي الثَّنَاءِ» الف اور لام کا داخل کرنا یہ زیادہ بلیغ ہے تعریف کے اندر، «فَقَامَ مَقَامَهُ» تو یہ اس کے قائم مقام ہو جائے گا یعنی «اللهُ الْأَكْبَرُ» اس میں مبالغہ زیادہ اسی لیے یہ اس کے قائم مقام ہو جائے گا، لیکن باقی کوئی اور لفظ کہا جائے وہ «اللهُ أَكْبَرُ» کے قائم مقام نہیں۔ «اللهُ الْأَكْبَرُ» یہ تو قائم مقام ہو جائے گا، کس کا قائم مقام؟ «اللهُ أَكْبَرُ» کا، لیکن باقی کوئی اور لفظ اس کا قائم مقام نہیں ہو گا، اسی لیے صرف «اللهُ أَكْبَرُ»

اس سے نماز جائز ہو گی کیونکہ یہ تو نصوص سے ثابت ہے، اور «اللهُ الْأَكْبَرُ» سے نماز جائز ہو گی کیونکہ اس میں مبالغہ زیادہ ہے۔

«وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يَقُولُ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھائی، ان کے نزدیک کیا ان کا کیا مذہب تھا؟ تین لفظ متن میں ذکر ہوئے ہیں اور میں نے بتایا جامع صغیر کے اندر کیا آیا ہے؟ چوتھا لفظ بھی آیا، تو ان کے نزدیک گویا «اللهُ أَكْبَرُ»، «اللهُ الْأَكْبَرُ»، «اللهُ كَبِيرٌ» اور «اللهُ الْكَبِيرُ» ان سب کے ساتھ نماز جائز ہے۔ بھائی اس کی کیا وجہ؟ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو ایک ہے «أَفْعَلُ» ایک ہے «فَعِيلٌ»، «أَفْعَلُ» «أَكْبَرُ»، «أَكْبَرُ» کیا ہے؟ «أَفْعَلُ» اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، اور اسمِ تفضیل میں کیا کیا جاتا ہے؟ ایک چیز پر دوسری چیز کی زیادتی کو بیان کیا جاتا ہے: «زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، زید عمرو سے افضل ہے، یا یوں اور مثال بنالو: «زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو»، زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے کس کے مقابلے میں؟ عمرو کے مقابلے میں، تو دیکھو زیادتی بیان کی اور مطلق زیادتی نہیں بلکہ دوسری چیز کے مقابلے میں، اسمِ تفضیل میں کیا کیا جاتا ہے؟ دوسری چیز کے مقابلے میں زیادتی بیان کی جاتی ہے۔

اور ایک ہے «فَعِيلٌ»، «فَعِيلٌ» میں ایک صفت دوسرے کے لیے ثابت کی جاتی ہے: «زَيْدٌ سَمِيعٌ»، زید سننے والا ہے یعنی اس کے لیے سننے کا وصف ثابت ہے یعنی اس میں سننے کی صلاحیت ہے، کوئی بات کی جائے گی، کوئی آواز آئے گی تو وہ اس کو سن لے گا، تو یہ ہے «فَعِيلٌ»، اس میں دوسرے کے ساتھ مقابلہ نہیں ہوتا۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کے لیے اللہ کی صفات میں اسمِ تفضیل یعنی «أَفْعَلُ» اور «فَعِيلٌ» یعنی صفتِ مشبہ یہ دونوں برابر ہیں۔ یہ دونوں کیا ہیں؟ برابر ہیں۔ کیونکہ اسمِ تفضیل لایا جاتا ہے جب دوسری چیز کے مقابلے میں زیادتی بیان کرنا مقصد ہو اور اللہ کی شان تو اتنی اونچی، اللہ کی ذات تو اتنی عظیم ہے کہ وہاں برابری کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ برابری کا امکان ہی نہیں ہے کہ اس پر زیادتی کو بیان کیا جائے۔ تو وہاں «اللهُ أَكْبَرُ» اور «اللهُ كَبِيرٌ» دونوں برابر ہیں، تو چاہے «اللهُ أَكْبَرُ» کہا جائے تو بھی وہی بات جیسے کس میں ہے «اللهُ كَبِيرٌ»۔ بات سمجھ میں آئی؟ گویا «اللهُ أَكْبَرُ» کے اندر جو «أَكْبَرُ» آیا یہ کبیر کی طرح ہے، «أَفْعَلُ» «فَعِيلٌ» کی طرح ہے۔ کیونکہ «اللهُ أَكْبَرُ» کا کیا معنی؟ اللہ سب سے بڑے ہیں۔ اب اللہ کے یہاں کوئی مساوات یا برابری کا شبہ ہے؟ نہیں، تو لہٰذا «اللهُ كَبِيرٌ» بھی وہی فائدہ دے رہا ہے جو «اللهُ أَكْبَرُ» دے رہا ہے، کیونکہ یہاں «أَكْبَرُ» کوئی زائد فائدہ ہی نہیں دے رہا، کیوں فائدہ نہیں ہے زیادہ؟ یہاں کیونکہ یہاں برابری کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، جہاں برابری کا تصور ہو سکے وہاں کہا جاتا ہے یہ چیز اس سے بڑھ کر ہے، یہاں تو تصور ہی نہیں۔ لہٰذا یہاں «أَكْبَرُ» بھی کس کی طرح ہوا؟ کبیر، اور کبیر بھی کس کی طرح گویا ہو گیا؟ اکبر کی طرح ہو گیا، صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو لہٰذا اسی لیے وہ فرماتے ہیں دونوں طرح جائز ہے: «اللهُ أَكْبَرُ» کہنا بھی اور «اللهُ كَبِيرٌ» بھی، اور نیز بغیر الف لام کے بھی اور الف لام کے بھی۔ «وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يَقُولُ: إِنَّ أَفْعَلَ وَفَعِيلًا فِي صِفَاتِ اللهِ تَعَالَى سَوَاءٌ» وہ فرماتے ہیں کہ «أَفْعَلُ» یعنی اسمِ تفضیل «وَفَعِيلٌ» یعنی صفتِ مشبہ اللہ کی صفات میں یہ دونوں وزن جو ہیں برابر ہیں، صورت سمجھ میں آ گئی۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ لَا يُحْسِنُ

«بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ لَا يُحْسِنُ» انہوں نے کیا فرمایا تھا؟ جب تکبیر اچھی طرح کہہ سکے پھر بھی یہ چاروں کے ساتھ نماز جائز ہے، جائز ہے، اور باقی وہ فرماتے ہیں اگر وہ تکبیر ہی اچھی طرح نہیں کہہ سکتا زبان سے ادا ہوتی ہی نہیں ہے اس کے، پھر تو مجبوری آ گئی، پھر تو وہ لفظ پر قادر ہی نہ رہا، صرف کس پر قدرت ہے؟ معنی پر، اسی معنی کو کسی بھی لفظ کے ساتھ ادا کر دے، پھر چاہے «سُبْحَانَ اللهِ» کہہ دے، پھر چاہے کیا کہہ دے؟ «لَا إِلَهَ إِلَّااللهُ» وغیرہ کہہ دے، کیونکہ وہ تکبیر پر تو وہ قادر ہی نہیں۔ «بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ لَا يُحْسِنُ لِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ إِلَّا عَلَى الْمَعْنَى» بخلاف اس کے کہ جب وہ اچھے طریقے سے تکبیر نہ کہہ سکے اس سے کیونکہ پھر تو وہ قادر ہی نہیں ہے سوائے معنی کے۔

«وَلَهُمَا» بھائی دیکھیے، میں نے پہلے ذکر کیا تھا کہ صاحبِ ہدایہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ اقوال ذکر کرتے ہیں تو جو سب سے قوی قول ہوتا ہے اس کو پہلے ذکر کرتے ہیں اور جب دلائل ذکر کرتے ہیں تو جو مذہب راجح ہوتا ہے اس کی دلیل سب سے آخر میں ذکر کرتے ہیں تاکہ وہ اس مذہب کی دلیل بھی ہو جائے اور باقی سب کا جواب بھی ہو جائے۔ تو یہاں پر اب سب سے آخر میں طرفین کا مذہب جو راجح ہے جو متن میں انہوں نے ذکر کیا اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَلَهُمَا أَنَّ التَّكْبِيرَ هُوَ التَّعْظِيمُ لُغَةً» طرفین کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر یہ تعظیم ہی ہے، تکبیر کا کیا معنی ہے؟ تعظیم، عظمت بیان کرنا یعنی بڑائی بیان کرنا، عربی زبان کے اعتبار سے، تکبیر کا کیا معنی ہوتا ہے؟ تعظیم کا، چنانچہ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ»، دلیل میں کیا ذکر کر رہے ہیں طرفین؟ قرآن کو ذکر کر رہے ہیں اور قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ»، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، «فَكَبِّرْ أَيْ فَعَظِّمْ» اپنے رب کی عظمت بیان کرو کیونکہ تکبیر عربی زبان میں اس کا کیا معنی ہے؟ عظمت بیان کرنا۔ تو ان سب جو لفظ ہم نے ذکر کیے: «اللهُ أَجَلُّ» کہہ دیا جائے یا «الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ» یا «لَا إِلَهَ إِلَّااللهُ» یا «سُبْحَانَ اللهِ» وغیرہ، یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب اللہ کی عظمت اور بڑائی پر دلالت کر رہے ہیں، لہٰذا قرآن میں بھی اللہ فرما رہے ہیں «وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ» اللہ کی عظمت بیان کرو اور ان سب سے اللہ کی عظمت بیان ہو رہی ہے لہٰذا ان سب سے نماز جائز ہو جائے گی، صورت سمجھ میں آ گئی۔ «وَلَهُمَا أَنَّ التَّكْبِيرَ هُوَ التَّعْظِيمُ لُغَةً وَهُوَ حَاصِلٌ» طرفین کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر وہ جو ہے وہ تعظیم ہی ہے عربی زبان کے اعتبار سے اور وہ حاصل ہے یعنی ان میں سے جو بھی لفظ ذکر کیا جائے تعظیم تو حاصل ہے ان سب سے یعنی عظمت تو ان سب میں بیان ہو رہی ہے۔

«فَإِنِ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ بِالْفَارِسِيَّةِ، أَوْ قَرَأَ فِيهَا بِالْفَارِسِيَّةِ، أَوْ ذَبَحَ وَسَمَّى بِالْفَارِسِيَّةِ، وَهُوَ يُحْسِنُ الْعَرَبِيَّةَ، أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَقَالَا: لَا يُجْزِيهِ إِلَّا فِي الذَّبِيحَةِ، وَإِنْ لَمْ يُحْسِنِ الْعَرَبِيَّةَ أَجْزَأَهُ.» بھائی ایک آدمی نماز کا آغاز کرتا ہے تو دو صورتیں ہیں: یا تو وہ عربی زبان میں تکبیر وغیرہ پر قادر ہو گا یا قادر نہیں ہو گا۔ اگر عربی زبان پر وہ قادر ہے پھر تو صاحبین فرماتے ہیں عربی ہی میں تکبیر کہنا پڑے گی، اور اگر وہ عربی پر قادر نہیں پھر تو مجبوری ہے لہٰذا فارسی زبان میں بھی کیا کر سکتا ہے؟ تکبیر کہہ سکتا ہے، سمجھ میں آیا؟ تکبیر کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح نماز میں قرأت بھی فرض ہے۔ اب ایک شخص اگر قرأت پر قادر ہے تو اس کو عربی ہی میں قرآن پڑھنا پڑے گا، وہ اس پر فرض ہے۔ ہاں اگر قادر ہی نہیں ہے پھر کس میں پڑھ سکتا ہے؟ فارسی میں یعنی ترجمہ بھی پڑھ سکتا ہے، اس آیت وغیرہ کا فارسی ترجمہ یا سورۂ فاتحہ کا فارسی ترجمہ بھی ادا کر لے، لیکن اس میں بھی یاد رکھیے تفسیر کی بات نہیں ہو رہی، نفسِ ترجمہ اگر ذکر کیا جائے، نفسِ ترجمہ، تفسیر نہ ہو، وضاحت وغیرہ زیادہ نہ ہو، بس لفظی جو قرآن میں جیسے عربی میں آیا اسی کا لفظی ترجمہ، بامحاورہ یا لفظی جیسا بھی ہو لیکن ہے صرف ترجمہ، تفسیر میں تو ترجمہ اور لمبا ہو جائے گا، اس کی بات نہیں، اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، ہو گی نہیں بھائی۔ یہ ایک شخص ہے وہ عربی زبان پر قادر نہیں، اس کی زبان پر عربی لفظ جاری نہیں ہوتے تو پھر کیا کرے؟ فارسی میں انہی آیتوں کا ترجمہ کر دیا یا سورۂ فاتحہ کا ترجمہ وغیرہ، یہ پڑھ کر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی صاحبین، لیکن اگر قادر ہے تو پھر جائز نہیں۔ جبکہ امام صاحب کا قولِ اول یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ عربی آتی ہو پھر بھی فارسی میں قرأت کر لیتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ یہ کیا ہے امام صاحب کا؟ قولِ اول ہے، اور بعد میں امام صاحب نے اس قول سے رجوع فرما لیا بھائی، رجوع فرما لیا اور صاحبین کے مذہب کی طرح کہ اگر کوئی قادر ہے تو عربی ہی میں قرأت کرنا پڑے گی، فارسی میں قرأت یا کسی اور زبان میں قرأت نہیں ہو سکتی، جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر قادر ہی نہیں ہے پھر تو الگ بات ہے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: «فَإِنِ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ بِالْفَارِسِيَّةِ» اگر نماز کا آغاز کیا فارسی کے ساتھ یعنی فارسی میں تکبیر وغیرہ کہی، «أَوْ قَرَأَ فِيهَا بِالْفَارِسِيَّةِ» یا قرأت کی اس کے اندر بھائی فارسی میں، «أَوْ ذَبَحَ وَسَمَّى بِالْفَارِسِيَّةِ» یا کوئی جانور ذبح کیا بھائی اور اللہ کا نام لیا فارسی میں، «وَهُوَ يُحْسِنُ الْعَرَبِيَّةَ» حال یہ ہے کہ وہ اچھے طریقے سے عربی کہہ سکتا ہے، ان سب صورتوں میں عربی کہہ سکتا ہے پھر بھی فارسی میں یہ چیزیں کہتا ہے، «أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» تو امام صاحب کے نزدیک یہ اس کے لیے کافی ہے یعنی ہو جائے گا۔ اب آگے بتائیں گے ہو جائے گا اگرچہ سنت کو چھوڑنے کی وجہ سے اس نے برا کام کیا، گناہ گار ہوا، لیکن ہو جائے گا۔ تو امام صاحب کا قول یہ نہیں کہ ایسا کرے کوئی، ہاں اگر کسی نے کر لیا، نماز ہو جائے گی، البتہ پھر بھی اس نے برا کام کیا کہ سنت کی مخالفت کی، سنت طریقہ تو کیا ہے قرأت کس میں کی جائے؟ عربی زبان میں کی جائے، تو یہ قولِ اول ہے اور اس میں بھی وہ فرما رہے ہیں کہ اس نے برا کیا، جبکہ قولِ ثانی اور آخری قول تو کیا ہے امام صاحب کا کہ ہو گی نہیں نماز اس کی بھائی، ہو گی نہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: «أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» تو یہ اس کے لیے کافی ہو گا امام صاحب کے نزدیک، «وَقَالَا: لَا يُجْزِيهِ» اور صاحبین فرماتے ہیں یہ اس کے لیے کافی نہیں یعنی اگر اچھی طرح عربی جانتا ہے پھر فارسی میں قرأت پڑھے گا تو نماز ہو گی نہیں، «إِلَّا فِي الذَّبِيحَةِ» مگر کس کے اندر؟ ذبیحہ کے اندر۔ ذبیحہ کوئی جانور ذبح کرتا ہے اور فارسی میں اللہ کا نام تکبیر وغیرہ فارسی زبان میں کہتا ہے، تو اس میں صاحبین بھی فرماتے ہیں چاہے عربی اچھی طرح آتی ہو پھر بھی فارسی زبان میں تکبیر کہہ دیتا ہے بنامِ خدائے بزرگ و برتر وغیرہ لفظوں کے ساتھ تو بھی یہ ذبح درست ہو گیا بھائی، یہ ذبح کیا ہوا؟ درست ہو گیا۔ وجہ اس کی کیا وجہ ہے عربی پر قدرت کے باوجود؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ذبیحہ کے بارے میں اللہ قرآن میں کیا فرماتے ہیں: «وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ»، کہ اور نہ کھاؤ تم اس ذبیحہ کو جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، تو قرآن میں کیا آیا: «لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ»، سمجھ میں آیا؟ معلوم ہوا اللہ کا نام ذکر کرنا ضروری ہے، عربی زبان کا ہونا ضروری نہیں، تو فارسی میں بھی ذکر کر دے گا تو اللہ کا نام ذکر ہو گیا لہٰذا ذبح صحیح ہے۔ یہ معنی ہے کہ «إِلَّا فِي الذَّبِيحَةِ» سوائے ذبیحہ کے اندر، «وَإِنْ لَمْ يُحْسِنِ الْعَرَبِيَّةَ أَجْزَأَهُ» اور اگر وہ اچھے طریقے سے عربی نہیں کہہ سکتا تو پھر اس کے لیے کافی ہے صاحبین فرماتے ہیں۔

■ مسئلہ: أَمَّا الْكَلَامُ فِي الِافْتِتَاحِ

«أَمَّا الْكَلَامُ فِي الِافْتِتَاحِ» اور باقی کلام جو ہے نماز کے آغاز کے بارے میں، بھائی دو تین باتیں ذکر ہوئیں یہاں پر: ایک بات ہوئی تکبیرِ تحریمہ کے بارے میں کہ وہ فارسی میں کہے گا تو جائز ہو گی یا جائز نہیں، دوسرا کلام ہوا قرأت کے بارے میں کہ فارسی میں کہے تو نماز جائز ہو جائے گی یا جائز نہیں، تیسری بات ہوئی کس کے بارے میں؟ ذبیحہ کے بارے میں، تو تینوں الگ الگ ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں: «أَمَّا الْكَلَامُ فِي الِافْتِتَاحِ فَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْعَرَبِيَّةِ وَمَعَ أَبِي يُوسُفَ فِي الْفَارِسِيَّةِ» تو امام محمد رحمہ اللہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں عربی کے اندر اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں فارسی میں۔ صاحبِ ہدایہ بھائی ہدایہ کی فصیح و بلیغ عبارات چل رہی ہیں بھائی، کتنی لمبی بات کر گئے صاحبِ ہدایہ دو چار لفظوں کے اندر۔ عربی کے اندر امام محمد رحمہ اللہ امام صاحب کے ساتھ ہیں، اور فارسی میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، کیا معنی؟ بھائی دیکھیے، عربی کے اندر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، امام صاحب نے فرمایا تھا کہ تکبیر کے بجائے کوئی ایسا لفظ کہہ دے جو اللہ کی عظمت پر دلالت کر رہا ہو عربی زبان میں تو نماز ہو جائے گی، «اللهُ أَكْبَرُ» کہنے سے بھی، «اللهُ أَجَلُّ» کہنے سے بھی، «اللهُ كَبِيرٌ» سب اسی میں آ گئے، «سُبْحَانَ اللهِ» کہنے سے بھی، «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ»، تو اس میں امام محمد رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں عربی

ہونے میں کہ جس لفظ کے ساتھ بھی اللہ کی عظمت بیان کر دی جائے تکبیرِ تحریمہ ادا ہو جائے گی۔ اور فارسی ہونے میں امام محمد رحمہ اللہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ فارسی میں اگر تکبیر کہے گا جبکہ وہ اچھے طریقے سے عربی کہہ سکتا ہے تو جائز نہیں۔ تو امام محمد رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں جب اچھی طرح عربی کہہ سکتا ہے تو فارسی میں تکبیر کہنا جائز نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھیے عربیت کے اندر امام محمد رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، وہاں پر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا تھا صرف چار لفظوں کے ساتھ تکبیر وغیرہ کہہ سکتے ہیں، باقی لفظوں سے نہیں، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرمارہے تھے ہر تعظیم والے لفظ کے ساتھ تحریمہ کو ادا کیا جا سکتا ہے، تو وہاں وہ عربیت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔ اور دوسرے مقام پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فارسی میں بھی تکبیر کہنا صحیح نماز کے آغاز میں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں فارسی میں تکبیر کہنا صحیح نہیں، اس میں وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ یہ معنی ہے کہ «فَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْعَرَبِيَّةِ وَمَعَ أَبِي يُوسُفَ فِي الْفَارِسِيَّةِ» کہ امام محمد رحمہ اللہ جو ہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں عربی ہونے میں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں فارسی ہونے میں۔

«لِأَنَّ لُغَةَ الْعَرَبِ لَهَا مِنَ الْمَزِيَّةِ مَا لَيْسَ لِغَيْرِهَا» وہ دلیل اس لیے کیونکہ کہتے ہیں جو عربی زبان ہے لغت العرب عرب کی جو زبان ہے یعنی عربی، مزیت کہتے ہیں فضیلت کو، اس لیے کیونکہ عرب کی جو زبان ہے اس کو وہ فضیلت ہے جو اس کے علاوہ کسی اور زبان کو نہیں۔ عربی زبان کو اللہ نے فضیلت بخشی ہے بھائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کیا ہے؟ عربی ہے، اسی طرح اہل جنت کی زبان بھی کیا ہو گی؟ عربی ہو گی، اور اسی طرح قرآن کو بھی کس زبان میں نازل کیا گیا؟ عربی زبان میں، تو لہٰذا عربی زبان کو فضیلت حاصل ہے جو کسی اور زبان کو نہیں۔ تو اسی لیے عربی زبان میں کہے اور کوئی بھی تعظیم والا لفظ کہے، اس سے نماز کا آغاز کرنا جائز ہو گا ان کے نزدیک۔

«وَأَمَّا الْكَلَامُ فِي الْقِرَاءَةِ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّ الْقُرْآنَ اسْمٌ لِمَنْظُومٍ عَرَبِيٍّ» اور باقی کلام قرأت کے بارے میں، تو صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قرآن نام ہے منظومِ عربی کا۔ منظوم یعنی نظم، آپ نے پڑھا ہے قرآن کے لیے نظم کا لفظ بولا جاتا ہے کہ قرآن کی نظم میں یوں ہے، لفظ استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ نظم بطورِ ادب کے، کیونکہ لفظ کا معنی ہے عربی زبان میں پھینکنا اور نظم کا معنی ہے پرونا جیسے موتی وغیرہ لڑی میں پروئے جاتے ہیں، تو یوں کہتے ہیں یہ قرآن کی نظم ہے، یوں کہیں گے، یوں نہیں کہیں گے یہ قرآن کے الفاظ ہیں، کیونکہ لفظ کا کیا معنی؟ پھینکنا، تو یہ بے ادبی ہے اس کو قرآن کے لیے استعمال کیا جائے، تو قرآن کے لیے کہیں گے یہ قرآن کی نظم ہے یا قرآن کی نظم میں اس طرح آیا ہے۔ تو نظم میں گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اتنے حسین و جمیل ہیں جیسے لڑی میں پروئے ہوئے موتی بھائی، سمجھ میں آیا؟ اسی لیے نظم کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو صاحبین فرماتے ہیں: «أَنَّ الْقُرْآنَ اسْمٌ لِمَنْظُومٍ عَرَبِيٍّ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ» کہ قرآن نام ہے منظومِ عربی یعنی نظمِ عربی کا، جیسا کہ تکلم کیا ہے اس پر نص نے یعنی جیسا نص نے بتلایا ہے۔ قرآن نام ہے نظمِ عربی کا۔

بھائی ایک ہے لفظ، ایک ہوتا ہے اس کا معنی، تو قرآن کس کا نام ہے؟ لفظ کا نام ہے، یہ جو ہم پڑھتے ہیں: «الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ»، یہ لفظ، ان کا نام قرآن ہے، یا جو ان کا معنی ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا؟ تو قرآن لفظ کا نام ہے یا اس کے معنی کا نام ہے؟ اور آپ نے پڑھا نور الانوار وغیرہ کے اندر اصول الشاشی میں کہ قرآن نظم اور معنی دونوں کا نام ہے۔ قرآن صرف لفظوں کا نام بھی نہیں، صرف معنی کا نام بھی نہیں، بلکہ نظم اور معنی، یعنی قرآن نام تو نظم ہی کا ہے لیکن نظم بایں لحاظ کہ یہ ایک معنی پر دلالت کر رہی ہے بھائی، بغیر معنی کے نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو قرآن نام ہے نظم اور معنی دونوں کا، اور نص کے اندر بھی اس کا ذکر آیا ہے، نص نے بھی ہمیں یہی بتلایا، چنانچہ اللہ قرآن میں کیا فرماتے ہیں: «إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا»، ہم نے قرآن کو کیا بنایا ہے؟ عربی بنایا ہے۔ اسی طرح قرآن میں آتا ہے: «وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا»، اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کیا قرآن، معلوم ہوا قرآن کیا ہے؟ عربی ہے، عربی ہے۔ تو لہٰذا اور عربی یہ معنی کو کہتے ہیں یا لفظوں کو کہتے ہیں؟ لفظ کو کہتے ہیں نا، ہم بھی وہی معنی ادا کرتے ہیں اردو کے اندر، ہمیں عربی کوئی نہیں کہتا۔ وہی بات جو ایک عرب اپنی زبان میں کہے ہم اس کو کہتے ہیں یہ عربی ہے، وہی بات آپ بھی اپنی زبان میں کرتے ہیں لیکن آپ صرف معنی استعمال کر رہے ہیں، معنی، وہی بات کر رہے ہیں لیکن آپ کو کوئی عربی نہیں کہتا، معلوم ہوا عربی کس چیز کا نام ہے؟ لفظوں کا نام ہے، تو لفظوں کا صرف معنی نہیں بلکہ لفظ بھی ہوں، اسی لیے قرآن میں کیا آیا ہے: «إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا»، ہم نے قرآن کو عربی بنایا ہے وغیرہ، تو نص کے اندر یہ لفظ آئے ہیں بھائی، اس سے پتہ چلا کہ قرآن صرف معنی کا نام نہیں بلکہ لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے۔ تو لہٰذا عربی ہی میں قرأت کرنی پڑے گی۔

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّ عِنْدَ الْعَجْزِ يُكْتَفَى بِالْمَعْنَى...

«إِلَّا أَنَّ عِنْدَ الْعَجْزِ يُكْتَفَى بِالْمَعْنَى كَالْإِيمَاءِ» مگر یہ کہ عجز کے وقت اکتفاء کیا جائے گا معنی پر، یا یوں کہیں نماز پڑھنے والا اکتفاء کر لے گا کس پر؟ معنی پر۔ جب وہ عربی میں قرأت کر ہی نہیں سکتا تو عاجزی کے وقت کس پر اکتفاء کر لے؟ معنی پر، جیسے اشارہ کرنا۔ بھائی اصل تو نماز کے اندر قیام، رکوع، سجدہ کرنا فرض ہیں، لیکن ایک شخص قادر ہی نہیں ہے، بیمار ہے، مریض ہے، تو اس کے لیے شریعت نے رخصت دے دی وہ کیا کر سکتا ہے؟ بیٹھ کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔ تو جیسے دیکھیے یہاں پر اشارہ رکوع اور سجدے کے قائم مقام ہو گیا، عدمِ قدرت میں اشارہ قائم مقام جیسے ہو جاتا ہے، تو جب ایک شخص عربی قرأت پر قادر ہی نہیں ہے تو اس

کے لیے بھی معنی کے ساتھ کیا کر سکتا ہے؟ نماز ادا کر سکتا ہے، وہ معنی فارسی زبان میں وہ ادا کر دے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی، یہ اس کے قائم مقام ہو جائے گا، لیکن یہ کس وجہ سے؟ کیونکہ وہ اصل پر قادر نہیں، اصل تو یہ تھا جیسے وہ بیمار ہے، اصل تو یہ تھا وہ کھڑے ہو کر قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ کرتا، لیکن عاجزی کی وجہ سے اس کو اشارے کی اجازت دے دی گئی، اشارہ اس کے قائم مقام۔ یہاں پر بھی اصل تو یہ ہے کہ عربی زبان میں قرأت کرے، لیکن اگر عاجز ہے تو پھر کیا کر دے؟ اسی معنی کو ادا کر دے تو یہ اس کے قائم مقام ہو جائے گا۔ یہ معنی ہے: «**إِلَّا أَنَّ عِنْدَ الْعَجْزِ يُكْتَفَى بِالْمَعْنَى كَالْإِيمَاءِ**» مگر یہ کہ عاجز ہوتے وقت وہ نماز پڑھنے والا اکتفاء کر لے گا معنی پر جیسے اشارہ کرنا ہے، «**بِخِلَافِ التَّسْمِيَةِ**» بخلاف اللہ کا نام لینے یعنی وہ جو ذبیحہ پر ہے، وہ عاجزی کے بغیر بھی صحیح ہو جائے گا، کیوں؟ «**لِأَنَّ الذِّكْرَ يَحْصُلُ بِكُلِّ لِسَانٍ**» کیونکہ ذکر وہ حاصل ہو جاتا ہے ہر زبان سے۔ قرآن میں بھی اللہ کیا فرماتے ہیں: «**وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ**»، اور تم اس چیز کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو، وہاں اللہ کا نام ذکر کرنے کا کہا گیا ہے اور اللہ کا نام تو کسی بھی زبان میں ذکر کر دیا جائے تو اللہ کا نام ذکر ہو گیا تو ذبیحہ کیا ہو جائے گا؟ حلال ہو جائے گا۔ تو اس میں عربی ہونے کی شرط نہیں ہے، اس میں صرف اللہ کا نام ذکر کرنا ضروری ہے جو کسی بھی زبان میں ہو جائے، جبکہ یہاں پر قرأت وغیرہ میں ایسا نہیں ہے، اس میں عاجز ہوتے وقت تو گنجائش ہو گی، اگر عاجز نہیں تو پھر گنجائش نہیں۔

«**وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ﴾**» اب امام صاحب کی دلیل آئی، امام صاحب کی دلیل جو ہے: اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اور یہ قرآن، ہا ضمیر کس کو راجع؟ ہا ضمیر راجع قرآن کو، اور یہ قرآن جو ہے پہلے پہلوں کی کتابوں میں تھا۔ زبر جمع ہے زبور کی، اور زبور کہتے ہیں کتاب کو، یہ قرآن جو ہے پہلوں کی کتابوں میں ہے یعنی ان کی کتابوں میں تھا بھائی، یعنی پہلے جو کتابیں دی گئیں تورات ہے، زبور ہے، انجیل وغیرہ، تو ان میں یہ قرآن تھا بھائی، ان میں بھی یہ قرآن ہے یعنی اس میں جو باتیں کی گئی ہیں وہ اس میں موجود ہیں۔ تو امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے «**وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ**» کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کتابوں میں ان کے صحیفوں میں موجود ہے۔ اور بھائی جو پہلی کتابیں تھیں وہ تو عربی زبان میں تھیں ہی نہیں، اور اللہ کیا فرما رہے ہیں یہ قرآن ان میں ہے، معلوم ہوا وہاں لفظ نہیں تھے ذکر، کیونکہ یہ لفظ تو عربی کے ہیں، وہاں معلوم ہوا معنی تھا، کیا تھا؟ معلوم ہوا قرآن معنی کا نام ہے، لفظوں کا نام نہیں، یہ امام صاحب کی دلیل ہے۔

«**وَلَمْ يَكُنْ فِيهَا بِهَذِهِ اللُّغَةِ، وَلِهَذَا يَجُوزُ عِنْدَ الْعَجْزِ**» اور ان کتابوں کے اندر تو اس زبان میں یعنی عربی زبان میں نہیں تھا، اور اسی وجہ سے عاجزی کے وقت جائز ہے۔ اسی وجہ سے صاحبین کے نزدیک بھی جو عاجز ہے وہ کیا کر سکتا ہے؟ فارسی وغیرہ میں قرأت، دیکھو معلوم ہوا فارسی میں پڑھ رہا ہے، یہاں تو صرف وہ معنی ادا ہو رہا ہے لیکن پھر بھی آپ کہتے ہیں ادا ہو جائے گی اس کی نماز یعنی اس نے قرأت کر لی، تو معلوم ہوا قرآن کس چیز کا نام ہے؟ معنی کا نام ہے، جبھی آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ معنی ادا ہو گیا۔ «**وَلِهَذَا يَجُوزُ عِنْدَ الْعَجْزِ، إِلَّا أَنَّهُ يَصِيرُ مُسِيئًا لِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ الْمُتَوَارَثَةِ**» اسی وجہ سے جائز ہے عاجزی کے وقت، مگر یہ کہ وہ شخص جو ہے وہ برا عمل کرنے والا ہے، راکے نیچے کسرہ پڑھیں بھائی، وہ سنت جس پر بتواتر عمل ہوتا چلا آیا ہے، اس کی مخالفت کرنے کی وجہ سے۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ دلیل ان کی کیا ذکر ہوئی کہ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «**إِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ**»، کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کتابوں میں موجود تھا اور وہ کتابیں تو عربی میں نہیں تھیں، تو معلوم ہوا ان میں قرآن تھا لیکن وہ عربی زبان میں نہیں، اس سے پتہ چلا کہ قرآن صرف کس چیز کا نام ہے؟ معنی کا، اور اسی وجہ سے تو آپ کہتے ہیں کہ اگر جو عربی پر قادر نہ ہو فارسی زبان میں معنی ادا کر دے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی، معلوم ہوا آپ کے نزدیک بھی قرآن صرف کس چیز کا نام ہے؟ معنی کا، کیونکہ فارسی میں تو لفظ ادا نہیں ہو رہے، صرف کیا ادا ہو رہا ہے؟ صرف معنی ادا ہو رہا ہے، تو لہٰذا اسی لیے فارسی میں کوئی قرأت کرتا ہے اس کی نماز ہو جائے گی مگر یہ کہ وہ گناہ گار ہو گا، برا عمل کرنے والا ہے بوجہ مخالفت کرنے اس سنت کے جس پر عمل ہوتا چلا آیا ہے۔

■ مسئلہ: وَيَجُوزُ بِأَيِّ لِسَانٍ كَانَ سِوَى الْفَارِسِيِّ...

«**وَيَجُوزُ بِأَيِّ لِسَانٍ كَانَ سِوَى الْفَارِسِيَّةِ، هُوَ الصَّحِيحُ، لِمَا تَلَوْنَا**» آگے یہ ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ امام صاحب سے تو صرف فارسی کے بارے میں ذکر ہے کہ صرف فارسی میں صحیح ہے یا اور زبانوں میں بھی صحیح ہے، تو بعضوں نے کہا نہیں صرف فارسی میں اجازت دی ہے امام صاحب فرماتے ہیں اس میں جائز ہے، باقی کسی اور زبان میں جائز نہیں۔ لیکن بتلائیں گے کہتے ہیں نہیں صحیح قول یہ ہے کہ جس زبان میں بھی قرأت کرنا چاہے کیا کر سکتا ہے؟ قرأت کر سکتا ہے، کیونکہ معنی ہر زبان میں اسی طرح ادا ہو گا جس طرح کس میں ادا ہوتا ہے؟ فارسی میں۔ اور جائز ہے جس لسان میں بھی ہو فارسی کے علاوہ، یہی قول صحیح ہے اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی بھائی، کیونکہ قرآن پچھلے لوگوں کے صحیفوں میں ان کی کتابوں میں تھا اور وہ کتابیں تو فارسی زبان میں بھی نہیں ہیں، وہ تو اور زبانیں ہیں بھائی، تو معلوم ہوا فارسی کے علاوہ اور زبان میں بھی جائز ہے، اور میں نے بتلایا کہ امام صاحب نے پھر رجوع کیا کس کی طرف؟ صاحبین کے قول کی طرف۔ ہاں عاجز ہے وہ جس زبان میں بھی کرنا چاہے وہ لیکن نفسِ ترجمہ ہونا چاہیے، تفسیر وغیرہ نہیں ہونی چاہیے بھائی۔ اور یہ بھی نہیں کہ اسی زبان پر پھر اکتفاء کر لے، نہیں، جب تک وہ فاتحہ وغیرہ کی قرأت بقدرِ ضرورت سیکھ نہیں لیتا تب تک کیا کر لے؟ اس کے لیے وہ اس میں کر سکتا ہے۔

اور یہاں آیا «**هُوَ الصَّحِيحُ**» یہی قول صحیح ہے، میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک لفظ آتا ہے «**أَصَحُّ**» اور ایک ہے «**صَحِيحٌ**»، کس میں قوت زیادہ؟ صحیح

میں قوت زیادہ ہے، اس لیے کیونکہ جب کہا یہی قول صحیح ہے معلوم ہوا دوسرا قول غیر صحیح ہے، وہ صحیح نہیں۔ لیکن جب کہا یہی قول اصح ہے، زیادہ صحیح ہے، معلوم ہوا یہ زیادہ صحیح ہے تو اس کے مقابلے میں کوئی صحیح قول بھی موجود ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔

«وَالْمَعْنَى لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ اللُّغَاتِ، وَالْخِلَافُ فِي الِاعْتِدَادِ، وَلَا خِلَافَ فِي أَنَّهُ لَا فَسَادَ» اور معنی وہ تو بدلتا نہیں ہے زبانوں کے بدلنے سے، یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک جو ان کا پہلا قول تھا اس کے مطابق امام صاحب کے نزدیک فارسی میں قرأت جائز ہے، صاحبین کے نزدیک فارسی میں قرأت جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں اختلاف اس کے معتبر ہونے میں ہے، مفسدِ صلاۃ ہونے میں کہ نماز کے لیے مفسد ہے یا مفسد نہیں، تو اس میں بالاتفاق مفسد نہیں، اگر کوئی شخص کیا کر لیتا ہے؟ ایک شخص عربی زبان پر قادر بھی ہے اور پھر وہ فارسی ترجمہ سورۂ فاتحہ کا پڑھ لیتا ہے تو اس پر تو اتفاق ہے نماز فاسد نہیں ہوگی، اس میں نہیں اختلاف، نماز فاسد نہیں۔ کہ اس کی وجہ سے فساد نہیں آئے گا اس میں کوئی اختلاف نہیں، صاحبین بھی فرماتے ہیں ہاں نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ ادھر ادھر کی کوئی بات اس نے نہیں کی بلکہ وہی قرآن کا معنی پڑھا ہے اس نے۔ ہاں اس سے قرأت والا فرض ادا ہو گیا یا نہیں، معتبر ہے کہ معتبر نہیں، اس میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ معتبر ہے، اس کا فرضِ قرأت ادا ہو گیا۔ صاحبین کے نزدیک فرضِ قرأت ادا نہیں ہوا۔ تو معتبر ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے اور باقی اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اس میں کوئی اختلاف نہیں، بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہوگی، بات سمجھ میں آگئی؟ اور اختلاف جو ہے اس کے معتبر ہونے میں ہے یعنی اس کو شمار کرنے میں ہے کہ اس کو شمار کیا جائے گا یا شمار نہیں کیا جائے گا، اور اس بات میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ اس میں فساد نہیں یعنی اس سے نماز فاسد نہیں، صاحبین بھی فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

■ مسئلہ: وَيُرْوَى رُجُوعُهُ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ إِلَى...

«وَيُرْوَى رُجُوعُهُ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ إِلَى قَوْلِهِمَا، وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ» اور روایت کیا گیا ہے امام صاحب کا رجوع کرنا اصل مسئلہ کے اندر یعنی قرأت والے مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف، اور اسی پر کیا ہے؟ اسی پر اعتماد ہے، اسی قول پر اعتماد کیا جاتا ہے یعنی اسی پر فتویٰ ہے جو امام صاحب کا دوسرا قول ہے جو صاحبین کا قول ہے جس کی طرف امام صاحب نے رجوع کیا تھا، اسی پر اعتماد ہے۔ معلوم ہوا احناف کا مذہب کیا ہے؟ ایک شخص اگر عربی زبان پر قادر ہے تو اس کے لیے فارسی میں قرأت کہنا جائز نہیں ہے، اگر کہے گا تو فرض ادا نہیں ہوگا اور فرض نہ ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔

«وَالْخُطْبَةُ وَالتَّشَهُّدُ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ» اور خطبہ اور تشہد بھی اسی اختلاف پر ہیں۔ یعنی خطبہ جو عیدین کا خطبہ ہے یا جمعہ کا خطبہ ہے، امام صاحب کے نزدیک عربی پر قدرت کے باوجود اور زبانوں میں جائز ہے، صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔ اسی طرح تشہد میں اختلاف بھی ہے، امام صاحب کے نزدیک اور زبانوں میں جائز ہے، صاحبین کے نزدیک جب عربی پر قادر ہو تو اور زبانوں میں جائز نہیں۔ خطبہ اور تشہد بھی اسی اختلاف پر ہیں۔

«وَفِي الْأَذَانِ يُعْتَبَرُ التَّعَارُفُ» اور اذان کے اندر تعارف معتبر ہے یعنی جس طرح لوگوں میں متعارف ہو۔ اذان عربی ہی میں دی جائے گی یا کسی اور زبان میں بھی دی جا سکتی ہے؟ صاحبِ ہدایہ کیا فرما رہے ہیں؟ تعارف یعنی تعارف معتبر ہے، لوگوں میں جس طرح معروف ہو، رائج ہو بھائی۔ یعنی اگر ایک علاقے کے اندر فارسی زبان میں اذان دی جاتی ہے تو وہاں فارسی میں اذان دی جائے تو اذان کی سنت ادا ہو جائے گی بھائی، اذان کی سنت۔ اور ایک علاقے میں عادت نہیں ہے اس کی، عربی ہی میں اذان دی جاتی ہے، وہاں تو اگر کوئی فارسی میں اذان دے گا بھی تو سارے حیران ہوں گے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے بھائی، کیا کہنا چاہتا ہے، تو جہاں متعارف نہیں کوئی اس کو اذان سمجھے گا ہی نہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا اس میں عرف کو دیکھا جائے گا۔

■ مسئلہ: وَإِنِ اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ بِـ: اللَّهُمَّ اغْفُ...

«وَإِنِ اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ بِـ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، لَا تَجُوزُ» اور اگر آغاز کیا نماز کا «اللَّهُمَّ اغْفِرْلِي»، اے اللہ میری مغفرت فرما دے، پھر جائز نہیں۔ اب دیکھیے یہ عربی زبان میں ہی کہہ رہا ہے: «اللَّهُمَّ اغْفِرْلِي»، اور امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ کہ کوئی بھی عربی کا ایسا لفظ جو تعظیم پر دلالت کر رہا ہو اس کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے، لیکن «اللَّهُمَّ اغْفِرْلِي» صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں اس سے جائز نہیں۔ بھائی اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں بھائی ایسا لفظ ہونا چاہیے جس میں اللہ کی عظمت بیان تو ہو لیکن ساتھ بندے کی طرف سے کوئی سوال وغیرہ نہ ہو، کچھ مانگنا نہ پایا جائے، یہاں تو «اللَّهُمَّ اغْفِرْلِي» وہ مانگ رہا ہے، سوال کر رہا ہے، کس چیز کا سوال کر رہا ہے؟ اپنی مغفرت کا سوال کر رہا ہے۔ تو کہتے ہیں «لَا تَجُوزُ لِأَنَّهُ مَشُوبٌ بِحَاجَتِهِ، فَلَمْ يَكُنْ تَعْظِيمًا خَالِصًا» پھر جائز نہیں ہے، مشوب کا معنی ملا ہوا ہونا، مخلوط ہونا، اس لیے کیونکہ یہ لفظ جو ہے یہ ملا ہوا ہے اس نمازی کی حاجت کے ساتھ، اس میں تو وہ اپنی حاجت بیان کر رہا ہے، اللہ سے درخواست کر رہا ہے مغفرت کی، تو یہ خالص تعظیم نہ ہوئی، ایسا لفظ ذکر ہو جس میں کیا ہو؟ خالص تعظیم ہو۔

«وَإِنِ اسْتَفْتَحَ بِقَوْلِهِ: اللَّهُمَّ، فَقَدْ قِيلَ: يُجْزِيهِ، لِأَنَّ مَعْنَاهُ: يَا اللهُ» اور اگر افتتاح کیا نماز کا صرف «اللَّهُمَّ» کے ساتھ تو تحقیق کہا گیا ہے

یہ کافی ہو جائے گا اس لیے کیونکہ اس کا معنی ہے «**يَا اللهُ**»۔ «**اللَّهُمَّ**» کا کیا معنی ہے؟ «**يَا اللهُ**»، اے اللہ۔ اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ «**يَا اللهُ**» بھی اگر شروع میں کہہ دے گا تو نماز جائز ہو جائے گی، اگرچہ مکروہ ہے لیکن نماز کیا ہے؟ ہو جائے گی۔ کیونکہ دلیل کیا ذکر کر رہے ہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں «**اللَّهُمَّ**» کے ساتھ بھی نماز جائز ہو جائے گی کیونکہ «**اللَّهُمَّ**» کا کیا معنی ہے؟ «**يَا اللهُ**»، معلوم ہوا «**يَا اللهُ**» سے نماز ہوتی ہے جبھی تو کہہ رہے ہیں «**اللَّهُمَّ**» سے بھی نماز ہو جائے گی کیونکہ یہ بھی کس معنی میں ہے؟ «**يَا اللهُ**» کے معنی میں ہے۔

«**وَقَدْ قِيلَ: لَا يُجْزِيهِ، لِأَنَّ مَعْنَاهُ: يَا اللهُ، أُمَّنَا بِخَيْرٍ، فَكَانَ سُؤَالًا**» اور تحقیق کہا گیا ہے کہ جائز نہیں ہو گی، اس سے «**اللَّهُمَّ**» کے ساتھ نماز نہیں ہو گی اس لیے کیونکہ اس کا معنی ہے «**يَا اللهُ، أُمَّنَا بِخَيْرٍ**»، أَمّ یؤمّ کے معنی ارادہ کرنے کے، اے اللہ آپ ہمارا ارادہ خیر کے ساتھ فرمایئے یعنی ہمارے ساتھ خیر والا معاملہ فرمایئے بھائی، تو یہ کیا ہوا؟ سوال ہوا، یہ تو اللہ سے سوال کر رہا ہے، دعا کر رہا ہے، اور ہم نے کہا تھا کہ خالص تعظیم والا لفظ ہونا چاہیے سوال نہیں ہونا چاہیے۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک «**اللَّهُمَّ**» کے ساتھ تحریمہ ادا نہیں ہو گی بھائی۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۴۸: قَالَ: وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى...

ہدایہ صفحہ: ۱۰۰ — بتاریخ: ۱۷ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى تَحْتَ السُّرَّةِ» لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعَ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ»، «وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فِي الْإِرْسَالِ، وَعَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فِي الْوَضْعِ عَلَى الصَّدْرِ».

نماز کا طریقہ بیان ہو رہا ہے۔ اس سے ما قبل میں ذکر ہوا کہ نماز کے آغاز میں نماز پڑھنے والا تکبیرِ تحریمہ کہے گا بھائی، اور پھر اس تکبیرِ تحریمہ کے اندر امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف بھی ذکر ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک کوئی بھی تعظیم والا لفظ ادا کیا جا سکتا ہے عربی زبان میں۔ اور اسی طرح اگر فارسی میں بھی ابتدا کرنا چاہے تو فارسی کے لفظ کے ساتھ بھی ابتدا جائز ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ لفظ جس سے تعظیم والا معنی جس میں ہو اس سے نہیں آغاز کر سکتا، ہاں چار لفظ ہیں ان سے آغاز کر سکتا ہے: «**اللهُ أَكْبَرُ**»، «**اللهُ الأَكْبَرُ**»، «**اللهُ كَبِيرٌ**» اور «**اللهُ الكَبِيرُ**» بھائی۔ اور نیز فارسی میں بھی شروع نہیں کر سکتا اگر اچھی طرح عربی بولتا ہو بھائی، بول سکے، اس پر تکلم کر سکے۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ عربی ہونے کے اندر تو امام صاحب کے ساتھ ہیں یعنی ہر تعظیم والے لفظ کے ساتھ نماز کا آغاز کرنا جائز ہے، البتہ فارسی والے مسئلے کے اندر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں کہ فارسی میں اگر عربی اچھی طرح بول سکتا ہے تو فارسی کے اندر آغاز کرنا صحیح نہیں بھائی۔ جی اور نیز اسی طرح قراءت وغیرہ میں بھی اختلاف ذکر ہوا۔

اب بتلا رہے ہیں اس کے بعد کیا کرے گا تکبیر کہنے کے بعد؟ **قَالَ: «وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى تَحْتَ السُّرَّةِ»** اور رکھے اپنے دائیں ہاتھ کو، نماز پڑھنے والا رکھے اپنے دائیں ہاتھ کو **عَلَى الْيُسْرَى** بائیں ہاتھ پر، **تَحْتَ السُّرَّةِ** ناف کے نیچے بھائی۔ یعنی بایاں ہاتھ نیچے ہونا چاہیے اور دایاں ہاتھ اس کے اوپر ہونا چاہیے بھائی، اوپر ہونا چاہیے۔ اور **تَحْتَ السُّرَّةِ** اور کہاں پر ہاتھ باندھے؟ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے بھائی۔ تو دایاں ہاتھ اوپر ہو اور بایاں ہاتھ نیچے ہو بھائی۔

اور احناف، احناف کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر حدیث پر عمل ہو جائے بھائی، ہر حدیث پر عمل ہو جائے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا جگہ جگہ آپ دیکھتے ہیں ہاں احادیث کے اندر جب دورۂ حدیث آپ کریں گے بھائی، اللہ آپ سب کو توفیق دے گی۔ (آمین) تو دورۂ حدیث جب آپ کریں گے وہاں مفصل بحثیں آئیں گی، آپ دیکھیں گے احناف کے مذہب کو کہ کس طرح ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر حدیث پر عمل ہو جائے بھائی۔ کوئی ایسی صورت اختیار کر لی جائے کہ ہر حدیث پر عمل ہو جائے بھائی۔ ہاں جہاں ممکن ہی نہ ہو کوئی صورت تو پھر وہاں ایک ہی راستے کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ جیسے یہاں بھائی، یہ ہاتھ رکھنے کے بارے میں بعض احادیث میں آتا ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے، اس کے اوپر رکھنے کا ذکر ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یعنی ہتھیلی کا ہتھیلی پر ہونے کا ذکر آتا ہے۔ اور بعض احادیث کے اندر کلائی کو پکڑنے کا ذکر آتا ہے۔ تو احناف نے وہ صورت اختیار کی کہ جس میں ان سب پر عمل ہو جاتا ہے کہ کس طرح؟ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور جو انگلیاں ہیں ان کو، تین انگلیاں درمیان والی ان کو کلائی پر سیدھا رکھے اور جو چھوٹی انگلی اور انگوٹھا ہے اس کے ساتھ کلائی کو پکڑ لے بھائی۔ تو اب یہ سب پر، سب حدیثوں پر کیا ہو گیا؟ عمل ہو گیا۔ ہتھیلی پر ہتھیلی بھی آ گئی، کلائی پر بھی ہاتھ کا کچھ حصہ آ گیا، تین انگلیاں کلائی پر آ گئیں، اور نیز کلائی کو پکڑ بھی لیا انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کے ساتھ، تو سب پر عمل ہو گیا بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى تَحْتَ السُّرَّةِ**» اور رکھے نماز پڑھنے والا اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر **تَحْتَ السُّرَّةِ** ناف کے نیچے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ «**إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعَ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ**» کہ یقیناً سنت میں سے ہے رکھنا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر **تَحْتَ السُّرَّةِ** ناف کے نیچے بھائی۔ صاحبِ ہدایہ نے اس کو حضور علیہ السلام کے قول پر نقل کیا ہے بھائی، لیکن دیگر علماء اور شارحین حضرات لکھتے ہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کا قول نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، حضرت علی، تو یہاں صاحبِ ہدایہ سے یا تسامح ہوا یا پھر

کسی لکھنے والے کاتب کی غلطی سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام یہاں بدل گیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: «**إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعَ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ**»۔ تو بہر حال اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو پھر بھی دلیل ہے مولانا، کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ راشد ہیں اور وہ فرمارہے ہیں کہ سنت میں سے کیا ہے؟ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا **تَحْتَ السُّرَّةِ** اور کہاں پر؟ ناف کے نیچے بھائی۔

«**وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ فِي الْإِرْسَالِ**» اور یہ دلیل ہے امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف ارسال کے اندر۔ ارسال بھائی ارسال، ارسال اس کو کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ جیسے عام انسان کھڑا ہوتا ہے ہاتھ نیچے لٹکا کر، باندھے بغیر ہی، یہ ہے ارسال۔ یہ ہاتھوں کا چھوڑ دینا، کھلا چھوڑ دینا، یہ کیا ہے؟ ارسال ہے۔ بھائی آپ اگر حرم جائیں، حرم جائیں، اللہ ہم سب کو وہاں بار بار جانے کی توفیق اور نصیب فرمائے بھائی، تو وہاں پر آپ دیکھیں گے بھائی مالکیہ کو جو مذہبِ امام مالک رحمہ اللہ پر ہیں کہ انہوں نے نماز کے اندر وہ ہاتھ باندھتے نہیں، ہاتھ کھلے سیدھے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ہے ارسال، یہ کیا ہے؟ ارسال۔ تو یہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں ہاتھ نماز کے اندر نہیں باندھے جائیں گے بلکہ ارسال ہے۔ ہاتھ باندھ بھی سکتے ہیں، ان کے نزدیک بھی ہاتھ باندھ بھی سکتے ہیں لیکن عزیمت یہ ہے کہ ہاتھ کھلے چھوڑ دیں، ارسال کریں۔ ہاں باندھنا چاہے ہاتھ تو باندھ بھی سکتا ہے اس کی بھی رخصت ہے ان کے نزدیک بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ امام مالک رحمہ اللہ کا ان کا مذہب یہ ہے بھائی۔ تو وہاں آپ دیکھیں گے بہت سے لوگوں کو، انہوں نے ہاتھ نماز میں نہیں باندھے ہوں گے، یہ مالکیہ ہوں گے۔ ہاں شیعہ بھی اسی طرح کرتے ہیں، وہ بھی ہاتھ نہیں باندھتے بھائی، لیکن بہر حال آپ چہروں سے ہی پہچان لیں گے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ایک طرف سنت کے انوارات ہوں گے اور سنت کے انوارات اور برکات آپ کو واضح دکھائی دیں گی دکھائی دے گی، جبکہ دوسری طرف بغضِ صحابہ کی وجہ سے جو نحوست برس رہی ہوگی چہروں پر وہ آپ کو کھلی آنکھوں سے دکھائی دے گی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ارسال ہے بھائی ارسال۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اللہ نے ہمیں صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے بھائی، الحمد للہ۔ کتنی بڑی نعمت ہے بھائی کتنی بڑی نعمت، اور کتنے ظالم ہیں وہ لوگ جو صحابہ کو برا کہتے ہیں بھائی۔ صحابہ کو دراصل اگر نکال دیا جائے تو دین ہی سارا ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کے شاگرد وہی ہیں، وہی دین سیکھ کر آگے دین کو پہنچانے والے ہیں۔ اس بیچ میں اس واسطے کو ختم کر دو، کاٹ دو، تو بعد میں تابعین آگئے۔ تابعین کی تو حضور علیہ السلام سے ملاقات ہی نہیں ہوئی، وہ کیسے کوئی بات نقل کریں گے حضور علیہ السلام سے صحابہ کے واسطے کے بغیر بھائی؟ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بنیاد ہی دین کو ختم کرنے کی ہے بھائی۔ تو الحمد للہ اللہ نے ہمیں صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے اور صحابہ کا ذکر بھی کہیں آتا ہے تو دل کے اندر ایمانی لذت محسوس ہوتی ہے بھائی۔

تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ارسال کیا جائے گا بھائی ارسال۔ تو یہ حدیث جو ہے ان کے خلاف دلیل ہوئی بھائی۔ اس حدیث میں کیا آیا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا فرمارہے ہیں کہ سنت کیا ہے؟ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا **تَحْتَ السُّرَّةِ** ناف کے نیچے، معلوم ہوا ہاتھ باندھنا سنت ہے، کھلے چھوڑنا سنت نہیں۔

«**وَعَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ**» اور یہی حدیث دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف بھی «**فِي الْوَضْعِ عَلَى الصَّدْرِ**» سینے پر ہاتھ رکھنے میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے بلکہ سینے پر باندھے جائیں گے بھائی، سینے پر باندھے جائیں گے۔ تو اس حدیث میں کیا آیا؟ **تَحْتَ السُّرَّةِ** ناف کے نیچے باندھنا، معلوم تو یہ ان کے خلاف بھی دلیل ہوئی۔ یہ پہلی دلیل بھائی۔

دوسری عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں: «**وَلِأَنَّ الْوَضْعَ تَحْتَ السُّرَّةِ أَقْرَبُ إِلَى التَّعْظِيمِ**» اور اس لیے کیونکہ ناف کے نیچے رکھنا ہاتھوں کا یہ تعظیم کے زیادہ قریب ہے، «**وَهُوَ الْمَقْصُودُ**» اور وہی مقصود ہے، یہی تعظیم ہی مقصود ہے۔ ہم کہتے ہیں دوسری دلیل ہے ہماری کہ نماز جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دربارِ جلال و جمال میں مناجات ہے بھائی، اللہ سے مناجات ہے، اللہ کے سامنے حاضری ہے۔ اور جب کوئی غلام کسی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اسی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے جس طرح ہمارا طریقہ ہے بھائی، کہ ناف کے نیچے۔ تو یہ تعظیم کے لیے یہ طریقہ ہے کہ غلام بادشاہ کے دربار میں اس طرح کھڑے ہوتے ہیں، تو اور تو یہ کس طریقے کے اندر ہے؟ ہمارے طریقے کے اندر ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھے جائیں یا کھلے چھوڑے جائیں تو اس میں تعظیم نہیں بھائی اتنی جتنی کس طریقے کے اندر ہے؟ ہمارے طریقے کے اندر ہے بھائی۔ یہ معنی ہے «**لِأَنَّ الْوَضْعَ تَحْتَ السُّرَّةِ أَقْرَبُ إِلَى التَّعْظِيمِ**» اس لیے کیونکہ ناف کے نیچے ہاتھوں کا رکھنا یہ تعظیم کے زیادہ قریب ہے، «**وَهُوَ الْمَقْصُودُ**» اور یہی مقصود ہے یعنی تعظیم ہی مقصود ہے۔

«**ثُمَّ الِاعْتِمَادُ سُنَّةُ الْقِيَامِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى حَتَّى لَا يُرْسِلَ حَالَةَ الثَّنَاءِ**» پھر یہ ہاتھوں کا رکھنا یہ قیام کی سنت ہے۔ کس کی سنت ہے؟ قیام کی سنت ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قراءت کی سنت ہے قراءت بھائی۔ قراءت یعنی جب قرآن پڑھنا شروع کرے سورۂ فاتحہ وغیرہ، تو پھر ہاتھ باندھے اس کی سنت ہے۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ کیا فرماتے ہیں؟ یہ قیام کی سنت ہے قیام کی سنت، اور قیام تو تکبیرِ تحریمہ کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا لہٰذا تکبیرِ تحریمہ کہتے ہی کیا کر لے؟ ہاتھ باندھ لے، جبکہ ان کے نزدیک یہ سنت ہے قراءت کی اور قراءت سے پہلے ثناء وغیرہ ہے بھائی، تو ثناء وغیرہ اس میں معلوم ہو ہاتھ باندھنا سنت نہیں۔ لیکن شیخین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قیام کی سنت ہے تو تکبیرِ تحریمہ کہتے ہی پھر فوراً ہاتھ باندھ لے۔

«**ثُمَّ الِاعْتِمَادُ سُنَّةُ الْقِيَامِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ**» پھر یہ ہاتھوں کا رکھنا یہ قیام کی سنت ہے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، «**حَتَّى لَا يُرْسِلَ حَالَةَ الثَّنَاءِ**» یہاں تک کہ ارسال نہیں کرے گا نماز پڑھنے والا ثناء کی حالت میں۔ ثناء وہ جو **سُبْحَانَكَ اللهُمَّ** پڑھتا ہے شروع میں، اس حالت

میں بھی کیا کرے گا؟ ارسال نہیں کرے گا، کیونکہ یہ ثناء بھی کس حالت میں ہے؟ قیام کی حالت میں، اور ہاتھوں کا باندھنا کس کی سنت ہے؟ قیام کی۔ تو ثناء کی حالت میں بھی قیام ہے اور قیام میں تو سنت ہے ہاتھوں کا باندھنا لہٰذا اس حالت میں بھی ہاتھ باندھے ہوئے ہوں بھائی انسان کے۔ یہ معنی ہے «**حَتَّى لَا يُرْسِلَ حَالَةَ الثَّنَاءِ**» یہاں تک کہ ارسال نہیں کرے گا ثناء کی حالت میں۔

«**وَالأَصْلُ أَنَّ كُلَّ قِيَامٍ فِيهِ ذِكْرٌ مَسْنُونٌ يَعْتَمِدُ فِيهِ وَمَا لَا فَلَا هُوَالصَّحِيحُ**» اور اصل یا ضابطہ اس کے اندر یہ ہے کہ ہر وہ قیام **فِيهِ ذِكْرٌ مَسْنُونٌ** جس میں کوئی مسنون ذکر ہو، **أَنَّ كُلَّ قِيَامٍ، كُلَّ قِيَامٍ** آیا نکرہ کیونکہ نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے، اور آگے آیا **فِيهِ ذِكْرٌ مَسْنُونٌ، فِيهِ** ہے خبرِ مقدم، **ذِكْرٌ مَسْنُونٌ** ہے مبتدائے مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ، تو جملہ آگیا **كُلَّ قِيَامٍ** نکرہ کے بعد بھائی، اور نکرہ کے بعد جملہ ہے تو کیا بنتا ہے اس کے لیے؟ صفت، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا، لہٰذا ترجمہ یوں ہو گا: «**وَالأَصْلُ أَنَّ كُلَّ قِيَامٍ فِيهِ ذِكْرٌمَسْنُونٌ**» اور اصل ضابطہ یہ ہے کہ ہر ایسا قیام جس کے اندر کوئی مسنون ذکر ہو، «**يَعْتَمِدُ فِيهِ**» اس کے اندر ہاتھ رکھے گا یعنی ہاتھ باندھے گا، «**وَمَا لَا فَلَا**» اور جو قیام ایسا نہیں فلا تو اس میں ہاتھ بھی نہیں باندھے جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کیا ضابطہ ہوا؟ کیا اصل ذکر ہو گئی؟ ہر وہ قیام جس میں کوئی مسنون ذکر ہے اس میں ہاتھ باندھے جائیں گے، اور وہ قیام جس میں مسنون ذکر نہیں اس میں ہاتھ بھی نہیں باندھے جائیں گے۔ لہٰذا اب آپ مجھے بتایئے، عید کی نمازوں میں آپ تکبیریں زائد تکبیریں کہتے ہیں، ان زائد تکبیروں کے اندر کوئی ذکر مسنون ہے؟ نہیں، ان کے درمیان میں کوئی ذکر تو مسنون نہیں، اور جب جس قیام میں ذکر مسنون نہ ہو اس میں کیا کیا جائے گا؟ ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے، لہٰذا آپ بھی اسی طرح کرتے ہیں، عید کی نمازوں میں جب وہ زائد تکبیریں کہتے ہیں تو درمیان میں ہاتھوں کو باندھتے نہیں بلکہ چھوڑ دیتے۔ اسی طرح قومہ ہے قومہ، جب آپ رکوع سے کھڑے ہوتے ہیں، یاد رکھیے یہ تفصیل آگے آجائے گی، جب رکوع سے آپ اٹھتے ہیں تو امام کہے گا «**سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ**» اور مقتدی یہ نہیں کہے گا، مقتدی کہے گا «**رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ**»۔ امام صرف «**سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ**» کہے گا اور «**رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ**» نہیں کہے گا، جبکہ مقتدی وہ «**سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ**» نہیں کہے گا اور «**رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ**» کہے گا، تو یہاں تقسیم ہے ہمارے نزدیک، امام «**سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ**» کہے گا اور مقتدی «**رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ**»۔ تو یہ جب انسان رکوع سے اٹھتا ہے تو اٹھتے ہوئے امام کہے گا «**سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ**» اور اسی وقت مقتدی بھی کہے گا «**رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ**»، تو قومے کے اندر کوئی ذکر نہیں۔ قومے کے اندر کوئی ذکر نہیں، اسی لیے قومے کے اندر ہاتھ ہم باندھتے نہیں بلکہ ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

جبکہ جس جس حالت میں کوئی ذکر مسنون ہے تو وہاں پر ہاتھ باندھے جائیں گے، جیسے دعائے قنوت پڑھتے ہیں آپ وتر کے اندر بھائی، وتر کے اندر، تو اب ہاتھ باندھیں گے یا نہیں باندھیں گے؟ ہاتھ باندھیں گے بھائی، کیونکہ اس میں دعا پڑھی جاتی ہے اس قیام کے اندر، یہ ویسے نہیں ہے۔ اسی طرح نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں، نمازِ جنازہ کے اندر دعائیں پڑھی جاتی ہیں یا نہیں پڑھی جاتیں؟ پڑھی جاتی ہیں اور ہر تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہیں، لہٰذا ہاتھ باندھے رہیں گے مسلسل اسی طرح بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے کہ ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ قیام **فِيهِ ذِكْرٌ مَسْنُونٌ** جس میں کوئی مسنون ذکر ہو **يَعْتَمِدُ فِيهِ** اس میں ہاتھ رکھے گا یعنی ہاتھ باندھے گا، **وَمَا** لَا اور جو قیام ایسا نہ ہو **فَلَا** تو اس میں ہاتھ بھی نہیں باندھے، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے، «**فَيَعْتَمِدُ فِي حَالَةِ القُنُوتِ وَصَلَاةِالجِنَازَةِ**» پس ہاتھ باندھے گا کس میں؟ دعائے قنوت کی حالت میں، **وَصَلَاةِ الجِنَازَةِ** اور جنازے کی نماز میں، «**وَيُرْسِلُ فِي القَوْمَةِ وَبَيْنَ تَكْبِيرَاتِ الأَعْيَادِ**» اور ہاتھ کھلے چھوڑ دے گا قومے کے اندر یعنی رکوع سے اٹھ کر جو قومہ ہے، **وَبَيْنَ تَكْبِيرَاتِ الأَعْيَادِ** اور عیدوں کی جو تکبیریں ہیں ان کے درمیان۔

«**ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَى آخِرِهِ**» جی، تکبیر کہہ دی، نماز کا طریقہ بیان ہو رہا ہے، تکبیر کہہ لی اور تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیے، اب کیا شروع کر دے گا؟ ثناء شروع کر دے گا: «**سُبْحَانَكَ اللهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ**» بھائی۔ **ثُمَّ يَقُولُ** تو یہ وہی ذکر کر رہے ہیں، پھر **سُبْحَانَكَ اللهُمَّ وَبِحَمْدِكَ** آخر تک پڑھ لے گا۔ «**وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ يَضُمُّ إِلَيْهِ قَوْلَهُ: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ إِلَى آخِرِهِ**» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ نماز پڑھنے والا اس کے ساتھ ملائے گا، اس ثناء کے ساتھ کیا ملائے گا؟ اپنے اس قول کو بھی: «**إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ**» آخر تک، یہ دعا بھی ساتھ پڑھے گا۔ یہ دعا آپ کے حاشیے میں دی ہوئی ہے بھائی، یہ بھی احادیث سے ثابت ہے، احادیث سے۔ کیا ہے؟ «**إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ المُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ المُسْلِمِينَ**»۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ دعا بھی احادیث سے ثابت ہے، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثناء پڑھنے کے بعد پھر یہ دعا پڑھے گا بھائی، یہ دعا پڑھے گا۔ یہ معنی ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ اس کے ساتھ ملائے گا اپنے اس قول کو «**إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ**» آخر تک۔

«**لِرِوَايَةِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ**» دلیل ذکر کر رہے ہیں اس کی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اپنی دلیل ذکر کر، بوجہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے «**أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَقُولُ ذَلِكَ**» کہ حضور علیہ السلام یہ فرماتے تھے، یہ کہتے تھے، «**وَلَهُمَا**» اور طرفین کی دلیل، انہوں نے کیا کہا تھا اوپر متن میں کیا آیا؟ صرف کیا پڑھے؟ **سُبْحَانَكَ اللهُمَّ**، صرف ثناء پڑھے گا۔ **وَلَهُمَا** ان کی دلیل جو ہے «**رِوَايَةُ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ وَقَرَأَ: سُبْحَانَكَ اللهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَى آخِرِهِ**» کہ جب حضور علیہ السلام نماز کا

آغاز فرماتے تو **كَبَّرَ** تکبیر کہتے، **وَقَرَأَ** اور یہ پڑھتے **سُبْحَانَكَ اللهُمَّ وَبِحَمْدِكَ** آخر تک، **«وَلَمْ يَزِدْ عَلَى هَذَا»** اور حضرت انس نے اس پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روایت کے اندر اس پر کوئی زیادتی نہیں کی، انہوں نے صرف یہ ذکر کیا حضور علیہ السلام یہ پڑھا کرتے تھے اور ثناء ذکر کی ہے۔ آگے **«إِنِّي وَجَّهْتُ»** والی دعا ذکر نہیں کی۔ معلوم ہوا صرف یہ پڑھیں گے۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھائی وہ احادیث میں تو آیا ہے بعد کے اندر، تو اس کا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: **«وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى التَّهَجُّدِ»** اور وہ حدیث جس کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ تہجد پر محمول ہے، کہ حضور علیہ السلام تہجد میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے بھائی۔ اور تہجد کے اندر تو حضور علیہ السلام طویل نماز ادا فرماتے تھے، تو آپ بھی پڑھ سکتے ہیں تہجد میں بھی، نوافل وغیرہ میں بھی پڑھنا چاہیں پڑھ سکتے ہیں، لیکن جو فرض نمازیں ہیں ان کے اندر صرف کیا پڑھے؟ صرف ثناء پڑھے کیونکہ فرض نماز مختصر ہونی چاہیے بھائی، مختصر۔ کیونکہ بعض لوگ ضعیف ہوتے ہیں، بعض بیمار ہوتے ہیں، کمزور وغیرہ، تو لہٰذا وہ فرض نماز جماعت کے ساتھ جو ہو وہ مختصر ہونی چاہیے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جماعت کی بات چل رہی ہے، جماعت کی نماز کیا ہونی چاہیے؟ مختصر ہونی چاہیے بھائی۔ اچھا۔

تو کہتے ہیں: **«وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى التَّهَجُّدِ»** وہ تہجد پر محمول ہے۔ **«وَقَوْلُهُ: وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ لَمْ يُذْكَرْ فِي الْمَشَاهِيرِ»** بھائی بعض روایتوں میں **«وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ»** کا لفظ بھی آیا ہے۔ **«سُبْحَانَكَ اللهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ»**، تو یہ **«وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ»** بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں نہیں، یہ نہ پڑھے۔ یہ نہ پڑھے، اس لیے کیونکہ مشہور روایتوں میں یہ لفظ ذکر نہیں ہے بھائی۔ مشہور روایتیں جو آئی ہیں ان میں اس لفظ کے بغیر ثناء کا ذکر ہے۔ **«وَقَوْلُهُ: وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ لَمْ يُذْكَرْ فِي الْمَشَاهِيرِ فَلَا يَأْتِي بِهِ فِي الْفَرَائِضِ»** تو ان کو نہ لائے فرائض میں یعنی اس میں نہ کہے۔

«وَالْأَوْلَى أَنْ لَا يَأْتِيَ بِالتَّوَجُّهِ قَبْلَ التَّكْبِيرِ لِيَتَّصِلَ النِّيَّةُ بِهِ هُوَالصَّحِيحُ» بھائی بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو دعا ہے **«إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ»** والی اوپر جو بیان ہوئی، یاد رکھیے اس کو فقہاء کی اصطلاح میں اس دعا کو توجہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ توجہ، اس دعا کا نام ہے توجہ بھائی۔ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ تکبیرِ تحریمہ سے پہلے توجہ کہہ لے، یہ دعا تکبیرِ تحریمہ سے پہلے یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے، تحریمہ کہنے لگا ہے تو پہلے کیا کر لے؟ یہ توجہ کہہ لے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ تحریمہ سے پہلے بھی توجہ نہ کہے بھائی، تاکہ نیت جو ہے وہ تحریمہ کے ساتھ مل جائے، ورنہ تو نیت اور تحریمہ کے درمیان کیا آجائے گا؟ فصل آجائے گا۔ **«وَالْأَوْلَى أَنْ لَا يَأْتِيَ بِالتَّوَجُّهِ»** اور بہتر یہ ہے کہ توجہ نہ لے کر آئے یعنی وہ نہ کہے **«قَبْلَ التَّكْبِيرِ»** تکبیرِ تحریمہ سے پہلے بھی، **«لِيَتَّصِلَ النِّيَّةُ بِهِ»** تاکہ نیت تحریمہ کے ساتھ مل جائے، **«هُوَ الصَّحِيحُ»** یہی قول صحیح ہے۔ تو افضل یہ ہے کہ نہ لے کر آئے بھائی، افضل یہ ہے۔ اگر لے بھی آئے کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ نہ لائے۔

«وَيَسْتَعِيذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ» اور پناہ پکڑے اللہ کی **مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ** کس سے؟ شیطانِ مردود سے، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى** اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: **«فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ»** اور جب آپ قرآن پڑھیں تو پناہ پکڑیے اللہ کی شیطان مردود سے۔ اور جب آپ قراءت کریں، **مَعْنَاهُ إِذَا أَرَدْتَ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ** تو قرآن میں تو **«قَرَأْتَ»** کا لفظ آیا لیکن قراءت سے یہاں کیا مراد ہے؟ ارادۂ قراءت مراد ہے، جب قراءت پڑھنے کا ارادہ کریں تو پھر پہلے کیا پڑھ لیں؟ اعوذ باللہ پڑھ لیں۔ تو **مَعْنَاهُ إِذَا أَرَدْتَ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ** جب آپ کا ارادہ قراءتِ قرآن کا ہو۔

نماز کا طریقہ بیان ہو رہا ہے بھائی۔ سب سے پہلے کیا کہے گا؟ نیت کی اور پھر تحریمہ کہے گا، اس کے بعد ہاتھ باندھ لے گا، اور ثناء پڑھے گا، ثناء کے بعد اب اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ کیا شروع کرنے لگا ہے؟ قراءت شروع کرنے لگا ہے، اور قرآن میں اللہ فرماتے ہیں جب آپ قراءت کا ارادہ ہو تو کیا کر لیں؟ اعوذ باللہ پڑھ لیجیے۔

«وَالْأَوْلَى أَنْ يَقُولَ: أَسْتَعِيذُبِاللهِ» صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہے **«أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ»** یوں نہ پڑھے بلکہ اولیٰ یہ ہے یوں پڑھے: **«أَسْتَعِيذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ»**۔ سمجھے؟ معنیٰ دونوں کا ایک ہی، لیکن **«أَسْتَعِيذُ»** پڑھنا اولیٰ ہے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں۔ اس لیے تاکہ قرآن کے لفظوں کے موافق ہو جائے آپ کی اعوذ باللہ بھائی، قرآن میں کیا ہے؟ **«فَاسْتَعِذْ»** تو اسی کے مطابق **«أَسْتَعِيذُ»** پڑھیں، پڑھنا اولیٰ ہے۔ ہاں اعوذ باللہ بھی پڑھ لیں تو ٹھیک ہے لیکن اولیٰ **«أَسْتَعِيذُ»** ہے۔ جبکہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ اولیٰ اعوذ باللہ پڑھنا ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اعوذ باللہ پڑھنا اولیٰ ہے۔ **«وَالْأَوْلَى أَنْ يَقُولَ: أَسْتَعِيذُ بِاللهِ لِيُوَافِقَ الْقُرْآنَ»** اور اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہے **أَسْتَعِيذُ بِاللهِ** تاکہ وہ قرآن کے موافق ہو جائے، مطابق ہو جائے، **«وَيَقْرُبُ مِنْهُ: أَعُوذُبِاللهِ»** اور اسی کے قریب ہے **أَعُوذُ بِاللهِ** بھی، یعنی یہ بھی کہہ سکتا ہے یہ بھی اسی کے قریب ہے۔

«ثُمَّ التَّعَوُّذُ تَبَعٌ لِلْقِرَاءَةِ دُونَ الثَّنَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى» اب یہ تعوذ جو ہے یعنی یہ اعوذ باللہ کا پڑھنا، یہ قراءت کے تابع ہے یا یہ ثناء کے تابع ہے؟ اگر قراءت کے تابع ہے تو قراءت کے وقت اعوذ باللہ پڑھے گا، اور اگر ثناء کے تابع ہے تو ثناء کے وقت کیا پڑھے گا؟ اعوذ باللہ۔ کچھ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ آپ کہیں گے ایک ہی بات ہے چاہے ثناء کے ساتھ پڑھ لے چاہے قراءت کے ساتھ پڑھ لے، کیونکہ ثناء کے بعد اعوذ باللہ کے ساتھ ہی کیا شروع ہو جائے گی؟ قراءت شروع ہو جائے گی، تو لہٰذا دونوں کے ساتھ، بھائی بعض جگہ فرق پڑے گا بھائی، بعض جگہ فرق پڑے گا۔

مثلاً بھائی، عید کی تکبیرات ہیں، عید کی تکبیرات، اس میں دیکھیے نیت کر کے جب نماز شروع کرتا ہے پہلے کیا پڑھی جاتی ہے؟ ثناء پڑھتے ہیں، پھر تین تکبیریں آتی

ہیں، پھر اس کے بعد قراءت آتی ہے۔ تو لہٰذا اگر یہ ثناء کے تابع، تو تکبیرات سے پہلے پڑھیں گے، اور اگر یہ قراءت کے تابع، تو تکبیرات کے بعد پڑھیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قراءت کے تابع ہے لہٰذا قراءت کے ساتھ پڑھیں گے، تو عید کی تکبیرات سے کیا کریں گے اس کو؟ مؤخر کریں گے۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ کس کے تابع ہے؟ ثناء کے تابع ہے، اس لیے کیونکہ یہ دعا ہے بھائی، کیا ہے؟ دعا ہے بھائی۔ تو لہٰذا اس کو کس کے ساتھ پڑھے گا؟ ثناء کے ساتھ، تو اس سے پہلے پڑھے گا بھائی، عید کی تکبیرات سے پہلے بھائی۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بھی دعا ہے جس طرح ثناء ہے، یہ بھی اسی کی طرح ہے تو اس کے ساتھ اس کے تابع ہے۔

کہتے ہیں: «**ثُمَّ التَّعَوُّذُ تَبَعٌ لِلْقِرَاءَةِ دُونَ الثَّنَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ**» اور پھر تعوذ یعنی اعوذ باللہ جو ہے وہ قراءت کے تابع ہے نہ کہ ثناء کے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک، «**لِمَا تَلَوْنَا**» اس آیت کی وجہ سے جو ابھی ہم نے تلاوت کی، کیا؟ «**فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ**»، «**فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ**» تو اس سے پتہ چلا یہ قراءت کے تابع ہے۔

«**حَتَّى يَأْتِيَ بِهِ الْمَسْبُوقُ دُونَ الْمُقْتَدِي**» یہاں تک اس کو لے کر آئے گا یعنی اس کو کہے گا مسبوق نہ کہ مقتدی، مسبوق کہے گا، مقتدی نہ کہے۔ یہاں بھی دیکھیے، اگر یہ اعوذ باللہ ثناء کے تابع ہے تو جو ثناء پڑھنے والا ہے اس کے وہ اعوذ باللہ بھی اس کے تابع ہے تو وہ اعوذ باللہ بھی پڑھے گا۔ اور اگر یہ قراءت کے تابع کہی جائے تو جو قراءت پڑھے گا اس پر کیا ہو گا اعوذ باللہ کا پڑھنا، جو قراءت نہیں کرتا اس پر اعوذ باللہ کا پڑھنا بھی نہیں ہو گا۔ لہٰذا طرفین رحمہما اللہ کیا فرماتے ہیں یہ کس کے تابع؟ قراءت کے تابع، لہٰذا مسبوق تو اعوذ باللہ کہے گا، مسبوق وہ شخص جس کی ایک یا زیادہ رکعتیں رہ گئی ہوں، پھر وہ آکر جماعت میں شامل ہوا۔ اب وہ جب شامل ہوا ہے بعد میں تو امام جب سلام پھیر دے گا وہ اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرے گا، اور جب بقیہ رکعتیں پوری کرے گا اس میں قراءت بھی کرے گا، اور اعوذ باللہ تو قراءت کے تابع ہے لہٰذا وہ کیا کرے گا؟ اعوذ باللہ پڑھے گا۔ تو مسبوق پڑھے گا۔ اور مقتدی نہیں پڑھے گا، مقتدی جو شروع سے ہی نماز میں شریک ہوا ہے، اس لیے کیونکہ وہ امام کے پیچھے ساری رکعتیں پڑھ رہا ہے، تو امام کی قراءت مقتدی کی بھی قراءت ہے، امام کے پیچھے تو مقتدی قراءت نہیں کرتا، تو لہٰذا مقتدی جب ہے تو قراءت نہیں کر رہا تو قراءت کے تابع ہے اعوذ باللہ وہ بھی نہیں پڑھے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یاد رکھیے بھائی، یہاں مسبوق اور مقتدی کا ذکر آیا، میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ایک ہے مدرک، ایک کیا ہے؟ مسبوق، اور ایک ہے لاحق بھائی۔ مدرک، مسبوق اور لاحق۔ مدرک وہ ہے جو شروع سے نماز کے اندر شریک ہے، ساری رکعتیں اس کو مل گئیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مدرک۔ اور اسی کو مقتدی بھی کہتے ہیں اور مؤتم بھی کہتے ہیں۔ اسی مدرک کو کیا کہتے ہیں؟ مقتدی، جیسے یہاں پر مقتدی کا لفظ آیا، اس سے کون مراد ہے؟ مدرک۔ تو مدرک ہی کا دوسرا نام مقتدی بھی ہے اور اسی مدرک کو مؤتم بھی کہتے ہیں، مؤتم میں میم مشدد ہے، مؤتم، یہ بھی اسی مقتدی کے معنی میں ہے، اقتداء کرنے والا۔ اور اسی طرح دوسرا لفظ کیا تھا؟ مسبوق بھائی۔ مسبوق وہ ہے جس کی ایک یا زیادہ رکعتیں رہ گئی ہوں، وہ جماعت میں آکر شامل ہوا اور ایک یا زیادہ رکعتیں رہ گئیں، یہ ہے مسبوق۔ اور تیسرا لفظ ہے لاحق بھائی لاحق، لاحق وہ ہے جو نماز میں شریک ہوا اور شرکت کے بعد اس کی کچھ رکعتیں رہ گئیں سو جانے کی وجہ سے، نماز ہی میں کیا ہوا؟ وہ سو گیا تھا یا اس کو حدث لاحق ہوا، بہر حال جو بھی صورت پیش آئی، شریک ہونے کے بعد اس کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہیں تو یہ کیا ہے؟ لاحق ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے «**حَتَّى يَأْتِيَ بِهِ الْمَسْبُوقُ دُونَ الْمُقْتَدِي**» یہاں تک کہ ان کو کہے گا مسبوق نہ کہ مقتدی، «**وَيُؤَخِّرُ عَنْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ**» اور یہاں تک کہ اس کو مؤخر کرے گا کہاں کس سے؟ تکبیراتِ عید سے۔ یہ کس کی دلیل چل رہی ہے؟ طرفین کا مذہب بیان ہو رہا ہے کہ وہ تعوذ جو ہے قراءت کے تابع ہے اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی، چنانچہ اسی وجہ سے مسبوق جو ہے وہ اعوذ باللہ کہے گا، مقتدی نہیں کہے گا، اور نیز عیدین کی تکبیرات سے اعوذ باللہ کو مؤخر کرے گا، «**خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ**» بخلاف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں یہ ثناء کے تابع ہے۔ جب ثناء کے تابع ہے تو ثناء کے ساتھ پڑھا جائے گا، اور ثناء عید کی تکبیرات سے پہلے ہوتی ہے لہٰذا اعوذ باللہ بھی پہلے ہو گی۔ اور نیز امام صاحب کا کیا مذہب تھا؟ مقتدی، مقتدی اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق وہ اعوذ باللہ پڑھے گا، کیونکہ مقتدی ثناء تو پڑھتا ہے، قراءت نہیں کرتا لیکن ثناء تو پڑھتا ہے، اور ثناء ہی کے تابع ہے اعوذ باللہ تو اعوذ باللہ بھی پڑھے گا۔

«**وَيَقْرَأُ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**» اور پڑھے **بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**۔ ثناء پہلے پڑھے، پھر اعوذ باللہ پڑھے نمازی، اس کے بعد کیا کرے؟ بسم اللہ پڑھے گا۔ «**هَكَذَا نُقِلَ فِي الْمَشَاهِيرِ**» اسی طرح نقل کیا گیا ہے مشہور احادیث میں۔ «**وَيُسِرُّ بِهِمَا**» اور ان دونوں کو چھپائے گا یعنی آہستہ کہے گا۔ اعوذ باللہ اور بسم اللہ، ان کو آہستہ کہے گا، «**لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ**» حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی وجہ سے، وہ فرماتے ہیں: «**أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ**» چار چیزیں ایسی ہیں جن کو امام چھپائے گا یعنی آہستہ آواز سے کہے گا، «**وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا التَّعَوُّذَ وَالتَّسْمِيَةَ وَآمِينَ**» اور ذکر کیا ان کے ان جملہ چیزوں میں سے تعوذ، تسمیہ اور آمین۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں چار چیزیں ایسی ہیں جن کو امام چھپائے گا یعنی آہستہ کہے گا اور ان کے مجموعے میں سے کس کو ذکر کیا؟ تعوذ، اعوذ باللہ کو بھی، **وَالتَّسْمِيَةَ** یعنی بسم اللہ کو بھی، **وَآمِينَ** اور آمین۔

«**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: يَجْهَرُ بِالتَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ**» امام شافعی رحمہ اللہ، یاد رکھیے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن نمازوں میں جہری قراءت ہے یعنی فجر، مغرب اور عشاء، ان میں امام جو ہے جہری قراءت جو کر رہا ہے، امام وہ بسم اللہ بھی جہراً پڑھے گا، اونچی آواز سے۔ تو لہٰذا آپ تو یہاں

نماز پڑھتے ہیں تو امام قراءت کیسے شروع کرتا ہے؟ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتا ہے، لیکن شوافع کے پیچھے اگر آپ نماز پڑھیں گے جہری تو آپ دیکھیں گے وہ بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں بھائی۔ تو «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ يَجْهَرُ بِالتَّسْمِيَةِ عِنْدَ الجَهْرِبِالقِرَاءَةِ**» کہ جہر کرے گا نماز پڑھنے والا بسم اللہ کے ساتھ **عِنْدَ الجَهْرِ بِالقِرَاءَةِ** جب وہ کیا کرے گا؟ قراءت کے ساتھ جہر کرے گا یعنی اونچی آواز سے جب قراءت پڑھے گا، «**لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَهَرَ فِي صَلَاتِهِ بِالتَّسْمِيَةِ**» بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام جو ہیں انہوں نے جہر فرمایا اپنی نماز میں بالتسمیۃ بسم اللہ کے ساتھ۔ «**قُلْنَا: هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى التَّعْلِيمِ**» ہم کہتے ہیں جواب میں کہ وہ حدیث محمول ہے تعلیم پر۔ حضور علیہ السلام نے بطورِ تعلیم کے اونچا فرمایا تاکہ صحابہ سیکھ لیں کہ بسم اللہ بھی پڑھنی ہے۔ سیکھ لیں کہ کیا کرنا ہے؟ بسم اللہ بھی پڑھنی ہے، لیکن یہ حضور کا عام معمول نہیں تھا۔ کبھی فرمایا بھی ہے تو کس وجہ سے فرمایا؟ تعلیم کے لیے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دلیل ہے آپ کے پاس کہ حضور علیہ السلام کا معمول آہستہ پڑھنے کا تھا؟ تو وہ آگے حدیث بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «**لِأَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ لَا يَجْهَرُبِهَا**» اس لیے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اَخبر انہوں نے خبر دی ہے یعنی انہوں نے حدیث ذکر فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام جو ہیں وہ جہر نہیں فرماتے تھے بسم اللہ کے ساتھ یعنی بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

«**ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ لَا يَأْتِي بِهَا فِي أَوَّلِ كُلِّ رَكْعَةٍ كَالتَّعَوُّذِ**» پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ بسم اللہ کو نہ لائے گا یعنی نہیں کہے گا **فِي أَوَّلِ كُلِّ رَكْعَةٍ** ہر رکعت کے شروع میں، **كَالتَّعَوُّذِ** جیسے کہ تعوذ ہے۔ جیسے کیا ہے؟ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ جی۔ امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ پہلی رکعت میں تو بسم اللہ پڑھے گا اور باقی رکعتوں میں بسم اللہ نہیں پڑھے گا جیسے کہ تعوذ ہے، یعنی جیسے باقی رکعتوں میں تعوذ یعنی اعوذ باللہ نہیں پڑھی جاتی اسی طرح بسم اللہ بھی نہیں پڑھی جائے گی۔ یہ ایک روایت ہے۔

«**وَعَنْهُ أَنَّهُ يَأْتِي بِهَااحْتِيَاطًا**» اور امام صاحب سے ہی ایک روایت یہ ہے کہ بسم اللہ لائے گا یعنی ہر رکعت میں پڑھے گا احتیاطاً بطورِ احتیاط۔ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھے گا بھائی قراءت کے لیے، بطورِ احتیاط کے، اس لیے کیونکہ بعض ائمہ کے نزدیک بسم اللہ فاتحہ کا جزء ہے۔ ہمارے نزدیک تو بسم اللہ فاتحہ کا جزء نہیں، لیکن بعض ائمہ کے نزدیک بسم اللہ فاتحہ کا جزء ہے، تو احتیاط اسی میں ہے کہ جب فاتحہ پڑھ رہا ہے تو ساتھ کس کو پڑھ لے؟ بسم اللہ کو بھی پڑھ لے تاکہ اختلاف سے ہی نکل جائے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تاکہ ہر ایک کے مطابق مذہب کے مطابق نماز صحیح ہو جائے۔ تو دیکھیے یہاں صاحبِ ہدایہ بھائی، کیا فرمایا؟ ایک روایت یہ ہے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ نہیں پڑھے گا جیسے اعوذ باللہ نہیں پڑھتا، اور دوسری روایت یہ ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ ہر رکعت میں کیا کر لے؟ بسم اللہ پڑھ لے بھائی، بسم اللہ پڑھ لے۔ یہ صاحبِ ہدایہ کی فصیح و بلیغ عبارات، دیکھیے ایک لفظ کے اندر ایک پورے مسئلے کی طرف وہ اشارہ کر جاتے ہیں، اشارہ۔ جیسے انہوں نے کہا «**كَالتَّعَوُّذِ**» جیسے کہ اعوذ باللہ ہے۔ کوئی انہوں نے ذکر کیا کہیں پر کہ اعوذ باللہ پہلی رکعت میں پڑھنی ہے بعد والوں میں نہیں پڑھنی؟ لیکن یہاں «**كَالتَّعَوُّذِ**» کے ذریعے بتا کے چلے گئے جیسے کیا ہے؟ اعوذ باللہ ہے، یعنی وہ پہلی رکعت میں پڑھنی ہے اور باقیوں میں نہیں پڑھنی۔ سمجھ میں آیا کہ نہیں بھائی؟ انہوں نے کہا بسم اللہ کو ہر رکعت میں نہیں پڑھیں گے صرف پہلی میں پڑھیں گے، باقی رکعتوں میں نہیں پڑھیں گے جیسے کیا ہے؟ اعوذ باللہ، پتہ چل گیا کہ اعوذ باللہ پہلی رکعت میں پڑھی جائے گی بعد والی رکعتوں میں نہیں پڑھی جائے گی۔ تو یہ جگہ جگہ صاحبِ ہدایہ اس طرح کرتے ہیں، ایک مثال کے طور پر ایک چیز کو ذکر کرتے ہیں اور اسی میں دراصل وہ مسئلہ بتاتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

«**وَهُوَ قَوْلُهُمَا**» اور یہی قول ہے صاحبین کا بھی کہ ہر رکعت میں کیا کرے گا؟ بسم اللہ پڑھے گا۔ «**وَلَا يَأْتِي بِهَا بَيْنَ السُّورَةِ وَالفَاتِحَةِ إِلَّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى**» اور نہ لے کر آئے گا بسم اللہ کو یعنی نہیں کہے گا بسم اللہ کو **بَيْنَ السُّورَةِ وَالفَاتِحَةِ** سورت اور فاتحہ کے درمیان۔ بھائی سورۂ فاتحہ ختم کر لی، آگے اب جو سورت شروع کرنے لگے ہیں تو کیا وہاں بسم اللہ پڑھیں گے یا نہیں؟ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہاں بسم اللہ نہیں پڑھیں گے۔ «**إِلَّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ**» سوائے امام محمد رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں کہ پڑھیں گے بھائی۔ «**فَإِنَّهُ يَأْتِي بِهَا فِي الصَّلَاةِ المُخَافَتَةِ**» پس وہ لے کر آئے گا اس کو یعنی بسم اللہ پڑھے گا **فِي الصَّلَاةِ المُخَافَتَةِ** مخافت والی نماز، یعنی جس میں آہستہ قراءت کی جاتی ہے، جس میں؟ بھائی امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے بعد جب دوسری سورت شروع کرنے لگیں تو وہاں بھی کیا کرے گا؟ بسم اللہ پڑھنی چاہیے، لیکن وہ اس نماز میں جس میں قراءت آہستہ کی جاتی ہے، جس میں قراءت اونچی کی جاتی ہے اس کے اندر نہیں پڑھے گا بھائی۔ امام نماز پڑھاتا ہے، آپ سنتے ہیں، وہ سورۂ فاتحہ ختم کرنے کے بعد پھر کیا شروع کر دیتا ہے؟ سورت، درمیان میں بسم اللہ پڑھتا ہے یا نہیں پڑھتا؟ نہیں پڑھتا، تو شیخین رحمہما اللہ کا یہ مذہب ہے۔ اور یہ جہری نماز میں امام محمد رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ اس میں نہیں پڑھے گا، ہاں جو آہستہ آواز میں قراءت کرے تو اس میں کیا کرے گا؟ پڑھے گا بھائی۔ لیکن شیخین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی نہیں پڑھے گا بھائی۔

«**ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الكِتَابِ وَسُورَةً أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَيِّ سُورَةٍشَاءَ**» پھر اس کے بعد بھائی پڑھے فاتحۃ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ پڑھے گا۔ بھائی کیا طریقہ بیان ہوا؟ تکبیر کہی، ہاتھ باندھ لیے، پھر اس کے بعد **سُبْحَانَكَ اللهُمَّ** ثناء پڑھ لی، اس کے بعد اعوذ باللہ پڑھیں گے، پھر بسم اللہ اور اب سورۂ فاتحہ کا ذکر آیا، پھر سورۂ فاتحہ پڑھے گا، **وَسُورَةً** اور کوئی سورت، **أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَيِّ سُورَةٍ** یا تین آیتیں کسی سورت سے، یعنی سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی ایک سورت پڑھ لے یا تین آیتیں پڑھ لے کسی جگہ سے، **مِنْ أَيِّ سُورَةٍ شَاءَ** جس سورت سے وہ چاہے، جس سورت سے وہ چاہے۔

«فَقِرَاءَةُ الفَاتِحَةِ لَا تَتَعَيَّنُ رُكْنًا عِنْدَنَا» تو فاتحہ کی قراءت یہ متعین نہیں ہے بطورِ رکن کے ہمارے نزدیک۔ ہمارے نزدیک بالخصوص سورۂ فاتحہ کا پڑھنا یہ فرض نہیں ہے، رکن نہیں ہے نماز کا۔ رکنِ نماز تو وہ ہے کہ جو رہ جائے تو نماز ہی نہیں ہوئی، تو ہمارے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا رکن نہیں ہے بھائی۔ ہاں مطلق قراءت جو ہے وہ رکن ہے، فرض ہے، خاص طور پر فاتحہ کا پڑھنا رکن نہیں۔ «فَقِرَاءَةُ الفَاتِحَةِ لَا تَتَعَيَّنُ رُكْنًا عِنْدَنَا» تو فاتحہ کا پڑھنا وہ بطورِ رکن کے متعین نہیں ہے ہمارے نزدیک، «وَكَذَا ضَمُّ السُّورَةِ إِلَيْهَا» اور اسی طرح سورت کا اس کے ساتھ ملانا یہ بھی ہمارے نزدیک رکن نہیں۔ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی رکن نہیں اور فاتحہ کے ساتھ ایک اور سورت یا اور کچھ آیتوں کا ملانا یہ بھی ہمارے نزدیک رکن نہیں۔

«خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ فِي الفَاتِحَةِ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے فاتحہ کے اندر، «وَلِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ فِيهِمَا» اور امام مالک رحمہ اللہ کے دونوں میں، یعنی بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے کہ وہ اختلاف کرتے ہیں کس چیز میں؟ سورۂ فاتحہ میں، ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا یہ رکنِ صلاۃ ہے، فرض ہے نماز کے اندر، یہ رہ جائے تو نماز ہی نہیں ہوگی۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فِيهِمَا دونوں میں اختلاف کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی فرض اور اس کے ساتھ کسی سورت کا ملانا بھی فرض، تو دونوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

لَهُ امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے: قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وہ حضور علیہ السلام کا قول ہے ان کی دلیل: «لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ وَسُورَةٍ مَعَهَا» کوئی نماز نہیں ہے مگر سورۂ فاتحہ کے ساتھ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت ہو۔ یعنی معلوم ہوا سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ جب تک دوسری سورت نہ ملائیں گے اس کے بغیر کوئی نماز ہو گی ہی نہیں، یہ کس سے معلوم ہوا؟ حدیث سے، یہ امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل، چنانچہ وہ فرماتے ہیں سورۂ فاتحہ بھی فرض اور اس کے ساتھ سورت کا ملانا بھی فرض۔

وَلِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل جو ہے: «لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ» کوئی نماز نہیں مگر فاتحۃ الکتاب کے ساتھ یعنی سورۂ فاتحہ، یعنی سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہو گی کوئی بھی، معلوم ہوا سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ یہ کس کی دلیل آئی؟ امام شافعی رحمہ اللہ کی۔

وَلَنَا اور ہماری دلیل قَوْلُهُ تَعَالَى اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: «فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ القُرْآنِ» تم پڑھو جو آسان ہو قرآن میں سے، جو میسر ہو کس میں سے؟ قرآن، معلوم ہوا مطلق قراءت فرض ہے، کہیں سے بھی کر لی جائے فرض ادا ہو جائے گا، فرض ادا ہو جائے گا، نماز جائز ہو جائے گی۔ تو یہ ہم دلیل کے طور پر آیت ذکر کرتے ہیں، وہ دلیل کے طور پر احادیث ذکر کر رہے تھے ہم نے دلیل کے طور پر قرآن کو ذکر کر دیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور لیکن میں نے ابھی آپ کو بتایا، احناف کی کوشش ہوتی ہے ہر حدیث پر عمل ہو جائے، چنانچہ اب یہ معنی بھی نہیں ہم نے ان احادیث کو چھوڑ دیا، ہم ان دونوں پر بھی عمل کرتے ہیں لیکن کتاب اللہ جو ہے سب سے قوی ہے، سب سے قوی کیونکہ متواتر ہے تو لہٰذا اس کا درجہ سب سے اونچا۔ کتاب اللہ سے جو چیز ثابت ہوئی اس کو ہم نے فرض قرار دیا تو مطلقِ قراءت فرض ہے۔ اور احادیث جو ہیں وہ خبرِ واحد ہیں تو اس کے ذریعے جو چیز ثابت ہوئی اس کو ہم نے واجب قرار دیا، واجب قرار دیا۔ تو ہمارے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب، اس کے ساتھ سورت کا ملانا واجب ہے، واجب ہے۔ اور میں نے بتایا تھا واجب بھولے سے چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی، لیکن جان بوجھ کر اگر چھوڑتا ہے تو اس نے بڑی ہی خراب نماز پڑھی اور اس کو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے، نماز پھر لوٹانی چاہیے بھائی۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو دیکھو احناف کی کوشش ہوتی ہے ہر حدیث پر عمل ہو جائے، تو ہمارے نزدیک بھی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور سورت کا ملانا بھی واجب ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوا بھائی۔

«وَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ بِخَبَرِ الوَاحِدِ لَا يَجُوزُ» اور تو یہ قرآن میں آیا ہے اور اس پر زیادتی کرنا بخبر الواحد خبرِ واحد کے ساتھ لَا يَجُوزُ یہ جائز نہیں۔ بھائی آپ نے اصولِ فقہ کے اندر پڑھا ہے کہ خبرِ واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے، خبرِ واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں، لیکن یاد رکھیے یہ قانون اس طرح نہیں ہے اس میں تفصیل ہے تھوڑی سی۔ خبرِ واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر شرط اور فرض کے درجے میں زیادتی جائز نہیں، واجب اور سنت کے درجے میں زیادتی جائز ہے۔ یعنی کتاب اللہ سے ایک چیز معلوم ہو رہی ہے، خبرِ واحد سے دوسری چیز معلوم ہو رہی ہے، تو جو چیز خبرِ واحد سے معلوم ہو رہی ہے اس کو فرض یا شرط نہیں قرار دیا جا سکتا، کیونکہ اگر آپ اس کو بھی فرض قرار دیتے ہیں یا شرط قرار دیتے ہیں تو آپ نے کتاب اللہ پر زیادتی کی اور کس درجے میں کی؟ فرض اور شرط کے فرض اور شرط کے درجے میں، نہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ کتاب اللہ کا مقام اونچا ہے لہٰذا اس سے جو چیز ثابت ہو گی وہ فرض ہو گی، اور خبرِ واحد کا مقام اس سے کم ہے لہٰذا اس سے جو چیز ثابت ہو گی وہ شرط اور فرض نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں، واجب اور سنت کے درجے میں زیادتی جائز ہے، اسی لیے ہم نے کیا قرار دیا؟ واجب قرار دیا، اور واجب پر بھی عمل ضروری ہوتا ہے ہمارے نزدیک آپ جانتے ہیں بھائی۔ یہ فرض کے قریب ہی ہے بھائی، ہاں فرض میں اعتقاد ضروری ہے واجب میں اعتقاد ضروری نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ واجب میں اعتقاد ضروری نہیں۔ کیا معنی ہوتا ہے اعتقاد ضروری ہے اعتقاد ضروری نہیں؟ ہاں، شاباش۔ بھائی وتر ہمارے نزدیک واجب ہیں یا فرض ہیں؟ واجب ہیں۔ لہٰذا ایک آدمی وتروں کا انکار کر دیتا ہے تو اب آپ اس کو کافر نہیں کہیں گے۔ کافر نہیں، کیونکہ اس کا اعتقاد رکھنا فرض ہے ہی نہیں، اعتقاد ضروری تھا ہی نہیں کیونکہ واجب ہے، کافر نہیں کہیں گے۔ سمجھ میں آئی بات؟ ہاں، گناہگار ہونا وغیرہ الگ ہے بات، کافر کہیں گے یا کافر نہیں کہیں گے؟ اس کو کافر نہیں کہیں گے۔ ہاں اگر فرض کا کوئی انکار کرتا ہے اس کو کافر کہیں گے، لہٰذا اگر ایک شخص کہتا ہے ظہر کی نماز ہے ہی نہیں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ کافر ہے۔ تو فرض کا اعتقاد بھی ضروری، پڑھنا نہ

پڑھنا دوسری چیز ہے اعتقاد رکھنا ضروری ہے بھائی، اعتقاد بھی ہو اور اس پر عمل بھی ہونا چاہیے، لیکن اگر اعتقاد نہیں رکھے گا تو کافر ہو جائے گا، کس میں؟ فرضوں میں۔ اور واجب میں کافر اس کو قرار نہیں دیا جائے گا، فرق سمجھ میں آیا بھائی؟

تو لہٰذا خبرِ واحد پر انہوں نے کیا کہا؟ «**وَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ بِخَبَرِ الوَاحِدِ لَا يَجُوزُ**» اور کتاب اللہ پر زیادتی کرنا خبرِ واحد کے ساتھ یہ جائز نہیں، حالانکہ واجب قرار دیا یا نہیں؟ خود کہہ رہے ہیں: «**وَلَكِنَّهُ يُوجِبُ العَمَلَ**» لیکن یہ عمل کو واجب کرتا ہے، یعنی اس پر عمل واجب ہے، عمل کرنا واجب ہو۔ تو بھائی کتاب اللہ سے کیا پتہ چلا؟ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے یا واجب نہیں؟ کتاب اللہ سے، کتاب اللہ میں تو صرف مطلق قراءت فرض ہے اتنا پتہ چلا۔ تو آپ جب سورۂ فاتحہ کو واجب قرار دے رہے ہیں اور اس کے ساتھ سورت کے ملانے کو واجب قرار دے رہے ہیں تو یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہوئی یا نہ ہوئی؟ زیادتی تو ہو گئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا اسی لیے ان دو قیدوں کا لحاظ رکھنا کہ کتاب اللہ پر خبرِ واحد کے ذریعے فرض اور شرط کے درجے میں زیادتی جائز نہیں، واجب اور سنت کے درجے میں زیادتی جائز ہے بھائی۔ اور اسی طرح ذکر کیا ہے علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فیض الباری کے اندر بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**وَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ بِخَبَرِ الوَاحِدِ لَا يَجُوزُ**» اور کتاب اللہ پر زیادتی کرنا خبرِ واحد کے ساتھ یہ جائز نہیں، «**وَلَكِنَّهُ يُوجِبُ العَمَلَ**» لیکن یہ کس کو واجب کرتی ہے خبرِ واحد؟ عمل کو واجب کرتی ہے، «**فَقُلْنَا بِوُجُوبِهِمَا**» تو ہم نے بھی کہا ان کے واجب ہونے کا، یعنی ہم بھی اس کے واجب ہونے کے قائل ہوئے، ہمارے نزدیک یہ دونوں چیزیں واجب ہیں۔

«**وَإِذَا قَالَ الإِمَامُ: وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ: آمِينَ**» اور جس وقت امام **وَلَا الضَّالِّينَ** کہے **قَالَ آمِينَ** تو آمین کہے، کون کہے آمین؟ امام، **قَالَ آمِينَ**۔ «**وَإِذَا قَالَ الإِمَامُ: وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ: آمِينَ**» جب امام کیا کہے؟ **وَلَا الضَّالِّينَ** کہے تو آمین کہے، «**وَيَقُولُهَا المُؤْتَمُّ**» اور مقتدی بھی کہے گا آمین، **وَيَقُولُهَا المُؤْتَمُّ** بھائی میم مشدد ہے یاد رکھنا، مقتدی بھی یہ کہے گا۔ دلیل اس کی کیا ہے؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ** حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے: «**إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ فَأَمِّنُوا**» جب امام آمین کہے **فَأَمِّنُوا** تو تم آمین کہو، تو تم آمین کہو۔

«**وَلَا مُتَمَسَّكَ لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ فِي قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: إِذَا قَالَ الإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ**» اور امام مالک رحمہ اللہ کا کی کوئی دلیل نہیں ہے حضور علیہ السلام کے قول میں: «**إِذَا قَالَ الإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ**» کہ جب امام **وَلَا الضَّالِّينَ** کہے تو تم لوگ آمین کہو، اس میں امام مالک رحمہ اللہ کا متمسک نہیں ہے یعنی وہ اس سے تمسک نہیں کر سکتے یعنی اس سے دلیل نہیں پکڑ سکتے۔ کس چیز میں دلیل نہیں پکڑ سکتے؟ «**مِنْ حَيْثُ القِسْمَةِ**» تقسیم کی حیثیت سے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں تقسیم ہے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ تقسیم ہے۔ یہ قراءت کرنا اور **وَلَا الضَّالِّينَ** تک پڑھنا یہ کس کا کام ہے؟ امام کا کام ہے، اور آمین کہنا یہ مقتدی کا کام ہے، تو دو تقسیم ہے چیزیں، قراءت کس کا کام؟ امام، اور آمین کہنا کس کا کام؟ مقتدی کا، کیونکہ حدیث میں کیا آیا: جب امام **وَلَا الضَّالِّينَ** کہے **فَقُولُوا آمِينَ** تو تم کیا کہو؟ آمین کہو۔ صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ امام مالک اس حدیث سے تمسک نہیں کر سکتے، اس کو بطورِ دلیل کے نہیں پکڑ سکتے کس حیثیت سے؟ تقسیم کی حیثیت سے کہ تقسیم ہے یہاں پر، امام کا کام ہے **وَلَا الضَّالِّينَ** کہنا اور مقتدی کا کام ہے آمین، اس تقسیم کی حیثیت سے اس کو دلیل نہیں پکڑ سکتے، کیوں؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّهُ قَالَ فِي آخِرِهِ**» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے حدیث کے آخر میں فرمایا ہے، اسی حدیث کے آخر میں فرمایا حضور علیہ السلام نے: «**فَإِنَّ الإِمَامَ يَقُولُهَا**» کہ بے شک امام بھی آمین کہے گا، امام بھی آمین کہے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس سے پتہ لگا امام بھی آمین کہے گا، اور اوپر ایک حدیث ہم نے ذکر کر دی تھی اس میں مقتدی کا بھی ذکر آیا تھا بھائی، تو دونوں کہیں گے۔

«**قَالَ: وَيُخْفُونَهَا**» اور صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَيُخْفُونَهَا** کہ آمین کو چھپائیں گے، آمین کو آہستہ کہیں گے۔ ہمارے نزدیک آمین آہستہ آواز سے کہی جائے گی اونچی آواز سے نہیں۔ کس وجہ سے؟ کہتے ہیں: «**لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ**» بوجہ وہ جو ہم نے روایت کیا یعنی کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ کیا حدیث آئی تھی بھائی؟ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «**أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الإِمَامُ**» چار چیزیں ہیں جن کو کیا کرے گا؟ امام چھپائے گا، «**وَذِكْرٌ مِنْ جُمْلَتِهَا التَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَآمِينَ**» اور اس میں سے کس کو ذکر کیا انہوں نے؟ آمین کو بھی ذکر فرمایا ہے، تو اس حدیث سے ثابت ہوا۔ نیز عقلی دلیل بھی آگے ذکر کر رہے ہیں: «**وَلِأَنَّهُ دُعَاءٌ**» اور نیز اس لیے کیونکہ آمین کیا ہے؟ دعا ہے دعا بھائی دعا۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ آمین کا معنی ہے: **اسْتَجِبْ، اسْتَجِبْ**، یعنی اے اللہ قبول فرما لیجیے، ہم نے جو دعا کی ہے اے اللہ اسے قبول فرما لیجیے، ایسا کر اے اللہ ایسا کر دیجیے۔ آمین کا کیا معنی؟ اے اللہ ایسا کر دیجیے، یا اے اللہ قبول فرما لیجیے۔ تو یہ دعا ہے، تو دوسری عقلی دلیل یہ کہ «**لِأَنَّهُ دُعَاءٌ**» اس لیے کیونکہ آمین دعا ہے، «**فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى الإِخْفَاءِ**» تو اس کی بنیاد اخفاء پر ہے کہ اس کو چھپانا چاہیے، دعا کو کیا کرنا چاہیے؟ چھپانا چاہیے۔ اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: «**ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً**» کہ تم پکارو اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور پوشیدہ طور پر۔ تو دیکھا معلوم ہوا دعا پوشیدہ ہونی چاہیے، تو آمین بھی دعا ہے تو یہ آہستہ آواز کے ساتھ ہونی چاہیے۔

«**وَالمَدُّ وَالقَصْرُ فِيهِ وَجْهَانِ**» اور مد اور قصر اس میں دو وجہیں ہیں۔ یاد رکھیے یہ لغت بیان کر رہے ہیں اس کے، کس طرح اس کو پڑھا جائے گا بھائی، تو اس میں دو لغتیں ہیں بھائی: ایک «**آمِينَ**»، الف کو ذرا شروع میں لمبا کیا، مد ہے: «**آمِينَ**»، اور ایک ہے قصر کے ساتھ: «**أَمِينَ**»۔ ایک ہے «**آمِينَ**» اور ایک «**أَمِينَ**»، دونوں لغتیں ہیں اس کے اندر بھائی۔ مد سے مراد یہ ہے آمین کے الف کو لمبا کرنا جیسے ہم پڑھتے ہیں آمین، یہ الف کو کیا کر رہے ہیں ہم؟ لمبا، اور قصر کا معنی ہے

بغیر مد کے پڑھنا یعنی **أَمِينَ**۔ ایک ہے آمین اور ایک ہے اَمین، بغیر مد کے یہ ہمزہ کو پڑھنا یہ ہے قصر بھائی۔ تو کہتے ہیں: «**وَالمَدُّ وَالقَصْرُ فِيهِ وَجْهَانِ**» اور مد اور قصر اس کے اندر دو وجہیں ہیں یعنی دو لغتیں ہیں، دونوں طرح عرب اس کو پڑھتے ہیں آمین بھی اور امین بھی۔ «**وَالتَّشْدِيدُ فِيهِ خَطَأٌ فَاحِشٌ**» اور اس کے اندر شد پڑھنا یہ فاحش غلطی ہے، بڑی غلطی ہے، یعنی میم کو مشدد پڑھنا: «**آمِّينَ**» یہ کیا ہے؟ یہ بڑی غلطی ہے بھائی، لہٰذا میم کو مشدد نہ پڑھے، باقی دونوں لغتیں ہیں، آمین بھی کہہ سکتا ہے اور امین بھی کہہ سکتا ہے۔

چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۴۹: مسئلہ: ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ

ہدایہ صفحہ: ۱۰۵ — بتاریخ: ۲۲ دسمبر ۲۰۱۲ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ»، «وَفِي الجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَيُكَبِّرُ مَعَ الِانْحِطَاطِ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ، وَيَحْذِفُ التَّكْبِيرَ حَذْفًا لِأَنَّ المَدَّ فِي أَوَّلِهِ خَطَأٌ مِنْ حَيْثُ الدِّينُ لِكَوْنِهِ اسْتِفْهَامًا، وَفِي آخِرِهِ لَحْنٌ مِنْ حَيْثُ اللُّغَةُ».

نماز کا طریقہ بیان ہو رہا ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ نیت کرنے کے بعد تکبیر کہیں گے اور تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں گے، پھر اس کے بعد ہاتھ باندھ لیے جائیں گے اور ثنا پڑھی جائے گی «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ»، اور اس کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھی جائے گی، اور اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھیں گے اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت یا تین آیتیں ملائی جائیں گی۔ سورۂ فاتحہ کے بعد کیا کہیں گے؟ آمین۔ ہاں، یہ سورۂ فاتحہ کے اختتام پر امام جب «وَلَا الضَّالِّينَ» کہے تو امام بھی آمین کہے گا اور مقتدی بھی آمین کہے گا۔

اب اس کے بعد آگے بھائی، سورۂ فاتحہ بھی پڑھ لی، اس کے آخر پر آمین بھی آگیا اور اس کے ساتھ کوئی چھوٹی سورت یا تین آیتیں بھی ملالیں، اب رکوع کرنا ہے، اس کا طریقہ بیان کر رہے ہیں۔

مسئلہ: قَالَ: ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ

«قَالَ: ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ» پھر اس کے بعد نماز پڑھنے والا تکبیر کہے «وَيَرْكَعُ» اور رکوع کرے۔ «وَفِي الجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَيُكَبِّرُ مَعَ الِانْحِطَاطِ» اور جامع صغیر میں ہے کہ تکبیر کہے گا مع الانحطاط، جھکنے کے ساتھ ہی۔ یعنی جھکتے ہوئے ہی کیا کرے گا؟ تکبیر۔

بھئی صاحبِ ہدایہ کا طریقہ، جیسے پہلے چند باتیں میں ذکر کر چکا، ایک تو یہ کہ جب وہ اقوال ذکر کرتے ہیں تو جو قوی قول ہوتا ہے، جو مضبوط قول ہوتا ہے، اس کو پہلے ذکر کرتے ہیں اور باقی اقوال کو اس کے بعد ذکر کرتے ہیں۔ اور پھر جب وہ دلائل ذکر کرتے ہیں مذاہب کے، تو جو مذہب راجح ہوتا ہے، اس کی دلیل سب سے آخر میں لاتے ہیں تاکہ یہ اس مذہب کی دلیل بھی ہو جائے اور باقیوں کی دلیلوں کا جواب بھی ہو جائے بھئی، جواب بھی ہو جائے۔

نیز اسی طرح آپ نے پڑھا شروع میں آپ کو بتلایا تھا کہ صاحبِ ہدایہ نے یہ جو متن ترتیب دیا ہے، یہ جامع صغیر اور قدوری سے ترتیب دیا انہوں نے، جامع صغیر اور قدوری۔ تو اس میں اکثر عبارات جو آپ کو نظر آئیں گی وہ قدوری کی ہیں، البتہ جہاں جہاں جامع صغیر میں عبارت ذرا مختلف ہے تو اس پر بھی صاحبِ ہدایہ متنبہ کرتے ہیں، اس کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہاں پر بھی اسی طرح ہے، قدوری کے اندر صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ»، جبکہ جامع صغیر کے اندر جو ہے وہاں عبارت ذرا مختلف تھی تو اس کو بھی ذکر کر دیا۔

اور دونوں میں فرق ہے بھئی۔ صاحبِ قدوری کی عبارت «ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ» پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے، اس میں ہو سکتا ہے یہ صورت بھی ممکن ہے کہ تکبیر کہتے ہوئے ہی رکوع میں رکوع کرے انسان، تکبیر کہتے ہوئے رکوع کی طرف جھکے بھئی، ایک یہ صورت۔ یا جو لفظوں میں ترتیب ہے یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے تکبیر کہی جائے پھر اس کے بعد انسان رکوع میں چلا جائے۔ تو صاحبِ قدوری کی عبارت میں دونوں احتمال ہیں۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ نے جامع صغیر کے اندر جو عبارت ذکر کی ہے اس کے

مطابق جھکتے وقت یعنی جھکنے کے ساتھ ہی ساتھ کیا کہی جائے گی؟ تکبیر کہی جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں میں چونکہ یہ فرق تھا اس لیے صاحبِ ہدایہ نے جامع صغیر کی بھی عبارت ذکر کر دی۔

تو صاحبِ قدوری نے کیا فرمایا تھا؟ «ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ» پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے۔ اس میں دونوں احتمال: پہلے تکبیر کہے پھر کیا کرے؟ رکوع کرے۔ یا رکوع کرتے ہوئے ساتھ ساتھ ہی کیا کہہ دے؟ جھکتے ہوئے، جھکنے کے ساتھ ہی تکبیر کہہ دے، یہ بھی احتمال تھا، دونوں صورتیں ہیں۔ جبکہ جامع صغیر میں بتلایا «وَفِي الجَامِعِ الصَّغِيرِ» اور جامع صغیر میں ہے «وَيُكَبِّرُ مَعَ الِانْحِطَاطِ» اور تکبیر کہے جھکنے کے ساتھ۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُكَبِّرُ ع...

«لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے «عِنْدَ كُلِّ خَفْضٍ»، خفض کا معنی ہے جھکنا، رفع کا معنی ہے اٹھنا، کہ حضور علیہ السلام تکبیر کہتے تھے «عِنْدَ كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ» ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت، ہر جھکتے اور اٹھتے وقت حضور علیہ السلام نماز میں تکبیر کہتے تھے۔ تو اس سے معلوم ہوا جھکنے کے ساتھ تکبیر کہی جائے گی۔ ادھر جھک رہا ہو اور ساتھ ہی کیا کہہ رہا ہو؟ تکبیر کہہ رہا ہو۔

«وَيَحْذِفُ التَّكْبِيرَ حَذْفًا لِأَنَّ المَدَّ فِي أَوَّلِهِ خَطَأٌ مِنْ حَيْثُ الدِّينُ» اور حذف کرے تکبیر میں بھئی۔ «وَيَحْذِفُ التَّكْبِيرَ حَذْفًا» اور نماز پڑھنے والا تکبیر میں حذف کرے گا۔ حذف کا معنی یہ ہے: قصر کرے گا، یعنی مد نہیں کرے گا، مد نہیں کرے گا۔ اب آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں، تشریح کر رہے ہیں کہ مد جو ہے وہ شروعِ تکبیر میں بھی ہو سکتا ہے اور آخر میں بھی ہو سکتا ہے، تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ المَدَّ فِي أَوَّلِهِ خَطَأٌ مِنْ حَيْثُ الدِّينُ» اس لیے کیونکہ مد کرنا یعنی حرف کو لمبا کرنا «فِي أَوَّلِهِ» أَيْ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرِ، تکبیر کے ابتدا میں، «خَطَأٌ مِنْ حَيْثُ الدِّينُ» یہ خطا ہے کس اعتبار سے؟ دین کے اعتبار سے خطا ہے بھئی، دین کے اعتبار سے۔

تو دیکھیے بھئی، «اللهُ أَكْبَرُ»، «اللهُ أَكْبَرُ» شروع میں یہ لفظِ اللہ کا جو ہمزہ ہے، اس ہمزہ کو اگر کوئی لمبا کر دے اور یوں پڑھے «آللهُ أَكْبَرُ»، «آللهُ أَكْبَرُ» تو یاد رکھیے یہ غلطی ہے اور دینی اعتبار سے غلطی۔ کیونکہ عربی زبان کے اعتبار سے «آللهُ أَكْبَرُ» کا معنی ہوا: کیا اللہ سب سے بڑے ہیں؟ یعنی سوال بن گیا۔ کیا بن گیا؟ سوال۔ تو اصل میں تو تھا «اللهُ أَكْبَرُ»، اور جس نے پڑھا «آللهُ أَكْبَرُ»، معلوم ہوا یہاں ایک اور ہمزہ لے آیا، «أَآللهُ أَكْبَرُ» ہوا۔ ایک ہمزہ آگیا، اور ہمزہ عربی میں سوال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پھر «أَآللهُ أَكْبَرُ» دو ہمزے آئے، پھر اس میں سے جب دو ہمزے اکٹھے ہوتے ہیں تو دوسرے ہمزہ کو پہلے کی حرکت کے مطابق حرفِ علت سے بدل دیتے ہیں۔ تو پہلے ہمزہ پر کیا ہے؟ فتحہ، اور فتحہ کے مناسب کیا ہے؟ الف۔ تو دوسرے ہمزہ کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ «آللهُ أَكْبَرُ»۔ تو یعنی تکبیر کے شروع میں اگر کوئی ہمزہ کو لمبا کرتا ہے اور یوں کہتا ہے «آللهُ أَكْبَرُ»، تو یہ گویا استفہام کر رہا ہے، سوال کر رہا ہے کہ کیا اللہ سب سے بڑے ہیں؟ تو یہ دینی اعتبار سے غلطی ہے۔ اگر جان بوجھ کر کہا ہے پھر تو یاد رکھیے یہ کفر ہے بھئی، کیا ہے؟ کفر ہے بھئی۔ اور اگر جان بوجھ کر نہیں کہا، غلطی سے ہو گیا، تو بھی اس صورت میں یاد رکھیے نماز فاسد ہو جائے گی بھئی، نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی کیونکہ دینی اعتبار سے وہ غلطی کر رہا ہے، وہ استفہام کر رہا ہے۔ کہنا تو یہ چاہیے تھا «اللهُ أَكْبَرُ» اللہ سب سے بڑے ہیں، لیکن وہ کیا کر رہا ہے؟ وہ سوال کر رہا ہے کہ کیا اللہ سب سے بڑے ہیں۔ لہٰذا اگر تکبیر کے شروع میں مد لائیں گے تو یہ دینی اعتبار سے غلطی اور اس شخص کی نماز کیا ہو گی؟ فاسد ہو گی، فاسد ہو گی۔

اور اگر آخر میں مد کرتا ہے، یا تو اس سے مراد آگے صاحبِ ہدایہ کہیں گے کہ آخر میں جب غلطی کرتا ہے تو یہ عربی زبان کے اعتبار سے غلط پڑھ رہا ہے۔ اگر اکبر کے بجائے «آكْبَرُ» پڑھتا ہے تو یہ عربی زبان کے اعتبار سے غلط، یہاں بھی وہی ہمزۂ استفہام والی صورت بھی بن سکتی ہے اور ویسے بھی یہ اکبر «أَفْعَلُ» وزن ہے، اسمِ تفضیل ہے اور اسمِ تفضیل کے شروع میں جو ہمزہ ہے اس میں مد نہیں ہے، ہمزہ کے اندر مد نہیں، ہمزہ کو لمبا نہیں کرتے، «أَفْعَلُ» ہے «آفْعَلُ» وزن تو نہیں۔ تو لہٰذا یہ عربی زبان کے اعتبار سے غلط بھئی۔

اور یا پھر آخر سے مراد یہ ہے کہ اکبر کی با کو لمبا کرنا مراد ہے، اکبر کی با۔ اور اکبر کے بجائے اگر کوئی یوں کہتا ہے: «أَكْبَارُ»، «أَكْبَارُ»، تو تو بھی یہ کیا ہے؟ عربی زبان کے اعتبار سے غلطی ہے۔ اور یاد رکھیے بھئی، اگر «اللهُ أَكْبَرُ» شروع میں ہمزہ کو لمبا کیا تو یہ استفہام بن گیا، نماز ہو گی ہی نہیں۔ اسی طرح اگر اکبر کے ہمزہ کو لمبا کر دیا تو بھی یہ اسی طرح عربی زبان کے اعتبار سے بھی غلطی اور نیز پھر یہاں بھی استفہام بن گیا تو اس صورت میں بھی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر «أَكْبَارُ» با کو لمبا کرتا ہے تو اس صورت میں بعض علماء فرماتے ہیں نماز فاسد ہو گی، بعض فرماتے ہیں ہے تو غلطی لیکن نماز فاسد نہیں ہو گی، بعض علماء فرماتے ہیں۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھئی؟

یہ معنی ہے، کہتے ہیں: «لِأَنَّ المَدَّ فِي أَوَّلِهِ خَطَأٌ مِنْ حَيْثُ الدِّينُ» اس لیے کیونکہ مد کرنا یعنی حرف کو لمبا کرنا «فِي أَوَّلِهِ» أَيْ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرِ، «خَطَأٌ مِنْ حَيْثُ الدِّينُ» یہ غلطی ہے دین کی حیثیت سے یعنی دینی اعتبار سے، «لِكَوْنِهِ اسْتِفْهَامًا» اس وجہ سے کہ یہ کیا ہو جائے گا؟ اس لیے

کیونکہ یہ استفہام ہے یعنی حرف کو لمبا کرنا، «وَفِي آخِرِهِ لَحْنٌ مِنْ حَيْثُ اللُّغَةُ» اور تکبیر کے آخر میں مد کرنا یعنی حرف کو کھینچنا یہ غلطی ہے عربی زبان کے اعتبار سے۔ تو بعض علماء، تو انہوں نے صاحبِ ہدایہ نے یہ نہیں کہا کہ کس کے شروع میں اور کس کے آخر میں، بس اتنا کہا تکبیر کے شروع میں اور تکبیر کے آخر میں۔ تکبیر کے شروع میں مد کریں گے تو یہ دینی اعتبار سے غلطی ہے اور تکبیر کے آخر میں مد کریں گے تو یہ عربی زبان کے اعتبار سے غلطی ہے۔ تو بعض شارحین اس طرف گئے کہ شروع اور آخر سے مراد لفظِ اکبر ہے، یعنی اکبر کے شروع میں بھی مد نہ کرے ورنہ یہ سوال بن جائے گا، اور اکبر کے آخر میں یعنی با کو بھی لمبا نہ کرے ورنہ یہ عربی زبان کے اعتبار سے غلط۔ جبکہ دیگر شارحین لکھتے ہیں جو زیادہ صحیح ہے کہ شروع میں مد کرنے سے مراد لفظِ اللہ کے ہمزہ میں مد کرنا ہے اور آخر میں مد کرنے سے مراد اکبر کی با کو لمبا کرنا مراد ہے بھئی۔ شروع میں مد سے کیا مراد ہے؟ لفظِ اللہ کے ہمزہ کو لمبا کرنا اور «آللهُ أَكْبَرُ» کہنا۔ اور آخر میں مد لانے سے مراد ہے اکبر کی با کو لمبا کرنا، تو اکبر کے بجائے «أَكْبَارُ» کہنا۔ تو یہ شروع میں مد کریں گے تو یہ استفہام ہے، دینی اعتبار سے غلطی، اور آخر میں مد کریں گے تو یہ عربی زبان کے اعتبار سے غلطی ہے۔

■ مسئلہ: وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّ...

«وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّجُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ» اور رکھے اپنے دونوں ہاتھ «عَلَى رُكْبَتَيْهِ» اپنے دونوں گھٹنوں پر۔ رکوع میں کیا کرے؟ اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے، «وَيُفَرِّجُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ» اور کشادگی کرے اپنی انگلیوں کے درمیان۔ رکوع کے اندر جب گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے ہیں تو انگلیوں کو کھول کر رکھنا ہے تاکہ اچھی طرح گھٹنے کو پکڑ سکے بھئی۔

«لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِأَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: إِذَا رَكَعْتَ فَضَعْ يَدَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَفَرِّجْ بَيْنَ أَصَابِعِكَ» دلیل ذکر کر رہے ہیں بوجہ حضور علیہ السلام کے، جو آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: «إِذَا رَكَعْتَ فَضَعْ يَدَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ» کہ جب تو رکوع کرے تو تو رکھ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر، «وَفَرِّجْ بَيْنَ أَصَابِعِكَ» اور کشادگی کر اپنی انگلیوں کے درمیان۔ یہ حدیث ہے یہاں تک بھئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تو رکوع کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی کر و یعنی انگلیاں کھلی رکھو۔

«وَلَا يُنْدَبُ إِلَى التَّفْرِيجِ إِلَّا فِي هَذِهِ الحَالَةِ» اور مندوب نہیں ہے بھئی انگلیوں کا کھولنا، انگلیوں کا کشادہ کرنا مگر اس حالت میں۔ اور مندوب نہیں ہے انگلیوں کا کھولنا یعنی مستحب نہیں ہے انگلیوں کو کھولنا مگر اس حالت میں۔ لیکن یہاں «يُنْدَبُ» کا صلہ «إِلَى» آرہا ہے، «إِلَى»۔ اور «يُنْدَبُ» کے ساتھ «إِلَى» آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کو بلانا، دعوت دینا، دعوت دینا۔ تو «يُنْدَبُ إِلَى التَّفْرِيجِ» کا معنی یہ ہے: انگلیوں کے کھلا رکھنے کی طرف دعوت نہیں دی جائے گی، یعنی انگلیاں کھلا رکھنے کا نہیں کہا جائے گا «إِلَّا فِي هَذِهِ الحَالَةِ» مگر اسی حالت میں۔ یعنی نماز، پوری نماز میں صرف یہ حالت ہے رکوع کے اندر جب گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ہوں اس وقت انگلیوں کو کھلا رکھنا ہے، اور کسی حالت میں انگلیوں کو کھلا... تفصیل آگے یہ بتلائیں گے کہ جب گھٹنے پکڑ رہے ہیں رکوع کے اندر، اس وقت انگلیوں کو کھلا رکھیں، خوب کھلا، تاکہ گھٹنے اچھی طرح پکڑ سکیں۔ اور سجدہ کرتے ہوئے انگلیوں کو ملانا ہے، اس لیے کیونکہ جب انسان سجدہ کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء سجدہ کرتے ہیں تو تاکہ انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف ہو جائے، اور انگلیوں کا رخ پوری طرح قبلے کی طرف کب ہو گا، جب ملی ہوئی ہوں یا کھلی کھلی ہوں؟ جب ملی ہوئی ہوں۔ تو سجدے کی حالت میں انگلیوں کو اس لیے ملایا جائے گا۔ جبکہ نماز کی باقی جو حالتیں ہیں ان میں ہاتھوں کو اعتدال پر جس طرح ہاتھ ہوتا ہے اسی طرح، یعنی تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے جب ہاتھ اٹھائے ہیں تو نہ انگلیاں بالکل ملا کر رکھنا ہے اور نہ بالکل کھول کر رکھنا ہے بلکہ اپنی حالت پر رکھنا ہے جیسے عام حالت میں ہوتی ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَا يُنْدَبُ إِلَى التَّفْرِيجِ إِلَّا فِي هَذِهِ الحَالَةِ» اور انگلیاں کھلا رکھنے کی طرف دعوت نہیں دی جائے گی مگر اسی حالت میں ہی، «لِيَكُونَ أَمْكَنَ مِنَ الأَخْذِ» تاکہ وہ نماز پڑھنے والا قادر ہو «مِنَ الأَخْذِ» پکڑنے پر، یعنی گھٹنے کو پکڑنے پر قادر ہو، «وَلَا إِلَى الضَّمِّ إِلَّا فِي حَالَةِ السُّجُودِ» اور نہ انگلیوں کے ملانے کی طرف بلایا جائے گا اس کی دعوت دی جائے گی «إِلَّا فِي حَالَةِ السُّجُودِ» مگر کس حالت میں؟ سجدے کی حالت میں، یعنی سجدے کی حالت میں ملایا جائے گا۔ «وَفِيمَا وَرَاءَ ذَلِكَ يَتْرُكُ عَلَى العَادَةِ» اور اس کے علاوہ جو ہیں اور حالتوں کے اندر، «يَتْرُكُ» چھوڑ دے وہ نماز پڑھنے والا یعنی اپنی انگلیوں کو چھوڑ دے گا «عَلَى العَادَةِ» کس پر؟ عادت کے موافق، یعنی عادت کے مطابق جیسے ہاتھ ہے اسی طرح چھوڑ دے گا۔

■ مسئلہ: وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ

«وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ» اور اپنی کمر کو اپنی پشت کو بچھائے۔ جب رکوع کرے تو دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑ لے، انگلیوں کو کھلا رکھے اور کمر کو پھیلا دے۔ «بَسَطَ يَبْسُطُ» کے معنی پھیلانے کے، مراد ہے سیدھا رکھنا یعنی ہموار رکھے۔ رکوع کرنے والا کیا کرے؟ رکوع میں اپنی کمر ہموار... بھئی بعض لوگ رکوع کرتے ہیں وہ سر زیادہ نیچے جھکا دیتے ہیں اور بعض پوری طرح جھکتے ہی نہیں ہیں، تھوڑا سا جھکتے ہیں۔ تو صحیح طریقہ رکوع کا کہ کمر بالکل ہموار ہو بھئی، کمر بالکل کیا ہو؟ ہموار۔ تو سر، کمر اور پچھلا دھڑ یہ

سارے برابر ہوں، سارے برابر۔ حتیٰ کہ روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام رکوع کے اندر کمر کو اتنا ہموار رکھتے تھے کہ اگر اس پر پانی سے بھرا ہوا پیالہ رکھ دیا جاتا تو وہ پانی نہ گرتا اس میں سے، اتنا ہموار رکھتے تھے۔

نیز اسی طرح یاد رکھیے، رکوع کے اندر بعض لوگ گھٹنوں کو موڑ دیتے ہیں، گھٹنے بھی تھوڑے سے جھکا لیتے ہیں، نہیں بھئی، گھٹنوں کو بالکل سیدھا رکھنا ہے، گھٹنوں کو نہیں موڑنا اور کمر کو بھی اسی طرح بالکل سیدھا رکھنا ہے۔ «وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ» اور ہموار رکھے اپنی کمر کو، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ إِذَا رَكَعَ بَسَطَ ظَهْرَهُ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع فرماتے تھے تو اپنی کمر کو ہموار رکھتے تھے۔

«وَلَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَلَا يَنْكُسُهُ» اور نہ اپنے سر کو اوپر کو اٹھائے، «وَلَا يَنْكُسُهُ» اور نہ اس کو جھکائے۔ سر بھی کیا ہو؟ کمر کے ساتھ برابر ہونا چاہیے، نہ اوپر کو اٹھا ہوا ہو اور نہ نیچے کو جھکا ہوا ہو، اور اس کا طریقہ یہ بھئی کہ اگر انسان رکوع کے اندر اپنی نظر اپنے پاؤں پر، اپنے قدموں پر رکھے تو سر بالکل ہموار برابر ہو جاتا ہے کمر کے ساتھ بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو بہر حال سر کو برابر ہونا چاہیے بالکل بھئی۔ کہتے ہیں: «وَلَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ» اور نہ اپنے سر کو اٹھائے، «وَلَا يَنْكُسُهُ» اور نہ اس کو جھکائے، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ إِذَا رَكَعَ لَا يُصَوِّبُ رَأْسَهُ وَلَا يُقْنِعُهُ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع فرماتے تھے «لَا يُصَوِّبُ رَأْسَهُ» تو وہ نہ اپنے سر کو جھکاتے تھے «وَلَا يُقْنِعُهُ» اور نہ اس کو اوپر اٹھاتے تھے بلکہ سر بھی کمر کے ساتھ برابر ہوتا تھا۔

■ مسئلہ: وَيَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا

«وَيَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا» اور نماز پڑھنے والا رکوع میں تین مرتبہ «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» کہے، «وَذَلِكَ أَدْنَاهُ» اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا، وَذَلِكَ أَدْنَاهُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے کہ جب رکوع کرے تم میں سے کوئی ایک تو اسے چاہیے کہ اپنے رکوع میں تین مرتبہ «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» کہے «وَذَلِكَ أَدْنَاهُ» اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے۔ «أَيْ أَدْنَى كَمَالِ الْجَمْعِ» صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں: یعنی جمع کے کامل ہونے کی ادنیٰ مقدار ہے یہ۔ یعنی ادنیٰ، کامل جمع کی یہ ادنیٰ مقدار ہے تین۔ بھئی جمع کا اطلاق کتنے پر ہوتا ہے؟ تین یا تین سے زیادہ پر جمع کا اطلاق ہوتا ہے۔ دو پر بھی جمع کا اطلاق کر دیتے ہیں عربی زبان میں، لیکن کامل جمع کا کم سے کم عدد کون سا ہے؟ تین ہے، تو یہ اس لیے کہا: «أَيْ أَدْنَى كَمَالِ الْجَمْعِ» کہ یہ جمع کے کامل ہونے کی کم سے کم مقدار ہے۔

«ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَقُولُ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» پھر رکوع کرنے والا اپنے سر کو اٹھائے گا اور کہے گا: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»۔ «وَيَقُولُ الْمُؤْتَمُّ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» اور یہ تو امام کہے گا «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، «وَيَقُولُ الْمُؤْتَمُّ» اور مقتدی کہے گا: «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ»۔ مقتدی کیا کہے گا؟ تو «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» یہ کہنا یہ امام کا کام ہے اور «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» کہنا یہ مقتدی کا کام ہے۔

«وَلَا يَقُولُهَا الْإِمَامُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» اور امام یہ نہیں کہے گا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ صرف مقتدی کہے گا، امام صاحب فرماتے ہیں یہ امام نہیں کہے گا۔ امام صرف کیا کہے گا؟ «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے گا، «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» نہیں کہے گا۔

■ مسئلہ: وَقَالَا يَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ

«وَقَالَا: يَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ» اور صاحبین فرماتے ہیں «يَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ» امام بھی یہ لفظ کہے گا فی نفسہ اپنے دل میں۔ فی نفسہ اپنے دل میں، دل کا یہ معنی نہیں کہ دل کے اندر ہے زبان سے نہیں، مراد ہے آہستہ۔ صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ بھئی امام ہے، امام «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» یہ تو اونچی آواز سے کہے گا لیکن «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» آہستہ کہے گا صاحبین کے نزدیک۔

دلیل کیا ان کی؟ کہتے ہیں: «لِمَا رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الذِّكْرَيْنِ» بوجہ اس حدیث کے جو روایت کیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ جمع فرماتے تھے ان دونوں ذکروں کے درمیان، حضور علیہ السلام ان دونوں ذکروں کو جمع فرماتے تھے، یعنی حضور علیہ السلام «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» بھی کہتے تھے اور «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» بھی کہتے تھے۔ یہ صاحبین کی دلیل ہے، لہٰذا وہ فرماتے ہیں امام دونوں کہے گا۔

دوسری عقلی دلیل بھئی، کہتے ہیں: «وَلِأَنَّهُ حَرَّضَ غَيْرَهُ فَلَا يَنْسَى نَفْسَهُ» اور نیز اس لیے کیونکہ امام نے ابھارا ہے، «حَرَّضَ يُحَرِّضُ تَحْرِيضٌ» کا معنی ابھارنا، امام نے ابھارا ہے «غَيْرَهُ» اپنے علاوہ کو یعنی دوسروں کو، امام نے دوسروں کو ابھارا ہے «فَلَا يَنْسَى نَفْسَهُ» لہٰذا اپنے تو اپنے آپ کو نہ بھولے بھئی۔ بھئی جب امام نے کہا «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» اس کا معنی ہے «سَمِعَ اللهُ» اللہ نے سن لیا «لِمَنْ» اس شخص کو «حَمِدَهُ» جس نے اللہ کی حمد بیان کی۔ اللہ نے سن لیا اس شخص کو جس نے اس کی حمد بیان کی، یعنی اللہ نے قبول کر لیا۔ اللہ نے قبول کر لیا جس نے اس کی حمد بیان کی تھی، یعنی جس نے اللہ کی حمد بیان کی ہے اللہ نے اس کی

حمد کو قبول کر لیا۔ اللہ نے اس کی حمد کو قبول کر لیا۔ یوں کہیے معنی ماضی کا ہے لیکن دراصل یہ دعا ہے۔ دراصل کیا ہے؟ یعنی جو اللہ کی حمد بیان کرے اللہ اس کو قبول فرمالیں۔ تو دوسروں کو ابھار رہا ہے یعنی اللہ کی حمد بیان کرو۔ یا یوں کہیں، جس نے اللہ کی حمد کی اللہ نے اس کو قبول کر لیا یعنی تم بھی حمد کہو، اللہ کیا کر لیں گے اس کو؟ قبول کر لیں گے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو امام دوسروں کو ابھار رہا ہے۔ چنانچہ جب اس نے کہا «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» جس نے حمد کہی اللہ نے اس کو قبول کر لیا، تو مقتدی فوراً پھر کیا کہتا ہے؟ «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» کہتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ امام نے ابھارا مقتدیوں کو، وہ انہوں نے پھر کیا کہا «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ»۔ اور امام جس وقت کہہ رہا ہے «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» یہ رکوع سے اٹھتے وقت کہہ رہا ہے، عین اسی وقت مقتدی بھی کہے گا، «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» کہے گا۔ یہ نہیں کہ امام جب کہہ چکے اور قومے میں کھڑا ہو جائے اس کے بعد کیا کرے گا مقتدی کہے گا، نہیں، بلکہ امام جب کہہ رہا ہے «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» اٹھتے ہوئے، تو مقتدی بھی کیا کرے گا؟ اٹھتے ہوئے ہی اس کے ساتھ ہی «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» کہے گا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو صاحبین کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» بھی کہے گا اور «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» بھی کہے گا۔ اس لیے کیونکہ امام نے جب «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہا تو یہ دوسرے دوسروں کو یعنی مقتدیوں کو ابھار رہا ہے حمد کرنے پر کہ اللہ کی حمد بیان کرو۔ جب دوسروں کو ابھار رہا ہے تو خود اپنے آپ کو نہیں بھولنا چاہیے، خود بھی اس پر عمل کرنا چاہیے اور کیا کہنا چاہیے؟ «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ»، تو یہ عقلی دلیل ہوئی، یہ معنی ہے: «وَلِأَنَّهُ حَرَّضَ غَيْرَهُ فَلَا يَنْسَى نَفْسَهُ» اور اس لیے کیونکہ امام نے دوسروں کو ابھارا ہے تو اپنے آپ کو نہ بھولے، یہ صاحبین کی دلیل تھی۔

■ مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ قَوْلُهُ عَلَيَّ...

«وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِذَا قَالَ الإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل جو ہے حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ «إِذَا قَالَ الإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ»، حدیث میں آگیا ہے بھئی، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب امام «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے «فَقُولُوا» تو تم لوگ کہو «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» بھئی۔ «هَذِهِ قِسْمَةٌ» یہ، حدیث ختم ہوئی بھئی، «هَذِهِ قِسْمَةٌ» یہ تقسیم ہے۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ حدیث میں تقسیم ہے، حدیث میں آیا جب امام کہے «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» تو تم لوگ تم لوگ کہو یعنی مقتدی جو ہیں وہ کہیں «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ»۔ اس حدیث سے کیا پتہ چل رہا ہے کہ «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہنا امام کا کام ہے اور «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» کہنا کس کا کام ہے؟ مقتدی۔ تو اس حدیث میں تقسیم بیان ہو رہی ہے، کیا بیان ہو رہی ہے؟ تقسیم ہے، یعنی «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہنا امام کا کام اور «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» کہنا مقتدی کا کام۔ اور اگر آپ کا قول لیا جائے کہ امام بھی کیا کرے گا؟ «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» کہے گا، تو اس صورت میں تو شرکت آجائے گی۔ یہاں تو تقسیم تھی، «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے گا امام اور «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» کہے گا مقتدی، یہ ہے تقسیم۔ اور اگر امام کیا کہے؟ سمع اللہ کے ساتھ «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» بھی کہے تو اس میں تو شرکت آگئی۔ «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» میں کیا آگئی؟ شرکت آگئی، مقتدی بھی کہہ رہا ہے، امام بھی کہہ رہا ہے، تو شرکت آگئی۔ تو حدیث میں تو تقسیم آئی ہے اور اگر شرکت کا قول کیا جائے تو وہ تو تقسیم کے منافی ہے شرکت۔ جہاں شرکت ہے وہاں تقسیم نہیں، جہاں تقسیم ہے وہاں شرکت نہیں۔ اگر شرکت ہے تو تقسیم نہیں ہو سکتی، اور اگر تقسیم ہے تو شرکت نہیں۔ اور حدیث میں کیا آیا؟ حدیث سے کیا پتہ چلا؟ تقسیم، اور اگر امام بھی «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» کہے گا پھر تو کیا آجائے گی؟ شرکت، اور شرکت تو تقسیم کے منافی ہو جائے گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے «هَذِهِ قِسْمَةٌ» یہ تقسیم ہے، «وَإِنَّهَا تُنَافِي الشَّرِكَةَ» تقسیم جو ہے یہ تو شرکت کے منافی ہے لہٰذا شرکت نہیں ہو گی یہاں پر۔ «وَلِهَذَا لَا يَأْتِي المُؤْتَمُّ بِالتَّسْمِيعِ عِنْدَنَا» اور اسی وجہ سے مقتدی جو ہے وہ تسمیع... یاد رکھیے یہ جو «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہتا ہے امام، اس کو کہتے ہیں تسمیع، کیا کہتے ہیں؟ تسمیع۔ اور یہ جو مقتدی کہتا ہے «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ»، اس کو کہتے ہیں تحمید۔ تو کہتے ہیں اور اسی وجہ سے «لَا يَأْتِي المُؤْتَمُّ بِالتَّسْمِيعِ» کہ مقتدی جو ہے وہ تسمیع نہیں کہے گا، مقتدی «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» نہیں کہے گا کیونکہ وہ وہاں اس میں تقسیم ہے، «عِنْدَنَا» ہمارے نزدیک، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں، مقتدی بھی کہے گا، «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے۔

«وَلِأَنَّهُ يَقَعُ تَحْمِيدُهُ بَعْدَ تَحْمِيدِ المُؤْتَمِّ» یہ امام صاحب کی دلیل چل رہی ہے۔ پہلی دلیل کیا ہوئی؟ حدیث، کہ حدیث کے اندر تقسیم ہے شرکت نہیں۔ لہٰذا امام «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ» نہیں کہے گا۔ اور دوسری عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں بھئی دیکھیے اگر امام بھی کہے «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ»، تو امام کی تحمید مقتدی کی تحمید کے بعد ہو جائے گی۔ مقتدی کی تحمید پہلے ہو جائے گی اور امام کی تحمید بعد میں ہو جائے گی، اور یہ وضعِ امامت کے خلاف ہے، امام مقرر کرنے کا معنی یہ ہے کہ امام آگے ہو گا باقی اس سے پیچھے ہوں گے، لیکن یہاں پر کیا لازم آئے گا؟ امام پیچھے رہ جائے گا اور مقتدی آگے ہو جائے گا تحمید کے اندر بھئی۔ کس طرح؟ بھئی جس وقت امام کہے گا «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، عین اسی وقت مقتدی بھی کیا کہے گا؟ «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ»۔ تو امام جب «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہہ کر فارغ ہو گا پھر کہے گا «رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ»، تو لازمی بات ہے مقتدی سے تو پیچھے رہ جائے گا، مقتدی کے برابر تو کبھی بھی نہیں ہو سکے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «وَلِأَنَّهُ يَقَعُ تَحْمِيدُهُ بَعْدَ تَحْمِيدِ الْمُؤْتَمِّ» اور نیز اس لیے کیونکہ امام کی تحمید جو ہے وہ مقتدی کی تحمید کے بعد واقع ہو گی، «وَهُوَ خِلَافُ مَوْضُوعِ الْإِمَامَةِ» اور یہ وضعِ امامت کے خلاف ہے۔

■ مسئلہ: وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الِانْفِرَادِ

«وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الِانْفِرَادِ» صاحبین نے حدیث بھی ذکر کی تھی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی، اس کا بھی جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں وہ حدیث جس کو روایت کیا انہوں نے وہ محمول ہے حالتِ انفراد پر، کس پر؟ یعنی حدیث میں آیا حضور علیہ السلام دونوں کہتے تھے، تو وہ انفرادی حالت پر محمول ہے، یعنی جب حضور علیہ السلام اکیلے نماز پڑھتے تھے تو پھر دونوں کہا کرتے تھے، «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» بھی اور «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» بھی۔ تو کہتے ہیں: «وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الِانْفِرَادِ» اور وہ حدیث جس کو روایت کیا وہ محمول ہے منفرد ہونے کی حالت پر، «وَالْمُنْفَرِدُ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا فِي الْأَصَحِّ» اور منفرد جو ہے وہ جمع کرے گا ان دونوں کو اصح قول کے مطابق۔ ہمارے نزدیک بھی اکیلا کوئی نماز پڑھ رہا ہے اسے دونوں کہنے پڑیں گے، «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» بھی اور «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» بھی، یہ اصح قول یہی ہے۔ «وَإِنْ كَانَ يُرْوَى الِاكْتِفَاءُ بِالتَّسْمِيعِ وَيُرْوَى بِالتَّحْمِيدِ» اگرچہ روایت کیا گیا ہے ایک قول کہ اکتفاء کرے گا کس پر؟ تسمیع، تسمیع پر اکتفاء کو بھی اگرچہ روایت کیا گیا ہے «وَيُرْوَى بِالتَّحْمِيدِ» اور تحمید پر اکتفاء کرنے کو بھی روایت کیا گیا ہے، یعنی یہ بھی ایک قول آیا ہے۔ ایک قول میں کیا آیا؟ صرف «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے۔ ایک قول کیا آیا؟ صرف «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» کہے گا، لیکن اصح قول کیا ہے؟ دونوں کہے گا۔

باقی صاحبین نے کہا تھا، عقلی دلیل ذکر کی تھی کہ امام دوسروں کو ابھار رہا ہے تحمید پر تو اپنے آپ کو نہ بھولے، خود بھی کیا کرے؟ تحمید کہے۔ اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَالْإِمَامُ بِالدَّلَالَةِ عَلَيْهِ أَتَى بِهِ مَعْنًى» اور امام اس تحمید پر دلالت کرنے کی وجہ سے «أَتَى بِهِ مَعْنًى» بطورِ معنی کے، یعنی معنوی اعتبار سے گویا امام نے بھی کہہ لیا۔ امام نے جب اس پر دلالت کی ہے تو گویا امام نے بھی کہہ لیا، کیونکہ حدیث میں کیا آتا ہے: «الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ» وہ شخص جو رہنمائی کرنے والا ہے کسی نیک کام پر، وہ وہ بھی اسی طرح ہے جیسے کرنے والا، جیسے کرنے والا۔ تو جو کسی کی نیک کام پر رہنمائی کرتا ہے، نیک راستہ کسی کو دکھاتا ہے، تو اس کو بھی اسی طرح اجر ملے گا جس طرح اس راستے پر عمل کرنے والے کو اجر ملتا ہے۔ تو حدیث میں کیا آیا «الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ»۔ تو یہاں پر بھی امام نے جب دوسروں کو ابھارا تو یہ دوسروں کی رہنمائی کرنے والا ہوا، کس چیز پر؟ تحمید پر۔ جب دوسروں کی تحمید پر رہنمائی کرنے والا ہوا تو گویا معنوی طور پر اس نے بھی کہہ لیا، اس کو بھی اس کا اجر مل جائے گا۔ یہ معنی ہے «وَالْإِمَامُ بِالدَّلَالَةِ عَلَيْهِ أَتَى بِهِ مَعْنًى» اور امام جو ہے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے اس پر رہنمائی کرنے کی وجہ سے معنوی طور پر اس کو کہنے والا ہے، یعنی اس نے بھی اس کو گویا کہہ لیا۔

«قَالَ: ثُمَّ إِذَا اسْتَوَى قَائِمًا كَبَّرَ وَسَجَدَ» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تکبیر کہے «وَسَجَدَ» اور سجدہ کرے۔ رکوع کر لیا اور رکوع کے بعد امام نے «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہا، مقتدی نے «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» کہا اور سیدھے کھڑے ہو گئے۔ پھر تکبیر کہے پھر امام تکبیر کہے گا اور سجدے میں چلا جائے گا، سجدہ کرے گا۔

اچھا بھئی، پیچھے ایک بات ذکر ہوئی تھی کہ جس قیام میں کوئی ذکر مسنون ہے اس میں ہاتھ باندھے جائیں گے اور جس قیام میں کوئی ذکر مسنون نہیں تو اس میں ہاتھ بھی نہیں باندھے جائیں گے۔ اور وہاں ذکر ہوا تھا کہ قومہ جو ہے، یعنی یہ جو رکوع کے بعد انسان سیدھا کھڑا ہوتا ہے، اس میں ہاتھ کھلے چھوڑ دیے جائیں گے کیونکہ قومے کے اندر ذکر نہیں ہے۔ اب آپ کو تفصیل سمجھ میں آ گئی کہ یہ جو قومہ ہے اس کے اندر کوئی ذکر نہیں ہے، یہ جو «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» اور «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» کہا جاتا ہے یہ اٹھتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ اٹھنے کی حالت میں ہے، رکوع سے جب انسان اٹھ رہا ہو، تو اس لیے معلوم ہوا قومے کے اندر کوئی ذکر مسنون نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ إِذَا اسْتَوَى قَائِمًا» پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے «كَبَّرَ» تو تکبیر کہے «وَسَجَدَ» اور سجدہ کرے، یعنی تکبیر کہتا ہوا سجدے میں جائے۔ «أَمَّا التَّكْبِيرُ وَالسُّجُودُ فَلِمَا بَيَّنَّا» باقی تکبیر اور سجدے جو سجدہ جو ہے تو اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔ تکبیر کیوں کہے گا؟ اس کی کیا وجہ؟ سجدہ کیوں کہے گا کرے سجدہ کیوں کرے گا؟ اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں وہ جو ہم نے بیان کر دی۔ تکبیر کی وجہ کیا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر اٹھتے اور جھکتے وقت تکبیر کہتے تھے بھئی۔ اور نیز سجدہ کرلے اس کی کیا دلیل گزری تھی؟ «وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا» معلوم ہوا سجدہ اور رکوع فرض ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا الِاسْتِوَاءُ قَائِمًا فَلَيْسَ بِفَرْضٍ» اور باقی سیدھا کھڑا ہونا تو یہ فرض نہیں ہمارے نزدیک، یعنی یہ قومہ ہمارے نزدیک فرض نہیں ہے۔ «وَكَذَا الْجَلْسَةُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ» اور اسی طرح جلسہ کرنا دو سجدوں کے درمیان، یعنی انسان ایک سجدے سے اٹھ کر جو بیٹھتا ہے اور پھر دوسرے سجدے میں جاتا ہے، تو یہ جو دو سجدوں کے درمیان بیٹھتا ہے اس کو جلسہ کہتے ہیں، یہ بھی ہمارے نزدیک فرض نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَالطُّمَأْنِينَةُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

«وَالطُّمَأْنِينَةُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ» طمانینہ، طاپر ضمہ پڑھنا بھئی، اور طمانینت یعنی اطمینان سے کرنا۔ «وَالطُّمَأْنِينَةُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ» رکوع اور سجدے میں، رکوع اور سجدہ بھئی سجود کا لفظ آرہا ہے اس کو جمع نہ سمجھنا بھئی، عربی زبان میں سجدے کو کیا کہتے ہیں؟ سجود کہتے ہیں۔ اور اطمینان رکھنا رکوع اور سجدے میں، یعنی رکوع اور سجدہ اطمینان سے کرنا یہ بھی ہمارے نزدیک فرض نہیں ہے۔

«وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ» یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے، یہ چیزیں فرض نہیں۔ «وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: يَفْتَرِضُ ذَلِكَ كُلَّهُ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سب چیزیں فرض ہیں، قومہ بھی فرض، دو سجدوں کے درمیان جلسہ بھی فرض اور رکوع سجدے وغیرہ کا اطمینان سے کرنا، سکون سے کرنا، تیزی نہ کرنا اس میں یہ بھی کیا ہے؟ فرض ہے۔ یہ سب فرض ہیں۔ «وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ» اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی، وہ بھی فرماتے ہیں یہ سب چیزیں فرض ہیں۔

دلیل کیا؟ کہتے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»۔ بھئی یہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ مسجد میں تھے یا مسجد کے اندر تشریف لائے اور پھر ایک دیہاتی شخص بھی آیا اور اس نے آکر مسجد میں وہ داخل ہوا اور اس نے نماز پڑھی بھئی، یہ ان کا نام حضرت خلاد ابن رافع تھا بھئی، نام کیا تھا؟ خلاد ابن رافع رضی اللہ تعالی عنہ۔ یہ بھی مسجد میں تشریف لائے اور انہوں نے نماز پڑھی اور جلدی جلدی نماز پڑھی بھئی، رکوع سجدہ وغیرہ بڑی تیزی سے کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور علیہ السلام کے پاس تشریف لائے، حضور علیہ السلام نماز اس کی دیکھ رہے ہوں گے، تو حضور کے پاس آکر سلام کیا تو حضور علیہ السلام نے جواب دیا اور فرمانے لگے: «قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» اٹھو نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ چنانچہ وہ پھر گئے، صحابہ بھی عجیب لوگ تھے، وجہ بھی نہیں پوچھی کیا ہوا یا رسول اللہ، گئے پھر جا کر دوبارہ نماز ادا کی۔ پھر آئے سلام کیا، پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی، پھر خاموشی سے گئے پھر دوبارہ نماز پڑھ کر آئے، پھر حضور کے پاس آئے تو پھر حضور نے فرمایا «قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»۔ تو اب عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ، مجھے سکھا دیجیے جو اچھا طریقہ ہے اس سے بہتر تو میں نہیں جانتا، جو تو بہتر طریقہ ہے وہ مجھے آپ سکھا دیجیے۔ تو حضور علیہ السلام نے پھر ان کو نماز کا طریقہ سکھایا، نماز کا طریقہ سکھایا۔ تو حضور علیہ السلام اس سے فرمانے لگے، دیکھیے بھئی یہ حاشیے میں حدیث پر نظر رکھیے بھئی، حضور علیہ السلام اس سے فرمانے لگے: «إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ» جب تو نماز کے لیے اٹھے تو تکبیر کہہ، «ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ» پھر تو قرات کر وہ جو تجھے میسر ہو قرآن میں سے، جو قرآن میں سے آسان لگے اس کی قرات کر لے، «ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا» پھر اس کے بعد رکوع کر یہاں تک کہ تو اطمینان سے رکوع کر لے، «ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا» پھر اٹھو یعنی رکوع سے اٹھو یہاں تک کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے اعتدال کے ساتھ اطمینان کے ساتھ، «ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا» پھر اس کے بعد سجدہ کر یہاں تک کہ تو اطمینان سے سجدہ کر لے، «ثُمَّ اجْلِسْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا» پھر اس کے بعد بیٹھ جا یہاں تک کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے، «ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا» پھر اسی طرح کر اپنی ساری نماز میں، اسی طرح کر اپنی ساری نماز میں۔ تو دیکھیے اس حدیث کے اندر بھئی، اس حدیث کے اندر ایک تو اطمینان کے ساتھ ارکان کا ادا کرنا آگیا، کہ ارکان کو کیا کیا جائے گا؟ اطمینان سے ادا کیا جائے گا۔ حضور علیہ السلام اس سے کیا فرما رہے ہیں؟ یہاں تک کہ تو اطمینان سے رکوع کر لے، پھر رکوع سے اٹھ جائے یہاں تک کہ اعتدال کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو جائے، تو اس میں قومے کا ذکر بھی آگیا۔ معلوم اس لیے یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ قومہ بھی فرض ہے، رکوع سے جو انسان اٹھتا ہے جس کو قومہ کہتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں یہ بھی اس حدیث میں ذکر ہے وہ بھی معلوم ہوا فرض ہے۔ نیز اطمینان کے ساتھ ارکان کو ادا کرنا اس حدیث میں ذکر ہے، معلوم ہوا وہ بھی کیا ہے؟ نماز کے اندر فرض ہے۔ اسی طرح دو سجدوں کے اندر بیٹھنے کا ذکر آیا تو اطمینان کے ساتھ بیٹھنے کا ذکر آیا، معلوم ہوا یہ جلسہ بھی کیا ہے؟ فرض ہے، اور اس کے اندر بھی تعدیل یعنی اطمینان کے ساتھ کیا جائے گا۔ تو اس یہ حدیث دلیل ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی، وہ فرماتے ہیں کہ قومہ بھی فرض ہے، دو سجدوں کے درمیان جلسہ بھی فرض ہے اور رکوع اور سجدے وغیرہ میں طمانینت یعنی اطمینان سے کرنا بھی فرض ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: «قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» اٹھو نماز پڑھو، «فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ فاکا ترجمہ میں کیونکہ کے ساتھ کر رہا ہوں، «فَإِنَّكَ»، ترجمے پہ نظر ہے؟ ہاں، نور الانوار پڑھ رہے ہیں یا نہیں؟ ہاں، نور الانوار میں آپ نے پڑھا ہو گا فا تعلیل کے لیے آتی ہے، یعنی کس پر کبھی داخل ہوتی ہے؟ علت پر، ما قبل کی علت بیان کرتے ہیں، تو یہاں بھی علت، «قُمْ فَصَلِّ» اٹھو، نماز پڑھو، «فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» کیونکہ تم نے نماز کیونکہ بے شک تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تو دیکھو علت بیان کر دی، نماز پڑھو، کیوں؟ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ «قَالَهُ لِلْأَعْرَابِيِّ حِينَ أَخَفَّ الصَّلَاةَ» حضور علیہ السلام نے یہ ایک دیہاتی سے فرمایا «حِينَ أَخَفَّ الصَّلَاةَ» جس وقت کہ اس نے خفیف کیا نماز کو یعنی ہلکا پڑھا نماز، ہلکی جب انہوں نے ہلکی نماز پڑھی یعنی جلدی جلدی پڑھی۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا أَنَّ الرُّكُوعَ هُوَ الِانْحِنَاءُ، وَا...

«وَلَهُمَا أَنَّ الرُّكُوعَ هُوَ الِانْحِنَاءُ، وَالسُّجُودَ هُوَ الِانْخِفَاضُ لُغَةً» طرفین کی دلیل یہ ہے، طرفین فرماتے ہیں کہ بھئی قرآن میں آیا ہے «وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا» رکوع کرو اور سجدہ کرو، معلوم ہوا رکوع اور سجدہ فرض ہیں اور رکوع مطلقاً جھکنے کو کہتے ہیں، لہٰذا کوئی اطمینان سے نہ کرے، جھکا اور پھر اٹھ گیا تو کیا کہیں گے؟ اس نے رکوع کر لیا۔ عربی زبان کے اعتبار سے رکوع صرف جھکنے کا نام ہے، اس میں اطمینان سے ٹھہرے رہنا ضروری نہیں۔ اور قرآن میں صرف رکوع کا ذکر آیا «وَارْكَعُوا»، معلوم ہوا رکوع تو فرض ہے اطمینان اس کے اندر فرض نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن میں سجدے کا ذکر آیا «وَاسْجُدُوا» اور تم کیا کرو؟ سجدہ۔ معلوم ہوا سجدہ فرض ہے، اور سجدہ اپنے آپ کو خوب پست کر دینا، زمین پر اپنے ماتھے کو اپنے چہرے کو رکھ دینا یہ ہے سجدہ۔ تو قرآن میں مطلقاً سجدے کا ذکر ہے، تو کوئی زمین پر ماتھا رکھ دیتا ہے اور پھر فوراً اٹھا لیتا ہے تو عربی زبان میں کیا کہیں گے؟ اس نے کیا کیا ہے؟ سجدہ کیا، اس میں اطمینان سے کرنے کی شرط نہیں۔ لہٰذا ادنیٰ مقدار میں کوئی جھک جائے تو کہیں گے اس نے رکوع کر لیا، ادنیٰ مقدار میں کوئی پیشانی زمین پر رکھ دے تو کیا کہیں گے؟ اس نے سجدہ کر لیا۔ تو لہٰذا یہ تو فرض ہے، ادنیٰ مقدار میں جھکنا رکوع کے اندر ہو گئی رکوع تب، کیونکہ رکوع فرض ہے، اور سجدے میں ادنیٰ مقدار کیا ہے؟ پیشانی زمین پر رکھنا، چہرے کا زمین پر رکھنا فرض ہے تو وہ رکن ہیں، وہ رکن ہیں کیونکہ قرآن میں کیا ہے «وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا» رکوع اور سجدے کا ذکر ہے، لہٰذا اطمینان سے کرنے کی قید اس پر نہیں بڑھائی۔

ہاں پھر یہ اطمینان سے کرنا بعض ائمہ فرماتے ہیں یہ سنت ہے، بعض فرماتے ہیں کہ یہ واجب ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو امام صاحب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ انہوں نے اس کو فرض تو قرار نہیں دیا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تو اطمینان سے کرنے کو فرض قرار دیا لیکن یاد رکھو بھئی جب رکوع نماز پڑھے انسان اطمینان سے پڑھے، بعض لوگ ماتھا زمین پہ رکھتے ہیں اور فوراً اٹھا لیتے ہیں اور پھر پوری طرح نہیں بیٹھے نہیں ہوتے پھر واپس دوسرے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اطمینان سے رکوع سجدہ وغیرہ نہیں کیا تو مجھے خوف ہے کہ اس کی نماز ہی نہیں ہوئی، مجھے خوف ہے کہ اس کی نماز ہی نہیں ہوئی، جبکہ بعض ائمہ تو اس کو واجب کہتے ہیں اور بعض نے تو ابھی گزرا فرض کہتے ہیں، تو لہٰذا انسان اس میں خوب احتیاط رکھے بھئی، اطمینان سے نماز ہونی چاہیے بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَلَهُمَا» طرفین کی دلیل یہ ہے «أَنَّ الرُّكُوعَ هُوَ الِانْحِنَاءُ» کہ رکوع جو ہے وہ جھکنا ہی ہے، «وَالسُّجُودَ هُوَ الِانْخِفَاضُ» اور سجدہ وہ پست ہونا ہے، یعنی چہرہ زمین پر رکھنا مراد ہے کیونکہ اس میں انسان پوری طرح پست ہو جاتا ہے بالکل زمین کے ساتھ اپنے چہرے کو لگا دیتا ہے، اور سجدہ وہ پست ہو جانا ہے «لُغَةً» عربی زبان کے اعتبار سے، «فَيَتَعَلَّقُ الرُّكْنِيَّةُ بِالْأَدْنَى فِيهِمَا» تو رکن ہونے کا تعلق جو ہے ان دونوں میں سے جو ادنیٰ مقدار ہو گی اس کے ساتھ ہو گا، یعنی ادنیٰ جھکنا رکوع میں فرض ہو گا، ادنیٰ پیشانی اور چہرے کا زمین پر رکھنا فرض ہو گا۔

■ مسئلہ: وَكَذَا فِي الِانْتِقَالِ

«وَكَذَا فِي الِانْتِقَالِ» اور اسی طرح انتقال میں بھی ہو گا، کس میں؟ یعنی جیسے جیسے رکوع اور سجدے میں طمانینت اطمینان فرض نہیں اسی طرح انتقال کے اندر بھی اطمینان فرض نہیں بھئی، یہ جواب دے رہے ہیں ناکس کس کا؟ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا۔ تو انتقال میں بھی اطمینان اور طمانینت فرض نہیں ہو گا، «إِذْ هُوَ غَيْرُ مَقْصُودٍ» کیونکہ یہ انتقال تو غیر مقصود ہے، بھئی انتقال ایک سجدے کے بعد دوسرا کرنا ہے تو اصل مقصود تو سجدے ہیں، انتقال تو مقصود نہیں، تو جب غیر مقصود ہے تو لہٰذا وہ بطریقِ اولیٰ فرض بھی نہیں ہو گا، تو یہ جو جلسہ ہے یہ فرض بھی نہیں۔ یہ جلسہ جو ہے یہ فرض بھی نہیں، اور اسی طرح یہ قومہ یہ فرض نہیں۔ قومہ رکوع کے بعد ہی شریعت نے سیدھا سجدے میں جانے کا حکم نہیں دیا بلکہ شریعت نے کیا حکم دیا؟ رکوع سے پہلے سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور پھر جاؤ کس میں؟ سجدے میں سجدے میں جاؤ، تاکہ جو اعلیٰ ترین حالت ہے تمہاری بلند ترین حالت یعنی قیام اس سے سیدھا کہاں پہنچو؟ پست ترین حالت تک اللہ کے سامنے تاکہ خوب عاجزی کا اظہار ہو جائے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا قومہ بھی فرض نہیں ہمارے نزدیک، جلسہ بھی فرض نہیں کیونکہ یہ مقصود نہیں ہے، کیونکہ رکوع کے بعد مقصود ہے اب سجدہ، تو اس کے لیے سجدے کے لیے جانے کے لیے سب سے پہلے کس حالت میں آ جاؤ؟ قیام کی حالت میں آ جاؤ اور پھر سجدے کے اندر جاؤ بھئی تاکہ خوب عاجزی کا اظہار ہو جائے بھئی۔ اسی وجہ سے جس شخص جو شخص رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا مریض ہے کوئی عذر ہے وہ رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا تو اس سے قیام بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ آپ نے مسائل میں پڑھا ہو گا، علماء کیا فرماتے ہیں؟ وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے، رکوع اور سجدے میں جب اشارہ کرنا ہے تو قیام بھی اس پر فرض نہ رہا۔ کیوں؟ کیونکہ قیام کا مقصد تو کیا تھا کہ قیام سے وہ سجدے میں جائے گا، قیام سے رکوع میں جائے گا، قیام سے سجدے میں جائے گا تاکہ خوب عاجزی کا اظہار ہو جائے، تو جب رکوع اور سجدہ وہ کر ہی نہیں سکتا تو لہٰذا قیام بھی اب اس پر فرض نہ رہا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ چیزیں یہ انتقالات ہیں لہٰذا یہ فرض نہیں بھئی، اور اسی طرح طمانینت یہ بھی فرض نہیں، البتہ میں نے بتلایا کہ یہ ہے بہت ضروری حتیٰ کہ امام صاحب بھی انہوں نے فرض تو نہیں قرار دیا، دلائل کو سامنے رکھا کیونکہ کسی چیز کو فرض قرار دینا ہے وہ دلائل کو دیکھ کر فرض قرار دیا جائے گا۔ تو کہتے ہیں کہ قرآن کے اندر رکوع اور سجدے کا ذکر ہے اور رکوع اور سجدہ صرف جھکنے اور زمین پر ماتھا رکھنے کو کہتے ہیں اس کے اندر طمانینت کی قید ہے ہی نہیں عربی زبان میں، کوئی تھوڑا سا بھی کر لے رکوع اور سجدہ ماتھا زمین پر رکھ دیا کہہ دیں گے اس نے سجدہ کر لیا، لہٰذا اس کو طمانینت کو فرض قرار نہیں دیا جا سکتا، اور جب یہ مقصود جو ہیں رکوع اور سجدے

کے اندر طمانینت فرض نہیں ہے اطمینان سے کرنا فرض نہیں ہے تو انتقالات تو غیر مقصود ہیں ان کے اندر بطریقِ اولیٰ یہ طمانینت فرض نہیں ہو گی۔ یہ معنی ہے: «وَكَذَا فِي الِانْتِقَالِ إِذْ هُوَ غَيْرُمَقْصُودٍ» اور اسی طرح انتقال کے اندر بھی ہو گا کیونکہ وہ غیر مقصود ہے۔

«وَفِي آخِرِ مَا رَوَى تَسْمِيَتُهُ إِيَّاهُ صَلَاةً» اور اسی حدیث کے آخر میں جس کو انہوں نے روایت کیا، جس کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یا امام شافعی رحمہ اللہ نے جو روایت کیا، «تَسْمِيَتُهُ إِيَّاهُ صَلَاةً» حضور علیہ السلام کا نام رکھنا ہے اس کا نماز، حضور علیہ السلام نے اس کو نماز کہا، اس کو کیا کہا ہے؟ نماز کہا ہے۔ «حَيْثُ قَالَ» اس حیثیت سے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: «وَمَا نَقَصْتَ مِنْ هَذَا شَيْئًا فَقَدْ نَقَصْتَ مِنْ صَلَاتِكَ»۔ بھئی حضور علیہ السلام نے خلاد ابن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طریقہ پورا نماز کا سکھایا کہ اطمینان سے رکوع کر لو، اطمینان سے سجدہ وغیرہ کر لو، اور آخر میں فرمایا: «وَمَا نَقَصْتَ مِنْ هَذَاشَيْئًا» اور وہ جو تو نے کمی کر دی اس میں سے کسی چیز کی «فَقَدْ نَقَصْتَ مِنْ صَلَاتِكَ» تو تحقیق تو نے اپنی نماز میں کمی کر دی۔ حدیث کے آخر میں کیا فرمایا حضور علیہ السلام نے؟ اگر یہ جو چیزیں میں نے بیان کیں، یہ جو طریقہ میں نے بیان کیا، ان میں سے اگر کسی چیز کے اندر تو نے کمی کر دی تو تو نے اپنی نماز میں کمی کر دی۔ حضور علیہ السلام یہ نہیں فرما رہے اگر ان میں سے کسی چیز میں کمی کر دی تو تمہاری نماز ہی نہیں ہو گی، بلکہ اس کو پھر بھی نماز قرار دے رہے ہیں البتہ کیا کہہ رہے ہیں نماز میں پھر تمہاری کیا آ جائے گی؟ کمی آ جائے گی، معلوم ہوا یہ جو طمانینت وغیرہ ہیں اگر یہ رہ بھی جائے تو نماز بہر حال ہو جائے گی البتہ اس میں کیا آ جائے گی؟ کمی آ جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ امام طرفین کی دلیل ہے۔ یہ معنی ہے «حَيْثُ قَالَ» اس حیثیت سے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا «وَمَا نَقَصْتَ مِنْ هَذَا شَيْئًا فَقَدْ نَقَصْتَ مِنْ صَلَاتِكَ» اور وہ جو تو نے کمی کر دی ان میں سے کسی چیز کی تو تحقیق تو نے کمی کر دی اپنی نماز میں۔

■ مسئلہ: ثُمَّ الْقَوْمَةُ وَالْجَلْسَةُ سُنَّةٌ عِنْدَهُمَا

«ثُمَّ الْقَوْمَةُ وَالْجَلْسَةُ سُنَّةٌ عِنْدَهُمَا» پھر قومہ اور جلسہ سنت ہیں «عِنْدَهُمَا» کس کے نزدیک؟ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ «وَكَذَا الطُّمَأْنِينَةُ فِي تَخْرِيجِ الْجُرْجَانِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى» اور اسی طرح طمانینت یعنی اطمینان سے کرنا یہ بھی سنت ہیں «فِي تَخْرِيجِ الْجُرْجَانِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى» امام جرجانی کی تخریج میں۔ «وَفِي تَخْرِيجِ الْكَرْخِيِّ وَاجِبَةٌ» اور امام کرخی رحمہ اللہ کی تخریج میں یہ طمانینت واجب ہے، ان کی تخریج میں واجب ہے۔ «حَتَّى تَجِبَ سَجْدَتَا السَّهْوِ بِتَرْكِهَاعِنْدَهُ» یہاں تک کہ واجب ہوں گے سہو کے دو سجدے «بِتَرْكِهَا» طمانینت کو چھوڑنے کی وجہ سے «عِنْدَهُ» امام کرخی کے نزدیک۔ بھئی امام جرجانی فرماتے ہیں کہ طمانینت سنت ہے لہٰذا اگر سنت رہ جائے تو سجدۂ سہو تو واجب نہیں، جبکہ امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طمانینت یہ واجب ہے اور جس نے اطمینان سے رکوع سجدے وغیرہ نہیں کیے تو اس پر دو سہو کے سجدے واجب ہوں گے، اسے سجدۂ سہو کرنے پڑیں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اچھا بھئی یہاں ذکر آیا امام جرجانی کا اور امام کرخی کا بھئی رحمہما اللہ تعالیٰ۔ یاد رکھیے یاد رکھیے بھئی، تخریج کا لفظ آتا ہے، جگہ جگہ تخریج کا کیا معنی ہے؟ تو یاد رکھیے مذہبِ حنفی کے مخرجین دو ہیں بھئی، مذہبِ حنفی کے مخرجین جو ہیں وہ دو ہیں بھئی دو: ایک یہ امام ابو عبد اللہ جرجانی اور ایک یہ امام کرخی بھئی، امام امام کرخی، یہ دو مخرجین ہیں۔ اور تخریج اس کو کہتے ہیں کہ وہ مسئلہ جس کے بارے میں ائمۂ ثلاثہ سے یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ، جس مسئلے کے بارے میں ان ائمۂ ثلاثہ سے کوئی تشریح وغیرہ نہ ہو زیادہ، تو انہی کے اسی انہی قواعد وضوابط کے مطابق اس مسئلے کی تشریح کرنا یہ ہے تخریج بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ جو دو ائمہ ہیں یہ دو تخریج کرتے ہیں مسائل کی، وہ مسائل جن کی تشریح ائمۂ ثلاثہ سے زیادہ نہیں نہیں آئی زیادہ تفصیل اس کے بارے میں نہیں ہے، تو انہی کے قواعد وضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مسئلے کی تشریح کرنا یہ ہے تخریج بھئی، یہ کیا ہے؟ تخریج ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ تخریج کا لفظ جگہ جگہ آئے گا، یہ تفصیل یاد رکھنا بھئی۔

تو مذہبِ حنفی کے مخرجین کتنے ہیں؟ دو ہیں بھئی: امام ابو عبد اللہ جرجانی اور امام کرخی۔ امام کرخی کے احوال تو پہلے بھی گزر چکے ہیں کہ 260 ہجری میں ان کی پیدائش ہوئی ہے اور 340 ہجری میں ان کا انتقال ہوا ہے، 340 ہجری میں ان کا انتقال۔ جبکہ یہ جو امام ابو عبد اللہ جرجانی جو ہیں یاد رکھیے یہ استاد ہیں امام قدوری رحمہ اللہ کے، یہ ان کے شیخ ہیں بھئی، اور یہ شاگرد ہیں ابو بکر رازی کے بھئی، اور ان کی وفات ہوئی ہے 398 ہجری میں۔ امام کرخی کی وفات ہوئی ہے 340 ہجری میں جبکہ امام جرجانی کی وفات ہوئی ہے 398 ہجری میں، 398، اور یہ جو امام جرجانی رحمہ اللہ ہیں یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قریب ہی دفن ہیں ان کے پڑوس میں ساتھ ہی دفن ہیں ان کے بھئی۔ تو یہ دو مخرجین ہیں مذہبِ حنفی کے۔ لہٰذا اس مسئلے کے بارے میں ائمہ سے تفصیل نہیں تھی تو انہوں نے تخریج کی۔ امام جرجانی کی تخریج کے مطابق طمانینت کیا ہے؟ انہوں نے سنت قرار دیا سنت قرار دیا، اور امام کرخی نے واجب قرار دیا واجب قرار دیا۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

■ مسئلہ: وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ

«وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ» اور رکھے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر۔ جی اب سجدہ کر رہے ہیں نا، سجدے کی طرف جا رہے ہیں تکبیر کہتے ہوئے، تو کہتے ہیں «وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ» اور رکھے۔

چلیے بس کرتے ہیں، بس بھئی، **هَذَا هُوَ المَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۵۰: مسئلہ: وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ لِأَنَّ...

ہدایہ صفحہ: ۱۰۸ــــ بتاریخ: ۲۳ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ لِأَنَّ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَصَفَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَجَدَ وَادَّعَمَ عَلَى رَاحَتَيْهِ وَرَفَعَ عَجِيزَتَهُ، وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ وَيَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ كَذٰلِكَ» [1]

تو گزشتہ سبق میں نماز کا طریقہ بیان ہو رہا تھا اور صاحب ہدایہ نے بتلایا تھا کہ جب رکوع سے انسان سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر تکبیر کہے گا اور سجدے میں چلا جائے گا، سجدہ کرے گا بھائی۔ اب اس کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ سجدے میں جائے گا تو کس طرح جائے گا؟ کہ «**وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ**» اور رکھے گا اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر۔ بھائی اس کی کیا وجہ؟ دلیل اس کی کیا؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَصَفَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**» کیونکہ وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی نماز کا وصف بیان فرمایا، اس کی کیفیت بیان فرمائی، یعنی اپنے عمل کے ذریعے دکھلایا کہ حضور علیہ السلام کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ «**فَسَجَدَ**» تو انہوں نے، حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کیا؟ سجدہ کیا۔ حضور علیہ السلام کی نماز کا طریقہ وہ عمل کے ذریعے بتلا رہے تھے بھائی۔ تو «**فَسَجَدَ**» تو حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سجدہ کیا «**وَادَّعَمَ عَلَى رَاحَتَيْهِ**»، ادّعم کے معنی ہوتے ہیں سہارا لینا۔ «**رَاحَتَيْهِ**» یہ تثنیہ ہے نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ توراحت کہتے ہیں ہتھیلی کو۔ «**وَادَّعَمَ عَلَى رَاحَتَيْهِ**» اور انہوں نے سہارا لیا اپنی دونوں ہتھیلیوں پر، «**وَرَفَعَ عَجِيزَتَهُ**» اور بلند کیا عجیزتہ اپنے پچھلے دھڑ کو۔ عجیزہ کہتے ہیں بھائی انسان کے بدن کا وہ حصہ جو زمین پر بیٹھتے ہوئے رکھتا ہے یعنی سرین، اور تو اپنے پچھلے دھڑ کو اونچا کیا یعنی جس طرح انسان سجدہ کرتا ہے کہ دونوں ہاتھ کس پر ہوتے ہیں؟ زمین پر ہوتے ہیں اور ماتھا زمین پر ہوتا ہے اور پچھلا دھڑ کیا ہوتا ہے؟ اونچا ہوتا ہے، وہ بتلا رہے ہیں۔ تو انہوں نے حضور علیہ السلام کی نماز کی کیفیت بیان فرمائی اور اس کا طریقہ بتلایا، کر کے دکھلایا اور وہ کرتے ہوئے انہوں نے بتلاتے ہوئے کس طرح کیا؟ حضرت وائل ابن حجر نے سجدہ فرمایا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں پر سہارا لیا یعنی سجدے میں جاتے ہوئے اور «**وَرَفَعَ عَجِيزَتَهُ**» اور اپنے پچھلے دھڑ کو بلند کیا۔

«**وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ**» اور پھر یہ متن ہے، پھر نماز پڑھنے والا کیا کرے گا؟ «**وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ**» رکھے گا اپنے چہرے کو «**بَيْنَ كَفَّيْهِ**» اپنی ہتھیلیوں کے درمیان۔ «**وَيَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ**»، یدیہ کا عطف ہے وجہہ پر، أَيْ «**وَوَضَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ**» اور رکھے گا اپنے دونوں ہاتھ کہاں پر؟ «**حِذَاءَ أُذُنَيْهِ**» کانوں کے دونوں کانوں کے بالمقابل بھائی، ان کے برابر میں۔ «**لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ كَذٰلِكَ**» بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایسا فرمایا بھائی۔ تو سجدے کا کیا طریقہ ہے؟ انسان کے دونوں ہاتھ جو ہیں کانوں کے برابر میں ہوں اور چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں ہو، اس طرح ہاتھ رکھے گا بھائی۔ بعض لوگ ہاتھ رکھتے ہیں ہاتھ سر کے برابر یا اس سے آگے نکلے ہوتے ہیں، یہ طریقہ صحیح نہیں بھائی۔ مسنون طریقہ کیا ہے؟ کس طرح ہونا چاہیے؟ کہ چہرہ ہتھیلیوں کے درمیان آئے بھائی، چہرہ ہتھیلیوں کے درمیان۔

اور انہوں نے بتلایا متن کے اندر بھائی کہ دونوں ہاتھ کیا کرے؟ زمین پر رکھے اور پھر اپنے چہرے کو رکھے، تو اس میں ترتیب یاد رکھیے بھائی۔ علماء نے طریقہ بیان کیا ہے کہ انسان جب سجدے میں جائے تو گھٹنے بھی زمین پر رکھتے ہیں، ہاتھ بھی رکھتے ہیں اور پیشانی اور ناک بھی زمین پر رکھنی ہے، تو کس ترتیب سے رکھیں گے؟ تو یاد رکھیے: گھٹنے، دونوں ہاتھ، پیشانی اور ناک، ان میں سے جو حصہ زمین کے قریب ہے سجدے میں جاتے ہوئے پہلے اس کو زمین پر رکھے گا۔ پھر اس کے بعد دوسرے نمبر پر جو زمین کے قریب ہے پھر اس کو رکھیں گے زمین پر۔ پھر تیسرے نمبر پر جو قریب ہے اس کو زمین پر رکھیں گے اور سب سے آخر میں جو سب سے اونچا حصہ ہے اس کو زمین پر

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۵۳): «وآله»۔

رکھیں گے۔ تو لہٰذا سب سے قریب کون سا حصہ؟ گھٹنے، تو سجدے میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے گا۔ اس کے بعد ہاتھ ہیں، پھر دونوں ہاتھ زمین پر رکھے گا۔ پھر اس کے بعد ناک ہے، تو پھر ناک رکھے گا اور سب سے آخر میں پیشانی ہے۔ اور سجدے سے اٹھتے وقت اس کا عکس ہو گا، عکس بھائی۔ یعنی پہلے ماتھے کو اوپر اٹھائیں گے، پھر اس کے بعد ناک کو اٹھائیں گے زمین سے اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو اٹھائیں گے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

جی، «قَالَ: وَسَجَدَ عَلَى أَنْفِهِ» صاحب قدوری فرماتے ہیں: «وَسَجَدَ عَلَى أَنْفِهِ» اور سجدہ کرے گا اپنی ناک پر «وَجَبْهَتِهِ» اور اپنی پیشانی پر۔ یعنی سجدے میں ناک بھی زمین پر رکھے گا اور پیشانی بھی، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ» کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پابندی فرمائی ہے۔ «فَإِنِ اقْتَصَرَ عَلَى أَحَدِهِمَا جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اگر نماز پڑھنے والے نے اکتفا کر لیا ان دونوں میں سے کسی ایک پر، یعنی سجدے میں صرف پیشانی زمین پر رکھی ناک رکھی نہیں یا صرف ناک رکھی زمین پر پیشانی زمین پر نہیں رکھی، صرف ایک پر ہی اکتفا کر لیا، «جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو یہ جائز ہے امام صاحب کے نزدیک، یعنی اس کی نماز ہو جائے گی، اس کا سجدہ ہو جائے گا اور سجدہ تو فرض تھا تو نماز بھی ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: وَقَالَا: لَا يَجُوزُ الِاقْتِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ...

«وَقَالَا: لَا يَجُوزُ الِاقْتِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ» اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں «إِلَّا مِنْ عُذْرٍ» مگر کسی عذر کے۔ صاحبین فرماتے ہیں صرف پیشانی پر اکتفا کر لیا، پیشانی زمین پر رکھی ناک نہیں رکھی، پھر تو ٹھیک ہے، لیکن اگر صرف ناک پر اکتفا کرتا ہے، ناک زمین پر رکھی ہے اور پیشانی نہیں رکھی، یہ جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ کوئی عذر ہو، مثلاً ماتھے پر کوئی زخم وغیرہ ہے ماتھا تو زمین پر رکھ ہی نہیں سکتا، صرف کس پر زمین پر رکھا؟ ناک کو، تو یہ تو عذر کی وجہ سے ہے پھر جائز ہے، ویسے جائز نہیں۔ «وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْهُ» اور یہی ایک روایت ہے امام صاحب سے بھی، وہ بھی فرماتے ہیں صرف ناک پر اکتفا جائز نہیں، یہ ایک روایت ہے۔

«لِقَوْلِهِ» دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبین کے قول کی، کہتے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سجدہ کروں سات ہڈیوں پر، مجھے کیا حکم دیا گیا ہے؟ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سجد۔ «وَعَدَّ مِنْهَا الْجَبْهَةَ» اور حضور علیہ السلام نے ان میں سے پیشانی کو شمار فرمایا۔ ان سات ہڈیوں میں کس کو گنا؟ پیشانی کو بھی گنا، اس کو بھی شمار کروایا۔ تو یہ صاحبین کی دلیل ہے۔ معلوم ہوا پیشانی کا رکھنا سجدے میں ضروری ہے بھائی، ضروری، اس کو نہیں رکھے گا تو سجدہ ہی ادا نہیں ہو گا۔

«وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ السُّجُودَ يَتَحَقَّقُ بِوَضْعِ بَعْضِ الْوَجْهِ» اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ جو ہے وہ ثابت ہو جاتا ہے بعض چہرہ رکھنے سے۔ چہرے کا کچھ حصہ زمین پر رکھ دے تو سجدہ پایا جائے گا، سجدہ ہو جائے گا۔ بھائی کیونکہ سارا چہرہ تو انسان زمین پر رکھ ہی نہیں سکتا۔ کوئی ایسی صورت ہے کہ سارا چہرہ انسان زمین پر رکھ دے؟ سارا چہرہ تو زمین پر رکھ ہی نہیں سکتا، ایک دائیں جانب ہے وہ رکھے گا تو بائیں جانب نہیں ہو سکتی، بائیں جانب رکھے گا تو دائیں جانب نہیں، نیز اسی طرح ناک اور پیشانی اس کی وجہ سے یہ جو ناک کے ساتھ والا چہرے کا حصہ ہے وہ تو نیچے ہے، ناک اونچی ہے، وہ حصہ تو لگ ہی نہیں سکتا زمین پر بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا سجدے میں کچھ چہرہ ہی رکھنا پڑے گا، سارا چہرہ تو رکھ ہی نہیں سکتے۔ یہ معنی ہے کہ «أَنَّ السُّجُودَ يَتَحَقَّقُ بِوَضْعِ بَعْضِ الْوَجْهِ» کہ سجدہ جو ہے وہ پایا جاتا ہے کچھ چہرہ زمین پر رکھنے سے۔ «وَهُوَ الْمَأْمُورُ بِهِ» اور سجدہ ہی مامور بہ ہے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ امام صاحب کی دلیل چل رہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نماز میں کس چیز کا حکم دیا گیا ہے؟ سجدے کا حکم دیا گیا ہے، سجدہ مامور بہ ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ قرآن میں کیا فرماتے ہیں: «وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا»، تو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور سجدے کے اندر پورا چہرہ تو رکھا نہیں جا سکتا، سجدہ تو ہو گا ہی کس طرح؟ بعض چہرہ، کچھ چہرہ رکھنے سے ہو گا، اور اب اس کچھ چہرے میں سے رخسار اور ٹھوڑی جو ہے یہ بالاجماع خارج ہیں بھائی، یہ سجدے میں یہ نہیں رکھے جائیں گے بلکہ کیا رکھا جائے گا؟ پیشانی اور ناک۔ تو کہتے ہیں سجدہ جو ہے وہ پایا جاتا ہے کچھ چہرے کو زمین پر رکھنے سے «وَهُوَ الْمَأْمُورُ بِهِ» اور وہی سجدہ ہی تو مامور بہ ہے اسی کا حکم دیا گیا ہے، «إِلَّا أَنَّ الْخَدَّ وَالذَّقَنَ خَارِجٌ بِالْإِجْمَاعِ» مگر یہ کہ رخسار جو ہے اور ٹھوڑی جو ہے «خَارِجٌ بِالْإِجْمَاعِ» یہ خارج ہیں بھائی، بالاجماع یہ خارج ہیں، ان کا رکھنا مراد نہیں، ان سے سجدہ نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَالْمَذْكُورُ فِيمَا رُوِيَ الْوَجْهُ فِي الْمَشْهُورِ

«وَالْمَذْكُورُ فِيمَا رُوِيَ الْوَجْهُ فِي الْمَشْهُورِ» اچھا، تو امام صاحب کی کیا دلیل ہوئی؟ کہ چہرے کا کچھ حصہ زمین پر رکھیں تو سجدہ ہو جائے گا، کیونکہ سجدے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ٹھوڑی اور رخسار تو بالاجماع خارج ہیں، باقی کیا رہ گئے؟ ناک اور پیشانی رہ گئے، ناک اور پیشانی۔ تو ان کو زمین پر رکھ دیں گے تو سجدہ ہو جائے گا، اب اس میں صرف ناک رکھ دے تو بھی بعض چہرہ زمین پر رکھ دیا، صرف پیشانی رکھ دے تو بھی کیا ہوا؟ بعض چہرہ زمین پر رکھ دیا، تو لہٰذا دونوں میں سے ایک پر بھی اکتفا کر لیا جائے تو یہ جائز ہو جائے گا اور نماز ہو جائے گی۔ «وَالْمَذْكُورُ فِيمَا رُوِيَ» اور مذکور اس حدیث کے اندر جس کو روایت کیا گیا «الْوَجْهُ» اس میں لفظ

الوجہ آیا ہے «فِي الْمَشْهُورِ» مشہور روایات کے اندر۔ صاحبین نے تو حدیث کیا ذکر کی تھی کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَعَدَّ مِنْهَا الْجَبْهَةَ» اور حضور علیہ السلام نے ان میں کیا شمار فرمایا ہے؟ پیشانی، ان سات ہڈیوں کو گنواتے ہوئے حضور علیہ السلام نے پیشانی کو ذکر فرمایا، صاحبین نے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ بھائی جو مشہور احادیث ہیں ان کے اندر پیشانی کا ذکر نہیں بلکہ الوجہ چہرے کا ذکر آتا ہے، کس کا ذکر آتا ہے؟ کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں کس کو شمار فرمایا آپ نے؟ چہرے کو شمار فرمایا، جبہہ کو نہیں، مشہور روایات میں جبہہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ چہرے کا ذکر ہے اور چہرہ ابھی ذکر ہو گیا کہ سجدے میں کیا کیا جاتا ہے؟ بعض چہرے کو زمین پر رکھا جاتا ہے اور ٹھوڑی اور رخسار تو بالاجماع خارج ہیں، باقی صرف ناک اور پیشانی رہ گئے تو ان میں سے جس کو بھی زمین پر رکھ دیں گے سجدہ ادا ہو جائے گا، کیونکہ ناک صرف ہے یہ بھی بعض وجہ ہے، چہرے کا بعض حصہ ہے اور پیشانی بھی چہرے کا بعض حصہ ہے۔ یہ معنی ہے: «وَالْمَذْكُورُ فِيمَا رُوِيَ الْوَجْهُ فِي الْمَشْهُورِ» اور مذکور اس حدیث کے اندر جس کو روایت کیا گیا اس میں الوجہ کا لفظ ہے، مشہور روایات میں۔

«وَوَضْعُ الْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا لِتَحَقُّقِ السُّجُودِ دُونَهُمَا» اور دونوں ہاتھوں کا رکھنا اور دونوں گھٹنوں کا رکھنا سنت ہے ہمارے نزدیک «لِتَحَقُّقِ السُّجُودِ دُونَهُمَا» بوجہ پائے جانے سجدے کے ان دونوں کے بغیر، اس لیے کیونکہ ان دونوں کے بغیر بھی سجدہ پایا جاتا ہے، ان کے بغیر بھی سجدہ ہو سکتا ہے۔ بھائی ہمیں کس چیز کا حکم دیا گیا؟ سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، اور سجدہ کس چیز کا نام ہے؟ بعض چہرے کو زمین پر رکھنے کا نام ہے، اور اس میں صرف ناک پر اکتفا کر لیا جائے تو بھی کافی، صرف پیشانی پر اکتفا کر لیا جائے تو بھی کافی ہے، اور یہ ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا یہ ہمارے نزدیک سنت ہے، اس لیے کیونکہ ان دونوں کے رکھے بغیر بھی سجدہ ہو سکتا ہے، ان دونوں کے رکھے بغیر بھی سجدہ... بھائی کس طرح؟ بھائی آپ سجدے میں جائیں اور دونوں ہاتھ زمین پر نہ لگائیں، ہو سکتا ہے یا نہیں؟ سجدے میں جائیں اور دونوں ہاتھ زمین پر نہ لگنے دیں، آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور پھر گھٹنے زمین پر ہیں اور آپ سیدھا پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں، تو سجدہ ہوا بغیر ہاتھ رکھے ہی۔ اور اسی طرح گھٹنے زمین پر نہ لگنے دیں اور ہاتھ رکھتے ہوئے پیشانی رکھ دیں، ہاتھ رکھ لیں لیکن گھٹنے نہ رکھیں اور پیشانی، تو ہو سکتا ہے یا نہیں بھائی؟ تو معلوم ہوا گھٹنے اور ہاتھ رکھے بغیر بھی سجدہ ہو سکتا ہے، گھٹنے اور ہاتھ رکھے بغیر بھی سجدہ، اور ہمیں بھی حکم کس چیز کا دیا گیا ہے؟ سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو ان دونوں کے بغیر بھی سجدہ ہو سکتا ہے، جب ان دونوں کے بغیر سجدہ ہو سکتا ہے تو ان دونوں کا سجدے میں رکھنا فرض بھی نہیں ہے، یہ سنت ہے بھائی، دلیل سمجھ میں آگئی؟ «لِتَحَقُّقِ السُّجُودِ دُونَهُمَا» بوجہ سجدے کے پائے جانے کے دونھما ان دونوں کے بغیر بھی، کن دونوں کے بغیر؟ ہاتھ اور گھٹنوں کو رکھے بغیر بھی۔

«وَأَمَّا وَضْعُ الْقَدَمَيْنِ فَقَدْ ذَكَرَ الْقُدُورِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ فَرِيضَةٌ فِي السُّجُودِ» اور باقی قدموں کا رکھنا جو ہے تو امام قدوری رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ فرض ہے سجدے میں۔ دونوں قدموں کا زمین پر لگے ہونا یہ کیا ہے؟ فرض ہے سجدے کے اندر بھائی فرض ہے۔ تو یاد رکھیے اس میں خصوصاً احتیاط کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگ سجدہ کرتے ہیں اور ادھر وہ سجدے میں جاتے ہیں ادھر دونوں پاؤں زمین سے اٹھ جاتے ہیں، حالانکہ ان کا زمین پر لگے ہونا ضروری ہے بھائی، پاؤں کی انگلیاں کیا ہوں؟ زمین پر لگی ہوں۔ تو اگر پورے سجدے کے اندر ہی دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے تو اس کا سجدہ ہی نہ ہوا کیونکہ یہ فرض ہے سجدے میں، اور جب سجدہ ہی نہ ہوا تو نماز بھی نہ ہوئی کیونکہ سجدہ تو فرض تھا۔ ہاں، اور اگر پورے سجدے میں ایک لمحے کے لیے بھی پاؤں زمین پر لگ گئے تو پھر سجدہ پایا گیا اور جب سجدہ پایا گیا تو فرض ادا ہو گیا، فرض ادا ہو گیا تو نماز ہو جائے گی، صورت سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: فَإِنْ سَجَدَ عَلَى كَوْرِ عِمَامَتِهِ أَوْ فَاضِلِ...

«فَإِنْ سَجَدَ عَلَى كَوْرِ عِمَامَتِهِ أَوْ فَاضِلِ ثَوْبِهِ جَازَ» پس اگر سجدہ کر لیا «عَلَى كَوْرِ عِمَامَتِهِ» اپنی پگڑی کے بل پر۔ کور، کورِ عمامہ بھائی، پگڑی کا بل، یہ جو پگڑی سر پر لپیٹتے ہوئے یہ جو ایک چکر دیا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں کور، کور بھائی، یعنی ایک بل ہے، جو ایک پیچ ہے پگڑی کا۔ تو بھائی ایک شخص اگر پگڑی کے پیچ پر سجدہ کرتا ہے یعنی پگڑی ماتھے پر آگئی ہے، اب سجدہ کرتا ہے تو ماتھا زمین پر نہیں لگتا بلکہ کیا لگتی ہے؟ پگڑی زمین پر لگ رہی ہے، تو کیا اس سے سجدہ ہو جائے گا؟ تو بتلایا ہاں بھائی، اس سے بھی سجدہ ہو جائے گا۔ «فَإِنْ سَجَدَ عَلَى كَوْرِ عِمَامَتِهِ» پس اگر سجدہ کیا اپنی پگڑی کے بل پر «أَوْ فَاضِلِ ثَوْبِهِ» یا اپنے زائد کپڑے پر «جَازَ» تو یہ بھی جائز۔ بھائی زائد کپڑے پر کوئی مثلاً چادر وغیرہ ہے اور سجدہ کرتے ہوئے وہ پیشانی کے سامنے آگئی تو سجدہ اسی کپڑے پر ہو گیا جو اس نے پہنا ہوا ہے، چادر اوڑھی ہوئی ہے، چادر ہے یا کوئی کپڑا ہے وہ اس نے یا رومال ہے تو وہ سجدہ کس پر ہوا؟ اسی کپڑے پر ہو گیا جس کو اس نے اوڑھا ہوا ہے، پہنا ہوا ہے، تو کیا ایسا جائز ہے؟ اس سے سجدہ ہو جائے گا؟ صاحب قدوری کیا فرما رہے ہیں؟ جائز ہے بھائی، ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں اگر اپنی پگڑی کے پیچ پر سجدہ کیا یا اپنے زائد کپڑے پر، جاز، تو یہ جائز ہے، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَسْجُدُ عَلَى كَوْرِ عِمَامَتِهِ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ سجدہ کرتے تھے، سجدہ فرماتے تھے «عَلَى كَوْرِ عِمَامَتِهِ» اپنی پگڑی کے پیچ پر، اپنی پگڑی کے بل پر۔ «وَيُرْوَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ يَتَّقِي بِفُضُولِهِ حَرَّ الْأَرْضِ وَبَرْدَهَا» اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی ایک ہی کپڑے میں، یعنی ایک ہی چادر تھی بڑی چادر اس میں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی، «يَتَّقِي بِفُضُولِهِ حَرَّ الْأَرْضِ وَبَرْدَهَا» اور بچتے تھے اس کے زائد حصے کے ذریعے، اس چادر کے زائد حصے کے ذریعے بچتے تھے حضور علیہ السلام کس چیز سے؟ «حَرَّ الْأَرْضِ» زمین کی حرارت سے، اس کی گرمی سے «وَبَرْدَهَا» اور زمین کی ٹھنڈک سے، تو اسی پر سجدہ فرما لیتے تھے، زمین زیادہ گرم ہوتی یا زیادہ ٹھنڈی ہوتی۔

«وَيُبْدِي ضَبْعَيْهِ» اور نماز پڑھنے والا ظاہر کرے گا «ضَبْعَيْهِ» اپنے دونوں بازو۔ ضبع کہتے ہیں بازو کو بھائی، بازو، یہ بازو کا جو کندھے سے لے کر کہنی تک حصہ ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ضبع۔ «وَيُبْدِي ضَبْعَيْهِ» اور نماز پڑھنے والا کیا کرے گا؟ اپنے دونوں بازو ظاہر کرے گا یعنی ان کو کھلا رکھے گا، بدن سے دور رکھے گا، کھلا رکھے گا۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَأَبْدِضَبْعَيْكَ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «وَأَبْدِ ضَبْعَيْكَ»، ابدی، ابدی ضبعیک، ابدی یبدی سے امر ہے ابِد، اور ظاہر کر ضبعیک اپنے اپنے دونوں بازوؤں کو، اپنے دونوں بازوؤں کو ظاہر کر یعنی ان کو کھلا رکھو، پہلوؤں کے ساتھ ملا کر نہ رکھو اپنے بھائی، پہلوؤں کے ساتھ بلکہ کھلا رکھو۔ «وَيُرْوَى: وَأَبِدَّ» اور یہ روایت کیا گیا ہے: «وَأَبِدَّ»، بھائی انہوں نے کیا روایت کی؟ یہ حدیث جو ہے: «وَأَبْدِ ضَبْعَيْكَ» اور اپنے دونوں بازو کیا کرو؟ ظاہر کرو۔ اپنے دونوں، اسی میں «أَبْدِ» کے بجائے بعض علماء نے کیا روایت کیا ہے؟ «أَبِدَّ، أَبِدَّ مِنَ الْإِبْدَادِ» یہ کس سے ہے؟ امداد سے۔ پہلا تو ابدی وہ تو تھا ابدی، یبدی، ابداء سے اور ابدّ ہو تو یہ ابدّ، یبدّ، ابداد سے ہے بھائی۔ تو «وَيُرْوَى: وَأَبِدَّ مِنَ الْإِبْدَادِ» اور ابدّ بھی روایت کیا گیا ہے جو ابداد مصدر سے ہے «وَهُوَ الْمَدُّ» اور وہ کسے کہتے ہیں؟ مد، لمبا کرنا۔ مد کا کیا معنی؟ تو ابداد کا معنی ہے لمبا کرنا، تو اس صورت میں کیا معنی ہو گا حدیث کا؟ «وَأَبِدَّ ضَبْعَيْكَ» اور اپنے بازو لمبے کرو، اپنے بازو اپنے بازو لمبے کرو، مراد وہی ہے ظاہر کرو یعنی اپنے بدن سے جدا کر وان کو بھائی۔ «وَالْأَوَّلُ مِنَ الْإِبْدَاءِ وَهُوَ الْإِظْهَارُ» اور اول جو لفظ آیا جو ہم نے ذکر کیا وہ کس سے تھا؟ ابداء سے تھا اور ابداء کسے کہتے ہیں؟ اظہار، ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔

تو یاد رکھیے یہ مرد کے سجدہ کرنے کا طریقہ بیان ہو رہا ہے، وہ کیا کرے گا؟ اپنے بازو جو ہیں اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے گا خوب کھول کر بھائی خوب کھول کر۔ «وَيُجَافِي بَطْنَهُ عَنْ فَخِذَيْهِ» اور جدا کرے اپنے پیٹ کو «عَنْ فَخِذَيْهِ» اپنی رانوں سے۔ پیٹ کو بھی کیا کرے انسان؟ رانوں سے جدا رکھے، «لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ إِذَا سَجَدَ جَافَى حَتَّى أَنَّ بَهْمَةً لَوْ أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ» کیونکہ حضور علیہ السلام جب سجدہ فرماتے تھے «جَافَى» تو کیا کرتے تھے؟ دور کرتے تھے یعنی اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے، «حَتَّى أَنَّ بَهْمَةً»، بہمۃ کہتے ہیں بھیڑ بکری کے چھوٹے بچے کو، یہاں تک کہ اگر کوئی بھیڑ بکری کا چھوٹا بچہ «لَوْ أَرَادَتْ» اگر وہ ارادہ کرتا «أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ» کہ وہ گزرے حضور علیہ السلام کے ہاتھوں کے بیچ میں سے «لَمَرَّتْ» تو وہ گزر جاتا۔ اگر کوئی چھوٹا بھیڑ بکری کا بچہ حضور علیہ السلام کے ہاتھوں کے بیچ میں سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا، یعنی اتنا حضور علیہ السلام بدن کو کھول کر رکھتے تھے، اور مراد کیا ہے؟ حدیث میں آیا کہ اگر وہ ارادہ کرتا حضور علیہ السلام کے ہاتھوں کے بیچ میں سے گزر جانے کا، مراد ہے مراد ہے پیٹ کے نیچے سے نکلنے کا، کیا مراد ہے؟ پیٹ، یعنی حضور علیہ السلام اس طرح ہاتھوں کو کھول کر رکھتے اور اتنا پیٹ کو رانوں سے جدا رکھتے، بدن کو اتنا کھلا رکھتے سجدے کے اندر کہ اگر آپ کے پیٹ کے نیچے سے کوئی بکری کا چھوٹا بچہ گزرنا چاہتا تو وہ بھی گزر جاتا، اتنے اتنا بدن کو کھول کر رکھتے تھے۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ معنی ہے کہ اگر کوئی بھیڑ بکری کا بچہ ارادہ کرتا کہ وہ حضور علیہ السلام کے ہاتھوں کے بیچ میں سے گزرے تو وہ گزر جاتا۔

■ مسئلہ: وَقِيلَ: إِذَا كَانَ فِي صَفٍّ لَا يُجَافِي كَيْ لَ...

«وَقِيلَ: إِذَا كَانَ فِي صَفٍّ لَا يُجَافِي كَيْ لَا يُؤْذِيَ جَارَهُ» اور کہا گیا ہے کہ جب صف کے اندر ہو انسان، جماعت کے اندر صف کے اندر کھڑا ہو اور نمازی بھی ساتھ کھڑے ہیں تو «لَا يُجَافِي» اس وقت اس طرح نہ کرے بھائی، دور نہ کرے یعنی ہاتھوں وغیرہ کو اس طرح دور نہ کرے «كَيْ لَا يُؤْذِيَ جَارَهُ» تاکہ کہیں اپنے ساتھ والے کو تکلیف نہ دے، کیونکہ جماعت کے اندر صف میں تو سارے ساتھ ساتھ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں، تو اب اگر اس طرح اپنے بدن کو کھولے گا، بازوؤں کو جسم سے علیحدہ کرے گا تو ساتھ والے کو تکلیف ہو گی، اور دوسروں کو تکلیف دینے سے تو منع کیا گیا ہے بھائی۔

جی، اور یاد رکھیے بھائی جب سجدہ کرتے ہیں، سجدہ، تو کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھنا ہے۔ بعض لوگ سجدہ کرتے ہوئے کہنی سے ہتھیلی تک جو بازو کا حصہ ہے اس کو زمین پر بچھا دیتے ہیں، یہ یاد رکھیے یہ عورتوں کی نماز کا طریقہ ہے، مردوں کے لیے ہاتھوں کو بدن کو کھلا رکھنا ضروری ہے، اونچا رکھے کہنیوں کو زمین سے، اگر مرد اس طرح کرتا ہے تو یہ اس کے لیے مکروہ تحریمی ہے، کہنیوں تک کے حصے کو زمین پر بچھانا کیا ہے؟ مکروہ تحریمی ہے بھائی۔ ہاں، عورت جو ہے وہ وہ اپنے آپ کو سمیٹ کر رکھے گی، سمیٹ کر سجدے کے اندر، اور تو ہاتھوں کو یہ جو ہے زمین پر بچھائے گی، بدن کے ساتھ ملا کر رکھے گی، پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملا کر رکھے گی، کیونکہ اس میں اس کے لیے پردہ زیادہ ہے، تو وہ اپنے آپ کو چھپا کر رکھے گی، اس طریقے سے سجدہ ادا کرے گی اور مرد بدن کو خوب کھول کر بھائی۔

«وَيُوَجِّهُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ» اور متوجہ کرے اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو «نَحْوَ الْقِبْلَةِ» قبلے کی جانب بھائی۔ سجدے کی کیفیت بیان ہو رہی ہے، سجدے کے اندر قدموں کو زمین پر ہی رکھنا ہے اور اس طریقے سے کوشش کرنی ہے کہ جس قدر ہو سکے پاؤں کی انگلیوں کا رخ کس طرف ہو؟ قبلے کی طرف ہو بھائی، قبلے کی طرف ہو۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِذَا سَجَدَ الْمُؤْمِنُ سَجَدَ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ «إِذَا سَجَدَ الْمُؤْمِنُ» جب مومن سجدہ کرتا ہے «سَجَدَ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ» تو اس کا ہر عضو جو ہے وہ سجدہ کرتا ہے۔ جی، یہاں حدیث یہاں تک ہے بس بھائی: «إِذَا سَجَدَ الْمُؤْمِنُ سَجَدَ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ»، جب مومن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو کیا کرتا ہے؟ سجدہ کرتا ہے۔ تو آگے صاحب ہدایہ بیان فرما رہے ہیں: «فَلْيُوَجِّهْ مِنْ أَعْضَائِهِ الْقِبْلَةَ مَا اسْتَطَاعَ» تو اس نماز پڑھنے والے کو متوجہ کرنا چاہیے اپنے اعضاء کو قبلے کی طرف جس قدر وہ استطاعت رکھے، تو سجدے میں بھی دونوں پاؤں ذرا دبا کر زمین پر رکھے تاکہ انگلیاں تھوڑی مڑ کر ان کا رخ کس طرف کو ہو جائے؟ قبلے کی طرف ہو جائے۔

■ مسئلہ: وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْ...

«وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثًا، وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ» اور کہے اپنے سجدے میں «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى» تین مرتبہ، «وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ» اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے، کم سے کم۔ بھائی یہاں لفظ بار بار آرہا ہے سجود کا لفظ، میں نے آپ کو بتلایا سجود سے جمع نہ سمجھ لینا کہ یہ جمع ہے، بلکہ عربی زبان میں سجدے کو کیا کہتے ہیں؟ سجود کہتے ہیں۔ تو وہ کہے اپنے سجدے میں «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى» تین مرتبہ اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے، یعنی ادنیٰ کمال جمع ہے، یعنی جمع کے کامل ہونے کی یہ ادنیٰ مقدار ہے، کیونکہ جمع کا بھی اطلاق کم از کم کتنے پر ہوتا ہے؟ تین پر ہوتا ہے یا تین سے زیادہ پر، تو کم از کم تین دفعہ تسبیحات پڑھے۔ اور یہ یاد رکھنا رکوع کے اندر بھی ذکر ہوا تھا کہ تین تین مرتبہ «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» کہے گا اور یہ ادنیٰ مقدار ہے، سجدے میں بھی ذکر ہوا کہ تین دفعہ «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى» پڑھے گا اور یہ ادنیٰ مقدار ہے، تو یہ کم سے کم مقدار ہے ادنیٰ مقدار، اور علماء لکھتے ہیں کہ پانچ مرتبہ پڑھے یہ متوسط مقدار ہے، پانچ مرتبہ پڑھنا متوسط مقدار ہے اور سات مرتبہ یہ تسبیحات پڑھنا یہ کامل مقدار ہے، کتنا کامل مقدار کیا ہے؟ سات مرتبہ پڑھے بھائی سات مرتبہ۔ بعضوں نے لکھا دس مرتبہ پڑھے، یہ ہے کامل مقدار بھائی دس مرتبہ۔ لیکن بہر حال یہ انسان جب اکیلا نماز پڑھ رہا ہو، اگر جماعت کے اندر ہے، جماعت کروا رہا ہے اور امام ہے تو پھر اس کو ہلکی نماز پڑھانی چاہیے، مختصر نماز پڑھانی چاہیے، پھر لمبی نماز نہیں پڑھانی چاہیے کیونکہ مقتدیوں میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں، کوئی ضعیف ہوتے ہیں، کوئی بیمار ہوتے ہیں وغیرہ، تو یہ نہ ہو لوگ جو ہیں اس سے تنگ آجائیں بھائی۔

تو کہتے ہیں «وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ» اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَإِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ فِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثًا وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ جب کوئی سجدہ کرے تم میں سے کوئی ایک تو اسے چاہیے کہ کہے وہ اپنے سجدے میں «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى» تین مرتبہ «وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ» اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے، أَيْ أَدْنَى كَمَالِ الْجَمْعِ، یعنی جمع کے کامل ہونے کی کم سے کم مقدار ہے۔ «وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَزِيدَ عَلَى الثَّلَاثِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ بَعْدَ أَنْ يَخْتِمَ بِالْوِتْرِ» اور مستحب یہ ہے کہ وہ زیادہ کرے تین پر، یعنی تین سے زیادہ تسبیحات پڑھ پڑھنا مستحب ہے رکوع اور سجدے میں «بَعْدَ أَنْ يَخْتِمَ بِالْوِتْرِ» بعد اس کے کہ جب وہ ختم کرے اس کو طاق پر۔ وتر کہتے ہیں طاق کو، یعنی طاق مقدار پر ختم کرتے ہوئے تین سے زائد تسبیحات کہنا مستحب ہے، تو تین سے زائد کہے اور طاق عدد ہونا چاہیے، تو مثلاً کتنی کہہ لے؟ پانچ کہہ لے یا کتنی کہہ لے؟ سات کہہ لے، یا اسی طرح نو بھائی۔ تو یہ معنی ہے کہ بعد اس کے کہ وہ ختم کرے اس کو طاق عدد پر، «لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَخْتِمُ بِالْوِتْرِ» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام بھی طاق عدد پر ختم فرماتے تھے۔

«وَإِنْ كَانَ إِمَامًا لَا يَزِيدُ عَلَى وَجْهٍ يُمِلُّ الْقَوْمَ حَتَّى لَا يُؤَدِّيَ إِلَى التَّنْفِيرِ» اور اگر وہ شخص امام ہے جس کے یہ جو تسبیحات پڑھ رہا ہے، امامت کروا رہا ہے، «لَا يَزِيدُ عَلَى وَجْهٍ يُمِلُّ الْقَوْمَ حَتَّى لَا يُؤَدِّيَ إِلَى التَّنْفِيرِ» تو پھر وہ زیادہ نہ کرے ایسے طریقے پر کہ اکتادے وہ لوگوں کو۔ املّ یملّ کے معنی ہوتے ہیں کسی کو اکتاہٹ میں ڈال دینا، کسی کو اکتا دینا، تو وہ ایسے طریقے پر زیادتی نہ کرے کہ وہ ان لوگوں کو اکتادے، لوگ اکتاہٹ میں پڑ جائیں کہ اتنی لمبی جماعت کروا رہا ہے، «حَتَّى لَا يُؤَدِّيَ إِلَى التَّنْفِيرِ» تاکہ کہیں پہنچا نہ دے تنفیر تک، نفرت انگیزی تک، نفرت نہ پھیلنے لگے لوگوں میں، وہ جماعت میں آنا ہی نہ چھوڑ دیں کہ اتنی لمبی جماعت کرواتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے: «حَتَّى لَا يُؤَدِّيَ إِلَى التَّنْفِيرِ» تاکہ کہیں یہ تنفیر تک یعنی نفرت تک نہ پہنچا دے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ تَسْبِيحَاتُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ سُنَّةٌ

«ثُمَّ تَسْبِيحَاتُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ سُنَّةٌ» پھر یہ رکوع اور سجدے کی تسبیحات جو ہیں وہ سنت ہیں۔ یاد رکھیے یہ تسبیحات رکوع اور سجدے میں جو ہیں سنت ہیں، لہٰذا ایک شخص ایک بھی تسبیح نہیں پڑھتا، رکوع اور سجدہ کرتا ہے تسبیح ایک بھی نہیں پڑھتا تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی، اگرچہ اس نے برا عمل کیا، سنت کو چھوڑ دیا، لیکن بہر حال یہ واجب یا فرض نہیں تو نماز یعنی اس کی ہو جائے گی بھائی۔ کہتے ہیں یہ سنت ہیں: «لِأَنَّ النَّصَّ تَنَاوَلَهُمَا دُونَ تَسْبِيحَاتِهِمَا» اس لیے کیونکہ نص جو ہے وہ ان دونوں کو تو شامل ہے نہ کہ ان دونوں کی تسبیحات کو۔ نص کے اندر رکوع اور سجدے کا ذکر تو آیا ہے، تسبیحات کو وہ شامل نہیں۔ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا»، رکوع اور سجدہ کرنے کا حکم ہے تو رکوع اور سجدے کو تو نص شامل ہوئی اس کا حکم ہے، تسبیحات کا ذکر اس میں نہیں، لہٰذا اس لیے وہ فرض نہیں، وہ سنت ہیں۔ «فَلَا يُزَادُ عَلَى النَّصِّ» تو نص پر زیادتی نہیں کی جائے گی، یعنی ان کو فرض قرار نہیں دیا جائے گا۔

«وَالْمَرْأَةُ تَنْخَفِضُ فِي سُجُودِهَا» دیکھیے میں نے کہا تھا یہ مرد کے سجدے کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ بدن کو کھول کر رکھے گا، عورت کا حکم وہ خود بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَالْمَرْأَةُ تَنْخَفِضُ فِي سُجُودِهَا» اور عورت اپنے آپ کو پست رکھے گی یعنی جھکا کر رکھے گی «فِي سُجُودِهَا» اپنے سجدے میں، «وَتَلْزَقُ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا» اور ملائے گی اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ «لِأَنَّ ذٰلِكَ أَسْتَرُ لَهَا» اس لیے کیونکہ یہ اس میں اس کے لیے زیادہ ستر ہے، اس میں زیادہ پردہ ہے اس کا۔

سبق نمبر ۵۰: مسئلہ: وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ لِأَنَّ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

«قَالَ: ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيُكَبِّرُ لِمَارَوَيْنَا» پھر نماز پڑھنے والا وہ اٹھائے گا اپنے سر کو اور تکبیر کہے گا «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی۔ اپنے سر کو اٹھائے گا اور تکبیر کہے گا، تکبیر کیوں کہے گا؟ کیا وجہ؟ کہتے ہیں اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور وہ کیا کہ حضور علیہ السلام ہر اٹھتے اور جھکتے وقت تکبیر کہتے تھے بھائی۔ «فَإِذَا اطْمَأَنَّ جَالِسًا كَبَّرَوَسَجَدَ» پھر جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے یعنی دوسرا سجدہ کرے بھائی۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے جو کس میں آیا؟ حدیث اعرابی، دیہاتی کے والی حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا: «ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَسْتَوِيَ جَالِسًا»، پھر اٹھا اپنے سر کو «حَتَّى تَسْتَوِيَ جَالِسًا» یہاں تک کہ تو سیدھا بیٹھ جائے، پھر اپنے سر کو سجدے سے اٹھا یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جائے۔

■ مسئلہ: وَلَوْلَمْ يَسْتَوِ جَالِسًا وَكَبَّرَوَسَجَدَ أ...

«وَلَوْ لَمْ يَسْتَوِ جَالِسًا وَكَبَّرَ وَسَجَدَ أُخْرَى أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى» اور اگر وہ سیدھا نہ ہوا، سیدھا نہ بیٹھا «وَلَوْ لَمْ يَسْتَوِ جَالِسًا» اور اگر وہ نماز پڑھنے والا سیدھا نہ بیٹھا «وَكَبَّرَ وَسَجَدَ أُخْرَى» اور تکبیر کہی اور دوسرا سجدہ کر لیا، یعنی پہلے سجدے سے اٹھ کر سیدھا نہیں بیٹھا تھوڑا سا اوپر اٹھا اور پھر دوسرے تکبیر کہہ کے دوسرے سجدے میں چلا گیا، «أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ» تو طرفین رحمہا اللہ کے نزدیک یہ کافی ہے۔ «وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ» اور تحقیق ہم اس کو ذکر کر چکے، اس کو ہم کیا کر چکے؟ ذکر کر چکے۔ بھائی کہاں ذکر کیا تھا؟ بھائی جہاں کل طمانینت کا ذکر کیا تھا، طمانینت یعنی ارکان کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا، یاد رکھیے اس کو تعدیل ارکان بھی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ تعدیل ارکان، یعنی ارکان کو، رکوع سجدے وغیرہ کو، جلسے کو اطمینان سے ادا کرنا، یہ کیا ہے؟ تعدیل ارکان۔ تو صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں ہم اس کو ذکر کر چکے ہیں، جہاں تعدیل ارکان کا ذکر کیا تھا وہاں ہم نے بتلایا تھا بھائی کہ تعدیل ارکان ہمارے نزدیک فرض نہیں ہے بھائی فرض نہیں ہے۔ تو لہٰذا یہاں بھی اگرچہ اس نے جلسہ کیا ہے اور پوری طرح بیٹھا ہی نہیں پھر فوراً دوسرے سجدے میں چلا گیا تو دیکھو یہاں طمانینت نہیں پائی گئی، اطمینان کے ساتھ دو سجدوں کے درمیان وہ بیٹھا نہیں، تعدیل ارکان نہیں لیکن پھر بھی پھر بھی یہ اس کا فی ہو جائے گا، بحث پیچھے گزر چکی۔

«وَتَكَلَّمُوا فِي مِقْدَارِالرَّفْعِ» اور علماء نے کلام کیا ہے فقہاء نے «فِي مِقْدَارِالرَّفْعِ» سر اٹھانے کی مقدار میں، کہ کتنا سر اٹھالے گا سجدے سے اور پھر دوسرے میں چلا جائے تو دوسرا سجدہ ہو جائے گا؟ دوسرا سجدہ یعنی کتنا پہلے سجدے سے کتنا اٹھنا ضروری ہے پھر دوسرا سجدہ ہو گا؟ تو مختلف اقوال ہیں، بعض نے لکھا کہ تھوڑا سا بس پیشانی زمین سے اٹھالے، چہرہ زمین سے اٹھالے پھر رکھ دے تو بس یہ کافی ہو جائے گا، یہ کافی ہو جائے گا، لیکن صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں: «وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ إِذَا كَانَ إِلَى السُّجُودِ أَقْرَبُ لَا يَجُوزُ» زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ «أَنَّهُ إِذَا كَانَ إِلَى السُّجُودِ أَقْرَبُ لَا يَجُوزُ» اگر اس طور پر تھا کہ وہ سجدے کے زیادہ قریب تھا تو «لَا يَجُوزُ» پھر جائز نہیں۔ بھائی ایک آدمی ہے اور نماز پڑھتے ہوئے پہلے سجدے سے وہ سر اٹھاتا ہے، تو اب دیکھا جائے گا کتنا سر اس نے سجدے سے اٹھایا؟ بیٹھنے کے زیادہ قریب آیا یا سجدے کے زیادہ قریب تھا؟ وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب تھا یا سجدے کے؟ اگر سجدے کے زیادہ قریب تھا یعنی تھوڑا سا ہی اٹھا اور پھر سجدے میں چلا گیا تو یہ تو سجدے کے زیادہ قریب تھا، تو لہٰذا اس کو دوسرا سجدہ شمار ہی نہیں کریں گے، یوں سمجھیں گے ابھی وہ پہلا ہی سجدہ تھا، اور دوسرا سجدہ تو فرض تھا لہٰذا اس کا دوسرا سجدہ نہ ہوا اور جس کا دوسرا سجدہ نہیں اس کی نماز بھی نہیں۔ اور اگر وہ شخص اتنا اٹھا ہے کہ بیٹھنے کے قریب تک پہنچ گیا، بیٹھا تو نہیں پوری طرح لیکن بیٹھنے کے قریب پہنچ گیا پھر واپس چلا گیا تو اس صورت میں ہم کہیں گے دوسرا سجدہ پایا گیا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ «أَنَّهُ إِذَا كَانَ إِلَى السُّجُودِ أَقْرَبُ لَا يَجُوزُ» کہ اگر وہ سجدے کے زیادہ قریب ہو تو پھر جائز نہیں، «لِأَنَّهُ يُعَدُّسَاجِدًا» اس لیے کیونکہ اس کو سجدہ کرنے والا ہی شمار کیا جائے گا، یوں سمجھا جائے گا ابھی سجدے میں ہی ہے پہلا ہی سجدہ چل رہا ہے۔ «وَإِنْ كَانَ إِلَى الْجُلُوسِ أَقْرَبُ جَازَ» اور اگر وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب تھا «جَازَ» تو پھر یہ جائز ہو جائے گا یعنی دوسرا سجدہ کافی ہو جائے گا، دوسرا سجدہ درست ہو جائے گا، «لِأَنَّهُ يُعَدُّجَالِسًا» اس لیے کیونکہ اس کو بیٹھا ہوا شمار کیا جائے گا، «فَتَحَقَّقَ الثَّانِيَةُ» تو دوسرا سجدہ بھی متحقق ہو جائے گا وہ پایا جائے گا، تو لہٰذا اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ مکمل ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: فَإِذَااطْمَأَنَّ سَاجِدًا كَبَّرَ

«فَإِذَا اطْمَأَنَّ سَاجِدًاكَبَّرَ» پھر جب اطمینان سے سجدہ کر لے دوسرا سجدہ، «كَبَّرَ» تو تکبیر کہے گا، «وَقَدْ ذَكَرْنَا» تحقیق ہم اس کو ذکر کر چکے، یعنی دوسرے سجدے سے اٹھتے ہوئے بھی کیا کہے گا؟ تکبیر کہے گا، اور ہم اس کو ذکر کر چکے کہ حضور علیہ السلام ہر اٹھتے اور جھکتے وقت تکبیر کہتے تھے۔ تو تکبیر کہے گا، «وَاسْتَوَى قَائِمًا عَلَى صُدُورِقَدَمَيْهِ» اور سیدھا کھڑا ہو جائے گا «عَلَى صُدُورِقَدَمَيْهِ» اپنے پاؤں کے اگلے حصے پر، یعنی جو پاؤں کا پنجہ ہے اس پر اٹھتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے گا، صورت سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ یہ معنی ہے: «وَاسْتَوَى قَائِمًا عَلَى صُدُورِقَدَمَيْهِ» اور سیدھا کھڑا ہو جائے گا پاؤں کے اگلے حصے پر یعنی پنجوں کے بل، «وَلَا يَقْعُدُ» اور بیٹھے گا نہیں «وَلَا يَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ» اور نہ رکھے گا اپنے دونوں ہاتھ زمین پر۔ دونوں ہاتھ زمین پر بھی نہیں رکھے گا۔ سجدے

سے جب اٹھ رہے ہیں، دوسرا سجدہ کر لیا، دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں تو اٹھتے ہوئے سیدھا اٹھنا ہے اب جلسہ نہیں کرنا، اب بیٹھنا نہیں، جبکہ اگے ذکر ائے گا امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، دوسرے سجدے سے اٹھ کر سیدھا کھڑا نہیں ہو گا بلکہ سجدے سے سر اٹھا کر پہلے بیٹھ جائے، تھوڑا سا بیٹھ جائے اور پھر کھڑا ہو جائے، سمجھ میں آیا بھائی؟ پھر کھڑا ہو جائے۔ اور نیز کھڑا ہوتے ہوئے ہاتھ زمین پر نہیں رکھیں گے، مسنون طریقہ کیا ہے کہ ہاتھ زمین پر یعنی ہاتھوں کا سہارا لیتے ہوئے، زمین پر سہارا لیتے ہوئے نہیں کھڑے ہونا بلکہ گھٹنوں پر سہارا لیتے ہوئے کھڑا ہو گا۔ سجدے سے دونوں ہاتھ اٹھا لیے، اب کھڑا ہونا ہے تو گھٹنوں پر سہارا لیتے ہوئے، گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر انسان کیا کرے؟ کھڑا ہو جائے۔

یہ معنی ہے: «**وَلَا يَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ**» اور نہ رکھے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر۔ «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: يَجْلِسُ جَلْسَةً خَفِيفَةً**» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیٹھ جائے «**جَلْسَةً خَفِيفَةً**» تھوڑا سا، یعنی سیدھا نہ کھڑا ہو تھوڑا سا جلسہ کر لے، «**ثُمَّ يَنْهَضُ مُعْتَمِدًا عَلَى الْأَرْضِ**» پھر وہ فرماتے ہیں کہ اٹھے وہ «**مُعْتَمِدًا عَلَى الْأَرْضِ**» زمین پر ہاتھ رکھتے ہوئے، زمین پر سہارا لیتے ہوئے۔ یعنی دونوں چیزوں میں امام شافعی رحمہ اللہ اختلاف فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں اٹھتے ہوئے ہاتھ کس پر رکھنے ہیں؟ زمین پر رکھنے ہیں، اس کا سہارا لیتے ہوئے کھڑا ہونا ہے۔ ہم کیا کہتے ہیں؟ کس پر ہاتھ رکھیں گے؟ گھٹنوں پر ہاتھ رکھیں گے۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ خفیف سا جلسہ بھی کیا جائے گا کھڑے ہونے سے پہلے، ہم کہتے ہیں جلسہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ دلیل ان کی، کہتے ہیں: «**لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ ذٰلِكَ**» کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ «**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل جو ہے «**حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ**» کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام وہ اٹھتے تھے نماز میں «**عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ**» کس پر؟ اپنے اپنے پاؤں کے اگلے حصے پر یعنی پنجوں پر بھائی، کس پر؟ پنجوں پر۔

«**وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْكِبَرِ**» اور وہ حدیث جس کو روایت کیا انہوں نے وہ محمول ہے بڑھاپے کی حالت پر، یعنی ہم کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا عام معمول جو تھا وہ اسی طرح تھا کہ وہ اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے اور ہاتھ بھی زمین پر نہیں رکھتے تھے اور جلسہ بھی نہیں کرتے تھے، اور جو روایت میں آیا ہے بعض روایتوں میں تو وہ بڑھاپے پر محمول ہے کہ جب حضور علیہ السلام کی جب عمر زیادہ ہو گئی اور بدن کچھ بوجھل ہو گیا، وزنی ہو گیا تو اب آپ کے لیے ویسے کھڑا ہونا مشکل ہوتا تو آپ کس کا سہارا لیتے؟ ہاتھ کہاں رکھتے تھے؟ زمین پر رکھتے تھے اور سجدے سے فوراً سیدھے نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ دوسرے سجدے سے اٹھ کر تھوڑا سا جلسہ، خفیف سا جلسہ کرتے، بیٹھتے اور پھر کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ معنی ہے: «**وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْكِبَرِ**» اور وہ حدیث جس کو انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ محمول ہے بڑھاپے کی حالت پر۔ «**وَلِأَنَّ**» دوسری عقلی دلیل کہ بیٹھنے گے نہیں، سیدھا کھڑے ہوں گے، کہتے ہیں اس لیے: «**وَلِأَنَّ هٰذِهِ قَعْدَةُ اسْتِرَاحَةٍ**» اس لیے کیونکہ یہ استراحت کا بیٹھنا ہے، استراحت، آرام کے لیے بیٹھنا ہے، کس لیے؟ سجدے سے سیدھا کھڑے ہوں گے، یہ بیٹھنا قعدۂ استراحت ہے، جلسۂ استراحت ہے، کہ اطمینان سے تاکہ کھڑا ہو سکے، تو یہ استراحت کا جلسہ ہے، «**وَالصَّلَاةُ مَا وُضِعَتْ لَهَا**» اور نماز وہ استراحت کے لیے وضع نہیں کی گئی، استراحت کے لیے مقرر نہیں کی گئی، لہٰذا اس لیے بھی یہ جلسہ نہیں ہونا چاہیے نماز میں، تو یہ عقلی دلیل بھی ذکر کر دی بھائی، دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو بہر حال بھائی یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہیں۔ حضور علیہ السلام کا عام معمول تو یہی تھا کہ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے جلسہ نہیں فرماتے تھے، لیکن جب عمر بڑھ گئی تو پھر اپ پھر خفیف سا جلسہ فرماتے تھے اور پھر کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ عمل تھا سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا، اللہ نے اپ کے ایک ایک عمل کی بھی حفاظت فرمائی قیامت تک کے لیے، چنانچہ کچھ لوگوں وہ جو ہیں وہ اپ کے ایک عمل کو اپنائے ہوئے ہیں تو کچھ اپ کی دوسری سنت کو اپنائے ہوئے ہیں، تو یہ سب کیا ہیں؟ جنت کی طرف جانے والے راستے ہیں بھائی، یہ سب حضور علیہ السلام کی سنتیں ہیں بھائی، سمجھ میں ایا؟ یہ ہیں فقہائے کرام بھائی، اللہ تعالیٰ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں ان فقہائے کرام پر بھائی۔ کس طرح ایک ایک سنت کو انہوں نے محفوظ کر لیا اور اج چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور دین بعینہٖ اسی شکل میں موجود ہے جس طرح سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اور چودہ سو سال سے زیادہ گزر گئے کوئی معمولی مدت نہیں ہے۔ اپ کسی کو ایک عمل سکھائیں، پندرہ دن بعد اپ دیکھیں گے وہ عمل جا کر دیکھیں وہ کچھ نہ کچھ اس میں تبدیلی اچکی ہو گی بھائی۔ ایک مہینے میں اپ دیکھ لیں گے پتہ نہیں کیا سے کیا صورت بدل جاتی ہے چیزوں کی، اور یہ فقہائے کرام کا کمال ہے، چودہ سو سال گزر گئے اور اسی طرح دین محفوظ ہے، یہ سب فقہاء، علماء، محدثین ان سب کی محنتیں ہیں۔

اور اس میں بھی پھر یاد رکھو، احناف پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ فلاں حدیث میں یوں اتا ہے تم یوں کرتے ہو، فلاں حدیث میں یوں اتا ہے تم یوں کرتے ہو، یاد رکھیے احناف کے پاس ہر مسئلے کے اندر دلائل کے انبار موجود ہیں، پہاڑ کی طرح مضبوط دلیلیں ہیں بھائی، پہاڑ کی طرح مضبوط دلیلیں۔ سمجھ میں ایا؟ لیکن شرط یہ ہے اس کے لیے کوئی صاحب مطالعہ چاہیے، وہ دیکھے کیا ہمارے فقہاء نے کیا حدیث ذکر کی ہیں، کیا دلائل دیے ہیں بھائی، سمجھ میں ایا؟ اور میں نے بتایا احناف کی تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جائے، کوئی ایسی صورت نکلے کہ سب پر کیا ہو جائے؟ عمل۔ جہاں صورت ہی نہیں ہوتی وہاں مجبوراً چھوڑنا پڑتا ہے، ایک راستے کو اختیار کرنا پڑتا ہے، سمجھ رہے ہیں؟ تو ایک راستے کو اختیار کرنا پڑتا ہے اور ایک راستے کو، لیکن ہمارے پاس قران سے بھی دلائل، احادیث سے بھی دلائل، اجماع وغیرہ سے بھی دلائل اور اسی طرح قیاس سے بھی دلائل، تو قیاس وغیرہ کی طرف تو ہم تب جاتے ہیں جب ضرورت، بے انتہا ضرورت پڑ جائے، ویسے ہم قیاس کی طرف جاتے ہی نہیں ہیں بھائی۔ تو یہ تو یہ دین یہاں تک اسی اسی...

اور پھر یاد رکھیے صحابہ کا واسطہ بڑا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے حدیث کے اندر یہ ایا ہے، احناف اس طرح کیوں نہیں کرتے؟ بھائی دیکھیے، ہمیں صحابہ کو بھی مد نظر رکھنا ہے۔ حضور علیہ السلام پر تیئیس سال کے عرصے میں یہ پورا دین اترا ہے، یہ پورا قران اترا ہے، احکامات نازل ہوئے ہیں، تو احکام میں تبدیلی اتی رہی ہے، جیسے ابتدا میں شراب حلال تھی اور پھر کیا ہوئی؟ حرام۔ اب اگر وہ صرف ابتدا والے حکم کو کوئی لے لے تو کوئی کوئی اس کو تسلیم کرے گا؟ کوئی بھی اس کو تسلیم نہیں کرے گا کہ یہ تو ابتدا میں حلال تھی، بعد میں کیا کر دی گئی؟ حرام، تو اخری حکم کا اعتبار ہوتا ہے، اخر میں کیا کیا گیا بھائی؟ تو اسی طرح ہم کوشش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اخری فعل کو لیں، اخ یعنی اخری فعل اور جو کسی عذر وغیرہ کی وجہ سے نہ ہو بھائی، اخری فعل پر عمل کیا جائے، اخری احکامات پر عمل کیا جائے، اور پھر صحابہ کا واسطہ بڑا ضروری بھائی۔ صحابہ نے حضور علیہ السلام سے سیکھا تو ان کو بھی پتہ تھا یہ احکام بدل رہے ہیں، اب حکم یوں ہوا اب یوں ہوا، تو اب جو اخری حالت معلوم ہوا حضور علیہ السلام کے انتقال کے بعد جب صحابہ عمل کر رہے ہیں معلوم ہوا یہ حضور علیہ السلام کا اخری بتلایا ہوا طریقہ ہے، اس پر یہ چل رہے ہیں، پھر خصوصا خلفائے راشدین بھائی، خصوصا کون؟ خلفائے راشدین بھائی، وہ ایک عمل کر رہے ہیں، ان کی تو ان کی تو ساری زندگی حضور علیہ السلام کے ساتھ گزری ہے، وہ ایک عمل نہیں کر رہے۔ حدیث میں ایک عمل ارہا ہے اور ہم ان کو دیکھتے ہیں وہ اس عمل کو نہیں کر رہے، معلوم ہوا ان کے نزدیک بھی یہ حکم بدل چکا، یہ حکم کیا ہے؟ بدل چکا ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں اپ کو ملیں گی کہ اپ احادیث میں اپ کو ان کا ذکر ملے گا لیکن اپ دیکھتے ہیں تو خلفائے راشدین اس پر عمل نہیں کر رہے، یہ کتنی واضح دلیل ہے کہ معلوم ہوا یہ عمل کیا ہے؟ یہ اس کو یہ بدل چکا، حضور علیہ السلام نے اس طرح کیا ہے لیکن پھر اخر میں اس کو کیا کر دیا ہے؟ چھوڑ دیا ہے، وہ اخری طریقہ اپ کا یہ نہیں، اخری طریقہ وہ ہے جس پر کون عمل کر رہے ہیں؟ خلفائے راشدین، کیونکہ خلفائے راشدین وہ حضور علیہ السلام کے بتلائے ہوئے راستے سے ایک سوئی کی نوک کے برابر بھی ادھر ادھر ہلنا پسند نہیں کرتے، کر سکتے بھائی، صورت سمجھ میں اگئی؟

تو لہٰذا احناف پر یہ اعتراض کرنا کہ حدیث میں یہ ایا ہے اور اپ یہ عمل نہیں کرتے، تو ہاں وہاں جہاں بہت سے جوابات دیے جاتے ہیں وہاں ایک یہ بھی جواب دیتے ہیں کہ بھائی خلفائے راشدین کا یہ عمل نہیں ہے، معلوم ہوا اس حدیث کے اندر یا تو کوئی تاویل وغیرہ ہے یا یہ پہلے والا حکم ہے جو بعد میں کیا کر دیا گیا؟ منسوخ کر دیا گیا۔ یا اسی طرح یہ بھی دلیل ذکر کی جاتی ہے کہ احناف کو کہا جاتا ہے اپ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے، تو ہم کہتے ہیں بھائی یہ حدیث کس صحابی کی ہے؟ فلاں صحابی کا نام ذکر ہوتا ہے حدیث میں فلاں کی ہے، ہم کہتے ہیں ان کا اپنا عمل دیکھو وہ اس حدیث کے خلاف ہے۔ جو روایت کرنے والا ہے وہ حدیث کو روایت کر رہا ہے لیکن عمل حدیث کے خلاف ہے، معلوم ہوا خود اس صحابی کے نزدیک بھی یہ حکم بدل چکا ہے، حدیث تو انہوں نے نقل کر دی ہے لیکن ان کو علم ہے کہ حکم بدل چکا ہے، اسی لیے اس پر خود عمل نہیں کر رہے، صورت سمجھ میں اگئی بھائی؟ چلیے بس بھائی یہ، تو یہ ان سب کی محنتیں ہیں اور یہ ان باتوں کو فقہاء ہی صحیح طور پر دین کے معنی کو، محدثین نے احادیث روایت کیں اور فقہاء نے دین کے معنی کو سمجھا، تو دونوں طبقے ضروری دین کی حفاظت کے لیے، سمجھ میں ایا؟ تو حدیث کے معنی کیا ہیں وہ معنی فقہاء سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا، اور حدیث کو روایت کیا اور محفوظ اور حفاظت کر کے اگے نقل کیا وہ کام محدثین سے بہتر کسی نے نہیں کیا بھائی، تو یہ سب سب جو ہیں یہ مبارک لوگ ہیں اور انہوں نے اسی طرح دین کو ہم تک پہنچایا ہے، اللہ ان سب کے کروڑہا درجات بلند فرمائے بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۵۱: مسئلہ: وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ م...

ہدایہ صفحہ: ۱۱۰ — بتاریخ: ۲۴ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى؛ لِأَنَّهُ تَكْرَارُ الْأَرْكَانِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَفْتِحُ وَلَا يَتَعَوَّذُ؛ لِأَنَّهُمَا لَمْ يُشْرَعَا إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً، وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى.» [1]

نماز کا طریقہ ذکر ہو رہا ہے۔ گزشتہ سبق کے آخر میں بیان ہوا تھا کہ جب پہلی رکعت مکمل ہو جائے، یعنی پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کر لے پھر کیا کرے؟ نماز پڑھنے والا اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے اور اپنے ہاتھ بھی زمین پر نہ رکھے اور بیٹھے بھی نہ۔ سجدے سے اٹھ کر بیٹھے بھی نہ، جلسہ بھی نہ کرے اور ہاتھ بھی زمین پر نہ رکھے، بلکہ ہاتھ کہاں پر رکھتا ہوا کھڑا ہو جائے؟ گھٹنوں پر رکھتا ہوا کھڑا ہو جائے بھائی، گھٹنوں کا سہارا لے۔

اور دلیل ذکر ہوئی تھی کہ حضور علیہ السلام جو ہیں وہ نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں پر اٹھتے تھے بھائی، پنجوں پر اٹھتے تھے۔ تو معلوم ہوا زمین پر سہارا نہیں لیتے تھے بھائی، کیونکہ اگر انسان زمین پر سہارا لے گا تو پھر پنجوں کے بل اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے بھائی، زمین پر سہارا۔ اور نیز معلوم ہوا جلسۂ استراحت بھی نہیں کرتے تھے، کیونکہ اگر جلسۂ استراحت کرتے ہوں پھر بھی پنجوں پر اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا...

«**وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى**» اور نماز پڑھنے والا کرے گا دوسری رکعت میں بھی اسی طرح جس طرح اس نے پہلی رکعت میں کیا تھا، یعنی اسی طرح سارے افعال سرانجام دے گا، «**لِأَنَّهُ تَكْرَارُ الْأَرْكَانِ**» کیونکہ یہ کیا ہے؟ ارکان کا تکرار ہے دوسری رکعت، اس میں وہی ارکان کا تکرار ہو گا، یہ اسی کی طرح ہو گی۔

«**إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَفْتِحُ وَلَايَتَعَوَّذُ**» مگر یہ کہ اس میں استفتاح نہیں پڑھے گا اور تعوذ نہیں پڑھے گا بھائی۔ استفتاح بھائی وہ جو شروع میں ثناء پڑھتے ہیں اس کو استفتاح کہتے ہیں: «**سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ**» یہ ثناء، یہ ہے استفتاح۔ یہ دوسری رکعت میں نہیں پڑھے گا، صرف یہ پہلی رکعت میں ہے۔ اور نیز اسی طرح دوسری رکعت میں اعوذ باللہ بھی نہیں پڑھے گا، وہ بھی صرف کس میں ہے؟ پہلی رکعت میں ہے۔ یہ معنی ہے «**إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَفْتِحُ وَلَايَتَعَوَّذُ**» اور اس میں مگر یہ کہ اس دوسری رکعت میں استفتاح نہیں کرے گا اور تعوذ نہیں کرے گا۔

«**لِأَنَّهُمَا لَمْ يُشْرَعَا إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً**» اس لیے کیونکہ یہ دونوں، یعنی استفتاح اور تعوذ یہ مشروع نہیں ہوئے مگر ایک ہی مرتبہ، یہ نماز میں ایک ہی مرتبہ مشروع ہوئے ہیں، ایک ہی مرتبہ ان کو کیا جائے گا بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ...

«**وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى**» اور ہاتھوں کو، اپنے دونوں ہاتھوں کو نماز پڑھنے والا نہیں اٹھائے گا — «**وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ**» اور نماز پڑھنے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھائے گا — «**إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى**» سوائے پہلی تکبیر کے۔ یعنی جب نماز کا آغاز کر رہا تھا تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے، صرف اس

[1] شاملہ (ص۵۵) میں «وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ» کے بجائے «بن مسعود رضي»، شاملہ (ص۵۵) میں «الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا» کے بجائے «عنه فإنه قال أخذ رسول» درج ہے۔

وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں، اس کے بعد کسی تکبیر پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، «فِي الرُّكُوعِ وَفِي الرَّفْعِ مِنْهُ» رکوع میں اور رکوع سے اٹھتے وقت بھائی۔ اس میں امام شافعی رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں رکوع میں جھکتے وقت اس وقت بھی رفع یدین کیا جائے گا اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی کیا کیا جائے گا؟ رفع یدین کیا جائے گا، دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جائے گا۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول... نہیں، یہ ہماری دلیل آگے ذکر ہو رہی ہے۔

اور ہاتھوں کو دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھائے گا سوائے تکبیر اولیٰ کے، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے رکوع میں اور رکوع سے اٹھتے وقت۔ اور تو یہ متن میں کیا آیا تکبیر اولیٰ کے علاوہ ہاتھوں کو نہیں اٹھائے گا، اس کی دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ» کہ ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے مگر سات جگہوں میں۔ سات جگہیں ہیں: «تَكْبِيرَةُ الِافْتِتَاحِ» ایک تو تکبیر افتتاح، نماز کے آغاز کی جو تکبیر ہے اس میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے یعنی تکبیر تحریمہ میں، «وَتَكْبِيرَةُ الْقُنُوتِ» اور دوسری کیا ہے؟ تکبیر قنوت، وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کے لیے اس کے لیے جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے، «وَتَكْبِيرَاتُ الْعِيدَيْنِ» اور جو عید دونوں عیدوں کی تکبیریں ہیں زائد ان میں کیا کیے جائیں گے؟ ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ تو یہ حدیث میں آرہا ہے۔ «وَذَكَرَ الْأَرْبَعَ فِي الْحَجِّ» اور حضور علیہ السلام نے چار کو ذکر فرمایا حج میں۔ تو یہ تین یہ ہیں اور چار جگہیں کس کے اندر ہیں؟ حج کے اندر ہیں، وہاں پر رفع یدین کیا جائے گا۔ اور اس کے اندر دیکھیے رکوع سے اٹھنے اور جھکنے ان دونوں جگہوں کا ذکر نہیں۔ معلوم ہوا رکوع میں جھکتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کیا جائے گا۔

«وَالَّذِي يُرْوَى مِنَ الرَّفْعِ مَحْمُولٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو اٹھایا جائے گا رکوع میں جھکتے وقت بھی اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی کیونکہ حدیث میں آیا ہے بھائی، حدیث میں آیا ہے۔ تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ «وَالَّذِي يُرْوَى مِنَ الرَّفْعِ» اور وہ جو روایت کیا گیا ہے رفع یعنی اٹھانا یہ دونوں ہاتھوں کا، «مَحْمُولٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ» یہ کس پر محمول ہے؟ ابتداء پر، یعنی ابتدائے اسلام پر۔ شروع کے اندر حضور علیہ السلام نماز میں رکوع میں جھکتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین فرمایا کرتے تھے، لیکن پھر آپ نے اس کو ترک کر دیا اور چھوڑ دیا تو آپ کا آخری عمل کیا ہے؟ رفع یدین کو ترک کرنا ہے بھائی۔

اور یہ ہم ویسے نہیں کہتے، «كَذَا نُقِلَ عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ» جیسے کہ نقل کیا گیا ہے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ایک مرتبہ کہتے ہیں مسجد الحرام میں تھے مکہ مکرمہ میں، ایک شخص کو دیکھا نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع میں جھکتے وقت بھی اس نے رفع یدین کیا اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین، تو حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمانے لگے بھائی یہ حاشیے میں حدیث دی ہوئی ہے، اس سے فرمانے لگے: «لَا تَفْعَلْ» کہ ایسا نہ کرو، «فَإِنَّ هَذَا شَيْءٌ فَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهُ» کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کیا، «ثُمَّ تَرَكَهُ» پھر اس کو چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا یہ ابتداء میں تھا رفع یدین، پھر حضور علیہ السلام نے اس کو چھوڑ دیا بھائی۔

تو کہتے ہیں «وَالَّذِي يُرْوَى مِنَ الرَّفْعِ مَحْمُولٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ كَذَا نُقِلَ عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ» اور وہ جو روایت کیا گیا ہے رفع کا، یعنی ہاتھوں کے اٹھانے کو، وہ محمول ہے ابتداء پر جیسا کہ نقل کیا گیا ہے حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

تو بھائی یہ رفع یدین کا مسئلہ اور اس میں بڑا اختلاف اور بڑی کتابیں لکھیں علماء نے بھائی، بڑی کتابیں۔ حالانکہ اختلاف صرف اولویت یا سنیت کے اندر ہے، یہ اختلاف معمولی سا ہے۔ ہمارے نزدیک اولیٰ کہیں یا یوں کہیں سنت جو ہے وہ ترکِ رفع یدین ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت کیا ہے؟ رفع یدین ہے بھائی۔ تو یہ اختلاف صرف اولویت میں ہے۔ ہمارے نزدیک اولیٰ ترک ہے، ترکِ رفع یدین، اور ان کے نزدیک اولیٰ کیا ہے؟ اولیٰ رفع یدین ہے۔ یا یوں کہیں ہمارے نزدیک سنت ترکِ رفع یدین ہے اور ان کے نزدیک سنت کیا ہے؟ رفع یدین۔ تو یہ اختلاف صرف اولویت یا سنیت کا ہے۔

اور ہمارے نزدیک بھی اگر کوئی رفع یدین نماز میں کرتا ہے تو یہ مفسدِ صلاۃ نہیں ہے۔ ہاں، اولیٰ یہ ہے کہ کیا کرے؟ ترکِ رفع یدین کرے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اگر کوئی رفع یدین کو ترک کرتا ہے تو اس کی نماز کوئی فاسد نہیں ہو گی۔ ہاں، اولیٰ اور سنت کیا ہے ان کے نزدیک؟ رفع یدین۔ تو یہ صرف اولویت اور سنیت کا اختلاف ہے اور اس میں علماء نے بڑی کتابیں لکھیں۔ تو یہ کوئی اتنا بڑا اختلاف نہیں، لیکن بہر حال چونکہ رفع یدین ایک محسوس چیز ہے، آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے، اس وجہ سے دل میں ذرا تعصب کا پھر احساس ابھرتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ایک آدمی آپ کو نظر آرہا ہے وہ کیا کر رہا ہے؟ رفع یدین کر رہا ہے، تو اس وجہ سے یہ کچھ تعصب کا احساس ہوتا ہے اور یہ انسان کی اس کی طرف زیادہ توجہ ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے علماء نے اس کے اندر مستقل کتابیں لکھیں اگرچہ یہ بڑا کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں، صرف مسئلہ کس چیز کا ہے؟ اولویت یا سنیت کا۔

اور اس میں بھی یاد رکھیے، میں نے ذکر کیا احناف کے پاس ہر مسئلے میں پہاڑ کی طرح مضبوط دلائل موجود ہیں۔ بہت سے دلائل بھائی، اگر یہاں ذکر کیے جائیں تو میرا خیال کئی سبق صرف ان دلائل پر ہی صرف ہو جائیں بھائی، کئی سبق۔ صرف دلائل ہی ہم ذکر کرتے چلے جائیں اپنے، تو آسان جواب یہی یہ بہر حال یاد رکھیے کہ یہ کیا ہے؟ جیسے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا یہ ابتدائے اسلام کے اندر تھا اور آخری عمل حضور علیہ السلام کا ترکِ رفع یدین تھا۔ نیز ہماری دلیل یہ بھی ہے کہ خلفائے راشدین کا عمل ترکِ

رفع یدین ہے۔ خلفائے راشدین کا عمل کیا ہے؟ ترکِ رفع یدین ہے، وہ رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ عشرہ مبشرہ جو ہیں وہ ترکِ رفع یدین کے قائل ہیں، وہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اسی طرح یاد رکھیے، اہل مدینہ جو تھے وہ سارے ترکِ رفع یدین کے قائل تھے اور مدینہ تو صحابہ کا مرکز تھا، معلوم ان کو حضور علیہ السلام کے فعل کا بخوبی علم تھا اور وہ ترکِ رفع یدین کرتے تھے، معلوم ہوا حضور علیہ السلام کا آخری عمل بھی کیا تھا؟ ترکِ رفع یدین ہے۔

اور پھر اس میں جہاں اور دلائل آتے ہیں وہاں ایک حدیث آتی ہے جس میں حضور علیہ... جس میں آتا ہے کہ صحابہ وہ ہاتھ اٹھا رہے تھے سلام کے وقت۔ جب سلام پھیر رہے تھے اس وقت کیا کر رہے تھے؟ رفع یدین کر رہے تھے، تو حضور علیہ السلام نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمانے لگے: یہ کس طرح ہاتھوں کو بدکے ہوئے گھوڑے کی دم کی طرح ہاتھوں کو اٹھا رہے ہو؟ سمجھ میں آیا؟ ہاں، کس... تو یہ حدیث میں باقاعدہ الفاظ آتے ہیں: «كَأَذْنَابِ خَيْلٍ شُمْسٍ» بدکے ہوئے گھوڑے کی دم کی طرح ہاتھ اٹھا رہے ہو۔ تو یہ حدیث آتی ہے۔

اور ہم یہ حدیث ذکر کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں دیکھیے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا، ناراضگی کا اظہار کیا۔ صحابہ کیا کر رہے تھے؟ ہاتھوں کو اٹھا رہے تھے، اور حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ بدکے ہوئے بدکے ہوئے گھوڑے کی دم کی طرح کیا اٹھا رہے ہاتھوں کو، تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ ہم بات کر رہے ہیں رکوع میں جھکنے کی اور رکوع سے اٹھنے کی، اس رفع یدین کی بات کر رہے ہیں اور یہ تو سلام کے وقت جو رفع یدین کر رہے تھے اس پر حضور علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ تو جب ہم جواب میں کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں دو حدیث دو قسم کی حدیثیں ہیں۔ بعض حدیثوں میں وہ سلام کا ذکر ہے، سلام کے وقت رفع یدین کر رہے تھے۔ بعض میں وہ سلام کا ذکر نہیں ہے، سلام کا ذکر نہیں تو وہ الگ حدیث ہے اور شبہ اور شک اس لیے پڑتا ہے کہ دونوں میں «أَذْنَابِ خَيْلٍ شُمْسٍ» کا لفظ آتا ہے، بدکے ہوئے گھوڑے کی دم۔ یہ لفظ دونوں حدیثوں میں آتا ہے تو انسان کو شبہ پڑتا ہے شاید یہ وہی حدیث ہے، حالانکہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں بھائی، یہ دونوں کیا ہیں؟ اس میں سلام کے وقت رفع یدین پر ناراضگی کا اظہار ہے تو دوسری حدیث میں سلام کا ذکر نہیں ہے۔ سلام کا ذکر نہیں۔

نیز دونوں حدیثیں اس لیے بھی الگ الگ ہیں کہ ایک حدیث وہ جو حدیث آتی ہے اس میں حضور علیہ السلام نماز میں ساتھ شامل نہیں تھے، جبکہ اس جس میں درمیان میں جس کا ذکر آتا ہے اس میں حضور علیہ السلام نماز میں... ہاں، اس میں یہ آتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہمارے ساتھ نماز میں شامل تھے، معلوم ہوا وہ الگ واقعہ ہے، یہ الگ واقعہ ہے۔

نیز اس حدیث کے الفاظ بھی اور ہیں، اس میں یہ بھی لفظ زائد ہیں کہ نماز میں پر سکون رہو بھائی، یعنی زیادہ حرکت وغیرہ نہ کرو بھائی۔ اس حدیث میں وہ لفظ بھی نہیں ہے جس میں سلام... نیز اس میں حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں نماز میں پر سکون رہو، نماز میں پر سکون رہو، «فِي الصَّلَاةِ»، «فِي الصَّلَاةِ» نماز میں۔ اور وہ واقعہ ہے سلام کے وقت کا، تو اگر سلام کے وقت رفع یدین سے منع کر رہے ہوں تو پھر اس وقت «فِي» کا لفظ استعمال کرنا مناسب ہی نہیں ہوتا، یہ فصاحت کے بھی خلاف ہے بھائی۔ «فِي» تو بتلا رہا ہے نماز کے بیچ میں حضور کیا کر رہے ہیں کہ نماز کے بیچ میں پر سکون رہو۔ «فِي الصَّلَاةِ» کا کیا معنی؟ نماز میں پر سکون رہو۔ معلوم ہوا یہ رکوع وغیرہ کے قریب کی بات ہو رہی ہے رکوع وغیرہ کی، اور وہ تو سلام وہ تو اختتام صلاۃ، وہ نماز میں تو نہیں ہے، وہ تو کیا ہے؟ نماز کا اختتام ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بہر حال بس صرف مقصد دلائل ذکر کرنا نہیں تھا، بس یہ ایک وہ اعتراض اکثر ذکر کرتے ہیں کہ یہ تو صرف سلام کے وقت کے، یہ تو سلام کا واقعہ ہے اے احناف جو تم دلیل ذکر کرتے ہو کہ حضور علیہ السلام نے ہاتھوں کو اٹھانے سے منع فرمایا اور کہا کہ تم بدکے ہوئے گھوڑے کی دم کی طرح کیا ہاتھ اٹھا رہے ہو، یہ تو وہ سلام والی حدیث ہے، وہ اور حدیث میں ذکر کر دیں گے، تو اس میں پھر غلطی میں نہ پڑ جانا بھائی، وہ الگ حدیث ہے اور یہ الگ۔ اور شک اور شبہ کیوں پڑتا ہے؟ کیونکہ دونوں میں یہ لفظ «أَذْنَابِ خَيْلٍ شُمْسٍ» کا لفظ دونوں حدیثوں میں آرہا ہے، لیکن اگر آپ غور کریں ان حدیثوں کے الفاظ پر، ایک میں حضور علیہ السلام نماز میں ساتھ شریک نہیں تھے، دوسرے میں سے کیا معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نماز میں شریک۔ نیز اس کے اندر نماز اس میں نماز کے اندر سکون سے رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس میں یہ بات مذکور نہیں ہے۔ اور نیز «فِي الصَّلَاةِ» کہ نماز میں پر سکون رہو، معلوم ہوا یہ نماز کے درمیان کی بات ہو رہی ہے، آخر کی بات نہیں ہو رہی بھائی۔

اچھا، چلیے بس یہ ویسے ایک بات ذہن میں آگئی، میں نے سوچا آپ کو بتا دوں، ورنہ بس نفسِ متن آپ حل کرتے جائیں، بس یہ کافی ہے بھائی آپ کے لیے۔ نفسِ ہدایہ، صاحب ہدایہ کیا بتلا رہے ہیں، بس صرف ان کو مختصراً وہ ایک آدھ ایک آدھ دلیل ذکر کرتے چلے جاتے ہیں یا ایک آدھ جواب ذکر کرتے چلے جاتے ہیں، بس آپ اسی تک محدود رہیں اور اس کو اچھی طرح کر لیں، یہ بھی آپ کے لیے بہت ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ الْيُمْنَى نَصْبًا وَوَجَّهَ أَصَابِعَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ» جی، تو یہ کیا تھا؟ دوسری رکعت کا بیان۔ دوسری رکعت بھی کس کی طرح ہو جائے گی؟ پہلی رکعت کی طرح ہو گی، البتہ اس دوسری رکعت میں استفتاح اور تعوذ نہیں ہو گا، باقی سب اسی طرح ہو گا: قراءت اور قیام اور رکوع، سجدے وغیرہ۔ پھر جب «وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ» جب نماز پڑھنے والا اپنا سر اٹھائے دوسرے سجدے سے دوسری رکعت میں، «افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى» تو بچھا دے اپنے بائیں پاؤں کو، «فَجَلَسَ عَلَيْهَا» تو اس پر بیٹھ جائے۔ بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر... بھائی تشہد میں کیسے بیٹھنا ہے وہ بیان ہو رہا ہے۔ تو دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے جب اٹھے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے، «وَنَصَبَ الْيُمْنَى نَصْبًا» اور دایاں پاؤں سیدھا کھڑا کر دے، «وَوَجَّهَ أَصَابِعَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ» اور متوجہ کر

دے اپنی انگلیوں کو قبلے کی طرف۔ یعنی دائیں پاؤں کو کھڑا کرنا ہے اور اس طرح کہ انگلیاں مڑ کر کس طرف کو ہوں؟ قبلے کی طرف، کوشش کرے جتنا ہو سکے۔

■ مسئلہ: هٰكَذَا وَصَفَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى ع...

«هٰكَذَا وَصَفَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قُعُودَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ» اسی طرح بیان فرمایا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور علیہ السلام کے بیٹھنے کو «فِي الصَّلَاةِ» نماز میں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے۔

«وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ» اور رکھے نماز پڑھنے والا اپنے دونوں ہاتھ «عَلَى فَخِذَيْهِ» اپنی رانوں پر۔ تشہد میں انسان اپنے ہاتھ کہاں رکھے؟ اپنی رانوں پر رکھے، «وَبَسَطَ أَصَابِعَهُ» اور کھول دے، بچھا دے اپنی انگلیوں کو۔ ہاتھ کی انگلیوں کو یعنی بند کر کے نہیں رکھنا بلکہ ان کو کھول کر رکھنا ہے، بچھا دیں ان کو یعنی تاکہ قبلہ رخ ہوں، «وَتَشَهَّدَ» اور کیا پڑھے؟ تشہد پڑھے۔

«يُرْوَى ذَلِكَ فِي حَدِيثِ وَائِلٍ» یہ روایت کیا گیا ہے حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں کہ اس طرح تشہد کے اندر ہاتھوں کو کہاں رکھیں گے؟ رانوں پر رکھیں گے اور انگلیوں کو کھول دیں گے اور پھر کیا پڑھیں گے؟ تشہد۔ جی، یہ ایک تو نقلی دلیل ہو گئی حدیث بھائی حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث۔ «وَلِأَنَّ فِيهِ» یہاں سے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں: «وَلِأَنَّ فِيهِ تَوْجِيهَ أَصَابِعِ يَدَيْهِ إِلَى الْقِبْلَةِ» اور نیز اس لیے کیونکہ اس کے اندر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو متوجہ کرنا ہے «إِلَى الْقِبْلَةِ» کس طرف؟ قبلے... اس طرح جب ہاتھ رکھے گا تو انگلیاں بھی کس طرف ان کا رخ ہو جائے گا؟ قبلے کی طرف ان کا رخ ہو جائے گا، تو اس لیے بھی اس طرح ہاتھ رکھنے چاہئیں۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَتِ امْرَأَةً

«وَإِنْ كَانَتِ امْرَأَةً» یہ تو مرد کے بیٹھنے کا طریقہ تھا، اب عورت کس طرح بیٹھے گی وہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَتِ امْرَأَةً» اور اگر وہ نماز پڑھنے والی عورت ہے، «جَلَسَتْ عَلَى أَلْيَتِهَا الْيُسْرَى» تو وہ بیٹھے گی اپنے بائیں کو لہے پر۔ عورت کیا کرے گی؟ وہ اس طرح مردوں کی طرح نہیں بیٹھے گی، بلکہ وہ اپنے بائیں کو لہے پر بیٹھے گی، «وَأَخْرَجَتْ رِجْلَيْهَا مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ» اور وہ اپنے دونوں پاؤں نکال لے گی دائیں جانب کو، اس طرح بیٹھے گی، «لِأَنَّهُ أَسْتَرُ لَهَا» اس لیے کیونکہ اس طرح بیٹھنا میں اس کے لیے زیادہ پردہ ہے۔

«وَالتَّشَهُّدُ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ» «إِلَى آخِرِهِ» آخر تک: «السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ».

«وَهٰذَا تَشَهُّدُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ» اور یہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے۔ «فَإِنَّهُ قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي» کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ پکڑا حضور علیہ السلام نے «بِيَدِي» مجھ کو، میرے ہاتھ کو، «وَعَلَّمَنِي التَّشَهُّدَ» اور مجھے تشہد سکھایا «كَمَا كَانَ يُعَلِّمُنِي سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ» جیسے کہ وہ سکھاتے تھے مجھے کوئی قرآن کی کوئی سورت بھائی۔ «قَالَ» اور حضور علیہ السلام فرمانے لگے مجھ سے: «قُلْ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ» «إِلَى آخِرِهِ» آخر تک کہا، تو حضور علیہ السلام نے مجھے تشہد سکھایا۔

■ مسئلہ: وَالْأَخْذُ بِهٰذَا أَوْلَى مِنَ الْأَخْذِ بِتَشَهُّدِ...

«وَالْأَخْذُ بِهٰذَا أَوْلَى مِنَ الْأَخْذِ بِتَشَهُّدِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا» اور اس تشہد کو لینا اولیٰ ہے کس کے مقابلے میں؟ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تشہد کو کے لینے کے مقابلے میں۔ بھائی ایک تشہد یہ ہے، ایک تشہد کس سے روایت کیا گیا؟ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔ امام شافعی رحمہ اللہ ان کے تشہد کو لیتے ہیں، وہ نماز میں پڑھتے ہیں، اور جبکہ احناف جو ہیں وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تشہد کو لیتے ہیں، اور صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ اس تشہد کو لینا یعنی اس پر عمل کرنا یہ اولیٰ ہے اس تشہد کے مقابلے میں جو کس نے ذکر فرمایا ہے؟ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ «وَهُوَ قَوْلُهُ» اور وہ ان کا یہ قول ہے، وہ فرماتے ہیں تشہد اس طرح ہے: «التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، سَلَامٌ عَلَيْنَا» «إِلَى آخِرِهِ» آخر تک اسی طرح ہے۔ آخری حصہ یہ آپ کے حاشیے میں دیا ہوا ہے: «سَلَامٌ عَلَيْنَا

وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ»، یہ ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تشہد بھائی۔ تو یہ صاحبِ ہدایہ کیا فرمارہے ہیں؟ کون سا تشہد لینا اور کس پر عمل کرنا اولیٰ ہے؟ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تشہد پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

یاد رکھیے علماء لکھتے ہیں کہ مختلف صحابہ سے چوبیس قسم کے تشہد منقول ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ مختلف صحابہ سے چوبیس قسم کے تشہد منقول ہیں، تو مختلف الفاظ کا فرق ہے ان میں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی تشہد منقول ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے، اسی طرح یہ جو حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ منقول ہے، عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی الگ تشہد منقول ہے، اور اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی، تو یہ کل چوبیس قسم کے تشہد منقول ہیں، اور احناف کے نزدیک اولیٰ عمل کیا ہے، کس پر عمل کیا جائے؟ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تشہد کو ترجیح دی احناف نے اور اس پر عمل کیا۔

کیا وجہ ہے؟ کیوں ترجیح ہے اس کو؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ فِيهِ الْأَمْرَ**» اس لیے کیونکہ اس کے اندر امر ہے۔ اس حدیث میں کیا آیا؟ امر۔ حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ «**قُلْ**» کہو! تو امر دیا جارہا ہے، «**وَأَقَلُّهُ الِاسْتِحْبَابُ**» اور امر کا کم سے کم درجہ کیا ہے؟ استحباب۔ تو حضور علیہ السلام اس میں حکم دے رہے ہیں: «**قُلْ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ**» اور امر تو مقتضی تو ہے کہ یہ فرض ہونا چاہیے، لیکن کم از کم کیا ہے؟ کم از کم درجہ استحباب ہے، تو معلوم ہوا یہ تشہد پڑھنا مستحب ضرور ہے کم از کم بھائی، مستحب ضرور ہے۔

■ مسئلہ: وَالْأَلِفَ وَاللَّامَ

«**وَالْأَلِفَ وَاللَّامَ**» اس کا عطف اسی «**الْأَمْرَ**» پر ہے۔ بھائی دیکھیے: «**لِأَنَّ فِيهِ الْأَمْرَ**»، «**أَنَّ**» کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع، اور «**أَنَّ**» اور «**إِنَّ**» وغیرہ کے بعد اگر جار مجرور آجائیں وہ ہمیشہ ان کے لیے خبرِ مقدم بنتے ہیں، تو یہ «**فِيهِ**» کیا ہے «**أَنَّ**» کے لیے؟ خبرِ مقدم، اور «**الْأَمْرَ**» یہ کیا ہے؟ اس کا اسمِ مؤخر، اور یہ اپنے اسم کو کیا کرتا ہے؟ نصب دیتا ہے، تو اس کو منصوب پڑھیں گے: «**لِأَنَّ فِيهِ الْأَمْرَ**» کیونکہ اس تشہد میں کیا ہے؟ امر ہے، امر کا صیغہ آیا ہے۔ «**وَالْأَلِفَ وَاللَّامَ**» اور اس لیے کیونکہ اس تشہد میں الف لام آیا ہے۔ اس تشہد میں، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تشہد میں الف لام آیا ہے بھائی، کس طرح ہے؟ «**السَّلَامُ عَلَيْكَ**»، الف لام ہے بھائی: «**السَّلَامُ عَلَيْكَ**»، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تشہد میں کیا آیا؟ «**سَلَامٌ عَلَيْكَ**»، اس میں سلام بغیر الف لام کے ہے، اور اس تشہد میں، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تشہد میں وہ الف لام کے ساتھ ہے، «**وَهُمَا لِلِاسْتِغْرَاقِ**» اور یہ دونوں الف لام کس لیے آتے ہیں؟ استغراق کے لیے آتے ہیں، تو یہ ایک زائد فائدہ ہے اس کے اندر بھائی۔ معلوم ہوا «**السَّلَامُ عَلَيْكَ**» تمام قسم کی جو سلامتیاں ہیں علیک وہ آپ پر ہوں، تو اس میں استغراق آگیا، اس نے تمام افرادِ سلام کا احاطہ کر لیا، تو اس لیے بھی اس کو ترجیح ہے۔

نیز «**وَزِيَادَةَ الْوَاوِ**» اس کا بھی اسی پر عطف ہے امر پر، اور اس لیے کیونکہ اس کے اندر واؤ کی زیادتی ہے، کس طرح تھا؟ «**التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ**»، یہاں واؤ آرہے ہیں یہ زائد ہیں، جبکہ دوسرے تشہد میں «**التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ**» وہاں واؤ نہیں ہے، تو یہ واؤ اس میں زیادہ ہے، «**وَهِيَ لِتَجْدِيدِ الْكَلَامِ كَمَا فِي الْقَسَمِ**» اور یہ واؤ جو ہے یہ تجدیدِ کلام کے لیے ہوتا ہے جیسے کہ قسم میں ہے، جیسے کس میں ہے؟ قسم میں ہے۔ بھائی دیکھیے، یہ واؤ ہے واوِ عاطفہ اور واوِ عاطفہ تجدیدِ کلام کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «**جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو**»، تو یہ میں نے «**عَمْرٌو**» کا عطف کس پر کیا؟ زید پر۔ معلوم ہوا جیسے آنا زید کے لیے ثابت ہے، آیا زید ہے، اسی طرح عمرو بھی آیا ہے، تو یہ کلام گویا اس معنیٰ میں ہوا: «**جَاءَنِي زَيْدٌ، وَجَاءَنِي عَمْرٌو**»، تو دیکھیے الگ مستقل کلام ہو گیا یا نہیں بھائی؟ تو «**جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو**» تو یہ واؤ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ تجدیدِ کلام کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ الگ ہے، الگ ہے بھائی۔ یعنی دونوں الگ ہیں، «**جَاءَنِي زَيْدٌ**» زید کوئی اور ہے اور «**وَجَاءَنِي عَمْرٌو**» اور عمرو کوئی اور ہے، دونوں کے لیے مجیئت ثابت ہے۔ یہاں پر «**التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ**»، التحیات یہ بھی اللہ کے لیے، صلوات یہ بھی اللہ کے لیے، طیبات یہ بھی اللہ کے لیے، معلوم ہوا یہ تینوں الگ الگ چیزیں ہیں اور اللہ کی ثناء بیان ہو رہی ہے یہاں پر، کیا بیان ہو رہی ہے؟ ثناء۔ اور انہوں نے بین السطور دیا ہے متن کے اندر بھائی جہاں تشہد ہے: «**التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ**» تحیات سے مراد ہیں عباداتِ قولیہ، قولی عبادتیں جن کا تعلق قول سے ہے، زبان سے ہے، مثلاً آپ ذکر کرتے ہیں زبان سے، یا زبان سے کیا کرتے ہیں؟ تلاوت کرتے ہیں، یہ بھی سب کس کے لیے؟ اللہ کے لیے۔ «**وَالصَّلَوَاتُ**» صلوات سے مراد ہیں بدنی عبادتیں، مثلاً آپ نماز پڑھتے ہیں تو نماز کے اندر قول بھی ہے اور بدن عمل بھی کرنا پڑتا ہے رکوع، سجدہ وغیرہ، یہ بھی بدنی عبا... اسی طرح روزہ ہے، روزہ بھی کیا ہے؟ بدنی عبادت ہے، تو یہ بھی کس کے لیے ہیں؟ اللہ کے لیے۔ «**وَالطَّيِّبَاتُ**» اور طیبات سے مراد ہیں مالی عبادتیں، وہ بھی کس کے لیے ہیں؟ اللہ کے لیے، یعنی آپ زکوٰۃ دیتے ہیں یہ بھی اللہ کے لیے، صدقات وغیرہ یہ بھی ساری عبادتیں کس کے لیے؟ اللہ کے لیے۔ تو دیکھیے ہمارے تشہد کے اندر اس اس تشہد میں جس کو ہم نے ترجیح دی اس میں واؤ آیا اور واؤ نے بتلایا کہ التحیات اور چیز ہے، صلوات اور چیز ہے، طیبات اور چیز ہیں کیونکہ ان میں واؤ کے ذریعے عطف کیا گیا اور معطوف معطوف علیہ کا معطوف مغایر ہوتا ہے معطوف علیہ سے۔ «**جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو**» یہ واؤ نے بتلا دیا کہ زید کوئی اور ہے اور عمرو کوئی اور ہے، تو یہاں پر بھی تینوں کے معلوم ہوا الگ الگ ہیں، تو معلوم ہوا تین طرح کی ثناء آگئی اللہ کے لیے، کم از کم کتنی آگئی؟ تین طرح کی ثناء آگئی، تین طرح حمد آگئی اللہ کی، اور جبکہ اس دوسرے تشہد میں «**التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ**» وہاں واؤ نہیں، معلوم ہوا ایک ہی ثناء ہے، باقی کیا ہیں؟ اسی کی صفات ہیں، اسی کی صفات

ذکر ہو گئیں۔

جیسے «كَمَا فِي الْقَسَمِ» جیسے کس کے اندر ہوتا ہے؟ قسم کے اندر ہوتا ہے، قسم کے اندر بھائی۔ بھائی دیکھیے، ایک شخص یوں کہے: «وَاللهِ الرَّحْمٰنِ لَا أَفْعَلُ كَذَا»، لفظِ اللہ ذکر کیا اور ساتھ الرحمن صفت ذکر کر دی، تو واؤ کو کتنی دفعہ ذکر کیا؟ ایک دفعہ۔ تو فقہاء لکھتے ہیں یہ ایک قسم ہوئی، لہٰذا اگر یہ قسم اس نے توڑ دی تو ایک کفارہ اس پر آئے گا، لیکن اگر اس کے بجائے واؤ دو لے آتا: «وَاللهِ وَالرَّحْمٰنِ لَا أَفْعَلُ كَذَا»، تو اب دو دفعہ واؤ لایا تو یہ دو الگ الگ قسمیں ہو گئیں۔ اب اگر وہ قسم توڑے گا تو ایک کفارہ نہیں آئے گا بلکہ کتنے کفارے آئیں گے؟ دو کفارے۔ معلوم ہوا واؤ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ تجدید کلام کا، وہ الگ مستقل کلام ہوتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ فائدہ ہے ہمارے تشہد میں۔ یہ معنی ہے «وَزِيَادَةَ الْوَاوِ» اور اس لیے کیونکہ اس کے اندر واؤ کی زیادتی ہے، «وَهِيَ لِتَجْدِيدِ الْكَلَامِ كَمَا فِي الْقَسَمِ» اور یہ واؤ جو ہے وہ تجدیدِ کلام کے لیے آتا ہے کہ یعنی نیا کلام ہے، مستقل کلام ہے «كَمَا فِي الْقَسَمِ» جیسے کس میں ہوتا ہے؟ جیسے قسم میں ہوتا ہے۔

■ مسئلہ: وَتَأْكِيدَ التَّعْلِيمِ

«وَتَأْكِيدَ التَّعْلِيمِ» یعنی «وَلِأَنَّ فِيهِ تَأْكِيدَ التَّعْلِيمِ» اور نیز اس لیے کیونکہ اس تشہد میں کیا ہے؟ تعلیم کی تاکید بھی ہے، خود فرما رہے ہیں: «عَلَّمَنِي التَّشَهُّدَ» حضور علیہ السلام نے مجھے سکھایا سکھایا، بلکہ مزید تاکید ہے: «كَمَا كَانَ يُعَلِّمُنِي سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ» جیسے مجھے قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے، اس طرح حضور علیہ السلام نے مجھے سکھایا، اس طرح مجھے تعلیم دی، اور قرآن کی سورت کس طرح سکھاتے ہوں گے بھائی آپ خود ہی دیکھ لیجیے، استاد شاگرد کو کیسے سکھاتا ہے؟ کئی مرتبہ کہلوانا پڑتا ہو گا تاکہ خوب اچھی طرح یاد ہو جائے، غلطی نہ ہو۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس میں کتنی تاکید ہے بھائی صورت، تو لہٰذا اس لیے ہمارے نزدیک یہ اس تشہد کو ترجیح ہے بھائی۔ تو کیا کیا وجہ؟ ایک تو اس کے اندر امر ہے، نیز اس کے اندر الف لام ہے، اور نیز اس کے اندر واؤ کی زیادتی ہے، اور نیز اس کے اندر تعلیم کی تاکید ہے بھائی۔

«وَلَا يَزِيدُ عَلَى هَذَا فِي الْقَعْدَةِ الْأُولَى» اور اس تشہد پر زیادتی نہ کرے قعدۂ اولیٰ میں۔ یعنی مثلاً اگر چار رکعت والی یا تین رکعت والی نماز ہے اور اس میں پہلا قعدہ کر رہا ہے تو اس کے اندر پہلے قعدہ کے اندر اس تشہد پر زیادتی نہ کرے، یعنی اس تشہد اس تشہد کے بعد درود وغیرہ نہیں، درود آخری قعدے میں آئے گا، پہلے قعدے میں نہیں۔ تو اس میں اس تشہد پر زیادتی نہ کرے۔ دلیل کیا ہے اس کی؟ کہتے ہیں: «لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ» بوجہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی وجہ سے، وہ فرماتے ہیں: «عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ وَآخِرِهَا» کہ حضور علیہ السلام نے مجھے سکھایا — ترجمے پہ نظر رکھنا — «عَلَّمَنِي» مجھے سکھایا حضور مجھے تعلیم دی حضور علیہ السلام نے «التَّشَهُّدَ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ وَآخِرِهَا» اس تشہد کی جو نماز کے بیچ میں ہوتا ہے اور نماز کے آخر میں ہوتا ہے، «فَإِذَا كَانَ وَسْطُ الصَّلَاةِ» پھر جب نماز کا وسط ہوتا «نَهَضَ» تو حضور علیہ السلام اٹھ جاتے «إِذَا فَرَغَ مِنَ التَّشَهُّدِ» جب کس سے فارغ ہوتے؟ تشہد سے۔ وہ فرماتے ہیں مجھے حضور علیہ السلام نے اس تشہد کی تعلیم دی، وہ مجھے سکھایا اور حضور علیہ السلام وہ تشہد پڑھ کر اٹھ جایا کرتے تھے۔ دیکھیے معلوم ہوا درمیان میں قعدے میں صرف کیا پڑھ کر اٹھیں گے؟ صرف تشہد، تو حضور علیہ السلام بھی وہ تشہد پڑھ کر اٹھ جاتے تھے۔ «وَإِذَا كَانَ آخِرُ الصَّلَاةِ دَعَا لِنَفْسِهِ بِمَا شَاءَ» اور جب آخرِ نماز ہوتا یعنی آخری حصہ آخری قعدہ ہوتا تو پھر حضور علیہ السلام دعا فرماتے تھے اپنے لیے بما شاء جو چاہتے تھے۔ تو پہلے قعدہ میں صرف تشہد پڑھ کر اٹھ جاتے تھے۔

«وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحْدَهَا» اور پڑھے گا آخری دو رکعتوں میں نماز پڑھنے والا «بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» کس کو؟ فاتحۃ الکتاب کو «وَحْدَهَا» اکیلے۔ یعنی آپ پہلی دو رکعتوں میں تو فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت یا اور مزید کم از کم تین آیتیں ملائیں گے، لیکن اگر آخری دو رکعتیں ہیں یا آخری رکعت ہے جیسے مغرب ہے تو اس کے اندر صرف کیا کریں گے؟ صرف سورۂ فاتحہ پڑھیں گے۔ دلیل اس کی کیا؟ کہتے ہیں: «لِحَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» کہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم «قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ» پڑھتے تھے آخری دو رکعتوں میں «بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» کس کو؟ فاتحۃ الکتاب کو۔

آگے صاحب ہدایہ بیان فرما رہے ہیں: «وَهَذَا بَيَانُ الْأَفْضَلِ» یہ افضلیت کا بیان ہے، یعنی آخری رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا افضل ہے، «وَهُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے۔ چنانچہ یاد رکھیے، اگر آخری رکعتوں میں انسان فاتحہ پڑھنا چاہے فاتحہ پڑھ لے، اور افضل یہی ہے کیا پڑھ لے؟ فاتحہ، اور اگر چاہے تو تین کم از کم تین تسبیحات پڑھ لے: «سُبْحَانَ اللهِ، سُبْحَانَ اللهِ، سُبْحَانَ اللهِ»، اور چاہے تو بالکل خاموش کھڑا رہے پھر بھی نماز ہو جائے گی، لیکن افضل کیا ہے کیا کرے؟ سورۂ فاتحہ پڑھے بھائی۔

کہتے ہیں یہ بیان ہے افضلیت کا، «وَهُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے، «لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ فَرْضٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ» اس لیے کیونکہ قراءت صرف دو پہلی دو رکعتوں میں ہی فرض ہے، «عَلَى مَا يَأْتِيكَ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللهُ» بوجہ اس کے جو آگے آئے گی، اس دلیل کی وجہ سے جو آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

■ مسئلہ: وَجَلَسَ فِي الْأَخِيرَةِ كَمَا جَلَسَ فِي الْأُولَى

«وَجَلَسَ فِي الْأَخِيرَةِ كَمَا جَلَسَ فِي الْأُولَى» اور بیٹھے آخری قعدہ کے اندر جیسے کہ بیٹھا تھا پہلے قعدہ میں۔ اب آخری قعدہ کا بیان شروع ہوا بھائی۔ اس میں بھی اسی طرح بیٹھے جس طرح کس میں بیٹھا تھا؟ پہلے قعدہ میں۔ «لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ وَائِلٍ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا» بوجہ اس کے جو ہم نے روایت کی یعنی حضرت وائل اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی وجہ سے۔ پیچھے بھائی جہاں جہاں قعدۂ اولیٰ کا بیان تھا وہاں آیا تھا: «هَكَذَا وَصَفَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قُعُودَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ» یہ حدیثِ عائشہ کا ذکر آیا، اور اسی طرح آگے تھا ہاتھ رانوں پر رکھے گا، انگلیوں کو بچھائے گا اور تشہد پڑھے گا: «يُرْوَى ذَلِكَ فِي حَدِيثِ وَائِلٍ» اس کو روایت کس سے کیا گیا؟ حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے، تو اس کی طرف اشارہ ہے۔ تو یہ اسی طرح بیٹھے گا جیسے کہ ذکر تھا جو بوجہ اس حدیث کے جو ہم نے روایت کی یعنی حضرت وائل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث۔

«وَلِأَنَّهَا أَشَقُّ عَلَى الْبَدَنِ فَكَانَ أَوْلَى مِنَ التَّوَرُّكِ الَّذِي يَمِيلُ إِلَيْهِ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى» امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں تورک کرے گا، تشہد کے اندر تورک کرے گا بھائی۔ تورک وہی کہ بائیں کولہے پر بیٹھ جائے انسان اور پاؤں کس طرف نکال لے گا؟ دائیں طرف نکال لے گا، یہ ہے تورک۔ تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں تورک کیا جائے گا نماز میں، اسی وجہ سے آپ مالکیہ کو دیکھیں گے تو وہ تورک کرتے ہیں، کرتے ہیں نماز میں اس طرح بیٹھتے ہیں۔ دلیل وہ ذکر کرتے ہیں حدیث میں آتا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام نماز میں کس طرح بیٹھتے؟ تورک کرتے تھے، تورک۔ تو جواب دے رہے ہیں بھائی، جواب دے رہے ہیں کہ «وَلِأَنَّهَا» یہ دوسری دلیل بھی آگئی، پہلے دوسرے دوسرے قعدہ میں بھی اسی طرح بیٹھنا ہے جس طرح پہلے قعدہ میں بیٹھیں گے، ایک دلیل تو وہ ذکر کر دی وہ حدیثوں میں جو ذکر آگیا حضرت وائل، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث، اور نیز اس وجہ سے: «وَلِأَنَّهَا أَشَقُّ عَلَى الْبَدَنِ» اس لیے کیونکہ اس طرح بیٹھنا یہ دشوار ہے بدن پر، زیادہ دشوار ہے۔ ایک ہے تورک کی صورت میں بیٹھنا، ایک جو صورت ہم نے بیان کی کہ بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے، اس میں مشقت زیادہ بدن کے لیے، یہ بدن کے لیے ذرا مشکل ہے، اور تورک تو آسان ہے۔ اور عبادت کے اندر وہ صورت اولیٰ ہوتی ہے جس میں بدن پر مشقت ہو۔ عبادت کے اندر وہ صورت اولیٰ ہے جس میں مشقت زیادہ، کیونکہ اس میں پھر ثواب، جتنی مشقت ہو گی اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ تو اس لیے اس لیے بھی ہمارا جو ہم نے طریقہ بیان کیا اس طرح بیٹھنا اولیٰ ہے بنسبت اس طریقے کے جس کو جس کی طرف امام مالک رحمہ اللہ گئے ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «وَلِأَنَّهَا أَشَقُّ عَلَى الْبَدَنِ» اور اس لیے کیونکہ اس طرح بیٹھنا جو ہے وہ زیادہ دشوار ہے بدن پر، «فَكَانَ أَوْلَى مِنَ التَّوَرُّكِ الَّذِي يَمِيلُ إِلَيْهِ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ» لہٰذا یہ زیادہ بہتر ہے اس تورک کی بنسبت جس کی طرف امام مالک رحمہ اللہ مائل ہوئے ہیں، یعنی جس کی طرف گئے ہیں۔

«وَالَّذِي يُرْوَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَعَدَ مُتَوَرِّكًا ضَعَّفَهُ الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللهُ» باقی وہ جو حدیث جس وہ جو حدیث کے وہ جو روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام متورکاً بیٹھے نماز کے اندر، «ضَعَّفَهُ الطَّحَاوِيُّ» اس کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے کہ یہ حدیث کیا ہے؟ ضعیف ہے۔ «أَوْ يُحْمَلُ عَلَى حَالَةِ الْكِبَرِ» یا اس کو محمول کیا جائے گا بڑھاپے کی حالت پر کہ جب حضور علیہ السلام کی عمر ذرا زیادہ ہو گئی اور بدنِ مبارک آپ کا ذرا بوجھل ہو گیا تو پھر آپ اس طرح بھی بیٹھ جاتے تھے تورک کرتے ہوئے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو دو جواب دے دیے اس حدیث کے۔

■ مسئلہ: وَيَتَشَهَّدُ

«وَيَتَشَهَّدُ» اور تشہد پڑھے گا یہ آخری قعدہ میں، «وَهُوَ وَاجِبٌ عِنْدَنَا» اور یہ تشہد ہمارے نزدیک واجب ہے۔ یہ آخری قعدے کا تشہد ہمارے نزدیک واجب ہے، اس کی بات ذکر ہو رہی ہے، اور پہلا تشہد جو قعدۂ اولیٰ میں تھا اس میں بھی یاد رکھیے عند الاحناف اصح قول یہی ہے کہ وہ بھی واجب ہے بھائی، وہ بھی واجب ہے۔ تو معلوم ہوا پہلا قعدہ بھی واجب اور اس میں تشہد کا پڑھنا بھی واجب، تو قعدہ کرنا الگ واجب اور اس میں تشہد کا پڑھنا الگ واجب، اور آخری قعدہ وہ فرض ہے تشہد کی مقدار، اور اس میں تشہد کا پڑھنا کیا ہے؟ واجب ہے بھائی۔

«وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور درود پڑھے حضور علیہ السلام پر، تشہد پڑھے آخری قعدے میں اور پھر اس کے بعد درود پڑھے، «وَهُوَ لَيْسَ بِفَرِيضَةٍ عِنْدَنَا» اور یہ ہمارے نزدیک فرض نہیں ہے، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ فِيهِمَا» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے ان دونوں میں، یعنی ان دونوں میں امام شافعی رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں آخری قعدے میں تشہد کا پڑھنا بھی فرض اور درود کا پڑھنا بھی فرض ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل بھی حاشیے میں ذکر کی ہوئی ہے، یہ بھی ذرا دیکھ لیجیے بھائی، میری کتاب میں چودہ نمبر حاشیہ ہے۔

کہتے ہیں «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ فِيهِمَا أَمَّا التَّشَهُّدُ فَلِمَا رَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ» باقی تشہد جو ہے بوجہ اس حدیث کو جس کو روایت کیا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، وہ فرماتے ہیں: «كُنَّا نَقُولُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا التَّشَهُّدُ» کہ ہم لوگ نماز میں کہتے تھے قبل اس سے پہلے کہ ہم پر تشہد فرض کیا گیا تھا، یعنی تشہد کے ہم پر فرض کیے جانے سے پہلے ہم نماز میں یوں کہتے تھے: «السَّلَامُ عَلَى اللهِ، السَّلَامُ عَلَى

جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ »، یوں کہا کرتے تھے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ وہ فرماتے ہیں تشہد کے فرض کرنے سے پہلے، « حَتَّى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُولُوا: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ » یہاں تک کہ حضور علیہ السلام فرمانے لگے: کہو، یوں کہو تم لوگ: « التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ » « إِلَى آخِرِهِ » آخر تک، یہ پھر ہمیں تشہد سکھایا۔

اور پھر کہتے ہیں: « إِلَى أَنْ قَالَ فِي آخِرِهِ » یہاں تک کہ آخر حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: « إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ » جب تو یہ کہہ کہہ دے یا یہ کرلے یعنی یہ آخری قعدہ کرلے « فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ » تو تحقیق تمہاری نماز مکمل ہوگئی۔ تو یہ ان کی دلیل ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطلاق اسم الفرض علی التشہد، فرض کے نام کا اطلاق کیا ہے کس پر؟ تشہد پر: « قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا » قبل اس کے کہ ہم پر تشہد، تو انہوں نے فرض ذکر کیا، معلوم ہوا تشہد کا پڑھنا فرض ہے۔ تشہد کے ہم پر فرض کرنے سے پہلے یہ پڑھتے تھے، معلوم ہوا بعد میں کیا فرض کر دیا گیا؟ تشہد فرض کر دیا گیا۔

نیز « وَقَالَ لَهُ: قُلْ » اور نیز حضور علیہ السلام نے کیا کہا؟ « قُلْ » امر کا صیغہ آیا، « وَالْأَمْرُ لِلْوُجُوبِ » اور امر کس لیے ہوتا ہے؟ وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ « وَعَلَّقَ التَّمَامَ بِهِ » اور حضور علیہ السلام نے نماز کے پورا ہونے کو اس پر معلق فرمایا ہے، کیا فرمایا؟ « إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ » جب تو یہ کہہ لے یا یہ کرلے تو تحقیق تمہاری نماز مکمل ہوگئی، تو کہنے پر کہ کہنے پر نماز پوری ہو جائے گی، معلوم ہوا اس کے بغیر پوری نہیں ہوگی، معلوم ہوا اس کا پڑھنا فرض ہے۔

باقی دوسری بات جس میں اختلاف کیا تھا کہ درود کا پڑھنا بھی فرض ہے، تو کہتے ہیں وہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: « يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا » تو دیکھو « صَلُّوا » صیغۂ امر آیا اور امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے، معلوم ہوا درود کا پڑھنا بھی فرض ہے، کیونکہ نماز سے باہر تو کوئی درود کا پڑھنا فرض نہیں، معلوم ہوا یہ نماز کے اندر جو درود ہے اس کا ذکر چل رہا ہے کہ وہ درود پڑھنا فرض ہے۔ یہ کس کی دلیل ہوئی؟ امام شافعی رحمہ اللہ کی۔

تو اب جواب دے رہے ہیں، ہماری دلیل کیا ہے؟ « لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ » متن میں دیکھیے بھائی: « لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ » بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: « إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ » جب تو یہ کہہ دے یا یہ کرلے یعنی قعدۂ اخیرہ کرلے « فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ » تو تحقیق تمہاری نماز مکمل ہوگئی، مکمل ہوگئی۔ آگے بھی حدیث ہی کے الفاظ ہیں: « إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ » تو تمہاری نماز مکمل ہوگئی، اگر تم کھڑے ہونا چاہتے ہو تو اٹھنا چاہتے ہو تو اٹھ جاؤ، « وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ » اور اگر تم بیٹھنا چاہتے ہو تو بیٹھے رہو بھائی، یہ حدیث کے الفاظ۔ تو ہم کہتے ہیں دیکھیے یہ تو ہماری دلیل ہے، حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ تشہد کے بعد فرما رہے ہیں: جب تم یہ کہہ لو یا یہ کرلو یعنی قعدہ کرلو تو تمہاری نماز مکمل ہوگئی۔ تو تشہد کا پڑھنا ضروری یا دونوں میں سے ایک کا پڑھنا ضروری ہوا؟ ایک کا کرنا ضروری ہوا؟ ایک کا کرنا ضروری ہوا: تشہد کا کہنا ضروری یا بیٹھنا ضروری؟ اور نیز جب تشہد کہے گا تو بیٹھنا پایا جائے گا یا نہیں؟ بیٹھنا تو پھر بھی پایا جائے گا۔ معلوم ہوا بیٹھنا دونوں صورتوں میں ہے: تشہد کہے گا تب بھی قعدۂ اخیرہ اتنی مقدار بیٹھے گا اور اگر تشہد کے بغیر اتنی مقدار بیٹھ جاتا ہے تو معلوم ہوا بیٹھنا دونوں صورتوں میں ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ اتنا بیٹھنا ضروری ہے۔ اسی لیے ہم نے اتنا قعدے کو فرض قرار دیا، اتنا بیٹھنے کو، کیونکہ وہ دونوں صورتوں میں ہے، اور تشہد پہلی کہ وہ پڑھے یا دوسری صورت میں ہے نہ پڑھے، معلوم ہوا تشہد کا پڑھنا ضروری اور فرض نہیں ہے بھائی۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے، یہاں میں نے پھر تشریح کر دی بھائی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ تشہد کا پڑھنا فرض نہیں۔ باقی آپ نے کہا کہ قرآن میں امر کا صیغہ آیا ہے اور درود کا پڑھنا تو نماز سے باہر فرض نہیں، صرف معلوم ہوا یہ کون سا درود ذکر ہو رہا ہے؟ جو نماز کے اندر ہے، لہٰذا درود بھی فرض ہے نماز کے اندر، اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: « وَالصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَارِجَ الصَّلَاةِ وَاجِبَةٌ » کہ حضور علیہ السلام پر درود پڑھنا نماز سے باہر بھی « وَاجِبَةٌ » کیا ہے؟ واجب ہے یعنی فرض ہے، « إِمَّا مَرَّةً وَاحِدَةً كَمَا قَالَهُ الْكَرْخِيُّ » یا تو ایک ہی مرتبہ جیسے کہ امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، « أَوْ كُلَّمَا ذُكِرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ » یا جب بھی حضور علیہ السلام کا ذکر کیا جائے تب پڑھنا واجب ہے « كَمَا اخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ » جیسے کہ جس کو اختیار کیا ہے کس نے؟ امام طحاوی نے۔

تو ہم جواب دیتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ نماز سے باہر تو کوئی درود پڑھنا واجب نہیں، معلوم ہوا یہ کون سے درود کی بات ہو رہی ہے؟ جو نماز کے اندر ہے، تو وہ درود پڑھنا واجب ہوگا، فرض ہوگا۔ ہم کہتے ہیں نہیں، نماز سے باہر بھی درود کا پڑھنا واجب ہے۔ چنانچہ امام کرخی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ قرآن میں چونکہ صیغۂ امر آیا ہے اور امر آتا ہے وجوب کے لیے، اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، ایک مرتبہ بھی اس پر عمل کر لیا جائے تو یہ کافی ہے بھائی۔ تو زندگی بھر میں ہر مومن پر کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے بھائی، کیونکہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ تو دیکھا، امام کرخی رحمہ اللہ ایک بہت بڑے فقیہ کیا فرما رہے ہیں؟ نماز سے باہر بھی، ویسے بھی ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے۔ اور دوسرا امام طحاوی رحمہ اللہ، وہ فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور علیہ السلام کا ذکر آئے تو درود کا پڑھنا واجب ہے بھائی۔ تو دو بڑے فقہاء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ نماز سے باہر بھی درود کا پڑھنا واجب ہے، واجب ہے۔ اور آپ تو کیا فرما رہے تھے کہ نماز سے باہر درود کا پڑھنا واجب ہی نہیں، تو اس لیے نماز والا درود فرض ہوگا، ہم کہتے ہیں جب نماز سے باہر درود فرض ہو گیا تو اس پر باہر عمل ہو جائے گا تو اب یہ نماز والا درود فرض نہیں رہے گا بھائی۔

مسئلہ: فَكُفِينَا مُؤْنَةَ الْأَمْرِ

«فَكُفِينَا مُؤْنَةَ الْأَمْرِ» تو ہماری کفایت کرلی گئی امر کی مشقت سے۔ «فَكُفِينَا» ہماری کفایت کرلی گئی، «مُؤْنَةَ الْأَمْرِ» امر کی مشقت سے۔ کیا معنی؟ «فَكُفِينَا» ہماری کفایت کرلی گئی یعنی ہمیں بچالیا گیا، ہمیں صاحبِ ہدایہ کیا فرمارہے ہیں؟ تو ہمیں بچالیا گیا «مُؤْنَةَ الْأَمْرِ» امر کی مشقت سے۔ کس طرح بچالیا؟ بھائی صیغۂ امر آیا تھا نا: «صَلُّوا» صیغۂ امر، اور دو بڑے فقہاء کا ذکر آگیا، وہ کیا فرماتے ہیں؟ یہ نماز سے باہر کی بات ہورہی ہے، نماز سے باہر جب حضور علیہ السلام کا ذکر آئے درود کا پڑھنا پہلی مرتبہ واجب، اور دوسرے فقیہ کیا فرماتے ہیں؟ زندگی بھر میں ایک مرتبہ درود کا پڑھنا واجب ہے۔ تو جب انہوں نے بتلادیا کہ اس امر کا محل خارجِ صلاۃ ہے، تو نماز کے اندر امر کی مشقت سے ہمیں بچالیا گیا، یعنی اب نماز کے اندر والا درود فرض نہ رہا، معلوم ہوا وہ فرض نہیں۔ تو ان فقہاء یہ جس جس قول کو انہوں نے اختیار کیا، جس طرف یہ گئے انہوں نے کیا کیا؟ ہمیں امر کی مشقت سے، ورنہ تو امر آیا تھا اور پھر ہمیں کیا کہنا پڑتا کہ ہر ہر نماز میں درود کا پڑھنا فرض ہے، لیکن جب یہ دو اقوال آ گئے فقہاء کے تو اس نے نماز کے اندر ہمیں اس امر کے صیغے کی مشقت سے بچالیا، یعنی نماز میں درود فرض نہ رہا۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

«وَالْفَرْضُ الْمَرْوِيُّ فِي التَّشَهُّدِ هُوَالتَّقْدِيرُ» اور وہ فرض جو روایت کیا گیا ہے تشہد کے اندر «هُوَ التَّقْدِيرُ» وہ تقدیر کے معنی میں ہے، مقرر کرنے کے معنی میں ہے۔ بھائی وہ جو حدیث ذکر کی تھی امام شافعی رحمہ اللہ نے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تشہد کے ہم پر فرض کیے جانے سے پہلے یہ پڑھتے تھے، وہاں فرض کا لفظ آیا، اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ وہاں فرض بمعنی تقدیر کے ہے، مقرر کرنے کے ہے۔ کس معنی میں ہے؟ تقدیر کا کیا معنی؟ ایک معنی تقدیر کا اندازہ کرنا، ایک معنی تقدیر کا مقرر کرنا۔ تو وہاں فرض بمعنی مقرر کرنے کے معنی میں ہے، یعنی ہم پر یہ تشہد مقرر کرنے سے پہلے ہم یہ پڑھا کرتے تھے۔ تو یہ فرض سے مراد وہ فرض والا وہ معنی نہیں ہے جو احکام کی پانچ چھ اقسام ہیں: کوئی چیز فرض ہوتی ہے، کوئی واجب ہوتی ہے، کوئی سنت ہوتی ہے، کوئی ایک نفل ہے، تو فرض، واجب، سنت، نفل، مباح یہ پانچ چھ احکامِ شریعت کی جو قسمیں ہیں وہ والا فرض مراد نہیں ہے، بلکہ کون سا فرض مراد ہے؟ مقرر کرنا، یہ مقرر کر دیا یعنی یہ پڑھا کرو، یہ وہ فرض کے معنی میں نہیں۔

تو کہتے ہیں «وَالْفَرْضُ الْمَرْوِيُّ فِي التَّشَهُّدِ هُوَالتَّقْدِيرُ» اور وہ فرض جو روایت کیا گیا ہے تشہد کے بارے میں «هُوَ التَّقْدِيرُ» وہ کیا ہے؟ مقرر کرنا ہے، یعنی مقرر کرنے کے معنی میں ہے بھائی۔

چلیے بس بھائی، ہٰذا ھو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۵۲: مسئلہ: وَدَعَا بِمَا يُشْبِهُ أَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَال...

ہدایہ صفحہ: ۱۱۵ — بتاریخ: ۲۷ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَدَعَا بِمَا يُشْبِهُ أَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَالأَدْعِيَةَ الْمَأْثُورَةَ لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: قَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «ثُمَّ اخْتَرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَطْيَبَهَا وَأَعْجَبَهَا إِلَيْكَ»». [1]

نماز کا طریقہ صاحبِ ہدایہ ذکر فرمارہے ہیں۔ گزشتہ سبق کے آخر میں آیا تھا کہ قعدہ اخیرہ کے اندر تشہد پڑھیں گے اور یہ تشہد ہمارے نزدیک واجب ہے۔ خود تشہد کی مقدار بیٹھنا یہ تو فرض ہے لیکن تشہد کا پڑھنا یہ واجب ہے۔ اور اسی طرح اس تشہد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے نماز پڑھنے والا، اور یہ ہمارے نزدیک فرض نہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ فرض ہے بھائی۔

اس کے بعد اب آگے فرمارہے ہیں: **قَالَ: «وَدَعَا بِمَا يُشْبِهُ أَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَالأَدْعِيَةَ الْمَأْثُورَةَ»** اور دعا مانگے وہ نماز پڑھنے والا ایسے الفاظ کے ساتھ جو قرآن کے الفاظ کے مشابہ ہوں **«وَالأَدْعِيَةَ الْمَأْثُورَةَ»** اور وہ دعائیں جو منقول ہیں، وہ دعائیں جو منقول ہیں یعنی جو احادیث میں آئی ہیں، ان کے مشابہ الفاظ کے ساتھ دعا مانگے۔ **«لِمَا رَوَيْنَا»** دلیل ذکر کررہے ہیں بھائی کہ درود کے بعد یہ دعا کیوں پڑھیں گے؟ کہتے ہیں: **«لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ»** بوجہ اس حدیث کے جو ہم نے روایت کی یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث۔ وہ حدیث جو یہ ایک صفحہ ایک صفحہ قبل گزری تھی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **«عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ وَآخِرِهَا، فَإِذَا كَانَ وَسَطُ الصَّلَاةِ نَهَضَ إِذَا فَرَغَ مِنَ التَّشَهُّدِ، وَإِذَا كَانَ آخِرُ الصَّلَاةِ دَعَا لِنَفْسِهِ بِمَاشَاءَ»** کہ آخر نماز جب ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے دعا فرماتے **«بِمَا شَاءَ»** جو وہ چاہتے۔ تو معلوم ہوا آخر میں دعا پڑھ لے، دعا مانگ لے کوئی۔ **«قَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ»** حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا: **«ثُمَّ اخْتَرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَطْيَبَهَا وَأَعْجَبَهَا إِلَيْكَ»** کہ تم اختیار کرو کوئی ایسی دعا **«أَطْيَبَهَا وَأَعْجَبَهَا إِلَيْكَ»** جو زیادہ پاکیزہ اور زیادہ پسندیدہ ہو تمہارے نزدیک۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور علیہ السلام کیا فرمارہے ہیں؟ کہ اس کے بعد کوئی ایسی دعا اختیار کرو یعنی کوئی ایسی دعا مانگ لو جو تمہارے نزدیک زیادہ پاکیزہ اور زیادہ پسندیدہ ہو۔

■ مسئلہ: وَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ...

«وَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيَكُونَ أَقْرَبَ إِلَى الإِجَابَةِ» اب یہ آخر میں دعا کرنی ہے، درود اس سے پہلے ہو، تو ابتدا کس سے کرے؟ **«وَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ»** اور ابتدا کرے حضور علیہ السلام پر درود کے ساتھ **«لِيَكُونَ أَقْرَبَ إِلَى الإِجَابَةِ»** تاکہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہو جائے، تاکہ یہ دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہو جائے، اس لیے کیونکہ یہ درود جو ہے وہ وسیلہ ہو گا اس کی قبولیت کا، اور نیز اس لیے کیونکہ درود جو ہے اللہ تعالیٰ اس کو رد نہیں فرماتے، رد نہیں فرماتے، تو جب درود کو اللہ قبول فرمائیں گے تو یقیناً اس کے ساتھ جو دعا ہو گی اس کو بھی قبول فرمالیں گے۔

«وَلَا يَدْعُو بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ» اور دعا نہ مانگے ایسے الفاظ کے ساتھ جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو **«تَحَرُّزًا عَنِ الْفَسَادِ»** فساد سے بچنے کے لیے، فساد سے بچنے کے لیے۔ ہاں ایسے لفظوں کے ساتھ دعا نہ مانگے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو اور وہ کیا ہے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے اور کون سی دعا لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں؟ وہ آگے خود صاحبِ ہدایہ بھی آپ کو بتلائیں گے۔ لیکن یہاں یہ یاد رکھیے فساد سے بچنے کے لیے بھائی، فساد سے بچنے کے لیے، اس سے مراد نماز کا فساد

[1] شاملہ (ص ۵۵) میں **«قَالَ وَدَعَا بِمَا»** کے بجائے **«ودعاء بماشاء مما»**، شاملہ (ص ۵۵) میں **«أَطْيَبَهَا وَأَعْجَبَهَا»** کے بجائے **«أطيبه وأعجبه»** درج ہے۔

نہیں ہے کیونکہ دعا تو آخر میں آئے گی اور قعدہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض تھا اور اس کے بعد نماز مکمل ہو چکی بھائی۔ نماز کیا ہو چکی؟ نماز تو مکمل ہو چکی، سارے فرائض وغیرہ گزر گئے۔ تو یہ فساد سے مراد ہے یعنی آخری حصے میں فساد آجائے گا۔ نماز تو ہو جائے گی لیکن آخری حصے میں فساد آجائے گا، خرابی آجائے گی کہ مسنون طریقے سے نماز سے نکلنا نکلنا رہ جائے گا حالانکہ مسنون طریقے سے نماز سے نکلنا ضروری تھا، اور وہ کس کے ساتھ کیا کر کے نکلے؟ سلام کر کے بھائی، سلام کے ساتھ نماز سے نکلے۔ تو یہاں پر لوگوں کے کلام کے مشابہ دعا کرے گا تو کلام کی تو نماز میں اجازت نہیں، تو اس صورت میں اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد یعنی آخری حصہ فاسد یعنی نماز سے نکل جائے گا، نماز سے نکل جائے گا، نماز ختم ہو جائے گی۔ تو یہ نماز ختم ہو گی غیر مسنون طریقے پر حالانکہ مسنون طریقہ تو کیا تھا؟ کس طرح نماز کا اختتام کرے؟ کس طرح نکلے؟ سلام کے ساتھ بھائی۔ تو یہ یہاں یہ خصوصاً ذہن میں رکھنا، فساد سے مراد نماز کا فساد نہیں ہے، نماز مکمل ہو چکی ہے، یہ صرف وہ آخری حصے کا فساد مراد ہے۔

«وَلِهَذَا يَأْتِي بِالْمَأْثُورِ الْمَحْفُوظِ» لہٰذا لے کر آئے وہ دعا جو منقول ہو محفوظ ہو بھائی، منقول اور محفوظ دعائیں جو احادیث کے اندر آئی ہیں وہ لے کر آئے یعنی ان کے ساتھ دعا کرے بھائی۔ اب آگے بتلانے لگے ہیں کہ کون سی دعا لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے اور کون سی دعا لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں، تو آپ کو بتلائیں گے صاحبِ ہدایہ کہ جن چیزوں کا سوال لوگوں سے کیا جاتا ہے وہ کلام الناس کے مشابہ ہے، لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے، اور جس چیز کو لوگوں سے نہیں مانگا جاتا وہ لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں، لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جس چیز کا مانگنا لوگوں سے محال ہو، لوگوں سے مانگنا محال ہو وہ کلام الناس کے مشابہ نہیں۔ اور جس چیز کا لوگوں سے مانگنا محال نہ ہو لوگوں سے بھی وہ سوال کیا جاتا ہے تو پھر وہ کلام الناس کے مشابہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو بھائی؟ جیسے دیکھیے مثال ذکر کریں گے: ایک شخص یہ دعا کرے بھائی «اَللّٰهُمَّ زَوِّجْنِي فُلَانَةَ» اے اللہ فلانی سے میری شادی کروادے، تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے یہ لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے کیونکہ یہ سوال لوگوں سے بھی کیا جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ فلاں جگہ میری شادی کروادو۔ لوگ کہتے ہیں ایک دوسرے کو، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ کلام الناس کے مشابہ ہوا۔ ہاں اس کے بجائے اگر یہ دعا کرتا ہے «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي» اے اللہ میری مغفرت فرمادے، میری بخشش فرما دے، تو یہ ایسا سوال ہے جو لوگوں سے نہیں کیا جاتا، تو یہ کلام الناس کے مشابہ بھی نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَمَا لَا يَسْتَحِيلُ سُؤَالُهُ مِنَ الْعِبَادِ» اور وہ چیز کہ محال نہ ہو اس کا سوال کرنا بندوں سے «كَقَوْلِهِ: «اَللّٰهُمَّ زَوِّجْنِي فُلَانَةَ»» جیسے کہ اس کا قول «اَللّٰهُمَّ زَوِّجْنِي فُلَانَةَ» اے اللہ فلانی سے میرا نکاح کروادے، میری شادی کروادے «يُشْبِهُ كَلَامَهُمْ» تو یہ کیا ہے؟ لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے کیونکہ لوگ ایک دوسرے کو اس طرح کہتے ہیں، «وَمَا يَسْتَحِيلُ» اور وہ جو محال ہو جس کا سوال لوگوں سے «كَقَوْلِهِ: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي»» جیسے کہ اس کا قول «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي» اے اللہ میری مغفرت فرمادے «لَيْسَ مِنْ كَلَامِهِمْ» یہ لوگوں کے کلام میں سے نہیں ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَقَوْلُهُ: «اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي»

«وَقَوْلُهُ: «اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي»» اچھا، یہ سوال پیدا ہوتا ہے «اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي» اے اللہ مجھے رزق عطا فرما، کیا یہ لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے یا مشابہ نہیں؟ صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے یہ بھی لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے لہٰذا اس کے ساتھ بھی دعا، یہ بھی دعا نہ مانگے اس طرح بھائی۔ «وَقَوْلُهُ: «اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي» مِنْ قَبِيلِ الْأَوَّلِ» اور اس کا قول «اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي» یہ اول کے قبیل سے ہے یعنی جس کا سوال بندوں سے محال نہیں «لِاسْتِعْمَالِهَا فِيمَا بَيْنَ الْعِبَادِ» بوجہ اس کے استعمال کرنے کے بندوں کے درمیان۔ لوگ بھی آپس میں کیا کرتے ہیں؟ اس کو آپس میں اس لفظ کو اس طرح استعمال کرتے ہیں «يُقَالُ: «رَزَقَ الْأَمِيرُ الْجَيْشَ»» کہا جاتا ہے امیر نے لشکر کو رزق دیا، امیر نے لشکر کو کھانا کھلایا، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ استعمال ہوتا ہے رزق کا فعل لوگوں کے لیے بھی، تو لہٰذا اس لیے اس کے ساتھ بھی دعا نہ مانگے۔

«ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ فَيَقُولُ: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»» اور پھر سلام کرے اپنے داہنی طرف، پس یوں کہے «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»، «وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلَ ذَلِكَ» اور اپنے بائیں طرف بھی اسی طرح، اسی طرح سلام کرے «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»۔ اس کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: «لِمَا رَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ» وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ہے وہ سلام فرماتے تھے اپنی داہنی طرف «حَتَّى يُرَى بَيَاضُ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ» یہاں تک کہ دکھائی دیتی تھی حضور علیہ السلام کے دائیں رخسار کی سفیدی، یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کے دائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی تھی «وَعَنْ يَسَارِهِ» اور بائیں طرف بھی «حَتَّى يُرَى بَيَاضُ خَدِّهِ الْأَيْسَرِ» یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ یعنی حضور علیہ السلام جب سلام فرماتے تھے تو دائیں طرف سلام فرماتے یعنی چہرے کو موڑتے تھے، چہرے کو موڑتے تھے یہاں تک کہ پیچھے والوں کو آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی تھی، اور جب بائیں طرف کو سلام کرتے تو باقاعدہ چہرے کو اس طرف کو موڑتے تھے کہ پیچھے والوں کو بائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔

«وَنَوَى بِالتَّسْلِيمِ الْأُولَى مَنْ عَلَى يَمِينِهِ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْحَفَظَةِ وَكَذَلِكَ فِي الثَّانِيَةِ» اور نیت کرے پہلے سلام میں ان

لوگوں کی جو اس سے دائیں طرف ہیں۔ پہلا سلام دائیں طرف کر رہا ہے تو ان لوگوں کی نیت کرے گا جو اس کے دائیں، تو ان کی نیت کرے گا جو اس کے دائیں طرف ہیں، بھائی وہ کون ہیں؟ کہتے ہیں: «مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْحَفَظَةِ» یعنی کہ مردوں کی اور عورتوں کی اور محافظ فرشتوں کی، تو دائیں طرف جو نماز پڑھنے والے ہیں، نماز میں شریک ہیں، جو مرد ہیں، عورتیں ہیں، اور جو دائیں طرف محافظ فرشتے ہیں، ان سب کی نیت کرے دائیں طرف سلام کرتے ہوئے۔ «وَكَذَلِكَ فِي الثَّانِيَةِ» اور اسی طرح دوسرے سلام میں کرے یعنی اس میں بائیں طرف کے جو مرد ہیں، عورتیں ہیں اور جو محافظ فرشتے ہیں ان کی نیت کرے۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّاتِ» اس لیے کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے تو نیت کرے اس کے اندر بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَنْوِي النِّسَاءَ فِي زَمَانِنَا

«وَلَا يَنْوِي النِّسَاءَ فِي زَمَانِنَا» صاحبِ قدوری نے تو بتلایا تھا کہ دائیں اور بائیں سلام کرتے ہوئے مردوں کے ساتھ ساتھ جو عورتیں نماز میں شریک ہیں ان کی بھی نیت کرے، لیکن صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: «وَلَا يَنْوِي النِّسَاءَ فِي زَمَانِنَا» عورتوں کی نیت نہ کرے ہمارے زمانے میں، اس لیے کیونکہ باجماعِ متاخرین عورتوں کا اب نماز میں آنا متروک ہے بھائی، باجماعِ متاخرین متروک ہے، عورتوں کو نماز میں نہیں آنا چاہیے کیونکہ زمانے میں زمانہ خراب ہو گیا، اب ان کا نماز میں آنا فتنے کا باعث بن سکتا ہے، اس لیے ان کو منع کر دیا گیا، تو لہٰذا عورتوں کی نیت نہ کرے ہمارے زمانے میں۔ «وَلَا مَنْ لَا شِرْكَةَ لَهُ فِي صَلَاتِهِ» اور اسی طرح اس شخص کی بھی نیت نہ کرے جس کی اس کی نماز میں شرکت نہیں، جو اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں، صرف کن لوگوں کی نیت کرے؟ جو نماز میں شریک ہیں۔ «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے «لِأَنَّ الْخِطَابَ حَظُّ الْحَاضِرِينَ» اس لیے کیونکہ خطاب حاضرین کا حصہ ہے، خطاب کس کا حصہ ہے؟ خطاب بھائی خطاب حاضر جو ہوتا ہے اس کو خطاب کیا جاتا ہے، اس کی طرف متوجہ ہو کر کلام کیا جاتا ہے، جو آدمی غائب ہو اس کی طرف متوجہ ہو کر کلام نہیں کیا، تو جو لوگ اس وقت حاضر ہیں ساتھ نماز میں ان کی نیت کرے گا کیونکہ خطاب کر رہا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟ «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ»، «كُمْ» ضمیر آ رہی ہے «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ» تو یہ «كُمْ» ضمیر کون سی ہے؟ مخاطب کی ضمیر ہے، جو حاضر ہو اس کو سلام کیا جاتا ہے، غیر حاضر کو سلام نہیں کیا جاتا، تو جو اس کے ساتھ نماز میں حاضر ہیں انہی کو سلام انہی کی نیت کرے۔

«وَلَا بُدَّ لِلْمُقْتَدِي مِنْ نِيَّةِ إِمَامِهِ» اور ضروری ہے مقتدی کے لیے اپنے امام کی نیت کرنا، مقتدی کیا کرے گا؟ سلام میں اپنے امام کی بھی نیت کرے گا «فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ نَوَاهُ فِيهِمْ» اگر امام اس کے دائیں جانب یا بائیں جانب ہے تو اس کی بھی نیت کرے سلام میں بھائی، سمجھ میں آیا؟ سلام میں لوگوں کے ساتھ ساتھ اس امام کی بھی نیت کرے۔ «وَإِنْ كَانَ بِحِذَائِهِ نَوَاهُ فِي الْأُولَى عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَرْجِيحًا لِلْجَانِبِ الْأَيْمَنِ» اچھا بھائی اگر امام اس شخص کے بالکل سامنے ہے یعنی بالکل امام کے پیچھے کوئی صف میں کھڑا ہے اب امام تو اس کے سامنے ہے، اگر دائیں جانب ہوتا تو دائیں طرف کو سلام کرتے ہوئے وہ امام کی نیت کرتا، بائیں طرف امام ہوتا تو بائیں طرف نیت کرتا لیکن اب تو وہ بالکل امام اس کے سامنے ہے، تو یاد رکھیے اس میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دائیں جانب کو چونکہ ترجیح ہے، دائیں جانب اعلیٰ ہے لہٰذا امام اگرچہ بالکل سامنے ہے لیکن دائیں طرف سلام کرتے ہوئے امام کی نیت کر لے کیونکہ دائیں جانب کیا ہے؟ اعلیٰ ہے بھائی، اس کو فضیلت حاصل ہے۔ جبکہ طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اب جب امام بالکل اس کے سامنے ہے تو دونوں طرف سلام کرتے ہوئے امام کی نیت کرے، دونوں طرف، اس لیے کیونکہ امام جب بالکل سامنے ہے تو دونوں طرف سے اپنا حصہ لینے والا بن گیا۔ دونوں طرف سے اپنا یعنی یوں کہیں کچھ حصہ امام کا بالکل اس کے سامنے ہے تو کچھ حصہ گویا دائیں طرف ہے اس کا کچھ حصہ بائیں طرف تو دونوں طرف سے حصہ ہوا دونوں طرف نیت کرے اس کی۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ بِحِذَائِهِ» اور اگر امام اس کے برابر میں ہے، اس کے مقابل ہے یعنی سامنے ہے «نَوَاهُ فِي الْأُولَى» تو اس امام کی نیت کرے گا پہلے سلام میں «عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک «تَرْجِيحًا لِلْجَانِبِ الْأَيْمَنِ» دائیں جانب کو ترجیح دیتے ہوئے «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک «وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» اور یہی ایک روایت ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی تو ان کے نزدیک «نَوَاهُ فِيهِمَا» امام کی نیت کرے گا دونوں سلاموں میں «لِأَنَّهُ ذُو حَظٍّ مِنَ الْجَانِبَيْنِ» اس لیے کیونکہ وہ امام حصے والا ہے دونوں جانب سے، «حَظٌّ» کہتے ہیں حصہ اور «ذُو حَظٍّ» حصے والا، اس لیے کیونکہ امام جو ہے حصے والا ہے دونوں جانب سے یعنی دونوں جانب اس کا حصہ آ گیا۔

«وَالْمُنْفَرِدُ يَنْوِي الْحَفَظَةَ لَا غَيْرُ لِأَنَّهُ لَيْسَ مَعَهُ سِوَاهُمْ» یہ تو جماعت کا بیان تھا، جماعت میں دائیں طرف والوں کی نیت کرے گا یا بائیں طرف والوں کی اور فرشتوں کی، اکیلا شخص کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے وہ کس کی نیت کرے گا؟ کہتے ہیں اکیلا نماز پڑھنے والا صرف فرشتوں کی نیت کرے گا، دائیں طرف والے فرشتوں کی دائیں طرف والے سلام میں اور بائیں طرف کو سلام میں بائیں طرف والے فرشتوں کی نیت کرے گا، اس لیے کیونکہ اور کوئی اس کے ساتھ تو نماز میں شریک ہے ہی نہیں، کہتے ہیں: «وَالْمُنْفَرِدُ يَنْوِي الْحَفَظَةَ لَا غَيْرُ» اور منفرد جو ہے محافظ فرشتوں کی نیت کرے گا لا غیر نہ کہ ان کے علاوہ کی «لِأَنَّهُ لَيْسَ مَعَهُ سِوَاهُمْ» اس لیے کیونکہ اس کے ساتھ ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَالْإِمَامُ يَنْوِي بِالتَّسْلِيمَتَيْنِ

«وَالْإِمَامُ يَنْوِي بِالتَّسْلِيمَتَيْنِ» اب بتلا رہے ہیں امام بھی نیت کرے گا یا نہیں کرے گا؟ بعضوں نے کہا امام کو نیت کی ضرورت ہی نہیں اس کے کسی کی نیت کرے سلام پھیرتے وقت بھائی، بتلا رہے ہیں آپ کو کہ بھائی امام بھی نیت کرے گا سلام پھیرتے ہوئے، دائیں طرف سلام پھیر رہا ہے تو دائیں طرف والوں کی اور فرشتوں کی نیت کرے گا اور بائیں طرف سلام پھیر رہا ہے تو بائیں طرف کے جو مقتدی ہیں اور فرشتے ہیں ان کی نیت کرے گا۔ کہتے ہیں: «وَالْإِمَامُ يَنْوِي بِالتَّسْلِيمَتَيْنِ» اور امام نیت کرے گا دونوں سلاموں میں «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے «وَلَا يَنْوِي فِي الْمَلَائِكَةِ عَدَدًا مَحْصُورًا» یہاں سے صاحب ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ جب دائیں طرف سلام کر رہے ہیں اور بائیں طرف سلام کر رہے ہیں تو فرشتوں کی بھی نیت کریں گے، تو کسی مخصوص عدد کی نیت نہ کرنا کیونکہ فرشتوں کی تعداد کا صحیح علم نہیں، مختلف روایات آئی ہیں، بعض روایات میں ہے دو ہیں فرشتے ہر انسان کے ساتھ، بعض میں آیا ہے پانچ ہیں، بعض میں ساٹھ کا ذکر ہے، بعض میں ایک سو ساٹھ کا ذکر ہے، تو لہٰذا مخصوص عدد کی نیت نہ کرے، بس مطلقاً جو دائیں طرف جتنے فرشتے ہیں ان سب کی نیت کرتا ہوں، ان سب کو سلام کی نیت کرے بھائی، اور جو بائیں طرف ہیں ان سب کی نیت کرے بھائی۔ یہ معنی ہے: «وَلَا يَنْوِي فِي الْمَلَائِكَةِ عَدَدًا مَحْصُورًا» اور نیت نہ کرے فرشتوں میں کسی معین عدد کی «لِأَنَّ الْأَخْبَارَ فِي عَدَدِهِمْ قَدِ اخْتَلَفَتْ» اس لیے کیونکہ اخبار یعنی احادیث جو ہیں فی عددھم ان کی تعداد کے بارے میں قد اختلفت تحقیق وہ مختلف ہیں «فَأَشْبَهَ الْإِيمَانَ بِالْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ» تو یہ مشابہ ہوا انبیاء پر ایمان کے، انبیاء پر ایمان کے مشابہ ہوا بھائی، انبیاء کی صحیح تعداد کا علم نہیں ہے تو وہاں پر بھی کس طرح کا کیا اعتقاد ہونا چاہیے؟ کہ جتنے انبیاء بھیجے اللہ نے ان سب پر ہم ایمان رکھتے ہیں بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو وہاں بھی کوئی مخصوص عدد تو یہاں بھی اسی طرح۔

«ثُمَّ إِصَابَةُ لَفْظَةِ السَّلَامِ وَاجِبَةٌ عِنْدَنَا» پھر پہنچانا لفظِ سلام کو یہ واجب ہے ہمارے نزدیک، یعنی لفظِ سلام کو پانا یعنی اس کو زبان سے ادا کرنا یہ واجب ہے ہمارے نزدیک، یعنی لفظِ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا یہ ہمارے نزدیک واجب ہے بھائی «وَلَيْسَ بِفَرْضٍ» اور یہ فرض نہیں «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں فرض ہے۔ «هُوَ يَتَمَسَّكُ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ»» وہ دلیل پکڑتے ہیں حضور علیہ السلام کے اس قول سے «تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ»، وہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: «تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ» نماز کی تحریم وہ تکبیر ہے، نماز کی تحریم تکبیر، یعنی حرم یحرم تحریم کا معنی حرام کر دینا تو تکبیر تحریمہ کیا کرتی ہے؟ منافی صلاۃ چیزوں کو انسان پر حرام کر دیتی ہے، تو نماز کی تحریم جو ہے وہ تکبیر ہے «وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ» اور نماز کی تحلیل کیا ہے؟ تسلیم سلام ہے بھائی، سلام، تو یعنی سلام سے نماز سے نکل جائے گا، اب اس کے لیے منافی صلاۃ اعمال کرنا بھی حلال ہو جائے گا بھائی۔ تو وہ فرماتے ہیں جیسے تکبیر تحریم کا باعث ہے، سلام کس کا باعث ہے؟ تحلیل کا باعث ہے، نماز کے پورا ہونے کا باعث ہے، تو لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر سلام سے ہی تحلیل ہو گی، سلام کا کرنا فرض ہے بھائی، جیسے نماز کی ابتدا میں تکبیر تحریمہ سے ہی نماز کا آغاز ہو گا، تکبیر تحریمہ جیسے فرض ہے تو سلام بھی کیا ہو گا؟ فرض ہو گا۔

«وَلَنَا مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: التَّخْيِيرُ يُنَافِي الْفَرْضِيَّةَ» اور ہماری دلیل جو ہے وہ جو ہم نے روایت کی یعنی کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو ہے «التَّخْيِيرُ يُنَافِي الْفَرْضِيَّةَ» تخییر جو ہے منافی ہے فرض ہونے کے۔ بھائی وہ جو ہماری دلیل جو ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے بھائی، یہ ایک ڈیڑھ صفحہ قبل ہی یہ حدیث گزری تھی بھائی، آخری قعدے میں تشہد پڑھے گا اور حضور علیہ السلام پر صلاۃ پڑھے گا اور آگے دلیل اسی میں حدیث دلیل کے طور پر ذکر کی تھی کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ» جب تو یہ کہہ لے یا یہ کر لے تو تحقیق تمہاری نماز مکمل ہو گئی، اگر تو اٹھنا چاہے تو اٹھ جاؤ اور اگر تو بیٹھنا چاہے تو بیٹھا رہ، تو دیکھیے یہاں اختیار دیا گیا، اگر اٹھنا چاہے تو اٹھ جا، بیٹھنا چاہے تو بیٹھا رہ، تو دیکھیے یہ «التَّخْيِيرُ يُنَافِي الْفَرْضِيَّةَ» یہ فرض ہونے کے منافی ہے۔ حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ جب تو تشہد پڑھ لے یا تشہد کی مقدار بیٹھ جائے تو تمہاری نماز کیا ہو گئی؟ مکمل ہو گئی، اب تو اٹھنا چاہے تو اٹھ جا، بیٹھنا چاہے تو بیٹھا رہ، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو دیکھیے یہاں سلام کا ذکر نہیں ہے، بس نماز مکمل ہو گئی، بیٹھنا چاہتا ہے بیٹھا رہے، اٹھنا چاہتا ہے اٹھ جائے، اختیار دے رہے ہیں حضور علیہ السلام، معلوم ہوا سلام فرض نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: «التَّخْيِيرُ يُنَافِي الْفَرْضِيَّةَ وَالْوُجُوبَ» اختیار دینا یہ فرض ہونے اور واجب ہونے کے منافی ہے «إِلَّا أَنَّا أَثْبَتْنَا الْوُجُوبَ بِمَا رَوَاهُ احْتِيَاطًا» مگر یہ کہ ہم نے وجوب کو ثابت کیا اس حدیث کی وجہ سے جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا بطورِ احتیاط کے۔ بھائی اس حدیث کے اندر تو حضور علیہ السلام نے اختیار دیا تھا اور وہ اختیار بتلا رہا تھا معلوم ہوا کہ سلام کرنا سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا نہ یہ فرض ہے نہ یہ واجب ہے، اگر فرض یا واجب ہوتا تو حضور علیہ السلام یہ نہ فرماتے کہ اٹھنا چاہتے ہو تو اٹھ جاؤ بیٹھنا چاہتے ہو تو بیٹھے رہو بلکہ فرماتے کہ پھر سلام کرو، تو اختیار دینا ہی بتلا رہا ہے کہ یہ فرض بھی نہیں اور یہ واجب بھی نہیں۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے تو ابھی ہمیں بتایا کہ لفظِ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے، پھر واجب کیوں قرار دیا آپ نے؟ تو جواب دے رہے ہیں کہ بطورِ احتیاط کے، بطورِ احتیاط کے، اور جیسا میں نے بیان کیا تھا احناف کی کوشش ہوتی ہے ہر حدیث پر عمل ہو جائے، کوئی ایسی صورت اختیار کر لی جائے کہ ہر حدیث پر عمل ہو جائے،

سبق نمبر ۵۲: مسئلہ: وَدَعَا بِمَا يُشْبِهُ أَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَال...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

اس حدیث سے پتہ چل رہا تھا کہ فرض بھی نہیں اور واجب بھی نہیں لیکن یہ حدیث چونکہ آ گئی تو ہم نے بطورِ احتیاط کے کہا کہ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے بھائی، واجب۔ یہ معنی ہے: «إِلَّا أَنَّا أَثْبَتْنَا الْوُجُوبَ بِمَا رَوَاهُ احْتِيَاطًا» مگر یہ کہ ہم نے ثابت کیا وجوب کو اس حدیث کی وجہ سے جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا بطورِ احتیاط کے، «وَبِمِثْلِهِ لَا يَثْبُتُ الْفَرْضِيَّةُ» یہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں، سوال یہ کہ آپ نے اس حدیث سے وجوب کو ثابت کیا فرضیت کو کیوں نہیں ثابت کرتے؟ امام شافعی رحمہ اللہ تو فرض ہونا ثابت کر رہے ہیں اس حدیث سے، آپ فرض ہونا کیوں نہیں ثابت کرتے؟ سلام کو فرض کیوں نہیں کہتے، واجب پھر کیوں کہتے ہو؟ جواب یہ کہ بھائی اس جیسی حدیث سے فرض نہیں ثابت ہو سکتا کیونکہ یہ خبرِ واحد ہے بھائی، یہ کیا ہے؟ خبرِ واحد ہے، اور فرض کے لیے قطعی دلیل چاہیے اور خبرِ واحد تو ظنی ہوتی ہے، وہ تو غالب گمان کا فائدہ دیتی ہے، یقین کا فائدہ نہیں، ہاں تو فرض تو بڑے اونچی چیز ہے، اس کے لیے دلیل بھی اتنی ہی قوی اور حتمی یقینی چاہیے بھائی، تو کہتے ہیں: «وَبِمِثْلِهِ لَا يَثْبُتُ الْفَرْضِيَّةُ» اور اس جیسی حدیث سے فرض ہونا ثابت نہیں ہوتا «وَاللهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

■ مسئلہ: فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ

«فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ» یہ فصل ہے قرات کے بیان میں۔ بھائی نماز کا طریقہ مکمل بیان کر دیا صاحبِ ہدایہ نے، نماز سے پہلے کی چیزیں بھی وضو وغیرہ غسل وہ سب چیزیں بھی بیان ہوئیں اور پھر نماز کی شرائط بھی ذکر ہوئیں اور نماز کے فرائض وغیرہ اور مفصل طریقہ انہوں نے بیان کر دیا دلائل کے ساتھ، تو اسی میں قرات کا بھی ذکر آ گیا تھا لیکن چونکہ قرات کے ساتھ بہت سے مسائل متعلق ہیں اور اس میں بڑی تفصیل ہے تو اس لیے اس کو علیحدہ فصل میں اب ذکر کر رہے ہیں، قرات سے متعلقہ مسائل کو اب اس میں ذکر کریں گے۔ تو کہتے ہیں: «فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ» یہ فصل ہے قرات کے بیان میں۔ قَالَ: «وَيَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ وَالرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِنْ كَانَ إِمَامًا» اور اونچی آواز سے قرات کرے گا فجر میں اور پہلی دو رکعتوں میں مغرب اور عشاء میں «إِنْ كَانَ إِمَامًا» اگر نماز پڑھنے والا کیا ہو؟ امام ہو، امامت کروا رہا ہو «وَيُخْفِي فِي الْأُخْرَيَيْنِ» اور چھپائے گا یعنی آہستہ آواز سے پڑھے گا اخریین اخری دو رکعتوں میں «هَذَا هُوَ الْمُتَوَارَثُ» یہی متوارث ہے بھائی، اسی طرح اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے بھائی، اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے۔ «وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ» اور اگر وہ اکیلا ہے نماز پڑھنے والا «فَهُوَ مُخَيَّرٌ» تو اس کو اختیار ہے «إِنْ شَاءَ جَهَرَ وَأَسْمَعَ نَفْسَهُ» کون سی نماز کی بات ہو رہی ہے؟ فجر، مغرب اور عشاء، ان میں امام پہلی دو رکعتوں میں کیا کرے گا؟ جہر کرے گا یعنی اونچی آواز سے قرات کرے گا اور باقی رکعتوں میں آہستہ آواز سے، لیکن اگر اکیلا ہو پھر اس کو ان تینوں نمازوں میں اختیار ہے چاہے تو اونچی آواز سے قرات کرے اور اپنے آپ کو سنائے اور چاہے تو کیا کرے؟ آہستہ آواز سے قرات کرے، یہ معنی ہے «وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا» اور اگر اکیلا ہے «فَهُوَ مُخَيَّرٌ» تو اس کو اختیار ہے «إِنْ شَاءَ جَهَرَ وَأَسْمَعَ نَفْسَهُ» چاہے تو اونچی آواز سے قرات کرے اور اپنے آپ کو سنائے «لِأَنَّهُ إِمَامٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ» اس لیے کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں کیا ہے؟ امام ہے، اپنی ذات کے لیے تو وہ امام ہے «وَإِنْ شَاءَ خَافَتَ» اور اگر چاہے تو آواز آہستہ رکھے «لِأَنَّهُ لَيْسَ خَلْفَهُ مَنْ يُسْمِعُهُ» اس لیے کیونکہ اس کے پیچھے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو یہ سنائے بھائی، آواز آہستہ بھی رکھ سکتا ہے کیوں؟ کیونکہ پیچھے کوئی مقتدی وغیرہ تو ہے نہیں کہ جس کو قرات سنائے بھائی، تو آہستہ بھی پڑھ سکتا ہے، «وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْجَهْرُ» صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں افضل جو ہے وہ کیا ہے؟ جہر ہے «لِيَكُونَ الْأَدَاءُ عَلَى هَيْئَةِ الْجَمَاعَةِ» تاکہ یہ جو ادا ہے کس صورت پر ہو جائے؟ جماعت، جماعت کی صورت پر یہ ادا ہو جائے، ہے تو اکیلا لیکن کس صورت پر ادا ہو جائے؟ جماعت کی صورت پر۔

«وَيُخْفِيهَا الْإِمَامُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنْ كَانَ بِعَرَفَةَ» اور چھپائے گا یعنی آہستہ آواز سے قرات کرے گا «الْإِمَامُ» کون؟ امام «فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ» ظہر اور عصر میں «وَإِنْ كَانَ بِعَرَفَةَ» اگرچہ وہ عرفات میں ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ کہاں ہو؟ عرفات۔ بھائی ظہر اور عصر ان دو نمازوں کے اندر قرات سراً کی جائے گی آہستہ آواز سے، چاہے عرفات ہی میں کیوں نہ ہو امام بھائی۔ عرفات کو بالخصوص ذکر کیا کیونکہ اس میں امام مالک رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں، وہ اس کو قیاس کرتے ہیں جمعہ وغیرہ پر بھائی، جمعے پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے جمعے کے اندر دیکھیے دن کی نماز ہے لیکن قرات اونچی آواز سے کی جا رہی ہے، مجمع بڑا ہے سب لوگ جمع ہیں، تو اسی طرح عرفات کے اندر بھی سب لوگ جمع ہیں تو کیا کرے امام؟ اونچی آواز سے قرات کرے۔ صاحبِ ہدایہ نے بتلا دیا نہیں، ہمارے نزدیک ظہر اور عصر میں اخفاء کرے گا امام اگرچہ وہ عرفات میں ہی کیوں نہ ہو، دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «صَلَاةُ النَّهَارِ عَجْمَاءُ»» حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، وہ فرماتے ہیں «صَلَاةُ النَّهَارِ» دن کی نماز جو ہے «عَجْمَاءُ» گونگی ہے بھائی، دن کی نماز کیا ہے؟ گونگی ہے، «أَيْ لَيْسَتْ فِيهَا قِرَاءَةٌ مَسْمُوعَةٌ» گونگی ہونے کا کیا معنی؟ خود بتلا رہے ہیں: «أَيْ لَيْسَتْ فِيهَا قِرَاءَةٌ مَسْمُوعَةٌ» یعنی اس میں ایسی قرات نہیں ہے جو سنائی دے، جو سنائی دے ایسی قرات نہیں ہے، «وَفِي عَرَفَةَ خِلَافٌ لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ» اور عرفات کے اندر اختلاف ہے امام مالک رحمہ اللہ کا «وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ» اور دلیل جو ہے امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا، امام مالک رحمہ اللہ نے قیاس سے کام لیا تھا اور ہمارے پاس کیا ہے؟ حدیث موجود ہے تو یہ حدیث جو ہے ان کے خلاف بھی دلیل ہے۔

398

«وَيَجْهَرُ فِي الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ» اور امام اونچی آواز سے قرات کرے گا جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں دونوں عیدیں جو ہیں «لِوُرُودِ النَّقْلِ الْمُسْتَفِيضِ بِالْجَهْرِ» بوجہ، مستفیض کا معنی مشہور، مشہور نقل آنے کی وجہ سے «بِالْجَهْرِ» کس چیز کی؟ جہر، کہ جہر کے ساتھ مشہور نقل وارد ہوئی ہے، مشہور نقل آئی ہے یعنی اسی طرح مشہور ہے، نقل ہوتا چلا آیا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟

■ مسئلہ: وَفِي التَّطَوُّعِ بِالنَّهَارِ يُخَافِتُ

«وَفِي التَّطَوُّعِ بِالنَّهَارِ يُخَافِتُ» اور نفل جو ہیں، تطوع نفل کو کہتے ہیں، «وَفِي التَّطَوُّعِ بِالنَّهَارِ» اور دن کے میں جو نفل ہوں اس میں «يُخَافِتُ» کیا کرے گا؟ آہستہ آواز، آواز کو پست رکھے گا «وَفِي اللَّيْلِ يَتَخَيَّرُ» اور رات کے نفلوں میں «يَتَخَيَّرُ» اس کو اختیار ہو گا «اعْتِبَارًا بِالْفَرْضِ فِي حَقِّ الْمُنْفَرِدِ» قیاس کرتے ہوئے فرضوں پر منفرد کے حق میں۔ بھائی دیکھیے منفرد اکیلا جو نماز پڑھ رہا ہے، دن کے اندر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے، ظہر، عصر تو کیا کرے گا؟ آہستہ قرات، جیسے امام آہستہ کرتا تھا منفرد بھی کیا کرے گا؟ آہستہ۔ اور رات کے وقت کوئی شخص مغرب، عشاء یا فجر جو ہے یہ اکیلے یہ نماز پڑھنا چاہتا ہے تو آپ نے ابھی پڑھا، منفرد اس کو اختیار ہے چاہے تو قرات آہستہ کرے چاہے تو قرات اونچی آواز سے کرے، تو نفلوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا، دن کے فرضوں کے اندر جیسے منفرد پر آواز کو پست رکھنا اور نیچا رکھنا ضروری تھا، اسی طرح نفلوں میں بھی ہو گا، اور رات کے فرضوں کے اندر جیسے منفرد کو اختیار ہوتا تھا تو رات کے نفلوں میں بھی اس کو کیا ہو گا؟ اختیار۔ یہ معنی ہے: «اعْتِبَارًا بِالْفَرْضِ فِي حَقِّ الْمُنْفَرِدِ» قیاس کرتے ہوئے فرضوں پر منفرد کے حق میں «وَهَذَا لِأَنَّهُ مُكَمِّلٌ لَهُ فَيَكُونُ تَبَعًا لَهُ» اور یہ اس وجہ سے کیونکہ نفل جو ہیں یہ تکمیل کرنے والے ہیں فرضوں کی تو یہ اس کے تابع ہوں گے۔ یہ نفل جو ہیں یہ فرضوں کی تکمیل کرتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ فرضوں کی تکمیل کرتے ہیں یعنی کہ اگر فرضوں کے اندر انسان سے کچھ کمی کوتاہی ہو گئی ہو تو وہ کس سے پوری ہو جائے گی؟ نفلوں سے پوری ہو جائے گی، تو یہ نفل فرضوں کے تابع ہوئے تو جیسے فرضوں میں تھا بعض جگہ قرات آہستہ پڑھنا واجب تھا تو وہاں نفلوں میں بھی قرات آہستہ کرنا واجب، اور بعض جگہ فرضوں میں منفرد کو اختیار تھا تو نفلوں میں بھی اس کو اختیار ہو گا تو یہ نفل فرضوں کے تابع ہیں تو اسی کی طرح ہوں گے۔

«وَمَنْ فَاتَتْهُ الْعِشَاءُ فَصَلَّاهَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ» اور جس کی فوت ہو گئی عشاء کی نماز، مراد ہے جہری نماز، کسی کی کون سی نماز فوت ہو گئی؟ جہری نماز یعنی جس میں اونچی آواز سے قرات کی جاتی ہے «فَصَلَّاهَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ» تو اس نے اس نماز کو پڑھا سورج کے طلوع ہو جانے کے بعد۔ بھائی اب یہ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں، فجر، مغرب، عشاء اس میں جو وقت کے اندر تو کیا کریں گے؟ جہر کریں گے اونچی آواز سے، اگر کسی کی یہ نماز فوت ہو جائے جہری یعنی جس میں اونچی آواز سے قرات کی جاتی ہے، یہ اس کی نماز فوت ہو گئی اب وہ اس کو دن کے وقت اس کی قضا کرنا چاہتا ہے تو کیا اس میں قرات اونچی آواز سے کرے گا یا نہیں؟ تو آگے آپ کو بتلائیں گے: اگر باجماعت قضا کر رہے ہیں، باجماعت قضا تو پھر اس صورت میں جہر، جہر کیا جائے گا اونچی آواز سے قرات کی جائے گی جیسے اپنے وقت کے اندر اونچی آواز سے اس نماز میں قرات کرتے تھے تو دن کے وقت بھی اس میں کیا کریں گے؟ اونچی آواز سے قرات کریں گے۔ اور اگر اکیلا آدمی ہے وہ جہری نماز کی قضا کر رہا ہے دن کے وقت، تو کہتے ہیں اب اس کو اختیار نہیں، اب اس کو آہستہ آواز ہی میں قرات کرنا پڑے گی۔ کہتے ہیں: «وَمَنْ فَاتَتْهُ الْعِشَاءُ» اور جس کی عشاء کی نماز فوت ہو گئی «فَصَلَّاهَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ» تو اس نے اس کو پڑھا سورج طلوع ہو جانے کے بعد «إِنْ أَمَّ فِيهَا جَهَرَ» اگر امامت کرے اس نماز میں جہر تو کیا کرے گا؟ جہر کرے یعنی اونچی آواز سے قرات کرے «كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَضَى الْفَجْرَ غَدَاةَ لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ بِجَمَاعَةٍ» جیسے کہ کیا حضور علیہ السلام نے جب آپ نے فجر کی نماز قضا فرمائی غداۃ لیلۃ التعریس، لیلۃ التعریس کے چاشت کے وقت یعنی دن نکلنے کے وقت باجماعت ان جماعت کے ساتھ۔ بھائی یہ حدیث پیچھے بیان ہو چکی کہ حضور علیہ السلام سفر میں تھے رات کے آخری حصے کے اندر صحابہ تھک گئے ہوں گے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ یا رسول اللہ تھوڑا سا آرام نہ کر لیں، حضور علیہ السلام فرمانے لگے مجھے خوف ہے کہ فجر کی نماز نہ رہ جائے، تو حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے ذمہ داری لے لی کہ میں جگا دوں گا سب کو، چنانچہ پڑاؤ ڈال لیا، صحابہ لیٹ گئے، حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، انتظار کر رہے ہیں جیسے ہی فجر طلوع ہوتی ہے تو اذان دیں گے لوگوں کو اٹھائیں گے، تو اسی میں ان کی آنکھ لگ گئی اور اس دوران سورج طلوع ہو گیا اور حضور علیہ السلام سب سے پہلے بیدار ہوئے تو آپ اٹھے، فوراً حضرت بلال سے بھی فرمایا کہ بھائی تم نے تو کہا تھا میں جگا دوں گا تمہاری وہ بات کہاں چلی گئی؟ وہ فرمانے لگے یا رسول اللہ مجھے ایسی نیند آئی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی، تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ ارواح جو ہیں اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں جب چاہتے ہیں ان کو روکتے ہیں جب چاہتے ہیں ان کو وہ حدیث الفاظ پیچھے گزر چکے ہیں ان کو لوٹا دیتے ہیں، اور پھر حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا چلو یہاں سے، چل پڑے اور پھر تھوڑا سا آگے گئے جب سورج تھوڑا اونچا ہو گیا تھا تو پھر اس وقت وہ فجر کی جو نماز قضا ہو گئی تھی اس کو باجماعت ادا فرمایا حضور علیہ السلام نے، اور سورج نکل آیا تھا لیکن اس میں حضور علیہ السلام نے اسی طرح جہراً قرات کی جس طرح کے فجر کے اپنے وقت کے اندر کیا کیا جاتا ہے؟ جہراً قرات کی جاتی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا اگر جہری نماز فوت ہو جائے اور دن کو باجماعت اس کی قضا کرنی پڑے تو قرات کس طرح کی جائے گی؟ اونچی آواز سے کی جائے گی۔

«وَإِنْ كَانَ وَحْدَهُ خَافَتَ حَتْمًا» اور اگر اکیلا ہو جس کی نماز فوت ہوئی ہے اور جہری نماز اور دن کو اس کی قضا کر رہا ہے، اگر وہ اکیلا ہے «خَافَتَ حَتْمًا»

تو آواز کو آہستہ رکھے گا قطعی طور پر، اب اس کو اختیار نہیں، اونچی آواز سے دن کے وقت قرات نہیں کر سکتا «وَلَا يَتَخَيَّرُ» اور اس کو اختیار نہیں «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے۔ بھائی میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں: ایک ہے صحیح، ایک ہے اصح زیادہ صحیح، اصح کا کیا معنی؟ زیادہ صحیح، کس میں قوت زیادہ؟ صحیح میں، ہاں شاباش، صحیح میں قوت زیادہ اصح کے مقابلے میں، اس لیے کیونکہ جب کہا اصح زیادہ صحیح قول ہے، معلوم ہوا اس کے مقابلے میں کوئی صحیح قول بھی ہے، یہ زیادہ صحیح ہے لیکن دوسرا قول بھی کیا ہے؟ صحیح، اور جب کہا صحیح تو اس کا معنی ہوا معلوم ہوا دوسرا قول سرے سے صحیح ہی نہیں ہے، تو اس میں لہٰذا صحیح کے اندر زیادہ قوت ہے بمقابلہ اصح کے۔

کہتے ہیں: «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے «لِأَنَّ الْجَهْرَ يَخْتَصُّ إِمَّا بِالْجَمَاعَةِ حَتْمًا أَوْ بِالْوَقْتِ فِي حَقِّ الْمُنْفَرِدِ عَلَى وَجْهِ التَّخْيِيرِ» اس لیے کیونکہ جہر جو ہے یعنی اونچی آواز سے قرات کرنا وہ خاص ہے «إِمَّا بِالْجَمَاعَةِ» یا تو کس کے ساتھ؟ جماعت کے ساتھ «حَتْمًا» قطعی طور پر، بھائی جماعت کے ساتھ تو جہر قطعی طور پر یقینی ہے لازمی ہے، کس کے ساتھ؟ جماعت۔ جہر بات اونچی آواز سے قرات کی ہو رہی ہے، اونچی آواز سے قرات کرنا وہ مختص ہے جماعت کے ساتھ قطعی طور پر، یعنی جب جہری نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی تو اس میں جہر ہی کرنا پڑے گا قطعی طور پر، چاہے وقت کے اندر ادا کرے چاہے بعد میں قضا ادا کرے، پھر چاہے دن کے وقت قضا کرے چاہے رات کو قضا کرے، ہر صورت میں کیا کرنا پڑے گا؟ جہر۔ اور منفرد اگر منفرد وہ قضا کرنا چاہتا ہے اور کون سی قضا کرنا چاہتا ہے؟ جہری نماز کی تو اس میں پھر وقت کو دیکھا جائے گا، کس کو دیکھا جائے گا؟ وقت کو دیکھا جائے گا، اگر وہ وقت ہے جہر والا تو اس میں جہر کرے گا اور وقت نہیں تو جہر بھی نہیں۔ اس کو اختیار ہو گا منفرد کو اختیار، لیکن کس وقت میں؟ جب وقت ہو تب اختیار ہے، جب وقت نہیں یعنی دن کا وقت ہے تو پھر اختیار بھی نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو جماعت کے ساتھ جہر مختص ہے وہ تو ہے قطعی طور پر، اور منفرد کے ساتھ بھی مختص ہے جہر، وہ بھی جہر کر سکتا ہے لیکن اس کو اختیار ہو گا اور کس وقت اختیار ہو گا؟ وقت میں اختیار ہو گا، وقت کے بعد اختیار بھی نہ رہے گا۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّ الْجَهْرَ يَخْتَصُّ إِمَّا بِالْجَمَاعَةِ حَتْمًا» اس لیے کیونکہ جہر جو وہ تو خاص ہے یا تو جماعت کے ساتھ حتماً قطعی طور پر، چاہے قضا کرے چاہے ادا «أَوْ بِالْوَقْتِ فِي حَقِّ الْمُنْفَرِدِ عَلَى وَجْهِ التَّخْيِيرِ» یا جہر وقت کے ساتھ خاص ہے منفرد کے حق میں اکیلے نماز پڑھنے والے کے حق میں اختیار کے طریقے پر «وَلَمْ يُوجَدْ أَحَدُهُمَا» اور ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں پایا گیا، بھائی کس کی نماز کی بات ہو رہی ہے؟ منفرد کی، اور منفرد قضا کرنا چاہتا ہے کب؟ دن کے وقت، جہری نماز کی قضا کرنا چاہتا ہے دن کے وقت، اور یہاں جماعت بھی نہیں ہے اور وہ وقت بھی نہیں ہے، لہٰذا دونوں چیزیں نہیں پائی گئیں لہٰذا وہ کیا کرے گا؟ آہستہ آواز سے قرات کرے گا، یہی بات تو متن میں آئی کہ «خَافَتَ حَتْمًا وَلَا يَتَخَيَّرُ» قطعی طور پر وہ کیا کرے گا؟ آواز آہستہ رکھے گا اور اس کو اختیار نہیں ہو گا، اور آگے وجہ ذکر کر دی «وَلَمْ يُوجَدْ أَحَدُهُمَا» ان دونوں میں سے کوئی بھی چیز یہاں نہیں پائی گئی منفرد کے لیے، اس لیے یقینی طور پر قطعی طور پر اس کو قرات آہستہ کرنی پڑے گی جب جہری نماز کی قضا کر رہا ہے اور کس وقت کر رہا ہے؟ دن کے وقت کر رہا ہے، تو جماعت بھی نہیں ہے، جماعت ہوتی پھر جہری قرات ہوتی، اور وقت بھی نہیں ہے، اگر وقت ہوتا پھر اس کو اختیار ہوتا، تو دونوں چیزیں نہیں پائی گئیں لہٰذا اس کو قطعی طور پر کیا کرنا پڑے گا؟ آواز کو آہستہ ہی رکھنا پڑے گا، یہ جہری قرات نہیں کر سکتا۔ چلیے بس بھائی، «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۵۳: وَمَنْ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي الأُولَيَيْنِ السُّورَ...

ہدایہ صفحہ:۱۱۸ــــ بتاریخ:۲۹ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمَنْ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي الأُولَيَيْنِ السُّورَةَ وَلَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ لَمْ يُعِدْ فِي الأُخْرَيَيْنِ، وَإِنْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا قَرَأَ فِي الأُخْرَيَيْنِ الْفَاتِحَةَ وَالسُّورَةَ وَجَهَرَ. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَقْضِي وَاحِدَةً مِنْهُمَا؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ إِذَا فَاتَ عَنْ وَقْتِهِ لَا يُقْضَى إِلَّا بِدَلِيلٍ.

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے عشاء کی نماز ادا کی اور پہلی دو رکعتوں کے اندر سورت پڑھی اور سورۂ فاتحہ بھول گیا۔ صرف کیا پڑھ لی؟ سورت پڑھ لی اور سورۂ فاتحہ بھول گیا۔ اب سورۂ فاتحہ کا پڑھنا تو واجب ہے، تو کیا اس کی قضا کرے گا اگلی دو رکعتوں میں یا قضا نہیں کرے گا؟ تو بتلا رہے ہیں کہ اس صورت میں سورۂ فاتحہ کی قضا نہیں کرے گا بھائی۔ صورت کیا تھی؟ سورۂ فاتحہ کو بھول گیا تھا اور سورت پڑھ لی تھی۔ تو بعد کی دو رکعتوں میں اس واجب سورۂ فاتحہ کی قضا نہیں کرے گا۔

دوسری صورت کہ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ تو پڑھ لی اور سورت بھول گیا، تو کیا اگلی دو رکعتوں میں سورت کی قضا کرے گا یا نہیں کرے گا بھائی؟ تو اس کے بارے میں آپ کو بتلائیں گے کہ طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگلی دو رکعتوں میں اس کی قضا کرے گا۔ کیا کرے گا؟ اگلی دو رکعتوں میں قضا کرے گا۔ یعنی اگلی دو رکعتوں میں فاتحہ بھی پڑھے گا اور ساتھ ساتھ سورت بھی پڑھے گا، اس کی قضا کرے گا بھائی، قضا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ جی۔

کہتے ہیں: «**وَمَنْ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي الأُولَيَيْنِ السُّورَةَ وَلَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ**»، اور جس شخص نے پڑھا عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورت کو اور سورۂ فاتحہ نہ پڑھی، «**لَمْ يُعِدْ فِي الأُخْرَيَيْنِ**»، تو اعادہ نہیں کرے گا اس کا آخری دو رکعتوں میں، یعنی اس کی قضا نہیں کرے گا۔ «**وَإِنْ قَرَأَالْفَاتِحَةَ**»، اور اگر پہلی دو میں فاتحہ پڑھی، «**وَلَمْ يَزِدْعَلَيْهَا**»، اور اس پر زیادتی نہیں کی یعنی سورت نہیں ملائی اس کے ساتھ، «**قَرَأَ فِي الأُخْرَيَيْنِ الْفَاتِحَةَ وَالسُّورَةَ**»، تو پڑھے گا آخری دو رکعتوں میں فاتحہ بھی اور سورت بھی، یعنی اس میں اس کی قضا کرے گا۔ «**وَجَهَرَ**»، اور کیا کرے گا؟ جہر کرے گا۔ «**وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَااللهُ**»، یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ أَبُويُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ

«**وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ**»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «**لَا يَقْضِي وَاحِدَةً مِنْهُمَا**»، ان میں سے کسی ایک کی بھی قضا نہیں کرے گا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں چاہے پہلی دو میں فاتحہ بھول گیا تو بھی ان کی قضا نہیں، چاہے پہلی دو رکعتوں میں سورت کا پڑھنا بھول گیا تو بھی آخری دو میں اس کی قضا نہیں۔ وہ وجہ دلیل کیا؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْوَاجِبَ إِذَا فَاتَ عَنْوَقْتِهِ**»، اس لیے کیونکہ واجب جب وہ فوت ہو جائے اپنے وقت سے، یعنی جب وہ رہ جائے اپنے وقت سے، بھائی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا کیا تھا؟ واجب۔ اسی طرح اس کے ساتھ کسی سورت کا ملانا بھی کیا تھا؟ واجب۔ تو واجب فوت ہوا ہے، اور واجب جب اپنے وقت سے رہ جائے، فوت ہو جائے، تو «**لَا يُقْضَى إِلَّابِدَلِيلٍ**»، اس کی قضا نہیں کی جاتی مگر کسی دلیل کی وجہ سے، کسی دلیل۔ تو وہ فرماتے ہیں یہاں واجب رہ گیا ہے، واجب چھوٹ گیا ہے، اور واجب جب اپنے وقت سے رہ جائے، دیکھیے بھائی سورۂ فاتحہ پہلی دو رکعتوں میں پڑھنا واجب تھا، اسی طرح سورت کا ساتھ ملانا کس میں واجب تھا؟ پہلی دو رکعتوں میں ساتھ ملانا واجب تھا، تو اب بعد میں کیا کرے گا؟ آخری دو رکعتوں میں اگر ان کو پڑھتا ہے تو یہ تو اس کا وقت نہیں، وقت تو ان کا کہاں تھا؟ پہلی دو رکعتوں میں۔ تو واجب جب اپنے وقت سے رہ جائے تو اس کی قضا نہیں کی جاتی مگر یہ کہ کوئی دلیل موجود ہو، دلیل بھائی، اور یہاں کوئی دلیل نہیں ہے۔

«وَلَهُمَا»، اور طرفین کی دلیل یہ ہے، «وَهُوَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْوَجْهَيْنِ»، اور وہی فرق بھی ہے دونوں وجہوں میں، دونوں صورتوں میں۔ بھائی طرفین رحمہا اللہ کیا فرماتے تھے؟ اگر فاتحہ بھول گیا تھا تو اس کی قضا نہیں، اس کا اعادہ نہیں کرے گا اگلی دو رکعتوں میں۔ سورت بھول گیا ہے تو اگلی دو رکعتوں میں کیا کرے گا؟ اس کا اعادہ کرے گا۔ دونوں میں انہوں نے فرق کیا۔ تو اب آگے طرفین کی دلیل بھی ذکر ہو گی اور اسی میں دونوں صورتوں کا فرق بھی ذکر ہو جائے گا کہ یہ کیوں فرق کیا آپ نے ان دونوں میں؟ فرق کیا ہے کہ ایک صورت میں آپ اعادے کا حکم دے رہے ہیں، ایک صورت میں آپ اعادے کا حکم نہیں دے رہے؟ وہ بھی اسی میں آجائے گی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَهُمَا»، اور طرفین کی دلیل جو ہے، «وَهُوَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْوَجْهَيْنِ»، اور وہی فرق بھی ہے دونوں صورتوں میں، وہ یہ ہے کہ: «أَنَّ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ شُرِعَتْ عَلَى وَجْهٍ يَتَرَتَّبُ عَلَيْهَا السُّورَةُ»، کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مشروع ہوا ہے «عَلَى وَجْهٍ»، ایسے طریقے پر «يَتَرَتَّبُ عَلَيْهَا السُّورَةُ»، کہ اس پر سورت مرتب ہوتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مشروع ہوا ہے، شریعت نے کیا حکم دیا ہے نماز میں؟ سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا، لیکن کس طریقے پر؟ کہ اس فاتحہ پر سورت مرتب ہو گی۔ بھائی پہلی دو رکعتوں میں کیا پڑھنے کا حکم دیا شریعت نے؟ واجب ہے واجب، کیا پڑھنے کا حکم دیا؟ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب، تو سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا لیکن کس طریقے پر؟ کہ اس پر سورت مرتب ہو گی یعنی فاتحہ کے بعد سورت آئے گی۔ فاتحہ کے بعد۔ تو شریعت نے ایسے طریقے پر فاتحہ کے پڑھنے کا حکم دیا تھا کہ اس پر آگے سورت مرتب ہوتی ہے یعنی اس کے بعد آتی ہے۔

اب اگر کیا رہ گیا؟ سورۂ فاتحہ رہ گئی، تو اگر یہ حکم دیا جائے کہ آخری دو رکعتوں میں اس سورۂ فاتحہ کی قضا کر لے تو معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ ہونا کس کو پہلے چاہیے تھا؟ سورۂ فاتحہ کو، لیکن پہلی دو میں کیا آئی ہے؟ صرف سورت آئی ہے، اور فاتحہ آئی ہے اگلی رکعتوں میں، تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ ہاں یعنی سورت پر فاتحہ مرتب ہو جائے گی حالانکہ ہونا کیا چاہیے تھا؟ فاتحہ پر سورت کو مرتب ہونا چاہیے تھا یعنی فاتحہ کے بعد سورت کو آنا چاہیے تھا، لیکن اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ سورت پر فاتحہ مرتب ہو گی یعنی سورت کے بعد فاتحہ آئے گی کیونکہ سورت تو پہلی دو رکعتوں میں آچکی اور فاتحہ تیسری چوتھی رکعت میں آئے گی، تو فاتحہ بعد میں ہو گئی، یعنی فاتحہ مرتب ہو جائے گی کس پر؟ سورت پر، اور یہ وضعِ شریعت کے خلاف ہے۔ شریعت نے تو اس کو کس طرح مقرر کیا تھا؟ فاتحہ پہلے ہونی چاہیے تھی اور سورت بعد میں۔ اور اب اگر فاتحہ کی قضا کا حکم دیا جائے تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ سورت پہلے ہو جائے گی اور فاتحہ بعد میں، تو یہ شریعت کے وضع کے خلاف ہو جائے گا۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

تو دیکھیے کہتے ہیں: «أَنَّ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ شُرِعَتْ عَلَى وَجْهٍ يَتَرَتَّبُ عَلَيْهَا السُّورَةُ»، کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مشروع ہوا ہے ایسے طریقے پر کہ مرتب ہوتی ہے اس فاتحہ پر سورت، «فَلَوْ قَضَاهَا فِي الأُخْرَيَيْنِ»، اگر فاتحہ کی قضا کرے آخری دو رکعتوں میں، «تَتَرَتَّبُ الْفَاتِحَةُ عَلَى السُّورَةِ»، تو سورۂ فاتحہ کس پر مرتب ہو جائے گی؟ سورت پر، کیونکہ سورت تو کہاں آئی ہے؟ پہلی دو میں، اور فاتحہ کہاں آرہی ہے؟ آخری دو میں، تو یہ تو ترتیب الٹ جائے گی، «وَهَذَا خِلَافُ الْمَوْضُوعِ»، اور یہ تو موضوع کے خلاف، یعنی موضوعِ فاتحہ کے خلاف ہے بھائی یعنی اس کی وضع کے خلاف، اس طرح اس کو مقرر نہیں کیا گیا بھائی۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا

«بِخِلَافِ مَا إِذَا»، جی، دوسری صورت کیا تھی؟ فاتحہ کو پڑھ لیا تھا اور سورت بھول گیا تھا، سورت بھول گیا، تو اگلی دو رکعتوں میں سورت کی قضا کرے گا، کیا کرے گا؟ سورت کی قضا کرے گا۔ اب سورت کی جب قضا کرے گا تو کون مقدم؟ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ ہے اور آخری دو میں کیا اس پر مرتب ہوئی؟ سورت، تو ترتیب میں تو کوئی خرابی نہ آئی، پہلے بھی ترتیب شریعت نے بھی کیا ترتیب بتلائی تھی؟ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا، اور اس صورت میں بھی کیا ترتیب کیا رہتی ہے؟ فاتحہ پہلی دو میں ہے تو سورت آخری دو میں ہے، تو ترتیب پھر بھی وہی رہی، لہٰذا اس صورت میں چونکہ وضع کے خلاف نہیں، شریعت کے مقرر کیے ہوئے طریقے کے خلاف نہیں ہو رہا، اس لیے ہم نے کہا سورت کا اعادہ کرے، کیونکہ ترتیب میں خرابی پھر بھی نہیں آتی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

یہ معنی ہے: «بِخِلَافِ مَا إِذَا تَرَكَ السُّورَةَ»، بخلاف اس کے کہ جب سورت کو چھوڑ دیا، «لِأَنَّهُ أَمْكَنَ قَضَاؤُهَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ»، اس لیے کیونکہ ممکن ہے قضا کرنا اس سورت کی «عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ»، کس طریقے پر؟ مشروع طریقے پر، یعنی جس طرح شریعت نے بتلایا ہے۔

«ثُمَّ ذَكَرَ هُنَا مَا يَدُلُّ عَلَى الْوُجُوبِ وَفِي الأَصْلِ بِلَفْظِ الِاسْتِحْبَابِ». اچھا یہاں پر یاد رکھیے یہ جو متن آیا، متن، یہ جامع صغیر کی عبارت ہے۔ کس کی عبارت ہے؟ جامع صغیر کی۔ آپ نے پڑھا تھا، شروع میں صاحبِ ہدایہ نے بتلایا تھا کہ متن میں نے کس سے ترتیب دیا ہے؟ قدوری اور جامع صغیر سے، ان دونوں کو ملا کر ان سے میں نے ایک جامع متن مرتب کیا بھائی۔ تو قدوری کے اندر تو یہ عبارت نہیں ہے، معلوم ہوا کس کی عبارت ہے؟ جامع صغیر کی۔ اور اس میں متن میں کیا آیا دوسری صورت جو تھی: «وَإِنْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا»، پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھی ہے اور اس پر زیادتی نہیں کی یعنی سورت ساتھ نہیں ملائی، «قَرَأَ فِي الأُخْرَيَيْنِ»، تو کیا کرے گا؟ آخری دو میں سورت پڑھے گا۔ حکم دیا جا رہا ہے باقاعدہ، معلوم ہوا سورت کا آخری دو میں پڑھنا واجب ہے۔ اس صورت میں سورت کا آخری دو رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ تو اس متن میں جو آیا، یا یوں کہیں جامع صغیر کے اندر جو آیا، اس سے پتہ چل رہا تھا آخری دو رکعتوں میں سورت کی قضا واجب ہو گی۔

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کی دوسری کتاب جو ہے «مَبْسُوط» بھائی، مبسوط، اس میں اس سے پتہ چلتا ہے کہ سورت کا پڑھنا مستحب ہے۔ اس کی قضا کیا کرنا؟ قضا کرنا

آخری دو رکعتوں میں مستحب ہے۔ تو یہاں جو جامع صغیر کی عبارت آئی، اس سے پتہ چلا کہ سورت کی قضا آخری دو رکعتوں میں کرنا واجب، اور مبسوط کی عبارت سے کیا پتہ چلا کہ سورت کی قضا کرنا آخری دو رکعتوں میں مستحب ہے، وہ ذکر کر رہے ہیں: کہتے ہیں: «ثُمَّ ذَكَرَ هُنَا مَا يَدُلُّ عَلَى الْوُجُوبِ»، پھر جو یہاں پر ذکر کیا یعنی جامع صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ نے، ما اس چیز کو، «يَدُلُّ عَلَى الْوُجُوبِ»، جو کس پر دلالت کر رہی ہے؟ وجوب پر، کون سا لفظ وجوب پر دلالت کر رہا ہے؟ «قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ»، جو «قَرَأَ» کہا بھائی، «وَفِي الْأَصْلِ»، اور اصل کے اندر، اصل سے کیا مراد ہے؟ مبسوط، مبسوط کے اندر «بِلَفْظِ الِاسْتِحْبَابِ»، وہ کس لفظ کے ساتھ ذکر ہے؟ استحباب کے لفظ کے ساتھ ذکر ہے۔ کہ مستحب ہے اس کا اعادہ کر لے آخری دو رکعتوں میں۔

اچھا بھائی، مستحب ہونے کی کیا دلیل ہے؟ وہ بھی اب ساتھ ذکر کر رہے ہیں کہ وہاں امام محمد رحمہ اللہ نے مستحب کیوں قرار دیا ہے؟ دلیل ذکر کر رہے ہیں: کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا إِنْ كَانَتْ مُؤَخَّرَةً فَغَيْرُ مَوْصُولَةٍ بِالْفَاتِحَةِ»، اس لیے کیونکہ اگر سورت مؤخر ہو، اگرچہ سورت کیا ہے؟ بھائی دیکھیے ادھر توجہ کیجیے، پہلی دو رکعتوں میں سورت پڑھنا بھول گیا تھا، اگلی دو رکعتوں میں سورت کا پڑھنا، بھائی متن میں تو آیا واجب ہے، لیکن بات اس وقت ہم مبسوط میں جو مستحب آیا نا اس کی بات کر رہے ہیں، تو دوسرا قول کیا آیا مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ کے؟ اس سورت کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔ اس مستحب ہونے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے مستحب کیوں قرار دیا ہے وہاں پر؟ اس کی بھی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ مستحب بھی دلیل کی وجہ سے قرار دیا، بغیر دلیل کے نہیں۔ تو اس کی کیا دلیل ہے کہ مستحب ہے؟

کہتے ہیں بھائی دیکھیے، اگرچہ بعد والی دو رکعتوں میں سورت جب پڑھے گا بعد والی دو رکعتوں میں، تو اس میں بھی سورت پڑھنے سے پہلے فاتحہ پڑھنا پڑے گی۔ کیا پڑھنا پڑے گی؟ فاتحہ۔ تو آخری دو رکعتوں میں فاتحہ بھی آجائے گی اور سورت بھی آجائے گی، اور یہ سورت کے لیے فاتحہ کو پڑھنا پڑے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آئی؟ سورت ہم نے ملانی ہے ساتھ، تو اکیلی سورت تو نہیں پڑھے گا بلکہ پہلے کیا پڑھے گا اس سے؟ سورۂ فاتحہ پڑھے گا۔ تو اب یہ سورت یہ اس پہلی رکعت والی فاتحہ کے بعد ہے۔ اس سورت کا مقام تو کہاں پر تھا؟ پہلی رکعتوں میں جو فاتحہ تھی انہی کے بعد تھا، اور ہم اس کو کہاں پڑھ رہے ہیں؟ آخری میں۔ تو ترتیب تو اگرچہ وہی ہے، پہلی رکعتوں والی فاتحہ پہلے اور یہ سورت ان کے بعد ہے، لیکن درمیان میں اگلی رکعتوں، تیسری اور چوتھی رکعت والی فاتحہ آگئی یا نہیں آگئی؟ آگئی۔ تو پہلی رکعتوں کی فاتحہ اور سورت کے درمیان فصل آگیا، کس چیز کا؟ سورۂ فاتحہ کا، کون سی سورۂ فاتحہ کا؟ تیسری اور چوتھی رکعت والی۔ تو لہٰذا اگرچہ ترتیب تو پھر بھی وہی رہی لیکن پورے طریقے پر وہ ترتیب رہی؟ پورے طریقے پر ترتیب نہ رہی، پوری ترتیب اور پورا طریقہ تو کیا تھا؟ کہ پہلی رکعت میں ہی فاتحہ کے بعد کیا آنا چاہیے تھا؟ سورت کو آنا چاہیے تھا، تو اب بھی اگرچہ سورت بعد ہی میں ہے لیکن درمیان میں کیا آگئی؟ تیسری اور چوتھی رکعت والی فاتحہ آگئی تو فصل آگیا، تو پورے طور پر اس کی رعایت نہیں ہو سکتی، اس لیے پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ مستحب ہے۔ یہ مبسوط کے قول کی تفصیل بیان کی، اس کی دلیل ذکر کر دی، ورنہ اصل وہی ہے جو متن کے اندر آیا، کیا کرنا پڑے گی؟ سورت کی قضا کرنا واجب ہو گا اگلی دو رکعتوں میں۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «وَفِي الْأَصْلِ بِلَفْظِ الِاسْتِحْبَابِ»، اور اصل یعنی مبسوط کے اندر استحباب کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا، اور اس کی دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا إِنْ كَانَتْ مُؤَخَّرَةً»، اس لیے کیونکہ اگر سورت جو ہے وہ مؤخر ہو، «فَغَيْرُ مَوْصُولَةٍ بِالْفَاتِحَةِ»، تو وہ فاتحہ کے ساتھ ملی ہوئی نہیں ہے، کون سی فاتحہ کے ساتھ نہیں ملی ہوئی؟ پہلی اور دوسری رکعت والی، تیسری اور چوتھی والی کے ساتھ تو ملی ہوئی ہے لیکن پہلی اور دوسری رکعت والی فاتحہ کے ساتھ یہ سورت اب نہیں ملی، «فَلَمْ يُمْكِنْ مُرَاعَاةُ مَوْضُوعِهَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ»، لہٰذا اس سورت کے موضوع کی پوری رعایت کی رعایت رکھنا «مِنْ كُلِّ وَجْهٍ»، ہر اعتبار سے، یہ ممکن نہیں۔ «فَلَمْ يُمْكِنْ»، پس ممکن نہیں ہے، «مُرَاعَاةُ مَوْضُوعِهَا»، اس سورت کے وضع کی رعایت رکھنا، «مِنْ كُلِّ وَجْهٍ»، ہر اعتبار سے۔ تو پورے طور پر تو رعایت نہ رکھ سکے، پورے طور پر رعایت چونکہ نہیں رکھی جا سکتی اس لیے واجب نہیں بلکہ کیا ہے؟ مستحب ہے۔

■ مسئلہ: وَيَجْهَرُ بِهِمَا

«وَيَجْهَرُ بِهِمَا»، اور دونوں کے ساتھ جہر کرے گا یعنی پھر دونوں اونچی آواز سے پڑھے گا۔ سورت رہ گئی ہے اور اس کو اب کہاں پڑھنا ہے؟ آخری دو رکعتوں میں پڑھنا ہے، تو وہاں جب سورت پڑھے گا تو اس سے پہلے کیا پڑھنا پڑے گا؟ فاتحہ کو بھی پڑھیں گے وہاں پر، اور دونوں میں جہر کریں گے، کیا کریں گے؟ جہر، یعنی فاتحہ بھی اونچی آواز سے اور سورت بھی اونچی آواز سے۔ دیکھیے بھائی یہاں پر دو صورتیں تھیں، یا تو دونوں کو ہی آہستہ پڑھا جائے یا دونوں کو ہی کیا کیا جائے؟ اونچی آواز سے پڑھا جائے۔ بھائی جہر تو کون سی دو رکعتوں میں ہے؟ پہلی دو میں ہے، آخری دو میں تو جہر نہیں، آخری دو میں تو فاتحہ کا پڑھنا بھی ضروری نہیں، ہاں فاتحہ کا پڑھنا صرف صرف فاتحہ کا پڑھنا آخری دو رکعتوں میں افضل ہے، ورنہ چاہے انسان خاموش کھڑا رہے تو بھی نماز ہو جائے گی، یا تسبیحات پڑھ لے، تین تسبیحات کم از کم پڑھ لے، تو بھی نماز صحیح ہے، لیکن افضل صورت کیا ہے؟ آخری دو میں بھی کیا کرے انسان؟ سورۂ فاتحہ پڑھے۔

اب اس کے ساتھ سورت ملانی ہے کیونکہ وہ سورت پہلی دو میں رہ چکی ہے، اب سورت تو پہلی دو میں پڑھنا کس طرح تھا؟ جہراً، اور یہ جو فاتحہ ہے اس رکعت کی اس کو کس طرح پڑھا جاتا ہے؟ سراً، آہستہ آواز سے، تو ایک صورت یہ تھی کہ سورت کو فاتحہ کے تابع کر دیں، اور فاتحہ ہے آہستہ آواز سے آخری دو رکعتوں میں تو سورت

کو بھی کیسے پڑھ لیا جائے؟ آہستہ آواز سے۔ دوسری صورت یہ ہے: فاتحہ کو تابع کر دیں سورت کے، سورت کو تو پڑھنا تھا اونچی آواز سے، تو آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کو بھی کیا کر لے؟ اونچی آواز سے پڑھ لے، تو کون سی صورت اختیار کی جائے گی؟ صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: «**وَيَجْهَرُ بِهِمَا**»، دونوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ جہر کرے گا، دونوں اونچی آواز سے پڑھے، «**هُوَ الصَّحِيحُ**»، یہی قول صحیح ہے۔ کیوں؟ اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ فِي رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ شَنِيعٌ**»، اس لیے کیونکہ جمع کرنا جہر کو «**وَالْمُخَافَتَةِ**» اور آہستہ پڑھنے کو، یعنی اونچی آواز سے پڑھنے کو اور آہستہ آواز سے پڑھنے کو جمع کرنا «**فِي رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ**»، ایک ہی رکعت میں، «**شَنِيعٌ**»، یہ برا ہے۔

بھائی اگر سورۂ فاتحہ کو آخری دو میں کس طرح پڑھا جاتا ہے؟ آہستہ، اور سورت کو پہلی رکعتوں میں کیسے پڑھتے تھے؟ اونچی آواز سے، تو آخری دو میں بھی کیا کیا جائے؟ اونچی آواز۔ تو اگر فاتحہ کو آہستہ ہی پڑھا جائے اور سورت کو اونچا پڑھا جائے تو ایک ہی رکعت میں اونچا اور آہستہ پڑھنا دونوں جمع ہو جائیں گے، اور یہ کیا ہے؟ برا ہے۔ تو لہٰذا اب ایک صورت اختیار کی جائے گی، یا دونوں میں جہر کر لیا جائے یا دونوں میں اخفا کر لیا جائے، کہتے ہیں اگر آپ دونوں میں اخفا کرتے ہیں تو آپ نے کس کو کس کے تابع کر دیا؟ سورت کو تابع کر دیا فاتحہ کے، اور فاتحہ ان دو رکعتوں میں فاتحہ کا پڑھنا یعنی آخری دو رکعتوں میں، فاتحہ کا پڑھنا واجب تھا یا نفل ہے؟ نفل ہے زائد ہے یعنی واجب نہیں، تو آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کا پڑھنا کیا ہے؟ نفل، اور سورت کا پڑھنا جس کی قضا کر رہے ہیں وہ؟ واجب ہوا، تو اگر آپ سورت کو بھی آہستہ کر دیں گے، آہستہ پڑھیں گے، تو آپ نے سورت کو فاتحہ کے تابع کر دیا، اور سورت تھی واجب اور فاتحہ تھی نفل، تو آپ نے واجب کو نفل کے تابع کر دیا، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ آپ نے اقویٰ کو ادنیٰ کے تابع کر دیا، اقویٰ کو کس کے؟ ادنیٰ کے تابع کر دیا۔

لیکن اس کے بجائے اگر دونوں کو جہراً پڑھا جائے تو اس صورت میں آپ نے فاتحہ کو کس کے تابع کر دیا؟ سورت کے، اور سورت کا پڑھنا اقویٰ اور فاتحہ کا پڑھنا ادنیٰ، تو ادنیٰ کو کس کے تابع کرنا پڑے گا؟ اقویٰ کے، اور کون سی صورت اولیٰ ہے؟ اقویٰ کو ادنیٰ کے تابع کریں یا ادنیٰ کو اقویٰ کے تابع کریں؟ ادنیٰ کو اقویٰ کے تابع ہونا چاہیے، لہٰذا فاتحہ کو بھی سورت کے تابع کرتے ہوئے کیا کیا جائے گا؟ اونچا پڑھا جائے گا، اس لیے کہا «**هُوَ الصَّحِيحُ**»، یہی قول صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جمع کرنا جہر اور مخافت کو ایک ہی رکعت میں شنیع یہ برا ہے، «**وَتَغَيُّرُ النَّفْلِ**»، اور نفل کو بدلنا، «**وَتَغَيُّرُ النَّفْلِ**»، اور نفل کو بدلنا، بھائی نفل کیا ہے؟ «**وَهُوَ الْفَاتِحَةُ**»، اور وہ فاتحہ ہے، «**أَوْلَى**»، یہ نفل کو بدلنا اولیٰ ہے کہ اس صورت میں نفل بدلے گا، اور اگر اخفا کریں گے تو اس صورت میں واجب بدلے گا، اور نفل کو بدلنا اولیٰ ہے۔

آگے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ جہر کسے کہتے ہیں اور مخافت کسے کہتے ہیں؟ اونچی آواز سے پڑھنا کسے کہیں گے یہ اونچی آواز سے پڑھنا ہے اور کسے کہیں گے یہ مخافت ہے، آہستہ آواز سے پڑھنا ہے؟ تو دو قول ذکر کریں گے، دو قول بھائی۔ فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ جہر جو ہے، جہر تو یہ ہے دوسرا سنے، دوسرا سنے آپ کی قرات، اس کو کیا کہیں گے؟ جہر۔ اور اخفا یہ ہے کہ کم از کم خود سنے انسان، اپنے کانوں تک آواز پہنچے، یہ ہے مخافت۔ مخافت کیا ہے؟ آہستہ آواز سے پڑھنا کیا ہے؟ کم از کم اپنے کانوں تک آواز پہنچے۔ جبکہ امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہر کی ادنیٰ سے ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ خود سنے انسان، خود کیا کرے؟ سنے انسان، اور مخافت وہ یہ ہے ادنیٰ مقدار مخافت کی، کہ زبان سے الفاظ صحیح ادا ہوں چاہے اپنے کانوں تک بھی آواز نہ پہنچے۔ امام کرخی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ بس مخافت کی بات کریں بہر حال، جہر آ جائے گا بیچ میں لیکن اصل بحث ہے مخافت میں، مخافت کیا ہے؟ ادنیٰ مقدار، امام ابو جعفر رحمہ اللہ کے نزدیک کہ پڑھنے والے کے اپنے کانوں تک آواز پہنچے، اور امام کرخی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ زبان سے صحیح الفاظ ادا ہوں چاہے اپنے کانوں تک بھی آواز نہ پہنچے تو بھی یہ مخافت صحیح ہے، جبکہ فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ درست نہیں، کم از کم اپنے کانوں تک آواز ضرور پہنچنی چاہیے انسان کی۔

تو کہتے ہیں: «**ثُمَّ الْمُخَافَتَةُ أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ**»، پھر مخافت جو ہے وہ یہ ہے کہ «**أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ**»، کہ اپنے آپ کو سنائے بھائی یعنی خود کانوں تک آواز جائے، «**وَالْجَهْرُ أَنْ يُسْمِعَ غَيْرَهُ**»، اور جہر کسے کہتے ہیں؟ کہ اپنے علاوہ کو سنائے یعنی اس تک آواز پہنچے، «**وَهَذَا عِنْدَ الْفَقِيهِ أَبِي جَعْفَرٍالْهِنْدُوَانِيِّ**»، اور یہ فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ ہندوانی میں ہا پر کے نیچے زیر ہے، نون ساکن ہے، دال پر بھی پیش ہے اور واو پر فتحہ ہے، **الهِندُوانِيّ**۔ «**وَهَذَا عِنْدَ الْفَقِيهِ أَبِي جَعْفَرٍالْهِنْدُوَانِيِّ**»، اور یہ فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ یاد رکھیے یہ فقیہ ابو جعفر الہندوانی یہ ابو حنیفۂ صغیر کے نام سے مشہور ہیں بھائی، کس نام سے؟ ابو حنیفۂ صغیر یعنی چھوٹے ابو حنیفہ ہیں، یہ اتنے بڑے فقیہ تھے کہ اس نام سے مشہور تھے بھائی، اور ان کی وفات ہوئی ہے ۳۶۲ ہجری میں، ۳۶۲ ہجری میں بخارا ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے بھائی، تو یہ بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں اور ابو حنیفۂ صغیر کے نام سے مشہور تھے، اتنے بڑے فقیہ بھائی۔ تو کہتے ہیں یہ فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، «**لِأَنَّ مُجَرَّدَ حَرَكَةِ اللِّسَانِ لَا يُسَمَّى قِرَاءَةً بِدُونِ الصَّوْتِ**»، دلیل کیا ان کی؟ یہ کیا فرماتے ہیں کہ مخافت کی ادنیٰ مقدار کیا ہے؟ کم از کم انسان خود سنے اپنے کانوں تک آواز پہنچے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ محض زبان کی حرکت «**لَا يُسَمَّى قِرَاءَةً**»، اس کو قرات نہیں کہتے «**بِدُونِ الصَّوْتِ**»، بغیر آواز کے۔ اور قرآن میں بھی کیا آیا ہے؟ دلیل: ﴿**فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ**﴾، قرات، معلوم ہوا قرات فرض ہے نماز کے اندر، اور قرات کس کو کہتے ہیں؟ صرف زبان کی حرکت کو نہیں کہتے بلکہ کم از کم کانوں تک آواز، تو صرف زبان کا حرکت دینا یہ قرات نہیں کہلاتا بلکہ اس کے ساتھ کچھ آواز بھی ہو، اور ادنیٰ آواز کیا ہو گی کہ کم از کم اپنے کم از کم اپنے کانوں تک پہنچے۔ یہ معنی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف زبان کی حرکت اس کو قرات نہیں کہتے بغیر آواز کے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: أَدْنَى الخ...

«وَقَالَ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: أَدْنَى الْجَهْرِ أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ»، امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہر کی ادنیٰ سے ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے، «وَأَدْنَى الْمُخَافَتَةِ تَصْحِيحُ الْحُرُوفِ»، اور مخافت کی ادنیٰ مقدار جو ہے حروف کی تصحیح ہے یعنی ان کو صحیح طور سے ادا کرنا ہے، «لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ فِعْلُ اللِّسَانِ دُونَ الصِّمَاخِ»، اس لیے کیونکہ قرات یہ زبان کا فعل ہے «دُونَ الصِّمَاخِ»، نہ کہ کانوں کا، صماخ: کان بھائی۔ اس لیے کیونکہ قرات کا حکم دیا گیا ہے اور قرات کس سے ہوتی ہے؟ زبان سے ہوتی ہے، تو وہ فرماتے ہیں قرات زبان کا کام ہے اس میں کانوں کا دخل نہیں، لہٰذا کان تک بے شک آواز نہ پہنچے لیکن کم از کم زبان سے الفاظ صحیح طرح ادا ہونے چاہئیں۔

«وَفِي لَفْظِ الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَى هَذَا»، اور کتاب کے لفظ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے، یعنی قدوری میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے، انہوں نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ بھائی کس جگہ قدوری میں اشارہ ہے اس کی طرف؟ دیکھیے بھائی یہ ایک ڈیڑھ صفحہ قبل گزرا تھا، یہ «فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ» جہاں شروع کی تھی ہم نے، اسی میں سطر کے آخر میں آیا تھا: «وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ»، اگر نماز پڑھنے والا اکیلا ہے تو اس کو اختیار ہے، «إِنْ شَاءَ جَهَرَ وَأَسْمَعَ نَفْسَهُ»، اگر چاہے تو کیا کرے؟ جہر کرے «وَأَسْمَعَ نَفْسَهُ»، اور اپنے آپ کو سنائے، معلوم ہوا اپنے آپ کو سنانا یہ کس میں سے ہے؟ جہر میں سے ہے، معلوم ہوا مخافت میں اپنے تک کانوں تک آواز نہ پہنچے تو بھی ادنیٰ مقدار وہ مخافت کی صحیح ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جہر، بھائی دیکھیے نا امام کرخی کا جہاں قول آیا تھا اسی سطر میں اوپر والی میں کیا آیا تھا؟ «أَدْنَى الْجَهْرِ أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ»، جہر کی کم سے کم مقدار کیا ہے؟ کہ اپنے آپ کو سنائے، اور یہی بات قدوری میں بھی آئی بھائی پیچھے ابھی ایک صفحہ قبل میں نے متن آپ کو دکھلایا۔

تو کہتے ہیں: «وَفِي لَفْظِ الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَى هَذَا»، اور کتاب کے لفظ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے، «وَعَلَى هَذَا الأَصْلِ كُلُّ مَا يَتَعَلَّقُ بِالنُّطْقِ»، اور اسی اصل پر ہے ہر وہ چیز جس کا تعلق نطق سے ہے، اسی ضابطے پر کیا ہے؟ ہر وہ چیز جس کا تعلق نطق سے ہے، نطق یعنی تکلم، بولنا، ہر وہ چیز جس کا تعلق بولنے سے ہے وہ بھی اسی اصل پر ہے۔ یعنی امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک تلفظ صحیح ہو جائے چاہے اپنے کانوں تک آواز نہ پہنچے پھر بھی وہ چیز واقع ہو جائے گی جس کا تعلق نطق سے ہے، جیسے مثلاً طلاق ہے، کیا ہے؟ طلاق۔ اب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور مثلاً اتنی آہستہ وہ لفظ بولتا ہے کہ اس کے اپنے کانوں تک بھی آواز نہیں گئی البتہ اس نے زبان سے وہ لفظ ادا کر دیے، اپنی بیوی کو طلاق دینے کے الفاظ اس نے زبان سے ادا کر لیے، اپنے کانوں تک بھی آواز نہیں گئی تو امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہ ادنیٰ مقدار ہے مخافت کی، اور وہ فرماتے ہیں کہ زبان سے لفظوں کی ادائیگی صحیح ہونی چاہیے، سننے کی شرط نہیں۔ جبکہ فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوئی کیونکہ ان کے نزدیک مخافت کی ادنیٰ مقدار کیا ہے؟ اپنے کانوں تک کم از کم آواز پہنچے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی: «وَعَلَى هَذَا الأَصْلِ كُلُّ مَا يَتَعَلَّقُ بِالنُّطْقِ»، اور اسی اصل پر ہے ہر وہ چیز جس کا تعلق نطق یعنی تکلم سے ہے بول چال سے ہے، «كَالطَّلَاقِ»، جیسے طلاق، طلاق کا تعلق کس سے ہے؟ تکلم سے ہے، زبان سے جب تک کوئی کہتا نہیں ہے طلاق واقع نہیں، اور اسی طرح «وَالْعَتَاقِ»، عین کے فتحہ کے ساتھ، اور اسی طرح عتاق ہے، آزاد کرنا، کوئی اپنے غلام کو کہہ دے تو آزاد ہے بس وہ فوراً آزاد ہو جاتا ہے پھر واپسی کی کوئی صورت نہیں، اسی طرح استثنا ہے: «وَالِاسْتِثْنَاءِ»، استثنا کرتا ہے، مثلاً ایک آدمی کہتا ہے میرے تمام غلام آزاد ہیں سوائے زید کے، سوائے کس کے؟ زید کے، تو اس نے زید کا استثنا کر دیا، تو اس استثنا کے اندر بھی اگر زبان سے لفظ صحیح ادا کر دیے لیکن اپنے کانوں تک آواز نہیں گئی تو امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک استثنا صحیح، جبکہ فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ استثنا صحیح نہیں کیونکہ کم از کم اپنے کانوں تک آواز کا پہنچنا ضروری ہے۔ یہ معنی ہے: «وَالِاسْتِثْنَاءِ»، اور استثنا ہے، «وَغَيْرِ ذَلِكَ»، اور اس کے علاوہ اور جو چیزیں ہیں جن کا تعلق تکلم سے بول چال سے ہے۔

■ مسئلہ: وَأَدْنَى مَا يُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّ...

«وَأَدْنَى مَا يُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ آيَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَقَالَا: ثَلَاثُ آيَاتٍ قِصَارٍ أَوْ آيَةٌ طَوِيلَةٌ».

«وَأَدْنَى مَا يُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ آيَةٌ»، اور وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مقدار جس سے قرات کافی ہو جاتی ہے نماز میں «آيَةٌ»، وہ ایک آیت ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ امام صاحب کے نزدیک وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مقدار جو کافی ہو جاتی ہے قرات سے نماز کے اندر وہ ایک آیت ہے، یعنی کم از کم کتنی قرات کر لے تو فرض ادا ہو جائے گا؟ ایک آیت، بھائی نماز میں قرات فرض ہے تو کتنی قرات فرض ہے؟ امام صاحب فرماتے ہیں کم از کم ایک آیت پڑھ لے تو یہ فرض ادا ہو جائے گا۔ «وَقَالَا»، اور صاحبین فرماتے ہیں: «ثَلَاثُ آيَاتٍ قِصَارٍ»، تین چھوٹی آیتیں ہیں، تین چھوٹی آیتیں، «أَوْ آيَةٌ طَوِيلَةٌ»، یا ایک بڑی آیت، تین چھوٹی آیتیں پڑھ لے یا ایک بڑی آیت پڑھ لے تو پھر فرض ادا ہو جائے گا، یہ کافی ہو جائے گا۔

دلیل ان کی کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى قَارِئًا بِدُونِهِ»، اس لیے کیونکہ اس سے بغیر اس سے کم پڑھنے والے کو قاری نہیں کہا جاتا عرف میں، گویا صاحبین

نے اپنے مسئلے میں دلیل بنایا عرف کو، عام لوگوں کو، عام لوگوں کے اندر اس سے کم پڑھنے والے کو قاری نہیں کہا جاتا، یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے قرآن پڑھا ہے، اس نے قرآن پڑھا ہے، ہاں البتہ تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھتا ہے تو پھر اس کو عرف میں اور عام لوگوں میں کیا کہتے ہیں؟ اس نے قرآن پڑھا ہے۔ تو کہتے ہیں: «**لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى قَارِئًا بِدُونِهِ**»، اس لیے کیونکہ اس سے کم پڑھنے والے کو قاری نہیں کہا جاتا، «**فَأَشْبَهَ قِرَاءَةَ مَا دُونَ الآيَةِ**»، تو یہ مشابہ ہو گیا ایک آیت سے کم قرات کرنے والے کے۔ بھائی ایک آدمی ہے وہ ایک آیت سے جو کم قرات کرتا ہے، ایک آیت سے کم، یعنی ایک آیت کا کچھ حصہ تلاوت کر لیتا ہے نصف آیت، تو اس کو قاری نہیں کہا جاتا کہ اس نے قرآن پڑھا ہے، اس کے بارے میں نہیں کہا جاتا، تو یہ جس نے ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں سے کم پڑھا اس کو بھی قاری نہیں کہتے، تو وہ کس کے مشابہ ہو گیا؟ اس شخص کے مشابہ ہو گیا جس نے آیت سے بھی کم تلاوت کی ہو، جیسے اس کو قاری نہیں کہتے اس کو بھی کوئی قاری نہیں کہتا۔ تو مادون الآیۃ سے مراد کیا ہے؟ آیت سے کم۔ یہ معنیٰ: «**لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى قَارِئًا**»، اس لیے کیونکہ اس کو قاری نہیں کہتے «**بِدُونِهِ**»، اس سے کم مقدار والے کو، «**فَأَشْبَهَ قِرَاءَةَ مَا دُونَ الآيَةِ**»، تو یہ مشابہ ہو گیا ایک آیت سے کم قرات کر کے مشابہ ہوا، «**وَلَهُ**»، اور امام صاحب کی دلیل «**قَوْلُهُ تَعَالَى**»، اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿**فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**﴾ کہ تم قرات کرو جو تمہیں میسر ہو قرآن میں سے، جو آسان ہو قرآن میں سے، یہ دلیل ہے امام صاحب کی کہ یہ قرآن میں آیا ہے «**مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ**»، بغیر کسی فرق کے، یعنی اس میں اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا کہ چھوٹی آیت ہو یا بڑی آیت ہو، بس جو قرآن میں سے آسان ہو اس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، تو جو بھی قرآن میں سے جو بھی آیت پڑھ لے گا چاہے چھوٹی آیت ہو چاہے بڑی آیت ہو، فرض ادا ہو جائے گا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پھر تو ایک آیت سے جو کم قرآن پڑھتا ہے آدھی آیت مثلاً پڑھ لیتا ہے تو یہ بھی تو قرآن ہے، ﴿**فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**﴾، تو اس کو بھی شامل ہونا چاہیے، اس صورت میں بھی آپ کو کہنا چاہیے کہ نماز جائز ہو جائے گی، تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ: «**إِلَّا أَنَّ مَا دُونَ الآيَةِ خَارِجٌ**»، اس لیے ہاں مگر یہ کہ آیت سے جو کم ہے وہ خارج ہے اس سے، نیچے کیا لکھا ہے؟ بالاجماع۔ بالاجماع آیت سے کم جو ہے وہ اس سے خارج ہے، اس کو قاری اس کو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے قرات کی ہے بھائی، اور اس لیے کیونکہ قرآن میں کیا آیا: ﴿**فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**﴾، کہ تم پڑھو جو میسر ہو قرآن میں سے، تو یہاں مطلقاً قرات کا حکم دیا گیا، اور «**الْمُطْلَقُ إِذَا يُطْلَقُ يُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْكَامِلُ**»، اور فردِ کامل کیا ہو گا؟ ایک آیت ہو گا کم از کم بھائی، کیا ہو؟ ایک، تو ایک آیت سے جو کم ہے وہ اس سے خارج ہے بالاجماع بھائی۔ مگر یہ کہ «**إِلَّا أَنَّ مَا دُونَ الآيَةِ خَارِجٌ**»، مگر یہ کہ ایک آیت سے کم جو ہے وہ اس سے خارج ہے، «**وَالآيَةُ لَيْسَتْ فِي مَعْنَاهُ**»، اور آیت جو ہے وہ اس کے معنیٰ میں نہیں ہے، «**مَعْنَاهُ**» کی ہا ضمیر راجع ہے مادون الآیۃ کو، «**مَعْنَاهُ**» کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ مادون الآیۃ کو، اور آیت وہ ما دون الآیۃ کے معنیٰ میں نہیں ہے، آیت مادون الآیۃ کے معنیٰ میں، بھائی آیت سے کم تو اس سے خارج ہے بالاجماع، آیت سے کم تو جائز ہی نہیں بھائی، کم از کم کتنی تلاوت ہو؟ ایک آیت۔ تو آیت سے کم اس حکم اس سے خارج ہے، اس سے فرض ادا نہیں ہو گا، اور اگر پوری آیت پڑھ لیتا ہے تو آیت بے شک چھوٹی ہی کیوں نہ ہو یہ مادون الآیۃ کی طرح تو نہیں، یہ تو کیا ہے؟ پوری آیت ہے، لہٰذا یہ پوری آیت مادون الآیۃ کے معنیٰ میں نہیں ہے، اس کی طرح نہیں ہے، آیت مادون الآیۃ کے معنیٰ میں نہیں ہے، وہ اس کی طرح نہیں ہے، یہ تو پوری آیت ہے لہٰذا چاہے چھوٹی کیوں نہ ہو اس سے کیا ہو جائے گی؟ نماز ہو جائے گی۔ مادون الآیۃ تو بالاجماع جائز نہیں تھا، البتہ جو پوری آیت ہے وہ وہ کیا ہو گی؟ وہ جائز ہو گی، اس کے ساتھ فرض ادا ہو جائے گا۔ یہ معنیٰ ہے: «**وَالآيَةُ لَيْسَتْ فِي مَعْنَاهُ**»، اور آیت جو ہے وہ مادون الآیۃ کے معنیٰ میں نہیں لہٰذا اس کے ساتھ فرض ادا ہو جائے گا۔

اور یاد رکھیے اس میں بھائی یہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے یہاں پر کہ نماز میں کم از کم کتنی قرات واجب ہے؟ تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھے گا تو فرض ادا ہو گا، اس سے کم پڑھا تو فرض ہی ادا نہیں ہو گا بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۵۴: وَفِي السَّفَرِ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَأَيِّ...

ہدایہ صفحہ: ۱۱۹ — بتاریخ: ۳۰ دسمبر ۲۰۱۲ء

وَفِي السَّفَرِ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَأَيِّ سُورَةٍ شَاءَ، لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَرَأَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي سَفَرِهِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ، وَلِأَنَّ لِلسَّفَرِ أَثَرًا فِي إِسْقَاطِ شَطْرِ الصَّلَاةِ، فَلِأَنْ يُؤَثِّرَ فِي تَخْفِيفِ الْقِرَاءَةِ أَوْلَى. [1]

قراءت سے متعلقہ مسائل ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ، اور گزشتہ سبق میں آپ نے آخر میں پڑھا تھا کہ وہ کم سے کم مقدار جو قراءت سے کافی ہو جائے یعنی جس سے قراءت کا فرض ادا ہو جائے، وہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک آیت ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کم از کم تین چھوٹی آیتیں ہونی چاہییں یا ایک بڑی آیت ہو بھائی۔

اب آگے بیان کر رہے ہیں، مسنون قراءت بیان کریں گے کہ کس نماز میں امام کو کتنی، مسنون قراءت کتنی ہے، کتنی قراءت کرنی چاہیے اور پھر اسی میں سفر کا بھی ذکر ہے، سفر کی صورت میں، تو سفر کے اندر چونکہ شریعت نے احکام میں نرمی رکھی ہے، تو اسی وجہ سے سفر کے اندر اگر کوئی مختصر سورتیں بھی پڑھ لی جائیں تو یہ بھی درست ہے، مختصر سورتیں بھی پڑھ سکتا ہے۔

تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «**وَفِي السَّفَرِ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَأَيِّ سُورَةٍ شَاءَ**» اور سفر میں پڑھے فاتحۃ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ «**وَأَيِّ سُورَةٍ شَاءَ**» اور جو سورت چاہے، آگے دلیل ذکر کر رہے ہیں: «**لِمَا رُوِيَ**» بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی «**أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَرَأَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي سَفَرِهِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ**» کہ حضور علیہ السلام نے پڑھیں فجر کی نماز میں اپنے سفر میں معوذتین بھائی، معوذتین یعنی «**قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ**» اور «**قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ**»، یہ دو سورتیں پڑھیں، اب فجر کے اندر تو ویسے حضور علیہ السلام کا معمول تھا طویل قراءت فرماتے تھے، لیکن سفر کے اندر حدیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے کیا پڑھیں، کون سی سورتیں پڑھیں؟ معوذتین پڑھیں، معلوم ہوا سفر کے اندر جو سورت بھی انسان چاہے پڑھ سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ

«**وَلِأَنَّ**» یہ آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ لِلسَّفَرِ أَثَرًا فِي إِسْقَاطِ شَطْرِ الصَّلَاةِ**» اور کہتے ہیں اس لیے کیونکہ سفر جو ہے اس کا اثر ہے «**فِي إِسْقَاطِ شَطْرِ الصَّلَاةِ**» نماز کے نصف کو ساقط کرنے میں، یعنی سفر کی وجہ سے چار رکعت والی نماز سفر میں کتنی پڑھی جاتی ہیں؟ دو رکعت پڑھی جاتی ہیں، تو سفر نے دیکھو اپنا اثر ڈالا اور سفر کے اثر کی وجہ سے نماز، نصف نماز ہی ساقط ہو گئی یعنی دو رکعتیں ساقط ہو جاتی ہیں، «**فَلِأَنْ يُؤَثِّرَ فِي تَخْفِيفِ الْقِرَاءَةِ أَوْلَى**» تو یہ کہ یہ مؤثر ہو قراءت کی تخفیف کے اندر یہ بطریقِ اولیٰ ہو گا، یہ کیا ہو گا؟ بطریقِ اولیٰ، بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ سفر کی وجہ سے جب اصلِ صلاۃ میں کمی آ گئی تو وصفِ صلاۃ میں بطریقِ اولیٰ کمی ہو گی بھائی، اصلِ صلاۃ میں کمی آئی یعنی چار کے بجائے کتنی پڑھتے ہیں؟ دو رکعت پڑھتے ہیں، تو وصفِ صلاۃ یعنی قراءت کے اندر بطریقِ اولیٰ تخفیف آئے گی کہ طویل قراءت کے بجائے مختصر قراءت بھی درست ہے بھائی۔

کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ لِلسَّفَرِ أَثَرًا فِي إِسْقَاطِ شَطْرِ الصَّلَاةِ**» اور اس لیے کیونکہ سفر جو ہے اس کا اثر ہے نصف نماز کو ساقط کرنے میں تو یہ مؤثر ہو قراءت کی تخفیف کے اندر یہ بطریقِ اولیٰ ہو گا «**وَهَذَا إِذَا كَانَ عَلَى عُجْلَةٍ مِنَ السَّيْرِ**»، ہاں یہاں سے صاحب ہدایہ یہ بتلا رہے ہیں کہ سفر میں جو سورت بھی پڑھنا چاہیں فاتحہ کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں، لیکن یہ اس وقت ہے جب آپ حالتِ... جب آپ جلدی میں ہوں، تو یوں کہیے سفر میں بھی گویا دو حالتیں آ گئیں: ایک حالتِ قرار ہے،

[1] شاملہ (ص ۵۷) میں «**السَّلَامُ**» کے بجائے «**الصلا والسلام**»، شاملہ (ص ۵۷) میں «**سَفَرِهِ**» کے بجائے «**سفر**»، شاملہ (ص ۵۷) میں «**لِلسَّفَرِ أَثَرًا**» کے بجائے «**السفر أثر**» درج ہے۔

سبق نمبر ۵۴: وَفِي السَّفَرِ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ أَيِّ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

ایک حالتِ فرار ہے یعنی جلدی میں ہے انسان، تو حالتِ قرار کے اندر مسنون طریقے سے قراءت کرنی چاہیے اور حالتِ فرار میں جب جلدی ہے تو پھر جو بھی سورت پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے کیونکہ حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے سفر میں کون سی سورتیں پڑھیں؟ معوذتین پڑھیں، تو ایک ہے حالتِ قرار، ایک ہے حالتِ فرار۔

بھئی دیکھیے یہاں سے مثلاً آپ سفر پر نکلتے ہیں، مثلاً اسلام آباد جانا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ کتنے فاصلے پر، کتنے فاصلے کے سفر کا ارادہ ہو تو شرعی سفر شمار ہو گا؟ جی؟ اڑتالیس میل ہے بھائی اور یہ بنتا ہے کتنا؟ کوئی ستتر اٹھتر کلو میٹر بنتا ہے یہ بھائی، تو اگر آپ ایسی جگہ جانا چاہتے ہیں جو آپ کے شہر سے، آپ کی بستی سے، بستی سے شمار کرنا ہے شہر سے، آپ کے گھر سے نہیں شمار کرنا بھائی، ورنہ تو شہر بڑا ہے کئی کلو میٹر تو شہر کے اندر ہی شمار ہو جائیں گے، نہیں، بلکہ شہر سے اس بستی کا، ایک بستی سے دوسری بستی کا فاصلہ دیکھا جائے گا، ایک شہر سے دوسرے شہر کا فاصلہ، تو اب آپ ایک ایسی جگہ جانا چاہتے ہیں کہ وہ شہر آپ کے شہر سے ستتر اٹھتر کلو میٹر سے زیادہ فاصلہ ہے، تو اب آپ جیسے ہی اپنے شہر سے نکلیں گے، اپنے شہر کے آخری مکانات سے جدا ہو جائیں گے تو اب آپ شرعاً مسافر ہو گئے بھائی، شرعاً مسافر۔ اب چار رکعت والی نماز کے بجائے کتنی پڑھیں گے؟ دو رکعت اس کو ادا کریں گے جسے قصر کہتے ہیں، قصر بھائی۔

اب یہ جب آپ سفر میں چل رہے ہیں یہ ہے حالتِ فرار بھائی، جلدی میں ہیں، راستے میں سواری تھوڑی دیر کے لیے رکے گی، زیادہ دیر کے لیے تو سواری رکے گی نہیں، تو یہ ہے حالتِ فرار، اور وہاں جب دوسرے شہر پہنچتے ہیں تو وہاں اگر آپ کی پندرہ دن اقامت کی نیت ہوئی تو آپ مقیم بن جائیں گے اور اگر پندرہ سے کم دن رہنے کی نیت ہوئی تو وہاں بھی آپ مسافر ہی رہیں گے، چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتیں ہی پڑھیں گے بھائی، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اب جب آپ وہاں رہ رہے ہیں تو اب حالتِ فرار میں نہیں ہیں بلکہ کس حالت میں ہیں؟ حالتِ قرار میں ہیں۔ تو یہ جو انہوں نے کہا جو سورت پڑھنا چاہے یہ کس حالت میں ہے؟ حالتِ فرار میں ہے، حالتِ قرار کو ابھی یہ ذکر کریں گے صاحبِ ہدایہ۔

کہتے ہیں: «**وَهَذَا إِذَا كَانَ عَلَى عُجْلَةٍ مِنَ السَّيْرِ**» یہ اس وقت ہے جبکہ وہ جلدی میں ہو سیر، «**مِنَ السَّيْرِ**» چلنے میں، یعنی چلنے میں جلدی پر ہو «**وَإِنْ كَانَ فِي أَمْنَةٍ وَقَرَارٍ**» اور اگر وہ شخص جو ہے امن میں ہے اور قرار میں ہے یعنی اطمینان سے رہ رہا ہے «**يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ**» تو پڑھے گا فجر کے اندر «**نَحْوَ سُورَةِ الْبُرُوجِ وَانْشَقَّتْ**» سورۂ بروج اور سورۂ انشقت جیسی سورتیں پڑھے گا «**لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ مُرَاعَاةُ السُّنَّةِ**» اس لیے کیونکہ اس کے لیے سنت کی رعایت رکھنا ممکن ہے «**مَعَ التَّخْفِيفِ**» ساتھ کس کے؟ تخفیف کے۔

آگے آپ کو بتلائیں گے بھائی کہ فجر کے اندر کون سی سورتوں میں سے پڑھنا مسنون ہے، ظہر کے اندر کون سی سورتوں میں سے پڑھنا مسنون ہے اور باقی نمازوں کے اندر، تو اس میں بھی اب دیکھیے فجر میں جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں جتنی مقدار پڑھی جاتی ہے ان میں سے چھوٹی سورتیں ذکر کر دیں، مثلاً فجر میں جو مسنون ہے اگے بیان کریں گے طوالِ مفصل ہیں بھائی، کیا ہے؟ طوالِ مفصل، اور طوالِ مفصل میں سے یہ آخری سورتیں انہوں نے ذکر کر دیں کیونکہ اس کی آخری سورتیں چھوٹی ہیں پہلی سورتوں کی بنسبت بھائی، تو دیکھو سنت کی رعایت بھی ہو گئی کیونکہ مسنون انہی طوالِ مفصل میں سے پڑھنا تھا اور ان میں سے بھی کون سی سورتیں ذکر کر دیں جو ذرا باقیوں کی بنسبت اسی طوالِ مفصل والی باقی سورتوں کی بنسبت کیا ہیں؟ کچھ چھوٹی ہیں، تھوڑا سا فرق ہے، تو تخفیف بھی آ گئی اور سنت کی رعایت بھی ہو گئی، یہ معنی ہے «**لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ مُرَاعَاةُ السُّنَّةِ مَعَ التَّخْفِيفِ**» اس لیے کیونکہ ممکن ہے سنت کی رعایت رکھنا تخفیف کے ساتھ۔

■ مسئلہ: وَيَقْرَأُ فِي الْحَضَرِ

«**وَيَقْرَأُ فِي الْحَضَرِ**» اب بیان کرنے لگے ہیں فجر میں کتنی قراءت مسنون ہے، کیا حضور علیہ السلام کا معمول کیا تھا، کتنی قراءت کیا کرتے تھے، کہتے ہیں: «**وَيَقْرَأُ فِي الْحَضَرِ فِي الْفَجْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بِأَرْبَعِينَ آيَةً أَوْ خَمْسِينَ آيَةً سِوَى فَاتِحَةِ الْكِتَابِ**» اور پڑھے گا «**فِي الْحَضَرِ**» حضر کا معنی ہے اقامت یعنی جب شہر میں ہو یعنی اقامت میں ہو اور حضر کی یعنی اقامت کی حالت میں پڑھے گا فجر میں، پڑھے «**فِي الرَّكْعَتَيْنِ**» دونوں رکعتوں میں یعنی دونوں میں ملا کر کتنی پڑھے گا؟ «**بِأَرْبَعِينَ آيَةً**» چالیس آیتیں «**أَوْ خَمْسِينَ آيَةً**» یا پچاس آیتیں «**سِوَى فَاتِحَةِ الْكِتَابِ**» سورۂ فاتحہ کے علاوہ۔ تو فجر کے اندر مسنون یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے دونوں رکعتوں میں ملا کر، یعنی ایک رکعت میں بھی بیس اور دوسری میں بھی بیس، یا یوں کہیں ایک رکعت میں بھی بیس سے پچیس تک اور دوسری میں بھی بیس سے پچیس تک۔

«**وَيُرْوَى مِنْ أَرْبَعِينَ إِلَى سِتِّينَ**» اور روایت کیا گیا ہے چالیس سے لے کر ساٹھ تک، ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ چالیس سے ساٹھ تک بھی روایت کیا گیا ہے کہ یعنی دونوں رکعتوں میں، تو کتنی ہو گئی؟ ایک رکعت میں بیس آیتوں سے لے کر تیس آیتوں تک پڑھے، «**وَمِنْ سِتِّينَ إِلَى مِائَةٍ**» اور ساٹھ سے لے کر سو تک، یہ بھی آیا ہے بھائی روایتوں میں، ساٹھ سے لے کر سو تک دو رکعتوں میں پڑھے سورۂ فاتحہ کے علاوہ، یہ کتنی ہو جائیں گی ایک رکعت میں؟ ساٹھ کا نصف کریں تیس اور ادھر سو کا نصف کریں پچاس، یعنی ایک رکعت میں تیس سے لے کر پچاس آیتوں تک، تیس آیتوں سے لے کر پچاس آیتوں کی مقدار ایک رکعت میں پڑھے، یہ بھی

روایت میں آیا۔

«وَبِكُلِّ ذَلِكَ وَرَدَ الْأَثَرُ» اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اثر یعنی حدیث وارد ہوئی ہے، حدیث آئی ہے، ان سب کا ذکر احادیث میں ملتا ہے بھائی۔ «وَوَجْهُ التَّوْفِيقِ» اور توفیق کی وجہ، توفیق کی صورت بھائی، یعنی تطبیق بیان کر رہے ہیں صاحب ہدایہ کہ بعض روایات میں کیا آیا ہے؟ چالیس سے لے کر پچاس تک پڑھے دونوں رکعتوں میں، بعضوں میں آیا چالیس سے لے کر ساٹھ تک پڑھے، بعض میں کیا آیا ہے کہ کتنی پڑھی؟ ساٹھ سے لے کر سو تک، تو اب تطبیق بیان کر رہے ہیں کہ جس سے یہ ایک دوسرے کے مطابق ہو جائیں، تو بتلا رہے ہیں، «وَجْهُ التَّوْفِيقِ» توفیق کی وجہ، صورت یہ ہے: «أَنَّهُ يَقْرَأُ بِالزَّاغِبِينَ مِائَةً» کہ پڑھے رغبت کرنے والوں کے ساتھ سو، ان کے ساتھ کتنی پڑھے؟ سو تک پڑھے یعنی، یعنی جو قراءت میں رغبت رکھتے ہیں، قراءت سننا چاہتے ہیں تو رغبت رکھنے والے لوگ ہیں تو اس صورت میں کون سی روایت پر عمل کر لے؟ وہ ساٹھ سے لے کر سو تک والی پر، «وَبِالْكُسَالَى أَرْبَعِينَ» اور جو سست ہیں ان کے ساتھ چالیس، یعنی اگر ایسے لوگ ہیں جو سست ہیں، رغبت زیادہ نہیں رکھتے قراءت کے اندر تو پھر کتنی پڑھ لے؟ چالیس والی روایت پر عمل کر لے، «وَبِالْأَوْسَاطِ مَا بَيْنَ خَمْسِينَ إِلَى سِتِّينَ» اور اگر متوسط درجے کے لوگ ہیں جو زیادہ رغبت نہیں... رغبت ہے لیکن زیادہ رغبت نہیں متوسط درجے کے لوگ ہیں تو ان میں کے لیے کتنی قراءت کر لے؟ پچاس سے لے کر ساٹھ تک بھائی۔

■ مسئلہ: وَقِيلَ يَنْظُرُ إِلَى طُولِ اللَّيَالِي وَقِصَرِهَا

«وَقِيلَ يَنْظُرُ إِلَى طُولِ اللَّيَالِي وَقِصَرِهَا» اور کہا گیا ہے کہ دیکھے قراءت کرنے والا یعنی امام جو ہے وہ دیکھے «إِلَى طُولِ اللَّيَالِي وَقِصَرِهَا» راتوں کے لمبا ہونے اور چھوٹا ہونے کی طرف، اگر راتیں لمبی ہیں تو معلوم ہو... تو پھر اس صورت میں کیا کر لے؟ لمبی قراءت کر لے، اس روایت پر عمل کر لے، اور اگر راتیں چھوٹی ہیں یعنی گرمیوں کی راتیں ہیں تو پھر کس پر عمل کر لے؟ جس میں کم ذکر آیا ہے اس پر عمل کر لے، «وَإِلَى كَثْرَةِ الْأَشْغَالِ وَقِلَّتِهَا» اور دیکھے اسی طرح کس کی طرف؟ کثرتِ اشغال اور قلتِ اشغال کی طرف یعنی ان لوگوں کے احوال پر کی طرف نظر کرے، اگر وہ زیادہ کام کاج کرنے والے لوگ ہیں تو پھر مختصر نماز پڑھائے، اس روایت پر عمل کر لے جس میں چالیس سے لے کر پچاس تک کا ذکر آیا ہے، اور اگر متوسط درجے کا کام کاج کرنے والے ہیں تو وہ متوسط کا ذکر جس میں آیا ہے، اور اگر کم کام کاج کرنے والے ہیں تو پھر اس پر عمل کر لے جس میں زیادہ کا ذکر آیا ہے۔

«قَالَ: وَفِي الظُّهْرِ مِثْلَ ذَلِكَ» اور ظہر میں بھی اسی کے مثل پڑھے، کس کے مثل؟ جتنا فجر میں تھا، «لِاسْتِوَائِهِمَا فِي سَعَةِ الْوَقْتِ» بوجہ ان دونوں کے برابر ہونے کے وقت کی گنجائش کے اندر، تو ظہر میں بھی فجر کے مثل قراءت کرے جیسا فجر میں اوپر ذکر ہوا، اس وجہ سے کیونکہ یہ دونوں برابر ہیں وقت کی گنجائش میں، جیسے ظہر کا وقت طویل ہے اسی طرح فجر کا وقت بھی طویل تھا، یوں کہیں جیسے فجر کا وقت طویل تھا، کھلا وقت تھا اسی طرح ظہر کا بھی وقت طویل ہے، کھلا وقت ہے، تو اس میں بھی اتنی قراءت کرے۔

«وَقَالَ فِي الْأَصْلِ» اور اصل میں یعنی مبسوط میں فرماتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ «أَوْ دُونَهُ» یا اس سے کم پڑھے، مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ نے کیا ذکر فرمایا ہے؟ «أَوْ دُونَهُ» یا اس سے کم، یعنی ظہر میں فجر کے مثل پڑھے یا اس سے کم پڑھے، «لِأَنَّهُ وَقْتُ الِاشْتِغَالِ» اس لیے کیونکہ وہ مشغولیت کا وقت ہے، کام کاج کا وقت ہے «فَيَنْقُصُ عَنْهُ» لہٰذا اس سے کچھ کم کر دے جتنا فجر میں پڑھتا تھا اس سے کچھ کم کر دے «تَحَرُّزًا عَنِ الْمَلَالِ» اکتاہٹ سے بچنے کے لیے، تاکہ کہیں لوگ اکتاہٹ میں نہ پڑ جائیں، زیادہ طویل قراءت اس میں نہ کرے، اس سے فجر سے کچھ کم کر دے، تو یوں کہیے بھائی کہ وہاں پر انہوں نے دونوں صورتیں ذکر کیں مبسوط کے اندر کہ ظہر میں فجر کے مثل پڑھ لے یا اس سے کم، اس لیے کیونکہ ظہر کی مشابہت جو ہے، ظہر کی مشابہت فجر کے ساتھ بھی ہے وقت کی گنجائش میں، جیسے فجر کا وقت کھلا وقت ہے اسی طرح ظہر میں بھی کھلا وقت ہوتا ہے، لمبا وقت ہوتا ہے، اور بعض اعتبارات سے مشابہت نہیں ہے اس لیے کیونکہ یہ وقت کون سا ہے؟ مشغولیت والا وقت ہے، تو ان دونوں طرف دونوں میں سے جس کو بھی چاہے اختیار کر سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ سَوَاءٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا...

«وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ سَوَاءٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِأَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ» اور عصر اور عشاء یہ برابر ہیں، «يَقْرَأُ فِيهِمَا بِأَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ» پڑھے ان کے اندر اوساطِ مفصل کو، کس کو؟ اوساطِ مفصل کو۔ یاد رکھیے قرآن کا جو آخری حصہ ہے آپ جانتے ہیں قرآن کے سات حصے ہیں جیسے تیس پاروں کے اندر قرآن کی تقسیم ہے اسی طرح حصوں کے اعتبار سے کتنے حصے ہیں؟ سات حصے، تو جو آخری حصہ ہے ساتواں اس کو مفصل کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مفصل کہتے ہیں، اس لیے کیونکہ اس کے اندر سورتیں بنسبت باقی حصوں کے ذرا چھوٹی سورتیں ہیں آخری حصے میں، تو ان میں فصل زیادہ ہے، کیا ہے؟ فصل زیادہ ہے، دیکھو ہر سورت الگ دوسری سے پھر دوسری سورت بسم اللہ سے شروع ہو گی، پھر اگلی سورت بسم اللہ، تو ان میں فصل زیادہ ہے لہٰذا اس آخری حصے کو کیا کہتے ہیں؟ مفصل کہتے ہیں مفصل۔ پھر اس مفصل کے میں تقسیم

سبق نمبر ۵۴: وَفِي السَّفَرِ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ آيٍ...

تین حصے ہیں بھائی، تین حصے: پہلے حصے میں اس کے ذرا لمبی سورتیں، درمیان والے میں ذرا اس سے چھوٹی اور آخر میں بالکل چھوٹی سورتیں آجاتی ہیں، تو اس اعتبار سے اس مفصل کے تین حصے ہوگئے: ایک حصہ لمبی سورتوں والا اس کو کہتے ہیں طوالِ مفصل، طوال جمع ہے طویل کی طویل کی، تو اس میں لمبی سورتیں ہیں، طوالِ مفصل لمبی مفصل کی سورتیں جو ہیں، اور پھر درمیان والا جو ہے وہ ہے اوساطِ مفصل، اس میں متوسط درجے کی سورتیں ہیں اس حصے میں جو ہیں کے اعتبار سے، اور آخری حصہ کیا ہے؟ آخری حصہ قصارِ مفصل کہلاتا ہے، قصار جمع ہے **قَصِير** کی، **قَصِير** کہتے ہیں چھوٹے کو، تو اس میں کیا ہیں؟ چھوٹی سورتیں ہیں مفصل کے اس حصے میں۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «**وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ سَوَاءٌ**» عصر اور عشاء برابر ہیں «**يَقْرَأُ فِيهِمَا بِأَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ**» ان میں اوساطِ مفصل پڑھے «**وَفِي الْمَغْرِبِ دُونَ ذَلِكَ**» اور مغرب میں اس سے کم پڑھے «**يَقْرَأُ فِيهَا بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ**» مغرب کے اندر قصارِ مفصل میں سے پڑھے جو چھوٹی سورتیں ہیں۔

اور یہ دیکھ لیجیے یہ حاشیہ ہے بھائی، میری کتاب میں دس نمبر حاشیہ ہے، اس میں تفصیل دی ہے کہ اوساطِ مفصل، طوالِ مفصل اور قصارِ مفصل کون کون سی ہیں، کہتے ہیں: «**طِوَالُ الْمُفَصَّلِ مِنْ سُورَةِ الْحُجُرَاتِ إِلَى سُورَةِ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ**» طوالِ مفصل جو ہے وہ سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ والسماء ذات البروج تک، یہ ہے طوالِ مفصل، اور... دیکھیے اس میں آخر میں آیا «**وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ**»، سورۃ البروج کا ذکر کہاں آیا؟ طوالِ مفصل میں، اور فجر میں کون سی پڑھی جاتی ہیں؟ طوالِ مفصل پڑھی جاتی ہیں اور سورۂ بروج ان کے سب سے آخر میں ہے، معلوم ہوا یہ آخری سورت ہے، اوپر آیا تھا حالتِ قرار میں کیا پڑھے گا فجر میں؟ «**نَحْوَ سُورَةِ الْبُرُوجِ**»، تو دیکھو یہ وہ آخری سورت وہاں ذکر ہے کہ یہ باقیوں کی بنسبت کچھ چھوٹی ہے۔ اچھا، تو یہ طوالِ مفصل ہے سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ والسماء ذات البروج تک، «**وَالْأَوْسَاطُ**» اور اوساطِ مفصل جو ہے «**مِنْهَا إِلَى سُورَةِ لَمْ يَكُنْ**» وہاں سے لے کر سورۂ لم یکن تک ہے «**وَالْقِصَارُ مِنْهَا إِلَى الْآخِرِ**» اور قصار پھر وہاں سے لے کر آخر تک، یہ ہے قصارِ مفصل بھائی۔

جی اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: «**وَالْأَصْلُ فِيهِ كِتَابُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ إِلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ**» اصل اس کے اندر کتاب، یاد رکھیے کتاب جیسے یہ جس میں آپ پڑھ رہے ہیں اس کو جیسے عربی میں کتاب کہتے ہیں اسی طرح خط کو بھی عربی میں کتاب کہتے ہیں، خط کو بھی کیا کہتے ہیں؟ کتاب۔ تو کہتے ہیں اصل اس کے اندر، یہ جو ہم نے ذکر کیا کہ فجر میں یہ پڑھے، عصر عشاء میں یہ پڑھے، مغرب میں یہ پڑھے قصارِ مفصل پڑھے، تو اصل اس کے اندر «**كِتَابُ عُمَرَ إِلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا**» اصل اس کے اندر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط ہے جو انہوں نے کس کو بھیجا؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہ «**أَنْ اقْرَأْ فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ**» یہ کہ پڑھو فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل «**وَفِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ بِأَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ**» اور عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل «**وَفِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ**» اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھو بھائی، تو یہ اصل ہے اس کی بنیاد پر۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ بِنَاءَ الْمَغْرِبِ عَلَى الْعَجَلَةِ وَ...

«**وَلِأَنَّ مَبْنَى الْمَغْرِبِ عَلَى الْعَجَلَةِ وَالتَّخْفِيفُ أَلْيَقُ بِهَا**» اور دوسری عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مغرب کی بنیاد جلدی پر ہے، مغرب کا وقت کیا ہوتا ہے؟ مستحب وقت تھوڑا ہوتا ہے، تو اس کی بنیاد جلدی پر ہے «**وَالتَّخْفِيفُ أَلْيَقُ بِهَا**» اور تخفیف اس کے زیادہ لائق ہے کہ نماز کو کیا ہونا چاہیے؟ ہلکا ہونا چاہیے، مختصر ہونا چاہیے، تو اسی لیے اس میں قصارِ مفصل پڑھی جائے۔

«**وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ يُسْتَحَبُّ فِيهِمَا التَّأْخِيرُ**»، اچھا بھائی، عصر اور عشاء کا کیا ایا تھا اوپر ذکر کہ اس میں اوساطِ مفصل پڑھی جائیں گی اوساط، ایک تو نقلی دلیل تو گزر گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ خط ہے بھائی، عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں عقلی، کہتے ہیں: «**عَصْرُ وَالْعِشَاءُ يُسْتَحَبُّ فِيهِمَا التَّأْخِيرُ**» ان میں مستحب تاخیر ہے، آپ نے پڑھا بھائی نمازوں کے اوقات جہاں بیان ہوئے تھے آپ نے پڑھا تھا کہ عصر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھا جائے، اسی طرح عشاء میں بھی تاخیر مستحب ہے، تو ان میں مستحب تاخیر ہے «**وَقَدْ يَقَعَانِ بِالتَّطْوِيلِ فِي وَقْتٍ غَيْرِ مُسْتَحَبٍّ فَيُوَقَّتُ فِيهِمَا بِالْأَوْسَاطِ**» اور کبھی کبھار یہ دونوں واقع ہو جائیں گے تطویل کی وجہ سے یعنی قراءت کو لمبا کرنے کی وجہ سے وقتِ غیر مستحب میں۔ بھائی ان عصر میں، عصر میں اور عشاء میں تاخیر مستحب ہے تو ان کو مؤخر کر کے پڑھا جاتا ہے، تو اگر ان میں لمبی قراءت کی جائے یعنی طوالِ مفصل کی قراءت کی جائے تو ان میں تو پہلے ہی تاخیر کی گئی ہے، اب قراءت بھی لمبی ہو جائے گی تو کہیں ایسا نہ ہو یہ وقتِ مستحب سے نکل کر کس میں داخل ہو جائیں؟ وقتِ غیر مستحب میں کہیں داخل نہ ہو جائیں، اس لیے وہاں پر طوالِ مفصل کے بجائے کس کے پڑھنے کا حکم دیا؟ اوساطِ مفصل کے، یہ معنی ہے «**وَقَدْ يَقَعَانِ بِالتَّطْوِيلِ فِي وَقْتٍ غَيْرِ مُسْتَحَبٍّ**» اور کبھی واقع ہو جائیں گی تطویل کی وجہ سے یعنی قراءت کو لمبا کرنے کی وجہ سے وقتِ غیر مستحب میں «**فَيُوَقَّتُ فِيهِمَا**» تو وہ نماز پڑھنے والا جو ہے ان میں تحدید کرے گا «**بِالْأَوْسَاطِ**» کس کے ساتھ؟ اوساط یعنی اوساطِ مفصل کے ساتھ ان کے تحدید کی جائے گی یعنی اس کے ساتھ اس کو اس کی حد بیان ہو گی کہ وہ پڑھے اس کے اندر بھائی، تو «**فَيُوَقِّتُ**» پڑھ لیں تو وہ ضمیر راجع ہے وہ نماز پڑھنے والے کی طرف یا «**فَيُوَقَّتُ**» پڑھ لیں یا اس کی تحدید کی جائے گی فیہما ان دونوں میں کس کے ساتھ؟ تحدید کی جائے گی اوساطِ مفصل کے ساتھ بھائی، یعنی اس کے ساتھ مقید کیا جائے گا وہ پڑھی جائیں گی اس میں۔

«وَيُطِيلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى مِنَ الْفَجْرِ عَلَى الثَّانِيَةِ» اور لمبی کرے پہلی رکعت فجر میں سے علی الثانیۃ دوسری رکعت پر، یعنی فجر میں پہلی رکعت کیا کرے امام؟ لمبی پڑھے اور دوسری کے مقابلے میں، «إِعَانَةً لِلنَّاسِ عَلَى إِدْرَاكِ الْجَمَاعَةِ» لوگوں کی مدد کرنے کے لیے جماعتوں کے پالینے پر، امام کیا کرے؟ پہلی رکعت لمبی پڑھائے فجر میں تاکہ لوگوں کی مدد ہو جائے جماعت کے پالینے پر کیونکہ وہ غفلت اور نیند کا وقت ہے تو تھوڑی جماعت لمبی کرلے تاکہ لوگ جماعت تک مل جائیں، جماعت میں آکر شامل ہو جائیں، یہ صاحب ہدایہ نے دلیل ذکر کی بھائی، اور نیز یاد رکھیے اسی پر توارث بھی جاری ہے یعنی اسی پر اسی پر توارث بھی جاری ہے یعنی عمل ہوتا چلا آیا ہے اسی طرح بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَرَكْعَتَا الظُّهْرِ سَوَاءٌ

«قَالَ: وَرَكْعَتَا الظُّهْرِ سَوَاءٌ» اور ظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہیں یعنی ان میں قراءت کیا کرے؟ برابر، فجر میں تو کیا کرے؟ پہلی رکعت لمبی دوسری کے مقابلے میں اور ظہر میں دونوں رکعتیں برابر، «هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ» یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے، «وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُطِيلَ الرَّكْعَةَ الْأُولَى عَلَى الثَّانِيَةِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا» اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ لمبی کرے پہلی رکعت دوسری پر تمام نمازوں کے اندر، کہ میرے نزدیک پسندیدہ کیا ہے؟ پہلی رکعت تمام نمازوں میں وہ لمبی ہونی چاہیے دوسری رکعت پر، «لِمَا رُوِيَ» بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی «أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُطِيلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى عَلَى غَيْرِهَا فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا» کہ حضور علیہ السلام وہ پہلی رکعت کو لمبا فرماتے تھے علی غیرہا باقیوں پر فی الصلوات کلھا تمام نمازوں میں۔ تو یہ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے بھائی، وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں دلیل کے طور پر کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی رکعت کو کیا ہونا چاہیے؟ باقیوں پر لمبا ہونا چاہیے۔

«وَلَهُمَا» شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے «أَنَّ الرَّكْعَتَيْنِ اسْتَوَتَا فِي اسْتِحْقَاقِ الْقِرَاءَةِ» کہ دونوں رکعتیں برابر ہیں قراءت کے استحقاق میں «فَيَسْتَوِيَانِ فِي الْمِقْدَارِ» تو دونوں برابر ہوں گی مقدار کے اندر بھی۔ دونوں رکعتیں استحقاقِ قراءت میں برابر ہیں یعنی دونوں کے اندر قراءت فرض ہے، پہلی رکعت کا حق بھی کیا ہے؟ اس میں کیا کی جائے؟ قراءت کی جائے، اس کے اندر فرض، دوسری رکعت کا حق بھی کیا ہے؟ اس میں کیا کی جائے؟ قراءت، تو دونوں جب استحقاقِ قراءت میں، قراءت کے مستحق ہونے میں یہ دونوں برابر ہیں تو مقدار کے اندر بھی کیا ہوں گی؟ برابر ہوں گی۔ یہ معنی ہے اس کے کہ دونوں برابر ہیں قراءت کے مستحق ہونے میں «فَيَسْتَوِيَانِ فِي الْمِقْدَارِ» تو یہ دونوں مقدار میں بھی برابر ہوں گی «بِخِلَافِ الْفَجْرِ» اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب دونوں جب دونوں رکعتیں قراءت کے استحقاق میں برابر ہیں تو مقدار میں بھی برابر ہونی چاہییں تو فجر میں آپ نے کیوں کہا پہلی رکعت کیا ہونی چاہیے دوسری کے مقابلے میں؟ لمبی، تو اس کا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: «بِخِلَافِ الْفَجْرِ» بخلاف کس کے؟ فجر کے «لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ» کیونکہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، تو اس لیے وہاں پر ذرا پہلی رکعت کو لمبا کردے تاکہ لوگ جو ہیں پہنچ سکیں، جماعت میں شامل ہو سکیں۔

«وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْإِطَالَةِ» اور شیخین رحمہما اللہ حدیث کا اب جواب ذکر کر رہے ہیں کہ حدیث میں تو کیا آیا کہ حضور علیہ السلام تمام نمازوں میں کیا فرماتے تھے؟ پہلی رکعت کو باقی رکعتوں پر طویل فرماتے، لمبا فرماتے تھے، تو کہتے ہیں: «وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْإِطَالَةِ مِنْ حَيْثُ الثَّنَاءِ وَالتَّعَوُّذِ وَالتَّسْمِيَةِ» اور حدیث محمول ہے لمبا کرنے پر ثناء، تعوذ اور تسمیہ کی حیثیت سے یعنی ان کے اعتبار سے، یعنی حدیث میں جو آیا کہ حضور علیہ السلام پہلی رکعت لمبی فرماتے تھے وہ اس وجہ سے کہ پہلی رکعت میں ثناء بھی آجاتی تھی، «سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ» اور اسی طرح اعوذ باللہ بھی آجاتی تھی اور بسم اللہ بھی آجاتی تھی، تو اس وجہ سے پہلی رکعت دوسری رکعت کے مقابلے میں لمبی ہوتی تھی، باقی قراءت کے اعتبار سے، قراءت کے اعتبار سے برابر ہی ہوں گی بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَا مُعْتَبَرَ بِالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ بِمِ...

«وَلَا مُعْتَبَرَ بِالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ بِمَا دُونَ ثَلَاثِ آيَاتٍ لِعَدَمِ إِمْكَانِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ»، آپ نے پڑھ لیا کہ فجر میں پہلی رکعت میں قراءت ذرا زیادہ ہو دوسری کے مقابلے میں، صورت سمجھ میں آگئی، وہ کچھ لمبی ہونی چاہیے۔ اور باقیوں میں قراءت برابر ہونی چاہیے، اور برابری کا یہ معنی نہیں ایک میں چار مثلاً ایک میں اگر جتنی آیتیں پڑھی ہیں دوسری میں بھی عینہٖ اتنی ہی برابر ہونی چاہییں، نہیں بھائی، ایک یا دو آیتوں کا اگر فرق ہو تو یہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ایک دو آیتوں کا فرق بھی ہو تو بھی اس کو برابر ہی شمار کیا جائے گا بھائی، سمجھ میں آیا؟ اس لیے کیونکہ ابھی آپ نے پڑھا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے سفر میں معوذتین پڑھیں، اسی طرح مغرب میں بھی معوذتین پڑھنا ثابت ہے، تو اب معوذتین پہلی رکعت میں دیکھو سورۂ فلق آگئی اس کی پانچ آیتیں ہیں، دوسری رکعت میں سورۂ ناس آگئی اس کی چھ آیتیں ہیں، تو ایک آیت کا تو فرق یہاں بھی پڑ گیا، حالانکہ حالانکہ پہلی رکعت دوسری رکعت کو برابر ہونا چاہیے، دوسری رکعت کو لمبا کرنا بالاجماع مکروہ ہے یاد رکھیے بھائی، مکروہ ہے۔ تو حالانکہ ایک آیت کا فرق آرہا ہے لیکن اس کا کوئی اعتبار نہیں، تو ایک یا دو آیتوں کا فرق ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس سے تو

بچنا بڑا مشکل ہے، ہاں اس تین آیتوں کا فرق آجائے یہ ٹھیک نہیں ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ یہ اس کا مطلب ہے پھر دوسری رکعت آپ نے کیا کر دی؟ زیادہ لمبی کر دی۔

یہ معنی ہے «وَلَا مُعْتَبَرَ بِالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ بِمَا دُونَ ثَلَاثِ آيَاتٍ» اور کوئی اعتبار نہیں ہے زیادتی اور کمی کا تین آیتوں سے کم، تین آیتوں سے کم زیادتی اور کمی کا کوئی اعتبار نہیں «لِعَدَمِ إِمْكَانِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ» اس لیے کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے بغیر حرج کے، بغیر تنگی کے، اگر بچے گا بچ تو سکتے ہیں انسان لیکن تنگی میں پڑ جائے گا بھائی، تو اس سے بچنا مشکل ہے۔

«وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا لَا يَجُوزُ غَيْرُهَا» اور نہیں ہے «فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ» کسی بھی نماز کے اندر «قِرَاءَةُ سُورَةٍ» کسی ایسی معین سورت کا پڑھنا، «قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا» ترجمے پہ نظر رکھنا بھائی، «قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا» کسی ایسی معین سورت کا پڑھنا کہ «لَا يَجُوزُ غَيْرُهَا» کہ اس کے علاوہ کوئی اور سورت جائز ہی نہ ہو۔ کسی نماز کے اندر کسی ایسی معین سورت کا پڑھنا نہیں ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور سورت جائز ہی نہ ہوتی ہو اس نماز میں، وہی سورت پڑھنی پڑے گی ایسا نہیں ہے، کسی بھی نماز میں کوئی کسی معین سورت کا پڑھنا ضروری نہیں، «لِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا» بوجہ مطلق ہونے اس کے جس کی ہم نے تلاوت کی یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا قول کیا ہے؟ «فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ» تو وہ مطلق ہے، معلوم ہوا جو بھی سورت پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے، کوئی سورت معین نہیں کسی نماز کے اندر۔

اچھا یہ تو مسئلہ بیان کر دیا، کسی نماز کے اندر کسی معین سورت کا پڑھنا ضروری نہیں۔ آگے یہ بیان کریں گے: «وَيُكْرَهُ أَنْ يُوَقِّتَ بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ لِشَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ» اور یہ بھی مکروہ ہے کہ خود معین کرے کس قرآن میں سے کسی چیز کو نما... کسی نماز کے لیے، کوئی کسی معین سورت کا پڑھنا شرعاً بھی کسی نماز میں نہیں ہے کہ اس کے ضروری ہو اسی کو پڑھنا پڑے گا، اور خود کوئی معین کر لیتا ہے وہی سورت اسی نماز میں پڑھنا چاہ... پڑھتا ہے اور پڑھتا ہی نہیں ہے تو یہ بھی مکروہ ہے، مکروہِ تحریمی ہے بھائی، کہ اس نماز میں ہمیشہ وہ وہی سورت پڑھتا ہے، تو خود متعین کرنا بھی کیا ہے؟ مکروہ ہے، یہ معنی ہے «وَيُكْرَهُ أَنْ يُوَقِّتَ بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ لِشَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ» اور مکروہ ہے یہ کہ معین کرے قرآن میں سے کسی چیز کو نما... کسی نماز کے لیے «لِمَا فِيهِ مِنْ هَجْرِ الْبَاقِي» اس وجہ سے کہ اس میں باقی سورتوں کا چھوڑنا ہے کہ باقی سورتیں کیا کر رہا ہے وہ؟ چھوڑ رہا ہے، اور یہ تو بڑی غلطی ہے، اور نیز «وَإِيهَامِ التَّفْضِيلِ» اس میں فضیلت کا وہم ڈالنا ہے، اس سے تو دوسرے کے ذہن میں یہ وہم ڈلے گا کہ شاید اس سورت کا پڑھنا اس میں افضل ہے، لہٰذا یہ درست نہیں۔

■ مسئلہ: وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ

«وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ» اور مقتدی جو ہے وہ قراءت نہیں کرے گا امام کے پیچھے۔ یاد رکھیے ہمارے نزدیک مقتدی جو ہے وہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرے گا، خاموش رہے گا، خاموشی سے سنے گا بھائی۔ تو خاموشی سے سنے گا اور اگر کوئی قراءت کرتا ہے تو یہ مکروہِ تحریمی ہے بھائی ہمارے عند الاحناف بھائی، تو کہتے ہیں: «وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ» اور قراءت نہیں کرے گا مقتدی امام کے پیچھے «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْفَاتِحَةِ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے سورۂ فاتحہ میں، وہ فرماتے ہیں مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھے گا، جیسے امام پڑھتا ہے مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھے گا۔ «لَهُ» ان کی دلیل یہ ہے «أَنَّ الْقِرَاءَةَ رُكْنٌ مِنَ الْأَرْكَانِ» کہ قراءت جو ہے نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے «فَيَشْتَرِكَانِ فِيهِ» تو امام اور مقتدی دونوں اس میں شریک ہوں گے۔ بھائی جیسے اور نماز کے اندر فرائض ہیں بھائی، رکوع ہے، سجدہ ہے، اس میں جیسے مقتدی شریک ہوتا ہے امام کے ساتھ، وہ رکنِ صلاۃ ہیں تو جیسے امام ادا کرتا ہے اسی طرح مقتدی بھی ادا کرتا ہے تو یہ قراءت بھی کیا ہے؟ رکنِ صلاۃ ہے لہٰذا اس میں بھی مقتدی ساتھ شریک ہو گا، دونوں قراءت کریں گے۔

«وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ» جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اسی کی قراءت ہے، اسی مقتدی کی قراءت ہے یعنی وہ اسی کی طرح ہے گویا وہ خود پڑھ رہا ہے، «وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ» اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس پر تو صحابہ کا اجماع نہیں ہے، اگر اجماع ہوتا تو امام شافعی رحمہ اللہ کو بھی اس کا علم ہوتا، لیکن وہ فرما رہے ہیں کہ کیا کرے؟ فاتحہ کی قراءت مقتدی بھی کرے گا۔ تو مراد یہ ہے اکثر صحابہ مراد ہیں بھائی، چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اسی صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے امام کے پیچھے قراءت سے منع کیا ہے، اسی صحابہ نے منع کیا ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے۔

تو کہتے ہیں: «وَهُوَ رُكْنٌ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا»، اب د... جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا، انہوں نے کیا دلیل ذکر کی تھی کہ یہ قراءت بھی رکنِ صلاۃ ہے لہٰذا اس میں امام اور مقتدی دونوں شریک ہوں گے، تو جواب دے رہے ہیں کہ ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، «وَهُوَ رُكْنٌ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا» اور یہ ایسا رکن ہے جو مشترک ہے مقتدی اور امام دونوں کے درمیان یعنی دونوں پر ضروری ہے، «لَكِنَّ حَظَّ الْمُقْتَدِي الْإِنْصَاتُ وَالِاسْتِمَاعُ» لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا اور سننا ہے۔ دونوں پر فرض ہے، دونوں اس میں شریک ہیں لیکن یہاں پر امام کا کام کیا ہے؟ قراءت کرنا اور مقتدی کا کام خاموش رہنا اور توجہ سے سننا ہے، استماع کہتے ہیں توجہ سے سننا۔ «قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «وَإِذَا قُرِئَ فَأَنْصِتُوا» اور جب قراءت کی جائے تو تم خاموش رہو، نیز اسی

طرح قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ» کہ جب قراءت کی جائے قرآن کی، قران پڑھا جائے تو اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، تو لہٰذا خاموش رہنا چاہیے اور حدیث بھی آ گئی۔

■ مسئلہ: وَيُسْتَحْسَنُ عَلَى سَبِيلِ الِاحْتِيَاطِ فِيمَا...

«وَيُسْتَحْسَنُ عَلَى سَبِيلِ الِاحْتِيَاطِ فِيمَا يُرْوَى عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى» امام محمد رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ بطورِ احتیاط کے پسندیدہ ہے کہ قراءت کرلے، مقتدی بھی کیا کرلے؟ فاتحہ پڑھ لے، اور بطورِ احتیاط کے، یہ معنی ہے «وَيُسْتَحْسَنُ عَلَى سَبِيلِ الِاحْتِيَاطِ» اور پسندیدہ ہے بطورِ احتیاط کے «فِيمَا يُرْوَى عَنْ مُحَمَّدٍ» اس روایت میں جو مروی ہے امام محمد رحمہ اللہ سے، «وَيُكْرَهُ عِنْدَهُمَا» اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے «لِمَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ» اس وجہ سے کہ اس میں وعید آئی ہے بھائی، اس بارے میں کیا آئی ہے؟ وعید آئی ہے، یہ اپ کے حاشیے میں حدیث دی ہوئی ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جس نے امام کے پیچھے قراءت کی «فَفِي فِيهِ جَمْرَةٌ» تو اس کے منہ میں انگارہ ہے، اس کے منہ میں کیا ہے؟ انگارہ ہے بھائی، اسی طرح اور بھی صحابہ وغیرہ سے اس قسم کی روایات ہیں بھائی۔

«وَيَسْتَمِعُ وَيُنْصِتُ وَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ آيَةَ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ»، ترغیب کا معنی ہے رغبت دلانا یعنی امام اگر جنت وغیرہ ایسی آیتیں پڑھتا ہے جن میں جنت کا ذکر ہے، اور ترھیب کا معنی ہے ڈرانا، خوفزدہ کرنا، تو مراد یہ ہے کہ امام ایسی آیتیں پڑھتا ہے جن میں جہنم کا ذکر ہے، تو کہتے ہیں: «وَيَسْتَمِعُ وَيُنْصِتُ وَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ آيَةَ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ» اور توجہ سے سنے اور خاموش رہے اگرچہ امام ترغیب یا ترہیب والی ایت پڑھے، پھر بھی خاموش رہے یعنی جنت کا ذکر ائے ایت کے اندر تو یہ مقتدی جو ہے وہ جنت کی دعا نہ کرے بھائی، جنت کی دعا نہ کرے یعنی پیچھے جنت کا سوال شروع کر دے، اللہ سے دعا شروع کر دے، اور اسی طرح اگر امام ترہیب والی کوئی ایت پڑھتا ہے جس میں جہنم کا ذکر ہے تو مقتدی پیچھے جہنم سے پناہ کی دعا نہ کرے بلکہ خاموش رہے، تو امام چاہے ترغیب والی ایت پڑھے چاہے ترہیب والی پڑھے، مقتدی کیا کرے؟ خاموش رہے اور توجہ سے سنتا رہے، «لِأَنَّ الِاسْتِمَاعَ وَالْإِنْصَاتَ فَرْضٌ بِالنَّصِّ» اس لیے کیونکہ توجہ سے سننا اور خاموش رہنا یہ فرض ہے نص سے، قرآن میں کیا ایا؟ اللہ کیا فرماتے ہیں: «وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا» تو یہ نص سے فرض ہے، «وَالْقِرَاءَةُ وَسُؤَالُ الْجَنَّةِ وَالتَّعَوُّذُ مِنَ النَّارِ كُلُّ ذَلِكَ مُخِلٌّ بِهِ» اور قراءت کرنا یعنی مقتدی کا پیچھے قراءت کرنا، اسی طرح «وَسُؤَالُ الْجَنَّةِ» مقتدی کا جنت کو مانگنا «وَالتَّعَوُّذُ مِنَ النَّارِ» اور آگ سے پناہ مانگنا یعنی جہنم سے پناہ مانگنا «كُلُّ ذَلِكَ مُخِلٌّ بِهِ» یہ سب اس میں خلل ڈالنے والے ہیں۔

خاموش رہنا اور توجہ سے سننا یہ تو فرض ہیں اور اگر پیچھے مقتدی قراءت کرتا ہے یا جنت کا سوال کرتا ہے یا اگ سے پناہ مانگتا ہے تو یہ سب چیزیں کیا ہیں؟ مخل ہیں، خلل ڈالنے والی ہیں، کس چیز میں؟ توجہ سے سننے میں اور خاموش... یہ تو حکم تو کیا دیا گیا ہے؟ توجہ سے سنو اور خاموش رہو، ان سے اس سے تو ان میں خلل ائے گا، «وَكَذَلِكَ فِي الْخُطْبَةِ» اور اسی طرح کس کے اندر؟ خطبے کے اندر، جب خطیب خطبہ دے رہا ہے مثلاً جمعے کا ہے یا عید وغیرہ کا خطبہ ہے تو ان میں بھی خاموش رہنا اور توجہ سے سننا ضروری ہے۔ «وَكَذَلِكَ إِنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور اسی طرح ہے یعنی غور سے سنے اور خاموش رہے اگر خطیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، خطیب کیا کرے؟ خطبہ دینے والا درود پڑھے، خطیب درود پڑھے تو سننے والے جو ہیں ان کو خاموش رہنا چاہیے، حالانکہ عام لوگ کیا کرتے ہیں؟ درود پڑھتے ہیں، حالانکہ خاموش رہنا ضروری ہے، «لِفَرْضِيَّةِ الِاسْتِمَاعِ» اس وجہ سے کہ غور سے سننا فرض ہے، توجہ سے سننا فرض ہے، «لِفَرْضِيَّةِ الِاسْتِمَاعِ» استماع کے فرض ہونے کی وجہ سے «إِلَّا أَنْ يَقْرَأَ الْخَطِيبُ قَوْلَهُ تَعَالَى» مگر یہ کہ خطیب پڑھے اللہ کا یہ قول «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ» الآیۃ، یہ ایت اگر پڑھے «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ» «فَيُصَلِّي السَّامِعُ فِي نَفْسِهِ» تو اس صورت میں بھی سننے والا درود پڑھے «فِي نَفْسِهِ» اپنے دل میں بھائی، اپنے دل میں یعنی خاموشی سے۔

■ مسئلہ: وَاخْتَلَفُوا فِي النَّائِي عَنِ الْمِنْبَرِ

«وَاخْتَلَفُوا فِي النَّائِي عَنِ الْمِنْبَرِ» اور اختلاف کیا ہے اس شخص کے بارے میں جو منبر سے دور ہے، بھائی یہ پہلے تو بیان ہوئے وہ وہ لوگ جو منبر کے قریب بیٹھے ہیں جنہیں خطبے کی اواز سنائی دے رہی ہے ان کو خاموش رہنا چاہیے اور توجہ سے خطبہ سننا چاہیے، اور جو ادمی منبر سے دور ہے اس تک اواز ہی نہیں پہنچ رہی اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو اس کے بارے میں فقہاء کا فقہاء جو ہیں انہوں نے کیا کیا ہے؟ اختلاف کیا ہے، بعضوں نے کہا اس پر خاموش رہنا فرض ہے، بعضوں نے کہا خاموش رہنا فرض نہیں کیونکہ وہ دور ہے اس تک اواز ہی نہیں پہنچ رہی کیونکہ خاموش رہنے کا مقصد تو کیا تھا تا کہ توجہ سے خطبے کو سن لے اور اب تو اس تک اواز ہی نہیں پہنچ رہی، تو کہتے ہیں: «وَاخْتَلَفُوا فِي النَّائِي عَنِ الْمِنْبَرِ» تو اختلاف کیا ہے فقہاء نے اس شخص کے بارے میں جو منبر سے دور ہے «وَالْأَحْوَطُ هُوَ السُّكُوتُ إِقَامَةً لِفَرْضِ الْإِنْصَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ» اور زیادہ احتیاط وہ کس میں ہے؟ خاموش رہنے میں ہے کہ وہ بھی خاموش رہے «إِقَامَةً لِفَرْضِ الْإِنْصَاتِ» تا کہ خاموش رہنے کا فرض قائم کرے بھائی، تا کہ خاموش رہنے کا فرض جو ہے اس کو قائم کرے، اس پر عمل کرے «وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ» اور اللہ ہی خوب

درست جاننے والے ہیں بھائی، چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۵۵: مسئلہ: اَلْجَمَاعَةُ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى لَا يَتَخَلَّ...

ہدایہ صفحہ: ۱۲۳ــــ بتاریخ: ۳۱ دسمبر ۲۰۱۲ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الْإِمَامَةِ

اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «اَلْجَمَاعَةُ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى لَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ»، وَأَوْلَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَقْرَؤُهُمْ لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ لَا بُدَّ مِنْهَا، وَالْحَاجَةُ إِلَى الْعِلْمِ إِذَا نَابَتْ نَائِبَةٌ۔ [1]

■ بَابُ الْإِمَامَةِ، اس باب میں امامت سے متعلقہ مسائل ذکر ہوں

بَابُ الْإِمَامَةِ، اس باب میں امامت سے متعلقہ مسائل ذکر ہوں گے۔

فرماتے ہیں: «**اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ**»، جماعت جو ہے وہ سنتِ مؤکدہ ہے بھائی، سنتِ مؤکدہ ہے۔ جبکہ بعض نے اس کو واجب لکھا بھائی، واجب لکھا۔ تو کہتے ہیں جماعت جو ہے سنتِ مؤکدہ ہے «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ «**اَلْجَمَاعَةُ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى**»، کہ جماعت کس میں سے ہے؟ سننِ ہدیٰ میں سے ہے۔

یاد رکھیے! حضور علیہ السلام کے اقوال و افعال جو ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ کچھ کو سننِ ہدیٰ کہتے ہیں، سمجھ میں آیا؟ اور کچھ کو سننِ زوائد کہتے ہیں۔ سننِ ہدیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فعل جو حضور علیہ السلام نے جس کو کیا ہو بطورِ عبادت کے، اسے کیا کہتے ہیں؟ سننِ ہدیٰ۔ اور وہ فعل جسے حضور علیہ السلام نے بطورِ عادت کے کیا ہو، اسے سننِ زوائد کہتے ہیں، انہیں سننِ زوائد کہتے ہیں۔

تو سننِ ہدیٰ وہی جو تعریف آپ پہلے سنت کی پڑھ چکے ہیں بھائی، وہ سنت ہے بھائی۔ سنت کسے کہتے تھے؟ آپ نے کیا پڑھا تھا؟ کہ حضور علیہ السلام کا وہ طریقہ جس کو حضور علیہ السلام نے کیا ہو اور کبھی کبھار اس کو ترک بھی کر دیا ہو۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی فرمائی لیکن کبھی کبھار اس کو کیا کر دیا؟ ترک بھی کر دیا جواز بتلانے کے لیے کہ یہ ترک بھی جائز ہے، یعنی واجب یا فرض نہیں ہے بھائی۔

تو اب جو حضور علیہ السلام کے افعال ہیں، تو یہ دو قسم کے ہوئے: کچھ وہ افعال جن کو حضور علیہ السلام نے بطورِ عبادت کے کیا، جیسے سنتیں ہیں بھائی، یہ نماز سے پہلے سنتیں آپ پڑھتے ہیں یا نماز کے بعد سنت پڑھتے ہیں یا اسی طرح اور جو افعال بتلائے حضور علیہ السلام نے۔ اور کچھ افعال وہ ہیں جن کو حضور علیہ السلام نے بطورِ عادت کے کیا، ان کو سننِ زوائد کہتے ہیں، سننِ زوائد کہتے ہیں۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زلفیں رکھنا، یہ کیا ہے؟ یہ عادت۔ یا آپ نے بالوں کو تیل وغیرہ لگایا، تو یہ بطورِ عادت کے لگایا، بطورِ عبادت کے نہیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہبند استعمال فرماتے تھے، تو یہ تہبند کا استعمال کرنا یہ بطورِ عادت کے تھا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو اب جو حضور علیہ السلام نے وہ افعال جو بطورِ عبادت کے کیے ہیں، ان میں حضور علیہ السلام کی پیروی کی جائے گی اور پیروی کی جائے گی، اور اس کے خلاف کوئی کرتا ہے تو کہیں گے اس نے خلافِ سنت کیا۔ کیا کہیں گے؟ خلافِ سنت۔ اور جو افعال حضور علیہ السلام سے بطورِ عادت کے ثابت ہیں، ان میں بھی کوئی اگر حضور صلی اللہ علیہ

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۶۰): «سنة»۔ • شاملہ (ص ۶۱) میں «نَابَتْ» کے بجائے «نئبت» درج ہے۔

وسلم کی پیروی کرتا ہے تو بڑی اچھی بات ہے اور اللہ کی طرف سے اس کو بڑی خیر کی توفیق ملی ہے، لیکن اس کے اندر دوسروں پر طعن کرنا یا ان پر اعتراض کرنا یہ صحیح نہیں ہے بھائی۔ یعنی اس میں شدت کرنا صحیح نہیں۔ ہاں! اگر کوئی عمل کرتا ہے اچھی بات ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اپناتا ہے، ان کی عادت کو اپناتا ہے، لیکن اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فعل بطورِ عادت کے کیا، بطورِ عبادت کے نہیں کیا بھائی، نہیں کیا۔

تو لہٰذا سننِ زوائد کے اندر اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی، عادت کا اتباع نہیں کرتا تو وہاں پھر آپ یہ نہیں کہیں گے یہ خلافِ سنت کر رہا ہے، بلکہ خلافِ سنت کا لفظ کہاں استعمال کریں گے؟ خلافِ سنت کوئی عام معمولی لفظ نہیں ہے بھائی، ایک بڑی بات آپ ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں کہ آپ خلافِ سنت کر رہے ہیں یعنی حضور علیہ السلام کی سنت کے خلاف کر رہے ہیں، تو یہ صرف کہاں پر استعمال ہو گا؟ جب کوئی شخص کس چیز کو ترک کرے؟ سننِ ہدیٰ کو ترک کرے، پھر کہیں گے۔ سننِ زوائد کے ترک میں یہ لفظ نہیں بولا جائے گا اور اس میں کسی پر، کسی کو ملامت وغیرہ بھی نہیں کی جائے گی اگر وہ سننِ زوائد پر عمل نہیں کرتا بھائی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ دلیل ذکر ہو رہی ہے کہ جماعت جو ہے سنتِ مؤکدہ ہے «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ «اَلْجَمَاعَةُ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى»، کہ جماعت جو ہے سننِ ہدیٰ میں سے ہے، «لَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ»، اس سے پیچھے نہیں رہتا مگر منافق ہی۔

■ مسئلہ: وَأَوْلَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِا...

«وَأَوْلَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ»، اب آگے یہ بیان کر رہے ہیں کہ کون امامت کے زیادہ لائق ہے؟ کس کو امامت کے لیے آگے کرنا چاہیے؟ تو بتلا رہے ہیں «وَأَوْلَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ»، اور لوگوں میں سے زیادہ لائق امامت کے وہ شخص ہے جو «أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ»، جو زیادہ جاننے والا ہے سنت کو۔ لوگوں میں امامت کے زیادہ لائق کون شخص ہے؟ جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہے، سنت کو زیادہ جاننے والا ہے۔

تو سنت کو زیادہ جاننے والے سے مراد ہے جو احکامِ شرعیہ کو جاننے، پورے طور پر جاننے والا ہے، ان کو زیادہ جاننے والا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ احکامِ شرعیہ کو جو زیادہ جاننے والا ہے۔ اس لیے کیونکہ دین سارا سنت ہی کا نام ہے، یہ ساری چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں؛ چاہے فرض ہے، چاہے واجب ہے، چاہے سنت ہے، چاہے مستحبات ہیں، یہ سب کس سے ثابت ہیں؟ سنت سے، حضور علیہ السلام سے ہی ثابت ہیں۔ تو یہاں سنت کو جاننے والے سے مراد جو احکامِ شریعت کو زیادہ جاننے والا ہے۔ یعنی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کو جو زیادہ جاننے والا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے میں فرائض ہیں یا نہیں ہیں؟ فرائض بھی ہیں، واجبات بھی ہیں، سنتیں بھی ہیں، مستحبات بھی ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ اسی طرح حرام سے بچنا بھی ہے، مکروہات سے بچنا وغیرہ، یہ سب چیزیں آ گئیں اس کے اندر بھائی، تو سارا دین اس کے اندر آ گیا۔ تو اعلم بالسنۃ سے کیا مراد ہے؟ جو احکامِ شریعت کو زیادہ جاننے والا ہے۔ تو سنت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، وہ سنت مراد نہیں جو واجب اور فرض کے مقابلے میں آتی ہے۔

بھائی! احکامِ شریعت آپ نے پڑھا ہے پانچ چھ قسم پر ہیں: کچھ کو فرض کہتے ہیں، کچھ کو واجب کہتے ہیں، کچھ کو سنت کہتے ہیں، کچھ کو مستحب کہتے ہیں، کچھ حرام ہے، کچھ چیزوں کا کرنا حرام ہے، کچھ چیزوں کا کرنا مکروہِ تحریمی ہے، کچھ چیزوں کا کرنا مکروہِ تنزیہی ہے، تو ان میں سے ایک سنت بھی ہے، سنت بھی ہے اور یہ کس کے مقابلے میں؟ فرض اور واجب وغیرہ کے مقابلے میں ہے، تو وہ سنت یہاں نہیں مراد بلکہ سنت سے کیا مراد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا طریقہ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کو جو زیادہ جاننے والا ہے، اور اس کے اندر پھر سارا دین آ گیا، تمام مسائل آ گئے یعنی احکامِ شرعیہ کو جو زیادہ جاننے والا ہے۔

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَقْرَؤُهُمْ

«وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَقْرَؤُهُمْ»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ لوگوں میں زیادہ لائق امامت کے «أَقْرَؤُهُمْ»، جو ان میں زیادہ بڑا قاری ہے بھائی، یعنی جو قرآن کے حروف کو اچھی طرح ادا کر سکتا ہے اور ان کا اچھی طرح تلفظ، صفات وغیرہ ہر چیز کا زیادہ جاننے والا ہے، اچھی طرح ادا کرنے والا ہے۔

تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ قرات جو ہے اس کی نماز میں ضرورت ہے، ہر نماز میں قرات فرض ہے تو قرات تو کرنی ہی پڑے گی، تو قرات نماز کے لیے ضروری ہے، جبکہ باقی مسائل کا جاننا ان کی تو ضرورت کبھی کبھار پیش آئے گی، اگر نماز میں مثلاً بھول جائے یا کوئی غلطی ہو جائے یا کوئی واقعہ پیش آ جائے پھر باقی مسائل کی ضرورت پیش آئے گی، ویسے مسائل کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، لیکن قرات کی تو ہر نماز کے اندر ضرورت ہے۔ تو لہٰذا جو زیادہ بڑا قاری ہے اس کو کیا کیا جائے گا؟ امامت کے لیے مقدم کیا جائے گا۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ لَا بُدَّ مِنْهَا»، وہ دلیل دیتے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ قرات جو ہے وہ ضروری ہے نماز

کے لیے، «وَالْحَاجَةُ إِلَى الْعِلْمِ إِذَا نَابَتْ نَائِبَةٌ»، اور ضرورت علم کی طرف یعنی مسائل کی طرف «إِذَا نَابَتْ نَائِبَةٌ»، اس وقت ہے جب کوئی حادثہ پیش آجائے، کوئی واقعہ پیش آجائے۔

«وَنَحْنُ نَقُولُ»، اور ہم کہتے ہیں۔ متن میں تو کیا آیا تھا؟ امامت کے زیادہ لائق کون سا شخص ہے؟ جو زیادہ سنت کو جاننے والا ہے، جو زیادہ احکامِ شریعت کو جاننے والا ہے۔ تو اب جواب دے رہے ہیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ صاحب ہدایہ، وہ فرماتے ہیں: «وَنَحْنُ نَقُولُ»، اور ہم کہتے ہیں: «اَلْقِرَاءَةُ مُفْتَقَرٌ إِلَيْهَا لِرُكْنٍ وَاحِدٍ»، کہ قرات جو ہے اس کی حاجت ہے ایک رکن کے لیے، ایک رکن میں اس کی حاجت ہے، یعنی ایک ہی رکن ہے قرات کا، اس کے لیے کس کی ضرورت ہے؟ قرات کی ضرورت ہے، «وَالْعِلْمُ لِسَائِرِ الْأَرْكَانِ»، اور علم جو ہے اس کی حاجت ہے تمام ارکان کے اندر، لہٰذا اس لیے جو اعلم بالسنۃ ہے وہ مقدم ہو گا، «فَإِنْ تَسَاوَوْا»، پس اگر سارے برابر ہوں احکام شریعت کے جاننے میں اگر سارے برابر ہوں، «فَأَقْرَؤُهُمْ»، تو ان میں سے جو زیادہ بڑا قاری ہے اس کو مقدم، وہ زیادہ امامت کے لائق ہے بھائی۔ تو دوسرے نمبر پر ہمارے نزدیک بڑا قاری جو ہے وہ ہمارے نزدیک دوسرے نمبر پر ہے امامت کے لائق ہونے میں، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ وہ اس کا پہلا درجہ ہے۔

تو «فَإِنْ تَسَاوَوْا فَأَقْرَؤُهُمْ»، اگر وہ سب برابر ہوں تو ان میں جو زیادہ قرات کو جاننے والا ہے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی کہ آپ نے دوسرا درجہ کس کا بیان کیا؟ جو زیادہ بڑا قاری ہے۔ اس کی دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ»، کہ امامت کرے لوگوں کی وہ جو ان میں سے زیادہ بڑا قاری ہے کتاب اللہ کا، «فَإِنْ كَانُوا سَوَاءً»، پس اگر وہ برابر ہوں، «فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ»، تو کون امامت کروائے؟ جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہے۔

یہ دلیل ہے جو صاحب ہدایہ نے ذکر کی۔ اوپر متن میں کیا آیا تھا؟ پہلا درجہ کس کا؟ جو اعلم بالسنۃ ہے۔ دوسرا درجہ کس کا؟ جو ان میں سے اقرأ ہے، جو بڑا قاری ہے، جو بڑا قاری۔ اور دلیل صاحب ہدایہ کیا ذکر فرما رہے ہیں؟ حدیث۔ حدیث میں پہلے درجے میں اقرأ کا ذکر ہے اور اعلم بالسنۃ کا دوسرے درجے میں ذکر ہے، دوسرے درجے میں۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے، یہ کیسے آپ دلیل ذکر کر رہے ہیں؟ جو آپ کا دعویٰ ہے حدیث میں تو بالکل اس کا عکس آرہا ہے۔ آپ کے نزدیک پہلا درجہ اعلم بالسنۃ کا اور دوسرا درجہ اقرأ کا، اور حدیث میں آیا پہلا درجہ اقرأ کا ہے اور دوسرا اعلم بالسنۃ کا۔

جی دیکھیے، صاحبِ ہدایہ جواب دیتے ہیں، اس کو کہتے ہیں فقاہت بھائی، فقہاء وہ دین کے معانی کو جاننے والے ہیں۔ اب اگر ظاہرِ حدیث کو دیکھا جائے تو اس سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ جو زیادہ بڑا قاری ہے اس کو پہلے، درجہ اس کا اور جو اعلم بالسنۃ ہے اس کا دوسرا درجہ، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی مراد کیا ہے؟ وہ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟ یہ صرف فقہاء ہی جانتے ہیں۔ اسی لیے ہم فقہاء کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق جس طرح انہوں نے قرآن اور سنت سے، قرآن اور حدیث سے دین کو سمجھا اور اس کی تشریح فرمائی، ہم بھی اسی طریقے کے مطابق ان کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق دین پر چلتے ہیں کیونکہ وہ دین، قرآن اور حدیث کو جاننے والے ہیں، اس کے معانی کو سمجھنے والے ہیں۔ اگر صرف ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو ظاہر کے اعتبار سے تو جو متن میں مسئلہ بیان ہو رہا ہے وہ درست نہیں، لیکن اب دیکھیے صاحب ہدایہ معنی بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں: «وَأَقْرَؤُهُمْ كَانَ أَعْلَمَهُمْ»، اور جو ان میں زیادہ بڑا قاری ہوتا تھا وہ ان میں زیادہ بڑا عالم بھی ہوتا تھا۔ اس لیے حضور نے کیا فرمایا؟ جو ان میں اقرأ ہو، جو زیادہ بڑا قاری ہو وہ امامت کروائے۔ کیوں حضور نے اقرأ کو کیوں مقدم کیا؟ کیونکہ صحابہ میں جو زیادہ بڑا قاری ہوتا تھا وہ زیادہ احکامِ شریعت کو بھی جاننے والا ہوتا تھا، تو جو بڑا قاری ہے وہ احکامِ شریعت کو بھی زیادہ جاننے والا ہے تو لازمی بات ہے اس کا درجہ پہلے ہو گا اور جو قرات میں اس سے کم ہے اس کا پھر درجہ بعد میں آئے گا۔ تو حدیث میں اس لیے اقرأ کو مقدم کیا گیا کیونکہ اس زمانے میں جو زیادہ بڑا قاری ہوتا تھا وہ زیادہ بڑا عالم بھی ہوتا تھا، جبکہ آج کل ایسا نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَأَقْرَؤُهُمْ كَانَ أَعْلَمَهُمْ

«وَأَقْرَؤُهُمْ كَانَ أَعْلَمَهُمْ»، اور ان میں جو زیادہ بڑا قاری ہوتا تھا وہ زیادہ بڑا عالم بھی ہوتا تھا، «لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَتَلَقَّوْنَهُ بِأَحْكَامِهِ»، اس لیے کیونکہ صحابہ جو تھے وہ لیتے تھے قرآن کو «بِأَحْكَامِهِ» اس کے احکام کے ساتھ، یعنی قرآن کو یاد کرتے تھے اس کے احکام کے ساتھ یاد کرتے تھے، صرف قرآن کو نہیں یاد کرتے تھے بلکہ ساتھ ساتھ اس کے احکام کو بھی سیکھتے تھے۔ چنانچہ اسی لیے روایات میں صحابہ کا ذکر آتا ہے کہ وہ مثلاً ایک ایک سورت کے بارے میں کہ ہم نے اتنے عرصے میں یہ سورت یاد کی یا اتنے عرصے میں اتنا حصہ ہم نے یاد کیا، جیسے انہوں نے حاشیے میں بھی دیا ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے بارہ سال میں سورۂ بقرہ یاد کی، بارہ سال میں۔ تو یہ کیوں، اتنا عرصہ کیوں لگا؟ کیونکہ پورے احکام کے ساتھ جاننا اور پورے احکام کے ساتھ اس کو وہ سیکھتے تھے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «كَانُوا يَتَلَقَّوْنَهُ بِأَحْكَامِهِ»، وہ لیتے تھے قرآن کو اس کے احکام کے ساتھ، «فَقُدِّمَ فِي الْحَدِيثِ»، تو حضور علیہ السلام نے حدیث میں ان کو مقدم کیا، «وَلَا كَذَلِكَ فِي زَمَانِنَا»، اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے، «فَقَدَّمْنَا الْأَعْلَمَ»، تو ہم نے کس کو مقدم کیا؟ اعلم کو مقدم کیا۔

«فَإِنْ تَسَاوَوْا فَأَوْرَعُهُمْ»، پس اگر وہ سارے برابر ہوں یعنی قرات میں بھی سارے برابر ہیں، «فَأَوْرَعُهُمْ»، تو جو ان میں سے زیادہ ورع والا ہے۔ ایک ہے ورع، واؤ راعین، وَرَعٌ۔ ایک ہے ورع اور ایک ہے تقویٰ، تقویٰ۔ تقویٰ کہتے ہیں محرمات سے بچنا یعنی جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہے ان چیزوں سے بچنا، یہ کیا ہے؟ تقویٰ۔ اور ایک ہے ورع، ورع اس سے بھی اونچا درجہ ہے بھائی ورع۔ ورع کسے کہتے ہیں؟ کہ انسان مشتبہات سے بھی بچے، جن چیزوں میں اشتباہ ہو ان سے بھی کیا کرنا؟ اپنے آپ کو بچانا۔ بھائی تقویٰ تو فرض ہے، حرام چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا تو فرض ہے، ورع اس سے اونچا مقام ہے کہ انسان صرف حرام سے نہیں بچتا بلکہ جن چیزوں میں شک اور شبہ ہوتا ہے ان سے بھی کیا کرتا ہے؟ اپنے آپ کو بچاتا ہے بھائی۔ تو لہٰذا «فَإِنْ تَسَاوَوْا فَأَوْرَعُهُمْ»، تو اگر وہ برابر ہوں تو جو ان میں زیادہ ورع والا ہے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «مَنْ صَلَّى خَلْفَ عَالِمٍ تَقِيٍّ فَكَأَنَّمَا صَلَّى خَلْفَ نَبِيٍّ»، جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا کہ اس نے پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی۔ سمجھ میں آیا؟ تو جس نے متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا اس نے پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی، اور نیز حدیث میں کیا آتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ «عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ»، میری امت کے جو علماء ہیں وہ کس طرح ہیں؟ بنو اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں بھائی۔

■ مسئلہ: فَإِنْ تَسَاوَوْا فَأَسَنُّهُمْ

«فَإِنْ تَسَاوَوْا فَأَسَنُّهُمْ»، پس اگر وہ سارے برابر ہوں یعنی ورع کے اندر بھی سارے، ورع اور تقویٰ میں بھی سارے برابر ہوں، «فَأَسَنُّهُمْ»، تو جو ان میں زیادہ عمر والا ہے، جو زیادہ عمر والا ہے وہ امامت کے زیادہ لائق ہے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، دلیل اس کی بھی ذکر کر رہے ہیں بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے جو آپ نے فرمایا لبنی ابی ملیکہ، ابن ابی ملیکہ کے بیٹوں سے: «وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا سِنًّا»، اور چاہیے کہ تم میں سے دونوں میں سے جو ہے امامت کروائے اکبر کما جو تم دونوں میں سے بڑا ہے سناً باعتبار عمر کے۔ «وَلِأَنَّ فِي تَقْدِيمِهِ تَكْثِيرَ الْجَمَاعَةِ»، اور نیز اس لیے کیونکہ جو بڑی عمر والا ہے اس کو مقدم کرنے میں جماعت کی بھی تکثیر ہے۔ بڑی عمر والے کے پیچھے لوگ نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں، تو بزرگ کو آگے کریں گے تو جماعت بھی زیادہ ہوگی، لوگ زیادہ اس میں شریک ہوں گے۔

«وَيُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْعَبْدِ»، اس کے بعد آگے ذکر نہیں کیا بھائی۔ زیادہ لائق امامت کے جو سنت کو یعنی احکامِ شریعت کو زیادہ جاننے والا ہے، اگر اس میں سارے برابر ہیں تو جو زیادہ بڑا قاری ہے ان میں، اگر اس میں برابر ہیں تو جو ان میں زیادہ متقی ہے، اگر اس میں بھی برابر ہیں تو پھر جو ان میں عمر میں بڑا ہے، اگر عمر میں بھی سارے برابر ہوں تو کہتے ہیں پھر ان میں سے جس کے اخلاق اچھے ہوں اس کو مقدم کیا جائے گا، پھر اگر اس میں بھی برابر ہوں سارے تو پھر جس کا حسب اونچا ہے، بڑے خاندان والا ہے اس کو مقدم کیا جائے گا۔ سمجھ رہے ہیں؟ پھر اگر اس میں بھی برابر ہوں تو کہتے ہیں ان میں سے پھر جو حسن و جمال میں زیادہ ہو اس کو آگے کیا جائے گا، اس لیے کیونکہ کیا بنایا جا رہا ہے؟ امام مقرر کیا جا رہا ہے، اس کو تمام صفات میں باقیوں سے بڑھ کر ہونا چاہیے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَيُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْعَبْدِ»، اور مکروہ ہے غلام کو آگے کرنا، «لِأَنَّهُ لَا يَتَفَرَّغُ لِلتَّعَلُّمِ»، اس لیے کیونکہ وہ تعلیم کے لیے، سیکھنے کے لیے فارغ نہیں ہوتا۔ بھائی غلام کو آگے مقدم کرنا امامت کے لیے یہ مکروہ ہے، اس لیے کیونکہ غلام تو کام کاج میں، خدمت میں مشغول رہتا ہے، اس کے لیے تعلیم کے مواقع کم ہوتے ہیں، سیکھنے کے مواقع کم ہوتے ہیں، اس لیے اس کو آگے نہ کیا جائے، اور نیز اس لیے بھی کیونکہ لوگ بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں ناگواری محسوس کریں گے۔

■ مسئلہ: وَالْأَعْرَابِيِّ

«وَالْأَعْرَابِيِّ»، اور اسی طرح مکروہ ہے دیہاتی کو آگے کرنا امامت کے لیے، «لِأَنَّ الْغَالِبَ فِيهِمُ الْجَهْلُ»، اس لیے کیونکہ دیہاتیوں کے اندر جہالت غالب ہوتی ہے۔ دیہات بھائی دیہاتی ہے، دیہات میں سادہ زندگی گزارتے ہیں تو زیادہ چیزوں وغیرہ کا علم نہیں ہوتا، ان میں جہالت غالب ہوتی ہے، اس لیے اس کو بھی آگے مقدم کرنا مکروہ ہے بھائی، اور نیز اس لیے کیونکہ لوگ بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں ناگواری محسوس کریں گے۔

«وَالْفَاسِقِ»، اور اسی طرح فاسق کو مقدم کرنا بھی مکروہ ہے، «لِأَنَّهُ لَا يَهْتَمُّ لِأَمْرِ دِينِهِ»، اس لیے کیونکہ وہ اہتمام نہیں کرتا اپنے دین کے معاملے کا، اپنے دین کے معاملے کا اہتمام نہیں کرتا یعنی اس کا خیال نہیں کرتا، اس کی پروا نہیں کرتا، گناہ وغیرہ کرتا رہتا ہے، تو جب وہ عام دین کے امور میں خیال نہیں رکھتا تو امامت جیسی بڑی ذمہ داری اس کو کیسے سونپی جائے بھائی؟ اور نیز وہی دلیل سب کے لیے: لوگ بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں ناگواری محسوس کریں گے۔

«وَالْأَعْمَى»، اور اسی طرح اندھا جو ہے اس کو بھی آگے کرنا یہ مکروہ ہے۔ بھائی اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ لَا يَتَوَقَّى النَّجَاسَةَ»، اس لیے کیونکہ یہ نجاست سے نہیں بچتا، یا یوں کہیں اس لیے کیونکہ یہ نجاست سے نہیں بچ سکتا کیونکہ یہ تو بیچارہ نابینا ہے، اس کو تو پتہ ہی نہیں چلتا، نجاست کہیں لگ بھی جائے اس کو پتہ نہیں چلے گا، تو لہٰذا اس لیے اس کو آگے کرنا مکروہ ہے۔

■ مسئلہ: وَوَلَدِ الزِّنَا

«وَوَلَدِ الزِّنَا»، اور اسی طرح وہ ولد الزنا کو بھی نماز پڑھانے کے لیے، امامت کے لیے آگے کرنا مکروہ ہے۔ ولد الزنا وہ شخص جو زنا سے پیدا ہوا ہے، اس کو بھی آگے کرنا مکروہ ہے۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ أَبٌ يُشْفِقُهُ»، اس لیے کیونکہ اس کا کوئی باپ نہیں جو اس پر کیا کرتا؟ شفقت کرتا، اس کو ادب سکھاتا، تعلیم دیتا وغیرہ بھائی، «فَيَغْلِبُ عَلَيْهِ الْجَهْلُ»، تو اس پر کیا غالب ہو گا؟ جہل غالب ہو گا۔

«وَلِأَنَّ فِي تَقْدِيمِ هَؤُلَاءِ تَنْفِيرَ الْجَمَاعَةِ فَيُكْرَهُ»، اور نیز اس لیے کیونکہ ان کو آگے کرنے میں جماعت کو نفرت دلانا ہے، «فَيُكْرَهُ»، تو لہٰذا مکروہ ہو گا۔ بھائی یہ سب کے لیے اکٹھی علت ذکر کر دی، ویسے علیٰ ہر ایک کی الگ الگ وجہ بھی بیان کر دی اور اب یہ سب کی اکٹھی وجہ بھی بیان کر دی کہ یہ وجہ بھی ہے کہ ان لوگوں کو جن کو ہم نے اوپر ذکر کیا یعنی یہ جو غلام ہے، یہ دیہاتی ہے یا فاسق ہے یا اعمیٰ ہے یا ولد الزنا ہے، اس کے اندر جماعت کو بھی نفرت دلانا ہے، لوگ کیا کرتے ہیں؟ اس سے لوگ ناگواری محسوس کریں گے اور جماعت کم ہو جائے گی، لوگ پھر آئیں گے نہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «وَلِأَنَّ فِي تَقْدِيمِ هَؤُلَاءِ تَنْفِيرَ الْجَمَاعَةِ فَيُكْرَهُ»، اور اس لیے کیونکہ ان کو آگے کرنے میں جماعت کو نفرت دلانا ہے، تو مکروہ ہو گا۔

«وَإِنْ تَقَدَّمُوا جَازَ»، اور اگر یہ لوگ آگے ہو گئے جاز تو پھر جائز ہے یعنی نماز پڑھائیں گے تو نماز ہو جائے گی، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ»، پڑھو تم نماز ہر نیک اور بد کے پیچھے، ہر نیک اور بد کے پیچھے کیا کرو؟ نماز پڑھو، یعنی ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَا يُطِيلُ الْإِمَامُ بِهِمُ الصَّلَاةَ

«وَلَا يُطِيلُ الْإِمَامُ بِهِمُ الصَّلَاةَ»، اور امام ان لوگوں کو لمبی نماز نہ پڑھائے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «مَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيُصَلِّ بِهِمْ صَلَاةَ أَضْعَفِهِمْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ»، جس نے امامت کی لوگوں کی تو اس کو چاہیے کہ ان کو ان میں سے کمزور، جو سب سے کمزور ہے اس کی نماز پڑھائے، اس لیے کیونکہ ان میں مریض ہو گا، اور بڑی عمر والا ہو گا، اور ضرورت مند ہو گا۔ کیونکہ ان میں کیا ہو گا؟ ان لوگوں میں کوئی مریض ہو گا، کوئی بڑی عمر والا بوڑھا ہو گا اور کوئی ضرورت مند ہو گا، تو جو شخص بھی امامت کروائے اس کو ان میں سے سب سے کمزور کی جماعت کروانی چاہیے یعنی ہلکی اور مختصر جماعت کروانی چاہیے۔ اکیلا انسان پڑھے نماز، نوافل وغیرہ تو جتنی مرضی طویل پڑھے اچھی بات ہے، لیکن جب جماعت کروائے تو پھر وہاں پر لوگوں کا خیال کرے اور مختصر جماعت کروانی چاہیے بھائی، سنت کے مطابق بھائی۔

«وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ أَنْ يُصَلِّينَ وَحْدَهُنَّ الْجَمَاعَةَ»، تو مکروہ ہے عورتوں کے لیے کہ وہ اکیلی جماعت کروائیں بھائی، اکیلی جماعت سے نماز پڑھیں، «لِأَنَّهَا لَا تَخْلُو عَنِ ارْتِكَابِ مُحَرَّمٍ»، اس لیے کیونکہ یہ خالی نہیں ہے حرام کے ارتکاب سے۔ محرم سے مراد حرام نہیں ہے اس سے مراد مکروہِ تحریمی ہے۔ محرم یعنی جس کو منع کیا گیا ہے جس سے، تو مکروہِ تحریمی بھی حرام کے قریب ہے۔ اس لیے کیونکہ یہ ان کی جماعت جو ہے وہ ارتکابِ محرم سے خالی نہیں یعنی اس میں مکروہِ تحریمی، دو مکروہِ تحریمی میں سے ایک ضرور پایا جائے گا۔ اس لیے کیونکہ جب اکیلی جماعت کروائیں گی تو ان کی جو امام ہے وہ یا تو آگے کھڑی ہو گی یا صف پہلی صف کے اندر ہی کھڑی ہو گی بیچ میں۔ اگر بیچ میں کھڑی ہوتی ہے تو امام کو تو آگے ہونا چاہیے، یہ تو بیچ میں کھڑی ہو گئی صف کے درمیان میں تو یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ یا اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ آگے کھڑا ہونا پڑے گا اور آگے کھڑا ہونا عورت کا یہ بھی مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ اس میں بے پردگی ہے، کیا ہے؟ بے پردگی، حالانکہ عورت کی تو نماز کس طرح ہونی چاہیے جس میں زیادہ سے زیادہ ستر ہو، زیادہ سے زیادہ پردہ ہو۔

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا لَا تَخْلُو عَنِ ارْتِكَابِ مُحَرَّمٍ»، اس لیے کیونکہ یہ ان کی جماعت جو ہے وہ مکروہِ تحریمی کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے، «وَهُوَ قِيَامُ الْإِمَامِ وَسْطَ الصَّفِّ فَيُكْرَهُ كَالْعُرَاةِ»، اور وہ کیا ہے؟ امام کا صف کے بیچ میں کھڑا ہونا ہے تو یہ مکروہ ہو گا جیسے ننگے ہوتے ہیں۔ ننگے کیا ہے؟ ان میں بھی اگر کوئی جماعت کروائے تو امام کو کہاں کھڑا ہونا پڑتا ہے؟ درمیان میں، جی درمیان میں صف میں۔

■ مسئلہ: وَإِنْ فَعَلْنَ قَامَتِ الْإِمَامُ وَسْطَهُنَّ

«وَإِنْ فَعَلْنَ قَامَتِ الْإِمَامُ وَسْطَهُنَّ»، اور اگر وہ کریں، ہے تو مکروہ عورتوں کی جماعت لیکن اگر وہ کریں یعنی جماعت کروائیں، «قَامَتِ الْإِمَامُ وَسْطَهُنَّ»، تو ان کی امام جو ہے وہ ان کے بیچ میں درمیان میں کھڑی ہو، «لِأَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا فَعَلَتْ كَذَلِكَ»، اس لیے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا کیا، انہوں نے ایسا ہی فرمایا، عورتوں کی جماعت کروائی تو خود درمیان ہی میں صف کے درمیان بیچ میں کھڑی ہوئیں۔

اب اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ فعل کیا ہے تو اس کو مکروہ کیسے قرار دیا کہ عورتیں اکیلی جماعت کروائیں گی تو ان کا اکیلے جماعت کروانا مکروہ ہے؟ تو جواب دے رہے ہیں آگے صاحبِ ہدایہ، کہتے ہیں: «**وَحُمِلَ فِعْلُهَا الْجَمَاعَةَ عَلَى ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ**»، اور ان کا جماعت کا فعل جو ہے، جماعت جو انہوں نے کروائی اس کو محمول کیا گیا ہے ابتدائے اسلام پر۔ کس پر؟ ابتدائے اسلام میں یعنی پہلے جائز تھا پھر اس کو کیا کر دیا گیا؟ منسوخ کر دیا گیا۔ اس لیے کیونکہ بعد میں پھر عورتیں مسجد میں جماعت کے اندر حاضر ہوتی تھیں، تو یہ ابتدا کی بات ہے۔

«**وَلِأَنَّ فِي التَّقَدُّمِ زِيَادَةَ الْكَشْفِ**»، اور نیز اس لیے کیونکہ آگے ہونے میں کشف کی زیادتی ہے۔ کشف کا معنی کھلنا یعنی بے پردگی۔ اگر درمیان میں کھڑی ہوں گی تو درمیان میں کھڑے ہونا تو اپنی جگہ کو چھوڑ کر امام کا بیچ میں کھڑا ہونا یہ بھی مکروہِ تحریمی، اور اگر آگے ہو گی امام تو پھر اس صورت میں بھی کیا ہو گا؟ کشف ہو گا یعنی بے پردگی ہو گی حالانکہ عورت کی نماز میں کیا ہونا چاہیے؟ ستر ہونا چاہیے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ صَلَّى مَعَ وَاحِدٍ أَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ

«**وَمَنْ صَلَّى مَعَ وَاحِدٍ أَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ**»، اور جس شخص نے نماز پڑھی ایک کے ساتھ تو کھڑا کرے اس کو اپنے دائیں طرف۔ بھائی اب صرف دو آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتے ہیں ایک امام بنے گا اور ایک مقتدی، تو مقتدی کو کہاں کھڑا ہونا چاہیے؟ اس امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے، «**لِحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا**»، بوجہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی وجہ سے، «**فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى بِهِ وَأَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ**»، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی اور ان کو کھڑا کیا اپنے دائیں طرف، ان کو اپنے دائیں طرف کھڑا کیا۔ یہ روایات میں آتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے لگے، یہ بھی ساتھ شریک ہوئے اور بائیں طرف کھڑے ہو گئے، کہاں کھڑے ہو گئے؟ بائیں طرف کھڑے ہو گئے، چھوٹے تھے تو حضور علیہ السلام نے ان کو کان سے پکڑ کر دائیں طرف ان کو لے آئے بھائی، تو ان کو دائیں طرف کھڑا کیا۔ معلوم ہوا کہ جب ایک مقتدی ہو اس کو کس طرف کھڑا کرنا چاہیے؟ دائیں طرف کھڑا کرنا چاہیے بھائی۔

تو دیکھیے یہاں پر حدیث میں آیا «**صَلَّى بِهِ**»، **صلّٰی** کے ساتھ با آئی بھائی با۔ اور یاد رکھیے جب **صلّٰی** کے ساتھ با آئے تو پھر اس کا معنی نماز پڑھنے کے نہیں بلکہ نماز پڑھانا ہے۔ کیا معنی ہے؟ تو یہ با متعدی بنانے کے لیے آتی ہے اور جس پر یہ با داخل ہو گی وہ مقتدی ہو گا۔ دوسرا ہے نماز پڑھانے والا، اور جس پر با داخل کی اس کو، مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں میں نے زید کو نماز پڑھائی...

تو کیا کہیں گے؟ **صَلَّيْتُ بِزَيْدٍ، صَلَّيْتُ بِزَيْدٍ**، میں نے زید کو نماز پڑھائی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَتَأَخَّرُ عَنِ الْإِمَامِ

«**وَلَا يَتَأَخَّرُ عَنِ الْإِمَامِ**» اور وہ امام سے پیچھے نہ ہو، بھئی ایک شخص ہے تو امام اس کو کہاں کھڑا کرے؟ اپنے دائیں طرف کھڑا کرے اور وہ امام سے پیچھے نہ ہو یعنی پچھلی صف میں نہیں کھڑا ہو گا بلکہ دائیں طرف کھڑا ہو گا اس کے ساتھ ہی۔ «**وَعَنْ مُحَمَّدٍ**» اور امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ «**أَنَّهُ يَضَعُ أَصَابِعَهُ عِنْدَ عَقِبِ الْإِمَامِ**» عقب کہتے ہیں ایڑی کو، ایڑی۔ اور امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ رکھے گا اپنی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے تو کیا پتہ چلا؟ کہاں کھڑا ہو؟ دائیں طرف یعنی برابر میں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کیا روایت فرماتے ہیں؟ کہ کہاں کھڑا ہو؟ ہاں یعنی دائیں طرف ہی ہو لیکن تھوڑا سا پیچھے ہو معمولی سا، کہ جو مقتدی ہے اس کی انگلیاں، پاؤں کی انگلیاں وہ امام کی ایڑی کے برابر میں ہوں بھئی، ایڑی کے برابر میں ہوں۔

«**وَالْأَوَّلُ هُوَ الظَّاهِرُ**» اور اول کیا ہے؟ وہ ظاہر ہے کہ ساتھ کھڑا ہو بھئی۔ ہاں تو بہر حال ساتھ کھڑا ہو یا تھوڑا سا اگر پیچھے ہو لیکن امام سے آگے نہ ہو، امام سے آگے نہ ہو۔ اور آگے ہونے کا پتہ ایڑی سے چلتا ہے، اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی کے برابر ہے تو معلوم ہو یا اس کے برابر ہے، اور اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے ذرا بھی آگے ہے تو پھر تو مقتدی آگے ہو رہا ہے تو پھر درست نہیں۔ تو یا برابر ہو یا اس سے پیچھے ہو۔ تو پاؤں یہ جو صفیں بھی ہم برابر کرتے ہیں، تو یاد رکھیے یہ صفوں کے برابر ہونے کا پتہ بھی ایڑیوں سے چلے گا، ایڑیاں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برابر ہوں، ایڑی کا آخری کنارہ پچھلا کنارہ ایک دوسرے کے برابر کیا جائے، انگلیوں کی برابری سے صف نہیں سیدھی ہو گی، اس لیے کیونکہ کسی کا پاؤں لمبا ہوتا ہے کسی کا چھوٹا ہوتا ہے پھر تو صف برابر ہی نہیں رہے گی، تو صف کی برابری کا پتہ کس سے چلے گا؟ ایڑیاں برابر ہوں۔

■ مسئلہ: وَإِنْ صَلَّى خَلْفَهُ أَوْ فِي يَسَارِهِ جَازَ

«وَإِنْ صَلَّى خَلْفَهُ أَوْ فِي يَسَارِهِ جَازَ» اور اگر اس نے نماز پڑھی وہ جو ایک مقتدی ہے اس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی یعنی پچھلی صف میں کھڑا ہو گیا «أَوْ فِي يَسَارِهِ» یا اس کے بائیں جانب ہوا تھا «جَازَ» تو بھی جائز ہے یعنی نماز ہو جائے گی «وَهُوَ مُسِيءٌ» اور وہ برا کرنے والا ہے «لِأَنَّهُ خَالَفَ السُّنَّةَ» اس لیے کیونکہ اس نے کیا کیا؟ سنت کی مخالفت کی ہے بھئی، تو نماز بہر حال ہو جائے گی۔

«وَإِنْ أَمَّ اثْنَيْنِ تَقَدَّمَ عَلَيْهِمَا» اور اگر امامت کروائی دو آدمیوں کی کسی نے «تَقَدَّمَ عَلَيْهِمَا» تو پھر ان پر وہ امام آگے ہو جائے گا، یعنی یہ دونوں پچھلی صف میں کھڑے ہوں گے، دائیں اور بائیں نہیں کھڑے ہوں گے بلکہ پچھلی صف میں۔ «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ يَتَوَسَّطُهُمَا» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ امام ان کے درمیان میں کھڑا ہو، یعنی ایک دائیں طرف کھڑا ہو جائے اور ایک بائیں طرف کھڑا ہو جائے۔ «وَنُقِلَ ذَلِكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ» اور یہ نقل کیا گیا ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علقمہ اور حضرت اسود رحمہما اللہ کو نماز پڑھائی اور ان کے درمیان میں کھڑے ہوئے بھئی، درمیان میں کھڑے ہوئے، تو یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ دلیل ذکر فرماتے ہیں کہ درمیان میں کھڑا ہو گا۔ «وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَقَدَّمَ عَلَى أَنَسٍ وَالْيَتِيمِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا حِينَ صَلَّى بِهِمَا» کہ حضور علیہ السلام آگے ہوئے تھے حضرت انس اور یتیم پر جب ان کو نماز پڑھائی تھی، تو حضور آگے ہوئے تھے، معلوم ہوا آگے ہونا چاہیے۔ «فَهٰذَا لِلْأَفْضَلِيَّةِ» تو یہ کس لیے ہے؟ افضل ہونے کے لیے ہے، یعنی افضل صورت یہ ہے کہ امام آگے ہو اور مقتدی جو دو ہیں وہ پیچھے ہوں۔ «وَالْأَثَرُ دَلِيلُ الْإِبَاحَةِ» اور اثر یعنی صحابی کا جو فعل ہے وہ مباح ہونے کی دلیل ہے یعنی جائز ہونے کی دلیل ہے۔

بھئی یاد رکھیے بھئی، جمہور کے نزدیک بھئی خبر، اثر، سنت، حدیث، چار نام ہیں حدیث کے، خبر بھی کہتے ہیں، اثر بھی کہتے ہیں، حدیث بھی کہتے ہیں اور سنت بھی کہتے ہیں، لیکن بعض علماء ان میں پھر بعض فرق کرتے ہیں جیسے صاحب ہدایہ، صاحب ہدایہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل کو ذکر فرماتے ہیں تو حدیث کا لفظ ذکر کرتے ہیں، اور جب اثر کا لفظ ذکر کریں تو اس سے ان کی مراد صحابی کا قول یا فعل ہوتا ہے۔ اثر سے کیا مراد ہوتا ہے؟ صحابی کا قول یا فعل، جیسے یہاں پر آیا بھئی کہ یہ جو حدیث میں آیا یہ افضل ہونے کی علامت ہے «وَالْأَثَرُ دَلِيلُ الْإِبَاحَةِ» اور صحابی کا جو عمل ہے وہ کس چیز کی دلیل ہے؟ مباح ہونے یعنی جائز ہونے کی دلیل ہے، یعنی جو حدیث میں آیا وہ افضل صورت ہے کہ امام کو آگے ہونا چاہیے اور اگر امام درمیان میں بھی ہو تو نماز جائز ہو جائے گی ایسا کرنا بھی جائز ہے اور اس کا پتہ کس سے چلا؟ اثر سے یعنی صحابی کے فعل سے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیا۔

■ مسئلہ: وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ أَنْ يَقْتَدُوا بِامْرَأَةٍ...

«وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ أَنْ يَقْتَدُوا بِامْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ» اور جائز نہیں ہے مردوں کے لیے کہ وہ اقتداء کریں عورت کی یا بچے کی، یعنی عورت یا بچے کو امام بنائیں اور مرد پیچھے ہوں یہ جائز نہیں۔

«أَمَّا الْمَرْأَةُ» باقی عورت جو ہے «فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» تو وہ حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے «أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللَّهُ» کہ ان عورتوں کو مؤخر کرو، پیچھے کرو، من حیث اخر ھن اللہ، جہاں ان کو اللہ نے مؤخر کیا ہے، جہاں ان کو اللہ نے مؤخر فرمایا ہے تم بھی ان کو کیا کرو؟ ان کو مؤخر کرو، پیچھے کرو، اور اور تو کوئی مقام نہیں، معلوم ہوا یہ کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے؟ نماز کے بارے میں، کہ اس میں اللہ نے ان کو مؤخر فرمایا ہے کہ وہ پیچھے ہوں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عورتیں پیچھے کھڑی ہوں گی۔

اور بعضوں نے کہا کہ حیث تعلیل کے لیے بھی یہاں، بھئی حیث کا ایک معنی تو ہے جگہ، مکان، تو حیث جگہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے تو پہلا ترجمہ کیا ہوا؟ «أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللَّهُ» ان کو مؤخر کرو من حیث، جس جگہ پر یعنی جہاں پر اللہ نے ان کو مؤخر فرمایا ہے اور وہ کیا ہے؟ معلوم ہوا نماز ہی ہے بھئی، نماز ہی ہے۔ اور بعضوں نے کہا حیث تعلیل کے لیے بھئی، کہ یعنی علت بیان کی جا رہی ہے، عورتوں کو مؤخر کرو کیونکہ اللہ نے ان کو مؤخر فرمایا ہے، اور اللہ نے عورتوں کو مؤخر فرمایا ہے، مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے، چنانچہ آپ اسی لیے دیکھتے ہیں احکام شریعت کے اندر پڑھتے ہیں کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے، دو عورتوں کی گواہی ایک مرد، معلوم ہوا مرد کو فضیلت ہے۔ اسی طرح وراثت کے مسئلے کے اندر دیکھ لیں، بھائی اور بہن ہوں تو بھائی کو بہن سے دگنا حصہ ملتا ہے، معلوم ہوا ہے مرد کو اللہ نے فضیلت دی ہے، اسی طرح عورت کے لیے قوم کی امیر بننا وغیرہ یہ درست نہیں ہے بھئی، تو ان سب سے پتہ چلا کہ اللہ نے ان کو مؤخر فرمایا ہے تو لہٰذا نماز میں بھی ان کو ان کا مقام مردوں کے بعد ہو گا تو یہ مردوں کے پیچھے ہوں گی۔

■ مسئلہ: فَلَا یَجُوْزُ تَقْدِیْمُھَا

« فَلَا یَجُوْزُ تَقْدِیْمُھَا » تو ان کو مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔

« وَأَمَّا الصَّبِيُّ فَلِأَنَّهُ مُتَنَفِّلٌ فَلَا يَجُوزُ اقْتِدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِهِ » اچھا بھئی، عورت کی اقتداء تو درست نہیں، بچے کی اقتداء کیوں نہیں درست؟ اس کو امام بنانا کیوں نہیں صحیح؟ کہتے ہیں « وَأَمَّا الصَّبِيُّ فَلِأَنَّهُ مُتَنَفِّلٌ » کیونکہ وہ تو نفل پڑھنے والا ہے، بھئی بچے پر تو نماز فرض ہی نہیں۔ بچے پر تو نماز فرض ہی نہیں ہے، تو لہٰذا بچے کی نماز کیا ہوئی؟ نفل ہوئی، اور دوسرا شخص کیا پڑھ رہا ہے اس کے پیچھے؟ فرض پڑھنا چاہتا ہے، تو بچے کی نماز نفل ہے اور یہ جو مقتدی ہے اس کی نماز فرض ہے، اور امام کی جو جماعت ہوتی ہے وہ شامل ہوتی ہے مقتدی کی جماعت کو، یعنی مقتدی کی نماز امام کی نماز کے اندر داخل ہوتی ہے، اس کی نماز میں داخل ہوتی ہے، یعنی یوں کہیں امام کی نماز مقتدیوں کی نماز کو اٹھائے ہوئے ہے، ان کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اپنے اندر لیے ہوئے ہے، تو اگر وہ قوی ہوگی تو اس کے اندر ضعیف آجائے گا، لیکن اگر وہ ضعیف ہے تو ضعیف تو قوی چیز کو نہیں اٹھا سکتی بھئی، تو بچہ ہوا نفل پڑھنے والا اور مقتدی ہوا فرض پڑھنے والا، تو لہٰذا یہ اقتداء صحیح نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں ضعیف پر قوی کی بناء کرنا، قوی کی بنیاد رکھنا لازم آئے گا اور ضعیف پر قوی کی بنیاد نہیں رکھی جاتی بلکہ قوی پر ضعیف کی بنیاد رکھی جاتی ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟

اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا: اچھا اگر نفل پڑھنا چاہتے ہیں، کیا پڑھنا چاہتے ہیں؟ نفل، اب تو بچے کی نماز تو نفل ہے ٹھیک ہے، تو پیچھے جو مقتدی ہے وہ بھی تو نفل پڑھنا چاہتا ہے تو اس صورت میں پھر اقتداء صحیح ہونی چاہیے، بچے کے پیچھے نماز درست ہونی چاہیے، تو یہ مسئلہ بھی آگے ذکر کریں گے بھئی، کہ صحیح قول کے مطابق اس صورت میں بھی اقتداء صحیح نہیں۔ بچہ نفل پڑھ رہا ہے اور جو مقتدی ہے وہ بھی کس میں شریک ہے ساتھ؟ وہ بھی نفل پڑھ رہا ہے، نفل کی نیت کے ساتھ شامل ہوا ہے، تو بھی اقتداء صحیح نہیں، اس لیے کیونکہ آپ نے پڑھا ہے نفل نفل ہیں جب تک شروع نہیں کیے لیکن جب شروع کر دیے تو وہ کیا بن گئے؟ واجب بن گئے، تو پیچھے جو مقتدی ہے اس نے جیسے ہی نفل شروع کیے کیا بن گئے؟ وہ تو واجب بن جائیں گے، اور بچہ، بچے پر اگر وہ نفلوں کو فاسد بھی کر دے اس پر ان کی قضاء نہیں، بچے پر ان کی قضاء نہیں، تو اس صورت میں بھی وہی خرابی لازم آئے گی کہ کیا کرنا پڑے گا؟ ضعیف پر قوی کی بنیاد رکھنا لازم آئے گا اور یہ تو صحیح نہیں۔

تو کہتے ہیں « وَأَمَّا الصَّبِيُّ فَلِأَنَّهُ مُتَنَفِّلٌ فَلَا يَجُوزُ اقْتِدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِهِ » اور باقی بچہ جو ہے تو وہ تو نفل پڑھنے والا ہے لہٰذا جائز نہیں ہے کہ اس کی اقتداء کرے فرض پڑھنے والا۔

■ مسئلہ: وَفِي التَّرَاوِيحِ وَالسُّنَنِ الْمُطْلَقَةِ جَوَّزَهُ...

« وَفِي التَّرَاوِيحِ وَالسُّنَنِ الْمُطْلَقَةِ جَوَّزَهُ مَشَايِخُ بَلْخٍ وَلَمْ يُجَوِّزْهُ مَشَايِخُنَا » اور تراویح کے اندر اور مطلق سنتوں کے اندر اس کو جائز قرار دیا ہے مشائخ بلخ نے « وَلَمْ يُجَوِّزْهُ مَشَايِخُنَا » اور اس کو جائز قرار نہیں دیا ہمارے مشائخ نے یعنی مشائخ ماوراء النہر، مشائخ ماوراء النہر۔

بھئی یاد رکھیے، یہ صاحب ہدایہ ماوراء النہر کے ہیں۔ آج کل یوں کہیے روس کے ہیں، کہاں سے تھے؟ کس علاقے سے ان کا تعلق تھا؟ روس۔ بھئی یہ جو افغانستان کا روس کی طرف کا جو کنارہ ہے، یہ آخری کنارہ اور اسی طرح آگے روس کا جو حصہ ہے یہ ہے ماوراء النہر، یہ بخارا، سمرقند یہ اس علاقے میں تھے اور یہ عجیب علم خیز علاقہ تھا، جتنے بڑے بڑے علماء کو دیکھیں قدیم اکثر اس علاقے کے ہیں، امام بخاری اس علاقے کے ہیں، امام ترمذی اس علاقے کے ہیں، صاحب ہدایہ اس علاقے کے ہیں وغیرہ، بڑے بڑے جبال، امام ترمذی ہیں وہ اس علاقے کے ہیں، بڑے بڑے جو جبال العلوم ہیں وہ اس علاقے کے ہیں، اور اب اللہ نے وہ برکات جو ہیں وہ سرزمین ہند میں منتقل فرما دی ہیں، اب آپ دیکھیں علمائے دیوبند کو دیکھ لیں کہ ان سے اللہ دین کی خدمات لے رہے ہیں اور وہ برکات ان کی طرف اللہ نے منتقل فرما دی ہیں اور علمائے دیوبند نے دین کی اتنی خدمت کی، اتنا کام ان سے اللہ نے لیا کہ انسان حیران رہتا ہے کہ یہ کیسے مبارک اور پیارے لوگ ہیں بھئی، کیسے مبارک۔

سمجھ میں آیا؟ بڑے بڑے علماء اور اتنی دین کی خدمت کی اور دین کی ایسی وضاحت، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ہی کو دیکھ لیجیے بھئی، کیسی دین کی عجیب ان کو اللہ نے ملکہ دیا، اتنی زیادہ تصانیف کیں اور پھر اتنی مقبولیت اللہ نے ان کو نصیب فرمائی، کوئی شخص کہہ دے آپ کو کہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے یوں فرمایا ہے، تو آپ فوراً تسلیم کر لیتے ہیں کہ اچھا اگر انہوں نے لکھا ہے تو مسئلہ ایسا ہی ہوگا، دیکھو کتنا اعتماد ہے کہ ان کا قول آجاتا ہے تو پھر آپ کو مزید تحقیق کی ضرورت نہیں بھئی، سمجھ؟ تو یہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ہیں اسی طرح، بلکہ دین کے ہر شعبے کے اندر علمائے دیوبند کی خدمات ہیں بھئی، چاہے سیاست میں دیکھ لیں، چاہے جہاد کے اندر دیکھ لیں، چاہے ختم نبوت کے اندر دیکھ لیں، چاہے تبلیغ کے میدان میں دیکھ لیں، چاہے مدارس کے میدان میں دیکھ لیں تعلیم کے اندر دیکھ لیں، ہر شعبے کے اندر علمائے دیوبند سے اللہ دین کا کام لے رہے ہیں بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ اور الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی ان اہل حق میں سے پیدا فرمایا اور ہمیں پیدائشی طور پر ہی اللہ نے یہ عقیدہ نصیب فرما دیا جو علمائے دیوبند کا ہے بھئی، ورنہ عقیدے کو کون بدلتا ہے بھئی، آپ خود دیکھ لیں، کھلی نشانیاں سامنے آجاتی ہیں کھلی نشانیاں، پھر بھی لوگ اپنے عقیدے کو نہیں

چھوڑتے، سمجھ میں آیا بھئی؟ اور پھر کتنی نشانیاں، ابھی قریب میں آپ نے دیکھا، قریب میں، قریب میں مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی قبر سے خوشبو جاری ہوئی، میرے والد حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ ان کی قبر سے اللہ نے خوشبو جاری فرمائی، غازی عبد الرشید جو لال مسجد کے اندر شہید جن کو کیا گیا ان کی قبر سے اللہ نے خوشبو جاری فرمائی، مولانا عبد اللہ رحمہ اللہ اسلام آباد میں جن کو شہید کیا گیا ان کی قبر سے اللہ نے خوشبو جاری فرمائی، اور اسی طرح کتنے ہی علماء قریب کے سالوں میں آپ دیکھ لیں کن کی قبروں سے، کسی کے خون سے خوشبو آرہی ہے۔

اب یہ کتنی کھلی نشانیاں ہیں، کتنی کھلی نشانیاں، اور یہ جو قبروں سے خوشبو آتی ہے مجھے میں نے تو اپنے والد صاحب کی قبر سے خوشبو آئی اس کا مشاہدہ کیا، یہ نہیں کہ قبر کے پاس آپ کھڑے ہوتے ہیں پھر خوشبو آتی ہے، نہیں، پورا علاقہ معطر ہوتا ہے، پورا علاقہ۔ اب والد صاحب کی قبر میانی قبرستان میں ہے اور یہ حالانکہ ایشیا کا سب سے قدیم ترین قبرستانوں میں سے ہے اور کتنا ہی بڑا ہے پھیلا ہوا ہے، ارد گرد آبادی، تو جب والد صاحب کی قبر سے خوشبو شروع ہوئی تو پورا قبرستان اور اس کے ارد گرد کی جتنی آبادی ہے ان ساروں کی فضا ہر وقت معطر رہتی تھی، ہر وقت معطر، یہ نہیں کہ صرف قبر کے پاس خوشبو، نہیں نہیں، وہ سارا علاقہ معطر ہوتا ہے۔ اور جب تک خوشبو ہے وہ سارا علاقہ دن رات خوشبو سے معطر ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہاں بیچ میں سے جو گاڑیاں گزرتیں بھئی گاڑیاں، سڑک گزر رہی ہے وہاں تو گاڑی بھی گزر رہی ہے اگر شیشے کھلے ہوتے واضح گزرنے والے کو فوراً ہی تیز خوشبو کے جھونکے واضح محسوس ہوتے تھے، جیسے غازی عبد الرشید رحمہ اللہ جن کو شہید کیا گیا ان کی قبر سے خوشبو آئی تو یہ نہیں صرف قبر کے پاس خوشبو تھی، بلکہ کئی بستیوں تک وہ خوشبو پھیلی ہوئی تھی، ساری فضا ہر وقت معطر ہے ہر وقت معطر۔ بلکہ والد صاحب کی قبر کے پاس تو یہ بھی مشاہدہ کیا کہ وہاں کوئی شخص اگر پندرہ بیس منٹ یا ادھا گھنٹہ گزار لیتا تھا تو اس کے پورے کپڑے معطر ہو جاتے اور کئی کئی دن تک وہ جہاں جاتا اس کے کپڑوں سے خوشبو آتی رہتی، لوگ اس سے پوچھتے بھئی یہ کون سی خوشبو لگائی ہوئی ہے؟ اور ایسی خوشبو ایسی خوشبو، خوشبو ذرا تیز ہو انسان کو بعض اوقات ناگوار لگتی ہے، وہ جتنی زیادہ ہوتی اتنی ہی اس کی لذت بڑھتی چلی جاتی بھئی، تو پاس بھی لوگ جو ہوتے وہ بھی مٹی کو اٹھا کر بار بار سونگھتے تھے، جتنی زیادہ تیز خوشبو محسوس ہوتی اس کی اتنی لذت اور زیادہ اور زیادہ سرور محسوس ہوتا تھا، اور پھر ایسی خوشبو کہ تھوڑی سی ایک چٹکی کے برابر یا اس کے لگ بھگ اتنی سی مٹی اگر بڑے ہال میں رکھ دیتے تھے پورا ہال معطر ہو جاتا تھا، وہ ایک ایسی عجیب خوشبو تھی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھئی۔

تو یہ کتنی کھلی نشانیاں اللہ کی طرف سے اللہ دکھلاتے ہیں، سمجھ میں آیا بھئی؟ اور دیکھتے ہیں کہ یہ خوشبو اور خوشبو بھی ایسی کہ ایسی خوشبو سونگھی نہیں پہلے، اور پھر قبر سے آرہی ہے مٹی سے آرہی ہے، لوگ مٹی اٹھا کر لے جا رہے ہیں اور مٹی ڈالتے ہیں وہ بھی اسی وقت اسی طرح خوشبو دار ہو جاتی ہے، وہ ختم ہوتی ہے اور مٹی ڈال دیتے ہیں وہ بھی پھر پانچ دس منٹ کے اندر وہ بھی اسی طرح خوشبو دار ہو جاتی ہے، اور سلسلہ چل رہا ہے، تو لیکن بہر حال ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ جس کو چاہتے ہیں ہدایت نصیب فرماتے ہیں، انسان جو عقیدہ بدلنا اس کے لیے سب سے مشکل کام ہوتا ہے بھئی، معمولی سی اس میں تبدیلی کرنا بھی اس کے لیے بڑا مشکل کام ہوتا ہے بھئی، بڑا مشکل کام ہوتا ہے، سمجھ میں آیا؟

بجائے اس کے کہ اس سے لوگ ہدایت پر آئیں، جو اپنے جس کا عقیدہ اور ہوگا اس کی کوشش یہ ہوگی کہ ہمارے لوگوں میں سے بھی کسی کی قبر سے خوشبو آجائے، بھئی عجیب بات ہے یہ تو زبردستی والی بات ہے، بھئی اپنا عقیدہ کیوں نہیں ٹھیک کر لیتے جب آپ کو پتہ چل گیا ایک شخص کی قبر سے ایک بھی نہیں کئی افراد بار بار کبھی ایک کی کبھی دوسرے کی کبھی تیسرے کی قبر سے خوشبو آرہی ہے، معلوم ہوا یہ اہل حق لوگ ہیں، یہ کس قسم کے لوگ ہیں؟ اہل حق ہیں، یہ حق پر ہیں، تو تم کیوں نہیں اسی راستے پر آجاتے؟ بجائے اس کے کہ پھر بھی کوشش یہی ہے کہ ہمارا راستہ بھی کیا ہو جائے؟ ٹھیک ثابت ہو جائے بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو یہ اللہ کا ہم پر خصوصی انعام ہے، خصوصی فضل و کرم ہے کہ ہمیں انہی لوگوں میں انہی کے گھرانوں میں پیدا فرمایا اور پیدائشی طور پر یہ عقیدہ ہمیں اللہ نے نصیب فرما دیا ورنہ عقیدہ بدلنا بڑا مشکل کام ہے، بڑا مشکل کام ہے بھئی۔

تو اللہ تعالیٰ سب کو کامل ہدایت نصیب فرمائے بھئی، اللہ سب کو، اور اللہ ہمیں ان بزرگوں کے طریقے پر اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے استقامت کے ساتھ بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَفِي التَّرَاوِيحِ وَالسُّنَنِ» تو یہ ماوراء النہر کی بات میں کر رہا تھا، تو یہ افغانستان کا یہ دوسری جانب کا جو کنارہ ہے روس کی طرف کا یہ اور روس کا جو علاقہ ہے ساتھ سارا یہ کیا کہلاتا ہے؟ ماوراء النہر، اور صاحب ہدایہ یہاں کے تھے، تو چنانچہ جب وہ اپنے فقہاء اور مشائخ کا ذکر فرماتے ہیں تو فرماتے ہیں مشائخنا، کس کے نزدیک؟ عند مشائخنا ہمارے مشائخ کے نزدیک ہے، یا ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے، تو یہ معنی ہے «وَلَمْ يُجَوِّزْهُ مَشَايِخُنَا» اور اس کو جائز قرار نہیں دیا ہمارے مشائخ نے یعنی ہمارے اساتذہ نے، ہمارے فقہاء نے۔

اچھا، تو مشائخ بلخ کیا فرماتے ہیں؟ تراویح اور سنن مطلقہ کے اندر بچے کی اقتداء کرنا مرد کے لیے انہوں نے جائز قرار دیا ہے۔ سنن مطلقہ اس سے کیا مراد ہے؟ سنن مطلقہ سے مراد ہیں حاشیے میں اپ کے تفصیل دی ہوئی ہے: أَيِ الرَّوَاتِبِ، یعنی کہ رواتب، رواتب یہ سنت مؤکدہ جو ہیں، ان کو کیا کہتے ہیں؟ رواتب کہتے ہیں، یہ بھئی جو نماز سے پہلے یا بعد میں جو سنتیں ہم ادا کرتے ہیں، یہ سنت مؤکدہ، ان کو کیا کہا جاتا ہے؟ رواتب۔ اسی طرح «وَصَلَاةِ الْعِيدِ عَلَى إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ» اور عید کی

نماز بھی دو روایتوں میں سے ایک روایت کے مطابق سنت ہے، ویسے تو واجب ہے جو صحیح روایت ہے لیکن ایک روایت کے مطابق کیا قرار دیا فقہاء نے اس کو؟ سنت۔ اسی طرح «وَالْوِتْرِ عِنْدَهُمَا» وتر جو ہے صاحبین کے نزدیک کیا ہے؟ سنت۔ «وَصَلَاةِ الْكُسُوفِ وَالْخُسُوفِ وَالِاسْتِسْقَاءِ» اور اسی طرح سورج گرہن، چاند گرہن وغیرہ اور استسقاء کی جو نمازیں ہیں یہ بھی کیا ہیں؟ صاحبین کے نزدیک یہ سنت ہیں بھئی سنت ہیں۔ تو یہ اس میں دیکھو اوپر آیا سنن مطلقہ، مطلقاً جو سنتیں ہیں یہ ساری اس میں داخل ہو گئیں سنت مؤکدہ وغیرہ، تو مشائخ بلخ نے اس میں بچے کی اقتداء کرے کوئی بڑا آدمی اس کو جائز قرار دیا ہے، کیا قرار دیا ہے؟ جائز قرار دیا ہے۔

تو سنتیں ویسے تو الگ الگ ادا کرنی، سنت کا طریقہ تو یہی ہے جماعت کے ساتھ نہیں ہو بلکہ کس طریقے سے ہونی چاہیے؟ الگ ادا کرے انسان بھئی اکیلا، لیکن اگر کوئی دو تین اکٹھے ہو کر ادا کر لیتے ہیں تو اگرچہ مکروہ ہے صحیح قول کے مطابق لیکن بہر حال نماز ہو جائے گی، نماز کیا ہے؟ ہو جائے گی، پھر بالخصوص جب اس میں اہتمام نہ ہو، لوگوں کو بلایا نہ جائے بلکہ دو تین اکٹھے ہو گئے انہوں نے کیا کر لیا؟ کسی وقت ادا کر لیا تو نماز ہو جائے گی جیسے نفلوں کے اندر ہے، نفلوں کے اندر بھی یاد رکھیے جماعت نہیں، نفل اکیلے پڑھنے چاہییں، لیکن اگر کوئی دو چار اکٹھے ہو گئے انہوں نے کیا کر لیا؟ جماعت کروالی، تو یاد رکھنا پھر ٹھیک ہے، نفل ہو جائیں گے اور اس صورت میں کراہت بھی نہیں ہے جب کہ اس کو وہ اپنا طریقہ ہی نہ بنالیں، سمجھ میں آیا بھئی؟ ہاں تو کبھی ہو گئے اکٹھے اور اکٹھے پڑھ لیے تو پھر ٹھیک ہے طریقہ اور اس صورت میں کراہت بھی نہیں ہے، لیکن اگر وہ باقاعدہ جمع ہوتے ہیں یا پڑھتے ہیں اس طرح نوافل کو جماعت کے ساتھ تو یہ مکروہ تحریمی ہے ہمارے نزدیک صحیح قول کے مطابق بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَفِي التَّرَاوِيحِ وَالسُّنَنِ الْمُطْلَقَةِ جَوَّزَهُ مَشَايِخُ بَلْخٍ» تراویح میں اور مطلق سنتوں کے اندر جائز قرار دیا ہے اس کو بلخ کے مشائخ نے «وَلَمْ يُجَوِّزْهُ مَشَايِخُنَا» اور ہمارے مشائخ نے یعنی ماوراء النہر کے مشائخ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

■ مسئلہ: وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّقَ الْخِلَافَ فِي النَّفْلِ ا...

«وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّقَ الْخِلَافَ فِي النَّفْلِ الْمُطْلَقِ بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى» اور ان میں سے بعضوں نے تو اختلاف کو ثابت کیا ہے نفل مطلق کے اندر بھی امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان۔ بھئی تراویح اور سنتوں کے اندر تو اختلاف ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ اور کہتے ہیں بعضوں نے نفل مطلق یعنی غیر موقت نفل جو ہیں جو کسی بھی وقت پڑھے جائیں، یہ غیر موقت نفلوں کے اندر ان میں بھی اختلاف کو ثابت کیا ہے، کس کے درمیان ہے؟ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، یعنی انہوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے نفل مطلق میں، یعنی وہ نفل جو کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں، وقت کے ساتھ مقید۔

«وَالْمُخْتَارُ» آگے صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں، اور مختار اور پسندیدہ قول یہ ہے «أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا» کہ یہ جائز نہیں ہے تمام نمازوں میں ہی، چاہے سنت ہوں، چاہے نفل ہوں، ان سب کے اندر بچے کو امام بنانا جائز نہیں۔

«لِأَنَّ نَفْلَ الصَّبِيِّ دُونَ نَفْلِ الْبَالِغِ» اس لیے کیونکہ بچے کے جو نفل ہیں وہ بالغ کے نفل سے کمتر ہیں «حَيْثُ لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ بِالْإِفْسَادِ بِالْإِجْمَاعِ» کیونکہ بچے پر قضاء لازم نہیں ہوتی اس کو فاسد کرنے سے بالاجماع۔ اگر وہ نفلوں کو کیا کر دے؟ فاسد کر، درمیان میں نفل توڑ دیتا ہے تو اس پر قضاء نہیں، لیکن اگر کوئی بڑا نفل کو توڑ دے گا اس پر قضاء ہے، تو معلوم ہوا بچے کے نفل بھی ضعیف ہوئے اور بالغ کے نفل قوی ہوئے، تو ضعیف پر قوی کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

■ مسئلہ: وَلَا يُبْنَى الْقَوِيُّ عَلَى الضَّعِيفِ

«وَلَا يُبْنَى الْقَوِيُّ عَلَى الضَّعِيفِ» اور بنیاد نہیں رکھی جاتی قوی کی ضعیف پر۔

«بِخِلَافِ الْمَظْنُونِ» بخلاف کس کے؟ مظنون کے «لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ» اس لیے کیونکہ وہ مجتہد فیہ ہے، اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ بھئی مظنون یہ ہے، توجہ سے سننا بھئی مظنون: ایک آدمی ہے نماز پڑھ رہا ہے مثلاً ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اور آخری قعدے پر بیٹھا، نماز مکمل ہو گئی لیکن اس کے بھول گیا، وہ سمجھا شاید میں نے ابھی صرف دو رکعت پڑھی ہیں، وہ پھر کھڑا ہو گیا۔ اب یہ جو اگلے دو رکعتیں ہیں یہ پڑھتا ہے یہ نفل ہوں گی، یہ کیا ہوں گی؟ نفل، اور یہ شخص یہ نفل جو پڑھ رہا ہے کس وجہ سے پڑھ رہا ہے؟ اپنے غلط گمان کی وجہ سے، اپنے گمان کی وجہ سے پڑھ رہا ہے، تو یہ شخص ہوا ظان، ظن کس کو کہتے ہیں؟ گمان کو، ظان کا کیا معنی؟ گمان کرنے والا، اور یہ نفل جو پڑھ رہا ہے یہ ہوئے مظنون جن کا اس نے کیا کیا ہے؟ گمان، اس نے تو کیا گمان کیا؟ میں شاید نماز ہی پڑھ رہا ہوں ابھی ظہر کی نماز پوری نہیں ہوئی، لیکن ہیں یہ نفل اور یہ کون سے نفل ہیں؟ نفل مظنون ہیں، کیا ہیں؟ نفل مظنون ہیں۔ یاد رکھیے یہ نفل ہیں اور یہ کیا کہلائیں گے؟ نفل مظنون۔ ان کو اگر یہ شخص فاسد کر دیتا ہے، توڑ دیتا ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں اس پر قضاء نہیں۔ کیونکہ یہ تو اس نے اپنے گمان کی وجہ سے شروع کیے تھے، ایک عارض کی وجہ سے، ورنہ تو دراصل اس کا ارادہ نفل پڑھنے کا تھا ہی نہیں۔ ارادہ ہوتا خود ارادے سے کوئی نفل شروع کرتا ہے اس پر لازم ہو جاتے ہیں، لیکن یہاں پر جو اس کا ارادہ تھا نفل کا؟ اس کا ارادہ تو نفل کا نہیں۔ لہٰذا اس کو پھر درمیان

میں یاد آ گیا کھڑا ہو گیا، ایک رکعت یہ پڑھ بھی چکا ہے، اس نے پھر نماز توڑ ڈالی، نماز توڑ دی، نماز توڑ دی، تو اب اس پر قضاء ہو گی یا قضاء نہیں ہو گی؟ اس پر قضاء نہیں۔ تو مظنون جو نفل ہیں ان کی قضاء نہیں، تو وہ جو مشائخ بلخ وغیرہ ہیں انہوں نے قیاس کیا تھا کس پر؟ مظنون پر، کہ مظنون پر جیسے دیکھو اس پر ان نفلوں کی قضاء نہیں، اب یہ شخص دوسری رکعت نفلوں میں کھڑا ہے، مظنون نفل ہیں، ایک آدمی آ کر اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے، اقتداء کر لیتا ہے اس کی، تو یہ اقتداء صحیح ہے، یہ کیا ہے؟ اقتداء کرنا صحیح ہے یعنی اس کو اپنا امام بنا لیتا ہے اور خود کیا بن جاتا ہے اس کا؟ مقتدی بن جاتا ہے، آگے مسائل آئیں گے تفصیل سے، اس طرح کرنا درست ہے تو وہ لہٰذا اب دیکھو، جو مقتدی ہے اس نے ارادے کے ساتھ نفل شروع کیے ہیں اور آگے والا جو ہے اس نے تو اپنے ظن کی وجہ سے شروع کیے ہیں، وہ اگر اپنے نفل توڑ دے گا اس پر اس کی قضاء نہیں، لیکن مقتدی جو ہے اگر نفل توڑ دے گا تو اس پر اس کی قضاء اس پر لازم، تو دیکھو ضعیف پر کس کی بنیاد ہے؟ قوی کی بنیاد ہے، تو جیسے مظنون کی اقتداء کرنا جائز ہے عام نفل والے کے لیے، اسی طرح بچے کے اندر بھی ہے تو اس میں بھی اس کی اقتداء جائز ہو گی، دلیل سمجھ میں آئی ان کی بھئی؟ تو بچے میں بھی اقتداء جائز ہو گی جیسے مظنون میں قضاء اس پر لازم نہیں ہوتی بچے میں بھی قضاء لازم نہیں ہوتی۔

تو جواب دے رہے ہیں کہ بھئی مظنون کے مسئلے میں امام زفر رحمہ اللہ نے اختلاف کیا ہے، وہ فرماتے ہیں مظنون پر بھی قضاء واجب ہو گی، اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ قضاء، باقی ہمارے تینوں ائمہ تو فرماتے ہیں مظنون پر قضاء نہیں ان نفلوں کی اگر توڑ دے گا لیکن امام زفر کیا فرماتے ہیں؟ قضاء، معلوم ہوا یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہے یعنی اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے جبھی تو بعض فقہاء ایک طرف گئے تو باقی دوسری طرف گئے، لہٰذا یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہوا اس پر آپ قیاس نہیں کر سکتے۔ اور اس لیے بھی کیونکہ مظنون کا جو عارض ہے عارض پیش آیا اور وہ عارض کیا تھا؟ اس کا غلط گمان تھا، اور یہ غلط گمان ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا ہے یا اس وقت پیش آیا؟ اس وقت پیش آیا، جب کہ بچے کے ساتھ اس کا بچپنا ہر وقت لگا ہوا ہے جب تک وہ بالغ نہیں ہوتا اس کے ساتھ وہ عارض رہے گا بھئی، تو اس عارض میں اور اس عارض میں فرق ہے، وہ بڑے لمبے عرصے تک رہنے والا ہے اور یہ عارض کیا ہے؟ تھوڑی دیر کے لیے ہے، تو اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

یہ معنی ہے «**بِخِلَافِ الْمَظْنُونِ لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ**» بخلاف مظنون کے کیونکہ وہ نفل مظنون کیا ہے؟ مجتہد فیہ ہیں «**فَاعْتُبِرَ الْعَارِضُ عَدَمًا**» تو اس عارض کو معدوم شمار کیا گیا «**بِخِلَافِ اقْتِدَاءِ الصَّبِيِّ بِالصَّبِيِّ لِأَنَّ الصَّلَاةَ مُتَّحِدَةٌ**» بخلاف بچے کی اقتداء کرنا بچے کی، اس لیے کیونکہ نماز متحد ہے تو جماعت ہو جائے گی۔ بخلاف کس کے؟ اگر بچہ بچے کی اقتداء کرے یعنی امام بھی بچہ اور پیچھے مقتدی بھی کون ہے؟ بچہ ہے، پھر نماز صحیح ہو جائے گی کیونکہ دونوں کی نماز متحد ہے ایک جیسی ہے بالکل بھئی، تو پھر نماز ہو جائے گی۔ یہ معنی ہے «**لِأَنَّ الصَّلَاةَ مُتَّحِدَةٌ**» کیونکہ نماز متحد ہے بھئی۔

چلیے بس بھئی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۵۶: مسئلہ: لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى

ہدایہ صفحہ: ۱۲۷ — بتاریخ: ۳ جنوری ۲۰۱۳ء

وَيَصُفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ النِّسَاءُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ «لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى» وَلِأَنَّ الْمُحَاذَاةَ مُفْسِدَةٌ فَيُؤَخَّرْنَ، وَإِنْ حَاذَتْهُمُ امْرَأَةٌ وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ إِنْ نَوَى الْإِمَامُ إِمَامَتَهَا۔ [1]

گزشتہ سبق کے آخر میں یہ مسئلہ ذکر ہوا تھا کہ فقہائے بلخ جو ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سنِ مطلقہ کے اندر بچے کو امام بنانا جائز ہے اور مرد کے لیے اس کی اقتدا جائز ہے، اور اس کو انہوں نے قیاس کیا تھا مظنون پر بھائی، کس پر؟ صلاۃِ مظنون پر۔ اور صلاۃِ مظنون میں نے آپ کو بتایا کہ مثلاً ایک شخص جو ہے وہ ظہر کی یا کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور وہ نماز مکمل ہو گئی، آخری قعدہ اس نے کر لیا، لیکن پھر اس کا خیال ہوا، گمان ہوا شاید میری نماز مکمل نہیں ہوئی، وہ کھڑا ہو گیا اور مزید دو رکعتیں پڑھ لیتا ہے، تو یہ دو رکعتیں جو وہ زائد پڑھ رہا ہے اپنے گمان کی وجہ سے ان کو کہتے ہیں مظنون بھائی، کیا کہیں گے؟ مظنون۔ تو یہ نفل ہیں اور نفلِ مظنون ہیں۔

اور ان کو اگر وہ شخص فاسد کر دیتا ہے تو اس کے ذمے قضا نہیں کیونکہ یہ پڑھنے کا اس کا ارادہ نہیں تھا، اپنے غلط گمان کی وجہ سے اس نے ان کو شروع کر دیا ہے۔

تو فقہائے بلخ فرماتے ہیں کہ اگر اس مظنون کی کوئی اقتدا کرنا چاہے، مثلاً یہ اس کے نفل ہیں کوئی دوسرا آ کر اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا، اقتدا اس کی کر لیتا ہے اور وہ بھی نفل پڑھ رہا ہے، اب دیکھیے مظنون اگر اپنے ان نفلوں کو فاسد کر دے تو اس کے ذمے ان کی قضا نہیں، اور جو مقتدی ہے وہ نفل پڑھ رہا ہے اس پر اس کی قضا ہے اگر وہ ان کو فاسد کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود فقہا فرماتے ہیں کہ اس مظنون کی اقتدا کرنا نفل والے کے لیے جائز ہے۔ جب اس کی اقتدا جائز ہے تو بچے میں بھی اسی طرح ہے، بچہ جب اپنے نفلوں کو فاسد کر دیتا ہے تو اس پر اس کی قضا نہیں ہوتی اور جو پیچھے کوئی مرد اس کی اقتدا کرتا ہے اس کے ذمے قضا واجب ہوتی ہے، تو بالکل یہ مظنون والی صورت بن گئی جس میں امام کے ذمے قضا لازم نہیں ہوتی اور مقتدی کے ذمے قضا لازم ہوتی ہے۔ تو لہٰذا جب مظنون والے کی اقتدا کرنا کسی نفل پڑھنے والے کے لیے جائز ہے تو بچے کی اقتدا کرنا بھی جائز ہو گئی۔

تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ ہدایہ نے اور بتلایا تھا کہ ہمارے فقہا یعنی ماوراء النہر کے جو فقہا ہیں ان کے نزدیک جائز نہیں اور مظنون پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اس لیے کیونکہ مظنون کا جو مسئلہ ہے وہ تو خود مجتہد فیہ ہے یعنی اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اس لیے وہ اتفاقی مسئلہ نہیں، ائمہ ثلاثہ جو ہیں ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ وہ تو فرماتے ہیں کہ اس کے ذمے اس کی قضا نہیں، لیکن امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ذمے اس کی قضا واجب ہے۔ اگر مظنون نفلوں کو بھی توڑ دے گا تو اس شخص پر کیا واجب ہو گی؟ قضا۔ تو معلوم ہوا یہ تو مجتہد فیہ مسئلہ ہے اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، جبھی کچھ فقہا ایک طرف گئے اور کچھ فقہا دوسری طرف چلے گئے۔ ہاں اتفاقی مسئلہ ہوتا پھر آپ قیاس کرتے تو بھی بات بنتی، لیکن یہ تو کس قسم کا مسئلہ ہے؟ مجتہد فیہ مسئلہ ہے۔

اور نیز اس لیے بھی اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جو مظنون ہے اس کا عارض اور جو بچے کا عارض ہے ان دونوں میں فرق ہے۔ مظنون کا عارض کیا ہے؟ یہ نفل اس نے کیوں شروع کیے؟ اپنے غلط گمان کی وجہ سے، اور یہ گمان ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے یا تھوڑی دیر کے لیے اس کو پیش آیا؟ تھوڑی دیر کے لیے پیش آیا ہے۔ جبکہ بچے کا جو عارض ہے بچپنا یعنی جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ اس کے ساتھ مستقل ہے جب تک وہ بالغ نہیں ہو جاتا بھائی، تو وہ عارض اور قسم کا ہے اور یہ عارض اور قسم کا ہے لہٰذا مظنون پر اس کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

[1] شاملہ (ص ۶۲) میں «حَاذَتْهُمْ» کے بجائے «حاذته» درج ہے۔

ہاں اس کے برعکس اگر کوئی بچہ اقتدا کرتا ہے بچے کی نفلوں میں یعنی امام بھی بچہ ہے اور یعنی امام بھی نابالغ ہے اور مقتدی بھی نابالغ ہے پھر اقتدا صحیح ہو جائے گی بھائی، اس لیے کیونکہ ان کی نماز متحد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آگے بتلا رہے ہیں کہتے ہیں: «وَيَصُفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ النِّسَاءُ» اور صفیں بنائیں گے مرد پھر بچے پھر عورتیں، یعنی صفوں کی ترتیب کیا ہو گی جماعت کے اندر؟ سب سے پہلے مردوں کی صفیں ہونی چاہئیں، اس کے بعد بچوں کی صف ہو، اس کے بعد عورتوں کی صف ہو۔ دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «لِيَلِنِي»، یہ یہاں «لِيَلِنِي» نون سے پہلے جو یا آئی یہ یا نہیں ہونی چاہیے یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی، لیکن بہر حال ہدایہ کے نسخوں میں اسی طرح نقل ہوتا چلا آیا ہے بھائی۔ تو یہ امر ہے اور امر کی وجہ سے صیغہ امر میں آخر سے حرفِ علت گر جاتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو «وَلِيَ يَلِي» کے معنی ملنے کے، قریب ہونے کے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى»، «أُولُو الْأَحْلَامِ» بالغ بھائی، جو بالغ ہیں۔ «أُولُو النُّهَى» عقل والے، عقل والے یعنی عاقل۔ حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے آپ فرماتے ہیں: «لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى» کہ میرے قریب تم میں سے عاقل بالغ ہوں، میرے قریب تم میں سے عاقل بالغ رہیں، یعنی عاقل بالغ میرے قریب رہیں نماز کے اندر عاقل بالغ جو ہیں میرے قریب یعنی ان کی صف ہو، تو اس سے پتہ لگا کہ مردوں کی صف پہلے ہے اور اس کے بعد بچوں کی صف آئے گی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الْمُحَاذَاةَ مُفْسِدَةٌ فَيُؤَخَّرْنَ

«وَلِأَنَّ الْمُحَاذَاةَ مُفْسِدَةٌ فَيُؤَخَّرْنَ» اچھا ایک تو صاحب ہدایہ نے یہ حدیث دلیل ذکر کر دی کہ معلوم ہوا پہلے مردوں کی صف ہو پھر بچوں کی اور پھر آخر میں کس کی ہو گی؟ عورتوں کی صف ہو گی۔ اور دوسری وجہ، عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ الْمُحَاذَاةَ مُفْسِدَةٌ فَيُؤَخَّرْنَ» اس لیے کیونکہ برابری جو ہے وہ تو نماز کو فاسد کر دینے والی ہے تو عورتوں کو مؤخر کیا جائے گا۔ عورت اگر نماز میں جماعت کے اندر مرد کے ساتھ کھڑی ہو جائے، برابر میں کھڑی ہو جائے تو جو برابر جس مرد کے برابر میں کھڑی ہو گی اس مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ تو عورت کا مرد کے ساتھ برابر کھڑے ہونا ایک نماز میں، یہ اس مرد کی نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی لیے کہا: «وَلِأَنَّ الْمُحَاذَاةَ مُفْسِدَةٌ» اس لیے کیونکہ برابری جو ہے، محاذاۃ کا معنی برابر ہونا، «لِأَنَّ الْمُحَاذَاةَ مُفْسِدَةٌ» اس لیے کیونکہ برابر ہونا برابری جو ہے وہ نماز کو فاسد کر دینے والی ہے، «فَيُؤَخَّرْنَ» تو عورتوں کو کیا کیا جائے گا؟ مؤخر کیا جائے گا بھائی۔ تو یہ محاذاۃ والا مسئلہ آیا بھائی، تو یہ آگے متن میں بیان ہو رہا ہے صاحب ہدایہ نے دلیل کے طور پر بھی ذکر کر دیا اور یہ بطورِ تمہید بھی ہو گئی کہ آگے محاذاۃ کا مسئلہ آرہا ہے۔ تو محاذاۃ، عورت مرد کے برابر نماز میں کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، تفصیل اس مسئلے کی کیا ہے یہ آگے متن میں آرہا ہے۔

کہتے ہیں: «وَإِنْ حَاذَتْهُمُ امْرَأَةٌ وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ» اور اگر برابر ہو گئی اس نماز پڑھنے والے کے «امْرَأَةٌ» کوئی عورت، «وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ» اس حال میں کہ دونوں جو ہیں یعنی وہ مرد اور عورت مشترک ہیں، شریک ہیں «فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ» کس میں؟ ایک ہی نماز میں مشترک ہیں یعنی اس ایک میں ہی دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہیں اس میں ان کی شرکت ہے، «فَسَدَتْ صَلَاتُهُ» تو فاسد ہو جائے گی «صَلَاتُهُ»، مذکر کی ضمیر آرہی ہے یا مؤنث کی بھائی؟ مذکر کی، تو اس مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، «إِنْ نَوَى الْإِمَامُ إِمَامَتَهَا» اگر نیت کی ہو امام نے «إِمَامَتَهَا» اس عورت کی امامت کی۔ اس عورت کی امامت کی نیت کی ہو تو وہ عورت جو مرد کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے اس کے ساتھ جو مرد ہوا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

یاد رکھیے مرد کی اقتدا کر سکتا ہے نماز میں اور اس میں امام کے لیے نیت کرنا بھی ضروری نہیں۔ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اور آپ جا کر اس کی اقتدا میں نماز شروع کر دیتے ہیں تو آپ کا اقتدا کرنا صحیح ہے، چاہے وہ چاہے وہ امامت کی نیت کرے یا نہ کرے۔ بیچ نماز میں اس کو پتہ لگ گیا کہ آپ آکر اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے ہیں، اس کی اقتدا کر رہے ہیں تو وہ چاہے نیت کرے یا نیت نہ کرے اقتدا کرنا آپ کی صحیح ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اس کی نماز صحیح ہو جائے گی تو آپ کی نماز بھی صحیح کیونکہ وہ امام آپ نے اس کو بنا دیا، اور اس کی نماز فاسد ہو گی تو آپ کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

جبکہ عورت، عورت کے لیے امام کو نیت کرنا پڑے گی۔ آگے بلکہ تفصیل آرہی ہے کہ اگر عورت برابر کھڑی ہوئی ہے کسی مرد کے تو پھر نیت شرط ہے، اور اگر عورت کسی مرد کے برابر نہیں بلکہ اپنی جگہ پر ہے، مرد سے پچھلی صف میں کھڑی ہے تو اس میں پھر دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ کہ اس میں بھی امام کا نیت کرنا شرط ہے کہ امام کیا کرے؟ اس کی نیت کرے تو پھر اس کے لیے اقتدا صحیح ہو گی، اور دوسری روایت یہ کہ امام کے لیے نیت کرنا شرط نہیں جب عورت پیچھے کھڑی ہو۔ ہاں اگر عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہوئی ہے تو پھر اس صورت میں امام نیت کرے گا اس کے امام ہونے کی تو پھر اس ساتھ والے مرد کی نماز فاسد ہو گی، اور اگر امام اس عورت کے امام ہونے کی نیت نہیں کرتا تو پھر اس عورت کے ساتھ جو مرد تھا اس کی نماز بھی فاسد نہیں کیونکہ اس عورت کی نماز ہی نہیں ہو گی۔ جب امام نے اس کی نیت ہی نہیں کی تو اس عورت کی نماز بھی نہیں، جب اس کی نماز ہی نہیں تو نماز کے اندر محاذاۃ اور برابری بھی نہ پائی گئی، مرد تو نماز میں ہے عورت تو نماز میں ہے ہی نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں اور کوئی عورت نماز پڑھنے والے کے برابر آجائے «وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ» اور وہ دونوں مشترک ہیں یعنی شریک ہیں ایک ہی

نماز کے اندر، «فَسَدَتْ صَلَاتُهُ» تو اس مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، «إِنْ نَوَى الْإِمَامُ إِمَامَتَهَا» اگر اس امام نے اس عورت کے امام ہونے کی نیت کی ہو۔ «وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تَفْسُدَ» اور قیاس تو یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہو اس مرد کی، قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس مرد کی نماز فاسد نہ ہو، «وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالَى عَلَيْهِ» اور یہی قول ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی، «اعْتِبَارًا بِصَلَاتِهَا حَيْثُ لَا تَفْسُدُ» قیاس کرتے ہوئے اس عورت کی نماز پر، کیونکہ وہ فاسد نہیں ہوتی۔ «حَيْثُ» تعلیل کے لیے آتا ہے، علت بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے تو یہاں تعلیل کے لیے ہے علت بیان کر رہا ہے قیاس کرتے ہوئے «بِصَلَاتِهَا» اس عورت کی نماز پر «حَيْثُ لَا تَفْسُدُ» کیونکہ وہ عورت کی نماز فاسد نہیں۔

بھائی دیکھیے اوپر مسئلہ بیان یہ ہوا کہ عورت اگر مرد کے برابر کھڑی ہو گی نماز کے اندر اور وہ ایک نماز میں شریک ہیں یعنی دونوں کا امام ایک ہے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی عورت کی نماز فاسد نہیں۔ اور قیاس بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ عورت کی نماز جیسے فاسد نہیں ہے تو مرد کی نماز بھی فاسد نہیں ہونی چاہیے بھائی، اس لیے کیونکہ برابری کا فعل دونوں جانب سے پایا گیا، عورت مرد کے برابر ہے تو مرد کس کے برابر ہے؟ عورت کے برابر، تو فعل دونوں طرف سے پایا گیا ہے اور جب عورت کی نماز فاسد نہیں تو دوسرے کی نماز بھی فاسد نہیں ہونی چاہیے، قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے، لیکن ہم نے استحساناً کہا مرد کی نماز نہیں ہو گی بھائی۔ اور استحسان کی وجہ جو ہے وہ حدیث، جو آیا حدیث میں کیا آیا تھا؟ «أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللهُ»، «أَخِّرُوهُنَّ» ان عورتوں کو کیا کرو؟ مؤخر کرو، پیچھے کرو۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ عورت کی نماز فاسد نہیں تو مرد کی بھی فاسد نہیں ہونی چاہیے اور اسی کی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں، تو انہوں نے اس مرد کی نماز کو قیاس کیا اس عورت کی نماز پر، عورت کی فاسد نہیں تو مرد کی بھی فاسد نہیں۔ یہ معنی ہے: «اعْتِبَارًا بِصَلَاتِهَا حَيْثُ لَا تَفْسُدُ» قیاس کرتے ہوئے اس عورت کی نماز پر کیونکہ وہ فاسد نہیں ہوتی۔

■ مسئلہ: وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ مَا رَوَيْنَا

«وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ مَا رَوَيْنَا» اور استحسان کی وجہ وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا بھائی کہ «أَخِّرُوهُنَّ»، تو استحساناً ہم نے کہا مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ «وَإِنَّهُ مِنَ الْمَشَاهِيرِ» اور یہ حدیث مشہور حدیثوں میں سے ہے، کس میں سے ہے؟ مشہور حدیثوں میں سے ہے۔ یہ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ «أَخِّرُوهُنَّ» یہ حدیث کیا ہے؟ اس میں کیا آیا؟ عورتوں کو مؤخر کرنے کا حکم آیا، معلوم ہوا عورتوں کا مؤخر کرنا فرض ہے، اور فرض کے لیے تو قطعی دلیل چاہیے اور یہ تو خبرِ واحد ہے اور خبرِ واحد سے تو فرضیت ثابت نہیں ہوتی، تو آپ کس طرح اے احناف کہتے ہیں کہ ان عورتوں کو مؤخر کرنا فرض ہے؟ تو جواب دے دیا: «إِنَّهُ مِنَ الْمَشَاهِيرِ» کہ یہ حدیث کس میں سے ہے؟ مشہور احادیث میں سے ہے اور اس کے ذریعے فرضیت ثابت کرنا صحیح ہے۔ اور نیز اس لیے کیونکہ بھائی ویسے تو یہ خبرِ واحد ہے، خبرِ واحد سے تو فرض ثابت نہیں ہوتا لیکن بات چل رہی ہے جماعت کی، کس کی؟ جماعت، اور جماعت کا ثبوت خود سنت سے آیا ہے یعنی حدیث سے آیا ہے تو جماعت کا فرض بھی کس سے ثابت ہو جائے گا؟ حدیث سے ثابت ہو جائے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنَّهُ مِنَ الْمَشَاهِيرِ» اور یہ حدیث جو ہے مشہور احادیث میں سے ہے، «وَهُوَ الْمُخَاطَبُ بِهِ دُونَهَا» اچھا سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مرد کی کیوں نماز فاسد ہو گی، عورت کی نماز فاسد کیوں نہیں ہو گی؟ وجہ آگے بتلائیں گے صاحبِ ہدایہ کہ بھائی حدیث میں آیا: «أَخِّرُوا»، «أَخِّرُوا» کون سا صیغہ ہے؟ امر کا ہے اور جمع مذکر کا ہے، معلوم ہوا جمع مذکر کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ تم لوگ کیا کرو؟ عورتوں کو پیچھے کرو۔ تو گویا یہ مردوں کی ذمہ داری ہوئی کہ عورتوں کو کیا کریں؟ پیچھے کریں۔ معلوم ہوا مرد کی ذمہ داری ہوئی کہ وہ مقدم ہو تو اس نے اپنی ذمہ داری کو چھوڑ دیا، اپنے مقام کو چھوڑ دیا جب عورت کے برابر ہوا تو اس لیے اس کی نماز فاسد ہو گی، عورت کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

«وَهُوَ الْمُخَاطَبُ بِهِ دُونَهَا» اور مرد ہی اس کا مخاطب ہے «دُونَهَا» نہ کہ عورت، «فَيَكُونُ هُوَ التَّارِكَ لِفَرْضِ الْمَقَامِ» تو مرد ہی جو ہے وہ مقام کے فرض کو چھوڑنے والا ہوا، «فَتَفْسُدُ صَلَاتُهُ دُونَ صَلَاتِهَا» تو مرد کی نماز فاسد ہو گی نہ کہ عورت کی نماز، «كَالْمَأْمُومِ إِذَا تَقَدَّمَ عَلَى الْإِمَامِ» جیسے کہ مقتدی جب وہ مقدم ہو جائے امام پر۔ مقتدی جو ہے جب وہ امام پر مقدم ہو جائے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے، امام کی نماز فاسد نہیں کیونکہ مقتدی نے اپنے مقام کو چھوڑ دیا، اس نے جب دوسرے کو امام بنایا تو امام کو آگے ہونا چاہیے اور مقتدی کو پیچھے ہونا چاہیے پھر یہ اپنے مقام کو چھوڑ کر امام سے آگے بڑھتا ہے تو اس نے اپنے فرض کو چھوڑ دیا، امام نے فرض کو نہیں چھوڑا تو اس کی نماز فاسد ہو گی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ لَمْ يَنْوِ إِمَامَتَهَا لَمْ تَفْسُدْ...

«وَإِنْ لَمْ يَنْوِ إِمَامَتَهَا لَمْ تَفْسُدْ وَلَا تَجُوزُ صَلَاتُهَا» اور اگر امام نے اس عورت کا امام ہونے کی نیت نہیں کی «لَمْ تَفْسُدْ» تو پھر وہ عورت کی محاذاۃ اس مرد کو اس مقتدی کو نقصان نہیں دے گی، ہاں «وَلَا تَجُوزُ صَلَاتُهَا» اس عورت کی نماز جائز نہیں ہو گی۔ جب امام نے کیا کیا؟ اس عورت کے امام ہونے کی نیت ہی نہیں کی تو نماز عورت کی ہوئی ہی نہیں، جب ہوئی نہیں تو نماز کے اندر عورت مرد کے ساتھ شریک ہی نہیں ہوئی، اور نماز میں تو شرکت ضروری تھی پھر ہی اس کے بعد محاذاۃ

کو دیکھا جائے گا بھائی۔ تو کہتے ہیں پھر «لَمْ تَضُرَّهُ» تو پھر وہ محاذاۃ اس شخص کو، اس نماز پڑھنے والے کو، اس مقتدی کو نقصان نہیں دے گی «وَلَا تَجُوزُ صَلَاتُهَا» اور اس عورت کی نماز جائز نہیں ہو گی، کب؟ جب اس امام نے اس عورت کا امام ہونے کی نیت نہ کی ہو۔

«لِأَنَّ الِاشْتِرَاكَ دُونَهَا لَا يَثْبُتُ عِنْدَنَا» اس لیے کیونکہ اشتراک اس کے بغیر وہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوتا۔ کس کے بغیر؟ نیت، یعنی امام کا نیت کرنا ضروری ہے اسی سے اشتراک ثابت ہو گا، اس کے بغیر اشتراک ہمارے نزدیک ثابت نہیں، پھر تو دونوں ایک نماز میں ان دونوں کا اشتراک ہی نہیں پایا جائے گا، اور اشتراک کے لیے معلوم ہوا کیا شرط ہے ہمارے نزدیک؟ امام بھی اس عورت کی امامت کی نیت کرے۔ «خِلَافًا لِزُفَرَ» بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں نہیں، امام کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے بھائی، تو ان کے نزدیک امام نیت نہ کرے پھر بھی عورت جب نماز میں آکر شریک ہو گی تو اس کے برابر میں جو مرد ہو گا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

آگے صاحبِ ہدایہ دلیل ذکر کر رہے ہیں ہماری، وہ فرماتے ہیں: «أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَلْزَمُهُ التَّرْتِيبُ فِي الْمَقَامِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى الْتِزَامِهِ كَالِاقْتِدَاءِ» بھائی دیکھیے یہ دلیل ذکر کر رہے ہیں ہدایہ کی فصیح و بلیغ عبارات چل رہی ہیں، بڑی لمبی بات بڑے مختصر لفظوں میں وہ ذکر کرتے چلے جاتے ہیں۔ بھائی دیکھیے دو آدمی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ایک آدمی مثلاً آپ دیکھ رہے ہیں ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے، ایک اور آیا وہ بھی الگ اس نے اپنی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اب آپ مجھے بتائیے، ایک ان میں سے ایک آدمی کی نماز فاسد ہو گئی تو کیا دوسرے کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی؟ نہیں، دوسرے کی ایک آدمی کی نماز سے دوسرے آدمی کی نماز پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ الگ پڑھ رہا تھا یہ الگ پڑھ رہا ہے، تو ایک آدمی کی نماز فاسد ہونے سے دوسرے آدمی کی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ تو دیکھیے ایک آدمی کی نماز فاسد ہونے سے دوسرے آدمی کی نماز پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لیکن اب دوسری صورت ذرا مجھے بتائیے، امام جماعت کروا رہا ہے امام کی نماز فاسد ہو گئی تو آپ کیا کہیں گے؟ مقتدیوں کی فاسد ہوئی یا فاسد نہیں ہوئی؟ مقتدیوں کی بھی فاسد ہو گئی، تو دیکھو امامت کے مسئلے میں آپ کہتے ہیں کہ امام کی نماز فاسد ہوتی ہے تو مقتدیوں کی بھی فاسد ہو جاتی ہے اور امام کی نماز ٹھیک ہو جاتی ہے تو مقتدیوں کی نماز بھی ٹھیک ہو جاتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ کہ جب ایک شخص کو امام بنایا جاتا ہے اور دوسرے اس کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں تو گویا انہوں نے اس کی اقتدا کو اپنے اوپر لازم کر لیا، کیا کر لیا؟ لازم، یعنی اس کو قبول کر لیا کہ ہم اس کی اقتدا کر رہے ہیں اگر کوئی خرابی آئی تو وہ بھی ہمیں قبول ہے۔ کوئی خرابی آئی تو ہمیں بھی وہ بھی ہمیں قبول ہے اس سے ہماری بھی نماز فاسد ہو گی ہمیں یہ منظور ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو دیکھو اقتدا کے اندر ایک چیز کا التزام کرتا ہے، اپنے اوپر لازم کر رہا ہے، کس چیز کو لازم کر رہا ہے؟ کہ اگر اس کی طرف سے کوئی خرابی آئی تو وہ خرابی میرے اوپر بھی آئے گی مجھے منظور ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے التزام یعنی اپنے اوپر ایک چیز کو لازم کر لینا۔ تو اقتدا کے اندر التزام کیا جاتا ہے، اقتدا میں التزام کیا جاتا ہے۔

نیز اسی طرح دیکھیے بھائی قاضی ہے قاضی، قاضی جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہوتی ہے اور اس کا فیصلہ سب پر نافذ ہو جاتا ہے اور زبردستی جبراً وہ سب پر فیصلہ نافذ کر سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن اگر اس کے بجائے دو آدمیوں میں جھگڑا ہوا اور ایک تیسرا آدمی ان میں فیصلہ کرتا ہے تو یہ تیسرا عام آدمی جو ہے جو ثالث بن گیا، فیصلہ کرنے والا بنا، اس کا فیصلہ ان دونوں پر نافذ نہیں ہو گا، الّا یہ کہ دونوں اس کا التزام کر لیں یعنی اس کو اپنے اوپر لازم قرار دے دیں یعنی خود دونوں اس کو اپنا منصف بنا لیں کہ تم ہم دونوں میں کیا کرو؟ فیصلہ۔ جب خود اس کو اپنے درمیان منصف بنایا تو گویا ان دونوں نے التزام کر لیا، اپنے اوپر اس بات کو لازم کر لیا کہ جو فیصلہ کرو گے ہمیں وہ قبول ہو گا، منظور ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اقتدا میں بھی اسی طرح ہوتا ہے کہ مقتدی جو ہے وہ کیا کرتا ہے؟ التزام کرتا ہے، تو اس صورت میں اب اگر کوئی امام کی طرف سے کوئی خرابی آئی تو معلوم ہوا یہ اس کی رضا سے خرابی آ رہی ہے بھائی، جبراً اس پر کوئی ہم یہ خرابی مسلط نہیں کر رہے۔ تو امام کی طرف سے فساد آئے گا تو یہ فساد گویا اپنی مرضی سے قبول کر رہا ہے جب اس نے اقتدا کی نیت کی تھی تو اس بات کا التزام کیا تھا، اس بات کو اپنے اوپر لازم کیا تھا، خود قبول کیا تھا کہ اس کی طرف سے جو خرابی آئی میں بھی اس کو کیا کروں گا؟ قبول کروں گا۔

تو یہاں پر بھی اسی طرح صفوں کے اندر ترتیب بنانا ہے یعنی مردوں کو آگے کرنا، مردوں کی صف پہلے بنانا اور بچوں کی صف ان کے بعد بنانا اور عورتوں کی صف ان سے پیچھے بنانا یہ امام کی ذمہ داری ہے، کس کی؟ امام کی ذمہ داری ہے، اور یہ امام کی ذمہ داری ہے تو وہ اس کو قبول کرے گا تو اس پر یہ چیز لازم ہو گی ویسے لازم نہیں۔ وہ اس کا کیا کرے گا؟ التزام کرے گا تو وہ اس پر لازم ہو گی ورنہ لازم نہیں۔ تو یہاں پر بھی دیکھیے امام جو ہے عورت کی نیت کرے گا تو خرابی لازم ہو گی ورنہ خرابی لازم نہیں۔ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ بڑی گہری بات ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ اور اسی کی تشریح کر رہا ہوں۔ تو یہاں پر بھی خرابی کس کی طرف سے آئے گی؟ عورت کی طرف سے آئے گی، اور دوسرے کی طرف سے خرابی آئے وہ خود بخود دوسرے کی نماز پر پڑتی ہے یا التزام کیا ہو تو پھر وہ خرابی کا اثر پڑتا ہے؟ التزام کیا ہو تو خرابی کا اثر پڑتا ہے، تو یہاں پر بھی عورت جب پیچھے ہے تو امام اس کی نیت جب کرے گا تو اس نے اس التزام کر لیا کہ اس کی طرف سے جو خرابی آئی وہ ہمیں قبول ہے، اور امام نیت نہیں کرتا تو امام اس کی طرف سے آنے والی خرابی کو بھی قبول گویا پھر اس کی طرف سے خرابی آئے گی بھی نہیں جب التزام ہی نہیں کیا، جب التزام ہی نہیں کیا۔ تو یہاں پر بھی امام کے لیے اس عورت کی امامت کی نیت ضروری ہے اور یہ نیت یہی دراصل التزام ہے، یہ کیا ہے؟ التزام ہے کہ اس کی طرف سے جو خرابی آئی نماز کے اندر وہ ہمیں منظور ہے، کیونکہ یہ خرابی صرف مقتدیوں کے نماز میں نہیں خود امام کی نماز میں بھی خرابی آسکتی ہے، وہی عورت آگے بڑھ کر امام کے ساتھ کھڑی ہو جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو

خرابی تبھی اس پر آئے گی جب امام نے کیا کیا ہو؟ التزام کیا ہو۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟

یہ معنی ہے: «أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَلْزَمُهُ التَّرْتِيبُ فِي الْمَقَامِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى الْتِزَامِهِ» کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس امام پر ترتیب لازم ہے «فِي الْمَقَامِ» مقام کے اندر، مقام میں ترتیب کس پر لازم ہے؟ امام پر لازم ہے کہ مرد آگے ہوں، بچے ان سے پیچھے ہوں اور عورتیں ان سے پیچھے ہوں۔ «أَلَا تَرَى» کیا آپ دیکھتے نہیں «أَنَّهُ يَلْزَمُهُ التَّرْتِيبُ فِي الْمَقَامِ» کہ امام پر لازم ہے ترتیب مقام کے اندر «فَيَتَوَقَّفُ عَلَى الْتِزَامِهِ» تو یہ بھی اس امام کے یہ چیز بھی امام کے التزام پر موقوف رہے گی، یہ اشتراک بھی امام کے التزام پر موقوف رہے گا، امام نیت کرے گا تو عورت کا نماز میں اشتراک آئے گا وہ ساتھ شامل ہو گی، نیت نہیں کرے گا تو اشتراک بھی نہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ «كَالِاقْتِدَاءِ» جیسے کس میں ہوتا ہے؟ اقتدا، تو دیکھو اقتدا کے اندر بھی باقاعدہ صاحبِ ہدایہ نے تو دو لفظوں میں ذکر کر دیا جیسے کیا ہے؟ اقتدا ہے، اور ہمیں تشریح کرنا پڑی کہ اقتدا میں بھی کیا کرتا ہے دراصل ایک آدمی اپنے التزام کرتا ہے اس بات کا کہ امام کی طرف سے نماز میں کوئی فساد آیا تو وہ ہمارے اوپر بھی لازم ہو گا۔

■ مسئلہ: وَإِنَّمَا يُشْتَرَطُ نِيَّةُ الْإِمَامَةِ إِذَا...

«وَإِنَّمَا يُشْتَرَطُ نِيَّةُ الْإِمَامَةِ إِذَا ائْتَمَّتْ مُحَاذِيَةً» امامت کی نیت اسی وقت شرط ہو گی «إِذَا ائْتَمَّتْ مُحَاذِيَةً»، ائتم اقتدا کرنا، ائتم کے کیا معنی؟ مؤتم، مؤتم اقتدا کرنے والا، لفظ گزرا ہے یعنی کئی دفعہ؟ سمجھ میں آیا؟ تو «ائْتَمَّ يَأْتَمُّ» کے معنی ہوتے ہیں اقتدا کرنا، کہتے ہیں امامت کی نیت اسی وقت شرط ہو گی «إِذَا ائْتَمَّتْ مُحَاذِيَةً» جب وہ عورت اقتدا کرے برابر ہو کر، برابر کھڑی ہو کر کیا کرے؟ اقتدا، یعنی کسی مرد کے برابر کھڑی ہو کر اقتدا کرے تو پھر ہم کہیں گے کہ امامت کی نیت شرط ہے یعنی یہ تبھی مقتدی بنے گی جب امام کیا کر لے؟ اس کی نیت کر لے۔ «وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِجَنْبِهَا رَجُلٌ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ» اور اگر اس عورت کے برابر میں کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں، دو روایتیں ہیں۔ بھائی عورت اگر کسی مرد کے برابر کھڑی ہو کر نماز پڑھتی ہے، اقتدا کرتی ہے امام کی تو وہ مقتدی تبھی بنے گی جب امام کیا کر لے؟ اس کی نیت کر لے، اور اگر عورت پچھلی صف میں کھڑی ہوئی، اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی اب جب اپنی جگہ پر کھڑی ہے تو وہاں اس کے برابر میں تو کوئی مرد نہیں ہے تو کیا اس صورت میں بھی امام کے لیے نیت کرنا ضروری ہے تبھی یہ مقتدی بنے گی ورنہ مقتدی نہیں بنے گی؟ تو بتلا رہے ہیں: «فَفِيهِ رِوَايَتَانِ» اس میں دو روایتیں ہیں، دو روایتیں ہیں۔ کیا کیا روایتیں ہیں؟ یہ صاحبِ ہدایہ بیان نہیں کریں گے کیونکہ یہ تو آپ کو خود ہی سمجھ میں بات آگئی دو روایتیں، معلوم ہوا ایک روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بھی امام کے لیے نیت کرنا ضروری ہے پھر ہی مقتدی بنے گی، اور دوسری روایت یعنی کیا ہو گئی کہ اس صورت میں امام کے لیے اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے بھائی، ویسے ہی یہ مقتدی بن جائے گی۔ تو کہتے ہیں: «فَفِيهِ رِوَايَتَانِ» تو اس میں دو روایتیں ہیں، جی یعنی دو روایتیں آگئیں ایک روایت کے مطابق امامت کی نیت شرط ہے دوسری روایت کے مطابق امامت کی نیت شرط نہیں۔

«وَالْفَرْقُ عَلَى إِحْدَاهُمَا أَنَّ الْفَسَادَ فِي الْأَوَّلِ لَازِمٌ وَفِي الثَّانِي مُحْتَمَلٌ» اب فرق بیان کر رہے ہیں، بھائی پہلا مذہب کیا بیان ہوا متن کے اندر؟ اگر عورت مرد کے برابر کھڑی ہو کر اقتدا کرے تو امام کے لیے اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے ورنہ وہ مقتدی بنے گی ہی نہیں اس کی نماز نہیں ہو گی۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ کہ اگر عورت کیا ہو؟ مرد کے برابر کھڑی ہو کر نماز شروع کرے گی تو وہ مقتدی تبھی بنے گی جب امام کیا کرے؟ اس کی نیت کرے گا، اور اگر وہ اپنی جگہ پر تھی پچھلی صف میں تھی اب اس میں دو روایتیں ہیں کہ ایک روایت یہ کہ اس صورت میں بھی امام کے لیے نیت کرنا ضروری ہے اور دوسری روایت کہ اس صورت میں امام کے لیے اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ تو ایک روایت تو اسی طرح ہوئی، محاذاۃ کی صورت میں برابری کی صورت میں امامت کی نیت ضروری تھی اور پیچھے ہو پھر بھی ایک روایت کیا آئی؟ نیت ضروری ہے، تو ایک روایت تو جو متن میں مسئلہ ہے اس کے مطابق ہے، ایک روایت کیا آئی؟ محاذاۃ کی صورت میں نیت ضروری ہے جیسے متن میں آیا تھا، اسی طرح اگر اپنے مقام پر کھڑی ہوئی پیچھے کھڑی ہوئی تو اس صورت میں بھی امام کے لیے اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے، تو اس صورت میں تو کوئی اشکال لازم نہیں آتا، اشکال لازم نہیں۔ ہاں دوسری صورت، دوسری روایت جو آئی کہ اگر اپنے مقام پر کھڑی ہو تو پھر امام کے لیے اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے پھر امام چاہے نیت نہ کرے پھر بھی اس کی اقتدا کیا ہو جائے گی؟ صحیح ہو جائے گی، تو یہ اس روایت میں گویا فرق کیا گیا کہ برابری کی صورت میں برابر ہو مرد کے برابر کھڑی ہو تو امام کے لیے امامت کی نیت کرنا ضروری ہے اور اگر پیچھے کھڑی ہو تو امام کے لیے امامت کی نیت کرنا اس کے لیے ضروری نہیں، فرق کیا گیا ہے یا نہیں؟ تو اس روایت میں فرق کیا گیا ہے وہ وجہ ذکر کرنے لگے ہیں۔

کہتے ہیں: «وَالْفَرْقُ عَلَى إِحْدَاهُمَا» اور فرق ان دونوں میں علی احداہما ان دونوں روایتوں میں سے ایک پر، کیونکہ ایک میں فرق کیا گیا نا، دوسری روایت میں تو کیا آیا تھا؟ برابر کھڑی ہو پھر بھی نیت ضروری، پیچھے کھڑی ہو پھر بھی نیت ضروری، لیکن دوسری روایت میں آیا برابر کھڑی ہو تو نیت ضروری ہے پیچھے کھڑی ہو تو نیت ضروری نہیں، تو اس میں فرق کیا گیا ایک روایت میں، تو «وَالْفَرْقُ عَلَى إِحْدَاهُمَا» تو دونوں روایتوں میں سے ایک میں جو فرق کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ «أَنَّ الْفَسَادَ فِي الْأَوَّلِ لَازِمٌ» کہ پہلی صورت میں فساد لازم ہے، پہلی صورت میں فساد لازم ہے، کون سی پہلی صورت؟ جب وہ برابر کھڑی ہو گی مرد کے تو اس صورت میں تو فساد لازم ہے اس مرد کی نماز یقیناً فاسد ہو گی، «وَفِي الثَّانِي مُحْتَمَلٌ» اور دوسری صورت میں فساد کا احتمال ہے فساد لازم نہیں۔ کون سی دوسری صورت؟ جب

عورت پیچھے کھڑی ہوئی اپنی جگہ پر مردوں سے پیچھے کھڑی ہوئی ہے تو اس صورت میں فساد لازم نہیں ہے کیونکہ وہ تو اپنے مقام پر کھڑی ہے وہاں تو کوئی مرد نہیں، ہاں فساد کا احتمال ہے کہ وہ دو تین قدم بڑھائے اور مردوں کے برابر کھڑی ہو جائے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس صورت میں فساد کا احتمال ہے صرف، تو صرف احتمال کی ہے چونکہ لہٰذا اس لیے امام کے لیے اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں، جبکہ پہلی صورت میں تو فساد لازم تھا لازم آرہا تھا ساتھ والے شخص کی نماز فاسد ہو رہی تھی تو وہاں پر امام کے لیے امامت کی نیت کرنا ضروری ہے ورنہ تو فساد آئے گا اور فساد بغیر التزام کے آئے گا اور بغیر التزام کے تو فساد نہیں آسکتا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

تو دیکھیے ترجمہ کہتے ہیں: «**وَالْفَرْقُ عَلَى إِحْدَاهُمَا أَنَّ الْفَسَادَ فِي الْأَوَّلِ لَازِمٌ وَفِي الثَّانِي مُحْتَمَلٌ**» اور فرق جو ہے دونوں روایتوں میں سے ایک پر وہ فرق وہ یہ ہے کہ «**أَنَّ الْفَسَادَ فِي الْأَوَّلِ لَازِمٌ**» کہ فساد پہلی صورت میں یعنی محاذاۃ کی صورت میں تو لازم آتا ہے لہٰذا اس میں امامت کی نیت ضروری قرار دیا گیا، «**وَفِي الثَّانِي مُحْتَمَلٌ**» اور دوسری صورت میں فساد کا احتمال ہے جب وہ عورت پیچھے کھڑی ہوئی ہے تو لہٰذا اس وجہ سے امامت کی نیت کو ضروری قرار نہیں دیا گیا۔

■ مسئلہ: وَمِنْ شَرَائِطِ الْمُحَاذَاةِ أَنْ تَكُونَ الصَّلَ...

«**وَمِنْ شَرَائِطِ الْمُحَاذَاةِ أَنْ تَكُونَ الصَّلَاةُ مُشْتَرَكَةً وَأَنْ تَكُونَ مُطْلَقَةً وَأَنْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ الشَّهْوَةِ وَأَنْ لَا يَكُونَ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ**» جی یہاں سے شرائطِ محاذاۃ ذکر کر رہے ہیں کہ کون سی برابری مراد ہے کہ اس صورت میں نماز ساتھ والے مرد کی فاسد ہو گی، اس کی کیا کیا شرائط ہیں؟ کہتے ہیں: «**وَمِنْ شَرَائِطِ الْمُحَاذَاةِ**» اور محاذاۃ یعنی برابری کی شرائط میں سے ہے: «**أَنْ تَكُونَ الصَّلَاةُ مُشْتَرَكَةً**» کہ نماز کیا ہو؟ مشترک ہو یعنی دونوں ایک ہی امام کی اقتدا کر رہے ہوں، وہ مرد بھی اور وہ عورت بھی، نماز مشترک ہو۔ نماز کیا ہو؟ مشترک ہو۔ تو وہ دونوں ایک ہی امام کی اقتدا کر رہے ہوں یا انہی میں سے ایک امام ہے ایک مقتدی، یعنی مرد امام ہے اور وہ عورت کیا ہے؟ مقتدی ہے تو دیکھو نماز دونوں کی کیا ہو گئی؟ مشترک ہو گئی۔ تو نماز مشترک ہونی چاہیے یعنی دونوں ایک ہی امام کی اقتدا کر رہے ہوں یا دونوں میں سے ایک امام ہو، «**وَأَنْ تَكُونَ مُطْلَقَةً**» اور یہ کہ نماز جو ہے وہ مطلق ہونی چاہیے، نماز کیا ہونی چاہیے؟ مطلق ہونی چاہیے یعنی پورے کامل رکوع سجدے والی نماز ہو، لہٰذا نمازِ جنازہ میں محاذاۃ ہو تو اس سے مرد کی وہ نماز فاسد نہیں ہو گی۔ تو دوسری شرط یہ کہ نماز مطلق ہو یعنی رکوع سجدے والی ہو، «**وَأَنْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ الشَّهْوَةِ**» تیسری شرط یہ کہ وہ عورت جو ہے اہلِ شہوت میں سے ہو یعنی قابلِ شہوت ہو، وہ عورت کیا ہو؟ قابلِ شہوت ہو فی ذاتہٖ وہ قابلِ شہوت ہو۔ پھر چاہے بیوی ہی کیوں نہ ہو، کوئی محرم ہی کیوں نہ ہو، نماز فاسد ہو جائے گی۔ نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی، چاہے جس مرد کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے چاہے اس کی بیوی ہے، چاہے اس کی کوئی محرم ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ عورت فی ذاتہٖ کیا ہے؟ جی؟ اہلِ شہوت ہے تو اس صورت میں وہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اہلِ شہوت میں سے ہونے کا معنی یہ ہے کہ عورت یعنی بالغہ ہو یا قریب البلوغ ہو، بالغہ ہو یا قریب البلوغ، کیونکہ «**قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ**» ہوتا ہے، تو جو بالغ ہونے کے قریب ہے وہ بھی کس کے حکم میں ہو گئی گویا؟ بالغ، تو یعنی عورتیں بالغہ ہوں یا بالغ ہونے کے قریب ہو تو یہ تیسری شرط ہے محاذاۃ کے اندر بھائی محاذاۃ کے اندر۔ جو بالغ ہو یا بالغ ہونے کے قریب، اور آپ جانتے ہیں کہ لڑکی جو ہے وہ اس میں احتمال ہے نو سال کی عمر میں بھی بالغ ہو سکتی ہے لہٰذا اس عمر والی بھی اسی حکم میں داخل ہو جائے گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ تیسری شرط ہے، تیسری شرط کہ عورت اہلِ شہوت میں سے ہو یعنی یوں کہیں بھائی نو سال یا اس سے زائد عمر والی ہو اور اس میں محاذاۃ آجائے ان تمام شرطوں کے ساتھ تو اس صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، «**وَأَنْ لَا يَكُونَ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ**» اور یہ کہ ان دونوں کے درمیان کوئی حائل، کوئی آڑ اور رکاوٹ بھی نہ ہو، اگر درمیان میں کوئی رکاوٹ ہے مثلاً ستون درمیان میں ہے تو مرد ستون کے ایک طرف ہے عورت ستون کے دوسری جانب ہے تو رکاوٹ آگئی تو پھر اس صورت میں نماز اس کی فاسد نہیں ہو گی۔

تو چار شرطیں انہوں نے ذکر کر دیں: ایک یہ کہ دونوں کی نماز کیا ہو؟ مشترکہ ہو، اور نماز بھی رکوع سجدے والی ہو، اور عورت کس میں سے ہو؟ اہلِ شہوت میں سے ہو، اور یہ کہ ان دونوں کے درمیان کوئی آڑ اور رکاوٹ بھی نہ ہو۔

بھائی یہ شرطیں کیوں لگائی گئیں؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّهَا عُرِفَتْ مُفْسِدَةً بِالنَّصِّ**» اس لیے کیونکہ محاذاۃ کو فاسد کر دینے والا جانا گیا ہے «**بِالنَّصِّ**» کس کی وجہ سے؟ نص کی وجہ سے، حدیث میں کیا آیا تھا؟ «**أَخِّرُوهُنَّ**» ان کو کیا کرو؟ پیچھے کرو، تو یہ نص سے پتہ لگا کہ محاذاۃ جو ہے نماز کو فاسد کرنے والی ہے، «**بِخِلَافِ الْقِيَاسِ**» بخلاف قیاس کے، تو اس کا پتہ نص سے چلا ہے نہ کہ قیاس سے، اس سے تو قیاس تو تقاضا کر رہا تھا نماز فاسد نہیں ہونی چاہیے تھی مرد کی، «**فَيُرَاعَى جَمِيعُ مَا وَرَدَ بِهِ النَّصُّ**» تو رعایت رکھی جائے گی ان سب چیزوں کی جس کے ساتھ نص وارد ہوئی ہے یعنی جو نص میں آئی ہیں، جو کس میں آئی ہیں؟ نص میں۔

توجہ ہے بھائی سبق کی طرف بھائی؟ صاحبِ ہدایہ دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ محاذاۃ کے لیے یہ چار شرطیں ہیں، چار شرطیں پائی جائیں گی تو عورت کا مرد کے برابر ہونا اس مرد کی نماز کو فاسد کر دے گا، اور اگر ان چار میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہوئی یا چاروں ہی پوری نہ ہوئیں تو اس صورت میں محاذاۃ سے مرد کی نماز فاسد نہیں ہو گی، فاسد نہیں ہو گی۔ اور دلیل کیا ذکر کر رہے ہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ محاذاۃ کا مفسد ہونا یہ نص سے معلوم ہوا ہے «**بِخِلَافِ الْقِيَاسِ**» بخلاف کس کے؟ قیاس،

یعنی یہ خلافِ قیاس ہے کیونکہ قیاس تو کہہ رہا تھا مرد کی نماز فاسد نہیں ہونی، تو اس کا پتہ نص سے چلا اور یہ حکم خلافِ قیاس ہے اور آپ جانتے ہیں کہ جو حکم خلافِ قیاس ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتا ہے اس پر دوسری چیزوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اس لیے کیونکہ جب وہ حکم خود خلافِ قیاس ہے تو پھر باقیوں کو کیسے اس پر قیاس کیا جائے گا؟ تو لہٰذا یہ حکم بھی اپنے مورد پر بند رہے گا، یعنی جس طرح نص میں آیا تھا صرف اسی صورت میں نماز مرد کی فاسد ہو گی باقی صورتوں میں مرد کی نماز فاسد نہیں، اور نص کے اندر تو یہ چاروں چیزوں کا ذکر آیا تھا اس لیے صرف اس صورت میں نماز فاسد ہو گی باقی صورتوں میں نماز فاسد نہیں۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

اس پر آپ کے ذہن میں آئے گا کہ نص کے اندر یہ چار چیزیں کہاں ذکر ہیں؟ نص میں تو صرف اتنا آیا: «أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللهُ» ان عورتوں کو مؤخر کرو جہاں اللہ نے ان کو مؤخر کیا ہے۔ نص میں تو صرف اتنا آیا اس میں کہاں ذکر ہے کہ ایک نماز میں شریک ہوں اور نماز بھی مطلق ہو، عورت اہلِ شہوت میں سے ہو اور ان میں کوئی حائل نہ ہو؟ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یاد رکھیے بھائی یہ یہ ہے فقاہت مولانا، فقاہت کہ اللہ نے جس کو دین کی سمجھ دی ہوتی ہے، دین کی سمجھ، فقہا اسی لیے علما سب لکھتے ہیں کہ حدیث کے معانی فقہا ہی پورے طور پر جانتے ہیں، ظاہرِ الفاظ کو دیکھ کر ایک معنی کی طرف آپ ویسے ہی نہ جائیں بلکہ کس کو دیکھیں؟ فقہا اس بارے میں کیا فرماتے ہیں، انہوں نے اس حدیث کا کیا معنی سمجھا ہے۔

تو دیکھیے حدیث میں تو صرف اتنا آیا کہ «أَخِّرُوهُنَّ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللهُ» کہ ان عورتوں کو پیچھے کرو جہاں ان کو اللہ نے پیچھے فرمایا ہے۔ یہ چار شرطیں بھی اس حدیث کے ساتھ اسی میں آ گئیں، بھائی چار شرطیں کس طرح آئیں؟ بھائی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جو عورتیں مسجد میں آتی تھیں نماز پڑھتی تھیں ان کے بارے میں اور اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَخِّرُوهُنَّ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللهُ» ان کو مؤخر کرو جہاں ان کو اللہ نے، اور وہاں پر یہ ساری شرطیں موجود تھیں، وہاں جب جماعت میں آتی تھیں تو ایک ہی جماعت ہوتی تھی یا نہیں؟ ہاں، تو دیکھو وہاں جماعت میں بھی شرکت ہوتی تھی اور وہ جماعت بھی مطلق ہوتی تھی یہ نماز بھائی، رکوع اور سجدے والی نماز ہوتی تھی، اور نیز وہ جو عورتیں ہوتی تھیں وہ بھی کس میں سے تھیں؟ اہلِ شہوت میں سے تھیں، ان کی الگ صف پیچھے بنتی تھی، اور یہ کہ ان کے درمیان کوئی حائل بھی نہ ہو یہ بھی یہی صورت تھی وہاں پر بھی بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ سب چیزیں وہاں تھیں، وہ نماز بھی مشترک ہوتی تھی اور نماز مطلق ہوتی تھی، عورت بھی کس میں سے؟ اہلِ شہوت میں سے ہو، اور یہ کہ وہاں پر کوئی حائل بھی نہیں ہوتا تھا اس موقع پر منع فرمایا بھائی، تو معلوم ہوا حائل بیچ میں آ جائے رکاوٹ آ جائے پھر محاذاۃ مفسد نہیں۔

چلیے بس بھائی «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر۵۷:وَيُكْرَهُ لَهُنَّ حُضُورُ الْجَمَاعَاتِ يَعْنِي الشَّ...

ہدایہ صفحہ:۱۲۸ــــبتاریخ:۵ جنوری ۲۰۱۳ء

وَيُكْرَهُ لَهُنَّ حُضُورُ الْجَمَاعَاتِ، يَعْنِي الشَّوَابَّ مِنْهُنَّ، لِمَا فِيهِ مِنْ خَوْفِ الْفِتْنَةِ، وَلَا بَأْسَ لِلْعَجُوزِ أَنْ تَخْرُجَ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى۔ [1]

یہاں سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ جماعت کے اندر جماعت کے اندر عورتوں کی شرکت کرنا کیسا ہے۔ تو یاد رکھیے جوان عورتیں جو ہیں، جوان عورتیں ان کے لیے تمام نمازوں کے اندر جماعت کے اندر شرکت کرنا اور مسجد میں آنا، یہ ان کے لیے مکروہ ہے بھائی۔ جوان عورتوں کے لیے مکروہ ہے، جبکہ بوڑھی عورتیں جو ہیں وہ آپ کو بتلائیں گے فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں جماعت میں شرکت کر سکتی ہیں بھائی، وہ آسکتی ہیں۔

تو جوان عورتوں کا البتہ جماعتوں کے اندر حاضر ہونا اور جماعت میں شرکت کرنا یہ مکروہ ہے اس وجہ سے، اس وجہ سے کیونکہ جو فاسق لوگ ہیں وہ جوان عورتوں کی تاک میں لگے رہتے ہیں تو اب جوان عورتیں اگر مسجد میں آئیں گی ہر نماز کے اندر تو اس میں فتنہ واقع ہونے کا زیادہ موقع ہے اس لیے فقہاء کیا فرماتے ہیں کہ جوان عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے بھائی۔ عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ اس کی نماز گھر پر ہو بھائی، گھر پر ہو اور جتنے زیادہ پردے میں ہو اتنا ہی زیادہ افضل ہے بھائی اور اس کی نماز اتنی ہی افضل ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَيُكْرَهُ لَهُنَّ حُضُورُ الْجَمَاعَاتِ** اور مکروہ ہے عورتوں کے لیے جماعتوں میں حاضر ہونا، **يَعْنِي الشَّوَابَّ مِنْهُنَّ** یعنی ان میں سے جو جوان ہیں، **لِمَا فِيهِ مِنْ خَوْفِ الْفِتْنَةِ** اس وجہ سے کہ اس میں فتنے کا خوف ہے، **وَلَا بَأْسَ لِلْعَجُوزِ أَنْ تَخْرُجَ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ** اور کوئی حرج نہیں ہے بوڑھی عورت کے لیے کہ وہ نکلے فجر میں، مغرب میں اور عشاء میں۔ یعنی بوڑھی عورت جو ہے فجر، مغرب اور عشاء میں جماعت میں شرکت کر سکتی ہے بھائی۔ **وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى** اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک ہے۔ یعنی وہ فرماتے ہیں فجر، مغرب اور عشاء میں بوڑھی عورت جماعت میں شرکت کر سکتی ہے، البتہ ظہر اور عصر کی نماز میں اس کے لیے بھی جماعت میں شرکت کرنا مکروہ ہے ان کے نزدیک، جبکہ آگے بتلائیں گے صاحبین کا قول آئے گا وہ فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورت پانچوں نمازوں میں جماعت میں شریک ہو سکتی ہے، اس کا جماعت میں شریک ہونا مکروہ نہیں ہے بھائی، مکروہ نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَقَالَا** صاحبین فرماتے ہیں: **يَخْرُجْنَ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا** کہ بوڑھی عورتیں نکل سکتی ہیں تمام نمازوں میں، **لِأَنَّهُ لَا فِتْنَةَ لِقِلَّةِ الرَّغْبَةِ** اس وجہ سے کیونکہ فتنہ نہیں ہے رغبت کے کم ہونے کی وجہ سے، **فَلَا يُكْرَهُ** تو مکروہ نہیں ہو گا، **كَمَا فِي الْعِيدِ** جیسے کس کے اندر؟ عید کے اندر بھائی۔ عید کی نماز جیسے پہلے بھائی پہلے اجتماعی نماز ہوتی تھی، پوری بستی والے یا پورے شہر والے بستی سے باہر نکل کر کھلے میدان میں اکٹھے عید کی نماز ادا کیا کرتے تھے اور اس میں بالاتفاق عورتوں کا حاضر ہونا جائز ہے، اس میں مکروہ نہیں ہے بھائی، مکروہ نہیں ہے۔

تو تو اب صاحبین فرماتے ہیں جیسے عید کے اندر عید کی نماز دن میں ہوتی ہے اور اس میں عورتوں کا حاضر ہونا مکروہ نہیں، اسی طرح بوڑھی عورتیں پانچوں نمازوں کے اندر جماعت میں حاضر ہو سکتی ہیں اور ان کا حاضر ہونا مکروہ نہیں۔ اور نیز وہ فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورتوں کے آنے میں فتنے کا خوف بھی زیادہ نہیں کیونکہ فاسق لوگوں کو بوڑھی عورتوں میں کم رغبت ہوتی ہے تو لہذا فتنے کا فتنہ واقع ہونے کا امکان بھی نہیں ہے بھائی۔

تو یہ معنی ہے کہ **لِأَنَّهُ لَا فِتْنَةَ لِقِلَّةِ الرَّغْبَةِ** اس وجہ سے کیونکہ فتنہ نہیں ہے رغبت کے کم ہونے کی وجہ سے، **فَلَا يُكْرَهُ** تو مکروہ نہیں ہو گا، **كَمَا فِي الْعِيدِ** جیسے عید میں ہے۔ **وَلَهُ** اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے، امام صاحب کیا فرماتے تھے کہ بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء میں آسکتی ہے، ظہر اور عصر میں نہیں، تو امام صاحب فرماتے ہیں چاہے بوڑھی عورت ہی کیوں نہ ہو لیکن شہوت کی زیادتی فاسق لوگوں کو فتنے پر آمادہ کر دیتی ہے بھائی، فاسق لوگوں کو فتنے پر آمادہ کر دیتی ہے لہذا

[1] شاملہ (ص ۶۲) میں «تَعَالَى» کے بجائے «وقالا» درج ہے۔

بوڑھی عورت کے آنے میں بھی فتنے کا احتمال ہے، فتنے کا امکان ہے، لیکن لیکن تین وقت جو ہیں، تین اوقات میں تین جماعتوں میں بوڑھی عورت آسکتی ہے، تو البتہ ظہر اور عصر میں نہیں، ظہر اور عصر میں بوڑھی عورت کا آنا بھی مکروہ ہے اس لیے کیونکہ ظہر اور عصر کا وقت دن کا وقت ہے اور اس وقت فساق اور فاسق لوگ جو ہیں ہر طرف پھیلے ہوتے ہیں، لیکن فجر اور عشاء کے وقت وہ سوئے ہوتے ہیں، غفلت میں ہوتے ہیں اور اسی طرح مغرب کے وقت وہ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں، کھانے میں مشغول، تو لہٰذا ان اوقات میں فساق کا انتشار نہیں ہوتا یا قلیل ہوتا ہے، اس لیے ان اوقات میں بوڑھی عورت آسکتی ہے، جبکہ باقی اوقات میں یعنی ظہر اور عصر میں اس کا آنا بھی مکروہ ہے، جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَلَهُ** امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ فَرْطَ الشَّبَقِ حَامِلٌ فَتَقَعُ الْفِتْنَةُ** فرط کا معنی زیادتی، زیادہ ہونا۔ شبق، شبق کہتے ہیں شہوت کو بھائی۔ وہ امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ فَرْطَ الشَّبَقِ حَامِلٌ** کہ شہوت کی زیادتی حامل وہ ابھارنے والی ہے، وہ فتنے پر ابھارنے والی ہے، **فَتَقَعُ الْفِتْنَةُ** تو فتنہ واقع ہو گا۔ **غَيْرَ أَنَّ الْفُسَّاقَ** یہ یہ وہ سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ شہوت کی زیادتی کی وجہ سے جب بوڑھی عورتوں کے آنے میں بھی فتنے کا خوف ہے تو پھر آپ نے ان کو تین نمازوں میں آنے کی اجازت کیوں دی؟ تو جواب دے رہے ہیں: **غَيْرَ أَنَّ الْفُسَّاقَ انْتِشَارُهُمْ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْجُمُعَةِ** علاوہ اس کے کہ فاسق لوگ جو ہیں ان کا انتشار یعنی ان کا پھیلنا جو ہوتا ہے ظہر، عصر اور جمعہ کے وقت ہوتا ہے، **أَمَّا فِي الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ فَهُمْ نَائِمُونَ** اور باقی فجر اور عشاء کے وقت وہ سوئے ہوتے ہیں، **وَفِي الْمَغْرِبِ بِالطَّعَامِ مَشْغُولُونَ** اور مغرب کے وقت وہ کھانے کے اندر مشغول ہوتے ہیں۔ تو ان اوقات میں چونکہ فاسق لوگوں کا انتشار نہیں ہوتا یا قلیل ہوتا ہے اس لیے ان تین اوقات کے آنے میں، ان تین اوقات کی نمازوں کے میں بوڑھی عورتوں کے حاضر ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے بھائی، کوئی حرج نہیں ہے۔

اس پر یہ آپ کے ذہن میں اشکال ہو سکتا ہے کہ جب اس وقت فاسق لوگوں کا انتشار کم ہوتا ہے تو پھر اس وقت تو جوان عورت کے لیے بھی آنا جائز ہونا چاہیے، تو جواب یہ کہ اگر جوان عورتیں اس ان کو اجازت دی جائے کہ وہ ان نمازوں میں حاضر ہو سکتی ہیں تو پھر اس صورت میں فساق اپنی نیند اور کھانے پینے کو بھی چھوڑ کر کیا ہو جائیں گے؟ وہ آئیں گے، وہ تو جوان عورتوں کے تاک میں لگے رہتے ہیں تو جب ان کو پتہ چلے گا جوان عورتیں بھی جماعت میں آتی ہیں تو وہ تو پھر اس وقت کھانے پینے کو بھی چھوڑ دیں گے، نیند کو بھی چھوڑ دیں گے، تو اسی لیے جوان عورتوں کا نماز میں جماعت میں شریک ہونا مکروہ ہے بھائی، اور جتنے پردے میں ہو اتنا بہتر ہے، جتنے پردے میں ہو۔

وَالْجَبَّانَةُ مُتَّسِعَةٌ یہاں سے صاحبِ ہدایہ جواب دے رہے ہیں صاحبین کی دلیل کا۔ صاحبین نے کہا تھا کہ بوڑھی عورتیں ساری نمازوں میں حاضر ہو سکتی ہیں یعنی دن کی جو نمازیں ہیں، ظہر اور عصر میں بھی حاضر ہو سکتی ہیں جیسے عید کی نماز میں، جیسے کس میں؟ عید، جیسے وہ بھی دن کے اندر پڑھی جاتی ہے، اس میں حاضر ہونا بالاتفاق مکروہ نہیں تو اس میں بھی حاضر ہو سکتی ہیں، اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ عید کی نماز میں ان کے حاضر ہونے میں وہاں پر چونکہ جنگل میں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے باہر کھلے میدان میں، اور کھلا میدان وسیع ہوتا ہے تو وہاں پر عورتیں مردوں سے الگ رہ سکتی ہیں، کھلی جگہ ہے، وہاں اختلاط کا اتنا اہتمام اختلاط کا اتنا امکان نہیں ہے لہٰذا اس پر آپ قیاس نہیں کر سکتے بھائی اس کو، وہ الگ صورت ہے اور یہ الگ صورت، وہاں الگ رہنا ممکن ہے، یہاں الگ رہنا ممکن نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَالْجَبَّانَةُ مُتَّسِعَةٌ** جبانہ کہتے ہیں جنگل کو بھائی۔ **وَالْجَبَّانَةُ مُتَّسِعَةٌ** اور جنگل جو ہے وہ وسیع ہوتا ہے، **فَيُمْكِنُهَا الِاعْتِزَالُ عَنِ الرِّجَالِ** تو ممکن ہے ان عورتوں کے لیے جدا رہنا مردوں سے، **فَلَا يُكْرَهُ** تو اس میں حاضر ہونا مکروہ نہیں ہو گا، لیکن یہاں پر یہاں پر تو مسجد میں ادا کی جا رہی ہے جماعت کے ساتھ تو یہاں پر الگ ہونا یہاں پر اعتزال اور علیحدہ رہنا ممکن نہیں ہے لہٰذا مکروہ ہو گا۔

قَالَ: وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ، وَلَا الطَّاهِرَةُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ قدوری فرماتے ہیں: **وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ** اور نماز نہیں پڑھے پڑھ سکتا پاک شخص آدمی **خَلْفَ مَنْ** اس شخص کے پیچھے **هُوَ فِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ** جو مستحاضہ کے معنی میں ہو یعنی اس کے حکم میں ہو۔ پاک آدمی بھائی وہ وہ شخص جو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا جو مستحاضہ کے حکم میں ہے۔ مستحاضہ کس عورت کو کہتے ہیں؟ جس کو بیماری کی وجہ سے ہر وقت خون جاری ہے تو وہ معذور ہے۔ تو **مَنْ هُوَ فِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ** سے مراد ہوا معذور۔ **مَنْ هُوَ فِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ** سے کیا مراد ہوا؟ معذور، یعنی وہ شخص جس کو کوئی ایسا عذر ہے کہ کوئی ایسا حدث ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ لگا ہوا ہے، اس سے جدا ہوتا ہی نہیں۔ مثلاً کسی کا کوئی زخم ہے، ہر وقت اس سے خون بہتا رہتا ہے، رکتا ہی نہیں، تو یہ شخص کیا ہے؟ معذور، تو معذور کے پیچھے تندرست آدمی کی نماز جائز نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ** اور پاک آدمی نماز نہیں پڑھے گا اس شخص کے پیچھے جو مستحاضہ کے حکم میں ہے یعنی جو معذور ہے، **وَلَا الطَّاهِرَةُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ** اور نہ پاک عورت نماز پڑھ سکتی ہے **خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ** کس کے پیچھے؟ مستحاضہ کے پیچھے۔ **لِأَنَّ الصَّحِيحَ أَقْوَى حَالًا مِنَ الْمَعْذُورِ** اس کی کیونکہ جو تندرست ہوتا ہے وہ زیادہ قوی حالت والا ہوتا ہے **مِنَ الْمَعْذُورِ** معذور کے مقابلے میں۔ تو ایک کی حالت قوی ہے اور ایک کی حالت کیا ہے؟ ضعیف ہے بھائی۔ جو پاک آدمی ہے اس کی حالت قوی ہے اور جو معذور ہے اس کی حالت ضعیف ہے، اور حدیث میں آیا ہے: **الْإِمَامُ ضَامِنٌ** امام کیا ہوتا ہے؟ ضامن ہوتا ہے یعنی مقتدی کی نماز کو اپنے نماز کے ضمن میں لیے ہوئے ہوتا ہے، یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو شامل ہوتی ہے، اس کو

اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوتی ہے۔ تو اگر اگر امام کی حالت قوی ہے تو پھر تو وہ دوسرے کی نماز کو اپنے ضمن میں لے سکتا ہے، قوی کی نماز کو اپنے ضمن میں لے سکتا ہے، لیکن اگر امام کی امام کس کی حالت کیا ہے؟ ضعیف ہے اور مقتدی کی حالت قوی ہے تو ضعیف چیز تو قوی چیز کو اپنے ضمن میں اور اپنے اندر نہیں لے سکتی بھائی۔

یہ معنی ہے کیونکہ تندرست جو ہے **أَقْوَى حَالًا مِنَ الْمَعْذُورِ** وہ زیادہ قوی حالت والا ہے معذور کے مقابلے میں، **وَالشَّيْءُ لَا يَتَضَمَّنُ مَا فَوْقَهُ** اور کوئی چیز جو ہے وہ اپنے سے اوپر والی چیز کو متضمن نہیں ہوتی۔ کوئی چیز جو ہے اپنے برابر یا اپنے سے کمتر چیزوں کو تو اپنے ضمن میں اور اپنے اندر لے سکتی ہے، اپنے سے قوی اور اوپر والی چیزوں کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی۔ **وَالْإِمَامُ ضَامِنٌ** اور امام ضامن ہے۔ یاد رکھیے یہ حدیث ہے بھائی، **الْإِمَامُ ضَامِنٌ** امام ضامن ہے، اور اس حدیث کا کیا معنی ہے؟ کہتے ہیں: **بِمَعْنَى تَضَمَّنَ صَلَاتُهُ صَلَاةَ الْمُقْتَدِي** یعنی امام کی نماز جو ہے مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے، اس کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوتی ہے، اپنے اندر لیے ہوئے ہوتی ہے۔

دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں بھائی؟ کوئی بھی چیز اپنے سے کمتر چیز یا اپنے برابر والی چیز کو تو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے لیکن اپنے سے اوپر والی چیز کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی۔ تو ایک شخص معذور ہے اور دوسرا شخص تندرست ہے، تو معذور جو ہے اس کی حالت ہوئی ضعیف اور جو تندرست ہے اس کی حالت ہوئی قوی، تو ضعیف کی نماز جو ہے وہ تندرست کی نماز کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی۔

وَلَا يُصَلِّي الْقَارِئُ خَلْفَ الْأُمِّيِّ، وَلَا الْمُكْتَسِي خَلْفَ الْعَارِي اور نماز نہیں پڑھے گا قاری **خَلْفَ الْأُمِّيِّ** وہ اس شخص کے پیچھے جو امی ہے۔ بھائی امی یا مشدد ہے، **أُمِّيٌّ**۔ یہ نسبت ہے ام کی طرف، ماں کی طرف، **أُمِّيٌّ** یعنی ماں کی طرف منسوب۔ اور امی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی سے کچھ جس نے تعلیم نہ حاصل کی ہو، سیکھا کچھ نہ ہو بھائی، اسے کیا کہتے ہیں؟ امی کہتے ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ جس نے سیکھا نہیں ہے اس کو امی کہتے ہیں۔ اور امی ماں کی طرف نسبت اس لیے ہے کہ یہ جب کسی سے اس نے سیکھا ہی نہیں ہے کچھ تو یہ ویسا ہی ہے جیسا ماں نے اس کو جنا تھا بھائی، جیسا ماں نے جنم دیا تھا یہ اسی حالت پر ہے، کسی سے کچھ سیکھا نہیں، تو اس لیے اس کو امی کہا جاتا ہے۔

اور یہاں لفظ آیا قاری، قاری، **وَلَا يُصَلِّي الْقَارِئُ**، تو قاری سے وہ نہ سمجھنا جس کو آپ حضرات قاری کہتے ہیں بھائی، قاری، بلکہ قاری سے مراد یہاں وہ شخص ہے جو اتنی قراءت جس کو آتی ہو جس سے نماز کا فرض ادا ہو جائے، جس کو اتنی قراءت آتی ہے جس سے نماز کا فرض ادا ہو جائے وہ ہے قاری۔ اور امام صاحب کے نزدیک فرض کم از کم کتنا قران پڑھنا ضروری ہے؟ ایک آیت، اور صاحبین کے نزدیک تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت۔ تو امام صاحب کے نزدیک جس کو ایک آیت قران کی یاد ہو اس سے فرض ادا ہو جائے گا نماز کا، تو اس کو قاری کہیں گے، اور صاحبین کے نزدیک جس کو تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت یاد ہو تو اس سے نماز کا فرض ادا ہو جاتا ہے لہذا جس کو اتنا یاد ہو اس کو قاری کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو قاری سے مراد وہ نہیں جس کو آپ قاری کہتے ہیں، جو قران پورا بہترین تجوید کے ساتھ پڑھ سکے وہ مراد نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يُصَلِّي الْقَارِئُ خَلْفَ الْأُمِّيِّ** اور نماز نہیں پڑھے گا قاری یعنی جس کو فرض کے بقدر قراءت آتی ہے وہ، **خَلْفَ الْأُمِّيِّ** اس شخص کے پیچھے جو امی ہے یعنی جس کو فرض کے بقدر قراءت بھی نہیں آتی بھائی۔ **وَلَا الْمُكْتَسِي خَلْفَ الْعَارِي** مکتسی جس نے کپڑے پہنے ہوئے ہوں، عاری جو ننگا ہے جس کے پاس کپڑے نہیں، اور نہ ہی کپڑے پہنے ہوئے شخص نماز پڑھے گا **خَلْفَ الْعَارِي** ننگے کے پیچھے۔ کیوں؟ **لِقُوَّةِ حَالِهِمَا** بوجہ ان دونوں کی حالت کے قوی ہونے کے۔ اس لیے کیونکہ ایک ہے قاری اور ایک ہے امی، قاری کی حالت کیا ہے؟ قوی، اور امی کی حالت ضعیف ہے، تو لہذا یہ اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اسی طرح ایک شخص نے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، اس کی حالت ہے قوی، اور جس کے پاس کپڑے نہیں اس کی حالت ہے ضعیف ہے، تو قوی جس کی حالت ہو وہ تو نماز کروائے ٹھیک ہو جائے گی، لیکن ضعیف حالت والا کروائے تو پھر صحیح نہیں۔

وَيَجُوزُ أَنْ يَؤُمَّ الْمُتَيَمِّمُ الْمُتَوَضِّئِينَ اور جائز ہے کہ امامت کروائے تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی۔ امام کون ہوا؟ اس نے کیا کیا ہے؟ تیمم، اور مقتدیوں نے کیا کر رکھا ہے؟ وضو کر رکھا ہے، تو یاد رکھیے یہ تیمم کرنے والا ان وضو کرنے والوں کی امامت کروا سکتا ہے، وہ امام بن سکتا ہے۔ **وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ** اور یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ **وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ** جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں۔ وضو کرنے والے کی حالت قوی اور تیمم کرنے والے کی حالت ضعیف ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں تیمم طہارتِ ضروریہ ہے۔ تیمم کیا ہے؟ طہارتِ ضروریہ ہے، شریعت نے ضرورت کی وجہ سے اجازت دی کہ ایک شخص کے پاس پانی نہیں ہے یا پانی کے استعمال پر وہ قادر نہیں ہے اور نماز کا وقت ہو گیا ہے تو شریعت نے اجازت دی کہ کیا کر لو؟ تیمم، تو یہ طہارتِ ضروریہ ہے۔ تو تیمم کرنے کی حوالے کی حالت ضعیف ہوئی اور وضو کرنے والے کی حالت قوی ہوئی، اور ضعیف پر قوی کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی، قوی پر تو ضعیف کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے لیکن ضعیف پر قوی کی نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لَا يَجُوزُ** یہ جائز نہیں ہے، **لِأَنَّهُ طَهَارَةٌ ضَرُورِيَّةٌ** اس لیے کیونکہ تیمم طہارتِ

ضرور یہ ہے، **وَالطَّهَارَةُ بِالْمَاءِ أَصْلِيَّةٌ** اور طہارت بالماء جو ہے وہ اصل ہے، وہ طہارتِ اصلیہ ہے۔ **وَلَهُمَا** اور شیخین رحمہا اللہ کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ** کہ تیمم طہارتِ مطلقہ ہے، تیمم طہارتِ ضرور یہ نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ طہارتِ مطلقہ ہے، **وَلِهَذَا لَا يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ** اور اسی وجہ سے **لَا يَتَقَدَّرُ** تیمم متعین نہیں ہوتا، مقرر نہیں ہوتا، **بِقَدْرِ الْحَاجَةِ** ضرورت کے بقدر، اسی لیے تیمم بقدرِ حاجت متعین نہیں ہوتا۔ بھائی دیکھیے، شیخین رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ تیمم طہارتِ ضرور یہ نہیں، طہارتِ مطلقہ ہے۔ اگر طہارتِ ضرور یہ ہوتی تو پھر ضرورت کی وجہ سے اجازت ہوتی کہ نماز کا وقت آگیا اور اب پانی تو ہے نہیں تو کیا کرلے؟ تیمم کرلے، تیمم کرلیا اور ضرورت پوری ہوگئی یا نہیں ہوگئی؟ ضرورت پوری ہوگئی، تو اسی تیمم کے ساتھ اگلی نماز جائز نہیں ہونی چاہیے تھی، لیکن اسی تیمم کے ساتھ اگلی نماز اگر اس وقت تک یہ تیمم برقرار ہے تو اگلی نماز بھی پڑھ سکتے ہیں، اس سے اگلی نماز تک اگر تیمم برقرار ہے تو اسی تیمم کے ساتھ کیا کرسکتے ہیں؟ اس سے اگلی نماز، معلوم ہوا تیمم طہارتِ ضرور یہ نہیں، اگر یہ طہارتِ ضرور یہ ہوتی تو ضرورت تو کس وقت تھی؟ پہلی نماز، اور نماز پڑھتے ہی ضرورت کیا ہوگئی تھی؟ پوری، جب نماز ضرورت پوری ہوگئی تو پھر اس تیمم کو کیا ہو جانا چاہیے تھا؟ ختم ہو جانا چاہیے تھا، لیکن آپ بھی کہتے ہیں کہ نہیں، تیمم جب تک ہے کیا کرسکتا ہے؟ اگلی نمازیں بھی، معلوم ہوا یہ تیمم طہارتِ ضرور یہ نہیں بلکہ طہارتِ مطلقہ ہے۔ اگر طہارتِ ضرور یہ ہوتا تو پھر تو یہ ضرورت کے بقدر ہی متعین ہوتا، اس سے زائد یہ نہ رہتا۔ یہ معنی ہے کہ یہ طہارتِ مطلقہ ہے، **وَلِهَذَا لَا يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ** اسی لیے یہ مقرر نہیں ہوتا، متعین نہیں ہوتا بقدرِ حاجت، ضرورت کے بقدر، صرف وہ نماز پڑھنے تک ہی نہیں رہتا بلکہ بعد میں بھی تیمم باقی رہتا ہے، معلوم ہوا یہ طہارتِ مطلقہ ہے۔

وَيَؤُمُّ الْمَاسِحُ الْغَاسِلِينَ اور امامت کرسکتا ہے مسح کرنے والا **الْغَاسِلِينَ** دھونے والوں کی، ایک ہے مسح کرنے والا، ایک ہے عضو کو دھونے والا، مثلاً بھائی ایک شخص ہے وہ موزوں پر مسح کرتا ہے اور ایک شخص ہے اس نے پاؤں کو دھویا ہے، تو کیا یہ مسح کرنے والا اس پاؤں کو دھونے والے کی امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے صاحبِ قدوری نے کیا بتلایا کہ مسح کرنے والا دھونے والوں کی امامت کرسکتا ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ کہ بھائی پاؤں کو دھونے والے کی حالت ہے قوی اور مسح کرنے والے کی حالت ہے ضعیف، تو پھر یہ کیسے اس کی امامت کرسکتا ہے؟ تو آگے آپ کو بتلائیں گے، کہتے ہیں نہیں، یہ مسح موزوں پر مسح کرنے والا بھی اسی طرح ہے جیسے پاؤں کو دھونے والا۔ تو گویا دونوں پاؤں کو دھونے والے ہیں تو دونوں کی حالت قوی ہوئی، جب دونوں کی حالت قوی ہوئی تو دونوں میں سے کوئی بھی امام بن سکتا ہے، چاہے دھونے والا ہے چاہے مسح کرنے والا ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مسح کرنے والے نے تو مسح کیا ہے، پاؤں کو دھویا کب ہے کہ آپ نے اس کو بھی دھونے والے کی طرح قرار دے دیا؟ تو آگے بتلائیں گے آپ کو کہ بھائی دیکھیے، اس نے جو موزے پہنے تھے وہ پاؤں کو دھو کر پہنے تھے موزے، اور پھر حدث جو لاحق ہوا وہ صرف کس پر آیا؟ موزوں پر اترا، موزوں نے اس حدث کو پاؤں تک نہیں جانے دیا، اپنے اوپر ہی روک لیا، تو صرف موزوں پر حدث آیا، اور اس حدث کو بھی جب وہ مسح کرے گا یہ حدث بھی کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا، تو اس کے پاؤں اسی طرح اندر موزے میں گویا دھلے ہوئے ہیں بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الْخُفَّ مَانِعٌ سِرَايَةَ الْحَدَثِ إِلَى الْقَدَمِ** اس لیے کیونکہ موزہ جو ہے وہ مانع ہے اس بات سے کہ پہنچے حدث پاؤں تک، کیونکہ موزہ پاؤں تک حدث کے پہنچنے سے مانع ہے، **وَمَا حَلَّ بِالْخُفِّ يُزِيلُهُ الْمَسْحُ** اور وہ حدث جو اترا ہے موزے پر **يُزِيلُهُ الْمَسْحُ** اس کو مسح دور کردے گا، مسح سے موزے کے اوپر سے بھی مسح حدث دور ہو جائے گا، **بِخِلَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ** بخلاف کس کے؟ مستحاضہ کے، یعنی مستحاضہ ہے جو یا جو معذور ہے، **لِأَنَّ الْحَدَثَ لَمْ يُعْتَبَرْ زَوَالُهُ شَرْعًا** اس لیے کیونکہ ان کا جو حدث ہے شریعت نے اس کے زوال کا اعتبار نہیں کیا، شریعت نے اس کے زوال کا اعتبار نہیں کیا۔ بھائی دیکھیے، معذور آدمی ہے معذور، مثلاً ایک شخص ہے اس کے ہر وقت خون زخم سے بہہ رہا ہے، اس کی تفصیل آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ اس شخص کو اب خون کا بدن سے نکلنا یہ تو حدث ہے، حدث ہے، لیکن اب نماز کا وقت آگیا، اب خون رک ہی نہیں رہا، تھوڑی دیر کے لیے بھی نہیں رکتا کہ جس میں کیا کرے؟ یہ وضو کرکے نماز پڑھ لے، تو شریعت نے ایسے شخص کو معذور قرار دیا ہے، کیا قرار دیا ہے؟ کہ یہ وقت کے اندر وضو کرکے جتنی نمازیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔ کیا کرسکتا ہے؟ شریعت نے اس کو رخصت دے دی، شریعت نے یہ نہیں کہا تمہارا حدث ہی ختم ہو گیا۔ شریعت نے یہ نہیں کہا، بلکہ شریعت نے کیا کیا؟ رخصت دے دی۔ یہ نہیں کہا کہ تمہارا حدث ختم ہو گیا، حدث ہے ہی نہیں، شریعت اس کا اعتبار ہی نہیں کر رہی، نہیں نہیں۔ اعتبار ہے لیکن شریعت نے اجازت دے دی۔ اسی لیے جیسے ہی وقت نکلے گا اس نماز کا، اس حدث کا اثر ظاہر ہو جائے گا اور کیا کہیں گے ہم؟ وضو ختم ہوا، اب نئے وقت کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟ نیا وضو کرنا پڑے گا، معلوم ہوا وہ حدث اس کے ختم ہونے کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا تھا، صرف صرف رخصت دی تھی، کیا کرسکتے ہو؟ تم اسی حالت میں کیا کرلو؟ نماز پڑھ لو، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الْحَدَثَ لَمْ يُعْتَبَرْ زَوَالُهُ شَرْعًا** کہ شرعاً اس کے حدث وہ جو حدث ہے اس کے زوال کا اعتبار نہیں کیا گیا کہ وہ ختم ہو گیا، زوال کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ صرف کیا کیا گیا؟ رخصت دی گئی تھی، **مَعَ قِيَامِهِ حَقِيقَةً** ساتھ اس کے کہ وہ حدث حقیقتاً قائم ہے، حقیقتاً اس کے ساتھ لگا ہوا ہے، خون بہہ رہا ہے اس کا، تو شریعت نے اس کے زوال کا اعتبار نہیں کیا۔

دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو آپ یہ جو ذکر کیا: **بِخِلَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ**، یہ فرق بیان کر رہے ہیں کہ ایک ہے مسح کرنے والا اور ایک ہے معذور بھائی، تو یہ مسح کرنے والے کو معذور کی طرح نہیں آپ قرار دے سکتے، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ موزے پر جس نے مسح کیا تھا اس نے پاؤں دھو کر موزے پہنے تھے اور موزے مانع بن گئے، اب حدث جو آیا وہ صرف موزے پر آیا اور پھر اس کو بھی مسح نے دور کر دیا، تو اس حدث کو دور کر دیا تو اس کے ساتھ حدث ہے ہی نہیں اس وقت، جبکہ معذور کے ساتھ تو حدث ساتھ لگا ہوا ہے، شریعت نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس کا حدث ختم ہو گیا ہے، ہاں شریعت نے کیا کیا اس کو؟ رخصت دی ہے صرف بھائی، تو اس کو ان میں تو مسح

کرنے والا اور معذور دونوں میں بڑا فرق ہے بھائی۔

وَيُصَلِّي الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ اور پڑھ سکتا ہے نماز کھڑا ہوا شخص **خَلْفَ الْقَاعِدِ** بیٹھے ہوئے شخص کے پیچھے۔ بھائی ایک شخص ہے وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تو وہ بیٹھ کر کیا کرتا ہے؟ رکوع اور سجدہ کرتا ہے، اور ایک شخص ہے وہ تندرست ہے، وہ کھڑا ہو سکتا ہے، تو یہ جو شخص بیٹھ سکتا ہے جو شخص بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہے یہ بن جاتا ہے امام، اور جو کھڑا ہوا ہے وہ مقتدی، تو کیا اس طرح صحیح ہے؟ تو بتلا رہے ہیں کہتے ہیں پڑھ سکتا ہے: **يُصَلِّي الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ** اور نماز پڑھ سکتا ہے کھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے شخص کے پیچھے، **وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ:** لَا **يَجُوزُ** اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جائز نہیں ہے یعنی کیونکہ جو پیچھے کھڑا ہوا ہے اس کی حالت ہوئی قوی اور جو بیٹھا ہوا ہے اس کی حالت ہے ضعیف۔ تو کہتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جائز نہیں ہے: **وَهُوَ الْقِيَاسُ** اور یہی قیاس بھی ہے، **لِقُوَّةِ حَالِ الْقَائِمِ** اس وجہ سے کہ کھڑے ہوئے شخص کی حالت قوی ہے، تو کھڑے ہوئے شخص کی حالت قوی ہونے کی وجہ سے۔ **وَنَحْنُ تَرَكْنَاهُ بِالنَّصِّ** اور ہم نے اس قیاس کو چھوڑ دیا نص کی وجہ سے، **وَهُوَ مَا رُوِيَ** اور وہ وہ حدیث ہے جس کو روایت کیا گیا ہے: **أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى آخِرَ صَلَاتِهِ قَاعِدًا وَالْقَوْمُ خَلْفَهُ قِيَامٌ** وہ جو روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے پڑھی اپنی آخری نماز بیٹھ کر، **وَالْقَوْمُ خَلْفَهُ قِيَامٌ** اور لوگ جو تھے آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات کے اندر، مرض الوفات کے اندر آپ کے ضعف کی وجہ سے نماز کے لیے تشریف لانا مشکل تھا تو آپ نے حکم دیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھائیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز شروع فرما دی، پھر حضور علیہ السلام کو کچھ طبیعت میں بہتر محسوس ہوئی، کچھ افاقہ محسوس ہوا، تو آپ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی آہٹ سنی تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر نماز پڑھائی بیٹھ کر بھائی، تو اس سے معلوم ہوا کہ جو امام ہو بیٹھا ہوا ہو اور مقتدی کھڑا ہوا ہو تو بھی نماز جائز ہے بھائی۔

وَيُصَلِّي الْمُؤْمِي خَلْفَ مِثْلِهِ اور نماز پڑھ سکتا ہے **الْمُؤْمِي** اشارہ کرنے والا **خَلْفَ مِثْلِهِ** اپنے جیسے کے پیچھے۔ جو اشارے سے نماز پڑھنے والا ہے وہ اپنے جیسے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یعنی امام بھی اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے بیٹھا اور مقتدی بھی، **لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْحَالِ** بوجہ ان دونوں کے برابر ہونے حالت میں، **إِلَّا أَنْ يُؤْمِيَ الْمُؤْتَمُّ قَاعِدًا وَالْإِمَامُ مُسْتَضْجِعًا** مگر یہ کہ اشارہ کرے **الْمُؤْتَمُّ** مقتدی جو ہے **قَاعِدًا** بیٹھ کر، مقتدی کیا ہے؟ اشارہ کرتا ہے کس طرح؟ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے، **وَالْإِمَامُ مُسْتَضْجِعًا** اور امام اشارہ کر رہا ہے لیٹ کر، پھر درست نہیں بھائی، پھر درست نہیں۔ **لِأَنَّ الْقُعُودَ مُعْتَبَرٌ** اس لیے کیونکہ بیٹھنا معتبر ہے، **فَيَثْبُتُ بِهِ الْقُوَّةُ** اس سے کیا ثابت ہو جائے گی؟ قوت۔ تو اگر دونوں اشارے سے نماز پڑھ رہے ہیں تو بھی یہ دیکھا جائے گا کہ دونوں کی حالت برابر ہو۔ ایک بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے تو اگر امام لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے تو اور مقتدی بھی لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے پھر تو اقتداء صحیح ہے، اور اگر امام لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے تو پھر بیٹھنے والے کی حالت تو قوی ہے لہذا پھر درست نہیں۔

وَلَا يُصَلِّي الَّذِي يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ خَلْفَ الْمُؤْمِي اور نہ نہیں پڑھ سکتا وہ شخص جو رکوع اور سجدہ کرتا ہے **خَلْفَ الْمُؤْمِي** اشارہ کرنے والے کے پیچھے، **لِأَنَّ حَالَ الْمُقْتَدِي أَقْوَى** اس لیے کیونکہ مقتدی کی حالت زیادہ قوی ہے، **وَفِيهِ خِلَافُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور اس میں اختلاف ہے امام زفر رحمہ اللہ کا۔ بھائی ایک آدمی ہے وہ اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے اور دوسرا کیا ہے؟ رکوع اور سجدہ کر سکتا ہے۔ پہلا شخص جو نماز پڑھا رہا ہے وہ رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا اور مقتدی رکوع اور سجدہ کر سکتا ہے تو یہ اقتداء صحیح نہیں بھائی۔ اور امام زفر کا اس میں اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں اقتداء کر سکتا ہے۔

وَلَا يُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ اور نماز نہیں پڑھ سکتا فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے۔ امام نے امام نفل پڑھ رہا ہے اور مقتدی کیا کر رہا ہے؟ وہ فرض پڑھنا چاہتا ہے، فرض پڑھ رہا ہے اس کے پیچھے، تو یہ درست نہیں ہے بھائی۔ **لِأَنَّ الِاقْتِدَاءَ بِنَاءٌ** اس لیے کیونکہ اقتداء یہ بناء ہے۔ اقتداء کرنا یہ بناء کرنا ہے یعنی بنیاد رکھنا ہے یعنی مقتدی اپنی نماز کی بنیاد رکھتا ہے امام کی نماز پر۔ اقتداء کس چیز کا نام ہے؟ بناء، یعنی مقتدی کیا کرتا ہے؟ اپنی نماز کی بنیاد کس پر رکھتا ہے؟ امام کی نماز پر اپنی نماز کی بنیاد رکھتا ہے، تو امام اگر فرض پڑھنے والا ہو گا تو مقتدی کے لیے اپنے فرضوں کی بنیاد اس کے فرضوں پر رکھنا صحیح ہو گا۔ امام اگر نفل پڑھنے والا ہے تو مقتدی اس کے پیچھے نفل پڑھنا چاہتا ہے تو مقتدی کے لیے اپنے نفلوں کی بنیاد اس کے نفلوں پر رکھنا صحیح ہو گا۔ لیکن اگر امام کیا پڑھنے والا ہے؟ نفل پڑھنے والا ہے اور مقتدی کیا پڑھنا چاہتا ہے؟ فرض پڑھنا چاہتا ہے تو فرضوں کی بنیاد تو فرضوں پر ہو سکتی ہے اور امام کی نماز میں فرض ہونے والا وصف ہے؟ نہیں، فرض ہونے والا وصف نہیں، تو گویا مقتدی اپنے فرضوں کی بنیاد ایک معدوم چیز پر رکھ رہا ہے جس کا وجود ہی نہیں ہے تو یہ تو بنیاد رکھی ہی نہیں، بنیاد وجودی چیز پر تو رکھی جا سکتی ہے، عدمی چیز پر بنیاد نہیں، تو مقتدی جب فرض پڑھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ امام کی نماز بھی کس قسم کی ہو؟ فرض نماز ہو تا کہ فرضوں پر فرضوں کی بنیاد رکھی جا سکے۔

وَلَا يُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ اور نہیں نماز پڑھ سکتا فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے، **لِأَنَّ الِاقْتِدَاءَ بِنَاءٌ** اس لیے کیونکہ اقتداء جو ہے وہ بنیاد رکھنا ہے، **وَوَصْفُ الْفَرْضِيَّةِ مَعْدُومٌ فِي حَقِّ الْإِمَامِ** اور فرض ہونے کا وصف یہ تو امام کے حق میں معدوم ہے یعنی اس کی نماز میں تو فرض ہونے کا وصف نہیں ہے، **فَلَا يَتَحَقَّقُ الْبِنَاءُ عَلَى الْمَعْدُومِ** تو لہذا بنیاد ثابت نہیں ہو گی **عَلَى الْمَعْدُومِ** کس پر؟ ایک معدوم چیز پر بنیاد نہیں پائی جائے گی، وہ بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

قَالَ: وَلَا مَنْ يُصَلِّي فَرْضًا خَلْفَ مَنْ يُصَلِّي فَرْضًا آخَرَ اور نہ وہ شخص جو ایک فرض پڑھ رہا ہے **خَلْفَ مَنْ يُصَلِّي فَرْضًا آخَرَ** اس شخص کے پیچھے جو کوئی دوسرا فرض پڑھ رہا ہے۔ بھائی مقتدی اگر فرض پڑھنا چاہتا ہے تو امام کی نماز بھی کیا ہونی چاہیے؟ فرض، اور نیز نماز بھی وہی ہونی چاہیے، یعنی مقتدی ظہر کی نماز پڑھنا چاہتا ہے تو امام بھی ظہر کی نماز پڑھ رہا ہو فرض بھائی، اور اگر مقتدی ادا پڑھنا چاہتا ہے یعنی وقت کے اندر تو ضروری ہے کہ وہ امام بھی کیا ہو؟ اسی وقت کے فرض پڑھ رہا ہو، کوئی قضاء فرض نہ پڑھ رہا ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّ الِاقْتِدَاءَ شِرْكَةٌ وَمُوَافَقَةٌ** اس لیے کیونکہ اقتداء شرکت اور موافقت کا نام ہے۔ اقتداء کس چیز کا نام ہے؟ اقتداء شرکت اور موافقت کا نام ہے۔ یعنی اقتداء اس چیز کو کہتے ہیں کہ دونوں مقتدی اور امام کی شرکت ہو یعنی ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں، کیا کر رہے ہوں؟ ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں۔ لہٰذا مقتدی اگر اج کے ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے تو امام بھی کی نماز بھی کون سی ہونی چاہیے؟ اج کے ظہر کی، مقتدی اگر کل کے ظہر کی قضاء پڑھ رہا ہے تو امام کی نماز بھی کون سی ہونی چاہیے؟ کل کے ظہر کی قضاء ہونی چاہیے تاکہ ایک نماز ہو، شرکت کا یہ معنی ہے کہ ایک ہی نماز ہو دونوں کی۔ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الِاقْتِدَاءَ شِرْكَةٌ وَمُوَافَقَةٌ** اس لیے کیونکہ اقتداء شرکت اور موافقت کا نام ہے۔ شرکت ہو گی یعنی تحریمہ کے اندر شرکت ہو گی، دونوں کی تحریمہ ایک ہی نماز کی ہونی چاہیے، امام کی بھی اور مقتدی کی بھی، اور موافقت بھی ہو گی اعمال کے اندر بھائی، یعنی جیسے امام رکوع کرے گا تو مقتدی بھی رکوع کرے گا، امام سجدہ کرتا ہے تو مقتدی بھی کیا کرتا ہے؟ سجدہ۔ تو یہ جماعت کے ساتھ جو نماز پڑھی جاتی ہے یہ شرکت اور موافقت کا نام ہے۔ جماعت کے ساتھ میں جو نماز پڑھی جاتی ہے یہ کس چیز کا نام ہے؟ جماعت میں شرکت بھی ہوتی ہے یعنی تحریمہ میں دونوں شریک ہوتے ہیں اور موافقت بھی ہوتی ہے، مقتدی اور امام کیا کرتے ہیں؟ اکٹھے نماز ادا کرتے ہیں، جیسے جیسے امام ادا کرتا جاتا ہے مقتدی بھی اسی طرح ادا کرتا ہے اس کے ساتھ، تو اقتداء جو ہے وہ شرکت اور موافقت کا نام ہے، **فَلَا بُدَّ مِنَ الِاتِّحَادِ** لہٰذا اتحاد کا ہونا ضروری ہے کہ ایک ہی نماز ہو۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصِحُّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں نماز صحیح ہے۔ یہ جتنی صورتیں ذکر ہوئی تھیں بھائی، شروع میں جو آیا تھا: **وَلَا يُصَلِّي الظَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ** جہاں سے یہ بات شروع ہوئی تھی، وہاں سے لے کر یہاں تک جتنی صورتیں ذکر ہوئیں، جتنی صورتیں ان سب کے اندر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نماز جائز ہے، نماز جائز ہے۔ البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک صورت اس میں داخل نہیں ہے کہ قاری امی کی اقتداء کرے، یہ ان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے بھائی، یہ ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک **يَصِحُّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ** اقتداء صحیح ہو جائے گی ان تمام صورتوں میں، **لِأَنَّ الِاقْتِدَاءَ عِنْدَهُ أَدَاءٌ عَلَى سَبِيلِ الْمُوَافَقَةِ** اس لیے کیونکہ اقتداء ان کے نزدیک وہ ادا کرنا ہے موافقت کے طریقے پر۔ بھائی ہمارے نزدیک تو اقتداء کس چیز کا نام تھا؟ شرکت اور موافقت کا یعنی تحریمہ میں بھی شرکت ہو دونوں کی، امام اور مقتدی کی، اور موافقت بھی ہو اعمال کے اندر، اکٹھے اعمال ادا کرتے جا رہے ہیں۔ اور جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اقتداء صرف موافقت فی الاعمال کا نام ہے یعنی دونوں کیا کر رہے ہیں؟ اعمال اکٹھے ادا کر رہے ہیں، بس۔ دونوں اکٹھے ادا کر رہے، لہٰذا اگر امام کی نماز فاسد ہوئی بعد میں پتہ چلا کہ امام کا تو وضو ہی نہیں تھا، امام کا مثلاً وضو ہی نہیں تھا، تو امام کی نماز تو نہیں ہوئی لیکن وہ فرماتے ہیں مقتدی کی نماز ہو گئی، کیونکہ یہ جو اقتداء جو ہے وہ صرف موافقت فی الاعمال کا نام ہے، ہے نماز دونوں کی اپنی اپنی، ہاں پڑھ اکٹھے رہے ہیں، نماز دونوں کی اپنی اپنی ہے لیکن اکٹھے اعمال اکٹھے کر رہے ہیں، رکوع اکٹھا کر رہے ہیں، قیام اکٹھا کر رہے ہیں، سجدہ اکٹھا کر رہے ہیں، تو ہمارے نزدیک اقتداء شرکت اور موافقت کا نام ہے جبکہ ان کے نزدیک اقتداء صرف کس چیز کا نام ہے؟ موافقت ہونی چاہیے بھائی، بس۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمام صورتوں میں اقتداء صحیح ہے: **لِأَنَّ الِاقْتِدَاءَ عِنْدَهُ أَدَاءٌ عَلَى سَبِيلِ الْمُوَافَقَةِ** اس لیے کیونکہ اقتداء ان کے نزدیک ادا کرنا ہے موافقت کے طریقے پر، **وَعِنْدَنَا مَعْنَى التَّضَمُّنِ مُرَاعًى** اور ہمارے نزدیک تضمن کا معنی ملحوظ ہے، اس کی رعایت رکھی جائے گی یہ کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے، اس کی رعایت رکھی جائے گی، امام کی نماز جائز ہو گی تو مقتدی کی نماز بھی جائز ہو گی، امام کی نماز جائز نہیں تو مقتدی کی نماز بھی جائز نہیں ہو گی بھائی۔ تو اس لیے کیونکہ حدیث میں ایا، کیا ایا؟ **الْإِمَامُ ضَامِنٌ** امام ضامن ہے، اور اس کا کیا معنی ہے؟ کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر اس کا یہ معنی کیا جائے کہ امام ضامن ہے، ضامن ہے یعنی ذمہ دار ہے نماز کا، نماز کا تو کوئی شخص دوسرے کی نماز کا تو ذمہ دار نہیں ہوتا تو یہی کہیں گے کہ اپنی نماز کا ذمہ دار ہے، کس کا ذمہ دار ہے؟ اپنی نماز کا ذمہ دار ہے، اور یہ بات تو پہلے ہی ظاہر ہے، ہر شخص اپنی نماز کا ذمہ دار ہوتا ہے تو لہٰذا کیا معنی کرنا پڑے گا؟ کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوتی ہے، اگر اس کی نماز جائز ہو جائے گی تو مقتدی کی نماز بھی جائز ہو جائے گی، اگر اس کی نماز فاسد ہو جائے گی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد۔ یہ معنی ہے: **وَعِنْدَنَا مَعْنَى التَّضَمُّنِ مُرَاعًى** کہ تضمن کے معنی جو ہے اس کی رعایت رکھی جائے گی، **وَيُصَلِّي الْمُتَنَفِّلُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ** اور نفل پڑھنے والا نماز پڑھ سکتا ہے فرض پڑھنے والے کے پیچھے۔

امام کیا پڑھ رہا ہے؟ فرض، اور مقتدی کیا پڑھنا چاہتا ہے؟ نفل، تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ بھائی آپ نے پڑھا تھا کہ فرض نماز جب پڑھنے لگیں تو نیت ضروری ہے اور کیا نیت ضروری ہے؟ فرضوں کی بھی اور تعین بھی ہونا چاہیے، تعین بھی ہونا چاہیے کون سے فرض پڑھنا چاہتا ہے کیونکہ فرض تو فجر بھی ہے، ظہر بھی ہے، عصر بھی

ہے، مغرب بھی ہے اور عشاء بھی، تو تعین بھی ہونا چاہیے کہ کون سے فرض پڑھنا چاہتا ہے۔ اور نفل، جب کوئی نفل پڑھنا چاہے تو آپ نے پڑھا تھا کہ صرف مطلق نماز کی نیت کافی ہے، سمجھ رہے ہیں؟ تو لہٰذا اب یہاں پر بھی اقتداء کے اندر ایک امام ہے اور دوسرا مقتدی، امام فرض پڑھ رہا ہے اور مقتدی کیا کرنا چاہتا ہے؟ نفل پڑھنا چاہتا ہے، اور نفل والے کے لیے کیا نیت ضروری تھی؟ مطلق نماز کی نیت، تو گویا کیونکہ نفل تو مطلق نماز ہیں، مطلق کیا ہیں؟ مطلق نماز ہے، تو مطلق نماز کی بنیاد کس پر رکھی جاسکتی ہے؟ مطلق نماز کس پر؟ بھائی فرضوں کی بنیاد تو فرضوں پر ہی رکھنا پڑے گی، لیکن مطلق نماز کی بنیاد مطلق نماز ہونی چاہیے، بس نماز کی یہ بھی نماز ہے وہ بھی کیا ہے؟ نماز ہے تو اس پر اس کی بنیاد رکھنا کیا ہوگا؟ صحیح۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْحَاجَةَ فِي حَقِّهِ إِلَى أَصْلِ الصَّلَاةِ** اس لیے کیونکہ ضرورت اس نفل پڑھنے والے کے حق میں اصلِ صلاۃ کی ضرورت ہے، **وَهُوَ مَوْجُودٌ فِي حَقِّ الْإِمَامِ** اور وہ کس کے حق میں موجود ہے؟ امام۔ امام جو فرض پڑھ رہا ہے تو نماز ہے یا نہیں؟ وہ تو نماز تو ہے وہ، اور مقتدی کے لیے بھی وہ اقتداء کرنا چاہتا ہے تو اپنی نماز کی بنیاد کس پر رکھے گا؟ نماز پر رکھے گا، اور جب وہ آگے والا فرض پڑھ رہا ہے تو وہ بھی نماز ہے، جب نماز ہے تو اس پر اس کی بنیاد رکھنا صحیح ہوگا۔ تو **فَيَتَحَقَّقُ الْبِنَاءُ** تو بنیاد پائی جائے گی، بنیاد ثابت ہو جائے گی۔

وَمَنِ اقْتَدَى بِإِمَامٍ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّ إِمَامَهُ مُحْدِثٌ أَعَادَ اور جس نے کسی امام کی اقتداء کی، **ثُمَّ عَلِمَ** پھر اس کو علم ہوا کہ امام جو تھا اس کا امام **مُحْدِثٌ** بے وضو تھا۔ یعنی اس کو حدث لاحق تھا، کیا تھا؟ اس کو حدث لاحق تھا، مثلاً امام کو بعد میں یاد آیا اس نے ان کو بتلا دیا کہ بھائی میرا تو وضو نہیں تھا، تو اب اس کو پتہ لگ گیا، **أَعَادَ** تو یہ کیا کرے گا؟ نماز کا اعادہ کرے گا، نماز لوٹائے گا، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ **مَنْ أَمَّ قَوْمًا** جس نے امامت کی کچھ لوگوں کی، **ثُمَّ ظَهَرَ** پھر یہ معلوم ہوا اسے **أَنَّهُ كَانَ مُحْدِثًا أَوْ جُنُبًا** کہ یہ امام جو تھا اس کو معلوم ہوا کہ یہ بے وضو تھا **أَوْ جُنُبًا** یا کیا تھا؟ ہاں جنبی تھا، بھائی یہ لفظ غلط رائج ہے، سمجھ میں آیا؟ جنب، جنب کا معنی ہے جنابت والا، جنب کا کیا معنی؟ جنابت والا۔ بھائی لاہور، لاہور تو شہر کا نام ہے، لاہوری کیا معنی؟ لاہور والا، تو یاء مشدد کیوں ملاتے ہیں؟ نسبت کرنے کے لیے، تو لاہوری کا کیا معنی؟ لاہور والا، تو یہ یاء مشدد جو ساتھ ملائی جاتی ہے نسبت کے لیے ملائی جاتی ہے، اور جنب کا اپنا معنی ہے جنابت والا، اب پھر یاء مشدد ساتھ ملانے کی کیا ضرورت ہے؟ سمجھ میں آیا؟ تو یہ عام رائج ہے اور یہ درست نہیں ہے بھائی، جنب ہے لفظ۔ جنب کا معنی ہی یہ ہے جنابت والا۔ اگر اس کو یہ معلوم ہوا **أَنَّهُ كَانَ مُحْدِثًا** کہ وہ بے وضو تھا **أَوْ جُنُبًا** یا جنابت میں جنابت میں تھا، **أَعَادَ صَلَاتَهُ** تو وہ اپنی نماز کو لوٹائے، **وَأَعَادُوا** اور وہ لوگ بھی اپنی نمازوں کو لوٹائیں، یہ حدیث میں آیا ہے۔

وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ اور اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، **بِنَاءً عَلَى مَا تَقَدَّمَ** بوجہ اس کے جو ما قبل میں گزر گیا۔ ما قبل میں کیا گزرا تھا؟ کہ ان کے نزدیک اقتداء کس چیز کا نام ہے؟ صرف موافقت کا نام ہے جبکہ ہمارے نزدیک شرکت اور موافقت دونوں کا نام ہے، تو ان کے نزدیک صرف نماز اپنی اپنی پڑھ رہے ہیں، ہاں پڑھ اکٹھے رہے ہیں، تو امام اگر بے وضو تھا بھی تو مقتدی نے تو اپنی نماز پڑھی تھی، اس کی نماز ہوگئی۔ **وَنَحْنُ نَعْتَبِرُ مَعْنَى التَّضَمُّنِ** اور ہم اعتبار کرتے ہیں تضمن کے معنی کی بھی، **وَذَلِكَ فِي الْجَوَازِ وَالْفَسَادِ** اور یہ تضمن جواز اور فساد میں ہوگا، سمجھ میں آیا؟ ہم کس بات کی رعایت رکھتے ہیں؟ کس کا لحاظ رکھتے ہیں؟ تضمن، تضمن یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوتی ہے، اور ضمن میں لیے ہوئے ہونے کا کیا معنی؟ یعنی معنی یہ ہے یہ جواز اور فساد میں ہے یعنی امام کی نماز اگر جائز ہوگئی یعنی ہوگئی تو مقتدی کی نماز بھی ہو جائے گی اور اگر امام کی نماز فاسد ہوگئی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد۔ تو یہ معنی ہے کیونکہ ہم اعتبار کرتے ہیں تضمن کے معنی کی بھی: **وَذَلِكَ فِي الْجَوَازِ وَالْفَسَادِ** اور یہ تضمن کس میں ہوتا ہے؟ جواز اور فساد میں ہوتا ہے۔

وَإِذَا صَلَّى أُمِّيٌّ بِقَوْمٍ يَقْرَءُونَ وَبِقَوْمٍ أُمِّيِّينَ فَصَلَاتُهُمْ فَاسِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى صورتِ مسئلہ یہ ہے بھائی، توجہ سے سنا بھائی۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے بھائی، ابھی آپ نے پڑھا: ایک شخص کو قران بقدرِ ضرورت آتا ہے اور دوسرے کو بالکل نہیں اتا، فرض مقدار کے بقدر بھی نہیں آتا، تو امی کا امام بننا اور قاری کا مقتدی بننا یہ صحیح نہیں۔

اب دوسری صورت ہے، ایک امی ہے، وہ بنتا ہے امام، امی کیا بنا؟ امام، اور اس کے پیچھے جو نماز پڑھنے والے ہیں ان میں امی بھی ہیں اور قاری بھی ہیں، یعنی کچھ وہ ہیں جن کو قران بقدرِ فرض بھی نہیں آتا اور کچھ وہ ہیں جن کو قران بقدرِ فرض آتا ہے، اب انہوں نے نماز ادا کی، نماز ادا کی، تو آپ کیا کہیں گے؟ آپ سے کوئی یہ مسئلہ پوچھے آپ کیا کہیں گے؟ جن کو قراءت اتی ہے ان کی نماز نہیں ہوگی اور جن کو قراءت نہیں اتی تو امام بھی امی، مقتدی بھی امی، ان کی نماز ہو جائے گی بھائی۔ دیکھیے، یہ کیا بتلاتے ہیں؟ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: **وَإِذَا صَلَّى أُمِّيٌّ بِقَوْمٍ** اور جب نماز پڑھی کسی جب **صَلَّى أُمِّيٌّ بِقَوْمٍ صَلَّى** کا صلہ باء ایا، **بِقَوْمٍ**، میں نے بتلایا تھا پھر اس کا کیا معنی ہوتا ہے؟ نماز پڑھانا، اور جب نماز پڑھائی کسی امی نے کچھ ایسے لوگوں کو **يَقْرَءُونَ** جو قراءت کرتے ہیں، **وَبِقَوْمٍ أُمِّيِّينَ** اور ایسے لوگوں کو جو امی ہیں، **فَصَلَاتُهُمْ فَاسِدَةٌ** تو ان سب کی نماز فاسد ہے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** امام صاحب کے نزدیک۔ امام کی نماز بھی فاسد، پیچھے جو امی ہیں ان کی نماز بھی فاسد، جو قاری ہیں ان کی نماز بھی فاسد۔

وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں: **صَلَاةُ الْإِمَامِ وَمَنْ لَمْ يَقْرَأْ تَامَّةٌ** صاحبین فرماتے ہیں امام کی نماز اور پیچھے جو قراءت نہیں کرتے تھے یعنی جو امی تھے ان

کی نماز پوری ہو گئی، یعنی جو ابھی آپ نے مجھے بتایا کہ امی امام کی نماز بھی ہو جائے گی اور جو امی مقتدی ہیں ان کی نماز بھی ہو جائے گی۔ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ مَعْذُورٌ أَمَّ قَوْمًا مَعْذُورِينَ** اس لیے کیونکہ وہ ایک ایسا معذور ہے جس نے امامت کی ہے معذور لوگوں کی، امام خود بھی معذور، قراءت نہیں اتی اس کو، تو اس کے مقتدی بھی جو امی ہیں وہ بھی کیا ہیں؟ معذور، تو معذور نے معذور کی امامت کی ہے لہذا جو پیچھے امی ہیں ان کی نماز بھی ہو جائے گی اور امام کی بھی نماز ہو جائے گی۔

فَصَارَ كَمَا إِذَا أَمَّ الْعَارِي عُرَاةً یہ اسی طرح ہو گیا جیسے امامت کروائے ننگا ننگا شخص **عُرَاةً وَلَابِسِينَ** ننگے اور کپڑے پہنے ہوئے کو۔ یہ وہی صورت کہتے ہیں یہ اسی طرح ہو گیا جیسے امام کیا ہو؟ ننگا، اور جو مقتدی ہیں ان میں کچھ ننگے ہیں اور کچھ نے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، تو جیسے اس صورت کے اندر بالاتفاق امام کی نماز بھی ہو جائے گی اور جو ننگے پیچھے ہیں ان کی نماز بھی ہو جائے گی، البتہ جنہوں نے کپڑے پہن رکھے ہیں ان کی نماز نہیں ہو گی کیونکہ ان کی حالت قوی ہے اور قوی کی بنیاد ضعیف پر نہیں رکھی جاسکتی۔ یہ صاحبین کی دلیل ہے، صاحبین کی دلیل۔

وَلَهُ اور امام صاحب کی دلیل، امام صاحب کی عجیب دلیل ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ جو امی امام ہے اس کی بھی نماز فاسد، جو امی مقتدی ہیں ان کی بھی نماز فاسد، اور جو قاری ہیں مقتدی ان کی نماز بھی فاسد۔ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھیے یہ جماعت کروا رہے ہیں اور مقتدی امام جو ہے، امام، وہ قراءت پر قادر نہیں، قراءت پر قادر لیکن اس کے لیے ممکن تھا کہ وہ قاری کو اپنا امام بنالیتا اور قاری کو جب امام کرتا تو قاری کی قراءت اس مقتدی کی بھی قراءت بن جاتی، مقتدی کی بھی کیا بن جاتی؟ قراءت بن جاتی۔ تو یہ جو امی جس نے امامت کروائی یہ قراءت پر قادر ہونے کے باوجود اس نے قراءت نہیں کی لہذا اس کی نماز نہیں ہوئی۔ قدرت تھی یا نہیں؟ کیسے تھی؟ قاری کو اپنا امام بنا دیتا تو اس کی قراءت اس کی بھی قراءت بن جاتی، تو قراءت پر گویا قدرت تھی اس کو اور پھر بھی اس نے قراءت نہیں کی، اور قراءت پر قدرت کے باوجود کوئی قراءت نہ کرے تو اس کی تو نماز نہیں ہوتی لہذا اس کی نماز نہیں، اور جب اس کی نماز نہیں ہوئی تو سارے مقتدیوں کی نماز بھی نہیں ہوئی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَلَهُ** امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْإِمَامَ تَرَكَ فَرْضَ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا** کہ امام نے قراءت کے فرض کو چھوڑ دیا باوجود اس پر قدرت ہونے کے، **فَتَفْسُدُ صَلَاتُهُ** تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، **وَهَذَا** اور یہ اس لیے، اب تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ یہ قراءت پر قادر کیسے تھا؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَوِ اقْتَدَى بِالْقَارِئِ تَكُونُ قِرَاءَتُهُ قِرَاءَةً لَهُ** اس لیے کیونکہ اگر یہ قاری کی اقتداء کر لیتا تو اس کی قراءت ہو جاتی، **بِخِلَافِ تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ** بخلاف اس مسئلے کے، یہ وہ جو صاحبین نے اس کو کس پر قیاس کیا تھا؟ صاحبین نے تو ایک تو یہ کہا تھا کیونکہ یہ معذور کس کی امامت کر رہا ہے؟ معذوروں کی امامت کر رہا ہے، اور کس پر قیاس کیا تھا؟ جیسے ننگا شخص وہ اس کی اقتداء کون کرتے ہیں؟ ننگے بھی اور کپڑے پہنے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس پر قیاس نہیں کر سکتے آپ، اس لیے کیونکہ یہاں پر صورت الگ ہے، وہاں صورت الگ ہے۔ یہاں اگر قاری کو آگے کرو گے اس کی قراءت پیچھے سب کی قراءت شمار ہو گی، اور وہاں پر اگر کپڑے پہنے ہوئے کو آگے کر بھی دیں تو اس کے کپڑے پہننا سب کے کپڑے پہننا تو پھر بھی شمار نہیں ہو گا۔ فرق سمجھ میں آیا بھائی؟ تو دونوں میں فرق ہے بھائی۔

بِخِلَافِ تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ وَأَمْثَالِهَا بخلاف اس مسئلے کے اور اس جیسے جو مسئلے ہیں، **لِأَنَّ الْمَوْجُودَ فِي حَقِّ الْإِمَامِ لَا يَكُونُ مَوْجُودًا فِي حَقِّ الْمُقْتَدِي** اس لیے کیونکہ وہاں پر جو چیز امام کے حق میں موجود ہو گی وہ مقتدی کے حق میں موجود نہیں ہو گی، اور یہاں پر جو امام کے حق میں جو چیز یعنی قراءت موجود ہے وہ مقتدی کے حق میں بھی موجود ہو گی۔

وَلَوْ كَانَ يُصَلِّي الْأُمِّيُّ وَحْدَهُ وَالْقَارِئُ وَحْدَهُ جَازَ اور اگر نماز پڑھے امی اکیلا اور قاری اکیلا تو جائز ہے، صورت یہ ہے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ ایک شخص ہے امی اور ایک ہے قاری، وہ دونوں آئے، امی نے اپنی نماز اپنی نماز پڑھنے لگا ہے، قاری اپنی نماز پڑھنے لگا ہے، اب دونوں کی نماز کہتے ہیں نماز امی کی بھی ہو جائے گی۔ بھائی کیسے ہو جائے گی؟ وہ تو کیا کر لیتا؟ قاری کو اپنا امام بنالیتا تو قاری کی قراءت اس کی بھی قراءت بن جاتی، تو اس نے تو امام بنایا نہیں، تو قراءت پر قدرت ہونے کے باوجود اس نے قراءت نہیں کی تو اس کی نماز نہیں ہونی چاہیے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی نہیں، نماز اب ہو، جب الگ الگ دونوں پڑھ رہے ہیں تو نماز ہو جائے گی، اس وجہ سے کہتے ہیں کہ امی جو ہے امی وہ قراءت پر قادر نہیں، قراءت پر قادر نہیں۔ ہاں قراءت پر قادر یعنی یوں کہیں، اس میں دونوں جہتیں پائی جا رہی ہیں، بعض اعتبارات سے دیکھیں تو وہ قراءت پر قادر نہیں کیونکہ اسے تو قراءت نہیں اتی، اور بعض اعتبارات سے دیکھیں تو وہ قراءت پر قادر ہے اس وقت کہ کیا کرے؟ قاری کی اقتداء کر لے، تو من وجہ گویا یہ قراءت پر قادر ہے، من وجہ قراءت پر قادر نہیں، دونوں جہتیں آ گئیں، دونوں جہتیں آ گئیں، لیکن ابھی اس کی طرف سے جماعت کی رغبت ظاہر نہیں ہوئی، جب دونوں الگ الگ پڑھ رہے ہیں نماز، معلوم ہوا ان کو جماعت میں رغبت نہیں، جماعت کروانے کا ارادہ نہیں ہے۔ ہاں اگر جماعت کی رغبت جب ظاہر ہو جائے گی، جب جماعت کی رغبت ظاہر ہو گی تب قراءت پر قادر ہونا یہ ظاہر ہو گا کہ یہ قراءت پر کیا ہو گیا؟ قادر۔ جب تک جماعت کی رغبت نہیں اس وقت تک قراءت پر قدرت بھی ظاہر نہیں، اور اس سے پہلے یوں ہی سمجھا جائے گا گویا عاجز ہی ہے۔ ہاں جب جماعت کا ارادہ ظاہر ہو گا تو اب ہم کہیں گے کہ یہ قراءت پر قادر ہو گیا، اب قاری ہی کو آگے کرنا پڑے گا، کسی امی کو آگے نہیں کیا جاسکتا، لیکن جب تک جماعت کی رغبت نہیں دونوں کے اندر اس وقت تک اس کی قدرت علی القراءۃ بھی ظاہر نہیں ہو گی بھائی، تو یوں ہی سمجھا جائے گا یہ عاجز ہی ہے، اور جب عاجز ہے اپنی نماز پڑھ رہا ہے بغیر قراءت کے تو نماز ہو جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

وَلَوْ كَانَ يُصَلِّي الْأُمِّيُّ وَحْدَهُ وَالْقَارِئُ وَحْدَهُ جَازَ اور اگر امی جو ہے وہ اکیلا نماز پڑھے اور قاری اکیلا تو یہ جائز ہے، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے، **لِأَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ مِنْهَا رَغْبَةٌ فِي الْجَمَاعَةِ** اس لیے کیونکہ ان دونوں کی طرف سے جماعت میں رغبت ظاہر نہیں ہوئی۔ چلیے بس بھائی، ہٰذا ہو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۵۸: مسئلہ: فَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ فِي الْأُولَيَيْنِ ثُمَّ...

ہدایہ صفحہ: ۱۳۰ — بتاریخ: ۶ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«فَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ فِي الْأُولَيَيْنِ ثُمَّ قَدَّمَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ أُمِّيًّا فَسَدَتْ صَلَاتُهُمْ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَا تَفْسُدُ لِتَأَدِّي فَرْضِ الْقِرَاءَةِ» [1]

«**فَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ فِي الْأُولَيَيْنِ**» اور اگر امام نے قراءت کی پہلی دو رکعتوں میں «**ثُمَّ قَدَّمَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ أُمِّيًّا**» پھر امام نے مقدم کر دیا آخری دو رکعتوں میں ایک امّی کو، یعنی ایسے شخص کو جس کو فرض کے بقدر بھی قراءت نہیں آتی جتنی مقدار فرض ہے نماز میں، «**فَسَدَتْ صَلَاتُهُمْ**» تو ان سب کی نماز فاسد ہو جائے گی ان سب کی بھائی۔

«**وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا تَفْسُدُ**» اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں فاسد نہیں ہو گی «**لِتَأَدِّي فَرْضِ الْقِرَاءَةِ**» فرض قراءت ادا کرنے کی وجہ سے۔

امام زفر رحمہ اللہ... بھائی صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص ہے وہ جماعت کروا رہا ہے، امام ہے، پہلی دو رکعتوں میں قراءت تھی، وہ قراءت گزر چکی ہے، دو رکعتوں کے بعد اس کو حدث لاحق ہوا، تو لہٰذا اس نے کسی کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا اور خود نکل گیا، چلا گیا بھائی وضو کے لیے۔ تو اب اگر اس نے امّی کو خلیفہ بنایا ہے، ایسے شخص کو جس کو فرض کے بقدر قراءت بھی نہیں آتی، یعنی اتنی قراءت بھی نہیں آتی جس سے نماز کا فرض ادا ہو جائے، تو اس صورت میں ان سب کی نماز فاسد ہو جائے گی بھائی سب۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں فاسد نہیں ہو گی نماز، وہ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ قراءت پہلی دو رکعتوں میں فرض تھی اور وہ دو رکعتیں تو گزر چکی ہیں، اس میں تو امام نے قراءت کی تھی، تو قراءت کا فرض ادا ہو چکا ہے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل جو ہے: «**أَنَّ كُلَّ رَكْعَةٍ صَلَاةٌ**» کہ ہر رکعت جو ہے وہ نماز ہے۔ نماز کی ہر رکعت کیا ہے؟ وہ پوری نماز ہے «**فَلَا تَخْلُو عَنِ الْقِرَاءَةِ**» تو لہٰذا وہ قراءت سے خالی نہیں ہو گی «**إِمَّا تَحْقِيقًا أَوْتَقْدِيرًا**» یا تحقیقاً یا **تقدیراً** بھائی، **تقدیراً** یعنی فرض کر لیا جائے گا اس میں قراءت کو۔ تو یاد رکھیے بھائی! نماز کی ہر رکعت، ہر رکعت ایک پوری نماز ہے۔ ہر رکعت کیا ہے؟ ایک پوری نماز ہے۔ تو ہر رکعت میں قراءت ہونی چاہیے، نماز کی ہر رکعت جو ہے وہ ایک پوری نماز کی طرح ہے تو ہر ایک میں کیا ہونا چاہیے؟ قراءت ہونی چاہیے، لیکن حدیث میں آیا ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت وہ آخری دو میں بھی قراءت ہے، یعنی یہ پہلی دو میں قراءت آخری دو کی بھی قراءت کی طرح ہے۔ تو لہٰذا، تو آخری دو میں تحقیقاً تو قراءت نہیں ہے لیکن **تقدیراً** قراءت ہے، کیا ہے؟ **تقدیراً** قراءت ہے، **تقدیراً** قراءت ہے۔ یعنی پہلی دو میں قراءت کی گئی ہے تو یوں سمجھا جائے گا، یوں فرض کر لیا جائے گا کہ گویا آخری دو میں بھی کیا ہو گئی؟ قراءت ہے۔ تو آخری دو میں قراءت تحقیقاً تو نہیں لیکن کیا ہے؟ لیکن **تقدیراً** ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ کیونکہ پہلی دو کی قراءت یہ اسی طرح ہے جیسے آخری دو رکعتوں کی بھی، یہ آخری دو رکعتوں کی بھی قراءت ہے تو گویا آخری دو رکعتوں میں **تقدیراً** قراءت ہے، کیا ہے؟ **تقدیراً** قراءت ہے۔

اور یہاں صورت یہ ہے کہ امام کو حدث لاحق ہوا اور اس نے امّی کو خلیفہ بنا دیا، نائب بنا دیا۔ اب اگرچہ وہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت کر چکا ہے اور دوسری دو رکعتوں میں تو **تقدیراً** قراءت ہے لیکن یہاں اس نے خلیفہ کس کو بنایا؟ امّی کو بنایا جس کو قراءت آتی نہیں، تو لہٰذا یہاں **تقدیراً** بھی قراءت نہیں ہو سکتی یعنی قراءت کو ہم

[1] شاملہ (ص ۶۳) میں «**فَإِنْ**» کے بجائے «**إن**» درج ہے۔

فرض بھی نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ امّی کے اندر صلاحیت ہی نہیں ہے قراءت کی بھائی۔ اگر صلاحیت ہوتی تو ہم کیا کر لیتے؟ فرض کر لیتے کہ وہی قراءت کیا ہے، یہاں پر بھی موجود ہے، لیکن اب ہم فرض بھی نہیں کر سکتے کیونکہ امّی کے اندر تو صلاحیت ہی نہیں ہے بھائی۔ صورت سمجھ... تو پہلی دو رکعتوں میں قراءت کیا ہوتی ہے؟ حقیقت، اور آخری دو میں بھی قراءت ہونی چاہیے تھی لیکن حدیث میں کیا آگیا؟ پہلی دو کی قراءت آخری دو کی بھی قراءت، تو گویا آخری دو میں قراءت کو فرض کر لیا گیا۔ پہلی دو میں ہو چکی، آخری دو میں فرض کر... لیکن جب امّی کو کیا بنا دیا؟ امام اور خلیفہ بنا دیا، تو اب قراءت کو ہم فرض بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اس آدمی جس کو امام بنایا گیا اس میں صلاحیت ہی نہیں ہے قراءت کی، قراءت کی صلاحیت ہوتی تو ہم فرض کر لیتے کہ وہی قراءت یہاں بھی موجود لیکن اس کو تو ہم فرض بھی نہیں، لہٰذا اس وجہ سے نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی، دلیل سمجھ میں آگئی؟

«**وَلَنَا أَنَّ كُلَّ رَكْعَةٍ صَلَاةٌ**» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت نماز کی وہ نماز ہے «**فَلَا تَخْلُو عَنِ الْقِرَاءَةِ**» تو وہ قراءت سے خالی نہیں ہو گی «**إِمَّا تَحْقِيقًا أَوْتَقْدِيرًا**» یا تو تحقیقاً وہ خالی نہیں ہو گی یا **تقدیراً**، یعنی اس میں قراءت ہو گی یا تو تحقیقاً قراءت ہو گی یا کیا ہو گی؟ **تقدیراً** ہو گی جیسے آخری دو میں **تقدیراً** ہے۔ «**وَلَا تَقْدِيرَ فِي حَقِّ الْأُمِّيِّ**» اور امّی کے حق میں تو ہم، امّی کے بارے میں تو ہم وہ فرض بھی نہیں کر سکتے «**لِانْعِدَامِ الْأَهْلِيَّةِ**» اس لیے کیونکہ اہلیت ہی معدوم ہے، اس میں اہلیت ہی نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَكَذَا عَلَى هَذَا لَوْ قَدَّمَهُ فِي التَّشَهُّدِ

«**وَكَذَا عَلَى هَذَا لَوْ قَدَّمَهُ فِي التَّشَهُّدِ**» اور اسی طرح ہے، اسی اختلاف پر ہے اگر مقدم کر دیا امام نے امّی کو «**فِي التَّشَهُّدِ**» کس کے اندر؟ تشہد میں۔ اب دوسری صورت کہ آخری قعدے میں جب امام بیٹھا یعنی آخری سجدے سے جب اس نے سر اٹھا لیا، اب یہ آخری قعدہ میں تشہد کی مقدار تو یہ فرض ہے، تو اس میں سجدے سے سر اٹھاتے ہی امام کو حدث لاحق ہوا، اس نے امّی کو اپنا خلیفہ بنا دیا، تو اس صورت میں بھی امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک تو نماز دو رکعتوں کے بعد اگر امّی کو خلیفہ بنا دیا جائے تو بھی نماز فاسد نہیں ہوتی، تو یہاں پر بھی نماز ان کے نزدیک فاسد نہیں، جبکہ ہمارے باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز کے اندر جیسے امّی کو خلیفہ بنایا جاتا تھا تو نماز فاسد ہو جاتی تھی، تو یہاں تشہد کے اندر بھی جب اس کو خلیفہ بنائیں گے تو نماز فاسد ہو جائے گی بھائی، فاسد ہو جائے گی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر کیوں نماز فاسد ہو گی؟ پہلے تو قراءت کی بات تھی اور قراءت کی تو امّی میں صلاحیت نہیں تھی، لہٰذا ہم قراءت کو فرض بھی نہ کر سکتے... نہیں کر سکتے تھے وہاں، لیکن اب تو جو دو رکعتیں گزری ہیں ان میں وہ قاری ہی امام تھا، قراءت کو بھی فرض کرنا بھی ممکن ہوا تو قراءت فرض کر لی گئی، تو گویا چاروں رکعتوں میں قراءت پائی گئی اور اب تو تشہد ہے، آخری نماز کا رکن ہے بھائی، آخری رک... آخری فرض ہے بھائی، آخری کیا ہے؟ فرض ہے۔ تو پھر اس اب تو قراءت کی ضرورت ہی نہیں ہے، قراءت کا محل تو گزر چکا ہے، پھر امّی کو مقدم کرنے سے نماز فاسد کیوں ہو گی؟ تو جواب یہ کیونکہ امّی کے اندر امامت کی اہلیت ہی نہیں ہے، امّی کے اندر... تو ایسے شخص کو امام بنا دیا جس میں اہلیت امامت ہی نہیں ہے، لہٰذا وہ نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔ تو اگر دو رکعتوں کے بعد مقدم کیا امّی کو، تو پھر نماز کیوں فاسد ہو گی؟ کیونکہ اس کے بعد... اس میں قراءت کی اہلیت ہی نہیں ہے تو ہم قراءت فرض ہی نہیں کر سکتے، سمجھ میں آیا بھائی؟ قراءت، امامت کی اہلیت بھی نہیں اور قراءت کی اہلیت بھی نہیں، اور اب تشہد میں آگے کیا تو اب اگرچہ قراءت کا تو محل بھی گزر چکا لیکن پھر بھی بہر حال امامت کی اہلیت تو اس میں نہیں ہے، تو ایسے آدمی کو امام بنا دیا جس میں امام ہونے کی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں، تو نماز فاسد ہو جائے گی بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ آگے صاحبِ ہدایہ بھی ذکر فرمائیں گے بھائی۔ یہ معنی ہے «**وَكَذَا عَلَى هَذَا**» اور اسی طرح اسی اختلاف پر ہے «**لَوْ قَدَّمَهُ فِي التَّشَهُّدِ**» اگر امّی کو مقدم کر دیا تشہد میں، «**وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ**» اور اللہ ہی درست کو خوب جاننے والے ہیں۔

«**بَابُ الْحَدَثِ فِي الصَّلَاةِ**» یہ باب ہے نماز میں حدث کے بارے میں کہ اگر نماز میں کسی شخص کو حدث لاحق ہو جائے یعنی اس کا وضو ٹوٹ جائے، تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ فِي الصَّلَاةِ انْصَرَفَ، فَإِنْ كَانَ إِمَامًا اسْتَخْلَفَ وَتَوَضَّأَ وَبَنَى**» اور جس کو حدث پیش آجائے نماز کے اندر «**انْصَرَفَ**» تو وہ پلٹ جائے، پھر جائے، پلٹ جائے، «**فَإِنْ كَانَ إِمَامًا**» تو اگر وہ امام تھا «**اسْتَخْلَفَ**» کیا کرے؟ خلیفہ اپنا بنا دے، کسی کو اپنا نائب بنا دے۔ مثلاً امام نماز پڑھا رہا ہے اور اس کو حدث لاحق ہوا، وضو ٹوٹ گیا تو وہ فوراً پلٹ جائے اور جو اس کے پیچھے کھڑے ہیں ان میں سے کسی ایک کو آگے ہونے کا اشارہ کر دے یا اس کو کپڑے سے کھینچ کر، اس کے کپڑے سے کھینچ کر آگے کر دے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ ہے خلیفہ بنانا، پھر وہ آگے نماز مکمل کروائے گا اور امام پھر نکل گیا، وضو کرنے کے لیے چلا گیا۔

بھائی بناء والا مسئلہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، پھر یاد رکھیے کہ اگر کسی شخص کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے یعنی اس کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ پلٹ جائے اور جا کر وضو کر کے آئے اور پھر آ کر یہ اسی نماز پر بناء کر سکتا ہے۔ یعنی دو رکعتیں پڑھ چکا تھا تو اسی پر بنیاد رکھتے ہوئے بقیہ دو رکعتیں مکمل کر لے، یعنی اب دوبارہ نئے سرے سے چار پڑھنا لازم نہیں۔ ہاں، نئے سرے سے نماز پڑھ لے تو یہ افضل ہے، افضل کیا ہے؟ نئے سرے سے نماز پڑھ لے، لیکن اگر یہ اسی پر بناء کرنا چاہے تو بناء کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی میں

نے آپ کو بتلایا تھا جب اس کو حدث لاحق ہوا یہ واپس پلٹا اور جا کر وضو کر کے آیا، تو یاد رکھیے یہ جو واپس پلٹ کر گیا ہے اس دوران بھی من وجہ گویا یہ نماز ہی میں ہے۔ کس میں ہے؟ نماز، تو نماز وہ جو نماز گزر چکی ہے اس کو وہ درست کرنا چاہتا ہے کہ وہ بھی وہ پوری ہو جائے، وہ کیا ہو؟ پوری ہو جائے، تو اصلاح کا ارادہ ہے اس کا، لہٰذا اب یہ پلٹنا اور قبلے سے رخ کا پھرنا یہ اس کو نقصان نہیں دے گا، جائے، جا کر وضو کرے اور پھر سیدھا آئے اور آ کر نماز پڑھ لے، لیکن اس دوران جب یہ واپس گیا ہے اور وضو کیا اور آیا ہے، اس دوران بھی یہ گویا من وجہ نماز ہی میں ہے تو باقی کوئی منافی صلاۃ عمل نہیں کرنا، یعنی کسی سے کلام نہیں کرنا کیونکہ کلام تو نماز کے منافی ہے، اگر کسی سے کلام کیا تو بس نماز ٹوٹ گئی پھر بناء نہیں کر سکتا اس پر، یا اگر درمیان میں کچھ کھا پی لیا تو کھانا پینا تو نماز کے منافی ہے تو اس صورت میں بھی پھر بناء جائز نہیں ہو گی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ وہی اب ذکر کر رہے ہیں: «**وَمَنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ فِي الصَّلَاةِ انْصَرَفَ**» اور جس کو حدث لاحق ہوا نماز میں «**انْصَرَفَ**» تو وہ پلٹ جائے، لوٹ جائے، «**فَإِنْ كَانَ إِمَامًا اسْتَخْلَفَ**» پس اگر یہ امام تھا تو خلیفہ بنا دے «**وَتَوَضَّأَ**» اور وضو کرے «**وَبَنَى**» اور پھر کیا کرے؟ اسی نماز پر بناء کرے، اسی پر اگلی باقی حصے کی بنیاد رکھے۔ «**وَالْقِيَاسُ أَنْ يَسْتَقْبِلَ**» بھائی «**اِسْتَقْبَلَ يَسْتَقْبِلُ**» کا ایک معنی ہے نئے سرے سے کرنا، ایک چیز کو نئے سرے سے کرنا اور وہی معنی یہاں مراد ہے بھائی۔ «**وَالْقِيَاسُ أَنْ يَسْتَقْبِلَ**» اور قیاس تو یہ تھا کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ بناء جائز قیاس تو کیا تقاضا کرتا ہے کہ اسی نماز پر بناء جائز نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ اس کو حدث لاحق ہوا ہے اور حدث تو کیا ہے؟ نماز کے منافی ہے اور حدث نماز کے منافی ہے تو جب حدث لاحق ہوا تو نماز فاسد ہو جانی چاہیے اور اس پر بناء درست نہیں ہونی، نیز وہ پلٹ گیا، قبلے سے پلٹ گیا ہے اور قبلے سے پلٹنے سے بھی نماز کیا ہے؟ فاسد ہو جا... تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ نماز کو نئے سرے سے پڑھنا چاہیے کیونکہ حدث نماز کے منافی ہے اور نیز چلنا اور قبلے سے پھرنا اور پلٹنا یہ بھی کیا ہے؟ اس سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

تو کہتے ہیں: «**وَالْقِيَاسُ أَنْ يَسْتَقْبِلَ**» اور قیاس یہ تھا کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے «**وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى**» اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی، وہ بھی یہی فرماتے ہیں جو قیاس تقاضا... تو وہ فرماتے ہیں قیاس یہی تقاضا کرتا ہے کہ نماز کیا ہو جانی چاہیے؟ فاسد ہونی چاہیے، اس پر بناء جائز نہیں ہونی چاہیے، نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہیے۔ دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْحَدَثَ يُنَافِيهَا**» اس لیے کیونکہ حدث نماز کے منافی ہے، اس کو حدث لاحق ہوا ہے، وضو ٹوٹا ہے اور وہ تو نماز کے منافی ہے تو اس سے تو نماز پھر فاسد ہو جانی چاہیے، نیز «**وَالْمَشْيَ وَالانْحِرَافَ يُفْسِدَانِهَا**» چلنا اور چلنا اور پلٹنا «**يُفْسِدَانِهَا**» یہ دونوں بھی کیا کرتے ہیں؟ نماز کو فاسد کر دیتے ہیں «**فَأَشْبَهَ الْحَدَثَ الْعَمْدَ**» تو یہ مشابہ ہو گیا حدثِ عمد کے، جان بوجھ کر وضو توڑنے کے، یہ کس کے مشابہ ہو گیا؟ بھائی یاد رکھیے، یاد رکھیے یہ جو نماز پر بناء کرتا ہے اس میں ضروری ہے کہ وضو غیر اختیاری طور پر ٹوٹا ہو پھر بناء کر سکتا ہے، اگر کوئی جان بوجھ کر وضو توڑتا ہے پھر اس پر بناء نہیں کر سکتا پھر اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، پھر نئے سرے سے نماز پڑھنا پڑے گی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ نماز نئے سرے سے پڑھنی چاہیے کیونکہ حدث لاحق ہوا ہے اور حدث نماز کے منافی ہے، اور نیز اس لیے کیونکہ چلنا اور قبلے سے پلٹنا پایا گیا ہے اور یہ دونوں کیا کر دیتے ہیں؟ نماز کو فاسد کر دیتے ہیں، تو لہٰذا یہ، یہ جو حدث تھا غیر اختیاری یہ حدثِ عمد کے مشابہ ہو گیا اور حدثِ عمد یعنی جان بوجھ کر جو انسان حدث لاحق کرے خود وضو توڑے اپنے ارادے سے، اس میں تو بالاتفاق بناء نہیں کر سکتا، تو لہٰذا یہاں حدثِ غیر اختیاری بھی جب اس کی طرح ہوا تو اس میں بھی بناء جائز نہیں ہونی چاہیے بھائی، نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہیے، دلیل سمجھ میں آئی؟

■ مسئلہ: وَلَنَا

«**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل «**قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «**مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ أَوْ أَمْذَى فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ**» جس نے قے کی یا جس کو نکسیر آئی یعنی ناک سے خون بہہ نکلا یا جس کی مذی خارج ہوئی نماز میں تو اس کو چاہیے کہ پلٹ جائے، لوٹ جائے اور چاہیے کہ وضو کرے اور وہ بناء کرے اپنی نماز پر جب تک وہ کلام اس نے نہ کیا ہو، جب تک اس نے کلام نہ کیا ہو۔ یہ تو دلیل تھی بناء کی، کس چیز کی؟ بناء کی، بناء کی۔ آگے اوپر متن میں یہ بھی ذکر ہوا تھا کہ اگر امام ہو تو کیا کر دے گا؟ خلیفہ بنائے گا، اس کی بھی دلیل ذکر کر رہے ہیں: «**وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَقَاءَ أَوْ رَعَفَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فَمِهِ وَلْيُقَدِّمْ مَنْ لَمْ يُسْبَقْ بِشَيْءٍ**» تم میں سے جس ایک نے نماز پڑھی تو اس کو قے آئی یا اس کو نکسیر اس کی پھوٹ پڑی تو اس کو چاہیے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے، اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ اس کا قے آئی ہے یا اس کی نکسیر پھوٹی ہے، اور اس کو چاہیے کہ آگے کر دے، یہ جو واپس پلٹ رہا ہے منہ پر ہاتھ رکھا ہے جس کو عذر لاحق ہوا، اس کو چاہیے کہ آگے کرے اس شخص کو جس پر کوئی چیز مقدم نہیں ہوئی، جس پر... یعنی جس سے کوئی نماز باقی نہیں رہی، یعنی مدرک مراد ہے، مدرک کو آگے کر دے، یعنی مسبوق کو آگے نہ کرے، مسبوق جس کی جو نماز میں شامل ہوا لیکن ایک یا زیادہ رکعتیں اس کی رہ چکی ہیں، تو وہ کون ہوا؟ «**يُسْبَقْ بِشَيْءٍ**»، جس پر کیا ہے؟ کچھ نماز کا حصہ مقدم ہو چکا ہے۔ تو حدیث میں کیا آیا؟ چاہیے مقدم کرے جس پر کوئی حصہ مقدم نہیں ہوا، یعنی غیر مسبوق کو آگے کر دے۔ تو یہ دلیل ذکر ہو گئی کہ خلیفہ بنا سکتا ہے جب امام کو حدث لاحق ہو جائے، کسی دوسرے کو خلیفہ بنا دے۔

آگے جو اوپر امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل آئی تھی، دلیل آئی تھی، اس میں انہوں نے اس حدثِ غیر اختیاری کو کس کے مشابہ قرار دیا تھا؟ حدثِ عمد کے، جان بوجھ

کر جو حدث لاحق کرے انسان، اس کے مشابہ قرار دیا تھا، تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھائی اس یہ حدث غیر اختیاری ہے اس کو اس حدثِ عمد کے ساتھ ملحق کرنا اور ملانا ٹھیک نہیں کیونکہ دونوں میں فرق ہے بھائی، کہتے ہیں: «وَالْبَلْوَى فِيمَا يَسْبِقُ دُونَ مَا يَتَعَمَّدُهُ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ» اور ابتلاء جو ہے، بلویٰ مبتلا کرنا، ابتلاء یعنی، اور مبتلا کرنا اس حدث کے اندر ہے جو خود پیش آیا، جو کیا ہے؟ ترجمے پہ نظر ہے؟ اور ابتلاء اس حدث کے اندر ہے جو خود پیش آیا ہے نہ کہ وہ جس کا اس نے ارادہ کیا ہے، تو لہٰذا اس کو اس کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا، سمجھ میں آیا بھائی؟ کیونکہ یہ غیر اختیاری طور پر آیا ہے، اسی لیے حدیث میں بھی کیا آیا؟ «مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ أَوْ أَمْذَى» جس کو قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا مذی خارج ہو، تو دیکھیے یہ سب کس قسم کے حدث ہیں؟ غیر اختیاری حدث ہیں، تو غیر اختیاری حدث میں معلوم ہوا بناء کر سکتا ہے، تو ایک انسان کو غیر اختیاری حدث میں مبتلا کیا گیا وہ اس کے اختیار کے بغیر، اور ایک ہے خود اپنے آپ کو حدث میں مبتلا کرنا، تو اس کو اس پر قیاس یعنی اس کو اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: «وَالْبَلْوَى فِيمَا يَسْبِقُ دُونَ مَا يَتَعَمَّدُهُ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ» اور مبتلا کرنا اس حدث کے اندر ہے جو پیش آیا ہے نہ کہ وہ جس کے اندر جس کا اس نے ارادہ کیا ہے، تو لہٰذا اس کو اس حدثِ عمد کے ساتھ یعنی اس حدثِ غیر اختیاری کو حدثِ عمد کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔

«وَالِاسْتِئْنَافُ أَفْضَلُ» اور نئے سرے سے نماز پڑھنا افضل ہے، استئناف کا معنی بھی نئے سرے سے پڑھنا۔ بھائی اور نئے سرے سے پڑھنا افضل ہے کیوں؟ کہتے ہیں: «تَحَرُّزًا عَنْ شُبْهَةِ الْخِلَافِ» اختلاف کے شبہے سے بچنے کے لیے، اختلاف کے شبہے سے... تاکہ اختلاف کے شبہے سے بھی بچ جائے کیونکہ ہمارے نزدیک اگر بناء جائز ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بناء جائز نہیں، تو جب نئے سرے سے پڑھے گا تو اختلاف کا شبہ پیش ہی نہیں آئے گا کیونکہ ان کے نزدیک تو کرنا ہی کیا پڑے گا؟ استئناف ہی کرنا پڑے گا تو اختلاف سے نکل جائے گا بھائی۔

■ مسئلہ: وَقِيلَ: الْمُنْفَرِدُ يَسْتَقْبِلُ وَالْإِمَامُ و...

«وَقِيلَ: الْمُنْفَرِدُ يَسْتَقْبِلُ وَالْإِمَامُ وَالْمُقْتَدِي يَبْنِي صِيَانَةً لِفَضِيلَةِ الْجَمَاعَةِ» اور کہا گیا کہ اکیلا نماز پڑھنے والا نئے سرے سے پڑھے اور امام اور مقتدی جو ہیں وہ بناء کریں گے جماعت کی فضیلت کو بچانے کے لیے، اس کی حفاظت کے لیے۔ اکیلا آدمی نماز پڑھ رہا تھا اس کو حدث پیش آگیا تو اب وہ کیا کرے؟ اسے بناء نہیں کرنی چاہیے بلکہ نئے سرے سے پڑھنا چاہیے، اور اگر امام تھا یا مقتدی تھا تو وہ بناء کر سکتا ہے کیونکہ اگر وہ نئے سرے سے پڑھیں گے تو جب تک تو جماعت نکل چکی ہو گی، ان کی نماز اکیلی ہو جائے گی اور وہ جماعت کی فضیلت ان سے رہ جائے گی، اور اگر اسی پر بناء کریں گے تو وہ تو کچھ حصہ جماعت کے ساتھ تھا تو ان کو بھی کیا مل جائے گی؟ جماعت کی فضیلت، تو لہٰذا یہ بناء کریں۔

«وَالْمُنْفَرِدُ إِنْ شَاءَ أَتَمَّ فِي مَنْزِلِهِ وَإِنْ شَاءَ عَادَ إِلَى مَكَانِهِ» اور منفرد جو ہے، اکیلا نماز پڑھنے والا «إِنْ شَاءَ» اگر وہ چاہے تو «أَتَمَّ فِي مَنْزِلِهِ» نماز کو پورا کر لے اپنے ٹھکانے پر ہی «وَإِنْ شَاءَ عَادَ إِلَى مَكَانِهِ» اور اگر چاہے تو لوٹ آئے اپنی جگہ پر۔ بھائی اکیلا نماز پڑھنے والا ہے جو جماعت میں نہیں تھا، اکیلے نماز پڑھ رہا ہے، اس کو حدث لاحق ہوا اور وہ گیا اور اس نے جا کر کیا کیا؟ وضو کیا۔ تو اب اگر وہ چاہتا ہے، اس کو اختیار ہے، چاہے تو پھر اسی جگہ لوٹ آئے اور آ کر یہاں نماز پوری کرے، اور چاہے تو وہیں جہاں وضو کیا ہے وہاں نماز کی جگہ ہے تو وہیں پر کیا کر سکتا ہے؟ نماز کو پورا کر سکتا ہے، یہ معنی ہے: اور منفرد اگر چاہے «أَتَمَّ فِي مَنْزِلِهِ» چاہے تو اپنے ٹھکانے پر ہی نماز کو پورا کر لے، ٹھکانے سے کیا مراد ہے؟ جہاں اس نے وضو کیا ہے بھائی، «وَإِنْ شَاءَ عَادَ إِلَى مَكَانِهِ» اور اگر چاہے تو اپنی جگہ لوٹ آئے بھائی، جگہ لوٹ آئے، وہیں پر نماز پوری کرے گا تو اس میں چلنا کم ہے، لہٰذا وہاں پوری کر سکتا ہے، اور واپس آتا ہے تو یہاں بھی پڑھ سکتا ہے کیونکہ یہیں پر تو وہ نماز اس نے شروع کی تھی جس پر وہ بناء کر رہا ہے۔

«وَالْمُقْتَدِي يَعُودُ إِلَى مَكَانِهِ» اور مقتدی وہ اپنی جگہ واپس لوٹے گا۔ مقتدی کو کیا کرنا پڑے گا؟ جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا اب اس کا وضو ٹوٹا ہے اور وہ بناء کرنا چاہتا ہے تو وہ کیا کرے گا؟ اپنی جگہ پر اس کو واپس آنا پڑے گا «إِلَّا أَنْ يَكُونَ إِمَامُهُ قَدْ فَرَغَ» مگر یہ کہ اس کا امام فارغ ہو چکا ہے یعنی نماز سے سلام پھیر چکا ہے، تو اب تو واپس آنے کا کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا اب جہاں وضو کیا ہے وہاں بھی کیا کر سکتا ہے؟ نماز کو پورا کر سکتا ہے، اور چاہے تو اپنی جگہ پر بھی آ کر نماز پوری کر سکتا ہے۔ «أَوْ لَا يَكُونُ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ» یا یہ کہ اس کے اور امام کے درمیان کوئی آڑ اور کوئی رکاوٹ نہ ہو، کوئی حائل نہ ہو تو پھر جہاں وضو کیا ہے وہیں پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً دیکھیے بھائی، ایک آدمی کو حدث لاحق ہوا اور وہ مقتدی ہے، وہ پلٹا بھائی اور صف کے آخری کنارے پر اسی صف کے اندر آخری کنارے پر مسجد سے باہر پانی موجود ہے تو وہیں پر اس نے کیا کر لیا؟ وضو کر لیا اور وہیں پر صف کے ساتھ جگہ موجود تھی، وہیں پر اس نے اقتداء شروع کر دی، کیا کر دی؟ اقتداء، اب اس کے اور امام کے درمیان کوئی حائل نہیں ہے، سمجھ میں آئی بات بھائی؟ تو لہٰذا یہ کیا کر سکتا ہے؟ یہیں پر بھی اقتداء کر سکتا ہے۔ ہاں، اگر اس کے اور امام کے درمیان حائل آ جائے مثلاً بیچ میں کھلا راستہ ہے، کیا ہے؟ کھلا راستہ ہے، یا بیچ میں کوئی دیوار ہے یا کوئی درخت وغیرہ ہے یا کوئی نہر وغیرہ ہے تو پھر تو اقتداء صحیح نہیں ہے کیونکہ اقتداء میں آپ جانتے ہیں کہ صفوں کا آپس میں ملا ہونا ضروری ہوتا ہے، اگر اگلی صف اور پچھلی صف میں یا صفوں کے دائیں بائیں بھائی، صف دائیں طرف لمبی گئی ہوئی ہے اور درمیان میں راستہ ہے، کھلا راستہ ہے اور پھر باقی صف راستے کے اس طرف ہے تو یاد رکھیے یہ اقتداء درست نہیں ہے، صفوں کے اندر اتصال ہونا ضروری ہے، کیا ضروری ہے؟ اتصال۔ پچھلی صفیں بھی اگلی صفوں کے

ساتھ ملی ہوئی ہوں، اگر درمیان میں اگر ایک راستے کے بقدر، کھلے راستے کے بقدر بیچ میں سے جگہ ہے اور وہاں صفیں نہیں بنی ہوئیں تو اتصال نہیں آیا، جب اتصال نہیں آیا تو نماز نہیں ہوگی۔ تو اسی لیے انہوں نے کہا کہ مقتدی جو ہے وہ اپنی جگہ پر واپس آئے گا مگر یہ کہ اس کا امام نماز سے فارغ ہو چکا ہے تو بھی کیا کر سکتا ہے؟ اب تو واپس آنا لازمی نہیں تو لہٰذا وہیں پر کیا کر سکتا ہے؟ نماز، اور یا یہ کہ اس کے اور امام کے درمیان کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے، وہیں ساتھ ہی اس نے وضو کر لیا ہے تو اب واپس اپنی جگہ پہ آنا ضروری نہیں ہے، وہیں پر اگر وہ صف کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهُ أَحْدَثَ

«**وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهُ أَحْدَثَ**» اور جس شخص کو یہ گمان ہوا کہ اس کو حدث لاحق ہوا، صورتِ مسئلہ یہ: ایک آدمی ہے وہ نماز پڑھ رہا تھا اور نماز میں اس کا خیال ہوا کہ شاید میرا وضو ٹوٹ گیا ہے اور وہ واپس پلٹا بھائی اور مسجد سے نکل گیا وضو کرنے کے لیے، پھر اس کو پتہ چلا کہ اس کا تو وضو نہیں ٹوٹا۔ مثلاً بھائی اس کے زخم تھا اور اس نے نماز کے اندر اس کا خیال ہوا شاید زخم سے خون بہنا شروع ہو گیا ہے، چنانچہ اس وہ وہاں سے پلٹ پڑا اور نکلا، مسجد سے نکلتے ہوئے اس نے دیکھا تو وہ خون نہیں نکلا تھا، تو اب تو اس نے اگر وہ مسجد سے نکل گیا ہے تو یاد رکھیے پھر وہ بناء نہیں کر سکتا، بناء نہیں کر، اور اگر وہ مسجد سے نہیں نکلا تو پھر کیا کر سکتا ہے؟ بناء کر سکتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ وہ پلٹا ہے کیا سمجھ کر کہ شاید میرا وضو ٹوٹ گیا ہے، اور پلٹنے کے بعد اس نے دیکھا کہ میرا وضو نہیں ٹوٹا، تو پھر اب بناء کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ تو بتلا دیا صاحبِ ہدایہ نے کہ اگر مسجد سے نکل گیا ہے تو بناء نہیں کر سکتا بلکہ نئے سرے سے نماز پڑھے کیونکہ بغیر عذر کے اس کا پلٹنا پایا گیا، حدث ہوتا پھر تو عذر تھا پھر تو جا، پھر تو وضو بھی کر کے آتا، نماز پر بناء کر سکتا تھا، لیکن اب پلٹا ہے اور پلٹا بھی کس طرح ہے؟ بغیر عذر کے پلٹا ہے، تو لہٰذا اگر مسجد سے نکل آیا تو جگہ بدل گئی اور بغیر عذر نماز تو ایک ہی جگہ پر ہونی چاہیے، جگہ اس میں بدلنے کی اجازت نہیں، تو جگہ بدل گئی لہٰذا بناء نہیں کر سکتا، بغیر عذر کے جگہ بدل لی اس نے، نماز حالانکہ ایک ہی جگہ ہونی چاہیے تھی، اور اگر مسجد سے نہیں نکلا، پلٹا بھی ہے، کئی قدم چلا بھی ہے لیکن مسجد سے نہیں نکلا تو بھی ہم یوں سمجھیں گے کہ یہ ایک ہی جگہ پر ہے کیونکہ ساری مسجد زمین ایک ہی جگہ کی طرح ہے بھائی، ساری مسجد کیا ہے؟ ایک ہی جگہ کی طرح ہے، تو جب مسجد سے نہیں نکلا تو گویا وہیں پر ہے اور وہیں پر ہے تو کیا کر سکتا ہے؟ بناء کر سکتا ہے، بناء کر سکتا ہے۔

دیکھیے دلیل آگے مزید تفصیل سے اور احسن طریقے سے صاحبِ ہدایہ ذکر فرما رہے ہیں، کہتے ہیں: «**وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهُ أَحْدَثَ فَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يُحْدِثْ اسْتَقْبَلَ الصَّلَاةَ**» اور جس شخص کا یہ گمان ہوا کہ اس کو حدث لاحق ہو گیا ہے تو وہ مسجد سے نکل گیا، پھر اس کو معلوم ہوا کہ اس کو حدث لاحق نہیں ہوا، تو وہ کیا کرے گا؟ نئے سرے سے نماز پڑھے گا «**وَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ يُصَلِّي مَا بَقِيَ**» اور اگر وہ مسجد سے نہیں نکلا تو پڑھ لے وہ نماز جو باقی ہے یعنی اسی پر بناء کر لے گا۔ «**وَالْقِيَاسُ فِيهِمَا الِاسْتِقْبَالُ**» اور قیاس تو ان دونوں صورتوں میں استقبال کا تقاضا کرتا ہے کہ نئے سرے سے پڑھنی چاہیے کیونکہ وہ پلٹا ہے بغیر عذر کے، کیونکہ وہ پلٹا ہے بغیر عذر کے، تو قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے «**وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ**» اور یہی ایک روایت ہے امام محمد رحمہ اللہ سے بھی «**لِوُجُودِ الِانْصِرَافِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ**» اس لیے کیونکہ پلٹنا پایا گیا ہے بغیر کسی عذر کے، تو کیا کرنا چاہیے؟ نئے سرے سے نماز کو پڑھنا چاہیے تو عذر کی وجہ سے تو پلٹنے کی اجازت ہے، بغیر عذر کے تو پلٹنے کی اجازت نہیں۔ لیکن استحساناً اسی پر بناء کر سکتا ہے اگر مسجد سے نہ نکلا ہو۔ «**وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ انْصَرَفَ عَلَى قَصْدِ الْإِصْلَاحِ**» استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وہ پلٹا ہے اصلاح کے ارادے سے، کس ارادے سے؟ اصلاح کے ارادے سے۔ «**أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَحَقَّقَ مَا تَوَهَّمَهُ بَنَى عَلَى صَلَاتِهِ**» کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر پائی جاتی وہ چیز جس کا اس نے وہم کیا ہے تو وہ بناء کر سکتا تھا اپنی نماز پر۔ اگر حقیقتاً حدث ہوا ہوتا تو وہ بناء کر سکتا تھا یا نہیں کر سکتا تھا؟ تو اس صورت میں تو جو بناء کر سکتا تھا، تو لہٰذا اصلاح کی صورت میں وہ بناء کر سکتا ہے تو قصدِ اصلاح کی صورت میں بھی کیا کر سکتا ہے؟ بناء کر سکتا ہے جب تک مسجد سے نہ نکلا ہو۔ «**أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَحَقَّقَ مَا تَوَهَّمَهُ بَنَى عَلَى صَلَاتِهِ فَأُلْحِقَ قَصْدُ الْإِصْلَاحِ بِحَقِيقَتِهِ**» کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر پائی جاتی وہ چیز جس کا اس نے وہم کیا یعنی وہ حدث پایا جاتا تو یہ بناء کر سکتا تھا اپنی نماز پر، تو ملا دیا گیا اصلاح کے ارادے کو بھی حقیقتِ اصلاح کے ساتھ، حقیقتِ اصلاح میں بناء کر سکتا تھا تو قصدِ اصلاح کی صورت میں بھی کیا کر سکتا ہے؟ بناء کر سکتا ہے بشرطیکہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔ «**مَا لَمْ يَخْتَلِفِ الْمَكَانُ بِالْخُرُوجِ**» جب تک جگہ نہ بدل جائے نکلنے کی وجہ سے، ہاں جب جگہ بدل جائے گی پھر اس صورت میں بناء کی اجازت نہیں ہوگی بھائی۔

«**وَإِنْ كَانَ اسْتَخْلَفَ فَسَدَتْ**» اور اگر اس نے خلیفہ بنایا تو پھر اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ صورت یہ: ایک آدمی ہے وہ امامت کروا رہا ہے، اس کا خیال ہوا شاید میرا وضو ٹوٹ گیا ہے، زخم تھا وہ سمجھا شاید اس سے خون بہنے لگ پڑا ہے، اس نے دوسرے کو کیا بنایا؟ خلیفہ بنایا اور خود پلٹ گیا بھائی، خود پلٹ گیا، تو یاد رکھیے اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو گئی اور یہ اب نماز پر بناء نہیں کر سکتا کیونکہ جب پلٹنے کے بعد اس نے دیکھا تو پتہ لگا حدث تو اس کو لاحق ہی نہیں ہوا۔ تو اب اس صورت میں کیوں نماز فاسد ہو گی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس نے خلیفہ بنایا ہے اور یہ عملِ کثیر ہے بغیر عذر کے، لہٰذا اس وجہ سے اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔ تو یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «**وَإِنْ كَانَ اسْتَخْلَفَ فَسَدَتْ لِأَنَّهُ عَمَلٌ كَثِيرٌ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ**» اور اگر اس نے خلیفہ بنایا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے بغیر کسی عذر کے۔

■ مسئلہ: وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ افْتَتَحَ...

«وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ افْتَتَحَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ فَانْصَرَفَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ عَلَى وُضُوءٍ حَيْثُ تَفْسُدُ» اور یہ بخلاف اس صورت کے ہے کہ جب اس نے یہ گمان کیا کہ اس نے نماز کا آغاز کیا ہے بغیر وضو کے، پھر وہ پلٹ گیا، پھر اس کو یہ معلوم ہوا کہ وہ تو وضو پر تھا، کیونکہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ بھائی دیکھیے، انہوں نے کہا ایک آدمی ہے اور اس کا خیال ہوا نماز میں کہ شاید مجھے کیا لاحق ہوا ہے؟ حدث لاحق ہوا ہے، اور وہ پلٹ گیا اور پھر مسجد کے اندر ہی تھا کہ اس کو پتہ چلا کہ میرا تو وضو نہیں ٹوٹا، تو انہوں نے کہا وہ بناء کر سکتا ہے، کیا کر سکتا ہے؟ بناء۔ لیکن بخلاف اس صورت کے کہ ایک آدمی نے نماز شروع کی، نماز شروع کی، پھر اس کو خیال آیا کہ اوہو! میں نے تو بغیر وضو ہی کے نماز شروع کر دی ہے، اور وہ پلٹ پڑ گیا، پلٹ گیا، اور پلٹنے کے بعد پھر اس کو معلوم ہوا کہ نہیں بھائی میرا تو وضو تھا! مثلاً نماز سے پہلے اس کا خیال تھا زخم تھا اور اس کا خیال تھا زخم سے کیا نکلا ہے؟ خون نکل آیا ہے، اس کو محسوس ہوا کہ خون نکل آیا ہے، لیکن پھر بھول گیا اور نماز شروع کر دی، اور نماز شروع کرنے کے بعد اس کو خیال آیا اوہو! میں نے تو بغیر وضو کے ہی نماز شروع کر دی، میرا تو ابھی خون نکلا تھا، ابھی اس نے دیکھا نہیں لیکن اس کا خیال تھا، چنانچہ وہ پلٹ گیا اور پلٹنے کے بعد اس نے جب دیکھا تو خون نہیں نکلا تھا، وضو نہیں ٹوٹا تھا بھائی، وضو نہیں ٹوٹا تھا، تو اب یہ مثلاً دو رکعتیں پڑھ چکا تھا تو کیا ان پر بناء کر سکتا ہے یا نہیں؟ صاحبِ ہدایہ نے بتلایا نہیں، اس کی نماز فاسد ہو گئی، یہ چاہے مسجد سے نہ نکلا ہو پھر بھی یہ بناء نہیں کر سکتا، پھر بھی یہ بناء نہیں کر سکتا۔

تو بھائی اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں بھائی اس لیے کہ وہ جو پہلا شخص پلٹا تھا جس کو نماز میں خیال ہوا کہ میرا وضو ٹوٹ گیا ہے، وہ پلٹا تھا اصلاح کے ارادے سے اور یہ شخص جو پلٹا ہے یہ اصلاح نہیں، نماز کے چھوڑنے کے ارادے سے پلٹا ہے۔ اس کا تو کیا خیال ہے؟ میں نے نماز شروع ہی کس طرح کی ہے؟ بغیر وضو کے شروع کی ہے، تو یہ جب واپس پلٹا اس کا کیا ارادہ تھا میں آ کر اس پر بناء کروں گا؟ نہیں، اس کا تو بناء کا ارادہ ہی نہیں تھا، تو اس میں اور اس آدمی میں فرق ہے، اس کا ارادہ تھا کہ وہ کیا تھا نماز کی اصلاح اور اس کے پلٹنے کا ارادہ مقصد کیا تھا نماز کو چھوڑنا تھا، لہٰذا یہ اس پر بناء نہیں کر سکتا، اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ افْتَتَحَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ فَانْصَرَفَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ عَلَى وُضُوءٍ حَيْثُ تَفْسُدُ» اور یہ بخلاف ہے اس صورت کے کہ جب گمان کیا نماز پڑھنے والے نے کہ اس نے شروع کیا ہے نماز کو بغیر وضو کے، پھر وہ پلٹ گیا، پھر اس کو علم ہوا کہ وہ تو وضو پر ہی ہے، کیونکہ اس کی نماز فاس... تو یہ مسئلہ، وہ جو ما قبل میں گزرا وہ مسئلہ اس مسئلے کے خلاف ہے حیث تفسد کیونکہ یہاں پر نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔ «وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ» اگرچہ یہ مسجد سے نہ نکلا ہو، پلٹا ہی ہے صرف مسجد سے نہ نکلے پھر بھی بناء نہیں کر سکتا، «لِأَنَّ الِانْصِرَافَ عَلَى سَبِيلِ الرَّفْضِ» رفض کا معنی ہے چھوڑنا، اس لیے کیونکہ پلٹنا جو ہے یہاں چھوڑنے کے طریقے پر ہے، یہ نماز چھوڑنے کے ارادے سے پلٹا ہے۔ «أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَحَقَّقَ مَا تَوَهَّمَهُ يَسْتَقْبِلُهُ» کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر وہ چیز پائی جاتی جس کا اس کو وہم ہوا تھا تو وہ کیا کرتا؟ نئے سرے سے پڑھتا، کیا کرتا؟ نئے سرے سے پڑھتا، تو معلوم ہوا یہ نماز چھوڑنے ہی کے ارادے سے پلٹا ہے۔ «فَهَذَا هُوَ الْحَرْفُ» حرف کہتے ہیں کنارے کو، تو یہ وہی کنارہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ وہی کنارہ ہے، یعنی اگر حقیقتاً، حقیقتاً اس نے بغیر وضو کے شروع کی ہوتی تو پھر یعنی جو اس کا وہم تھا وہ حقیقتاً ہوتا، اس کا وہم کیا ہے؟ میں نے تو نماز بغیر وضو کے شروع کی، اگر یہ وہم حقیقتاً ہوتا یعنی یہ چیز حقیقتاً پائی جاتی تو پھر کیا کرتا؟ نئے سرے سے پڑھتا، اور اب جو یہ پلٹا ہے لیکن پھر پتہ چلا کہ میں تو کس پر تھا؟ وضو پر تھا، تو یہ بھی کہتے ہیں «فَهَذَا هُوَ الْحَرْفُ» یہ بھی وہی کنارہ ہے، جیسے وہاں پر اگر حقیقتاً وہ چیز پائی جاتی تو وہ نئے سرے سے پڑھتا تو یہاں پر بھی کیا کرنا پڑے گا؟ نئے سرے سے ہی پڑھنا پڑے گا کیونکہ وہ نماز چھوڑنے کے ارادے سے پلٹا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

■ مسئلہ: وَمَكَانُ الصُّفُوفِ فِي الصَّحْرَاءِ لَهُ حُكْمُ...

«وَمَكَانُ الصُّفُوفِ فِي الصَّحْرَاءِ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ» بھائی یہ تو وہ صورت تھی کہ ایک شخص مسجد میں ہو اور اس کا یہ خیال ہوا میرا وضو ٹوٹ گیا ہے اور پھر وہ پلٹا اور پھر پتہ چلا کہ میرا وضو تو نہیں ٹوٹا، تو مسئلہ ذکر ہوا تھا کہ اگر مسجد کے اندر ہی ہے تو بناء کر سکتا ہے، استحساناً بناء کر سکتا ہے، اور اگر مسجد سے نکل گیا ہے پھر بناء نہیں... یہ تو تھا جب مسجد ہو پھر تو آسانی سے پتہ لگ جائے گا کہ مسجد سے نکلا ہے یا نہیں نکلا، لیکن اگر ایک ایسے مقام پر نماز پڑھ رہا تھا جہاں مسجد ہے ہی نہیں مثلاً صحراء ہے یا کسی اور جگہ نماز پڑھ رہا ہے، تو پھر اس صورت میں کیا کریں گے؟ کب بناء کر سکتا ہے اور کب بناء نہیں کر سکتا؟ تو بتلائیں گے آپ کو تفصیل کہ بھائی اگر امام ہے، امام، تو یہ امام پیچھے کی طرف پلٹے گا یا دائیں یا بائیں جائے گا یا آگے کی طرف جائے گا، انہی چار طرفوں میں سے کسی طرف جائے گا، تو اگر پیچھے کی طرف پلٹا ہے تو جہاں تک صفیں ہیں وہاں تک اس جگہ سے نکلنے سے پہلے پہلے اگر واپس آتا ہے تو بناء کر سکتا ہے، اگر اس سے آگے نکل گیا تو پھر بناء نہیں کر سکتا، وہی جیسے مسجد سے جیسے نکل جاتا تھا تو بناء نہیں کر... صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ امام کا کیا خیال ہوا؟ شاید میرا وضو ٹوٹ گیا ہے، پلٹ گیا پھر پتہ لگا کہ وضو نہیں ٹوٹا، تو اگر آخری صف سے پیچھے نکل چکا ہے تو پھر اب بناء نہیں، اور اگر آخری صف سے پیچھے نہیں نکلا تو کیا کر سکتا ہے؟ بناء کر سکتا ہے، جیسے مسجد کے اندر ہوتا تھا تو کیا کر سکتا تھا؟ بناء کر سکتا تھا، اور مسجد سے باہر نکل جاتا تھا تو بناء نہیں کر سکتا تھا، اور اگر دائیں طرف گیا ہے یا بائیں طرف گیا ہے تو جہاں تک صف ہے اس صف سے آگے نہیں نکلا تو کیا کر سکتا ہے؟ بناء کر، اور صف کے آخری کنارے سے آگے نکل گیا تو پھر بناء نہیں کر سکتا، اور اگر آگے کی طرف گیا ہے، آگے کی طرف بھائی، تو اگر آگے اس کے دیکھیں گے سترہ ہے یا سترہ نہیں، بھائی سترہ وہ جو امام اپنے آگے کوئی

چیز کھڑی کر دے تاکہ کوئی آگے سے گزرنا چاہے تو اس کے آگے سے پھر گزر سکے، وہ رکاوٹ وہ آڑ جو کھڑی کرتا ہے اس کو سترہ کہتے ہیں، تو اگر امام کے آگے سترہ ہے تو آگے کی حد یہ سترہ ہے۔ اس سترے سے آگے نکل گیا تو بناء نہیں کر سکتا، اس سترے سے پیچھے ہی ہے تو پھر کیا کر سکتا ہے؟ بناء کر سکتا ہے، اور اگر آگے سترہ نہیں پھر؟ کہتے ہیں پھر پچھلی صفوں کی مقدار دیکھ لے۔ پچھلی صفیں اگر پانچ گز تک پھیلی ہوئی ہیں تو آگے بھی پانچ گز تک کے اندر اندر اگر اس کو خیال یہ واپس آگیا تو بناء کر سکتا ہے ورنہ بناء نہیں کر سکتا، صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اگر اکیلا تھا نماز پڑھنے والا، امام نہیں تھا، وہ کہاں تک واپس آئے تو بناء کر سکتا ہے مسجد کے باہر؟ کہتے ہیں اس کے لیے سجدے کی جگہ ہے چاروں طرف، جہاں کھڑا ہے اس کے چاروں طرف جو اس کے سجدے کی جگہ بنتی ہے، اس جگہ کے اندر اندر سے اگر وہ واپس پلٹ آیا تو بناء کر سکتا ہے، اس سے آگے نکل گیا تو پھر بناء نہیں کر سکتا، مسئلہ سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے، کہتے ہیں: «**وَمَكَانُ الصُّفُوفِ فِي الصَّحْرَاءِ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ**» اور صفوں کی جو جگہ ہے صحراء کے اندر «**لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ**» اس کے لیے مسجد ہی کا حکم ہے یعنی جہاں تک صفیں ہیں۔ «**وَلَوْ تَقَدَّمَ قُدَّامَهُ فَالْحَدُّ السُّتْرَةُ**» اور اگر آگے بڑھا امام یعنی آگے کی طرف گیا، اور اگر آگے کی طرف وہ اپنے آگے کی طرف امام بڑھ گیا «**فَالْحَدُّ السُّتْرَةُ**» تو حد کیا ہے؟ سترہ ہے «**وَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَمِقْدَارُ الصُّفُوفِ خَلْفَهُ**» اور اگر سترہ نہیں ہے آگے تو ان صفوں کی مقدار جو اس کے پیچھے ہیں، اتنی مقدار آگے کی طرف بھائی، یہ حد ہے۔ «**وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَمَوْضِعُ سُجُودِهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ**» اور اگر نماز پڑھنے والا اکیلا ہو تو اس کے سجدے کی جو جگہ ہے ہر جانب سے، اس کے اندر رہتا ہے تو کیا کرے گا؟ بناء کر سکتا ہے ورنہ بناء... یعنی یوں کہیں اس کے سجدے کی چاروں طرف جو جگہ ہے یہ گویا اس کے لیے مسجد کا حکم ہے، باقی کیا ہے؟ مسجد سے خارج کا حکم۔ امام ہے تو پچھلی صف تک اور صفوں کے اطراف تک اور آگے سترے تک یہ مسجد کے حکم میں ہے اور باقی مسجد کے حکم میں نہیں، اور اگر آگے سترہ نہیں تو پچھلی جتنی صفوں کی مقدار ہے اتنی مقدار آگے تک، یہ ہے مسجد، یہ مسجد کے حکم میں ہے، اس کے اندر ہے تو بناء کر سکتا ہے، اس سے باہر نکلے گا تو بناء نہیں کر سکتا۔

■ مسئلہ: وَإِنْ جُنَّ أَوْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ أُغْمِيَ...

«**وَإِنْ جُنَّ أَوْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ اسْتَقْبَلَ**» اور اگر کوئی شخص مجنون ہو گیا، نماز پڑھ رہا تھا اور اس پر جنون طاری ہو گیا، پاگل ہو گیا، دورہ پڑ گیا، «**أَوْ نَامَ**» یا کیا ہوا؟ سو گیا «**فَاحْتَلَمَ**» تو اس کو احتلام ہو گیا نیند میں «**أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ**» یا اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی «**اسْتَقْبَلَ**» تو نئے سرے سے نماز پڑھے گا ان سب صورتوں میں، مجنون ہو جائے یا نیند میں احتلام ہو گیا یا بے ہوشی طاری ہو گئی۔

اچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ ان میں بناء کیوں نہیں کر سکتا؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّهُ يَنْدُرُ وُجُودُ هَذِهِ الْعَوَارِضِ**» اس لیے کیونکہ ان عوارض کا وجود نادر ہے، شاذ و نادر ہی اس طرح کا عارض پیش آتا ہے کہ کوئی مجنون ہو جائے یا نماز میں سو جائے، احتلام ہو جائے یا اس پر کیا طاری ہو جائے؟ بے ہوشی، تو یہ چیزیں نادر ہیں بہت کم ان کا، یہ کم پائی جاتی ہیں، «**فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَى مَا وَرَدَ بِهِ النَّصُّ**» تو یہ اس، اس عذر کے معنی میں نہیں ہے، اس کے حکم میں نہیں ہے جس کے ساتھ نص وارد ہوئی ہے بھائی۔ یعنی نص کے اندر جو قے، نکسیر اور، اور مذی کے خارج ہونے کا جو عوارض ذکر تھے نص کے اندر، وہ تو عام پیش آسکتے ہیں، یہ کیا ہیں؟ نادر ہیں، اور نادر چیز جو ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا، لہٰذا ان کو ان کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، ان کا وہ حکم نہیں ہو گا، ان میں تو بناء کر سکتا تھا لہٰذا ان کے اندر بناء نہیں کر سکتا۔

«**وَكَذَلِكَ إِذَا قَهْقَهَ**» اور اسی طرح جب وہ قہقہہ لگائے، نماز میں کیا کرے؟ قہقہہ لگائے۔ آپ نے پڑھا ہے نماز میں کوئی قہقہہ لگائے نماز بھی فاسد اور وضو بھی فاسد، تو اب بناء نہیں کر سکتا۔ بھائی کیوں قہقہے کی صورت میں بناء کیوں نہیں کر سکتا؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْكَلَامِ**» اس لیے کیونکہ قہقہہ کلام کے درجے میں ہے «**وَهُوَ قَاطِعٌ**» اور کلام تو کیا ہے؟ نماز کو توڑنے والا ہے، یہ حدیث جو پیچھے آئی اس میں بھی کیا آیا تھا؟ «**وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ**» جب تک اس نے کلام نہیں کیا، کلام تو منافی صلاۃ ہے، وہ تو نماز کو فاسد کر دیتا ہے، وہ تو ان ٹھیک عذروں کے ہوتے ہوئے اس صورت میں بھی جب کلام پایا جائے تو بناء کرنا صحیح نہیں، تو قہقہہ بھی کلام کے درجے میں ہے اور کلام کی صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے، بناء صحیح نہیں۔

■ مسئلہ: وَإِنْ حُصِرَ الْإِمَامُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فَقَدَّمَ...

«**وَإِنْ حُصِرَ الْإِمَامُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فَقَدَّمَ غَيْرَهُ أَجْزَأَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: لَا يُجْزِيهِمْ**» «**وَإِنْ حُصِرَ الْإِمَامُ عَنِ الْقِرَاءَةِ**» اور اگر امام عاجز آگیا قراءت سے، امام کیا ہوا؟ عاجز آگیا۔ بھائی ایک شخص ہے امام بنا، نماز شروع کروائی لیکن قراءت پر قدرت نہ رہی، قراءت پر قدرت نہ رہی، مثلاً اس پر خوف طاری ہو گیا یا رعب طاری ہو گیا یا زبان بند ہو گئی یا بھول جاتا ہے، تھوڑا سا یاد تھا اور وہ بھی اس کو بھول گیا، تو، تو امام اگر عاجز آگیا قراءت سے «**فَقَدَّمَ غَيْرَهُ**» تو اس نے اپنے علاوہ کسی کو مقدم کر دیا «**أَجْزَأَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» تو یہ کافی ہے ان کے لیے امام صاحب کے نزدیک، یعنی اس کا خلیفہ بنانا

صحیح ہو جائے گا، نماز سب کی ٹھیک ہو جائے گی، «وَقَالَا: لَا يُجْزِيهِمْ» اور صاحبین فرماتے ہیں یہ ان کے لیے کافی نہیں۔ بھائی کیوں نہیں کافی ہو گا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ يَنْدُرُ وُجُودُهُ» اس لیے کیونکہ اس چیز کا پایا جانا شاذ و نادر ہے، یہ چیز بہت کم ہوتی ہے کہ کوئی شخص قراءت سے کیا ہو جائے؟ عاجز ہو جائے، اس لیے کیونکہ اس کا وجود نادر ہے «فَأَشْبَهَ الْجَنَابَةَ» تو یہ کس کے مشابہ ہوا؟ جنابت کے مشابہ ہوا اور اوپر ہم ذکر کر چکے جنابت پیش آ جائے تو وہاں بناء نہیں کر... تو یہاں بھی بناء نہیں کر سکتا۔

«وَلَهُ» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے «أَنَّ الِاسْتِخْلَافَ بِعِلَّةِ الْعَجْزِ» کہ خلیفہ بنانا وہ عاجز ہونے کی علت کی وجہ سے ہوتا ہے، خلیفہ کیوں بنایا جاتا ہے؟ عاجز ہونے کی وجہ سے۔ جب ایک شخص نماز پڑھانے سے عاجز آ جائے کوئی حدث پیش آیا یا کوئی حالت پیش آئی تو وہ کیا کرتا ہے؟ خلیفہ بناتا ہے، تو خلیفہ بنانا عاجز ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے «وَهُوَ هُنَا أَلْزَمُ» اور وہ عجز یہاں پر زیادہ لازم ہے، وہ عجز یہاں پر زیادہ لازم ہے۔ بھائی زیادہ لازم کیسے ہے؟ بھائی کہتے ہیں دیکھیے اگر کسی کو حدث پیش آ جائے، حدث پیش آ جائے امام کو مثلاً، اور وہ کسی کو خلیفہ بناتا ہی نہیں، وہ ساتھ ہی صف کے کنارے پر پانی موجود ہے وہ جاتا ہے وضو کرتا ہے اور آ کر پھر کیا کر دیتا ہے؟ بناء کر، پھر امامت کروا دیتا ہے، تو کسی کو خلیفہ بنایا ہی نہیں، خلیفہ بنایا ہی نہیں وہیں پر ساتھ ہی پانی تھا گیا فوراً وضو کیا اور پھر کیا کیا؟ نماز پڑھا دی، تو یعنی دیکھو وہاں پر وہ قادر ہو گیا، وہ نماز پڑھانے پر قادر ہو گیا، عجز اس کا ختم ہو گیا، لیکن یہاں پر تو عجز کے ختم ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو یہاں عجز زیادہ لازم ہے۔ وہ تو دیکھو پاس پانی تھا وضو اس نے کر لیا، اپنے حدث سے جان چھڑا لی یا نہیں چھڑا لی؟ جان چھڑا لی، حدث کو اپنے سے دور کر دیا، لیکن یہاں وہ قراءت سے عاجز ہو گیا ہے، اب تو قراءت پر قدرت کی کوئی صورت ہی نہیں ہے الا یہ کہ دوبارہ پھر سیکھے اور اس کو یاد کرے بھائی، تو یہاں وہ عجز زیادہ لازم ہے، حدث والی صورت سے بھی بڑھ کر زیادہ لازم ہے۔ یہ معنی ہے «وَهُوَ هُنَا أَلْزَمُ» تو ہنا پڑھ لیں یا ہُنا پڑھ لیں دونوں طرح، اور وہ یہاں پر زیادہ لازم ہے۔ «وَالْعَجْزُ عَنِ الْقِرَاءَةِ غَيْرُ نَادِرٍ» اور باقی صاحبین نے کیا ذکر کیا تھا کہ عجز عن القراءۃ، قراءت سے عاجز ہونا نادر نادر ہے، امام صاحب فرما رہے ہیں نہیں، قراءت سے عاجز ہونا غیر نادر ہے، یہ یہ صورت پیش آتی ہے لوگوں کو «فَلَا يُلْحَقُ بِالْجَنَابَةِ» لہٰذا اس کو جنابت کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا۔

«وَلَوْ قَرَأَ مِقْدَارَ مَا تَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ لَا يَجُوزُ بِالْإِجْمَاعِ» اسی مسئلے میں ایک شخص قراءت سے عاجز ہوا امام، لیکن عاجز ہوا جبکہ وہ بقدرِ فرض قراءت کر چکا ہے اب عاجز ہوا، فرض کے بقدر قراءت کر چکا ہے اب عاجز ہوا، اب وہ کسی کو خلیفہ بناتا ہے تو پھر یاد رکھیے اگر کسی کو اس نے خلیفہ بنایا تو نماز فاسد ہو جائے گی بھائی، نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی، اس لیے کیونکہ فرض ادا ہو چکا ہے اب ضرورت نہیں ہے خلیفہ بنانے کی، اب رکوع کر دے بھائی، کسی اور کو آگے کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ معنی ہے: «وَلَوْ قَرَأَ مِقْدَارَ مَا تَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ» اور اگر وہ قراءت کر چکا ہے اتنی مقدار جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے «لَا يَجُوزُ بِالْإِجْمَاعِ» تو خلیفہ بنانا جائز نہیں بالاجماع «لِعَدَمِ الْحَاجَةِ إِلَى الِاسْتِخْلَافِ» کیونکہ حاجت... ضرورت نہیں ہے خلیفہ بنانے کی۔ چلیے بس بھائی «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ».

سبق نمبر ۵۹: مسئلہ: وَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ...

ہدایہ صفحہ: ۱۳۲ — بتاریخ: ۸ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ وَاجِبٌ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّوَضُّئِ لِيَأْتِيَ بِهِ، وَإِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ عَمِلَ عَمَلًا يُنَافِي الصَّلَاةَ تَمَّتْ صَلَاتُهُ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ الْبِنَاءُ لِوُجُودِ الْقَاطِعِ» [1]

نماز میں کسی کو حدث پیش آجائے اس سے متعلقہ مسائل ذکر فرمارہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ تو فرماتے ہیں: «**وَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ**» اور اگر نماز پڑھنے والے کو حدث پیش آیا، سبقہ الحدث، اس کو حدث پیش آیا، بعد التشہد، تشہد کے بعد۔ آپ نے پڑھا ہے آخری قعدہ تشہد کی مقدار بیٹھنا یہ فرض ہے، اس کے بعد اس کو حدث پیش آیا تو وضو کرے اور سلام پھیرے، پھر جائے جا کر کیا کرے؟ وضو کرے اور آ کر بیٹھ کر پھر سلام پھیر دے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے آگے خود بھی بتلائیں گے کہ یہ وہ صورت ہے جب اس کو خود غیر اختیاری حدث پیش آیا ہے، غیر اختیاری۔ تو اگر اس کو حدث پیش آیا تشہد کے بعد تو جائے، وضو کرے اور سلام پھیرے «**لِأَنَّ التَّسْلِيمَ وَاجِبٌ**» کیونکہ سلام کرنا واجب ہے، عند الاحناف سلام بھائی واجب ہے «**فَلَا بُدَّ مِنَ التَّوَضُّئِ لِيَأْتِيَ بِهِ**» تو ضروری ہے وضو کرنا تاکہ اس کو ادا کرے۔ تو سلام کو ادا کرنے کے لیے پھر وضو کرے گا، پھر ادا کرے گا۔

«**وَإِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ عَمِلَ عَمَلًا يُنَافِي الصَّلَاةَ تَمَّتْ صَلَاتُهُ**» اور اگر اس نے جان بوجھ کر حدث لاحق کیا فی ھذہ الحالۃ، اس حالت میں، یعنی تشہد کی مقدار کے بعد اگر کسی نے جان بوجھ کر وضو توڑا «**أَوْ تَكَلَّمَ**» یا کسی سے کلام کیا «**أَوْ عَمِلَ عَمَلًا يُنَافِي الصَّلَاةَ**» یا کوئی ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی ہے «**تَمَّتْ صَلَاتُهُ**» تو اس کی نماز پوری ہو گئی «**لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ الْبِنَاءُ لِوُجُودِ الْقَاطِعِ**» اس لیے کیونکہ اب بنا ممکن نہ رہی لوجود القاطع، نماز کو قطع کرنے والی چیز کے پائے جانے کی وجہ سے۔ کیونکہ اب ایسی چیز آ گئی جو نماز کو توڑنے والی ہے۔ سمجھ میں آیا جی؟ یہ جب جان بوجھ کر حدث لاحق کیا یا کلام کیا کسی سے وہ بھی جان بوجھ کر ہوتا ہے، عمل کیا کوئی نماز کے منافی وہ بھی ارادے سے ہو گا، تو یہ سب چیزیں کیا کرنے والی ہیں؟ نماز کو توڑنے والی ہیں۔ لہٰذا اب بنا بھی نہیں کر سکتا، بنا بھی نہیں کر سکتا۔ تو ہاں البتہ اس نے برا کیا، برا عمل کیا۔ نماز سے نکلنا تو کیسے چاہیے تھا؟ سلام کر کے۔ اگر غیر اختیاری وضو ٹوٹا ہوتا تو جیسے انہوں نے بتایا جا کر وضو کر کے آتا اور آ کر پھر بیٹھ کر سلام پھیر دیتا۔ لیکن اب تو بنا بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسی چیز درمیان میں آ گئی جو نماز کو توڑنے والی ہے۔ یہ معنی ہے «**لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ الْبِنَاءُ لِوُجُودِ الْقَاطِعِ**» اس لیے کیونکہ اب بنا کرنا ممکن نہ رہا لوجود القاطع، توڑنے والی چیز کے پائے جانے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: لَكِنْ لَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ

«**لَكِنْ لَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ**» لیکن اس پر اعادہ نہیں نماز کا، نماز کا اعادہ نہیں ہے «**لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْأَرْكَانِ**» اس لیے کیونکہ اس پر کوئی بھی چیز ارکان میں سے باقی نہیں رہی۔ نماز کے تمام فرائض پورے ہو چکے ہیں، تمام ارکان پورے ہو چکے ہیں۔ آخری قعدہ جو ہے اس میں بھی تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد یہ چیز پیش آئی ہے، تو نماز پوری ہو گئی بھائی۔ البتہ میں نے بتایا کہ گناہ گار ہو گا کیونکہ اس نے اس نے سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا چاہیے تھا اس کو اس نے چھوڑ دیا۔

---

[1] ساقط لفظ/عبارت فی الشاملۃ (ص ۶۵): «**الاستخلاف**»۔ • شاملہ (ص ۶۵) میں «**تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ**» کے بجائے «**توضأوسلم**»، شاملہ (ص ۶۵) میں «**التَّوَضُّئِ**» کے بجائے «**التوضي**»، شاملہ (ص ۶۵) میں «**تَعَمَّدَ الْحَدَثَ**» کے بجائے «**لحدث**»، شاملہ (ص ۶۵) میں «**تَعَذَّرَ**» کے بجائے «**يتعذر**» درج ہے۔

«فَإِنْ رَأَى الْمُتَيَمِّمُ الْمَاءَ فِي صَلَاتِهِ بَطَلَتْ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ» اور اگر دیکھے تیمم کرنے والا پانی کو اپنی نماز میں تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے وقد مر من قبل، اور تحقیق یہ بات گزر چکی ہے اس سے پہلے بھائی۔ تیمم کے باب میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ اگر تیمم کرنے والا پانی کو دیکھ لے اور یا پانی کے استعمال پر قادر ہو جائے تو اس کا تیمم ختم ہو جاتا ہے، تیمم ختم ہو جاتا ہے۔ تو اگر نماز کے بعد یہ حالت پیش آئی، نماز پڑھ چکا ہے تیمم کے ساتھ، اب پانی ملا، اب پانی کے استعمال پر قادر ہوا پھر تو نماز تیمم کے ساتھ ہوئی تھی کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر نماز کے بیچ میں پانی مل گیا اور پانی کے استعمال پر وہ قادر ہے تو یاد رکھیے اس صورت میں اس کی نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔ کیوں؟ وجہ یہ کہ مٹی جو ہے وہ حدث کو دور کرنے والی ہے کس وقت؟ جب پانی موجود نہ ہو یا پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو۔ تو لہٰذا مٹی مطہر ہے جب تک پانی نہیں۔ اور جب پانی مل گیا تو مٹی کا مطہر ہونا ختم ہو گیا۔ اور وہ جو سابقہ حدث تھا اب وہ ظاہر ہو جائے گا۔ تو گویا یوں ہی ہو گیا بے وضو ہی نماز پڑھ رہا تھا اور بے وضو تو نماز ہوتی نہیں تو نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو وہ سابقہ حدث ہی ظاہر ہو گا جب پانی مل جائے گا۔ تو یہ بات پہلے گزر چکی۔

«فَإِنْ رَآهُ بَعْدَمَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ» پس اگر پانی کو اس نے دیکھا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد، ایک شخص ہے اس نے تیمم کیا تھا اور اس کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد، یعنی فرض پورا کر لینے کے بعد اس نے پانی کو دیکھ لیا، پانی کو دیکھ لیا «أَوْ كَانَ مَاسِحًا» یا در کھیے یہ ہیں مسائلِ اثنا عشریہ۔ مسائلِ اثنا عشریہ کے نام سے یہ مشہور ہیں اور یہ بارہ مسائل ہیں بارہ مسائل، جس میں تشہد کے بعد مختلف جو عوارض پیش آتے ہیں اور ان میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کی نماز پوری ہو جائے گی بھائی۔ تو یہ وہ بارہ مسائل ہیں، بارہ صورتیں ہیں، وہ ذکر کر رہے ہیں۔

پہلی صورت کیا؟ «فَإِنْ رَآهُ بَعْدَمَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ» اگر تیمم کرنے والے نے پانی کو دیکھا بعد اس کے جبکہ وہ بیٹھ گیا تھا تشہد کی مقدار۔ «أَوْ كَانَ مَاسِحًا فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهِ» یا وہ نماز پڑھنے والا مسح کرنے والا تھا تو اس کی مدتِ مسح پوری ہو گئی۔ یعنی اس نے مسح کیا تھا موزوں پر اور آپ جانتے ہیں کہ مقیم شخص ایک دن اور ایک رات اور مسافر تین دن اور تین راتوں تک موزوں پر مسلسل مسح کر سکتا ہے بغیر اتارے ہی۔ تو اب یہ شخص جس نے موزوں پر مسح کیا ہوا تھا جب تشہد کی مقدار بیٹھ چکا تو اس کے بعد عین وہی وقت آ گیا کہ اس کے تین دن پورے ہو رہے ہیں اگر مسافر ہے، یا مقیم ہے تو ایک دن ایک رات اس کے پورے ہوئے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ موزے پہنتے ہی فوراً مدت شمار نہیں کریں گے بلکہ جب حدث لاحق ہو گا اس وقت سے مدت شمار، تو اس اعتبار سے پورا وہ وقت ہو گیا یعنی وہ اس کی مدتِ مسح پوری ہو گئی۔ یہ دوسری صورت۔

■ مسئلہ: أَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ يَسِيرٍ

«أَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ يَسِيرٍ» یا اتار دیا اس نے اپنے موزوں کو تھوڑے سے عمل سے۔ عملِ کثیر تو خود منافی صلاۃ ہے۔ عملِ قلیل سے اس کا موزہ اتر گیا، مثلاً موزے کھلے موزے تھے، پاؤں ہلانے سے ہی وہ نکل گئے، پاؤں ہلانے سے ہی نکل گئے۔ ایک نکلا ہو، ایک اترا ہو یا دونوں۔ تو یہ تیسری صورت ہو گئی۔ یہ موزے اترے بھائی کس حالت میں؟ تشہد کی مقدار کے بعد، یہ سب صورتوں میں یہ قید یاد رکھنا۔

«أَوْ كَانَ أُمِّيًّا فَتَعَلَّمَ سُورَةً» یا وہ شخص امی تھا یعنی فرض کے بقدر قرأت پر قادر بھی نہیں تھا، «فَتَعَلَّمَ سُورَةً» تو اس نے ایک سورت سیکھ لی ہے، یاد کر لی۔ یعنی بھولا ہوا تھا، یاد ہی نہیں آ رہی تھی، کوئی بتانے والا بھی نہیں تھا، اس نے اسی طرح نماز شروع کر دی تھی اور یہاں جب تشہد میں پہنچا تو اس کو سورت یاد آ گئی، وہ سورت یاد آ، یا کوئی پاس بیٹھا ہوا تلاوت کر رہا تھا اس سے سن کر خود ہی اس کو کیا ہو گئی؟ وہ یاد ہو گئی، تو کوئی سورت یا فرض کے بقدر جو ہے قرآن میں سے اس کو یاد ہو گیا۔ اور کس وقت؟ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد۔

«أَوْ عُرْيَانًا فَوَجَدَ ثَوْبًا» یا وہ ننگا تھا تو اس نے کپڑا پا لیا۔ کپڑا تھا ہی نہیں اس کے پاس، کہیں سے بھی نہیں مل رہا، اب وہ ایسے ہی نماز ادا کر رہا ہے اور جب تشہد کی مقدار بیٹھ چکا اس کے بعد اس کو کپڑا مل گیا، کسی نے اسی وقت کوئی آ گیا، دیا اس نے۔

■ مسئلہ: أَوْ مُؤْمِيًا فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

«أَوْ مُؤْمِيًا فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ» یا وہ اشارے سے نماز پڑھنے والا تھا تو وہ رکوع اور سجدے پر قادر ہو گیا۔ کس وقت؟ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد۔

«أَوْ تَذَكَّرَ فَائِتَةً عَلَيْهِ قَبْلَ هَذِهِ» یا اس کو یاد آ گئی ایک فوت شدہ نماز جو اس پر تھی اس سے پہلے، جو اس پر باقی تھی اس سے پہلے۔ بھائی یہ صاحبِ ترتیب کی بات آئی۔ یاد رکھیے صاحبِ ترتیب وہ شخص جس کی نماز کوئی قضا نہ ہوئی ہو وہ صاحبِ ترتیب ہے اور اس کی اگر کوئی نماز رہ جائے اور وہ اس سے اگلی ادا کرنا چاہتا ہے تو اس سے اگلی ہو گی نہیں بلکہ پہلے جو رہ گئی ہے اس کی قضا کرنا پڑے گی، وہ قضا کر لے گا تو پھر اگلی نماز ہو گی ورنہ اگلی نماز ہی اس کی نہیں ہو گی الا یہ کہ وقت ہی اتنا تنگ ہو جائے کہ اس میں صرف یہ وقتی نماز ادا ہو سکتی ہے وہ والی پچھلی قضا نہیں، پھر اس صورت میں اس کی یہ اگلی نماز ہو جائے گی ورنہ اگلی نماز ہو گی نہیں جب تک وہ پچھلی نماز نہ پڑھ لے۔

آگے اس کی تفصیلی اس سے متعلقہ مسائل آگے آرہے ہیں بھائی۔ تو تشہد کے بعد ایک شخص نماز پڑھ چکا ہے، تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس کو یاد آیا کہ میری تو ایک پچھلی نماز باقی ہے بھائی۔ وہ تو اسے یاد خیال ہی نہیں تھا اور شخص وہ شخص بھی کیسا ہے؟ صاحبِ ترتیب ہے بھائی۔ «أَوْ تَذَكَّرَ فَائِتَةً عَلَيْهِ قَبْلَ هَذِهِ» یا اس کو یاد آگئی کوئی فوت شدہ نماز جو اس کے ذمے باقی ہے اس سے پہلے ہی۔

«أَوْ أَحْدَثَ الْإِمَامُ الْقَارِئُ» یا حدث لاحق ہوا ایسے امام کو، اس امام کو جو قاری تھا یعنی جس کو کم از کم فرض کے بقدر قرأت آتی تھی «فَاسْتَخْلَفَ أُمِّيًّا» تو اس نے امی کو خلیفہ بنا دیا۔ کس کو خلیفہ بنایا؟ امی کو۔ بھائی امام قاری تھا، اس نے خلیفہ بنایا امی کو اور کس وقت بنایا؟ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد بنایا۔

■ مسئلہ: أَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي الْفَجْرِ

«أَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي الْفَجْرِ» یا سورج طلوع ہو گیا فجر کی نماز میں۔ اور کس وقت بھائی؟ یہ تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہے اس کے بعد طلوع ہوا ہے۔ بھائی دیکھیے، سورج طلوع ہوا فجر کے بعد، تو فجر کا وقت تھا کامل اور سورج کے طلوع کا وقت کیا ہے؟ جب سورج طلوع ہو یہ وقت ہے ناقص، تو اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ نماز بھائی کامل فرض ہوئی تھی تو کامل ہی ادا چاہیے، لہٰذا اس کی نماز نہیں ہو گی۔ جی۔

«أَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ وَهُوَ فِي الْجُمُعَةِ» یا عصر کا وقت داخل ہوا اس حال میں کہ وہ شخص جمعے کی نماز میں ہے۔ اس وہ شخص کس میں ہے؟ جمعے کی نماز میں ہے۔

«أَوْ كَانَ مَاسِحًا عَلَى الْجَبِيرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ» یا وہ شخص مسح کرنے والا تھا جبیرہ پر، وہ پٹی پر، تو وہ پٹی کھل گئی تندرست ہونے پر، تندرست ہونے پر۔ یعنی پٹی بندھی ہوئی تھی اسی پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا اور تشہد کے بعد وہ پٹی کھل کر گر گئی اور وہ زخم وغیرہ بھی ٹھیک ہو چکا ہے بھائی، ٹھیک ہو چکا ہے۔

■ مسئلہ: أَوْ كَانَ صَاحِبَ عُذْرٍ فَانْقَطَعَ عُذْرُهُ

«أَوْ كَانَ صَاحِبَ عُذْرٍ فَانْقَطَعَ عُذْرُهُ» یا یہ نماز پڑھنے والا صاحبِ عذر تھا یعنی معذور تھا، تو اس کا عذر منقطع ہو گیا، ختم ہو گیا۔ اور کس وقت ختم ہوا؟ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد بھائی، یہ سب صورتوں کے ساتھ یہ قید ہے۔ تو اس کا عذر منقطع ہو گیا «كَالْمُسْتَحَاضَةِ وَمَنْ بِمَعْنَاهَا» جیسے کہ مستحاضہ ہے اور وہ شخص جو اس مستحاضہ کے معنی میں یعنی اس کے حکم میں ہے، تو یہ معذوروں کی مثال ذکر کر دی۔ ان کا عذر ختم ہو گیا، مستحاضہ تھی خون اس کا رک گیا یا کوئی اور شخص معذور تھا اور تو اس کا وہ عذر ختم ہوا،

«بَطَلَتِ الصَّلَاةُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو نماز باطل ہو جائے گی امام صاحب کے نزدیک «وَقَالَا تَمَّتْ صَلَاتُهُ» اور صاحبین فرماتے ہیں اس کی نماز پوری ہو جائے گی، نماز پوری ہو جائے گی۔

«وَقِيلَ الْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الْخُرُوجَ عَنِ الصَّلَاةِ بِصُنْعِ الْمُصَلِّي فَرْضٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَلَيْسَ بِفَرْضٍ عِنْدَهُمَا» اور کہا گیا ہے کہ ضابطہ اس کے اندر یہ ہے، اصل اس میں یہ ہے کہ نماز سے نکلنا نمازی کے اپنے عمل کے ساتھ، یہ فرض ہے امام صاحب کے نزدیک، اور صاحبین کے نزدیک یہ فرض نہیں۔ کیا کہا گیا کہ یہاں پر امام صاحب کے نزدیک نماز سب کی باطل ہو جائے گی ان تمام صورتوں میں، اور صاحبین فرماتے ہیں نماز پوری ہو جائے گی۔ اور ضابطہ کیا ہے؟ کس وجہ سے امام صاحب فرما رہے ہیں نماز باطل ہو گی اور صاحبین فرما رہے ہیں نماز باطل نہیں ہو گی بلکہ پوری ہو جائے گی؟ تو کہتے ہیں ضابطہ یہ کہ امام صاحب کے نزدیک نماز سے نمازی اپنے عمل کے ساتھ، اپنے ارادے کے ساتھ نماز سے نکلنا اس کا فرض ہے، اس کا اپنے ارادے کے ساتھ اپنے عمل کے ساتھ نماز سے نکلنا فرض ہے، اور صاحبین کے نزدیک یہ فرض نہیں ہے بھائی، صاحبین کے نزدیک فرض نہیں۔ اور اس مسئلے میں یہ بھی یاد رکھیے بھائی کہ امام صاحب سے خود یہ روایت نہیں ہے کہ خروج بصنع المصلی فرض ہے، نمازی کا اپنے عمل کے ساتھ نماز سے نکلنا فرض، ہاں اتنا آیا امام صاحب سے اتنا نقل ہے کہ ان صورتوں میں نماز باطل ہو جائے گی اور جبکہ صاحبین سے روایت ہے کہ ان صورتوں میں نماز پوری ہو جائے گی۔ بعد والے بعض متاخرین نے غور کیا اور انہوں نے یہ وجہ بیان کی کہ یہ وجہ بنتی ہے یہاں پر بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو خود امام صاحب سے اس بارے میں روایت نقل نہیں کہ کیوں باطل ہو گی۔ تو متاخرین نے غور کیا بعد میں اور بتلایا کہ یہاں یہ وجہ بنتی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک معلوم ہوا نماز سے نمازی کا اپنے عمل کے ذریعے نکلنا فرض ہے اور یہاں یہ نہیں پایا گیا، یہ سب جتنے عوارض اوپر ذکر ہوئے آپ غور کر لیں ان میں سے کوئی بھی نمازی کے اپنے ارادے سے نہیں ہے۔ پانی کو دیکھ لیا، پانی مل گیا، یہ بھی غیر اختیاری طور پر ہوا۔ اسی طرح مسح کرنے والا تھا، مدت پوری ہو گئی، یہ بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی طرح موزہ تھوڑے سے پاؤں ہلانے سے ہی نکل گیا، یہ بھی کوئی اختیاری عمل نہیں ہے، یعنی جان بوجھ کر نہیں ہے۔ یا سورت یاد آگئی، یہ بھی دیکھو کوئی اپنے ارادے سے کوئی عمل نہیں، خود یاد آگئی اس کو۔ تو یہ سب صورتوں میں اسی طرح ہے۔ تو امام صاحب کے نزدیک چونکہ نماز سے اپنے ارادے کے ساتھ نکلنا فرض تھا اور یہ فرض پورا

نہیں ہوا، نہیں پایا گیا، تو نماز ہی باطل ہو گئی۔ صاحبین فرماتے ہیں اپنے ارادے سے نکلنا فرض ہے ہی نہیں، فرائض سارے پورے ہو چکے ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی صورت پیش آئے تو نماز کیا ہو جائے گی؟ مکمل ہو جائے گی کیونکہ تمام ارکان اور فرائض پورے ہو چکے ہیں۔

■ مسئلہ: فَاعْتِرَاضُ هَذِهِ الْعَوَارِضِ عِنْدَهُ فِي هَذِ...

«فَاعْتِرَاضُ هَذِهِ الْعَوَارِضِ عِنْدَهُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ كَاعْتِرَاضِهَا فِي خِلَالِ الصَّلَاةِ» تو پیش آنا ان عوارض کا امام صاحب کے نزدیک اس حالت میں، کون سی حالت؟ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد، اس حالت میں ان عوارض کا پیش آنا بھی كَاعْتِرَاضِهَا فِي خِلَالِ الصَّلَاةِ، یہ اسی طرح ہے جیسے یہ عوارض پیش آئے ہوں نماز کے بیچ میں۔ اور نماز کے بیچ میں ان میں بیچ میں ان میں سے کوئی عارض پیش آئے پھر تو نماز بالاتفاق باطل ہو جاتی ہے، تو یہاں بھی نماز کیا ہو گی؟ باطل ہو جائے گی۔ «وَعِنْدَهُمَا كَاعْتِرَاضِهَا بَعْدَ التَّسْلِيمِ» اور صاحبین کے نزدیک کہ ان عوارض کا اس حالت میں پیش آنا كَاعْتِرَاضِهَا بَعْدَ التَّسْلِيمِ، یہ اسی طرح ہے جیسے یہ عوارض پیش آئے ہوں سلام کے بعد پیش آئے ہیں۔ سلام کے، کیونکہ فرائض تو سارے پورے ہو چکے ہیں، اور سلام کے بعد ان عوارض میں سے کوئی عوارض پیش آئے تو بالاتفاق نماز باطل نہیں کیونکہ نماز تو مکمل ہو چکی ہوتی ہے، تو لہٰذا یہاں پر بھی کیا ہو گی؟ نماز مکمل ہو جائے گی۔

«لَهُمَا مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» صاحبین رحمہا اللہ کی دلیل وہ ہے جس کو ہم نے وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا، یعنی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث، جو وہ حدیث میں جو پیچھے آیا تھا حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا ان سے؟ «إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ» جب تو یہ کہہ لو یا یہ کر لو یعنی اتنا قعدہ کر لو تو پھر تمہاری نماز پوری ہو گئی۔ تو یہ ان کی دلیل ہے صاحبین کی۔

«وَلَهُ» اور امام صاحب کی دلیل، امام صاحب کی دلیل بھائی وہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک جو شخص کوئی نماز ادا کر رہا ہو تو اس سے اگلی نماز وہ ادا کر ہی نہیں سکتا جب اس نماز سے جب تک اس نماز سے نہیں نکلے گا۔ جب تک اس نماز میں ہے اگلی نماز ادا کر سکتا ہے؟ نہیں۔ تو اگلی نماز تب ہی ادا کر سکتا ہے جب اس نماز سے نکلے گا۔ تو اگلی نماز اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی جب تک اس نماز سے وہ نکلے نہ۔ اور جو چیز جو چیز کسی چیز کے بغیر نہ ہو سکے وہ اس کے لیے شرط اور فرض کے درجے میں ہوتی ہے۔ بھائی نماز بغیر وضو کے ہو سکتی ہے؟ نہیں۔ تو وضو نماز کے لیے شرط ہے، فرض ہے۔ اور بغیر قبلہ رخ ہوئے ہو سکتی ہے نماز؟ نہیں۔ تو معلوم ہوا قبلہ رخ ہونا بھی نماز کے لیے شرط ہے اور فرض۔ تو یہاں پر بھی اگلی نماز اس نماز سے نکلے بغیر ہو ہی نہیں، اور جس کے بغیر کسی چیز کو ادا کرنا ممکن نہ ہو وہ اس چیز کے لیے شرط اور فرض کے درجے میں ہوتی ہے۔ تو لہٰذا اس نماز سے نکلنا بھی کس طرح کیا ہے؟ شرط اور فرض، تو یہ فرض کی طرح ہے فرض کی طرح، تو اس نماز سے نکلنا بھی معلوم ہوا فرض ہوا تاکہ وہ پھر قادر ہو سکے، کس پر؟ اگلی نماز پر۔ اگلی نماز اس نے پڑھنی ہے یعنی ظہر کی پڑھ رہا ہے، عصر کی پڑھنی ہے یا نہیں پڑھنی اس نے؟ تو عصر کی نماز تو وہ تبھی پڑھ سکتا ہے جب اس نماز سے نکلے گا، تو اس کے بغیر وہ نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ اور جس چیز کے بغیر وہ نماز نہ ہو سکے وہ اس کے لیے کیا ہوتی ہے؟ شرط اور فرض، تو لہٰذا معلوم ہوا یہ نماز سے نکلنا بھی کیا ہوا؟ شرط اور فرض ہوا۔

■ مسئلہ: وَلَهُ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ أَدَاءُ صَلَاةٍ أُخْ...

«وَلَهُ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ أَدَاءُ صَلَاةٍ أُخْرَى إِلَّا بِالْخُرُوجِ مِنْ هَذِهِ وَمَا لَا يُتَوَصَّلُ إِلَى الْفَرْضِ إِلَّا بِهِ يَكُونُ فَرْضًا» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ممکن نہیں ہے اگلی دوسری نماز کو ادا کرنا مگر اس نماز سے نکلنے کے ساتھ، اور وہ چیز کہ نہ پہنچا جا سکے فرض تک مگر اسی چیز کے ساتھ، وہ چیز بھی کیا ہوتی ہے؟ فرض۔ یعنی وہ چیز کہ اس کے اسی کے ذریعے فرض تک پہنچا جا سکے وہ بھی فرض ہوتی ہے، وہ بھی تو یہ لہٰذا اس لیے خروج بصنع المصلی کیا ہے؟ نمازی کا نماز سے اپنے ارادے سے نکلنا فرض ہے، فرض ہے۔

اور بھائی وہ تو حدیث میں تو آیا تھا «إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ» تحقیق تمہاری نماز پوری ہو گئی، تو وہاں پر تو خروج بصنع المصلی کا ذکر ہے ہی نہیں، اس سے تو یہ پتہ چل رہا ہے کہ نماز پوری ہو گئی، اس کا بھی جواب دیتے ہیں صاحبِ ہدایہ امام صاحب کی طرف سے۔ فرماتے ہیں: «وَمَعْنَى قَوْلِهِ تَمَّتْ قَارَبَتِ التَّمَامَ» کہ پوری ہونے کا معنی یہ ہے پوری ہونے کے قریب ہو گئی۔ جو حدیث میں کیا آیا؟ تمہاری نماز پوری ہو گئی، اس سے کیا مراد ہے؟ پوری ہونے کے قریب ہو گئی۔ بھائی یہ کیسا معنی آپ کر رہے ہیں کہ پوری ہونے کے قریب ہو گئی؟ حدیث میں تو آیا پوری ہو گئی! کہتے ہیں بھائی، احادیث میں اس طرح یہ آیا اور بھی جگہ آیا ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، یہ آپ کے حاشیے میں حدیث دی ہوئی ہے: «مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ» جس نے وقوف کر لیا عرفات میں تو تحقیق اس کا حج پورا ہو گیا، حالانکہ حالانکہ وقوفِ عرفات کے بعد ابھی طوافِ زیارت باقی ہے اور وہ بھی حج میں فرض ہے۔ تو دیکھو وہاں پر بھی جس نے وقوفِ عرفہ کر لیا تو اس کا حج پورا ہو گیا یعنی پورا ہونے کے قریب ہو گیا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا یہاں پر بھی یہی معنی ہے، حضور علیہ السلام کے قول تمت کا معنی جو ہے قاربت التمام کہ نماز پوری ہونے کے قریب ہو گئی، نماز پوری ہونے کے قریب ہو گئی۔

«وَالِاسْتِخْلَافُ لَيْسَ بِمُفْسِدٍ» بھائی دیکھیے، درمیان میں ایک مسئلہ ذکر ہوا تھا «أَوْ أَحْدَثَ الْإِمَامُ الْقَارِئُ فَاسْتَخْلَفَ أُمِّيًّا» اور وہ امام جو قاری تھا اس کو حدث پیش آیا اور اس نے امی کو اپنا خلیفہ بنا دیا، کس کو؟ امی کو۔ تو یہاں پر تبلار ہے ہیں آگے صاحب ہدایہ کہ یہ نہ سمجھنا کہ خلیفہ بنانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوئی ہے۔ خلیفہ بنانے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں، خلیفہ بنا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر اسی مقام پر کسی قاری کو خلیفہ بناتا تو نماز فاسد اور باطل نہ ہوتی، تو یہاں نماز جو فاسد ہوئی ہے وہ خلیفہ بنانے کی وجہ سے نہیں بلکہ امی کو خلیفہ بنانے کی وجہ سے فاسد ہوئی ہے، اس لیے کیونکہ اس نے امی کو خلیفہ بنایا اور امی تو وہ شخص ہے جس میں امام بننے کی صلاحیت ہی نہیں۔ تو ایسے شخص کو امام بنا دیا جس میں امام بننے کی صلاحیت، اس لیے نماز فاسد ہوئی ہے، خلیفہ بنانے کی وجہ سے نہیں، لہٰذا اگر کسی قاری کو خلیفہ بناتا تو بنا سکتا تھا۔ یہ معنی ہے «وَالِاسْتِخْلَافُ لَيْسَ بِمُفْسِدٍ حَتَّى يَجُوزَ فِي حَقِّ الْقَارِئِ» اور خلیفہ بنانا یہ نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے یہاں تک کہ یہ جائز ہو گا قاری کے حق میں، یعنی قاری کو خلیفہ بنا سکتا ہے «وَإِنَّمَا الْفَسَادُ لِضَرُورَةِ حُكْمٍ شَرْعِيٍّ وَهُوَ عَدَمُ صَلَاحِيَةِ الْإِمَامَةِ» اور فساد جو ہے وہ ایک حکمِ شرعی کی ضرورت کی بنا پر ہے اور وہ کیا ہے؟ امامت کی صلاحیت کا نہ ہونا ہے کہ امی میں امامت کی صلاحیت ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

بھئی ان مسائل میں کچھ میں تو وجہ ظاہر ہے، تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کس کو پالیا؟ پانی کو دیکھ لیا، پانی کے استعمال پر قادر ہوا اور آپ نے پڑھا ہے کہ پانی کو جب استعمال پر جب قادر ہو گا تو وہی پچھلے حدث کا اثر ظاہر ہو گا۔ سمجھ میں آیا؟ صرف پانی کو دیکھ آپ خود غور کریں، پانی کو دیکھنے سے ہم کہتے ہیں تیمم ختم ہو گیا، تیمم کیا ہوا؟ ختم ہو گیا۔ معلوم ہوا اس پچھلے حدث کا اثر ظاہر ہوا ہے۔ پچھلے حدث کا اثر ظاہر، ورنہ صرف پانی کا دیکھنا وضو کو توڑنے والی چیزوں میں کہیں پانی دیکھنا ذکر تھا؟ نہیں، وہ تو تھا بدن سے اگر نجاست خارج ہو گی تب وضو ٹوٹتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں پر تو صرف پانی کو دیکھا ہے، کوئی حدث تو ہوا نہیں اور تو معلوم ہوا اسی پچھلے حدث کا اثر کیا ہوا؟ ظاہر ہو گیا ہے اور بیچ نماز میں ہوا تو گویا اسی طرح ہوا یہ بے وضو ہی کیا کر رہا تھا؟ نماز پڑھ رہا تھا۔ «أَوْ كَانَ مَاسِحًا فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهِ» یا مسح کرنے والے تھے اس کی مدتِ مسح، تو اس طرح سب کے اندر صورتیں مسئلہ واضح ہے۔

البتہ ایک دو میں ذرا اشکال تھوڑا سا پڑتا ہے، وہ اس کی میں وضاحت کر دیتا ہوں۔ سورج طلوع ہو جائے فجر کی نماز میں، کس میں؟ تو یہاں نماز اس لیے باطل ہو جائے گی کیونکہ وہ نماز کیسی واجب ہوئی تھی؟ کامل، اور سورج جب طلوع ہوا کون سا وقت شروع ہو گیا؟ ناقص وقت شروع ہو گیا، اس لیے وہ نماز کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔

اور اسی طرح وہ جمعے کی نماز پڑھ رہا تھا اور عصر کا وقت داخل ہو گیا۔ کون سا وقت داخل ہو گیا؟ عصر کا وقت داخل ہو گیا، تو وہ نماز باطل ہو جائے گی بھائی، اس لیے کیونکہ جمعے کے لیے ظہر کا وقت شرط ہے۔ جمعے کے لیے کیا ہے؟ ظہر کا وقت شرط ہے، ظہر کے وقت کے اندر جمعہ ہو سکتا ہے اس کے بعد جمعہ نہیں ہو سکتا بھائی، تو اس لیے اس کی جمعے کی نماز کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔

ہاں اگر یہی صورت ہوئی ظہر کے اندر، ذہن میں فوراً سوال ابھرتا ہے جمعے کو ذکر کیا ظہر کو ذکر نہیں کیا صاحب ہدایہ نے، ماتن نے، یعنی صاحبِ قدوری نے۔ تو بھائی ظہر کی نماز کوئی پڑھ رہا ہو پھر نماز باطل نہیں ہو گی۔ ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اور کون سا وقت داخل ہو گیا؟ عصر کا وقت داخل ہو گیا، پھر باطل نہیں ہو گی۔ کیوں؟ کیونکہ ظہر کا وقت بھی کامل اور آگے عصر کا وقت ناقص ہے یا کامل وقت ہے؟ کامل۔ سورج غروب ہوتے وقت تب بھی ناقص وقت، سورج عین سر پر ہو تب بھی ناقص وقت، سورج اب طلوع ہو رہا ہو تب بھی ناقص وقت ہے، ان کے علاوہ باقی اوقات ناقص نہیں ہیں، تو لہٰذا اس صورت میں ظہر کا وقت بھی کامل تھا اور عصر کے بعد کا وقت بھی کیا ہے؟ کامل ہے، تو نماز ہو جائے گی بھائی، نماز ظہر کی نماز اس صورت میں باطل نہیں ہو گی۔ تو ادا ہو گی یا قضا؟ وہ اور چیز ہے، ادا اکثر کا اعتبار کر لیں گے اگر اکثر حصہ کس کے اندر ہے؟ تو ادائی کہہ لیں گے، سمجھ میں آیا؟ لیکن بہر حال نماز ہو جائے گی، نماز ہو جائے گی بھائی۔

اب دیکھیے آگے کتاب پر: «وَمَنِ اقْتَدَى بِالْإِمَامِ بَعْدَمَا صَلَّى رَكْعَةً فَأَحْدَثَ الْإِمَامُ فَقَدَّمَهُ أَجْزَأَهُ» صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے امام کی اقتدا کی ہے جبکہ امام ایک رکعت پڑھ چکا ہے، کم از کم ایک رکعت نکل چکی ہے اب ایک شخص آ کر شامل ہوا اس کو کیا کہتے ہیں؟ مسبوق، کیا کہتے ہیں؟ مسبوق، اور جو شخص شروع سے ہی شامل ہوا اس کو کہتے ہیں مدرک، اسی طرح اس کو مقتدی بھی کہتے ہیں، اسی طرح اس کو مؤتم بھی کہتے ہیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو «وَمَنِ اقْتَدَى بِالْإِمَامِ بَعْدَمَا صَلَّى رَكْعَةً» اور جس نے اقتدا کی امام کی بعد اس کے کہ جب امام ایک رکعت پڑھ چکا ہے «فَأَحْدَثَ الْإِمَامُ» تو امام کو حدث لاحق ہوا، اس کا وضو ٹوٹ گیا «فَقَدَّمَهُ» تو اس امام نے اس کو آگے کر دیا یہ جو مسبوق تھا جس کی ایک رکعت یا زیادہ رہ چکی ہیں «أَجْزَأَهُ» تو یہ کافی ہے یعنی یہ امام بن جائے گا۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «لِوُجُودِ الْمُشَارَكَةِ فِي التَّحْرِيمَةِ» اس وجہ سے کہ تحریمہ کے اندر شراکت پائی گئی ہے۔ یہ بھی اس کی تحریمہ کی بنیاد بھی کس پر تھی مسبوق کی؟ مسبوق کی تحریمہ کی بنیاد بھی امام کی تحریمہ پر ہی ہے، اسی کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہے تو دونوں تحریمہ کے اندر شریک ہیں۔ تو اس مسبوق کو آگے کر دے گا تو اس کو خلیفہ بنانا ٹھیک، نماز ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: وَالْأَوْلَى أَنْ يُقَدِّمَ مُدْرِكًا

«وَالْأَوْلَى أَنْ يُقَدِّمَ مُدْرِكًا» لیکن بہتر یہ ہے کہ امام کس کو آگے کرے؟ مدرک کو آگے کرے جو شروع سے نماز میں شریک ہے، شروع سے۔ کیوں؟ وجہ

ظاہر ہے، یہ مسبوق ہے اس کی ایک رکعت رہتی ہے، یہ جب نماز پڑھائے گا تو جب سلام، یرحمک اللہ، جب سلام کا وقت آئے گا تو مسبوق کی تو ابھی ایک رکعت باقی ہے، باقی سارے لوگوں کی نماز پوری ہو چکی ہے تو مسبوق تو سلام نہیں پھیر سکتا، اسے سلام کے لیے پھر کسی اور کو آگے کرنا پڑے گا اور خلیفہ بنانا پڑے گا بھائی۔ تو لہٰذا بہتر یہ ہے کہ امام شروع سے ہی مسبوق کو اپنا خلیفہ نہ بنائے بلکہ کسی کو خلیفہ بنائے؟ مدرک کو خلیفہ بنائے تاکہ وہ سلام پھیر سکے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

«وَالْأَوْلَى لِلْإِمَامِ أَنْ يُقَدِّمَ مُدْرِكًا» اور بہتر یہ ہے امام کے لیے کہ وہ مدرک کو مقدم کرے جس نے پوری شروع سے اس کے ساتھ نماز پڑھی ہے «لِأَنَّهُ أَقْدَرُ عَلَى إِتْمَامِ صَلَاتِهِ» اس لیے کیونکہ وہ زیادہ قادر ہے اس کی نماز کے پورا کروانے پر «وَيَنْبَغِي لِهَذَا الْمَسْبُوقِ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ» اور مناسب ہے اس مسبوق کے لیے بھی کہ یہ آگے نہ ہو «لِعَجْزِهِ عَنِ التَّسْلِيمِ» اس لیے کیونکہ یہ سلام کرنے سے عاجز ہے «فَلَوْ تَقَدَّمَ يَبْتَدِئُ مِنْ حَيْثُ انْتَهَى إِلَيْهِ الْإِمَامُ» پس اگر یہ آگے ہو گیا، اگر یہ مسبوق آگے ہو گیا، «يَبْتَدِئُ» تو ابتدا کرے «مِنْ حَيْثُ انْتَهَى إِلَيْهِ الْإِمَامُ» اسی جگہ سے جہاں سے جہاں پر امام نے انتہا کی ہے جہاں تک امام پہنچا ہے۔ اسی سے آگے کیا کرے؟ ابتدا کریں اسی سے آگے نماز پڑھائے «لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ» اس وجہ سے کہ یہ اس امام کا قائم مقام ہے «وَإِذَا انْتَهَى إِلَى السَّلَامِ يُقَدِّمُ مُدْرِكًا يُسَلِّمُ بِهِمْ» اور جب یہ مسبوق سلام تک پہنچ جائے «يُقَدِّمُ مُدْرِكًا» پھر کیا کرے؟ کسی مدرک کو آگے کر دے «يُسَلِّمُ بِهِمْ» جو ان مقتدیوں کو سلام پھروا دے۔ جی، یہاں تک بات پوری ہو گئی۔ تو پھر کیا کرے آخر میں؟ کسی مقتدی کو یعنی مدرک کو آگے کر دے وہ ان کو سلام پھروا دے اور خود اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرے، مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

«فَلَوْ أَنَّهُ حِينَ أَتَمَّ صَلَاةَ الْإِمَامِ قَهْقَهَ أَوْ أَحْدَثَ مُتَعَمِّدًا أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ وَصَلَاةُ الْقَوْمِ تَامَّةٌ»
صورتِ مسئلہ یہ، فقہائے کرام پر بھائی اللہ تعالیٰ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں، دیکھو کتنی نادر نادر صورتیں بھی جو پیش آسکتی ہیں ان تمام کو انہوں نے درج کر دیا ساتھ دلائل کے بھائی۔ جہاں قرآن اور حدیث سے دلیل ملی وہاں قرآن اور حدیث کو دلیل بنایا اور جہاں حدیث اور قرآن میں نہیں، اجماع دلیل ملی کہ سب لوگ اس پر تمام فقہا اس پر اکٹھے ہیں وہاں اجماع کو دلیل بنایا، اور جہاں قرآن اور حدیث، اجماع وغیرہ کس میں بھی نہیں تو پھر کیا کیا ہر ایک نے؟ قیاس کیا بھائی، قیاس کیا اور ایک ایک صورت بیان کر دی۔ بعض لوگ کہتے ہیں قیاس کو نہیں تسلیم کرتے بھائی، بھائی قیاس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا تو قرآن اور حدیث میں تو یہ ایک ایک مسئلہ ذکر ہے ہی نہیں، پھر کیا کیا جائے گا ان مسئلوں کے اندر بھائی؟ کتنے ہی مسائل ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ ہاں حدیث میں، قرآن میں ان کی بنیاد موجود ہے ان سے ہم قیاس کر سکتے ہیں اور ہم قیاس کرتے بھی کس سے ہیں؟ قرآن اور حدیث سے ہی قیاس کرتے ہیں، انہی کے ذریعے مسائل کی بنیاد انہی پر ہے بھائی۔ تو اللہ ان لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے جو فقہا کے خلاف بولتے ہیں بھائی۔ دشمنانِ اسلام کیا تھوڑے پڑ گئے کہ آپ لوگ بھی فقہا کے خلاف بول رہے ہیں بھائی؟ حالانکہ انسان اپنی صلاحیتیں مخالفینِ اسلام کے خلاف صرف کرے، فقہا کے خلاف بول رہے ہیں، کتابیں لکھ رہے ہیں یا کچھ کر رہے ہیں، اپنی صلاحیت ہی ضائع کر رہے ہیں بھائی۔ وہ فقہا تھے، وہ آسمان کے چاند اور ستارے تھے، اگر ان پر کچھ برائی ان کی کرو گے بھی اپنا ہی نقصان کرو گے، ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ تو اللہ کے ایسے اولیاء ایسے اولیاء، اتنا اونچا مقام ان لوگوں کا کہ دیکھو لاکھوں کروڑوں لوگ ان کے بتلائے ہوئے مسائل کے مطابق زندگیاں گزار رہے ہیں بھائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے، اور ان لوگوں کو بھی اللہ سمجھ نصیب فرمائے جو اس راستے پر چلتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرتے ہیں بھائی۔ اور دین کے کتنے ہی کام ہیں وہ کر سکتے ہیں، بلاوجہ کے ان چیزوں کے اندر اپنا وقت ضائع کرتے ہیں بھائی۔

■ صورتِ مسئلہ اب یہ ذکر ہو رہی ہے بھائی کہ یہ جو مسبوق تھا جس

صورتِ مسئلہ اب یہ ذکر ہو رہی ہے بھائی کہ یہ جو مسبوق تھا جس کو امام نے آگے کر دیا، کیا کیا؟ آگے کر دیا۔ اس نے جب نماز پوری کروا دی، سلام تک پہنچ گیا۔ اب اس نے کیا کرنا ہے؟ کسی اور کو مدرک کو آگے کرے گا، اس سے پہلے اس نے کیا کر دیا؟ قہقہہ لگایا یا جان بوجھ کر وضو توڑ دیا «أَوْ تَكَلَّمَ» یا کسی سے کلام کر لیا یا مسجد سے نکل گیا، تو یاد رکھیے ان سب صورتوں میں اس کی نماز تو فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس کے ذمے تو ابھی کچھ رکعتیں باقی ہیں، کم از کم ایک رکعت تو باقی ہے یا زیادہ رکعتیں باقی ہیں کیونکہ یہ مسبوق ہے، جبکہ باقی لوگ ان کی تو نماز کے تمام فرائض پورے ہو چکے ہیں، جو مقتدی ہیں ان کی نماز پوری ہو جائے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے «فَلَوْ أَنَّهُ حِينَ أَتَمَّ صَلَاةَ الْإِمَامِ» پس یہ جو مقتدی ہے اس نے جس وقت اس امام کی نماز کو پورا کروا دیا «قَهْقَهَ» تو اس نے قہقہہ لگایا «أَوْ أَحْدَثَ مُتَعَمِّدًا» یا اس نے حدث لاحق کیا جان بوجھ کر، یعنی جان بوجھ کر وضو توڑا «أَوْ تَكَلَّمَ» یا کلام کر دیا کسی سے «أَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ» یا مسجد سے نکل گیا «فَسَدَتْ صَلَاتُهُ» تو اس کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ اس کی کچھ رکعتیں ابھی باقی ہیں «وَصَلَاةُ الْقَوْمِ تَامَّةٌ» اور لوگوں کی یعنی مقتدیوں کی نماز پوری ہے «لِأَنَّ الْمُفْسِدَ فِي حَقِّهِ وُجِدَ فِي خِلَالِ الصَّلَاةِ وَفِي حَقِّهِمْ بَعْدَ تَمَامِ أَرْكَانِهَا» اس لیے کیونکہ وہ چیز جو نماز کو فاسد کرنے والی ہے یعنی یہ قہقہہ یا یہ جان بوجھ کر حدث یا تکلم یا خروج من المسجد، یہ مفسد چیزیں جو ہیں، اس لیے کیونکہ یہ جو مفسد چیز ہے فی حقہ، اس اس مسبوق کے حق میں «وُجِدَ فِي خِلَالِ الصَّلَاةِ» یہ نماز کے بیچ میں پائی گئی، نماز کے بیچ میں یہ مفسد اس کے حق میں پایا گیا «وَفِي حَقِّهِمْ بَعْدَ تَمَامِ أَرْكَانِهَا» اور مقتدیوں کے حق میں اس نماز کے تمام ارکان کے پورا ہونے کے بعد یہ مفسد پایا گیا، تو ان کی نماز تو پوری ہو جائے گی اور اس کی نماز فاسد۔

«وَالْإِمَامُ الْأَوَّلُ إِنْ كَانَ فَرَغَ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ وَإِنْ لَمْ يَفْرُغْ تَفْسُدُ وَهُوَالْأَصَحُّ» اور وہ پہلا امام اس کی نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟ کہتے ہیں اگر وہ نماز سے فارغ ہو چکا یعنی اس کی کوئی رکعت رہی نہیں، جیسے ہی وضو ٹوٹا تھا اس نے اس مسبوق کو آگے کیا تھا اور ساتھ قریبی پانی تھا اس نے فوراً وضو کیا اور آکر شامل ہو گیا، اس کی کوئی رکعت بھی نہ رہی، کوئی رکعت بھی نہ رہی تو لہٰذا جب باقیوں کی نماز پوری ہو گی تو اس امام کی بھی نماز کیا ہو جائے گی؟ پوری ہو جائے گی۔ لیکن اگر امام کی کوئی رکعت چھوٹ گئی تھی، وہ وضو کرنے گیا اور آیا تو ایک رکعت گزر چکی تھی اب امام کی نماز مکمل نہیں ہوئی تو اس صورت میں امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی، امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ تو کہتے ہیں: «وَالْإِمَامُ الْأَوَّلُ إِنْ كَانَ فَرَغَ لَا تَفْسُدُصَلَاتُهُ» اور وہ پہلا امام اگر وہ نماز سے فارغ ہو چکا ہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی «وَإِنْ لَمْ يَفْرُغْتَفْسُدُ» اور اگر وہ نماز سے فارغ نہیں ہو چکا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی «وَهُوَ الْأَصَحُّ» اور یہی قول زیادہ صحیح ہے بھائی، یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

■ مسئلہ: فَإِنْ لَمْ يُحْدِثِ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ وَقَعَد...

«فَإِنْ لَمْ يُحْدِثِ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ وَقَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ ثُمَّ قَهْقَهَ أَوْ أَحْدَثَ مُتَعَمِّدًا فَسَدَتْ صَلَاةُ الَّذِي لَمْ يُدْرِكْ أَوَّلَ صَلَاتِهِ»
اب دوسری صورت ذکر ہو رہی ہے، دوسری صورت ذکر ہو رہی ہے۔ اگر حدث پیش نہ آیا پہلے امام کو، کس کو؟ پہلے امام کو۔ یہاں شارحین لکھتے ہیں کہ یہ الاول کا لفظ زائد ہے، اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے کیونکہ یہاں امام نے کسی کو خلیفہ بنایا ہی نہیں کہ وہ پہلا امام ہو اور خلیفہ دوسرا امام بن جائے بلکہ یہ الگ صورت ذکر ہو رہی ہے۔ لیکن بہر حال چونکہ یہاں ماقبل کے مسائل میں اولِ امام کا ذکر آرہا تھا تو اس لیے یہاں پر کیا کیا ماتن نے؟ اول کی قید بڑھا دی تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ دوسرے امام کی بات ہو رہی ہے وہ جو مسبوق تھا، اس کی بات نہیں ہو رہی بھائی۔

تو اگر اس پہلے امام کو حدث پیش نہ آیا یعنی اس نے حدث، بھائی اس نے پہلے امام کو حدث پیش آیا تھا تو اس نے کیا بنایا تھا؟ خلیفہ۔ اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، حدث پیش آیا ہی نہیں تو خلیفہ بھی نہیں بنایا، یہ صورت ہے۔ تو پہلے امام کو اگر حدث پیش نہیں آیا اور وہی نماز پڑھا رہا ہے «وَقَعَدَ قَدْرَالتَّشَهُّدِ» اور یہ امام بیٹھ گیا کتنی مقدار؟ تشہد کی مقدار یعنی فرض پورا ہو چکا «ثُمَّ قَهْقَهَ» پھر اس نے قہقہہ لگایا «أَوْ أَحْدَثَ مُتَعَمِّدًا» یا جان بوجھ کر وضو توڑا «فَسَدَتْ صَلَاةُ الَّذِي لَمْ يُدْرِكْ أَوَّلَ صَلَاتِهِ» تو فاسد ہو گئی نماز اس شخص کی جس نے نماز کا اول حصہ نہیں پایا، یعنی جو مسبوقین ہیں ان کی نماز فاسد ہو جائے گی اور جن جو مدرک ہیں ان کی نماز جیسے امام کی نماز پوری ہو جائے گی مدرک کی نماز بھی پوری۔ مسئلہ سمجھ میں آرہا ہے؟

ایک شخص ہے، خلافت والی صورت نکال لیں کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، ایک شخص نماز پڑھا رہا ہے اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد آخری قعدے میں اس کا اس نے قہقہہ لگایا یا جان بوجھ کر وضو توڑا تو اس کی نماز پوری ہو گئی، اس کی نماز اور جو اس کے ساتھ شروع سے شریک تھے ان کی نماز بھی پوری ہو گئی کیونکہ تمام ارکان اور فرائض نماز کے پورے ہو چکے ہیں، سمجھ میں آیا؟ اور خروج بصنع المصلی بھی پایا گیا، وہ اپنے ارادے سے نماز کو توڑ رہا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو نماز سے نکل رہا ہے، تو نماز پوری۔ البتہ وہ لوگ جو ایک رکعت یا ایک رکعت سے بھی دو یا تین رکعتوں کے بعد نماز میں شریک ہوئے ہیں یعنی جن کی شروع کی کوئی ایک رکعت کم از کم رہتی ہے مسبوقین، ان کی نماز فاسد ہو جائے گی، ان کی نماز اور یہ امام صاحب کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں نہیں، ان مسبوقین کی نماز بھی فاسد نہیں ہو گی، ان کی نماز بھی فاسد نہیں۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ مسبوق جو ہیں وہ امام کے تابع ہیں، امام کی نماز صحیح ہو گی تو مسبوق کی نماز بھی صحیح، امام کی نماز فاسد تو مسبوق کی نماز بھی فاسد۔ اور امام کی نماز تو پوری ہو گئی، فاسد ہوئی کہ نہیں ہوئی؟ فاسد تو نہیں ہوئی، وہ تو سارے فرائض پورے کر چکا ہے تو امام کی نماز تو پوری ہو گئی، اور جب امام کی نماز فاسد نہیں تو مسبوق کی نماز بھی فاسد نہیں، وہ نماز پوری کر لے بھائی۔ صورت سمجھ، جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب یہ مفسدِ صلاۃ چیز پائی گئی یعنی قہقہہ یا جان بوجھ کر وضو کا توڑنا تو نماز کا وہ جز جو اس کے ساتھ ملا ہوا تھا، آخری جزو فاسد ہو گیا۔ امام نے جب قہقہہ لگایا تو اس کے ساتھ جو آخری جز نماز کا ملا ہوا تھا وہ جز کیا ہوا؟ فاسد ہو گیا۔ اور پھر نماز پر امام کو تو مزید بنا کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے تو سارے فرائض پورے ہو چکے، اس لیے ہم نے کہا اس کی نماز پوری ہو گئی لیکن مسبوق اس نے تو ابھی بقیہ رکعتیں پڑھنی ہیں، تو یہ جز تو فاسد ہو گیا تھا اور جب امام کی نماز کا یہ جز فاسد ہوا تو جو پیچھے تھے ان کی بھی نماز کا یہ جز فاسد ہو گیا کیونکہ امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدی کی نماز بھی کیا ہوتی ہے؟ فاسد۔ لیکن جو مدرک تھے ان کی نماز تو پوری ہو چکی، ان کو تو آگے بنا کرنے کی ضرورت نہیں لیکن مسبوق کا تو ابھی کچھ حصہ باقی ہے اور نماز کا ہر اگلا حصہ اس کی بنیاد پچھلے حصے پر ہوتی ہے، تو اگلے حصے کی بنیاد جزِ فاسد پر ہو جائے گی اور جزِ فاسد پر جو بنا ہو گی وہ بھی کیا ہو گی؟ فاسد ہو گی، لہٰذا ان کی نماز ہی نہیں ہو گی، جو مسبوق ہیں ان کی نماز فاسد ہو جائے گی وہ اس پر بنا نہیں کر سکتے جبکہ امام اور جو مدرک ہیں ان کی نماز کیا ہو جائے گی؟ پوری ہو جائے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے «ثُمَّ قَهْقَهَ أَوْ أَحْدَثَ مُتَعَمِّدًا» پھر تشہد کی مقدار کے بعد امام نے قہقہہ لگایا یا جان بوجھ کر وضو توڑا «فَسَدَتْ صَلَاةُ الَّذِي لَمْ يُدْرِكْ أَوَّلَ صَلَاتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو فاسد ہو جائے گی نماز اس شخص کی جس نے اولِ نماز کو نہیں پایا امام صاحب کے نزدیک «وَقَالَا لَا تَفْسُدُ» اور صاحبین فرماتے ہیں اس کی یعنی مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہو گی «وَإِنْ تَكَلَّمَ أَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ لَمْ تَفْسُدْ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا» اور اگر کلام کیا یا مسجد

سے نکل گیا تو پھر نماز فاسد نہیں ہو گی مسبوق کی ان سب کے قول میں۔ بھائی اوپر دو صورتیں متن میں ذکر ہوئیں: اگر قہقہہ لگایا یا جان بوجھ کر وضو توڑا اس صورت میں مسبوق کی نماز فاسد ہو گی امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں۔ اور اس کے بجائے اگر امام نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کسی سے کلام کیا یا اٹھ کر مسجد سے نکل گیا تو بالاتفاق، بالاتفاق کسی کی بھی نماز فاسد نہیں کیونکہ تمام فرائض اور ارکان کیا ہو چکے؟ پورے ہو چکے، تو مدرک جو ہیں ان کی تو نماز ہو گئی اور امام جو ہے امام نے جب کیا کیا؟ کلام کیا یا مسجد سے باہر نکلا تو خروج بصنع المصلی پایا گیا۔ خروج بصنع المصلی، وہ اپنے ارادے سے نماز سے نکل گیا، اپنے ارادے سے۔ جبکہ حدث اور قہقہہ یہ تو نماز کو فاسد کر دیتے ہیں، کیا کر دیتے ہیں؟ تو وہ جز فاسد ہو جائے گا لہٰذا اس صورت میں نماز فاسد ہو گی مسبوق کی اور یہ کلام اور خروج من المسجد کی صورت میں نہیں ہو گی۔ دیکھیے آگے تفصیل بھی آ رہی ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ تَكَلَّمَ أَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ لَمْ تَفْسُدْ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا» اور اگر امام نے کلام کیا یا مسجد سے نکلا تو پھر نماز فاسد نہیں ہو گی مسبوق کی فی قولہم جمیعا، ان سب کے قول میں۔ «لَهُمَا أَنَّ صَلَاةَ الْمُقْتَدِي بِنَاءٌ عَلَى صَلَاةِ الْإِمَامِ جَوَازًا وَفَسَادًا وَلَمْ تَفْسُدْ صَلَاةُ الْإِمَامِ فَكَذَا صَلَاتُهُ» صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کی نماز جو ہے اس کی بنا امام کی نماز پر ہے جواز اور فساد کے اعتبار سے، اور امام کی نماز تو فاسد نہیں ہوئی تو اسی طرح مقتدی کی بھی مقتدی کی بھی نماز ہے «وَصَارَ كَالسَّلَامِ وَالْكَلَامِ» اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسے سلام ہے اور کلام ہے، اور سلام اور کلام کی صورت میں تو بالاتفاق نماز فاسد، مسبوق کی نماز کی بات ہو رہی ہے اور سلام اور کلام کی صورت میں تو امام صاحب بھی فرماتے ہیں کہ مسبوق کی نماز فاسد نہیں۔

■ مسئلہ: وَلَهُ أَنَّ الْقَهْقَهَةَ مُفْسِدَةٌ لِلْجُزْءِ...

«وَلَهُ أَنَّ الْقَهْقَهَةَ مُفْسِدَةٌ لِلْجُزْءِ الَّذِي يُلَاقِيهِ مِنْ صَلَاةِ الْإِمَامِ» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ وہ فاسد کر دینے والا ہے اس جز کو جو ملا ہوا ہے من صلاۃ الامام، امام کی نماز سے۔ یعنی امام کی نماز میں سے نماز کا وہ جز جو اس قہقہے کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ قہقہہ اس جز کو کیا کر دے گا؟ فاسد، کہ قہقہہ جو ہے فاسد کر دینے والا ہے اس جز کو جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے امام کی نماز میں سے «فَيَفْسُدُ مِثْلُهُ مِنْ صَلَاةِ الْمُقْتَدِي» تو فاسد ہو جائے گا اسی کے مثل مقتدی کی نماز میں سے بھی «غَيْرَ أَنَّ الْإِمَامَ لَا يَحْتَاجُ إِلَى الْبِنَاءِ» علاوہ اس کے کہ امام وہ بنا کا محتاج نہیں کیونکہ اس کے فرائض سارے پورے ہو چکے «وَالْمَسْبُوقُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ» اور مسبوق کیا ہے؟ وہ محتاج الیہ ہے، اس کو ضرورت ہے بھائی «وَالْبِنَاءُ عَلَى الْفَاسِدِ فَاسِدٌ» اور فاسد جز پر جو بنا ہو وہ بھی کیا ہو گی؟ فاسد ہو گی «بِخِلَافِ السَّلَامِ لِأَنَّهُ مِنْهُ» بخلاف کس کے؟ سلام کے، کیونکہ وہ وہ نماز کو پورا کرنے والا ہے «وَالْكَلَامُ فِي مَعْنَاهُ» اور کلام بھی اسی کے معنی میں ہے کیونکہ سلام بھی کلام کی طرح ہے نا، «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ» تو دیکھو تم، تم پر سلامتی ہو، خطاب ہو رہا ہے یا نہیں؟ تو دائیں اور بائیں والے لوگوں کو خطاب ہو رہا ہے تو یہ بھی کلام کی طرح ہے۔ اسی لیے کہا «وَالْكَلَامُ فِي مَعْنَاهُ» اور کلام بھی سلام کے معنی ہی میں ہے۔

«وَيَنْتَقِضُ وُضُوءُ الْإِمَامِ لِوُجُودِ الْقَهْقَهَةِ فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ» اور ٹوٹ جائے گا امام کا وضو قہقہہ پائے جانے کی وجہ سے حرمتِ صلاۃ کے اندر، حرمتِ صلاۃ۔ ہاں، امام کی نماز تو پوری ہو گئی لیکن وضو اس کا ٹوٹ جائے گا کیونکہ قہقہہ اگر نماز کے اندر لگایا جائے تو اس سے نماز کے بیچ میں ہو تو نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے اور وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، لیکن یہاں سارے فرائض چونکہ پورے ہو چکے تو لہٰذا نماز تو پوری ہو جائے گی اور وضو کیا ہے؟ ٹوٹ جائے گا اس کا بھائی، وضو ٹوٹ جائے گا۔ چلیے بس بھائی، ہذا ہو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۶۰: مسئلہ: وَمَنْ أَحْدَثَ فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ تَوَ...

ہدایہ صفحہ: ۱۳۵ — بتاریخ: ۹ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَمَنْ أَحْدَثَ فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ تَوَضَّأَ وَبَنَى وَلَا يُعْتَدُّ بِالَّتِي أَحْدَثَ فِيهَا لِأَنَّ إِتْمَامَ الرُّكْنِ بِالِانْتِقَالِ وَمَعَ الْحَدَثِ لَا يَتَحَقَّقُ فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِعَادَةِ، وَلَوْ كَانَ إِمَامًا فَقَدَّمَ غَيْرَهُ دَامَ الْمُقَدَّمُ عَلَى الرُّكُوعِ». [1]

«**وَمَنْ أَحْدَثَ فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ تَوَضَّأَ وَبَنَى**»، یہاں سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ جس شخص کو حدث لاحق ہوا نماز میں اور پھر وہ جا کر وضو کرتا ہے اور اسی نماز پر بنا کرتا ہے تو جس رکن کے اندر وضو ٹوٹا تھا اس کو شمار نہیں کرے گا، آ کر پھر اس کو دوبارہ ادا کرے۔ اگر سجدے میں وضو ٹوٹا تھا تو اس سجدے کو شمار نہیں کرنا بلکہ آ کر دوبارہ اس سجدے کو کرنا ہے۔ اگر رکوع میں وضو ٹوٹا تھا تو اس رکوع کو شمار نہیں کرنا بلکہ آ کر دوبارہ اس رکوع کو کرے، ادا کرے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ أَحْدَثَ فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ تَوَضَّأَ وَبَنَى**»، اور جس شخص کو حدث پیش آ جائے اس کے رکوع میں یا اس کے سجدے میں تو وہ وضو کرے اور بنا کرے، «**وَلَا يُعْتَدُّ بِالَّتِي أَحْدَثَ فِيهَا**»، اور شمار نہ کرے اس رکن کو جس کے اندر حدث لاحق ہوا ہے۔ بھئی اس کو کیوں نہیں شمار کرنا؟ دوبارہ اس کو کیوں کرنا ہے؟ آگے اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ بھئی دیکھیے، رکن مکمل تب ہو گا جب انسان اس سے منتقل ہو جائے اور یہ منتقل ہونا بھی پاکی کی حالت میں ہو، اور یہاں پر تو اس رکن کے بیچ میں ہی وضو ٹوٹ گیا ہے، اس میں منتقل ہونا پاکی کے ساتھ نہیں پایا گیا، لہٰذا وہ رکن بھی مکمل نہیں ہوا بھئی۔

کہتے ہیں: «**لِأَنَّ إِتْمَامَ الرُّكْنِ بِالِانْتِقَالِ**»، اس لیے کیونکہ رکن کو پورا کرنا وہ اس سے منتقل ہونے سے ہو گا، «**وَمَعَ الْحَدَثِ لَا يَتَحَقَّقُ**»، اور حدث کے ساتھ تو یہ نہیں پایا جائے گا، یعنی انتقال نہیں پایا جائے گا یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں، «**فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِعَادَةِ**»، تو ضروری ہے اعادہ کرنا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ كَانَ إِمَامًا فَقَدَّمَ غَيْرَهُ دَامَ الْ...

«**وَلَوْ كَانَ إِمَامًا فَقَدَّمَ غَيْرَهُ دَامَ الْمُقَدَّمُ عَلَى الرُّكُوعِ**»، یہاں سے مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ اگر امام جو ہے اس کو حدث لاحق ہوا ہے اور مثلاً رکوع میں حدث لاحق ہوا ہے تو وہ خلیفہ بناتا ہے دوسرے کو، اور آپ نے مسئلہ پڑھ لیا کہ جیسے ہی حدث لاحق ہو فوراً پلٹے انسان بھئی۔ اگر کچھ دیر بھی اس نے کر دی تو اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد۔ تو رکوع میں امام کو حدث لاحق ہوا وہ فوراً پلٹا اور جس کو وہ خلیفہ بنا رہا ہے وہ رکوع میں ہے تو وہ اس کو رکوع ہی میں رہنا چاہیے، اسی طرح رکوع کی حالت میں آگے بڑھ جائے، کیونکہ رکوع تاکہ وہ رکوع پورا کروا دے، اور رکوع کی حالت میں برقرار رہتے ہوئے وہ کیا کر سکتا ہے؟ رکوع پورا کروا سکتا ہے، لہٰذا اسی حالت میں رہے بھئی جو جس کو آگے کیا امام نے۔

تو کہتے ہیں: «**وَلَوْ كَانَ إِمَامًا**»، اور اگر یہ وہ شخص امام تھا یعنی جس کو حدث لاحق ہوا ہے، «**فَقَدَّمَ غَيْرَهُ**»، تو اس نے دوسرے کو مقدم کر دیا، «**دَامَ الْمُقَدَّمُ عَلَى الرُّكُوعِ**»، تو دائم رہے یعنی مسلسل رہے آگے وہ شخص جس کو آگے کیا گیا رکوع پر ہی، «**لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْإِتْمَامُ بِالِاسْتِدَامَةِ**»، اس لیے کیونکہ اس کے لیے ممکن ہے رکوع پورا کروانا برقرار رہتے ہوئے بھئی۔ استدامت کا معنی ہے برقرار رہنا کسی چیز پر، تو وہ برقرار رہتے ہوئے یعنی رکوع پر ہی برقرار رہتے ہوئے اس کو پورا کروا سکتا ہے۔

[1] شاملہ (ص ۶۶) میں «**إِمَامًا**» کے بجائے «**إمام**» درج ہے۔

«وَلَوْ تَذَكَّرَ وَهُوَ رَاكِعٌ أَوْ سَاجِدٌ أَنَّ عَلَيْهِ سَجْدَةً»، یہاں سے مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں کہ ایک شخص ہے وہ نماز ادا کر رہا ہے، مثلاً رکوع میں ہے یا سجدے میں ہے، تو اس کو یاد آیا کہ اس کے ذمے مثلاً ایک سجدہ باقی ہے۔ پچھلی رکعت میں مثلاً اس نے ایک ہی سجدہ کیا تھا اور ایک سجدہ رہ گیا تھا، یا اس کے ذمے تلاوت کا سجدہ باقی ہے، تو وہ اسی رکوع سے سجدے میں چلا گیا، یا سجدے میں تھا اس کو یاد آیا کہ میرے ذمے پچھلا ایک سجدہ باقی ہے تو وہ اسی سجدے سے سر اٹھاتا ہے اور پھر فوراً کیا کر لیتا ہے؟ وہ والا سجدہ ادا کر لیتا ہے۔ تو اس صورت میں اس کے لیے افضل یہ ہے اس رکوع اور اس سجدے کا اعادہ کرے، جس کے جس میں اس کو یاد آیا تھا اور جس سے اس نے پھر اگلا سجدہ فوراً کر لیا۔ اور صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے افضل یہ ہے کہ اس رکوع اور سجدے کا اعادہ کر لے، اگر اس کا اعادہ نہیں کرتا تو تو بھی جائز ہے، کیونکہ ترتیب جو ہے افعالِ صلاۃ میں یہ شرط نہیں۔ افعالِ صلاۃ کے اندر ترتیب شرط نہیں ہے۔

کہتے ہیں: «وَلَوْ تَذَكَّرَ»، اور اگر اس نماز پڑھنے والے کو یاد آیا، «وَهُوَ رَاكِعٌ أَوْ سَاجِدٌ»، اس حال میں کہ وہ رکوع کر رہا تھا یا سجدہ کر رہا تھا، کیا یاد آیا؟ «أَنَّ عَلَيْهِ سَجْدَةً»، کہ اس کے اس کے ذمے ایک سجدہ باقی ہے، «فَانْحَطَّ مِنْ رُكُوعِهِ لَهَا»، تو وہ جھک گیا رکوع سے ہی اس سجدے کے لیے، رکوع سے سیدھا کدھر چلا گیا؟ سجدے میں چلا گیا، پھر قومہ کیا ہی نہیں، «أَوْ رَفَعَ رَأْسَهُ»، یا اس کو کس وقت یاد آیا تھا؟ سجدے میں، «وَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ سُجُودِهِ فَسَجَدَهَا»، اور اس نے سر اٹھایا اپنے سجدے سے، تو پھر وہ جو سجدہ باقی تھا اس سجدے کو کر لیا، «يُعِيدُ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ»، تو اعادہ کرے اس رکوع اور سجدے کا جس میں اس کو یاد آیا اور جس سے جس رکوع سے وہ سیدھا کہاں چلا گیا تھا؟ سجدے، اس رکوع کا اعادہ کرے، یا جس سجدے سے میں یاد آیا تھا اور اس سے فوراً اٹھ کر اس نے وہ گزشتہ سجدہ کیا، تو اس رکوع اور سجدے کا اعادہ کرے۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں: «وَهَذَا بَيَانُ الْأَوْلَى»، یہ اولیٰ کا بیان ہے کہ بہتر یہ ہے، «لِتَقَعَ الْأَفْعَالُ مُرَتَّبَةً»، تاکہ نماز کے افعال مرتب ہو جائیں، ترتیب سے واقع ہو جائیں، «بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ»، جس قدر ممکن ہو سکے۔ «وَإِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ»، اور اگر اس نے اس رکوع اور سجدے کا اعادہ نہیں کیا تو بھی یہ اس کے لیے کافی ہے، «لِأَنَّ التَّرْتِيبَ فِي أَفْعَالِ الصَّلَاةِ لَيْسَ بِشَرْطٍ»، اس لیے کیونکہ نماز کے افعال میں ترتیب شرط نہیں ہے۔ نماز کے افعال میں ترتیب شرط نہیں۔ بھئی آپ خود بھی دیکھتے ہیں: امام نماز شروع کروا دیتا ہے، ایک رکعت گزر گئی پھر آکر آپ شامل ہوتے ہیں، پھر آکر شامل ہوتے ہیں۔ اب جب امام سلام پھیرتا ہے چار رکعتیں پوری کروا دیں، آپ کی ایک رکعت باقی ہے آپ پھر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور جب پھر جب کھڑے ہوتے ہیں آپ سورۂ فاتحہ بھی پڑھتے ہیں اور ساتھ اس کے سورت بھی ملاتے ہیں، کیونکہ یہ وہ پہلی رکعت آپ کی باقی تھی اس کو اب آپ پڑھ رہے ہیں، حالانکہ یہ رکعت تو پہلی تھی اور آپ سب سے آخر میں اس کو ادا کر رہے ہیں، لیکن نماز آپ کی ٹھیک ہے، معلوم ہوا نماز کے افعال میں ترتیب شرط نہیں، تو دیکھو پہلی رکعت آخر میں ادا ہو رہی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو معلوم ہوا نماز کے افعال میں ترتیب شرط نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الِانْتِقَالَ مَعَ الطَّهَارَةِ شَرْطٌ و...

«وَلِأَنَّ الِانْتِقَالَ مَعَ الطَّهَارَةِ شَرْطٌ وَقَدْ وُجِدَ»، یہاں سے وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ ہم نے کہا افضل یہ ہے اس رکوع اور سجدے کا اعادہ کرے، اگر اعادہ نہیں بھی کرے گا پھر بھی جائز ہے، یہ کافی ہو جائے گا۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ رکوع اور سجدہ ادا ہو چکے، پورے ہو چکے، کیونکہ کوئی رکن پورا کس طرح ہوتا ہے؟ جب اس سے انسان منتقل ہو جائے دوسرے رکن کی طرف، اور کس حالت میں منتقل ہو؟ پاکی کی حالت میں، اور یہاں پر بھی اس رکوع اور سجدے سے وہ منتقل ہوا تھا، رکوع سے سیدھا کدھر چلا گیا تھا؟ سجدے، تو دیکھو انتقال پایا گیا اور کس حالت میں؟ پاکی کی حالت میں۔ یا اسی طرح سجدے میں اس کو یاد آیا تھا اور اس سجدے سے فوراً اٹھا تھا اور پھر اگلا سجدہ کیا تھا، تو وہ جو سجدے سے اٹھا اور انتقال پایا گیا وہ بھی کس حالت میں تھا؟ پاکی کی حالت میں، تو وہ رکن مکمل ہو چکے ہیں، لہٰذا اعادہ نہ بھی کرے تو درست ہے۔

«وَلِأَنَّ الِانْتِقَالَ مَعَ الطَّهَارَةِ شَرْطٌ وَقَدْ وُجِدَ»، اور اس لیے کہ منتقل ہونا طہارت کے ساتھ یہ شرط ہے اور تحقیق یہ پایا گیا ہے۔ «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے، «أَنَّهُ يَلْزَمُهُ إِعَادَةُ الرُّكُوعِ»، کہ اس شخص پر رکوع کا اعادہ لازم ہے، بھئی کیوں؟ لازم کیوں؟ کہتے ہیں دلیل یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: «لِأَنَّ الْقَوْمَةَ فَرْضٌ عِنْدَهُ»، اس لیے کیونکہ قومہ یعنی رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہونا یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے، یہ کیا ہے؟ فرض۔ اور قومہ کس کو کہتے تھے؟ جو رکوع کے بعد انسان سیدھا کھڑا ہوتا تھا، تو لہٰذا وہ فرماتے ہیں پھر دوبارہ رکوع کرے اور پھر رکوع سے سیدھا کھڑا ہو تاکہ قومے کا فرض بھی ادا ہو جائے۔

«وَمَنْ أَمَّ رَجُلًا وَاحِدًا فَأَحْدَثَ وَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ»، تو یہاں یہ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں کہ ایک شخص ہے وہ امام ہے اور ایک شخص کو نماز پڑھا رہا ہے، یعنی مقتدی ایک شخص ہے، مقتدی ایک شخص ہے۔ تو اب اس امام کو حدث لاحق ہوا اور یہ مسجد سے نکل گیا، تو وہ جو مقتدی ہے وہ خود بخود امام بن جائے گا، وہ جو اکیلا رہ گیا ہے وہ خود بخود کیا بن جائے گا؟ امام بن جائے گا، چاہے اس امام نے اس کو خلیفہ بنانے کی نیت کی ہو یا نیت نہ کی ہو بھئی، وہ خود بخود امام بن جائے گا۔ بھئی کیوں؟ وہ خود بخود امام کیوں بنے گا؟ کہتے ہیں بھئی اس نے جو مقتدی تھا اس نے اپنی اکیلی نماز شروع کی تھی یا اقتداء میں نماز شروع کی تھی؟ اقتداء میں نماز شروع کی تھی، تو اس کے لیے امام کا

ہونا ضروری ہے ورنہ اس کی نماز ہی فاسد ہو جائے گی، اور اب یہاں اور تو کوئی امام نہیں لہٰذا وہ خود ہی کیا بن جائے گا؟ امام بن جائے گا تاکہ اس کی نماز بچ جائے بھئی۔

یہ معنی ہے: «وَمَنْ أَمَّ رَجُلًا وَاحِدًا»، اور جس نے امامت کی ایک ہی آدمی کی، «فَأَحْدَثَ»، تو امام کو حدث لاحق ہوا، «وَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ»، اور وہ مسجد سے نکل گیا، «فَالْمَأْمُومُ إِمَامٌ نَوَى أَوْ لَمْ يَنْوِ»، تو وہ مقتدی امام ہو گا نَوَى أَوْ لَمْ يَنْوِ، اس امام نے جس کو حدث لاحق ہوا ہے اس نے اس کے امام بنانے کی نیت کی ہو یا نیت نہ کی ہو وہ خود بخود امام بن جائے گا، «لِمَا فِيهِ مِنْ صِيَانَةِ الصَّلَاةِ»، اس لیے کیونکہ اس کے اندر اس کی نماز کی حفاظت ہے۔

■ مسئلہ: وَتَعْيِينُ الْأَوَّلِ لِقَطْعِ الْمُزَاحَمَةِ وَل...

«وَتَعْيِينُ الْأَوَّلِ لِقَطْعِ الْمُزَاحَمَةِ وَلَامُزَاحَمَةَ»، بھئی اس ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں، اشکال یہ کہ گزشتہ مسائل میں آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ امام کسی کو خلیفہ بنائے گا تو وہ خلیفہ بنے گا، لہٰذا امام کو حدث لاحق ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟ کسی کو آگے کر دے، اس کو خلیفہ بنا دے۔ کہتے ہیں بھئی وہاں پر چونکہ لوگ زیادہ تھے تو تعین ضروری تھی، کیا ضروری تھی؟ تعین، تو وہاں ہر ایک کو تو امام نہیں قرار دیا جا سکتا، امام تو ایک بنے گا، تو وہاں مقابل موجود تھے اس لیے وہاں تعین ضروری تھی، اور یہاں تو کوئی اور مقتدی ہے ہی نہیں، مقابل کوئی ہے ہی نہیں، لہٰذا یہ خود ہی کیا ہو جائے گا؟ امام بن جائے گا۔

یہ معنی ہے: «وَتَعْيِينُ الْأَوَّلِ لِقَطْعِ الْمُزَاحَمَةِ»، اور پہلے کا متعین کرنا وہ مزاحمت یعنی مزاحم ہونے کا، مزاحمت یعنی مقابل ہونا، وہ مزاحمت کو یعنی مقابل ہونے کو ختم کرنے کے لیے تھا، «وَلَا مُزَاحَمَةَ»، اور یہاں پر تو کوئی مزاحمت نہیں یعنی کوئی مقابل نہیں ہے۔

«وَيُتِمُّ الْأَوَّلُ صَلَاتَهُ مُقْتَدِيًا بِهِ»، اچھا پھر یہ جو امام جس کو حدث لاحق ہوا اور اس کے پیچھے ایک ہی مقتدی تھا تو وہ مقتدی خود بخود کیا بن گیا؟ امام، اور یہ امام گیا وضو کر کے آیا، تو یہ اب آ کر پھر امام نہیں بنے گا بلکہ اگر یہ بنا کرنا چاہتا ہے تو اسی شخص کی کیا کرے گا؟ اقتداء کر لے گا، اب وہ امام بن جائے گا اور یہ اس کا مقتدی بن جائے گا۔ یہ معنی ہے: «وَيُتِمُّ الْأَوَّلُ صَلَاتَهُ مُقْتَدِيًا بِالثَّانِي»، اور پہلا شخص یعنی جس کا وضو ٹوٹا تھا وہ پوری کرے گا اپنی نماز دوسرے کی اقتداء کرتے ہوئے، «كَمَا إِذَا اسْتَخْلَفَهُ حَقِيقَةً»، جیسے کہ اس نے اس کو حقیقتاً خلیفہ بنایا ہو، اگرچہ حقیقتاً تو نہیں بنایا لیکن اسی طرح ہو گا جیسے اس نے اس کو حقیقتاً خلیفہ بنایا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ لَمْ يَكُنْ خَلْفَهُ إِلَّا صَبِيٌّ أَوْ ام...

«وَلَوْ لَمْ يَكُنْ خَلْفَهُ إِلَّا صَبِيٌّ أَوِ امْرَأَةٌ قِيلَ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ»، بھئی اگر امام کے پیچھے عورت تھی اقتداء کرنے والی، صرف ایک ہی عورت ہے، یا امام کے پیچھے اقتداء کرنے والا بچہ ہے۔ مثلاً گھر میں نماز پڑھنا چاہتا تھا نماز کا وقت ہوا تو بیوی کے ساتھ بیوی پچھلی صف میں کھڑی ہو گئی اور امام یہ خاوند کیا بن گیا؟ امام بن گیا، اور پھر یا دوسری صورت بچہ ہے اس کا بیٹا ہے اس کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، تو اب امام کا وضو ٹوٹ گیا، امام کا وضو ٹوٹ گیا۔ تو اس صورت میں گزشتہ مسئلے میں جیسے ذکر ہوا تھا کہ جو مقتدی ہے وہ کیا بن جاتا ہے؟ امام بن جاتا ہے، تو اس میں ایک روایت یہ ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد، اس امام کی، یہ بنا نہیں کر سکتا بھئی، بنا نہیں کر سکتا۔ بھئی کیوں نہیں بنا کر سکتا؟ کیوں فاسد ہو جائے گی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس نے ایسے شخص کو خلیفہ بنا دیا جس میں امامت کی صلاحیت ہی نہیں، یعنی عورت اور وہ بچہ ان میں امامت کی صلاحیت ہی نہیں، ان کو امام بنا دیا تو اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد، یہ اس پر بنا نہیں کر سکتا، اس کو نئے سرے سے نماز پڑھنا پڑے گی۔

جبکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، یہ بعد میں آ کر بنا کرنا چاہے تو بنا کر سکتا ہے، اس لیے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر اس کو اپنا خلیفہ یا نائب ارادے کے ساتھ نہیں بنایا، ارادے کے ساتھ نہیں بنایا۔

«وَلَوْ لَمْ يَكُنْ خَلْفَهُ إِلَّا صَبِيٌّ أَوِامْرَأَةٌ»، اور اگر نہ ہوا اس امام کے پیچھے مگر کوئی بچہ «أَوِ امْرَأَةٌ»، یا کوئی عورت، «قِيلَ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ»، تو کہا گیا اس امام کی نماز فاسد ہو جائے گی، «لِاسْتِخْلَافِ مَنْ لَا يَصْلُحُ لِلْإِمَامَةِ»، اس وجہ سے کہ خلیفہ بنانا ہے اس میں ویسے شخص کو جو صلاحیت نہیں رکھتا امام ہونے کی، «وَقِيلَ لَا تَفْسُدُ»، اور کہا گیا ہے کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، «لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِ الِاسْتِخْلَافُ قَصْدًا»، اس لیے کیونکہ اس کی طرف سے خلیفہ بنانا نہیں پایا گیا قصداً، بالارادہ اس کی طرف سے خلیفہ بنانا نہیں پایا گیا، «وَهُوَ لَا يَصْلُحُ لِلْإِمَامَةِ»، اس حال میں کہ وہ امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا، «وَاللهُ أَعْلَمُ»، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

■ مسئلہ: بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا

«بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا»، «مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ»، وہ چیز جو نماز کو فاسد کر دے، «وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا»، اور وہ چیز جو نماز میں مکروہ

ہے۔ تو کہتے ہیں: «بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا»، یہ باب ہے ان چیزوں کے بیان میں جو نماز کو فاسد کر دیتی ہیں اور ان چیزوں کے بیان میں جو نماز کے اندر مکروہ ہیں۔

«وَمَنْ تَكَلَّمَ فِي صَلَاتِهِ عَامِدًا أَوْ سَاهِيًا بَطَلَتْ صَلَاتُهُ»، اور جس شخص نے کلام کیا اپنی نماز میں عامداً جان بوجھ کر «أَوْ سَاهِيًا»، یا بھول کر، «بَطَلَتْ صَلَاتُهُ»، تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ نماز میں کوئی شخص کلام کر لے چاہے جان بوجھ کر کلام کرے چاہے بھولے سے کلام کرے، دونوں صورتوں میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی بھئی۔

«خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً فِي الْخَطَإِ وَالنِّسْيَانِ»، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے خطا اور نسیان میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر غلطی سے کلام کر لے یا بھولے سے کوئی کلام کر لے تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، «وَمَفْزَعُهُ الْحَدِيثُ الْمَعْرُوفُ»، اور ان کی جائے پناہ، مفزع کسے کہتے ہیں؟ جائے پناہ، اور ان کی جائے پناہ مشہور حدیث ہے، اور جائے پناہ یعنی ان کی دلیل جو ہے، ان کی دلیل کیا ہے؟ معروف حدیث ہے جو حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ»، میری امت سے خطا اور نسیان کو اٹھا لیا گیا ہے، خطا اور نسیان کو اٹھا لیا گیا ہے۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں خطا اور نسیان کے اٹھانے کا معنی یہ ہے کہ دنیا کے اندر جو فعل کر رہا ہے وہ فاسد نہیں ہو گا، کیونکہ جب اٹھا معاف کر دیا گیا ہے تو یہ کس اعتبار سے؟ صحیح اور فساد کے اعتبار سے ہے یعنی وہ عمل فاسد نہیں، اور آخرت کے اعتبار سے کہ آخرت میں اس پر اس کا مواخذہ بھی نہیں ہو گا، جبکہ عند الاحناف اس میں آخرت کا صرف آخرت مراد ہے کہ آخرت میں گناہ یعنی نہیں ہو گا اور اس کا مواخذہ نہیں ہو گا، باقی دنیاوی حکم مرتب ہو گا اور وہ عمل کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا»، اور ہماری دلیل جو ہے، «قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «إِنَّ صَلَاتَنَا هَذِهِ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ وَإِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ»، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بے شک ہماری یہ جو نماز ہے یہ صلاحیت نہیں رکھتی لوگوں کے کلام میں سے کسی چیز کی، یعنی لوگوں میں سے کلام کی یہ صلاحیت نہیں رکھتی، اس کے لائق نہیں ہے، وہ اس میں نہیں کیا جا سکتا، «وَإِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ»، یہ تو تسبیح، تہلیل اور قرأتِ قرآن ہی ہے بھئی۔ نماز تو کیا ہے کس پر مشتمل ہے؟ تسبیح، تہلیل اور قرأت۔ تسبیح کا معنی سبحان اللہ کہنا اور تہلیل کا معنی لا الہ الا اللہ کہنا، تو یہ تو تسبیح، تہلیل اور قرأتِ قرآن ہی ہے۔

یہ آپ کے حاشیے میں یہ حدیث مفصل دی ہوئی ہے، حضرت معاویہ ابن الحکم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، تو نماز کے اندر ایک وہ چھینک آئی بھئی ایک شخص کو، جب وہ چھینکا تو میں نے کہا: «يَرْحَمُكَ اللهُ»، تو لوگ مجھے سخت نظروں سے گھورنے لگے، تو میں پھر بولا کہ اس کی ماں اس کو گم پائے، کیا ہوا تم لوگ مجھے اس طرح دیکھ رہے ہو؟ تو وہ تو بعض صحابہ نے کہتے ہیں پھر اپنے رانوں پر زور سے ہاتھ مارا، تو میں سمجھ گیا کہ یہ مجھے خاموش کروانا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، خاموش ہو گیا۔ پھر جو ہے جب نماز ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ہیں وہ جب انہوں نے نماز سے وہ فارغ ہو گئے تو ان پر میرے ماں باپ قربان ہوں، میں نے ان سے زیادہ بہتر سکھانے والا کسی کو نہیں دیکھا، تو خدا کی قسم نہ تو وہ مجھے غصے ہوئے نہ انہوں نے مجھے مارا اور نہ مجھے برا بھلا کہا، اور یہ فرمایا حضور علیہ السلام نے کہ ہماری نماز اس میں لوگوں کے اس میں کلام الناس کی گنجائش نہیں ہے، اس کی یہ صلاحیت نہیں رکھتی، یہ تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرأتِ قرآن ہی ہے بھئی۔

تو یہ ہماری حدیث ہے، معلوم ہوا نماز میں کلام کی گنجائش نہیں ہے، کلام کیا جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ آگے صاحبِ ہدایہ جواب بھی دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جو انہوں نے حدیث ذکر کی تھی: «وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى رَفْعِ الْإِثْمِ»، اور وہ حدیث جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ محمول ہے گناہ کے اٹھنے پر، یعنی اس کا تعلق آخرت سے ہے یعنی آخرت میں مواخذہ نہیں ہو گا اس کا یعنی اس کا گناہ نہیں کوئی۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ السَّلَامِ سَاهِيًا

«بِخِلَافِ السَّلَامِ سَاهِيًا»، یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں بھئی، اعتراض کا۔ شوافع کی طرف سے ایک اعتراض ہوتا ہے احناف پر کہ اے احناف! ہم نے کہا تھا کہ بھولے سے کوئی کلام کر لے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی اور تم نے کیا کہا کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، جبکہ کوئی سلام کرے تو آپ کہتے ہیں کہ کوئی اگر بھولے سے سلام کر لے تو نماز فاسد نہیں ہو گی، اور ارادے کے ساتھ سلام کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی، تو دیکھو یہاں تم نے بھی کیا کیا؟ جان بوجھ کر سلام کرنے میں اور بھولے سے سلام کرنے میں فرق کیا، تو اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ دیکھیے سلام جو ہے، سلام میں دو حالتیں ہیں: من وجہ یہ ذکر ہے اور من وجہ یہ کلام ہے۔ یہ ذکر ہے، نماز کے اذکار میں سے ہے، تشہد کے اندر بھی ہم سلام پڑھتے ہیں: «السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ»، اور «السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ

اللهِ الصَّالِحِينَ»، تو اور اسی طرح نماز کا اختتام بھی کس پر ہوتا ہے؟ سلام، تو یہ نماز کے اذکار میں سے ہے من وجہ، اور من وجہ یہ کلام بھی ہے، «**السَّلَامُ عَلَيْكَ**» یا «**السَّلَامُ عَلَيْكُمْ**»، دیکھو آخر میں مخاطب کی ضمیر آرہی ہے تو یہ کلام بھی ہے۔ تو لہٰذا اگر بھولے سے کوئی کر دے گا سلام تو ہم نے اس کے ذکر ہونے کا اعتبار کیا اور تو یہ نماز کے اذکار میں سے ہے اور نماز کے اذکار نماز میں ان سے تو نماز پر اثر نہیں، وہ تو ہوتے ہی نماز کے اندر ہیں، اور جب اگر جان بوجھ کر ارادے کے ساتھ سلام کرے تو ہم نے اس کے کلام ہونے کا اعتبار کیا اور نماز میں کلام کیا جائے تو نماز کیا ہوتی ہے؟ فاسد ہو جاتی ہے۔

یہ معنی ہے: «**بِخِلَافِ السَّلَامِ سَاهِيًا**»، بخلاف سلام کے بھول کر، «**لِأَنَّهُ مِنَ الْأَذْكَارِ**»، اس لیے کیونکہ سلام جو ہے ذکروں میں سے ہے، «**فَيُعْتَبَرُ ذِكْرًا فِي حَالَةِ النِّسْيَانِ**»، تو اس کو ذکر شمار کیا جائے گا بھولنے کی حالت میں، «**وَكَلَامًا فِي حَالَةِ التَّعَمُّدِ**»، اور اس کو کلام اعتبار کیا جائے گا، کلام شمار کیا جائے گا جان بوجھ کر کرنے کی حالت میں، «**لِمَا فِيهِ مِنْ كَافِ الْخِطَابِ**»، اس وجہ سے کہ اس کے اندر کافِ خطاب ہے یعنی مخاطب کی ضمیر ہے، «**السَّلَامُ عَلَيْكَ**»، تم پر کیا ہو؟ سلام، تو یہ کلام ہے۔

«**فَإِنْ أَنَّ فِيهَا أَوْ تَأَوَّهَ أَوْ بَكَى فَارْتَفَعَ بُكَاؤُهُ فَإِنْ كَانَ مِنْ ذِكْرِ الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ لَمْ يَقْطَعْهَا لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْخُشُوعِ وَإِنْ كَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ قَطَعَهَا**»، بھئی یاد رکھیے، نماز کے اندر اگر کوئی شخص کراہتا ہے اور روتا ہے، اور اس کراہنے اور رونے سے حروف پیدا ہو جاتے ہیں، حروف بن جاتے ہیں، تو اس صورت میں اگر وہ جنت یا جہنم کے ذکر پر رویا ہے اور کراہا ہے اور اس سے حروف بنے ہیں تو اس صورت میں نماز نہیں ٹوٹے گی، اور اگر وہ کسی درد یا تکلیف یا مصیبت کی وجہ سے رویا ہے اور یہ حروف بن گئے اور حروف ادا ہو گئے تو اس صورت میں نماز ٹوٹ جائے گی بھئی، یہ کلام کی طرح ہو گیا اور کلام سے تو کیا ہوتی ہے؟ نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

تو یہی ذکر کر رہے ہیں: «**فَإِنْ أَنَّ فِيهَا أَوْتَأَوَّهَ**»، انین اور تاوہ کے معنی کراہنے کے ہوتے ہیں، کیا معنی ہے؟ کراہنا بھئی کراہنا۔ اور بعضوں نے فرق کیا اور کہا کہ انین جو ہے آہ کرنے کو کہتے ہیں، آہ آہ کرنا، اور تاوہ کہتے ہیں اوہ اوہ کرنا بھئی، دونوں میں یہ فرق ہے۔ «**فَإِنْ أَنَّ فِيهَا أَوْتَأَوَّهَ**»، اگر نماز پڑھنے والے نے نماز میں آہ کیا یا اوہ کیا، «**أَوْ بَكَى**»، یا وہ رویا، «**فَارْتَفَعَ بُكَاؤُهُ**»، تو اس کا رونا اونچا ہو گیا یعنی اس سے حروف بن گئے مراد یہ ہے، «**فَإِنْ كَانَ مِنْ ذِكْرِ الْجَنَّةِ أَوِالنَّارِ**»، تو اگر یہ رونا جو ہے یا یہ کراہنا جو ہے جنت یا جہنم کے ذکر کی وجہ سے تھا، «**لَمْ يَقْطَعْهَا**»، تو یہ اس کی نماز کو نہیں توڑے گا، «**لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْخُشُوعِ**»، اس لیے کیونکہ یہ تو خشوع کی زیادتی پر دلالت کر رہے ہیں، اور خشوع تو نماز کے اندر مطلوب اور مقصود ہے بھئی، کہ زیادہ سے زیادہ عاجزی کی جائے اللہ کے سامنے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ قَطَعَهَا

«**وَإِنْ كَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ قَطَعَهَا**»، اور اگر یہ کراہنا یا یہ رونا جو ہے یہ درد کی وجہ سے تھا تکلیف کی وجہ سے تھا، «**أَوْ مُصِيبَةٍ**»، یا مصیبت کی وجہ سے تھا، «**قَطَعَهَا**»، تو یہ اس کی نماز کو توڑ دے گا، «**لِأَنَّ فِيهِ إِظْهَارَ الْجَزَعِ وَالتَّأَسُّفِ**»، اس لیے کیونکہ اس کے اندر جزع، جزع کا معنی ہے تکلیف بھئی، اور تأسف کا معنی افسوس کرنا اور جزع کا معنی تکلیف، اس لیے کیونکہ اس کے اندر تکلیف اور افسوس کا اظہار ہے، «**فَكَانَ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ**»، تو یہ کس میں سے ہو جائے گا؟ کلام الناس میں سے ہو جائے گا۔

اور یہ بات آپ پہلے پڑھ چکے ہیں بھئی کہ اگر نماز کے اندر جنت کا ذکر آئے تو اللہ سے جنت کا سوال کیا جا سکتا ہے، اگر نماز کے اندر جہنم کا ذکر آئے تو نماز کے اندر ہی انسان جہنم سے پناہ مانگ سکتا ہے، اللہ سے دعا کر سکتا ہے۔ تو لہٰذا جب ان کا سوال جائز ہے تو ان کی وجہ سے رویا اور حروف بن گئے تو اس سے بھی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، جب باقاعدہ ان کا سوال کرے یا جہنم سے پناہ مانگے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی تو ان کی وجہ سے رونے سے بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اور نماز میں جیسے کلام کی وجہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو اسی طرح اگر غم اور تکلیف کی وجہ سے کراہا اور حروف ہو گئے تو اس صورت میں بھی نماز ٹوٹ جائے گی کیونکہ یہ کلام ہوا بھئی، اور کلام سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

«**وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ**»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے، «**أَنَّ قَوْلَهُ آهْ لَمْ يُفْسِدْ فِي الْحَالَيْنِ وَأُوهْ يُفْسِدُ**»، امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نمازی کا آہ کہنا، «**لَمْ يُفْسِدْ فِي الْحَالَيْنِ**»، یہ نماز کو فاسد نہیں کرے گا دونوں حالتوں میں، یعنی چاہے یہ خشوع کی وجہ سے ہو چاہے تکلیف کی وجہ سے ہو، «**وَأُوهْ يُفْسِدُ**»، اور اوہ کیا کرے گا؟ فاسد کر دے گا بھئی۔

■ مسئلہ: وَقِيلَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ أَنَّ الْكَلِمَةَ إِذَا...

«**وَقِيلَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ أَنَّ الْكَلِمَةَ إِذَا اشْتَمَلَتْ عَلَى حَرْفَيْنِ وَهُمَا زَائِدَتَانِ أَوْ إِحْدَاهُمَا لَا تُفْسِدُ وَإِنْ كَانَتَا أَصْلِيَّتَيْنِ تُفْسِدُ وَحُرُوفُ الزَّوَائِدِ جَمَعُوهَا فِي قَوْلِهِمُ الْيَوْمَ تَنْسَاهُ**»، بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ بعض حروف کلامِ عرب میں زائد آتے ہیں، کچھ حروفِ اصلیہ ہیں اور کچھ حروف کیا آتے ہیں؟ زائد استعمال۔ تو جو حروف زائد استعمال ہوتے ہیں ان کو اس جملے میں جمع کیا گیا ہے: «**الْيَوْمَ تَنْسَاهُ**»، «**الْيَوْمَ تَنْسَاهُ**»، تو اس سے پورا جملہ

سبق نمبر ۶۰: مسئلہ: وَمَنْ أَحْدَثَ فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ تو...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

بنالیا گیا ویسے تاکہ یاد رہے بھئی۔ اس میں دیکھیے شروع میں الیوم ہمزہ آیا پھر لام ہے پھر یا ہے پھر واؤ ہے پھر میم ہے، آگے ہے تنساہ تا ہے نون ہے سین ہے الف ہے اور ہا ہے۔ تو یہ جو دس حروف ہیں یہ کلامِ عرب میں جب بھی زائد حروف آئیں گے اصلی نہیں ہوں گے زائد ہوں گے تو وہ انہی دس میں سے ہو گا، کوئی اور حرف نہیں ہو گا۔ یہی حروف بطورِ زائد کے استعمال ہوتے ہیں۔

تو بعضوں نے کہا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ کوئی کلمہ جب دو حروف پر مشتمل ہو اور ان دونوں میں سے دونوں حرف زائد ہوں یا ایک زائد ہو تو نماز کو یہ فاسد نہیں کریں گے۔ ایسا لفظ کسی نے نماز میں کراہنے سے ایسے حروف بن گئے جو دو حروف ہیں ایسا کلمہ بن گیا جو دو حروف ہیں اور دونوں میں سے وہ اس کلمے کے دونوں حروف کیا ہیں؟ زائد ہیں، یا ایک کیا ہے؟ زائد ہے، تو اس صورت میں یہ نماز کو فاسد نہیں کریں گے، اور اگر وہ دونوں اصلی ہوئے یعنی «**اَلْيَوْمَ تَنْسَاهُ**» ان حروف میں سے نہ ہوئے تو اس صورت میں نماز کو فاسد کر دیں گے۔ یہ دو حروف میں ہے، اگر تین حروف والا ہو تو پھر اس میں چاہے سارے ہی زائد کیوں نہ ہو وہ کیا کر دیں گے؟ نماز کو فاسد کر دیں گے۔

«**وَقِيلَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ**»، اور کہا گیا ہے ضابطہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے، «**أَنَّ الْكَلِمَةَ إِذَا اشْتَمَلَتْ عَلَى حَرْفَيْنِ**»، کہ کلمہ جب مشتمل ہو دو حروف پر، «**وَهُمَا زَائِدَتَانِ**»، اس حال میں کہ وہ دونوں حروف زائد ہوں، «**أَوْ إِحْدَاهُمَا**»، یا ان دونوں میں سے ایک زائد ہو، «**لَا تُفْسِدُ**»، تو وہ نماز کو فاسد نہیں کریں گے، «**وَإِنْ كَانَتَا أَصْلِيَّتَيْنِ تُفْسِدُ**»، اور اگر وہ دونوں حروف اصلی ہیں تو یہ کلمہ نماز کو فاسد کر دے گا، «**وَحُرُوفُ الزَّوَائِدِ جَمَعُوهَا فِي قَوْلِهِمْ الْيَوْمَ تَنْسَاهُ**»، اور حروفِ زوائد جو ہیں ان کو جمع کیا ہے اہل لغت نے اپنے اس قول کے اندر: «**اَلْيَوْمَ تَنْسَاهُ**»۔ بھئی بعض علماء نے بعض فقہاء نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی طرف سے یہ ضابطہ ذکر کیا، یہ ضابطہ ذکر کیا۔

صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: «**وَهَذَا لَا يَقْوَى**»، یہ قوی نہیں ہے بھئی، یہ قوت نہیں دیتا یعنی اس سے اس سے ان کی دلیل مضبوط نہیں ہوتی، «**لِأَنَّ كَلَامَ النَّاسِ فِي مُتَفَاهَمِ الْعُرْفِ يَتْبَعُ وُجُودَ حُرُوفِ الْهِجَاءِ وَإِفْهَامَ الْمَعْنَى**»، اس لیے کیونکہ لوگوں کا کلام جو ہے عرف کے سمجھنے میں وہ تابع ہوتا ہے حروفِ ہجا کے پائے جانے کے اور معنی کے سمجھانے پر۔ عام لوگوں کے عرف میں بھئی کلام کسے کہتے ہیں؟ جو کس سے بنا ہو؟ حروفِ ہجا سے یعنی یہ الف با تا ثا وغیرہ یہ جو حروفِ ہجا ہیں ان سے بنا ہو اور اس کا کوئی معنی بھی ہو، معنی سمجھانا معنی بھی کوئی اس سے سمجھ میں آ رہا ہو، تو اس کو کلام کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اس کو کلام کہتے ہیں، اور اس کو کلام کہتے ہیں اور کلام سے نماز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد۔ تو ان صرف حروفِ زوائد سے بھی پورا کلام بن سکتا ہے جیسے «**اَلْيَوْمَ تَنْسَاهُ**»، اب یہ پورا کلام ہے اور اس کے اندر سارے کیا ہیں؟ حروفِ زوائد ہیں۔ تو عام لوگوں کے عرف اور عادت کے اندر کلام کسے کہتے ہیں؟ جو حروفِ ہجا سے مرکب ہو اور کس لیے ہو؟ معنی سمجھانے کے لیے ہو یعنی اس کا کوئی معنی ہو، تو «**وَيَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي حُرُوفٍ كُلُّهَا زَوَائِدُ**»، اور یہ پایا جاتا ہے یعنی یہ لوگوں کا کلام ایسے حروف میں بھی جو سارے کے سارے کیا ہوں؟ زوائد۔

بھئی دیکھیے، «**حُرُوفٍ**» نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو وہ اس کے لیے عموماً کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو «**كُلُّهَا**» ہے مبتدا اور «**زَوَائِدُ**» ہے اس کی خبر اور یہ جملہ اسمیہ ہوا تو یہ صفت بنے گا حروف کی، تو ترجمہ کیسے کریں گے؟ «**فِي حُرُوفٍ**» ایسے حروف میں «**كُلُّهَا زَوَائِدُ**» جو سارے کے سارے زائد ہوں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ لیکن میں نے ذکر کر دیا بھئی کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے لیکن یہ وہ صرف دو حرفوں کی بات کر رہے ہیں اس سے زائد کی بات ہی نہیں کر رہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ تَنَحْنَحَ بِغَيْرِ عُذْرٍ بِأَنْ لَمْ يَكُ...

«**وَإِنْ تَنَحْنَحَ بِغَيْرِ عُذْرٍ بِأَنْ لَمْ يَكُنْ مَدْفُوعًا إِلَيْهِ**»، اور اگر وہ نماز پڑھنے والا کھنکھارا یعنی اس نے گلا صاف کیا بغیر کسی عذر کے، اور گلا کھنکھارنے سے صاف کرنے سے حروف بن گئے، کیا بن گئے؟ گلا صاف کرتا ہے کس طرح؟ اب اسی میں اس طرح کرتے ہوئے حروف بن گئے، کیا بن گئے؟ حروف بن گئے، تو کہتے ہیں اگر یہ حروف بنے اگر یہ کھنکھارا ہے بغیر کسی عذر کے یعنی مجبور نہیں تھا، اس کے کھنکھارے بغیر بھی گزارا ہو سکتا تھا مجبور نہیں تھا اس کی طرف، تو اس صورت میں صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے مناسب یہ ہے اس کی نماز فاسد ہونی چاہیے، اور اگر عذر کی وجہ سے ہو کہ وہ مجبور ہو گیا تھا تو پھر اس صورت میں معاف ہوں گے۔

«**وَإِنْ تَنَحْنَحَ بِغَيْرِ عُذْرٍ**»، اور اگر نماز پڑھنے والا کھنکھارتا ہے بغیر کسی عذر کے، «**بِأَنْ لَمْ يَكُنْ مَدْفُوعًا إِلَيْهِ**»، بایں صورت کہ وہ اس کی طرف مجبور نہیں تھا، «**وَحَصَلَ بِهِ الْحُرُوفُ**»، اور اس سے حروف حاصل ہو گئے یعنی حروف پیدا ہو گئے، «**يَنْبَغِي أَنْ يُفْسِدَ عِنْدَهُمَا**»، تو مناسب یہ ہے کہ یہ کھنکھارنا جو ہے اس کی نماز کو فاسد کر دے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک، «**وَإِنْ كَانَ بِعُذْرٍ فَهُوَ عَفْوٌ كَالْعُطَاسِ وَالْجُشَاءِ إِذَا حَصَلَ بِهِ حُرُوفٌ**»، اور اگر یہ کھنکھارنا عذر کی وجہ سے ہو تو یہ معاف ہے جیسے کہ چھینک ہے اور ڈکار ہے جب ان سے حروف حاصل ہو جائیں یعنی حروف پیدا ہو جائیں۔ بھئی چھینکنا اور ڈکار یہ تو غیر اختیاری ہے عذر کی وجہ سے ہے، تو اس میں اگر حروف پیدا بھی ہو جائیں تو وہ معاف ہیں، تو لہٰذا اگر کھنکھارنے میں بھی وہ شخص مجبور تھا تو اس کا بھی وہی حکم ہو گا اور وہ بھی نماز کو فاسد نہیں کریں گے وہ حروف۔

«وَمَنْ عَطَسَ فَقَالَ لَهُ آخَرُ يَرْحَمُكَ اللهُ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ»، اور اگر کوئی شخص چھینکا تو دوسرے نے اس کو کہا «يَرْحَمُكَ اللهُ» اس حال میں کہ یہ شخص نماز میں ہے یہ کہنے والا، تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، «لِأَنَّهُ يَجْرِي فِي مُخَاطَبَاتِ النَّاسِ»، اس لیے کیونکہ یہ جو «يَرْحَمُكَ اللهُ» ہے یہ لوگوں کے مخاطبات میں جاری ہوتا ہے، یعنی لوگ ایک دوسرے کو خطاب کرتے ہوئے یہ لفظ یہ کلمہ استعمال کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں «يَرْحَمُكَ اللهُ»، اللہ آپ پر رحم فرمائے، «فَكَانَ مِنْ كَلَامِهِمْ»، تو یہ لوگوں کے کلام میں سے ہوا، «بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ الْعَاطِسُ أَوِ السَّامِعُ الْحَمْدُ لِلهِ عَلَى مَا قَالُوا»، بخلاف اس کے کہ اگر چھینکنے والے نے یا سننے والے نے «الْحَمْدُ لِلهِ» کہا یعنی اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہو گی، «عَلَى مَا قَالُوا»، بنابر اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے، بنابر اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے، تو اس کے لیے اشارہ کر دیا کہ اس میں اختلاف ہے، چنانچہ ایک روایت امام صاحب سے آتی ہے کہ چھینکنے والے کو دل میں «الْحَمْدُ لِلهِ» کہنا چاہیے، اگر اس نے زبان سے «الْحَمْدُ لِلهِ» کہہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ «عَلَى مَا قَالُوا»، بنابر اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے، «لِأَنَّهُ لَمْ يَتَعَارَفْ جَوَابًا»، اس لیے کیونکہ یہ متعارف نہیں ہے بطورِ جواب کے، «الْحَمْدُ لِلهِ» کا لفظ بطورِ جواب کے متعارف لوگوں میں نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنِ اسْتَفْتَحَ فَفَتَحَ عَلَيْهِ فِي صَلَاتِهِ

«وَإِنِ اسْتَفْتَحَ فَفَتَحَ عَلَيْهِ فِي صَلَاتِهِ»، جی، اب یہ نماز میں لقمہ دینا کسی کو اس سے متعلقہ مسائل اب ذکر کرنے لگے ہیں۔ لقمہ دینا یعنی امام اگر مثلاً قرأت کرتے کرتے بھول گیا اور دوسرا شخص اس کو وہ لفظ بھولے ہوئے بتلاتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ لقمہ دینا۔ تو اس صورت میں کون سی صورتوں میں لقمہ دینا صحیح ہے نماز صحیح رہے گی اور کن صورتوں میں نماز پر اثر پڑے گا وہ اب ذکر کرنے لگے ہیں۔

کہتے ہیں: «وَإِنِ اسْتَفْتَحَ فَفَتَحَ عَلَيْهِ فِي صَلَاتِهِ تَفْسُدُ»، اور اگر نماز پڑھنے والے نے لقمہ طلب کیا یعنی بھول گیا ہے اور لقمہ طلب کر رہا ہے، کس طرح طلب کر رہا ہے؟ کہ بار بار اسی آیت کو پڑھتا ہے جو یاد نہیں آ رہی، اس کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے یا بالکل خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا آگے پڑھ ہی نہیں رہا، تو معلوم ہوا یہ کیا طلب کر رہا ہے؟ لقمہ۔ تو اگر وہ لقمہ طلب کر رہا ہے، «فَفَتَحَ عَلَيْهِ فِي صَلَاتِهِ تَفْسُدُ»، تو اس پر اس کو لقمہ دیا اس کی نماز میں ہی تو اس لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور دوسرے نے اگر لقمہ لے لیا تو اس کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ بھئی یہ کیا وجہ ہے لقمہ دینے سے لقمہ دینے والے کی نماز بھی فاسد اور لقمہ لینے والے کی نماز بھی فاسد؟ آگے صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے، بھئی یہ وہ صورت ہو رہی ہے جب دونوں ایک نماز میں شریک نہیں ہیں، وہ الگ نماز پڑھ رہا ہے لقمہ طلب کرنے والا اور لقمہ دینے والا الگ اپنی نماز پڑھ رہا ہے۔

«وَمَعْنَاهُ أَنْ يَفْتَحَ الْمُصَلِّي عَلَى غَيْرِ إِمَامِهِ»، اور معنی اس کا یہ ہے کہ لقمہ دیتا ہے نماز پڑھنے والا اپنے امام کے علاوہ کو یعنی کسی دوسرے کو، تو اس صورت میں نماز فاسد ہو گی، «لِأَنَّهُ تَعْلِيمٌ وَتَعَلُّمٌ»، اس لیے کیونکہ یہ سکھانا ہے اور سیکھنا ہے، لقمہ دینے والا سکھا رہا ہے اور لقمہ لینے والا سیکھ رہا ہے تو یہ تعلیم و تعلم ہے، «فَكَانَ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ»، تو یہ کس میں سے ہوا؟ لوگوں کے کلام میں سے، تو لہٰذا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: ثُمَّ شَرْطُ التَّكْرَارِ فِي الْأَصْلِ لِأَنَّهُ...

«ثُمَّ شَرْطُ التَّكْرَارِ فِي الْأَصْلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ فَيُعْفَى الْقَلِيلُ مِنْهُ وَلَمْ يُشْتَرَطْ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِأَنَّ الْكَلَامَ بِنَفْسِهِ قَاطِعٌ وَإِنْ قَلَّ»، پھر بھئی، امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب مبسوط جو ہے اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہو گی، ہاں دوبارہ اس میں اگر تکرار پایا جائے، اور تکرار کہتے ہیں ایک چیز کم از کم دو دفعہ پائی جائے تو اسے کیا کہتے ہیں؟ تکرار۔ تو یعنی دو دفعہ اگر لقمہ دیتا ہے یعنی تکرار پایا جائے گا پھر یہ نماز کو فاسد کرے گا ورنہ نماز کو فاسد نہیں کرے گا۔ یہ کس میں ہے؟ مبسوط میں۔ اور اس کی دلیل صاحبِ ہدایہ ذکر کرتے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ نماز کے اعمال یہ ایک عمل ہے لیکن نماز کے اعمال میں سے نہیں، اور عملِ قلیل ہو تو وہ مفسدِ صلاۃ نہیں، ہاں عملِ کثیر کیا ہے؟ وہ مفسدِ صلاۃ ہے۔ تو ایک دفعہ اگر لقمہ دیا تو یہ عملِ قلیل ہے اس سے نماز فاسد نہیں، ہاں دو دفعہ یا زیادہ دفعہ لقمہ دیتا ہے تو یہ عملِ کثیر ہے اور عملِ کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

تو یہ تو ذکر کیا امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مبسوط میں، جبکہ جامعِ صغیر کے اندر امام محمد رحمہ اللہ جو ہیں وہ تکرار کی شرط نہیں لگاتے۔ تکرار کی شرط معلوم ہوا ایک دفعہ لقمہ دینے سے بھی نماز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد ہو جاتی ہے جبکہ اپنے امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دے رہا ہو۔ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ تعلیم و تعلم ہے اور یہ کلام ہے، اور کلام چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس سے نماز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد ہو جاتی ہے۔ کلام چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ تو گویا مبسوط میں اس لقمہ دینے کو عمل شمار کیا گیا اور عملِ قلیل معاف ہوتا ہے عملِ کثیر معاف نہیں، اور جامعِ صغیر میں اس کو کلام قرار دیا گیا اور کلام تو قلیل ہی کیوں نہ ہو وہ کیا کر دیتا ہے؟ نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

یہ معنی ہے: «ثُمَّ شَرْطُ التَّكْرَارِ فِي الْأَصْلِ»، پھر تکرار کی شرط لگائی گئی ہے اصل میں یعنی مبسوط میں، «لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ فَيُعْفَى

الْقَلِيلُ مِنْهُ »، اس لیے کیونکہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے تو اس میں سے تھوڑا معاف ہے تو یہ عمل قرار دیا گیا، « وَلَمْ يُشْتَرَطْ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ »، اور جامع صغیر میں تکرار کی شرط نہیں لگائی گئی، « لِأَنَّ الْكَلَامَ بِنَفْسِهِ قَاطِعٌ وَإِنْ قَلَّ »، اس لیے کیونکہ کلام اپنی ذات کے اعتبار سے ہی قاطع یعنی نماز کو توڑنے والا ہے اگرچہ تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو۔

■ مسئلہ: وَإِنْ فَتَحَ عَلَى إِمَامِهِ لَمْ يَكُنْ كَلَامًا...

« وَإِنْ فَتَحَ عَلَى إِمَامِهِ لَمْ يَكُنْ كَلَامًا اسْتِحْسَانًا »، اور اگر لقمہ دیا اپنے امام کو تو پھر یہ کلام نہیں ہوگا استحساناً، بوجہ استحسان یعنی استحساناً اس کو پھر کلام قرار نہیں دیا جائے گا۔ بھئی کیوں؟ اس کو کلام کیوں نہیں پھر قرار دیتے جب اپنے امام کو وہ لقمہ دیتا ہے؟ یہاں پر بھی تو تعلیم و تعلم ہے، تو کہتے ہیں بھئی: « لِأَنَّهُ مُضْطَرٌّ إِلَى إِصْلَاحِ صَلَاتِهِ »، اس لیے کیونکہ مقتدی جو ہے لقمہ دینے والا وہ مجبور ہے امام کی نماز کی اصلاح کی طرف۔ « صَلَاتِهِ » کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ امام کو۔ مقتدی مجبور ہے کہ امام کی نماز کی کیا کرے؟ اصلاح کرے، کیونکہ امام کی نماز صحیح ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہو جائے گی، تو یہ مجبور ہے اس کی نماز کی اصلاح کی طرف، « فَكَانَ هَذَا مِنْ أَعْمَالِ صَلَاتِهِ مَعْنًى »، اب « صَلَاتِهِ » کی ہا ضمیر جو ہے مقتدی کو راجع، وہ جو لقمہ دینے والا ہے، تو یہ جو ہے یہ لقمہ دینے والے کے اپنی نماز کے اعمال میں سے ہوا معنیً باعتبارِ معنی کے، کیونکہ امام کی نماز کی اصلاح کر رہا ہے تو گویا اپنی نماز کی کیا کر رہا ہے؟ اصلاح، تو یہ معنوی اعتبار سے یہ اس کے اپنے صلاۃ کے اعمال میں سے ہوا، اور اپنی نماز کے اعمال سے تو نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا لہٰذا اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

« وَيَنْوِي الْفَتْحَ عَلَى إِمَامِهِ دُونَ الْقِرَاءَةِ »، اور امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے، قرأت کی نیت نہ کرے۔ قرأت کی نیت نہ کرے، « هُوَ الصَّحِيحُ »، یہی قول صحیح ہے۔ بھئی کیا وجہ لقمہ دینے کی نیت کرنی چاہیے، قرأت کی نیت نہیں کرنی چاہیے لقمہ دیتے ہوئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: « لِأَنَّهُ مُرَخَّصٌ فِيهِ »، اس لیے کیونکہ لقمہ دینا اس کی رخصت دی گئی ہے، « وَقِرَاءَتُهُ مَمْنُوعٌ عَنْهَا »، اور مقتدی کی قرأت جو ہے اس سے تو منع کیا گیا ہے، تو لہٰذا مقتدی لقمہ دیتے ہوئے لقمہ دینے کی نیت کرے، قرأت یعنی قرآن پڑھنے کی نیت نہ کرے بھئی، تو لقمہ دینے کی رخصت دی گئی ہے۔

چنانچہ بھئی حدیث میں بھی آتا ہے بھئی پیچھے پچھلے صفحے کے آخر میں حدیث دی ہوئی ہے کہ حضور علیہ السلام جو ہیں نماز میں آپ نے سورۂ مؤمنون تلاوت فرمائی تو اس میں سے ایک کلمہ چھوٹ گیا، وہ چھوڑ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، جب فارغ ہوئے تو فرمانے لگے: کیا تم میں ابی ابن کعب نہیں ہے؟ تو وہ فرمانے لگے: کیوں نہیں یا رسول اللہ! میں یعنی میں موجود ہوں، تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: « هَلَّا فَتَحْتَ »، تم نے لقمہ کیوں نہیں دیا؟ جب میں ایک لفظ چھوڑ گیا تھا تو مجھے بتلایا کیوں نہیں؟ تو وہ فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ! میں تو سمجھا تھا کہ شاید یہ لفظ یہ کلمہ جو ہے منسوخ ہو گیا ہے، کیا ہو گیا ہے؟ منسوخ ہو گیا ہے اس لیے آپ نے چھوڑ دیا ہے، تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: اگر یہ منسوخ ہوتا تو میں تم لوگوں کو بھی بتلا دیتا، تم لوگوں کو بھی، تو اس سے معلوم ہوا کہ امام کو مقتدی کیا کر سکتا ہے؟ لقمہ دے سکتا ہے، اس کی رخصت ہے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ كَانَ الْإِمَامُ انْتَقَلَ إِلَى آيَةٍ أُخْ...

« وَلَوْ كَانَ الْإِمَامُ انْتَقَلَ إِلَى آيَةٍ أُخْرَى تَفْسُدُ صَلَاةُ الْفَاتِحِ وَتَفْسُدُ صَلَاةُ الْإِمَامِ لَوْ أَخَذَ بِقَوْلِهِ »، یہاں سے یہ ذکر کر رہے ہیں بھئی: صورت یہ کہ امام جو ہے وہ کہیں پر کچھ بھول گیا تھا، اب بھول گیا اور پھر امام نے اس آیت ہی کو چھوڑ دیا دوسری جگہ سے دوسری آیت کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اب جب وہ دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تھا اس کے بعد ایک مقتدی اس کو لقمہ دیتا ہے وہ پچھلی آیت کا جو وہ چھوڑ گیا تھا، تو صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ اس صورت میں مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر امام نے اس کا لقمہ لے لیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی، اس لیے کیونکہ یہاں تعلیم و تعلم پایا گیا بغیر کسی ضرورت کے۔ جب امام اگلی آیت کی طرف منتقل ہو گیا ہے تو اب ضرورت نہ رہی تھی، پھر بھی اس نے لقمہ دیا تو اس کی نماز بھی فاسد، اور امام نے وہ لقمہ لے لیا تو بغیر ضرورت کے لقمہ لیا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

تو یہ صاحبِ ہدایہ نے اس قول کو اختیار کیا اور اس کو ذکر کیا، لیکن دیگر فقہاء لکھتے ہیں کہ اس صورت میں نہ امام کی نماز فاسد ہوگی اور نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی۔

« وَلَوْ كَانَ الْإِمَامُ انْتَقَلَ إِلَى آيَةٍ أُخْرَى »، اور اگر امام منتقل ہو گیا دوسری آیت کی طرف، « تَفْسُدُ صَلَاةُ الْفَاتِحِ »، تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، « وَتَفْسُدُ صَلَاةُ الْإِمَامِ لَوْ أَخَذَ بِقَوْلِهِ »، اور امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اگر اس نے اس لقمہ دینے والے کے قول کو لے لیا، « لِوُجُودِ التَّلْقِينِ وَالتَّلَقُّنِ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ »، اس لیے کہ تلقین اور تلقن یعنی سکھانا اور سیکھنا پایا گیا بغیر کسی ضرورت کے۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں: « وَيَنْبَغِي لِلْمُقْتَدِي أَنْ لَا يُعَجِّلَ بِالْفَتْحِ »، اور مقتدی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ جلدی نہ کرے لقمہ دینے میں، « وَلِلْإِمَامِ أَنْ لَا يُلْجِئَهُمْ إِلَيْهِ »، اور امام کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ ان مقتدیوں کو لقمہ دینے کی طرف مجبور نہ کرے، مجبور نہ کرے یعنی اسی آیت کو بار بار نہ پڑھتا رہے اور یا خاموش ہو کر ہی نہ کھڑا ہو جائے، « بَلْ يَرْكَعُ إِذَا جَاءَ أَوَانُهُ »، بلکہ رکوع کر لے جب رکوع کا وقت آ گیا ہو، « أَوْ يَنْتَقِلُ إِلَى آيَةٍ أُخْرَى »،

یا منتقل ہو جائے کسی دوسری آیت کی طرف۔ اگر اگر ابھی ضرورت کے بقدر قرأت نہیں کی تو پھر کیا کر دے؟ تو پھر کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے، اور اگر قرأت ہو چکی ہے کافی تو پھر کیا کر دے؟ رکوع کر لے بھئی۔ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سوال: [...] جواب: مشارکت کا یہ معنی نہیں کہ جس وقت امام نے تحریمہ کہی تھی اسی وقت مقتدی بھی تحریمہ کہے۔ مشارکت یعنی ایک ہی نماز کی تحریمہ ہے، کیا ہے؟ اور مقتدی نے آ کر اس کی اقتداء کر لی اسی کی تحریمہ پر اپنی تحریمہ کی بنیاد رکھ دی تو مشارکت آ گئی، ایک ہی نماز میں تحریمہ ایک ہی نماز کی ہے۔ وہ ظہر کی پڑھا رہا تھا یہ بھی کیا پڑھ رہا ہے اس کے ساتھ؟ ظہر ہی کی پڑھ رہا ہے بھئی۔

سبق نمبر ۶۱: فَلَوْ أَجَابَ فِي الصَّلَاةِ رَجُلًا بِلَا إِلٰهَ إِلَّا...

ہدایہ صفحہ: ۱۳۸ — بتاریخ: ۱۰ جنوری ۲۰۱۳ء

فَلَوْ أَجَابَ فِي الصَّلَاةِ رَجُلًا بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَهٰذَا كَلَامٌ مُفْسِدٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَكُونُ مُفْسِدًا. [1]

■ باب چل رہا ہے ان چیزوں کے بیان میں جو نماز کو فاسد کر دیتی ہ

باب چل رہا ہے ان چیزوں کے بیان میں جو نماز کو فاسد کر دیتی ہیں، اور وہ چیزیں جو نماز کے اندر مکروہ ہیں بھائی مکروہ۔ اور یہ بات پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ فقہ کی کتابوں کے اندر جب مکروہ کا لفظ آئے، یُکْرَہُ کا لفظ آئے، تو اس سے کراہتِ تحریمی مراد ہوتی ہے، کراہتِ تحریمی، یعنی مکروہِ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے مکروہ دو قسم پر ہے: ایک مکروہِ تحریمی اور ایک مکروہِ تنزیہی۔ مکروہِ تحریمی وہ ہے جو حرام کے زیادہ قریب ہے، اور مکروہِ تنزیہی وہ ہے جو حلال کے زیادہ قریب ہے بھائی۔

تو اب صورت یہ ذکر کر رہے ہیں: **فَلَوْ أَجَابَ فِي الصَّلَاةِ رَجُلًا بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَهٰذَا كَلَامٌ مُفْسِدٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى۔** تو اگر نماز پڑھنے والے نے جواب دیا نماز کے اندر **رَجُلًا** کسی آدمی کو **بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ**، لا الہ الا اللہ کے ساتھ اس کو جواب دیا، **فَهٰذَا كَلَامٌ مُفْسِدٌ** تو یہ کلام مفسد ہے، نماز کو فاسد کرنے والا ہے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ** طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک بھائی، یہ کلام نماز کو فاسد کر دے گا۔ **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَكُونُ مُفْسِدًا** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کلام مفسدِ صلاۃ نہیں۔ لا الہ الا اللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہو گی۔

وَهٰذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا أَرَادَ بِهِ جَوَابَهُ اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب اس لا الہ الا اللہ جس نے کہا وہ جو آدمی نماز میں تھا، جب اس نے ارادہ کیا ہو اس لا الہ الا اللہ کے ساتھ **جَوَابَهُ** اس دوسرے آدمی کو جواب دینے کا۔ بھائی دیکھیے، ایک آدمی ہے وہ نماز کے اندر لا الہ الا اللہ کہتا ہے اونچی آواز سے، اور یہ لا الہ الا اللہ کہنے کے ذریعے یا تو وہ دوسرے شخص کو یہ بتلانا چاہتا ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں، میں کیا کر رہا ہوں؟ یعنی اس کو باخبر کرنا چاہتا ہے کسی وجہ سے، مثلاً وہ آگے سے گزرنے لگا تو اس نے کیا کیا؟ لا الہ الا اللہ پڑھا یا تسبیح پڑھ لی وغیرہ۔ تو لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اگر اس کا ارادہ دوسرے کو اطلاع دینا ہے کہ میں نماز میں ہوں، تو یاد رکھیے بالاتفاق اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہو گی۔ نماز فاسد نہیں ہو گی بھائی۔

اور اگر وہ اس لا الہ الا اللہ کے ذریعے دوسرے کو جواب دینا چاہتا ہے، مثلاً دوسرے نے سوال کیا: کیا اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود ہے؟ اور یہ جواب میں کیا کہتا ہے؟ لا الہ الا اللہ، اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ تو اگر جواب دینے کا ارادہ کیا ہے تو اس صورت میں طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ تو یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب اس نے اس کے ذریعے جواب دینے کا ارادہ کیا ہو۔ اگر اطلاع دینے کا ارادہ ہے کہ میں نماز میں ہوں تو پھر بالاتفاق نماز فاسد نہیں۔ یہ معنی ہے: **وَهٰذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا أَرَادَ بِهِ جَوَابَهُ** اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب اس نماز پڑھنے والے نے ارادہ کیا ہو **بِهِ** اس لا الہ الا اللہ کے ذریعے **جَوَابَهُ** اس کو جواب دینے کا۔

تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ ان کی دلیل یہ ہے جو وہ آگے ذکر کر رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ لا الہ الا اللہ یہ اللہ کی ثنا ہے۔ اللہ کی وحدانیت بیان ہو رہی ہے تو یہ ثنا ہے۔ صیغے کے اعتبار سے یہ اللہ کی ثنا ہے، لہٰذا اس آدمی نے اگرچہ ارادہ تو جواب دینے کا کیا لیکن اس کے ارادے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ یہ صیغے کے اعتبار سے کیا ہے؟ اللہ کی ثنا۔ اور نماز تو مشتمل ہی اللہ کی ثنا پر مشتمل ہے، تو لہٰذا کوئی ایسی چیز نہیں آئی جس سے نماز پر اثر پڑے گا۔ اللہ کی ثنا آئی اور نماز میں بھی اللہ کی ثنا ہے، تسبیحات وغیرہ ہی ہوتی ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آئی؟ دلیل سمجھ میں آئی ان کی؟

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۶۹): «رجلا»۔ • شاملہ (ص۶۹) میں «فَلَوْ» کے بجائے «ولو» درج ہے۔

لَهُ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ ثَنَاءٌ بِصِيغَتِهِ** کہ یہ لا الہ الا اللہ جو ہے یہ اللہ کی ثنا ہے، اللہ کی تعریف ہے **بِصِيغَتِهِ** اپنے صیغے کے اعتبار سے، یعنی اس کو اسی لیے وضع کیا گیا ہے، **فَلَا يَتَغَيَّرُ بِعَزِيمَتِهِ** تو یہ بدلے گا نہیں اس شخص کے ارادے سے، یعنی یہ پھر بھی کیا ہے؟ ثنا ہی ہے بھائی۔

وَلَهُمَا طرفین کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ أَخْرَجَ الْكَلَامَ مَخْرَجَ الْجَوَابِ** کہ اس نے کلام کو ادا کیا ہے جواب کے طور پر۔ اس نے یہ لا الہ الا اللہ کس طریقے پر کہا ہے؟ جواب کے طور پر کہا ہے، **وَهُوَ يَحْتَمِلُهُ** اور یہ اس کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ یعنی لا الہ الا اللہ یہ ہے تو اللہ کی ثنا لیکن یہ جواب بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے، اس کا بھی اس میں احتمال ہے، اور جب اس نے ارادہ کر لیا تو ایسی چیز کا ارادہ کیا جس کا وہ لفظ احتمال بھی رکھتے تھے تو یہ اس صورت میں پھر جواب ہی بنے گا، اور جواب جو ہے وہ تو کلام ہے اور کلام کی تو نماز میں گنجائش نہیں، لہٰذا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کلام کو ادا کیا ہے جواب کے طور پر، **وَهُوَ يَحْتَمِلُهُ** اور یہ جو ہے اس جواب بننے کا احتمال بھی رکھتا ہے، **فَيُجْعَلُ جَوَابًا** تو اس کو جواب قرار دیا جائے گا، **كَالتَّشْمِيتِ** جیسے کہ تشمیت ہے، چھینک کا جواب دینا ہے بھائی، **يَرْحَمُكَ اللّٰهُ**، پیچھے مسئلہ گزر چکا ہے کہ اگر یہ کہے کسی کو انسان تو اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔

وَالِاسْتِرْجَاعُ عَلَى الْخِلَافِ فِي الصَّحِيحِ۔ استرجاع، استرجاع کا معنی ہے: **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** کہنا بھائی۔ **اِسْتَرْجَعَ الرَّجُلُ أَيْ قَالَ: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔** تو استرجاع یعنی **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** جو ہے وہ بھی **عَلَى الْخِلَافِ** وہ بھی اسی اختلاف پر ہے **فِي الصَّحِيحِ** صحیح قول کے مطابق بھائی۔ صحیح قول کے مطابق اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک جو ہے اس سے نماز فاسد ہو گی جواب کے طور پر، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہو گی۔

وَإِنْ أَرَادَ بِهِ إِعْلَامَهُ اور اگر نماز پڑھنے والے نے اس لا الہ الا اللہ کے ذریعے ارادہ کیا **إِعْلَامَهُ** اس آدمی کو اطلاع دینے کا **أَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ** کہ وہ کس میں ہے؟ نماز میں ہے، **لَمْ تَفْسُدْ بِالْإِجْمَاعِ** تو بالاجماع اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «إِذَا نَابَتْ أَحَدَكُمْ نَائِبَةٌ فِي الصَّلَاةِ فَلْيُسَبِّحْ»** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: جب پیش آ جائے تم میں سے کسی ایک کو کوئی واقعہ **فِي الصَّلَاةِ** نماز میں، **فَلْيُسَبِّحْ** تو اسے چاہیے کہ تسبیح کہے، یعنی **سُبْحَانَ اللّٰهِ** کہہ دے۔ کیا کہہ دے؟ **سُبْحَانَ اللّٰهِ** کہہ دے، اور **سُبْحَانَ اللّٰهِ** کیا ہے؟ تسبیح ہے، اللہ کی پاکی بیان ہو رہی ہے، تو لَا **إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ** بھی اسی طرح اللہ کی اس میں ثنا ہے، اللہ کی حمد ہے، اللہ کی وحدانیت بیان ہو رہی ہے، تو دونوں کا ایک ہی حکم ہے بھائی۔

تو یاد رکھیے یہ مردوں کا طریقہ ذکر ہوا حدیث کے اندر۔ مرد جو ہیں جب وہ کسی کوئی بات پیش آئے تو کیا کہیں گے؟ تسبیح، **سُبْحَانَ اللّٰهِ** کہہ سکتے ہیں یا اسی طرح لَا **إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ** وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر عورت ہے تو وہ اس کے لیے وہ اس کے لیے تالی بجانا ہے، لیکن عام جس طرح دونوں ہتھیلیوں کو ایک دوسرے سے مار کر تالی بجائی جاتی ہے اس طرح نہیں، بلکہ جس طرح ہاتھ باندھا ہوا ہے تو اسی بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کو زور سے مار دے گی۔ یعنی دائیں ہاتھ کی ہتھیلی، یعنی اندر والی جانب ہتھیلی، یہ کس پر مار دے گی؟ بائیں ہاتھ کی پشت پر جس سے آواز پیدا ہو جائے اور دوسرے متوجہ ہو جائیں کہ کچھ نماز میں غلطی ہوئی ہے یا کوئی بات ہے بھائی۔

وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ ثُمَّ افْتَتَحَ الْعَصْرَ أَوِ التَّطَوُّعَ فَقَدْ نَقَضَ الظُّهْرَ لِأَنَّهُ صَحَّ شُرُوعُهُ فِي غَيْرِهِ فَيَخْرُجُ عَنْهُ۔ اور جس نے ایک رکعت پڑھی ظہر کی نماز میں سے، پھر اس نے شروع کر دی عصر کی نماز یا نفل، تو تحقیق اس نے ظہر کی نماز کو توڑ دیا، کیونکہ اس کے لیے دوسری نماز کو شروع کرنا اس میں شروع ہونا صحیح ہے، تو اس نماز سے نکل جائے گا۔

بھائی صورتِ مسئلہ یہ: ایک آدمی نے ظہر کی نماز شروع کی بھائی، ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے، ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس کا ارادہ ہوا عصر کی پڑھتا ہوں، کون سی پڑھتا ہوں؟ عصر کی پڑھتا ہوں، یا نفل پڑھتا ہوں، تو اس نے عصر کا ارادہ کر لیا، عصر کی نیت کر لی یا نفلوں کی نیت کر لی، نفلوں کی نیت کر لی، چاہے دل میں نیت کر لی یا ہاتھ اٹھا کر **اَللّٰهُ أَكْبَرُ** بھی کہہ دیا، ہاتھ اٹھا کر **اَللّٰهُ أَكْبَرُ** بھی کہہ دیا، تو یاد رکھیے بھائی، تو اس کی ظہر کی نماز ٹوٹ گئی، وہ ختم ہو گئی۔ ظہر کی نماز کیا ہوئی؟ ختم ہو گئی، اب وہ آگے ظہر کو جاری نہیں رکھ سکتا۔ اب کون سی؟ اسی کو مکمل کرے جس کی اگلی نماز کی اس نے نیت کی ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے کہ جس نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی **ثُمَّ افْتَتَحَ الْعَصْرَ أَوِ التَّطَوُّعَ** پھر اس نے شروع کر دیا عصر کو یا نفلوں کو، **فَقَدْ نَقَضَ الظُّهْرَ** تو تحقیق اس نے توڑ دیا ظہر کی نماز کو، ظہر کی نماز کو توڑ دیا۔ ہاں۔ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ**، دلیل دے رہے ہیں کیوں؟ کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ **لِأَنَّهُ صَحَّ شُرُوعُهُ فِي غَيْرِهِ**، یہ جو ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اس آدمی کے لیے صحیح ہے دوسری نماز شروع کرنا۔ دوسری نماز وہ شروع کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ اور دوسری نماز شروع کرنے کے لیے کیا ضروری ہے؟ اس نماز سے نکلنا ضروری ہے، اور جب اس نماز سے نکلا تو گویا اس نے اس نماز کو توڑ دیا، ختم کر دیا۔ یہ معنی ہے: **فَيَخْرُجُ عَنْهُ** تو یہ اس سے نکل جائے گا۔

وَلَوِ افْتَتَحَ الظُّهْرَ بَعْدَ مَا صَلَّى مِنْهَا رَكْعَةً فَهِيَ هِيَ وَيَجْتَزِئُ بِتِلْكَ الرَّكْعَةِ۔ دوسری صورت بھائی: ایک آدمی نے ظہر کی نماز پڑھنا شروع کی اور اس کے بعد جب کہ وہ ایک یا دو جتنی بھی رکعتیں پڑھ چکا تھا، بہر حال یہاں ایک، وہ اس طرح ہم صورت بنا لیتے ہیں تاکہ وضاحت ہو جائے پوری۔ ایک آدمی نے ظہر کی نماز پڑھنا شروع کی اور ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس کا ارادہ ہوا پھر ظہر شروع سے پڑھے۔ کیا ارادہ ہوا؟ پھر ظہر کی نماز شروع سے پڑھنا شروع کرے، چنانچہ اس

نے نیت کر لی اور پھر شروع سے نماز پڑھنا شروع کر دی، یا باقاعدہ دونوں ہاتھ بھی اٹھا کر **اَللّٰهُ أَكْبَرُ** بھی کہہ دیا۔ تو آگے آپ کو یہ بتلائیں گے مسئلہ کہ بھائی یہ وہی ظہر کی نماز ہے۔ یہ وہی ظہر کی نماز ہے اور جب یہ وہی ظہر کی نماز ہے تو وہ جو ایک رکعت پہلے ہوئی تھی یا دو ہوئی تھیں یا تین جتنی بھی رکعتیں پہلے ہوئی تھیں ان سب کو بھی شمار کرنا پڑے گا، اور جب ان کو شمار کرے گا تو آگے جب آخری رکعت جو بن رہی ہو یعنی چوتھی رکعت، شروع سے لے کر جب چوتھی رکعت پوری ہو جائے تو آخری قعدے کا وقت آئے گا۔ اگر اس وقت پر اس نے کیا کر لیا؟ قعدہ کر لیا کیونکہ قعدہ تو فرض ہے آخری قعدہ، اگر قعدہ کر لیا تو اس کی ظہر کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور اگر اس موقع پر اس نے قعدہ نہ کیا اور اگلے اگلی رکعتوں کو ساتھ ملا لیا تو ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی، دوبارہ نئے سرے سے پڑھنا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا اگر ایک رکعت گزری تھی اور اس نے پھر ظہر کی نماز شروع سے پڑھنا شروع کی تو وہی ظہر شمار ہو گی کیونکہ یہ وہی نماز ہے اور اس کی نیت لغو ہو جائے گی، **يَرْحَمُكَ اللّٰهُ**، تو اس کی نیت کیا ہو جائے گی؟ لغو ہو جائے گی، یہ وہی نماز ہو گی اور وہ پہلی رکعت بھی شمار ہو گی، لہٰذا اگلی تین رکعتیں جب پڑھ لے گا تو چار پوری ہو گئیں۔ اب اس پر کیا کرنا پڑے گا اسے؟ قعدہ کرنا پڑے گا کیونکہ آخری قعدہ ہو گا اور یہ فرض ہے۔ اور اگر اس موقع پر اس نے قعدہ نہ کیا، اس نے پہلی کو شمار ہی نہیں کیا، اگلی ایک ملا کر پھر چار پوری کرنا چاہتا ہے تو پھر اگلی ملا لے گا تو ظہر کی نماز ہی باطل ہو جائے گی کیونکہ فرض رہ گیا، اور فرض رہ جائے تو نماز ہی نہیں ہوتی۔

یہ معنی ہے: **وَلَوِ افْتَتَحَ الظُّهْرَ بَعْدَ مَا صَلَّى مِنْهَا رَكْعَةً** اور اگر اس نے شروع کیا ظہر کی نماز کو بعد اس کے کہ جب وہ اس ظہر میں سے ایک رکعت پڑھ چکا تھا، **فَهِيَ هِيَ** تو یہ وہی نماز ہے، یہ وہی شمار ہو گی، **وَيَجْتَزِئُ بِتِلْكَ الرَّكْعَةِ** اور کافی ہو گی وہ وہ والی رکعت بھی، یعنی اس کو بھی شمار کرے گا، **لِأَنَّهُ نَوَى الشُّرُوعَ فِي عَيْنِ مَا هُوَ فِيهِ** اس لیے کیونکہ اس نے نیت کی ہے اس چیز کو شروع کرنے کی اسی عین اسی چیز کو شروع کرنے کی جس کے اندر وہ تھا، **فَلَغَتْ نِيَّتُهُ** تو اس کی نیت کیا ہو جائے گی؟ لغو ہو جائے گی، بے کار چلی جائے گی، **وَبَقِيَ الْمَنْوِيُّ عَلَى حَالِهِ** اور وہ جس چیز کی اس نے نیت کی تھی وہ اپنی حالت پر باقی رہے گا، یعنی وہ ظہر کی نماز اپنی حالت پر باقی رہے گی، یعنی شروع سے ساری شمار ہو گی۔

وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ مِنَ الْمُصْحَفِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا: هِيَ تَامَّةٌ۔ اور جس وقت پڑھی امام جس وقت امام قرأت کرے قرآن میں سے، امام اگر قرأت کرتا ہے قرآن کو کھول کر اس میں سے دیکھ کر قرأت کرتا ہے، چاہے اس کو ہاتھ میں اٹھایا ہوا ہو یا اور چاہے سامنے کسی چیز پر رکھا ہوا ہو، تو اس صورت میں اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔ جبکہ یہ امام صاحب کے نزدیک، اور صاحبین فرماتے ہیں اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ تو کہتے ہیں: **وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ**، امام کو ویسے ذکر کر دیا، ہر نمازی کا یہی حکم ہے۔ **وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ مِنَ الْمُصْحَفِ** اور جب امام نے قرأت کی قرآن میں سے یعنی دیکھ کر، **فَسَدَتْ صَلَاتُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ** تو اس کی نماز فاسد ہو گئی امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَا: هِيَ تَامَّةٌ** اور صاحبین فرماتے ہیں اس کی نماز پوری ہے۔

لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ انْضَافَتْ إِلَى عِبَادَةٍ اس لیے کیونکہ یہ ایک عبادت ہے جو مل گئی ہے دوسری عبادت کے ساتھ، کیونکہ قرآن کو دیکھ کر پڑھنا یہ بھی کیا ہے؟ عبادت ہے بھائی عبادت ہے۔ چنانچہ یہ حاشیے میں آپ کے حدیث دی ہوئی ہے، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: «**أَعْطُوا أَعْيُنَكُمْ مِنَ الْعِبَادَةِ حَظَّهَا**» کہ تم اپنی آنکھوں کو بھی عبادت میں سے ان کا حصہ دو، **قِيلَ**: تو کہا گیا: «**وَمَا حَظُّهَا مِنَ الْعِبَادَةِ؟**» آنکھوں کا کیا حصہ ہے عبادت میں سے؟ **قَالَ**: «**النَّظَرُ فِي الْمُصْحَفِ**» تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: قرآن میں دیکھنا، قرآن میں نظر ڈالنا۔ تو یہ بھی کیا ہے؟ عبادت ہے بھائی۔ تو قرآن کو کھول کر دیکھنا اور دیکھ کر تو یہ بھی کیا ہے؟ یہ عبادت ہے بھائی یہ عبادت ہے۔ اور اسی طرح یاد رکھیے، بیت اللہ جو ہے، بیت اللہ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ بیت اللہ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے بھائی۔

تو صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے اور نماز عبادت ہے، اور نماز کے اندر قرآن میں سے دیکھ کر قرأت کرتا ہے تو دیکھ کر قرأت کرنا اور اس میں نظر ڈالنا قرآن میں یہ بھی کیا ہے؟ عبادت۔ تو ایک عبادت کے ساتھ دوسری عبادت مل گئی تو اس سے کوئی خرابی نہیں آئی، نماز اس کی پوری ہو جائے گی۔

إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ البتہ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے، یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے، **لِأَنَّهُ يُشْبِهُ بِصُنْعِ أَهْلِ الْكِتَابِ** اس لیے کیونکہ اہلِ کتاب کے عمل کے مشابہ ہے۔ کس کے مشابہ ہے؟ اہلِ کتاب کے، یہودی وغیرہ جو ہیں ان کے مشابہ ہے، یہودی، عیسائی۔ بھائی یہ قرآن کا اعجاز ہے، قرآن کا کمال ہے کہ یہ اتنی بڑی کتاب ایک سات آٹھ سال کے بچے کے سینے میں اللہ اس کو ابتدا سے انتہا تک بغیر کسی حرف کے، بغیر کسی نقطے کے، بغیر کسی حرکت کی تبدیلی کے، پورے طور پر اللہ اس کے سینے میں محفوظ فرما دیتے ہیں۔ ورنہ ورنہ دوسری کتابیں جو ہیں اہلِ کتاب جو ہیں وہ ان کو اپنے اذکار وغیرہ اپنی کتابیں وہ ان کو یاد نہیں ہوتیں بھائی، کیونکہ یاد ہو ہی نہیں سکتی یہ کتاب اس طرح کہ پوری کتاب۔ اور قرآن کا کمال یہ ہے کہ یہ لاکھوں سینوں کے اندر محفوظ ہے بھائی۔ جو اس کو یاد کرنا چاہتا ہے یہ اس کے سینے میں محفوظ ہو جاتا ہے، جو بھی یاد کرنا چاہتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو ان کو یہود اہلِ کتاب وغیرہ جو ہیں ان کو اپنی کتابیں نہیں یاد، بلکہ اس کا کچھ حصہ بھی ان کو نہیں یاد، چند صفحات بھی نہیں یاد ہوتے بھائی۔ تو وہ پھر کتاب کھول کر دیکھ کر اس میں سے پڑھتے ہیں بھائی۔ تو لہٰذا صاحبین بھی فرماتے ہیں اگر کوئی نمازی اس طرح دیکھ کر پڑھتا ہے تو اس کا یہ عمل اہلِ کتاب کے عمل کے مشابہ ہو گیا اور ان کے ساتھ مشابہت سے تو ہمیں منع کیا گیا ہے، لہٰذا اس کا یہ عمل مکروہ ہو گا۔ البتہ بہر حال نماز ہو جائے گی۔ نماز کیا ہے؟ ہو جائے گی۔

یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ يُشْبِهُ**، اس کو **يُشْبِهُ** پڑھنا۔ جہاں کہیں بھی عبارت میں یہ مادہ آئے: ش، ب، ہ، اس یہ تو یہ بابِ افعال سے آئے گا عموماً، یا بابِ تفعیل وغیرہ سے، یعنی میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجرد سے **شَبِهَ يَشْبَهُ** وغیرہ نہ پڑھنا اس کو، کیونکہ مجرد سے یہ باب استعمال نہیں ہوتا عربی زبان میں بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ

أَشْبَهَ يُشْبِهُ یا موقع ہو تو شَبَّهَ يُشَبِّهُ بھی اس طرح استعمال ہوتا ہے۔ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ بِصُنْعِ أَهْلِ الْكِتَابِ اس لیے کیونکہ اس نمازی کا یہ عمل جو ہے اہلِ کتاب کے عمل کے مشابہ ہے، اس لیے مکروہ ہو گا۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: أَنَّ حَمْلَ الْمُصْحَفِ وَالنَّظَرَ فِيهِ وَتَقْلِيبَ الْأَوْرَاقِ عَمَلٌ كَثِيرٌ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کو اٹھانا اور اس میں نظر ڈالنا وَتَقْلِيبَ الْأَوْرَاقِ اور ورقوں کو پلٹنا، عَمَلٌ كَثِيرٌ یہ سارا کیا ہے؟ عملِ کثیر ہے، اور عملِ کثیر سے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، تو اس کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ ایک دلیل۔ دوسری دلیل: وَلِأَنَّهُ تَلَقُّنٌ مِنَ الْمُصْحَفِ اور نیز اس لیے کیونکہ اس میں قرآن سے سیکھنا ہے، اور آپ پڑھ چکے کہ تعلیم و تعلم سے نماز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد۔ تو یہاں بھی قرآن سے سیکھنا پایا گیا، فَصَارَ كَمَا إِذَا تَلَقَّنَ مِنْ غَيْرِهِ تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے اس نے کسی دوسرے سے سیکھا ہو، تو اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔

وَعَلَى هٰذَا لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَحْمُولِ وَالْمَوْضُوعِ۔ صاحبِ ہدایہ مزید وضاحت فرما رہے ہیں، کہتے ہیں: دو دلیلیں ذکر ہوئیں۔ ایک دلیل یہ کہ قرآن کے اندر دیکھنے کی وجہ سے عملِ کثیر لازم آئے گا کیونکہ وہ قرآن اٹھائے گا اور اس میں نظر ڈالے گا اور اوراق پلٹنے پڑیں گے تو یہ عملِ کثیر ہے اور عملِ کثیر سے نماز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد۔ اور دوسری دلیل یہ ذکر ہوئی کیونکہ اس صورت میں قرآن سے سیکھنا پایا گیا اور سیکھنے اور سکھانے سے تو کیا ہوتی ہے؟ نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو کہتے ہیں: یہ جو دلیل ہے، یہ دلیل کہ اس میں سیکھنا پایا جا رہا ہے، یہ تو دونوں صورتوں کو شامل ہو گی۔ چاہے قرآن کو اٹھا کر پڑھے تب بھی کیا ہے؟ سیکھنا ہے۔ چاہے قرآن سامنے رکھا ہو، اس کو ہاتھ نہیں لگایا لیکن سامنے کسی چیز پر کھول کر رکھا ہوا ہے اور وہیں یہیں کھڑے کھڑے اس میں سے پڑھ رہا ہے نماز کے اندر، تو اس صورت میں بھی سیکھنا پایا جائے گا۔ تو یہ دونوں اس میں کوئی فرق نہیں ہو گا، قرآن اٹھا کر پڑھے تب بھی کیا ہو گا؟ سیکھنا۔ اٹھایا نہیں ہے بلکہ سامنے رکھا ہے پھر بھی کیا ہے؟ سیکھنا، تو دونوں صورتوں کو یہ شامل ہو جائے گا، اور اس دلیل کی بنا پر تو دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ چاہے سامنے رکھا ہو چاہے قرآن کو اٹھایا ہوا ہو کیونکہ تلقن دونوں میں پایا جا رہا ہے، سیکھنا دونوں میں ہے۔

اور اگر دوسری دلیل کی طرف نظر کی جائے تو اس کے اندر تو عملِ کثیر کا ذکر ہے، وہاں فرق آ جائے گا۔ اٹھا کر، نظر ڈال کر، اوراق پلٹتے ہوئے، دیکھ کر پڑھ رہا ہے تو اس میں ہے عملِ کثیر، اور اگر سامنے رکھا ہوا ہے اس صورت میں تو پھر عملِ کثیر نہیں ہے، پھر تو اس دلیل کی بنیاد پر اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہونی چاہیے بھائی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ کہ پہلی دلیل پہلی دلیل جو ذکر ہوئی عملِ کثیر والی وہ صرف کس صورت میں ہے؟ قرآن اٹھایا ہو تب ہے، قرآن سامنے رکھا ہو تو پھر عملِ کثیر نہیں۔ تو اس میں دونوں صورتوں میں فرق آ جائے گا۔ اور تلقن والی دلیل کو اگر دیکھا جائے تو اس میں دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ سیکھنا، اٹھا کر پڑھے گا تب بھی سیکھنا ہے، سامنے رکھا ہو تب بھی سیکھنا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَعَلَى هٰذَا لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَحْمُولِ وَالْمَوْضُوعِ اور اس دلیل کی بنیاد پر، یہ جو تلقن والی دلیل ہے، لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَحْمُولِ وَالْمَوْضُوعِ کوئی فرق نہیں ہے اٹھائے ہوئے اور رکھے ہوئے قرآن کے درمیان۔ محمول جس کو اٹھایا ہو، موضوع جس کو سامنے جس کو رکھا ہو۔ وَعَلَى الْأَوَّلِ يَفْتَرِقَانِ اور پہلی دلیل کی بنیاد پر يَفْتَرِقَانِ یہ دونوں مختلف ہوں گے، جدا ہوں گے۔ کون کون بھائی؟ وہ قرہ جو قرآن کو اٹھایا ہوا ہے اور وہ صورت جس میں قرآن کو سامنے رکھا ہوا ہے، دونوں الگ الگ ہوں گے۔

وَلَوْ نَظَرَ إِلَى مَكْتُوبٍ وَفَهِمَهُ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ بِالْإِجْمَاعِ۔ اور اگر کسی شخص نے نظر کی، نگاہ کی إِلَى مَكْتُوبٍ کسی لکھی ہوئی چیز کی طرف، وَفَهِمَهُ اور اس کو سمجھ لیا۔ کوئی چیز سامنے لکھی ہوئی تھی، قرآن نہیں بھائی، کوئی اور چیز ویسے لکھی ہوئی تھی اور اس نے اس تحریر پر نظر ڈالی اور اس کو سمجھ لیا، وہ تحریر اس کو سمجھ میں آ گئی۔ البتہ اس نے زبان کو حرکت نہیں دی، زبان نہیں ہلائی، صرف نظر ڈالی اور وہ چیز اس کو سمجھ میں آ گئی۔ فَالصَّحِيحُ تو صحیح قول یہ ہے: أَنَّهُ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ بِالْإِجْمَاعِ کہ اس کی نماز بالاجماع فاسد نہیں ہو گی۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يَقْرَأُ كِتَابَ فُلَانٍ حَيْثُ يَحْنَثُ بِالْفَهْمِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ بخلاف اس کے کہ اگر کسی نے قسم اٹھائی ہوئی ہو کہ میں فلاں کا خط یا فلاں کی کتاب نہیں پڑھوں گا۔ کتاب میں نے بتلایا تھا یہ جو کتاب جس میں سے آپ پڑھ رہے ہیں اس کو بھی عربی زبان میں کتاب کہتے ہیں اور خط کو بھی کیا کہتے ہیں؟ کتاب۔ تو اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کا خط نہیں پڑھے گا تو وہاں پر اگر وہ اس کو اس پر نظر ڈالے اور صرف سمجھ لے اس کو، زبان سے نہ پڑھے، تو بھی امام امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ حانث ہو جائے گا۔ کیا ہو جائے گا؟ حانث ہو جائے گا۔ اس لیے کیونکہ وہاں جو لفظ لکھے گئے ہیں ان سے سمجھنا اور سمجھانا ہی مقصود ہے، وہاں قرأت اور پڑھنا اس کو مقصود نہیں ہے۔ تو وہ مقصد تو پایا گیا، لہٰذا وہ حانث ہو جائے گا۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يَقْرَأُ كِتَابَ فُلَانٍ بخلاف اس صورت کے کہ جب کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کا خط نہیں پڑھے گا، حَيْثُ يَحْنَثُ کیونکہ وہ حانث ہو جائے گا بِالْفَهْمِ سمجھنے کی وجہ سے، یعنی یہ مسئلہ اس مسئلے کے خلاف ہے جو کس میں ذکر ہوا؟ متن میں ذکر ہوا، کیونکہ اس مسئلے میں حَيْثُ يَحْنَثُ کیونکہ اس میں کیا ہو جائے گا وہ؟ حانث ہو جائے گا، تو یہ اس مسئلے کے خلاف ہے۔ حَيْثُ يَحْنَثُ بِالْفَهْمِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ کیونکہ وہ حانث ہو جائے گا سمجھنے کی وجہ سے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُنَالِكَ الْفَهْمُ اس لیے کیونکہ وہاں پر مقصود ہی فہم ہے، خط کے اندر مقصود ہی کیا ہوتا ہے؟ سمجھنا مقصود ہوتا

ہے۔

أَمَّا فَسَادُ الصَّلَاةِ فَبِالْعَمَلِ الْكَثِيرِ وَلَمْ يُوجَدْ. اور باقی نماز کا فاسد ہونا تو وہ عملِ کثیر کی وجہ سے ہوتا ہے **وَلَمْ يُوجَدْ** اور عملِ کثیر تو یہاں پر نہیں پایا گیا بھائی، عملِ کثیر نہیں پایا گیا۔ اس نے صرف اس پر نظر ڈالی ہے اور سمجھ میں آ گیا، کوئی عمل تو کرنا ہی نہیں پڑا، صرف نظر ڈالی۔

وَإِنْ مَرَّتِ امْرَأَةٌ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي لَمْ يَقْطَعِ الصَّلَاةَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ مُرُورُشَيْءٍ» إِلَّا أَنَّ الْمَارَّ آثِمٌ. اچھا بھائی۔ **وَإِنْ مَرَّتِ امْرَأَةٌ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي** اور اگر گزری کوئی عورت کسی نمازی کے سامنے سے، **لَمْ يَقْطَعِ الصَّلَاةَ** تو وہ نماز کو نماز کو نہیں توڑے گی، اس شخص کی نماز کو نہیں توڑے گی۔ دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: **«لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ مُرُورُشَيْءٍ»** نماز کو نہیں توڑتا کسی چیز کا گزرنا، یعنی کوئی چیز سامنے سے گزرے تو یہ نماز کو نہیں توڑتا بھائی اس کا گزرنا۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں: **إِلَّا أَنَّ الْمَارَّ آثِمٌ** مگر یہ کہ گزرنے والا گناہ گار ہو گا، گناہ گار ہو گا۔ اور اس کی بھی دلیل ذکر کر رہے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَوْ عَلِمَ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْوِزْرِ لَوَقَفَ أَرْبَعِينَ»** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: اگر جان لے وہ شخص جو گزرنے والا ہے نمازی کے آگے سے، اگر اس کو علم ہو جائے **مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْوِزْرِ** کہ کتنا گناہ ہے اس پر، **لَوَقَفَ أَرْبَعِينَ** تو وہ البتہ کھڑا رہے چالیس تک۔ وزر کہتے ہیں بوجھ کو بوجھ کو، مراد گناہ ہے یہاں، کہ اگر کسی نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس پر کتنا بوجھ ہے یعنی کتنا گناہ ہے اس کا، **لَوَقَفَ أَرْبَعِينَ** تو وہ چالیس کھڑا رہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا یعنی کوئی بھول گئے ہوں گے کہ حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا: چالیس دن کہے، یا چالیس مہینے کہے، یا چالیس سال کہے بھائی، چالیس سال۔ البتہ علماء لکھتے ہیں کہ اور بعض احادیث سے میں چالیس سال کا ذکر آیا ہے، چالیس اگر نمازی کو پتہ لگ جائے اگر کسی شخص کو پتہ لگ جائے کہ نمازی سے کے آگے سے گزرنے کا کتنا گناہ ہوتا ہے تو وہ چالیس سال کھڑا رہے، اتنا انتظار کر لے، لیکن نمازی کے آگے سے وہ نہیں گزرے گا، کتنا عظیم اس گناہ سے اتنا بچنے کی کوشش کرے گا بھائی۔

اچھا بھائی، مسئلہ ذکر ہوا کہ اگر کوئی عورت گزر گئی نمازی کے آگے سے تو اس کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس مسئلے کو ذکر کیا اس لیے کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک اس اگر نمازی کے آگے سے عورت گزرے تو اس کی نماز جو ہے وہ فاسد ہو جائے گی، اور وہ روایت ذکر کرتے ہیں کہ حدیث کے اندر آتا ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سے عورت گزر جائے یا گدھا گزر جائے یا اسی طرح کتا گزر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، نماز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد ہو جاتی ہے۔

تو یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی پہنچی بھائی، تو وہ اس پر بڑی غضب ناک ہوئیں، بڑی ناراض ہوئیں، اور فرمانے لگیں: اے اہلِ عراق، اے اہلِ عراق اور اے اہلِ نفاق، اے اہلِ شقاق، تم لوگوں نے اور ہم عورتوں کو کتوں اور گدھوں کے ساتھ ملا دیا ہے؟ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں نماز پڑھا کرتے تھے اور میں اس طرح لیٹی ہوتی کہ میرے پاؤں وغیرہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتا تھا، اور پھر جب حضور علیہ السلام سجدے میں جانے لگتے تو میں پاؤں سمیٹ لیتی تھی اور پھر جب وہ سجدے سے اٹھ جاتے تو میں پھر پاؤں لمبے کر لیتی تھی۔ اس سے کیا معلوم ہوا؟ اس حدیث سے کہ جب عورت سامنے ہو تو پھر نماز نہیں ٹوٹتی تو آگے گزرنے سے تو بطریقِ اولیٰ نماز نہیں ٹوٹے گی بھائی۔ تو ہم احناف کے نزدیک اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا بھائی۔

اچھا جی، آگے دیکھیے کتاب پر بھائی۔ **وَإِنَّمَا يَأْثَمُ إِذَا مَرَّ فِي مَوْضِعِ سُجُودِهِ عَلَى مَا قِيلَ، يَرْحَمُكَ اللّٰهُ،** اچھا بھائی، بات یہ ہو رہی ہے کہ نمازی کے آگے سے نہیں گزرنا چاہیے کیونکہ حدیث میں آیا کہ اگر نمازی کے آگے سے کوئی کسی کو پتہ لگ جائے گزرنے والے کو کہ کتنا گناہ ہوتا ہے تو وہ چالیس سال تک کھڑا رہے لیکن اس کے آگے سے نہ گزرے۔ اب کس کس مقام سے گزرے گا تو اس کو کہیں گے یہ نمازی کے آگے سے گزرا ہے؟ کتنی قریب سے گزرے اور کتنی دور سے گزرنے کی گنجائش ہے؟ وہ ذکر فرمارہے ہیں۔ تو فرماتے ہیں: **وَإِنَّمَا يَأْثَمُ إِذَا مَرَّ فِي مَوْضِعِ سُجُودِهِ** کہ وہ شخص گناہ گار ہو گا گزرنے والا جب وہ گزرے **فِي مَوْضِعِ سُجُودِهِ** اس نمازی کے سجدے کی جگہ سے۔ اس سجدے کی جگہ کے میں سے گزرے، کس جگہ سے؟ ہاں، یعنی اس کے اندر اندر سے گزرے، **عَلَى مَا قِيلَ** بنا پر اس کے جو کہا گیا ہے، **وَلَا يَكُونُ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ** اور ان کے درمیان کوئی حائل اور کوئی آڑ اور کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو بھائی۔

وَيُحَاذِي أَعْضَاءَ الْمَارِّ أَعْضَاؤُهُ لَوْ كَانَ يُصَلِّي عَلَى الدُّكَّانِ اور برابر ہو جائیں گزرنے والے کے اعضا نمازی کے اعضا کے اگر نماز پڑھنے والا نماز پڑھ رہا ہو **عَلَى الدُّكَّانِ** کسی چبوترے پر بھائی، کسی چبوترے یعنی اونچی جگہ پر۔ ایک آدمی ہے وہ ذرا اونچی جگہ پر نماز پڑھ رہا ہے تو یعنی یوں سمجھیں سر کے برابر اونچی جگہ ہے، تو اب وہ جو سامنے نیچی جگہ ہے وہاں سے کوئی گزرتا ہے تو اس کو گزرنے والا نہیں کہا جائے گا اس لیے کیونکہ اس کے اعضا نمازی کے اعضا کے مقابل نہیں آئے، نماز پڑھنے والا تو اس کے سر سے بھی اونچا ہے۔ ہاں اگر دو تین فٹ صرف اونچی جگہ تھی جس پر وہ نماز پڑھ رہا ہے اور سامنے جو گزرنے والی جگہ ہے وہ دو تین فٹ اس نماز کی جگہ سے نیچے ہے، اب جب گزرے گا تو اعضا اس کے مقابل آئیں گے یا نہیں آئیں گے؟ اعضا اس کے مقابل آئیں گے نمازی کے اعضا گزرنے والے کے اعضا نمازی کے اعضا کے سامنے آئیں گے مقابل آئیں گے تو پھر اس صورت میں گناہ گار ہو گا بھائی، گناہ گار۔

اور یاد رکھیے یہ جو ذکر کیا یہ صحرا میں یا ایسی جگہ جہاں کوئی رکاوٹ نہیں، کھلی جگہ ہے، اس بارے میں یہ مسئلہ ذکر ہوا کہ کتنی جگہ سے وہ گزرے تو گناہ گار ہو گا؟

سجدے کی جگہ کے اندر سے۔ بعضوں نے کہا کہ نہیں، سجدے کی جگہ پر اگر نمازی کی نظر ہو اور پھر جہاں تک اس کی نظر پہنچ رہی ہو۔ بھائی جب انسان ایک چیز پر نظر ڈالتا ہے تو نظر صرف اسی وہی چیز نظر آتی ہے یا اس کے ارد گرد کی بھی کچھ چیزیں نظر آتی رہتی ہیں؟ ہاں، آپ ایک سیدھا مثلاً آپ گھڑی کو مثلاً سامنے دیکھ رہے ہیں تو پھر بھی گھڑی کے اس دائیں بائیں چیزیں بھی آپ کو نظر، تو اسی طرح جب نماز پڑھنے والا نماز میں سجدے کی جگہ پر نظر رکھے گا تو کچھ تھوڑی سی آگے کی چیزیں بھی اس کو نظر آئیں گی۔ تو یہ جہاں تک اس کی نظر جا رہی ہے، نگاہیں ہیں کس جگہ پر؟ سجدے کی جگہ پر۔ اسی حالت میں جہاں تک کچھ دکھائی دے رہا ہے اس جگہ میں سے کوئی گزرے تو گناہ گار ہو گا، اس کے آگے سے گزرے تو گناہ گار نہیں ہو گا بھائی، گناہ گار نہیں ہو گا۔ تو بعضوں نے اس کی مقدار دو صفیں بیان کی، بعضوں نے تین صفوں تک بیان کی، لیکن یہ صحرا کا حکم ہے۔ اور مسجد کے اندر؟ مسجد کے اندر کتنی آگے سے گزرنے والا گناہ گار ہو گا اور کون گزر گناہ گار نہیں؟ تو اس میں بعضوں نے لکھا کہ مسجد میں تو نمازی سے لے کر اگلے حصے تک مسجد کے اس درمیان میں کہیں سے بھی نہیں گزرنا چاہیے۔ بعضوں نے کہا پچاس ذراع آگے سے، یعنی پچھتر فٹ آگے سے کوئی گزرنا چاہے مسجد کے اندر ہی ہے وہ جگہ تو پچھتر فٹ آگے سے گزرنا چاہے تو گزر سکتا ہے، اس سے درمیان سے قریب سے اور درمیان میں سے نہیں گزر سکتا۔ تو اس مسئلے میں خصوصاً بڑی احتیاط کرنی چاہیے بھائی، خصوصاً بڑی احتیاط۔

وَيَنْبَغِي لِمَنْ يُصَلِّي فِي الصَّحْرَاءِ أَنْ يَتَّخِذَ أَمَامَهُ سُتْرَةً اور مناسب ہے اس شخص کے لیے جو نماز پڑھ رہا ہو صحرا کے اندر **أَنْ يَتَّخِذَ أَمَامَهُ سُتْرَةً** کہ وہ بنالے اپنے سامنے، پکڑ لے اپنے سامنے **سُتْرَةً** کوئی سترہ۔ سترہ بھائی وہ چیز جس کو نماز پڑھنے والا اپنے آگے کوئی لکڑی وغیرہ یا کوئی ایسی رکاوٹ یا کوئی لکڑی گاڑ دیتا ہے تاکہ آگے سے کوئی گزرنا چاہے تو گزر سکے بھائی، گزر سکے، تو اس کو سترہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ سترہ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: **وَيَنْبَغِي لِمَنْ يُصَلِّي فِي الصَّحْرَاءِ** اور مناسب ہے اس شخص کے لیے جو صحرا میں نماز پڑھ رہا ہو، مراد یعنی کھلی جگہ ہے کہیں بھی کوئی بھی جگہ، وہاں پر نماز پڑھ رہا ہے اس کے لیے مناسب یہ ہے **أَنْ يَتَّخِذَ أَمَامَهُ سُتْرَةً** کہ وہ اپنے آگے سترہ پکڑ لے یعنی سترہ بنالے، کسی لکڑی وغیرہ کو کھڑا کر دے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے: «**إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي الصَّحْرَاءِ فَلْيَجْعَلْ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةً**» کہ تم میں سے جو شخص صحرا کے اندر نماز پڑھے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے سامنے کوئی سترہ مقرر سترہ بنالے، کوئی سترہ لگا دے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟

وَمِقْدَارُهَا ذِرَاعٌ فَصَاعِدًا اور سترے کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟ کتنا اونچا کم از کم ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں: **وَمِقْدَارُهَا ذِرَاعٌ فَصَاعِدًا** اور سترے کی مقدار جو ہے ایک ذراع ہے **فَصَاعِدًا** یا اس سے زیادہ۔ کم از کم یعنی ایک ذراع ہو یا اس سے زیادہ ہو، جتنا زیادہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تو ایک ذراع، اور ذراع کیا ہے؟ شرعی گز ہے یعنی ڈیڑھ فٹ، یعنی وہ سترہ زمین سے ڈیڑھ فٹ اونچا ہو بھائی۔ **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ إِذَا صَلَّى فِي الصَّحْرَاءِ أَنْ يَكُونَ أَمَامَهُ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ؟**» کیا تم میں سے کوئی شخص عاجز ہے اس بات سے کہ جب وہ صحرا میں نماز پڑھے تو یہ کہ اس کے سامنے ہو اس کے سامنے ہو کیا؟ **مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ**۔ رحل کہتے ہیں کجاوے کو کجاوے کو، مؤخرۃ کنارہ کنارہ، کجاوے کے کنارے کے مثل کوئی چیز اس کے سامنے ہو۔ کیا اس سے بھی جو شخص صحرا میں نماز پڑھتا ہے کیا وہ اس بات سے عاجز ہے کہ اس کے سامنے کجاوے کے کنارے جیسی کوئی چیز ہو؟ یعنی اس کے کجاوے کے کنارے جیسی کسی چیز کو اپنے سامنے رکھ لے، کیا اس سے بھی وہ عاجز ہے، اتنا بھی وہ نہیں کر سکتا؟ معنی سمجھ میں آیا؟ حدیث میں کیا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی شخص عاجز ہے اس بات سے کہ جب وہ صحرا میں نماز پڑھے کہ اس کے سامنے کجاوے کے کنارے کے جیسی کوئی چیز ہو؟ اور کجاوہ آپ جانتے ہیں وہ اس میں کنارے پر جو لکڑیاں لگی ہوتی ہیں اس کی لمبائی تقریباً یہ ایک ذراع ہی بنتی ہے بھائی، کتنی؟ ایک ذراع۔ معلوم ہوا ایک ذراع اونچائی ہونی چاہیے کم از کم سترے کی۔

وَقِيلَ: يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي غِلَظِ الْإِصْبَعِ اور کہا گیا ہے: مناسب یہ ہے کہ وہ سترہ جو ہے انگلی کی موٹائی میں ہو یعنی اس کے برابر ہو، **لِأَنَّ مَا دُونَهُ لَا يَبْدُو لِلنَّاظِرِينَ مِنْ بَعِيدٍ** اس لیے کیونکہ اس سے کم جو ہے یعنی انگلی کی موٹائی سے بھی کم باریک یعنی باریک ہے تو وہ تو ظاہر ہی نہیں ہو گا دیکھنے والوں کو، ان کو نظر ہی نہیں آئے گا **مِنْ بَعِيدٍ** دور سے، **فَلَا يَحْصُلُ الْمَقْصُودُ** تو مقصد حاصل نہیں ہو گا، مقصد حاصل نہیں ہو گا۔

وَيَقْرُبُ مِنَ السُّتْرَةِ اور نماز پڑھنے والا سترے کے قریب رہے، یعنی سترے کے قریب نماز پڑھے، سترہ سر کے قریب ہی ہو، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**مَنْ صَلَّى إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا**» اور جو شخص نماز پڑھے سترے کی طرف یعنی جس کے سامنے سترہ ہو، تو جو جو نماز پڑھے سترے کی طرف **فَلْيَدْنُ مِنْهَا** تو اس کو چاہیے کہ اس کے قریب ہو۔

وَيَجْعَلُ السُّتْرَةَ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ۔ حاجب کہتے ہیں بھوؤں کو بھوؤں کو۔ یہ جو آنکھ اور ماتھے کے درمیان ماتھے جہاں سے ماتھا شروع ہو رہا ہے تو یہ جو ماتھے اور آنکھ کے درمیان یہ جو بال ہیں ہڈی کے کنارے پر، یہ ہے حاجب بھائی حاجب۔ اردو میں ان کو کیا کہتے ہیں؟ بھویں۔ تو اب یہ جو سترہ رکھا جائے یاد رکھیے یہ بالکل درمیان میں نہ ہو بلکہ دائیں حاجب کی سیدھ میں ہو یا بائیں حاجب کی سیدھ میں ہونا چاہیے۔ یہ معنی ہے: **وَيَجْعَلُ السُّتْرَةَ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ** اور کر دے سترے کو اپنی دائیں حاجب پر یا بائیں حاجب پر یعنی اس کی سیدھ میں رکھے، **بِهِ وَرَدَ الْأَثَرُ** اسی کے ساتھ اثر یعنی حدیث وارد ہوئی ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِتَرْكِ السُّتْرَةِ إِذَا أَمِنَ الْمُرُورَ وَلَمْ يُوَاجِهِ الطَّرِيقَ اور کوئی حرج نہیں ہے سترے کو ترک کر دینے میں، یعنی سترہ رکھنا ضروری نہیں

ہے، سترہ نہ رکھنا چاہے اس کو چھوڑ دے یہ بھی کر سکتا ہے، کب؟ **إِذَا أَمِنَ الْمُرُورَ** جب یہ شخص مامون ہو گزرنے سے یعنی وہاں سے کسی گزر کسی کے گزرنے کا احتمال نہیں ہے، **وَلَمْ يُوَاجِهِ الطَّرِيقَ** اور یہ راستے کے سامنے بھی نہیں ہے۔ ہاں راستے کے سامنے ہے یہاں یا وہاں سے کوئی شخص گزر سکتا ہے تو پھر سترہ رکھنا چاہیے، ورنہ ویسے سترہ چھوڑ بھی دے کوئی حرج نہیں۔

وَسُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةٌ لِلْقَوْمِ اور امام کا جو سترہ ہے وہ لوگوں کا بھی یعنی جو مقتدی ہیں اس کے ان کا بھی سترہ ہے، **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى بِبَطْحَاءِ مَكَّةَ إِلَى عَنَزَةٍ وَلَمْ يَكُنْ لِلْقَوْمِ سُتْرَةٌ** اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی کس میں؟ **بِبَطْحَاءِ مَكَّةَ**، اس میں نماز پڑھی **بِبَطْحَاءِ مَكَّةَ**، بطحاء کہتے ہیں وادی کو، مکہ کی وادی میں **إِلَى عَنَزَةٍ**، ایک عنزہ کہتے ہیں وہ لکڑی جس کے کنارے پر کوئی نوک دار چیز لگی ہوئی ہو، جیسا نیزے میں ہوتا ہے، نیزے کے کنارے پر کیا لگی ہوتی ہے؟ نوک دار نوک دار چیز لگی ہوتی ہے، کوئی نوک دار لوہا وغیرہ یا اس جیسی چیز لگی ہوتی ہے، تو تو بہر حال یہ نیزہ نہیں نیزہ نہیں مراد بلکہ عام لکڑی جس کے کنارے پر کیا ہو؟ کوئی نوک دار چیز لگا دی جائے۔ تو حضور علیہ السلام نے مکہ کی وادی میں ایک نوک دار لکڑی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی یعنی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا، **وَلَمْ يَكُنْ لِلْقَوْمِ سُتْرَةٌ** اور باقی لوگوں کے لیے سترہ نہیں تھا۔ تو باقی لوگوں کے لیے سترہ نہیں تھا، صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو امامت فرما رہے تھے آپ کے سامنے سترہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ امام کا سترہ سب لوگوں کے لیے، سب مقتدیوں کے لیے بھی سترہ ہے بھائی۔ تو سامنے سے کوئی آدمی گزرنا چاہے اس سترے کے آگے سے تو گزر سکتا ہے۔ اب دیکھیے بے شک کئی نمازیوں کے سامنے سے گزر رہا ہے، سترہ صرف کس کے سامنے ہے؟ امام کے سامنے، کوئی حرج نہیں بھائی۔ طریقہ ہی یہی ہے، بے فکر ہو کر انسان گزر جائے کیونکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے کہ آپ کے سامنے صرف سترہ تھا باقیوں کے سامنے سترہ نہیں تھا۔

وَيُعْتَبَرُ الْغَرْزُ دُونَ الْإِلْقَاءِ غرز کا معنی ہے گاڑ دینا، اور اس سترے کا زمین میں گاڑ دینا اس کا یہ معتبر ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا **دُونَ الْإِلْقَاءِ وَالْخَطِّ** نہ کہ اس کو زمین پر ڈال دینا **وَالْخَطِّ** یا اور خط کھینچنا یعنی زمین پر لکیر کھینچ دینا۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں جیسے امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کہ اگر اور کوئی چیز نہ ہو تو پھر کیا کر دے؟ اپنے سامنے ایک لکیر کھینچ دے زمین پر، یعنی آگے کی طرف لمبائی میں، آگے کی طرف لمبائی میں ایک لکیر کھینچ دے تو بھی کوئی اس کے آگے سے گزرنا چاہے تو گزر سکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ لکیر کھینچنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح اگر لکڑی ہے اس کو سامنے گاڑنے کے بجائے اور کھڑا کرنے کے بجائے اس کو سامنے زمین پر لٹا دیتا ہے، اس کو اس کو زمین پر لٹا دیتا ہے اور زمین پر ڈال دیتا ہے تو اس زمین پر ڈالنے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ کیا کرنا پڑے گا؟ اس کو زمین میں گاڑنا پڑے گا کہ وہ سامنے لکڑی کھڑی ہو جائے اور وہ رکاوٹ بن جائے نمازی کے درمیان اور گزرنے والے کے درمیان بھائی۔ ہاں البتہ اگر کوئی ایسی جگہ ہے کہ زمین سخت ہے وہاں وہ لکڑی کو گاڑ ہی نہیں سکتا یا گاڑنا بڑا مشکل ہے تو پھر اس صورت میں اس کو زمین پر ڈال دینا بھی جائز ہے، لیکن پھر لمبائی کے رخ ڈالے، چوڑائی میں نہیں، تاکہ جس طرح گاڑا جاتا ہے اسی شکل پر ہو جائے لمبائی میں، یعنی اس لکڑی کا ایک سرا نمازی کے سر کی طرف ہے تو دوسرا سرا آگے قبلے کی طرف ہو، اس طرح لمبائی میں ڈال دے۔

تو کہتے ہیں: **وَيُعْتَبَرُ الْغَرْزُ دُونَ الْإِلْقَاءِ وَالْخَطِّ** اور معتبر جو ہے اس سترے کو گاڑ دینا ہے نہ کہ اس کو زمین پر ڈالنا اور نہ خط کھینچنا لکیر لگانا، **لِأَنَّ الْمَقْصُودَ لَا يَحْصُلُ بِهِ** اس لیے کیونکہ مقصد کیا ہے؟ وہ اس سے حاصل نہیں ہو گا، خط کھینچنے سے یا زمین پر ڈالنے سے مقصد حاصل نہیں ہو گا، اس لیے کیونکہ مقصد تو کیا ہے؟ نما جو گزرنے والے کو دور کرنا ہے کہ وہ ادھر سے نہ گزرے بلکہ اس کے دوسری طرف سے گزرے، تو وہ خط وغیرہ کھینچنے سے حاصل نہیں ہو گا۔

وَيَدْرَأُ الْمَارَّ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ أَوْ مَرَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السُّتْرَةِ. صورت یہ: ایک شخص نے ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس نے سامنے سترہ بھی لگایا ہے۔ اب کوئی شخص اس نمازی اور سترے کے درمیان سے گزرنا چاہتا ہے تو اس کو دور کرے، اس کو کیا کرے؟ اس کو روکے، اس کو اشارہ کر دے کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ نماز پڑھ رہا ہوں۔ تو اس کو دور کرے تو اگر سترے اور اس کے درمیان سے گزر رہا ہے، یا سامنے سترہ نہیں ہے اور کوئی اس کے آگے سے گزرنا چاہتا ہے تو اس کو دور کرے یعنی اشارہ کرے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں۔

تو کہتے ہیں: **يَدْرَأُ الْمَارَّ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ** دور کرے گزرنے والے کو جب اس نمازی کے سامنے کوئی سترہ نہ ہو، یا سترہ تو ہے لیکن **مَرَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السُّتْرَةِ** وہ گزرنے والا اس نمازی اور اس کے سترے کے درمیان سے گزرتا ہے تو اس کو دور کرے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**فَادْرَءُوا مَا اسْتَطَعْتُمْ**» کہ تم دور کرو جس قدر تم سے ہو سکے، جس قدر تم میں استطاعت ہو یعنی جتنا تم سے ہو سکے۔

اب دور کس طرح کرے گا؟ وہ بتلا رہے ہیں: **وَيَدْرَأُ بِالْإِشَارَةِ** اور دور کرے اس کو اشارے سے، **كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَلَدَيْ أُمِّ سَلَمَةَ** جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو بیٹوں کو کو اشارہ ان کے ساتھ کیا تھا، یعنی جیسے ان کو اشارہ کیا تھا۔ تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے وہ نماز پڑھ رہے تھے سامنے سے گزر رہے گزرنے لگے تو حضور علیہ السلام نے ان کو ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا۔ اور پھر جو بیٹا تھا چھوٹا سا، چھوٹے بچے تھے، وہ بیٹا جو تھا وہ تو رک گیا، البتہ جو ان کی بیٹی تھی وہ سامنے سے گزر گئی تو حضور علیہ السلام نے کچھ ناراضگی والے الفاظ بھی کہے بھائی بعد میں۔

أَوْ يَدْفَعُ بِالتَّسْبِيحِ لِمَا رَوَيْنَا اور یا دور کرے اس کو با تسبیح، کس کے ساتھ؟ تسبیح کے ساتھ، یعنی زور سے **سُبْحَانَ اللَّهِ** یا لَا **إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ** وغیرہ کہہ دے، **لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ** اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے اس سے پہلے روایت کی، وہ کیا حدیث آئی تھی؟ کہ تم میں سے اگر کسی کو نماز میں کوئی واقعہ پیش آئے تو کیا

کرے؟ تو پھر تس تو اسے نمازی کو چاہیے کہ وہ تسبیح پڑھے بھائی۔

وَيُكْرَهُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا اور ان دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے کہ اشارہ بھی کرے اور تسبیح بھی پڑھے، تو دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے، **لِأَنَّ بِأَحَدِهِمَا كِفَايَةً** اس لیے کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ کفایت ہو جائے گی۔ ایک جب کافی ہو جائے گا تو دونوں چیزیں نہ کرے کہ تسبیح بھی کہے زور سے اور اور اشارہ وغیرہ بھی ہاتھ سے کرے، بھائی دونوں نہ کرے بھائی۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۶۲: مسئلہ: إِنَّ اللّٰہَ تَعَالَی کَرِہَ لَکُمْ ثَلَاثًا

ہدایہ صفحہ: ۱۴۱ــــ بتاریخ: ۱۳ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي أَنْ يَعْبَثَ بِثَوْبِهِ أَوْ بِجَسَدِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا» وَذَكَرَ مِنْهَا «الْعَبَثَ فِي الصَّلَاةِ» وَلِأَنَّ الْعَبَثَ خَارِجَ الصَّلَاةِ حَرَامٌ فَمَا ظَنُّكَ فِي الصَّلَاةِ، وَلَا يُقَلِّبُ الْحَصَى لِأَنَّهُ نَوْعُ عَبَثٍ إِلَّا أَنْ لَا يُمَكِّنَهُ مِنْ السُّجُودِ فَيُسَوِّيهِ مَرَّةً لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ «مَرَّةً يَا أَبَا ذَرٍّ وَإِلَّا فَذَرْ» وَلِأَنَّ فِيهِ إِصْلَاحَ صَلَاتِهِ۔ [1]

■ فَصْلٌ: وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي أَنْ يَعْبَثَ بِثَوْبِهِ أَوْ

فَصْلٌ: وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي أَنْ يَعْبَثَ بِثَوْبِهِ أَوْ بِجَسَدِهِ۔ اس فصل میں مکروہاتِ نماز کو بیان کریں گے صاحبِ ہدایت بھائی۔ کہتے ہیں: **وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي** اور مکروہ ہے نمازی کے لیے **أَنْ يَعْبَثَ بِثَوْبِهِ أَوْ بِجَسَدِهِ**، عبث کہتے ہیں بے کار اور لایعنی کام کرنا، یعنی کھیلنا۔ اور مکروہ ہے نمازی کے لیے کہ **أَنْ يَعْبَثَ بِثَوْبِهِ أَوْ بِجَسَدِهِ** یہ کہ وہ کھیلے اپنے کپڑوں کے ساتھ **أَوْ بِجَسَدِهِ** یا اپنے جسم کے ساتھ۔ کپڑوں کے ساتھ کھیلتا ہے مثلاً کپڑے کبھی ایک طرف ہاتھ سے ان کو صحیح کرتا ہے کبھی دوسری طرف سے صحیح کرتا ہے یا جسم کے ساتھ کھیلتا ہے مثلاً بار بار سر کے بالوں کو ہاتھ لگا رہا ہے یا بار بار جسم پر کھجلی بغیر ضرورت کے کر رہا ہے وغیرہ بھائی۔ تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے نمازی کے لیے۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا**» کہ اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے تمہارے لیے تین چیزوں کو **وَذَكَرَ مِنْهَا الْعَبَثَ فِي الصَّلَاةِ** اور ان میں حضور علیہ السلام نے ایک عبث فی الصلاۃ کو بھی ذکر فرمایا۔ ان تین چیزوں میں سے ایک کس کو ذکر فرمایا؟ عبث فی الصلاۃ، نماز میں بے کار یعنی لایعنی کام کرنا یعنی نماز میں کھیلنا۔

وَلِأَنَّ الْعَبَثَ خَارِجَ الصَّلَاةِ حَرَامٌ، آگے صاحبِ ہدایہ دلیل دوسری عقلی دلیل بھی دے رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ عبث نماز سے باہر حرام ہے **فَمَا ظَنُّكَ فِي الصَّلَاةِ** تو نماز کے اندر تمہارا کیا گمان ہے؟ یعنی اس میں تو بطریقِ اولیٰ کیا ہو گا؟ حرام ہو گا۔

وَلَا يُقَلِّبُ الْحَصَى، حصی جمع ہے حصاۃ کی اور یہ کنکری کو کہتے ہیں۔ **وَلَا يُقَلِّبُ الْحَصَى** اور کنکریوں کو نہ الٹے پلٹے۔ قلب یقلب تقلیب کا معنی ہے الٹنا پلٹنا۔ **وَلَا يُقَلِّبُ الْحَصَى** اور کنکریوں کو نہ الٹے پلٹے **لِأَنَّهُ نَوْعُ عَبَثٍ** اس لیے کیونکہ یہ بھی کیا ہے؟ ایک قسم کا عبث کام ہے، بے کار کام ہے۔ **إِلَّا أَنْ لَا يُمَكِّنَهُ مِنْ السُّجُودِ** مگر یہ کہ اس کے لیے، نماز پڑھنے والے کے لیے ممکن نہ ہو سجدہ **فَيُسَوِّيهِ مَرَّةً** تو پھر ان کنکریوں کو کیا کر دے؟ ایک دفعہ برابر کر دے **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**مَرَّةً يَا أَبَا ذَرٍّ وَإِلَّافَذَرْ**» کہ ایک مرتبہ اے ابوذر! «**وَإِلَّا فَذَرْ**» ورنہ اسے چھوڑ، یعنی ایک مرتبہ کنکریوں کو سیدھا کر لو اور ورنہ چھوڑ دو بھائی۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۷): «**واحدة**»۔ • شاملہ (ص ۱۷) میں «**الْحَصَى**» کے بجائے «**الحصا**» درج ہے۔

وَلِأَنَّ فِيهِ إِصْلَاحَ صَلَاتِهِ، یہاں سے دوسری عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ، کہتے ہیں اس لیے، اس کی گنجائش اس لیے ہے کنکریوں کو ایک دفعہ سیدھا کرنے کی، کیونکہ اس کے اندر اس نماز پڑھنے والے کی نماز کی اصلاح ہے، نماز وہ آرام سے پڑھ سکے گا بھائی۔

وَلَا يُفَرْقِعُ أَصَابِعَهُ اور انگلیاں نہ چٹخائے۔ نماز پڑھنے والا انگلیوں کو نہ چٹخائے۔ انگلیاں چٹخانا بھائی یہ آپ جانتے ہیں کہ انگلیوں کو پیچھے کی طرف موڑا جائے یہاں تک کہ ان میں سے آواز نکلے، یہ ہے انگلیاں چٹخانا۔ اور یاد رکھیے یہ نماز کے اندر جیسے مکروہ ہے اسی طرح نماز سے باہر بھی یہ ناپسندیدہ ہے، خصوصاً آدابِ مجلس کے خلاف ہے، تو کہیں مجلس میں بیٹھا ہو تو انسان کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

وَلَا يُفَرْقِعُ أَصَابِعَهُ اور اپنی انگلیاں نہ چٹخائے **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**لَا تُفَرْقِعْ أَصَابِعَكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي**» کہ تو اپنی انگلیاں نہ چٹخا اس حال میں کہ تو نماز پڑھ رہا ہو۔

وَلَا يَتَخَصَّرُ اور نماز پڑھنے والا تخصر بھی نہ کرے۔ تخصر بھائی وہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: **وَهُوَ وَضْعُ الْيَدِ عَلَى الْخَاصِرَةِ** اور وہ ہاتھ کو رکھنا ہے خاصرہ پر۔ خاصرہ کہتے ہیں یہ کمر اور پیٹ کے جو اطراف ہیں، پہلو ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ پہلو بھائی اور یہ پسلیوں سے نیچے، پسلیوں سے نیچے جو اطراف ہیں، کمر کی دونوں جانب بھائی، دونوں جانب، تو ان پر انسان کبھی ہاتھ رکھ لیتا ہے دونوں بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ خصوصاً عورتوں کو اگر دیکھا ہو لڑتے ہوئے یہاں ہاتھ رکھ لیتی ہیں۔ تو یہ ہے تخصر بھائی، یہ کیا ہے؟ تخصر۔ اور اس سے منع کیا گیا ہے بھائی۔ تخصر ہے یہ اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَهُوَ وَضْعُ الْيَدِ عَلَى الْخَاصِرَةِ** اور وہ ہاتھ کا رکھنا ہے پہلو پر **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنْ الِاخْتِصَارِ فِي الصَّلَاةِ** اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے نماز میں اس اختصار سے منع فرمایا ہے **وَلِأَنَّ فِيهِ تَرْكَ الْوَضْعِ الْمَسْنُونِ،** دوسری عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، اور اس لیے کیونکہ اس کے اندر مسنون وضع کو چھوڑنا ہے، مسنون جو طریقہ ہے اس کو چھوڑنا ہے بھائی۔ مسنون طریقہ تو یہ کیا تھا؟ ہاتھوں کو باندھا جائے نہ یہ کہ پہلو پر رکھے جائیں۔

وَلَا يَلْتَفِتُ، التفت یلتفت کے معنی ہوتے ہیں دائیں بائیں منہ کرنا بھائی، منہ کو، چہرے کو دائیں بائیں موڑنا۔ **وَلَا يَلْتَفِتُ** اور دائیں بائیں چہرے کو نہ موڑے **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: «**لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّي مَنْ يُنَاجِي مَا الْتَفَتَ**» اگر جان لے نماز پڑھنے والا **مَنْ يُنَاجِي** کہ وہ کس سے مناجات کر رہا ہے، یعنی کس کے ساتھ کس سے دعا کر رہا ہے **مَا الْتَفَتَ** تو وہ البتہ دائیں بائیں منہ نہ موڑتا۔ اگر نمازی کو علم ہو کہ وہ کس ذات سے مناجات کر رہا ہے تو وہ دائیں بائیں منہ نہ موڑے۔

وَلَوْ نَظَرَ بِمُؤْخِرِ عَيْنَيْهِ يَمْنَةً وَيَسْرَةً مِنْ غَيْرِ أَنْ يَلْوِيَ عُنُقَهُ لَا يُكْرَهُ، اور اگر دیکھا **بِمُؤْخِرِ عَيْنَيْهِ،** مؤخر کہتے ہیں کنارے کو، کنارے کو، اور اگر نماز پڑھنے والے نے دیکھا **بِمُؤْخِرِ عَيْنَيْهِ** اپنی دونوں آنکھوں کے کناروں سے یعنی گوشۂ چشم سے **يَمْنَةً وَيَسْرَةً** دائیں اور بائیں طرف **مِنْ غَيْرِ أَنْ يَلْوِيَ عُنُقَهُ،** لوی یلوی کے معنی ہوتے ہیں گردن موڑنے کے، بغیر اس کے کہ وہ اپنی گردن موڑے **لَا يُكْرَهُ** تو یہ مکروہ نہیں **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** «**كَانَ يُلَاحِظُ أَصْحَابَهُ فِي صَلَاتِهِ بِمُؤْقِ عَيْنَيْهِ**» اس لیے کیونکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو ملاحظہ فرماتے تھے یعنی ان پہ نگاہ رکھتے تھے **فِي صَلَاتِهِ** اپنی نماز میں **بِمُؤْقِ عَيْنَيْهِ** اپنے گوشۂ چشم سے بھائی، اپنے گوشۂ چشم سے ان پہ نگاہ۔

اچھا بھائی یہاں آپ نے پڑھا کہ نماز میں دائیں بائیں گردن نہیں موڑنی چاہیے، دائیں بائیں منہ نہیں کرنا چاہیے، اور اگر گوشۂ چشم سے دیکھے تو یہ بغیر گردن کو موڑے تو یہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے بھائی کہ گردن موڑنے سے تو نماز نہیں ٹوٹے گی لیکن اگر قبلے سے انسان کا سینہ پھر گیا تو سینہ اگر قبلے سے پھر جائے تو اس صورت میں نماز ٹوٹ جائے گی بھائی۔ سینہ لہٰذا قبلے سے نہیں پھرنا چاہیے بھائی۔

وَلَا يُقْعِي وَلَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ اور نماز پڑھنے والا نماز میں اقعاء بھی نہ کرے۔ اقعاء، اقعاء کہتے ہیں کتے کی طرح بیٹھنا، وہ یہ کہ انسان زمین پر بیٹھے اس طرح اپنے دونوں کولہے زمین پر رکھ دے، اپنے دونوں کولہے زمین پر رکھ دے، اپنے سامنے اپنے پاؤں جو ہیں رانوں کو، گھٹنوں کو یوں کہیں گھٹنوں کو سینے کے ساتھ ملا لے، گھٹنوں کو سینے کے ساتھ ملا لے تو دونوں پاؤں کے دیکھو تلوے جو ہیں وہ زمین پر ہوں گے، دونوں پاؤں کے تلوے، اور پنڈلیاں رانوں کے ساتھ ملی ہوئی ہوں گی اور رانیں پیٹ کے ساتھ ملی ہوئی ہیں بھائی، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور اسی حالت میں اپنے دونوں ہتھیلیوں کو آگے زمین پر رکھ لے، اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ لے، صورت سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟ یہ ہے اقعاء، اقعاء، اور اس سے منع کیا گیا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يُقْعِي** اور نماز پڑھنے والا نماز میں اقعاء نہ کرے یعنی کتے کی طرح نہ بیٹھے **وَلَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ** اور نہ بچھائے اپنے ذراع یعنی کہنیوں سے لے کر جو ہتھیلی تک بازو کا حصہ ہے ان ذراعین کو زمین پر نہ بچھائے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ عورتوں کی نماز کا یہ طریقہ ہے کیونکہ اس میں ستر زیادہ ہے البتہ مردوں کو اپنے بدن کو خوب کھول کر رکھنا چاہیے، عورتیں سجدہ کریں تو وہ کیا کریں گی؟ اپنے اپنے یہ کہنی سے بازو تک، کہنی سے ہتھیلی تک کا جو بازو کا حصہ ہے وہ اس کو زمین پر بچھائیں گی جبکہ مرد کیا کریں گے؟ اس حصے کو زمین سے بلند رکھیں گے۔ تو حدیث میں آیا ہے، تو **وَلَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ** اور اپنے ذراعین کو زمین پر نہ بچھائے **لِقَوْلِ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ** بوجہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے کہ وہ فرماتے ہیں: «**نَهَانِي خَلِيلِي عَنْ ثَلَاثٍ**» کہ مجھے منع کیا میرے خلیل نے عن

ثلاث کتنی چیزوں سے؟ تین چیزوں سے میرے خلیل نے مجھے منع کیا: «عَنْ أَنْ أَنْقُرَ نَقْرَالدِّيكِ» ایک یہ کہ میں چونچ ماروں نَقْرَ الدِّيكِ، دیک کہتے ہیں مرغے کو، مرغے کی چونچ مارنے کی طرح، یہ کنایہ ہے جلدی سے سجدہ کرنا۔ مثلاً انسان سجدے میں جائے اور ماتھا زمین پر رکھا اور پھر ساتھ ہی فوراً اٹھالیا تو یہ چونچ مارنے کی طرح ہی ہوا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے کہ انسان نماز میں سجدہ کرتے ہوئے مرغے کی طرح چونچ مارے یعنی جلدی سے کرے۔ تو انہوں نے منع کیا مجھے اس سے کہ «عَنْ أَنْ أَنْقُرَ نَقْرَالدِّيكِ» کہ میں چونچ ماروں مرغے کی طرح چونچ مارنا «وَأَنْ أُقْعِيَ إِقْعَاءَ الْكَلْبِ» اور اس بات سے کہ میں بیٹھو إِقْعَاءَ الْكَلْبِ کتے کی طرح بیٹھنا، اس سے بھی منع فرمایا ہے «وَأَنْ أَفْتَرِشَ افْتِرَاشَ الثَّعْلَبِ» اور یہ کہ میں ہاتھ بچھاؤں لومڑی کی طرح ہاتھ بچھانا، اس سے بھی حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔

تو یاد رکھیے یہ اس حالت پر بیٹھنے سے منع کیا گیا اور اسی طرح ہاتھ زمین پر بچھانے سے منع کیا گیا، یہ وہ صورتیں ہیں جب بغیر عذر کے انسان اس طرح کرے، اس سے منع ہے۔ ہاں اگر عذر ہو پھر جس طرح سہولت کے ساتھ بیٹھ سکے بیٹھنے کی اجازت ہے بھائی۔

وَالْإِقْعَاءُ، دیکھیے وہی تفسیر اب اقعاء کی صاحبِ ہدایہ بھی کرنے لگے ہیں: وَالْإِقْعَاءُ أَنْ يَضَعَ أَلْيَتَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ اقعاء یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا رکھے اپنی دونوں، اپنی سرین کو یعنی اپنے دونوں کولہوں کو عَلَى الْأَرْضِ زمین پر وَيَنْصِبَ رُكْبَتَيْهِ نَصْبًا اور کھڑا کرے اپنے دونوں گھٹنوں کو، نصباً کھڑا کرنا وَالصَّحِيحُ اور یہی قول صحیح ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ وہی تفسیر بیان کر دی کہ دونوں گھٹنے کھڑے ہوں بھائی۔

وَلَا يَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهِ اور نماز پڑھنے والا جواب نہ دے سلام کا اپنی زبان سے لِأَنَّهُ كَلَامٌ کیونکہ یہ کیا ہے؟ کلام ہے اور اس سے تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔ وَلَا بِيَدِهِ اور نہ اپنے ہاتھ سے لِأَنَّهُ سَلَامٌ مَعْنًى اس لیے کیونکہ یہ بھی کیا ہے معنی کے اعتبار سے سلام ہی ہے حَتَّى لَوْ صَافَحَ بِنِيَّةِ التَّسْلِيمِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ یہاں تک کہ اگر اس نے مصافحہ کر لیا کسی سے ہاتھ ملا لیا سلام کرنے کی نیت سے تَفْسُدُ صَلَاتُهُ تو اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔

تو یاد رکھیے زبان سے اگر کسی کو سلام کرتا ہے کوئی شخص یا جواب دیتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ کلام ہے اور کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور ہاتھ سے، ہاتھ سے سلام کرتا ہے تو دو صورتیں ہیں، یا تو اشارہ کر دے گا ہاتھ سے یا کیا کرے گا باقاعدہ ہاتھ ملائے گا۔ باقاعدہ ہاتھ ملائے تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی، ہاں اشارہ کر دیا تو یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَلَا بِيَدِهِ اور اپنے ہاتھ سے بھی سلام کا جواب نہ دے لِأَنَّهُ سَلَامٌ مَعْنًى اس لیے کیونکہ یہ بھی سلام ہے معنی کے اعتبار سے حَتَّى لَوْ صَافَحَ بِنِيَّةِ التَّسْلِيمِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ یہاں تک کہ اگر مصافحہ کیا سلام کرنے کی نیت سے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وَلَا يَتَرَبَّعُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ اور ترّبع بھی نہ کرے مگر کسی عذر کی وجہ سے۔ ترّبع کہتے ہیں چونکڑی مار کر بیٹھنا، چار زانو بیٹھنا نماز میں بھائی، چار زانو یا آلتی پالتی مار کر بیٹھنا بھائی، کئی الفاظ استعمال ہوتے ہیں بھائی، سمجھ گئے بھائی؟ ترّبع کسے کہتے ہیں؟ چونکڑی مارنا۔ وَلَا يَتَرَبَّعُ چونکڑی مار کر بھی نہ بیٹھے نماز میں إِلَّا مِنْ عُذْرٍ مگر کسی عذر کی وجہ سے لِأَنَّ فِيهِ تَرْكَ سُنَّةِ الْقُعُودِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر بیٹھنے کی سنت کا چھوڑنا ہے۔ بیٹھنے کی سنت تو کیا ہے؟ کس طرح بیٹھنا چاہیے؟ جیسے تشہد کی حالت میں انسان بیٹھتا ہے ویسے بیٹھنا چاہیے تو اس میں سنت چھوٹ جائے گی، اس لیے مکروہ۔

وَلَا يَعْقِصُ شَعْرَهُ اور اپنے بالوں کا جوڑا بھی نہ بنائے۔ اپنے بالوں کا جوڑا بھی نہ بنائے۔ یہ معنی نہیں کہ نماز میں لگا ہوا ہے اور جوڑا بنا رہا ہے، اس صورت میں تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔ ہاں جوڑا بنا کر پہلے سے بنایا ہوا ہے اور اسی حالت میں نماز پڑھ رہا ہے، یاد رکھیے یہ مکروہ ہے۔ جوڑا کسے کہتے ہیں؟ بھائی وہ عورتیں اپنے بال اکٹھے کر کے سر کے اوپر چوٹی پر گیند بنا کر اس کو باندھ دیتی ہیں بھائی، وہ کیا ہے؟ جوڑا، وہ ہے عقاص بھائی، اس کو عقاص کہتے ہیں، تو اس سے منع کیا گیا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کہ عقاص بال بنائے ہوں جوڑا بنایا ہو اور پھر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے یہ نماز مکروہ ہے، اور اگر نماز کے اندر جوڑا بنا رہا ہے پھر تو عملِ کثیر لازم آئے گا تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔

یہ معنی ہے: وَلَا يَعْقِصُ شَعْرَهُ اور بالوں کا جوڑا بھی نہ بنائے وَهُوَ أَنْ يَجْمَعَ شَعْرَهُ عَلَى هَامَتِهِ اور وہ یہ کہ جمع کرے نماز پڑھنے والا اپنے بالوں کو عَلَى هَامَتِهِ، ہامہ کہتے ہیں ہاتہ، میم مشدد نہیں ہے بھائی، ہاتہ، میم کو تخفیف کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ہاتہ کہتے ہیں سر کا اوپر والا حصہ یعنی چوٹی، سر کی، انہوں نے کیا لکھا ہے؟ سر پیشانی، نہیں نہیں بھائی، پیشانی کا سر اگلا حصہ وہ نہیں، سر کی چوٹی جو درمیان میں سب سے اوپر حصہ ہے سر کا، کہ وہ یہ کہ جمع کرے وہ اپنے بالوں کو اپنی چوٹی پر وَيَشُدَّهُ بِخَيْطٍ أَوْ بِصَمْغٍ اور ان کو باندھ دے دھاگے سے أَوْ بِصَمْغٍ، صمغ کہتے ہیں گوند کو بھائی، لِيَتَلَبَّدَ تاکہ وہ چپک جائیں، جم جائیں۔

تو یعقص، عقص یعقص اس کا تعریف کر دی انہوں نے، بتلایا کسے کہتے ہیں کہ سر کے بالوں کو چوٹی پر جمع کیا جائے اور ان کو دھاگے یا گوند کے ساتھ، دھاگے کے ساتھ باندھ دیا جائے یا گوند سے چپکا دیا جائے تاکہ وہ جم جائیں۔ تو تلبد کا معنی چپک جانا، جم جانا۔ أَوْ بِصَمْغٍ یا گوند کے ساتھ لِيَتَلَبَّدَ تاکہ وہ چپک جائیں فَقَدْ رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَهُوَ مَعْقُوصٌ پس تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس بات سے کہ کوئی شخص نماز کوئی شخص نماز پڑھے وَهُوَ مَعْقُوصٌ اور اس کے بال کیا ہوں؟ معقوص ہوں یعنی جوڑا بنا ہوا ہو۔

وَلَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ، کف یکف کے معنی روکنے کے، یہاں مراد ہے سمیٹنا۔ وَلَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ اور اپنے کپڑوں کو نہ سمیٹے۔ نماز کوئی پڑھ رہا ہے اور کبھی کپڑوں کو

ایک طرف سے سمیٹتا ہے کبھی دوسری طرف سے سمیٹ رہا ہے کبھی ان کو سیدھا کر رہا ہے کہ کہیں استری نہ خراب ہو جائے، کہیں کوئی اور چیز خراب نہ، تو یہ اس سے منع کیا گیا ہے **لِأَنَّهُ نَوْعُ تَجَبُّرٍ** اس لیے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا تکبر ہے بھائی، کیا ہے؟ تکبر ہے۔

وَلَا يَسْدُلُ ثَوْبَهُ اور کپڑے کا سدل بھی نہ کرے، سدل۔ سدل اس کو کہتے ہیں آگے صاحبِ ہدایہ بھی بتلائیں گے، سدل اس کو کہتے ہیں کہ سر پر کوئی انسان رومال ڈال لیتا ہے اب رومال کا ایک کنارہ وہ ایک طرف سینے پر لٹکا ہوا ہے اور دوسرا کنارہ دوسری طرف سینے پر لٹکا ہوا ہے، یہ ہے سدل۔ دیکھو دونوں کناروں کو نیچے چھوڑ دینا، لٹکا دینا یہ کیا ہے؟ سدل۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے تو دونوں کنارے نیچے کو نہیں لٹکے ہونے چاہئیں، ایک کنارہ نیچے ہو تو دوسرے کو کیا کرنا چاہیے؟ دوسرے کندھے پر لپیٹ کر ڈال لے بھائی، طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟

اسی طرح بھائی بعض اوقات انسان کندھے پر چادر ڈالتا ہے اور اس چادر کو ہونا کس طرح چاہیے؟ ایک طرف سامنے کی طرف سے لا کر کندھے پر ڈال لے اس کو لپیٹ لے چادر کا یہ طریقہ ہے لیکن وہ کیا کرتا ہے کندھے پر ڈالی اور دونوں طرف کو جو کنارے ہیں وہ نیچے کی طرف لٹک رہے ہیں بھائی، نیچے کی طرف، تو کندھے پر ایک جانب کو لپیٹ کر نہیں ڈالا تو سیدھا ان کو چھوڑ دیتا ہے، یہ ہے سدل بھائی، سدل۔ اور یہ اس لیے منع کیا گیا سدل سے، چاہے کپڑا وہ سر پہ ڈالا ہے چاہے کپڑا کندھے پر ڈالا ہے، اس سے منع کیا گیا کیونکہ یہ متکبرین کی علامت ہے۔ حتیٰ کہ آج کل بھی آپ دیکھ لیں کہ متکبرین کو آپ دیکھیں گے جو بڑے مالدار وغیرہ بعض کو آپ مشاہدہ کر لیں گے، انہوں نے جب چادر اپنے اوپر ڈالی ہوتی ہے اسی طریقے سے چادر ڈالتے ہیں کہ اس کے دونوں کنارے نیچے کو لٹک رہے ہوتے ہیں وہ لپیٹ کر کندھے پر نہیں ڈالتے بھائی، تو اس سے منع کیا گیا۔

وَلَا يَسْدُلُ ثَوْبَهُ اور کپڑے کا سدل نہ کرے **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنِ السَّدْلِ** اور کیونکہ حضور علیہ السلام نے سدل سے منع فرمایا ہے **وَهُوَ** اور وہ یہ ہے **أَنْ يَجْعَلَ ثَوْبَهُ عَلَى رَأْسِهِ وَكَتِفَيْهِ** اور وہ یہ کہ کپڑے کو ڈال دے اپنے سر پر اور کندھوں پر **ثُمَّ يُرْسِلَ أَطْرَافَهُ مِنْ جَوَانِبِهِ** پھر چھوڑ دے اس کے کناروں کو اپنے اپنے اطراف میں، اس کے کناروں کو اپنے اطراف میں چھوڑ دیتا ہے، حالانکہ طریقہ کیا تھا؟ کیا کرنا چاہیے تھا؟ ایک کنارے کو کندھے کی طرف لپیٹ دینا چاہیے تھا۔ اچھی طرح سدل سمجھ میں آ گیا؟

وَلَا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ اور نماز میں نہ کھائے اور نہ پیئے **لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ** کیونکہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ محشی حضرات لکھتے ہیں کہ یہ مکروہات بیان ہو رہے ہیں اور یہ اکل و شرب سے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے لہٰذا یہ مسئلہ صاحبِ ہدایہ کو پچھلے فصل وغیرہ میں ذکر کرنا چاہیے تھا، یہاں ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یرحمک اللہ۔

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ عَامِدًا أَوْ نَاسِيًا فَسَدَتْ صَلَاتُهُ** اور اگر اس نے کھایا یا پیا **عَامِدًا** جان بوجھ کر **أَوْ نَاسِيًا** یا بھول کر **فَسَدَتْ صَلَاتُهُ** تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی **لِأَنَّهُ عَمَلٌ كَثِيرٌ** کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے۔

وَحَالَةُ الصَّلَاةِ مُذَكِّرَةٌ، یہ اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے کہا بھولے سے بھی اگر نماز میں کوئی کھا پی لے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ روزے کے اندر تو کوئی بھولے سے کھا پی لے تو وہ روزہ فاسد نہیں ہوتا، تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ بھائی روزے کی حالت میں کوئی چیز یاد دلانے والی نہیں۔ کیونکہ روزے میں تو کوئی عمل نہیں، صرف کھانے پینے وغیرہ سے اپنے آپ کو روکنے کا نام روزہ ہے، اس میں تو کوئی عمل نہیں لیکن نماز میں؟ نماز میں تو انسان کو اعمال کرنے پڑتے ہیں، کھڑا ہوا ہے، ہاتھ باندھے ہوئے ہیں، قرات کر رہا ہے، رکوع کر رہا ہے، سجدہ کر رہا ہے، یہ ساری چیزیں اس کو یاد کروانے والی ہیں کہ وہ کس حالت میں ہے؟ حالتِ نماز میں ہے، تو چونکہ یہاں ایسی چیز موجود ہے جو انسان کو اس بات کی طرف متوجہ رکھتی ہے اور اس لیے اس حالت میں بھولے سے بھی اگر کوئی کھا لے گا تو اس کی نماز فاسد، جبکہ روزے میں کوئی چیز یاد کروانے والی چونکہ نہیں ہے اس لیے وہاں پر اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی۔

تو کہتے ہیں: **وَحَالَةُ الصَّلَاةِ مُذَكِّرَةٌ** اور نماز کی جو حالت ہے وہ یاد کروانے والی ہے کہ وہ حالتِ نماز میں ہے۔

تو یہاں آ گیا کہ یہ عملِ کثیر ہے یہ کھانا اور پینا اور اس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ تو تفصیل یاد رکھیے عملِ قلیل کسے کہیں گے اور عملِ کثیر کسے کہیں گے؟ عملِ کثیر یہ ہے کہ کوئی عمل دونوں ہاتھوں سے کیا جائے اس طرح کہ دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا، یہ شخص دونوں ہاتھوں سے کوئی عمل کر رہا ہے نماز پڑھنے والا، دور سے دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے شاید یہ نماز نہیں پڑھ رہا ویسے ہی کسی اور کام میں لگا ہوا ہے، تو یہ ہے عملِ کثیر اور یہ مفسدِ صلاۃ ہے، نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی، فاسد ہو جائے گی۔

اور اسی طرح بھائی نماز میں خشوع و خضوع جتنا زیادہ ہو اتنا ہی پسندیدہ ہے اور نماز کے اپنے اعمال کے علاوہ اور کوئی حرکت انسان نہ کرے بھائی، ہر حرکت سے اجتناب کرے۔

اور اگر کوئی شخص مثلاً بدن پر کھجلی کرتا ہے یا ہاتھ کے ذریعے کوئی عمل سرانجام دیتا ہے اور تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک اس کا ہاتھ مشغول رہا واپس آیا ہی نہیں، تو یاد رکھیے یہ بھی عملِ کثیر ہو گیا اور اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یا، یا کوئی عمل کرتا ہے ایک ہاتھ سے کرتا ہے لیکن تین مرتبہ سبحان اللہ کی مقدار کہنے کے اندر اندر اس نے تین دفعہ حرکت ہاتھ کو ہلایا، مثلاً خارش کر رہا تھا بدن پر مثلاً گردن پر خارش کر رہا ہے ایک دفعہ اس نے خارش کر لی پھر دوبارہ ہاتھ رکھ دیا باندھ دیا، پھر فوراً خارش کی

پھر ہاتھ رکھ لیا، پھر فوراً خارش کی، تو تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے اندر اندر اس نے تین مرتبہ ایسا کیا تو یاد رکھیے یہ بھی عملِ کثیر ہو گیا اور اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

تو تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار کے اندر اندر تین مرتبہ حرکت کرنا یا کوئی ایک عمل کرنا اور تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک وہ طویل رہا، ہاتھ واپس آیا ہی نہیں تو اس صورت میں بھی نماز فاسد، یا دونوں ہاتھوں سے کوئی عمل کیا اور دور سے دیکھنے والے نے اسی حالت میں اگر کوئی اس کو دیکھ لے تو وہ یوں سمجھے کہ یہ تو شاید نماز پڑھ ہی نہیں رہا، تو اس صورت میں بھی یہ نماز کیا ہو جائے گی؟ فاسد ہو جائے گی، جبکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ رائے مبتلیٰ بہ کے سپرد ہے کہ اگر وہ عمل کرنے والا اس کو عملِ کثیر سمجھتا ہے تو وہ عملِ کثیر ہے، اگر عملِ کثیر نہیں سمجھتا تو یہ عملِ کثیر نہیں ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَكُونَ مَقَامُ الْإِمَامِ فِي الْمَسْجِدِ وَسُجُودُهُ فِي الطَّاقِ اور کوئی حرج نہیں ہے کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ مسجد میں ہو **وَسُجُودُهُ فِي الطَّاقِ** اور اس کا سجدہ کس میں ہو؟ طاق یعنی محراب میں ہو **وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُومَ فِي الطَّاقِ** اور مکروہ ہے یہ کہ وہ کھڑا ہو محراب کے اندر۔ بھائی یاد رکھیے محراب کے اندر امام کھڑا ہو یہ مکروہ ہے لہٰذا کھڑا پیچھے ہو، کھڑا پیچھے ہی ہو، سجدہ محراب میں ہو رہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں بھائی۔ بھائی یہ مکروہ کیوں ہے؟ محراب میں کھڑا ہو کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ يُشْبِهُ صَنِيعَ أَهْلِ الْكِتَابِ** اس لیے کیونکہ یہ اہلِ کتاب جو ہیں یعنی یہودی اور عیسائی جو ہیں ان کے عمل کے مشابہ ہے **مِنْ حَيْثُ تَخْصِيصُ الْإِمَامِ بِالْمَكَانِ** اس حیثیت سے کہ وہ امام کی تخصیص کرتے ہیں جگہ کے ساتھ، یعنی اس کے لیے الگ جگہ ہوتی ہے، ان کے ہاں کیا ہوتا ہے؟ امام کے لیے الگ جگہ ہوتی ہے اور ہمیں تو ان کے ساتھ مشابہت سے منع کیا گیا لہٰذا امام کے لیے الگ جگہ نہیں، باقی لوگ جیسے مسجد کے اندر ہیں جس حصے میں امام کو بھی اسی حصے میں ہونا چاہیے، ہاں سجدہ اگر اس میں ہو تو کوئی حرج نہیں۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ سُجُودُهُ فِي الطَّاقِ بخلاف اس صورت کے جبکہ امام کا سجدہ جو ہے وہ محراب میں ہو، اس صورت میں ان کے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ عَلَى الدُّكَّانِ لِمَا قُلْنَا اور مکروہ ہے کہ امام اکیلا جو ہے **عَلَى الدُّكَّانِ** چبوترے پر ہو یعنی اونچی جگہ پر ہو، امام اکیلا کیا ہو؟ امام کے لیے جو جگہ ہے وہ اونچی ہے باقی سب کے لیے جگہ نیچی ہے تو یہ بھی دیکھیے اہلِ کتاب کے ساتھ مشابہت آگئی، وہ بھی کیا کرتے ہیں؟ اپنے امام کے لیے الگ اور مخصوص جگہ ہوتی ہے باقی سب سے الگ تو یہاں بھی ان کے ساتھ مشابہت ہے، تو کہتے ہیں یہ بھی مکروہ ہے کہ امام اکیلا چبوترے پر ہو **لِمَا قُلْنَا** اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی کہ اس میں اہلِ کتاب کے ساتھ مشابہت ہے۔

وَكَذَا عَلَى الْقَلْبِ اور اسی طرح اس کے قلب میں بھی ہو گا، اس کے عکس میں بھی ہو گا، اس کا عکس کر لیا جائے یعنی اس کو الٹ دیا جائے کس طرح؟ لوگ اوپر ہیں اور امام کہاں ہے؟ نیچے ہے، اس کی جگہ نیچی ہے تو اس صورت میں بھی مکروہ ہے **فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ** کس میں؟ ظاہرِ روایت میں **لِأَنَّهُ ازْدِرَاءٌ بِالْإِمَامِ**، ازدراء کہتے ہیں تحقیر بھائی، کسی کی تحقیر کرنا، اس لیے کیونکہ اس میں امام کی تحقیر ہے بھائی، امام کی تو عزت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور لہٰذا اس کا اگر وہ نیچے کھڑا ہو تو یہ مکروہ ہے بھائی۔

وَلَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ إِلَى ظَهْرِ رَجُلٍ قَاعِدٍ يَتَحَدَّثُ اور کوئی حرج نہیں ہے کہ نماز پڑھنے والا نماز پڑھے **إِلَى ظَهْرِ رَجُلٍ قَاعِدٍ** کسی ایسے بیٹھے ہوئے شخص کی پشت کی طرف **يَتَحَدَّثُ** جو باتیں کر رہا ہے۔ بھائی نماز پڑھنے والا اس کے سامنے اگر کوئی شخص ہے اور اس شخص کی پشت ہے اس کی طرف اور وہ بیٹھا ہوا ہے اور چاہے کسی کے ساتھ گفتگو بھی کر رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ تو اس صورت میں وہ اس کے لیے سترہ بن جائے گا، سترہ، پھر اس کے آگے سے کوئی گزرنا چاہے تو گزر سکتا ہے۔ یہ معنی ہے: **وَلَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ إِلَى ظَهْرِ رَجُلٍ قَاعِدٍ** اور کوئی حرج نہیں کہ نماز پڑھے کسی ایسے بیٹھے ہوئے شخص کی کمر کی طرف **يَتَحَدَّثُ** جو باتیں کر رہا ہے **لِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا «رُبَّمَا كَانَ يَسْتَتِرُ بِنَافِعٍ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ»** اس لیے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکثر اوقات جو ہیں وہ سترہ بنا لیتے تھے نافع کو، کس کو؟ نافع یہ ان کے غلام تھے بھائی، نافع کو سترہ بنا لیتے تھے **فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ** اپنے بعض سفروں کے اندر۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ نماز کوئی پڑھ رہا ہے اور انہوں نے کہا کہ کسی شخص کی پشت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بھی جائز ہے کہ اس حال میں کہ وہ باتیں کر رہا ہو، یہ باتیں کرنے کی ویسے قید لگائی، یہ نہیں کہ ضروری ہے کہ وہ باتیں کر رہا ہو پھر جائز ہے اس کی طرف کمر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ویسے نہیں۔ ہاں باتیں بھی ویسے تو نمازی کے پاس باتیں کرنا درست نہیں ہے بھائی کیونکہ اس سے اس کی نماز میں خلل آئے گا لیکن اگر آہستہ کر رہے ہیں تو پھر ٹھیک ہے بھائی اور اس شخص کی کمر کی طرف پشت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا صحیح ہے وہ سترہ بن جائے گا۔ ہاں اس جو سامنے بیٹھا ہے اس کا رخ اس نماز پڑھنے والے کی طرف نہیں ہونا چاہیے، اس صورت میں تو نماز اس کے چہرے کی طرف ہو جائے گی، کس کی طرف ہو جائے گی؟ چہرے کی طرف ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی اسی طرح نماز پڑھ رہا ہے اور دوسرا اس کے سامنے بیٹھا ہے اس کا رخ اسی کی طرف ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو بڑی جلالی طبیعت تھی، آپ ہر وقت کوڑا اپنے ساتھ رکھتے تھے بھائی، سمجھیں؟ تو ان دونوں کو کوڑے لگائے بھائی اور کہ نمازی سے کہا کیا تو صورت کی طرف رخ کیا ہوا ہے اس کی عبادت کر رہا ہے؟ اور دوسرے کو بھی کہا کہ کیسے اس کے سامنے، اور یہ تو رخ نہیں ہونا چاہیے، سمجھ میں آیا؟ اور یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی سنت ہے، یہ جو عرب کو آپ دیکھتے ہیں سر پر رومال کے اوپر یہ جو کالی چیز رکھتے ہیں گول سی، یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی وہ کوڑا سر پر باندھ کر رکھتے تھے ہر وقت بھائی، تو جہاں کسی کا علاج کرنے کی ضرورت پیش آتی امیر

المومنین تھے بھائی، عدل وانصاف کا دور دورہ تھا بھائی، یہ نہیں کہ کس نے کچھ غلطی کی بس جیل میں ڈال دیا ساری عمر جیل میں پڑا رہے، آج کل تو ظلم وستم کی انتہا ہو گئی، ہاں وہ بقدرِ ضرورت جہاں ضرورت ہوتی تھی وہاں وہیں کو ڈانکال لیا ایک آدھی دوسرے کو لگادی، اس کی اصلاح بھی ہو گئی اور دوسروں کو بھی عبرت ہو گئی اور جہاں اس کی بھی ضرورت تھی تو صرف ڈانٹ ہی دیتے تھے صرف بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، تو یہاں ان کو کوڑے لگائے کہ بھائی بڑی غلطی کی ہے، نمازی کے سامنے بیٹھا ہوا ہے اور وہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہا ہے یہ تو گویا اسی کی عبادت کر رہا ہو بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو اس لیے تو یہ ان کی سنت ہے بھائی۔

وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ مُصْحَفٌ مُعَلَّقٌ أَوْ سَيْفٌ مُعَلَّقٌ اور کوئی حرج نہیں ہے کہ نماز پڑھے اور اس کے سامنے جو ہے **مُصْحَفٌ مُعَلَّقٌ** قرآن لٹکایا گیا ہو **أَوْ سَيْفٌ مُعَلَّقٌ** یا تلوار لٹکائی ہوئی ہو **لِأَنَّهُمَا** لَا **يُعْبَدَانِ** اس لیے کیونکہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی، تو یہاں کوئی غلط شبہ بھی ذہن میں نہیں آئے گا تو کوئی حرج نہیں، اس طرح پڑھ سکتے ہیں **وَبِاعْتِبَارِهِ تَثْبُتُ الْكَرَاهَةُ** اور اسی اعتبار سے کراہت ثابت ہوتی ہے، یعنی اگر کوئی ایسی چیز ہے سامنے جس کی عبادت کرتے ہیں بعض لوگ تو اس کا آگے ہونا اس صورت میں کراہت آئے گی۔

وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ عَلَى بِسَاطٍ فِيهِ تَصَاوِيرُ اور کوئی حرج نہیں ہے کہ نماز پڑھے ایسے بچھونے پر، بساط بچھونا، **فِيهِ تَصَاوِيرُ** یہ جملہ اسمیہ ہے، فیہ خبرِ مقدم اور تصاویر کیا ہے مبتدا موخر، تو نکرہ کے بعد بساط ہے نکرہ، نکرہ کے بعد جملہ آیا جملہ اسمیہ اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور موصوف سے پہلے ترجمہ کرتے ہوئے ایسا یا ایسی کا لفظ، اور **وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ عَلَى بِسَاطٍ فِيهِ تَصَاوِيرُ** اور کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ نماز پڑھے ایسے بچھونے پر کہ جس میں تصویریں ہوں **لِأَنَّ فِيهِ اسْتِهَانَةً بِالصُّوَرِ** اس لیے کیونکہ اس کے اندر تصویروں کی اہانت ہے، کیا ہے؟ اہانت۔ بھائی اس جس صورت میں تصویر کی تعظیم کا احتمال تعظیم جہاں بنے گی اس صورت میں نماز مکروہ ہو گی اور اگر تصویر کے اوپر کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہے، بچھونے پر ہے نا، مصلے پر جائے نماز پر کیا بنی ہوئی ہے مثلاً صورت ہے، اس کے اوپر کھڑا ہوا ہے تو اس میں تصویر کی تعظیم ہے یا اس کی اہانت ہے؟ اہانت ہے تو لہٰذا اس وجہ سے مکروہ نہیں۔ تو اس میں تصویر کی اہانت ہے۔

وَلَا يَسْجُدُ عَلَى التَّصَاوِيرِ اور تصاویر پر سجدہ نہ کرے، تصویر پر کھڑے ہو کر نماز تو پڑھے لیکن اس پر سجدہ نہ کرے یعنی سجدے کی جگہ پر تصویر نہیں ہونی چاہیے، کیوں؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الصُّورَةِ** اس لیے کیونکہ یہ تصویر کی عبادت کے مشابہ ہے، گویا وہ کیا کر رہا ہے؟ تصویر کی عبادت، تو اس صورت میں مکروہ ہو گا۔

وَأَطْلَقَ الْكَرَاهِيَةَ فِي الْأَصْلِ اور مطلق رکھا ہے امام محمد رحمہ اللہ نے کراہیہ مکروہ ہونے کو **فِي الْأَصْلِ** اصل میں یعنی مبسوط کے اندر، اصل کا لفظ جہاں جہاں آئے بھائی کیا مراد ہوتی ہے اس سے؟ مبسوط۔ اور اس کو مطلق اس مکروہ ہونے کو مطلق لکھا ہے مطلق رکھا ہے اصل میں، یعنی وہاں امام محمد رحمہ اللہ نے مطلق لکھا ہے۔ یہ کیا؟ ہم نے تو مسئلہ ذکر کر دیا صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں متن میں کہ جس جائے نماز پر تصاویر ہوں اس پر بھی نماز جائز ہے، ہو جائے گی اگر وہ تصویر کے اوپر کھڑا ہے یعنی ایسی صورت ہے جس میں تصویر کی اہانت ہے لیکن اس پر سجدہ نہ کرے، اگر تصویر پر سجدہ کرے گا تو نماز کیا ہو جائے گی؟ مکروہ۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط کے اندر مطلقاً اس کو مکروہ قرار دیا ہے کہ جائے نماز پر تصویریں ہوں، جائے نماز پر تصویر کے ہونے کو ہی انہوں نے کیا قرار دیا ہے؟ مکروہ قرار دیا ہے۔ یہ معنی ہے: **وَأَطْلَقَ الْكَرَاهِيَةَ فِي الْأَصْلِ** اور امام محمد رحمہ اللہ نے مطلق رکھا ہے مکروہ ہونے کو اصل میں، بھائی کیوں؟ وجہ کیا؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْمُصَلَّى مُعَظَّمٌ** اس لیے کیونکہ جائے نماز جو ہے وہ تعظیم والی چیز ہے، وہ معظم چیز ہے لہٰذا اس پر تصویر نہیں ہونی چاہیے، اگر اس پر تصویر ہے تو اس کا مطلب ہے آپ تصویر کی کیا کر رہے ہیں؟ تصویر کیونکہ جائے نماز معظم چیز ہے تو جو اس پر بنا ہو گا وہ بھی کیا ہو جائے گا؟ معظم ہو گا یا۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ فَوْقَ رَأْسِهِ فِي السَّقْفِ أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ أَوْ بِحِذَائِهِ تَصَاوِيرُ أَوْ صُورَةٌ مُعَلَّقَةٌ اور مکروہ ہے کہ اس نماز پڑھنے والے کے سر کے اوپر **فِي السَّقْفِ** چھت میں **أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ** یا اس کے سامنے **أَوْ بِحِذَائِهِ** یا اس کے برابر میں یعنی دائیں یا بائیں اس کے برابر میں تصاویر تصویریں ہوں **أَوْ صُورَةٌ مُعَلَّقَةٌ** یا کوئی تصویر لٹکی ہوئی ہو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ نماز پڑھنے والے کے سامنے ہو یا اس کے سامنے چھت سے لٹکی ہوئی ہو یا اس کے دائیں بائیں ہو اس کے برابر میں تو یہ مکروہ ہے **لِحَدِيثِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ** «**إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ أَوْصُورَةٌ**» وہ فرماتے ہیں کہ ہم فرشتے جو ہیں ہم داخل نہیں ہوتے ایسے گھر میں جس میں کتا ہو **أَوْ صُورَةٌ** یا تصویر ہو، تو اس وجہ سے یہ مکروہ ہے۔

وَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ صَغِيرَةً بِحَيْثُ لَا تَبْدُو لِلنَّاظِرِ لَا يُكْرَهُ لِأَنَّ الصِّغَارَ جِدًّا لَا تُعْبَدُ، اور اگر تصویر اتنی چھوٹی ہے، **وَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ صَغِيرَةً** اور اگر تصویر چھوٹی ہے **بِحَيْثُ لَا تَبْدُو لِلنَّاظِرِ** اس طور پر کہ وہ دکھائی ہی نہیں دیتی دیکھنے والے کو، جو ذرا سے فاصلے پہ کھڑا ہو اس کو دکھائی ہی نہیں دیتی تو پھر لَا **يُكْرَهُ** پھر مکروہ نہیں ہے **لِأَنَّ الصِّغَارَ جِدًّا** لَا **تُعْبَدُ** اس لیے کیونکہ بہت چھوٹی تصویریں جو ہیں ان کی عبادت نہیں کی جاتی اور کراہت یہاں کس لیے آ رہی تھی؟ عبادت کے شبہ پڑتا تھا۔

وَإِذَا كَانَتْ تِمْثَالًا مَقْطُوعَ الرَّأْسِ أَيْ مَمْحُوَّ الرَّأْسِ فَلَيْسَ بِتِمْثَالٍ، تمثال بھائی وہ صورت جو کسی جاندار کی ہو اس کو کہتے ہیں تمثال بھائی، تصویر ہے لیکن کسی جاندار کی ہے تو اس کو تمثال کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: **وَإِذَا كَانَتْ تِمْثَالًا مَقْطُوعَ الرَّأْسِ** اور اگر تصویر جو ہے **مَقْطُوعَ الرَّأْسِ** سر کٹی ہوئی ہو یعنی اس کے سر کو کاٹا گیا ہو، کیا معنی سر کٹا ہوا ہو؟ **أَيْ مَمْحُوَّ الرَّأْسِ** یعنی اس کا سر مٹایا ہوا ہو۔ تصویر تھی جاندار کی لیکن کیا کر دیا گیا ہے؟ اس کے سر کو مٹا دیا گیا

ہے **فَلَيْسَ بِتِمْثَالٍ** تو پھر یہ جاندار کی تصویر ہی نہیں، پھر جاندار کی تصویر ہی نہیں **لِأَنَّهُ لَا تُعْبَدُ بِدُونِ الرَّأْسِ** اس لیے کیونکہ بغیر سر کے اس کی عبادت نہیں کی جاتی تو اس میں تعظیم کا شبہ پھر نہیں پڑتا۔

وَصَارَ كَمَا إِذَا صَلَّى إِلَى شَمْعٍ أَوْ سِرَاجٍ عَلَى مَا قَالُوا اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسے وہ نماز پڑھ رہا ہو کسی شمع کی طرف یا کسی چراغ کی طرف منہ کر کے **عَلَى مَا قَالُوا** بنابر اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے، جو فقہاء نے فرمایا ہے۔ جی سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس کے ذریعے اختلاف کی طرف اشارہ کر دیا کیونکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر نماز پڑھتے ہوئے سامنے شمع ہو یعنی موم بتی وغیرہ **أَوْ سِرَاجٍ** یا کیا ہو؟ چراغ ہو تو نماز ہی نہیں ہو گی لیکن دیگر فقہاء فرماتے ہیں نہیں بھائی، موم بتی اور چراغ کی عبادت نہیں کی جاتی لہٰذا وہ سامنے بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں، ہاں اگر آگ ہے شعلے والی، شعلے والی آگ ہو وہ سامنے نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس کی لوگ کیا کرتے ہیں؟ عبادت کرتے ہیں۔

وَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ عَلَى وِسَادَةٍ مُلْقَاةٍ أَوْ عَلَى بِسَاطٍ مَفْرُوشٍ لَا **يُكْرَهُ**، اور اگر تصویر **عَلَى وِسَادَةٍ**، وسادۃ کہتے ہیں تکیے کو، تکیے کو، **مُلْقَاةٍ** ڈالا گیا یعنی جو نیچے پڑا ہوا ہے، اور اگر تصویر جو ہے نیچے پڑے ہوئے تکیے پر تھی **أَوْ عَلَى بِسَاطٍ مَفْرُوشٍ** یا ایسے بچھونے پر **مَفْرُوشٍ** جس کو بچھایا گیا ہے لَا **يُكْرَهُ** پھر مکروہ نہیں ہے **لِأَنَّهَا تُدَاسُ وَتُوطَأُ**، تداس اور توطأ کا ایک معنی ہے، پاؤں کے ساتھ کسی چیز کو روندنا، کچلنا یعنی کسی چیز کے اوپر پاؤں رکھنا، **لِأَنَّهَا تُدَاسُ وَتُوطَأُ** اس لیے کیونکہ ان کو پاؤں سے روندا جاتا ہے، جب بھائی نیچے پڑا ہوا ہے ایک تکیہ اس پر تصویر بنی ہوئی ہے یا بچھونے پر بنی ہوئی ہے تو ان کو پاؤں رکھتے ہیں لوگ، روندا گیا ان کو روندا جاتا ہے تو اس میں تعظیم والا معنی نہیں ہے۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ الْوِسَادَةُ مَنْصُوبَةً بخلاف اس کے کہ اگر تکیہ جو ہے اگر وہ کھڑا کیا ہوا ہو **أَوْ كَانَتْ عَلَى السِّتْرِ** یا وہ تصویر کس پر تھی؟ پردے پر ہے تو اس صورت میں مکروہ ہے **لِأَنَّهُ تَعْظِيمٌ لَهَا** اس لیے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے، ان تصویروں کی، تو **أَوْ كَانَتْ عَلَى السِّتْرِ** تصاویر کی طرف ضمیر راجع کریں، اور اگر تصویریں **عَلَى السِّتْرِ** پردے پر ہیں تو پھر یہ مکروہ ہے **لِأَنَّهُ تَعْظِيمٌ لَهَا** کیونکہ یہ ان کی تعظیم ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اگر تصویر ہے نیچے جو بچھونا ہے اس پر اور اس پر چل پھر رہے ہیں لوگ آ جا رہے ہیں یا تکیہ ہے نیچے پڑا ہوا اس پر تصویر ہے اور اس پر بھی گزرنے والے کیا کر دیتے ہیں؟ تو پاؤں وغیرہ بھی اس پر آتے ہیں تو پھر کوئی پھر کراہت نہیں ہے لیکن اگر تکیہ کھڑا کیا ہوا ہے یا وہ جو تصویریں ہیں کس پر ہیں؟ پردے پر ہیں، زمین پر نہیں ہیں تو پھر مکروہ ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔

وَأَشَدُّهَا كَرَاهَةً أَنْ تَكُونَ أَمَامَ الْمُصَلِّي ثُمَّ مِنْ فَوْقِ رَأْسِهِ ثُمَّ عَلَى يَمِينِهِ ثُمَّ عَلَى شِمَالِهِ ثُمَّ خَلْفَهُ، اور سب سے زیادہ کراہت یہ ہے کہ وہ تصویریں جو ہیں **أَمَامَ الْمُصَلِّي** نماز پڑھنے والے کے سامنے ہوں **ثُمَّ مِنْ فَوْقِ رَأْسِهِ** پھر وہ جو اس کے سر کے اوپر ہوں، اس کا درجہ دوسرے نمبر پر ہے، **ثُمَّ عَلَى يَمِينِهِ** پھر اس سے نچلا درجہ کس کا ہے؟ جو تصویر دائیں طرف ہو، **ثُمَّ عَلَى شِمَالِهِ** پھر وہ جو اس کے بائیں ہاتھ پر ہو، **ثُمَّ خَلْفَهُ** پھر جو اس کے پیچھے ہو۔ تو معلوم ہوا کہ تصویر ہو تو نماز میں کراہت آئے گی لیکن کراہت کے درجے مختلف، اگر تصویر سامنے ہے، سامنے ہے تو یہ سب سے زیادہ کراہت اس کے اندر ہے، اگر سر کے اوپر ہے لٹکی ہوئی ہے تو اس کا درجہ اس سے کم ہے، یہ دوسرے درجے پر اس میں کراہت ہے اور اگر دائیں طرف ہے تو اس کا درجہ اس سے کم، اگر بائیں طرف ہے تو اس کا درجہ اس سے کم کراہت کے اندر اور اگر پیچھے ہے تو اس کا درجہ کراہت میں سب سے کم ہے۔

وَلَوْ لَبِسَ ثَوْبًا فِيهِ تَصَاوِيرُ يُكْرَهُ اور اگر اس نے پہنا ایسا کپڑا جس میں تصویریں ہیں **يُكْرَهُ** تو یہ مکروہ ہے **لِأَنَّهُ يُشْبِهُ حَامِلَ الصَّنَمِ**، صنم کہتے ہیں بت کو، حامل اٹھانے والا، اس لیے کیونکہ یہ شخص جس کے کپڑوں پر تصویریں ہیں یہ کس کے مشابہ ہو گیا؟ بت کو اٹھانے والے کی طرح۔ تصویر اٹھائی ہوئی ہے گویا کس کو اٹھایا ہوا ہے؟ بت ہی کو اٹھایا ہوا ہے۔

وَالصَّلَاةُ جَائِزَةٌ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ اور نماز ان تمام صورتوں میں جائز ہے۔ صاحبِ ہدایہ کیا فرما رہے ہیں؟ نماز جائز ہے یعنی نماز ہو جائے گی اگرچہ مکروہ ہے لیکن نماز ہو جائے گی، بھائی کیوں ہو جائے گی؟ کہتے ہیں: **لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهَا** اس وجہ سے کہ یہ نماز اپنی شرطوں کو جمع کرنے والی ہے یعنی اس میں اس کی ساری شرطیں پائی جا رہی ہیں۔ بھائی نماز کی باقی ساری شرائط تو پوری ہیں لہٰذا نماز تو ہو جائے گی البتہ ان چیزوں کی وجہ سے ان تصویروں کی وجہ سے کراہت آ جائے گی، **وَتُعَادُ عَلَى وَجْهٍ غَيْرِ مَكْرُوهٍ** اور اس کو لوٹایا جائے گا اس نماز کو غیر مکروہ طریقے پر۔ پڑھنے والے نے پڑھی کس طرح؟ کراہت کے ساتھ، تو کیا کیا جائے اس نماز کو؟ لوٹایا جائے گا غیر مکروہ طریقے پر کہ اس کو پھر لوٹائے بھائی۔

وَهُوَ الْحُكْمُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ أُدِّيَتْ مَعَ الْكَرَاهَةِ اور یہی حکم ہے ہر ایسی نماز میں **أُدِّيَتْ مَعَ الْكَرَاهَةِ** جس کو کراہت کے ساتھ ادا کیا گیا، یعنی جو بھی نماز کراہت کے ساتھ ادا کی جائے یعنی مکروہِ تحریمی اس میں پیش ہے تو پھر اس صورت میں اس نماز کا اعادہ کیا جائے گا، اس کو لوٹانا پڑے گا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو جو نماز بھی کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا لوٹانا واجب ہے بھائی۔

وَلَا يُكْرَهُ تِمْثَالُ غَيْرِ ذِي الرُّوحِ اور مکروہ نہیں ہے غیر ذی روح کی تصویر بھائی، بے جان چیز کی تصویر مکروہ نہیں **لِأَنَّهُ لَا يُعْبَدُ** اس لیے کیونکہ اس کی عبادت نہیں کی جاتی۔ چلیے بس بھائی، لہٰذا ہو المرام، واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۶۳: مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِقَتْلِ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ ف...

ہدایہ صفحہ: ۱۴۵ــــ بتاریخ: ۱۴ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَا بَأْسَ بِقَتْلِ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ فِي الصَّلَاةِ» لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «اُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي الصَّلَاةِ»، «وَلِأَنَّ فِيهِ إِزَالَةَ الشُّغْلِ فَأَشْبَهَ دَرْءَ الْمَارِّ»، «وَيَسْتَوِي جَمِيعُ أَنْوَاعِ الْحَيَّاتِ هُوَ الصَّحِيحُ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا». [1]

«**وَلَا بَأْسَ بِقَتْلِ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ فِي الصَّلَاةِ**» اور کوئی حرج نہیں ہے سانپ کو اور بچھو کو قتل کرنے میں «**فِي الصَّلَاةِ**» نماز میں۔ «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ آپ فرماتے ہیں: «**اُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ**» کہ تم دو اسود کو قتل کرو، «**وَلَوْ كُنْتُمْ فِي الصَّلَاةِ**» اگرچہ تم نماز میں ہو۔

تو یاد رکھیے بھائی کہ کوئی شخص نماز میں مصروف ہے اور سامنے سانپ آگیا تو وہ اس کو قتل کر کے پھر وہیں سے نماز شروع کر سکتا ہے، نماز اس کے قتل سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اور اسی طرح بچھو آگیا، اس کو قتل کر کے پھر کیا کر دے؟ وہیں سے نماز کو جاری رکھے بھائی، وہیں سے نماز کو جاری رکھے۔ اور دلیل یہ حدیث آگئی کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دو اسود جو ہیں یعنی بچھو اور سانپ جو ہیں ان کو تم قتل کرو اگرچہ تم کس میں ہو؟ نماز میں ہو۔ یہ تو نقلی دلیل تھی۔ آگے عقلی دلیل بھی صاحبِ ہدایہ ذکر فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ فِيهِ إِزَالَةَ الشُّغْلِ**» اس لیے کیونکہ اس کے اندر شغل کو دور کرنا ہے، اس کو ختم کرنا ہے۔ بھائی نماز کے اندر کامل توجہ انسان کی اللہ کی طرف ہونی چاہیے، کامل توجہ۔ اور تو یہ چیزیں جو ہیں انسان کے دل کو مشغول کرنے والی ہیں، انسان کا توجہ ان کی طرف لگی رہے گی۔ تو شریعت نے اس چیز کو ہی ختم کرنے کا حکم دیا جو کیا کرے؟ انسان کی توجہ دوسری طرف پھیر دے۔ تو اس میں وہ دل کی مشغولیت جو ہے اس کو ختم کرنا ہے۔

تو کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ فِيهِ إِزَالَةَ الشُّغْلِ**» اس لیے کیونکہ اس کے اندر دل کی مشغولیت کو ختم کرنا ہے، «**فَأَشْبَهَ دَرْءَ الْمَارِّ**» تو یہ مشابہ ہوا گزرنے والے کو دور کرنے کے، گزرنے والے کے دور کرنے کے مشابہ ہوا جیسے اس کو شریعت نے اس کے اجازت دی ہے کہ اس کو انسان کیا کر سکتا ہے؟ روک سکتا ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَيَسْتَوِي جَمِيعُ أَنْوَاعِ الْحَيَّاتِ

«**وَيَسْتَوِي جَمِيعُ أَنْوَاعِ الْحَيَّاتِ**» اور برابر ہیں اس میں تمام اقسام کے سانپ۔ بھائی عرب میں سانپ کو اسود کہتے ہیں بھائی، اسود بھائی۔ اسود کا لفظ کس پر عام استعمال ہوتا ہے؟ سانپ پر استعمال ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ معنی نہیں کہ اسود وہ کالا ہی ہو تو پھر ہی اس کو اسود کہیں گے بلکہ اب ہر عام سانپ کے لیے بھی کیا استعمال ہوتا ہے؟ اسود کا لفظ۔ تو اس میں تمام اقسامِ سانپ برابر ہیں، کسی بھی قسم کا سانپ ہو۔ «**هُوَ الصَّحِيحُ**» یہی قول صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں: «**وَيَسْتَوِي جَمِيعُ أَنْوَاعِ الْحَيَّاتِ**» اور برابر ہیں تمام اقسام کے سانپ، «**هُوَ الصَّحِيحُ**» یہی قول صحیح ہے، «**لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا**» بوجہ مطلق ہونے اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا کہ وہاں کیا آیا تھا؟ «**اُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ**» وہاں کوئی تفصیل نہیں تھی کہ کس قسم کا سانپ ہو تو اس کو قتل کرو اور کس قسم کا ہو تو اسے قتل نہ کرو بلکہ مطلق حکم دیا گیا کہ ان کو قتل کرو بھائی۔

[1] شاملہ (ص ۷۲) میں «**دَرْءَ الْمَارِّ**» کے بجائے «**درء المار**» درج ہے۔

تو سانپ جو ہے، یاد رکھیے، سانپ عموماً جنات بھی سانپ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ تو لہٰذا کسی بھی سانپ کو قتل کرنے سے پہلے اس کو کہہ دینا چاہیے اگر تو جن ہے تو یہاں سے چلا جا ورنہ ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ پھر بھی اگر وہ نہیں جاتا پھر قتل کرنا جائز، صحیح ہے بھائی۔

چنانچہ واقعہ بھی بزرگوں نے نقل کیا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جو عظیم محدث گزرے ہیں برصغیر کے بھائی، اکثر جو حدیث کی اسناد ہیں برصغیر کے اندر وہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تک پہنچتی ہیں بھائی، تو ان کے بھائی تھے شاہ اہل اللہ رحمہ اللہ۔ وہ بڑے نیک اور ولی انسان تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں گھر میں تھا کہ دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا، میں پوچھنے کے لیے نکلا تو دیکھا ایک سپاہی ہے، اس نے کہا مجھے بادشاہ نے بھیجا ہے، آپ کو طلب کیا ہے، آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ چنانچہ کہتے ہیں میں اس کے ساتھ چل پڑا اور وہ مختلف راستوں سے مجھے لے جاتا ہوا شہر سے باہر نکلا، میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں، یہاں تک کہ چلتے چلتے ہم ایک غار میں داخل ہوئے بھائی۔ کہتے ہیں غار کے اندر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جنات کا دربار لگا ہوا ہے اور جنات بہت جنات بیٹھے ہیں، جنات کا بادشاہ بھی تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور جنات اپنے اپنے مقدمات اس کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور وہ ان کے درمیان فیصلہ کر رہا ہے بھائی، فیصلہ۔

چنانچہ جب میری باری آئی تو مجھے بھی چند جنات لے کر آگے حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ بادشاہ سلامت! اس نے ہمارے فلاں جن کو قتل کر دیا ہے، ہمارے اس رشتہ دار کو قتل کر دیا ہے، لہٰذا آپ ہمیں انصاف دلائیں، اس نے قتل کیا ہے ہمارا۔ تو بادشاہ میری طرف متوجہ ہوا کہ ہاں بھائی کیوں تم نے قتل کیا ان کے رشتہ دار کو؟ تو میں نے کہا کہ میں نے تو کسی جن کو قتل نہیں کیا، ہاں ایک سانپ کو میں نے قتل کیا تھا اور حدیث میں آتا ہے کہ جس چیز نے اپنی صورت بدل لی اس کا خون رائیگاں ہے بھائی، یعنی اس کی صورت میں کوئی سزا وغیرہ نہیں ہے۔ تو میں نے تو سانپ کو قتل کیا تھا تو اگر وہ جن تھا تو اس نے تو اپنی صورت بدلی ہوئی تھی اور حدیث میں کیا آیا جس نے اپنی صورت بدل لی اس کا خون رائیگاں ہے۔ تو کہتے ہیں جب میں نے یہ حدیث ذکر کی تو بادشاہ کے ساتھ ایک بہت بڑا اور بہت بوڑھا جن بیٹھا ہوا تھا سر جھکائے ہوئے، اس نے جب میری یہ بات سنی تو اس نہایت بوڑھا جن جو تھا اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت! یہ شخص واقعی سچ کہہ رہا ہے، جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول ارشاد فرمایا تھا میں بھی ان کے پاس موجود تھا۔ معلوم ہوا وہ جن کیا تھا؟ صحابی تھا بھائی صحابی۔ چنانچہ پھر بادشاہ نے کہتے ہیں مجھے چھوڑ دیا اور کچھ نہیں کہا۔

تو جنات کی عمریں بڑی طویل عمریں ہوتی ہیں بھائی۔ حتی کہ بعض لوگوں نے بتلایا کہ یہ جیسے انسانوں کے اندر تبلیغی جماعتیں نکلتی ہیں اور دعوت واصلاح کا کام سرانجام دیتی ہیں، اسی طرح ایسی ہی ایک مبارک جماعت جنات کے اندر بھی ہے جو اسی طرح تبلیغ کا عمل کرتے ہیں اور ان کی جو مجلسِ شوریٰ ہے اس میں کہتے ہیں بعض صحابہ جنات بھی شامل ہیں بھائی، یہ روایت سنی ہے، تو باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ تو بہر حال جنات کی عمریں بڑی طویل ہوتی ہیں بھائی، تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں جیسے ابھی واقعہ بھی ذکر ہوا کہ جنات کی عمریں بڑی طویل عمریں ہوتی ہیں۔ اور یہ واقعہ یہ آپ کو ملے گا اس میں ملفوظاتِ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کتاب کے اندر، اس میں یہ واقعہ درج ہے، یہ شاہ اہل اللہ رحمہ اللہ کا واقعہ بھائی۔

جی اب دیکھیے آگے کتاب پر۔ کہتے ہیں: «وَيُكْرَهُ عَدُّ الْآيِ» ۔ بھائی «الْآيِ» جمع ہے «آيَةٌ» کی۔ آیت، آیت کی ایک جمع تو آیات آتی ہے، اسی طرح آیت کی ایک جمع ہے «آيٌ» بھائی «آيٌ» ، یہ یا مشدد نہیں پڑھنی بھائی، تخفیف کے ساتھ «آيٌ» ۔ تو کہتے ہیں: «وَيُكْرَهُ عَدُّ الْآيِ» اور مکروہ ہے آیتوں کو شمار کرنا، «وَالتَّسْبِيحَاتِ» اور تسبیحات کو شمار کرنا «بِالْيَدِ» ہاتھ کے ساتھ «فِي الصَّلَاةِ» کس کے اندر؟ نماز میں۔ تو نماز کے اندر آیتوں کو اور تسبیحات کو ہاتھ سے شمار کرنا یہ مکروہ ہے بھائی، یہ مکروہ ہے۔ «وَكَذَلِكَ عَدُّ السُّوَرِ» اور اسی طرح سورتوں کو شمار کرنا، «لِأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ» اس لیے کیونکہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے کہ انسان کیا کرے باقاعدہ ہاتھ پر آیتوں اور تسبیحات وغیرہ کو شمار کرے۔

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰ...

«وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ فِي الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ جَمِيعًا» اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے اس کا، یعنی آیتوں اور تسبیحات وغیرہ کو شمار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے «فِي الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ جَمِيعًا» فرائض اور نوافل سب کے اندر بھائی، یعنی فرائض میں بھی شمار کر سکتے ہیں اور نوافل میں بھی، «مُرَاعَاةً لِسُنَّةِ الْقِرَاءَةِ» رعایت رکھتے ہوئے قراءت کی سنت کی، رعایت رکھتے ہوئے قراءت کی سنت کی، اس لیے کیونکہ آپ پڑھ چکے کہ کس نماز میں کتنی قراءت ہونی چاہیے مسنون کتنی ہے، مثلاً فجر کے بارے میں آپ نے پڑھا کہ چالیس سے پچاس یا پچاس سے ساٹھ آیتیں ہونی چاہئیں دو رکعتوں کے اندر، تو ایک رکعت میں گویا بیس آئیں گی یا پچیس آئیں گی تو وہ ان کو انسان شمار کر سکتا ہے انگلیوں پر تاکہ قراءت میں سنت کی رعایت ہو جائے بھائی۔ تو یہ دلیل چل رہی ہے صاحبین کی، وہ فرماتے ہیں: «مُرَاعَاةً لِسُنَّةِ الْقِرَاءَةِ» قراءت کی سنت کی رعایت رکھنے کے لیے، «وَالْعَمَلِ بِمَا جَاءَتْ بِهِ السُّنَّةُ» اور عمل کرنے کے لیے اس چیز پر جس کے ساتھ سنت آئی ہے، یعنی جس کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ یعنی تسبیحات بھی شمار کر سکتا ہے۔

تو صاحبِ ہدایہ اب جواب دے رہے ہیں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے کہ فرماتے ہیں: «قُلْنَا» ہم کہتے ہیں جواب میں صاحبین کو: «يُمْكِنُهُ أَنْ يَعُدَّ ذَلِكَ قَبْلَ الشُّرُوعِ» کہ ممکن ہے اس شخص کے لیے کہ وہ شمار کر لے اس کو نماز شروع کرنے سے صاحبین نے کیا فرمایا تھا کہ شمار کرنا جائز ہے تاکہ کس کی رعایت ہو سکے؟ سنت قراءت کی رعایت ہو سکے، تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہ کیا کر سکتا ہے وہ نماز سے پہلے شمار کر لے کہ یہاں سے یہاں تک پڑھنا ہے، اتنی سورتیں ہو

جائیں گی، اتنی آیتیں ہو جائیں گی۔ تو ہم کہتے ہیں: «يُمْكِنُهُ أَنْ يَعُدَّ ذَلِكَ قَبْلَ الشُّرُوعِ» کہ ممکن ہے اس کے لیے کہ وہ اس کو شمار کر لے شروع کرنے سے پہلے ہی، «فَيَسْتَغْنِيَ عَنِ الْعَدِّ بَعْدَهُ» تو وہ بے نیاز ہو گا، بے پرواہو گا اس کے بعد شمار کرنے سے، یعنی بعد میں پھر نماز میں شمار کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ «وَاللَّهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

«فَصْلٌ: وَيُكْرَهُ اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ بِالْفَرْجِ فِي الْخَلَاءِ» اور مکروہ ہے استقبالِ قبلہ یعنی قبلے کی طرف رخ کرنا «بِالْفَرْجِ» شرمگاہ کے ساتھ «فِي الْخَلَاءِ» بیت الخلاء میں۔ بھائی گذشتہ فصل میں وہ چیزیں ذکر ہوئی تھیں جو نماز کے اندر کیا ہیں؟ مکروہ ہیں۔ اب کچھ وہ چیزیں ذکر فرما رہے ہیں جو نماز سے باہر بھی مکروہ ہیں بھائی۔ تو اب کچھ وہ چیزیں ذکر کر رہے ہیں اس فصل میں جو نماز کے باہر بھی مکروہ ہیں بھائی۔ تو ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان پیشاب پاخانہ کرتے ہوئے جب بیٹھے تو قبلہ قبلے کی طرف رخ ہو یا قبلے کی طرف پشت ہو تو یہ مکروہ ہے، یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے۔ یہی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَيُكْرَهُ اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ بِالْفَرْجِ فِي الْخَلَاءِ» اور مکروہ ہے قبلے کا استقبال کرنا یعنی اس کی طرف رخ کرنا شرمگاہ کے ساتھ بیت الخلاء میں، «لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنْ ذَلِكَ» کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

■ مسئلہ: وَالِاسْتِدْبَارُ يُكْرَهُ فِي رِوَايَةٍ

«وَالِاسْتِدْبَارُ يُكْرَهُ فِي رِوَايَةٍ» اور استدبار کا معنی ہے پشت کرنا، استقبال کا معنی رخ کرنا، چہرہ کرنا اور استدبار یعنی پشت کرنا، «يُكْرَهُ فِي رِوَايَةٍ» یہ بھی مکروہ ہے ایک روایت میں۔ ایک روایت کے مطابق پشت کرنا بھی مکروہ ہے، «لِمَا فِيهِ مِنْ تَرْكِ التَّعْظِيمِ» اس وجہ سے کہ اس کے اندر تعظیم کو چھوڑنا لازم آتا ہے اور بیت اللہ کی تو تعظیم کا حکم دیا گیا ہے، تو لہٰذا پشت بھی نہ کرے اس کی طرف۔ «وَلَا يُكْرَهُ فِي رِوَايَةٍ» اور ایک روایت کے مطابق مکروہ نہیں ہے بھائی، ایک روایت کے مطابق مکروہ نہیں، لیکن صحیح روایت وہی ہے جو پہلے ذکر ہوئی کہ پشت کرنا بھی کیا ہے؟ مکروہ ہے۔ تو دوسری روایت کے مطابق مکروہ نہیں ہے، اس کی بھی وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ اس میں یہ کیوں آیا کہ مکروہ نہیں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْمُسْتَدْبِرَ فَرْجُهُ غَيْرُ مُوَاذٍ لِلْقِبْلَةِ» اس لیے کیونکہ جو پشت کرنے والا ہے اس کی شرمگاہ جو ہے وہ قبلے کے مقابل نہیں ہے یعنی قبلے کی طرف نہیں ہے، «وَمَا يَنْحَطُّ مِنْهُ يَنْحَطُّ إِلَى الْأَرْضِ» اور وہ جو اس شرمگاہ میں سے گرتا ہے وہ کس طرف گرتا ہے؟ زمین پر، یعنی پیشاب بھائی۔ تو اگر قبلہ رخ ہو گا تو پھر تو شرمگاہ کا رخ قبلے کی طرف ہو گا اور پیشاب کا رخ بھی کس طرف ہو جائے گا؟ قبلے کی طرف، تو لہٰذا اس سے تو منع کیا گیا ہے وہ مکروہ ہو گا لیکن اگر قبلے کی طرف پشت ہو تو پھر اس صورت میں شرمگاہ کا رخ بھی قبلے کی طرف نہیں اور جو پیشاب وغیرہ بھی گر رہا ہے وہ قبلے کی طرف نہیں ہے اس لیے مکروہ نہیں۔ یہ دوسری روایت کی وجہ ذکر کر دی، لیکن میں نے بتلایا صحیح قول کون سا ہے؟ پہلی ہی روایت ہے کہ پشت کرنا بھی مکروہ ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَمَا يَنْحَطُّ مِنْهُ يَنْحَطُّ إِلَى الْأَرْضِ» اور وہ جو اس میں سے گرتا ہے وہ زمین کی طرف گرتا ہے، «بِخِلَافِ الْمُسْتَقْبِلِ» بخلاف اس کے جس کا رخ قبلے کی طرف ہو، «لِأَنَّ فَرْجَهُ مُوَاذٍ لَهَا» اس لیے کیونکہ اس کی شرمگاہ قبلے کے مقابل ہے، «وَمَا يَنْحَطُّ مِنْهُ يَنْحَطُّ إِلَيْهَا» اور اس سے جو گرے گا، جو نکلے گا وہ کس کی طرف نکلے گا؟ کس کی طرف گرے گا؟ قبلے کی طرف گرے گا اس لیے وہ مکروہ ہے۔

«وَيُكْرَهُ الْمُجَامَعَةُ فَوْقَ الْمَسْجِدِ وَالْبَوْلُ وَالتَّخَلِّي»۔ جی یاد رکھیے یہ جو مسجد ہے مسجد کوئی بنائی جائے تو وہ وہ آسمان تک سارا حصہ مسجد کے حکم میں ہوتا ہے، سارا کس کے حکم میں ہے؟ مسجد۔ لہٰذا مسجد کی چھت پر بھی بیوی کے ساتھ صحبت کرنا مکروہ ہے، مسجد کی چھت پر بھی پیشاب کرنا مکروہ ہے، مسجد کی چھت پر بھی پاخانہ کرنا مکروہ ہے بھائی۔ کہتے ہیں: «وَيُكْرَهُ الْمُجَامَعَةُ فَوْقَ الْمَسْجِدِ وَالْبَوْلُ وَالتَّخَلِّي» اور مکروہ ہے صحبت کرنا مسجد کی چھت پر اور پیشاب کرنا اور تخلی یعنی قضائے حاجت کرنا، «لِأَنَّ سَطْحَ الْمَسْجِدِ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ» اس لیے کیونکہ مسجد کی جو چھت ہوتی ہے اس کے لیے مسجد ہی کا حکم ہے، «حَتَّى يَصِحَّ الِاقْتِدَاءُ مِنْهُ بِمَنْ تَحْتَهُ» یہاں تک کہ صحیح ہے اقتداء کرنا چھت سے اس امام کی جو کس کے چھت کے نیچے ہے، تو یہ صحیح ہے اس چھت پر اقتداء کرنا اس شخص کی جو چھت کے نیچے ہے، معلوم ہوا یہ مسجد کے حکم میں ہے، «وَلَا يَبْطُلُ الِاعْتِكَافُ بِالصُّعُودِ إِلَيْهِ» اور نیز اعتکاف بھی باطل نہیں ہوتا چھت پر چڑھنے سے، معلوم ہوا چھت کس کے حکم میں ہے؟ مسجد کے، ورنہ تو اعتکاف تو ایک لمحے کے لیے بھی مسجد سے کوئی نکلے تو اعتکاف کیا ہو جاتا ہے؟ باطل ہو جاتا ہے، لیکن مسجد کی چھت پر چڑھنے سے بھی اعتکاف نہیں ٹوٹ رہا، معلوم ہوا مسجد کی چھت بھی کس کے حکم میں ہے؟ مسجد کے حکم میں، «وَلَا يَحِلُّ لِلْجُنُبِ الْوُقُوفُ عَلَيْهِ» اور جنابت والے کے لیے حلال نہیں ہے مسجد کی چھت پر کھڑا ہونا، معلوم ہوا مسجد کی چھت بھی کس کے حکم میں ہے؟ مسجد کے حکم میں۔

■ مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِالْبَوْلِ فَوْقَ بَيْتٍ فِيهِ مَسْجِدٌ

«وَلَا بَأْسَ بِالْبَوْلِ فَوْقَ بَيْتٍ فِيهِ مَسْجِدٌ» اور کوئی حرج نہیں ہے پیشاب کرنے میں ایسے کمرے کے گھر کے ایسے گھر کے اوپر «فِيهِ مَسْجِدٌ» جس میں کیا ہو؟ مسجد۔ بیت نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہ «فِيهِ» خبرِ مقدم ہے اور «مَسْجِدٌ» مبتدائے مؤخر ہے اور یہ

پورا جملہ اسمیہ صفت ہے بیت کی، تو ترجمہ کیسے کریں گے؟ بیت سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لائیں گے: اور «وَلَا بَأْسَ بِالْبَوْلِ فَوْقَ بَيْتٍ فِيهِ مَسْجِدٌ» اور کوئی حرج نہیں پیشاب کرنے میں ایسے گھر کے اوپر جس میں مسجد ہو، «وَالْمُرَادُ مَا أَعَدَّ لِلصَّلَاةِ فِي الْبَيْتِ» اور مراد وہ جگہ ہے جس کو تیار کیا ہو اس شخص نے نماز کے لیے گھر میں۔ بھائی یاد رکھیے، مستحب ہے یہ مستحب ہے کہ انسان اپنے گھر میں کوئی حصہ نماز کے لیے مخصوص کرے بھائی اور اس کی پھر پاکی کا خیال رکھے اور جوتے وغیرہ ادھر نہ لے جائے، صاف ستھرا رکھے جہاں نماز ادا کی جائے بھائی، نماز ادا کی جائے۔ اور یاد رکھیے نماز کا مسنون طریقہ، آج کل تو ہم سنتیں جو ہیں مسجد ہی میں ادا کرتے ہیں حالانکہ یہ مسنون طریقہ نہیں، مسنون طریقہ یہ ہے کہ فرائض مسجد میں ادا کیے جائیں اور سنتیں گھر پر ادا کی جائیں بھائی، سنتیں گھر پر ادا کی جائیں تو مسنون طریقہ یہی ہے۔ پھر متاخرین فقہاء نے اجازت دی کہ مسجد میں ہی سنتیں ادا کی جا سکتی ہیں اس لیے کیونکہ دینی امور میں سستی آ گئی ہے تو کہیں ایسا نہ ہو گھر جائے بیوی ہے اولاد بچے ہیں کسی کام وغیرہ میں مشغول ہو اور سنتیں ہی نہ رہ جائیں تو اس لیے مسجد کے اندر بھی اب سنتیں ادا کرنا درست ہے، لیکن مسنون طریقہ کیا ہے کہ گھر میں سنتیں ادا کی جائیں اور گھر میں نماز کی جگہ بنائی جائے تاکہ اس سے سارے گھر والوں پر بھی اثر پڑے گا، بچوں پر بھی، عورتوں پر بھی، تو یہ طریقہ ہے بھائی۔ تو اب بتلا رہے ہیں اب کسی شخص نے کوئی کمرہ وغیرہ مختص کیا ہوا ہے نماز کے لیے، نماز کے لیے، تو اب اس کی چھت وغیرہ پر پیشاب وغیرہ اور اس طرح کے امور سرانجام دینا کیا وہ جائز ہیں یا جائز نہیں؟ کہتے ہیں بھائی اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ یہ حقیقتاً مسجد نہیں ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی، یہ تو اس کا گھر ہی کا ایک حصہ ہے البتہ اس نے کیا کر لیا ہے نماز کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ یہ معنی ہے: «وَلَا بَأْسَ بِالْبَوْلِ فَوْقَ بَيْتٍ فِيهِ مَسْجِدٌ» اور کوئی حرج نہیں پیشاب کرنے میں ایسے گھر کے اوپر جس میں مسجد ہے، «وَالْمُرَادُ مَا أَعَدَّ لِلصَّلَاةِ فِي الْبَيْتِ» اور مراد وہ جگہ ہے جس کو اس گھر والے نے تیار کیا ہو نماز کے لیے گھر میں، «لِأَنَّهُ لَمْ يَأْخُذْ حُكْمَ الْمَسْجِدِ» اس لیے کیونکہ اس نے مسجد کا حکم نہیں لیا، یہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے، «وَإِنْ نُدِبْنَا إِلَيْهِ»۔ «نَدَبَ إِلَيْهِ» کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کی طرف دعوت دینا، «وَإِنْ نُدِبْنَا إِلَيْهِ» اگرچہ ہمیں اس کی طرف دعوت دی گئی ہے یعنی ہمیں کہا گیا ہے کہ گھر میں کیا کرنا چاہیے کوئی جگہ نماز کے لیے مخصوص کرنی چاہیے، مستحب ہے۔

«وَيُكْرَهُ أَنْ يُغْلَقَ بَابُ الْمَسْجِدِ» اور مکروہ ہے کہ مسجد کا دروازہ بند کیا جائے، مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے یعنی اس کو تالے لگا دینا، «لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الْمَنْعَ مِنَ الصَّلَاةِ» اس لیے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے۔ تو مسجد کو کیا ہونا چاہیے؟ ہر وقت کھلا ہونا چاہیے، جب بھی کوئی شخص نماز اس میں پڑھنا چاہے پڑھ سکے۔ «وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ» اور کہا گیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے مسجد کو تالا لگانے میں، بند کرنے میں «إِذَا خِيفَ عَلَى مَتَاعِ الْمَسْجِدِ» جبکہ خوف ہو مسجد کے سامان پر کہ یعنی اس کو کوئی چرا لے گا وغیرہ اس کا خوف ہو «فِي غَيْرِ أَوَانِ الصَّلَاةِ» نماز کے اوقات کے علاوہ میں۔ یعنی نماز کے اوقات میں تو کھلی ہی رہے گی باقی اوقات میں اگر اس کو تالا لگایا جاتا ہے چوری وغیرہ کے خوف کی وجہ سے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بھائی۔

«وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُنَقَّشَ الْمَسْجِدُ بِالْجَصِّ وَالسَّاجِ وَمَاءِ الذَّهَبِ» اور کوئی حرج نہیں ہے مسجد کو مزین کرنے میں یعنی اس پر نقش و نگار بنانے میں «بِالْجَصِّ»، جَصٌّ اور جِصٌّ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، یہ پہلے بھی ذکر ہو چکا بھائی، یہ خاص قسم کا مصالحہ تیار کیا جاتا تھا چونے سے قدیم زمانے میں جس سے سیمنٹ کا کام لیا جاتا تھا جیسے آج کل سیمنٹ کے ساتھ اینٹوں وغیرہ کو آپس میں جوڑا جاتا ہے تو قدیم زمانے میں یہ چونے سے ایک مصالحہ تیار کیا جاتا تھا اور یہ سیمنٹ سے بھی کئی گنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے چنانچہ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ قدیم بادشاہوں کی عمارتیں آپ دیکھتے ہیں ابھی تک سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود اسی طرح مضبوطی کے ساتھ قائم دائم ہیں حالانکہ سیمنٹ کی عمارت اتنا عرصہ نہیں گزار سکتی بھائی، تو اس کو جص کہتے تھے۔ تو کوئی اگر نقش و نگار بناتا ہے مسجد پر «بِالْجَصِّ» کس کے ساتھ؟ اس مصالحے کے ساتھ ہی تو «وَالسَّاجِ» اور ساج کہتے ہیں یہ ایک لکڑی ہے ساگوان بھائی قیمتی لکڑی ہے، اس کے ساتھ نقش و نگار بناتا ہے، «وَمَاءِ الذَّهَبِ» اور سونے کے پانی کے ساتھ نقش و نگار وغیرہ بناتا ہے اور اس کو مزین کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ «وَقَوْلُهُ لَا بَأْسَ يُشِيرُ إِلَى أَنَّهُ لَا يُؤْجَرُ عَلَيْهِ» اور کہتے ہیں مصنف کا ماتن کا جو قول آیا نا «وَلَا بَأْسَ» کوئی حرج نہیں، یہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے «أَنَّهُ لَا يُؤْجَرُ عَلَيْهِ» کہ ایسا کرنے والے کو اس پر اجر نہیں ملے گا یعنی یہ کوئی ثواب کا کام نہیں تو اس پر «أَنَّهُ لَا يُؤْجَرُ عَلَيْهِ» کہ اس پر اس کو اجر نہیں دیا جائے گا، «لَكِنَّهُ لَا يَأْثَمُ بِهِ» لیکن یہ کہ اس سے گناہگار نہیں ہو گا یعنی جائز ہے۔ تو یہ اشارہ کس کے ذریعے ہوا؟ «لَا بَأْسَ» کے ذریعے کہ کوئی حرج نہیں۔ «وَقِيلَ هُوَ قُرْبَةٌ» اور کہا گیا ہے کہ یہ قربت ہے یعنی اس میں بھی کیا ہے؟ ثواب ہے کیونکہ اس میں تعظیم ہے مسجد کی۔

صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: «وَهَذَا إِذَا فَعَلَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ» یہ اس وقت ہے جب اس نے یہ کام کیا ہو اپنے ذاتی مال میں سے۔ یہ مسجد کو مزین کرتا ہے، نقش و نگار بنواتا ہے وہ کوئی شخص اپنے ذاتی مال میں سے، «أَمَّا الْمُتَوَلِّي يَفْعَلُ مِنْ مَالِ الْوَقْفِ مَا يَرْجِعُ إِلَى إِحْكَامِ الْبِنَاءِ دُونَ مَا يَرْجِعُ إِلَى النَّقْشِ» باقی جو مسجد کا متولی ہے جو اس کا نگران ہے تو وہ «يَفْعَلُ مِنْ مَالِ الْوَقْفِ» وہ کر سکتا ہے مالِ وقف میں سے «مَا» اس عمل کو «يَرْجِعُ إِلَى إِحْكَامِ الْبِنَاءِ»، إِحْكَامٌ کا معنی مضبوط کرنا، بِنَاءٌ کا معنی تعمیر، تو وہ وقف مال میں سے وہ چیز کر سکتا ہے جو لوٹتی ہو تعمیر کی مضبوطی کی طرف، کس کی طرف؟ تعمیر، ہاں تو متولی جو نگران ہے جس کو اور لوگ پیسے دیتے ہیں مسجد کے لیے تو یہ اب مسجد پر نقش و نگار نہیں کروا سکتا بلکہ صرف کیا کر سکتا ہے؟ مسجد کی تعمیر سے جو چیزیں اور اس کی تعمیر میں مضبوطی سے متعلق جو چیزیں ہیں وہ کر سکتا ہے، «دُونَ مَا يَرْجِعُ إِلَى النَّقْشِ» نہ کہ ان چیزوں کو جو لوٹتی ہیں کس کی طرف؟ نقش و نگار کی طرف زیب و زینت کی طرف، «حَتَّى لَوْ فَعَلَ يَضْمَنُ» یہاں تک کہ اگر اس نے کر لیا «يَضْمَنُ» تو یہ ضامن ہو گا، اس ضمان دینا پڑے گا۔ «وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ»

اور اللہ ہی درست کو جاننے والے ہیں۔

■ مسئلہ: بَابُ صَلَاةِ الْوِتْرِ

«بَابُ صَلَاةِ الْوِتْرِ» یہ باب ہے صلاۃ وتر کے بیان میں یعنی وتر کی نماز کے بیان میں۔ «الْوِتْرُ وَاجِبٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» وتر جو ہیں واجب ہیں امام صاحب کے نزدیک، «وَقَالَا سُنَّةٌ» اور صاحبین فرماتے ہیں سنت ہیں۔ وتر کیا ہیں؟ سنت۔ دلیل ان کی: کہتے ہیں «لِظُهُورِ آثَارِ السُّنَنِ فِيهِ» وہ فرماتے ہیں کہ اس وتر کے اندر سنتوں کے آثار ظاہر ہیں یعنی سنتوں کی علامتیں اس کے اندر سنتوں کی نشانیاں اس میں ظاہر ہیں۔ بھائی وہ کیا نشانیاں ہیں؟ کہتے ہیں: «حَيْثُ لَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهُ» کیونکہ کافر قرار نہیں دیا جاتا «جَاحِدُهُ» اس کے انکار کرنے والے کو۔ بھائی فرائض ہیں فرائض کا جو انکار کرے اس کو کیا قرار دیا جاتا ہے؟ اس کو کافر قرار دیا جاتا ہے، ہاں سنتوں کا کوئی انکار کرے اس کو کافر قرار نہیں دیا جاتا تو وتروں کا بھی انکار کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیا جاتا، معلوم ہوا یہ فرض نہیں، فرض نہیں بھائی اور سنت ہیں بھائی۔ «وَلَا يُؤَذَّنُ لَهُ» اور نیز وتروں کے لیے اذان بھی نہیں دی جاتی جیسے سنتوں کے لیے اذان نہیں۔ تو جس طرح سنتوں کے انکار کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیا جاتا اسی طرح وتر بھی ہیں، ان کے انکار کرنے والے کو بھی کافر قرار نہیں دیا جاتا، معلوم ہوا وتر سنت ہیں۔ اور نیز جیسے سنتوں کے لیے اذان نہیں دی جاتی اسی طرح وتر کے لیے بھی اذان نہیں دی جاتی، معلوم ہوا وتر کیا ہیں؟ سنت ہیں۔ یہ معنی ہے، وہ فرماتے ہیں: «لِظُهُورِ آثَارِ السُّنَنِ فِيهِ» اس وجہ سے کہ وتروں کے اندر سنت ہونے کے علامتیں ظاہر ہیں «حَيْثُ لَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهُ وَلَا يُؤَذَّنُ لَهُ» اس حیثیت سے کہ کافر قرار نہیں دیا جاتا وتر کے انکار کرنے والے کو اور نہ وتر کے لیے اذان دی جاتی ہے، یہ ان کی دلیل تھی صاحبین کی۔

امام صاحب کیا فرماتے ہیں وتر کیا ہیں؟ واجب۔ «وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور امام صاحب کی دلیل جو ہے: «قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى زَادَكُمْ صَلَاةً أَلَا وَهِيَ الْوِتْرُ فَصَلُّوهَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ» کہ یقیناً اللہ نے بڑھا دیا ہے تمہارے لیے ایک نماز کو، آگاہ رہو اور وہ وتر ہی ہے، پس تم لوگ پڑھو اس نماز کو عشاء سے لے کر طلوعِ فجر کے درمیان تک، اس کے درمیان میں ادا کرو۔ تو یہ ہے حدیث بھائی، یہ کیا ہے؟ حدیث۔ تو حضور علیہ نے فرمایا کہ تمہارے لیے اللہ نے ایک نماز کو بڑھا دیا ہے اور وہ وتر ہے تو اس کو تم عشاء اور فجر کے درمیان پڑھو، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا یہ جو قول آیا «أَمْرٌ» یہ کیا ہے؟ امر ہے۔ بھائی اس میں امر کا صیغہ آرہا ہے: «فَصَلُّوهَا» تم کیا کروان کو؟ پڑھو، اور امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے، تو کہتے ہیں یہ حضور علیہ السلام کا یہ قول «أَمْرٌ» یہ امر ہے «وَهُوَ لِلْوُجُوبِ» اور امر کس سے آتا ہے؟ وجوب کے لیے، لہٰذا وتر واجب ہیں۔

«وَلِهَذَا وَجَبَ الْقَضَاءُ بِالْإِجْمَاعِ» اور اسی وجہ سے اس کی قضا جو ہے، یہاں «وَجَبَ» بمعنی «ثَبَتَ» کے ہے۔ «وَجَبَ» کس معنی میں ہے؟ «ثَبَتَ» کے معنی میں ہے کیونکہ وتر امام صاحب کے نزدیک واجب، صاحبین کے نزدیک سنت سنت ہے۔ البتہ باقی سنتوں کی تو قضا نہیں، وتر میں صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ وتروں کی قضا کرلے تو بہتر ہے، وتروں کی قضا کرلے، سمجھ میں آیا؟ جی تو ایک جیسے وہ فجر کی سنتیں ہیں اس میں بھی نہایت تاکید وارد ہوئی ہے تو ایک ان کی قضا کی جاتی ہے اور اس میں بھی قضا یاد رکھیے کہ اگر اسی دن زوال سے پہلے پہلے وہ فجر کی نماز ادا کرتا ہے تو کس کے ساتھ ادا کرے؟ سنتوں کے ساتھ ادا کرے اور اگر زوال کے بعد ادا کرتا ہے تو پھر صرف فرض پڑھے گا، سنتیں پھر نہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں تو دیکھیے تو وتروں کی قضا ثابت ہے بالاجماع، اور اجماع سے تمام فقہاء کا اجماع نہیں مراد، صرف فقہائے احناف کا اجماع مراد ہے یعنی ہمارے ائمہ ثلاثہ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ۔ «وَلِهَذَا وَجَبَ الْقَضَاءُ بِالْإِجْمَاعِ» اور اسی وجہ سے وتروں کی قضا ثابت ہے بالاجماع، معلوم ہوا وتر کیا ہیں؟ واجب ہیں، یہ امام صاحب کی دلیل چل رہی ہے۔ «وَإِنَّمَا لَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهُ» یہاں سے وہ صاحبین کی دلیل کا جواب دے رہے ہیں، انہوں نے کیا ذکر کیا تھا؟ کہ وتروں کا انکار کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیتے، معلوم ہوا یہ سنت ہیں، وتروں کے لیے اذان نہیں دی جاتی، معلوم ہوا یہ سنت ہیں۔

اس کا بھی جواب دے رہے ہیں۔ وَإِنَّمَا لَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهُ اور وتروں کے انکار کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیا جاتا، لِأَنَّ وُجُوبَهُ ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ اس لیے کیونکہ وتروں کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔ کس سے ثابت ہے؟ سنت سے ثابت ہے، یعنی حدیث سے۔ وَهُوَ الْمَعْنِيُّ بِمَا رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ سُنَّةٌ۔ بھائی یہ معنِیَ یہ لفظ بھی عبارتوں میں بعض جگہ استعمال ہوتا ہے اور بمعنیٰ مراد کے ہے۔ کس معنی میں ہوتا ہے؟ مراد۔ بھائی امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ وتر سنت ہیں۔ ایک روایت تو کیا آئی؟ وتر واجب ہیں اور جو صحیح روایت ہے اور جس کو متن میں ذکر کیا انہوں نے۔ ایک روایت یہ آئی کہ وتر سنت ہیں۔ تو صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں کہ وتر کا وجوب جو ہے سنت سے ثابت ہے، وَهُوَ الْمَعْنِيُّ بِمَا رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ سُنَّةٌ اور یہی مراد ہے اس روایت سے جو روایت کی گئی ہے امام صاحب سے کہ وتر کیا ہیں؟ سنت۔ وہ جو انہوں نے سنت کہا اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ یعنی ان کا وجوب کس سے ثابت ہے؟ سنت سے ثابت ہے۔

اور باقی اذان کیوں نہیں دی جاتی؟ اس کا بھی جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَهُوَ يُؤَدَّى فِي وَقْتِ الْعِشَاءِ اور وتروں کو عشاء کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے، فَاكْتُفِيَ بِأَذَانِهِ وَإِقَامَتِهِ تو اکتفا کیا جائے گا اسی عشاء کی اذان اور عشاء کی اقامت پر۔

قَالَ: وَالْوِتْرُ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ۔ بھائی وتروں میں یاد رکھیے ہمارے نزدیک تو تین وتر ہیں اور آخر میں ایک ہی سلام ہوگا، ایک ہی سلام۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ وہ ان کے نزدیک ایک روایت کے مطابق دو سلام ہوں گے۔ دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بھی سلام پھیرے گا نماز پڑھنے والا اور پھر اس

کے بعد ایک رکعت الگ پڑھ کر بھی سلام پھیرے گا۔ تو کہتے ہیں: **وَالْوِتْرُ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ** وتر جو ہیں وہ تین رکعتیں ہیں، **لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ** جدائی نہ کرے ان کے درمیان سلام کے ساتھ، یعنی درمیان میں سلام نماز پڑھنے والا نہ پھیرے۔

لِمَا رَوَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم **كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ** وہ وتر پڑھتے تھے بثلاثٍ تین کے، تین رکعت کے ساتھ، یعنی کتنی رکعت؟ تین رکعت وتر۔ **كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ** کہ حضور علیہ السلام تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

وَحَكَى الْحَسَنُ إِجْمَاعَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى الثَّلَاثِ، اور حکایت کیا ہے یعنی روایت کیا ہے حسن بصری رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے اجماع کو **عَلَى الثَّلَاثِ** تین رکعت پر۔ حسن بصری جلیل القدر تابعی گزرے ہیں بھائی، وہ فرماتے ہیں کہ وتر کے تین رکعت ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے بھائی۔

وَهَذَا أَحَدُ أَقْوَالِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال میں سے ایک قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت کیا آئی ہے کہ وتر کتنی رکعت ہیں؟ تین رکعت ہیں۔ **وَفِي قَوْلٍ** اور ایک قول کے اندر **يُوتِرُ بِتَسْلِيمَتَيْنِ** وتر پڑھے گا بتسلیمتین دو سلاموں کے ساتھ، وتر پڑھنے والا وتر پڑھے گا، دو سلام پھیرے گا یعنی دو رکعت کے بعد بھی سلام پھیرے گا اور پھر آخر میں بھی۔ **وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور یہی قول ہے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کا بھی۔ **وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِمَا مَا رَوَيْنَاهُ**، اور دلیل ان دونوں کے خلاف ہماری دلیل جو ہے مَا وہ حدیث ہے **رَوَيْنَاهُ** جس کو ہم نے روایت کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام تین رکعت وتر ادا فرماتے تھے۔

وَيَقْنُتُ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوعِ، اور دعائے قنوت پڑھے گا تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے۔ بھائی ہمارے نزدیک دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دعائے قنوت جو ہے رکوع کے بعد پڑھی جائے گی۔ کہتے ہیں: **وَيَقْنُتُ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوعِ** اور دعائے قنوت پڑھے تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: بَعْدَهُ**، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رکوع کے بعد پڑھے، **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَنَتَ فِي آخِرِ الْوِتْرِ**، بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی کہ حضور علیہ السلام نے دعائے قنوت پڑھی **فِي آخِرِ الْوِتْرِ**، وہ دعائے قنوت پڑھتے تھے **فِي آخِرِ الْوِتْرِ** وتروں کے آخر میں، **وَهُوَ بَعْدَ الرُّكُوعِ** اور وہ کس کے بعد ہو گا؟ بھائی آخر میں پڑھتے تھے اور آخر کس کے بعد ہو گا؟ رکوع کے بعد ہو گا، رکوع سے پہلے تو آخر نہیں۔ تو رکوع کے بعد پڑھیں گے۔ **وَلَنَا** اور ہماری دلیل مَا **رُوِيَ** وہ حدیث ہے جس کو روایت کیا گیا ہے **أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ** کہ حضور علیہ السلام قنوت پڑھتے تھے **قَبْلَ الرُّكُوعِ** رکوع سے پہلے، رکوع سے پہلے۔

تو ہماری حدیث کے اندر صراحۃً آگیا کہ حضور علیہ السلام رکوع سے پہلے پڑھتے تھے دعائے قنوت۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل میں آیا کہ حضور علیہ السلام قنوت پڑھتے تھے وتروں کے آخر میں، اور آخر سے کیا مراد ہے؟ وتروں کے بعد۔ تو انہوں نے اس کا مرادی معنیٰ لیا کہ مراد یہ ہے، جبکہ ہماری دلیل کو ترجیح ہے کیونکہ اس میں صراحۃً کیا آرہا ہے؟ قبل الرکوع صراحۃً آرہا ہے۔ اس حدیث میں تو بعد الرکوع صراحۃً نہیں، وہاں تو صرف کیا آیا؟ آخر، وتر کے آخر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے اور آخر کا معنی کیا کیا امام شافعی رحمہ اللہ نے؟ رکوع کے بعد۔ تو وہ انہوں نے اس کا معنی کیا اور ہماری حدیث کے اندر صراحۃً کیا آگیا کہ رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

وَمَا زَادَ عَلَى نِصْفِ الشَّيْءِ آخِرُهُ، باقی اس کا بھی جواب دے رہے ہیں: **وَمَا زَادَ عَلَى نِصْفِ الشَّيْءِ آخِرُهُ** اور وہ جو زائد ہو جائے نصفِ شے پر وہ اس کا آخر ہوتا ہے۔ تو حدیث کا معنی امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا کیا؟ حدیث میں کیا آیا تھا کہ حضور علیہ السلام وتر قنوت پڑھتے تھے وتروں کے آخر میں، اور آخر سے کیا مراد ہے؟ رکوع کے بعد۔ ہم کہتے ہیں نہیں، رکوع کے بعد نہیں بلکہ رکوع سے پہلے ہو تو بھی یہ آخر ہے، اس لیے کیونکہ آخر شے اس کو کہتے ہیں آخری حصہ چیز کا وہ ہے جو آدھے کے بعد آئے، نصف کے بعد آئے اور وتر کل کتنے رکعت؟ تین اور دعائے قنوت کس رکعت میں ہے؟ تیسرے میں۔ تو تین کے نصف تو ہوا ڈیڑھ، تو اس نصف کے بعد دیکھو آرہی ہے دعائے قنوت، تو آخرِ صلاۃ میں ہی ہوئی۔ سمجھ میں آیا؟ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَمَا زَادَ عَلَى نِصْفِ الشَّيْءِ آخِرُهُ** اور وہ جو بڑھ جائے نصفِ شے پر وہ اس کا آخر ہے، تو دعائے قنوت بھی دو رکعتوں کے بعد ہوتی ہے تو وہ آخرِ وتر ہی ہے۔

وَيَقْنُتُ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ، اور دعائے قنوت پڑھے سارا سال، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ** ہمارے نزدیک سارا سال وتروں میں دعائے قنوت پڑھی جائے گی، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ** رحمہ اللہ، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، **فِي غَيْرِ النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ** علاوہ آخری نصف کے رمضان میں سے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اختلاف فرماتے ہیں، وہ صرف نصفِ اخیر جو ہے رمضان کا، دوسرا آخری حصہ، رمضان کے دو حصے کریں یعنی آخر والا جو نصف ہے آخری چودہ پندرہ دن جو ہیں، ان میں وہ فرماتے ہیں کہ دعائے قنوت پڑھی جائے گی۔ تو ہمارے نزدیک تو سارا سال پڑھیں گے تو ان پندرہ دنوں میں بھی پڑھیں گے یا نہیں پڑھیں گے؟ اور اس میں امام شافعی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں اس میں پڑھیں گے، تو اس میں اختلاف نہیں، اس کے علاوہ باقی سارے سال میں وہ کیا کرتے ہیں؟ اختلاف کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں باقی سارا سال بھی قنوت پڑھے گا وتروں میں، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں بھائی۔ یہ معنی ہے **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِي غَيْرِ النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ**، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے رمضان کے نصفِ اخیر کے علاوہ میں، کیونکہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ہماری دلیل کیا ہے؟ بوجہ حضور علیہ السلام کے یہ فرمانے کے **لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا،** حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضور علیہ السلام نے فرمایا، **حِينَ عَلَّمَهُ دُعَاءَ الْقُنُوتِ** جب انہوں نے ان کو دعائے قنوت سکھائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: «**اِجْعَلْ هَذَا فِي وِتْرِكَ**» اس کو تم اپنے وتروں میں کرلو، یعنی اس میں شامل کرلو، اس کو کیا کرلو اس میں؟ وتروں میں شامل کرلو یعنی اس میں پڑھا کرو، **مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ** بغیر کسی فرق کے۔ یعنی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ نصفِ اخیر میں پڑھا کرو۔ نصفِ اخیر رمضان میں پڑھا کرو، بس اتنا کہا گیا اس کو کیا کرلو؟ اپنے وتروں میں شامل کرلو۔ اگر نصفِ اخیر رمضان میں ہوتا تو حضور علیہ السلام بھی فرماتے کہ کیا کرلینا؟ نصفِ اخیر رمضان میں اس کو وتروں میں شامل کرلینا، تو یہاں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس لیے معلوم ہوا سارا سال پڑھیں گے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِنَ الْوِتْرِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً، اور پڑھے گا ہر رکعت کے اندر وتر میں سورۂ فاتحہ بھی اور اس کے ساتھ کوئی سورت بھی۔ وتر کی ہر رکعت، پہلی دو رکعتوں کے اندر تو سورۂ فاتحہ اور قراءت ہوتی ہی ہے جیسے فرائض میں، وتر کی آخری رکعت میں بھی کیا کرے گا؟ سورۂ فاتحہ بھی پڑھے اور ساتھ اس کے سورت بھی ملائے گا۔ **لِقَوْلِهِ تَعَالَى** بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: ﴿**فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**﴾ پس تم پڑھو جو تمہیں میسر ہو قرآن میں سے، جو آسان لگے قرآن میں سے۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

شارحین حضرات فرماتے ہیں کہ صاحبِ ہدایہ کو یہ آیت بطورِ دلیل کے یہاں ذکر کیا جائے بطورِ دلیل کے یہاں ذکر کرنا درست نہیں۔ اس لیے کیونکہ اس سے تو مطلق قراءت کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ معلوم ہوا مطلق قراءت کیا ہے؟ فرض ہے۔ البتہ فاتحہ ہو اور فاتحہ کے ساتھ سورت بھی ملائی جائے گی یہ تو اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ تو دلیل یاد رکھیے بھائی کہ وتر کی، وتر جو ہیں، بھائی دیکھیے، فرض نماز، فرض نماز اگر چار رکعت ہو تو اس میں پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت کو ملایا جاتا ہے اور آخری دو رکعتوں میں نہیں۔ اور سنتوں اور نوافل کے اندر اس میں ساری رکعتوں کے اندر فاتحہ کے ساتھ کیا ملاتے ہیں؟ سورت بھی ملاتے ہیں۔ تو یہاں جو وتروں کے اندر بھی فاتحہ کے ساتھ، آخری رکعت میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے کا حکم دیا گیا یہ بطورِ احتیاط کے ہے، کیونکہ ابھی آپ پڑھ چکے کہ وتر کی مشابہت کس کے ساتھ ہے؟ سنتوں کے ساتھ بھی مشابہت ہے بھائی، تو بطورِ احتیاط کے اس میں بھی کیا حکم دیا ہمارے فقہاء نے کہ آخری رکعت میں فاتحہ کے ساتھ ساتھ سورت بھی ملائے بھائی۔

وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَقْنُتَ كَبَّرَ، اور جس وقت ارادہ کرے دعائے قنوت پڑھنے کا **كَبَّرَ** تو تکبیر کہے، **لِأَنَّ الْحَالَةَ قَدِ اخْتَلَفَتْ** اس لیے کیونکہ حالت جو ہے وہ تحقیق مختلف ہوگئی، بدل گئی اور جب بھی نماز میں حالت بدلتی ہے تو کیا کہی جاتی ہے؟ تکبیر کہی جاتی ہے، تو جب قراءت کے بعد اب قنوت پڑھنے لگا ہے تو کیا کرلے؟ تکبیر کہہ لے، **وَرَفَعَ يَدَيْهِ** اور کیا کرے؟ دونوں ہاتھ اٹھائے، **وَقَنَتَ** اور دعائے قنوت پڑھے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ**» کہ ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے مگر سات جگہوں کے اندر، **وَذَكَرَ مِنْهَا الْقُنُوتَ** اور ان میں سے ایک جگہ حضور علیہ السلام نے کیا ذکر فرمائی؟ قنوت، یعنی کہ قنوت کے وقت بھی کیا کیا جائے گا؟ ہاتھوں کو اٹھایا جائے گا۔ اور نیز اسی سے تکبیر کا بھی ثبوت آگیا اسی حدیث سے، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام جہاں کہیں بھی یہ ہاتھ اٹھانا آتا ہے اس کے ساتھ تکبیر ضرور ہوتی ہے۔ آپ خود دیکھ لیجیے، تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں تو تکبیر بھی کہی جاتی ہے، عیدین کے اندر ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں تو ان کے ساتھ کیا کہی جاتی ہے؟ تکبیر بھی کہی جاتی ہے۔

اور یاد رکھیے، وتروں میں یہ جو ہاتھ اٹھاتے ہیں دعائے قنوت کے لیے اور تکبیر کہتے ہیں، تو یہ ہاتھوں کا اٹھانا بھی واجب اور تکبیر کا کہنا بھی واجب۔ تو یہ دونوں واجب ہیں اور واجب کوئی چھوٹ جائے بھولے سے تو کیا کرنا پڑتا ہے؟ سجدۂ سہو کرنا پڑتا ہے۔

وَلَا يَقْنُتُ فِي صَلَاةٍ غَيْرِهَا، اور دعائے قنوت نہیں پڑھے گا **فِي صَلَاةٍ غَيْرِهَا** اس کے علاوہ کسی دوسری نماز میں۔ یعنی نماز پڑھنے والا اس وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھے گا۔ تو ہمارے نزدیک یاد رکھیے، صرف وتروں میں دعائے قنوت کا پڑھنا مسنون ہے اور کسی نماز میں مسنون نہیں۔ **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْفَجْرِ،** بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے فجر کے اندر۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فجر کے اندر بھی دعائے قنوت کا پڑھنا سنت ہے بھائی، دعائے قنوت کا پڑھنا سنت ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک صرف وتروں میں پڑھنا سنت ہے اور فجر وغیرہ اور نمازوں میں پڑھنا دعائے قنوت کا یہ مسنون نہیں ہے بھائی۔ دلیل ہماری آگے ہماری دلیل ذکر ہو رہی ہے: **لِمَا رَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَنَتَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ،** یہ ہماری دلیل ہے کہ بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے قنوت پڑھی **فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ** فجر کی نماز میں **شَهْرًا** ایک مہینے تک، **ثُمَّ تَرَكَهُ** پھر کیا کیا اس کو؟ چھوڑ دیا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، فجر میں دعائے قنوت سنت ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں بعض احادیث میں ثبوت اس کا ملتا ہے۔ لیکن احناف کی دلیل یہ حدیث ہے بھائی اور اس میں کیا آیا کہ حضور علیہ السلام نے صرف ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی اور اس کے بعد چھوڑ دیا۔ اسی طرح بعض روایات میں چالیس دن کا ذکر آتا ہے کہ چالیس دن تک حضور علیہ السلام نے دعائے قنوت پڑھی اور پھر اس کے بعد چھوڑ دی۔ تو دیکھیے یہاں آیا کہ پھر آپ نے چھوڑ دیا اس کو، معلوم ہوا یہ مسنون نہیں ہے بھائی۔ یہ تو صاحبِ، جیسے میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، صاحبِ ہدایہ مختصر طریقے پر بس ایک آدھ دلیل ذکر کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں، یہ نہیں کہ ہمارے پاس اس مسئلے میں یہ ایک حدیث ہے، یہ ایک ہی ایک دلیل ہے۔ بہت سی احادیث احناف کی مؤید ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ جی۔

اور یہ جو حضور علیہ السلام نے یہ ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی تھی، یہ واقعہ پیش آیا تھا وہ بئرِ معونہ والا واقعہ بھائی، جس میں آپ نے ستر حافظِ قرآن صحابہ کو تبلیغ کے لیے اہلِ نجد کی طرف بھیجا بھائی اور ان لوگوں نے ان صحابہ کو بے دردی سے شہید کر دیا اور صرف ایک آدھ صحابی زندہ بچے اور وہ واپس آئے اور آکر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع دی بھائی۔ تو یہ اتنا بڑا غم تھا کہ ستر صحابہ بھائی ستر صحابہ اور سارے حافظِ قرآن بھائی، حافظِ قرآن ان کو شہید کر دیا گیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ایک ماہ تک اور بعض روایات میں چالیس دن تک فجر کی نماز میں قنوت پڑھ کر ان لوگوں کے لیے بد دعا فرماتے رہے بھائی، بد دعا فرماتے رہے۔

تو اسی طرح یاد رکھیے یہ بھی، جیسے فجر کا ذکر آیا ہے بعض روایات میں مغرب کا بھی ذکر آیا ہے، مغرب کا بھی ذکر آیا ہے بھائی۔

فَإِنْ قَنَتَ الْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَسْكُتُ مَنْ خَلْفَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَتْبَعُهُ۔ بھائی اب صورت یہ ذکر کر رہے ہیں، ہمارے نزدیک تو فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا مسنون نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دعائے قنوت پڑھنا مسنون ہے۔ اب اگر امام کوئی شافعی المسلک ہوا اور وہ فجر کی نماز میں کیا پڑھتا ہے؟ دعائے قنوت پڑھتا ہے، تو پیچھے جو حنفی مقتدی ہے وہ کیا کرے گا؟ تو بتلا رہے ہیں طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ خاموش رہے۔ وہ کیا کرے؟ وہ خاموش رہے، وہ دعائے قنوت نہ پڑھے، اس لیے کیونکہ ہمارے نزدیک یہ مسنون نہیں، حضور علیہ السلام نے اس کو ترک فرما دیا تھا، چھوڑ دیا تھا۔ تو کہتے ہیں: **فَإِنْ قَنَتَ الْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ** اگر دعائے قنوت پڑھے امام فجر کی نماز میں، **يَسْكُتُ مَنْ خَلْفَهُ** تو خاموش رہے وہ شخص جو اس کے پیچھے ہے، وہ مقتدی جو اس کے پیچھے ہے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ** طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَتْبَعُهُ** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا اتباع کرے بھائی، اس کی پیروی اس کی اقتداء کرے، پیروی کرے یعنی مقتدی حنفی بھی کیا کر لے؟ دعائے قنوت پڑھ لے۔ **لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِإِمَامِهِ،** اس لیے کیونکہ وہ اپنے امام کے تابع ہے۔ **وَالْقُنُوتُ فِي الْفَجْرِ مُجْتَهَدٌ فِيهِ،** اور نیز اس لیے کیونکہ دعائے قنوت جو ہے فجر میں یہ مجتہد فیہ ہے، اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ جبھی تو امام شافعی رحمہ اللہ اس طرف گئے کہ یہ پڑھنا مسنون ہے اور ہمارے ائمہ کس طرف گئے کہ یہ پڑھنا مسنون نہیں۔ تو جب اس میں اجتہاد کی گنجائش بھی ہے تو معلوم ہوا معاملے کے اندر اتنی سختی نہیں ہے، جب اتنی سختی نہیں تو حنفی کو بھی کیا کرنا چاہیے؟ پڑھ لینا چاہیے۔

وَلَهُمَا اور طرفین کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ مَنْسُوخٌ** یہ کیا ہے؟ منسوخ، دعائے قنوت کا فجر میں پڑھنا منسوخ ہے، **وَلَا مُتَابَعَةَ فِيهِ** اور منسوخ کے اندر متابعت نہیں کی جاتی، اس میں پیروی نہیں کی جاتی۔

ثُمَّ قِيلَ: يَقِفُ قَائِمًا اچھا اب سوال کہ خاموش رہے گا، یہ تو ٹھیک ہے۔ طرفین کیا فرماتے ہیں؟ خاموش رہے۔ تو خاموش کھڑا ہی رہے گا یا کیا کرے گا مقتدی جو حنفی ہے پیچھے؟ تو بعض فقہاء پھر فرماتے ہیں کہ جو حنفی مقتدی ہے وہ پیچھے اس کے خاموش کھڑا رہے۔ تو دعائے قنوت میں تو اس کی متابعت نہ کرے کیونکہ یہ ہمارے نزدیک مسنون نہیں، خاموش رہے۔ البتہ کھڑا رہے، قیام کے اندر کیا کرے؟ اپنے امام کی متابعت کرے۔ جبکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ نہیں، کھڑا نہ رہے بلکہ بیٹھ جائے۔ مقتدی کیا کرے؟ بیٹھ جائے۔ اور دعائے قنوت تو پڑھنی نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک تو مسنون نہیں اور کھڑا بھی نہ رہے کیونکہ کھڑا رہے گا تو وہ گویا اس کے ساتھ شریک ہے۔ لہٰذا اپنے اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے کیا کرے؟ بیٹھ جائے بھائی۔ لیکن صحیح قول وہ پہلا ہی ہے بھائی کہ کیا کرنا چاہیے؟ کھڑا رہے، امام کی متابعت کرے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **ثُمَّ قِيلَ: يَقِفُ قَائِمًا لِيُتَابِعَهُ فِيمَا تَجِبُ مُتَابَعَتُهُ،** پھر کہا گیا ہے کہ اس کے پیچھے کھڑا رہے تاکہ اس کا اتباع کر لے **فِيمَا** اس چیز کے اندر **تَجِبُ مُتَابَعَتُهُ** جس کی متابعت، جس میں متابعت واجب ہے یعنی قیام۔ **وَقِيلَ: يَقْعُدُ** اور کہا گیا ہے کہ یہ مقتدی بیٹھ جائے، **تَحْقِيقًا لِلْمُخَالَفَةِ** مخالفت کو ثابت کرنے کے لیے، **لِأَنَّ السَّاكِتَ شَرِيكُ الدَّاعِي** اس لیے کیونکہ خاموش رہنے والا وہ بھی دعا کرنے والے کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ **وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ،** صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔

وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى جَوَازِ الِاقْتِدَاءِ بِالشَّفَعَوِيَّةِ، اور اس مسئلے نے اس بات پر بھی دلالت کر دی کہ اقتداء کرنا جائز ہے شافعی المسلک کی حنفی کے لیے، شافعی المسلک امام کی اقتداء کرنا جائز ہے۔ تو کہتے ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ بھی اس مسئلے سے پتہ لگ گیا۔ کہتے ہیں: **وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ** اور مسئلے نے دلالت کر دی **عَلَى جَوَازِ الِاقْتِدَاءِ** کس بات پر؟ کہ اقتداء جائز ہے **بِالشَّفَعَوِيَّةِ،** یہ بعض نسخوں میں **بِالشَّافِعِيَّةِ** آیا ہے اور وہ درست ہے بھائی، کہ شافعیہ کی اقتداء کرنا جائز ہے یعنی جو امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک پر ہیں۔ **وَعَلَى الْمُتَابَعَةِ فِي قِرَاءَةِ الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ،** بھائی اس مسئلے نے دو اور چیزوں پر بھی دلالت کی۔ ایک تو یہ مسئلہ پتہ لگ گیا آپ کو کہ شافعی المسلک امام کے پیچھے حنفی مقتدی خاموش کھڑا رہے، دعائے قنوت نہ پڑھے۔ اور نیز یہ بھی پتہ چل گیا کہ شافعی المسلک امام کی اقتداء حنفی کے لیے جائز ہے یعنی اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور نیز اس بات کا بھی پتہ چل گیا اسی مسئلے سے کہ وتروں میں جب جماعت کروائی جائے تو مقتدی بھی دعائے قنوت پڑھے گا۔ وتروں میں، توجہ ہے سبق کی طرف؟ وتروں میں جب امام دعائے قنوت پڑھے گا تو حنفی مقتدی بھی کیا کرے گا؟ دعائے قنوت پڑھے گا۔ کیونکہ احناف کے نزدیک تو وتروں میں پڑھنا مسنون ہے، وہاں خاموش کیوں رہا تھا فجر میں؟ کیونکہ ہمارے نزدیک مسنون نہیں اور وتر میں تو مسنون ہے، لہٰذا معلوم ہوا وتروں میں مقتدی کیا کرے گا؟ خاموش نہیں کھڑا رہے گا بلکہ دعائے قنوت پڑھے گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو اس مسئلے نے اس بات پر بھی دلالت کی، کس پر؟ ایک تو شافعی المسلک کی اقتداء کے جائز ہونے پر دلالت کی، **وَعَلَى الْمُتَابَعَةِ فِي قِرَاءَةِ الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ** اور وتروں میں دعائے قنوت کے پڑھنے میں متابعت پر بھی دلالت کی کہ اس میں کیا کیا جائے گا؟ متابعت کی جائے گی، اقتداء کی جائے گی یعنی پڑھا جائے گا دعائے قنوت کو۔

وَإِذَا عَلِمَ الْمُقْتَدِي مِنْهُ، اور جب جان لے مقتدی **مِنْهُ** یعنی من الامام یا من الشافعی کہ وہ جو شافعی المسلک ہے اس سے بارے میں مقتدی جان لے اس کو پتہ لگ جائے، اس کی طرف سے جان لے، مَا ایسی چیز کو **يَزْعُمُ بِهِ فَسَادَ صَلَاتِهِ** کہ مقتدی جو ہے یہ گمان کرتا ہے اس کے ساتھ اپنی نماز کے فاسد ہونے کا، تو پھر اقتداء اس کے لیے درست نہیں کرنا بھائی، کافی نہیں ہو گی اقتداء کرنا۔ مثلاً دیکھیے بھائی، امام شافعی المسلک ہو اقتداء تو جائز ہے لیکن اگر وہ کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس سے ہمارے نزدیک نماز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد ہو جاتی ہے یا وضو برقرار نہیں رہتا پھر اقتداء نہیں کی جائے گی اس کی، مثلاً ہمارے نزدیک بدن سے خون نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے جبکہ شوافع کے نزدیک بدن سے خون نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ وہ فرماتے ہیں صرف خروجِ نجاست سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ خروجِ نجاست سبیلِ معتاد سے ہو جہاں سے عموماً نجاست کا خروج ہوتا ہے، وہاں سے اگر نجاست نکلے گی تو وضو ٹوٹے گا۔ اب کوئی زخم لگا خون نکلا تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا ان کے نزدیک۔ لہٰذا ان کے امام کا خون نکلا اور پھر بھی وہ نماز پڑھا رہا ہے، وضو کے بعد خون نکلا ہے اور پھر بھی کیا کر رہا ہے اسی طرح وہ؟ نماز پڑھا رہا ہے۔ یا وضو کرنے کے بعد امام نے فصد لگوائی، فصد یہ قدیم طریقہ علاج تھا جس میں جسم کے بعض مخصوص حصوں پر رگ کاٹ کر جو گندا خون ہوتا تھا اس کو بدن سے نکال دیا جاتا اور یہ بہت سے امراض کے لیے شفا ہے۔ تو امام نے فصد لگوائی، وضو کے بعد فصد لگوائی خون نکلا اس میں، تو خون نکالا جاتا ہے اور پھر اسی طرح وہ نماز پڑھا رہا ہے تو ہمارے نزدیک تو خون نکلنے کی صورت میں وضو باقی نہیں رہتا، لہٰذا اب اس امام کی اقتداء کرنا حنفی مقتدی کے لیے کافی نہیں ہو گا اس کی نماز نہیں ہو گی۔ یہ معنی ہے: **وَإِذَا عَلِمَ الْمُقْتَدِي مِنْهُ** اور اگر جب جان لے مقتدی اس شافعی امام کی طرف سے کس چیز کو جان لے؟ مَا ایسی چیز کو **يَزْعُمُ بِهِ فَسَادَ صَلَاتِهِ** کہ جس کو گمان کرتا ہے، جس کے ذریعے یہ گمان کرتا ہے حنفی مقتدی **فَسَادَ صَلَاتِهِ** اپنی نماز کا فاسد ہو جانا، **كَالْفَصْدِ وَغَيْرِهِ** جیسے فصد وغیرہ لگوانا، **لَا يُجْزِيهِ الِاقْتِدَاءُ بِهِ** تو اس کی اقتداء اس کے لیے کافی نہیں۔

وَالْمُخْتَارُ فِي الْقُنُوتِ الْإِخْفَاءُ لِأَنَّهُ دُعَاءٌ، اور مختار جو ہے پسندیدہ دعائے قنوت میں وہ اخفا ہے کہ وہ آہستہ آواز سے پڑھی جائے، **لِأَنَّهُ دُعَاءٌ** اس لیے کیونکہ وہ کیا ہے؟ دعا ہے اور دعا میں دعا کا طریقہ کس طرح ہونی چاہیے دعا؟ اس میں اخفا ہو آہستہ آواز کے ساتھ ہو، پوشیدہ طور پر ہو۔

بھائی وتر کی تفصیل تو بیان ہو گئی بھائی اور آپ نے اس میں پڑھ لیا کہ عند الاحناف دعائے قنوت جو ہے صرف وتروں میں پڑھی جائے گی سارا سال، جبکہ عند الشوافع فجر کی نماز میں بھی دعائے قنوت کا پڑھنا مسنون ہے۔

یاد رکھیے، یاد رکھیے بھائی یہ قیمتی بات، کہ قنوت کی تین قسمیں ہیں بھائی۔ قنوت کی تین قسمیں ہیں: نمبر ایک جو ہے: وتر میں پڑھنا۔ نمبر ایک: وتر میں پڑھنا اور وتر میں اس کو سارا سال پڑھنا عند الاحناف یہ مسنون ہے، وتر میں سارا سال دعائے قنوت پڑھی جائے گی۔ تو پہلی قسم کیا ہوئی قنوت کی؟ وتروں میں جو پڑھی جاتی ہے۔ دوسری قسم ہے: قنوت فی الفجر، کہ فجر میں دعائے قنوت پڑھی جائے اور اس کی بھی تفصیل گزر گئی کہ عند الاحناف یہ مسنون نہیں جبکہ عند الشوافع یہ مسنون ہے۔ تیسری قسم ہے: قنوت فی النوازل، قنوت فی النوازل یعنی فی المصائب بھائی، نوازل کسے کہتے ہیں؟ مصائب کو، مصیبتوں میں دعائے قنوت پڑھنا۔ اور یاد رکھیے بھائی، یہ بھی دعائے قنوت کی ایک قسم ہے جو کسی مصیبت، تکلیف وغیرہ کے موقع پر پھر نمازوں میں پڑھی جاتی ہے اور یہ عند الاحناف جہری نمازوں میں جائز ہے یعنی فجر، مغرب اور عشاء میں، عشاء میں۔ تو عند الاحناف یہ جہری نمازوں میں جائز ہے عند الضرورۃ و عند الحاجۃ جب ضرورت پیش آئے۔ چنانچہ احناف کے نزدیک یہ جو بعض احادیث میں فجر وغیرہ میں قنوت پڑھنے کا ذکر آیا ہے اس سے یہ تیسری قسم مراد ہے، یعنی قنوت فی النوازل، یہ تیسری قسم مراد ہے اور قنوتِ نازلہ پر عمل تو عند الاحناف بھی مسنون ہے بھائی اور تا قیامت یہ اسی طرح ہے عند الضرورۃ، ضرورت کی وجہ سے بھائی۔ پھر یاد رکھیے، قنوتِ نازلہ میں تفصیل ہے، عند الاحناف قنوتِ نازلہ صرف جہری نمازوں میں پڑھنی چاہیے، لیکن بعض فقہاء احناف کہتے ہیں کہ اگر مصیبت بہت بڑھ جائے تو پھر پانچوں نمازوں میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ویسے عموماً صرف فجر میں پڑھنی چاہیے، مصیبت زیادہ ہو تو مغرب میں بھی پڑھ لے، مزید بڑھ جائے مصیبت تو عشاء میں بھی پڑھ سکتا ہے اور مزید مصیبت بڑھ جائے تو پانچوں نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھ سکتے ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ دوسری قسم وہ فجر میں، جو فجر میں جس میں اختلاف کا ذکر ہو گیا وہ قسم ہے۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۶۴: بَابُ النَّوَافِلِ

ہدایہ صفحہ: ۱۵۱ــــ بتاریخ: ۱۶ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ النَّوَافِلِ «السُّنَّةُ رَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ، وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَبَعْدَهَا رَكْعَتَانِ، وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعَصْرِ، وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ، وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعِشَاءِ، وَأَرْبَعٌ بَعْدَهَا، وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ. وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «مَنْ صَابَرَ عَلَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ»». [1]

■ بَابُ النَّوَافِلِ، یہ باب ہے نوافل کے بیان میں

بَابُ النَّوَافِلِ، یہ باب ہے نوافل کے بیان میں۔ اس باب میں صاحبِ ہدایہ نوافل اور سنتوں کو بیان فرمائیں گے۔ کیونکہ سنتیں بھی کیا ہیں؟ نفل ہیں بھائی۔ نفل کا معنی ہے زائد زائد۔ تو یہ جو سنتیں ہیں، یہ بھی فرضوں سے زائد ہیں، یہ بھی نوافل ہیں۔ البتہ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی فرمائی ہے اور ان کی تاکید فرمائی ہے تو اس لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ سنت کہتے ہیں بھائی۔

تو اس میں سنتیں بھی بیان ہوں گی اور نوافل بھی بیان ہوں گے۔ تو پہلے سنتوں کا بیان کر رہے ہیں صاحبِ قدوری بھائی: «**السُّنَّةُ رَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ**»، سنت جو ہے وہ دو رکعت ہے فجر سے پہلے، یعنی فجر سے پہلے دو رکعت یہ سنتیں ہیں، یہ پڑھنا مسنون ہے۔ «**وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ**»، اور چار رکعت ظہر سے پہلے۔ «**وَبَعْدَهَا رَكْعَتَانِ**»، اور ظہر کی نماز کے بعد دو رکعتیں۔ «**وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعَصْرِ وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ**»، اور چار رکعت عصر سے پہلے اور اگر چاہے تو دو رکعت پڑھ لے، اگر چاہے تو دو رکعت پڑھ لے۔ «**وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ**»، اور دو رکعت ہیں مغرب کے بعد۔ «**وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعِشَاءِ**»، اور چار رکعت عشاء کے سے پہلے۔ «**وَأَرْبَعٌ بَعْدَهَا**»، اور چار رکعت عشاء کے بعد، «**وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ**»، اور اگر چاہے تو دو رکعت پڑھ لے۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ آپ سنتیں پڑھتے ہیں، تو یہ انہی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ فجر سے پہلے کتنی سنتیں ہیں؟ دو رکعت ہیں۔ وہ بھی ذکر ہو گیا۔ ظہر سے پہلے کتنی رکعت ہیں؟ سنتِ مؤکدہ جو ہیں وہ چار رکعت ہیں اور ظہر کی نماز کے بعد دو رکعت ہیں بھائی۔ «**وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعَصْرِ وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ**»، جی، یہ عصر سے پہلے چار رکعت اور اگر چاہے تو دو رکعت پڑھ لے بھائی۔

صاحبِ قدوری نے اس کو سنتوں میں ذکر فرمایا جبکہ آگے صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ یہ مستحب ہیں۔ یہ عصر سے پہلے چار یا دو رکعت پڑھنا مستحب ہے بھائی۔ «**وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ**»، اور اسی طرح مغرب کے بعد کتنی رکعت سنتِ مؤکدہ ہے؟ دو رکعت ہیں۔ اور عشاء سے پہلے چار رکعت ہیں بھائی، یہ بھی وہ آپ کو بتلائیں گے یہ کیا ہیں؟ مستحب ہیں۔ اور عشاء کے بعد چار اور اگر چاہے تو دو رکعت بھائی۔

---

[1] شاملہ (ص۷۷) میں «صَابَرَ» کے بجائے «ثابر» درج ہے۔ • ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۷۸): «لقوله عليه الصلاة والسلام لا صلاة إلا بقراءة وكل ركعة صلاة»، حوالۂ آیت (شاملہ ص۷۹): (المزمل ۲۰)۔ • شاملہ (ص۷۸) میں «وَالْقِرَاءَةُ» کے بجائے «فصل في القراءة القراءة»، شاملہ (ص۷۹) میں «۲۰{فَاقْرَءُوا» کے بجائے «۲۰{فَاقْرَأُوا»، شاملہ (ص۷۹) میں «تَتَشَاكَلَانِ» کے بجائے «يتشاكلان»، شاملہ (ص۷۹) میں «فَتُفَارِقَانِهِمَا» کے بجائے «فيفارقانهما»، شاملہ (ص۷۹) میں «تُلْحَقَانِ» کے بجائے «يلحقان»، شاملہ (ص۷۹) میں «فَتُصْرَفُ» کے بجائے «فتنصرف» درج ہے۔ • ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۷۹): «معناه»۔ • ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۷۹): «أي يقول سبحانك اللهم»۔

■ مسئلہ: وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

«وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، اور اصل اس کے اندر حضور علیہ السلام کا قول ہے، آپ نے فرمایا: «مَنْ صَابَرَ عَلَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ». صَابَرَ يُصَابِرُ کے معنی ہوتے ہیں پابندی کرنا۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جس نے پابندی کی بارہ رکعتوں پر دن اور رات میں، تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائیں گے۔ جس نے دن رات میں بارہ رکعتوں پر پابندی کی اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائیں گے۔

تو یہ بارہ رکعتیں ہیں بھائی: دو فجر سے پہلے، اور چار ظہر سے پہلے اور دو بعد میں، یہ کتنی ہو گئیں؟ چار اور دو چھ اور دو فجر کی آٹھ، اور دو مغرب کے بعد دس، اور دو عشاء کے بعد بارہ۔ یہ سنتِ مؤکدہ ہیں بھائی، باقی جو ہیں وہ مستحب ہیں یا جن کو آپ سنتِ غیر مؤکدہ کہتے ہیں، تو ان کا بھی آگے صاحبِ ہدایہ ذکر فرمائیں گے بھائی۔

تو کہتے ہیں اصل اس کے اندر حضور علیہ السلام کا قول ہے جس نے پابندی کی بارہ رکعت پر دن اور رات میں اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔ «وَفَسَّرَ عَلَى نَحْوِ مَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ»، اور حضور علیہ السلام نے تفسیر فرمائی اسی طریقے پر جس طرح کہ ذکر کیا ہے فِي الْكِتَابِ، کتاب میں یعنی قدوری کے اندر۔ فِي الْكِتَابِ کے نیچے مبسوط لکھا ہے، مبسوط یہ درست نہیں بھائی۔ فِي الْكِتَابِ سے کیا مراد ہے؟ یہ متن مراد ہے اور اس کتاب میں اور یہ متن کس کا ہے؟ قدوری کا ہے، یہ قدوری کی عبارت ہے بھائی۔

تو جس طرح حضور علیہ السلام نے بھی ان رکعتوں کی اسی طرح تفصیل فرمائی جس طرح اس کتاب یعنی قدوری کے اندر ذکر ہیں، البتہ یہ عصر سے پہلے چار یا دو اور عشاء سے پہلے چار، یہ میں نے آپ کو بتایا مستحبات میں سے ہیں۔ اور یہ اب آگے صاحبِ ہدایہ بھی ذکر کرنے لگے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بھی اسی طریقے پر ان کی تفسیر فرمائی جس طرح کتاب قدوری کے اندر ذکر ہے، «غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ الْأَرْبَعَ قَبْلَ الْعَصْرِ»، مگر یہ کہ حضور علیہ السلام نے حدیث کے اندر عصر سے پہلے کی جو چار رکعتیں ہیں ان کو ذکر نہیں فرمایا۔ صاحبِ قدوری نے تو ذکر فرمایا لیکن یہ جو حدیث ہے، حدیثِ مصابَرہ، اس کے اندر حضور علیہ السلام نے عصر سے پہلے چار رکعتوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ «فَلِهَذَا سَمَّاهُ فِي الْأَصْلِ حَسَنًا»، اسی وجہ سے اس کا نام اس کو قرار دیا ہے اصل میں یعنی مبسوط میں، کس میں؟ مبسوط۔ وہ جو پیچھے آیا تھا نا «أَيِ الْمَبْسُوطِ» الکتاب کے نیچے بین السطور، یہ یہاں ہونا چاہیے تھا۔ اصل سے کیا مراد ہے؟ مبسوط مراد ہے، تو یہ کتابت کی غلطی ہے کہ وہاں درج کر دیا گیا۔ تو حضور علیہ السلام نے حدیث کے اندر عصر سے پہلے چار رکعتوں کو ذکر نہیں فرمایا، «فَلِهَذَا سَمَّاهُ فِي الْأَصْلِ حَسَنًا»، اسی وجہ سے اصل میں یعنی مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ نے ان چار رکعت کو حسن قرار دیا ہے، حسن کہا ہے، تو یعنی مستحب کہا ہے۔

■ مسئلہ: وَخُيِّرَ لِاخْتِلَافِ الْآثَارِ

«وَخُيِّرَ لِاخْتِلَافِ الْآثَارِ»، بھائی صاحبِ قدوری نے کیا فرمایا تھا؟ عصر سے پہلے چار پڑھے اور اگر چاہے تو دو پڑھ لے، اختیار دیا گیا۔ اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں «وَخُيِّرَ لِاخْتِلَافِ الْآثَارِ»، اور اختیار دیا گیا احادیث کے مختلف ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس کے بارے میں مختلف احادیث آئی ہیں، بعض میں چار کا ذکر ہے تو بعض میں دو کا ذکر ہے۔ «وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْأَرْبَعُ»، اور افضل کیا ہے؟ کتنی رکعت پڑھے عصر سے پہلے؟ چار رکعت پڑھے بھائی۔ اور ان کی بڑی فضیلت ہے بھائی، بڑی فضیلت ہے۔

تو برصغیر کا ایک بڑا مشہور بادشاہ گزرا ہے، سلطان التمش نام تھا، سلطان التمش۔ اور تو خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ ان کا انتقال ہوا جو اس زمانے میں بہت بڑے ولی اللہ گزرے ہیں۔ تو ان کا جب انتقال ہوا تو انہوں نے وصیت کی کہ میری نمازِ جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کی کبھی عصر کی سنتیں بھی قضا نہ ہوئی ہوں زندگی بھر۔ زندگی بھر اس کی کبھی بھی عصر کی سنتیں قضا نہ ہوئی ہوں۔ اب ان کی تو پابندی بہت کم لوگ کرتے ہیں کیونکہ مستحب ہیں بھائی، تو بہر حال جس کو اللہ توفیق دے دے۔ تو اب ان کے جب انہوں نے وصیت کر دی، اب انتظار میں ہیں کون شخص آگے ہو اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھائے بھائی۔ ایک شخص بھی آگے نہیں ہو رہا کیونکہ بڑی کڑی شرط انہوں نے لگا دی تھی کہ میری نمازِ جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کی زندگی بھر عصر کی سنتیں قضا نہ ہوئی ہوں، سنتیں قضا نہ ہوئی ہوں۔ کہتے ہیں کہ ایک، دو یا تین دن غالباً گزر گئے اور پھر بالآخر جو بادشاہ تھا سلطان التمش وہ آگے ہو گیا روتے ہوئے بھائی، اور کہنے لگا کہ آپ نے میرے راز کو سب کے سامنے کھول دیا، یعنی یہ بات تو میں نے سب سے چھپا کر رکھی تھی کہ میں نے کبھی بھی ان میں یہ عصر کی سنتیں میری نہیں چھوٹیں۔ تو دیکھیے اندازہ لگائیے کیسے نیک اور اولیاء بادشاہ گزرے ہیں کہ اور اور امورِ خیر کو تو چھوڑیے، سنتِ مؤکدہ کو تو چھوڑیے، سنتِ غیر مؤکدہ بھی ان کی زندگی بھر نہیں چھوٹی تھیں بھائی۔ تو اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، تو پھر انہوں نے نمازِ جنازہ ان کی پڑھائی بھائی۔

«وَلَمْ يَذْكُرِ الْأَرْبَعَ قَبْلَ الْعِشَاءِ»، اور صاحبِ قدوری نے تو کیا ذکر کیا تھا؟ عشاء سے پہلے بھی کتنی رکعت پڑھے؟ چار رکعت پڑھے جو متن کے اندر آیا۔ لیکن حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے «لَمْ يَذْكُرِ الْأَرْبَعَ قَبْلَ الْعِشَاءِ»، اس حدیثِ مصابَرہ میں حضور علیہ السلام نے عشاء سے قبل چار رکعتوں کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ «وَلِهَذَا كَانَ مُسْتَحَبًّا لِعَدَمِ الْمُوَاظَبَةِ»، اور اسی وجہ سے یہ چار رکعت کیا ہیں؟ مستحب ہیں، بوجہ پابندی نہ ہونے کے۔ یعنی حضور علیہ السلام نے ان پر پابندی نہیں فرمائی۔ جن چیزوں پر تو حضور علیہ السلام نے پابندی فرمائی ہے ان کو تو ہم کیا کہتے ہیں؟ نوافل میں سے ہے تو اور اس پر پابندی فرمائی ہے اس کو سنتِ

مؤکدہ کہتے ہیں، لیکن اس پر پابندی نہیں فرمائی تو یہ مستحب ہوں گے۔

■ مسئلہ: وَذَكَرَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

«وَذَكَرَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَالْعِشَاءِ»، اور متن میں تو کیا آیا تھا کہ عشاء کے بعد چار پڑھے اور اگر چاہے تو کتنی پڑھ لے؟ دو پڑھ لے۔ جبکہ حدیث میں «وَذَكَرَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَالْعِشَاءِ»، اس حدیثِ مصابَرَہ کے اندر حضور علیہ السلام نے عشاء کے بعد دو رکعت کا ذکر فرمایا ہے۔ «وَفِي غَيْرِهِ ذُكِرَالْأَرْبَعُ»، اور اس کے علاوہ اور حدیثوں میں چار کا ذکر کیا گیا ہے، یا یوں کہیں «وَفِي غَيْرِهِ ذَكَرَالْأَرْبَعَ»، اس کے علاوہ بعض اور احادیث میں حضور علیہ السلام نے کتنا ذکر فرمایا ہے؟ چار۔ «فَلِهَذَا خُيِّرَ»، اسی وجہ سے اختیار دیا صاحبِ قدوری نے۔ «إِلَّا أَنَّ الْأَرْبَعَ أَفْضَلُ خُصُوصًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ مَذْهَبِهِ»، مگر یہ کہ چار رکعت پڑھنا افضل ہے، خصوصاً امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بوجہ اس کے جو معروف ہے ان کا مذہب بھائی، جو ان کا مذہب معروف ہے، ان کے نزدیک چار افضل۔

«وَالْأَرْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍعِنْدَنَا»، اور ظہر سے پہلے جو چار رکعتیں سنت ہیں، تو اس میں ہمارے نزدیک وہ ایک سلام کے ساتھ ہیں بھائی، کس کے ساتھ؟ ایک سلام کے ساتھ، یعنی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرنا بلکہ چار پوری کرنے کے بعد آخر میں سلام پھیرنا ہے۔ جبکہ امامِ شافعی رحمہ اللہ اختلاف فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں چار رکعت ہیں مگر دو سلاموں کے ساتھ، یعنی ہر دو رکعت کے بعد کیا کرنا ہے؟ سلام پھیرنا ہے۔ تو کہتے ہیں «وَالْأَرْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ عِنْدَنَا كَذَا قَالَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ»، اور وہ چار رکعت جو ظہر سے پہلے ہیں ایک سلام کے ساتھ ہیں ہمارے نزدیک، اسی طرح فرمایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور اس میں اختلاف ہے امامِ شافعی رحمہ اللہ کا، وہ فرماتے ہیں دو سلاموں کے ساتھ چار رکعت پڑھیں گے۔

«قَالَ: وَنَوَافِلُ النَّهَارِ إِنْ شَاءَ صَلَّى بِتَسْلِيمَةٍ رَكْعَتَيْنِ وَإِنْ شَاءَأَرْبَعًا»، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ دن کے نوافل، اب نوافل کا بیان شروع ہوا۔ پہلے سنتِ مؤکدہ کا بیان ہو گیا، اب نوافل۔ کہتے ہیں دن کے نوافل جو ہیں، اگر چاہے تو پڑھے نماز پڑھنے والا ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں، اور اگر چاہے تو چار رکعت پڑھے ایک سلام کے ساتھ، چار رکعت۔ یعنی یہاں بتلانا یہ ہے، بھائی نوافل تو جتنے بھی پڑھنا چاہیں آپ پڑھ سکتے ہیں، لیکن ایک سلام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کتنی رکعتیں پڑھ سکتے ہیں دن میں یا رات میں؟ تو وہ بیان کر رہے ہیں۔ تو دن میں ایک سلام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کتنی پڑھ سکتے ہیں؟ چار رکعت۔ «وَتُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ»، اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے۔ یہ معنی نہیں کہ چار نفلوں سے زیادہ نہیں پڑھ سکتے بلکہ معنی یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعتوں سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔

■ مسئلہ: فَأَمَّا نَافِلَةُ اللَّيْلِ قَالَ أَبُوحَنِيفَةَ...

«فَأَمَّا نَافِلَةُ اللَّيْلِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: إِنْ صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ بِتَسْلِيمَةٍ جَازَ»، اور باقی رات کے نوافل جو ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر پڑھی نماز پڑھنے والے نے آٹھ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تو یہ بھی جائز ہے۔ رات کو کیا کر سکتے ہیں؟ آٹھ رکعتیں مسلسل پڑھ کر آخر میں آٹھویں رکعت پر سلام ایک ہی سلام ایک ہی مرتبہ پھیریں تو یہ بھی جائز ہے۔ «وَتُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ»، اور اس پر زیادتی مکروہ ہے بھائی۔ «وَقَالَا: لَا يَزِيدُ بِاللَّيْلِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ»، اور صاحبین فرماتے ہیں نہ زیادہ کرے رات کے وقت دو رکعت پر۔ صاحبین فرماتے ہیں رات کے وقت دو رکعت پر زیادہ نہ کرے، یاد رکھیے یہ معنی نہیں کہ صاحبین کے نزدیک دو رکعت پر زیادہ کرنا ایک ہی سلام کے ساتھ مکروہ ہے بلکہ یہ افضل ہونے کا بیان ہے، کس چیز کا؟ افضل ہونے کا بیان۔ ان کے نزدیک بھی رات کے وقت آٹھ رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا جائز ہے، تو افضل یہ ہے کہ دو دو رکعت ہی پڑھتا رہے رات کو جتنی بھی نفل پڑھنا چاہے۔ یہ معنی ہے «وَقَالَا: لَا يَزِيدُ بِاللَّيْلِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيمَةٍ»، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ رات کے وقت زیادہ نہ کرے دو رکعت پر ایک سلام کے ساتھ۔ «وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لَمْ يُذْكَرِ الثَّمَانِي فِي صَلَاةِاللَّيْلِ»، اور جامع صغیر کے اندر ذکر نہیں کیا گیا آٹھ رکعت کو صلاۃ اللیل میں، رات کی نماز میں۔ جامع صغیر میں آٹھ کو ذکر نہیں کیا گیا بلکہ وہاں چھ کا ذکر ہے، کتنے کا ذکر ہے؟ چھ۔ تو «لَمْ يُذْكَرِالثَّمَانِي» پڑھ لیں یا «لَمْ يَذْكُرِ الثَّمَانِيَ فِي صَلَاةِاللَّيْلِ»، ضمیر پھر لوٹا دیں گے امام محمد رحمہ اللہ کو، اور امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر نہیں فرمایا آٹھ کو صلاۃ اللیل میں جامع صغیر کے اندر۔

اچھا بھائی، آٹھ سے زیادہ یا چار سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے، دن میں چار سے زائد ایک سلام کے ساتھ پڑھنا اور رات میں آٹھ سے زیادہ پڑھنا ایک سلام کے ساتھ، اس کو مکروہ کیوں قرار دیا؟ وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَدَلِيلُ الْكَرَاهَةِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزِدْ عَلَى ذَلِكَ»، اور مکروہ ہونے کی دلیل جو ہے وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس پر زیادتی نہیں فرمائی، یعنی دن میں چار رکعت سے زیادہ اور رات کو آٹھ رکعت سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ آپ نے ادا نہیں فرمائے۔ «وَلَوْلَا

الْكَرَاهَةُ لَزَادَ تَعْلِيمًا لِلْجَوَازِ»، اگر کراہت نہ ہوتی تو حضور علیہ السلام بڑھا دیتے جواز کی تعلیم دینے کے لیے، جواز بتلانے کے لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جائز بتلانے کے لیے کبھی نہ کبھی ضرور ان سے زائد بھی ادا فرماتے، لیکن آپ نے کبھی بھی ان پر زیادتی نہیں فرمائی، معلوم ہوا اس سے زائد پڑھنا مکروہ ہے۔

«**وَالْأَفْضَلُ فِي اللَّيْلِ**»، یہ تو تھا جائز اور مکروہ کا بیان بھائی، کہ کتنے پڑھنا رات کو دن کو زیادہ سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ جائز ہے اور اس سے زیادہ مکروہ۔ اب افضل کیا ہے وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «**وَالْأَفْضَلُ فِي اللَّيْلِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى مَثْنَى مَثْنَى، وَفِي النَّهَارِ أَرْبَعٌ أَرْبَعٌ**»، اور افضل جو ہے رات کے وقت صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دو دو رکعت ہیں، اور دن میں چار چار رکعت یعنی چار ایک ہی سلام کے ساتھ یہ پڑھنا افضل ہے۔ «**وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فِيهِمَا مَثْنَى مَثْنَى**»، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں میں یعنی دن اور رات دونوں میں افضل کیا ہے؟ **مَثْنَى مَثْنَى**، دو دو ہیں بھائی، دو دو رکعت۔ اور یاد رکھیے یہ مثنیٰ ثانی یہ تاکید ہے مثنیٰ اول کی، کیونکہ مثنیٰ کا معنی ہی ہے دو دو۔ مثنیٰ کا کیا معنی؟ دو دو۔ تو یہ جو ثانی مثنیٰ ہے یہ اول کی تاکید ہے۔ «**وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ فِيهِمَا أَرْبَعٌ أَرْبَعٌ**»، اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں میں، یعنی دن ہو یا رات ہو، دونوں میں چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

اب دلیلیں ذکر فرمارہے ہیں، کہتے ہیں: «**لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى**»، امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ آپ نے فرمایا: «**صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى**»، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا

«**وَلَهُمَا**»، صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل، انہوں نے کیا ذکر کیا تھا؟ رات کو افضل ہے دو دو رکعت پڑھے اور دن میں چار چار پڑھے، ان کی دلیل: «**وَلَهُمَا الِاعْتِبَارُ بِالتَّرَاوِيحِ**»، اور صاحبین کی دلیل جو ہے وہ قیاس کرنا ہے تراویح پر۔ وہ کس پر قیاس کرتے ہیں؟ تراویح پر قیاس کرتے ہیں اور تراویح بالاتفاق دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔ تراویح کیا ہے؟ دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ رات کے وقت دو دو پڑھنا افضل ہے۔ اور دن میں؟ دن میں انہوں نے کیا کہا تھا؟ چار افضل ہیں، وہ آگے امام صاحب کی جہاں دلیل آئے گی اسی میں ذکر انہی کی بھی دلیل، وہ ان کی بھی دلیل ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی، تو «**وَلَهُمَا الِاعْتِبَارُ بِالتَّرَاوِيحِ**»، اور ان کے نزدیک جو ہے قیاس کیا جائے گا تراویح پر۔

«**وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعِشَاءِ أَرْبَعًا رَوَتْهُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا**»، امام صاحب کا کیا مذہب تھا؟ دن میں بھی چار رکعت پڑھنا افضل ایک سلام کے ساتھ اور رات میں بھی چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا افضل۔ تو رات کے وقت بھی وہ فرماتے ہیں چار پڑھنا افضل ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام «**كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعِشَاءِ أَرْبَعًا**»، کہ حضور علیہ السلام عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے ایک سلام کے ساتھ۔ «**رَوَتْهُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا**»، روایت کیا ہے اس کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے۔ «**وَكَانَ يُوَاظِبُ عَلَى الْأَرْبَعِ فِي الضُّحَى**»، اب دن میں بھی کیا فرمایا تھا؟ امام صاحب کے نزدیک افضل کیا ہے؟ چار رکعت، اور صاحبین بھی کیا فرماتے ہیں؟ چار رکعت۔ تو یہ آگے دونوں کی دلیل ہو جائے گی۔ «**وَكَانَ يُوَاظِبُ عَلَى الْأَرْبَعِ فِي الضُّحَى**»، اور حضور علیہ السلام پابندی فرماتے تھے چار رکعت پر چاشت کے وقت بھائی۔ چاشت کے وقت جب سورج تھوڑا سا بلند ہو جائے بھائی صبح، تو اس وقت حضور علیہ السلام چار رکعت ادا فرماتے تھے، معلوم ہوا دن کے وقت چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

یہ تو تھی بھائی نقلی دلیل، اب عقلی دلیل بھی ذکر فرمارہے ہیں، کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّهُ أَدْوَمُ تَحْرِيمَةً فَيَكُونُ أَكْثَرَ مَشَقَّةً وَأَزْيَدَ فَضِيلَةً**»، امام صاحب فرماتے ہیں چار رکعت پڑھنا اس لیے بھی افضل کہ اس کے اندر تحریمہ لمبی ہو گی، تو درمیان میں وقفہ نہیں آئے گا اور یہ انسان کے لیے مشکل ہے، اس میں مشقت اس کے لیے زیادہ ہے۔ اگر ہر دو رکعت پر سلام پھیرے گا پھر تو درمیان میں کچھ وقفہ آگیا، تحریمہ ختم ہو گئی۔ اور ایک یہ ہے کہ شروع میں تحریمہ شروع کی، آخر میں چار رکعت کے بعد جا کر سلام پھیرتا ہے، تو اس میں کیا ہے؟ مشقت زیادہ ہے، اور ظاہر سی بات ہے جس میں مشقت زیادہ جس عبادت کے اندر اس میں ثواب بھی زیادہ ہو گا، لہٰذا وہ افضل ہو گی۔ «**وَلِأَنَّهُ أَدْوَمُ تَحْرِيمَةً**»، اور اس لیے کیونکہ یہ جو ہے چار رکعت یہ زیادہ دائمی ہے یعنی زیادہ لمبی ہے تحریمہ کے اعتبار سے، «**فَيَكُونُ أَكْثَرَ مَشَقَّةً**»، تو یہ زیادہ ہے مشقت کے اعتبار سے یعنی اس میں مشقت زیادہ ہے، «**وَأَزْيَدَ فَضِيلَةً**»، اور یہ زیادہ ہے فضیلت کے اعتبار سے یعنی اس میں زیادہ فضیلت ہے۔

■ مسئلہ: وَلِهَذَا لَوْ نَذَرَ أَنْ يُصَلِّيَ أَرْبَعًا بِتَسْلِيمَةٍ...

«**وَلِهَذَا لَوْ نَذَرَ أَنْ يُصَلِّيَ أَرْبَعًا بِتَسْلِيمَةٍ لَا يَخْرُجُ عَنْهُ بِتَسْلِيمَتَيْنِ**»، اور اسی وجہ سے، کہتے ہیں اسی وجہ سے اگر ایک شخص نے منت مانی کہ

اے اللہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں چار رکعت نفل پڑھوں گا ایک سلام کے ساتھ، لہٰذا اب اگر اس کا وہ کام ہو گیا تو اس پر وہ چار رکعتیں واجب ہو گئیں، اب وہ اس نے کیا کہا تھا؟ ایک، لہٰذا اگر دو سلاموں کے ساتھ وہ نفل پڑھتا ہے تو یہ وہ جو واجب ہے وہ ادا نہیں ہو گا، ابھی بھی وہ اس کے ذمے باقی ہے، کیونکہ اس نے جن کا جن نفلوں کو اپنے اوپر لازم کیا تھا وہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت تھے اور ان میں مشقت زیادہ ہے، اور دو دو رکعت پر وہ سلام پھیرے گا تو اس میں مشقت کم ہے، تو لہٰذا جب زیادہ مشقت والے کو اس نے اپنے اوپر واجب کیا ہے تو ان کو اسی طرح ادا کرنا پڑے گا، کم مشقت کے ساتھ ادائیگی سے وہ واجب ادا نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یرحمک اللہ۔ لیکن اگر اس کا کوئی اس کا برعکس ہو، ایک شخص نے یہ منت مانی کہ اے اللہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں چار رکعت نفل پڑھوں گا، قید کوئی نہیں لگائی یا کہہ دیا کہ دو سلاموں کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ دو سلاموں کے ساتھ، بلکہ قید کا اعتبار کریں، اس نے باقاعدہ قید لگائی کہ اے اللہ اگر یہ کام ہوا تو میں چار رکعت نفل پڑھوں گا دو سلاموں کے ساتھ، اور پھر اس کا وہ کام ہو گیا، اب وہ چار رکعت ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھتا ہے، تو فقہاء لکھتے ہیں کہ اس کے کا وہ جو واجب اس کے ذمے ہے وہ ادا ہو جائے گا، کیونکہ اس نے واجب کس قسم کا اپنے اوپر کیا تھا؟ کم مشقت والا، اور اس نے اس سے بڑھ زیادہ مشقت والا ادا کر دیا تو وہ بطریقِ اولیٰ ادا ہو جائے گا، معلوم ہوا کہ ان چار میں کیا ہے؟ مشقت زیادہ ہے بھائی۔

«وَلِهَذَا لَوْ نَذَرَ أَنْ يُصَلِّيَ أَرْبَعًا بِتَسْلِيمَةٍ لَا يَخْرُجُ عَنْهُ بِتَسْلِيمَتَيْنِ وَعَلَى الْقَلْبِ يَخْرُجُ»، اور اسی وجہ سے اگر منت مانی کسی شخص نے کہ وہ چار رکعت پڑھے گا ایک سلام کے ساتھ، تو وہ اس سے نکلے گا نہیں دو سلاموں کے ساتھ، اس سے وہ ادا نہیں ہوں گے، اور اس کے قلب کی صورت میں یعنی اس کے عکس صورت میں کہ اگر اس نے منت کیا مانی تھی کہ چار رکعت پڑھوں گا دو سلاموں کے ساتھ اور وہ پڑھتا کس کے ساتھ ہے ایک سلام کے ساتھ، «يَخْرُجُ»، تو وہ نکل جائے گا اس ذمہ داری سے۔

«وَالتَّرَاوِيحُ تُؤَدَّى بِجَمَاعَةٍ فَيُرَاعَى فِيهَا جِهَةُ التَّيْسِيرِ»، یہاں سے صاحبین کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں۔ صاحبین نے کیا فرمایا تھا کہ رات کے وقت کتنے رکعت پڑھنا افضل؟ دو دو رکعت، اور کس پر قیاس کیا تھا؟ تراویح پر۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھائی تراویح کے اندر دو دو رکعت اس لیے پڑھی جاتی ہے اور وہ افضل ہے کیونکہ اس میں سب لوگ شریک ہوتے ہیں اور تو لوگوں کی آسانی کس کے اندر ہے؟ چار میں ہے یا دو میں ہے؟ دو میں۔ تو لوگوں کی آسانی کی خاطر اس میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے کیونکہ لوگ ہر طرح کے ہوتے ہیں، کوئی کمزور ہو گا، کوئی بیمار ہو گا، کوئی ضعیف ہو گا وغیرہ بھائی، اس لیے وہاں دو رکعت پڑھنا افضل ہے تاکہ لوگوں کے تاکہ لوگ کہیں مشکل میں نہ پڑ جائیں۔ تو کہتے ہیں «وَالتَّرَاوِيحُ تُؤَدَّى بِجَمَاعَةٍ»، اور تراویح جو ہے وہ جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، «فَيُرَاعَى فِيهَا جِهَةُ التَّيْسِيرِ»، تو اس میں رعایت رکھی جائے گی آسانی والی جہت کی، آسانی والی جانب کی۔

■ مسئلہ: وَمَعْنَى مَا رَوَاهُ شَفْعًا لَا وِتْرًا

«وَمَعْنَى مَا رَوَاهُ شَفْعًا لَا وِتْرًا»، بھائی امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ دن اور رات دونوں میں دو دو رکعت پڑھنا افضل، اور دلیل کیا ذکر کی تھی؟ کہ حدیث میں آیا ہے «صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى»، کہ دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے، اس کا بھی جواب ذکر فرما رہے ہیں امام صاحب کی طرف سے صاحبِ ہدایہ، اور فرماتے ہیں کہ وہ جو حدیث میں آیا نا کہ دن اور رات کی نماز مثنیٰ مثنیٰ ہے، اس کا یہ معنی نہیں دو دو رکعت مراد ہیں بلکہ مثنیٰ سے مراد ہے جوڑا۔ جی دن اور رات کی نماز جوڑا جوڑا ہے، یعنی دو دو رکعت ہونی چاہیے، یعنی طاق نہیں، جفت ہونی چاہیے طاق نہیں۔ یعنی جفت ہونی چاہیے، طاق نہیں ہونی چاہیے، تو جو تو دو پڑھے گا یہ بھی جفت، چار ایک سلام کے ساتھ پڑھتا ہے یہ بھی کیا ہے؟ جفت ہے، یعنی چار پڑھے، دو پڑھے، چار پڑھتا ہے وغیرہ، اور یعنی طاق نہ پڑھے، تین یا پانچ یا سات وغیرہ۔ «وَمَعْنَى مَا رَوَاهُ شَفْعًا لَا وِتْرًا وَاللهُ أَعْلَمُ»، اور معنی اس حدیث کا جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا اس کا معنی ہے **شَفْعًا**، جوڑا یا یوں کہیں جفت بھائی، اس کا معنی کیا ہے؟ جفت ہے، **لَا وِتْرًا**، طاق نہیں، **وَاللهُ أَعْلَمُ** اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

■ فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ «وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرْضِ وَاجِب

فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ «وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرْضِ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الرَّكَعَاتِ كُلِّهَا، وَقَالَ مَالِكٌ فِي ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ إِقَامَةً لِلْأَكْثَرِ مَقَامَ الْكُلِّ تَيْسِيرًا. وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ وَالْأَمْرُ بِالْفِعْلِ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ. وَإِنَّمَا أَوْجَبْنَا فِي الثَّانِيَةِ اسْتِدْلَالًا بِالْأُولَى لِأَنَّهُمَا تَتَشَاكَلَانِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، فَأَمَّا الْأُخْرَيَانِ فَتُفَارِقَانِهِمَا فِي حَقِّ السُّقُوطِ بِالسَّفَرِ، وَصِفَةِ الْقِرَاءَةِ، وَقَدْرِهَا فَلَا تُلْحَقَانِ بِهِمَا. وَالصَّلَاةُ فِيمَا رَوَى مَذْكُورَةٌ صَرِيحًا فَتُصْرَفُ إِلَى الْكَامِلَةِ وَهِيَ الرَّكْعَتَانِ

عُرْفًا كَمَنْ حَلَفَ لَا يُصَلِّي صَلَاةً بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يُصَلِّي».

■ فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ، یہ فصل ہے قراءت کے بیان میں

فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ، یہ فصل ہے قراءت کے بیان میں۔ قراءت کے بارے میں ایک فصل پہلے بھی گزر چکی ہے، یہاں مزید کچھ اسی سے متعلقہ قراءت سے متعلق مسائل ذکر کریں گے بھائی۔ کہتے ہیں «وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرْضِ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ»، اور قراءت جو ہے وہ فرضوں میں واجب ہے، واجب یہاں بمعنی فرض کے ہے، قراءت فرضوں میں واجب ہے یعنی فرض ہے دو رکعتوں میں۔ بھائی فرضوں کے اندر دو رکعتوں کے اندر قراءت کا پڑھنا فرض ہے، دو میں۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الرَّكَعَاتِ كُلِّهَا»، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ساری رکعتوں کے اندر قراءت فرض ہے، یعنی ظہر کی چاروں رکعتوں میں قراءت فرض، مغرب کی تینوں رکعتوں میں قراءت فرض، عشاء کی بھی اور عصر کی بھی چاروں رکعتوں میں قراءت فرض۔ جبکہ عند الاحناف پہلی دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے بھائی، صرف پہلی دو رکعتوں میں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل، کہتے ہیں «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ»، کوئی نماز نہیں مگر قراءت کے ساتھ، کوئی نماز نہیں مگر قراءت، یعنی نماز تو قراءت ہی کے ساتھ ہے یعنی اس میں ضروری ہے۔ «وَكُلُّ رَكْعَةٍ صَلَاةٌ»، اور ہر رکعت صلاۃ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کیا آیا ہے؟ بغیر قراءت کے کوئی نماز نہیں، اور ہر رکعت صلاۃ ہے، ہر رکعت کیا ہے؟ صلاۃ ہے، نماز ہے، اور حدیث میں ہے کوئی نماز بغیر قراءت کے نہیں، تو ہر رکعت کے اندر قراءت فرض ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ یہ معنی ہے «وَكُلُّ رَكْعَةٍ صَلَاةٌ»، اور ہر رکعت صلاۃ ہے نماز ہے، تو اور حدیث میں آیا کوئی نماز بغیر قراءت کے نہیں تو ہر رکعت میں قراءت فرض ہو گی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ فِي ثَلَاثٍ رَكَعَا...

«وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ فِي ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ إِقَامَةً لِلْأَكْثَرِ مَقَامَ الْكُلِّ تَيْسِيرًا»، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین رکعتوں میں قراءت فرض ہے، کتنی رکعتوں میں؟ تین رکعتوں میں۔ وہ اس ضابطے کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ، اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے۔ تو جس نے تین رکعتوں کے اندر قراءت کر لی گویا اس نے کل نماز میں یعنی چاروں میں ہی کیا کر لی؟ قراءت کر لی، تو ان کے نزدیک اس وجہ سے تین رکعتوں کے اندر قراءت فرض ہے۔ تو کہتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین رکعتوں میں یعنی قراءت فرض ہے، قائم کرتے ہوئے اکثر کو کل کے مقام پر آسانی کے لیے۔

«وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾»، اور ہماری دلیل جو ہے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾، پس تم پڑھو جو تمہیں میسر ہو قرآن میں سے، جو آسان ہو تمہارے لیے قرآن میں سے اس کی قراءت کرو۔ تو یہ امر آیا، ﴿فَاقْرَءُوا﴾ امر آیا، «وَالْأَمْرُ بِالْفِعْلِ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ»، اور کسی فعل کا امر، کسی فعل کا جو حکم دیا جائے، یہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ آپ اپنے غلام، آپ کا کوئی ہو، اس کو آپ کوئی حکم دے دیں، وہ ایک دفعہ اس کو کر لے تو آپ راضی ہو جاتے ہیں کہ اس نے میری بات مان لی، اس پر کیا کیا؟ عمل کر لیا۔ تو یہاں پر بھی امر آیا، ایک دفعہ اس پر عمل ہو جائے قراءت پر تو فرض ادا ہو جائے گا۔ تو اس آیت سے اس آیت سے تو معلوم ہوا ایک مرتبہ بھی قراءت کر لی جائے گی تو فرض ادا ہو جائے گا، یعنی ایک رکعت میں قراءت فرض ہونی چاہیے، ایک رکعت میں بھی اس پر عمل کر لیا جائے گا تو امر پر عمل ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں اور کسی فعل کا جو امر ہے اس کا جو حکم ہے وہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، جیسے کہ آپ اصولِ فقہ میں پڑھ چکے ہوں گے۔ «وَإِنَّمَا أَوْجَبْنَا»، یہاں سے سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ کہ بھائی اگر آپ نے کیا دلیل ذکر کی کہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، لہٰذا قراءت قراءت جو ہے چاروں رکعتوں میں واجب نہیں، اگر اس کو دلیل بناتے ہوا ے احناف پھر تو ایک رکعت میں قراءت فرض ہونی چاہیے، لیکن آپ تو کیا کہتے ہیں؟ دو میں قراءت فرض ہے، تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں بھائی۔ احناف کی باتیں بھائی سمندر سے بھی گہری ہوتی ہیں اور ہمارے پاس تمام مسائل کے اندر اتنے قوی ادلہ موجود ہیں بشرطیکہ کوئی صاحب مطالعہ ہو، بزرگوں کی کتابوں کا مطالعہ کرے اور دلائل کو دیکھے، احناف دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں بھائی۔

تو تو جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ کہ دوسری رکعت میں ہم نے پھر کیوں قراءت کو فرض قرار دیا؟ کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا أَوْجَبْنَا فِي الثَّانِيَةِ اسْتِدْلَالًا بِالْأُولَى»، اور ہم نے دوسری رکعت کے اندر بھی قراءت کو فرض قرار دیا پہلی رکعت سے ہی استدلال کرتے ہوئے، پہلی رکعت سے ہی دلیل پکڑتے ہوئے۔ کس طرح؟ کہتے ہیں «لِأَنَّهُمَا تَتَشَاكَلَانِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ»، اس لیے کیونکہ یہ تو پہلی دو رکعتیں ہیں یہ ایک دوسرے کی ہم شکل ہیں ہر اعتبار سے۔ پہلی دو رکعتیں ہر اعتبار سے ایک دوسرے جیسی ہیں، تو لہٰذا جو چیز ایک میں ہو گی وہ دوسری میں بھی ہو گی، تو پہلی میں جب قراءت کو فرض قرار دیا تو دوسری میں بھی کیا قرار دیا جائے گا؟ فرض قرار دیا جائے گا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے پھر تو تیسری اور چوتھی رکعت بھی پہلی رکعت جیسی ہیں، ان میں بھی کیا کرنا چاہیے؟ قراءت کو فرض قرار دینا چاہیے بھائی۔ اس کا بھی جواب آگے آرہا ہے، کہتے ہیں: «فَأَمَّا الْأُخْرَيَانِ فَتُفَارِقَانِهِمَا فِي حَقِّ السُّقُوطِ بِالسَّفَرِ»، باقی آخری دو جو رکعتیں ہیں وہ ان پہلی دو رکعتوں سے مختلف ہیں، ان سے جدا ہو جاتی ہیں سفر کی وجہ سے ساقط ہونے کے حق میں۔ یعنی دیکھیے بھائی سفر میں آپ قصر کرتے ہیں، چار رکعت فرضوں کے بجائے کتنے پڑھتے ہیں؟ دو رکعتیں، تو دیکھیے وہ آخری دو رکعتیں ساقط ہو گئیں اور پہلی دو کبھی بھی ساقط نہیں ہوتیں، تو آخری دو ساقط ہوتی ہیں، معلوم ہوا یہ پہلی دو جیسی نہیں۔

■ مسئلہ: وَصِفَةِ الْقِرَاءَةِ

«وَصِفَةِ الْقِرَاءَةِ»، اور قراءت کی صفت میں بھی یہ اس پہلی دو سے جدا ہیں، پہلی دو رکعت میں جہراً قراءت کی جاتی ہے، آخری دو میں کبھی بھی جہراً قراءت نہیں کی جاتی، معلوم ہوا یہ ان سے جدا ہیں۔ «وَقَدْرِهَا»، اور قراءت کی مقدار میں بھی یہ اس سے ان پہلی دو سے الگ ہیں، پہلی دو کے اندر سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملائی جاتی ہے جبکہ آخری دو میں فاتحہ کے ساتھ سورت نہیں ملائی جاتی۔ تو دیکھو معلوم ہوا یہ آخری دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں کی طرح نہیں بلکہ یہ ان سے جدا ہیں، سفر کی وجہ سے ساقط ہونے کے حق میں بھی اور قراءت کی صفت میں بھی کہ پہلی دو میں جہراً ہے اور ان میں جہراً نہیں، اور قراءت کی مقدار میں بھی کہ پہلی دو میں سورت ساتھ ملائی جاتی ہے اور آخری دو میں سورت نہیں۔ «فَلَا تُلْحَقَانِ بِهِمَا»، لہٰذا آخری دو کو پہلی دو کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، یعنی پہلی دو میں قراءت فرض قرار دیا تو آخری دو میں فرض قرار نہیں دیا جائے گا۔

«وَالصَّلَاةُ فِيمَا رَوَى مَذْكُورَةٌ صَرِيحًا»، باقی امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب بھی ذکر فرمارہے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا تھا؟ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے ہر رکعت میں قراءت فرض ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے «لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ»، کوئی نماز نہیں مگر کس کے ساتھ؟ قراءت کے ساتھ، اور ہر رکعت کیا ہے؟ نماز ہے، تو ہر رکعت میں قراءت فرض ہو گی کیونکہ کوئی نماز بغیر قراءت کے نہیں اور ایک رکعت بھی نماز ہی ہے۔ اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں «وَالصَّلَاةُ فِيمَا رَوَى مَذْكُورَةٌ صَرِيحًا»، اور صلاۃ کا لفظ اس حدیث میں جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں صلاۃ کا لفظ مذکور ہے صراحۃً، صراحۃً صلاۃ کا لفظ آیا ہے۔ اور تو صلاۃ کا لفظ ہی ذکر ہے اور اس کے ساتھ کوئی قید ذکر نہیں ہے، مطلقاً ذکر ہے، صلاۃ کے ساتھ کوئی قید ہے؟ کوئی قید نہیں۔ اور مطلق ذکر ہے، اور مطلق جب کوئی لفظ ذکر کیا جائے تو اس سے اس کا فردِ کامل مراد ہوتا ہے، اور فردِ کامل وہ نماز کا وہ ایک رکعت نہیں ہے، دو رکعت ہے، کتنا ہے؟ دو۔ چنانچہ عرف میں، عادت میں عام لوگ بھی اگر کوئی شخص ایک رکعت صرف پڑھے تو کوئی یہ نہیں کہتا اس نے نماز پڑھی ہے، لیکن دو رکعت پڑھ لے تو لوگ کیا کہتے ہیں؟ اس نے نماز پڑھی ہے، معلوم ہوا صلاۃ کا فردِ کامل کیا ہے؟ دو رکعت ہے، لہٰذا جو حدیث میں آیا اس سے دو رکعتیں مراد ہیں، کامل صلاۃ مراد ہے، ایک رکعت مراد نہیں۔

تو کہتے ہیں «وَالصَّلَاةُ فِيمَا رَوَى مَذْكُورَةٌ صَرِيحًا فَتُصْرَفُ إِلَى الْكَامِلَةِ وَهِيَ الرَّكْعَتَانِ عُرْفًا»، اور صلاۃ کا لفظ اس حدیث میں جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا صراحۃً مذکور ہے تو اس کو پھیرا جائے گا کامل نماز کی طرف، اور کامل نماز تو دو رکعتیں ہی ہیں عرفاً ای عادۃً، عرفاً یعنی عادۃً عام لوگوں کی عادت میں دو رکعت ہی کو نماز کہتے ہیں۔ «كَمَنْ حَلَفَ لَا يُصَلِّي صَلَاةً»، جیسے کہ اس وہ شخص جو قسم اٹھالے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا، ایک آدمی ہے مثلاً وہ قسم اٹھا لیتا ہے «لَا يُصَلِّي صَلَاةً»، لفظ کیا کہتا ہے؟ متکلم مثلاً کوئی شخص ہے وہ کہتا ہے واللہ میں صلاۃ نہیں پڑھوں گا، نماز نہیں پڑھوں گا، نماز۔ تو دیکھیے صلاۃ کا لفظ صراحۃً ذکر کر دیا، لا أصلي صلاۃً، اور صلاۃ مطلق آیا اور مطلق جب بولا جائے تو اس سے فردِ کامل مراد ہوتا ہے، لہٰذا اس سے فردِ کامل یعنی دو رکعت مراد ہوں گی۔ لہٰذا اب اگر یہ شخص اس نے نماز شروع کر دی، تو شروع کرتے ہی یہ حانث نہیں ہو گا۔ ایک رکعت پڑھ لی پھر بھی حانث نہیں ہو گا کیونکہ ابھی تک صلاۃِ کامل نہیں ہوئی اور اس نے بھی کیا قسم کھائی تھی کہ میں صلاۃ نہیں پڑھوں گا یعنی صلاۃِ کامل نہیں پڑھوں گا۔ ہاں جب دو رکعت پڑھ لے گا تو اب اس نے کامل نماز پڑھ لی اور اس نے تو قسم کھائی تھی میں کامل نماز نہیں پڑھوں گا تو اب حانث ہو جائے گا اور قسم کا اسے کفارہ دینا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ قسم اس نے اس طرح کی اٹھائی، وہ تو گناہگار ہو گا ہی، اس طرح کی قسم اٹھاتا ہے وہ، لیکن بات یہ نہیں ہو رہی، بات صرف یہ بیان کر رہے ہیں کہ حانث کس وقت ہو گا اگر یہ قسم کوئی اٹھالیتا ہے تو دو رکعت پڑھنے پر حانث ہو گا۔ لیکن اس کے بجائے اگر وہ صرف یہ کہتا «والله لا أصلي»، واللہ میں نماز نہیں پڑھوں گا، تو فقہاء لکھتے ہیں اس صورت میں ایک رکعت پڑھتے ہی حانث ہو جائے گا کیونکہ اس نے کیا کہا واللہ لا أصلي، صلاۃ کا لفظ صراحۃً اس نے ساتھ ذکر نہیں کیا، صرف کہا میں نماز نہیں پڑھوں گا، اور ایک رکعت بھی نماز ہے یا نماز نہیں؟ وہ بھی نماز ہے، تو لہٰذا وہاں ایک رکعت پڑھتے ہی کیا ہو جائے گا؟ حانث ہو جائے گا۔ «كَمَنْ حَلَفَ لَا يُصَلِّي صَلَاةً بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يُصَلِّي»، جیسے کہ وہ شخص جس نے قسم اٹھائی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا، بخلاف اس کے کہ جب اس نے قسم اٹھائی لا یصلي، صرف یہ قسم اٹھائی، کہ اس صورت میں پوری کامل نماز کی شرط نہیں ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، إِنْ شَاءَ س...

«وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، إِنْ شَاءَ سَكَتَ، وَإِنْ شَاءَ قَرَأَ، وَإِنْ شَاءَ سَبَّحَ، كَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، إِلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ يَقْرَأَ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَاوَمَ عَلَى ذَلِكَ، وَلِهَذَا لَا يَجِبُ السَّهْوُ بِتَرْكِهَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ».

«**وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْأُخْرَيَيْنِ**»، اور نماز پڑھنے فرض پڑھنے والا جو ہے اس کو اختیار ہے آخری دو رکعتوں میں۔ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں تو ہمارے نزدیک قراءت فرض ہے اور آخری دو رکعتوں میں اس کو اختیار، چاہے تو کیا کرے؟ سورۂ فاتحہ پڑھ لے، چاہے کیا پڑھ لے؟ تسبیحات پڑھ لے اور چاہے تو خاموش کھڑا رہے، یہی بات ذکر کر رہے ہیں۔ «**وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْأُخْرَيَيْنِ**»، اور اس کو اختیار ہو گا آخری دو رکعتوں میں، «**مَعْنَاهُ**»، اس کا معنی یہ ہے، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس متن کا معنی یہ ہے: «**إِنْ شَاءَ سَكَتَ وَإِنْ شَاءَ قَرَأَ وَإِنْ شَاءَ سَبَّحَ**»، کہ اگر چاہے تو وہ خاموش کھڑا رہے اور اگر چاہے تو قراءت کر لے یعنی فاتحہ پڑھ لے آخری دو میں، اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھ لے۔ یرحمک اللہ۔ «**كَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**»، اسی طرح روایت کیا گیا ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے۔ سمجھ میں آئی بات؟ اور یہ امام صاحب کوئی اپنی طرف سے بات نہیں کر رہے، سمجھ میں آیا، امام صاحب یہ کوئی اپنی طرف سے بات نہیں کر رہے بھائی، امام صاحب جو بھی بات کرتے ہیں قرآن اور حدیث کے اعتبار سے کرتے ہیں، اسی لیے کہتے ہیں «**وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ**»، اور یہی منقول ہے حضرت علی سے بھی، حضرت ابن مسعود سے بھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی۔

«**إِلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ يَقْرَأَ**»، مگر افضل یہ ہے کہ قراءت کرے، آخری دو میں کیا کرے؟ قراءت یعنی فاتحہ پڑھے، «**لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَاوَمَ عَلَى ذَلِكَ**»، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس پر پابندی فرمائی ہے، حضور علیہ السلام پابندی سے کیا پڑھتے تھے؟ آخری دو میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ «**وَلِهَذَا لَا يَجِبُ السَّهْوُ بِتَرْكِهَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ**»، اور اسی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا اس قراءت کو چھوڑنے کی وجہ سے آخری دو رکعتوں میں **فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ**، کس میں؟ ظاہرِ روایت میں یعنی اس کے مطابق بھائی۔ ظاہرِ روایت سے کیا مراد ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابیں جو تواتر کے طریقے پر منقول ہیں اس لیے ان کا درجہ ان کی باقی کتابوں سے بڑھ کر ہے، تو ان میں جو مسئلہ ذکر ہوا اس کو کہتے ہیں ظاہرِ روایت۔ سمجھ میں آیا؟ اور ان کے علاوہ اور کتابوں میں ذکر ہو تو اس کو کہتے ہیں نوادر، کیا کہتے ہیں؟ نوادر۔

■ مسئلہ: وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ الن...

«وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ، وَفِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ الْوِتْرِ. أَمَّا النَّفْلُ: فَلِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ مِنْهُ صَلَاةٌ عَلَى حِدَةٍ، وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ كَتَحْرِيمَةٍ مُبْتَدَأَةٍ، وَلِهَذَا لَا يَجِبُ بِالتَّحْرِيمَةِ الْأُولَى إِلَّا رَكْعَتَانِ فِي الْمَشْهُورِ عَنْ أَصْحَابِنَا، وَلِهَذَا قَالُوا: يَسْتَفْتِحُ فِي الثَّالِثَةِ. وَأَمَّا الْوِتْرُ: فَلِلِاحْتِيَاطِ».

«**وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ وَفِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ الْوِتْرِ**»، جی فرضوں کی بات ختم ہوئی، ان میں قراءت پہلی دو میں فرض اور آخری دو میں اختیار ہے لیکن افضل یہ ہے کہ قراءت کرے۔ نفلوں میں اور وتروں میں اس کے بارے میں بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں «**وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ**»، اور قراءت فرض ہے نفلوں کی تمام رکعتوں میں، تمام نفلوں میں، تمام سنتوں کی تمام رکعتوں میں، اور وتر کی ساری رکعتوں میں قراءت واجب ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں «**وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ وَفِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ الْوِتْرِ**»، اور قراءت واجب ہے نفلوں کی تمام رکعتوں میں اور وتروں کی ساری رکعتوں میں۔ بھائی نفلوں کی ساری رکعتوں میں قراءت واجب ہے، اسی نفل میں کیا آ گئیں؟ سنتیں بھی آ گئیں کیونکہ ابھی بیان ہوا سنت بھی دراصل کیا ہیں؟ نفل ہیں لیکن ان پر حضور علیہ السلام نے پابندی فرمائی ہے اور ان کی تاکید فرمائی ہے اس لیے ان کو سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں۔

اچھا، انہوں نے کیا ذکر کیا کہ نفلوں کی ساری رکعتوں میں بھی قراءت واجب، اس کی کیا دلیل ہے؟ اور اسی طرح وتر میں بھی، کہتے ہیں «**أَمَّا النَّفْلُ فَلِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ مِنْهُ صَلَاةٌ عَلَى حِدَةٍ**»، باقی نفل جو ہیں اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر جوڑا جو ہے یعنی ہر دو رکعتیں جو ہیں نفلوں میں سے **صَلَاةٌ عَلَى حِدَةٍ**، وہ علیحدہ نماز ہے۔ نفلوں میں آپ چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے ہیں لیکن ان میں بھی ہر دو رکعت دراصل کیا ہیں؟ علیحدہ۔ چار رکعت آپ نے ایک سلام سے پڑھے لیکن پہلی دو رکعت وہ علیحدہ نماز ہے پوری، علیحدہ دو نفل ہیں اور اگلے دو علیحدہ نفل ہیں۔ یہ معنی ہے کہ ان میں سے ہر جوڑا یعنی ہر دو رکعت جو ہے وہ علیحدہ نماز ہے، «**وَالْقِيَامُ إِلَى**

الثَّالِثَةِ كَتَحْرِيمَةٍ مُبْتَدَأَةٍ »، اور تیسری رکعت کی طرف اٹھنا یہ نئی تحریمہ کی طرح ہے۔ بھائی نفل پڑھ رہے ہیں، آپ نے چار رکعت کی نیت باندھی اور دو رکعت پڑھ لیے، تشہد پورا کیا، تشہد کے بعد اب جب یہ تیسری رکعت کے لیے آپ اٹھ رہے ہیں تو دوبارہ آپ تحریمہ کہتے ہیں؟ تحریمہ کہتے تو نہیں لیکن یہ ہے اسی طرح گویا آپ نئے سرے سے کیا کر رہے ہیں؟ دو رکعت شروع کر رہے ہیں، دو رکعت کی تحریمہ کہہ رہے ہیں، بات سمجھ میں آگئی۔ یہ معنی ہے اور تیسری رکعت کی طرف اٹھنا نئی تحریمہ کی طرح ہے۔

■ مسئلہ: وَلِهَذَا لَا يَجِبُ بِالتَّحْرِيمَةِ الْأُولَى إِلَّا...

« وَلِهَذَا لَا يَجِبُ بِالتَّحْرِيمَةِ الْأُولَى إِلَّا رَكْعَتَانِ فِي الْمَشْهُورِ عَنْ أَصْحَابِنَا »، اور اسی وجہ سے پہلی تحریمہ سے واجب نہیں ہوتے مگر دو ہی رکعتیں مشہور قول کے مطابق جو ہمارے فقہاء سے آیا ہے، نقل ہوا ہے۔ بھائی دیکھیے نفل کی ہر دو رکعتیں علیحدہ نماز ہیں، تو دو دو رکعت ہے گویا نماز، اور دو رکعت میں تو قراءت فرض ہوتی ہے تو ان میں بھی کیا ہو گی؟ قراءت فرض ہو گی، تو چاروں میں ہی قراءت فرض ہو جائے گی کیونکہ ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے، اور تیسری کے لیے آپ اٹھتے ہیں تو یہ گویا ایک نئی تحریمہ سے نماز شروع کر رہے ہیں، اسی طرح ہے، اسی طرح ہے۔ اور چنانچہ اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نفل شروع کیے اور چار رکعت کی نیت سے نفل شروع کیے، چار رکعت کی نیت کی کہ میں کتنے نفل پڑھتا ہوں؟ چار رکعت پڑھتا ہوں، اور اللہ اکبر کہہ کر نفل شروع کر دیے، ایک رکعت کے بعد ہی یا شروع کرتے ہی اس نے پھر ان نفلوں کو فاسد کر دیا، اور آپ نے کیا پڑھا ہے؟ نفل شروع کرنے سے پہلے تو نفل ہیں لیکن جب شروع کر دیں تو کیا بن جاتے ہیں؟ واجب بن جاتے ہیں کیونکہ اللہ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ تم اپنے عملوں کو باطل نہ کرو، اب عمل شروع کر دیا تو اب یہ واجب ہو گیا اس کو پورا کرنا۔ تو اب یہ دو رکعتیں جو اس نے شروع کی تھیں یہ اس پر واجب ہوئیں۔ تو یاد رکھیے اگر اس نے شروع کس نیت سے کیے تھے؟ چار رکعت، اور شروع میں ہی اس نے نفلوں کو فاسد کر دیا تو جو ہمارے فقہاء سے مشہور روایت آئی ہے اس کے مطابق اس پر دو نفل اب واجب ہیں، دو رکعت پڑھنا اس پر واجب ہو گئے۔ بھائی اس نے شروع تو چار رکعت کی نیت سے کیے تھے لیکن فقہاء کیا فرما رہے ہیں؟ دو رکعت اس پر واجب ہیں، معلوم ہوا اگلے دو جو ہیں وہ الگ ہیں، جب تک وہ شروع نہیں کیے وہ اس پر واجب بھی نہیں۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے « وَلِهَذَا لَا يَجِبُ بِالتَّحْرِيمَةِ الْأُولَى إِلَّا رَكْعَتَانِ فِي الْمَشْهُورِ عَنْ أَصْحَابِنَا »، اسی وجہ سے پہلی تحریمہ کی وجہ سے واجب نہیں ہوتے مگر دو رکعت ہی مشہور روایت ہے ہمارے فقہاء سے۔

« وَلِهَذَا قَالُوا يَسْتَفْتِحُ فِي الثَّالِثَةِ »، اور اسی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں کہ استفتاح کرے تیسری رکعت میں، کیا کرے؟ اس سے کیا معنی؟ أَيْ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ، وہ جو نماز کے شروع میں ہم ثناء پڑھتے ہیں « سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ »، یہ دعا پڑھنی چاہیے کس میں؟ تیسری رکعت۔ جب نفلوں کی تیسری رکعت میں اٹھے، تشہد کے بعد اٹھا ہے، سلام نہیں پھیرا تو لیکن پھر بھی یہ کس کی طرح ہے؟ نئی تحریمہ کی طرح ہے، لہٰذا اس وقت کیا کرنا چاہیے اس کو؟ استفتاح پڑھنا چاہیے یعنی سبحانک اللھم کی دعا پڑھنی چاہیے۔

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھیے، انہوں نے یہ تو ذکر کیا کہ ایک آدمی نے چار رکعت والی نماز شروع کی، نفل شروع کیے اور شروع میں ہی نماز کو نفلوں کو فاسد کر دیا تو اس پر کتنے نفل واجب ہوں گے؟ دو رکعت۔ اور اسی طرح اگر ایک شخص نے شروع کیے تھے چار رکعت والے اور دو رکعتیں پوری کر لیں، تشہد بھی پڑھ لیا، تیسری کے لیے کھڑا ہو گیا، اب اس کے بعد کسی وقت اگر یہ فاسد کرتا ہے، تشہد کے تشہد میں بیٹھا تھا دوسری رکعت میں اور پھر وہ کھڑا ہوا ہے تیسری رکعت کے لیے، اب اگر وہ نفلوں کو فاسد کرتا ہے تو اس پر دو رکعت ہی قضا آئے گی کیونکہ پہلے دو تو کیا ہو گئے؟ پورے ہو گئے تشہد پر، اگلے دو جو ہیں وہ جیسے ہی شروع اس نے کیے وہ شروع ہو گئے اور اب جب ایک دفعہ شروع کر دیے تو اب ان کو باطل کرنا صحیح نہیں، لہٰذا اب اگر ان کو توڑا ہے تو اس صورت میں بھی پھر دو رکعت ہی اس کو ان کی قضا کرنا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

■ مسئلہ: وَأَمَّا الْوِتْرُ فَلِلِاحْتِيَاطِ

« وَأَمَّا الْوِتْرُ فَلِلِاحْتِيَاطِ »، باقی وتر، بھائی وتر میں بھی انہوں نے کہا تھا وتر کی ساری رکعتوں میں قراءت واجب ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں « فَلِلِاحْتِيَاطِ »، وہ احتیاط کی وجہ سے ہے، اس لیے کیونکہ وتر اگرچہ امام صاحب کے نزدیک تو واجب ہیں لیکن اس میں سنت ہونے کی بھی علامتیں ہیں جیسے صاحبین نے ذکر کیا تھا کہ وتر کے انکار کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیا جاتا اور نیز وتروں کے لیے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی جیسے سنتوں کے لیے نہیں ہوتی، اور سنتوں کی تو ساری رکعتوں میں قراءت واجب ہے، لہٰذا بطورِ احتیاط کے وتر کی بھی ساری رکعتوں میں قراءت کو واجب قرار دیا جائے گا کیونکہ اس کی مشابہت ہے سنتوں کے ساتھ بھی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۵: مسئلہ: وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ ثُمَّ أَفْسَدَهَا قَضَاهَا

ہدایہ صفحہ: ۱۵۴ — بتاریخ: ۱۹ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ ثُمَّ أَفْسَدَهَا قَضَاهَا» وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: «لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ فِيهِ، وَلَا لُزُومَ عَلَى الْمُتَبَرِّعِ»، وَلَنَا «أَنَّ الْمُؤَدَّى وَقَعَ قُرْبَةً، فَيَلْزَمُ الْإِتْمَامُ ضَرُورَةَ صِيَانَتِهِ عَنِ الْبُطْلَانِ». [1]

قَالَ: «وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ» بھائی، گزشتہ سبق میں یہ مسئلہ ذکر ہوا تھا کہ نفلوں میں ہر دو رکعت وہ علیحدہ نماز کی طرح ہے۔ نفلوں میں سے ہر دو رکعت وہ علیحدہ نماز کی طرح ہے، لہٰذا اگر ایک ہی تحریمہ کے ساتھ کوئی چار رکعت ادا کرے تو بھی جب وہ تیسری رکعت کی طرف اٹھتا ہے تو یہ اسی طرح ہے گویا یہ نئی تحریمہ ہے، نئی تحریمہ ہے۔

اب مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں، قرأت کے مسائل ذکر ہوئے تھے اور بتلایا تھا کہ نفلوں کی ہر رکعت کے اندر قرأت پڑھنا واجب ہے، فرض ہے بھائی، فرض ہے۔

تو اولاً یہ ذکر کر رہے ہیں کہ جس نے ایک دفعہ نفل شروع کر دیے، شروع کرنے سے پہلے تو وہ نفل ہیں لیکن جب شروع کر دیے تو اب وہ واجب ہو گئے۔ اب اگر ان کو وہ باطل کرتا ہے تو اس کو ان کی قضا کرنا پڑے گی، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، نفل نفل ہی ہیں، بے شک شروع بھی کیوں نہ کر دیے جائیں، لہٰذا اگر ان کو وہ فاسد کر دیتا ہے تو بعد میں اس پر ان کی قضا، ان کی قضا اس پر نہیں ہے بھائی۔ جبکہ ہم کہتے ہیں قضا آئے گی۔ جب تک شروع نہیں کیے تھے اس کو اختیار تھا، نہ شروع کرتا، لیکن جب شروع کر دیے اب پورا کرنا پڑے گا کیونکہ اللہ فرماتے ہیں قرآن میں: ﴿**وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ**﴾ تم اپنے عملوں کو باطل نہ کرو، اور یہ بھی اعمال میں سے ایک عمل ہے، عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے، لہٰذا اس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری اور باطل ہونے سے یہ بچانے کی یہی صورت ہے کہ اس کی قضا کی جائے اور اس کو پورا کر لیا جائے۔

کہتے ہیں **قَالَ**، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **«وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ»** اور جو شخص نفلوں میں شروع ہوا **«ثُمَّ أَفْسَدَهَا»** پھر ان کو فاسد کر دیا **«قَضَاهَا»** تو ان کی قضا کرے گا۔ **«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ»** اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر قضا نہیں ہے اس کی **«لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ فِيهِ»** اس لیے کیونکہ وہ ان کے کرنے میں متبرع تھا۔ ان میں کیا تھا؟ متبرع۔ متبرع کہتے ہیں وہ شخص جو اپنی جانب سے کوئی چیز دے، اپنی جانب سے کوئی فعل کرے جو اس پر لازم نہ ہو، جو اس پر لازم، مثلاً بھائی آپ کسی شخص کو اپنے ساتھی کو ویسے ہی کچھ رقم دے دیتے ہیں، نہ آپ پر قرض وغیرہ دین کچھ بھی نہیں تھا، آپ یہ اپنی طرف سے دے رہے ہیں، آپ پر یہ پیسے دینا لازم نہیں تھے تو یہ اس کو کہیں گے تبرع، کیا کہیں گے؟ تبرع، اور آپ متبرع ہوئے۔ اسی طرح نفل ادا کرنے والا بھی متبرع ہے، یہ نفل اس کے ذمے لازم نہیں تھے، وہ اپنی طرف سے ان کو ادا کر رہا ہے ثواب کی نیت سے، تو یعنی جو کام یہ ثواب کی نیت سے کیا جائے وہ ہے تبرع بھائی، کیا ہے؟ یعنی زائد چیز جو انسان پر لازم نہ ہو۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **«لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ فِيهِ»** کیونکہ نفل پڑھنے والا ان نفلوں کے پڑھنے میں متبرع ہے، یہ اس پر لازم نہیں تھے، **«وَلَا لُزُومَ عَلَى الْمُتَبَرِّعِ»** اور متبرع پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، تو اس پر اس کو لازم نہیں قرار دیں گے۔

---

[1] شاملہ (ص ۷۹) میں «يَقْرَأُ فِيهِنَّ» کے بجائے «يقرأ فيهن» درج ہے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

« وَلَنَا » اور ہماری دلیل یہ ہے « أَنَّ الْمُؤَدَّى وَقَعَ قُرْبَةً » کہ وہ جو ادا کر دیا گیا وہ قربت ہو کر واقع ہوا ہے۔ بھائی دیکھیے، نفل نفل ہی تھے لیکن جب ایک دفعہ شروع کر دیے تو جو کچھ حصہ کے بعد اس نے فاسد کر دیے، پورے نہیں کیے کیا کیا ان کو؟ فاسد۔ تو کچھ حصہ گزر گیا یا نہیں؟ گزر گیا۔ اور وہ تو کیا تھا؟ عبادت تھا، کیا تھا؟ عبادت تھا، اور اب اس نے فاسد کر دیا ہے اس کو، تو لہٰذا وہ جو حصہ ادا ہو چکا اس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری ہے اور اس کے بچانے کی یہی صورت ہے کہ بعد میں اس کی کیا کی جائے؟ قضا، ورنہ تو وہ حصہ بھی باطل چلا جائے گا بھائی، دلیل سمجھ میں آئی؟

تو ہماری دلیل یہ ہے کہ: « أَنَّ الْمُؤَدَّى وَقَعَ قُرْبَةً » کہ وہ جو ادا کر دیا گیا یعنی کچھ حصہ جو ادا کر دیا گیا تھا جس کے بعد اس نے پھر نفلوں کو فاسد کر دیا، وہ حصہ جو ادا کر دیا گیا ہے « وَقَعَ قُرْبَةً » وہ قربت واقع ہوا ہے یعنی عبادت کے طور پر واقع ہوا ہے، قربت عبادت کو جو اللہ کے قرب کا سبب ہو، وہ قربت واقع ہوا ہے « فَيَلْزَمُ الْإِتْمَامُ » تو اس کو پورا کرنا لازم ہے « ضَرُورَةَ صِيَانَتِهِ عَنِ الْبُطْلَانِ »، « ضَرُورَةَ صِيَانَتِهِ » اس کو بچانا ضروری ہونے کی وجہ سے کس چیز سے بچانا؟ « عَنِ الْبُطْلَانِ » اس وجہ سے اس کو اس کو باطل سے باطل ہونے سے بچانا ضروری ہے، اس لیے پورا کرنا لازم ہو گا، اور باطل ہونے سے بچانا کیوں ضروری؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ تم اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔

«وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَقَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ وَقَعَدَ ثُمَّ أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ قَضَى رَكْعَتَيْنِ؛ لِأَنَّ الشَّفْعَ الْأَوَّلَ قَدْ تَمَّ».

صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے چار رکعت کی نیت کے ساتھ نفل پڑھنا شروع کیے، چار رکعت پڑھنے کی نیت کی اور پہلی دو رکعتوں میں اس نے قرأت بھی کی اور دو رکعتوں کے بعد اس نے قعدہ بھی کیا اور پھر اگلی دو رکعتوں کو اس نے فاسد کر دیا، فاسد کر دیا تو پھر اس پر صرف دو رکعتوں کی قضا ہے، کتنے رکعتوں کی؟ دو رکعتوں کی۔ اس لیے کیونکہ آپ پڑھ چکے کہ نفلوں کے اندر ہر دو رکعت جو ہیں وہ علیحدہ نماز ہیں اور پہلی دو رکعتوں میں اس نے قرأت بھی کی تھی اور آخر میں دو رکعت کے بعد قعدہ بھی کیا تھا تو وہ دو پہلی رکعتیں پوری ہو گئیں اور اگلی دو رکعتیں وہ الگ نماز ہیں ان کو اس نے فاسد کیا ہے تو صرف اس کی قضا اس پر آئے گی آخری دو رکعتوں کی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ چاروں رکعتوں کی قضا نہیں۔

یہ بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں: « وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا » اور اگر اس نے چار رکعت پڑھیں یعنی چار رکعت شروع کیں چار رکعت کی نیت سے نماز « وَقَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ » اور قرأت کی پہلی دو رکعتوں میں « وَقَعَدَ » اور پھر کیا کیا؟ قعدہ کیا، بیٹھا دو رکعتوں کے بعد۔ اس یہ قید ضروری ہے اس لیے کیونکہ اگر اس نے قعدہ نہ کیا، دو رکعتیں پڑھنے کے بعد قعدہ نہیں کیا بھول کر کھڑا ہو گیا اور پھر اگلی دو کو فاسد کر دیا تو اب اگلی دو تو ہوئیں فاسد ان کی تو قضا ہے ہی، پہلی دو کی پہلی دو بھی فاسد ہو گئیں کیونکہ ان کے اندر قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور قعدہ اخیرہ تو کیا ہوتا ہے نماز کے اندر؟ فرض ہوتا ہے، اور فرض رہ جائے تو نماز ہی نہیں، تو پہلی دو بھی فاسد ہو گئیں اور آخری دو کو اس نے فاسد کر دیا تو چاروں کی قضا اس کو کرنا پڑے گی، صورت سمجھ میں آ گئی۔ اسی لیے کہا « وَقَعَدَ » اور وہ بیٹھا بھی دو رکعت کے بعد « ثُمَّ أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ » پھر اس نے آخری دو کو فاسد کر دیا « قَضَى رَكْعَتَيْنِ » تو دو رکعت کی قضا کرے گا، اور کونسی والی دو؟ آخری والی دو جو ہیں « لِأَنَّ الشَّفْعَ الْأَوَّلَ قَدْ تَمَّ » اس لیے کیونکہ پہلا شفع وہ تحقیق مکمل ہو چکا ہے یعنی پہلی دو رکعت مکمل ہو چکی ہیں کیونکہ اس میں قرأت بھی اس نے کی ہے اور قعدہ بھی کیا ہے۔

■ مسئلہ: وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ تَحْ...

« وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ تَحْرِيمَةِ الْمُبْتَدَأَةِ » اور تیسری رکعت کی طرف اٹھنا یہ نئی تحریمہ کے درجے میں ہے۔ نفلوں میں آپ پڑھ چکے جب تیسری رکعت کے لیے انسان اٹھتا ہے تو یہ کس کے درجے میں ہے؟ نئی تحریمہ کے درجے میں ہے، گویا نئے سرے سے تکبیر تحریمہ وہ کہہ رہا ہے، دو الگ نفل اب وہ گویا پڑھ رہا ہے۔ تو یہ تو یہ قیام کس کے درجے میں ہوا؟ نئی تحریمہ کے درجے میں ہوا « فَيَكُونُ مُلْزِمًا » تو یہ قیام اس پر ان نفلوں کو یعنی اس آخری شفع کو لازم کرنے والا ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ بھائی، نفل جب تک شروع نہیں کیے وہ نفل ہیں لیکن جب ایک دفعہ شروع کر دیے وہ کیا ہو جاتے ہیں؟ واجب ہو جاتے ہیں، تو گویا تکبیر تحریمہ جب کسی نے کہہ دی تو اس پر وہ نفل کیا ہو گئے؟ واجب ہو گئے۔ اور یہاں پر تیسری رکعت کی طرف اٹھنا یعنی یہ جو قیام ہے تیسری رکعت کی طرف یہ کس کے درجے میں؟ تحریمہ کے درجے میں، لہٰذا جب یہ قیام پایا جائے گا وہ تیسری رکعت کی طرف اٹھ جائے گا تو گویا اس نے نئی تحریمہ باندھ لی، نئی تحریمہ سے نماز شروع کر دی، تو یہ قیام تحریمہ کے درجے میں اور تحریمہ تو کیا کرتی تھی؟ نفلوں کو لازم کر دیتی تھی، واجب کر دیتی تھی، تو یہ قیام بھی کیا کر دے گا اس پر نفلوں کو؟ واجب کر دے گا۔ یہ معنی ہے: « وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ تَحْرِيمَةِ الْمُبْتَدَأَةِ » اور تیسری رکعت کی طرف اٹھنا یہ نئی تحریمہ کے درجے میں ہے « فَيَكُونُ مُلْزِمًا » تو یہ قیام اس پر لازم کرنے والا ہے یعنی اگلی دو رکعتوں کو۔

«هَذَا إِذَا أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ بَعْدَ الشُّرُوعِ فِيهِمَا» اور یہ مسئلہ اس وقت ہے جب اس نے آخری دو رکعتوں کو فاسد کیا ہو ان میں شروع ہو جانے کے بعد، یعنی آخری دو کو شروع کر دیا تھا، ان کے لیے اٹھ گیا تھا پھر ان کو فاسد کیا تو ان کی قضا کرنا پڑے گی جیسا متن میں آیا، آخری دو کے لیے وہ اٹھ گیا تھا پھر ان کو فاسد کیا ہے۔

«وَلَوْ أَفْسَدَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي» اور اگر اس نے فاسد کر دیا شفعِ ثانی میں شروع ہونے سے پہلے ہی، اگر کیا کیا؟ شفعِ ثانی میں شروع ہونے سے پہلے ہی نماز کو فاسد کر دیا، مثلاً بھائی چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کی، دو رکعتیں پوری ہو گئیں، اس میں اس نے قرأت بھی کی ہے سارے ارکان ادا کیے، آخر میں قعدہ بھی کر لیا، اب تیسری کے لیے اٹھا نہیں تھا اس سے پہلے اس نے ان کو فاسد کر دیا، تو جب اٹھا نہیں تو اگلی دو اس پر لازم نہیں، اور اس میں پہلی دو کے لیے تو وہ قعدہ بھی کر چکا تو وہ پوری ہو گئیں، وہ ادا ہو گئیں اور آخری دو کی اس پر قضا نہیں کیونکہ اس نے ان کو ابھی شروع ہی نہیں کیا، صورت سمجھ میں آ گئی۔ یہ معنی ہے: «وَلَوْ أَفْسَدَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي» اور اگر اس نے فاسد کر دیا نماز کو شفعِ ثانی میں یعنی آخری دو رکعتوں میں شروع ہونے سے پہلے ہی «لَا يَقْضِي الْأُخْرَيَيْنِ» تو یہ آخری دو کی قضا نہیں کرے گا کیونکہ وہ اس پر لازم ہی نہیں ہوئیں کیونکہ اس نے قیام ہی نہیں کیا، قیام تحریمہ کے درجے میں تھا، قیام پایا جاتا تیسری رکعت کی طرف تو وہ اس پر لازم ہو جاتیں لیکن اس نے تو وہ قیام کیا ہی نہیں، اس سے پہلے ہی نماز کو فاسد کر دیا۔

اور یاد رکھیے یہ مذہب ہے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک بھائی، طرفین۔ بلکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے البتہ اولاً وہ ان کا اور قول تھا جو آگے ذکر ہو رہا ہے بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا، تو اس قول کے مطابق امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں آخری دو کی وہ قضا کرے گا۔ طرفین تو فرماتے ہیں تیسری رکعت کی طرف اٹھنے سے پہلے ہی نماز کو فاسد کر دیا تو پہلی دو پوری ہو چکیں، اگلی نے لازم ہونا تھا قیام کے بعد لیکن اس نے تو قیام کیا ہی نہیں اس سے پہلے ہی فاسد کر دیا تو اگلی دو بھی اس پر لازم نہیں لہٰذا ان کی قضا بھی اس کے ذمے نہیں، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں کہ اگلی دو کی قضا اس کے ذمے لازم ہے بھائی، یہ ایک روایت آئی کس سے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے جس سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔

کہتے ہیں: «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَقْضِي» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ قضا کرے گا یعنی آخری دو کی «اعْتِبَارًا لِلشُّرُوعِ بِالنَّذْرِ» وہ قیاس کرتے ہیں شروع کرنے کو نذر پر، منت پر، کس پر قیاس کرتے ہیں؟ منت پر۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے چار رکعت کی نیت سے نفل شروع کیے تو چاروں اس پر لازم ہو گئے، دو اس میں سے پورے کر چکا ہے اور دو ابھی باقی ہیں تو اس پر اس کو قضا کرنا پڑے گی کیونکہ شروع کرنے سے کوئی چیز لازم ہو جاتی ہے اور اس نے بھی کس نیت سے شروع کیے تھے؟ دو رکعت یا چار رکعت؟ چار رکعت کی نیت سے شروع کیے تھے تو چار اس پر لازم ہو گئے تھے اور ان میں سے دو پورے کر چکا ہے دو ابھی بھی اس کے ذمے باقی ہیں اور وہ اس کو کس پر قیاس کرتے ہیں؟ منت پر، کہ جیسے منت سے کوئی چیز کسی پر واجب ہو جاتی ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی ایک چیز، اپ منت مانگتے ہیں کہ اے اللہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں چار نفل پڑھوں گا اور وہ کام آپ کا ہو جاتا ہے تو آپ پر چار نفل کیا ہو جاتے ہیں؟ لازم، تو منت سے جیسے کوئی چیز لازم ہوتی ہے اس اسی طرح شروع کرنے سے بھی چیز لازم ہو جاتی ہے۔ یہ معنی ہے: «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَقْضِي اعْتِبَارًا لِلشُّرُوعِ بِالنَّذْرِ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ قضا کرے گا قیاس کرتے ہوئے شروع کرنے کو کس پر شروع کرنے کو انہوں نے قیاس کیا ہے؟ شروع کو قیاس کرتے ہوئے بالنذر منت پر۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا

«وَلَهُمَا» اور طرفین کی دلیل یہ ہے «أَنَّ الشُّرُوعَ مُلْزِمٌ مَا شُرِعَ فِيهِ وَمَا لَا صِحَّةَ لَهُ إِلَّابِهِ»، بھائی توجہ سے سنا بھائی، طرفین فرماتے ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کیا دلیل آئی؟ کہ شروع کرنے سے ایک چیز لازم ہو جاتی ہے جیسے منت کی وجہ سے ایک چیز لازم ہو جاتی ہے۔ طرفین فرماتے ہیں ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، کوئی چیز شروع کی جائے تو وہ لازم ہو جاتی ہے لیکن کیا کیا لازم ہوتا ہے؟ وہ فرماتے ہیں ایک تو جس چیز کو شروع کیا وہ لازم ہوتی ہے اور ایک جس پر اس کا وجود موقوف ہے وہ لازم ہو گی۔

توجہ ہے؟ شروع کرنے سے کیا چیز لازم ہو گی؟ ایک جس کو شروع کیا تو جیسے ہی اس نے شروع کیا تھا اور شروع کس کو کیا تھا؟ پہلی رکعت کو، کس کو؟ تو پہلی رکعت اس پر لازم ہو گئی، اور اکیلی ایک رکعت کی تو نماز ہوتی نہیں، اس کے ساتھ کیا ضروری ہے؟ دوسری رکعت کا ملانا بھی ضروری کیونکہ ادھوری نماز پڑھنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے ایک رکعت والی نماز سے، تو تو پہلی رکعت تب ہی صحیح ہو گی جب اس کے ساتھ آپ کیا کریں؟ دوسری رکعت ملائیں گے تو یہ نفل بنیں گے، ایک رکعت تو نماز پوری نہیں، تو شروع کرنے کی وجہ سے وہ چیز لازم ہوتی ہے جس میں شروع ہوا اور وہ کونسی رکعت ہے؟ پہلی، اور وہ چیز بھی لازم ہو گی جس پر اس جس چیز کو شروع کیا ہے اس کا وجود موقوف ہو۔ کس کو شروع کیا ہے؟ پہلی رکعت، اور پہلی رکعت کا وجود کس پر موقوف ہے؟ دوسری پر، دوسری ملائے گا تو نماز پوری ہو گی ورنہ تو نماز ہی پوری نہیں، تو لہٰذا شروع کرنے سے ایک وہ چیز لازم ہوتی ہے جس کو شروع کیا جائے اور ایک وہ چیز لازم ہوتی ہے جس پر اس کا وجود موقوف ہے کہ اس کے بغیر یہ ہوتی ہی نہیں۔ تو لہٰذا دوسری بھی اس پر واجب ہو لازم ہو جائے گی، لیکن مزید آگے کی رکعتیں اس پر لازم نہیں کیونکہ آخری دو رکعتیں جو ہیں ان میں ابھی شروع بھی نہیں ہوا تو لہٰذا وہ اس لیے بھی نہیں لازم، نیز آخری دو پر پہلی دو کا وجود بھی موقوف نہیں ہے، پہلی دو پوری ہو جائیں گی یا نہیں جب قعدہ کرلے گا؟ ہو جائیں گی، تو پہلی دو کا وجود آخری دو کے وجود پر

موقوف بھی نہیں لہٰذا اس لیے وہ بھی واجب نہیں۔ تو شروع کرنے سے کونسی چیز واجب ہوتی ہے؟ ایک وہ جس کو شروع کیا جائے، دوسری وہ جس پر اس کا وجود موقوف ہو۔ لہٰذا پہلی رکعت واجب کیونکہ اس میں شروع ہوا، دوسری رکعت بھی واجب کیونکہ اس پر پہلی کا وجود موقوف ہے، لیکن تیسری اور چوتھی رکعت وہ واجب نہیں کیونکہ ایک ان میں شروع بھی نہیں ہوا اور ان پر پہلی دو رکعتوں کا وجود بھی موقوف نہیں، دلیل سمجھ میں آگئی؟

«وَلِهَذَا» طرفین کی دلیل یہ ہے «أَنَّ الشُّرُوعَ مُلْزِمٌ» کہ شروع کرنا یہ لازم کر دیتا ہے کس چیز کو؟ «مُلْزِمٌ مَا شُرِعَ فِيهِ» اس چیز کو جس میں شروع ہوا جائے، شروع کرنا یہ لازم کرنے والا ہے اس چیز کو جس میں شروع ہوا جائے «وَمَا لَا صِحَّةَ لَهُ إِلَّابِهِ» اور اس چیز کو لازم کرنے والا ہے شروع کرنا ایک تو اس چیز کو لازم کرنے والا ہے جس میں شروع ہوا جائے اور ایک اس چیز کو کہ کہ اس کی صحت یعنی اس کا صحیح ہونا ہی نہیں ہے بغیر اس کے، اس جس میں شروع ہوا ہے اس کی اس کا صحیح ہونا ہے ہی نہیں بغیر اس کے یعنی جس وہ جس پر یہ موقوف ہے یعنی دوسری رکعت بھائی، معنی سمجھ میں آگیا؟ یہ معنی ہے کہ «أَنَّ الشُّرُوعَ مُلْزِمٌ مَا شُرِعَ فِيهِ» کہ شروع کرنا یہ لازم کرنے والا ہے اس چیز کو جس میں شروع ہوا جائے «وَمَا لَا صِحَّةَ لَهُ إِلَّابِهِ» اور اس چیز کو لازم کرنے والا ہے کہ اس جس میں شروع ہوا ہے اس کا اس کی صحت ہی نہیں ہے مگر اس کے ساتھ یعنی یہ اس پر موقوف ہے۔ یعنی یوں کہیں آسان لفظوں میں کہ شروع کرنا جس چیز میں شروع ہوا جائے اس کو بھی لازم کرنا ہے اس کو بھی لازم کرتا ہے اور جس پر یہ شروع والی چیز جس میں شروع ہوا جس اس کا وجود جس پر موقوف ہے اس کو بھی لازم کر دیتا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

■ مسئلہ: وَصِحَّةُ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا تَتَعَلَّقُ بِا...

«وَصِحَّةُ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا تَتَعَلَّقُ بِالثَّانِي» اور پہلے شفع کا صحیح ہونا اس کا تو تعلق شفع ثانی کے ساتھ ہے ہی نہیں، لہٰذا ثانی واجب نہیں ہو گا، «بِخِلَافِ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ» بخلاف رکعت دوسری رکعت کے کہ وہ واجب ہو گی کیونکہ اس پر پہلی رکعت موقوف ہے، پہلی رکعت کی صحت ہی تب ہو گی جب دوسری رکعت پائی جائے گی بھائی۔

«وَعَلَى هَذَا سُنَّةُ الظُّهْرِ لِأَنَّهَا نَافِلَةٌ» اور اسی اختلاف پر ہیں ظہر کی سنتیں بھی «لِأَنَّهَا نَافِلَةٌ» کیونکہ وہ بھی نفل ہیں، کیونکہ آپ پڑھ چکے کہ سنتیں بھی دراصل نفل ہیں لیکن ان کو سنت کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر پابندی فرمائی ہے اور ان کی تاکید فرمائی ہے، تو اسی اختلاف پر ظہر کی سنتیں بھی ہیں۔ اچھا، اسی اختلاف پر ظہر کی سنتیں بھی ہیں کیونکہ وہ نفل ہیں، تو اگر دو رکعتیں پڑھنے کے بعد قعدہ کیا اور پھر تیسری کے لیے اٹھنے سے پہلے ہی ان کو فاسد کر دیا، کیا کر دیا؟ فاسد، تو آخری دو کی قضا واجب نہیں کس کے نزدیک؟ طرفین کے نزدیک، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قضا واجب ہے، قضا، تو گویا طرفین کے نزدیک اب اس شخص کے ذمے دو رکعت سنتیں باقی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دو رکعتیں واجب باقی ہیں اب اس کے ذمے، یہ فرق آجائے گا۔ فرق سمجھ میں آیا؟ سنت تو ہے ہی بہر حال چار رکعتیں لیکن کہتے ہیں: «وَقِيلَ يَقْضِي أَرْبَعًا» کہا گیا یعنی بعض مشائخ ہمارے فرماتے ہیں «يَقْضِي أَرْبَعًا» کہ اس میں چار ہی کی قضا کرے، کیا کرے؟ چار کی قضا کرے اکٹھی «احْتِيَاطًا» بطورِ احتیاط کے «لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ ایک ہی نماز کے درجے میں ہیں، ایک نماز کے درجے میں ہیں۔ تو ورنہ تو مسئلہ کیا بن رہا تھا؟ ضابطے کے مطابق طرفین کے نزدیک دو رکعت اور پڑھے گا اور وہ کیا ہوں گی؟ سنت ہوں گی، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دو رکعت پڑھے گا لیکن اب وہ واجب ہوں گی وہ اب قضا کر رہا ہے ان کی، تو لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ چاروں دوبارہ پڑھے کیونکہ یہ چار رکعتیں جو سنت ہیں ایک سلام کے ساتھ حضور علیہ السلام ان کو ادا فرماتے تھے تو ایک سلام کے ساتھ ان کو پڑھے پھر۔

«وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَلَمْ يَقْرَأْ فِيهِنَّ شَيْئًا أَعَادَ رَكْعَتَيْنِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقْضِي أَرْبَعًا».

■ مسئلہ: وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا

«وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا» اور اگر نماز پڑھنے والے نے چار رکعتیں پڑھیں «وَلَمْ يَقْرَأْ فِيهِنَّ شَيْئًا» اور ان میں کسی کے اندر بھی قرأت نہیں کی، ان میں کوئی قرأت نہیں کی کسی بھی یعنی رکعت میں «أَعَادَ رَكْعَتَيْنِ» تو دو رکعتوں کا اعادہ کرے گا، دو رکعتوں کی قضا کرے گا «وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ» اور یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقْضِي أَرْبَعًا» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ چار کی قضا کرے گا۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک آدمی نے نفل پڑھنا شروع کیے اور چار رکعت کی نیت سے شروع کیے، چار رکعت کی نیت سے، اور پھر چار رکعت تو اس نے پڑھ لیے لیکن ایک رکعت میں بھی اس نے قرأت نہیں کی، جب قرأت نہیں کی تو یہ فاسد ہو گئے اور جب فاسد ہوئے اب ان کی قضا کرنا پڑے گی شروع کرنے کے بعد فاسد ہوئے ہیں، تو

سبق نمبر ۶۵: مسئلہ: وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ ثُمَّ أَفْسَدَهَا قَضَاهَا
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

کتنے کی قضا کرے گا؟ طرفین فرماتے ہیں دو رکعت کی قضا کرے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے چار کی نیت سے شروع کیے تھے لہٰذا کتنے کی قضا کرے گا؟ چار رکعت کی قضا کرے گا، یہ معنی ہے کہ امام صاحب کے طرفین کے نزدیک دو رکعت اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چار رکعت۔

«وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى ثَمَانِيَةِ أَوْجُهٍ» اور یہ مسئلہ آٹھ صورتوں پر ہے، آٹھ صورت۔ بھائی یہاں آٹھ صورتیں بنتی ہیں، آٹھ صورتیں۔ آٹھ صورتیں بنتی ہیں قرأت کو چھوڑنے کے اعتبار سے۔ پہلی صورت جو متن میں ذکر ہوئی، چاروں میں قرأت نہیں کی، چاروں میں ہی۔ دوسری صورت: پہلی دو میں قرأت نہیں کی آخری دو میں قرأت کی، یہ دوسری صورت۔ تیسری صورت اس کا عکس کر دو: پہلی دو میں کی آخری دو میں قرأت نہیں کی، کتنی صورتیں ہو گئیں؟ تین۔ اچھا، اور چوتھی صورت: چوتھی صورت کہ پہلی کے صرف ایک رکعت میں قرأت نہیں کی باقی سب میں قرأت کی، یہ کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار۔ پانچویں صورت: آخری دو میں سے ایک کے اندر قرأت کو چھوڑ دیا باقی سب میں قرأت کی، کتنی ہو گئیں؟ پانچ صورتیں۔ چھٹی صورت: چھٹی صورت کہ پہلی دونوں میں بھی نہیں کی اور آخری کے ایک میں بھی نہیں کی قرأت، یعنی آخری دو میں سے کسی ایک میں قرأت کی ہے بس پوری نماز میں، چھ ہو گئیں۔ ساتویں صورت: پہلی دو میں سے صرف کسی ایک میں قرأت کی ہے باقی کسی میں بھی قرأت نہیں کی، کتنی ہو گئیں؟ سات صورتیں۔ اور آٹھویں صورت: پہلی کے ایک میں بھی قرأت نہیں کی اور آخری میں سے بھی کسی ایک کے اندر قرأت نہیں کی، یہ آٹھ صورتیں ہیں۔

توجہ ہے؟ کتنی صورتیں ہیں؟ قرأت چھوڑنے کی صورتیں ان چار رکعتوں میں جن میں مسائل مختلف ہوتے ہیں ان پہ نتیجہ مرتب ہو گا ان کے قوانین کے مطابق۔ پہلی صورت کیا ہے؟ چاروں میں قرأت نہیں کی۔ دوسری صورت: پہلی دو میں نہیں کی۔ تیسری صورت: آخری دو میں نہیں کی۔ چوتھی صورت: ہاں پہلے شفع میں ایک میں قرأت کو چھوڑ دیا، اگلی صورت: آخری شفع میں ایک کے اندر قرأت کو چھوڑ دیا، اور چھٹی صورت: یعنی یوں کہیں آخری ایک رکعت میں قرأت کی باقی پہلی دونوں میں بھی نہیں کی اور آخری کے کسی ایک میں بھی نہیں۔ اور ساتویں صورت اس کا عکس: پہلے شفع کے ایک رکعت میں کی باقی آخری دو میں بھی نہیں کی اور پہلی کے کسی ایک میں بھی نہیں، یہ ساتویں صورت۔ آٹھویں صورت: دونوں میں ایک ایک کے اندر قرأت کو چھوڑ دیا۔ آٹھ صورتیں بنتی ہیں، یہ ذہن میں رہیں گی یا مشکل ہو گئیں؟ جی؟ ایک صورت چاروں میں چھوڑ دیا قرأت کو، دوسری صورت پہلی دونوں میں چھوڑ دیا، تیسری صورت آخری دونوں میں چھوڑ دیا، چوتھی صورت دونوں کے جو بھی ترتیب بنالیں دونوں کی ایک ایک رکعت میں قرأت کو چھوڑ دیا، اچھا، پانچویں صورت پہلی دونوں میں چھوڑ دیا آخری میں ایک کو میں چھوڑ دیا، اگلی صورت آخری دونوں میں چھوڑ دیا اور پہلی میں سے ایک کے اندر چھوڑ دیا، اور اور کونسی صورت؟ تو بہر حال یہ آٹھ صورتیں بنتی ہیں بھائی، آٹھ صورتیں، آٹھ صورتیں۔

کس طرح اس کو ضبط کریں؟ کس طرح یاد رکھیں گے بھائی؟ یوں کہیں قرأت کی کن کن صورت کن کن رکعتوں میں کی اس سے ذرا ترتیب بنائیں۔ پہلی صورت: کسی میں قرأت نہیں کی۔ دوسری صورت: پہلے شفع میں دونوں میں کی آخری میں نہیں۔ تیسری صورت: آخری دو میں کی اور پہلے دو میں نہیں۔ چوتھی صورت: پہلے شفع کے صرف ایک میں قرأت کو چھوڑا ہے بس باقی سب میں کی ہے۔ پانچویں صورت: آخری شفع میں ایک قرأت کو اس ایک میں قرأت کو چھوڑا ہے باقی سب میں قرأت کی ہے۔ چھٹی صورت: دونوں کے ایک ایک میں قرأت نہیں کی، پہلے شفع میں بھی ایک میں قرأت کو چھوڑ دیا دوسرے میں بھی ایک کو چھوڑ دیا۔ ساتویں صورت: پہلے دونوں میں نہیں کی اور آخری ایک میں نہیں کی۔ آٹھویں صورت: کہ آخری دونوں میں بھی قرأت نہیں کی اور پہلی دونوں میں سے ایک کے اندر کی اور ایک کے اندر نہیں کی، تو یہ آٹھ صورتیں ہو گئیں بھائی، آٹھ صورتیں۔

تو کہتے ہیں «وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى ثَمَانِيَةِ أَوْجُهٍ» اور یہ مسئلہ جو ہے آٹھ صورت پر ہے۔ «وَالْأَصْلُ فِيهَا» اب ضابطے ذکر کریں گے پھر آپ نے مجھے بتانا ہے کہ کس صورت میں مسئلہ کس کے نزدیک کیا ہو گا، ہمارے تینوں ائمہ کے ضابطے یہاں الگ الگ ہیں دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں تو «وَالْأَصْلُ فِيهَا» اصل اس کے اندر یہ ہے «أَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک «تَرْكُ الْقِرَاءَةِ فِي الْأُولَيَيْنِ أَوْ فِي إِحْدَاهُمَا يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ» کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی دونوں میں قرأت کو چھوڑنا یا دونوں میں سے ایک میں قرأت کو چھوڑنا «يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ»، «يُوجِبُ» أَيْ «يُثْبِتُ»، یہاں «يُوجِبُ» کس معنی میں ہے؟ «يُثْبِتُ»۔ پہلی دونوں میں یا دونوں میں سے ایک میں قرأت کو چھوڑنا یہ بطلانِ تحریمہ کو ثابت کرتا ہے یعنی تحریمہ باطل ہو جائے گی۔ اگر پہلی دونوں میں قرأت کو چھوڑا یا دونوں میں سے ایک میں قرأت کو چھوڑ دیا تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ ہی باطل ہو جائے گی۔ تحریمہ ہی کیوں باطل ہو گی؟ کہتے ہیں «لِأَنَّهَا تُعْقَدُ لِلْأَفْعَالِ» اس لیے کیونکہ تحریمہ جو ہے اس کو باندھا جاتا ہے افعال کے لیے، کس کے لیے؟ نماز کے افعال ادا کرنے کے لیے، اور افعال کو تو اس نے فاسد کر دیا قرأت کو چھوڑ کر، قرأت تو فرض تھی اس نے کیا کیا؟ فرض کو چھوڑ کر ان نماز کے افعال کو فاسد، جب اعمال فاسد ہو گئے تو تحریمہ ہی کیا ہو گئی؟ باطل ہو گئی۔ دلیل سمجھ میں آئی؟ جی۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَرْكُ الْ...

«وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرْكُ الْقِرَاءَةِ فِي الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قرأت کا چھوڑنا پہلے شفع میں، چاہے ایک میں چھوڑے چاہے دونوں میں چھوڑے، «لَا يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ» أَيْ «لَا يُثْبِتُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ»،

یہ بطلانِ تحریمہ کو ثابت نہیں کرتا یعنی اس سے تحریمہ باطل نہیں ہوگی۔ نماز میں خرابی تو آجائے گی وہ فرماتے ہیں لیکن تحریمہ باطل نہیں ہوگی۔

«وَإِنَّمَا يُوجِبُ فَسَادَ الْأَدَاءِ» تحریمہ تو باطل نہیں ہوگی «وَإِنَّمَا يُوجِبُ فَسَادَ الْأَدَاءِ» ہاں البتہ یہ فسادِ ادا کو ثابت کرے گا۔ اگر پہلی دو میں کیا کیا قرأت کو چھوڑ دیا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، تو یہ تحریمہ کو تو باطل نہیں کرے گا البتہ ادا کو فاسد کر دے گا، «يُوجِبُ فَسَادَ الْأَدَاءِ» یہ فسادِ ادا کو ثابت کر دے گا، صرف ادا فاسد ہوگی۔ کیوں؟ کہتے ہیں «لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ رُكْنٌ زَائِدٌ» اس لیے کیونکہ قرأت ایک زائد رکن ہے، ہے تو نماز کا رکن لیکن رکنِ زائد ہے۔ «أَلَا تَرَى أَنَّ لِلصَّلَاةِ وُجُودًا بِدُونِهَا؟» کیا آپ دیکھتے نہیں کہ نماز کا وجود بغیر قرأت کے بھی پایا جاتا ہے؟ جیسے گونگے کی نماز، گونگا نماز پڑھتا ہے وہ تو قرأت کرنے پر قادر ہی نہیں ہے تو دیکھو نماز پائی جا رہی ہے اور بغیر قرأت کے ہے، معلوم ہوا یہ قرأت رکن تو ہے لیکن کیا ہے؟ رکنِ زائد ہے۔

«غَيْرَ أَنَّهُ لَا صِحَّةَ لِلْأَدَاءِ إِلَّا بِهَا» مگر یہ، مگر یہ کہ «لَا صِحَّةَ لِلْأَدَاءِ» ادا صحیح نہیں ہے «إِلَّا بِهَا» مگر قرأت کے ساتھ، یعنی ادا قرأت کے بغیر صحیح نہیں ہے، یعنی ادا فاسد ہو جائے گی، ادا کیا ہوگی؟ فاسد ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: وَفَسَادُ الْأَدَاءِ لَا يَزِيدُ عَلَى تَرْكِهِ

«وَفَسَادُ الْأَدَاءِ لَا يَزِيدُ عَلَى تَرْكِهِ» اور فسادِ ادا جو ہے یہ بڑھ کر نہیں ہے «عَلَى تَرْكِهِ» أَيْ «تَرْكِ الْأَدَاءِ»، ترکِ ادا پر۔ فسادِ ادا ترکِ ادا پر زائد نہیں ہے، اس سے بڑھ کر نہیں۔ «فَلَا يَبْطُلُ التَّحْرِيمَةُ» لہٰذا تحریمہ باطل نہیں۔

بھائی دیکھیے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے شفع میں قرأت کو کوئی چھوڑ دے چاہے ایک میں چھوڑے چاہے دونوں کو چھوڑے اس سے تحریمہ باطل نہیں ہوگی، صرف ادا کے اندر فساد اور خرابی آئے گی اور تحریمہ کیوں نہیں باطل ہوگی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس نے قرأت کو چھوڑا ہے اور قرأت ایک رکنِ زائد ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ قرأت کے بغیر بھی نماز کا وجود پایا جاتا ہے جیسے گونگے کی نماز ہوتی ہے، مگر یہ ہے کہ قرأت ہے تو رکنِ زائد لیکن اس کو چھوڑنے سے ادا میں فساد آجاتا ہے، ادا کیا ہو جاتی ہے؟ نماز کی ادا فاسد ہو جاتی ہے، تو فساد کس میں آیا؟ ادا میں، ادا میں۔ اور ایک ہے ادا میں فساد آنا، ادا میں کا فاسد ہو جانا، اور ایک ہے ادا کو بالکل چھوڑ دینا، کیا بڑھ کر کونسی چیز زیادہ ہے؟ بالکل ادا کو چھوڑ دینا، اور ترکِ ادا کی صورت میں تحریمہ باطل نہیں ہوتی تو فسادِ ادا کی صورت میں بطریقِ اولیٰ باطل نہیں ہوگی۔

وہ کیا فرماتے ہیں؟ قرأت کو چھوڑا ہے تو فساد صرف کس میں آئے گا؟ ادا میں آئے گا، اور تو فسادِ ادا آیا، اور ایک ہے ترکِ ادا، ترکِ ادا کی صورت میں تحریمہ باطل نہیں ہوتی تو فسادِ ادا کی صورت میں بطریقِ اولیٰ تحریمہ باطل نہیں ہوگی۔ بھائی ترکِ ادا میں تحریمہ کیسے باطل نہیں ہوتی؟ بھائی دیکھیے، ایک آدمی ہے اس نے نماز پڑھنا شروع کی، ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس کا وضو ٹوٹ گیا، آپ نے حکم پڑھ لیا، کیا کر سکتا ہے وہ؟ بنا کر سکتا ہے یا نہیں؟ وہ یہاں سے پلٹے جائے، جا کر سیدھا جا کر وضو کرے اور پھر سیدھا آکر اسی نماز پر بنا کر لے یعنی وہیں سے نماز شروع کر دے جہاں جس رکن سے وضو ٹوٹا تھا، تو دیکھو بنا کر رہا ہے، بنا کر رہا ہے، درمیان میں کوئی منافی صلاۃ عمل کی اجازت نہیں ورنہ پھر بنا صحیح نہیں۔ اب دیکھیے یہ جب اس کا وضو ٹوٹا یہ واپس پلٹ کر چل پڑا تو اس نے ادا کو چھوڑ دیا ہے یا نہیں؟ تو دیکھو ترکِ ادا ہے اور ترکِ ادا کے باوجود آپ کہہ رہے ہیں کہ بنا کر سکتا ہے تحریمہ باطل نہیں، تو جب ترکِ ادا کی صورت میں تحریمہ باطل نہیں ہوتی تو فسادِ ادا کا درجہ تو اس سے کم ہے اس میں بطریقِ اولیٰ تحریمہ باطل نہیں ہوگی، دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے «وَفَسَادُ»

قَالَ: «وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ ثُمَّ أَفْسَدَهَا قَضَاهَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ فِيهِ وَلَا لُزُومَ عَلَى الْمُتَبَرِّعِ، وَلَنَا أَنَّ الْمُؤَدَّى وَقَعَ قُرْبَةً فَيَلْزَمُ الْإِتْمَامُ ضَرُورَةَ صِيَانَتِهِ عَنِ الْبُطْلَانِ».

■ مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ

«قَالَ: وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ». بھئی گزشتہ سبق میں یہ مسئلہ ذکر ہوا تھا کہ نفلوں میں ہر دو رکعت وہ علیحدہ نماز کی طرح ہے۔ نفلوں میں سے ہر دو رکعت وہ علیحدہ نماز کی طرح ہے، لہٰذا اگر ایک ہی تحریمہ کے ساتھ کوئی چار رکعت ادا کرے تو بھی جب وہ تیسری رکعت کی طرف اٹھتا ہے تو یہ اسی طرح ہے گویا یہ نئی تحریمہ ہے، نئی تحریمہ ہے۔

اب مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں، قراءت کے مسائل ذکر ہوئے تھے اور بتلایا تھا کہ نفلوں کی ہر رکعت کے اندر قراءت پڑھنا واجب ہے، فرض ہے بھئی، فرض ہے۔

تو اولاً یہ ذکر کر رہے ہیں کہ جس نے ایک دفعہ نفل شروع کر دیے شروع کرنے سے پہلے تو وہ نفل ہیں لیکن جب شروع کر دیے تو اب وہ واجب ہو گئے۔ اب اگر ان

کو وہ باطل کرتا ہے تو اس کو ان کی قضا کرنا پڑے گی، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، نفل نفل ہی ہیں بے شک شروع بھی کیوں نہ کر دیے جائیں، لہٰذا اگر ان کو وہ فاسد کر دیتا ہے تو بعد میں اس پر ان کی قضا ان کی قضا اس پر نہیں ہے بھئی۔

جبکہ ہم کہتے ہیں قضا ائے گی۔ جب تک شروع نہیں کیے تھے اس کو اختیار تھا نہ شروع کرتا، لیکن جب شروع کر دیے اب پورا کرنا پڑے گا، کیونکہ اللہ فرماتے ہیں قرآن میں: ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾، تم اپنے عملوں کو باطل نہ کرو، اور یہ بھی اعمال میں سے ایک عمل ہے، عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے، لہٰذا اس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری اور باطل ہونے سے یہ بچانے کی یہی صورت ہے کہ اس کی قضا کی جائے اور اس کو پورا کر لیا جائے۔

کہتے ہیں صاحب قدوری فرماتے ہیں: «قَالَ: وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ»، اور جو شخص نفلوں میں شروع ہوا، «ثُمَّ أَفْسَدَهَا»، پھر ان کو فاسد کر دیا، «قَضَاهَا»، تو ان کی قضا کرے گا۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ»، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر قضا نہیں ہے اس کی، «لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ فِيهِ»، اس لیے کیونکہ وہ ان کے کرنے میں متبرع تھا۔ ان میں کیا تھا؟ متبرع۔ متبرع کہتے ہیں وہ شخص جو اپنی جانب سے کوئی چیز دے، اپنی جانب سے کوئی فعل کرے جو اس پر لازم نہ ہو، جو اس پر لازم نہ ہو، مثلاً بھئی آپ کسی شخص کو اپنے ساتھی کو ویسے ہی کچھ رقم دے دیتے ہیں، نہ آپ پر قرض وغیرہ دین کچھ بھی نہیں تھا، آپ یہ اپنی طرف سے دے رہے ہیں، آپ پر یہ پیسے دینا لازم نہیں تھے، تو اس کو کہیں گے تبرع۔ کیا کہیں گے؟ تبرع، اور آپ متبرع ہوئے۔ اسی طرح نفل ادا کرنے والا بھی متبرع ہے، یہ نفل اس کے ذمے لازم نہیں تھے، وہ اپنی طرف سے ان کو ادا کر رہا ہے ثواب کی نیت سے، تو یعنی جو کام یہ ثواب کی نیت سے کیا جائے وہ ہے تبرع بھئی، کیا ہے؟ یعنی زائد چیز جو انسان پر لازم نہ ہو۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ فِيهِ»، کیونکہ نفل پڑھنے والا نفلوں کے پڑھنے میں متبرع ہے، یہ اس پر لازم نہیں تھے، «وَلَا لُزُومَ عَلَى الْمُتَبَرِّعِ»، اور متبرع پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، تو اس پر اس کو لازم نہیں قرار دیں گے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا»، اور ہماری دلیل یہ ہے، «أَنَّ الْمُؤَدَّى وَقَعَ قُرْبَةً»، کہ وہ جو ادا کر دیا گیا وہ قربت ہو کر واقع ہوا ہے۔ بھئی دیکھیے! نفل نفل ہی تھے، لیکن جب ایک دفعہ شروع کر دیے تو جو کچھ حصہ کے بعد اس نے فاسد کر دیے، پورے نہیں کیے، کیا کیا ان کو؟ فاسد۔ تو کچھ حصہ گزر گیا یا نہیں؟ گزر گیا، اور وہ تو کیا تھا؟ عبادت تھا، کیا تھا؟ عبادت تھا، اور اب اس نے فاسد کر دیا ہے اس کو، تو لہٰذا وہ جو حصہ ادا ہو چکا اس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری ہے، اور اس کے بچانے کی یہی صورت ہے کہ بعد میں اس کی کیا کی جائے؟ قضا، ورنہ تو وہ حصہ بھی باطل چلا جائے گا بھئی۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

تو ہماری دلیل یہ ہے: «أَنَّ الْمُؤَدَّى وَقَعَ قُرْبَةً»، کہ وہ جو ادا کر دیا گیا یعنی کچھ حصہ جو ادا کر دیا گیا تھا جس کے بعد اس نے پھر نفلوں کو فاسد کر دیا، وہ حصہ جو ادا کر دیا گیا ہے «وَقَعَ قُرْبَةً»، وہ قربت واقع ہوا ہے یعنی عبادت کے طور پر واقع ہوا ہے۔ قربت، عبادت کو جو اللہ کے قرب کا سبب ہو، وہ قربت واقع ہوا ہے، «فَيَلْزَمُ الْإِتْمَامُ»، تو اس کو پورا کرنا لازم ہے، «ضَرُورَةَ صِيَانَتِهِ عَنِ الْبُطْلَانِ»، «ضَرُورَةَ صِيَانَتِهِ»، اس کو بچانا ضروری ہونے کی وجہ سے، کس چیز سے بچانا؟ «عَنِ الْبُطْلَانِ»، اس وجہ سے اس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری ہے، اس لیے پورا کرنا لازم ہو گا، اور باطل ہونے سے بچانا کیوں ضروری؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾، تم اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔

«وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَقَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ وَقَعَدَ ثُمَّ أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ قَضَى رَكْعَتَيْنِ لِأَنَّ الشَّفْعَ الْأَوَّلَ قَدْ تَمَّ». صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے چار رکعت کی نیت کے ساتھ نفل پڑھنا شروع کیے، چار رکعت پڑھنے کی نیت کی، اور پہلی دو رکعتوں میں اس نے قراءت بھی کی اور دو رکعتوں کے بعد اس نے قعدہ بھی کیا، اور پھر اگلی دو رکعتوں کو اس نے فاسد کر دیا، فاسد کر دیا، تو پھر اس پر صرف دو رکعتوں کی قضا ہے، کتنی رکعتوں کی؟ دو رکعتوں کی، اس لیے کیونکہ آپ پڑھ چکے کہ نفلوں کے اندر ہر دو رکعت جو ہیں وہ علیحدہ نماز ہیں، اور پہلی دو رکعتوں میں اس نے قراءت بھی کی تھی اور آخر میں دو رکعت کے بعد قعدہ بھی کیا تھا تو وہ دو پہلی رکعتیں پوری ہو گئیں، اور اگلی دو رکعتیں وہ الگ نماز ہیں ان کو اس نے فاسد کیا ہے تو صرف اس کی قضا اس پر آئے گی، آخری دو رکعتوں کی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ چاروں رکعتوں کی قضا نہیں، یہ بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: «وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا»، اور اگر اس نے چار رکعت پڑھیں یعنی چار رکعت شروع کیں چار رکعت کی نیت سے نماز، «وَقَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ»، اور قراءت کی پہلی دو رکعتوں میں، «وَقَعَدَ»، اور پھر کیا کیا؟ قعدہ کیا، بیٹھا دو رکعتوں کے بعد، یہ قید ضروری ہے، اس لیے کیونکہ اگر اس نے قعدہ نہ کیا، دو رکعتیں پڑھنے کے بعد قعدہ نہیں کیا، بھول کر کھڑا ہو گیا اور پھر اگلی دو کو فاسد کر دیا، تو اب اگلی دو تو ہوئیں فاسد ان کی تو قضا ہے ہی، پہلی دو بھی فاسد ہو گئیں کیونکہ ان کے اندر قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور قعدہ اخیرہ تو کیا ہوتا ہے نماز کے اندر؟ فرض ہوتا ہے، اور فرض رہ جائے تو نماز ہی نہیں، تو پہلی دو بھی فاسد ہو گئیں اور آخری دو کو اس نے فاسد کر دیا تو چاروں کی قضا اس کو کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اسی لیے کہا: «وَقَعَدَ»، اور وہ بیٹھا بھی دو رکعت کے بعد، «ثُمَّ أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ»، پھر اس نے آخری دو کو فاسد کر

دیا، «قَضَى رَكْعَتَيْنِ»، تو دو رکعت کی قضا کرے گا، اور کون سی والی دو؟ آخری والی دو جو ہیں۔ «لِأَنَّ الشَّفْعَ الْأَوَّلَ قَدْتَمَّ»، اس لیے کیونکہ پہلا شفع وہ تحقیق مکمل ہو چکا ہے یعنی پہلی دو رکعت مکمل ہو چکی ہیں کیونکہ اس میں قراءت بھی اس نے کی ہے اور قعدہ بھی کیا ہے۔

■ مسئلہ: وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ تَحْرِيمَةٍ...

«وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ تَحْرِيمَةِ الْمُبْتَدَأَةِ»، اور تیسری رکعت کی طرف اٹھنا یہ نئی تحریمہ کے درجے میں ہے۔ نفلوں میں آپ پڑھ چکے، جب تیسری رکعت کے لیے انسان اٹھتا ہے تو یہ کس کے درجے میں ہے؟ نئی تحریمہ کے درجے میں ہے، گویا نئے سرے سے تکبیر تحریمہ وہ کہہ رہا ہے، دو الگ نفل اب وہ گویا پڑھ رہا ہے۔ تو یہ قیام کس کے درجے میں ہوا؟ نئی تحریمہ کے درجے میں ہوا، «فَيَكُونُ مُلْزِمًا»، تو یہ قیام اس پر ان نفلوں کو یعنی اس آخری شفعے کو لازم کرنے والا ہے۔ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ بھئی نفل جب تک شروع نہیں کیے وہ نفل ہیں لیکن جب ایک دفعہ شروع کر دیے وہ کیا ہو جاتے ہیں؟ واجب ہو جاتے ہیں۔ تو گویا تکبیر تحریمہ جب کسی نے کہہ دی تو اس پر وہ نفل کیا ہو گئے؟ واجب ہو گئے۔ اور یہاں پر تیسری رکعت کی طرف اٹھنا یعنی یہ جو قیام ہے تیسری رکعت کی طرف، یہ کس کے درجے میں؟ تحریمہ کے درجے میں، لہٰذا جب یہ قیام پایا جائے گا، وہ تیسری رکعت کی طرف اٹھ جائے گا تو گویا اس نے نئی تحریمہ باندھ لی، نئی تحریمہ سے نماز شروع کر دی، تو یہ قیام تحریمہ کے درجے میں، اور تحریمہ تو کیا کرتی تھی؟ نفلوں کو لازم کر دیتی تھی، واجب کر دیتی تھی، تو یہ قیام بھی کیا کر دے گا اس پر نفلوں کو؟ واجب کر دے گا۔ یہ معنی ہے: «وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ تَحْرِيمَةِ الْمُبْتَدَأَةِ فَيَكُونُ مُلْزِمًا»، اور تیسری رکعت کی طرف اٹھنا یہ نئی تحریمہ کے درجے میں ہے تو یہ قیام اس پر لازم کرنے والا ہے یعنی اگلی دو رکعتوں کو۔

«هَذَا إِذَا أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ بَعْدَ الشُّرُوعِ فِيهِمَا»، اور یہ مسئلہ اس وقت ہے جب اس نے آخری دو رکعتوں کو فاسد کیا ہو ان میں شروع ہو جانے کے بعد یعنی آخری دو کو شروع کر دیا تھا، ان کے لیے اٹھ گیا تھا، پھر ان کو فاسد کیا تو ان کی قضا کرنا پڑے گی جیسا متن میں آیا، آخری دو کے لیے وہ اٹھ گیا تھا پھر ان کو فاسد کیا ہے۔

«وَلَوْ أَفْسَدَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي»، اور اگر اس نے فاسد کر دیا شفع ثانی میں شروع ہونے سے پہلے ہی، اگر کیا کیا؟ شفع ثانی میں شروع ہونے سے پہلے ہی نماز کو فاسد کر دیا، مثلاً بھئی چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کی، دو رکعتیں پوری ہو گئیں، اس میں اس نے قراءت بھی کی ہے سارے ارکان ادا کیے، آخر میں قعدہ بھی کر لیا، اب تیسری کے لیے اٹھا نہیں تھا اس سے پہلے اس نے ان کو فاسد کر دیا، تو جب اٹھا نہیں تو اگلی دو اس پر لازم نہیں، اور اس میں پہلی دو کے لیے تو وہ قعدہ بھی کر چکا تو وہ پوری ہو گئیں، وہ ادا ہو گئیں، اور آخری دو کی اس پر قضا نہیں کیونکہ اس نے ان کو ابھی شروع ہی نہیں کیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: «وَلَوْ أَفْسَدَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي لَا يَقْضِي الْأُخْرَيَيْنِ»، اور اگر اس نے فاسد کر دیا نماز کو شفع ثانی میں یعنی آخری دو رکعتوں میں شروع ہونے سے پہلے ہی تو یہ آخری دو کی قضا نہیں کرے گا کیونکہ وہ اس پر لازم ہی نہیں ہوئیں، کیونکہ اس نے قیام ہی نہیں کیا، قیام تحریمہ کے درجے میں تھا، قیام پایا جاتا تیسری رکعت کی طرف تو وہ اس پر لازم ہو جاتیں، لیکن اس نے تو وہ قیام کیا ہی نہیں، اس سے پہلے ہی نماز کو فاسد کر دیا۔

اور یاد رکھیے یہ مذہب ہے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک بھئی، طرفین۔ بلکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، البتہ اولاً وہ ان کا اور قول تھا جو آگے ذکر ہو رہا ہے، بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا، تو اس قول کے مطابق امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، آخری دو کی وہ قضا کرے گا۔ طرفین تو فرماتے ہیں تیسری رکعت کی طرف اٹھنے سے پہلے ہی نماز کو فاسد کر دیا تو پہلی دو پوری ہو چکیں، اگلی نے لازم ہونا تھا قیام کے بعد، لیکن اس نے تو قیام کیا ہی نہیں اس سے پہلے ہی فاسد کر دیا تو اگلی دو بھی اس پر لازم نہیں، لہٰذا ان کی قضا بھی اس کے ذمے نہیں، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، کہ اگلی دو کی قضا اس کے ذمے لازم ہے بھئی۔ یہ ایک روایت آئی کس سے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے جس سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔

کہتے ہیں: «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَقْضِي»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ قضا کرے گا یعنی آخری دو کی، «اعْتِبَارًا لِلشُّرُوعِ بِالنَّذْرِ»، وہ قیاس کرتے ہیں شروع کرنے کو نذر پر، منت پر، کس پر قیاس کرتے ہیں؟ منت پر۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے چار رکعت کی نیت سے نفل شروع کیے تو چاروں اس پر لازم ہو گئے۔ دو اس میں سے پورے کر چکا ہے اور دو ابھی باقی ہیں تو اس کو ان کی قضا کرنا پڑے گی، کیونکہ شروع کرنے سے کوئی چیز لازم ہو جاتی ہے، اور اس نے بھی کس نیت سے شروع کیے تھے؟ دو رکعت یا چار رکعت؟ چار رکعت کی نیت سے شروع کیے تھے تو چار اس پر لازم ہو گئے تھے، اور ان میں سے دو پورے کر چکا ہے دو ابھی بھی اس کے ذمے باقی ہیں، اور وہ اس کو کس پر قیاس کرتے ہیں؟ منت پر، کہ جیسے منت سے کوئی چیز کسی پر واجب ہو جاتی ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی ایک چیز، آپ منت مانگتے ہیں کہ اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں چار نفل پڑھوں گا، اور وہ کام آپ کا ہو جاتا ہے تو آپ پر چار نفل کیا ہو جاتے ہیں؟ لازم۔ تو منت سے جیسے کوئی چیز لازم ہوتی ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی چیز لازم ہو جاتی ہے۔ یہ معنی ہے: «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَقْضِي اعْتِبَارًا لِلشُّرُوعِ بِالنَّذْرِ»، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ قضا کرے گا قیاس کرتے ہوئے شروع کرنے کو، کس پر شروع کو انہوں نے قیاس کیا ہے؟ شروع کو قیاس کرتے ہوئے بنذر، منت پر۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا

«وَلَهُمَا»، اور طرفین کی دلیل یہ ہے، «أَنَّ الشُّرُوعَ مُلْزِمٌ مَا شُرِعَ فِيهِ وَمَا لَا صِحَّةَ لَهُ إِلَّابِهِ». بھئی توجہ سے سننا بھئی! طرفین فرماتے ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کیا دلیل آئی؟ کہ شروع کرنے سے ایک چیز لازم ہو جاتی ہے جیسے منت کی وجہ سے ایک چیز لازم ہو جاتی ہے۔ طرفین فرماتے ہیں ہاں، آپ کی بات ٹھیک ہے، کوئی چیز شروع کی جائے تو وہ لازم ہو جاتی ہے، لیکن کیا کیا لازم ہوتا ہے؟ وہ فرماتے ہیں: ایک تو جس چیز کو شروع کیا وہ لازم ہوتی ہے، اور ایک جس پر اس کا وجود موقوف ہے وہ لازم ہو گی۔

توجہ ہے؟ شروع کرنے سے کیا چیز لازم ہو گی؟ ایک جس کو شروع کیا، تو جیسے ہی اس نے شروع کیا تھا اور شروع کس کو کیا تھا؟ پہلی رکعت کو، کس کو؟ پہلی کو، تو پہلی رکعت اس پر لازم ہو گئی۔ اور اکیلی ایک رکعت کی تو نماز ہوتی نہیں، اس کے ساتھ کیا ضروری ہے؟ دوسری رکعت کا ملانا بھی ضروری ہے، کیونکہ ادھوری نماز پڑھنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے ایک رکعت والی نماز سے، تو پہلی رکعت تب ہی صحیح ہو گی جب اس کے ساتھ آپ کیا کریں؟ دوسری رکعت ملائیں گے تو یہ نفل بنیں گے، ایک رکعت تو نماز پوری نہیں، تو شروع کرنے کی وجہ سے وہ چیز لازم ہوتی ہے جس میں شروع ہوا اور وہ کون سی رکعت ہے؟ پہلی، اور وہ چیز بھی لازم ہو گی جس پر اس جس چیز کو شروع کیا ہے اس کا وجود موقوف ہو، کس کو شروع کیا ہے؟ پہلی رکعت، اور پہلی رکعت کا وجود کس پر موقوف ہے؟ دوسری پر، دوسری ملائے گا تو نماز پوری ہو گی ورنہ تو نماز ہی پوری نہیں۔ تو لہٰذا شروع کرنے سے ایک وہ چیز لازم ہوتی ہے جس کو شروع کیا جائے، اور ایک وہ چیز لازم ہوتی ہے جس پر اس کا وجود موقوف ہے کہ اس کے بغیر یہ ہوتی ہی نہیں۔ تو لہٰذا دوسری بھی اس پر لازم ہو جائے گی، لیکن مزید آگے کی رکعتیں اس پر لازم نہیں، کیونکہ آخری دو رکعتیں جو ہیں ان میں ابھی شروع بھی نہیں ہوا، لہٰذا وہ اس لیے بھی نہیں لازم، نیز آخری دو پر پہلی دو کا وجود بھی موقوف نہیں ہے، پہلی دو پوری ہو جائیں گی یا نہیں جب قعدہ کر لے گا؟ ہو جائیں گی، تو پہلی دو کا وجود آخری دو کے وجود پر موقوف بھی نہیں، لہٰذا اس لیے وہ بھی واجب نہیں۔ تو شروع کرنے سے کون سی چیز واجب ہوتی ہے؟ ایک وہ جس کو شروع کیا جائے، دوسری وہ جس پر اس کا وجود موقوف ہو۔ لہٰذا پہلی رکعت واجب کیونکہ اس میں شروع ہوا، دوسری رکعت بھی واجب کیونکہ اس پر پہلی کا وجود موقوف ہے، لیکن تیسری اور چوتھی رکعت وہ واجب نہیں کیونکہ ایک ان میں شروع بھی نہیں ہوا اور ان پر پہلی دو رکعتوں کا وجود بھی موقوف نہیں۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

«وَلَهُمَا»، طرفین کی دلیل یہ ہے: «أَنَّ الشُّرُوعَ مُلْزِمٌ»، کہ شروع کرنا یہ لازم کر دیتا ہے، کس چیز کو؟ «مُلْزِمٌ مَا شُرِعَ فِيهِ»، اس چیز کو جس میں شروع ہوا جائے، شروع کرنا یہ لازم کرنے والا ہے اس چیز کو جس میں شروع ہوا جائے، «وَمَا لَا صِحَّةَ لَهُ إِلَّابِهِ»، اور اس چیز کو لازم کرنے والا ہے شروع کرنا، ایک تو اس چیز کو لازم کرنے والا ہے جس میں شروع ہوا جائے اور ایک اس چیز کو کہ اس کی صحت یعنی اس کا صحیح ہونا ہی نہیں ہے بغیر اس کے، اس جس میں شروع ہوا ہے اس کا صحیح ہونا ہے ہی نہیں بغیر اس کے یعنی جس وہ جس پر یہ موقوف ہے یعنی دوسری رکعت بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ یہ معنی ہے: «أَنَّ الشُّرُوعَ مُلْزِمٌ مَا شُرِعَ فِيهِ وَمَا لَا صِحَّةَ لَهُ إِلَّابِهِ»، کہ شروع کرنا یہ لازم کرنے والا ہے اس چیز کو جس میں شروع ہوا جائے اور اس چیز کو لازم کرنے والا ہے کہ اس جس میں شروع ہوا ہے اس کی صحت ہی نہیں ہے مگر اس کے ساتھ یعنی یہ اس پر موقوف ہے، یعنی یوں کہیں آسان لفظوں میں کہ شروع کرنا جس چیز میں شروع ہوا جائے اس کو بھی لازم کرتا ہے اور جس پر یہ شروع والی چیز جس میں شروع ہوا جس اس کا وجود جس پر موقوف ہے اس کو بھی لازم کر دیتا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

■ مسئلہ: وَصِحَّةُ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا تَتَعَلَّقُ بِا...

«وَصِحَّةُ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا تَتَعَلَّقُ بِالثَّانِي»، اور پہلے شفع کا صحیح ہونا اس کا تو تعلق شفع ثانی کے ساتھ ہے ہی نہیں، لہٰذا ثانی واجب نہیں ہو گا، «بِخِلَافِ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ»، بخلاف رکعت دوسری رکعت کے کہ وہ واجب ہو گی کیونکہ اس پر پہلی رکعت موقوف ہے، پہلی رکعت کی صحت ہی تب ہو گی جب دوسری رکعت پائی جائے گی بھئی۔

«وَعَلَى هَذَا سُنَّةُ الظُّهْرِ لِأَنَّهَانَافِلَةٌ»، اور اسی اختلاف پر ہیں ظہر کی سنتیں بھی، «لِأَنَّهَا نَافِلَةٌ»، کیونکہ وہ بھی نفل ہیں، کیونکہ آپ پڑھ چکے کہ سنتیں بھی دراصل نفل ہیں لیکن ان کو سنت کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر پابندی فرمائی ہے اور ان کی تاکید فرمائی ہے، تو اسی اختلاف پر ظہر کی سنتیں بھی ہیں۔ اچھا، اسی اختلاف پر ظہر کی سنتیں بھی ہیں کیونکہ وہ نفل ہیں، تو اگر دو رکعتیں پڑھنے کے بعد قعدہ کیا اور پھر تیسری کے لیے اٹھنے سے پہلے ہی ان کو فاسد کر دیا، کیا کر دیا؟ فاسد، تو آخری دو کی قضا واجب نہیں کس کے نزدیک؟ طرفین کے نزدیک، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قضا واجب ہے، قضا۔ تو گویا طرفین کے نزدیک اب اس شخص کے ذمے دو رکعت سنتیں باقی ہیں، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دو رکعتیں واجب باقی ہیں اب اس کے ذمے، یہ فرق آجائے گا۔ فرق سمجھ میں آیا؟ سنت تو ہے ہی بہر حال چار رکعتیں، لیکن کہتے ہیں: «وَقِيلَ يَقْضِي أَرْبَعًا»، کہا گیا یعنی بعض مشائخ ہمارے فرماتے ہیں: «يَقْضِي أَرْبَعًا»، کہ اس میں چار ہی کی قضا کرے، کیا کرے؟ چار کی قضا کرے اکٹھی، احتیاطاً، بطور احتیاط کے، «لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ»، اس لیے کیونکہ یہ ایک ہی نماز کے درجے میں ہیں، ایک

نماز کے درجے میں ہیں۔ ورنہ تو مسئلہ کیا بن رہا تھا؟ ضابطے کے مطابق طرفین کے نزدیک دو رکعت اور پڑھے گا اور وہ کیا ہوں گی؟ سنت ہوں گی، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دو رکعت پڑھے گا لیکن اب وہ واجب ہوں گی وہ اب قضا کر رہا ہے ان کی، تو لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ چاروں دوبارہ پڑھے کیونکہ یہ چار رکعتیں جو سنت ہیں ایک سلام کے ساتھ حضور علیہ السلام ان کو ادا فرماتے تھے تو ایک سلام کے ساتھ ان کو پڑھے پھر۔

«وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَلَمْ يَقْرَأْ فِيهِنَّ شَيْئًا أَعَادَ رَكْعَتَيْنِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقْضِي أَرْبَعًا». «وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا»، اور اگر نماز پڑھنے والے نے چار رکعتیں پڑھیں، «وَلَمْ يَقْرَأْ فِيهِنَّ شَيْئًا»، اور ان میں کسی کے اندر بھی قراءت نہیں کی، ان میں کوئی قراءت نہیں کی کسی بھی یعنی رکعت میں، «أَعَادَ رَكْعَتَيْنِ»، تو دو رکعتوں کا اعادہ کرے گا، دو رکعتوں کی قضا کرے گا، «وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ»، اور یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے، «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقْضِي أَرْبَعًا»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ چار کی قضا کرے گا۔

■ صورت مسئلہ یہ ہے: ایک آدمی نے نفل پڑھنا شروع کیے اور چار رکع

صورت مسئلہ یہ ہے: ایک آدمی نے نفل پڑھنا شروع کیے اور چار رکعت کی نیت سے شروع کیے، چار رکعت کی نیت سے، اور پھر چار رکعت تو اس نے پڑھ لیے لیکن ایک رکعت میں بھی اس نے قراءت نہیں کی، جب قراءت نہیں کی تو یہ فاسد ہو گئے، اور جب فاسد ہوئے اب ان کی قضا کرنا پڑے گی شروع کرنے کے بعد فاسد ہوئے ہیں۔ تو کتنے کی قضا کرے گا؟ طرفین فرماتے ہیں دو رکعت کی قضا کرے گا، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے چار کی نیت سے شروع کیے تھے لہٰذا اکتنے کی قضا کرے گا؟ چار رکعت کی قضا کرے گا۔ یہ معنی ہے کہ امام صاحب کے طرفین کے نزدیک دو رکعت اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چار رکعت۔

«وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى ثَمَانِيَةِ أَوْجُهٍ»، اور یہ مسئلہ آٹھ صورتوں پر ہے، آٹھ صورت۔ بھئی یہاں آٹھ صورتیں بنتی ہیں، آٹھ صورتیں۔ آٹھ صورتیں بنتی ہیں قراءت کو چھوڑنے کے اعتبار سے۔ پہلی صورت جو متن میں ذکر ہوئی: چاروں میں قراءت نہیں کی۔ چاروں میں ہی؟ قراءت نہیں۔ دوسری صورت: پہلی دو میں قراءت نہیں کی، آخری دو میں قراءت کی، یہ دوسری صورت۔ تیسری صورت اس کا عکس کر دو: پہلی دو میں کی، آخری دو میں قراءت نہیں کی، کتنی صورتیں ہو گئیں؟ تین۔ اچھا، اور چوتھی صورت: چوتھی صورت کہ پہلی کے صرف ایک رکعت میں قراءت نہیں کی، باقی سب میں قراءت کی، یہ کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار۔ پانچویں صورت: آخری دو میں سے ایک کے اندر قراءت کو چھوڑ دیا باقی سب میں قراءت کی، کتنی ہو گئیں؟ پانچ صورتیں۔ چھٹی صورت: چھٹی صورت کہ پہلی دونوں میں بھی نہیں کی اور آخری کے ایک میں بھی نہیں کی قراءت، یعنی آخری دو میں سے کسی ایک میں قراءت کی ہے بس پوری نماز میں، چھ ہو گئیں۔ ساتویں صورت: پہلی دو میں سے صرف کسی ایک میں قراءت کی ہے باقی کسی میں بھی قراءت نہیں کی، کتنی ہو گئیں؟ سات صورتیں۔ اور آٹھویں صورت: پہلی کے ایک میں بھی قراءت نہیں کی اور آخری میں سے بھی کسی ایک کے اندر قراءت نہیں کی، یہ آٹھ صورتیں ہیں۔ توجہ ہے؟ کتنی صورتیں ہیں؟ قراءت چھوڑنے کی صورتیں ان چار رکعتوں میں جن میں مسائل مختلف ہوتے ہیں ان پہ نتیجہ مرتب ہو گا ان کے قوانین کے مطابق۔ پہلی صورت کیا ہے؟ چاروں میں قراءت نہیں کی۔ دوسری صورت؟ پہلی دو میں نہیں کی۔ تیسری صورت؟ آخری دو میں نہیں کی۔ چوتھی صورت؟ ہاں پہلے شفعے میں ایک میں قراءت کو چھوڑ دیا۔ اگلی صورت؟ آخری شفعے میں ایک کے اندر قراءت کو چھوڑ دیا۔ اور چھٹی صورت؟ یعنی یوں کہیں، آخری ایک رکعت میں قراءت کی باقی پہلی دونوں میں بھی نہیں کی اور آخری کے کسی ایک میں بھی نہیں۔ اور ساتویں صورت اس کا عکس: پہلے شفعے کے ایک رکعت میں کی باقی آخری دو میں بھی نہیں کی اور پہلی کے کسی ایک میں بھی نہیں۔ یہ ساتویں صورت۔ آٹھویں صورت: دونوں میں ایک ایک کے اندر قراءت کو چھوڑ دیا۔ آٹھ صورتیں بنتی ہیں، یہ ذہن میں رہیں گی یا مشکل ہو گئیں؟ ایک صورت چاروں میں چھوڑ دیا قراءت کو، دوسری صورت پہلی دونوں میں چھوڑ دیا، تیسری صورت آخری دونوں میں چھوڑ دیا، چوتھی صورت دونوں کے، جو بھی ترتیب بنالیں، دونوں کی ایک ایک رکعت میں قراءت کو چھوڑ دیا، اچھا، پانچویں صورت پہلی دونوں میں چھوڑ دیا آخری میں ایک کو میں چھوڑ دیا، اگلی صورت آخری دونوں میں چھوڑ دیا اور پہلی میں سے ایک کے اندر چھوڑ دیا، اور اور کون سی صورت؟ تو بہر حال یہ آٹھ صورتیں بنتی ہیں بھئی، آٹھ صورتیں، آٹھ صورتیں۔ کس طرح اس کو ضبط کریں، کس طرح یاد رکھیں گے بھئی؟ یوں کہیں قراءت کی کن کن صورت کن کن رکعتوں میں کی اس سے ذرا ترتیب بنائیں: پہلی صورت کسی میں قراءت نہیں کی، دوسری صورت پہلے شفعے میں دونوں میں کی آخری میں نہیں کی، تیسری صورت آخری دو میں کی اور پہلے دو میں نہیں کی، چوتھی صورت پہلے شفعے کے صرف ایک میں قراءت کو چھوڑا ہے بس باقی سب میں کی ہے، پانچویں صورت آخری شفعے میں ایک کو قراءت کو ایک میں قراءت کو چھوڑا ہے باقی سب میں قراءت کی ہے، چھٹی صورت دونوں کے ایک ایک میں قراءت نہیں کی، پہلے شفعے میں بھی ایک میں قراءت کو چھوڑ دیا دوسرے میں بھی ایک کو چھوڑ دیا، ساتویں صورت پہلے دونوں میں نہیں کی اور آخری ایک میں نہیں کی، آٹھویں صورت کہ آخری دونوں میں بھی قراءت نہیں کی اور پہلی دونوں میں سے ایک کے اندر کی اور ایک کے اندر نہیں کی، تو یہ آٹھ صورتیں ہو گئیں بھئی آٹھ صورتیں۔

تو کہتے ہیں: «وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى ثَمَانِيَةِ أَوْجُهٍ»، اور یہ مسئلہ جو ہے آٹھ صورت پر ہے، «وَالْأَصْلُ فِيهَا»، اب ضابطے ذکر کریں گے پھر آپ

نے مجھے بتانا ہے کہ کس صورت میں مسئلہ کس کے نزدیک کیا ہو گا، ہمارے تینوں ائمہ کے ضابطے یہاں الگ الگ ہیں دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «وَالْأَصْلُ فِيهَا»، اصل اس کے اندر یہ ہے، «أَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرْكُ الْقِرَاءَةِ فِي الْأُولَيَيْنِ أَوْ فِي إِحْدَاهُمَا يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ»، کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی دونوں میں قراءت کو چھوڑنا یا دونوں میں سے ایک میں قراءت کو چھوڑنا «يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ»، «يُوجِبُ» أَيْ «يُثْبِتُ»، یہاں «يُوجِبُ» کس معنی میں ہے؟ «يُثْبِتُ»، پہلی دونوں میں یا دونوں میں سے ایک میں قراءت کو چھوڑنا یہ بطلان تحریمہ کو ثابت کرتا ہے یعنی تحریمہ باطل ہو جائے گی۔ اگر پہلی دونوں میں قراءت کو چھوڑا یا دونوں میں سے ایک میں قراءت کو چھوڑ دیا تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ ہی باطل ہو جائے گی۔ تحریمہ ہی کیوں باطل ہو گی؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا تُعْقَدُ لِلْأَفْعَالِ»، اس لیے کیونکہ تحریمہ جو ہے اس کو باندھا جاتا ہے افعال کے لیے، کس کے لیے؟ نماز کے افعال ادا کرنے کے لیے، اور افعال کو تو اس نے فاسد کر دیا قراءت کو چھوڑ کر، قراءت تو فرض تھی اس نے کیا کیا؟ فرض کو چھوڑ کر ان نماز کے افعال کو فاسد، جب اعمال فاسد ہو گئے تو تحریمہ ہی کیا ہو گئی؟ باطل ہو گئی۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

■ مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَرْكُ الخ...

«وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرْكُ الْقِرَاءَةِ فِي الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قراءت کا چھوڑنا پہلے شفعہ میں، چاہے ایک میں چھوڑے چاہے دونوں میں چھوڑے، «لَا يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ»، أَيْ «لَا يُثْبِتُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ»، یہ بطلان تحریمہ کو ثابت نہیں کرتا یعنی اس سے تحریمہ باطل نہیں ہو گی۔ نماز میں خرابی تو آ جائے گی وہ فرماتے ہیں، لیکن تحریمہ باطل نہیں ہو گی، «وَإِنَّمَا يُوجِبُ فَسَادَ الْأَدَاءِ»، تحریمہ تو باطل نہیں ہو گی، «وَإِنَّمَا يُوجِبُ فَسَادَ الْأَدَاءِ»، ہاں البتہ یہ فساد ادا کو ثابت کرے گا۔ اگر پہلی دو میں کیا کیا؟ قراءت کو چھوڑ دیا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تو یہ تحریمہ کو تو باطل نہیں کرے گا البتہ ادا کو فاسد کر دے گا، «يُوجِبُ فَسَادَ الْأَدَاءِ»، یہ فساد ادا کو ثابت کر دے گا، صرف ادا فاسد ہو گی۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ رُكْنٌ زَائِدٌ»، اس لیے کیونکہ قراءت ایک زائد رکن ہے، ہے تو نماز کا رکن لیکن رکن زائد ہے۔ «أَلَا تَرَى أَنَّ لِلصَّلَاةِ وُجُودًا بِدُونِهَا؟»، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ نماز کا وجود بغیر قراءت کے بھی پایا جاتا ہے؟ جیسے گونگے کی نماز، گونگا نماز پڑھتا ہے وہ تو قراءت کرنے پر قادر ہی نہیں ہے تو دیکھو نماز پائی جا رہی ہے اور بغیر قراءت کے ہے، معلوم ہوا یہ قراءت رکن تو ہے لیکن کیا ہے؟ رکن زائد ہے۔ «غَيْرَ أَنَّهُ لَا صِحَّةَ لِلْأَدَاءِ إِلَّا بِهَا»، مگر یہ مگر یہ کہ «لَا صِحَّةَ لِلْأَدَاءِ»، ادا صحیح نہیں ہے «إِلَّا بِهَا»، مگر قراءت کے ساتھ یعنی ادا قراءت کے بغیر صحیح نہیں ہے، یعنی ادا فاسد ہو جائے گی، ادا کیا ہو گی؟ فاسد ہو جائے گی۔ «وَفَسَادُ الْأَدَاءِ لَا يَزِيدُ عَلَى تَرْكِهِ»، اور فساد ادا جو ہے یہ بڑھ کر نہیں ہے «عَلَى تَرْكِهِ»، أَيْ «تَرْكِ الْأَدَاءِ»، ترک ادا پر، فساد ادا ترک ادا پر زائد نہیں ہے، اس سے بڑھ کر نہیں، «فَلَا يُبْطِلُ التَّحْرِيمَةَ»، لہٰذا تحریمہ باطل نہیں۔

بھئی دیکھیے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے شفعہ میں قراءت کو کوئی چھوڑ دے، چاہے ایک میں چھوڑے چاہے دونوں کو چھوڑے، اس سے تحریمہ باطل نہیں ہو گی۔ صرف ادا کے اندر فساد اور خرابی آئے گی، اور تحریمہ کیوں نہیں باطل ہو گی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس نے قراءت کو چھوڑا ہے اور قراءت ایک رکن زائد ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ قراءت کے بغیر بھی نماز کا وجود پایا جاتا ہے جیسے گونگے کی نماز ہوتی ہے، مگر یہ ہے کہ قراءت ہے تو رکن زائد لیکن اس کو چھوڑنے سے ادا میں فساد آ جاتا ہے، ادا کیا ہو جاتی ہے؟ نماز کی ادا فاسد ہو جاتی ہے، تو فساد کس میں آیا؟ ادا میں، ادا میں۔ اور ایک ہے ادا میں فساد آنا، ادا کا فاسد ہو جانا، اور ایک ہے ادا کو بالکل چھوڑ دینا، کیا بڑھ کر کون سی چیز زیادہ ہے؟ بالکل ادا کو چھوڑ دینا، اور ترک ادا کی صورت میں تحریمہ باطل نہیں ہوتی تو فساد ادا کی صورت میں بطریق اولیٰ تحریمہ باطل نہیں ہو گی۔ وہ کیا فرماتے ہیں؟ قراءت کو چھوڑا ہے تو فساد صرف کس میں آئے گا؟ ادا میں آئے گا، اور تو فساد ادا آیا، اور ایک ہے ترک ادا، ترک ادا کی صورت میں تحریمہ باطل نہیں ہوتی تو فساد ادا کی صورت میں بطریق اولیٰ تحریمہ باطل نہیں ہو گی۔ بھئی ترک ادا میں تحریمہ کیسے باطل نہیں ہوتی؟ بھئی دیکھیے ایک آدمی ہے اس نے نماز پڑھنا شروع کی، ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس کا وضو ٹوٹ گیا، آپ نے حکم پڑھ لیا، کیا کر سکتا ہے وہ؟ بنا کر سکتا ہے یا نہیں؟ وہ یہاں سے پلٹے جائے جا کر سیدھا جا کر وضو کرے اور پھر سیدھا آ کر اسی نماز پر بنا کر لے یعنی وہیں سے نماز شروع کر دے جہاں جس رکن سے وضو ٹوٹا تھا، تو دیکھو بنا کر رہا ہے، بنا کر رہا ہے، درمیان میں کوئی منافی صلاۃ عمل کی اجازت نہیں ورنہ پھر بنا صحیح نہیں، اب دیکھیے یہ جب اس کا وضو ٹوٹا یہ واپس پلٹ کر چل پڑا تو اس نے ادا کو چھوڑ دیا ہے یا نہیں؟ چھوڑ دیا۔ تو دیکھو ترک ادا ہے اور ترک ادا کے باوجود آپ کہہ رہے ہیں کہ بنا کر سکتا ہے، تحریمہ باطل نہیں، تو جب ترک ادا کی صورت میں تحریمہ باطل نہیں ہوتی تو فساد ادا کا درجہ تو اس سے کم ہے اس میں بطریق اولیٰ تحریمہ باطل نہیں ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ معنی ہے: «وَفَسَادُ الْأَدَاءِ لَا يَزِيدُ عَلَى تَرْكِهِ فَلَا يُبْطِلُ التَّحْرِيمَةَ»، اور فساد ادا یہ ترک ادا پر کوئی زائد نہیں ہے، لہٰذا یہ تحریمہ کو باطل نہیں کرے گا۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَرْكُ ا...

«وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرْكُ الْقِرَاءَةِ فِي الْأُولَيَيْنِ يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ»، اور امام صاحب کے نزدیک پہلی دونوں رکعتوں میں قراءت کا چھوڑنا یہ بطلان تحریمہ کو ثابت کرتا ہے یعنی تحریمہ کیا ہو جائے گی؟ اگر پہلی دونوں میں قراءت کو چھوڑا تو تحریمہ کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔ «وَفِي إِحْدَاهُمَا لَا يُوجِبُ»، اور دونوں پہلی دو میں سے کسی ایک میں قراءت کو چھوڑا ہے تو یہ بطلان تحریمہ کو ثابت نہیں، اس صورت میں تحریمہ باطل نہیں ہو گی، «لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ مِنَ التَّطَوُّعِ صَلَاةٌ عَلَى حِدَةٍ»، اس لیے کیونکہ نفلوں میں سے ہر شفعہ جو ہے ہر دو رکعت جو ہے یہ علیحدہ نماز ہے، یہ علیحدہ نماز ہے، «وَفَسَادُهَا بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِي رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ مُجْتَهَدٌ فِيهِ»، اور اس کا فاسد ہونا ایک رکعت میں قراءت چھوڑنے کی وجہ سے مجتہد فیہ، یہ مجتہد فیہ ہے یعنی اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔

بھئی مسئلہ ہم نے پڑھا تھا گزشتہ سبق میں کہ ہمارے نزدیک نفل کی ساری رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ فرض اگر چار رکعت والے ہیں تو اس میں دو رکعت کے اندر قراءت فرض ہے آخری دو میں قراءت فرض نہیں، لیکن اگر نفل پڑھ رہا ہے تو چار رکعت والے نفل ہیں تو چاروں کے اندر قراءت فرض ہے، اس لیے کیونکہ ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے، ہر دو رکعت علیحدہ، اور تو ہر دو رکعت کے اندر قراءت الگ الگ فرض ہے بھئی، فرض ہے۔ لیکن امام لیکن حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جو جلیل القدر تابعی گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک رکعت میں قراءت فرض ہے دونوں میں نہیں فرض، اور وہ دلیل یہی ذکر کرتے ہیں کہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، تو قرآن میں بھی کیا حکم دیا گیا: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾، تو امر، حکم دیا گیا، اور جب ایک رکعت میں قراءت کر لی تو امر پر عمل ہو گیا، امر پر ہاں، اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، لہٰذا ایک رکعت میں قراءت فرض ہے دوسری میں قراءت فرض نہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ جبکہ ہمارے نزدیک بھی امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، ہونا تو یہی چاہیے ایک رکعت میں قراءت فرض ہونی چاہیے، لیکن ہم نے دوسری رکعت میں بھی قراءت کو فرض قرار دیا کیونکہ دوسری رکعت پہلی کے مشابہ ہے ہر اعتبار سے، تو جو پہلی کا حکم وہی دوسری کا بھی حکم، اس لیے دونوں میں قراءت فرض ہے، تفصیل پیچھے بیان ہو گئی تھی۔ تو ہمارے نزدیک دونوں رکعتوں میں قراءت فرض ہوتی ہے، ان کے نزدیک ایک رکعت میں قراءت فرض ہے، معلوم ہوا اس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہے، کیا ہے؟ اجتہاد، جبھی تو حسن بصری رحمہ اللہ گئے کہ ایک رکعت میں قراءت فرض ہے جبکہ ہم نے کیا کہا؟ دونوں میں فرض ہے۔ تو امام صاحب کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پہلی دونوں میں اگر قراءت چھوڑ دے گا تو پھر اس صورت میں تحریمہ باطل ہو جائے گی، اور اگر پہلی دو میں سے ایک کے اندر قراءت کو چھوڑا تو پھر اس صورت میں تحریمہ باطل نہیں ہو گی، اس لیے کیونکہ کیونکہ ایک میں قراءت چھوڑنے کی وجہ سے نماز فاسد ہو گی یا فاسد نہیں ہو گی؟ یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہے، اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، جبھی حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک میں قراءت کو چھوڑ بھی دے تو نماز فاسد نہیں ہو گی جبکہ ہمارے نزدیک فاسد، تو اس لیے ہم نے کہا ایک میں قراءت چھوڑے گا تو پھر نماز تحریمہ باطل نہیں، کیوں نہیں باطل؟ کیونکہ یہ مسئلہ کس قسم کا ہے؟ مجتہد فیہ ہے یعنی اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔

یہ معنی ہے، وہ فرماتے ہیں: «لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ مِنَ التَّطَوُّعِ صَلَاةٌ عَلَى حِدَةٍ وَفَسَادُهَا بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِي رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ مُجْتَهَدٌ فِيهِ»، اس لیے کیونکہ ہر شفعہ یعنی ہر دو رکعت جو ہیں نفلوں میں سے وہ علیحدہ نماز ہیں، «وَفَسَادُهَا بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِي رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ مُجْتَهَدٌ فِيهِ»، اور اس نماز کا فاسد ہونا قراءت چھوڑنے کی وجہ سے ایک رکعت میں مجتہد فیہ یہ یہ مجتہد فیہ ہے یہ اس کا فاسد ہونا، «فَقَضَيْنَا بِالْفَسَادِ فِي حَقِّ وُجُوبِ الْقَضَاءِ وَحَكَمْنَا بِبَقَاءِ التَّحْرِيمَةِ فِي حَقِّ لُزُومِ الشَّفْعِ الثَّانِي احْتِيَاطًا»، تو ہم نے احتیاط والا راستہ اختیار کیا، جیسے احناف کا طریقہ ہے، ہر مسئلے کے اندر احتیاط والی صورت کو اختیار کرتے ہیں بھئی احتیاط والی صورت۔ تو یہاں بھی امام صاحب فرماتے ہیں ہم نے احتیاط والی صورت اختیار کی، احتیاط والی صورت کیا؟ کہ ہم نے کہا تحریمہ باطل نہیں لہٰذا اگلی دو میں بھی شروع ہونا صحیح ہو جائے گا اور وہ بھی اس پر لازم ہو جائیں گی۔

بھئی دیکھیے نا، مسئلہ ذکر ہو رہا تھا کہ اگر کوئی قراءت چھوڑ تا ہے، آٹھ صورتیں ذکر ہوئیں آٹھ صورتیں، ان میں قراءت چھوڑ تا ہے اس رکعت میں چھوڑے گا تو کیا مسئلہ ہو گا، اس رکعت میں چھوڑے گا تو مسئلہ کیا ہو گا؟ اگر پہلی دونوں میں چھوڑ دے گا قراءت تو تحریمہ ہی باطل ہو جائے گی، جب پہلی تحریمہ ہی باطل ہو گئی تو اگلی دو میں شروع ہونا صحیح ہی نہیں ہو گا، اگلی دو میں شروع ہونا صحیح ہی نہیں۔ جب اگلی دو میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں تو وہ ان کی قضا بھی اس پر نہیں آئے گی اور پہلی دو میں اس نے قراءت کو چھوڑا ہے صرف ان کی قضا اس پر آئے گی۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ پیچیدہ مسئلہ ہے لیکن ایک دفعہ سمجھ میں آ گیا تو انشاء اللہ آخر تک پھر آسان ہے، سمجھ جائیں گے۔ امام صاحب فرماتے ہیں ہم نے احتیاط والی صورت یہاں پر اپنائی ہے اس لیے کیونکہ ایک رکعت میں قراءت کو چھوڑنے کی وجہ سے نماز کا فاسد ہونا یہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، چنانچہ ہم نے احتیاط والی صورت اپنائی اور کہ ایک میں قراءت چھوڑے گا تو تحریمہ باطل نہیں ہو گی، تحریمہ باطل نہیں ہو گی۔ ہاں نماز فاسد ہو جائے گی، نماز فاسد ہو جائے گی اس کی بھی قضا کرنی پڑے گی یہ بھی احتیاط کے طور پر، اور اگلی دو رکعتیں بھی اگر وہ فاسد کرتا ہے ان کی بھی اس پر قضا آئے گی بطور احتیاط کے۔ دیکھو تفصیل سن لو۔ دیکھو ایک صورت مسئلہ بنا لیتے ہیں: ایک آدمی ہے اس نے چار رکعت نفل پڑھنا شروع کیے، پہلی دو میں اس نے ایک کے اندر قراءت کو چھوڑ دیا اور آخری دو میں بھی اس نے ایک کے اندر قراءت کو چھوڑ دیا، چھوڑ دیا۔ تو قراءت چھوڑنے کی وجہ سے پہلی دو رکعتیں کیا ہوئیں؟ فاسد، ان کی قضا کرنا پڑے گی۔ اور اگر کہہ دیا جائے کہ تحریمہ ہی باطل ہو گئی، تحریمہ ہی سرے سے ختم ہو گئی تو پھر تو اگلی دو کا شروع کرنا ہی صحیح نہیں۔ لہٰذا وہ اگلی دو اس نے پڑھی ہیں ایک میں قراءت

کو چھوڑا ہے ایک میں قراءت کیا ہے لیکن ان کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے بس، کیونکہ تحریمہ پہلے سے ہی باطل ہو گئی۔ اگر کیا کہا جائے؟ ایک رکعت میں قراءت چھوڑنے سے تحریمہ کیا ہو جاتی ہے؟ اگر یہ کہا جائے ایک رکعت میں قراءت چھوڑنے سے تحریمہ باطل ہو جاتی ہے تو کہنا پڑے گا کہ اس آدمی پر اب صرف دو رکعتوں کی قضا ہے، کتنی رکعتوں کی؟ دو رکعتوں کی، کیونکہ جب پہلی دو میں سے ایک کے اندر اس نے قراءت کو چھوڑ دیا تو وہ تو فاسد ہو گئیں ان کی کیا آئے گی؟ قضا، اور ساتھ تحریمہ بھی باطل ہو گئی جب تحریمہ باطل ہو گئی تو اگلی کا اسی پر شروع کرنا صحیح نہیں، وہ ٹھیک ہے اٹھتا بیٹھتا رہے سجدے کرتا رہے رکوع کرتا رہے وہ سارا کچھ عمل بے شک کرتا رہے لیکن اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ اس میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں، تحریمہ صحیح رہتی تو اس پر اگلی کی بنا بھی ہو سکتی تھی، تحریمہ ہی باطل ہو گئی تو اگلی کی بنا بھی صحیح نہیں۔ لہٰذا کتنے کی قضا کرنا پڑے گی؟ دو، یہ کس صورت میں؟ اگر ہم ایک پہلی میں سے اگر ایک رکعت میں قراءت کے چھوڑنے پر بطلان تحریمہ کا حکم لگا دیں، بطلان تحریمہ۔ اور اگر ہم بطلان تحریمہ کا حکم نہیں لگاتے تو پھر اگلی دو کا شروع کرنا صحیح ہو گا اور پہلی دو میں اس نے ایک کے اندر قراءت کو چھوڑا ہے لہٰذا پہلی دو ہیں تو فاسد البتہ تحریمہ باطل نہیں، تو فاسد ہیں پہلی دو ان کی اس کو قضا کرنا پڑے گی، اور اگلی دو کی بنیاد ان پر رکھنا بھی صحیح ہو گا کیونکہ تحریمہ باطل نہیں ہوئی، اور اگلی دو میں بھی اس نے ایک میں قراءت کی ہے ایک میں نہیں کی وہ بھی فاسد، تو اس کی بھی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی، تو دیکھو اس صورت میں چار کی قضا اس پر کرنا پڑے گی، چار کی قضا اس پر لازم ہو گی۔ کس صورت میں؟ اگر پہلی میں سے اگر ایک رکعت میں قراءت کے چھوڑنے پر بطلان تحریمہ کا حکم نہ لگایا جائے تو کتنی قضا کرنا پڑیں گی؟ چار، اور اگر بطلان کا حکم لگایا جائے تو کتنی قضا کرنا پڑیں گی؟ دو، اور احتیاط کس میں زیادہ؟ کہ چار اس کو پڑھنی چاہییں، احتیاط اسی میں ہے، ہو سکتا ہے باطل ہو گئی ہو، ہم تو یہ تو اجتہادی مسئلہ ہے تو ہو سکتا ہے مجتہد سے کیا ہوئی ہو؟ خطا ہوئی ہو، تو احتیاط کس صورت میں ہے کہ اس پر چاروں کو واجب قرار دیا جائے۔ تو امام صاحب بھی فرماتے ہیں ہم نے دونوں رکعتوں میں قراءت چھوڑ دے پہلی دو میں اس صورت میں تو تحریمہ باطل ہو جائے گی اس کی اگلی دو شروع کرنا صحیح ہی نہیں ہو گا، لیکن اگر دونوں میں سے پہلی دو پہلی دو رکعتوں میں سے ایک کے اندر اس نے قراءت کو چھوڑا ہے تو تحریمہ باطل نہیں ہو گی، تحریمہ باطل نہیں باطل، لہٰذا اگلی میں شروع ہونا صحیح ہو جائے گا، یہ بات ہم نے کس لیے کہا؟ بطور احتیاط کے۔ تو تحریمہ باطل نہیں ہو گی البتہ فساد آئے گا لہٰذا پہلی دو کی بھی اس کو کیا کرنا پڑے گی؟ قضا، اور اگر اگلی دو میں فساد آیا تو ان کی بھی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: «فَقَضَيْنَا بِالْفَسَادِ فِي حَقِّ وُجُوبِ الْقَضَاءِ»، تو ہم نے فاسد ہونے کا فیصلہ کیا کہ فاسد ہو گئی ہیں یہ پہلی دو رکعتیں، جب کیا کیا ہے؟ ایک میں قراءت کو چھوڑ، بھئی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں فرض ہی ایک تھا فاسد ہی نہیں ہوئیں، صحیح ہو گئیں، لیکن ہم نے کیا فیصلہ کیا بطور احتیاط کے؟ کہ فاسد ایک تحریمہ تو باطل نہیں لیکن پہلی دو رکعتیں کیا ہو گئی ہیں؟ فاسد ہو گئی ہیں، احتیاط کس میں زیادہ ہے کہ اس پر قضا کو واجب قرار دیا جائے یا قرار نہ دیا جائے جس نے پہلی ایک رکعت میں قراءت کو چھوڑا ہے؟ پہلی دو میں سے کسی ایک آدمی ہے اس نے صرف پہلی دو میں سے ایک میں قراءت کو چھوڑا ہے، حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز ہو گئی اس پر قضا نہیں، اور ہمارے نزدیک اگر اس کو فاسد قرار ہاں فاسد قرار دیتے ہیں اور اس پر کیا لازم ہو جائے گی؟ قضا دو رکعت کی قضا کرنا پڑے گی، اور احتیاط کس میں زیادہ ہے؟ اسی میں زیادہ ہے کہ پہلی دو کو بھی کیا قرار دیا جائے؟ فاسد قرار۔ یہ معنی ہے: «فَقَضَيْنَا بِالْفَسَادِ فِي حَقِّ وُجُوبِ الْقَضَاءِ»، تو قضا کے واجب ہونے کے حق میں ہم نے فاسد ہونے کا فیصلہ کیا تو اس پر قضا واجب ہو گی پہلی دو کی قضا، «وَحَكَمْنَا بِبَقَاءِ التَّحْرِيمَةِ فِي حَقِّ لُزُومِ الشَّفْعِ الثَّانِي»، اور ہم نے فیصلہ کیا تحریمہ کے باقی رہنے کا یعنی تحریمہ باطل نہیں، «فِي حَقِّ لُزُومِ الشَّفْعِ الثَّانِي»، شفع ثانی کے لازم ہونے کے حق میں یعنی شفع ثانی میں شروع ہونا صحیح ہو جائے گا اور وہ اس پر کیا ہو جائیں گے؟ لازم ہو جائیں گے، لہٰذا ان کو فاسد کرے گا تو اس کی بھی اس پر کیا آئے گی؟ قضا آئے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی ہے: «فَقَضَيْنَا بِالْفَسَادِ فِي حَقِّ وُجُوبِ الْقَضَاءِ وَحَكَمْنَا بِبَقَاءِ التَّحْرِيمَةِ فِي حَقِّ لُزُومِ الشَّفْعِ الثَّانِي احْتِيَاطًا»، پس ہم نے فاسد ہونے کا فیصلہ کیا قضا کے واجب ہونے کے حق میں اور ہم نے فیصلہ کیا تحریمہ کے باقی رہنے کا فی حق لزوم الشفع الثانی شفع ثانی کے لازم ہونے کے حق میں، «احْتِيَاطًا»، بطور احتیاط کے۔

■ مسئلہ: إِذَا ثَبَتَ هَذَا

«إِذَا ثَبَتَ هَذَا»، جب یہ ثابت ہو گیا۔ تین ضابطے بن گئے، ہمارے ائمہ تینوں کے نزدیک الگ الگ ضابطے: امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کیا ضابطہ تھا؟ پہلی دو میں دونوں میں یا دونوں میں سے ایک میں قراءت کو چھوڑے گا تو تحریمہ ہی باطل، وہ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ تحریمہ باندھی جاتی ہے افعال کو ادا کرنے کے لیے اور قراءت کو چھوڑ کر اس نے افعال کو ہی فاسد کر دیا، جب افعال فاسد ہو گئے تو تحریمہ بھی کیا ہو گئی؟ باطل ہو گئی۔ اور جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی دونوں میں ہی چاہے قراءت چھوڑ دے پھر بھی تحریمہ باطل نہیں، زیادہ سے زیادہ ادا کے اندر فساد آئے گا اور فساد ادا یہ ترک ادا سے کوئی بڑھ کر نہیں اور ترک ادا کی صورت میں تحریمہ باطل نہیں ہوتی تو فساد ادا کی صورت میں بھی تحریمہ باطل نہیں۔ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں میں قراءت پہلی دونوں میں چھوڑ دے گا پھر تو تحریمہ باطل ہو جائے گی، لیکن اگر دونوں میں سے ایک کے اندر قراءت کی ہے اور ایک کے اندر قراءت کو چھوڑا ہے تو پھر اس صورت میں نماز کا فاسد ہونا مجتہد فیہ ہے اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، تو ہم نے احتیاط والا راستہ اختیار کیا اور وجوب قضا کے اعتبار سے ان پہلی دو کو فاسد قرار دیا اس پر قضا آئے گی، اور تحریمہ باقی ہم نے قرار دی کس اعتبار سے کہ شفع ثانی بھی اس پر کیا ہو جائے گا؟ لازم، تو شفع ثانی کے لازم ہونے کے اعتبار سے ہم نے تحریمہ کے باقی رہنے کا فیصلہ کیا فیصلہ کیا بھئی۔

«إِذَا ثَبَتَ هَذَا»، اب آیئے وہ متن والے مسئلے پر بھئی: ایک آدمی نے چار رکعت کی پڑھی تھیں «وَلَمْ يَقْرَأْ فِيهِنَّ شَيْئًا»، اور اس نے اس میں کوئی قراءت نہیں کی کسی رکعت کے اندر، بتایئے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جب کسی میں قراءت نہیں کی تو پہلی دو میں بھی نہیں کی، اور پہلی دو میں یا کسی ایک میں قراءت چھوڑیں تو تحریمہ باطل، تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ باطل، لہٰذا اگلی دو میں شروع ہونا صحیح ہی نہیں، ہاں اور پہلی دو میں فساد آیا کس وجہ سے؟ قراءت چھوڑی ہے، تو ان دو کی قضا ہے، اگلی دو میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں لہٰذا وہ اس پر لازم بھی نہیں، نفل میں انسان شروع ہو گا تو لازم ہوتے ہیں بغیر شروع ہوئے لازم نہیں، تو اگلے دو لازم نہیں صرف پہلی دو کی قضا، تو اس پر دو رکعت کی قضا آئے گی۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ پہلی دونوں میں اگر قراءت چھوڑ دے گا تو تحریمہ کیا ہو جائے گی؟ باطل، تو ان کے نزدیک بھی مسئلہ اسی طرح ہو گا، اس لیے متن میں آیا تھا کہ امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس شخص پر دو رکعتوں کی قضا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں میں قراءت پہلی میں چھوڑ دے پھر بھی تحریمہ باطل نہیں، لہٰذا اگلی میں شروع ہونا صحیح، اور ان میں بھی اس نے قراءت نہیں کی ان کو بھی فاسد کیا تو پہلی دو بھی فاسد، دوسری دو بھی فاسد، اور تو دونوں کی کیا آئے گی اس پر؟ قضا، لہٰذا چار رکعت کی قضا کرنا پڑے گی۔ یہ معنی تھا متن میں: «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَقْضِي أَرْبَعًا»، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «إِذَا ثَبَتَ هَذَا نَقُولُ إِذَا لَمْ يَقْرَأْ فِي الْكُلِّ قَضَى رَكْعَتَيْنِ عِنْدَهُمَا»، جب یہ بات ثابت ہو گئی، ہم کہتے ہیں: «إِذَا لَمْ يَقْرَأْ فِي الْكُلِّ»، کہ جب اس نے ساری رکعتوں میں ہی قراءت نہیں کی، «قَضَى رَكْعَتَيْنِ عِنْدَهُمَا»، تو دو رکعت کی قضا کرے گا طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک، «لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ قَدْ بَطَلَتْ بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِي الشَّفْعِ الْأَوَّلِ عِنْدَهُمَا»، اس لیے کیونکہ تحریمہ جو ہے تحقیق وہ باطل ہو چکی ہے پہلی شفع کے اندر پہلے شفع کے اندر قراءت چھوڑنے کی وجہ سے عند ہما طرفین کے نزدیک، «فَلَمْ يَصِحَّ الشُّرُوعُ فِي الثَّانِي»، تو دوسرے شفعہ میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں، ان کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔ «وَبَقِيَتْ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اور تحریمہ باقی ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، «فَصَحَّ الشُّرُوعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي»، تو شفع ثانی کے اندر شروع ہونا صحیح ہوا، «ثُمَّ إِذَا فَسَدَ الْكُلُّ بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِيهِ»، پھر جب اس نے سب کو فاسد کیا ہے ان میں قراءت چھوڑنے کی وجہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، «فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأَرْبَعِ عِنْدَهُ»، تو اس پر چار رکعت کی قضا ہے کس کے نزدیک؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

اگلی صورت: «وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ لَا غَيْرُ»، اور اگر اس نے صرف پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی ان کے علاوہ میں قراءت نہیں کی یعنی آخری دونوں میں قراءت نہیں کی، ادھر دیکھیے بھئی، اب بتایئے مجھے مسئلہ: امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک چار رکعت اس نے پڑھنا شروع کیے ہیں، پہلی دونوں میں قراءت کی ہے آخری دو میں قراءت نہیں کی، تو پہلی دو میں جب قراءت کی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ باطل ہوا؟ نہیں، تحریمہ باطل نہیں۔ لہٰذا اگلی دو میں شروع ہونا صحیح، اور اس میں اس نے قراءت کی نہیں تو وہ فاسد ہوئیں، لہٰذا اس کی دو کی اس پر کیا آئے گی؟ قضا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اس پر کتنے کی قضا آئے گی؟ دو۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اس پر کتنے کی قضا آئے گی؟ دو، کیونکہ ان کے نزدیک تو قراءت چھوڑنے سے تحریمہ باطل ہوتا ہی نہیں، اور اس نے تو پہلی دونوں میں قراءت کی ہے تو پہلی دو تو بالکل صحیح ہیں، اور اگلی دو اس نے فاسد کی ہیں تو اس پر کتنے کی قضا آئے گی؟ دو۔ تو یعنی ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک اس پر دو رکعت کی قضا آئے گی اس صورت میں۔

کہتے ہیں: «وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ لَا غَيْرُ»، اور اگر اس شخص نے قراءت کی پہلی دو رکعتوں میں نہ کہ ان کے علاوہ میں یعنی آخری دو میں نہیں کی، «فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُخْرَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ»، تو اس پر آخری دو کی قضا ہے بالاجماع۔ بالاجماع سے سب تمام علماء کا اجماع نہیں مراد بلکہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا اجماع مراد، ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک۔ «لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ لَمْ تَبْطُلْ»، اس لیے کیونکہ تحریمہ باطل نہیں ہوئی، «فَصَحَّ الشُّرُوعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي»، تو صحیح ہو گیا شفع ثانی میں شروع ہونا، «ثُمَّ فَسَادُهُ بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ لَا يُوجِبُ فَسَادَ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ»، پھر اس کا فاسد ہونا قراءت چھوڑنے کی وجہ سے یہ شفع اول کے فساد کو واجب نہیں کرتا۔ اچھا، تو سب کے نزدیک کتنی واجب ہوں گی؟ دو رکعت۔

■ مسئلہ: وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ

«وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ»، اب ادھر دیکھیے بھئی، صرف آخری دو رکعت میں قراءت کی ہے، پہلی دو میں نہیں کی۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جب پہلی دو میں قراءت نہیں کی، تحریمہ باطل، اور اگلی دو کا کوئی اعتبار ہی نہیں بے شک قراءت کی ہے ان میں لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں وہ نماز اگلی دو ہوئیں ہی نہیں، اور پہلی دو میں چونکہ قراءت چھوڑی ہے تو اس میں فساد آیا تھا، تحریمہ باطل ہوئی تھی، ان دو کی قضا اس پر ہے تو صرف دو رکعت کی قضا آئے گی اس پر۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہے پہلی دو کی اس پر قضا آئے گی اور اگلی دو کا اعتبار ہی نہیں کیونکہ تحریمہ کیا ہو چکی؟ باطل ہو چکی۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں، لہٰذا اگلی دو ان کے نزدیک ٹھیک ہو گئیں، ہاں البتہ پہلی میں فساد آیا ہے تو ان کی اس پر کیا آئے گی؟ قضا۔ تو گویا اس صورت میں بھی سب کے نزدیک قضا کتنے کی آئے گی؟ دو، پہلی دو کی قضا آئے گی، ہاں البتہ فرق یہ کہ آخری دو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح ہو گئیں جبکہ طرفین کے نزدیک وہ صحیح نہیں، وہ ہوئیں ہی نہیں سرے سے۔

«وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ لَا غَيْرُ»، اور اگر قراءت کی آخری دو رکعتوں میں نہ کہ ان کے علاوہ میں یعنی پہلی دو میں نہیں کی، «فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُولَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ»، تو اس صورت میں بھی اس پر پہلی دو کی قضا ہے بالاجماع، بالاجماع یعنی ہمارے ائمہ کے نزدیک۔ «لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لَمْ يَصِحَّ الشُّرُوعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي»، اس لیے کیونکہ طرفین کے نزدیک شفع ثانی میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا، «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِنْ صَحَّ فَقَدْ أَدَّاهُمَا»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگرچہ دوسرے شفعہ میں شروع ہونا وہ صحیح ہو چکا ہے «فَقَدْ أَدَّاهُمَا»، تو اس نے ان کو ادا بھی کر لیا ہے، وہ تو پورے ہو گئے آخری دو، اگر دوسرے میں شروع ہونا صحیح تھا تو ان کو اس نے ادا بھی کیا کر لیا صحیح طریقے سے تو وہ ہو گئے، البتہ پہلے دو میں خرابی آئی ہے تو ان کی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔

«وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ وَإِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ»، ادھر دیکھیے بھئی، «وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ»، اگر قراءت کی پہلی دو رکعتوں میں «وَإِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ»، اور آخر کی ایک رکعت میں، اب مجھے بتایئے: پہلی دو میں جب قراءت کی تو تحریمہ صحیح ہے لہٰذا آخری دو میں شروع ہونا صحیح سب کے نزدیک، پھر آخری دو کے اندر ایک میں قراءت چھوڑی ہے اس میں فساد آیا تو اسی آخری دو کی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا۔ یہ معنی ہے: «وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ»، اور اگر قراءت کی پہلی دو میں «وَإِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ»، اور آخر کی دو رکعتوں میں سے ایک کے اندر، «فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُخْرَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ»، تو اس پر بالاجماع آخری دو کی قضا واجب ہے۔

اگلی صورت: «وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ وَإِحْدَى الْأُولَيَيْنِ»، بھئی نماز پڑھی چار رکعت نفل پڑھے ہیں اس نے، پہلی دو میں سے ایک کے اندر قراءت کی ہے اور آخری دونوں میں کی ہے۔ تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ کیا ہو گئی؟ باطل، لہٰذا اگلی میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ان کا کوئی اعتبار ہی نہیں، اور صرف پہلی فاسد ہوئی ہے تو ان کی دو رکعت کی قضا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں، تحریمہ باطل نہیں، ہاں فساد آیا ہے لیکن تحریمہ باطل نہیں، لہٰذا پہلی دو کی قضا آئے گی اس پر، اور آخری دو تو اس نے پوری کر لی ہیں لہٰذا وہ اس کی قضا نہیں، تو ان کے نزدیک بھی پہلی دو کی قضا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے نزدیک بھی پہلی دو کی ہی صرف قضا آئے گی بھئی، کیونکہ آخری دو تو وہ پوری ادا کر چکا۔ یہ معنی ہے: «وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ وَإِحْدَى الْأُولَيَيْنِ»، اور اگر آخری دو میں قراءت کی اور پہلی دو میں سے ایک کے اندر، «فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُولَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ»، تو اس پر پہلی دو کی قضا ہے بالاجماع۔

■ مسئلہ: وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُولَيَيْنِ وَإِحْدَى...

«وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُولَيَيْنِ وَإِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ»، اگلی صورت، ادھر دیکھیے بھئی، اگر پہلی رکعتوں میں دو میں سے ایک میں قراءت کی اور آخری دو میں سے بھی ایک کے اندر قراءت کی، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ باطل، لہٰذا اگلی میں شروع ہونا صحیح نہیں صرف یہی دو رکعتوں کی اس پر قضا آئے گی پہلی دو کی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں، لہٰذا اگلی میں شروع ہونا صحیح، اور پہلی کو بھی اس نے فاسد کیا ایک میں قراءت چھوڑی، دوسری میں بھی قراءت ایک کے اندر چھوڑی اس کو بھی فاسد، تو چار کی قضا آئے گی، چار کی قضا امام صاحب کے نزدیک۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی چار کی قضا آئے گی۔ یہ معنی ہے: تو اگر قراءت اگر قراءت کی پہلی دو میں ایک کے اندر اور آخری دو میں ایک کے اندر، «فَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَضَى الْأَرْبَعَ»، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کتنے کی قضا ہو گی؟ چار کی قضا ہو گی، «وَكَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اور اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی، «لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ بَاقِيَةٌ»، اس لیے کیونکہ تحریمہ باقی ہے، «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَضَى الْأُولَيَيْنِ»، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف پہلی دو کی قضا ہو گی، «لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ قَدِ ارْتَفَعَتْ عِنْدَهُ»، اس لیے کیونکہ تحریمہ تحقیق وہ اٹھ چکی ہے ان کے نزدیک یعنی باطل ہو چکی ہے۔

«وَقَدْ أَنْكَرَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذِهِ الرِّوَايَةَ عَنْهُ»، جی عجیب بھئی! دیکھیے بھئی، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دو کی قضا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی چار کی قضا اس صورت میں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی چار کی قضا اس شخص پر واجب ہو گی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہ روایت کی تھی امام صاحب سے امام محمد رحمہ اللہ کے سامنے۔ امام صاحب کے نزدیک کتنی پڑھیں گے؟ چار پڑھیں گے، چار پڑھیں گے۔ یہ روایت کیا تھا امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے، کس کو روایت کیا؟ امام محمد کو، ان کو بتلایا تھا کہ امام صاحب کے نزدیک اس مسئلے میں کتنی پڑھیں گے؟ چار پڑھیں گے، تو امام محمد رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ براہ راست امام صاحب سے نہیں سنا بلکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے روایت کی اور ان کو بتایا۔ بتانے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو اپنی کتاب میں درج فرمایا، اور کچھ وقت گزر گیا ہو گا یا ہو سکتا ہے لمبا وقت گزر گیا ہو، کتاب میں جب اور مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی درج ہوا اور پھر بعد میں انہوں نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے سامنے کتاب پیش کی، اور مسائل ذکر کرتے ہوئے جب اس جگہ پر پہنچے اور کہنے تو اس میں تھا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کتنے کی قضا کرے گا؟ چار کی قضا کرے گا، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرمانے لگے: میں نے چار کی روایت کب کی تھی؟ میں نے تو دو کی روایت کی تھی، امام صاحب کے نزدیک اس مسئلے میں دو رکعت کی قضا کرے گا، کتنے کی؟ دو رکعت۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں نہیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ نے چار کی روایت کی۔ تو امام محمد رحمہ اللہ کو اپنے حافظے پر اتنا اعتماد تھا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے انکار کے باوجود انہوں نے مسئلے کو اسی طرح رکھا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی، کہ امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں کتنی قضا کرے گا؟ چار رکعت کی قضا کرے گا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو یہ لوگ بھئی عجیب قوی حافظے اللہ نے نصیب فرمائے تھے، لیکن انسان ہے بعض اوقات کوئی بات ذہن سے نکل جاتی ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تو فرمارہے ہیں کہ میں نے کتنے کی روایت تمہیں کی تھی؟ دو رکعت کی روایت کی تھی۔ امام محمد رحمہ اللہ اپنی بات پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ نہیں، آپ نے دو کی روایت نہیں کی تھی بلکہ چار کی روایت کی تھی، چنانچہ اس کو اسی طرح رکھا، اور یہ بھی فقہاء ساتھ اس واقعے کو بھی نقل کرتے ہیں، تفصیل بھی بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر اس طرح پیش آیا تھا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو کہتے ہیں: «وَقَدْ أَنْكَرَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذِهِ الرِّوَايَةَ عَنْهُ»، اور تحقیق انکار کیا امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس روایت کا عنہ، کس سے؟ امام صاحب سے، «وَقَالَ رَوَيْتُ لَكَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَلْزَمُهُ قَضَاءُ رَكْعَتَيْنِ»، اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ روایت کیا تھا امام صاحب سے کہ اس پر لازم ہے دو رکعتوں کی قضا، «وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَمْ يَرْجِعْ عَنْ رِوَايَةِ عَنْهُ»، اور امام محمد رحمہ اللہ نے رجوع نہیں فرمایا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی جو روایت تھی عنہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، اس سے امام محمد رحمہ اللہ نے رجوع نہیں فرمایا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُولَيَيْنِ لَا غَيْرُ

«وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُولَيَيْنِ لَا غَيْرُ»، اگلی صورت آئی بھئی ادھر دیکھیے، پہلی دو میں صرف ایک کے اندر قراءت کی، باقی کسی کے اندر قراءت نہیں کی، اگلی تینوں رکعتوں میں قراءت نہیں کی۔ تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ باطل، لہٰذا اگلی دو میں شروع ہونا صحیح ہی نہیں لہٰذا وہ لازم نہیں اس پر، صرف پہلی دو ہی اس پر لازم ہیں ان کی قضا کرے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں لہٰذا اگلی میں شروع ہونا بھی صحیح، اور پہلی میں بھی فساد آیا کیونکہ ایک میں قراءت چھوڑ دی، اگلی میں دونوں میں چھوڑ دی اس میں بھی فساد آیا تو چار کی قضا کرے گا۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک میں قراءت چھوڑی ہے تحریمہ باطل نہیں، لہٰذا اگلی دو میں شروع ہونا صحیح، اور اسی طرح دونوں میں فساد ہے، پہلی میں بھی ایک میں قراءت چھوڑی ہے آخری میں دونوں میں قراءت چھوڑی ہے تو ان کے نزدیک بھی کتنے کی قضا کرے گا؟ چار کی۔

«وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُولَيَيْنِ لَا غَيْرُ قَضَى أَرْبَعًا عِنْدَهُمَا»، اور اگر قراءت کی پہلی دو میں سے ایک کے اندر نہ کہ ان کے علاوہ میں یعنی باقی کسی میں قراءت نہیں کی، «قَضَى أَرْبَعًا عِنْدَهُمَا»، تو چار کی قضا کرے گا عند ہما، شیخان رحمہما اللہ کے نزدیک، «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ قَضَى رَكْعَتَيْنِ»، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دو رکعت کی قضا کرے گا۔

«وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ لَا غَيْرُ قَضَى أَرْبَعًا»، اور صورت بھئی: آخری دو میں صرف ایک کے اندر کیا کیا؟ قراءت کی بھئی، پہلی دو میں قراءت کی ہی نہیں اور آخری دو میں سے بھی ایک کے اندر قراءت کو چھوڑ دیا۔ تو جب پہلی دونوں میں نہیں کی تو تحریمہ باطل، امام صاحب کے نزدیک بھی اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی، لہٰذا اگلی دو کا تو اعتبار ہی نہیں، صرف پہلی دو کے ہی فساد آیا اور اس میں قضا دو رکعت کی آئے گی، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چاروں کی قضا آئے گی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ لَا غَيْ...

«وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ لَا غَيْرُ قَضَى أَرْبَعًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اور اگر قراءت کی آخری دو میں سے ایک کے اندر لا غیر نہ کہ اس کے علاوہ میں، «قَضَى أَرْبَعًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ»، تو چار تو چار کی قضا کرے گا عند ابی یوسف رحمہ اللہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، «وَعِنْدَهُمَا رَكْعَتَيْنِ»، اور طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک رکعتین، دو رکعت کی قضا کرے گا۔

«قَالَ: وَتَفْسِيرُ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلَهَا». اچھا، امام محمد رحمہ اللہ یہی مسئلہ کتاب میں ذکر کرنے کے بعد آگے فرماتے ہیں: «وَتَفْسِيرُ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، کہ حضور علیہ السلام کا جو قول ہے اس کی تفسیر یہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا کون سا قول؟ کہتے ہیں حدیث میں آیا حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «لَا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلَهَا»، یعنی نماز پڑھنے والا نہ پڑھے بعد صلاۃ نماز کے بعد مثلہا، اسی کا مثل۔ نماز پڑھنے کے بعد نماز پڑھنے والا اس جیسی نماز نہ پڑھے، نماز پڑھنے والا نماز پڑھنے کے بعد اس جیسی نماز نہ پڑھے۔ یعنی چار رکعت والے فرض کسی نے پڑھے ہیں اور ان چار رکعت والے فرضوں میں دو میں قراءت تھی دو میں قراءت نہیں تھی، تو ان چار رکعتوں کے بعد انہی جیسے چار رکعت اور نہ پڑھے کہ ان میں بھی دو میں قراءت کرے اور دو میں قراءت نہ کرے، معلوم ہوا ان میں پھر چاروں میں قراءت کرنا پڑے گی۔ جب چاروں میں قراءت کرلے گا تو یہ ان جیسے نہیں، تو یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ نفل کی چاروں رکعتوں میں قراءت فرض ہے، نفل کی کیونکہ حدیث میں کیا آیا؟ کوئی کوئی نماز پڑھنے کے بعد اس جیسی نماز نہ پڑھے، ان چار رکعت والی نماز پڑھنے کے بعد اسی جیسی چار رکعت نماز یعنی چار رکعت نفل نہ پڑھے جو اسی کی طرح ہو جس میں دو میں قراءت ہو دو میں قراءت نہ ہو، معلوم ہوا پھر کیا کرنا پڑے گا؟ چاروں میں قراءت کرنا پڑے گا، تو اس حدیث کو امام محمد رحمہ اللہ

نے نفل کی چاروں رکعتوں میں قراءت کے فرض ہونے کے لیے بطور دلیل کے ذکر کیا ہے۔

تو کہتے ہیں: «**وَتَفْسِيرُ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلَهَا**»، یا یہ مجہول ہو گا، مجہول پڑھ سکتے ہیں: «**لَا يُصَلَّى بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلُهَا**»، نہ پڑھی جائے نماز کے بعد مثلہا، اسی جیسی نماز۔ تو حضور علیہ السلام کی اس قول کی تفسیر جو ہے وہ فرماتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «**يَعْنِي رَكْعَتَيْنِ**»، یعنی کہ «**رَكْعَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ وَرَكْعَتَيْنِ بِغَيْرِقِرَاءَةٍ**»، یعنی دو رکعت قراءت کے ساتھ اور دو رکعت بغیر قراءت کے ایسا نہ کرے، «**فَيَكُونُ بَيَانَ فَرْضِيَّةِ الْقِرَاءَةِ فِي رَكَعَاتِ النَّفْلِ كُلِّهَا**»، تو یہ قراءت کے فرض ہونے کا بیان ہے نفل کی ساری رکعتوں میں۔ اس حدیث میں کس چیز کا بیان ہے؟ نفل کی ساری رکعتوں میں قراءت کے فرض ہونے کا بیان ہے اس حدیث کے اندر۔ جی چلیے بس بھائی، ہذا ہو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ٦٦: مسئلہ: صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ...

ہدایہ صفحہ: ١٥٦ — بتاریخ: ٢٢ جنوری ٢٠١٣ء

وَيُصَلِّي النَّافِلَةَ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ» وَلِأَنَّ الصَّلَاةَ خَيْرُ مَوْضُوعٍ وَرُبَّمَا يَشُقُّ عَلَيْهِ الْقِيَامُ فَيَجُوزُ لَهُ تَرْكُهُ كَيْ لَا يَنْقَطِعَ عَنْهُ۔ [1]

اور نفل پڑھنے والا، نماز پڑھنے والا پڑھ سکتا ہے، **النَّافِلَةَ** نفلوں کو، **قَاعِدًا** بیٹھ کر، نفل پڑھنے والا نفلوں کو بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، **مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ** باوجود قدرت ہونے کے قیام پر۔ قیام پر قدرت کے باوجود نفلوں کو بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ**» کہ بیٹھے ہوئے کی نماز کھڑے ہوئے کی نماز کے نصف کے برابر ہے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے نصف پر ہے یعنی اس کو نصف اجر ملے گا بھائی۔

اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص اگر عذر کی وجہ سے نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے تو اس کی نماز اور کھڑے ہو کر نماز جو پڑھتا ہے ان دونوں کو برابر اجر ملتا ہے، کیونکہ وہ جو بیٹھا ہے وہ مجبوری کی وجہ سے بیٹھا ہے، عذر کی وجہ سے بیٹھا ہے۔ تو معلوم ہوا اس حدیث میں غیر معذور کی بات ہو رہی ہے جس کو عذر نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا بغیر عذر کے بھی بیٹھنا جائز ہے جائز ہے، البتہ اس صورت میں ثواب نصف ہو گا۔

وَلِأَنَّ الصَّلَاةَ خَيْرُ مَوْضُوعٍ اب آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ نقلی دلیل کے بعد بھائی۔ کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الصَّلَاةَ خَيْرُ مَوْضُوعٍ** اور اس لیے کیونکہ نماز جو ہے وہ بہترین مقرر کی ہوئی چیز ہے، بہترین مقرر کی ہوئی نیکی ہے، یعنی اس سے انسان ہر وقت ادا کر سکتا ہے، بہترین مقرر کی ہوئی نیکی ہے یعنی اسے ہر وقت ادا کر سکتا ہے اور ہر وقت اس کے ذریعے اس نیکی کو سرانجام دے سکتا ہے۔ تو یہ یاد رکھیے حدیث میں آیا ہے کہ نماز کیا ہے؟ بہترین مقرر کی ہوئی چیز ہے، بہترین مقرر کی ہوئی نیکی ہے کہ جو جتنا چاہے اس کے ذریعے ثواب کما سکتا ہے۔ جو زیادہ ادا کرے گا اسے زیادہ وہ زیادہ ثواب سمیٹ لے گا، جو کم ادا کرے گا وہ اسے کم ثواب ملے گا۔

تو عقلی دلیل صاحبِ ہدایہ ذکر فرما رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ نماز بہترین مقرر کی ہوئی نیکی ہے، **وَرُبَّمَا يَشُقُّ عَلَيْهِ الْقِيَامُ** اور بسا اوقات نماز پڑھنے والے پر دشوار ہوتا ہے کھڑا ہونا، کوئی تھکا ہوا ہے یا کسی اور وجہ سے اس کے لیے کھڑا ہونا دشوار ہو جاتا ہے، **فَيَجُوزُ لَهُ تَرْكُهُ** تو اس کے لیے قیام کو ترک کرنا جائز ہے، **كَيْ لَا يَنْقَطِعَ عَنْهُ** تاکہ کہیں وہ اس **خَيْرِ مَوْضُوعٍ** سے منقطع نہ ہو جائے، تاکہ وہ اس بہترین وضع کی ہوئی، مقرر کی ہوئی نیکی سے منقطع نہ ہو جائے، اس سے کٹ نہ جائے یعنی اس سے رہ نہ جائے۔ بھائی بسا اوقات انسان تھکا ہوتا ہے یا کوئی اور وجہ ہے جس کی وجہ سے وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں اسے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے تاکہ وہ اس نیکی سے پورے طور پر کہیں محروم نہ رہ جائے بھائی۔ کیونکہ نماز کیا ہے؟ بہترین مقرر کی ہوئی نیکی ہے جسے انسان ہر وقت کر سکتا ہے تو اگر یہ کہا جائے کہ بیٹھ کر وہ اسے ادا نہیں کر سکتا تو پھر تو وہ اس دوران جب اس کے لیے مشکل ہے کھڑا ہونا وہ تو اس نیکی سے محروم رہ جائے گا، حالانکہ نماز تو ایسی نیکی ہے جسے انسان ہر وقت سرانجام دے سکتا ہے اور اس کے ذریعے جتنا ثواب سمیٹنا چاہے سمیٹ سکتا ہے، حدیث میں آیا ہے۔ تو عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ بیٹھ کر نماز یعنی نوافل پڑھنا جائز ہونے چاہییں، کیونکہ بسا اوقات انسان ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس کے لیے کھڑا ہونا دشوار ہوتا ہے، تو اس صورت میں اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہونا چاہیے تاکہ کہیں اس نیکی سے پورے طور پر محروم نہ رہ جائے۔

وَاخْتَلَفُوا فِي كَيْفِيَّةِ الْقُعُودِ اور اختلاف کیا ہے فقہاء نے بیٹھنے کی کیفیت میں، بیٹھنے کی حالت میں۔ بھائی اس میں تو اتفاق علماء کا کہ فقہاء کا کہ نوافل بیٹھ کر بغیر یعنی بغیر عذر کے، عذر کے ساتھ تو فرضوں کو بھی بیٹھ کر ادا کیا جا سکتا ہے اور بغیر عذر کے نوافل انسان بیٹھ کر ادا کر سکتا ہے، لیکن بیٹھنا کس طرح ہے، کس کیفیت پر بیٹھنا

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ٨٠): «واختلفوا»۔ • شاملہ (ص ٨٠) میں «كَيْ لَا» کے بجائے «كيلا» درج ہے۔

چاہیے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف۔ بعض فرماتے ہیں کہ چوکڑی مار کر بیٹھ کر نوافل پڑھ سکتا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ احتباء کی صورت میں پڑھنے چاہییں، احتباء یہ کہ انسان نیچے بیٹھے اور گھٹنے اپنے سامنے کھڑے کر لے بھائی، گھٹنے اپنے سامنے کھڑے کر لے، تو نیچے بیٹھا ہوا ہے گھٹنے سامنے کھڑے ہیں پاؤں کے تلوے بھی زمین پر لگے ہوئے ہیں، اس طرح وہ نوافل ادا کرنے چاہییں، اور لیکن صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے کہ پسندیدہ یہ ہے، مختار قول یہ ہے کہ تشہد کی حالت میں بیٹھ کر نوافل ادا کرنے چاہییں اگر بیٹھتا ہے انسان۔

تو کہتے ہیں: **وَاخْتَلَفُوا فِي كَيْفِيَّةِ الْقُعُودِ** اور اختلاف کیا ہے مشائخ نے بیٹھنے کی کیفیت میں، **وَالْمُخْتَارُ أَنْ يَقْعُدَ كَمَا يَقْعُدُ فِي حَالَةِ التَّشَهُّدِ** اور مختار یہ ہے کہ وہ بیٹھے اسی طرح جیسے کہ بیٹھتا ہے تشہد کی حالت میں، **لِأَنَّهُ عُهِدَ مَشْرُوعًا فِي الصَّلَاةِ** اس لیے کیونکہ یہی بیٹھنا جو ہے اس کو مشروع جانا گیا ہے نماز میں، نماز میں یہی بیٹھنے کا طریقہ معروف ہے، اس کو جانا گیا ہے، مشروع جانا گیا ہے۔

وَإِنْ افْتَتَحَهَا قَائِمًا ثُمَّ قَعَدَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ۔ بھائی ایک شخص ہے اس نے، بھائی نوافل میں ویسے بیٹھنا تو جائز کہ ابتدا سے انسان کیا کرے بیٹھ کر نوافل کا آغاز کرے۔ اب ایک شخص ہے اس نے کھڑے ہو کر نفلوں کا کی ابتدا کی اور اب درمیان میں وہ بیٹھ کر باقی ادا کرنا چاہتا ہے تو کیا ایسا کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کر سکتا ہے۔ کچھ حصہ کھڑے ہو کر ادا کر لیا اور کچھ حصہ بیٹھ کر ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کے لیے جائز ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں، ایسا کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔ جب ایک دفعہ اس نے کھڑے ہو کر نفل شروع کیے تو قیام اس پر لازم ہو گیا، جیسے منت کی وجہ سے کوئی چیز واجب ہو جاتی ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی ایک چیز واجب ہو جاتی ہے، تو اس نے کھڑے ہو کر نفل شروع کیے ہیں تو قیام اس پر واجب ہوا۔

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ افْتَتَحَهَا قَائِمًا** اور اگر نفلوں کو شروع کیا کھڑے ہو کر، **ثُمَّ قَعَدَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ** پھر بیٹھ گیا بغیر کسی عذر کے، **جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** تو یہ جائز ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، **وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ** اور یہ کیا ہے؟ استحسان ہے، استحساناً امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے لیے بیٹھنا جائز ہے، **وَعِنْدَهُمَا لَا يُجْزِيهِ** اور صاحبین کے نزدیک اس کے لیے یہ کافی نہیں ہے، **وَهُوَ قِيَاسٌ** اور یہی قیاس ہے بھائی۔ آپ نے پڑھا تھا استحسان کے مقابلے میں قیاس کا ہونا ضروری، کسی شرعی دلیل کو تب ہی استحسان کہیں گے جب اس کے مقابلے میں کیا ہو؟ قیاس ہو بھائی، اگر قیاس اس کے مقابلے میں نہ ہو تو پھر اس کو استحسان نہیں کہیں گے۔ تو صاحبین فرماتے ہیں یہ اس کے لیے کافی نہیں ہے، **وَهُوَ قِيَاسٌ** اور یہی قیاس ہے، **لِأَنَّ الشُّرُوعَ مُعْتَبَرٌ بِالنَّذْرِ** اس لیے کیونکہ شروع کرنا اس کو قیاس کیا گیا ہے منت پر۔ اس کو کس پر قیاس کیا گیا؟ منت پر۔ اور منت سے جیسے ایک چیز لازم ہوتی ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی لازم، تو یہاں اس نے قیام کے ساتھ نماز شروع کی ہے تو قیام اس پر لازم ہو گا۔

لَهُ امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ لَمْ يُبَاشِرْ الْقِيَامَ فِيمَا بَقِيَ** کہ اس نے، باشر یا باشر کے معنی ہوتے ہیں سرانجام دینا، **أَنَّهُ لَمْ يُبَاشِرْ الْقِيَامَ** کہ اس نفل پڑھنے والے نے قیام کو سرانجام نہیں دیا، **فِيمَا بَقِيَ** اس حصے میں جو ابھی باقی ہے۔ بھائی ایک شخص نے کھڑے ہو کر نفل پڑھنا شروع کیے، اب کچھ حصہ تو قیام میں گزر گیا اب باقی حصے میں وہ بیٹھنا چاہتا ہے تو امام صاحب فرماتے ہیں جائز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو حصہ باقی ہے اس میں تو ابھی اس نے قیام کو سرانجام ہی نہیں دیا لہٰذا اس پر ان میں قیام واجب بھی نہیں۔

اور **وَلِمَا بَاشَرَ صِحَّةٌ بِدُونِهِ** اور جس حصے میں وہ قیام کو سرانجام دے چکا ہے وہ صحیح ہے **بِدُونِهِ** بغیر بعد والے حصے میں قیام کے۔ بعد والے حصے میں جو قیام ہے اس پر جو حصہ جس میں وہ قیام سرانجام دے چکا وہ اس پر موقوف نہیں۔ بھائی دیکھیے پیچھے ایک دلیل ذکر ہوئی تھی گزشتہ سبق کے اندر کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جس نے چار رکعت کی نفل نیت چار رکعت کی نیت سے نفل پڑھنا شروع کیے تو چاروں اس پر لازم ہو جائیں گے اور انہوں نے شروع کرنے کو قیاس کیا تھا منت پر کہ جیسے منت سے ایک چیز لازم ہوتی ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی ایک چیز کیا ہو جاتی ہے؟ لازم ہو جاتی ہے اور اس نے چار کی نیت سے شروع کیے ہیں تو چاروں اس پر لازم ہو جائیں گے۔ جبکہ طرفین نے پھر جواب دیا تھا کہ شروع کرنے سے وہ چیز لازم ہوتی ہے جس میں شروع ہوا جائے اور نیز وہ چیز لازم ہوتی ہے جس میں شروع والی چیز جس پر موقوف ہو، یعنی یوں کہیں، شروع کرنے سے مَا **شُرِعَ فِيهِ** جس میں شروع ہوا جائے، شروع کرنے سے مَا **شُرِعَ فِيهِ** لازم ہوتا ہے اور جس پر مَا **شُرِعَ فِيهِ** کی صحت موقوف ہو وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ لازم۔ دلیل ذہن میں آئی کہ نہیں آئی؟ تو پہلی رکعت شروع کی تھی لہٰذا وہ پہلی رکعت بھی اس پر لازم ہوئی اور پہلی رکعت جو ہے یعنی مَا **شُرِعَ فِيهِ** جو ہے جس میں شروع ہوا ہے اس کا وجود دوسری رکعت پر موقوف ہے تو دوسری رکعت بھی اس پر لازم ہو گئی۔ تو شروع کرنے سے صرف پہلی دو لازم ہوئی ہیں، آخری دو ابھی اس میں شروع ہی نہیں ہوا تو وہ اس پر لازم بھی نہیں۔ تو طرفین کی کیا دلیل تھی کہ شروع کرنے سے مَا **شُرِعَ فِيهِ** لازم ہوتا ہے اور وہ چیز کہ مَا **شُرِعَ فِيهِ** صحیح ہی نہیں ہوتا اس کے بغیر یعنی مَا **شُرِعَ فِيهِ** جس پر موقوف ہے وہ بھی کیا ہوتی ہے؟ لازم۔ خلاصہ کیا تھا دلیل کا؟ کہ شروع کرنے سے ایک تو وہ چیز لازم ہوتی ہے جس میں شروع ہوا اور ایک وہ چیز لازم ہوتی ہے جس پر یہ شروع والی چیز موقوف ہے وہ بھی لازم ہوتی ہے۔

تو وہی دلیل یہاں بھی امام صاحب ذکر فرما رہے ہیں لیکن یہاں شروع کرنے کا ذکر نہیں بلکہ یہاں سرانجام دینا ہے۔ کیا ہے؟ سرانجام دینا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ قیام جو ہے کچھ حصے میں اس نے سرانجام دے دیا ہے اب بیٹھنا چاہتا ہے، اس حصے میں ابھی اس نے قیام کو سرانجام نہیں دیا تو سرانجام دینے سے وہ قیام جو اس نے سرانجام

دیا تھا اس پر لازم تھا اور وہ تو گزر گیا اور جو حصہ باقی ہے اس کو ابھی اس نے اس میں قیام کو سرانجام ہی نہیں دیا، جب قیام کو ابھی سرانجام ہی نہیں دیا تو وہ اس پر لازم بھی نہیں اور نیز جس میں ابھی قیام کو سرانجام نہیں دیا اس پر ماقبل جس میں قیام کو سرانجام دے چکا ہے اس کا صحیح ہونا اس پر موقوف بھی نہیں۔ جس میں قیام کو سرانجام دے چکا ہے وہ قیام آگے جو قیام باقی ہے اس قیام پر موقوف بھی نہیں۔ تو لہٰذا یہ اس پر جو باقی کا قیام ہے اس پر لازم بھی نہیں، کیونکہ لازم کیا چیز ہوتی ہے؟ پچھلی دلیل کو ذرا ساتھ ملائیں۔ جس میں شروع ہو جائے اور جس پر وہ شروع والی چیز موقوف ہو۔ یہاں پر بھی جس کو سرانجام دیا وہ تو ہے لازم یا جس کو سرانجام دیا ہے اس کا صحیح ہونا اگر کسی پر موقوف ہو تو وہ بھی اس پر کیا ہو جائے گی؟ لازم ہو جائے گی، اور یہ قیام جو اس نے سرانجام دیا یہ آگے آنے والے قیام پر اس کا اس کا صحیح ہونا موقوف نہیں، لہٰذا آگے آنے والا قیام بھی اس پر لازم نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وہ فرماتے ہیں: **لَهُ** ان کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ لَمْ يُبَاشِرْ الْقِيَامَ فِيمَا بَقِيَ** کہ اس نے سرانجام ہی نہیں دیا قیام کو ابھی **مَا بَقِيَ** حصے کے اندر، **وَلِمَا بَاشَرَ** اور جس حصے میں وہ قیام کو سرانجام اور جس قیام کو وہ سرانجام دے چکا ہے، **صِحَّةٌ بِدُونِهِ** وہ صحیح ہے بغیر اس **مَا بَقِيَ** قیام کے۔ وہ صحیح ہے۔ جس میں قیام جو قیام کر چکا ہے اس قیام کا صحیح ہونا جو قیام ابھی باقی ہے اس پر موقوف نہیں ہے۔

بِخِلَافِ النَّذْرِ بخلاف منت کے، **لِأَنَّهُ الْتَزَمَهُ نَصًّا** اس لیے کیونکہ منت میں اس نے اس کا اپنے اوپر التزام کیا یعنی لازم کیا ہے **نَصًّا** صراحت کرتے ہوئے۔ منت میں تو وہ صراحت کرتے ہوئے اپنے اوپر قیام کو لازم کرتا ہے مثلاً یوں کہتا ہے کہ اے اللہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں چار رکعت نفل کھڑے ہو کر ادا کروں گا۔ تو وہاں تو اس نے باقاعدہ صراحت کی ہے قیام کی، اس وجہ سے اس پر وہ قیام کیا ہو جاتا ہے؟ لازم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے کہتے ہیں بعض مشائخ لکھتے ہیں اگر اس نے منت کے اندر کھڑے ہونے کی تصریح نہ کی تو اس کے لیے بیٹھ کر بھی نفل ادا کرنا جائز ہے بھائی۔ تو لہٰذا اس کو منت پر قیاس نہیں کیا جائے گا کیونکہ منت میں اس نے تصریح کی ہے جبکہ ان کے اندر اس نے تصریح نہیں کی بھائی۔

تو کہتے ہیں: **بِخِلَافِ النَّذْرِ** بخلاف منت کے، **لِأَنَّهُ الْتَزَمَهُ نَصًّا** کیونکہ اس نے اس میں اس نے قیام کا التزام کیا ہے **نَصًّا** صراحت کرتے ہوئے، **حَتَّى لَوْ لَمْ يَنُصَّ عَلَى الْقِيَامِ** یہاں تک کہ اگر اس نے صراحت نہ کی قیام پر منت میں، **لَا يَلْزَمُهُ الْقِيَامُ عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ** تو اس پر قیام بھی لازم نہیں ہو گا **عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ** کس کے نزدیک؟ بعض مشائخ، بعض فقہاء کے نزدیک بھائی۔

وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ تَنَفَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ إلَى أَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ يُؤْمِي إيمَاءً اور جو شخص شہر سے باہر ہوا، **تَنَفَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ** وہ نفل پڑھ سکتا ہے اپنی سواری پر ہی، **إلَى أَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ** جس جانب کو بھی وہ سواری متوجہ ہو، **يُؤْمِي إيمَاءً** اس حال میں کہ یہ اشارہ کرے گا، اشارے سے نماز پڑھے گا۔ بھائی یاد رکھیے سواری پر نوافل ادا کرنا چاہتے ہیں تو سواری پر آپ نوافل ادا کر سکتے ہیں اور رکوع اور سجدے کا اشارہ، رکوع اور سجدے کو اشارے سے ادا کیا جائے گا۔ کیونکہ سواری پر سوار ہے تو رکوع اور سجدہ تو ہو نہیں سکتا تو ان کو کس سے ادا کرے گا؟ اشارے سے ادا کرے گا، اور نیز یہ بھی یاد رکھیں سواری کا جدھر کو بھی رخ ہو تو آپ اس طرف کیا کر سکتے ہیں؟ اسی رخ پر نوافل کو ادا کر سکتے ہیں۔ قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں بھائی۔ آپ نے کسی طرف جانا ہو گا، اگر قبلہ رخ کی قید لگا دی جائے پھر تو سواری پر نفل پڑھنا ہی ممکن نہ رہے گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور نیز کبھی سواری ایک طرف مڑے گی کبھی دوسری طرف مڑے گی، اگر قبلہ رخ کا اہتمام کر بھی لیا جائے تو اس پر انسان پھر باقی نہیں رہ سکتا۔ تو سواری پر آپ نفل پڑھنا چاہتے ہیں، مثلاً آج کل گاڑیاں ہیں گاڑی کے اندر آپ نفل پڑھنا چاہتے ہیں تو جس رخ پر گاڑی چل رہی ہے بس اسی رخ پر کیا کر لیجیے؟ نفل شروع کر لیجیے اور رکوع اور سجدہ کس کے ساتھ کر لیجیے؟ اشارے کے ساتھ بھائی، اشارے کے ساتھ۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ تَنَفَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ** اور جو شخص شہر سے باہر ہو وہ نفل پڑھ سکتا ہے اپنی سواری پر، **إلَى أَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ** جس جانب بھی وہ سواری متوجہ ہو، **يُؤْمِي إيمَاءً** اس حال میں کہ یہ کیا کرے گا؟ اشارہ کرے گا نفل پڑھنے والا، **لِحَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ إلَى خَيْبَرَ يُؤْمِي إيمَاءً»** حضرت عمر رضی اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں: **«رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ»** میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، **«يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ»** کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں گدھے پر، **«وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ إلَى خَيْبَرَ»** اور وہ متوجہ ہیں خیبر کی طرف یعنی رخ کس طرف ہے؟ **«يُؤْمِي إيمَاءً»** اس حال میں کہ وہ اشارہ کر رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَلِأَنَّ النَّوَافِلَ غَيْرُ مُخْتَصَّةٍ بِوَقْتٍ اور جی، یہ تو دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ شہر سے باہر سواری پر بھی نفل ادا کرنا درست ہے اشارے کے ساتھ۔ ایک تو دلیل یہ حدیث ذکر کر دی۔ اب عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ النَّوَافِلَ غَيْرُ مُخْتَصَّةٍ بِوَقْتٍ** اس لیے کیونکہ نوافل کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہیں، **فَلَوْ أَلْزَمْنَاهُ النُّزُولَ وَالِاسْتِقْبَالَ** اگر ہم اس شخص پر لازم کر دیں اترنا اور قبلہ رخ ہونا، اگر ہم کیا کہیں؟ یہ نوافل سواری پر ادا نہیں کر سکتا بلکہ کیا کرنا پڑے گا؟ نیچے اترنا پڑے گا اور کس طرف رخ کرنا پڑے گا؟ قبلے کی طرف، **تَنْقَطِعُ عَنْهُ النَّافِلَةُ أَوْ يَنْقَطِعُ هُوَ عَنْ الْقَافِلَةِ** تو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور پیش آئے گی، یا تو یہ نیچے اترے گا یا نہیں اترے گا۔ اگر نیچے نہیں اترتا تو پھر تو اس کے نفل رہ گئے اور اگر نیچے اتر کر ادا کرتا ہے تو پھر یہ قافلے سے رہ جائے گا اور بچھڑ

جائے گا ان سے بھائی۔ تو لہٰذا اس کے اس کے لیے کیا ہونا چاہیے؟ اجازت ہونی چاہیے۔ تو عقل بھی یہی کہتی ہے اور حدیث سے بھی یہی معلوم ہوا بھائی۔

فَلَوْ أَلْزَمْنَاهُ النُّزُولَ وَالِاسْتِقْبَالَ تَنْقَطِعُ عَنْهُ النَّافِلَةُ أَوْ يَنْقَطِعُ هُوَ عَنْ الْقَافِلَةِ اگر ہم اس پر لازم کر دیں نیچے اترنا اور قبلہ رخ ہونا، استقبال کا کیا معنی؟ یہاں استقبالِ قبلہ بھائی، تو اور استقبالِ قبلہ یعنی قبلہ رخ ہونا، **تَنْقَطِعُ عَنْهُ النَّافِلَةُ** تو منقطع ہو جائے گا اس منقطع ہو جائیں گے اس سے نفل یعنی رہ جائیں گے اس سے نفل، **أَوْ يَنْقَطِعُ هُوَ عَنْ الْقَافِلَةِ** یا یہ رہ جائے گا کس سے؟ قافلے سے۔

أَمَّا الْفَرَائِضُ باقی فرائض جو ہیں، ہاں فرائض کے لیے بھائی وہ سواری پر ادا اشارے کے ساتھ نہیں کر سکتا، اس کے لیے قبلہ رخ ہونا بھی ضروری اور رکوع اور سجدے کا ہونا بھی ضروری ہے، الا یہ کہ کوئی عذر ہو تو وہ پھر الگ بات ہے۔ تو فرضوں کے اندر فرضوں کے اندر قبلہ رخ ہونا بھی ضروری اور اور رکوع اور سجدے کا کرنا بھی ضروری ہے اور تو اس میں ہم نے اس پر اترنے کو بھی لازم قرار دے دیا تاکہ رکوع اور سجدہ کرے اور قبلہ رخ ہونے کو بھی لازم قرار دے دیا اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں، کیونکہ فرائض ہر وقت نہیں ادا کیے جاتے، فرضوں کے مخصوص اوقات مقرر ہیں تو اس وقت میں اگر تھوڑی دیر کے لیے اتر کر ادا کر بھی لے گا تو کوئی حرج نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے: **أَمَّا الْفَرَائِضُ مُخْتَصَّةٌ بِوَقْتٍ** اور باقی فرائض وہ تو خاص ہیں وقت کے ساتھ تو اس میں کوئی حرج نہیں اترنے میں اور قبلہ رخ ہونے میں۔

وَالسُّنَنُ الرَّوَاتِبُ نَوَافِلُ، سننِ رواتب بھائی یہ جو نماز سے پہلے اور بعد میں ہم سنتیں ادا کرتے ہیں بھائی یہ ہیں سننِ رواتب، ان کو سننِ رواتب کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: **وَالسُّنَنُ الرَّوَاتِبُ نَوَافِلُ** اور سننِ رواتب بھی نوافل ہیں بھائی، وہ بھی نفل ہیں۔ اور نفل کے بارے میں تو ہم نے آپ کو بتا دیا کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ سواری پر اشارے کے ساتھ بھی ادا کر سکتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا سننِ رواتب کو بھی سواری پر ادا کر سکتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ اور امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے: **أَنَّهُ يَنْزِلُ لِسُنَّةِ الْفَجْرِ** کہ یہ شخص جو ہے اترے گا فجر کی سنتوں کے لیے، **لِأَنَّهَا آكَدُ مِنْ سَائِرِهَا** اس لیے کیونکہ وہ زیادہ مؤکد ہیں، ان میں زیادہ تاکید ہے **مِنْ سَائِرِهَا** باقی سنتوں کے مقابلے میں۔ باقی سنتوں کے مقابلے میں فجر کی سنتوں کے بارے میں زیادہ تاکید آئی ہے احادیث کے اندر، لہٰذا ان کو سواری پر نہ ادا کرے بلکہ ان کے لیے بھی نیچے اترے اور قبلہ رخ ہو۔

وَالتَّقْيِيدُ بِخَارِجِ الْمِصْرِ يَنْفِي اشْتِرَاطَ السَّفَرِ وَالْجَوَازَ فِي الْمِصْرِ اور خارجِ مصر کے ساتھ مقید کرنا یہ نفی کرتا ہے سفر کے شرط ہونے کو، **وَالْجَوَازَ فِي الْمِصْرِ** اور شہر میں جائز ہونے کو۔ بھائی دیکھیے متن پہ آیئے ذرا۔ متن میں کیا آیا تھا؟ **وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ** صاحبِ قدوری نے کیا قید لگائی؟ شہر سے باہر ہو جو شخص۔ معلوم ہوا سفر شرط نہیں ہے۔ ہاں، شہر سے باہر ہونا شرط ہے۔ سفر کی قید نہیں لگائی بلکہ کیا قید لگائی؟ شہر سے باہر۔ معلوم ہوا یہ ضروری نہیں کہ آپ مسافر ہوں شرعاً پھر ہی نفل سواری پر ادا کر سکتے ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ اور کیونکہ مسافر شرعاً مسافر کسے کہتے ہیں؟ جس نے ایسی جگہ جانے کا ارادہ کیا ہے جو اس سے کم از کم اڑتالیس میل کے فاصلے پر ہو۔ اس نیت کے ساتھ جب آپ شہر سے نکلیں گے تو جیسے ہی شہر کی آبادی سے جدا ہوں گے اب آپ شرعاً مسافر ہوئے، اس سے پہلے مسافر نہیں۔ لیکن بتلایا کہ متن میں مسافر کی کوئی قید نہیں آئی بلکہ کیا قید آئی ہے؟ شہر سے باہر۔ معلوم ہوا جو بھی شہر سے باہر ہو اور سواری پر سوار ہو مثلاً آپ نے کہیں قریب ہی جانا تھا سواری پر تو آپ مسافر تو نہیں ہیں لیکن شہر سے باہر ہیں اور سواری پر ہیں تو کیا کر سکتے ہیں؟ سواری پر ہی نوافل ادا کر سکتے ہیں۔ نیز اسی طرح متن میں کیا قید آئی؟ شہر سے باہر ہونے کی قید آئی، معلوم ہوا شہر کے اندر اس طرح نوافل پڑھنا جائز نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَالتَّقْيِيدُ بِخَارِجِ الْمِصْرِ** اور خارجِ مصر کے ساتھ مقید کرنا یعنی شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مقید کرنا، **يَنْفِي اشْتِرَاطَ السَّفَرِ** یہ نفی کرتا ہے کس چیز کی؟ سفر کے شرط ہونے کی نفی کرتا ہے، یعنی سفر شرط نہیں ہے اس کے بغیر بھی نوافل سواری پر ادا کر سکتا ہے۔ **وَالْجَوَازَ فِي الْمِصْرِ** اور نیز خارجِ مصر کے ساتھ مقید کرنا یہ نفی کرتا ہے کس چیز کی؟ **الْجَوَازَ فِي الْمِصْرِ** شہر میں جائز ہونے کی، معلوم ہوا شہر میں جائز نہیں۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي الْمِصْرِ أَيْضًا امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہر میں بھی جائز ہے، شہر میں بھی جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ایسی ہی آئی ہے، ایسی ہی آئی ہے۔ کہتے ہیں امام صاحب سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو امام صاحب فرمانے لگے کہ شہر کے اندر جائز نہیں ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے پھر حدیث ذکر کی کہ ایک حدیث ہے اس میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایک صحابی کی عیادت کے لیے گدھے پر شہر کے اندر مدینہ کے اندر ہی تشریف لے جا رہے تھے اور آپ سواری پر ہی نوافل میں مشغول تھے۔ معلوم ہوا شہر کے اندر بھی کیا کر سکتا ہے؟ نوافل پر نوافل کو سواری پر ادا کر سکتا ہے۔ تو امام صاحب نے جب یہ مسئلہ ذکر کیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہ حدیث ان کے سامنے ذکر کی کہ یہ حدیث میں یہ آیا ہے۔ تو امام صاحب نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے حدیث سننے کے بعد دوبارہ سر نہیں اٹھایا بھائی، دوبارہ یہ تھے ہمارے ائمہ بھائی۔ جب حدیث آ جاتی تھی اس کے سامنے سر نہیں اٹھاتے تھے اور جو حدیث پر مسئلہ آ جاتا اس پر خاموش رہتے، وہ تو اسی پر عمل ہوتا تھا اور اس کے مقابلے میں کبھی بھی اپنی رائے پیش نہیں فرماتے تھے بھائی، کبھی۔ تو امام صاحب نے اپنا سر جھکا لیا بھائی۔

اب بعد میں بعد میں فقہاء بعض فرماتے ہیں امام صاحب نے اس لیے سر جھکایا کہ حدیث کے سامنے ادب کے طور پر اس کو تسلیم کر لیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں، امام صاحب خاموش اس لیے ہو گئے کیونکہ اس میں کوئی ایک واقعہ ذکر ہوا تھا، شاذ واقعہ، اور شاذ واقعے کے ذریعے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ جی، تو بعضوں نے اس طرف گئے، بعض اس طرف بھائی۔

تو بہر حال امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے شہر کے اندر، شہر کے اندر۔ اور امام محمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی آئی ہے کہ شہر کے اندر بھی سواری پر کیا کر سکتے ہیں؟ نوافل ادا کر سکتے ہیں۔ البتہ وہ فرماتے ہیں مکروہ ہے، مکروہ ہے۔ بھائی مکروہ کیوں ہے؟ حدیث میں آیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بھائی شہر میں چونکہ ہجوم اور بھیڑ زیادہ ہوتی ہے تو لہٰذا اب ہجوم اور بھیڑ کی وجہ سے اس شخص کی توجہ ان لوگوں ادھر ادھر ہو گی اور قرأت میں بھی خلل آئے گا اور نماز میں بھی خلل آنے کا احتمال ہے، لہٰذا اس لیے سواری پر شہر کے اندر پڑھنا مکروہ ہے بھائی، مکروہ ہے۔

وَوَجْهُ الظَّاهِرِ اور ظاہرِ روایت کی وجہ یہ ہے، ظاہرِ روایت کیا آئی متن میں؟ کہ شہر سے باہر پڑھنا جائز ہے، معلوم ہوا شہر کے اندر پڑھنا جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے: **أَنَّ النَّصَّ وَرَدَ خَارِجَ الْمِصْرِ** کہ نص جو حدیث آئی جو ابن حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث آئی ہے وہ کس سے متعلق ہے؟ **وَرَدَ خَارِجَ الْمِصْرِ** کس کے بارے میں آئی ہے؟ شہر سے باہر ہونے کے بارے میں آئی ہے۔ **وَالْحَاجَةُ إِلَى الرُّكُوبِ فِيهِ أَغْلَبُ** اور دوسری وجہ صاحب ہدایہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کہ سوار ہونے کی ضرورت شہر سے باہر زیادہ غالب ہے، یعنی شہر سے باہر ہو تب ہی سوار ہونے کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے، شہر کے اندر زیادہ ضرورت پیش نہیں آتی۔

بھائی دلیل ذکر کر رہے ہیں نا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ذکر کر دیا کہ بھائی متن میں تو آیا تھا شہر میں جائز نہیں لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ شہر میں بھی جائز ہے۔ لیکن متن میں جو آیا وہ ہے ظاہر روایت اور ظاہر روایت کی وجہ کہتے ہیں بھائی دراصل وہ حدیث ہے۔ حدیث کے اندر شہر سے باہر کا ذکر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا شہر سے باہر ہی جائز ہے، شہر کے اندر جائز نہیں۔ اور نیز دوسری وجہ بھی صاحب ہدایہ ذکر فرما رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے بھی شہر سے باہر ہی جائز ہونا چاہیے کیونکہ سوار ہونے کی زیادہ ضرورت شہر سے باہر پیش آتی ہے زیادہ ضرورت۔ لیکن یہ دلیل تو آج کل کام نہیں دے سکتی بھائی۔ آج کل تو زیادہ سواری کی ضرورت کہاں پیش آتی ہے؟ شہر میں، جہاں بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ آپ کو جانا ہوتا ہے تو سواری کی ضرورت پیش آتی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْحَاجَةُ إِلَى الرُّكُوبِ فِيهِ أَغْلَبُ** اور سواری کی ضرورت شہر سے باہر زیادہ غالب ہے یعنی وہاں زیادہ پیش آتی ہے۔

فَإِنْ افْتَتَحَ التَّطَوُّعَ رَاكِبًا ثُمَّ نَزَلَ يَبْنِي وَإِنْ صَلَّى رَكْعَةً نَازِلًا ثُمَّ رَكِبَ اسْتَقْبَلَ۔ فَإِنْ افْتَتَحَ التَّطَوُّعَ رَاكِبًا اگر شروع کیا نفلوں کو، **تَطَوُّع** نفل بھائی، اگر شروع کیا نفل کو سوار ہو کر، **ثُمَّ نَزَلَ** پھر اتر آیا۔ بھائی ایک آدمی ہے اس نے سواری پر ہی نفل پڑھنا شروع کیے اور سواری پر وہ رکوع اور سجدہ اشارے سے ادا کر رہا ہے، پھر وہ سواری سے نیچے اترتا ہے درمیانِ صلاۃ میں اور بقیہ نماز نیچے اتر کر کس کے ساتھ ادا کرنا چاہتا ہے؟ رکوع اور سجدے کے ساتھ ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا اسی نماز پر بنا کر سکتا ہے یا بنا نہیں کر سکتا یا نئے سرے سے پڑھنا پڑے گا؟ تو صاحبِ قدوری نے بتلایا مسئلہ آپ کو کہ اس پر بنا کر سکتا ہے، کیا کر سکتا ہے؟ بنا کر سکتا ہے۔

اور اس کا عکس نہیں، یعنی ایک شخص نے قبلہ رخ ہو کر نیچے تھا سواری پر نہیں ہے اور قبلہ رخ ہو کر رکوع اور سجدے کے ساتھ نماز پڑھنا نفل پڑھنا شروع کر دیے اور پھر بیچ میں اب وہ سواری پر سوار ہوتا ہے اور اسی پر بنا کرنا چاہتا ہے یعنی ایک رکعت جو پڑھ چکا ہے تو بقیہ ایک پڑھنا چاہتا ہے اسی کے ساتھ ملا کر، کہتے ہیں نہیں بھائی، اس صورت میں جائز نہیں۔ یعنی نیچے سے نفل شروع کیے ہوں پھر سواری پر ان پر بنا نہیں کر سکتا۔ یہ معنی ہے: **فَإِنْ افْتَتَحَ التَّطَوُّعَ رَاكِبًا** پس اگر شروع کیا نفلوں کو سوار ہو کر، **ثُمَّ نَزَلَ** پھر نیچے اتر آیا، **يَبْنِي** تو کیا کر سکتا ہے؟ اس پر بنا کر سکتا ہے۔ **وَإِنْ صَلَّى رَكْعَةً نَازِلًا** اور اگر وہ اس نے ایک رکعت نماز پڑھ لی نازلاً اتر کر یعنی نیچے ہی، **ثُمَّ رَكِبَ** اور پھر سوار ہوا، **اسْتَقْبَلَ** تو نئے سرے سے پڑھے گا۔ **اسْتَقْبَلَ** کا ایک معنی کیا ہے؟ استقبال کا معنی ہے نئے سرے سے کرنا بھائی، نئے سرے سے پڑھنا۔ تو **اسْتَقْبَلَ** نئے سرے سے پڑھے گا یعنی اب بنا نہیں کر سکتا۔

لِأَنَّ إِحْرَامَ الرَّاكِبِ انْعَقَدَ مُجَوِّزًا لِلرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لِقُدْرَتِهِ عَلَى النُّزُولِ فَإِذَا أَتَى بِهِمَا صَحَّ۔ کہتے ہیں: **لِأَنَّ إِحْرَامَ الرَّاكِبِ** اس لیے کیونکہ سوار آدمی کا جو احرام ہے یعنی تکبیرِ تحریمہ، احرام سے کیا مراد ہے؟ تکبیرِ تحریمہ۔ تکبیرِ تحریمہ کو تکبیرِ تحریمہ کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ نماز کے منافی چیزوں کو حرام کرنے والی ہے۔ تو اسی یہی احرام ہے بھائی، احرامِ صلاۃ۔ تو دلیل ذکر کر رہے ہیں، اول کس کی دلیل ذکر کریں گے؟ کہ سواری پر سوار ہو کر نماز شروع کیا اور اشارے سے رکوع سجدہ کر رہا ہے اب نیچے اتر کر اس پر بنا کرنا جائز ہے، اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جس شخص نے سواری پر تحریمہ باندھی، تکبیرِ تحریمہ کہی تو یہ تحریمہ اس تحریمہ کے ساتھ وہ کس طرح نماز ادا کرے گا؟ سواری پر ہے نا، تو اشارے کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرے گا۔ لیکن یہ تحریمہ رکوع اور سجدے کو بھی جائز قرار دے رہا ہے، رکوع اور سجدے کو بھی کہ اگر وہ رکوع اور سجدے پر قادر ہو جائے تو رکوع اور سجدہ بھی کر سکتا ہے، کیونکہ وہ تو اور اعلیٰ حالت ہے۔ اشارے سے پڑھنا اعلیٰ یا رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھنا اعلیٰ؟ رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھنا اعلیٰ ہے یقیناً۔ تو جب سمجھ میں آیا بھائی، تو لہٰذا ایک تحریمہ کے ساتھ جب ادنیٰ صورت کی نماز جائز ہو گئی تو اعلیٰ کی بطریقِ اولیٰ جائز ہو جائے گی۔ تو رکوع اور سجدے اس وقت کر تو وہ رکوع اور سجدہ رہا ہے لیکن یہی تحریمہ اس کے لیے اس وقت اس وقت تو اشارہ کر رہا ہے لیکن یہی تحریمہ اس کے لیے رکوع اور سجدے کو بھی جائز قرار دے رہی ہے، کیوں؟ کہتے ہیں: **لِقُدْرَتِهِ عَلَى النُّزُولِ** اس لیے کیونکہ وہ نیچے اترنے پر قادر ہے کہ نیچے اترے اور کس کے ساتھ ادا کر لے؟ رکوع اور سجدے کے ساتھ ادا کر لے، تو یہ تحریمہ اس سے جس طرح اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہوا تھا اسی طرح اس سے رکوع اور سجدے کے ساتھ بھی نماز پڑھنا جائز ہو گا۔ صورت سمجھ میں لیکن اس کا عکس نہیں۔ اگر اس نے نیچے نماز شروع کی تھی تو یہ جو تحریمہ تھا اس تحریمہ میں وہ نماز

کس طرح شروع کی ہے اس نے؟ رکوع اور سجدے کے ساتھ، تو یہ تحریمہ رکوع اور سجدے کو اس پر لازم کرنے والا ہے۔ اب اشارے کے ساتھ وہ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اس نے شروع کرتے ہی کس کو لازم کر لیا؟ رکوع اور سجدے کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اب آگے چل کر وہ آدھی نماز اشارے کے ساتھ سواری پر پڑھنا چاہتا ہے تو اس کی اجازت نہیں ہو گی، اس پر بنا نہیں کر سکتا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ یہ نماز اس نے اعلیٰ حالت میں شروع کی ہے تو اب اس میں ادنیٰ کی گنجائش نہیں ہو گی۔ ہاں عذر ہو تو پھر تو اور صورت ہے، بیچ میں عذر پیش آ گیا کوئی جس کی وجہ سے اب انسان کھڑا نہیں ہو سکتا یا رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا تو پھر اسی پر میں رکوع اور سجدے کے ساتھ پوری کر سکتا ہے، لیکن یہاں تو کوئی اور عذر نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّ إِحْرَامَ الرَّاكِبِ انْعَقَدَ مُجَوِّزًا لِلرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ** اس لیے کیونکہ سوار کا جو احرام ہے یعنی اس کی جو تکبیرِ تحریمہ ہے وہ منعقد ہوئی ہے اس حال میں کہ **مُجَوِّزًا لِلرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ** یہ تحریمہ جس میں وہ نماز ادا تو کس طرح کر رہا ہے؟ سواری پر تحریمہ باندھی ہے بھائی، کس طرح ادا کر رہا ہے؟ ادا تو اشارے سے کر رہا ہے لیکن یہ تحریمہ **مُجَوِّزًا لِلرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ** یہ تحریمہ رکوع اور سجدے کو بھی جائز قرار دینے والی ہے، کیوں؟ کہتے ہیں **لِقُدْرَتِهِ عَلَى النُّزُولِ** اس لیے کیونکہ یہ نیچے اترنے پر قادر ہے، تو نیچے اتر کر بھی کیا کر سکتا ہے؟ اس پر بنا کر سکتا ہے۔ تو **فَإِذَا أَتَى بِهِمَا** پس جب وہ رکوع اور سجدے کو لے آتا ہے یعنی ان کو کر لیتا ہے، **صَحَّ** تو یہ صحیح ہو جائے گا۔

اس کے مقابلے میں **إِحْرَامَ النَّازِلِ انْعَقَدَ لِوُجُوبِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ،** جو نیچے اترا ہوا تھا اس کا احرام یعنی اس کی تکبیرِ تحریمہ وہ منعقد ہوئی ہے **لِوُجُوبِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ** کہ وہ واجب کرنے والی ہے کس کو؟ رکوع اور سجدے کو واجب کرنے والی ہے، **فَلَا يَقْدِرُ عَلَى تَرْكِ مَا لَزِمَهُ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ** پس یہ شخص قادر نہیں ہو گا کہ یہ چھوڑ دے اس چیز کو جو اس پر لازم ہوئی تھی بغیر کسی عذر کے۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَسْتَقْبِلُ اِذَا **نَزَلَ أَيْضًا** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے شروع کرے گا، نئے سرے سے پڑھے گا اِذَا **نَزَلَ أَيْضًا** جب وہ اتر جائے، یعنی وہ فرماتے ہیں نیچے اترنے کی صورت میں بھی نئے سرے سے نماز پڑھنا پڑے گی، بنا نہیں کر سکتا، یہ ان سے ایک روایت ہے۔ **وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور اسی طرح ایک روایت امام محمد رحمہ اللہ سے بھی ہے کہ اِذَا **نَزَلَ بَعْدَ مَا صَلَّى رَكْعَةً** وہ فرماتے ہیں جب یہ اترا ہوا ایک رکعت پڑھنے کے بعد تو اب اس پر بنا نہیں کر سکتا بلکہ کیا کرے؟ نئے سرے سے بنا نئے سرے سے نماز پڑھے گا۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَالْأَصَحُّ هُوَ الظَّاهِرُ** اور زیادہ صحیح قول جو ہے وہ کون سا ہے؟ وہ جو ظاہرِ روایت ہے جو متن میں آیا وہ زیادہ صحیح ہے۔ معلوم ہوا باقی بھی جو ائمہ کے قول آئے ہیں وہ بھی صحیح ہیں لیکن وہ یہ جو متن میں آیا وہ زیادہ صحیح ہے بھائی۔

▪ فَصْلٌ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ یہ فصل ہے قیامِ رمضان کے بارے م

فَصْلٌ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ یہ فصل ہے قیامِ رمضان کے بارے میں یعنی تراویح کے بارے میں۔ **يُسْتَحَبُّ أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ إِمَامُهُمْ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ** اور مستحب ہے لوگوں کے لیے کہ وہ جمع ہوں رمضان کے مہینے میں عشاء کے بعد، **فَيُصَلِّيَ بِهِمْ إِمَامُهُمْ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ** پس پڑھائے ان کو ان کا امام پانچ ترویحے، **كُلُّ تَرْوِيحَةٍ بِتَسْلِيمَتَيْنِ** ہر ترویحہ کس کے ساتھ ہو؟ دو سلاموں کے ساتھ۔

خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ پانچ ترویحے پڑھائے۔ ترویحہ بھائی، **رَوَّحَ يُرَوِّحُ تَرْوِيحٌ** کا معنیٰ ہوتا ہے راحت دینا، آرام پہنچانا۔ تو چار رکعتوں میں کے بعد بھائی یہ تراویح کا طریقہ تراویح کا طریقہ اہل حرمین کے نزدیک یعنی مکہ اور مدینہ والے تراویح اس طرح ادا کرتے کہ ہر چار رکعت کے بعد کچھ وقفہ کرتے بھائی، کچھ وقفہ کرتے اسی کے بقدر، انہی چار رکعت جو تراویح پڑھ لی تھیں انہی کے بقدر کیا کر لیتے؟ وقفہ کرتے تھے۔ مکہ والے اس دوران طواف وغیرہ کر لیتے اور مدینہ والے کوئی نوافل وغیرہ پڑھ لیتے، تو یہ چار تراویح کے بعد چونکہ وقفہ بیچ میں آ جاتا تھا تو یہ چار رکعت کا نام ہی ترویحہ رکھ دیا گیا کیونکہ وقفہ آیا تو راحت آ گئی، کیا آ گئی؟ راحت آ گئی۔ تو یہ چار رکعت راحت تک پہنچانے والی ہیں اس لیے ان کا نام ہی کیا رکھ دیا گیا؟ ترویحہ رکھ دیا گیا بھائی۔ ترویحہ وہ چیز جو راحت تک پہنچانے والی ہو۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟

تو ان کو امام پانچ ترویحے پڑھائے گا اور ہر ترویحے میں دو سلام ہوں گے یعنی ہر دو رکعت پر کیا کرے گا امام؟ سلام پھیرے گا اس لیے کیونکہ جماعت ہو رہی ہے لوگ جمع ہیں تو آسانی اسی میں ہے لوگوں کے لیے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے بھائی، آپ پیچھے پڑھ چکے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟

اب دیکھیے یہاں پر آیا کہ نماز پڑھائے ان امام ان کو **خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ** کتنے؟ پانچ پانچ ایسے ترویحے، **كُلُّ تَرْوِيحَةٍ بِتَسْلِيمَتَيْنِ** کہ ہر ترویحہ کیا ہو؟ دو سلاموں کے ساتھ ہو۔

وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيحَةٍ اور بیٹھے ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحے کی مقدار، بیٹھے یعنی بیٹھنے سے مراد ہے وقفہ کرے، کیا کرے؟ وقفہ کرے، چاہے اس دوران انسان خاموش بیٹھا رہے، چاہے تو تسبیحات وغیرہ پڑھ لے، چاہے نوافل پڑھ لے، حرم میں ہے تو چاہے کیا کر لے؟ نفل پڑھ لے بھائی۔ تو بیٹھیں ان کے درمیان **مِقْدَارَ تَرْوِيحَةٍ** ایک ترویحے کی مقدار۔

ثُمَّ يُوتِرُ بِهِمْ پھر امام ان کو وتر پڑھائے۔ تراویح کے بعد کیا کرے؟ پانچ ترویحے جب مکمل ہو جائیں تو ان کو وتر پڑھائے بھائی، وتر۔

اور یہ بھی یاد رکھیے یہ بھی مسئلہ یاد رکھیے کہ یہ ترویحہ یعنی چار رکعت کے بعد اسی میں اسی قدر بیٹھنا اور انتظار کرنا یہ مستحب ہے، واجب نہیں۔ لہٰذا اگر یہ خوف ہے آپ کو کہ میں اس طرح کروں گا تو جماعت کم ہو جائے گی، لوگ تنگ ہوں گے کہ دیر ہو رہی ہے، تو اس صورت میں اس کو چھوڑا بھی جا سکتا ہے جیسا آج کل عموماً اس کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ چھوڑ دیا جاتا ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ ہاں، چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو وہ بیٹھتے تو ہیں لیکن وہ چند لمحوں کے لیے ہی بیٹھتے ہیں، پورے ترویحے کی مقدار تو نہیں بیٹھتے، اسی لیے کیونکہ خط پھر اس صورت میں خوف ہے کہ جماعت کم ہو جائے گی، لوگ آئیں گے ہی نہیں تراویح کے اندر بھائی۔

ذَكَرَ لَفْظَ الِاسْتِحْبَابِ بھائی متن میں کیا صاحبِ قدوری نے کیا ذکر کیا؟ **يُسْتَحَبُّ أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ** صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ ذکر کیا صاحبِ قدوری نے لفظ الاستحباب، استحباب کے لفظ کو، **وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا سُنَّةٌ** اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ تراویح کیا ہیں؟ مستحب نہیں ہیں بلکہ سنت ہیں، **كَذَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** اسی طرح روایت کیا ہے حسن ابن زیاد رحمہ اللہ نے امام صاحب سے، **لِأَنَّهُ وَاظَبَ عَلَيْهَا الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ** اس لیے کیونکہ اس پر پابندی فرمائی ہے خلفائے راشدین نے بھائی۔ کس نے؟ خلفائے راشدین نے اس پر پابندی فرمائی ہے، اور حضور علیہ السلام بھی فرماتے ہیں: «**عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ**» کہ تم میری سنت کو اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو بھائی۔ تو یہ خلفائے راشدین کی سنت ہے، انہوں نے اس پر پابندی فرمائی ہے۔ نیز: **وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَيَّنَ الْعُذْرَ فِي تَرْكِهِ الْمُوَاظَبَةَ** حضور علیہ السلام نے عذر بیان فرمایا تھا **فِي تَرْكِهِ الْمُوَاظَبَةَ** اپنے پابندی کو چھوڑنے پر۔ اپنے حضور علیہ السلام نے تراویح پر پابندی نہیں فرمائی بھائی۔

بھائی یہ حاشیے میں اپ کی حدیث دی ہوئی ہے کہ روایات میں اتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ رمضان کی رات میں نکلے اور لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں تراویح، پس اگلی رات جب آئی پھر لوگ اکٹھے ہوئے پھر حضور علیہ السلام نے ان کو بیس رکعت تراویح پڑھائیں۔ پھر تیسری رات جب آئی تو اب لوگ پھر جمع ہو گئے، زیادہ جمع ہو گئے، تو پھر حضور علیہ السلام تشریف نہیں لائے نماز پڑھانے کے لیے، اور فرمانے لگے کہ مجھے معلوم ہے تم کہ تم لوگ جمع ہو گئے ہو لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ جماعت تم پر فرض کر دی جائے، کہیں ایسا نہ ہو یہ جماعت تم پر فرض کر دی جائے۔ تو چنانچہ پھر اس کے بعد حضور علیہ السلام نے اس طرح تراویح نہیں پڑھائیں بھائی۔ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک لوگ اس کو علیحدہ پڑھتے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ لوگوں کو جمع کیا ایک امام کے پیچھے اور پھر باباقاعدہ اسی طرح جس طرح حضور علیہ السلام نے ادا فرمائی تھی جماعت کے ساتھ اسی طریقے پر تراویح کو کے ادا کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور جو آج تک اسی طرح جاری ہے بھائی، جاری ہے۔

بعض لوگوں پر حیرت ہوتی ہے وہ کہتے ہیں وہ اور دلائل ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اٹھ رکعت ہیں۔ چلیں ٹھیک ہے اور دلائل پیش کریں، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم کہتے ہیں دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس رکعت ادا فرماتے تھے تو وہ کہتے ہیں یہ ان کی بدعت ہے۔ کیا کہتے ہیں؟ بدعت۔ یہ عجیب لفظ استعمال کرتا ہے جس سے سن کر انسان کانپ کانپ اٹھتا ہے کہ کس جلیل القدر صحابی اور کس خلیفہ راشد کے بارے میں وہ بدعت کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ کوئی میری آپ کی بات نہیں، صحابہ؟ صحابہ تو حضور علیہ السلام کے ایک اشارے پر گردنیں کٹوا دیتے تھے، جانیں قربان کر دیتے تھے۔ کیا آپ ایسا سوچ سکتے ہیں کہ کوئی صحابی اور پھر حضرت عمر جیسا صحابی کہ حضور علیہ السلام کی مخالفت کرے اپنے کسی عمل میں؟ ایسا ممکن ہی نہیں ہے بھائی۔

تو بہر حال یہ بڑا ہی قبیح لفظ ہے جو وہ استعمال کرتے ہیں بھائی، اور دلائل دیں ٹھیک ہے بات کریں وہ وہ الگ بات ہے، میں اس پر بحث نہیں کر رہا کہ ان کی دلائل قوی ہیں یا قوی نہیں ہیں، دلائل ہمارے بڑے قوی ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ وہ آٹھ کا جو ذکر آتا ہے وہ تہجد کا ذکر آتا ہے، صلاۃ اللیل کا ذکر آتا ہے، تو وہ تہجد کا ہے اور یہ رمضان میں جو حضور علیہ السلام نے وہ بیس رکعت ادا فرمائیں پھر حضرت عمر نے بھی بیس پر ہی سب کو باقی رکھا۔ یہ حضرت عمر کا بیس پڑھانا یہی دلیل ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو حدیث میں بھی آیا کتنی پڑھا کتنی پڑھائی تھیں؟ بیس رکعت پڑھائی تھیں، اور نیز آج تک حرمین میں اسی پر عمل ہے، اسی پر عمل ہے۔ حرمین میں آج بھی کتنی رکعت ادا کی جاتی ہیں؟ بیس رکعت ہی ادا کی جاتی ہیں بھائی۔

تو یہ حدیث آئی تو حضور علیہ السلام نے اپنا عذر بیان فرمایا کہ میں نے اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ کہیں ہم پر تم لوگوں پر یہ نماز فرض ہی نہ کر دی جائے۔

تو کہتے ہیں وہ کیونکہ خلفائے راشدین نے اس پر پابندی فرمائی ہے، **وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَيَّنَ الْعُذْرَ** اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **بَيَّنَ الْعُذْرَ** اس میں عذر بیان فرمایا **فِي تَرْكِهِ الْمُوَاظَبَةَ** اپنے مواظبت کو چھوڑنے پر، **وَهُوَ خَشْيَةُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْنَا** اور وہ یہ خوف تھا کہ کہیں ہم پر فرض نہ کر دی جائے، **وَالسُّنَّةُ فِيهَا الْجَمَاعَةُ** اور تراویح کے اندر مسنون جو ہے جماعت ہے، **لَكِنْ عَلَى وَجْهِ الْكِفَايَةِ** لیکن یہ جماعت کس طریقے پر ہے؟ سنتِ کفایہ ہے، کیا ہے؟ سنتِ کفایہ ہے یعنی ہر مسجد والے جو ہیں ہر مسجد والوں پر ہے کہ وہ جماعت کا اہتمام کروائیں تراویح کے لیے۔ **حَتَّى لَوْ امْتَنَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ عَنْ إِقَامَتِهَا كَانُوا مُسِيئِينَ** یہاں تک کہ اگر باز رہے یعنی رک گئے کسی مسجد والے اس سنت کو قائم کرنے سے، **كَانُوا مُسِيئِينَ** تو وہ برا عمل کرنے والے ہیں، کیا کرنے والے ہیں؟ برا عمل کرنے والے ہیں۔ **وَلَوْ أَقَامَهَا الْبَعْضُ فَالْمُتَخَلِّفُ عَنِ الْجَمَاعَةِ تَارِكٌ لِلْفَضِيلَةِ** اور اگر اس کو بعض لوگوں نے قائم

کیا، بعضوں نے تراویح کو ادا کیا اور بعضوں نے ادا نہیں کیا، تو جب بعضوں نے ادا کر دیا انہوں نے سنتِ کفایہ قائم کر دی، سنت پر عمل ہو گیا اور جو پیچھے رہ گئے انہوں نے وہ فضیلت چھوڑنے والے ہیں، فضیلت سے محروم رہنے والے ہیں۔ **وَلَوْ أَقَامَهَا الْبَعْضُ** پس اگر قائم کر دیا اس کو اس سنت کو بعضوں نے، **فَالْمُتَخَلِّفُ عَنْ الْجَمَاعَةِ** تو وہ جو پیچھے رہنے والے ہیں جماعت سے، **تَارِكٌ لِلْفَضِيلَةِ** وہ فضیلت کو چھوڑنے والے ہیں، وہ تارکِ سنت نہیں کہیں گے ان کو ہم، کیا کہیں گے؟ تارکِ جماعت کو چھوڑنے والے ہیں۔ کیوں؟ **لِأَنَّ أَفْرَادَ الصَّحَابَةِ يُرْوَى عَنْهُمْ التَّخَلُّفُ** صحابہ کے جو افراد ہیں ان سے بھی روایت کیا گیا ہے پیچھے رہنا کہ بعض صحابہ بھی کیا کرتے تھے؟ وہ اکیلے ادا کرتے تھے یعنی جماعت سے پیچھے رہتے تھے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا جماعت سے پیچھے رہنے والے کو یہ کہا جائے گا اس نے جماعت کی فضیلت اس کو نہیں ملی، ہاں البتہ سنت کو چھوڑ دیا یہ نہیں کہا جائے گا کیونکہ اکیلے ادا وہ کر رہا ہے۔

وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْجُلُوسِ بَيْنَ التَّرْوِيحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيحَةٍ اور مستحب بیٹھنے کے اندر جو ہے دو ترویحوں کے درمیان وہ ایک ترویحے کی مقدار ہے، **وَكَذَا بَيْنَ الْخَامِسَةِ وَبَيْنَ الْوِتْرِ** اور اسی طرح پانچویں ترویحے اور وتر کے درمیان بھی کتنی مقدار بیٹھنا مستحب ہے؟ ایک ترویحے کی مقدار، **لِعَادَةِ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ** بوجہ اہلِ حرمین کی عادت کے۔ اہلِ حرمین یعنی مکہ اور مدینہ والے جو تھے ان کی عادت تھی اس کے مطابق وتر اور پانچویں ترویحے کے درمیان بھی اتنا ہی وقفہ کیا جائے گا۔

وَاسْتَحْسَنَ الْبَعْضُ الِاسْتِرَاحَةَ عَلَى خَمْسِ تَسْلِيمَاتٍ اور بعض مشائخ نے انہوں نے استراحت کو مستحسن قرار دیا ہے، اچھا قرار دیا ہے، **عَلَى خَمْسِ تَسْلِيمَاتٍ** پانچ سلاموں پر، کہ پانچ سلاموں کے بعد کیا کرنا چاہیے؟ کچھ وقفہ ہونا چاہیے یعنی دس رکعت کے بعد، کتنی رکعت کے بعد؟ دس رکعت، **وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ** صاحبِ ہدایہ کیا فرما رہے ہیں؟ یہ صحیح نہیں ہے بھائی۔

وَقَوْلُهُ «ثُمَّ يُوتِرُبِهِمْ» متن میں کیا آیا تھا؟ پانچ ترویحے پڑھائے، **«ثُمَّ يُوتِرُبِهِمْ»** پھر امام ان کو کیا کرے؟ وتر پڑھائے، وتر پڑھائے۔ معلوم ہوا تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہے اور وتر سے پہلے ہے۔ کہتے ہیں: **وَقَوْلُهُ «ثُمَّ يُوتِرُبِهِمْ»** اور صاحبِ قدوری کا قول **«ثُمَّ يُوتِرُبِهِمْ»**، **يُشِيرُ** یہ اشارہ کر رہا ہے **إِلَى أَنَّ وَقْتَهَا بَعْدَ الْعِشَاءِ قَبْلَ الْوِتْرِ** کہ تراویح کا وقت جو ہے عشاء کے بعد ہے اور وتر سے پہلے ہے، **وَبِهِ قَالَ عَامَّةُ الْمَشَايِخِ** اور اسی کے قائل ہیں اکثر مشائخ، **وَالْأَصَحُّ** اور زیادہ صحیح یہ ہے **أَنَّ وَقْتَهَا بَعْدَ الْعِشَاءِ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ قَبْلَ الْوِتْرِ وَبَعْدَهُ** کہ اس کا وقت عشاء کے بعد ہے آخر رات تک، **قَبْلَ الْوِتْرِ وَبَعْدَهُ** وتر سے پہلے بھی اور وتر کے بعد بھی، وتر سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں وتر کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں، **لِأَنَّهَا نَوَافِلُ سُنَّتْ بَعْدَ الْعِشَاءِ** اس لیے کیونکہ یہ ایسے نوافل ہیں سنت بعد العشاء جن کا جو مسنون ہیں جن کو مقرر کیا گیا ہے بعد العشاء کس کے بعد؟ عشاء کے بعد۔

وَلَمْ يَذْكُرْ قَدْرَ الْقِرَاءَةِ اور صاحبِ قدوری نے قرأت کی مقدار نہیں ذکر کی۔ اچھا بھائی پیچھے کیا مسئلہ ذکر ہوا؟ یاد رکھیے تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے، لہٰذا ایک شخص نے عشاء کی نماز ادا کی تھی، تراویح بھی ادا کر لیں، پھر پتہ چلا کہ عشاء کی نماز نہیں ہوئی تھی کسی وجہ سے، تو پھر یاد رکھو دوبارہ جب عشاء کی نماز پڑھے گا تو تراویح دوبارہ پڑھی دوبارہ وہ پڑھے گا کیونکہ وہ اگر ان کو مانا جائے پھر تو وہ تو عشاء سے پہلے ہو گئیں حالانکہ تراویح تو عشاء سے پہلے نہیں، یہ ان کے تابع ہیں، تابع۔ ہاں وتروں سے پہلے بھی تراویح ہو سکتی ہیں اور بعد میں بھی، تو بہتر تو یہ ہے تراویح کیا ہونی چاہییں؟ وتر سے پہلے، لیکن اگر بعد میں بھی ہو جائے تو ٹھیک ہے بھائی۔ لہٰذا کوئی شخص دیر سے مسجد میں پہنچا تراویح شروع ہو چکی ہیں تو وہ پہلے فرض نماز پڑھ لے اور پھر اس کے بعد تراویح میں شریک ہو جائے اور وتر بھی امام کے ساتھ ہی ادا کر لے اور جو تراویح بچ گئی ہیں، رہ گئی تھیں وہ ان کے وتروں کے بعد ان کو ادا کر لے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ تو بتلانا مقصد یہ ہے کہ تراویح کو عشاء کی نماز سے پہلے نہیں ہونا چاہیے، عشاء کے بعد ہی ہونا چاہیے، ہاں وتروں سے پہلے بھی ہو سکتی ہیں اور بعد میں بھی، دونوں طرح صحیح ہیں۔

وَلَمْ يَذْكُرْ قَدْرَ الْقِرَاءَةِ اور صاحبِ قدوری نے قرأت کی مقدار نہیں ذکر کی کہ کتنی قرأت کرنی چاہیے تراویح کی ایک رکعت میں امام کو؟ کہتے ہیں: **وَأَكْثَرُ الْمَشَايِخِ** اور اکثر مشائخ جو ہیں **عَلَى** اس بات پر ہیں **أَنَّ السُّنَّةَ فِيهَا الْخَتْمُ مَرَّةً** کہ سنت تراویح کے اندر وہ ایک مرتبہ ختمِ قرآن کرنا ہے، **فَلَا يُتْرَكُ لِكَسَلِ الْقَوْمِ** لہٰذا اس ختمِ قرآن کو نہ چھوڑا جائے لوگوں کی سستی کی وجہ سے۔ لوگوں کی سستی کی وجہ سے ختمِ قرآن کو نہ چھوڑا جائے کہ لوگ سستی کر رہے ہیں تو آپ ختمِ قرآن کو چھوڑ دیں، نہیں، بلکہ کیا کرنا چاہیے؟ ختمِ قرآن کرنا چاہیے، سمجھ میں آئی بات؟ ختمِ قرآن کرنا۔ ہاں اگر آپ کسی ایسی جگہ ہیں یاد مسئلہ یاد رکھنا، اگر آپ کسی ایسی جگہ پر ہیں کہ جہاں آپ دیکھتے ہیں کہ اگر میں نے ختمِ قرآن کیا تو لوگ تو نماز میں تراویح میں آنا ہی چھوڑ دیں گے، کیونکہ ختمِ قرآن کے لیے ہر تراویح میں کچھ مقدار تو پڑھنا پڑے گی بھائی تب ہی پورے مہینے میں کیا ہو گا؟ قرآن ختم ہو گا، تو تھوڑی زیادہ مقدار اس ختم کے اعتبار سے یعنی دس رکعت دس بارہ رکعت دس بارہ آیتیں تو پڑھنی پڑیں گی بھائی، تو اگر آپ کو یہ خوف ہے کہ یہ لوگ نماز میں پھر آئیں گے ہی نہیں اگر میں ختمِ قرآن کروں گا تو پھر یاد رکھیے ختمِ قرآن کو چھوڑنا بھی اس صورت میں جائز ہے اور مختصر سورتوں کے ساتھ تراویح پڑھانا بھی جائز، لیکن عام حالات میں تو صرف لوگوں کی سستی کی وجہ سے ختمِ قرآن کو چھوڑ دے یہ درست نہیں ہے بلکہ کیا کرنا چاہیے؟ ختمِ قرآن کرنا چاہیے بھائی۔

فَلَا يُتْرَكُ لِكَسَلِ الْقَوْمِ لہٰذا ختمِ قرآن کو چھوڑا نہ جائے لوگوں کی سستی کی وجہ سے، **بِخِلَافِ مَا بَعْدَ التَّشَهُّدِ مِنْ الدَّعَوَاتِ حَيْثُ يَتْرُكُهَا**

لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ ہاں، تراویح کے اندر تشہد کے بعد جو نماز میں دعائیں پڑھی جاتی ہیں ان کو چھوڑ سکتا ہے انسان۔ مختصر کروانے کے لیے کیا کر سکتا ہے؟ اگر پتہ ہے لوگ سست ہیں سستی کریں گے تو یہ کر سکتا ہے پھر کیا کیا کرے؟ تشہد کے بعد جو دعائیں ہیں ان کو چھوڑ سکتا ہے۔ ہاں البتہ درود پڑھ لے کیونکہ درود امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے، ہمارے نزدیک تو فرض نہیں لیکن ان کے نزدیک فرض ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ درود پڑھ لے بھائی، ہاں باقی دعائیں چھوڑ کر مختصر مختصر اختصار کرتے ہوئے سلام پھیر سکتا ہے۔

بِخِلَافِ مَا بَعْدَ التَّشَهُّدِ مِنَ الدَّعَوَاتِ بخلاف وہ تشہد کے بعد جو دعائیں ہیں، **حَيْثُ يَتْرُكُهَا** کیونکہ ان کو چھوڑ سکتا ہے، **لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ** کیونکہ وہ سنت نہیں۔

وَلَا يُصَلَّى الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِي غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ اور نہ پڑھے جائیں وتر جماعت کے ساتھ رمضان کے مہینے کے علاوہ، یعنی باقی سال بھر وتر جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرنے چاہییں، **عَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ** اسی پر کیا ہے؟ مسلمانوں کا اجماع ہے۔ رمضان میں تو وتر جماعت کے ساتھ ہوں اور باقی بغیر جماعت کے اکیلے ادا کرنے چاہییں، **وَاللَّهُ أَعْلَمُ** اور اللہ ہی خوب جاننے والے ہیں۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۶۷: بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِ...

ہدایہ صفحہ: ۱۵۸ــــ بتاریخ: ۲۳ جنوری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ ثُمَّ أُقِيْمَتْ يُصَلِّيْ أُخْرَى صِيَانَةً لِلْمُؤَدَّى عَنِ الْبُطْلَانِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ إِحْرَازًا لِفَضِيْلَةِ الْجَمَاعَةِ وَإِنْ لَمْ يُقَيِّدِ الْأُولَى بِالسَّجْدَةِ يَقْطَعُ وَيَشْرَعُ مَعَ الْإِمَامِ هُوَ الصَّحِيْحُ۔

■ بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے

بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے بیان میں۔ یعنی کوئی شخص فرضوں کی جماعت پالے بھائی۔ تو اس باب میں چند مسائل ذکر ہوں گے کہ کوئی شخص اپنی اکیلے فرض پڑھنا شروع کرتا ہے اور اس دوران جماعت کھڑی ہو جاتی ہے، وہی والی جو وہ ادا کر رہا ہے، تو پھر کیا کرے؟ تو یہ مسائل اس میں ذکر ہوں گے اور اسی طرح اس سے متعلقہ کچھ اور مسائل بھی ذکر ہوں گے۔

■ بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے

بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے بیان میں۔ **وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ ثُمَّ أُقِيْمَتْ يُصَلِّيْ أُخْرَى**، صورت مسئلہ یہ: ایک شخص نے ظہر کی نماز اکیلے پڑھنا شروع کر دی اور ابھی ایک ہی رکعت پڑھی تھی ظہر کی کہ جماعت کھڑی ہو گئی ظہر کی بھائی، جو ظہر کی جماعت کھڑی ہو گئی، تو اب کیا کرے؟ تو اپ کو صاحب قدوری بتلائیں گے کہ یہ شخص جو ایک رکعت ظہر کے فرض پڑھ چکا ہے، یہ اب اس کو چھوڑ دے اور کس میں شامل ہو جائے؟ جماعت میں شامل ہو جائے، کیونکہ جماعت کی نماز کا ثواب جو ہے وہ ستائیس گنا زیادہ ہے، تو اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے اور اس ثواب کو سمیٹنے کے لیے یہ اس میں شامل ہو جائے۔ لیکن ادھر یہ ایک رکعت پڑھ چکا ہے، تو اس ایک رکعت کو بھی باطل نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر پھر سلام پھیر دے، تو یہ دو رکعتیں جو ہیں یہ نفل ہو جائیں گی اور پھر جماعت کے ساتھ شامل ہو کر ظہر کے فرض بھی ادا کر لے۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ** اور جس نے ایک رکعت پڑھ لی ظہر کی نماز میں سے، **ثُمَّ أُقِيْمَتْ** پھر نماز قائم کر دی گئی یعنی جماعت قائم کر دی گئی، یعنی ظہر کی جماعت کھڑی ہو گئی، **يُصَلِّيْ أُخْرَى** تو یہ نماز پڑھنے والا جو ایک رکعت پڑھ چکا ہے، **يُصَلِّيْ أُخْرَى** یہ دوسری رکعت بھی پڑھ لے، یعنی دو پوری کر لے اور پھر سلام پھیر دے۔ بھائی یہ دوسری ایک رکعت کیوں پڑھ لے؟ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ کہتے ہیں: **صِيَانَةً لِلْمُؤَدَّى عَنِ الْبُطْلَانِ**، تاکہ صیانۃً بچانے کے لیے اس کو جس کو اس نے ادا کیا ہے، یعنی وہ جو ایک رکعت جس کو یہ ادا کر چکا ہے اس کو باطل ہونے سے بچانے کے لیے، ورنہ تو کیا ہو جائے گی وہ ایک رکعت؟ باطل ہو جائے گی۔ ایک رکعت کی نماز سے تو منع کیا گیا ہے، تو لہٰذا اب اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا لے تاکہ دو نفل بن جائیں۔

ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ، پھر شامل ہو جائے ان لوگوں کے ساتھ، **إِحْرَازًا لِفَضِيْلَةِ الْجَمَاعَةِ**، اَحْرَزَ يُحْرِزُ إِحْرَازٌ کا معنی ہوتا ہے جمع کرنا۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائے **إِحْرَازًا لِفَضِيْلَةِ الْجَمَاعَةِ**، جماعت کی فضیلت کو سمیٹنے کے لیے۔

وَإِنْ لَمْ يُقَيِّدِ الْأُولَى بِالسَّجْدَةِ يَقْطَعُ وَيَشْرَعُ مَعَ الْإِمَامِ، اور اگر اس نے پہلی رکعت کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تھا۔ بھائی اس شخص نے آکر اپنی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ ابھی پہلی رکعت، پہلی صورت تو کیا تھی؟ ایک رکعت پڑھ چکا تھا، تو اس میں بتایا ایک رکعت اور ساتھ ملالے اور پھر جماعت میں شامل ہو جائے۔ اور دوسری صورت یہ کہ نماز اس نے شروع کی ہے ابھی سجدہ نہیں کیا پہلی رکعت کا، تو اس صورت میں اب یہیں سے کیا کر دے نماز کو؟ چھوڑ دے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ لَمْ يُقَيِّدِ الْأُولَى بِالسَّجْدَةِ** اور اگر اس نے پہلی رکعت کو مقید نہیں کیا سجدے کے ساتھ، یعنی اس کا ابھی سجدہ نہیں کیا، **يَقْطَعُ** تو نماز کو توڑ دے، **وَيَشْرَعُ مَعَ الْإِمَامِ** اور امام کے ساتھ شروع ہو جائے جماعت میں، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے، **لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ** اس لیے کیونکہ یہ جو جو اس نے شروع کیا ہے یہ محل رفض میں ہے۔ رفض کا معنی چھوڑنا، چھوڑنا۔ یعنی اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ اس موقع پر جب تک ابھی تک جبکہ ابھی اس نے سجدہ نہیں کیا تو یہ محل رفض میں ہے، یعنی اس کو چھوڑا جائے، یہ چھوڑنے کے محل میں ہے اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

جیسے آپ نے پڑھا ہے بھائی کہ ایک شخص ہے اور چار رکعت اس نے نماز چار رکعت والی پڑھی اور بھول کر پانچویں رکعت کے لیے بھی کھڑا ہو گیا۔ تو اس میں فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ کہ اگر پانچویں کو اگر ابھی سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تو واپس لوٹ جائے، بیٹھ جائے پھر۔ تو دیکھو وہاں پر بھی کیا کر دیا جاتا ہے؟ اس پانچویں رکعت کو جب تک سجدے سے مقید نہیں کیا جاتا اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو جب تک سجدہ نہیں کیا اس کو چھوڑا جا سکتا ہے، تو یہ محل رفض میں ہے، چھوڑنے کے محل میں ہے۔

لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ اس لیے کیونکہ یہ چھوڑنے کے محل میں ہے، **وَالْقَطْعُ لِلْإِكْمَالِ** اور توڑنا بھی پورا کرنے کے لیے ہے۔ یہ جو توڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ابھی پہلی رکعت کا سجدہ بھی نہیں کیا تو اس کو کیا کر دو؟ توڑ دو، چھوڑ دو۔ تو یہ توڑنے کا حکم بھی کس لیے ہے؟ پورا کرنے کے لیے ہے تاکہ زیادہ کامل طریقے سے نماز ادا ہو جائے کس طرح؟ جماعت کے ساتھ بھائی، جماعت کے ساتھ۔

تو کہتے ہیں: **وَالْقَطْعُ لِلْإِكْمَالِ** اور توڑنا جو ہے کامل کرنے کے لیے ہے، پورا کرنے کے لیے ہے، **بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي النَّفْلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْإِكْمَالِ،** بخلاف اس کے کہ جب وہ نفل میں تھا اس لیے کیونکہ وہ اکمال کے لیے نہیں ہو گا۔ بخلاف اس کے کہ اگر اس نے نفل شروع کیے تھے تو پھر کیا کر لے؟ ان نفلوں کو پورا کر لے بھائی۔ کیا کر لے؟ نفلوں کو پورا کر لے، اس لیے کیونکہ اگر وہاں بھی توڑنے کا کہا جائے تو نفل توڑے گا اور جماعت کے ساتھ شامل ہو گا تو وہ جماعت کے ساتھ تو فرض ہوں گے اور جس کو توڑا ہے وہ کیا تھے؟ نفل تھے۔ تو لہٰذا وہاں ایسا نہ کرے بلکہ نفلوں کو کیا کر لے؟ پورا کر لے اور دو رکعت پر سلام پھیر دے۔ جبکہ یہاں فرضوں میں ہم نے کہا کہ فرضوں کو توڑ دے، اس لیے کیونکہ یہ جو پڑھ رہا ہے وہ ظہر کے فرض ہیں اور جماعت کے ساتھ بھی کیا ادا کرے گا؟ وہی فرض ادا کرے گا، تو توڑ کر پھر جب جماعت کے ساتھ ادا کرے گا تو زیادہ کامل طریقے سے وہ نماز ادا ہو گی۔ اسی لیے کہا کہ **لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْإِكْمَالِ،** نفلوں کے اندر وہ اکمال کے لیے توڑنا اکمال کے لیے نہیں ہو سکتا اس لیے ان کو نہ توڑے۔

وَلَوْ كَانَ فِي السُّنَّةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ فَأُقِيمَ أَوْ خُطِبَ يَقْطَعُ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ، صورت مسئلہ یہ: ایک شخص ہے ظہر کی نماز سے پہلے اس نے سنتیں پڑھنا شروع کر دیں اور اس دوران اقامت شروع ہو گئی، یا جمعہ کے سے پہلے اس نے سنتیں پڑھنا شروع کی تھیں اور اس دوران خطبہ شروع ہو گیا، خطبہ شروع ہو گیا، تو صاحب ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ یہ شخص جو ہے دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دے۔ دو رکعتوں پر ہی ظہر کی سنتیں تو چار تھیں یا اسی طرح جمعہ کی سنتیں چار تھیں، لیکن یہ کیا کرے؟ دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دے اور کس میں شامل ہو جائے؟ ظہر کی نماز میں، یا خطبہ سننے کے لیے بیٹھ جائے کیونکہ خطبہ سننا بھی واجب ہے۔

وَلَوْ كَانَ فِي السُّنَّةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ اور اگر وہ شخص سنتوں میں تھا مشغول تھا ظہر سے پہلے اور جمعہ کی نماز سے پہلے، **فَأُقِيمَ** تو اقامت کہہ دی گئی، **أَوْ خُطِبَ** یا خطبہ کہا گیا یعنی خطبہ شروع کر دیا گیا، **يَقْطَعُ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ** تو وہ توڑ دے ان کو دو رکعت پر ہی، ان سنتوں کو دو رکعت۔ **رَأْسُ الشَّيْءِ** کہتے ہیں کسی شے کا اول حصہ، اول حصہ۔ اسی طرح **رَأْسٌ** کا لفظ کنارے کے لیے بھی آتا ہے اور یہاں اس معنی میں ہے۔ دو رکعتوں کے کنارے پر یعنی دو رکعتوں کے پورا ہونے پر توڑ دے ان کو۔ تو **يَقْطَعُ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ** تو توڑ دے ان سنتوں کو دو رکعتوں کے کنارے پر۔ **يُرْوَى ذٰلِكَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ،** یہ روایت کیا گیا ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے۔ **وَقَدْ قِيلَ يُتِمُّهَا** اور تحقیق کہا گیا ہے کہ ان کو پورا کر لے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى ثَلَاثًا مِنَ الظُّهْرِ يُتِمُّهَا، تیسری صورت بھائی۔ ایک صورت یہ ذکر کر دی کہ ایک رکعت پڑھ چکا تھا ظہر کی کہ جماعت کھڑی ہو گئی، تو کیا حکم بتلایا؟ کہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملائے اور پھر کس میں شامل ہو جائے؟ جماعت میں، یعنی وہ ظہر کی نماز وہ جو دو رکعت تھے وہ نفل بن جائیں گے، تو یعنی ظہر کی نماز چھوڑ دے اور پھر جماعت میں شامل ہو لیکن وہ ایک کو ایک پر ہی قطع نہ کرے بلکہ ایک کو بھی باطل ہونے سے بچالے اور ایک رکعت اور ملالے تو وہ نفل بن جائیں گے۔ اور اگر اس نے پہلی رکعت کا سجدہ ہی نہیں کیا تھا تو پھر کیا کر لے؟ پھر وہیں پر چھوڑ دے کیونکہ ابھی یہ چھوڑنے کا محل ہے، اب اس موقع پر چھوڑا جا سکتا ہے۔

اور اب تیسری صورت ذکر کر رہے ہیں کہ ظہر کی نماز ایک شخص نے اکیلے پڑھنا شروع کی اور تین رکعتیں پڑھ چکا ہے، تین رکعتیں پڑھ چکا ہے، اب ظہر کی نماز کھڑی ہوئی تو اب کہتے ہیں اب نہ توڑے بلکہ کیا کر لے؟ پورا کر لے، کیونکہ تین رکعتیں وہ پڑھ چکا اور کل کتنی رکعتیں تھیں ظہر کی؟ چار۔ تو اکثر پڑھ چکا، اور **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ،** اکثر کے لیے کل کا حکم ہے تو جب اکثر رکعتیں پڑھ چکا ہے تو گویا ساری ہی رکعتیں پڑھ چکا ہے، یوں ہی سمجھا جائے گا۔ اور اس اب اس کو توڑا نہیں جا سکتا، اس لیے

کیونکہ جب نماز پوری ہو جائے تو پھر اس کو نہیں توڑا جا سکتا، تو جب پوری ہونے پر نہیں توڑا جا سکتا اسی طرح جب اکثر رکعتیں پڑھ لیں تو اب بھی اسے توڑا نہیں جا سکتا۔ یا یوں کہیے کہ جب پوری کرنے پر نماز کو نہیں توڑا جا سکتا، ایک دفعہ جب نماز پوری پڑھ لی پھر توڑا جا سکتا ہے اس کو؟ پھر تو نہیں توڑا جا سکتا۔ تو اب جب اکثر رکعتیں ادا کر لی ہیں یعنی چار میں سے تین پڑھ چکا ہے، ابھی کامل تو نہیں پوری تو نہیں لیکن شبہ کمال آ گیا یا نہیں؟ کامل ہونے کا شبہ آ گیا، اور جب کامل یعنی پوری ہونے کے بعد نماز کو نہیں توڑا جا سکتا تو کامل ہونے کا شبہ آ جائے پھر بھی نہیں توڑا جا سکتا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى ثَلَاثًا مِنَ الظُّهْرِ** اور اگر وہ تین رکعتیں ظہر میں سے پڑھ چکا ہے، **يُتِمُّهَا** پھر کیا کرلے اس کو؟ پورا کرلے، **لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ** اس لیے کیونکہ اکثر شے کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے، **فَلَا يَحْتَمِلُ النَّقْضَ** تو یہ توڑے جانے کا احتمال نہیں رکھتی۔ اب اس کو توڑا نہیں جا سکتا، پوری تو نہیں ہوئی لیکن پوری ہونے کا شبہ آ گیا۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ بَعْدُ، بخلاف اس کے کہ جب وہ دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت میں تھا، کس میں تھا؟ تیسری رکعت میں تھا۔ تو **وَلَمْ يُقَيِّدْهَا بِالسَّجْدَةِ** اور حال یہ ہے کہ اس نے اس کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا، **حَيْثُ يَقْطَعُهَا** اس کو کیا کر دے گا؟ توڑ دے گا بھائی، توڑ دے گا۔ بھائی چوتھی صورت آ گئی۔ چوتھی صورت یہ کہ ایک شخص نے دو رکعتیں ادا کر لی تھیں اور پھر تیسری کے لیے اٹھ گیا تھا لیکن تیسری رکعت کو ابھی اس نے ادا نہیں کیا ہے یعنی سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ شروع تو کر دیا ہے لیکن سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تو پھر بھی یاد رکھیے کہ اب جب سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تو ابھی اکثر نماز نہیں ہوئی۔ جب اکثر نماز نہیں ہوئی تو پھر کیا کر سکتا ہے؟ اس کو اس کو توڑے، توڑ دے اور توڑ کر کس میں شامل ہو جائے؟ فرضوں میں شامل ہو جائے، تاکہ زیادہ کامل طریقے سے اس کے فرض ادا ہو جائیں۔ اکیلے ادا کرے گا تو اتنا ثواب نہیں، جماعت کے ساتھ ادا کرے گا تو ستائیس گنا زیادہ ثواب ہے۔

تین رکعتیں پڑھ، متن میں کیا آیا؟ اگر تین پڑھ چکا ہے ظہر کی اور پھر جماعت کھڑی ہوئی تو ان تین کو توڑے گا یا پورا کرے گا؟ ان کو پورا کرلے، **بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ بَعْدُ** بخلاف اس کے کہ جب وہ دوسری کے بعد کس رکعت میں تھا؟ تیسری رکعت میں تھا، یہ اس کے خلاف ہے۔ اس میں ہم نے کیا کہا تھا؟ اس میں وہ پورا کرے گا اور یہ صورت اس کے خلاف ہے، اس میں کیا کر دے گا نماز کو؟ توڑ دے گا۔ بخلاف اس کے کہ جب وہ تیسری رکعت میں تھا **وَلَمْ يُقَيِّدْهَا بِالسَّجْدَةِ** اور اس کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تھا، **حَيْثُ يَقْطَعُهَا** کیونکہ اس کو وہ توڑ دے گا۔ کیونکہ اس کو وہ، **حَيْثُ** تعلیل کے لیے آتا ہے، یہاں بھی **حَيْثُ** کس لیے ہے؟ تعلیل کے لیے، کیونکہ وہ اس کو توڑ دے گا۔ بھائی عبارت کا ترجمہ کس طرح بامحاورہ؟ دیکھو پچھلے متن کو ملاؤ بھائی: **وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى ثَلَاثًا مِنَ الظُّهْرِ** اور اگر وہ تین رکعتیں پڑھ چکا ہے ظہر کی تو ان کو کیا کرلے گا؟ مکمل کرلے گا، بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ تیسری رکعت میں تھا تو اور اس کو اس نے سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تھا تو یہ صورت اس صورت کے خلاف ہے، **حَيْثُ يَقْطَعُهَا** کیونکہ اس کو کیا کر دے گا وہ؟ توڑ دے گا، تو یہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اس کو توڑ دے گا۔ اور اس میں کیا ہم نے کہا تھا کہ اس کو پورا کرلے۔ تو اس کو کیوں توڑے گا؟ کہتے ہیں **لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ،** کیونکہ یہ چھوڑنے کے محل میں ہے، اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

وَيَتَخَيَّرُ، آگے یہ بتلا رہے ہیں کہ اس کو چھوڑنا چھوڑنا ہے، اب کیا کرے؟ تیسری رکعت میں کھڑا ہو گیا ہے اور ابھی اس نے سجدہ نہیں کیا اور ادھر جماعت کھڑی ہو گئی، تو کہتے ہیں اس کو اختیار ہے چاہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھ کر سلام پھیر دے اور پھر جماعت میں شامل ہو جائے، اور چاہے تو کھڑے کھڑے ہی جماعت میں شامل ہونے کی نیت کرلے اور تکبیر تحریمہ کہہ دے، اللہ اکبر کہہ دے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ کون سی صورت ہے؟ ایک آدمی ہے تیسری رکعت کے لیے اٹھ چکا ہے لیکن اس کو ابھی سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا، اب جماعت کھڑی ہو گئی، اب وہ جماعت میں تو اب یہ چھوڑے جانے کا محل ہے، اس نماز کو چھوڑے اور کس میں شامل ہو جائے؟ جماعت میں، لیکن کس طرح چھوڑے؟ کہتے ہیں اس کو اختیار ہے چاہے تو بیٹھ کر سلام پھیر دے اور پھر جماعت میں شامل ہو جائے، اور چاہے تو کھڑے کھڑے ہی کیا کر لے؟ جماعت میں شامل ہونے کی نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ دے اور شامل ہو جائے۔

یہ معنی ہے: **وَيَتَخَيَّرُ** اور اس کو اختیار ہے، **إِنْ شَاءَ عَادَ** اگر چاہے تو لوٹ جائے تیسری رکعت سے پھر قعدے کی طرف، تو لوٹ جائے، **فَقَعَدَ** تو بیٹھ جائے، **وَسَلَّمَ** اور سلام پھیر دے، **وَإِنْ شَاءَ كَبَّرَ قَائِمًا** اور اگر چاہے تو تکبیر کہہ دے **قَائِمًا** اس حال میں کہ وہ کھڑا ہو، یعنی کھڑے ہوتے کھڑے ہونے کی حالت میں ہی تکبیر کہہ دے، **يَنْوِي الدُّخُوْلَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ** نیت کرتے ہوئے امام کی نماز میں داخل ہونے کی۔

وَإِذَا أَتَمَّهَا يَدْخُلُ، یہ اب وہ صورت ذکر کر رہے ہیں کہ جب یہ اپنی نماز تین رکعتیں پڑھ چکا تھا، تین رکعتیں پڑھ چکا تھا اور جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا کرے گا؟ انہوں نے کیا بتلایا؟ نماز کو مکمل کرلے، چوتھی رکعت ساتھ ملا لے، پھر پوری کرنے کے بعد پھر اس جماعت کے ساتھ یہ شامل ہو جائے۔ کس کے ساتھ شامل ہو جائے؟ جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے، لیکن اب فرضوں کی نیت کے ساتھ شامل نہیں ہو گا، فرض کو اس نے پورے کر لیے، اس کے ادا ہو گئے اور فرضوں کا ایک وقت کے اندر دوبارہ تکرار نہیں ہوتا، لہٰذا اب جماعت کے ساتھ نفلوں کی نیت کے ساتھ شامل ہو جائے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: **وَإِذَا أَتَمَّهَا** اور جب ان کو پورا کرلے، **يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ** تو ان لوگوں کے ساتھ جماعت میں داخل ہو جائے، **وَالَّذِيْ يُصَلِّيْ مَعَهُمْ نَافِلَةٌ** اور وہ جو ان لوگوں کے ساتھ یہ پڑھے گا نافلۃ وہ نفل ہوں گے، **لِأَنَّ الْفَرْضَ لَا يَتَكَرَّرُ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ** اس لیے کیونکہ فرض جو ہے اس کا تکرار نہیں ہوتا ایک

وقت کے اندر۔ دوبارہ ایک فرض کو نہیں پڑھا جاتا ہے۔ ظہر کی یہ نماز پڑھ چکا ہے، اب دوبارہ یہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ دوبارہ فرض نہیں ہوں گے، وہ نفل ہوں گے۔

فَإِنْ صَلَّى مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً ثُمَّ أُقِيمَتْ يَقْطَعُ وَيَدْخُلُ مَعَهُمْ، اب دوسری صورت۔ یہ تو ظہر کی نماز کی بات تھی، فجر میں اگر ایک شخص اپنی نماز پڑھ رہا ہے، نماز پڑھنا شروع کی اور ایک رکعت پڑھ چکا ہے اور فجر کی نماز اور جماعت کھڑی ہو گئی، تو اب اس ایک کو یہیں پر توڑ دے، چھوڑ دے، اور جماعت میں شامل ہو جائے۔ ایک رکعت پڑھ چکا ہے پھر بھی کیا کر دے؟ اس نماز کو توڑ دے اور کس میں داخل ہو جائے؟ جماعت۔ بھائی آپ نے ہمیں ظہر کی نماز میں یہی مسئلہ پیش آیا تھا تو بتلایا تھا ایک رکعت اور ساتھ ملالے، کہتے ہیں بھائی یہاں اگر یہ حکم دیا جائے کہ ایک رکعت اور ساتھ ملالو، پھر تو فجر کی تو نماز ہی دو رکعت ہے تو اس کے تو فرض پورے ہو جائیں گے اور یہ جماعت کے ثواب سے اور فضیلت سے محروم رہ جائے گا، اس لیے ہم نے کہا کہ یہاں وہ کیا کر دے؟ اس کو چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اس ثواب سمیٹنے کے لیے۔

فَإِنْ صَلَّى مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً اور اگر وہ پڑھ چکا ہے فجر میں سے ایک رکعت، **ثُمَّ أُقِيمَتْ** پھر اقامت کہہ دی گئی، **يَقْطَعُ وَيَدْخُلُ مَعَهُمْ** یا اقیمت جماعت کھڑی کر دی گئی، **يَقْطَعُ وَيَدْخُلُ مَعَهُمْ** تو وہ نماز کو توڑ دے اور ان کے ساتھ شامل ہو جائے، **لِأَنَّهُ لَوْ أَضَافَ إِلَيْهَا أُخْرَى** اس لیے کیونکہ اگر اس نے ملا دی اس کے ساتھ ایک اور رکعت، **تَفُوتُهُ الْجَمَاعَةُ** تو اس کی جماعت فوت ہو جائے گی۔

وَكَذَا إِذَا قَامَ، کہتے ہیں یہی صورت ہو گی اگر وہ دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو چکا تھا۔ دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو چکا، پہلی صورت یہ تھی کہ ایک رکعت ادا کی ہے ابھی دوسری کے لیے کھڑا نہیں ہوا، لیکن اگر دوسری کے لیے وہ کھڑا بھی ہو چکا ہے اکیلے اور ادھر جماعت کھڑی ہو گئی، تو بھی کیا کر دے؟ توڑ دے جب تک کہ اس نے اس کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا۔

وَكَذَا إِذَا قَامَ إِلَى الثَّانِيَةِ اور اسی طرح حکم ہے جب وہ کھڑا ہو جائے دوسری رکعت کی طرف، **قَبْلَ أَنْ يُقَيِّدَهَا بِالسَّجْدَةِ** جبکہ وہ کھڑا ہو دوسری رکعت کی طرف، قبل اس کے کہ اس کو سجدے کے ساتھ مقید کرے، **وَبَعْدَ الْإِتْمَامِ** اور اگر اس نے پورا کر لیا یا یہ نماز پوری کر چکا تھا سجدے سے مقید کر چکا تھا، اب جماعت کھڑی ہو گئی، تو کہتے ہیں اب یہ اپنی نماز پوری کر چکا ہے اور پھر یہ ظہر میں تو تھا کہ یہ اپنی نماز پوری کر کے کس میں شامل ہو جاتا تھا؟ جماعت میں، اور کس نیت سے شامل ہوتا تھا؟ نفلوں کی نیت سے، لیکن فجر کی نماز تو اس کی مکمل ہو گئی، اب یہ جماعت کے ساتھ نفلوں کی نیت سے شامل نہ ہو کیونکہ فجر کی نماز کے بعد نفل صحیح نہیں ہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَبَعْدَ الْإِتْمَامِ لَا يَشْرَعُ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ** اور پورا کرنے کے بعد یہ امام کی نماز میں شروع نہ ہو، **لِكَرَاهِيَةِ النَّفْلِ بَعْدَهُ** اس لیے کہ فجر کی نماز کے بعد نفل مکروہ ہیں، تو نفلوں کے مکروہ ہونے کی وجہ سے فجر کے بعد۔

وَكَذَا بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، اور اسی طرح مغرب کے بعد بھی ظاہر روایت میں بھائی، یعنی اس کے مطابق بھائی۔ ظاہر روایت میں آیا ہے کہ مغرب کی نماز میں بھی اسی طرح کرے، یعنی اگر اپنی نماز پوری کر لی ہے تو پھر جماعت کے ساتھ شامل نہ ہو نفلوں کی نیت سے، پھر جماعت میں شامل نہ ہو۔ بھائی مغرب میں کیوں؟ مغرب کے بعد تو نوافل کے اندر کوئی کراہت نہیں ہے، اس کے بعد تو نفل پڑھے جا سکتے ہیں، کہتے ہیں بھائی اگر یہ امام کے ساتھ نفلوں کی نیت سے شامل ہو گا تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور پیش آئے گی، یا تو یہ امام کے ساتھ ہی سلام پھیرے گا تو نفل تو تین رکعت ہو گئے، حالانکہ تین رکعت تو نفل نہیں درست بھائی تین رکعت، اور یا پھر اسے یہ کرنا پڑے گا کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت اور ملانا پڑے گی اور اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی اور امام کی مخالفت بھی درست نہیں، تو دو خرابیوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی اس لیے مغرب کے بعد بھی جب پوری کر لے تو پھر جماعت کے ساتھ شامل نہ ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَكَذَا بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ** اور اسی طرح ہے مغرب کے بعد بھی ظاہر روایت میں، یعنی امام کے ساتھ شروع نہ ہو، **لِأَنَّ التَّنَفُّلَ بِالثَّلَاثِ مَكْرُوهٌ** اس لیے کیونکہ تین رکعت کے ساتھ نفل پڑھنا یہ مکروہ ہیں، تو اگر تین پر سلام پھیرے گا تو یہ مکروہ پیش آئے گا، **وَفِي جَعْلِهَا أَرْبَعًا مُخَالَفَةٌ لِإِمَامِهِ** اور ان تین کو چار بنانے میں اپنے امام کی مخالفت لازم آئے گی بھائی، اس کی مخالفت ہو گی اگر ایک رکعت اور ملائے گا۔

وَمَنْ دَخَلَ مَسْجِدًا قَدْ أُذِّنَ فِيهِ يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ حَتَّى يُصَلِّيَ، اور جو شخص داخل ہوا کسی ایسی مسجد میں کہ جس میں اذان دی جا چکی ہے، **يُكْرَهُ لَهُ** تو اس کے لیے مکروہ ہے، **أَنْ يَخْرُجَ** کہ وہ مسجد سے نکلے، **حَتَّى يُصَلِّيَ** یہاں تک کہ یہ نماز پڑھ لے۔ بھائی کوئی شخص اذان ہو جانے کے بعد مسجد میں داخل ہو تو اس کے لیے نماز پڑھے بغیر وہاں سے نکلنا مکروہ ہے بھائی، نماز پڑھے بغیر نکلنا مکروہ۔ یہ معنی ہے کہ مکروہ ہے اس کے لیے کہ وہ نکلے **حَتَّى يُصَلِّيَ** یہاں تک کہ نماز پڑھ لے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ **لَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ النِّدَاءِ إِلَّا مُنَافِقٌ أَوْ رَجُلٌ يَخْرُجُ لِحَاجَةٍ يُرِيدُ الرُّجُوعَ،** حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مسجد سے نہیں نکلتا **بَعْدَ النِّدَاءِ** یعنی **بَعْدَ الْأَذَانِ** اذان کے بعد، اذان کے بعد مسجد سے نہیں نکلتا **إِلَّا مُنَافِقٌ** مگر منافق ہی، **أَوْ رَجُلٌ** یا کوئی ایسا آدمی **يَخْرُجُ لِحَاجَةٍ** جو نکلتا ہے کسی ضرورت کی بنا پر، **يُرِيدُ الرُّجُوعَ** جو واپس لوٹنے کا جس کا ارادہ ہے۔ یعنی اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے مسجد سے نکلنے والا وہ نکلنے والے دو ہی افراد ہو سکتے ہیں، ایک تو یا تو منافق ہو گا یا وہ آدمی جو اس وجہ سے نکل رہا ہے کہ اس کا کوئی کام ہے اور وہ کام کر کے پھر واپس لوٹنا چاہتا ہے نماز تک یعنی آنا چاہتا ہے کہ اس کا ارادہ کیا ہو گا کہ میں ابھی دو چار منٹ میں واپس آ رہا ہوں یہ کام کر کے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

قَالَ: إِلَّا إِذَا كَانَ يَنْتَظِمُ بِهِ أَمْرُ جَمَاعَةٍ، قال ماتن فرماتے ہیں، یعنی امام محمد رحمہ اللہ: **إِلَّا إِذَا كَانَ يَنْتَظِمُ بِهِ أَمْرُ جَمَاعَةٍ،** مگر یہ **اِنْتَظَمَ** کے معنی ہوتے ہیں جڑنا، منسلک ہونا۔ مگر یہ کہ **إِذَا كَانَ يَنْتَظِمُ بِهِ** جڑا ہوا ہو اس شخص کے ساتھ **أَمْرُ جَمَاعَةٍ** کسی جماعت کا معاملہ، پھر نکل سکتا ہے۔ بھائی جب ایک مسجد میں اذان دے دی جائے تو اس مسجد میں جو داخل ہو اس کے لیے بغیر نماز کے وہاں سے نکلنا مکروہ ہے، مگر یہ کہ اس شخص کے ساتھ کسی جماعت کا معاملہ جڑا ہوا ہو، کسی جماعت کا معاملہ اس کے ساتھ منسلک ہو، یعنی یہ کسی دوسری جگہ امام یا مؤذن ہو۔ تو دیکھو ایک دوسری جماعت کا معاملہ اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے، یہ دوسری جگہ امام یا مؤذن ہے، تو اب اس کو اس کے لیے نکلنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ یہ جائے گا اور جا کر دوسری جگہ اذان دے گا یا امامت کروائے گا، تو اس کے لیے درست ہے۔

تو یہ معنی ہے: **إِلَّا إِذَا كَانَ يَنْتَظِمُ بِهِ أَمْرُ جَمَاعَةٍ** مگر یہ کہ اس کے ساتھ منسلک ہو کسی دوسری جماعت کا معاملہ، تو اس کے لیے نکلنا مکروہ نہیں۔ بھائی کیوں نہیں مکروہ؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ تَرْكٌ صُوْرَةً تَكْمِيْلٌ مَعْنًى،** اس لیے کیونکہ یہ صورۃً تو اگرچہ چھوڑنا ہے، یہ نماز کو چھوڑ کر جا رہا ہے، تو یہ صورۃً تو نماز کو چھوڑنا ہے، **تَكْمِيْلٌ مَعْنًى** لیکن معنی کے اعتبار سے یہ پورا کرنا ہے، کیونکہ یہ کیا کرے گا؟ وہاں جا کر وہاں جماعت کروائے گا یا اذان دے گا اور جماعت ہو گی، تو یہ گویا اس کو کیا کر رہا ہے؟ نماز کو چھوڑ نہیں رہا بلکہ پورا کر رہا ہے۔

وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى وَكَانَتِ الظُّهْرَ وَالْعِشَاءَ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْرُجَ، اور اگر وہ نماز پڑھ چکا ہے، بھائی ایک شخص ہے وہ نماز پڑھ چکا ہے اور اذان کے بعد وہ مسجد میں داخل ہوا، یا مسجد میں تھا اور اذان ہو گئی، دونوں کا ایک ہی حکم ہے، وقت کون سا ہے؟ ظہر یا عشاء، اور یہ نماز ظہر یا عشاء کی پڑھ چکا ہے، تو اب اس کے لیے نکلنے میں کوئی حرج نہیں، اب اس کا مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں۔ یہ معنی ہے: **وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى** اور اگر وہ نماز پڑھ چکا ہے، **وَكَانَتِ الظُّهْرَ وَالْعِشَاءَ** اور وہ نماز بھی ظہر اور عشاء کی تھی، **فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْرُجَ** تو کوئی حرج نہیں ہے اس کے نکلنے میں، **لِأَنَّهُ أَجَابَ دَاعِيَ اللّٰهِ مَرَّةً** اس لیے کیونکہ اس نے اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت ایک دفعہ قبول کر لی ہے، ایک دفعہ اس پر کیا کر لیا عمل کر لیا ہے، وہ نماز یہ پڑھ چکا ہے۔

إِلَّا إِذَا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ، مگر یہ کہ مؤذن شروع ہو جائے اقامت کے اندر۔ بھائی یہ شخص ایک دفعہ ظہر کی نماز پڑھ چکا ہے، تو اب یہ نکل سکتا ہے۔ کوئی اور نکلے اذان ہو اذان کے بعد مسجد میں گیا یا مسجد میں تھا اور اذان ہو گئی، اب اس کا ویسے عام آدمی کا نکلنا مکروہ ہے اس لیے کیونکہ وہ مؤذن کیا کر رہا ہے؟ اللہ کی طرف بلا رہا ہے، اور یہ جب نکلے گا تو گویا کیا کر رہا ہے؟ اس بلانے والے کی دعوت کو رد کر رہا ہے۔ تو اگر یہ ظہر اور عشاء کا وقت ہے اور یہ نماز پڑھ چکا ہے پھر نکل سکتا ہے کیونکہ ایک مرتبہ اس داعی کا جواب یہ دے چکا ہے، اس کی دعوت قبول کر چکا ہے۔ ہاں اگر وہ یہ مسجد ہی میں تھا جو نماز پڑھ چکا ہے، مسجد ہی میں تھا کہ اقامت شروع ہو گئی، جماعت کھڑی ہو رہی ہے، اب اس کو نہیں نکلنا چاہیے بلکہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے، اس لیے کیونکہ اب اقامت ہو رہی ہے اور ادھر یہ مسجد سے نکل رہا ہے سارے اس کو دیکھیں گے تو سارے اس کے بارے میں بدگمانی کریں گے کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ نماز کو چھوڑ رہا ہے۔

تو کہتے ہیں: **إِلَّا إِذَا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ** مگر یہ کہ مؤذن جب اقامت کہنے میں شروع ہو جائے تو پھر نہ نکلے، **لِأَنَّهُ يُتَّهَمُ لِمُخَالَفَةِ الْجَمَاعَةِ عِيَانًا،** کیونکہ اس کے اوپر تہمت آئے گی جماعت کی مخالفت کرنے کی **عِيَانًا** کھلے بندوں، سامنے، سمجھ میں آیا یعنی برملا، برملا اس کی جماعت کی مخالفت کے ساتھ وہ متہم ہو گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ متہم ہو گا، تہمت آئے گی، یعنی دلوں میں بدگمانی آئے گی، لوگ کہیں گے جماعت چھوڑ کر جا رہا ہے۔ تو ان میں ان کے ساتھ پھر شامل ہو جائے اور وہ نماز اس کی پھر نفل ہو جائے گی۔

وَإِنْ كَانَتِ الْعَصْرَ أَوِ الْمَغْرِبَ، اور اگر وہ نماز تھی وہ عصر یا مغرب کی تھی، **أَوِ الْفَجْرَ** یا کون سی تھی؟ فجر کی تھی۔ صورت مسئلہ یہ: کہ ایک آدمی فجر، مغرب یا عصر، ان کی نماز پڑھ چکا ہے اور پھر مسجد میں آیا اور اب اذان کے بعد اب اس کا وہاں سے نکلنا مکروہ نہیں، وہاں سے نکل سکتا ہے، نکل سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر مؤذن اقامت کہنا شروع کر دے پھر بھی یہ نکل سکتا ہے۔ بھائی پھر کیوں نکل سکتا ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ نماز یہ پڑھ چکا ہے، اب اگر جماعت کے ساتھ شامل ہو گا فجر میں تو وہ نفل ہوں گے اور فجر کی نماز کے بعد تو نفل مکروہ ہیں، لہٰذا نکل سکتا ہے۔ مغرب کے اندر بھی نکل سکتا ہے کیونکہ مغرب کے میں اگر وہ نفلوں کی نیت سے شامل ہو گا تو پھر دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور، یا تو اسے تین پر ہی سلام پھیرنا پڑے گا یا چار پوری کرے گا، تین پر سلام پھیرتا ہے تو تین پر نفل پڑھنا تو مکروہ، اور چار چو تھی رکعت ساتھ ملائے گا تو اپنے امام کی مخالفت کی خرابی لازم آئے گی، وہ بھی درست نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر عصر کے بعد ہے تو عصر کے بعد بھی نکل سکتا ہے کیونکہ عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہیں بھائی، یہ آپ پڑھ چکے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ لہٰذا ان میں پھر شرکت نہ کرے جب ایک دفعہ نماز پڑھ چکا ہے۔

وَإِنْ كَانَتِ الْعَصْرَ أَوِ الْمَغْرِبَ أَوِ الْفَجْرَ اور وہ نماز اگر عصر یا مغرب یا فجر کی تھی، **خَرَجَ** تو پھر نکل سکتا ہے، **وَإِنْ أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِيْهَا** اگرچہ مؤذن اقامت میں شروع ہو جائے، پھر نکل سکتا ہے۔ کیوں؟ کہتے ہیں: **لِكَرَاهِيَةِ النَّفْلِ بَعْدَهَا،** اس وجہ سے کہ ان کے بعد نفل مکروہ ہیں، یعنی عصر اور فجر میں میں نفل مکروہ ہیں، اور مغرب میں وہ خرابی لازم آئے گی جو ابھی پیچھے ذکر ہوئی۔

وَمَنِ انْتَهَى إِلَى الْإِمَامِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، اور جو شخص پہنچا امام تک **فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ** کون سی نماز میں؟ فجر۔ بھائی ایک شخص فجر کی نماز کے لیے پہنچا اور امام نماز میں شروع ہو چکا ہے، جماعت کھڑی ہو چکی ہے۔ **وَهُوَ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ** اور حال یہ ہے کہ یہ جو شخص جو پہنچا ہے اس نے فجر کی دو رکعتیں

نہیں پڑھیں یعنی دو سنتیں نہیں پڑھیں۔ تو کہتے ہیں: **إِنْ خَشِيَ** اگر اس کو یہ خوف ہے، **أَنْ تَفُوْتَهُ رَكْعَةٌ** کہ میں سنتیں پڑھوں گا تو میری ایک رکعت فوت ہو جائے گی، **وَيُدْرِكُ الْأُخْرَى** اور دوسری کو وہ پالے گا، تو پھر کہتے ہیں: **يُصَلِّي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ**، تو وہ پڑھ لے فجر کی دو رکعتیں کہاں پر؟ مسجد کے دروازے کے پاس پڑھ لے، **ثُمَّ يَدْخُلُ** پھر ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائے، **لِأَنَّهُ أَمْكَنَهُ الْجَمْعُ بَيْنَ الْفَضِيْلَتَيْنِ** اس لیے کیونکہ ممکن ہے اس کے لیے دونوں فضیلتوں کو جمع کرنا، سنتیں بھی پڑھ کر سنتوں کی فضیلت کو بھی پا سکتا ہے اور ادھر فجر کی ایک رکعت نکل جائے گی لیکن ایک کو کیا کر لے گا؟ پالے گا تو جماعت کی فضیلت کو بھی پالے گا۔

وَإِنْ خَشِيَ فَوْتَهَا اور اگر اس کو جماعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہے کہ اب اگر میں دو سنتیں پڑھوں گا تو پوری جماعت ہی نکل جائے گی، تو کہتے ہیں: **دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ** تو پھر سنتوں کو چھوڑ دے اور امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائے، **لِأَنَّ ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ أَعْظَمُ** اس لیے کیونکہ جماعت کا ثواب بہت بڑا ہے، **وَالْوَعِيْدَ بِالتَّرْكِ أَلْزَمُ** اور اس کے چھوڑنے پر جو وعید ہے وہ اس کے ساتھ زیادہ لازم ہونے والی ہے بھائی، اس کے ساتھ زیادہ لازم ہونے والی ہے۔ بھائی اس لیے کیونکہ جماعت کو چھوڑنے والے کے لیے حدیث میں وعید آئی ہے، وعید آئی ہے۔ اور وہ عام شخص جو جماعت کو چھوڑتا ہے ان کے لیے وعید ہے، تو یہ تو وہاں پہنچ کر پھر بھی اس میں شامل نہیں ہوا تو یہ وہ وعید اس کے ساتھ زیادہ لازم ہونے والی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا اس وعید سے بچنے کے لیے اور جماعت میں شامل ہو جائے، تو دو وجہیں ذکر کر دیں صاحب ہدایہ نے کہ جماعت میں شامل ہونا چاہیے اس لیے کیونکہ جماعت کا ثواب بہت عظیم ہے اور نیز اس صورت میں چھوڑنے پر جو وعید آئی ہے وہ اس کے ساتھ اگر وہ نہیں شامل ہو گا تو وہ وعید اس کے ساتھ زیادہ لازم ہونے والی ہے۔

بِخِلَافِ سُنَّةِ الظُّهْرِ، بخلاف ظہر کی سنتوں کے، سمجھ میں آیا بھائی؟

تو بس اور شارح اور شارحین انہوں نے معنی کیا: **وَالْوَعِيْدَ بِالتَّرْكِ أَلْزَمُ**، اور وہ جو وعید آئی ہے چھوڑنے کی وجہ پر وہ الزم، میں نے کیا ترجمہ کیا؟ اس کے ساتھ زیادہ لازم ہے۔ انہوں نے معنی کیا کیونکہ وہ وعید جو چھوڑنے کے بارے میں آئی ہے بڑی سخت ہے، بڑی سخت۔ تو جو معنی بھی آپ کر لیں، کیونکہ جماعت چھوڑنے پر جو وعید آئی ہے وہ بڑی سخت وعید آئی ہے تو اس لیے کیا کرے؟ سنتوں کو چھوڑ دے لیکن جماعت کو نہ چھوڑے۔ اور چاہیں تو دوسرا ترجمہ کر لیں کہ وہ وعید اس کے ساتھ زیادہ لازم ہو جائے گی۔ کیوں؟ کیونکہ باقی لوگ تو دور تھے وہ تو شریک نہیں ہوئے، یہ تو پہنچ کر بھی جماعت کے اندر شریک نہیں ہوا تو وہ وعید اس کے ساتھ زیادہ لازم ہے۔

بِخِلَافِ سُنَّةِ الظُّهْرِ، بخلاف کس کے؟ ظہر کی سنتوں کے، **حَيْثُ يَتْرُكُهَا فِي الْحَالَيْنِ** کیونکہ ان کو چھوڑ دے گا دونوں حالتوں میں۔ بھائی فجر کی دو سنتوں میں جب جماعت کے ملنے کا ایک رکعت ملنے کا کی صورت ہے تو کیا کر لے؟ دو سنتیں پڑھ لے اور اگر جماعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہے تو پھر ان سنتوں کو چھوڑ دے، اور ظہر کی سنتیں اس کے خلاف ہیں **حَيْثُ يَتْرُكُهَا فِي الْحَالَيْنِ** کیونکہ ان کو وہ چھوڑ دے گا دونوں حالتوں میں، دونوں حالتوں میں چھوڑ دے گا دونوں حالتوں میں، چاہے جماعت ملنے کا احتمال ہے چاہے چھوٹنے کا احتمال ہے، دونوں صورتوں میں کیا کرے؟ ظہر کی سنتوں کو چھوڑ دے۔ بھائی کیوں چھوڑ دے جب جماعت ملنے کا احتمال ہے؟ کہتے ہیں بھائی تو اس میں دونوں صورتوں میں ظہر کی سنتوں کو چھوڑ دے، اس لیے کیونکہ پھر ظہر کی سنتیں نماز کے بعد بھی ادا کی جا سکتی ہیں بھائی۔ وجہ سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے دونوں حالتوں میں ان کو چھوڑ دے گا، **لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَدَاؤُهَا فِي الْوَقْتِ بَعْدَ الْفَرْضِ** اس لیے کیونکہ ان سنتوں کی ادائیگی ممکن ہے وقت کے اندر ہی **بَعْدَ الْفَرْضِ** فرضوں کے بعد، **وَالصَّحِيْحُ** یہی قول صحیح ہے۔

وَإِنَّمَا الِاخْتِلَافُ بَيْنَ أَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى فِي تَقْدِيْمِهَا عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ وَتَأْخِيْرِهَا عَنْهُمَا، بھائی ظہر کی سنتیں اگر نماز سے پہلے رہ جائیں تو کب ادا کرتے ہیں؟ نماز کے بعد ادا کرتے ہیں ان کو، لیکن نماز کے بعد تو دو رکعتیں اور بھی تھیں ظہر کی، تو پھر پہلے کس کو پڑھیں گے؟ یہ جو بعد والی دو ہیں ان کو پہلے پڑھیں اور چار کو ان کے بعد پڑھ لیں جو پہلے والی رہ گئی تھیں؟ یا پہلے وہ چار پڑھیں گے اور پھر یہ والی دو پڑھیں گے؟ اس میں صاحبین کا اختلاف ہے، صاحبین کا اختلاف ہے۔

■ اختلافِ ائمہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رکعت

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رکعتیں پہلے ہی مؤخر ہو چکی ہیں تو مزید مؤخر نہ کرے، پہلے ان چار کو پڑھے اور پھر ان دو کو پڑھے نماز کے بعد۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، پہلے وہ دو پڑھے پھر ان چار کو پڑھے۔ وہ فرماتے ہیں وہ چار رکعتیں وہ اپنے محل سے تو رہ ہی گئی ہیں، ان کا محل تو کہاں تھا؟ نماز سے پہلے تھا، اب ان کا محل تو چھوٹ گیا تو اب نماز کے بعد جو دو رکعتیں ہیں کم از کم ان کو تو اپنے محل پر ہی ادا کرے، اور ان کا محل کب تھا؟ نماز کے فوراً بعد تھا یا نہیں تھا بھائی؟ ان کا محل تو نماز کے فوراً بعد ہے تو لہٰذا پہلے ان دو کو ادا کر لے یہ تاکہ کم از کم اپنے محل پہ ادا ہو جائیں اور پھر اس کے بعد چار رکعتیں ادا کرے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَإِنَّمَا الِاخْتِلَافُ بَيْنَ أَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ** اور اختلاف جو ہے وہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کے درمیان صرف **فِي تَقْدِيْمِهَا** صرف ان کے مقدم کرنے میں ہے ان چار رکعتوں کا، ان چار رکعتوں کا مقدم کرنا **عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ** کس پر؟ دو رکعتوں پر، **وَتَأْخِيْرِهَا عَنْهُمَا** اور

ان چار رکعتوں کو مؤخر کرنا ان دو رکعتوں پر۔ یعنی اس میں صرف اختلاف ہے صاحبین کا کہ ان چار رکعتوں کو ان دو رکعتوں پر مقدم کیا جائے گا یا ان چار رکعتوں کو ان دو رکعتوں پر مؤخر کیا جائے گا۔

تو یاد رکھیے یہ تقدیم کا لفظ پہلے آیا، تقدیم کا لفظ پہلے آیا تو یہ مذہب ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا، وہ فرماتے ہیں ان چار کو مقدم کریں گے **عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ** کس پر؟ ان دو۔ اور عبارت میں امام محمد رحمہ اللہ کا نام بعد میں آیا تو **وَتَأْخِيرِهَا عَنْهُمَا** یہ ہے امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب کہ ان کے نزدیک ان چار کو ان دو پر کیا کریں گے؟ مؤخر کریں گے بھائی۔ اور بعض علماء نے اس کا عکس بھی لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلے چار پڑھیں گے پھر دو، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلے پہلے دو پڑھیں گے اور پھر چار۔

■ بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، «وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ

بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، «وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ ثُمَّ أُقِيمَتْ يُصَلِّي أُخْرَى صِيَانَةً لِلْمُؤَدَّى عَنِ الْبُطْلَانِ، ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ إِحْرَازًا لِفَضِيلَةِ الْجَمَاعَةِ، وَإِنْ لَمْ يُقَيِّدِ الْأُولَى بِالسَّجْدَةِ يَقْطَعُ وَيَشْرَعُ مَعَ الْإِمَامِ هُوَ الصَّحِيحُ».

■ بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے

بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے بیان میں۔ یعنی کوئی شخص فرضوں کی جماعت پالے بھائی۔ تو اس باب میں چند مسائل ذکر ہوں گے کہ کوئی شخص اپنی اکیلے فرض پڑھنا شروع کرتا ہے اور اس دوران جماعت کھڑی ہو جاتی ہے وہی والی جو وہ ادا کر رہا ہے، تو پھر کیا کرے؟ تو یہ مسائل اس میں ذکر ہوں گے اور اسی طرح اس سے متعلقہ کچھ اور مسائل بھی ذکر ہوں گے۔

■ بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے

بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيْضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے بیان میں۔ «**وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ ثُمَّ أُقِيمَتْ يُصَلِّي أُخْرَى**»، صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے ظہر کی نماز اکیلے پڑھنا شروع کر دی اور ابھی ایک ہی رکعت پڑھی تھی ظہر کی کہ جماعت کھڑی ہو گئی ظہر کی بھائی، جو ظہر کی جماعت کھڑی ہو گئی تو اب کیا کرے؟ تو آپ کو صاحبِ قدوری بتلائیں گے کہ یہ شخص جو ایک رکعت ظہر کے فرض پڑھ چکا ہے، یہ اب اس کو چھوڑ دے اور کس میں شامل ہو جائے؟ جماعت میں شامل ہو جائے، کیونکہ جماعت کی نماز کا ثواب جو ہے وہ ستائیس گنا زیادہ ہے، تو اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے اور اس ثواب کو سمیٹنے کے لیے یہ اس میں شامل ہو جائے۔ لیکن ادھر یہ ایک رکعت پڑھ چکا ہے، تو اس ایک رکعت کو بھی باطل نہ کرے، بلکہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر پھر سلام پھیر دے، تو یہ دو رکعتیں جو ہیں یہ نفل ہو جائیں گی اور پھر جماعت کے ساتھ شامل ہو کر ظہر کے فرض بھی ادا کر لے۔

تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ**»، اور جس نے ایک رکعت پڑھ لی ظہر کی نماز میں سے، «**ثُمَّ أُقِيمَتْ**»، پھر نماز قائم کر دی گئی یعنی جماعت قائم کر دی گئی یعنی ظہر کی جماعت کھڑی ہو گئی، «**يُصَلِّي أُخْرَى**»، تو یہ نماز پڑھنے والا جو ایک رکعت پڑھ چکا ہے «**يُصَلِّي أُخْرَى**» یہ دوسری رکعت بھی پڑھ لے، یعنی دو پوری کر لے اور پھر سلام پھیر دے۔ بھئی یہ دوسری ایک رکعت کیوں پڑھ لے؟ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ کہتے ہیں: «**صِيَانَةً لِلْمُؤَدَّى عَنِ الْبُطْلَانِ**»، تاکہ بچانے کے لیے اس کو جس کو اس نے ادا کیا ہے، یعنی وہ جو ایک رکعت جس کو یہ ادا کر چکا ہے اس کو باطل ہونے سے بچانے کے لیے، ورنہ تو کیا ہو جائے گی وہ ایک رکعت؟ باطل ہو جائے گی۔ ایک رکعت کی نماز سے تو منع کیا گیا ہے، تو لہٰذا اب اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا لے تاکہ دو نفل بن جائیں۔

«**ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ**»، پھر شامل ہو جائے ان لوگوں کے ساتھ، «**إِحْرَازًا لِفَضِيلَةِ الْجَمَاعَةِ**»، احرز یحرز احراز کا معنی ہوتا ہے جمع کرنا۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائے «**إِحْرَازًا لِفَضِيلَةِ الْجَمَاعَةِ**» جماعت کی فضیلت کو سمیٹنے کے لیے۔ «**وَإِنْ لَمْ يُقَيِّدِ الْأُولَى بِالسَّجْدَةِ يَقْطَعُ وَيَشْرَعُ مَعَ الْإِمَامِ**»، اور اگر اس نے پہلی رکعت کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تھا، بھئی اس شخص نے آ کر اپنی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ ابھی پہلی رکعت، پہلی صورت تو کیا تھی؟ ایک رکعت پڑھ چکا تھا۔ تو اس میں بتایا ایک رکعت اور ساتھ ملا لے اور پھر جماعت میں شامل ہو جائے۔ اور دوسری صورت یہ کہ نماز اس نے شروع کی ہے ابھی سجدہ نہیں کیا پہلی رکعت کا، تو اس صورت میں اب یہیں سے کیا کر دے؟ نماز کو چھوڑ دے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «**وَإِنْ لَمْ يُقَيِّدِ الْأُولَى بِالسَّجْدَةِ**»، اور اگر اس نے پہلی

رکعت کو مقید نہیں کیا سجدے کے ساتھ، یعنی اس کا ابھی سجدہ نہیں کیا، «يَقْطَعُ»، تو نماز کو توڑ دے، «وَيَشْرَعُ مَعَ الْإِمَامِ»، اور امام کے ساتھ شروع ہو جائے جماعت میں، «هُوَ الصَّحِيحُ»، یہی قول صحیح ہے۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ

«لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ»، اس لیے کیونکہ یہ جو اس نے شروع کیا ہے یہ محلِ رفض میں ہے۔ رفض کا معنی چھوڑنا، چھوڑنا۔ یعنی اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ اس موقع پر جب تک ابھی تک جبکہ ابھی اس نے سجدہ نہیں کیا تو یہ محلِ رفض میں ہے، یعنی اس کو چھوڑا جائے، یہ چھوڑنے کے محل میں ہے، اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ جیسے آپ نے پڑھا ہے بھائی کہ ایک شخص ہے اور چار رکعت اس نے نماز چار رکعت والی پڑھی اور بھول کر پانچویں رکعت کے لیے بھی کھڑا ہو گیا، تو اس میں فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ کہ اگر پانچویں کو اگر ابھی سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تو واپس لوٹ جائے، بیٹھ جائے پھر۔ تو دیکھو وہاں پر بھی کیا کر دیا جاتا ہے؟ اس پانچویں رکعت کو جب تک سجدے سے مقید نہیں کیا جاتا اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے، تو جب تک سجدہ نہیں کیا اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ تو یہ محلِ رفض میں، چھوڑنے کے محل میں ہے۔

«لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ»، اس لیے کیونکہ یہ چھوڑنے کے محل میں ہے، «وَالْقَطْعُ لِلْإِكْمَالِ»، اور توڑنا بھی پورا کرنے کے لیے ہے، یہ جو توڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ابھی پہلی رکعت کا سجدہ بھی نہیں کیا تو اس کو کیا کر دو؟ توڑ دو، چھوڑ دو۔ تو یہ توڑنے کا حکم بھی کس لیے ہے؟ پورا کرنے کے لیے ہے، تاکہ زیادہ کامل طریقے سے نماز ادا ہو جائے، کس طرح؟ جماعت کے ساتھ بھائی، جماعت کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں: «وَالْقَطْعُ لِلْإِكْمَالِ»، اور توڑنا جو ہے کامل کرنے کے لیے ہے، پورا کرنے کے لیے ہے، «بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي النَّفْلِ»، بخلاف اس کے کہ جب وہ نفل میں تھا، «لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْإِكْمَالِ»، اس لیے کیونکہ وہ اکمال کے لیے نہیں ہو گا۔ بخلاف اس کے کہ اگر اس نے نفل شروع کیے تھے، تو پھر کیا کرلے؟ ان نفلوں کو پورا کرلے بھائی، کیا کرلے؟ نفلوں کو پورا کرلے، اس لیے کیونکہ اگر وہاں بھی توڑنے کا کہا جائے تو نفل توڑے گا اور جماعت کے ساتھ شامل ہو گا، تو جماعت کے ساتھ تو فرض ہوں گے اور جس کو توڑا ہے وہ کیا تھے؟ نفل تھے۔ تو لہٰذا وہاں ایسا نہ کرے، بلکہ نفلوں کو کیا کرلے؟ پورا کرلے اور دو رکعت پر سلام پھیر دے۔ جبکہ یہاں فرضوں میں ہم نے کہا کہ فرضوں کو توڑ دے، اس لیے کیونکہ یہ جو پڑھ رہا ہے وہ ظہر کے فرض ہیں اور جماعت کے ساتھ بھی کیا ادا کرے گا؟ وہی فرض ادا کرے گا، تو توڑ کر پھر جب جماعت کے ساتھ ادا کرے گا تو زیادہ کامل طریقے سے وہ نماز ادا ہو گی۔ اسی لیے کہا کہ «لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْإِكْمَالِ»، نفلوں کے اندر وہ اکمال کے لیے توڑنا اکمال کے لیے نہیں ہو سکتا، اس لیے ان کو نہ توڑے۔

«وَلَوْ كَانَ فِي السُّنَّةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ فَأُقِيمَتْ أَوْ خُطِبَ يَقْطَعُ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ». صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص ہے ظہر کی نماز سے پہلے اس نے سنتیں پڑھنا شروع کر دیں اور اس دوران اقامت شروع ہو گئی، یا جمعہ سے پہلے اس نے سنتیں پڑھنا شروع کی تھیں اور اس دوران خطبہ شروع ہو گیا، خطبہ شروع ہو گیا۔ تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ یہ شخص جو ہے دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دے، دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دے۔ ظہر کی سنتیں تو چار تھیں یا اسی طرح جمعہ کی سنتیں چار تھیں، لیکن یہ کیا کرے؟ دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دے اور کس میں شامل ہو جائے؟ ظہر کی نماز میں، یا خطبہ سننے کے لیے بیٹھ جائے کیونکہ خطبہ سننا بھی واجب ہے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ كَانَ فِي السُّنَّةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْ...

«وَلَوْ كَانَ فِي السُّنَّةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ»، اور اگر وہ شخص سنتوں میں تھا، مشغول تھا ظہر سے پہلے «وَالْجُمُعَةِ» اور جمعہ کی نماز سے پہلے، «فَأُقِيمَتْ»، تو اقامت کہہ دی گئی، «أَوْ خُطِبَ»، یا خطبہ کہا گیا یعنی خطبہ شروع کر دیا گیا، «يَقْطَعُ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ»، تو وہ توڑ دے ان کو دو رکعت پر ہی، ان سنتوں کو دو رکعت۔ رأس، رأس الشیء کہتے ہیں کسی شے کا اول حصہ، اول حصہ۔ اسی طرح رأس کا لفظ کنارے کے لیے بھی آتا ہے اور یہاں اس معنی میں ہے۔ دو رکعتوں کے کنارے پر یعنی دو رکعتوں کے پورا ہونے پر توڑ دے ان کو۔ تو «يَقْطَعُ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ»، تو توڑ دے ان سنتوں کو دو رکعتوں کے کنارے پر۔ «يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ»، یہ روایت کیا گیا ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے، «وَقَدْ قِيلَ يُتِمُّهَا»، اور تحقیق کہا گیا ہے کہ ان کو پورا کرلے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

«وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى ثَلَاثًا مِنَ الظُّهْرِ يُتِمُّهَا». تیسری صورت بھائی، ایک صورت یہ ذکر کر دی کہ ایک رکعت پڑھ چکا تھا ظہر کی کہ جماعت کھڑی ہو گئی، تو کیا حکم بتلایا؟ کہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملائے اور پھر کس میں شامل ہو جائے؟ جماعت میں، یعنی وہ ظہر کی نماز، وہ جو دو رکعت تھے وہ نفل بن جائیں گے، یعنی ظہر کی نماز چھوڑ دے اور پھر جماعت میں شامل ہو، لیکن وہ ایک کو ایک پر ہی قطع نہ کرے بلکہ ایک کو بھی باطل ہونے سے بچالے اور ایک رکعت اور ملالے تو وہ نفل بن جائیں گے۔ اور اگر اس نے پہلی رکعت کا سجدہ ہی نہیں کیا تھا تو پھر کیا کرلے؟ پھر وہیں پر چھوڑ دے کیونکہ ابھی یہ چھوڑنے کا محل ہے، اب اس موقع پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ اور

اب تیسری صورت ذکر کر رہے ہیں کہ ظہر کی نماز ایک شخص نے اکیلے پڑھنا شروع کی اور تین رکعتیں پڑھ چکا ہے، تین رکعتیں پڑھ چکا ہے، اب ظہر کی نماز کھڑی ہوئی، تو اب کہتے ہیں اب نہ توڑے بلکہ کیا کرلے؟ پورا کرلے، کیونکہ تین رکعتیں وہ پڑھ چکا اور کل کتنی رکعتیں تھیں ظہر کی؟ چار۔ تو اکثر پڑھ چکا، اور «لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ»، اکثر کے لیے کل کا حکم ہے، تو جب اکثر رکعتیں پڑھ چکا ہے تو گویا ساری ہی رکعتیں پڑھ چکا ہے، یوں ہی سمجھا جائے گا۔ اور اب اس کو توڑا نہیں جا سکتا، اس لیے کیونکہ جب نماز پوری ہو جائے تو پھر اس کو نہیں توڑا جا سکتا، تو جب پوری ہونے پر نہیں توڑا جا سکتا اسی طرح جب اکثر رکعتیں پڑھ لیں تو اب بھی اسے توڑا نہیں جا سکتا۔ یا یوں کہیے کہ جب پوری کرنے پر نماز کو نہیں توڑا جا سکتا، ایک دفعہ جب نماز پوری پڑھ لی پھر توڑا جا سکتا ہے اس کو؟ پھر تو نہیں توڑا جا سکتا۔ تو اب جب اکثر رکعتیں ادا کر لی ہیں یعنی چار میں سے تین پڑھ چکا ہے، ابھی کامل تو نہیں، پوری تو نہیں، لیکن شبہِ کمال آ گیا یا نہیں؟ کامل ہونے کا شبہ آ گیا، اور جب کامل یعنی پوری ہونے کے بعد نماز کو نہیں توڑا جا سکتا تو کامل ہونے کا شبہ آ جائے پھر بھی نہیں توڑا جا سکتا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى ثَلَاثًا مِنَ الظُّهْرِ»، اور اگر وہ تین رکعتیں ظہر میں سے پڑھ چکا ہے، «يُتِمُّهَا»، پھر کیا کرلے اس کو؟ پورا کرلے، «لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ»، اس لیے کیونکہ اکثر شے کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے، «فَلَا يَحْتَمِلُ النَّقْضَ»، تو یہ توڑے جانے کا احتمال نہیں رکھتی، اب اس کو توڑا نہیں جا سکتا۔ پوری تو نہیں ہوئی لیکن پوری ہونے کا شبہ آ گیا۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ

«بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ»، بخلاف اس کے کہ جب وہ دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت میں تھا، کس میں تھا؟ تیسری رکعت میں تھا، «وَلَمْ يُقَيِّدْهَا بِالسَّجْدَةِ»، اور حال یہ ہے کہ اس نے اس کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا، «حَيْثُ يَقْطَعُهَا»، اس کو کیا کر دے گا؟ توڑ دے گا بھائی، توڑ دے گا۔

بھئی چوتھی صورت آ گئی۔ چوتھی صورت یہ کہ ایک شخص نے دو رکعتیں ادا کر لی تھیں اور پھر تیسری کے لیے اٹھ گیا تھا، لیکن تیسری رکعت کو ابھی اس نے ادا نہیں کیا یعنی سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ شروع تو کر دیا ہے لیکن سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا، تو پھر بھی یاد رکھیے کہ اب جب سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تو ابھی اکثر نماز نہیں ہوئی۔ جب اکثر نماز نہیں ہوئی تو پھر کیا کر سکتا ہے؟ اس کو توڑے، توڑ دے اور توڑ کر کس میں شامل ہو جائے؟ فرضوں میں شامل ہو جائے، تاکہ زیادہ کامل طریقے سے اس کے فرض ادا ہو جائیں۔ اکیلے ادا کرے گا تو اتنا ثواب نہیں، جماعت کے ساتھ ادا کرے گا تو ستائیس گنا زیادہ ثواب ہے۔

تین رکعتیں پڑھیں، متن میں کیا آیا؟ اگر تین پڑھ چکا ہے ظہر کی اور پھر جماعت کھڑی ہوئی تو ان تین کو توڑے گا یا پورا کرے گا؟ ان کو پورا کرلے، «بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ»، بخلاف اس کے کہ جب وہ دوسری کے بعد کس رکعت میں تھا؟ تیسری رکعت میں تھا، یہ اس کے خلاف ہے۔ اس میں ہم نے کیا کہا تھا؟ اس میں وہ پورا کرے گا اور یہ صورت اس کے خلاف ہے، اس میں کیا کر دے گا؟ نماز کو توڑ دے گا۔ بخلاف اس کے کہ جب وہ تیسری رکعت میں تھا «وَلَمْ يُقَيِّدْهَا بِالسَّجْدَةِ» اور اس کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تھا «حَيْثُ يَقْطَعُهَا» کیونکہ اس کو وہ توڑ دے گا۔ کیونکہ اس کو وہ، حیث تعلیل کے لیے آتا ہے، یہاں بھی حیث کس لیے ہے؟ تعلیل کے لیے، کیونکہ وہ اس کو توڑ دے گا۔ بھئی عبارت کا ترجمہ کس طرح بامحاورہ؟ دیکھو پچھلے متن کو ملاؤ بھائی: «وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى ثَلَاثًا مِنَ الظُّهْرِ»، اور اگر وہ تین رکعتیں پڑھ چکا ہے ظہر کی تو ان کو کیا کرلے گا؟ مکمل کرلے گا، بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ تیسری رکعت میں تھا تو اور اس کو اس نے سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تھا تو یہ صورت اس صورت کے خلاف ہے «حَيْثُ يَقْطَعُهَا» کیونکہ اس کو کیا کر دے گا وہ؟ توڑ دے گا، تو یہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اس کو توڑ دے گا۔ اور اس میں کیا ہم نے کہا تھا کہ اس کو پورا کرلے۔ تو اس کو کیوں توڑے گا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ»، کیونکہ یہ چھوڑنے کے محل میں ہے، اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَيَتَخَيَّرُ

«وَيَتَخَيَّرُ»، آگے یہ بتلا رہے ہیں کہ اس کو چھوڑنا چھوڑنا ہے، اب کیا کرے؟ تیسری رکعت میں کھڑا ہو گیا ہے اور ابھی اس نے سجدہ نہیں کیا اور ادھر جماعت کھڑی ہو گئی، تو کہتے ہیں اس کو اختیار ہے: چاہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھ کر سلام پھیر دے اور پھر جماعت میں شامل ہو جائے۔ اور چاہے تو کھڑے کھڑے ہی جماعت میں شامل ہونے کی نیت کرلے اور تکبیر تحریمہ کہہ دے، اللہ اکبر کہہ دے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ کون سی صورت ہے؟ ایک آدمی ہے تیسری رکعت کے لیے اٹھ چکا ہے لیکن اس کو ابھی سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا، اب جماعت کھڑی ہو گئی، اب وہ جماعت میں، تو اب یہ چھوڑے جانے کا محل ہے، اس نماز کو چھوڑے اور کس میں شامل ہو جائے؟ جماعت میں، لیکن کس طرح چھوڑے؟ کہتے ہیں اس کو اختیار ہے: چاہے تو بیٹھ کر سلام پھیر دے اور پھر جماعت میں شامل ہو جائے، اور چاہے تو کھڑے کھڑے ہی کیا کر لے؟ جماعت میں شامل ہونے کی نیت کر کے تکبیرِ تحریمہ کہہ دے اور شامل ہو جائے۔

یہ معنی ہے «وَيَتَخَيَّرُ»، اور اس کو اختیار ہے، «إِنْ شَاءَ عَادَ»، اگر چاہے تو لوٹ جائے تیسری رکعت سے پھر قعدے کی طرف، تو لوٹ جائے «فَقَعَدَ وَسَلَّمَ»، تو بیٹھ جائے اور سلام پھیر دے، «وَإِنْ شَاءَ كَبَّرَ قَائِمًا»، اور اگر چاہے تو تکبیر کہہ دے قَائِمًا اس حال میں کہ وہ کھڑا ہو، یعنی کھڑے ہوتے کھڑے

ہونے کی حالت میں ہی تکبیر کہہ دے، «يَنْوِي الدُّخُولَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ»، نیت کرتے ہوئے امام کی نماز میں داخل ہونے کی۔

«وَإِذَا أَتَمَّهَا يَدْخُلُ»، یہ اب وہ صورت ذکر کر رہے ہیں کہ جب یہ اپنی نماز تین رکعتیں پڑھ چکا تھا، تین رکعتیں پڑھ چکا تھا اور جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا کرے گا؟ انہوں نے کیا بتلایا؟ نماز کو مکمل کر لے، چوتھی رکعت ساتھ ملا لے۔ پھر پوری کرنے کے بعد پھر اس جماعت کے ساتھ یہ شامل ہو جائے، کس کے ساتھ شامل ہو جائے؟ جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے، لیکن اب فرضوں کی نیت کے ساتھ شامل نہیں ہو گا، فرض تو اس نے پورے کر لیے، اس کے ادا ہو گئے اور فرضوں کا ایک وقت کے اندر دوبارہ تکرار نہیں ہوتا، لہٰذا اب جماعت کے ساتھ نفلوں کی نیت کے ساتھ شامل ہو جائے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے «وَإِذَا أَتَمَّهَا»، اور جب ان کو پورا کر لے، «يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ»، تو ان لوگوں کے ساتھ جماعت میں داخل ہو جائے، «وَالَّذِي يُصَلِّي مَعَهُمْ نَافِلَةٌ»، اور وہ جو ان لوگوں کے ساتھ یہ پڑھے گا نافلہ وہ نفل ہوں گے، «لِأَنَّ الْفَرْضَ لَا يَتَكَرَّرُ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ»، اس لیے کیونکہ فرض جو ہے اس کا تکرار نہیں ہوتا ایک وقت کے اندر۔ دوبارہ ایک فرضوں کو نہیں پڑھا جاتا ہے۔ ظہر کی یہ نماز پڑھ چکا ہے، اب دوبارہ یہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ دوبارہ فرض نہیں ہوں گے، وہ نفل ہوں گے۔

■ مسئلہ: فَإِنْ صَلَّى مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً ثُمَّ أُقِيمَ...

«فَإِنْ صَلَّى مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً ثُمَّ أُقِيمَتْ يَقْطَعُ وَيَدْخُلُ مَعَهُمْ». اب دوسری صورت، یہ تو ظہر کی نماز کی بات تھی۔ فجر میں اگر ایک شخص اپنی نماز پڑھ رہا ہے، نماز پڑھنا شروع کی اور ایک رکعت پڑھ چکا ہے اور فجر کی نماز اور جماعت کھڑی ہو گئی، تو اب اس ایک کو یہیں پر توڑ دے، چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے۔ ایک رکعت پڑھ چکا ہے پھر بھی کیا کر دے؟ اس نماز کو توڑ دے اور کس میں داخل ہو جائے؟ جماعت۔ بھئی آپ نے ہمیں ظہر کی نماز میں یہی مسئلہ پیش آیا تھا تو بتلایا تھا ایک رکعت اور ساتھ ملا لے، کہتے ہیں بھئی یہاں اگر یہ حکم دیا جائے کہ ایک رکعت اور ساتھ ملا لو، پھر تو فجر کی تو نماز ہی دو رکعت ہے تو اس کے تو فرض پورے ہو جائیں گے اور یہ جماعت کے ثواب سے اور فضیلت سے محروم رہ جائے گا، اس لیے ہم نے کہا کہ یہاں وہ کیا کر دے؟ اس کو چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اس ثواب سمیٹنے کے لیے۔

«فَإِنْ صَلَّى مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً»، اور اگر وہ پڑھ چکا ہے فجر میں سے ایک رکعت، «ثُمَّ أُقِيمَتْ»، پھر اقامت کہہ دی گئی، «يَقْطَعُ وَيَدْخُلُ مَعَهُمْ»، یا اقیمت جماعت کھڑی کر دی گئی، «يَقْطَعُ وَيَدْخُلُ مَعَهُمْ»، تو وہ نماز کو توڑ دے اور ان کے ساتھ شامل ہو جائے، «لِأَنَّهُ لَوْ أَضَافَ إِلَيْهَا أُخْرَى تَفُوتُهُ الْجَمَاعَةُ»، اس لیے کیونکہ اگر اس نے ملا دی اس کے ساتھ ایک اور رکعت تَفُوتُهُ الْجَمَاعَةُ تو اس کی جماعت فوت ہو جائے گی۔

«وَكَذَا إِذَا قَامَ»، کہتے ہیں یہی صورت ہو گی اگر وہ دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو چکا تھا، دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو چکا، پہلی صورت یہ تھی کہ ایک رکعت ادا کی ہے ابھی دوسری کے لیے کھڑا نہیں ہوا، لیکن اگر دوسری کے لیے وہ کھڑا بھی ہو چکا ہے اکیلے اور ادھر جماعت کھڑی ہو گئی، تو بھی کیا کر دے؟ توڑ دے جب تک کہ اس نے اس کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ «وَكَذَا إِذَا قَامَ إِلَى الثَّانِيَةِ»، اور اسی طرح حکم ہے جب وہ کھڑا ہو جائے دوسری رکعت کی طرف، «قَبْلَ أَنْ يُقَيِّدَهَا بِالسَّجْدَةِ»، جب وہ کھڑا ہو دوسری رکعت کی طرف قبل اس کے کہ اس کو سجدے کے ساتھ مقید کرے۔

■ مسئلہ: وَبَعْدَ الْإِتْمَامِ

«وَبَعْدَ الْإِتْمَامِ»، اور اگر اس نے پورا کر لیا یا یہ نماز پوری کر چکا تھا، سجدے سے مقید کر چکا تھا، اب جماعت کھڑی ہو گئی، تو کہتے ہیں اب یہ اپنی نماز پوری کر چکا ہے اور پھر یہ ظہر میں تو تھا کہ یہ اپنی نماز پوری کر کے کس میں شامل ہو جاتا تھا؟ جماعت میں، اور کس نیت سے شامل ہوتا تھا؟ نفلوں کی نیت سے، لیکن فجر کی نماز تو اس کی مکمل ہو گئی۔ اب یہ جماعت کے ساتھ نفلوں کی نیت سے شامل نہ ہو، کیونکہ فجر کی نماز کے بعد نفل صحیح نہیں ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَبَعْدَ الْإِتْمَامِ لَا يَشْرَعُ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ»، اور پورا کرنے کے بعد یہ امام کی نماز میں شروع نہ ہو، «لِكَرَاهِيَةِ النَّفْلِ بَعْدَهُ»، اس لیے کہ فجر کی نماز کے بعد نفل مکروہ ہیں، تو نفلوں کے مکروہ ہونے کی وجہ سے فجر کے بعد۔ «وَكَذَا بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ»، اور اسی طرح مغرب کے بعد بھی ظاہر روایت میں بھائی یعنی اس کے مطابق بھائی۔ ظاہر روایت میں آیا ہے کہ مغرب کی نماز میں بھی اسی طرح کرے، یعنی اگر اپنی نماز پوری کر لی ہے تو پھر جماعت کے ساتھ شامل نہ ہو نفلوں کی نیت سے، پھر جماعت میں شامل نہ ہو۔ بھئی مغرب میں کیوں؟ مغرب کے بعد تو نوافل کے اندر کوئی کراہت نہیں ہے، اس کے بعد تو نفل پڑھے جا سکتے ہیں۔ کہتے ہیں بھئی اگر یہ امام کے ساتھ نفلوں کی نیت سے شامل ہو گا تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور پیش آئے گی: یا تو یہ امام کے ساتھ ہی سلام پھیرے گا تو نفل تو تین رکعت ہو گئے، حالانکہ تین رکعت تو نفل نہیں درست بھائی، تین رکعت۔ اور یا پھر اسے یہ کرنا پڑے گا کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت اور ملانا پڑے گی اور اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی اور امام کی مخالفت بھی درست نہیں، تو دو خرابیوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی، اس لیے مغرب کے بعد بھی

سبق نمبر ۶۷: بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيضَةِ وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

جب پوری کرلے تو پھر جماعت کے ساتھ شامل نہ ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَكَذَا بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي ظَاهِرِالرِّوَايَةِ»، اور اسی طرح ہے مغرب کے بعد بھی ظاہرِ روایت میں، یعنی امام کے ساتھ شروع نہ ہو، «لِأَنَّ التَّنَفُّلَ بِالثَّلَاثِ مَكْرُوهٌ»، اس لیے کیونکہ تین رکعت کے ساتھ نفل پڑھنا یہ مکروہ ہیں، تو اگر تین پر سلام پھیرے گا تو یہ مکروہ پیش آئے گا، «وَفِي جَعْلِهَا أَرْبَعًا مُخَالَفَةٌ لِإِمَامِهِ»، اور ان تین کو چار بنانے میں اپنے امام کی مخالفت لازم آئے گی بھائی، اس کی مخالفت ہو گی اگر ایک رکعت اور ملائے گا۔

■ مسئلہ: وَمَنْ دَخَلَ مَسْجِدًا قَدْ أُذِّنَ فِيهِ يُكْرَهُ...

«وَمَنْ دَخَلَ مَسْجِدًا قَدْ أُذِّنَ فِيهِ يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ حَتَّى يُصَلِّيَ»، اور جو شخص داخل ہوا کسی ایسی مسجد میں کہ جس میں اذان دی جا چکی ہے، «يُكْرَهُ لَهُ»، تو اس کے لیے مکروہ ہے «أَنْ يَخْرُجَ» کہ وہ مسجد سے نکلے «حَتَّى يُصَلِّيَ» یہاں تک کہ یہ نماز پڑھ لے۔ بھئی کوئی شخص اذان ہو جانے کے بعد مسجد میں داخل ہو، تو اس کے لیے نماز پڑھے بغیر وہاں سے نکلنا مکروہ ہے بھائی، نماز پڑھے بغیر نکلنا۔ یہ معنی ہے کہ مکروہ ہے اس کے لیے کہ وہ نکلے حَتَّى يُصَلِّيَ یہاں تک کہ نماز پڑھ لے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ «لَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ النِّدَاءِ إِلَّا مُنَافِقٌ أَوْ رَجُلٌ يَخْرُجُ لِحَاجَةٍ يُرِيدُالرُّجُوعَ». حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مسجد سے نہیں نکلتا بَعْدَ النِّدَاءِ ای بعد الاذان، اذان کے بعد، اذان کے بعد مسجد سے نہیں نکلتا «إِلَّا مُنَافِقٌ»، مگر منافق ہی، «أَوْ رَجُلٌ»، یا کوئی ایسا آدمی «يَخْرُجُ لِحَاجَةٍ» جو نکلتا ہے کسی ضرورت کی بنا پر «يُرِيدُ الرُّجُوعَ» جو واپس لوٹنے کا جس کا ارادہ ہے۔ یعنی اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے مسجد سے نکلنے والا، وہ نکلنے والے دو ہی افراد ہو سکتے ہیں: ایک تو یا تو منافق ہو گا، یا وہ آدمی جو اس وجہ سے نکل رہا ہے کہ اس کا کوئی کام ہے اور وہ کام کر کے پھر واپس لوٹنا چاہتا ہے نماز تک یعنی آنا چاہتا ہے کہ اس کا ارادہ کیا ہو گا؟ کہ میں ابھی دو چار منٹ میں واپس آ رہا ہوں یہ کام کر کے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

«قَالَ إِلَّا إِذَا كَانَ يَنْتَظِمُ بِهِ أَمْرُجَمَاعَةٍ». قال، ماتن فرماتے ہیں یعنی امام محمد رحمہ اللہ، «إِلَّا إِذَا كَانَ يَنْتَظِمُ بِهِ أَمْرُجَمَاعَةٍ»، مگر یہ، انتظم کے معنی ہوتے ہیں جڑنا، منسلک ہونا۔ مگر یہ کہ «إِذَا كَانَ يَنْتَظِمُ بِهِ»، جڑا ہوا ہو اس شخص کے ساتھ «أَمْرُ جَمَاعَةٍ» کسی جماعت کا معاملہ، پھر نکل سکتا ہے۔ بھئی جب ایک مسجد میں اذان دے دی جائے تو اس مسجد میں جو داخل ہوا اس کے لیے بغیر نماز کے وہاں سے نکلنا مکروہ ہے، مگر یہ کہ اس شخص کے ساتھ کسی جماعت کا معاملہ جڑا ہوا ہو، کسی جماعت کا معاملہ اس کے ساتھ منسلک ہو، یعنی یہ کسی دوسری جگہ امام یا مؤذن ہو۔ تو دیکھو ایک دوسری جماعت کا معاملہ اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے، یہ دوسری جگہ امام یا مؤذن ہے تو اب اس کو اس کے لیے نکلنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ یہ جائے گا اور جا کر دوسری جگہ اذان دے گا یا امامت کروائے گا، تو اس کے لیے درست ہے۔

تو یہ معنی ہے «إِلَّا إِذَا كَانَ يَنْتَظِمُ بِهِ أَمْرُجَمَاعَةٍ»، مگر یہ کہ اس کے ساتھ منسلک ہو کسی دوسری جماعت کا معاملہ، تو اس کے لیے نکلنا مکروہ نہیں، بھئی کیوں نہیں مکروہ؟ کہتے ہیں «لِأَنَّهُ تَرْكٌ صُورَةً تَكْمِيلٌ مَعْنًى»، اس لیے کیونکہ یہ صورۃً تو اگرچہ چھوڑنا ہے یہ نماز کو چھوڑ کر جا رہا ہے، تو یہ صورۃً تو نماز کو چھوڑنا ہے، «تَكْمِيلٌ مَعْنًى» لیکن معنی کے اعتبار سے یہ پورا کرنا ہے، کیونکہ یہ کیا کرے گا وہاں جا کر؟ وہاں جماعت کروائے گا یا اذان دے گا اور جماعت ہو گی، تو یہ گویا اس کو کیا کر رہا ہے؟ نماز کو چھوڑ نہیں رہا بلکہ پورا کر رہا ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى وَكَانَتِ الظُّهْرَوَالْ...

«وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى وَكَانَتِ الظُّهْرَ وَالْعِشَاءَ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْرُجَ»، اور اگر وہ نماز پڑھ چکا ہے، بھئی ایک شخص ہے وہ نماز پڑھ چکا ہے اور اذان کے بعد وہ مسجد میں داخل ہوا یا مسجد میں تھا اور اذان ہو گئی، دونوں کا ایک ہی حکم ہے، وقت کون سا ہے؟ ظہر یا عشاء، اور یہ نماز ظہر یا عشاء کی پڑھ چکا ہے تو اب اس کے لیے نکلنے میں کوئی حرج نہیں، اب اس کا مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں۔ یہ معنی ہے «وَإِنْ كَانَ قَدْصَلَّى»، اور اگر وہ نماز پڑھ چکا ہے، «وَكَانَتِ الظُّهْرَوَالْعِشَاءَ»، اور وہ نماز بھی ظہر اور عشاء کی تھی، «فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْرُجَ»، تو کوئی حرج نہیں ہے اس کے نکلنے میں، «لِأَنَّهُ أَجَابَ دَاعِيَ اللَّهِ مَرَّةً»، اس لیے کیونکہ اس نے اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت ایک دفعہ قبول کر لی ہے، ایک دفعہ اس پر کیا کر لیا ہے؟ عمل کر لیا ہے، وہ نماز یہ پڑھ چکا ہے۔

«إِلَّا إِذَا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ»، مگر یہ کہ مؤذن شروع ہو جائے اقامت کے اندر۔ بھئی یہ شخص ایک دفعہ ظہر کی نماز پڑھ چکا ہے تو اب یہ نکل سکتا ہے۔ کوئی اور نکلے اذان ہو، اذان کے بعد مسجد میں گیا یا مسجد میں تھا اور اذان ہو گئی، اب اس کا ویسے عام آدمی کا نکلنا مکروہ ہے، اس لیے کیونکہ وہ مؤذن کیا کر رہا ہے؟ اللہ کی طرف بلا رہا ہے، اور یہ جب نکلے گا تو گویا کیا کر رہا ہے؟ اس بلانے والے کی دعوت کو رد کر رہا ہے۔ تو اگر یہ ظہر اور عشاء کا وقت ہے اور یہ نماز پڑھ چکا ہے پھر نکل سکتا ہے کیونکہ ایک مرتبہ اس داعی کا جواب یہ دے چکا ہے، اس کی دعوت قبول کر چکا ہے۔ ہاں اگر وہ یہ مسجد ہی میں تھا، جو نماز پڑھ چکا ہے مسجد ہی میں تھا کہ اقامت شروع ہو گئی،

536

جماعت کھڑی ہو رہی ہے، اب اس کو نہیں نکلنا چاہیے بلکہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے، اس لیے کیونکہ اب اقامت ہو رہی ہے اور ادھر یہ مسجد سے نکل رہا ہے سارے اس کو دیکھیں گے تو سارے اس کے بارے میں بدگمانی کریں گے کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ نماز کو چھوڑ رہا ہے۔

تو کہتے ہیں: «إِلَّا إِذَا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ»، مگر یہ کہ مؤذن جب اقامت کہنے میں شروع ہو جائے تو پھر نہ نکلے، «لِأَنَّهُ يُتَّهَمُ بِمُخَالَفَةِ الْجَمَاعَةِ»، کیونکہ اس کے اوپر تہمت آئے گی جماعت کی مخالفت کرنے کی، عَيَانًا کھلے بندوں، سامنے۔ سمجھ میں آیا؟ یعنی برملا، برملا اس کی جماعت کی مخالفت کے ساتھ وہ متہم ہو گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ متہم ہو گا، تہمت آئے گی، یعنی دلوں میں بدگمانی آئے گی، لوگ کہیں گے جماعت چھوڑ کر جا رہا ہے۔ تو ان میں ان کے ساتھ پھر شامل ہو جائے اور وہ نماز اس کی پھر نفل ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَتِ الْعَصْرَ أَوِ الْمَغْرِبَ

«وَإِنْ كَانَتِ الْعَصْرَ أَوِ الْمَغْرِبَ»، اور اگر وہ نماز تھی وہ عصر یا مغرب کی تھی، «أَوِ الْفَجْرَ»، یا کون سی تھی؟ فجر کی تھی۔ صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک آدمی فجر، مغرب یا عصر ان کی نماز پڑھ چکا ہے اور پھر مسجد میں آیا اور اب اذان کے بعد اب یہ اس کا وہاں سے نکلنا مکروہ نہیں، وہاں سے نکل سکتا ہے، نکل سکتا ہے۔ حتی کہ اگر مؤذن اقامت کہنا شروع کر دے پھر بھی یہ نکل سکتا ہے۔ بھئی پھر کیوں نکل سکتا ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ نماز یہ پڑھ چکا ہے، اب اگر جماعت کے ساتھ شامل ہو گا فجر میں تو وہ نفل ہوں گے اور فجر کی نماز کے بعد تو نفل مکروہ ہیں، لہٰذا نکل سکتا ہے۔ مغرب کے اندر بھی نکل سکتا ہے، کیونکہ مغرب میں اگر وہ نفلوں کی نیت سے شامل ہو گا تو پھر دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور یا تو اسے تین پر ہی سلام پھیرنا پڑے گا یا چار پوری کرے گا، تین پر سلام پھیرتا ہے تو تین نفل پڑھنا تو مکروہ، اور چار چونکہ تھی رکعت ساتھ ملائے گا تو اپنے امام کی مخالفت کی خرابی لازم آئے گی وہ بھی درست نہیں ہے، اور اسی طرح اگر عصر کے بعد ہے تو عصر کے بعد بھی نکل سکتا ہے، کیونکہ عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہیں بھائی، یہ آپ پڑھ چکے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ لہٰذا ان میں پھر شرکت نہ کرے جب ایک دفعہ نماز پڑھ چکا ہے۔

«وَإِنْ كَانَتِ الْعَصْرَ أَوِ الْمَغْرِبَ أَوِ الْفَجْرَ خَرَجَ»، اور وہ نماز اگر عصر یا مغرب یا فجر کی تھی تو پھر نکل سکتا ہے، «وَإِنْ أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِيهَا»، اگرچہ مؤذن اقامت میں شروع ہو جائے، پھر نکل سکتا ہے، کیوں؟ کہتے ہیں: «لِكَرَاهِيَةِ النَّفْلِ بَعْدَهَا»، اس وجہ سے کہ ان کے بعد نفل مکروہ ہیں، یعنی عصر اور فجر میں میں نفل مکروہ ہیں، اور مغرب میں وہ خرابی لازم آئے گی جو ابھی پیچھے ذکر ہوئی۔

«وَمَنِ انْتَهَى إِلَى الْإِمَامِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ»، اور جو شخص پہنچا امام تک فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ کون سی نماز میں؟ فجر کی۔ بھئی ایک شخص فجر کی نماز کے لیے پہنچا اور امام نماز میں شروع ہو چکا ہے، جماعت کھڑی ہو چکی ہے، «وَهُوَ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ»، اور حال یہ ہے کہ یہ جو شخص جو پہنچا ہے اس نے فجر کی دو رکعتیں نہیں پڑھیں یعنی دو سنتیں نہیں پڑھیں۔ تو کہتے ہیں: «إِنْ خَشِيَ أَنْ تَفُوتَهُ رَكْعَةٌ»، اگر اس کو یہ خوف ہے «أَنْ تَفُوتَهُ رَكْعَةٌ» کہ میں سنتیں پڑھوں گا تو میری ایک رکعت فوت ہو جائے گی، «وَيُدْرِكُ الْأُخْرَى»، اور دوسری کو وہ پالے گا، تو پھر کہتے ہیں: «يُصَلِّي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ»، تو وہ پڑھ لے فجر کی دو رکعتیں، کہاں پر؟ مسجد کے دروازے کے پاس پڑھ لے، «ثُمَّ يَدْخُلُ»، پھر ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائے۔ «لِأَنَّهُ أَمْكَنَهُ الْجَمْعُ بَيْنَ الْفَضِيلَتَيْنِ»، اس لیے کیونکہ ممکن ہے اس کے لیے دونوں فضیلتوں کو جمع کرنا، سنتیں بھی پڑھ کر سنتوں کی فضیلت کو بھی پا سکتا ہے اور ادھر فجر کی ایک رکعت نکل جائے گی لیکن ایک کو کیا کر لے گا؟ پالے گا، تو جماعت کی فضیلت کو بھی پالے گا۔ «وَإِنْ خَشِيَ فَوْتَهَا»، اور اگر اس کو جماعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہے کہ اب اگر میں دو سنتیں پڑھوں گا تو پوری جماعت ہی نکل جائے گی، تو کہتے ہیں: «دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ»، تو پھر سنتوں کو چھوڑ دے اور امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائے، «لِأَنَّ ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ أَعْظَمُ»، اس لیے کیونکہ جماعت کا ثواب بہت بڑا ہے، «وَالْوَعِيدُ بِالتَّرْكِ أَلْزَمُ»، اور اس کے چھوڑنے پر جو وعید ہے وہ اس کے ساتھ زیادہ لازم ہونے والی ہے بھائی، اس کے ساتھ زیادہ لازم ہونے والی ہے۔

بھئی اس لیے کیونکہ جماعت کو چھوڑنے والے کے لیے حدیث میں وعید آئی ہے، وعید آئی ہے۔ اور وہ عام شخص جو جماعت کو چھوڑتا ہے ان کے لیے وعید ہے، تو یہ تو وہاں پہنچ کر پھر بھی اس میں شامل نہیں ہوا تو یہ وہ وعید اس کے ساتھ زیادہ لازم ہونے والی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا اس وعید سے بچنے کے لیے اور جماعت میں شامل ہو جائے، تو دو وجہیں ذکر کر دیں صاحبِ ہدایہ نے کہ جماعت میں شامل ہونا چاہیے اس لیے کیونکہ جماعت کا ثواب بہت عظیم ہے اور نیز اس صورت میں جو چھوڑنے پر جو وعید آئی ہے وہ اس کے اگر وہ نہیں شامل ہو گا تو وہ وعید اس کے ساتھ زیادہ لازم ہونے والی ہے۔ «بِخِلَافِ سُنَّةِ الظُّهْرِ»، بخلاف ظہر کی سنتوں کے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو بس اور شارح اور شارحین انہوں نے معنی کیا «وَالْوَعِيدُ بِالتَّرْكِ أَلْزَمُ»، اور وہ جو وعید آئی ہے چھوڑنے کی وجہ پر وہ الزم، میں نے کیا ترجمہ کیا؟ اس کے ساتھ زیادہ لازم ہے۔ انہوں نے معنی کیا کیونکہ وہ وعید جو چھوڑنے کے بارے میں آئی ہے بڑی سخت ہے، بڑی سخت، تو جو معنی بھی آپ کر لیں، کیونکہ چھوڑ جماعت چھوڑنے پر جو وعید آئی ہے وہ بڑی سخت وعید آئی ہے، تو اس لیے کیا کرے؟ سنتوں کو چھوڑ دے لیکن جماعت کو نہ چھوڑے۔ اور چاہیں تو دوسرا ترجمہ کر لیں کہ وہ وعید اس کے ساتھ

زیادہ لازم ہو جائے گی، کیوں؟ کیونکہ باقی لوگ تو دور تھے وہ تو شریک نہیں ہوئے، یہ تو پہنچ کر بھی جماعت کے اندر شریک نہیں ہوا تو وعید اس کے ساتھ زیادہ لازم ہے۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ سُنَّةِ الظُّهْرِ

«بِخِلَافِ سُنَّةِ الظُّهْرِ»، بخلاف کس کے؟ ظہر کی سنتوں کے، «حَيْثُ يَتْرُكُهَا فِي الْحَالَيْنِ»، کیونکہ ان کو چھوڑ دے گا دونوں حالتوں میں۔ بھئی فجر کی دو سنتوں میں جب جماعت کے ملنے کا، ایک رکعت ملنے کا کی صورت ہے تو کیا کرلے؟ دو سنتیں پڑھ لے، اور اگر جماعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہے تو پھر ان سنتوں کو چھوڑ دے، اور ظہر کی سنتیں اس کے خلاف ہیں «حَيْثُ يَتْرُكُهَا فِي الْحَالَيْنِ» کیونکہ ان کو وہ چھوڑ دے گا دونوں حالتوں میں، دونوں حالتوں میں چھوڑ دے گا دونوں حالتوں میں، چاہے جماعت ملنے کا احتمال ہے چاہے چھوٹنے کا احتمال ہے، دونوں صورتوں میں کیا کرے؟ ظہر کی سنتوں کو چھوڑ دے۔ بھئی کیوں چھوڑ دے جب جماعت ملنے کا احتمال ہے؟ کہتے ہیں بھئی تو اس میں دونوں صورتوں میں ظہر کی سنتوں کو چھوڑ دے، اس لیے کیونکہ پھر ظہر کی سنتیں نماز کے بعد بھی ادا کی جاسکتی ہیں بھائی۔ وجہ سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے دونوں حالتوں میں ان کو چھوڑ دے گا، «لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَدَاؤُهَا فِي الْوَقْتِ بَعْدَالْفَرْضِ»، اس لیے کیونکہ ان سنتوں کی ادائیگی ممکن ہے وقت کے اندر ہی بعد الفرض فرضوں کے بعد، «وَالصَّحِيحُ»، یہی قول صحیح ہے۔ «وَإِنَّمَا الِاخْتِلَافُ بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ فِي تَقْدِيمِهَا عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ وَتَأْخِيرِهَاعَنْهُمَا». بھئی ظہر کی سنتیں اگر نماز سے پہلے رہ جائیں تو کب ادا کرتے ہیں؟ نماز کے بعد ادا کرتے ہیں ان کو، لیکن نماز کے بعد تو دو رکعتیں اور بھی تھیں ظہر کی، تو پھر پہلے کس کو پڑھیں گے؟ یہ جو بعد والی دو ہیں ان کو پہلے پڑھیں اور چار کو ان کے بعد پڑھ لیں جو پہلے والی رہ گئی تھیں، یا پہلے وہ چار پڑھیں گے اور پھر یہ والی دو پڑھیں گے؟ اس میں صاحبین کا اختلاف ہے، صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رکعتیں پہلے ہی مؤخر ہو چکی ہیں تو مزید مؤخر نہ کرے، پہلے ان چار کو پڑھے اور پھر ان دو کو پڑھے نماز کے بعد۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، پہلے وہ دو پڑھے پھر ان چار کو پڑھے۔ وہ فرماتے ہیں وہ چار رکعتیں وہ اپنے محل سے تو رہ ہی گئی ہیں، ان کا محل تو کہاں تھا؟ نماز سے پہلے تھا، اب ان کا محل تو چھوٹ گیا، تو اب نماز کے بعد جو دو رکعتیں ہیں کم از کم ان کو تو اپنے محل پر ہی ادا کرے، اور ان کا محل کب تھا؟ نماز کے فوراً بعد تھا یا نہیں تھا بھائی؟ ان کا محل تو نماز کے فوراً بعد ہے، تو لہٰذا پہلے ان دو کو ادا کرلے یہ تاکہ کم از کم اپنے محل پہ ادا ہو جائیں اور پھر اس کے بعد چار رکعتیں ادا کرے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا الِاخْتِلَافُ بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَااللَّهُ»، اور اختلاف جو ہے وہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کے درمیان صرف «فِي تَقْدِيمِهَا»، صرف ان کے مقدم کرنے میں ہے ان چار رکعتوں کا، ان چار رکعتوں کا مقدم کرنا «عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ»، کس پر؟ دو رکعتوں پر، «وَتَأْخِيرِهَا عَنْهُمَا»، اور ان چار رکعتوں کو مؤخر کرنا ان دو رکعتوں پر، یعنی اس میں صرف اختلاف ہے صاحبین کا کہ ان چار رکعتوں کو ان دو رکعتوں پر مقدم کیا جائے گا یا ان چار رکعتوں کو ان دو رکعتوں پر مؤخر کیا جائے گا۔

تو یاد رکھیے یہ تقدیم کا لفظ پہلے آیا، تقدیم کا لفظ پہلے آیا، تو یہ مذہب ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا، وہ فرماتے ہیں ان چار کو مقدم کریں گے عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ کس پر؟ ان دو پر۔ اور عبارت میں امام محمد رحمہ اللہ کا نام بعد میں آیا تو «وَتَأْخِيرِهَا عَنْهُمَا» یہ ہے امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب کہ ان کے نزدیک ان چار کو ان دو پر کیا کریں گے؟ مؤخر کریں گے بھائی۔ اور بعض علماء نے اس کا عکس بھی لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلے چار پڑھیں گے پھر دو، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلے پہلے دو پڑھیں گے اور پھر چار پڑھیں گے۔

■ مسئلہ: وَلَا كَذَلِكَ سُنَّةُ الْفَجْرِ عَلَى مَا نُبَيِّ...

«وَلَا كَذَلِكَ سُنَّةُ الْفَجْرِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُتَعَالَى»، اور فجر کی سنتیں اس طرح نہیں ہیں بوجہ اس کے جو ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بھئی یہ بات ذکر ہوئی متن میں ذکر آیا تھا فجر کی سنتوں کا کہ اگر ایک رکعت فجر کی جماعت ملنے کی صورت ہے تو پھر سنتوں کو نہ چھوڑے، سنتیں ادا کرلے، اور اگر پوری جماعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہے تو پھر سنتوں کو چھوڑ دے، لیکن ظہر میں نہیں ظہر میں دونوں صورتوں میں کیا کر دیں گے؟ چھوڑ دیں گے۔ تو بھئی یہ فجر میں کیوں کہا گیا اگر ایک رکعت ملتی ہے تو سنتیں بھی پڑھ لو؟ تو اس کی وجہ یہ، وہ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ فجر کی سنتیں اس طرح نہیں ہیں، ظہر کی سنتیں تو ظہر کی نماز کے بعد بھی ادا کی جاسکتی تھیں وقت کامل صحیح تھا، لیکن فجر کے اندر کیا ہے؟ نماز کے بعد نفل ادا کرنا مکروہ ہے، لہٰذا اس لیے بھائی تو ان کا حکم بھی مختلف ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا كَذَلِكَ سُنَّةُ الْفَجْرِ»، اور فجر کی سنتیں اس طرح نہیں ہیں، «عَلَى مَا نُبَيِّنُ»، بوجہ اس کے جو ہم بیان کریں گے، «إِنْ شَاءَ اللَّهُتَعَالَى».

«وَالتَّقْيِيدُ بِالْأَدَاءِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ يَدُلُّ عَلَى الْكَرَاهَةِ فِي الْمَسْجِدِ». بھئی متن میں کیا آیا تھا؟ کہ جس کو یہ جماعت میں پہنچا اور اس کو یہ

خوف ہے کہ ایک رکعت نکل جائے گی لیکن ایک کو میں پالوں گا، تو کہاں پر سنتیں ادا کرلے؟ مسجد کے دروازے کے پاس۔ صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ متن میں یہ جو مقید کیا گیا ادا کو «عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ» کہ ادا کرے کہاں پر ادا کرے؟ مسجد کے دروازے کے پاس ادا کرنے کے ساتھ جو متن میں مقید کیا گیا، «يَدُلُّ عَلَى الْكَرَاهَةِ فِي الْمَسْجِدِ»، یہ دلالت کرتا ہے مسجد میں کراہت پر کہ مسجد میں ادا کرنا مکروہ ہے «إِذَا كَانَ الْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ» جبکہ امام کس میں ہو؟ نماز میں ہو۔ تو اس لیے انہوں نے کہا مسجد کے دروازے کے پاس یعنی مسجد سے باہر ہی وہ سنتیں ادا کرلے بھائی، سنتیں ادا کرلے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو جب جماعت کھڑی ہو اس وقت سنتیں مسجد میں ادا کرنا مکروہ ہے، اس وقت پہلے انسان جماعت میں شرکت کرے، اور اگر باہر جگہ نہیں ہے مسجد ہی میں پڑھنا پڑے تو پھر یا در کھیے کسی ستون کے پیچھے کھڑے ہو کر انسان ان کو ادا کرلے، اور سب سے زیادہ کراہت اس کے اندر ہے کہ اسی صف میں کھڑا ہو کر سنتیں ادا کرے جو نماز پڑھ رہی ہے، جماعت ہے بھائی۔ تو یہ سب سے زیادہ کراہت اس میں ہے۔

«وَالْأَفْضَلُ فِي عَامَّةِ السُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ الْمَنْزِلُ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ». اور افضل عام سنتوں میں اور نفلوں میں المنزل گھر ہے۔ عام نفل اور سنتیں گھر پر پڑھنا افضل ہیں، «هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، یہی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ تو فرض جو ہیں وہ صرف مسجد میں جماعت کے ساتھ ہونے چاہئیں، باقی سنتیں اور نوافل ان کی فضیلت گھر پر زیادہ ہے بھائی، اور یہ حضور علیہ السلام کا بھی یہی طریقہ تھا، آپ نوافل اور سنتیں کہاں پر ادا فرماتے تھے؟ گھر پر ادا فرماتے تھے، گھر پر۔ اور ایک مرتبہ حضور علیہ السلام ایک مسجد کے پاس سے گزرے اور وہ لوگ مسجد کے اندر نوافل وغیرہ میں مشغول تھے تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ یہ تو گھر کی نماز ہے، یعنی یہ جو مسجد میں پڑھ رہے ہیں یہ کہاں پڑھنی چاہیے ان کو؟ گھر میں پڑھنی چاہیے، مسجد تو میں صرف فرض یہ جماعت ہونی چاہیے بھائی۔ اور میرے والد محترم حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کا زندگی بھر یہی معمول رہا کہ وہ ہمیشہ سنتیں کہاں ادا کرتے؟ گھر پر ادا کرتے تھے، اور سنتیں ادا کر کے پھر جماعت میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے اور پھر جماعت میں شرکت کرنے کے بعد بقیہ سنتیں بھی گھر پر ہی آ کر ادا کرتے تھے بھائی، اور اس سے گھر والوں پر بھی اثر پڑتا ہے اور عورتوں اور بچوں کی بھی اس سے تربیت ہوتی چلی جاتی ہے بھائی، تو اس لیے یہ گھر پر پڑھنی چاہئیں بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ لَا يَقْضِيهِ...

«وَإِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ لَا يَقْضِيهِمَا قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ»، اور جب اس کی فوت ہو جائیں فجر کی دو رکعتیں تو پھر ان کی قضانہ کرے سورج طلوع ہونے سے پہلے۔ بھئی ایک شخص اس کی فجر کی سنتیں رہ گئیں جیسے اوپر مسئلے میں ذکر ہوا، جماعت کے ساتھ اس نے نماز پڑھ لی اور فجر کی دو سنتیں رہ گئیں اور فجر کی دو سنتیں وہ اب نماز پڑھنے کے بعد ان کو نہیں پڑھیں گے، کیونکہ فجر کی نماز کے بعد نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے اور یہ سنتیں بھی کیا ہیں؟ نوافل ہی ہیں جن پر حضور علیہ السلام نے پابندی فرمائی، تو لہٰذا فجر کی نماز کے بعد بھی نہیں پڑھیں گے اور پھر سورج طلوع ہو جانے کے بعد جب مکروہ وقت نکل جائے تو کیا ان کی قضا کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، ان کی قضا بھی نہیں کی جائے گی، جب اکیلی سنتیں ہیں۔ اگر فرض بھی رہ گئے ہیں پھر تو فرض ادا کرتے ہوئے ان کو بھی پڑھ لے بھائی، قضا کرلے ان کی بھی، لیکن اگر صرف سنتیں رہ گئی ہیں تو پھر ان کی قضا نہیں، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ جب سورج طلوع ہو جائے، مکروہ وقت نکل جائے تو پھر ان کی قضا کرلے، زوال سے پہلے پہلے کیا کر سکتا ہے؟ ان کی قضا کر سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ»، اور جب اس شخص کی فجر کی دو رکعتیں چھوٹ گئیں یعنی دو سنتیں، «لَا يَقْضِيهِمَا قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ»، تو ان دو رکعتوں کی قضانہ کرے سورج طلوع ہونے سے پہلے، «لِأَنَّهُ يَبْقَى نَفْلًا مُطْلَقًا»، اس لیے کیونکہ یہ صرف نفلِ مطلق ہو کر باقی رہ گئے۔ یہ جو دو رکعتیں ہیں یہ کیا بن کر باقی رہ گئیں؟ نفلِ مطلق بن کر باقی رہ گئی ہیں، اب یہ سنت نہ رہیں، کیونکہ سنت تو نماز سے پہلے تھی، نماز کے بعد نہیں، تو یہ اپنے نفلِ مطلق بن کر رہ گئی ہیں، «وَهُوَ مَكْرُوهٌ بَعْدَ الصُّبْحِ»، اور نفل تو صبح کی نماز کے بعد مکروہ ہیں۔ «وَلَا بَعْدَ ارْتِفَاعِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ»، اور سورج کے بلند ہو جانے کے بعد بھی ان کی قضانہ کرے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ «وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْضِيَهُمَا إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ»، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ ان دونوں کی قضا کرلے وقتِ زوال تک، یعنی زوال سے پہلے پہلے ان کی قضا کر سکتا ہے، اس کے بعد پھر ان کی قضا نہیں۔ وجہ کیا؟ دلیل کیا امام محمد رحمہ اللہ کی؟ وہ فرماتے ہیں: «لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَضَاهُمَا بَعْدَ ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ غَدَاةَ لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ»، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان دو رکعتوں کو، ان دو رکعتوں کی قضا فرمائی تھی سورج کے بلند ہو جانے کے بعد غَدَاةَ لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ لیلۃ التعریس کی صبح کو۔ لیلۃ التعریس یہ واقعہ پیچھے گزر چکا ہے کہ سفر میں تھے اور رات کے آخری پہر میں پھر پڑاؤ ڈالا صحابہ کے اصرار پر حضور علیہ السلام نے، اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمہ داری لی کہ میں جگاؤں گا اور پھر وہ بھی ان پر بھی نیند غالب ہوئی اور سورج طلوع ہو گیا، حضور علیہ السلام سب سے پہلے بیدار ہوئے تو آپ نے پھر بعد میں جب سورج کچھ بلند ہو گیا تھا تو جماعت کے ساتھ وہ فجر کی نماز کی قضا فرمائی اور نماز سے پہلے وہ دو سنتیں بھی ادا فرمائیں بھائی، ادا فرمائیں۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں معلوم ہوا ان سنتوں کو کیا کیا جائے گا؟ بعد میں ان کی قضا، قضا کرنا پسندیدہ ہے۔

«وَلَهُمَا»، اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے «أَنَّ الْأَصْلَ فِي السُّنَّةِ أَنْ لَا تُقْضَى لِاخْتِصَاصِ الْقَضَاءِ بِالْوَاجِبِ»، کہ اصل تو یہ ہے کہ سنتوں کی قضا نہیں کی جاتی، کیونکہ قضا کا اختصاص ہے واجب کے ساتھ، قضا خاص ہے کس کے ساتھ؟ واجب کے ساتھ، قضا واجب کی کی جاتی ہے سنتوں کی نہیں۔ «وَالْحَدِيثُ وَرَدَ فِي قَضَائِهِمَا تَبَعًا لِلْفَرْضِ»، اور حدیث وارد ہوئی ہے سنتوں کی قضا کے بارے میں کہ وہ فرضوں کے تابع تھی، اس حال میں کہ وہ فرضوں کے تابع۔ بھئی لیلۃ التعریس کی حدیث میں سنتوں کی قضا آئی ہے لیکن وہ سنتیں فرضوں کے تابع تھیں، کیونکہ فرضوں کی قضا کی جارہی تھی اس لیے ان کے ساتھ سنتوں کی بھی قضا کرلی گئی، اکیلی سنتوں کی قضا نہیں کی جائے گی۔

تو کہتے ہیں «وَالْحَدِيثُ وَرَدَ فِي قَضَائِهِمَا تَبَعًا لِلْفَرْضِ»، اور حدیث وارد ہوئی ہے فرضوں کے تابع ان کی قضا کرنے کے بارے میں، «فَبَقِيَ مَا وَرَاءَهُ عَلَى الْأَصْلِ»، تو اس باقی سنتیں جو ہیں وہ اپنی اصل پر باقی رہیں گی۔ فَبَقِيَ مَا وَرَاءَهُ تو اس کے علاوہ جو ہیں، اس کے علاوہ کون سی سنتیں؟ جو فرضوں کے تابع نہ ہوں، اکیلی کیا ہوں؟ سنت، وہ باقی جتنی ہیں وہ سب وہ باقی رہیں گی عَلَى الْأَصْلِ کس پر؟ اپنی اصل پر، تو فرضوں کے تابع سنتوں کی قضا کی جائے گی اکیلی سنتوں کی قضا نہیں بھائی۔ بھئی عبارت بھی سمجھ آرہی ہے کہ نہیں بھائی؟ کہیں عبارت سمجھ میں نہ آئے تو بتادیا کریں بھائی۔ تو دوبارہ ترجمہ ذرا دیکھ لیں: «وَالْحَدِيثُ وَرَدَ فِي قَضَائِهِمَا تَبَعًا لِلْفَرْضِ»، اور حدیث وارد ہوئی ہے ان کی قضا کے بارے میں تَبَعًا لِلْفَرْضِ فرضوں کے تابع، فرضوں کے تابع ان دونوں کی قضا کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے، «فَبَقِيَ مَا وَرَاءَهُ»، تو اس کے علاوہ جو ہیں یعنی جو فرضوں کے تابع نہ ہوں وہ ساری صورتیں وہ باقی رہیں گی «عَلَى الْأَصْلِ» کس پر؟ اپنی اصل پر، اور اصل تو کیا ہے کہ سنتوں کی قضا نہیں کی جاتی۔

■ مسئلہ: وَإِنَّمَا تُقْضَى تَبَعًا لَهُ وَهُوَ يُصَلِّي بِ...

«وَإِنَّمَا تُقْضَى تَبَعًا لَهُ وَهُوَ يُصَلِّي بِالْجَمَاعَةِ أَوْ وَحْدَهُ إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ»، اور ان سنتوں کی قضا کی جائے گی ان فرضوں کے تابع، اس حال میں کہ وہ نماز پڑھے جماعت کے ساتھ یا اکیلا ہی زوال کے وقت تک، زوال کے وقت۔ بھئی سنتوں کے بارے میں ذکر ہو گیا کہ اگر اکیلی سنتیں رہ گئی ہیں تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں زوال سے پہلے کیا کر سکتا ہے؟ ان کی قضا کر سکتا ہے، یہ پسندیدہ ہے یعنی مستحب ہے۔ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی قضا نہیں کی جائے گی کیونکہ فرضوں کے تابع ہو کر تو ان کی قضا کی جاسکتی ہے اکیلے ان کی قضا نہیں، اور یہ شخص بھی فرضوں کے تابع کیا کرے گا؟ سنتوں کی قضا، تو یہ شخص بھی فرضوں کے تابع سنتوں کی قضا کرے گا چاہے جماعت کے ساتھ بعد میں فرضوں کی قضا کر رہا تھا یا اکیلے ہی۔ ایک آدمی کی فجر کی نماز ہی رہ گئی، بعد میں وہ اس فجر کی نماز کی قضا کرتا ہے، چاہے اکیلے قضا کرے چاہے جماعت کے ساتھ کیا کرے؟ فرضوں کی قضا کرے، تو تبعاً کیا کرے گا؟ سنتوں کی بھی قضا کرے گا، لیکن زوال سے پہلے پہلے۔ اگر یہ فرضوں کی قضاوہ کب کر رہا ہے؟ زوال سے پہلے کر رہا ہے۔ یہ معنی ہے «وَإِنَّمَا تُقْضَى تَبَعًا لَهُ وَهُوَ يُصَلِّي بِالْجَمَاعَةِ أَوْ وَحْدَهُ إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ»، اور سنتوں کی قضا کی جائے گی فرضوں کے تابع اس حال میں کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے یا اکیلا ہی زوال کے وقت تک۔

«وَفِيمَا بَعْدَهُ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ»، اور زوال کے بعد میں مشائخ یعنی فقہاء کا اختلاف ہے۔ یعنی زوال کے بعد اگر وہ نماز کی قضا کرتا ہے فجر کی نماز رہ گئی تھی اس کی قضا کرتا ہے تو سنتیں بھی ساتھ پڑھے گا یا نہیں؟ تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں زوال کے بعد بھی جب فجر کی فرضوں کی قضا کر رہا ہے تو سنتوں کی بھی قضا کرے گا اور بعض کہتے ہیں ان کی سنتوں کی قضا نہیں کرے گا۔

«وَأَمَّا سَائِرُ السُّنَنِ سِوَاهَا لَا تُقْضَى بَعْدَ الْوَقْتِ وَحْدَهَا»، اور اس کے علاوہ جو باقی سنتیں ہیں سِوَاهَا اس فجر کی سنتوں کے علاوہ، «لَا تُقْضَى بَعْدَ الْوَقْتِ وَحْدَهَا»، تو ان کی قضا نہیں کی جائے گی وقت کے بعد اکیلے۔ فجر میں تو آیا کہ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ان کی قضا کر سکتا ہے، یہ پسندیدہ ہے یعنی مستحب ہے، لیکن باقیوں میں ان کی قضا سنتوں کی قضا نہیں کی جائے گی اکیلی سنتوں کی، «وَاخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِي قَضَائِهَا تَبَعًا لِلْفَرْضِ». اچھا باقی نمازوں کی جو سنتیں ہیں، فرضوں کے تابع ان سنتوں کی قضا کی جائے گی یا نہیں؟ کہتے ہیں اس میں بھی مشائخ کا اختلاف ہے۔ فجر کی سنتوں میں تو اتفاق ہے، فجر کی نماز قضا ہوئی ہے بعد میں جب قضا نماز اور فرض یعنی پڑھنے لگا ہے تو کیا کرے گا؟ سنتیں بھی ساتھ، لیکن باقی نمازوں کی قضا کرنے لگا ہے تو کیا ان کی سنتیں ان کے ساتھ پڑھے گا یا نہیں؟ اس میں مشائخ کا اختلاف، بعض فرماتے ہیں کہ پڑھے گا بعض فرماتے ہیں کہ نہیں پڑھے گا۔ تو کہتے ہیں: «وَاخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِي قَضَائِهَا تَبَعًا لِلْفَرْضِ»، اور اختلاف کیا ہے فجر کے علاوہ باقی سنتوں کی قضا میں فرضوں کے تابع، اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ مسئلہ بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں آیا بھائی؟

■ مسئلہ: وَمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الظُّهْرِ رَكْعَةً وَلَمْ يُ...

«وَمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الظُّهْرِ رَكْعَةً وَلَمْ يُدْرِكِ الثَّلَاثَ فَإِنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: قَدْ أَدْرَكَ

فَضْلَ الْجَمَاعَةِ ». سوال کہ ایک شخص جماعت میں تاخیر سے شرکت کرتا ہے، تو کیا اس کو جماعت کا ثواب ملے گا یا جماعت کا ثواب نہیں ملے گا؟ تو کہتے ہیں بھئی اگر اکثر جماعت نکل چکی ہے، شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں مثلاً ظہر کی نماز میں وہ آکر شریک ہوا تین رکعتیں ہو چکی تھیں وہ چوتھی رکعت میں شریک ہوا، تو اکثر نماز نکل چکی ہے، جب اکثر نماز نکل چکی ہے تو اس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی یعنی اس کو جماعت کی فضیلت نہیں ملے گی۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخر میں آکر شریک ہوا ہے لہٰذا اس کو جماعت کی فضیلت مل جائے گی، اس لیے کیونکہ آخرِ شے کو پانے والا بھی اسی طرح ہے گویا اس نے اس شے کو پالیا ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے «وَمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الظُّهْرِ رَكْعَةً»، اور جس نے پالیا ظہر کی نماز میں سے ایک رکعت کو، «وَلَمْ يُدْرِكِ الثَّلَاثَ»، اور تین رکعتیں اس کو نہیں ملیں، تین رکعتیں اس نے نہیں پائیں، «فَإِنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ»، تو اس نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی، یعنی اس کو جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، کس کے نزدیک؟ شیخین رحمہما اللہ۔ «وَقَالَ مُحَمَّدٌ: قَدْ أَدْرَكَ فَضْلَ الْجَمَاعَةِ»، وہ فرماتے ہیں کہ تحقیق اس نے جماعت کی فضیلت کو پالیا، «لِأَنَّ مَنْ أَدْرَكَ آخِرَ الشَّيْءِ فَقَدْ أَدْرَكَهُ»، اس لیے کیونکہ جس شخص نے کسی شے کے آخری حصے کو پالیا اس نے تحقیق اس شے کو پالیا، «فَصَارَ مُحْرِزًا ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ»، تو یہ شخص جماعت کے ثواب کو سمیٹنے والا ہو گیا، یعنی اس کو بھی وہ ثواب ملے گا، «لَكِنَّهُ لَمْ يُصَلِّهَا بِالْجَمَاعَةِ حَقِيقَةً»، لیکن اس نے حقیقتاً جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، فضیلت تو مل جائے گی لیکن حقیقتاً جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔

لہٰذا یہی صورت اگر پیش آئی کسی قسم کے اندر، قسم کے اندر، تو اگر اس شخص نے یہ قسم اٹھائی تھی، یہ قسم اٹھائی تھی کہ «وَاللَّهِ لَا أُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ»، واللہ میں جماعت کو نہیں پاؤں گا، اور آخری رکعت مل گئی، تو جماعت کو اس نے پایا یا نہیں پایا؟ جماعت کو پالیا، لہٰذا حانث ہو جائے گا۔ اس نے کیا قسم اٹھائی تھی؟ «وَاللَّهِ لَا أُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ»، میں جماعت کو نہیں پاؤں گا، لیکن آخری رکعت کو بھی پالینا کیونکہ آخرِ شے کو کوئی پالے گویا اس نے اس شے کو پالیا، لہٰذا وہ حانث ہو جائے گا، حانث ہو گا۔ اس کے مقابلے میں اگر کسی نے یوں قسم اٹھائی تھی «وَاللَّهِ لَا أُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ»، ادراک کا لفظ استعمال نہیں کیا، صلاۃ کا لفظ استعمال کیا «وَاللَّهِ لَا أُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ»، تو اس صورت میں اب یہ آخری رکعت میں شریک ہوا ہے تو اس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، اس نے بھی یہ قسم اٹھائی تھی میں جماعت کے ساتھ نہیں پڑھوں گا اور آخری رکعت میں آکر شامل ہوا ہے، تو اکثرِ نماز نکل چکی ہے لہٰذا اس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی لہٰذا اس کی قسم ابھی نہیں ٹوٹی بھائی، اس میں حانث نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے «فَصَارَ مُحْرِزًا ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ»، یہ جماعت کے ثواب کو سمیٹنے والا ہوا، «لَكِنَّهُ لَمْ يُصَلِّهَا بِالْجَمَاعَةِ حَقِيقَةً»، لیکن اس نے حقیقتاً جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، «وَلِهَذَا يَحْنَثُ بِهِ فِي يَمِينِهِ لَا يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ»، لہٰذا یہ شخص حانث ہو جائے گا اس سے اپنی اس قسم کے اندر «لَا يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ»، اس نے کیا قسم کھائی تھی کہ وہ جماعت کو نہیں پائے گا اور آخری رکعت کو پالیا تو آخری شے کو پالینا گویا شے کو پالیا تو اس صورت میں اس کے وہ حانث ہو جائے گا، «وَلَا يَحْنَثُ فِي يَمِينِهِ لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ»، اور کوئی شخص اپنی اس قسم کے اندر حانث نہیں ہو گا «لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ» کہ وہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے گا، تو آخری رکعت میں بھی شامل ہو بھی گیا لیکن اس نے اکثرہ چکی ہے تو اس نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی لہٰذا اس کی قسم ابھی بھی نہیں ٹوٹی، اس میں حانث نہیں ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

■ مسئلہ: وَمَنْ أَتَى مَسْجِدًا قَدْ صُلِّيَ فِيهِ فَلَا بَأْسَ...

«وَمَنْ أَتَى مَسْجِدًا قَدْ صُلِّيَ فِيهِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَتَطَوَّعَ قَبْلَ الْمَكْتُوبَةِ مَا بَدَا لَهُ مَا دَامَ فِي الْوَقْتِ». بھئی ایک شخص مسجد میں آیا نماز ادا کرنے کے لیے اور جماعت ہو چکی ہے، جماعت ہو چکی ہے۔ اب یہ شخص کچھ نوافل ادا کرنا چاہتا ہے، نوافل وغیرہ ادا کر سکتا ہے یا نہیں فرضوں سے پہلے؟ کہتے ہیں بھئی جتنا جی چاہے وہ نوافل ادا کر سکتا ہے فرضوں سے پہلے، الا یہ کہ وقت تنگ ہو جائے تو پھر کیا کرلے؟ فرضوں کو ادا کرلے کہیں وہ قضا نہ ہو جائیں، وقت میں گنجائش ہو تو جتنے نفل پڑھنا چاہے نفل پڑھ سکتا ہے۔

«وَمَنْ أَتَى مَسْجِدًا»، اور جو شخص کسی ایسی کسی مسجد میں آیا «قَدْ صُلِّيَ فِيهِ» کہ اس میں نماز ہو چکی ہے، «فَلَا بَأْسَ»، تو کوئی حرج نہیں ہے «بِأَنْ يَتَطَوَّعَ قَبْلَ الْمَكْتُوبَةِ» کہ وہ نفل پڑھ لے قبل المکتوبۃ، مکتوبہ نماز یعنی فرض کی ہوئی نماز سے پہلے، جو فرض نماز ہے اس سے پہلے، «مَا بَدَا لَهُ»، جتنا اس کی رائے بنے، بدالہ عربی میں استعمال کرتے ہیں رائے بننے کے لیے، جتنا اس کے لیے ظاہر ہو یعنی اس کی رائے بنے یعنی جتنا اس کی رائے ہو جتنا اس کا ارادہ ہو، «مَا دَامَ فِي الْوَقْتِ»، جب تک کہ وہ اسی وقت میں ہے، جب تک کہ وہ اسی وقت میں ہے۔ بھئی اسی وقت میں ہونے کا کیا معنی؟ صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: «وَمُرَادُهُ إِذَا كَانَ فِي الْوَقْتِ سَعَةٌ»، جبکہ وقت کے اندر کیا ہو؟ گنجائش ہو، یعنی اس وقت کے اندر ہونے کا یہ معنی کہ اس وقت میں گنجائش ہو۔

«وَإِنْ كَانَ فِيهِ ضِيقٌ تَرَكَهُ»، اور اگر وقت کے اندر تنگی ہو «تَرَكَهُ» تو پھر نفلوں کو کیا کر دے؟ چھوڑ دے، نفل نہ پڑھے بلکہ پہلے فرض پڑھے۔ «قِيلَ هَذَا فِي غَيْرِ سُنَّةِ الظُّهْرِ وَالْفَجْرِ لِأَنَّ لَهُمَا زِيَادَةَ مَزِيَّةٍ»، کہا گیا ہے کہ یہ فجر اور ظہر کی سنتوں کے علاوہ میں ہے۔ یہ جو بات آئی نا «وَإِنْ كَانَ فِيهِ ضِيقٌ تَرَكَهُ»، اگر وقت میں تنگی ہو تو نفلوں کو سنتوں کو کیا کر دے؟ چھوڑ دے، کہتے ہیں یہ ظہر اور فجر کی سنتوں کے علاوہ کے اندر بات ہو رہی ہے، یہ بعض مشائخ نے کہا، قیل کا اس لیے قیل کے ساتھ ذکر کیا، کہا گیا ہے «هَذَا فِي غَيْرِ سُنَّةِ الظُّهْرِوَالْفَجْرِ»، یہ فجر اور ظہر کی سنتوں کے علاوہ میں ہے، «لِأَنَّ لَهُمَا زِيَادَةَ مَزِيَّةٍ»، اس لیے کیونکہ ان دونوں سنتوں کو مزیۃ کہتے ہیں فضیلت کو، کیونکہ ان دونوں سنتوں کی زیادہ فضیلت ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

«قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں فِيْ سُنَّةِ الْفَجْرِ فجر کی سنتوں کے بارے میں: «صَلُّوهَا وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ»، کہ ان کو پڑھو تم اگرچہ تم کو روند ڈالیں گھوڑے۔ «صَلُّوهَا»، اس نماز کو فجر کی سنتوں کے بارے میں فرمارہے ہیں بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم، «صَلُّوهَا»، یہ دو رکعتیں پڑھو، یہ سنتیں پڑھو «وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ» اگرچہ تم کو گھوڑے اپنے سموں کے تلے روند ڈالیں۔ طرد ت کے معنی روندنے کے، «وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ»، اگرچہ گھوڑے تم کو روند ڈالیں۔ خیل لفظ آیا خیل، یاد رکھیے خیل یہ ایک گھوڑے کو نہیں کہتے، یہ گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ خیل گھوڑوں کی، فرس ایک گھوڑا ہے لیکن خیل کا لفظ جماعت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ «صَلُّوهَا وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ»، ان کو پڑھو تم اگرچہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں، یہ فجر کی سنتوں کے بارے میں فرمایا۔ «وَقَالَ فِي الْأُخْرَى»، اور دوسری سنتوں کے بارے میں یہ فرمایا، دوسری کون سی؟ ظہر کی سنتوں کے بارے میں فرمایا: «مَنْ تَرَكَ الْأَرْبَعَ قَبْلَ الظُّهْرِ لَمْ تَنَلْهُ شَفَاعَتِي»، جس نے چار رکعتیں ظہر سے پہلے کی چھوڑ دیں، «لَمْ تَنَلْهُ شَفَاعَتِي»، اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی، اس کو میری شفاعت نہیں ملے گی۔

تو معلوم ہوا ان کی زیادہ فضیلت ہے ان دو کی، لہٰذا اگر وقت میں تنگی ہو تو سنتوں اور نفلوں کو انسان چھوڑ دے لیکن یہ بعض مشائخ فرماتے ہیں فجر اور ظہر ان میں اگر وقت میں تنگی بھی ہو پھر بھی ان کو نہ چھوڑے بلکہ ان کو پڑھے، ادا کرے۔ «وَقِيلَ هَذَا فِي الْجَمِيعِ»، اور کہا گیا ہے بعض مشائخ فرماتے ہیں «هَذَا فِي الْجَمِيعِ» یہ ساری سنتوں کے بارے میں ہے کہ وقت میں تنگی ہو نوافل کو تو چھوڑ دے لیکن سنتوں کو نہ چھوڑے اگرچہ وقت میں تنگی ہی کیوں نہ ہو۔

تو کہتے ہیں «وَقِيلَ هَذَا فِي الْجَمِيعِ»، اور کہا گیا یہ ساری سنتوں کے بارے میں ہے، «لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَدَاءِ الْمَكْتُوبَاتِ بِالْجَمَاعَةِ»، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے یہ جو سنتیں ہیں سنن رواتب جو ہیں ان پر پابندی فرمائی ہے عِنْدَ أَدَاءِ الْمَكْتُوبَاتِ فرض نمازوں کی ادائیگی کے وقت بِالْجَمَاعَةِ جماعت کے ساتھ۔ جب بھی جماعت کے ساتھ حضور علیہ السلام نے فرض نمازوں کی ادائیگی کے وقت ان پر بھی حضور علیہ السلام نے پابندی فرمائی ہے، فرض نمازوں کی جب بھی حضور علیہ السلام تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، تو جماعت کے ساتھ جب فرض نمازیں پڑھتے تھے تو حضور علیہ السلام نے ان کے ساتھ ان فرض نمازوں کے ساتھ ان سنتوں پر بھی پابندی فرمائی ہے، پابندی فرمائی ہے۔ تو یہ شخص بھی چاہے وقت تنگ ہی کیوں نہ ہو جائے، فرض نماز ادا کرنے لگا ہے تو ان سنتوں کو نہ چھوڑے بلکہ ان سنتوں کو ادا کرے۔ «وَلَا سُنَّةَ دُونَ الْمُوَاظَبَةِ»، اور کوئی سنت نہیں بغیر مواظبت کے، سنت کہتے ہی کس کو ہیں جس پر حضور علیہ السلام نے پابندی فرمائی ہو۔

■ مسئلہ: وَالْأَوْلَى أَنْ لَا يَتْرُكَهَا فِي الْأَحْوَالِ...

«وَالْأَوْلَى أَنْ لَا يَتْرُكَهَا فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا». اب صاحب ہدایہ ذکر فرمارہے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے «أَنْ لَا يَتْرُكَهَا فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا» کہ ان کو نہ چھوڑے تمام احوال میں، یعنی کسی بھی حال میں ان کو نہ چھوڑے، ان کو کسی بھی حال میں نہ چھوڑے۔ ترجمے پر نظر ہے: «وَالْأَوْلَى»، اور اولیٰ یہ ہے «أَنْ لَا يَتْرُكَهَا»، کہ ان سنتوں کو جن پر حضور علیہ السلام نے پابندی فرمائی ہے جو سنتِ مؤکدہ نمازوں کے ساتھ ادا کرتے ہیں ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے «فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا»، کیا ترجمہ کریں گے؟ تمام احوال میں، یہ تو لفظی ترجمہ لیکن اس سے غلط شبہ ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ گویا معنی یہ ہوا کہ ان کو تمام احوال میں نہ چھوڑے، معلوم ہوا بعض میں چھوڑ سکتا ہے، بعض میں، حالانکہ یہ تو نہیں کہنا چاہتے صاحبِ ہدایہ، تو لہٰذا اردو میں ایسے مواقع پہ پھر ترجمہ دوسری طرح کریں گے، کسی کا لفظ استعمال کریں گے کہ ان سنتوں کو نہ چھوڑے فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا کسی بھی حال میں، کسی بھی حال میں، یعنی ہر حال میں ان کو ادا کرے۔

«لِكَوْنِهَا مُكَمِّلَاتٍ لِلْفَرَائِضِ»، اس وجہ سے کیونکہ یہ فرضوں کو پورا کرنے والی ہیں۔ بھئی فرضوں میں کوئی تاکہ کمی کوتاہی ہوئی ہو تو ان سنتوں کے ساتھ ان کی کیا ہو جائے گی؟ تکمیل ہو جائے گی۔ «لِكَوْنِهَا مُكَمِّلَاتٍ لِلْفَرَائِضِ»، اس وجہ سے کہ یہ سنتیں فرضوں کی تکمیل کرنے والی ہیں تو ان کو کسی حال میں نہ چھوڑے، «إِلَّا إِذَا خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ»، مگر اس وقت کہ جبکہ وقت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو کہ اب تو بالکل وقت نکل ہی جائے گا، میری فرض نماز ادا کے بجائے کیا ہو جائے گی؟ قضا ہو جائے گی، تو اس وقت پہ چھوڑ سکتا ہے ورنہ وقت تنگ ہو تو پھر بھی نہیں چھوڑے گا نہ چھوڑے بھائی۔

«وَمَنِ انْتَهَى إِلَى الْإِمَامِ فِيرُكُوعِهِ»، اب مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں کہ جو شخص رکوع میں جا کر امام کے ساتھ شامل ہو گیا تو اس کو وہ رکعت مل گئی، وہ اس رکعت کو پانے والا ہے۔ اور جس کو رکوع میں جو جماعت میں جا کر شامل نہ ہو سکا، رکوع جس سے نکل گیا تو وہ اس رکعت کا پانے والا نہیں ہے بھائی۔

کہتے ہیں: «وَمَنِ انْتَهَى إِلَى الْإِمَامِ فِيرُكُوعِهِ»، اور جو شخص پہنچا امام تک فِي رُكُوعِهِ اس کے رکوع میں، «فَكَبَّرَ»، تو اس نے کیا کیا؟ تکبیر کہی، امام کس میں تھا؟ رکوع میں تھا اور یہ پہنچا «فَكَبَّرَ» اس شخص نے تکبیر کہی «وَوَقَفَ»، اور کھڑا رہا «حَتَّى رَفَعَ الْإِمَامُرَأْسَهُ»، یہاں تک کہ امام نے اپنا سر اٹھالیا یعنی رکوع سے اٹھ گیا، «لَا يَصِيرُ مُدْرِكًا لِتِلْكَ الرَّكْعَةِ»، تو یہ شخص اس رکعت کو پانے والا نہیں۔ یہ شخص اس رکعت کو پانے والا نہ ہوا، «خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، «هُوَ يَقُولُ أَدْرَكَ الْإِمَامَ»، کہ اس شخص نے پالیا امام کو فیما اس حالت کے اندر یعنی اس رکوع کے اندر «لَهُ حُكْمُ الْقِيَامِ» جس کے لیے کون سا حکم ہے؟ قیام والا حکم ہے، تو اس نے رکعت کو پالیا۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بس جماعت میں شامل ہو گیا اگرچہ فعل کے اندر یعنی رکوع میں تو شامل نہیں ہوا لیکن نماز میں تو شامل ہو گیا تھا تو اس نے امام کو ایسی حالت میں پالیا جو رکوع ہے، رکوع۔ بھئی رکوع میں دیکھیے، رکوع میں جو شخص نماز کو پا لے وہ اس رکعت کو پانے والا شمار ہوتا ہے، پانے والا۔ سمجھ میں آیا؟ اور اسی طرح صحابہ سے منقول ہے بھائی، اسی طرح۔ اور بھئی قیام تو نکل چکا ہے، قیام تو اس کا رہ گیا تھا اس نے تو رکوع میں جا کر شرکت کی ہے، کہتے ہیں بھئی رکوع تو رکوع بھی من وجہ قیام ہے کیونکہ نصف بدن انسان کا انسان کا نصف بدن یعنی نچلا دھڑ دیکھو ابھی بھی قیام کی حالت میں ہے، کمر اور سر تو جھکا دیا لیکن ٹانگیں اسی طرح قیام والی صورت میں ہیں تو لہٰذا یہ رکوع کیا ہے؟ من وجہ قیام، بعض اعتبارات سے گویا قیام ہی ہے، تو رکوع کو جس نے پالیا گویا اس نے قیام کو بھی پالیا اور رکوع کو بھی پالیا تو رکعت کو پانے والا ہے۔ لیکن اگر رکوع کو نہیں پایا یعنی رکوع میں ساتھ شامل نہیں ہوا تو اس کی وہ رکعت رہ گئی جیسے متن میں آیا، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے رکوع کے اندر امام کو پالیا ہے اور رکوع کے لیے ہی کون سا حکم ہے؟ قیام والا حکم بھی ہے کیونکہ رکوع کیا ہے؟ من وجہ قیام ہے، لہٰذا گویا اس نے قیام کو بھی پالیا اور رکوع کو بھی پالیا۔ شرکت تو ساتھ نہیں کی رکوع تو ساتھ نہیں کیا، لیکن رکوع میں امام کو پالیا یا نہیں؟ جماعت میں شامل ہو گیا تھا یا نہیں؟ جماعت میں تو شامل ہو گیا تھا، تو گویا اس نے رکوع کو بھی پالیا اور قیام کو بھی پالیا لہٰذا اس کی یہ رکعت ہو گی، شمار کیا جائے گا۔

■ مسئلہ: هُوَيَقُولُ أَدْرَكَ الْإِمَامَ فِيمَاهُ حُكْم...

«هُوَ يَقُولُ أَدْرَكَ الْإِمَامَ فِيمَا لَهُ حُكْمُ الْقِيَامِ»، وہ فرماتے ہیں کہ اس شخص نے پالیا امام کو اس چیز کے اندر جس کے لیے قیام والا حکم ہے یعنی رکوع کے اندر لہٰذا یہ رکعت کو پانے والا ہے۔ «وَلَنَا أَنَّ الشَّرْطَ هُوَ الْمُشَارَكَةُ فِي أَفْعَالِ الصَّلَاةِ»، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط جو ہے وہ افعالِ صلاۃ میں مشارکت ہے، اس امام کے ساتھ شریک ہونا ہے، «وَلَمْ يُوجَدْ»، اور وہ نہیں پایا گیا، «لَا فِي الْقِيَامِ وَلَا فِي الرُّكُوعِ»، قیام کے اندر بھی مشارکت نہیں پائی گئی کیونکہ جب یہ آیا قیام تو گزر چکا تھا امام کس کے اندر تھا؟ رکوع میں، تو قیام کے اندر بھی مشارکت نہیں پائی گئی، اور رکوع کے اندر یہ نماز میں تو داخل ہو گیا تھا لیکن اس نے امام کے ساتھ پھر رکوع کیا نہیں، تو یہ اس کے اندر بھی مشارکت نہیں پائی گئی، تو لہٰذا یہ اس رکعت کو پانے والا نہیں ہے۔

«وَلَوْ رَكَعَ الْمُقْتَدِي قَبْلَ إِمَامِهِ فَأَدْرَكَهُ الْإِمَامُ فِيهِ جَازَ». صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک شخص نے جماعت میں جو شریک ہے مقتدی ہے، اس نے امام سے پہلے ہی وہ رکوع کے اندر چلا گیا اور وہ رکوع کے اندر تھا کہ امام بھی رکوع میں آ گیا، امام بھی رکوع میں۔ تو مشارکت فی الجملہ پائی گئی یعنی مجموعی اعتبار سے کچھ حصے میں مشارکت آ گئی یا نہیں آ گئی؟ آ گئی، یعنی جس وقت امام رکوع میں تھا اس وقت یہ بھی کس میں تھا؟ رکوع میں تھا، یعنی اس کے پہلے حصہ یہ تو امام سے پہلے رکوع میں گیا تھا، تو اس کے رکوع کا ابتدائی حصہ اس میں تو مشارکت نہیں، لیکن اس کے رکوع کے آخری حصے میں امام بھی رکوع میں آ گیا تھا تو اس حصے میں یہ بھی رکوع میں ہے اور امام بھی رکوع میں، تو اس میں کیا آ گئی؟ مشارکت آ گئی، تو ہمارے نزدیک یہ مشارکت کافی ہو جائے گی اگرچہ اس نے برا عمل کیا اس کو امام پر مقدم رکوع نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن بہر حال مشارکت آ گئی لہٰذا اس کا رکوع شمار ہو گا اور اس کی نماز صحیح ہے، یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کا یہ رکوع شمار ہی نہیں ہو گا، رکوع شمار ہی نہیں ہو گا۔ امام زفر رحمہ اللہ امام صاحب کے وہ شاگرد ہیں جو قیاس میں سب سے بڑھ کر تھے بھائی۔ امام صاحب کے جتنے شاگرد تھے ان میں سب سے زیادہ قیاس کے ماہر امام زفر رحمہ اللہ تھے۔ تو امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، کہ اس کی اس رکعت کو کا اعتبار نہیں، اس رکوع کا اعتبار نہیں۔ جب اس رکوع کا اعتبار نہیں تو بعد میں اس کو دوبارہ رکوع کرنا پڑے گا، اگر دوبارہ رکوع نہ کیا تو اس کی نماز ہی فاسد ہو جائے گی کیونکہ بغیر رکوع کے ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ وہ فرماتے ہیں اس رکوع کا اعتبار نہیں جس میں وہ امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا تھا۔ ہم کہتے ہیں بھئی بعد میں امام کے ساتھ مشارکت بھی تو آ گئی تھی رکوع کے آخری جز میں، کہتے ہیں نہیں، مجھے یہ بتاؤ رکوع کے پہلے جز کا اعتبار ہے یا اعتبار نہیں؟ بھئی اس شخص نے جو امام سے پہلے رکوع کے اندر چلا گیا اور امام آخری اس کے رکوع کا آخری حصہ تھا اس وقت امام بھی کس میں چلا گیا؟ رکوع میں، تو اس شخص کے رکوع کا آخری حصہ جو ہے اس میں مشارکت آ گئی، ہم کہتے ہیں یہ کافی ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، یہ کافی نہیں۔ کیوں نہیں کافی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کے رکوع کا جو پہلا حصہ تھا اس

میں مشارکت نہیں تھی، جب اس میں مشارکت نہیں تھی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے بالکل آپ کی بات، اس رکوع کے اس حصے کا کوئی اعتبار نہیں لیکن آخری حصے میں تو کیا آگئی؟ مشارکت۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب رکوع کے پہلے حصے کا اعتبار نہیں تو رکوع کے بعد والے حصے کی بنیاد بھی اسی پر ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں، تو لہٰذا اس حصے کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ دلیل سمجھ میں آئی؟ کیونکہ رکوع کے پہلے حصے کا کوئی اعتبار نہیں اور اس شخص کے رکوع کا بعد والے حصے کی بنیاد کس پر ہے؟ پہلے حصے پر، اور پہلے والے حصے کا اعتبار نہیں، لہٰذا اس پر جس کی بنیاد ہو گی اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اس حصے کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا اس کا یہ رکوع شمار ہی نہیں، لہٰذا پھر بعد میں رکوع کرے تو اس کی جماعت صحیح ہو جائے گی ورنہ جماعت صحیح نہیں۔ لیکن ہمارے ائمہ باقی ائمہ ثلاثہ کیا فرماتے ہیں کہ ایک جز ایک حصے میں بھی مشارکت آگئی تو وہ کافی ہے، نماز ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے «وَلَوْ رَكَعَ الْمُقْتَدِي قَبْلَ إِمَامِهِ»، اور اگر رکوع کر دیا مقتدی نے اپنے امام سے پہلے، «فَأَدْرَكَهُ الْإِمَامُ فِيهِ جَازَ»، تو اس کو امام نے پالیا اس رکوع کے اندر جاز، تو یہ اس کے لیے جائز ہو یعنی اس کے لیے کافی ہو جائے گا، اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يُجْزِيهِ»، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے یہ رکوع کافی نہیں، «لِأَنَّ مَا أَتَى بِهِ قَبْلَ الْإِمَامِ غَيْرُ مُعْتَدٍّ بِهِ»، اس لیے کیونکہ وہ جو اس نے ادا کیا ہے امام سے پہلے رکوع کا جو حصہ امام سے پہلے ادا کیا «غَيْرُ مُعْتَدٍّ بِهِ» اس کا کوئی اعتبار نہیں، «فَكَذَا مَا يَبْنِي عَلَيْهِ»، تو اسی طرح جس کی بنیاد اس پر ہو گی، اس جو پہلا حصہ ادا کیا اس کا اعتبار نہیں اور اس حصے پر جس کی بنیاد رکھے گا تو اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔

بھئی یوں سمجھیں، یوں سمجھیں یہ مقتدی نے رکوع یہ رکوع میں پہلے گیا، تو رکوع کا پہلا حصہ جو ہے اول حصہ اس میں امام رکوع کے اندر نہیں، مشارکت نہیں۔ اور اس مقتدی کے رکوع کا آخری حصہ ہے اس کے اندر امام بھی رکوع کے اندر آچکا ہے، اس کے اندر کیا پائی جا رہی ہے؟ مشارکت پائی جا رہی ہے۔ تو امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھیے ایک ہے مقتدی کے رکوع کا پہلا حصہ، ایک ہے رکوع کا بعد والا حصہ۔ پہلا حصہ اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ وہ اس نے امام سے پہلے رکوع کر لیا امام کے ساتھ اس میں مشارکت نہیں۔ اور رکوع کا جو آخری حصہ ہے اس آخری حصے کی بنیاد کس پر ہے؟ پہلے حصے پر ہے، اور پہلے حصے کا اعتبار نہیں تھا تو جس کا اعتبار نہیں اس پر جس چیز کی بنیاد رکھی جائے گی اس کا بھی اعتبار نہیں، اور تو دوسرے حصے کی بنیاد کس پر رکھی گئی؟ پہلے حصے پر اور پہلے کا اعتبار نہیں، تو لہٰذا دوسرے حصے کا بھی کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس کی بنیاد اس حصے پر ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّ مَا أَتَى بِهِ قَبْلَ الْإِمَامِ غَيْرُ مُعْتَدٍّ بِهِ»، اس لیے کیونکہ وہ حصہ جس کو اس نے ادا کیا ہے امام سے پہلے «غَيْرُ مُعْتَدٍّ بِهِ» اس کا کوئی اعتبار نہیں، یعنی پہلے حصے کا کوئی اعتبار نہیں، «فَكَذَا مَا يَبْنِي عَلَيْهِ»، تو اسی طرح اس حصے کا بھی جس کی بنیاد اس پہلے حصے پر ہے، یعنی اسی طرح دوسرا حصہ ہے اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس کی بنیاد کس پر ہے؟ پہلے حصے پر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الشَّرْطَ هُوَ الْمُشَارَكَةُ فِي جُ...

«وَلَنَا أَنَّ الشَّرْطَ هُوَ الْمُشَارَكَةُ فِي جُزْءٍ وَاحِدٍ»، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط جو ہے وہ ایک جز کے اندر مشارکت ہے، ایک جز کے اندر کیا چاہیے؟ مشارکت۔ رکوع کے کم از کم ایک جز میں مشارکت ہونی چاہیے کہ جس وقت امام رکوع میں ہو مقتدی بھی کس میں ہو؟ رکوع میں، تو ایک جز کے اندر جب مشارکت آگئی یعنی دونوں ایک ہی فعل کر رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں دونوں؟ رکوع کر رہے ہیں، تو یہ اس سے جائز ہو جائے گا، یہ شرط ہے۔ اول یا آخر جز کا شرط نہیں ہے بھائی۔

تو ہم کہتے ہیں «أَنَّ الشَّرْطَ هُوَ الْمُشَارَكَةُ فِي جُزْءٍ وَاحِدٍ»، کہ شرط جو ہے وہ ایک جز کے اندر مشارکت ہے، «كَمَا فِي الطَّرَفِ الْأَوَّلِ»، جیسے کس میں ہوتا ہے؟ طرفِ اول میں۔ ہم کہتے ہیں ایک جز میں مشارکت بھی کافی شرط ایک جز میں مشارکت ہے، وہ کافی ہے اس کے لیے، چاہے اول جز میں مشارکت آجائے چاہے آخر جز میں آجائے چاہے سارے کے اندر ہی مشارکت آجائے، لیکن کم از کم ایک جز میں مشارکت ہونی چاہیے۔ جیسے اس کا عکس کر لیں، عکس کر لیں، امام رکوع میں گیا مقتدی بھی رکوع میں چلا گیا لیکن امام کے سر اٹھانے سے پہلے مقتدی رکوع سے کھڑا ہو گیا، تو اب مشارکت صرف کس میں آئی؟ اول جز میں آئی، کس میں آئی؟ اول جز کے اندر مشارکت آئی اور آخر میں نہیں، لیکن آپ بھی اس میں فرماتے ہیں کہ یہ اس کے لیے اس کا رکوع ہو جائے گا نماز ہو جائے گی اگرچہ اس نے برا عمل کیا کیونکہ اس کو امام کے ساتھ اٹھنا چاہیے تھا یا امام کے بعد اٹھنا چاہیے تھا اس سے پہلے نہیں اٹھنا، تو جیسے اول جز کے اندر مشارکت آجائے تو نماز ہو جاتی ہے اسی طرح آخر جز کے اندر بھی جب مشارکت آجائے تو پھر نماز اس کی ہو جائے گی بھائی، «وَاللَّهُ أَعْلَمُ»، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ چلیے بس «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ».

سبق نمبر ۶۸: بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

ہدایہ صفحہ: ۱۶۱ — بتاریخ: ۱۸ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ قَضَاهَا إِذَا ذَكَرَهَا وَقَدَّمَهَا عَلَى فَرْضِ الْوَقْتِ، وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ التَّرْتِيبَ بَيْنَ الْفَوَائِتِ وَفَرْضِ الْوَقْتِ عِنْدَنَا مُسْتَحَقٌّ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى مُسْتَحَبٌّ، لِأَنَّ كُلَّ فَرْضٍ أَصْلٌ بِنَفْسِهِ فَلَا يَكُونُ شَرْطًا لِغَيْرِهِ. [1]

■ بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ یہ باب ہے فوت شدہ نمازوں کی قضا کے

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ یہ باب ہے فوت شدہ نمازوں کی قضا کے بیان میں، کہ کسی کی نماز ایک یا کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو ان کی قضا کس طریقے پر کی جائے گی؟ اس باب میں یہ تفصیل سے ذکر کیا جائے گا بھائی۔

چنانچہ فرماتے ہیں: **مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ قَضَاهَا إِذَا ذَكَرَهَا، مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ** کہ جس سے کوئی نماز چھوٹ جائے، **قَضَاهَا** تو وہ اس کی قضا کرے، **إِذَا ذَكَرَهَا** جب اس کو یاد آجائے، **وَقَدَّمَهَا عَلَى فَرْضِ الْوَقْتِ** اور اس کو مقدم کرے وقتی فرض پر بھائی۔ وقتی فرض پر کیا کرے؟ مقدم کرے۔ یاد رکھیے یہ مسئلہ متعلق ہے صاحبِ ترتیب سے۔ صاحبِ ترتیب وہ شخص ہے جس کے بالغ ہو جانے کے بعد سے لے کر اب تک اس کی کوئی نماز قضا نہ ہوئی ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ صاحبِ ترتیب کہتے ہیں۔ اور صاحبِ ترتیب کی یاد رکھیے نماز اگر کوئی رہ جاتی ہے، قضا ہو جاتی ہے تو اگر اس کی کوئی نماز قضا ہو جائے تو اس قضا نماز کو وقتی نماز پر مقدم کرنا پڑے گا۔ اگر وہ وقتی نماز پہلے ادا کرتا ہے اور پھر قضا جو فوت ہوئی تھی اس کی قضا کرتا ہے تو پھر وہ نماز نہیں ہوگی، وقتی کو مقدم کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے بھائی۔

مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟ صاحبِ ترتیب کے لیے کیا ضروری ہے؟ ترتیب ضروری ہے نمازوں کے اندر، تو جو پہلے فوت ہوئی ہے پہلے اس کو ادا کرے، اس کے بعد وقتی نماز کو ادا کرے۔ ہاں، تین صورتوں کے اندر وقتی نماز کو پڑھتا ہے قضا سے پہلے تو تب بھی جائز ہو جائے گی، جس کو آگے صاحبِ ہدایہ بھی ذکر کریں گے۔ ایک صورت یہ کہ وقتی نماز کا وقت بڑا تنگ ہو گیا۔ اب اس میں اگر مثلاً دیکھیے، ایک شخص کی ظہر کی نماز رہ گئی۔ ظہر کی نماز رہ گئی اور وہ اب عصر کی نماز پڑھنا چاہتا ہے، نہیں بھائی صاحبِ ترتیب ہے تو پہلے کیا کرنا پڑے گی؟ ظہر کی قضا کرے گا اور پھر اس کے بعد عصر کی نماز پڑھے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

ہاں، تین صورتوں کے اندر اگر وہ وقتی نماز کو پہلے پڑھ لیتا ہے تو بھی جائز ہو جائے گا۔ پہلی صورت یہ کہ عصر کا وقت ہے، عصر کی نماز پڑھنا چاہتا ہے لیکن کیا ضروری تھا اس کے ذمے؟ پہلے ظہر کی قضا کرے، لیکن عصر کا وقت اتنا تنگ ہو گیا، اتنا تھوڑا وقت رہ گیا کہ اب اس میں اگر وہ فوت شدہ یعنی قضا نماز پڑھتا ہے تو یہ عصر کی بھی فوت ہو جائے گی، یہ بھی قضا ہو جائے گی۔ تو اس صورت میں پھر یہ وقتی نماز یعنی عصر کو پہلے پڑھ لے اور قضا نماز کو اس کے بعد پڑھ لے۔ دوسری صورت یہ کہ وہ قضا نماز بھول گیا بھائی، اس کو یاد ہی نہیں کہ میری ظہر کی نماز رہ گئی ہے۔ تو اس صورت میں بھی اگر وہ عصر کی پڑھ لے گا تو وہ درست ہو جائے گی بھائی۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ وہ فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں، یعنی چھ تک پہنچ جائے ان کی تعداد، تو پھر اس صورت میں بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور پھر بغیر ترتیب کے بھی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، یعنی چاہے پہلے فوت شدہ پڑھنا چاہے، چاہے پہلے وقتی پڑھنا چاہے، فوت شدہ جو ہیں چھ تک پہنچ گئی ہیں ان میں بھی پھر ترتیب نہیں رہتی، پھر ان میں بھی کسی کو آگے پیچھے پڑھنا چاہے تو مقدم مؤخر کر سکتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ کتنی صورتوں میں؟ تین صورتیں۔ پہلی صورت کیا؟ کہ وقت اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ اب اس میں وہ وقتی نماز تو ادا کی جا سکتی

[1] شاملہ (ص ۸۵) میں «مَنْ» کے بجائے «باب قضاء الفوائت ومن» درج ہے۔

ہے لیکن اگر قضا پہلے پڑھتا ہے تو یہ وقتی بھی کیا ہو جائے گی؟ یہ بھی قضا ہو جائے گی بھائی۔ دوسری صورت اگر بھول جائے، اس کو یاد ہی نہیں کہ میرے ذمے قضا نماز باقی ہے۔ اور تیسری صورت کیا؟ کہ فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں، اور کثرت کی حد کیا ہے؟ کتنی ہو جائیں؟ فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: **مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ قَضَاهَا إِذَا ذَكَرَهَا**، جس کی کوئی نماز چھوٹ جائے، نماز فوت ہو جائے تو وہ اس کی قضا کرے جب اس کو یاد آ جائے، **وَقَدَّمَهَا عَلَى فَرْضِ الْوَقْتِ** اور اس فوت شدہ نماز کو مقدم کرے وقتی فرض پر، **وَالْأَصْلُ فِيهِ** اور اصل اس کے اندر یہ ہے، ضابطہ اس کے اندر یہ ہے، **أَنَّ التَّرْتِيبَ بَيْنَ الْفَوَائِتِ وَفَرْضِ الْوَقْتِ عِنْدَنَا مُسْتَحَقٌّ**، کہ ترتیب جو ہے فوت شدہ نمازوں کے درمیان اور وقتی فرض کے درمیان **عِنْدَنَا** ہمارے نزدیک **مُسْتَحَقٌّ** وہ لازمی ہے، یعنی واجب ہے، واجب ہے۔ **وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ مُسْتَحَبٌّ**، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ترتیب مستحب ہے بھائی، واجب نہیں۔

آگے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ذکر ہو رہی ہے، کہتے ہیں: **لِأَنَّ كُلَّ فَرْضٍ أَصْلٌ بِنَفْسِهِ**، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھائی کہ فرائض کے اندر ترتیب جو ہے، فوت شدہ نمازوں اور وقتی فرض کے اندر ترتیب جو ہے مستحب ہے، واجب نہیں، کہتے ہیں: **لِأَنَّ كُلَّ فَرْضٍ أَصْلٌ بِنَفْسِهِ**، اس لیے کیونکہ ہر فرض اپنی ذات کے اعتبار سے اصل ہے۔ ہر فرض نماز کیا ہے؟ اپنی ذات کے اعتبار سے اصل ہے، **فَلَا يَكُونُ شَرْطًا لِغَيْرِهِ**، لہٰذا یہ اپنے علاوہ کے لیے شرط نہیں ہو سکتی۔

کیا معنی؟ وہ فرماتے ہیں: دیکھیے، ہر نافرض نماز جو ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اصل ہے اور اگر آپ یہ شرط لگا دیں کہ قضا پہلے پڑھے گا اور وقتی اس کے بعد پڑھے، تو گویا اس قضا نماز کی ادائیگی آپ نے شرط قرار دے دی، کس کے لیے؟ وقتی نماز کے لیے، تو قضا نماز تو تھی فرض، وہ تو اور جو فرض ہے وہ وہ اصل ہے، فرض جو ہے وہ کیا ہے؟ اصل ہے، اور آپ نے اس کو شرط قرار دے دیا ہے دوسری نماز کے لیے، اور شرط جو ہوتی ہے وہ شے کے تابع ہوا کرتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ شے کے تابع۔ جو قضا نماز ہے جب وہ اصل ہے تو وہ شرط نہیں ہو سکتی، جو اصل ہے وہ تابع نہیں اور جو تابع ہے وہ اصل نہیں۔ تو جب یہ اصل ہے تو آپ اس کو دوسری نماز کے تابع نہیں قرار دے سکتے، یعنی اس کے لیے شرط قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ شرط اور اصل کے اندر منافات ہے، شرط تابع ہوا کرتی ہے اور جو فرض ہے وہ اصل ہے، اس کو تابع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں بھائی؟ تو لہٰذا یہ اس کو شرط نہیں قرار دیا جا سکتا کہ یہ قضا پہلے پڑھے گا تو پھر کیا ہو گی؟ وقتی نماز ہو گی، ورنہ تو یہ کیا لازم آئے گی؟ کیا خرابی؟ کہ یہ شرط بن جائے گی، یہ اس کے تابع ہو جائے گی، حالانکہ یہ تو اصل ہے، یہ تابع نہیں ہے، شرط نہیں ہے۔

لِأَنَّ كُلَّ فَرْضٍ أَصْلٌ بِنَفْسِهِ، اس لیے کیونکہ ہر فرض جو ہے وہ اصل ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، **فَلَا يَكُونُ شَرْطًا لِغَيْرِهِ**، تو یہ اپنے علاوہ کے لیے شرط نہیں ہو گا، کیونکہ پھر تو کیا بن جائے گا؟ تابع بن جائے گی، تو ایک چیز اصل ہو اس کو تابع قرار نہیں دیا جاتا، اور جو تابع ہے وہ اصل نہیں، کیونکہ اصل اور تابع کے اندر منافات ہے۔

وَلَنَا، یہ تھی یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل تھی، **وَلَنَا** اور ہماری دلیل **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: **مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا**، جو شخص نماز سے سو گیا، یعنی سو گیا تھا اس کی نماز رہ گئی، **مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ** جو شخص نماز سے سو گیا **أَوْ نَسِيَهَا** یا اس نماز کو وہ بھول گیا، **فَلَمْ يَذْكُرْهَا** تو وہ نماز اس کو یاد نہیں آئی، **إِلَّا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ** مگر اس حال میں کہ وہ کس کے ساتھ تھا؟ امام کے ساتھ تھا۔

صورت یہ حدیث میں ذکر ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کوئی کسی کوئی شخص سو گیا اور اس کی نماز رہ گئی یا بھول گیا اس کی نماز رہ گئی ہے اور وہ پھر امام کے ساتھ اگلی وقتی نماز کے اندر مشغول تھا کہ اس کو اس نماز کے اندر یاد آیا کہ میری تو پچھلی قضا بھی باقی ہے، مثلاً عصر کے وقت امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہے، یاد آیا کہ میری تو ظہر کی نماز بھی باقی ہے، تو آگے حدیث میں آ رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو یہ نماز بھی پوری کر لینی چاہیے، یعنی امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، پڑھتا رہے، پوری کر لے، پھر اس کے بعد اس قضا نماز کو پڑھے جو ظہر کی رہ گئی تھی مثلاً، وہ پڑھ لے، پھر اس کے بعد جو امام کے ساتھ پڑھی ہے اس کو پھر لوٹائے۔ اس کو کیا کرے؟ اس قضا کو ادا کرنے کے بعد پھر اس وقتی نماز کو دوبارہ لوٹائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازوں کے اندر، فوت شدہ نماز اور وقتی نماز کے درمیان ترتیب واجب ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام نماز کے لوٹانے کا حکم دے رہے ہیں، امام کے ساتھ یہ ایک دفعہ پڑھ چکا ہے، لیکن چونکہ اس قضا نماز سے پہلے پڑھا، لہٰذا معلوم ہوا اس کو یہ نماز اس کی نہیں ہوئی، لہٰذا قضا نماز پہلے پڑھ نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد وہ قضا کرے اور پھر کیا کر لے؟ اس جو امام کے ساتھ پڑھی تھی اس کا اعادہ کر لے، تو حدیث سے کیا معلوم ہوا کہ ترتیب فوت شدہ نماز اور وقتی نماز کے درمیان واجب ہے، جبھی تو اس کو لوٹانے کا حکم دیا جا رہا ہے، معلوم ہوا اس کی نماز ہوئی ہی نہیں بھائی۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا**، کہ جو شخص نماز سے سو گیا یا اس کو بھول گیا، **فَلَمْ يَذْكُرْهَا إِلَّا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ** پس اس کو نماز وہ یاد نہیں آئی مگر یہ کہ وہ امام کے ساتھ تھا، **فَلْيُصَلِّ الَّتِي هُوَ فِيهَا**، تو اس کو چاہیے کہ پڑھ لے وہ نماز جس کے اندر یہ ہے بھائی، کون سی نماز؟ جو امام کے ساتھ پڑھ رہا ہے، اس نماز کو پڑھ لے، **ثُمَّ لِيُصَلِّ الَّتِي ذَكَرَهَا**، پھر وہ نماز پڑھے جو اس کو یاد آئی ہے، **ثُمَّ لِيُعِدِ الَّتِي صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ**، پھر اس کو چاہیے کہ اعادہ کرے اس نماز کا جس کو اس نے امام کے ساتھ پڑھا تھا۔ معلوم ہوا ترتیب واجب ہے بھائی۔

وَلَوْ خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ يُقَدِّمُ الْوَقْتِيَّةَ ثُمَّ يَقْضِيهَا، اور اگر اس شخص کو خوف ہو اوقت کے فوت ہو جانے کا، تو پھر **يُقَدِّمُ الْوَقْتِيَّةَ** تو پھر وقتی

نماز کو مقدم کرلے، **ثُمَّ يَقْضِيهَا** پھر اس فوت شدہ نماز کی قضا کرلے، مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟ کہ وقت تنگ ہو جائے تو پھر پہلے وقتی نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

لِأَنَّ التَّرْتِيبَ يَسْقُطُ بِضِيقِ الْوَقْتِ، اس لیے کیونکہ ترتیب جو ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے وقت کے تنگ ہو جانے سے، **ضِيقٌ** اور **زَيْقٌ** دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، تنگ ہو جانا بھائی۔ **لِأَنَّ التَّرْتِيبَ يَسْقُطُ بِضِيقِ الْوَقْتِ**، اس لیے کیونکہ ترتیب وقت کے تنگ ہو جانے سے ساقط ہو جاتی ہے، **وَكَذَا بِالنِّسْيَانِ** اور اسی طرح بھول جانے کی وجہ سے بھی، یعنی بھولنے سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، **وَكَثْرَةِ الْفَوَائِتِ** اور اسی طرح فوت شدہ نمازوں کی کثرت سے، ان کے کثیر ہو جانے سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، **كَيْلَا يُؤَدِّيَ إِلَى تَفْوِيتِ الْوَقْتِيَّةِ**، تاکہ کہیں یہ پہنچانہ دے وقتی نماز کے فوت ہو جانے تک۔ تاکہ کہیں یہ فوت وقتی نماز کے فوت ہو جانے تک بھائی، جب فوت شدہ نمازیں زیادہ ہو جائیں، فوت شدہ نمازیں زیادہ ہو جائیں، پھر ترتیب ساقط ہو جائے گی، پھر یہ ضروری نہیں کہ ان نمازوں کو پہلے پڑھا جائے اور پھر وقتی نماز پڑھی جائے، اس لیے کیونکہ اگر کسی شخص کی زیادہ نمازیں فوت ہو گئیں، فرض کریں مثلاً ایک مہینے کی نمازیں فوت ہو گئیں یا فرض کریں دو تین دن کی نمازیں فوت ہو گئیں، اب اگر اس کو یہ کہا جائے کہ پہلے وہ نمازیں پڑھو گے تو پھر اگلی وقتی نماز ہو گی ورنہ وقتی نماز نہیں ہو گی، تو پھر اتنی نمازیں اکٹھی پڑھنا یہ تو اس کے لیے بہت مشکل ہو جائے گا اور اس کی وجہ سے کہیں یہ نہ ہو اس کی اگلی وقتی نماز ہی فوت نہ ہو جائے بھائی، اس لیے کثرتِ فوائت کی وجہ سے بھی ترتیب کیا ہو جائے گی؟ ساقط ہو جائے گی۔ یہ معنی ہے: **كَيْلَا يُؤَدِّيَ إِلَى تَفْوِيتِ الْوَقْتِيَّةِ**، تاکہ کہیں یہ پہنچانہ دے وقتی نماز کے فوت ہو جانے تک۔

وَلَوْ قَدَّمَ الْفَائِتَةَ جَازَ، اور اگر اس نے فوت شدہ نماز کو مقدم کر دیا **جَازَ** تو یہ بھی جائز ہے۔ بھائی اس کو متن کو متن سے جوڑیں، کیا مسئلہ ذکر ہو رہا ہے؟ اگر وقت تنگ ہو گیا اور اس شخص کو خوف ہے کہ اب اگر میں کیا کروں گا؟ قضا نماز پڑھوں گا تو وقتی بھی ہو کیا ہو جائے گی؟ وقتی بھی قضا ہو جائے گی، تو پھر اس صورت میں کیا کرنا چاہیے اس کو؟ وقتی نماز پہلے پڑھے اور قضا اس کے بعد پڑھے۔ لیکن اگر اس کے بجائے وہ قضا ہی پہلے پڑھ لیتا ہے، وقت بہت تھوڑا رہ گیا تھا، چار پانچ منٹ صرف باقی تھے لیکن اس نے پھر بھی کیا کیا؟ پہلے قضا کو پڑھا، تو کہتے ہیں یہ بھی جائز ہے یعنی اس کی وہ نماز ہو جائے گی، اگرچہ اس نے گناہ کیا، گناہ کا کام کیا، کرنا کیا چاہیے تھا؟ پہلے کیونکہ وقت تنگ تھا تو وقتی کو پہلے پڑھنا چاہیے تھا، لیکن اگر وہ قضا ہی کو پہلے پڑھ لیتا ہے تو بھی یہ جائز ہے۔ یہ معنی ہے: **وَلَوْ قَدَّمَ الْفَائِتَةَ جَازَ**، اور اگر اس نے فوت شدہ نماز کو مقدم کر دیا تو یہ بھی جائز ہے، **لِأَنَّ النَّهْيَ عَنْ تَقْدِيمِهَا لِمَعْنًى فِي غَيْرِهَا**، دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی، کہ بھائی اس صورت میں جب وقت اتنا تنگ ہو گیا تو پھر فوت شدہ نماز کو مقدم کرنا کیوں جائز ہے؟ کہتے ہیں بھائی اس لیے کیونکہ فوت شدہ نماز کی اپنی ذات میں کوئی خرابی نہیں تھی اس وقت، اس کے ادا کرنے میں کوئی خرابی نہیں، خرابی کس وجہ سے آ رہی تھی؟ کہ وقت تنگ ہے اب اگر قضا پڑھے گا تو وقتی بھی کیا ہو جائے گی؟ وہ بھی قضا ہو جائے گی، تو وہ جو منع کیا گیا اس کو مقدم کرنے سے وہ اس کی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ غیر کی وجہ سے منع کیا گیا تھا، اس کی اپنی ذات میں کوئی خرابی نہیں، لہٰذا اس کو بھی پڑھنا چاہے تو پڑھ لے تو ہو جائے گی بھائی، جائز ہو جائے گی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ النَّهْيَ عَنْ تَقْدِيمِهَا لِمَعْنًى فِي غَيْرِهَا**، اس لیے کیونکہ جو روکا گیا ہے اس کو مقدم کرنے سے وہ ایسے سبب کی وجہ سے ہے جو اس کی ذات کے اس کے علاوہ میں ہے، اس کی اپنی ذات میں کوئی وہ سبب نہیں ہے بھائی۔ مسئلہ بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں بھائی؟

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الْوَقْتِ سَعَةٌ وَقَدَّمَ الْوَقْتِيَّةَ حَيْثُ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهُ أَدَّاهَا قَبْلَ وَقْتِهَا الثَّابِتِ بِالْحَدِيثِ. بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الْوَقْتِ، بخلاف اس کے کہ جب وقت کے اندر **سَعَةٌ** گنجائش ہو، وسعت ہو، **وَقَدَّمَ الْوَقْتِيَّةَ** اور اس نے کیا کیا؟ وقتی نماز کو صورت کیا ہے؟ ایک آدمی کے صاحبِ ترتیب ہے اور اس کی ایک نماز قضا ہے، باقی ہے، اور وہ کیا وقت کے اندر بھی گنجائش ہے اور وہ کیا کرتا ہے؟ وقتی نماز پہلے پڑھتا ہے، حالانکہ پڑھنی کیا چاہیے؟ قضا، تو جب وقت کے اندر گنجائش ہے پھر وقتی کو مقدم کرے گا تو یہ جائز نہیں ہے۔

بخلاف اس کے کہ جب وقت کے اندر گنجائش ہو **وَقَدَّمَ الْوَقْتِيَّةَ** اور وقتی نماز کو مقدم کر دیا **حَيْثُ لَا يَجُوزُ** کیونکہ یہ جائز نہیں ہے، **حَيْثُ** آپ نے پڑھا تعلیل کے لیے آتا ہے، علت بیان کرنے کے لیے، تو یہاں یہ علت بیان کر رہا ہے۔ دیکھیے، بامحاورہ ترجمہ عبارت کا یوں بنے گا، کہتے ہیں متن سے دیکھیے: اور اگر فوت شدہ نماز کو مقدم کر دیا تو یہ بھی جائز ہے اس لیے کیونکہ نہی جو اس کو مقدم کرنے سے جو روکا گیا ہے، اس سے نہی کی گئی ہے ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے جو اس کی ذات کے علاوہ میں ہے۔ معلوم ہوا کیا؟ وقت تنگ ہو جائے تو فوت شدہ نماز کو مقدم کرنا پھر بھی جائز ہے، بخلاف اس صورت کے کہ جب وقت کے اندر گنجائش ہو اور وقتی نماز کو مقدم کر دے، یہ صورت اس کے خلاف ہے **حَيْثُ لَا يَجُوزُ** کیونکہ یہ جائز نہیں ہے۔ اب ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟

لِأَنَّهُ أَدَّاهَا قَبْلَ وَقْتِهَا الثَّابِتِ بِالْحَدِيثِ، اس لیے کیونکہ اس شخص نے اس نماز کو ادا کیا ہے، اس وقتی نماز کو دلیل ذکر کر رہے ہیں نا بھائی، کہ خلاف اس صورت کے کہ جب وقت کے اندر گنجائش ہو تو پھر وقتی کو مقدم کرنا جائز نہیں ہے، کیوں؟ **لِأَنَّهُ أَدَّاهَا قَبْلَ وَقْتِهَا الثَّابِتِ بِالْحَدِيثِ**، اس لیے کیونکہ اس نے وقتی نماز کو ادا کیا ہے قبل اس کے وقت کے جو ثابت ہے حدیث سے۔ وقتی نماز کا وقت حدیث سے کیا ثابت ہوا؟ قضا کے بعد ہے اور وقت میں گنجائش ہے اور اس نے پھر بھی کیا کر دیا؟ اپنے وقت سے پہلے یعنی قضا سے پہلے اس کو ادا کر دیا، لہٰذا یہ نماز نہیں ہو گی۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ أَدَّاهَا قَبْلَ وَقْتِهَا الثَّابِتِ بِالْحَدِيثِ**، اس لیے کیونکہ اس نے وقتی نماز کو ادا کر دیا ہے اس کے اس وقت سے پہلے ہی جو حدیث سے ثابت ہے۔ حدیث سے تو کیا ثابت تھا؟ وقتی نماز کا وقت کب ہے؟ قضا کے بعد ہے، تو اس نے اس سے پہلے ادا کر لیا۔

وَلَوْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ كَمَا وَجَبَتْ فِي الْأَصْلِ، اور اگر فوت ہو جائیں اس کی کئی نمازیں، **رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ** تو ترتیب سے

ادا کرے ان کو **فِي الْقَضَاءِ** کس میں؟ قضا میں بھی، **كَمَا وَجَبَتْ فِي الْأَصْلِ** جیسے واجب ہوئی تھیں اصل کے اندر۔ بھائی ایک آدمی ہے، صاحبِ ترتیب سے متعلقہ مسائل چل رہے ہیں، اس کی کئی نمازیں فوت ہو گئیں۔ پہلے تو صورت تھی ایک نماز، اب ہے کئی نمازیں فوت ہو گئیں، تو ان کی مثلاً دو یا تین یا چار نمازیں، تو ان کی بھی بعد میں جب قضا کرے گا تو ان میں بھی ترتیب ضروری ہے۔ مثلاً اس شخص کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی یہ چار نمازیں رہ گئیں، تو یہ چار جب قضا اس کے ذمے ہیں تو اس کے لیے فجر کی نماز پڑھنا جائز ہی نہیں، وہ فجر پڑھے گا تو وہ ہو گی ہی نہیں، الّا وہ دو تین صورتیں جو ذکر ہو گئیں بھائی۔ لہٰذا پہلے یہ قضا کرے پھر اس کے بعد یہ فجر پڑھے گا، اور قضا کے اندر بھی ترتیب ضروری ہے: ظہر پہلے ہے، عصر اس کے بعد ہے، مغرب اس کے بعد ہے اور عشاء اس کے بعد، تو ان میں بھی ترتیب ضروری ہے۔ یہ معنی ہے: **وَلَوْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ**، اگر اس کی فوت ہو جائیں کئی نمازیں، **رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ** تو ترتیب سے پڑھے ان کو قضا کے اندر بھی، **كَمَا وَجَبَتْ فِي الْأَصْلِ** جیسے واجب ہوئی تھیں اصل کے اندر۔

لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ شُغِلَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَقَضَاهُنَّ مُرَتَّبًا ثُمَّ قَالَ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشغول کر دیے گئے چار نمازوں سے یہ خندق والے دن، **فَقَضَاهُنَّ مُرَتَّبًا** تو حضور علیہ السلام نے ان کی قضا فرمائی مرتباً ترتیب سے، **ثُمَّ قَالَ** پھر فرمانے لگے: **صَلُّوا** کہ تم لوگ نماز پڑھو، **كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي** جیسے کہ تم لوگ دیکھتے ہو میں نماز پڑھتا ہوں، جیسے میں مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی اسی طرح نماز پڑھو، اور حضور علیہ السلام نے تو کس طرح قضا فرمائی تھی ان کی؟ ترتیب سے۔ معلوم ہوا یہاں اس شخص کو بھی کیا کرنا پڑے گا؟ جس کی نمازیں رہ گئیں اس کو ترتیب سے ادا کرنا پڑیں گی بھائی۔

بھائی یہ غزوۂ خندق کے موقع پر تفسیر کے اندر آپ نے پڑھا ہو گا کہ تمام عرب کے قبیلے مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو کر آ گئے تھے بھائی، تمام عرب کے قبیلے، اور شدید سردی کا زمانہ تھا اور خوراک کی قلت تھی اور تمام قبیلے اکٹھے ہو کر آ گئے۔ اتنا کڑا اور اتنا مشکل وقت کبھی مسلمانوں پر نہیں آیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کفار سارے اکٹھے ہو کر آ رہے ہیں اور ان کی تعداد دس ہزار تھی بھائی، بلکہ بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ تیس ہزار تک ان کی تعداد آئی ہے، جبکہ مسلمانوں کی تعداد ادھر صرف دو یا تین ہزار تھی بھائی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی، صحابہ کو جمع کیا، ان سے مشورہ کیا کہ سارے عرب کے قبیلے اکٹھے ہو کر آ رہے ہیں، کیا کیا جائے؟ کس طرح ان کا مقابلہ کیا جائے؟ اور ادھر مدینہ منورہ جو ہے وہ کچھ ایسی جگہ پر واقع ہے کہ اس پر تین طرف سے تو حملہ نہیں ہو سکتا تھا، تین طرف سے۔ پہاڑ وغیرہ تھے، کھجوروں کے گھنے باغات تھے، کچھ لوگ تو اس میں سے گزر سکتے تھے لیکن پورا لشکر تو نہیں گزر سکتا تھا، تو البتہ ایک جانب مدینہ کی کھلی تھی، اس طرف سے بڑا لشکر حملہ آور ہو سکتا تھا۔

تو صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ فرمایا۔ صحابہ میں سے پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا، فرمانے لگے: یا رسول اللہ! ہمارے علاقے میں جب کوئی بڑا دشمن آ جائے اور اس کے مقابلے کی طاقت نہ ہو تو پھر ہم خندق کھود لیتے ہیں، یعنی جس طرف سے دشمن آ رہا ہو اس طرف اتنا گہرا گڑھا کھود لیتے ہیں جس سے آسانی سے کوئی عبور نہ کر سکے، اور اتنا گہرا کہ کوئی اندر گر جائے تو پھر آسانی سے نکل نہ سکے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تجویز پسند آئی۔ چنانچہ پھر یہ طے کیا کہ خندق کھودی جائے اس طرف جس طرف سے دشمن آ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ صحابہ کی جماعتیں بنائیں اور ان کے درمیان جگہ کے نشانات لگائے، دس دس بیس بیس گز کا علاقہ ہر ایک کو دیا کہ آپ نے یہاں سے یہاں تک خندق کھودنی ہے، دوسری جماعت نے یہاں سے یہاں تک خندق کھودنی ہے، اور شدید سردی کا زمانہ، خوراک کی قلت اور ادھر دشمن کا خوف الگ، اور دن بالکل ہیں نہیں، وقت ہی نہیں ہے کہ خندق کھودی جا سکے، دن رات صحابہ لگ گئے خندق کے کھودنے کے اندر اور وہ زمین بھی اتنی سخت تھی، بڑی سخت زمین تھی، تو صحابہ دن رات اس خندق کے کھودنے میں لگ گئے بھائی۔

اور اسی موقع پر صحابہ کے اندر مہاجرین اور انصار کے اندر جھگڑا بھی ہوا، مہاجرین کے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے یہ مشورہ دیا تھا وہ بڑے مضبوط آدمی تھے بھائی، اکیلے کئی کئی آدمیوں کے برابر کام کر لیتے تھے۔ تو اب خندق کھودنا بڑا مشکل کام تھا، تو انصار کہنے لگے: یہ سلمان فارسی ہم میں سے ہیں بھائی، یہ ہمارے ساتھ ہوں گے بھائی، مضبوط آدمی ہیں تو بڑی مدد دیں گے ہمارے ساتھ۔ مہاجرین کہنے لگے: نہیں نہیں، یہ ہمارے ساتھ ہوں گے یہ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی، آپ تشریف لائے اور پھر اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں بھائی۔

تو پھر کھدائی شروع کر دی، دن رات لگے ہوئے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس جگہ کھدائی کر رہے تھے وہاں ایک بڑی سخت چٹان نکل آئی بھائی، اور بڑی کوشش کی گئی اس کو توڑنے کی لیکن وہ کسی طرح ٹوٹ ہی نہیں رہی تھی۔ صحابہ کے لوہے کے اوزار وغیرہ ٹوٹ گئے لیکن وہ چٹان نہیں ٹوٹ رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی، آپ تشریف لائے اور پھر آپ نے کدال لی اور کدال چلائی، تو کدال جیسے ہی پتھر سے ٹکرائی اس کا کچھ ٹکڑا ٹوٹ گیا اور روشنی نکلی جس سے پورا مدینہ منورہ روشن ہو گیا بھائی۔ روایات میں آتا ہے اس طرح روشنی نکلی جیسے تاریک رات کے اندر چراغ روشن کر دیا جائے اور پورا کمرہ روشن ہو جاتا ہے، اس طرح روشنی نکلی بھائی۔ پھر حضور روشنی نکلی حضور علیہ السلام نے تکبیر بلند کی، زور سے اللہ اکبر کہا، صحابہ نے بھی اللہ اکبر کہا۔ پھر حضور علیہ السلام نے دوسری مرتبہ کدال چلائی، پتھر اور چٹان کا کچھ اور حصہ ٹوٹ گیا، اسی طرح پھر روشنی نکلی، حضور علیہ السلام نے پھر زور سے تکبیر کہی۔ اور پھر تیسری مرتبہ آپ نے کدال چلائی، پھر روشنی نکلی اور آپ نے

تکبیر کہی اور چٹان پوری طرح ٹوٹ گئی۔

تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ یہ میں نے کدال چلائی تو مجھے روم اور صنعاء وغیرہ کے محلات دکھائے گئے اور میری امت ان جگہوں کو بھی فتح کرے گی بھائی۔ یہ اس زمانے کی بڑی طاقتیں تھیں بھائی، خصوصاً روم وغیرہ یہ تو سپر طاقتیں جیسے آج کل کے زمانے میں امریکہ سمجھ لیں کہ اس کے فتح کی خوشخبری دی گئی ان کو، اور مسلمان بڑی بے سروسامانی اور تکلیف کی حالت میں تھے۔ کتنی تکلیف میں تھے، کتنی تکلیف میں تھے بھائی، کوئی شخص اپنی جب تکلیف بیان کرتا ہے سننے والا پھر بھی گمان ذہن میں آتا ہے کہ شاید اتنی تکلیف نہیں ہوگی، یہ کچھ زیادہ ہی مبالغہ کر رہا ہے، سمجھ میں آیا؟ لیکن یہاں تو خالقِ ارض وسما خود قرآن میں فرماتے ہیں: **بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ،** یہاں تک کہ کلیجے منہ کو آنے لگے تھے بھائی، اتنی سخت تکلیف کا عالم تھا۔

اور اس موقع پر منافقین نے بھی بڑی باتیں کیں بھائی، اور بعض منافقین تو یہ کہنے لگے کہ ہمیں تو خوف کا یہ عالم ہے کہ قضائے حاجت کے لیے کوئی شخص نہیں جاسکتا اور اس شخص کو دیکھو، یہ روم اور صنعاء کو فتح کرنے کی خوشخبریاں سنا رہا ہے بھائی۔ لیکن پھر اللہ نے سارے کفار کو شکست ہوئی، بھاگ گئے بھائی، اور ان کا اللہ تعالیٰ نے آندھی بھیجی، شدید آندھی اور ٹھنڈی ہوا تھی، سردی کا موسم تھا، ان کے سارے خیمے اکھڑ گئے، جانور ادھر ادھر بدک کر بھاگ گئے اور وہ راتوں رات چلے گئے بھائی۔

تو اسی دوران جب وہ آئے تھے اور انہوں نے جو محاصرہ کیا ہوا تھا، اسی میں ایک دن انہوں نے بڑے سخت انہوں نے ارادہ کیا کہ آج ہم خندق کو ہر حال میں عبور کریں گے۔ وہ آئے انہوں نے دیکھا، خندق کھدی ہوئی ہے تو حیران رہ گئے کہ بھائی یہ تو عرب کا طریقہ نہیں ہے، ہم نے کبھی عرب میں ایسا نہیں سنا۔ اب کوشش کرتے ہیں، وہ عبور کر ہی نہیں سکتے، دوسری طرف مسلمان پتھر اور نیزوں کے ساتھ ان کو واپس دھکیل دیتے ہیں، تو ایک دن انہوں نے ارادہ کیا کہ آج ہم خندق کو ہر حال میں عبور کریں گے۔ چنانچہ سارا دن وقفے وقفے سے جگہ جگہ سے ان کی ٹولیاں کوشش کرتی رہیں، لیکن جس طرف کا رخ کرتے تھے صحابہ جو تھے پتھروں اور تیروں کے ساتھ ان کو واپس دھکیل دیتے تھے بھائی۔ تو اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں: ظہر کی، عصر کی، مغرب کی اور اسی طرح عشاء کی نماز بھی، بڑی دیر سے رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا اس وقت پھر ترتیب سے نمازیں ادا کی گئیں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اذان دی، اقامت کہی گئی اور پھر پہلے ظہر کی نماز ادا کی گئی، پھر اقامت کہی گئی اور عصر کی نماز ادا کی گئی، پھر اقامت کے ساتھ مغرب کی نماز باجماعت ادا کی گئی اور سب سے آخر میں عشاء کی نماز ادا کی گئی، اور اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ **صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي،** تو یہ نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب سے ادا کی تھیں یہ جو قضا نمازیں تھیں، معلوم ہوا قضا نمازوں کے اندر بھی ترتیب ضروری ہے بھائی۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی قوت نصیب فرمائی تھی، صحابہ کوشش کر کے تھک گئے لیکن وہ چٹان نہ توڑ سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے پھر اس چٹان کو توڑ دیا بھائی۔ اور صحابہ نے پھر کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض نہ ہوں کہ کیسے تم سے یہ چٹان نہیں ٹوٹی، صحابہ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا اور دکھایا انہوں نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے بھائی۔ عرب کا طریقہ تھا کہ شدید بھوک وغیرہ کے عالم میں پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے، کمر تاکہ سیدھی رہے بھائی، کمر سیدھی رہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو آپ نے دو پتھر باندھ رکھے تھے بھائی۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بڑی قوت نصیب فرمائی تھی۔ آپ کو چالیس جنتیوں کے برابر قوت دی گئی تھی، چالیس، اور ایک جنتی کو دنیا کے سو آدمیوں کے برابر قوت ایک جنتی میں ہوگی بھائی سو، تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے چار ہزار انسانوں کے برابر قوت دی گئی تھی بھائی۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے بھائی کہ بڑا مشہور پہلوان تھا رکانہ نام تھا، رکانہ، تو حضور علیہ السلام نے اس کو بھی دعوتِ توحید دی کہ کفر و شرک کو چھوڑ کر اسلام کی طرف توحید کی طرف آجاؤ۔ وہ عرب کا بہت بڑا، بڑا مشہور بھائی پہلوان تھا، اس کی قوت کا اندازہ لگائیں بھائی قوت کا، کہ وہ اتنا مضبوط اور بڑے بھاری بھرکم اور مضبوط جسم والا تھا کہ وہ چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اونٹ وغیرہ کی کھال پر، تو دس آدمی مل کر کھینچتے تھے وہ چمڑا اس کے پاؤں کے نیچے سے نہیں نکال سکتے تھے بھائی۔ وہ چمڑا پھٹ جاتا تھا لیکن اس کے پاؤں کے نیچے سے نہیں نکلتا تھا بھائی، اتنا مضبوط آدمی۔ بھائی اب زور آزمائی وہ نہیں کر رہا، صرف کیا کر رہا ہے؟ جم کر کھڑا ہوا ہے، پھر بھی وہ اس کے پاؤں سے چمڑا نہیں کھینچ سکتے تھے، تو زور آزمائی میں اس کے اندر کتنی طاقت ہوگی، کوئی اس کا مقابلہ کرے تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

تو حضور علیہ السلام نے اس کو بھی دعوت دی۔ اس نے کہا: ایک شرط پر میں اسلام قبول کر لوں گا کہ تم میرے ساتھ کشتی لڑو اور مجھے ہرا دو۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی میرے ساتھ کشتی کے لیے تیار ہو جائے اور پھر مجھے ہرا دے، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ حضور علیہ السلام فرمائے بھائی یہ آپ تیار ہو گئے، آؤ بھائی۔ تو وہ آیا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا، حضور علیہ السلام نے اس کو پکڑا اور پھر عجیب بات ہوئی، حضور علیہ السلام نے اس کو اس طرح پکڑ کر نیچے لٹا دیا جیسے ایک چھوٹے سے بچے کو پکڑ کر نیچے لٹاتے ہیں۔ آپ کے سامنے چار پانچ سال کا ایک بچہ آئے آپ اس کو کیسے پکڑ کر لٹائیں گے؟ آرام سے لٹا دیں گے۔ حضور علیہ السلام نے اس طرح آرام سے اس کو لٹا دیا۔ وہ حیران رہ گیا، یہ ہوا کیا؟ کہنے لگا: یہ کیا ہوا مجھے سمجھ نہیں آئی، دوبارہ کشتی لڑیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا بھائی دوبارہ آجاؤ۔ دوبارہ آیا، دوبارہ پھر اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آرام سے پکڑا، نیچے لٹا دیا۔ اس نے کہا: نہیں، تیسری دفعہ پھر لڑیں گے۔ تیسری مرتبہ پھر اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس کو آرام سے نیچے لٹادیا اور پھر بعد میں وہ مسلمان ہو گئے بھائی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بڑی قوت نصیب فرمائی تھی بھائی۔ یہ غزوۂ خندق کے مختصر احوال میں نے ذکر کر دیے، اس موقع پر یہ نمازیں قضا ہوئی تھیں بھائی۔

تو دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: **لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ شُغِلَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَقَضَاهُنَّ مُرَتَّبًا**، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام مشغول کر دیے گئے چار نمازوں سے خندق والے دن، **فَقَضَاهُنَّ مُرَتَّبًا** تو حضور علیہ السلام نے ان کی قضا فرمائی ترتیب کے ساتھ، **ثُمَّ قَالَ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي**، پھر حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ تم لوگ بھی نماز پڑھو جیسے تم دیکھتے ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔

إِلَّا أَنْ يَزِيدَ الْفَوَائِتُ عَلَى سِتِّ صَلَوَاتٍ، مگر یہ کہ بڑھ جائیں فوت شدہ نمازیں **عَلَى سِتِّ صَلَوَاتٍ** چھ نمازوں پر، چھ نمازوں پر بھائی۔ مگر یہ کہ بڑھ جائیں فوت شدہ نمازیں چھ نمازوں پر۔ چھ نمازوں پر بڑھ جائیں، کتنی ہو جائیں معلوم ہوا؟ سات ہو جائیں، کتنی ہو جائیں؟ سات، لیکن نہیں یہ مراد نہیں۔ صاحبِ قدوری کی یہ مراد نہیں۔ مراد یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں، فوت شدہ نمازیں کتنی ہو جائیں؟ چھ ہو جائیں، تو اب یہ کثیر ہو گئیں، کثیر ہو گئیں، اور کثرتِ فوائت بھی کیا کرتی ہے؟ ترتیب کو ساقط کرتی ہے۔ تو چھ نمازیں جب فوت شدہ ہو جائیں تو ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ لیکن صاحبِ قدوری جو عبارت لے کر آئے: **إِلَّا أَنْ يَزِيدَ الْفَوَائِتُ عَلَى سِتِّ صَلَوَاتٍ**، بظاہر اس سے لگتا یوں ہے کہ نمازیں کتنی ہو جائیں فوت شدہ؟ سات ہو جائیں، لیکن میں نے بتایا یہ صاحبِ قدوری کی مراد نہیں، آپ کہیں گے کیسے مراد نہیں بظاہر تو یہی لگ رہا ہے؟ بھائی اس لیے کیونکہ بالاجماع ساتویں نماز کی شرط نہیں ہے، صاحبِ قدوری بھی یہی کہنا چاہتے ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ کسی کے نزدیک بھی ساتویں کی شرط نہیں، جب ساتویں کی شرط نہیں ہے تو ان کی مراد بھی یقیناً یہ نہیں ہے بلکہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کتنی ہو جائیں فوت شدہ نمازیں؟ چھ ہو جائیں، چھ تک پہنچ جائیں بھائی۔

تو لیکن بظاہر عبارت سے یوں لگتا ہے کہ شاید نمازیں جب چھ پر بڑھ جائیں یعنی سات ہو جائیں، تو شارحین نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں بھائی۔ ایک آسان توجیہ بس آپ یاد رکھیں: **إِلَّا أَنْ يَزِيدَ الْفَوَائِتُ ثَابِتَةً عَلَى سِتِّ صَلَوَاتٍ**، یہ **عَلَى سِتِّ صَلَوَاتٍ** اس کو حال بنالیں، کیا بنالیں؟ حال۔ مگر یہ کہ فوت شدہ نمازیں بڑھ جائیں **ثَابِتَةً عَلَى سِتِّ صَلَوَاتٍ** اس حال میں کہ وہ ثابت ہو جائیں چھ نمازوں پر، یعنی کتنی ہو جائیں؟ چھ ہو جائیں۔ تو جیہ سمجھ میں آئی بھائی؟ تو مختلف توجیہات کی ہیں، علماء نے یہ آسان توجیہ آپ یاد رکھیں کہ چھ ہو جائیں۔ مگر یہ کہ فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں، **لِأَنَّ الْفَوَائِتَ قَدْ كَثُرَتْ**، اس لیے کیونکہ فوت شدہ نمازیں وہ کثیر ہو گئیں، **فَتَسْقُطُ التَّرْتِيبُ فِيمَا بَيْنَ الْفَوَائِتِ بِنَفْسِهَا**، تو ساقط ہو جائے گی ترتیب فوت شدہ نمازوں کے اپنے درمیان بھی، **كَمَا يَسْقُطُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْوَقْتِيَّةِ**، جیسے کہ ترتیب ساقط ہو جائے گی فوت شدہ نمازوں اور وقتی نماز کے درمیان۔ اب سب میں ترتیب ساقط ہوئی، اب کیا کرنا چاہیے؟ فوت شدہ نماز ہے اور ایک ہے وقتی نماز، وقتی نماز کو ان پر مقدم کر سکتا ہے کیونکہ ترتیب کیا ہو گئی کثرت کی وجہ سے؟ ساقط۔ نیز فوت شدہ نمازوں کے اپنے اندر بھی ترتیب ساقط ہو گئی، وہاں بھی اب ظہر کو عصر سے پہلے پڑھنا ضروری نہیں، عصر کو مغرب سے پہلے پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ جس طرح بھی ادا کرنا چاہے ادا کر سکتا ہے۔ یہ معنی ہے کہ **فَتَسْقُطُ التَّرْتِيبُ فِيمَا بَيْنَ الْفَوَائِتِ بِنَفْسِهَا** کہ فوت شدہ نمازوں کے اپنے بیچ میں بھی جو ہے ترتیب وہ ساقط ہو جائے گی، **كَمَا يَسْقُطُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْوَقْتِيَّةِ** جیسے کہ وقتی نماز اور فوت شدہ نمازوں کے درمیان ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

وَحَدُّ الْكَثْرَةِ أَنْ تَصِيرَ الْفَوَائِتُ سِتًّا بِخُرُوجِ وَقْتِ الصَّلَاةِ السَّادِسَةِ، اور کثرت کی حد یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں چھٹی نماز کے وقت کے نکل جانے سے۔ چھٹی نماز کا وقت نکلے گا تو فوت شدہ نمازیں کتنی ہو جائیں گی؟ چھ۔ مثلاً ایک آدمی ہے اس کی آج کی ظہر رہی اور عصر، پھر مغرب، عشاء اور فجر، کتنی ہو گئیں؟ پانچ ہو گئیں، ابھی بھی حدِ کثرت میں داخل نہیں۔ پھر ظہر کی بھی فوت ہو جائے، اور ظہر کی فوت کب ہو گی؟ جب ظہر کا وقت یعنی چھٹی نماز کا وقت نکل جائے گا تو یعنی عصر کا وقت داخل ہو جائے گا، اب فوت شدہ نمازیں کتنی ہو گئیں؟ چھ ہو گئیں تو حدِ کثرت میں داخل ہو گئیں بھائی۔

تو حدِ کثرت یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں چھٹی نماز کے وقت کے نکلنے سے، **وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْمَذْكُورِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ**، اور یہی مراد ہے وہ جو مذکور ہے جامع صغیر کے اندر، **وَهُوَ قَوْلُهُ** اور وہ امام محمد رحمہ اللہ کا یہ قول ہے: **وَإِنْ فَاتَتْهُ أَكْثَرُ مِنْ صَلَاةِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ أَجْزَأَتْهُ الَّتِي بَدَأَ بِهَا**، اور اگر فوت ہو جائیں اس کی ایک دن اور رات سے زیادہ نمازیں، **أَجْزَأَتْهُ** تو اس شخص کے لیے کافی ہو جائے گی **الَّتِي بَدَأَ بِهَا** وہ نماز جس سے یہ ابتدا کرے۔ اگر اس کی نمازیں کیا ہو جائیں؟ ایک دن رات سے زیادہ نمازیں فوت ہو گئیں، ایک دن رات سے پانچ سے زیادہ نمازیں یعنی کم از کم چھ نمازیں جس کی فوت ہو جائیں، تو **أَجْزَأَتْهُ الَّتِي بَدَأَ بِهَا** تو کافی ہو جائے گی اس کے لیے وہ نماز جس سے وہ ابتدا کرے، یعنی پھر جس نماز سے بھی ابتدا کرے گا وہ اس کے لیے کافی ہو جائے گی بھائی، پھر یعنی ترتیب ضروری نہیں۔ **لِأَنَّهُ إِذَا زَادَ عَلَى يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ تَصِيرُ سِتًّا**، اس لیے کیونکہ جب وہ ایک دن اور رات پر زائد ہو گئیں **تَصِيرُ سِتًّا** تو کتنی ہو گئیں؟ چھ ہو گئیں، چھ ہو گئیں، چنانچہ معلوم ہوا امام محمد رحمہ اللہ کے بھی کی بھی یہی مراد ہے کہ فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں، کیونکہ متن میں کیا آیا؟ ایک دن رات سے زیادہ فوت ہو جائیں، معلوم ہوا چھ مراد۔

اب آگے دوسری روایت ذکر کر رہے ہیں: **وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ**، اور امام محمد رحمہ اللہ سے یہ بھی ایک روایت آئی ہے، **أَنَّهُ اعْتَبَرَ دُخُولَ وَقْتِ**

السَّادِسَةِ، کہ انہوں نے اعتبار کیا ہے چھٹی نماز کے وقت کے داخل ہونے کا۔ چھٹی نماز کا وقت کیا ہو جائے؟ داخل ہو جائے۔ پہلے قول کے مطابق آج ظہر کی رہی، عصر کی رہی، مغرب کی رہی، عشاء کی رہی، اگلے دن فجر کی رہی اور چھٹی نماز کا وقت یعنی ظہر کا وقت جب نکل جائے گا پھر کیا ہو گی؟ ترتیب ساقط۔ اور دوسری روایت کے مطابق چھٹی کا وقت داخل ہو یعنی ظہر کا وقت داخل ہو گا تو ترتیب کیا ہو جائے گی؟ ساقط ہو جائے گی۔

وَالْأَوَّلُ هُوَ الصَّحِيحُ، اور پہلا قول جو ہے وہ صحیح ہے یعنی چھٹی نماز کا وقت جب نکل جائے، **لِأَنَّ الْكَثْرَةَ بِالدُّخُولِ فِي حَدِّ التَّكْرَارِ**، اس لیے کیونکہ کثرت جو ہے وہ تکرار کی حد میں داخل ہونے سے ہو گا، کوئی شے کثیر ہو گئی کب کہیں گے؟ تکرار آ جائے، اور تکرار کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز کم از کم کتنی مرتبہ ہو؟ دو مرتبہ ہو تو اس کو کہتے ہیں تکرار، تو نمازیں کثیر ہو گئیں، قضا نمازیں، کب کہیں گے؟ جب ان میں کیا آ جائے؟ تکرار، اور جب چھٹی نماز قضا ہو گی تو دو نمازوں میں کیا آ گیا؟ تکرار، مثلاً ظہر کی رہی تھی اب عصر کی بھی مغرب، عشاء، فجر اور اب پھر ظہر کی دوبارہ، تو ظہر کی نمازوں میں کیا آ گیا؟ تکرار آ گیا، تو لہٰذا اب کثرت آ گئی۔ **لِأَنَّ الْكَثْرَةَ بِالدُّخُولِ فِي حَدِّ التَّكْرَارِ**، اس لیے کیونکہ کثرت جو ہے تکرار کی حد میں داخل ہونے سے ہو گا، **وَذَلِكَ فِي الْأَوَّلِ**، اور یہ کس صورت میں ہے؟ پہلے قول کی صورت میں ہے، اس میں تکرار آ رہا ہے، چھٹی نماز بھی قضا ہو گئی، دوسرے قول کے مطابق تو چھٹی کا وقت ہی داخل ہوا، ابھی چھٹی تو قضا نہیں ہوئی، تو تکرار بھی نہیں آتا بھائی۔

یہاں تک مسئلہ سب کو سمجھ میں آ گیا بھائی؟

وَلَوِ اجْتَمَعَتِ الْفَوَائِتُ الْقَدِيمَةُ وَالْحَدِيثَةُ قِيلَ، جی یہاں سے یہ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں: ایک آدمی ہے اس کے ذمے پرانی فوت شدہ نمازیں بھی ہیں اور پھر کچھ نئی فوت شدہ نمازیں بھی قضا ہوئیں اس کی، لیکن یہ نئی فوت شدہ نمازیں یہ حدِ کثرت سے کم ہیں۔ مثلاً بھائی ایک آدمی تھا وہ نمازی تھا ہی نہیں، پھر تبلیغی جماعت کی برکت سے وہ دین کی طرف آ گیا، نمازیں پڑھنا شروع کر دیں، اب گذشتہ نمازیں تو اس کے ذمے بہت ساری باقی ہیں، اب اس نے باقاعدگی سے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں، اب پھر اس کی ایک دو یا تین نمازیں کیا ہو گئیں؟ قضا ہو گئیں، لیکن اب یہ جو جدید قضا ہوئی ہیں یہ حدِ کثرت کے اندر ہیں، حدِ کثرت میں داخل نہیں ہیں۔ تو کیا اب بھی اس کے ذمے ترتیب ضروری ہے یا ترتیب نہیں؟ پچھلی قدیم قضا نمازوں کی طرف دیکھیں تو اس پر کے ذمے ترتیب نہیں، اور صرف جدید پر نظر کریں تو اس پر کیا لازم ہے؟ کیونکہ اب تو یہ ترتیب سے پڑھ رہا ہے تو اس کے ذمے ترتیب ہونی چاہیے، تو علماء دونوں طرف گئے ہیں بھائی۔ بعض مشائخ کیا فرماتے ہیں کہ پچھلی نمازیں بھی اس کے ذمے ہیں، اب یہ نئی بھی ہیں، لہٰذا یہ حدِ کثرت میں داخل ہیں، لہٰذا اس پر ترتیب ضروری نہیں، وقتی نماز پہلے پڑھ لے، وہ قضا کو میں بھی آپس میں قضا کرنے لگے تو کوئی ترتیب ضروری نہیں۔ اور بعض علماء اور فقہاء کیا فرماتے ہیں کہ ترتیب اب بھی ضروری ہے اور یہ اس نے سستی اور کوتاہی کی ہے تو بطورِ ڈانٹ کے یوں سمجھا جائے گا پچھلی نمازیں اس کے ذمے ہیں ہی نہیں، صرف یہ والی دو تین یا چار نمازیں ہیں اور یہ تو حدِ کثرت میں داخل نہیں، اور جب حدِ کثرت میں داخل نہیں تو ترتیب بھی ساقط نہیں، جب ترتیب ساقط نہیں تو کیا کرنا پڑے گا ان کو؟ ترتیب سے ادا کرنا پڑے گا اور پھر ہی اس کی اگلی وقتی نماز ہو گی ورنہ وقتی نماز اس کی صحیح نہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

وَلَوِ اجْتَمَعَتِ الْفَوَائِتُ الْقَدِيمَةُ وَالْحَدِيثَةُ، اور اگر جمع ہو جائیں قدیم فوت شدہ نمازیں **وَالْحَدِيثَةُ** اور جدید فوت شدہ نمازیں، حدیث معنی جدید بھائی جدید، اور جدید فوت شدہ نمازیں، **قِيلَ يَجُوزُ الْوَقْتِيَّةُ مَعَ تَذَكُّرِ الْحَدِيثَةِ لِكَثْرَةِ الْفَوَائِتِ**، تو کہا گیا ہے جائز ہے وقتی نماز باوجود یاد ہونے جدید فوت شدہ نمازوں کے، اس کو یاد ہے میری اب کتنی رہ گئی ہیں؟ تین یا چار نمازیں رہ گئیں، تو جدید فوت شدہ نمازیں اس کی یاد اس کو یاد ہیں پھر بھی اس کے لیے وقتی نماز پڑھنا اس سے پہلے جائز ہے، کیوں؟ **لِكَثْرَةِ الْفَوَائِتِ**، فوائت کے کثرت کی وجہ سے، کیونکہ قدیم نمازیں بھی اس کے ذمے تھیں تو فوائت اس اعتبار سے کثیر ہیں۔

وَقِيلَ لَا يَجُوزُ، اور کہا گیا جائز نہیں، پہلے کیا کرنا پڑے گا؟ پہلے یہ جدید قضا نمازیں پڑھنا پڑیں گی، پھر کیا کرے گا؟ پھر وقتی نماز پڑھے گا۔ تو کہا: **وَقِيلَ لَا يَجُوزُ**، اور کہا گیا جائز نہیں ہے، **وَيُجْعَلُ الْمَاضِي كَأَنْ لَمْ يَكُنْ**، اور ماضی کو یوں قرار دیا جائے گا گویا کہ وہ تھا ہی نہیں، یعنی ماضی کی گویا نمازیں اس کے ذمے تھیں ہی نہیں، یوں قرار دیا جائے گا، یوں سمجھا جائے گا۔ یعنی ترتیب کے ساقط ہونے کے اعتبار سے، یہ نہیں کہ اس کے ذمے اب نمازیں پچھلی نمازوں کی قضا ہی نہیں ہے، وہ قضا تو اس کو کرنی پڑے گی، سمجھ میں آیا بھائی؟ وہ قضا، ہاں اس وقت پچھلی نمازوں کے پر نظر کریں، نئی کے ساتھ ملائیں تو حدِ کثرت کو پہنچ رہی ہیں، لیکن یہاں ان پچھلی کو شمار ہی نہیں کیا جائے گا، صرف کس پر نظر کی جائے گی؟ صرف اور جدید حدِ کثرت کو پہنچ رہی ہیں؟ نہیں، وہ جب حدِ کثرت کو نہیں پہنچ رہیں لہٰذا ترتیب بھی اس سے ساقط نہیں، لہٰذا کیا کرنا پڑے گا؟ پہلے قضا کرنا پڑیں گی یہ والی جدید اور پھر کیا کرنا پڑے گی؟ وقتی نماز پڑھنا پڑے گی بھائی۔

یہ معنی ہے: **وَيُجْعَلُ الْمَاضِي كَأَنْ لَمْ يَكُنْ زَجْرًا لَهُ عَنِ التَّهَاوُنِ**، اور ماضی کو اس طرح قرار دیا جائے گا گویا کہ وہ ہے ہی نہیں، **زَجْرًا لَهُ عَنِ التَّهَاوُنِ**، زجر کہتے ہیں ڈانٹ ڈپٹ کو بھائی، تہاون سستی اور لاپرواہی، بطورِ ڈانٹ کے **عَنِ التَّهَاوُنِ** اس سستی پر، اس سستی پر ڈانٹ کے طور پر ماضی کو یوں قرار دیا جائے گا گویا ہے ہی نہیں، یعنی پچھلی قدیم ہیں ہی نہیں، صرف یہ جدید ہیں اور یہ تو حدِ کثرت کو نہیں پہنچ رہیں، لہٰذا ترتیب ساقط نہیں، جب ترتیب ساقط نہیں تو پہلے کیا کرے؟ پہلے قضا کرنا پڑے گی پھر وقتی ہو گی ورنہ وقتی ہو گی ہی نہیں۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

[طالب علم]: اگر ایک آدمی کی نماز قضا ہو گئی، جی، بعد میں اس نے ترتیب سے ادا بھی کر لی، جی، تو اب وہ نماز قضا ہونے کی وجہ سے صاحبِ ترتیب رہے گا کہ نہیں؟

[استاذ]: نہیں نہیں، صاحبِ ترتیب صاحبِ ترتیب ہے، سمجھ میں آیا؟ کہ صاحبِ ترتیب ہی رہے گا جبھی تو اس پر ترتیب ہے، ترتیب ختم ہو گی صاحبِ ترتیب ختم ہوا، پھر پڑھ لے گا پھر صاحبِ ترتیب بن جائے گا، سمجھ میں آیا؟

[طالب علم]: جس کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور وہ صاحبِ ترتیب بننا چاہتا ہو؟ [استاذ]: جی جی، سب کی قضا کرے سب کی قضا کرے، طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے اب یہ تو یاد نہیں کہ میری کون سی رہتی ہے کون سی نہیں، بس یہ نیت کیا کرے: اے اللہ! میرے ذمے مثلاً ظہر کی قضا کرنے لگا ہے، جتنی ظہر کی نمازیں قضا ہیں ان میں سے جو پہلی ہے باقی اس کی میں قضا کرتا ہوں، اس طرح ادا کرتا رہے بھائی، کرتا رہے کرتا رہے، یہاں تک کہ جب یقین ہو جائے کہ اب ساری پوری ہو گئی ہوں گی، بس پھر یہ کیا بن گیا؟ صاحبِ ترتیب بن گیا، اب ترتیب ضروری ہے بھائی۔

سبق نمبر ۶۹: مسئلہ: وَلَوْ قَضَى بَعْضَ الْفَوَائِتِ حَتَّى قَلَّ مَ...

ہدایہ صفحہ: ۱۶۳ــــ بتاریخ: ۲۰ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَوْ قَضَى بَعْضَ الْفَوَائِتِ حَتَّى قَلَّ مَا بَقِيَ عَادَتِ التَّرْتِيبُ عِنْدَ الْبَعْضِ وَهُوَ الْأَظْهَرُ، فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِيمَنْ تَرَكَ صَلَاةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَجَعَلَ يَقْضِي مِنَ الْغَدِ مَعَ كُلِّ وَقْتِيَّةٍ فَائِتَةً فَالْفَوَائِتُ جَائِزَةٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَالْوَقْتِيَّاتُ فَاسِدَةٌ». يَرْحَمُكَ اللهُ. [1]

فوت شدہ نمازوں کی قضا سے متعلقہ احکام بیان ہو رہے ہیں۔ گزشتہ سبق میں صاحبِ ترتیب سے متعلقہ کچھ مسائل ذکر ہوئے تھے۔ آپ نے پڑھا کہ صاحبِ ترتیب وہ شخص ہے جس کی عمر بھر میں کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، وہ صاحبِ ترتیب ہے۔ اور اس کی جب کوئی نماز قضا ہو جائے تو اس قضا نماز کو اگلی وقتی نماز سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ وقتی نماز پہلے پڑھے گا باوجود اس کے کہ وقت کے اندر گنجائش ہے، تو اس کی وہ وقتی نماز ہو گی ہی نہیں، بلکہ پہلے کیا کرنا ضروری ہے اس کے لیے؟ پہلے گزشتہ نماز جو باقی ہے اس کی قضا کرے، پھر اس کے بعد وقتی نماز پڑھے۔

البتہ تین صورتوں کے اندر جو ہے یہ ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ ایک تو جب وقت تنگ ہو، اگر وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ اب اس میں وقتی نماز ہی کے پڑھنے کی گنجائش ہے، اب اگر وہ قضا نماز پڑھے گا تو یہ وقتی نماز بھی کیا ہو جائے گی؟ قضا ہو جائے گی۔ تو اس صورت میں پہلے وقتی نماز ہی پڑھے بھائی۔

اور اسی طرح اگر بھول جائے کہ میرے ذمے ایک نماز پچھلی باقی ہے تو اس صورت میں بھی وقتی نماز ہو جائے گی۔ اور تیسری صورت یہ کہ اگر فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں، اور کثیر کب ہوں گی؟ جب وہ حدِ کثرت میں داخل ہو جائیں۔ اور حدِ کثرت میں کب داخل ہوں گی؟ جب فوت شدہ نمازیں کتنی ہو جائیں؟ چھ ہو جائیں بھائی، چھ ہو جائیں۔

اس کے بعد گزشتہ سبق کے آخر میں ایک مسئلہ آیا تھا کہ ایک شخص جو ہے اس کے ذمے فوت شدہ نمازیں قدیم بھی ہیں اور کچھ جدید ہیں۔ پہلے اس کے ذمے کچھ نمازیں کافی نمازیں باقی تھیں، پھر اس کے بعد باقاعدگی سے اس نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ پھر اس کے بعد چند اور نمازیں اس کی قضا ہوئیں، لیکن یہ نمازیں حدِ کثرت تک نہیں پہنچیں اس سے کم کم ہیں۔ تو کیا اس صورت میں بھی ترتیب اب ضروری ہے یا وہ پچھلی کا اعتبار کریں گے اور ترتیب اس کے ذمے نہیں؟

تو بعض فقہاء کیا فرماتے ہیں کہ اس صورت میں گزشتہ نمازوں کو شمار ہی نہیں کریں گے ترتیب کے حق میں اور صرف یہ سمجھیں گے یہ والی چند نئی نمازیں ہی صرف قضا ہوئی ہیں، اور یہ تو کثرت کی حد تک نہیں پہنچی لہٰذا ترتیب ساقط نہیں، پہلے کیا کرنا پڑے گا؟ ان نئی قضا نمازوں کو پڑھنا پڑے گا اور پھر اس کے بعد وقتی نماز ہو گی ورنہ نہیں ہو گی۔ جبکہ دیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ نہیں، گزشتہ نمازوں کا اعتبار کریں گے اور ترتیب اب بھی اس کے ذمے نہیں ہے کیونکہ گزشتہ یعنی پرانی قضا نمازیں ملائیں تو یہ حدِ کثرت کو پہنچ جاتی ہیں بھائی، پہنچ جاتی ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ اور یاد رکھیے فتویٰ بھی اسی پر ہے کہ قدیم نمازیں اگر ہوں تو جدید کے ساتھ ان کو ملا کر دیکھا جائے گا کہ حدِ کثرت کو پہنچ رہی ہیں کہ نہیں بھائی۔

جی، آج اب آگے مسئلہ بتلا رہے ہیں: «**وَلَوْ قَضَى بَعْضَ الْفَوَائِتِ**». صورت یہ، ایک شخص کے ذمے قضا نمازیں کافی زیادہ تھیں اور وہ حدِ کثرت کو پہنچ رہی تھیں، تو آپ نے پڑھا اس سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اب اس شخص نے گزشتہ نمازوں کو ادا کرنا شروع کر دیا، آہستہ آہستہ وہ ادا کرتا رہا یہاں تک کہ فوت شدہ نمازیں اب چھ سے کم رہ گئیں، چھ سے کم رہ گئیں، تو اب تو وہ حدِ کثرت کو نہیں پہنچ رہیں، کم رہ گئیں، تو کیا پھر ترتیب لوٹ آئے گی یا ترتیب نہیں لوٹے گی؟

[1] شاملہ (ص ۸۶) میں «عَادَتِ» کے بجائے «عاد»، شاملہ (ص ۸۶) میں «يَرْحَمُكَ اللهُ» کے بجائے «إن قدمها» درج ہے۔

تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ترتیب لوٹ آئے گی کیونکہ ترتیب کے ساقط ہونے کی وجہ کیا تھی؟ وہ حدِ کثرت تک پہنچ رہی تھیں اور اب تو یہ حدِ کثرت تک نہیں پہنچ رہیں لہٰذا ترتیب لوٹ آئے گی بھائی ترتیب۔ جبکہ دیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ نہیں، ابھی بھی ترتیب واپس جب تک ساری ادا نہیں کرلے گا، ایک دفعہ جب ترتیب ساقط ہو گئی ہے جب تک ساری ادا نہیں کرلے گا اس وقت تک ترتیب واپس لازم نہیں ہو گی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَوْ قَضَى بَعْضَ الْفَوَائِتِ»، اور اگر قضا کرلیا بعض فوت شدہ نمازوں کو یعنی ان کو پڑھ لیا، «حَتَّى قَلَّ مَا بَقِيَ»، یہاں تک کہ تھوڑی رہ گئیں وہ جو باقی ہیں، «عَادَتِ التَّرْتِيبُ عِنْدَالْبَعْضِ»، تو ترتیب لوٹ آئے گی بعض کے نزدیک، «وَهُوَ الْأَظْهَرُ»، اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں کہ بعض فقہاء نے جو فرمایا کہ ترتیب پھر لوٹ آئے گی یہ قول زیادہ ظاہر ہے، «فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اس لیے کیونکہ روایت کیا گیا ہے امام محمد رحمہ اللہ سے، آگے ایک مسئلہ ذکر کریں گے، کہتے ہیں یہ مسئلہ امام محمد رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ امام محمد، اور اس مسئلے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب کیا ہے؟ واپس لوٹ آئے گی بھائی، ترتیب واپس لوٹ آئے گی۔

■ مسئلہ: فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ...

«فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِيمَنْ تَرَكَ صَلَاةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ»، کیونکہ روایت کیا گیا ہے امام محمد رحمہ اللہ سے فیمن اس شخص کے بارے میں «تَرَكَ صَلَاةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ» کہ جس نے چھوڑ دیا ایک دن اور ایک رات کی نمازوں کو، «وَجَعَلَ يَقْضِي مِنَ الْغَدِ»، اور وہ قضا کرنے لگا یعنی ان کو پڑھنے لگا «مِنَ الْغَدِ» اگلے دن سے، «مَعَ كُلِّ وَقْتِيَّةٍ فَائِتَةً»، ہر وقتی نماز کے ساتھ ایک فوت شدہ نماز۔ وہ قضا کرنے لگا اگلے دن ہر وقتی نماز کے ساتھ «فَائِتَةً» ایک فوت شدہ نماز بھائی، «فَالْفَوَائِتُ جَائِزَةٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ»، تو فوت شدہ نمازیں جائز ہو جائیں گی ہر حال میں، یعنی چاہے ان کو وقتی پر مقدم کرے چاہے وقتی سے مؤخر کرے، «وَالْوَقْتِيَّاتُ فَاسِدَةٌ»، اور وقتی نمازیں فاسد ہوں گی بھائی، فاسد ہوں گی۔

اچھا، تو کہتے ہیں: «فَالْفَوَائِتُ جَائِزَةٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ»، تو فوت شدہ نمازیں ہر حال میں جائز ہیں۔ ہر حال میں جائز ہونے کا کیا معنی؟ یعنی وقتی نمازوں پر چاہے ان کو مقدم کرے اور چاہے مؤخر کرے۔ «وَالْوَقْتِيَّاتُ فَاسِدَةٌ»، اور وقتی نمازیں فاسد ہیں۔ «إِنْ قَدَّمَهَا»، اگر وقتی نمازوں کو کیا کرے؟ مقدم کرے تو بھی وقتی فاسد، «لِدُخُولِ الْفَوَائِتِ فِي حَدِّالْقِلَّةِ»، اس لیے کیونکہ فوت شدہ نمازیں کس میں داخل ہیں؟ حدِ قلت کے اندر داخل ہیں، «وَإِنْ أَخَّرَهَا»، اور اگر وقتی نمازوں کو مؤخر کرے، «فَكَذَلِكَ»، تو بھی اسی طرح ہیں یعنی وہ فاسد ہیں، «إِلَّا الْعِشَاءَ الْأَخِيرَةَ»، سوائے عشاءِ اخیرہ کے۔

عشاءِ اخیرہ سے مراد عشاء کی نماز ہے بھائی۔ عشاءِ اولیٰ مغرب کو کہتے ہیں اور عشاءِ اخیرہ عشاء کو کہتے ہیں۔ سوائے عشاءِ اخیرہ کے، مگر عشاءِ اخیرہ یعنی عشاء کی نماز کے علاوہ کہ وہ ہو جائے گی کس صورت میں؟ جب وقتی نماز کو مؤخر کرے گا۔ «لِأَنَّهُ لَا فَائِتَةَ عَلَيْهِ فِي ظَنِّهِ حَالَ أَدَائِهَا»، اس لیے کیونکہ کوئی فوت شدہ نماز اس کے ذمے باقی نہیں «فِي ظَنِّهِ» اس نماز پڑھنے والے کے اپنے گمان میں «حَالَ أَدَائِهَا» اس نماز کو ادا کرتے وقت یعنی عشاءِ اخیرہ کو ادا کرتے وقت۔

بھئی، یہ امام محمد رحمہ اللہ نے مسئلہ ذکر فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں اگر ایک شخص کی ایک دن اور رات کی نمازیں فوت ہو گئیں، مثلاً ایک دن کی فجر سے لے کر عشاء تک ساری نمازیں اس کی فوت ہو گئیں۔ اگلے دن وہ ہر وقتی نماز کے ساتھ ایک فوت شدہ نماز ادا کرتا ہے۔ یعنی فجر کے ساتھ فجر کی قضا کرتا ہے، ظہر کے ساتھ ظہر کی قضا کرتا ہے، عصر کے ساتھ عصر کی، مغرب کے ساتھ مغرب کی اور عشاء کے ساتھ عشاء کی۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قضا نمازیں تو ہر حال میں صحیح ہو جائیں گی، چاہے اس وقتی نماز پر اس کو مقدم کرے اور چاہے مؤخر کرے۔ اور وقتی نمازیں اگر ان کو مقدم کرے یا مقدم کرے یا مؤخر کرے وہ کیا ہو جائیں گی؟ فاسد۔ مقدم کرنے کی صورت میں اس لیے کیونکہ فوت شدہ نمازیں حدِ قلت کے اندر داخل ہیں۔

بھئی دیکھیے، صورت بنالیں۔ ایک شخص کی نمازیں فوت ہوئیں فجر سے لے کر عشاء۔ اگلے دن اب وہ اس کی قضا ان کی شروع کرتا ہے۔ تو پہلے صورت بنائیں کہ قضا کو مقدم کرتا ہے اور وقتی نماز کو مؤخر کرتا ہے۔ تو اگلے دن فجر کے وقت پہلے اس نے گزشتہ دن کی قضا فجر کی قضا پڑھی، تو یہ ہو جائے گی یا نہیں ہو گی بھائی؟ یہ ہو جائے گی۔ اور پھر کون سی ادا کرتا ہے؟ فجر، اچھا، بھائی پہلے اس کے ذمے کتنی قضا تھیں؟ پانچ تھیں۔ اب اس نے فجر سے پہلے فجر کی نماز قضا پڑھ لی، کتنی رہ گئیں؟ چار رہ گئیں۔ پھر اس نے فجر کی وقتی نماز پڑھی، جی یہ نماز ہو گی یا نہیں ہو گی؟ یہ نماز نہیں ہو گی کیونکہ چار نمازیں اس کے ذمے باقی ہیں اور وہ حدِ کثرت کو نہیں پہنچ رہیں، تو ترتیب ساقط نہیں۔ ترتیب اس کے ذمے ضروری ہے، پہلے ان سب کو پڑھے پھر فجر کی پڑھے، اور اس نے تو پہلے ہی فجر کی پڑھ لی لہٰذا فجر کی نماز نہیں ہوئی اس کی، تو قضا کتنی ہو گئیں؟ پھر پانچ ہو گئیں۔ پہلے فجر کی قضا پڑھ لی تھی چار رہ گئی تھیں لیکن پھر فجر کی جب وہ ادا پڑھ رہا ہے وہ تو ہوئی نہیں، تو یہ بھی کیا ہوئی اس کے ذمے رہ گئیں تو کتنی رہ گئیں؟ پانچ رہ گئیں۔

پھر ظہر کا وقت آیا، اس نے پہلے کیا کیا؟ گزشتہ دن کی ظہر کی پڑھی، وہ تو ہو گئی۔ کتنی رہ گئیں نمازیں؟ چار رہ گئیں۔ پھر ظہر کی وقتی نماز پڑھی لیکن اس کے ذمے تو چار نمازیں ہیں، وہ وقتی نماز نہیں ہوئی، کتنی ہو گئیں؟ پھر پانچ ہو گئیں۔ پھر اسی طرح عصر سے پہلے اس نے عصر کی قضا پڑھی تو وہ ہو گئی۔ کتنی رہ گئیں؟ چار رہ گئیں۔ پھر عصر کی وقتی نماز پڑھی، وہ نہیں ہوئی کیونکہ اس کے ذمے کتنی نمازیں ہیں؟ چار۔ تو پھر پانچ ہو گئیں قضا نمازیں۔

مغرب میں پھر اس نے اسی طرح کیا، پہلے قضا نماز گزشتہ دن کی مغرب کی پڑھی اور پھر وقتی پڑھی، قضا نماز ہو گئی۔ کتنی رہ گئیں؟ چار۔ پھر مغرب کی وقتی پڑھی، وہ نہیں ہوئی، کتنی رہ گئیں نمازیں؟ پانچ۔ پھر عشاء کا وقت آیا، اس نے پہلے گزشتہ دن کی عشاء کی نماز قضا کی، وہ ہو گئی، کتنی نمازیں رہ گئیں؟ چار۔ پھر عشاء کی وقتی نماز پڑھی، وہ، ہاں پہلے قضا پڑھی اور پھر کون سی وقتی پڑھ رہا ہے؟ عشاء۔ تو جب اس نے عشاء سے پہلے گزشتہ دن کی عشاء کی بھی قضا کر لی تو اس شخص کا اپنا خیال یہ ہے کہ میں نے پانچوں نمازیں پڑھ لیں، پانچوں نمازیں پڑھ لیں اور اب کون سی پڑھ رہا ہوں؟ اب وقتی نماز پڑھ رہا ہوں، اب میرے ذمے کوئی نماز نہیں۔ جب کوئی نماز نہیں تو اس کا اپنا یہ گمان ہے اگرچہ اس کے ذمے کتنی نمازیں باقی ہیں ابھی بھی؟ عشاء پڑھتے ہوئے پہلے کون سی پڑھی؟ قضا پڑھی تو کتنی رہ گئی تھیں؟ چار۔ اب یہ عشاءِ اخیرہ پڑھ رہا ہے لیکن اس کا اپنا کیا گمان ہے، میرے ذمے کوئی نماز ہے یا نماز نہیں ہے؟ اس کا گمان ہے کہ میرے ذمے کوئی نماز نہیں ہے لہٰذا اس کی یہ عشاء کی نماز ہو جائے گی، عشاء کی نماز ہو جائے گی بھائی عشاء کی نماز۔ اس لیے کیونکہ نماز بھولنے کی صورت آپ نے پڑھا تھا کہ کوئی شخص اگر بھول جائے کہ اس کے ذمے کوئی نماز باقی ہے تو اس سے بھی ترتیب کیا ہو جاتی ہے؟ ساقط ہو جاتی ہے اور وقتی نماز ہو جائے گی۔ تو جب بھولنے والے کا بھی کیا خیال ہوتا ہے کہ میرے ذمے کوئی نماز نہیں، لہٰذا یہ شخص بھی جب عشاء کی نماز پڑھ رہا ہے اس کا کیا خیال ہے؟ میرے ذمے کوئی نماز نہیں، تو یہ بھولنے والے کی طرح ہو گیا اور بھولنے والے کی جو ہوتا ہے اس کی صورت میں تو وقتی نماز ہو جاتی ہے لہٰذا اس کی بھی عشاء کی نماز ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ کون سی صورت تھی؟ جب اس نے وقتی کو مؤخر کیا تھا، کس پر؟ قضا پر مؤخر کیا تھا تو عشاءِ اخیرہ ہو جائے گی، باقی نمازیں نہیں ہوں گی۔ ہاں، اب دوسری صورت بنائیں کہ وقتی نماز کو مقدم کرتا ہے کس پر؟ قضا نماز پر، قضا نماز پر۔ تو دیکھیے، اب اس صورت میں اس کے ذمے کتنی نمازیں باقی؟ دوبارہ اب ساری نمازیں پھر اسی ترتیب سے ہم دیکھتے ہیں بھائی۔ گزشتہ دن کی کتنی نمازیں باقی ہیں؟ پانچ نمازیں۔ اگلے دن اب یہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا کرنے لگا ہے لیکن پہلے کون سی پڑھتا ہے؟ وقتی اور پھر کون سی پڑھتا ہے؟ قضا، تو وقتی کو وہ مقدم کرتا ہے۔ تو اس نے اگلے دن اس کے ذمے پانچ نمازیں باقی اس کے ذمے تھیں اور اس نے اگلے دن فجر کی پہلے پڑھی، فجر کی نماز ہوئی؟ نہیں ہوئی، تو کتنی ہو گئیں نمازیں؟ چھ ہو گئیں۔ پھر اس نے کون سی نماز پڑھی؟ فجر کی گزشتہ دن کی قضا پڑھی، یہ ہو جائے گی یا نہیں ہو گی؟ یہ ہو جائے گی بھائی، تو پھر کتنی؟ ہاں، تو چھ جب دیکھو جب چھ ہو گئیں فجر کی نہیں ہوئی تو کتنی ہو گئی قضا؟ چھ۔ ترتیب ساقط ہو گئی یا نہیں؟ جب ترتیب ساقط ہو جائے وقت گزر جائے تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، ترتیب ساقط ہو جانی چاہیے تھی آگے، لیکن اس نے پھر فوراً ہی کیا کر لیا؟ قضا نماز پڑھ لی تو پھر کیا آ گئی اس پر؟ ترتیب آ گئی، پھر پانچ رہ گئیں۔

اگلے وقت میں پھر اس نے کیا کیا؟ پہلے ظہر، پانچ نمازیں اس کے ذمے باقی ہیں اور اس نے پھر کیا کیا؟ ظہر کی پہلے پڑھی اور قضا بعد میں۔ تو جب ظہر کی پہلے پڑھے گا وہ نہیں ہو گی، پھر نمازیں کتنی ہو گئیں؟ چھ، تو ترتیب اس سے کیا ہو جانی تھی آگے چل کر ساقط ہونی تھی لیکن ساتھ ہی اس نے کیا کر دیا؟ قضا نماز بھی ساتھ پڑھ لی تو کتنی رہ گئیں؟ پھر پانچ رہ گئیں، تو ترتیب ابھی بھی اس کے ذمے ہے، لہٰذا اسی طرح آخر تک سلسلہ چلے گا بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

معلوم ہوا کہ اگر وہ وقتی نماز کو مقدم کرے گا تو اس صورت میں وقتی نمازیں ساری فاسد، وقتی نمازیں عشاء تک ہر ایک نماز کیا ہوتی جائے گی؟ کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ وقتی نماز کو مقدم کرتا ہے اور اس کے بعد ایک قضا بھی پڑھ لیتا ہے، تو یہ وقتی نماز مقدم کرنے کی وجہ سے ہوتی نہیں، نمازیں چھ ہو جاتی ہیں لیکن جب وہ اس کے ساتھ ہی اگلی قضا پڑھ لیتا ہے تو پھر کتنی رہ جاتی ہیں؟ پانچ رہ جاتی ہیں، ترتیب اسی طرح پھر باقی رہتی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو امام محمد رحمہ اللہ نے، بھئی متن میں یہ مسئلہ آیا کہ کسی کی فوت شدہ نمازیں وہ پڑھتے پڑھتے کم رہ گئیں تو پھر ترتیب واپس لوٹ آئے گی، اور صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں یہ قول زیادہ ظاہر ہے، اور اس کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ نے ایک اور مسئلہ ایک مقام پر ذکر فرمایا ہے کہ اس طرح ایک شخص کی ایک دن رات کی نمازیں فوت ہو جائیں اور پھر وہ اگلے دن ہر وقتی نماز کے ساتھ کیا کرنے لگے؟ ایک ایک نماز کی قضا کرنے لگے، تو وہاں انہوں نے فرمایا ہے کہ اس کی فوت شدہ نمازیں جائز ہو جائیں گی اور وقتی نمازیں فاسد ہو جائیں گی اگر مقدم کرے گا، کیا کرے گا ان کو فوت شدہ نمازوں پر؟ مقدم کرے گا تو وہ فاسد ہو جائیں گی، اور اگر مؤخر کرے گا تو عشاءِ اخیرہ ہو گی، عشاءِ اخیرہ ہو جائے گی کیونکہ اس وقت اس کے خیال میں اس کے ذمے کوئی نماز نہیں ہے بھائی۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

تو دوبارہ دیکھیے ترجمہ: «**وَهُوَ الْأَظْهَرُ**»، اور یہ قول زیادہ ظاہر ہے، «**فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِيمَنْ تَرَكَ صَلَاةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ**»، کیونکہ روایت کیا گیا ہے امام محمد رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں جس نے ایک دن رات کی نمازیں چھوڑ دیں، «**وَجَعَلَ يَقْضِي مِنَ الْغَدِ مَعَ كُلِّ وَقْتِيَّةٍ فَائِتَةً**»، اور وہ قضا کرنے لگا اگلے دن ہر وقتی نماز کے ساتھ ایک فوت شدہ نماز، «**فَالْفَوَائِتُ جَائِزَةٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ**»، تو فوت شدہ نمازیں جائز ہیں ہر حال میں۔ ہر حال میں کیا معنی؟ چاہے اس کو وقتی پر مقدم کرے چاہے وقتی سے مؤخر، «**وَالْوَقْتِيَّاتُ فَاسِدَةٌ إِنْ قَدَّمَهَا**»، اور وقتی نمازیں فاسد ہیں اگر ان کو مقدم کرے، «**لِدُخُولِ الْفَوَائِتِ فِي حَدِّ الْقِلَّةِ**»، اس لیے کیونکہ فوت شدہ نمازیں کس میں داخل ہیں؟ حدِ قلت میں داخل ہیں، «**وَإِنْ أَخَّرَهَا فَكَذَلِكَ**»، اور اگر وقتی نمازوں کو مؤخر کیا تو بھی اسی طرح ہیں یعنی وہ فاسد ہیں، «**إِلَّا الْعِشَاءَ الْأَخِيرَةَ**»، سوائے عشاءِ اخیرہ کے، وہ ہو جائے گی، «**لِأَنَّهُ لَا فَائِتَةَ عَلَيْهِ فِي ظَنِّهِ حَالَ أَدَائِهَا**»، اس لیے کیونکہ کوئی فوت شدہ نماز نہیں اس شخص پر «**فِي ظَنِّهِ**» اس کے اپنے گمان کے مطابق «**حَالَ أَدَائِهَا**» اس عشاءِ اخیرہ کو ادا کرنے کی حالت میں، اس وقت اس کا یہ خیال ہے کہ اب میرے ذمے کوئی نماز نہیں تو وہ بھولنے والے کی طرح ہوا اور بھولنے کی صورت میں تو وقتی نماز ہو جاتی ہے قضا سے پہلے

بھی، ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

معلوم ہوا کہ یہ شخص، اس طرح کا کوئی شخص اگر وقتی نماز کو مقدم کرے گا تو پھر اس صورت میں وقتی نمازیں اس کی نہیں ہوں گی، لیکن اگر وقتی نماز کو مؤخر کرتا ہے تو اس صورت میں آخری عشاء کی اس کی نماز ہو جائے گی بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟ ہاں، لیکن آپ حضرات کی نہیں ہو گی بھائی۔ کسی اور کو یہ مسئلہ پیش آیا اس کی عشاءِ اخیرہ ہو جائے گی کب؟ جب وہ کیا کر رہا ہو؟ قضا کو پہلے پڑھ رہا ہو اور وقتی کو بعد میں، اسی ترتیب سے پڑھتا جا رہا تو اس کی عشاءِ اخیرہ ہو جائے گی، آپ لوگوں کی نہیں ہو گی اس لیے کیونکہ آپ کو مسئلے کا پتہ چل گیا بھائی، وہ اور وہ ایسا شخص تھا جس کو مسئلے کا پتہ نہیں تھا اس کا تو یہ خیال تھا میرے ذمے اب کوئی نماز ہی باقی نہیں ہے اور آپ کو تو مسئلے کا علم ہو گیا بھائی۔

■ مسئلہ: وَمَنْ صَلَّى الْعَصْرَ وَهُوَ ذَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ...

«وَمَنْ صَلَّى الْعَصْرَ وَهُوَ ذَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ فَهِيَ فَاسِدَةٌ إِلَّا إِذَا كَانَ فِي آخِرِالْوَقْتِ»، اور جس شخص نے عصر کی نماز پڑھی اس حال میں «وَهُوَ ذَاكِرٌ» کہ اس کو یاد ہے «أَنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ» کہ اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی، «فَهِيَ فَاسِدَةٌ»، تو اس کی یہ عصر کی نماز فاسد ہے یعنی نہیں ہو گی، «إِلَّا إِذَا كَانَ فِي آخِرِالْوَقْتِ»، مگر یہ کہ یہ کس وقت میں ہو؟ آخرِ وقت میں ہو، یعنی اس آخرِ وقت میں اس نے عصر پڑھی ہے تو پھر عصر کی ہو جائے گی ورنہ اس کے ذمے ظہر کی نماز باقی ہے، وقت میں گنجائش ہو تو پھر عصر کی نہیں ہو گی، «وَهِيَ مَسْأَلَةُ التَّرْتِيبِ»، اور یہ مسئلۂ ترتیب ہی ہے بھائی۔

«وَإِذَا فَسَدَتِ الْفَرْضِيَّةُ لَا يَبْطُلُ أَصْلُ الصَّلَاةِ». اچھا بھائی، فرضیت تو باطل ہو گئی۔ مثلاً ایک شخص کے ذمے ہے، جیسے یہ جو ابھی ہم نے مثال پڑھی، قضا نماز کو چاہے مقدم کرے چاہے مؤخر کرے وقتی نماز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد ہو جاتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ وقتی نماز بالکل ہی باطل ہو گئی ختم ہو گئی یا نفل ہو کر باقی رہ جائے گی اور اس کو نفلوں کا ثواب مل جائے گا؟ نفلوں کا ثواب۔ تو یاد رکھیے امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، یہ نفل ہو کر بھی نہیں باقی۔ یہ تحریمہ اس نے کس لیے باندھی تھی؟ فرضوں کے لیے، اور فرض تو ہوئے نہیں لہٰذا تحریمہ ہی باطل ہو گئی لہٰذا نماز ہے ہی نہیں سرے سے۔ اور جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ فرضیت تو باطل ہو جائے گی لیکن اصلِ صلاۃ باطل نہیں ہو گی، یہ نفل ہو کر باقی رہ جائے گی بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے: «وَإِذَا فَسَدَتِ الْفَرْضِيَّةُ»، اور جب فرضیت یعنی فرض ہونا فاسد ہو جائے، «لَا يَبْطُلُ أَصْلُ الصَّلَاةِ»، تو اصلِ صلاۃ باطل نہیں ہو گی بلکہ کیا بن کر باقی رہ جائے گی؟ نفل بن کر۔ «لَا يَبْطُلُ أَصْلُ الصَّلَاةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى»، تو اصلِ صلاۃ باطل نہیں ہو گی شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَبْطُلُ»، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اصلِ صلاۃ ہی باطل ہو جائے گی، «لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ عُقِدَتْ لِلْفَرْضِ»، اس لیے کیونکہ یہ تحریمہ جو ہے اس کو باندھا گیا تھا فرض کے لیے، «فَإِذَا بَطَلَتِ الْفَرْضِيَّةُ بَطَلَتِ التَّحْرِيمَةُ أَصْلًا»، پس جب فرضیت باطل ہو گئی فرضیت باطل ہو گئی تو تحریمہ بھی باطل ہو جائے گا اصلاً سرے سے ہی یعنی قطعی طور پر۔ «وَلَهُمَا»، شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے، بھئی امام محمد رحمہ اللہ کی کیا دلیل تھی؟ کہ یہ تحریمہ کس لیے باندھا گیا ہے؟ فرض کے لیے، اور جب فرض ہونا ہی باطل ہوا تو تحریمہ بھی کیا ہو گیا؟ باطل ہوا لہٰذا نماز ہوئی نہیں، نفل بھی نہیں کچھ بھی نہیں۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا

«وَلَهُمَا»، شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: «أَنَّهَا عُقِدَتْ لِأَصْلِ الصَّلَاةِ بِوَصْفِ الْفَرْضِيَّةِ»، کہ یہ تحریمہ اس کو باندھا گیا ہے اصلِ صلاۃ کے لیے «بِوَصْفِ الْفَرْضِيَّةِ» ساتھ فرضیت کے وصف کے۔ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں یوں نہ کہیں کہ یہ تحریمہ فرضوں کے لیے باندھا گیا تھا، یوں کہیں تحریمہ نماز کے لیے باندھا گیا تھا لیکن وہ نماز موصوف تھی کس چیز کے ساتھ؟ فرضیت کے ساتھ، تو فرض ہونا اس کا وصف تھا، اور جب فرض نہیں ہوئے تو وصف صرف فوت ہوا ہے اور وصف کے فوت ہونے سے اصلِ شے فوت نہیں ہوتی بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو لَهُما شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ «أَنَّهَا عُقِدَتْ لِأَصْلِ الصَّلَاةِ»، کہ تحریمہ جو ہے اس کو اصلِ صلاۃ کے لیے باندھا گیا ہے «بِوَصْفِ الْفَرْضِيَّةِ» ساتھ فرض ہونے کے وصف کے، «فَلَمْ يَكُنْ مِنْ ضَرُورَةِ بُطْلَانِ الْوَصْفِ بُطْلَانُ الْأَصْلِ»، پس وصف کے باطل ہونے کے ساتھ اصل کا باطل ہونا ضروری نہیں ہے، کہ وصف باطل ہو تو اس سے اصل بھی باطل ہو جائے ایسا ضروری نہیں ہے بھائی۔ تو یہ تحریمہ کس لیے باندھا گیا تھا؟ اصلِ صلاۃ کے لیے یعنی یوں کہیں نماز کے لیے، اور نماز کے ساتھ ایک وصف زائد تھا کیا؟ فرضیت، فرض ہونے کا بھی وصف تھا، تو جب فرض ہونا فوت ہوا تو صرف وصف فوت ہوا ہے اس سے اصلِ نماز فوت نہیں ہو گی وہ فاسد نہیں۔

«ثُمَّ الْعَصْرُ يَفْسُدُ فَسَادًا مَوْقُوفًا حَتَّى لَوْ صَلَّى سِتَّ صَلَوَاتٍ وَلَمْ يُعِدِ الظُّهْرَ انْقَلَبَ الْكُلُّ جَائِزًا». اوپر مسئلہ ذکر ہو رہا تھا کہ ایک شخص ہے اس کی ظہر کی نماز باقی ہے اور وہ کون سی نماز پڑھ لیتا ہے؟ عصر کی، تو آپ نے پڑھا کہ اس کی عصر کی نماز نہیں ہو گی کیونکہ اس کے ذمے ایک نماز باقی ہے، فاسد ہو جائے گی۔ تو کیا یہ فاسد ہوئی ہے موقوفاً یا قطعاً؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ موقوفاً فاسد ہوئی ہے، موقوفاً۔ یعنی اس کے یوں کہیں، اس کے صحیح ہونے کی بھی صورت یہ پھر واپس صحیح ہو جائے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ قطعی طور پر فاسد ہو گئی اب اس کے صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ذمے ظہر کی نماز تھی اس نے عصر کی نماز پڑھ لی، عصر کی نماز ہوئی کہ نہیں ہوئی بھائی؟ نہیں ہوئی۔ اس نے پھر اگلی کون سی پڑھ لی؟ مغرب کی پڑھ لی، وہ بھی نہیں ہوئی۔ پھر عشاء کی پڑھ لی، وہ بھی نہیں ہوئی۔ کتنی نمازیں ہو گئیں؟ ظہر سے شروع ہوا تھا سلسلہ بھائی، چار ہو گئیں اس کے ذمے۔ فجر کی اس نے پڑھی، وہ بھی نہیں ہوئی، کتنی ہو گئیں؟ پانچ۔ پھر اگلے دن ظہر کی پھر پڑھی اس نے، وہ بھی نہیں ہوئی اور ظہر کا وقت گزر گیا تو کتنی ہو گئیں اس کے ذمے؟ چھ، اور چھ جب ہوئیں تو ترتیب کیا ہو گئی؟ ساقط ہو گئی۔ جب ترتیب ساقط ہوئی تو اس کی باقی ساری نمازیں صحیح ہو گئیں، یعنی گزشتہ دن کی ظہر وہ تو اس نے ابھی پڑھی ہی نہیں ہے باقی عصر، مغرب، عشاء، فجر اور اگلے دن کی ظہر یہ ساری یہ ادا تو کرتا آیا تھا لیکن یہ کیوں نہیں ہوئی تھیں؟ کیونکہ ترتیب ضروری تھی اور اب تو نمازیں کتنی ہو چکیں؟ چھ، لہٰذا ترتیب کیا ہوئی؟ ساقط، اور وہ فساد موقوف تھا لہٰذا اب وہ ترتیب جب ساقط ہوئی وہ ساری نمازیں کیا ہو گئیں؟ درست ہو گئیں اور اب اس کے ذمے کتنی رہ گئیں؟ ایک نماز باقی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، وہ قطعی طور پر فاسد ہو گئیں بھائی۔

■ مسئلہ: ثُمَّ الْعَصْرُ يَفْسُدُ

«ثُمَّ الْعَصْرُ يَفْسُدُ»، يَفْسُدُ، «ثُمَّ الْعَصْرُ يَفْسُدُ فَسَادًا مَوْقُوفًا»، پھر عصر کی نماز جو ہے وہ فاسد ہو گی فسادِ موقوف کے طور پر، «حَتَّى لَوْ صَلَّى سِتَّ صَلَوَاتٍ»، یہاں تک کہ اگر اس نے چھ نمازیں پڑھ لیں «وَلَمْ يُعِدِ الظُّهْرَ»، اور اس ظہر کی نماز کا اعادہ نہیں کیا جو اس کے ذمے تھی اس کو لوٹایا نہیں، «انْقَلَبَ الْكُلُّ جَائِزًا»، تو ساری کیا ہو جائیں گی؟ جائز ہو جائیں گی۔ «وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، «وَعِنْدَهُمَا يَفْسُدُ فَسَادًا بَاتًّا»، اور صاحبین کے نزدیک یہ فاسد ہوئی ہیں نمازیں «فَسَادًا بَاتًّا»، باتًّا کے معنی ہیں قطعی، قطعی طور پر، کہ یہ قطعی طور پر فاسد ہوئی ہیں بھائی، فسادِ بات کے طور پر یعنی قطعی فساد کے طور پر، «لَا جَوَازَ لَهَا بِحَالٍ»، ان کے لیے جواز نہیں ہے کسی بھی حال میں، یعنی یہ کسی صورت میں بھی اب جائز اور صحیح نہیں ہو سکتیں، «وَقَدْ عُرِفَ ذٰلِكَ فِي مَوْضِعِهِ»، اور تحقیق اس کو جانا گیا ہے اپنے مقام میں۔ اس مسئلے کو جانا گیا یعنی امام صاحب کے نزدیک جو نماز فاسد ہوتی ہے وہ فسادِ موقوف کے طور پر فاسد ہوتی ہے اور صاحبین کے نزدیک کس طریقے پر فاسد ہوتی ہے؟ قطعی طریقے پر فاسد ہو جاتی ہے، اس کو اس مسئلے کو اپنے مقام پر جانا گیا ہے یعنی مبسوط کے اندر کتاب الصلاۃ میں۔ امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مبسوط میں کتاب الصلاۃ کے اندر اس مسئلے کو ذکر فرمایا ہے، تو وہاں سے یہ تفصیل کا اس کا پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک فساد موقوف ہوتا ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک فساد قطعی ہوتا ہے۔

«وَلَوْ صَلَّى الْفَجْرَ وَهُوَ ذَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ يُوتِرْ فَهِيَ فَاسِدَةٌ»، اور اگر ایک شخص نے فجر کی نماز پڑھی «وَهُوَ ذَاكِرٌ» اس حال میں کہ اس کو یاد ہے «أَنَّهُ لَمْ يُوتِرْ» کہ اس نے وتر نہیں پڑھے، «فَهِيَ فَاسِدَةٌ»، تو یہ فجر کی نماز فاسد ہے «عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، کس کے نزدیک؟ امام، امام صاحب کے نزدیک اس کی فجر کی نماز نہیں ہو گی، «خِلَافًا لَهُمَا»، بخلاف صاحبین کے۔ بھائی وجہ یہ کہ امام صاحب کے نزدیک وتر واجب ہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک وتر سنت ہیں سنت ہیں بھائی، اور ترتیب جو فرائض ہیں ان کے درمیان ہوتی ہے، فرضوں اور سنتوں کے درمیان ترتیب واجب نہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ سنتیں تو کیا ہوتی ہیں؟ فرضوں کے تابع ہوتی ہیں۔ تو ایک شخص نے وتر نہیں پڑھے اور فرضوں کے درمیان کیا ضروری؟ ترتیب ضروری، اور وتر بھی فرض ہیں یعنی فرضِ عملی ہے۔ آپ نے پڑھا، ایک ہے واجب، وتر کیا ہیں امام صاحب کے نزدیک؟ واجب۔ بھائی واجب بھی فرضِ عملی ہے۔ ایک ہے عام فرض بھائی۔ آپ نے پڑھا فرض اور واجب میں کیا فرق ہے؟ فرض اسے کہتے ہیں جس میں عمل بھی ضروری ہوتا ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ اگر عقیدہ نہیں رکھے گا تو کافر ہو جائے گا اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص فجر کی نماز پڑھنا بھی مثلاً جتنی پانچ نماز، نمازیں یہ پڑھنا بھی ضروری اور ان کا ان کے فرض ہونے کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اللہ نے یہ پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ عام نمازیں جو ہیں ان میں عقیدہ بھی ضروری اور ان کا پڑھنا بھی ضروری۔ جبکہ واجب جو ہے اس میں عمل تو ضروری ہوتا ہے، عقیدہ ضروری نہیں۔ تو فرضوں کے اندر جو ہے اعتقاد بھی ضروری ہوتا ہے اور عمل بھی ضروری ہوتا ہے۔ عمل نہ کرے گا تو گناہگار ہو گا اور اعتقاد نہیں رکھے گا تو اس کو کیا قرار دیا جائے گا؟ کافر قرار، جبکہ وتر جو ہے وتر واجب ہے اس کے اندر عمل تو ضروری ہے لیکن اعتقاد ضروری نہیں ہے بھائی، اعتقاد ضروری نہیں۔ کیونکہ اس میں آپ نے اختلاف پڑھا فقہاء کا کہ جیسے صاحبین اس کو کیا قرار دیتے ہیں؟ سنت قرار دیتے ہیں، تو یہ تو بہر حال یہ فرضِ عملی ہوا، وتر کیا ہے؟ فرض، اور فرضوں کے درمیان کیا ضروری؟ ترتیب ضروری۔ لہٰذا ایک شخص کے ذمے وتر کی نماز باقی ہے اور وہ فجر پڑھنا چاہتا ہے حالانکہ پہلے کیا ضروری؟ گزشتہ نماز کی قضا کرے اور پھر کیا کرے؟ وقتی نماز پڑھے۔ تو لہٰذا ترتیب ضروری تھی اور اس نے ترتیب کا خیال نہیں رکھا، پہلے کون سی نماز پڑھ لی؟ فجر کی، تو اس کی فجر کی نماز فاسد ہو گی کس کے نزدیک؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، اور صاحبین

کے نزدیک تو وتر کیا ہیں؟ سنت ہیں لہٰذا ان کے نزدیک تو فرض ہیں ہی نہیں لہٰذا ترتیب بھی نہیں ضروری۔

تو کہتے ہیں: «وَلَوْ صَلَّى الْفَجْرَ»، اور فجر کی اگر نماز پڑھی، «وَهُوَ ذَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ يُوتِرْ»، اس حال میں کہ اس کو یاد ہے کہ اس نے وتر نہیں پڑھے، «فَهِيَ فَاسِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، تو فجر کی نماز اس کی فاسد ہے امام صاحب کے نزدیک، «خِلَافًا لَهُمَا»، بخلاف صاحبین کے، «وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى أَنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ عِنْدَهُ سُنَّةٌ عِنْدَهُمَا»، اور اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ وتر جو ہیں امام صاحب کے نزدیک واجب ہیں اور صاحبین کے نزدیک سنت ہیں، «وَلَا تَرْتِيبَ فِيمَا بَيْنَ الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ»، اور ترتیب نہیں ہے فرضوں اور سنتوں کے درمیان یعنی فرض نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَعَلَى هَذَا إِذَا صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ تَوَضَّ...

«وَعَلَى هَذَا إِذَا صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَصَلَّى السُّنَّةَ وَالْوِتْرَ ثُمَّ تَبَيَّنَ أَنَّهُ»، اور اسی پر ہے کہ ایک شخص نے، صورت یہ کہ ایک شخص نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر بعد میں اس نے سنتوں اور وتر کے لیے پھر اس نے وضو کیا یعنی کچھ دیر ٹھہر گیا ہو گا اور پھر اس نے وضو کر کے سنتیں اور وتر ادا کر لیے۔ پھر اس کو یاد آیا خیال آیا پتہ چلا کہ بھائی میں نے تو عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی، بغیر، اسی لیے وتر اور سنت سے پہلے وضو کی قید لگائی کہ اس سے پہلے وہ کیا کر لیتا ہے؟ دوبارہ وضو۔ اور تو ان کو تو اس نے قطعی طور پر وضو سے ہی ادا کیا ہے، البتہ عشاء کے بارے میں اس کو یاد آیا یا اس کو پتہ چلا بدن سے کہیں سے خون نکلا ہوا تھا پہلے کا، تو بہر حال اس کو پتہ چلا کہ میں نے عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی۔ تو اب اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ عشاء کی نماز دوبارہ پڑھے گا یا نہیں؟ عشاء کی نماز دوبارہ پڑھے گا۔ تو کیا سنتیں اور وتر بھی دوبارہ پڑھے گا یا نہیں؟

تو صاحبین فرماتے ہیں سنتیں اور وتر دوبارہ پڑھے گا کیونکہ سنتیں اور وتر یہ وتر بھی سنت ہیں اور سنتیں کس کے تابع ہوتی ہیں؟ فرضوں کے تابع، تو یہ ان کا محل فرضوں کے بعد تھا، اگر ان کو نہیں لوٹاتا یہ تو فرضوں سے پہلے ہو جائیں گی، پہلے تو ان کا محل نہیں، لہٰذا فرض جب پڑھے تو پھر کیا کرے؟ سنتیں بھی لوٹائے اور وتر کو بھی لوٹائے۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ سنتیں تو لوٹائے گا لیکن وتر نہیں، کیونکہ وتر واجب ہے، فرضِ عملی ہے ان کے نزدیک، اور وتر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ آپ نے کیا پڑھا تھا؟ وہی وقت ہے اس کا جو عشاء کا وقت ہے بھائی۔ تو اس نے وتر کو اپنے وقت کے اندر پڑھا ہے تو یہ واجب ہے، یہ فرضوں کے تابع نہیں ہے بھائی۔ وتر کا بھی وہی وقت ہے جو عشاء کا وقت ہے بھائی۔

«وَعَلَى هَذَا»، اور اسی بناء پر، «إِذَا صَلَّى الْعِشَاءَ»، جب ایک شخص نے اس شخص نے عشاء کی نماز پڑھی، «ثُمَّ تَوَضَّأَ وَصَلَّى السُّنَّةَ وَالْوِتْرَ»، پھر وضو کیا اور سنت اور وتر پڑھے، «ثُمَّ تَبَيَّنَ»، پھر یہ بات ظاہر ہوئی «أَنَّهُ صَلَّى الْعِشَاءَ بِغَيْرِ طَهَارَةٍ»، کہ اس نے عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھی ہے، «فَعِنْدَهُ»، تو امام صاحب کے نزدیک «يُعِيدُ الْعِشَاءَ وَالسُّنَّةَ دُونَ الْوِتْرِ»، تو وہ عشاء اور سنت کا اس کو تو لوٹائے گا ان کا تو اعادہ کرے گا «دُونَ الْوِتْرِ» نہ کہ وتر کا، «لِأَنَّ الْوِتْرَ فَرْضٌ عَلَى حِدَةٍ عِنْدَهُ»، اس لیے کیونکہ وتر جو ہیں وہ علیحدہ فرض ہیں یعنی فرضِ عملی ہیں امام صاحب کے نزدیک، «وَعِنْدَهُمَا يُعِيدُ الْوِتْرَ أَيْضًا»، اور صاحبین کے نزدیک وتر کا بھی اعادہ کرے گا «لِكَوْنِهِ تَبَعًا لِلْعِشَاءِ»، اس لیے کیونکہ وتر سنت ہیں اور سنت کیا ہوتی ہے؟ عشاء کے تابع۔ «لِكَوْنِهِ تَبَعًا لِلْعِشَاءِ»، اس لیے کیونکہ وتر عشاء کے تابع ہیں، «وَاللَّهُ أَعْلَمُ»، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

سمجھے؟ ویسے تو ترتیب ضروری کہ اول عشاء فرض، فرض پڑھے جائیں گے پھر کیا ہوں گے؟ وتر ہوں گے۔ تو اس نے بھی تو یہاں ایسا ہی کیا تھا، پہلے کیا پڑھے تھے؟ فرض ہی پڑھے تھے، اس کے بعد اس نے وتر پڑھے ہیں تو لیکن پھر فرضوں کا پتہ لگا کہ وہ ہوئے نہیں، تو بہر حال وتر کو اب لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اپنے وقت کے اندر پڑھے گئے ہیں تو عشاء کی نماز دوبارہ پڑھے گا۔

چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۰: بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ

ہدایہ صفحہ: ۱۶۴ــــ بتاریخ: ۲۱ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ «يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ السَّلَامِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ ثُمَّ يُسَلِّمُ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً يَسْجُدُ قَبْلَ السَّلَامِ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ لِلسَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ، وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ السَّلَامِ، وَرُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ».

«**بَابُ سُجُودِالسَّهْوِ**» یہ باب ہے سجدہ سہو کے بیان میں۔

ادا اور قضا کا بیان مکمل ہوا۔ اب اس ادا یا قضا کے اندر اگر کوئی بھول ہو جائے، سہو کا معنی ہے بھول بھائی بھول اور غلطی بھائی، تو نماز کے اندر اگر کوئی بھول یا غلطی ہو جائے تو آپ جانتے ہیں کہ اس صورت میں آخر میں سجدہ سہو کیا جاتا ہے بھائی سہو کے دو سجدے کیے جاتے ہیں۔

اور طریقہ تو آپ کو علم ہو گا ہی کہ آخری تشہد میں جب تشہد پڑھ لیا جائے «**عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ**» تک یعنی درود سے پہلے ہی دائیں طرف سلام پھیرا جاتا ہے اور پھر اس کے بعد سہو کے دو سجدے کیے جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد دوبارہ تشہد، درود اور دعا پڑھی جاتی ہے اور پھر سلام پھیر دیا جاتا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیے بھائی کہ سجدہ سہو جو ہے واجب کے ترک پر یا واجب میں تاخیر وغیرہ ہو جائے تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ تفصیل آگے اس باب کے اندر آ رہی ہے بھائی کہ کس صورت میں سجدہ سہو واجب ہو گا۔ تو بہر حال خلاصہ حاصل کلام یہ کہ کوئی واجب چھوٹ جائے یا اسی طرح ان میں تاخیر ارکان میں تاخیر ہو جائے تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

اور واجب چھوٹنے پر سجدہ سہو ہے جب بھولے سے واجب کو بھولے سے واجب رہ جائے۔ اگر جان بوجھ کر کوئی واجب کو چھوڑتا ہے تو پھر اس صورت میں سجدہ سہو کرنے سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی، اس کو دوبارہ نماز پڑھنا پڑے گی بھائی۔ تو اگر بھولے سے واجب چھوٹ جائے تو اس صورت میں سجدہ سہو کرنے پڑیں گے بھائی۔

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھیے کہ آگے یہ ذکر بھی کریں گے صاحبِ ہدایہ بھائی کہ سہو کے سجدے چاہے سلام سے پہلے کیے جائیں چاہے سلام کے بعد کیے جائیں، دونوں صورتوں میں دونوں صورتیں جائز ہیں۔ البتہ ہمارے نزدیک **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** اولیٰ یہ ہے، بہتر یہ ہے کہ سہو کے سجدے سلام کے بعد کیے جائیں۔ اگر پہلے بھی کوئی کر لیتا ہے تو وہ سجدہ سہو ہو جائیں گے بھائی۔

اور نیز یہ بھی یاد رکھیے کہ ہم عموماً ہم رائج کیا طریقہ ہے، کس طریقے پر فقہاء کے کس قول پر عمل ہوتا ہے؟ ایک طرف سلام کرنے کے بعد سجدہ سہو کیے جاتے ہیں جبکہ صاحب ہدایہ ذکر فرمائیں گے کہ دونوں طرف سلام کرنے کے بعد پھر سہو کے سجدے کیے جائیں۔ تو بہر حال جس طریقے کو بھی اختیار کر لیا جائے، چاہے ایک طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کر لیں یا دونوں طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کر لیں تو وہ سجدے ہو جائیں گے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟

اور یہ بھی مسئلہ یاد رکھیے، بڑی قیمتی بات بھائی۔ ایک شخص نے ایک شخص مثلاً آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور کوئی واجب آپ سے بھولے سے رہ گیا اور آپ نے ارادہ کیا کہ آخر میں میں سجدہ سہو کروں گا۔ آخر میں آپ بھول گئے، آپ سلام پھیر کر بیٹھ گئے۔ تو جب تک آپ قبلہ رخ بیٹھے ہیں اور آپ کا سینہ قبلے سے نہیں پھیرا اور نماز کے منافی یعنی کوئی عمل نہیں کیا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کسی سے کلام وغیرہ نہیں کیا، نماز کے منافی کوئی کوئی چیز آپ نے کھائی پی نہیں اور اسی طرح سلام کے بعد قبلہ رخ بیٹھے ہوئے ہیں، بیشک آپ نے اور ذکر بھی شروع کر دیا، درود شریف پڑھتے جا رہے ہیں یا «**لَا إِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ**»، «**سُبْحَانَ اللّٰهِ**»، «**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**» وغیرہ پڑھتے جا رہے

ہیں اور دس پندرہ منٹ گزر گئے آپ اسی ذکر کے اندر مشغول ہیں لیکن نماز کے منافی کوئی عمل ابھی تک آپ نے نہیں کیا اور آپ کا سینہ بھی قبلے سے نہیں پھیرا، تو اب اب پھر اچانک آپ کو یاد آیا: اوہو، نماز کے اندر تو میرے سے میرے سے بھول ہوئی تھی، میرے ذمے سہو کے دو سجدے تھے۔ تو پھر آپ اسی وقت کیا کر سکتے ہیں؟ سہو کے دو سجدے کر سکتے ہیں، کیونکہ ابھی تک آپ نے نماز کے منافی کوئی عمل نہیں کیا۔ لیکن اگر نماز کے منافی عمل کر لیا ہے تو بس پھر اب سہو کے سجدوں سے وہ وہ درست نہیں ہو گی، اب پھر نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا، نماز پھر لوٹانا پڑے گی بھائی۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟ جی، اب دیکھیے کتاب پر بھائی۔

■ مسئلہ: بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ

«**بَابُ سُجُودِالسَّهْوِ**» یہ باب ہے سہو کے سجدے کے بیان میں۔ «**يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ السَّلَامِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ ثُمَّ يُسَلِّمُ**» سجدہ کرے سہو کا زیادتی کی صورت میں بھی اور کمی کی صورت نماز میں کوئی زیادتی کر دے مثلاً دو کے بجائے تین سجدے کر دیے، ایک رکوع کے بجائے دو رکوع کر دیے تو یہ زیادتی کر دی، اس صورت میں بھی سہو کے سجدے کریں گے سہو کا سجدہ کریں گے، «**وَالنُّقْصَانِ**» اور کمی کر دی مثلاً کوئی واجب چھوٹ گیا، تو کہتے ہیں «**يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ سَجْدَتَيْنِ**» اور سہو کے سجدہ کرے زیادتی اور کمی کی صورت میں «**سَجْدَتَيْنِ**» دو سجدے نماز پڑھنے والا «**بَعْدَ السَّلَامِ**» کس کے بعد؟ سلام کے بعد، «**ثُمَّ يَتَشَهَّدُ**» پھر تشہد پڑھے، «**ثُمَّ يُسَلِّمُ**» پھر سلام پھیر دے۔

«**وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَسْجُدُ قَبْلَ السَّلَامِ**» اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ کرے «**قَبْلَ السَّلَامِ**» سلام سے پہلے۔ ہمارے نزدیک سلام کے بعد اور ان کے نزدیک سلام سے پہلے۔ دلیل ان کی وہ فرماتے ہیں: «**لِمَا رُوِيَ**» بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی ہے «**أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ لِلسَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ**» کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا سہو کا «**قَبْلَ السَّلَامِ**» سلام سے پہلے، یہ حدیث میں آیا ہے۔ تو معلوم ہوا سلام سے پہلے ہوں گے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل تھی۔

«**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل «**قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» حضور علیہ السلام کا قول ہے: «**لِكُلِّ سَهْوٍسَجْدَتَانِ**» ہر بھول کے جو ہیں ہر غلطی کے جو ہیں «**سَجْدَتَانِ**» دو سجدے ہیں «**بَعْدَ السَّلَامِ**» کس کے بعد؟ سلام کے بعد۔ نیز دوسری حدیث ہے «**وَرُوِيَ**» اور روایت کیا گیا ہے «**أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَالسَّلَامِ**» کہ حضور علیہ السلام نے سجدہ فرمایا «**سَجْدَتَيِ السَّهْوِ**» اصل میں تھا «**سَجْدَتَيْنِ السَّهْوِ**»، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، حضور علیہ السلام نے سجدہ فرمایا سہو کے دو سجدے «**بَعْدَ السَّلَامِ**» کس کے بعد؟ سلام کے بعد بھائی۔

تو دیکھیے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل وہ صرف فعلی حدیث ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کا فعل نقل فرما کیا گیا کہ حضور علیہ السلام نے سہو کے سجدے سلام سے پہلے فرمائے۔ تو دیکھو فعل ذکر ہے حضور علیہ السلام کا قول ذکر نہیں، جبکہ ہمارے پاس دو حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث کون سی؟ حضور علیہ السلام کا قول ہے، حضور علیہ السلام باقاعدہ خود فرما رہے ہیں اپنی زبان مبارک سے کہ سہو کے دو سجدے ہیں بعد السلام، کس کے بعد؟ سلام کے بعد۔ اور نیز دوسری حدیث کہ حضور علیہ السلام نے سلام کے بعد سہو کے دو سجدے فرمائے۔ تو ہماری حدیث قولی بھی ہے اور فعلی، ایک میں قول ذکر ہے حضور علیہ السلام کا ایک میں حضور علیہ السلام کا فعل ذکر ہے۔

تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «**فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَافِعْلِهِ**»، «**رِوَايَتَا**» اصل میں تھا «**رِوَايَتَانِ فِعْلِهِ**»، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں «**فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَافِعْلِهِ**» حضور علیہ السلام کے فعل کی دو روایتیں جو ہیں «**تَعَارَضَتْ**» ان میں باہم کیا آ گیا؟ تعارض آ گیا، مقابلہ آ گیا۔ ایک حضور ایک حدیث سے کیا معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے کس طرح کیے سہو کے سجدے؟ سلام سے پہلے۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے سہو کے سجدے کیے سلام کے بعد۔ تو دونوں روایتوں میں تعارض آ گیا، «**وَإِذَا تَعَارَضَاتَسَاقَطَا**» تو جب تعارض آیا تو دونوں ساقط ہو گئیں، دونوں حدیث کیا ہوئیں؟ ساقط ہو گئیں۔ اب صرف قولی حدیث باقی رہ گئی، اس کے مقابل کوئی اور حدیث نہیں۔ اور اس میں تو کیا آیا تھا کہ حضور علیہ السلام خود فرما رہے ہیں کہ سہو کے دو سجدے ہیں سلام کے بعد، تو اس سے استدلال کیا جائے گا اور وہ ہماری مؤید ہے وہ حدیث، وہ کیا بتلا رہی ہے کہ سہو کے سجدے کب ہوں گے؟ سلام کے بعد ہوں گے جیسے کہ احناف کا مذہب ہے۔

■ مسئلہ: فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَافِعْلِهِ فَبَقِيَ التَّمَسُّكُ...

«**فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَا فِعْلِهِ فَبَقِيَ التَّمَسُّكُ بِقَوْلِهِ سَالِمًا**»، تمسک کا معنی استدلال کرنا، دلیل پکڑنا۔ پس باقی رہا دلیل پکڑنا حضور علیہ السلام کے قول کے ساتھ «**سَالِمًا**» سالم ہو کر۔ وہ سالم ہو کر حضور علیہ السلام کے قول سے استدلال کرنا سالم ہو کر باقی رہ گیا یعنی اس کے معارض اور مقابل کوئی حدیث نہیں۔

«**وَلِأَنَّ**» جی، پہلے نقلی دلیل ذکر کر دی، اب صاحبِ ہدایہ عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں کہ عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ سہو کے سجدے سلام کے بعد ہونے

چاہئیں۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ بھائی دیکھیے، سجدہ سہو جو ہے اس میں تکرار نہیں۔ اس میں تکرار نہیں، سہو کے دو ہی سجدے ہیں ایک ہی دفعہ کیے جائیں گے، بار بار ان کو نہیں کیا جائے گا۔ تو ان کو سلام کے بعد ہی ہونا چاہیے تاکہ اگر سلام تک بھی کوئی غلطی ہو جائے سلام میں بھی تاخیر ہو جائے، مثلاً ایک آدمی ہے اور اب آخری قعدے کے اندر سلام کا وقت آ گیا لیکن وہ سوچ میں پڑ گیا کہ میں نے پتہ نہیں تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں اور اس میں کم از کم وہ اس نے تاخیر کر دی تین «سُبْحَانَ اللّٰهِ» کہنے کی مقدار۔ اتنی دیر تک وہ سوچتا ہی رہا اور اتنی تاخیر ہو جائے تو آپ جانتے ہیں کہ اس صورت میں کیا آتا ہے؟ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ تو اگر اس نے پہلے ہی سجدہ سہو کیا ہوا تو اب پھر کمی آ گئی نماز کے اندر نقصان آ گیا کہ اس نے سلام میں تاخیر کر دی تو پھر سجدہ سہو کا کیا کرنا پڑے گا؟ دوبارہ کرنا پڑیں گے اور دوبارہ تو وہ مشروع ہیں ہی نہیں، سجدہ سہو تو کتنی دفعہ کرنے ہیں؟ ایک ہی دفعہ وہ مشروع ہیں، تو اس طرح نماز کے اندر کمی رہ جائے گی اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن اگر سجدہ سہو کب ہوں؟ سلام کے بعد ہوں تو اس صورت میں یہ جو کمی آئی اس کی بھی کیا ہو جائے گی؟ تلافی ہو جائے گی کیونکہ نماز کے اندر چاہے ایک واجب بھولے سے رہ جائے چاہے ایک سے زیادہ واجب بھولے سے رہ جائیں، ایک ہی سجدہ سہو کرنا پڑے گا اور یعنی دو سجدے اکٹھے اور اس سے ان سب کی کیا ہو جائے گی؟ تلافی ہو جائے گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو عقل بھی کیا کرتی؟ تائید کرتی ہے کہ سہو کے سجدوں کو کب ہونا چاہیے؟ سلام کے بعد۔

«وَلِأَنَّ سُجُودَ السَّهْوِ مِمَّا لَا يَتَكَرَّرُ» اور اس لیے کیونکہ سہو کا جو سجدہ ہے ان چیزوں میں سے ہے جس میں تکرار نہیں ہے «فَيُؤَخَّرُ عَنِ السَّلَامِ» تو اس کو مؤخر کیا جائے گا سلام سے «حَتَّى لَوْ سَهَا عَنِ السَّلَامِ» یہاں تک کہ اگر اس سے سہو ہو گیا سلام سے یعنی سلام میں سہو ہو گیا یعنی اس میں دیر تاخیر وغیرہ ہو گئی «يَنْجَبِرُ بِهِ» تو اس سے اس کی تلافی ہو جائے گی «وَهٰذَا الْخِلَافُ فِي الْأَوْلَوِيَّةِ» اور یہ جو اختلاف ہے احناف اور شوافع کا یہ اولیٰ ہونے میں ہے، کس چیز میں ہے؟ اولیٰ۔ ان کے نزدیک امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اولیٰ اور بہتر کیا ہے؟ سجدہ سہو سلام سے پہلے۔ اور ہمارے نزدیک اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ سجدہ سہو سلام کے بعد ہونا چاہیے، باقی جواز اور عدمِ جواز کا اختلاف نہیں۔ ہمارے نزدیک بھی اگر سلام سے پہلے کر دے گا تو جائز ہو جائیں گے لیکن اولیٰ کیا ہے؟ سلام کے بعد کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اولیٰ یہ ہے کہ سلام سے پہلے کرے لیکن اگر سلام کے بعد بھی کر لے گا تو بھی جائز ہے۔ تو یہ اختلاف جو ہے «فِي الْأَوْلَوِيَّةِ» اولیٰ ہونے میں ہے۔

■ مسئلہ: وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ

«وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ» اچھا بھائی، سجدہ سہو سے پہلے سلام کیا جائے گا کیونکہ سجدہ سہو کس کے بعد ہے؟ سلام کے بعد۔ تو اب اس سلام میں ایک طرف صرف دائیں طرف سلام پھیر اجائے گا یا دونوں طرف سلام پھیر اجائے گا اور پھر سہو کے سجدے کیے جائیں گے؟ تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ» اور دو سلام لے کر آئے یعنی دو سلام کرے «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے «صَرْفًا لِلسَّلَامِ الْمَذْكُورِ إِلَى مَا هُوَالْمَعْهُودُ» تاکہ پھیر اجائے اس سلام کو جو ذکر کیا گیا حدیث کے اندر «إِلَى مَا هُوَالْمَعْهُودُ» اس سلام کی طرف جو معلوم ہے، متعین ہے اور معلوم سلام کیا ہے نماز کے آخر میں، ایک طرف یا دونوں طرف؟ نماز کے آخر میں دونوں طرف سلام پھیر اجاتا ہے۔ تو وہ جو معلوم سلام ہے اس حدیث میں جو سلام کا لفظ آیا اس سلام کو اس کی طرف پھیر دیں گے اور وہ مراد ہو گا اس سے اور وہ تو ایک طرف ہے یا دو طرف؟ دو طرف، تو لہٰذا یہاں پر بھی سہو کے سجدوں سے پہلے دونوں طرف سلام پھیر اجائے گا، کیا کیا جائے گا؟ دونوں طرف سلام پھیر اجائے گا اور پھر سہو کے سجدے کیے جائیں گے۔ عبارت سمجھ میں آئی بھائی؟ تو صاحبِ ہدایہ نے اس قول کو ترجیح دی کہ سہو کے سجدوں سے پہلے دونوں طرف سلام پھیر اجائے اور پھر سجدے کیے جائیں۔ جبکہ اور کئی فقہاء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ صرف دائیں طرف سلام پھیر اجائے گا اور پھر کیا کیا جائے گا؟ سہو کے دو سجدے کیے جائیں گے اور انہی کے قول پر آپ دیکھتے ہیں عمل جاری ہے بھائی۔ معلوم ہوا اس قول کو فقہاء نے راجح قرار دیا ہے، تو بہر حال صاحبِ ہدایہ نے اس قول کو راجح قرار دیا اور اس کو صحیح کہا۔

تو کہتے ہیں «وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ هُوَالصَّحِيحُ» اور لے کر آئے دو سلام یعنی دو سلام کرے «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے «صَرْفًا لِلسَّلَامِ الْمَذْكُورِ» تاکہ پھیر اجائے اس سلام کو جو ذکر کیا گیا «إِلَى مَا هُوَالْمَعْهُودُ» اس سلام کی طرف جو متعین ہے، معلوم ہے۔

«وَيَأْتِي بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالدُّعَاءِ» اور لے کر آئے یعنی درود کو حضور علیہ السلام پر «وَالدُّعَاءِ» اور دعا کو «فِي قَعْدَةِ السَّهْوِ» کس کے اندر؟ سہو کے قعدے میں، یعنی سہو کے دو سجدوں کے بعد جو قعدہ کیا ہے جو بیٹھا ہے اس میں درود بھی پڑھے اور دعا بھی پڑھے «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے «لِأَنَّ الدُّعَاءَ مَوْضِعُهُ آخِرُالصَّلَاةِ» اس لیے کیونکہ دعا جو ہے اس کا مقام نماز کا آخر ہے، اور اب نماز کا آخر آیا سہو کے جو سجدے کر لیے تو اب نماز کا آخر آیا تو اب درود پڑھے کیونکہ درود بھی حضور علیہ السلام کے لیے دعا ہے اور اپنے لیے بھی پھر کیا کر لے؟ دعا کر لے کیونکہ دعا کا مقام آخرِ صلاۃ ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَيَلْزَمُهُ السَّهْوُ إِذَا زَادَ فِي صَلَ...

«قَالَ: وَيَلْزَمُهُ السَّهْوُ إِذَا زَادَ فِي صَلَاتِهِ فِعْلًا مِنْ جِنْسِهَا لَيْسَ مِنْهَا» اور لازم ہو جائے گا اس پر نماز پڑھنے والے پر سہو یعنی سہو کا سجدہ «إِذَا زَادَ فِي صَلَاتِهِ» جب وہ زیادتی کر دے یعنی بڑھا دے اپنی نماز میں «فِعْلًا» کوئی ایسا فعل «مِنْ جِنْسِهَا» جو اس نماز کی جنس میں سے ہو «لَيْسَ مِنْهَا»

لیکن نماز میں سے نہ ہو۔ نماز کے افعال کی جنس میں سے تو ہے لیکن نماز میں سے نہیں۔ نماز کے افعال کی جنس میں سے ہو لیکن نماز میں سے نہ ہو، مثلاً دو کے بجائے کتنے سجدے کر دیے؟ تین سجدے کر دیے۔ اب یہ تیسرا سجدہ جو ہے یہ نماز کے افعال کی جنس میں سے ہے، نماز میں بھی کیا کیے جاتے ہیں؟ سجدے تو کیے جاتے ہیں، لیکن یہ والا سجدہ نماز میں سے نہیں ہے کیونکہ دو سجدے کیے جاتے ہیں تیسرا نہیں، تو یہ نماز کی جنس میں سے تو ہے لیکن نماز میں نہیں ہے۔ تو اس قسم کی اگر زیادتی کر دی تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔

«وَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ سَجْدَةَ السَّهْوِوَاجِبَةٌ» اور یہ عبارت جو ہے صاحبِ قدوری کا یہ قول، کون سا؟ «وَيَلْزَمُهُ» اور اس پر سہو لازم ہے یعنی سہو کے سجدے لازم ہیں، دیکھو یہ لازم کا لفظ جو ہے دلالت کر رہا ہے «عَلَى أَنَّ سَجْدَةَ السَّهْوِوَاجِبَةٌ» کہ سہو کا سجدہ واجب ہے «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے «لِأَنَّهَا تَجِبُ لِجَبْرِ نُقْصَانٍ تَمَكَّنَ فِي الْعِبَادَةِ فَتَكُونُوَاجِبَةً»۔

«لِأَنَّهَا تَجِبُ»، بھائی یہاں تجب کا معنی تثبت کے کرنا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس لیے کیونکہ یہ واجب ہونے کی دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، کس چیز کی دلیل؟ کہ یہ سجدہ سہو واجب ہیں، واجب ہیں۔ تو لہٰذا جب دلیل ذکر کر رہے ہیں تو یہاں تجب کے معنی اگر یہ ترجمہ کریں «لِأَنَّهَا تَجِبُ» اس لیے کیونکہ سہو کے سجدے واجب ہوتے ہیں، بھائی واجب ہونے کی تو دلیل ذکر کی جا رہی ہے تو واجب ہونے پہلے یہ تو ہمیں بتائیں کہ یہ واجب ہیں بھی یا واجب نہیں؟ تو لہٰذا یہاں واجب کا معنی واجب کے نہ کریں بلکہ کیا معنی کریں؟ «تَجِبُ أَيْ تَثْبُتُ» ثابت ہونے کے معنی میں کریں اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ وجب یجب ثبت کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے بھائی۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهَا تَجِبُ

«لِأَنَّهَا تَجِبُ» اس لیے کیونکہ یہ سجدہ سہو جو ہے یہ ثابت ہوتا ہے «لِجَبْرِ نُقْصَانٍ تَمَكَّنَ»، بھائی نقصان نکرہ آیا اور تمکن یہ فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت عموماً بنتا ہے اور اس صورت میں موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ اب ترجمہ سنیے: «لِأَنَّهَا تَجِبُ» اس لیے کیونکہ سہو کا سجدہ جو ہے یہ ثابت ہوتا ہے «لِجَبْرِ نُقْصَانٍ» ایسے نقصان کی تلافی کے لیے «تَمَكَّنَ فِي الْعِبَادَةِ» جو آ گیا ہے کس کے اندر؟ عبادت میں، ایک ایسا نقصان جو عبادت کے اندر آ گیا ہے اس کی تلافی کے لیے یہ ثابت ہوتا ہے «فَتَكُونُ وَاجِبَةً» تو یہ کیا ہو گا؟ واجب ہو گا «كَالدِّمَاءِ فِي الْحَجِّ» جیسے کہ دم ہیں، قربانیاں ہیں «فِي الْحَجِّ» کس کے اندر؟ حج کے اندر۔ بھائی آپ نے اگر کتاب الحج کے اندر احکام آپ کو یاد ہوں، آپ نے پڑھے ہوں گذشتہ کتابوں کے اندر، آپ نے پڑھا ہو گا وہاں کہ حج کے اندر بعض چیزیں واجب ہیں اور واجب اگر کوئی رہ جائے تو اس صورت میں حاجی پر دم یعنی قربانی واجب ہوتی ہے، اس کو ایک جانور کی قربانی کرنا پڑے گی پھر ہی اس کی تلافی اس غلطی کی کیا ہو گی؟ تلافی ہو گی بھائی۔ تو جیسے حج کے اندر قربانیاں نقصان کی تلافی کے لیے آتی ہیں اور وہ کیا ہوتی ہیں؟ واجب ہوتی ہیں، تو یہاں پر بھی عبادت کے اندر کیا آ گیا؟ نقصان اور کمی آ گئی، تو اس کی وجہ سے سہو کے جو سجدے ہوں گے وہ بھی کیا ہوں گے؟ واجب ہوں گے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «كَالدِّمَاءِ فِي الْحَجِّ» جیسے کہ قربانیاں ہیں حج کے اندر۔

«وَإِذَا كَانَ وَاجِبًا لَا يَجِبُ إِلَّا بِتَرْكِوَاجِبٍ» اور جب یہ سہو کا سجدہ واجب ہے تو پھر یہ واجب بھی نہیں ہو گا «إِلَّا بِتَرْكِوَاجِبٍ» مگر کسی واجب کو چھوڑنے سے ہی «أَوْ تَأْخِيرِهِ» یا واجب کو مؤخر کرنے سے «أَوْ تَأْخِيرِرُكْنٍ» یا کسی رکن کو مؤخر کرنے سے «سَاهِيًا» بھولے سے، «هٰذَا هُوَالْأَصْلُ» یہی ضابطہ ہے، یہی اصل ہے۔ جب یہ واجب ہے، سجدہ سہو کیا ہے؟ واجب، تو یہ کسی واجب کے چھوٹنے پر ہی آنا چاہیے، سنت کے چھوٹنے پر نہیں بھائی کیونکہ واجب کا درجہ سنت سے بڑھ کر ہے بھائی۔

تو «وَإِذَا كَانَ وَاجِبًا لَا يَجِبُ إِلَّا بِتَرْكِ وَاجِبٍ أَوْ تَأْخِيرِهِ أَوْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ سَاهِيًا هٰذَا هُوَالْأَصْلُ» اور جب یہ واجب ہے تو یہ واجب بھی نہیں ہو گا مگر کسی واجب کو چھوڑنے سے ہی یا واجب کے اندر تاخیر اس کو مؤخر کرنے سے یا کسی رکن کو مؤخر کرنے سے بھولے سے، یہی اصل ہے۔ معلوم ہوا کوئی واجب اگر چھوٹ گیا یا واجب میں تاخیر کر دی اپنے محل سے اس کو مؤخر کر دیا یا کسی رکن کو یعنی فرض کو کیا کر دیا؟ مؤخر کر دیا، ان سب صورتوں کے اندر کیا واجب ہو گا؟ سجدہ سہو واجب ہو گا۔

کوئی واجب چھوٹ گیا اس کی مثال: مثلاً نماز میں درمیان والا قعدہ کیا ہے؟ واجب۔ دو رکعت کے بعد جو قعدہ تھا وہ واجب۔ کوئی بھولے سے وہ قعدہ کرنے کے بجائے سیدھا کھڑا ہو گیا تو اب وہ واجب رہ گیا تو اب سجدہ سہو واجب ہو گا۔ اسی طرح اگر واجب کے اندر تاخیر آ جائے، وہ مؤخر ہو جائے مؤخر کر دے اس کو، مثلاً سلام کے اندر کیا کر دی؟ تاخیر کر دی، تین «سُبْحَانَ اللّٰهِ» کہنے کی مقدار تک وہ سوچ میں ہی پڑا رہا تو سلام تو واجب تھا تو واجب میں کیا آ گئی؟ تاخیر، تو اس صورت میں بھی سہو کے سجدے واجب ہوں گے۔ اسی طرح رکن کے اندر تاخیر کر دی، مثلاً دو دو سجدوں کے بجائے تین سجدے کر دیے تو تیسرا سجدہ جب کیا تو دو سجدوں کے بعد تو قیام چاہیے تھا تو اس صورت میں کیا آیا؟ قیام میں تاخیر آ گئی، لہٰذا اس وجہ سے بھی کیا ہو گا؟ سجدہ سہو واجب ہو گا۔ «هٰذَا هُوَالْأَصْلُ» یہی ضابطہ ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنَّمَا وَجَبَتْ بِالزِّيَادَةِ

«وَإِنَّمَا وَجَبَتْ بِالزِّيَادَةِ» یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ٹھیک ہے کوئی واجب بھولے سے رہ گیا اس صورت میں تو سجدہ سہو واجب ہونا چاہیے کیونکہ نماز میں کمی آگئی، لیکن اگر کچھ زیادتی کر دی مثلاً دو کے بجائے تین سجدے کر دیے یا دو ایک رکوع کے بجائے دو رکوع کر دیے تو اس زیادتی کی صورت میں کیوں سجدہ سہو واجب ہو گا؟ تو اس کا جواب ذکر کر رہے ہیں: «وَإِنَّمَا وَجَبَتْ بِالزِّيَادَةِ» اور زیادتی کی وجہ سے بھی سجدہ سہو واجب ہو گا «لِأَنَّهَا لَا تَعْرَى عَنْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ أَوْ تَرْكِ وَاجِبٍ»، عَرِيَ يَعْرَى کے معنی خالی ہونا، اس لیے کیونکہ یہ جو زیادتی جو ہے یہ بھی خالی نہیں ہے «عَنْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ» کسی رکن کے مؤخر کرنے سے «أَوْ تَرْكِ وَاجِبٍ» یا واجب کو چھوڑنے، اس لیے کیونکہ جب کسی عمل کو زیادہ کرے گا نماز کے اندر مثلاً دو کے بجائے کیا کر دیے؟ تین سجدے، تو اس صورت میں بھی کسی واجب کے اندر یا تو واجب کے اندر تاخیر آجائے گی یا کسی فرض کے اندر رکن کے اندر کیا آجائے گی؟ تاخیر آجائے گی، تو لہٰذا اس صورت میں بھی سجدہ سہو واجب ہو گا۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ تو سجدہ سہو کب واجب ہو گا؟ جب کوئی واجب بھولے سے رہ جائے یا اس میں اس کو کیا کر دے؟ مؤخر کر، ضابطہ بھائی وہ ضابطے پہ نظر رکھیں۔ کسی واجب کو چھوڑ دے یا واجب کو کیا کر دے؟ مؤخر کر دے یا کسی رکن کو مؤخر کر دے بھولے سے، سمجھ میں آیا بھائی؟ دیکھو «سَاهِيًا» کی قید لگائی، بھولے سے۔ جان بوجھ کر نہیں، جان بوجھ کر کرے گا تو پھر نماز ہی نہیں ہو گی، دوبارہ نماز پڑھنا پڑے گی بھائی۔

«قَالَ: وَيَلْزَمُهُ إِذَا تَرَكَ فِعْلًا مَسْنُونًا» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو اس نماز پڑھنے والے پر لازم ہو گا «إِذَا تَرَكَ فِعْلًا مَسْنُونًا» جب وہ کسی مسنون فعل کو چھوڑ دے، کس کو چھوڑ دے؟ مسنون فعل کو، کسی سنت فعل کو چھوڑ دے تو سجدہ سہو اس نماز پڑھنے والے پر لازم ہو گا۔ اس پر فوراً اشکال آپ کے ذہن میں آئے گا کہ سجدہ سہو سنت کے چھوڑنے پر تو نہیں آتا بلکہ کس پر آتا ہے؟ واجب کے چھوڑنے پر آتا ہے۔ تو اسی کا اس اسی اشکال کا جواب آگے صاحبِ ہدایہ دے رہے ہیں، کہتے ہیں: «كَأَنَّهُ أَرَادَ بِهِ فِعْلًا وَاجِبًا» گویا کہ صاحبِ قدوری نے اس فعلِ مسنون کے ذریعے کس کا ارادہ کیا؟ فعلِ واجب کا۔ تو پھر اس کو مسنون کیوں کہا؟ اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: «إِلَّا أَنَّهُ أَرَادَ بِتَسْمِيَتِهِ سُنَّةً أَنَّ وُجُوبَهَا بِالسُّنَّةِ» مگر صاحبِ قدوری نے ارادہ کیا اس کا نام سنت رکھنے سے کس چیز کا ارادہ کیا؟ کہ اس کا وجوب کس سے ثابت ہے؟ سنت سے ثابت ہے بھائی، چاہے کوئی سنت ہے چاہے واجب ہے چاہے فرض ہے، ان سب کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ سنت سے کیونکہ ان سب کو حضور علیہ السلام نے ادا فرمایا ہے۔ واجب کا پتہ بھی سنت سے چلا، اس لیے اس کو مسنون قرار دیا بھائی، مسنون اس کا نام رکھا۔

■ مسئلہ: قَالَ: أَوْ تَرَكَ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ لِأَنَّهُ...

«قَالَ: أَوْ تَرَكَ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ أَوِ الْقُنُوتَ أَوِ التَّشَهُّدَ أَوْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ» یا چھوڑ دیا نماز پڑھنے والے نے «قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ» فاتحہ کی قرات کو «لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ» اس کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ آپ پڑھ چکے کہ قرات تو نماز کے اندر فرض ہے لیکن خاص طور پر فاتحہ کا پڑھنا یہ واجب ہے۔ اسی طرح فاتحہ کے ساتھ پھر سورت کا ملانا یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کا ملانا، یہ بھی واجب اور نیز ان کے اندر جو ترتیب ہے کہ پہلے فاتحہ ہونی چاہیے پھر سورت وغیرہ ہونی چاہیے، یہ بھی کیا ہے؟ واجب ہے۔ «لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ» اس لیے کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، «أَوِ الْقُنُوتَ» أَيْ تَرَكَ الْقُنُوتَ یا کس کو چھوڑ دیا؟ دعائے قنوت کو چھوڑ دیا، «أَوِ التَّشَهُّدَ» یا تشہد کو چھوڑ دیا، «أَوْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ» یا عید کی دونوں جو عیدیں ہیں ان کی تکبیرات کو چھوڑ دیا، تو ان صورتوں میں بھی سجدہ سہو لازم ہو گا۔

«لِأَنَّهَا وَاجِبَاتٌ» اس لیے کیونکہ یہ سب چیزیں واجب ہیں، «فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ تَرْكِهَا مَرَّةً» دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ ان کے واجب ہونے کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: «فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ تَرْكِهَا مَرَّةً»، «فَإِنَّهَا» فا آیا بھائی یہ جگہ جگہ اس طرح کی عبارت آتی ہے اور آپ نے پڑھا ہے نور الانوار، اصول الشاشی وغیرہ میں کہ فا کبھی علت بیان کرنے کے لیے آتی ہے تو اس کے مابعد کیا ذکر ہوتی ہے؟ علت اور دلیل ذکر ہوتی ہے اور اس فا کا ترجمہ کس کے ساتھ کریں گے؟ کیونکہ کیونکہ، یہ ترجمہ یا اس وجہ سے، اس وجہ سے، جو بھی آپ ترجمہ کرنا چاہیں۔ «لِأَنَّهَا وَاجِبَاتٌ» کیونکہ یہ واجبات ہیں «فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» کیونکہ حضور علیہ السلام جو ہیں «وَاظَبَ عَلَيْهَا» حضور علیہ السلام نے ان پر پابندی فرمائی ہے «مِنْ غَيْرِ تَرْكِهَا مَرَّةً» بغیر اس کو ایک مرتبہ بھی چھوڑے۔ ایسی پابندی فرمائی ہے کہ کبھی ان کو ایک مرتبہ بھی نہیں چھوڑا، معلوم ہوا یہ واجب ہیں اور جو سنت ہے اس میں کبھی کبھار حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا ہوتا ہے؟ کبھی ترک بھی فرما دیتے ہیں اگرچہ بہت قلیل ہی کیوں نہ ہو، عام معمول تو ہوتا ہے اس پر عمل فرماتے ہیں لیکن بعض اوقات یہ بتلانے کے لیے کہ یہ واجب نہیں ہے، حضور علیہ السلام اس کو ترک بھی فرما دیتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان پر پابندی فرمائی پابندی فرمائی ہے «مِنْ غَيْرِ تَرْكِهَا مَرَّةً» بغیر اس کو چھوڑے ایک مرتبہ، «وَهِيَ أَمَارَةُ الْوُجُوبِ» اور یہ واجب ہونے کی علامت ہے، امارت کا معنی علامت، اور یہ واجب ہونے کی علامت ہے۔ یہ پہلی دلیل۔ پہلی دلیل کیا ان کے واجب ہونے کی؟ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان پر پابندی فرمائی۔

■ بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ

بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ۔ يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ السَّلَامِ، ثُمَّ يَتَشَهَّدُ، ثُمَّ يُسَلِّمُ۔ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً يَسْجُدُ قَبْلَ السَّلَامِ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ لِلسَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ۔ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ السَّلَامِ»۔ وَرُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ۔

■ بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ

بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ۔ یہ باب ہے سجدۂ سہو کے بیان میں۔ ادا اور قضا کا بیان مکمل ہوا۔ اب اس ادا یا قضا کے اندر اگر کوئی بھول ہو جائے، سہو کا معنی ہے بھول بھائی بھول اور غلطی بھائی۔ تو نماز کے اندر اگر کوئی بھول یا غلطی ہو جائے تو آپ جانتے ہیں کہ اس صورت میں آخر میں سجدۂ سہو کیا جاتا ہے بھائی، سہو کے دو سجدے کیے جاتے ہیں۔

اور طریقہ تو آپ کو علم ہو گا ہی کہ آخری تشہد میں جب تشہد پڑھ لیا جائے «**عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ**» تک، یعنی درود سے پہلے ہی دائیں طرف سلام پھیرا جاتا ہے اور پھر اس کے بعد سہو کے دو سجدے کیے جاتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد دوبارہ تشہد، درود اور دعا پڑھی جاتی ہے اور پھر سلام پھیر دیا جاتا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیے بھائی کہ سجدۂ سہو جو ہے واجب کے ترک پر یا واجب میں تاخیر وغیرہ ہو جائے تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ تفصیل آگے اس باب کے اندر آ رہی ہے بھائی کہ کس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہو گا۔ تو بہر حال خلاصۂ حاصلِ کلام یہ کہ کوئی واجب چھوٹ جائے یا اسی طرح ان میں تاخیر، ارکان میں تاخیر ہو جائے تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور واجب چھوٹنے پر سجدۂ سہو ہے جب بھولے سے واجب کو بھولے سے واجب رہ جائے۔ اگر جان بوجھ کر کوئی واجب کو چھوڑتا ہے تو پھر اس صورت میں سجدۂ سہو کرنے سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی، اس کو دوبارہ نماز پڑھنا پڑے گی بھائی۔ تو اگر بھولے سے واجب چھوٹ جائے تو اس صورت میں سجدۂ سہو کرنے پڑیں گے بھائی۔

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھیے کہ آگے یہ ذکر بھی کریں گے صاحبِ ہدایہ بھائی کہ سہو کے سجدے چاہے سلام سے پہلے کیے جائیں، چاہے سلام کے بعد کیے جائیں دونوں صورتیں دونوں صورتیں جائز ہیں۔ البتہ ہمارے نزدیک **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** اولیٰ یہ ہے، بہتر یہ ہے کہ سہو کے سجدے سلام کے بعد کیے جائیں۔ اگر پہلے بھی کوئی کر لیتا ہے تو وہ سجدۂ سہو ہو جائیں گے بھائی۔

اور نیز یہ بھی یاد رکھیے کہ ہم عموماً ہم رائج کیا طریقہ ہے، کس طریقے پر فقہاء کے کس قول پر عمل ہوتا ہے؟ ایک طرف سلام کرنے کے بعد سجدۂ سہو کیے جاتے ہیں، جبکہ صاحبِ ہدایہ ذکر فرمائیں گے کہ دونوں طرف سلام کرنے کے بعد پھر سہو کے سجدے کیے جائیں۔ تو بہر حال جس طریقے کو بھی اختیار کر لیا جائے، چاہے ایک طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کر لیں یا دونوں طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کر لیں تو وہ سجدے ہو جائیں گے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

اور یہ بھی مسئلہ یاد رکھیے، بڑی قیمتی بات بھائی۔ ایک شخص نے ایک شخص مثلاً آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور کوئی واجب آپ سے بھولے سے رہ گیا اور آپ نے ارادہ کیا کہ آخر میں میں سجدۂ سہو کروں گا۔ آخر میں آپ بھول گئے، آپ سلام پھیر کر بیٹھ گئے۔ تو جب تک آپ قبلہ رخ بیٹھے ہیں اور آپ کا سینہ قبلے سے نہیں پھیرا اور نماز کے منافی یعنی کوئی عمل نہیں کیا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کسی سے کلام وغیرہ نہیں کیا، نماز کے منافی کوئی کوئی چیز آپ نے کھائی پی نہیں اور اسی طرح سلام کے بعد قبلہ رخ بیٹھے ہوئے ہیں، بے شک آپ نے اور ذکر بھی شروع کر دیا، درود شریف پڑھتے جا رہے ہیں یا «**لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ**»، «**سُبْحَانَ اللهِ**»، «**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**» وغیرہ پڑھتے جا رہے ہیں اور دس پندرہ منٹ گزر گئے آپ اسی ذکر کے اندر مشغول ہیں، لیکن نماز کے منافی کوئی عمل ابھی تک آپ نے نہیں کیا اور آپ کا سینہ بھی قبلے سے نہیں پھیرا، تو اب پھر اچانک آپ کو یاد آیا اوہو! نماز کے اندر تو میرے مجھ سے بھول ہوئی تھی، میرے ذمے سہو کے دو سجدے تھے، تو پھر آپ اسی وقت کیا کر سکتے ہیں؟ سہو کے دو سجدے کر سکتے ہیں، کیونکہ ابھی تک آپ نے نماز کے منافی کوئی عمل نہیں کیا۔ لیکن اگر نماز کے منافی عمل کر لیا ہے تو بس پھر اب سہو کے سجدوں سے وہ وہ درست نہیں ہو گی، اب پھر نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا، نماز پھر لوٹانا پڑے گی بھائی۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟ جی۔ اب دیکھیے کتاب پر بھائی۔

■ بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ

بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ۔ یہ باب ہے سہو کے سجدے کے بیان میں۔ **يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ السَّلَامِ، ثُمَّ**

يَتَشَهَّدُ، ثُمَّ يُسَلِّمُ۔ سجدہ کرے سہو کا زیادتی کی صورت میں بھی اور کمی کی نماز میں کوئی زیادتی کر دے، مثلاً دو کے بجائے تین سجدے کر دیے، ایک رکوع کے بجائے دو رکوع کر دیے، تو یہ زیادتی کر دی اس صورت میں بھی سہو کے سجدے کریں گے سہو کا سجدہ کریں گے، **وَالنُّقْصَانِ** اور کمی کر دی مثلاً کوئی واجب چھوٹ گیا۔ تو کہتے ہیں: **يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ سَجْدَتَيْنِ** اور سہو کا سجدہ کرے زیادتی اور کمی کی صورت میں **سَجْدَتَيْنِ** دو سجدے نماز پڑھنے والا، **بَعْدَ السَّلَامِ** کس کے بعد؟ سلام کے بعد، **ثُمَّ يَتَشَهَّدُ** پھر تشہد پڑھے، **ثُمَّ يُسَلِّمُ** پھر سلام پھیر دے۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى يَسْجُدُ قَبْلَ السَّلَامِ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ کرے **قَبْلَ السَّلَامِ** سلام سے پہلے۔ ہمارے نزدیک سلام کے بعد اور ان کے نزدیک سلام سے پہلے۔ دلیل ان کی، وہ فرماتے ہیں: **لِمَا رُوِيَ** بوجہ اس حدیث کے جو روایت کی گئی ہے، **أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ لِلسَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ** کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا سہو کا **قَبْلَ السَّلَامِ** سلام سے پہلے، یہ حدیث میں آیا ہے۔ تو معلوم ہوا سلام سے پہلے ہوں گے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل تھی۔

وَلَنَا اور ہماری دلیل، **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** حضور علیہ السلام کا قول ہے: «**لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ**» ہر بھول کے جو ہیں ہر غلطی کے جو ہیں **سَجْدَتَانِ** دو سجدے ہیں، **بَعْدَ السَّلَامِ** کس کے بعد؟ سلام کے بعد۔ نیز دوسری حدیث ہے: **وَرُوِيَ** اور روایت کیا گیا ہے، **أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ** کہ حضور علیہ السلام نے سجدہ فرمایا **سَجْدَتَيِ السَّهْوِ**، اصل میں تھا **سَجْدَتَيْنِ السَّهْوِ** نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ حضور علیہ السلام نے سجدہ فرمایا سہو کے دو سجدے، **بَعْدَ السَّلَامِ** کس کے بعد؟ سلام کے بعد بھائی۔

تو دیکھیے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل وہ صرف فعلی حدیث ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کا فعل نقل کیا گیا کہ حضور علیہ السلام نے سہو کے سجدے سلام سے پہلے فرمائے۔ تو دیکھو فعل ذکر ہے حضور علیہ السلام کا، قول ذکر نہیں۔ جبکہ ہمارے پاس دو حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث کون سی؟ حضور علیہ السلام کا قول ہے، حضور علیہ السلام باقاعدہ خود فرما رہے ہیں اپنی زبانِ مبارک سے کہ سہو کے دو سجدے ہیں **بَعْدَ السَّلَامِ**، کس کے بعد؟ سلام کے بعد۔ اور نیز دوسری حدیث کہ حضور علیہ السلام نے سلام کے بعد سہو کے دو سجدے فرمائے۔ تو ہماری حدیث قولی بھی ہے اور فعلی۔ ایک میں قول ذکر ہے حضور علیہ السلام کا، ایک میں حضور علیہ السلام کا فعل ذکر ہے۔

تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَا فِعْلِهِ، رِوَايَتَا** اصل میں تھا **رِوَايَتَانِ فِعْلِهِ**، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَا فِعْلِهِ** حضور علیہ السلام کے فعل کی دو روایتیں جو ہیں **فَتَعَارَضَتْ** ان میں باہم کیا آ گیا؟ تعارض آ گیا، مقابلہ آ گیا۔ ایک حضور ایک حدیث سے کیا معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے کس طرح کیے سہو کے سجدے؟ سلام سے پہلے۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے سہو کے سجدے کیے سلام کے بعد۔ تو دونوں روایتوں میں تعارض آ گیا، **وَإِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا**، تو جب تعارض آیا تو دونوں ساقط ہو گئیں۔ دونوں حدیث کیا ہوئیں؟ ساقط ہو گئیں۔ اب صرف قولی حدیث باقی رہ گئی، اس کے مقابل کوئی اور حدیث نہیں۔ اور اس میں تو کیا آیا تھا کہ حضور علیہ السلام خود فرما رہے ہیں کہ سہو کے دو سجدے ہیں سلام کے بعد۔ تو اس سے استدلال کیا جائے گا اور وہ ہماری مؤید ہے وہ حدیث، وہ کیا بتلا رہی ہے کہ سہو کے سجدے کب ہوں گے؟ سلام کے بعد ہوں گے، جیسے کہ احناف کا مذہب ہے۔

فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَا فِعْلِهِ تو باہم متعارض ہو گئیں حضور علیہ السلام کے فعل کی دونوں روایتیں، **فَبَقِيَ التَّمَسُّكُ بِقَوْلِهِ سَالِمًا**، تمسک کا معنی استدلال کرنا، دلیل پکڑنا۔ پس باقی رہا دلیل پکڑنا حضور علیہ السلام کے قول کے ساتھ **سَالِمًا** سالم ہو کر۔ وہ سالم ہو کر حضور علیہ السلام کے قول سے استدلال کرنا سالم ہو کر باقی رہ گیا، یعنی اس کے معارض اور مقابل کوئی حدیث نہیں۔

وَلِأَنَّ، جی پہلے نقلی دلیل ذکر کر دی، اب صاحبِ ہدایہ عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں کہ عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ سہو کے سجدے سلام کے بعد ہونے چاہییں۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ بھائی دیکھیے سجدۂ سہو جو ہے اس میں تکرار نہیں۔ اس میں تکرار نہیں، سہو کے دو ہی سجدے ہیں ایک ہی دفعہ کیے جائیں گے، بار بار ان کو نہیں کیا جائے گا۔ تو ان کو سلام کے بعد ہی ہونا چاہیے تاکہ اگر سلام تک بھی کوئی غلطی ہو جائے، سلام میں بھی تاخیر ہو جائے، مثلاً ایک آدمی ہے اور اب آخری قعدے کے اندر سلام کا وقت آ گیا لیکن وہ سوچ میں پڑ گیا کہ میں نے پتہ نہیں تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں، اور اس میں کم از کم وہ اس نے تاخیر کر دی تین سبحان اللہ کہنے کی مقدار۔ اتنی دیر تک وہ سوچتا ہی رہا، اور اتنی تاخیر ہو جائے تو آپ جانتے ہیں کہ اس صورت میں کیا آتا ہے؟ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ تو اگر اس نے پہلے ہی سجدۂ سہو کیا ہوا تو اب پھر کمی آ گئی نماز کے اندر نقصان آ گیا کہ اس نے سلام میں تاخیر کر دی، تو پھر سجدۂ سہو کا کیا کرنا پڑے گا؟ دوبارہ کرنا پڑیں گے، اور دوبارہ تو وہ مشروع ہیں ہی نہیں، سجدۂ سہو تو کتنی دفعہ کرنے ہیں؟ ایک ہی دفعہ وہ مشروع ہیں۔ تو اس طرح نماز کے اندر کمی رہ جائے گی اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن اگر سجدۂ سہو کب ہوں؟ سلام کے بعد ہوں، تو اس صورت میں یہ جو کمی آئی اس کی بھی کیا ہو جائے گی؟ تلافی ہو جائے گی، کیونکہ نماز کے اندر چاہے ایک واجب بھولے سے رہ جائے، چاہے ایک سے زیادہ واجب بھولے سے رہ جائیں ایک ہی سجدۂ سہو کرنا پڑے گا اور یعنی دو سجدے اکٹھے اور اس سے ان سب کی کیا ہو جائے گی؟ تلافی ہو جائے گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو عقل بھی کیا کرتی تائید کرتی ہے کہ سہو کے سجدوں کو کب ہونا چاہیے؟ سلام کے بعد۔

وَلِأَنَّ سُجُودَ السَّهْوِ مِمَّا لَا يَتَكَرَّرُ اور اس لیے کیونکہ سہو کا جو سجدہ ہے ان چیزوں میں سے ہے جس میں تکرار نہیں ہے، **فَيُؤَخَّرُ عَنِ السَّلَامِ** تو اس کو مؤخر کیا جائے گا سلام سے، **حَتَّى لَوْ سَهَا عَنِ السَّلَامِ** یہاں تک کہ اگر اس سے سہو ہو گیا سلام سے، یعنی سلام میں سہو ہو گیا یعنی اس میں دیر تاخیر وغیرہ ہو گئی،

يَنْجَبِرُ بِهِ تو اس سے اس کی تلافی ہو جائے گی۔

وَهٰذَا الْخِلَافُ فِي الْأَوْلَوِيَّةِ اور یہ جو اختلاف ہے احناف اور شوافع کا، یہ اولیٰ ہونے میں ہے۔ کس چیز میں ہے؟ اولیٰ۔ ان کے نزدیک امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اولیٰ اور بہتر کیا ہے؟ سجدۂ سہو سلام سے پہلے۔ اور ہمارے نزدیک اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد ہونا چاہیے، باقی جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں۔ ہمارے نزدیک بھی اگر سلام سے پہلے کر دے گا تو جائز ہو جائیں گے، لیکن اولیٰ کیا ہے؟ سلام کے بعد کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اولیٰ یہ ہے کہ سلام سے پہلے کرے، لیکن اگر سلام کے بعد بھی کر لے گا تو بھی جائز ہے۔ تو یہ اختلاف جو ہے **فِي الْأَوْلَوِيَّةِ** اولیٰ ہونے میں ہے۔

وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ، اچھا بھائی سجدۂ سہو سے پہلے سلام کیا جائے گا، کیونکہ سجدۂ سہو کس کے بعد ہے؟ سلام کے بعد۔ تو اب اس سلام میں ایک طرف صرف دائیں طرف سلام پھیرا جائے گا یا دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا اور پھر سہو کے سجدے کیے جائیں گے؟ تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: **وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ** اور دو سلام لے کر آئے، یعنی دو سلام کرے، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے، **صَرْفًا لِلسَّلَامِ الْمَذْكُورِ إِلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ** تاکہ پھیرا جائے اس سلام کو جو ذکر کیا گیا حدیث کے اندر **إِلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ** اس سلام کی طرف جو معلوم ہے، متعین ہے۔ اور معلوم سلام کیا ہے نماز کے آخر میں ایک طرف یا دونوں طرف؟ نماز کے آخر میں دونوں طرف سلام پھیرا جاتا ہے، تو وہ جو معلوم سلام ہے، اس حدیث میں جو سلام کا لفظ آیا اس سلام کو اس کی طرف پھیر دیں گے اور وہ مراد ہو گا اس سے۔ اور وہ تو ایک طرف ہے یا دو طرف؟ دو طرف۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی سہو کے سجدوں سے پہلے دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا، کیا کیا جائے گا؟ دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا اور پھر سہو کے سجدے کیے جائیں گے۔ عبارت سمجھ میں آئی بھائی؟

تو صاحبِ ہدایہ نے اس قول کو ترجیح دی کہ سہو کے سجدوں سے پہلے دونوں طرف سلام پھیرا جائے اور پھر سجدے کیے جائیں، جبکہ اور کئی فقہاء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ صرف دائیں طرف سلام پھیرا جائے گا اور پھر کیا کیا جائے گا؟ سہو کے دو سجدے کیے جائیں گے، اور انہی کے قول پر آپ دیکھتے ہیں عمل جاری ہے بھائی۔ معلوم ہوا اس قول کو فقہاء نے راجح قرار دیا ہے، تو بہر حال صاحبِ ہدایہ نے اس قول کو راجح قرار دیا اور اس کو صحیح کہا۔

جی تو کہتے ہیں: **وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ، هُوَ الصَّحِيحُ** اور لے کر آئے دو سلام، یعنی دو سلام کرے **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے، **صَرْفًا لِلسَّلَامِ الْمَذْكُورِ إِلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ** تاکہ پھیرا جائے اس سلام کو جو ذکر کیا گیا اس سلام کی طرف جو متعین ہے معلوم ہے۔

وَيَأْتِي بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالدُّعَاءِ اور لے کر آئے یعنی درود کو حضور علیہ السلام پر **وَالدُّعَاءِ** اور دعا کو، **فِي قَعْدَةِ السَّهْوِ** کس کے اندر؟ سہو کے قعدے میں، یعنی سہو کے دو سجدوں کے بعد جو قعدہ کیا ہے جو بیٹھا ہے اس میں درود بھی پڑھے اور دعا بھی پڑھے، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے، **لِأَنَّ الدُّعَاءَ مَوْضِعُهُ آخِرُ الصَّلَاةِ** اس لیے کیونکہ دعا جو ہے اس کا مقام نماز کا آخر ہے، اور اب نماز کا آخر آیا، سہو کے جو سجدے کر لیے تو اب نماز کا آخر آیا، تو اب درود پڑھے کیونکہ درود بھی حضور علیہ السلام کے لیے دعا ہے اور اپنے لیے بھی پھر کیا کر لے؟ دعا کر لے، کیونکہ دعا کا مقام آخرِ صلاۃ ہے۔

قَالَ: وَيَلْزَمُهُ السَّهْوُ إِذَا زَادَ فِي صَلَاتِهِ فِعْلًا مِنْ جِنْسِهَا لَيْسَ مِنْهَا۔ اور لازم ہو جائے گا اس پر نماز پڑھنے والے پر سہو، یعنی سہو کا سجدہ، **إِذَا زَادَ فِي صَلَاتِهِ** جب وہ زیادتی کر دے یعنی بڑھا دے اپنی نماز میں، **فِعْلًا** کوئی ایسا فعل، **مِنْ جِنْسِهَا** جو اس نماز کی جنس میں سے ہو، **لَيْسَ مِنْهَا** لیکن نماز میں سے نہ ہو۔ نماز کے افعال کی جنس میں سے تو ہے لیکن نماز میں سے نہیں۔ نماز کے افعال کی جنس میں سے ہو لیکن نماز میں سے نہ ہو، مثلاً دو کے بجائے کتنے سجدے کر دیے؟ تین سجدے کر دیے، اب یہ تیسرا سجدہ جو ہے یہ نماز کے افعال کی جنس میں سے ہے، نماز میں بھی کیا کیے جاتے ہیں؟ سجدے تو کیے جاتے ہیں، لیکن یہ والا سجدہ نماز میں سے نہیں ہے کیونکہ دو سجدے کیے جاتے ہیں تیسرا نہیں، تو یہ نماز کی جنس میں سے تو ہے لیکن نماز میں نہیں ہے، تو اس قسم کی اگر زیادتی کر دی تو سجدۂ سہو واجب ہو گا۔

وَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ سَجْدَةَ السَّهْوِ وَاجِبَةٌ اور یہ عبارت جو ہے صاحبِ قدوری کا یہ قول کون سا؟ **وَيَلْزَمُهُ،** اور اس پر سہو لازم ہے، یعنی سہو کے سجدے لازم ہیں۔ دیکھو یہ لازم کا لفظ جو ہے دلالت کر رہا ہے **عَلَى أَنَّ سَجْدَةَ السَّهْوِ وَاجِبَةٌ** کہ سہو کا سجدہ واجب ہے، **وَهُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے، **لِأَنَّهَا تَجِبُ لِجَبْرِ نُقْصَانٍ تَمَكَّنَ فِي الْعِبَادَةِ فَتَكُونُ وَاجِبَةً۔**

لِأَنَّهَا تَجِبُ، بھائی یہاں **تَجِبُ** کا معنی **تَثْبُتُ** کے کرنا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس لیے کیونکہ یہ واجب ہونے کی دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ کس چیز کی دلیل؟ کہ یہ سجدۂ سہو واجب ہیں، واجب ہیں۔ تو لہٰذا جب دلیل ذکر کر رہے ہیں تو یہاں **تَجِبُ** کے معنی واجب اگر یہ ترجمہ کریں: **لِأَنَّهَا تَجِبُ** اس لیے کیونکہ سہو کے سجدے واجب ہوتے ہیں، بھائی واجب ہونے کی تو دلیل ذکر کی جا رہی ہے، تو واجب ہونے پہلے یہ تو ہمیں بتائیں کہ یہ واجب ہیں بھی یا واجب نہیں، تو لہٰذا یہاں واجب کا معنی واجب کے نہ کریں بلکہ کیا معنی کریں؟ **تَجِبُ أَيْ تَثْبُتُ،** ثابت ہونے کے معنی میں کریں اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ **وَجَبَ يَجِبُ،** **ثَبَتَ** کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے بھائی۔

لِأَنَّهَا تَجِبُ اس لیے کیونکہ یہ سجدہ جو ہے یہ ثابت ہوتا ہے، **لِجَبْرِ نُقْصَانٍ تَمَكَّنَ،** بھائی **نُقْصَانٍ** نکرہ آیا اور **تَمَكَّنَ** یہ فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت عموماً بنتا ہے اور اس صورت میں موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ اب ترجمہ سنیے: **لِأَنَّهَا تَجِبُ** اس لیے کیونکہ سہو کا سجدہ

جو ہے یہ ثابت ہوتا ہے، **لِجَبْرِ نُقْصَانٍ** ایسے نقصان کی تلافی کے لیے، **تَمَكَّنَ فِي الْعِبَادَةِ** جو آگیا ہے کس کے اندر؟ عبادت میں۔ ایک ایسا نقصان جو عبادت کے اندر آگیا ہے اس کی تلافی کے لیے یہ ثابت ہوتا ہے، **فَتَكُونُ وَاجِبَةً** تو یہ کیا ہوگا؟ واجب ہوگا، **كَالدِّمَاءِ فِي الْحَجِّ** جیسے کہ دم ہیں، قربانیاں ہیں **فِي الْحَجِّ** کس کے اندر؟ حج کے اندر۔

بھائی آپ نے اگر کتاب الحج کے اندر احکام آپ کو یاد ہوں، آپ نے پڑھے ہوں گذشتہ کتابوں کے اندر، آپ نے پڑھا ہوگا وہاں کہ حج کے اندر بعض چیزیں واجب ہیں اور واجب اگر کوئی رہ جائے تو اس اس صورت میں حاجی پر دم یعنی قربانی واجب ہوتی ہے، اس کو ایک جانور کی قربانی کرنا پڑے گی پھر ہی اس کی تلافی اس غلطی اور کی کیا ہوگی؟ تلافی ہوگی بھائی۔ تو جیسے حج کے اندر قربانیاں نقصان کی تلافی کے لیے آتی ہیں اور وہ کیا ہوتی ہیں؟ واجب ہوتی ہیں، تو یہاں پر بھی عبادت کے اندر کیا آگیا؟ نقصان اور کمی آگئی تو اس کی وجہ سے سہو کے جو سجدے ہوں گے وہ بھی کیا ہوں گے؟ واجب ہوں گے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے **كَالدِّمَاءِ فِي الْحَجِّ**، جیسے کہ قربانیاں ہیں حج کے اندر۔

وَإِذَا كَانَ وَاجِبًا لَا **يَجِبُ إِلَّا بِتَرْكِ وَاجِبٍ** اور جب یہ سہو کا سجدہ واجب ہے لَا **يَجِبُ** تو پھر یہ واجب بھی نہیں ہوگا **إِلَّا بِتَرْكِ وَاجِبٍ** مگر کسی واجب کو چھوڑنے سے ہی، **أَوْ تَأْخِيرِهِ** یا واجب کو مؤخر کرنے سے، **أَوْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ** یا کسی رکن کو مؤخر کرنے سے، **سَاهِيًا** بھولے سے، **هٰذَا هُوَ الْأَصْلُ** یہی ضابطہ ہے، یہی اصل ہے۔

جب یہ واجب ہے، سجدۂ سہو کیا ہے؟ واجب۔ تو یہ کسی واجب کے چھوٹنے پر ہی آنا چاہیے، سنت کے چھوٹنے پر نہیں بھائی، کیونکہ واجب کا درجہ سنت سے بڑھ کر ہے بھائی۔ تو **وَإِذَا كَانَ وَاجِبًا** جب یہ واجب ہے تو لَا **يَجِبُ** تو یہ واجب بھی نہیں ہوگا **إِلَّا بِتَرْكِ وَاجِبٍ** مگر کسی واجب کو چھوڑنے سے ہی، **أَوْ تَأْخِيرِهِ** یا واجب کے اندر تاخیر اس کو مؤخر کرنے سے، **أَوْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ** یا کسی رکن کو مؤخر کرنے سے، **سَاهِيًا** بھولے سے، **هٰذَا هُوَ الْأَصْلُ** یہی اصل ہے۔ معلوم ہوا کوئی واجب اگر چھوٹ گیا یا واجب میں تاخیر کر دی، اپنے محل سے اس کو مؤخر کر دیا، یا کسی رکن کو یعنی فرض کو کیا کر دیا؟ مؤخر کر دیا۔ ان سب صورتوں کے اندر کیا واجب ہوگا؟ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

کوئی واجب چھوٹ گیا اس کی مثال: مثلاً نماز میں درمیان والا قعدہ کیا ہے؟ واجب۔ دو رکعت کے بعد جو قعدہ تھا وہ واجب، کوئی بھولے سے وہ قعدہ کرنے کے بجائے سیدھا کھڑا ہو گیا تو اب وہ واجب رہ گیا تو اب سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر واجب کے اندر تاخیر آجائے وہ مؤخر ہو جائے مؤخر کر دے اس کو، مثلاً سلام کے اندر کیا کر دی؟ تاخیر کر دی، تین سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک وہ سوچ میں ہی پڑا رہا تو سلام تو واجب تھا تو واجب میں کیا آگئی؟ تاخیر، تو اس صورت میں بھی سہو کے سجدے واجب ہوں گے۔ اسی طرح رکن کے اندر تاخیر کر دی، مثلاً دو دو سجدوں کے بجائے تین سجدے کر دیے تو تیسرا سجدہ جب کیا تو دو سجدوں کے بعد تو قیام چاہیے تھا، تو اس صورت میں کیا آیا؟ قیام میں تاخیر آگئی، لہٰذا اس وجہ سے بھی کیا ہوگا؟ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ **هٰذَا هُوَ الْأَصْلُ** یہی ضابطہ ہے۔

وَإِنَّمَا وَجَبَتْ بِالزِّيَادَةِ، یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ٹھیک ہے کوئی واجب بھولے سے رہ گیا اس صورت میں تو سجدۂ سہو واجب ہونا چاہیے، کیونکہ نماز میں کمی آگئی۔ لیکن اگر کچھ زیادتی کر دی مثلاً دو کے بجائے تین سجدے کر دیے یا دو ایک رکوع کے بجائے دو رکوع کر دیے تو اس زیادتی کی صورت میں کیوں سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ تو اس کا جواب ذکر کر رہے ہیں: **وَإِنَّمَا وَجَبَتْ بِالزِّيَادَةِ** اور زیادتی کی وجہ سے بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا، **لِأَنَّهَا** لَا **تَعْرَى عَنْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ أَوْ تَرْكِ وَاجِبٍ، عَرِيَ يَعْرَى** کے معنی خالی ہونا، اس لیے کیونکہ یہ جو زیادتی جو ہے یہ بھی خالی نہیں ہے **عَنْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ** کسی رکن کے مؤخر کرنے سے، **أَوْ تَرْكِ وَاجِبٍ** یا واجب کو چھوڑنے سے۔ اس لیے کیونکہ جب کوئی کسی عمل کو زیادہ کرے گا نماز کے اندر مثلاً دو کے بجائے کیا کر دیے؟ تین، تو اس صورت میں بھی کسی واجب کے اندر یا تو واجب کے اندر تاخیر آجائے گی یا کسی فرض کے اندر، رکن کے اندر کیا آجائے گی؟ تاخیر آجائے گی، تو لہٰذا اس صورت میں بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ تو سجدۂ سہو کب واجب ہوگا؟ جب کوئی واجب بھولے سے رہ جائے یا اس میں اس کو کیا کر دے؟ مؤخر کر، ضابطہ بھائی وہ ضابطے پہ نظر رکھیں، کسی واجب کو چھوڑ دے یا واجب کو کیا کر دے؟ مؤخر کر دے، یا کسی رکن کو مؤخر کر دے بھولے سے، سمجھ میں آیا بھائی؟ دیکھو **سَاهِيًا** کی قید لگائی، بھولے سے، جان بوجھ کر نہیں، جان بوجھ کر کرے گا تو پھر نماز ہی نہیں ہوگی، دوبارہ نماز پڑھنا پڑے گی بھائی۔

قَالَ: وَيَلْزَمُهُ إِذَا تَرَكَ فِعْلًا مَسْنُونًا، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو اس نماز پڑھنے والے پر لازم ہوگا **إِذَا تَرَكَ فِعْلًا مَسْنُونًا** جب وہ کسی مسنون فعل کو چھوڑ دے، کس کو چھوڑ دے؟ مسنون فعل کو، کسی سنت فعل کو چھوڑ دے تو سجدۂ سہو اس نماز پڑھنے والے پر لازم ہوگا۔ اس پر فوراً اشکال آپ کے ذہن میں آئے گا کہ سجدۂ سہو سنت کے چھوڑنے پر تو نہیں آتا بلکہ کس پر آتا ہے؟ واجب کے چھوڑنے پر آتا ہے، تو اسی کا اشکال اسی اشکال کا جواب آگے صاحبِ ہدایہ دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **كَأَنَّهُ أَرَادَ بِهِ فِعْلًا وَاجِبًا** گویا کہ صاحبِ قدوری نے اس فعلِ مسنون کے ذریعے کس کا ارادہ کیا؟ **فِعْلًا وَاجِبًا** فعلِ واجب کا۔ تو پھر اس کو مسنون کیوں کہا؟ اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: **إِلَّا أَنَّهُ أَرَادَ بِتَسْمِيَتِهِ سُنَّةً** مگر صاحبِ قدوری نے ارادہ کیا اس کا نام سنت رکھنے سے، کس چیز کا ارادہ کیا؟ **أَنَّ وُجُوبَهَا بِالسُّنَّةِ** کہ اس کا وجوب کس سے ثابت ہے؟ سنت سے ثابت ہے بھائی۔ چاہے کوئی سنت ہے، چاہے واجب ہے، چاہے فرض ہے ان سب کا پتہ کس

سے چلتا ہے؟ سنت سے، کیونکہ ان سب کو حضور علیہ السلام نے ادا فرمایا ہے۔ واجب کا پتہ بھی سنت سے چلا اس لیے اس کو مسنون قرار دیا بھائی، مسنون اس کا نام رکھا۔

قَالَ: أَوْ تَرَكَ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ أَوِ الْقُنُوتَ أَوِ التَّشَهُّدَ أَوْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ۔ یا چھوڑ دیا نماز پڑھنے والے نے **قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ** فاتحہ کی قرات کو، **لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ** اس کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ آپ پڑھ چکے کہ قرات تو نماز کے اندر فرض ہے، لیکن خاص طور پر فاتحہ کا پڑھنا یہ واجب ہے۔ اسی طرح فاتحہ کے ساتھ پھر سورت کا ملانا یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کا ملانا یہ بھی واجب، اور نیز ان کے اندر جو ترتیب ہے کہ پہلے فاتحہ ہونی چاہیے پھر سورت وغیرہ ہونی چاہیے یہ بھی کیا ہے؟ واجب ہے۔ **لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ** اس لیے کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، **أَوِ الْقُنُوتَ أَيْ تَرَكَ الْقُنُوتَ** یا کس کو چھوڑ دیا؟ دعائے قنوت کو چھوڑ دیا، **أَوِ التَّشَهُّدَ** یا تشہد کو چھوڑ دیا، **أَوْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ** یا عید کی دونوں جو عیدیں ہیں ان کی تکبیرات کو چھوڑ دیا، تو ان صورتوں میں بھی سجدۂ سہو لازم ہو گا۔

لِأَنَّهَا وَاجِبَاتٌ اس لیے کیونکہ یہ سب چیزیں واجب ہیں، **فَإِنَّهُ عَلَيْهِ**، دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ ان کے واجب ہونے کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: **فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ تَرْكِهَا مَرَّةً، فَإِنَّهَا «فَ»** آیا بھائی، یہ جگہ جگہ اس طرح کی عبارت آتی ہے اور آپ نے پڑھا ہے نور الانوار، اصول الشاشی وغیرہ میں کہ **«فَ»** کبھی علت بیان کرنے کے لیے آتی ہے، تو اس کے مابعد کیا ذکر ہوتی ہے؟ علت اور دلیل ذکر ہوتی ہے اور اس **«فَ»** کا ترجمہ کس کے ساتھ کریں گے؟ کیونکہ کیونکہ، یہ ترجمہ یا اس وجہ سے اس وجہ سے، جو بھی آپ ترجمہ کرنا چاہیں۔ **لِأَنَّهَا وَاجِبَاتٌ** کیونکہ یہ واجبات ہیں، **فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** کیونکہ حضور علیہ السلام جو ہیں **وَاظَبَ عَلَيْهَا** حضور علیہ السلام نے ان پر پابندی فرمائی ہے **مِنْ غَيْرِ تَرْكِهَا مَرَّةً** بغیر اس کو ایک مرتبہ بھی چھوڑے، ایسی پابندی فرمائی ہے کہ کبھی ان کو ایک مرتبہ بھی نہیں چھوڑا، معلوم ہوا یہ واجب ہیں۔ اور جو سنت ہے اس میں کبھی کبھار حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا ہوتا ہے؟ کبھی ترک بھی فرما دیتے ہیں اگرچہ بہت قلیل ہی کیوں نہ ہو، عام معمول تو ہوتا ہے اس پر عمل فرماتے ہیں، لیکن بعض اوقات یہ بتلانے کے لیے کہ یہ واجب نہیں ہے حضور علیہ السلام اس کو ترک بھی فرما دیتے۔

تو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان پر پابندی فرمائی پابندی فرمائی ہے **مِنْ غَيْرِ تَرْكِهَا مَرَّةً** بغیر اس کو چھوڑے ایک مرتبہ، **وَهِيَ أَمَارَةُ الْوُجُوبِ** اور یہ واجب ہونے کی علامت ہے، امارت کا معنی علامت، اور یہ واجب ہونے کی علامت ہے۔ یہ پہلی دلیل۔ پہلی دلیل کیا ان کے واجب ہونے کی؟ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان پر پابندی فرمائی ہے اور کبھی ان کو چھوڑا نہیں، یہ واجب ہونے کی علامت۔ دوسری دلیل: **وَلِأَنَّهَا تُضَافُ إِلَى جَمِيعِ الصَّلَاةِ** اور اس لیے کیونکہ ان کی نسبت کی جاتی ہے پوری نماز کی طرف، **فَدَلَّ أَنَّهَا مِنْ خَصَائِصِهَا**، ان کی نسبت کی جاتی ہے پوری نماز کی طرف، چنانچہ کہتے ہیں **قُنُوتُ الْوِتْرِ** بھائی، **قُنُوتُ الْوِتْرِ** وتر کی قنوت، یا یوں کہتے ہیں **تَشَهُّدُ الصَّلَاةِ** نماز کا تشہد، نماز کی طرف دیکھو اضافت کی گئی، اضافت کی جاتی ہے۔ **قُنُوتُ الْوِتْرِ**، کس کی طرف اضافت کی گئی؟ وتروں کی طرف قنوت کی اضافت کی گئی۔ **تَشَهُّدُ الصَّلَاةِ**، صلاۃ کی طرف تشہد کی اضافت کی گئی۔ **تَكْبِيرَاتُ الْعِيدَيْنِ**، دیکھو عید کی نماز کی طرف تکبیر کی اضافت کی گئی۔ **لِأَنَّهَا تُضَافُ إِلَى جَمِيعِ الصَّلَاةِ** اس لیے کیونکہ ان کی اضافت کی جاتی ہے پوری نماز کی طرف، **فَدَلَّ أَنَّهَا مِنْ خَصَائِصِهَا** تو یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ یہ نماز کے خصائص خصوصیات میں سے ہے، **وَذٰلِكَ بِالْوُجُوبِ** اور یہ جو اختصاص ہے یہ کس وجہ سے ہوتا ہے؟ وجوب کی وجہ سے ہی ہوتا ہے تو معلوم ہوا یہ چیزیں واجب ہیں۔ ان کی نماز کی طرف اضافت کی جاتی ہے، معلوم ہوا ان کا نماز کے ساتھ اختصاص ہے اور اختصاص کس کی وجہ سے ہوتا ہے؟ وجوب کے ساتھ ہی ہوتا ہے بھائی، وجوب کے ساتھ۔

ثُمَّ ذِكْرُ التَّشَهُّدِ يَحْتَمِلُ الْقَعْدَةَ الْأُولَى وَالثَّانِيَةَ وَالْقِرَاءَةَ فِيهِمَا، جی اوپر متن میں کیا آیا تھا؟ **أَوِ التَّشَهُّدَ،** صاحبِ قدوری نے تشہد ذکر کیا کہ جس نے تشہد کو چھوڑ دیا تو اس پر بھی کیا لازم ہے؟ سجدۂ سہو۔ اب تشہد سے کیا مراد ہے؟ صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں: **يَحْتَمِلُ الْقَعْدَةَ الْأُولَى وَالثَّانِيَةَ،** بھائی تشہد دیکھیے بھائی، تشہد قعدۂ اولیٰ اس کو بھی کہتے ہیں، اس پر بھی تشہد کا لفظ بولا جاتا ہے، قعدۂ ثانیہ پر جو ہے اس پر بھی تشہد۔ وہ جو بیٹھنا ہے بیٹھنا صرف، اس بیٹھنے پر بھی تشہد کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس بیٹھنے کی صورت میں جو دعا وغیرہ پڑھی جاتی ہے اس پر بھی کیا لفظ بولا جاتا ہے؟ تشہد کا۔ تو اس سے قعدۂ اولیٰ مراد ہے یا قعدۂ ثانیہ مراد ہے؟ قعدۂ اولیٰ میں جو پڑھا جاتا ہے وہ مراد ہے یا قعدۂ ثانیہ میں جو پڑھا جاتا ہے وہ مراد ہے؟ تو چار احتمال آ گئے، کتنے؟ چار۔ تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **يَحْتَمِلُ الْقَعْدَةَ الْأُولَى وَالثَّانِيَةَ وَالْقِرَاءَةَ فِيهِمَا** یہ احتمال رکھتا ہے قعدۂ اولیٰ کا بھی اور قعدۂ ثانیہ کا بھی اور ان دونوں میں جو قرات کی جاتی جو پڑھا جاتا ہے اس کا بھی، ان چاروں کا اس میں احتمال ہے، **وَكُلُّ ذٰلِكَ وَاجِبٌ** اور یہ سب کیا ہیں؟ واجب ہیں، **وَفِيهَا سَجْدَةُ السَّهْوِ** اور ان میں سجدۂ سہو ہو گا، **وَهُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے۔

صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ یہ سب کے سب واجب ہیں۔ آپ کے ذہن میں فوراً اشکال آئے گا، آیا یا نہیں آیا؟ کیا اشکال؟ کہ آخری قعدہ تو فرض ہے، صاحبِ ہدایہ نے اس کو کیسے واجب کہہ دیا بھائی؟ کیسے واجب کہہ؟ تو بعض علماء بعض فقہاء نے جواب دیا کہ یہاں صاحبِ ہدایہ سے تسامح ہوا ہے، بھول ہو گئی، بھولے سے یہ کہہ گئے۔ لیکن یہ بات دل مانتا ہی نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے بھائی؟ آپ ایک ابھی طلباء ہیں آپ کے ذہن میں فوراً گیا آیا؟ کہ آخری قعدہ تو فرض ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے صاحبِ ہدایہ اتنی واضح چیز کے اندر غلطی ہو جائے ان سے بھائی؟ تو تو پھر اور علماء جواب دیتے ہیں، کہتے ہیں بھائی یہاں پر تخصیص ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہدایہ کی عبارات بڑی فصیح و بلیغ ہیں بھائی، صاحبِ ہدایہ بڑی فصیح و بلیغ عبارات لاتے ہیں اور چنانچہ یہاں پر بھی انہوں نے تخصیص کی ہے۔ تخصیص یہ ہے کہ چیزیں ساری ذکر ہوتی ہیں اور بعض کو اس

حکم سے نکال دیے جاتے ہیں یعنی وہ مراد نہیں ہوتیں، وہ مراد نہیں ہوتیں، اور یہ کلامِ عرب کے اندر ہوتا رہتا ہے بھائی کہ ذکرِ کل کا کیا جاتا ہے اور مراد بعض ہوتی ہیں اور بعض کی تخصیص کر لی جاتی ہے، یعنی ان کو اس حکم سے نکال دیا۔ تو یہاں پر بھی چار چیزیں ہیں: قعدۂ اولیٰ بھی اور اس کے اندر جو پڑھا جاتا ہے وہ بھی، اور قعدۂ ثانیہ بھی اور اس کے اندر جو پڑھا جاتا ہے وہ بھی، لیکن ان میں سے کس کی تخصیص ہے؟ قعدۂ ثانیہ کی تخصیص ہے۔ تو قعدۂ اولیٰ بھی واجب، اس کے اندر جو پڑھا جاتا ہے وہ بھی واجب، قعدۂ ثانیہ کے اندر جو پڑھا جاتا ہے وہ بھی واجب، اور قعدۂ ثانیہ خود کیا ہے؟ وہ اس سے خارج ہے بھائی، تو یہاں کیا ہے؟ تخصیص ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

اور بعضوں نے اور جواب دیا، وہ فرماتے ہیں کہ بھائی دیکھیے قعدۂ ثانیہ جو ہے ایک اس کی اپنی ذات ہے، ذات کے اعتبار سے وہ فرض ہے، ذات کے توجہ ہے بھائی؟ ذات کے اعتبار سے وہ قعدہ فرض ہے اور ایک اس قعدے کا محل ہے۔ کس مقام پر یہ قعدہ کرنا ہے؟ اور کس مقام پر یہ قعدہ ہوتا ہے؟ آخری رکعت کے ساتھ جڑا ہونا چاہیے، یہ جڑا ہونا یہ جو اس کا محل ہے یہ واجب ہے، یہ کیا ہے؟ چنانچہ آپ نے بھی پڑھا کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور چوتھی رکعت کے آخر میں وہ بیٹھنا بھول گیا، یہ بیٹھنا تو فرض تھا، وہ کھڑا ہو گیا پانچویں رکعت کے لیے۔ آپ نے پڑھا اگر پانچویں رکعت کا ابھی سجدہ نہیں کیا تو پانچویں رکعت کو چھوڑ کر پھر کیا کر دے؟ واپس آجائے، بیٹھ جائے اور یہ آخری قعدہ کرے اور پھر کیا کرے؟ سہو کے سجدے کر لے، سہو کے سجدے۔ تو دیکھو جب واپس آیا وہ قعدہ ذات کے اعتبار سے پایا گیا، فرض تو ادا ہو گیا، لیکن اس کا محل کیا تھا؟ وہ آخری رکعت کے ساتھ اس کا اتصال ہونا چاہیے جڑا ہونا چاہیے تھا، وہ اتصال رہ گیا، وہ اتصال اسی لیے سجدۂ سہو کرنا پڑتا ہے وہاں پر۔ تو صاحبِ ہدایہ کی مراد یہاں وہ اتصال مراد ہے، قعدۂ اخیرہ کا آخری رکعت کے ساتھ اتصال جو ہے وہ کیا ہے؟ واجب ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے **وَكُلُّ ذٰلِكَ وَاجِبٌ** اور یہ سب واجب ہیں، **وَفِيهَا سَجْدَةُ السَّهْوِ** اور ان کے اندر سجدۂ سہو ہو گا، **وَهُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے۔

وَلَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ فِيمَا يُخَافَتُ أَوْ خَافَتَ فِيمَا يُجْهَرُ تَلْزَمُهُ سَجْدَتَا السَّهْوِ. اور اگر امام جہر کرے یعنی اونچی آواز سے قرات پڑھے **فِيمَا يُخَافَتُ** اس نماز میں جن میں اخفاء جن میں اخفاء کیا جاتا ہے یعنی آواز کو آہستہ رکھا جاتا ہے، پست رکھا جاتا ہے۔ **خَافَتَ يُخَافِتُ** کے معنی ہوتے ہیں آواز کو پست رکھنا، آہستہ، چپکے چپکے چیز کہنا پڑھنا بھائی۔ **وَلَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ** اور اگر امام نے بلند آواز سے قرات کی جہر کیا **فِيمَا يُخَافَتُ** اس نماز میں جس میں آہستہ آواز سے قرات کی جاتی ہے یعنی اخفاء کیا جاتا ہے، **أَوْ خَافَتَ فِيمَا يُجْهَرُ** یا امام نے آہستہ آواز سے قرات کی یعنی اخفاء کیا **فِيمَا يُجْهَرُ** اس نماز میں جس کے اندر جہر کیا جاتا ہے، **تَلْزَمُهُ سَجْدَتَا السَّهْوِ** تو لازم ہوں گے اس پر سہو کے دو سجدے بھائی، **لِأَنَّ الْجَهْرَ فِي مَوْضِعِهِ وَالْمُخَافَتَةَ فِي مَوْضِعِهَا مِنَ الْوَاجِبَاتِ** اس لیے کیونکہ جہر **فِي مَوْضِعِهِ** اپنے مقام کے اندر **وَالْمُخَافَتَةَ فِي مَوْضِعِهَا** اور مخافت اپنے مقام کے اندر **مِنَ الْوَاجِبَاتِ** یہ کس میں سے ہیں؟ واجبات میں سے ہیں بھائی۔ جہر کا جو مقام ہے وہاں جہر ہی کیا کرے گا امام اور مخافت کا جو مقام ہے وہاں امام مخافت ہی کرے گا، یہ واجب ہیں۔

وَاخْتَلَفَتِ الرِّوَايَةُ فِي الْمِقْدَارِ اور مختلف ہیں روایتیں مقدار کے بارے میں۔ بھائی دیکھیے مسئلہ یہ بتایا انہوں نے کہ اگر مخافت والی نماز ہے یعنی جس میں آہستہ قرات کی جاتی ہے اس میں امام کیا کر لے؟ جہر کر لے، تو کیا کرنا پڑے گا؟ سجدۂ سہو۔ بھائی کتنا جہر کر لے؟ ایک دو لفظ، ایک آیت، دو آیتیں، تین آیتیں، کتنا جہر کر لے تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا بھائی؟ اور دوسری طرف کیا ہے؟ جہری نماز تھی لیکن اس میں امام غلطی سے کیا کر لیتا ہے؟ اخفاء کر لیتا ہے، آہستہ آواز سے قرات کر لیتا ہے، تو کب سجدۂ سہو واجب ہو گا؟ ایک دو لفظ آہستہ آواز سے قرات کیے تھے ابھی کہ یاد آگیا یا ایک آیت یا دو تین آیتیں؟ تو کتنی مقدار پر سجدۂ سہو واجب ہو گا بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَاخْتَلَفَتِ الرِّوَايَةُ فِي الْمِقْدَارِ** اور روایت مختلف ہے کس کے بارے میں؟ مقدار کے بارے میں، **وَالْأَصَحُّ** اور زیادہ صحیح قول یہ ہے، **قَدْرُ مَا تَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ فِي الْفَصْلَيْنِ** کہ اتنی مقدار جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے **فِي الْفَصْلَيْنِ** دونوں فصلوں میں، دونوں صورتوں میں۔ یعنی اخفاء کیا اور کرنا کیا تھا؟ جہر، یا جہر کیا اور کرنا کیا تھا؟ اخفاء۔ ان دونوں صورتوں میں اتنی مقدار کے اندر سجدۂ سہو واجب ہو گا جس مقدار سے کیا ہو جاتی ہے؟ نماز واجب نماز کا فرض ادا ہو جاتا ہے، نماز جائز ہو جاتی ہے، اور وہ کتنی مقدار ہے؟ امام صاحب کے نزدیک ایک آیت اور صاحبین کے نزدیک تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت۔ یہ اگر وہ اتنی مقدار مقامِ جہر کا اور وہ اخفاء کے ساتھ اس نے اتنا پڑھ لیا، یا مقام تھا اخفاء کا اور اتنی مقدار اس نے جہراً پڑھ لی تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہو گا۔

تو کہتے ہیں: **وَالْأَصَحُّ قَدْرُ مَا تَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ فِي الْفَصْلَيْنِ** اور زیادہ صحیح جو ہے وہ مقدار ہے کہ جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے **فِي الْفَصْلَيْنِ** دونوں صورتوں میں، **لِأَنَّ الْيَسِيرَ مِنَ الْجَهْرِ وَالْإِخْفَاءِ لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ** اس لیے کیونکہ تھوڑا سا جو ہے جہر اور اخفاء میں سے ممکن نہیں ہے اس سے بچنا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کیونکہ تھوڑی مقدار کے کرنا جہر تھا اور اخفاء کر دیا ایک دو لفظ پڑھ لیے یا تین لفظ پڑھ لیے تو اتنی مقدار سے تو بچنا ممکن نہیں ہے، ہاں اتنی مقدار جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے یہ تو کثیر مقدار ہے اور اس سے بچنا ممکن ہے بھائی، لہٰذا اس اتنی مقدار سے بھی اگر وہ نہ بچا پھر سجدۂ سہو ہو گا واجب، اگر اس سے کم ہوئی تو پھر سجدۂ سہو واجب نہیں۔ یہ معنی ہے **لِأَنَّ الْيَسِيرَ مِنَ الْجَهْرِ وَالْإِخْفَاءِ لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ** اس لیے کیونکہ تھوڑا سا جہر اور اخفاء میں سے وہ کہ ممکن نہیں ہے اس سے بچنا، **وَعَنِ الْكَثِيرِ مُمْكِنٌ** اور کثیر سے بچنا ممکن ہے، **وَمَا تَصِحُّ بِهِ الصَّلَاةُ كَثِيرٌ** اور جس وہ مقدار جس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے وہ کثیر مقدار ہے لہٰذا اس کا اعتبار کیا جائے گا، **غَيْرَ أَنَّ ذٰلِكَ عِنْدَهُ آيَةٌ وَاحِدَةٌ** علاوہ اس کے کہ وہ جو ہے وہ جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے وہ مقدار جو ہے وہ ایک آیت ہے امام صاحب کے نزدیک، **وَعِنْدَهُمَا ثَلَاثُ آيَاتٍ** اور صاحبین کے نزدیک تین آیتیں ہیں۔

وَهٰذَا فِي حَقِّ الْإِمَامِ دُونَ الْمُنْفَرِدِ اور یہ امام کے حق میں ہے نہ کہ منفرد اکیلے نماز پڑھنے والے کے حق میں نہیں۔ امام نے جہری نماز میں اخفاء کر لیا یا اخفاء والی نماز میں جہر کر لیا اس کے حق میں یہ سہو کے سجدے واجب ہوں گے، منفرد اکیلا جو نماز پڑھ رہا ہے اس پر نہیں۔ **لِأَنَّ الْجَهْرَ وَالْمُخَافَتَةَ مِنْ خَصَائِصِ الْجَمَاعَةِ** اس لیے کیونکہ جہر اور مخافت یعنی اونچی آواز سے قرات کرنا اور آہستہ آواز سے قرات کرنا یہ جماعت کے خصائص میں سے ہے، بعض جماعت کے بعض نمازوں کے اندر جہر واجب ہے اور بعضوں کے اندر اخفاء واجب ہے بھائی۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ کہ جہری نماز ہے مثلاً عشاء ہے یا مغرب ہے اور کوئی شخص اکیلا پڑھ رہا ہے پھر تو ٹھیک ہے اس کے لیے جہر واجب نہیں۔ اس کو اختیار ہے، آپ پڑھ چکے ہیں، چاہے کیا کرے؟ آہستہ آواز سے پڑھے، چاہے جہر کرے اور اپنے آپ کو سنائے، آپ پڑھ چکے ہیں۔ تو اس میں تو ٹھیک ہے اختیار ہے، لیکن اخفاء کے اندر تو اخفاء تو اس کے لیے ضروری ہے اخفاء والی نمازوں میں، مثلاً کون سی نماز اکیلے پڑھ رہا ہے؟ ظہر کی نماز اکیلے پڑھ رہا ہے تو اب تو اخفاء واجب ہے، جہراً قرات کرے گا تو پھر اس پر کیا لازم ہو جائیں گے؟ سہو کے سجدے لازم ہو جائیں گے۔ تو صاحبِ ہدایہ تو فرما رہے ہیں جہر اور مخافت کس کے خصائص میں سے ہیں؟ جماعت کے۔ حالانکہ ٹھیک ہے جہر تو اکیلے کی نماز کے خصائص میں سے نہیں لیکن مخافت تو اس کے اندر بھی ضروری۔ تو جواب یہ کہ صاحبِ ہدایہ کا قول جو ہے وہ ظاہرِ روایت کے مطابق ہے۔ ظاہرِ روایت کے مطابق جو اکیلا نماز پڑھنے والا ہے اس پر اخفاء والی نماز کے اندر بھی اخفاء لازم نہیں، اس نماز میں بھی وہ کیا کر سکتا ہے؟ جہر کر سکتا ہے، اور یہ جو عام مشہور ہے یہ نوادر کی روایت ہے۔ نوادر آپ پڑھ چکے کچھ ظاہرِ روایت کسے کہتے ہیں؟ امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابیں جو مشہور ہیں جو بتواتر منقول ہیں ان کے اندر جو مسئلہ ہے اس کو ظاہرِ روایت کہتے ہیں اور باقی جو امام محمد رحمہ اللہ کی تصانیف ہیں ان کے اندر اگر وہ مسئلہ ذکر ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ نوادر کہتے ہیں کہ یہ نوادر کے اندر یہ مسئلہ اس طرح آیا ہے۔ تو وہ روایت کون سی ہے؟ نوادر والی، اور ظاہرِ روایت کے مطابق اخفاء اس پر لازم نہیں ہے بھائی، تو صاحبِ ہدایہ کا قول کس پر مبنی ہے؟ ظاہرِ روایت پر۔

قَالَ: وَسَهْوُ الْإِمَامِ يُوجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُودَ لِتَقَرُّرِ السَّبَبِ الْمُوجِبِ فِي حَقِّ الْأَصْلِ۔ بھائی یہاں سے یہ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں کہ امام سے اگر سہو ہوا کوئی بھول ہوئی تو مقتدی پر بھی سہو کے سجدے واجب ہو جائیں گے، یعنی اس کو بھی کیا کرنا پڑے گا؟ امام کے ساتھ سہو کے سجدے کرنا پڑیں گے۔ اس لیے کیونکہ مقتدی نے اپنی نماز کے صحیح اور فاسد ہونے میں کس کے اتباع کس کا وہ اتباع کر رہا ہے؟ امام کے اتباع کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، تو لہٰذا اس کو امام کا اتباع کرنا پڑے گا۔ امام کی نماز میں کمی آتی ہے تو اس کی نماز میں بھی کمی آئے گی، لہٰذا وہ سجدے کرتا ہے تو اس کو بھی کیا کرنا پڑیں گے؟ سہو کے سجدے، اور اس کی نماز اگر صحیح ہو جاتی ہے تو اس کی بھی نماز صحیح ہو جائے گی، اور اس کی نماز اگر فاسد ہوتی ہے تو اس کی بھی نماز اس کی نماز مقتدی کی نماز بھی فاسد۔ اور یہ خود بخود ہو گی یا اس نے خود اپنے اوپر اس کا التزام کیا مقتدی نے؟ مقتدی نے خود اس کا التزام کیا، جب وہ ایک شخص کی اقتداء کر رہا ہے تو گویا اپنے اوپر اس بات کو لازم کر رہا ہے کہ اس کی نماز صحیح ہوئی تو میری بھی صحیح، اس کی نماز فاسد ہوئی تو میری بھی فاسد، لہٰذا اس کی نماز میں کمی آئی تو اس کی نماز میں بھی کیا آئے گی؟ کمی آئے گی، لہٰذا وہ اس کی تلافی کے طور پر سہو کے سجدے امام کرتا ہے تو یہ مقتدی بھی کیا کرے گا؟ سہو کے سجدے اس کے ساتھ کرے گا۔

یہ معنی ہے: **وَسَهْوُ الْإِمَامِ يُوجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُودَ** اور امام کا سہو، امام کی بھول اور غلطی جو ہے یہ واجب کرتی ہے مقتدی پر بھی سجدے کو، **لِتَقَرُّرِ السَّبَبِ الْمُوجِبِ فِي حَقِّ الْأَصْلِ،** تقرر کا معنی ثابت ہونا، موجب واجب کرنے والا واجب کرنے والا، **لِتَقَرُّرِ السَّبَبِ الْمُوجِبِ** اس لیے کیونکہ واجب کرنے والا سبب جو ہے وہ ثابت ہو گیا، **فِي حَقِّ الْأَصْلِ** کس کے حق میں؟ اصل یعنی امام کے حق میں، اس لیے کیونکہ امام کے حق میں وہ سجدوں کو واجب کرنے والا سبب ثابت ہو گیا پایا گیا۔

وَلِهٰذَا يَلْزَمُهُ حُكْمُ الْإِقَامَةِ بِنِيَّةِ الْإِمَامِ اور اسی وجہ سے مقتدی پر لازم ہو جاتا ہے اقامت کا حکم امام کی نیت کرنے سے، امام کے نیت کرنے سے۔ بھائی دیکھیے آپ جانتے ہیں کہ مسافر جو ہے مسافر شرعاً جو مسافر ہے وہ سفر کے اندر چار رکعت والی نماز کے بجائے کتنی رکعت پڑھے گا؟ دو رکعت۔ اسی طرح جماعت بھی کروائیں گے تو کتنے کی کروائیں گے؟ دو رکعت والی وہ کروائیں گے چار رکعت نہیں۔ لیکن اگر امام مقیم تھا اور آپ مسافر تھے، آپ اس مقیم امام کے پیچھے جا کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو کیا آپ دو پڑھیں گے یا آپ چار ہی پڑھنا پڑیں گی؟ اب آپ کو چار ہی پڑھنا پڑیں گی، دیکھو امام کا اتباع کرنا پڑے گا۔ اسی طرح مثلاً کوئی جماعت تھی اور وہ سارے مسافر تھے، جو امام ہے وہ بھی مسافر ہے۔ اب انہوں نے چار رکعت والی نماز پڑھنا شروع کر دی اس امام کی متابعت کرتے ہوئے، وہ امام بھی کیا ہے؟ مسافر۔ دورانِ صلاۃ میں امام کا ارادہ بن گیا کہ میں یہیں پندرہ دن قیام کرتا ہوں تو وہ فوراً کیا بن گیا؟ مقیم بن گیا۔ اب اس کو دو کے بجائے چار رکعت پڑھنا پڑیں گی، اور جب یہ چار رکعت یہ پڑھے گا تو مقتدیوں پر بھی لازم ہے وہ اس کا اتباع کرتے ہوئے ان کو بھی کتنی پڑھنا پڑیں گی؟ چار، اگرچہ مقتدی مسافر ہیں انہوں نے کوئی نیت نہیں کی اقامت کی، لیکن امام کا اتباع کرتے ہوئے ان پر بھی وہ حکم لازم ہو جائے گا اور ان کو بھی کتنا پڑھنا پڑیں گے؟ چار رکعت بھائی۔ تو جیسے وہاں پر امام کے پر جو حکم لازم ہوا تھا وہ کس پر لازم ہو گیا؟ مقتدیوں پر بھی آ گیا، اسی طرح یہاں پر بھی مقتدیوں پر بھی امام کی نماز میں بھول ہوئی ہے اور اس پر سجدے لازم ہوئے ہیں تو مقتدیوں پر بھی کیا ہو جائیں گے؟ سجدے لازم ہو جائیں گے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **وَلِهٰذَا** اور اسی وجہ سے، **يَلْزَمُهُ حُكْمُ الْإِقَامَةِ** مقتدی پر لازم ہو جاتا ہے اقامت اقامت والا حکم، **بِنِيَّةِ الْإِمَامِ** امام کے نیت کرنے کی وجہ سے۔

فَإِنْ لَمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمُّ پس اگر امام سجدہ نہ کرے یعنی سہو کے سجدے نہ کرے، **لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمُّ** تو مقتدی بھی سجدے نہیں

کرے گا، **لِأَنَّهُ يَصِيرُ مُخَالِفًا** کیونکہ وہ امام کیونکہ اگر وہ کرے گا تو کیا بن جائے گا؟ امام کا مخالف، امام کی مخالفت لازم آئے گی، **وَمَا الْتَزَمَ الْأَدَاءَ إِلَّا مُتَابِعًا** اور اس نے تو ادا کا التزام نہیں کیا مگر متابع ہوتے ہوئے ہی۔ اس نے کس طرح ادا کا التزام کیا ہے کہ وہ کس طرح نماز ادا کرے گا؟ جب اقتداء کر رہا ہے تو امام کی متابعت کرتے ہوئے وہ ادا کرے گا، تو جب امام نے نہیں کیے سجدے تو یہ بھی سجدے نہیں کرے گا ورنہ کیا لازم آئے گی؟ امام کی مخالفت لازم آئے گی جو اس صحیح نہیں ہے اس کے لیے۔ یہ معنی ہے: **وَمَا الْتَزَمَ الْأَدَاءَ إِلَّا مُتَابِعًا** اور اس نے ادا کا التزام نہیں کیا، یعنی ادا کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا **إِلَّا مُتَابِعًا** مگر کس حالت میں؟ متابع ہوتے ہوئے متابع ہونے کی حالت میں۔

فَإِنْ سَهَا الْمُؤْتَمُّ لَمْ يَلْزَمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُودُ پس اگر مقتدی بھول گیا اب عکس صورت ہے بھائی، پہلے کون بھولا تھا؟ امام۔ اگر مقتدی سے کوئی بھول ہوئی کوئی واجب رہ گیا تو پھر اس صورت میں امام پر بھی سہو کے سجدے لازم نہیں اور مقتدی پر بھی سہو کے سجدے لازم نہیں۔ اس لیے کیونکہ اگر مقتدی پر سہو کے سجدے لازم قرار دیے جائیں تو پھر اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آتی ہے اور امام کی مخالفت تو اس کے لیے جائز نہیں، اور اگر امام پر سہو کے سجدوں کو لازم قرار دیا جائے کس کی غلطی کی وجہ سے؟ مقتدی کی غلطی کی وجہ سے، تو اس صورت میں اصل کو تابع بنانا لازم آئے گا اور تابع کو اصل بنانا لازم آئے گا حالانکہ یہ صحیح نہیں۔

لِأَنَّهُ لَوْ سَجَدَ وَحْدَهُ كَانَ مُخَالِفًا لِإِمَامِهِ اس لیے کیونکہ اگر اس نے اکیلے سجدے کر لیے تو یہ امام کی مخالفت کرنے والا ہو گا، **وَلَوْ تَابَعَهُ الْإِمَامُ** اور اگر امام اس کے متابعت کرتا ہے، **يَنْقَلِبُ الْأَصْلُ تَبَعًا** تو اصل پلٹ جائے گا تابع ہو کر، اور یہ درست نہیں۔

وَمَنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُولَى ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ إِلَى حَالَةِ الْقُعُودِ أَقْرَبُ عَادَ وَقَعَدَ وَتَشَهَّدَ۔ صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص چار رکعت والی نماز پڑھ رہا ہے مثلاً اور قعدۂ اولیٰ آپ نے پڑھا ہے واجب ہے، تو دوسری رکعت ادا کرنے کے بعد وہ قعدۂ اولیٰ بھول گیا، قعدۂ اولیٰ بھول گیا اور کھڑا ہونے لگا، کھڑا ہونے لگا تھا کہ اس کو یاد آ گیا کہ اوہو! یہاں تو کیا کرنا ہے؟ قعدہ۔ تو اب کیا کرے؟ تو کہتے ہیں بھائی اگر یہ بیٹھنے کے قریب ہے، کس حالت میں ہے؟ کھڑا ہو رہا ہے، درمیان میں ہے لیکن اپنی حالت کو دیکھ لے، اگر یہ بیٹھنے کے قریب ہے تو بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ لے اور اس پر سجدۂ سہو بھی لازم نہیں۔ سجدۂ سہو بھی بھائی کیوں نہیں لازم؟ یہ تو کھڑا ہونے لگا تھا، تھوڑا سا اٹھ بھی گیا تھا لیکن بیٹھنے کے قریب تھا، کس کے قریب تھا؟ تو کہتے ہیں بھائی **قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ** ہوتی ہے، جو چیز جس کے قریب ہو اس کا وہی حکم ہوتا ہے۔ اب یہ کھڑا ہو رہا تھا لیکن یہ کھڑا ہونا بھی کس کے قریب تھا؟ بیٹھنے کے قریب تھا تو اس کو بھی بیٹھنا ہی شمار کیا جائے گا، گویا یہ بیٹھا ہی رہا کھڑا ہوا ہی نہیں، جب کھڑا ہوا ہی نہیں تو اس پر سہو کے سجدے بھی واجب نہیں۔ اور اگر یہ کھڑا ہونے کے قریب تھا تو کہتے ہیں پھر کھڑا ہو جائے پھر واپس نہ بیٹھے، اس لیے کیونکہ جب کھڑے جب یہ کھڑا ہونے کے قریب ہے تو یہ کھڑے ہونے کے حکم میں ہے اور کھڑا ہونا تو فرض ہے قیام تو فرض ہے اور بیٹھنا تو واجب تھا، لہٰذا اب فرض کو چھوڑ کر واجب کی طرف واپس نہ جائے بھائی، صورت سمجھ میں آئی؟ لہٰذا کھڑا کھڑا ہونے کے قریب ہے تو کھڑا ہو جائے قیام کر لے اور پھر نماز کے آخر میں کیا کر لے؟ سجدۂ سہو کر لے بھائی۔

یہ معنی ہے: **وَمَنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُولَى** اور جو بھول گیا قعدۂ اولیٰ کو، **ثُمَّ تَذَكَّرَ** پھر اس کو یاد آیا، **وَهُوَ إِلَى حَالَةِ الْقُعُودِ أَقْرَبُ** اس حال میں کہ وہ بیٹھنے کی حالت کے زیادہ قریب تھا، **عَادَ** تو لوٹ جائے، **وَقَعَدَ** اور بیٹھ جائے، **وَتَشَهَّدَ** اور کیا کرے؟ تشہد پڑھ لے۔ **لِأَنَّ مَا يَقْرُبُ مِنَ الشَّيْءِ يَأْخُذُ حُكْمَهُ** اس لیے کیونکہ وہ جو کسی چیز کے قریب ہوتا ہے **يَأْخُذُ حُكْمَهُ** وہ اسی کے حکم کو لے لیتا ہے، یعنی **قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ** یعنی جو چیز جس کے قریب ہو اسی کے حکم میں ہوتی ہے۔

ثُمَّ قِيلَ پھر کہا گیا ہے: **يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ** کہ یہ سہو کے سجدے کرے گا، **لِلتَّأْخِيرِ** کس وجہ سے؟ تاخیر کی وجہ سے تاخیر کی وجہ سے، تاخیر آ گئی، کس کے اندر تاخیر آئی؟ قعدے کے اندر بھائی، تھوڑا سا اٹھ گیا تھا یا نہیں بھائی؟ تو تاخیر آ گئی۔ **وَالْأَصَحُّ** صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَالْأَصَحُّ** زیادہ صحیح یہ ہے **أَنَّهُ لَا يَسْجُدُ** کہ وہ سجدہ نہ کرے، یعنی سہو کے سجدے نہیں کرے گا، **كَمَا إِذَا لَمْ يَقُمْ** جیسے کہ وہ نہ کھڑا ہوا ہو، جب اس صورت میں جیسے نہیں تھے سہو کے سجدے نہیں ہوتے، اس صورت میں بھی نہیں ہوں گے۔

وَلَوْ كَانَ إِلَى الْقِيَامِ أَقْرَبَ لَمْ يَعُدْ اور اگر وہ قیام کے قریب ہے زیادہ کھڑے ہونے کے زیادہ قریب ہے جب اس کو یاد آیا، **لَمْ يَعُدْ** تو پھر نہ لوٹے، **لِأَنَّهُ كَالْقَائِمِ مَعْنًى** اس لیے کیونکہ یہ بھی کھڑے ہونے کی طرح ہی ہے **مَعْنًى** باعتبار معنی کے، اس کے زیادہ قریب ہے تو اسی کی طرح ہے، **وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ** اور اس صورت میں پھر کیا کرے گا؟ جب کھڑا ہو گیا تو قعدہ تو رہ گیا تھا، لہٰذا **وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ** سہو کا سجدہ کرے گا، **لِأَنَّهُ تَرَكَ الْوَاجِبَ** اس لیے کیونکہ اس نے واجب کو چھوڑ دیا ہے۔

وَإِنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأَخِيرَةِ اور اگر نماز پڑھنے والا بھول گیا کس کو؟ قعدۂ اخیرہ کو جو فرض ہے، **حَتَّى قَامَ إِلَى الْخَامِسَةِ** یہاں تک کہ وہ کھڑا ہو گیا پانچویں رکعت کی طرف، **رَجَعَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ** تو یہ لوٹ جائے قعدہ یعنی بیٹھنے کی طرف **مَا لَمْ يَسْجُدْ** جب تک اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا۔ بھائی کیوں لوٹ جائے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ فِيهِ إِصْلَاحَ صَلَاتِهِ** اس لیے کیونکہ اس کے اندر اس کی نماز کی اصلاح ہے۔ اسی صورت میں اس کی نماز صحیح ہو سکتی ہے ورنہ تو اس کی اگر یہ قعدہ تو کیا ہے؟ فرض ہے یہ رہ جاتا ہے۔ تو اس **لِأَنَّ فِيهِ إِصْلَاحَ صَلَاتِهِ** اس لیے کیونکہ اس صورت کے اندر اس کی نماز کی اصلاح ہے،

وَأَمْكَنَهُ ذٰلِكَ اور اس کے لیے یہ ممکن بھی ہے، **لِأَنَّ مَا دُونَ الرَّكْعَةِ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ** اس لیے کیونکہ وہ جو ایک رکعت سے کم جو ہو **بِمَحَلِّ الرَّفْضِ** وہ کس محل میں ہے؟ چھوڑنے کے محل میں ہے، اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ جو ایک رکعت ابھی پوری نہیں ہوئی اس کو کیا کیا جا سکتا ہے؟ چھوڑا جا سکتا ہے۔ سجدہ کر لیا ہے اگر پانچویں رکعت کا پھر حکم اور ہے وہ تفصیل آگے آئے گی۔ یہ کب کون سی صورت بیان ہو رہی ہے؟ قعدۂ اخیرہ بھول کر کھڑا ہو گیا پانچویں رکعت کے لیے اور ابھی سجدہ پانچویں رکعت کا نہیں کیا، بے شک رکوع کر چکا ہے لیکن سجدہ ابھی نہیں کیا تو واپس بیٹھ جائے، کیونکہ اس موقع پر نہ اس اس محل پر اس رکعت کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ، تو چھوڑا جا سکتا ہے اس کو چھوڑ دے، **وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ** اس پانچویں رکعت کو کیا کر دے؟ چھوڑ دے۔ **أَلْغَى الْخَامِسَةَ** کا کیا معنی؟ بھائی یہ ابھی سجدہ نہیں کیا نا، جب سجدہ نہیں کیا تو کیا حکم انہوں نے بیان کیا؟ چھوڑ دے، محلِ رفض میں ہے اس کو کیا کر دے؟ چھوڑ دے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ متن میں آ رہا ہے، سمجھ میں آیا؟ صاحبِ ہدایہ نے تو بیان کر دیا کہ یہ محلِ رفض میں ہے اس کو چھوڑا جا سکتا ہے لیکن ماتن نے تو ابھی بیان نہیں کیا تھا، وہ بیان کر رہے ہیں: **وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ** کہ بیٹھ جائے اور جب تک سجدہ نہیں کیا، **وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ** اور پانچویں رکعت کو چھوڑ دے۔ تو **أَلْغَى** کا معنی چھوڑ دینا، چھوڑ دینا۔ لیکن اس کا زیادہ بالفظوں کے مطابق صحیح ترجمہ جو اس کا بنتا ہے نا **وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ** کا، اس کو لغو کر دے، پانچویں رکعت کو کیا کر دے؟ لغو کر دے۔ سمجھ میں آیا؟ لغو کر دے۔ تو یہ کوئی ہاں ایک لفظ کے ساتھ اس کا اس کا ترجمہ صحیح ہوتا ہے لیکن وہ ہے انگریزی کا لفظ: **وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ** اور پانچویں رکعت کو کینسل کر دے یعنی۔ کیا کر دے؟ کینسل کر دے بھائی۔

لِأَنَّهُ رَجَعَ إِلَى شَيْءٍ مَحَلُّهُ قَبْلَهَا فَيَرْتَفِضُ، تو اس کو چھوڑ دے۔ بھائی پانچویں رکعت کو چھوڑ دے، کیونکہ وہ ایک ایسی چیز کی طرف لوٹ رہا ہے جس کا محل اس سے پہلے ہی تھا، وہ رہ گئی تھی لہٰذا اسی کی طرف لوٹ رہا ہے اس کا محل اس سے پہلے تھا۔ **لِأَنَّهُ رَجَعَ إِلَى شَيْءٍ مَحَلُّهُ قَبْلَهَا** اس لیے کیونکہ وہ لوٹا ہے ایک ایسی چیز کی طرف جس کا محل اس سے پہلے ہے۔ کس چیز کی طرف لوٹا؟ قعدے کی طرف، اور اس قعدے کا محل اس قیام پانچویں رکعت کے قیام سے پہلے ہی تھا، **فَيَرْتَفِضُ** تو اس کو چھوڑ دے اس رکعت کو، **وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ** اور سہو کا سجدہ کرے، **لِأَنَّهُ أَخَّرَ وَاجِبًا** اس لیے کیونکہ اس نے واجب کو کیا کر دیا؟ مؤخر کر دیا، کیا کر دیا؟ مؤخر کر دیا۔

تو واجب سے یا تو فرض مراد ہے، کیونکہ یہ فرض تھا آخری قعدہ تو کیا ہے؟ فرض۔ تو یہاں واجب سے مراد وہ اصطلاحی واجب نہیں مراد، لغوی واجب مراد ہے۔ واجب کا کیا معنی؟ جو لازمی ہو ضروری ہو، تو اس نے لازمی چیز کو ایک چھوڑ دیا یعنی فرض کو چھوڑ دیا۔ یا واجب کو واجب کے معنی میں ہی رکھیں، اس نے واجب کو کیا کر دیا؟ مؤخر۔ کیا معنی؟ یعنی وہ جو اتصال تھا اس اتصال کو اس نے چھوڑ، تو پھر اس صورت میں ترک کی صورت ترکِ واجب لا لازم آ رہا ہے۔ تو بہر حال واجب کو یہاں واجبِ لغوی کے معنی میں رکھیں زیادہ مناسب ہے۔ تو یہ معنی ہے: **وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ** اور سہو کا سجدہ کرے، **لِأَنَّهُ أَخَّرَ وَاجِبًا** اس لیے کیونکہ اس نے فرض کو کیا کر دیا ہے؟ مؤخر کر دیا ہے۔ چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۷: مسئلہ: وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَ...

ہدایہ صفحہ: ۱۶۶ — بتاریخ: ۲۳ فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ شُرُوعُهُ فِي النَّافِلَةِ قَبْلَ إِكْمَالِ أَرْكَانِ الْمَكْتُوبَةِ، وَمِنْ ضَرُورَتِهِ خُرُوجُهُ عَنِ الْفَرْضِ، وَهَذَا لِأَنَّ الرَّكْعَةَ بِسَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ صَلَاةٌ حَقِيقَةً، حَتَّى يَحْنَثَ بِهَا فِي يَمِينِهِ لَا يُصَلِّي.»

سجدۂ سہو کا بیان چل رہا ہے اور گزشتہ سبق کے آخر میں یہ مسئلہ ذکر ہوا تھا کہ اگر کوئی شخص جو ہے وہ قعدۂ اخیرہ کو بھول گیا اور پانچویں رکعت کی طرف اٹھ گیا اور کھڑا ہو گیا۔ تو جب تک اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا، چاہے رکوع بھی کر لیا لیکن سجدہ بھی نہیں کیا، تو واپس لوٹ آئے اور قعدہ کرے اور کیا کرے پھر؟ سجدۂ سہو کرے۔

اور اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تھا تو پھر کیا کرے گا؟ اب وہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «**وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهُ عِنْدَنَا**» اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو مقید کر دیا سجدے کے ساتھ، یعنی اس کا بھی سجدہ کر لیا، «**بَطَلَ فَرْضُهُ عِنْدَنَا**» تو اس شخص کا فرض ہمارے نزدیک باطل، یعنی عند الاحناف اس کا فرض کیا ہوا؟ باطل ہو گیا۔ «**خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ**» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کا فرض ابھی باطل نہیں۔

تو ہمارے نزدیک دیکھیے صورت کیا ذکر ہو رہی ہے، آخری قعدہ وہ بھول گیا ہے اور آخری قعدہ تو تھا فرض اور اس نے کیا شروع کر دی؟ پانچویں رکعت۔ پانچویں رکعت کے ساتھ جب اس نے سجدہ کر لیا، سجدے کے ساتھ اس کو مقید کر دیا تو اس صورت میں اس کے فرض باطل ہو گئے، کیونکہ وہ نفلوں میں شروع ہو گیا۔ کس میں شروع ہو گیا؟ نفلوں میں۔ جب تک سجدہ نہیں کیا تھا وہ رکعت محلِ رفض میں تھی، اس کو چھوڑا جا سکتا تھا۔ لیکن جب اس نے سجدہ کر لیا اب رکعت پوری ہو گئی۔ اگرچہ رکعت میں دو سجدے ہیں لیکن بہر حال ایک سجدہ بھی کر لیا تو گویا رکعت کو اس نے ادا کر لیا، اس کو نماز، ایک رکعت کو بھی، ایک سجدہ کر لیا جائے اگر تو اس کو بھی نماز کہتے ہیں۔ آگے آپ کو بتلائیں گے بھائی، اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ نماز کہتے ہیں۔ تو گویا اس نے آگے ایک نماز پوری شروع کر دی ہے اور اس کو پکا کر دیا اور وہ تو ہیں نفل۔ کیا ہیں؟ لازمی بات ہے فرض تو کتنے تھے؟ چار تھے اور یہ اس نے پانچویں کیا شروع کر دیا؟ نفل۔ اور نفل تبھی شروع ہو سکتے ہیں جب وہ فرضوں سے نکل جائے۔ نفل کب شروع ہوں گے؟ جب فرض، معلوم ہوا یہ فرضوں سے نکل گیا اور جب فرضوں سے نکلا ہے وہاں تو ایک فرض کو چھوڑ کر نکلا ہے لہٰذا وہ فرض پورے ہوئے نہیں، وہ فرض پورے نہیں ہوئے لہٰذا اس کے فرض نماز کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا اس کے ساتھ پھر کیا کر لے؟ ایک رکعت اور ملا لے، کیونکہ ایک رکعت والی نفل تو صحیح نہیں، تو ایک رکعت اور ملائے، چھ رکعت پر پھر جا کر کیا کر دے؟ وہاں جا کر سلام پھیرے گا اور یہ سارے اس کے نفل بن گئے بھائی۔ ہاں، یہ بھی آگے ذکر کریں گے کہ یہ فرض تو باطل ہو گئے۔ تو کیا یہ چار رکعتیں نفل بن گئیں یا نفل نہیں بنیں بھائی؟ نفل نہیں بنیں۔

تو آپ پڑھ چکے، شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بطلانِ وصف سے بطلانِ اصل ضروری نہیں۔ فرضیت باطل ہو جائے تو اس سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا، گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ فرضیت باطل ہو جائے تو اصلِ صلاۃ باطل نہیں، تحریمہ باطل نہیں۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ کہ فرضیت باطل ہو جائے تو تحریمہ بھی کیا ہو جائے گا؟ باطل۔ لہٰذا یہ چار رکعت ان کے نزدیک ویسے ہی گئے، نہ یہ نفل رہے اور نہ ہی فرض۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ کیا بن گئے؟ نفل بن گئے، نماز باقی ہے البتہ فرض ہونا ان کا باطل ہو گیا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ دیکھیے یہ خود بھی اب ساری یہ تفصیل ذکر کریں گے۔

مسئلہ: وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ

«وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ» اور اگر مقید کر دیا پانچویں رکعت کو سجدے کے ساتھ، «بَطَلَ فَرْضُهُ عِنْدَنَا» تو اس شخص کا فرض جو ہے وہ باطل ہو گیا ہمارے نزدیک، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، «لِأَنَّهُ» یہاں سے یہ نہ سمجھنا امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے، یہ ہماری دلیل ذکر ہو رہی ہے، صرف ان کا اختلاف ذکر کر دیا کہ ان کے نزدیک فرض ابھی بھی باطل نہیں۔ تو دلیل اس کی کہ فرض کیوں باطل ہو گئے ہیں، وہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ شُرُوعُهُ فِي النَّافِلَةِ» اس لیے کیونکہ اس نے پکا کر دیا، «شُرُوعُهُ» اپنے شروع ہونے کو، «فِي النَّافِلَةِ» کس میں؟ نفلوں میں۔ اس نے جب پانچویں رکعت کا سجدہ کر دیا تو اپنے نفلوں میں شروع ہونے کو پکا کر دیا، اس سے پہلے پکا نہیں تھا، چھوڑا جا سکتا تھا۔ لیکن جب سجدہ بھی کر دیا اب نفلوں میں شروع ہونا پکا ہو گیا اور نفلوں میں انسان کب شروع ہو گا جب کس سے نکل جائے؟ فرضوں سے جب نکل جائے، معلوم ہوا فرض اس نے چھوڑ دیے اور کس میں شروع ہو گیا؟ نفل میں اور فرضوں کا تو ایک فرض باقی تھا لہٰذا وہ کیا ہو جائیں گے؟ باطل ہو جائیں گے۔

«لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ»، استحکم کا معنیٰ پختہ ہونا، مضبوط ہونا، پکا ہونا۔ «لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ شُرُوعُهُ فِي النَّافِلَةِ» اس لیے کیونکہ مستحکم ہو گیا اس کا شروع ہونا نفلوں میں، «قَبْلَ إِكْمَالِ أَرْكَانِ الْمَكْتُوبَةِ» قبل پورا کرنے ارکانِ مکتوبہ کو۔ مکتوبہ یعنی فرض نماز۔ مکتوبہ، فرض جو لکھی گئی ہے یعنی فرض کی گئی ہے۔ فرض کی ہوئی نماز کے ارکان کو پورا کرنے سے پہلے ہی وہ کس میں شروع ہو گیا؟ نفلوں میں شروع ہونے کو اس نے پکا کر دیا، «وَمِنْ ضَرُورَتِهِ خُرُوجُهُ عَنِ الْفَرْضِ» اور نفلوں میں شروع ہونے کے ساتھ ضروری ہے فرضوں سے نکلنا۔ تو معلوم ہوا یہ کس سے نکل گیا ہے؟ فرضوں سے نکل گیا ہے۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آ گئی؟

«وَهَذَا لِأَنَّ الرَّكْعَةَ»، وہذا سے وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ بھائی ہم نے اوپر مسئلہ ذکر کر دیا کہ اگر سجدہ پانچویں رکعت کا نہیں کیا تو واپس لوٹ سکتا ہے اور قعدہ کر سکتا ہے اور اگر سجدہ کر لے گا تو اس صورت میں فرض کیا ہو جائیں گے؟ باطل ہو جائیں گے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ سجدے کی قید آپ لگا رہے ہیں کہ سجدہ کر لیا تو بس اب فرض باطل۔ کہتے ہیں: «وَهَذَا لِأَنَّ الرَّكْعَةَ بِسَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ صَلَاةٌ حَقِيقَةً» اس لیے کیونکہ رکعت صرف ایک سجدے کے ساتھ ہی ہو تو بھی یہ صلاۃ حقیقۃً، یہ کیا ہے؟ حقیقتاً صلاۃ ہے، «حَتَّى يَحْنَثَ بِهَا فِي يَمِينِهِ» یہاں تک کہ وہ حانث ہو جائے گا اس کی وجہ سے اپنی اس قسم کے اندر، «لَا يُصَلِّي» اس قسم کے اندر، کون سی قسم؟ «لَا يُصَلِّي» کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا۔ بھائی ایک شخص نے قسم اٹھائی: واللہِ لا اصلي، واللہ میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ قسم تو اس نے غلط اٹھائی، اس سے ہماری بحث نہیں، تو یہ قسم منعقد ہو گئی۔ یہاں صرف یہ بتلائیں گے یہ قسم اگر کسی نے کھالی ہے تو حانث کب ہو گا؟ کہتے ہیں: جب نماز شروع کر دے گا تو فوراً حانث نہیں ہو گا۔ بلکہ کب ہو گا؟ جب ایک سجدہ کر لے گا، جیسے ہی وہ ایک سجدہ کرے گا، ابھی دوسرا کیا بھی نہیں، پھر بھی کیا ہو گیا؟ حانث ہو گیا، کیونکہ ایک سجدے کے ساتھ بھی رکعت ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ نماز۔ تو اس نے تو نماز پڑھ لی اور اس نے قسم تو کیا اٹھائی تھی؟ «وَاللَّهِ لَا أُصَلِّي» میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ تو معلوم ہوا ایک سجدے کے ساتھ بھی رکعت ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ نماز کہتے ہیں۔ تو یہاں بھی اس نے ایک سجدہ جب یہ پانچویں رکعت کا کر دیا تو نماز پڑھ لی، یعنی اگلی زائد نماز کیا کر دی؟ نفل شروع کر دی ہے، وہ پڑھنا شروع کر دی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟

یہ معنیٰ ہے: «وَهَذَا لِأَنَّ الرَّكْعَةَ بِسَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ صَلَاةٌ حَقِيقَةً» اور یہ اس وجہ سے ہے کیونکہ رکعت جو ہے ایک سجدے کے ساتھ بھی نماز ہے حقیقتاً، «حَتَّى يَحْنَثَ بِهَا فِي يَمِينِهِ لَا يُصَلِّي» یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ حانث ہو جائے گا اپنی اس قسم کے اندر «لَا يُصَلِّي» کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا، یعنی اس نے قسم کھائی «لَا أُصَلِّي» کی۔

مسئلہ: وَتَحَوَّلَتْ صَلَاتُهُ نَفْلًا

«وَتَحَوَّلَتْ صَلَاتُهُ نَفْلًا» اور پلٹ جائے گی اس کی نماز نفل ہو کر۔ اس کی نماز کیا بن جائے گی؟ نفل بن جائے گی۔ «عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ» شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، «خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى مَا مَرَّ» بخلاف امام محمد رحمہ اللہ کے اس وجہ سے جو گزر گئی۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نفل بھی نہیں بنیں گے یہ چار رکعت اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک نفل بن جائیں گے۔ کیا وجہ گزری تھی قضاء الفوائت کے باب میں؟ ہاں، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وصف کے فوت ہونے سے اصل بھی فوت، جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وصف کے فوت ہونے سے اصل کا فوت ہونا لازم نہیں۔

«فَيَضُمُّ إِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً» تو ملالے اس کے ساتھ چھٹی رکعت۔ چھٹی رکعت ملالے: «فَيَضُمُّ إِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً» تو ملالے اس کے ساتھ چھٹی رکعت، «وَلَوْ لَمْ يَضُمَّ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ» اور اگر اس نے نہیں ملائی چھٹی رکعت تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے۔

بھائی دیکھیے، آپ نے پڑھا ہے نفل، نفل ہیں جب تک شروع نہیں کیے۔ لیکن جب شروع کر دیے اب کیا بن گئے؟ واجب۔ لہٰذا ان کو اب اگر درمیان میں وہ توڑ دیتا ہے تو کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی، کیونکہ اللہ فرماتے ہیں: «لَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ» تم اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔ عملوں کو باطل نہ کرو۔

تو اب یہ جو رکعت ہے، یہ جو نماز اس نے شروع کر دی پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا اور پھر اس کو یاد آیا اوہو! میرے تو چار رکعتیں تھیں اور یہ تو میں نے پانچویں ملالی ہے اور اس نے بیچ میں ہی نماز چھوڑ دی، بیچ میں ہی نماز چھوڑ دی۔ تو یہ جو پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تھا یہ تو کیا بن گئے؟ نفل۔ تو یہ نفل اس نے اب توڑ دیے، تو کیا یہ نفل اس کے ذمے اب ان کی قضا واجب ہو گی یا واجب نہیں؟ تو کہتے ہیں: اس کی قضا بھی اس پر واجب نہیں۔ ان دو رکعتوں کی قضا بھی واجب نہیں، کیوں نہیں واجب؟ کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ اس نے اپنے ارادے سے اس کا باقاعدہ ارادہ نہیں تھا نفل پڑھنے کا، یہ تو اپنے غلط گمان کی وجہ سے وہ کھڑا ہو گیا تھا اور شروع کر دیے تھے، تو یہ جو جس نفلوں کو اس نے پڑھنا شروع کیا یہ مظنون تھے، کیا تھے؟ **ظَنَّ يَظُنُّ** کا معنیٰ گمان کرنا، تو یہ شخص ہوا **ظَانٌّ**، گمان کرنے والا اور یہ نفل کیا ہوئے؟ مظنون۔ تو اس کا ارادہ تھا نفل پڑھنے کا؟ نہیں، تو یہ نفل بالارادہ نہیں بلکہ یہ نفل ہوئے مظنون۔ اس کے اپنے غلط گمان کی وجہ سے جن میں شروع ہوا ہے لہٰذا چونکہ ارادہ نہیں تھا، نفل مظنون تھے لہٰذا اس لیے یہ اس پر لازم بھی نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنیٰ ہے: «**وَلَوْ لَمْ يَضُمَّ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ**» اور اگر اس کے ساتھ اس نے چھٹی رکعت نہ ملائی تو اس پر کوئی چیز نہیں، یعنی اس پر اس کی قضا بھی واجب نہیں۔ «**لِأَنَّهُ مَظْنُونٌ**» اس لیے کیونکہ وہ جس کے اندر، جس میں شروع ہوا تھا مظنونٌ، وہ مظنون ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ إِنَّمَا يَبْطُلُ فَرْضُهُ بِوَضْعِ الْجَبْهَةِ

«**ثُمَّ إِنَّمَا يَبْطُلُ فَرْضُهُ بِوَضْعِ الْجَبْهَةِ**» جی، فقہاء پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں، کیسے ایک ایک مسئلے کو واضح لفظوں کے اندر قرآن و حدیث سے استنباط کرتے ہوئے اور وہاں سے اصول لیتے ہوئے ایک ایک مسئلہ انہوں نے ذکر کر دیا بھائی۔ کتنی گہرائی تک یہ جاتے ہیں مسئلے کی، انسان حیران رہ جاتا ہے۔

اب کہتے ہیں بھائی پانچویں رکعت کا جب سجدہ کرے گا تو وہ فرض کیا ہو جائیں گے پچھلے؟ باطل ہو جائیں گے کیونکہ قعدۂ اخیرہ رہ گیا ہے وہاں پر۔ اچھا، پانچویں رکعت میں کب فرض باطل ہوں گے، کب؟ جیسے ہی پیشانی زمین پر رکھے گا تب یا پیشانی کو زمین سے اٹھالے گا تب بھائی؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے ہی پیشانی زمین پر رکھے گا ساتھ ہی وہ فرض کیا ہو گئے؟ باطل ہو گئے، اب ان کی اصلاح کی کوئی صورت نہیں۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، جب تک سجدے سے سر نہیں اٹھالیتا اس وقت تک اس کے اس کے فرض باطل نہیں، باطل نہیں۔ سمجھ میں آیا؟

لہٰذا سجدے کے بیچ میں اگر اس کا وضو ٹوٹ گیا اور ابھی اس نے سر تو اٹھایا نہیں، لہٰذا یہ گیا وضو کرنے چلا گیا۔ بناء کرنا چاہتا تھا اور وضو کرنے گیا اور وہاں اس کو خیال آیا: اوہو! میں تو قعدۂ اخیرہ بھول گیا تھا، میرے ذمے باقی ہے۔ تو یہ اب کیا آ کر اسی پر بناء کر سکتا ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہاں بھائی، کیا کر سکتا ہے؟ آئے اور آ کر سیدھا بیٹھ جائے اور بیٹھ کر پھر وہ آخری قعدہ کرے اور تشہد پڑھے، سلام پھیرے، سجدۂ سہو کر لے، اس کی نماز ہو گئی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں، پیشانی رکھتے ہی کیا ہو گئی تھی وہ رکعت؟ باطل ہو گئی تھی، اب بناء نہیں کر سکتا۔ فرق سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، یہ ہیں ہمارے فقہائے کرام بھائی، اللہ ان کے کروڑہا درجات بلند فرمائے۔

کہتے ہیں: «**ثُمَّ إِنَّمَا يَبْطُلُ فَرْضُهُ بِوَضْعِ الْجَبْهَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» پھر اس کا فرض باطل ہو جائے گا، جبہہ کہتے ہیں پیشانی کو، پیشانی رکھنے سے ہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔ دلیل کیا ہے ان کی؟ وہ فرماتے ہیں: «**لِأَنَّهُ سُجُودٌ كَامِلٌ**»، میں نے آپ کو پہلے بتلایا تھا کہ جس کو ہم اردو میں سجدہ کہتے ہیں اس کو عربی میں سجود کہتے ہیں، تو یہ سجود کا لفظ آ رہا ہے اس کو جمع نہ سمجھنا یہ سجدے کی جمع ہے۔ «**لِأَنَّهُ سُجُودٌ كَامِلٌ**» اس لیے کیونکہ یہ کامل سجدہ ہے، پیشانی کا رکھ دینا ہی کیا ہے؟ کامل سجدہ ہے بھائی، سجدہ کہتے ہی اس کو ہیں کہ زمین پر انسان پیشانی رکھ دے۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ بِرَفْعِهِ

«**وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ بِرَفْعِهِ**» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک برفعہ، **أَيْ يَبْطُلُ**، پچھلی عبارت ملائیں، «**يَبْطُلُ فَرْضُهُ بِرَفْعِهِ**» کہ اس کا فرض باطل ہو گا سر کو اٹھا لینے سے۔ بھائی کیوں؟ ان کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ تَمَامَ الشَّيْءِ بِآخِرِهِ**» اس لیے کیونکہ شے کا پورا ہونا کس کے ساتھ ہوتا ہے؟ اپنے آخری حصے کے ساتھ ہوتا ہے، «**وَهُوَ الرَّفْعُ**» اور وہ کس کے ساتھ ہو گا؟ سر اٹھانے سے، معلوم ہوا آخری حصے کو بھی اس نے کیا کر لیا؟ پورا کر لیا۔ «**وَلَمْ يَصِحَّ مَعَ الْحَدَثِ**» اور یہ سر کا اٹھانا حدث کے ساتھ صحیح نہیں۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ سر کا اٹھانا، بھائی جس رکن میں، جس رکن میں، جس رکن میں وضو ٹوٹ جائے تو آپ پڑھ چکے، بناء کرنا چاہتا ہے تو کیا کرنا پڑے گا؟ اسی رکن کو دوبارہ ادا کریں گے، اسی رکن کو کیونکہ اس کا پورا ہونا کس سے ہوتا ہے؟ کسی رکن کا پورا ہونا کس طرح ہو گا جب اس رکن سے اگلے رکن کی طرف انسان منتقل ہو اور کس حالت میں منتقل ہو؟ پاکی کی حالت میں منتقل ہو پھر ہی پورا ہونا ہوتا ہے، اس کے بغیر پورا نہیں۔ تو یہاں پر بھی ابھی اس نے سر نہیں اٹھایا لہٰذا سجدہ پورا نہیں، اسی میں وضو ٹوٹا ہے تو سجدہ پورا کب ہو گا جب پاکی کی حالت میں کیا کرے، سجدے سے سر اٹھائے پھر پورا ہو گا اور یہاں جی، وہ اچھا وہ وضو ٹوٹنے والی مثال وہ تو خیر میں نے آگے ذکر کی تھی، یہاں ویسے ذکر کر رہے ہیں کہ یہ پورا ہونا وہ سر اٹھانے سے ہو گا «**وَلَمْ يَصِحَّ مَعَ الْحَدَثِ**» اور یہ سر اٹھانا حدث کے ساتھ صحیح نہیں، اس کے ساتھ سجدہ پورا

نہیں ہو گا۔

«وَثَمَرَةُ الِاخْتِلَافِ تَظْهَرُ» اور ثمرۂ اختلاف جو ہے یعنی ان دو فقہاء کا، ان دو ائمہ کا، امام ابو یوسف اور امام محمد کا، «تَظْهَرُ» وہ ظاہر ہوتا ہے «فِيمَا» اس صورت میں «إِذَا سَبَقَهُ الْحَدَثُ فِي السُّجُودِ» جبکہ اس شخص کو کیا لاحق ہو گیا، کیا پیش آ گیا؟ حدث پیش آ گیا «فِي السُّجُودِ» سجدے میں، «بَنَى عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو بناء کر سکتا ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، کیونکہ ابھی سجدہ پورا نہیں۔ اسی نماز، وہ نماز جو فرض تھے وہ بناء کرتے ہوئے اس کو پورا کر سکتا ہے اور «خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ» بخلاف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے کہ ان فرضوں پر بناء اب نہیں کر سکتا، ان کے صحیح ہونے کی صورت نہیں بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ...

«وَلَوْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ عَادَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ» اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں بھائی۔ پہلی کیا مثال ذکر کی؟ کون سی صورت تھی؟ قعدۂ اخیرہ بھول گیا ہے اور پانچویں رکعت کی طرف اٹھ گیا، جب تک سجدہ نہیں کیا واپس چلا جائے اور سجدہ کر لیا ہے تو اب واپس نہیں جا سکتا، لہٰذا اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا لے۔ اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں: ایک آدمی نے قعدۂ اخیرہ کر لیا، آخری رکعت کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھا بھی، پھر سمجھا شاید یہ بیچ والا قعدہ ہے، وہ کھڑا ہو گیا پانچویں رکعت کی طرف۔ تو اس صورت میں کیا کریں گے؟ وہ بیان کر رہے ہیں بھائی۔

کہتے ہیں: «وَلَوْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ» اور اگر وہ بیٹھ گیا چوتھی رکعت میں، «ثُمَّ قَامَ» پھر کھڑا ہوا پانچویں کی طرف بھول کر، «وَلَمْ يُسَلِّمْ» اور اس نے سلام نہیں پھیرا، «عَادَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ» تو وہ لوٹ جائے قعدے کی طرف جب تک اس نے پانچویں کا سجدہ نہیں کیا، «وَسَلَّمَ» اور کیا کرے؟ سلام پھیرے اور نیز سجدۂ سہو بھی کرے گا۔ کیا کرے گا؟ سجدۂ سہو کیوں کرے گا بھائی؟ تاخیر آ گئی سلام کے اندر بھائی۔

«لِأَنَّ التَّسْلِيمَ فِي حَالَةِ الْقِيَامِ غَيْرُ مَشْرُوعٍ» اس لیے کیونکہ سلام کرنا حالتِ قیام میں «غَيْرُ مَشْرُوعٍ» یہ غیر مشروع ہے، درست نہیں ہے، «وَأَمْكَنَهُ الْإِقَامَةُ» اور اس کے لیے ممکن ہے اس کو قائم کرنا «عَلَى وَجْهِهِ» أَيْ عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ۔ بھائی صورت کیا ذکر ہو رہی ہے؟ یہ قعدہ کر لیا ہے اور پھر کھڑا ہو گیا پانچویں کے لیے اور پھر اس کو یاد آیا، ابھی سجدہ نہیں کیا اس کو یاد آ گیا، تو واپس لوٹ جائے اور بیٹھ کر کیا کرے؟ سلام پھیرے، کیونکہ سلام پھیرنے کا مشروع طریقہ کون سا ہے؟ بیٹھ کر۔ اور یہ تو کھڑا ہے، کھڑے ہونے کی حالت میں اس کو یاد آیا ہے، تو اب صرف سلام باقی ہے۔ اب یہ مشروع طریقے پر سلام کرنا اس کے لیے ممکن ہے یا نہیں؟ یہ جو کھڑا ہوا ہے پانچویں رکعت میں اس کو یاد آیا کہ میرا تو یہ آخری قعدہ میں کر آیا ہوں، یہ پانچویں رکعت ہے، تو اس کو اب صرف کیا باقی ہے اس پر؟ سلام۔ اور سلام اب یہ کھڑے ہوئے کرے گا یا مشروع طریقے پر بیٹھ کر کرنا چاہیے؟ بیٹھ کر کرنا چاہیے، اسی لیے کہا کہ وہ لوٹ جائے اور بیٹھ کر کیا کرے؟ سلام پھیرے۔

یہ معنیٰ ہے: «لِأَنَّ التَّسْلِيمَ فِي حَالَةِ الْقِيَامِ غَيْرُ مَشْرُوعٍ» اس لیے کیونکہ سلام کرنا قیام کی حالت میں یہ غیر مشروع ہے، «وَأَمْكَنَهُ الْإِقَامَةُ عَلَى وَجْهِهِ» اور ممکن ہے اس کے لیے اس سلام کو قائم کرنا علیٰ وجہہ، أَيْ عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ، مشروع طریقے پر اس کے لیے سلام کو قائم کرنا ممکن ہے، «بِالْقُعُودِ» کس کے ساتھ؟ بیٹھ کر قعدے کے ساتھ۔ «لِأَنَّ مَا دُونَ الرَّكْعَةِ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ» اس لیے کیونکہ ایک رکعت سے جو کم ہے وہ کس میں ہے؟ وہ محلِ رفض میں ہے، جو پانچویں رکعت جس میں وہ کھڑا ہے وہ محلِ رفض میں ہے اس کو چھوڑا جا سکتا ہے، تو اس کو چھوڑ دے اور بیٹھ جائے اور بیٹھ کر سلام پھیرے۔ اور سجدۂ سہو بھی کرے گا میں نے بتلایا بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ

«وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ» جی، یہ وہی صورت: قعدہ کر چکا ہے، قعدے کے بعد پانچویں کے لیے کھڑا ہوا ہے اور پانچویں کا بھی اس نے سجدہ کر لیا، کیا کرنا چاہیے بھائی؟ آپ بتائیے۔ جی، شاباش! ایک رکعت اور ملا لے اور آخر میں پھر کیا کر لے؟ سجدۂ سہو کر لے، فرض بھی پورے ہوئے اور یہ دو کیا بن گئے؟ نفل بن گئے، کیونکہ فرضوں کے فرائض پورے ہو گئے تھے، آخری قعدہ اس نے کر لیا تھا۔

«وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِالسَّجْدَةِ» اور اگر اس نے مقید کر دیا پانچویں رکعت کو سجدے کے ساتھ، «ثُمَّ تَذَكَّرَ» پھر اس کو یاد آیا، «ضَمَّ إِلَيْهَا رَكْعَةً أُخْرَى» تو اس کے ساتھ ایک اور رکعت کو ملا لے، «وَتَمَّ فَرْضُهُ» اور اس کے فرض مکمل ہو گئے، «لِأَنَّ الْبَاقِيَ إِصَابَةُ لَفْظَةِ السَّلَامِ» اس لیے کیونکہ باقی جو ہے وہ لفظِ سلام کو پہنچنا ہے، لفظِ سلام کو پا لینا ہے، «وَهِيَ وَاجِبَةٌ» اور وہ واجب ہے، فرض نہیں ہے۔

«وَإِنَّمَا يَضُمُّ إِلَيْهَا أُخْرَى»، بھائی آپ نے یہ حکم کیوں دیا کہ اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا لے؟ وہ بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا يَضُمُّ إِلَيْهَا أُخْرَى» اور اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا دے، «لِتَصِيرَ الرَّكْعَتَانِ نَفْلًا» تاکہ یہ دو رکعتیں کیا بن جائیں؟ نفل بن جائیں، «لِأَنَّ الرَّكْعَةَ الْوَاحِدَةَ لَا تُجْزِيهِ»

اس لیے کیونکہ ایک رکعت یہ اس کے لیے کافی نہیں، ایک رکعت کا تو نفل درست نہیں۔ «لِنَهْيِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْبُتَيْرَاءِ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے بُتَیراء نماز سے۔ بُتَیراء، ابتر سے ہے اور بُتَیراء دم کٹی، یعنی ادھوری، ادھوری۔ اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ادھوری نماز سے منع فرمایا ہے، نامکمل نماز سے، یعنی ایک رکعت سے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ لَا تَنُوبَانِ

«ثُمَّ لَا تَنُوبَانِ»، اچھا بھائی اب کیا ہوا؟ چار رکعت فرض ہو گئے، پانچویں کو قعدہ کا، پانچویں کا سجدہ کر لیا تھا لہٰذا کیا کرلے؟ ایک اور رکعت ساتھ ملالے، یہ دو کیا بن جائیں گے؟ نفل۔ اب مثلاً یہ دو نفل بن گئے تو کیا یہ مثلاً ظہر کی نماز میں تھا تو یہ دو رکعتیں کیا سنتوں کے قائم مقام ہو جائیں گی؟ چار تو فرض ہو گئے اور یہ دو جو نفل ہیں یہ کیا، سنتیں بھی تو نفل ہیں نا اور وہ دو رکعت ظہر کی نماز کے بعد سنتیں کتنی ہیں؟ دو رکعت۔ تو یہاں یہ جو فرضوں کے ساتھ دو رکعت ادا ہو رہے ہیں زائد، کیا یہ ان سنتوں کے قائم مقام ہوں گے یا قائم مقام نہیں ہوں گے؟ تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ سنتوں کے بھی قائم مقام ہو گئے، لیکن صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے آپ کو کہ نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ یہ سنتوں کے قائم مقام نہیں، کیونکہ سنتوں کو علیحدہ تحریمہ کے ساتھ ادا کیا جائے گا، کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو اسی طرح علیحدہ تحریمہ کے ساتھ ادا کیا ہے کہ نئے سرے سے پھر کیا کرے؟ تحریمہ کہے، اللہ اکبر، جی۔

«ثُمَّ لَا تَنُوبَانِ سُنَّةَ الظُّهْرِ»، نَابَ يَنُوبُ کا معنیٰ قائم مقام ہونا۔ پھر یہ دو رکعتیں قائم مقام نہیں ہوں گی «سُنَّةَ الظُّهْرِ» ظہر کی سنتوں کے، «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے، «لِأَنَّ الْمُوَاظَبَةَ عَلَيْهَا بِتَحْرِيمَةٍ مُبْتَدَأَةٍ» اس لیے کیونکہ ان پر جو پابندی کی گئی تھی، یعنی حضور علیہ السلام نے جو ان پر پابندی فرمائی، «بِتَحْرِيمَةٍ مُبْتَدَأَةٍ» وہ کس کے ساتھ تھی؟ نئی تحریمہ کے ساتھ تھی۔ «وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ» اور آخر میں کیا کرلے؟ سجدۂ سہو کر لے بھائی، تو چار رکعت فرض ہو گئے اور دو رکعت نفل اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے، «اسْتِحْسَانًا» بطور یہ، وجہِ استحسان کے بھائی۔

بھائی استحسان آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ ہر وہ شرعی دلیل جس کے مقابلے میں قیاس آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ استحسان۔ مثلاً قرآن سے یا حدیث سے ایک مسئلے کا پتہ چل رہا ہے اور قیاس سے اس کے مخالف بات کا پتہ چل رہا ہے، تو اس قرآن یا حدیث کی جو مسئلہ، جو دلیل آئی اس کو بھی کیا کہیں گے؟ استحسان، کیونکہ اس کے مقابلے میں کیا ہے؟ استحسان ہے، مثلاً دیکھیے موزوں پر آپ مسح کرتے ہیں، قیاس تو کیا تقاضا کرتا ہے؟ موزوں کے اوپر مسح کرنا چاہیے یا نیچے زمین والی جانب؟ نیچے، عقل تو یہ کہتی ہے نیچے یہ حصہ زمین کو لگ رہا ہے، اس پر کیا کرنا چاہیے؟ مسح کرنا چاہیے، لیکن حدیث سے کیا معلوم ہوا؟ اوپر والے حصے پر مسح کریں گے، تو اس کو بھی کیا کہیں گے؟ استحسان کہیں گے، کیونکہ اس کے مقابلے میں کیا موجود ہے؟ قیاس موجود ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو استحسان ہر وہ شرعی دلیل جس کے مقابلے میں کیا موجود ہو؟ قیاس موجود ہو۔ لیکن زیادہ تر اس کا استعمال اور اس کا اطلاق قیاسِ خفی پر ہوتا ہے، کس پر ہوتا ہے؟ ایک قیاس، ایک جلی ہے ظاہر، ایک ہے خفی، پوشیدہ کچھ۔ یعنی قیاسِ جلی وہ ہے جو ظاہر ہے فوراً عقل اس طرف چلی جاتی ہے، اس تک پہنچ جاتی ہے اور ایک قیاسِ خفی ہوتا ہے، عقل فوراً وہاں تک نہیں پہنچتی بلکہ کچھ غور و فکر کرنا پڑتا ہے پھر عقل وہاں تک پہنچتی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو دونوں ہیں ایک ہی چیز، بس اسی قیاس میں اگر غور زیادہ ہے تو کیا کہہ دیں گے؟ قیاسِ خفی ہے، اگر کم ہے تو کیا ظاہر ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ قیاسِ جلی۔ اور قیاسِ خفی کو استحسان تبھی کہیں گے جب اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی ہو۔ سمجھ میں آیا؟ ورنہ اگر اس کے مقابلے میں قیاسِ جلی نہیں ہے تو اس کو استحسان بھی نہیں کہیں گے، اس کو قیاس ہی کہیں گے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو استحساناً سہو کے سجدے کر لے، استحساناً آگیا، معلوم ہوا اس کے مقابلے میں کیا موجود ہے؟ قیاس، قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے سجدے نہیں ہونے چاہئیں، بھائی کیوں، کس طرح؟ کہتے ہیں دیکھیے: قیاس یہ تقاضا کر رہا ہے سجدۂ سہو نہیں ہونا چاہیے، وجہ یہ کہ فرضوں میں کمی آگئی، کیا کمی آئی تھی؟ بھائی چار رکعت فرض پڑھے تھے، قعدہ کیا تھا، پھر کھڑے ہو کر کیا پڑھ لیے؟ دو نفل پڑھ لیے۔ تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ چھ رکعت کے آخر میں سجدۂ سہو نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کیونکہ کمی آئی تھی کس کے اندر؟ فرضوں میں، کیا کمی آئی تھی؟ سلام رہ گیا تھا۔ تو کمی آئی تھی فرضوں میں، تو سجدۂ سہو بھی اسی نماز میں ہونا چاہیے جس میں کمی آئی ہے اور یہ جو آپ سجدۂ سہو کر رہے ہیں یہ تو کس کے آخر میں کر رہے ہیں؟ نفل کے آخر میں کر رہے ہیں، تو ایک نماز میں جو سہو ہوتا ہے سجدہ بھی اسی نماز میں ہوتا ہے، دوسری نماز میں نہیں ہوتا۔ تو یہاں سجدۂ سہو بھی نہیں ہونا چاہیے، بس وہ نماز میں کمی رہ ہی گئی بس، اب اس کے ساتھ سجدۂ سہو ہو ہی نہیں سکتا وہ تو گزر گئی بھائی۔ لیکن استحساناً کیا کیا جائے گا؟ سجدہ، استحساناً سجدۂ سہو کرے گا بھائی۔ قیاس کی دلیل سمجھ میں آئی؟ کیا دلیل؟ ہاں، کیونکہ یہ اب دوسری نماز ہے یہاں تو اس کا سجدۂ سہو یہاں پر نہیں ہونا چاہیے، لیکن استحساناً سجدۂ سہو کریں گے۔ اس کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: اس کی دلیل یہ ہے کہ بھائی اس کا سجدۂ سہو بھی یہاں پر ادا ہو جائے گا، اس کا بھی ادا ہو جائے گا۔ اس لیے کیونکہ تحریمہ ایک ہی ہے، تحریمہ کیا ہے؟ وہی تحریمہ آخر تک ہے، کوئی نئی تحریمہ نہیں، لہٰذا اس میں جو کمی آئی ہے اس کی بھی تلافی اسی سے ہو جائے گی۔ اور نیز یہاں صرف فرضوں میں کمی نہیں آئی نفلوں کے اندر بھی کمی آگئی، فرضوں میں یہ کمی آئی کہ اس کو مشروع طریقے پر ختم نہیں کیا، سلام کے ساتھ نہیں ختم کیا بلکہ کس طرح ختم کیا؟ نفلوں میں شروع ہو کر ختم کیا اس کو۔ حالانکہ مشروع طریقہ کیا تھا؟ سلام پھیر کر اس کو ختم کرتا، لیکن یہ نفلوں میں شروع ہوا تو گویا ان کو ختم کر دیا۔ اور نفلوں میں بھی کمی آگئی، نفلوں میں کیا کمی آئی؟ کہ ان

سبق نمبر ۱۷: مسئلہ: وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

کو نئی تحریمہ سے شروع کرنا چاہیے تھا، مسنون طریقہ یہ تھا، لیکن اس نے مسنون طریقے کو چھوڑ دیا۔ سمجھ میں آئی؟ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو تحریمہ ایک ہی ہے اور نیز دونوں میں کمی آئی ہے، اس لیے آخر میں سجدۂ سہو سے تلافی ہو جائے گی۔

تو کہتے ہیں: «**وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ اسْتِحْسَانًا**» اور سہو کا سجدہ کرلے بطورِ استحسان کے، «**لِتَمَكُّنِ النُّقْصَانِ فِي الْفَرْضِ**» بوجہ نقصان، تمکن کا معنیٰ ہے جم جانا، بیٹھ جانا۔ اس وجہ سے کہ نقصان جم گیا ہے فرضوں میں، یعنی نقصان آگیا ہے فرضوں کے اندر۔ کس طرح آیا ہے؟ کہتے ہیں: «**بِالْخُرُوجِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَسْنُونِ**» بوجہ نکلنے کے ان سے غیر مسنون طریقے پر، «**وَفِي النَّفْلِ**» اور نیز نقصان آیا ہے، «**وَفِي النَّفْلِ**» کس کے اندر؟ نفلوں میں بھی نقصان آ گیا ہے بھائی، وہ کس وجہ سے؟ کہتے ہیں: «**بِالدُّخُولِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَسْنُونِ**» ان میں داخل ہونے سے غیر مسنون طریقے سے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ قَطَعَهَا

«**وَلَوْ قَطَعَهَا**» اور اگر ان دو رکعتوں کو جن میں شروع ہوا ہے ان کو اگر وہ توڑ دیتا ہے، «**لَمْ يَلْزَمْهُ الْقَضَاءُ**» تو اس پر قضا بھی لازم نہیں، «**لِأَنَّهُ مَظْنُونٌ**» اس لیے کیونکہ یہ جن میں وہ شروع ہوا تھا یہ مظنون ہیں۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

«**وَلَوِ اقْتَدَى بِهِ إِنْسَانٌ فِيهِمَا**» جی، دیکھیے بھائی فقہائے احناف کی ذرا گہرائی کہاں تک جاتے ہیں یہ بھائی۔ اب جو جو امکانی صورت ہوتی ہے سب کو ذکر کرتے ہیں۔ اب اب ان رکعتوں کے اندر، دو یہ جو زائد رکعتیں ہیں، ان میں اور آدمی آکر اس کی اقتداء کرلیتا ہے۔ بھائی یاد رکھیے ایک شخص نماز میں مشغول ہے آپ جا کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں، جایئے آپ جا کر شریک ہو جائیں، آپ شریک ہو جائیں۔ وہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہے آپ جا کر اس کی اقتداء شروع کر دیتے ہیں، بس وہ آپ کا امام بن جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ امام بن جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ اقتداء کے اندر کیا ہوتا ہے دراصل؟ انسان یہ بات اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے کہ اس کی نماز صحیح ہوئی تو میری بھی صحیح، اس کی فاسد ہوئی تو میری بھی فاسد۔ تو امام کا تو کوئی نقصان نہیں ہے، یہ آپ اپنے اوپر خود اپنی مرضی سے نقصان کو لازم کر رہے ہیں یا فائدے کو، تو لہٰذا آپ کر سکتے ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا آپ اس کی اقتداء کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ تو یہ شخص اب یہ پانچویں چھٹی رکعت پڑھ رہا تھا ایک اور آدمی آیا اس نے آکر اس کی اقتداء شروع کر دی، اقتداء، اچھا اقتداء کر دی۔

اب اس آدمی نے جب اقتداء کی ہے تو یہ دو پڑھ لے گا اس کے ساتھ یا اس نے تو اس تحریمہ کے ساتھ چھ رکعتیں پڑھی تھیں، اس کو چھ پڑھنا پڑیں گی؟ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ چھ پڑھے گا بھائی، کتنی پڑھے گا؟ چھ پڑھنا پڑیں گی اس آدمی کو، کیونکہ اس نے جس تحریمہ کے اندر اس کی اقتداء کی ہے اس نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں اس سے؟ چھ، لہٰذا اس کو بھی چھ پڑھنا پڑیں گی۔ اور شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: نہیں، صرف دو پڑھنا پڑیں گی، دو رکعتیں۔ کتنی رکعتیں؟ کیوں؟ دو کیوں؟ کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ چار فرض تھے، فرض ختم ہو چکے، اب کیا شروع ہیں؟ نفل اور نفل تو دو ہی ہیں، لہٰذا دو پڑھیں تو اس پر دو ہی لازم ہوں گے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «**وَلَوِ اقْتَدَى بِهِ إِنْسَانٌ فِيهِمَا**» اگر اس کی اقتداء کر دی کسی انسان نے فیہما، ان آخری دو رکعتوں کے اندر، «**يُصَلِّي سِتًّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ**» تو چھ رکعتیں پڑھے گا یہ اقتداء کرنے والا امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، «**لِأَنَّهُ الْمُؤَدَّى بِهَذِهِ التَّحْرِيمَةِ**» اس لیے کیونکہ یہی چھ رکعت جو ہیں ادا کیے گئے ہیں بھذہ التحریمۃ، اس تحریمہ سے۔ «**وَعِنْدَهُمَا رَكْعَتَيْنِ**» اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک دو رکعتیں ہی ادا کرے گا، «**لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ خُرُوجُهُ عَنِ الْفَرْضِ**» اس لیے کیونکہ یہ پکا ہو گیا ہے اس کا نکلنا فرضوں سے۔ فرضوں سے اس کا نکلنا پکا ہو چکا ہے، فرض ختم ہو چکے ہیں، اب یہ صرف دو رکعت نفل ہیں۔

صورت بھائی اور فقہاء کی گہرائی دیکھیں بھائی۔ اگر امام کی اس نے آکر اقتداء کرلی کن آخری دو رکعتوں میں، امام کو پھر یاد آیا: اوہو! یہ تو کیا کر رہا ہوں میں؟ زائد میں پڑھ گیا، زائد پڑھ گیا۔ اس نے نماز ہی بیچ میں ترک کر دی تو کیا اس امام پر دو رکعتوں کی قضا واجب ہے یا واجب نہیں؟ ابھی پڑھ چکے، ابھی مسئلہ آپ نے پڑھا، اس پر ان دو رکعتوں کی قضا واجب نہیں، مقتدی اگر فرض کریں فاسد کر دیتا ہے مقتدی نے اقتداء کرلی اور پھر کیا کر لیا؟ اپنی نماز کو فاسد کر دیا تو کیا اس پر قضا لازم ہو گی یا نہیں؟ امام نے تو امام تو اگر فاسد کر دیتا ہے اس پر تو قضا نہیں آپ پڑھ چکے، مقتدی اگر فاسد کر دیتا ہے اس پر قضا آئے گی یا نہیں؟ وہ ذکر کر رہے ہیں۔ اب کیا مقتدی پر بھی قضا دو رکعتوں کی واجب ہو گی یا واجب نہیں ہو گی بھائی؟

تو کہتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے تابع ہے اور امام پر تو ان دو کی قضا واجب نہیں لہٰذا مقتدی پر بھی ان کی قضا واجب نہیں۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، مقتدی کو دو رکعتوں کی قضا کرنا پڑے گی، اس لیے کیونکہ امام جو تھا اس نے دو رکعتیں شروع کی تھیں وہ اپنے غلط گمان کی وجہ سے شروع کی تھیں، تو یہ وہ عارض امام کے ساتھ خاص ہے، اس کو یہ عارض پیش آیا ہے لہٰذا اس پر وہ دو رکعتیں لازم نہیں، لیکن مقتدی نے تو اپنے ارادے کے ساتھ آکر کیا کیا ہے؟ شروع کی ہے نماز، لہٰذا اس کے اس کو وہ عارض پیش نہیں آیا تو اس پر وہ نماز کیا ہو جائے گی؟ اس کی قضا لازم ہو گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

مقتدی نے اقتداء کرلی اور پھر کیا کر لیا؟ اپنی نماز کو فاسد کر دیا، تو کیا اس پر قضا لازم ہو گی یا نہیں؟ امام نے تو، امام تو اگر فاسد کر دیتا ہے اس پر تو قضا نہیں آپ پڑھ

578

چکے، مقتدی اگر فاسد کر دیتا ہے اس پر قضا آئے گی یا نہیں، وہ ذکر کر رہے ہیں: «وَلَوْ أَفْسَدَهُ الْمُقْتَدِي لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ» اور اگر اس کو فاسد کر دیا مقتدی نے «لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ» تو اس پر اس کی قضا نہیں «عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، «اعْتِبَارًا بِالْإِمَامِ» قیاس کرتے ہوئے کس پر؟ امام پر، کہ جیسے اس پر قضا نہیں، مقتدی پر بھی قضا نہیں۔ «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقْضِي رَكْعَتَيْنِ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دو رکعتوں کی قضا کرے گا، «لِأَنَّ السُّقُوطَ بِعَارِضٍ يَخُصُّ الْإِمَامَ» اس لیے کیونکہ یہ جو ساقط ہونا ہے ان دو رکعتوں کا ساقط ہونا «بِعَارِضٍ» یہ ایک ایسے عارض کی وجہ سے ہے «يَخُصُّ الْإِمَامَ» جو خاص ہے کس کے ساتھ؟ امام کے ساتھ بھائی۔ اس کو یہ عارض پیش آیا وہ بھولے سے کھڑا ہوا ہے، مقتدی کو یہ عارض پیش نہیں آیا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَسَهَا...

«قَالَ: وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَسَهَا فِيهِمَا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ أُخْرَيَيْنِ لَمْ يَبْنِ»

جی، دیکھیے فقہائے احناف بھائی، ایک ایک صورت ذکر کرتے ہیں انسان حیران رہ جاتا ہے بھائی۔ اور اللہ ان لوگوں کو بھی ہدایت نصیب فرمائے جو ان فقہاء کو، ان پر طعن و تشنیع کو ہی جنہوں نے اپنا مقصد بنایا ہوا ہے۔ یہ اللہ کے اولیاء کہ جن کی محنتوں کو اللہ نے، دیکھیے بھائی چودہ صدیاں ہو گئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے تشریف، اس سے زائد ہو گئے اور دیکھیے دینِ اسلام اسی طرح اللہ نے اس کو محفوظ رکھا اور تا قیامت اسی طرح محفوظ رہے گا اور اس کے لیے اللہ نے اسباب بنائے، ویسے آپ خود اگر آپ تجربہ کر لیں کسی آدمی سے، دو چار آدمیوں کو کوئی چیز سکھائیں اور ان سے کہیں یہ آگے بھی سکھاتے جاؤ، آپ دیکھیں گے ایک مہینے میں ہی ان کا پتہ نہیں کیا سے کیا حلیہ بن جاتا ہے، آپ نے کچھ اور کہا ہو گا بات کسی اور صورت پر عمل چل رہا ہو گا۔ اور یہاں یہ ایک انسان حیران رہتا ہے چودہ سو سال سے زیادہ اور قرآن اور دینِ اسلام سارا کچھ بعینہٖ اسی صورت میں محفوظ ہے جیسے اس وقت تھا، انسانی عقل جواب دے جاتی ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، لیکن یہ مشیتِ ایزدی ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ یہ دین کب تک رہے گا؟ تا قیامت رہے گا، اللہ نے اس کی حفاظت کے ایسے ایسے اسباب پیدا فرما دیے بھائی، ایک ایک چیز دین کی محفوظ ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟

محدثین آئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات کو محفوظ کیا، پھر اس کے اندر جس نے گڑبڑ کی کوشش کی، اللہ نے ایسے علماء اور محدثین پیدا فرما دیے انہوں نے ایک ایک بات کی گہرائی میں گئے کہ یہ آدمی یہ جو حدیث کو روایت کرنے والا ہے یہ کیسا تھا؟ اس نے زندگی کیسے گزاری؟ یہ قابلِ اعتماد تھا یا قابلِ اعتماد نہیں تھا؟ اور یہ اس کا حافظہ قوی تھا یا قوی نہیں تھا؟ اور یہ فلاں سے روایت کرتا ہے اس کے ساتھ اس کی کبھی ملاقات بھی ہوئی تھی یا ملاقات نہیں ہوئی تھی؟ اتنی گہرائی تک چلے گئے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے بھائی اور پورے ذخیرۂ حدیث کو انہوں نے محفوظ کر لیا، کچھ چیزیں جو شامل ہوئی تھیں ان سب کو نکال کر باہر کر دیا کہ یہ چیزیں جو ہیں یہ ویسے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں یہ حضور علیہ السلام کے اقوال نہیں اور اس کو حدیثِ موضوع کہتے ہیں جو اپنی طرف سے گھڑی ہوئی حدیثیں ہیں بھائی اور اس میں بھی حدیث میں بھی صحیح کون سی ہے، ضعیف کون سی ہے، اسی طرح اور دین کے اسی طرح احادیث کے معنیٰ سمجھنے کو اور اس کو بیان کرنے کے لیے اللہ نے فقہاء کی جماعت تیار فرما دی جو احادیث کے معانی جانتے ہیں۔ حتیٰ کہ محدثین خود لکھتے ہیں بھائی کہ حدیث کے معانی کون جانتے ہیں؟ فقہاء۔ تو بعض کو اللہ نے محدث بھی بنایا، فقیہ بھی بنایا، بعض کو صرف اللہ نے محدث بنایا، بعض کو صرف اللہ نے کیا بنایا؟ فقیہ۔ تو یہ اللہ کی تقسیم ہے مختلف۔ اور تو یہ احناف دیکھیے، ایک ایک مسئلہ اور ایک عجیب بات آپ کو بتاؤں بھائی:

کسی فقہ، کسی مسلک کے اندر یعنی شوافع، حنابلہ، مالکیہ وغیرہ اور اور فقہ جو ہیں کسی کے اندر، کسی کے اندر اتنی وسعت نہیں کہ عدالتی نظام اس کے ذریعے رائج کیا جائے۔ ہاں، صرف فقہِ حنفی کے اندر اتنی وسعت ہے کہ اس کے اندر ہر مسئلے کا جواب آپ کو مل جائے گا بھائی، ہر مسئلے کا۔ ہمارے فقہاء اتنی گہرائی تک چلے گئے۔ حتیٰ کہ سعودی عرب بھائی، سعودی عرب وہاں پر حنبلی مذہب ہے، حنبلی مذہب، اور مسائل کے اندر تو وہ ٹھیک ہے اپنی فقہ پر عمل کرتے ہیں، لیکن عدالتی معاملات کے اندر وہ بھی محتاج ہو جاتے ہیں فقہِ حنفی کو لے کر آتے ہیں بھائی عدالتی، کیونکہ ان کی فقہ کے اندر اتنی وسعت ہے ہی نہیں، اتنے مسائل اتنی جزئیات ہیں ہی نہیں، یہ وسعت صرف کس کے اندر ہے؟ فقہِ حنفی کے اندر ہے بھائی۔ اور انہی بعض لوگوں نے انہی فقہائے احناف کو ان کے خلاف بات کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہوتا ہے، انسان حیران ہوتا ہے بھائی، دنیا میں اتنے کفار ہیں، اسلام کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، اتنا کچھ ہو رہا ہے، آپ کو زندگی کا مقصد ایک یہی نظر آیا کہ آپ ان فقہاء جو اللہ کے اولیاء تھے جنہوں نے زندگیاں گزار دیں، اس طرح جو کر تا ہے وہ کوئی دین کی خدمت نہیں کر رہا، دین کی خدمت نہیں کر رہا، سمجھ میں آیا؟ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو کفار کی طرف اپنا رخ پھیریں، اہلِ بدعت کی طرف اپنا رخ پھیریں، باطل کی طرف رخ پھیریں، باطل کی طرف رخ پھیریں اور جو خدمت کر سکتے ہیں اسلام کی خدمت کریں بھائی۔

تو اللہ ان سب کو ہدایت دے جو فقہاء کے خلاف بولتے ہیں بھائی فقہاء کے خلاف، بڑی ہی بے ادبی کی بات ہے یہ کہ فقہاء کے خلاف زبان درازی کی جائے اور وہ شخص صرف اپنا نقصان کرتا ہے اور کسی کا بھی نہیں۔ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان کا کتنا اونچا مقام ہے کہ انسان تصور نہیں کر سکتا، تصور نہیں کر سکتا بھائی۔ خود امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «النَّاسُ عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْفِقْهِ» تمام لوگ فقہ کے اندر ابو حنیفہ کے عیال ہیں، یعنی ان سے حاصل کرنے والے ہیں بھائی، اتنا اونچا مقام

اللہ نے پھر ان کو نصیب فرمایا تھا۔ اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ اگر علم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر علم ثریا کے پاس بھی ہوا، یعنی اتنا دور اور اتنا اونچا ہوا پھر بھی اہلِ فارس میں سے ایک شخص جو ہے اس کو حاصل کر لے گا، اس تک پہنچ جائے گا اور علماء لکھتے ہیں کہ حتیٰ کہ غیر احناف نے بھی لکھا بڑے بڑے علماء نے کہ اس حدیث کا مصداق امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں بھائی، امامِ اعظم ابو حنیفہ، ان کو اتنا اونچا مقام اللہ نے نصیب فرمایا تھا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اتنا اونچا مقام۔ چلیے بس بھائی وقت کافی اوپر ہو گیا، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۷۲:مسئلہ:وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَسَهَافِ...

ہدایہ صفحہ:۱۶۷ــــبتاریخ:۲۴فروری ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَسَهَا فِيهِمَا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ أُخْرَيَيْنِ لَمْ يَبْنِ؛ لِأَنَّ السُّجُودَ يَبْطُلُ لِوُقُوعِهِ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ، بِخِلَافِ الْمُسَافِرِ إِذَا سَجَدَ لِلسَّهْوِ ثُمَّ نَوَى الْإِقَامَةَ حَيْثُ يَبْنِي؛ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَبْنِ تَبْطُلُ جَمِيعُ الصَّلَاةِ». [1]

«**قَالَ: وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ**» امام محمد رحمہ اللہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔ «**وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا**» بھائی صورت مسئلہ یہ کہ جس شخص نے نفل کی دو رکعتیں پڑھیں، دو رکعت نفل پڑھے اور اس میں اس سے کوئی بھول ہو گئی اور اس نے آخر میں سجدہ سہو کر لیا۔ پھر سجدہ سہو کرنے کے بعد اس کا ارادہ بنا کہ دو مزید نفل پڑھوں۔ تو اس کو کیا انہی پر بناوہ کرنی چاہیے یا بنا نہیں کرنی چاہیے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ اس کو انہی نفلوں پر بنا نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے کیونکہ اگر انہی پر بنا کرتے ہوئے وہ اٹھ کر تیسری اور چوتھی رکعت پڑھتا ہے تو سجدہ سہو وسط صلاۃ میں آجائے گا، کیونکہ اس نے کیا کر لیا ہے؟ سجدہ سہو، اور سجدہ سہو تو وسط صلاۃ میں مشروع نہیں بلکہ کہاں پر مشروع ہے؟ آخر صلاۃ میں، تو وہ سجدہ سہو باطل ہو جائے گا۔ ایسا کرے گا تو وہ کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا اور سجدہ سہو وہ تو واجب تھا۔ تو واجب کو باطل ہونے سے بچانے کے لیے اس کو کیا کرنا چاہیے؟ بنا نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن اگر بنا کر لیتا ہے تو پھر بہر حال بنا صحیح ہو جائے گی کیونکہ تحریمہ باقی ہے اور البتہ سجدہ سہو کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

جبکہ اس کے خلاف مسافر جو ہے مسافر، اس نے مثلاً دو رکعت فرض نماز ادا کی اور فرض نماز ادا کر اس میں اس سے کوئی بھول ہو گئی اور اس نے آخر میں سجدہ سہو کر لیا۔ سجدہ سہو کرنے کے بعد اس نے ابھی سلام نہیں پھیرا تھا کہ اس کی نیت اقامت کی ہو گئی کہ میں اسی جگہ پر پندرہ دن قیام کر لیتا ہوں۔ کیا کرتا ہوں؟ پندرہ دن قیام کر لیتا ہوں۔ صورت ذہن میں بن رہی ہے بھائی؟ مسافر نے کیا کونسی نماز پڑھی ہے؟ فرض پڑھے ہیں اور قصر کیا ہے، چار رکعت والی نماز تھی اس نے دو رکعت پڑھے ہیں اور آخر میں کیا کر لیا؟ سجدہ سہو بھی کر لیا اور پھر اس کے بعد اس کی نیت بن گئی کہ اسی مقام پر وہ اقامت کر لیتا ہے پندرہ دن کی، تو وہ مقیم بن گیا۔ اور مقیم کے ذمے کتنی نماز ہے؟ چار رکعت والی پوری پڑھنا پڑے گی بھائی، تو لہٰذا وہ بنا کرے گا اس پر۔ کیا کرے گا؟ وہ بنا کرے گا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ابھی آپ نے ہمیں نفلوں میں بتلایا تھا کہ اس کو بنا نہیں کرنی چاہیے کیونکہ سجدہ سہو کہاں پر آجائیں گے؟ وسط صلاۃ میں اور وہ باطل ہو جائیں گے، تو جواب اس کا یہ کہ بھائی یہ مسافر ہے اور اقامت کی وجہ سے اس کی نماز کیا بن چکی؟ مقیم والی نماز ہو گئی یعنی چار رکعت بن گئی ہے، اب اگر یہ اس پر بنا نہیں کرے گا تو اس کی ساری نماز ہی باطل ہو جائے گی کیونکہ نماز کے بیچ میں نیت بدلی ہے ابھی سلام نہیں پھیرا۔ سلام پھیرنے کے بعد نیت بدلتی تو پھر اس سے تو نماز تو وہ پڑھ چکا ہے اس سے اس پر کوئی اثر نہ پڑتا۔ لیکن نماز کے بیچ میں اس کی نیت بدلی ہے تو لہٰذا اب اس کی دو رکعت والی نماز کس میں بدل جائے گی؟ چار میں۔ تو اب اگر دو پر ہی اگر اس کو کہا جائے کہ بنا نہیں کر سکتا اس پر سلام پھیرنا چاہیے اسے، تو دو رکعت تو اس کی نماز ہے ہی نہیں اب کتنی ہو چکی؟ چار، تو یہ دو رکعتیں تو اس کی، اس کے فرض کیا ہو جائیں گے؟ باطل ہو جائیں گے، نئے سرے سے پڑھنا پڑیں گے۔ تو لہٰذا مسافر بنا کرے گا کیونکہ اگر وہ بنا نہیں کرتا تو اس کے فرض ہی باطل ہو جاتے ہیں، فرض ہی باطل ہو جاتے ہیں۔ تو سجدہ سہو بیچ میں آنے کی وجہ سے سجدہ سہو تو تھے واجب اور وہ بیچ نماز میں آگئے اور بیچ نماز میں تو سجدہ سہو مشروع نہیں وہ باطل ہو جائیں گے۔ لیکن یہاں پر واجب کے باطل ہونے کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ اگر اس کو ہم بچاتے ہیں تو فرض کیا ہو جاتے ہیں؟ باطل ہو جاتے ہیں۔ تو فرضوں کو بچانے کے لیے وہ بنا کرے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

[1] شاملہ (ص۹۰) میں «تَبْطُلُ» کے بجائے «يبطل» درج ہے۔

سبق نمبر ۷۲: مسئلہ: وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَسَهَا فِ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا» اور جس نے دو رکعتیں نفل پڑھی، «فَسَهَا فِيهِمَا» تو اس سے بھول ہو گئی ان دو نفلوں میں، «وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ» اور اس شخص نے پھر آخر صلاۃ میں سجدہ سہو بھی کر لیا، «ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ أُخْرَيَيْنِ» پھر اس کا ارادہ ہوا کہ دو مزید پڑھے دو رکعت، «لَمْ يَبْنِ» تو یہ بنا نہیں کرے گا، «لِأَنَّ السُّجُودَ يَبْطُلُ لِوُقُوعِهِ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ» اس لیے کیونکہ سجدہ سہو جو ہے سجدہ جو ہے وہ باطل جائے گا لِوُقُوعِهِ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ بوجہ بیچ نماز میں واقع ہونے کے، «بِخِلَافِ الْمُسَافِرِ» بخلاف کس کے؟ مسافر کے، «إِذَا سَجَدَ لِلسَّهْوِ» کہ جب اس نے سہو کا سجدہ کر لیا، «ثُمَّ نَوَى الْإِقَامَةَ» تو پھر اس نے اقامت کی نیت کر لی، «حَيْثُ يَبْنِي» کیونکہ وہ کیا کرے گا؟ بنا کرے گا۔ بخلاف المسافر کے ساتھ اس کو جوڑیں، بخلاف مسافر کے حَيْثُ يَبْنِي کیونکہ وہ کیا کرے گا؟ بنا کرے گا جبکہ اس نے سجدہ سہو کے بعد اس کی نیت اقامت کی ہو گئی۔ «لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَبْنِ» اس لیے کیونکہ اگر وہ بنا نہیں کرے گا، «تَبْطُلُ جَمِيعُ الصَّلَاةِ» تو اس کی ساری نماز کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی بھائی۔

■ مسئلہ: وَمَعَ هَذَا لَوْ أَدَّى

«وَمَعَ هَذَا لَوْ أَدَّى» اور اس کے باوجود لو ادی اس کا تعلق وہ متن میں جو مسئلہ آیا تھا اس سے ہے۔ متن میں کیا آیا تھا؟ دو رکعت نفل پڑھے اور آخر میں سجدہ سہو بھی کر لیا اب پھر کیا کرنا چاہتا ہے؟ بنا کرنا چاہتا ہے تو اس کو بنا نہیں کرنی چاہیے، لیکن «وَمَعَ هَذَا لَوْ أَدَّى» اگر وہ کیا کر لیتا ہے؟ بنا کرتا ہے اگلے نفل دو اسی کے ساتھ ادا کر لیتا ہے، تو بھی یہ صحیح ہے۔ «وَمَعَ هَذَا لَوْ أَدَّى» اور اس کے باوجود اگر اس نے ادا کر لیے، «صَحَّ» تو صحیح ہو جائیں گے، «لِبَقَاءِ التَّحْرِيمَةِ» تحریمہ کے باقی ہونے کی وجہ سے، «وَيَبْطُلُ سُجُودُ السَّهْوِ» اور وہ سجدہ سہو کیا ہو جائیں گے؟ باطل ہو جائیں گے بیچ نماز میں ہونے کی وجہ سے، «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے۔

تو حاصل مسئلہ یہ ہوا کہ وہ شخص جس نے یہ جو نفل پڑھ رہا ہے اور جس سے بھول ہوئی ہے، اس نے کیا کیا ہے؟ آخر میں سجدہ سہو کر لیا ہے اب بنا کرنا چاہتا ہے اس پر تو اس کو بنا نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ اگر بنا کرے گا تو اس صورت میں وہ سجدہ سہو باطل ہو جائیں گے کیونکہ وہ بیچ صلاۃ میں آ جائیں گے اور سجدہ سہو جو ہیں وہ تو بیچ صلاۃ میں مشروع نہیں، درمیان میں مشروع نہیں بلکہ آخر صلاۃ میں مشروع ہیں۔ لہٰذا ان کو باطل ہونے سے بچانے کے لیے اس کو بنا نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن اگر بنا کر لیتا ہے تیسری اور چوتھی رکعت بھی ملا لیتا ہے اور دو مزید نفل پڑھ لیتا ہے تو پھر اس صورت میں وہ سجدہ سہو بیچ نماز میں آ جائے گا، درمیان صلاۃ میں آ جائے گا اور وہ باطل ہو جائے گا۔ جب باطل ہو گیا تو اس نے سہو تو کیا تھا، بھول تو ہوئی تھی لہٰذا اس کو پھر کیا کرنا پڑے گا آخر میں؟ سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔ تو لہٰذا بنا نہیں کرنی چاہیے، کیوں نہیں کرنی چاہیے؟ سجدہ سہو کو باطل ہونے سے بچانے کے لیے۔ اور اس کے برعکس اگر مسافر جو ہے وہ فرض پڑھ رہا تھا اور دو رکعت پڑھے فرض قصر نماز اس میں بھول ہوئی اور اس کے اندر اس نے کیا کر لیا؟ سجدہ سہو کر لیا اور پھر اس کے بعد اس کی نیت بدل گئی اقامت والی نیت بن گئی تو اب وہ اسے بنا کرنی چاہیے یا نہیں؟ کہتے ہیں بھائی اسے بنا کرنی چاہیے وہ بنا کر سکتا ہے۔ تو کیوں بنا کر سکتا ہے؟ بنا کرنے کی صورت میں تو وہ سجدہ سہو جو یہ کر چکا ہے وہ بیچ نماز میں آ جائیں گے وہ تو باطل ہو جائیں گے۔ تو کہتے ہیں بھائی اب اگر یہ بنا نہیں کرتا تو اس کے فرض باطل ہو جائیں گے اور اگر بنا کرتا ہے تو سجدہ سہو باطل ہو جائے گا اور سجدہ سہو کا باطل ہونا یہ چھوٹا نقصان ہے اور فرضوں کا باطل ہونا یہ بڑا نقصان ہے۔ تو بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان کو برداشت کر لیا جائے گا، چنانچہ وہ بنا کرے اور اس کے سجدہ سہو باطل ہو جائیں گے اور آخر صلاۃ میں وہ پھر کیا کر لے؟ سجدہ سہو دوبارہ کر لے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھائی فقہائے احناف کتنی گہرائی تک جاتے ہیں بھائی۔ اگلے مسئلے میں ذرا دیکھیے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ سَلَّمَ وَعَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ

«وَمَنْ سَلَّمَ وَعَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ» صورت یہ، ایک شخص نے نماز پڑھی اور نماز میں اس سے بھول ہو گئی اور اس نے آخر میں سجدہ سہو کرنا تھا لیکن وہ سجدہ سہو بھی بھول گیا۔ سجدہ سہو بھول گیا آخر میں اس نے سلام پھیر دیا دونوں طرف۔ دونوں طرف سلام پھیر دیا اور بیٹھا ابھی اسی تشہد کی حالت میں ہے اور آپ نے پڑھا ہے، آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ جب تک منافی صلاۃ کوئی عمل نہ کیا ہو تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ سجدہ سہو کر سکتا ہے، چاہے پندرہ بیس منٹ گزر گئے چاہے ادھا گھنٹہ گزر گیا وہ ذکر وغیرہ میں مشغول ہے لیکن کوئی کلام اس نے نہیں کیا، کسی کے ساتھ بات چیت نہیں کی، کوئی چیز کھائی کسی چیز کو نہیں کھایا پیا اس نے اور قبلے سے اس کا سینہ بھی نہیں پھرا بھائی، تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ سجدہ سہو۔ تو یہ اب بھول گیا ہے اور ابھی اسی تشہد والی حالت میں بیٹھا ہے تو ایک اور شخص آیا وہ سمجھا شاید یہ نماز ابھی پڑھ رہا ہے، اس نے آ کر اس کی اقتدا کر لی۔ اقتدا کر لی اور اس کے پیچھے نماز میں شامل ہو گیا، اللہ اکبر کہہ کر وہ بھی تشہد میں بیٹھ گیا۔ تو کیا یہ شخص جس نے اقتدا کی ہے یہ اس کی نماز میں داخل ہوا یا داخل نہیں ہوا؟ داخل ہوا یا داخل نہیں ہوا؟ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ذمے چونکہ سجدہ سہو باقی ہیں لہٰذا بیشک یہ سلام پھیر چکا ہے یہ ابھی احرام صلاۃ سے نکلا نہیں۔ یہ احرام صلاۃ سے نکلا نہیں، یہ ابھی نماز ہی میں ہے کیونکہ اس نے نماز کے منافی کوئی عمل ابھی نہیں کیا، تو لہٰذا یہ سلام اگرچہ اس نے پھیر دیا ہے لیکن یہ سلام بھی

اس کو نماز سے نکالنے والا نہیں کیونکہ اس کے ذمے کیا باقی ہے ابھی؟ سجدہ سہو۔ تو وہ فرماتے ہیں یہ شخص اس کی نماز میں داخل ہو جائے گا، اس کا اقتدا کرنا صحیح ہو جائے گا۔

جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے سلام پھیر دیا ہے اور سلام تو نماز کو کیا کرنے والا ہے؟ ختم کرنے والا ہے۔ لیکن یہاں پر اس کا سلام جو ہے وہ اس کو نماز سے نکالے گا **عَلَى سَبِيلِ التَّوَقُّفِ**، توقف کے طریقے پر نکال دے گا۔ قطعی طور پر سلام نے نہیں نکالا بلکہ کس طریقے پر نکالا ہے؟ توقف کے طریقے پر نماز سے نکالا ہے۔ لہٰذا اگر اس نے سجدہ سہو کر لیا اس کو یاد آ گیا تو وہ شخص اس کی نماز میں داخل ہے اور اگر اس نے سجدہ سہو نہیں کیا تو یہ سلام پھیر چکا ہے نماز ختم ہو چکی ہے اب وہ شخص اس کی نماز میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سلام پھیر چکا ہے اور سلام کیا کرتا ہے؟ نماز سے نکالتا ہے۔ لیکن اس کے ذمے کیا باقی؟ سجدہ سہو، اس کو ابھی حاجت ہے ضرورت ہے اس کو سجدہ سہو کرنے کی تو لہٰذا تو اگر سجدہ سہو کرے گا تو اس کی ضرورت ہے لہٰذا اس کی یہ سلام بھی اس کو نماز سے نکالے گا نہیں، لیکن اگر اس نے سجدہ سہو ہی نہیں کیا بھول گیا بالکل یاد ہی نہ رہا تو یہ سلام کیا کر چکا اس کو؟ نماز سے نکال چکا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ سلام اس کو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک سلام نے اس کو نکالا ہے کس طریقے پر؟ موقوف طریقے پر۔ اور یہ سلام اپنا عمل نہیں کرے گا اگر کیا کر دیے اس نے؟ سجدہ سہو کر لیے۔ اور اگر سجدہ سہو نہیں کیے تو یہ سلام اپنا عمل کر چکا ہے اس کو کس سے نکال چکا؟ نماز سے نکال چکا، جب یہ نماز سے نکل گیا تو اقتدا صحیح نہیں کیونکہ اقتدا تو نماز کے اندر کی جاتی ہے، نماز ختم ہونے کے بعد تو اقتدا نہیں کی جاتی۔ اختلاف اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ سَلَّمَ وَعَلَيْهِ سَجْدَتَاالسَّهْوِ**» اور جس نے سلام پھیر دیا اور اس پر سہو کے دو سجدے تھے اور بیٹھا کس حالت میں ہے ابھی؟ تشہد میں ہی۔ «**فَدَخَلَ رَجُلٌ فِي صَلَاتِهِ بَعْدَالتَّسْلِيمِ**» تو داخل ہوا ایک شخص اس کی نماز میں سلام پھیرنے کے بعد، «**فَإِنْ سَجَدَ الْإِمَامُ كَانَ دَاخِلًا وَإِلَّافَلَا**» تو اگر امام نے سجدہ کر لیا یعنی سہو کا **كَانَ دَاخِلًا** تو یہ اقتدا کرنے والا اس کی نماز میں داخل ہے، «**وَإِلَّا فَلَا**» ورنہ داخل نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَإِلَّا

«**وَإِلَّا**» یہ اِلا کونسا ہے؟ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے بھائی یہاں پر؟ جی؟ بھائی شاید پہلے میں نے ذکر نہ کیا ہو، یاد رکھیے اِلا سے پہلے واؤ آ جائے، اِلا سے پہلے واؤ، تو پھر یہ وہ اِلا حرف استثناء نہیں ہوتا بلکہ یہ دراصل «**إِنْ**» اور «**لَا**» سے مرکب ہے۔ اصل میں کیا تھا؟ «**وَإِنْ لَا**» اور نون لام سے پہلے نون ساکن آیا تو نون کو بھی لام کر کے لام میں ادغام کر دیا گیا تو «**وَإِلَّا**» ہوا۔ تو اصل میں گویا یوں کہا گیا: «**وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ فَلَا، فَلَايَدْخُلُ**» اور اگر ایسا نہ ہو یعنی امام نے سجدے نہ کیے تو پھر وہ داخل بھی نہیں ہے بھائی۔ تو اِلا سے پہلے واؤ آ جائے تو یہ پھر حرف استثناء نہیں ہوتا بلکہ اِن اور لا سے مرکب ہوتا ہے۔

«**وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَااللَّهُ**» اور یہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے، «**وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: هُوَ دَاخِلٌ، سَجَدَ الْإِمَامُ أَوْ لَمْيَسْجُدْ**» امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ داخل ہے وہ اقتدا کرنے والا اس کی نماز میں داخل ہے **سَجَدَ الْإِمَامُ أَوْ لَمْ يَسْجُدْ** امام سجدہ کرے یا سجدہ نہ کرے یعنی سہو کا۔ «**لِأَنَّ عِنْدَهُ سَلَامَ مَنْ عَلَيْهِ السَّهْوُ لَا يُخْرِجُهُ عَنِالصَّلَاةِ**» اس لیے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک **سَلَامُ مَنْ** سلام اس شخص کا **عَلَيْهِ السَّهْوُ** جس پر کیا ہو؟ سہو واجب ہے، **لَا يُخْرِجُهُ عَنِ الصَّلَاةِ** اس کا یہ سلام اس کو نماز سے نہیں نکالتا اصلاً قطعی طور پر، «**لِأَنَّهَا وَجَبَتْ جَبْرًالِلنُّقْصَانِ**» اس لیے کیونکہ سجدہ سہو واجب ہوا ہے کس لیے؟ **جَبْرًا لِلنُّقْصَانِ** نقصان کی تلافی کے لیے۔ بھائی سجدہ سہو کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ نماز میں جو کمی آ گئی ہے اس کی تلافی کی جاتی ہے اور یہ کیا کر سکتا ہے؟ سجدہ سہو کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا ابھی؟ کر سکتا ہے۔ جب کر سکتا ہے تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں قطعی طور پر یہ کہنا پڑے گا کہ یہ ابھی نماز سے نہیں نکلا۔ اگر یہ آپ کہتے ہیں کہ نماز سے نکل گیا ہے پھر تو سجدہ سہو اس کے، وہ تو نماز میں ہوتے ہیں نماز کے بعد نہیں ہوتے، الگ نہیں ہوتے۔ «**فَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ فِي إِحْرَامِالصَّلَاةِ**» تو ضروری ہے کہ یہ شخص کس میں ہوا ابھی؟ حالت نماز میں ہو یعنی نماز کے احرام میں ہو۔ «**وَعِنْدَهُمَا**» جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، «**يُخْرِجُهُ عَلَى سَبِيلِالتَّوَقُّفِ**» وہ شخص جس سے سہو ہوا ہو اس کا سلام جو ہے **يُخْرِجُهُ عَلَى سَبِيلِ التَّوَقُّفِ** وہ اس کو نماز سے نکال دیتا ہے لیکن کس طریقے پر؟ موقوف طریقے پر، موقوف طریقے پر۔ «**لِأَنَّهُ مُحَلِّلٌ فِي نَفْسِهِ**» اس لیے کیونکہ سلام خود جو ہے وہ محلل ہے، حلال کرنے والا ہے **فِي نَفْسِهِ** اپنی ذات کے اعتبار سے۔ سلام کیا کرتا ہے؟ نماز کے احرام کو ختم کرتا ہے یا نہیں کرتا؟ تو یہ محلل ہے حلال کرنے والا ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، سمجھ میں آیا بھائی؟ چنانچہ حدیث میں آتا ہے نماز کے بارے میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَاالتَّسْلِيمُ**»، نماز کی تحریم کیا ہے؟ تکبیر ہے، یعنی اس سے نماز کا احرام شروع ہو جائے گا، اور «**وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ**» اور نماز کی تحلیل کیا چیز ہے؟ سلام۔ معلوم ہوا سلام کیا کرنے والا ہے؟ نماز کے احرام کو حلال کرنے والا ہے اس کو ختم کرنے والا ہے۔ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے سلام اپنی ذات کے اعتبار سے محلل ہے، وہ کیا کرتا ہے؟ نماز سے نکال دیتا ہے لیکن یہاں پر وہ کس طریقے پر نکالے گا؟ موقوف طریقے پر۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «**إِنَّمَا لَا يَعْمَلُ لِحَاجَتِهِ إِلَى أَدَاءِ السَّجْدَةِ**» یہاں پر یہ سلام اپنا عمل نہیں کرے گا یعنی محلل قطعی طور پر قطعی طور پر محلل نہیں بنے گا **لِحَاجَتِهِ إِلَى أَدَاءِ السَّجْدَةِ** اس وجہ سے کیونکہ اس شخص کو ضرورت ہے سجدے کے ادا کی۔

اس شخص کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ بھائی دیکھیے سلام ہے تو محلل، کیا کرتا ہے؟ نماز کے احرام کو ختم کر دیتا ہے لیکن یہاں وہ اب اس کا عمل ظاہر نہیں ہو گا وہ اپنا عمل نہیں دکھائے گا۔ کیوں نہیں دکھائے گا؟ ضرورت کی بنا پر، کس بنا پر؟ ضرورت کی بنا پر۔ اور وہ ضرورت کیا ہے؟ ہاں اس شخص کو سجدہ سہو کی ضرورت ہے ابھی، تو لہٰذا عمل نہیں کرے گا۔ «**فَلَا يَظْهَرُ دُونَهَا**» اچھا بھائی! سلام اپنا عمل نہیں کرے گا یعنی سلام کا محلل ہونا ظاہر نہیں ہو گا۔ کب نہیں ہو گا؟ جب یہ سجدہ کرے، معلوم ہوا اس کو سجدے کی حاجت ہے۔ اور اگر یہ سجدہ کرتا ہی نہیں تو حاجت بھی نہیں اور سلام تو محلل تھا اس کا محلل نہ ہونا کس وجہ سے تھا؟ حاجت کی وجہ سے، تو جب یہ سجدہ کرتا ہی نہیں تو اس کو حاجت نہیں، جب حاجت نہیں تو وہ تو محلل ہے محلل بنے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے کہتے ہیں کہ سلام جو ہے محلل ہے اپنی ذات کے اعتبار سے «**وَإِنَّمَا لَا يَعْمَلُ لِحَاجَتِهِ إِلَى أَدَاءِ السَّجْدَةِ**» اور یہ اپنا عمل نہیں کرے گا یہاں پر بوجہ اس شخص کی ضرورت کے **إِلَى أَدَاءِ السَّجْدَةِ** کس چیز کی ضرورت ہے اس کی؟ سجدے کی ادائیگی کی، «**فَلَا يَظْهَرُ دُونَهَا**» تو اس کا عدم عمل ظاہر نہیں ہو گا **دُونَهَا أَيْ دُونَ الْحَاجَةِ** بغیر حاجت کے۔ حاجت کے بغیر اس کا عدم عمل ظاہر، بھائی سلام کیا کرتا ہے؟ نماز کے احرام کو ختم کرتا ہے لیکن یہاں یہ عمل نہیں کرے گا، کیوں نہیں کرے گا؟ اگر اس کو سجدے کی حاجت ہے یعنی یہ سجدہ کرتا ہے، اور اگر سجدہ نہیں کرتا تو معلوم ہوا اس کو سجدے کی حاجت نہیں، جب حاجت نہیں تو اس کا عدم عمل بھی ظاہر نہیں ہو گا بلکہ وہ کیا کرے گا؟ اپنا عمل کرے گا اور اس کو نماز سے نکال دے گا۔ یہ معنی ہے: «**فَلَا يَظْهَرُ دُونَهَا**» تو اس سلام کا عدم عمل جو ہے عدم عمل یعنی غیر محلل ہونا ظاہر نہیں ہو گا **دُونَهَا** بغیر حاجت کے۔ عبارت بھی سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں؟ سب کو؟ بعض چہروں پہ پریشانی کے آثار مجھے نظر آرہے ہیں کہ پتہ نہیں ان کو بات نہیں سمجھ میں آرہی یا ویسے پریشان بیٹھے ہیں۔ سب کو اچھی طرح بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو کہتے ہیں یہاں پر سلام اپنا عمل نہیں کرے گا اس وجہ سے کہ اس شخص کو حاجت ہے ادائے سجدہ کی، «**فَلَا يَظْهَرُ دُونَهَا**» تو اس کا عدم عمل ظاہر نہیں ہو گا بغیر حاجت کے کیونکہ عدم عمل کس کی وجہ سے ہے؟ حاجت کی وجہ سے ہے تو بغیر حاجت کے عدم عمل ظاہر نہیں ہو گا۔ «**وَلَا حَاجَةَ عَلَى اعْتِبَارِ عَدَمِ الْعَوْدِ**» اور کوئی حاجت نہیں ہے کس چیز کی؟ عدم عمل کا اعتبار کرنے کی، ہاں تو کوئی اور کوئی حاجت نہیں ہے «**عَلَى اعْتِبَارِ عَدَمِ الْعَوْدِ**» عدم عود کا اعتبار کرتے ہوئے یعنی نہ لوٹنے کا اعتبار کرتے ہوئے یعنی وہ لوٹتا نہیں ہے سجدہ سہو نہیں کرتا تو اس کو حاجت نہیں ہے، جب حاجت نہیں ہے تو اس عدم عمل کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو لہٰذا اس شخص کا سلام جس پر سجدہ سہو ہوں اس کا سلام اسے کس طریقے سے نماز سے نکالتا ہے شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک؟ موقوف طریقے سے۔ وہ سجدہ سہو کر لیتا ہے تو وہ سلام نکالنے والا نہیں تھا اور اگر سجدہ نہیں کرتا تو وہ سلام اس کو نماز سے نکالنے والا تھا، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ چاہے سجدہ کرے یا نہ کرے اس سلام نے اس کو نماز سے نہیں نکالا، ابھی بھی وہ نماز ہی کے اندر ہے۔ ہاں جب یہاں سے بھول گیا ہے تو اگر سجدہ کر لے گا اچھی بات ہے، اگر سجدہ نہیں کرتا ویسے اٹھ کے چلتا ہے تو اٹھ کر جانے سے پھر کیا ہو گا؟ نماز کے احرام سے وہ نکل جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے: «**وَلَا حَاجَةَ عَلَى اعْتِبَارِ عَدَمِ الْعَوْدِ**» اور نہ لوٹنے کا اعتبار کرتے ہوئے کوئی ضرورت نہیں ہے، کس چیز کی ضرورت نہیں ہے؟ عدم عمل کی، سلام کے عدم عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔

تو خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اس شخص نے سلام پھیر دیا ہے اور اس پر سہو کے سجدے واجب ہیں اور سلام کے بعد یہ وہیں بیٹھا ہوا ہے ایک اور آدمی آکر اس کی نماز میں شامل ہونا چاہتا ہے، تو کیا وہ شامل ہو گا یا شامل نہیں ہو گا؟ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص قطعاً یقینی طور پر اس کی نماز میں شامل ہو گیا، اس لیے کیونکہ اگرچہ اس نے سلام پھیر دیا ہے لیکن اس کے ذمے کیا باقی ہیں؟ سہو کے سجدے باقی ہیں اور یہ سہو کے سجدے بعد میں بھی کرنا چاہے کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ سہو کے سجدے کر سکتا ہے اور سہو کے سجدے تبھی ہو سکتے ہیں جب یہ کہا جائے کہ اس سلام نے اس کو نماز سے نہیں نکالا بلکہ یہ قطعی طور پر ابھی بھی کس میں ہے؟ نماز ہی میں ہے، تبھی وہ کہا یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سہو کے سجدے کر لے۔ معلوم ہوا یہ سلام اس کو نماز سے نکالنے والا نہیں ہے، ابھی بھی وہ سجدہ سہو کر سکتا ہے۔ جب ابھی وہ قطعی طور پر نماز کے احرام ہی میں ہے تو لہٰذا اس اقتدا کرنے والے کی اقتدا بھی صحیح ہو جائے گی اور وہ اس کی نماز میں داخل ہو جائے گا۔ جبکہ شیخین رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے اگر سجدہ سہو کر لیا بعد میں تو وہ اقتدا کرنے والا اس کی نماز میں داخل ہے اور اگر اس نے سجدہ سہو نہیں کیا تو وہ اقتدا کرنے والا اس کی نماز میں داخل نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نماز سلام جو ہے وہ محلل ہے وہ کیا کرنے والا ہے؟ ہاں اس سلام کی ذات ہی ایسی ہے کہ وہ نماز کے احرام کو ختم کر دیتی ہے، تو لہٰذا یہاں پر بھی سلام اپنا اثر دکھائے گا اور اس کی نماز کو ختم کر دے گا لیکن یہ ختم ہونا موقوف طریقے پر ہے، یہ احرام صلاۃ کو ختم کرے گا کس طریقے پر؟ موقوف طریقے پر۔ کیوں موقوف طریقے پر کیوں ختم کرے گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس پر اس کے ذمے سجدہ سہو لازم ہے وہ اس پر باقی ہے اس کو ابھی ضرورت ہے کہ نماز کا احرام باقی رہے تاکہ یہ کیا کر سکے؟ سجدہ سہو کر سکے۔ تو ضرورت کی بنا پر ہم کہیں گے سلام نے اس کو نماز سے نہیں نکالا اور وہ ضرورت کب ہو گی؟ جب یہ سجدہ سہو کر بھی لیتا ہے معلوم ہوا اس کو ضرورت تھی لہٰذا سلام نے اپنا اثر نہیں دکھایا اور اس کو نماز سے نہیں نکالا، وہ شخص آکر اس کی نماز میں شامل ہوا ہے تو وہ داخل ہو جائے گا کیونکہ اس نے آگے کیا کر لیا ہے؟ سجدہ سہو کر لیا۔ لیکن اگر وہ سجدہ سہو نہیں کرتا تو پھر پھر تو سلام محلل ہے اور وہ غیر محلل کب بنتا تھا؟ جب اس کو ضرورت ہوتی تھی سجدہ سہو کی، جب یہ آگے سجدے ہی نہیں کرتا تو اس کو ضرورت نہیں جب ضرورت نہیں تو اس کو غیر محلل بھی نہیں بنائیں گے بلکہ وہ کیا بنے گا؟ وہ محلل ہے اور محلل ہی رہے گا اور اس کی نماز کو کیا کر چکا ہے وہ؟ ختم کر چکا ہے، لہٰذا وہ دوسرا شخص آکر اس کی نماز میں شامل ہونا چاہتا ہے تو وہ شامل نہیں ہو سکتا۔

■ مسئلہ: وَيَظْهَرُ الِاخْتِلَافُ فِي هَذَا

«وَيَظْهَرُ الِاخْتِلَافُ فِي هَذَا» اور اختلاف ظاہر ہو گا اس مسئلے کے اندر، ثمرۂ اختلاف اس مسئلے میں ظاہر ہو گا، کونسا مسئلہ؟ یہ جو متن میں ذکر ہوا کہ ایک دوسرا شخص آکر اس کی نماز میں داخل ہوتا ہے تو کیا وہ اس کی نماز میں داخل ہو گا یا داخل نہیں ہو گا؟ تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک سجدہ سہو وہ کر لیتا ہے تو وہ داخل ہو گا سجدہ سہو نہیں کرتا تو وہ داخل بھی نہیں، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ قطعی طور پر داخل ہو گیا چاہے یہ سجدہ سہو کرے یا سجدہ سہو نہ کرے۔ تو اس مسئلے میں بھی اختلاف ظاہر ہو گا، «وَفِي انْتِقَاضِ الطَّهَارَةِ بِالْقَهْقَهَةِ» انتقاض کا معنی ٹوٹنا، اور طہارت کے ٹوٹ جانے میں بِالْقَهْقَهَةِ قہقہہ کی وجہ سے۔ قہقہے کی وجہ سے طہارت کے ٹوٹ جانے میں بھی اختلاف ظاہر ہو گا۔ اس حالت میں اگر اس نے قہقہہ لگایا، کیا لگایا؟ قہقہہ لگایا تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ وہ کس میں ہے ابھی؟ نماز کے احرام میں اور نماز میں قہقہہ لگایا جائے تو نماز بھی ٹوٹتی ہے اور خاص وضو بھی ٹوٹتا ہے، تو ان کے نزدیک وضو بھی ٹوٹ جائے گا جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا بھائی۔ نیز «وَتَغَيُّرِ الْفَرْضِ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ» اور نیز فرضوں کا بدل جانا اقامت کی نیت سے «فِي هَذِهِ الْحَالَةِ» اس حالت میں۔ اسی حالت میں ابھی اس نے سجدہ سہو نہیں کیا اس کا ارادہ بن گیا اقامت کا کہ وہ تھا مسافر دو رکعت پڑھے تھے اور اب اس کا کیا ارادہ بنا کہ میں یہیں پر مقیم ہوتا ہوں تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نماز کے اندر نیت بدلی ہے لہٰذا اب یہ دو رکعت سے بات نہیں بنے گی بلکہ کتنی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی؟ چار رکعتیں اس کی اس کو پڑھنا پڑیں گی تو اس کے فرض بدل جائیں گے ان کے نزدیک، جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر وہ سجدہ کر لیتا ہے تو اس کے فرض بدل جائیں گے اگر وہ سجدہ سہو نہیں کرتا تو سلام اس کو نماز سے نکال چکا ہے اس کے فرض بھی نہیں بدلیں گے، نماز پڑھنے کے بعد اگر نیت بدلتی ہے تو اس سے پھر نماز پر فرق نہیں پڑتا بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو دیکھیے دوبارہ عبارت کہتے ہیں: «وَيَظْهَرُ الِاخْتِلَافُ فِي هَذَا وَفِي انْتِقَاضِ الطَّهَارَةِ بِالْقَهْقَهَةِ وَتَغَيُّرِ الْفَرْضِ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ» اور اختلاف ظاہر ہو گا اس مسئلے کے اندر اور وضو کے ٹوٹ جانے میں قہقہے کی وجہ سے اور فرضوں کے بدلنے میں اقامت کی نیت کی وجہ سے اس حالت میں۔

«وَمَنْ سَلَّمَ يُرِيدُ بِهِ قَطْعَ الصَّلَاةِ وَعَلَيْهِ سَهْوٌ» دیکھیے بھائی فقہائے احناف بھائی۔ بھائی ایک آدمی ہے اور اس پر اس سے نماز میں بھول ہو گئی اور آخر نماز میں وہ بھول گیا کہ میں نے سجدہ سہو بھی کرنے ہیں، اس نے سلام پھیرا اور سلام اس نے نماز کو ختم کرنے کی نیت سے پھیرا ہے باقاعدہ، تو کیا وہ نماز سے نکل جائے گا؟ کیونکہ اس نے ارادہ کیا کیا ہے؟ نماز سے نکلنے کا ارادہ کیا ہے، تو کیا یہ سلام اسے نماز سے نکال دے گا یا نہیں نکالے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی یہ سلام اس کو نماز سے نہیں نکالے گا۔ بھائی کیوں نہیں نکالے گا؟ اس کا تو ارادہ ہی کیا تھا اس سلام کے ذریعے؟ نماز سے نکلنے کا۔ کہتے ہیں بھائی اس کے ذمے سجدہ سہو باقی ہیں، کیا باقی ہیں؟ سجدہ سہو باقی ہیں، تو سجدہ سہو اس پر شریعت نے لازم کیے ہیں وہ اس پر شریعت نے لازم کیے ہیں، ابھی آپ نے مسئلہ پڑھا، تو لہٰذا وہ اس حالت میں کیا کر سکتا ہے؟ سجدہ سہو کر سکتا ہے کیونکہ یہ سجدہ سہو اس پر کس نے لازم کیے ہیں؟ شریعت نے لازم کیے ہیں اور یہ سلام اس کو نماز سے قطعی طور پر نکالنے والا نہیں ہے تو یہ ایک شرعی حکم کو شرعی حکم کیا ہوا؟ مشروع چیز کیا ہوئی کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ سجدہ سہو کر سکتا ہے، اور اپنی نیت کے ذریعے وہ ایک مشروع چیز کو بدلنا چاہتا ہے تو لہٰذا اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس کی نیت سے کوئی شرعی حکم نہیں بدلے گا، لہٰذا وہ ابھی بھی کیا کر سکتا ہے؟ سجدہ سہو کر سکتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو اس کی نیت سے شرعی حکم نہیں بدلے گا۔

■ مسئلہ: وَمَنْ سَلَّمَ يُرِيدُ بِهِ قَطْعَ الصَّلَاةِ وَعَ...

«وَمَنْ سَلَّمَ يُرِيدُ بِهِ قَطْعَ الصَّلَاةِ وَعَلَيْهِ سَهْوٌ» اور جس شخص نے سلام پھیرا ارادہ کرتا ہے اس کے ذریعے نماز کو توڑنے کا «وَعَلَيْهِ سَهْوٌ» اور اس پر سہو تھا یعنی سجدہ سہو واجب تھا، «فَعَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَ» تو اس پر واجب ہے کہ وہ کیا کرے؟ سجدہ کرے «لِسَهْوِهِ» اپنی بھول کی وجہ سے، «لِأَنَّ هَذَا السَّلَامَ غَيْرُ قَاطِعٍ» اس لیے کیونکہ یہ نماز یہ سلام جو ہے نماز کو توڑنے والا نہیں ہے، «وَنِيَّتُهُ تَغْيِيرٌ لِلْمَشْرُوعِ» اور اس کی نیت جو ہے وہ ایک مشروع چیز کو بدلنے کی ہے اس کی نیت ایک مشروع چیز کو بدلنا ہے، «فَلَغَتْ» لہٰذا اس کی نیت کیا ہو جائے گی؟ لغو ہو جائے گی وہ شرعی حکم کو نہیں بدلے گی بھائی۔

تو خلاصۂ کلام یہاں پر یہ ہوا کہ ایک شخص ہے اور اس سے نماز میں بھول ہوئی ہے اور اس پر سہو کے سجدے واجب ہیں اور وہ آخر صلاۃ میں جا کر بھول گیا کہ میرے ذمے سہو کے سجدے ہیں اور اس نے نماز توڑنے کی نیت سے سلام پھیر لیا، نماز توڑنے کی، تو کیا یہ سلام اس کی نماز کو توڑ دے گا؟ اس کے احرام کو ختم کر دے گا یا ختم نہیں کرے گا؟ کیونکہ اس کا ارادہ کیا ہے؟ اس کا اسے تو یاد ہی نہیں ہے کہ میرے ذمے سہو کے سجدے ہیں، تو کیا اس کے ارادے کی وجہ سے اس سلام کو قاطع قرار دیا جائے گا کہ اس نے نماز ختم کر دی؟ بھائی دیکھو اگر سلام کو قاطع قرار دے دیں نا تو پھر یہ بعد میں سہو کے سجدے نہیں کر سکتا، اور اگر اس کو قاطع قرار نہ دیا جائے پھر ہی کیا کر سکتا ہے آگے؟ یاد آنے پر سجدہ سہو کر سکتا ہے۔ تو دیکھیے اس شخص نے ارادہ کیا ہے اس سلام کے ذریعے نماز کو قطع کرنے کا، ختم کرنے کا، تو اگر اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے تو اس سلام نے کیا کر دیا؟ نماز کو ختم کر دیا، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کو اب بعد میں یاد آ بھی جائے اسی حالت میں بیٹھا ہوا ہے اور سجدہ سہو کرنا چاہتا ہے تو پھر اس کی اجازت نہیں ہو گی کیونکہ سلام اس نے کس ارادے سے پھیرا تھا؟ نماز ختم کرنے کے ارادے سے، اور اس کا اعتبار کیا جائے کہ سلام نے نماز کو ختم کر دیا پھر تو اس کے لیے سجدہ سہو کی

گنجائش نہیں رہے گی۔ تو کیا اس کی اس نیت کی وجہ سے اس سلام کو قاطع صلاۃ کہا جائے گا یا نہیں کہا جائے گا؟ تو کہتے ہیں نہیں بھائی اس کے اس نیت کی وجہ سے اس سلام کو قاطع صلاۃ نہیں کہا جائے گا، اس لیے کیونکہ ابھی آپ نے مسئلہ پڑھ لیا کہ سلام پھیرنے کے بعد بھی اس کے لیے سجدہ سہو کرنا جائز ہے، تو شریعت نے اس سلام کے بعد بھی کس کی اجازت دی ہے؟ سجدہ سہو کی اجازت دی ہے، معلوم ہوا یہ جو سلام پھیرا تھا اس نے شرعاً یہ سلام جو ہے قاطع صلاۃ نہیں اور وہ اپنی نیت کے ذریعے ایک شرعی حکم کو بدلنا چاہتا ہے، ایک یہ سلام قاطع صلاۃ نہیں اور وہ اس کو کیا بنانا چاہتا ہے؟ اپنی نیت کے ذریعے قاطع صلاۃ بنانا چاہتا ہے تو اس کی نیت لغو ہو جائے گی اور شرعی حکم اسی طرح رہے گا یعنی یہ سلام قاطع صلاۃ نہیں وہ بعد میں بھی کیا کرنا چاہے سجدہ سہو کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

«وَمَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا، وَذَلِكَ أَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهُ اسْتَأْنَفَ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ أَنَّهُ كَمْ صَلَّى فَلْيَسْتَقْبِلِ الصَّلَاةَ»».

صورت یہ کہ کسی شخص کو نماز میں شک کسی کو اپنی نماز میں شک واقع ہوا اب اسے پتہ نہیں کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں، شک آ گیا اور یہ شک اس کو پہلی مرتبہ پیش آیا ہے۔ تو پہلی مرتبہ یہ ذکر کریں گے کہ یہ شک اس کو پہلی، لیکن یاد رکھنا پہلی مرتبہ کا یہ معنی نہیں کہ اس کو زندگی بھر میں یہ پہلی دفعہ شک پیش آیا ہے بلکہ معنی یہ ہے یعنی اس کو عادت نہیں ہے اس کو عموماً اس طرح شک آتا نہیں بڑا قلیل آتا اگر ہوتا بھی ہے تو بڑا قلیل ہے، تو اس صورت میں اس کو نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ کسی شخص کو اگر اپنی نماز میں شک واقع ہو تو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے تو اس کو نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہیے، لہٰذا یہ بھی کیا کرے؟ نئے سرے سے نماز پڑھے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا...

«**وَمَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا**» اور جس کو شک واقع ہوا اپنی نماز کے اندر پس وہ نہیں جانتا کہ کیا تین پڑھی ہیں اس نے تین رکعتیں «**أَمْ أَرْبَعًا**» یا چار، «**وَذَلِكَ أَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهُ**» اور یہ جو ہے اس کو پہلی مرتبہ پیش آئی ہے یہ بات۔ پہلی مرتبہ پیش آنے سے کیا مراد ہے؟ کہ ہاں اس کو اکثر پیش نہیں آتا بہت کم پیش آتا ہے۔ «**اسْتَأْنَفَ**» تو نئے سرے سے نماز پڑھے، «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ**» جب شک واقع ہوا تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں «**أَنَّهُ كَمْ صَلَّى**» کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے، «**فَلْيَسْتَقْبِلِ الصَّلَاةَ**» تو اس کو نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہیے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ استقبل یستقبل کے معنی بھی کیا ہوتے ہیں؟ نئے سرے سے پڑھنا۔

«**وَإِنْ كَانَ يَعْرِضُ لَهُ كَثِيرًا بَنَى عَلَى أَكْبَرِ رَأْيِهِ**» اور اگر یہ بات اس کو کثرت سے پیش آتی ہے تو بنا کرے اپنی بڑی رائے پر یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔ بھائی ایک شخص ہے وہ نماز پڑھ رہا ہے اور اس کو شک ہوا کہ پتہ نہیں میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں پڑھی ہیں اور یہ اس کو شک اکثر ہوتا رہتا ہے تو یہ بنا کر سکتا ہے، تو پھر کیا کرے؟ تحری کرے، تحری دل کے ارادے کا نام ہے، غور کرے فکر کرے کہ تین پڑھی ہیں یا چار اور جس طرف ذہن زیادہ جائے تو وہ اس کا غالب گمان ہے اس پر عمل کر لے۔ اگر ذہن کہتا ہے زیادہ اس بات کی طرف کیا کہ تین پڑھی ہیں تو پھر چوتھی رکعت پڑھ لے اور اگر غالب گمان اس طرف چلا گیا کہ چار یہ آخری رکعت ہے تو پھر اسی پر اسی کو کیا کر دے اسی پر سلام پھیر دے۔

«**وَإِنْ كَانَ يَعْرِضُ لَهُ كَثِيرًا بَنَى عَلَى أَكْبَرِ رَأْيِهِ**» اور اگر یہ اس کو کثرت سے پیش آتا ہے تو اپنی بڑی رائے پر عمل کرے، «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ»**» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے کہ جس کو شک ہوا اپنی نماز میں تو اس کو درست بات کی تحری کرنی چاہیے یعنی غور کرنا چاہیے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رَأْيٌ

«**وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رَأْيٌ**» جی، دیکھیے اب آخری صورت بھی ذکر کر رہے ہیں۔ اس نے غور بھی کیا لیکن رائے کسی ایک طرف نہیں جا رہی دونوں طرف رائے برابر جا رہی ہے، کبھی ذہن میں آتا ہے تین ہوئی ہیں کبھی آتا ہے چار ہوئی ہیں، تو پھر؟ تو کہتے ہیں اس صورت میں یقین پر بنا کر لے۔ کیا کر لے؟ یقین پر بنا کر لے یعنی اقل پر عمل کر لے جو اقل والی صورت کو اختیار کر لی۔ دیکھیے اس کو شک ہوا کہ یہ پتہ نہیں میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں، تین پڑھی ہیں یا چار؟ معلوم ہوا چوتھی میں شک ہے تین تو یقینی ہی ہیں کہ چوتھی پڑھی ہے یا چوتھی نہیں، تو تین یقین پر عمل کر لے تو اقل جو ہے تین وہ یقینی ہے اس پر عمل کر لے اور چوتھی رکعت پھر پڑھ لے۔

«**وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رَأْيٌ بَنَى عَلَى الْيَقِينِ**» اور اگر اس کی کوئی رائے نہ ہو تو بنا کر لے یقین پر، «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ**

فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا بَنَى عَلَى الْأَقَلِّ » » بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے کہ جس کو شک واقع ہوا اپنی نماز میں پس وہ نہیں جانتا کہ کیا تین رکعتیں اس نے پڑھی ہیں یا چار، بنا علی الاقل تو بنا کرلے اقل پر، کم جو رکعتیں ان پر بنا کرلے یعنی یقین پر۔

« وَالِاسْتِقْبَالُ بِالسَّلَامِ أَوْلَى » یہاں سے الگ بات کر رہے ہیں صاحب ہدایہ۔ اوپر ذکر کیا تھا کہ اگر یہ بات اس کو پہلی مرتبہ پیش آئی ہے یعنی کثرت سے پیش نہیں آتی تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟ نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہیے۔ تو نئے سرے سے نماز پڑھے گا اس نماز سے نکلنا پڑے گا، کیا کرنا پڑے گا؟ تو کس طریقے سے نکلے اس نماز سے؟ کہتے ہیں بھائی جو طریقہ ہے یعنی سلام پھیر کر جس طرح نکلتے ہیں اسی طرح اس نماز میں بھی سلام پھیر کر نکلے اور پھر کیا کرے؟ اگلی نماز شروع کرے۔ تو کہتے ہیں: « وَالِاسْتِقْبَالُ بِالسَّلَامِ أَوْلَى » اور نئے سرے سے شروع کرنا بالسلام کس کے ساتھ؟ سلام کے ساتھ اولیٰ ہے، یعنی اس نماز سے کس طریقے سے نکلے؟ سلام کے ساتھ۔ « لِأَنَّهُ عُرِفَ مُحَلِّلًا دُونَ الْكَلَامِ » اس لیے کیونکہ سلام کو محلل جانا گیا ہے نہ کہ کلام کو۔ تو لہٰذا کلام کے ذریعے کسی کے ساتھ بات کر کے اس نماز کو ختم نہ کرے بلکہ کس طریقے سے ختم کرے؟ سلام کے ساتھ بھائی۔ « وَمُجَرَّدُ النِّيَّةِ تَلْغُو » اور صرف نیت جو ہے وہ لغو ہو گی۔ وہ صرف دل ہی دل میں نیت کر لیتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ نئے سرے سے نماز پڑھ رہا ہوں، نہیں نیت کا اعتبار نہیں بلکہ اس نماز سے نکلے اور پھر کیا کرے؟ نئے سرے سے، اور نکلے بھی کس طریقے سے؟ سلام کے ساتھ نکلنا چاہیے بھائی وہ بہتر ہے۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ الْبِنَاءِ عَلَى الْأَقَلِّ يَقْعُدُ

« وَعِنْدَ الْبِنَاءِ عَلَى الْأَقَلِّ يَقْعُدُ » یہاں سے ایک اور اہم بات صاحب ہدایہ ذکر کر رہے ہیں کہ جب یہ اقل پر بنا کرے، اقل پر بنا کرے پتہ نہیں میں نے تین پڑھی ہیں یا چار، معلوم ہوا چوتھی میں شک ہے کہ پتہ نہیں پڑھی ہے یا نہیں تو تین تو یقینی ہوئی، تین پر بنا کرلے، تین پر بنا کرلے۔ اور ہر وہ مقام جہاں پر آخری آخر صلاۃ ہونے کا احتمال ہے وہاں قعدہ کرلے کیونکہ یہ آخری قعدہ فرض ہے، کہیں ایسا نہ ہو اس نے تحری کی ہے اور تحری ایک طرف غالب گمان چلا گیا لیکن غلط طرف چلا گیا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ہر وہ جو آخری قعدہ کے جہاں پر بھی احتمال بنتا ہو وہاں اس کو کیا کرنا چاہیے؟ قعدہ کرنا چاہیے۔ دیکھو صورت بنالیں۔ فرض کریں ایک آدمی کو دوسری رکعت میں شبہ آ گیا، دوسری رکعت میں، ایک رکعت میں پڑھ چکا ہوں یا پڑھی یا یہ پہلی ہی ہے۔ ایک رکعت میں پڑھ چکا ہوں یا یہ پہلی ہی ہے، فرض کریں۔ تو اس کی رائے یہ بنی کہ یہ پہلی ہی رکعت ہے۔ کیا رائے بنی؟ پہلی رکعت ہے۔ اور نماز ہے فرض کریں چار رکعت والی۔ تو شک کس چیز میں آیا تھا؟ کہ یہ پتہ نہیں پہلی ہے یا دوسری، تو دوسری اگر اس کو شمار کریں تو اگلی دو رکعتوں کے بعد کیا آتا ہے؟ قعدہ آتا ہے وہ فرض ہے، تو اس مقام پر اس کو قعدہ کرنا چاہیے۔ اس نے اختیار تو کس صورت کو کیا ہے؟ کہ پہلی ہی ہے، لیکن شک کس میں آیا تھا کہ پتہ نہیں پہلی ہے یا دوسری ہے؟ تو عمل کس پر کیا؟ کہ یہ پہلی رکعت ہے۔ تو کتنی مزید پڑھے گا؟ تین مزید پڑھے گا۔ اور اگر یہ ہوئی دوسری تو پھر آخری قعدہ کتنی رکعتوں کے بعد آئے گا؟ دو کے بعد، اور یہ جو عمل کر رہا ہے اس کے مطابق آخری قعدہ کہاں آئے گا؟ تین رکعتوں کے بعد آئے گا، تو دو کے بعد بھی یہ قعدہ کرلے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو یہ مقام ہو اور تو فرض رہ جائے گا بھائی۔ دو کے بعد بھی کیا کرلے؟ اگلی دو کے بعد بھی قعدہ کرلے اور پھر اگلی رکعت کے بعد بھی قعدہ کر کے پھر اس کے بعد سلام پھیرے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور اسی طرح اگر اس کو شک آیا تھا کس چیز میں کہ یہ پتہ نہیں تیسری رکعت ہے یا چوتھی رکعت ہے؟ تو پھر اس کا اس نے عمل کس پر کیا؟ تیسری یقین پر عمل کر رہا ہے اور تیسری کہ یہ تیسری رکعت ہے اگلی چوتھی پڑھوں گا، لیکن پھر بھی اس رکعت کے آخر میں بھی کیا کرلے؟ قعدہ کرلے کیونکہ جس میں اس کو شک ایا تھا کہ شاید یہ چوتھی ہے تو ہو سکتا ہے یہ ہو ہی کونسی؟ چوتھی ہو، تو یہاں بھی قعدہ کرلے اور پھر اگلی رکعت کے آخر میں تو خود ہی قعدہ آجائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: « وَعِنْدَ الْبِنَاءِ عَلَى الْأَقَلِّ » اور اقل پر بنا کرتے وقت « يَقْعُدُ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ يَتَوَهَّمُ آخِرَ صَلَاتِهِ » وہ بیٹھے ہر ایسے مقام میں جس کے بارے میں وہ وہم کرتا ہے کہ یہ اس کی نماز کا آخر ہے، « كَيْ لَا يَصِيرَ تَارِكًا فَرْضَ الْقَعْدَةِ » تاکہ کہیں فرض قعدے کو یہ چھوڑنے والا نہ ہو جائے، فرض ہی کہیں نہ رہ جائے، « وَاللَّهُ أَعْلَمُ » اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

ہاں یاد رکھیے تحری کرتے ہوئے اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کی مقدار کے برابر وقت گزر گیا تو اس سے سجدہ سہو لازم ہو گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ سجدہ سہو لازم ہو گا۔ تاخیر آ گئی کیونکہ تاخیر آجائے تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۳: بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ

ہدایہ صفحہ: ۱۶۸ــــ بتاریخ: ۲۵ فروری ۲۰۱۳ء

▪ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ إِذَا عَجَزَ الْمَرِيضُ عَنِ الْقِيَامِ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: «صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى الْجَنْبِ تُؤْمِئُ إِيمَاءً» وَلِأَنَّ الطَّاعَةَ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ. [1]

▪ بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ، یہ باب ہے مریض کی نماز کے بیان میں

بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ، یہ باب ہے مریض کی نماز کے بیان میں کہ مریض جو ہے جو قیام یا قعود وغیرہ پر کی استطاعت نہیں رکھتا وہ نماز کیسے ادا کرے گا بھائی؟ تو فرماتے ہیں: **إِذَا عَجَزَ الْمَرِيضُ عَنِ الْقِيَامِ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ**، جب عاجز آجائے مریض **عَنِ الْقِيَامِ** کھڑا ہونے سے، یعنی کھڑا نہ ہو سکے **صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ** تو نماز پڑھے بیٹھ کر، **يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ** رکوع اور سجدہ کرے بھائی۔ بیٹھ کر کیا کرے؟ رکوع اور سجدہ کرے **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ**، بوجہ حضور علیہ السلام کے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانے کے۔ آپ نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: **صَلِّ قَائِمًا** کہ تم نماز پڑھو کھڑے ہو کر۔ سمجھ میں آیا؟ یہ بیمار تھے بھائی، تو حضور نے فرمایا: **صَلِّ قَائِمًا** کہ تم نماز پڑھو کھڑے ہو کر **فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا** اگر اس کی تم استطاعت نہ رکھتے ہو، اس کی طاقت نہ رکھتے ہو **فَقَاعِدًا** تو بیٹھ کر **فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ** اگر اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے **فَعَلَى الْجَنْبِ** تو پہلو پر، تو کس پر نماز پڑھو؟ پہلو پر **تُؤْمِئُ إِيمَاءً** اشارہ کرتے ہوئے۔ اس حال میں کہ تم کیا کرنے والے ہو؟ اشارہ کرنے والے ہو، اشارے سے پھر نماز پڑھو۔

تو یہ حدیث میں آیا، تو یہ ہوئی نقلی دلیل۔ آگے عقلی دلیل بھی صاحب ہدایہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الطَّاعَةَ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ**، اس لیے کیونکہ اطاعت جو ہے یعنی اللہ کی جو اطاعت ہے **بِحَسَبِ الطَّاقَةِ** وہ طاقت کے بقدر ہو گی۔ تو جو مریض ہے، کھڑا نہیں ہو سکتا تو اس کی طاقت ہی اتنی ہے وہ پھر بیٹھ کر پڑھے گا، اور جو بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو اس کی طاقت ہی اتنی ہے کہ وہ کیا کرے گا؟ لیٹ کر پڑھے گا اشارے کے ساتھ بھائی۔ تو طاعت جو ہے وہ طاقت کے بقدر ہو گی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے، متن میں آیا: **إِذَا عَجَزَ الْمَرِيضُ**، جب کھڑے ہونے سے عاجز آجائے، تو اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ سرے سے کھڑا ہی نہیں ہو سکتا تو پھر بیٹھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے، ویسے پڑھنے کی گنجائش ہی نہیں۔ بہت آدمی بیمار ہو، پھر بھی کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں بھائی بعض اوقات؟ کھڑا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ معنی نہیں ہے بھائی، بلکہ مراد یہ ہے کہ جب وہ ضعیف ہو یعنی کمزوری بہت زیادہ ہو، کھڑا ہونا دشوار ہو اس کے لیے۔ یرحمک اللہ۔ کھڑا ہونا اس کے لیے مشکل ہو، تکلیف کا باعث بنتا ہے یا اسی طرح کھڑا تو ہو جاتا ہے لیکن اس کی وجہ سے درد وغیرہ ہوتا ہے بدن میں زیادہ، تو ان سب صورتوں میں اس کو گنجائش ہے وہ کیا کر سکتا ہے؟ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ سب صورتیں اس میں شامل ہیں بھائی۔

تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ کرے گا، رکوع اور سجدہ، جب اس پر قادر ہے۔ اگر اس پر بھی قدرت نہیں ہے رکوع اور سجدہ کرنے کی بھی تو پھر کیا کرے؟ اشارے سے نماز پڑھے بھائی، اشارے سے۔

اور ذکر آیا یہاں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی۔ صحابہ کا ذکر بھی آتا ہے تو دل میں حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ عمران بن حصین جلیل القدر صحابی ہیں بھائی اور یہ بیمار تھے بھائی۔ اور روایات میں آتا ہے کہ یہ اتنے بیمار تھے، اتنے بیمار کہ ۳۰ کہ ۴۰ سال تک یہ چارپائی پر پڑے تھے اور پہلو بھی نہیں بدل سکتے تھے بھائی، اتنے بیمار

[1] شاملہ (ص ۹۱) میں «تُؤْمِئُ» کے بجائے «تومئ» درج ہے۔

تھے، اتنے بیمار۔ لیکن اس کے باوجود اطمینان اور سکون تھا ان پر اور ہر وقت وہ خوش ہی دکھائی دیتے تھے، ہر وقت خوش ہی دکھائی دیتے تھے، ذرا آپ اندازہ کریں بھائی۔ تو اور یہ اپنے لیے دعا نہیں کرتے تھے کہ اللہ مجھ کو صحت دے دے۔

تو بعض ایک موقع پر ان کے کچھ رشتہ دار، چچا وغیرہ اکٹھے ہوئے ان کے پاس اور ان کی یہ حالت دیکھ رہے ہیں کہ اتنا عرصہ ہو گیا یہ چارپائی پر پڑے ہوئے ہیں کچھ کر ہی نہیں سکتے، تو ان کی یہ حالت دیکھ کر وہ رونے لگ پڑے اور کہنے لگے: آپ اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ تو صحابیِ رسول ہیں، جلیل القدر افراد میں سے ہیں، آپ دعا کریں گے تو اللہ آپ کو شفا دے دیں گے، آپ اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟

تو وہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ کسی سے ذکر نہیں کرتے تھے، لیکن اس وقت وہ کچھ رشتہ دار وغیرہ اور وہ رو رہے ہیں تو پھر یہ بات آپ نے ذکر فرمائی اور کہنے لگے کہ تمہیں کیا معلوم اس بیماری اور تکلیف کے اندر مجھے اللہ کی کتنی برکات حاصل ہو رہی ہیں، اللہ کی طرف سے کتنی رحمتیں مجھ پر نازل ہو رہی ہیں، تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ شب و روز فرشتے میرے پاس آ کر مجھے کہتے ہیں: **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عِمْرَانُ**، میں ان کے سلام کو سنتا بھی ہوں اور ان کو جواب بھی دیتا ہوں۔ تو یہ برکتیں کس کی وجہ سے ہیں؟ یہ اس بیماری اور تکلیف کی وجہ سے ہیں۔ تو مومن کی حالت عجیب ہے بھائی، اس پر حدیث میں آتا ہے کہ مومن کی حالت عجیب ہے کہ جب وہ خوش ہوتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اس پر مزید اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور جب تکلیف اس پر آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور اس پر پھر مزید اللہ کی رحمت اس پر نازل ہوتی ہے بھائی۔ تو مومن کی حالت دونوں ہر حال میں وہ اللہ کی رحمت اس پر نازل ہوتی رہتی ہے بھائی۔

اور یقیناً صبر کا مقام اونچا ہے کہ ایک تکلیف آئی ہوئی ہے اور پھر انسان کیا کرتا ہے؟ اس پر صبر کرتا ہے، تو اور اس پر اتنا اجر ملتا ہے حتیٰ کہ کہ روایات میں آتا ہے کہ انسان پر تکلیف آتی ہے تو دراصل اس تکلیف کے ذریعے اللہ اس کو اونچا مقام دینا چاہتے ہیں، اپنے عمل کے ذریعے وہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا تو اللہ اس پر تکلیف لے آتے ہیں، وہ تکلیف برداشت کرتا ہے صبر کے ساتھ اور اس وجہ سے اللہ اس کو بہت اونچا مقام دے دیتے ہیں، بہت اونچا مقام۔

اور قیامت کے دن بھائی کہتے ہیں قیامت کے دن لوگوں کو لوگوں کو مختلف درجے ہوں گے اور جو جنہوں نے دنیا کے اندر تکلیف میں زندگی گزاری ان کو ان کی تکلیف کی وجہ سے اللہ بڑے اونچے مرتبے دیں گے، بڑے اونچے مقامات نصیب فرمائیں گے۔ تو وہ ان اونچے مقامات کو جب دیکھیں گے کہ تو اور تکلیف آپ جانتے ہیں تکلیف تکلیف ہے، لیکن جب ایک دفعہ گزر گئی، گزر گئی بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جیسی بھی تکلیف آتی ہے گزر جاتی ہے بہر حال، بس انسان اگر صبر کرے بھائی اور آخرت پر اپنی نظر رکھے۔

تو وہ کہیں گے کہ اچھا ان تکلیفوں پر ہمیں اتنا اونچا مقام ملا تو تمنا کریں گے: کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے لوگ کاٹتے! اتنا اجر ہے! اتنا اجر ہے! تو یہ وہ حدیث میں باقاعدہ آتا ہے، وہ تمنا کریں گے۔ کیا تمنا کریں گے؟ کہ دنیا میں ہماری کھال قینچیوں سے لوگ کاٹ دیتے، پھر ہمیں اس تکلیف پر اتنا اجر ہے تو اس پہ تو اور اونچا اجر ملے ملتا ہمیں بھائی۔

تو یہ چالیس سال تک بیمار رہے بھائی اور اس حال میں بھی ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے بھائی۔ جلیل القدر صحابی ہیں، راویِ حدیث ہیں بھائی، حدیث روایت کرتے ہیں۔

قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ أَوْمَأَ إِيمَاءً. صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ** اور اگر وہ طاقت نہیں رکھتا رکوع اور سجدہ کرنے کی **أَوْمَأَ إِيمَاءً** تو پھر کیا کرے گا؟ اشارہ کرے گا **يَعْنِي قَاعِدًا** یعنی بیٹھ کر۔ بیٹھ کر کیا کرے گا؟ اشارہ کرے گا **لِأَنَّهُ وُسْعُ مِثْلِهِ. وُسْعٌ** کہتے ہیں طاقت کو بھائی، طاقت اور قوت بھائی۔ **لِأَنَّهُ وُسْعُ مِثْلِهِ** اس لیے کیونکہ یہی اس جیسے کی طاقت ہے، کیونکہ یہی اس جیسے کی یعنی اشارے سے، **لِأَنَّهُ** ہا ضمیر راجع ہے اشارے کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرنا، یعنی اشارے کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرنا ہی **وُسْعُ مِثْلِهِ** اس جیسے آدمی کی طاقت ہے، یہی اس کی طاقت ہے۔

وَجَعَلَ سُجُودَهُ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِهِ، اور کرے اپنے سجدے کو، سجود میں نے بتلایا تھا بھائی عربی زبان میں کسے کہتے ہیں؟ سجدے کو۔ **وَجَعَلَ سُجُودَهُ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِهِ** اور اپنے سجدے کو زیادہ پست کرے **مِنْ رُكُوعِهِ** اپنے رکوع سے۔ یعنی سجدہ سجدہ بھی اشارے سے کر رہا ہے، رکوع بھی اشارے سے کر رہا ہے تو سجدے کا اشارہ، سجدے میں اپنے آپ کو ذرا زیادہ جھکائے تھوڑا سا تاکہ رکوع اور سجدے کا فرق ہو جائے، تو اس میں ذرا زیادہ اشارہ ہو۔

جی، **لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَهُمَا فَأَخَذَ حُكْمَهُمَا،** اس لیے کیونکہ اشارہ جو ہے وہ ان دونوں یعنی رکوع اور سجدے کے قائم مقام ہے **فَأَخَذَ حُكْمَهُمَا** تو یہ ان دونوں کا حکم لے لے گا۔ اور جس طرح سجدہ رکوع کی بنسبت زیادہ پست ہوتا ہے تو اسی طرح اس کا اشارہ بھی کیا ہونا چاہیے تو رکوع کی بنسبت زیادہ پست اور نیچے ہونا چاہیے۔

وَلَا يَرْفَعُ إِلَى وَجْهِهِ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ، اور نہ اٹھائے اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز کہ اس پر سجدہ کرے۔ یعنی مریض کو کیا کرنا چاہیے؟ اشارے سے رکوع اور سجدہ کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ سجدے کے وقت کوئی چیز اٹھاتا ہے، تکیہ یا لکڑی وغیرہ یا کوئی چیز اٹھا کر پیشانی اور ناک پر لگا لیتا ہے اس، اس پر ناک اور پیشانی لگا لیتا ہے، نہیں۔ بلکہ کیا کرے گا؟ اشارہ، اشارے کے ساتھ کرے، یعنی کسی چیز کو اٹھا کر چہرے کی طرف یعنی مراد یہ ہے کہ وہ چیز یعنی سر کو ہلاتا ہی نہیں ہے، وہ چیز اٹھا کر کیا کر لیتا ہے؟ ناک اور ماتھے پر لگا لیتا ہے، یہ وہ صورت بیان ہو رہی ہے، اس طرح نہ کرے۔

لیکن اگر کوئی کر لیتا ہے تو کہتے ہیں پھر دیکھو آپ کہ اس نے اشارہ بھی کیا ہے یا نہیں؟ یعنی سر کو بھی ہلایا ہے یا سر کو سر اپنی جگہ پر ہے اور وہ چیز اٹھا کر ماتھے اور ناک پر لگالی ہے، تو پھر تو اشارہ نہیں پایا گیا، اور اشارہ نہیں پایا گیا تو پھر اس کا رکوع اور سجدہ بھی اس کا سجدہ بھی نہیں ہوا، لہٰذا نماز ہی اس کی نہیں ہوگی۔ ہاں، اگر کوئی چیز تکیہ وغیرہ اٹھا کر کہاں لگالیا اس نے؟ پیشانی اور ناک پر لگایا اور ساتھ ساتھ سر بھی حرکت بھی دی اس نے سر کو پوری طرح، تو اشارہ پایا گیا۔ تو کیا پایا گیا؟ لہٰذا سجدہ ادا ہو جائے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

وَلَا يَرْفَعُ إِلَى وَجْهِهِ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ اور نہ اٹھائے اپنے چہرے کی طرف کسی چیز کو کہ اس پر سجدہ کرے **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ «**إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ فَاسْجُدْ، وَإِلَّا فَأَوْمِ بِرَأْسِكَ**» کہ اگر تو قادر ہے اس بات پر کہ تو زمین پر سجدہ کرے تو سجدہ کر، **وَإِلَّا** اور اگر ایسا نہیں ہے، **وَإِلَّا**، اِلّا سے پہلے کیا آیا؟ واو آیا، تو یہ کیا ہے؟ **إِنْ** اور لَا سے مرکب، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی تو سجدہ نہیں کر سکتا زمین پر **فَأَوْمِ بِرَأْسِكَ** تو اشارہ کر اپنے سر کے ساتھ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور دیکھا کہ وہ نماز میں نماز پڑھ رہا ہے اور نماز پڑھتے ہوئے اس نے کیا کیا ہے مریض نے؟ تکیہ اٹھایا، تکیہ اٹھایا کہ اس پر کیا کرے گا؟ سجدہ۔ تو حضور علیہ السلام نے اس کے ہاتھ سے تکیہ لے کر پھینک دیا، تو اس نے پھر لکڑی لی کہ اس پر کرے گا سجدہ وغیرہ، تو حضور علیہ السلام نے اسے بھی پھینک دیا اور پھر یہ فرمایا کہ اگر تو کیا کر سکتا ہے؟ زمین پر سجدہ کر سکتا ہے تو زمین پر سجدہ کر ورنہ کیا کر؟ سر کے سر سے اشارہ کر کے نماز پڑھو، رکوع اور سجدہ کرو۔

وَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ، اور اگر اس شخص نے ایسا کر لیا، صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں بھائی، متن میں تو آیا تھا چہرے کی طرف کوئی چیز اٹھا کر نہ لے جائے لیکن اگر وہ **وَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ** اس نے ایسا کر لیا **وَهُوَ يَخْفِضُ رَأْسَهُ** اور اس وہ اپنے سر کو بھی پست کرتا ہے **أَجْزَأَهُ** تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ کیوں؟ وہ چیز اٹھانے کی وجہ سے اور ماتھے پر لگانے سے سجدہ نہیں ہوا بلکہ کس کی وجہ سے ہوا؟ اشارہ کرنے کی وجہ سے، اور اشارہ تو پایا گیا۔ تو کہتے ہیں: **وَهُوَ يَخْفِضُ رَأْسَهُ** اور وہ اپنے سر کو جھکاتا ہے **أَجْزَأَهُ** تو یہ اس کے لیے کافی ہے **لِوُجُودِ الْإِيمَاءِ** اشارہ پائے جانے کی وجہ سے۔

وَإِنْ وَضَعَ ذَلِكَ عَلَى جَبْهَتِهِ لَا يُجْزِيهِ لِانْعِدَامِهِ، اور اگر اس نے اس چیز کو رکھا اپنی پیشانی پر لَا **يُجْزِيهِ** تو یہ اس کے لیے کافی نہیں **لِانْعِدَامِهِ أَيْ لِانْعِدَامِ الْإِيمَاءِ** اشارہ نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا اشارہ ہے تو ہو جائے گا رکوع سجدہ، اشارہ نہیں تو سجدہ بھی نہیں۔

وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُودَ، اور اگر وہ بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا **اسْتَلْقَى عَلَى ظَهْرِهِ** تو وہ لیٹ جائے اپنی کمر کے بل، یعنی کمر کس پر لگائے؟ زمین پر، یعنی لیٹا ہوا یعنی کمر کے بل لیٹ جائے کمر نیچے کی طرف ہو۔ **اِسْتَلْقٰى، اِسْتَلْقٰى يَسْتَلْقِي** کے معنی ہیں چت لیٹنا، یعنی یہ کمر زمین پر رکھ کر لیٹنا یعنی سیدھا لیٹنا۔ تو **اسْتَلْقَى عَلَى ظَهْرِهِ** اپنی کمر پر لیٹ جائے **وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْقِبْلَةِ** اور کر دے اپنے پاؤں قبلے کی طرف، سیدھا لیٹ جائے گا، پاؤں قبلے کی طرف ہو جائیں گے **وَأَوْمَأَ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ** اور اشارہ کرے رکوع اور سجدے کا۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: «**يُصَلِّي الْمَرِيضُ قَائِمًا**» نماز پڑھے مریض کھڑے ہو کر، بیمار شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے **فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا** اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو بیٹھ کر، بیٹھ کر نماز پڑھے **فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَى قَفَاهُ**۔ **قَفَا** کہتے ہیں گدی کو بھائی، یہ گردن کا پچھلا حصہ جو کمر کی جانب ہے اس کو گدی کہتے ہیں، **قَفَا، عربی میں قَفَا۔ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَى قَفَاهُ يُؤْمِئُ إِيمَاءً** اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا یعنی بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر اپنی گدی کے بل لیٹ کر **يُؤْمِئُ إِيمَاءً** اشارہ کرتے ہوئے **فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ** اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا **فَاللَّهُ تَعَالَى أَحَقُّ بِقَبُولِ الْعُذْرِ مِنْهُ** تو اللہ تعالیٰ زیادہ لائق ہیں اس سے عذر قبول کرنے کے، جیسے انسان ایک دوسرے کا عذر قبول کر لیتے ہیں تو اللہ زیادہ لائق ہیں کہ اس کے عذر کو قبول کر لیں کہ جبکہ وہ اشارے کے ساتھ بھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

وَإِنِ اسْتَلْقَى عَلَى جَنْبِهِ وَوَجْهُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ جَازَ، اور اگر وہ لیٹ گیا **عَلَى جَنْبِهِ** اپنے پہلو پر۔ بھائی، **اسْتَلْقٰى** کا ویسے معنی تو ہے چت لیٹنا، سیدھا یعنی کمر زمین پر، لیکن یہاں صرف کس معنی میں ہے؟ لیٹنے کے معنی میں ہے، اس لیے کہا: **وَإِنِ اسْتَلْقَى عَلَى جَنْبِهِ** اور اگر وہ لیٹا اپنے پہلو پر **وَوَجْهُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ جَازَ** اور اس کا چہرہ قبلے کی طرف تھا تو یہ تو بھی جائز ہے **لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ** اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے پہلے روایت کر دی۔

بھائی اس حدیث میں تو کیا آیا؟ یہ جو ابھی گزری ایک سطر پہلے، **فَعَلَى قَفَاهُ**، کس طرح لیٹے؟ گدی پر یعنی چت لیٹ جائے، سیدھا لیٹ جائے کمر زمین پر رکھ کر، لیکن اگر پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھتا ہے تو بھی جائز ہے اس حدیث کی وجہ سے جو پہلے گزری، وہ جو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا، اس میں آیا تھا: **فَعَلَى الْجَنْبِ**، کس پر لیٹ کر؟ پہلو پر لیٹ کر۔

تو یہ معنی ہے **لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ**، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے پہلے روایت کی **إِلَّا أَنَّ الْأَوْلَى هُوَ الْأُولَى عِنْدَنَا**، مگر یہ کہ **أَنَّ الْأَوْلَى** کہ زیادہ بہتر جو ہے **هُوَ الْأُولَى** وہ پہلی صورت ہے ہمارے نزدیک۔ بھائی یہ جو متن آیا نا ابھی، اسی متن اور اس سے پچھلے متن میں آیا، پہلے کیا صورت ذکر کی؟ بیٹھنے کی استطاعت نہیں ہے تو کیا کرے؟ **اسْتَلْقَى عَلَى ظَهْرِهِ وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْقِبْلَةِ**، چت لیٹ جائے اور پاؤں کس طرف کر لے؟ قبلے کی طرف، اس طرح

نماز پڑھے۔ اور اگر وہ پہلو پر لیٹ گیا اور چہرہ قبلے کی طرف تھا تو بھی جائز ہے۔ تو دو صورتیں ذکر کر دیں، لیکن کہتے ہیں: **إِلَّا أَنَّ الْأَوْلَى هُوَ الْأُولَى عِنْدَنَا** کہ زیادہ بہتر جو ہے ہمارے نزدیک وہ پہلی صورت ہے۔ کون سی پہلی صورت؟ قبلے کی طرف پاؤں ہوں، چت لیٹ جائے اور پاؤں کس طرف ہوں؟ قبلے کی طرف ہوں بھائی۔

تو پہلا لفظ ہے **اَلْأَوْلٰی**، بہتر ہے۔ اور دوسرا لفظ ہے **اَلْأُوْلٰی**، جو پہلی صورت ہے بھائی، پہلی صورت۔ بعضوں نے اس کا عکس کیا، وہ کہتے ہیں پہلا لفظ ہے **اَلْأُوْلٰی** اور دوسرا لفظ ہے **اَلْأَوْلٰی**، معنی دونوں صورتوں میں یہی بنتا ہے کہ پہلی صورت جو ہے وہ اولیٰ ہے۔ **عِنْدَنَا**، ہمارے نزدیک یعنی احناف کے نزدیک بہتر صورت کیا ہے؟ پہلی صورت ہے کہ کمر کے بل لیٹ کر نماز پڑھے، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ**، برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، معلوم ہوا ان کے نزدیک اولیٰ صورت کون سی ہے؟ پہلو کے بل ہے۔

بھائی، چت لیٹے گا تو کس طرح ہو گی نماز؟ کمر زمین پر لگی ہوئی ہے اور پاؤں کس طرف ہیں؟ قبلے کی طرف ہیں۔ اور پہلو پر لیٹے گا تو پھر تو پھر چہرہ قبلے کی طرف ہو گا، پاؤں اور سر شمالاً جنوباً یہاں سے بنیں گے بھائی۔ مثلاً قبلہ کس طرف ہے؟ مغرب کی طرف ہے، تو پہلی صورت کے مطابق مشرق کی طرف سر بن رہا ہے اور مغرب کی طرف پاؤں ہیں تو وہ پاؤں قبلے کی طرف ہیں۔ اور دوسری صورت میں پہلو پر جب لیٹے گا تو شمالاً جنوباً لیٹے گا اور چہرہ کس طرف ہو گا؟ قبلے کی طرف ہو گا، لیکن اولیٰ کیا ہے؟ کون سی صورت؟ کمر کے بل لیٹ کر قبلے کی طرف پاؤں ہوں بھائی۔

وجہ ذکر کر رہے ہیں بھائی کہ ہمارے نزدیک پہلی صورت اولیٰ کیوں ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ إِشَارَةَ الْمُسْتَلْقِي تَقَعُ إِلَى هَوَاءِ الْكَعْبَةِ**، اس لیے کیونکہ چت لیٹنے والے کا اشارہ جو ہے **تَقَعُ** وہ واقع ہو گا **إِلَى هَوَاءِ الْكَعْبَةِ** کعبہ کی فضا کی طرف۔ بھائی دیکھیے، لیٹنا ہے نا، لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھنی ہے، تو کچھ اس کے سر کو اونچا کر دیں گے، بڑا تکیہ وغیرہ کچھ رکھ دیں گے کچھ تھوڑا سا اونچا ہو جائے پھر ہی اشارہ آرام سے کر سکے گا ورنہ تو اشارہ کرنا بھی بالکل سیدھا لیٹ کر تو اشارہ بڑا مشکل، تو تھوڑا سا کچھ اس کی کمر وغیرہ اونچی کر دیں گے کچھ بیٹھنے کی طرح کچھ ہو جائے ہے لیٹا ہی ہوا اور پھر وہ اشارے سے نماز پڑھے۔ اور اس صورت میں جب وہ اشارہ کر رہا ہے تو لیٹا ہوا ہے تو چہرہ قبلے کی طرف تو نہیں، چہرہ تو کچھ اوپر کی جانب ہو گا، تو سجدے کا اشارہ کس طرف ہو گا سجدے اور رکوع کا، خصوصاً سجدے کا؟ کعبہ کے اوپر فضا کی سیدھ کی طرف ہو جائے گا، فضا کی طرف ہو جائے گا۔

اور اگر پہلو پر لیٹ کر نماز ادا کرے گا تو پھر اشارہ تو اس کا پاؤں کی جانب ہو گا، چہرہ تو ہے قبلے کی طرف لیکن جو اشارہ ہے وہ کس طرف کو ہو رہا ہے؟ پاؤں کی طرف ہو رہا ہے۔ صورت ذہن میں آ رہی ہے؟ چت لیٹا ہے کمر کے بل اور پاؤں کس طرف ہیں؟ قبلے کی طرف، اب جب اشارہ کرے گا تو اشارہ کس طرف کو ہو رہا ہے؟ کعبہ کی سیدھ تو کعبہ ہی کی ہے لیکن اس کے اوپر فضا کی طرف اشارہ ہے۔ اور جب پہلو پر لیٹا ہوا ہے پھر تو شمالاً جنوباً وہ لیٹا ہوا ہے تو اب چہرہ تو ہے قبلے کی طرف لیکن جب اشارہ کر رہا ہے وہ اشارہ کس طرف ہو رہا ہے سجدے کا؟ پاؤں کی طرف ہو رہا ہے۔ تو کون سی صورت اولیٰ؟ کس طرف اشارہ بہتر ہے؟ کعبے کی فضا کی طرف اشارہ اولیٰ، اس لیے ہم نے کہا پہلی صورت اولیٰ ہے ورنہ جائز دونوں ہیں بھائی، آپ پڑھ چکے دونوں کا ذکر حدیث میں آ گیا۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّ إِشَارَةَ الْمُسْتَلْقِي تَقَعُ إِلَى هَوَاءِ الْكَعْبَةِ** اس لیے کیونکہ چت لیٹنے والے کا اشارہ وہ واقع ہو گا کعبہ کی فضا کی طرف **وَإِشَارَةَ الْمُضْطَجِعِ عَلَى جَنْبِهِ إِلَى جَانِبِ قَدَمَيْهِ**، اور مضطجع پہلو پر لیٹنے والا، اور پہلو پر جو **الْمُضْطَجِعِ عَلَى جَنْبِهِ** اور پہلو پر لیٹنے والے کا اشارہ **إِلَى جَانِبِ قَدَمَيْهِ** وہ کس طرف ہو گا؟ اس کے قدموں کی جانب ہو گا **وَبِهِ تَتَأَدَّى الصَّلَاةُ** اور اس سے نماز ادا ہو جائے گی، اس سے کیا ہو گی؟ نماز ادا ہو جائے گی۔

تو یہ **بِهِ** کی ضمیر راجع کی علماء نے یہ جو اشارہ ہے ہوائے کعبہ کی طرف، کس کی طرف؟ ہاں، اور لیکن زیادہ مناسب یہ بنتا ہے بھائی کہ یہ جو پہلو پر لیٹنے والا ہے اس کا اشارہ جو ہے اس کی طرف راجع کیا جائے بھائی، اس کی طرف کہ اس سے بھی کیا ہے، آپ یہ نہ کہیں کہ اس کا تو اشارہ پاؤں کی طرف ہو رہا ہے شاید نماز ہی ادا نہیں ہو گی، کہتے ہیں نہیں، اس سے بھی کیا ہو گی؟ نماز ادا ہو جائے گی کیونکہ چہرہ قبلے کی طرف ہی ہے اس کا اور نیز اس کا ذکر حدیث میں آیا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَبِهِ تَتَأَدَّى الصَّلَاةُ**، اور اس سے نماز ادا ہو جائے گی، یا اگر راجع کرتے ہیں ہوائے کعبہ کی طرف تو بھی بات ٹھیک بن جاتی ہے بھائی، اس لیے کہ بھائی اس تو اس کا اس کا کعبہ اس کا اشارہ کس طرف ہو رہا ہے؟ کعبہ کی فضا کی طرف ہو رہا ہے، تو آپ کے ذہن میں یہ وہم نہ آئے تو کعبہ کی طرف تو پھر بھی نہیں، کس کی طرف ہے؟ فضائے کعبہ کی طرف ہے لہٰذا شاید نماز نہیں ہوئی، کہتے ہیں نہیں، اس میں اس صورت میں بھی کیا ہے؟ نماز ہو جائے گی، اور وجہ وہی ہے جو کس میں ذکر ہوئی کہ یہ دونوں طریقے کس میں ذکر ہیں؟ حدیث میں ذکر ہیں، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے ہیں بھائی۔

فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْإِيمَاءَ بِرَأْسِهِ أُخِّرَتْ عَنْهُ، وَلَا يُؤْمِئُ بِعَيْنَيْهِ وَلَا بِقَلْبِهِ وَلَا بِحَاجِبَيْهِ، اگر وہ استطاعت نہیں رکھتا **الْإِيمَاءَ بِرَأْسِهِ** اپنے سر کے ساتھ اشارہ کرنے کی، اتنا بیمار ہے کہ سر کے ساتھ بھی اشارہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا **أُخِّرَتْ عَنْهُ** تو نماز اس سے مؤخر ہو جائے گی **وَلَا يُؤْمِئُ بِعَيْنَيْهِ وَلَا بِقَلْبِهِ وَلَا بِحَاجِبَيْهِ** اور اشارہ نہ کرے اپنی آنکھوں سے، سر بھی نہیں ہلا سکتا، صرف کس کے اشارے سے نماز ادا کرتا ہے؟ آنکھوں کے اشارے سے، کہتے ہیں نہیں بھائی، آنکھوں سے اشارے کے ساتھ نماز ادا نہ کرے، **وَلَا بِقَلْبِهِ** یا دل کے اشارے سے، دل ہی دل میں کیا کر رہا ہے؟ اشارہ کر رہا ہے اور ظاہر سر، آنکھوں وغیرہ میں بھی کوئی حرکت نہیں، اس طرح بھی نہ کرے، **وَلَا بِحَاجِبَيْهِ** اور نہ اپنی بھوؤں کے ساتھ۔ بھویں یہ جو ماتھے اور آنکھوں کے درمیان جو بال ہیں ہڈی کے کنارے پر، ان کے ساتھ اشارہ کر کے بھی نماز ادا نہ کرے، بلکہ آخری حد وہی ہے، سر کے ساتھ اشارہ کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر نماز کیا ہو جائے گی اس سے؟ مؤخر ہو

جائے گی، پھر جب تندرست ہو جائے تو اس کے بعد پھر ان کی قضا کرے، اس طرح اگر آنکھوں کے اشارے سے یا بھوؤں کے یا دل کے اشارے سے ادا کرے گا تو بھی نماز نہیں ہو گی، اسے بعد میں کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی اگر تندرست ہو گیا۔

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْإِيمَاءَ بِرَأْسِهِ أُخِّرَتْ عَنْهُ** اگر یہ طاقت نہیں رکھتا اپنے سر سے اشارہ کرنے کی تو نماز اس سے مؤخر ہو جائے گی **وَلَا يُؤْمِئُ بِعَيْنَيْهِ وَلَا بِقَلْبِهِ وَلَا بِحَاجِبَيْهِ** اور اشارہ نہ کرے اپنی آنکھوں سے اور نہ اپنے دل سے اور نہ اپنی بھوؤں سے **خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ** برخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں ہو جائے گی۔ ہاں تو **لِمَا رَوَيْنَا**، اب یہ ہماری دلیل ہے، ان کے ساتھ اشارہ نہ کرے **لِمَا رَوَيْنَا** اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی **مِنْ قَبْلُ** پہلے۔ بھائی وہ جو اوپر حدیث آئی تھی کہ «**إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ فَاسْجُدْ، وَإِلَّا فَأَوْمِ بِرَأْسِكَ**» اگر تو زمین پر سجدہ کرنے پر قادر ہے تو سجدہ کر ورنہ اشارہ کر اپنے سر سے۔ آگے آنکھوں سے یا بھوؤں وغیرہ سے یا دل سے اشارے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر نہیں فرمایا، معلوم ہوا ان کے ساتھ نماز نہیں ہو گی، اگر ان کے ساتھ نماز جائز ہوتی تو حضور علیہ السلام ضرور اس کو بھی ذکر فرماتے۔

یہ معنی ہے **لِمَا رَوَيْنَا** اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی **مِنْ قَبْلُ** پہلے، **وَلِأَنَّ نَصْبَ الْأَبْدَالِ بِالرَّأْيِ مُمْتَنِعٌ** اور نیز اس لیے کیونکہ ابدال جمع ہے بدل کی، اس لیے کیونکہ بدلوں کو قائم کرنا، بدلوں کو مقرر کرنا رائے کے ساتھ **مُمْتَنِعٌ** یہ ممتنع ہے، یہ درست نہیں۔ بھائی دیکھیے، قیام کا قیام کا بدل کیا ہے؟ بیٹھنا، اور اس کا بدل کیا ہے؟ لیٹنا۔ تو دیکھو کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے، لیکن یہ بدل کیا ہم نے مقرر کیے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو یہ جو بدل مقرر کیے گئے ہیں، یہ یہ چیز کوئی اپنی رائے سے بدل مقرر نہیں کر سکتا بلکہ یہ کس نے بتلائے ہیں؟ حضور علیہ السلام نے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اب یہ کہتا ہے کہ جیسے امام زفر اس بات کی طرف گئے کہ بھوؤں سے یا آنکھوں کے اشارے وغیرہ سے نماز ادا کر لے گا تو یہ تو بدل کو مقرر کرنا ہوا اپنی رائے سے، اور بدل کو تو اپنی رائے سے مقرر نہیں کیا، آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آنکھوں کا اشارہ یہ سر کے اشارے کے قائم مقام ہو گیا، یا سر کا اشارہ یہ سجدے کے قائم مقام ہو گیا؟ یہ یہ چیز عقل میں آنے والی نہیں، عقل کے ذریعے اس کو طے نہیں کیا جا سکتا، یہ کس نے بتائے ہیں؟ حضور۔ بھائی سجدہ ایک ہے سجدہ کرنا، ایک ہے صرف سر سے اشارہ کرنا، تو عقل کیا کہتی ہے، یہ اس کا قائم مقام ہے؟ نہیں، بظاہر سجدہ کیا اور چیز ہے، صرف ہلکا سا اشارہ اور چیز ہے، تو عقل کے ذریعے اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

وَلِأَنَّ نَصْبَ الْأَبْدَالِ بِالرَّأْيِ مُمْتَنِعٌ اور اس لیے کیونکہ بدلوں کا قائم کرنا، بدلوں کا مقرر کرنا بالرائے کس کے ذریعے؟ رائے کے ذریعے **مُمْتَنِعٌ** یہ ممتنع ہے۔ **وَلَا قِيَاسَ عَلَى الرَّأْسِ**، یہ بھی ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ اور فرماتے ہیں: یہ بھی آپ نہ کہیں کہ ہم سر پر قیاس کرتے ہیں، سر کے ساتھ اشارہ جائز تو بھوؤں کے ساتھ بھی اشارہ جائز، کہتے ہیں آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے، اس لیے کیونکہ سر جو ہے اس کے ذریعے باقاعدہ ایک رکنِ نماز ادا ہوتا ہے، سجدہ کس کے ذریعے ہوتا ہے؟ سر کے ذریعے، تو اس کے ذریعے تو باقاعدہ ایک رکنِ نماز ادا ہوتا ہے جبکہ بھویں اس طرح نہیں ہیں، ان کے ذریعے کوئی رکنِ نماز ادا نہیں ہو سکتا، لہٰذا ان کو اس پر بھی قیاس نہیں کر سکتے۔ تو نہ اپنی رائے سے بدل مقرر کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سر پر قیاس کیا جا سکتا ہے بھوؤں وغیرہ کا۔

وَلَا قِيَاسَ عَلَى الرَّأْسِ اور سر پر قیاس بھی نہیں صحیح، قیاس بھی نہیں ہو گا **لِأَنَّهُ يَتَأَدَّى بِهِ رُكْنُ الصَّلَاةِ دُونَ الْعَيْنِ** اس لیے کیونکہ سر کے ذریعے ایک نماز کا ایک رکن ادا ہوتا ہے نہ کہ آنکھوں سے **وَأُخْتَيْهَا** اور جو اس کے دو بہنیں ہیں، نہ کہ آنکھوں سے اور نہ اس کی جو دو بہنیں ہیں۔ کون بھائی دو بہنیں؟ یعنی قلب اور حاجبین، بھوؤں سے جو اشارہ ہے ان کو اس کی بہنیں کہا کیونکہ بہنیں ایک دوسرے کے مشابہ، تو یہ بھی کیا ہیں؟ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، اس لیے ان کو کہا۔ **دُونَ الْعَيْنِ**، تو اس لیے کیونکہ سر کے ذریعے نماز کا رکن ادا ہوتا ہے نہ کہ آنکھوں کے ذریعے اور جو اس کے دو مشابہ چیزیں ہیں۔

وَقَوْلُهُ: «أُخِّرَتْ عَنْهُ» إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ لَا تَسْقُطُ الصَّلَاةُ، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ قدوری کا قول جو ہے **أُخِّرَتْ عَنْهُ**، نماز اس سے کیا کر دی جائے گی؟ مؤخر کر دی جائے گی یعنی نماز اس سے مؤخر ہو جائے گی، **إِشَارَةٌ** یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف **إِلَى أَنَّهُ لَا تَسْقُطُ الصَّلَاةُ عَنْهُ** کہ نماز اس سے ساقط نہیں ہو گی، یہ نہیں کہ بعد میں پڑھنی نہیں پڑے گی بلکہ صرف کیا ہو گی؟ مؤخر ہو گی، اس وقت پڑھ نہیں سکتا، جب تندرست ہو گیا تو کیا کرنا پڑے گی؟ پڑھنا پڑے گی۔ تو دیکھو اسی لیے انہوں نے کہا: **أُخِّرَتْ عَنْهُ**، نماز اس سے مؤخر ہو جائے گی، یہ نہیں کہا کہ **تَسْقُطُ عَنْهُ**، نماز اس سے ساقط ہو جائے گی۔ اور صاحبِ قدوری کا قول **أُخِّرَتْ عَنْهُ إِشَارَةٌ** یہ اشارہ ہے **إِلَى أَنَّهُ لَا تَسْقُطُ الصَّلَاةُ عَنْهُ** کہ نماز اس سے ساقط نہیں ہو گی۔

وَإِنْ كَانَ الْعَجْزُ أَكْثَرَ مِنْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِذَا كَانَ مُفِيقًا، اگرچہ عجز جو ہے عاجز ہونا عاجز ہونا ایک دن رات سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی نماز اس سے ساقط نہیں **إِذَا كَانَ مُفِيقًا** جبکہ یہ افاقے سے ہو یعنی اس کو ہوش ہو۔ افاقے سے مفیق ہو، کیا معنی؟ جب ہوش ہے تو پھر چاہے یہ عجز ایک دن رات سے زیادہ ہی کیوں نہ رہا۔ بھائی آگے آپ مسئلہ پڑھیں گے کہ ایک شخص اگر بے ہوش ہو جاتا ہے، ایک دو نمازوں تک بے ہوش رہا تو اس کو بعد میں قضا کرنا پڑے گی پانچ نمازوں تک، لیکن اگر ایک دن رات پورا بے ہوش رہا، ۲۴ گھنٹے سے بھی زیادہ وہ بے ہوش رہا تو پھر جو نمازیں بے ہوشی میں گزریں ان کی قضا بھی اس کے ذمے نہیں آئے گی، اس کی قضا بھی اس پر نہیں آئے گی جب ایک دن رات سے زیادہ بے ہوش رہا۔ تو یہاں بتلا رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ بھائی یہ شخص عاجز ہے، نمازیں اس سے مؤخر ہو جائیں گی، ساقط نہیں ہوں گی چاہے یہ عاجزی ایک دن رات سے زیادہ ہی کیوں نہ رہے جبکہ یہ مفیق ہو یعنی ہوش میں ہو، کیا ہو؟ ہوش میں ہو۔

وَإِنْ كَانَ الْعَجْزُ أَكْثَرَ مِنْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِذَا كَانَ مُفِيقًا جبکہ عجز ایک دن یا رات سے زیادہ ہو **إِذَا كَانَ مُفِيقًا** جبکہ یہ ہوش میں ہو **وَهُوَ**

الصَّحِيحُ اور یہی قول صحیح ہے۔ بھائی کیا وجہ ہے؟ بے ہوش آدمی ایک دن رات سے زیادہ رہا تو نمازیں ساقط، یہ بیچارہ بالکل عاجز ہے نماز پڑھ ہی نہیں سکتا اشارہ بھی نہیں کر سکتا، ایک دن رات سے زیادہ گزر گیا پھر بھی آپ فرمارہے ہیں کہ اس سے نماز ساقط نہیں؟ کہتے ہیں بھائی وجہ یہ کہ یہ خطاب کو سمجھتا ہے، کس کو؟ خطاب کہتے ہیں دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر جو کلام کیا جائے اس کو خطاب کہتے ہیں، یہ جو آپ حضرات کی طرف متوجہ ہو کر میں تقریر کر رہا ہوں یہ بھی کیا ہے؟ خطاب ہے، تو دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر یعنی یوں کہے دوسرے سے جو بھی بات کی جائے وہ کیا ہے؟ خطاب۔ تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿**أَقِيمُوا الصَّلَاةَ**﴾ کیا کرو؟ نماز قائم کرو، تم لوگ نماز قائم کرو، تو یہ خطاب ہے اور یہ اس سے کیا ہے؟ نماز کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور یہ شخص جب ہوش میں ہے تو یہ اس خطاب کو سمجھ رہا ہے یا نہیں سمجھ رہا؟ جب خطاب کو سمجھ رہا ہے تو خطاب اس کی طرف متوجہ بھی ہے اور اس پر نمازیں بھی فرض ہیں لیکن صرف یہ ہے اس وقت ادا نہیں کر سکتا، لیکن خطاب اس کی طرف متوجہ ہوا اور یہ اس کو سمجھ گیا، نماز اس پر فرض ہے اب بعد میں ادا کرنا پڑے گی جبکہ بے ہوش آدمی اس کی طرف تو خطاب متوجہ ہی نہیں کیونکہ وہ خطاب کو سمجھتا ہی نہیں، لہٰذا اسی لیے بے ہوش سے کوئی کلام بھی نہیں کیا جاتا، بات سمجھ میں آگئی؟

وَهُوَ الصَّحِيحُ اور یہی قول صحیح ہے **لِأَنَّهُ يَفْهَمُ مَضْمُونَ الْخِطَابِ** اس لیے کیونکہ یہ خطاب کے مضمون کو سمجھتا ہے **بِخِلَافِ الْمُغْمَى عَلَيْهِ** برخلاف اس شخص کے جو بے ہوش ہو۔

وَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْقِيَامِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لَمْ يَلْزَمْهُ الْقِيَامُ وَيُصَلِّي قَاعِدًا يُؤْمِئُ إِيمَاءً. صورتِ مسئلہ: ایک آدمی ہے وہ کھڑے ہونے پر تو قادر ہے لیکن رکوع اور سجدے پر قادر نہیں، رکوع اور سجدے پر قادر نہیں۔ تو کہتے ہیں کہ اب یہ کیا کرے؟ کیا کھڑے ہو کھڑا تو ہو سکتا ہے تو اور نماز میں قیام کیا ہے؟ فرض ہے، تو کیا یہ کھڑے ہو کر اشارہ اور رکوع کرنا اس کے لیے ضروری ہے یا بیٹھ کر بھی اشارے کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے یہ کہ بھائی کہ جب یہ رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا، جو بھی رکوع اور سجدہ نہ کر سکے اس سے قیام بھی ساقط ہو جاتا ہے، قیام بھی ساقط۔ اب اس کے ذمے کھڑا ہونا فرض نہیں، اب یہ چاہے تو بیٹھ کر بھی اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے، رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے، اور بیٹھ کر پڑھنا یہ زیادہ بہتر ہے، اس لیے کیونکہ جب بیٹھ کر اشارہ کرے گا تو یہ سجدے کے زیادہ مشابہ ہے، ایک ہے کھڑے ہو کر اشارے سے نماز پڑھنا، ایک ہے بیٹھ کر اشارے سے پڑھنا، تو کیا چیز سجدے کے زیادہ مشابہ ہے، کھڑے ہو کر اشارہ یا بیٹھ کر؟ بیٹھ کر اشارہ سجدے کے زیادہ مشابہ ہے اس کے قریب ہے، لہٰذا بیٹھ کر اشارے سے پڑھے۔

اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھائی آپ نے ہمیں بتایا جو رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا اس سے قیام بھی ساقط ہو جاتا ہے، قیام اس پر فرض رہتا ہی نہیں، اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں بھائی دیکھیے قیام اس لیے فرض ہے نماز کے اندر تاکہ انسان قیام سے سجدے میں جائے گا سیدھا تو اس میں انتہا درجے کی تعظیم ہے، تو اس لیے جب سجدہ فرض تھا تو قیام کو بھی کیا کر دیا گیا؟ فرض کر دیا گیا تاکہ یہ قیام کی حالت سے سیدھا کس کے اندر جائے؟ سجدے کے اندر جائے اور انتہا درجے کی عظمت کا اظہار کرے، اللہ کی تعظیم کا اظہار کرے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب قیام یہ جب یہ رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا تو لہٰذا اب اس پر قیام بھی فرض نہیں ہے بھائی، کیونکہ قیام تو فرض ہی کس لیے تھا تاکہ قیام سے سیدھا کس میں جائے؟ سجدے میں جائے۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّ رُكْنِيَّةَ الْقِيَامِ لِلتَّوَسُّلِ بِهِ إِلَى السَّجْدَةِ** اس لیے کیونکہ قیام کا رکن ہونا **لِلتَّوَسُّلِ بِهِ إِلَى السَّجْدَةِ** اس کے ذریعے سجدے تک پہنچنے کی وجہ سے ہے کہ اس کے ذریعے کس تک پہنچے گا؟ **لِلتَّوَسُّلِ بِهِ إِلَى السَّجْدَةِ** سجدے تک اس کے ذریعے پہنچا جائے، توصل کا معنیٰ پہنچنا، **لِلتَّوَسُّلِ بِهِ** کہ اس کے ذریعے پہنچا جائے **إِلَى السَّجْدَةِ** سجدے تک۔ قیام کا رکن ہونا اس لیے ہے تاکہ اس قیام کے ذریعے پہنچا جائے سجدے تک **لِمَا فِيهَا مِنْ نِهَايَةِ التَّعْظِيمِ** اس وجہ سے کہ اس کے اندر انتہا درجے کی تعظیم ہے کہ قیام سے آدمی سیدھا کس میں جائے؟ سجدے میں جائے۔ **فَإِذَا كَانَ لَا يَتَعَقَّبُهُ السُّجُودُ** تو جب اس کے پیچھے سجدہ نہیں ہے، یہ قیام تو کر سکتا ہے لیکن اس قیام کے پیچھے سجدہ نہیں کیونکہ وہ سجدے پر تو قادر ہی نہیں، تو جب قیام کے پیچھے سجدہ نہ ہو **لَا يَكُونُ رُكْنًا** تو پھر یہ رکن بھی نہیں رہے گا یعنی فرض نہیں رہے گا **فَيَتَخَيَّرُ** تو اس مریض کو اختیار ہو گا **وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْإِيمَاءُ قَاعِدًا** اور افضل وہ بیٹھ کر اشارہ کرنا ہے **لِأَنَّهُ أَشْبَهُ بِالسُّجُودِ** اس لیے کیونکہ بیٹھ کر اشارہ یہ سجدے کے زیادہ مشابہ ہے۔

وَإِنْ صَلَّى الصَّحِيحُ بَعْضَ صَلَاتِهِ قَائِمًا ثُمَّ حَدَثَ بِهِ مَرَضٌ أَتَمَّهَا قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ أَوْ يُؤْمِئُ إِنْ لَمْ يَقْدِرْ أَوْ مُسْتَلْقِيًا إِنْ لَمْ يَقْدِرْ. صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک آدمی تندرست تھا اور اس نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی اور پھر اس کو مرض لاحق ہوا، بیچ میں تکلیف بیماری وغیرہ شروع ہو گئی، تو کیا اب یہ بیٹھ کر باقی نماز یعنی وہ فرض جو پڑھ رہا ہے وہ پورے کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، وہ بیٹھ کر کیا کر سکتا ہے؟ باقی نماز تو اسی نماز پر بنا کرتے ہوئے بیٹھ جائے، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر لیٹ جائے اسی نماز پر بنا کرتے ہوئے، دو مثلاً دو رکعتیں پڑھ چکا ہے اس کے بعد یہ مرض لاحق ہوا تو اسی پر کیا کر سکتا ہے؟ بنا کر سکتا ہے۔

اس لیے کیونکہ یہ بنا اقتدا کی طرح ہے، کس کی طرح؟ اقتدا۔ جیسے اقتدا کے اندر امام کا اعلیٰ ہونا ضروری، امام اعلیٰ ہو تو ادنیٰ اس کی اقتدا کر سکتا ہے، یعنی امام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو یہ اقتدا صحیح، اور امام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی لیٹ کر نماز پڑھ رہا ہے تو امام کیا ہے؟ اعلیٰ، لہٰذا یہ اقتدا صحیح۔ لیکن اس کا اگر عکس ہو، امام اشارے سے نماز پڑھنے والا ہے اور مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا ہے تو مقتدی کی حالت کیا اس کی نماز کیا ہوئی؟ اعلیٰ ہوئی، تو اس

صورت میں اقتدا صحیح نہیں۔ تو یہاں بھی بنا اسی طرح ہے، اگر پہلا حصہ ہوا اعلیٰ نماز کا اور بعد والا ہوا ادنیٰ تو کیا کر سکتا ہے؟ بنا کر اور کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے اور پھر بعد میں بیٹھ کر یا اشارے سے نماز پڑھنا چاہتا ہے تو شروع کا حصہ تھا اعلیٰ، بعد والا حصہ کیا ہوا؟ ادنیٰ، تو بنا کر سکتا ہے ادنیٰ کی کس پر؟ اعلیٰ پر۔ لیکن اگر اس کا عکس ہو پھر نہیں، ایک شخص نے نماز شروع کی تھی اشارے سے اور بیچ میں تندرست ہو گیا، اب اسی پر وہ بنا کرنا چاہتا ہے دو رکعتیں اشارے سے پڑھ چکا ہے اب دو رکعتیں کس طرح پڑھنا چاہتا ہے؟ کھڑے ہو کر، کہتے ہیں نہیں، بنا نہیں کر سکتا، جیسے اقتدا نہیں تھی صحیح امام اشارہ کرنے والا اور مقتدی رکوع اور سجدہ کرنے والا ہو تو اقتدا صحیح نہیں تھی تو یہاں پر بھی نماز کا پہلا حصہ جب ادنیٰ ہے بعد والا اعلیٰ ہے تو ادنیٰ پر اعلیٰ کی بنا صحیح نہیں، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

وَإِنْ صَلَّى الصَّحِيحُ بَعْضَ صَلَاتِهِ قَائِمًا اور اگر ایک تندرست آدمی نے اپنی کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھ لی **ثُمَّ حَدَثَ بِهِ مَرَضٌ** پھر اس کو پیش آ گیا مرض **أَتَمَّهَا قَاعِدًا** تو وہ اس نماز کو پورا کرے بیٹھ کر **يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ** رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے، بیٹھ کر کیا کر لے؟ رکوع اور سجدہ، **أَوْ يُؤْمِئُ إِنْ لَمْ يَقْدِرْ** یا اشارہ کر لے اگر وہ رکوع اور سجدے پر قادر نہیں **أَوْ مُسْتَلْقِيًا إِنْ لَمْ يَقْدِرْ** یا لیٹ کر اگر وہ بیٹھنے پر بھی قادر نہیں **لِأَنَّهُ بَنَى الْأَدْنَى عَلَى الْأَعْلَى** اس لیے کیونکہ اس نے بنیاد رکھ لی ہے ادنیٰ کی کس پر؟ اعلیٰ پر **فَصَارَ كَالِاقْتِدَاءِ** تو یہ کس کی طرح ہو گیا؟ اقتدا کی طرح ہو گیا۔

وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ، اب آپ مجھے مسئلہ بتائیے بھائی۔ ایک آدمی ہے وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے بھائی، رکوع اور سجدہ کرتا ہے، بیٹھا ہے لیکن کیا کر رہا ہے؟ رکوع اور سجدہ کر رہا ہے کھڑا نہیں ہو سکتا، اور ایک دو رکعتیں پڑھنے کے بعد وہ تندرست ہو گیا اب کھڑے ہو کر نماز باقی پڑھنا چاہتا ہے اسی پر بنا کرتے ہوئے، بنا کر سکتا ہے یا بنا نہیں کر سکتا؟ جی؟ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بنا نہیں کر سکتا کیونکہ ان کے نزدیک امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے اور مقتدی کھڑے ہو کر پڑھے تو ان کے نزدیک اقتدا صحیح نہیں۔ لیکن شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پڑھ سکتا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو یہ اختلاف اقتدا میں ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام بیٹھا ہو مقتدی کھڑا ہو اقتدا صحیح نہیں، شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں امام بیٹھا ہو مقتدی کھڑا ہو تو اقتدا صحیح ہے۔ تو جب اقتدا صحیح ہے تو وہ فرماتے ہیں یہاں پر بنا بھی صحیح، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اقتدا صحیح نہیں لہٰذا یہاں پر بنا بھی صحیح نہیں، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک امام بیٹھا ہو مقتدی کھڑا ہو لیکن امام اشارے سے رکوع سجدہ نہیں کر رہا بیٹھ کر باقاعدہ کیا کر رہا ہے؟ رکوع اور سجدہ باقاعدہ وہ کرتا ہے تو پھر اقتدا صحیح ہے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، دلیل پڑھ چکے آپ بھائی کہ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں نماز کس طرح پڑھائی تھی کہ آپ بیٹھ کر پڑھ رہے تھے اور لوگ پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ لِمَرَضٍ اور جو شخص نماز پڑھتا ہے بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے **لِمَرَضٍ** بیماری کی وجہ سے **ثُمَّ صَحَّ** پھر وہ تندرست ہو گیا **بَنَى عَلَى صَلَاتِهِ قَائِمًا** تو وہ بنا کرے گا اپنی نماز پر کھڑے ہو کر **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ** شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ **وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: اسْتَقْبَلَ،** اور امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ نئے سرے سے نماز پڑھے گا، بنا نہیں کر سکتا **بِنَاءً عَلَى اخْتِلَافِهِمْ فِي الِاقْتِدَاءِ** بوجہ ان کے اختلاف کے **فِي الِاقْتِدَاءِ** کس میں؟ اقتدا میں، اقتدا میں ان میں اختلاف کی وجہ سے یہ یوں فرماتے ہیں۔ شیخین فرماتے تھے چونکہ اقتدا جائز ہے تو بنا بھی کر سکتے، امام محمد رحمہ اللہ چونکہ فرماتے ہیں اقتدا نہیں صحیح تو بنا بھی نہیں کر، **وَقَدْ تَقَدَّمَ بَيَانُهُ** اور تحقیق اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے باب الامامت کے اندر بھائی۔

وَإِنْ صَلَّى بَعْضَ صَلَاتِهِ بِإِيمَاءٍ ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ اسْتَأْنَفَ عِنْدَهُمْ جَمِيعًا. دوسری صورت: ایک آدمی نے کچھ نماز کا حصہ اشارے سے ادا کیا یعنی رکوع اور سجدہ، رکوع اور سجدہ کس طرح کیا ہے؟ اشارے سے، اور پھر وہ تندرست ہو گیا اب وہ اسی پر بنا کرنا چاہتا ہے اب وہ رکوع اور سجدے پر قادر ہو گیا، تو بنا کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ نہیں، اب بالاتفاق وہ بنا نہیں کر سکتا کیونکہ اقتدا جیسے یہاں صحیح نہیں اسی طرح بنا بھی امام اشارے سے رکوع اور سجدہ کرے مقتدی کیا کرے؟ رکوع اور سجدے پر قادر ہے تو اقتدا صحیح نہیں بالاتفاق، تو بنا بھی یہاں صحیح نہیں۔

وَإِنْ صَلَّى بَعْضَ صَلَاتِهِ بِإِيمَاءٍ اور اگر پڑھی اس نے اپنی کچھ نماز اشارے کے ساتھ **ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ** پھر وہ قادر ہو گیا رکوع اور سجدے پر **اسْتَأْنَفَ** تو نئے سرے سے پڑھے گا **عِنْدَهُمْ جَمِيعًا** ان سب کے نزدیک، تمام ائمہ کے نزدیک **لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ اقْتِدَاءُ الرَّاكِعِ بِالْمُؤْمِي فَكَذَا الْبِنَاءُ** اس لیے کیونکہ جائز نہیں ہے اقتدا کرنا رکوع کرنے والے کا **بِالْمُؤْمِي** کس کی اقتدا؟ اشارہ کرنے والے کی **فَكَذَا الْبِنَاءُ** تو اسی طرح بنا بھی ہے۔

وَمَنِ افْتَتَحَ التَّطَوُّعَ قَائِمًا ثُمَّ أَعْيَا لَا بَأْسَ أَنْ يَتَوَكَّأَ عَلَى عَصًا أَوْ حَائِطٍ أَوْ يَقْعُدَ. اچھا بھائی، صورت یہ: ایک آدمی نے نفل پڑھنا شروع کیے کھڑے ہو کر پھر تھک گیا، اب وہ کسی لاٹھی کا سہارا لے لیتا ہے، لاٹھی پر ٹیک لگا لیتا ہے یا دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لیتا ہے، ساتھ ہی اس کے دیوار ہے، یہ نہیں کہ دور جا کر پھر دیوار کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں پھر تو بنا کوئی صورت نہیں، تو ساتھ ہی دیوار کے ساتھ ہی کھڑا تھا اسی کے ساتھ پہلو لگا لیا کچھ ٹیک لگا لی، یا بیٹھ جاتا ہے تو کیا ایسا کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ یہ عذر ہے، وہ تھک گیا ہے، یہ کیا ہے؟ عذر ہے، لہٰذا ٹیک وغیرہ لگا سکتا ہے یا بیٹھ سکتا ہے کیونکہ عذر کی حالت میں اس کی گنجائش ہے۔

یہ معنی ہے: **وَمَنِ افْتَتَحَ التَّطَوُّعَ، تَطَوُّع** بھائی نفل، اور جس نے آغاز کیا نفلوں کا **قَائِمًا** کھڑے ہو کر **ثُمَّ أَعْيَا** پھر وہ تھک گیا **لَا بَأْسَ أَنْ يَتَوَكَّأَ عَلَى عَصًا** تو کوئی حرج نہیں کہ وہ ٹیک لگالے **عَلَى عَصًا** کس پر؟ لاٹھی پر **أَوْ حَائِطٍ** یا کس پر؟ دیوار پر **أَوْ يَقْعُدَ** یا یہ کہ وہ بیٹھ جائے **لِأَنَّ هَذَا عُذْرٌ** اس لیے کیونکہ یہ عذر ہے۔

وَإِنْ كَانَ الِاتِّكَاءُ بِغَيْرِ عُذْرٍ يُكْرَهُ، اور اگر یہ ٹیک لگانا بغیر کسی عذر کے تھا **يُكْرَهُ** تو پھر یہ مکروہ ہے بھائی، مکروہ ہے۔ **لِأَنَّهُ إِسَاءَةٌ فِي الْأَدَبِ،** **إِسَاءَةٌ** کہتے ہیں خرابی، خرابی بھائی، کسی کام کو غلط کرنا۔ **لِأَنَّهُ إِسَاءَةٌ فِي الْأَدَبِ** اس لیے کیونکہ یہ بے ادبی ہے بھائی، یہ کیا ہے؟ بے ادبی ہے۔ یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟

اچھا بھائی، مسئلہ یاد رکھیے، آپ پڑھ چکے ہیں، آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک شخص نفل کھڑے ہو کر شروع کرتا ہے اور درمیان میں کچھ حصہ باقی حصہ کچھ حصہ اس نے کھڑے ہو کر پڑھ لیا باقی حصہ وہ بیٹھ کر پڑھنا چاہتا ہے، تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے بلا کراہت کے، جائز ہے بلا کراہت کے کہ وہ بیٹھ سکتا ہے، اور صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ بغیر عذر کے بیٹھنا صحیح نہیں، لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ یہ درست نہیں بھائی، ان کے نزدیک جائز ہی نہیں ہے اس طرح کرنا، مکروہ نہیں بلکہ جائز ہی نہیں ہے ان کے نزدیک۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ امام صاحب کے نزدیک نفلوں میں درمیان میں بغیر عذر کے بیٹھنا بھی جائز، اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔

اور یہاں کیا آیا مسئلہ؟ کہ اگر یہ ٹیک لگایا بغیر عذر کے تو یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے، کیا ہے؟ مکروہ ہے، تو پھر فرق بیان کرنا پڑے گا امام صاحب کے مذہب کے مطابق بھائی۔ امام صاحب کے نزدیک بیٹھنا بغیر عذر کے مکروہ نہیں لیکن ٹیک لگانا بغیر عذر کے مکروہ ہے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ امام صاحب کے نزدیک بغیر عذر کے بیٹھنا جائز ہے مکروہ نہیں، اور ٹیک لگانا بغیر عذر کے مکروہ ہے، تو کیا وجہ ہے اس کی؟ تو وجہ یہ کہ فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ اس لیے کیونکہ جو نفل پڑھنے والا ہے اس کو ابتداءً بیٹھنے کی اجازت ہے، اختیار ہے، نفل بیٹھ کر پڑھے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ احادیث پیچھے گزری تھی کہ جو بیٹھ کر نماز پڑھے اس کو نصف اجر ملتا ہے کھڑے ہونے والے کی بنسبت بھائی۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں اس کو ابتداءً بیٹھنے کا اختیار تھا تو بیچ نماز میں بھی وہ اختیار باقی، جس جو حصہ ابھی اس نے ادا نہیں کیا اس میں بھی اختیار باقی رہے گا، وہ درمیان میں کیا کر سکتا ہے؟ بیٹھ سکتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔ لیکن ٹیک لگانا اس کو اس کو شروع میں اس کو اختیار نہیں تھا تو درمیان میں بھی بغیر عذر کے اختیار نہیں ہو گا، فرق سمجھ میں آگیا؟

وَقِيلَ: لَا **يُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ،** یہ دوسرے بعض فقہاء نے ذکر کیا، پہلے قول کے مطابق ٹیک لگانا بغیر عذر کے امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے، اور **وَقِيلَ** اور کہا گیا: **لَا يُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** کہ بغیر عذر کے ٹیک لگانا بھی امام صاحب کے نزدیک مکروہ نہیں، کیوں؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَوْ قَعَدَ عِنْدَهُ يَجُوزُ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَكَذَا لَا يُكْرَهُ الِاتِّكَاءُ** اس لیے کیونکہ اگر وہ بیٹھ جائے امام صاحب کے نزدیک تو جائز ہے بغیر کسی عذر کے، جیسے اس کے لیے بیٹھنا بغیر عذر کے جائز ہے **فَكَذَا لَا يُكْرَهُ الِاتِّكَاءُ** تو اسی طرح ٹیک لگانا بھی ان کے نزدیک مکروہ نہیں، یہ دوسری روایت آئی، فرق سمجھ میں آیا؟

وَعِنْدَهُمَا يُكْرَهُ، اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے **لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْقُعُودُ عِنْدَهُمَا فَيُكْرَهُ الِاتِّكَاءُ** اس لیے کیونکہ ان کے نزدیک بیٹھنا جائز نہیں ہے تو ٹیک لگانا بھی مکروہ ہو گا۔ بیٹھنا کیا معنی؟ شروع سے تو بیٹھنا جائز ہے، بیچ میں بیٹھنے کی بات ہو رہی ہے درمیانِ صلاۃ میں، نفلوں میں بیٹھنا ان کے نزدیک بغیر عذر کے جائز نہیں تو اسی طرح ٹیک لگانا بھی مکروہ ہو گا۔

وَإِنْ قَعَدَ بِغَيْرِ عُذْرٍ يُكْرَهُ بِالِاتِّفَاقِ، اور اگر وہ بیٹھ گیا بغیر کسی عذر کے تو مکروہ ہے بالاتفاق بھائی۔ اگر بغیر عذر کے نفلوں میں بیچ میں بیٹھ گیا تو بالاتفاق مکروہ ہے، بالاتفاق مکروہ۔ **وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَهُ،** اور نماز جائز ہو جائے گی امام صاحب کے نزدیک، مکروہ تو ہے لیکن نماز ہو جائے گی **وَلَا تَجُوزُ عِنْدَهُمَا** اور صاحبین کے نزدیک نماز ہی جائز نہیں اس طرح نماز ہی درست نہیں ہو گی **وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ النَّوَافِلِ** اور تحقیق یہ بات باب النوافل میں گزر چکی ہے، کس میں؟ باب النوافل میں۔

بھائی دیکھیے، توجہ سے، یہاں آیا متن میں: اگر وہ بیٹھ گیا بغیر کسی عذر کے تو مکروہ ہے بالاتفاق بھائی۔ بالاتفاق کا کیا معنی؟ امام صاحب کے نزدیک بھی اور صاحبین کے نزدیک بھی۔ یہاں ایک دو اعتراضات ہوتے ہیں، ایک اعتراض تو یہ ایک اعتراض تو یہ کہ بالاتفاق کیسے کہا؟ پیچھے ذکر ہوا تھا کہ امام صاحب کے نزدیک بیٹھنا بغیر عذر کے بھی بیٹھنا جائز ہے کیونکہ ابتداءً اس کو اختیار ہے بیٹھنے کا تو درمیان میں بھی جو حصہ ابھی ادا نہیں کیا اس میں بھی کیا رہے گا اس کو؟ اختیار رہے گا، اختیار رہے گا۔ تو جواب یہ کہ اس سلسلے میں امام صاحب سے دو روایتیں ہیں، دو روایتیں ہیں اور ایک روایت یہ ہے کہ بغیر عذر کے بیٹھے گا تو مکروہ ہے، البتہ نماز جائز ہے نماز ہو جائے گی، نفل ہو جائیں گے، البتہ مکروہ ہے۔ لیکن علامہ فخر الاسلام رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بغیر عذر کے بھی بیٹھے تو مکروہ بھی بغیر عذر کے بیٹھے تو مکروہ بھی نہیں ہے، یہ صحیح قول یہ ہے بھائی۔ تو وہاں جو ذکر ہوا تھا وہ تھا کس قول پر؟ اس دوسرے قول پر مبنی تھا اور یہاں دوسرے قول پر مبنی ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔ اور بعض شارحین نے تو یہ لکھا کہ یہ بالاتفاق کا لفظ یہ کسی لکھنے، کاتب کی غلطی سے یہاں آگیا ہے، سمجھ میں آیا؟ ورنہ امام صاحب کے نزدیک مکروہ بھی نہیں ہے بھائی، مکروہ بھی نہیں ہے۔ تو ایک تو یہ اشکال، جواب سمجھ میں آگیا کہ بالاتفاق کا ایک جواب کیا کہ یہ کس پر مبنی ہے؟ دوسری روایت پر مبنی ہے، دوسری روایت میں کیا آیا تھا؟ امام صاحب کے نزدیک بغیر عذر کے بیٹھنا مکروہ ہے، اور وہ پہلے جو ذکر ہوا تھا وہ کس پر مبنی تھا؟ وہ دوسری روایت جس کو علامہ فخر الاسلام نے صحیح قرار دیا ہے، اور بعض شارحین نے یہ بھی کہا کہ یہ بالاتفاق کا لفظ کسی لکھنے والے کی غلطی سے کسی نے لکھ دیا اور اسی طرح چلا یا نسخوں میں بھائی۔

اور صاحبِ ہدایہ پر بھی یہاں اعتراض کیا گیا بھائی کہ صاحبِ ہدایہ آگے فرمارہے ہیں: **وَلَا تَجُوزُ عِنْدَهُمَا**، صاحبین کے نزدیک جائز ہی نہیں ہے، بغیر عذر کے بیٹھے گا تو جائز ہی نہیں ہے نماز ہی نہیں ہوگی اس کی۔ تو جب جائز نہیں ہے تو متن میں تو یہ کیا آرہا ہے کیا آیا؟ مکروہ ہے، تو مکروہ سے تو یہی پتہ چل رہا ہے کہ نماز ہو جائے گی البتہ مکروہ ہوگی مکروہ ہوگی، تو اس کو کیسے اس کے اندر انہوں نے داخل کیا یعنی غیر جائز کو صاحبِ ہدایہ نے کیسے مکروہ کہا بھائی، کیسے مکروہ کہا؟ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَإِنْ قَعَدَ، دوبارہ آپ دیکھ لیجیے: **وَإِنْ قَعَدَ بِغَيْرِ عُذْرٍ يُكْرَهُ بِالِاتِّفَاقِ** اور اگر وہ بیٹھا بغیر کسی عذر کے تو مکروہ ہے بالاتفاق **وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَهُ** اور نماز جائز ہو جائے گی امام صاحب کے نزدیک **وَلَا تَجُوزُ عِنْدَهُمَا** اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہوگی **وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ النَّوَافِلِ** اور تحقیق یہ بات گزر چکی ہے نوافل کے باب میں۔

تو صاحبِ ہدایہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے لَا **تَجُوزُ** کو **يُكْرَهُ** کے اندر کیسے داخل کیا کہ **يُكْرَهُ** سے کیا مراد ہے؟ یہاں پر نماز جائز ہی نہیں ہے، تو جواب یہ دیا بعض محشی حضرات نے کہ کراہت سے مراد یہاں کراہتِ لغوی ہے یعنی ناپسندیدہ ہونا، کیا مراد ہے؟ ناپسندیدہ ہونا، اور ناجائز بھی کیا ہے؟ ناپسندیدہ تو ہے، تو لہٰذا اس اعتبار سے یہ اس میں داخل ہے بھائی۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۷۴: باب صلاۃ المریض

ہدایہ صفحہ: ۱۷۰ — بتاریخ: ۲۶ فروری ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَمَنْ صَلَّى فِي السَّفِينَةِ قَاعِدًا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَالْقِيَامُ أَفْضَلُ، وَقَالَا: لَا يُجْزِيهِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ؛ لِأَنَّ الْقِيَامَ مَقْدُورٌ عَلَيْهِ فَلَا يُتْرَكُ» [1]

باب صلاۃ المریض

باب صلاۃ المریض۔ بھئی، مریض کی نماز سے متعلقہ احکامات ذکر ہو رہے ہیں۔ اب آخر میں صاحبِ ہدایت بتلا رہے ہیں آپ کے کہ اگر کوئی شخص کشتی کے اندر نماز پڑھتا ہے بھئی۔ یعنی ایسی کشتی ہے جو دریا میں، سمندر میں چل رہی ہے۔ اور کشتی میں یہ شخص بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے بغیر کسی عذر کے، بغیر کسی سبب کے، تو بھی امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز یہ کافی ہو جائے گی، یعنی اس طرح پڑھنا اس کے لیے جائز ہے، البتہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے بھئی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھے گا تو اس کی نماز ہی جائز نہیں بھئی۔

«**وَمَنْ صَلَّى فِي السَّفِينَةِ قَاعِدًا**» اور جس نے نماز پڑھی کشتی کے اندر بیٹھ کر «**مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ**» بغیر کسی سبب کے «**أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» تو یہ کافی ہو گی اس کے لیے امام صاحب کے نزدیک «**وَالْقِيَامُ أَفْضَلُ**» اور قیام کیا ہے؟ کھڑے ہونا اس کے لیے افضل ہے۔ «**وَقَالَا**» اور صاحبین فرماتے ہیں «**لَا يُجْزِيهِ**» یہ اس کے لیے کافی نہیں «**إِلَّا مِنْ عُذْرٍ**» مگر کسی عذر، کوئی عذر ہو پھر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، ویسے بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ نفلوں کی بات نہیں ہو رہی، فرض کی بات ہو رہی ہے۔ تو اس میں قیام وہ فرماتے ہیں فرض ہے، بغیر عذر کے قیام جو ہے اس سے ساقط نہیں ہو گا۔

جی تو دلیل آگے ان کی صاحبین کی، کہتے ہیں «**لِأَنَّ الْقِيَامَ مَقْدُورٌ عَلَيْهِ**» اس لیے کیونکہ قیام جو ہے وہ اس کی قدرت میں ہے، وہ قیام پر قادر ہے «**فَلَا يُتْرَكُ**» لہٰذا اس کو چھوڑا نہیں جائے گا۔

«**وَلَهُ**» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے «**أَنَّ الْغَالِبَ فِيهَا دَوَرَانُ الرَّأْسِ**» کہ غالب جو ہے کشتی کے اندر وہ سر کا چکرانا ہے۔ عموماً کشتی میں کیا ہے؟ سر چکراتا ہے «**وَهُوَ كَالْمُتَحَقَّقِ**» اور غالب چیز کس کی طرح ہے؟ متحقق جو پائی جائے، جو ثابت ہو بھئی۔ تو کشتی میں غالباً سر چکراتا ہے اور غالب چیز کس کی طرح شمار کی جاتی ہے؟ ثابت شدہ چیز کی طرح کہ گویا ثابت ہی ہے۔ اور جب ثابت ہے یعنی جب حقیقتاً کسی کا سر چکرا رہا ہو تو پھر اس صورت میں تو بالاتفاق اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ تو یہاں بھی دورانِ سر چونکہ غالب ہوتا ہے تو یہ یقینی چیز کی طرح ہوا، اور اس وجہ سے وہ بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ «**إِلَّا أَنَّ الْقِيَامَ أَفْضَلُ**» مگر یہ کہ اس کے لیے قیام افضل ہے «**لِأَنَّهُ أَبْعَدُ عَنْ شُبْهَةِ الْخِلَافِ**» اس لیے کیونکہ یہ زیادہ دور ہے اختلاف کے شبہے سے، کیونکہ یہ زیادہ دور ہے اختلاف... بھئی دیکھیے، اگر کھڑے ہو کر پڑھے گا تو فرماتے ہیں یہ افضل ہے کیونکہ اس صورت میں اختلاف کے شبہے سے بچ جائے گا۔ کس سے؟ اختلاف سے۔ کیونکہ اختلاف آیا یا نہیں آیا فقہاء کا؟ تو بیٹھ کر پڑھنا امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں، تو کھڑے ہو کر پڑھے گا تو پھر تو اختلاف سے ہی بچ جائے گا بھئی، پھر تو بالاتفاق سب کے نزدیک ہی صحیح ہو جائے گی۔ یہ معنی ہے «**لِأَنَّهُ أَبْعَدُ عَنْ شُبْهَةِ الْخِلَافِ**» اس لیے کیونکہ یہ زیادہ دور ہے اختلاف کے شبہے سے۔

[1] شاملہ (ص ۹۲) میں «يُجْزِيهِ» کے بجائے «يجزئه» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۹۲) میں «يُجْزِيهِ» کے بجائے «يجزئه» درج ہے۔

■ مسئلہ: وَالْخُرُوجُ أَفْضَلُ

«وَالْخُرُوجُ أَفْضَلُ» خروج سے مراد ہے کشتی سے نکلنا۔ اور کشتی سے نکلنا اس کے لیے افضل ہے، یعنی اگر اس کے لیے ممکن ہو تو کنارے پر اتر کر، نکل کر، پھر کیا کرنی چاہیے اس کو؟ نماز پڑھنی چاہیے۔ تو کہتے ہیں «وَالْخُرُوجُ أَفْضَلُ مَا أَمْكَنَهُ» اور نکلنا اس کے لیے افضل ہے جس قدر اس کے لیے ممکن ہو سکے «لِأَنَّهُ أَسْكَنُ لِقَلْبِهِ» اس لیے کیونکہ یہ زیادہ اطمینان بخش ہے اس کے دل کے لیے۔ اس میں اس کے دل کا زیادہ اطمینان ہے، اطمینان سے نماز ادا کرلے گا بھئی۔

«وَالْخِلَافُ فِي غَيْرِ الْمَرْبُوطَةِ» اور اختلاف اس کشتی کے اندر ہے جو بندھی ہوئی نہ ہو۔ مربوط، بندھی ہوئی۔ وہ کشتی، ایک بھئی کشتی کنارے پر بندھی ہوئی ہے اور ایک دریا میں چل رہی ہے، تو کون سی... یہ اختلاف کس صورت میں ہے؟ جو غیر مربوطہ ہے، جو بندھی ہوئی کنارے پر نہیں ہے بلکہ دریا میں چل رہی ہے۔ «وَالْمَرْبُوطَةُ كَالشَّطِّ» شط کہتے ہیں دریا کے کنارے کو بھئی، طاء مشدد ہے شطّ۔ «وَالْمَرْبُوطَةُ كَالشَّطِّ» اور بندھی ہوئی کشتی جو ہے وہ دریا کے کنارے کی طرح ہے۔ کس کی طرح؟ دریا کے کنارے۔ یعنی جیسے دریا کے کنارے پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں بغیر عذر کے، اسی طرح جو کشتی بندھی ہوئی ہے اس میں بھی بیٹھ کر بغیر عذر کے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے۔

«وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ أَوْ دُونَهَا قَضَى، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يَقْضِ»

■ مسئلہ: وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ

«وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ» اور جس پر بے ہوشی طاری ہوئی پانچ نمازوں تک «أَوْ دُونَهَا» یا اس سے کم «قَضَى» تو کیا کرے گا؟ ان نمازوں کی قضا کرے گا۔ «وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يَقْضِ» اور اگر اس سے زیادہ بے ہوشی طاری ہوئی، اس سے زیادہ وقت گزرا بے ہوشی میں، تو «لَمْ يَقْضِ» پھر قضا نہیں کرے گا بھئی۔

«وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ» اور یہ استحسان ہے بھئی، استحسان۔ تو یہاں آپ کو انہوں نے مسئلہ بتلا دیا کہ جس پر پانچ نمازوں تک یا اس سے کم بے ہوشی طاری ہوئی تو وہ ان نمازوں کی قضا کرے گا جب اسے ہوش آجائے۔ اور اگر اس سے زیادہ وہ بے ہوش رہا تو پھر اس صورت میں اس پر ان کی قضا بھی نہیں، اور یہ استحساناً یہ حکم دیا گیا کہ ان کی قضا کرے گا اگر کم ہوئیں، زیادہ ہوئیں پھر قضا نہیں کرے گا۔ تو یہاں بھئی استحسان آیا، استحسان۔ معلوم ہوا اس کے مقابلے میں کیا ہوگا؟ قیاس، کیونکہ استحسان کہتے ہی اس دلیل کو ہیں جس کے مقابلے میں قیاس ہو۔

تو کہتے ہیں «وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ» اور یہ استحسان ہے، استحساناً یہ حکم دیا گیا ورنہ اس کے مقابلے میں قیاس ہے، اور قیاس تو یہ کہتا ہے کہ اس پر قضا ہونی ہی نہیں چاہیے جب وہ بے ہوشی ایک پوری نماز کے وقت کا احاطہ کرلے، تو پھر تو اس پر قضا ہونی ہی نہیں چاہیے کیونکہ اس کا عجز پایا گیا، یہ سارا وقت بے ہوش رہا، مثلاً ظہر کے وقت سے پہلے بے ہوش ہوا ہے اور عصر تک بے ہوش ہے تو سارا وقت کس میں گزر گیا؟ بے ہوشی میں گزر گیا۔ تو اس دوران تو یہ نماز کے ادا کرنے سے عاجز ہے بھئی، نماز ادا کر ہی نہیں سکتا، بے ہوش ہے، تو اس پر یہ نماز واجب بھی نہیں ہونی چاہیے، لیکن استحساناً کیا کہا جائے گا کہ اس پر قضا واجب ہے، قضا ضروری ہے، یہ قضا کرے گا اگر پانچ نمازوں تک یا اس سے کم بے ہوش رہا۔

تو کہتے ہیں «وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ إِذَا اسْتَوْعَبَ الْإِغْمَاءُ وَقْتَ صَلَاةٍ كَامِلٍ» اور قیاس تو یہ ہے کہ اس پر قضا نہیں ہونی چاہیے جب گھیر لے، استوعب یستوعب کا معنی گھیر لینا، احاطہ کر لینا، جب احاطہ کرلے الإغماء بے ہوشی وقت صلاۃ کامل پوری نماز کے وقت کا۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ جب بے ہوشی پورے نماز کے وقت کا احاطہ کرلے تو اس پر قضا نہیں ہونی چاہیے «لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ» عجز کے پائے جانے کی وجہ سے، کیونکہ یہ شخص کیا ہے؟ نماز کی ادائیگی سے عاجز ہے۔ نیز اس کی طرف خطاب بھی متوجہ نہیں، خطاب کو یہ سننے کی اس میں اہلیت نہیں ہے بھئی، جو خطاب اللہ کی طرف سے ہوا: ﴿أَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾، کیا کرو تم لوگ؟ نماز قائم کرو، تو اللہ کا یہ حکم اس کی طرف متوجہ نہیں کیونکہ وہ بے ہوش ہے بھئی، بے ہوش ہے تو عاجز ہے۔

■ مسئلہ: فَشَبِهَ الْجُنُونَ

«فَشَبِهَ الْجُنُونَ» یہ فشبہ، بھئی یاد رکھیے یہ «فَأَشْبَهَ» ہے، اشبہ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اشبہ۔ ہدایہ کے دیگر نسخوں میں اشبہ کا لفظ موجود ہے۔ اور شبہ اس لیے نہیں کیونکہ یہ جو شبہ، یہ باب مجرد سے استعمال ہی نہیں۔ مزید فیہ وغیرہ سے استعمال ہوتا ہے، مجرد سے یہ باب استعمال نہیں ہوتا، آپ لغت اٹھا کر دیکھیں گے اس میں آپ کو یہ مجرد کا باب نہیں ملے گا۔ ہاں مزید فیہ وغیرہ کے ملیں گے: اشبہ یا شبّہ یا شابہ وغیرہ، یہ صیغے ملیں گے۔ تو «فَأَشْبَهَ الْجُنُونَ» تو یہ جنون کے مشابہ ہوا، تو یہ کس کے

مشابہ ہوا؟ جنون کے مشابہ ہوا، اور جنون جب پورے وقت کا احاطہ کرلے تو نماز واجب نہیں ہوتی۔ جنون کیا کرلے؟ ایک شخص پر جنون آیا، پاگل پن کا دورہ آیا، اب وہ تو بیچارہ معذور ہو گیا اور پورے وقت رہا، یعنی ظہر سے پہلے شروع ہوا اور عصر تک رہا تو پورے ظہر کے وقت کا اس جنون نے احاطہ کر لیا تو اس پر اس ظہر کی نماز کی قضا نہیں۔ اور تو یہ جو بے ہوشی بھی ہے یہ کس کے مشابہ ہوئی؟ جنون کے، اور جنون کے اندر تو قضا نہیں آتی لہٰذا یہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اس بے ہوشی کے اندر بھی قضا نہیں آنی چاہیے۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

تو استحساناً لیکن یہ استحساناً یہ حکم دیا گیا کہ پانچ یا اس سے کم نمازیں بے ہوش رہا تو قضا کرنا پڑے گی بھئی، ورنہ قیاس تو یہ تقاضا کر رہا تھا اس پر قضا نہیں ہونی چاہیے۔ آگے استحسان کی وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں۔

«وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ» استحسان کی وجہ یہ ہے «أَنَّ الْمُدَّةَ إِذَا طَالَتْ كَثُرَتِ الْفَوَائِتُ» کہ مدت جب لمبی ہو جائے «كَثُرَتِ الْفَوَائِتُ» تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جاتی ہیں، جب مدت کیا ہو؟ طویل ہو جائے، لمبی ہو جائے یعنی زیادہ دیر تک بے ہوشی رہی یعنی ایک دن رات سے زیادہ «كَثُرَتِ الْفَوَائِتُ» تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں گی «فَيَحْرُجُ فِي الْأَدَاءِ» تو حرج ہو گا ادا کے اندر، اب دشواری ہو گی، تنگی ہو گی ادا کے اندر، اور آپ پڑھ چکے کہ شریعت کے اندر تنگی، نئی تنگی کو اور حرج کو دور کیا گیا ہے لوگوں سے۔ جب نمازیں کثیر ہو، مدت لمبی ہو جائے گی تو «كَثُرَتِ الْفَوَائِتُ» تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں گی «فَيَحْرُجُ فِي الْأَدَاءِ» تو حرج ہو گا ادا کے اندر، تنگی ہو گی ادا میں «وَإِذَا قَصُرَتْ» اور جب مدت تھوڑی ہو گی «قَلَّتْ» تو فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں گی «فَلَا حَرَجَ» پھر ادائیگی میں کوئی حرج نہیں۔

بھئی اگر مدت لمبی ہو، ایک دن رات سے زیادہ بے ہوش رہا تو فوت شدہ نمازیں زیادہ ہو جائیں گی اور ان کی ادائیگی دشوار ہو گی، حرج ہو گا اس میں، اور حرج کو شریعت میں دور کیا گیا ہے لہٰذا اس پر ان کی قضا نہیں، لیکن اگر ایک دن رات سے کم بے ہوش رہا تو پھر تو تھوڑی سی نمازیں ہیں، پھر ان کی ادائیگی میں کوئی دشواری نہیں، تو بے شک یہ بے ہوش ہے لیکن ان کی ادائیگی میں کوئی دشواری نہیں، تین ہوں گی یا چار ہوں گی یا زیادہ سے زیادہ پانچ نمازیں ہوں گی، تو ان کی قضا کرنا کوئی مشکل کام نہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو ان کی قضا اس کے ذمے ہو گی۔ یہ معنی ہے «وَإِذَا قَصُرَتْ قَلَّتْ» اور جب وہ مدت چھوٹی ہو تو فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں گی «فَلَا حَرَجَ» تو پھر کوئی حرج نہیں۔

اور کثیر، کثیر کب ہوں گی؟ کہتے ہیں «وَالْكَثِيرُ أَنْ تَزِيدَ عَلَى يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ» اور کثیر وہ ہیں کہ وہ بڑھ جائیں نمازیں کس پر؟ ایک دن اور ایک رات، یا وہ یوں کہیں وہ بے ہوشی بڑھ جائے ایک دن اور ایک رات پر «لِأَنَّهُ يَدْخُلُ فِي حَدِّ التَّكْرَارِ» اس لیے کیونکہ وہ نمازیں کس میں داخل ہو جائیں گی؟ حدِ تکرار میں داخل ہو جائیں گی، کیونکہ پھر تو نمازیں چھ ہو جائیں گی، اور چھ نمازیں تو کل کتنی ہیں ایک دن رات میں؟ پانچ، تو جب چھ ہوئیں تو کسی ایک نماز میں تکرار آجائے گا، وہ دو دفعہ ہو جائے گی تو نمازیں کیا ہو گئیں؟ کثیر ہو جائیں گی۔ تو کثیر یہ ہے کہ بڑھ جائیں بھئی ایک دن اور ایک رات پر، اس لیے کیونکہ وہ حدِ تکرار میں داخل ہو جائیں گی۔

■ مسئلہ: وَالْجُنُونُ كَالْإِغْمَاءِ

«وَالْجُنُونُ كَالْإِغْمَاءِ» اور جنون بے ہوشی کی طرح ہے۔ یہ جواب ہے وہ جو اوپر قیاس کیا گیا تھا اغماء کو جنون پر۔ اوپر قیاس کیا ذکر ہوا تھا؟ کہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کوئی ایک نماز، پوری نماز کا وقت بے ہوش رہے تو اس پر اس نماز کی قضا نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ شخص عاجز ہے، یہ کیا ہے؟ یہ جو بے ہوش تھا یہ عاجز تھا اس دوران، نماز کے ادا کرنے پر قادر ہی نہیں تھا۔ تو بے ہوشی کس کے مشابہ ہوئی؟ جنون کے مشابہ ہو گئی، اور جنون جو ہے وہ ایک پورے وقت کا احاطہ کرلے تو اس میں قضا نہیں آتی۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھئی، یہ جو قیاس تھا نا، یہ دوسری روایت پر مبنی ہے، وہ جو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جنون ایک وقت کا پورا احاطہ کرلے تو اس نماز کی اس شخص پر قضا نہیں، یہ ایک روایت تھی۔ اس کا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں نہیں بھئی، اغماء کو جنون پر قیاس نہیں کریں گے بلکہ جنون کو کس پر قیاس کریں گے؟ اغماء پر۔ جنون کو قیاس کریں گے اغماء پر اور اغماء کے اندر جیسے پانچ نمازیں یا اس سے کم ہوں تو اس میں کیا کرنا پڑتی ہے؟ قضا کرنا پڑتی ہے، تو جنون کا بھی یہی حکم ہے کہ پانچ نمازیں یا اس سے کم جنون کے اندر گزری ہیں پھر افاقہ ہو گیا آدمی ٹھیک ہو گیا تو کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی، اور اگر اس سے زیادہ جنون رہا تو پھر ان کی قضا نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو انہوں نے کیا کیا تھا؟ وہاں پر قیاس میں اغماء کو قیاس کیا تھا جنون پر اس روایت پر کہ جنون جب ایک وقت کی نماز کا احاطہ کرلے تو اس میں قضا نہیں۔ تو انہوں نے صحیح قول آپ کو آگے صاحبِ ہدایہ نے بتلایا کہ نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ اغماء کو جنون پر قیاس نہیں کریں گے بلکہ جنون کو کس پر قیاس کریں گے؟ اغماء پر قیاس کریں گے، اور جنون کے اندر بھی یہی حکم ہو گا کہ پانچ نمازوں سے کم میں ہے تو یا پانچ کے برابر ہے تو پھر قضا کرنا پڑے گی، یہ نہیں کہ ایک وقت کا پورا کا احاطہ کرلے تو پھر اس کی قضا ہی نہ ہو، ایسا نہیں ہے۔

یہ معنی ہے «وَالْجُنُونُ كَالْإِغْمَاءِ» اور جنون جو ہے بے ہوشی کی طرح ہے «كَذَا ذَكَرَهُ أَبُو سُلَيْمَانَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى» صاحبِ ہدایہ حوالہ بھی

دے رہے ہیں کہ اسی طرح ذکر کیا ہے ابو سلیمان جوزجانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے، یہ شاگرد ہیں امام محمد رحمہ اللہ کے بھئی، تو انہوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے کہ جنون کس کی طرح ہے؟ بے ہوشی کی طرح ہے، اس پر قیاس کیا جائے گا۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ النَّوْمِ

«بِخِلَافِ النَّوْمِ» بخلاف کس کے؟ نیند کے، کہ نیند کو بھئی کس کے ساتھ ملحق کریں گے؟ اگر ایک آدمی بھئی چوبیس گھنٹے سے زیادہ سویا ہی رہا تو یہ شخص بھی عاجز ہے، یہ شخص بھی کیا ہے؟ سویا رہا بھئی، پتہ ہی نہیں چلا، غفلت میں تھا، تو اس پر بھی کیا نمازوں کی قضا آئے گی یا قضا نہیں آئے گی؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھئی، نیند کو اس اغماء پر قیاس نہیں کریں گے اس لیے کیونکہ اتنی طویل نیند نہایت نادر ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اتنی دیر تک چوبیس گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ سویا رہے، اور تو یہ نادر چیز ہے اور نادر چیز پر شرعی حکم مرتب نہیں ہوتا بھئی، لہٰذا اگر کبھی ایسا ہوتا بھی ہے تو بھی اس کو کیا کرنا پڑیں گی؟ نمازیں قضا کرنا پڑیں گی چاہے اس سے زیادہ ہی کیوں نہ سویا رہے بھئی، مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

کہتے ہیں «بِخِلَافِ النَّوْمِ لِأَنَّ امْتِدَادَهُ نَادِرٌ» بخلاف نیند کے، اس لیے کیونکہ نیند کا لمبا ہونا نادر ہے «فَيُلْحَقُ بِالْقَاصِرِ» تو اس کو قاصر کے ساتھ ملایا جائے گا۔ بھئی اغماء دو قسم کا تھا نا، ایک اغماء ہے ممتد لمبا یعنی چوبیس گھنٹے سے بھی زیادہ بے ہوش رہا، اور ایک اغماء ہے قاصر، اس سے کم بے ہوش رہا یعنی پانچ نمازیں یا اس سے کم بے ہوش رہا چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ بے ہوش نہ رہا۔ چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ بے ہوش رہے وہ کیا ہے؟ اغماءِ ممتد، اور اس میں کیا ہوتی ہے؟ قضا نماز واجب ہی نہیں ہوتی اس پر، قضا اس میں نہیں آتی، اور دوسری قسم ہے کہ پانچ نمازیں یا اس سے کم بے ہوش رہا یہ ہے اغماءِ قاصر، تو لہٰذا نیند کو اغماءِ قاصر کے ساتھ ملایا جائے گا کیونکہ لمبی نیند کا ہونا نہایت نادر ہے، اور جب اغماءِ قاصر کے ساتھ اس کو ملایا جائے گا تو اغماءِ قاصر کا کیا حکم تھا؟ اس میں قضا آتی تھی یا نہیں؟ اس میں قضا آتی تھی، تو اس میں بھی قضا آئے گی چاہے یہ لمبی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّ امْتِدَادَهُ نَادِرٌ فَيُلْحَقُ بِالْقَاصِرِ» اس لیے کیونکہ نیند کا لمبا ہونا نادر ہے تو اس کو قاصر یعنی اغماءِ قاصر کے ساتھ ملایا جائے گا۔

«ثُمَّ الزِّيَادَةُ تُعْتَبَرُ مِنْ حَيْثُ الْأَوْقَاتُ» اچھا بھئی، اب یہاں سے اب آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ کس چیز کا اعتبار کیا جائے گا؟ آپ نے ہمیں کہا ایک دن رات کا ذکر کیا، تو کیا گھنٹوں کا حساب رکھا جائے گا بے ہوشی کے اندر؟ کوئی شخص چوبیس گھنٹے پورے یا اس سے زیادہ بے ہوش رہا تو پھر اس سے قضا ساقط ہو گی یا چھ نمازیں جب اس پر آجائیں گی تو تب اس پر قضا ساقط ہو گی؟ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نمازوں کے اوقات کے اعتبار سے دیکھا جائے گا۔ جب اس پر چھ نمازیں اس کے ذمے قضا ہو جائیں، یعنی چھٹی نماز کا وقت بے ہوشی کی حالت میں گزرے گا تو اب اس پر چھ نمازیں آئیں گی، اب نمازیں کثیر ہو گئیں، حدِ تکرار میں داخل ہو گئیں، اب اس سے قضا ساقط ہو جائے گی۔ معلوم ہوا، آج ظہر سے پہلے کوئی بے ہوش ہوا تو امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اگلے دن ظہر سے پہلے تک یہ ابھی کتنی نمازیں ہوئی ہیں اس کے ذمے؟ پانچ ہی ہوئی ہیں، تو پھر پورا ظہر کا وقت بھی اسی حالت میں گزر گیا اور عصر کے وقت جا کر اس کو ہوش آتا ہے تو اب چھٹی نماز کا وقت بھی نکلا، اب اس کے ذمے سے قضا ساقط ہو گئی۔

جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، گھنٹوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ آج مثلاً اگر کوئی دوپہر کے وقت بے ہوش ہوا اور اگلے دن دوپہر تک وہ بے ہوش رہا تو اس سے نمازیں ساقط ہو جائیں گی چھٹی نماز کا یعنی یوں کہیں، نمازوں کے اوقات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ جب کہ ایک دن رات سے بس زیادہ ہو جائے چاہے چھٹی نماز کا ابھی وقت پورا نہ گزرا ہو۔

تو کہتے ہیں «ثُمَّ الزِّيَادَةُ تُعْتَبَرُ مِنْ حَيْثُ الْأَوْقَاتُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» پھر زیادتی جو ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا نمازوں کے اوقات کے حیثیت سے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک «لِأَنَّ التَّكْرَارَ يَتَحَقَّقُ بِهِ» کیونکہ تکرار اسی سے پایا جائے گا، کس اعتبار سے آئے گا تکرار؟ نمازوں کے اوقات کے اعتبار سے جب چھٹی نماز کا وقت گزرے گا۔ «وَعِنْدَهُمَا مِنْ حَيْثُ السَّاعَاتُ» اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک من حیث الساعات، زیادتی کا اعتبار گھنٹوں کی حیثیت سے یعنی چوبیس گھنٹے دیکھے جائیں گے۔ «وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ» اور یہی منقول ہے حضرت علی اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔ «وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں درست بات کو۔

■ مسئلہ: بَابٌ فِي سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ

«بَابٌ فِي سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ» یہ باب ہے سجدۂ تلاوت کے بیان میں۔ جی، آپ جانتے ہیں بھئی قرآن میں، قرآن میں کئی جگہوں پر سجدۂ تلاوت ہے، اور ان آیتوں کو اگر کوئی پڑھ لے، ان کی تلاوت کر لے تو اس پر کیا واجب ہو جاتا ہے؟ سجدۂ تلاوت، اسے سجدہ کرنا پڑتا ہے بھئی۔ تو اس باب میں اس کی تفصیل بیان ہو گی۔

«بَابٌ فِي سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ» یہ باب ہے سجدۂ تلاوت کے بیان میں۔ «قَالَ» صاحب قدوری فرماتے ہیں: «سُجُودُ التِّلَاوَةِ فِي الْقُرْآنِ

«أَرْبَعَةَ عَشَرَ» کہ سجدۂ تلاوت جو ہیں قرآن میں چودہ ہیں۔ اب وہ جگہیں بیان کر رہے ہیں کہاں کہاں پر ہیں، کہتے ہیں «فِي آخِرِالْأَعْرَافِ» سورۂ اعراف کے آخر میں «وَفِي الرَّعْدِ» اور سورۂ رعد میں «وَالنَّحْلِ» اور سورۂ نحل میں «وَبَنِي إِسْرَائِيلَ» اور سورۂ بنی اسرائیل میں «وَمَرْيَمَ» اور سورۂ مریم میں «وَالْأُولَى مِنَ الْحَجِّ» اور جو پہلا ہے کس میں؟ سورۂ حج میں۔ یاد رکھیے سورۂ حج کے اندر، سورۂ حج کے اندر امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک دو سجدے ہیں، دو سجدے ہیں لیکن ہمارے نزدیک عند الاحناف جو ہے اس میں ایک سجدہ ہے، وہ جو پہلے مقام پر آیا، اور دوسرا سجدہ ہے ہم کہتے ہیں کہ اس سے نماز مراد ہے، کیا مراد ہے؟ نماز مراد ہے کیونکہ وہاں سجدے کے ساتھ ساتھ رکوع کا بھی ذکر ہے، اور سجدے کے ساتھ رکوع کا ذکر ہو تو اس سے کیا مراد ہوتی ہے؟ نماز مراد ہوتی ہے، تو وہ وہاں سجدہ نہیں ہے بلکہ وہ نماز کا ذکر ہو رہا ہے وہاں پر۔ تو اسی لیے کہا «وَالْأُولَى مِنَ الْحَجِّ» اور جو پہلا سجدہ ہے سورۂ حج میں سے، «وَالْفُرْقَانِ» اور ایک سجدہ کس میں ہے؟ سورۂ فرقان میں ہے «وَالنَّمْلِ» اور سورۂ نمل میں «وَالم تَنْزِيلَ» اور سورۂ الم تنزیل میں «وَص» اور سورۂ ص میں «وحم السَّجْدَةِ» اور حم سجدہ کے اندر «وَالنَّجْمِ» اور سورۂ النجم میں «وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ» اور سورۂ إذا السماء انشقت میں «وَاقْرَأْ» اور سورۂ اقرأ میں بھئی۔ تو یہ چودہ مقامات پر سجدے ہیں بھئی عند الاحناف بھئی۔

«كَذَا كُتِبَ فِي مُصْحَفِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» اسی طرح مکتوب ہے مصحفِ عثمان میں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کا نسخہ تیار کروا کر تمام مملکت میں اس کو، اس کے نقلوں کو بھیجا گیا تو اس میں اسی طرح درج ہے بھئی۔ «وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ» اور اسی پر اعتماد ہے، وہی معتمد ہے۔ «وَالسَّجْدَةُ الثَّانِيَةُ فِي الْحَجِّ لِلصَّلَاةِ عِنْدَنَا» اور دوسرا سجدہ جو ہے سورۂ حج میں وہ کس کے لیے ہے؟ نماز کے لیے ہے یعنی اس سے نماز مراد ہے، وہاں سجدہ نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَمَوْضِعُ السَّجْدَةِ فِي حم السَّجْدَةِ عِنْدَ...

«وَمَوْضِعُ السَّجْدَةِ فِي حم السَّجْدَةِ عِنْدَ قَوْلِهِ: لَا يَسْأَمُونَ فِي قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، وَهُوَ الْمَأْخُوذُ لِلِاحْتِيَاطِ» اور سجدے کا مقام حم السجدہ کے اندر وہ اللہ تعالیٰ کے قول «لَا يَسْأَمُونَ» پر کے پاس پر ہے بھئی، اس وقت، اس پر کیا کیا جائے گا؟ سجدہ کیا جائے گا «فِي قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق «وَهُوَ الْمَأْخُوذُ لِلِاحْتِيَاطِ» اور اسی کو لیا گیا بطورِ احتیاط کے، اسی کو لیا گیا، اسی قول کو لیا گیا بطورِ احتیاط کے۔ بھئی یاد رکھیے، حم السجدہ کے اندر دو روایتیں ہیں، دو روایتیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ «لَا يَسْأَمُونَ» پر سجدہ ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے ماقبل کی جو آیت ہے اس کے آخر میں ہے ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ یہاں پر سجدہ ہے بھئی، یہاں پر سجدہ۔ تو ہم نے، احناف نے، احناف ہمیشہ احتیاط والی صورت ہی اختیار کرتے ہیں، تو ہم نے اس قول کو اختیار کیا جو کہ یہ جو بعد والی آیت میں ہے، اس سے سجدہ واجب ہو اور اس قول میں احتیاط زیادہ ہے۔ اس میں کیا ہے؟ احتیاط۔ آپ کہیں گے اس میں احتیاط کس طرح زیادہ؟ بھئی دیکھیے، اگر یہ کہا جائے، یہ کہا جائے کہ ماقبل کی جو آیت ہے، ماقبل کی جو آیت ہے، اس، وہ آیتِ سجدہ ہے اور اس سے کیا واجب ہو گا؟ سجدہ۔ یہ اگر کہا جائے، اس قول کو اختیار کر لیا جائے، اور حقیقت ایسی ہو کہ سجدہ کس سے آ رہا ہو؟ بعد والی آیت سے، تو پہلے والی آیت پڑھ کر ہی کوئی سجدہ کر لیتا ہے اور حقیقت میں تو سجدہ کہاں تھا؟ بعد میں تھا، تو یہ سجدہ ادا ہو جائے گا؟ نہیں، کیونکہ سجدہ تو واجب ہوتا ہے آیتِ سجدہ پڑھنے سے اور آیتِ سجدہ تو ابھی آگے آ رہی تھی، وہ تو ابھی پڑھی ہی نہیں ہے، اس سے پہلے ہی سجدہ کر لیا اور اس سے پہلے تو سجدہ نہیں، کیونکہ آیتِ سجدہ اس کا پڑھنا یہ ہے سبب، اور سجدہ کیا ہے؟ اس کا حکم ہے، سجدہ اس کا حکم۔ اور سبب پایا جائے تو پھر حکم پایا جاتا ہے، سبب سے پہلے حکم نہیں، ظہر کی نماز آپ ابھی پڑھنا چاہیں ظہر سے پہلے ہی، پڑھ سکتے ہیں؟ نہیں، کیونکہ ظہر کی نماز کا سبب کیا ہے؟ ظہر کا وقت۔ وقت آئے گا تو حکم بھی آ جائے گا، نماز واجب ہو جائے گی، پھر پڑھیں گے تو ہو گی، اس سے پہلے نہیں۔ تو یہاں پر بھی اگر اس قول کو اختیار کر لیا جائے کہ پہلے والی جو آیت ہے اس سے کیا واجب ہوتا ہے؟ سجدہ، اور اس پر پھر کوئی سجدہ کر لیتا ہے اور حقیقت میں ایسا ہو کہ سجدہ کس سے ہو؟ بعد والی آیت سے، تو پھر وہ سجدہ ادا نہیں ہوا، وہ سجدہ رہ گیا اس کے ذمے۔ اور اگر دوسرے قول کو اختیار کیا جائے کہ کس سے، سجدہ کس سے واجب ہو رہا ہے؟ بعد والی آیت سے، اور حقیقت میں ایسا ہو کہ سجدہ کس سے واجب ہو رہا ہے؟ پہلی آیت سے، تو پہلی آیت سے سجدہ واجب ہو چکا، اب اگر ایک آیت کے بعد بھی کر لے گا تو ہو جائے گا یا نہیں ہو گا؟ وہ تو ہو جائے گا، تو احتیاط کس صورت میں ہے؟ بعد والے آیت پر کہ اس کو آیتِ سجدہ قرار دیا جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے کہ سجدے کا مقام حم السجدہ میں اللہ تعالیٰ کے قول «لَا يَسْأَمُونَ» پر ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق «وَهُوَ الْمَأْخُوذُ لِلِاحْتِيَاطِ» اور اسی کو لیا گیا بطورِ احتیاط کے۔

«وَالسَّجْدَةُ وَاجِبَةٌ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ عَلَى التَّالِي وَالسَّامِعِ سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْآنِ أَوْ لَمْ يَقْصُدْ» اور سجدہ واجب ہو گا ان جگہوں میں «عَلَى التَّالِي» تلاوت کرنے والے پر «وَالسَّامِعِ» اور سننے والے پر۔ سجدہ صرف تلاوت کرنے والے پر نہیں واجب بلکہ سننے والے پر بھی واجب ہے جو آیتِ سجدہ کو سن لیتا ہے۔ «سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْآنِ أَوْ لَمْ يَقْصُدْ» برابر ہے کہ اس نے چاہے قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو، جیسے بھی ہو لیکن جب سن لے گا تو اس پر آیتِ سجدہ کو سن لے گا تو سجدہ واجب ہو جائے گا۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: «السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا وَعَلَى مَنْ تَلَاهَا» سجدہ واجب ہے اس شخص پر جس نے آیتِ سجدہ کو سنا اور اس شخص پر جس نے اس کی تلاوت کی، سجدہ لازم ہے۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ

یہاں کیا آیا «عَلَى»، «عَلَى»، اور علیٰ کس لیے آتا ہے؟ لزوم کے لیے آتا ہے، ایک شخص پر دوسری چیز کو لازم کرنے کے لیے آتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں «الْمَالُ عَلَى زَيْدٍ» یہ مال کس پر لازم ہے؟ زید پر، تو علیٰ استعمال کرتے ہیں اس موقع پر۔ تو «وَهِيَ كَلِمَةُ إِيجَابٍ» اور یہ علیٰ جو ہے یہ کلمۂ ایجاب ہے یعنی واجب کرنے والا کرنے کا کلمہ ہے «وَهُوَ غَيْرُ مُقَيَّدٍ بِالْقَصْدِ» اور یہ قصد ارادے کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ بھئی دیکھیے حدیث میں کیا آیا «السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا» یہاں کوئی ارادہ ارادے یا غیر ارادے کے کوئی بات ذکر ہے؟ یہاں ارادے کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی، معلوم ہوا سن لے گا تو سجدہ واجب ہو جائے گا چاہے اس کے سننے کا ارادہ ہو یا ارادہ نہ ہو بھئی۔

■ مسئلہ: وَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَه...

«وَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَهَا الْمَأْمُومُ مَعَهُ» اور جب تلاوت کر لے امام آیتِ سجدہ کو تو سجدہ کرے «وَسَجَدَهَا الْمَأْمُومُ مَعَهُ» اور سجدہ کرے مقتدی بھی اس کے ساتھ، مقتدی بھی سجدہ اس کے ساتھ کرے۔ «لِالْتِزَامِهِ مُتَابَعَتَهُ» اس لیے کیونکہ اس مقتدی نے التزام کیا ہے اس امام کی متابعت کا، اس نے اپنے اوپر لازم کیا ہے اس کی متابعت کو کہ وہ کیا کرے گا؟ اس کی پیروی کرے گا بھئی۔ «وَإِذَا تَلَا الْمَأْمُومُ لَمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ وَلَا الْمَأْمُومُ»

وَمَنْ صَلَّى فِي السَّفِينَةِ قَاعِدًا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَالْقِيَامُ أَفْضَلُ، وَقَالَا: لَا يُجْزِيهِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ؛ لِأَنَّ الْقِيَامَ مَقْدُورٌ عَلَيْهِ فَلَا يُتْرَكُ.

■ بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ

بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ۔ مریض کی نماز سے متعلقہ احکامات ذکر ہو رہے ہیں۔ اب آخر میں صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں آپ کے کہ اگر کوئی شخص کشتی کے اندر نماز پڑھتا ہے بھائی۔ یعنی ایسی کشتی ہے جو دریا میں، سمندر میں چل رہی ہے۔ اور کشتی میں یہ شخص بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے بغیر کسی عذر کے، بغیر کسی سبب کے تو بھی امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز یہ کافی ہو جائے گی یعنی یہ اس طرح پڑھنا اس کے لیے جائز ہے، البتہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے بھائی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھے گا تو اس کی نماز ہی جائز نہیں بھائی۔

وَمَنْ صَلَّى فِي السَّفِينَةِ قَاعِدًا اور جس نے نماز پڑھی کشتی کے اندر بیٹھ کر مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ بغیر کسی سبب کے أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تو یہ کافی ہو گی اس کے لیے امام صاحب کے نزدیک وَالْقِيَامُ أَفْضَلُ اور قیام کیا ہے، کھڑے ہونا اس کے لیے افضل ہے۔ وَقَالَا اور صاحبین فرماتے ہیں لَا يُجْزِيهِ یہ اس کے لیے کافی نہیں إِلَّا مِنْ عُذْرٍ مگر کسی عذر، کوئی عذر ہو پھر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، ویسے بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ نفلوں کی بات نہیں ہو رہی، فرض کی بات ہو رہی ہے۔ تو اس میں قیام وہ فرماتے ہیں فرض ہے، بغیر عذر کے قیام جو ہے اس سے ساقط نہیں ہو گا۔

جی تو دلیل آگے ان کی صاحبین کی، کہتے ہیں لِأَنَّ الْقِيَامَ مَقْدُورٌ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ قیام جو ہے وہ اس کی قدرت میں ہے، وہ قیام پر قادر ہے فَلَا يُتْرَكُ لہٰذا اس کو چھوڑا نہیں جائے گا۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: أَنَّ الْغَالِبَ فِيهَا دَوَرَانُ الرَّأْسِ کہ غالب جو ہے کشتی کے اندر وہ سر کا چکرانا ہے۔ عموماً کشتی میں کیا ہے؟ سر چکراتا ہے۔ وَهُوَ كَالْمُتَحَقَّقِ، اور غالب چیز کس کی طرح ہے؟ متحقق، جو پائی جائے، جو ثابت ہو بھائی۔ تو کشتی میں غالباً سر چکراتا ہے اور غالب چیز کس کی طرح شمار کی جاتی ہے؟ ثابت شدہ چیز کی طرح کہ گویا ثابت ہی ہے۔ اور جب ثابت ہے یعنی جب حقیقتاً کسی کا سر چکرا رہا ہو تو پھر اس صورت میں تو بالاتفاق اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ تو یہاں بھی دورانِ سر چونکہ غالب ہوتا ہے تو یہ یقینی چیز کی طرح ہوا اور یقینی اس وجہ سے وہ بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔

إِلَّا أَنَّ الْقِيَامَ أَفْضَلُ؛ مگر یہ کہ اس کے لیے قیام افضل ہے لِأَنَّهُ أَبْعَدُ عَنْ شُبْهَةِ الْخِلَافِ، اس لیے کیونکہ یہ زیادہ دور ہے اختلاف کے شبہے سے، کیونکہ یہ زیادہ دور ہے اختلاف۔ بھائی دیکھیے! اگر کھڑے ہو کر پڑھے گا تو فرماتے ہیں یہ افضل ہے کیونکہ اس صورت میں اختلاف کے شبہے سے بچ جائے گا۔ کس سے؟ اختلاف۔ کیونکہ اختلاف آیا یا نہیں آیا فقہاء کا؟ تو بیٹھ کر پڑھنا امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں جائز۔ تو کھڑے ہو کر پڑھے گا تو پھر تو اختلاف سے بچ جائے گا بھائی، پھر تو بالاتفاق سب کے نزدیک ہی صحیح ہو جائے گی۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ أَبْعَدُ عَنْ شُبْهَةِ الْخِلَافِ اس لیے کیونکہ یہ زیادہ دور ہے اختلاف کے شبہے سے۔

وَالْخُرُوجُ أَفْضَلُ، خروج سے مراد ہے کشتی سے نکلنا، اور کشتی سے نکلنا اس کے لیے افضل ہے یعنی اگر اس کے لیے ممکن ہو تو کنارے پر اتر کر، نکل کر پھر کیا کرنی چاہیے اس کو؟ نماز پڑھنی چاہیے۔ تو کہتے ہیں **وَالْخُرُوجُ أَفْضَلُ مَا أَمْكَنَهُ** اور نکلنا اس کے لیے افضل ہے جس قدر اس کے لیے ممکن ہو سکے **لِأَنَّهُ أَسْكَنُ لِقَلْبِهِ،** اس لیے کیونکہ یہ زیادہ اطمینان بخش ہے اس کے دل کے لیے، اس میں اس کے دل کا زیادہ اطمینان ہے، اطمینان سے نماز ادا کرلے گا بھائی۔

وَالْخِلَافُ فِي غَيْرِ الْمَرْبُوطَةِ، اور اختلاف اس کشتی کے اندر ہے جو بندھی ہوئی نہ ہو۔ مربوط، باندھی ہوئی۔ وہ کشتی، ایک بھائی کشتی کنارے پر باندھی ہوئی ہے اور ایک دریا میں چل رہی ہے، تو کون سی یہ اختلاف کس صورت میں ہے؟ جو غیر مربوطہ ہے جو باندھی ہوئی کنارے پر نہیں ہے بلکہ دریا میں چل رہی ہے۔

وَالْمَرْبُوطَةُ كَالشَّطِّ، شط کہتے ہیں دریا کے کنارے کو بھائی، طاء مشدد ہے شطّ۔ **وَالْمَرْبُوطَةُ كَالشَّطِّ** اور باندھی ہوئی کشتی جو ہے وہ دریا کے کنارے کی طرح ہے۔ کس کی طرح؟ دریا کے کنارے۔ یعنی جیسے دریا کے کنارے پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں بغیر عذر کے، اسی طرح جو کشتی باندھی ہوئی ہے اس میں بھی بیٹھ کر بغیر عذر کے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے۔

وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسُ صَلَوَاتٍ أَوْ دُونَهَا قَضَى، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يَقْضِ. وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اور جس پر بے ہوشی طاری ہوئی پانچ نمازوں تک **أَوْ دُونَهَا** یا اس سے کم **قَضَى** تو کیا کرے گا ان نمازوں کی؟ قضا کرے گا۔ **وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يَقْضِ** اور اگر اس سے زیادہ بے ہوشی طاری ہوئی، اس سے زیادہ وقت گزرا بے ہوشی میں تو **لَمْ يَقْضِ** پھر قضا نہیں کرے گا بھائی۔

وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، اور یہ استحسان ہے بھائی، استحسان۔ تو یہاں آپ کو انہوں نے مسئلہ بتلا دیا کہ جس پر پانچ نمازوں تک یا اس سے کم بے ہوشی طاری ہوئی تو وہ ان نمازوں کی قضا کرے گا جب اسے ہوش آجائے اور اگر اس سے زیادہ وہ بے ہوش رہا تو پھر اس صورت میں اس پر ان کی قضا بھی نہیں اور یہ استحساناً یہ حکم دیا گیا کہ ان کی قضا کرے گا اگر کم ہوئیں، زیادہ ہوئیں پھر قضا نہیں کرے گا۔

سمجھ میں، تو یہاں بھائی استحسان آیا، استحسان۔ تو معلوم ہوا اس کے مقابلے میں کیا ہوگا؟ قیاس، کیونکہ استحسان کہتے ہی اس دلیل کو ہیں جس کے مقابلے میں قیاس ہو۔ تو کہتے ہیں **وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ** اور یہ استحسان ہے، استحساناً یہ حکم دیا گیا ورنہ اس کے مقابلے میں قیاس ہے اور قیاس تو یہ کہتا ہے کہ اس پر قضا ہونی ہی نہیں چاہیے جب وہ بے ہوشی ایک پوری نماز کے وقت کا احاطہ کرلے۔ تو پھر تو اس پر قضا ہونی ہی نہیں چاہیے کیونکہ اس کا عجز پایا گیا، یہ سارا وقت بے ہوش رہا مثلاً ظہر کے وقت سے پہلے بے ہوش ہوا ہے اور عصر تک بے ہوش ہے تو سارا وقت کس میں گزر گیا؟ بے ہوشی میں گزر گیا، تو اس دوران تو یہ نماز کے ادا کرنے سے عاجز ہے بھائی، نماز ادا کر ہی نہیں سکتا، بے ہوش ہے تو اس پر یہ نماز واجب بھی نہیں ہونی چاہیے لیکن استحساناً کیا کہا جائے گا کہ اس پر قضا واجب ہے، قضا ضروری ہے، یہ قضا کرے گا اگر پانچ نمازوں تک یا اس سے کم بے ہوش رہا۔

تو کہتے ہیں **وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ** یہ استحسان ہے، **وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ إِذَا اسْتَوْعَبَ الْإِغْمَاءُ وَقْتَ صَلَاةٍ كَامِلٍ** اور قیاس تو یہ ہے کہ اس پر قضا نہیں ہونی چاہیے جب گھیر لے، **اسْتَوْعَبَ يَسْتَوْعِبُ** کا معنی گھیر لینا، احاطہ کر لینا، جب احاطہ کرلے **الْإِغْمَاءُ** بے ہوشی **وَقْتَ صَلَاةٍ كَامِلٍ** پورے نماز کے وقت کا۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ جب بے ہوشی پورے نماز کے وقت کا احاطہ کرلے تو اس پر قضا نہیں ہونی چاہیے **لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ** عجز کے پائے جانے کی وجہ سے کیونکہ یہ شخص کیا ہے نماز کی ادائیگی سے عاجز ہے، نیز اس کی طرف خطاب بھی متوجہ نہیں، خطاب کو یہ سننے کی اس میں اہلیت نہیں ہے بھائی، جو خطاب اللہ کی طرف سے ہوا **أَقِيمُوا الصَّلَاةَ** کیا کرو تم لوگ؟ نماز قائم کرو، تو اللہ کا یہ حکم اس کی طرف متوجہ نہیں کیونکہ وہ بے ہوش ہے بھائی، بے ہوش ہے تو عاجز ہے۔

فَأَشْبَهَ الْجُنُونَ، یہ **فشبہ،** بھائی یاد رکھیے یہ **فَأَشْبَهَ** ہے، **أَشْبَهَ۔** سمجھ میں آیا بھائی؟ **أَشْبَهَ۔** ہدایہ کے دیگر نسخوں میں **أَشْبَهَ** کا لفظ موجود ہے اور **شَبِهَ** اس لیے نہیں کیونکہ یہ جو **شَبِهَ** یہ باب مجرد سے استعمال ہی نہیں، مزید فیہ وغیرہ سے استعمال ہوتا ہے، مجرد سے یہ باب استعمال نہیں ہوتا، آپ لغت اٹھا کر دیکھیں گے اس میں آپ کو یہ مجرد کا باب نہیں ملے گا ہاں مزید فیہ وغیرہ کے ملیں گے، **أَشْبَهَ يا شَبَّهَ يا شَابَهَ** وغیرہ یہ صیغے ملیں گے۔ **فَأَشْبَهَ الْجُنُونَ** تو یہ جنون کے مشابہ ہوا، تو یہ کس کے مشابہ ہوا؟ جنون کے مشابہ ہوا اور جنون جب پورے وقت کا احاطہ کرلے تو نماز واجب نہیں ہوتی۔ جنون کیا کرلے؟ ایک شخص پر جنون آیا، پاگل پن کا دورہ آیا اب وہ تو بیچارہ معذور ہو گیا اور پورے وقت رہا یعنی ظہر سے پہلے شروع ہوا اور عصر تک رہا تو پورے ظہر کے وقت کا اس جنون نے احاطہ کر لیا تو اس پر اس ظہر کی نماز کی قضا نہیں۔ اور تو یہ جو بے ہوشی بھی ہے یہ کس کے مشابہ ہوئی؟ جنون کے، اور جنون کے اندر تو قضا نہیں آتی لہٰذا یہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اس بے ہوشی کے اندر بھی قضا نہیں آنی چاہیے، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو استحساناً لیکن یہ استحساناً یہ حکم دیا گیا کہ پانچ یا اس سے کم نمازیں بے ہوش رہا تو قضا کرنا پڑے گی بھائی ورنہ قیاس تو یہ تقاضا کر رہا تھا اس پر قضا نہیں ہونی چاہیے۔ آگے استحسان کی وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں۔

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ: استحسان کی وجہ یہ ہے: **أَنَّ الْمُدَّةَ إِذَا طَالَتْ كَثُرَتِ الْفَوَائِتُ** کہ مدت جب لمبی ہو جائے تو **كَثُرَتِ الْفَوَائِتُ** تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جاتی ہیں۔ جب مدت کیا ہو؟ طویل ہو جائے، لمبی ہو جائے یعنی زیادہ دیر تک بے ہوشی رہی یعنی ایک دن رات سے زیادہ تو **كَثُرَتِ الْفَوَائِتُ** تو فوت شدہ

نمازیں کثیر ہو جائیں گی **فَيَحْرُجُ فِي الْأَدَاءِ** تو حرج ہو گا ادا کے اندر، اب دشواری ہو گی، تنگی ہو گی ادا کے اندر اور آپ پڑھ چکے کہ شریعت کے اندر تنگی نہیں، تنگی کو اور حرج کو دور کیا گیا ہے لوگوں سے۔ جب نمازیں کثیر ہو، مدت لمبی ہو جائے گی تو **كَثُرَتِ الْفَوَائِتُ** تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں گی **فَيَحْرُجُ فِي الْأَدَاءِ** تو حرج ہو گا ادا کے اندر، تنگی ہو گی ادا میں، **وَإِذَا قَصُرَتْ** اور جب مدت تھوڑی ہو گی **قَلَّتْ** تو فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں گی **فَلَا حَرَجَ** پھر ادائیگی میں کوئی حرج نہیں۔

بھائی اگر مدت لمبی ہو، ایک دن رات سے زیادہ بے ہوش رہا تو فوت شدہ نمازیں زیادہ ہو جائیں گی اور ان کی ادائیگی دشوار ہو گی، حرج ہو گا اس میں، تو اور حرج کو شریعت میں دور کیا گیا ہے لہٰذا اس پر ان کی قضا نہیں، لیکن اگر ایک دن رات سے کم بے ہوش رہا تو پھر تو تھوڑی سی نمازیں ہیں، پھر ان کی ادائیگی میں کوئی دشواری نہیں تو بے شک یہ بے ہوش ہے لیکن ان کی ادائیگی میں کوئی دشواری نہیں، تین ہوں گی یا چار ہوں گی یا زیادہ سے زیادہ پانچ نمازیں ہوں گی تو ان کی قضا کرنا کوئی مشکل کام نہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو ان کی قضا اس کے ذمے ہو گی۔ یہ معنی ہے **وَإِذَا قَصُرَتْ قَلَّتْ** اور جب وہ مدت چھوٹی ہو تو **قَلَّتْ** فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں گی **فَلَا حَرَجَ** تو پھر کوئی حرج نہیں۔

اور کثیر، کثیر کب ہوں گی؟ کہتے ہیں: **وَالْكَثِيرُ أَنْ تَزِيدَ عَلَى يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ** اور کثیر وہ ہیں کہ وہ بڑھ جائیں نمازیں کس پر؟ ایک دن اور ایک رات۔ یا وہ یوں کہیں وہ بے ہوشی بڑھ جائے ایک دن اور ایک رات پر **لِأَنَّهُ يَدْخُلُ فِي حَدِّ التَّكْرَارِ** اس لیے کیونکہ وہ نمازیں کس میں داخل ہو جائیں گی؟ حدِ تکرار میں داخل ہو جائیں گی کیونکہ پھر تو نمازیں چھ ہو جائیں گی اور چھ، نمازیں تو کل کتنی ہیں ایک دن رات میں؟ پانچ، تو جب چھ ہوئیں تو کسی ایک نماز میں تکرار آ جائے گا، وہ دو دفعہ ہو جائے گی تو نمازیں کیا ہو گئیں؟ کثیر ہو جائیں گی۔ تو کثیر یہ ہے کہ وہ بڑھ جائیں بھائی ایک دن اور ایک رات پر اس لیے کیونکہ وہ حدِ تکرار میں داخل ہو جائیں گی۔

وَالْجُنُونُ كَالْإِغْمَاءِ اور جنون بے ہوشی کی طرح ہے۔ یہ جواب ہے وہ جو اوپر قیاس کیا گیا تھا اغماء کو جنون پر۔ اوپر قیاس کیا ذکر ہوا تھا؟ کہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کوئی ایک نماز، پوری نماز کا وقت بے ہوش رہے تو اس پر اس نماز کی قضا نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ شخص عاجز ہے، یہ کیا ہے؟ یہ جو بے ہوش تھا یہ عاجز تھا اس دوران نماز کے ادا کرنے پر قادر ہی نہیں تھا۔ تو بے ہوشی کس کے مشابہ ہوئی؟ جنون کے مشابہ ہو گئی اور جنون جو ہے وہ ایک پورے وقت کا احاطہ کر لے تو اس میں قضا نہیں آتی۔

تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھائی، یہ جو قیاس تھا نا یہ دوسری روایت پر مبنی ہے وہ جو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جنون ایک وقت کے پورا احاطہ کر لے تو اس نماز کی اس شخص پر قضا نہیں، یہ ایک روایت تھی۔ اس کا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں نہیں بھائی، اغماء کو جنون پر قیاس نہیں کریں گے بلکہ جنون کو کس پر قیاس کریں گے؟ اغماء پر۔ جنون کو قیاس کریں گے اغماء پر اور اغماء کے اندر جیسے پانچ نمازیں یا اس سے کم ہوں تو اس میں کیا کرنا پڑتی ہے؟ قضا کرنا پڑتی ہے تو جنون کا بھی یہی حکم ہے کہ پانچ نمازیں یا اس سے کم جنون کے اندر گزری ہیں پھر افاقہ ہو گیا آدمی ٹھیک ہو گیا تو کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی اور اگر اس سے زیادہ جنون رہا تو پھر ان کی قضا نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو انہوں نے کیا کیا تھا؟ وہاں پر قیاس میں اغماء کو قیاس کیا تھا جنون پر اس روایت پر کہ جنون جب ایک وقت کی نماز کا احاطہ کر لے تو اس میں قضا نہیں۔ تو انہوں نے صحیح قول آپ کو آگے صاحب ہدایہ نے بتلایا نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ اغماء کو جنون پر قیاس نہیں کریں گے بلکہ جنون کو کس پر قیاس کریں گے؟ اغماء پر قیاس کریں گے اور جنون کے اندر بھی یہی حکم ہو گا کہ پانچ نمازوں سے کم میں ہے تو یا پانچ کے برابر ہے تو پھر قضا کرنا پڑے گی، یہ نہیں کہ ایک وقت کا پورا کا احاطہ کر لے تو پھر اس کی قضا ہی نہ ہو، ایسا نہیں ہے۔

یہ معنی ہے **وَالْجُنُونُ كَالْإِغْمَاءِ** اور جنون جو ہے بے ہوشی کی طرح ہے **كَذَا ذَكَرَهُ أَبُو سُلَيْمَانَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى** صاحب ہدایہ حوالہ بھی دے رہے ہیں کہ اسی طرح ذکر کیا ہے ابو سلیمان جوزجانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے، یہ شاگرد ہیں امام محمد رحمہ اللہ کے بھائی، تو انہوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے کہ جنون کس کی طرح ہے؟ بے ہوشی کی طرح ہے، اس پر قیاس کیا جائے گا۔

بِخِلَافِ النَّوْمِ بخلاف کس کے؟ نیند کے کہ نیند کو بھائی کس کے ساتھ ملحق کریں گے؟ اگر ایک آدمی بھائی چوبیس گھنٹے سے زیادہ سویا ہی رہا تو یہ شخص بھی عاجز ہے، یہ شخص بھی کیا ہے؟ سویا رہا بھائی، پتہ ہی نہیں چلا، غفلت میں تھا تو اس پر بھی کیا نمازوں کی قضا آئے گی یا قضا نہیں آئے گی؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھائی، نیند کو اس اغماء پر قیاس نہیں کریں گے، اس لیے کیونکہ اتنی طویل نیند نہایت نادر ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اتنی دیر تک چوبیس گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ سویا رہے اور تو یہ نادر چیز ہے اور نادر چیز پر شرعی حکم مرتب نہیں ہوتا بھائی، لہٰذا اگر کبھی ایسا ہوتا بھی ہے تو بھی اس کو کیا کرنا پڑیں گی نمازیں؟ قضا کرنا پڑیں گی چاہے اس سے زیادہ ہی کیوں نہ سویا رہے بھائی، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

کہتے ہیں **بِخِلَافِ النَّوْمِ** بخلاف نیند کے **لِأَنَّ امْتِدَادَهُ نَادِرٌ** اس لیے کیونکہ نیند کا لمبا ہونا نادر ہے **فَيُلْحَقُ بِالْقَاصِرِ** تو اس کو قاصر کے ساتھ ملایا جائے گا۔ بھائی اغماء دو قسم کا تھا نا، ایک اغماء ہے ممتد لمبا یعنی چوبیس گھنٹے سے بھی زیادہ بے ہوش رہا اور ایک اغماء ہے قاصر، چھوٹ اس سے کم بے ہوش رہا یعنی پانچ نمازیں یا اس سے کم بے ہوش رہا، چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ بے ہوش نہ رہا۔ چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ بے ہوش رہے وہ کیا ہے؟ اغماءِ ممتد، اور اس میں کیا ہوتی ہے؟ قضا ساقط، قضا

نہیں ہوتی، نماز واجب ہی نہیں ہوتی اس پر، قضا اس میں نہیں آتی۔ اور دوسری قسم ہے کہ پانچ نمازیں یا اس سے کم بے ہوش رہا یہ ہے اغماءِ قاصر، تو لہٰذا نیند کو اغماءِ قاصر کے ساتھ ملایا جائے گا کیونکہ لمبی نیند کا ہونا نہایت نادر ہے۔ اور جب اغماءِ قاصر کے ساتھ اس کو ملایا جائے گا تو اغماءِ قاصر کا کیا حکم تھا؟ اس میں قضا آتی تھی یا نہیں؟ اس میں قضا آتی تھی، تو اس میں بھی قضا آئے گی چاہے یہ لمبی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ معنی ہے **لِأَنَّ امْتِدَادَهُ نَادِرٌ** اس لیے کیونکہ نیند کا لمبا ہونا نادر ہے **فَيُلْحَقُ بِالْقَاصِرِ** تو اس کو قاصر یعنی اغماءِ قاصر کے ساتھ ملایا جائے گا۔

ثُمَّ الزِّيَادَةُ تُعْتَبَرُ مِنْ حَيْثُ الْأَوْقَاتِ، اچھا بھائی! یہاں سے اب آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ کس چیز کا اعتبار کیا جائے گا؟ آپ نے ہمیں کہا ایک دن رات کا ذکر کیا تو کیا گھنٹوں کا حساب رکھا جائے گا بے ہوشی کے اندر؟ کوئی شخص چوبیس گھنٹے پورے یا اس سے زیادہ بے ہوش رہا تو پھر اس سے قضا ساقط ہو گی یا چھ نمازیں جب اس پر آجائیں گی تو تب اس پر قضا ساقط ہو گی؟ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نمازوں کے اوقات کے اعتبار سے دیکھا جائے گا۔ جب اس پر چھ نمازیں اس کے ذمے قضا ہو جائیں یعنی چھٹی نماز کا وقت بے ہوشی کی حالت میں گزرے گا تو اب اس پر چھ نمازیں آئیں گی، اب نمازیں کثیر ہو گئیں، حدِ تکرار میں داخل ہو گئیں، اب اس سے قضا ساقط ہو جائے گی۔ معلوم ہوا، آج ظہر سے پہلے کوئی بے ہوش ہوا تو امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اگلے دن ظہر سے پہلے تک یہ ابھی کتنی نمازیں ہوئی ہیں اس کے ذمے؟ پانچ ہی ہوئی ہیں، تو پھر پورا ظہر کا وقت بھی اسی حالت میں گزر گیا اور عصر کے وقت جا کر اس کو ہوش آتا ہے تو اب چھ، چھٹی نماز کا وقت بھی نکلا، اب اس کے ذمے سے قضا ساقط ہو گئی۔

جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، گھنٹوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ آج مثلاً اگر کوئی دوپہر کے وقت بے ہوش ہوا اور اگلے دن دوپہر تک وہ بے ہوش رہا تو اس سے نمازیں ساقط ہو جائیں گی، چھٹی نماز کا یعنی یوں کہیں نمازوں کے اوقات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ جبکہ ایک دن رات سے بس زیادہ ہو جائے چاہے چھٹی نماز کا ابھی وقت پورا نہ گزرا ہو۔

تو کہتے ہیں **ثُمَّ الزِّيَادَةُ تُعْتَبَرُ مِنْ حَيْثُ الْأَوْقَاتِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ** پھر زیادتی جو ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا نمازوں کے اوقات کے حیثیت سے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک **لِأَنَّ التَّكْرَارَ يَتَحَقَّقُ بِهِ** کیونکہ تکرار اسی سے پایا جائے گا۔ کس اعتبار سے آئے گا تکرار؟ نمازوں کے اوقات کے اعتبار سے جب چھٹی نماز کا وقت گزرے گا۔ **وَعِنْدَهُمَا** اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک **مِنْ حَيْثُ السَّاعَاتِ**، زیادتی کا اعتبار کس حیثیت سے کیا جائے گا؟ گھنٹوں کی حیثیت سے یعنی چوبیس گھنٹے دیکھے جائیں گے۔ **وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ** اور یہی منقول ہے حضرت علی اور حضرت عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔ **وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ** اور اللہ خوب جاننے والے ہیں درست بات کو۔

بَابُ فِي سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ یہ باب ہے سجدۂ تلاوت کے بیان میں۔ جی، آپ جانتے ہیں بھائی قرآن میں، قرآن میں کئی جگہوں پر سجدۂ تلاوت ہے اور ان آیتوں کو اگر کوئی پڑھ لے، ان کی تلاوت کر لے تو اس پر کیا واجب ہو جاتا ہے؟ سجدۂ تلاوت، اسے سجدہ کرنا پڑتا ہے بھائی۔ تو اس باب میں اس کی تفصیل بیان ہو گی۔

بَابُ فِي سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ یہ باب ہے سجدۂ تلاوت کے بیان میں۔ **قَالَ** صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **سُجُودُ التِّلَاوَةِ فِي الْقُرْآنِ أَرْبَعَةَ عَشَرَ** کہ سجدۂ تلاوت جو ہیں قرآن میں چودہ ہیں۔ اب وہ جگہیں بیان کر رہے ہیں کہاں کہاں پر ہیں، کہتے ہیں: **فِي آخِرِ الْأَعْرَافِ** سورۂ اعراف کے آخر میں، **وَفِي الرَّعْدِ** اور سورۂ رعد میں، **وَالنَّحْلِ** اور سورۂ نحل میں، **وَبَنِي إِسْرَائِيلَ** اور سورۂ بنی اسرائیل میں، **وَمَرْيَمَ** اور سورۂ مریم میں، **وَالْأُولَى مِنَ الْحَجِّ** اور جو پہلا ہے کس میں؟ سورۂ حج میں۔ یاد رکھیے سورۂ حج کے اندر، سورۂ حج کے اندر امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک دو سجدے ہیں، دو سجدے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک، **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** جو ہے اس میں ایک سجدہ ہے وہ جو پہلے مقام پر آیا اور جو دوسرا سجدہ ہے ہم کہتے ہیں کہ اس سے نماز مراد ہے، کیا مراد ہے؟ نماز مراد ہے کیونکہ وہاں سجدے کے ساتھ ساتھ رکوع کا بھی ذکر ہے اور سجدے کے ساتھ رکوع کا ذکر ہو تو اس سے کیا مراد ہوتی ہے؟ نماز مراد ہوتی ہے تو وہ وہاں سجدہ نہیں ہے بلکہ وہ نماز کا ذکر ہو رہا ہے وہاں پر۔ تو اسی لیے کہا **وَالْأُولَى مِنَ الْحَجِّ** اور جو پہلا سجدہ ہے سورۂ حج میں سے، **وَالْفُرْقَانِ** اور ایک سجدہ کس میں ہے؟ سورۂ فرقان میں ہے، **وَالنَّمْلِ** اور سورۂ نمل میں، وَالم **تَنْزِيلَ** اور سورۂ الم تنزیل میں، وَص اور سورۂ ص میں، وَحم **السَّجْدَةِ** اور حم سجدہ کے اندر، **وَالنَّجْمِ** اور سورۂ النجم میں، **وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ** اور سورۂ اذا السماء انشقت میں، **وَاقْرَأْ** اور سورۂ اقرأ میں بھائی۔ تو یہ چودہ مقامات پر سجدے ہیں بھائی **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** بھائی۔

كَذَا كُتِبَ فِي مُصْحَفِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اسی طرح مکتوب ہے مصحفِ عثمان میں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآنِ مجید کا جو نسخہ تیار کروا کر تمام مملکت میں اس کو اس کے نقلوں کو بھیجا گیا تو اس میں اسی طرح درج ہے بھائی۔ **وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ** اور اسی پر اعتماد ہے، وہی معتمد ہے۔ **وَالسَّجْدَةُ الثَّانِيَةُ فِي الْحَجِّ لِلصَّلَاةِ عِنْدَنَا** اور دوسرا سجدہ جو ہے سورۂ حج میں وہ کس کے لیے ہے؟ نماز کے لیے ہے یعنی اس سے نماز مراد ہے وہاں سجدہ نہیں ہے۔

وَمَوْضِعُ السَّجْدَةِ فِي حم السَّجْدَةِ عِنْدَ قَوْلِهِ لَا يَسْأَمُونَ فِي قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَهُوَ الْمَأْخُوذُ لِلِاحْتِيَاطِ اور سجدے کا مقام حم السجدہ کے اندر وہ اللہ تعالیٰ کے قول لَا **يَسْأَمُونَ** پر کے پر ہے بھائی۔ اس وقت، اس پر کیا کیا جائے گا؟ سجدہ کیا جائے گا۔ **فِي قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق، **وَهُوَ الْمَأْخُوذُ لِلِاحْتِيَاطِ** اور اسی کو لیا گیا بطورِ احتیاط کے، اسی کو لیا گیا اسی قول کو لیا گیا بطورِ احتیاط کے۔

بھائی یاد رکھیے یہ حم السجدہ کے اندر دو روایتیں ہیں، دو روایتیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ لَا يَسْأَمُونَ پر سجدہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے ماقبل کی جو آیت ہے اس کے آخر میں ہے وَإِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ یہاں پر سجدہ ہے بھائی، یہاں پر سجدہ۔ تو ہم نے احناف نے، احناف ہمیشہ احتیاط والی صورت ہی اختیار کرتے ہیں تو ہم نے اس قول کو اختیار کیا جو کہ یہ جو بعد والی آیت میں ہے اس سے سجدہ واجب ہو اور اس قول میں احتیاط زیادہ ہے، اس میں کیا ہے؟ احتیاط۔ آپ کہیں گے اس میں احتیاط کس طرح زیادہ؟ بھائی دیکھیے! اگر یہ کہا جائے، یہ کہا جائے کہ ماقبل کی جو آیت ہے، ما قبل کی جو آیت ہے اس وہ آیتِ سجدہ ہے اور اس سے کیا واجب ہو گا؟ سجدہ۔ یہ اگر کہا جائے اس قول کو اختیار کر لیا جائے اور حقیقت ایسی ہو کہ سجدہ کس سے آ رہا ہو؟ بعد والی آیت سے، تو پہلے والی آیت پڑھ کر ہی کوئی سجدہ کر لیتا ہے اور حقیقت میں تو سجدہ کہاں تھا؟ بعد میں تھا، تو یہ سجدہ ادا ہو جائے گا؟ نہیں، کیونکہ سجدہ تو واجب ہوتا ہے آیتِ سجدہ پڑھنے سے اور آیتِ سجدہ تو ابھی آگے آ رہی تھی، وہ تو ابھی پڑھی ہی نہیں ہے، اس سے پہلے ہی سجدہ کر لیا اور اس سے پہلے تو سجدہ نہیں کیونکہ آیتِ سجدہ اس کا پڑھنا یہ ہے سبب اور سجدہ کیا ہے؟ اس کا حکم ہے، سجدہ اس کا حکم۔ اور سبب پایا جائے تو پھر حکم پایا جاتا ہے، سبب سے پہلے حکم نہیں۔ ظہر کی نماز آپ ابھی پڑھنا چاہیں ظہر سے پہلے ہی، پڑھ سکتے ہیں؟ نہیں، کیونکہ ظہر کی نماز کا سبب کیا ہے؟ ظہر کا وقت۔ وقت آئے گا تو حکم بھی آ جائے گا، نماز واجب ہو جائے گی، پھر پڑھیں گے تو ہو گی، اس سے پہلے نہیں۔ تو یہاں پر بھی اگر اس قول کو اختیار کر لیا جائے کہ پہلے والی جو آیت ہے اس سے کیا واجب ہوتا ہے؟ سجدہ، اور اس پر پھر کوئی سجدہ کر لیتا ہے اور حقیقت میں ایسا ہو کہ سجدہ کس سے ہو؟ بعد والی آیت سے، تو پھر وہ سجدہ ادا نہیں ہوا، وہ سجدہ رہ گیا اس کے ذمے۔

اور اگر دوسرے قول کو اختیار کیا جائے کہ کس سے سجدہ کس سے واجب ہو رہا ہے؟ بعد والی آیت سے، اور حقیقت میں ایسا ہو کہ سجدہ کس سے واجب ہو رہا ہے؟ پہلی آیت سے، تو پہلی آیت سے سجدہ واجب ہو چکا، اب اگر ایک آیت کے بعد بھی کر لے گا تو ہو جائے گا یا نہیں ہو گا؟ وہ تو ہو جائے گا۔ تو احتیاط کس صورت میں ہے؟ بعد والے آیت پر کہ اس کو آیتِ سجدہ قرار دیا جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے کہ سجدے کا مقام حم السجدہ میں اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَسْأَمُونَ پر ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق وَهُوَ الْمَأْخُوذُ لِلِاحْتِيَاطِ اور اسی کو لیا گیا بطورِ احتیاط کے۔

وَالسَّجْدَةُ وَاجِبَةٌ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ عَلَى التَّالِي وَالسَّامِعِ سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْآنِ أَوْ لَمْ يَقْصِدْ، اور سجدہ واجب ہو گا ان جگہوں میں عَلَى التَّالِي تلاوت کرنے والے پر وَالسَّامِعِ اور سننے والے پر۔ سجدہ صرف تلاوت کرنے والے پر نہیں واجب بلکہ سننے والے پر بھی واجب ہے جو آیتِ سجدہ کو سن لیتا ہے۔ سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْآنِ أَوْ لَمْ يَقْصِدْ برابر ہے کہ اس نے چاہے قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو، جیسے بھی ہو لیکن جب سن لے گا تو اس پر آیتِ سجدہ کو سن لے گا تو سجدہ واجب ہو جائے گا۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا وَعَلَى مَنْ تَلَاهَا» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے: «السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا وَعَلَى مَنْ تَلَاهَا» سجدہ واجب ہے اس شخص پر جس نے آیتِ سجدہ کو سنا اور اس شخص پر جس نے اس کی تلاوت کی، سجدہ لازم ہے۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ یہاں کیا آیا؟ عَلَى، عَلَى۔ اور عَلَى کس لیے آتا ہے؟ لزوم کے لیے آتا ہے، ایک شخص پر دوسری چیز کو لازم کرنے کے لیے آتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: الْمَالُ عَلَى زَيْدٍ یہ مال کس پر لازم ہے؟ زید پر، تو عَلَى استعمال کرتے ہیں اس موقع پر۔ تو وَهِيَ كَلِمَةُ إِيجَابٍ اور یہ عَلَى جو ہے یہ کلمۂ ایجاب ہے یعنی واجب کرنے والا کرنے کا کلمہ ہے وَهُوَ غَيْرُ مُقَيَّدٍ بِالْقَصْدِ اور یہ ارادے کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ بھائی دیکھیے! حدیث میں کیا آیا: «السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا» یہاں کوئی ارادہ، ارادے یا غیر ارادے کی بات ذکر ہے؟ یہاں ارادے کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی، معلوم ہوا سن لے گا تو سجدہ واجب ہو جائے گا چاہے اس کے سننے کا ارادہ ہو یا ارادہ نہ ہو بھائی۔

وَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَهَا الْمَأْمُومُ مَعَهُ، اور جب تلاوت کر لے امام آیتِ سجدہ کو تو سجدہ کرے وَسَجَدَهَا الْمَأْمُومُ مَعَهُ اور سجدہ کرے مقتدی بھی اس کے ساتھ، مقتدی بھی سجدہ اس کے ساتھ کرے لِالْتِزَامِهِ مُتَابَعَتَهُ، اس لیے کیونکہ اس مقتدی نے التزام کیا ہے اس امام کی متابعت کا، اس نے اپنے اوپر لازم کیا ہے اس کی متابعت کو کہ وہ کیا کرے گا؟ اس کی پیروی کرے گا بھائی۔

وَإِذَا تَلَا الْمَأْمُومُ لَمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ وَلَا الْمَأْمُومُ فِي الصَّلَاةِ، اچھا بھائی! یہ مسئلہ تو بتلا دیا آپ کو: امام آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو جب امام سجدہ کرے گا تو مقتدی کو بھی کیا کرنا پڑے گا؟ سجدہ کرنا پڑے گا۔ اگر اس کا عکس ہو، مقتدی نے آیتِ سجدہ تلاوت کر لی نماز میں تو یاد رکھیے کہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں سجدہ نہیں کریں گے اور نماز کے بعد بھی ان کے ذمے سجدہ نہیں، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں تو سجدہ نہیں کریں گے لیکن نماز کے بعد کیا کرنا پڑے گا؟ سجدہ کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ دلائل آگے آ رہے ہیں بھائی۔

وَإِذَا تَلَا الْمَأْمُومُ اور جب مقتدی تلاوت کر لے لَمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ وَلَا الْمَأْمُومُ فِي الصَّلَاةِ تو سجدہ نہیں کرے گا امام اور نہ مقتدی نماز میں وَلَا بَعْدَ الْفَرَاغِ اور نہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَسْجُدُونَهَا إِذَا فَرَغُوا کہ وہ سجدہ کریں گے جب نماز سے فارغ ہو جائیں لِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَقَرَّرَ اس لیے کیونکہ سبب جو ہے وہ ثابت ہو چکا ہے، وہ پایا گیا ہے۔ سبب پایا گیا ہے آیتِ سجدہ کے وجوب کا۔ کس چیز کا؟ کیا سبب پایا گیا؟ تلاوت، تلاوت اور تلاوت کس نے کی ہے؟ تلاوت تو ایک نے کی ہے اور باقیوں کے حق میں کیا پایا گیا؟ سماع، سننا پایا گیا تو سبب پایا گیا ہے لہٰذا ان پر سجدہ واجب ہے اور نماز کے بعد کریں گے۔ تو وہ فارغ ہو جائیں تو وہ سب سجدہ کریں

گے **لِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَقَرَّرَ** اس لیے کیونکہ سبب تحقیق پایا گیا ہے **وَلَا مَانِعَ بِخِلَافِ حَالَةِ الصَّلَاةِ** اور کوئی مانع بھی نہیں ہے یعنی جب نماز سے فارغ ہو چکے ہیں اب سجدہ کرنے میں کوئی مانع بھی نہیں ہے۔ **بِخِلَافِ حَالَةِ الصَّلَاةِ** بخلاف نماز کی حالت کے **لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى خِلَافِ وَضْعِ الْإِمَامَةِ أَوِ التِّلَاوَةِ** بخلاف نماز کی حالت کے کیونکہ وہ پہنچانے والا ہے وضعِ امامت کے خلاف یا وضعِ تلاوت کے خلاف کو۔

اگر نماز میں سجدہ کیا جائے نماز میں مانع موجود ہے، نماز میں کیا موجود ہے؟ مانع موجود ہے، اس لیے کیونکہ اگر وہاں پر سجدہ کیا جائے گا تو پھر اس صورت میں یا تو یہ وضعِ امامت کے خلاف لے جائے گا اس تک پہنچادے گا یا کس کے خلاف ہو جائے گا؟ وضعِ تلاوت کے خلاف ہو جائے گا۔ بھائی وضعِ امامت، بھائی دیکھیے! مقتدی نے آیتِ سجدہ تلاوت کی ہے اور نماز میں اب اگر سجدہ کرتے ہیں تو دو ہی صورتیں ہیں: یا تو مقتدی پہلے سجدہ کرے گا اور امام اس کی پیروی کرتے ہوئے وہ بھی کیا کرے گا؟ سجدہ کرے گا، یا امام پہلے سجدہ کرے گا اور مقتدی کیا کرے گا؟ اس کے بعد سجدہ کرے گا۔ اگر مقتدی پہلے سجدہ کرتا ہے اور امام بعد میں سجدہ کرتا ہے یہ تو وضعِ امامت کے خلاف ہوا، امام اس کی پیروی، امام کو کرنی چاہیے یا مقتدی کو امام کی پیروی کرنی چاہیے؟ مقتدی کو امام کی پیروی کرنی چاہیے تو یہ کس کے خلاف ہو جائے گا اگر اگر کون پہلے سجدہ کر لے؟ مقتدی اگر پہلے کرے اور امام بعد میں کرے تو یہ وضعِ امامت کے خلاف۔ اور اگر امام پہلے کرتا ہے اور مقتدی بعد میں کرتا ہے تو یہ وضعِ تلاوت کے خلاف ہو جائے گا اس لیے کیونکہ آیتِ سجدہ جو تلاوت کرتا ہے وہ پہلے سجدہ کرتا ہے اور سننے والا اس کا اس کے بعد اس کی پیروی کرتا ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اگر امام پہلے کرتا ہے پھر تو وضعِ تلاوت کے خلاف ہو جائے گا، پہلے تو کس کو کرنا چاہیے تلاوت، وضعِ تلاوت کے مطابق؟ مقتدی کو کرنا چاہیے۔ تو چونکہ نماز کے اندر ان دو خرابیوں میں سے ایک ضرور لازم آتی ہے لہٰذا اس وجہ سے نماز میں نہیں کریں گے، ہاں نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کریں گے، یہ کس کا قول چل رہا ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کا اور ان کی دلیل ذکر ہو رہی ہے۔

یہ معنی ہے **لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى خِلَافِ وَضْعِ الْإِمَامَةِ أَوِ التِّلَاوَةِ** اس لیے کیونکہ یہ پہنچانے والا ہے یعنی اگر نماز میں سجدہ کر لیں تو یہ پہنچائے گا **إِلَى خِلَافِ وَضْعِ الْإِمَامَةِ أَوِ التِّلَاوَةِ** وضعِ امامت یا وضعِ تلاوت کے خلاف تک۔

وَلَهُمَا شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْمُقْتَدِيَ مَحْجُورٌ عَنِ الْقِرَاءَةِ لِنَفَاذِ تَصَرُّفِ الْإِمَامِ عَلَيْهِ، وَتَصَرُّفُ الْمَحْجُورِ لَا حُكْمَ لَهُ،** شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ کہ مقتدی مجور عن القراءۃ ہے۔ مقتدی کیا ہے؟ مجور، جس پر پابندی ہو، شریعت کی طرف سے پابندی ہو۔ تو مقتدی مجور عن القراءۃ ہے، شریعت کی طرف سے اس کی اس پر نماز کے اندر قرات پر پابندی لگائی گئی ہے۔ بھائی کیوں پابندی لگائی گئی ہے؟ **لِنَفَاذِ تَصَرُّفِ الْإِمَامِ عَلَيْهِ** اس وجہ سے کہ امام کا تصرف اس پر جاری ہوتا ہے، اس پر نافذ ہوتا ہے۔ امام کا اختیار کیا ہے اس پر جاری ہوتا ہے یعنی امام تلاوت کرتا ہے تو وہ اس مقتدی کی بھی تلاوت شمار ہوتی ہے بھائی، شمار ہوتی ہے۔ تو لہٰذا مقتدی کیا ہوا؟ مجور عن القراءۃ یعنی قرات سے اس پر پابندی ہے، پابندی ہے۔ **وَتَصَرُّفُ الْمَحْجُورِ لَا حُكْمَ لَهُ** اور مجور جو تصرف کرے اس کا کوئی حکم نہیں، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اب مقتدی نے قرات تو کر لی لیکن یہ تو کیا تھا؟ مجور عن القراءۃ تھا، اس پر تو پابندی تھی، یہ قرات نہیں کر سکتا بلکہ قرات کون کرتا ہے نماز میں، جماعت میں؟ امام کرتا ہے تو اس پر پابندی ہے لہٰذا اگر یہ قرات کر بھی لے اس کا کوئی اعتبار نہیں یعنی اس کی قرات بھی اس وقت لا قرات کی طرح ہو گی بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ جس پر پابندی ہو اس کو مجور کہتے ہیں، جیسے آپ جانتے ہیں آپ نے مسائل پڑھے ہوں گے کہ غلام کیا ہے؟ مجور ہے، اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں یا نافذ نہیں ہوتے؟ اس کے تصرفات نافذ، بہت سے امور کے اندر اس پر پابندی ہے شرعاً بھائی، اسی طرح نابالغ پر بھی بعض امور میں کیا ہے؟ اس پر پابندی ہے، وہ مجور ہے، ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

تو کہتے ہیں **وَتَصَرُّفُ الْمَحْجُورِ لَا حُكْمَ لَهُ** اور مجور جو تصرف کرے، جو اختیار استعمال کرے **لَا حُكْمَ لَهُ** اس کا کوئی حکم نہیں۔ **بِخِلَافِ الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ** یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، اعتراض یہ کہ جنب اور حائض بھائی، جنب اور حائض، جو شخص جنابت کی حالت میں ہے یا اسی طرح جو عورت حیض کی حالت میں ہے وہ بھی تو مجور ہیں، ان پر بھی تو پابندی ہے شرعاً وہ قرآن کی تلاوت نہیں کر سکتے، لیکن اس کے باوجود اگر وہ تلاوت کرتے ہیں تو سننے والوں پر کیا واجب ہو جاتا ہے؟ سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے، اور جو جنب مرد ہے اس پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہو گا لیکن وہ پاک ہونے کے بعد پھر کیا کرے گا؟ وہ سجدہ کرے گا۔ جبکہ عورت جو ہے حائض اس پر واجب ہی نہیں کیونکہ اس میں نماز کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ پڑھ چکے کہ حالتِ حیض کی جو نمازیں ہیں یعنی اس کی عورت پر وہ نمازیں واجب نہیں، ان کی قضا بھی اس کے ذمے نہیں ہے بھائی، مسئلہ پڑھ چکے ہیں یا نہیں بھائی؟ جی، تو اس پر قضا، تو اس میں اس میں نماز کی چونکہ صلاحیت ہی نہیں ہے لہٰذا اس پر پاک ہونے کے بعد بھی یہ سجدہ واجب نہیں، اس کی قضا نہیں اس کے ذمے۔

تو اشکال کیا تھا کہ یہ جیسے یہ مجور ہے اسی طرح وہ بھی کیا ہیں دونوں؟ مجور ہیں، اور وہاں آپ نے کیا حکم بتلایا ہمیں؟ کہ ان سے کوئی سنے گا تو اس پر کیا واجب ہو جائے گا؟ سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے گا بھائی، اور جنابت والا جنابت میں جو شخص ہے اس پر بھی سجدۂ تلاوت کیا ہے؟ واجب ہو گیا لیکن اس وقت مانع ہے، وہ جنابت کی حالت میں ہے، بعد میں کیا کرے گا؟ سجدہ کرے گا۔ تو یہاں پر بھی یہاں پر بھی نماز کے اندر مانع موجود تھا، سجدہ نہیں کر سکتے لیکن بعد میں ان کو کیا کرنا چاہیے؟ سجدہ کرنا چاہیے۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟

تو جواب یہ کہ نہیں بھائی! وہ مجور نہیں ہیں، یہ جو مقتدی تھا یہ تو مجور عن القراءۃ تھا جبکہ وہ منہی عن القراءۃ ہیں، وہ کیا ہیں؟ منہی عن القراءۃ ہیں، ان کو قرات سے

روکا گیا ہے، پابندی نہیں ہے بلکہ ان کو روکا گیا ہے، وہ کریں گے تو اس پر اثر مرتب ہو گا اور چنانچہ سننے والوں پر کیا واجب ہو گا؟ سجدہ۔ تو وہ جو اگر وہ پڑھتے ہیں ان کو منع کیا گیا تھا، وہ کرتے ہیں تو حرام فعل کرتے ہیں بھائی، حرام فعل کرتے ہیں اور اس کا سننے والوں پر بھی وہ سجدہ کیا ہو گا؟ واجب ہو گا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟

تو ایک ہے مجور عن القراءۃ، اس پر پابندی ہے اس کی قرات کا اعتبار ہی نہیں، اور ایک ہے منہی عن القراءۃ جس کو قرات سے روکا گیا ہے، منع کیا گیا ہے، تو یہ دونوں الگ چیزیں ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں **بِخِلَافِ الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ** بخلاف جنابت والے کے اور حائضہ عورت کے **لِأَنَّهُمَا مَنْهِيَّانِ عَنِ الْقِرَاءَةِ** اس لیے کیونکہ یہ دونوں منع کیے گئے ہیں قرات سے تو یہ منہی عن القراءۃ ہوئے، مجور عن القراءۃ نہیں۔ **إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَى الْحَائِضِ بِتِلَاوَتِهَا** مگر یہ ہے کہ جو حائضہ عورت ہے اس پر آیتِ سجدہ تلاوت کی کرنے کی وجہ سے سجدہ واجب نہیں ہو گا **كَمَا لَا يَجِبُ بِسَمَاعِهَا** جیسے کہ اس پر آیتِ سجدہ سننے سے بھی سجدہ واجب، تلاوت سے بھی اس پر واجب نہیں ہو گا جیسے کہ سننے سے اس پر واجب نہیں ہوتا **لِانْعِدَامِ أَهْلِيَّةِ الصَّلَاةِ** بوجہ اہلیتِ صلاۃ کے معدوم ہونے کے کہ اس میں نماز کی صلاحیت ہی نہیں ہے **بِخِلَافِ الْجُنُبِ** بخلاف کس کے؟ جنابت والے کے کہ اس میں اہلیت ہے لیکن مانع ہے، وہ کیا کرے؟ غسل کرنے کے بعد پھر سجدہ کرے گا۔

تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ جو مقتدی ہے وہ مجور عن القراءۃ ہے اور جنب اور حیض کیا ہیں؟ منہی عن القراءۃ ہیں۔ مجور عن القراءۃ جو ہے اس کی قرات پر کوئی حکم مرتب نہیں ہو گا، اس کے اس تصرف کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا، جس پر جس تصرف کی پابندی شرعاً ہو اس کے اس تصرف کا کوئی اعتبار نہیں ہے بھائی، تو وہ تصرف کرتا بھی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس پر حکم مرتب نہیں ہو گا لہٰذا سجدہ بھی نہیں ائے گا۔ جبکہ یہ جو جنب اور حیض ہیں یہ منہی عن القراءۃ ہیں یعنی ان کو قرات سے منع کیا گیا ہے اور جس شخص کو کسی تصرف سے روکا گیا ہو اس کے اس تصرف پر حکم مرتب ہوتا ہے، اس کے اس تصرف پر حکم مرتب ہوتا ہے، حکم مرتب ہوتا ہے۔ جیسے دیکھیے! جمعہ کی اذان کے وقت اور اس کے بعد بیع و شراء سے منع کیا گیا ہے، بیع و شراء سے منع کیا گیا ہے لیکن اگر کوئی اس وقت بیع و شراء کرتا ہے، بیع تو اس کی فاسد ہے لیکن اگر مشتری اس کی مرضی سے اس مبیع پر قبضہ کر لیتا ہے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، کیا بن جاتا ہے؟ مالک۔ دیکھو حکم مرتب ہو رہا ہے اس سے، منع کیا گیا تھا کس چیز سے؟ بیع و شراء سے، تو وہ منہی عن البیع ہوا بیع و شراء ہوا، تو لیکن پھر بھی اس پر کیا ہو رہا ہے؟ حکم مرتب ہو رہا ہے۔ تو مجور جو ہوتا ہے، ضابطہ سمجھ میں آیا بھائی؟ مجور کا جو تصرف ہے اس پر حکم مرتب نہیں ہوتا، اس کے تصرف کا کوئی اعتبار نہیں، اور جو منہی عن التصرف ہوتا ہے اس کے تصرف کا اعتبار ہوتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو جمعہ کے وقت اگر وہ بیع و شراء کرتا ہے وہ شرعاً غلط کام کر رہا ہے لیکن بہر حال دوسرا کیا ہو گا؟ اس کی مبیع پر قبضہ کرے گا تو اس کا مالک بن جائے گا۔

تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقتدی جو ہے اس کو آپ نے مجور عن القراءۃ کہا اور جنب اور حیض کو منہی عن القراءۃ کہا، یہ فرق کیوں کیا گیا؟ سوال سمجھ میں آیا بھائی؟ یا تو دونوں کو منہی قرار دیں یا دونوں کو مجور، یہ کیا معنی ایک کو آپ کہہ رہے ہیں وہ مجور وہ جو مقتدی ہے وہ مجور عن القراءۃ ہے اور جو جنب اور حیض ہیں وہ کیا ہیں؟ منہی عن القراءۃ ہیں۔ تو اس کو اس کو بھی مقتدی کو بھی یوں کہیں وہ منہی عن القراءۃ ہے، کیا ہے؟ آپ نے اس کو مجور عن القراءۃ کیوں کہا؟ تو وجہ صاحبِ ہدایہ نے ذکر کر دی، دیکھیے وہ کیا فرماتے ہیں کتاب کے اندر: **وَلَهُمَا أَنَّ الْمُقْتَدِيَ مَحْجُورٌ عَنِ الْقِرَاءَةِ** مقتدی مجور عن القراءۃ ہے یعنی قرات کرنے کی اس پر پابندی ہے کہ وہ قرات نہیں کرے گا۔ کیوں؟ **لِنَفَاذِ تَصَرُّفِ الْإِمَامِ عَلَيْهِ** اس پر امام کا تصرف جاری کرنے کے لیے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس پر امام کا کیونکہ امام کی قرات اس کی بھی قرات ہو گئی بھائی، اس کی بھی قرات ہو گئی، چنانچہ حدیث میں آتا ہے: «**مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ**» جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرات اس کی بھی قرات ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ یہ حدیث اور اس کو آٹھ صحابہ روایت کرنے والے ہیں۔ معلوم ہوا امام کی قرات اس کی قرات ہے، امام کا تصرف اس پر نافذ ہو رہا ہے اور امام کا تصرف اس پر تبھی نافذ ہو گا جب اس کے اپنے تصرف پر کیا لگا دی جائے؟ پابندی لگا دی جائے بھائی۔ بات سمجھ میں، تو لہٰذا اس لیے یہاں پر چونکہ امام کا تصرف اس پر نافذ کرنا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کے اپنے تصرف پر کیا کر لی جائے؟ پابندی لگا لی جائے، جبکہ جنب اور حیض میں تو ایسا نہیں، ان کا تو کوئی قائم مقام نہیں بنایا گیا، کسی کا اور کا تصرف ان پر نافذ نہیں کیا جاتا تو لہٰذا وہ منہی عن القراءۃ ہیں اور یہ مجور عن القراءۃ ہیں، فرق سمجھ میں آیا بھائی؟

وَلَوْ سَمِعَهَا رَجُلٌ خَارِجَ الصَّلَاةِ سَجَدَهَا. بھائی اگر اس آیتِ سجدہ کو، کس نے سجدہ آیتِ سجدہ تلاوت کی؟ مقتدی نے، تو نہ مقتدی پر سجدہ واجب اور نہ امام پر اور اسی طرح دیگر جو لوگ ہیں مقتدی ہیں ان پر بھی نہیں واجب، لیکن اگر اسی آیتِ سجدہ کو سن لیا کسی ایسے شخص نے جو ان کے ساتھ نماز میں شامل نہیں تھا، ان کی نماز سے خارج تھا، چاہے الگ ویسے بیٹھا ہوا تھا، گزر رہا تھا یا الگ اپنی نماز پڑھ رہا تھا لیکن ان کے ساتھ نماز میں شامل نہیں تھا تو اس نے سن لیا تو کیا اس پر سجدہ واجب ہو گا؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، اس پر سجدہ واجب ہو گا بھائی، اس پر کیا ہو گا؟ کیونکہ اس کے حق میں سبب پایا گیا اور وہ کیا تھا؟ آیتِ سجدہ کا سن لینا، تو اس نے سن لیا تو اس پر آیت اس پر سجدہ واجب ہے۔

وَلَوْ سَمِعَهَا رَجُلٌ خَارِجَ الصَّلَاةِ اور اگر سنا اس آیتِ سجدہ کو کسی شخص نے جو نماز اس نماز سے باہر ہے **سَجَدَهَا** تو وہ سجدہ کرے گا **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے **لِأَنَّ الْحَجْرَ ثَبَتَ فِي حَقِّهِمْ فَلَا يَعْدُوهُمْ،** اس لیے کیونکہ پابندی ثابت ہے ان مقتدیوں کے حق میں ثابت ہے **فَلَا يَعْدُوهُمْ** لہٰذا یہ ان سے تجاوز نہیں کرے گی۔ یہ پابندی کس پر ہے صرف؟ مقتدیوں پر پابندی ہے تو یہ پابندی تجاوز کر کے جو نماز سے باہر لوگ ہیں ان پر یہ پابندی لاگو نہیں ہو گی بھائی، تو ان پر جب پابندی نہیں ہے تو ان پر سجدہ واجب ہو گا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

وَإِنْ سَمِعُوا وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ سَجْدَةً مِنْ رَجُلٍ لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَسْجُدُوهَا فِي الصَّلَاةِ، وَإِنْ سَمِعُوا اور اگر انہوں نے سنا، انہوں نے سنا **وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ** اس حال میں کہ وہ کس میں تھے؟ نماز میں تھے یعنی وہ جو نماز پڑھ رہے ہیں اور کس چیز کو سنا؟ **سَجْدَةً أَيْ آيَةَ سَجْدَةٍ** کس چیز کو؟ آیتِ سجدہ کو سنا **مِنْ رَجُلٍ** ایک ایسے شخص سے **لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ** جو ان کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہے **لَمْ يَسْجُدُوهَا فِي الصَّلَاةِ** تو یہ اس کو اس وہ سجدہ نہیں کریں گے **فِي الصَّلَاةِ** نماز میں۔

اب اس کا عکس ہے بھائی، نماز سے میں ایک شخص شامل نہیں ہے وہ آیتِ سجدہ کی تلاوت کرتا ہے اور جو نماز پڑھ رہے ہیں جماعت کے ساتھ وہ کیا کر لیتے ہیں؟ اس کی آیتِ سجدہ کو سن لیتے ہیں، چاہے ایک پڑھ رہا ہو، جماعت کے ساتھ پڑھ رہے ہوں لیکن نماز سے باہر ایک آدمی کی تلاوت سن لیتے ہیں تو پھر کیا کریں گے؟ نماز کے اندر سجدہ نہیں کریں گے۔ نماز کے اندر سجدہ نہیں کریں گے، ہاں بعد میں کریں گے کیونکہ سبب پایا گیا، کیا سبب؟ سننا آیتِ سجدہ کا۔

تو کہتے ہیں **لَمْ يَسْجُدُوهَا فِي الصَّلَاةِ** تو سجدہ وہ آیتِ سجدہ کا سجدہ نہیں کریں گے **فِي الصَّلَاةِ** نماز میں **لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصَلَاتِيَّةٍ** اس لیے کیونکہ یہ سجدہ نماز والا سجدہ نہیں، **لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصَلَاتِيَّةٍ** کیونکہ یہ سجدہ نماز والا سجدہ نہیں **لِأَنَّ سَمَاعَهُمْ هَذِهِ السَّجْدَةَ لَيْسَ مِنْ أَفْعَالِ الصَّلَاةِ** اس لیے کیونکہ ان کا سن لینا اس سجدے کو یہ نماز کے افعال میں سے نہیں ہے، **وَسَجَدُوهَا بَعْدَهَا** اور یہ اس سجدے کو وہ کریں گے نماز کے بعد **لِتَحَقُّقِ سَبَبِهَا** اس کا سبب پائے جانے کی وجہ سے۔

وَلَوْ سَجَدُوهَا فِي الصَّلَاةِ لَمْ يُجْزِهِمْ، اور اگر انہوں نے یہ سجدہ کر لیا نماز میں ہی، کس سے سنی آیتِ سجدہ؟ خارجِ صلاۃ ایک شخص سے اور یہ کس میں ہیں؟ نماز میں ہیں، تو یہ نماز میں نہیں کریں گے، بعد میں سجدہ کریں گے لیکن اگر یہ نماز میں ہی سجدہ کر لیتے ہیں کہتے ہیں **لَمْ يُجْزِهِمْ** تو یہ ان کے لیے کافی نہیں ہو گا، بعد میں پھر کیا کرنا پڑے گا ان کو؟ سجدہ کرنا پڑے گا۔

دیکھیے بھائی فقہائے احناف کی گہرائی، سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں نہیں؟ نماز میں کر لیا تو یہ سجدہ کیوں نہیں ادا ہوا؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ نَاقِصٌ** اس لیے کیونکہ یہ سجدہ جو انہوں نے نماز میں کیا یہ ناقص تھا۔ یہ کیا تھا؟ ناقص تھا، عام آدمی ہو گا وہ تو کہے گا نماز کے اندر سجدہ کیا ہے یہ تو کامل سجدہ ہے، کیا ہے؟ کامل سجدہ ہے، اعلیٰ درجے کا سجدہ ہے لیکن فقہاء کی گہرائی دیکھیے بھائی! فرماتے ہیں کہ اس نے سجدہ ناقص ادا کیا اور جو چیز کامل واجب ہوئی ہو اس کو ادا بھی کیسا کرنا پڑتا ہے؟ کامل ادا کرنا پڑتا ہے اور جو چیز ناقص واجب ہوئی ہو وہ ناقص ادا کرنے سے بھی ہو جائے گی، ناقص ادا کرنے سے بھی ہو جائے گی۔ تو ان پر جو سجدہ واجب ہوا وہ کامل واجب ہوا اور نماز میں اگر اس کو کرتے ہیں تو یہ کس قسم کا ہو گا؟ ناقص ہو گا۔ بھائی کیوں؟ ناقص کیوں ہو گا؟ کہتے ہیں **لِمَكَانِ النَّهْيِ،** نہی کے مکان، مکان یہ مصدر ہے یاد رکھنا مکان، بمعنی وجود اور ثبوت کے، وجود اور ثبوت کے اور یہ پہلے بھی دو تین چار جگہ آ چکا ہے ہدایہ میں، صاحبِ ہدایہ اس کو استعمال کرتے ہیں اسی طرح، تو یہ کس معنی میں ہے؟ وجود، **أَيْ لِوُجُودِ النَّهْيِ** نہی کے پائے جانے کی وجہ سے۔ بھائی شریعت نے آپ کو کیا بتلایا ہے کہ نماز جیسی ہم نے بتلائی ہے، شریعت نے جیسی بتلائی ہے اسی طرح پڑھنا پڑے گی یا اپنی طرف سے بھی اس میں چیزوں کا اضافہ آپ کر سکتے ہیں؟ جیسی شریعت نے بتلائی ہے اسی طرح نماز ادا کرنا پڑے گی، اپنی طرف سے کسی چیز کا اس میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا تو لہٰذا اگر آپ اس میں یہ سجدہ کرتے ہیں تو اس سے روکا گیا ہے یا نہیں روکا گیا؟ یہ آپ اپنی طرف سے اضافہ کر رہے ہیں تو اس سے تو کیا کیا گیا ہے؟ نماز میں اپنی طرف سے کوئی چیز ملانے سے روکا گیا ہے، روکا گیا ہے۔ تو لہٰذا یہ نہی پائی گئی، شریعت نے روکا ہوا ہے کہ نماز میں اپنی طرف سے کوئی چیز شامل نہیں کرنی تو لہٰذا نہی کے پائے جانے کے باوجود، شریعت کے روکنے کے باوجود یہ پھر وہ سجدہ کرتا ہے تو وہ کامل ہوا یا ناقص ہوا؟ وہ ناقص ہوا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے **لِأَنَّهُ نَاقِصٌ لِمَكَانِ النَّهْيِ** اس لیے کیونکہ یہ سجدہ ناقص ہے نہی کے پائے جانے کی وجہ سے **فَلَا يَتَأَدَّى بِهِ الْكَامِلُ** تو اس ناقص سجدے سے وہ کامل سجدہ جو اس پر واجب ہوا ہے وہ ادا نہیں ہو گا، اس پر واجب تو کیسا ہوا ہے؟ کامل، تو ادا بھی کیسی چاہیے؟ کامل چاہیے، اس ناقص سے وہ ادا نہیں ہو گا۔

قَالَ: وَأَعَادُوهَا، وَأَعَادُوهَا اس سجدۂ تلاوت کا اعادہ کریں گے، لوٹائیں گے۔ یہ جو بھائی ایک شخص نے خارجِ صلاۃ آیتِ سجدہ تلاوت کی، انہوں نے نماز کے اندر سنا اور نماز میں ہی کیا کر لیا؟ سجدہ کر لیا، تو وہ ادا نہیں ہوا لہٰذا پھر کیا کریں گے؟ نماز کے بعد پھر اس سجدے کو لوٹائیں گے، پھر کریں گے۔ یہ معنی ہے **وَأَعَادُوهَا** اور اس سجدے کا اعادہ کریں گے **لِتَقَرُّرِ سَبَبِهَا** بوجہ اس کے سبب کے ثابت ہو جانے کے کہ اس کا سبب پایا گیا ہے اور وہ کیا ہے؟ سماع ہے، **وَلَمْ يُعِيدُوا الصَّلَاةَ** اور نماز کا اعادہ نہیں کریں گے، نماز کا اعادہ نہیں کریں گے۔ بھائی کیوں؟ نماز میں انہوں نے اپنی طرف سے ایک سجدہ ملایا تو نماز کا اعادہ کیوں نہیں کریں گے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ سجدہ یہ بھی نماز کے افعال کی جنس میں سے ہے، نماز کے افعال کی جنس میں سے ہے، تو صرف سجدہ کرنے کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کی نماز ہی فاسد ہو گئی، نماز ہی، ہاں اور کوئی ایسا ایسا عمل کرتا ہے جو نماز کے منافی ہے، جو نماز کی جنس میں سے نہیں پھر تو نماز فاسد ہوتی ہے، صرف سجدے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

لِأَنَّ مُجَرَّدَ السَّجْدَةِ لَا يُنَافِي إِحْرَامَ الصَّلَاةِ اس لیے کیونکہ محض سجدہ جو ہے وہ نماز کے احرام کے منافی نہیں ہے۔

وَفِي النَّوَادِرِ، جی یہ تو متن میں آیا، یہ ظاہر روایت۔ ظاہر روایت کس مسئلے کو کہتے ہیں جو کس میں آئے؟ امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابوں میں جو مسئلہ ہو تو کہتے ہیں یہ ظاہر روایت میں، یوں کہیں امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابوں کو ظاہر روایت کہتے ہیں بھائی، اور وہ کون کون سی ہیں؟ مبسوط، زیادات، جامع صغیر اور جامع کبیر اور سیر کبیر اور سیر صغیر بھائی۔ اور اس کے علاوہ بھائی امام محمد رحمہ اللہ کی اور بھی بہت سی تصانیف ہیں بلکہ علماء فرماتے ہیں ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار ہے بھائی، ایک ہزار۔ تو باقی

تصانیف جو ہیں جو ان کو نوادر کہا جاتا ہے، نوادر۔ تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ان بعض ان چھ کتابوں کو ظاہر روایت، ان کو ترجیح کیوں دیتے ہیں اور باقیوں کو نوادر کہتے ہیں، ان کو اس ان کو ترجیح کیوں نہیں؟ کیا وجہ ہے؟ ہاں شاباش! یہ تواتر کے طریقے پر منقول ہیں، اس کو نقل کرنے والے اتنے لوگ ہیں کہ اس پر بڑا ہی یقین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہے، اور باقی جو ہیں وہ اتنے زیادہ ان کو روایت کرنے والے اور نقل کرنے والے نہیں، جب نقل کرنے والے بہت تھوڑے ہیں تو پھر اس درجے کا اعتماد نہیں رہتا بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

وَفِي النَّوَادِرِ أَنَّهَا تَفْسُدُ لِأَنَّهُمْ زَادُوا فِيهَا مَا لَيْسَ مِنْهَا اور نوادر میں یہ ہے یعنی نوادر کی روایت میں یہ آیا ہے **أَنَّهَا تَفْسُدُ** وہ نماز فاسد ہو جائے گی، ظاہر روایت میں تو کیا آیا؟ آیتِ سجدہ کا سجدہ کس میں کیا تھا؟ نماز میں، تو وہ نماز فاسد نہیں اور نوادر میں کیا آیا **أَنَّهَا تَفْسُدُ** وہ نماز فاسد ہو جائے گی **لِأَنَّهُمْ زَادُوا فِيهَا مَا لَيْسَ مِنْهَا** اس لیے کیونکہ ان لوگوں نے بڑھا دیا اس نماز کے اندر اس چیز کو جو اس نماز میں سے نہیں، اس کے افعال میں سے نہیں۔ **وَقِيلَ هُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور کہا گیا ہے کہ یہ صرف کن کا قول ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

فَإِنْ قَرَأَهَا الْإِمَامُ وَسَمِعَهَا رَجُلٌ لَيْسَ مَعَهُ فِي الصَّلَاةِ فَدَخَلَ مَعَهُ بَعْدَمَا سَجَدَهَا الْإِمَامُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَهَا، صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص آیتِ سجدہ کو سن لیتا ہے امام سے، امام نے کیا تلاوت کی؟ آیتِ سجدہ، اور یہ شخص ابھی نماز میں شامل نہیں ہوا اس نے آیتِ سجدہ کو سن لیا۔ یوں کہیں مثلاً آپ صف تک، جماعت تک پہنچنے والے تھے، چند قدم دور تھے ابھی کہ تو آپ نے سن لی آیتِ سجدہ، امام نے تلاوت کی ہے اور آپ کے پہنچتے پہنچتے امام نے وہ پھر سجدہ بھی کر لیا۔ اب آپ نماز میں شامل ہوئے تو کیا آپ اب وہ سجدہ آپ پر آپ کو کرنا پڑے گا؟ کہتے ہیں بھائی اگر اسی رکعت میں شامل ہوئے ہیں تو اسی طرح سمجھا جائے گا گویا آپ نے اس سجدے کو پا لیا، گویا آپ بھی اس میں ساتھ کیا ہو گئے؟ یوں سمجھیں کہ شریک ہو گئے، جب اس رکعت کو پا لیا تو اس سجدے کو آپ نے پا لیا لہٰذا آپ کی طرف اب بعد میں اس کے اعادے کی ضرورت، وہ سجدہ اس شخص کے ذمے باقی نہیں اب۔

فَإِنْ قَرَأَهَا الْإِمَامُ وَسَمِعَهَا رَجُلٌ لَيْسَ مَعَهُ فِي الصَّلَاةِ اگر قرات کی آیتِ سجدہ کی امام نے اور سن لیا اس کو ایک ایسے شخص نے جو اس کے ساتھ نماز میں نہیں تھا **فَدَخَلَ مَعَهُ بَعْدَمَا سَجَدَهَا** تو وہ اس کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا بعد اس کے جب امام نے سجدہ کر لیا تھا، **بَعْدَمَا سَجَدَهَا الْإِمَامُ** جب کہ وہ آیتِ سجدہ کا سجدہ امام نے کر لیا تھا **لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَهَا** تو نہیں ہے اس مقتدی پر کہ وہ اس کو وہ سجدہ کرے **لِأَنَّهُ صَارَ مُدْرِكًا لَهَا بِإِدْرَاكِ الرَّكْعَةِ** اس لیے کیونکہ وہ مقتدی جو ہے وہ بھی اس سجدے کو پانے والا ہو گیا اس رکعت کو پانے کی وجہ سے۔

وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَهَا سَجَدَهَا مَعَهُ، اور آپ جماعت تک پہنچ رہے تھے، امام نے آیتِ سجدہ تلاوت کی، آپ ابھی نماز سے باہر تھے اور پھر امام ابھی سجدے میں نہیں گیا تھا آپ پہنچ گئے، چند قدم ہی کے فاصلے پر تھے اب امام سجدے میں گیا تو کیا اب آپ بھی اس سجدہ کریں گے امام کے ساتھ؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، آپ جب اقتداء کر رہے ہیں، متابعت کر رہے ہیں تو آپ پر کیا ضروری کہ امام کی اقتداء کریں اور نیز آپ کے حق میں سبب پایا گیا ہے، آپ نے آیتِ سجدہ کو سنا ہے، سنا ہے۔ تو جب آیت جب اقتداء کر رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں امام کی؟ اقتداء کر رہے ہیں تو اب آپ بھی سجدہ کریں گے، سجدہ کریں گے۔ اگر آپ نے امام سے آیتِ سجدہ کو نہ سنا ہو تا پھر بھی آپ کو سجدہ کرنا پڑتا یا نہیں؟ مثلاً جماعت بڑی ہے، کئی صفیں ہیں اور امام ذرا آہستہ آواز میں قرات کر رہا ہے اور آپ پچھلی صف میں کھڑے ہیں، امام نے آیتِ سجدہ تلاوت کی، آپ تک آواز نہیں پہنچی اور امام سجدہ کرتا ہے تو آپ کو کرنا پڑے گا یا نہیں کرنا پڑے گا؟ تو جب نہ سننے کی صورت میں آپ کو سجدۂ تلاوت کرنا پڑتا ہے امام کی اقتداء میں تو یہاں تو آپ نے بطریق، سنا ہے تو بطریقِ اولیٰ آپ کو کیا کرنا پڑے گا؟ امام کے ساتھ سجدہ کرنا پڑے گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے **وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَهَا** اور اگر وہ داخل ہو گیا امام کے ساتھ قبل اس کے کہ امام وہ سجدہ کرتا **سَجَدَهَا مَعَهُ** تو امام کے ساتھ وہ سجدہ یہ مقتدی بھی کرے گا **لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَسْمَعْهَا سَجَدَهَا مَعَهُ** اس لیے کیونکہ اگر اس نے اس آیتِ سجدہ کو نہ سنا ہوتا تو بھی سجدہ کرتا امام کے ساتھ **فَهُنَا أَوْلَى** تو یہاں بطریقِ اولیٰ وہ سجدہ کرے گا۔

وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُ، اور اگر وہ امام کے ساتھ داخل ہی نہیں ہوا، داخل ہی نہیں ہوا تو کہتے ہیں **سَجَدَهَا** پھر بھی اس کو علیحدہ کیا کرنا پڑے گا؟ سجدہ کرنا۔ **وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُ** اگر وہ امام کے ساتھ شامل نہیں ہوا نماز میں **سَجَدَهَا** تو بھی سجدہ یہ کرے گا **لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ** سبب کے پائے جانے کی وجہ سے کہ اس نے آیتِ سجدہ کو سنا ہے۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۷۵: وَكُلُّ سَجْدَةٍ وَجَبَتْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَسْجُدْ...

ہدایہ صفحہ: ۱۷۲ — بتاریخ: ۲۷ فروری ۲۰۱۳ء

وَكُلُّ سَجْدَةٍ وَجَبَتْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَسْجُدْهَا فِيهَا لَمْ تُقْضَ خَارِجَ الصَّلَاةِ لِأَنَّهَا صَلَاتِيَّةٌ وَلَهَا مَزِيَّةُ الصَّلَاةِ فَلَا تَتَأَدَّى بِالنَّاقِصِ، وَمَنْ تَلَا سَجْدَةً فَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتَّى دَخَلَ فِي صَلَاةٍ فَأَعَادَهَا وَسَجَدَ أَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلَاوَتَيْنِ۔

وَكُلُّ سَجْدَةٍ وَجَبَتْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا، یہاں آپ کو مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ وہ سجدہ جو نماز کے اندر واجب ہو، یعنی نماز کے اندر کوئی شخص کیا کرتا ہے؟ آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے تو وہ نماز ہی کے اندر ادا ہو سکتا ہے، نماز کے بعد اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ اس نے نماز کے اندر وہ سجدہ کر لیا تو اچھی بات ہے، اگر نماز میں اس نے ادا نہیں کیا، نماز کے بعد پھر وہ اس کی قضا نہیں کر سکتا بھائی، سمجھ میں آیا؟

یہ معنی ہے: **وَكُلُّ سَجْدَةٍ وَجَبَتْ فِي الصَّلَاةِ** اور ہر ایسا سجدہ جو نماز میں واجب ہوا ہو **فَلَمْ يَسْجُدْهَا** تو اس نے وہ سجدہ نہیں کیا **فِيهَا** اس نماز کے اندر **لَمْ تُقْضَ خَارِجَ الصَّلَاةِ** تو اس کی قضا نہیں کی جائے گی نماز سے باہر، یعنی نماز کے بعد۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی، کیوں نہیں قضا بعد میں کی جا سکتی اس سجدے کی جو نماز میں بھول گیا، رہ گیا؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهَا صَلَاتِيَّةٌ** اس لیے کیونکہ وہ نماز والا سجدہ تھا **وَلَهَا مَزِيَّةُ الصَّلَاةِ،** مزیت کہتے ہیں فضیلت کو، فضیلت، **وَلَهَا مَزِيَّةُ الصَّلَاةِ** اور اس کو نماز کی فضیلت حاصل تھی، نماز کی فضیلت حاصل تھی **فَلَا تَتَأَدَّى بِالنَّاقِصِ** تو وہ ناقص سجدے کے ساتھ ادا نہیں ہو گا۔ بھائی دیکھیے، نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی ہے تو سجدہ واجب ہوا اور یہ سجدہ بھی کون سا ہے؟ نماز والا ہے، اس کو نماز کی فضیلت حاصل ہے۔ تو اب جو سجدہ کرے گا نماز کے اندر تو وہ جیسا واجب ہوا ہے اسی طرح کا کامل سجدہ ادا کر رہا ہے۔ اور نماز کے بعد اب اس کو ادا کرنا چاہتا ہے تو اب تو نماز نہیں ہے، تو اب یہ اس طرح کا کامل ادا نہیں بلکہ اب ناقص ادا ہو گا اور حالانکہ ضابطہ ہے کہ جو چیز کامل واجب ہوئی ہو اس کے لیے ادا بھی کیسی چاہیے؟ کامل ہی چاہیے، اس لیے ادا نہیں ہو گا بھائی۔ تو وہ اس کے ذمے رہ گیا بھائی۔

وَمَنْ تَلَا سَجْدَةً فَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتَّى دَخَلَ فِي صَلَاةٍ فَأَعَادَهَا وَسَجَدَ أَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلَاوَتَيْنِ، صورت مسئلہ یہ: ایک شخص نے آیت سجدہ تلاوت کی، آیت سجدہ نماز سے باہر، آیت سجدہ تلاوت کی اور اس پر سجدہ واجب ہو گیا لیکن اس نے سجدہ نہیں کیا ابھی، یہاں تک کہ اس نے نماز شروع کر دی اور نماز کے اندر پھر اسی آیت سجدہ کی اس نے تلاوت کی اور پھر سجدہ بھی کر لیا، تو کہتے ہیں یہ سجدہ دونوں تلاوتوں سے اس کو کافی ہو جائے گا بھائی، یہ ان دونوں سجدوں کے قائم مقام ہو گیا بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ تَلَا سَجْدَةً** اور جس نے سجدے کی تلاوت کی، یعنی آیت سجدہ کی تلاوت کی، اور جس نے آیت سجدہ کی تلاوت کی **فَلَمْ يَسْجُدْهَا** پھر سجدہ نہیں کیا **حَتَّى دَخَلَ فِي صَلَاةٍ** یہاں تک کہ وہ نماز میں داخل ہو گیا **فَأَعَادَهَا** تو اس نے اس کا اعادہ کیا، اس آیت سجدہ کا اعادہ کیا، پھر اس کو پڑھا **وَسَجَدَ** اور اب سجدہ کر لیا **أَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلَاوَتَيْنِ** تو یہ سجدہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا دونوں تلاوتوں سے۔ بھائی، یہ ایک سجدہ دو تلاوتوں سے کیوں کافی ہو گیا؟ وجہ ذکر کریں گے، کیونکہ دوسرا سجدہ جو ہے وہ قوی ہے۔ وہ کیا ہے؟ قوی ہے، کیونکہ نماز میں ہے وہ واجب ہوا اور اس کو نماز کی فضیلت حاصل ہے، تو جب وہ قوی ہوا تو ما قبل کا جو ادنیٰ تھا، ضعیف تھا، اس سجدے کو اپنے ضمن میں لے لے گا، اپنے تابع بنا لے گا بھائی، وہ اسی کے اندر داخل ہو جائے گا بھائی۔

کہتے ہیں: **لِأَنَّ الثَّانِيَةَ أَقْوَى** اس لیے کیونکہ دوسرا سجدہ جو ہے وہ زیادہ قوی ہے **لِكَوْنِهَا صَلَاتِيَّةً** اس لیے کیونکہ یہ نماز والا ہے **فَاسْتَتْبَعَتِ الْأُولَى،** استتباع کے معنی ہیں تابع بنانا، **فَاسْتَتْبَعَتِ الْأُولَى** تو یہ دوسرا سجدہ جو ہے یہ تابع بنا لے گا **الْأُولَى** کس کو؟ پہلے سجدے کو، وہ اس میں آ جائے گا۔ **وَفِي النَّوَادِرِ،** یہ تو تھا ظاہر روایت کے مطابق کہ دوسرا سجدہ ہی پہلے سجدے کو اپنے تابع بنا لے گا، وہ اسی سے ادا ہو جائے گا۔ **وَفِي النَّوَادِرِ** اور نوادر میں ہے: **يَسْجُدُ أُخْرَى بَعْدَ الْفَرَاغِ** کہ دوسرا سجدہ کرے گا نماز سے فارغ ہونے کے بعد۔ یعنی یہ نماز میں جو ادا کیا یہ یہی والا سجدہ ہے، وہ پہلے والا ابھی بھی اس کے ذمے باقی ہے، کیا کرے گا؟ نماز کے بعد اس کو پھر ادا کرے گا، یہ نوادر کی روایت ہے۔ وجہ کیا؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ لِلْأُولَى قُوَّةَ السَّبْقِ** کہتے ہیں کیونکہ اگر نماز والے سجدے کو

قوت حاصل ہے، وہ زیادہ قوی ہے، تو پہلے سجدے کو بھی قوت حاصل ہے۔ نماز والے کو کیا قوت حاصل ہے؟ وہ نماز والا ہے، نماز کی فضیلت۔ اور پہلے سجدہ کو کہتے ہیں کیا قوت حاصل ہے؟ کہتے ہیں بھائی وہ مقدم تھا، مقدم ہونے کی قوت اس کو حاصل ہے اس کو۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ لِلْأُولَى قُوَّةَ السَّبْقِ** اس لیے کیونکہ پہلا جو ہے اس کو مقدم ہونے کی قوت حاصل ہے **فَاسْتَوَتَا** تو دونوں برابر ہو گئے۔ تو اور چیز اپنے سے ادنیٰ کو تو شامل ہوتی ہے، اپنے برابر والے کو شامل نہیں، لہٰذا نماز والے کو اگر قوت ہے تو دوسرے کو بھی قوت حاصل ہے، لہٰذا وہ اس کے تابع نہیں ہو گا، یہ پھر ادا کرنا پڑے گا۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھائی؟

فَاسْتَوَتَا تو یہ دونوں سجدے برابر ہو گئے۔ **قُلْنَا**، صاحبِ ہدایہ جواب دے رہے ہیں، ظاہر روایت کو ترجیح دیتے ہوئے نوادر کی روایت کا اور اس کی دلیل کا جواب دے رہے ہیں، تو صاحبِ **قُلْنَا** جواب میں فرماتے ہیں، کہتے ہیں ہم کہتے ہیں: **لِلثَّانِيَةِ قُوَّةُ اتِّصَالِ الْمَقْصُودِ** کہ آپ نے کیا کہا؟ نماز والے سجدے کو اگر نماز کی قوت حاصل ہے تو پہلے والے کو اس کو مقدم ہونے کی قوت حاصل ہے، تو دونوں کیا ہو گئے؟ برابر ہو گئے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں نہیں، دوسرے کو ایک اور قوت بھی تو حاصل ہے، لہٰذا اس کی قوت پھر زائد ہو گئی، یہ زیادہ قوی ہو گیا۔ دوسری قوت اس کو کیا حاصل؟ کہتے ہیں یہ مقصود کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ دوسرا سجدہ کس کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ مقصود کے ساتھ ملا ہوا ہے، لہٰذا اس کو ایک اور قوت حاصل ہو گئی، یہ قوی ہوا اور پہلے والے کی قوت اس سے کم ہوئی، وہ اس سے ضعیف ہوا، تو یہ قوی اس ضعیف کو اپنے ضمن میں لے لے گا، اس کو اپنا تابع بنا دے گا۔

یہ معنی ہے: **قُلْنَا** ہم کہتے ہیں **لِلثَّانِيَةِ قُوَّةُ اتِّصَالِ الْمَقْصُودِ** کہ دوسرے سجدے کو جو ہے مقصود کے ساتھ ملے ہونے کی قوت حاصل ہے، دوسرے سجدے کو نماز کی بھی فضیلت اور مقصود کے ساتھ ملے ہونے کی بھی قوت۔ بھائی، مقصود سے ملے ہونے کا کیا معنی؟ کہتے ہیں بھائی دیکھیے، ایک ہے وجوبِ سجدہ، آیت سجدہ تلاوت کرے گا تو کیا آئے گا؟ وجوبِ سجدہ، اور وجوبِ سجدہ سے مقصود کیا ہے؟ ادائے سجدہ۔ وجوبِ سجدہ سے مقصود کیا ہے؟ ادائے سجدہ۔ تو یہاں پر وجوبِ سجدہ ملا ہوا ہے اپنے مقصود یعنی ادائے سجدہ کے ساتھ ملا ہوا ہے، اس کو قوت حاصل ہے، جبکہ پہلے کے اندر وجوب آچکا ہے لیکن ابھی تک ادا نہیں، تو اس کو وہ قوت حاصل نہیں بھائی۔

یہ معنی ہے: **قُلْنَا** ہم کہتے ہیں **لِلثَّانِيَةِ قُوَّةُ اتِّصَالِ الْمَقْصُودِ** کہ دوسرے سجدے کو جو ہے مقصود کے ساتھ ملے ہونے کی قوت حاصل ہے **فَتَرَجَّحَتْ بِهَا** تو یہ ترجیح پا جائے گا اس کے مقابلے میں۔

وَإِنْ تَلَاهَا فَسَجَدَ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ فَتَلَاهَا سَجَدَ لَهَا۔ وَإِنْ تَلَاهَا فَسَجَدَ، اب دوسری صورت، پہلے کیا صورت تھی؟ آیت سجدہ تلاوت کی تھی نماز سے پہلے اور سجدہ نہیں کیا تھا اور پھر نماز میں وہی آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کر لیا تو دونوں سجدے اسی ایک سجدے سے ادا ہو گئے۔ اب دوسری صورت کہ پہلے نماز سے پہلے آیت سجدہ تلاوت کی اور پھر سجدہ بھی کر لیا، اب پھر نماز شروع کر دی، پھر وہی آیت سجدہ دوبارہ پڑھی، تو کیا وہی پہلا سجدہ کافی ہو جائے گا یا دوبارہ پھر سجدہ کرنا پڑے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، یہ دوبارہ پھر سجدہ کرنا پڑے گا، دوبارہ پھر کرنا پڑے گا۔ اس لیے کیونکہ اس سجدے کا وجوب کس وجہ سے تھا؟ آیت سجدہ اس نے تلاوت کی تھی اور وہ پھر اس نے سجدہ بھی کر لیا، اب آیت سجدہ تلاوت کی ہے تو اب وجوب آیا ہے، تو اب اس کو سجدہ ادا کرنا پڑے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ والا سجدہ بھی اس پہلے کے ضمن میں ادا ہو گیا تو یہ تو سجدہ واجب ہوا ہے جب اب اس نے کس کی تلاوت کی ہے؟ تو سبب اب پایا گیا اور حکم اس سے پہلے ہی پایا گیا، یہ تو درست نہیں ہے بھائی۔ ہمیشہ سبب پہلے ہوتا ہے، حکم اس کے بعد، نہ یہ کہ حکم پہلے ہو اور سبب اس کے بعد۔ جیسے ظہر کی نماز ہے، اس کا سبب کیا ہے؟ ظہر کا وقت ہے۔ ظہر کا وقت آئے گا، سبب پایا گیا، اور سبب پایا گیا تو حکم آ گیا، کیا حکم؟ ظہر کی نماز آپ پر واجب ہو گئی، اس سے پہلے واجب ہی نہیں۔ تو لہٰذا اگر آپ ظہر کی نماز ظہر کے وقت سے پہلے ہی ادا کرتے ہیں تو یہ تو اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ کہ حکم پہلے پایا جائے گا، یہ کہنا پڑے گا کہ حکم پہلے پایا گیا اور سبب بعد میں، حالانکہ سبب پہلے ہوتا ہے اور حکم بعد میں۔ تو لہٰذا یہ دوسرا سجدہ اس پہلے کے ضمن میں ادا نہیں ہو گا بلکہ وجوب کا حکم اب آئے گا جب تلاوت کرے گا اور کرنا پڑے گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ تَلَاهَا** اور اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی **فَسَجَدَ** پھر سجدہ کر لیا نماز سے پہلے ہی **ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ** پھر نماز میں داخل ہوا **فَتَلَاهَا** پھر اسی آیت سجدہ کی تلاوت کی **سَجَدَ لَهَا** تو پھر کیا کرے گا اس کے لیے؟ سجدہ کرے گا **لِأَنَّ الثَّانِيَةَ هِيَ الْمُسْتَتْبِعَةُ** اس لیے کیونکہ دوسرا سجدہ ہی تابع بنانے والا ہے، پہلا سجدہ تابع نہیں بنا سکتا بلکہ تابع بنانے والا کون سا ہے؟ دوسرا ہی ہے، وہی بنا سکتا ہے۔ **وَلَا وَجْهَ إِلَى إِلْحَاقِهَا بِالْأُولَى** اور کوئی وجہ نہیں ہے اس کو پہلے سجدے کے ساتھ ملانے کی **لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى سَبْقِ الْحُكْمِ عَلَى السَّبَبِ** اس لیے کیونکہ یہ پہنچا دے گا حکم کے مقدم ہونے کو **عَلَى السَّبَبِ** کس پر؟ سبب پر، کہ سبب پر حکم مقدم ہو جائے گا اور یہ درست نہیں ہے بھائی۔

وَمَنْ كَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ أَجْزَأَتْهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ، بھائی، اب یہاں سے آپ کو یہ مسئلہ بتلائیں گے کہ ایک ہی مجلس کے اندر کوئی شخص کسی ایک آیت سجدہ کو جتنی دفعہ بھی پڑھ لے تو ایک ہی سجدہ آئے گا، ایک ہی سجدہ ادا کرے گا تو وہ سب ادا ہو گئے اسی کے ضمن میں، تو ایک ہی سجدہ آئے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن شرط کیا ہے؟ مجلس ایک ہونی چاہیے، مجلس ایک ہونی چاہیے۔ اور اگر مجلس بدلتی ہے تو پھر دوسری بار تلاوت سے دوسرا سجدہ آئے گا۔ چنانچہ ایک شخص ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا، اس نے آیت سجدہ تلاوت کی اور پھر سجدہ بھی کر لیا، اور یا سجدہ نہیں کیا، بہر حال آیت سجدہ تلاوت کر لی، پھر اٹھ کر گیا کسی کام سے، پھر واپس آیا اسی جگہ پر، اس نے دوبارہ وہی آیت سجدہ تلاوت کی تو کتنے سجدے آئیں گے؟ دو سجدے آئیں گے کیونکہ مجلس بدلی ہے، یہ درمیان میں اٹھ کر گیا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ كَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ** اور جس نے تکرار کیا کس چیز کا؟ ایک سجدے کی تلاوت کا، یعنی ایک آیت سجدہ کی تلاوت کا اس نے تکرار کیا، اس کو بار بار پڑھا **فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ** ایک ہی مجلس میں **أَجْزَأَتْهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ** تو کافی ہو جائے گا اس کے لیے ایک ہی سجدہ۔ **فَإِنْ قَرَأَهَا فِي مَجْلِسِهِ** پس اگر اس نے آیت سجدہ پڑھی اپنی مجلس میں **فَسَجَدَهَا** پھر اس کا سجدہ کر لیا **ثُمَّ ذَهَبَ وَرَجَعَ** پھر وہ گیا اور واپس آیا **فَقَرَأَهَا** پھر اس آیت کو پڑھا **سَجَدَهَا ثَانِيَةً** تو دوبارہ دوسرا اس کا سجدہ کرے گا۔ **وَإِنْ لَمْ يَكُنْ سَجَدَ لِلْأُولَى** اور اگر ابھی تک اس نے پہلے کے لیے سجدہ نہیں کیا **فَعَلَيْهِ سَجْدَتَانِ** تو بھی اس پر دو سجدے ہیں کیونکہ مجلس بدلی ہے۔

وَالْأَصْلُ، آگے صاحبِ ہدایہ ضابطہ بتلا رہے ہیں: **وَالْأَصْلُ** اور ضابطہ یہ ہے **أَنَّ مَبْنَى السَّجْدَةِ عَلَى التَّدَاخُلِ** کہ سجدوں کی بنیاد تداخل پر ہے۔ کس پر ہے؟ تداخل۔ تداخل کا معنی باہم ایک دوسرے کے اندر داخل ہو جانا، تو یہاں پر بھی وہ جو سجدے ہوں گے جو واجب ہو رہے ہیں، ایک دوسرے کے اندر داخل ہوں گے، ایک ہی سجدہ آئے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں کہ سجدوں کی بنیاد جو ہے **عَلَى التَّدَاخُلِ** تداخل پر ہے **دَفْعًا لِلْحَرَجِ** حرج کو دور کرنے کے لیے۔ اگر یہ کہا جائے جتنی دفعہ آیت کو پڑھا ہے اتنے ہی سجدے کرنا پڑیں گے تو پھر تو انسان حرج میں پڑ جائے گا، کیونکہ انسان محتاج ہے خصوصاً قرآن کے لیے تو، تعلیم و تعلم کے لیے بھائی۔ کوئی سکھانے والا ہے، استاد ہے، اور کوئی پڑھنے والا ہے، اسے یاد کرنے والا ہے، اب پڑھاتے ہوئے اور سیکھتے ہوئے تو کتنی دفعہ ہی تکرار کروانا پڑے گا استاد کو اور شاگرد کو کتنی دفعہ تکرار کرنا پڑتا ہے، اور پھر خصوصاً جو حفظ کر رہا ہے اس کو تو بہت زیادہ مرتبہ تکرار کرنا پڑتا ہے۔ تو اگر ہر مرتبہ اس پر نئے سجدہ واجب ہونے کا حکم لگایا جائے تو اس میں وہ تنگی میں اور مشکل میں پڑ جائے گا۔ تو حرج کو دور کرنے کے لیے ایک ہی سجدہ واجب ہو گا۔

تو یہ معنی ہے: **وَالْأَصْلُ أَنَّ مَبْنَى السَّجْدَةِ عَلَى التَّدَاخُلِ دَفْعًا لِلْحَرَجِ** اور ضابطہ یہ ہے کہ سجدوں کی بنیاد جو ہے تداخل پر ہے حرج کو دور کرنے کے لیے **وَهُوَ تَدَاخُلٌ فِي السَّبَبِ دُونَ الْحُكْمِ** اور وہ سبب کے اندر تداخل ہے نہ کہ حکم میں **وَهُوَ أَلْيَقُ بِالْعِبَادَاتِ** اور یہ عبادتوں کے زیادہ لائق ہے **وَالثَّانِي بِالْعُقُوبَاتِ** اور دوسرا سزاؤں کے زیادہ لائق ہے۔

توجہ سے بھائی، مشکل بات کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ بھائی۔ بھائی دیکھیے، تداخل کا کیا معنی؟ چیزوں کا باہم ایک دوسرے کے اندر داخل ہو جانا۔ اب یہاں دو چیزیں ہیں، دو چیزیں ہیں: ایک ہے سبب اور ایک ہے اس کا حکم۔ سبب کیا ہے وجوبِ سجدہ کا؟ کہ وہ جو تلاوت کی ہے اس نے آیت سجدہ کی، وہ سبب ہے۔ اور حکم کیا ہے؟ وجوبِ سجدہ، سجدہ اس پر واجب ہو جائے گا۔ آیت سجدہ پڑھے گا تو کیا واجب ہو جائے گا؟ سجدہ واجب ہو جائے گا۔ تو آیت سجدہ کا پڑھنا ہوا سبب اور سجدے کا واجب ہونا ہوا حکم۔ تو ضابطہ انہوں نے بتلا دیا کہ سجدے کی بنیاد کس پر ہے؟ تداخل پر ہے۔ اب کس میں تداخل مانا جائے؟ سببوں میں تداخل مانا جائے یا حکم کے اندر تداخل مانا جائے؟

سبب کے اندر تداخل کا معنی یہ کہ اس نے مثلاً دس دفعہ وہ آیت پڑھی ہے تو وہ دس سبب ہوئے لیکن ان کا آپس میں تداخل ہو جائے گا اور کیا شمار کریں گے؟ ایک ہی سبب پایا گیا، جب ایک سبب پایا گیا تو حکم بھی کتنے آئیں گے؟ ایک ہی آئے گا، ایک ہی سجدہ آئے گا۔

دوسری صورت: حکم کے اندر صرف تداخل مانا جائے، سبب میں نہیں۔ دس دفعہ ایک آیت سجدہ کو پڑھا تو سبب تو دس ہی ہیں لیکن آگے حکم ان کا آپس میں کیا ہو گیا؟ تداخل ہوا اور سجدے کتنے آئے؟ ایک ہی سجدہ آیا۔ فرق سمجھ میں آیا بھائی؟ احناف کی باتیں بڑی گہری ہوتی ہیں مولانا۔ تو یہاں ایک صورت یہ ہے کہ سبب کے اندر تداخل مانا جائے، ایک صورت کیا ہے؟ حکم کے اندر تداخل مانا جائے۔

تو کہتے ہیں یہ چونکہ عبادت کا معاملہ ہے اور عبادتوں کی بنیاد احتیاط پر ہے، احناف ہمیشہ کس قول کو اختیار کرتے ہیں؟ جس میں احتیاط زیادہ ہوتی ہے۔ تو احتیاط اس کے اندر ہے کہ یہ عبادت کا معاملہ ہے تو سبب کے اندر تداخل مانو، یعنی یہ دس دفعہ آیت پڑھی لیکن یہ کیا شمار کرو؟ ایک ہی دفعہ پڑھی ہے گویا، اور جب ایک دفعہ پڑھی ہے تو سجدے بھی کتنے واجب؟ ایک ہی واجب۔ اور اس کے بجائے اگر آپ کیا کریں؟ حکم میں تداخل کرتے ہیں تو پھر کہنا پڑے گا دس سبب پائے جا رہے ہیں، کتنے؟ دس سبب پائے جا رہے ہیں لیکن سجدہ وہ ایک ہی کر رہا ہے، تو احتیاط کس میں زیادہ ہے؟ سببوں کو ہی کیا کر دو؟ ایک بنا دو، تو حکم بھی کتنے آئیں گے؟ ایک ہی آئے گا۔ بجائے اس کے کہ یہ کہو سبب تو دس ہیں لیکن حکم ایک، تو دیکھو باقی سارے سبب بغیر حکم کے رہ جائیں گے، باقی سبب کیا ہوں گے؟ بغیر حکم کے رہ جائیں گے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو احتیاط کس میں زیادہ؟ سببوں کو ایک بنا دو، جب سبب ایک ہو گئے تو حکم خود بخود کیا ہو گا؟ ایک۔ اور سبب زیادہ ہی رکھیں آپ اور حکم ایک بنائیں، اس میں احتیاط نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی۔ احتیاط نہیں۔ تو عبادت کی بنیاد احتیاط پر ہے کہ جب واجب ہو رہی ہے تو اس کو ادا، جتنے سبب ہیں اتنی عبادتیں اس کے مطابق واجب ہوتی ہیں، تو سببوں کو ہی کیا کر دو؟ آپس میں ان کا تداخل اس کو مان لیا جائے۔ تو عبادتوں کے یہ زیادہ مناسب ہے کہ سببوں میں تداخل کیا جائے۔

اور سزاؤں کے اندر مناسب زیادہ یہ ہے کہ حکم کے اندر تداخل کر لو۔ سزاؤں میں کیا مناسب ہے؟ کہ حکم میں تداخل کر لو۔ مثلاً ایک آدمی نے دس چوریاں کی ہیں، اب پکڑا گیا، اب پکڑا گیا، تو دس چوریوں کو ایک نہ بناؤ، چوریاں دس ہی ہیں، سبب دس ہی ہیں لیکن حکم کیا آئے گا آگے؟ ان کا آپس میں حکموں کا تداخل کر دو اور حکم کتنا آیا؟ پچھلی صورت میں سبب ہی ایک بن گیا تھا، اب سبب کتنے ہیں؟ سبب دس ہی ہیں لیکن حکم کیا آیا؟ ایک ہی آیا، حکموں میں تداخل ہوا، سببوں کو اسی طرح رہنے دو۔ اور

یہ سزاؤں کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ صورت جو ہے مشیر ہے، اشارہ کرنے والی ہے اللہ کے رحم و کرم کی طرف بھائی، اللہ کے رحم و کرم کی طرف، اللہ کے فضل و انعام کا احسان کا پتہ چلتا ہے، اس کے فضل و کرم کا اندازہ ہوتا ہے کہ دیکھو جرم دس تھے اور سزا کتنی ملی؟ ایک۔ تو اس میں شفقت زیادہ اور رحم زیادہ ہے یا سببوں کو ایک بنادو؟ ایک چوری ہے تو ایک ہی دفعہ ہاتھ کاٹنا پڑے گا بھائی، ایک ہی سزا ہے۔ تو کس میں فضل و کرم زیادہ؟ جن میں کیا کیا جائے؟ حکم میں تداخل، کہ دیکھو دس جرم تھے لیکن اللہ سزا کتنی دے رہے ہیں صرف؟ ایک سزا دے رہے ہیں، سبب دس کے دس ہیں لیکن حکم ایک ہی آیا، ایک ہی سزا آگئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو عبادتوں کا معاملہ احتیاط پر مبنی ہے، لہٰذا وہاں سبب کے اندر تداخل کرو کیونکہ اس میں احتیاط زیادہ ہے، ورنہ اگر سببوں میں تداخل نہیں کرو گے تو باقی سبب بغیر حکم کے رہ جائیں گے اور احتیاط اس میں ہے کہ کوئی بھی سبب بغیر حکم کے نہ رہے، تو جب آپ نے ان کو ایک بنادیا تو حکم بھی ایک آئے گا بھائی۔ اور سزاؤں کے میں مناسب کیا ہے، کس کے اندر تداخل کیا جائے؟ حکم میں تداخل کرلو، سبب کے اندر تداخل کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اللہ کے فضل و کرم کے زیادہ لائق ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ دیکھیے کتاب پر بھائی: **وَالْأَصْلُ أَنَّ مَبْنَى السَّجْدَةِ عَلَى التَّدَاخُلِ** اور ضابطہ یہ ہے کہ سجدے کی بنیاد جو ہے تداخل پر ہے **دَفْعًا لِلْحَرَجِ** حرج کو دور کرنے کے لیے **وَهُوَ تَدَاخُلٌ فِي السَّبَبِ دُونَ الْحُكْمِ** اور وہ سبب کے اندر تداخل ہے نہ کہ حکم میں **وَهُوَ أَلْيَقُ بِالْعِبَادَاتِ** اور یہ عبادات کے زیادہ لائق ہے، زیادہ مناسب ہے **وَالثَّانِي بِالْعُقُوبَاتِ** اور دوسرا جو ہے، یعنی حکم کے اندر تداخل، وہ سزاؤں کے زیادہ مناسب ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ عبادتوں کی بنیاد احتیاط پر ہے، سزاؤں کی بنیاد معاف کرنے پر ہے، اسی لیے تو آپ پڑھتے ہیں: **الْحُدُودُ تُدْرَأُ بِالشُّبُهَاتِ،** شبہے کی وجہ سے حد کیا ہو جاتی ہے؟ ساقط ہو جاتی ہے، اس کو ختم کر دیا، یعنی معاف کر دیا جاتا ہے۔ تو اس کی بنیاد اس کو ختم کرنے پر ہے کہ اس کو دور کیا جائے، جس قدر ہو سکے سزا سے کسی انسان کو بچایا جائے بھائی۔ اور اللہ کے رحم و کرم کا ذرا اندازہ لگائیے، انسان حیران رہتا ہے بھائی، اللہ کا فضل و احسان کتنا عظیم ہے بھائی، کتنا عظیم ہے۔ دیکھیے اور باتوں کے لیے دو دو گواہ کافی ہیں لیکن زنا کے معاملے میں اللہ نے چار گواہوں کی شرط لگادی بھائی شریعت نے۔ کتنے گواہ ہونے چاہییں؟ چار گواہ ہونے چاہییں بھائی، چار گواہ۔ مقصد کیا ہے؟ انسان کو سزا سے بچانا، یہ اللہ کی رحمت اور شفقت ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو چار گواہ ہوں، چار گواہ، اور پھر مزید اس کی جب انسان شرائط پڑھتا ہے کہ زنا کے لیے گواہ کس طرح کے چاہییں اور وہ کس طرح وہ گواہی دیں گے وغیرہ، انسان حیران رہ جاتا ہے کہ شریعت کی کس قدر کوشش ہے کہ انسان سے اس سخت ترین سزا کو کیا کر دیا جائے؟ ٹال دیا جائے، اس کی جان بچ جائے بھائی، جان بچ جائے۔ تو سزاؤں کی بنیاد کس پر ہے؟ دور کرنے پر ہے کہ ان کو کسی طرح ٹال دیا جائے، دور کر دیا جائے۔

وَإِمْكَانُ التَّدَاخُلِ عِنْدَ اتِّحَادِ الْمَجْلِسِ، بھائی متن میں آیا تھا کہ ایک مجلس میں کئی دفعہ آیت سجدہ تلاوت کرے گا تو پھر ایک ہی سجدہ اس پر واجب ہو گا، اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَإِمْكَانُ التَّدَاخُلِ عِنْدَ اتِّحَادِ الْمَجْلِسِ** اور تداخل کا امکان، یعنی تداخل کا ممکن ہونا مجلس کے متحد ہونے کے وقت ہی ہو گا **لِكَوْنِهِ جَامِعًا لِلْمُتَفَرِّقَاتِ** اس لیے کیونکہ مجلس جو ہے متفرق چیزوں کو جمع کرنے والی ہے۔ مجلس کیا کرنے والی ہے؟ متفرق چیزوں کو جمع کرنے والی ہے، لہٰذا اتحادِ مجلس ضروری ہے۔ مجلس ایک ہو گی تو وہ جتنی دفعہ بھی آیت سجدہ کو پڑھے گا، تداخل ہو گا اور ایک ہی سجدہ واجب ہو گا۔ اور مجلس بدلے گی تو پھر تداخل بھی نہیں ہو گا، پھر الگ الگ سجدہ کرنا پڑے گا کیونکہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کرنے والی ہے۔ آپ نہیں دیکھتے بھائی، آپ نے مسئلہ پڑھا ہے کہ ایجاب اور ایک ہے قبول بیع کرتے ہوئے یا کوئی عقد وغیرہ، ایجاب اور قبول کا اسی مجلس میں ہونا ضروری ہے، اسی مجلس۔ تو دیکھو مجلس نے کیا کیا؟ متفرق چیزوں کو جمع کر دیا، اکٹھا کر دیا، ایجاب کے ساتھ قبول کو ملا دیا ورنہ وہ آپس میں نہ ملتے بھائی۔ نیز اسی طرح آپ نے پڑھا ہے کہ یہ زنا وغیرہ جیسے چار گواہوں کے ذریعے زنا ثابت کیا جا سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی خود اقرار کر لیتا ہے آ کر تو اس کے اقرار سے بھی کیا ثابت ہو جائے گا؟ زنا ثابت ہو جائے گا، لیکن اس میں بھی، اس میں بھی ضروری ہے کہ جیسے چار گواہ ضروری تھے وہ چار مختلف مجلسوں میں اقرار کرے، صرف ایک مجلس میں آتا ہے، کھڑا ہوتا ہے اور چار دفعہ کہہ دیتا ہے کہ میں اقرار کرتا ہوں لیکن یہ چاروں ان میں تداخل ہو جائے گا اور ایک ہی اقرار شمار ہو گا بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھیے یہاں پر بھی وہی رحمت والا پہلو ہے بھائی۔

لِكَوْنِهِ جَامِعًا لِلْمُتَفَرِّقَاتِ اس لیے کیونکہ مجلس جو ہے وہ متفرق چیزوں کو جمع کرنے والی ہے **فَإِذَا اخْتَلَفَ عَادَ الْحُكْمُ إِلَى الْأَصْلِ** پس جب مجلس مختلف ہو گئی تو حکم اپنے اصل کی طرف لوٹ جائے گا، اور اصل تو کیا ہے؟ کہ جتنی دفعہ تلاوت کا تکرار ہوا اتنی دفعہ وجوب کا بھی تکرار، اتنے ہی سجدے بھی واجب ہوں۔

وَلَا يَخْتَلِفُ بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ اور مجلس بدلتی نہیں ہے صرف کھڑے ہونے سے۔ صرف کھڑا ہو بھائی، ایک آدمی تلاوت کر رہا ہے، ایک جگہ بیٹھا ہوا ہے، ایک ہی آیت سجدہ کو بار بار پڑھ رہا ہے، اسی مقام پر وہ کھڑا ہو گیا تو بھی مجلس نہیں بدلی، بلکہ ایک دو قدم چلا پھر بھی مجلس نہیں بدلی، مجلس وہی ہے، تو صرف کھڑے ہونے کی وجہ سے مجلس نہیں بدلتی۔

کہتے ہیں: **وَلَا يَخْتَلِفُ بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ** اور مجلس بدلتی نہیں ہے صرف کھڑے ہونے سے، **بِخِلَافِ** جی آگے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں اعتراض کا۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی عورت کو اگر خاوند اختیار دے دے طلاق کا کہ تو کیا کر سکتی ہے، اپنے آپ کو، تجھے میں اختیار دیتا ہوں، اپنے آپ کو طلاق دینا چاہتی ہے میری جانب سے تو تجھے اختیار ہے، اختیار ہے، تو فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ عورت اگر بیٹھی ہوئی تھی اور کھڑی ہو گئی تو بس اس کا اختیار ختم ہو گیا، اس کا اختیار مجلس

تک تھا لیکن کھڑی ہوئی تو اختیار کیا ہوا؟ ختم۔ معلوم ہوا کھڑے ہونے سے مجلس بدل جاتی ہے اور آپ ہمیں کیا بتلا رہے ہیں؟ **وَلَا يَخْتَلِفُ بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ** صرف کھڑے ہونے سے مجلس بدلتی نہیں، لیکن اس مسئلے سے کیا معلوم ہو رہا ہے کہ کھڑے ہونے سے مجلس بدل جاتی ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی نہیں، وہاں وہ کھڑے ہونے سے مجلس بدلی ہو اور اس وجہ سے کہیں اختیار ختم ہو گیا اس عورت کا، نہیں نہیں، وہاں مجلس نہیں بدلی بلکہ اس کا کھڑا ہونا اعراض پر دلالت کرتا ہے، کس چیز پر؟ اعراض پر۔ خاوند اسے کہہ رہا ہے تجھے اختیار ہے، اپنے آپ کو طلاق دینا چاہتی ہے تو طلاق دے دے، اور وہ عورت کھڑی ہو گئی، معلوم ہوا اس کو یہ بات ناپسند تھی، اس نے اپنے اختیار کو استعمال نہیں کیا، کھڑی ہو گئی اور یہ کھڑے ہونا کس چیز پر دلالت کر رہا ہے؟ اعراض کہ وہ اس بات سے منہ موڑ رہی ہے، اس کو یہ بات پسند نہیں، تو یہ کھڑا ہونا اعراض پر دلالت کر رہا ہے، اس وجہ سے اس کا اختیار ختم ہو جائے گا ورنہ مجلس ابھی بھی وہی ہے بھائی۔

بِخِلَافِ الْمُخَيَّرَةِ بخلاف اس عورت کے جس کو اختیار دیا گیا **لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِعْرَاضِ** اس لیے کیونکہ اس کا کھڑے ہونا اعراض کی دلیل ہے **وَهُوَ الْمُبْطِلُ هُنَالِكَ** اور وہی باطل کرنے والا ہے، یعنی اختیار کو، **هُنَالِكَ** اس جگہ پر، مجلس نہیں بدلی بلکہ یہ اعراض اس کے اختیار کو باطل کر رہا ہے۔

وَفِي تَسْدِيَةِ الثَّوْبِ يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ، تسدیہ کہتے ہیں جو قدیم زمانے میں وہ کپڑے ہاتھ سے بنے جاتے تھے اور وہ دھاگے وغیرہ ان کو وہ سیدھا کرتے تھے اور تو وہ جو تانوں کو سیدھا کرتے ہوئے وہ جو کپڑا بنانے والا اس کو سیدھا کرتا وہ دھاگوں کو، کپڑے کے اندر جو دھاگے ہیں آپ نے دیکھے ہوں گے، ایک دھاگہ لمبائی کے رخ میں جا رہا ہے تو دوسرا چوڑائی میں، تو یہ جو لمبائی میں جا رہا ہے اس کو تانا کہتے ہیں اور جو چوڑائی میں ہے اس کو بانا، تو یہ جو تانا تنتے اس کو تسدیہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ تسدیہ۔ تو یہ جو دھاگہ سیدھا کرتے ہوئے وہ ساتھ چل رہا ہے ایک شخص اور وہ ساتھ ساتھ تلاوت بھی کر رہا ہے آیت سجدہ کی، تو کیا یہ مجلس اس کو ایک شمار کریں گے؟ وہ تو وہیں پر آ رہا ہے اور جا رہا ہے اور پڑھتا جا رہا ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھائی، وہ چلتا جا رہا ہے، مجلس بدلتی جا رہی ہے، جتنی دفعہ پڑھے گا اتنی ہی اتنے ہی سجدے اس پر آئیں گے۔

تو کہتے ہیں: **وَفِي تَسْدِيَةِ الثَّوْبِ يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ** اور کپڑے کے تانا سیدھا کرنے میں **يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ** وجوب مقرر ہو گا، **وَفِي الْمُنْتَقِلِ مِنْ غُصْنٍ إِلَى غُصْنٍ كَذَلِكَ** اور وہ جو منتقل ہونے والا ہے ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف اس میں بھی اسی طرح ہو گا **فِي الْأَصَحِّ** اس قول کے مطابق جو زیادہ صحیح ہے۔ بھائی، ایک شخص ہے اس نے درخت کی ایک شاخ پر تلاوت کی اور پھر اس شاخ سے جب دوسری شاخ پر منتقل ہوا پھر اس نے وہی آیت تلاوت کی اور پھر تیسری شاخ پر وہی آیت تلاوت کی تو کیا ایک سجدہ آئے گا یا کئی سجدے آئیں گے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، مجلس بدلتی جا رہی ہے تو لہٰذا جتنی دفعہ تلاوت کرے گا اتنے ہی سجدے آئیں گے۔

وَكَذَا فِي الدِّيَاسَةِ لِلِاحْتِيَاطِ اور اسی طرح غلہ گاہنے میں بھی بوجہ احتیاط کے۔ دیاست اس کو کہتے ہیں بھائی، آج کل تو مشینیں آ گئیں، ایک ہی دن کے اندر کھیت کٹتا بھی ہے، دانے بھی بھس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں، پیک بھی ہو جاتے ہیں اور منڈی میں بھی پہنچ جاتے ہیں، حالانکہ قدیم زمانے میں یہ بڑا لمبا عمل تھا اور بڑا مشکل، کئی کئی دن اس پر لگ جاتے تھے بھائی۔ وہ کیا کرتے تھے؟ سب سے پہلے سارے کھیت کو کاٹتے اور وہ اس کو اکٹھا کرتے، پھر اس کے بعد وہ جو خوشے ہوتے ان ساروں کو ایک جگہ پر سخت زمین پر ڈال دیتے بھائی، وہ جو مثلاً گندم کے جو خوشے ہوتے، اب وہ دانے ابھی خوشوں کے اندر ہوتے، ان کو ڈال دیتے وہاں اور پھر بیل وغیرہ جتنے بیل ہوتے، دو یا تین جتنے بیل لاتے اور پھر ان بیلوں کو ان خوشوں کے اوپر چلاتے، وہ خوشے تو خشک تو تھے ہی، سخت زمین پر بھی پڑے ہیں، اب جب بیلوں کی قدموں تلے روندے جاتے خوب اچھی طرح، سارا دن ان بیلوں کو ان پر چلایا جاتا سارا دن بھائی، تو وہ دانے اب خوشوں سے نکل آتے، دانے خوشوں سے نکل آتے۔ تو یہ جو یہ جو بیل وغیرہ کو دانوں پر چلایا جاتا اور وہ ان کو قدموں سے روندتے اور دانوں کو بھس سے علیحدہ کرتے، خوشوں سے نکالتے تھے، اس کو کہتے تھے دیاسہ، اس کو کیا کہتے ہیں؟ دیاسہ، غلے کو گاہنا، یعنی وہ جانور کا اس کو اپنے قدموں تلے روندنا۔

تو اس میں کوئی شخص کیا کرتا ہے؟ اس میں تلاوت کرتا جا رہا ہے، بیلوں کے ساتھ ساتھ چکر بھی لگا رہا ہے، ان کو مسلسل چلاتے رہتے بھائی، تو وہ شخص ان کو چلا رہا ہے، ان کے ساتھ ساتھ چکر لگا رہا ہے اور ساتھ ساتھ آیت سجدہ بھی تلاوت کر رہا ہے، تو اس میں کیا ایک سجدہ آئے گا یا کئی؟ کہتے ہیں بھائی مجلس بدلتی جا رہی ہے تو اس میں بھی بطورِ احتیاط کے کیا کرے گا؟ اتنے ہی سجدے آئیں گے جتنی دفعہ وہ آیت سجدہ کو تلاوت کرے گا بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو پھر وہ دانے علیحدہ ہو جاتے، پھر اس کے بعد بھائی لیکن ابھی بھی دانے اور بھس اکٹھے پڑے ہوئے ہیں، نکل تو آئے ہیں خوشوں میں سے لیکن بھس کے ساتھ ملے ہوئے زمین پر پڑے ہیں، پھر کیا کرتے تھے؟ پھر وہ بیلچہ نما وہ چیز ہوتی اس کے ذریعے ان کو اٹھاتے اور ایک طرف جگہ کی طرف ان کو ہوا میں زور سے اچھالتے جاتے، تو وہ ہوا کی وجہ سے جو بھس ہوتا وہ تھوڑا سا آگے نکل جاتا یا راستے میں ہی رک جاتا کیونکہ بھس تو ہلکا سا ہے وہ تو دور نہیں جائے گا، لیکن دانہ وزنی ہوتا وہ اس جگہ پر جا کر گرتے، تو اس طرح پھر وہ سارے دانوں کو کیا کر لیتے؟ علیحدہ کر لیتے تھے بھائی، تو بڑا لمبا عمل ہوتا تھا۔

تو کہتے ہیں: **وَكَذَا فِي الدِّيَاسَةِ** اور اسی طرح حکم ہے غلہ گاہنے میں بھی، یعنی اس میں بھی کئی سجدے آئیں گے، **لِلِاحْتِيَاطِ** بطورِ احتیاط کے، کیونکہ احناف ہمیشہ کس صورت کو اختیار کرتے ہیں جس میں احتیاط زیادہ ہو اور یہ عبادت کا مسئلہ ہے، تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ جتنی دفعہ آیت سجدہ تلاوت کی ہے اتنے ہی سجدے کر لے۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۷۶: مسئلہ: وَلَوْتَبَدَّلَ مَجْلِسُ السَّامِعِ دُونَ التّ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر ۷۶: مسئلہ: وَلَوْتَبَدَّلَ مَجْلِسُ السَّامِعِ دُونَ التّ...

ہدایہ صفحہ: ۱۷۲ — بتاریخ: ۲ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَوْ تَبَدَّلَ مَجْلِسُ السَّامِعِ دُونَ التَّالِي يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ عَلَى السَّامِعِ؛ لِأَنَّ السَّبَبَ فِي حَقِّهِ السَّمَاعُ، وَكَذَا إِذَا تَبَدَّلَ مَجْلِسُ التَّالِي دُونَ السَّامِعِ عَلَى مَا قِيلَ». [1]

سجدۂ تلاوت سے متعلقہ مسائل بیان کر رہے ہیں صاحب ہدایہ بھائی۔ تو وہ فرماتے ہیں: «**وَلَوْ تَبَدَّلَ مَجْلِسُ السَّامِعِ دُونَ التَّالِي يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ عَلَى السَّامِعِ**»۔ آپ نے پڑھا کہ آیتِ سجدہ جیسے تلاوت کرنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے، اسی طرح آیتِ سجدہ کو سن لینا یہ بھی کیا ہے؟ سجدے کے وجوب کا سبب ہے۔

تو لہٰذا اب صورت یہ کہ تلاوت کرنے والا، اس کے بارے میں تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ تلاوت کرنے والا جو ہے ایک مجلس میں جتنی بار بھی ایک آیتِ سجدہ کو تلاوت کرے گا، اس پر ایک ہی سجدہ آئے گا بھائی۔ ایک ہی سجدہ آئے گا، اور یہ کس قبیل سے ہے؟ سبب میں تداخل کرنا زیادہ یہاں مناسب ہے یا حکم کے اندر؟ سبب کے اندر تداخل زیادہ مناسب ہے، کیونکہ یہ عبادت کا معاملہ ہے اور احتیاط اسی صورت میں ہے کہ جب سبب ایک ہو گا تو عبادتیں بھی کتنی واجب ہوں گی؟ ایک ہی واجب ہو گی بھائی۔

تو مسئلہ آپ نے پڑھ لیا کہ تلاوت کرنے والے کی مجلس نہیں بدلتی، مجلس ایک ہی ہے، اور ایک ہی آیتِ سجدہ کو تلاوت کر رہا ہے، تو جتنی دفعہ بھی تلاوت کر لے ایک ہی سجدہ آئے گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا، ایک ہی آیتِ سجدہ کو وہ بار بار تلاوت کر رہا ہے۔ اگر مختلف آیاتِ سجدہ تلاوت کر رہا ہے ایک ہی مجلس میں، تو پھر اسی کے مطابق سجدے آئیں گے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ جتنی مختلف، ایک فلاں سورت سے پڑھی، ایک دوسری سورت سے، ایک تیسری سورت سے آیتِ سجدہ، تو وہ ہر آیتِ سجدہ سے الگ سجدہ آئے گا پھر اس کے مطابق۔

اب صورت یہ یہاں پر کہ تلاوت کرنے والا تو ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر تلاوت کرتا جا رہا ہے، لیکن ایک شخص ہے وہاں پر وہ چکر لگا رہا ہے، وہ اس کی تلاوت سن رہا ہے، یہ اونچی آواز سے تلاوت کر رہا ہے، بار بار ایک ہی آیتِ سجدہ کو پڑھتا جا رہا ہے اور سننے والے کی مجلس بدلتی جا رہی ہے، کیونکہ وہ چکر لگا رہا ہے۔ تو یاد رکھیے، اس صورت میں سننے والے کی مجلس بدل رہی ہے، لہٰذا اس پر اتنے ہی سجدے آئیں گے جتنی مرتبہ یہ آیت سنے گا وہ بھائی۔ سمجھ میں آیا جی؟

کہتے ہیں: «**وَلَوْ تَبَدَّلَ مَجْلِسُ السَّامِعِ دُونَ التَّالِي**» اور اگر بدلتی ہے سننے والے کی مجلس نہ کہ تلاوت کرنے والے کی، «**يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ عَلَى السَّامِعِ**» تو مکرر وجوب ہو گا سننے والے پر، «**لِأَنَّ السَّبَبَ فِي حَقِّهِ السَّمَاعُ**» اسی کیونکہ اس کے حق میں سبب کیا ہے؟ سماع سننا ہے، اور اس پر سننے سے سجدہ واجب ہو رہا ہے اور وہ سننا مختلف مجلسوں میں ہو رہا ہے، اگرچہ تلاوت کرنے والے کی مجلس ایک ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَكَذَا إِذَا تَبَدَّلَ مَجْلِسُ التَّالِي دُونَ ا...

«**وَكَذَا إِذَا تَبَدَّلَ مَجْلِسُ التَّالِي دُونَ السَّامِعِ**» اور اسی طرح ہے حکم جب تلاوت کرنے والے کی مجلس بدلے نہ کہ سننے والے کی، نہ کہ سننے والے کی۔ صورت یہ، سننے والا ایک جگہ بیٹھا ہوا ہے، تلاوت کرنے والا کیا کر رہا ہے؟ چکر لگا رہا ہے، مجلس بدلتی جا رہی ہے، اور وہ آیتِ سجدہ تلاوت کرتا جا رہا ہے۔ بھائی اس پر

[1] شاملہ (ص ۹۵) میں «صَلَاةِ» کے بجائے «الصلاة» درج ہے۔ • ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۹۷): «الإنسان»۔

تو آپ پڑھ چکے کئی سجدے آئیں گے۔ کیا یہ سننے والے پر بھی کئی سجدے آئیں گے یا نہیں؟ کہتے ہیں اسی طرح حکم ہے۔ تلاوت کرنے والے کی مجلس بدل رہی ہے تو سننے والے پر بھی اس کے مطابق کئی سجدے آئیں گے، کئی سجدے آئیں گے۔ لیکن آپ کو آگے بتائیں گے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ نہیں، سامع جب ایک جگہ بیٹھا ہے، اس کی مجلس ایک ہے تو اس پر ایک ہی سجدہ آئے گا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو کہتے ہیں: «وَكَذَا إِذَا تَبَدَّلَ مَجْلِسُ التَّالِي دُونَ السَّامِعِ عَلَى مَا قِيلَ» اور اسی طرح حکم ہے کہ جب تلاوت کرنے والے کی مجلس بدلے نہ کہ سننے والے کی، «عَلَى مَا قِيلَ» بنابر اس کے جو کہا گیا ہے، بوجہ اس کے جو کہا گیا ہے۔ «وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ عَلَى السَّامِعِ» اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ سننے والے پر وجوب مکرر نہیں آئے گا۔ کون سی صورت ہے؟ تلاوت کرنے والا چکر لگا رہا ہے، اس کی مجلس بدل رہی ہے، سننے والے کی نہیں بدل، جب سننے والے کی نہیں بدل رہی تو اس کے حق میں سجدہ آتا ہی کس وجہ سے تھا؟ سننے کی وجہ سے، اور وہ تو ایک ہی مجلس میں ہے، لہٰذا اس پر ایک ہی سجدہ آئے گا۔ «لِمَا قُلْنَا» اس وجہ سے جو ہم نے بیان ہم نے کہی بھائی کہ اس کے حق میں سماع سبب ہے وہ تلاوت سبب نہیں، تو تلاوت والے کی مجلس بدل رہی ہے، اس کی مجلس تو نہیں بدل رہی۔

«وَمَنْ أَرَادَ السُّجُودَ كَبَّرَ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ رَأْسَهُ».

سجدۂ تلاوت کا طریقہ بتلا رہے ہیں صاحب ہدایہ بھائی۔ یاد رکھیے، سجدۂ تلاوت جو ہے اس میں وہ ساری شرائط ملحوظ ہوں گی جو نماز کے اندر ملحوظ ہوتی ہیں؛ یعنی کپڑے اور بدن کا پاک ہونا چاہیے کپڑے اور بدن کو، اور نیز قبلہ رخ وغیرہ ہونا چاہیے، اور پھر سجدے کا ارادہ ہو تو «اللهُ أَكْبَرُ» کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے، اور پھر سجدے کی تسبیحات پڑھ لے، اور پھر «اللهُ أَكْبَرُ» کہتا ہوا واپس بیٹھ جائے، تو بس سجدہ ہو گیا بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ أَرَادَ السُّجُودَ» اور جس کا ارادہ ہو سجدہ کرنے کا، «كَبَّرَ» تو تکبیر کہے، «وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ» اور ہاتھوں کو نہ اٹھائے، یعنی تکبیرِ تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ «وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ» ہاتھوں کو نہیں اٹھائے گا، «وَسَجَدَ» سجدہ کرے گا، «ثُمَّ كَبَّرَ» پھر تکبیر کہے، «وَرَفَعَ رَأْسَهُ» اور اپنا سر اٹھالے، «اعْتِبَارًا بِسَجْدَةِ الصَّلَاةِ» قیاس کرتے ہوئے نماز کے سجدے پر، جیسے وہ ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے۔ «وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ» اور یہی روایت کیا گیا ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ «وَلَا تَشَهُّدَ عَلَيْهِ وَلَا سَلَامَ» اور اس پر شخص پر تشہد بھی نہیں ہے اور سلام بھی نہیں ہے۔ تشہد بھی نہیں اور سلام۔ «لِأَنَّ ذٰلِكَ لِلتَّحَلُّلِ» اس لیے کیونکہ سلام تو حلال ہونے کے لیے ہوتا ہے۔ سلام کس لیے ہوتا ہے نماز کے آخر میں؟ تاکہ نماز کے احرام کا کو ختم کیا جائے۔ تو سلام تو حلال ہونے کے لیے ہے، «وَهُوَ يَسْتَدْعِي سَبْقَ التَّحْرِيمَةِ» اور سلام وہ تقاضا کرتا ہے تحریمہ کے مقدم ہونے کا کہ اس سے پہلے کیا ہو؟ تکبیر تحریمہ ہو، تحریمہ والا وہ احرام پایا جائے، «وَهِيَ مُنْعَدِمَةٌ» اور وہ کیا ہے یہاں پر؟ معدوم ہے۔ تو اگر یہاں تحریمہ ہوتی تو پھر سلام بھی ہوتا۔ تو شروع میں یہاں تحریمہ نہیں سجدے سے پہلے، لہٰذا آخر میں سلام بھی نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَيُكْرَهُ أَنْ يَقْرَأَ السُّورَةَ فِي صَلٰ...

«قَالَ: وَيُكْرَهُ أَنْ يَقْرَأَ السُّورَةَ فِي صَلَاةٍ أَوْ غَيْرِهَا وَيَدَعَ آيَةَ السَّجْدَةِ».

فرماتے ہیں: یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص نماز یا غیر نماز میں کیا کرے؟ کوئی سورت پڑھے اور آیتِ سجدہ کو چھوڑ دے بھائی۔ «وَيُكْرَهُ» اور مکروہ ہے «أَنْ يَقْرَأَ السُّورَةَ فِي صَلَاةٍ أَوْغَيْرِهَا» کہ کوئی شخص سورت پڑھے نماز میں یا غیر نماز میں، یعنی نماز سے باہر، «وَيَدَعَ آيَةَ السَّجْدَةِ» اور آیتِ سجدہ کو چھوڑ دے، سورت پڑھے اور آیتِ سجدہ کو چھوڑ دے، «لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الِاسْتِنْكَافَ عَنْهَا» استنکاف کا معنی ہے نفرت کرنا، یہاں اعراض کے معنی میں ہے۔ «لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الِاسْتِنْكَافَ عَنْهَا» «عَنْهَا أَيْ عَنِ السَّجْدَةِ» کس سے؟ سجدہ۔ اس لیے کیونکہ یہ مشابہ ہوا اس سجدے سے اعراض کے، اس سجدے سے اعراض کے مشابہ ہوا اور اس وجہ سے یہ مکروہ ہے بھائی کہ یہ اس سے منہ موڑ رہا ہے۔

«وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقْرَأَ آيَةَ السَّجْدَةِ وَيَدَعَ مَا سِوَاهَا» اور کوئی حرج نہیں ہے کہ آیتِ سجدہ کو پڑھے «وَيَدَعَ مَا سِوَاهَا» اور اس کے علاوہ کو کیا کر دے؟ چھوڑ دے۔ پہلی صورت میں کیا تھا؟ آیتِ سجدہ کو چھوڑتا ہے اور باقی پڑھتا ہے، یہ مکروہ ہے۔ اور اس کا عکس، آیتِ سجدہ کو پڑھتا ہے اور باقی کو چھوڑ دیتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ «لِأَنَّهُ مُبَادَرَةٌ إِلَيْهَا» کیونکہ اس میں جلدی کرنا ہے سجدے کی طرف بھائی اور یہ پسندیدہ ہے۔ «لِأَنَّهُ مُبَادَرَةٌ إِلَيْهَا» تو آپ چاہے اس کا ترجمہ کر لیں جلدی کرنا یا پیش قدمی کرنا، «لِأَنَّهُ مُبَادَرَةٌ إِلَيْهَا» اس لیے کیونکہ یہ سجدے کی طرف جلدی کرنا ہے، اس کی طرف پیش قدمی کرنا ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: أَحَبُّ...

«قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْرَأَ قَبْلَهَا آيَةً أَوْ آيَتَيْنِ دَفْعًا لِوَهْمِ التَّفْضِيلِ».

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے زیادہ پسند ہے یہ بات کہ وہ پڑھے اس آیتِ سجدہ سے پہلے «آيَةً أَوْ آيَتَيْنِ» ایک یا دو آیتیں۔ بھائی اگر کوئی پڑھنا چاہتا ہے آیتِ سجدہ کو اور باقی کو چھوڑنا چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ آیتِ سجدہ پڑھنا چاہتا ہے تو اس سے پہلے کی ایک یا دو آیتیں بھی ساتھ ملالے، ان کو بھی کیا کرلے؟ پڑھ لے، «دَفْعًا لِوَهْمِ التَّفْضِيلِ» تفضیل کے وہم کو دور کرنے کے لیے۔ تفضیل کا معنی ہے فضیلت دینا، تاکہ کہیں یہ وہم نہ پڑے، یہ آیتِ سجدہ کو کیا کر رہا ہے؟ باقی آیتوں پر فضیلت دے رہا ہے، اس لیے اس کے ساتھ ایک دو اور آیتیں ملادے۔ حالانکہ قرآن ہونے میں سب کیا ہیں؟ برابر ہیں بھائی۔ یہ معنی ہے «دَفْعًا لِوَهْمِ التَّفْضِيلِ» فضیلت دینے کے وہم کو دور کرنے کے لیے۔

«وَاسْتَحْسَنُوا إِخْفَاءَهَا شَفَقَةً عَلَى السَّامِعِينَ».

اور فقہاء نے پسند فرمایا ہے «إِخْفَاءَهَا» آیتِ سجدہ کے اخفاء کو، یعنی کہ اس کو آہستہ پڑھا جائے، «شَفَقَةً عَلَى السَّامِعِينَ» سننے والوں پر شفقت کرتے ہوئے۔ فقہاء فرماتے ہیں پسندیدہ یہ ہے کہ انسان جب تلاوت کر رہا ہو اور سننے والے کوئی ہوں تو آیتِ سجدہ کو کیا کرے؟ آہستہ پڑھے بھائی، آہستہ پڑھے۔ کیونکہ اگر زور سے پڑھے گا تو پھر سننے والوں پر بھی سجدہ واجب ہو جائے گا، اور ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی بے وضو ہو بھائی، وہ اس وقت سجدہ نہ کر سکے، یا کوئی اور مانع ہو جس کی وجہ سے ابھی سجدہ نہیں کر سکا، اور پھر ہو سکتا ہے بعد میں بھی اس کو یاد نہ رہے بھول جائے، تو پھر اس صورت میں وہ اس نے سجدہ نہیں کیا اور اس کے ذمے سجدہ رہ گیا تو وہ گناہ گار ہو گا، تو لہٰذا بہتر یہ ہے کہ انسان کیا کرے؟ آیتِ سجدہ کو آہستہ پڑھے۔ یہ معنی ہے: «وَاسْتَحْسَنُوا إِخْفَاءَهَا شَفَقَةً عَلَى السَّامِعِينَ» اور فقہاء نے پسند فرمایا ہے آیتِ سجدہ کے اخفاء کو شفقت کرتے بطورِ شفقت کے سامعین پر۔ «وَاللّٰهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

■ مسئلہ: بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ: السَّفَرُ الَّذِي يَتَ...

«بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ: السَّفَرُ الَّذِي يَتَغَيَّرُ بِهِ الْأَحْكَامُ أَنْ يَقْصِدَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا بِسَيْرِ الْإِبِلِ وَمَشْيِ الْأَقْدَامِ».

«بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ» یہ باب ہے مسافر کی نماز کے بیان میں۔ بھائی مسافر آپ جانتے ہیں کہ وہ چار رکعت کے بجائے کتنی پڑھے گا؟ دو رکعت پڑھے گا بھائی۔ تو اس میں وہ طریقہ اور اس کے مسائل ذکر ہوں گے کہ کس وقت وہ چار کے بجائے دو رکعت بن جائیں گی نماز بھائی۔

کہتے ہیں: «السَّفَرُ الَّذِي يَتَغَيَّرُ بِهِ الْأَحْكَامُ» وہ سفر کہ جس سے بدل جاتے ہیں احکام، «أَنْ يَقْصِدَ» کہ کوئی شخص کہ وہ سفر کرنے والا ارادہ کرے «مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا» تین دن کی مسافت کا اور ان کی جو راتیں ہیں، یعنی تین دن اور تین رات کی مسافت کا جو شخص ارادہ کرے اتنی دور جانے کا، «بِسَيْرِ الْإِبِلِ وَمَشْيِ الْأَقْدَامِ» اونٹوں کے چلنے اور پاؤں سے یعنی پیدل چلنے کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ یعنی ایسی جگہ کا کوئی شخص ارادہ کرے جو اونٹوں کے چلنے یا پیدل چلنے کے اعتبار سے تین دن کی مسافت پر ہے، تو یہ شخص اب شرعاً مسافر ہوا۔ ویسے تو مسافر تھوڑا بھی کوئی سفر پر نکلے اس کو عربی زبان میں کیا کہیں گے؟ مسافر، لیکن شرعاً مسافر یعنی وہ سفر جس کی وجہ سے احکام بدلتے ہیں، وہ کس وقت ہو گا؟ جب وہ کتنی دور جانے کا ارادہ کرے؟ تین دن اور تین رات کی مسافت پر کوئی جگہ ہے وہاں جانے، کم از کم اتنی دور ہو یا اس سے بھی آگے ہو، تو اس تک جانے کا ارادہ کرے۔

اور یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ اونٹوں کا چلنا اور پیدل چلنے کی رفتار معتبر ہے جیسے قدیم زمانے میں سفر کیا جاتا تھا۔ اور رفتار بھی متوسط درجے کی ہے، نہ بہت تیز ہو اور نہ بہت آہستہ۔ تیز ہو پھر تو وہ فاصلہ اور زیادہ ہو گا، اور کم ہو تو کم ہو جائے، متوسط درجے کے جیسے عموماً جس رفتار سے سفر کیا جاتا تھا قدیم زمانے میں بھائی۔ اور تو اتنے فاصلے پر کوئی ہو وہ اتنے فاصلے پر کوئی جگہ ہو وہاں جانے کا انسان ارادہ کرے۔

اور یہ بھی نہیں کہ تین دن تین دن کی مسافت پر ہے کہ چوبیس گھنٹے چلنے کا اعتبار کریں۔ کیونکہ سفر میں ایسا نہیں ہوتا کہ انسان چوبیس گھنٹے مسلسل ہی چلتا رہے۔ بلکہ جیسے قدیم طریقہ تھا بھائی کہ صبح صبح قافلے نکلتے تھے صبح صبح اور زوال تک سفر کیا جاتا تھا اور پھر پڑاؤ ڈال دیا جاتا تھا بھائی، پڑاؤ ڈال دیا جاتا۔ پھر اگلے دن فجر کے بعد فجر کے صبح صبح نکلتے تھے اور پھر زوال تک سفر ہوتا تھا اور پھر پڑاؤ ڈال دیا جاتا تھا بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ اب تو اللہ نے بڑی آسانیاں فرمادیں، قدیم زمانے میں تو سفر بڑا مشکل تھا بھائی۔ کوئی اکیلا سفر کر ہی نہیں سکتا تھا، ڈاکوؤں وغیرہ کا خوف ہوتا اور بڑا مشکل سفر ہوتا تھا، پیدل ہوتا یا یہ اونٹوں پر سفر ہوتا یا بیل گاڑی وغیرہ پر سفر ہوتا تھا تو بڑا آہستہ سفر ہوتا تھا۔ تو تین دن کی مسافت معتبر ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟

اور اس کا اندازہ فقہاء نے لگایا کہ یہ تقریباً اڑتالیس میل بنتا ہے، اڑتالیس میل۔ اور کلو میٹر کے اعتبار سے یہ تقریباً پورے سوا ستتر کلو میٹر بنتے ہیں بھائی، سوا ستتر کلو میٹر۔ لہٰذا یہاں سے آپ لاہور سے گوجرانوالہ جائیں تو آپ مسافر نہیں، کیونکہ وہ یہ مسافت کم ہے، ستتر کلو میٹر سوا ستتر کلو میٹر نہیں ہے اس سے کم ہے بھائی، کم۔

اور یہ بھی یاد رکھیے، ایک بستی سے دوسری بستی کا فاصلہ معتبر ہے، آپ کی منزل گھر سے نہیں، مثلاً لاہور میں آپ لاہور کے وسط سے نکلتے ہیں تو چار پانچ چھ کلو میٹر تو آپ کو لاہور میں بلکہ دس کلو میٹر تک شاید لاہور میں ہی چلنا پڑے، اور گوجرانوالہ میں بھی جہاں جانا ہے وہ بھی آٹھ دس کلو میٹر ہے، تو بیچ میں آپ کہیں پچاس کلو میٹر ساٹھ کلو میٹر درمیان میں ہے پچپن ساٹھ اور یہ دس دس بھی ملا یا یہ ستتر پورے ہو گئے، نہیں بھائی۔ شہر سے شہر کا فاصلہ ہو گا، یعنی سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس کا اعتبار ہے بھائی، اس کا اعتبار۔

جی، اب دیکھیے کتاب پر: «**السَّفَرُ الَّذِي يَتَغَيَّرُ بِهِ الْأَحْكَامُ أَنْ يَقْصِدَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا بِسَيْرِ الْإِبِلِ وَمَشْيِ الْأَقْدَامِ**» وہ سفر کہ جس کی وجہ سے احکام بدلتے ہیں وہ یہ کہ وہ سفر کرنے والا ارادہ کرے تین دن تین رات کی مسافت کا، «**بِسَيْرِ الْإِبِلِ**» اونٹوں کے چلنے سے «**وَمَشْيِ الْأَقْدَامِ**» اور قدموں سے چلنے سے، یعنی پیدل چلنے سے۔

دلیل کیا ہے؟ آپ نے اے صاحبِ ہدایہ ہمیں یہ مسئلہ بتایا، یا یوں کہیں صاحبِ قدوری نے ہمیں یہ مسئلہ بتلایا کہ تین دن کی مسافت کا ارادہ کرے پھر اس کو مسافر شمار کریں گے، اس سے کم کا ارادہ کرے تو شرعاً مسافر نہیں، لہٰذا احکام بھی نہیں بدلیں گے پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ تو اس کی کیا دلیل ہے تین دن تین رات کی جو آپ قید لگا رہے ہیں؟ کہتے ہیں: «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے بھائی۔ فرماتے ہیں: «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**يَمْسَحُ الْمُقِيمُ كَمَالِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا**» کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: مقیم شخص جو ہے پورا ایک دن رات مسح کرے، اور مسافر یعنی مسح کر سکتا ہے، اور مسافر جو ہے تین دن تین راتیں مسح کر سکتا ہے۔

بھائی مسئلہ ذکر ہو رہا ہے مسافر کا، اور صاحبِ ہدایہ دلیل میں حدیث ذکر کر رہے ہیں مسح والی، مسح والی۔ عجیب دلیل ہے بھائی، عجیب دلیل۔ احناف کی باتیں بہت گہری ہوتی ہیں بھائی۔ دیکھیے دلیل یہ، صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ اس حدیث میں آیا کہ مقیم ایک دن رات مسح کر سکتا ہے اور مسافر کتنا کر سکتا ہے؟ تین دن تین راتیں۔ اور یہ سہولت یہ سہولت ہر مسافر کو حاصل ہونی چاہیے۔ ہونی چاہیے یا نہیں؟ یا کوئی خاص مسافر ہو اس کو حاصل ہو باقیوں کو حاصل نہ ہو؟ جی؟ ہاں، جو بھی مسافر ہو شرعاً، اس کو کیا حاصل ہونی چاہیے؟ یہ رخصت حاصل ہونی چاہیے کہ وہ کیا کر سکے؟ تین دن تین رات تک مسح کر سکے موزوں پر بھائی، تین دن تین رات تک۔ اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ جو مسافت ہے وہ کم از کم اتنی ہو جو تین دن تین رات میں طے کی جا سکے، پھر ہی یہ اس حدیث پر عمل ہو سکتا ہے، ہر مسافر اس کے اندر داخل ہو جائے گا۔ ورنہ بعض اس میں داخل ہوں گے اور بعض اس میں داخل نہیں ہوں گے۔

مسئلہ سمجھ میں آیا کہ ابھی بھی نہیں آیا؟ بھائی دیکھیے، حدیث میں آیا «**الْمُسَافِرُ**»، اور اس سے کوئی خاص مسافر مراد ہے یا تمام مسافر؟ تمام، یعنی جو بھی شرعاً مسافر ہے وہ کیا کر سکتا ہے؟ تین دن تین راتیں موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔ اب اگر یہاں سے دو دن کی مسافت پر ایک بستی ہے اور ہم یہ کہیں کہ دو دن کی مسافت پر جانے کا جو ارادہ کرے وہ شرعاً کیا ہوتا ہے؟ اگر ہم اس قول کو اختیار کریں کہ جو دو دن کی مسافت پر اتنی مسافت کے طے کرنے کا ارادہ کرے اتنی دور جانے کا ارادہ کرے تو وہ شرعاً کیا ہو گا؟ مسافر۔ یا اس سے بھی ہم کم کرتے ہیں، جیسے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک دن ایک رات کی مسافت پر جانے کا جو شخص ارادہ کرے وہ کیا ہو گا؟ مسافر، جیسے ہی شہر سے نکلے گا کیا بن جائے گا؟ مسافر بن جائے گا۔ اگر ہم اس قول کو لے لیں تو یہ شخص جیسے ہی شہر سے نکلے گا کیا بن جائے گا؟ مسافر بن جائے گا۔ اور کیسا مسافر ہے؟ شرعاً مسافر ہے، کیا ہے؟ شرعاً۔ اور شرعاً ہر مسافر جو ہے اس کو کتنی رخصت ہونی چاہیے حدیث کے مطابق؟ کتنے دن تک مسح کر سکتا ہے؟ تین دن تین رات تک اس کو سہولت ہونی چاہیے مسح کرنے کی، لیکن یہ ایک دن بعد ہی اس مقام پر پہنچ گیا کیونکہ مسافت ہی کتنی تھی؟ ایک دن کی مسافت تھی، وہاں پہنچ گیا اور پہنچتے ہی اس کا ارادہ وہاں اقامت کا تھا، چلا ہی یہاں کس ارادے سے تھا؟ کہ میں وہاں ایک مہینہ قیام کروں گا۔ کیا کروں گا؟ تو اب یہاں سے وہاں تک کتنی دیر میں پہنچا؟ ایک دن میں پہنچا، اور تو ایک دن تک تو یہ مسح کر سکا، پھر تو جاتے ہی کیا بن گیا؟ مقیم بن گیا، اور مقیم کو تو تین دن کی اجازت نہیں، تو وہ تو اس سہولت سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو دیکھو، اگر ہم اس تین دن سے کم مسافت کا اعتبار کرتے ہیں تو کچھ مسافر جو شرعاً ہیں تو مسافر لیکن اس حکم میں وہ داخل نہیں، حالانکہ حدیث میں تو عام آیا کہ ہر مسافر کیا ہے؟ الف لام استغراقی، تمام مسافر ہر مسافر جو ہے تمام مسافر وہ کتنا مسح کر سکتے ہیں؟ تین۔ لہٰذا اس مسافت کو ایسی عام ہونی چاہیے کہ ہر ایک ہر مسافر اس کے اس پر عمل کر سکے۔ کیا کر سکے؟ اور وہ اس کی یہی صورت ہے کہ تین دن کی مسافت کا اعتبار کیا جائے۔ اب آپ یہاں سے چلتے ہیں اور آپ کا ارادہ تین دن کی مسافت پر واقع ایک بستی میں جانے کا ہے اور وہاں پہنچ کر آپ کیا کریں گے؟ اقامت کریں گے، تو وہاں پہنچتے ہی مقیم بن جائیں گے، لیکن یہاں سے وہاں تک فاصلہ کتنا؟ تین دن۔ اس سے کم جو ہو گا وہ مسافر ہی نہیں، اور وہ ایک دن رات کے کر سکتا ہے اس سے زیادہ، اور اتنی مسافت کا جو ارادہ کرے گا وہ کیا ہوا شرعاً؟ مسافر، اس سے کم والا مسافر ہی نہیں۔ تو جو بھی اتنے فاصلے کا یا اس سے زیادہ فاصلے کا ارادہ کرے گا جانے کا تو وہ کیا کر سکے گا؟ اس حدیث پر عمل کر سکے گا، کتنے دن تک مسح کر سکے گا؟ تین دن مسح کر، اور اس سے کم والے کو قرار دیں تو پھر تو تین دن پر پورا عمل نہیں ہو سکتا۔ دلیل اب سمجھ میں آ گئی؟ سب کو اچھی طرح دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے «**يَمْسَحُ الْمُقِيمُ كَمَالِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا**»

کہ مقیم جو ہے وہ مسح کر سکتا ہے پورا ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر جو ہے تین دن اور تین رات تک، «عَمَّتِ الرُّخْصَةُ الْجِنْسَ» یہ رخصت عام ہے پوری جنس کو، یعنی پوری جنسِ مسافر کو عام ہے اس کو شامل ہے، کیونکہ الف لام کیا لے لیا؟ الف لام استغراقی، تمام مسافر مراد ہیں، کوئی خاص مسافر نہیں مراد یہاں پر۔ تو تو یہ رخصت جو ہے عام ہوئی جنس کو یعنی جنسِ مسافر کو سب کو شامل ہوئی سب کو یہ رخصت ہے، «وَمِنْ ضَرُوْرَتِهِ عُمُوْمُ التَّقْدِيْرِ» اور اس کی ضرورت میں سے عموم التقدیر، تقدیر کا معنی مقرر کرنا، کہ مقرر کرنا عام ہو بھائی۔ اس کی ضرورت میں سے کیا ہے؟ کہ مقرر کرنا عام، یعنی وہ جو مسافت مقرر کی جائے وہ عام ہوں، یعنی تمام مسافر کیا ہوں؟ اس میں داخل ہو جائیں۔ اور کب داخل ہو سکتے ہیں؟ جب کتنی مسافت کو مقرر کیا جائے؟ تین دن۔ تو تین دن سے جو کم مسافت کا ارادہ کرے گا وہ شرعاً مسافر ہی نہیں ہے، جب مسافر ہی نہیں ہے تو «وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ» وہ مسافر کے میں داخل ہی نہیں ہے اس کے لیے یہ حکم ہی نہیں ہے، ہاں جو اتنے فاصلے کا ارادہ کرے گا وہ مسافر ہے اور جب وہ مسافر ہے تو اس پر عمل بھی کر سکتا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

■ مسئلہ: وَقَدَّرَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِيَوْمَيْ...

«وَقَدَّرَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِيَوْمَيْنِ وَأَكْثَرِ الْيَوْمِ الثَّالِثِ» اور مقرر کیا ہے اس کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے دو دن اور تیسرے دن کا اکثر بھائی، تیسرے دن کا۔ وہ فرماتے ہیں کہ کوئی جگہ اتنی مسافت پر ہے کہ انسان دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصے میں وہاں تک پہنچ جائے، تیسرا دن پورا نہیں لیکن اس کا اکثر ہے، تو بس یہ مسافر ہے، کیونکہ «لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ» گویا تیسرا دن جب اکثر آ گیا تو گویا پورا دن آ گیا، تو گویا تین دن کی مسافت پر ہے وہ بھائی۔

«وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ» اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو مقرر کیا ایک دن اور رات کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ اس کا اندازہ کیا ہے، «فِي قَوْلٍ» ایک قول میں، یرحمک اللہ۔ تو وقدر، تو قدر کے معنی مقرر کرنے کے بھی ہیں اندازہ کرنے کے بھی ہیں، بے شک آپ یہ یہ ترجمہ کر لیں: «وَقَدَّرَ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کا اندازہ کس کے ساتھ لگایا ہے؟ دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کا اندازہ کس پہ لگایا ہے؟ ایک دن اور ایک رات کے ساتھ، «فِي قَوْلٍ» ایک قول کے مطابق بھائی، اور دوسرا قول ان کا کہ دو دن دو راتیں۔

«وَكَفَى بِالسُّنَّةِ حُجَّةً عَلَيْهِمَا» صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یہ سنت یعنی یہ حدیث جو ہے کافی ہے، «حُجَّةً عَلَيْهِمَا» ان دونوں کے خلاف بطورِ دلیل کے یہ کہ اس میں تین دن کا ذکر آ رہا ہے اور اس پر تبھی عمل ہو سکتا ہے جب اس کو عام کیا جائے عام مقرر کیا جائے۔

■ مسئلہ: وَالسَّيْرُ الْمَذْكُوْرُ هُوَ الْوَسَطُ

«وَالسَّيْرُ الْمَذْكُورُ هُوَ الْوَسَطُ» اور وہ سیر جو چلنا جو ذکر کیا گیا وہ متوسط درجے کا مراد ہے، نہ بہت تیز ہو اور نہ بہت آہستہ۔ «وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ التَّقْدِيرُ بِالْمَرَاحِلِ» اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مقرر کرنا مرحلوں سے ہے، یا اندازہ کس سے ہو گا؟ مرحلوں سے۔ اندازہ کس کے ساتھ کیا جائے گا؟ مرحلوں کے ساتھ، اس سے یا اس کے ساتھ مقرر کیا جائے گا بھائی۔ مرحلہ یہ کہتے ہیں منزل کو، کس کو کہتے ہیں؟ ایک منزل۔ تو انہوں نے اس کا اندازہ منزلوں سے لگایا ہے، تو وہ فرماتے ہیں تین منزلوں تک جانے کا جو شخص ارادہ کرے وہ شرعاً مسافر ہو گا اور اس سے کم کا ارادہ کرے تو وہ مسافر نہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ التَّقْدِيرُ بِالْمَرَاحِلِ» کہ اندازہ جو ہے یا مقرر کرنا مرحلوں کے ساتھ ہو گا، «وَهُوَ قَرِيبٌ مِنَ الْأَوَّلِ» صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں یہ بھی قریب ہے پہلے قول کے ہی، یعنی جیسا پہلا قول کیا آیا تھا؟ تین دن اور تین راتیں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کیا فرما رہے ہیں ان سے کیا روایت ہے؟ تین مرحلے ہیں، کہتے ہیں یہ اس کے قریب ہی ہے، اس لیے کیونکہ عموماً ایک دن میں متوسط رفتار سے عموماً قافلے کتنا سفر طے کرتے ہیں؟ ایک منزل ہی طے کرتے ہیں بھائی، ایک منزل۔ سمجھ میں آیا؟ اور یہ میں نے بتایا کتنا بنتا ہے؟ اڑتالیس میل ہے، یعنی سوا ستتر کلو میٹر، اور یہ ایک دن میں بن گئے سولہ میل جو آج کل رائج ہیں، اور کلو میٹر غالباً یہ کوئی چھبیس کے لگ بھگ کلو میٹر، تو ایک دن میں اتنا ہی فاصلہ طے کرتا ہے انسان، پیدل چاہے تو چھبیس کلو میٹر کتنا فاصلہ ہے جو اس کو پیدل، تو پھر اس کے بعد پڑاؤ ڈال دیا جاتا تھا بھائی۔ ہاں تیز رفتار ہو گی پھر زیادہ کر لے گا، لیکن اس کا اعتبار نہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَهُوَ قَرِيبٌ مِنَ الْأَوَّلِ» اور یہ پہلے قول کے قریب ہے، «وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْفَرَاسِخِ» اور فرسخوں کا اعتبار نہیں، فرسخوں کا اعتبار نہیں۔ فرسخ بھائی یہ تین میل جو ہوا اس کو ایک فرسخ کہتے ہیں، یہ فاصلے میں نے آپ کو لکھوائے تھے غالباً باب التیمم کے اندر ذکر ہوا تھا کہ تین میل کو ایک فرسخ کہتے ہیں۔ «وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْفَرَاسِخِ» اور فرسخوں کا یعنی ان کا اعتبار نہیں ہے، «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے بھائی، صحیح ہے۔ تو صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ فرسخوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور یہی صحیح قول ہے، اس کو انہوں نے ترجیح دی بھائی، ترجیح دی بھائی۔ لیکن عام فقہاء وہ فرسخوں کے ساتھ اس کا اعتبار کرتے ہیں، اور جیسے میں نے آپ کو بتلایا کہ آج کل فتویٰ کس پر ہے؟ کہ کوئی اڑتالیس میل کے مسافت پر جگہ پر جانے کا ارادہ کرے تو یہ وہ کیا شرعاً شمار ہو گا؟ مسافر شمار ہو گا، تو یہ اڑتالیس میل کیا ہیں؟ یہ وہی فرسخ تو ہیں یعنی میل ہی تو ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو اس پر فتویٰ اس پر ہے بھائی۔ بہر حال صاحبِ ہدایہ نے دوسرے قول کو ترجیح دی اور عام فقہاء نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

مسئلہ: وَلَا يُعْتَبَرُ السَّيْرُ فِي الْمَاءِ

«وَلَا يُعْتَبَرُ السَّيْرُ فِي الْمَاءِ» اور پانی میں چلنے کا اعتبار نہیں ہے۔ پانی میں چلنے کا اعتبار، یہ معنی نہیں کہ پانی میں چلنے کا بالکل اعتبار ہی نہیں ہے بلکہ نہیں، جو خشکی پر سفر کر رہا ہے تو خشکی کے سفر کا اعتبار کیا جائے گا اور جو پانی میں سفر طے کر رہا ہے تو اس میں کشتی کی رفتار کے اعتبار سے اس کا اندازہ لگایا جائے گا تین دن کی مسافت پر کوئی جگہ، مثلاً ایک جگہ ہے وہاں خشکی کا راستہ بھی ہے اور دریا کے ذریعے بھی وہاں کشتی میں بھی پہنچا جا سکتا ہے، تو اگر پیدل جایا جائے زمین کے راستے سے تو وہ تین دن کی مسافت پر ہے، تو اگر کوئی شخص پیدل جائے گا تو وہ شرعاً مسافر شمار ہو گا، لیکن اگر اس راستے کو اس جگہ کشتی میں جایا جائے تو وہ تین دن سے کم کے اندر طے ہو جاتا ہے، تو پھر جو شخص کشتی کے اندر جائے گا تو کشتی کے سفر کا اعتبار کیا جائے گا، تو لہٰذا وہ مسافر نہیں، لہٰذا وہ قصر بھی نہیں کر، تو جس طریقے سے سفر کر رہا ہے اسی کا کیا کیا جائے گا؟ اعتبار کیا جائے گا۔

تو یہ «وَلَا يُعْتَبَرُ السَّيْرُ فِي الْمَاءِ» اور پانی میں چلنے کا اعتبار نہیں، میں نے ابھی آپ کو بتلا دیا پانی میں چلنے کا بھی اعتبار ہے، پھر اس کا کیا معنی «وَلَا يُعْتَبَرُ السَّيْرُ فِي الْمَاءِ» پانی میں چلنے کا اعتبار نہیں؟ بتلا رہے ہیں: «مَعْنَاهُ لَا يُعْتَبَرُ بِهِ السَّيْرُ فِي الْبَرِّ» معنی اس کا یہ ہے کہ اعتبار نہیں کیا جائے گا «بِهِ أَيْ بِالسَّيْرِ فِي الْمَاءِ» ہا ضمیر کس کو راجع؟ سیر فی الماء، سیر فی الماء کے ساتھ اعتبار نہیں کیا جائے گا کس کا؟ «السَّيْرُ فِي الْبَرِّ» خشکی میں چلنے، پانی میں چلنے کے ساتھ خشکی میں چلنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ دونوں کا اپنا اپنا اعتبار ہو گا۔ پانی میں سفر کرتا ہے تو اس کا کشتی کی رفتار کے اعتبار سے دیکھا جائے گا، تین دن کی مسافت پر جانے کا ارادہ ہے تو پھر مسافر ہے ورنہ مسافر نہیں، اور اگر خشکی پر سفر کا ارادہ ہے تو خشکی کے سفر کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی ایک کو دوسرے پر قیاس یا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: «مَعْنَاهُ» اس کا معنی یہ ہے «لَا يُعْتَبَرُ بِهِ» بہ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ سیر فی الماء، کہ اعتبار نہیں کیا جائے گا سیر فی الماء کو سیر فی البر پر سیر فی خشکی پر۔

«فَأَمَّا الْمُعْتَبَرُ فِي الْبَحْرِ فَمَا يَلِيقُ بِحَالِهِ كَمَا فِي الْجَبَلِ» باقی معتبر جو ہے سمندر میں تو وہ جو اس کے حال کے مناسب ہو، «كَمَا فِي الْجَبَلِ» جیسے کس میں ہے؟ پہاڑ میں ہے پہاڑ۔ تو سمندر میں جو اس کے حال کے مناسب ہو وہ معتبر ہے، یعنی کشتی کا سفر معتبر ہے، اور پہاڑ میں پہاڑ کا سفر معتبر ہے، مثلاً پہاڑوں کے اندر ایک جگہ وہ تین دن کی مسافت پر ہے تین دن کی، لیکن اگر خشکی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ اڑتالیس میل نہیں بنتے اس سے کم بنتے ہیں وہ، کیونکہ خشکی عام جگہ پر کیا ہو گا؟ وہ سفر جلدی طے ہو گا اور پہاڑوں میں پہاڑوں میں تو چڑھائی وغیرہ آئے گی وہ مشکل ہو گا، تو لیکن وہاں پہاڑ کے سفر کا اعتبار کیا جائے گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو کہتے ہیں: «فَأَمَّا الْمُعْتَبَرُ فِي الْبَحْرِ فَمَا يَلِيقُ بِحَالِهِ» تو باقی وہ جو معتبر ہے سمندر میں وہ ہے جو اس کے حال کے مناسب ہے، «كَمَا فِي الْجَبَلِ» جیسے کس کے اندر ہے؟ پہاڑ کے اندر ہے۔ چلیے بس بھائی، هذا هو المرام، والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۷۷: مسئلہ: وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ فِي الرُّبَاعِيَّةِ رَكْعَ...

ہدایہ صفحہ: ۱۷۴ — بتاریخ: ۳ مارچ ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ فِي الرُّبَاعِيَّةِ رَكْعَتَانِ لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا» «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَرْضُهُ الْأَرْبَعُ، وَالْقَصْرُ رُخْصَةٌ اعْتِبَارًا بِالصَّوْمِ» «وَلَنَا أَنَّ الشَّفْعَ الثَّانِيَ لَا يُقْضَى، وَلَا يَأْثَمُ عَلَى تَرْكِهِ، وَهَذَا آيَةُ النَّافِلَةِ»

مسافر کی نماز کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ کوئی شخص تین دن تین رات کی مسافت پر جانے کا ارادہ کرے، تو اس کی وجہ سے احکام شریعت بدلیں گے اور مسافر کے احکام اس شخص پر لاگو ہوں گے۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا تھا کہ یہ چلنا جو ہے اونٹوں کا یا پیدل چلنا اور وہ بھی متوسط رفتار کے ساتھ ہو، وہ مراد ہے۔

اور یہ بھی آپ نے پڑھا کہ اگر پہاڑوں میں سفر ہے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا، اگر پانی میں کشتی کے ذریعے سفر ہے تو اس کے اندر پھر اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور خشکی میں خشکی کے سفر کا اعتبار کیا جائے گا۔ تو خشکی میں متوسط فاصلہ طے ہوتا ہے، پہاڑوں میں کم فاصلہ طے ہوتا ہے، پانی میں زیادہ فاصلہ طے ہوتا ہے تین دن کے اندر بھئی۔ تو ہر ایک جس قسم کا سفر ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور یہ بھی میں نے آپ کو بتلایا کہ فقہاء نے آسانی کے لیے کس کا اعتبار کیا پھر؟ میلوں کا اعتبار، میلوں کے ساتھ حساب کر لیا کہ اس ایک دن میں کتنا سفر ہوتا ہے اور اس کے اعتبار سے تین دن کا اندازہ لگایا اور وہ اڑتالیس میل بنتے ہیں بھئی۔ تقریباً کتنے؟ اڑتالیس میل۔ یعنی ایک دن میں سولہ میل کا فاصلہ، اور یہ کوئی چھبیس کلومیٹر کے لگ بھگ بن جاتا ہے ایک دن میں، اور یہ اچھا خاصا فاصلہ ہے کہ کوئی شخص پیدل سفر کرے اور کتنے کلومیٹر طے کرے؟ چھبیس کلومیٹر بھئی۔ تو اتنا ہی قافلے کرتے تھے اور پھر پڑاؤ ڈالا جاتا تھا۔

اب آپ کو آگے بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: «**وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ فِي الرُّبَاعِيَّةِ رَكْعَتَانِ لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا**» اور مسافر کے فرض چار رکعت والی نماز میں «**رَكْعَتَانِ**» وہ کتنی ہوں گی؟ دو رکعت۔ چار رکعت والی جو نمازیں ہیں ان میں اب فرض کتنے ہو جائیں گے احکام جب بدل جائیں گے؟ اب دو رکعت ہوں گے۔ «**لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا**» ان پر زیادتی نہیں کرے گا۔ وہ شریعت نے دو پڑھنے کا حکم دیا ہے تو دو ہی پڑھے گا، اب چار نہیں پڑھ سکتا۔

اور یہ بھی آپ کو آگے بتائیں گے کہ اگر دو کے بجائے وہ چار پڑھ لیتا ہے تو درمیان والا قعدہ اگر وہ کر لیتا ہے تو وہ فرض ادا ہو جائیں گے، اور بقیہ نماز کیا بن جائے گی؟ نفل۔ لیکن البتہ یہ شخص برا عمل کرنے والا ہوا کہ اس نے وہ فرضوں کے سلام کو کیا کر دیا؟ مؤخر کر دیا اور ان کے ساتھ نفلوں کو ملا دیا۔

تو کہتے ہیں مسافر کے فرض چار رکعت والی نماز میں «**رَكْعَتَانِ**» دو رکعتیں ہوں گی، «**لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا**» ان پر زیادہ نہیں کرے گا۔ «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَرْضُهُ الْأَرْبَعُ، وَالْقَصْرُ رُخْصَةٌ**» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے فرض چار ہی ہیں، «**وَالْقَصْرُ رُخْصَةٌ**» اور قصر جو ہے یعنی دو رکعت پڑھنا، قصر کرنا، «**رُخْصَةٌ**» یہ کیا ہے؟ رخصت ہے۔ وہ فرماتے ہیں فرض چار ہی ہیں لیکن شریعت نے رخصت دے دی، اگر چار کے بجائے کتنے پڑھنا چاہتے ہو؟ دو بھی پڑھنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کی اجازت ہے، جبکہ ہمارے نزدیک دو ہی پڑھنے پڑیں گے، چار نہیں۔ اگر چار پڑھتا بھی ہے اور درمیان میں قعدہ کر لیتا ہے تو بقیہ دو کیا بن جائیں گے؟ نفل بنیں گے بھئی، تو دو ہی پڑھنے پڑیں گے۔ وہ فرماتے ہیں نہیں، چار فرض ہیں اور قصر رخصت ہے، «**اعْتِبَارًا بِالصَّوْمِ**» قیاس کرتے ہوئے روزے پر۔ کس پر؟ روزے پر۔

جیسے سفر کے اندر مسافر کو شریعت نے رخصت دے دی کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ روزہ چھوڑنا چاہے فی الحال چھوڑ دے، بعد میں کیا کرنی پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ تو روزہ چھوڑنے کی شریعت نے رخصت دی ہے، روزہ اس سے ساقط نہیں، اگر رکھ لیتا ہے تو اچھی بات ہے، رکھ لے بھئی۔ رکھ سکتا ہے یا نہیں رکھ سکتا؟ رکھ سکتا ہے۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے، چار پڑھنا چاہے چار پڑھ سکتا ہے اور چھوڑ کر کتنے پڑھنا چاہے تو دو بھی پڑھ سکتا ہے، دونوں صورتیں ہیں۔ لیکن یہ جو دو پڑھ رہا ہے یہ ہے رخصت، اور اصل کیا ہے؟ چار۔ تو اصل چار، عزیمت چار ہی ہے، اس کو چار ہی پڑھنی چاہیے، وہ فرماتے ہیں ہاں دو بھی پڑھ لیتا ہے یہ اس کو شریعت نے رخصت دے دی۔ جیسے روزے کے اندر روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے لیکن اگر رکھنا چاہے تو رکھ لے، وہ رکھنا عزیمت ہے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الشَّفْعَ الثَّانِيَ لَا يُقْضَى» کہ دوسرا شفع جو ہے اس کی قضا نہیں کی جاتی۔ شفع کہتے ہیں جوڑے کو، یعنی آخر والی دو رکعتیں مراد ہیں، دوسرا جوڑا۔ تو وہ جو شفع ثانی ہے اس کی قضا نہیں کی جاتی، «وَلَا يَأْثَمُ عَلَى تَرْكِهِ» اور نیز اس کے چھوڑنے پر گناہگار بھی نہیں ہوتا، «وَهَذَا آيَةُ النَّافِلَةِ» اور یہ نفل ہونے کی نشانی ہے۔ ہم دلیل دیتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرما رہے تھے کہ سفر میں بھی نماز کتنی ہے؟ چار رکعت ہی ہے اور دو رکعت وہ رخصت ہے، رخصت ہے بھئی۔ عزیمت یہ ہے کہ چار ہی پڑھے، اصل یہ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ کہہ رہے ہیں اصل چار ہی ہیں، لیکن اگر کوئی دو پڑھتا ہے تو باقی دو رکعتیں جو اس نے چھوڑی ہیں ان کی بعد میں بھی قضا نہیں اس کے ذمے۔ حالانکہ فرضوں کی تو کیا آتی ہے؟ اگر فرض چھوڑے جائیں ان کی قضا آتی ہے، تو قضا کا نہ آنا یہ علامت ہے کس چیز کی؟ اس کے نفل ہونے کی، یعنی فرض نہ ہونے کی۔ فرض نہ ہونے کی علامت ہے۔ اور نیز ان کو چھوڑ دے تو آپ کے نزدیک بھی، دو رکعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ پڑھ سکتا ہے، دو کو چھوڑنے پر گناہگار بھی نہیں، اور یہ بھی کس چیز کی علامت ہے؟ کہ یہ فرض نہیں ہے بھئی، تو یہ نفل ہونے کی علامت ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ دوسرا شفع اس کی قضا نہیں کی جاتی، «وَلَا يَأْثَمُ عَلَى تَرْكِهِ» اور گناہگار بھی نہیں ہوتا وہ شخص اس کو چھوڑنے پر، «وَهَذَا آيَةُ النَّافِلَةِ» اور یہ نفل ہونے کی نشانی ہے، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں اگر کوئی ملالے گا تو یہ کیا ہو جائیں گے؟ نفل ہو جائیں گے بشرطیکہ قعدۂ اولیٰ اس نے کیا ہو۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ الصَّوْمِ

«بِخِلَافِ الصَّوْمِ» بخلاف کس کے؟ روزے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے قیاس کیا تھا روزے پر بھئی، کہ روزے میں روزہ چھوڑنے کی جیسے رخصت ہے یہاں پر بھی کیا کر سکتا ہے؟ دو رکعتوں کو چھوڑنے کی رخصت ہے، رخصت ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں، روزے پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ روزے کی تو پھر قضا کی جاتی ہے، بعد میں قضا آتی ہے یا نہیں اگر مسافر چھوڑ دے؟ بعد میں اس کو قضا کرنا پڑتی ہے، اور یہاں جو دو رکعتیں چھوڑی ہیں ان کی قضا نہیں، لہٰذا یہ اس کی طرح نہیں ہے، اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ معنی ہے «بِخِلَافِ الصَّوْمِ لِأَنَّهُ يُقْضَى» بخلاف روزے کے کیونکہ اس کی قضا کی جاتی ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

«وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَقَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ» یہ وہی بات بیان کر رہے ہیں جو میں نے ابھی بیان کی، کہ کوئی اگر پڑھنی چاہیے تھی دو، قصر کرنا چاہیے تھا عند الاحناف، لیکن کیا کر لیتا ہے؟ چار پڑھ لیتا ہے۔ تو پھر اس کی نماز ہونے کی کیا صورت ہے؟ کہ درمیان والا قعدہ اس نے کیا ہو۔ جب درمیان والا قعدہ فرض کر لیا تو فرض پورے ہو گئے اور باقی نماز کیا بن جائے گی؟ نفل۔ یہی بتلا رہے ہیں: «وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا» اور اگر مسافر نے چار رکعت پڑھ لیں «وَقَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ» اور وہ بیٹھا دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار «أَجْزَأَتْهُ الْأُولَيَانِ عَنِ الْفَرْضِ» تو کافی ہو جائیں گی اس کے لیے پہلی دو رکعتیں فرضوں سے، «وَالْأُخْرَيَانِ لَهُ نَافِلَةٌ» اور آخری دو رکعتیں اس کے لیے نفل ہیں، «اعْتِبَارًا بِالْفَجْرِ» قیاس کرتے ہوئے کس پر؟ فجر پر۔ جیسے فجر میں اگر کوئی اس طرح کر لے اور درمیان والا قعدہ کر لے تو اس صورت میں اس کے فرض ادا ہو جاتے ہیں اور باقی دو رکعتیں کیا بن جائیں گی؟ نفل۔

«وَيَصِيرُ مُسِيئًا لِتَأْخِيرِ السَّلَامِ» اور یہ شخص برا عمل کرنے والا ہوا سلام کو مؤخر کرنے کی وجہ سے، کہ فرضوں کے سلام کو اس نے کیا کر دیا؟ مؤخر کر دیا اور اس کے ساتھ نفل ملا دیے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَ هَا بَ...

«وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَهَا بَطَلَتْ» اور اگر وہ نہ بیٹھا دوسرے قعدے میں تشہد کی مقدار «بَطَلَتْ» تو اس کے فرض کیا ہو جائیں گے؟ باطل۔ «لِاخْتِلَاطِ النَّافِلَةِ بِهَا قَبْلَ إِكْمَالِ أَرْكَانِهَا» اس کے ساتھ نفلوں کے مل جانے کی وجہ سے قبل اس کے ارکان کے پورا ہو جانے کے۔ یعنی اگر تشہد کی مقدار

نہیں بیٹھا درمیان میں اور کیا کیا؟ اگلی دو رکعتیں ساتھ ملا دیں، تو اس صورت میں فرض کیا ہو جائیں گے؟ باطل۔ کیونکہ فرضوں کے ساتھ اس نے کیا ملا دیے؟ نفل، اور ابھی فرضوں کے ارکان پورے نہیں ہوئے تھے۔ کیا رکن رہ گیا تھا؟ قعدۂ اولیٰ جو آخری قعدہ تھا فرضوں کا اور وہ کیا تھا؟ فرض تھا، تو وہ رکن رہ گیا۔ تو اس کے ادا کرنے سے پہلے ہی اس نے نفلوں کو ساتھ ملا دیا۔ یہ معنیٰ ہے «لِاخْتِلَاطِ النَّافِلَةِ بِهَا قَبْلَ إِكْمَالِ أَرْكَانِهَا» کہ ان کے ساتھ نفلوں کے مل جانے کی وجہ سے اس کے ارکان کے پورا ہو جانے سے پہلے ہی۔

«وَإِذَا فَارَقَ الْمُسَافِرُ بُيُوتَ الْمِصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ» یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ مسافر ہے، سفر پر جا رہا ہے، تو وہ کس وقت قصر کرنا شروع کرے گا؟ کس وقت؟ تو آپ کو یہ بتلائیں گے کہ جس وقت شہر کے یا بستی کے کنارے سے، آخری گھروں سے باہر نکل جائے تو بس اب قصر شروع ہو جائے گا۔ جب تک آبادی کے اندر ہے اور آخری کنارے کے گھروں سے ابھی باہر نہیں نکلا، اس وقت تک کیا کرنا پڑے گی؟ پوری نماز۔ ہاں جب اس سے نکل جائے گا، اب کیا کرے؟ اب شہر یا بستی سے نکل آیا ہے تو اب کیا کرے گا؟ قصر کرنا شروع کر دے گا اور چار کے بجائے دو رکعت پڑھے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا فَارَقَ الْمُسَافِرُ بُيُوتَ الْمِصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ» اور جب مسافر جدا ہو جائے شہر کے گھروں سے تو دو رکعت پڑھے گا، «لِأَنَّ الْإِقَامَةَ تَتَعَلَّقُ بِدُخُولِهَا» دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی، یہ آپ نے یہ کیوں کہا کہ جب شہر کے گھروں سے نکل جائے گا؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیے، کیونکہ ایک ہے سفر اور ایک ہے اقامت۔ اقامت کب ہو گی؟ جب واپس سفر سے کوئی آ رہا ہے اپنے وطن میں، بستی کے اندر داخل ہو اور وہ کس طرح دیکھیں گے؟ کنارے کے جو گھر ہیں ان کے اندر آ جاتا ہے تو اس کو کیا شمار کریں گے؟ مقیم شمار کریں گے۔ تو اسی طرح جب مقیم کا اعتبار اس کے ساتھ کرتے ہیں تو مسافر کا اعتبار بھی اسی کے ساتھ کیا جائے گا کہ جب ان سے نکل جائے گا تو بس مسافر ہو گیا۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْإِقَامَةَ تَتَعَلَّقُ بِدُخُولِهَا» اس لیے کیونکہ اقامت کا تعلق اس میں داخل ہونے کے ساتھ ہے، «فَيَتَعَلَّقُ السَّفَرُ بِالْخُرُوجِ عَنْهَا» تو سفر کا تعلق بھی ان سے نکلنے کے ساتھ ہی ہو گا، ان آخری کنارے کے گھروں سے۔

■ مسئلہ: وَفِيهِ الْأَثَرُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ...

«وَفِيهِ الْأَثَرُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ لَقَصَرْنَا» اور اس میں اثر بھی ہے، یعنی حدیث بھی ہے۔ یہ پہلے میں بیان کر چکا ہوں کہ صاحب ہدایہ عموماً حدیث کے لیے حدیث یا خبر وغیرہ کا لفظ لاتے ہیں اور اثر کا لفظ وہ کس کے لیے لاتے ہیں؟ صحابہ کے قول و فعل کے لیے وہ اثر کا لفظ لاتے ہیں۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے چار نام ہیں: خبر، اثر، سنت، اور حدیث۔ تو جمہور ان چاروں کو مترادف کے طور پر استعمال کرتے ہیں حضور علیہ السلام کے اقوال و افعال کے لیے۔ ہاں بعض فقہاء وغیرہ اور وہ کچھ فرق کرتے ہیں ان کے درمیان، جیسے یہ صاحب ہدایہ، وہ حدیث کے لیے حدیث اور خبر کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن قول و فعلِ صحابی کے لیے وہ اثر کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تو یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چونکہ قول ذکر ہو رہا ہے اس لیے اثر کا لفظ کہا۔ «وَفِيهِ الْأَثَرُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ» اور اسی کے اندر اثر ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ فرماتے ہیں: «لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ لَقَصَرْنَا» اگر ہم تجاوز کر جاتے اس جھونپڑی سے تو البتہ ہم قصر کرتے۔ تو ہم کیا کرتے؟ قصر۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے ہیں بصرہ سے نکلے سفر پر بھئی، سفر پر نکلے، اور عام آبادی سے نکل آئے لیکن ابھی کچھ گھر باقی تھے آخری کنارے کے، اور تو آپ نے یہاں نماز ادا فرمائی، نماز ادا فرمائی ظہر کی اور چار رکعت ہی ادا کی، چار رکعت ہی۔ اور پھر آپ نے جو آخری جھونپڑی سامنے تھی کنارے پر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: «لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ لَقَصَرْنَا» اگر ہم اس جھونپڑی سے تجاوز کر جاتے، آگے نکل جاتے باہر کی طرف، تو ہم کیا کرتے؟ قصر کرتے۔ تو دیکھا، معلوم ہوا کس کا اعتبار ہے؟ آخری جو گھر ہیں شہر کے، بستی کے، وہ، ان کا اعتبار ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آ گیا؟ تو خص کہتے ہیں: «خُصٌّ»، جھونپڑی بھئی، جھونپڑی، تنکوں وغیرہ اور لکڑی کی بنا ہوا جو گھر ہو۔ «لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ لَقَصَرْنَا» اگر ہم بڑھ جاتے اس جھونپڑی سے تو ہم قصر کرتے۔

«وَلَا يَزَالُ عَلَى حُكْمِ السَّفَرِ حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ أَوْ قَرْيَةٍ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَوْ أَكْثَرَ، وَإِنْ نَوَى أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ قَصَرَ» اب یاد رکھیے، کوئی شخص تین دن کی مسافت پر جانے کا ارادہ کرتا ہے اور شہر کے کنارے کے آخری گھروں سے جب وہ نکل جائے گا، کیا بن جائے گا؟ مسافر بن جائے گا۔ اب یہ کب تک مسافر ہے؟ کہتے ہیں بھئی جب تک یہ کہیں پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کر لے۔ یا تو اپنے وطن واپس آ جائے، وطن کے اندر تو نیت کی ضرورت نہیں، ہاں کسی اور جگہ کیا کر رہا، کسی اور جگہ جاتا ہے، راستے میں جگہ جگہ کہیں ٹھہرنا وغیرہ پڑتا ہے تو کیا ٹھہرنے کی صورت میں وہ مسافر ہے یا مسافر نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، جب تک وہ کسی جگہ پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کرے گا، اس وقت تک کیا رہے گا؟ مسافر، اور اس بستی میں بھی وہ قصر ہی کرتا رہے۔ ہاں جہاں وہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لے گا تو پھر وہ مسافر نہ رہے گا، کیا بن جائے گا؟ مقیم، پھر پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ ہاں اپنا وطن ہو اس کی یہ نہیں، اپنے وطن میں جیسے ہی داخل ہو گا کیا بن جائے گا؟ مقیم بن جائے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَلَا يَزَالُ عَلَى حُكْمِ السَّفَرِ» اور یہ شخص جو ہے ہمیشہ سفر کے حکم پر ہی رہے گا «حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ أَوْ قَرْيَةٍ خَمْسَةَ

عَشَرَ يَوْمًا أَوْأَكْثَرَ» یہاں تک کہ یہ نیت کرلے ٹھہرنے کی کسی شہر میں یا کسی بستی میں پندرہ دن کی یا زیادہ کی، «وَإِنْ نَوَى أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ قَصَرَ» اور اگر اس سے کم یعنی پندرہ دن سے کم کی نیت کرتا ہے ٹھہرنے کی تو قصر کرے گا۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ

«لِأَنَّهُ» دلیل ذکر کررہے ہیں بھئی کہ پندرہ دن اقامت کے لیے پندرہ دن کی نیت کا ہونا کیوں ضروری ہے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ» اس لیے کیونکہ ضروری ہے کسی مدت کا اعتبار کرنا، «لِأَنَّ السَّفَرَ يُجَامِعُهُ اللُّبْثُ» اس لیے کیونکہ سفر جو ہے اس کے ساتھ ٹھہرنا جمع ہوتا ہے۔ بھئی سفر میں کیا سفر مسلسل ہوتا ہے یا جگہ جگہ انسان کو پڑاؤ ڈالنا پڑتا ہے؟ پڑاؤ ڈالنا پڑتا ہے۔ آج کل اتنی سہولتیں ہوگئیں لیکن پھر بھی اگر آپ اپنی سواری پر کہیں جارہے ہیں تو عموماً اگر سارا دن سفر کیا ہے تو رات کو کیا کرتا ہے انسان پھر؟ کہیں پڑاؤ ڈالتا ہے، تو پڑاؤ ڈالنا پڑتا ہے سفر میں۔ اور قدیم زمانے میں تو قافلے سفر کرتے تھے تو وہ وہاں پر تو پھر بعض اوقات کسی شہر درمیان میں پہنچے، دور کے شہر جارہے ہیں، درمیان میں کوئی شہر راستے میں آجاتا تو پھر وہاں کئی کئی دن پڑاؤ ڈال دیتے تھے بھئی، کیونکہ اس زمانے میں سفر بے انتہا مشکل تھا۔ تو سفر کے ساتھ ٹھہرنا تو ہوگا ہی، مسلسل تو سفر ہوتا ہی نہیں۔ تو اب کیا ہر ٹھہرنے پر کیا کریں گے؟ ہم یہ حکم لگادیں کہ وہ مقیم بن گیا اور وہ اب مسافر نہ رہا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، بلکہ ایک مدت کا تعین کرنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ سفر کے اندر جگہ جگہ کیا کرنا پڑتا ہے؟ ٹھہرنا تو پڑتا ہی ہے، تو ایک مدت کا تعین ضروری ہے، ایک مدت کا مقرر کرنا ضروری ہے تاکہ پتہ لگے کہ وہ مدت پائی جائے، اس مدت کا انسان ارادہ کرے تو پھر اس کو مقیم قرار دیا جائے، اور اس کا ارادہ اس سے کم کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ مقیم نہیں بھئی۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ» اس لیے کیونکہ کسی مدت کا اعتبار کرنا ضروری ہے، «لِأَنَّ السَّفَرَ يُجَامِعُهُ اللُّبْثُ» اس لیے کیونکہ سفر جو ہے اس کے ساتھ ٹھہرنا یعنی پڑاؤ ڈالنا جمع ہوتا ہے، «فَقَدَّرْنَاهَا بِمُدَّةِ الطُّهْرِ» تو ہم نے اس کا اندازہ لگایا یا ہم نے اس کو مقرر کیا «بِمُدَّةِ الطُّهْرِ» کس کے ساتھ؟ طہر کی مدت کے ساتھ۔ اور طہر کی کم سے کم مدت کتنی ہے آپ پڑھ چکے ہیں؟ پندرہ دن ہے بھئی، پندرہ دن ہے۔

تو بھئی طہر پر کیوں آپ نے اس کو قیاس کیا اور اس کے ساتھ اس کو مقرر کیا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُمَا مُدَّتَانِ مُوجِبَتَانِ» اس لیے کیونکہ یہ دونوں مدتیں ایسی ہیں جو واجب کرنے والی ہیں، یعنی شرعی احکام کو واجب کرنے والی ہیں۔ بھئی دیکھیے، حیض کے ایام میں عورت سے نمازیں وغیرہ ساقط، لیکن جب طہر آئے گا تو شرعی احکام کیا ہو جائیں گے؟ نماز کا حکم اس پر لاگو ہوگا، اب اس کو نماز پڑھنا پڑے گی۔ تو یہ دیکھیے، یہ طہر سے شرعی احکام میں تبدیلی آئی اس مدت سے، تو لہٰذا اقامت سے بھی جو ہے شرعی احکام میں تبدیلی آئے گی تو وہ بھی اس کے برابر ہونی چاہیے، اور طہر کی تو کم سے کم مدت کتنی ہے؟ پندرہ دن ہے، تو اقامت کی بھی کم سے کم مدت کتنی ہونی چاہیے؟ پندرہ دن۔ تو پندرہ دن کی نیت کرے گا تو مقیم بن جائے گا، پندرہ کی نیت نہیں کرتا تو مقیم بھی نہیں۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّهُمَا مُدَّتَانِ مُوجِبَتَانِ» اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایسی مدتیں ہیں جو واجب کرنے والی ہیں۔ «وَهُوَ مَأْثُورٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ» اور یہی منقول ہے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی، ان سے بھی یہی منقول ہے۔ «وَالْأَثَرُ فِي مِثْلِهِ كَالْخَبَرِ» اور اثر بھی اس جیسی چیز میں «كَالْخَبَرِ» خبر یعنی حدیث کی طرح ہے۔ اثر یعنی قولِ صحابی بھی اس جیسے مسئلے میں «كَالْخَبَرِ» کس کی طرح ہے؟ حدیث یعنی قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے۔ اثر کس کے لیے صاحبِ ہدایہ استعمال کرتے ہیں؟ صحابی کے قول و فعل، اور خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل۔ تو اس قسم کے مسئلے میں صحابی کا قول بھی کس کی طرح ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرح۔ بھئی کیوں؟ صحابی کا قول حضور علیہ السلام کے قول کی طرح کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ صحابہ روایت کررہے ہیں کہ پندرہ دن، پندرہ دن کیا ہے کہ ارادہ کوئی کرے گا تو کیا بنے گا؟ مقیم بن جائے گا، اس سے کم کی نیت کرتا ہے تو مقیم نہیں بنے گا۔ اور یہ بات عقل سے تو کبھی بھی معلوم نہیں ہوسکتی کہ اتنے دنوں کے ارادے سے انسان مسافر کے بجائے مقیم بنے گا اور اس سے کم ہو تو مسافر ہی رہے گا، یہ بات عقل سے معلوم ہوسکتی ہے؟ یہ بات تو عقل سے معلوم نہیں ہوسکتی، اور صحابہ روایت کررہے ہیں، معلوم ہوا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا جبھی اسی لیے وہ روایت کررہے ہیں، تو لہٰذا جب حضور علیہ السلام سے سنا ہے تو ان کا قول گویا کس کی طرح ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرح ہی ہوا بھئی، یعنی انہی سے سنی ہوئی بات یہ نقل کررہے ہیں۔ یہ معنی ہے «وَالْأَثَرُ فِي مِثْلِهِ كَالْخَبَرِ» اور اثر اس جیسی چیزوں کے اندر حدیث کی طرح ہے۔

■ مسئلہ: وَالتَّقْيِيدُ بِالْبَلْدَةِ وَالْقَرْيَةِ يُشِيرُ...

«وَالتَّقْيِيدُ بِالْبَلْدَةِ وَالْقَرْيَةِ يُشِيرُ إِلَى أَنَّهُ لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ فِي الْمَفَازَةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ» اوپر متن میں دیکھیے، متن میں ایسا تھا: «حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ أَوْقَرْيَةٍ» یہاں تک کہ کسی شہر یا بستی میں ٹھہرنے کا ارادہ کرے، اس میں ٹھہرنے کی نیت کرے۔ تو بستی اور شہر کی قید لگائی متن میں، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جنگل کے اندر اگر کوئی پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے تو بھی وہ مقیم نہیں بنے گا کیونکہ جنگل ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ ٹھہرنے کی جگہ کیا ہے؟ بستی اور شہر۔ تو جنگل میں اگر کوئی کیا کرتا ہے؟ ایک مہینہ ٹھہرنے کی بھی نیت کرلے تو بھی وہ کیا؟ مسافر ہی رہے گا، مقیم نہیں بنے گا کیونکہ

جنگل ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔

یہ معنی ہے «وَالتَّقْيِيدُ بِالْبَلْدَةِ وَالْقَرْيَةِ يُشِيرُ» اور مقید کرنا بلدہ اور یعنی شہر اور بستی کے ساتھ «يُشِيرُ» یہ اشارہ کرتا ہے «إِلَى أَنَّهُ لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ فِي الْمَفَازَةِ» کہ صحیح نہیں ہے ٹھہرنے کی نیت کرنا «فِي الْمَفَازَةِ» کس کے اندر؟ جنگل میں، «وَهُوَ الظَّاهِرُ» اور یہی ظاہر ہے۔ تو «لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ فِي الْمَفَازَةِ» تو صحیح نہیں ہوگی ٹھہرنے کی نیت جنگل میں، «وَهُوَ الظَّاهِرُ» اور یہی ظاہر ہے بھئی، یہی ظاہر ہے۔

«وَلَوْ دَخَلَ مِصْرًا عَلَى عَزْمِ أَنْ يَخْرُجَ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ وَلَمْ يَنْوِ مُدَّةَ الْإِقَامَةِ حَتَّى بَقِيَ عَلَى ذَلِكَ سِنِينَ قَصَرَ» صورت یہ کہ اگر کوئی شخص کسی بستی میں داخل ہوا، کسی شہر میں، اور اس نے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی، تو وہاں وہ مسافر ہے اور قصر کرتا رہے گا، یعنی چار رکعت کے بجائے دو رکعت نماز پڑھے گا فرض بھئی۔ اور پھر اس کا ارادہ بنتا ہے کہ میں تین چار دن بعد یہاں سے نکلوں گا یا ہفتے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا، لیکن وہ ہفتہ گزر گیا اور پھر کوئی مسئلہ پیش آیا اس نے کہا اگلے ہفتے میں چلا جاؤں گا ہفتے بعد، پھر اسی طرح دو چار دن بعد پھر اس کا ارادہ بنا نکلنے کا پھر کوئی وجہ پیش آگئی اس نے کہا چلو میں آٹھ دس دن بعد نکل جاؤں گا، تو جب تک اس نے اقامت کی مدت کے برابر نیت نہیں کی، پندرہ دن جب تک ٹھہرنے کی نیت نہیں کی تو وہ مسافر ہی رہے گا، چاہے اس پر سال گزر جائیں بھئی۔ کیا گزر جائیں؟ سال گزر جائیں بھئی، سال گزر جائیں۔

■ مسئلہ: وَلَوْ دَخَلَ مِصْرًا عَلَى عَزْمِ أَنْ يَخْرُجَ غ...

«وَلَوْ دَخَلَ مِصْرًا عَلَى عَزْمِ أَنْ يَخْرُجَ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ» اور اگر کوئی شخص کسی شہر میں داخل ہوا «عَلَى عَزْمِ» اس ارادے پر «أَنْ يَخْرُجَ غَدًا» کہ وہ کل نکلے گا «أَوْ بَعْدَ غَدٍ» یا پرسوں نکلے گا، «وَلَمْ يَنْوِ مُدَّةَ الْإِقَامَةِ» اور اس نے اقامت کی مدت کی نیت نہیں کی «حَتَّى بَقِيَ عَلَى ذَلِكَ سِنِينَ» یہاں تک کہ وہ باقی رہا اسی حالت پر کئی سال تک، «قَصَرَ» تو کیا کرے گا؟ قصر کرے گا۔

«لِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَقَامَ بِآذَرْبَيْجَانَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ وَكَانَ يَقْصُرُ، وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ مِثْلُ ذَلِكَ» اس لیے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ رہے آذربائیجان شہر میں «سِتَّةَ أَشْهُرٍ» چھ ماہ تک رہے «وَكَانَ يَقْصُرُ» اور کیا کرتے تھے؟ قصر کرتے تھے، قصر کرتے تھے۔ کیونکہ ارادہ بنتا تھا اب چند دن بعد نکلتا ہوں، پھر ارادہ چند دن بعد نکلتا ہوں، تو کسی عذر کی وجہ سے یا وہ شہر والے روک لیتے ہوں گے یا کسی عذر وغیرہ، پھر چند دن پھر چند دن، اسی طرح چھ ماہ گزر گئے لیکن وہ قصر کرتے رہے، «وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِثْلُ ذَلِكَ» اور روایت کیا گیا ہے صحابہ کی ایک جماعت سے اسی کے مثل بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ صحابہ کی ایک جماعت سے اسی طرح روایت ہے، اور بھی بہت کئی صحابہ ان کے ساتھ یہ صورت پیش آئی اور وہ ایک مدت تک قصر ہی کرتے رہے۔

«وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ فَنَوَوُا الْإِقَامَةَ بِهَا قَصَرُوا، وَكَذَا إِذَا حَاصَرُوا فِيهَا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا» «وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ» اور جب داخل ہوا لشکر «أَرْضَ الْحَرْبِ» جنگ کی زمین میں، یعنی دار الحرب میں، دشمنوں کے، وہ لوگ جن کے ساتھ مسلمان کس حالت میں ہیں؟ حالتِ جنگ۔ ان کے زمین میں یعنی ان کے ملک میں لشکر مسلمانوں کا داخل ہوا، «فَنَوَوُا الْإِقَامَةَ بِهَا» تو انہوں نے وہاں اقامت کی نیت کر لی۔ کسی جگہ پر لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور ارادہ کیا کہ یہاں پر ایک مہینے تک ہم رہیں گے، کہتے ہیں: «قَصَرُوا» کیا کریں گے پھر بھی؟ قصر کریں گے۔ بے شک ان کی نیت ہے مہینہ ٹھہرنے کی، لیکن ان کی نیت کرنے سے بھی یہاں یہ یہاں پر مقیم نہیں بنیں گے بلکہ کیا رہیں گے؟ مسافر رہیں گے۔ وجہ یہ کہ یہ دشمن کے علاقے کے اندر ہیں، آگے آپ کو وجہ بتائیں گے۔ اور یہاں ان کی نیت کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اگر یہاں لڑائی ہوتی ہے اگر یہ غالب آگئے پھر تو مہینہ رہ سکیں گے، اور اگر یہ غالب نہ آئے ان کو شکست ہوئی تو کیا کرنا پڑے گا یہاں سے ان کو؟ نکلنا پڑے گا، جانا پڑے گا۔ تو ان کی حالت ان کی نیت کو باطل کر رہی ہے۔ ان کی نیت کیا؟ ایک مہینہ رہیں گے، اور حالت کیا ہے؟ کس مقام پر ہیں؟ دشمن کے میدان، دشمن کے علاقے میں ہیں، تو ان کی حالت کیا کر رہی ہے؟ ان کی نیتوں کو ان کی نیتوں کو باطل کر رہی ہے، تو ان کی نیتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ حالت، اس حالت میں یہ نیت کچھ بھی کر لیں وہ تو موقع صورتحال کے مطابق ہی پھر آگے پتہ چلے گا کہ یہ پڑاؤ کرنا ان کے لیے ممکن بھی ہے یا ممکن نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ فَنَوَوُا الْإِقَامَةَ بِهَا قَصَرُوا» اور جب لشکر داخل ہوا دار الحرب میں تو انہوں نے اقامت کی نیت کر لی «بِهَا» اس زمین میں، اس دار الحرب میں، «قَصَرُوا» تو کیا کریں گے؟ قصر۔ «وَكَذَا إِذَا حَاصَرُوا فِيهَا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا» اور اسی طرح حکم ہے جب وہ محاصرہ کر لیں «فِيهَا» کہاں پر؟ اس ارضِ حرب میں یعنی دار الحرب میں جب وہ محاصرہ کر لیں «مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا» کسی شہر کا یا کسی قلعے کا، تو بھی اگرچہ ان کا ارادہ کتنے ہی دن ٹھہرنے کا کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی وہ کیا کرتے رہیں گے؟ قصر ہی کرتے رہیں گے۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ الدَّاخِلَ بَيْنَ أَنْ يَهْزِمَ فَيَفِرَّ...

«لِأَنَّ الدَّاخِلَ بَيْنَ أَنْ يُهْزَمَ فَيَفِرَّ، وَبَيْنَ أَنْ يَهْزِمَ فَيَقِرَّ، فَلَمْ تَكُنْ دَارَإِقَامَةٍ» اس لیے کیونکہ وہ داخل ہیں کس چیز کے درمیان؟ «بَيْنَ أَنْ» دو حالتوں کے درمیان وہ داخل ہے وہ لشکر، کون سی؟

وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ فِي الرُّبَاعِيَّةِ رَكْعَتَانِ لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَرْضُهُ الْأَرْبَعُ وَالْقَصْرُ رُخْصَةٌ اعْتِبَارًا بِالصَّوْمِ وَلَنَا أَنَّ الشَّفْعَ الثَّانِيَ لَا يُقْضَى وَلَا يَأْثَمُ عَلَى تَرْكِهِ وَهَذَا آيَةُ النَّافِلَةِ۔

مسافر کی نماز کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ کوئی شخص تین دن تین رات کی مسافت پر جانے کا ارادہ کرے تو اس کی وجہ سے احکام شریعت بدلیں گے اور مسافر کے احکام اس شخص پر لاگو ہوں گے اور یہ بھی آپ نے پڑھا تھا کہ یہ چلنا جو ہے اونٹوں کا یا پیدل چلنا اور وہ بھی متوسط رفتار کے ساتھ ہو وہ مراد ہے۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا کہ اگر پہاڑوں میں سفر ہے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اگر پانی میں کشتی کے ذریعے سفر ہے تو اس کے اندر پھر اس کا اعتبار کیا جائے گا اور خشکی میں خشکی کے سفر کا اعتبار کیا جائے گا۔

تو خشکی میں متوسط فاصلہ طے ہوتا ہے، پہاڑوں میں کم فاصلہ طے ہوتا ہے، پانی میں زیادہ فاصلہ طے ہوتا ہے تین دن کے اندر بھئی۔ تو ہر ایک جس قسم کا سفر ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور یہ بھی میں نے آپ کو بتلایا کہ فقہاء نے آسانی کے لیے کس کا اعتبار کیا پھر؟ میلوں کا اعتبار، میلوں کے ساتھ حساب کر لیا کہ اس ایک دن میں کتنا سفر ہوتا ہے اور اس کے اعتبار سے تین دن کا اندازہ لگایا اور وہ اڑتالیس میل بنتے ہیں بھئی، تقریباً کتنے؟ اڑتالیس میل یعنی ایک دن میں سولہ میل کا فاصلہ اور یہ کوئی چھبیس کلو میٹر کے لگ بھگ بن جاتا ہے ایک دن میں اور یہ اچھا خاصا فاصلہ ہے کہ کوئی شخص پیدل سفر کرے اور کتنے کلو میٹر طے کرے؟ چھبیس کلو میٹر بھئی۔ تو اتنا ہی قافلے کرتے تھے اور پھر پڑاؤ ڈالا جاتا تھا۔

اب آپ کو آگے بتلا رہے ہیں کہتے ہیں: **وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ فِي الرُّبَاعِيَّةِ رَكْعَتَانِ لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا** اور مسافر کے فرض چار رکعت والی نماز میں **رَكْعَتَانِ** وہ کتنی ہوں گی؟ دو رکعت۔ چار رکعت والی جو نمازیں ہیں ان میں اب فرض کتنے ہو جائیں گے احکام جب بدل جائیں گے؟ اب دو رکعت ہوں گے۔ **لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا** ان پر زیادتی نہیں کرے گا۔ وہ شریعت نے دو پڑھنے کا حکم دیا ہے تو دو ہی پڑھے گا اب چار نہیں پڑھ سکتا۔

اور یہ بھی آپ کو آگے بتائیں گے کہ اگر دو کے بجائے وہ چار پڑھ لیتا ہے تو درمیان والا قعدہ اگر وہ کر لیتا ہے تو وہ فرض ادا ہو جائیں گے اور بقیہ نماز کیا بن جائے گی؟ نفل۔ لیکن البتہ یہ شخص برا عمل کرنے والا ہوا کہ اس نے وہ فرضوں کے سلام کو کیا کر دیا؟ مؤخر کر دیا اور ان کے ساتھ نفلوں کو ملا دیا۔

تو کہتے ہیں مسافر کے فرض چار رکعت والی نماز میں **رَكْعَتَانِ** دو رکعتیں ہوں گی، **لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا** ان پر زیادہ نہیں کرے گا۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَرْضُهُ الْأَرْبَعُ وَالْقَصْرُ رُخْصَةٌ** امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے فرض چار ہی ہیں، **وَالْقَصْرُ رُخْصَةٌ** اور قصر جو ہے یعنی دو رکعت پڑھنا قصر کرنا **رُخْصَةٌ** یہ کیا ہے؟ رخصت ہے۔ وہ فرماتے ہیں فرض چار ہی ہیں لیکن شریعت نے رخصت دے دی اگر چار کے بجائے کتنے پڑھنا چاہتے ہو؟ دو بھی پڑھنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کی اجازت ہے، جبکہ ہمارے نزدیک دو ہی پڑھنے پڑیں گے چار نہیں۔ اگر چار پڑھتا بھی ہے اور درمیان میں قعدہ کر لیتا ہے تو بقیہ دو کیا بن جائیں گے؟ نفل بنیں گے بھئی تو دو ہی پڑھنے پڑیں گے۔ وہ فرماتے ہیں نہیں چار فرض ہیں اور قصر رخصت ہے، **اعْتِبَارًا بِالصَّوْمِ** قیاس کرتے ہوئے روزے پر، کس پر؟ روزے پر۔ جیسے سفر کے اندر مسافر کو شریعت نے رخصت دے دی کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ روزہ چھوڑنا چاہے فی الحال چھوڑ دے، بعد میں کیا کرنی پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ تو روزہ چھوڑنے کی شریعت نے رخصت دی ہے روزہ اس سے ساقط نہیں، اگر رکھ لیتا ہے تو اچھی بات ہے رکھ لے بھئی، رکھ سکتا ہے یا نہیں رکھ سکتا؟ رکھ سکتا ہے۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے چار پڑھنا چاہے چار پڑھ سکتا ہے اور چھوڑ کر کتنے پڑھنا چاہے؟ تو دو بھی پڑھ سکتا ہے، دونوں صورتیں ہیں۔ لیکن یہ جو دو پڑھ رہا ہے یہ ہے رخصت اور اصل کیا ہے؟ چار، تو اصل چار عزیمت چار ہی ہے اس کو چار ہی پڑھنی چاہیے وہ فرماتے ہیں، ہاں دو بھی پڑھ لیتا ہے یہ اس کو شریعت نے رخصت دے دی جیسے روزے کے اندر روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے لیکن اگر رکھنا چاہے تو رکھ لے وہ رکھنا عزیمت ہے۔

وَلَنَا ہماری دلیل یہ کہ **أَنَّ الشَّفْعَ الثَّانِيَ لَا يُقْضَى** کہ دوسرا شفع جو ہے اس کی قضا نہیں کی جاتی۔ شفع کہتے ہیں جوڑے کو یعنی آخر والی دو رکعتیں مراد ہیں دوسرا جوڑا، تو وہ جو شفع ثانی ہے اس کی قضا نہیں کی جاتی، **وَلَا يَأْثَمُ عَلَى تَرْكِهِ** اور نیز اس کے چھوڑنے پر گناہگار بھی نہیں ہوتا، **وَهَذَا آيَةُ النَّافِلَةِ** اور یہ نفل ہونے کی نشانی ہے۔ ہم دلیل دیتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرما رہے تھے کہ سفر میں بھی نماز کتنی ہے؟ چار رکعت ہی ہے اور دو رکعت وہ رخصت ہے رخصت ہے بھئی، عزیمت یہ ہے کہ چار ہی پڑھے اصل یہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کہہ رہے ہیں اصل چار ہی ہیں لیکن اگر کوئی دو پڑھتا ہے تو باقی دو رکعتیں جو اس نے چھوڑی ہیں ان کی بعد میں بھی قضا نہیں اس کے ذمہ، حالانکہ فرضوں کی تو کیا آتی ہے؟ اگر فرض چھوڑے جائیں ان کی قضا آتی ہے، تو قضا کا نہ آنا یہ علامت ہے کس چیز کی اس کے نفل ہونے کی

یعنی فرض نہ ہونے کی، فرض نہ ہونے کی علامت ہے۔ اور نیز ان کو چھوڑ دے تو آپ کے نزدیک بھی دو رکعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ پڑھ سکتا ہے، دو کو چھوڑنے پر گناہگار بھی نہیں اور یہ بھی کس چیز کی علامت ہے؟ کہ یہ فرض نہیں ہے بھئی، تو یہ نفل ہونے کی علامت ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ دوسرا شفع اس کی قضا نہیں کی جاتی، **وَلَا يَأْثَمُ عَلَى تَرْكِهِ** اور گناہگار بھی نہیں ہوتا وہ شخص اس کو چھوڑنے پر، **وَهَذَا آيَةُ النَّافِلَةِ** اور یہ نفل ہونے کی نشانی ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں اگر کوئی ملالے گا تو یہ کیا ہو جائیں گے؟ نفل ہو جائیں گے بشرطیکہ قعدہ اولیٰ اس نے کیا ہو۔

بخلاف کس کے؟ روزے کے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے قیاس کیا تھا روزے پر بھئی کہ روزے میں روزہ چھوڑنے کی جیسے رخصت ہے یہاں پر بھی کیا کر سکتا ہے؟ دو رکعتوں کو چھوڑنے کی رخصت ہے رخصت ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں روزے پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ روزے کی تو پھر قضا کی جاتی ہے، بعد میں قضا آتی ہے یا نہیں اگر مسافر چھوڑ دے؟ بعد میں اس کو قضا کرنا پڑتی ہے اور یہاں جو دو رکعتیں چھوڑی ہیں ان کی قضا نہیں لہٰذا یہ اس کی طرح نہیں ہے اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ معنی ہے **بِخِلَافِ الصَّوْمِ لِأَنَّهُ يُقْضَى** بخلاف روزے کے کیونکہ اس کی قضا کی جاتی ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَقَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ یہ وہی بات بیان کر رہے ہیں جو میں نے ابھی بیان کی کہ کوئی اگر پڑھنی چاہیے تھی دو، قصر کرنا چاہیے تھا **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** لیکن کیا کر لیتا ہے؟ چار پڑھ لیتا ہے تو پھر اس کی نماز ہونے کی کیا صورت ہے؟ کہ درمیان والا قعدہ اس نے کیا ہو۔ جب درمیان والا قعدہ فرض کر لیا تو فرض پورے ہو گئے اور باقی نماز کیا بن جائے گی؟ نفل، یہی بتلا رہے ہیں۔ **وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا** اور اگر مسافر نے چار رکعت پڑھ لیں **وَقَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ** اور وہ بیٹھا دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار **أَجْزَأَتْهُ الْأُولَيَانِ عَنِ الْفَرْضِ** تو کافی ہو جائیں گی اس کے لیے پہلی دو رکعتیں فرضوں سے، **وَالْأُخْرَيَانِ لَهُ نَافِلَةٌ** اور آخری دو رکعتیں اس کے لیے نفل ہیں **اعْتِبَارًا بِالْفَجْرِ** قیاس کرتے ہوئے کس پر؟ فجر پر، جیسے فجر میں اگر کوئی اس طرح کر لے اور درمیان والا قعدہ کر لے تو اس صورت میں اس کے فرض ادا ہو جاتے ہیں اور باقی دو رکعتیں کیا بن جائیں گی؟ نفل۔ ہاں، **وَيَصِيرُ مُسِيئًا لِتَأْخِيرِ السَّلَامِ** اور یہ شخص برا عمل کرنے والا ہو اسلام کو مؤخر کرنے کی وجہ سے کہ فرضوں کے سلام کو اس نے کیا کر دیا؟ مؤخر کر دیا اور اس کے ساتھ نفل ملا دیے۔

وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَهَا بَطَلَتْ اور اگر وہ نہ بیٹھا دوسرے قعدے میں تشہد کی مقدار **بَطَلَتْ** تو اس کے فرض کیا ہو جائیں گے؟ باطل، **لِاخْتِلَاطِ النَّافِلَةِ بِهَا** اس کے ساتھ نفلوں کے مل جانے کی وجہ سے **قَبْلَ إِكْمَالِ أَرْكَانِهَا** قبل اس کے ارکان کے پورا ہو جانے کے۔ یعنی اگر تشہد کی مقدار نہیں بیٹھا درمیان میں اور کیا کیا؟ اگلی دو رکعتیں ساتھ ملا دیں تو اس صورت میں فرض کیا ہو جائیں گے؟ باطل، کیونکہ فرضوں کے ساتھ اس نے کیا ملا دیے؟ نفل، اور ابھی فرضوں کے ارکان پورے نہیں ہوئے تھے کیا رکن رہ گیا تھا؟ قعدہ اولیٰ جو آخری قعدہ تھا فرضوں کا اور وہ کیا تھا؟ فرض تھا تو وہ رکن رہ گیا، تو اس کے ادا کرنے سے پہلے ہی اس نے نفلوں کو ساتھ ملا دیا یہ معنی ہے **لِاخْتِلَاطِ النَّافِلَةِ بِهَا قَبْلَ إِكْمَالِ أَرْكَانِهَا** کہ ان کے ساتھ نفلوں کے مل جانے کی وجہ سے اس کے ارکان کے پورا ہو جانے سے پہلے ہی۔

وَإِذَا فَارَقَ الْمُسَافِرُ بُيُوتَ الْمِصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ مسافر ہے سفر پر جا رہا ہے تو وہ کس وقت قصر کرنا شروع کرے گا؟ کس وقت؟ تو آپ کو یہ بتلائیں گے کہ جس وقت شہر کے یا بستی کے کنارے سے آخری گھروں سے باہر نکل جائے تو بس اب قصر شروع ہو جائے گا۔ جب تک آبادی کے اندر ہے اور آخری کنارے کے گھروں سے ابھی باہر نہیں نکلا اس وقت تک کیا کرنا پڑے گی؟ پوری نماز، ہاں جب اس سے نکل جائے گا اب کیا کرے؟ اب شہر یا بستی سے نکل آیا ہے تو اب کیا کرے گا؟ قصر کرنا شروع کر دے گا اور چار کے بجائے دو رکعت پڑھے گا۔ تو کہتے ہیں **وَإِذَا فَارَقَ الْمُسَافِرُ بُيُوتَ الْمِصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ** اور جب مسافر جدا ہو جائے شہر کے گھروں سے تو دو رکعت پڑھے گا، **لِأَنَّ الْإِقَامَةَ تَتَعَلَّقُ بِدُخُولِهَا** دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی یہ آپ نے یہ کیوں کہا کہ جب شہر کے گھروں سے نکل جائے گا؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیے کیونکہ ایک ہے سفر اور ایک ہے اقامت۔ اقامت کب ہو گی؟ جب واپس سفر سے کوئی آ رہا ہے اپنے وطن میں بستی کے اندر داخل ہو اور وہ کس طرح دیکھیں گے؟ کنارے کے جو گھر ہیں ان کے اندر آ جاتا ہے تو اس کو کیا شمار کریں گے؟ مقیم شمار کریں گے، تو اسی طرح جب مقیم کا اعتبار اس کے ساتھ کرتے ہیں تو مسافر کا اعتبار بھی اسی کے ساتھ کیا جائے گا کہ جب ان سے نکل جائے گا تو بس مسافر ہو گیا۔ کہتے ہیں **لِأَنَّ الْإِقَامَةَ تَتَعَلَّقُ بِدُخُولِهَا** اس لیے کیونکہ اقامت کا تعلق اس میں داخل ہونے کے ساتھ ہے **فَيَتَعَلَّقُ السَّفَرُ بِالْخُرُوجِ عَنْهَا** تو سفر کا تعلق بھی ان سے نکلنے کے ساتھ ہی ہو گا ان آخری کنارے کے گھروں سے۔

وَفِيهِ الْأَثَرُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ لَقَصَرْنَا» اور اس میں اثر بھی ہے یعنی حدیث بھی ہے۔ یہ پہلے میں بیان کر چکا ہوں کہ صاحب ہدایہ عموماً حدیث کے لیے حدیث یا خبر وغیرہ کا لفظ لاتے ہیں اور اثر کا لفظ وہ کس کے لیے لاتے ہیں؟ صحابہ کے قول و فعل کے لیے وہ اثر کا لفظ لاتے ہیں۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے چار نام ہیں: خبر، اثر، سنت اور حدیث۔ تو جمہور ان چاروں کو مترادف کے طور پر استعمال کرتے ہیں حضور علیہ السلام کے اقوال و افعال کے لیے، ہاں بعض فقہاء وغیرہ وہ کچھ فرق کرتے ہیں ان کے درمیان، جیسے یہ صاحب ہدایہ وہ حدیث کے لیے حدیث اور خبر کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن قول اور فعل صحابی کے لیے وہ اثر کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تو یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چونکہ قول ذکر ہو رہا ہے اس لیے اثر کا لفظ کہا۔ **وَفِيهِ الْأَثَرُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ** اور اسی کے اندر اثر ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ فرماتے ہیں: **«لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ لَقَصَرْنَا»** اگر ہم تجاوز کر جاتے اس جھونپڑی سے تو البتہ ہم قصر کرتے، تو ہم کیا کرتے؟ قصر۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے ہیں بصرہ سے نکلے سفر پر بھئی سفر پر نکلے اور عام آبادی سے نکل آئے لیکن ابھی کچھ گھر باقی تھے آخری کنارے کے اور تو آپ نے یہاں نماز ادا فرمائی، نماز ادا فرمائی ظہر کی اور چار رکعت ہی ادا کی چار رکعت ہی، اور پھر آپ نے جو آخری جھونپڑی سامنے تھی کنارے پر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: «لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ لَقَصَرْنَا» اگر ہم اس جھونپڑی سے تجاوز کر جاتے آگے نکل جاتے باہر کی طرف تو ہم کیا کرتے؟ قصر کرتے، تو دیکھا معلوم ہوا کس کا اعتبار ہے؟ آخری جو گھر ہیں شہر کے بستی کے وہ ان کا اعتبار ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو **خُصّ** کہتے ہیں **خُصٌّ** جھونپڑی بھئی جھونپڑی، تنکوں وغیرہ اور لکڑی کی بنا ہوا جو گھر ہو۔ «**لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ لَقَصَرْنَا**» اگر ہم بڑھ جاتے اس جھونپڑی سے تو ہم قصر کرتے۔

وَلَا يَزَالُ عَلَى حُكْمِ السَّفَرِ حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ أَوْ قَرْيَةٍ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَوْ أَكْثَرَ وَإِنْ نَوَى أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ قَصَرَ۔ اب یاد رکھیے کوئی شخص تین دن کی مسافت پر جانے کا ارادہ کرتا ہے اور شہر کے کنارے کے آخری گھروں سے جب وہ نکل جائے گا کیا بن جائے گا؟ مسافر بن جائے گا۔ اب یہ کب تک مسافر ہے؟ کہتے ہیں بھئی جب تک یہ کہیں پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کر لے، یا تو اپنے وطن واپس آجائے وطن کے اندر تو نیت کی ضرورت نہیں، ہاں کسی اور جگہ کیا کر رہا کسی اور جگہ جاتا ہے راستے میں جگہ جگہ کہیں ٹھہرنا وغیرہ پڑتا ہے تو کیا ٹھہرنے کی صورت میں وہ مسافر ہے یا مسافر نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھئی جہاں جب تک وہ کسی جگہ پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کرے گا اس وقت تک کیا رہے گا؟ مسافر اور اس بستی میں بھی وہ قصر ہی کرتا رہے گا، ہاں جہاں وہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لے گا تو پھر وہ مسافر نہ رہے گا کیا بن جائے گا؟ مقیم، پھر پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ ہاں اپنا وطن ہو اس کی یہ نہیں، اپنے وطن میں جیسے ہی داخل ہو گا کیا بن جائے گا؟ مقیم بن جائے گا۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يَزَالُ عَلَى حُكْمِ السَّفَرِ** اور یہ شخص جو ہے ہمیشہ سفر کے حکم پر ہی رہے گا **حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ أَوْ قَرْيَةٍ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَوْ أَكْثَرَ** یہاں تک کہ یہ نیت کر لے ٹھہرنے کی کسی شہر میں یا کسی بستی میں پندرہ دن کی یا زیادہ کی، **وَإِنْ نَوَى أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ قَصَرَ** اور اگر اس سے کم یعنی پندرہ دن سے کم کی نیت کرتا ہے ٹھہرنے کی تو **قَصَرَ** کیا کرے گا؟ قصر کرے گا۔

لِأَنَّهُ دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی کہ پندرہ دن اقامت کے لیے پندرہ دن کی نیت کا ہونا کیوں ضروری ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ** اس لیے کیونکہ ضروری ہے کسی مدت کا اعتبار کرنا، **لِأَنَّ السَّفَرَ يُجَامِعُهُ اللُّبْثُ** اس لیے کیونکہ سفر جو ہے اس کے ساتھ ٹھہرنا جمع ہوتا ہے۔ بھئی سفر میں کیا سفر مسلسل ہوتا ہے یا جگہ جگہ انسان کو پڑاؤ ڈالنا پڑتا ہے؟ پڑاؤ ڈالنا پڑتا ہے۔ آج کل اتنی سہولتیں ہو گئیں لیکن پھر بھی اگر آپ اپنی سواری پر کہیں جا رہے ہیں تو عموماً اگر سارا دن سفر کیا ہے تو رات کو کیا کرتا ہے انسان پھر؟ کہیں پڑاؤ ڈالتا ہے، تو پڑاؤ ڈالنا پڑتا ہے سفر میں۔ اور قدیم زمانے میں تو قافلے سفر کرتے تھے تو وہ وہاں پر تو پھر بعض اوقات کسی شہر درمیان میں پہنچے دور کے شہر جا رہے ہیں درمیان میں کوئی شہر راستے میں آجاتا تو پھر وہاں کئی کئی دن پڑاؤ ڈال دیتے تھے بھئی، کیونکہ اس زمانے میں سفر بے انتہا مشکل تھا۔ تو سفر کے ساتھ ٹھہرنا تو ہو گا ہی، مسلسل تو سفر ہوتا ہی نہیں۔ تو اب کیا ہر ٹھہرنے پر کیا کریں گے ہم یہ حکم لگا دیں کہ وہ مقیم بن گیا اور وہ اب مسافر نہ رہا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی بلکہ ایک مدت کا تعین کرنا ضروری ہو گا۔ کیونکہ سفر کے اندر جگہ جگہ کیا کرنا پڑتا ہے؟ ٹھہرنا تو پڑتا ہی ہے، تو ایک مدت کا تعین ضروری ہے ایک مدت کا مقرر کرنا ضروری ہے تاکہ پتہ لگے کہ اس وہ مدت پائی جائے اس مدت کا انسان ارادہ کرے تو پھر اس کو مقیم قرار دیا جائے اور اس کا ارادہ اس سے کم کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ مقیم نہیں بھئی۔ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ** اس لیے کیونکہ کسی مدت کا اعتبار کرنا ضروری ہے **لِأَنَّ السَّفَرَ يُجَامِعُهُ اللُّبْثُ** اس لیے کیونکہ سفر جو ہے اس کے ساتھ ٹھہرنا یعنی پڑاؤ ڈالنا جمع ہوتا ہے، **فَقَدَّرْنَاهَا بِمُدَّةِ الطُّهْرِ** تو ہم نے اس کا اندازہ لگایا یا ہم نے اس کو مقرر کیا **بِمُدَّةِ الطُّهْرِ** کس کے ساتھ؟ طہر کی مدت کے ساتھ۔ اور طہر کی کم سے کم مدت کتنی ہے آپ پڑھ چکے ہیں؟ پندرہ دن ہے بھئی پندرہ دن ہے۔

تو بھئی طہر پر کیوں آپ نے اس کو قیاس کیا اور اس کے ساتھ اس کو مقرر کیا؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُمَا مُدَّتَانِ مُوجِبَتَانِ** اس لیے کیونکہ یہ دونوں مدتیں ایسی ہیں جو واجب کرنے والی ہیں یعنی شرعی احکام کو واجب کرنے والی ہیں۔ بھئی دیکھیے حیض کے ایام میں عورت سے نمازیں وغیرہ ساقط لیکن جب طہر آئے گا تو شرعی احکام کیا ہو جائیں گے؟ نماز کا حکم اس پر لاگو ہو گا اب اس کو نماز پڑھنا پڑے گی، تو یہ دیکھیے یہ طہر سے شرعی احکام میں تبدیلی آئی اس مدت سے، تو لہٰذا اقامت سے بھی جو ہے شرعی احکام میں تبدیلی آئے گی تو وہ بھی اس کے برابر ہونی چاہیے اور طہر کی تو کم سے کم مدت کتنی ہے؟ پندرہ دن ہے، تو اقامت کی بھی کم سے کم مدت کتنی ہونی چاہیے؟ پندرہ دن، تو پندرہ دن کی نیت کرے گا تو مقیم بن جائے گا پندرہ کی نیت نہیں کرتا تو مقیم بھی نہیں۔ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُمَا مُدَّتَانِ مُوجِبَتَانِ** اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایسی مدتیں ہیں جو واجب کرنے والی ہیں، **وَهُوَ مَأْثُورٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ** اور یہی منقول ہے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی، ان سے بھی یہی منقول ہے۔

وَالْأَثَرُ فِي مِثْلِهِ كَالْخَبَرِ اور اثر بھی اس جیسی چیز میں **كَالْخَبَرِ** خبر یعنی حدیث کی طرح ہے۔ اثر یعنی قول صحابی بھی اس جیسے مسئلے میں **كَالْخَبَرِ** کس کی طرح ہے؟ حدیث یعنی قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے۔ اثر کس کے لیے صاحب ہدایہ استعمال کرتے ہیں؟ صحابی کے قول یا فعل، اور خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل۔ تو اس قسم کے مسئلے میں صحابی کا قول بھی کس کی طرح ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرح۔ بھئی کیوں؟ صحابی کا قول حضور علیہ السلام کے قول کی طرح کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ صحابہ روایت کر رہے ہیں کہ پندرہ دن پندرہ دن کیا ہے کہ ارادہ کوئی کرے گا تو کیا بنے گا؟ مقیم بن جائے گا، اس سے کم کی نیت کرتا

ہے تو مقیم نہیں بنے گا، اور یہ بات عقل سے تو کبھی بھی معلوم نہیں ہو سکتی کہ اتنے دنوں کے ارادے سے انسان مسافر کے بجائے مقیم بنے گا اور اس سے کم ہو تو مسافر ہی رہے گا، یہ بات عقل سے معلوم ہو سکتی ہے؟ یہ بات تو عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی اور صحابہ روایت کر رہے ہیں معلوم ہوا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا جبھی اسی لیے وہ روایت کر رہے ہیں، تو لہٰذا جب حضور علیہ السلام سے سنا ہے تو ان کا قول گویا کس کی طرح ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرح ہی ہوا بھئی یعنی انہی سے سنی ہوئی بات یہ نقل کر رہے ہیں۔ یہ معنی ہے **وَالأَثَرُ فِي مِثْلِهِ كَالْخَبَرِ** اور اثر اس جیسی چیزوں کے اندر **كَالْخَبَرِ** حدیث کی طرح ہے۔

وَالتَّقْيِيدُ بِالْبَلْدَةِ وَالْقَرْيَةِ يُشِيرُ إِلَى أَنَّهُ لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ فِي الْمَفَازَةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ اوپر متن میں دیکھیے متن میں ایسا تھا: **حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ أَوْ قَرْيَةٍ** یہاں تک کہ کسی شہر یا بستی میں ٹھہرنے کا ارادہ کرے، اس میں ٹھہرنے کی نیت کرے۔ تو بستی اور شہر کی قید لگائی متن میں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جنگل کے اندر اگر کوئی پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لے تو بھی وہ مقیم نہیں بنے گا کیونکہ جنگل ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ ٹھہرنے کی جگہ کیا ہے؟ بستی اور شہر۔ تو جنگل میں اگر کوئی کیا کرتا ہے؟ ایک مہینہ ٹھہرنے کی بھی نیت کر لے تو بھی وہ کیا؟ مسافر ہی رہے گا مقیم نہیں بنے گا کیونکہ جنگل ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ یہ معنی ہے **وَالتَّقْيِيدُ بِالْبَلْدَةِ وَالْقَرْيَةِ يُشِيرُ** اور مقید کرنا بلدۃ اور یعنی شہر اور بستی کے ساتھ **يُشِيرُ** یہ اشارہ کرتا ہے **إِلَى أَنَّهُ لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ فِي الْمَفَازَةِ** کہ صحیح نہیں ہے ٹھہرنے کی نیت کرنا **فِي الْمَفَازَةِ** کس کے اندر؟ جنگل میں، **وَهُوَ الظَّاهِرُ** اور یہی ظاہر ہے۔ تو لَا **تَصِحُّ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ فِي الْمَفَازَةِ** تو صحیح نہیں ہو گی ٹھہرنے کی نیت جنگل میں، **وَهُوَ الظَّاهِرُ** اور یہی ظاہر ہے بھئی یہی ظاہر ہے۔

وَلَوْ دَخَلَ مِصْرًا عَلَى عَزْمِ أَنْ يَخْرُجَ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ وَلَمْ يَنْوِ مُدَّةَ الْإِقَامَةِ حَتَّى بَقِيَ عَلَى ذَلِكَ سِنِينَ قَصَرَ صورت یہ کہ اگر کوئی شخص کسی بستی میں داخل ہوا کسی شہر میں اور اس نے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی تو وہاں وہ مسافر ہے اور قصر کرتا رہے گا یعنی چار رکعت کے بجائے دو رکعت نماز پڑھے گا فرض بھئی۔ اور پھر اس کا ارادہ بنتا ہے کہ میں تین چار دن بعد یہاں سے نکلوں گا یا ہفتے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا لیکن وہ ہفتہ گزر گیا اور پھر کوئی مسئلہ پیش آیا اس نے کہا اگلے ہفتے میں چلا جاؤں گا ہفتے بعد، پھر اسی طرح دو چار دن بعد پھر وہ اس کا ارادہ بنا نکلنے کا پھر کوئی وجہ پیش آگئی اس نے کہا چلو میں آٹھ دس دن بعد نکل جاؤں گا۔ تو جب تک اس نے اقامت کی مدت کے برابر نیت نہیں کی، پندرہ دن جب تک ٹھہرنے کی نیت نہیں کی تو وہ مسافر ہی رہے گا چاہے اس پر سال گزر جائیں بھئی، کیا گزر جائیں؟ سال گزر جائیں بھئی سال گزر جائیں۔

وَلَوْ دَخَلَ مِصْرًا عَلَى عَزْمِ أَنْ يَخْرُجَ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ اور اگر کوئی شخص کسی شہر میں داخل ہوا **عَلَى عَزْمِ** اس ارادے پر **أَنْ يَخْرُجَ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ** کہ وہ کل نکلے گا یا پرسوں نکلے گا **وَلَمْ يَنْوِ مُدَّةَ الْإِقَامَةِ** اور اس نے اقامت کی مدت کی نیت نہیں کی **حَتَّى بَقِيَ عَلَى ذَلِكَ سِنِينَ** یہاں تک کہ وہ باقی رہا اسی حالت پر کئی سال تک **قَصَرَ** تو کیا کرے گا؟ قصر کرے گا۔

لِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَقَامَ بِآذَرْبَيْجَانَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ وَكَانَ يَقْصُرُ وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ مِثْلُ ذَلِكَ اس لیے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ رہے آذربائیجان شہر میں **سِتَّةَ أَشْهُرٍ** چھ ماہ تک رہے **وَكَانَ يَقْصُرُ** اور کیا کرتے تھے؟ قصر کرتے تھے قصر کرتے تھے۔ کیونکہ ارادہ بنتا تھا اب چند دن بعد نکلتا ہوں پھر ارادہ چند دن بعد نکلتا ہوں تو کسی عذر کی وجہ سے یا وہ شہر والے روک لیتے ہوں گے یا کسی عذر وغیرہ پھر چند دن پھر چند دن اسی طرح چھ ماہ گزر گئے لیکن وہ قصر کرتے رہے، **وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِثْلُ ذَلِكَ** اور روایت کیا گیا ہے صحابہ کی ایک جماعت سے اسی کے مثل بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ صحابہ کی ایک جماعت سے اسی طرح روایت ہے اور بھی بہت کئی صحابہ ان کے ساتھ یہ صورت پیش آئی اور وہ ایک مدت تک قصر ہی کرتے رہے۔

وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ فَنَوَوُا الْإِقَامَةَ بِهَا قَصَرُوا وَكَذَا إِذَا حَاصَرُوا فِيهَا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا۔ وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ اور جب داخل ہوا لشکر **أَرْضَ الْحَرْبِ** جنگ کی زمین میں یعنی دار الحرب میں، دشمنوں کے وہ لوگ جن کے ساتھ مسلمان کس حالت میں ہیں؟ حالت جنگ، ان کی زمین میں یعنی ان کے ملک میں لشکر مسلمانوں کا داخل ہوا **فَنَوَوُا الْإِقَامَةَ بِهَا** تو انہوں نے وہاں اقامت کی نیت کر لی، کسی جگہ پر لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور ارادہ کیا کہ یہاں پر ایک مہینے تک ہم رہیں گے، کہتے ہیں: **قَصَرُوا** کیا کریں گے پھر بھی؟ قصر کریں گے، بے شک ان کی نیت ہے مہینہ ٹھہرنے کی لیکن ان کی نیت کرنے سے بھی یہاں یہ یہاں پر مقیم نہیں بنیں گے بلکہ کیا رہیں گے؟ مسافر رہیں گے۔ وجہ یہ کہ یہ دشمن کے علاقے کے اندر ہیں آگے آپ کو وجہ بتائیں گے، اور یہاں ان کی نیت کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اگر یہاں یہ لڑائی ہوتی ہے اگر یہ غالب آگئے پھر تو مہینہ رہ سکیں گے اور اگر یہ غالب نہ آئے ان کو شکست ہوئی تو کیا کرنا پڑے گا یہاں سے ان کو؟ نکلنا پڑے گا جانا پڑے گا۔ تو ان کی حالت ان کی نیت کو باطل کر رہی ہے۔ ان کی نیت کیا؟ ایک مہینہ رہیں گے، اور حالت کیا ہے کس مقام پر ہیں؟ دشمن کے میدان دشمن کے علاقے میں ہیں تو ان کی حالت کیا کر رہی ہے ان کی نیتوں کو؟ ان کی نیتوں کو باطل کر رہی ہے تو ان کی نیتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ حالت اس حالت میں یہ نیت کچھ بھی کر لیں وہ تو موقع صورتحال کے مطابق ہی پھر آگے پتہ چلے گا کہ یہ پڑاؤ کرنا ان کے لیے ممکن بھی ہے یا ممکن نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ فَنَوَوُا الْإِقَامَةَ بِهَا قَصَرُوا** اور جب لشکر داخل ہوا دار الحرب میں تو انہوں نے اقامت کی نیت کر لی **بِهَا** اس زمین میں اس دار الحرب میں **قَصَرُوا** تو کیا کریں گے؟ قصر۔ **وَكَذَا إِذَا حَاصَرُوا فِيهَا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا** اور اسی طرح حکم ہے جب وہ محاصرہ

کرلیں **فِيهَا** کہاں پر؟ اس ارض حرب میں یعنی دار الحرب میں، جب وہ محاصرہ کرلیں **مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا** کسی شہر کا یا کسی قلعے کا تو بھی، اگرچہ ان کا ارادہ کتنے ہی دن ٹھہرنے کا کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی وہ کیا کرتے رہیں گے؟ قصر ہی کرتے رہیں گے۔

لِأَنَّ الدَّاخِلَ بَيْنَ أَنْ يُهْزَمَ فَيَفِرَّ وَبَيْنَ أَنْ يَهْزِمَ فَيَقِرَّ فَلَمْ تَكُنْ دَارَ إِقَامَةٍ اس لیے کیونکہ وہ داخل ہیں کس چیز کے درمیان؟ **بَيْنَ أَنْ** دو حالتوں کے درمیان وہ داخل ہے وہ لشکر، کون سی دو حالتیں؟ **بَيْنَ أَنْ يُهْزَمَ فَيَفِرَّ** اس حالت کے بیچ کہ یا تو وہ شکست کھا جائیں گے **فَيَفِرَّ** تو کیا کریں گے؟ بھاگ جائیں گے، **وَبَيْنَ أَنْ يَهْزِمَ فَيَقِرَّ** یا اس حالت کے درمیان کہ یہ شکست دے دیں گے **فَيَقِرَّ** تو پھر ٹھہریں گے، پھر ٹھہریں گے۔ **فَلَمْ تَكُنْ دَارَ إِقَامَةٍ** تو لہٰذا یہ دار اقامت نہ ہو گا بھئی، کیونکہ ان دو حالتوں کے درمیان ان کی حالت ہے اور کچھ پتہ نہیں ابھی کہ ٹھہر سکتے ہیں یا ٹھہر نہیں سکتے۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

وَكَذَا إِذَا حَاصَرُوا أَهْلَ الْبَغْيِ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فِي غَيْرِ مِصْرٍ أَوْ حَاصَرُوهُمْ فِي الْبَحْرِ اور اسی طرح ہے حکم **إِذَا حَاصَرُوا** جب گھیر لیا انہوں نے یعنی لشکر والوں نے **أَهْلَ الْبَغْيِ** باغیوں کو، کس کو؟ اب دوسری صورت ہے کہ لشکر مسلمانوں کا دار الاسلام ہی کے اندر ہے لیکن گھیرا کس کو ہے انہوں نے؟ باغیوں کو، کچھ لوگوں نے بغاوت کر دی ہے خلیفہ سے اس کے ساتھ ان کی جنگ ہے تو انہوں نے محاصرہ کر لیا باغیوں کا **فِي دَارِ الْإِسْلَامِ** دار الاسلام ہی میں **فِي غَيْرِ مِصْرٍ** شہر کے علاوہ میں یعنی جنگل وغیرہ میں، **أَوْ حَاصَرُوهُمْ فِي الْبَحْرِ** یا ان کا محاصرہ کر لیا کس میں؟ سمندر میں، سمجھ میں آیا؟ تو یہاں پر دیکھو غیر مصر کی قید لگائی، شہر کے علاوہ میں انہوں نے باغیوں کا محاصرہ کیا ہے یا سمندر کے اندر انہوں نے کیا کیا ہے باغیوں کا محاصرہ کیا ہے، تو پھر بھی قصر ہی کرتے رہیں گے، **لِأَنَّ حَالَهُمْ مُبْطِلٌ عَزِيمَتَهُمْ** اس لیے کیونکہ ان کی حالت جو ہے وہ ان کی عزیمت اور ارادے کو باطل کر رہی ہے۔

وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں صحیح ہے ان کی نیت یعنی وہ معتبر ہے اور جب یہ نیت کرلیں گے تو پھر کیا بن جائیں گے؟ مقیم بن جائیں گے دونوں صورتوں میں، چاہے وہ دار الحرب والوں کے ساتھ وہاں پر لڑ رہے ہیں یا باغیوں کے ساتھ کہاں پر دار الاسلام میں۔ دونوں صورتوں میں صحیح ہے **إِذَا كَانَتِ الشَّوْكَةُ لَهُمْ** جبکہ ان کو قوت حاصل ہو۔ شوکت قوت، جبکہ شوکت یعنی طاقت ان مسلمانوں کے لشکر کو حاصل ہو **لِتَمَكُّنِهِ مِنَ الْقَرَارِ ظَاهِرًا** بوجہ قادر ہونے کے ٹھہرنے پر ظاہراً باعتبار ظاہر کے۔ امام زفر فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں ان کی نیت صحیح ہو گی اور اس کا اعتبار کیا جائے گا **إِذَا كَانَتِ الشَّوْكَةُ لَهُمْ** جب اس اسلامی لشکر کو قوت حاصل ہو، گیا تو دار الحرب میں ہے لیکن وہاں پر ان کو قوت حاصل ہے، باغیوں سے جنگل میں لڑ رہے ہیں لیکن ان کو کیا حاصل ہے؟ قوت حاصل ہے، تو پھر ان کی نیت معتبر ہو گی اس لیے کیونکہ ظاہری طور پر یہ ٹھہرنے پر قادر ہیں، جب قوت حاصل ہے تو ٹھہر سکتے ہیں یا نہیں؟ ظاہر تو یہی ہے کہ انہی کو فتح ہو گی تو یہ ان کو قوت حاصل ہے۔

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصِحُّ إِذَا كَانُوا فِي بُيُوتِ الْمَدَرِ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح ہے یعنی ان کا یہ اقامت کی نیت کرنا صحیح ہے **إِذَا كَانُوا فِي بُيُوتِ الْمَدَرِ**، مدر کہتے ہیں یہ مٹی گارے کو بھئی، جبکہ وہ مٹی گارے کے گھروں میں ہوں یعنی خیموں وغیرہ میں نہ ہوں، لشکر کا تو قیام کس میں ہوتا ہے؟ خیموں میں، لیکن اگر یہ کس میں رہ رہے ہیں؟ مٹی وغیرہ کے گھروں میں ہیں ان میں رہ رہے ہیں پھر ان کی نیت صحیح ہے **لِأَنَّهُ مَوْضِعُ إِقَامَةٍ** اس لیے کیونکہ یہ مٹی کے گھر کیا ہیں؟ یہ اقامت کی جگہ ہوتے ہیں ان میں انسان ٹھہرتا ہے۔

وَنِيَّةُ الْإِقَامَةِ مِنْ أَهْلِ الْكَلَإِ وَهُمْ أَهْلُ الْأَخْبِيَةِ قِيلَ لَا تَصِحُّ اور اقامت کی نیت **مِنْ أَهْلِ الْكَلَإِ**، کلأ کہتے ہیں گھاس کو بھئی گھاس، گھاس والوں کے ٹھہرنے کی نیت کرنا، بھئی گھاس والے کون ہیں؟ کہتے ہیں: **وَهُمْ أَهْلُ الْأَخْبِيَةِ** وہ خیموں والے ہیں، وہ خیموں والے ہیں، اخبیہ جمع ہے خباء کی خیمے کو کہتے ہیں، بھئی خانہ بدوش لوگ، کون لوگ مراد ہیں؟ خانہ بدوش لوگ کچھ لوگوں کو آپ نے دیکھا ہو گا کہ وہ خیمے بنا کر رہتے ہیں جگہ جگہ کچھ عرصہ ایک جگہ رہے پھر کچھ عرصہ دوسری جگہ رہتے ہیں۔ تو یہ ہیں اہل کلأ، **وَهُمْ أَهْلُ الْأَخْبِيَةِ** اور یہ خیموں والے ہیں **قِيلَ لَا تَصِحُّ** کہا گیا ہے کہ ان کی اقامت کی نیت صحیح نہیں۔ یعنی یہ مسافر ہی ہیں مسافر ہی رہیں گے قصر کریں گے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: **وَالْأَصَحُّ أَنَّهُمْ مُقِيمُونَ** زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ مقیم ہیں **يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ** یہ روایت کیا گیا ہے کس سے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے، ایک تو یہ کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ قول ہے یہ ہم کوئی اپنی رائے سے بات نہیں کر رہے، اور نیز **لِأَنَّ الْإِقَامَةَ أَصْلٌ** کیونکہ اقامت اصل ہے۔ بھئی سفر اصل ہے یا اقامت؟ اقامت اصل ہے اور سفر اس پر پیش آتا ہے عارض ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے پھر احکام بدلتے ہیں تو اصل کیا ہے؟ اقامت، تو لہٰذا ان کو بھی اصل پر ہی سمجھا جائے گا تو ان کو مقیم سمجھا جائے گا اور یہ پوری نماز پڑھیں گے۔ **لِأَنَّ الْإِقَامَةَ أَصْلٌ فَلَا تَبْطُلُ بِالِانْتِقَالِ مِنْ مَرْعًى إِلَى مَرْعًى** تو اس لیے کیونکہ اقامت اصل ہے لہٰذا یہ باطل نہیں ہو گی منتقل ہونے سے ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف۔ یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ یہ خانہ بدوش لوگ جہاں گھاس وغیرہ پانی وغیرہ ہو جانور ان کے ساتھ ہوتے ہیں یہ وہاں منتقل ہو جاتے ہیں پھر وہاں پر جب گھاس وغیرہ ختم ہوئی اس سے منتقل ہو جاتے ہیں دوسری چراگاہ کی طرف، تو فرما رہے ہیں صاحب ہدایہ کہ اصل اقامت ہے اور سفر اس پر عارض ہوتا ہے پیش آتا ہے تو ان کو ان کی اصل پر رکھا جائے گا اور اصل کے اعتبار سے تو یہ مقیم ہیں تو جب مقیم ہیں تو پوری نماز پڑھنا پڑے گی اور یہ جو ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہوتے ہیں اس سے اس سے احکام شریعت میں تبدیلی نہیں آئے گی کیونکہ یہ تو جو ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہوتے ہیں کیا یہ سفر جتنے دور چراگاہ تک جاتے ہیں یا قریب قریب ہی

منتقل ہوتے ہیں؟ قریب قریب ہی منتقل ہوتے ہیں تو ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہونے سے ان کی یہ اقامت باطل نہیں ہوگی۔

وَإِنِ اقْتَدَى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِ فِي الْوَقْتِ أَتَمَّ أَرْبَعًا یاد رکھیے مسافر ہیں وہ اپنی جماعت کرواتے ہیں امام بھی مسافر ہے تو وہ چار رکعت والی نماز کے بجائے کتنا پڑھیں گے؟ دو رکعت، لیکن اگر امام جو ہے وہ مقیم ہے تو پھر مسافر اس کے پیچھے دو رکعت نہیں پڑھ سکتا بلکہ اس کے پیچھے کتنا پڑھنا پڑیں گی؟ چار رکعت پڑھنا پڑیں گی۔ تو مسافر کے فرض تو تھے دو لیکن امام کے تابع ہونے کی وجہ سے اب اس کے فرض بدل کر کتنے ہو گئے؟ چار، تو دیکھیے فرضوں اس کے فرضوں کو بدلنے والی چیز پائی گئی **مُغَيِّر** بدلنے والی چیز، مغیر پایا گیا۔ کیا پایا گیا؟ مغیر، اور کیا ہے مغیر کیا چیز اس کے فرضوں کو بدلنے والی ہے؟ یہ جو اس نے اقتداء کی ہے مقیم کی تو یہ مقیم کی اقتداء یہ مغیر ہے یہ اس کی نماز کو بدلنے والا، لیکن جہاں بھی مغیر آجائے آپ فوراً یہ حکم نہ لگانا کہ اب اس کی نماز بدل جائے گی بلکہ مغیر کا وقت کے اندر پایا جانا ضروری ہے۔ جو نماز وہ ادا کرنا چاہ رہا ہے یہ اسی نماز کا وقت ہے اس وقت کے اندر کیا پایا گیا؟ مغیر پایا گیا بدلنے والی چیز پائی گئی تو کیا کرے گی؟ اس کے فرضوں کو بدل دے گی، ہاں وقت کے بعد مغیر پایا جائے تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

دیکھیے ایک شخص ہے ظہر کے وقت کے اندر اس نے ابھی ظہر کی نماز ادا نہیں کی اور ہے مسافر، اسی وقت کے اندر اس کا ارادہ بن گیا کہ میں اس شہر میں پندرہ دن قیام کرتا ہوں اور تو نیت اقامت آگئی اور یہ نیت اقامت کیا ہے؟ مغیر ہے یہ اس کے فرضوں کو دو سے کس کی طرف بدل دے گا؟ چار، لیکن اس مغیر کا وقت کے اندر ہونا ضروری ہے۔ اسی ظہر کے اندر اگر یہ مغیر پایا گیا اس نے نیت کر لی تو اب دو کے بجائے کتنا پڑھنا پڑیں گے؟ چار پڑھنا پڑیں گے، لیکن اگر ظہر کا وقت گزر گیا اس کے بعد اب اس نے نیت ٹھہرنے کی کر لی اور فرض کریں ابھی ظہر کی نماز اس نے نہیں پڑھی تھی قضا ہے اس کے ذمہ ہے، لیکن اب مغیر وقت کے اندر پایا گیا یا وقت کے بعد پایا گیا اس نے اب نیت اقامت کر لی ہے؟ وقت کے بعد مغیر پایا گیا اور وقت کے بعد مغیر پایا جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں لہٰذا اب وہ ظہر کی قضا دو ہی رکعت کرے گا اگرچہ اقامت کی نیت کر چکا ہے لیکن پھر بھی وہ قضا نماز کتنی پڑھے گا؟ دو۔ معلوم ہوا مغیر اپنا اثر کب دکھائے گا؟ جب وقت کے اندر ہو، اور یہاں پر بھی جب وقت کے اندر کسی مقیم کی اقتداء کر رہا ہے اور اس کی اقتداء کیا ہے؟ مقیم کی اقتداء یہ مغیر ہے اور کس کے اندر پائی گئی؟ وقت کے اندر پائی گئی تو اس کے فرض دو کے بجائے کتنے بن جائیں گے؟ چار بن جائیں گے۔

یہ معنی ہے: **وَإِنِ اقْتَدَى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِ فِي الْوَقْتِ** اور اگر اقتداء کی مسافر نے مقیم کی فی الوقت وقت کے اندر اندر **أَتَمَّ أَرْبَعًا** تو پورا کرے گا چار کو، **لِأَنَّهُ يَتَغَيَّرُ فَرْضُهُ إِلَى أَرْبَعٍ لِلتَّبَعِيَّةِ** اس لیے کیونکہ بدل جائیں گے اس کے فرض چار کی طرف **لِلتَّبَعِيَّةِ** تابع ہونے کی وجہ سے، کس کے تابع؟ وہ جو مقیم امام ہے اس کے تابع ہونے کی وجہ سے، **كَمَا يَتَغَيَّرُ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ** جیسے اس کے فرض بدل جاتے ہیں اقامت کی نیت سے، **لِاتِّصَالِ الْمُغَيِّرِ بِالسَّبَبِ** اس وجہ سے کہ مغیر اس کا اتصال آیا ہے کس کے ساتھ؟ سبب کے ساتھ، **وَهُوَ الْوَقْتُ** اور وہ کیا ہے؟ وقت ہے۔ نماز کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ وقت ہے، تو اسی وقت کے اندر مغیر پایا جائے تو دیکھو مغیر کا اتصال ہو گیا مغیر مل گیا کس کے ساتھ؟ سبب کے ساتھ، **وَهُوَ الْوَقْتُ** اور وہ وقت ہے۔

وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ فِي فَائِتَةٍ لَمْ تُجْزِهِ اور اگر یہ داخل ہوا مقیم امام کے ساتھ، کون داخل ہوا؟ مسافر کس کے ساتھ داخل ہوا؟ مقیم امام کے ساتھ **فِي فَائِتَةٍ** فوت شدہ نماز میں یعنی امام کوئی گزشتہ قضا نماز پڑھ رہا ہے اور مسافر اس کی اقتداء کر لیتا ہے کہتے ہیں **لَمْ تُجْزِهِ** یہ اس کے لیے کافی نہیں۔ صورت یہ کہ وقت گزر چکا ہے اور ایک شخص ہے مقیم ہے وہ اپنی قضا نماز ادا کر رہا ہے یا تین چار افراد ہیں وہ جماعت کے ساتھ ادا کر رہے ہیں قضا نماز اور کتنی رکعتیں ہیں؟ چار رکعت والی، اور یہ ایک شخص ہے مسافر اس کی بھی ایک وہ نماز قضا ہو چکی ہے تو یہ ان کی اقتداء کرنا چاہتا ہے کہتے ہیں نہیں اقتداء نہیں کر سکتا، اقتداء نہیں کر سکتا کیونکہ ان کی جو مقیم ہیں ان کی قضا ہے چار رکعت اور مسافر کی قضا کتنی ہے؟ دو رکعت، تو یہ ان کی اقتداء نہیں کر سکتا۔ بھئی اعتراض ہوتا ہے آپ نے ہمیں ابھی بتایا کہ مغیر پایا جائے تو بدل دے گا تو یہاں پر بھی جب اقتداء کرے گا مقیم کی تو کیا پایا جائے گا؟ مغیر، تو جواب کیا؟ کہ مغیر وقت کے اندر ہو تو پھر اثر دکھائے گا وقت کے بعد وہ تو اثر نہیں دکھائے گا تو یہاں وقت تو گزر چکا ہے قضا نماز ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ فِي فَائِتَةٍ** اور اگر مسافر داخل ہوا مقیم امام کے ساتھ **فِي فَائِتَةٍ** فوت شدہ نماز میں یعنی قضا نماز میں **لَمْ تُجْزِهِ** یہ اس کے لیے کافی نہیں، **لِأَنَّهُ لَا يَتَغَيَّرُ بَعْدَ الْوَقْتِ لِانْقِضَاءِ السَّبَبِ** اس لیے کیونکہ وہ بدلتے نہیں وہ فرض جو ہیں وقت کے بعد **لِانْقِضَاءِ السَّبَبِ** سبب کے گزر جانے کی وجہ سے **كَمَا لَا تَتَغَيَّرُ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ** جیسے بدلتے نہیں وہ اقامت کی نیت سے۔ وقت کے گزرنے کے بعد کوئی اقامت کی نیت کر لے، وقت کے گزر جانے کے بعد کوئی اقامت کی نیت کر لے تو مغیر تو پایا گیا لیکن کس کے بعد پایا گیا؟ وقت کے بعد، تو جیسے یہ نیت اقامت مغیر ہونے کے باوجود اثر انداز نہیں ہوتی جب وقت گزر جائے تو پھر تو اسی طرح یہاں اقتدائے مقیم جو ہے وہ بھی مؤثر نہیں ہوگی۔

فَيَكُونُ اقْتِدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ فِي حَقِّ الْقَعْدَةِ أَوِ الْقِرَاءَةِ تو یہ مفترض کی اقتداء کرنا ہوا **بِالْمُتَنَفِّلِ** نفل پڑھنے والے کے کی **فِي حَقِّ الْقَعْدَةِ** قعدہ کے حق میں **أَوِ الْقِرَاءَةِ** یا قراءت کے حق میں۔ تو مسئلہ آپ نے پڑھ لیا کہ مسافر اگر مقیم کی اقتداء کرے گا وقت کے اندر تو وہ اقتداء کر سکتا ہے اور اسے پھر پوری نماز یعنی چار رکعت والی ہے تو چار رکعت ہی پڑھنا پڑیں گے بھئی۔ اور اگر کسی قضا نماز کے اندر مسافر اقتداء کرتا ہے کسی مقیم کی، جو امام ہے وہ کیا ہے؟ مقیم ہے اور وہ بھی کوئی چار رکعت والی قضا نماز پڑھنا چاہتا ہے تو مسافر اس کی اقتداء نہیں کر سکتا بھئی، مسافر اس کی اقتداء کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے بھئی اس لیے کیونکہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ کہ فرض پڑھنے والا اقتداء کر رہا ہے غیر فرض پڑھنے والے کی قعدے کے اندر یا قراءت کے اندر بھئی، تو لہٰذا قضا نماز میں مسافر مقیم کی اقتداء

نہیں کر سکتا بھئی۔

ہاں مغرب اور فجر میں کر سکتا ہے، مغرب اور فجر میں کر سکتا ہے کیونکہ فجر کی نماز ہے ہی دو رکعت تو وہ قضا بھی چاہے وہ مقیم ادا کر رہا ہو قضا پڑھ رہا ہو مسافر اس کی اقتداء کر سکتا ہے کیونکہ اس نے بھی کتنی پڑھنی ہے؟ دو رکعت ہی پڑھنی ہے اور مقیم نے بھی کتنی پڑھنی ہے؟ دو رکعت ہی پڑھنی ہے۔ اسی طرح مغرب کے اندر بھی اقتداء کر سکتا ہے کیونکہ مغرب تین رکعت اس نے پڑھنی ہے اور اس کے ذمہ بھی کتنی ہے؟ تین رکعت ہی ہے، جبکہ چار رکعت والی جو نمازیں ہیں یعنی ظہر، عصر اور عشاء ان میں مقیم امام ہے اور مسافر مقتدی ہے اور کون سی نماز دونوں ادا کرنا چاہتے ہیں؟ قضا نماز، تو یہ جائز نہیں۔

فقہاء پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں بھئی کیسے ایک ایک مسئلہ انہوں نے واضح کر کے دلائل کے ساتھ مزین کرتے ہوئے اس کو درج فرما دیا اور ہمارے لیے کتنی آسانی کر دی بھئی کتنی آسانی کر دی۔ اور کیسے کیسے دلائل ہیں انسان حیران رہ جاتا ہے اب ذرا دلیل سنیے بھئی صاحب ہدایہ کیا دلیل دیتے ہیں: صورت یہ کہ مسافر جو ہے وہ مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہے اور وہ مقیم امام جو ہے وہ قضا نماز پڑھ رہا ہے اور وہ ہے چار رکعت اور مسافر بھی وہی قضا نماز پڑھنا چاہتا ہے لیکن وہ کتنی ہے؟ دو رکعت، تو انہوں نے آپ کو مسئلہ بتلا دیا کہ یہ جائز نہیں ہے بھئی اس لیے کیونکہ مسافر کا وہ مغیر اگرچہ یہاں ہے کہ اقتداء کرے گا لیکن وقت گزر چکا ہے لہٰذا اس کے فرض بدلیں گے نہیں فرض کتنے رہیں گے؟ وہ دو ہیں تو دو ہی رہیں گے کیونکہ یہاں مغیر تو ہے اقتداء تو وہ کر رہا ہے لیکن مغیر کا اتصال وقت کے ساتھ نہیں ہے وقت گزر چکا ہے تو دو ہی پڑھے گا۔

اور دو جب پڑھتا ہے تو پھر یا تو پہلی دو رکعتوں میں اس کے ساتھ ہو گا یا آخری دو رکعتوں میں، امام کے ساتھ یا پہلی دو میں شامل ہو جائے گا یا کس میں شامل ہو جائے گا؟ آخری دو میں۔ اگر پہلی دو میں شامل ہوتا ہے تو جب درمیان والا قعدہ آئے گا وہ امام کے حق میں فرض ہے یا فرض نہیں؟ وہ فرض نہیں، اور مسافر کا تو آخری قعدہ ہے اس کے حق میں یہ کیا ہے؟ فرض، تو دیکھو نفل پڑھنے والے کی اقتداء کر رہا ہے کون؟ فرض پڑھنے والا، یہ صورت بن جائے گی اور نفل پڑھنے والے کی اقتداء فرض پڑھنے والا کرے یہ تو آپ پڑھ چکے جائز نہیں۔ یا آخری دو رکعتوں کے اندر اقتداء کرے گا اور آخری دو رکعتوں کے اندر اگر مسافر اقتداء کرتا ہے پھر تو وہ خرابی ختم ہوئی اب امام کا بھی آخری قعدہ ہو گا مسافر کا بھی آخری قعدہ ہو گا تو فرض پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والا ہی ہے وہ خرابی تو ختم ہوئی، لیکن قراءت کے مسئلے میں خرابی آئے گی۔ امام کے لیے آخری دو رکعتوں کے اندر قراءت کیا ہے؟ وہ فرض نہیں اور مسافر جو ہے اس کے لیے تو یہی دو رکعتیں ہیں تو اس کے لیے دو رکعتوں میں قراءت کیا ہے؟ فرض ہے، تو نفلوں نفل والے کی اقتداء کون کر رہا ہے؟ فرض والا، اور یہ صحیح نہیں۔

دلیل سمجھ میں آئی؟ اگر پہلی دو رکعتوں میں اقتداء کرتا ہے تو کس میں خرابی لازم آئے گی؟ قعدے کے اندر کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء کون کر رہا ہے؟ فرض پڑھنے والا، اور اگر آخری دو رکعتوں میں اقتداء کرتا ہے تو پھر کس اعتبار سے خرابی آئے گی؟ قراءت کے اعتبار سے کیونکہ آخری دو رکعتوں کے اندر امام کے ذمہ بھئی آپ چار رکعت والی نماز پڑھتے ہیں آخری دو میں قراءت آپ پر فرض ہوتی ہے؟ آخری دو میں فرض نہیں تو یہاں پر بھی امام کے ذمہ وہ قراءت فرض نہیں، اور مسافر کی تو یہی دو رکعتیں ہیں جو آخری دو پڑھ رہا ہے اور ان دونوں میں تو قراءت اس پر فرض ہے تو اقتداء لازم آئے گا کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء کون کر رہا ہے؟ فرض والا کس مسئلے میں؟ قراءت کے معاملے میں، اور یہ جائز نہیں۔ یہ معنی ہے: **فَيَكُونُ اقْتِدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ فِي حَقِّ الْقَعْدَةِ أَوِ الْقِرَاءَةِ** تو مفترض کا متنفل یعنی مفترض یعنی فرض پڑھنے والے کا **بِالْمُتَنَفِّلِ** نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرنا اقتداء کرنا پایا جائے گا **فِي حَقِّ الْقَعْدَةِ** کس میں؟ قعدہ کے حق میں، یہ کب جب کون سی دو رکعتوں میں آئے؟ پہلی دو میں، **أَوِ الْقِرَاءَةِ** یا کس میں؟ قراءت کے اندر، یہ آخری دو رکعتوں میں، اور یہ دونوں درست نہیں۔

وَإِنْ صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِينَ رَكْعَتَيْنِ سَلَّمَ وَأَتَمَّ الْمُقِيمُونَ صَلَاتَهُمْ اور اگر مسافر نے نماز پڑھائی مقیمین کو، میں نے بتلایا تھا **صَلَّى** کے ساتھ اگر بَا آجائے، **صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِينَ** یہ مقیمین پر بَا داخل ہو رہی ہے تو یہ کیا بتلاتی ہے یہ بَا کس پر داخل ہوتی ہے؟ اقتداء کرنے والے پر، کس پر؟ جس کو نماز پڑھائے، **صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِينَ** معلوم ہوا پڑھانے والا کون؟ مسافر، اور بَا جس پر داخل ہے وہ کون ہے؟ مقتدی ہیں وہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے۔ **وَإِنْ صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِينَ** اور اگر مسافر مقیمین کو نماز پڑھائے **رَكْعَتَيْنِ** کتنی؟ دو رکعت، **سَلَّمَ** تو وہ سلام پھیرے **وَأَتَمَّ الْمُقِيمُونَ صَلَاتَهُمْ** اور وہ مقیم پوری کر لیں اپنی نماز۔ مسافر امام تو دو رکعت پر سلام پھیر دے گا اور مقیم کیا کریں گے؟ پھر اپنی دو رکعتیں پوری کریں گے۔

لِأَنَّ الْمُقْتَدِيَ الْتَزَمَ الْمُوَافَقَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ اس لیے کیونکہ مقتدی نے التزام کیا ہے دو رکعتوں میں موافقت کا، جب وہ اقتداء کس کی کر رہا ہے؟ مسافر کی اور اس کو پتہ ہے مسافر کی نماز تو کتنی ہوتی ہے؟ دو رکعت، تو معلوم ہوا اس نے اپنے اوپر لازم بھی کتنی اقتداء کی؟ دو رکعتوں کی کی ہے تو لہٰذا وہ دو میں کر رہا ہے پوری۔ **لِأَنَّ الْمُقْتَدِيَ الْتَزَمَ الْمُوَافَقَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ** اس لیے کیونکہ مقتدی نے التزام کیا ہے یعنی اپنے اوپر لازم کیا ہے **الْمُوَافَقَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ** دو رکعتوں میں موافقت کرنے کا امام کی، **فَيَنْفَرِدُ فِي الْبَاقِي** تو وہ اکیلا ہو گا باقی نماز میں **كَالْمَسْبُوقِ** جیسے کون ہوتا ہے؟ مسبوق، مسبوق وہ شخص جس کی کچھ رکعتیں رہ جائیں۔ کچھ رکعتیں رہ جائیں اب وہ مثلاً دو رکعتیں نکل گئی ہیں اور وہ آ کر نماز میں شامل ہو گیا تو اس نے کتنے کا التزام کیا اپنے اوپر؟ دو رکعتوں کا التزام کیا لہٰذا دو اس کے ساتھ پڑھے گا اور باقی بعد میں کیا کرے گا؟ اکیلے پڑھے گا، تو یہ بھی اسی طرح ہے۔

إِلَّا أَنَّهُ لَا يَقْرَأُ فِي الْأَصَحِّ ہاں یہ فرق ہے، بھئی دیکھیے مسبوق تھا مسبوق اور آخری دو رکعتوں میں وہ آیا تو دو رکعتیں تو امام کے ساتھ پڑھ لے گا اور آخری دو رکعتیں اکیلے پڑھے گا اور ان دو میں وہ قراءت کرتا ہے یا نہیں کرتا؟ کرتا ہے کیونکہ اس کا فرض باقی ہے، کیونکہ امام کے پیچھے آخری دو رکعتوں میں آیا اور آخری دو رکعتوں میں امام کی قراءت فرض تھی یا نفل تھی؟ نفل تھی، تو وہ فرض قراءت تو پہلی دو رکعتوں میں تھی وہ تو ابھی تک اس کے ذمہ باقی ہے لہٰذا مسبوق کیا کرتا ہے؟ پھر قراءت کرتا ہے آخری دو رکعتوں میں قراءت کرتا ہے۔ لیکن یہ جو مقیم اقتداء کر رہے ہیں مسافر کی یہ ہیں تو مسبوق کی طرح لیکن یہ قراءت نہیں کریں گے یہ خاموش رہیں گے، کیا کریں گے؟ خاموش رہیں گے۔ اس لیے کیونکہ فرض ان کا ادا ہو چکا، مسافر نے دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا اور مقیم کیا کر رہے ہیں اب بقیہ دو رکعتیں پوری کر رہے ہیں تو دو رکعتوں میں فرض قراءت آگئی یا نہیں آگئی؟ آگئی لہٰذا فرض ان کا ادا ہو چکا ہے فرض ادا ہو چکا ہے اور آخری دو رکعتوں میں نفل قراءت ہے کیا ہے؟ نفل قراءت، لیکن اس میں بھی کہتے ہیں یہ خاموش رہیں گے خاموش رہیں گے قراءت نہیں کریں گے نفل قراءت بھی نہیں کریں گے خاموش رہیں گے۔ بھئی کیوں خاموش رہیں گے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ مقتدی ہیں، کیا ہیں؟ مقتدی ہیں۔ بھئی مقتدی کیسے ہیں امام تو سلام پھیر چکا؟ کہتے ہیں اگرچہ فعل کے اندر عمل کے اعتبار سے یہ مقتدی فعل کے اعتبار سے یہ مقتدی نہیں لیکن تحریمہ کے اعتبار سے یہ کیا ہیں؟ مقتدی ہیں یہ شروع سے شامل ہوئے تھے نماز میں اور جو شروع سے نماز میں شامل ہوتا ہے وہ کسی بھی رکعت میں امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتا تو یہ بھی کیا کریں گے قراءت نہیں کریں گے۔ تو مسبوق قراءت کرتا ہے کیونکہ اس کا فرض باقی ہوتا ہے اور یہ قراءت نہیں کریں گے کیونکہ یہ کیا ہیں؟ ان کا کیونکہ یہ اقتداء کر رہے ہیں تحریمہ کے اندر اگرچہ فعل کے اندر اقتداء نہیں ہے امام سلام پھیر چکا ہے۔

تو کہتے ہیں **كَالْمَسْبُوقِ** یہ مسبوق کی طرح ہے **إِلَّا أَنَّهُ لَا يَقْرَأُ فِي الْأَصَحِّ** مگر یہ کہ یہ جو مقیم ہیں یہ قراءت نہیں کریں گے اصح قول کے مطابق **لِأَنَّهُ مُقْتَدٍ تَحْرِيمَةً لَا فِعْلًا** اس لیے کیونکہ یہ مقتدی ہے باعتبار تحریمہ کے لا فعلاً نہ کہ باعتبار فعل کے، **وَالْفَرْضُ صَارَ مُؤَدًّى** اور فرض جو ہے وہ ادا ہو چکا ہے پہلی دو رکعتوں میں فرض قراءت ہو چکی ہے **فَيَتْرُكُهَا احْتِيَاطًا** تو لہٰذا اس کو کیا کر دے قراءت کو؟ چھوڑ دے آخری دو میں احتیاطاً بطور احتیاط کے، **بِخِلَافِ الْمَسْبُوقِ** بخلاف کس کے؟ مسبوق کے **لِأَنَّهُ أَدْرَكَ قِرَاءَةً نَافِلَةً** مسبوق کون تھا؟ جس کی دو رکعتیں رہ گئی تھیں اور پھر آ کر شامل ہوا تو آخری دو میں امام نے قراءت تو کی آہستہ لیکن وہ قراءت فرض تھی یا نفل تھی؟ نفل، تو اس کا تو فرض باقی ہے مسبوق کا تو وہ کرے گا۔ **بِخِلَافِ الْمَسْبُوقِ لِأَنَّهُ أَدْرَكَ قِرَاءَةً نَافِلَةً** اس لیے کیونکہ اس نے نفل قراءت پائی ہے **فَلَمْ يَتَأَدَّ الْفَرْضُ** تو فرض ادا نہیں ہوا **فَكَانَ الْإِتْيَانُ أَوْلَى** تو لہٰذا اس کو لانا یعنی اس کو ادا کرنا یعنی قراءت کا کرنا اولیٰ یہ کیا ہے؟ اولیٰ ہے۔

اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ بھئی مسبوق کے ذمہ تو قراءت پڑھنا بہتر نہیں بلکہ فرض ہے، کیا ہے؟ فرض ہے اس کے ذمہ تو، اور تو صاحب ہدایہ تو صرف کیا فرما رہے ہیں؟ اس کے لیے قراءت کا لانا اور قراءت کا پڑھنا اولیٰ ہے، تو جواب یہ کہ بھئی بہتر ہونا یہ فرض کے منافی نہیں، بھئی فرض کا ادا کرنا بہتر ہے یا بہتر نہیں؟ بہتر ہے بلکہ سب سے بہتر ہے تو لہٰذا یہ اولیٰ کہا انہوں نے تو یہ کوئی اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس کے ذمہ فرض نہیں ہے قراءت بلکہ اس کے ذمہ کیا ہے قراءت؟ فرض ہے، معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟

قَالَ: وَيُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ إِذَا سَلَّمَ أَنْ يَقُولَ: أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ اور مستحب ہے امام کے لیے یہ جو امام مسافر تھا اور پیچھے کون تھے؟ مقتدی، اس امام کے لیے مستحب ہے **إِذَا سَلَّمَ** کہ جب یہ سلام پھیرے **أَنْ يَقُولَ** تو یہ کہے: «**أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ**» کہ تم لوگ کیا کرو؟ پیچھے مقتدیوں کو کہے کہ تم اپنی نماز پوری کرو «**فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ**» کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں، **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَهُ حِينَ صَلَّى بِأَهْلِ مَكَّةَ وَهُوَ مُسَافِرٌ** اس لیے کیونکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا جس وقت آپ نے اہل مکہ کو نماز پڑھائی تھی **وَهُوَ مُسَافِرٌ** اس حال میں کہ آپ کیا تھے؟ مسافر تھے، اور احناف بھی ہر ہر مسئلے میں چونکہ اتباع سنت کرتے ہیں اور احتیاط والی صورت کو اختیار کرتے ہیں اور ہر ہر معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کے اتباع کی کوشش کرتے ہیں تو حضور نے ایسا فرمایا تھا لہٰذا یہاں پر یہ مسافر بھی امام بھی کیا کرے؟ ایسا ہی کہے بھئی ایسا کہنا اس کے لیے مستحب ہے، چلیے بس بھئی **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔ کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہیں آئی بھئی؟

بھئی دیکھیے مسئلہ یاد رکھیے، آپ یہاں سے جاتے ہیں مثلاً کراچی جاتے ہیں اور وہاں آپ کا ارادہ ہے چھ مہینے ٹھہرنے کا، تو جب تین دن کی مسافت کی دوری پر جو جگہ ہے اس کا آپ ارادہ کر کے جیسے ہی شہر سے نکلیں گے آپ مسافر بن جائیں گے، اور جب وہاں پہنچیں گے جیسے ہی اس شہر میں داخل ہوں گے مقیم بن جائیں گے، سمجھ میں آیا؟ ہاں تو یہ ضروری نہیں کہ آپ جس بستی کی طرف جا رہے ہیں وہاں بھی آپ کا ارادہ پندرہ دن سے کم ہی ہو تبھی آپ سفر میں کیا کر سکتے ہیں؟ قصر، نہیں نہیں سفر کو الگ دیکھو، مسافت کتنی ہے؟ تین دن تین رات کی مسافت یعنی اڑتالیس میل سے زیادہ ہے تو بس شہر سے نکلتے ہی آپ کیا بن گئے؟ مسافر بن گئے، یہ نہیں دیکھنا کہ آگے آپ قیام کریں گے یا قیام نہیں کریں گے۔ ہاں وہاں اگر قیام کا ارادہ نہیں تو وہاں بھی آپ مسافر اور قیام کا ارادہ ہے تو جیسے ہی اس شہر میں داخل ہوں گے کیا بن جائیں گے؟ فوراً مقیم بن جائیں گے بھئی، ہاں راستے میں قصر ہی کرتے جائیں گے۔

بھئی سنتوں کا معاملہ بھی کل بھی بیان میں نے کیا کہ ایک حالت فرار ہے ایک حالت قرار ہے، حالت فرار یہ جلدی میں آپ جا رہے ہیں بس جا رہی ہے وہ تھوڑی دیر کے لیے رکے گی اب آپ کو اتنا وقت نہیں دیں گے کہ وہ ساری سنتیں آپ ادا کریں، حالت فرار ہے تو سنتیں آپ پر ہیں ہی نہیں بس آرام سے آپ فرض پڑھیں آ جائیں۔

اور اگر حالت قرار میں اطمینان سے جارہے ہیں تو بھی سنتوں کا جو عام اقامت میں حکم تھا اس سے کچھ کم ہو گیا لیکن بہتر ہے انسان پڑھ لے بھئی، کیا کرلے؟ پڑھ لے، خصوصاً علماء آپ کی تو لوگ اقتداء کریں گے آپ سے طریقہ سیکھیں گے، آپ یہ نہ کہیں کہ نہیں بڑوں کو دیکھ کر طریقہ سیکھیں نہیں نہیں یہ آپ کو اندازہ بہت آگے چل کر اندازہ ہو گا کہ لوگ آپ کے ایک ایک عمل کو دیکھ کر بہت سی چیزیں سیکھ جاتے ہیں۔ سالوں بعد ایک آدمی کہیں ذکر کر دے گا میں نے یہ بات آپ سے دیکھی سیکھی تھی تو میں اس وقت سے سمجھ گیا کہ یہ جائز ہے، سمجھ میں آیا؟ دیکھا تو وہ آپ کو پتہ بھی نہیں چلے گا سالوں بعد جا کے اندازہ ہو گا بھئی کیونکہ وہ لوگ بیچارے وہ تو دیکھتے ہیں کہ یہ پڑھ بھی رہا ہے دینی طالب علم ہے عالم ہے وہ اپ سے طریقہ سیکھ، دس نہیں سیکھیں گے لیکن ایک دو تین تو ضرور آپ کو دیکھ کر اپنے طریقے کی اصلاح کریں گے اللہ۔

سبق نمبر ۷۸: باب کا مصدر کیا آتا ہے؟

ہدایہ صفحہ: ۱۷۶ — بتاریخ: ۴ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِي مِصْرِهِ أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ الْمُقَامَ فِيهِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابَهُ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ كَانُوا يُسَافِرُونَ وَيَعُودُونَ إِلَى أَوْطَانِهِمْ مُقِيمِينَ مِنْ غَيْرِ عَزْمٍ جَدِيدٍ، وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ مِنْهُ وَاسْتَوْطَنَ غَيْرَهُ ثُمَّ سَافَرَ فَدَخَلَ وَطَنَهُ الْأَوَّلَ قَصَرَ». [1]

مسافر کی نماز سے متعلقہ احکام ذکر ہو رہے ہیں۔ تو فرماتے ہیں: «**وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِي مِصْرِهِ**» اور جب مسافر اپنے شہر میں داخل ہو «**أَتَمَّ الصَّلَاةَ**» تو نماز پوری پڑھے گا «**وَإِنْ لَمْ يَنْوِ الْمُقَامَ فِيهِ**» اگرچہ اس میں وہ اقامت کی نیت نہ کرے، اگرچہ اس میں وہ اقامت کی نیت نہ کرے۔

مقام یاد رکھیے مقام یہ مصدر میمی ہے بھئی، مصدر میمی اقامت کے معنی میں۔ آپ نے پڑھا ہے صرف کے اندر کہ یہ جو مزید فیہ کے ابواب ہیں مثلاً جیسے یہ «**أَقَامَ يُقِيمُ إِقَامَةً فَهُوَ مُقِيمٌ وَأُقِيمَ يُقَامُ إِقَامَةً فَذَاكَ مُقَامٌ**» تو یہ جو مفعول کا صیغہ ہے یہ ظرف کا بھی یہی وزن آتا ہے مزید فیہ سے۔ یہ «**مُقَامٌ**» جیسے اسم مفعول ہے اسی طرح یہ اسم ظرف بھی ہے اور یہی صیغہ مصدر کے طور پر بھی عموماً استعمال ہوتا ہے ان ابواب کے لیے اور تو یہ «**مُقَامٌ**» ظرف بھی ہوا، اسم مفعول بھی ہوا اور مصدر بھی ہوا بھئی مصدر۔ اور اس کو مصدر میمی کہتے ہیں کیونکہ شروع میں کیا ہے؟ میم ہے بھئی۔ تو یہاں بھی یہ مصدر کے معنی میں ہے اور تو مقام مصدر ہوا اور اس باب کا مصدر کیا آتا ہے؟ «**أَقَامَ يُقِيمُ إِقَامَةً**» تو مقام کس معنی میں؟ اقامت کے معنی میں۔

تو کہتے ہیں «**وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ**» جب مسافر اپنے، بھئی مسئلہ یہ ہے مسافر اپنے شہر میں جب داخل ہو گا تو شہر میں داخل ہوتے ہی اسے اب پوری نماز پڑھنا پڑے گی بھئی، پوری نماز۔ چاہے وہ کچھ دیر کے لیے واپس آیا ہے اور پھر واپس نکلنے کا ارادہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن جب اپنے شہر میں داخل ہوا تو اب اسے کیا کرنا پڑے گی؟ پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: «**وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِي مِصْرِهِ**» اور جب مسافر داخل ہوا اپنے شہر میں «**أَتَمَّ الصَّلَاةَ**» تو نماز پوری کرے گا «**وَإِنْ لَمْ يَنْوِ الْمُقَامَ فِيهِ**» اگرچہ وہ اس میں اقامت کی نیت نہ کرے۔

دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابَهُ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ كَانُوا يُسَافِرُونَ**» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جو ہیں وہ سفر کرتے تھے «**وَيَعُودُونَ إِلَى أَوْطَانِهِمْ**» اور لوٹتے تھے اپنے وطنوں کو «**مُقِيمِينَ**» اس حال میں کہ وہ کیا ہوتے؟ مقیم ہوتے تھے «**مِنْ غَيْرِ عَزْمٍ جَدِيدٍ**» بغیر کسی جدید ارادے کے، بغیر کسی جدید یعنی کوئی نیا ارادہ نہیں کرتے تھے کہ اب ہم یہاں پندرہ دن قیام کریں گے بلکہ اس کے بغیر ہی وہ کیا بن جاتے؟ مقیم بنتے اور پوری نماز پڑھتے تھے بھئی۔

شارحین نے یہاں پر صاحب ہدایہ پر اعتراض کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ معلوم نہیں صاحب ہدایہ نے یہ بات یہ جس کو وہ دلیل کے طور پر ذکر کر رہے ہیں یہ کہاں سے اخذ کی ہے اور انہوں نے اس کا کوئی حوالہ وغیرہ بھی نہیں دیا۔ جبکہ باقی شارحین اور فقہاء جو ہیں جو اس مسئلے کی شرح کرتے ہیں، اس مسئلے کی تشریح کرتے ہیں ائمہ کی کتابوں کے اندر وہ اس طرح ذکر نہیں کرتے۔ تو معلوم نہیں کہاں سے انہوں نے قول یہ لیا بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ مسافر جو ہے جب وہ اپنے شہر آئے گا تو وہ پھر پوری نماز پڑھے گا بھئی، پوری نماز۔ کیونکہ اب وہ مسافر نہیں، جب اپنے وطن پہنچ گیا تو کوئی اس کو مسافر کہتا ہے؟ مسافر نہیں کہتا تو وہ پوری نماز پڑھے گا۔ لیکن بہر حال یہاں جو دلیل صاحب ہدایہ نے ذکر کی یہ کہتے ہیں معلوم نہیں انہوں نے کہاں سے اخذ کی بھئی۔ اور ظاہر یہ کہ یہ دیکھیے یہاں انہوں نے ارادے کا ذکر کیا، بغیر کسی نئے ارادے کے ہی وہ کیا بن جاتے تھے؟ مقیم۔ حالانکہ ارادہ تو دل کا فعل ہے بھئی، اس کا تو ظاہر سے پتہ نہیں

[1] شاملہ (ص ۹۸) میں «مِنْهُ» کے بجائے «عنه» درج ہے۔

چلتا بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو یہاں شارحین نے صاحب ہدایہ پر اعتراض کیا کہ یہ دلیل معلوم نہیں انہوں نے کہاں سے اخذ کی اور کیونکہ ارادے کی بات کی ہے انہوں نے اور ارادہ تو کس کا فعل ہے؟ دل کا فعل ہے اور دل کے فعل کا تو پتہ ظاہر سے نہیں چل سکتا۔

تو بہر حال دلیل یہی کہ وہ جو صاحب ہدایہ نے ذکر کی کہ جب وہ جب بھی آتے تھے، اپنے وطن میں آتے تھے تو ہمیشہ کیا کرتے تھے؟ پوری نماز پڑھتے تھے بھئی اور یہ بھی واضح ہے کیونکہ جب انسان اپنے وطن پہنچتا ہے تو پھر اسے کوئی بھی مسافر نہیں کہتا بھئی، مسافر نہیں کہتا۔ حتیٰ کہ بے شک تھوڑی دیر کے لیے آیا ہے، نکلنے بھی لگا ہے تو لوگ کیا کہیں گے؟ یہ سفر پر نکلنے لگا ہے۔ معلوم ہوا ابھی سفر پر نہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وہ مقیم ہے اور وہاں پوری نماز پڑھے گا۔

■ مسئلہ: وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ مِنْهُ

«وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ مِنْهُ» مسئلہ یہ بھئی صورت یہ کہ ایک شخص کسی ایک جگہ رہتا تھا وہ اس کا وطن تھا، اس کا وطن جہاں انسان کی مستقل رہائش ہو چاہے وہاں پیدائش ہوئی ہو یا پیدائش نہ ہوئی ہو بھئی۔ تو ایک شخص کا ایک وطن تھا یعنی اس کی مستقل رہائش تھی اس علاقے کے اندر، اس شہر کے اندر اور پھر وہ وہاں سے منتقل ہو گیا اور دوسرے شہر کو اس نے اپنا وطن بنالیا، پورے طور پر منتقل ہو گیا، بیوی بچے، گھر وغیرہ سب منتقل کر لیا۔ اگر صرف خود منتقل ہوا ہے پھر یہ حکم نہیں بھئی۔ صرف خود منتقل ہوا ہے، گھر بھی وہیں پر ہے، بیوی بچے بھی وہیں پر ہیں پچھلے وطن کے اندر تو پھر یہ دونوں جگہ دونوں وطن بن جائیں گے اس کے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ لیکن اگر پورے طور پر منتقل ہو گیا، گھر وغیرہ، بیوی بچے سب منتقل کر لیے، دوسرے شہر میں رہائش مستقل اختیار کر لی ہے تو اب یہ اس کا وطن اصلی بن جائے گا، وہ وطن اصلی نہیں۔ لہٰذا اگر سفر کے لیے نکلتا ہے اور بیچ میں اس شہر پھر پہنچتا ہے جو اس کا پہلے وطن تھا تو وہاں جب تک اقامت کی مدت کے برابر وہ قیام نہیں کرتا، اس کا ارادہ نہیں بنتا وہاں بھی کیا کرے گا؟ قصر کرے گا کیونکہ اب یہ اس کا وطن اصلی نہ رہا، وطن اصلی اب دوسرا بن چکا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ مِنْهُ وَاسْتَوْطَنَ غَيْرَهُ» اور جس کا کوئی وطن تھا پھر وہ اس سے منتقل ہو گیا اور دوسری جگہ کو اپنا وطن بنالیا «ثُمَّ سَافَرَ» پھر اس نے سفر کیا «فَدَخَلَ وَطَنَهُ الْأَوَّلَ» تو یہ داخل ہوا اپنے پہلے وطن میں «قَصَرَ» تو کیا کرے گا؟ قصر کرے گا کیونکہ یہ اب اس کا وطن نہیں ہے۔ «لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ وَطَنًا لَهُ» اس لیے کیونکہ یہ اب اس کا وطن ہو کر باقی نہیں۔

«أَلَا تَرَى» ہے آپ کی کتابوں میں، «يَرَى» نہیں، «تَرَى»، تا ہے یہ بھئی کتابت کی غلطی ہے۔ «أَلَا تَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ الْهِجْرَةِ عَدَّ نَفْسَهُ بِمَكَّةَ مِنَ الْمُسَافِرِينَ» صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ اب اس کا وطن نہیں تو یہ اب وہاں پر مسافر ہی ہے۔ «أَلَا تَرَى» کیا آپ دیکھتے نہیں «أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» کہ حضور علیہ السلام «بَعْدَ الْهِجْرَةِ» ہجرت کے بعد جو ہے «عَدَّ نَفْسَهُ بِمَكَّةَ مِنَ الْمُسَافِرِينَ» آپ نے شمار کیا اپنے آپ کو مکہ میں کس میں سے؟ مسافروں میں سے شمار کیا بھئی۔ حالانکہ وہ وطن اصلی تھا حضور علیہ السلام کا، لیکن چونکہ اس کو چھوڑ دیا تھا اور کہاں آگئے تھے؟ مدینہ منورہ میں، تو اس لیے وہاں مکہ میں مسافر ہی اپنے آپ کو شمار کیا اور قصر نماز پڑھتے رہے وہاں۔

■ مسئلہ: وَهٰذَا

«وَهٰذَا» جی، آگے صاحب ہدایہ وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَهٰذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ» اور یہ اس وجہ سے کیونکہ ضابطہ یہ ہے «أَنَّ الْوَطَنَ الْأَصْلِيَّ يَبْطُلُ بِمِثْلِهِ دُونَ السَّفَرِ وَوَطَنَ الْإِقَامَةِ يَبْطُلُ بِمِثْلِهِ وَبِالسَّفَرِ وَبِالْأَصْلِيِّ»۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں یہ اس وجہ سے کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ وطن اصلی وہ باطل ہوتا ہے اپنے مثل سے «دُونَ السَّفَرِ» نہ کہ سفر سے، اور وطن اقامت یہ باطل ہوتا ہے اپنے مثل سے بھی اور سفر سے بھی اور وطن اصلی سے بھی۔

بھئی ایک ہے وطن اصلی جہاں انسان کی رہائش ہے مستقل، گھر ہے، بیوی بچے وغیرہ وہیں پر ہیں، یہ ہے وطن اصلی۔ اور ایک ہے وطن اقامت، سفر کے اندر انسان سفر پر نکلا ہے اور کسی مقام پر کیا کر لیتا ہے؟ پندرہ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کر لیتا ہے تو یہ کیا بن گیا اس کا؟ وطن اقامت بن گیا، وطن اقامت۔

اور وطن اصلی جو ہے اپنے مثل کے ساتھ ہی باطل ہو گا اور کسی چیز سے نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کو اس کے برابر کی چیز ہی آکر ختم کر سکتی ہے، اس سے کم درجے کی چیز اسے ختم نہیں کر سکتی۔ تو لہٰذا ایک جگہ ہے آپ کا وطن اصلی، تو یہ وطن اصلی ہونا اس کا تبھی باطل ہو گا جب دوسری جگہ کو آپ وطن اصلی بنالیں، کیا بنالیں؟ وطن۔ تو دیکھو وہ بھی وطن اصلی، وہ بھی اسی کے مثل ہے تو وہ اس کو کیا کر دے گا؟ اس کے وطن اصلی ہونے کو باطل کر دے گا۔ اب وہ وطن اصلی بن جائے گا، یہ وطن اصلی نہیں رہے گا۔ لہٰذا وہاں سے وہ سفر پر نکلا اور چلتے سفر کے دوران پھر اس شہر سے گزرنا ہوا تو اب یہ اس کا وطن اصلی نہیں بلکہ اب یہاں کیا کرے گا؟ قصر کرے گا اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کرتا۔ تو دیکھیے یہ وطن اصلی نہ رہا، اس کا وطن اصلی ہونا ختم ہوا کس کی وجہ سے؟ دوسرے وطن اصلی جو اسی کا مثل ہے، وہ بھی کیا ہے؟ وطن اصلی۔ تو وطن اصلی کس چیز کی وجہ سے ختم ہو جائے گا؟ وطن اصلی ہی کی وجہ سے، اپنے مثل کی وجہ سے کیونکہ وہ اس کا مثل ہے، اس کے برابر ہے۔

سفر سے نہیں، سفر سے نہیں ختم ہو سکتا وطن اصلی۔ آپ مثلاً نکلے اپنے وطن سے اور گئے مثلاً کسی دوسرے دوسرے شہر میں رہنے لگے جو یہاں سے سفر کی مسافت پر

ہو، سفر شرعی یعنی تین دن کی مسافت، اور وہاں مثلاً اب آپ نے اقامت اختیار کر لی، ایک مہینہ وہاں رہے، مقیم بن گئے۔ اب وہاں سے آپ کسی دوسرے شہر جانا چاہتے ہیں اور وہ اس اقامت والی جگہ سے کتنی دور ہے؟ یہاں سے تین دن سے زیادہ کی مسافت ہے۔ اب آپ اس کی طرف چلے اور راستے میں اپنے اس شہر میں بھی آپ کو پڑاؤ ڈالنا پڑا تو اب آپ اس وقت کس حالت میں ہیں؟ سفر کی حالت میں ہیں، لیکن سفر بھی وطن اصلی کو باطل نہیں کرے گا۔ یہ وطن اصلی ہے، وطن اصلی ہی رہے گا۔ یہاں آپ کو کیا کرنا پڑے گی؟ پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا وطن اصلی صرف کس سے ختم ہو گا؟ دوسرے وطن اصلی سے کیونکہ وہ اسی کا مثل ہے۔ سفر سے بھی ختم نہیں ہو گا یا وطن اقامت سے بھی ختم نہیں ہو گا کیونکہ آپ اپنے شہر سے گئے تھے، دوسری جگہ آپ نے اقامت اختیار کی تھی، ایک مہینہ وہاں رہے تھے لیکن وطن اقامت سے بھی وطن اصلی کا وطن اصلی ہونا باطل نہیں ہو گا، یہاں سے گزر رہے ہیں تو یہاں پھر آپ کو پوری نماز پڑھنا پڑے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جبکہ اس کے مقابلے میں دوسرا ہے وطن اقامت، وطن اقامت۔ وطن اقامت وہ مقام ہے جہاں انسان پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر لے دوران سفر۔ تو جہاں بھی آپ پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کریں گے وہاں کیا بن جائیں گے؟ مقیم، اب آپ کو پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ اور یہ وطن اقامت سفر سے بھی باطل ہوتا ہے، وطن اقامت سے بھی باطل ہوتا ہے اور وطن اصلی سے بھی باطل ہو جاتا ہے، وطن اصلی سے بھی باطل ہو جاتا ہے۔ وطن اصلی تو ظاہر ہے وہ اس سے اعلیٰ ہے اور چیز اپنے برابر سے جب ختم ہو جاتی ہے تو اعلیٰ سے بطریق اولیٰ۔ اور وطن اقامت اس کے برابر ہے تو وہ اس کی وجہ سے بھی یہ ختم ہو جائے گا، وطن اقامت نہ رہے گا۔ مثلاً آپ گئے سفر پر نکلے اور ایسی جگہ جا رہے ہیں جو کتنی دور ہے؟ تین دن کی مسافت پر ہے، تین دن کی مسافت پر۔ تو آپ وہاں گئے اور وہاں آپ نے اقامت اختیار کر لی، ایک مہینہ رہیں گے یہاں پر، اب یہ آپ کا وطن اقامت ہے۔ اب آپ کو یہاں کیا کرنا پڑے گی؟ پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ پھر یہاں سے آپ نکلتے ہیں اور ایسی جگہ کا ارادہ کرتے ہیں جو یہاں سے تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ پر ہے، اب آپ یہاں سے نکلے اور اس شہر تو یہاں تو یہ تو سفر بھی آگیا۔ سفر سے بھی یہ کیا ہو جائے گا؟ وطن اقامت ختم ہو جائے گا، کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا کیونکہ سفر اقامت کی ضد ہے بھئی، سفر اقامت کی ضد ہے۔ تو یہ اب وطن اقامت نہ رہے گا۔ اور یہاں سے آپ نکل کر کسی دوسرے شہر میں، قریب شہر میں کیا کر لیتے ہیں؟ اقامت اختیار کر لیتے ہیں، کیا کر لیتے ہیں؟ اقامت۔ تو اب وہ آپ کا وطن اقامت بن گیا اور یہ اب وطن اقامت نہ رہا۔ لہٰذا وہاں سے آپ نکلے اور اب آپ جا رہے ہیں کس پر؟ سفر ہے اور ایسی جگہ کا ارادہ کیا جو تین دن سے زیادہ کی مسافت پر ہے اور اب گزرتے ہوئے اس پچھلے وطن اقامت میں آپ کو رکنا پڑا تو کیا کریں گے؟ قصر ہی کریں گے کیونکہ دوسری جگہ کو آپ وطن اقامت بنا چکے ہیں تو اس کا وطن اقامت ہونا ختم ہو گیا، اب اس کے اندر قصر ہی کریں گے جب تک آپ دوبارہ اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کر لیں۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو یہی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْأَصْلَ**» کہ اصل یہ ہے، ضابطہ یہ ہے «**أَنَّ الْوَطَنَ الْأَصْلِيَّ يَبْطُلُ بِمِثْلِهِ**» کہ وطن اصلی وہ باطل ہو جاتا ہے اپنے مثل کے ساتھ، اپنے جیسے کے ساتھ اور اپنے جیسا اس کا کیا ہے؟ وطن اصلی ہی ہے یعنی دوسرے وطن اصلی سے بھی باطل ہو گا «**دُونَ السَّفَرِ**» نہ کہ سفر، سفر سے باطل نہیں ہو گا۔ آپ دوران سفر اپنے وطن اصلی سے گزر رہے ہیں تو آپ کو کیا کرنا پڑے گی؟ وہاں اپنے وطن اصلی میں پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ «**وَوَطَنَ الْإِقَامَةِ يَبْطُلُ بِمِثْلِهِ**» اور وطن اقامت جو ہے وہ باطل ہو جاتا ہے، ختم ہو جاتا ہے اپنے مثل کے ساتھ، اپنے جیسے کے ساتھ اور وطن اقامت کا مثل کیا ہے؟ ایک تو دوسرا وطن اقامت، آپ دوسری جگہ اقامت کی نیت کر لیتے ہیں «**وَبِالسَّفَرِ**» اور کس وجہ سے؟ سفر کی وجہ سے بھی کیونکہ سفر اس کی ضد ہے «**وَبِالْأَصْلِيِّ**» اور نیز وطن اقامت کس کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے؟ وطن اصلی کی وجہ سے بھی کیونکہ وطن اصلی اس سے قوی ہے۔

■ مسئلہ: وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ أَنْ يُقِيمَ بِمَكَّةَ...

«**وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ أَنْ يُقِيمَ بِمَكَّةَ وَمِنًى خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يُتِمَّ الصَّلَاةَ**» بھئی جب مسافر نیت کرتا ہے دو جگہوں میں رہنے کی، کتنی جگہوں میں؟ دو جگہوں میں، دو بستیوں میں رہنے کی نیت کرتا ہے، مثلاً آپ گئے یہاں سے اتنی دور کہ یہاں سے تین دن کی مسافت پر ہے وہ جگہ اور وہاں دو گاؤں ہیں قریب قریب، مثلاً چار چھ کلو میٹر کا فاصلہ کہہ لیں بالکل قریب قریب ہیں، اور ایک جگہ آپ کا ارادہ ہے میں یہاں دس دن رہوں گا، دوسری جگہ بھی آپ کا ارادہ ہے میں دس دن رہوں گا۔ اب یہ دس اور دس کتنے ہو گئے؟ بیس ہو گئے، یہ تو مدت اقامت جو تھی اس سے اس سے انسان مقیم بن جاتا ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی، جب دو جگہوں پر ہے تو دونوں کا الگ الگ اعتبار کریں گے تو اب پھر بھی آپ دونوں جگہ کیا کریں گے؟ قصر ہی کریں گے بھئی، کیونکہ ایک جگہ پر پندرہ دن کی نیت ہونی چاہیے اور ایک جگہ پر تو آپ کے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں ہے، دو جگہوں پر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو وہ دونوں بستیاں بھئی یاد رکھو اتنی دور ہونی چاہییں ایک دوسرے سے کہ ایک کی اذان کی آواز دوسری بستی تک نہ پہنچے۔ اگر اذان کی آواز ایک بستی کی دوسری بستی تک پہنچتی ہے تو پھر اس کو دو شمار ہی نہیں کریں گے، یہ ایک بستی کے حکم میں ہے۔ حقیقتاً تو نہیں لیکن حکماً کس میں ہے؟ یہ کس کے حکم میں ہے؟ ایک بستی، تو پھر یوں سمجھا جائے گا کہ ایک ہی جگہ پر آپ بیس دن رہنا چاہتے ہیں پھر آپ کو مقیم والی نماز پڑھنا پڑے گی، مسافر والی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی کو ذکر کر رہے ہیں۔ صورت یہ کہ کوئی حج کے لیے جاتا ہے اور حج کے طریقہ آپ پڑھ چکے ہوں گے، حج کا طریقہ کیا ہے؟ حاجی پہلے مکہ مکرمہ پہنچتا ہے اور حج تمتع

کے اندر تو وہاں وہ پہلے عمرہ وغیرہ کرتا ہے اور پھر احرام کا اس کا ختم ہو جاتا ہے، احرام اتار دیتا ہے اور اس کے بعد پھر جب حج کے ایام شروع ہوتے ہیں پھر حج کا احرام باندھتا ہے بھئی اور اس میں پھر آٹھویں ذوالحجہ کو وہ منیٰ نکلتا ہے جو مکہ سے دو تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے بھئی اور پھر منیٰ کے اندر وہ پانچ نمازیں ادا کرتا ہے یعنی آٹھویں تاریخ کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور اگلے دن نویں تاریخ کی فجر کی نماز، یہ کہاں ادا کرتا ہے؟ منیٰ میں، یہ منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا سنت ہیں۔ پھر یہ نویں تاریخ آگئی فجر کی نماز پڑھ لی اور یہ یوم عرفہ ہے بھئی۔ پھر حاجی یہاں منیٰ سے نکلتے ہیں اور عرفات جاتے ہیں جو منیٰ سے چند میل کے فاصلے پر ہے، یہ غالباً پانچ چھ میل کے فاصلے پر ہے، عرفات چلے جاتے ہیں اور پھر وہاں مغرب تک رہتے ہیں اور جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو پھر عرفات سے نکلتے ہیں اور واپس منیٰ کی طرف، راستے میں بیچ میں مزدلفہ جگہ آتی ہے وہاں پر رات کو ٹھہرتے ہیں بھئی اور پھر صبح پھر چلتے ہیں واپس منیٰ پہنچ جاتے ہیں اور یہ دسویں تاریخ آگئی اور عید کا دن ہے بھئی، کون سا دن ہے؟ عید کا دن ہے اور اسی دن پھر حاجی جو ہیں وہ قربانی کرتے ہیں، شیطان کو بھی کنکریاں مارتے ہیں اور اسی طرح طواف کے لیے بھی بہت سے چلے جاتے ہیں اسی دن۔ تو سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ حج کا، حج میں اس طرح افعال سرانجام دیتا ہے حاجی بھئی۔

اب یہاں مسئلہ یہ ذکر ہو رہا ہے حاجی گیا اور مکہ میں رہنے لگا اور کچھ دن مکہ میں گزارتا ہے اور کچھ دن کہاں گزارتا ہے؟ منیٰ کے اندر گزارتا ہے تو ان دونوں کے دنوں کو جمع کریں تو پندرہ دن یا اس سے زیادہ بن جاتے ہیں تو کیا ان کو جمع کریں گے یا جمع نہیں کریں گے؟ ضابطہ میں نے آپ کو بتا دیا کہ ایک جگہ پر رہے گا تو اس کو شمار کریں گے کہ یہ اقامت، لیکن اگر دو جگہ کے ملا کر پندرہ دن بنتے ہیں اور وہ جگہیں اتنی دور ہیں کہ ایک جگہ کی اذان کی آواز دوسری جگہ نہیں پہنچتی تو اس کو کیا شمار کریں گے؟ الگ الگ جگہ شمار کریں گے لہٰذا دونوں جگہ وہ کیا کرے گا؟ قصر ہی کرے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: «**وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ أَنْ يُقِيمَ بِمَكَّةَ وَمِنًى خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا**» اور جب ارادہ کیا مسافر نے کہ وہ مقیم ہو گا مکہ میں اور منیٰ میں پندرہ دن یعنی دونوں کے اندر ملا کر کتنے کم از کم بن جاتے ہیں؟ پندرہ دن «**لَمْ يُتِمَّ الصَّلَاةَ**» تو نماز پوری نہیں پڑھے گا «**لِأَنَّ اعْتِبَارَ النِّيَّةِ فِي مَوْضِعَيْنِ يَقْتَضِي اعْتِبَارَهَا فِي مَوَاضِعَ وَهُوَ مُمْتَنِعٌ**»۔ بھئی کیا وجہ ہے؟ منیٰ تو مکہ کے قریب ہی ہے تو کیوں دونوں کو ملا کر مدت کا اعتبار نہیں کرتے، دونوں مدتوں کو ملایا جائے؟ تو صاحب ہدایہ دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کہ اگر دو جگہوں کے اندر ٹھہرنے کو ایک ہی شمار کیا جائے تو پھر تین اور چار کو کیوں ایک شمار نہیں کرتے؟ پھر تو تین، چار، پانچ جتنی جگہ بھی انسان رہے ان کو کیا کرنا پڑے گا؟ ایک شمار کرنا پڑے گا اور سفر میں جگہ جگہ پڑاؤ انسان ڈالتا ہے یا نہیں؟ تو پھر تو یہ سارا پڑاؤ ملا کر یہ تو ہمیشہ یقیناً جب بھی دور کا ارادہ کرے گا تو پندرہ دن سے عموماً کیا ہو گا یہ؟ زیادہ ہی بنے گا، سارے پڑاؤ ملاؤ گے۔ جب دو جگہ کے قیام کو ملا رہے ہو تو تین، چار، پانچ کو بھی ملانا چاہیے، ان کو بھی ملائیں گے تو یہ تو یقینی بات ہے، ظاہر سی بات ہے کہ اکثر کیا ہو گا؟ پندرہ دن سے زیادہ ہی بن جائے گا بھئی پندرہ دن سے زیادہ، تو اس کا تو مطلب ہے کہ انسان مسافر رہے گا ہی نہیں بلکہ کیا بن جائے گا؟ مقیم ہی رہے گا بھئی۔ لہٰذا دو الگ جگہوں کا الگ الگ ہی اعتبار کرنا پڑے گا۔

تو کہتے ہیں: «**لِأَنَّ اعْتِبَارَ النِّيَّةِ فِي مَوْضِعَيْنِ يَقْتَضِي اعْتِبَارَهَا فِي مَوَاضِعَ**» اس لیے کیونکہ نیت کا اعتبار کرنا دو جگہوں کے اندر «**يَقْتَضِي اعْتِبَارَهَا فِي مَوَاضِعَ**» یہ تقاضا کرتا ہے کہ نیت کا اعتبار کیا جائے کئی جگہوں کے اندر بھی «**وَهُوَ مُمْتَنِعٌ**» اور یہ تو ممتنع ہے بھئی، «**لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يَعْرَى عَنْهُ**» کیونکہ سفر اقامت سے اور ٹھہرنے سے خالی نہیں ہوتا بھئی۔

■ مسئلہ: إِلَّا إِذَا نَوَى أَنْ يُقِيمَ بِاللَّيْلِ فِي أَ...

«**إِلَّا إِذَا نَوَى أَنْ يُقِيمَ بِاللَّيْلِ فِي أَحَدِهِمَا**» ہاں ایک صورت میں، دو جگہ ہے انسان دو بستیاں قریب قریب کی ہیں ان میں ٹھہرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن کس طریقے سے؟ اس کا ارادہ یہ ہے کہ رات میں ہمیشہ اسی بستی میں گزاروں گا، دن کو کام وغیرہ کے سلسلے میں اس بستی چلا جاتا ہے تو کہتے ہیں اب تو اقامت ایک ہی جگہ ہو گئی کیونکہ انسان کی اقامت کی نسبت اس جگہ کی طرف کی جاتی ہے جہاں وہ رات گزارتا ہے۔ آپ کے پاس بھی کوئی آپ کا ساتھی ملتا ہے، کسی دوسرے شہر سے آیا ہوا ہے اور آپ اس سے پوچھتے ہیں: آپ کہاں مقیم ہیں؟ وہ کون سی جگہ بتائے گا؟ جہاں وہ رات گزارتا ہے، تو انسان کے رہنے کی نسبت کس جگہ کی طرف کی جاتی ہے جہاں وہ رات گزارتا ہو، تو لہٰذا جب وہ ایک بستی کے اندر ہی رات گزار رہا ہے اور وہ راتیں تو پندرہ سے زیادہ، تو پندرہ دن سے زیادہ اقامت ہو رہی ہے لہٰذا اب کیا کریں گے؟ ان کو یہ اب مقیم بن جائے گا اور پوری نمازیں پڑھے گا بھئی۔

تو یاد رکھیے پھر یہ مقیم بن گیا اور پھر دونوں جگہ اس کو پوری نماز پڑھنا پڑے گی، دونوں جگہ پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ اور مقیم کب بنے گا؟ اگر وہ پہلے اس بستی میں گیا جہاں دن گزارتا ہے، ابھی مقیم نہیں بنا، پھر جب اس بستی میں چلا گیا جہاں اس نے کیا کرنی ہے؟ رات، یعنی پہلی مرتبہ جب آیا ہے سیدھا کہاں چلا گیا؟ جہاں دن گزارتا ہے، ابھی مسافر ہی ہے۔ ہاں جب اس بستی میں پہنچا جہاں کیا تھا اس کا؟ رات گزارنی ہے، اب مقیم بن گیا اور اب وہ جہاں دن گزارنا ہے وہاں پر بھی پوری نماز اس کو پڑھنا پڑے گی، الا یہ کہ اس وطن اقامت سے وہ کتنی دور کا ارادہ کرے؟ تین دن کی مسافت پر کوئی جگہ ہے وہاں جانے کا ارادہ کرے، پھر اس بستی سے نکلتے ہی کیا بن جائے گا؟ مسافر بن جائے گا۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: «**إِلَّا إِذَا نَوَى أَنْ يُقِيمَ بِاللَّيْلِ فِي أَحَدِهِمَا**» مگر یہ کہ جب ارادہ کرے کہ وہ مقیم ہو گا رات کے وقت ان دو میں سے کسی ایک کے اندر

«فَيَصِيرُ مُقِيمًا بِدُخُولِهِ» تو یہ مقیم بن جائے گا اس میں داخل ہونے سے «لِأَنَّ إِقَامَةَ الْمَرْءِ مُضَافَةٌ إِلَى مَبِيتِهِ» اس لیے کیونکہ آدمی کے اقامت کی نسبت کی جاتی ہے «إِلَى مَبِيتِهِ» «بَاتَ يَبِيتُ» کے معنی رات گزارنا، «مَبِيتٌ» رات گزارنے کی جگہ، اس لیے کیونکہ آدمی کے اقامت کی نسبت کی جاتی ہے رات گزارنے کی جگہ کی طرف۔

بھئی یہ تو قدیم مسئلہ تھا کہ مسافر اگر مکہ اور منیٰ کے اندر ملا کر پندرہ دن رہتا ہے تو دونوں جگہ وہ مسافر ہی شمار ہو گا۔ لیکن اب بہت سے مفتی حضرات اس پر فتویٰ دے رہے ہیں کہ مکہ اور منیٰ میں ملا کر اگر پندرہ دن بنتے ہیں تو یہ مقیم شمار ہو گا، اس لیے کیونکہ کہتے ہیں اب مکہ اتنا پھیل گیا ہے کہ منیٰ تک پہنچ گیا ہے، منیٰ بھی اس کے اندر ہی آگیا ہے تو گویا ایک ہی شہر میں دو جگہوں پر وہ رہ رہا ہے اور ایک ہی شہر میں تو چاہے آپ دس جگہ پر بھی رہیں وہ کیا ہو گا؟ ایک ہی شہر ہے تو اس میں سارے دنوں کو کا جمع کیا جائے گا بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا۔

■ مسئلہ: وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِ...

«وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِي الْحَضَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَنْ فَاتَتْهُ فِي الْحَضَرِ قَضَاهَا فِي السَّفَرِ أَرْبَعًا» بھئی مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں کہ جس کی سفر میں کوئی نماز قضا ہو جائے مثلاً چار رکعت والی، تو بعد میں یہ مقیم ہو گیا، وطن اصلی آگیا، اب یہاں ان نمازوں کی قضا کرنا چاہتا ہے تو کہتے ہیں وہی سفر والی قضا کرے گا۔ اس کے ذمے سفر میں کتنی رہ گئی تھیں؟ دو، چار رکعت رہی تھیں یا دو رکعت؟ دو۔ وہ مثلاً ظہر کی نماز جو قضا ہوئی تھی وہ دو رکعت تھی اس وقت تو جیسی ادا آئی تھی اسی طرح کی قضا بھی اس پر آئے گی تو مقیم ہونے کے باوجود اس کی قضا دو رکعت ہی کرے گا۔

اور اس کا عکس بھی اسی طرح ہے کہ مقیم تھا اور اس کی کچھ نمازیں قضا ہیں، اب سفر پر نکلا ہوا ہے، ان نمازوں کی قضا کرنا چاہتا ہے تو یہ قضا بھی ادا کے مطابق ہو گی اور اس اقامت کی حالت میں اس پر ادا کیسی واجب ہوئی تھی، دو رکعت یا چار رکعت ظہر کی؟ چار رکعت، تو سفر میں بھی قضا کتنی کرے گا؟ چار۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

«وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِي الْحَضَرِ رَكْعَتَيْنِ» اور جس کی کوئی نماز فوت ہو جائے سفر میں تو اس کی قضا کرے گا اقامت میں «رَكْعَتَيْنِ» کتنی؟ دو رکعت۔ حضر، حضر یہ آبادی کو کہتے ہیں حضر، شہر، بستی وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ حضر۔ اسی طرح حضر جو ہے حضر یہ سفر کی ضد یعنی مقیم ہونے کو بھی کہتے ہیں، قیام کی حالت کو بھی کیا کہتے ہیں؟ حضر، اور یہاں وہی مراد ہے، قیام کی حالت مراد ہے۔ تو جس کی نماز فوت ہو گئی سفر میں تو قضا کرے گا اس کی «فِي الْحَضَرِ» قیام کی حالت میں «رَكْعَتَيْنِ» دو رکعتیں «وَمَنْ فَاتَتْهُ فِي الْحَضَرِ قَضَاهَا فِي السَّفَرِ أَرْبَعًا» اور جس کی فوت ہو گئی قیام میں نماز «قَضَاهَا فِي السَّفَرِ أَرْبَعًا» تو اس کی قضا کرے گا سفر میں بھی چار رکعت ہی «لِأَنَّ الْقَضَاءَ بِحَسَبِ الْأَدَاءِ» اس لیے کیونکہ قضا جو ہے وہ ادا کے مطابق ہوتی ہے، جس طرح کی نماز اس پر ادا واجب ہوئی تھی اسی طرح کی قضا بھی کرے گا، اور سفر میں دو رکعت تھی تو قضا بھی بعد میں کیا کرے گا؟ دو رکعت، اور حضر کے اندر چار رکعت تھی تو قضا بھی کتنی کرے گا؟ چار رکعت۔

■ مسئلہ: وَالْمُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ آخِرُ الْوَقْتِ

«وَالْمُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ آخِرُ الْوَقْتِ» صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ معتبر اس کے اندر یعنی وہ جس کا اعتبار کیا جائے اس میں ادا کے اندر ادا کے اندر جو معتبر ہے «آخِرُ الْوَقْتِ» وہ نماز کا آخری وقت ہے «لِأَنَّهُ الْمُعْتَبَرُ فِي السَّبَبِيَّةِ عِنْدَ عَدَمِ الْأَدَاءِ فِي الْوَقْتِ»۔ بھئی دیکھیے آپ پڑھ چکے مسئلہ، مسئلہ آپ پڑھ چکے کہ نماز کے وجوب کا سبب وقت ہے۔ تو ظہر کی نماز اسی وقت آپ پر واجب ہو گی اس دن کی جب اس دن کا ظہر کا وقت آجائے، اس سے پہلے وہ ظہر کی نماز آپ پڑھتے بھی ہیں تو نہیں ہو گی کیونکہ ابھی وجوب ہی نہیں آیا تو ادا کہاں سے درست ہو؟ تو نماز کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ وقت۔ اور وقت میں اب کون سے حصے کو سبب قرار دیا جائے؟ پورے وقت کو سبب قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لیے کیونکہ اگر آپ نماز ظہر کی پڑھتے ہیں اور اول حصے میں، شروع میں ہی نماز پڑھ لیتے ہیں تو ظہر کا ابھی کافی وقت باقی ہے، وہ تو مؤخر ہے، وہ تو مؤخر ہے اس کو سبب بنائیں گے تو سبب مؤخر ہو جائے گا اور حکم کیا ہو جائے گا؟ مقدم ہو جائے گا، حالانکہ سبب مقدم ہوتا ہے اور حکم کیا ہوتا ہے؟ مؤخر۔ تو اگر پورے وقت کو سبب قرار دیا جائے پھر تو ظہر کی نماز جب پورا ظہر کا وقت پایا جائے اور گزر جائے اس کے بعد پڑھنا جائز ہو گی، اس سے پہلے جائز ہی نہیں۔ تو لہٰذا پورا وقت سبب نہیں قرار دیا جاتا بلکہ اول جز کو کیا قرار دیا جائے گا؟ سبب۔ پہلا لمحہ جو ظہر کا ہے وہی کیا ہو جائے گا؟ نماز کے وجوب کا سبب، اس کی وجہ سے ظہر کی نماز واجب۔ تو اس پہلے جز کے فوراً بعد اگر نماز وہ پڑھ لیتا ہے تو یہ پہلا جز ہی سبب قرار دیا جائے گا۔ پہلا جز ظہر کے وقت کا، پہلا لمحہ اسی کو کیا قرار دیں گے؟ سبب، کب؟ جب وہ اس کے فوراً بعد کیا کر لے؟ نماز ادا کر لے کیونکہ اس صورت میں اسی صورت میں سبب مقدم ہے کس پر؟ حکم یعنی ادا پر، وجوب، حکم پر ادا پر بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔

اور اگر اس میں وہ ادا نہیں کرتا، تاخیر کرتا ہے تو یہ سببیت اگلے لمحے کی طرف منتقل ہو گی، اس کے میں بھی ادا نہیں کرتا تو اس سے اگلے لمحے کی طرف، تو یہ سببیت منتقل ہوتی چلی جائے گی۔ درمیان میں جا کر وہ نماز ادا کرتا ہے تو اب اس وقت جو اس نماز کے ساتھ آخری لمحہ جڑا ہوا تھا اس کو کیا قرار دیا جائے گا؟ نماز کے وجوب کا سبب

قرار دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی اس میں بھی ادا نہیں کرتا حتیٰ کہ سببیت منتقل ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ آخری وقت آگیا تو اب وہ آخری وقت کو سبب قرار دیا جائے گا۔ کس کو؟ آخری وقت کو سبب قرار دیں گے کہ یہ سبب ہے نماز کے وجوب کا۔ اور اب اس میں سے کتنی مقدار کو سبب قرار دیں گے؟ تو فقہاء دو طرف گئے۔ بعض فرمانے لگے کہ اس آخری وقت میں سے تحریمہ کی مقدار جو وقت ہے یعنی صرف اتنے لمحات جن میں انسان «اللَّهُ أَكْبَرُ» کہہ سکے، یہ آخری لمحات جو ہیں جن میں کیا کہہ کتنا کہہ سکے؟ «اللَّهُ أَكْبَرُ» یعنی تکبیر تحریمہ کہہ سکے، یہ ہے نماز کے وجوب کا سبب۔ اور بعض فقہاء فرماتے ہیں نہیں، صرف تحریمہ نہیں بلکہ اتنا آخری وقت جس کے اندر وہ فرض ادا کر سکے یعنی فرض چار رکعت ہیں اور وہ کتنے میں ادا کر سکتا ہے؟ مثلاً چار منٹ میں، تو یہ چار منٹوں کو کیا کہیں گے؟ یہ نماز کے وجوب کا سبب ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہی بات بیان کر رہے ہیں صاحب ہدایہ کہ ادا جو ہے اس کا تعلق کس سے ہے؟ اس میں معتبر آخری وقت ہے کیونکہ سببیت منتقل جب کوئی شخص نماز نہ ادا کرے تو سببیت منتقل ہوتی چلی جاتی ہے کس وقت تک؟ آخری وقت تک، اور کہ اس میں بھی ادا نہیں کرتا تو اسی کو سبب قرار دیا جاتا ہے۔

یہ معنی ہے: «وَالْمُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ آخِرُالْوَقْتِ» اور معتبر اس ادا کے اندر وہ آخری وقت ہے «لِأَنَّهُ الْمُعْتَبَرُ فِي السَّبَبِيَّةِ عِنْدَ عَدَمِ الْأَدَاءِ فِي الْوَقْتِ» اس لیے کیونکہ وہی معتبر ہے اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے سبب ہونے میں کہ یہ سبب ہے «عِنْدَ عَدَمِ الْأَدَاءِ فِي الْوَقْتِ» جس وقت کہ وہ ادا نہ ہو کس کے اندر؟ جس جس وقت کہ وہ ادا نہ کرے وقت کے اندر تو اس آخری وقت کو کیا کیا جاتا ہے؟ سبب قرار دیا جاتا ہے۔

اور اس کے آخری وقت میں تو وہ مثلاً مسافر تھا تو مسافر والی نماز اس کے ذمے ہے، بعد میں بھی کیا کرے گا؟ مسافر والی نماز ہی پڑھے گا۔ اور اس آخری وقت میں اگر مقیم تھا، بعد میں وہ اس کی قضا کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی ادا کے مطابق مقیم والی نماز ہی اس کی قضا کرے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ نے ہمیں بتایا کہ ادا کی نسبت، ادا کے وجوب کا سبب کس کو قرار دیا جاتا ہے؟ آخری وقت کو، اور نور الانوار وغیرہ، اصول الشاشی میں، فقہ اصول فقہ کی کتابوں میں ہمیں بتایا گیا کہ جب پورے وقت کے اندر کوئی نماز ادا نہیں کرتا تو آخری حصے کو سبب نہیں قرار دیتے بلکہ پورے وقت کو کیا قرار دیا جاتا ہے؟ سبب، یعنی ظہر کے آغاز سے لے کر انتہا تک جو پورا وقت ہے اسی کو کیا قرار دیا جائے گا؟ سبب۔ اور صاحب ہدایہ کیا فرما رہے ہیں؟ سبب کس کو قرار دیں گے؟ آخری وقت کو۔ تو جواب یہ کہ بعض فقہاء نے تو پورے وقت کو سبب قرار دیا جبکہ بعض نے کس کو سبب قرار دیا ہے؟ آخری وقت کو، اور صاحب شاید صاحب ہدایہ نے بھی اسی کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے قول پر آخری وقت کو سبب قرار دیا، آخری وقت کو۔

■ مسئلہ: وَالْعَاصِي وَالْمُطِيعُ فِي سَفَرِهِ فِي الرُّخَصِ...

«وَالْعَاصِي وَالْمُطِيعُ فِي سَفَرِهِ فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ» عاصی، نافرمان، گناہگار۔ مطیع، فرمانبردار۔ اور نافرمان اور فرمانبردار «فِي سَفَرِهِ» اپنے سفر میں «فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ» وہ رخصت میں برابر ہیں بھئی۔

بھئی ایک سفر ایک عام سفر ہے یا اطاعت والا سفر ہے، ایک عام سفر مباح سفر مثلاً کوئی شخص تجارت کے لیے تین دن کی مسافت پر جاتا ہے۔ ایک اطاعت والا سفر ہے کوئی حج کے لیے جا رہا ہے تو وہ بھی بڑی دور ہے، تین دن سے زیادہ کی مسافت ہے۔ اور ایک گناہ والا سفر ہے مثلاً کوئی شخص ڈاکہ ڈالنے کے لیے چلتا ہے اور یا چوری کرنے کے لیے نکلتا ہے اور کتنی دور جا رہا ہے؟ تین دن کی مسافت پر۔ تو کیا اس یہ جو شخص گناہ کے سفر پر نکلا ہے کیا اس کو بھی رخصت حاصل ہو گی یا حاصل نہیں؟ تو صاحب قدوری آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھئی کوئی چاہے کوئی نیکی کے سفر پر نکلے، چاہے گناہ کے سفر پر نکلے رخصت میں سب برابر ہیں، سب کو رخصت ہو گی۔ تو وہ جو ڈاکہ ڈالنے جا رہا ہے وہ بھی کیا کرے گا اب؟ چار کے بجائے کتنی نماز اس پر آئے گی؟ دو رکعت آئے گی بھئی۔

تو آپ کے ذہن میں یہ اشکال نہ آئے کہ ڈاکہ ڈالنے جا رہا ہے تو نماز کہاں وہ پڑھے گا؟ نہیں بھئی، یہ دنیا عجیب، اللہ کی بنائی ہوئی، اللہ کی قدرت کی نیرنگیاں انسان دیکھتا ہے، حیران رہ جاتا ہے۔ بعض لوگ بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن ان کو اللہ نماز کی پھر بھی توفیق دیتے ہیں۔ تو ایک حصہ اگر ایک طرف دیکھیں تو ان کی زندگی بے انتہا گھناؤنی اور بری ہے، دوسری طرف دیکھیں وہ نماز پھر بھی نہیں چھوڑتا ہر حال۔ تو مختلف قسم کے لوگ ہیں، بعض سر سے پاؤں تک شر ہی شر ہوتے ہیں، بعض کے اندر پھر بھی اللہ کچھ نہ کچھ خیر والی صفات اللہ ان کو نصیب فرما دیتے ہیں تو اور تاریخ میں بھی آپ نے ایسی مثالیں پڑھی ہوں گی بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ ایسی مثالیں پڑھی ہوں گی کہ ڈاکو وغیرہ ہوتے ہیں اور بڑے بڑے گناہ کرنے والے ہوتے ہیں لیکن ان میں کوئی بڑی ہی عظیم صفت بھی پائی جاتی ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَالْعَاصِي وَالْمُطِيعُ فِي سَفَرِهِ فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ» اور نافرمان اور فرمانبردار اپنے سفر میں رخصت کے اندر برابر ہیں۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً سَفَرُ الْمَعْصِيَةِ لَا يُفِيدُالرُّخْصَةَ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، گناہگار جو شخص ہے، گناہ کے سفر پر جا رہا ہے اس کو رخصت کا فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔ اس کو وہ قصر نہیں کر سکتا، وہ اسے پوری نماز ہی پڑھنا پڑے گی۔ اور دلیل ذکر کرتے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو قصر ہے نماز کو مختصر کیا گیا یہ سہولت دینے کے لیے ہے اور یہ سہولت عام آدمی کو تو حاصل ہو گی لیکن جو نافرمان ہے اور گناہ کے سفر پر جا رہا ہے اس کو یہ سہولت نہیں کیونکہ اس کی حالت تو تقاضا کر رہی ہے اس پر سختی کی جائے نہ یہ کہ اس کو سہولت دی جائے، یہ ان کی دلیل ہے۔

سبق نمبر ۷۸: باب کا مصدر کیا آتا ہے؟ دروسِ ہدایہ (جلد اول)

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ سَفَرُ الْمَ...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ سَفَرُ الْمَعْصِيَةِ لَا يُفِيدُ الرُّخْصَةَ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معصیت والا سفر جو ہے وہ رخصت کا فائدہ نہیں دے گا «لِأَنَّهَا تَثْبُتُ تَخْفِيفًا» اس لیے کیونکہ رخصت جو ہے وہ تو ثابت ہوتی ہے تخفیفاً، سہولت دینے کے لیے، آسانی کے لیے «فَلَا تَتَعَلَّقُ بِمَا يُوجِبُ التَّغْلِيظَ» تو یہ متعلق نہیں ہو گی اس چیز کے ساتھ جو سختی کو واجب کرتی ہے، جو چیز سختی کو واجب کرنے والی ہے اس کے ساتھ اس سہولت اور آسانی کا تعلق نہیں ہو گا۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل جو ہے «إِطْلَاقُ النُّصُوصِ» نصوص کا مطلق ہونا ہے، نصوص کا مطلق یعنی احادیث میں مطلقاً آیا ہے کہ سفر میں کیا کرو؟ قصر کرو۔ اب وہاں یہ قید نہیں ہے کہ نیکی کا سفر ہو تو قصر کرو گے اور گناہ کا سفر ہو تو قصر نہیں۔ تو وہ احادیث مطلق آئی ہے، ان میں کوئی قید وغیرہ ذکر نہیں تو لہٰذا یہ سب کو شامل ہے تو یہ بھی سفر پر ہے تو سفر اور سفر کے اندر کیا حکم دیا گیا ہے؟ قصر کرنے کا، تو یہ بھی قصر کرے گا۔

«وَلَنَا إِطْلَاقُ النُّصُوصِ» اور ہماری دلیل نصوص کا یعنی احادیث کا مطلق ہونا ہے «وَلِأَنَّ نَفْسَ السَّفَرِ» جی، عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں «وَلِأَنَّ نَفْسَ السَّفَرِ لَيْسَ بِمَعْصِيَةٍ» اور اس لیے کیونکہ نفس سفر وہ گناہ نہیں ہے۔ سفر اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی گناہ نہیں ہے، سفر تو نام ہے مسافت طے کرنے کا، کس چیز کا نام ہے؟ مسافت طے کرنے کا نام ہے اور مسافت طے کرنے کے اندر تو کوئی گناہ نہیں ہے، سمجھ میں آیا؟ تو سفر میں خود کوئی گناہ نہیں ہے۔ کہتے ہیں اور گناہ، گناہ تو وہ سفر کے بعد ہو گا جب وہ اس مقام پر پہنچے گا اور چوری یا ڈاکہ ڈالے گا، تو خود سفر معصیت نہیں ہے بلکہ معصیت کب آئے گی؟ سفر کے بعد آئے گی۔ یا معصیت سفر کے ساتھ ملی ہوئی ہو گی جیسے کسی کا غلام بھاگ گیا اور آپ جانتے ہیں کہ یہ غلام بھاگ گیا تو یہ نافرمانی کی ہے اس نے اور مسائل آپ پڑھ چکے ہیں کہ شرعاً اس نے کیا کیا؟ گناہ کیا ہے بھئی کہ اپنے آقا سے بھاگ گیا بھئی۔ تو اب دیکھیے اب غلام کا بھاگنا، غلام اپنے آقا سے بھاگا اور سفر کر رہا ہے تو اب دیکھیے سفر کے ساتھ کیا ملی ہوئی ہے؟ معصیت ملی ہوئی ہے کیونکہ اس کا یہ بھاگنا کیا ہے؟ معصیت ہے، تو یہ سفر کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن خود سفر نہیں معصیت بھئی بلکہ گناہ کیا ہے؟ سفر کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو دوسری دلیل یہ: «وَلِأَنَّ نَفْسَ السَّفَرِ لَيْسَ بِمَعْصِيَةٍ» اس لیے کیونکہ نفس سفر جو ہے یعنی خود سفر جو ہے «لَيْسَ بِمَعْصِيَةٍ» وہ معصیت اور گناہ نہیں ہے «وَإِنَّمَا الْمَعْصِيَةُ مَا يَكُونُ بَعْدَهُ أَوْ يُجَاوِرُهُ» اور معصیت تو وہ ہے جو اس سفر کے بعد ہو گی «أَوْ يُجَاوِرُهُ» یا معصیت وہ ہے جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو جیسے غلام کا بھاگ جانا «فَصَلُحَ مُتَعَلَّقَ الرُّخْصَةِ» تو یہ سفر صلاحیت رکھتا ہے رخصت کا متعلق ہونے کی کہ اس کے ساتھ کیا متعلق ہو جائے؟ رخصت متعلق ہو جائے کیونکہ سفر کی خود اپنی ذات میں کوئی معصیت نہیں ہے بھئی، تو یہ رخصت کا متعلق ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ «وَاللَّهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

642

سبق نمبر ۷۹: بَابُ صَلَاةِ الجُمُعَةِ

ہدایہ صفحہ: ۱۷۷ — بتاریخ: ۵ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ صَلَاةِ الجُمُعَةِ: «لَا تَصِحُّ الجُمُعَةُ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ أَوْ فِي مُصَلَّى المِصْرِ وَلَا تَجُوزُ فِي القُرَى؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا فِطْرَ وَلَا أَضْحَى إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ». [1]

■ بَابُ صَلَاةِ الجُمُعَةِ، یہ باب ہے نماز جمعہ کے بیان میں

بَابُ صَلَاةِ الجُمُعَةِ، یہ باب ہے نماز جمعہ کے بیان میں۔

صلاۃ المسافر کے باب کے بعد صاحبِ ہدایہ صلاۃِ جمعہ کا باب لے کر آئے، اور اس کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جیسے مسافر کے اس کے سفر کی وجہ سے نماز کی تنصیف ہو جاتی ہے اور چار رکعت کے بجائے دو رکعت ادا کرنی پڑتی ہے، اسی طرح جمعے کے اندر بھی نماز کی تنصیف ہو گئی، ظہر کے چار رکعت کے بجائے اب کتنے ادا کیے جاتے ہیں؟ جمعے کی دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں۔

اور صلاۃ المسافر کو مقدم کیا، کیونکہ اس کے اندر ہر چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جاتی ہے، جبکہ جمعے کے اندر صرف ایک خاص نماز یعنی ظہر جو ہے اس کی تنصیف ہوتی ہے، تو عام کو مقدم کیا اور خاص کو مؤخر کیا۔

اور اسی طرح یاد رکھیے بھئی یہ تمام ابواب جو صاحبِ ہدایہ لا رہے ہیں، ان میں سے ہر ایک کی ماقبل باب کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ لیکن میں زیادہ عام طور پر ذکر نہیں کرتا بھئی، کیونکہ حاشیہ وغیرہ میں وہ حوالہ انہوں نے لکھ دیا ہوتا ہے، درج کر دیا ہوتا ہے بھئی۔

تو اب صلاۃِ جمعہ کا بیان کریں گے۔ جمعے کی شرائط وغیرہ اور احکامات اس باب میں ذکر کریں گے۔

تو فرماتے ہیں: «**لَا تَصِحُّ الجُمُعَةُ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ**»، جمعہ صحیح نہیں ہے یعنی جمعے کی نماز صحیح نہیں ہے، «**إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ**»، مگر جامع شہر کے اندر، مصرِ جامع کے اندر بھئی۔

مصرِ جامع کسے کہتے ہیں؟ یہ آگے شرح میں آپ کو بتلائیں گے بھئی۔

یاد رکھیے! امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شہر جامع وہ ہے جہاں لوگوں کی دینی اور دنیاوی ضرورتیں پوری ہوتی ہوں۔ شہر جامع وہ ہے جہاں دینی اور دنیاوی ضرورتیں ان کی پوری ہوتی ہوں۔ تو دنیاوی ضرورتیں، مثلاً کہتے ہیں وہاں بازار ہو بھئی جہاں سے کیا کر سکیں وہ اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ اسی طرح کوئی قاضی وغیرہ ہو جو مقدمات کا فیصلہ کرے، مظلوم کو اس کا حق دلائے اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکے بھئی۔ اور اسی طرح دینی ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہوں یعنی وہاں کوئی مفتی ہو جو کیا کرے؟ لوگوں کو مسائل کے سلسلے میں فتویٰ دے اور ان کی رہنمائی کرے بھئی۔ تو اس قسم کی جگہ کو، اس قسم کی بستی کو مصرِ جامع کہیں گے اور یہاں پر جمعہ جائز ہو گا، جبکہ عام دیہات وغیرہ میں جمعہ جائز نہیں بھئی، یعنی جمعے کی نماز وہاں جائز نہیں، وہاں ظہر ہی کی نماز پڑھی جائے گی بھئی۔

جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دو روایتیں انہوں نے نقل کی ہیں یہیں پر شرح کے اندر۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک روایت تو یہ ہے ان سے کہ مصرِ جامع وہ ہر وہ جگہ ہے جہاں کوئی امیر اور قاضی ہو بھئی جو کیا کرے؟ احکام کو نافذ کرے اور حدود وغیرہ کو قائم کرے بھئی۔

[1] شاملہ (ص ۹۹) میں «وَيَجُوزُ» کے بجائے «وتجوز» درج ہے۔

اور دوسری روایت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ ہے کہ مصرِ جامع اس بستی کو کہیں گے کہ جہاں کے لوگ جب سارے جمع ہو جائیں تو اس جگہ کی جو سب سے بڑی مسجد ہے اس میں نہ سما سکیں بھئی۔ وہ سارے لوگ اگر جمع ہو جائیں تو اسی جگہ کی جو سب سے بڑی مسجد ہے اس کے اندر وہ نہ سما سکیں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مصرِ جامع کہیں گے بھئی۔

تو آج کل فقہاء جس پر فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ بستی جس کی آبادی کم از کم تین چار ہزار ہو اور وہاں بازار وغیرہ ہو تو وہاں جمعہ جائز ہو گا، اس سے کم ہو تو وہاں جمعہ جائز نہیں ہو گا۔ اسی طرح بعض مفتی حضرات اس کے اندر بازار کی بھی قید لگاتے ہیں، اور اسی طرح بنیادی ضرورتوں میں بعض اس کے اندر ہسپتال کی بھی قید لگاتے ہیں، اور اسی طرح مظلوم کی مدد وغیرہ کے لیے بعض مفتی حضرات اس میں تھانے وغیرہ کی بھی قید لگاتے ہیں کہ وہاں تھانہ وغیرہ بھی ہو، پولیس ہو جو کیا کر سکے؟ مظلوم کی مدد کر سکے اور ظالم کو ظلم سے روک سکے بھئی۔

تو آج کل بس جس جگہ کی آبادی تین چار ہزار ہو کم از کم اور وہاں بازار ہو تو وہاں جمعہ جائز ہو گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «**لَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ إِلَّا فِي مِصْرٍجَامِعٍ**»، جمعہ صحیح نہیں ہے مگر جامع مصر میں، جامع شہر کے اندر، «**أَوْ فِي مُصَلَّى الْمِصْرِ**»۔

مصلیٰ کہتے ہیں بھئی جہاں وہ سب لوگ اکٹھے ہو کر نماز وغیرہ ادا کرتے ہیں یعنی عید گاہ جس کو کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ عید گاہ بھئی۔ تو قدیم زمانے میں آپ جانتے ہیں، پڑھ چکے ہوں گے کہ سارے شہر والے، ساری بستی والے وہ عید کی نماز ایک ہی جگہ باہر نکل کر، شہر سے باہر نکل کر اکٹھے ادا کرتے تھے بھئی۔ اسی طرح جمعہ بھی پہلے بستی کے اندر ایک ہی ہوا کرتا تھا اور سارے لوگ نکل کر کیا کرتے تھے؟ ایک ہی جگہ پر اس عید گاہ کے اندر جمعے کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن اب چونکہ شہر بہت بڑھ گئے، بہت بڑے ہو گئے، اب تو تمام لوگوں کا باہر نکلنا اور ایک جگہ اکٹھے ہونا یہ بڑا دشوار ہو گیا، تو فقہاء نے اجازت دی کہ اب شہر کے اندر بھی مساجد کے اندر بھی عید کی نماز اور جمعے کی نماز جائز ہے۔ مثلاً لاہور ہی کو لے لیجیے، اگر یہاں بھی یہ حکم جاری کر دیا جائے کہ عید کی نماز یا جمعے کی نماز ایک ہی جگہ ہو گی اور سارے مثلاً شہر سے باہر کوئی میدان ہے وہاں نکلیں گے اور وہاں ادا کریں گے، تو لاہور کی تو اتنی آبادی اور اتنا بڑھ گیا کہ شاید صبح سے شام ہو جائے، سارے لوگ ہی نہ نکل سکیں، وہاں تک پہنچ ہی نہ سکیں بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اتنے شہر بڑھ گئے۔

تو اب اگر یہ حکم دیا جائے کہ سارے لوگ باہر نکلیں گے اور وہاں جمعے یا عید کی نماز ادا کی جائے گی، تو لوگ حرج میں اور تنگی میں پڑ جائیں گے، حالانکہ شریعت کے اندر تو تنگی کو دور کیا گیا ہے، تو اس لیے مفتی حضرات کیا اجازت دیتے ہیں کہ شہر کے اندر بھی، مساجد کے اندر جمعے کی نماز بھی جائز اور عید کی نماز بھی جائز ہے بھئی۔

تو یہ معنی ہے کہ جمعہ صحیح نہیں ہے مگر مصرِ جامع میں «**أَوْ فِي مُصَلَّى الْمِصْرِ**» یا شہر کی عید گاہ میں، «**وَلَا تَجُوزُ فِي الْقُرَى**» اور جائز نہیں ہے بستیوں میں۔ قریٰ جمع ہے قریہ کی، بستی کو کہتے ہیں۔ مراد یہاں دیہات ہیں دیہات، یعنی چھوٹی بستیاں جو ہیں، اور چھوٹی بستیوں میں، دیہاتوں میں جائز نہیں ہے۔ «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی کہ یہ مصرِ جامع کی قید کیوں ہم نے لگائی کہ اس کے بغیر جائز نہیں جمعے کی نماز؟ کہتے ہیں: «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ فرماتے ہیں: «**لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا فِطْرَ وَلَا أَضْحَى إِلَّا فِي مِصْرٍجَامِعٍ**»، کہ جمعہ نہیں ہے یعنی جمعے کی نماز نہیں ہے، «**وَلَا تَشْرِيقَ**» اور تشریق نہیں ہے یعنی تکبیراتِ تشریق نہیں ہیں، «**وَلَا فِطْرَ**» اور عید الفطر نہیں ہے یعنی عید الفطر کی نماز نہیں ہے، «**وَلَا أَضْحَى**» اور یعنی عید الاضحیٰ کی نماز نہیں ہے، «**إِلَّا فِي مِصْرٍجَامِعٍ**»، مگر کس میں؟ مصرِ جامع کے اندر۔ تو یہ حدیث میں آ گیا کہ جمعہ، تکبیراتِ تشریق اور دونوں عیدوں کی نماز مصرِ جامع ہی میں ہو گی، ان کے علاوہ میں نہیں ہو گی۔

یہاں بعض علماء نے صاحبِ ہدایہ پر اعتراض کیا ہے بھئی۔ اعتراض یہ کیا کہ اے صاحبِ ہدایہ! آپ اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے طور پر ذکر کر رہے ہیں، جبکہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے بھئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ تو یہ بعض علماء نے ذکر کیا اور اعتراض کیا صاحبِ ہدایہ پر بھئی۔

تو علامہ عینی صاحبِ بنایہ جو ہیں وہ جواب دیتے ہیں کہ بعض علماء کا اس کو مرفوع حدیث کے طور پر نہ پانا یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قول نہ ہو بھئی۔ بعض کو اگر یہ حضور علیہ السلام کے قول کے طور پر بطورِ حدیث کے نہیں ملا تو اس سے یہ ضروری نہیں کہ حضور علیہ السلام کا قول بھی نہ ہو، بلکہ فرماتے ہیں اس کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے حضور علیہ السلام کے قول کے طور پر نقل فرمایا ہے بھئی، اور وہ جیسے عظیم فقیہ ہیں اسی طرح عظیم محدث بھی ہیں بھئی، تو ان کا قول کافی ہے اس سلسلے میں، وہ قابلِ اعتماد ہیں۔

اور نیز اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، تو بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ راشد ہیں بھئی۔ تو اور حدیث میں کیا آیا ہے کہ تم میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو بھئی، تو یہ خلیفہ راشد کا قول ہے۔ اور نیز وہ فرما رہے ہیں، اگر مان لیا جائے کہ یہ انہی کا قول ہے، وہ فرما رہے ہیں کہ صرف شہر جامع ہی کے اندر جمعہ، تشریق اور عید کی نمازیں ہوں گی، اور یہ بات عقل سے معلوم ہو سکتی ہے؟ آپ کی عقل آپ کو کیا بتلاتی ہے؟ عقل تو یہ بات نہیں بتلا سکتی کہ کہاں جمعے کی نماز ہونی چاہیے، ہو گی اور کہاں نہیں ہو گی بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ عقل سے اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔ تو یہ اور اس طرح کی بات جو صحابہ سے منقول ہو اور جس کا پتہ عقل سے نہ لگ سکتا ہو تو وہ قول بھی صحابہ کا حدیثِ مرفوع کے درجے میں ہوتا ہے کہ صحابی اس طرح فرما رہے ہیں اور یہ بات تو عقل سے

معلوم نہیں ہو سکتی، معلوم ہوا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہو گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟

تو کہتے ہیں بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ جمعے کی نماز نہیں ہے اور تکبیراتِ تشریق نہیں ہیں اور دونوں عیدوں کی نمازیں نہیں ہیں مگر مصرِ جامع میں۔

■ مسئلہ: وَالمِصْرُ الجَامِعُ

«وَالمِصْرُ الجَامِعُ»، اب مصرِ جامع کسے کہتے ہیں؟ وہ دو روایتیں جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہیں نے ذکر کر دیں، انہی کو اب ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں: «وَالمِصْرُ الجَامِعُ كُلُّ مَوْضِعٍ لَهُ أَمِيرٌ وَقَاضٍ يُنَفِّذُ الأَحْكَامَ وَيُقِيمُ الحُدُودَ»، مصرِ جامع ہر ایسا مقام ہے کہ جس کا کوئی ایسا امیر اور قاضی ہو جو شرعی احکام نافذ کرتا ہو، «وَيُقِيمُ الحُدُودَ» اور حدود کو قائم کرتا ہو، حدود کو قائم کرتا ہو۔ مصرِ جامع وہ ہے جہاں پر کوئی امیر اور قاضی ہو بھئی، امیر اور قاضی ہو۔

یہ ایک روایت آئی امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے، آگے ذکر بھی کر رہے ہیں: «وَهَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، یہ روایت ہے کس سے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے۔

بھئی جب کہہ دیا کہ «يُنَفِّذُ الأَحْكَامَ»، ایسا امیر یا قاضی جو کیا کرتا ہو؟ احکام نافذ کرتا ہو، تو اس کے اندر حدود بھی داخل ہو گئی تھیں کیونکہ حدود بھی کس میں سے ہیں؟ شرعی احکام میں سے ہیں، لیکن پھر اس کو بعد میں علیحدہ ذکر کیا، وہ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ کہ حدود کا معاملہ چونکہ نہایت اہم ہے اور ان کا مقام دوسری چیزوں سے بڑھ کر ہے، حتیٰ کہ حدود اور قصاص کے سلسلے میں عورت کی گواہی بھی قبول نہیں کی جاتی، تو ان کی اہمیت کی وجہ سے ان کو علیحدہ ذکر کیا بھئی اگرچہ یہ احکام کے اندر بھی داخل تھیں۔ اور نیز اس کے ذریعے مَرأۃ قاضیہ کو نکال دیا، کیونکہ وہ عورت اگر عورت کو قاضیہ بنا دیا جائے تو اور چیزوں کے اندر اس کے احکامات نافذ ہوں گے بھئی، لیکن حدود اور قصاص کے مسئلے میں اس کے احکام نافذ نہیں ہوں گے، کیونکہ جس طرح عورت حدود اور قصاص کے مسئلے میں گواہ نہیں بن سکتی اسی طرح اس مسئلے کے اندر وہ قاضی بھی نہیں بن سکتی بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَهَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اور یہ روایت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ جو مصرِ جامع کی تعریف کی گئی۔ «وَعَنْهُ»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ہی ایک دوسری روایت یہ ہے: «أَنَّهُمْ إِذَا اجْتَمَعُوا فِي أَكْبَرِ مَسَاجِدِهِمْ لَمْ يَسَعْهُمْ»، کہ جب وہ لوگ، اس بستی والے جمع ہو جائیں اپنی مسجدوں میں سب سے بڑی مسجد کے اندر، «لَمْ يَسَعْهُمْ» تو مسجد میں ان کی گنجائش نہ ہو، مسجد میں وہ نہ سما سکیں۔

■ مسئلہ: وَالأَوَّلُ اخْتِيَارُ الكَرْخِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ...

«وَالأَوَّلُ اخْتِيَارُ الكَرْخِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ الظَّاهِرُ، وَالثَّانِي اخْتِيَارُ الثَّلْجِيِّ».

تو دو روایتیں آ گئیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے: ایک کیا؟ کہ مصرِ جامع وہ ہے جہاں پر امیر اور قاضی ہو جو احکام کو نافذ کرتا ہو۔ دوسری روایت کیا آئی؟ کہ مصرِ جامع وہ ہے جہاں کے سارے لوگ جمع ہو جائیں تو اس علاقے کی سب سے بڑی مسجد کے اندر وہ لوگ نہ سما سکیں۔ تو پہلی روایت جو ہے «اخْتِيَارُ الكَرْخِيِّ»، وہ اختیار وہ مختار ہے، پسندیدہ ہے کس کی؟ امام کرخی کی، انہوں نے اس کو ترجیح دی ہے، «وَهُوَ الظَّاهِرُ» اور وہ ظاہر ہے بھئی، «وَالثَّانِي اخْتِيَارُ الثَّلْجِيِّ»، اور دوسری روایت جو ہے وہ مختار ہے امام ثلجی کی بھئی۔ امام ثلجی یاد رکھیے، یہ شاگرد ہیں امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بھئی، اور ان کا نام محمد ابن شجاع ہے بھئی، محمد ابن شجاع بھئی۔ اور ان کی وفات ہوئی ہے ۲۶۶ ہجری میں بھئی، ۲۶۶ ہجری میں۔ کہتے ہیں یہ عصر کی نماز میں تھے، سجدے کی حالت میں تھے جب ان کا انتقال ہوا بھئی۔ تو دیکھیے یہ ہیں ہمارے فقہاء بھئی۔ تو ان کا انتقال کس حالت میں ہوا؟ سجدے کی حالت میں، اور انسان اللہ کے سب سے قریب ہوتا ہے سجدے کی حالت میں بھئی۔

تو یہ ان کا مختار ہے، انہوں نے اس دوسری روایت کو ترجیح دی ہے اور اس کو اختیار کیا ہے۔

■ مسئلہ: وَالحُكْمُ غَيْرُ مَقْصُورٍ عَلَى المُصَلَّى

«وَالحُكْمُ غَيْرُ مَقْصُورٍ عَلَى المُصَلَّى»، بھئی اوپر کیا آیا تھا متن میں؟ «أَوْ فِي مُصَلَّى المِصْرِ»، کس کے اندر؟ شہر کی عید گاہ کے اندر، شہر۔ تو کیا جمعہ شہر کی عید گاہ ہی میں ہو گا اور کسی جگہ، شہر کے ارد گرد کسی دوسرے کھلے میدان میں نہیں ہو سکتا؟ تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے۔ کہتے ہیں بھئی کہ شہر کی عید گاہ ہی میں ہونا ضروری نہیں بلکہ شہر کے آبادی کے ساتھ جو کھلی جگہ ہو بھئی، جو ان لوگوں کی ضرورتوں کے کام آتی ہے، مثلاً وہیں ان کے بچے وغیرہ بھی کھیلتے ہیں اور چیزوں امور وغیرہ کاموں میں ان کے وہ کام آتی ہے، تو وہ سب اسی کے اندر داخل ہیں، کیونکہ یہ جو شہر کے ساتھ ساتھ جو میدان ہوتا ہے یہ اس شہر ہی کے حکم میں ہوتا ہے، جیسے

شہر کے ذریعے وہ لوگ اپنی ضرورتیں شہر سے پوری کرتے ہیں، اسی طرح اس کھلی جگہ سے بھی اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، تو لہٰذا یہ سب کا وہی حکم ہے، ان سب کے اندر جمعے کی نماز جائز ہو گی، خاص وہ مصلیٰ مصر ہی کے اندر اس کا ہونا ضروری نہیں۔

تو کہتے ہیں: «**وَالحُكْمُ غَيْرُ مَقْصُورٍ عَلَى المُصَلَّى**»، اور یہ حکم جو ہے مصلیٰ یعنی عید گاہ کے اندر بند نہیں ہے کہ صرف وہیں پر نماز ہو، «**بَلْ يَجُوزُ فِي جَمِيعِ أَفْنِيَةِ المِصْرِ**»، بلکہ جائز ہے شہر کی تمام افنیہ میں۔ افنیہ جمع ہے فناء کی، فناء۔ فناء اصل میں کہتے ہیں گھر کا جو صحن ہوتا ہے۔ گھر کا جو صحن ہوتا ہے، اگر اندر ہو یا گھر کے باہر جو اگر اندر نہیں ہے تو باہر جو کھلی جگہ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ فناءِ دار کہتے ہیں۔ تو یہاں یہ بھی شہر کے ساتھ کھلی جگہ جو ہے وہ اسی صحن کی طرح ہی ہے شہر کے لیے۔ تو یہ جائز ہے شہر کی تمام افنیہ میں یعنی تمام صحنوں میں، «**لِأَنَّهَا**» اسی کیونکہ یہ جو افنیۂ مصر ہیں یہ جو شہر کے ارد گرد کھلی جگہ ہے «**بِمَنْزِلَتِهِ**» **أَيْ بِمَنْزِلَةِ المِصْرِ**، یہ شہر ہی کے درجے میں ہے «**فِي حَوَائِجِ أَهْلِهِ**» شہر والوں کی ضرورتوں کے معاملے میں، جیسے شہر سے وہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، اسی طرح اس کھلی جگہ سے بھی اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔

«وَيَجُوزُ بِمِنًى إِنْ كَانَ الأَمِيرُ أَمِيرَ الحِجَازِ أَوْ كَانَ الخَلِيفَةَ مُسَافِرًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا جُمُعَةَ بِمِنًى».

اور جائز ہے جمعہ منیٰ میں۔ بھئی کل میں نے بتلایا تھا، حج کا مختصر طریقہ بیان کیا تھا کہ حاجی جاتا ہے اور سب سے پہلے مثلاً حجِ تمتع کر رہا ہے تو سب سے پہلے جا کر عمرہ کرے گا اور پھر اس کے بعد جب ایامِ حج آئیں گے یعنی آٹھویں تاریخ آئے گی تو پھر حج کا احرام پہن کر کہاں آ جائے گا؟ منیٰ میں، اور پھر نویں کو وہ عرفات جائے گا اور پھر مغرب ہو جانے کے بعد وہ پھر عرفات سے واپسی ہو گی، راستے میں مزدلفہ مقام ہے وہاں رات کا گزارنا واجب ہے عند الاحناف، تو وہاں رات گزارے گا اور پھر صبح کہاں پہنچ جائے گا؟ منیٰ کے اندر، اور اب پھر منیٰ کے اندر ہی چند دن قیام ہو گا اور اسی کے اندر افعالِ حج مزید جو باقی ہیں وہ سرانجام دیے جائیں گے، مثلاً قربانی کی جائے گی، رمیِ جمرات یعنی وہ شیطان کو کنکریاں ماری جائیں گی اور اسی دوران کیا کیا جائے گا؟ طوافِ زیارت جو حج میں فرض ہے وہ بھی یہیں منیٰ سے وہ کرنے جاتا ہے اور پھر واپس آ جاتا ہے، تو یہ ارکانِ حج وہ پھر کہاں سرانجام دیتا ہے؟ منیٰ میں قیام پذیر ہوتے ہوئے۔ تو اب منیٰ میں آٹھویں کو بھی گئے اور اسی طرح پھر دسویں، گیارہویں، بارہویں وغیرہ کو بھی قیام کہاں ہوتا ہے؟ منیٰ۔ تو منیٰ کے اندر جمعے کا دن اگر آ گیا تو کیا جمعے کی نماز ادا کی جائے گی یا جمعے کی نماز ادا نہیں کی جائے گی، منیٰ میں جمعہ نہیں ہے؟ تو بتلا رہے ہیں کہ بھئی منیٰ کے اندر بھی جمعے کی نماز جائز ہے۔ یہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ، وہ فرماتے ہیں کہ منیٰ میں بھی جمعہ جائز ہے، لیکن اگر امیر جو ہے وہ امیرِ حجاز ہو یا خلیفہ خود یہاں موجود ہو چاہے بطورِ مسافر ہی کے کیوں نہ ہو۔ یعنی مقیم نہیں ہے، ۱۵ دن کی اقامت نہیں ہے بلکہ بطورِ مسافر کے موجود ہے، پھر بھی منیٰ کے اندر جمعہ جائز ہو گا، جمعہ جائز ہو گا۔

دیکھیے تفصیل آ رہی ہے آگے بھئی۔ کہتے ہیں: «**وَيَجُوزُ بِمِنًى**»، اور جمعہ جائز ہے منیٰ میں، «**إِنْ كَانَ الأَمِيرُ أَمِيرَ الحِجَازِ**»، اگر امیر کون ہو؟ حجاز کا امیر یعنی اس وقت امیرِ حج کون ہے؟ حجاز کا امیر ہے یہاں پر بھئی۔ بھئی حجاز یہ عرب کا ایک بڑا علاقہ ہے اور جو تہامہ اور نجد کے درمیان ہے تو اس کو حجاز کہتے ہیں، یوں کہیے صوبہ ہے، ایک بڑا کیا ہے؟ صوبہ ہے اور اسی کے اندر یہ مکہ وغیرہ آتے ہیں۔ تو اگر یہاں کا امیر یعنی حاکم جس کو خلیفہ نے اس سارے صوبے کا حاکم بنایا ہے اگر وہ موجود ہے تو پھر منیٰ کے اندر جمعہ جائز ہے۔ منیٰ کے اندر جمعہ جائز ہے، اس لیے کیونکہ اس کے حکم سے دوسرے جمعہ قائم کروا سکتے ہیں تو یہ خود بطریقِ اولیٰ جمعہ قائم کر سکتے ہیں بھئی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟

اسی طرح خلیفہ اگر یہاں موجود ہو چاہے مسافر کے طور پر ہی کیوں نہ موجود ہو، وہ بھی پھر بھی کیا جائز ہے یہاں پر؟ جمعہ پڑھنا، جمعہ یہاں پر جائز ہو گا، اس لیے کیونکہ خلیفہ جو ہے جب اس کے حکم پر کوئی دوسرا جمعہ قائم کروا سکتا ہے تو یہ خود بطریقِ اولیٰ جمعہ کروا سکتا ہے، اور اس کے ساتھ مسافر کی قید لگا دی، اشارہ کر دیا اس بات کی طرف جب مسافر ہو خلیفہ تو پھر جمعہ قائم کروا سکتا ہے تو مقیم ہونے کی حالت میں بطریقِ اولیٰ جمعہ قائم کروا سکتا ہے۔

اور نیز اس مسئلے کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ خلیفہ، خلیفہ جو ہے وہ بھئی خلیفہ کی بات آ رہی ہے بار بار، یہ آگے آپ کو بتلائیں گے کہ جمعے کو قائم کروانا، جمعہ صرف خلیفہ ہی یا خلیفہ نے جس کو حکم دیا ہو وہی قائم کروا سکتا ہے، ہر ایک کو اجازت نہیں ہے بھئی۔ جی آگے مسئلے کی تفصیل آ جائے گی۔ تو یہاں اس مسئلے کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ خلیفہ اگر اپنی مملکت کے دورے پر نکلتا ہے، اپنی مملکت کے دورے پر، اب دیکھیے اتنی دور جانے کا ارادہ ہے جو تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت ہے، مختلف شہروں میں وہ چکر لگا رہا ہے تو مسافر ہو گا، لیکن پھر بھی ہر ہر شہر کے اندر اس پر جمعہ واجب ہو گا اور کیا کرے گا وہ؟ جمعہ قائم کروائے گا بھئی، جمعہ قائم کروائے گا۔ اور دلیل وہی کہ جب اس کے حکم پر دوسرے جمعہ قائم کرواتے ہیں تو یہ خود بطریقِ اولیٰ جمعہ قائم کر سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «**وَيَجُوزُ بِمِنًى إِنْ كَانَ الأَمِيرُ أَمِيرَ الحِجَازِ**»، اور منیٰ میں بھی جمعہ جائز ہے اگر امیر یعنی امیرِ حج «**أَمِيرَ الحِجَازِ**» وہ کون ہو امیرِ حج؟ امیرِ حجاز، حجاز کا جو امیر ہے اور حاکم ہے وہ امیرِ حج ہو، «**أَوْ كَانَ الخَلِيفَةَ**»، یا کون ہو امیرِ حج؟ خلیفہ ہو، «**مُسَافِرًا**» اس حال میں کہ وہ مسافر ہو، «**عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ**»، شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ «**وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا جُمُعَةَ بِمِنًى**»، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

سبق نمبر ۷۹: بَابُ صَلَاةِ الجُمُعَةِ
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

منیٰ کے اندر جمعہ نہیں ہے یعنی یہاں جمعے کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، یہاں جائز نہیں ہے، «لِأَنَّهَا مِنَ القُرَى»، ان کی دلیل یہ ہے بھئی۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ منیٰ جو ہے «مِنَ القُرَى» بستیوں میں سے یعنی دیہاتوں میں سے ہے۔ کس میں سے ہے؟ یہ ایک دیہات ہے مکہ کے ساتھ، «حَتَّى لَا يُعَيَّدَبِهَا»، عَيَّدَ يُعَيِّدُ کے معنی ہوتے ہیں عید منانا، کیا معنی ہے؟ عید منانا، اور مراد یہاں عید کی نماز ہے بھئی، کیا مراد ہے؟ عید کی نماز۔ کہتے ہیں کہ یہ منیٰ جو ہے دیہاتوں میں سے ہے، «حَتَّى لَا يُعَيَّدَبِهَا» یہاں تک کہ اس کے اندر عید کی نماز بھی ادا نہیں کی جاتی۔ بھئی دیکھیے نویں کو سارے چلے گئے تھے عرفات اور واپس چلے مزدلفہ میں رات کو قیام کیا اور اگلے دن دسویں کو کہاں پہنچ گئے؟ منیٰ۔ اور یہ دس ذوالحجہ ہے اور عید کا دن ہے، لیکن منیٰ کے اندر عید کی نماز ادا نہیں کی جاتی۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہاں جمعہ بھی جائز نہیں، یہ دیہات ہے۔ اگر دیہات نہ ہوتا، شہر ہوتا تو یہاں پر عید کی نماز کا بھی حکم دیتی شریعت، لیکن شریعت نے یہاں عید کی نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا، معلوم ہوا یہ دیہات ہے، اور جب دیہات ہے تو یہاں جمعے کی نماز بھی جائز نہیں ہوگی۔ یہ معنی ہے: «حَتَّى لَا يُعَيَّدَبِهَا»، یہاں تک کہ اس میں عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا

«وَلَهُمَا»، شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: «أَنَّهَا تَتَمَصَّرُ فِي أَيَّامِ المَوْسِمِ»، تَتَمَصَّرُ کہ یہ جو منیٰ جو ہے یہ شہر بن جاتا ہے «فِي أَيَّامِ المَوْسِمِ»۔ موسم، ایامِ حج بھئی، حج کا زمانہ، سمجھ میں آیا؟ موسم یعنی موسمِ حج ہے، مراد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ «أَنَّهَا تَتَمَصَّرُ فِي أَيَّامِ المَوْسِمِ»، کہ یہ منیٰ جو ہے شہر بن جاتا ہے حج کے زمانہ میں۔ کیا بن جاتا ہے؟ شہر بن جاتا ہے۔ اتنے لوگ بھئی لاکھوں حاجی نکل آتے ہیں اور بازار بن جاتے ہیں وہاں باقاعدہ بھئی، لوگ وہاں خرید و فروخت اپنی ضروریات کی چیزیں وہاں سے خریدتے ہیں، تو یہ شہر بن جاتا ہے۔ تو جب یہ شہر بن گیا تو دیہات نہ رہا، کیا بن گیا؟ شہر بن گیا تو یہاں جمعہ جائز۔ اور باقی آپ نے جو کہا کہ یہاں عید کی نماز ادا نہیں کی جاتی، یہ اس کو دلیل بنایا، کہتے ہیں نہیں بھئی اس کو دلیل نہیں بنا سکتے، «وَعَدَمُ التَّعْيِيدِ لِلتَّخْفِيفِ»، اور عید کی نماز نہ ہونا «لِلتَّخْفِيفِ» آسانی کے لیے ہے، سہولت کے لیے ہے۔ کس کے لیے ہے؟ سہولت۔ شریعت نے یہاں عید کی نماز واجب نہیں کی، عید کی نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا کس لیے؟ آسانی کے لیے، کیونکہ اس دن حاجی افعالِ حج میں مشغول ہوتا ہے بھئی، رمیِ جمرات کرنی ہے اس دن شیطان کو کنکریاں مارنی ہیں اور اسی طرح قربانی کرنی ہے بھئی اس نے، اور حلق سر کے بال وغیرہ منڈوانے ہیں وغیرہ ارکانِ حج یہاں ادا کر رہا ہے افعالِ حج اور اسی طرح میں نے ذکر کر دیا قربانی کرنی ہے، اور قربانی منیٰ کے اندر اتنا مشکل کام ہے کہ جن کو تجربہ ہوتا ہے ان کو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ لاکھوں لوگ ہیں بھئی لاکھوں لوگ، اور وہ قربانی کا انتظام کرنے، آج کل تو اور جدید طریقے آ گئے، پیسے جمع کروا دیے جاتے ہیں، مختلف وہاں ادارے وغیرہ ہیں اور وہ ان کی طرف سے قربانی کر دیتے ہیں، لیکن پھر بھی بہت سے لوگ کیا کرتے ہیں؟ خود قربانی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور وہ پھر قربانی کے لیے نکلتے ہیں، جگہ بنائی ہوئی ہے مقرر کی گئی ہے حکومت کی طرف سے، وہاں جاتے ہیں اور کئی کلومیٹر چلنا اور آنا اور اتنا ہجوم ہوتا ہے، اور تو جانا، جانور تلاش کرنا، خریدنا، پھر اس کو ذبح وغیرہ کرنا، قربانی کرنا، تو یہ بڑا مشکل کام ہے آسان نہیں ہے۔ اتنی سہولتیں ہو گئیں پھر بھی یہ کام آج بھی بڑا ہی مشکل ہے، تو قدیم زمانے میں کتنا مشکل ہو گا بھئی۔ تو یہاں اب اگر حاجی کو عید کی نماز ادا کرنے کا بھی حکم دے دیا جائے تو وہ تو بڑی مشکل میں پڑ جائے گا بھئی۔ ادھر افعالِ حج بھی سرانجام دینے ہیں اور ادھر عید کی نماز، اس میں تو پھر کتنا مجمع ہو جاتا اور پھر کتنی مشکل میں لوگ پڑ جاتے، تو شریعت میں تنگی اور دشواری نہیں ہے اس کو دور کیا گیا ہے، تو لہٰذا سہولت کے طور پر عید کی نماز یہاں پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

تو کہتے ہیں: «وَعَدَمُ التَّعْيِيدِ لِلتَّخْفِيفِ»، اور عید کی نماز کا نہ ہونا آسانی کے لیے ہے، «وَلَا جُمُعَةَ بِعَرَفَاتٍ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا»، اور عرفات کے اندر جمعہ نہیں ہے ان سب کے قول میں بھئی یعنی ائمہ ثلاثہ: امام محمد، امام ابو یوسف اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ، تینوں کے نزدیک عرفات میں جمعہ نہیں ہے۔

کیوں؟ دلیل کیا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ فَضَاءٌ»، اس لیے کیونکہ عرفات جو ہے وہ کھلی جگہ ہے۔ فضاء کسے کہتے ہیں؟ کھلی جگہ۔ «وَبِمِنًى أَبْنِيَةٌ»، اور منیٰ کے اندر تعمیرات ہیں، عمارتیں ہیں۔ منیٰ میں کچھ نہ کچھ آبادی ہے، کچھ عمارتیں وغیرہ موجود ہیں بلکہ اب تو اور زیادہ ہو گئیں عمارتیں، اور جبکہ عرفات میں تو کوئی عمارت نہیں وہ تو کھلا میدان ہے بھئی۔ تو لہٰذا وہاں پر جمعہ نہیں بھئی، کیونکہ جمعہ کہاں ہوتا ہے؟ شہر کے اندر ہوتا ہے، جنگل وغیرہ میں نہیں ہوتا بھئی۔

■ مسئلہ: وَالتَّقْيِيدُ بِالخَلِيفَةِ وَأَمِيرِ الحِجَازِ

«وَالتَّقْيِيدُ بِالخَلِيفَةِ وَأَمِيرِالحِجَازِ»، بھئی یہ متن کے اندر انہوں نے قید لگائی کہ امیر حجاز ہونا چاہیے، وہ امیر حج ہو، یا خلیفہ خود کیا ہو؟ وہ آیا ہو اور وہ امیر حج ہو۔ تو یہ خلیفہ اور امیر حجاز کی قید کیوں لگائی؟ کہتے ہیں: «وَالتَّقْيِيدُ بِالخَلِيفَةِ وَأَمِيرِ الحِجَازِ لِأَنَّ الوِلَايَةَ لَهُمَا»، اور مقید کرنا خلیفہ اور امیر حجاز کے ساتھ اس لیے ہے کیونکہ ولایت انہی دونوں کو حاصل ہے۔ انہی کے حکم پر کیا قائم کیا جاتا ہے؟ جمعہ قائم کیا جاتا ہے، تو ان کو ولایت حاصل ہے اس کی بھئی۔

«أَمَّا أَمِيرُ المَوْسِمِ فَيَلِي أُمُورَ الحَجِّ لَا غَيْرُ»، اچھا ان کے علاوہ اگر کوئی اور امیر حج ہے، اس کو خلیفہ نے بھیجا ہے یا حاکم نے امیر حجاز نے بھیجا کہ تم

کیا ہو اس سال امیر حج ہو، حج کے امور کی نگرانی کرو، تو یہ ہو گا امیر موسم، کیا کہیں گے؟ یا امیر حج کہہ لیں یا امیر موسم حج کہہ لیں، تو یہ ہو تو یہ جمعہ قائم نہیں کروا سکتا۔ بھئی یہ کیوں نہیں قائم کروا سکتا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کو امورِ حج کی ولایت حاصل ہوتی ہے، اس کو کس پر کس چیز کا نگران بنایا گیا؟ کس چیز کی ولایت دی گئی ہے؟ حج کے امور کی ولایت اس کو دی گئی ہے، ان پر اس کو والی بنایا گیا ہے، جمعے وغیرہ اور چیزوں پر والی نہیں بنایا گیا۔ تو کہتے ہیں: «**أَمَّا أَمِيرُ المَوْسِمِ فَيَلِي أُمُورَ الحَجِّ لَا غَيْرُ**»، باقی امیر موسم جو ہے وہ **فَيَلِي** وہ والی ہے، وہ اس کو ولایت حاصل ہے **فَيَلِي** تو اس کو ولایت حاصل ہے امورِ حج، حج کے معاملات کی، لَا **غَيْرُ** نہ کہ ان کے علاوہ کی، تو اس کو جمعے وغیرہ کی ولایت ہی حاصل نہیں ہے تو وہ کہاں سے قائم کروائے گا۔

دیکھیے اب آگے وہ مسئلہ آیا جس کی طرف میں نے جو میں نے آپ کو بتلایا تھا، بتلا رہے ہیں: «**وَلَا يَجُوزُ إِقَامَتُهَا إِلَّالِلسُّلْطَانِ**»، اور جائز نہیں ہے جمعہ قائم کروانا سوائے بادشاہ کے یعنی خلیفہ کے۔ خلیفہ کے علاوہ اور کوئی جمعہ قائم نہیں کروا سکتا، «**أَوْ لِمَنْ أَمَرَهُ السُّلْطَانُ**»، یا وہ جس کو بادشاہ نے یعنی خلیفہ نے حکم دیا ہو۔ خلیفہ خود جمعہ قائم کروائے گا یا جس کو خلیفہ حکم دے گا وہ قائم کروائے گا۔ بھئی یہ کیا وجہ ہے؟ خلیفہ اور بادشاہ کی قید کیوں لگا رہے ہیں؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّهَا تُقَامُ بِجَمْعٍ عَظِيمٍ**»، اس لیے کہ جمعہ قائم کیا جاتا ہے ایک عظیم مجمعے کے ساتھ۔ پورے بستی والے اکٹھے ہو کر جیسے قدیم طریقہ تھا، سارے لوگ اکٹھے ہو کر آتے تھے بھئی، تو یہ ایک عظیم مجمعے کے ساتھ جمعہ قائم کیا جاتا ہے، «**وَقَدْ تَقَعُ المُنَازَعَةُ فِي التَّقَدُّمِ وَالتَّقْدِيمِ**»، اور کبھی کبھار جھگڑا واقع ہو جاتا ہے **فِي التَّقَدُّمِ وَالتَّقْدِيمِ**، تقدم آگے ہونا، تقدیم آگے کرنا، تو کبھی آگے ہونے میں جھگڑا ہوتا ہے اور کبھی آگے کرنے میں جھگڑا ہو گا۔ بھئی دیکھیے بہت بڑا مجمع ہے، سارے شہر والے آئے ہیں جمعے کی نماز ادا کرنے کے لیے، تو اب جھگڑے کا احتمال ہے، ایک ایک امام کہے گا جمعے کی نماز میں پڑھاؤں گا اور دوسرا کیا کہے گا؟ جمعے کی نماز میں پڑھاؤں گا، تو آگے ہونے میں بھی جھگڑا ہو سکتا ہے، اور کبھی تقدیم آگے کرنے کے اندر بھی جھگڑا ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ تو کہیں گے کہ فلاں بزرگ جو ہیں وہ پڑھائیں گے جمعے کی نماز، دوسرے لوگ کہیں گے نہیں فلاں بزرگ جو ہیں وہ پڑھائیں گے، تو اس آگے کرنے کے اندر بھی جھگڑا ہو سکتا ہے۔ «**وَقَدْ تَقَعُ فِي غَيْرِهِ**»، اور کبھی اس کے علاوہ اور چیزوں کے اندر بھی جھگڑا ہو سکتا ہے، مثلاً بعض کہیں گے کہ شہر کے ساتھ یہ جو فلاں جگہ ہے یہاں پر جمعہ ادا کیا جائے گا، دوسرے کہیں گے نہیں اس سے تھوڑا سا ہٹ کر جو فلاں جگہ ہے وہاں پر ادا کریں گے جمعہ، اس میں بھی جھگڑے کا احتمال ہے، اور نیز اسی طرح بعض یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمعہ ذرا جلدی ادا کریں گے، بعض کہیں گے نہیں ذرا تھوڑی تاخیر سے، تو چونکہ بہت بڑا مجمع ہے تو جھگڑے کے احتمال کافی زیادہ ہے، اس لیے یہ صرف کون قائم کروا سکتا ہے؟ بادشاہ یا بادشاہ جس کو حکم دے دے کہ یہ ہے یہ قائم کروائے گا جمعہ، یہ ہے امام وغیرہ، سمجھ میں آیا بھئی؟

یہ معنی ہے: «**لِأَنَّهَا تُقَامُ بِجَمْعٍ عَظِيمٍ وَقَدْ تَقَعُ المُنَازَعَةُ فِي التَّقَدُّمِ وَالتَّقْدِيمِ وَقَدْ تَقَعُ فِي غَيْرِهِ فَلَا بُدَّ مِنْهُ تَتْمِيمًالِأَمْرِهَا**»، اس لیے کیونکہ جمعہ قائم کیا جاتا ہے عظیم مجمعے کے ساتھ، اور کبھی کبھار جھگڑا واقع ہو جاتا ہے آگے ہونے میں یا آگے کرنے میں، «**وَقَدْ تَقَعُ فِي غَيْرِهِ**» اور کبھی اس کے علاوہ میں جھگڑا ہو جاتا ہے، «**فَلَا بُدَّمِنْهُ**» لہٰذا سلطان کا ہونا ضروری ہے «**تَتْمِيمًا لِأَمْرِهَا**» **أَيْ لِأَمْرِ الجُمُعَةِ**، پورا کرنے کے لیے جمعے کے معاملے کو تاکہ اچھی طرح سے جمعے کا معاملہ پورا ہو جائے، کوئی جھگڑا نہ آئے۔

■ مسئلہ: وَمِنْ شَرَائِطِهَا الوَقْتُ فَتَصِحُّ فِي وَقْتٍ...

«وَمِنْ شَرَائِطِهَا الوَقْتُ فَتَصِحُّ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ وَلَا تَصِحُّ بَعْدَهُ».

اور جمعے کی شرائط میں سے وقت ہے بھئی، وقت ہے۔ «**فَتَصِحُّ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ**»، تو جمعہ صحیح ہے ظہر کے وقت میں، «**وَلَا تَصِحُّ بَعْدَهُ**» اور ظہر کے وقت کے بعد جمعہ صحیح نہیں، ظہر کے وقت کے بعد جمعہ صحیح نہیں۔ تو وقت شرط میں سے ہے، جمعے کی شرائط میں سے ہے، شرط ہے تو مشروط ہے، شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں۔ جیسے وضو نماز کے لیے شرط ہے، وضو ہے تو نماز بھی ہو گی، وضو نہیں تو نماز بھی نہیں ہو گی، اسی طرح جمعے کے لیے وقت شرط ہے اور وہ ظہر کا وقت ہے، تو اس وقت میں صحیح ہو گی اور اس کے بعد صحیح نہیں ہو گی۔

چنانچہ آپ نے وہ مسئلہ پڑھا تھا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تشہد کی مقدار بیٹھ جانے کے بعد اگر ظہر کا وقت نکل گیا تو وہ نماز کیا ہو جائے گی؟ نماز باطل ہو جائے گی۔ مسئلہ پڑھا تھا یا نہیں بھئی؟ کہاں آیا تھا مسئلہ؟ ذرا نکالیں بھئی۔ بارہ مسائل تھے وہ۔ ہاں یہ دیکھیے یہ میری کتاب میں صفحہ ۱۳۳ پر یہ مسئلہ آیا تھا بھئی کہ «**أَوْ دَخَلَ وَقْتُ العَصْرِ وَهُوَ فِي الجُمُعَةِ**»، یا کون سا وقت داخل ہو گیا؟ عصر کا، اور وہ کس نماز میں تھا؟ جمعے کی نماز میں تھا، اور کس وقت؟ اوپر کیا آیا تھا؟ «**بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَالتَّشَهُّدِ**»، کتنے کے بعد؟ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پھر یہ عصر کا وقت داخل ہو گیا اور امام جمعے میں ہے، آخر میں آ رہا ہے «**بَطَلَتِ الصَّلَاةُ**»، تو ان سب صورتوں میں کیا ہو جائے گی؟ نماز باطل ہو جائے گی۔ اب وجہ آپ کو سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ نماز کیوں باطل ہو گی، کیونکہ یہ ظہر کا وقت جمعے کی شرائط میں سے ہے، اور میں نے بتلا دیا شرط ہے تو مشروط ہے، شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں، یہ وضو کی طرح ہی گویا شرط ہے اور وضو ہوتا ہے تو نماز ہوتی ہے، وضو نہیں تو نماز بھی نہیں، تو یہاں بھی

سبق نمبر ۷۹: بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

یہ وقت ہے تو نماز ہو گی، یہ وقت گزر گیا ہے بیچ میں جس وقت بھی گزر گیا بس نماز کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔

تو کہتے ہیں اور جمعے کی شرائط میں سے ایک وقت ہے: «فَتَصِحُّ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ وَلَا تَصِحُّ بَعْدَهُ»، تو وقت کے اندر ظہر کے وقت میں تو جمعہ صحیح ہے اور وقت کے بعد صحیح نہیں ہے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے، آپ نے فرمایا: «إِذَا مَالَتِ الشَّمْسُ فَصَلِّ بِالنَّاسِ الْجُمُعَةَ»، کہ جب سورج مائل ہو جائے یعنی ڈھل جائے، جب سورج ڈھل جائے یعنی زوال ہو جائے، «فَصَلِّ بِالنَّاسِ الْجُمُعَةَ» تو لوگوں کو جمعے کی نماز پڑھا، یہ حدیث میں آیا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ خَرَجَ الْوَقْتُ وَهُوَ فِيهَا اسْتَقْبَلَ ا...

«وَلَوْ خَرَجَ الْوَقْتُ وَهُوَ فِيهَا اسْتَقْبَلَ الظُّهْرَ»، اور اگر وقت نکل گیا «وَهُوَ فِيهَا» اور امام کس میں تھا؟ ابھی جمعے کی نماز ہی میں تھا، مشغول تھا، «اسْتَقْبَلَ الظُّهْرَ» تو نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھے۔ امام جمعے کی نماز کے اندر مشغول ہے اور نماز کے اندر ہی ظہر کا وقت نکل گیا، کون سا وقت شروع ہو گیا؟ عصر کا، اور تو شرط ختم ہو گئی اور شرط ختم تو مشروط بھی ختم، لہٰذا جمعے کی نماز باطل ہو گئی، اور اب اب ظہر کی نماز پڑھے گا نئے سرے سے بھئی، ظہر کی نماز نئے سرے سے۔ یہ معنی ہے کہ «اسْتَقْبَلَ الظُّهْرَ» نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھے گا۔

«وَلَا يَبْنِي»، اس پر بنا نہیں کر سکتا۔ بھئی جمعے کی نماز امام پڑھا رہا تھا اور نماز کے اندر ہی عصر کا وقت داخل ہو گیا یعنی ظہر کا وقت نکل گیا، جب ظہر کا وقت نکلا تو جمعے کی نماز باطل ہو گئی، تو بھئی اسی پر بنا کر لے، ایک رکعت پڑھا چکا ہے اسی پر بنا کرتے ہوئے ظہر کی نماز پوری پڑھا دے، آگے تین رکعتیں اور ملا لے، صورت ذہن میں آ رہی ہے؟ تو بنا اسی پر کر لے اور آگے تین رکعتیں پڑھا کر ظہر پوری کر دے، تو بتلا رہے ہیں آپ کو کہ نہیں بھئی بنا نہیں کر سکتا اس پر، کیونکہ دونوں نمازیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، جمعے کے اندر دو رکعت ہے، جمعہ دو رکعت ہے اور ظہر کی نماز چار رکعت ہے، جمعے کے اندر جہراً قرات کی جاتی ہے اونچی آواز سے اور ظہر کی نماز میں سراً قرات کی جاتی ہے یعنی آہستہ آواز کے ساتھ، اور نیز جمعے کی شرائط ہیں جو ابھی ذکر ہو رہی ہیں بھئی اور ظہر کے لیے وہ شرائط نہیں ہیں بھئی، تو اس لیے بنا نہیں کر سکتا، نئے سرے سے یہ نماز ختم کرے اور نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھائے بھئی۔

یہ معنی ہے: «وَلَا يَبْنِي عَلَيْهَا»، اور اس پر بنا نہیں کر سکتا ظہر کی نماز کی، «لِاخْتِلَافِهِمَا» بوجہ ان دونوں کے مختلف ہونے کے یعنی جمعے اور ظہر کے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: وَمِنْهَا الْخُطْبَةُ

«وَمِنْهَا الْخُطْبَةُ»، اور جمعے کی شرائط میں سے خطبہ ہے۔ یہ متن ہے یاد رکھیے: «وَمِنْهَا الْخُطْبَةُ»، اس پر لکیر لگی ہوئی ہے؟ اس پر لکیر اگر نہیں ہے تو لکیر لگائیں بھئی، یہ متن ہے۔ «وَمِنْهَا الْخُطْبَةُ»، اور جمعے کی شرائط میں سے خطبہ ہے۔ یاد رکھو بھئی ہمیشہ یاد رکھو، یہ جو خطبہ جمعے سے پہلے دیا جاتا ہے یہ جمعے کی شرائط میں سے ہے، اور شرط ہے تو مشروط ہے، شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں، جیسے وضو نماز کے لیے شرط ہے، وضو ہے تو نماز ہو گی، وضو نہیں ہے تو نماز بھی نہیں، لہٰذا جب خطبہ شرط ہے تو خطبہ ہو گا تو جمعے کی نماز ہو گی، اگر خطبہ نہیں تو جمعے کی نماز بھی نہیں ہو گی بھئی، پڑھ بھی لیں پھر بھی نہیں ہو گی، خطبے کا ہونا ضروری ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ یہ معنی ہے «وَمِنْهَا الْخُطْبَةُ»، اور جمعے کی شرائط میں سے خطبہ ہے۔

دلیل اس کی کیا ہے کہ یہ شرط ہے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَلَّاهَا بِدُونِ الْخُطْبَةِ فِي عُمُرِهِ»، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا بغیر خطبے کے «فِي عُمُرِهِ» زندگی بھر میں، اپنے عمر بھر میں آپ نے کبھی بھی جمعہ بغیر خطبے کے نہیں پڑھا بھئی، ہمیشہ آپ خطبہ دیتے تھے، اور معلوم ہوا یہ لازمی ہے۔ اگر خطبہ ضروری نہ ہوتا تو کبھی کبھار جواز بتلانے کے لیے حضور علیہ السلام اس کو ترک بھی فرما دیتے، اس کو چھوڑ بھی دیتے، لیکن آپ نے کبھی نہیں اس کو چھوڑا، معلوم ہوا یہ ضروری ہے، لازمی ہے، شرط ہے بھئی۔

«وَهِيَ قَبْلَ الصَّلَاةِ بَعْدَ الزَّوَالِ»، اور یہ نماز سے پہلے ہو گا «بَعْدَ الزَّوَالِ» زوال کے بعد یعنی سورج کے ڈھلنے کے بعد ہو گا، جب سورج عین سر سے کس طرف کو ڈھل جائے؟ مغرب کی طرف کو، اس کے بعد ہو گا۔ تو یہ بھی ضروری ہے بھئی، اگر خطبہ خطبہ سورج ڈھلنے سے پہلے دے دیا تو بھی یہ خطبہ لا خطبہ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اب بھی جمعے کی نماز پڑھیں گے سورج ڈھلنے کے بعد تو وہ ہو گی ہی نہیں کیونکہ خطبہ نہیں پایا گیا۔ اور نیز اس خطبے کا نماز سے پہلے ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر نماز کے بعد دیتا ہے خطبہ دیا جائے اس کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا جمعے کی نماز پہلے پڑھ لی اور خطبہ بعد میں دیا تو خطبہ پہلے نہیں پایا گیا لہٰذا جمعے کی نماز ہی نہیں ہو گی۔

تو کہتے ہیں: «وَهِيَ قَبْلَ الصَّلَاةِ بَعْدَ الزَّوَالِ»، اور یہ خطبہ جو ہے نماز سے پہلے ہو گا بعد الزوال سورج کے ڈھلنے کے بعد ہو گا، «بِهِ وَرَدَتِ السُّنَّةُ»، اسی کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے یعنی سنت اسی طرح ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت اسی طرح وارد ہوئی ہے۔

■ مسئلہ: وَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ

«وَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ»، اور جو امام ہے وہ خطبہ دے خطبتین، کتنے خطبے؟ دو خطبے، «يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ» جدائی کرے ان دو خطبوں کے درمیان «بِقَعْدَةٍ» قعدے کے ساتھ یعنی درمیان میں بیٹھے گا بھئی۔ ایک خطبہ دے گا اور پھر امام بیٹھ جائے گا اور کم از کم تین سبحان اللہ کی مقدار بیٹھے بھئی یا اگر تین آیتوں کے بقدر بیٹھ جاتا ہے تو اور اچھی بات ہے، اور پھر اس کے بعد دوسرا خطبہ دے گا بھئی۔ یہ معنی ہے کہ دو خطبے دے گا وہ، «يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ» جدائی کرے گا ان دو خطبوں کے درمیان قعدے کے ساتھ، «بِهِ جَرَى التَّوَارُثُ»، اسی کے ساتھ توارث جاری ہے۔ توارث کہتے ہیں یعنی اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے کہ دو کہ کیا کیا جاتا؟ دو خطبے ہوتے اور درمیان میں خطبہ دینے والا بیٹھ جاتا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام سے مروی ہے، اسی طرح خلفائے راشدین سے اور اسی طرح تابعین، تبع تابعین اور بعد کے تمام علماء سے اسی طرح منقول ہے، اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے۔

«وَيَخْطُبُ قَائِمًا عَلَى الطَّهَارَةِ»، اور خطبہ دے گا امام بھئی «قَائِمًا» کھڑے ہو کر «عَلَى الطَّهَارَةِ» وضو پر، یعنی وضو کی حالت میں کھڑے ہو کر کیا کرے گا؟ خطبہ دے گا بھئی۔ اور یاد رکھیے یہ کھڑے ہونا اور وضو کا ہونا یہ ہمارے نزدیک سنت ہے بھئی۔ کھڑے لہٰذا کوئی بیٹھ کر خطبہ دے دے یا بغیر طہارت کے دے دے تو بھی بہر حال خطبے کی شرط پوری ہو جائے گی، خطبے کی شرط پوری ہو جائے گی۔

تو کہتے ہیں: «وَيَخْطُبُ قَائِمًا عَلَى الطَّهَارَةِ»، اور خطبہ دے گا کھڑے ہو کر وضو پر، «لِأَنَّ الْقِيَامَ فِيهِ مُتَوَارَثٌ»، اس لیے کیونکہ قیام جو ہے کھڑے ہونا خطبے کے اندر متوارث ہے، یہ اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے حضور علیہ السلام کے زمانے سے لے کر۔ «ثُمَّ هِيَ شَرْطُ الصَّلَاةِ فَيُسْتَحَبُّ فِيهَا الطَّهَارَةُ كَالْأَذَانِ»، پھر یہ خطبہ جو ہے نماز کی شرط ہے تو مستحب ہے اس کے اندر طہارت یعنی اس کے اندر وضو کا ہونا مستحب ہے، فرض یا واجب نہیں۔ لیکن چونکہ یہ نماز کی شرط ہے تو اس کے اندر مستحب یہ ہے کہ خطبہ دینے والے کا وضو ہونا چاہیے بھئی، «كَالْأَذَانِ» جیسے کہ اذان ہے بھئی اذان ہے کہ اس کے اندر بھی وضو کا ہونا، طہارت کا ہونا مستحب ہے بھئی، لیکن بغیر وضو کے بھی کوئی اذان دے گا تو اذان ہو جائے گی بھئی۔

تو صاحبِ ہدایہ نے کہا «كَالْأَذَانِ» جیسے کیا ہے؟ اذان ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ خطبہ تو نماز کے لیے شرط ہے، شرط ہے اور اذان تو اس کے لیے شرط نہیں بھئی، شرط نہیں ہے، تو پھر یہ کیسے اس کو اس کے اذان کے مثل کہہ رہے ہیں بھئی کہ وہ جیسے کیا ہے؟ اذان ہے، تو جواب یہ کہ بھئی یہ مشابہت صرف مستحب ہونے میں ہے، «فَيُسْتَحَبُّ فِيهَا الطَّهَارَةُ» خطبے میں کیا ہے؟ طہارت مستحب ہے «كَالْأَذَانِ» جیسے کس میں؟ اذان جو ہے کہ اس کے اندر طہارت کیا ہے؟ مستحب، تو یہ شرط ہونے میں مشابہت نہیں بیان کی جا رہی بلکہ کس چیز میں مشابہت بیان کی جا رہی ہے؟ طہارت کے مستحب ہونے میں کہ دونوں میں طہارت مستحب ہے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ خَطَبَ قَاعِدًا أَوْ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ...

«وَلَوْ خَطَبَ قَاعِدًا أَوْ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ جَازَ»، اور اگر خطبہ دیا امام نے بیٹھ کر یا بغیر وضو کے «جَازَ» تو بھی جائز ہے «لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ»، کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا، مقصد حاصل ہو گیا اور مقصد کیا تھا خطبے کے ذریعے؟ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا تھا۔ اب بغیر وضو کے بھی اور بیٹھ کر کیا کر دیتا ہے؟ خطبہ دے دیتا ہے تو وعظ و نصیحت کا مقصد حاصل ہو گیا بھئی۔

«إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ»، مگر یہ یہ مکروہ ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے، مکروہِ تحریمی، «لِمُخَالَفَةِ التَّوَارُثِ»، اس لیے کیونکہ اس میں توارث کی مخالفت ہے۔ جیسا عمل حضور علیہ السلام کے زمانے سے ہوتا چلا آیا ہے اس کی مخالفت ہے، کیونکہ توارث کس طرح ہے؟ کھڑے ہو کر ہو اور طہارت کے ساتھ، وضو کے ساتھ ہو، تو اس نے اس کی مخالفت کی اس لیے مکروہ ہے۔ اور نیز «وَلِلْفَصْلِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الصَّلَاةِ»، بوجہ جدائی ہونے خطبے اور نماز کے درمیان، اس وجہ سے کہ اگر بغیر وضو کے خطبہ امام دے گا تو پھر خطبہ دینے کے بعد تو نماز تھی لیکن اس کا تو وضو نہیں، اس کو جانا پڑے گا، وضو کر کے آئے گا اور پھر نماز پڑھائے گا تو خطبے اور نماز میں جدائی آ گئی، فصل آ گیا، حالانکہ خطبے اور نماز میں تو فصل نہیں ہے بھئی، تو اس وجہ سے بھی یہ مکروہ ہے۔

«فَإِنِ اقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرٍ طَوِيلٍ يُسَمَّى خُطْبَةً».

بھئی خطبہ کتنا ہونا چاہیے؟ کتنا ہونا چاہیے کہ جس سے خطبے کی شرط پوری ہو جائے اور پھر جمعے کی نماز پڑھنا درست ہو جائے؟ تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آ کر صرف خطبے میں صرف اتنا امام کہہ دے «اللهُ أَكْبَرُ» یا صرف کہہ دے «سُبْحَانَ اللهِ» یا صرف کہہ دے «الحَمْدُ لِلَّهِ»، بس بھئی خطبہ ہو گیا، خطبہ ہو گیا، شرط پوری ہو گئی، لہٰذا اب جمعہ ہو جائے گا، جمعہ ہو جائے گا، سمجھ میں آیا؟ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ اتنا لمبا کلام ہو جس کو خطبہ کہا جاتا ہو بھئی، جس کو لوگ وعظ کہیں کہ امام صاحب نے کیا دیا؟ وعظ فرمایا، تقریر کی، کم از کم اللہ کی حمد و ثنا ہو، حضور علیہ السلام پر درود و سلام ہو اور اس کے بعد کچھ مختصر کلام ہو اور

لوگوں کو اس میں وعظ کرے، نصیحت کرے، قرآن کی آیت وغیرہ اس میں پڑھے، تو کم از کم اتنا کلام ہو جس کو خطبہ کہا جاتا ہے، اس سے کم ہو، الحمد للہ، سبحان اللہ اس کو تو کوئی خطبہ نہیں کہتا، اس کو کوئی تقریر کہتا ہے بھئی؟ خطبہ جس کو اردو میں آپ تقریر کہتے ہیں، تو الحمد للہ، سبحان اللہ صرف کوئی کہہ دے اس کو تقریر نہیں کہتا، تو لہٰذا اس سے جائز نہیں ہو گا، صاحبین فرماتے ہیں۔

لیکن یاد رکھیے فتویٰ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے، سمجھ میں آیا؟ صرف سبحان اللہ یا الحمد للہ کہے تو بھی خطبہ ادا ہو جائے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھیے یہ صرف جواز کی بات ہو رہی ہے یعنی کہ ایسا کرنا چاہیے، امام صاحب فرماتے ہیں نماز ہو جائے گی، خطبہ ہو گیا، ہاں البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے بھئی، ایسا کرنا مکروہ ہے، مکروہِ تحریمی ہے اس لیے کیونکہ جو طریقہ حضور علیہ السلام کے زمانے سے چلا آیا ہے اس کی اس نے مخالفت کر دی تو مکروہ ہو گا بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «فَإِنِ اقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اگر اکتفاء کر لیا اللہ کے ذکر پر تو جائز ہے امام صاحب کے نزدیک، «وَقَالَا»، اور صاحبین فرماتے ہیں: «لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرٍ طَوِيلٍ يُسَمَّى خُطْبَةً»، صاحبین فرماتے ہیں کہ ضروری ہے لمبے ذکر کا ہونا جس کو خطبہ کہا جاتا ہو، «لِأَنَّ الْخُطْبَةَ هِيَ الْوَاجِبَةُ»، اس لیے کیونکہ خطبہ ہی واجب ہے اور سبحان اللہ صرف آ کر کہہ دیا یا صرف الحمد للہ کہہ دیا یا صرف اللہ اکبر کہہ دیا تو اس کو کوئی بھی خطبہ نہیں کہتا، تو کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں: «لِأَنَّ الْخُطْبَةَ هِيَ الْوَاجِبَةُ وَالتَّسْبِيحَةُ وَالتَّحْمِيدَةُ لَا تُسَمَّى خُطْبَةً»، اس لیے کیونکہ خطبہ ہی واجب ہے اور ایک تسبیح کو یا ایک ایک تسبیح یعنی ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا، «وَالتَّحْمِيدَةُ» اور ایک تحمید یعنی ایک مرتبہ الحمد للہ کہنا، «لَا تُسَمَّى خُطْبَةً» اس کو خطبہ نہیں کہتے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ حَتَّى يَخْطُبَ خُطْبَتَيْنِ اعْتِبَارًا لِلْمُتَعَارَفِ»، امام شافعی رحمہ اللہ اور بھی قید بڑھاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں دو خطبوں کا ہونا بھی ضروری ہے، صرف ایک ہی نہیں بلکہ کتنے؟ دو خطبوں کا، وہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے «حَتَّى يَخْطُبَ خُطْبَتَيْنِ» کہ دو خطبے دے دے «اعْتِبَارًا لِلْمُتَعَارَفِ» اعتبار کرتے ہوئے متعارف یعنی عادت کا۔ متعارف بمعنی عرف کے ہے، کس معنی میں ہے؟ عرف، اور عرف کسے کہتے ہیں؟ عادت کو، کیونکہ عادتاً خطبہ کس کو کہتے ہیں؟ صرف سبحان اللہ کہنے کو خطبہ نہیں کہتے، وہ لمبا کلام ہوتا ہے، تو دو خطبے دے اس طرح لمبے کلام والے۔

اب امام صاحب کی دلیل آئی بھئی، امام صاحب کی دلیل، اور آپ جانتے ہیں کہ صاحب ہدایہ جس قول کو ترجیح دیتے ہیں اس کی دلیل سب سے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ امام صاحب کی دلیل سنیے بھئی، امامِ دنیا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل، وہ فرماتے ہیں: «وَلَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ»، امام صاحب کی دلیل جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ پس تم لوگ کو جلدی کرو اللہ کے ذکر کی طرف، سعی کرو کوشش کرو اللہ کے ذکر کی طرف، «مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ» اس میں کوئی فصل اور فرق نہیں کیا گیا۔

بھئی دیکھیے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں امام صاحب کی دلیل بھئی، وہ فرماتے ہیں قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعے کے دن اذان دے دی جائے ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ تو تم سعی کرو، کوشش کرو، جلدی کرو ﴿إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ کس کی طرف؟ اللہ کے ذکر کی طرف، اللہ کے ذکر کی طرف۔ تو یہاں ذکر اللہ آیا اور بالاتفاق تمام مفسرین کے نزدیک ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے، کیا ہے؟ خطبہ مراد ہے، تو ذکر اللہ ذکر کیا گیا اور قرآن میں اور اس کے اندر کوئی فرق نہیں کیا گیا کہ وہ ذکر اللہ لمبا ہونا چاہیے یا لمبا نہیں ہونا چاہیے۔ تو صرف اللہ اکبر کہہ دیں یہ ذکر اللہ ہے یا ذکر اللہ نہیں ہے؟ یہ بھی اللہ کا ذکر، صرف سبحان اللہ کوئی کہہ دے یہ بھی کیا ہے؟ اللہ کا ذکر ہے، الحمد للہ صرف کوئی کہہ دے یہ بھی کیا ہے؟ اللہ کا ذکر ہے، تو قرآن کے اندر یہ تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ وہ خطبہ وہ جو اللہ کا ذکر ہے وہ طویل ہونا چاہیے، چھوٹا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ وہاں صرف کیا آیا؟ جلدی کرو کس کی طرف؟ اللہ کے ذکر کی طرف، اور سبحان اللہ یا صرف الحمد للہ یہ بھی اللہ ہی کا ذکر ہی ہے تو لہٰذا اس سے بھی خطبہ کیا ہو جائے گا؟ ادا ہو جائے گا۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟ تو وہ یہ قرآن ان کی دلیل ہے کہ یہاں صرف ذکر اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں: «وَلَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ»، اور امام صاحب کی دلیل اللہ کا قول ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ ہے «مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ» بغیر کسی فرق کے، بغیر کسی فرق کے کیا معنیٰ؟ یعنی یہاں طویل ذکر اللہ یا کم ذکر اللہ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، کوئی تفصیل نہیں، بس مطلقاً ذکر اللہ ہونا چاہیے بھئی۔

اور نیز ان کی دلیل یہ ہے: «وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ»، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ انہوں نے فرمایا «الْحَمْدُ لِلَّهِ»، انہوں نے الحمد للہ فرمایا۔ بھئی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ بنے تو پہلی مرتبہ تشریف لائے اور منبر پر چڑھے اور آپ نے فرمایا «الْحَمْدُ لِلَّهِ»، پھر اس کے بعد آپ کی زبان بند ہو گئی، کلام نہ کر سکے، تو آپ نیچے اتر آئے اور جمعے کی نماز پڑھا دی، اور اس وقت سارے صحابہ موجود تھے لیکن کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا، کسی نے بھی اعتراض، معلوم ہوا صرف الحمد للہ بھی کیا ہے؟ اس پہ اس سے بھی خطبہ ہو گیا بھئی، تو اس پر گویا صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟

■ مسئلہ: وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَ...

«وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: الحَمْدُ لِلَّهِ فَأُرْتِجَ عَلَيْهِ فَنَزَلَ وَصَلَّى»، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے الحمد للہ فرمایا «فَأُرْتِجَ عَلَيْهِ»، أُرْتِجَ عَلَيْهِ کے معنی ہوتے ہیں زبان کا بند ہو جانا، کسی کا کلام کرنے پر قادر نہ رہنا، «فَأُرْتِجَ عَلَيْهِ» تو ان کی زبان بند ہو گئی، وہ کلام نہ کر سکے، «فَنَزَلَ» تو آپ نیچے اتر آئے «وَصَلَّى» اور نماز پڑھی یعنی جمعہ پڑھایا بھئی، جمعہ پڑھایا۔

چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ المَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۰: وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ لِأَنَّ الْجُمُعَةَ مُ...

ہدایہ صفحہ: ۱۷۸ — بتاریخ: ۶ مارچ ۲۰۱۳ء

وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ لِأَنَّ الْجُمُعَةَ مُشْتَقَّةٌ مِنْهَا، وَأَقَلُّهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً ثَلَاثَةٌ سِوَى الْإِمَامِ، وَقَالَا: اثْنَانِ سِوَاهُ، قَالَ: وَالأَصَحُّ أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَحْدَهُ۔ [1]

جمعے کی نماز کی تفصیلات اور شرائط بیان ہو رہی ہیں۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ جمعہ جو ہے یا تو مصرِ جامع کے اندر ہو گا یا اس کی عید گاہ کے اندر، اور بستیوں اور دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں۔ میں نے بتلایا تھا کہ آج کل جس پر فتویٰ دیتے ہیں مفتی حضرات کہ ایک بستی کی آبادی کم از کم تین چار ہزار ہو اور اسی طرح وہاں بنیادی ضروریات ہوں یعنی بازار وغیرہ ہو تو وہاں پر جمعہ جائز ہے، اس سے چھوٹی بستی ہو تو اس میں جمعہ جائز نہیں۔ اور جمعے کی شرائط بھی صاحبِ ہدایہ ذکر فرما رہے تھے، دو شرائط آپ نے پڑھ لیں۔ ایک جمعے کی شرط جو ہے وہ وقت ہے، جمعہ ظہر کے وقت میں ہو سکتا ہے۔ اگر جمعے کی نماز کے آخری حصے میں تھے آپ اور ظہر کا وقت نکل گیا تو جمعے کی نماز باطل ہو جائے گی اور نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھنا پڑے گی۔ اور دوسری شرط ذکر ہوئی تھی کہ خطبہ جو ہے یہ بھی جمعے کی شرائط میں سے ہے، جمعے سے پہلے اگر خطبہ دیا گیا تو پھر ہی جمعے کی نماز ہو گی، اگر خطبہ نہ ہوا تو جمعے کی نماز ہی نہیں ہو گی۔

اب تیسری شرط ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ**، اور جمعے کی شرائط میں سے جماعت ہے۔ جماعت ہو گی تو جمعہ ہو گا، جماعت نہیں تو جمعہ بھی نہیں ہو گا۔ تو کہتے ہیں: **وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ**، اور جمعے کی شرائط میں سے جماعت کا ہونا ہے۔ **لِأَنَّ الْجُمُعَةَ مُشْتَقَّةٌ مِنْهَا**، اس لیے کیونکہ جمعہ اسی جماعت سے مشتق ہے۔ جمعہ کس سے مشتق ہے؟ اسی جماعت ہی سے مشتق ہے اور مشتق کے اندر ہمیشہ مشتق منہ کا وجود ہونا ضروری ہے۔ جیسے مثلاً ضرب مصدر ہے، اسی سے **ضَرَبَ** کا فعل بنا، تو **ضَرَبَ** کیا ہوا؟ مشتق۔ اور **ضَرَبَ** کا فعل بغیر مشتق منہ کے یعنی بغیر ضرب کے ہو سکتا ہے؟ بغیر ضرب کے **ضَرَبَ** والا فعل پایا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی طرح اس سے مشتق ہے **ضَارِبٌ** بھی، **ضَارِبٌ**، یہ بھی مشتق ہے، اور مشتق کا وجود بغیر مشتق منہ کے نہیں، تو بغیر ضرب کے کوئی ضارب بھی نہیں ہو سکتا۔ تو لہٰذا جب جمعہ مشتق ہے جماعت سے تو اس کے اندر جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ جماعت ہو گی تو جمعے کی نماز ہو گی، جماعت نہیں تو جمعے کی نماز بھی نہیں۔ یہ معنیٰ ہے **لِأَنَّ الْجُمُعَةَ مُشْتَقَّةٌ مِنْهَا**، اس لیے کیونکہ جمعہ جو ہے یہ مشتق ہے جماعت سے۔

اب کم سے کم کتنے لوگوں کی جماعت ہونی چاہیے؟ تو یاد رکھیے کہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمیوں کی جماعت کم از کم ہونی چاہیے، تین آدمی ہونے چاہئیں امام کے علاوہ۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ دو آدمی ہوں تو بھی یہ کافی ہے، تو بھی یہ کافی ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَأَقَلُّهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ثَلَاثَةٌ سِوَى الْإِمَامِ**، اور ان کی کم سے کم تعداد جو ہے امام صاحب کے نزدیک وہ تین ہے امام کے علاوہ۔ کس کے نزدیک؟ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ۔ اور میں نے آپ کو کیا بتلایا کس کے نزدیک؟ طرفین کے نزدیک۔ یہ آگے صاحبِ ہدایہ ذکر کریں گے آپ کو بتائیں گے کہ یہ صرف امام صاحب کا قول نہیں ہے بلکہ امام محمد رحمہ اللہ بھی اس قول میں ان کے ساتھ ہیں۔

وَقَالَا: اثْنَانِ سِوَاهُ، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ دو آدمی ہونے چاہئیں کم از کم۔ تو متن میں آیا: صاحبین فرماتے ہیں، آگے صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ یہ صاحبین کا قول نہیں صرف یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے۔ تو ان کے نزدیک امام کے علاوہ دو افراد ہونے چاہئیں۔

قَالَ، قال سے مراد ہیں صاحبِ ہدایہ۔ **قَالَ**: صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَالأَصَحُّ أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَحْدَهُ**، اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ اکیلے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ قول ہے۔

[1] شاملہ (ص ۹۹) میں «تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً ثَلَاثَةٌ» کے بجائے «ثلاثا» درج ہے۔

لَهُ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے، وہ کیا فرماتے ہیں کتنے افراد ہونے چاہییں؟ دو افراد امام کے علاوہ۔ ان کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ فِي الْمُثَنَّى مَعْنَى الِاجْتِمَاعِ**، اس لیے کیونکہ مثنیٰ یعنی تثنیہ کے اندر یعنی دو کے اندر جو ہے وہ اجتماع والا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ دو کے اندر اجتماع والا معنیٰ پایا جاتا ہے، دو کا کیا مطلب؟ ایک آدمی کا دوسرے آدمی کے ساتھ اجتماع ہوا، دونوں جمع ہو گئے، جماعت ہو گئی۔ ایک آدمی کا دوسرے آدمی، تثنیہ میں کتنے آدمی ہوتے ہیں؟ دو۔ تو یعنی ایک آدمی کا دوسرے آدمی کے ساتھ کیا ہوا؟ اجتماع ہوا یعنی اکٹھے ہو گئے، تو جماعت ہو گئی، جماعت بن گئی۔ اور جمع کے لیے بھی کیا شرط تھی؟ جماعت کی شرط تھی، تو دو آدمیوں کی بھی جماعت ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آ گیا؟ وہ فرماتے ہیں کہ **أَنَّ فِي الْمُثَنَّى مَعْنَى الِاجْتِمَاعِ**، کہ تثنیہ کے اندر بھی اجتماع یعنی اکٹھے ہونے کا معنیٰ ہے کہ اس میں دو آدمی اکٹھے ہوتے ہیں، **وَهِيَ مُنْبِئَةٌ عَنْهُ**، اور جمع کا لفظ بھی اسی کی خبر دیتا ہے۔ جمع کس سے مشتق ہے؟ جماعت سے، اس میں کیا ہے؟ لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، تو جب دو آدمی ہوئے تو وہ بھی اس میں بھی کون سا معنیٰ آ گیا؟ اکٹھے ہونے کا معنیٰ آ گیا۔ اجتماع کا کیا معنیٰ؟ اکٹھے ہونا۔ تو اس میں اکٹھے ہونے کا معنیٰ آ گیا۔ تو **أَنْبَأَ يُنْبِئُ** کے معنیٰ خبر دینا، **وَهِيَ**، اور یہ جمعہ جو ہے، **مُنْبِئَةٌ عَنْهَا**، یہ بھی کس چیز کی خبر دیتا ہے؟ اجتماع کی، اکٹھے ہونے کی، تو جب دو آ گئے تو اکٹھے ہونے کا معنیٰ پایا گیا یا نہیں پایا گیا؟ پایا گیا، لہٰذا دو بھی کافی ہیں۔

وَلَهُمَا، اور طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْجَمْعَ الصَّحِيحَ إِنَّمَا هُوَ الثَّلَاثُ**، طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھیے بھئی اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿**فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِاللَّهِ**﴾، ﴿**فَاسْعَوْا**﴾ کون سا صیغہ آیا؟ جمع والا، جمع والا۔ اور جمع، جمعِ صحیح کم از کم کتنے افراد کو شامل ہے؟ تین افراد کو، یہی بیان کر رہے ہیں: **أَنَّ الْجَمْعَ الصَّحِيحَ إِنَّمَا هُوَ الثَّلَاثُ**، کہ جمعِ صحیح وہ تو تین ہی ہے، وہ تو تین ہی ہے، **لِأَنَّهُ جَمْعٌ تَسْمِيَةً وَمَعْنًى**، اس لیے کیونکہ وہ نام کے اعتبار سے بھی جمع ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی جمع ہے۔ تین ہوں تو یہ تسمیۃً، تسمیہ یعنی نام رکھنا یعنی کہنا، کہنا۔ یہ کہنے کے اعتبار سے بھی جمع ہے یعنی اہلِ عرب تین کو کیا کہتے ہیں؟ جمع کہتے ہیں، تو کہنے کے اعتبار سے یعنی نام رکھنے کے اعتبار سے بھی جمع ہے، **وَمَعْنًى**، اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی جمع ہے۔ معنیٰ کے اعتبار سے بھی جمع ہے کیونکہ تین افراد ہیں تو کیا بن گئی؟ جمع ہے، تو معنیٰ کے اعتبار سے بھی جمع اور عرب والے بھی اس کو اہلِ لغت بھی اس کو کیا کہتے ہیں؟ جمع ہی کہتے ہیں۔ جبکہ تثنیہ جو ہے، تثنیہ ٹھیک ہے معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے جیسے ابھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل گزری کہ ایک آدمی دوسرے کے ساتھ کیا ہو گیا؟ جمع ہو گیا، تو یہ معنیٰ کے اعتبار سے تو جمع ہے لیکن تسمیہ نام رکھنے کے اعتبار سے جمع نہیں یعنی اہلِ عرب اس کو جمع نہیں کہتے، تثنیہ الگ شمار کرتے ہیں اور جمع الگ، اسی لیے ان کے تثنیہ کے صیغے الگ ہیں جمع کے الگ ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ تین جو ہے یہ تسمیہ یعنی کہنے کے اعتبار سے بھی جمع اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی جمع، اور تثنیہ معنیٰ کے اعتبار سے تو جمع ہے لیکن کہنے اور تسمیہ کے اعتبار سے جمع نہیں۔ تو کہتے ہیں: **أَنَّ الْجَمْعَ الصَّحِيحَ إِنَّمَا هُوَ الثَّلَاثُ**، کہ صحیح جمع جو ہے وہ تو تین ہی ہے، **لِأَنَّهُ جَمْعٌ تَسْمِيَةً وَمَعْنًى**، اس لیے کیونکہ وہ جمع ہے کہنے کے اعتبار سے بھی اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی، **وَالْجَمَاعَةُ شَرْطٌ عَلَى حِدَةٍ**، یہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے دو آدمیوں کا اعتبار کیا تو تیسرا امام ہو جائے گا ان کے ساتھ، تو پھر بھی تین تو بن گئے، کتنے بن گئے؟ تین تو بن گئے، تو جواب دیتے، جواب دیں گے کہ نہیں، جماعت کا علیحدہ ہونا شرط، امام کا علیحدہ ہونا شرط ہے۔ امام اس جماعت کے علاوہ ہو گا، اس کے علاوہ جماعت ہونی چاہیے۔ بھئی یہ کہاں سے آپ نے اخذ کیا؟ تو دیکھیے بھئی، وہ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: ﴿**فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِاللَّهِ**﴾، تم لوگ سعی کرو، کوشش کرو کس کی طرف؟ اللہ کے ذکر کی طرف۔ تو ﴿**فَاسْعَوْا**﴾ جمع کا صیغہ آیا اور جمع کا اطلاق کم از کم کتنے پر ہوتا ہے؟ تین پر، تو معلوم ہوا تین افراد علیحدہ ہوں اور یہ افراد جلدی کریں کس کی طرف؟ اللہ کے ذکر کی طرف، اور ذکر اللہ سے کیا مراد ہے؟ کل گزرا، خطبہ مراد ہے۔ معلوم ہوا خطبہ دینے والا کوئی علیحدہ ہو، اس کی طرف یہ کیا کریں؟ جلدی کریں کم از کم۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: **وَالْجَمَاعَةُ شَرْطٌ عَلَى حِدَةٍ**، اور جماعت علیحدہ شرط ہے، **وَكَذَا الْإِمَامُ**، اور اسی طرح امام بھی، **فَلَا يُعْتَبَرُ مِنْهُمْ**، لہٰذا امام کو ان میں سے اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس جماعت میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

وَإِنْ نَفَرَ النَّاسُ قَبْلَ أَنْ يَرْكَعَ، فقہائے کرام پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں، ایک ایک امکانی صورت کو انہوں نے ذکر کر دیا۔ ابھی انہوں نے آپ کو شرط بتلا دی کہ جمعے کی شرائط میں سے ایک جماعت کا ہونا بھی ہے، جماعت ہے تو جمعہ ہو سکے گا، اگر جماعت نہیں، امام کے علاوہ تین آدمی نہیں تو جمعے کی نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ اب صورت یہ کہ آغاز کے اندر تو تین یا تین سے زیادہ آدمی امام کے ساتھ شامل تھے لیکن بعد میں کسی خوف وغیرہ یا کسی وجہ سے باقی لوگ جب نماز شروع ہو گئی جمعے کی بھاگ گئے، باقی سارے لوگ بھاگ گئے۔ اب صرف امام کے پیچھے جو بیس عورتیں اور بچے رہ گئے، اب پیچھے تین مردوں کی جماعت بھی نہ رہی، سمجھ میں آیا؟ تو کیا اب بھی جمعہ جاری رکھے، جمعہ ہو جائے گا؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ نماز کا آغاز ہونے کے بعد جب بھاگ جائیں تو پھر کوئی حرج نہیں، امام کیا کرے؟ اپنی نماز جاری رکھے اسی طرح جمعے کی نماز۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں۔ جب تک پہلی رکعت کا ایک سجدہ نہیں کر لیتا اس وقت تک جماعت کا ہونا شرط ہے۔ تو اس سے پہلے پہلے اگر یہ لوگ بھاگے ہیں تو پھر جمعہ نہیں ہو سکتا، پھر کیا کرنا پڑے گی؟ ظہر کی نماز پڑھنا پڑے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ نَفَرَ النَّاسُ قَبْلَ أَنْ يَرْكَعَ الْإِمَامُ وَيَسْجُدَ إِلَّا النِّسَاءَ وَالصِّبْيَانَ اسْتَقْبَلَ الظُّهْرَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور اگر لوگ بھاگ گئے قبل اس کے کہ امام رکوع کرے اور سجدہ کرے سوائے عورتوں اور بچوں کے، **اسْتَقْبَلَ الظُّهْرَ**، تو نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، امام صاحب کے نزدیک۔ **وَقَالَا: إِذَا نَفَرُوا عَنْهُ بَعْدَمَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ صَلَّى الْجُمُعَةَ**، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جب وہ لوگ بھاگیں اس کے بعد اس کے کہ جب اس نے نماز کا آغاز کر دیا تھا امام نے، **صَلَّى الْجُمُعَةَ**، تو پھر کیا پڑھے؟ جمعہ ہی پڑھے۔ نماز کا آغاز ہو چکا ہے اور آغاز تک

کتنے لوگ تھے؟ جماعت موجود تھی، بعد میں چلی بھی گئی تو کوئی حرج نہیں، جمعہ ہی پڑھے۔

فَإِنْ نَفَرُوا عَنْهُ، اب وہ صورت ذکر کر رہے ہیں جو امام صاحب کا مذہب، امام صاحب کیا فرماتے ہیں کب تک جماعت کا ہونا ضروری؟ پہلی رکعت کے پہلے سجدے تک جماعت کا ہونا ضروری، اور پہلی رکعت کے پہلے سجدے تک جماعت موجود ہے پھر تو بالاتفاق صاحبین کے نزدیک بھی جمعہ، صاحبین تو فرماتے ہیں آغاز کے بعد بھی بھاگ جائے تو جمعہ صحیح ہے، تو پہلے سجدے تک جماعت رہے اور پھر بھاگے تو پھر تو بالاتفاق کیا ہے؟ جمعہ صحیح ہے۔ یہی بیان کر رہے ہیں: **فَإِنْ نَفَرُوا عَنْهُ بَعْدَمَا رَكَعَ وَسَجَدَ سَجْدَةً بَنَى عَلَى الْجُمُعَةِ**، پس اگر وہ لوگ بھاگے بعد اس کے کہ جب امام نے رکوع کر لیا تھا اور ایک سجدہ کر لیا تھا، **سَجْدَةً** آیا، یہ وہ اردو والا سجدہ نہیں، یہ **سَجْدَةً** مصدر ہے، مفعولِ مطلق ہے اور آپ نے پڑھا ہے مفعولِ مطلق کبھی عدد بیان کرنے کے لیے آتا ہے، **جَلَسْتُ جَلْسَةً** میں ایک دفعہ بیٹھا، **جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ** میں دو دفعہ۔ تو یہاں یہ **سَجْدَةً** مصدر ہے، مفعولِ مطلق ہے اور عدد یعنی ایک کا عدد بیان کرنے کے لیے ہے۔ تو بعد اس کے کہ جب امام نے رکوع کر لیا تھا **وَسَجَدَ سَجْدَةً** اور ایک سجدہ کر لیا تھا، **بَنَى عَلَى الْجُمُعَةِ**، تو پھر بنا کرے گا جمعے پر ہی یعنی پھر جمعے ہی کی نماز جاری رکھے گا بالاتفاق۔

خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ، بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، **هُوَ يَقُولُ: إِنَّهُ شَرْطٌ فَلَا بُدَّ مِنْ دَوَامِهِ كَالْوَقْتِ**، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں، جمعے کے آغاز پر جیسے جماعت کا ہونا شرط ہے تو یہ شرط تا اختتام مسلسل ہونی چاہیے، پوری ہونی چاہیے۔ جیسے وقت جمعے کے لیے شرط ہے آغاز پر تو اختتام تک اس وقت کا دوام ضروری ہے، جمعے کے آخر تک ظہر ہی کا وقت رہنا چاہیے، آخری حصے میں بھی اگر ظہر کا وقت نکل گیا تو جمعہ کیا ہو جائے گا؟ باطل۔ تو جیسے وقت جمعے کے لیے شرط اسی طرح جماعت بھی شرط ہے، تو یہ جماعت بھی آغاز سے لے کر جمعے کے اندر مسلسل رہنی چاہیے آخر تک۔ دلیل ان کی سمجھ میں آگئی؟ تو وہ فرماتے ہیں: **إِنَّهُ شَرْطٌ**، کہ یہ جماعت جو ہے شرط ہے، **فَلَا بُدَّ مِنْ دَوَامِهِ**، لہٰذا اس کا دوام ضروری ہے یعنی اس کا مسلسل ہونا ضروری ہے، **كَالْوَقْتِ**، جیسے کہ وقت ہے۔

وَلَهُمَا أَنَّ الْجَمَاعَةَ، اب صاحبین کی دلیل ذکر ہو رہی ہے۔ صاحبین کا کیا مذہب تھا؟ کہ اگر جماعت کے آغاز پر جماعت ہو اور پھر بھاگ بھی جائے، چلی بھی جائے وہ جماعت تو بھی جمعہ منعقد ہو جائے گا۔ ان کی دلیل، تو کہتے ہیں: **وَلَهُمَا**، اور صاحبین کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْجَمَاعَةَ شَرْطُ الِانْعِقَادِ**، کہ جماعت جمعے کے منعقد ہونے کی شرط ہے، **فَلَا يُشْتَرَطُ دَوَامُهَا**، لہٰذا اس کے دوام کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔ یہ جماعت کا ہونا جمعے کے منعقد ہونے کے لیے ضروری ہے اور جب جمعے کا جب جمعہ شروع ہو گیا تو انعقاد ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ جب نماز شروع ہو گئی تو جمعے کا انعقاد ہو گیا اور یہ شرط کس چیز کی تھی؟ جمعے کے منعقد ہونے کے لیے شرط تھی اور جمعہ منعقد ہو گیا، شروع ہو گیا، اب وہ چلے بھی جائیں تو کوئی حرج نہیں بلکہ کیا ہے؟ جمعہ ہو جائے گا۔ دلیل سمجھ میں آئی؟ وہ فرماتے ہیں کہ جماعت جمعے کے منعقد ہونے کی شرط ہے **فَلَا يُشْتَرَطُ دَوَامُهَا** لہٰذا اس کے دوام کی شرط نہیں ہو گی، اس کے مسلسل ہونے کی شرط نہیں ہو گی، **كَالْخُطْبَةِ**، جیسے کہ خطبہ ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں جیسے دیکھو خطبہ بھی جمعے کے جمعے کے لیے شرط ہے تو حالانکہ اس کا دوام ضروری نہیں، کیا خطبہ نماز کے آخر تک رہتا ہے یا نماز سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے؟ نماز سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے، تو جیسے اس میں دوام ضروری نہیں اسی طرح اس جماعت کے اندر بھی دوام ضروری نہیں۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **أَنَّ الِانْعِقَادَ بِالشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ**، کہ انعقاد نماز میں شروع ہونے سے ہو گا۔ آپ کی بات ٹھیک ہے، آپ کی بات ٹھیک ہے کہ یہ جماعت کس چیز کی شرط ہے؟ جمعہ منعقد ہونے کی، اور جمعہ منعقد کب ہو گا؟ جب نماز شروع ہو جائے۔ جیسے صاحبین نے ذکر کیا وہ فرماتے ہیں جب نماز شروع ہو گئی تو جمعہ کیا ہو گیا؟ منعقد ہو گیا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں ٹھیک ہے کہ یہ جماعت جمعہ منعقد ہونے کی شرط ہے، نماز شروع ہونے سے جمعہ کیا ہو جاتا ہے؟ منعقد ہو جاتا ہے، لیکن یہ جمعے کا انعقاد جو ہے یہ نماز کا انعقاد یہ پورا نہیں ہو گا جب تک ایک سجدہ نہ ہو جائے، جب تک ایک سجدہ نہ ہو جائے کیونکہ اس سے کم کو نماز نہیں کہتے۔ آپ پہلے پڑھ چکے دلائل کے اندر کہ جب تک سجدہ نہیں، رکعت شروع کی ہے اس کو کوئی بھی نماز نہیں کہتا، لیکن جب سجدہ کر لیا اب اس کو کیا کہا جاتا ہے؟ اس کو نماز کہا جاتا ہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے جماعت شرط ہے جمعے کے منعقد ہونے کے لیے اور جمعہ منعقد ہو جائے گا جب نماز شروع ہو جائے لیکن یہ منعقد ہونا پورا نہیں ہوا، منعقد ہونے کا یوں کہیں آغاز تو ہو گیا انعقاد کا لیکن انعقاد ابھی پورا نہیں ہوا، اور انعقاد پورا کب ہو گا؟ جب پہلی رکعت کا سجدہ ہو جائے کیونکہ اس سے کم کو تو نماز ہی نہیں کہتے۔ جب یہ ایک سجدہ ہو جائے گا اب نماز ہو گئی، شروع ہو گئی یوں کہو، اب کیا ہو گئی؟ اب صحیح طور پر نماز شروع ہو گئی، اور کون سی نماز شروع ہوئی؟ جمعے کی، یعنی جمعہ منعقد ہو گیا۔ جمعہ کیا ہو گیا؟ اب منعقد ہوا، اس سے کم کو تو نماز کہتے ہی نہیں ہیں، تو لہٰذا اس سے کم جو ہے وہ تو جمعہ ہی نہیں ہے ابھی گویا، منعقد ہی نہیں ہوا ابھی۔ جب ایک سجدہ ہو جائے گا تو کیا کہیں گے؟ جمعہ منعقد ہو گیا۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

تو کہتے ہیں: **وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الِانْعِقَادَ بِالشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ**، کہ جمعے کا انعقاد جو ہے نماز میں شروع ہونے سے ہو گا، **وَلَا يَتِمُّ ذَلِكَ إِلَّا بِتَمَامِ الرَّكْعَةِ**، اور یہ انعقاد جو ہے پورا نہیں ہو گا مگر ایک رکعت کے پورا ہونے سے، **لِأَنَّ مَا دُونَهَا لَيْسَ بِصَلَاةٍ**، اس لیے کیونکہ اس سے کم تو نماز ہی نہیں ہے۔ اس سے کم کو تو، تو جب تک سجدہ نہیں کیا تو ابھی تو نماز ہی نہیں ہے یوں کہیں، اس کو نماز نہیں کہیں گے۔ سمجھ میں آیا؟ جب نماز نہیں کہیں گے تو ابھی جمعہ منعقد نہیں، جب ایک رکعت ہو جائے گی اب یہ کیا بن گئی؟ نماز بن گئی، اب نماز بن گئی اور کون سی نماز بنی؟ جمعے کی بنی، تو اب کیا کہیں گے؟ جمعہ منعقد ہو گیا۔ **فَلَا بُدَّ مِنْ دَوَامِهَا إِلَيْهَا**، لہٰذا ضروری ہے جماعت کا دوام **إِلَيْهَا** اس ایک پہلی رکعت تک، اس وقت تک۔

بِخِلَافِ الْخُطْبَةِ، بخلاف کس کے؟ صاحبین نے دلیل میں ذکر کیا تھا کہ جماعت کا دوام ضروری نہیں جیسے کہ خطبہ ہے، جیسے خطبے کا دوام ضروری نہیں۔ تو اس

کا بھی جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ خطبے پر آپ قیاس نہیں کر سکتے کہ خطبے میں دوام نہیں ہے تو لہٰذا جماعت میں بھی دوام نہیں ضروری نہیں ہے۔ کہتے ہیں: خطبہ تو منافیِ صلاۃ ہے، خطبہ تو کیا ہے؟ منافیِ صلاۃ ہے، جب تک خطبہ ہے نماز نہیں، اور جب نماز ہے تو خطبہ نہیں ہے۔ نماز کے اندر اگر خطبہ ہو گا تو پھر تو نماز نماز رہے گی ہی نہیں۔ تو خطبہ تو کیا ہے نماز کے منافی ہے اس لیے اس میں دوام نہیں ہے جبکہ یہ جماعت یہ تو کوئی اس کے منافی نہیں کہ آپ اس کو اس پر قیاس کریں۔ تو کہتے ہیں: **بِخِلَافِ الْخُطْبَةِ**، بخلاف خطبہ کے، **فَإِنَّهَا تُنَافِي الصَّلَاةَ**، پس وہ تو نماز کے منافی ہے، **فَلَا يُشْتَرَطُ دَوَامُهَا**، لہٰذا اس کے دوام کی، اس کے مسلسل ہونے کی شرط نہیں ہو گی۔

وَلَا مُعْتَبَرَ بِبَقَاءِ النِّسْوَانِ وَكَذَا الصِّبْيَانِ، امام نماز پڑھا رہا تھا، مرد سارے کسی خوف وغیرہ کی وجہ سے بھاگ گئے، کوئی دشمن کا خوف ہے یا کوئی اور خوف وہ بھاگ گئے، اور صرف پیچھے کون رہ گئے؟ بچے اور عورتیں، یہ تو باقی ہیں، تو کیوں ان کا اعتبار نہیں کیا گیا؟ کہتے ہیں: بھئی عورتوں اور بچوں کا اعتبار نہیں کیونکہ صرف ان کے صرف یہ ہوں تو جمعہ منعقد نہیں ہوتا، صرف یہ ہوں تو جمعہ منعقد نہیں ہوتا تو ان کے ساتھ جماعت بھی پوری نہیں ہو گی اور جماعت کا ہونا تو ضروری تھا۔ تو کہتے ہیں: **وَلَا مُعْتَبَرَ بِبَقَاءِ النِّسْوَانِ وَكَذَا الصِّبْيَانِ**، اور کوئی اعتبار نہیں ہے عورتوں کے باقی رہنے کا اور اسی طرح بچوں کے، **لِأَنَّهُ لَا تَنْعَقِدُ بِهِمُ الْجُمُعَةُ**، اس لیے کیونکہ ان کے ساتھ جمعہ منعقد نہیں ہوتا یعنی ان کی جماعت کا اعتبار نہیں، **فَلَا تَتِمُّ بِهِمُ الْجَمَاعَةُ**، تو ان کے ساتھ جماعت بھی پوری نہیں ہو گی۔

وَلَا تَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلَى مُسَافِرٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا مَرِيضٍ وَلَا عَبْدٍ وَلَا أَعْمَى، اور جمعہ واجب نہیں ہے **عَلَى مُسَافِرٍ**، مسافر پر، **وَلَا امْرَأَةٍ**، اور نہ عورت پر، **وَلَا مَرِيضٍ**، اور نہ کسی بیمار پر، **وَلَا عَبْدٍ**، اور نہ غلام پر، **وَلَا أَعْمَى**، اور نہ نابینا پر۔ ان لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

وجہ کیا ہے ان پر کیوں نہیں واجب؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْمُسَافِرَ يَحْرَجُ فِي الْحُضُورِ**، اس لیے کیونکہ مسافر جو ہے اس کو حرج ہو گا حاضر ہونے میں۔ مسافر بیچارہ تو سفر میں ہے، اب اگر اس پر جمعے کو واجب قرار دے دیا جائے تو وہ کس میں پڑ جائے گا؟ حرج اور تنگی میں پڑ جائے گا اور شریعت میں تو حرج اور تنگی کو دور کیا گیا ہے، تو لہٰذا اس وجہ سے۔ **لِأَنَّ الْمُسَافِرَ يَحْرَجُ فِي الْحُضُورِ**، اس لیے کیونکہ مسافر جو ہے اس کو حرج ہو گا حاضر ہونے میں، **وَكَذَا الْمَرِيضُ وَالْأَعْمَى**، اور اسی طرح مریض بھی ہے اور نابینا یعنی اندھا بھی ہے یعنی ان کے بھی حاضر اگر ان پر واجب قرار دیا جائے جمعے کو تو ان کے حاضر ہونے میں حرج ہو گا، تنگی میں پڑ جائیں گے۔

وَالْعَبْدُ، اور باقی غلام؟ کہتے ہیں: **وَالْعَبْدُ مَشْغُولٌ بِخِدْمَةِ الْمَوْلَى وَالْمَرْأَةُ بِخِدْمَةِ الزَّوْجِ**، اور غلام جو ہے وہ تو اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے، کس میں؟ خدمت میں مشغول ہوتا ہے، وہ بیچارہ تو غلام ہے اس کے تو اپنے اختیار میں ہے نہیں تو اگر اس پر بھی جمعے کو واجب قرار دے دیا جائے تو وہ بھی مشکل میں پڑے گا۔ تو کہتے ہیں: **وَالْعَبْدُ مَشْغُولٌ بِخِدْمَةِ الْمَوْلَى**، اور غلام جو ہے وہ تو اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے، **وَالْمَرْأَةُ بِخِدْمَةِ الزَّوْجِ**، اور عورت جو ہے وہ تو خاوند کی خدمت میں مشغول ہوتی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ عورت کو کیا کرنی چاہیے؟ خاوند کی خدمت کرنی چاہیے، اگرچہ اس بات کو اب عورتوں نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَالْمَرْأَةُ بِخِدْمَةِ الزَّوْجِ**، اور عورت کس کی خدمت میں مشغول ہو گی؟ خاوند کی خدمت میں، تو اس کے حاضر ہونے میں حرج ہو گا۔

فَعُذِرُوا دَفْعًا لِلْحَرَجِ وَالضَّرَرِ، تو ان کو معذور کہا جائے گا **دَفْعًا لِلْحَرَجِ**، حرج، **وَالضَّرَرِ**، اور تکلیف کو دور کرنے کے لیے، ورنہ یہ حرج اور تکلیف میں پڑ جائیں گے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

فَإِنْ حَضَرُوا فَصَلَّوْا مَعَ النَّاسِ أَجْزَأَهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ، فَصَلَّوْا نہ پڑھنا، **فَصَلَّوْا، صَلَّى صَلَّيَا صَلُّوْا**، یہ ماضی کا صیغہ ہے لام پر زبر پڑھیں، اور **صَلُّوا** یہ امر کا صیغہ بن جائے گا، **صَلِّ صَلِّيَا صَلُّوا** وہ امر کا صیغہ بن جائے گا۔ **فَإِنْ حَضَرُوا فَصَلَّوْا مَعَ النَّاسِ**، پس اگر یہ حاضر ہو گئے، یہ جن کا ہم نے کہا جمعہ جن پر واجب نہیں یعنی مسافر، عورت، مریض یا غلام وغیرہ یا اندھا، اگر یہ حاضر ہو گئے **فَصَلَّوْا مَعَ النَّاسِ** تو انہوں نے نماز پڑھ لی لوگوں کے ساتھ جمعے کی، **أَجْزَأَهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ**، تو یہ کافی ہو جائے گا ان کے وقتی فرض سے یعنی ان کا وہ وقت کا فرض وہ نماز ان کی ادا ہو جائے گی۔ **لِأَنَّهُمْ تَحَمَّلُوهُ**، اس لیے، ان سے کیوں ان پر جمعے کو واجب قرار نہیں دیا شریعت نے؟ کیا وجہ تھی؟ حرج کو دور کرنے کے لیے، اور اگر یہ آ گئے تو انہوں نے تو حرج کو خود ہی تکلیف کو خود ہی برداشت کر لیا، لہٰذا اب ان کی نماز ہو جائے گی۔ ان پر شریعت نے جمعے کو واجب قرار نہیں دیا اس وجہ سے نہیں کہ ان میں اہلیت ہی نہیں، اہلیت تو ہے صرف کس وجہ سے؟ حرج کو دور کرنے، جب انہوں نے حرج کو خود ہی برداشت کر لیا اور حاضر ہو گئے تو پھر یقینی یقینی طور پر ان کی جماعت نماز ان کی ہو جائے گی۔ **لِأَنَّهُمْ تَحَمَّلُوهُ**، اس لیے کیونکہ انہوں نے برداشت کر لیا حرج کو، **فَصَارُوا كَالْمُسَافِرِ إِذَا صَامَ**، تو یہ ہو گئے مسافر کی طرح جب وہ روزہ رکھ لے۔ مسافر کو شریعت نے رخصت دی ہے کہ وہ سفر کے اندر روزہ نہ رکھنا چاہے تو نہ رکھے، اس کو رخصت ہے، بعد میں اس کی قضا کر لے، لیکن اگر کوئی مسافر رکھ لیتا ہے تو پھر ہو گا اس کا روزہ یا نہیں ہو گا؟ روزہ اس کا ہو جائے گا، اس لیے کیونکہ اس سے بھی حرج کی وجہ سے شریعت نے رخصت دی تھی، اب اگر اس نے خود اس تنگی کو برداشت کر لیا ہے تو یقیناً ہو جائے گا بلکہ افضل ہے۔ **فَصَارُوا كَالْمُسَافِرِ إِذَا صَامَ**، تو یہ لوگ ہو گئے مسافر کی طرح جب وہ روزہ رکھ لے۔

وَيَجُوزُ لِلْمُسَافِرِ وَالْعَبْدِ وَالْمَرِيضِ أَنْ يَؤُمَّ فِي الْجُمُعَةِ، اور جائز ہے مسافر اور غلام اور مریض کے لیے کہ وہ امامت کریں جمعے کی نماز میں۔ یہ جمعے کی نماز میں امامت بھی کر سکتے ہیں، اگر ان کو امام بنا دیا جائے تو جمعہ ہو جائے گا۔

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يُجْزِيهِ، اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ کافی نہیں یعنی یہ امام نہیں بن سکتے، **لِأَنَّهُ لَا فَرْضَ عَلَيْهِ**، اس لیے کیونکہ ان پر

جمعہ فرض نہیں ہے، **فَأَشْبَهَ الصَّبِيَّ وَالْمَرْأَةَ**، تو یہ مشابہ ہو گئے کس کے؟ بچے اور عورت کے مشابہ ہو گئے۔ تو لہٰذا تو یہ بچے اور عورت کے مشابہ ہوئے اور بچہ اور عورت تو امام نہیں بن سکتے تو یہ بھی جمعے کے اندر امام نہیں بن سکتے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ هَذِهِ رُخْصَةٌ**، کہ یہ جو جمعہ ان پر واجب قرار نہیں دیا گیا یہ کیا ہے؟ یہ رخصت ہے ان کے لیے، **فَإِذَا حَضَرُوا يَقَعُ فَرْضًا عَلَى مَا بَيَّنَّا**، پس جب یہ حاضر ہو گئے تو وہ فرض واقع ہو جائے گا بوجہ اس کے جو ہم نے بیان کر دی کہ انہوں نے خود حرج کو برداشت کر لیا۔ اور باقی بچہ جو ہے، **أَمَّا الصَّبِيُّ فَمَسْلُوبُ الْأَهْلِيَّةِ**، اور باقی بچہ جو ہے وہ تو مسلوب الاہلیۃ ہے۔ سلب کا معنیٰ ہے نفی کرنا یعنی اس سے اہلیت کی نفی کی گئی ہے، شریعت نے اس سے امامت کی اہلیت کی اس سے نفی کی ہے، اس میں تو امام بننے کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ **وَالْمَرْأَةُ لَا تَصْلُحُ لِإِمَامَةِ الرِّجَالِ**، اور عورت جو ہے وہ مردوں کا امام ہونے کی صلاحیت نہیں، عورتوں کی امام تو ہو سکتی ہے لیکن مردوں کی امام ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، تو لہٰذا اس وجہ سے یہ امام نہیں بن سکتے، لیکن جبکہ مسافر، غلام اور مریض وغیرہ وہ امام بن سکتے ہیں۔

وَتَنْعَقِدُ بِهِمُ الْجُمُعَةُ لِأَنَّهُمْ صَلَحُوا لِلْإِمَامَةِ فَيَصْلُحُونَ لِلِاقْتِدَاءِ بِطَرِيقِ الْأَوْلَى، اور ان کے ساتھ جمعہ منعقد ہو جائے گا۔ ان کے، جمعے کے اندر جماعت کا ہونا ضروری ہے، کس کا ہونا؟ جماعت شرائطِ جمعہ میں سے ہے۔ جماعت ہے تو جمعہ ہے، جماعت نہیں تو جمعہ بھی نہیں۔ اب جو جماعت حاضر ہے اس وقت جمعے کے لیے وہ صرف مسافر ہیں یا مریض ہیں یا غلام ہیں، تو کیا اس سے بھی جمعہ ہو جائے گا یا جمعہ نہیں ہو گا؟ جماعت میں اور لوگ ہیں ہی نہیں، جماعت ہی کن کی ہے؟ انہی مسافر، مریضوں یا غلاموں کی جماعت ہے۔ کہتے ہیں: بھئی جب یہ امام بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو اقتدا کی صلاحیت بطریقِ اولیٰ یہ رکھتے ہیں، جب یہ امام بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو مقتدی بننے کی صلاحیت بطریقِ اولیٰ رکھتے ہیں، لہٰذا صرف یہ بھی ہوں تو بھی جمعہ منعقد ہو جائے گا۔ یہ معنیٰ ہے: **وَتَنْعَقِدُ بِهِمُ الْجُمُعَةُ**، اور ان کے ساتھ بھی جمعہ منعقد ہو جائے گا، **لِأَنَّهُمْ صَلَحُوا لِلْإِمَامَةِ فَيَصْلُحُونَ لِلِاقْتِدَاءِ بِطَرِيقِ الْأَوْلَى**، اس لیے کیونکہ یہ امام ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو یہ اقتدا کی صلاحیت بطریقِ اولیٰ رکھتے ہیں۔

وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ، صورتِ مسئلہ یہ کہ جمعے کے دن جمعے کے دن امام کے نمازِ جمعہ پڑھانے سے پہلے ہی ایک شخص نے گھر پر ظہر کی نماز ادا کر لی، اس کا ارادہ ہی نہیں تھا جمعے میں جانے کا۔ اس نے گھر پر ہی ظہر کی نماز ادا کر لی کیونکہ جمعے میں حاضر ہونے کا اس کا ارادہ نہیں تھا اور کوئی عذر بھی نہیں۔ کیونکہ اگر عذر ہے وہ تو آپ کو بتلا دیا کہ مریض وغیرہ جن کا عذر ہے وہ کیا کر سکتے ہیں؟ ان پر جمعہ واجب ہی نہیں، عذر ہے۔ تو کوئی عذر بھی نہیں تھا، اس نے گھر پر نماز پڑھ لی، تو کیا اس کی یہ نماز ہو جائے گی بغیر عذر کے، امام کے جمعہ پڑھانے سے پہلے ہی گھر پر وہ پڑھ رہا ہے؟ کہتے ہیں: ہاں بھائی، نماز ہو جائے گی البتہ ایسا کرنا اس کے لیے مکروہِ تحریمی ہے، کیا ہے؟ مکروہِ تحریمی ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ**، اور جس شخص نے ظہر کی نماز پڑھی اپنے گھر میں ہی جمعے کے دن، **قَبْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ**، امام کی نماز سے پہلے ہی، یہ شرط ضروری ہے، امام کی نماز کے بعد پڑھے گا پھر تو کراہت بھی نہیں ہے، امام کی نماز سے پہلے ہی، **وَلَا عُذْرَ لَهُ**، اور یہ قید بھی ضروری: **وَلَا عُذْرَ لَهُ**، اس کا کوئی عذر بھی نہیں کیونکہ اگر عذر ہے پھر بھی صحیح ہے بغیر کراہت کے، تو کہتے ہیں: **كُرِهَ لَهُ ذَلِكَ**، تو اس کے لیے یہ مکروہ ہے، **وَجَازَتْ صَلَاتُهُ**، اور اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔ ہے تو مکروہِ تحریمی لیکن فرض ادا ہو جائے گا، فرض ادا ہو جائے گا۔

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: **لَا يُجْزِيهِ**، اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ نماز اس کے لیے کافی نہیں یعنی اس کے سر سے فرض نہیں اترے گا، اس کے ذمے ابھی بھی نماز کیا ہے؟ باقی ہے۔ امام زفر فرماتے ہیں: **لَا يُجْزِيهِ**، یہ نماز اس کے لیے کافی نہیں ہو گی، **لِأَنَّ عِنْدَهُ الْجُمُعَةَ هِيَ الْفَرِيضَةُ أَصَالَةً**، اس لیے کیونکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ ہی فرض ہے اصالۃً باعتبارِ اصل ہونے کے۔ بھئی یاد رکھیے اس میں یہ فقہاء اختلاف کرتے ہیں، امام زفر رحمہ اللہ اور اسی طرح بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعے کے دن جمعہ اصل ہے، تو جہ ہے سبق کی طرف؟ جمعے کے دن جمعے کی نماز اصل ہے اور جمعہ نہ مل سکے تو پھر ظہر پڑھتے ہیں اور یہ اس کا بدل ہے، یہ کیا ہے؟ بدل۔ تو اصل کیا ہے جمعے کے دن؟ جمعے کی نماز ہے، امام زفر رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں، اور ظہر اس کا بدل ہے۔ جبکہ ہمارے ائمہ باقی ائمہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اصل جمعے کے دن بھی ظہر ہی ہے اور جمعہ اس کا بدل ہے، جمعہ کیا ہے؟ اس کا بدل ہے۔ شریعت نے اس کو حکم دیا ہے کہ کیا کرو؟ تمہارے اوپر جو ظہر کی نماز آئی ہے اس کو اپنے سے ساقط کرو، کس طرح؟ جمعہ پڑھ کے، کس طرح؟ جمعہ پڑھ کے، کیونکہ اس دن شریعت نے جمعہ پڑھنے کا حکم دیا، تو اصلاً تو ہے اس پر کون سی نماز؟ ظہر کی، لیکن شریعت نے اس دن کیا حکم دیا؟ جمعے کی نماز پڑھو، گویا جمعے کی نماز پڑھ کر اس یہ جو ظہر کی نماز تم پر فرض ہے اس کو اپنے اوپر سے ساقط کرو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ امام زفر رحمہ اللہ کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں: **لَا يُجْزِيهِ**، اس کے لیے یہ ظہر کی نماز جائز نہیں ہو گی، **لِأَنَّ عِنْدَهُ الْجُمُعَةَ هِيَ الْفَرِيضَةُ أَصَالَةً**، اس لیے کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ ہی فرض ہے باعتبارِ اصل ہونے کے، **وَالظُّهْرُ كَالْبَدَلِ عَنْهَا**، اور ظہر جو ہے اس سے بدل کی طرح ہے، **وَلَا مَصِيرَ إِلَى الْبَدَلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْأَصْلِ**، اور لوٹنا بدل کی طرف باوجود قدرت ہونے کے اصل پر یہ درست نہیں، **وَلَا مَصِيرَ**، اور بدل کی طرف لوٹنا نہیں ہو گا **مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْأَصْلِ**، اصل پر قدرت کے ہوتے۔ وہ فرماتے ہیں ابھی امام نے جمعے کی نماز نہیں پڑھائی تو یہ شخص گھر پر ہے جا کر نماز میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ شریک ہو، تو یہ اصل پر قادر ہے اور جب اصل پر قادر ہے تو اصل پر قدرت کے ہوتے ہوئے بدل یعنی ظہر پڑھنے کی اسے اجازت نہیں ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ أَصْلَ الْفَرْضِ هُوَ الظُّهْرُ فِي حَقِّ الْكَافَّةِ**، کہ اصل فرض جو ہے وہ ظہر ہی ہے **فِي حَقِّ الْكَافَّةِ** یعنی **فِي حَقِّ كَافَّةِ النَّاسِ** تمام لوگوں کے حق میں۔ ہمارے نزدیک اصل فرض کیا ہے؟ ظہر ہی ہے سب لوگوں کے حق میں۔ **هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ**، یہی ظاہر ہے، **هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ**، یہی ظاہر ہے۔ کہ تمام لوگوں کے حق میں کیا ہے؟ بھئی اس کی کیا دلیل ہے کہ جمعے کے دن ظہر اصل ہے اور جمعہ اس کا بدل ہے؟ تو احناف کی باتیں بڑی گہری ہوتی ہیں، بلاوجہ کوئی بھی قول نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جمعے کے دن بھی ظہر اصل ہے، کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ ہر شخص کو اسی چیز کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے، اسی چیز کا مکلف بنایا جاتا ہے جتنا اس کے قدرت میں ہوتا ہے، جس چیز پر وہ قادر ہوتا ہے۔ تو ایک آدمی ہے، وہ جمعے پر قادر ہے؟ ایک اکیلا آدمی جمعے پر قادر ہے؟ اس کی قدرت میں تو یہ جمعہ جمعہ کرے، جمعہ پڑھ لے، یہ تو اس کی قدرت میں ہے ہی نہیں، جب تک اور لوگ اس کے ساتھ نہیں ملیں گے اکیلا بیچارہ تو جمعہ نہیں پڑھ سکتا۔ تو اکیلا آدمی جمعہ پڑھنے پر قادر ہی نہیں ہے، جب قادر ہی نہیں ہے تو معلوم ہوا شریعت نے اس کو اس کا مکلف بھی نہیں بنایا بلکہ کس چیز کا مکلف ہوگا؟ جو اس کی قدرت میں ہو، اور اس کی قدرت میں کیا ہے؟ ظہر کی نماز، وہ اکیلے ہو سکتی ہے، وہ وہ پڑھنے پر قادر ہے جب چاہے پڑھ سکتا ہے، لیکن جمعے پر تو یہ قادر ہی نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا اصل ظہر ہی ہے ہر شخص پر، کیونکہ کسی کو جب مکلف بنایا جاتا ہے کسی چیز کا یعنی ذمہ دار بنایا جاتا ہے کسی چیز کا تو وہ اسی کے بقدر ہوتا ہے جس چیز پر وہ قادر ہو جو اس کی قدرت میں ہو، اور جو چیز قدرت میں نہ ہو اس کا شریعت اس کو مکلف بھی نہیں بناتی۔ معلوم ہوا جمعے کے دن بھی اصل کیا ہے ہر شخص پر؟ ظہر ہی ہے، لیکن اس اصل کو یعنی ظہر کو اس کو ساقط کرنے کا حکم دیا گیا کس چیز کے ذریعے؟ جمعے کی نماز کے کے ذریعے کہ وہ پڑھ کر اس فرض کو اس ظہر کے فرض کو اپنے سے ساقط کر لو۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو **وَلَنَا** ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ أَصْلَ الْفَرْضِ هُوَ الظُّهْرُ فِي حَقِّ الْكَافَّةِ**، کہ اصل فرض وہ ظہر ہی ہے تمام لوگوں کے حق میں، **هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ**، یہی ظاہر ہے، **إِلَّا أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِإِسْقَاطِهِ بِأَدَاءِ الْجُمُعَةِ**، مگر یہ کہ وہ مامور ہے یعنی اس کو حکم دیا گیا ہے **بِإِسْقَاطِهِ** کہ وہ اس فرض کو ساقط کرے **بِأَدَاءِ الْجُمُعَةِ** جمعے کی ادائیگی کے ذریعے، **وَهَذَا**، اور یہ اس وجہ سے، یہ جو ہم نے کہا کہ اصل کیا ہے؟ ظہر ہے، یہ اس وجہ سے: **لِأَنَّهُ مُتَمَكِّنٌ مِنْ أَدَاءِ الظُّهْرِ بِنَفْسِهِ دُونَ الْجُمُعَةِ**، اس لیے کیونکہ یہ خود جو ہے ظہر ادا کرنے پر قادر ہے **دُونَ الْجُمُعَةِ** نہ کہ جمعے پر، **لِتَوَقُّفِهَا عَلَى شَرَائِطَ** لَا **تَتِمُّ بِهِ وَحْدَهُ**، اس وجہ سے کیونکہ جمعہ تو موقوف ہے ایسی شرطوں پر جو اس کے ساتھ اکیلے اس کے ساتھ پوری ہی نہیں ہوتی، اکیلے اس کے ساتھ پوری نہیں ہوتی، اور لوگوں کو کیا کرنا پڑے گا؟ اپنے ساتھ ملانا پڑے گا۔ تو **لِتَوَقُّفِهَا عَلَى شَرَائِطَ** لَا **تَتِمُّ بِهِ وَحْدَهُ**، اس وجہ سے کہ جمعہ موقوف ہے ایسی شرطوں پر جو اس اکیلے کے ساتھ پوری نہیں ہوتیں، **وَعَلَى التَّمَكُّنِ يَدُورُ التَّكْلِيفُ**، اور تمکن پر ہی تو دائر ہے تکلیف۔ تمکن یعنی قادر ہونے پر ہی تو **يَدُورُ** دائر ہے **التَّكْلِيفُ** مکلف بنانا یعنی ذمہ دار بنانا۔ ذمہ دار بنانا کس چیز پر دائر ہے؟ قدرت پر، تمکن سے یہاں کیا مراد ہے؟ قدرت۔ قدرت پر دائر ہے مکلف بنانا۔ ایک شخص ایک چیز پر قادر ہے تو شریعت اس کو اس چیز کا مکلف بناتی ہے، ایک شخص ایک چیز پر قادر ہی نہیں تو شریعت اس کو اس چیز کا مکلف اور ذمہ دار بھی نہیں بناتی۔ یہ معنیٰ ہے: **وَعَلَى التَّمَكُّنِ يَدُورُ التَّكْلِيفُ**، اور قدرت پر ہی دائر ہے مکلف بنانا یعنی ذمہ دار بنانا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ درمیان میں صاحبِ ہدایہ نے فرمایا تھا کہ اصل فرض وہ ظہر ہی ہے تمام لوگوں کے حق میں، **هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ**، یہی ظاہر ہے، یہی ظاہر ہے۔ یہ دراصل اشارہ کر دیا اختلافِ روایت کی طرف، دراصل یہاں پر دو قسم کی روایتیں آتی ہیں: ایک روایت یہ کہ اصل ظہر ہے، اصل اور جمعہ اس کا بدل ہے، اور دوسری روایت یہ آتی ہے کہ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک اصل ہے لَا **عَلَى التَّعْيِينِ** یعنی تعیین نہیں ہے، تعیین نہیں ہے۔ تو دو روایتیں آئی تھیں، تو صاحبِ ہدایہ نے بتلا دیا کہ ظہر کا اصل ہونا یہی زیادہ ظاہر ہے یعنی یہ روایت زیادہ ظاہر ہے، اس کو انہوں نے ترجیح دی۔

فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يَحْضُرَهَا فَتَوَجَّهَ إِلَيْهَا وَالْإِمَامُ فِيهَا، یہاں سے اب بتلا رہے ہیں آپ کو، دیکھیے فقہاء کتنی گہرائی تک جاتے ہیں مسئلے کی! فرماتے ہیں کہ مسئلہ ہم نے آپ کو بتلا دیا کہ امام سے پہلے ایک شخص نے کیا کی؟ ظہر کی نماز گھر پر پڑھی تو اس کی یہ نماز جائز ہو جائے گی یعنی فرض اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا اگرچہ ایسا کرنا اس کے لیے مکروہ ہے، مکروہ ہے۔ اب یہ شخص نماز پڑھ چکا ہے، گھر پر ہے اور کچھ وقت ابھی باقی تھا، پھر اس کا ارادہ بن گیا کہ چلو بھئی جمعے میں چلتا ہوں۔ پہلے تو ارادہ نہیں تھا، ظہر کی نماز پڑھ لی، پھر اس کا ارادہ کیا بن گیا؟ چلو میں جمعے میں شریک ہو جاتا ہوں، اور امام نے ابھی جمعے کی نماز نہیں پڑھائی یا جمعے کی نماز ہی میں ہے۔ جب اس کا یہ ارادہ بنا تو امام کس میں ہے؟ جماعت ہی میں ہے یا ابھی جمعہ بس شروع ہونے والا ہے یوں سمجھیں یا نماز کے اندر ہے، جمعہ ختم نہیں ہوا ابھی، اس وقت اس کا ارادہ بن گیا، چنانچہ یہ گھر سے چل پڑا، گھر سے چل پڑا۔ اور گھر سے چل پڑا، تو صاحبین فرماتے ہیں کہ جب یہ جا کر جمعے کی نماز میں شامل ہو جائے گا، داخل ہو جائے گا تو اس نے یہ جو ظہر گھر پر پڑھے تھے وہ باطل ہو جائیں گے۔ جو ظہر کی نماز اس نے گھر پر پڑھی تھی وہ باطل ہو جائیں گے کیونکہ اب یہ جمعہ باقاعدہ جا کر اس میں شامل ہو گیا، جمعہ پڑھنے لگا۔ جبکہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعے میں جا کر شامل ہونے سے ظہر کی نماز نہیں باطل ہوگی، جیسے ہی یہ گھر سے چلے گا اس کی ظہر کی نماز باطل ہو گئی، ختم ہو گئی بس، کیا ہو گئی؟ ختم ہو گئی، جیسے ہی گھر سے چلے گا۔

ثمرۂ اختلاف ظاہر ہوگا اس صورت میں کہ یہ شخص چل پڑا، جیسے ہی گھر سے چلا اور ابھی ادھر جماعت ہوئی نہیں پوری، امام کس میں ہے؟ جماعت میں ہے، نماز ہو رہی ہے، یہ چل پڑا۔ تو چلتے ہی امام صاحب کے نزدیک اس کی نماز باطل، صاحبین کے نزدیک ابھی بھی باطل نہیں۔ یہ وہاں جماعت تک پہنچا تو امام نے اسی وقت سلام پھیر دیا، یہ شامل ہی نہ ہو سکا، شامل نہ ہو سکا، تو صاحبین کے نزدیک ابھی بھی اس کی نماز باطل نہیں ہوئی تھی چونکہ ابھی تک، لہٰذا وہ ظہر ٹھیک ہے، اس کی ہو گئی نماز، جبکہ امام

صاحب کے نزدیک چلتے ہی ظہر کی نماز کیا ہوئی تھی؟ چلتے ہی اس کی ظہر کی نماز باطل ہوگئی تھی، لہٰذا اب اس کو نئے سرے سے پھر ظہر کی نماز پڑھنا پڑے گی۔ ثمرۂ اختلاف سمجھ میں آیا؟

تو یہی ذکر کر رہے ہیں: **فَإِنْ بَدَا لَهُ، بَدَا لَهُ** کے معنیٰ ہوتے ہیں رائے بننا، ارادہ بننا۔ **فَإِنْ بَدَا لَهُ** پس اگر اس شخص کی یہ رائے بنی **أَنْ يَحْضُرَهَا** کہ وہ جمعے کے اندر حاضر ہو جائے، **فَتَوَجَّهَ إِلَيْهَا** تو وہ جمعے کی طرف متوجہ ہو گیا یعنی اس کی طرف چل پڑا، **وَالْإِمَامُ فِيهَا** اور حال یہ تھا کہ امام ابھی جمعے کی نماز میں تھا یعنی جمعے کی نماز ابھی ہوئی نہیں، **بَطَلَ ظُهْرُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِالسَّعْيِ**، تو اس کی ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی یعنی ختم ہو جائے گی امام صاحب کے نزدیک **بِالسَّعْيِ** سعی کرنے سے ہی یعنی چلنے سے ہی۔ **وَقَالَا: لَا يَبْطُلُ حَتَّى يَدْخُلَ مَعَ الْإِمَامِ**، اور صاحبین فرماتے ہیں اس کی ظہر کی نماز باطل نہیں ہو گی یہاں تک کہ یہ امام کے ساتھ جمعے کی نماز میں داخل ہو جائے، اس میں شامل ہو جائے۔

دلیل کیا صاحبین کی؟ وہ فرماتے ہیں کہ چیز اپنے برابر کی چیز سے باطل ہوتی ہے یا اعلیٰ چیز سے باطل ہوتی ہے، کم درجے کی چیز سے باطل نہیں ہوتی۔ اور ایک ہے ظہر کی نماز اور ایک ہے سعی الی الجمعہ۔ امام صاحب تو فرماتے تھے سعی الی الجمعہ سے کیا ہو جائے گی اس کی نماز؟ باطل۔ صاحبین فرماتے ہیں: یہ سعی الی الجمعہ ہے اور سعی الی الجمعہ مقصود نہیں، سعی الی الجمعہ کے ذریعے مقصود کیا ہے؟ جمعہ جمعے تک پہنچنا، جمعے کی نماز مقصود ہے وہاں پر، تو سعی الی الجمعہ یہ صرف وسیلہ ہے، اس کے لیے وہ جمعے کی نماز تک پہنچے گا۔ تو یہ وسیلہ ہے، یہ وسیلہ ہے اور ظہر کی نماز وہ تو عبادت ہے، وہ خود کیا ہے؟ مقصود ہے، تو وہ اعلیٰ ہوئی اور یہ سعی اس سے ادنیٰ ہوئی، اور ادنیٰ سے اعلیٰ چیز باطل نہیں ہوتی، لہٰذا اس سعی سے بھی ظہر کی اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ ہاں جب جمعے میں جا کر شامل ہو جائے گا تب وہ فرماتے ہیں اب اس کی ظہر کی نماز باطل ہوئی، کیونکہ اب جمعے کے اندر شروع ہو گیا اور جمعہ کیا ہے؟ ظہر سے اعلیٰ ہے، کیونکہ اس دن کس چیز کے پڑھنے کا حکم دیا شریعت نے؟ جمعہ پڑھنے کا حکم دیا، معلوم ہوا جمعہ اس سے اعلیٰ ہے، اب جب جمعہ میں آ گیا تو اعلیٰ چیز آ گئی، تو اعلیٰ چیز کی وجہ سے ادنیٰ یعنی ظہر کی نماز کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی، ختم ہو جائے گی۔

وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّ السَّعْيَ دُونَ الظُّهْرِ**، اس لیے کیونکہ سعی جو ہے یعنی سعی الی الجمعہ جو ہے **دُونَ الظُّهْرِ** وہ ظہر کی نماز سے کم درجے کی ہے، **فَلَا يَنْقُضُهُ، لہٰذا یہ سعی اس ظہر کو نہیں توڑے گی، بَعْدَ تَمَامِهِ**، بعد اس کے کہ جب ظہر پوری ہو چکی۔ ظہر کی نماز پڑھ چکا ہے یا نہیں پڑھ چکا؟ ظہر کی نماز اب یہ پڑھ چکا ہے، وہ ظہر کی نماز پوری ہو چکی ہے تو اب یہ سعی جو اس سے ادنیٰ درجے کی ہے وہ ظہر کی نماز کو نہیں توڑے گی، اس کو ختم نہیں کرے گی۔ یہ معنیٰ ہے: **فَلَا يَنْقُضُهُ بَعْدَ تَمَامِهِ**، لہٰذا سعی جو ہے وہ ظہر کی نماز کو اس کے پورا ہو جانے کے بعد نہیں توڑے گی، **وَالْجُمُعَةُ فَوْقَهَا**، اور جمعہ تو ظہر کی نماز سے بڑھ کر ہے، **فَيَنْقُضُهَا**، تو وہ کیا کرے گا؟ ظہر کی نماز کو توڑ دے گا۔

وَصَارَ كَمَا إِذَا تَوَجَّهَ بَعْدَ فَرَاغِ الْإِمَامِ، صاحبین فرماتے ہیں: **وَصَارَ**، اور یہ شخص ہو گیا، **كَمَا إِذَا تَوَجَّهَ بَعْدَ فَرَاغِ الْإِمَامِ**، جیسے کہ یہ متوجہ ہوا ہو امام کے نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد، یہ بھی اسی طرح ہو گیا۔ بھئی دیکھیے، ابھی آپ کو مسئلہ بتلایا، کیا مسئلہ بتلایا؟ امام صاحب کے نزدیک گھر سے چلتے ہی اس کی ظہر کی نماز کیا ہو جائے گی؟ باطل، لیکن شرط تھی یہ، کیا شرط؟ کہ امام ابھی جمعے کی نماز ہی میں ہو، جمعہ ابھی ختم نہ ہوا ہو۔ ہاں اگر امام نماز پڑھا چکا ہے، سلام پھیر چکا ہے، اسے پتا تو نہیں لیکن یہ کیا ہوا یہاں سے چل پڑا، تو اب اس صورت میں بالاتفاق اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ صاحبین کے نزدیک تو وجہ ظاہر ہے، وہ تو فرماتے ہیں جماعت ہو رہی ہو تب بھی چلے گا صرف تو چلنے سے ظہر کی نماز باطل نہیں، اور یہاں جب جماعت ہو چکی ہے تو پھر تو بطریقِ اولیٰ اس کی نماز باطل نہیں۔ جبکہ امام صاحب کے نزدیک بھی اس صورت میں اس کی ظہر کی نماز باطل نہیں ہو گی، جب یہ کب چلا؟ جماعت ہو چکی۔ بھئی کیوں نہیں باطل ہو گی؟ آپ نے ہمیں بتلایا تھا سعی الی الجمعہ سے ظہر کی نماز کیا ہو جاتی ہے؟ باطل۔ کہتے ہیں: بھئی یہ سعی الی الجمعہ ہے ہی نہیں، جمعہ تو ہو چکا ہے، تو یہ تو سعی الی الجمعہ، ہاں سعی الی الجمعہ ہو گی تو پھر ظہر کی نماز باطل ہو گی، لیکن اب تو نماز ہو چکی ہے، لہٰذا یہ سعی تو ہے ٹھیک ہے چلنا تو ہے لیکن سعی الی الجمعہ نہیں، صرف چلنے سے ظہر کی نماز نہیں باطل ہوتی، سعی الی الجمعہ سے ظہر کی نماز باطل ہوتی ہے، تو لہٰذا اگر نماز ہو جانے کے بعد وہ چلے گا تو بالاتفاق اس کی نماز ظہر کی باطل نہیں۔

تو صاحبین فرماتے ہیں، صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ جو شخص جو چلے اور ابھی امام کس میں ہو؟ نماز میں ہو، تو وہ جب چلا تو اس سعی الی الجمعہ سے بھی اس کی ظہر کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ کیوں نہیں باطل ہو گی؟ کیونکہ سعی الی الجمعہ ظہر کی نماز سے کم درجے کا ہے اور چیز اپنے برابر یا اپنے سے اعلیٰ چیز کی وجہ سے ختم ہو سکتی ہے، اپنے سے کم درجے کی چیز سے نہیں، تو سعی الی الجمعہ ظہر سے کم درجے کا، لہٰذا اس سے ظہر کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسے جمعہ ہو جانے کے بعد جیسے کوئی شخص چلا ہو تو اس کے نزدیک تو بالاتفاق نماز باطل نہیں ہوتی تو یہ بھی اسی کی طرح ہوا۔ یہ شخص جو جمعے سے پہلے جا رہا ہے اس کی سعی کی وجہ سے بھی اس کی نماز باطل نہیں ہو گی، یہ بھی کس کی طرح ہو گیا؟ اسی شخص کی طرح جو کس جو کب جا رہا ہو؟ جمعے کی نماز کے بعد جا رہا ہو، یہ صاحبین کی ابھی دلیل چل رہی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ ابھی امام صاحب کی طرف سے اس کا جواب ذکر کریں گے صاحبِ ہدایہ۔ تو صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ امام صاحب نے تو کیا فرمایا تھا؟ جمعے کی نماز کھڑی ہے تو سعی کرتے ہی فوراً گیا ہو جائے گی ظہر کی نماز؟ باطل۔ صاحبین فرماتے ہیں: نہیں، یہ سعی الی الجمعہ یہ ظہر کی نماز سے ادنیٰ ہے اس سے نماز باطل نہیں ہو گی، اور یہ سعی الی الجمعہ بھی جو ہے یہ بھی اسی طرح ہے جیسے گویا کہ جمعے کی نماز ہونے کے بعد جیسے وہ سعی کرتا ہے اور اس صورت میں تو بالاتفاق نماز باطل نہیں ہوتی تو اس صورت میں بھی نماز باطل نہیں ہو گی۔ یہ معنیٰ ہے: **وَصَارَ كَمَا إِذَا تَوَجَّهَ بَعْدَ فَرَاغِ الْإِمَامِ**، اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ یہ امام کے فارغ ہونے کے بعد اس نماز کی طرف متوجہ ہوا ہو۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ السَّعْيَ إِلَى الْجُمُعَةِ مِنْ خَصَائِصِ الْجُمُعَةِ،** کہ سعی الی الجمعہ جو ہے یہ جمعے کی خصوصیات میں سے ہے، **فَيُنَزَّلُ مَنْزِلَتَهَا،** تو اس سعی الی الجمعہ کو جمعے ہی کے درجے میں اتارا جائے گا، اس سعی الی الجمعہ کو جمعے کی نماز ہی کے درجے میں اتارا جائے گا **فِي حَقِّ ارْتِفَاعِ الظُّهْرِ،** ظہر کی نماز کے اٹھ جانے کے حق میں یعنی اس کے ختم ہو جانے کے حق میں۔ یہ سعی الی الجمعہ کیا ہے؟ جمعے کی نماز کے خصوصیات میں سے ہے، لہٰذا اس کو کس کے درجے میں اتارا جائے گا؟ جمعے کی نماز کے حکم میں اتارا جائے گا، وہی حکم اس کو دیا جائے گا کس معاملے کے اندر؟ ظہر کی نماز کے ختم ہو جانے میں اور اس کے اٹھ جانے کے سلسلے میں، **احْتِيَاطًا،** بطورِ احتیاط کے، کیونکہ یہ عبادت کا معاملہ ہے اور اس میں احتیاط والی صورت ہی بہتر ہے۔ تو بطورِ احتیاط کے اس سعی الی الجمعہ کو بھی جمعے کی نماز کے درجے میں اتارا جائے گا ظہر کی نماز کے حق کے، ظہر کی نماز کے اٹھ جانے کے حق میں۔

بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْهَا، بخلاف اس کے کہ جب وہ امام جمعے کی نماز سے فارغ ہو چکا ہو، تو اس پر آپ نے کیا کہا تھا صاحبین نے؟ کہ سعی الی الجمعہ کرنے والا بھی اسی طرح ہے جیسے جمعے کی نماز ہو جانے کے بعد سعی کرنے والا، اور جیسے اس کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوتی تو اس کی بھی نماز باطل نہیں۔ تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ اس پر آپ قیاس نہیں کر سکتے، یہ اس کی طرح نہیں ہے، اس لیے کیونکہ وہ جب چلا ابھی امام جماعت میں ہے تو یہ سعی کس کی طرف ہوئی؟ سعی الی الجمعہ، اور جب امام نماز پڑھا چکا ہے اس کے بعد ایک شخص چلتا ہے وہ تو سعی الی الجمعہ سرے سے ہے ہی نہیں کیونکہ جمعہ تو ہو چکا، لہٰذا اس کو اس کی طرح قرار دینا صحیح نہیں۔ تو کہتے ہیں: **بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْهَا،** بخلاف اس کے کہ جب امام اس نماز سے فارغ ہو چکا ہو، **لِأَنَّهُ لَيْسَ بِسَعْيٍ إِلَيْهَا،** اس لیے کیونکہ یہ تو سعی الی الجمعہ ہے ہی نہیں کیونکہ امام نماز پڑھا چکا ہے۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۸۱: وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَعْذُورُونَ الظُّهْرَ بِجَ...

ہدایہ صفحہ: ۱۸۰ — بتاریخ: ۷ مارچ ۲۰۱۳ء

وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَعْذُورُونَ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمِصْرِ، وَكَذَا أَهْلُ السِّجْنِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِخْلَالِ بِالْجُمُعَةِ إِذْ هِيَ جَامِعَةٌ لِلْجَمَاعَاتِ۔

بھئی جمعے سے متعلقہ مسائل ذکر ہو رہے ہیں اور انہوں نے آپ کو بتلایا صاحبِ ہدایہ نے کہ جمعے کے اندر ظہر کا وقت ہونا جمعے کی شرائط میں سے ہے، یعنی ظہر کا وقت ہے تو جمعہ ہو گا، ظہر کا وقت نکل گیا تو جمعہ نہیں ہو گا۔ اور اسی طرح آپ نے یہ بھی پڑھا کہ جمعے کی شرائط میں سے ایک خطبہ بھی ہے بھئی۔ خطبہ ہو گا تو جمعہ ہو گا، خطبہ نہیں تو جمعے کی نماز بھی نہیں ہو گی۔ اور یہ بھی، یہ بھی ہمیشہ یاد رکھنا کہ خطبے کا عربی زبان میں ہونا بھی ضروری ہے بھئی، عربی زبان میں۔ چنانچہ دیگر ممالک سے، یورپ وغیرہ کے ممالک سے، بعض مرتبہ یہ مفتی حضرات سے فتویٰ پوچھتے ہیں کہ ہمارے ہاں تو عربی کسی کو سمجھ میں نہیں آتی، تو کیا کسی ہماری مقامی زبان میں خطبہ نہیں ہو سکتا؟ تو آپ ہمیشہ یاد رکھنا کہ بھئی خطبے کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے بھئی۔ چنانچہ ان کو بھی یہی کہا جاتا ہے کہ عربی میں خطبہ ہونا ضروری ہے اور عربی تو ہمارے ہاں بھی کوئی نہیں سمجھتا بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ لیکن یہی، یہ خطبے کا عربی میں ہونا ضروری ہے بھئی۔

اور نیز خطبے، جمعے کی شرائط میں سے آپ نے پڑھا کہ جماعت کا ہونا بھی ضروری ہے، جماعت کا ہونا۔ اور جماعت کم از کم کتنے افراد کی ہو؟ تو آپ نے پڑھ لیا کہ کہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک امام کے علاوہ کم از کم تین افراد ہونے چاہییں اور یہ تین افراد کم از کم پہلی رکعت کے سجدے تک باقی رہیں۔ اس کے بعد اگر کسی خوف کی وجہ سے چلے بھی جاتے ہیں تو بھی جمعہ منعقد ہو گیا، لہٰذا صحیح۔ لیکن اس سے پہلے چلے گئے تو جمعہ منعقد نہیں ہو گا کیونکہ جماعت جمعے کی شرائط میں سے ہے۔ اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا کہ مسافر، مریض، غلام، عورت وغیرہ پر جو ہے جمعہ نہیں ہے بھئی اور لیکن اگر یہ حاضر ہو گئے اور لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھ لیا تو ان کا وقتی فرض ادا ہو جائے گا۔ اور مسافر اور غلام اور مریض آپ نے پڑھا کہ یہ امامت بھی کروا سکتے ہیں جمعے کی نماز میں۔

اس کے بعد آپ نے ایک مسئلہ پڑھا تھا کہ جس شخص نے گھر کے اندر ظہر کی نماز پڑھ لی جمعے کے دن امام کی نماز سے پہلے ہی اور اس کا کوئی عذر نہیں تھا تو اس کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔ اور پھر اس شخص کا اگر ارادہ بنا کہ میں جمعے کی نماز جا کر پڑھ لوں امام کے ساتھ، تو امام صاحب کے نزدیک گھر سے چلتے ہی اس کی نماز جو ظہر کی اس نے پڑھی تھی وہ باطل ہو جائے گی، ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر یہ جا کر شریک نہ ہو سکا اور جب یہ پہنچا جمعے کی نماز نکل چکی ہے تو ظہر کی نماز باطل ہو چکی ہے، لہٰذا اس کو نئے سرے سے نماز ظہر کی پڑھنا پڑے گی بھئی۔

اور ایک اور قیمتی بات بھی یاد رکھنا جمعے کے اندر بھئی جمعے کی نماز میں۔ جمعے کی نماز میں اذنِ عام کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اذنِ عام، عام اجازت کا ہونا، سب لوگوں کو اس میں شرکت کی اجازت ہو۔ سب لوگوں کو اس میں شرکت کی اجازت ہو، لہٰذا اگر جمعہ، جمعے کی نماز کے لیے مسجد کے دروازے بند کر دیے گئے بھئی تاکہ اور لوگ نہ آئیں بھئی، کوئی مخصوص لوگ ہیں وہ جمعے کی نماز ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اب دیکھیے خطبہ بھی ہے اور وقت بھی ہے ظہر کا اور جماعت بھی ہے، اندر بڑی تعداد لوگوں کی موجود ہے لیکن باقی لوگوں کے لیے دروازے بند کر دیے گئے تو یاد رکھیے اس صورت میں یہ جمعہ نہیں ہو گا بھئی، کیونکہ جمعے کی شرائط میں سے ایک شرط کیا ہے؟ اذنِ عام کا ہونا، عام اجازت کا ہونا کہ جو شرکت کرنا چاہے شرکت کرے بھئی، کسی کو روکا نہیں جائے گا۔

جی اب آگے دیکھیے: **وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَعْذُورُونَ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمِصْرِ وَكَذَا أَهْلُ السِّجْنِ۔** مسئلہ یہ کہ جمعے کے دن معذور لوگ جو ہیں وہ اپنی ظہر کی جماعت کروا لیتے ہیں علیحدہ، تو کہتے ہیں ان کی یہ جماعت مکروہ ہے۔ یہ اسی طرح جیل والے جو ہیں، جیل میں جو قیدی ہیں وہ کیا کر لیتے ہیں؟ اپنی علیحدہ ظہر کی جماعت کروا لیتے ہیں، کہتے ہیں ایسا کرنا مکروہ ہے مکروہ ہے۔ کہتے ہیں اس لیے اس وجہ سے کہ اس کی وجہ سے جمعے کے اندر خلل آئے گا بھئی، کیونکہ جمعہ، جمعہ جو ہے وہ جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے، اس میں مقصود یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اکٹھے ہوں بھئی، زیادہ سے زیادہ۔ تو اس کی وجہ سے ہو سکتا ہے بعض لوگ کیا ہوں؟ انہی کی ظہر کی نماز میں شرکت کر لیں اور جماعت میں جمعے کی جماعت میں حاضر ہی نہ ہوں تو اس وجہ سے ان کا ایسا کرنا مکروہ ہے بھئی۔

کہتے ہیں: **وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَعْذُورُونَ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ** اور مکروہ ہے کہ معذور لوگ جو ہیں وہ ظہر کی نماز پڑھیں جماعت کے ساتھ، **يَوْمَ الْجُمُعَةِ** جمعے کے دن، **فِي الْمِصْرِ** شہر میں، **وَكَذَا أَهْلُ السِّجْنِ** اور اسی طرح جیل والے بھی ہیں یعنی قیدی جو ہیں، **لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِخْلَالِ بِالْجُمُعَةِ** اس وجہ سے کہ اس کے اندر جمعے کے اندر خلل ڈالنا ہے، **إِذْ هِيَ جَامِعَةٌ لِلْجَمَاعَاتِ** اسی کیونکہ جمعہ جو ہے وہ جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے۔ جمعے میں تو جماعت کیا ہونی چاہیے؟ زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے، تو اس وجہ سے اس میں خلل پڑے گا جمعے کی نماز میں اس کی وجہ سے، تو یہ مکروہ ہے ان کے لیے۔

وَالْمَعْذُورُ قَدْ يَقْتَدِي بِهِ غَيْرُهُ، یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں بتلایا کہ جمعے کے دن معذور اگر اپنی علیحدہ جماعت کروالیں، صرف کون ہوں اس میں؟ صرف معذور ہوں، تو بھی آپ نے کہا یہ مکروہ ہے بھئی مکروہ ہے، حالانکہ معذور پر تو جمعہ فرض ہی نہیں ہے بھئی، آپ پڑھ چکے ہیں معذور پر جمعہ فرض۔ اور اسی طرح دیہات والے جو ہیں ان پر بھی جمعہ فرض نہیں، تو جیسے دیہات والے اپنی علیحدہ جماعت کروالیتے ہیں اور وہ ان کی جماعت مکروہ بھی نہیں ہوتی، سمجھ میں آیا؟ وہ تو کیا پڑھتے ہیں؟ ظہر کی جماعت کرواتے ہیں دیہات میں، تو یہ معذور کی بھی جماعت جو ہے وہ مکروہ نہیں ہونی چاہیے بھئی۔ تو اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ یہ معذورین اگر شہر کے اندر علیحدہ جماعت کروائیں گے تو وہ اس کی اس وجہ سے مکروہ ہوگی کیونکہ بعض اوقات غیر معذور بھی کیا کرلے گا؟ ان کی اقتدا کرلے گا۔ بعض لوگ سستی کریں گے، دیکھیں گے بھئی یہاں جماعت ہو رہی ہے ظہر کی، چلو یہیں شرکت کرلیتے ہیں، تو اس وجہ سے اس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَالْمَعْذُورُ قَدْ يَقْتَدِي بِهِ غَيْرُهُ** اور معذور جو ہے کبھی کبھار اس کی اقتدا کرلیتا ہے **غَيْرُهُ أَيْ غَيْرُ الْمَعْذُورِ،** غیر معذور بھی اس کی اقتدا کرلے گا، **بِخِلَافِ أَهْلِ السَّوَادِ** بخلاف کس کے؟ دیہات والوں کے، **لِأَنَّهُ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِمْ** اس لیے کیونکہ ان پر تو جمعہ ہی نہیں ہے تو ان کے لیے ظہر کی نماز مکروہ نہیں ہے بلکہ وہ ظہر ہی کی نماز کروائیں گے، لیکن یہاں ہو سکتا ہے غیر معذور بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائیں اور اس کی وجہ سے جمعے کی نماز میں کمی آئے گی، لہٰذا یہ مکروہ ہے۔

وَلَوْ صَلَّى قَوْمٌ أَجْزَأَهُمْ لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهِ۔ اب آگے بتلا رہے ہیں، لیکن اگر کسی نے پڑھ لی تو کہتے ہیں ہاں، ان کی نماز ہو جائے گی، کیونکہ نماز کی تو ساری شرائط پوری ہوں گی۔ نماز کی نماز ہو جائے گی، البتہ کراہت پھر بھی رہے گی، مکروہ ہوگا ایسا کرنا ان کے لیے، لیکن اگر کر لیتے ہیں ظہر کی نماز ان کی ادا ہو جائے گی۔ **وَلَوْ صَلَّى قَوْمٌ** اور اگر کچھ لوگوں نے پڑھ لی یعنی ظہر کی نماز اس طرح جماعت کے ساتھ، **أَجْزَأَهُمْ** تو یہ ان کے لیے کافی ہو جائے گی، **لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهِ** بوجہ نماز کی شرائط کے جمع ہو جانے کے، کیونکہ نماز کی تو ساری شرائط پوری ہیں بھئی، تو وہ ہو جائے گی۔

وَمَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّى مَعَهُ مَا أَدْرَكَهُ۔ آگے مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ کوئی شخص جماعت کے لیے چلا اور کچھ نماز کا حصہ جمعے کی نماز کا نکل گیا جب وہ پہنچا۔ تو کہتے ہیں بھئی جیسے عام نمازوں میں انسان شریک ہوتا ہے اسی طرح اس نماز میں بھی شریک ہو جائے، جو حصہ مل جائے وہ امام کے ساتھ پڑھ لے اور جو حصہ نکل چکا ہے وہ بعد میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرلے جیسے اور نمازوں میں ہوتا ہے۔ **وَمَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ** اور جس نے امام کو پالیا جمعے کے دن یعنی نماز میں امام کو پالیا، **صَلَّى مَعَهُ مَا أَدْرَكَهُ** تو پڑھ لے اس کے ساتھ وہ حصہ جس کو وہ پالے، **وَبَنَى عَلَيْهِ الْجُمُعَةَ** اور اس پر بنا کرے کس کی؟ جمعے کی۔ بھئی کچھ حصہ تو نکل چکا ہے، تو امام کے ساتھ یہ کچھ حصہ پڑھے گا اور امام پھر کیا کرے گا؟ سلام پھیر دے گا، تو یہ باقی اسی پر جمعے ہی کی بنا کرے، باقی حصہ کیا کرے جو رہ چکا ہے؟ وہ جمعے ہی کا پڑھے گا اسی طرح بھئی۔ یہ معنی ہے **وَبَنَى عَلَيْهِ الْجُمُعَةَ** اور بنا کرے اس پر جمعے کی، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوا»** بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ آپ نے فرمایا: **مَا أَدْرَكْتُمْ** وہ جو تم پالو **فَصَلُّوا** تو وہ اس کو تم پڑھ لو، **وَمَا فَاتَكُمْ** اور وہ جو تم سے رہ جائے **فَاقْضُوا** تو اس کی کیا کرلو؟ قضا کرلو، یعنی اس کو پورا کرلو بھئی، کہ امام سلام پھیر دے گا اور تم پھر باقی نماز پوری کرلو۔ معنی سمجھ میں آگیا حدیث کا؟ تو قضا کا معنی وہ قضا والا نہ سمجھنا کہ بعد میں پڑھ لے گا، نہیں بھئی، اسی وقت کیا کرلے گا اس کو؟ پورا کرلے گا۔

وَإِنْ كَانَ أَدْرَكَهُ فِي التَّشَهُّدِ، یہاں آپ کو یہ مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ جمعے کے اندر کوئی جمعے میں شرکت کے ارادے سے چلا اور اکثر نماز ہو چکی ہے، تھوڑا سا حصہ اس کو ملا بھئی، تھوڑا سا حصہ۔ مثلاً تشہد میں جا کر شامل ہو گیا آخر میں، یا سجدۂ سہو میں جا کر کیا ہوا؟ سجدۂ سہو میں جا کر شامل ہوا، تو کیا یہ شخص اب اسی پر جمعے کی بنا کرے گا، یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت ہی پڑھے گا، یا چار اس کو پڑھنا پڑیں گی بھئی؟ چار پڑھنا پڑیں گی یعنی ظہر کی نماز بھئی۔ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، جتنا حصہ بھی مل جائے تو وہ چونکہ جماعت میں شامل ہو گیا، اس پر جمعے ہی کی بنا کرے گا۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، اگر دوسری رکعت کا اکثر حصہ مل گیا، اکثر حصہ، یعنی رکوع میں کم از کم جا کر امام کو پالیا دوسری رکعت میں، پھر تو اس پر وہ جمعے کی بنا کرے گا۔ اور رکوع میں جا کر شامل ہو گیا تو ایک رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد اور پڑھ لے گا، تو جمعے کی ہی بنا کرے گا اس پر۔ اور اگر رکوع کے بعد جا کر ملا ہے جماعت میں شامل ہوا ہے، تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اب یہ دو رکعتیں نہیں پھر پڑھے گا، جمعے کی بنا نہیں کرے گا بلکہ چار رکعتیں پڑھے گا یعنی اس پر ظہر کی بنا کرے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ كَانَ أَدْرَكَهُ فِي التَّشَهُّدِ أَوْ فِي سُجُودِ السَّهْوِ بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ عِنْدَهُمَا** اور اگر امام کو پایا اس نے تشہد کی حالت میں یا سجدۂ سہو میں، **بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ عِنْدَهُمَا** تو بنا کرے اس پر جمعے کی شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، **وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِنْ أَدْرَكَ مَعَهُ أَكْثَرَ**

الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر امام کے ساتھ وہ پالے دوسری رکعت کا اکثر حصہ، یعنی کم از کم کہاں مل جائے جاکر؟ رکوع میں جاکر مل جائے، **بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ** تو اس پر جمعے کی بنا کرے، **وَإِنْ أَدْرَكَ أَقَلَّهَا بَنَى عَلَيْهَا الظُّهْرَ** اور اگر اس سے کم حصہ پاتا ہے تو اس پر ظہر کی بنا کرے گا۔

دلیل ان کی کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ جُمُعَةٌ مِنْ وَجْهٍ ظُهْرٌ مِنْ وَجْهٍ**، اس لیے کیونکہ یہ جو جو نماز ہے اس کی، یہ من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے۔ یعنی بعض اعتبارات سے دیکھا جائے تو یہ ظہر ہے اور بعض اعتبارات سے دیکھا جائے تو یہ جمعہ ہے۔ تو بعض اعتبار سے جمعہ ہے کیونکہ جب شامل ہوا تو کون سی نماز ہو رہی تھی؟ جمعے کی، لہٰذا جمعے کی نیت کر کے ہی شامل ہو گا، ظہر کی نیت کر کے شامل نہیں ہو گا، جمعے کی نیت ضروری ہے، شامل ہو گا۔ اور من وجہ یہ، یعنی بعض اعتبارات سے یہ ظہر کی نماز ہے اس لیے کیونکہ یہ جب جاکر ملا، مثلاً آخری حصے میں ملا ہے تشہد میں یا سجدۂ سہو میں جاکر ملا ہے، تو امام تو ابھی فوراً کیا کر دے گا؟ جب سلام تک پہنچے گا وہ سلام پھیر دے گا اور اب جمعے کی شرط اس شخص کے حق میں ختم ہو گئی، فوت ہو گئی، اور وہ کیا؟ جماعت ختم ہو گئی۔ جمعے کی شرائط میں سے تو کیا تھا؟ جماعت بھی تھی، اور اب تو یہ اکیلا باقی نماز پوری کرے گا، تو جماعت اس کے حق میں کیا ہو چکی ہے؟ ختم۔ تو لہٰذا اس اعتبار سے یہ ظہر ہے۔ جاکر شامل ہوا، اس وقت کیا کون سی نماز تھی؟ جمعے، تو اس اعتبار سے یہ جمعے کی نماز، اور جب امام سلام پھیر دے گا تو یہ باقی نماز اکیلے پورا کرے گا تو اس اعتبار سے یہ جمعہ نہیں بلکہ کیا ہے؟ ظہر۔ تو اس شخص کی نماز وہ فرماتے ہیں بعض اعتبارات سے جمعہ اور بعض اعتبارات سے ظہر، لہٰذا دونوں کی رعایت رکھیں گے، دونوں مشابہتوں پر عمل کریں گے۔ من وجہ مشابہت کس کے ساتھ؟ جمعے کے ساتھ، اور من وجہ مشابہت کس کے ساتھ؟ ظہر، تو ظہر کے ساتھ مشابہت لہٰذا چار رکعتیں پڑھے گا، اب دو نہیں پڑھے گا۔ دو نہیں پڑھے گا، چار پڑھے گا۔ اور جمعے کے ساتھ بھی مشابہت ہے لہٰذا اس پر بھی عمل کریں گے کہ دو رکعتوں کے بعد، بھئی ظہر کی چار رکعتوں میں دو رکعتوں کے بعد جو بیٹھنا ہے وہ فرض ہے؟ وہ فرض نہیں، لیکن اب اس پر فرض ہے، اس کے لیے بیٹھنا ضروری ہے۔ کس مشابہت کا اعتبار کرتے ہوئے؟ جمعے کا، کہ ہو سکتا ہے یہ جمعہ ہی ہو اس پر، تو یہ آخری قعدہ بنے گا اس کے لیے، اور جب آخری قعدہ بنے گا تو آخری قعدہ تو کیا ہوتا ہے؟ فرض ہوتا ہے، لہٰذا ظہر پڑھے گا اور درمیان والا قعدہ یہ ضرور کرے گا، ضرور کرے گا۔ اور نیز آخری دو رکعتوں کے اندر، ظہر کی آخری دو رکعتوں میں تو قرأت واجب نہیں، نفل ہے، کوئی خاموش بھی کھڑا رہے تو کافی ہے، لیکن یہ شخص ان دو میں بھی قرأت ضرور کرے گا کیونکہ ہو سکتا ہے اس پر جمعہ ہی ہو اور جمعہ تو پورا ہو چکا تو یہ دو کیا بن جائیں گے؟ نفل بن جائیں گے، اور نفل کے اندر تو قرأت ضروری ہے، تو لہٰذا ان دو آخری دو رکعتوں میں وہ فاتحہ بھی پڑھے گا اور اس کے ساتھ سورت بھی ملائے گا کہ ہو سکتا ہے یہ نفل ہوں، تو دیکھا دونوں مشابہتوں پر عمل ہو گیا۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ جُمُعَةٌ مِنْ وَجْهٍ** اس لیے کیونکہ یہ جمعہ ہے بعض اعتبارات سے، **ظُهْرٌ مِنْ وَجْهٍ** اور بعض اعتبارات سے یہ ظہر ہے، **لِفَوَاتِ بَعْضِ الشَّرَائِطِ فِي حَقِّهِ** بعض شرطوں کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس شخص کے حق میں، اور کون سی شرط فوت ہوئی ہے؟ جماعت نہ رہی، اب یہ اکیلا نماز ادا کرے گا باقی نماز۔ **فَيُصَلِّي أَرْبَعًا اعْتِبَارًا لِلظُّهْرِ** تو یہ چار رکعت پڑھے گا ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے، **وَيَقْعُدُ لَا مَحَالَةَ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ** اور یہ بیٹھے گا یقینی طور پر دو رکعتوں کے کنارے پر یعنی ان کے اختتام پر، یعنی دو رکعتوں کے بعد یہ یقینی طور پر، لازمی طور پر یہ بیٹھے گا، **اعْتِبَارًا لِلْجُمُعَةِ** کس کا اعتبار کرتے ہوئے؟ جمعے کا۔ **وَيَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ** اور آخری دو رکعتوں میں قرأت کرے گا، **لِاحْتِمَالِ النَّفْلِيَّةِ** نفل ہونے کے احتمال کی وجہ سے۔

یہ تھی امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل۔ **وَلَهُمَا** اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے، وہ کیا فرماتے تھے؟ تشہد میں شامل ہوا یا سجدۂ سہو میں، کیا پڑھے گا؟ جمعے ہی کی بنا کرے گا، جمعے ہی کی نماز پڑھے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ: **أَنَّهُ مُدْرِكٌ لِلْجُمُعَةِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ** کہ وہ جمعے کو پانے والا ہے اس حالت میں بھی، یعنی تشہد میں یا سجدۂ سہو میں آ کر ملا ہے تو بھی اس حالت میں وہ جمعے کو پانے والا ہے، **حَتَّى يُشْتَرَطَ نِيَّةُ الْجُمُعَةِ** یہاں تک کہ جمعے کی نیت شرط ہو گی۔ جمعے کی نیت، یہاں تک کہ جمعے کی نیت شرط ہو گی، تو لہٰذا یہ ظہر کی نیت سے شامل ہو تو پھر درست نہیں ہے، کیا کرنا پڑے گی؟ جمعے ہی کی نیت کرنا پڑے گی، حتیٰ کہ امام محمد رحمہ اللہ بھی کیا فرماتے ہیں؟ کس چیز کی نیت کرنا پڑے گی؟ تو کہتے ہیں اس نے جمعے کو اس حالت میں پالیا یہاں تک کہ جمعے کی نیت کی شرط لگائی گئی، **وَهِيَ رَكْعَتَانِ** اور جمعہ کتنا ہے؟ دو رکعت ہے، تو دو ہی پڑھے گا۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں، کہتے ہیں: **وَلَا وَجْهَ لِمَا ذَكَرَ** اور اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا۔ انہوں نے کیا ذکر کیا تھا؟ انہوں نے کہا تھا کہ جمعے کی بنا نہیں کر سکتا بلکہ کس کی بنا کرے گا؟ ظہر کی بنا اس پر کرے گا۔ تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں جمعے کی نماز پر ظہر کی بنا کرنا، یہ امام محمد رحمہ اللہ کا یہ ذکر کرنا اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ معنی ہے: **وَلَا وَجْهَ لِمَا ذَكَرَ** اور اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے جو امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کی، **لِأَنَّهُمَا مُخْتَلِفَانِ** اس لیے کیونکہ یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں۔ شروع کس کو کیا تھا؟ جمعے کو، اور بنا کس کی کر رہا ہے؟ ظہر کی، اور دونوں یہ مختلف چیزیں ہیں، آپ پڑھ چکے ہیں بھئی کہ جمعے کی دو رکعتیں ہیں، ظہر کی چار رکعتیں ہیں، جمعے کے اندر جو ہے جہراً قرأت ہوتی ہے اور ظہر میں آہستہ آواز سے، اور نیز جمعے کی شرائط ہیں اور وہ ظہر کی شرائط نہیں ہیں بھئی۔ تو **لِأَنَّهُمَا** اس لیے کیونکہ یہ دونوں مختلف ہیں یعنی جمعہ اور ظہر، **فَلَا يُبْنَى أَحَدُهُمَا عَلَى تَحْرِيمَةِ الْآخَرِ** لہٰذا بنا نہیں کی جائے گی ان دونوں میں سے کسی ایک کی دوسرے کی تحریمہ پر۔ تو جمعے کی تحریمہ پر ظہر کی بنا نہیں کی جائے گی اور ظہر کی تحریمہ پر جمعے کی بنا نہیں کی جائے گی۔

وَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكَ النَّاسُ الصَّلَاةَ وَالْكَلَامَ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ۔ یاد رکھیے جب امام جمعے کے دن نکلے خطبہ دینے

کے لیے، تو پھر اس کے بعد لوگوں کو کلام وغیرہ بھی چھوڑ دینا چاہیے اور نماز یعنی سنتیں یا نوافل بھی بند کر دینی چاہییں بھئی، اس کے بعد پھر نوافل اور سنتیں نہ پڑھے بھئی اور کلام وغیرہ نہ کرے۔

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ** اور جب نکلے امام یعنی اپنے گھر سے چلا ہے کس کے لیے؟ خطبہ دینے کے لیے چل پڑا۔ اور جب نکل آیا امام جمعے کے دن، **تَرَكَ النَّاسُ الصَّلَاةَ** تو لوگ چھوڑ دیں نماز کو بھی، **وَالْكَلَامَ** اور کلام کو بھی، **حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ** یہاں تک کہ امام فارغ ہو جائے اپنے خطبے سے۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **قَالَ: وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، **وَقَالَا** اور صاحبین فرماتے ہیں: **لَا بَأْسَ بِالْكَلَامِ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ قَبْلَ أَنْ يَخْطُبَ وَإِذَا نَزَلَ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ۔** صاحبین فرماتے ہیں کہ امام نکل آئے تو ٹھیک ہے، نماز کو تو چھوڑ دیں، سنتیں اور نوافل اس کے بعد نہ پڑھیں، ہاں کلام کر سکتے ہیں جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے بھئی۔ خطبہ دینا جب شروع کر دے پھر کلام کی اجازت نہیں، اس سے پہلے کلام کرنے کی، کلام کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جب امام خطبہ دے کر اتر آئے تو جب تک پھر آگے وہ تکبیر نہیں کہتا، اس وقت تک اس دوران بھی بات کرنے کی اجازت ہے، بات کرنا مکروہ وغیرہ نہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَقَالَا** صاحبین فرماتے ہیں، **لَا بَأْسَ بِالْكَلَامِ** کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، **إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ قَبْلَ أَنْ يَخْطُبَ** جبکہ امام نکل آئے، جب امام نکل آئے تو کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں **قَبْلَ أَنْ يَخْطُبَ** اس کے خطبہ دینے سے پہلے، اس سے پہلے کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ **وَإِذَا نَزَلَ** اور جب وہ خطبہ دے کر اتر آئے، **قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ** نماز کی تکبیر کہنے سے پہلے۔

دلیل ان کی کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِلْإِخْلَالِ بِفَرْضِ الِاسْتِمَاعِ،** کہتے ہیں اس لیے کیونکہ کراہت جو ہے وہ استماع کے فرض میں خلل ڈالنے کی وجہ سے ہے۔ اس وقت بات کرنا وہ فرماتے ہیں مکروہ ہے کس وجہ سے مکروہ ہو گا، کس وجہ سے؟ کس وجہ سے مکروہ ہے؟ کیونکہ دیکھیے بھئی استماع کہتے ہیں توجہ سے سننا، کیونکہ خطبے کا توجہ سے سننا فرض ہے۔ خطبے کا توجہ سے سننا فرض ہے اور جب تک اس نے خطبہ نہیں شروع کیا تو استماع ہے ہی نہیں، اس وقت توجہ سے سننا ہے ہی نہیں۔ ہاں جب خطبہ شروع کرے گا، اب کلام کریں گے کوئی لوگ باتیں اگر کوئی کرتے ہیں تو وہ توجہ سے سننے کا جو فرض ہے اس میں کیا پڑے گا؟ اس میں خلل پڑے گا، اس وقت بات کرنا مکروہ ہو گا، لیکن ابھی تو یہ گھر سے نکلا ہے اس نے تو خطبہ نہیں شروع کیا، لہٰذا اس وقت کوئی استماع نہیں، جب استماع نہیں تو بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسی طرح جب منبر سے اترا ہے اس وقت اس نے خطبہ ختم کر دیا ہے تو اس وقت بھی استماع نہیں چونکہ سننا نہیں ہے، تو لہٰذا اس وقت خلل نہیں پڑے گا تو کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں نماز اس وقت نماز پڑھنا پھر بھی مکروہ ہے، بھئی نماز پڑھنا کیوں مکروہ؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ نماز کبھی لمبی ہو جاتی ہے، یہ نہ ہو یہ ابھی سنتوں یا نوافل میں ہی مشغول ہو اور ادھر خطبہ شروع ہو جائے، تو اس وجہ سے نماز نہ پڑھے کیونکہ نماز طویل ہو سکتی ہے، لیکن کلام؟ کلام تو مختصر بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں بھئی۔

تو وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِلْإِخْلَالِ بِفَرْضِ الِاسْتِمَاعِ** کیونکہ کراہت جو ہے، مکروہ ہونا جو ہے وہ استماع کے فرض میں یعنی توجہ سے سننے کا جو فرض ہے اس میں خلل ڈالنے کی وجہ سے ہے، **وَلَا اسْتِمَاعَ هُنَا** اور یہاں پر کوئی استماع نہیں، یہ جس مقام کی ہم بات کر رہے ہیں یعنی ابھی گھر سے نکلا ہے خطبہ شروع نہیں کیا، اس وقت استماع ہے ہی نہیں، تو لہٰذا مکروہ بھی نہیں ہو گا۔ **بِخِلَافِ الصَّلَاةِ** بخلاف نماز کے، **لِأَنَّهَا قَدْ تَمْتَدُّ** وہ کبھی لمبی بھی ہو جاتی ہے تو نوافل اور وغیرہ کا پڑھنا مکروہ ہو گا، کلام کرنا نہیں۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَاةَ وَلَاكَلَامَ» اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ: **«إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَاةَ وَلَاكَلَامَ»** جب امام نکل آئے تو پھر کوئی نماز نہیں اور پھر کوئی کلام نہیں، یعنی پھر نماز بھی نہیں پڑھی جائے گی اور کلام، یہ حدیث میں آ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ تو یہ امام صاحب کی دلیل ہے۔

مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ بغیر کسی فرق کے، یعنی امام صاحب کی دلیل یہ حدیث ہے بغیر کسی فرق کے، یعنی اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا صلاۃ اور کلام کے درمیان، تھوڑے یا زیادہ کلام کے درمیان، بلکہ کیا کہا گیا مطلقاً حدیث میں؟ جب امام نکل آئے تو پھر نماز بھی نہیں اور کلام بھی نہیں بھئی۔ تو **مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ** کا معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ حدیث کا حصہ نہیں ہے، یہ الگ دلیل کا حصہ ہے۔ بغیر کسی فرق کے۔

وَلِأَنَّ الْكَلَامَ قَدْ يَمْتَدُّ طَبْعًا فَأَشْبَهَ الصَّلَاةَ۔ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں عقلی دلیل امام صاحب کی طرف سے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ کلام بھی کبھی کبھار لمبا ہو جاتا ہے **طَبْعًا أَيْ عَادَةً** بھئی، **فَأَشْبَهَ الصَّلَاةَ** تو یہ کس کے مشابہ ہو گیا؟ نماز کے۔ اور نماز کو کیوں مکروہ قرار دیا صاحبین بھی کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ نماز کبھی کبھار لمبی ہو جاتی ہے، تو کلام بھی کبھی کبھار لمبا ہو جاتا ہے، عادتاً لوگ کیا کر لیتے ہیں، بات شروع کی، لمبی ہو گئی تھوڑی سی بات، تو لہٰذا یہ کلام بھی کس کے مشابہ؟ نماز کے مشابہ ہوا اور نماز اس وقت پڑھنا مکروہ ہے تو کلام کا کرنا بھی مکروہ ہو گا۔ یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّ الْكَلَامَ قَدْ يَمْتَدُّ طَبْعًا** اس لیے کیونکہ کلام بھی کبھی کبھار

سبق نمبر ۸۱: وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْمُغَذُورُونَ الظُّهْرَ بِجَ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

لمبا ہو جاتا ہے طَبْعًا أَيْ عَادَةً، فَأَشْبَهَ الصَّلَاةَ تو یہ نماز کے مشابہ ہو گیا۔

وَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ الْأَذَانَ الْأَوَّلَ تَرَكَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَتَوَجَّهُوا إِلَى الْجُمُعَةِ۔ اور جب اذان دے دیں مؤذن الْأَذَانَ الْأَوَّلَ پہلی اذان، تَرَكَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ تو لوگ چھوڑ دیں بیع اور شراء کو، خرید و فروخت کو چھوڑ دیں، وَتَوَجَّهُوا إِلَى الْجُمُعَةِ اور متوجہ ہو جائیں جمعے کی طرف۔ جب مؤذن حضرات کیا کریں؟ پہلی اذان دے دیں تو اسی وقت لوگ خرید و فروخت کو چھوڑ دیں اور جمعے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ دلیل کیا ہے اس کی؟ کہتے ہیں: لِقَوْلِهِ تَعَالَى اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِاللَّهِ﴾۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُواالْبَيْعَ﴾، اے ایمان والو! جب اذان دے دی جائے نماز کے لیے جمعے کے دن، ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِاللَّهِ﴾ تو تم جلدی کرو اللہ کے ذکر کی طرف، ﴿وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ اور بیع کو چھوڑ دو، تو دیکھیے یہاں بیع چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور متن میں آیا: وَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ، جب مؤذن اذان دیں، جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا، آپ کہیں گے بھئی ایک اذان پہلی اذان بھی ہے اسی طرح دوسری، یہ تو ایک مؤذن دیتا ہے تو یہ جمع کا صیغہ کیوں ذکر کیا گیا؟ بھئی قدیم زمانے میں ایک مؤذن نہیں اذان دیتا تھا بلکہ ہر جانب ایک ایک مؤذن کھڑا ہو کر اذان دیا کرتا تھا، کیونکہ جمعے کی نماز کا اعلان اور اس کی اطلاع کی جا رہی ہے تاکہ شہر میں ہر طرف کے لوگوں کو اس کی آواز پہنچ جائے بھئی، اس لیے جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا۔

وَإِذَا صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنْبَرَ جَلَسَ وَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ بَيْنَ يَدَيِ الْمِنْبَرِ، اور جب امام منبر پر چڑھ جائے جَلَسَ تو بیٹھ جائے، وَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ بَيْنَ يَدَيِ الْمِنْبَرِ اور اذان دیں مؤذن منبر کے سامنے، بِذَلِكَ جَرَى التَّوَارُثُ اسی پر توارث یعنی عمل ہوتا چلا آیا ہے، یعنی حضور علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک اسی طرح عمل ہوتا چلا آیا ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو پھر منبر کے سامنے مؤذن اذان دیتے ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا هَذَا الْأَذَانُ اور نہیں تھی حضور علیہ السلام کے زمانے میں مگر یہی اذان، یعنی یہ دوسری اذان ہوتی تھی، پہلی اذان نہیں ہوتی تھی۔ تو یہ پہلی اذان جو ہے یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں یہ شروع ہوئی بھئی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ، اس وجہ سے کیونکہ لوگ زیادہ ہو گئے تو لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو اب ان کو ذرا کچھ پہلے تاکہ اطلاع ہو جائے جمعے کی نماز کی اس لیے اس اذان کا اضافہ کر دیا گیا بھئی۔ اور یہ بات چونکہ تمام صحابہ کے سامنے ہوئی اور کسی نے اس پر اس کا انکار اور رد نہیں فرمایا تو معلوم ہوا صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا بھئی۔

وَلِهَذَا قِيلَ: هُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي وُجُوبِ السَّعْيِ وَحُرْمَةِ الْبَيْعِ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہی اذان یعنی دوسری اذان، بھئی صاحبِ ہدایہ نے تو آپ کو بتلایا پیچھے متن میں آیا تھا پہلی اذان جو ہے، پہلی اذان جیسے ہی ہو تو کیا کیا جائے گا؟ بیع و شراء کو، خرید و فروخت کو چھوڑ دیا جائے گا اور کس طرف متوجہ ہو جائیں لوگ؟ جمعے کی نماز کی طرف متوجہ ہو جائیں، جمعے کے لیے چل پڑیں بھئی۔ اور تو بعضوں نے کہا کہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں صرف یہ دوسری اذان ہوتی تھی، لہٰذا اسی کا اعتبار کیا جائے گا، اسی دوسری اذان کے بعد خرید و فروخت درست نہیں رہے گی خرید و فروخت، اور اسی کے بعد سعی واجب ہو گی، جمعے کی طرف چلنا اور کوشش کرنا اس دوسری اذان کے بعد واجب ہو گا۔ تو کہتے ہیں: وَلِهَذَا قِيلَ اسی وجہ سے کہا گیا کہ هُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي وُجُوبِ السَّعْيِ وَحُرْمَةِ الْبَيْعِ کہ یہی دوسری اذان ہی معتبر ہے سعی کے واجب ہونے میں، یعنی جمعے کی طرف چلنے میں اس کے بعد واجب ہو گا، وَحُرْمَةِ الْبَيْعِ اور بیع کے حرام ہونے میں۔ تو بیع تو حرام نہیں ہوتی اس وقت، تو بیع تو مکروہِ تحریمی ہے عند الاحناف، لیکن مکروہِ تحریمی بھی کس کے قریب ہے؟ حرام کے قریب ہی ہے، اس لیے اس کو حرمت کے لفظ سے ذکر کر دیا۔ وَحُرْمَةِ الْبَيْعِ کے حرام ہونے میں۔

آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ بھئی زیادہ صحیح قول وہی ہے جو پیچھے متن میں ذکر ہو گیا کہ پہلی اذان کے وقت ہی خرید و فروخت کو چھوڑ دیا جائے گا اور جمعے کی طرف سعی کی جائے گی، اس لیے کیونکہ اگر دوسری اذان کے وقت جمعے کی طرف سعی کی جائے اس وقت سعی واجب ہو اور خرید و فروخت کا چھوڑنا واجب ہو، پھر تو لوگ جمعے میں پہنچ ہی نہیں سکیں گے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ پہنچ ہی اور اگر جمعے میں پہنچتے بھی ہیں خطبے میں تو کم از کم نہیں پہنچ سکیں گے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَالْأَصَحُّ اور زیادہ صحیح قول یہ ہے، أَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْأَوَّلُ کہ معتبر وہ پہلی ہی اذان ہے، إِذَا كَانَ بَعْدَ الزَّوَالِ جب وہ کس کے بعد ہو؟ زوال کے بعد ہو، لِحُصُولِ الْإِعْلَامِ بِهِ اس وجہ سے کہ اس کی وجہ سے جو ہے اعلام حاصل ہو گیا، اس کی وجہ سے کیا حاصل ہوا؟ اعلام حاصل ہوا، اطلاع ہو گئی سب کو، کس چیز کی؟ جمعے کی نماز کی اطلاع سب کو ہو گئی، اس کے ذریعے سب کو اطلاع ہو گئی۔ اور قرآن میں بھی اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِالْجُمُعَةِ﴾، جب ندا دے دی جائے جمعے کی اذان کے لیے، یعنی جب اس کی تمہیں اطلاع کر دی جائے، جب اذان دے دی جائے تو پھر جلدی کرو۔ تو پہلی اذان کے ذریعے چونکہ پتہ لگ گیا سب کو، اطلاع ہو گئی، لہٰذا اس کے بعد خرید و فروخت چھوڑ دیں گے اور جمعے کی طرف لوگ متوجہ ہوں گے۔

چلیے بس بھئی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

665

سبق نمبر ۸۲: بَابُ الْعِيدَيْنِ

ہدایہ صفحہ: ۱۸۲ — بتاریخ: ۹ مارچ ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الْعِيدَيْنِ

«وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ عَلَى كُلِّ مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ»

تو یہاں مضاف محذوف ہے، **أَيْ بَابُ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ**، یہ باب ہے دو عیدیں جو ہیں ان کی نماز کے بیان میں بھائی۔ تو نمازِ عید کا طریقہ اب اس میں سکھلائیں گے بھائی، اور اس سے متعلقہ احکام جو ہیں وہ بیان کریں گے۔

کہتے ہیں: «**وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ عَلَى كُلِّ مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ**» اور عید کی نماز جو ہے واجب ہے ہر اس شخص پر جس پر جمعہ کی نماز واجب ہو۔ عید کی نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ کی نماز واجب ہو بھائی واجب ہو۔ تو معلوم ہوا مسافر اس سے نکل گیا بھائی، کیونکہ مسافر پر جمعہ نہیں بھائی۔ اسی طرح مریض وغیرہ جن کا گزشتہ باب کے اندر ذکر آیا تھا بھائی۔

عید کی نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔ «**وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ**» آگے صاحبِ ہدایہ جامع صغیر کی عبارت نقل فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں جامع صغیر کے اندر امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ**، **عِيدَانِ** نکرہ آیا اور **اجْتَمَعَا** اس کے بعد فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو میں نے آپ کو بتلایا تھا یہ عموماً اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت بھائی، تو یہاں بھی یہ صفت بنے گا۔ **عِيدَانِ** ایسی دو عیدیں **اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ** جو جمع ہو جائیں ایک ہی دن میں۔ تو یہ بنے گا مبتدا، **عِيدَانِ** ہے مبتدا موصوف ہے اور **اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ** اس کی صفت ہے بھائی۔ اور آگے **فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ** یہ اس کی خبر ہے بھائی، یہ کیا ہے؟ اور آپ نے پڑھا کبھی خبر جملہ ہوا کرتی ہے، تو یہ جملہ کیا ہے پورا خبر بن رہا ہے بھائی، اور **وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ** کا اسی خبر پر عطف ہے بھائی۔

اور تو یہ خبر پر فا داخل ہوئی بھائی، خبر پر فا داخل ہوئی۔ اور آپ نے کافیہ کے اندر پڑھا ہو گا کہ بعض اوقات مبتدا جو ہے وہ متضمن ہوتا ہے معنیٰ شرط کو، تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے بھائی۔ وہ کبھی مبتدا کے اندر شرط والے معنیٰ آ جاتے ہیں تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے بھائی جائز ہے۔ اور ان میں سے ایک وہ مبتدا ہے جو ایسا نکرہ ایسا نکرہ جس کی صفت فعل یا ظرف آئے بھائی۔ ایسا نکرہ جس کی صفت فعل یا ظرف آئے۔ تو دیکھیے **عِيدَانِ** یہ نکرہ ہے اور اس کی صفت کیا آئی؟ **اجْتَمَعَا** فعل آئی بھائی، اور تو یہ متضمن ہوا کس کو؟ معنیٰ شرط کو بھائی۔ اور کافیہ میں اس کی مثال انہوں نے دی ہے: **كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ** بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ**» **يَرْحَمُكَ اللهُ**، ایسی دو عیدیں جو جمع ہو جائیں ایک ہی دن کے اندر۔ بھائی بعض اوقات عید جمعہ والے دن آ جاتی ہے، کس دن؟ جمعہ والے دن آ جاتی ہے، تو اس دن یاد رکھیے عید کی نماز بھی ہو گی اور اس کے بعد پھر جمعہ کی نماز بھی ہو گی، یہ نہیں کہ عید کی نماز ہو گئی تو اب جمعہ کی نماز نہیں ہو گی بلکہ صرف کون سی ہو جائے، ظہر کی ہو جائے، ایسا نہیں بلکہ دونوں نمازیں ہوں گی۔

تو اسی سے متعلقہ عبارت ذکر کر رہے ہیں جامع صغیر کی، کہتے ہیں جامع صغیر کے اندر امام محمد فرماتے ہیں کہ ایسی دو عیدیں جو جمع ہو جائیں ایک ہی دن کے اندر، یعنی عید کا دن کون سے دن آ جائے؟ جمعہ کے دن، **فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ** تو ان میں سے جو اول ہے وہ سنت ہے، **وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ** اور دوسرا جو ہے وہ فرض۔ پہلی نماز سنت

ہے اور دوسری فرض۔ اور پہلے کون سی نماز ہو گی؟ عید کی پہلے، اور اس کے بعد جمعہ کی۔ «وَلَا يُتْرَكُ وَاحِدٌمِنْهُمَا» اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا جائے گا بھائی۔ ان میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا جائے گا، یہ نہیں کہ عید کی نماز پڑھ لی تو اب جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی بلکہ نہیں، دونوں کو پڑھا جائے گا۔

«قَالَ» آگے اب عبارت نقل کرنے کے بعد صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: قَالَ، اس سے مراد صاحبِ ہدایہ ہیں۔ کہتے ہیں: «وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى السُّنَّةِ» اور یہ تصریح ہے سنت پر۔ اس عبارت میں تصریح ہے اس بات پر، اب کس بات پر؟ سنت ہونے پر، کہ یعنی کہ عید کی نماز سنت ہے بھائی، عید کی نماز سنت ہے۔ «وَالْأَوَّلُ عَلَى الْوُجُوبِ» اور پہلا جو ہے پہلا کون سا؟ جو متن میں آیا: «وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ» وہاں سے کیا پتہ چلا؟ صاحبِ قدوری فرمارہے ہیں عید کی نماز واجب، اور امام محمد رحمہ اللہ فرمارہے ہیں کہ عید کی نماز سنت ہے۔ تو کہتے ہیں تو یہ تصریح ہے سنت ہونے پر۔ تصریح کہتے ہیں صاف لفظوں میں کوئی بات کہنا، واضح لفظوں میں بات کہنا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ تصریح اور صراحت کہتے ہیں۔ تو یہ تصریح ہے، دیکھو صاف لفظوں میں کہہ دیا گیا: «فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ»، کسی اور اشارے وغیرہ سے نہیں پتہ چل رہا، صراحتاً کیا فرمارہے ہیں امام محمد؟ «فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ» کہ پہلی نماز سنت ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى السُّنَّةِ، وَالْأَوَّلُ عَلَى الْوُجُوبِ» اور پہلا قول کس پر تصریح کر رہا ہے؟ واجب کے، کہ عید کی نماز واجب ہے۔ «وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہ روایت ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ عید کی نماز واجب ہے واجب ہے۔

اب وجہ ذکر کر رہے ہیں بھائی، تو کہتے ہیں وجہ الاول، پہلے قول کی وجہ، پہلا قول کیا آیا تھا متن میں؟ واجب ہے۔ کہتے ہیں پہلے قول کی وجہ جو ہے: «مُوَاظَبَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا» حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر پابندی فرمانا ہے، کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ اس عید کی نماز کو ادا فرمایا اور کبھی ترک نہیں کیا، اور یہ کس چیز کی علامت ہے؟ واجب ہونے کی، کس چیز کی؟ واجب ہونے کی۔

■ مسئلہ: وَوَجْهُ الثَّانِي

«وَوَجْهُ الثَّانِي» اور دوسرے قول کی وجہ: «قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ عَقِيبَ سُؤَالِهِ» وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اعرابی والی یعنی دیہاتی والی حدیث میں، اس کے سوال کرنے کے بعد۔ وہ دیہاتی آیا تھا اور اس نے سوالات وغیرہ کچھ کیے جاتے ہوئے تو آخر میں جب حضور علیہ السلام نے نمازیں اس کو بتلا دیں تو کہنے لگا: «هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟» کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی اور نماز ہے؟ ان نمازوں کے علاوہ جو آپ نے ذکر فرما دیں، ان کے علاوہ کوئی اور بھی نماز مجھ پر ہے یا نہیں؟ «قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ» تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے نہیں، مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔ مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔ تو اس کے اندر تو حضور علیہ السلام نے عید کا ذکر پیچھے نہیں فرمایا تھا، پانچ نمازیں وغیرہ آپ نے بتلا دیں، اس کے بعد اس نے کہا اور کوئی نماز ہے؟ حضور علیہ السلام فرمانے لگے نہیں، مگر یہ کہ تو نفل پڑھے، یعنی نفل ہیں اس کے علاوہ۔ اور باقی کے اندر تو عید بھی آ گئی۔ معلوم ہوا عید بھی نفل ہے یعنی سنت، کیونکہ سنت بھی کس چیز کا نام ہے؟ نفل ہی کا نام ہے جس پر حضور علیہ السلام نے پابندی فرمائی ہو۔ تو معلوم ہوا عید کی نماز بھی سنت ہے، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں: «وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ» اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں کہ «فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ» امام محمد رحمہ اللہ نے جو فرمایا: «فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ»، اس میں سنت کیوں کہا گیا پھر اس کو جب یہ واجب ہے؟ کہتے ہیں: «وَتَسْمِيَتُهُ سُنَّةً لِوُجُوبِهِ بِالسُّنَّةِ» اور اس کا نام سنت رکھا گیا یعنی اس کو سنت کہا گیا لِوُجُوبِهِ بِالسُّنَّةِ اس لیے کیونکہ اس کا وجوب کس سے ثابت ہے؟ سنت سے ثابت ہے بھائی سنت سے۔

«وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى وَيَغْتَسِلَ وَيَسْتَاكَ وَيَتَطَيَّبَ» اور مستحب ہے عید الفطر والے دن، مستحب ہے عید الفطر کے دن کہ «أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى» کہ نمازی جو ہے وہ کچھ کھالے عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے۔ عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھالے۔

بھائی یاد رکھیے، عید الفطر کے اندر مسنون یہ ہے کہ انسان عید کی نماز سے پہلے ہی کچھ کوئی میٹھی چیز کھالے بھائی، کوئی میٹھی چیز۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہے کہ آپ عید گاہ کے لیے نکلنے سے پہلے آپ کوئی میٹھی چیز کھالیتے، اور نہیں تو کم از کم کھجوریں کھالیتے بھائی، تو لہٰذا یہ مسنون ہے۔ جبکہ عید الاضحیٰ کے اندر مسنون یہ ہے کہ عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے انسان کچھ نہ کھائے بھائی کچھ نہ کھائے۔ حضور علیہ السلام عید الاضحیٰ کے موقع پر کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، ہاں جب عید کی نماز سے واپس آتے پھر وہ قربانی کا گوشت، قربانی ہوتی، اس کا گوشت تناول فرماتے تھے بھائی۔ تو واپس آتے تو قربانی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔

اس میں یاد رکھیے کہ دراصل یہاں ماقبل کی مخالفت ہے بھائی، ماقبل کی کیا ہے؟ مخالفت۔ چونکہ عید الفطر سے ماقبل روزے کے ایام تھے اور روزوں میں تو ہم نہیں کھاتے تھے صبح، روزوں میں تو نہیں کھایا جاتا روزہ ہوتا ہے انسان کا، تو عید کے دن کیا کر لے؟ کچھ کھالے، کوئی میٹھی چیز کھالے تاکہ ان پتہ لگ جائے کہ یہ آج روزہ نہیں ہے بھائی۔ اور عید الاضحیٰ کے اندر تو ماقبل میں روزے نہیں ہیں، نفلی انسان رکھ لے نفلی کی بات نہیں ہو رہی، تو اس سے ماقبل میں تو روزے وغیرہ نہیں ہیں، لہٰذا وہاں پر کیا کرے؟ مسنون طریقہ کیا ہے؟ کچھ نہ کھائے اور بعد میں کھائے بھائی۔ اور اس میں پھر حضور علیہ السلام کا طریقہ یہ تھا کہ آپ واپس آنے کے بعد پھر وہ جب قربانی ہو جاتی

اس کا گوشت تناول فرماتے تھے بھائی۔ لیکن اس میں بھی یاد رکھیں یہ قربانی تو یہاں پر اب بعض اوقات بڑی تاخیر ہو جاتی ہے بڑی تاخیر، سمجھ میں آیا؟ حتیٰ کہ بعض اوقات شام پڑ جاتی ہے، تو یہ نہیں کہ اب اس میں انسان سارا دن پھر کچھ کھائے ہی نہ، یہ تو پھر روزہ بن جائے گا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ لہٰذا یہ بھی مناسب نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى» اور مستحب ہے عید الفطر کے دن کہ وہ شخص کچھ کھالے عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے، «وَيَغْتَسِلَ» اور غسل کر لے، «وَيَسْتَاكَ» اور مسواک کر لے، «وَيَتَطَيَّبَ» اور خوشبو لگا لے، «لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطْعَمُ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى» اس بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَطْعَمُ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ کہ آپ کھایا کرتے تناول فرماتے تھے عید الفطر کے دن قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے، «وَكَانَ يَغْتَسِلُ فِي الْعِيدَيْنِ» اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمایا کرتے تھے دونوں عیدوں کے دن، «وَلِأَنَّهُ يَوْمُ اجْتِمَاعٍ فَيُسَنُّ فِيهِ الْغُسْلُ» دوسری وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ اور اس لیے کیونکہ عید کا دن جو ہے یہ اجتماع والا دن ہے جس میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، «فَيُسَنُّ فِيهِ الْغُسْلُ» تو اس کے اندر غسل مسنون ہو گا، «وَالتَّطَيُّبُ» اور خوشبو لگانا یہ بھی کیا ہو گا؟ مسنون ہو گا، «كَمَا فِي الْجُمُعَةِ» جیسے کس دن ہوتا ہے؟ جمعہ میں ہوتا ہے، جمعہ کے دن بھی لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے تو غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہے، تو یہاں بھی عید کے دن بھی لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے تو یہاں بھی غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہو گا۔

■ مسئلہ: وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ

«وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ» اور پہن لے اپنے سب سے عمدہ اچھے کپڑے، سب سے اچھے کپڑے۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهُ جُبَّةُ فَنَكٍ أَوْ صُوفٍ يَلْبَسُهَا فِي الْأَعْيَادِ» صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلایا کہ عید کے لیے جانے والا کیا کر لے؟ اپنے سب سے اچھے کپڑے پہن لے، اور دلیل ذکر کر رہے ہیں: «لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تھے «كَانَ لَهُ جُبَّةُ فَنَكٍ» آپ کا ایک فنک کا جبہ تھا «أَوْ صُوفٍ» یا اون کا «يَلْبَسُهَا فِي الْأَعْيَادِ» جس کو آپ پہنتے تھے عیدوں میں۔ عید کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہنا کرتے تھے بھائی، جُبَّةُ فَنَكٍ۔ فنک بھائی یہ کہتے ہیں لومڑی کے مشابہ کوئی جانور ہے اور اس کی کھال اور پوستین جو ہے وہ بڑی عمدہ ہوتی ہے بھائی، بڑی عمدہ ہوتی ہے، تو اس کا بنا ہوا ایک جبہ تھا اور حضور علیہ السلام اس کو عید کے موقع پر پہنتے تھے، یا اون کا کوئی جبہ تھا اس کو حضور علیہ السلام عید کے موقع پر پہنتے تھے۔

«وَيُؤَدِّيَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ» اس کا عطف بھی اسی پر ہے بھائی، أَنْ يَطْعَمَ وَأَنْ يُؤَدِّيَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ، اور مستحب ہے عید الفطر کے دن کہ وہ عید پڑھنے والا ادا کر دے صدقۃ الفطر، کس کو؟ صدقۂ فطر کو ادا کر دے۔ صدقۂ فطر کے بارے میں آگے مفصل باب آ رہا ہے وہاں تفصیل آ جائے گی۔ یہ ادا کر دے: «إِغْنَاءً لِلْفَقِيرِ» بھائی عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے کیا کر دے؟ صدقۂ فطر ادا کر دے بھائی۔ «إِغْنَاءً لِلْفَقِيرِ» فقیر کو بے نیاز کرنے کے لیے، محتاج کو بے پرواہ کرنے کے لیے، «لِيَتَفَرَّغَ قَلْبُهُ لِلصَّلَاةِ» تاکہ اس فقیر کا دل جو ہے وہ فارغ ہو جائے نماز کے لیے۔ فقیر جو ہے وہ بیچارہ تو کھانے پینے کی اور ضرورت کی طرف اس کی توجہ رہے گی، لیکن جب اس کو صدقۂ فطر مل جائے گا تو اب وہ ان چیزوں کی طرف اس کی توجہ نہیں ہو گی اور کامل توجہ کے ساتھ وہ نماز ادا کر سکے گا بھائی۔ تو یہ عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے کیا کرنا چاہیے کم از کم؟ صدقۂ فطر بھائی، احسن تو یہ ہے کہ عید کے دن سے پہلے ہی کم از کم ایک دو دن پہلے ہی انسان ادا کر دے۔

«وَيَتَوَجَّهُ إِلَى الْمُصَلَّى» اور متوجہ ہو جائے عید گاہ کی طرف، یعنی عید گاہ کی طرف چل پڑے۔ «وَلَا يُكَبِّرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي طَرِيقِ الْمُصَلَّى وَعِنْدَهُمَا يُكَبِّرُ اعْتِبَارًا بِالْأَضْحَى»

■ مسئلہ: وَلَا يُكَبِّرُ

«وَلَا يُكَبِّرُ» اور تکبیر نہ کہے، یہاں یاد رکھنا بھائی دو روایتیں ہیں، یہاں اختلاف ذکر ہو رہا ہے امام صاحب کا اور صاحبین کا۔ بھائی عید الاضحیٰ کے اندر تو بالاتفاق جو شخص عید کی نماز پڑھنے جا رہا ہے، کون سی عید میں؟ عید الاضحیٰ میں، وہ راستے میں چلتے ہوئے جاتے ہوئے تکبیر بلند آواز سے پڑھتا ہوا جائے بھائی، مسنون یہ طریقہ ہے مسنون طریقہ۔ بلند آواز کے ساتھ تکبیر تکبیر کہتا ہوا جائے، وہی تکبیر جو ان ایامِ تشریق میں پڑھی جاتی ہے: «اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ» تو یہ تکبیر اونچی آواز سے پڑھتا ہوا جائے۔

اب عید الفطر کے اندر جب نماز کے لیے انسان جا رہا ہے تو کیا اس وقت بھی یہ تکبیر پڑھی جائے گی اونچی آواز سے یا نہیں پڑھی جائے گی بھائی؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس موقع پر نہیں پڑھی جائے گی تکبیر بھائی، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں، جیسے عید الاضحیٰ کے اندر تکبیر پڑھی جاتی ہے جاتے ہوئے اسی طرح یہاں پر بھی تکبیر پڑھی جائے گی۔ اور پھر اس میں بعض علماء نے لکھا کہ یہ اختلاف جو ہے یہ اختلاف کہ اصلِ تکبیر کے اندر ہی اختلاف ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں پڑھیں گے، امام صاحب فرماتے ہیں بالکل پڑھنی ہی نہیں ہے۔ اصلِ تکبیر میں ہی کیا ہے؟ اختلاف۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے اصلِ تکبیر میں نہیں اختلاف، صاحبین جیسے فرماتے ہیں وہ کہ یہ تکبیر

پڑھی جائے گی راستے میں اسی طرح امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ پڑھی جائے گی، ہاں اختلاف صرف جہراً پڑھنے میں ہے کہ بلند آواز سے پڑھی جائے گی یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں بلند آواز سے نہیں بلکہ آہستہ آواز سے پڑھتا ہوا جائے گا، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، عید الاضحیٰ کے دن کی طرح جیسے اس دن بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے اس دن بھی کیا کیا کرے گا یہ شخص؟ بلند آواز سے تکبیرات کہتا ہوا جائے گا بھائی۔

تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو زیادہ صحیح قول یہ بھائی۔ تو «**وَلَا يُكَبِّرُ**» **أَيْ جَهْرًا** بھائی، **جَهْرًا**، جہراً کی قید یہاں یاد رکھنا۔ کہ «**وَلَا يُكَبِّرُ**» اور تکبیر نہیں کہے گا یعنی بلند آواز سے، «**عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي طَرِيقِ الْمُصَلَّى**» امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عید گاہ کے راستے میں، یعنی بلند آواز سے تکبیرات نہیں کہے گا آہستہ آواز سے۔ «**وَعِنْدَهُمَا يُكَبِّرُ اعْتِبَارًا بِالْأَضْحَى**» اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے گا یعنی اونچی آواز سے کہے گا اعتباراً بالاضحیٰ قیاس کرتے ہوئے عید الاضحیٰ پر بھائی۔

«**وَلَهُ**» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: «**أَنَّ الْأَصْلَ فِي الثَّنَاءِ الْإِخْفَاءُ**» کہ اصل کیا ہے ثناء کے اندر؟ اخفاء ہے، آہستہ آواز سے کہنا ہے۔ دیکھا صاحبِ ہدایہ نے دلیل بھی کیا ذکر کر دی؟ کہ پڑھنی نہیں ہے یا آہستہ پڑھنی ہے؟ ہاں آہستہ پڑھنے کی دلیل ذکر کی۔ تو امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ **أَنَّ الْأَصْلَ فِي الثَّنَاءِ الْإِخْفَاءُ** کہ ثناء کے اندر جو ہے اللہ کے حمد و ثناء میں اصل جو ہے اخفاء ہے کہ پست آواز سے کی جائے، «**وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ فِي الْأَضْحَى**» اور شریعت وارد ہوئی ہے یعنی اونچی آواز کے بارے میں **فِي الْأَضْحَى** عید الاضحیٰ کے بارے میں۔ شریعت میں صرف کس دن پڑھنے کے بارے کس دن اونچی تکبیرات کہنے کا حکم دیا گیا ہے؟ ہاں صرف یوم الاضحیٰ کے دن بھائی۔ اور شریعت وارد ہوئی ہے عید الاضحیٰ کے بارے میں، «**لِأَنَّهُ يَوْمُ تَكْبِيرٍ**» اس لیے کیونکہ وہ تکبیر والا دن ہے بھائی، ان دنوں میں کیا کیا جاتا ہے نمازوں کے بعد؟ تکبیرات کہی جاتی ہیں تو وہ تکبیر والے دن ہیں، «**وَلَا كَذَلِكَ الْفِطْرُ**» اور عید الفطر کا دن اس طرح نہیں ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ **يَرْحَمُكَ اللهُ**۔

اور یہ بھی یاد رکھیے، اس مسئلے کے اندر فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے بھائی، کہ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے عید الفطر کے دن تکبیرات جو ہیں وہ آہستہ آواز سے کہنی چاہئیں بھائی، آہستہ آواز سے۔ اور چنانچہ چنانچہ صاحبِ ہدایہ نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا، اور امام صاحب کی دلیل بعد میں ذکر کی بھائی، اور صاحبین کی دلیل پہلے ذکر کی، اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جو قول قوی ہوتا ہے صاحبِ ہدایہ اس کی دلیل بعد میں ذکر کرتے ہیں تاکہ یہ اس قول کی دلیل بھی ہو جائے اور دوسرے قول کا جواب بھی ہو جائے بھائی، ان کی دلیل کا جواب بھی ہو جائے،

اور یہ بھی یاد رکھیے بھائی کہ عموماً جب امام صاحب ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف ہوں کسی مسئلے میں، تو تو پھر اس صورت میں بعض اوقات فقہاء صاحبین کے قول کو لیتے ہیں یا بعض اوقات کس کے قول کو لیتے ہیں؟ امام صاحب کے قول کو، اگرچہ اکثر اس میں بھی امام صاحب ہی کے قول کو لیا جاتا ہے۔ اور جب امام صاحب کے ساتھ امام ابو یوسف رحمہ اللہ آ جائیں اور امام محمد دوسری طرف ہوں، اور یا امام صاحب کے ساتھ امام محمد رحمہ اللہ آ جائیں اور صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ دوسری طرف ہوں، تو پھر اس صورت میں جب امام صاحب اکیلے ہوتے تھے تو عموماً ان کے قول کو اختیار کیا جاتا تھا، اب ان کے ساتھ ایک اور بھی مل گئے تو اب اور زیادہ قوت آ جاتی ہے، تو اس صورت میں بھی عموماً فتویٰ انہی کے قول پر ہوتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ امام صاحب ہی کے قول پر، کیونکہ وہ اکیلے تھے تو اس وقت ان کے قول کو قوت حاصل تھی تو اب ساتھ ایک اور شاگرد بھی مل گئے تو مزید قوت آ گئی ان کے قول کے اندر۔ تو یہاں پر فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ...

«**وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدِ**» یاد رکھیے بھائی کہ عید والے دن عید والے دن عید کی نماز سے قبل نوافل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے، گھر پر پڑھنا بھی مکروہ عید گاہ کے اندر پڑھنا بھی مکروہ ہے بھائی عید گاہ کے اندر بھی۔ اور نمازِ عید کے بعد اب نوافل پڑھ سکتے ہیں لیکن گھر وغیرہ پر پڑھ سکتے ہیں، عید گاہ میں پھر عید کی نماز کے بعد بھی نوافل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدِ**» اور نفل نہ پڑھے عید گاہ کے اندر عید کی نماز سے پہلے۔ دلیل کیا اس کی؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مَعَ حِرْصِهِ عَلَى الصَّلَاةِ**» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا باوجود آپ کے حریص ہونے کے **عَلَى الصَّلَاةِ** نماز پر۔ باوجود اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پر بے انتہا حریص تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا کہ عید کی نماز سے پہلے یا عید کی نماز کے بعد وہاں نوافل ادا فرمائے ہوں۔

«**ثُمَّ قِيلَ: الْكَرَاهَةُ فِي الْمُصَلَّى خَاصَّةً**» پھر کہا گیا ہے کہ کراہت صرف عید گاہ کے اندر ہے، یعنی عید گاہ کے اندر نفلوں کا پڑھنا عید کی نماز سے پہلے، یہ صرف عید گاہ کے اندر پہلے پڑھنا مکروہ ہے، گھر میں پہلے پڑھنا مکروہ نہیں، یہ ایک قول ہے۔ «**وَقِيلَ: فِيهِ وَفِي غَيْرِهِ عَامَّةٌ**» اور کہا گیا ہے کہ یہ کراہت عید گاہ

میں اور عید گاہ کے علاوہ میں عام ہے، یعنی ہر جگہ پر نفل پڑھنا مکروہ ہے چاہے گھر پر پڑھے چاہے عید گاہ میں سب مکروہ ہیں۔ دلیل کیا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَفْعَلْهُ» اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔

■ مسئلہ: وَإِذَا حَلَّتِ الصَّلَاةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ...

«وَإِذَا حَلَّتِ الصَّلَاةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُهَا إِلَى الزَّوَالِ» اور جب نماز حلال ہو جائے سورج کے بلند ہو جانے کی وجہ سے، تو عید کی نماز کا وقت داخل ہو گیا زوال تک۔ بھائی جب نماز حلال ہو جائے، آپ پڑھ چکے ہیں بھائی کہ جب سورج طلوع ہو اس وقت نماز کا پڑھنا جائز نہیں ہے بھائی، تو جب کچھ سورج سورج جو ہے ایک دو نیزے بلند ہو جائے افق سے تو پھر اس کے بعد جو ہے عید کی نماز کا وقت شروع ہو گیا اور یہ وقت کب تک رہے گا؟ زوال تک، یعنی نصف النہار تک، سورج ڈھلنے کے وقت تک اس کا وقت ہے، اور اس وقت کے دوران ہی عید کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا حَلَّتِ الصَّلَاةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُهَا إِلَى الزَّوَالِ» اور جب نماز حلال ہو جائے یعنی جائز ہو جائے بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ سورج کے بلند ہو جانے کی وجہ سے، کیونکہ جب تک ابھی سورج بلند نہیں ہوا سورج نکل رہا ہے اس وقت تو اس وقت تو نماز پڑھنا جائز ہی نہیں۔ «دَخَلَ وَقْتُهَا» تو داخل ہو جائے گا عید کی نماز کا وقت «إِلَى الزَّوَالِ» کب تک؟ زوال تک، یعنی سورج ڈھلنے تک۔ «وَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُهَا» اور جس وقت سورج ڈھل جائے تو عید کی نماز کا وقت نکل جائے گا۔

دلیل اس کی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعِيدَ وَالشَّمْسُ عَلَى قَيْدِ رُمْحٍ أَوْرُمْحَيْنِ» اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھا کرتے تھے اس حال میں کہ سورج جو ہے عَلَى قَيْدِ رُمْحٍ، قَيْد اور قید دونوں طرح درست ہے یہ لفظ، قَيْد بھی اور قید، اور یہ کہتے ہیں مسافت اور فاصلے کو، کہ حضور علیہ السلام عید کی نماز پڑھا کرتے تھے وَالشَّمْسُ عَلَى قَيْدِ رُمْحٍ أَوْ رُمْحَيْنِ اس حال میں کہ سورج جو ہے ایک نیزے یا دو نیزوں کی مسافت پر ہوتا تھا، یعنی افق کے کنارے سے مشرق کے کنارے سے سورج ایک یا دو نیزوں کی بلندی پر ہوتا تھا اس وقت آپ عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

اور یہ تو تھا کہ اس وقت عید کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور کب تک رہتا ہے؟ زوال تک، تو زوال تک وقت رہنے کی کیا دلیل ہے؟ وہ بھی ذکر کر رہے ہیں: «وَلَمَّا شَهِدُوا بِالْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ أَمَرَ بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى مِنَ الْغَدِ» یہ بھائی صحابہ کو ایک مرتبہ عید کا چاند نظر نہ آیا بادل وغیرہ رہا یا کسی وجہ سے، تو اگلے دن پھر روزہ رکھا گیا بھائی روزہ رکھا گیا۔ اور زوال کے بعد سورج ڈھلنے کے بعد کچھ سوار آئے اور مدینہ کے کہیں قریب کی بستیوں سے، اور انہوں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دی کہ ہم نے کل شام کو چاند دیکھا تھا، انہوں نے گواہی دی۔ تو حضور علیہ السلام نے سب کو روزہ کھولنے کا حکم دیا کیونکہ چاند پر جب گواہی آ گئی معلوم ہوا چاند نظر آ چکا ہے تو یہ عید کا دن ہے، لیکن چونکہ وہ زوال کے بعد آئے تھے تو اسی وقت عید کی نماز کے لیے نکلنے کا حکم نہیں دیا بلکہ عید کی نماز کے لیے اگلے دن صبح نکلنے کا حکم دیا۔ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ زوال کے بعد عید کی نماز کا وقت نہیں ہوتا، ورنہ اگر زوال کے بعد بھی عید کی نماز کا وقت ہوتا تو حضور علیہ السلام اسی دن صحابہ کو نماز کے لیے نکلنے کا حکم دیتے، تو آپ نے روزہ کھولنے کا تو حکم دے دیا لیکن عید کی نماز پڑھنے کے لیے اگلے دن نکلنے کا حکم دیا۔

اسی کو بیان کر رہے ہیں: «وَلَمَّا شَهِدُوا بِالْهِلَالِ بَعْدَالزَّوَالِ» اور جب ان لوگوں نے گواہی دی چاند کی بعد الزوال زوال کے بعد، یعنی سورج ڈھلنے کے بعد، «أَمَرَ بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى مِنَ الْغَدِ» تو حضور علیہ السلام نے نکلنے کا حکم دیا عید گاہ کی طرف اگلے روز۔ تو معلوم ہوا عید کی نماز کا وقت کب تک ہے؟ زوال تک ہے، ورنہ اسی دن حضور علیہ السلام نکلنے کا حکم دیتے۔

■ مسئلہ: وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ يُكَبِّرُ...

«وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ» آگے بھائی اب عید کی نماز کا طریقہ بیان فرما رہے ہیں۔ عید کی نماز کا وقت بیان کر دیا، اب عید کی نماز کا طریقہ بیان کر رہے ہیں۔ یاد رکھیے بھائی عید کی نماز کا طریقہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عید کی نماز میں چھ زائد تکبیریں ہیں، چھ زائد تکبیریں ہیں، تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں۔ یعنی جو اصل اصل تکبیرات ہیں ان سے زائد ہیں چھ بھائی چھ، اور یہ بھی واجب ہیں یہ تکبیریں بھی واجب ہیں بھائی واجب۔

اور مختصراً عید کی نماز کا طریقہ بیان کر دیتا ہوں، سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیے کہ عید کی نماز کے لیے جیسے اذان نہیں دی جاتی اسی طرح اس کے لیے اقامت بھی نہیں ہے بھائی۔ تو یہ نہ ہو کبھی آپ عید کی نماز پڑھنے جائیں اور آگے کھڑے ہو کر اب نماز ہی نہیں شروع کروا رہے انتظار کر رہے ہیں کہ بھائی کوئی پیچھے تکبیر کہے گا تو میں نماز شروع کرواؤں گا۔ جمعہ کے لیے اذان ہے تو اس کے لیے اقامت بھی ہے، لیکن عید کی نماز میں اذان نہیں ہے تو اسی طرح اقامت بھی نہیں ہے۔ تو پھر چنانچہ امام دو رکعتیں

پڑھائے اور پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد ثناء پڑھی جائے گی بھائی، جو جیسے عام نماز میں ثناء پڑھی جاتی ہے: **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ**۔ اور ثناء پڑھنے کے بعد پھر امام تکبیر کہے گا اور کانوں تک ہاتھ اٹھائے بھائی، اور پھر تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ باندھنے نہیں، ہاتھ چھوڑ دے بھائی نیچے، کھلے چھوڑ دے۔ اور پھر اس کے بعد دوسری تکبیر کہی جائے گی اسی طریقے سے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے، اور اس کے بعد بھی ہاتھوں کو نیچے لٹکا دیں گے، اور پھر تیسری زائد تکبیر جو ہے جو اصل سے زائد ہے وہ تیسری تکبیر کہی جائے گی اور اس کے بعد پھر ہاتھوں کو باندھ لیا جائے گا، کیونکہ تین زائد واجب تکبیریں جو تھیں وہ گزر گئیں اب امام قراءت کرے گا۔ اور ہر دو تکبیروں کے درمیان تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار فصل ہونا چاہیے بھائی، تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار فصل ہونا چاہیے۔ اور اس کے بعد پھر جو ہے قراءت ہو گی اور پھر پہلی رکعت مکمل ہو گئی۔

اس کے بعد دوسری رکعت کے اندر قراءت کے بعد تین تکبیرات آئیں گی بھائی قراءت کے بعد، اور وہاں پر قراءت جب مکمل ہو جائے پھر اسی طرح تکبیر کہے گا امام دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے اور پھر اس کے بعد ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دے گا۔ اور پھر اگلی تکبیر کہی جائے گی اسی طریقے سے، اس میں بھی ہاتھ اسی طرح اس کے بعد نہیں باندھنے، پھر تیسری تکبیر کہی جائے گی اور تیسری تکبیر کے بعد اب چوتھی تکبیر کس کی آئے گی آگے؟ رکوع والی، تو اس رکوع والی تکبیر سے پہلے جب آخری تیسری تکبیر کہی اس کے بعد بھی ہاتھ نہیں باندھنے بھائی، اس کے بعد بھی ہاتھ نہیں باندھنے، ہاتھوں کو اسی طرح کھلا چھوڑ دینا ہے لٹکا دینا ہے۔ اور پیچھے ضابطہ ذکر ہوا تھا کہ ہاتھ اس قیام کے اندر باندھے جاتے ہیں جس میں کوئی ذکر مسنون ہو، جس میں کوئی ذکر مسنون ہو اس قیام کے اندر ہاتھ باندھے جاتے ہیں، اور یہاں تیسری تکبیر کے بعد رکوع کی تکبیر سے پہلے کوئی ذکر مسنون نہیں، لہٰذا اس میں بھی ہاتھوں کو نہیں باندھا جائے گا بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو یہ چھ واجب تکبیریں ہیں ہمارے نزدیک جو زائد ہیں زائد۔

چلیے یہیں پر یاد رکھیے بھائی کہ اگر کوئی شخص عید کی نماز میں دیر سے پہنچا وہ کیا کرے گا بھائی؟ مثلاً آپ پہنچے تو پہلی ہی رکعت میں لیکن قراءت شروع ہو چکی ہے وہ تکبیریں گزر چکی ہیں تکبیریں، تو یاد رکھیے گا بھائی یاد رکھیے گا کہ قراءت ہو رہی ہو آپ جب شامل ہوں جا کر تو پہلے اسی طریقے کے مطابق تینوں تکبیریں کہہ لیجیے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو قراءت چاہے جاری ہو آپ تکبیریں کہہ لیں گے کیونکہ یہ تکبیرات واجب ہیں۔

اور اگر آپ پہنچے کہ امام رکوع میں جا چکا ہے تو اب اگر ممکن ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد آپ وہ تکبیریں کہہ کر رکوع میں شامل ہو سکتے ہیں تو پھر تو اسی وقت کہہ لے انسان، لیکن اتنا وقت تو مشکل ہی ہوتا ہے کہ وہ تکبیرات کہہ سکے، تو پھر اس صورت میں رکوع میں چلے جائیں اور رکوع کی تسبیحات کے بجائے پھر وہ تکبیرات کہہ لیجیے رکوع کے اندر ہی بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ رکوع کے اندر ہی وہ کہہ لے اور پھر اس میں وہ ہاتھ اٹھانے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے تو بس رکوع کے اندر تسبیحات تکبیرات کہہ لے بھائی۔

اور اگر پہلی رکعت نکل گئی ہے اور پھر جا کر آپ شامل ہوئے ہیں پھر جا کر شامل ہوئے ہیں، تو اب دوسری رکعت امام کے ساتھ آپ پڑھ رہے ہیں اور وہ دوسری رکعت کے آخر میں تین تکبیرات کہے گا پھر وہ سلام پھیر دے گا اور آپ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ ایک رکعت آپ کی باقی ہے۔ تو اب تکبیرات کس موقع پر کہی جائیں گی بھائی؟ کس موقع پر کہی جائیں گی؟ آپ کی ترتیب کے اعتبار سے یہ دوسری رکعت ہے لیکن یہ اصل میں کون سی رکعت ہے آپ کی؟ پہلی ہے کیونکہ وہ پہلی آپ کی رہ گئی تھی اسی کی اب آپ قضاء کر رہے ہیں بھائی۔ تو پہلی رکعت ہے اور پہلی رکعت میں تکبیرات کہاں پر آتی تھیں؟ قراءت سے پہلے آتی تھیں، لیکن یہاں قراءت سے پہلے نہیں تکبیرات کہنی بلکہ قراءت کے بعد ہی تکبیرات کہنی ہیں، کس کے بعد؟ قراءت کے بعد ہی تکبیرات کہنی ہیں۔ بھائی اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ کہ اگر قراءت سے پہلے آپ تکبیرات کہیں گے تو ساری تکبیرات اکٹھی ہو گئیں۔ تین تکبیرات تھیں پچھلی رکعت کے آخر میں اور تین آ گئیں اگلی کے شروع میں، تو کیا ہو گئیں؟ اکٹھی ہو گئیں، اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ کہ تکبیرات اکٹھی ہو جائیں دونوں رکعتوں والی، بلکہ درمیان میں کس کا فصل آتا ہے؟ قراءت کا فصل آتا ہے۔ تو لہٰذا اب پس وہ قراءت کے بعد تکبیریں کہے گا تاکہ تکبیروں کے درمیان قراءت کا فصل آ جائے بھائی۔

تو فرماتے ہیں: «**وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ**» اور امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے، پہلی میں تکبیرِ افتتاح کہے، «**ثُمَّ يَسْتَفْتِحُ**» پھر ثناء پڑھے، یعنی سبحانک اللھم وبحمدک پڑھے، «**ثُمَّ يُكَبِّرُ ثَلَاثًا**» پھر تین تکبیریں کہے، یعنی ثناء کے بعد اب تین زائد تکبیریں کہے، «**يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيهَا**» اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے ان تکبیروں میں، یعنی کانوں تک ہاتھوں کو اٹھائے، «**ثُمَّ يَقْرَأُ فَإِذَا فَرَغَ كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ**» پھر قراءت کرے، پھر جب فارغ ہو جائے، تو رکوع کے لیے تکبیر کہے۔

■ مسئلہ: وَفِي الثَّانِيَةِ يَبْدَأُ بِالْقِرَاءَةِ

«**وَفِي الثَّانِيَةِ يَبْدَأُ بِالْقِرَاءَةِ**» اور دوسری رکعت میں قراءت سے شروع کرے۔ دیکھو، پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے تکبیریں تھیں اور دوسری میں قراءت کے بعد، تاکہ دونوں تکبیریں آپس میں نہ ملیں۔ «**فَإِذَا فَرَغَ كَبَّرَ ثَلَاثًا**» پھر جب قراءت سے فارغ ہو جائے تو تین تکبیریں کہے، «**يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيهَا**»

سبق نمبر ۸۲: بَابُ الْعِيدَيْنِ
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ان تکبیروں میں، «وَالرَّابِعَةُ لِلرُّكُوعِ» اور چوتھی تکبیر رکوع کے لیے کہے۔

«هَذَا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ» یہ قول ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا۔ اور چونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تھے، تو اہل کوفہ نے اور ہمارے ائمہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ «وَهُوَ مَأْخُوذُنَا» اور یہ ہمارا ماخوذ ہے، یعنی ہمارے ائمہ کا ماخوذ ہے، انہوں نے اس کو اختیار کیا ہے۔

«وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى ثَلَاثًا بَعْدَ الِافْتِتَاحِ ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ وَفِي الثَّانِيَةِ كَذَلِكَ» اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں افتتاح کے بعد تین تکبیریں کہے، پھر قراءت کرے، پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے، اور دوسری میں بھی اسی طرح کرے، یعنی دوسری میں بھی پہلے تکبیریں کہے اور بعد میں قراءت کرے، بعد میں رکوع کرے بھائی۔

■ مسئلہ: وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي س...

«وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي سَبْعٍ وَخَمْسٍ» اور یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، لیکن سات اور پانچ تکبیروں کے اندر۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو تین تین زائد کے قائل تھے دونوں میں، لیکن ترتیب وہی تھی کہ دونوں رکعتوں میں تکبیرات قراءت سے پہلے تھیں، تو امام شافعی رحمہ اللہ بھی ترتیب یہی فرماتے ہیں کہ دونوں رکعتوں میں قراءت سے پہلے تکبیرات ہیں۔ لیکن تکبیرات کی تعداد مختلف ہے کہ پہلی میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں بھائی۔ پہلی میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تکبیرات کی تعداد کتنی ہے؟ پہلی میں سات اور دوسری میں پانچ۔ اب اس سات اور پانچ کے اندر بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ زائد تکبیریں ہیں، یا تکبیرِ تحریمہ اور تکبیرِ رکوع وغیرہ کو ملا کر ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، وہ آگے آجائے گا۔ لیکن بہر حال ان کے نزدیک ترتیب یہی ہے کہ تکبیریں دونوں رکعتوں میں قراءت سے پہلے کہی جائیں گی۔ تو کہتے ہیں: «وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي سَبْعٍ وَخَمْسٍ» اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے سات اور پانچ کے اندر۔ یعنی تعداد مختلف ہے لیکن ترتیب وہی ہے۔

«وَالْحُجَّةُ لَنَا مَا رُوِيَ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ وَأَبَا مُوسَى وَحُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ اجْتَمَعُوا فِي مَسْجِدِ الْكُوفَةِ فَقَالَ أَبُو مُوسَى وَحُذَيْفَةُ لِابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ: كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي هَذِهِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: أَرْبَعًا فِي الْأُولَى وَأَرْبَعًا فِي الثَّانِيَةِ، فَصَدَّقَاهُ عَلَى ذَلِكَ»

اور ہمارے لیے دلیل اب دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ وہ حدیث جس کو روایت کیا گیا ہے کہ ابن مسعود اور ابو موسیٰ اور حذیفہ رضی اللہ عنہم وہ اکٹھے ہوئے مسجدِ کوفہ میں، کوفہ کی مسجد میں، تو ابو موسیٰ اور حذیفہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں تکبیریں کیسے کہا کرتے تھے؟ یعنی عید کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تکبیریں کہنے کا کیا طریقہ تھا؟ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چار تکبیریں پہلی میں اور چار تکبیریں دوسری میں۔ یعنی پہلی میں تین زائد اور ایک تکبیرِ افتتاح، تو کل چار ہو گئیں۔ اور دوسری میں تین زائد اور چوتھی رکوع کی، تو وہ بھی کل چار ہو گئیں بھائی۔ تو ان دونوں نے ان کی تصدیق کی اس بات پر۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بتلانے کے بعد تصدیق کی کہ ہاں واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح پڑھا کرتے تھے بھائی۔ تو یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پہلی میں چار اور دوسری میں چار، یعنی تین تین زائد ہیں دونوں میں۔ اور دونوں میں جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ترتیب ذکر کی تھی، اس پر بھی وہ متفق ہو گئے۔ چلیے بس یہیں تک۔

■ بَابُ الْعِيدَيْنِ «وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ عَلَى كُلِّ مَ

بَابُ الْعِيدَيْنِ «وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ عَلَى كُلِّ مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ».

تو یہاں مضاف محذوف ہے، أَيْ بَابُ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ، یہ باب ہے دو عیدیں جو ہیں ان کی نماز کے بیان میں بھائی۔ تو نماز عید کا طریقہ اب اس میں سکھلائیں گے بھائی اور اس سے متعلقہ احکام جو ہیں وہ بیان کریں گے۔ کہتے ہیں: «وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ عَلَى كُلِّ مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ»، اور عید کی نماز جو ہے واجب ہے ہر اس شخص پر جس پر جمعہ کی نماز واجب ہو۔ عید کی نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ کی نماز واجب ہو بھائی، واجب ہو۔ تو معلوم ہوا مسافر اس

672

سے نکل گیا بھائی کیونکہ مسافر پر جمعہ نہیں بھائی۔ اسی طرح مریض وغیرہ جن کا گزشتہ باب کے اندر ذکر آیا تھا بھائی۔ عید کی نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔

«**وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ**»، آگے صاحبِ ہدایہ جامع صغیر کی عبارت نقل فرمارہے ہیں۔ کہتے ہیں جامع صغیر کے اندر امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ**، **عِيدَانِ** نکرہ آیا اور **اجْتَمَعَا** اس کے بعد فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو میں نے آپ کو بتلایا تھا یہ عموماً اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت بھائی، تو یہاں بھی یہ صفت بنے گا۔ **عِيدَانِ** ایسی دو عیدیں، **اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ** جو جمع ہو جائیں ایک ہی دن میں۔ تو یہ بنے گا مبتدا، **عِيدَانِ** ہے مبتدا موصوف ہے اور **اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ** اس کی صفت ہے بھائی۔ اور آگے **فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ** یہ اس کی خبر ہے بھائی، یہ کیا ہے؟ اور آپ نے پڑھا کبھی خبر جملہ ہوا کرتی ہے تو یہ جملہ کیا ہے؟ پورا خبر بن رہا ہے بھائی، اور **وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ** کا اسی خبر پر عطف ہے بھائی۔

اور تو یہ خبر پر فا داخل ہوئی بھائی، خبر پر فا داخل ہوئی۔ اور آپ نے کافیہ کے اندر پڑھا ہو گا کہ بعض اوقات مبتدا جو ہے وہ متضمن ہوتا ہے معنیٰ شرط کو تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے بھائی۔ وہ کبھی مبتدا کے اندر شرط والے معنیٰ آجاتے ہیں تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے بھائی، جائز ہے۔ اور ان میں سے ایک وہ مبتدا ہے جو ایسا نکرہ، ایسا نکرہ جس کی صفت فعل یا ظرف آئے بھائی۔ ایسا نکرہ جس کی صفت فعل یا ظرف آئے۔ تو دیکھیے **عِيدَانِ** یہ نکرہ ہے اور اس کی صفت کیا آئی؟ **اجْتَمَعَا** فعل آئی بھائی، اور تو یہ متضمن ہوا کس کو؟ معنیٰ شرط کو بھائی۔ اور کافیہ میں اس کی مثال انہوں نے دی ہے: **كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ** بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ**»، **يَرْحَمُكَ اللهُ**، ایسی دو عیدیں جو جمع ہو جائیں ایک ہی دن کے اندر، بھائی بعض اوقات عید جمعہ والے دن آجاتی ہے۔ کس دن؟ جمعہ والے دن آجاتی ہے، تو اس دن یاد رکھیے عید کی نماز بھی ہو گی اور اس کے بعد پھر جمعہ کی نماز بھی ہو گی۔ یہ نہیں کہ عید کی نماز ہو گئی تو اب جمعہ کی نماز نہیں ہو گی بلکہ صرف کونسی ہو جائے؟ ظہر کی ہو جائے، ایسا نہیں بلکہ دونوں نمازیں ہوں گی۔

تو اسی سے متعلقہ عبارت ذکر کر رہے ہیں جامع صغیر کی، کہتے ہیں جامع صغیر کے اندر امام محمد فرماتے ہیں کہ ایسی دو عیدیں جو جمع ہو جائیں ایک ہی دن کے اندر یعنی عید کا دن کونسے دن آجائے؟ جمعہ کے دن، **فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ** تو ان میں سے جو اول ہے وہ سنت ہے، **وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ** اور دوسرا جو ہے وہ فرض۔ پہلی نماز سنت ہے اور دوسری فرض۔ اور پہلے کونسی نماز ہو گی؟ عید کی پہلے اور اس کے بعد جمعہ کی۔ «**وَلَا يُتْرَكُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا**»، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا جائے گا بھائی۔ ان میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا جائے گا، یہ نہیں کہ عید کی نماز پڑھ لی تو اب جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی بلکہ نہیں، دونوں کو پڑھا جائے گا۔

«**قَالَ**»، آگے اب عبارت نقل کرنے کے بعد صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **قَالَ**، اس سے مراد صاحبِ ہدایہ ہیں۔ کہتے ہیں: «**وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى السُّنَّةِ**»، اور یہ تصریح ہے سنت پر۔ اس عبارت میں تصریح ہے اس بات پر، اب کس بات پر؟ سنت ہونے پر، کہ یعنی کہ عید کی نماز سنت ہے بھائی، عید کی نماز سنت ہے۔ «**وَالْأَوَّلُ عَلَى الْوُجُوبِ**»، اور پہلا جو ہے، پہلا کونسا؟ جو متن میں آیا: «**وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ**»، وہاں سے کیا پتہ چلا؟ صاحبِ قدوری فرمارہے ہیں عید کی نماز واجب، اور امام محمد رحمہ اللہ فرمارہے ہیں کہ عید کی نماز سنت ہے۔ تو کہتے ہیں تو یہ تصریح ہے سنت ہونے پر، تصریح کہتے ہیں صاف لفظوں میں کوئی بات کہنا، واضح لفظوں میں بات کہنا اس کو کیا کہتے ہیں؟ تصریح اور صراحت کہتے ہیں۔ تو یہ تصریح ہے دیکھو صاف لفظوں میں کہہ دیا گیا: **فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ**۔ کسی اور اشارے وغیرہ سے نہیں پتہ چل رہا، صراحتاً کیا فرمارہے ہیں امام محمد؟ **فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ** کہ پہلی نماز سنت ہے۔ تو کہتے ہیں: «**وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى السُّنَّةِ**»، اور یہ تصریح ہے سنت ہونے پر، «**وَالْأَوَّلُ عَلَى الْوُجُوبِ**»، اور پہلا قول کس پر تصریح کر رہا ہے؟ واجب کہ عید کی نماز واجب ہے۔ «**وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ**»، اور یہ روایت ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ عید کی نماز واجب ہے، واجب ہے۔

اب وجہ ذکر کر رہے ہیں بھائی، تو کہتے ہیں وجہ الاول، پہلے قول کی وجہ، پہلا قول کیا آیا تھا متن میں؟ واجب ہے۔ کہتے ہیں پہلے قول کی وجہ جو ہے: «**مُوَاظَبَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا**»، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر پابندی فرمانا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ اس عید کی نماز کو ادا فرمایا اور کبھی ترک نہیں کیا اور یہ کس چیز کی علامت ہے؟ واجب ہونے کی، کس چیز کی؟ واجب ہونے کی۔ «**وَوَجْهُ الثَّانِي**»، اور دوسرے قول کی وجہ، «**قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ**»، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اعرابی والی یعنی دیہاتی والی حدیث میں، «**عَقِيبَ سُؤَالِهِ**»، اس کے پوچھ، سوال کرنے کے بعد۔ وہ دیہاتی آیا تھا اور اس نے سوالات وغیرہ کچھ کیے جاتے ہوئے تو آخر میں جب حضور علیہ السلام نے نمازیں اس کو بتلا دیں تو کہنے لگا: «**هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟**» کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی اور نماز ہے؟ ان نمازوں کے علاوہ جو آپ نے ذکر فرما دیں، ان کے علاوہ کوئی اور بھی نماز مجھ پر ہے یعنی؟ «**قَالَ: لَا**»، تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: نہیں۔ «**إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ**»، مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔ مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔ تو اس کے اندر تو حضور علیہ السلام نے عید کا ذکر پیچھے نہیں فرمایا تھا، پانچ نمازیں وغیرہ آپ نے بتلا دیں، اس کے بعد اس نے کہا اور کوئی نماز ہے؟ حضور علیہ السلام فرمانے لگے نہیں، مگر یہ کہ تو نفل پڑھے یعنی نفل ہیں اس کے علاوہ۔ اور باقی کے اندر تو عید بھی آ گئی، معلوم ہوا عید بھی نفل ہے یعنی سنت کیونکہ نفل، سنت بھی کس چیز کا نام ہے؟ نفل ہی کا نام ہے جس پر حضور علیہ السلام نے پابندی فرمائی ہو۔ تو معلوم ہوا عید کی نماز

بھی سنت ہے، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں: «وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ»، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور وجہ بھی ذکر کررہے ہیں کہ فَالْأَوَّلُ سُنَّةُ امام محمد رحمہ اللہ نے جو فرمایا: فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ، اس میں سنت کیوں کہا گیا پھر اس کو جب یہ واجب ہے؟ کہتے ہیں: «وَتَسْمِيَتُهُ سُنَّةً لِوُجُوبِهِ بِالسُّنَّةِ»، اور اس کا نام سنت رکھا گیا یعنی اس کو سنت کہا گیا لِوُجُوبِهِ بِالسُّنَّةِ اس لیے کیونکہ اس کا وجوب کس سے ثابت ہے؟ سنت سے ثابت ہے بھائی، سنت سے۔

■ مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ ق...

«وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى وَيَغْتَسِلَ وَيَسْتَاكَ وَيَتَطَيَّبَ»، اور مستحب ہے عید الفطر والے دن، مستحب ہے عید الفطر کے دن: «أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى»، کہ نمازی جو ہے وہ کچھ کھالے عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے۔ عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھالے۔ بھائی یاد رکھیے عید الفطر کے اندر مسنون یہ ہے کہ انسان عید کی نماز سے پہلے ہی کچھ کوئی میٹھی چیز کھالے بھائی، کوئی میٹھی چیز۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہے کہ آپ عید گاہ کے لیے نکلنے سے پہلے آپ کوئی میٹھی چیز کھالیتے، اور نہیں تو کم از کم کھجوریں کھالیتے بھائی۔ تو لہٰذا یہ مسنون ہے۔ جبکہ عید الاضحیٰ کے اندر مسنون یہ ہے کہ عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے انسان کچھ نہ کھائے بھائی، کچھ نہ کھائے۔ حضور علیہ السلام عید الاضحیٰ کے موقع پر کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، ہاں جب عید کی نماز سے واپس آتے پھر وہ قربانی کا گوشت، قربانی ہوتی اس کا گوشت تناول فرماتے تھے بھائی۔ تو واپس آتے تو قربانی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔

اس میں یاد رکھیے کہ دراصل یہاں ماقبل کی مخالفت ہے بھائی، ماقبل کی کیا ہے؟ مخالفت۔ چونکہ عید الفطر سے ماقبل روزے کے ایام تھے اور روزوں میں تو ہم نہیں کھاتے تھے صبح، روزوں میں تو نہیں کھایا جاتا روزہ ہوتا ہے انسان کا، تو عید کے دن کیا کرلے؟ کچھ کھالے، کوئی میٹھی میٹھی چیز کھالے تاکہ ان پتہ لگ جائے کہ یہ آج روزہ نہیں ہے بھائی۔ اور عید الاضحیٰ کے اندر تو ماقبل میں روزے نہیں ہیں، نفلی انسان رکھ لے نفلی کی بات نہیں ہورہی، اس سے ماقبل میں تو روزے وغیرہ نہیں ہیں لہٰذا وہاں پر کیا کرے؟ مسنون طریقہ کیا ہے؟ کچھ نہ کھائے اور بعد میں کھائے بھائی۔ اور اس میں پھر حضور علیہ السلام کا طریقہ یہ تھا کہ آپ واپس آنے کے بعد پھر وہ جب قربانی ہو جاتی اس کا گوشت تناول فرماتے تھے بھائی۔ لیکن اس میں بھی یاد رکھیں یہ قربانی تو یہاں پر اب بعض اوقات بڑی تاخیر ہو جاتی ہے، بڑی تاخیر، سمجھ میں آیا؟ حتیٰ کہ بعض اوقات شام پڑ جاتی ہے، تو یہ نہیں کہ اب اس میں انسان سارا دن پھر کچھ کھائے ہی نہ، یہ تو پھر روزہ بن جائے گا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ لہٰذا یہ بھی مناسب نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى»، اور مستحب ہے عید الفطر کے دن کہ وہ شخص کچھ کھالے عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے، «وَيَغْتَسِلَ»، اور غسل کرلے، «وَيَسْتَاكَ»، اور مسواک کرلے، «وَيَتَطَيَّبَ»، اور خوشبو لگالے، «لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطْعَمُ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى»، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَطْعَمُ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ کہ آپ کھایا کرتے تناول فرماتے تھے عید الفطر کے دن قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے، «وَكَانَ يَغْتَسِلُ فِي الْعِيدَيْنِ»، اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمایا کرتے تھے دونوں عیدوں کے دن۔ «وَلِأَنَّهُ يَوْمُ اجْتِمَاعٍ فَيُسَنُّ فِيهِ الْغُسْلُ»، دوسری وجہ ذکر کررہے ہیں کہ اور اس لیے کیونکہ عید کا دن جو ہے یہ اجتماع والا دن ہے جس میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، فَيُسَنُّ فِيهِ الْغُسْلُ تو اس کے اندر غسل مسنون ہوگا، «وَالتَّطَيُّبُ»، اور خوشبو لگانا یہ بھی کیا ہوگا؟ مسنون ہوگا، «كَمَا فِي الْجُمُعَةِ»، جیسے کس دن ہوتا ہے؟ جمعہ میں ہوتا ہے، جمعہ کے دن بھی لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے تو غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہے تو یہاں بھی عید کے دن بھی لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے تو یہاں بھی غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہوگا۔

■ مسئلہ: وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ

«وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ»، اور پہن لے اپنے سب سے عمدہ اچھے کپڑے، سب سے اچھے کپڑے، کہتے ہیں: «لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهُ جُبَّةُ فَنَكٍ أَوْ صُوفٍ يَلْبَسُهَا فِي الْأَعْيَادِ»، صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلایا کہ عید کے لیے جانے والا کیا کرلے؟ اپنے سب سے اچھے کپڑے پہن لے، اور دلیل ذکر کررہے ہیں کہ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تھے كَانَ لَهُ جُبَّةُ فَنَكٍ آپ کا ایک فنک کا جبہ تھا أَوْ صُوفٍ یا اون کا، يَلْبَسُهَا فِي الْأَعْيَادِ جس کو آپ پہنتے تھے عیدوں میں۔ عید کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہنا کرتے تھے بھائی، جُبَّةُ فَنَكٍ۔ فنک بھائی یہ کہتے ہیں لومڑی کے مشابہ کوئی جانور ہے اور اس کی کھال اور پوستین جو ہے وہ بڑی عمدہ ہوتی ہے بھائی، بڑی عمدہ ہوتی ہے، تو اس کا بنا ہوا ایک جبہ تھا اور حضور علیہ السلام اس کو عید کے موقع پر پہنتے تھے، یا اون کا کوئی جبہ تھا اس کو حضور علیہ السلام عید کے موقع پر پہنتے تھے۔

«وَيُؤَدِّيَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ»، اس کا عطف بھی اسی پر ہے بھائی: أَنْ يَطْعَمَ وَأَنْ يُؤَدِّيَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ، اور مستحب ہے عید الفطر کے دن کہ وہ عید پڑھنے والا ادا کردے صدقۃ الفطر، کس کو؟ صدقہ فطر کو ادا کردے۔ صدقہ فطر کے بارے میں آگے مفصل باب آرہا ہے وہاں تفصیل آجائے گی۔ یہ ادا کردے: «إِغْنَاءً

لِلْفَقِيرِ»، بھائی عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے کیا کر دے؟ صدقہ فطر ادا کر دے بھائی، إِغْنَاءً لِلْفَقِيرِ فقیر کو بے نیاز کرنے کے لیے، محتاج کو بے پرواہ کرنے کے لیے، «لِيَتَفَرَّغَ قَلْبُهُ لِلصَّلَاةِ»، تاکہ اس فقیر کا دل جو ہے وہ فارغ ہو جائے نماز کے لیے۔ فقیر جو ہے وہ بیچارہ تو کھانے پینے کی اور ضرورت کی طرف اس کی توجہ رہے گی لیکن جب اس کو صدقہ فطر مل جائے گا تو اب وہ ان چیزوں کی طرف اس کی توجہ نہیں ہو گی اور کامل توجہ کے ساتھ وہ نماز ادا کر سکے گا بھائی۔ تو یہ عید کے یہ نماز کے لیے نکلنے سے پہلے کیا کرنا چاہیے کم از کم؟ صدقہ فطر بھائی، احسن تو یہ ہے کہ عید کے دن سے پہلے ہی کم از کم ایک دو دن پہلے ہی انسان ادا کر دے۔

«وَيَتَوَجَّهَ إِلَى الْمُصَلَّى»، اور متوجہ ہو جائے عید گاہ کی طرف یعنی عید گاہ کی طرف چل پڑے، «وَلَا يُكَبِّرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي طَرِيقِ الْمُصَلَّى وَعِنْدَهُمَا يُكَبِّرُ اعْتِبَارًا بِالْأَضْحَى». «وَلَا يُكَبِّرُ»، اور تکبیر نہ کہے۔ یہاں یاد رکھنا بھائی دو روایتیں ہیں، یہاں اختلاف ذکر ہو رہا ہے امام صاحب کا اور صاحبین کا۔ بھائی عید الاضحیٰ کے اندر تو بالاتفاق جو شخص عید کی نماز پڑھنے جا رہا ہے، کونسی عید میں؟ عید الاضحیٰ میں، وہ راستے میں چلتے ہوئے جاتے ہوئے تکبیر بلند آواز سے پڑھتا ہوا جائے بھائی، مسنون یہ طریقہ ہے، مسنون طریقہ۔ بلند آواز کے ساتھ تکبیرات تکبیر کہتا ہوا جائے، وہی تکبیر جو ان ایام تشریق میں پڑھی جاتی ہے: اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ، تو یہ تکبیر اونچی آواز سے پڑھتا ہوا جائے۔ اب عید الفطر کے اندر جب نماز کے لیے انسان جا رہا ہے تو کیا اس وقت بھی یہ تکبیر پڑھی جائے گی اونچی آواز سے یا نہیں پڑھی جائے گی بھائی؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس موقع پر نہیں پڑھی جائے گی تکبیر بھائی، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں جیسے عید الاضحیٰ کے اندر تکبیر پڑھی جاتی ہے جاتے ہوئے اسی طرح یہاں پر بھی تکبیر پڑھی جائے گی۔ اور پھر اس میں بعض علماء نے لکھا کہ یہ اختلاف جو ہے، یہ اختلاف کہ اصل تکبیر کے اندر ہی اختلاف ہے، صاحبین فرماتے ہیں پڑھیں گے، امام صاحب فرماتے ہیں بالکل پڑھنی ہی نہیں ہے۔ اصل تکبیر میں ہی کیا ہے؟ اختلاف، لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے اصل تکبیر میں نہیں اختلاف، صاحبین جیسے فرماتے ہیں وہ کہ یہ تکبیر پڑھی جائے گی راستے میں، اسی طرح امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ پڑھی جائے گی، ہاں اختلاف صرف جہراً پڑھنے میں ہے کہ بلند آواز سے پڑھی جائے گی یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں بلند آواز سے نہیں بلکہ آہستہ آواز سے پڑھتا ہوا جائے گا، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں عید الاضحیٰ کے دن کی طرح جیسے اس دن بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے اس دن بھی کیا کیا کرے گا یہ شخص؟ بلند آواز سے تکبیرات کہتا ہوا جائے گا بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو زیادہ صحیح قول یہ بھائی۔

تو: «وَلَا يُكَبِّرُ»، أَيْ جَهْرًا بھائی جَهْرًا، جَهْرًا کی قید یہاں یاد رکھنا، کہ وَلَا يُكَبِّرُ اور تکبیر نہیں کہے گا یعنی بلند آواز سے: «عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي طَرِيقِ الْمُصَلَّى»، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عید گاہ کے راستے میں یعنی بلند آواز سے تکبیرات نہیں کہے گا، آہستہ آواز سے۔ «وَعِنْدَهُمَا يُكَبِّرُ اعْتِبَارًا بِالْأَضْحَى»، اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے گا یعنی اونچی آواز سے کہے گا اعْتِبَارًا بِالْأَضْحَى قیاس کرتے ہوئے عید الاضحیٰ پر بھائی۔

«وَلَهُ»، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: «أَنَّ الْأَصْلَ فِي الثَّنَاءِ الْإِخْفَاءُ»، کہ اصل کیا ہے ثناء کے اندر؟ اخفاء ہے، آہستہ آواز سے کہنا ہے۔ دیکھا صاحبِ ہدایہ نے دلیل بھی کیا ذکر کر دی؟ کہ پڑھنی نہیں ہے یا آہستہ پڑھنی ہے؟ آہستہ پڑھنے کی دلیل ذکر کی۔ تو امام صاحب کی دلیل یہ ہے: أَنَّ الْأَصْلَ فِي الثَّنَاءِ الْإِخْفَاءُ کہ ثناء کے اندر جو ہے اللہ کے حمد و ثناء میں اصل جو ہے اخفاء ہے کہ پست آواز سے کی جائے۔ «وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ فِي الْأَضْحَى»، اور شریعت وارد ہوئی ہے یعنی اونچی آواز کے بارے میں فِي الْأَضْحَى عید الاضحیٰ کے بارے میں۔ شریعت میں صرف کس دن پڑھنے کے بارے کس دن اونچی تکبیرات کہنے کا حکم دیا گیا ہے؟ صرف یوم الاضحیٰ کے دن بھائی۔ اور شریعت وارد ہوئی ہے عید الاضحیٰ کے بارے میں: «لِأَنَّهُ يَوْمُ تَكْبِيرٍ»، اس لیے کیونکہ وہ تکبیر والا دن ہے بھائی۔ ان دنوں میں کیا کیا جاتا ہے نمازوں کے بعد؟ تکبیرات کہی جاتی ہیں تو وہ تکبیر والے دن ہیں، «وَلَا كَذَلِكَ الْفِطْرُ»، اور عید الفطر کا دن اس طرح نہیں ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ يَرْحَمُكَ اللهُ۔

اور یہ بھی یاد رکھیے اس مسئلے کے اندر فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے بھائی کہ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے عید الفطر کے دن تکبیرات جو ہیں وہ آہستہ آواز سے کہنی چاہیے بھائی، آہستہ آواز سے۔ اور چنانچہ چنانچہ صاحبِ ہدایہ نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا اور امام صاحب کی دلیل بعد میں ذکر کی بھائی اور صاحبین کی دلیل پہلے ذکر کی، اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جو قول قوی ہوتا ہے صاحبِ ہدایہ اس کی دلیل بعد میں ذکر کرتے ہیں تاکہ یہ اس قول کی دلیل بھی ہو جائے اور دوسرے قول کا جواب بھی ہو جائے، ان کی دلیل کا جواب بھی ہو جائے۔

اور یہ بھی یاد رکھیے بھائی کہ عموماً جب امام صاحب ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف ہوں کسی مسئلے میں تو تو پھر اس صورت میں بعض اوقات فقہاء صاحبین کے قول کو لیتے ہیں یا بعض اوقات کس کے قول کو لیتے ہیں؟ امام صاحب کے قول کو، اگرچہ اکثر اس میں بھی امام صاحب ہی کے قول کو لیا جاتا ہے۔ اور جب امام صاحب کے ساتھ امام ابو یوسف رحمہ اللہ آ جائیں اور امام محمد دوسری طرف ہوں اور یا امام صاحب کے ساتھ امام محمد رحمہ اللہ آ جائیں اور صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ دوسری طرف ہوں تو پھر اس صورت میں جب امام صاحب اکیلے ہوتے تھے تو عموماً ان کے قول کو اختیار کیا جاتا تھا، اب ان کے ساتھ ایک اور بھی مل گئے تو اب اور زیادہ قوت آ جاتی ہے تو اس صورت میں بھی عموماً فتویٰ انہی کے قول پر ہوتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ امام صاحب ہی کے قول پر کیونکہ وہ اکیلے تھے تو اس وقت ان کے قول کو قوت حاصل تھی تو اب ساتھ ایک اور شاگرد بھی مل گئے تو مزید قوت آ گئی ان کے قول کے اندر۔ تو یہاں پر فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ ا...

«وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدِ»، یاد رکھیے بھائی کہ عید والے دن، عید والے دن عید کی نماز سے قبل نوافل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔ گھر پر پڑھنا بھی مکروہ، عید گاہ کے اندر پڑھنا بھی مکروہ ہے بھائی، عید گاہ کے اندر بھی۔ اور نمازِ عید کے بعد اب نوافل پڑھ سکتے ہیں لیکن گھر وغیرہ پر پڑھ سکتے ہیں، عید گاہ میں پھر عید کی نماز کے بعد بھی نوافل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدِ»، اور نفل نہ پڑھے عید گاہ کے اندر عید کی نماز سے پہلے۔ دلیل کیا اس کی؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مَعَ حِرْصِهِ عَلَى الصَّلَاةِ»، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا باوجود آپ کے حریص ہونے کے عَلَى الصَّلَاةِ نماز پر۔ باوجود اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پر بے انتہا حریص تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا کہ عید کی نماز سے پہلے یا عید کی نماز کے بعد وہاں نوافل ادا فرمائے ہوں۔

«ثُمَّ قِيلَ: الْكَرَاهَةُ فِي الْمُصَلَّى خَاصَّةً»، پھر کہا گیا ہے کہ کراہت صرف عید گاہ کے اندر ہے یعنی عید گاہ کے اندر نفلوں کا پڑھنا عید کی نماز سے پہلے یہ صرف عید گاہ کے اندر پہلے پڑھنا مکروہ ہے، گھر میں پہلے پڑھنا مکروہ نہیں، یہ ایک قول ہے۔ «وَقِيلَ: فِيهِ وَفِي غَيْرِهِ عَامَّةٌ»، اور کہا گیا ہے کہ یہ کراہت عید گاہ میں اور عید گاہ کے علاوہ میں عام ہے یعنی ہر جگہ پر نفل پڑھنا مکروہ ہے چاہے گھر پر پڑھے چاہے عید گاہ میں سب مکروہ ہیں، دلیل کیا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَفْعَلْهُ»، اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔

«وَإِذَا حَلَّتِ الصَّلَاةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُهَا إِلَى الزَّوَالِ»، اور جب نماز حلال ہو جائے بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ سورج کے بلند ہو جانے کی وجہ سے، دَخَلَ وَقْتُهَا تو عید کی نماز کا وقت داخل ہو گیا إِلَى الزَّوَالِ زوال تک۔ بھائی جب نماز حلال ہو جائے، آپ پڑھ چکے ہیں بھائی کہ جب سورج طلوع ہو اس وقت نماز کا پڑھنا جائز نہیں ہے بھائی، تو جب سورج ایک دو نیزے بلند ہو جائے افق سے تو پھر اس کے بعد جو ہے عید کی نماز کا وقت شروع ہو گیا اور یہ وقت کب تک رہے گا؟ زوال تک یعنی نصف النہار تک، سورج ڈھلنے کے وقت تک اس کا وقت ہے اور اس وقت کے دوران ہی عید کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَإِذَا حَلَّتِ الصَّلَاةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُهَا إِلَى الزَّوَالِ»، اور جب نماز حلال ہو جائے یعنی جائز ہو جائے بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ سورج کے بلند ہو جانے کی وجہ سے کیونکہ جب تک ابھی سورج بلند نہیں ہوا سورج نکل رہا ہے اس وقت تو اس وقت تو نماز پڑھنا جائز ہی نہیں۔ دَخَلَ وَقْتُهَا تو داخل ہو جائے گا عید کی نماز کا وقت إِلَى الزَّوَالِ کب تک؟ زوال تک یعنی سورج ڈھلنے تک۔ «وَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُهَا»، اور جس وقت سورج ڈھل جائے تو عید کی نماز کا وقت نکل جائے گا۔

دلیل اس کی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعِيدَ وَالشَّمْسُ عَلَى قَيْدِ رُمْحٍ أَوْ رُمْحَيْنِ»، اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھا کرتے تھے اس حال میں کہ سورج جو ہے عَلَى قَيْدِ رُمْحٍ، قَيْد اور قید دونوں طرح درست ہے یہ لفظ، قَيْد بھی اور قید، اور یہ کہتے ہیں مسافت اور فاصلے کو، کہ حضور علیہ السلام عید کی نماز پڑھا کرتے تھے وَالشَّمْسُ عَلَى قَيْدِ رُمْحٍ أَوْ رُمْحَيْنِ اس حال میں کہ سورج جو ہے ایک نیزے یا دو نیزوں کی مسافت پر ہوتا تھا یعنی افق کے کنارے سے، مشرق کے کنارے سے سورج ایک یا دو نیزوں کی بلندی پر ہوتا تھا اس وقت آپ عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ تو تھا کہ اس وقت عید کا کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور کب تک رہتا ہے؟ زوال تک، تو زوال تک وقت رہنے کی کیا دلیل ہے؟ وہ بھی ذکر کر رہے ہیں: «وَلَمَّا شَهِدُوا بِالْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ أَمَرَ بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى مِنَ الْغَدِ». یہ بھائی صحابہ کو ایک مرتبہ عید کا چاند نظر نہ آیا، بادل وغیرہ رہا یا کسی وجہ سے، تو اگلے دن پھر روزہ رکھا گیا بھائی، روزہ رکھا گیا۔ اور زوال کے بعد سورج ڈھلنے کے بعد کچھ سوار آئے اور مدینہ کے کہیں قریب کی بستیوں سے اور انہوں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دی کہ ہم نے کل شام کو چاند دیکھا تھا، انہوں نے گواہی دی، تو حضور علیہ السلام نے سب کو روزہ کھولنے کا حکم دیا کیونکہ چاند پر جب گواہی آ گئی معلوم ہوا چاند نظر آ چکا ہے تو یہ عید کا دن ہے، لیکن چونکہ وہ زوال کے بعد آئے تھے تو اسی وقت عید کی نماز کے لیے نکلنے کا حکم نہیں دیا بلکہ عید کی نماز کے لیے اگلے دن صبح نکلنے کا حکم دیا۔ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ زوال کے بعد عید کی نماز کا وقت نہیں ہوتا ورنہ اگر زوال کے بعد بھی عید کی نماز کا وقت ہوتا تو حضور علیہ السلام اسی دن صحابہ کو نماز کے لیے نکلنے کا حکم دیتے، تو آپ نے روزہ کھولنے کا تو حکم دے دیا لیکن عید کی نماز پڑھنے کے لیے اگلے دن نکلنے کا حکم دیا۔ اسی کو بیان کر رہے ہیں: «وَلَمَّا شَهِدُوا بِالْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ»، اور جب ان لوگوں نے گواہی دی چاند کی زوال کے بعد یعنی سورج ڈھلنے کے بعد، «أَمَرَ بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى مِنَ الْغَدِ»، تو حضور علیہ السلام نے نکلنے کا حکم دیا عید گاہ کی طرف اگلے روز۔ تو معلوم ہوا عید کی نماز کا وقت کب تک ہے؟ زوال تک ہے ورنہ اسی دن حضور علیہ السلام نکلنے کا حکم دیتے۔

■ مسئلہ: وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ يُكَ...

«وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ»، آگے بھائی اب عید کی نماز کا طریقہ بیان فرما رہے ہیں۔ عید کی نماز کا وقت بیان کر دیا، اب عید کی نماز کا طریقہ بیان کر رہے ہیں۔ یاد رکھیے بھائی عید کی نماز کا طریقہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عید کی نماز میں چھ زائد تکبیریں ہیں، چھ زائد تکبیریں

ہیں، تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں یعنی جو اصل اصل تکبیرات ہیں ان سے زائد ہیں چھ بھائی چھ، اور یہ بھی واجب ہیں یہ تکبیریں بھی واجب ہیں بھائی واجب۔ اور مختصراً عید کی نماز کا طریقہ بیان کر دیتا ہوں، سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیے کہ عید کی نماز کے لیے جیسے اذان نہیں دی جاتی اسی طرح اس کے لیے اقامت بھی نہیں ہے بھائی۔ تو یہ نہ ہو کبھی آپ عید کی نماز پڑھنے جائیں اور آگے کھڑے ہو کر اب نماز ہی نہیں شروع کروا رہے ہیں انتظار کر رہے ہیں کہ بھائی کوئی پیچھے تکبیر کہے گا تو میں نماز شروع کرواؤں گا۔ جمعہ کے لیے اذان ہے تو اس کے لیے اقامت بھی ہے لیکن عید کی نماز میں اذان نہیں ہے تو اسی طرح اقامت بھی نہیں ہے۔ تو پھر چنانچہ امام دو رکعتیں پڑھائے اور پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ثناء پڑھی جائے گی بھائی، جو جیسے عام نماز میں ثناء پڑھی جاتی ہے: **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ۔** اور ثناء پڑھنے کے بعد پھر امام تکبیر کہے گا اور کانوں تک ہاتھ اٹھائے بھائی، اور پھر تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ باندھنے نہیں ہاتھ چھوڑ دے بھائی نیچے، کھلے چھوڑ دے۔ اور پھر اس کے بعد دوسری تکبیر کہی جائے گی اسی طریقے سے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے، اور اس کے بعد بھی ہاتھوں کو نیچے لٹکا دیں گے، اور پھر تیسری زائد تکبیر جو ہے جو اصل سے زائد ہے وہ تیسری تکبیر کہی جائے گی اور اس کے بعد پھر ہاتھوں کو باندھ لیا جائے گا کیونکہ تین زائد واجب تکبیریں جو تھیں وہ گزر گئیں، اب امام قرات کرے گا۔ اور ہر دو تکبیروں کے درمیان تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار فصل ہونا چاہیے بھائی، تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار فصل ہونا چاہیے۔ اور اس کے بعد پھر جو ہے قرات ہو گی اور پھر پہلی رکعت مکمل ہو گئی۔

اس کے بعد دوسری رکعت کے اندر قرات کے بعد تین تکبیرات آئیں گی بھائی، قرات کے بعد۔ اور وہاں پر قرات جب مکمل ہو جائے پھر اسی طرح تکبیر کہے گا امام دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے اور پھر اس کے بعد ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دے گا، اور پھر اگلی تکبیر کہی جائے گی اسی طریقے سے اس میں بھی ہاتھ اسی طرح اس کے بعد نہیں باندھنے، پھر تیسری تکبیر کہی جائے گی، اور تیسری تکبیر کے بعد اب چوتھی تکبیر کس کی آئے گی آگے؟ رکوع والی، تو اس رکوع والی تکبیر سے پہلے جب آخری تیسری تکبیر کہی اس کے بعد بھی ہاتھ نہیں باندھنے بھائی، اس کے بعد بھی ہاتھ نہیں باندھنے ہاتھوں کو اسی طرح کھلا چھوڑ دینا ہے لٹکا دینا ہے۔ اور پیچھے ضابطہ ذکر ہوا تھا کہ ہاتھ اس قیام کے اندر باندھے جاتے ہیں جس میں کوئی ذکر مسنون ہو، جس میں کوئی ذکر مسنون ہو اس قیام کے اندر ہاتھ باندھے جاتے ہیں اور یہاں تیسری تکبیر کے بعد رکوع کی تکبیر سے پہلے کوئی ذکر مسنون نہیں لہٰذا اس میں بھی ہاتھوں کو نہیں باندھا جائے گا بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو یہ چھ واجب تکبیریں ہیں ہمارے نزدیک جو زائد ہیں، زائد۔

چلیے یہیں پر یاد رکھیے بھائی کہ اگر کوئی شخص عید کی نماز میں دیر سے پہنچا وہ کیا کرے گا بھائی؟ مثلاً آپ پہنچے تو پہلی ہی رکعت میں لیکن قرات شروع ہو چکی ہے، وہ تکبیریں گزر چکی ہیں تکبیریں، تو یاد رکھیے گا بھائی یاد رکھیے گا کہ قرات ہو رہی ہو آپ جب شامل ہوں جا کر تو پہلے اسی طریقے کے مطابق تینوں تکبیریں کہہ لیجیے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو قرات چاہے جاری ہو آپ تکبیریں کہہ لیں گے کیونکہ یہ تکبیرات واجب ہیں۔ اور اگر آپ پہنچے کہ امام رکوع میں جا چکا ہے تو اب اگر ممکن ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد آپ وہ تکبیریں کہہ کر رکوع میں شامل ہو سکتے ہیں تو پھر تو اسی وقت کہہ لے انسان لیکن اتنا وقت تو مشکل ہی ہوتا ہے کہ وہ تکبیرات کہہ سکے، تو پھر اس صورت میں رکوع میں چلے جائیں اور رکوع کی تسبیحات کے بجائے پھر وہ تکبیرات کہہ لیجیے رکوع کے اندر ہی بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ رکوع کے اندر ہی وہ کہہ لے اور پھر اس میں وہ ہاتھ اٹھانے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے تو بس رکوع کے اندر تکبیرات کہہ لے بھائی۔ اور اگر پہلی رکعت نکل گئی ہے اور پھر جا کر آپ شامل ہوئے ہیں، پھر جا کر شامل ہوئے ہیں، تو اب دوسری رکعت امام کے ساتھ آپ پڑھ رہے ہیں اور وہ دوسری رکعت کے آخر میں تین تکبیرات کہے گا پھر وہ سلام پھیر دے گا اور آپ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ ایک رکعت آپ کی باقی ہے۔ تو اب تکبیرات کس موقع پر کہی جائیں گی بھائی؟ کس موقع پر کہی جائیں گی؟ آپ کی ترتیب کے اعتبار سے یہ دوسری رکعت ہے لیکن یہ اصل میں کونسی رکعت ہے آپ کی؟ پہلی ہے کیونکہ وہ پہلی آپ کی رہ گئی تھی اسی کی اب آپ قضا کر رہے ہیں بھائی، تو پہلی رکعت ہے اور پہلی رکعت میں تکبیرات کہاں پر آتی تھیں؟ قرات سے پہلے آتی تھیں لیکن یہاں قرات سے پہلے نہیں تکبیرات کہنی بلکہ قرات کے بعد ہی تکبیرات کہنی ہیں۔ کس کے بعد؟ قرات کے بعد ہی تکبیرات کہنی ہیں۔ بھائی اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ کہ اگر قرات سے پہلے آپ تکبیرات کہیں گے تو ساری تکبیرات اکٹھی ہو گئیں۔ تین تکبیرات تھیں پچھلی رکعت کے آخر میں اور تین آ گئیں اگلی کے شروع میں، تو کیا ہو گئیں؟ اکٹھی ہو گئیں اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ کہ تکبیرات اکٹھی ہو جائیں دونوں رکعتوں والی، بلکہ درمیان میں کس کا فصل آتا ہے؟ قرات کا فصل آتا ہے تو لہٰذا اب ان تین تکبیرات کو دوسری رکعت کے جو آپ کی پہلی ہے اس کے اسی طرح رکوع سے پہلے ہی آپ تین تکبیرات کہیں گے بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

اور اگر امام بھول جائے تکبیرات بھائی، امام بھول جائے، تو یاد رکھیے امام اگر بھول کر رکوع میں چلا گیا ہے تو رکوع کے اندر ہی وہ تکبیرات کہہ لے بھائی، رکوع کے اندر ہی۔ اور اگر واپس آ جائے تو واپس بھی آ سکتا ہے اور اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی تو واپس آ کر بھی تکبیرات کہہ سکتا ہے۔ جی طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

جی اب دیکھیے کتاب پر بھائی: «**وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ**»، اور امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے، «**يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ**»، اور تکبیر کہے پہلی رکعت میں **لِلِافْتِتَاحِ** افتتاح، نماز کے شروع کرنے کے لیے یعنی تکبیر تحریمہ کہے، «**وَثَلَاثًا بَعْدَهَا**»، اور تین تکبیرات اس کے بعد کہے، «**ثُمَّ يَقْرَأُ الْفَاتِحَةَ وَسُورَةً**»، پھر اس کے بعد امام جو ہے سورہ فاتحہ پڑھے اور کوئی سورت اس کے ساتھ پڑھے، اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھے بھائی۔ «**وَيُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً**

يَرْكَعُ بِهَا »، قرات کرنے کے بعد پھر تکبیر کہے امام اور يَرْكَعُ بِهَا اس کے ساتھ کیا کرلے؟ يَرْكَعُ بِهَا اس کے ساتھ رکوع کرے یعنی رکوع کرتے ہوئے تکبیر کہے۔ « ثُمَّ يَبْتَدِئُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ »، پھر امام شروع ہو دوسری رکعت کے اندر، پھر امام دوسری رکعت میں شروع ہو گا، « بِالْقِرَاءَةِ »، کس کے ساتھ؟ قرات، قرات کے ساتھ دوسری رکعت میں شروع ہو گا یعنی وہاں قرات پہلے آئے گی۔ « ثُمَّ يُكَبِّرُ ثَلَاثًا بَعْدَهَا »، پھر اس کے بعد تکبیر کہے تین مرتبہ اس قرات کے بعد، « وَيُكَبِّرُ الرَّابِعَةَ يَرْكَعُ بِهَا »، اور چوتھی تکبیر کہے اس حال میں کہ اس کے ساتھ کیا کرے گا؟ رکوع کرے گا یعنی رکوع کرتے ہوئے چوتھی تکبیر کہے گا بھائی، رکوع میں جاتے ہوئے۔

■ مسئلہ: وَهَذَا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَ...

« وَهَذَا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ »، اور یہ قول ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ شروع میں کیا کرے گا؟ تکبیر تحریمہ کہے گا، اس کے بعد تین تکبیرات کہے گا امام اور پھر اس کے بعد قرات کرے گا۔ اور دوسری رکعت کے اندر پہلے قرات کرے گا، فاتحہ اور سورت ملائے گا اور پھر اس کے بعد تین تکبیرات کہے گا اور پھر چوتھی تکبیر کہتے ہوئے کس میں چلا جائے گا؟ رکوع میں چلا جائے گا۔ وَهَذَا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اور یہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ « وَهُوَ قَوْلُنَا »، اور یہی ہمارا بھی قول ہے یعنی احناف بھی اسی کے قائل ہیں، انہوں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

« وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ وَخَمْسًا بَعْدَهَا وَفِي الثَّانِيَةِ يُكَبِّرُ خَمْسًا ثُمَّ يَقْرَأُ »، اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں ایک تکبیر کہے گا لِلِافْتِتَاحِ نماز شروع کرنے کے لیے یعنی تکبیر تحریمہ، وَخَمْسًا بَعْدَهَا اور اس کے بعد پانچ تکبیرات کہے گا، وَفِي الثَّانِيَةِ يُكَبِّرُ خَمْسًا اور دوسری رکعت میں بھی پانچ تکبیرات کہے گا، ثُمَّ يَقْرَأُ پھر کیا کرے گا؟ قرات۔ معلوم ہوا دوسری رکعت میں بھی پانچ پہلے کہنی ہے اور قرات اس کے بعد۔ « وَفِي رِوَايَةٍ: يُكَبِّرُ أَرْبَعًا »، اور ایک روایت یہ ہے کہ دوسری رکعت میں چار مرتبہ تکبیرات کہے گا۔ تو حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو روایت آئی ان کے مطابق زائد تکبیرات جو ہیں وہ پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری رکعت میں ایک روایت کے مطابق پانچ اور دوسری روایت کے مطابق چار۔ تو زائد تکبیرات کتنی ہوئیں؟ کل کل نماز میں؟ پانچ اور پانچ دس یا پانچ اور چار نو۔ تو ان کے قول کے مطابق ان کے روایت کے مطابق عید کی نماز میں دس یا نو زائد تکبیرات ہیں بھائی، زائد تکبیرات ہیں۔

« وَظَهَرَ عَمَلُ الْعَامَّةِ الْيَوْمَ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا لِأَمْرِ بَنِيهِ الْخُلَفَاءِ ». بھائی صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ وَظَهَرَ عَمَلُ الْعَامَّةِ الْيَوْمَ، آج بھائی الْيَوْمَ آج یعنی آج کل عام لوگوں کا عمل ظاہر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر۔ آج کل عام لوگ کس پر عمل کرتے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر۔ یہ صاحبِ ہدایہ جو جس علاقے میں تھے وہاں پر ان کے زمانے میں عموماً کس پر عمل ہوتا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو وہ نو یا دس زائد تکبیرات کہی جاتی تھیں اور اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، کہتے ہیں: « وَظَهَرَ عَمَلُ الْعَامَّةِ الْيَوْمَ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ »، اور ظاہر ہوا ہے عام لوگوں کا عمل آج کل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر، « لِأَمْرِ بَنِيهِ »، بوجہ ان کے بیٹوں کے حکم کے، « الْخُلَفَاءِ »، یعنی خلفاء جو ہیں، يَرْحَمُكَ اللهُ۔ بھائی آپ جانتے ہیں عباسی خلفاء کا زمانہ ان کا کافی طویل عرصے تک ان کی حکومت رہی اور تو یہ عباسی خلفاء چونکہ یہ انہی کی اولاد میں سے تھے تو یہ حکم کرتے تھے اپنے دادا کے قول پر عمل کرنے کا، لوگوں کو کیا حکم کرتے تھے؟ اپنے دادا یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر عمل کرنے کا حکم دیتے تھے۔ تو چونکہ حکومت ان کی تھی، حکم خلیفہ کا ہوتا تھا اس لیے یہی طریقہ رائج ہوا، شائع ہوا اور صاحبِ ہدایہ کے زمانے میں بھی اسی طریقے پر عمل تھا بھائی، صاحبِ ہدایہ کے۔ حتیٰ کہ روایات میں آتا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو ہیں انہوں نے عید کی نماز پڑھائی بھائی تو انہوں نے بھی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریقے پر عمل کیا بھائی، ان کے طریقے پر۔ اگرچہ احناف کا اور ان کا اپنا مذہب کیا تھا؟ چھ زائد، لیکن انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر عمل کیا، وجہ اس کی یہ کہ ان کے پیچھے خلیفہ خود موجود تھا ہارون الرشید، وہ بھی ان کی اقتداء میں ان کی امامت میں نمازِ عید ادا کر رہا تھا اور ان اس ان کا حکم یہی تھا کہ کونسے طریقے کو اختیار کیا جائے؟ حضرت عبد اللہ ابن عباس، تو انہوں نے اس طریقے کے مطابق ہی عمل کیا۔ اور اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ سے بھی یہی روایت ہے بھائی، رہی یہی روایت ہے۔ اور میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہ سب مسنون طریقے ہیں بھائی، یہ احادیث سے ثابت ہیں، روایات سے صحابہ خود ذکر کرتے ہیں۔ البتہ ہمارے نزدیک بہتر چھ زائد تکبیروں والی صورت ہے اس کو ہم نے ترجیح دی جبکہ وہ کس کو ترجیح دیتے ہیں؟ نو یا دس زائد تکبیرات والی روایت کو ترجیح دیتے ہیں تو بہر حال یہ سب سنت طریقے ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: « لِأَمْرِ بَنِيهِ »، بوجہ ان کے بیٹوں کے حکم کے، ان کے بیٹوں کے حکم کی وجہ سے، « الْخُلَفَاءِ »، یعنی کہ خلفاء۔ تو ان کے بیٹے جو خلفاء ہیں ان کے حکم کی وجہ سے آج کل کہتے ہیں عام لوگوں کا عمل جو ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر ظاہر ہوا ہے۔ « فَأَمَّا الْمَذْهَبُ فَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ »، باقی مذہب جو ہے الْمَذْهَبُ الف لام آیا بھائی، أَيْ مَذْهَبُ الْأَحْنَافِ، جو احناف کا مذہب ہے فَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ وہ پہلا قول ہے جو کس کے اندر آیا؟ متن کے اندر آ گیا، اور

کونسا قول ہے؟ حضرت ابن مسعود کہ چھ تکبیریں ہوں گی۔

اور ایک دلیل تو ذکر کر دی، ایک دلیل تو ذکر کر دی کہ ہمارے نزدیک چھ تکبیرات ہوں گی، اور اس کی وجہ کیا؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی روایت ہے، تو ایک نقلی دلیل بھی ذکر کر دی۔ اب آگے عقلی دلیل بھی صاحبِ ہدایہ ذکر کر رہے ہیں بھائی، کہتے ہیں: «لِأَنَّ التَّكْبِيرَ وَرَفْعَ الْأَيْدِي خِلَافُ الْمَعْهُودِ»، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ تکبیر کہنا اور ہاتھوں کا اٹھانا خِلَافُ الْمَعْهُودِ یہ معلوم اور متعین طریقے کے خلاف ہے بھائی۔ تو صاحبِ ہدایہ عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں بھائی دیکھیے ہم عید کی نماز کے اندر ہاتھ اٹھاتے ہیں اور تکبیرات کہتے ہیں حالانکہ عام نمازوں کے اندر اس طرح نہیں ہے۔ تو یہ نمازوں کا جو معلوم اور متعین طریقہ ہے جیسے ہم عام نمازیں پڑھتے ہیں ان کے خلاف ہے، یہ تکبیرات کا کہنا اور ہاتھوں کا اٹھانا اس کے خلاف ہے۔ لہٰذا بہتر اس میں یہ ہے کہ کم تکبیرات والی صورت کو اختیار کیا جائے، کم تکبیرات والی صورت کو اختیار کرنا بہتر ہے کیونکہ یہ نئی چیز ہے، عام نمازوں میں نہیں ہوتی۔ تو ہم نے جو روایت دی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان کے مطابق کتنی ہیں تکبیرات؟ چھ ہیں زائد، اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق نو ہیں، تو اس نو میں بھی چھ آ گئیں یا نہیں آ گئیں؟ چھ آ گئیں اور تین یا چار کیا ہیں؟ وہ زائد ہیں۔ معلوم ہوا چھ تو یقینی ہیں، چھ کیونکہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس، تو یہ چھ تو ہیں یقینی، باقی اوپر والی زائد جو ہیں وہ یقینی نہیں ان میں شک آ گیا کیونکہ ایک روایت بعض روایات میں ہیں، بعض میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ تو ہم نے یقینی والی یقین والی صورت کو اختیار کر لیا کیونکہ یقین پر عمل کرنا بہتر ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ التَّكْبِيرَ وَرَفْعَ الْأَيْدِي خِلَافُ الْمَعْهُودِ»، اس لیے کیونکہ تکبیر کہنا یعنی بلند آواز سے وَرَفْعَ الْأَيْدِي اور ہاتھوں کا اٹھانا خِلَافُ الْمَعْهُودِ یہ معلوم طریقے کے خلاف ہے، «فَكَانَ الْأَخْذُ بِالْأَقَلِّ أَوْلَى»، تو اقل قول کو اقل والے قول کو لے لینا یہ بہتر ہے، «ثُمَّ التَّكْبِيرَاتُ مِنْ أَعْلَامِ الدِّينِ حَتَّى يُجْهَرَ بِهَا» یہاں تک کہ ان کے ساتھ جہر کیا جاتا ہے، کیا کیا جاتا ہے؟ یہ جو تکبیرات ہیں یہ دین کی علامتوں میں سے ہیں بھائی، یہاں تک کہ ان کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ جہر کیا جاتا ہے، بلند آواز سے کہا جاتا ہے تاکہ سب کو پتہ چل جائے بھائی، سب کو پتہ چل جائے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب یہ انسان تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو ہاتھوں کو اٹھاتا ہے، اور ہاتھوں کو اٹھاتا ہے اگر آپ غور کریں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے تو ہاتھ آپ کے پہلے سامنے آتے ہیں اور پھر سامنے سے اٹھ ہوتے ہوئے کانوں کی طرف جاتے ہیں گویا جلدی میں کریں تو یوں ہی صورت بنتی ہے جیسے انسان کسی چیز کو پشت کی جانب پھینک رہا ہو، پیچھے کی جانب کسی چیز کو پھینک رہا ہو، تو تکبیر کے اندر بھی جب کانوں تک ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں تو دراصل یہ نمازی ساری دنیا کو اٹھا کر اپنی پشت کی طرف پھینک دیتا ہے اور پھر اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی تعظیم اور عظمت بیان کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے بھائی۔ تو لہٰذا یہ جب تکبیر کے اندر ہم ہاتھ اٹھاتے ہیں تو یہ دین کی علامتوں میں سے ہے اور اسی وجہ سے اس کے اونچا پڑھنے کا حکم دیا گیا کہ اونچا پڑھو تاکہ سب کو پتہ چل جائے، تو اصل ان کے اندر یہ ہے کہ ان کو اکٹھا ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ اکٹھا ہونا چاہیے، ان تکبیرات کو اکٹھے ہونا چاہیے۔

کس کے ساتھ اس کو ملائیں؟ اکٹھا کریں؟ تو پہلی رکعت میں ایک تکبیر بالکل نماز کے شروع میں آئی تکبیر تحریمہ، اور ایک تکبیر اسی قیام کے آخر میں آئے گی جب کیا کرے گا انسان؟ رکوع کرے گا۔ تو اب کس تکبیر کے ساتھ اس کو ملایا جائے؟ کیونکہ ان کو اکٹھا ہونا چاہیے، یہ دین کا اعلان ہو رہا ہے، اللہ کی عظمت بیان کی جا رہی ہے اونچی آواز میں تاکہ سب کو پتہ چل جائے، بار بار اس تکبیر کا تکبیر کہی جا رہی ہے تو ان کو اکٹھا ہونا چاہیے، اب اکٹھی ہونی ہے اکٹھی کرنی ہے تو کس کے ساتھ اکٹھا کریں؟ شروع میں ایک تکبیر ہے وہ تکبیر تحریمہ ہے، دوسری اسی قیام کے آخر میں کونسی تکبیر ہے؟ رکوع والی تکبیر ہے، تو کہتے ہیں پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ کس کے ساتھ ہونی چاہیے یہ تکبیر؟ تکبیر تحریمہ کے ساتھ، کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ تکبیر تحریمہ شرائط صلوٰۃ میں سے ہے، یہ فرض ہے، یہ کیا ہے؟ فرض ہے، اور رکوع والی تکبیر وہ تو سنت ہے، تو قوت کس کو حاصل ہے؟ تکبیر تحریمہ کو حاصل ہے کہ وہ فرض ہے۔ اور نیز وہ مقدم بھی ہے جبکہ رکوع والی تکبیر مؤخر ہے، تو لہٰذا وہ اس کو فرض ہونے کی قوت بھی حاصل اور مقدم ہونے کی قوت بھی حاصل ہے، لہٰذا اس کے ساتھ پہلی رکعت میں تکبیرات ہونی چاہیے، اسی لیے قرات سے پہلے پہلی رکعت میں تینوں تکبیرات کہی جاتی ہیں۔ دلیل سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ پہلی رکعت میں قرات سے پہلے کس کے ساتھ؟ تکبیر تحریمہ کے ساتھ تین تکبیرات کہی جاتی ہیں۔

اور دوسری رکعت میں، دوسری رکعت میں تو تکبیر تحریمہ ہے ہی نہیں صرف کونسی تکبیر ہے؟ رکوع والی ہے، رکوع والی ہے، سمجھ میں آیا؟ تو جو پچھلی تھی وہ تو ہم سجدے سے اٹھتے ہوئے کہہ رہے تھے قیام کی حالت میں تو نہیں تھی وہ تکبیر، تو دوسری رکعت میں صرف ایک تکبیر ہے اور وہ رکوع والی ہے تو لہٰذا اس کے ساتھ پھر ملا کر تین کہہ دیں گے بھائی۔ ترتیب سمجھ میں آ گئی؟ یہ تھی عقلی دلیل بھائی، اور نقلی دلیل وہ حدیث بھائی گزر گئی جو۔

تو کہتے ہیں: «وَرَفْعُ الْأَيْدِي خِلَافُ الْمَعْهُودِ»، اور ہاتھوں کا اٹھانا یہ متعین طریقے معلوم طریقے کے خلاف ہے، «فَكَانَ الْأَخْذُ بِالْأَقَلِّ أَوْلَى»، تو اقل قول کو اقل والے قول کو لینا یہ بہتر ہے، «ثُمَّ التَّكْبِيرَاتُ مِنْ أَعْلَامِ الدِّينِ حَتَّى يُجْهَرَ بِهَا»، پھر یہ تکبیرات دین کی علامتوں میں سے ہیں یہاں تک کہ ان کے ساتھ جہر کیا جاتا ہے یعنی اونچی آواز سے کہی جاتی ہیں، «فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهَا الْجَمْعُ»، تو ان کے اندر اصل جو ہے وہ جمع کرنا ہے کہ ان کو کیا ہونا چاہیے؟ اکٹھا ہونا چاہیے، «وَفِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى يَجِبُ إِلْحَاقُهَا بِتَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ»، تو پہلی رکعت میں واجب ہے ان کو ملانا افتتاح والی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ،

«لِقُوَّتِهَا»، بوجہ اس کے قوی ہونے کے، «مِنْ حَيْثُ الْفَرْضِيَّةُ وَالسَّبْقُ»، فرض ہونے اور مقدم ہونے کی حیثیت سے کہ اس کو قوت حاصل ہے، فرض بھی ہے اور مقدم بھی ہے، «وَفِي الثَّانِيَةِ لَمْ يُوجَدْ إِلَّا تَكْبِيرَةُ الرُّكُوعِ»، اور دوسری رکعت میں تو نہیں پائی جاتی سوائے تکبیر رکوع کے، وہاں وہی ایک تکبیر ہے، «فَوَجَبَ الضَّمُّ إِلَيْهَا»، تو اس کے ساتھ ملانا واجب ہو گا بھائی۔

صاحبِ ہدایہ عقلی دلیل ذکر کر رہے تھے کہ تکبیرات کو کس مقام پر ہونا چاہیے عید کی نمازوں میں، تو بتلایا تھا: «فَأَمَّا الْمَذْهَبُ فَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ»، باقی مذہب جو ہے یعنی ہمارا مذہب احناف کا مذہب وہ قول اول ہی ہے کہ چھ زائد تکبیریں کہی جائیں گی عید کی نماز میں۔ «لِأَنَّ التَّكْبِيرَ وَرَفْعَ الْأَيْدِي خِلَافُ الْمَعْهُودِ»، اس لیے کیونکہ تکبیر کہنا اور ہاتھوں کا اٹھانا یہ معلوم طریقے کے خلاف ہے بھائی، عام نمازوں کے اندر تو تکبیرات نہیں کہی جاتیں، «فَكَانَ الْأَخْذُ بِالْأَقَلِّ أَوْلَى»، تو اقل کو لے لینا کم والی صورت کو اختیار کر لینا اولیٰ یہ بہتر ہے کیونکہ کم یقینی ہیں بھائی، یقینی۔ «ثُمَّ التَّكْبِيرَاتُ مِنْ أَعْلَامِ الدِّينِ حَتَّى يُجْهَرَ بِهَا»، پھر یہ تکبیرات جو ہیں یہ دین کی علامتوں میں سے ہیں یہاں تک کہ ان کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ جہر کیا جاتا ہے، اونچی آواز سے کہا جاتا ہے، اللہ کی عظمت کا اللہ کی عظمت بیان کی جاتی ہے اور اپنے مومن ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے بھائی، تو یہ کیا ہے؟ دین کی علامتوں میں سے ہے۔ «فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهَا الْجَمْعُ»، تو اصل ان کے اندر کیا ہو گا؟ جمع کرنا ہو گا۔ اصل ان کے اندر جمع کرنا ہو گا کیونکہ ایک جنس کی ہیں، کیا ہیں یہ؟ ایک جنس کی ہیں تو ان کو اکٹھا ہونا چاہیے بھائی، ایک جنس کی ہیں سب تکبیرات ہی ہیں تو ان کو اکٹھا ہونا چاہیے یعنی شروع میں جو تکبیر تحریمہ آ رہی ہے یا قیام کے آخر میں جو رکوع والی تکبیر آ رہی ہے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ان کو اکٹھا ہونا چاہیے کیونکہ وہ بھی تکبیر اور یہ بھی کیا ہے؟ تکبیر ہے، تو ایک ہی جنس کی ہیں ایک ہی چیز ہیں لہٰذا ان کو اکٹھا ہونا چاہیے بھائی، اکٹھا ہونا چاہیے، اور پھر اس کو پہلی رکعت کے اندر تکبیر تحریمہ کے بعد یہ ہو گی بھائی۔ کس کے بعد ہو گی؟ تکبیر تحریمہ کے بعد یہ تکبیرات کہی جائیں گی، اس لیے کیونکہ تکبیر تحریمہ جو ہے اس کو قوت حاصل ہے اس حیثیت سے کہ وہ فرض ہے وہ شرائط نماز میں سے ہے، تو وہ فرض ہے اور نیز وہ مقدم ہے، تو فرض ہونے کی وجہ سے بھی اس کو قوت حاصل اور مقدم ہونے کی وجہ سے بھی اس کو قوت حاصل ہے، لہٰذا اس کے ساتھ ملائیں گے بھائی پہلی رکعت کے اندر تکبیرات۔ اور دوسری رکعت کے اندر تو صرف رکوع والی تکبیر ہے، دوسری رکعت میں صرف رکوع والی تکبیر ہے قیام کے اندر جبکہ شروع میں کوئی تکبیر نہیں، وہ تکبیر تحریمہ تو پہلی رکعت میں تھی اور دوسری رکعت میں شروع میں کوئی تکبیر نہیں، وہ جو تکبیر ہے وہ تو سجدے سے ہم اٹھتے ہوئے کہتے ہیں قیام کی حالت میں نہیں ہے، تو قیام کی حالت میں صرف یہی تکبیر ہے جس میں تکبیر کہتے ہوئے انسان رکوع میں جاتا ہے، تو جب کوئی اور تکبیر نہیں تو وہاں پر اور کوئی مقابل اور مزاحم بھی نہیں ہے تو اسی تکبیر کے ساتھ یعنی رکوع والی تکبیر کے ساتھ ان زائد تکبیرات کو ملایا جائے گا۔ دلیل سمجھ میں آئی بھائی؟ کہ ان کے محل کی عقلی ایک دلیل تو وہ نقلی دلیل تو گزر گئی وہ حدیث حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، اور عقلی دلیل کیا ہوئی؟ کہ یہ سب تکبیرات ہیں چونکہ اور یہ ایک جنس کی ہیں اور ایک جنس کی چیزوں کو کیا ہونا چاہیے؟ اکٹھا ہونا چاہیے، تو لہٰذا اس کو بھی اس نماز ان زائد تکبیروں کو بھی نماز کی ان اصل تکبیروں کے ساتھ، زائد تو یہ والی جو چھ زائد ہیں، تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری یہ ہیں زائد اور کچھ کیا ہیں؟ اصلی ہیں نماز کی، ایک تکبیر تحریمہ اور دوسری دور کوع والی، پہلی رکعت میں ایک رکوع کی تکبیر اور دوسری رکعت میں بھی ایک رکوع والی تکبیر، تو یہ تو نماز یہ اصلی تکبیرات ہیں اور باقی تین تین جو آئیں گی ہر رکعت میں وہ زائد ہیں لیکن ہیں یہ ایک ہی جنس کی تو ان کو کیا ہونا چاہیے؟ اکٹھا ہونا چاہیے، اکٹھا ہونا چاہیے، اور پہلی رکعت کے اندر قیام والی تکبیر تحریمہ بھی ہے اور رکوع والی تکبیر بھی ہے، اور دوسری رکعت میں صرف قیام کے اندر رکوع والی تکبیر ہے اور کوئی تکبیر نہیں، تو پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ ہے ایک طرف تو دوسری طرف رکوع والی تکبیر ہے تو ان میں تقابل ہے مزاحمت ہے لیکن پھر کس کو ترجیح دی جائے گی؟ تکبیر تحریمہ کو ترجیح مل جائے گی کیونکہ تکبیر تحریمہ کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ فرض بھی ہے اور مقدم بھی ہے، تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہم تین زائد تکبیرات کو ملائیں گے اور اس کے بعد کہیں گے قرات سے پہلے ہی، جبکہ دوسری رکعت میں صرف تو صرف رکوع والی اصلی تکبیر ہے شروع میں تکبیر نہیں تو پھر اسی کے ساتھ ملایا جائے گا ان زائد تکبیرات کو یعنی قرات کے بعد کہا جائے گا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو یہ معنیٰ ہے کہ: «فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهَا الْجَمْعُ»، تو اصل ان کے اندر کیا ہے؟ جمع کرنا ہے۔ اچھا، تو یہ معنیٰ ہوا: فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهَا الْجَمْعُ تو اصل ان کے اندر جمع کرنا ہے، «وَفِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى يَجِبُ إِلْحَاقُهَا بِتَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ»، اور پہلی رکعت میں واجب ہے ان کا ملانا افتتاح والی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ، «لِقُوَّتِهَا مِنْ حَيْثُ الْفَرْضِيَّةُ وَالسَّبْقُ»، بوجہ اس کے قوی ہونے کے کہ وہ قوی ہے فرض ہونے اور مقدم ہونے کی حیثیت سے کہ وہ فرض بھی ہے اور مقدم بھی ہے، «وَفِي الثَّانِيَةِ لَمْ يُوجَدْ إِلَّا تَكْبِيرَةُ الرُّكُوعِ فَوَجَبَ الضَّمُّ إِلَيْهَا»، اور دوسری رکعت میں تو نہیں پائی جاتی سوائے تکبیر رکوع کے کہ وہاں وہی ایک تکبیر ہے تو اس کے ساتھ ملانا واجب ہو گا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

■ مسئلہ: وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَخَذَ بِقَوْلِ ا...

«وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَّا أَنَّهُ حَمَلَ الْمَرْوِيَّ كُلَّهُ عَلَى الزَّوَائِدِ فَصَارَتِ التَّكْبِيرَاتُ عِنْدَهُ خَمْسَةَ عَشَرَ أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ»، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو لیا ہے إِلَّا أَنَّهُ حَمَلَ الْمَرْوِيَّ كُلَّهُ عَلَى الزَّوَائِدِ مگر یہ کہ انہوں نے محمول کیا ہے ان تمام تکبیرات کو جو روایت کی گئی ہیں عَلَى الزَّوَائِدِ کس پر؟ زوائد پر، فَصَارَتِ التَّكْبِيرَاتُ عِنْدَهُ خَمْسَةَ عَشَرَ أَوْ

سِتَّةَ عَشَرَ تو تکبیرات ان کے نزدیک پندرہ یا سولہ ہو گئیں۔ تو ان کے نزدیک کتنی تکبیرات ہیں؟ پندرہ یا سولہ ہیں بھائی، اس جگہ کو اچھی طرح سمجھ لیجیے بھائی۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو اختیار کیا مگر انہوں نے روایت کی ہوئی تمام تکبیرات کو محمول کیا ہے زوائد پر، زوائد پر۔ بھائی دیکھیے ہمارے نزدیک زائد واجب تکبیرات کتنی ہیں؟ چھ ہیں، اور اصلی تین ہیں، اصلی تین ہیں۔ کس طرح اصلی تین ہیں؟ ایک تکبیر تحریمہ، ایک رکوع والی تکبیر، دو ہو گئیں، اور دوسری رکعت میں بھی رکوع والی تکبیر، کتنی ہو گئیں؟ تین۔ تو قیام کی حالت میں کتنی تکبیرات ہو گئیں؟ تین اصلی اور چھ زائد۔ تین اصلی کونسی؟ ایک تکبیر تحریمہ اور دو تکبیریں رکوع والی، تین ہوئیں اصلی اور چھ ہوئیں زائد۔ تو روایات میں اسی طرح آتا ہے اور نو کا ذکر ملتا ہے، نو کا ذکر ملتا ہے روایات میں تو اس نو کے اندر معلوم ہوا چھ زوائد ہیں اور تین تکبیرات کیا ہیں؟ اصل، اصلی ہیں۔ جبکہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق ایک روایت کے مطابق زائد تکبیرات ہیں دس اور ایک روایت کے مطابق زائد تکبیرات کتنی ہیں؟ نو، اور اس کے ساتھ اصلی ملائیں اصلی کتنی ہیں؟ تین ہیں، تو دس اور تین کتنی ہو گئیں؟ تیرہ، اور دوسری روایت ہے زائد نو ہیں تو نو اور تین کتنی ہو گئیں؟ بارہ۔ تو ان سے روایات کے اندر یہ ذکر ملتا ہے کہ عید کی تکبیرات بارہ یا تیرہ ہیں، بارہ یا تیرہ ہیں۔

تو یہ بارہ اور تیرہ اس میں کچھ اصلی ہیں اور کچھ زائد ہیں، تین اس میں اصلی ہیں اور باقی زائد ہیں۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ جو روایات کے اندر بارہ یا تیرہ تکبیرات کا ذکر آیا اب اس کے اندر تین تو تھیں اصلی اور باقی کیا تھیں؟ زائد، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے ان سب کو محمول کیا زائد تکبیرات پر، کس پر؟ زائد تکبیرات پر۔ تو ایک روایت کے مطابق زائد تکبیرات کتنی ہوئیں؟ بارہ، اور دوسری کے مطابق تیرہ۔ بارہ کے ساتھ تین اصلی ملائیں کتنی ہو جائیں گی؟ اب پندرہ ہو جائیں گی ان کے نزدیک کیونکہ یہ ساری تو زائد ہیں اور تین اصلی ہیں تو کتنی ہو جائیں گی؟ پندرہ، اور اگر تیرہ والی روایت کو لیتے ہیں تو تیرہ کے ساتھ وہ ساری انہوں نے کہا زائد ہیں تو تین اصلی ملائیں کتنی ہو جائیں گی؟ سولہ ہو جائیں گی۔ یہ معنیٰ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو لیا **إِلَّا أَنَّهُ حَمَلَ الْمَرْوِيَّ كُلَّهُ عَلَى الزَّوَائِدِ** مگر انہوں نے محمول کیا ہے وہ جو روایت کی گئی ہیں تکبیرات ان سب کو **عَلَى الزَّوَائِدِ** کس پر؟ زائد تکبیرات پر، **فَصَارَتِ التَّكْبِيرَاتُ عِنْدَهُ خَمْسَةَ عَشَرَ أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ** تو تکبیرات ان کے نزدیک پندرہ یا سولہ ہو گئیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ صاحبِ ہدایہ نے ذکر فرمایا کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مطابق پہلی رکعت میں پانچ تکبیرات ہوں گی زائد اور دوسری رکعت میں پانچ ہوں گی یا چار ہوں گی دونوں طرح کی روایات آتی ہیں۔ اسی طرح یاد رکھیے بعض روایات کے اندر پہلی رکعت میں سات تکبیرات زائد تکبیرات کا بھی ذکر ملتا ہے بھائی سات زائد تکبیرات، اور بعض کتابوں کے اندر امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب لکھا گیا ہے کہ ان کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیرات زائد ہوں گی اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات زائد ہوں گی تو کتنی ہو گئیں؟ بارہ ہو گئیں، اور تین اصلی کتنی ہو گئیں؟ پندرہ، تو اس کے مطابق پھر ان کی عید کی نماز میں کل کتنی تکبیرات ہوئیں؟ پندرہ، تو ان کے نزدیک پندرہ اور ہمارے نزدیک کتنی ہیں؟ نو ہیں، ہمارے نزدیک نو، ان نو میں سے پھر تفصیل یہ ہے کہ چھ زائد ہیں اور تین اصلی ہیں۔ تو ہمارا اور یا یوں کہیں حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے اندر دو چیزوں میں اختلاف آیا، ایک تو تکبیرات کی تعداد میں اختلاف آ گیا، تکبیرات کی تعداد میں، اور نیز دوسرا اختلاف جو آیا وہ محل تکبیر کے اندر بھی اختلاف آ گیا کہ کس مقام پر تکبیر کہنی ہے، ہمارے نزدیک پہلی رکعت میں پہلے ہوں گی قرات سے اور دوسری رکعت میں قرات کے بعد ہوں گی جبکہ ان کے نزدیک دونوں رکعتوں میں قرات سے پہلے ہی ہوں گی بھائی۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ...

«**قَالَ: وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ يُرِيدُ بِهِ مَا سِوَى التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ**». «**وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ**»، اور دونوں ہاتھ اٹھائے **فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ** دونوں ہاتھ اٹھائے گا نماز پڑھنے والا **فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ** عید کی تکبیرات میں، «**يُرِيدُ بِهِ مَا سِوَى التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ**»، ارادہ کیا اس کے ذریعے صاحبِ قدوری نے وہ جو رکوع کی تکبیر کے علاوہ تکبیرات ہیں ان کا۔ صاحبِ قدوری فرما رہے ہیں اور نماز پڑھنے والا دونوں ہاتھ اٹھائے گا عید کی تکبیروں میں، صاحبِ ہدایہ تشریح کر رہے ہیں کہ عید کی تکبیروں میں ہاتھ اٹھانے کا معنیٰ یہ وہ جو زوائد ہیں صرف ان میں ہاتھ اٹھائے گا، رکوع والی تکبیر کے علاوہ، اس میں ہاتھ نہیں اٹھائے گا بھائی۔ **يُرِيدُ بِهِ مَا سِوَى التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ** ارادہ کیا صاحبِ قدوری نے اس کے ذریعے ان تکبیروں کا جو رکوع کی تکبیر کے علاوہ ہیں، «**لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ**»، بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے، آپ فرماتے ہیں کہ ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے مگر سات جگہوں کے اندر، «**وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا تَكْبِيرَاتِ الْأَعْيَادِ**»، اور ان کے مجموعے میں سے حضور علیہ السلام نے عید کی تکبیروں کو بھی ذکر فرمایا۔ جن سات جگہوں میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے اس مجموعے کے اندر حضور علیہ السلام نے عید کی تکبیرات کو بھی ذکر فرمایا، معلوم ہوا عید کی جو زائد تکبیرات ہیں ان میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔

«**وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَرْفَعُ**»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نماز پڑھنے والا ہاتھوں کو نہیں اٹھائے گا ان تکبیرات میں، «**وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا**»، اور دلیل ان کے خلاف وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا، کونسی حدیث؟ یہ جو ابھی گزری کہ حضور علیہ السلام نے سات

جگہوں فرمایا کہ سات جگہوں پر ہاتھ اٹھائے جائیں گے اور ان میں عیدین کی تکبیرات کا بھی ذکر فرمایا۔

«قَالَ: وَيَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ خُطْبَتَيْنِ»، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں اور امام خطبہ دے گا بَعْدَ الصَّلَاةِ نماز کے بعد خُطْبَتَيْنِ دو خطبے، «بِذَلِكَ وَرَدَ النَّقْلُ الْمُسْتَفِيضُ»، اسی کے ساتھ وارد ہوئی ہے مشہور نقل یعنی مشہور طریقے پر یہی منقول ہے بھائی، مشہور طریقے پر یہی منقول ہے کہ امام کتنے خطبے دے گا؟ دو خطبے دے گا۔ یاد رکھیے جیسے جمعہ کے اندر خطبہ ہے اسی طرح عید کی نماز میں بھی خطبہ ہے، اور جیسے جمعہ کے اندر دو خطبے ہیں اسی طرح عید کی نماز میں بھی دو خطبے ہیں بھائی۔ البتہ جمعہ کے اندر خطبہ شرط ہے، خطبہ ہے تو جمعہ کی نماز ہے، خطبہ نہیں تو جمعہ کی نماز بھی نہیں، جبکہ عید کی نماز کے اندر خطبہ سنت ہے بھائی، خطبہ سنت ہے بھائی۔ اور جمعہ کی نماز میں خطبہ مقدم ہوتا ہے نماز مؤخر، لیکن عید کی نماز کے اندر خطبہ مؤخر ہو گا اور نماز مقدم ہو گی۔

یہ معنیٰ ہے کہ عید کی نماز کے بعد دو خطبے دے گا کیونکہ اسی پر مشہور نقل وارد ہوئی ہے یعنی مشہور نقل آئی ہے یعنی مشہور طریقے پر منقول ہے، «يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهَا صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَأَحْكَامَهَا»، سکھائے اس کے اندر امام لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام۔ اس خطبے میں کیا سکھائے لوگوں کو؟ صدقہ فطر اور اس کے احکام، «لِأَنَّهَا شُرِعَتْ لِأَجْلِهِ»، اس لیے کیونکہ یہ خطبہ اسی کے لیے مشروع ہے، اسی لیے مشروع ہے، اسی لیے شریعت نے بتلایا ہے کہ اس میں یہ بتلایا جائے بھائی، اسی کی وجہ سے یہ خطبہ دیا جاتا ہے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ...

«وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ لَمْ يَقْضِهَا»، اور جس کی نماز فوت ہو گئی عید کی مَعَ الْإِمَامِ امام کے ساتھ، لَمْ يَقْضِهَا تو اس کی وہ قضا نہیں کرے گا۔ بھائی امام کے ساتھ جس کی عید کی نماز رہ گئی، یہ معنیٰ نہیں کہ امام کی بھی رہ گئی، مثلاً امام نے تو پڑھی لیکن یہ اس کے ساتھ عید کی نماز نہ پڑھ سکا لَمْ يَقْضِهَا تو بعد میں اس کی قضا نہیں کرے گا تو عید کی نماز کی قضا نہیں ہے۔ «لِأَنَّ الصَّلَاةَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً إِلَّا بِشَرَائِطَ لَا تَتِمُّ بِالْمُنْفَرِدِ»، اس لیے کیونکہ نماز اس صفت کے ساتھ، اس طریقے کے ساتھ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً اس کو عبادت نہیں جانا گیا إِلَّا بِشَرَائِطَ مگر ایسی شرطوں کے ساتھ لَا تَتِمُّ بِالْمُنْفَرِدِ جو پوری نہیں ہوتیں اکیلے شخص کے ساتھ۔ بھائی نماز اس طریقے کے ساتھ جس کے اندر اس طریقے پر تکبیرات کہی جاتی ہیں یہ اس طریقے پر نماز جو ہے اس کو عبادت نہیں جانا گیا، بھائی اور نمازوں کے اندر نوافل کے اندر سنتوں وغیرہ کے اندر کیا اس طریقے پر تکبیرات کہی جاتی ہیں اور ہاتھوں کو اٹھایا جاتا ہے؟ نہیں، تو اس طریقے پر جو نماز ہے اس کو عبادت نہیں جانا گیا۔ اور جگہ پر ایسا نہیں، ہاں اس موقع پر ہے اور اس کی بھی شرائط ہیں، اس کی بھی کیا ہیں؟ شرائط ہیں۔ تو یاد رکھیے جمعہ کے لیے جو شرائط ہیں وہی شرائط کس کے لیے ہیں؟ عید کی نماز میں بھی ہیں یعنی جیسے جمعہ کے اندر اجتماع ہونا ضروری عید کے اندر بھی اجتماع ہونا ضروری ہے، جیسے جمعہ جو ہے وہ کون قائم کروائے گا؟ خلیفہ یا جس کو اس نے حکم دیا ہو، اسی طرح عید کی نماز بھی ہے بھائی عید کی نماز بھی ہے، اور البتہ میں نے ذکر کر دیا جمعہ کے اندر خطبہ شرط ہے لیکن عید کی نماز میں خطبہ شرط نہیں ہے سنت ہے بھائی۔

تو اس کو اس نماز کو اس طریقے پر اس کو عبادت نہیں جانا گیا إِلَّا بِشَرَائِطَ مگر ایسی شرطوں کے ساتھ، کونسی شرطیں؟ مثلاً جماعت ہونی چاہیے اور بادشاہ یا اس کا مقرر جس کو اس نے حکم دیا وہ ہو، مگر ایسی شرائط کے ساتھ لَا تَتِمُّ بِالْمُنْفَرِدِ جو پوری نہیں ہوتیں اکیلے شخص کے ساتھ۔ یہ ایسی شرطیں ہیں جو اکیلے شخص کے ساتھ پوری نہیں ہوتیں تو جس کی نماز قضا ہو گئی ہے بعد میں کیا کرنا پڑے گی؟ اب وہ اکیلے پڑھے گا اور اکیلے کے اندر تو یہ شرطیں پوری نہیں، جماعت بھی نہیں ہے، بادشاہ بھی یا اس کا مقرر کردہ کوئی شخص اس کو جس کو اس نے حکم دیا وہ بھی نہیں ہے تو اس لیے اس کی قضا نہیں ہے۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ دوبارہ دیکھ لیں: «لِأَنَّ الصَّلَاةَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً إِلَّا بِشَرَائِطَ لَا تَتِمُّ بِالْمُنْفَرِدِ»، اس لیے کیونکہ نماز اس طریقے پر اس کو عبادت نہیں جانا گیا مگر ایسی شرطوں کے ساتھ جو پوری نہیں ہوتیں اکیلے شخص کے ساتھ، تو جب شرطیں نہیں پوری ہوتیں تو لہٰذا اس کی قضا بھی نہیں۔

تو یاد رکھیے بھائی عید کی نماز کی قضا نہیں، آپ نے مسئلہ پڑھ لیا، جماعت کے ساتھ پڑھ سکے تو ٹھیک ہے بعد میں اس کی قضا نہیں کی جائے گی۔ اور یہ تو وہ صورت تھی جب پہلے شہر میں عموماً ایک ہی بڑا اجتماع ہوتا تھا عید کا، اب تو عید کے کئی جگہ پر اجتماع ہوتے ہیں تو لہٰذا اگر کسی ایک جگہ جماعت رہ جائے تو انسان کو کوشش کر کے دوسری جگہ دوسری جگہ پہنچنے کی کوشش کرے اور وہاں جا کر عید کی نماز میں شامل ہو کیونکہ اکیلے اس کی قضا نہیں ہے بھائی۔

چلیے بس بھائی بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۳: فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِ...

ہدایہ صفحہ: ۱۸۴ — بتاریخ: ۱۰ مارچ ۲۰۱۳ء

فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْغَدِ، لِأَنَّ هَذَا تَأْخِيرٌ بِعُذْرٍ وَقَدْ وَرَدَ فِيهِ الْحَدِيثُ، فَإِنْ حَدَثَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ. [1]

عید کی نماز سے متعلقہ مسائل بیان ہو رہے ہیں بھائی۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ عید کی نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعے کی نماز واجب ہے بھائی۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا تھا کہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے جو ہے مستحب ہے کہ وہ نماز کے لیے جانے والا غسل کرے، مسواک کرے، خوشبو لگائے، اپنے بہترین کپڑے پہنے اور عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھالے، یعنی کوئی میٹھی چیز کھالے، کیونکہ حضور علیہ السلام عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے عید الفطر والے دن کوئی میٹھی چیز تناول فرماتے تھے۔ اور اسی طرح صدقۂ فطر بھی اس سے پہلے ہی ادا کر دے۔ اور عید گاہ کے اندر نوافل عید کی نماز سے پہلے پڑھنا مکروہ ہے۔ نیز یاد رکھیے اسی طرح عید کی نماز کے بعد بھی عید گاہ کے اندر نوافل پڑھنا مکروہ ہے بھائی۔ جبکہ عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں بھی پڑھنا مکروہ اور گھر پر بھی نوافل پڑھنا مکروہ، اور عید کی نماز کے بعد عید گاہ میں پڑھنا تو مکروہ لیکن گھر پر پڑھنا جائز ہے بھائی گھر پر۔

اور پھر یہ بھی آپ نے پڑھا کہ عید کی نماز کا وقت جو ہے سورج جب کچھ بلند ہو جائے اس وقت سے لے کر زوال کے وقت تک ہے بھائی۔ اور عید کی نماز کا طریقہ بھی مفصل بیان ہوا تھا کہ عید کی نماز کا طریقہ کیا ہے؟ کہ ابتدا کے اندر امام تکبیر تحریمہ کہے گا، اس کے بعد ثنا پڑھی جائے گی، پھر اس کے بعد تین زائد تکبیرات آئیں گی اور ہر دو تکبیروں کے درمیان کم از کم تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار فصل ہونا چاہیے، اور پھر تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے، جبکہ اس سے پہلے تکبیرات کے بعد ہاتھ نہیں باندھنے بلکہ کھلے چھوڑ دینے ہیں، لیکن تیسری تکبیر جب کہہ دے تو پھر ہاتھ باندھ لے گا بھائی، کیونکہ اب امام قرأت کرے گا۔ اور اس کے بعد دوسری رکعت کے اندر رکوع سے پہلے تین تکبیرات کہی جائیں گی اور ان تین تکبیرات کے درمیان بھی ہاتھوں کو نہیں باندھنا بلکہ ہاتھوں کو لٹکا دینا ہے، حتی کہ تیسری تکبیر کے بعد بھی ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا ہے باندھنا نہیں، اور چوتھی تکبیر کہتے ہوئے کس میں چلے جائیں گے؟ رکوع میں چلے جائیں گے بھائی۔

اب بتلا رہے ہیں آگے: **فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْغَدِ.**

غُمّ کے معنی ہوتے ہیں ڈھانپ لینا، ڈھانپنا، چھپا لینا۔ **فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ**، اگر چاند ڈھانپ لیا جائے یعنی چاند پوشیدہ رہے، دکھائی نہ دے۔ معنی کیا ہوا؟ چاند بادل وغیرہ یا کسی وجہ سے چاند پوشیدہ رہے، دکھائی نہ دے تو عربی میں کہتے ہیں **غُمَّ الْهِلَالُ** بھائی، چاند دکھائی نہ دیا۔ **فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ**، پس اگر چاند دکھائی نہ دے، **وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ**، اور گواہی دیں لوگ بھائی امام کے پاس یعنی امام کے سامنے گواہی دیں **بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ** چاند دیکھنے کی **بَعْدَ الزَّوَالِ** زوال کے بعد، **صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْغَدِ**، تو عید کی نماز پڑھے **مِنَ الْغَدِ** اگلے روز بھائی۔

جب کب گواہی آئی؟ زوال کے بعد گواہی آئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کل شام کو چاند دیکھا تھا۔ تو اب زوال کے بعد گواہی آئی ہے اور زوال کے بعد تو عید کی نماز کا وقت نکل چکا ہے تو اگلے دن جو ہے صبح پھر عید کی نماز پڑھی جائے گی۔

دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **لِأَنَّ هَذَا تَأْخِيرٌ بِعُذْرٍ**، اس لیے کیونکہ یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہے۔ کس کی وجہ سے ہے؟ عذر کی وجہ سے ہے، لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی تھی لیکن دکھائی ہی نہیں دیا تھا اس وجہ سے رہ گئی۔ **وَقَدْ وَرَدَ فِيهِ الْحَدِيثُ**، اور تحقیق اس کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے، جیسے کہ گزشتہ سبق میں آیا تھا کہ حضور علیہ السلام کے پاس کچھ لوگوں نے آ کر چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپ نے اگلے روز عید کی نماز کے لیے نکلنے کا حکم دیا، کیونکہ گواہی کس کے بعد آئی تھی؟ زوال کے بعد آئی تھی۔

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۰۵): «عنه»۔ • شاملہ (ص ۱۰۵) میں «رَحِمَهُ» کے بجائے «رضي» درج ہے۔

فَإِنْ حَدَثَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ.

اگر اگلے روز بھی کوئی عذر پیش آگیا اور عید کی نماز ادا نہ کی جا سکی تو کہتے ہیں بس بھائی، اس کے بعد اس سے اگلے روز عید کی نماز ادا نہیں کی جائے گی، بس ایک دن تک عذر کی صورت میں عید الفطر کی نماز مؤخر کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟ عید الفطر کی نماز کسی عذر کی وجہ سے ایک دن تک مؤخر کی جا سکتی ہے۔ جیسے ایک عذر بیان ہو گیا، مثلاً چاند دکھائی ہی نہیں دیا تھا اور گواہی کس وقت آئی؟ زوال کے بعد آئی، تو پھر اگلے دن اس کو عید کی نماز پڑھیں گے۔ لیکن اگر اگلے دن بھی کوئی عذر پیش آگیا، مثلاً بڑی تیز بارش ہو رہی ہے، کوئی آ ہی نہیں سکا نماز کے لیے، تو پھر اس سے اگلے روز عید کی نماز نہیں ادا کی جائے گی، بس ایک دن تک مؤخر کرنا جائز ہے بھائی، مؤخر۔ اور یہ بھی یاد رکھیے، اگر عذر نہ ہو، بغیر عذر کے، بغیر عذر کے تو اگلے دن بھی پھر جائز نہ رہے گی بھائی، سمجھ میں آیا؟ ہاں، پھر صرف وہ عید والے دن ہی نماز ادا کرنا جائز ہو گا اور بغیر عذر کے اگر چھوڑ دیتے ہیں تو اگلے دن بھی پھر مؤخر کرنے کی اجازت نہیں، پھر ادا نہیں کی جائے گی۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **فَإِنْ حَدَثَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي**، پس اگر پیش آگیا کوئی ایسا عذر جو روک دیتا ہے نماز سے **فِي الْيَوْمِ الثَّانِي** دوسرے دن، **لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ**، تو اس کے بعد اس کی اس کو نہیں پڑھیں گے، یعنی تیسرے دن نہیں پڑھیں گے۔

لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا أَنْ لَا تُقْضَى كَالْجُمُعَةِ.

کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اصل تو اس کے اندر یہ ہے کہ اس کی قضا ہونی ہی نہیں چاہیے جیسے جمعہ ہے۔ جمعے کی قضا جیسے نہیں ہوتی تو اصل تو یہ ہے کہ عید کی نماز کی قضا سرے سے ہونی ہی نہیں چاہیے، دوسرے دن بھی نہیں ہونی چاہیے۔ قیاس یہ تقاضا کرتا ہے، دوسرے دن بھی نہیں ہونی چاہیے، **إِلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِالْحَدِيثِ**، مگر ہم نے اس اصل کو چھوڑ دیا حدیث کی وجہ سے۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ تو احناف جو ہے وہ ہمیشہ حدیث پر عمل کرتے ہیں اور حدیث کو ترجیح دیتے ہیں قیاس پر چاہے کمزور اور ضعیف حدیث ہی کیوں نہ ہو بھائی۔ تو وہاں پر پھر قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی حدیث آگئی تھی، قیاس تو یہ تقاضا کر رہا تھا کہ جمعے کی جیسے قضا نہیں، عید کی بھی اگلے دن قضا نہیں ہونی چاہیے، لیکن حدیث میں چونکہ آگیا تھا کہ حضور علیہ السلام نے اگلے دن عید کی نماز ادا فرمائی تو ہم نے بھی قیاس کو ترک کرتے ہوئے کیا حکم بتلا دیا؟ کہ اگلے دن اس کی قضا کی جائے گی۔

یہ معنی ہے **إِلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ**، مگر یہ کہ ہم نے اس ہم نے اس اصل کو چھوڑ دیا **بِالْحَدِيثِ** حدیث کی وجہ سے، **وَقَدْ وَرَدَ بِالتَّأْخِيرِ إِلَى الْيَوْمِ الثَّانِي عِنْدَ الْعُذْرِ**، اور تحقیق حدیث وارد ہوئی ہے مؤخر کرنے کے بارے میں **إِلَى الْيَوْمِ الثَّانِي** دوسرے دن تک **عِنْدَ الْعُذْرِ** عذر کے وقت بھائی، عذر کی وجہ سے۔ عذر کے ہوتے ہوئے حدیث میں کب تک مؤخر کرنے کا ذکر آیا ہے؟ صرف دوسرے دن تک، لہٰذا صرف دوسرے دن تک ہی مؤخر کر سکتے ہیں، تیسرے دن تک مؤخر نہیں ہو سکتی، دوسرے دن بھی اگر رہ گئی پھر تیسرے دن ادا نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی میں نے آپ کو بتلا دیا بغیر عذر کے دوسرے دن بھی دوسرے دن تک مؤخر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى أَنْ يَغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ.

اب عید الاضحیٰ یعنی جو قربانی کی عید ہے اس کا طریقہ بتلائیں گے۔ کہتے ہیں: **وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى**، اور مستحب ہے عید الاضحیٰ والے دن، **أَنْ يَغْتَسِلَ**، کہ نماز کے لیے جانے والا غسل کر لے، **وَيَتَطَيَّبَ**، اور خوشبو لگا لے، **لِمَا ذَكَرْنَاهُ**، اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ وہ جو پیچھے ذکر یہ اجتماع والا دن ہے تو اجتماع والے دن کیا ہونا چاہیے؟ غسل بھی ہونا چاہیے اور انسان خوش غسل بھی مسنون ہو گا اس روز اور خوشبو لگانا بھی مسنون ہو گا۔

وَيُؤَخِّرَ الْأَكْلَ، اور کھانے کو انسان مؤخر کر دے، وہ نمازی کھانا کو مؤخر کرے، **حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ**، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے۔

بھئی عید الفطر میں کیا تھا؟ عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے، جبکہ عید الاضحیٰ والے دن ہاں عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے انسان کچھ نہ کھائے یہی مسنون ہے، مسنون ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا بھائی کہ اصل میں عید سے ماقبل کے جو ایام ہیں ان کی مخالفت مخالفت تاکہ ہو جائے، خصوصاً عید الفطر میں۔ عید الفطر کے اندر عید کی نماز سے پہلے کے جو عید کے دن سے پہلے کے ایام میں روزہ ہوتا تھا تو لہٰذا اب عید کے لیے نکلنے سے پہلے کچھ انسان کھا لے تاکہ پتہ چل جائے کہ روزہ نہیں ہے بھائی۔ اور جبکہ عید الاضحیٰ میں چونکہ ماقبل میں روزہ نہیں تو لہٰذا اب یہاں مخالفت کس طرح کر لے؟ کچھ نہ کھائے، بلکہ عید کی نماز کے بعد اگر جلدی قربانی ہو جاتی ہے تو پھر قربانی کے گوشت کے ساتھ کیا کرے؟ کھانے کا آغاز کرے اور یہی مسنون طریقہ ہے۔ اور یہ بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اگر قربانی کے گوشت میں بہت زیادہ تاخیر ہوتی ہے تو پھر اتنا مؤخر نہ کرے انسان بھائی، یہ مناسب نہیں، کیونکہ یہ تو ورنہ پھر عید کے دن روزے جیسی کیفیت بن جائے گی اور حالانکہ ان ایام میں تو روزہ رکھنا

حرام ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں اور: **وَيُؤَخِّرَ الْأَكْلَ**، اور کھانے کو مؤخر کر دے، **حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ**، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے، **لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَطْعَمُ فِي يَوْمِ النَّحْرِ حَتَّى يَرْجِعَ فَيَأْكُلَ مِنْ أُضْحِيَّتِهِ**، اس لیے بوجہ اس حدیث کو جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ کچھ تناول نہیں فرماتے تھے یوم النحر والے دن قربانی والے دن **حَتَّى يَرْجِعَ** یہاں تک کہ آپ واپس آجاتے یعنی عید کی نماز سے، **فَيَأْكُلَ مِنْ أُضْحِيَّتِهِ**، تو کھاتے تھے اپنی قربانی میں سے، یعنی اس کا گوشت تناول فرماتے۔

وَيَتَوَجَّهَ إِلَى الْمُصَلَّى، اور یہ کہ وہ نماز پڑھنے والا متوجہ ہو جائے عید گاہ کی طرف، **وَهُوَ يُكَبِّرُ**، اس حال میں کہ وہ تکبیر کہہ رہا ہو، یعنی عید گاہ کی طرف چلے کس طرح؟ تکبیر کہتے ہوئے چلے، **لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الطَّرِيقِ**، اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے **فِي الطَّرِيقِ** راستے میں، جب عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے چلتے تھے تو تکبیر کہتے تھے، اور کون سی تکبیر؟ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ اللہ اکبر، وہی جو عید کے دن دنوں میں پڑھی جاتی ہے: **اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ**، یہ تکبیر بھائی۔ تو فرق کیا ہے؟ عید الفطر میں یہ پڑھے گا لیکن آہستہ پڑھی جائے گی اور عید الاضحیٰ والے دن بلند آواز سے جہراً بھائی۔

وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ كَالْفِطْرِ، اور دو رکعتیں پڑھ لے گا **كَالْفِطْرِ**، کس کی طرح؟ عید الفطر کی طرح یعنی اسی طرح چھ زائد تکبیرات کے ساتھ، **كَذَلِكَ نُقِلَ**، اسی طرح نقل کیا گیا ہے، یعنی اسی طرح طریقہ منقول ہے، **وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ**، اور اس عید کی نماز کے بعد امام خطبے دے گا دو خطبے، **لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ فَعَلَ**، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایسا ہی فرمایا ہے، **وَيُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهِمَا الْأُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيرَ التَّشْرِيقِ**، اور اس میں امام سکھائے بھائی اس ان خطبوں میں ان لوگوں کو سکھائے **الْأُضْحِيَّةَ** قربانی **وَتَكْبِيرَ التَّشْرِيقِ** اور تکبیر تکبیرات تشریق کے بارے میں لوگوں کو اور ان کے احکام بتلائے قربانی کے اور تکبیرات تشریق کے، **لِأَنَّهُ مَشْرُوعُ الْوَقْتِ**، اس لیے کیونکہ یہی اس وقت کے مشروع ہیں، اس وقت کے مشروع احکام کیا ہیں؟ شریعت نے ان اوقات میں انہی کا حکم دیا ہے تو انہی کے احکام لوگوں کو سکھلائے وہ بھائی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو کہتے ہیں **لِأَنَّهُ مَشْرُوعُ الْوَقْتِ**، کیونکہ یہی جو ہے اس وقت کے مشروع ہیں یعنی جن کا حکم دیا گیا ہے، **وَالْخُطْبَةُ مَا شُرِعَتْ إِلَّا لِتَعْلِيمِهِ**، اور خطبہ مشروع نہیں ہے مگر ان کی تعلیم کے لیے، یہ عید کا خطبہ مشروع بھی کس لیے ہے؟ کس لیے شریعت نے اس کو جاری فرمایا ہے؟ انہی چیزوں کی کو لوگوں کو سکھانے کے لیے۔ عید الفطر کے بعد خطبے دیے جاتے ہیں اس میں لوگوں کو صدقۂ فطر کے احکام بتلانا مقصود ہیں اور یہاں پر خطبے دیے خطبے ہیں اور اس میں لوگوں کو قربانی اور تکبیرات تشریق کے احکام بتلانا مقصود ہیں۔

فَإِنْ كَانَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَلَا يُصَلِّيهَا بَعْدَ ذَلِكَ.

فَإِنْ كَانَ عُذْرٌ، بھائی عید الفطر کے اندر تو مسئلہ بیان ہو گیا کہ اگر عذر ہو تو ایک دن تک نماز مؤخر ہو سکتی ہے اس سے زیادہ مؤخر نہیں، اور اگر عذر نہ ہو تو ایک دن تک بھی دوسرے اگلے دن تک بھی مؤخر کرنا صحیح نہیں، پھر ہو گی نہیں اس کے بعد۔ جبکہ عید الاضحیٰ کے اندر ایسا نہیں۔ عید الاضحیٰ کے اندر اگر عذر ہو تو عید کی نماز دوسرے دن بھی ادا کی جا سکتی ہے، پھر اگر عذر پیش آیا تو اس سے اگلے دن یعنی تیسرے دن بھی ادا کی جا سکتی ہے، کیونکہ قربانی کے کتنے دن ہوتے ہیں؟ تین دن ہوتے ہیں، تو یہ تیسرے دن تک مؤخر ہو سکتی ہے، مؤخر ہو سکتی ہے۔ اور وہاں پر تھا بغیر عذر کے اگلے دن بھی مؤخر نہیں کی جا سکتی عید الفطر میں، لیکن یہاں پر بغیر عذر کے بھی اگر مؤخر کرنا چاہے کوئی تو مؤخر کر سکتا ہے، یعنی یعنی ہو جائے گی معنی یہ ہے۔ اگر اگلے دن یا اس سے اگلے دن ادا کریں گے بغیر عذر کے بھی تو نماز ہو جائے گی، ہاں البتہ اس طرح کرنا برا ہے بھائی، کیونکہ جو منقول طریقہ ہے اس کی مخالفت کی گئی، منقول تو کیا ہے؟ پہلے ہی دن ادا کی جائے۔ تو فرق سمجھ میں آیا بھائی؟

تو کہہ رہے ہیں بھائی: **فَإِنْ كَانَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى**، اور اگر کوئی ایسا عذر ہے جو روکتا ہے نماز سے **فِي يَوْمِ الْأَضْحَى** قربانی والے دن، **صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِ**، تو اس کو پڑھیں گے اگلے دن، **وَبَعْدَ الْغَدِ**، اور اس سے اگلے دن، **وَلَا يُصَلِّيهَا بَعْدَ ذَلِكَ**، اور اس کے بعد اس کو نہیں پڑھیں گے، **لِأَنَّ الصَّلَاةَ مُؤَقَّتَةٌ بِوَقْتِ الْأُضْحِيَّةِ فَيُقَيَّدُ بِأَيَّامِهَا**، اس لیے کیونکہ یہ نماز جو ہے **مُؤَقَّتَةٌ** یہ مقید ہے **بِوَقْتِ الْأُضْحِيَّةِ** قربانی کے وقت کے ساتھ، **فَيُقَيَّدُ بِأَيَّامِهَا**، تو اس کو مقید کیا جائے گا اس قربانی کے ایام کے ساتھ، قربانی کے ایام ہی میں یہ نماز جائز ہو گی، اس کے بعد جائز نہیں، اور قربانی تو تین دن ہوتی ہے لہٰذا تین دن کے اندر عذر کی وجہ سے مؤخر کرنا جائز ہے۔

لَكِنَّهُ مُسِيءٌ فِي التَّأْخِيرِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ لِمُخَالَفَةِ الْمَنْقُولِ، لیکن یہ جو ہے برا عمل کرنے والا ہو گا، گنہگار ہو گا **فِي التَّأْخِيرِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ** بغیر عذر کے مؤخر کرنے کی صورت میں، **لِمُخَالَفَةِ الْمَنْقُولِ** بوجہ منقول طریقے کی مخالفت کے، کہ منقول تو یہ ہے کہ پہلے دن ادا کی جائے، بغیر عذر کے مؤخر کرنے کی صورت میں یہ برا عمل کرنے والا ہوا۔ اور عذر کی صورت میں پھر تو کوئی خرابی بھی نہیں ہے، کیونکہ وہاں تو عذر موجود ہے۔

وَالتَّعْرِيفُ الَّذِي يَصْنَعُهُ النَّاسُ لَيْسَ بِشَيْءٍ.

سبق نمبر ۸۳: فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

اور تعریف جس کو لوگ کرتے ہیں لَيْسَ بِشَيْءٍ وہ کوئی چیز نہیں۔ وہ تعریف جس کو لوگ کرتے ہیں وہ کوئی چیز نہیں۔ بھائی تعریف یہ بعض لوگ کہتے ہیں اس طرح کرتے کہ جس دن یوم عرفہ ہوتا، یعنی نویں ذی الحجہ ہوتی اور آپ جانتے ہیں یوم عرفہ کیا ہے؟ کون سا دن ہے؟ نویں ذی الحجہ۔ تو حاجی نویں ذی الحجہ کو نکلتے ہیں منیٰ سے اور عرفات پہنچتے ہیں اور غروب آفتاب تک وہاں رہتے ہیں اور پھر وہاں سے واپس چلتے ہیں بھائی۔ تو یہ مناسک کہاں سرانجام دیے جاتے ہیں؟ حج کے افعال، مکہ میں افعال یہ سرانجام دیے جاتے ہیں، وہ مخصوص مقام ہے بھائی۔ تو بعض لوگ کہتے ہیں یہیں پر، صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں یہیں پر ان کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور یوم عرفہ والے دن باہر نکل آتے ہیں، اکٹھے ہو جاتے ہیں اور جیسے وقوف عرفہ والے دن وہاں حاجی کیا کرتے ہیں؟ اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں، وقوف کرتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی یہاں پر اس طرح کرتے ہیں بھائی۔ تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ وہ تو مخصوص جگہ یعنی عرفہ کے اندر اس طرح شریعت نے کرنے کا حکم دیا اور وہ حج کے افعال میں سے ہے، جبکہ ہر جگہ پر ایسا کرنا صحیح نہیں ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو اس طرح نکلتے ہیں اور ان عرفات والوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں یہ ہے تعریف بھائی، یہ کیا ہے؟ تعریف، اور فرمارہے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَالتَّعْرِيفُ الَّذِي يَصْنَعُهُ النَّاسُ لَيْسَ بِشَيْءٍ، اور وہ تعریف جس کو لوگ کرتے ہیں تو وہ کوئی چیز نہیں ہے، وَهُوَ، اور وہ یہ: أَنْ يَجْمَعَ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ، وہ یہ کہ جمع ہو جاتے ہیں لوگ عرفہ والے دن فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ بعض جگہوں کے اندر، تَشْبِيهًا بِالْوَاقِفِينَ بِعَرَفَةَ، مشابہت اختیار کرتے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ وہ جو وقوف کر رہے ہیں عرفہ کے اندر ان کے ساتھ۔ تو یہ یہ کوئی چیز نہیں بھائی، اور دلیل کیا؟ اب وہ دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: لِأَنَّ الْوُقُوفَ عُرِفَ عِبَادَةً مُخْتَصَّةً بِمَكَانٍ مَخْصُوصٍ، اس لیے کیونکہ وقوف جو ہے اس کو جانا گیا ہے ایک ایسی عبادت کے طور پر جو مخصوص ہے بِمَكَانٍ مَخْصُوصٍ کس کے ساتھ؟ مخصوص مخصوص مکان یعنی مخصوص جگہ کے ساتھ اور وہ کون سی جگہ ہے؟ عرفات ہے بھائی، اس جگہ کے ساتھ اس کو یہ عبادت مخصوص ہے۔ فَلَا يَكُونُ عِبَادَةً دُونَهُ، تو لہٰذا یہ وقوف عبادت نہ ہو گا دُونَهُ اس مخصوص جگہ کے علاوہ، اس مخصوص جگہ یعنی عرفات کے علاوہ کسی اور جگہ اس طرح کھڑے ہونا اور رونا اور گڑگڑانا یہ کوئی عبادت نہیں ہے۔ سمجھ، ہاں خود روئے انسان، گڑگڑائے لیکن یہاں پر دیکھو باقاعدہ لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے اور سارے اجتماعی صورت میں کرتے ہیں تو یہ درست نہیں ہے بھائی۔ خود اللہ کے سامنے جتنا بھی انسان روئے، گڑگڑائے وہ تو اور اچھا ہے عاجزی کی علامت، سمجھیں وہ عاج تو وہ عاجزی کی علامت ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: فَلَا يَكُونُ عِبَادَةً دُونَهُ، تو یہ وہ تو یہ وقوف جو ہے عبادت نہ ہو گا دُونَهُ اس مخصوص جگہ کے بغیر، كَسَائِرِ الْمَنَاسِكِ، جیسے کہ باقی کے مناسک حج جو ہیں۔ مناسک، وہ افعال حج بھائی، تو جیسے کہ باقی کے مناسک حج ہیں وہ جیسے وہیں پر اپنے مخصوص جگہوں پر ادا کیے جاتے ہیں، کسی اور جگہ اس طرح کرنا عبادت نہیں، تو وہ اب جیسے اپنی جگہوں کے ساتھ مخصوص تو یہ وقوف بھی اپنی جگہ یعنی عرفات کے ساتھ مخصوص ہے، دوسری جگہ ایسا کیا جائے تو یہ عبادت نہیں ہے بھائی۔

▪ فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ، وَيَبْدَأُ بِتَكْبِيرِ

فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ، وَيَبْدَأُ بِتَكْبِيرِ التَّشْرِيقِ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَيَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ.

▪ فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ، یہ فصل ہے تکبیرات تشری

فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ، یہ فصل ہے تکبیرات تشریق کے بیان میں۔

یاد رکھیے بھائی کہ یہاں ذکر آئے گا ایام تشریق کا اور ایام نحر کا۔ تو یہ جو عید کے تین دن ہیں ان کو ایام نحر کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ ایام نحر بھائی۔ اور اس کے بعد پہلا دن جو ہے اس کو چھوڑ کر عید کا پہلا دن چھوڑ کر دوسرا دن عید کا، تیسرا دن عید کا اور اس سے اگلا ایک دن یہ تین دن ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ یعنی عید کا دوسرا دن، عید کا تیسرا دن اور اس سے اگلا دن یہ تین دن کیا کہلاتے ہیں؟ ایام تشریق۔

شَرَّقَ يُشَرِّقُ تَشْرِيق کے معنی ہیں کہ گوشت کے ٹکڑے کر کے اس کو دھوپ میں خشک کرنا بھائی، دھوپ میں خشک کرنا۔ آج کل تو اللہ تعالیٰ نے مزید انعامات فرمائے اور اب آپ کوئی چیز محفوظ کرنا چاہتے ہیں فریج وغیرہ میں رکھتے ہیں اور محفوظ ہو جاتی ہے وہ چیز کافی عرصے کے لیے۔ قدیم زمانے میں چونکہ ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا تو وہ پھر کیا کرتے تھے؟ اس گوشت کو نمک وغیرہ اور چیزیں لگا کر دھوپ میں رکھ دیتے اور یہ گوشت پھر خشک ہو جاتا اور پھر لمبے عرصے تک کے لیے محفوظ ہو جاتا تھا۔ آج بھی دنیا کے بہت سے علاقوں میں یہ طریقہ ابھی بھی جاری ہے بھائی۔ چنانچہ وہ کیا کرتے ہیں؟ گوشت کو اسی طرح دھوپ میں خشک کرتے ہیں اور یہ خشک گوشت یہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے، خشک ہو جاتا ہے اور لمبے عرصے تک محفوظ رہتا ہے، پھر جب پکاتے ہیں پھر اسی طرح نرم ہو جاتا ہے بھائی۔ تو یہ جو عمل ہے، یہ جو دھوپ

میں گوشت کو خشک کیا جاتا ہے اس کو تشریق کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ تشریق۔ تو ان تین دنوں کے اندر چونکہ یہ گوشت کو قربانی کے گوشت کو دھوپ میں خشک کیا جاتا اس لیے ان ایام کو کیا کہنے لگے؟ ایام تشریق کہنے لگے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو خشک کیا جا، منیٰ کے اندر مثلاً یوم النحر پہلا عید کا دن ہے اس دن قربانیاں وغیرہ اکثر اسی دن ہو جاتیں اور پھر باقی تین دن کیا کرتے تھے؟ گوشت کو خشک کرتے تھے، تو وہ یہ ایام تشریق ہیں بھائی، ایام تشریق۔

تو دیکھیے اب کتاب پر: **فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ**، یہ فصل ہے تکبیرات تشریق کے بیان میں، **وَيَبْدَأُ بِتَكْبِيرِ التَّشْرِيقِ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ**، اور ابتدا کرے تکبیر تشریق کی فجر کی نماز کے بعد **مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ** یوم عرفہ والے دن۔ بھائی عید سے ایک دن قبل یعنی نویں ذی الحجہ یہ کیا ہے؟ یوم عرفہ، اور یوم عرفہ کو فجر کی نماز کے بعد ابتدا ہو گی یہ تکبیرات کہنے کی، یعنی ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ بلند آواز سے یہ تکبیر کہی جائے گی جو اسی صفحے کی آخری سطر میں آرہی ہے: **اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ**، یہ تکبیر بھائی۔ کس وقت شروع کریں گے؟ نویں ذی الحجہ یعنی یوم عرفہ کو فجر کی نماز کے بعد۔

وَيَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ، اور ختم کرے ان کو عصر کی نماز کے بعد یوم النحر والے دن۔ یوم النحر جو پہلا دن ہے قربانی کا اس کو کیا کہتے ہیں؟ یوم النحر بھائی۔ تو دیکھیے بھائی میں نے آپ کو بتلایا عید کے یہ تین دن ایام نحر ہیں۔ اور پہلے دن کے بعد اگلے تین دن وہ کیا ہیں؟ ایام تشریق ہیں۔ تو معلوم ہوا پہلا دن وہ صرف یوم النحر ہے، وہ کیا ہے؟ یوم النحر، اور آخری دن صرف کیا ہے؟ یوم تشریق ہے، وہ یوم النحر نہیں، اور درمیان والے دو دن وہ یوم النحر بھی ہیں اور یوم تشریق بھی ہیں بھائی۔

تو یہ یوم النحر کا ذکر آیا کہ عصر کی نماز کے بعد یوم النحر والے دن ان کو ختم کر دے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ بھائی کس وقت شروع کیں؟ نویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے وقت، تو فجر میں بھی آگئی تکبیرات، ظہر کی نماز کے بعد بھی تکبیرات، عصر کی نماز کے بعد بھی، مغرب کی نماز کے بعد بھی، عشاء کی نماز کے بعد بھی، کتنی ہو گئیں؟ پانچ۔ اگلے دن یوم النحر آگیا عید والا دن، فجر کے بعد بھی، ظہر کے بعد بھی، عصر کے بعد بھی، تو یہ کل کتنے ہو گئے؟ جی، پانچ اور تین؟ آٹھ۔ تو گویا کل آٹھ نمازوں کے بعد یہ تکبیرات کہی جائیں گی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھائی۔

وَقَالَا: يَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ختم کرے ان تکبیرات تشریق کو عصر کی نماز کے بعد ایام تشریق کے آخر میں، یعنی آخری یوم تشریق جو ہے اس کے عصر تک پڑھے۔ اور آخری یوم تشریق کون سا ہے؟ عید سے اگلا دن، اور کب تک پڑھے اس میں؟ عصر تک۔ تو ان کے نزدیک دیکھیے: یوم عرفہ والے دن کی پانچ نمازیں بھی آگئیں، اگلا یوم النحر آیا اس کی پانچ نمازیں بھی آگئیں، دس ہو گئیں۔ اگلے اگلا دن یوم تشریق بھی ہے اور یوم النحر بھی ہے، اس کی بھی پانچ نمازیں آگئیں، پندرہ۔ اس سے اگلا دن بھی یوم النحر بھی ہے اور یوم تشریق بھی ہے، کتنی ہو گئیں؟ بیس ہو گئیں، اور اس سے اگلا دن صرف آخری یوم تشریق ہے، اس میں فجر، ظہر اور عصر میں کتنی نمازیں ہو گئیں؟ تیئس۔ تو امام صاحب کے نزدیک صرف آٹھ نمازوں میں یہ تکبیرات پڑھی جائیں گی ان کے بعد، اور صاحبین کے نزدیک تیئس نمازوں میں کے بعد تیئس نمازوں کے بعد پڑھی جائیں گی بھائی۔

یہ معنی ہے: **وَقَالَا: يَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ**، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ختم کرے ان کو عصر کی نماز کے بعد ایام تشریق کے آخر میں، **وَالْمَسْأَلَةُ مُخْتَلَفَةٌ بَيْنَ الصَّحَابَةِ**، اور یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے یعنی اس میں اختلاف کیا گیا ہے، تو یہ مسئلہ مختلف ہے **بَيْنَ الصَّحَابَةِ** صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بھائی۔ صحابہ کے دور سے یہ اختلاف چلا آرہا ہے۔

فَأَخَذَا، دیکھو تثنیہ کا صیغہ آگیا، تو ان دونوں نے لیا، کن دونوں نے؟ صاحبین نے، صاحبین نے لیا **بِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ**، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو، **أَخْذًا بِالْأَكْثَرِ**، اکثر کو لیتے ہوئے، کیونکہ امام صاحب کے قول کے مطابق کتنی ہیں؟ آٹھ، اور ان کے نزدیک تیئس نماز، تو اکثر کو لیتے ہوئے، **إِذْ هُوَ الِاحْتِيَاطُ فِي الْعِبَادَاتِ**، اس لیے کیونکہ یہی احتیاط ہے عبادات کے اندر۔ احتیاط کس میں ہے کہ آٹھ پر عمل کریں یا تیئس پر؟ تیئس پر عمل کریں تو وہ آٹھ بھی اس کے اندر آجائیں گی بھائی۔

وَأَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَخْذًا بِالْأَقَلِّ، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو لیا **أَخْذًا بِالْأَقَلِّ** اقل کے قول اقل والے قول کو لیتے ہوئے، **لِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بِدْعَةٌ**، اس لیے کیونکہ تکبیر میں جہر کرنا **بِدْعَةٌ** یہ کیا ہے؟ بدعت یعنی نئی چیز ہے، کیونکہ عام ایام میں ایسا نہیں کیا جاتا تو عام ایام کے مقابلے میں یہ کیا ہے ایک نئی چیز ہے جو ان ایام میں ہوتی ہے۔ تو لہٰذا اس میں اقل والی صورت اختیار کرنا بہتر ہے، تو امام صاحب نے اس کو اختیار کیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو بدعت کا وہ معنی نہ کرنا جو عام رائج ہے اور آپ پڑھتے ہیں کہ بدعت حرام ہے، بدعت حرام۔ بدعت کا معنی ہوتا ہے نئی چیز، نئی چیز، اور علماء نے اس کی تقسیم کی ہے: بعض اوقات بدعت یعنی نئی چیز مباح ہوتی ہے یعنی جائز ہوتی ہے، جیسے آج کل آپ نئے نئے لباس پہنتے ہیں یہ تو اس زمانے میں نہیں تھے، یہ بھی بدعت ہے لیکن یہ مباح ہے جائز۔ آج کل آپ گاڑیوں میں گھومتے ہیں بھائی، یہ تو اس زمانے میں نہیں تھی، یہ بھی نئی چیز ہے لیکن یہ کیا ہے؟ مباح ہے جائز ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟

اسی طرح کھانے پینے میں مختلف چیزیں آپ کھاتے ہیں، وسعت اختیار کرتے ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ بدعت، لیکن کون سی قسم ہے؟ مباح ہے بھائی مباح۔ اور بعض اوقات بدعت جو ہے وہ حرام ہوتی ہے جیسے مذاہب باطلہ بھائی، نئی چیز دین کے اندر لانا یا نئے مذاہب یہ سارا کیا ہے؟ یہ بدعت حرام ہے۔ اور بعض اوقات جو ہے یہ بدعت جو ہے یہ واجب ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ واجب ہوتی ہے بعض اوقات بدعت بھائی، **عَلَى طَرِيقِ الْكِفَايَةِ**، سمجھ میں آیا؟ واجب علی الکفایہ ہوتا ہے۔ جیسے بھائی اس زمانے میں صرف اور نحو وغیرہ یہ علم نہیں تھے بھائی، یہ آپ نے پڑھا ہے، اس کے بعد آہستہ آہستہ ان علوم کو کی تدوین کی علماء نے اور لیکن یہ صرف اور نحو نہایت ضروری ہیں قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لیے، تو لہٰذا یہ ہے تو بدعت نئی چیز ہے، لیکن قرآن اور حدیث کو سمجھنا چونکہ ضروری لہٰذا کچھ لوگوں کا ایسا ہونا ضروری ہے جو صرف اور نحو جاننے والے ہوں، اس کو انہوں نے سیکھا ہوتا کہ قرآن اور حدیث کو سمجھ سکیں بھائی۔ تو یہ واجب بدعت ہے لیکن واجب علی الکفایہ ہے فرض کفایہ کے طریقے پر بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو بدعت کا وہ معنی جو رائج ہے وہ نہیں، یہاں مراد ہے نئی چیز ہے یعنی عام ایام میں اس طرح تکبیر اونچی آواز سے نہیں کہی جاتی تو لہٰذا تو یہ نئی چیز ہے، تو اس میں کم والی صورت کو اختیار کیا جائے گا۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بِدْعَةٌ**، اس لیے کیونکہ تکبیر میں جہر کرنا یہ بدعت ہے، **وَالتَّكْبِيرُ أَنْ يَقُولَ مَرَّةً وَاحِدَةً**، اور تکبیر یہ ہے کہ یوں کہے ایک مرتبہ۔

فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْغَدِ، لِأَنَّ هَذَا تَأْخِيرٌ بِعُذْرٍ وَقَدْ وَرَدَ فِيهِ الْحَدِيثُ، فَإِنْ حَدَثَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ.

عید کی نماز سے متعلقہ مسائل بیان ہو رہے ہیں بھائی۔ گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ عید کی نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ کی نماز واجب ہے بھائی۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا تھا کہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے جو ہے مستحب ہے کہ وہ نماز کے لیے جانے والا غسل کرے، مسواک کرے، خوشبو لگائے، اپنے بہترین کپڑے پہنے اور عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھالے، یعنی کوئی میٹھی چیز کھالے، کیونکہ حضور علیہ السلام عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے عید الفطر والے دن کوئی میٹھی چیز تناول فرماتے تھے۔ اور اسی طرح صدقۂ فطر بھی اس سے پہلے ہی ادا کر دے۔ اور عید گاہ کے اندر نوافل عید کی نماز سے پہلے پڑھنا مکروہ ہے۔ نیز یاد رکھیے، اسی طرح عید کی نماز کے بعد بھی عید گاہ کے اندر نوافل پڑھنا مکروہ ہے بھائی، جبکہ عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں بھی پڑھنا مکروہ اور گھر پر بھی نوافل پڑھنا مکروہ، اور عید کی نماز کے بعد عید گاہ میں پڑھنا تو مکروہ لیکن گھر پر پڑھنا جائز ہے بھائی گھر پر۔

اور پھر یہ بھی آپ نے پڑھا کہ عید کی نماز کا وقت جو ہے سورج جب کچھ بلند ہو جائے اس وقت سے لے کر زوال کے وقت تک ہے بھائی۔ اور عید کی نماز کا طریقہ بھی مفصل بیان ہوا تھا کہ عید کی نماز کا طریقہ کیا ہے؟ کہ ابتدا کے اندر امام تکبیرِ تحریمہ کہے گا، اس کے بعد ثناء پڑھی جائے گی، پھر اس کے بعد تین زائد تکبیرات آئیں گی اور ہر دو تکبیروں کے درمیان کم از کم تین مرتبہ **سُبْحَانَ** اللہ کہنے کی مقدار فصل ہونا چاہیے، اور پھر تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے، جبکہ اس سے پہلے تکبیرات کے بعد ہاتھ نہیں باندھنے بلکہ کھلے چھوڑ دینے ہیں، لیکن تیسری تکبیر جب کہہ دے تو پھر ہاتھ باندھ لے گا بھائی، کیونکہ اب امام قرأت کرے گا۔ اور اس کے بعد دوسری رکعت کے اندر رکوع سے پہلے تین تکبیرات کہی جائیں گی اور ان تین تکبیرات کے درمیان بھی ہاتھوں کو نہیں باندھنا بلکہ ہاتھوں کو لٹکا دینا ہے حتی کہ تیسری تکبیر کے بعد بھی ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا ہے، باندھنا نہیں، اور چوتھی تکبیر کہتے ہوئے کس میں چلے جائیں گے؟ رکوع میں چلے جائیں گے بھائی۔

اب بتلا رہے ہیں آگے: **فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْغَدِ**۔ **غُمَّ** کے معنی ہوتے ہیں ڈھانپ لینا، ڈھانپنا، چھپالینا۔ **فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ**، اگر چاند ڈھانپ لیا جائے یعنی چاند یعنی چاند پوشیدہ رہے، دکھائی نہ دے، معنی کیا ہوا؟ چاند بادل وغیرہ یا کسی وجہ سے چاند پوشیدہ رہے دکھائی نہ دے تو عربی میں کہتے ہیں **غُمَّ الْهِلَالُ** بھائی، چاند دکھائی نہ دیا۔ **فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ**، پس اگر چاند دکھائی نہ دے **وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ**، اور گواہی دیں لوگ بھائی امام کے پاس یعنی امام کے سامنے گواہی دیں **بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ**، چاند دیکھنے کی **بَعْدَ الزَّوَالِ**، زوال کے بعد، **صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْغَدِ**، تو عید کی نماز پڑھے **مِنَ الْغَدِ**، اگلے روز بھائی۔ جب کب گواہی آئی؟ زوال کے بعد گواہی آئی، انہوں نے کہا کہ ہم نے کل شام کو چاند دیکھا تھا۔ تو اب زوال کے بعد گواہی آئی ہے اور زوال کے بعد تو عید کی نماز کا وقت نکل چکا ہے تو اگلے دن جو ہے صبح پھر عید کی نماز پڑھی جائے گی۔

دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **لِأَنَّ هَذَا تَأْخِيرٌ بِعُذْرٍ**، اس لیے کیونکہ یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہے۔ کس کی وجہ سے ہے؟ عذر کی وجہ سے ہے، لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی تھی لیکن دکھائی ہی نہیں دیا تھا، اس وجہ سے رہ گئی۔ **وَقَدْ وَرَدَ فِيهِ الْحَدِيثُ**، اور تحقیق اس کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے، جیسے کہ گزشتہ سبق میں آیا تھا کہ حضور علیہ السلام کے پاس کچھ لوگوں نے آکر چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپ نے اگلے روز عید کی نماز کے لیے نکلنے کا حکم دیا، کیونکہ گواہی کس کے بعد آئی تھی؟ زوال کے بعد آئی تھی۔

فَإِنْ حَدَثَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ۔ اگر اگلے روز بھی کوئی عذر پیش آگیا اور عید کی نماز ادا نہ کی جا سکی تو کہتے ہیں بس پھر، اس کے بعد اس سے اگلے روز عید کی نماز ادا نہیں کی جائے گی، بس ایک دن تک عذر کی صورت میں عید الفطر کی نماز مؤخر کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟ عید الفطر کی نماز کسی عذر کی وجہ سے ایک دن تک مؤخر کی جاسکتی ہے۔ جیسے ایک عذر بیان ہو گیا مثلاً چاند دکھائی ہی نہیں دیا تھا اور گواہی کس وقت آئی؟ زوال کے بعد آئی، تو پھر اگلے دن اس کو عید کی نماز پڑھیں گے۔ لیکن اگر اگلے دن بھی کوئی عذر پیش آگیا مثلاً بڑی تیز بارش ہو رہی ہے، کوئی آ ہی نہیں سکا نماز کے لیے، تو پھر اس سے اگلے روز عید کی نماز نہیں ادا کی جائے گی، بس ایک دن تک مؤخر کرنا جائز ہے بھائی۔ اور یہ بھی یاد رکھیے، اگر عذر نہ ہو بغیر عذر کے بغیر عذر کے تو اگلے دن بھی پھر جائز نہ رہے گی بھائی، سمجھ میں آیا؟ ہاں پھر صرف وہ عید والے دن ہی نماز ادا کرنا جائز ہو گا اور بغیر عذر کے اگر چھوڑ دیتے ہیں تو اگلے دن بھی پھر مؤخر کرنے کی اجازت نہیں، پھر ادا نہیں کی جائے گی۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **فَإِنْ حَدَثَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي**، پس اگر پیش آگیا کوئی ایسا عذر جو جو روک دیتا ہے نماز سے **فِي الْيَوْمِ الثَّانِي**، دوسرے دن، **لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ**، تو اس کے بعد اس کی اس کو نہیں پڑھیں گے یعنی تیسرے دن نہیں پڑھیں گے۔

لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا أَنْ لَا تُقْضَى كَالْجُمُعَةِ، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اصل تو اس کے اندر یہ ہے کہ اس کی قضا ہونی ہی نہیں چاہیے جیسے جمعہ ہے۔ جمعہ کی قضا جیسے نہیں ہوتی تو اصل تو یہ ہے کہ عید کی نماز کی قضا سرے سے ہونی ہی نہیں چاہیے، دوسرے دن بھی نہیں ہونی چاہیے۔ قیاس یہ تقاضا کرتا ہے، دوسرے دن بھی نہیں ہونی چاہیے۔ **إِلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِالْحَدِيثِ**، مگر ہم نے اس اصل کو چھوڑ دیا حدیث کی وجہ سے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو احناف جو ہے وہ ہمیشہ حدیث پر عمل کرتے ہیں اور حدیث کو ترجیح دیتے ہیں قیاس پر چاہے کمزور اور ضعیف حدیث ہی کیوں نہ ہو بھائی، تو وہاں پر پھر قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی حدیث آگئی تھی، قیاس تو یہ تقاضا کر رہا تھا کہ جمعہ کی جیسے قضا نہیں، عید کی بھی اگلے دن قضا نہیں ہونی چاہیے، لیکن حدیث میں چونکہ آگیا تھا کہ حضور علیہ السلام نے اگلے دن عید کی نماز ادا فرمائی، تو ہم نے بھی قیاس کو ترک کرتے ہوئے کیا حکم بتلا دیا؟ کہ اگلے دن اس کی قضا کی جائے گی۔

یہ معنی ہے: **إِلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ**، مگر یہ کہ ہم نے اس ہم نے اس اصل کو چھوڑ دیا، **بِالْحَدِيثِ**، حدیث کی وجہ سے۔ **وَقَدْ وَرَدَ بِالتَّأْخِيرِ إِلَى الْيَوْمِ الثَّانِي عِنْدَ الْعُذْرِ**، اور تحقیق حدیث وارد ہوئی ہے مؤخر کرنے کے بارے میں **إِلَى الْيَوْمِ الثَّانِي**، دوسرے دن تک **عِنْدَ الْعُذْرِ**، عذر کے وقت بھائی عذر کی وجہ سے۔ عذر کے ہوتے ہوئے حدیث میں کب تک مؤخر کرنے کا ذکر آیا ہے؟ صرف دوسرے دن تک، لہٰذا صرف دوسرے دن تک ہی مؤخر کر سکتے ہیں، تیسرے دن تک مؤخر نہیں ہو سکتی، دوسرے دن بھی اگر رہ گئی پھر تیسرے دن ادا نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی میں نے آپ کو بتلا دیا بغیر عذر کے دوسرے دن بھی مؤخر دوسرے دن تک مؤخر کرنا بھی جائز نہیں ہے بھائی۔

وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى أَنْ يَغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ۔ اب عید الاضحیٰ یعنی جو قربانی کی عید ہے، اس کا طریقہ بتلائیں گے۔ کہتے ہیں: **وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى**، اور مستحب ہے عید الاضحیٰ والے دن **أَنْ يَغْتَسِلَ**، کہ نماز کے لیے جانے والا غسل کر لے، **وَيَتَطَيَّبَ**، اور خوشبو لگا لے، **لِمَا ذَكَرْنَاهُ**، اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ وہ جو پیچھے ذکر کیا کہ یہ اجتماع والا دن ہے تو اجتماع والے دن کیا ہونا چاہیے؟ غسل بھی ہونا چاہیے اور انسان خوشبو، غسل بھی مسنون ہو گا اس روز اور خوشبو لگانا بھی مسنون ہو گا۔

وَيُؤَخِّرَ الْأَكْلَ، اور کھانے کو انسان مؤخر کر دے، وہ نمازی کھانا کو مؤخر کرے **حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ**، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے۔ بھائی عید الفطر میں کیا تھا؟ عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے، جبکہ عید الاضحیٰ والے دن عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے انسان کچھ نہ کھائے یہی مسنون ہے، مسنون ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا بھائی کہ اصل میں عید سے ماقبل کے جو ایام ہیں، ان کی مخالفت مخالفت تاکہ ہو جائے، خصوصاً عید الفطر میں۔ عید الفطر کے اندر عید کی نماز سے پہلے کے جو عید کے دن سے پہلے کے ایام میں روزہ ہوتا تھا، تو لہٰذا اب عید کے لیے نکلنے سے پہلے کچھ انسان کھا لے تاکہ پتہ چل جائے کہ روزہ نہیں ہے بھائی۔ اور جبکہ عید الاضحیٰ میں چونکہ ماقبل میں روزہ نہیں، تو لہٰذا اب یہاں مخالفت کس طرح کر لے؟ کچھ نہ کھائے بلکہ عید کی نماز کے بعد اگر جلدی قربانی ہو جاتی ہے تو پھر قربانی کے گوشت کے ساتھ کیا کرے؟ کھانے کا آغاز کرے اور یہی مسنون طریقہ ہے۔ اور یہ بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اگر قربانی کے گوشت میں بہت زیادہ تاخیر ہوتی ہے تو پھر اتنا مؤخر نہ کرے انسان بھائی، یہ مناسب نہیں، کیونکہ یہ تو ورنہ پھر عید کے دن روزے جیسی کیفیت بن جائے گی اور حالانکہ ان ایام میں تو روزہ رکھنا حرام ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَيُؤَخِّرَ الْأَكْلَ**، اور کھانے کو مؤخر کر دے **حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ**، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے، **لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَطْعَمُ فِي يَوْمِ النَّحْرِ حَتَّى يَرْجِعَ فَيَأْكُلَ مِنْ أُضْحِيَّتِهِ**، بوجہ اس حدیث کو جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ کچھ تناول نہیں فرماتے تھے یوم النحر والے دن قربانی والے دن **حَتَّى يَرْجِعَ**، یہاں تک کہ آپ واپس آجاتے یعنی عید کی نماز سے، **فَيَأْكُلَ مِنْ أُضْحِيَّتِهِ**، تو کھاتے تھے اپنی قربانی میں سے یعنی اس کا گوشت تناول فرماتے۔

وَيَتَوَجَّهَ إِلَى الْمُصَلَّى، اور یہ کہ وہ نماز پڑھنے والا متوجہ ہو جائے عید گاہ کی طرف **وَهُوَ يُكَبِّرُ**، اس حال میں کہ وہ تکبیر کہہ رہا ہو، یعنی عید گاہ کی طرف چلے کس طرح؟ تکبیر کہتے ہوئے چلے، **لِأَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الطَّرِيقِ**، اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے **فِي الطَّرِيقِ**، راستے میں۔ جب عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے چلتے تھے تو تکبیر کہتے تھے، اور کون سی تکبیر؟ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ **اللهُ أَكْبَرُ**، وہی جو عید کے دنوں میں پڑھی جاتی ہے: **اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ**۔ تو فرق کیا ہے؟ عید الفطر میں یہ پڑھے گا لیکن آہستہ پڑھی جائے گی، اور عید

الاضحیٰ والے دن بلند آواز سے جہر اًبھائی۔

وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ كَالْفِطْرِ، اور دو رکعتیں پڑھ لے گا **كَالْفِطْرِ**، کس کی طرح؟ عید الفطر کی طرح، یعنی اسی طرح چھ زائد تکبیرات کے ساتھ، **كَذَلِكَ نُقِلَ**، اسی طرح نقل کیا گیا ہے، یعنی اسی طرح طریقہ منقول ہے۔

وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ، اور اس عید کی نماز کے بعد امام خطبے دے گا دو خطبے، **لِأَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ فَعَلَ**، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

وَيُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهِمَا الْأُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيرَ التَّشْرِيقِ، اور اس میں امام سکھائے بھائی، اس ان خطبوں میں ان لوگوں کو سکھائے **الْأُضْحِيَّةَ**، قربانی **وَتَكْبِيرَ التَّشْرِيقِ**، اور تکبیر تکبیراتِ تشریق کے بارے میں لوگوں کو اور ان کے احکام بتلائے قربانی کے اور تکبیراتِ تشریق کے، **لِأَنَّهُ مَشْرُوعُ الْوَقْتِ**، اس لیے کیونکہ یہی اس وقت کے مشروع ہیں۔ اس وقت کے مشروع احکام کیا ہیں؟ شریعت نے ان اوقات میں انہی کا حکم دیا ہے، تو انہی کے احکام لوگوں کو سکھلائے وہ بھائی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ مَشْرُوعُ الْوَقْتِ**، کیونکہ یہی جو ہے اس وقت کے مشروع ہیں یعنی جن کا حکم دیا گیا ہے۔ **وَالْخُطْبَةُ مَا شُرِعَتْ إِلَّا لِتَعْلِيمِهِ**، اور خطبہ مشروع نہیں ہے مگر ان کی تعلیم کے لیے۔ عید کا خطبہ مشروع بھی کس لیے ہے؟ کس لیے شریعت نے اس کو جاری فرمایا ہے؟ انہی چیزوں کے کو لوگوں کو سکھانے کے لیے۔ عید الفطر کے خطبے دیے جاتے ہیں، اس میں لوگوں کو صدقۂ فطر کے احکام بتلانا مقصود ہیں، اور یہاں پر خطبے خطبے ہیں اور اس میں لوگوں کو قربانی اور تکبیراتِ تشریق کے احکام بتلانا مقصود ہیں۔

فَإِنْ كَانَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَلَا يُصَلِّيهَا بَعْدَ ذَلِكَ۔ بھائی عید الفطر کے اندر تو مسئلہ بیان ہو گیا کہ اگر عذر ہو تو ایک دن تک نماز مؤخر ہو سکتی ہے، اس سے زیادہ مؤخر نہیں، اور اگر عذر نہ ہو تو ایک دن تک بھی دوسرے اگلے دن تک بھی مؤخر کرنا صحیح نہیں، پھر ہو گی نہیں اس کے بعد۔ جبکہ عید الاضحیٰ کے اندر ایسا نہیں۔ عید الاضحیٰ کے اندر اگر عذر ہو تو عید کی نماز دوسرے دن بھی ادا کی جا سکتی ہے، پھر اگر عذر پیش آیا تو اس سے اگلے دن یعنی تیسرے دن بھی ادا کی جا سکتی ہے، کیونکہ قربانی کے کتنے دن ہوتے ہیں؟ تین دن ہوتے ہیں، تو یہ تیسرے دن تک مؤخر ہو سکتی ہے، مؤخر ہو سکتی ہے۔ اور وہاں پر تھا بغیر عذر کے اگلے دن بھی مؤخر نہیں کی جا سکتی عید الفطر میں، لیکن یہاں پر بغیر عذر کے بھی اگر مؤخر کرنا چاہے کوئی تو مؤخر کر سکتا ہے، یعنی یعنی ہو جائے گی معنی یہ ہے۔ اگر اگلے دن یا اس سے اگلے دن ادا کریں گے بغیر عذر کے بھی تو نماز ہو جائے گی، ہاں البتہ اس طرح کرنا برا ہے بھائی، کیونکہ جو منقول طریقہ ہے اس کی مخالفت کی گئی، منقول تو کیا ہے؟ پہلے ہی دن ادا کی جائے۔ تو فرق سمجھ میں آیا بھائی؟

تو کہہ رہے ہیں بھائی: **فَإِنْ كَانَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى**، اور اگر کوئی ایسا عذر ہے جو روکتا ہے نماز سے **فِي يَوْمِ الْأَضْحَى**، قربانی والے دن، **صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِ**، تو اس کو پڑھیں گے اگلے دن، **وَبَعْدَ الْغَدِ**، اور اس سے اگلے دن، **وَلَا يُصَلِّيهَا بَعْدَ ذَلِكَ**، اور اس کے بعد اس کو نہیں پڑھیں گے۔

لِأَنَّ الصَّلَاةَ مُؤَقَّتَةٌ بِوَقْتِ الْأُضْحِيَّةِ فَيُقَيَّدُ بِأَيَّامِهَا، اس لیے کیونکہ یہ نماز جو ہے **مُؤَقَّتَةٌ**، یہ مقید ہے **بِوَقْتِ الْأُضْحِيَّةِ**، قربانی کے وقت کے ساتھ، **فَيُقَيَّدُ بِأَيَّامِهَا**، تو اس کو مقید کیا جائے گا اس قربانی کے ایام کے ساتھ۔ قربانی کے ایام ہی میں یہ نماز جائز ہو گی، اس کے بعد جائز نہیں، اور قربانی تو تین دن ہوتی ہے لہٰذا تین دن کے اندر عذر کی وجہ سے مؤخر کرنا جائز ہے۔

لَكِنَّهُ مُسِيءٌ فِي التَّأْخِيرِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ، لیکن یہ جو ہے برا عمل کرنے والا ہو گا، گناہ گار ہو گا **فِي التَّأْخِيرِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ**، بغیر عذر کے مؤخر کرنے کی صورت میں، **لِمُخَالَفَةِ الْمَنْقُولِ**، بوجہ منقول طریقے کی مخالفت کے کہ منقول تو یہ ہے کہ پہلے دن ادا کی جائے، بغیر عذر کے مؤخر کرنے کی صورت میں یہ برا عمل کرنے والا ہوا۔ اور عذر کی صورت میں پھر تو کوئی خرابی بھی نہیں ہے کیونکہ وہاں تو عذر موجود ہے۔

وَالتَّعْرِيفُ الَّذِي يَصْنَعُهُ النَّاسُ لَيْسَ بِشَيْءٍ۔ اور تعریف جس کو لوگ کرتے ہیں، **لَيْسَ بِشَيْءٍ**، وہ کوئی چیز نہیں۔ وہ تعریف جس کو لوگ کرتے ہیں وہ کوئی چیز نہیں۔

بھئی تعریف یہ بعض لوگ کہتے ہیں اس طرح کرتے کہ جس دن یوم عرفہ ہو تا یعنی نویں ذوالحجہ ہوتی، اور آپ جانتے ہیں یوم عرفہ کیا ہے؟ کون سا دن ہے؟ نویں ذوالحجہ۔ تو حاجی نویں ذوالحجہ کو نکلتے ہیں منیٰ سے اور عرفات پہنچتے ہیں اور غروبِ آفتاب تک وہاں رہتے ہیں اور پھر وہاں سے واپس چلتے ہیں بھائی۔ تو یہ مناسک کہاں سرانجام دیے جاتے ہیں؟ حج کے افعال مکہ میں افعال یہ سرانجام دیے جاتے ہیں، وہ مخصوص مقام ہے بھائی۔ تو بعض لوگ کہتے ہیں یہیں پر صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں یہیں پر ان کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور یوم عرفہ والے دن باہر نکل آتے ہیں، اکٹھے ہو جاتے ہیں، اور جیسے وقوفِ عرفہ والے دن وہاں حاجی کیا کرتے ہیں؟ اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں، وقوف کرتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی یہاں پر اس طرح کرتے ہیں بھائی۔ تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ وہ تو مخصوص جگہ یعنی عرفہ کے اندر اس طرح شریعت نے کرنے کا حکم دیا اور وہ حج کے افعال میں سے ہے، جبکہ ہر جگہ پر ایسا کرنا صحیح نہیں ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو اس طرح نکلتے ہیں اور ان عرفات والوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، یہ ہے تعریف بھائی، یہ کیا ہے؟

تعریف، اور فرمارہے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَالتَّعْرِيفُ الَّذِي يَصْنَعُهُ النَّاسُ لَيْسَ بِشَيْءٍ**، اور وہ تعریف جس کو لوگ کرتے ہیں تو وہ کوئی چیز نہیں ہے، **وَهُوَ**، اور وہ یہ **أَنْ يَجْمَعَ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ**، وہ یہ کہ جمع ہو جاتے ہیں لوگ عرفہ والے دن **فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ**، بعض جگہوں کے اندر، **تَشْبِيهًا بِالْوَاقِفِينَ بِعَرَفَةَ**، مشابہت اختیار کرتے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ وہ جو وقوف کر رہے ہیں عرفہ کے اندر، ان کے ساتھ۔ تو یہ کوئی چیز نہیں بھائی صاحب۔

اور دلیل کیا؟ اب وہ دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْوُقُوفَ عُرِفَ عِبَادَةً مُخْتَصَّةً بِمَكَانٍ مَخْصُوصٍ**، اس لیے کیونکہ وقوف جو ہے اس کو جانا گیا ہے ایک ایسی عبادت کے طور پر جو مخصوص ہے **بِمَكَانٍ مَخْصُوصٍ**، کس کے ساتھ؟ مخصوص مخصوص مکان یعنی مخصوص جگہ کے ساتھ، اور وہ کون سی جگہ ہے؟ عرفات ہے بھائی، اس جگہ کے ساتھ اس کو یہ عبادت مخصوص ہے۔ **فَلَا يَكُونُ عِبَادَةً دُونَهُ**، تو لہٰذا یہ وقوف عبادت نہ ہو گا **دُونَهُ**، اس مخصوص جگہ کے علاوہ۔ اس مخصوص جگہ یعنی عرفات کے علاوہ کسی اور جگہ اس طرح کھڑے ہونا اور رونا اور گڑگڑانا یہ کوئی عبادت نہیں ہے۔ سمجھ؟ ہاں خود روئے انسان، گڑگڑائے، لیکن یہاں پر دیکھو باقاعدہ لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے اور سارے اجتماعی صورت میں کرتے ہیں تو یہ درست نہیں ہے بھائی۔ خود اللہ کے سامنے جتنا بھی انسان روئے، گڑگڑائے وہ تو اور اچھا ہے عاجزی کی علامت، تو وہ عاجزی کی علامت ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **فَلَا يَكُونُ عِبَادَةً دُونَهُ**، تو یہ تو یہ وقوف جو ہے عبادت نہ ہو گا **دُونَهُ**، اس مخصوص جگہ کے بغیر، **كَسَائِرِ الْمَنَاسِكِ**، جیسے کہ باقی کے مناسکِ حج جو ہیں، مناسک وہ افعالِ حج بھائی۔ تو جیسے کہ باقی کے مناسکِ حج ہیں وہ جیسے وہیں پر اپنے مخصوص جگہوں پر ادا کیے جاتے ہیں، کسی اور جگہ اس طرح کرنا عبادت نہیں، تو وہ جیسے اپنی جگہوں کے ساتھ مخصوص تو یہ وقوف بھی اپنی جگہ یعنی عرفات کے ساتھ مخصوص ہے، دوسری جگہ ایسا کیا جائے تو یہ عبادت نہیں ہے بھائی۔

▪ فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ وَيَبْدَأُ بِتَكْبِيرِ

فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ وَيَبْدَأُ بِتَكْبِيرِ التَّشْرِيقِ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَيَخْتِمُ عَقِيبَ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ۔

▪ فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ، یہ فصل ہے تکبیراتِ تشر

فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ، یہ فصل ہے تکبیراتِ تشریق کے بیان میں۔

یاد رکھیے بھائی کہ یہاں ذکر آئے گا ایامِ تشریق کا اور ایامِ نحر کا۔ تو یہ جو عید کے تین دن ہیں، ان کو ایامِ نحر کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ ایامِ نحر بھائی۔ اور اس کے بعد پہلا دن جو ہے اس کو چھوڑ کر عید کا پہلا دن چھوڑ کر، دوسرا دن عید کا، تیسرا دن عید کا، اور اس سے اگلا ایک دن، یہ تین دن ایامِ تشریق کہلاتے ہیں۔ یعنی عید کا دوسرا دن، عید کا تیسرا دن اور اس سے اگلا دن، یہ تین دن کیا کہلاتے ہیں؟ ایامِ تشریق۔ **شَرَّقَ يُشَرِّقُ تَشْرِيق** کے معنی ہیں کہ گوشت کے ٹکڑے کر کے اس کو دھوپ میں خشک کرنا بھائی، دھوپ میں خشک کرنا۔ آج کل تو اللہ تعالیٰ نے مزید انعامات فرمائے اور اب آپ کوئی چیز محفوظ کرنا چاہتے ہیں، فریج وغیرہ میں رکھتے ہیں اور محفوظ ہو جاتی ہے وہ چیز کافی عرصے کے لیے۔ قدیم زمانے میں چونکہ ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا تو وہ پھر کیا کرتے تھے؟ اس گوشت کو نمک وغیرہ اور چیزیں لگا کر دھوپ میں رکھ دیتے اور یہ گوشت پھر خشک ہو جاتا اور پھر لمبے عرصے تک کے لیے محفوظ ہو جاتا تھا۔ آج بھی دنیا کے بہت سے علاقوں میں یہ طریقہ ابھی بھی جاری ہے بھائی۔ چنانچہ وہ کیا کرتے ہیں؟ گوشت کو اسی طرح دھوپ میں خشک کرتے ہیں اور یہ خشک گوشت یہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے، خشک ہو جاتا ہے، اور لمبے عرصے تک محفوظ رہتا ہے، پھر جب پکاتے ہیں پھر اسی طرح نرم ہو جاتا ہے بھائی۔ تو یہ جو عمل ہے، یہ جو دھوپ میں گوشت کو خشک کیا جاتا ہے، اس کو تشریق کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ تشریق۔ تو ان تین دنوں کے اندر چونکہ یہ گوشت کو قربانی کے گوشت کو دھوپ میں خشک کیا جاتا، اس لیے ان ایام کو کیا کہنے لگے؟ ایامِ تشریق کہنے لگے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو خشک کیا، منیٰ کے اندر مثلاً یوم النحر پہلا عید کا دن ہے، اس دن قربانیاں وغیرہ اکثر اسی دن ہو جاتیں اور پھر باقی تین دن کیا کرتے تھے؟ گوشت کو خشک کرتے تھے، تو وہ یہ ایامِ تشریق ہیں بھائی، ایامِ تشریق۔

تو دیکھیے اب کتاب پر: **فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ**، یہ فصل ہے تکبیراتِ تشریق کے بیان میں۔ **وَيَبْدَأُ بِتَكْبِيرِ التَّشْرِيقِ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ**، اور ابتدا کرے تکبیرِ تشریق کی فجر کی نماز کے بعد **مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ**، یومِ عرفہ والے دن۔ بھائی عید سے ایک دن قبل یعنی نویں ذوالحجہ یہ کیا ہے؟ یومِ عرفہ۔ اور یومِ عرفہ کو فجر کی نماز کے بعد ابتدا ہو گی یہ تکبیرات کہنے کی، یعنی ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ بلند آواز سے یہ تکبیر کہی جائے گی جو اسی صفحے کی آخری سطر میں آرہی ہے: **اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ**، یہ تکبیر بھائی۔ کس وقت شروع کریں گے؟ نویں ذوالحجہ یعنی یومِ عرفہ کو

فجر کی نماز کے بعد۔

وَيَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ، اور ختم کرے ان کو عصر کی نماز کے بعد یوم النحر والے دن۔ یوم النحر جو پہلا دن ہے قربانی کا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ یوم النحر بھائی۔ تو دیکھیے بھائی، میں نے آپ کو بتلایا عید کے یہ تین دن ایامِ نحر ہیں، اور پہلے دن کے بعد اگلے تین دن وہ کیا ہیں؟ ایامِ تشریق ہیں۔ تو معلوم ہوا پہلا دن وہ صرف یوم النحر ہے، وہ کیا ہے؟ یوم النحر، اور آخری دن صرف کیا ہے؟ یومِ تشریق ہے، وہ یوم النحر نہیں، اور درمیان والے دو دن وہ یوم النحر بھی ہیں اور یومِ تشریق بھی ہیں بھائی۔ تو یہ یوم النحر کا ذکر آیا کہ عصر کی نماز کے بعد یوم النحر والے دن ان کو ختم کر دے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔

بھائی کس وقت شروع کیں؟ نویں ذوالحجہ کو فجر کی نماز کے وقت، تو فجر میں بھی آ گئیں تکبیرات، ظہر کی نماز کے بعد بھی تکبیرات، عصر کی نماز کے بعد بھی، مغرب کی نماز کے بعد بھی، عشاء کی نماز کے بعد بھی، کتنی ہو گئیں؟ پانچ۔ اگلے دن یوم النحر آ گیا عید والا دن، فجر کے بعد بھی، ظہر کے بعد بھی، عصر کے بعد بھی، تو یہ کل کتنے ہو گئے؟ جی پانچ اور تین؟ آٹھ۔ تو گویا کل آٹھ نمازوں کے بعد یہ تکبیرات کہی جائیں گی امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھائی۔

وَقَالَا، اور صاحبین فرماتے ہیں: **يَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ،** کہ ختم کرے ان تکبیراتِ تشریق کو عصر کی نماز کے بعد ایامِ تشریق کے آخر میں، یعنی آخری یومِ تشریق جو ہے اس کے عصر تک پڑھے۔ اور آخری یومِ تشریق کون سا ہے؟ عید سے اگلا دن، اور کب تک پڑھے اس میں؟ عصر تک۔ تو ان کے نزدیک دیکھیے، یومِ عرفہ والے دن کی پانچ نمازیں بھی آ گئیں، اگلا یوم النحر آیا اس کی پانچ نمازیں بھی آ گئیں، دس ہو گئیں۔ اگلے اگلا دن یومِ تشریق بھی ہے اور یوم النحر بھی ہے، اس کی بھی پانچ نمازیں آ گئیں، پندرہ۔ اس سے اگلا دن بھی یوم النحر بھی ہے اور یومِ تشریق بھی ہے، کتنی ہو گئیں؟ بیس، بیس ہو گئیں، اور اس سے اگلا دن صرف آخری یومِ تشریق ہے، اس میں فجر، ظہر اور عصر میں، کتنی نمازیں ہو گئیں؟ تیئیس۔ تو امام صاحب کے نزدیک صرف آٹھ نمازوں میں یہ تکبیرات پڑھی جائیں گی ان کے بعد، اور صاحبین کے نزدیک تیئیس نمازوں میں کے بعد تیئیس نمازوں کے بعد پڑھی جائیں گی بھائی۔

یہ معنی ہے: **وَقَالَا يَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ،** اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ختم کرے ان کو عصر کی نماز کے بعد ایامِ تشریق کے آخر میں، **وَالْمَسْأَلَةُ مُخْتَلَفَةٌ بَيْنَ الصَّحَابَةِ،** اور یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے یعنی اس میں اختلاف کیا گیا ہے، تو یہ مسئلہ مختلف ہے **بَيْنَ الصَّحَابَةِ،** صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بھائی۔ صحابہ کے دور سے یہ اختلاف چلا آ رہا ہے۔

فَأَخَذَا، دیکھو تثنیہ کا صیغہ آ گیا، تو ان دونوں نے لیا، کن دونوں نے؟ صاحبین۔ صاحبین نے لیا **بِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ،** حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو **أَخْذًا بِالْأَكْثَرِ،** اکثر کو لیتے ہوئے، کیونکہ امام صاحب کے قول کے مطابق کتنی ہیں؟ آٹھ، اور ان کے نزدیک تیئیس نماز، تو اکثر کو لیتے ہوئے، **إِذْ هُوَ الِاحْتِيَاطُ فِي الْعِبَادَاتِ،** اس لیے کیونکہ یہی احتیاط ہے عبادات کے اندر۔ احتیاط کس میں ہے؟ کہ آٹھ پر عمل کریں یا تیئیس پر؟ تیئیس پر عمل کریں تو وہ آٹھ بھی اس کے اندر آ جائیں گی بھائی۔

وَأَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَخْذًا بِالْأَقَلِّ، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو لیا **أَخْذًا بِالْأَقَلِّ،** اقل کے صورت کو اقل والے قول کو لیتے ہوئے، **لِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بِدْعَةٌ،** اس لیے کیونکہ تکبیر میں جہر کرنا **بِدْعَةٌ،** یہ کیا ہے؟ بدعت یعنی نئی چیز ہے، کیونکہ عام ایام میں ایسا نہیں کیا جاتا تو عام ایام کے مقابلے میں یہ کیا ہے؟ ایک نئی چیز ہے جو ان ایام میں ہوتی ہے۔ تو لہٰذا اس میں اقل والی صورت اختیار کرنا بہتر ہے، تو امام صاحب نے اس کو اختیار کیا۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بدعت کا وہ معنی نہ کرنا جو عام رائج ہے اور آپ پڑھتے ہیں کہ بدعت حرام ہے، بدعت حرام۔ بدعت کا معنی ہوتا ہے نئی چیز، نئی چیز، اور علماء نے اس کی تقسیم کی ہے، بعض اوقات بدعت یعنی نئی چیز مباح ہوتی ہے یعنی جائز ہوتی ہے، جیسے آج کل آپ نئے نئے لباس پہنتے ہیں، یہ تو اس زمانے میں نہیں تھے، یہ بھی بدعت ہے لیکن یہ مباح ہے، جائز۔ آج کل آپ گاڑیوں میں گھومتے ہیں بھائی، یہ تو اس زمانے میں نہیں تھی، یہ بھی نئی چیز ہے لیکن یہ کیا ہے؟ مباح ہے، جائز ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ اسی طرح کھانے پینے میں مختلف چیزیں آپ کھاتے ہیں، وسعت اختیار کرتے ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ بدعت، لیکن کون سی قسم ہے؟ مباح ہے بھائی مباح۔ اور بعض اوقات بدعت جو ہے وہ حرام ہوتی ہے جیسے مذاہب باطلہ بھائی، نئی چیز دین کے اندر لانا یا نئے مذاہب، یہ سارا کیا ہے؟ یہ بدعت حرام ہے۔ اور بعض اوقات جو ہے یہ بدعت جو ہے یہ واجب ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ واجب ہوتی ہے بعض اوقات بدعت بھائی **عَلَى طَرِيقِ الْكِفَايَةِ،** سمجھ میں آیا؟ واجب علی الکفایہ ہوتا ہے۔ جیسے بھائی اس زمانے میں صرف اور نحو وغیرہ یہ علم نہیں تھے بھائی، یہ آپ نے پڑھا ہے، اس کے بعد آہستہ آہستہ ان علوم کو کی تدوین کی علماء نے اور لیکن یہ صرف اور نحو نہایت ضروری ہیں قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لیے، تو لہٰذا یہ ہے تو بدعت نئی چیز ہے، لیکن قرآن اور حدیث کو سمجھنا چونکہ ضروری، لہٰذا کچھ لوگوں کا ایسا ہونا ضروری ہے جو صرف اور نحو جاننے والے ہوں، اس کو انہوں نے سیکھا ہو تاکہ قرآن اور حدیث کو سمجھ سکیں بھائی، تو یہ واجب بدعت ہے لیکن واجب علی الکفایہ ہے فرضِ کفایہ کے طریقے پر بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بدعت کا وہ معنی جو رائج ہے وہ نہیں، یہاں مراد ہے نئی چیز ہے یعنی عام ایام میں اس طرح تکبیر اونچی آواز سے نہیں کہی جاتی تو لہٰذا تو یہ نئی چیز ہے تو اس میں کم والی صورت کو اختیار کیا جائے گا۔

یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بِدْعَةٌ**، اس لیے کیونکہ تکبیر میں جہر کرنا یہ بدعت ہے، **وَالتَّكْبِيرُ أَنْ يَقُولَ مَرَّةً وَاحِدَةً**، اور تکبیر یہ ہے کہ یوں کہے ایک مرتبہ، یہ ایک مرتبہ کہنا ہر نماز کے بعد یہ واجب ہے بھائی۔ یوں کہے: **اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ. هَذَا هُوَ الْمَأْثُورُ عَنِ الْخَلِيلِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ**، یہی منقول ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے بھائی، یہی منقول ہے کس سے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھائی، تو یہ تکبیر کہی جائے گی بھائی۔ اور یاد رکھیے یہ اوپر مسئلہ ذکر ہوا امام صاحب کے نزدیک آٹھ نمازوں کے بعد ہے صرف اور صاحبین کے نزدیک تیئیس نمازوں کے بعد ہے، اس میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے بھائی، لہٰذا تیئیس نمازوں کے بعد تکبیرات کہی جائیں گی، یہ کہنا واجب اور اس قول کو اختیار کیا گیا کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔

وَهُوَ عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ عَلَى الْمُقِيمِينَ فِي الْأَمْصَارِ فِي الْجَمَاعَاتِ الْمُسْتَحَبَّةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ۔ اور یہ تکبیرات جو ہیں یہ فرض نمازوں کے بعد ہوں گی، **عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ**، کن نمازوں کے بعد؟ فرض نمازوں کے بعد ہوں گی، لہٰذا واجب نمازیں نکل گئیں، سنت اور نوافل وغیرہ اس سے نکل گئے۔ اور کس پر ہوں گی؟ **عَلَى الْمُقِيمِينَ فِي الْأَمْصَارِ**، وہ جو مقیم ہیں **فِي الْأَمْصَارِ**، شہروں کے اندر، لہٰذا دیہات والے نکل گئے اور مسافر بھی نکل گئے۔ **فِي الْجَمَاعَاتِ الْمُسْتَحَبَّةِ**، اور جماعتوں کے اندر بھائی، یعنی جب انسان کس کے ساتھ نماز پڑھے؟ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے، تو منفرد نکل گیا۔ اور **الْمُسْتَحَبَّةِ**، اور وہ جماعتیں جو مستحب ہوں، لہٰذا صرف اکیلی عورتیں اگر جماعت کرواتی ہیں تو وہ اس سے نکل گئیں کیونکہ وہ جماعت تو مکروہ ہے، آپ پڑھ چکے ہیں بھائی۔ قیودات کا فائدہ پتہ چل گیا؟ جی۔

اور **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**، اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے بھائی۔ تو نمازیں ہوں اور نمازیں بھی کون سی؟ فرض ہوں اور وہ شخص کیسا ہو؟ مقیم ہو اور کہاں پر مقیم ہو؟ شہر میں، دیہات میں نہ ہو، اور کون سی نماز ہو؟ جماعت کے ساتھ ہو، اور جماعت بھی کون سی ہو؟ مستحب ہو، یعنی اکیلے عورتوں کی نہ ہو بھائی۔

وَلَيْسَ عَلَى جَمَاعَاتِ النِّسَاءِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُنَّ رَجُلٌ، اور نہیں ہے عورتوں کی جماعت پر یہ تکبیرات جب نہ ہو ان کے ساتھ کوئی مرد، اگر کوئی مرد ان کی امامت کرنے والا نہ ہو تو پھر عورتوں پر یہ تکبیر نہیں ہے۔ **وَلَا عَلَى جَمَاعَةِ الْمُسَافِرِينَ**، اور مسافروں کی جماعت پر بھی یہ نہیں ہے **إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ مَعَهُمْ مُقِيمٌ**، جب ان کے ساتھ کوئی مقیم نہ ہو بھائی۔ ہاں اگر عورتوں کی امامت کوئی مرد کر رہا ہے یا مسافروں کی امامت کوئی مقیم کر رہا ہے تو امام پر تکبیرات واجب ہیں، تو امام کے کے تابع ہونے کی وجہ سے باقی جو عورتیں یا مسافر ہیں، ان پر بھی یہ تکبیرات واجب ہوں گی، واجب ہوں گی۔

وَقَالَا، یہ تو امام صاحب کا قول تھا، **وَقَالَا**، صاحبین فرماتے ہیں: **هُوَ عَلَى كُلِّ مَنْ صَلَّى الْمَكْتُوبَةَ**، یہ تکبیر تکبیر جو ہے ہر اس شخص پر ہے جو فرض نماز پڑھے، ہر اس شخص پر ہے جو کیا کرے؟ فرض نماز پڑھے، **لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْمَكْتُوبَةِ**، کیونکہ یہ فرض نماز کے تابع ہیں، یہ تکبیرات کس کے تابع ہیں؟ فرض نماز کے تابع ہیں، لہٰذا ہر فرض نماز پڑھنے والا ان تکبیرات کو کہے گا بھائی۔ اور یاد رکھیے اس میں بھی فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، لہٰذا کوئی شہر میں ہو چاہے دیہات میں ہو، دیہات میں ہو تو اس ان سب پر تکبیرات واجب، چاہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور چاہے اکیلے نماز پڑھیں۔ ہاں عورتوں اور مسافروں پر نہیں ہے، ہاں اگر ان کا امام کوئی ہے اس پر واجب ہے تو اس کے تابع ہونے کی وجہ سے ان پر بھی کیا ہو جائے گی یہ تکبیرات؟ واجب ہو جائیں گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

وَلَهُ مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ، اور امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا اس سے پہلے، جس کو ہم نے کیا کیا تھا؟ اس سے پہلے روایت کیا تھا بھائی، یہ حدیث آئی تھی باب صلاۃ الجمعہ کے شروع میں حدیث آئی تھی بھائی: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا فِطْرَ وَلَا أَضْحَى إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ**۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جمعہ بھی نہیں ہے **وَلَا تَشْرِيقَ**، اور تکبیراتِ تشریق بھی نہیں ہیں، **وَلَا فِطْرَ**، اور عید الفطر کی نماز بھی نہیں ہے، **وَلَا أَضْحَى**، اور عید الاضحیٰ کی نماز بھی نہیں ہے **إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ**، مگر کس کے اندر؟ مصرِ جامع میں۔ تو دیکھو اس حدیث سے کیا معلوم ہوا کہ تکبیراتِ تشریق صرف کس میں ہوں گی؟ مصرِ جامع میں ہوں گی بھائی، تو یہ ان کی دلیل ہے۔

اور اس حدیث میں کیا آیا تھا؟ تشریق کا لفظ، اس کا بھی معنی بیان کریں گے صاحبِ ہدایہ، تو کہتے ہیں: **وَلَهُ مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ**، اور امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے اس سے پہلے روایت کیا، **وَالتَّشْرِيقُ هُوَ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيرِ**، اور تشریق جو ہے وہ تکبیر اونچی آواز سے کہنا ہے۔ تشریق کا معنی بتلا رہے ہیں بھائی، تشریق کا کیا معنی؟ اونچی آواز سے تکبیر کہنا یعنی تکبیر میں جہر کرنا، جہری تکبیر کہنا، یہ کیا ہے؟ تشریق۔ بھائی ایک معنی میں نے بیان کیا تشریق کا، وہ کیا تھا؟ گوشت کے ٹکڑوں کو دھوپ میں خشک کرنا، وہ بھی تشریق کا معنی، اور اسی طرح تشریق کا ایک معنی ہے بلند آواز سے تکبیر کہنا، اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ تشریق۔ اور اسی طرح یاد رکھیے عید کے دن کو بھی کیا کہتے ہیں؟ تشریق کہتے ہیں، بعض احادیث میں عید کے لیے کیا لفظ آیا ہے؟ تشریق کا لفظ آیا ہے، تو آپ جانتے ہیں ایک لفظ کے کئی کئی معانی آتے ہیں، تو یہاں جو حدیث کے اندر تشریق کا لفظ آیا **وَلَا تَشْرِيقَ**، اس کا معنی بیان کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ اس سے کیا مراد ہے؟ **وَلَا تَشْرِيقَ**، کیا معنی؟ اونچی آواز سے تکبیر نہیں ہے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں: **وَالتَّشْرِيقُ هُوَ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيرِ**، وہ جہر کرنا ہے تکبیر میں، **كَذَا نُقِلَ عَنِ الْخَلِيلِ بْنِ أَحْمَدَ**، اسی طرح نقل کیا گیا ہے امام لغت خلیل ابن احمد رحمہ اللہ سے، انہوں نے یہ معنی اس کا بیان کیا کہ تشریق کا معنی ہے تکبیر میں جہر کرنا۔

وَلِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ خِلَافُ السُّنَّةِ، تو پہلی نقلی دلیل ذکر کر دی امام صاحب کی دلیل ایک وہ حدیث ہے، دوسری عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ**، اور اس لیے کیونکہ تکبیر میں جہر کرنا یعنی اونچی آواز سے کہنا **خِلَافُ السُّنَّةِ**، یہ خلافِ سنت ہے، یعنی عام ایام کے اندر دین کا حصہ نہیں ہے بھائی، **وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ عِنْدَ اسْتِجْمَاعِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ**، اور شریعت وارد ہوئی ہے ان جہری تکبیروں کے ساتھ **عِنْدَ اسْتِجْمَاعِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ**، ان شرائط کے جمع ہونے کے وقت میں بھائی۔ شریعت وارد ہوئی ہے کہ جہری تکبیرات کہی جائیں گی لیکن کس وقت؟ ان شرائط کے ساتھ جو شریعت نے ذکر کی ہیں کہ مقیم ہونا چاہیے، فرض نماز ہونی چاہیے، جماعت ہونی چاہیے وغیرہ بھائی۔

إِلَّا أَنَّهُ يَجِبُ عَلَى النِّسَاءِ، مگر یہ کہ یہ تکبیر عورتوں پر بھی واجب ہو گی **إِذَا اقْتَدَيْنَ بِالرِّجَالِ**، جب وہ کس کی اقتدا کریں؟ آدمی، کسی مرد کی اقتدا کریں، **وَعَلَى الْمُسَافِرِينَ**، اور یہ تکبیر مسافروں پر بھی واجب ہو گی **عِنْدَ اقْتِدَائِهِمْ بِالْمُقِيمِ**، جبکہ یہ اقتدا کریں کسی مقیم کی، **بِطَرِيقِ التَّبَعِيَّةِ**، تو یہ جو عورتوں اور مسافروں پر واجب ہو گی **بِطَرِيقِ التَّبَعِيَّةِ**، تابع ہونے کے طریقے پر، کیونکہ یہ کیا ہیں؟ مقتدی ہیں اور امام کے تابع ہیں، تو امام پر واجب تو ان پر بھی واجب۔

قَالَ يَعْقُوبُ رَحِمَهُ اللهُ: صَلَّيْتُ بِهِمُ الْمَغْرِبَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَهَوْتُ عَنْ أَنْ أُكَبِّرَ فَكَبَّرَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، دَلَّ أَنَّ الْإِمَامَ وَإِنْ تَرَكَ التَّكْبِيرَ لَا يَتْرُكُهُ الْمُقْتَدِي۔

یہاں سے مسئلہ یہ بیان کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ امام اگر تکبیر کہنا بھول جائے تو اس کا یہ معنی نہیں کہ مقتدی بھی تکبیر چھوڑ دیں گے، بلکہ مقتدی مقتدی پھر بھی کہے گا اور اونچی آواز سے کہے، اونچی آواز سے کہے گا، اور تو امام کا تکبیر کے اندر امام ہونا ضروری نہیں یعنی پہلے ہونا ضروری نہیں ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چنانچہ واقعہ ذکر کر رہے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز پڑھائی یومِ عرفہ والے دن بھائی، میں نے کون سی نماز پڑھائی؟ مغرب والی نماز پڑھائی بھائی۔ بھائی کتاب الحج میں ذکر آئے گا کہ یومِ عرفہ والے دن جب سورج غروب ہو جائے تو پھر حاجی وہاں سے واپس روانہ ہوں گے اور مزدلفہ کی طرف جو منیٰ کی طرف واپس آتے ہوئے درمیان میں ایک جگہ آتی ہے، اس کا کیا نام ہے؟ مزدلفہ، اور عند الاحناف یہاں رات گزارنا واجب ہے۔ اور عرفات والے دن اس دن دن میں بھی عصر اور ظہر کی نماز اکٹھی ادا کی جاتی ہے، اسی طرح مغرب کی نماز جب سورج غروب ہوا تو انسان کہاں پر تھا؟ حاجی کہاں پر تھا؟ عرفات میں۔ سورج غروب ہونے کے بعد نکلے گا نا وہاں سے، لیکن وہاں مغرب کی نماز نہیں پڑھنی، راستے میں بھی نہیں پڑھنی، مزدلفہ پہنچ کر وہاں ادا کریں گے جبکہ تقریباً عشاء کا وقت ہو چکا ہو گا یا چاہے تاخیر ہو گئی ہو کچھ جتنی بھی، تو وہ جب وہاں پہنچ جاتے ہیں پھر وہاں مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی ادا کی جاتی ہے۔ تو وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز پڑھائی ان مسافروں کو اور یومِ عرفہ والے دن، تو میں بھول گیا نماز کے بعد تکبیر کہنا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تکبیر کہنا بھول گئے، تو کہتے ہیں امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ جو نما مقتدیوں میں شامل تھے، پیچھے نماز ادا کر رہے تھے، انہوں نے تکبیر کہی، انہوں نے تکبیر کہی اور یاد کروائی بھائی، تو انہوں نے بھی کہی اور پھر انہوں نے۔

تو بتلانا وہی مقصد ہے کہ اگر امام بھول جائے تو مقتدی نہیں چھوڑیں گے، جیسے یہاں امام بھول گیا تھا لیکن امام صاحب جو پیچھے موجود تھے، آپ نے تکبیر کہی بھائی۔

اور **قَالَ يَعْقُوبُ**، یاد رکھیے یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اصل نام ہے۔ ابو یوسف تو ان کی کنیت ہے اور نام کیا ہے؟ یعقوب بھائی یعقوب۔ اور یہ عموماً طلبہ ایک دوسرے سے سوال بھی کرتے ہیں کیونکہ ان کا ہمیشہ اکثر جگہ ان کی کنیت ہی استعمال ہوتی ہے تو عام طلبہ کو بعض اوقات علم نہیں ہوتا تو سوال کرتے ہیں کہ بھئی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا نام کیا ہے بھائی؟ نام کیا ہے؟ تو یہ ان کا نام یعقوب تھا بھائی۔

قَالَ يَعْقُوبُ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **صَلَّيْتُ بِهِمُ الْمَغْرِبَ**، میں نے ان مسافروں مسافروں کو میں نے مغرب کی نماز پڑھائی **يَوْمَ عَرَفَةَ**، یومِ عرفہ والے دن، **فَسَهَوْتُ عَنْ أَنْ أُكَبِّرَ**، تو میں بھول گیا تکبیر کہنا، **فَكَبَّرَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**، تو تکبیر کہی امامِ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ امام صاحب کا اعتماد دیکھیے کہ نماز کے لیے کس کو آگے کیا ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو آگے کیا بھائی۔ اور شاگرد کو دیکھیے کتنی ہیبت استاد کی ان کے دل پر تھی کہ تکبیر کہنا ہی بھول گئے، اتنے بڑے فقیہ ہیں بھائی، دنیا کو مسائل بتا رہے ہیں لیکن استاد کے ادب اور احترام کا اور ان کی ہیبت کا ان کے دل پر ایسا اثر کہ اس دن تکبیر کہنا ہی بھول گئے بھائی۔ یہ تھے ہمارے ائمہ بھائی۔

فَسَهَوْتُ عَنْ أَنْ أُكَبِّرَ، تو میں بھول گیا تکبیر کہنا، **فَكَبَّرَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**، تو تکبیر کہی امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے۔ **دَلَّ**، یہ بات دلالت کرتی ہے، یہ واقعہ دلالت کرتا ہے **أَنَّ الْإِمَامَ وَإِنْ تَرَكَ التَّكْبِيرَ**، کہ امام جو ہے اگرچہ وہ چھوڑ دے تکبیر کو یعنی بھول جائے، **لَا يَتْرُكُهُ الْمُقْتَدِي**، تو مقتدی اس کو نہیں چھوڑے گا۔

وَهَذَا لِأَنَّهُ لَا يُؤَدَّى فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ، اور یہ اس وجہ سے، مقتدی نہیں چھوڑے گا بھائی؟ بھائی مقتدی کے ذمے تو امام کی اقتدا لازم ہے؟ کہتے ہیں بھائی یہاں اقتدا یہ تو اب نماز کیا ہو چکی ہے؟ ختم ہو چکی ہے، نماز کا احرام ختم ہو چکا ہے، اس کے بعد تکبیر کہی جا رہی ہے لہٰذا اس تکبیر کے اندر امام کا ہونا ضروری نہیں کہ وہ پہلے کہے اور باقی اس کے بعد کہیں۔ **وَهَذَا**، اور یہ اس وجہ سے **لِأَنَّهُ لَا يُؤَدَّى فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ**، کیونکہ یہ تکبیر جو ہے حرمتِ صلاۃ میں یعنی نماز کے احرام کے اندر

ادا نہیں کی جاتی، **فَلَمْ يَكُنِ الْإِمَامُ فِيهِ حَتْمًا**، تو اس کے اندر امام کا ہونا لازمی نہیں ہے، **وَإِنَّمَا هُوَ مُسْتَحَبٌّ**، اور یہ تو مستحب ہے، یعنی اس میں امام کا ہونا مستحب ہے کہ امام کہے اور ساتھ ہی پھر باقی پیچھے والے بھی کہیں بھائی۔

تکبیراتِ تشریق کے بارے میں ایک بات یاد رکھیے کہ اگر نماز کے بعد بھول گیا کہنا کوئی شخص اور کسی اور کام وغیرہ میں مشغول ہو گیا تو بس بھائی، پھر اس کے بعد وہ جو ہے پھر پھر نہیں پڑھی جائے گی بھائی، سمجھ میں آیا؟ اس کا محل نماز کے بعد تھا وہ وہ محل نکل گیا ہے بھائی، وہ محل نکل گیا ہے، محل نکل گیا۔

جی ایک ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے بھائی، ایک مرتبہ۔ اور جو عورتیں پڑھیں گی مثلاً امام کے تابع ہونے کی وجہ سے عورتوں پر بھی تکبیر واجب ہو گی، تو یاد رکھیے مرد تو اونچی آواز سے پڑھتے ہیں لیکن عورتیں آہستہ آواز سے پڑھیں گی بھائی، آہستہ آواز سے۔

جی یہاں تک عید کی نماز کے مسائل مکمل ہوئے بھائی۔ آگے دیکھیے بھائی:

■ بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ یہ باب ہے کسوف کی نماز کے بیان میں

بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ یہ باب ہے کسوف کی نماز کے بیان میں۔

یاد رکھیے یہاں دو لفظ آئیں گے: ایک ہے کسوف کاف کے ساتھ اور ایک ہے خسوف خاء کے ساتھ۔ کسوف کہتے ہیں کاف کے ساتھ یہ سورج گرہن کو، اور خسوف جو خاء کے ساتھ ہے وہ کہتے ہیں چاند گرہن کو بھائی۔ آپ جانتے ہیں، مشاہدہ کیا ہو گا کہ بعض اوقات سورج کو گرہن لگ جاتا ہے اور اسی طرح بعض اوقات چاند کو گرہن لگ جاتا ہے، اور علمِ فلکیات میں آپ جا کر پڑھیں گے بھائی کہ یہ سورج گرہن اس طرح لگتا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ زمین جو ہے وہ سورج کے گرد گھوم رہی ہے، سال بھر میں ایک چکر لگاتی ہے اور اس کی وجہ سے یہ مختلف قسم کے موسم بنتے ہیں: سردی، گرمی، بہار اور خزاں۔ گرمی اس زمانے میں ہوتی ہے جب ہم سورج کے ذرا قریب ہوتے ہیں، سردی اس زمانے میں ہوتی ہے جب ہم سورج سے ذرا دور ہوتے ہیں تو وہ سردی کا زمانہ ہوتا ہے، اور جبکہ چاند جو ہے وہ زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔ تو زمین سورج کے گرد گھومتی جا رہی ہے اور چاند اس کے گرد گھومتا جا رہا ہے، اور یہ چاند جو ہے یہ تقریباً ایک ماہ کے اندر اپنا چکر پورا کرتا ہے تو اس سے وہ ہم چاند کے جو مہینے ہیں ان کا حساب لگاتے ہیں۔ اور یہ چاند چکر لگاتے لگاتے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زمین اور سورج کے عین درمیان میں آ جاتا ہے، عین درمیان، تو اب چاند کا سایہ زمین پر پڑتا ہے، یہ ہے سورج گرہن۔ چاند کا سایہ زمین پر پڑ رہا ہے اور سورج چاند کے دوسری طرف ہو گیا تو سورج کی بھی وہ چمک دمک نہیں رہتی، اس کی چمک دمک میں کمی آ جاتی ہے، اور جتنا زیادہ گرہن ہوتا ہے اتنی ہی چمک میں کمی آ جاتی ہے حتیٰ کہ بعض مقامات پر پورا سورج بالکل سیاہ ہو جاتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

اور دوسرا ہے خسوف بھائی، خسوف جو ہے وہ پہلے تو چاند کا سایہ کس پر پڑا تھا؟ زمین پر، تو کیا بنا؟ تو یہ حالت سورج گرہن کہلائی۔ اب اس کا عکس کریں، چاند دوسری طرف آیا گھومتے ہوئے، زمین کا سایہ اب چاند پر پڑ رہا ہے۔ تو چاند گھومتے ہوئے زمین اور سورج کے درمیان آیا تو کس پر سایہ پڑا؟ زمین پر، اور یہی چاند گھومتے ہوئے دوسری طرف اگر زمین جب سورج ایک طرف ہے تو زمین کا سایہ دوسری طرف ہے، اس سائے کے اندر اگر چاند گزرے اس میں آ جائے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ چاند گرہن کہتے ہیں بھائی۔

تو **بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ**، یہ باب ہے سورج گرہن کی نماز کے بیان میں۔

قَالَ، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **إِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ**، جب سورج کو گرہن لگ جائے، **صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ**، تو پڑھائے امام لوگوں کو دو رکعتیں **كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ**، نفلوں کی جیسے کہ نفلوں کی ہیئت ہوتی ہے۔ نفلوں کی صورت میں کیا کرے امام؟ دو رکعتیں لوگوں کو پڑھائے بھائی۔ نفلوں کی صورت میں یعنی جیسے نفلوں کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہوتی اسی طرح اس نماز کے لیے بھی اذان اور اقامت نہیں ہو گی بھائی، نہیں ہو گی۔ اور اگر لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہو تو **اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ** کہہ کر لوگوں کو اکٹھا کر لیا جائے گا بھائی، اذان نہیں ہے اس کے اندر۔

فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعٌ وَاحِدٌ، اور اس نماز میں ہر رکعت کے اندر ایک رکوع ہو گا۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: رُكُوعَانِ**، اور امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اس میں دو رکوع ہیں ہر رکعت میں۔ **لَهُ**، امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل جو ہے مَا وہ حدیث ہے **رَوَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا**، جس کو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں بھائی۔ وہ اس روایت کے اندر کتنے رکوع ذکر فرماتی ہیں؟ دو رکوع ذکر فرماتی ہیں۔

وَلَنَا رِوَايَةُ ابْنِ عُمَرَ۔ اچھا، یاد رکھیے یاد رکھیے بھائی، یہ ابن عمر لکھا ہے کتاب کے اندر بھائی، ابن عمر۔ لیکن علماء لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نہیں ہے بلکہ یہ شاید کسی لکھنے والے کی غلطی ہے، کتابت کی غلطی ہوئی ہے، یہ روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تو یہ عمر نہیں، عمرو ہے اور عمرو کے آخر میں کیا لکھتے ہیں؟ حالتِ رفعی اور حالتِ جری میں واؤ لکھتے ہیں۔ تو اور یہ محلِ اشتباہ بھی ہے، دیکھیے آگے **وَالْحَالُ**، واؤ حال کا واؤ بھی آ رہا تھا تو شاید اس وجہ سے کاتب نے سمجھا ہو گا کسی نقل کرنے والے نے کہ شاید یہ ایک واؤ غلطی سے لکھا گیا ہے، اس نے ایک واؤ کو ختم کر دیا اور وہ یہی نسخہ بعد میں پھیل گیا، اسی طرح نقل ہوتا چلا آیا۔ تو یہ ابن عمر نہیں بلکہ کیا ہے؟ ابن عمرو ہے بھائی۔

تو **وَلَنَا**، ہماری دلیل جو ہے **رِوَايَةُ ابْنِ عَمْرٍو**، ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے، **وَالْحَالُ أَكْشَفُ عَلَى الرِّجَالِ لِقُرْبِهِمْ فَكَانَتِ التَّرْجِيحُ لِرِوَايَتِهِ**۔ بھائی ایک حدیث آگئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی، وہ فرماتی ہیں دو رکوع فرمائے حضور علیہ السلام نے، اور دوسری روایت روایت آئی حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، وہ فرماتے ہیں کہ ایک رکوع ہو گا۔ آگے دلیل اب ہماری ابھی چل رہی ہے کہ ہم نے اس حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ترجیح دی کیونکہ نماز کا حال وہ مردوں پر زیادہ واضح ہو گا اس وجہ سے کہ مرد جو ہیں وہ امام کے قریب ہوتے ہیں اور عورتوں کی صف تو پیچھے ہوتی ہے، تو لہٰذا ترجیح کس کو دی ہم نے؟ یہ حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَالْحَالُ أَكْشَفُ عَلَى الرِّجَالِ**، اور حال یعنی نماز کا جو حال ہے یا امام کا جو حال ہے **أَكْشَفُ عَلَى الرِّجَالِ**، وہ زیادہ کھلا ہوتا ہے زیادہ واضح ہوتا ہے **عَلَى الرِّجَالِ**، مردوں پر، **لِقُرْبِهِمْ**، ان کے قریب ہونے کی وجہ سے، **فَكَانَتِ التَّرْجِيحُ لِرِوَايَتِهِ**، تو ترجیح جو ہے حضرت ابن عمرو کی روایت کو ہو گی، ان کی روایت کو ترجیح ہو گی۔

اور امام محمد رحمہ اللہ تطبیق بھی دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں جو دو رکوع کا ذکر آیا ہے، شاید اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ ان نمازوں میں حضور علیہ السلام نے بے انتہا طویل قرأت کی بھائی، خوب طویل قرأت کی اور پھر اس کے بعد خوب طویل رکوع کیا، خوب طویل رکوع کیا حتی کہ روایت میں آتا ہے کہ یوں لگتا تھا کہ حضور علیہ السلام اب رکوع سے سر ہی نہیں اٹھائیں گے، اتنا لمبا رکوع کیا۔ تو شاید رکوع زیادہ طویل ہوا تو بعض صحابہ سمجھے ہوں کہ اب حضور علیہ السلام رکوع سے اٹھ گئے ہیں، وہ اٹھے ہوں، وہ اٹھے ہوں، اور ان کو اٹھتا دیکھ کر پیچھے والے بھی سمجھے شاید حضور علیہ السلام اٹھے ہیں رکوع سے، سیدھے ہوئے ہیں، تو پیچھے والے بھی سیدھے ہوئے، اور عورتیں تو سب سے پیچھے تھیں، انہوں نے جب اپنے سے اگلی صفوں کو اٹھتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی سمجھیں شاید اٹھے ہیں، وہ بھی اٹھیں اوپر۔ لیکن اگلی صف والے جب اٹھے دیکھا حضور علیہ السلام ابھی رکوع ہی میں ہیں، وہ پھر رکوع میں چلے گئے، تو ان کو دیکھ کر پچھلی صفیں بھی پھر رکوع میں گئیں اور اسی طرح عورتوں کی صفیں بھی شاید پھر رکوع میں چلی گئیں، تو وہ کیا سمجھیں شاید دو رکوع ہوئے ہیں بھائی، یہ انہوں نے تطبیق کی صورت بیان کی ہے بھائی۔

وَيُطَوِّلُ الْقِرَاءَةَ فِيهِمَا، اور لمبی کرے قرأت امام جو ہے **فِيهِمَا**، ان دونوں رکعتوں میں، خوب لمبی قرأت کی جائے گی بھائی، خوب لمبی قرأت بھائی، حتی کہ پہلی رکعت میں کہتے ہیں سورۂ بقرہ کے بقدر ہو اور دوسری میں سورۂ آل عمران کے بقدر بھائی۔

وَيُخْفِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، اور اخفاء کرے گا امام، امام صاحب کے نزدیک یعنی آہستہ آواز سے قرأت پڑھے گا، آہستہ آواز سے قرآن پڑھے گا۔ **وَقَالَا: يَجْهَرُ**، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ امام کیا کرے گا؟ جہر کرے گا، جہر کرے گا۔ اور یاد رکھیے فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے، اس میں قرأت آہستہ آواز سے کی جائے گی۔

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ مِثْلُ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، اور امام محمد رحمہ اللہ سے ایک قول جو ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی طرح بھی روایت ہے بھائی۔ کس کی طرح؟ ہاں تو امام محمد رحمہ اللہ کا ایک قول تو پیچھے آگیا، صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ جہر کرے گا۔ اور ایک روایت امام محمد رحمہ اللہ سے کیا آئی؟ کہ اخفاء کرے گا، تو گویا طرفین ایک طرف ہو گئے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ دوسری طرف رہ گئے بھائی۔ جی، تو بہر حال یہ ایک روایت آئی ہے ان سے۔

أَمَّا التَّطْوِيلُ فِي الْقِرَاءَةِ، اور باقی قرأت کے اندر تطویل یعنی قرأت کو جو لمبا کرنا ہے، **فَبَيَانُ الْأَفْضَلِ**، تو یہ افضل ہونے کا بیان ہے۔ یہ جو قدوری میں اوپر آیا متن میں: **وَيُطَوِّلُ الْقِرَاءَةَ فِيهِمَا**، ان دو رکعتوں میں کیا کرے گا امام؟ لمبی قرأت کرے گا، صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں یہ افضل ہونے کا بیان ہے، افضل یہ ہے لمبی قرأت کرے۔ **وَيُخَفِّفُ إِنْ شَاءَ**، اور اگر چاہے تو ہلکی کرے یعنی تھوڑی قرأت کرے **إِنْ شَاءَ**، اگر چاہے، **لِأَنَّ الْمَسْنُونَ اسْتِيعَابُ الْوَقْتِ بِالصَّلَاةِ وَالدُّعَاءِ**، اس لیے کیونکہ مسنون جو ہے وہ اس گرہن کے وقت کو گھیر لینا ہے **بِالصَّلَاةِ وَالدُّعَاءِ**، نماز اور دعا کے ساتھ۔ مسنون کیا ہے؟ وہ جو سورج گرہن کا جتنا وقت ہے، اس وقت کو گھیر لے نماز اور دعا۔ تو اگر نماز لمبی کی ہے تو پھر دعا کچھ مختصر ہو جائے گی، لیکن پورے وقت کو گھیر لے۔ اور اگر قرأت تھوڑی کرے گا تو پھر کیا کرلے؟ دعا لمبی کرلے تاکہ پورے وقت کا احاطہ ہو جائے۔ یہ معنی ہے کیونکہ مسنون جو ہے وہ اس وقت کا گھیر لینا ہے نماز اور دعا کے ساتھ، **فَإِذَا خَفَّفَ أَحَدَهُمَا طَوَّلَ الْآخَرَ**، تو جب ان دونوں میں سے ایک کو مختصر کرے تو دوسرے کو لمبا کر دے۔

وَأَمَّا الْإِخْفَاءُ وَالْجَهْرُ فَلَهُمَا رِوَايَةُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهَرَ فِيهَا، اور باقی اخفاء اور جہر جو ہے تو اس میں صاحبین کی دلیل جو ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس میں جہر فرمایا۔ **وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ رِوَايَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ**، اور امام صاحب کی دلیل جو ہے حضرت ابن عباس اور حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث ہے۔ **وَالتَّرْجِيحُ قَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ**، اور ترجیح پہلے گزر چکی ہے۔ ترجیح کیا ہے پہلے؟ وجہ ہم نے ذکر کر دی تھی کہ نماز کا معاملہ کس کے لیے زیادہ واضح ہے؟ مردوں کے لیے، تو اس لیے ان کی روایت کو امام صاحب نے ترجیح دی ہے۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **كَيْفَ وَإِنَّهَا صَلَاةُ النَّهَارِ**، اور کیسے جہر ہو گا؟ کیسے جہر؟ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ اخفاء کرے، قرأت آہستہ کرے، اور

دلیل کیا ہے؟ وہ دو روایتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں اور کیسے یعنی کیسے اخفاء نہیں ہو گا؟ یا یوں کہہ لیں کیسے جہر ہو گا؟ جو بھی آپ بنائیں، **كَيْفَ**، کیسے اخفاء نہیں ہو گا؟ **وَإِنَّهَا صَلَاةُ النَّهَارِ**، اور یہ تو کون سی نماز ہے؟ دن کی نماز ہے، **وَهِيَ عَجْمَاءُ**، اور دن کی نماز تو گونگی ہوتی ہے یعنی اس میں تو اونچی آواز سے قرأت نہیں ہوتی جیسے ظہر اور عصر ہیں بھائی۔

وَيَدْعُو بَعْدَهَا حَتَّى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ، اور اس کے بعد دعا کرے **حَتَّى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ**، یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے، کھل جائے، **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**، بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے کہ اذا، فرماتے ہیں: **إِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَفْزَاعِ شَيْئًا**، کہ جب تم ان ڈرانے والی چیزوں میں سے کوئی چیز دیکھو، **فَارْغَبُوا إِلَى اللهِ بِالدُّعَاءِ**، تو تم رغبت کرو اللہ کی طرف دعا کے ساتھ۔ جب تم ان ڈرا دینے والی چیزوں میں سے، ان ہولناک چیزوں میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ کی طرف دعا کے ساتھ رغبت کرو۔ تو اور تو یہ بھی سورج گرہن جو ہے یہ بھی ایک گھبرا دینے والی چیز ہے، سورج کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل تاریکی چھا جاتی ہے، انسان ڈر جاتا ہے۔ تو اس وقت ان مواقع پر حضور علیہ السلام نے کیا حکم دیا ہے؟ کس کی طرف رغبت کرنی چاہیے؟ دعا کی طرف، تو یہ دلیل ہے اس پر۔ اور نیز نماز کے بعد دعا کرے کیونکہ **وَالسُّنَّةُ فِي الْأَدْعِيَةِ تَأْخِيرُهَا عَنِ الصَّلَاةِ**، کہ دعاؤں کے اندر سنت جو ہے وہ ان کو مؤخر کرنا ہے نماز سے۔

وَيُصَلِّي بِهِمُ الْإِمَامُ الَّذِي يُصَلِّي بِهِمُ الْجُمُعَةَ، اور لوگوں کو وہی امام جماعت پڑھائے نماز پڑھائے جو ان کو جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے، **وَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ**، اور اگر وہ امام حاضر نہ ہو، **صَلَّى النَّاسُ فُرَادَى**، تو لوگ اکیلے نماز پڑھ لیں، اکیلے اکیلے۔ اکیلا اکیلا ہر شخص نماز پڑھ لے، **تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ**، فتنے سے بچنے کے لیے، فتنے سے بچنے کے لیے۔ کیونکہ فتنے کا احتمال ہے، لوگ زیادہ ہوں گے اور ہر شخص چاہے گا کوئی بعض چاہیں گے فلاں بزرگ کو مقدم کیا جائے اور بعض چاہیں گے فلاں بزرگ کو مقدم کیا جائے۔

وَلَيْسَ فِي خُسُوفِ الْقَمَرِ جَمَاعَةٌ، اور خسوفِ قمر یعنی چاند گرہن کے اندر کوئی جماعت نہیں ہے یعنی مسنون نہیں ہے، **لِتَعَذُّرِ الِاجْتِمَاعِ فِي اللَّيْلِ**، کیونکہ چاند گرہن تو رات کو لگے گا تو رات کے وقت لوگوں کا جمع ہونا مشکل ہے۔ یہ معنی ہے: **لِتَعَذُّرِ الِاجْتِمَاعِ فِي اللَّيْلِ**، رات کے وقت لوگوں کے اکٹھا ہونا مشکل ہونے کی وجہ سے، **أَوْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ**، یا فتنے کا خوف ہونے کی وجہ سے کیونکہ رات کا وقت ہے اتنے لوگ اکٹھے ہوں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کوئی فتنہ وغیرہ نہ شروع ہو جائے بھائی۔

وَإِنَّمَا يُصَلِّي كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ، اور ہر ایک جو ہے وہ خود اکیلا پڑھے گا چاند گرہن میں بھائی۔ بھائی اس کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ هَذِهِ الْأَهْوَالِ فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ**، کیونکہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جب تم ان چیزوں میں سے، **إِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا**، جب تم دیکھو کوئی چیز **مِنْ هَذِهِ الْأَهْوَالِ**، ان ہولناک چیزوں میں سے، **فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ**، تو پناہ پکڑو نماز کی طرف، سہارا لو کس کا؟ تو پھر نماز کا سہارا لو۔ تو لہٰذا اس میں کوئی جماعت وغیرہ نہیں ہے خسوفِ قمر میں، ہر شخص جو ہے وہ اپنی اپنی نماز ادا کرے، اور مسجد میں حاضر ہونا بھی مسنون نہیں ہے، اپنے اپنے گھر پر ہی پڑھے بھائی۔

وَلَيْسَ فِي الْكُسُوفِ خُطْبَةٌ، اور کسوف کے اندر یعنی سورج گرہن کے اندر خطبہ نہیں ہے۔ بھائی کیوں خطبہ اس میں کیوں نہیں ہے؟ جماعت جمع ہوئی ہے، لوگ اکٹھے ہوئے ہیں، جماعت ہو رہی ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ**، کیونکہ یہ منقول نہیں ہے بھائی، حضور علیہ السلام سے منقول نہیں ہے کہ آپ نے خطبہ دیا ہو بھائی۔

جی چلیے، بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۸۴: بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ

ہدایہ صفحہ: ۱۸۷ — بتاریخ: ۱۱ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَيْسَ فِي الِاسْتِسْقَاءِ صَلَاةٌ مَسْنُونَةٌ فِي جَمَاعَةٍ فَإِنْ صَلَّى النَّاسُ وُحْدَانًا جَازَ وَإِنَّمَا الِاسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ وَالِاسْتِغْفَارُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا الآية، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقَى وَلَمْ تُرْوَ عَنْهُ الصَّلَاةُ۔ [1]

■ بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ، استسقاء جو ہے یہ سَقْيٌ سے ہے، سَقْيٌ

بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ، استسقاء جو ہے یہ **سَقْيٌ** سے ہے، **سَقْيٌ۔** اور **سَقْيٌ** کا معنی ہے سیر اب کرنا، سیر اب کرنا۔ تو اس سے بابِ استفعال آیا، **اِسْتَسْقَى۔** اور بابِ استفعال میں آپ نے پڑھا ہے سین طلب کے لیے آتا ہے بالعموم۔ سین کس لیے ہوتا ہے؟ طلب کے لیے۔ تو معنی ہو گا سیر ابی کو طلب کرنا، سیر اب ہونے کو طلب کرنا۔ یعنی یوں کہیے پانی کو طلب کرنا، بارش کو طلب کرنا۔ تو اس میں صلاۃِ استسقاء کے بارے میں بیان فرمائیں گے بھائی۔ نمازِ استسقاء اگر کسی مقام پر لمبے عرصے تک بارش نہ ہو اور انسانوں اور جانوروں کی ضروریات کے لیے پانی انتہائی ضروری ہے تو پانی کم ہو گیا، اب ان کی ضرورت اس سے پوری نہیں ہو رہی اور شدید تکلیف میں لوگ مبتلا ہو گئے، تو اس موقع پر پھر یہ صلاۃِ استسقاء پڑھی جاتی ہے بھائی اور اللہ سے بارانِ رحمت کی دعا کی جاتی ہے۔

اور یہاں صاحبِ ہدایہ نے جو عنوان اختیار کیا **بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ** کہا بھائی، **بَابُ صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ** نہیں کہا بھائی۔ **بَابُ صَلَاةِ،** صلاۃ کا لفظ بیچ میں ذکر نہیں کیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استسقاء کے اندر نماز نہیں ہے مسنون بھائی، بلکہ یہ صرف دعا اور استغفار کا نام ہے۔ تو اس وجہ سے صاحبِ ہدایہ نے بھی عنوان کے اندر صلاۃ کا لفظ ذکر نہیں کیا جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس میں نماز ہے بھائی، نماز مسنون ہے۔

■ بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ، یہ باب ہے استسقاء کے بیان میں یعنی اس

بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ، یہ باب ہے استسقاء کے بیان میں یعنی استسقاء کی نماز کے بیان میں۔ **قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَيْسَ فِي الِاسْتِسْقَاءِ صَلَاةٌ مَسْنُونَةٌ فِي جَمَاعَةٍ،** امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استسقاء کے اندر جماعت کے ساتھ کوئی مسنون نماز نہیں ہے۔ **فَإِنْ صَلَّى النَّاسُ وُحْدَانًا جَازَ،** پس اگر لوگ پڑھیں اکیلے اکیلے **جَازَ** تو یہ جائز ہے، وہ فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں **وَإِنَّمَا الِاسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ وَالِاسْتِغْفَارُ،** کہ استسقاء تو دعا اور استغفار ہی ہے بھائی۔ استسقاء تو دعا اور استغفار ہی ہے کہ اللہ کے سامنے انسان روئے، گڑگڑائے، استغفار کرے اور دعا کرے بھائی۔

لِقَوْلِهِ تَعَالَى، دلیل وہ ذکر کرتے ہیں، کہتے ہیں بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: **فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا۔** یہ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے سامنے فرما رہے ہیں دعا میں کہ جب وہ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دعوت و تبلیغ کرتے رہے اور جب بالکل مایوس ہو گئے تو اس موقع پر وہ اللہ کے سامنے فرماتے ہیں، اور بھی بہت سی چیزیں ذکر فرمائیں قرآن میں جیسا کہ ذکر آتا ہے اور اس میں یہ بھی فرمایا انہوں نے: **فَقُلْتُ،** تو میں نے کہا، یعنی اے اللہ! میں نے اپنی قوم والوں سے

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۱۰۸): «نوح ۱۰»، ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۱۰۸): «وآله»۔ • شاملہ (ص۱۰۸) میں «رَضِيَ» کے بجائے «رحمه» درج ہے۔

کہا: **اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ**، تم کیا کرو؟ اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو۔ **إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا**، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ آگے کیا آتا ہے؟ **وَيُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا**، کہ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا۔ تو دیکھو معلوم ہوا کہ تو یہاں پر دیکھو صرف مغفرت کا ذکر ہے کہ میں نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مغفرت طلب کرو، وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر خوب بارش بھیجے گا۔ تو صرف مغفرت پر ہی اللہ کے بارش بھیجنے کا ذکر فرمارہے ہیں حضرت نوح علیہ السلام۔ یہ ایک دلیل بھائی قرآن سے۔

وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اور دوسری دلیل کہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **اسْتَسْقَى**، استسقاء فرمایا **وَلَمْ تُرْوَ عَنْهُ الصَّلَاةُ**، اور حضور علیہ السلام سے نماز منقول نہیں ہے بھائی۔ استسقاء فرمایا یعنی اللہ سے بارانِ رحمت کی دعا فرمائی اور نماز منقول نہیں ہے بھائی۔

تو یہ حدیث میں آتا ہے بھائی کہ حضور علیہ السلام خطبے میں مشغول تھے اور ایک شخص آیا اور اس نے آکر کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر! ہمارے لیے دعا فرمایئے، بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگ وغیرہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ تو اپنی تکلیف وغیرہ کا اظہار فرمایا تو حضور علیہ السلام نے اس موقع پر فرمایا، ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی کہ: **اللَّهُمَّ أَغِثْنَا، اللَّهُمَّ أَغِثْنَا**، اے اللہ! ہماری فریاد رسی فرما، اے اللہ! ہماری فریاد رسی فرما، یعنی اے اللہ! ہماری مدد فرما۔ اور تو دیکھیے صرف حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اس موقع پر حضور علیہ السلام سے نماز منقول نہیں کہ آپ نے کیا کیا ہو استسقاء کے لیے؟ باقاعدہ نماز ادا کی ہو۔ تو یہ دلیل ہے کہ معلوم ہوا کہ استسقاء کے اندر نماز مسنون نہیں ہے۔

وَقَالَا، اور صاحبین فرماتے ہیں: **يُصَلِّي الْإِمَامُ رَكْعَتَيْنِ**، کہ امام جو ہے پڑھے دو رکعتیں، یعنی دو رکعتیں پڑھائے گا۔ **لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِيهِ رَكْعَتَيْنِ كَصَلَاةِ الْعِيدِ**، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں دو رکعتیں **كَصَلَاةِ الْعِيدِ** جیسے کہ عید کی نماز ہوتی ہے، اسی طرح دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ **رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا**، اس کو روایت کیا ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے۔ تو یہ صاحبین کی دلیل۔ اس حدیث میں کیا آگیا کہ حضور علیہ السلام نے استسقاء میں نماز ادا فرمائی۔

قُلْنَا، ہم جواب دیتے ہیں، صاحب ہدایہ جواب دے رہے ہیں امام صاحب کی طرف سے۔ **قُلْنَا**، ہم کہتے ہیں: **فَعَلَهُ مَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَى فَلَمْ يَكُنْ سُنَّةً**، ہم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے کیا اور دوسری مرتبہ چھوڑ دیا **فَلَمْ يَكُنْ سُنَّةً** تو یہ سنت نہیں ہو گی بھائی۔ تو یوں بامحاورہ ترجمہ کریں: **قُلْنَا فَعَلَهُ مَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَى**، کبھی ایسا کیا اور کبھی چھوڑ دیا اس کو تو یہ سنت نہیں ہو گی۔

وَقَدْ ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَحْدَهُ، اور تحقیق اصل یعنی مبسوط کے اندر ذکر کیا گیا ہے اکیلے امام محمد کے قول کو۔ یعنی یہ صرف کس کا قول ہے کہ دو رکعتیں پڑھائے گا امام؟ یہ صرف امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے، مبسوط کے اندر یہ ذکر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کس کے ساتھ ہیں؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور کہتے ہیں یہی قول زیادہ صحیح ہے بھائی۔ معلوم ہوا شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک نماز نہیں ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نماز ہے اس میں۔

وَيَجْهَرُ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ، اور جہر کرے گا امام اس کے اندر قراءت میں **اعْتِبَارًا بِصَلَاةِ الْعِيدِ**، قیاس کرتے ہوئے عید کی نماز پر۔ جیسے عید کی نماز میں جہراً یعنی اونچی آواز سے قراءت ہوتی ہے اسی طرح اس صلاۃِ استسقاء کے اندر بھی اونچی آواز سے قراءت ہو گی۔ **ثُمَّ يَخْطُبُ**، پھر اس کے بعد امام خطبہ دے گا۔ **لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ**، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

پھر یہ خطبہ کیسا ہو گا؟ یہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **ثُمَّ هِيَ كَخُطْبَةِ الْعِيدِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ خُطْبَةٌ وَاحِدَةٌ**، پھر یہ جو ہے یہ خطبہ عید کے خطبے کی طرح ہو گا امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔ عید کے خطبے کی طرح ہونے کا کیا معنی؟ یعنی دو خطبے ہوں گے جیسے عید کے اندر دو خطبے ہوتے ہیں اور درمیان میں امام کیا کرتا ہے اس خطبے کے بعد؟ بیٹھ جاتا ہے کچھ، تو اس میں بھی ایسا ہی ہو گا۔ **وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ خُطْبَةٌ وَاحِدَةٌ**، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے بھائی۔

وَلَا خُطْبَةَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، اور امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خطبہ اس میں نہیں ہے بھائی۔ **لِأَنَّهَا تَبَعٌ لِلْجَمَاعَةِ وَلَا جَمَاعَةَ عِنْدَهُ**، اس لیے کیونکہ خطبہ جو ہے وہ جماعت کے تابع ہوتا ہے اور جماعت تو ان کے نزدیک یہاں پر نہیں ہے بھائی۔

وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِالدُّعَاءِ، اور قبلے کی طرف رخ کرے **بِالدُّعَاءِ** دعا کے ساتھ۔ **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ**، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہیں قبلہ رخ ہو گئے **وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ** اور آپ نے پلٹ دیا اپنی چادر کو، آپ نے الٹا دیا اپنی چادر کو۔ تو دعا کس طرف رخ ہو کر کرے؟ قبلہ رخ ہو کر دعا کرے بھائی۔ تو حضور علیہ السلام نے اپنی چادر کو پلٹ دیا۔

آگے صاحبِ قدوری بھی فرمارہے ہیں متن کے اندر: **وَيَقْلِبُ رِدَاءَهُ**، اور امام کیا کرے؟ اپنی چادر کو پلٹ دے، الٹا دے۔ **لِمَا رَوَيْنَا**، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی، جو ابھی حدیث گزری۔ تو اس میں چادر پلٹ دے گا۔

قَالَ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہ جو چادر الٹ دے امام، یہ صرف کس کا قول ہے؟ امام محمد رحمہ

اللہ کا۔ **أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ فَلَا يَقْلِبُ رِدَاءَهُ**، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک امام اپنی چادر نہیں الٹے گا۔ **لِأَنَّهُ دُعَاءٌ**، کیونکہ یہ استسقاء تو کیا ہے؟ دعا ہے **فَيُعْتَبَرُ بِسَائِرِ الْأَدْعِيَةِ**، تو اس کو قیاس کیا جائے گا باقی تمام دعاؤں پر۔ اور ان میں تو عام دعاؤں کے اندر تو چادروں کو نہیں الٹایا جاتا تو اس کے اندر بھی چادر کو نہیں الٹایا جائے گا۔

وَمَا رَوَاهُ كَانَ تَفَاؤُلًا، اور وہ حدیث جس کو روایت کیا امام محمد رحمہ اللہ نے اس میں جو چادر پلٹنے کا ذکر آیا کہ حضور علیہ السلام نے چادر کو پلٹا تھا تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ **كَانَ تَفَاؤُلًا**، وہ حدیث جس میں چادر پلٹنے کا ذکر ہے وہ بطورِ نیک فالی کے تھا۔ حضور علیہ السلام نے بطورِ نیک فالی کے چادر کو پلٹا دیا۔ چادر کو الٹا دیا یعنی چادر الٹا دی تو کہ اے اللہ! ہماری حالت کو بھی بدل دے اسی طرح جس طرح یہ چادر پلٹ گئی ہے تو اس وقت خشک سالی ہے اس کو اللہ کس سے بدل دے؟ خوش حالی سے بدل دے بھائی۔ تو یہ نیک فالی کے طور پر پلٹی کہ اسی کی طرح اللہ ہماری حالت بھی بدل دیں، خشک سالی کو کس سے بدل دیں؟ خوش حالی سے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

چادر پلٹنے کے بارے میں یاد رکھیے چادر کہتے ہیں اس طرح پلٹیں گے کہ جو نیچے والا کنارہ ہے بھائی چادر اگر آپ کندھے پر ڈالیں تو دیکھو ایک کنارہ اس کا آپ کے کندھے اور گردن پر سے گزر رہا ہے اور اس کے مخالف جو دوسرا کنارہ ہے وہ کس کی طرف ہو گا؟ ایک کنارہ تو چادر کا آپ کے کندھے پر سے گزر رہا ہے لمبائی کے رخ میں، دوسرا المبائی کے رخ پہ جو کنارہ ہے وہ کس زمین کی طرف ہو گا، کس کی طرف؟ زمین کی طرف۔ اور پھر اس کو اس طرح الٹا دیا جائے کہ وہ جو زمین کی طرف کنارہ تھا وہ کدھر آ جائے؟ کندھے کی طرف آ جائے گا اور کندھے والا کدھر چلا جائے؟ زمین کی طرف۔ بائیں طرف جو حصہ تھا وہ دائیں طرف آ جائے گا اور دائیں طرف جو حصہ ہے وہ بائیں طرف۔ اور نیز چادر کا ایک حصہ تھا آپ کی کمر کی جانب، چادر کا ایک رخ آپ کے بدن کی طرف تھا اور دوسرا رخ باہر کی طرف تھا بھائی۔ تو اب پلٹیں گے تو جو باہر کی طرف رخ تھا وہ اندر کی طرف آ جائے گا اور جو اندر کی طرف جو رخ ہے وہ باہر کی طرف آ جائے گا بھائی۔

اور جب ہم پڑھ رہے تھے ہمارے استادِ محترم نے اللہ تعالیٰ ان کو عافیت نصیب فرمائے اور انہوں نے ہمیں کر کے دکھایا تھا بھائی۔ طریقہ یہ ہے اس کا انہوں نے جو ویسے تو جیسے بھی پلٹ لیں تو انہوں نے جو طریقہ بتلایا کہ چادر انسان ڈال لے اپنے کندھوں پر۔ اب چادر کا ایک کنارہ چلا گیا دائیں طرف، ایک کنارہ کس طرف ہے؟ بائیں طرف ہے اور اب کمر کی جانب ایک ہاتھ لے جائیں، سیدھا ہاتھ مثلاً لے گئے کمر کی جانب اور چادر کا جو بائیں طرف والا حصہ ہے نیچے والا، دو کنارے ہو گئے نا؟ ایک کنارہ کدھر سے گزر رہا ہے؟ کندھے کی طرف سے، اس کے دونوں طرف کنارے آ گئے اس کے اور ایک نیچے زمین کی جانب کنارہ ہے اس کے بھی دونوں طرف کنارے جو بنے ہوئے ہیں آخری کنارے۔ تو وہ جو آخری کنارے ہیں دائیں طرف والے ہاتھ کو کمر کی پشت کی طرف لے جائیں گے، اس بائیں طرف والے کونے کو پکڑ لیں گے، بائیں طرف والے نیچے والے کونے کو پکڑ لیں گے اور دائیں ہاتھ کو لے جائیں گے جتنا آسانی سے ہو سکے، بالکل کونے تک ہاتھ نہیں پہنچتا تو تھوڑا جہاں سے پکڑ سکتے ہیں، تو اس کے ذریعے زمین کی طرف جو کنارہ ہے کون سا ہاتھ لے گئے؟ بایاں ہاتھ۔ تو وہ دائیں طرف کو کوشش کر کے جتنا آگے تک ہاتھ پہنچتا ہے اس حصے کو پکڑ لیں گے اور پھر ان ہاتھوں کو واپس کھینچیں گے، تو دائیں طرف والا ہاتھ سے بائیں جانب پکڑی ہوئی تھی اور بائیں جانب والے سے دائیں جانب پکڑی ہوئی تھی تو جب ہاتھوں کو واپس کھینچ کر اوپر لائیں گے کندھے پر تو ہاتھ واپس آ جائیں گے۔ دایاں ہاتھ پھر دائیں طرف آ گیا، بایاں ہاتھ بائیں طرف آ گیا تو وہ چادر بھی ساتھ ہی الٹ جائے گی، پوری چادر بھائی۔

کسی کے پاس کوئی رومال ہے وہ کر کے دکھائے بھائی۔ آؤ بھائی سامنے آؤ ذرا کر کے دکھاؤ بھائی، سارے ساتھی دیکھ لیں بھائی۔ جی یہ اب انہوں نے دیکھیے کندھے پر چادر ڈال لی، اب دیکھو ایک کنارہ کندھے کے اوپر سے گزر رہا ہے، دوسرا کنارہ کدھر آ گیا؟ زمین کے پاس اور اس کے بھی دو اس کے نیچے والے بھی دو کونے بن گئے، اوپر کی طرف بھی دو کونے۔ اب یہ ہاتھ کو پیچھے لے جائیں، کمر کی طرف ہاتھ نیچے ہاں نچلے کنارے کو پکڑنا ہے، اس طرف والے کنارے کو پکڑنا ہے ہاں، اور ہاں اچھا ہوا، اور ادھر سے ادھر والے کو پکڑیں، جی ٹھیک ہے، اب اس کو الٹائیں، کھینچ کر لے جائیں اوپر کندھے پہ لے جائیں، اوپر کندھے۔ اور کوئی کرے بھائی۔ آپ کریں گے؟ ہاں بس یہ چھوٹے رومال سے کر کے دکھانا ہے لے آؤ بھائی۔ اچھا یہ دیکھو، ہاں کمر کی طرف ہاتھ لے جائیں، دائیں ہاتھ سے بائیں طرف والا نچلا کونہ پکڑیں اور بائیں ہاتھ سے دائیں طرف والا نچلا کونہ پکڑیں۔ ہاں اب ان کو کھینچتے ہوئے اوپر ہی لے جائیں پیچھے، دیکھو یہ پوری چادر رومال الٹ گیا بھائی۔ پھر کر کے دکھائیں ایک دفعہ سب کو بھائی۔ ایک دو دفعہ مشق کریں گے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کس طریقے سے۔

بھائی تین تبدیلیاں آئیں گی میں نے بتایا۔ اوپر گردن پر سے جو کنارہ گزر رہا ہے اور ایک کنارہ نیچے زمین کے ساتھ گزر رہا ہے تو اس طرح الٹے گی اوپر والا کنارہ نیچے آ جائے گا، نیچے والا کنارہ اوپر چلا جائے گا، یہ بھی تبدیلی اس میں آئے گی۔ اور نیز ایک چادر کا حصہ تھا دائیں طرف، ایک حصہ تھا بائیں طرف، دائیں طرف والا بائیں طرف آ جائے گا اور بائیں طرف والا دائیں طرف چلا جائے گا، یہ دوسری تبدیلی اس میں۔ اور تیسرا چادر چادر کا ایک رخ آپ کی کمر کی طرف تھا اور ایک رخ باہر کی طرف تھا چادر کا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو جب الٹے گی تو جو باہر کی طرف جو رخ تھا چادر کا جو وہ اندر کی طرف کمر کی طرف آ جائے گا اور جو کمر کی طرف رخ تھا وہ باہر کی طرف آ جائے گا بھائی۔ تو ہمارے یہ استادِ محترم نے اس طرح ہمیں کر کے دکھلایا تھا اور ورنہ ویسے جیسے بھی چادر کو الٹنا ہے تو جیسے بھی الٹ دیں ٹھیک ہے بھائی۔ تو یہ نیک فالی کے طور پر کہ اللہ ہماری حالت کو بدل دیں۔ تو حضور علیہ السلام نے نیک فالی کے طور پر الٹا تھا۔

وَلَا يَقْلِبُ الْقَوْمُ أَرْدِيَتَهُمْ، اور لوگ جو ہیں وہ نہیں پلٹیں گے اپنی چادروں کو۔ امام جو ہے وہ پلٹے گا اپنی چادر کو اور لوگ نہیں پلٹیں گے۔ **لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ أَنَّهُ أَمَرَهُمْ بِذَلِكَ**، اس لیے کیونکہ یہ منقول نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام نے لوگوں کو اس کا حکم کیا ہو۔ حضور علیہ السلام نے تو اپنی چادر کو پلٹا لیکن صحابہ کو اس کا حکم

نہیں دیا بھائی، حکم نہیں دیا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب اپنی چادر کو پلٹا تھا تو صحابہ نے بھی اپنی چادروں کو اسی طرح پلٹا لیا تھا، الٹا لیا تھا بھائی۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ بھائی حضور علیہ السلام نے دیکھو حکم نہیں دیا۔ یہ ان کا صحابہ کا اپنا فعل تھا، اپنا فعل۔ تو صرف ان کے اپنے فعل کی بنا پر اب اس کو مسنون قرار نہیں دیا جا سکتا اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسے وہ پیچھے ذکر ہوا تھا کہ حضور علیہ السلام نے نماز کے دوران اپنے جوتے اتار دیے تو ان کو دیکھ کر صحابہ نے بھی سب نے کیا کیا؟ جوتے اتار دیے اور بعد میں حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ مجھے تو جبریل نے آ کر ابھی بتایا کہ جوتے میں نجاست لگی ہے، میں نے تو اس لیے اتار دیے، تم نے کیوں اتارے جوتے بھائی؟ دیکھا معلوم ہوا وہ صرف کس کے لیے حکم تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور اس کی وجہ وہ نجاست تھی۔ تو یہاں بھی اسی طرح صحابہ نے جو حضور علیہ السلام کو دیکھ کر کیا تو یہ ان کا اپنا فعل تھا، اس کی بنا پر اس کو مسنون قرار نہیں دیا جا سکتا اور حضور علیہ السلام نے ان کو حکم نہیں دیا تھا۔ یہ معنی ہے **لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ أَنَّهُ أَمَرَهُمْ بِذَلِكَ**، اس لیے کیونکہ یہ منقول نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کو حکم دیا ہو اس چیز کا۔

وَلَا يَحْضُرُ أَهْلُ الذِّمَّةِ الِاسْتِسْقَاءَ، اور اہلِ ذمہ یعنی ذمی جو ہیں آپ جانتے ہیں جو غیر مسلم مملکتِ اسلامی کے اندر رہتے ہیں ان کو سالانہ ٹیکس دینا پڑتا ہے جسے جزیہ کہتے ہیں اور وہ بڑا معمولی سا ہوتا ہے، بڑا ہی معمولی سا وہ ٹیکس ان سے لیا جاتا ہے کیونکہ مملکتِ اسلامیہ وہ ان کی حفاظت وغیرہ کی ذمہ دار ہے سارا سال بھائی۔ سارا سال ان کی حفاظت کی ذمہ داری مملکتِ اسلامیہ کے ذمے ہے تو اس پر ان سے یہ معمولی سا ٹیکس لیا جاتا ہے جسے کیا کہتے ہیں؟ جزیہ کہتے ہیں بھائی۔ تو یہ جو ذمی ہیں یہ جو غیر مسلم ہیں مملکتِ اسلامی میں یہ استسقاء کے اندر حاضر نہیں ہوں گے بھائی۔ یہ معنی ہے **وَلَا يَحْضُرُ أَهْلُ الذِّمَّةِ الِاسْتِسْقَاءَ**، اور ذمی جو ہیں وہ حاضر نہیں ہوں گے استسقاء میں۔ **لِأَنَّهُ لِاسْتِنْزَالِ الرَّحْمَةِ**، اس لیے کیونکہ استسقاء جو ہے یہ تو رحمت کو کے نزول کو طلب کرنے کے لیے ہے کہ اللہ ہم پر رحمت نازل فرمائیں۔ **وَإِنَّمَا تَنْزِلُ عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ**، اور ان پر تو لعنت برستی ہے، تو یہ لہٰذا ان کو لے کر نہیں نکلنا چاہیے بھائی۔ اور یاد رکھیے اگر وہ خود نکلتے ہیں، خود نکلتے ہیں تو پھر ان کے ساتھ کچھ مسلمانوں کو بھی ضرور نکلنا چاہیے بھائی، کچھ مسلمانوں کو، سمجھ میں آیا بھائی؟ کچھ مسلمان کیونکہ ہیں تو وہ بالآخر اللہ کی مخلوق ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو وہ دعا کریں بھائی اور ان کی دعا پر اللہ بارش برسا دیں تو اگر وہ اکیلے ہوئے پھر تو بڑا فتنہ برپا ہو جائے گا، لوگ کہیں گے دیکھو یہ لوگ نکلے تھے اور یہ ان کی دعا پر بھی اللہ تعالیٰ نے کیا کر دیا؟ بارش نازل فرما دی، تو دین کے بارے میں یہ نہ ہو لوگ کچھ کے کچھ کہنے لگیں بھائی۔ بات سمجھ میں تو ان کے ساتھ اگر وہ خود ان کو جب مسلمان نکلیں ان کو لے کر نہ نکلیں اور جب وہ اگر نکلتے ہیں تو ان کے ساتھ کچھ مسلمانوں کو ضرور نکلنا چاہیے بھائی، کیونکہ میں نے بتلا دیا کیونکہ ہیں تو وہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ اپنی ساری مخلوق کو رزق دیتے ہیں بھائی۔

تو علماء لکھتے ہیں بھائی کہ صلاۃِ استسقاء کے لیے جب نکلیں تو سب لوگ نکلیں یعنی تمام مرد حضرات بھی نکلیں، اپنے بچے، لڑکے وغیرہ جو ہیں ان کو بھی لیں، بوڑھوں وغیرہ کو بھی ساتھ لیں معمولی لباس کے اندر، جنگل میں باہر کھلی جگہ پر سارے اکٹھے ہوں اور لوگوں کے جو حقوق وغیرہ ہے وہ ادا کر کے نکلیں کیونکہ یہ اللہ کے سامنے توبہ کی تجدید ہے، رونے اور گڑگڑانے کا وقت ہے تو دوسروں کے حقوق پہلے ہی ادا کر دے اور پھر وہاں پر جو ہے اس طرح امام ان کو نماز پڑھائے اور اس کے بعد دعا کریں، خطبہ دے اور پھر دعا کریں بھائی۔ تو تین دن تک اس طرح کر لیں بھائی، تین دن تک۔ اگر اس سے پہلے ہی بارش ہو جائے تو بھی تین دن پورے کر لیں بھائی اور ان دنوں میں اگر روزہ بھی رکھ لیں تو یہ مستحب ہے بھائی۔ آگے دیکھیے بھائی۔

■ بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

یہ باب ہے خوف کی نماز کے بیان میں بھائی، خوف کی نماز۔ **إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ جَعَلَ الْإِمَامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ طَائِفَةً عَلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَطَائِفَةً خَلْفَهُ**، بھائی صلاۃِ خوف کا طریقہ مختصراً سمجھ لیں بھائی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ طریقہ منقول ہے اور تو کئی مواقع پر حضور علیہ السلام نے اس پر عمل فرمایا کہ خوف کی جب دشمن کے ساتھ مقابلہ ہے اور نماز کا وقت ہو گیا تو امام کیا کرے؟ لوگوں کی دو جماعتیں بنا دے بھائی۔ ایک جماعت دشمن کی جانب رہے کیونکہ دشمن بڑا قریب ہے، یہ نہ ہو سارے نماز میں مشغول ہوں اور وہ حملہ کر دے۔ تو ایک جماعت دشمن کی طرف رہے کہ وہ حملہ آور نہ ہو اور دوسری جماعت آئے امام کے پیچھے نماز میں مشغول ہو جائے، ان کو امام مثلاً دو رکعت والی نماز ہے تو ایک رکعت امام ان کو پڑھا دے۔ ایک رکعت پڑھا دے تو جب دوسرے سجدے سے اٹھ جائیں تو پھر یہ جو امام کے پیچھے تھے مقتدی یہ اسی طرح پلٹ جائیں گے، واپس پلٹ جائیں گے اور چلے جائیں اور جا کر دشمن کے مقابلے پر یہ کھڑے ہو جائیں جبکہ وہ جو جماعت باقی تھی وہاں پر اب وہ لوگ آ جائیں گے اور ادھر امام ان کا انتظار کرے گا۔ کیا کرے گا؟ اسی طرح نماز کی حالت میں کھڑے ہو کر ان کا انتظار کرے گا۔ یہ آئیں گے اور آ کر امام کے پیچھے صفیں باندھ کر تکبیر کہہ کر اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ اب امام کی کتنی رکعتیں باقی ہیں؟ ایک۔ تو امام ان کو یہ ایک رکعت ان کو پڑھا دے گا اور پھر امام سلام پھیر دے گا، لیکن یہ سلام نہیں پھیریں گے کیونکہ ابھی ان کی نماز مکمل نہیں ہوئی ایک رکعت ہوئی ہے۔ تو یہ پھر اب جو ہیں یہاں سے پلٹ جائیں گے، سلام نہیں پھیرنا بلکہ کیا کریں گے؟ اسی طرح واپس پلٹ جائیں گے اور یہ جا کر اب وہاں کھڑے ہو جائیں گے دشمن کے مقابلے پر اور وہ جو پہلی جماعت تھی جو ایک رکعت پڑھ چکی ہے وہ آئیں

گے اور آ کر امام تو سلام پھیر چکا ہے، یہ آ کر پھر اسی طرح کھڑے ہو جائیں گے اور اپنی ایک رکعت پوری کر لیں گے۔ کیا کر لیں گے؟ ایک رکعت پوری کر لیں گے، لیکن یہ اس رکعت کے اندر قراءت نہیں کریں گے کیونکہ یہ لاحق ہیں۔ یہ کون ہیں؟ لاحق۔ لاحق وہ شخص جو ابتدا سے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوا لیکن بیچ میں کوئی ایک یا دو رکعتیں اس کی رہ گئیں۔ تو چونکہ یہ ابتدائے تحریمہ سے امام کے ساتھ شریک ہے، شروع سے، اور جو شخص شروع سے شریک ہو وہ کیا نماز میں قراءت کرتا ہے یا نہیں کرتا؟ وہ مقتدی وہ قراءت نہیں کرتا، تو لہٰذا یہ بھی لاحق ہیں تو یہ قراءت نہیں کریں گے اور خاموش قیام کے اندر خاموش کھڑے رہیں گے اور پھر اسی طرح رکوع سجدے وغیرہ کر کے نماز پوری کر لیں گے اور پھر یہ چلے جائیں گے، ان کی نماز پوری ہو گئی، پوری ہو گئی۔ اب وہ آ جائیں گے جو جنہوں نے دوسری رکعت پڑھی تھی اور آ کر اسی نماز پر بنا کریں گے اور وہیں سے نماز شروع کر دیں گے جہاں سے چھوڑ کر گئے تھے اور یہ لوگ قراءت کریں گے کیونکہ یہ کب شامل ہوئے تھے؟ یہ تو دوسری رکعت میں شامل ہوئے تھے، یہ تو مسبوق ہیں اور آپ بھی جماعت میں جا کر شامل ہوتے ہیں ایک دو رکعتیں نکل چکی ہوں تو بعد میں آپ قراءت کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ قراءت کرتے ہیں تو یہ مسبوق ہیں، مسبوق پر قراءت ہوتی ہے تو یہ قراءت کریں گے اس میں بھائی اور یہ نماز پوری کر لیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ یہ ہے صلاۃ الخوف کا طریقہ۔

اور اس میں یہ بھی یاد رکھیے، یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ مستحب طریقہ بیان ہوا، مستحب طریقہ۔ کیا طریقہ؟ کہ پہلوں نے ایک پڑھی پھر چلے گئے، پھر دوسرے آئے انہوں نے ایک پڑھی پھر وہ چلے گئے، پھر وہ پہلے والے پھر آئے انہوں نے نماز پوری کی پھر یہ چلے گئے، پھر وہ دوسرے والے آئے اور انہوں نے اپنی نماز پوری کر لی، یہ مستحب طریقہ ہے۔ ورنہ یہ بھی جائز ہے دوسری دفعہ جو دوسری جماعت آئی تھی، دوسری رکعت میں جو شامل ہوئے تھے وہ جب امام سلام پھیر دیتا ہے وہ یہیں پر ابھی جاتے نہیں اپنی دوسری رکعت بھی پوری کر لیتے ہیں، یہ بھی جائز ہے۔ کیا کر لیتے ہیں؟ دوسری رکعت بھی یہیں پوری کر لیتے ہیں، اب یہ نماز پوری کر کے چلے گئے یہ جو دوسری جماعت والے تھے اور دوسرے وہ جو پہلی جماعت تھی وہ یہاں آنے کے بجائے وہیں پر پھر کیا کر لے جب یہ لوگ وہاں چلے جائیں؟ وہیں پر اپنی نماز کیا کر لیں؟ پوری کر لیں، یہ بھی جائز ہے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے صلاۃ الخوف میں دو جماعتیں ہیں اور پھر باری باری آ کر اس امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، یہ اس صورت میں ہے اس صورت میں جب امام ایسی کوئی عظیم اور بزرگ شخصیت ہو کہ ہر شخص کی خواہش ہے میں اسی کے پیچھے نماز پڑھوں۔ اب وہاں صحابہ تھے ہر ایک کی خواہش تھی کہ میں نماز کس کے پیچھے پڑھوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھوں۔ تو دیکھو حضور علیہ السلام نے یہ طریقہ اختیار کیا اور جو ان کو بتلایا گیا اللہ کی طرف سے کہ اس طرح جماعتیں بنا دیجیے۔ تو دیکھو دونوں جماعتیں جو ہیں وہ حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھنے والی ہو گئیں اور دشمن کے مقابلے کے لیے بھی اسی طرح مستعد ہیں، وہ اس کا بھی حل ہو گیا وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ لیکن اگر امام ایسی شخصیت نہیں ہے تو پھر بہتر اور افضل یہ ہے کہ اس طرح نہ کیا جائے بلکہ دو جماعتیں بنا لیں، ایک جماعت دشمن کی طرف رہے، دوسری جماعت آئے اور کسی ایک امام کے پیچھے پوری نماز کر لے، پوری نماز پڑھ لے۔ پھر یہ چلے جائیں گے اور وہ والے آ کر وہ کسی دوسرے امام کے پیچھے پوری نماز پڑھ لیں گے بھائی، طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ جی۔

تو اور نیز یہ بھی یاد رکھیے یہ جو صلاۃ الخوف ہے اس کے اندر دیکھو ایک ایک رکعت جو پڑھ کر وہ جا رہے ہیں، یہ جو واپس جا رہے ہیں اور پھر آئیں گے اسی پر بنا کریں گے اسی ایک رکعت پر تو یہ واپس جاتے ہوئے بھی حالتِ نماز ہی میں ہیں بھائی۔ آپ نے پڑھا تھا یا نہیں؟ نماز پر جب بنا کوئی شخص کرتا ہے مثلاً کسی شخص کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ جا کر وضو کر کے آتا ہے بنا کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ بنا کر سکتا ہے، لیکن وہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ واپس جو جاتا ہے اور آتا ہے اس وقت بھی کس حالت میں ہے؟ نماز، لہٰذا کوئی منافیِ صلاۃ عمل نہیں کرنا ورنہ پھر بنا درست نہیں رہے گی، نئے سرے سے نماز پڑھنا پڑے گی۔ یہاں بھی اسی طرح ہے، لہٰذا یہ لوگ جب جا رہے ہیں ایک رکعت پڑھ کر دشمن کی طرف تو کوئی منافیِ صلاۃ عمل نہیں کرنا ورنہ پھر بنا صحیح نہ رہے گی۔ حتیٰ کہ سواری کے جانور پر بھی نہیں سوار ہونا، پیدل جانا ہے کیونکہ سواری پر سوار ہوں گے وہ بھی عملِ کثیر ہے اور پھر اتریں گے وہ بھی کیا ہے؟ عملِ کثیر ہے، اس کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں اتنی پیدل چلنے کی گنجائش ہے، جا سکتے ہیں پھر آ سکتے ہیں۔ اور نیز اس دوران جب وہاں کھڑے ہیں یہ اور دوسری جماعت آ گئی اب وہاں یہ پہرے پر کھڑے ہو گئے لیکن ابھی بھی کس میں ہیں؟ حالتِ نماز میں ہیں، لہٰذا دشمن کا مقابلہ بھی نہیں کرنا۔ اگر کسی نے ایک تیر بھی چلا دیا اس کی نماز کیا ہو جائے گی؟ ختم، کیونکہ منافیِ صلاۃ عمل کا ہو گیا، پھر نئے سرے سے پڑھنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو لہٰذا اس دوران دشمن سے لڑائی بھی نہیں کریں گے اور کیونکہ حالتِ صلاۃ میں ہیں بھائی۔ ہاں دشمن حملہ آور ہوتا ہے پھر تو مقابلہ کریں گے وہ تو الگ بات ہے، لیکن اس وقت جب تک ضرورت نہیں ہے پھر تو پھر نہیں کریں گے کیونکہ حالتِ صلاۃ میں ہیں اور دشمن حملہ آور ہوتا ہے پھر تو مقابلہ کریں گے بعد میں پھر دوبارہ نماز پڑھ لیں گے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

اب دیکھیے کتاب پر: **بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ**، یہ باب ہے صلاۃ الخوف کے بیان میں۔ **إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ**، جب خوف شدید ہو جائے یعنی جب کوئی دشمن قریب ہو یا کوئی درندہ قریب ہو یا کوئی اسی طرح کا اور کوئی خوف ہے تو کہتے ہیں **إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ**، جب خوف شدید ہو جائے **جَعَلَ الْإِمَامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ**، تو بنا دے امام لوگوں کے دو گروہ **طَائِفَةً عَلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ**، ایک گروہ تو دشمن کی جانب ہو **وَطَائِفَةً خَلْفَهُ**، اور ایک گروہ اس امام کے پیچھے ہو یعنی نماز میں۔ **فَيُصَلِّي بِهَذِهِ الطَّائِفَةِ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ**، تو پڑھائے امام اس گروہ کو ایک رکعت اور دو سجدے **فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ**، پس جب امام اپنا سر اٹھا لے دوسرے سجدے سے یعنی ایک رکعت جب پوری ہو جائے **مَضَتْ هَذِهِ الطَّائِفَةُ إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ**، تو چلا جائے یہ والا گروہ دشمن کی

طرف **وَجَاءَتْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ**، اور وہ دوسرا گروہ آجائے **فَيُصَلِّي بِهِمُ الْإِمَامُ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ**، تو امام ان کو بھی ایک رکعت اور دو سجدے پڑھادے **وَتَشَهَّدَ وَسَلَّمَ**، اور امام تشہد بھی پڑھ لے اور سلام بھی پھیر دے **وَلَمْ يُسَلِّمُوا**، لیکن یہ جو مقتدی ہیں ان کی تو ایک رکعت ہوئی ہے، یہ مسبوق ہیں تو یہ سلام نہیں پھیریں گے **وَذَهَبُوا إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ**، اور چلے جائیں گے دشمن کی جانب **وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُولَى**، اور پھر وہ پہلا گروہ آجائے گا **فَصَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ**، تو یہ پڑھیں گے ایک رکعت اور دو سجدے۔

صَلَّوْا پڑھنا، لام پر زبر ہے بھائی **صَلَّوْا**، ماضی کا صیغہ ہے۔ **صَلُّوْا** لام پر پیش پڑھیں گے تو امر کا صیغہ بن جائے گا کہ تم لوگ پڑھو تو وہ امر بن جائے گا۔ **فَصَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ**، تو وہ پڑھیں گے ایک رکعت اور دو سجدے **وُحْدَانًا**، اکیلے بھائی، اکیلے اکیلے کیا کریں گے؟ ہر ایک اپنی نماز پڑھیں گے **بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ**، بغیر قراءت کے **لِأَنَّهُمْ لَاحِقُونَ**، کیونکہ وہ لاحق ہیں اور لاحق پر قراءت نہیں ہوتی۔ **وَتَشَهَّدُوا وَسَلَّمُوا**، اور یہ پھر تشہد پڑھیں گے اور سلام پھیر دیں گے **وَمَضَوْا إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ**، اور چلے جائیں گے دشمن کی جانب **وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى**، اور وہ دوسرا گروہ آجائے گا **وَصَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ**، اور یہ ایک رکعت اور دو سجدے پڑھیں گے **بِقِرَاءَةٍ** کس کے ساتھ؟ قراءت کے ساتھ **لِأَنَّهُمْ مَسْبُوقُونَ**، اس لیے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور مسبوق پر قراءت ہوتی ہے۔ **وَتَشَهَّدُوا وَسَلَّمُوا**، اور یہ تشہد پڑھیں گے اور سلام پھیریں گے۔

وَالْأَصْلُ فِيهِ رِوَايَةُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى صَلَاةَ الْخَوْفِ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي قُلْنَا، اور اصل اس کے اندر جو ہے وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الخوف پڑھی **عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي قُلْنَا** اسی طریقے پر جو ہم نے کہا، جو ہم نے بیان کیا، حضور علیہ السلام نے اس طرح صلاۃ الخوف پڑھی تھی جیسا ہم نے متن میں بیان کر دیا۔

وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ وَإِنْ أَنْكَرَ شَرْعِيَّتَهَا فِي زَمَانِنَا فَهُوَ مَحْجُوجٌ عَلَيْهِ بِمَا رَوَيْنَا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ پہلے صلاۃ الخوف کی مشروعیت کے قائل تھے کہ صلاۃ الخوف اس طرح پڑھی جائے گی، لیکن پھر بعد میں فرمانے لگے کہ نہیں، یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ اس طرح لوگوں کے دو گروہ بنا سکتے ہیں اور ان کو اس طرح صلاۃ الخوف پڑھا سکتے ہیں، باقی امت میں سے کسی کے لیے اس طرح کرنا جائز نہیں ہے بھائی، جائز نہیں ہے اور تو انہوں نے بعد میں پھر اس کا انکار کیا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ہے۔ سمجھ میں آیا، مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، کہتے ہیں: **وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ**، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو ہیں **وَإِنْ أَنْكَرَ شَرْعِيَّتَهَا فِي زَمَانِنَا**، اگرچہ انہوں نے اس صلاۃ الخوف کے مشروع ہونے کا انکار کیا ہے **فِي زَمَانِنَا** ہمارے زمانے میں، یعنی حضور علیہ السلام کے زمانے میں تو وہ بھی قائل ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں مشروع تھی اور یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں سے تھا، البتہ اب اس زمانے کے اندر وہ فرماتے ہیں یہ مشروع نہیں، کسی اور کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں، تو اگرچہ انہوں نے انکار کیا ہے اس کے مشروع ہونے کا ہمارے زمانے میں **فَهُوَ مَحْجُوجٌ عَلَيْهِ بِمَا رَوَيْنَا**، تو ان کے خلاف حجت پکڑی گئی ہے اس حدیث کے ساتھ جو ہم نے روایت کر دی یعنی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت، ان کے خلاف دلیل، حجت قائم کی گئی ہے کس کس حدیث کے ساتھ؟ یہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ کہ اس میں دیکھو صلاۃ الخوف کا طریقہ بیان ہوا ہے اور نیز اس میں اور بھی کئی صحابہ سے کئی صحابہ سے یہ طریقہ صلاۃ الخوف کا منقول ہے کہ انہوں نے اس پر حضور علیہ السلام کے زمانے کے بعد اس پر عمل کیا بھائی، عمل کیا۔

فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ مُقِيمًا صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُولَى رَكْعَتَيْنِ، بھائی یہ تو وہ صورت تھی، دو رکعت والی اوپر نماز اگر ہو تو ایک ایک رکعت پڑھا دے یا امام مسافر ہے، یہ لوگ مسافر ہیں تو پھر کیا کرے امام؟ ایک ایک رکعت پڑھا دے اور اگر امام مقیم ہے اور چار رکعت والی نماز ہے پھر کیا کریں گے؟ تو بھائی اسی طرح پہلے گروہ کو آدھی نماز یعنی دو رکعتیں پڑھا دے اور دوسرے گروہ کو پھر دو رکعتیں پڑھا دے بھائی۔ **فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ مُقِيمًا**، اور اگر امام مقیم ہو **صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُولَى رَكْعَتَيْنِ**، تو پڑھائے پہلے گروہ کو دو رکعتیں **وَبِالطَّائِفَةِ الثَّانِيَةِ رَكْعَتَيْنِ**، اور دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں۔ **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ**، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی دو گروہوں کو دو دو رکعت۔

وَيُصَلِّي بِالطَّائِفَةِ الْأُولَى، اب مغرب میں کیا کریں گے بھائی؟ مغرب میں تو تین رکعتیں ہیں تو بتلائیں گے آپ کو کہ مغرب میں پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھا دے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھا دے، ورنہ ہونا تو یہ چاہیے تھا آدھی نماز ایک کو ہے آدھی دوسرے کو تو ڈیڑھ رکعت ایک کو ہونی چاہیے تھی ایک گروہ کو اور ڈیڑھ رکعت دوسرے گروہ کو، لیکن رکعت کی تو تنصیف ہو نہیں سکتی اس کا تو آدھا حصہ کیا جائے یہ ممکن نہیں ہے بھائی، تو اس لیے یہاں پہلی کو دو پوری پڑھا دے۔ **وَيُصَلِّي بِالطَّائِفَةِ الْأُولَى مِنَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَةً وَاحِدَةً**، اور پڑھائے پہلے گروہ کو مغرب میں دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت **لِأَنَّ تَنْصِيفَ الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ غَيْرُ مُمْكِنٍ**، اس لیے کیونکہ ایک رکعت کی تنصیف یعنی اس کو آدھا کرنا **غَيْرُ مُمْكِنٍ** یہ ممکن نہیں ہے **فَجَعَلُوهَا فِي الْأُولَى أَوْلَى بِحُكْمِ السَّبْقِ، فَجَعَلُوهَا فِي الْأُولَى**، تو اس دوسری رکعت کو بھائی ہونا کیا چاہیے؟ ہونا تو ڈیڑھ رکعت ایک گروہ کو اور ڈیڑھ رکعت دوسرے گروہ کو، لیکن رکعت کی تنصیف تو ہو نہیں سکتی ایک رکعت کی کہ اس کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے تو پھر ایک کی طرف اس کو کرنا پڑے گا، یا پہلے گروہ کو یہ دوسری

رکعت پڑھادے یا یہ دوسری والی کس کو پڑھادے؟ دوسرے گروہ کو پڑھادے، دو یہی صورتیں بنتی ہیں۔ تو اب کس کے ساتھ اس کو شامل کیا جائے؟ پہلے گروہ کے لیے دو رکعتیں ہو جائیں یا دوسرے گروہ کے لیے دو رکعتیں ہو جائیں؟ تو کہتے ہیں پہلے کے ساتھ اس دوسری رکعت کو ملانا اولیٰ ہے، اولیٰ ہے کیونکہ وہ مقدم ہیں، وہ کیا ہیں؟ مقدم ہیں۔ یہ معنی ہے **فَجَعَلُوهَا**، پس اس دوسری رکعت کو کر دینا **فِي الْأُولَى** کس میں؟ پہلے گروہ میں اس کو کر دینا **أَوْلَى**، یہ بہتر ہے **بِحُكْمِ السَّبْقِ** مقدم ہونے کی وجہ سے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ **بِحُكْمِ السَّبْقِ** سبقت کے حکم کی وجہ سے کیونکہ وہ لوگ کیا ہیں؟ سبقت لے گئے یعنی مقدم ہو گئے ہیں، مقدم ہونے کی وجہ سے یعنی۔

وَلَا يُقَاتِلُونَ فِي حَالِ الصَّلَاةِ، بھائی وہ جو میں نے ابھی ذکر کیا کہ یہ واپس گئے ہیں تو کس حالت میں ہیں؟ نماز کی حالت میں ہیں لہٰذا کوئی منافیِ صلاۃ عمل نہیں کرنا، وہ اب بیان کر رہے ہیں۔ **وَلَا يُقَاتِلُونَ فِي حَالِ الصَّلَاةِ**، اور یہ لوگ قتال نہیں کریں گے، لڑائی نہیں کریں گے نماز کی حالت میں **فَإِنْ فَعَلُوا بَطَلَتْ صَلَاتُهُمْ**، اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی۔ **لِأَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ**، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام مشغول کر دیے گئے چار نمازوں سے یوم الخندق والے دن **وَلَوْ جَازَ الْأَدَاءُ مَعَ الْقِتَالِ لَمَا تَرَكَهَا**، اور اگر ادا کرنا نماز کا جائز ہوتا **مَعَ الْقِتَالِ** ساتھ لڑائی کے **لَمَا تَرَكَهَا** تو البتہ حضور علیہ السلام اس کو ترک نہ فرماتے۔ یوم الخندق والے دن بھائی مختصراً میں نے بیان کیا تھا کہ حضور علیہ السلام کی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء یہ نمازیں رہ گئی تھیں اور کیونکہ وہ دشمن بار بار حملے کر رہا تھا اس دن بار بار تو سارا دن اسی کے اندر گزر گیا بھائی۔ تو اگر اس لڑائی کے ساتھ، حرکت کے ساتھ نماز جائز ہوتی تو حضور علیہ السلام کبھی بھی اس کو ترک نہ فرماتے لیکن آپ نے اس دن ترک فرمایا اور پھر جب لڑائی ختم ہوئی رات گئے جا کر ان نمازوں کو ادا کیا گیا۔ معلوم ہوا قتال کے ساتھ ساتھ نماز ادا کی جائے یہ درست نہیں، نماز نہیں ہو گی کیونکہ اس میں کثیر حرکت ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں **وَلَوْ جَازَ الْأَدَاءُ مَعَ الْقِتَالِ لَمَا تَرَكَهَا**، اور اگر لڑائی کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہوتا **لَمَا تَرَكَهَا** تو حضور علیہ السلام ان نمازوں کو نہ چھوڑتے۔

اور یہ بھی یاد رکھیے کہ اگر لڑائی کسی دنیاوی مقصد کے لیے ہے پھر صلاۃ الخوف کی اجازت نہیں ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ پھر صلاۃ الخوف کی اجازت نہیں، یہ تو صرف جہاد وغیرہ جب دین کے لیے لڑائی ہو رہی ہے تو اس موقع پر شریعت نے اجازت دی ہے ورنہ تو نماز اصل میں دیکھا جائے تو عملِ کثیر ہے، وہ ایک گروہ آ رہا ہے اور پھر واپس جا رہا ہے ویسے تو ہونا ہی نہیں چاہیے لیکن شریعت نے اجازت دی ہے تو لہٰذا یہ اپنے مورد پر ہی بند رہے گا اور صرف کس مقام پر یہ اجازت ہو گی؟ جب دینی مقصد کے لیے لڑائی ہو رہی ہے یعنی جہاد وغیرہ میں مسلمان مشغول ہیں۔ لہٰذا اگر دنیاوی مقصد کے لیے کچھ لوگ لڑ رہے ہیں تو وہاں صلاۃ الخوف پڑھنے کی اجازت نہیں اس طریقے سے دو گروہ بنا کر، یا اسی طرح اگر باغی لڑ رہے ہیں خلیفہ کے خلاف تو ان کو بھی صلاۃ الخوف کی اجازت نہیں ہو گی بھائی، نہیں ہو گی۔

فَإِنِ اشْتَدَّ الْخَوْفُ، اگر خوف شدید ہو جائے، بھائی خوف شدید ہو گیا اب ایک جماعت کا آ کر امام کے ساتھ پڑھنا یہ بھی ممکن نہ رہا اتنی خوف کی حالت آ گئی تو شریعت میں بڑی آسانی ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں بھائی پھر جو ہے سواری پر سوار ہی ہو کر ہی اشارے کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے نماز ادا کر لیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، اور سواری پر سوار ہو کر ہی قبلہ رخ ہو کر اشارے کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے نماز ادا کر لیں اور اگر قبلہ رخ ہونے پر بھی قادر نہیں ہے تو پھر جس طرف رخ ہے اسی رخ پر کیا کر لیں؟ اشارے کے ساتھ سواری پر نماز ادا کر لیں بھائی۔

تو کہتے ہیں **فَإِنِ اشْتَدَّ الْخَوْفُ**، اگر خوف اور زیادہ شدید ہو جائے **صَلَّوْا رُكْبَانًا**، تو نماز پڑھ لیں سوار ہونے کی حالت میں ہی **فُرَادَى**، اکیلے اکیلے **يُؤْمُونَ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ**، اشارہ کرتے ہوئے رکوع اور سجدے کا **إِلَى أَيِّ جِهَةٍ شَاؤُوا**، جس رخ پر وہ چاہیں اس رخ پر، کب؟ **إِذَا لَمْ يَقْدِرُوا عَلَى التَّوَجُّهِ إِلَى الْقِبْلَةِ**، جب قبلے کی طرف متوجہ ہونے پر وہ قادر نہ ہوں پھر جس رخ پر بھی چاہیں پڑھ لیں۔ **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: **فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا**، پس اگر تمہیں خوف ہو **فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا** تو پیادہ پا یا سوار ہو کر۔ یعنی جس حالت میں بھی پڑھنا چاہو نماز پڑھ سکتے ہو یعنی پیادہ ہوں یا سوار ہو کر۔ **وَسَقَطَ التَّوَجُّهُ لِلضَّرُورَةِ**، اور قبلے کی طرف متوجہ ہونے کا حکم جو ہے یہ ساقط ہو جائے گا **لِلضَّرُورَةِ** کس وجہ سے؟ ضرورت کی وجہ سے بھائی کیونکہ یہاں مجبوری ہے۔

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ بِجَمَاعَةٍ، اور امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ کس کے ساتھ؟ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے یعنی ہر ایک اپنی اپنی سواری پر سوار ہے اور اسی حالت میں کیا کر لیں گے؟ جماعت کروالیں گے، کیا کر لیں گے؟ جماعت کروالیں گے۔ یہ ایک روایت آئی ہے کس سے؟ امام محمد رحمہ اللہ سے۔ بات چل رہی ہے نا سواری پر نماز کی، ویسے جماعت کی بات نہیں ہو رہی، کس پر ہو رہی ہے؟ سواری پر۔ تو ان سے ایک روایت آئی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ**، یہ روایت صحیح نہیں ہے **لِانْعِدَامِ الِاتِّحَادِ فِي الْمَكَانِ**، اس لیے کیونکہ اتحاد فی المکان معدوم ہے، اتحاد فی المکان جگہ ایک نہیں ہے بھائی، جگہ ایک نہیں ہے حالانکہ جماعت میں کیا ضروری ہے؟ جگہ ایک ہونی چاہیے اور یہ تو اس وقت سواریوں پر ہے، کوئی ایک طرف ہے کوئی دوسری طرف ہے تو لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں ہے بلکہ الگ الگ ہر ایک کیا کریں گے؟ اپنی ہر ایک اپنی نماز پڑھے گا جیسا کہ متن کے اندر آیا بھائی۔ تو یہ معنی ہے **وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ**، اور یہ روایت صحیح نہیں ہے **لِانْعِدَامِ الِاتِّحَادِ فِي الْمَكَانِ**، اس وجہ سے کہ جگہ کے اندر اتحاد جو ہے وہ معدوم ہے، وہ موجود نہیں ہے۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۸۵: بَابُ الْجَنَائِزِ

ہدایہ صفحہ: ۱۸۹ — بتاریخ: ۱۳ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الْجَنَائِزِ

إِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ اعْتِبَارًا بِحَالِ الْوَضْعِ فِي الْقَبْرِ لِأَنَّهُ أَشْرَفُ عَلَيْهِ، وَالْمُخْتَارُ فِي بِلَادِنَا الِاسْتِلْقَاءُ لِأَنَّهُ أَيْسَرُ لِخُرُوجِ الرُّوحِ، وَالْأَوَّلُ هُوَ السُّنَّةُ. [1]

■ بَابُ الْجَنَائِزِ کتاب الصلاۃ ختم ہونے والی ہے اور تمام نما

بَابُ الْجَنَائِزِ کتاب الصلاۃ ختم ہونے والی ہے اور تمام نمازیں بیان ہو گئیں، اب سب سے آخر میں صاحب ہدایہ صلاۃِ جنازہ بیان کریں گے بھئی، نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ بھئی، نمازِ جنازہ۔ تو چونکہ انسان پر انسان کی آخری حالت جو ہے اس دنیا میں وہ موت ہے اس لیے اس نماز کو سب سے آخر میں ذکر کیا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آخر میں تو صاحبِ ہدایہ جو ہے، کہ آخر میں صاحبِ ہدایہ تو **بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ** لے کر آئے ہیں، **بَابُ الْجَنَائِزِ** تو آخر میں نہیں ہے۔ جواب یہ کہ **بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ** کو صاحبِ ہدایہ نے آخر میں تبرکاً ذکر کیا ہے بھئی، آخر میں تبرکاً ذکر کیا ہے بطورِ برکت کے تاکہ کتاب الصلاۃ کا اختتام اس پر ہو جائے بھئی، تاکہ اس پر کتاب الصلاۃ کا اختتام ہو جائے اس لیے آخر میں اس کو ذکر کر دیا۔ وجہ سمجھ میں آئی بھئی کہ اس کو کیوں مؤخر کیا؟ بطورِ برکت کے بھئی تاکہ کتاب الصلاۃ کا اختتام اس پر ہو جائے۔

اور یہ جنائز یاد رکھیے یہ جمع ہے **جَنَازَةٌ** اور **جِنَازَةٌ** کی، ج کے فتحہ کے ساتھ بھی یہ لفظ ہے اور ج کے کسرہ کے ساتھ بھی، **جَنَازَةٌ** بھی اور **جِنَازَةٌ** بھی۔ اور علامہ ابو سعود جنہوں نے قرآن کی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے عظیم تفسیر لکھی، ان کے ادبی نکات میں سے ہے کہ ایک مرتبہ ان سے کسی نے کسی نے ان سے پوچھا کہ **مَا الْفَرْقُ بَيْنَ الْجَنَازَةِ وَالْجِنَازَةِ؟** تو عجیب جواب دیا انہوں نے، فرمانے لگے: **الْعَالِي لِلْعَالِي وَالسَّافِلُ لِلسَّافِلِ۔** اوپر والا اوپر والے کے لیے، نیچے والا نیچے والے کے لیے۔ تو جنازہ دیکھیے اس میں ج پر زبر ہے اوپر ہے، تو یہ اوپر والی چیز یعنی میت کے لیے ہے۔ اور جِنازہ اس میں ج کے نیچے کسرہ ہے تو یہ نیچے والی چیز یعنی وہ چارپائی کے لیے ہے جس پر میت پڑی ہو بھئی۔ تو یہ فرق ہے بھئی۔ جنازہ کس کے لیے ہے؟ میت کے لیے، اور جِنازہ کسے کہتے ہیں؟ وہ چارپائی جس پر میت پڑی ہو۔ لیکن بہر حال یہ دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں بھئی۔ میت ہی کو جنازہ بھی کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح چارپائی کو جنازہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ فرق سمجھ میں آگیا بھئی؟

اور تو یہاں عنوان جو ہے **بَابُ الْجَنَائِزِ** ذکر کیا۔ دراصل اس کے اندر صاحبِ ہدایہ نمازِ جنازہ کو ذکر کریں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے متعلقہ جو چیزیں ہیں وہ بھی ساری ذکر کریں گے اس لیے اس کا نام **بَابُ الْجَنَائِزِ** رکھا بھئی، کہ کسی شخص کی موت کا وقت آئے تو کیا کیا جائے گا، پھر اس کے بعد اس کو غسل کیسے دیا جائے گا، پھر اس کو کفن کیسے دیا جائے گا وغیرہ یہ سب چیزیں ذکر کریں گے، تو اس لیے اس کا عنوان **بَابُ الْجَنَائِزِ** رکھا انہوں نے۔

دیکھیے اب کتاب پر: **بَابُ الْجَنَائِزِ إِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ إِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ** جب کسی آدمی کی موت کا وقت آجائے۔ جب کسی شخص کی موت کا وقت آجائے یعنی کوئی شخص مرنے لگے تو عربی زبان میں کہتے ہیں: **أُحْتُضِرَ الرَّجُلُ**، اس شخص کی موت کا وقت آگیا ہے،

[1] شاملہ (ص ۱۱۱) میں «إِذَا احْتُضِرَ» کے بجائے «إذ االحتضر» درج ہے۔

وہ مرنے لگا ہے۔ تو کہتے ہیں **إِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ** جب کسی آدمی کی موت کا وقت آجائے، **وُجِّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ** تو اس کو متوجہ کر دیا جائے قبلے کی طرف، **عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ** دائیں پہلو پر۔ دائیں پہلو پر لٹا کر اس کا رخ کس طرف کر دیا جائے؟ قبلے کی طرف کر دیا جائے۔ کس وقت؟ جب کسی آدمی کی موت کا وقت آجائے بھئی، اور علماء نے اس کی علامات بیان کی ہیں بھئی۔ کہتے ہیں جس وقت کسی آدمی کا سانس اکھڑ جائے، سانس تیز تیز چلنے لگے اور ناک ٹیڑھی ہو جاتی ہے کچھ انسان کی اور کنپٹیاں اندر کو دھنس جاتی ہیں بھئی، تو اس وقت پھر سمجھ جائیں کہ اس شخص کی موت کا وقت آگیا ہے، اور اس وقت اس کے پاس اونچی آواز سے انسان کلمہ پڑھنا شروع کر دے بھئی، شہادتین پڑھنا شروع کر دے اس کے سامنے۔ لیکن اس کو کہے نہ پڑھنے کا بھئی۔ اونچی آواز سے تو پڑھے انسان یہ شہادتین لیکن اس کو نہ کہے، حکم نہ دے کہ یہ پڑھو یہ پڑھو، اس لیے کیونکہ یہ وقت بڑی سختی کا ہے بھئی، بڑی ہی شدید تکلیف کا وقت ہے یہ، بہت شدید، اتنی تکلیف کہ کہتے ہیں اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

تو کہتے ہیں موت اتنی سخت ہے یہ اسی طرح ہے جیسے ایک خاردار شاخ ہو، کانٹوں والی شاخ ہو اور اس کے اوپر کوئی نرم و نازک باریک سا ریشمی رومال یا کپڑا وغیرہ ڈال دیا جائے، تو اب اس رومال یا کپڑے کو کھینچا جائے گا تو یقیناً وہ تار تار ہو جائے گا، ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، پھٹ جائے گا، تو اسی طرح روح جو ہے بدن کے ایک ایک حصے سے اس کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے بھئی، ایک ایک حصے سے۔ تو بڑی تکلیف کا عالم ہوتا ہے اور اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو مردوں کو زندہ کرتے تھے اللہ کے حکم سے، ایک مرتبہ ایک مردے کو زندہ کیا اور اس سے پوچھا: کس حال میں ہو؟ تو وہ مردہ کہنے لگا کہ میرے انتقال کو تین سو سال گزر چکے ہیں، لیکن موت کے وقت جو تکلیف آئی تھی اسے آج تک میں نہیں بھلا سکا۔ اس کی تلخی اور کڑواہٹ ابھی بھی میں محسوس کرتا ہوں۔ تو اتنا سخت وقت ہوتا ہے، تو لہٰذا اس وقت اس کو حکم نہ دے کہ کلمہ پڑھو یا شہادتین پڑھو، بلکہ اس کے سامنے اونچی آواز سے یہ پڑھتا رہے تو شاید وہ بھی سن کر پڑھ لے بھئی، سن کر پڑھ لے۔

اور جب ایک دفعہ پڑھ لے تو پھر بار بار اس کو تلقین کرنے کی ضرورت نہیں، بس ایک دفعہ پڑھ لیا کافی ہو گیا تاکہ اس کا آخری کلام کیا ہو جائے؟ یہی کلمہ ہو جائے یا یہی شہادتین پر ہو جائے۔ اور ہاں اگر اس کے بعد اس نے پھر کوئی اور کلام کر لیا تو پھر دوبارہ اسی طرح کریں تاکہ اس کا آخری کلام وہ یہ شہادتین ہو جائے۔

یہ بھی یاد رکھیے بھئی کہ اگر اس حالت میں، اس جانکنی کی حالت میں اگر اس کے منہ سے کوئی کفریہ کلمہ نکل آئے تو اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے، اور یہ نہ سوچے کہ یہ شخص کافر ہو گیا ہے بلکہ یہ گمان کرنا چاہیے کہ موت کی بے انتہا شدت کی وجہ سے اس کی عقل ہی ٹھکانے نہیں رہی بھئی، عقل ہی ٹھکانے نہیں رہی۔ اور جب عقل ٹھکانے نہ رہے انسان کی تو پھر اس وقت کے اس کے کسی عمل کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں بھئی، تو نہ اس کی طرف توجہ کرے نہ کسی اور کو بتلائے بھئی، بلکہ بعد میں بھی اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں بھئی، مغفرت کی دعا کرتے رہیں۔

اور نیز اس وقت میں جب کہ اس کی روح نکل رہی ہے، سورۂ یٰسٓ اس کے پاس پڑھی جائے کیونکہ اس سے بھی موت میں آسانی ہو جاتی ہے بھئی۔

جی دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: **إِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ** جب کسی شخص کی موت کا وقت آجائے تو اس کو قبلہ رخ کر دیا جائے، قبلے کی طرف اس کو متوجہ کر دیا جائے، **عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ** دائیں پہلو پر، **اعْتِبَارًا بِحَالِ الْوَضْعِ فِي الْقَبْرِ** قیاس کرتے ہوئے قبر کی حال قبر میں رکھنے کی حالت پر۔ کس پر قیاس کرتے ہوئے؟ قبر میں رکھنے کی حالت پر، یعنی قبر میں انسان کو اسی طرح رکھا جاتا ہے دائیں پہلو پر کہ اس کا رخ قبلے کی طرف ہو تو لہٰذا یہاں پر بھی اس کو دائیں پہلو پر لٹا دیں گے، **لِأَنَّهُ أَشْرَفُ عَلَيْهِ۔ أَشْرَفَ عَلَى الشَّيْءِ** کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کے قریب ہونا بھئی، کیونکہ وہ اس قبر کے قریب ہو گیا ہے تو لہٰذا اسی حالت جس حالت میں قبر میں لٹایا جاتا ہے اسی حالت پر اس کو لٹا دیا جائے۔

بھئی جب موت کا وقت آئے تو مرنے والے کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ کر کے لٹا دینا چاہیے بھئی۔ اور اگر سیدھا لیٹا ہوا ہے تو یہ بھی صحیح ہے کہ پاؤں قبلہ رخ کر دیے جائیں اور سر کے نیچے کوئی اونچا تکیہ وغیرہ رکھ دیا جائے تاکہ چہرہ اس کا قبلے کی جانب ہو جائے، سیدھا لیٹا ہو اور چہرہ کس طرف ہو جائے؟ قبلے کی طرف تو یہ بھی صحیح ہے۔ لیکن اگر اس سے دائیں پہلو پر لٹانے سے یا اس طرح لٹانے سے کہ اس کا سر کے نیچے اونچا تکیہ رکھ دیا جائے چہرہ قبلے کی طرف کر دیا جائے اس میں اگر اس مرنے والے کو تکلیف ہوتی ہے تو پھر اس کو اسی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے بھئی۔

وَالْمُخْتَارُ فِي بِلَادِنَا الِاسْتِلْقَاءُ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں اور مختار جو ہے زیادہ پسندیدہ جو ہے ہمارے شہروں میں یعنی ہمارے علاقے میں **الِاسْتِلْقَاءُ** چت لٹانا ہے بھئی، یعنی کمر کے بل سیدھا لٹانا ہے، تو اس کو اختیار کیا گیا ہے، **لِأَنَّهُ أَيْسَرُ لِخُرُوجِ الرُّوحِ** اس لیے کیونکہ یہ زیادہ آسان ہے روح کے نکلنے کے لیے، یعنی اس میں انسان کی روح آسانی سے نکل جاتی ہے تو سیدھا لٹایا جاتا ہے۔ **وَالْأَوَّلُ هُوَ السُّنَّةُ** اور اول طریقہ جو ہے وہی سنت ہے، یعنی سنت وہی طریقہ ہے کہ کس پہلو پر لٹایا جائے؟ دائیں پہلو پر۔

وَلُقِّنَ الشَّهَادَتَيْنِ اور اس کو شہادتین کی تلقین کی جائے، **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ»** اور اس کو شہادتین کی تلقین کی جائے بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ تم لوگ تلقین کرو اپنے مردوں کو لَا **إِلَهَ إِلَّا** اللہُ کی شہادت کی، لَا **إِلَهَ إِلَّا** اللہُ کی شہادت کی تلقین کرو بھئی۔ تو آپ کہیں گے یہاں پر تو صرف توحید کی جو شہادت ہے اس کی تلقین کا ذکر آرہا ہے حدیث میں بھئی، تو یاد رکھیے شہادتِ رسالت جو ہے وہ اس کے تابع ہے، جب اس کا ذکر آگیا تو طبعاً اس کا بھی ذکر آگیا بھئی اس کا۔ اور نیز اس لیے بھی بھئی، اس لیے کیونکہ صرف توحید یہ تو نجات کے لیے کافی نہیں جب تک حضور علیہ السلام

کی رسالت کا اقرار نہ کیا جائے، تو بہر حال یہاں پر مقصد یہ کہ اس کا آخری کلام یہ بن جائے بھئی آخری کلام، کیونکہ حدیث میں آتا ہے جس کا آخری کلام لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ہوا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی موت کے وقت کلمہ نصیب فرمائے بھئی، آمین۔ تو یہ تلقین کرو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

تو حدیث کے اندر آیا: «لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ» تم اپنے مردوں کو کیا کرو؟ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی شہادت کی تلقین کرو۔ صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: وَالْمُرَادُ الَّذِي قَرُبَ مِنَ الْمَوْتِ مردے سے مراد مردہ نہیں ہے بلکہ وہ شخص مراد ہے جو مرنے کے قریب ہے، تو چونکہ وہ مرنے ہی والا ہے اس لیے پہلے سے ہی اس کو کس لفظ سے تعبیر کر دیا گیا؟ مردے کے لفظ سے، تو مردے سے مردہ نہیں مراد بھئی کیونکہ اس کو تو تلقین کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ الَّذِي قَرُبَ مِنَ الْمَوْتِ تو مراد اس سے وہ شخص ہے جو موت کے قریب ہو، کس سے؟ مَوْتَاكُمْ مَوْتَاكُمْ، اپنے مردوں کو، تو اس مردے سے کیا مراد ہے؟ جو مرنے کے قریب ہو بھئی۔

فَإِذَا مَاتَ شُدَّ لِحْيَاهُ وَغُمِّضَ عَيْنَاهُ جب وہ مر جائے تو شُدَّ لِحْيَاهُ تو اس کے جبڑے باندھ دیے جائیں، وَغُمِّضَ عَيْنَاهُ اور اس کی دونوں آنکھیں بند کر دی جائیں۔ فَإِذَا مَاتَ شُدَّ لِحْيَاهُ جب وہ مر جائے تو اس کے دونوں جبڑے باندھ دیے جائیں بھئی۔ بھئی جبڑے دو ہیں انسان کے ایک اوپر والا حصہ اور ایک نیچے والا جس میں اوپر والے دانت لگے ہیں اور ایک حصہ نیچے والا جس میں نیچے والے دانت ہیں، تو ان کو باندھ دیا جائے بھئی، ان کو باندھ دیا جائے۔ تو وجہ اس کی یہ ہے کہ مرتے وقت ابھی تو جسم نرم ہے لیکن پھر تھوڑا سا وقت گزر جاتا ہے تو اس مرنے والے کا جسم سخت ہو جاتا ہے، اکڑ جاتا ہے، تو یہ نہ ہو اسی حالت میں اس کا منہ کھلا ہوا ہے اور اسی حالت میں اس کا بدن اکڑ جائے تو بڑی بری شکل اس کی دکھائی دے گی، لہٰذا ابھی سے اس کو باندھ دیا جائے تاکہ منہ صحیح حالت پر رہے بھئی، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ٹھوڑی کے نیچے سے ایک پٹی گزار کر سر کے اوپر اس کو گرہ دے دی جائے بھئی سر کے اوپر۔

تو کہتے ہیں فَإِذَا مَاتَ شُدَّ لِحْيَاهُ جب وہ مر جائے تو اس کے دونوں جبڑوں کو باندھ دیا جائے، وَغُمِّضَ عَيْنَاهُ اور اس کی دونوں آنکھوں کو بند کر دیا جائے، دونوں اس کی آنکھیں بھی بھئی دونوں بند کر دی جائیں۔ اور اسی طرح یاد رکھیے اس کے پاؤں کے دونوں انگوٹھوں کو بھی آپس میں باندھ دیا جائے بھئی، پاؤں کے انگوٹھوں کو تاکہ پاؤں سیدھے رہیں اس کے بھئی۔ اور یہ جو شخص پٹی باندھ رہا ہے آنکھیں بند کر رہا ہے وغیرہ اس کو «بِسْمِ اللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ» یہ پڑھتا رہے بھئی، پٹی باندھتے ہوئے اور آنکھیں بند کرتے ہوئے «بِسْمِ اللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ» بھئی۔

تو کہتے ہیں اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں، بِذٰلِكَ جَرَتِ التَّوَارُثُ اسی پر توارث جاری ہے یعنی اسی پر عمل ہوتا چلا آیا ہے آج تک، ثُمَّ فِيهِ تَحْسِينُهُ فَيُسْتَحْسَنُ پھر اس کے اندر اس مردے کو اچھا بنانا ہے تو یہ پسندیدہ ہو گا، اس لیے کیونکہ اگر آنکھیں کھلی رہیں گی منہ کھلا ہوا ہو گا تو پھر تو بڑی خوفناک صورت اس کی بن جائے گی کچھ وقت گزرے گا، لہٰذا اس میں اس کی صورت کو اچھا بنانا ہے لہٰذا ایسا کرنا مستحسن ہو گا بھئی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے کہ پھر جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے پاس کوئی خوشبو وغیرہ سلگا دی جائے بھئی، کوئی اگربتی وغیرہ یہ اس کے پاس جلا دی جائیں اور نیز اس کے پاس کوئی شخص جنابت کی حالت والا اس کے پاس نہ رہے بھئی، اسی طرح حیض و نفاس کی حالت میں جو عورتیں ہیں وہ اس کے پاس نہ رہیں، اور اسی طرح اس کو غسل دینے سے پہلے اس کے پاس قرآن نہیں پڑھنا چاہیے بھئی، ہاں جب میت کو غسل دے دیا جائے پھر اس کے پاس قرآن پڑھ سکتے ہیں۔

▪ فَصْلٌ فِي الْغُسْلِ یہ فصل ہے غسلِ میت کے بیان میں بھئی

فَصْلٌ فِي الْغُسْلِ یہ فصل ہے غسلِ میت کے بیان میں بھئی۔ یاد رکھو مرنے والے کو غسل دینا یہ زندوں پر فرض ہے بھئی۔ مرنے والے کو غسل دینا یہ زندوں پر فرض ہے اور بغیر اس کے نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔ اگر کسی کو غسل دیے بغیر ہی اس پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی تو یہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہے بھئی، لہٰذا غسل دے کر پھر دوبارہ اس پر نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے، اور اگر اس کو اسی طرح دفنا دیا گیا ہے تو اب اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھ دینی چاہیے بشرطیکہ ابھی میت گلی نہ ہو، پھولا پھٹا اس کا جسم نہ ہو تو اس وقت تک اس کی قبر پر پھر نمازِ جنازہ پڑھ دینی چاہیے۔ تو پہلے جب اس کو بغیر غسل کے نمازِ جنازہ پڑھی گئی تھی تو وہ صحیح نہ ہوئی، کیونکہ اس وقت غسل دینا ممکن تھا پھر بھی ویسے ہی پڑھی جا رہی ہے نمازِ جنازہ لہٰذا یہ صحیح نہ ہوئی، اور اب تو چونکہ اس کو قبر میں دفن کر دیا گیا ہے اب تو ممکن نہیں اس کو غسل دینا لہٰذا اب صحیح ہو جائے گی نمازِ جنازہ جب قبر پر پڑھی جائے گی بھئی۔ اور یہ بھی یاد رکھیے کہ مرد کو مرد غسل دے گا اور عورت کو عورت غسل دے گی بھئی۔

تو کہتے ہیں فَصْلٌ فِي الْغُسْلِ یہ فصل ہے غسل یعنی غسلِ میت کے بیان میں: فَإِذَا أَرَادُوا غَسْلَهُ وَضَعُوهُ عَلَى سَرِيرٍ لِيَنْصَبَّ الْمَاءُ عَنْهُ فَإِذَا أَرَادُوا غَسْلَهُ پس جب وہ ارادہ کریں غَسْلَهُ میت کو غسل دینے کا، وَضَعُوهُ عَلَى سَرِيرٍ تو رکھ دیں اس کو عَلَى سَرِيرٍ کسی تختے پر۔ بھئی فَإِذَا أَرَادُوا غَسْلَهُ اس کو غسل پڑھنا بھئی غُسل نہیں پڑھنا۔ اور یہ ضابطہ غالباً میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں، صاحب جوہرہ جنہوں نے قدوری کی شرح لکھی ہے قدیم شرح ہے قدوری کی سینکڑوں برس پرانی، وہ یہ ضابطہ ذکر فرماتے ہیں کہ جب یہ غ، س، ل یہ غَسل مادہ یا غُسل مادہ جو ہے جب اس کی اضافت جب اس کی اضافت غیر مغسول کی

طرف ہو تو غ پر پیش پڑھیں گے، اور جب اس کی اضافت مغسول کی طرف ہو تو غ پر زبر پڑھیں گے یعنی غَسل پڑھیں گے۔ جب اس کی اضافت کس کی طرف ہو؟ غیر مغسول کی طرف تو کیا پڑھیں گے؟ پیش یعنی غُسل پڑھیں گے، اور جب اس کی اضافت مغسول کی طرف ہو تو کیا پڑھیں گے؟ غَسل۔ بھئی دیکھیے، جمعہ کی طرف ذرا اضافت کریں، اضافت کی صورت بیان ہو رہی ہے جب یہ لفظ مضاف واقع ہو اور آگے اس کے مضاف الیہ آئے۔ اب مجھے بتایئے بھئی ایک مقام پر ایک لفظ لکھا ہوا ہے غ، س، ل اور آگے لفظ ہے الجمعۃ، تو اب آپ کیا پڑھیں گے؟ **غَسلِ** جمعہ یا **غُسلِ** جمعہ؟ **غُسلِ** جمعہ پڑھیں گے، اس لیے کیونکہ اس مادے کی اضافت ہو رہی ہے جمعہ کے لفظ کی طرف اور جمعہ تو مغسول نہیں ہے، جمعے کو دھویا جاتا ہے؟ یا یہ غسل کا وقت ہے؟ یہ وقت کا نام ہے، تو لہٰذا یہاں اضافت غیر مغسول چیز کی طرف ہوئی اور اس وقت غ پر پیش پڑھا جاتا ہے۔ اور اگر اضافت مغسول کی طرف ہو تو پھر غ پر زبر پڑھیں گے، جیسے یہاں پر غسل کا لفظ ہے اور آگے المیت ہے میت بھئی، تو کیا پڑھیں گے؟ **غُسلِ** میت یا **غَسلِ** میت؟ **غَسلِ** میت کیونکہ میت مغسول ہے اس کو غسل دیا جائے گا اس کو دھویا جائے گا بھئی، تو یہاں غَسل پڑھیں گے۔ اسی طرح اگر لفظ لکھا ہو غ، س، ل اور آگے لفظ ہو الجنابۃ، تو کیا پڑھیں گے؟ **غَسلِ** جنابت یا **غُسلِ** جنابت؟ **غُسلِ** جنابت بھئی، سمجھ میں آیا؟ کیونکہ جنابت مغسول نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر غسل لکھا ہو اور آگے الثوب کا لفظ ہو تو **غَسلِ** ثوب پڑھیں گے یا **غُسلِ** ثوب پڑھیں گے؟ **غَسلِ** ثوب کیونکہ ثوب مغسول ہے اس کو دھویا جاتا ہے۔ تو ضابطہ کیا ہوا؟ اگر غیر مغسول کی طرف اس لفظ کی اضافت ہو تو غ پر ضمہ پڑھیں گے اور اگر مغسول کی طرف اضافت ہو تو فتحہ پڑھیں گے اس پر غَسل پڑھیں گے بھئی۔ تو یہاں دیکھیے **فَإِذَا أَرَادُوا غَسْلَهُ**، ہا ضمیر میت کو راجع ہے تو میت کی طرف اضافت ہوئی لہٰذا غَسل پڑھیں گے۔

فَإِذَا أَرَادُوا غَسْلَهُ پس جب وہ لوگ ارادہ کریں اس میت کو غسل دینے کا، **وَضَعُوهُ عَلَى سَرِيرٍ** تو رکھ دیں اس کو کسی تختے پر، **لِيَنْصَبَّ الْمَاءُ عَنْهُ** تاکہ پانی اس سے بہہ جائے، **وَجَعَلُوا عَلَى عَوْرَتِهِ خِرْقَةً** اور ڈال دیں اس کی شرمگاہ پر **خِرْقَةً** کوئی کپڑے کا ٹکڑا، **إِقَامَةً لِوَاجِبِ السَّتْرِ** قائم کرنے کے لیے ستر کے واجب کو، وہ ستر جو کہ واجب ہے اس کو قائم کرنے کے لیے تاکہ کیونکہ ستر یعنی پردہ پوشی واجب ہے اس کو قائم کرنے کے لیے اس کی شرمگاہ پر کپڑا ڈال دیا جائے گا بھئی۔ **وَيُكْتَفَى بِسَتْرِ الْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ هُوَ الصَّحِيحُ** اور اکتفا کیا جائے گا عورتِ غلیظہ کے ستر پر، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے، **تَيْسِيرًا** آسانی کے لیے۔

بعض روایات میں آیا کہ جیسے زندہ کا ستر تھا ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک اس سارے حصے پر کیا کر دیا جائے؟ کپڑا ڈال دیا جائے۔ صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلا دیا کہ نہیں، اس سارے ستر کو ڈھانپنا ضروری نہیں ہے بلکہ عورتِ غلیظہ یعنی شرمگاہ کو ڈھانپ دینا صرف کافی ہے بھئی، صرف شرمگاہ کو اس کے ڈھانپ دینا اور اس پر کپڑا ڈال دینا کافی ہے، باقی حصہ جو رانیں ہیں اور گھٹنے ہیں ان کو ڈھانپنا ضروری نہیں ہے بھئی، کیونکہ اگر یہ سارا حصہ ڈھانپا ہوا ہو گا تو پھر غسل دینے میں مشکل ہو گی، تو شرمگاہ کو ڈھانپ دیا جائے یہ کافی ہے اور اس سے غسل دینے میں آسانی ہو گی بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟

غسل کا طریقہ بھئی یاد رکھیے بھئی، مختصراً میں پہلے بیان کر دیتا ہوں آگے پھر صاحبِ ہدایہ ذکر کریں گے بھئی۔ غسل کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو سب سے پہلے جو ہے استنجا کروایا جائے گا بھئی۔ اس کو تختے پر لٹا دیا اور اس کے بعد اس کو استنجا کروایا جائے گا پہلے۔ تو پہلے اس کے پیٹ کو آہستہ سے ملیں، اگر کوئی نجاست وغیرہ نکلے تو اس کو دھو دیا جائے اور اسے استنجا کروا دیا جائے، اور یہ بھی یاد رکھیے استنجا کرواتے ہوئے اس کی شرمگاہ کو ہاتھ نہیں لگانا بلکہ ہاتھ پر کوئی کپڑا وغیرہ چڑھا لیں گے، کپڑے کی تھیلی یا کوئی دستانہ وغیرہ ہو اس کے ساتھ اس کو استنجا کروا دیا جائے گا بھئی، استنجا کروا دیا جائے گا۔ اور اس میں بھی پہلے مٹی کے ڈھیلے سے ہو اور پھر اس کے بعد پانی کے ساتھ بھئی پانی کے ساتھ۔

پھر اس کے بعد اس کو وضو کروایا جائے گا بھئی وضو، تو پھر اس کو وضو کروایا جائے گا اور وضو میں یاد رکھیے صرف وضو کے فرائض پورے کیے جائیں گے۔ یعنی چہرہ اس کا دھلوا دیا جائے گا اور ہاتھ کہنیوں تک دھو دیں گے، سر کا مسح کروا دیں گے اور اس کے پاؤں کو دھو دیا جائے گا بھئی۔ ناک میں پانی نہیں ڈالیں گے اس کے اور اسے کلی بھی نہیں کروائی جائے گی کیونکہ اگر ناک میں پانی ڈالیں گے پھر اس کا نکالنا آسان نہیں، اسی طرح منہ میں پانی ڈال دیا تو پھر نہیں نکال سکتے، لہٰذا ناک میں بھی پانی نہیں ڈالیں گے اور منہ میں بھی پانی نہیں ڈالیں گے۔ ہاں البتہ یہ کر سکتے ہیں کہ کوئی کپڑا یا روئی اس کو گیلا کر کے اسے اسی کے ساتھ اس کے مسوڑھوں وغیرہ پر اور دانتوں پر پھیر دیا جائے اس تر کپڑے وغیرہ کو اور اسی طرح اس کے ناک میں بھی پھیر دیا جائے یہ کرنا جائز ہے بھئی یہ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ اس صورت میں، یہ اس صورت میں جب مرنے والا جنابت کی حالت میں نہ ہو اور اگر علم ہے اس کے یہ جنابت کی حالت میں تھا پھر یہ کرنا واجب ہے بھئی، کہ اس کے منہ میں اور اسی طرح اس کے ناک میں کیا کیا جائے؟ تر کپڑے کو لگایا جائے اچھی طرح، یہ پھر واجب ہے بھئی واجب بھئی، کیونکہ جیسے غسل میں غسلِ جنابت میں کیا تھا؟ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض تھا تو یہاں بھی اسی طرح ضروری ہو گا۔

اور پھر اس کے بعد اس کے سر کو دھویا جائے گا بھئی، اور وہ آگے ذکر کریں گے صاحبِ ہدایہ کہ خطمی کے ساتھ، خطمی اس کے ساتھ اس کے سر کو دھویا جائے گا یہ ایک بوٹی تھی یہ ایک بوٹی ہے جس کے ساتھ کہتے ہیں بال وغیرہ خوب اچھی طرح صاف ہو جاتے ہیں، بال خوب اچھی طرح صاف ہو جاتے ہیں۔ اور اگر صابن وغیرہ سے بھی دھو لیا جائے ٹھیک ہے صابن سے بھی دھو سکتے ہیں سر کو اور داڑھی کے بالوں کو دھو دیا جائے گا۔ اور ہاں یہ بھی یاد رکھیں غسل دینے لگے ہیں تو اس کے منہ میں، ناک میں اور کانوں میں روئی رکھ دیں بھئی تاکہ پانی اندر نہ جائے بھئی پانی اندر نہ جائے۔

اچھا پھر اس کے بعد اس کے سر اور داڑھی کے بالوں کو دھویا جائے گا پھر اس کو بائیں کروٹ پر لٹادیں گے بھئی بائیں کروٹ پر، تاکہ دائیں جانب اوپر آجائے، بائیں کروٹ پر جب لٹائیں گے تو کون سی کروٹ اوپر آجائے گی؟ دائیں کروٹ، دایاں پہلو اوپر آجائے گا اور اب اس کے سارے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائیں گے خوب اچھی طرح تاکہ نیچے تک جو حصہ تختے کے ساتھ ملا ہوا ہے وہاں تک خوب اچھی طرح پانی پہنچ جائے بھئی پانی پہنچ جائے۔ پھر اس کے بعد اسی میت کو اب دائیں پہلو پر اب لٹائیں گے اب بایاں پہلو اوپر آگیا اب اس پر تین مرتبہ اچھی طرح پانی ڈالیں گے یہاں تک کہ پانی جو حصہ نیچے ملا ہوا ہے تختے کے ساتھ وہاں تک اچھی طرح پانی پہنچ جائے بھئی پانی پہنچ جائے۔

پھر اس کے بعد غسل دینے والا اس کو میت کو اپنے ساتھ اس کو بٹھادے گا میت کو اور اپنے ساتھ ٹیک لگوادے گا، اور پھر اس حالت میں آہستہ آہستہ اس کے پیٹ کو ملے نرمی سے اگر کوئی نجاست وغیرہ خارج ہو تو اس کو دھودے، صاف کردے، اور بائیں پہلو پر پھر اس کو لٹادے اور پھر اس کے سارے بدن پر کافور ملا ہوا پانی اچھی طرح ڈالا جائے بھئی، کافور ملا، کافور یہ خوشبودار مادہ ہے ایک خوشبودار درخت سے نکلتا ہے، اس کے پانی کے ساتھ مرنے والے کو غسل دیا جاتا ہے اور اسی طرح اس کے بدن پر بھی لگایا جاتا ہے اس خوشبو کو، تو اس پانی کے ساتھ اس کو غسل دے دیا جائے بھئی۔

پھر اس کے بعد کسی کپڑے وغیرہ کے ساتھ اس کے بدن کو خشک کیا جائے اور اس کو کفن دیا جائے گا اور اس کے سر اور داڑھی پر سر اور داڑھی پر خوشبو لگادی جائے گی، حنوط خوشبو، اسی طرح جو اس کے سجدے کی جگہیں ہیں یعنی جن اعضاء پر وہ سجدہ کرتا تھا، پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے ہیں اور دونوں پاؤں ہیں ان پر کافور لگا دیا جائے گا کافور بھئی، اور پھر اس کے بعد اس کو کفن پہنایا جائے گا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھئی؟

کیا طریقہ ہوا؟ سب سے پہلے اس کو استنجا کروائیں گے، پھر اس کے بعد اس کو وضو کروایا جائے گا اور پھر اس کے بعد بائیں پہلو پر لٹائیں گے تاکہ دایاں پہلو اوپر آجائے کیونکہ ہر اچھے کام کی ابتدا کس طرف سے ہونی چاہیے؟ دائیں طرف سے، تو دائیں پہلو پر تاکہ وہ پہلے اس کو دھویا جائے، تو اس پورے بدن پر تین مرتبہ پانی ڈال دیں گے خوب اچھی طرح دھو دیا، اس کے بعد دائیں پہلو پر لٹادیں گے اور بائیں پہلو پر تین مرتبہ اچھی طرح پانی ڈالیں گے تو یہ دو دفعہ ہو گیا۔ پہلی مرتبہ کس جانب کو دھویا؟ دائیں طرف کو اچھی طرح، اب بائیں جانب کو دھویا دو دفعہ ہو گیا، پھر اس کے بعد اس کو بٹھادیں گے اور اس کے پیٹ کو آہستہ نرمی سے ملیں گے اور کوئی نجاست وغیرہ نکلے اس کو دھو دیا جائے گا، پھر بائیں پہلو پر لٹا کر دائیں پہلو پر کافور ملا ہوا پانی پورے بدن پر اچھی طرح ڈال دیں گے اور پھر اس کے بعد اس کو خشک کر کے اور خوشبو وغیرہ لگا کر پھر کس میں ڈالیں گے؟ پھر اس کو کفن پہنادیں گے بھئی پھر اس کو کفن۔

اچھا بھئی دیکھیے اب کتاب پر بھئی، تو کہتے ہیں: **وَجَعَلُوا عَلَى عَوْرَتِهِ خِرْقَةً** اور ڈال دیں اس کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا، **إِقَامَةً لِوَاجِبِ السَّتْرِ** ستر کے واجب کو قائم کرنے کے لیے تاکہ یعنی تاکہ اس کا ستر چھپا رہے۔ **وَيُكْتَفَى بِسَتْرِ الْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ** اور اکتفا کیا جائے گا عورتِ غلیظہ کے ستر پر، عورتِ غلیظہ یعنی شرمگاہ۔ ایک تو ویسے ستر ہے نا، ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک بھئی، یہ سارا کیا ہے؟ یہ ستر ہے اور یہ سارا عورت ہے، کیا ہے؟ عورت یعنی اس کا چھپانا ضروری ہے، اور عورتِ غلیظہ جو ہے وہ پھر بالخصوص شرمگاہ کو کہتے ہیں، تو یہاں اس ساری جگہ کو ڈھانپنا ضروری نہیں بلکہ صرف کس جگہ کو ڈھانپا جائے؟ شرمگاہ کو۔ **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے **تَيْسِيرًا** کس لیے؟ آسانی کے لیے کہ غسل دینے میں آسانی ہو گی۔

وَنَزَعُوا ثِيَابَهُ اور اس کے کپڑے اتار دیں، **لِيُمْكِنَهُمُ التَّنْظِيفُ** تاکہ ان کے لیے صاف کرنا ان لوگوں کے لیے ممکن ہو جو غسل دینے والے ہیں ان کے لیے صاف ستھرا کرنا ممکن ہو تو اس کے کپڑے اتار دیں گے، یعنی کپڑوں سمیت اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ ہاں البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا تھا بھئی، غسل دیا گیا۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کو وفات کے بعد ان کو غسل دینے کا وقت آیا تو اب صحابہ آپس میں پریشان ہیں کہ کیا کریں، کیا ان کو بھی عام میتوں کی طرح ان کے کپڑے اتار کر ان کو غسل دیا جائے گا یا کپڑوں سمیت ان کو غسل دیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان سب پر نیند طاری فرمادی بھئی، اور وہ سارے ان سب پر یہاں تک کہ ان سب کی ٹھوڑیاں ان کے سینوں کو لگ رہی تھیں سب سو گئے، اور اسی کیفیت کے اندر ایک پکارنے والے نے پکارا، کسی فرشتے نے اونچی آواز سے پکار کر کہا کہ حضور علیہ السلام کو ان کے کپڑوں ہی میں غسل دے دو، اور چنانچہ وہ پھر بیدار ہوئے اور پھر حضور علیہ السلام کو ان کے کپڑوں سمیت ہی حضور علیہ السلام کو غسل دیا گیا بھئی۔ البتہ عام لوگوں کو غسل دیتے ہوئے ان کے کپڑے اتارے جائیں گے، تو کہتے ہیں: **وَنَزَعُوا ثِيَابَهُ لِيُمْكِنَهُمُ التَّنْظِيفُ** اور اس میت کے کپڑے اتار دیں گے تاکہ ممکن ہو ان لوگوں کے لیے اس کو صاف ستھرا کرنا۔

وَوَضَّئُوهُ مِنْ غَيْرِ مَضْمَضَةٍ وَاسْتِنْشَاقٍ وَضْأً کے معنی وضو کروانا، **وَوَضَّئُوهُ** اور اس کو وضو کروائیں گے **مِنْ غَيْرِ مَضْمَضَةٍ وَاسْتِنْشَاقٍ** بغیر کلی کروائے اور ناک میں پانی ڈالے، **لِأَنَّ الْوُضُوءَ سُنَّةُ الِاغْتِسَالِ** اس لیے کیونکہ وضو غسل کی سنت ہے، تو پہلے کیا کروادیں؟ غسل دینے لگے ہیں تو پہلے وضو کروادیں، **غَيْرَ أَنَّ إِخْرَاجَ الْمَاءِ مِنْهُ مُتَعَذِّرٌ فَيُتْرَكَانِ** علاوہ اس کے کہ اس سے پانی کا نکالنا ممکن نہیں ہے **فَيُتْرَكَانِ** تو ان دونوں کو چھوڑ دیا جائے گا یعنی مضمضہ اور استنشاق کو، **ثُمَّ يُفِيضُونَ الْمَاءَ عَلَيْهِ** پھر اس کے اوپر پانی بہائیں گے، پانی ڈالیں گے، **اعْتِبَارًا بِحَالِ الْحَيَاةِ** قیاس کرتے ہوئے زندگی کی حالت پر۔ زندگی میں جیسے کیا طریقہ تھا غسل کا؟ کہ انسان پہلے وضو کرتا ہے اور پھر اس کے بعد اپنے بدن پر پانی ڈالتا ہے تو یہاں بھی اسی طرح ہو گا۔

وَيُجَمَّرُ سَرِيرُهُ وِتْرًا یا یوں پڑھ لیں **وَيُجْمَرُ، يُجْمَرُ** پڑھ لیں یا **يُجَمَّرُ** معنی ایک ہی ہے۔ **اِجْمَار** کہتے ہیں **اِجْمَار**، دھونی دینا بھئی، خوشبودار دھواں پہنچانا، خوشبودار دھواں پہنچانا بھئی خوشبودار دھواں۔ تو **وَيُجْمَرُ سَرِيرُهُ وِتْرًا** اور اس کا جو تخت ہے جس پر اس کو غسل دیا جائے گا اس کو دھونی دی جائے **وِتْرًا** طاق مرتبہ یعنی تین یا پانچ یا سات مرتبہ۔ کوئی خوشبودار چیز سلگا کر اور اس کے تخت کے گرد اچھی طرح چاروں کونوں پر اور پورے تخت کو دھواں پہنچ جائے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ طاق عدد کے ساتھ یعنی طاق عدد کے ساتھ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ کوئی خوشبودار چیز جیسے اگربتی وغیرہ اس طرح کی چیز یا جو بھی ہو تو خوشبودار دھواں تاکہ اس کی بو وغیرہ ختم ہو جائے۔ تو اس کے تخت جو ہے اس کو دھونی دی جائے گی طاق مرتبہ، بھئی اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں: **لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِ الْمَيِّتِ** اس وجہ سے کہ اس کے اندر میت کی تعظیم ہے، اور طاق مرتبہ کیوں دی جائے گی؟ کہتے ہیں: **وَإِنَّمَا يُوتَرُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ»** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وتر ہیں طاق ہیں، **يُحِبُّ الْوِتْرَ** اور طاق سے محبت کرتے ہیں یعنی طاق عدد کو پسند کرتے ہیں۔

وَيُغْلَى الْمَاءُ بِالسِّدْرِ أَوْ بِالْحُرْضِ اور ابالا جائے گا، جوش دیا جائے گا پانی کو **بِالسِّدْرِ** بیری کے ساتھ **أَوْ بِالْحُرْضِ** یا اشنان کے ساتھ۔ بھئی جس پانی کے ساتھ میت کو غسل دینا ہے اس پانی کو بیری کے پتے ڈال کر ابالا جائے گا اس کو جوش دیا جائے گا، بیری کے، اس وجہ سے کہ یہ جو پانی جس میں بیری کے پتے ڈال کر ابالے گئے ہوں اس سے صفائی اچھی طرح حاصل ہوتی ہے، یہ میل کچیل کو خوب اچھی طرح صاف کرتا ہے تو اس لیے ایسا کیا جائے گا۔ اور نیز اس لیے بھی کہتے ہیں کہ اس سے جو میت ہے اس کو بھی فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے لاش جو ہے وہ جلدی خراب نہیں ہوتی تو۔

أَوْ بِالْحُرْضِ یا اشنان کے ساتھ، بیری کے پتوں کے ساتھ اس پانی کو ابالا جائے یا کس کے ساتھ؟ اشنان، اشنان یہ بھی ایک بوٹی ہے اور اسے صابن کی طرح استعمال کیا جاتا اور اس سے صابن کی طرح صفائی حاصل ہوتی ہے، تو ان دو چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ پانی کو ابالا جائے، **مُبَالَغَةً فِي التَّنْظِيفِ** صفائی میں مبالغہ کرنے کے لیے یعنی تاکہ خوب اچھی طرح میت پھر اس سے صاف ہو جائے، **فَإِنْ لَمْ يَكُنْ** اگر یہ نہ ہوں، **فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ**، قراح ق پر فتحہ ہے، **فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ** تو خالص پانی کے ساتھ، کس کے ساتھ غسل دے دیا جائے؟ خالص پانی، یہ جو عام پانی ہوتا ہے، **لِحُصُولِ أَصْلِ الْمَقْصُودِ** اصل مقصود کے حاصل ہو جانے سے، کیونکہ عام خالص پانی جو ہے اس سے بھی اصل مقصود حاصل ہو جائے گا اور اصل مقصود کیا ہے؟ مرنے والے کو غسل دینا ہے اور وہ اس سے حاصل ہو جائے گا۔

وَيُغْسَلُ رَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ بِالْخِطْمِيِّ اور دھویا جائے گا اس کے سر کو اور اس کی داڑھی کو **بِالْخِطْمِيِّ** خطمی کے ساتھ بھئی، یہ بھی ایک بوٹی کا نام ہے خطمی اور اس سے بال وغیرہ خوب اچھی طرح صاف ہو جاتے ہیں، اور میں نے بتایا اگر یہ نہ ہو صابن وغیرہ سے دھو دیں یہ بھی ٹھیک ہے بھئی، تو کہتے ہیں دھویا جائے گا اس کے سر کو اور اس کی داڑھی کو خطمی کے ساتھ، **لِيَكُونَ أَنْظَفَ لَهُ** تاکہ یہ اس کے لیے خوب صاف کرنے والا ہو یعنی خوب صفائی اسے حاصل ہو جائے، **ثُمَّ يُضْجَعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ** پھر اس کو لٹایا جائے اس کے بائیں پہلو پر۔ کس پہلو پر؟ کیونکہ پہلے کس حصے کو دھونا ہے؟ دائیں پہلو کو، اور دائیں پہلو کو تبھی دھو سکتے ہیں جب لٹائیں بائیں پہلو پر تو دایاں پہلو اوپر آ جائے گا۔ تو کہتے ہیں: **ثُمَّ يُضْجَعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ** پھر اس کو لٹایا جائے اس کے بائیں پہلو پر، **فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ** پھر اس کو دھویا جائے گا پانی اور اس بیری کے ساتھ، **حَتَّى يُرَى أَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ إِلَى مَا يَلِي التَّخْتَ مِنْهُ** یہاں تک کہ دکھائی دے کہ پانی جو ہے وہ تحقیق پہنچ گیا ہے **إِلَى** مَا اس حصے کو **يَلِي** جو ملا ہوا ہے **التَّخْتَ** کس کے ساتھ؟ تخت کے ساتھ، **مِنْهُ أَيْ مِنَ الْمَيِّتِ** کس میں سے؟ میت، یعنی میت کا وہ حصہ جو تخت کے ساتھ ملا ہوا ہے اس تک پانی پہنچ جائے بھئی، تو اتنا پانی خوب اچھی طرح اس پر ڈالیں، **ثُمَّ يُضْجَعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ** پھر اس کو لٹایا جائے گا اس کے دائیں پہلو پر، **فَيُغْسَلُ** تو پھر اس کو دھویا جائے گا، **حَتَّى يُرَى** یہاں تک کہ دکھائی دے، **أَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ إِلَى مَا يَلِي التَّخْتَ مِنْهُ** کہ پانی جو ہے وہ تحقیق پہنچ چکا ہے اس حصے کو جو تخت کے ساتھ ملا ہوا ہے اس میت میں سے، **لِأَنَّ السُّنَّةَ هُوَ الْبِدَايَةُ بِالْمَيَامِنِ** وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ یہ آپ نے کیوں کہا کہ پہلے بائیں پہلو پر لٹا کر دائیں پر پانی ڈالیں اور پھر دائیں پہلو پر لٹا کر بائیں پہلو پر پانی ڈالیں؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ السُّنَّةَ هُوَ الْبِدَايَةُ بِالْمَيَامِنِ** اس لیے کیونکہ سنت جو ہے وہ ابتدا کرنا ہے دائیں طرف سے بھئی، ہر اچھے کام کی ابتدا کس طرف سے ہونی چاہیے؟ دائیں طرف سے، اس لیے یہ طریقہ بتلایا گیا۔

ثُمَّ يُجْلِسُهُ پھر اس کو بٹھا دے وہ غسل دینے والا اس میت کو بٹھا دے، **وَيُسْنِدُهُ إِلَيْهِ** اور اس کی اپنے ساتھ ٹیک لگوا دے، کیونکہ ٹیک نہیں لگوائے گا پھر تو میت پھر گر جائے گی لہٰذا اسے اپنے ساتھ ٹیک لگوا دے، **وَيَمْسَحُ بَطْنَهُ مَسْحًا رَفِيقًا** اور ملے اس کے پیٹ کو **مَسْحًا رَفِيقًا** نرمی کے ساتھ۔ بھئی یاد رکھیے یہ جو لفظ ہے نا **رَفِيقًا** تو بعض نسخوں کے اندر یہ اسی طرح **رَفِيقًا** ہے ف کے ساتھ اور بہت سے نسخوں میں **رَقِيقًا** ہے، دونوں جگہ ق ہیں بھئی ق، اور معنی دونوں میں ٹھیک بنتا ہے، **رَفِيقًا** کہیں یا **رَقِيقًا** مراد کیا ہے کہ کس طرح پیٹ کو ملا جائے؟ نرمی کے ساتھ، یہ معنی ہے **وَيَمْسَحُ بَطْنَهُ مَسْحًا رَفِيقًا** اور ملے اس کے پیٹ کو نرمی سے۔ بھئی یہ کیوں؟ **تَحَرُّزًا عَنْ تَلْوِيثِ الْكَفَنِ** کفن کے آلودہ ہونے سے بچنے کے لیے، کفن کے آلودہ ہونے سے، بھئی اس لیے اس کے پیٹ کو ملا جائے گا تاکہ اگر کوئی نجاست وغیرہ ہو وہ اس کے بدن سے نکل جائے کہیں ایسا نہ ہو بعد میں کفن کیا ہو جائے؟ آلودہ ہو جائے، گندا ہو جائے، تو **تَحَرُّزًا عَنْ تَلْوِيثِ الْكَفَنِ** بچنے کے لیے کفن کے آلودہ ہونے سے۔

فَإِنْ خَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَهُ پس اگر اس میت سے کوئی چیز نکلے یعنی پیٹ کو آہستہ آہستہ ملا اگر اس سے کوئی چیز پاخانہ وغیرہ نکلا **غَسَلَهُ** تو اس کو دھو دے، **وَلَا يُعِيدُ غُسْلَهُ وَلَا وُضُوءَهُ** اور اس کے غسل اور وضو دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ پیٹ کو آہستہ ملا بھئی اس سے نجاست نکلی تو اب اس کے بعد دوبارہ وضو

کروانے اور پھر غسل کو لوٹانے کی ضرورت نہیں، بھئی کیوں نہیں ضرورت؟ نجاست بدن سے خارج ہوئی ہے تو دوبارہ وضو ہونا چاہیے، دوبارہ غسل ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں بھئی: **لِأَنَّ الْغُسْلَ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ** اس لیے کیونکہ غسل جو ہے اس کو ہم نے نص سے جانا ہے، حدیث سے ہمیں پتہ چلا کہ میت کو کیا کرنا چاہیے؟ غسل دینا چاہیے، ورنہ تو مردہ ان چیزوں سے بے نیاز ہو چکا ہے اس کو وضو اور غسل کی کوئی حاجت نہیں ہے، اس کو وضو اور غسل کی حاجت نہیں ہے البتہ چونکہ شریعت نے ہمیں بتلایا ہے نص میں سے ہمیں پتہ چلا کہ مرنے والے کو غسل دینا زندوں پر فرض ہے اور وہ فرض ہم ایک مرتبہ ادا کر چکے ایک دفعہ غسل اس کو دے دیا گیا ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟ **لِأَنَّ الْغُسْلَ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَقَدْ حَصَلَ مَرَّةً** اس لیے کیونکہ یہ غسل جو ہے اس کو ہم نے نص سے یعنی حدیث سے جانا ہے **وَقَدْ حَصَلَ مَرَّةً** اور تحقیق یہ ایک مرتبہ حاصل ہو چکا ہے۔

ثُمَّ يَنْشُفُهُ بِثَوْبٍ پھر اس کو خشک کر دے، **نَشَفَ يَنْشُفُ** کے معنی خشک کرنا، پونچھ دینا، **ثُمَّ يَنْشُفُهُ بِثَوْبٍ** پھر اس میت کو کسی کپڑے سے پونچھ ڈالے، اس کو خشک کر دے، **كَيْ لَا تَبْتَلَّ أَكْفَانُهُ** تاکہ کہیں اس کے کفن گیلے نہ ہو جائیں، **وَيَجْعَلُهُ أَيِ الْمَيِّتَ فِي أَكْفَانِهِ** اور پھر ڈال دے اس مرنے والے کو **فِي أَكْفَانِهِ** اس کے کفنوں میں یعنی اس کے کفن پھر اس کو پہنا دے۔

وَيَجْعَلُ الْحَنُوطَ عَلَى رَأْسِهِ اور ڈال دے **حَنُوط**، حنوط خوشبو بھئی یہ خوشبو کا نام ہے کوئی بھی خوشبو استعمال کر سکتے ہیں، **وَيَجْعَلُ الْحَنُوطَ عَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ** اور حنوط خوشبو جو ہے اس کے سر اور داڑھی پر لگا دی جائے، **وَالْكَافُورَ عَلَى مَسَاجِدِهِ** اور کافور خوشبو لگا دی جائے **عَلَى مَسَاجِدِهِ** اس کے اس کے سجدوں کی جگہوں، مساجد جمع ہے مسجد کی سجدے کی جگہ بھئی جو ہے، تو اس کے سجدوں کی جگہ سجدے کے اعضاء پر کافور لگا دیا جائے، **لِأَنَّ التَّطَيُّبَ سُنَّةٌ** اس لیے کیونکہ خوشبو لگانا یہ سنت ہے، **وَالْمَسَاجِدُ أَوْلَى بِزِيَادَةِ الْكَرَامَةِ** اور سجدے کے اعضاء جو ہیں وہ زیادہ لائق ہیں کرامت کے یعنی وہ زیادہ احترام کے لائق ہیں تو ان پر خوشبو لگا دی جائے یہ کافور بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ میں نے بتلایا کہ یہ کافور ایک خوشبو دار درخت ہے اور اس سے اسی سے ایک مادہ حاصل ہوتا ہے شفاف سا وہ خوشبو دار مادہ کافور کہلاتا ہے۔

وَلَا يُسَرَّحُ شَعْرُ الْمَيِّتِ وَلَا لِحْيَتُهُ اور کنگھی نہیں کی جائے گی مرنے والے کے بالوں میں اور اس کی داڑھی میں، **وَلَا يُقَصُّ ظُفْرُهُ وَلَا شَعْرُهُ** اور کاٹے نہیں جائیں گے اس کے ناخن اور نہ اس کے بال، **لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا: «عَلَامَ تَنْصُونَ مَيِّتَكُمْ؟»** بوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کے، آپ فرماتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: **«عَلَامَ تَنْصُونَ مَيِّتَكُمْ؟»** کس وجہ سے تم اپنے مردے کے پیشانی کے بال کھینچتے ہو؟ تم اپنے مرنے والے کے پیشانی کے بال کیوں کھینچ رہے ہو؟ بھئی یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ ایک عورت جو ہے جو ایک عورت جس کا انتقال ہو چکا ہے بعض عورتیں کیا کر رہی ہیں اس کے بال کنگھی کر رہی ہیں، تو حضرت عائشہ فرمانے لگیں کہ تم کیوں اپنے مردے کی پیشانی کے بال کھینچ رہے ہو؟ یعنی اس کو کس کے ساتھ تعبیر فرمایا کنگھی کرنے کے؟ کنگھی کرنے کو کس سے تعبیر فرمایا؟ پیشانی کے بال کھینچنے کے ساتھ تعبیر فرمایا بھئی، یعنی ناپسند فرمایا اس کو۔ تو **نَصَا يَنْصُو** کے معنی ہوتے ہیں یہ پیشانی کے جو آگے کے بال ہیں اسے پکڑ کر کھینچنا بھئی۔ اور **عَلَامَ** یہ **عَلَى** جارہ ہے بھئی **عَلَى عَلَى**، یا کے ساتھ لکھتے ہیں نایا کی صورت میں اسی کے ساتھ م آیا تو الف کے ساتھ لکھ دیا گیا، اور یہ مَا جو ہے نا نا، مَا استفہامیہ ہے بھئی اور اس پر حرفِ جر جب داخل ہو جائے تو اس کا الف گر جاتا ہے آپ نے پڑھا ہے جیسے قرآن میں بھی ہے: **عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ**، اصل میں کیا تھا؟ **عَنْ مَا يَتَسَاءَلُونَ**، تو وہ الف جیسے وہاں گر گیا یہاں پر بھی الف گر گیا۔ تو حضرت عائشہ فرمانے لگیں: **عَلَامَ تَنْصُونَ مَيِّتَكُمْ** کس وجہ سے تم اپنے میت کے پیشانی کے بال کھینچ رہے ہو؟

وَلِأَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ لِلزِّينَةِ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ، ایک تو یہ نقلی دلیل آگئی کہ دا کنگھی وغیرہ نہیں کرنی چاہیے، **وَلِأَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ لِلزِّينَةِ** اور نیز اس لیے کیونکہ یہ چیزیں زینت کے لیے ہیں، یہ بالوں کا اور داڑھی کا کنگھی کرنا اور ناخنوں اور بالوں کا کاٹنا یہ زینت کے لیے ہیں، **وَقَدِ اسْتَغْنَى الْمَيِّتُ عَنْهَا** اور مرنے والا ان سے بے نیاز ہو چکا ہے، **وَفِي الْحَيِّ كَانَ تَنْظِيفًا لِاجْتِمَاعِ الْوَسَخِ تَحْتَهُ** اور زندہ کے اندر یہ جو بالوں کا کنگھی کرنا اور ناخنوں اور بالوں کا کاٹنا وغیرہ ان میں سے ہر ایک جو ہے زندہ کے اندر **كَانَ تَنْظِيفًا** یہ کس لیے تھا؟ **كَانَ تَنْظِيفًا** صفائی کے لیے تھا، **لِاجْتِمَاعِ الْوَسَخِ تَحْتَهُ** اس وجہ سے کہ ان کے نیچے میل جمع ہو جاتا ہے۔ بھئی زندہ شخص جو ہے وہ اپنے ناخن بھی کاٹتا ہے اور بال بھی کاٹتا ہے اس وجہ سے کہ ان کے نیچے کیا جمع ہو جاتا ہے؟ میل جمع ہو جاتا ہے تو اس وجہ سے وہ ان کو وقتاً فوقتاً کاٹتا رہتا ہے، مرنے والے کے جو ہے وہ اس کے ناخن اور بال نہیں کاٹے جائیں گے تو کہتے ہیں: **وَفِي الْحَيِّ كَانَ تَنْظِيفًا لِاجْتِمَاعِ الْوَسَخِ تَحْتَهُ** تو زندہ کے اندر یہ صاف کرنے کے لیے ہے اس وجہ سے کہ ان کے نیچے میل جمع ہو جاتا ہے، **وَصَارَ كَالْخِتَانِ** اور یہ ہو گئے ختنے کے مقام کی طرح، یہ کس کی طرح ہو گئے؟ ختنے کے مقام کی طرح ہو گئے، اور ختنہ تو بالاتفاق مرنے والے کا اگر ختنہ نہیں ہوا تو بعد میں اس کا ختنہ مرنے کے بعد پھر اس کا ختنہ نہیں کیا جاتا، تو یہ بال اور ناخن بھی کس کی طرح ہو گئے؟ اسی ختنے کے مقام کی طرح، اور ختنہ تو بالاتفاق مرنے کے بعد نہیں کیا جاتا لہٰذا جب یہ اس کی طرح ہو گئے بال اور ناخن تو یہ بھی مرنے کے بعد نہیں کاٹے جائیں گے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو زندہ میں اس کو صفائی وغیرہ ان کے نیچے میل جم جاتا ہے اس لیے وہ کاٹتا ہے ان کو، لیکن مردہ ان چیزوں سے بے نیاز ہو چکا اور اب اسے زیب و زینت کی ان چیزوں کی حاجت نہیں بھئی۔

تو میں نے بتلایا آپ کو کہ زندوں پر فرض ہے کہ مرنے والے کو غسل دیں بھئی غسل دیں، اور یاد رکھیے یہ جو تفصیل بیان ہوئی یہ غسل کا مسنون طریقہ ہے مسنون طریقہ، اور اگر کوئی اس طریقے پر عمل نہیں کرتا صرف میت پر پانی خوب اچھی طرح بہا دیتا ہے تو بھی یاد رکھیے فرض ادا ہو جائے گا۔ اگرچہ صحیح طریقہ یہی ہے مسنون طریقے کے مطابق اس کو غسل دیا جائے لیکن اگر کوئی کیا کر لیتا ہے؟ اچھی طرح اس پر پانی پورے بدن پر ڈال دیتا ہے تو غسل کا فرض ادا ہو جائے گا بھئی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے بھئی علماء فرماتے ہیں کہ اگر مرنے والے کو غسل دیتے ہوئے اگر آپ کوئی بری علامت دیکھتے ہیں مثلاً اس کا چہرہ بگڑ گیا ہے، خوفناک صورت بن گئی یا پورا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے وغیرہ کوئی بری علامت دیکھیں تو اس کا چرچا نہیں کرنا چاہیے، کسی کو نہیں بتانا چاہیے بھئی کسی کو بھی نہیں بتانا چاہیے۔ ہاں اگر وہ کوئی اعلانیہ گناہ کرنے والا شخص تھا مثلاً کوئی عورت ہے گانا گانے والی ہے یا ناچنے والی ہے یا طوائف ہے یا اسی طرح کوئی شخص ہے جو اعلانیہ گناہ کرنے والا ہے پھر لوگوں کو بتانا چاہیے تاکہ لوگ جو ہیں ان کاموں سے اجتناب کریں بچیں بھئی۔ ویسے عام حالات میں کوئی بری علامت دیکھے کسی کو بتانا نہیں چاہیے بھئی بتانا نہیں چاہیے۔ اور اگر کوئی اچھی علامت دیکھے مثلاً چہرے پر نورانیت ہے یا چہرے پر مسکراہٹ ہے وغیرہ اس طرح کی کوئی اچھی علامت دیکھے تو وہ پھر مستحب ہے دوسروں کو بتانی چاہیے بھئی مستحب ہے۔

اچھا بھئی میں نے جو آپ کو غسل کی ترتیب بتلائی کہ سب سے پہلے کیا کیا جائے؟ اس کے دائیں پہلو پر تین دفعہ پانی ڈالا جائے گا میت کے، اور پھر اس کے بعد اس کے بائیں پہلو پر تین دفعہ پانی ڈالا جائے گا، اور پھر اس کے بعد اس کے پیٹ کو ملا جائے گا اور کوئی نجاست وغیرہ نکلے اس کو صاف کر دیا جائے گا، اور پھر اس کے بعد اس کے دائیں پہلو پر کافور ملا پانی تین دفعہ ڈال دیا جائے گا۔ جبکہ صاحب ہدایہ نے جو ہے صرف دو مرتبہ پانی ڈالنے کی پانی ڈالنے کے بارے میں بتلایا کہ ایک مرتبہ اس کے دائیں پہلو پر پانی ڈال دیا جائے اور پھر بائیں پہلو پر پانی ڈال دیا جائے۔ تو یاد رکھیے فقہاء نے یہ دونوں طریقے لکھے ہیں بھئی، بعض فقہاء نے وہ طریقہ بیان کیا جو صاحبِ ہدایہ ذکر فرما رہے ہیں اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ پانی تین مرتبہ ڈالا جائے گا، تین مرتبہ ڈالنا مسنون ہے تین مرتبہ بھئی، اور وہ اسی صورت میں ہے جو میں نے بیان کی کہ پہلے دائیں پہلو پر تین دفعہ پانی ڈالیں، پھر بائیں پہلو پر تین دفعہ پانی ڈالیں اور آخر میں پھر دائیں پہلو پر تین مرتبہ کافور ملا ہوا پانی ڈالا جائے بھئی۔ ترتیب سمجھ میں آ گئی بھئی؟ اور علماء نے اس طریقے کو ترجیح دی ہے بھئی کہ کم از کم تین دفعہ تاکہ پانی ہو جائے مسنون یہ ہے تین دفعہ ہونا چاہیے۔ تو بہر حال جس طریقے کو بھی اختیار کیا جائے کبار فقہاء نے دونوں طریقے بیان کیے ہیں بھئی۔

تو یاد رکھیں خوشبو مرد ہے تو اس کے سر اور داڑھی دونوں پر وہ حنوط خوشبو جو ہے وہ لگائی جائے گی بھئی، عورت ہے تو صرف اس کے سر پر خوشبو لگا دی جائے گی بھئی۔ اور اسی طرح اس کے سجدوں کی جو جگہیں ہیں وہاں پر کافور لگا دیا جائے گا بھئی کافور خوشبو۔

غسل دینا یہ زندوں کے ذمے فرض ہے۔ لہٰذا اگر کسی کی میت دریا سے ملتی ہے، دریا سے ملتی ہے تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اب اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ دریا میں اگر اس کو اس کے سارے بدن پر پانی لگا ہے اس میں ان زندہ لوگوں کا ان لوگوں کا کوئی عمل دخل ہے؟ نہیں، تو اس کو غسل دینا فرض ہے لہٰذا اس کو پھر غسل دیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ جو دریا سے یا سمندر سے اس کی میت نکال رہے ہیں وہ اس میت کو نکالتے ہوئے پکڑ کر ایک دفعہ پانی میں حرکت بھی دے دیں اس نیت سے غسل کی نیت سے، پھر فرض ادا ہو جائے گا ویسے فرض ادا نہیں ہو گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ چلیے بس بھئی **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۸۶: فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ

ہدایہ صفحہ: ۱۹۰ — بتاریخ: ۱۳ مارچ ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ اَلسُّنَّةُ أَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ: إِزَارٌ، وَقَمِيصٌ، وَلِفَافَةٌ؛ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ، وَلِأَنَّهُ أَكْثَرُ مَا يَلْبَسُهُ عَادَةً فِي حَيَاتِهِ، فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ. فَإِنِ اقْتَصَرُوا عَلَى ثَوْبَيْنِ جَازَ، وَالثَّوْبَانِ: إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ. [1]

فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ

فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ۔ یہ فصل ہے میت کو کفن دینے کے بیان میں، میت کو کفن پہنانے کے بیان میں۔

بھئی غسل کا طریقہ بیان ہو گیا، اب کفن کس طرح دیا جائے گا اور کفن کتنے کپڑوں پر مشتمل ہو گا، وہ اب صاحبِ ہدایہ بیان کریں گے۔ تو کہتے ہیں: **اَلسُّنَّةُ أَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ**۔ سنت یہ ہے کہ مرد کو کفن دیا جائے تین کپڑوں میں، اور وہ تین کپڑے کون سے ہیں وہ آگے بیان کر رہے ہیں: **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ**۔ ایک ازار ہے، ایک قمیص ہے اور ایک لفافہ ہے بھئی۔

تو یہاں یہ جہاں اس طرح کا لف و نشر آئے بھئی، تو وہاں بھئی دیکھیے یہاں پر لف و نشر ہے۔ لف و نشر علمِ بلاغت میں آپ پڑھ چکے ہوں گے یا آگے چل کر پڑھیں گے کہ کچھ چیزیں جو ہیں ان کو **اوّلاً** اکٹھا ذکر کر دیا جائے۔ جیسے یہاں آیا کہ کفن دیا جائے مرد کو تین کپڑوں میں، تین کپڑوں میں۔ تو دیکھو وہ تینوں کو عدد کے ساتھ اکٹھا ذکر کر دیا۔ لف کا معنی ہوتا ہے لپیٹنا، لپیٹنا۔ تو دیکھو یہاں تین چیزوں کو لپیٹ دیا گیا اس لفظ میں: **ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** میں۔ اور پھر آگے انہی کو کھول کر بھی بیان کر دیا کہ وہ تین کپڑے کیا ہیں؟ ازار ہے، قمیص ہے اور لفافہ۔ تو یہ **ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** یہ کیا ہے؟ لف، اور ازار، قمیص اور لفافہ یہ کیا ہے؟ نشر۔ اسی کو کھول کر بیان کر دیا کہ وہ تین کپڑے یہ والے ہیں بھئی۔

تو جہاں اس طرح کا لف و نشر آئے، ماقبل میں عدد وغیرہ کے ساتھ کوئی چیز اکٹھی ذکر ہو اور پھر آگے ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ کھول کر بیان کر دیا جائے، تو نشر کے اندر تین طرح اعراب پڑھنا جائز ہیں۔ لہٰذا یہ جو ازار، قمیص اور لفافہ آیا یہ ہے نشر۔ اس کے اندر تینوں اعراب جائز ہیں۔ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں، نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، جر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ**، دیکھو رفع پڑھا۔ **إِزَارًا وَقَمِيصًا وَلِفَافَةً**، دیکھو نصب پڑھا۔ اور **إِزَارٍ وَقَمِيصٍ وَلِفَافَةٍ**، یہاں جر پڑھا۔

تو تین اعراب، لیکن اس میں تین اعراب تب جائز ہوں گے جب ماقبل والا لفظ یعنی جو لف جو ہے وہ مجرور ہو۔ بھئی دیکھیے وجہ سمجھ لیجیے پھر آپ کو پتہ لگ جائے گا کہ کہاں کتنی قسم پر اعراب جائز ہو گا۔

إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ، جب رفع پڑھا رفع پڑھا تو دراصل یہ خبر ہے مبتدا کی، مبتدا کی۔ اور مبتدا چاہے تینوں کے لیے ایک ہی نکال لیں: **وَهِيَ إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ**۔ تو **هِيَ** مبتدا ضمیر راجع ہے **ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** کو، اور **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ** یہ خبر ہے اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے تو اس پر رفع پڑھیں گے۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۱۴): «وآله»۔ • ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۱۴): «وآله»۔

اور آپ چاہیں تو اس پر نصب پڑھیں، اس صورت میں یہ **أَعْنِي** فعل کے لیے مفعول واقع ہوں گے۔ **أَعْنِي**، میری مراد کیا ہے؟ **إِزَارًا وَقَمِيصًا** کہ مرد کو کفن دیا جائے گا تین کپڑوں میں، **أَعْنِي إِزَارًا وَقَمِيصًا وَلِفَافَةً**۔ تو یہ مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہوں گے اور کس فعل کے لیے؟ **أَعْنِي**، اور اس کا کیا ترجمہ ہے؟ میری مراد یہ ہے۔

اور چاہیں تو اس پر جر پڑھیں بھئی، اور اس جر کی صورت میں یہ بدل ہے **ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** سے، اور آپ نے پڑھا ہے مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو **ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** یہ ہے مجرور کیونکہ اس پر **فِي** داخل ہے، تو آگے جو بدل ہے **إِزَارٍ وَقَمِيصٍ وَلِفَافَةٍ** اس پر بھی کیا پڑھیں گے؟ جر پڑھ سکتے ہیں۔ تو یہاں تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں بھئی۔

لیکن یہاں اس کتاب کے اندر دو ہی اعراب پڑھ سکتے ہیں آپ بھئی۔ یا رفع پڑھیں: **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ**، یا اس پر جر پڑھیں: **إِزَارٍ وَقَمِيصٍ وَلِفَافَةٍ**۔ نصب نہیں پڑھ سکتے، اس لیے کیونکہ رسم الخط اس کی تائید نہیں کرتا۔ رسم الخط، کیونکہ اگر نصب پڑھتے تو پھر کیا ہوتا؟ **إِزَارًا**، را کے بعد کیا آتا؟ الف۔ **وَقَمِيصًا** اور صاد کے بعد کیا ہوتا؟ وہاں بھی الف ہوتا بھئی۔ ہاں اگر ان پر الف لام ہوتا تو پھر تینوں اعراب جائز ہوتے۔ تو یہاں کتنی صورتیں پڑھنا جائز ہیں؟ دو صورتیں، ایک رفع اور ایک جر بھئی۔ ترکیبیں سمجھ میں آگئیں؟ اس کے مطابق جہاں بھی اس طرح کا لف ونشر آئے، آپ طے کر سکتے ہیں کہ کتنے اعراب پڑھ سکتے ہیں۔ اگر ما قبل مجرور ہے تو جر والا اعراب بھی جائز ہوگا، اگر ما قبل یعنی مبدل منہ مجرور نہیں ہے تو پھر جر پڑھنا جائز نہیں۔

اچھا ہاں، ایک تو صورت میں نے یہ بیان کر دی کہ ایک ہی مبتدا تینوں کے لیے نکال لیں، **هِيَ** اور **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ** اس کو کیا بنا دیں؟ اس **هِيَ** کے لیے خبر۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ الگ مبتدا نکال لیں، پیچھے آیا نا تین کپڑے ہیں تو آگے: **أَحَدُهَا إِزَارٌ، وَثَانِيهَا قَمِيصٌ، وَثَالِثُهَا لِفَافَةٌ**۔ تو ہر ایک کے لیے الگ الگ بھی مبتدا نکال سکتے ہیں۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

تو سنت یہ ہے کہ کفن دیا جائے مرد کو **فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** تین کپڑوں میں: **إِزَارٍ وَقَمِيصٍ وَلِفَافَةٍ**، ازار، قمیص اور لفافہ۔

دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ تین کپڑے کیوں مسنون ہیں؟ کہتے ہیں: **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ**، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دیا گیا تین سفید سحولی کپڑوں میں۔ حضور علیہ السلام کو کفن دیا گیا تین سفید سحولی کپڑوں میں۔ سحول جو ہے سحول کوئی جگہ ہے یمن کے اندر، وہاں کا کوئی کپڑا ہوگا تو اسی نام سے مشہور ہوگا، تو وہ کپڑا مراد ہے۔ تو حضور علیہ السلام کو تین سفید سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

یہ تو تھی نقلی دلیل۔ آگے صاحب ہدایہ عقلی دلیل بھی ذکر فرما رہے ہیں کہ تین کپڑوں میں کفن کیوں ہوگا؟ کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ أَكْثَرُ مَا يَلْبَسُهُ عَادَةً فِي حَيَاتِهِ، فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ**، اس لیے کیونکہ یہ اکثر ہے ان کپڑوں کا جن کو وہ پہنتا تھا عادتاً اپنی زندگی میں، **فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ** تو اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی ہوگا۔ زندگی میں بھی عموماً اکثر آدمی کتنے کپڑے پہنتا ہے؟ تین ہی کپڑے پہنتا ہے، ایک قمیص ہے، ایک ازار ہے تہبند وغیرہ اور ایک پھر چادر وغیرہ ہوتی ہے، تو تین ہی کپڑے عام حیات میں بھی انسان اکثر استعمال کرتا ہے، تو موت کے بعد بھی کتنے کپڑے ہونے چاہییں؟ تین ہی مسنون ہونے چاہییں بھئی۔ یہ عقلی دلیل آگئی۔

اور اس میں پھر یاد رکھیے، تفصیل میں بیان کر دیتا ہوں یہیں پر تھوڑی سی ازار، قمیص اور لفافہ کی۔

ازار جو ہے ازار، یہ ایک کپڑا ہے آگے صاحب ہدایہ بھی بیان کریں گے بھئی۔ ازار جو ہے یہ کپڑا ہے جو سر سے لے کر قدموں تک یعنی سر کو بھی ڈھانپ لے اور قدموں کو بھی ڈھانپ لے، اتنا لمبا ہونا چاہیے بھئی، لمبا ہونا چاہیے۔ اور چوڑائی اتنی ہو کہ اس میں میت کو لپیٹ سکیں، یعنی دائیں طرف سے بھی، بائیں طرف سے لپیٹ دیا اور پھر دائیں طرف سے لپیٹ دیا تو میت کو اس میں لپیٹا جا سکے، اتنی چوڑائی ہونی چاہیے۔ اور لمبائی کتنی ہو؟ کہ سر اور قدم اس میں چھپ جائیں بھئی۔

اور قمیص جو ہے قمیص، قمیص یاد رکھیے یہ گردن سے لے کر قدموں تک جتنا میت کا قد ہے، کہاں سے کہاں تک؟ گردن سے لے کر قدموں تک، اس سے دگنی ہوگی بھئی، دگنی ہوگی کہ مثلاً مرنے والے کا قد اگر گردن سے لے کر قدموں تک دو گز ہے تو یہ کپڑا چار گز یا اس سے تھوڑا سا زیادہ ہوتا کہ قدم اس میں پھر چھپ جائیں، تو کم از کم چار گز ہو بھئی، کچھ تھوڑا سا زائد۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑا یہ جو چار گز کا ہے اس کو لمبائی میں درمیان سے موڑ دیں گے تو دو تہیں بن گئیں، ایک اوپر اور ایک نیچے۔ پھر جہاں سے موڑا ہے وہاں پر تھوڑا سا کاٹ دیں گے درمیان میں سے، چاک لگا دیں گے۔ یہاں بیچ میں سے اب میت کا سر گزاریں گے تو ایک حصہ ایک تہ میت کے نیچے آجائے گی اور ایک تہ میت کے اوپر آجائے گی۔ اس کو کہتے ہیں قمیص بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ کہ لمبائی اس کی میت سے دگنی ہے کیونکہ ایک تہ نے میت کے نیچے آنا ہے قدموں تک گردن سے، اور دوسری تہ گردن سے لے کر قدموں تک اوپر آئے گی، تو لمبائی کے رخ اس کپڑے کو موڑ دیں اور جہاں سے موڑا ہے وہاں درمیان میں کپڑے کے چاک لگا دیں گے کاٹ دیں گے جہاں بیچ میں سے میت کا سر نکالیں گے، تو ایک تہ کہاں آگئی؟ میت کے نچلی جانب، اور ایک تہ میت کے اوپر والی جانب آگئی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اور اس کے بعد یہ لفافہ ہے بھئی لفافہ۔ یہ لفافہ یہ سب سے اوپر آتا ہے اور یہ سر کی طرف بھی کچھ زائد ہو اور قدموں کی طرف بھی کچھ زائد ہو بھئی، تو یہ پوری میت اس کے اندر لپیٹنی ہے اور سر سے کچھ زائد ہو کیونکہ پھر اوپر والے حصے کو پھر کسی پٹی وغیرہ سے گرہ دے کر اوپر کی طرف باندھ دیں گے، اور جو قدموں کی طرف کچھ تھوڑا

ساحصہ زائد ہے اس کو پھر اکٹھا کر کے قدموں کی طرف بھی کسی پٹی وغیرہ سے گرہ دے دی جائے گی بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اور ترتیب ان میں ترتیب بھی آگے صاحبِ ہدایہ بیان کریں گے بھئی۔ ترتیب یہ کہ سب سے پہلے میت کو قمیص پہنائی جائے گی، یعنی وہ کپڑا جو اوپر اور نیچے دونوں طرف اس کی تہیں آگئیں، پھر اس کے بعد اس کے اوپر ازار آئے گا اور ازار بھی کہاں سے کہاں تک تھا؟ سر سے لے کر قدم تک، یعنی اس میں سر بھی چھپ جائے اور قدم بھی چھپ جائیں اتنا لمبا ہو، وہ اس کے اوپر اس میں لپیٹیں گے اور اس میں بھی بائیں جانب پہلے لپیٹیں گے اور دائیں جانب اس کے بعد لپیٹیں گے تاکہ دائیں جانب اوپر آ جائے، دائیں جانب والا کپڑا اوپر آ جائے۔ تو پہلے کون سی جانب لپیٹیں گے؟ بائیں جانب، پھر اس کے بعد دائیں جانب۔ اس ترتیب سے دائیں جانب والا جو کپڑا ہے وہ اوپر آ جائے گا، اوپر آ جائے گا۔ تو اس میں لپیٹ دیں گے۔ پھر اس کے بعد سب سے اوپر جو ہے وہ لفافہ آئے گا اور اس میں بھی اسی طریقے سے پہلے بائیں جانب کو لپیٹ دیں گے اور پھر دائیں جانب کو لپیٹ دیں گے، اور اوپر سر کے اوپر کی طرف جو حصہ زائد ہے اس کو اکٹھا کر لپیٹ کر اس میں اس کو گرہ دے دیں گے تاکہ کھلے نہ کفن، اور قدموں کی طرف بھی اسی طرح اس کو پٹی وغیرہ کے ساتھ اس کو باندھ دیں گے، اور اگر ضرورت ہو تو درمیان میں بھی کوئی پٹی وغیرہ باندھی جا سکتی ہے تاکہ کفن کھل نہ جائے بھئی۔ ترتیب سمجھ میں آگئی؟ یہ تھا مرد کا کفن بھئی۔ اب دیکھیے بھئی کتاب پر۔

کہتے ہیں: **فَإِنِ اقْتَصَرُوا عَلَى ثَوْبَيْنِ جَازَ**، اگر اکتفا کر لیا ان لوگوں نے **عَلَى ثَوْبَيْنِ** دو کپڑوں پر **جَازَ** تو یہ بھی جائز ہے۔ مسنون تو تین کپڑے ہیں لیکن اگر دو پر بھی اکتفا کر لیا جائے تو یہ جائز ہے۔ بھئی وہ دو کپڑے کون سے ہوں گے؟ وہ بھی آگے ذکر کر رہے ہیں: **وَالثَّوْبَانِ: إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ**، اور وہ دو کپڑے ازار اور لفافہ ہیں، یعنی ان پر بھی اگر اکتفا کر لیں قمیص نہیں ہے تو بھی جائز ہے بھئی۔

وَالثَّوْبَانِ: إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ، یہاں وہ تین اعراب نہ جاری کرنا۔ **الثَّوْبَانِ** ہے مبتدا اور **إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ** اس کی خبر ہے، تو یہاں تین اعراب نہیں بلکہ یہاں رفع ہی پڑھیں گے، یہ خبر ہیں۔ وہ دو کپڑے جو ہیں **إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ** ازار اور لفافہ ہیں، **وَهَذَا كَفَنُ الْكِفَايَةِ**۔

یاد رکھیے کفن تین قسم پر ہے بھئی: ایک کفنِ سنت ہے بھئی، ایک کفنِ کفایت ہے اور ایک کفنِ ضرورت ہے بھئی۔ ایک کفنِ سنت ہے مسنون کفن اور وہ تین کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جیسے ابھی بیان ہوا، ایک کفنِ کفایت ہے یعنی جس پر اکتفا کر لیا جائے، وہ یہ دو کپڑے ہیں ازار اور لفافہ، اور ایک کفنِ ضرورت ہے یعنی وہ ضرورت کی وجہ سے مجبوری کی صورت میں اگر دو کپڑے بھی نہیں ہیں تو پھر ایک کپڑے کے اندر بھی کفن دینا جائز ہے، ویسے ایک کپڑے میں کفن دینا درست نہیں ہے بھئی ویسے نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَهَذَا كَفَنُ الْكِفَايَةِ** اور یہ کفنِ کفایت ہے، **لِقَوْلِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ** بوجہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: **اغْسِلُوا ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ وَكَفِّنُونِي فِيهِمَا، اغْسِلُوا** تم لوگ دھولو **ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ** میرے ان دو کپڑوں کو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری ایام میں جب بیمار تھے تو جو دو کپڑے پہنے ہوئے تھے انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ انہی میرے دو کپڑوں کو دھو لینا اور اسی میں مجھے کفنا دینا، یہی مجھے بطورِ کفن کے دے دینا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمانے لگیں کیا آپ کے لیے ہم نئے کپڑے نہ خریدیں؟ تو فرمانے لگے نہیں، نئے کپڑے مردوں کے بجائے زندوں کے، زندہ زیادہ اس کا ضرورت مند ہے۔

تو یہ تھے مولانا پہلے خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بالاجماع انبیاء کے بعد تمام انسانوں سے افضل ترین شخص ہیں بھئی۔ اور الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اللہ نے ہمیں ان صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے، عجیب بھئی عجیب بھئی! انسان ان لوگوں پر حیران ہوتا ہے جو صحابہ کو اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں بھئی۔ یہ تو وہ جلیل القدر ہستیاں کہ تاریخ نے اس سے پہلے نہ ایسے انسان دیکھے اور نہ قیامت تک ایسے انسانوں کو دیکھ سکے گی بھئی۔ ان کا ذکر بھی آتا ہے تو دل میں ایمانی حلاوت محسوس ہوتی ہے بھئی۔

بطورِ شکر کے آپ حضرات کو دو دو رکعت نفل پڑھنے چاہییں بھئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے، کتنی عظیم نعمت ہے بھئی اس کا آپ تصور نہیں کر سکتے۔ حدیث میں آتا ہے: **اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ** کہ قیامت میں جس شخص سے محبت ہوگی انسان اسی کے ساتھ ہوگا، اسی کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قیامت میں صحابہ کے ساتھ جمع فرمائے بھئی۔ آمین۔

حضرت ابو بکر صدیق فرمانے لگے: **اغْسِلُوا ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ وَكَفِّنُونِي فِيهِمَا** کہ میرے ان دو کپڑوں کو تم دھو لینا اور اسی میں مجھے کفن دے دینا۔

وَلِأَنَّهُ، آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں نقلی کے بعد بھئی: **وَلِأَنَّهُ أَدْنَى لِبَاسِ الْأَحْيَاءِ**، کیونکہ یہ جو ہے دو کپڑے یہ زندوں کا کمتر لباس ہے، زندہ شخص بھی کم سے کم کتنے کپڑے پہنتا ہے؟ دو کپڑے پہنتا ہے، ایک اوپر پہنے گا اور ایک ازار تہبند کے طور پر۔

اب وہ بتلا رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ ازار وغیرہ کتنا ہونا چاہیے، کہتے ہیں: **وَالْإِزَارُ مِنَ الْقَرْنِ إِلَى الْقَدَمِ**، اور ازار جو ہے، قرن کہتے ہیں سر کو، سر کا اوپر والا جو حصہ ہے، تو ازار جو ہے سر کے اوپر والے حصے سے یعنی سر کی چوٹی سے لے کر **إِلَى الْقَدَمِ** قدموں تک ہوگا، **وَاللِّفَافَةُ كَذَلِكَ** اور لفافہ بھی اسی طرح ہوگا، **وَالْقَمِيصُ مِنْ أَصْلِ الْعُنُقِ** اور قمیص جو ہے وہ گردن کی جڑ سے ہوگی۔ کہاں سے **مِنْ أَصْلِ الْعُنُقِ**؟ گردن کی جڑ سے بھئی۔ ترتیب میں نے بتلا دی آپ کو، قمیص کہاں تک ہوگی؟ یہ گردن کی جڑ سے لے کر قدموں تک بھئی، اور دو تہیں ہوں گی، ایک تہ اوپر کی جانب اور ایک تہ نیچے کی جانب ہوگی بھئی۔

وَإِذَا أَرَادُوا لَفَّ الْكَفَنِ ابْتَدَءُوا بِجَانِبِهِ الْأَيْسَرِ فَلَفُّوهُ عَلَيْهِ، اور جب ارادہ کریں اس پر کفن کے لپیٹنے کا، کفن فا کے فتحہ کے ساتھ ہے یہ لفظ بھئی، پس جب وہ ارادہ کریں **لَفَّ الْكَفَنِ** کفن کے لپیٹنے کا: **ابْتَدَءُوا بِجَانِبِهِ الْأَيْسَرِ۔** میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا بھئی کفن لپیٹنا کس طرح ہے ازار اور لفافے کو؟ پہلے کون سی جانب کو لپیٹنا ہے؟ بائیں جانب کو، اور پھر دائیں جانب کو تاکہ دائیں جانب اوپر آجائے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ اور جب ارادہ کریں اس پر کفن کے لپیٹنے کا **ابْتَدَءُوا بِجَانِبِهِ الْأَيْسَرِ** تو اس کی بائیں جانب سے شروع کریں **فَلَفُّوهُ عَلَيْهِ** تو اس کو اس پر لپیٹ دیں، **ثُمَّ بِالْأَيْمَنِ** پھر دائیں جانب کو، **كَمَا فِي حَالِ الْحَيَاةِ** جیسے کہ زندگی میں تھا طریقہ بھئی۔ زندگی میں بھی انسان اسی طرح چادر وغیرہ اوڑھتا ہے کہ پہلے بایاں کنارہ ہوتا ہے اور اس کے اوپر دایاں کنارہ ڈالتا ہے بھئی۔

وَبَسْطُهُ اور تفصیل اس کی یہ ہے، اب تفصیل بیان کرنے لگے ہیں، تو بسط کا کیا معنی؟ تفصیل۔ **وَبَسْطُهُ** اور تفصیل اس کی یہ ہے: **أَنْ تُبْسَطَ اللِّفَافَةُ أَوَّلًا۔** اچھا بھئی سب سے پہلے کیا پہنانا ہے؟ تو میت کو یہ پہنانے ہیں کفن، تو سب سے پہلے وہ کپڑا بچھائیں گے جو سب سے اوپر آئے گا، یعنی لفافہ بچھا دیں گے، پھر اس کے بعد لفافے کے نیچے کیا آتا تھا؟ ازار، اس کے بعد اس لفافے کے اوپر ازار والا کپڑا بچھا دیں گے۔ پھر اس کے بعد سب سے اندر کون سا کپڑا تھا؟ قمیص، قمیص کو بچھا دیں گے جو نیچے والا حصہ ہے اس کو ان پر بچھا دیں گے، اور جس حصے نے اوپر آنا ہے وہ سر کی طرف رکھیں گے لپیٹ کر بھئی۔ پھر میت کو اس کے اوپر رکھیں گے ان کفنوں کے اوپر یہ جو تین تہیں بچھی ہوئی ہیں، اور سب سے پہلے قمیص کے اندر جو چاک لگا ہوا تھا وہاں سے اس کا سر گزاریں گے اور وہ جو حصہ لپیٹ کر سر کی طرف رکھا تھا اب اس کو میت کے اوپر لے آئیں گے، تو یہ قمیص ہو گئی پوری میت کے اوپر۔ اور اس کے نیچے کیا بچھایا تھا؟ ازار، اب اس کے بعد ازار کا بائیں جانب اس پر لپیٹ دیں گے اور پھر دائیں جانب۔ اس سے نیچے کیا تھا؟ لفافہ تھا، اب لفافہ سب سے اوپر آجائے گا تو اس کی بھی پہلے بائیں جانب لپیٹ دیں گے اور پھر دائیں جانب۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ یہی بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: **وَبَسْطُهُ** اور تفصیل اس کی یہ ہے **أَنْ تُبْسَطَ اللِّفَافَةُ أَوَّلًا** کہ بچھایا جائے لفافے کو پہلے، **ثُمَّ يُبْسَطُ عَلَيْهَا الْإِزَارُ** پھر اس پر ازار کو بچھا دیا جائے، **ثُمَّ يُقَمَّصُ الْمَيِّتُ** پھر قمیص پہنا دی جائے میت کو، **وَيُوضَعُ عَلَى الْإِزَارِ** اور اس کو کس پر رکھا جائے؟ میت کو قمیص پہنا کر کس پر رکھ دیا جائے؟ ازار پر، **ثُمَّ يُعْطَفُ الْإِزَارُ مِنْ قِبَلِ الْيَسَارِ** پھر لپیٹ دیا جائے ازار کو بائیں جانب سے، **ثُمَّ مِنْ قِبَلِ الْيَمِينِ** پھر دائیں جانب سے، **ثُمَّ اللِّفَافَةُ كَذَلِكَ** پھر لفافہ اسی طرح، یعنی پہلے بائیں جانب سے لپیٹا جائے اور پھر دائیں جانب سے۔

وَإِنْ خَافُوا أَنْ يَنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ عَقَدُوهُ بِخِرْقَةٍ صِيَانَةً عَنِ الْكَشْفِ، وَإِنْ خَافُوا اور اگر ان کو لوگوں کو یہ خوف ہو **أَنْ يَنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ** کہ کفن اس میت سے کھل جائے گا، یعنی یہ خوف ہو کہ کہیں کھل نہ جائے، **عَقَدُوهُ** تو اس کو باندھ دیں **بِخِرْقَةٍ** کسی کپڑے سے، یعنی کسی پٹی وغیرہ سے، **صِيَانَةً عَنِ الْكَشْفِ** کھلنے سے بچانے کے لیے، تو درمیان سے کسی پٹی وغیرہ سے بھی باندھ دیا جائے۔

وَتُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِي خَمْسَةِ أَثْوَابٍ، اب عورت کے کفن کی تفصیل آرہی ہے بھئی۔ یاد رکھیے عورت جو ہے اس کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا، یہ ہے کفنِ سنت۔ مسنون کیا ہے؟ کتنے کپڑے ہوں؟ پانچ کپڑے ہوں بھئی۔ تین تو یہی کپڑے ہیں: ازار، قمیص اور لفافہ۔ ہاں قمیص کو یہاں یہ **دِرْعٌ** کہیں گے، کیا کہیں گے؟ **دِرْعٌ**، دال راعین، یہ متن میں ہی آرہا ہے، اس کو **دِرْعٌ** کہیں گے اس لیے کیونکہ عربی زبان میں عورت کی قمیص کے لیے **دِرْعٌ** کا لفظ استعمال ہوتا ہے، تو ہے یہ وہی قمیص ہی بھئی، **دِرْعٌ۔** تو ایک قمیص، ایک ازار اور ایک لفافہ، اور دو کپڑے زائد ہوں گے عورت کے کفن میں: ایک ہے **خِمَارٌ** خمار، دوپٹہ یعنی اوڑھنی، ایک یہ کپڑا زائد ہو گا، اور ایک جو ہے وہ **خِرْقَةٌ** ایک کپڑے کا ٹکڑا جس کے ساتھ اس کی چھاتی کو باندھا جائے گا اور وہ سینہ بند بھئی، سینہ بند۔ تو اس کے کتنے کپڑے ہو گئے؟ پانچ کپڑے ہو گئے بھئی۔ جی دیکھیے اب کتاب پر۔

کہتے ہیں: **وَتُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِي خَمْسَةِ أَثْوَابٍ،** اور کفن دیا جائے گا عورت کو پانچ کپڑوں میں: **دِرْعٌ، وَإِزَارٌ، وَخِمَارٌ، وَلِفَافَةٌ، وَخِرْقَةٌ تُرْبَطُ فَوْقَ ثَدْيَيْهَا۔ دِرْعٌ وَإِزَارٌ وَخِمَارٌ،** یہ میں کون سا اعراب پڑھ رہا ہوں؟ رفع۔ دیکھیے پھر وہی لف و نشر والی صورت ہے۔ اور کیا پڑھ سکتا ہوں یہاں؟ جر بھی پڑھ سکتا ہوں: **دِرْعٍ، وَإِزَارٍ، وَخِمَارٍ، وَلِفَافَةٍ، وَخِرْقَةٍ۔** اور نصب؟ نصب نہیں، کیونکہ رسم الخط اس کے مطابق نہیں ہے بھئی۔

تو پانچ کپڑوں میں دیا جائے گا اس کو کفن: **دِرْعٌ** ایک قمیص ہے، **وَإِزَارٌ** اور ایک ازار ہے، **وَخِمَارٌ** اور ایک اوڑھنی ہے یعنی دوپٹہ ہے، یہ تقریباً کوئی ڈیڑھ گز کے لگ بھگ کپڑا ہو گا، **وَلِفَافَةٌ** اور ایک لفافہ ہے، **وَخِرْقَةٌ تُرْبَطُ فَوْقَ ثَدْيَيْهَا** اور ایک ایسا کپڑا جس کو باندھا جائے گا اس عورت کی دونوں چھاتیوں کے اوپر، **لِحَدِيثِ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى اللَّوَاتِي غَسَّلْنَ ابْنَتَهُ خَمْسَةَ أَثْوَابٍ،** بوجہ ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی وجہ سے کہ حضور علیہ السلام نے **أَعْطَى** عطا فرمایا، حضور علیہ السلام نے عطا فرمایا **اللَّوَاتِي** وہ عورتیں جو ہیں **غَسَّلْنَ ابْنَتَهُ** جو غسل دے رہی تھیں آپ کی بیٹی کو، **خَمْسَةَ أَثْوَابٍ،** کتنے کپڑے عطا فرمائے؟ پانچ کپڑے۔ تو اس حدیث میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے ان عورتوں کو جو آپ کی بیٹی جو حضرت زینب جن کا انتقال ہو گیا تھا، ان کو جو غسل دے رہی تھیں جو عورتیں، ان کو آپ نے پانچ کپڑے عطا فرمائے کہ اس کو ان کپڑوں میں کفن دے دو۔

وَلِأَنَّهَا، آگے عقلی دلیل بھی ذکر فرما رہے ہیں ان پانچ کپڑوں کی، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهَا تَخْرُجُ فِيهَا حَالَةَ الْحَيَاةِ، فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ،** اس لیے کیونکہ وہ عورت زندگی کی حالت میں ان پانچ کپڑوں میں نکلتی تھی، تو موت کے بعد بھی اسی طرح ہو گا، یہ پانچ کپڑے دیے جائیں گے۔

ثُمَّ هَذَا بَيَانُ كَفَنِ السُّنَّةِ، پھر یہ جو ہے کفنِ سنت کا بیان ہے۔ یہ کس کا بیان تھا؟ کفنِ سنت کا بیان تھا۔ **وَإِنِ اقْتَصَرُوا عَلَى ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ جَازَ**، اور اگر ان لوگوں نے اکتفا کر لیا تین کپڑوں پر تو یہ بھی جائز ہے۔ تین کپڑے، تین کپڑے کون کون سے؟ کہتے ہیں: **وَهِيَ الثَّوْبَانِ**، یہ دو کپڑے ہیں یعنی وہ جو اوپر گزرے ازار اور لفافہ، یہ وہ دو کپڑے ہیں، **وَخِمَارٌ** اور اوڑھنی ہے دوپٹہ ہے، **وَهُوَ كَفَنُ الْكِفَايَةِ** اور یہ کفنِ کفایت ہے عورت میں، یعنی اس پر بھی اکتفا کرنا جائز ہے۔

وَيُكْرَهُ أَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ، اور اس سے کم کپڑے دینا مکروہ ہے، یعنی عورت کو تین کپڑوں سے کم دینا مکروہ ہے۔ **وَفِي الرَّجُلِ يُكْرَهُ الِاقْتِصَارُ عَلَى ثَوْبٍ وَاحِدٍ**، اور مرد کے اندر ایک کپڑے پر اکتفا کرنا مکروہ ہے، **إِلَّا فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ** مگر ضرورت کی حالت میں۔ ضرورت میں تو پھر جب کپڑا اور کوئی ہے ہی نہیں تو پھر جس طرح کا بھی کفن میسر ہو سکے دینا جائز ہے۔

دلیل اس کی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **لِأَنَّ مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ حِينَ اسْتُشْهِدَ كُفِّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ**، اس لیے کیونکہ حضرت مصعب ابن عمیر جب وہ شہید ہو گئے تو ان کو کفن دیا گیا ایک کپڑے میں۔ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے اور صحابہ حضور علیہ السلام کے پاس اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ، مصعب ابن عمیر کے کفن کا ہم کیا کریں؟ وہ ایک ہی چادر ہی ہے ان کی اور اس چادر میں ہم ان کے سر کو ڈھانپتے ہیں تو قدم ننگے ہو جاتے ہیں اور قدموں کو ڈھانپتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے، اب ہم کیا کریں؟ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ سر کو ڈھانپ دو اور قدموں پر اذخر گھاس ہے وہ گھاس ڈال دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تو ان کو ایک ہی کپڑے میں دفنایا گیا اور یہ کس وجہ سے تھا؟ ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے تھا، تو یہ کفنِ ضرورت ہے اور ضرورت کے موقع پر یہ جائز ہے۔ **وَهَذَا كَفَنُ الضَّرُورَةِ**، اور یہ کفنِ ضرورت ہے بھئی۔

وَتُلْبَسُ الْمَرْأَةُ الدِّرْعَ أَوَّلًا ثُمَّ يُجْعَلُ شَعْرُهَا ضَفِيرَتَيْنِ، اب عورت کو کفن کیسے پہنایا جائے گا؟ یہ پانچ کپڑے کس ترتیب سے ہوں گے؟ وہ بیان کرنے لگے ہیں، وہ بیان کرنے لگے ہیں۔

بھئی دیکھیے، مرد میں سب سے پہلے کیا پہناتے تھے اسے؟ قمیص، اس کے بعد کیا آتا تھا؟ ازار، اور اس کے بعد سب سے اوپر لفافہ آتا تھا۔ یہاں اب دو کپڑے اور آ گئے، ایک تو وہ اوڑھنی آ گئی، وہ اوڑھنی کہاں آئے گی؟ یاد رکھیے وہ قمیص کے بعد دوسرے نمبر پر اب آئے گی بھئی، اوڑھنی۔ قمیص عورت کو پہنا دی اور اس عورت کے جو بال ہیں ان کو کہتے ہیں مینڈھیاں بنا کر، دو چوٹیاں بنا کر اس کے سینے پر دائیں بائیں ڈال دیں گے بھئی، بال جو ہیں۔ اور پھر اس کو یہ اوڑھنی سر پر یہ دوپٹہ پہنایا جائے گا اوڑھنی، اور میں نے بتایا یہ کوئی ڈیڑھ گز کے لگ بھگ کپڑا ہو، اور پھر اس کو انہی بالوں پر اوپر ڈال دیا جائے گا بھئی، ایک کنارہ دائیں طرف سینے پر آ جائے گا اور دوسرا بائیں طرف آ جائے گا۔

اور پھر اس کے بعد، اس کے بعد ازار آئے گا۔ کیا آئے گا؟ ازار اسی طرح اپنے مقام پر آیا۔ پھر اس کے بعد وہ جو سینہ بند تھا وہ آئے گا، اور وہ کتنا کپڑا ہو؟ تو علماء لکھتے ہیں کہ وہ سینے سے لے کر ناف تک ہو بھئی، سینے سے لے کر ناف تک۔

▪ فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ السُّنَّةُ أَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ

فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ السُّنَّةُ أَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ: إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ، لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ، وَلِأَنَّهُ أَكْثَرُ مَا يَلْبَسُهُ عَادَةً فِي حَيَاتِهِ فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ، فَإِنِ اقْتَصَرُوا عَلَى ثَوْبَيْنِ جَازَ، وَالثَّوْبَانِ إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ۔

▪ فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ، یہ فصل ہے میت کو کفن دینے کے بیان م

فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ، یہ فصل ہے میت کو کفن دینے کے بیان میں، میت کو کفن پہنانے کے بیان میں۔

بھئی غسل کا طریقہ بیان ہو گیا، اب کفن کس طرح دیا جائے گا اور کفن کتنے کپڑوں پر مشتمل ہو گا وہ اب صاحبِ ہدایہ بیان کریں گے۔ تو کہتے ہیں: **السُّنَّةُ أَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ**، سنت یہ ہے کہ مرد کو کفن دیا جائے تین کپڑوں میں اور وہ تین کپڑے کون سے ہیں، وہ آگے بیان کر رہے ہیں: **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ**، ایک ازار ہے، ایک قمیص ہے اور ایک لفافہ ہے بھئی۔

تو یہاں یہ جہاں اس طرح کا لف و نشر آئے بھئی، تو وہاں بھئی دیکھیے یہاں پر لف و نشر ہے۔ لف و نشر علمِ بلاغت میں آپ پڑھ چکے ہوں گے یا آگے چل کر پڑھیں گے

کہ کچھ چیزیں جو ہیں ان کو اولاً اکٹھا ذکر کر دیا جائے۔ جیسے یہاں آیا کہ کفن دیا جائے مرد کو تین کپڑوں میں، تین کپڑوں میں۔ تو دیکھو وہ تینوں کو عدد کے ساتھ اکٹھا ذکر کر دیا۔ لف کا معنی ہوتا ہے لپیٹنا، لپیٹنا۔ تو دیکھو یہاں تین چیزوں کو لپیٹ دیا گیا اس لفظ میں، **ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** میں اور پھر آگے انہی کو کھول کر بھی بیان کر دیا کہ وہ تین کپڑے کیا ہیں: ازار ہے، قمیص ہے اور لفافہ۔ تو یہ **ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ** یہ کیا ہے؟ لف، اور **إِزَارٌ، قَمِيصٌ** اور **لِفَافَةٌ** یہ کیا ہے؟ نشر۔ اسی کو کھول کر بیان کر دیا کہ وہ تین کپڑے یہ والے ہیں بھئی۔

تو جہاں اس طرح کا لف و نشر آئے ماقبل میں عدد وغیرہ کے ساتھ کوئی چیز اکٹھی ذکر ہو اور پھر آگے ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ کھول کر بیان کر دیا جائے، تو نشر کے اندر تین طرح اعراب پڑھنا جائز ہیں۔ لہٰذا یہ جو **إِزَارٌ، قَمِيصٌ** اور **لِفَافَةٌ** آیا، یہ ہے نشر، اس کے اندر تینوں اعراب جائز ہیں، رفع بھی پڑھ سکتے ہیں، نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، جر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ**، دیکھو رفع پڑھا۔ **إِزَارًا وَقَمِيصًا وَلِفَافَةً**، دیکھو نصب پڑھا اور **إِزَارٍ وَقَمِيصٍ وَلِفَافَةٍ**، یہاں جر پڑھا۔

تو تین اعراب، لیکن اس میں تین اعراب تب جائز ہوں گے جب ماقبل والا لفظ یعنی جو لف جو ہے وہ مجرور ہو۔ بھئی دیکھیے وجہ سمجھ لیجیے پھر آپ کو پتہ لگ جائے گا کہ کہاں کتنی قسم پر اعراب جائز ہو گا۔

إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ، جب رفع پڑھا، رفع پڑھا تو دراصل یہ خبر ہیں مبتدا کی، مبتدا کی۔ اور مبتدا چاہے تینوں کے لیے ایک ہی نکال لیں: **وَهِيَ إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ**۔ تو **هِيَ** مبتدا ضمیر راجع ہے **ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ** کو اور **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ** یہ خبر ہیں اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے تو اس پر رفع پڑھیں گے۔

اور آپ چاہیں تو اس پر نصب پڑھیں، اس صورت میں یہ **أَعْنِي** فعل کے لیے مفعول واقع ہوں گے۔ **أَعْنِي**، میری مراد کیا ہے؟ **إِزَارًا وَقَمِيصًا** کہ مرد کو کفن دیا جائے گا تین کپڑوں میں، **أَعْنِي إِزَارًا وَقَمِيصًا وَلِفَافَةً**، تو یہ مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہوں گے اور کس فعل کے لیے؟ **أَعْنِي**، اور اس کا کیا ترجمہ ہے؟ میری مراد یہ ہے۔

اور چاہیں تو اس پر جر پڑھیں بھئی اور اس جر کی صورت میں یہ بدل ہیں **ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** سے اور آپ نے پڑھا ہے مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو **ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** یہ ہے مجرور کیونکہ اس پر **فِي** داخل ہے تو آگے جو بدل ہے **إِزَارٍ وَقَمِيصٍ وَلِفَافَةٍ** اس پر بھی کیا پڑھیں گے؟ جر پڑھ سکتے ہیں تو یہاں تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں بھئی۔

لیکن یہاں اس کتاب کے اندر دو ہی اعراب پڑھ سکتے ہیں آپ بھئی، یا رفع پڑھیں **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ** یا اس پر جر پڑھیں **إِزَارٍ وَقَمِيصٍ وَلِفَافَةٍ**، نصب نہیں پڑھ سکتے، اس لیے کیونکہ رسم الخط اس کی تائید نہیں کرتا، رسم الخط۔ کیونکہ اگر نصب پڑھتے تو پھر کیا ہوتا؟ **إِزَارًا**، را کے بعد کیا آتا؟ الف، **وَقَمِيصًا** اور صاد کے بعد کیا ہوتا؟ وہاں بھی الف ہوتا بھئی۔ ہاں اگر ان پر الف لام ہوتا تو پھر تینوں اعراب جائز ہوتے۔ تو یہاں کتنی صورتیں پڑھنا جائز ہیں؟ دو صورتیں: ایک رفع اور ایک جر بھئی۔

ترکیبیں سمجھ میں آگئیں؟ اس کے مطابق جہاں بھی اس طرح کا لف و نشر آئے آپ طے کر سکتے ہیں کہ کتنے اعراب پڑھ سکتے ہیں۔ اگر ماقبل مجرور ہے تو جر والا اعراب بھی جائز ہو گا، اگر ماقبل یعنی مبدل منہ مجرور نہیں ہے تو پھر جر پڑھنا جائز نہیں۔ اچھا ہاں، ایک تو صورت میں نے یہ بیان کر دی کہ ایک ہی مبتدا تینوں کے لیے نکال لیں، **هِيَ** اور **إِزَارٌ وَقَمِيصٌ وَلِفَافَةٌ** اس کو کیا بنا دیں؟ اس **هِيَ** کے لیے خبر۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ الگ مبتدا نکال لیں، پیچھے آیا ہے نا تین کپڑے ہیں، تو آگے: **أَحَدُهَا إِزَارٌ، وَثَانِيهَا قَمِيصٌ، وَثَالِثُهَا لِفَافَةٌ**، تو ہر ایک کے لیے الگ الگ بھی مبتدا نکال سکتے ہیں۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

تو سنت یہ ہے کہ کفن دیا جائے مرد کو **فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ** تین کپڑوں میں، **إِزَارٍ وَقَمِيصٍ وَلِفَافَةٍ** ازار، قمیص اور لفافہ۔

دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ تین کپڑے کیوں مسنون ہیں؟ کہتے ہیں: **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ**، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دیا گیا تین سفید سحولی کپڑوں میں۔ حضور علیہ السلام کو کفن دیا گیا تین سفید سحولی کپڑوں میں۔ سحول جو ہے سحول کوئی جگہ ہے یمن کے اندر، وہاں کا کوئی کپڑا ہو گا تو اسی نام سے مشہور ہو گا، تو وہ کپڑا مراد ہے۔ تو حضور علیہ السلام کو تین سفید سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ یہ تو تھی نقلی دلیل۔

آگے صاحبِ ہدایہ عقلی دلیل بھی ذکر فرما رہے ہیں کہ تین کپڑوں میں کفن کیوں ہو گا؟ کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ أَكْثَرُ مَا يَلْبَسُهُ عَادَةً فِي حَيَاتِهِ فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ**، اس لیے کیونکہ یہ اکثر ہے ان کپڑوں کا جن کو وہ پہنتا تھا عادۃً اپنی زندگی میں، **فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ** تو اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی ہو گا۔ زندگی میں بھی عموماً اکثر آدمی کتنے کپڑے پہنتا ہے؟ تین ہی کپڑے پہنتا ہے، ایک قمیص ہے، ایک ازار ہے، تہبند وغیرہ اور ایک پھر چادر وغیرہ ہوتی ہے، تو تین ہی کپڑے عام حیات میں بھی انسان اکثر استعمال کرتا ہے، تو موت کے بعد بھی کتنے کپڑے ہونے چاہییں؟ تین ہی مسنون ہونے چاہییں بھئی۔ یہ عقلی دلیل آگئی۔

اور اس میں پھر یاد رکھیے تفصیل میں بیان کر دیتا ہوں یہیں پر تھوڑی سی ازار، قمیص اور لفافہ کی۔

ازار جو ہے ازار، یہ ایک کپڑا ہے، آگے صاحبِ ہدایہ بھی بیان کریں گے بھئی۔ ازار جو ہے یہ کپڑا ہے جو سر سے لے کر قدموں تک، یعنی سر کو بھی ڈھانپ لے اور قدموں کو بھی ڈھانپ لے، اتنا لمبا ہونا چاہیے بھئی، لمبا ہونا چاہیے۔ اور چوڑائی اتنی ہو کہ اس میں میت کو لپیٹ سکیں، یعنی دائیں طرف سے بھی، بائیں طرف سے لپیٹ دیا اور پھر دائیں طرف سے لپیٹ دیا تو میت کو اس میں لپیٹا جا سکے، اتنی چوڑائی ہونی چاہیے۔ اور لمبائی کتنی ہو؟ کہ سر اور قدم اس میں چھپ جائیں بھئی۔

اور قمیص جو ہے قمیص، قمیص یاد رکھیے یہ گردن سے لے کر قدموں تک جتنا میت کا قد ہے، کہاں سے کہاں تک؟ گردن سے لے کر قدموں تک، اس سے دگنی ہو گی بھئی، دگنی ہو گی۔ کہ مثلاً مرنے والے کا قد اگر گردن سے لے کر قدموں تک دو گز ہے تو یہ کپڑا چار گز یا اس سے تھوڑا سا زیادہ ہو تا کہ قدم اس میں پھر چھپ جائیں، تو کم از کم چار گز ہو بھئی، کچھ تھوڑا سا زائد۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کپڑا یہ جو چار گز کا ہے اس کو لمبائی میں درمیان سے موڑ دیں گے تو دو تہیں بن گئیں، ایک اوپر اور ایک نیچے۔ پھر جہاں سے موڑا ہے وہاں پر تھوڑا سا کاٹ دیں گے، درمیان میں سے چاک لگا دیں گے، یہاں بیچ میں سے اب میت کا سر گزاریں گے تو ایک حصہ ایک تہہ میت کے نیچے آ جائے گی اور ایک تہہ میت کے اوپر آ جائے گی، اس کو کہتے ہیں قمیص بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ کہ لمبائی اس کی میت سے دگنی ہے کیونکہ ایک تہہ نے میت کے نیچے آنا ہے قدموں تک گردن سے اور دوسری تہہ گردن سے لے کر قدموں تک اوپر آئے گی، تو لمبائی کے رخ اس کپڑے کو موڑ دیں اور جہاں سے موڑا ہے وہاں درمیان میں کپڑے کے چاک لگا دیں گے کاٹ دیں گے جہاں بیچ میں سے میت کا سر نکالیں گے، تو ایک تہہ کہاں آ گئی میت کے نچلی جانب اور ایک تہہ میت کے اوپر والی جانب آ گئی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

اور اس کے بعد یہ لفافہ ہے بھئی لفافہ۔ یہ لفافہ یہ سب سے اوپر آتا ہے اور یہ سر کی طرف بھی کچھ زائد ہو اور قدموں کی طرف بھی کچھ زائد ہو بھئی۔ تو یہ پوری میت اس کے اندر لپیٹنی ہے اور سر سے کچھ زائد ہو کیونکہ پھر اوپر والے حصے کو پھر کسی پٹی وغیرہ سے گرہ دے کر اوپر کی طرف باندھ دیں گے اور جو قدموں کی طرف کچھ تھوڑا سا حصہ زائد ہے اس کو پھر اکٹھا کر کے قدموں کی طرف بھی کسی پٹی وغیرہ سے گرہ دے دی جائے گی بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

اور ترتیب ان میں، ترتیب بھی آگے صاحبِ ہدایہ بیان کریں گے بھئی۔ ترتیب یہ کہ سب سے پہلے میت کو قمیص پہنائی جائے گی، یعنی وہ کپڑا جو اوپر اور نیچے دونوں طرف اس کی تہیں آ گئیں، پھر اس کے بعد اس کے اوپر ازار آئے گا اور ازار بھی کہاں سے کہاں تک تھا؟ سر سے لے کر قدم تک یعنی اس میں سر بھی چھپ جائے اور قدم بھی چھپ جائیں اتنا لمبا ہو، وہ اس کے اوپر اس میں لپیٹیں گے اور اس میں بھی بائیں جانب پہلے لپیٹیں گے اور دائیں جانب اس کے بعد لپیٹیں گے تا کہ دائیں جانب اوپر آ جائے، دائیں جانب والا کپڑا اوپر آ جائے۔ تو پہلے کون سی جانب لپیٹیں گے؟ بائیں جانب، پھر اس کے بعد دائیں جانب۔ اس ترتیب سے دائیں جانب والا جو کپڑا ہے وہ اوپر آ جائے گا، اوپر آ جائے گا۔ تو اس میں لپیٹ دیں گے، پھر اس کے بعد سب سے اوپر جو ہے وہ لفافہ آئے گا اور اس میں بھی اسی طریقے سے پہلے بائیں جانب کو لپیٹ دیں گے اور پھر دائیں جانب کو لپیٹ دیں گے اور اوپر سر کے اوپر کی طرف جو حصہ زائد ہے اس کو لپیٹ کر اس میں اس کو گرہ دے دیں گے تا کہ کھلے نہ کفن اور قدموں کی طرف بھی اسی طرح اس کو پٹی وغیرہ کے ساتھ اس کو باندھ دیں گے اور اگر ضرورت ہو تو درمیان میں بھی کوئی پٹی وغیرہ باندھی جا سکتی ہے تا کہ کفن کھل نہ جائے بھئی۔ ترتیب سمجھ میں آ گئی؟ یہ تھا مرد کا کفن بھئی۔

اب دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: **فَإِنِ اقْتَصَرُوا عَلَى ثَوْبَيْنِ جَازَ**، اگر اکتفاء کر لیا ان لوگوں نے **عَلَى ثَوْبَيْنِ** دو کپڑوں پر، **جَازَ** تو یہ بھی جائز ہے۔ مسنون تو تین کپڑے ہیں لیکن اگر دو پر بھی اکتفاء کر لیا جائے تو یہ جائز ہے۔ بھئی وہ دو کپڑے کون سے ہوں گے؟ وہ بھی آگے ذکر کر رہے ہیں: **وَالثَّوْبَانِ إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ**، اور وہ دو کپڑے ازار اور لفافہ ہیں، یعنی ان پر بھی اگر اکتفاء کر لیں، قمیص نہیں ہے تو بھی جائز ہے بھئی۔

الثَّوْبَانِ إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ، یہاں وہ تین اعراب نہ جاری کرنا۔ **الثَّوْبَانِ** ہے مبتدا اور **إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ** اس کی خبر ہے، تو یہاں تین اعراب نہیں بلکہ یہاں رفع ہی پڑھیں گے یہ خبر ہیں۔ وہ دو کپڑے جو ہیں **إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ** ازار اور لفافہ ہیں۔

وَهَذَا كَفَنُ الْكِفَايَةِ، یاد رکھیے کفن تین قسم پر ہے بھئی۔ کفن: ایک کفنِ سنت ہے بھئی، ایک کفنِ کفایت ہے اور ایک کفنِ ضرورت ہے بھئی۔ ایک کفنِ سنت ہے، مسنون کفن اور وہ تین کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جیسے ابھی بیان ہوا۔ ایک کفنِ کفایت ہے یعنی جس پر اکتفاء کر لیا جائے، وہ یہ دو کپڑے ہیں ازار اور لفافہ۔ اور ایک کفنِ ضرورت ہے یعنی وہ ضرورت کی وجہ سے، مجبوری کی صورت میں اگر دو کپڑے بھی نہیں ہیں تو پھر ایک کپڑے کے اندر بھی کفن دینا جائز ہے، ویسے ایک کپڑے میں کفن دینا درست نہیں ہے بھئی، ویسے نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَهَذَا كَفَنُ الْكِفَايَةِ**، اور یہ کفنِ کفایت ہے، **لِقَوْلِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ**، بوجہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: **اغْسِلُوا ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ وَكَفِّنُونِي فِيهِمَا، اغْسِلُوا** تم لوگ دھو لو **ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ** میرے ان دو کپڑوں کو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری ایام میں جب بیمار تھے تو جو دو کپڑے پہنے ہوئے تھے انہی کے طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ انہی میرے دو کپڑوں کو دھو لینا اور اسی میں مجھے کفنا دینا، یہی مجھے بطورِ کفن کے دے دینا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمانے لگیں: کیا آپ کے لیے ہم نئے کپڑے نہ خریدیں؟ تو فرمانے

لگے: نہیں، نئے کپڑے مردوں کے بجائے زندوں کے، زندہ زیادہ اس کا ضرورت مند ہے۔

تو یہ تھے مولانا پہلے خلیفۂ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بالاجماع انبیاء کے بعد تمام انسانوں سے افضل ترین شخص ہیں بھئی۔ اور الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اللہ نے ہمیں ان صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے۔ عجیب بھئی عجیب بھئی، انسان ان لوگوں پر حیران ہوتا ہے جو صحابہ کو اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں بھئی۔ یہ تو وہ جلیل القدر ہستیاں کہ تاریخ نے اس سے پہلے نہ ایسے انسان دیکھے اور نہ قیامت تک ایسے انسانوں کو دیکھ سکے گی بھئی۔ ان کا ذکر بھی آتا ہے تو دل میں ایمانی حلاوت محسوس ہوتی ہے بھئی۔ بطورِ شکر کے آپ حضرات کو دو دو رکعت نفل پڑھنے چاہییں بھئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے، کتنی عظیم نعمت ہے بھئی اس کا آپ تصور نہیں کر سکتے۔ حدیث میں آتا ہے: **اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ**، کہ قیامت میں جس شخص سے محبت ہو گی انسان اسی کے ساتھ ہو گا، اسی کے ساتھ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قیامت میں صحابہ کے ساتھ جمع فرمائے بھئی۔

حضرت ابو بکر صدیق فرمانے لگے: **اغْسِلُوا ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ وَكَفِّنُونِي فِيهِمَا**، کہ میرے ان دو کپڑوں کو تم دھو لینا اور اسی میں مجھے کفن دے دینا۔

وَلِأَنَّهُ، آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں نقلی کے بعد بھئی: **وَلِأَنَّهُ أَدْنَى لِبَاسِ الْأَحْيَاءِ**، کیونکہ یہ جو ہے دو کپڑے یہ زندوں کا کمتر لباس ہے، زندہ شخص بھی کم سے کم کتنے کپڑے پہنتا ہے؟ دو کپڑے پہنتا ہے، ایک اوپر پہنے گا اور ایک ازار تہبند کے طور پر۔

وَالْإِزَارُ، اب وہ بتلا رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ ازار وغیرہ کتنا ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں: **وَالْإِزَارُ مِنَ الْقَرْنِ إِلَى الْقَدَمِ**، اور ازار جو ہے، قرن کہتے ہیں سر کو، سر کا اوپر والا جو حصہ ہے۔ تو ازار جو ہے سر کے اوپر والے حصے سے یعنی سر کی چوٹی سے لے کر **إِلَى الْقَدَمِ** قدموں تک ہو گا، **وَاللِّفَافَةُ كَذَلِكَ** اور لفافہ بھی اسی طرح ہو گا، **وَالْقَمِيصُ مِنْ أَصْلِ الْعُنُقِ** اور قمیص جو ہے وہ گردن کی جڑ سے ہو گی۔ کہاں سے؟ **مِنْ أَصْلِ الْعُنُقِ** گردن کی جڑ سے بھئی۔ ترتیب میں نے بتلا دی آپ کو، قمیص کہاں تک ہو گی؟ یہ گردن کی جڑ سے لے کر قدموں تک بھئی اور دو تہیں ہوں گی، ایک تہہ اوپر کی جانب اور ایک تہہ نیچے کی جانب ہو گی بھئی۔

وَإِذَا أَرَادُوا لَفَّ الْكَفَنِ ابْتَدَءُوا بِجَانِبِهِ الْأَيْسَرِ فَلَفُّوهُ عَلَيْهِ، اور جب ارادہ کریں اس پر کفن کے لپیٹنے کا، کفن فا کے فتحہ کے ساتھ ہے یہ لفظ بھئی، پس جب وہ ارادہ کریں **لَفَّ الْكَفَنِ** کفن کے لپیٹنے کا، **ابْتَدَءُوا بِجَانِبِهِ الْأَيْسَرِ**، میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا بھئی کفن لپیٹنا کس طرح ہے ازار اور لفافے کو؟ پہلے کون سی جانب کو لپیٹنا ہے؟ بائیں جانب کو اور پھر دائیں جانب کو تاکہ دائیں جانب اوپر آ جائے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ اور جب ارادہ کریں اس پر کفن کے لپیٹنے کا، **ابْتَدَءُوا بِجَانِبِهِ الْأَيْسَرِ** تو اس کی بائیں جانب سے شروع کریں، **فَلَفُّوهُ عَلَيْهِ** تو اس کو اس پر لپیٹ دیں، **ثُمَّ بِالْأَيْمَنِ** پھر اس پر پھر دائیں جانب کو، **كَمَا فِي حَالِ الْحَيَاةِ** جیسے کہ زندگی میں تھا طریقہ بھئی۔ زندگی میں بھی انسان اسی طرح چادر وغیرہ اوڑھتا ہے کہ پہلے بایاں کنارہ ہوتا ہے اور اس کے اوپر دایاں کنارہ ڈالتا ہے بھئی۔

وَبَسْطُهُ، اور تفصیل اس کی یہ ہے۔ اب تفصیل بیان کرنے لگے ہیں، توبسط کا کیا معنیٰ؟ تفصیل۔ **وَبَسْطُهُ** اور تفصیل اس کی یہ ہے: **أَنْ تُبْسَطَ اللِّفَافَةُ أَوَّلًا**، اچھا بھئی سب سے پہلے کیا پہنانا ہے؟ تو میت کو یہ پہنانے ہیں کفن، تو سب سے پہلے وہ کپڑا بچھائیں گے جو سب سے اوپر آئے گا۔ یعنی لفافہ بچھا دیں گے، پھر اس کے بعد لفافے کے نیچے کیا آتا تھا؟ ازار، اس کے بعد اس لفافے کے اوپر ازار والا کپڑا بچھا دیں گے۔ پھر اس کے بعد سب سے اندر کون سا کپڑا تھا؟ قمیص، قمیص کو بچھا دیں گے جو نیچے والا نیچے والا حصہ ہے اس کو ان پر بچھا دیں گے اور جس حصے نے اوپر آنا ہے وہ سر کی طرف رکھیں گے لپیٹ کر بھئی۔ پھر میت کو اس کے اوپر رکھیں گے ان کفنوں کے اوپر یہ جو تین تہیں بچھی ہوئی ہیں اور سب سے پہلے قمیص کے اندر جو چاک لگا ہوا تھا وہاں سے اس کا سر گزاریں گے اور وہ جو حصہ لپیٹ کر سر کی طرف رکھا تھا اب اس کو میت کے اوپر لے آئیں گے، تو یہ قمیص ہو گئی پوری میت کے اوپر۔ اور اس کے نیچے کیا بچھایا تھا؟ ازار، اب اس کے بعد ازار کا بائیں جانب اس پر لپیٹ دیں گے اور پھر دائیں جانب۔ اس سے نیچے کیا تھا؟ لفافہ تھا، اب لفافہ سب سے اوپر آ جائے گا تو اس کی بھی پہلے بائیں جانب لپیٹ دیں گے اور پھر دائیں جانب۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ یہی بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: **وَبَسْطُهُ: أَنْ تُبْسَطَ اللِّفَافَةُ أَوَّلًا**، اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بچھایا جائے لفافے کو پہلے، **ثُمَّ يُبْسَطُ عَلَيْهَا الْإِزَارُ** پھر اس پر ازار کو بچھا دیا جائے، **ثُمَّ يُقَمَّصُ الْمَيِّتُ** پھر قمیص پہنا دی جائے میت کو، **وَيُوضَعُ عَلَى الْإِزَارِ** اور اس کو کس پر رکھا جائے؟ میت کو قمیص پہنا کر کس پر رکھ دیا جائے؟ ازار پر، **ثُمَّ يُعْطَفُ الْإِزَارُ مِنْ قِبَلِ الْيَسَارِ** پھر لپیٹ دیا جائے ازار کو بائیں جانب سے، **ثُمَّ مِنْ قِبَلِ الْيَمِينِ** پھر دائیں جانب سے، **ثُمَّ اللِّفَافَةُ كَذَلِكَ** پھر لفافہ اسی طرح، یعنی پہلے بائیں جانب سے لپیٹا جائے اور پھر دائیں جانب سے۔

وَإِنْ خَافُوا أَنْ يَنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ عَقَدُوهُ بِخِرْقَةٍ صِيَانَةً عَنِ الْكَشْفِ، وَإِنْ خَافُوا اور اگر ان کو لوگوں کو یہ خوف ہو **أَنْ يَنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ** کہ کفن اس میت سے کھل جائے گا، یعنی یہ خوف ہو کہ کہیں کھل نہ جائے، **عَقَدُوهُ** تو اس کو باندھ دیں **بِخِرْقَةٍ** کسی کپڑے سے، یعنی کسی پٹی وغیرہ سے، **صِيَانَةً عَنِ الْكَشْفِ** کھلنے سے بچانے کے لیے۔ تو درمیان سے کسی پٹی وغیرہ سے بھی باندھ دیا جائے۔

وَتُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِي خَمْسَةِ أَثْوَابٍ، اب عورت کے کفن کی تفصیل آ رہی ہے بھئی۔ یاد رکھیے عورت جو ہے اس کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا، یہ ہے کفنِ سنت۔ مسنون کیا ہے؟ کتنے کپڑے ہوں؟ پانچ کپڑے ہوں بھئی۔ تین تو یہی کپڑے ہیں: ازار، قمیص اور لفافہ۔ ہاں قمیص کو یہاں یہ **دِرْعٌ** کہیں گے، کیا کہیں گے؟ **دِرْعٌ**، دال، را، عین، یہ متن میں ہی آ رہا ہے۔ اس کو **دِرْعٌ** کہیں گے، اس لیے کیونکہ عربی زبان میں عورت کی قمیص کے لیے **دِرْعٌ** کا لفظ استعمال ہوتا ہے، تو ہے یہ وہی

قمیص ہی بھئی، **دِرْعٌ**۔ تو ایک قمیص، ایک ازار اور ایک لفافہ اور دو کپڑے زائد ہوں گے عورت کے کفن میں: ایک ہے **خِمَارٌ**، خمار دوپٹہ یعنی اوڑھنی، ایک یہ کپڑا زائد ہو گا اور ایک جو ہے وہ **خِرْقَةٌ** ایک کپڑے کا ٹکڑا جس کے ساتھ اس کی چھاتی کو باندھا جائے گا اور وہ سینہ بند بھئی، سینہ بند۔ تو اس کے کتنے کپڑے ہو گئے؟ پانچ کپڑے ہو گئے بھئی۔ جی دیکھیے اب کتاب پر۔

کہتے ہیں: **وَتُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِي خَمْسَةِ أَثْوَابٍ**، اور کفن دیا جائے گا عورت کو پانچ کپڑوں میں، **دِرْعٌ وَإِزَارٌ وَخِمَارٌ وَلِفَافَةٌ وَخِرْقَةٌ تُرْبَطُ فَوْقَ ثَدْيَيْهَا، دِرْعٌ وَإِزَارٌ وَخِمَارٌ** یہ میں کون سا اعراب پڑھ رہا ہوں؟ رفع، دیکھیے پھر وہی لف و نشر والی صورت ہے۔ اور کیا پڑھ سکتا ہوں یہاں؟ جر بھی پڑھ سکتا ہوں: **دِرْعٍ وَإِزَارٍ وَخِمَارٍ وَلِفَافَةٍ وَخِرْقَةٍ**، اور نصب؟ نصب نہیں، کیونکہ رسم الخط اس کے مطابق نہیں ہے بھئی۔ تو پانچ کپڑوں میں دیا جائے گا اس کو کفن: **دِرْعٌ** ایک قمیص ہے، **وَإِزَارٌ** اور ایک ازار ہے، **وَخِمَارٌ** اور ایک اوڑھنی ہے یعنی دوپٹہ ہے، یہ تقریباً کوئی ڈیڑھ گز کے لگ بھگ کپڑا ہو گا، **وَلِفَافَةٌ** اور ایک لفافہ ہے، **وَخِرْقَةٌ** اور ایک ایسا کپڑا **تُرْبَطُ فَوْقَ ثَدْيَيْهَا** جس کو باندھا جائے گا اس عورت کی دونوں چھاتیوں کے اوپر، **لِحَدِيثِ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى اللَّوَاتِي غَسَّلْنَ ابْنَتَهُ خَمْسَةَ أَثْوَابٍ**، بوجہ ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی وجہ سے کہ حضور علیہ السلام نے **أَعْطَى** عطا فرمایا، حضور علیہ السلام نے عطا فرمایا **اللَّوَاتِي** وہ عورتیں جو ہیں **غَسَّلْنَ ابْنَتَهُ** جو غسل دے رہی تھیں آپ کی بیٹی کو، **خَمْسَةَ أَثْوَابٍ** کتنے کپڑے عطا فرمائے؟ پانچ کپڑے۔ تو اس حدیث میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے ان عورتوں کو جو آپ کی بیٹی جو حضرت زینب جن کا انتقال ہو گیا تھا ان کو جو غسل دے رہی تھیں جو عورتیں ان کو آپ نے پانچ کپڑے عطا فرمائے کہ یہ اس کو اس میں، اس کو ان کپڑوں میں کفن دے دو۔

وَلِأَنَّهَا، آگے عقلی دلیل بھی ذکر فرما رہے ہیں ان پانچ کپڑوں کی، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهَا تَخْرُجُ فِيهَا حَالَةَ الْحَيَاةِ فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ**، اس لیے کیونکہ وہ عورت زندگی کی حالت میں ان پانچ کپڑوں میں نکلتی تھی تو موت کے بعد بھی اسی طرح ہو گا یہ پانچ کپڑے دیے جائیں گے۔

ثُمَّ هَذَا بَيَانُ كَفَنِ السُّنَّةِ، پھر یہ جو ہے کفنِ سنت کا بیان ہے۔ یہ کس کا بیان تھا؟ کفنِ سنت کا بیان تھا۔ **وَإِنِ اقْتَصَرُوا عَلَى ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ جَازَ**، اور اگر ان لوگوں نے اکتفاء کر لیا تین کپڑوں پر تو یہ بھی جائز ہے۔ تین کپڑے، تین کپڑے کون کون سے؟ کہتے ہیں: **وَهِيَ الثَّوْبَانِ**، یہ دو کپڑے ہیں یعنی وہ جو اوپر گزرے ازار اور لفافہ، یہ وہ دو کپڑے ہیں، **وَخِمَارٌ** اور اوڑھنی ہے دوپٹہ ہے، **وَهُوَ كَفَنُ الْكِفَايَةِ** اور یہ کفنِ کفایت ہے عورت میں، یعنی اس پر بھی اکتفاء کرنا جائز ہے۔

وَيُكْرَهُ أَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ، اور اس سے کم کپڑے دینا مکروہ ہے، یعنی عورت کو تین کپڑوں سے کم دینا مکروہ ہے۔ **وَفِي الرَّجُلِ يُكْرَهُ الِاقْتِصَارُ عَلَى ثَوْبٍ وَاحِدٍ**، اور مرد کے اندر ایک کپڑے پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے، **إِلَّا فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ** مگر ضرورت کی حالت میں۔ ضرورت میں تو پھر جب کپڑا اور کوئی ہے ہی نہیں تو پھر جس طرح کا بھی کفن میسر ہو سکے دینا جائز ہے۔ دلیل اس کی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **لِأَنَّ مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ حِينَ اسْتُشْهِدَ كُفِّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ**، اس لیے کیونکہ حضرت مصعب بن عمیر جب وہ شہید ہو گئے تو ان کو کفن دیا گیا ایک کپڑے میں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے اور صحابہ حضور علیہ السلام کے پاس اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! کہ مصعب بن عمیر کو کے کفن کا ہم کیا کریں؟ وہ ایک ہی چادر ہی ہے ان کی اور اس چادر میں ہم ان کے سر کو ڈھانپتے ہیں تو قدم ننگے ہو جاتے ہیں اور قدموں کو ڈھانپتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے، اب ہم کیا کریں؟ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ سر کو ڈھانپ دو اور قدموں پر اذخر گھاس ہے وہ گھاس ڈال دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تو ان کو ایک ہی کپڑے میں دفنایا گیا اور یہ کس وجہ سے تھا؟ ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے تھا تو یہ کفنِ ضرورت ہے اور ضرورت کے موقع پر یہ جائز ہے۔

وَهَذَا كَفَنُ الضَّرُورَةِ، اور یہ کفنِ ضرورت ہے بھئی۔

وَتُلْبَسُ الْمَرْأَةُ الدِّرْعَ أَوَّلًا ثُمَّ يُجْعَلُ شَعْرُهَا ضَفِيرَتَيْنِ، اب عورت کو کفن کیسے پہنایا جائے گا، یہ پانچ کپڑے کس ترتیب سے ہوں گے وہ بیان کرنے لگے ہیں، وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ بھئی دیکھیے مرد میں سب سے پہلے کیا پہناتے تھے اسے؟ قمیص، اس کے بعد کیا آتا تھا؟ ازار اور اس کے بعد سب سے اوپر لفافہ آتا تھا۔ یہاں اب دو کپڑے اور آ گئے، ایک تو وہ اوڑھنی آ گئی، وہ اوڑھنی کہاں آئے گی؟ یاد رکھیے وہ قمیص کے بعد دوسرے نمبر پر اب آئے گی بھئی، اوڑھنی۔ قمیص عورت کو پہنا دی اور اس عورت کے جو بال ہیں ان کے کہتے ہیں مینڈھیاں بنا کر، دو چوٹیاں بنا کر اس کے سینے پر دائیں بائیں ڈال دیں گے بھئی بال جو ہیں اور پھر اس کو یہ اوڑھنی سر پر یہ دوپٹہ پہنایا جائے گا اوڑھنی اور میں نے بتایا یہ کوئی ڈیڑھ گز کے لگ بھگ کپڑا ہو اور پھر اس کو انہی بالوں پر اوپر ڈال دیا جائے گا بھئی، دائیں طرف بھی ایک کنارہ دائیں طرف سینے پر آ جائے گا اوڑھنی اور دوسرا بائیں طرف آ جائے گا۔ اور پھر اس کے بعد اس کے بعد ازار آئے گا، کیا آئے گا؟ ازار اسی طرح اپنے مقام پر آیا۔ پھر اس کے بعد وہ جو سینہ بند تھا وہ آئے گا اور وہ کتنا کپڑا ہو؟ تو علماء لکھتے ہیں کہ وہ سینے سے لے کر ناف تک ہو بھئی، سینے سے لے کر ناف تک ہو، لیکن افضل یہ ہے کہ سینے سے لے کر گھٹنوں تک ہو بھئی، افضل کیا ہے؟ سینے سے لے کر گھٹنوں تک ہونا چاہیے۔ تو پھر اس ازار کے اوپر یہ آ جائے گا یہ کپڑا بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ اور اگر اس کو ازار سے پہلے کر دیا تو بھی جائز ہے بھئی۔ ازار سے پہلے اور پھر اس کے اوپر ازار کر دیا یہ بھی جائز ہے بھئی۔ اور پھر اس کے اوپر کیا آئے گا؟ لفافہ آئے گا اور اگر یہ جو کپڑا جو سینے سے لے کر گھٹنوں تک ہے

اگر یہ سب سے اوپر کر دیں لفافے سے بھی اوپر کر دیں تو بھی جائز ہے بھئی۔ ترتیب سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں: **وَتُلْبَسُ الْمَرْأَةُ الدِّرْعَ أَوَّلًا**، پہنائی جائے گی عورت کو قمیص سب سے پہلے، **ثُمَّ يُجْعَلُ شَعْرُهَا ضَفِيرَتَيْنِ عَلَى صَدْرِهَا**، پھر کر دیا جائے گا اس کے بالوں کو دو مینڈھیاں بنا کر **عَلَى صَدْرِهَا** اس کے سینے پر، دو مینڈھیاں ایک دائیں طرف سینے پر اور ایک بائیں طرف، **فَوْقَ الدِّرْعِ** کس کے اوپر؟ قمیص کے اوپر یہ دو مینڈھیاں آجائیں گی، **ثُمَّ الْخِمَارُ فَوْقَ ذَلِكَ** پھر اوڑھنی جو ہے وہ اس کے اوپر ہو گی، **ثُمَّ الْإِزَارُ تَحْتَ اللِّفَافَةِ** پھر ازار ہو گا **تَحْتَ اللِّفَافَةِ** کس کے نیچے؟ لفافہ کے نیچے بھئی، لفافہ کے نیچے۔ تو صاحبِ ہدایہ نے وہ خرقے کا ذکر نہیں فرمایا بھئی، خرقے کا اور میں نے تفصیل آپ کے سامنے بیان کر دی بھئی۔

قَالَ: وَتُجْمَرُ الْأَكْفَانُ قَبْلَ أَنْ يُدْرَجَ فِيهَا الْمَيِّتُ وِتْرًا، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَتُجْمَرُ الْأَكْفَانُ** اور دھونی دی جائے گی یعنی خوشبودار دھواں دیا جائے گا کفنوں کو، **قَبْلَ أَنْ يُدْرَجَ فِيهَا الْمَيِّتُ** قبل اس کے کہ اس میں میت کو لپیٹا جائے، **وِتْرًا** طاق مرتبہ۔ بھئی جیسے وہ تختہ جس پر میت کو غسل دیتے تھے اس کو پہلے طاق مرتبہ خوشبودار دھواں دیا جاتا تھا، اسی طرح یہ مسنون ہے کہ یہ جو کفن پہنایا جائے میت کو اس کو پہلے خوشبودار دھواں دیا جائے تاکہ خوشبودار کچھ ہو جائے اور یہ خوشبودار دھواں یعنی یہ جو دھونی ہے یہ طاق مرتبہ ہونی چاہیے، تین دفعہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ۔ یہ معنی ہے: **وَتُجْمَرُ الْأَكْفَانُ قَبْلَ أَنْ يُدْرَجَ فِيهَا الْمَيِّتُ وِتْرًا**، اور خوشبودار دھواں دیا جائے گا کفنوں کو قبل اس کے کہ اس میں داخل کیا جائے میت کو، طاق۔

لِأَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِإِجْمَارِ أَكْفَانِ ابْنَتِهِ وِتْرًا، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے کفنوں کو خوشبودار دھواں دینے کا حکم فرمایا **وِتْرًا** طاق بھئی۔

وَالْإِجْمَارُ هُوَ التَّطْيِيبُ، اور اجمار بھئی معنی بھی بیان کرتے ہیں معنی بھی بیان کر رہے ہیں: اجمار کیا ہے؟ **هُوَ التَّطْيِيبُ** خوشبو لگانا ہے یعنی خوشبو والا دھواں دینا۔

فَإِذَا فَرَغُوا مِنْهُ صَلَّوْا عَلَيْهِ لِأَنَّهَا فَرِيضَةٌ، پس جب اس سے فارغ ہو جائیں یعنی غسل بھی دے دیا اور کفن بھی دے دیا، تو اس سے جب فارغ ہو جائیں تو پھر اس پر نمازِ جنازہ پڑھیں **لِأَنَّهَا فَرِيضَةٌ** کیونکہ نمازِ جنازہ فرض ہے، فرض ہے۔

■ فَصْلٌ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ یہ فصل ہے میت پر نماز

فَصْلٌ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ یہ فصل ہے میت پر نماز کے بیان میں۔ اب صاحبِ ہدایہ اس میں نمازِ جنازہ کا طریقہ بتلائیں گے اور یہ بھی بتلائیں گے کہ زیادہ لائق کون ہے، کون زیادہ حقدار کون ہے نمازِ جنازہ پڑھانے کا۔

یہاں یاد رکھیے بھئی ایک دو باتیں ہیں۔ نمازِ جنازہ میں آپ نے پڑھا ہے کہ چار تکبیرات ہیں اور یہ چار تکبیرات چار رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔ تو ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔ ہر تکبیر کیا ہے؟ ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔ اور سب سے ضروری بات جو ہمیشہ یاد بھی رکھنا اور دوسروں کو بھی بتانا کیونکہ اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں کہ نمازِ جنازہ میں دو چیزیں فرض ہیں۔ ایک یہ تکبیرات اور ایک قیام بھئی، کھڑے ہونا۔ قیام بھی نمازِ جنازہ میں فرض اور تکبیرات بھی فرض ہیں۔ لہٰذا اگر ایک بھی تکبیر رہ گئی کسی کی تو اس کی نمازِ جنازہ فاسد ہوئی، جو اس نے نمازِ جنازہ پڑھی وہ ہوئی ہی نہیں بھئی، ہوئی ہی نہیں۔ تو چاروں تکبیرات کیا ہیں؟ فرض ہیں بھئی فرض ہیں۔ اور نمازِ جنازہ کی نیت یہ کرے انسان کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے اور میت کے لیے بطورِ دعا کے یہ نماز پڑھتا ہے بھئی۔ اللہ کی رضا کے لیے اور میت کی دعا کے لیے، میت کے لیے بطورِ دعا کے یہ نماز پڑھتا ہے۔

جی آگے تفصیل ساری کتاب میں آرہی ہے۔ کہتے ہیں: **وَأَوْلَى النَّاسِ بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ السُّلْطَانُ إِنْ حَضَرَ**، اور لوگوں میں سے زیادہ حقدار اس نماز کا **بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ** میت پر نماز کے، میت پر نماز کا لوگوں میں سے زیادہ حقدار **السُّلْطَانُ** وہ بادشاہ ہے یعنی خلیفہ ہے، وہ سب سے زیادہ حقدار ہے **إِنْ حَضَرَ** اگر وہ حاضر ہو۔ اگر خلیفہ حاضر ہو تو پھر کسی اور کے لیے مقدم ہونا درست نہیں الا یہ کہ وہ آگے کرے۔ بھئی کیا وجہ یہ بادشاہ اور یا خلیفہ کیوں زیادہ حقدار ہے؟ **لِأَنَّ فِي التَّقَدُّمِ عَلَيْهِ ازْدِرَاءً بِهِ، لِأَنَّ فِي التَّقَدُّمِ عَلَيْهِ ازْدِرَاءً بِهِ**، یہ **ازْدِرَاءً** یہ اسم ہے **أَنَّ** کا بھئی مؤخر ہے تو یہ منصوب ہو گا۔ اس لیے کیونکہ بادشاہ پر مقدم ہونے میں کہ کوئی اس پر مقدم ہو جائے **ازْدِرَاءً بِهِ** اس میں اس بادشاہ کی توہین ہے، اس کی تحقیر ہے کہ کوئی اور کیا ہو جائے؟ اس کی موجودگی میں آگے ہو جائے لہٰذا وہ سب سے زیادہ حقدار ہے۔

فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ، پھر یاد رکھیے خلیفہ اگر موجود نہیں تو پھر اگر اس نے کسی کو حکم دیا ہے، کوئی اس کا نائب ہے وہ دوسرے نمبر پر وہ حقدار ہے۔ اگر نائب بھی کوئی نہیں پھر جو اس شہر کا حاکم ہے خلیفہ کی طرف سے جو مقرر ہے وہ زیادہ حقدار ہے نمازِ جنازہ کا۔ اور اگر وہ بھی نہیں تو پھر اگر اس شہر کا قاضی موجود ہے تو وہ زیادہ حقدار ہے۔ حتیٰ کہ ان افراد کو میت کا جو ولی ہے اس پر بھی یہ مقدم ہیں یہ سارے۔ ولی پر بھی کیا ہیں؟ مقدم ہیں بھئی۔ ترتیب سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں: **فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَالْقَاضِي،**

اگر وہ خلیفہ یا بادشاہ حاضر نہ ہو تو قاضی حقدار ہے، **لِأَنَّهُ صَاحِبُ وِلَايَةٍ** کیونکہ وہ صاحبِ ولایت ہے، قاضی کو سب پر ولایت حاصل ہے سب پر اس کا حکم نافذ ہوتا ہے تو وہ زیادہ حقدار ہے۔

فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ، پس اگر قاضی بھی حاضر نہ ہو، **فَيُسْتَحَبُّ تَقْدِيمُ إِمَامِ الْحَيِّ**، تو پھر محلے کا جو امام ہے اس کو مقدم کرنا مستحب ہے۔ اس کو مقدم کرنا مستحب ہے، دیکھیے یہاں مستحب فرمایا، معلوم ہوا اس کو مقدم کرنا واجب نہیں ہے بھئی۔ تو مستحب ہے اس محلے کے امام کو مقدم کرنا۔ بھئی اس کو مقدم کرنا کیوں مستحب ہے؟ دلیل کیا ہے اس کی؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ رَضِيَهُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ**، اس لیے کیونکہ وہ مرنے والا جو ہے وہ راضی تھا اس امام پر اپنی زندگی میں، زندگی کی حالت میں وہ اس کی امامت پر راضی تھا لہٰذا جنازے میں بھی اس کو اب مقدم کرنا مستحب ہے۔

قَالَ، آگے صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **ثُمَّ الْوَلِيُّ**، پھر حقدار کون ہے؟ ولی جو ہے میت کا۔ **وَالْأَوْلِيَاءُ عَلَى التَّرْتِيبِ الْمَذْكُورِ فِي النِّكَاحِ**، اور اولیاء جو ہیں اسی ترتیب پر ہوں گے جو کتاب النکاح جو نکاح کے باب میں جس طرح ذکر کیے جاتے ہیں۔ کس میں؟ نکاح میں جیسے ذکر ہیں۔ نکاح میں بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ نکاح میں سب سے اول ولایت کا حقدار جس کو ولایت حاصل ہوگی وہ عورت کا بیٹا ہے اگر وہ ہو۔ کسی عورت کے نکاح کا معاملہ ہے اور اس کا بیٹا ہے تو سب سے زیادہ ولایت کا حق کس کو حاصل ہے؟ ولایت کا حقدار کون ہے؟ بیٹا جو ہے اس کو، اور اس کے بعد اگر اس عورت کا والد زندہ ہے تو دوسرا درجہ اس کا ہے بھئی، دوسرا درجہ اس کا ہے اور اسی طرح وہاں ترتیب ذکر ہے۔ لیکن یہاں یاد رکھنا علماء فرماتے ہیں، فقہاء فرماتے ہیں کہ یہاں باپ بیٹے پر مقدم ہے۔ نمازِ جنازہ کے معاملے میں باپ کو ولایت حاصل ہوگی اگر بیٹا موجود ہو تو یہاں پہلا درجہ اولیاء میں باپ کا ہے اور دوسرا درجہ کس کا؟ بیٹے کا۔ اور نکاح کے اندر پہلا درجہ کس کا؟ بیٹے کا ہے اور دوسرا درجہ باپ کا ہے بھئی۔

اور اگر ایک ہی درجے کے کئی ولی ہیں، ایک ہی درجے کے کئی ولی ہیں تو پھر ان میں جو زیادہ عمر والا ہوگا وہ حقدار ہوگا۔ مثلاً مرنے والے کے کئی بیٹے ہیں تو جو زیادہ عمر والا ہے جو ان میں بڑا ہے وہ زیادہ حقدار ہوگا بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَالْأَوْلِيَاءُ عَلَى التَّرْتِيبِ الْمَذْكُورِ فِي النِّكَاحِ**، اور اولیاء جو ہیں اس ترتیب پہ ہوں گے جو ذکر کی گئی ہے نکاح میں۔

فَإِنْ صَلَّى غَيْرُ الْوَلِيِّ أَوِ السُّلْطَانِ، پس اگر نماز پڑھی اس پر غیر ولی نے یعنی ولی کے علاوہ کسی اور نے **أَوِ السُّلْطَانِ** یا بادشاہ کے علاوہ کسی اور نے، **أَعَادَ الْوَلِيُّ**، تو ولی کیا کر سکتا ہے؟ اعادہ کروا سکتا ہے، یعنی **إِنْ شَاءَ** یعنی اگر چاہے، یعنی ضروری نہیں ہے اعادہ کروائے لیکن اگر چاہے تو ولی کیا کر سکتا ہے؟ اعادہ کروا سکتا ہے، **لِمَا ذَكَرْنَا** اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی **أَنَّ الْحَقَّ لِلْأَوْلِيَاءِ** کہ حق کس کا ہے؟ اولیاء کا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیے صرف بادشاہ کا استثناء نہیں، میں نے تفصیل بیان کر دی، جو لوگ ولی پر مقدم ہیں یعنی بادشاہ ہو یا بادشاہ کا جس کو بادشاہ نے حکم دیا ہے یا اس شہر کا حاکم ہے یا قاضی ہے، ان لوگوں میں سے اگر کوئی نمازِ جنازہ پڑھا دیتا ہے تو پھر ولی کو لوٹانے کا حق نہیں ہے بھئی کیونکہ یہ تو خود ہی ولی پر کیا تھے؟ مقدم تھے بھئی تو۔ ہاں اگر ان کے علاوہ کسی اور نے نمازِ جنازہ پڑھا دی اور ولی چاہتا ہے اس کا اعادہ کرنا کہ پھر لوٹا دے، تو پھر اس کے لیے شرعاً جائز ہے، شرعاً جائز ہے۔ اور اگر اس کی اجازت سے کسی نے پڑھائی ہے نمازِ جنازہ بھئی، سمجھ رہے ہیں؟ تو پھر درست نہیں ہے اس کے لیے کیونکہ اس کی اجازت سے ہوئی ہے باقاعدہ بھئی۔

یعنی **إِنْ شَاءَ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْحَقَّ لِلْأَوْلِيَاءِ**، اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی کہ حق جو ہے اولیاء کے لیے ہے۔

وَإِنْ صَلَّى الْوَلِيُّ لَمْ يَجُزْ لِأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّيَ بَعْدَهُ، اور اگر ولی نے پڑھ لی نماز **لَمْ يَجُزْ لِأَحَدٍ** تو کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں ہے **أَنْ يُصَلِّيَ بَعْدَهُ** کہ اس کے بعد پھر وہ نمازِ جنازہ پڑھے۔ جب ولی نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو پھر اس کے بعد کسی کو نمازِ جنازہ لوٹانے کی اجازت نہیں۔ **لِأَنَّ الْفَرْضَ يَتَأَدَّى بِالْأَوَّلِ**، دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْفَرْضَ يَتَأَدَّى بِالْأَوَّلِ** اس لیے کیونکہ فرض ادا ہو گیا پہلی نماز سے ہی، **وَالنَّفْلُ بِهَا غَيْرُ مَشْرُوعٍ** اور نفل اس نماز کے ساتھ وہ مشروع نہیں ہے۔ یہ نماز نفلاً پڑھنا مشروع نہیں ہے، ایک ہی دفعہ پڑھی جاتی ہے اور ایک دفعہ ولی نے پڑھ دی ہے تو اب کوئی اور نہیں پڑھ سکتا۔

وَلِهَذَا، اور اسی وجہ سے **رَأَيْنَا النَّاسَ تَرَكُوا عَنْ آخِرِهِمِ الصَّلَاةَ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الْيَوْمَ كَمَا وُضِعَ**، اور اسی وجہ سے ہم نے دیکھا ہے لوگوں کو کہ **تَرَكُوا** انہوں نے چھوڑ دیا ہے کس چیز کو؟ آگے آ رہا ہے: **الصَّلَاةَ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ**، حضور علیہ السلام کی قبر پر نمازِ جنازہ کو، لوگوں نے چھوڑ دیا ہے وہ نہیں پڑھتے۔ **عَنْ آخِرِهِمْ، أَيْ عَنْ أَوَّلِهِمْ إِلَى آخِرِهِمْ**، اول سے لے کر آخر تک۔ تو یہ اصل ترکیب کیا ہے؟ **عَنْ أَوَّلِهِمْ إِلَى آخِرِهِمْ۔ عَنْ** کیا ہے؟ حرفِ جر ہے۔ **أَوَّلِهِمْ** مجرور اور پھر آگے کیا ہے؟ **إِلَى** حرفِ جر اور **آخِرِهِمْ** مجرور۔ تو اول میں سے مجرور کو اڑا دیا، یعنی **أَوَّلِهِمْ**، مجرور کو اڑا دیا اور ثانی میں سے حرفِ جر **إِلَى** کو اڑا دیا گیا بھئی، تو یہ اسی طرح عربی میں استعمال کرتے ہیں بھئی۔

تو اسی لیے ہم نے دیکھا ہے کہ ان لوگوں کہ لوگوں نے جو ہے اول سے آخر تک یعنی تمام لوگ مراد ہیں، تمام لوگوں نے چھوڑ دیا ہے حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر نماز پڑھنے کو، **وَهُوَ الْيَوْمَ كَمَا وُضِعَ** اور حضور علیہ السلام آج بھی اسی طرح ہیں جیسے کہ آپ کو رکھا گیا تھا، یعنی جیسے آپ یعنی کہ معنی یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا جسمِ مبارک قبر میں آج بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آپ کو رکھا گیا تھا، اس لیے کیونکہ زمین جو ہے اس پر حرام کر دیا گیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے بھئی۔ تو حضور علیہ السلام آج بھی قبر میں اسی طرح ہیں اور آپ پڑھ چکے میں نے شروع میں بتلایا تھا کہ کہ جب تک میت قبر میں قبر میں گل نہ جائے اس کی قبر پر نمازِ جنازہ کا پڑھنا جائز ہے اگر جنازہ نہ پڑھا گیا ہو بھئی، جنازہ نہ پڑھا گیا ہو۔ اور حضور علیہ السلام تو کا جسمِ مبارک تو اسی طرح محفوظ ہے بھئی، آپ اسی طرح ہیں قبر میں۔ تو تو اگر نمازِ جنازہ ایک

سے زیادہ مرتبہ جائز ہوتی تو ہر نئے آنے والے لوگ کیا کرتے؟ حضور علیہ السلام کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھتے بھئی، لیکن ہم نے دیکھا ہے کوئی بھی اس طرح نہیں کرتا، بڑے بڑے فقہاء بڑے بڑے محدثین، فقہاء، علماء سب گزرے ہیں لیکن کسی نے اس طرح نہیں کیا، معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ ایک ہی دفعہ ہو گی اور پھر اس کے بعد نہیں ہو گی بھئی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **وَلِهَذَا رَأَيْنَا النَّاسَ تَرَكُوا عَنْ آخِرِهِمِ الصَّلَاةَ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الْيَوْمَ كَمَا وُضِعَ**، اور اسی وجہ سے ہم نے دیکھا ہے لوگوں کو کہ انہوں نے چھوڑ دیا ان سب نے چھوڑ دیا ہے نمازِ جنازہ کو **عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ** حضور علیہ السلام کی قبر پر، **وَهُوَ الْيَوْمَ كَمَا وُضِعَ** اور حضور علیہ السلام آج بھی اسی طرح ہیں جیسے کہ آپ کو رکھا گیا تھا۔

وَإِنْ دُفِنَ الْمَيِّتُ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ، اور اگر میت کو دفن کر دیا جائے اور اس کی **وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ** اس حال میں کہ اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی، بغیر نمازِ جنازہ کے اگر کسی میت کو دفن کر دیا گیا، **صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ** تو پھر نماز پڑھی جائے گی اس کی قبر پر۔ دلیل اس کی کیا ہے کہ قبر پر نماز پڑھی جائے گی؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى قَبْرِ امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ**، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز پڑھی، نمازِ جنازہ پڑھی بھئی۔ حضور علیہ السلام ایک قبر پہ سے گزرے نئی قبر تھی، پوچھا تو صحابہ نے بتلایا کہ وہ فلاں ایک انصاری عورت تھی وہ اس کا انتقال ہوا تھا اسے ہم نے دفنا دیا، تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی کہ ان کا انتقال ہوا ہے؟ تو فرمانے لگے کہ رات کا وقت تھا ہم نے کہا یہ نہ ہو آپ کو کوئی تکلیف وغیرہ پہنچے تو اس لیے ہم نے خود ہی نماز پڑھ کر اس کو دفنا دیا۔ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں دی؟ میری نماز میت کے لیے رحمت ہے بھئی۔ پھر آپ چنانچہ تشریف لائے اور قبر پر اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں اور آپ نے وہاں ان پر نماز پڑھی قبر پر ہی بھئی۔

تو مسئلہ سمجھ میں آگیا بھئی؟ اگر کسی پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو پھر جب جب تک میت قبر میں گل نہیں گئی، ٹکڑے نہیں ہو گئی اس وقت تک اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ آگے یہی ذکر فرما رہے ہیں: **وَيُصَلَّى عَلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَتَفَسَّخَ**، اور اس پر نماز پڑھی جائے گی قبل اس کے گل جانے کے۔ تفرخ کا معنی ہے گل جانا کسی چیز کا، ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔

اچھا بھئی اب پتہ کیسے چلے گا کہ میت قبر میں گل گئی ہو گی یا ابھی نہیں گلی ہو گی؟ تو وہ بھی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَالْمُعْتَبَرُ فِي مَعْرِفَةِ ذَلِكَ أَكْبَرُ الرَّأْيِ**، اور معتبر جو ہے اس کے پہچاننے میں وہ غالب رائے ہے، بڑی رائے ہے۔ یعنی غالب رائے اگر یہ ہو کہ میت ابھی تک صحیح سلامت ہو گی، گلی نہیں ہو گی، ختم نہیں ہوئی ہو گی تو پھر کیا کر سکتے ہیں؟ اس پر نماز اور اگر غالب گمان یہ ہو غالب رائے یہ ہو لوگوں کی کہ اب گل گئی ہو گی تو پھر اس کے پھر نہ پڑھیں بھئی۔ تو یہ معنی ہے: **وَالْمُعْتَبَرُ فِي مَعْرِفَةِ ذَلِكَ أَكْبَرُ الرَّأْيِ**، اور معتبر جو ہے اس کے جاننے میں وہ غالب رائے ہے بڑی رائے ہے یعنی غالب رائے ہے، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے بھئی، **لِاخْتِلَافِ الْحَالِ وَالزَّمَانِ وَالْمَكَانِ**، بوجہ حالت کے اور زمانے کے اور جگہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

بھئی اس بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تین دن تک پڑھ سکتے ہیں، تین دن تک۔ لیکن صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ دنوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ غالب گمان اور غالب رائے کو دیکھا جائے گا اور یہی قول صحیح ہے اس وجہ سے کیونکہ احوال بھی مختلف ہوتے ہیں، زمانہ بھی مختلف ہوتا ہے، جگہیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ حالت بھی مختلف ہوتی ہے، ایک آدمی ہے وہ موٹا ہے اور ایک آدمی دبلا پتلا ہے تو جس جو موٹا ہو گا اس کا بدن جلدی گل جائے گا اور جو دبلا پتلا ہو گا اس کا جسم اتنی جلدی نہیں گلے گا۔ اور اسی طرح بھئی زمانہ بھی مختلف ہوتا ہے، کبھی سردی کے ایام ہوتے ہیں کبھی گرمی کے ایام ہوتے ہیں اور تو سردی کے اندر میت دیر تک محفوظ رہتی ہے اور گرمی میں اتنی دیر تک محفوظ نہیں رہتی۔ اسی طرح جگہ بھی مختلف ہوتی ہے بھئی، کوئی علاقہ ٹھنڈا ہے کوئی گرم ہے، کہیں کی زمین جو ہے وہ سخت ہے کہیں کی نرم ہے، کہیں کی زمین جو ہے اس میں کچھ نمی وغیرہ ہو گی کچھ ایسی جگہ ہو گی جہاں کی زمین بالکل خشک ہو گی، تو لازمی بات ہے جہاں کچھ نمی وغیرہ ہو گی وہاں میت جلدی خراب ہو گی اور جو جگہ خشک ہو گی وہاں ذرا اس وقت اس کی بنسبت زیادہ لگے گا۔ تو صحیح قول یہی ہے کہ اس میں غالب رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہ معنی ہے: **هُوَ الصَّحِيحُ لِاخْتِلَافِ الْحَالِ وَالزَّمَانِ وَالْمَكَانِ**۔

وَالصَّلَاةُ، اب نماز کا طریقہ بیان کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، کہتے ہیں: **وَالصَّلَاةُ** اور نماز جو ہے اس کا طریقہ یہ ہے: **أَنْ يُكَبِّرَ تَكْبِيرَةً** کہ نماز پڑھنے والا ایک تکبیر کہے، ایک تکبیر کہے، **يَحْمَدُ اللهَ عَقِيبَهَا** اور اس تکبیر کے بعد اللہ کی حمد بیان کرے، وہی حمد بیان کر دے یعنی وہی نماز میں جو ثناء جیسے پڑھی جاتی ہے وہی پڑھ لی جائے بھئی: **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ**۔ اگر یہ پڑھ لے یہ بھی کافی ہے اور اگر بیچ میں وہ ایک لفظ جسے علماء نے ذکر فرمایا کتابوں میں آپ کو یہ مل جائے گا: **وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ**، تو **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ**، تو یہ لفظ بھی اگر ملا لیں اچھی بات ہے، اگر صرف وہی پڑھ لیں تو بھی کافی ہے۔ تو یہ کب پڑھا جائے گا؟ پہلی تکبیر کے بعد۔

ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً، پھر اس کے بعد وہ نماز پڑھنے والا تکبیر کہے، **وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اور حضور علیہ السلام پر درود پڑھے۔ دوسری تکبیر کے بعد حضور علیہ السلام پر درود پڑھے اور افضل یہ ہے کہ وہی نماز والا درود پڑھے جو آخر میں ہم تشہد کے اندر پڑھتے ہیں۔

ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً، بھئی دیکھ رہے ہیں آپ بھئی؟ عبارت کے اندر **يُكَبِّرُ** کے بعد **تَكْبِيرَةً** مفعولِ مطلق ذکر کرتے جارہے ہیں ہر جگہ پر، اشارہ کرتے جارہے ہیں یہ تکبیر فرض ہے۔ کیا کررہے ہیں؟ کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟ یہ جو مفعولِ مطلق لارہے ہیں یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ تکبیر فرض ہے، اس کی جگہ کچھ اور نہیں کہہ سکتے۔ حالانکہ وہ پیچھے نماز میں آپ نے پڑھا تھا بھئی، اختلاف پڑھا تھا کہ اللہ اجل یا الرحمٰن اکبر وغیرہ کہہ دیا تو بھی جائز ہے امام صاحب کے نزدیک، یہاں یہ **تَكْبِيرَةً** مفعولِ مطلق لارہے ہیں اور آپ نے پڑھا ہے مفعولِ مطلق کس لیے لایا جاتا ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟ ایک فائدہ اس کا یہ ہے کہ وہ مجاز کے احتمال کو ختم کردیتا ہے۔ کیا کرتا ہے؟ **ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا،** اگر میں صرف یہ کہتا: **ضَرَبْتُ زَيْدًا،** میں نے زید کی پٹائی کی، تو سننے والا اس کا ذہن اس طرف جاسکتا تھا کہ وہ یہ سمجھے کہ نہیں بھئی زید تو بڑا آدمی ہے اس کی پٹائی نہیں کی ہوگی، ہاں وہ ڈانٹ دیا ہوگا اور اچھی طرح ڈانٹ دیا ہوگا اور بڑا آدمی ہے اور اس کو کوئی اتنی ہمت کرلے کہ اس کو ڈانٹ بھی دے یہ اس کے لیے کس کی طرح ہے؟ پٹائی ہی کی طرح ہے تو اس کو کس سے تعبیر کردیا؟ پٹائی سے تعبیر کردیا، تو اس میں مجاز کا احتمال بھی تھا، لیکن جب میں آگے کہہ دوں گا: **ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا،** تو اب یہ **ضَرْبًا** نے کیا کیا؟ مجاز کے احتمال کو ختم کردیا، اب معلوم ہوا ضرب سے ضرب یعنی پٹائی ہی مراد ہے ڈانٹنا وغیرہ مجازی معنی مراد نہیں۔ تو یہاں بھی یہاں پر بھی **يُكَبِّرُ** کا معنی کہ کوئی اور سبحان اللہ یا الحمدللہ وغیرہ یا اس طرح کا لفظ کہہ دیا جائے تو وہ بھی جائز ہوگا لیکن آگے **تَكْبِيرَةً** کہہ کر بتلادیا نہیں بھئی تکبیر سے تکبیر ہی یہاں پر مراد ہے، تکبیر ہی کہنا پڑے گی تو مجاز کے احتمال کو ختم کردیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ اور حضور علیہ السلام پر درود پڑھے، **ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً** پھر اس کے بعد ایک تکبیر کہے، **يَدْعُو فِيهَا لِنَفْسِهِ وَلِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِينَ** اور دعا کرے اس میں اپنے لیے اور میت کے لیے اور مسلمانوں کے لیے۔ دعا کرے اس میں کیا کرے؟ اپنے لیے بھی اور میت کے لیے بھی اور مسلمانوں کے لیے بھی وہ دعا جو ہم پڑھتے ہیں، تو یہ دعا پڑھے بھئی: **اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ۔** سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ دعا پڑھے اور اسی طرح اور بھی دعائیں آتی ہیں تو جو بھی دعا پڑھ لی جائے بھئی اور اس میں اپنے لیے بھی دعا ہے، مرنے والے کے لیے بھی دعا ہے اور تمام مسلمانوں کے لیے بھی دعا ہے بھئی۔

اور نہیں صاحبِ ہدایہ نے ایک اور فائدہ بھی بتلادیا، دعا کا طریقہ بھی بتلادیا، دعا کا طریقہ بھی آپ کو سکھلادیا، دعا کا طریقہ۔ یاد رکھو جب بھی انسان دعا کرے سب سے پہلے اپنے لیے دعا کرے پھر کسی دوسرے کے لیے اور پھر تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے بھئی، تو دعا کا یہ طریقہ ہے یہ نہیں کہ پہلے دوسرے کے لیے کرے بعد میں اپنے لیے بلکہ پہلے انسان اپنے لیے دعا کرے پھر دوسرے کے لیے دعا کرے بھئی۔ اسی لیے کہا: **يَدْعُو فِيهَا لِنَفْسِهِ وَلِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِينَ۔** تو دیکھیے حالانکہ موت کا موقع ہے اس شخص کو دفن کیا جارہا ہے لیکن پھر بھی یہاں کیا کرے؟ پہلے اپنے لیے دعا کرے بھئی۔

ثُمَّ يُكَبِّرُ الرَّابِعَةَ، پھر اس کے بعد چوتھی تکبیر کہے، **وَيُسَلِّمُ** اور سلام پھیر دے، **لِأَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ أَرْبَعًا فِي آخِرِ صَلَاةٍ صَلَّاهَا فَنَسَخَتْ مَا قَبْلَهَا،** اس دلیل ذکر کررہے ہیں چار تکبیرات کیوں کہے گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے چار تکبیرات کہیں **فِي آخِرِ صَلَاةٍ صَلَّاهَا** اس آخری نماز میں جو آپ نے پڑھی یعنی آخری نمازِ جنازہ جو پڑھی آپ نے اس میں چار تکبیرات کہیں، **فَنَسَخَتْ مَا قَبْلَهَا** تو اس نے ماقبل کی نماز کو منسوخ کردیا، یعنی اس سے ماقبل میں اگر زائد تکبیرات کا بھی ذکر آتا ہے تو وہ اس آخری طریقہ حضور علیہ السلام کا یہ ہے معلوم ہوا اس نے اس یہ صلاۃ کیا بن گئی؟ ناسخ بن گئی ماپہلی نمازوں کے لیے یعنی پہلے طریقے کے لیے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

اور یہ بھی یاد رکھیے نمازِ جنازہ کے اندر نمازِ جنازہ کے اندر جماعت شرط نہیں ہے بھئی۔ لہٰذا اگر ایک آدمی بھی نمازِ جنازہ پڑھ دے گا تو فرض ادا ہوگیا بھئی، فرض ادا ہو گیا۔ اور پھر اس میں صفیں بناتے ہوئے یاد رکھیے صفیں بناتے ہوئے کہ طاق صفیں ہونی چاہییں بھئی، طاق۔ طاق صفیں، جفت نہیں ہونی چاہییں۔ حتیٰ کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر صرف سات آدمی ہوں جنازہ پڑھنے والے تو بھی وہ تین صفیں بنالیں۔ سب سے آگے امام ہوجائے، اس سے پیچھے جو پہلی صف ہے اس میں تین آدمی کھڑے ہوجائیں، اس سے پچھلی صف میں دو آدمی کھڑے ہوجائیں اور آخری صف میں ایک آدمی کھڑا ہوجائے تو طاق صفیں ہونی چاہییں بھئی، تین تین صفیں بنالے، تین صفیں بنالینی چاہییں اور اگر زیادہ انسان ہوں تو بھی صفیں بنائیں تو طاق تعداد ہونی چاہیے بھئی یعنی سات یا نو یا گیارہ وغیرہ بھئی۔

تو یہ چار تکبیرات نمازِ جنازہ کے اندر فرض ہیں جبکہ باقی دعائیں وغیرہ یاد رکھیے وہ مسنون ہیں، تو اگر کسی کی یہ تکبیر رہ گئی تو اس کی نمازِ جنازہ ہی صحیح نہ ہوئی اور اگر کسی کو کوئی دعا نہیں آتی لیکن آکر وہ کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ چاروں تکبیرات کہہ لیتا ہے تو اس نے کہ اس نے جو نمازِ جنازہ پڑھی وہ ادا ہوگئی بھئی۔ اور امام اس میں البتہ اونچی آواز سے تکبیر کہتا ہے اور مقتدی بھی کہے گا لیکن آہستہ آواز سے، تو اس کا خصوصاً خیال رکھیں نمازِ جنازہ پڑھتے ہوئے تکبیر زبان سے واضح طور پر ادا کریں کیونکہ اگر یہ رہ گئی تو پھر تو جو آپ نے نماز پڑھی وہ ہوئی ہی نہیں بھئی۔ چلیے بس بھئی **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

بھئی بتلادیا صاحبِ ہدایہ نے: **وَالنَّفْلُ بِهَا غَيْرُ مَشْرُوعٍ،** نمازِ جنازہ میں نفل پھر ایک ہی دفعہ ہوگی۔ اور یہ بھی یاد رکھیے بھئی نمازِ جنازہ کے اندر میت کا موجود ہونا بھی شرط ہے، میت سامنے ہے تو نمازِ جنازہ صحیح ہے اگر میت سامنے نہیں ہے تو پھر جنازہ بھی صحیح نہیں ہے، اسی لیے عند الاحناف جو ہے وہ غائبانہ نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔ اور جو دلیل ذکر کرتے ہیں وہ کہ حضور علیہ السلام نے نجاشی جو تھا شاہِ حبشہ ان پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی تھی لیکن اس کا ہم جواب دیتے ہیں کہ وہ حضور علیہ السلام کی خصوصیات

میں سے ہے، خصوصیات میں سے کیونکہ آپ نے حضور علیہ السلام نے تمام زندگی میں صرف انہی کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی ہے، اس کے علاوہ بھی اور بڑے بڑے مواقع آئے جہاں پر صحابہ دور دور جہاد وغیرہ میں نکلے ہوئے تھے ان کی شہادت ہوئی اور حضور علیہ السلام کو یہاں مدینہ منورہ میں اطلاع ملی لیکن آپ نے کسی پر بھی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی بھئی۔ وہ حضور علیہ السلام کے خصوصیات میں سے تھا اور وہ بھی صرف حضور علیہ السلام نے نجاشی کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے کسی اور کی نہیں بھئی، تو معلوم ہوا یہ جائز نہیں ہے بھئی عند الاحناف بھئی، جبکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ غائبانہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

سبق نمبر ۸۷: مسئلہ: وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ خَمْسًا لَمْ يُتَابِعْ...

ہدایہ صفحہ: ۱۹۲ — بتاریخ: ۱۴ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ خَمْسًا لَمْ يُتَابِعْهُ الْمُؤْتَمُّ خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ لِمَا رَوَيْنَا وَيَنْتَظِرُ تَسْلِيمَةَ الْإِمَامِ فِي رِوَايَةٍ وَهُوَ الْمُخْتَارُ وَالْإِتْيَانُ بِالدَّعَوَاتِ اسْتِغْفَارٌ لِلْمَيِّتِ وَالْبِدَايَةُ بِالثَّنَاءِ ثُمَّ بِالصَّلَاةِ سُنَّةُ الدُّعَاءِ» [1]

گزشتہ سبق میں ہم نے باب الجنائز شروع کیا تھا اور اس میں سب سے پہلے آپ نے یہ پڑھا کہ میت کو غسل کیسے دیا جائے گا، پھر اس کے بعد مسنون کفن کی تفصیل بیان ہوئی تھی اور پھر آخر میں نمازِ جنازہ کا بیان شروع ہوا تھا۔ اور گزشتہ سبق میں آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ نمازِ جنازہ کے اندر قیام بھی فرض ہے اور اسی طرح یہ چار تکبیرات جو ہیں یہ بھی فرض ہیں، جبکہ باقی دعائیں وغیرہ وہ مسنون ہیں مسنون بھئی۔ تو یہ چار تکبیرات جو ہیں وہ چار رکعتوں کے قائم مقام ہیں اور لہٰذا ان میں سے کوئی ایک تکبیر بھی کوئی کہنا بھول گیا تو اس کی اس نے جو نمازِ جنازہ پڑھی وہ فاسد ہے بھئی، وہ درست نہیں۔ تو اس میں خصوصاً احتیاط کریں بھئی۔

اب آگے آپ کو بتلا رہے ہیں: «**وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ خَمْسًا لَمْ يُتَابِعْهُ الْمُؤْتَمُّ**» اور اگر امام پانچ تکبیریں کہہ دے یعنی پانچویں تکبیر کہہ دے، «**لَمْ يُتَابِعْهُ الْمُؤْتَمُّ**» تو اس کا اتباع نہیں کرے گا مقتدی بھئی۔ کیونکہ ہمارے نزدیک کتنی تکبیرات ہیں؟ چار تکبیرات ہیں، حضور علیہ السلام نے آخری نمازِ جنازہ جو پڑھائی اس میں آپ نے چار تکبیرات پڑھیں، معلوم ہوا اس سے ماقبل کے جو طریقے تھے یا جو زائد تکبیرات تھیں وہ سب کیا ہیں؟ وہ منسوخ ہیں۔

تو کہتے ہیں اگر امام پانچ تکبیریں کہے تو مقتدی اس کا اتباع نہ کرے یعنی پانچویں تکبیر میں، «**خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ**» بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں اتباع کرے اس میں۔ ہم کہتے ہیں نہیں، اس میں اتباع نہیں کرے گا۔ «**لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ**» کیونکہ وہ کیا ہے؟ وہ منسوخ ہے، «**لِمَا رَوَيْنَا**» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی۔ «**وَيَنْتَظِرُ تَسْلِيمَةَ الْإِمَامِ فِي رِوَايَةٍ**» اچھا امام نے پانچویں تکبیر کہہ دی تو مقتدی کیا کرے گا؟ ایک روایت یہ کہ اس میں اس کا اتباع نہیں کرنا لہٰذا مقتدی کو چاہیے فوراً سلام پھیر دے بھئی، کیا کر دے؟ سلام پھیر دے۔ لیکن صاحب ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ مختار قول یہ ہے دوسری روایت کہ سلام نہ پھیرے بلکہ خاموش رہے اور انتظار کرے۔ جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ مقتدی بھی سلام پھیر دے بھئی۔ یہ معنی ہے «**وَيَنْتَظِرُ تَسْلِيمَةَ الْإِمَامِ**» اور انتظار کرے امام کے سلام کا، «**فِي رِوَايَةٍ**» ایک روایت کے مطابق، «**وَهُوَ الْمُخْتَارُ**» اور یہی کیا ہے؟ مختار ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَالْإِتْيَانُ بِالدَّعَوَاتِ اسْتِغْفَارٌ لِلْمَيِّتِ

«**وَالْإِتْيَانُ بِالدَّعَوَاتِ اسْتِغْفَارٌ لِلْمَيِّتِ**» اور دعاؤں کو لانا یعنی دعائیں پڑھنا، «**اسْتِغْفَارٌ لِلْمَيِّتِ**» یہ میت کے لیے استغفار ہے یعنی اس کے لیے مغفرت کا طلب کرنا ہے۔ «**وَالْبِدَايَةُ بِالثَّنَاءِ ثُمَّ بِالصَّلَاةِ سُنَّةُ الدُّعَاءِ**» اور ابتدا کرنا اللہ کی ثناء کے ساتھ، اللہ کی حمد کے ساتھ، «**ثُمَّ بِالصَّلَاةِ**» پھر صلاۃ یعنی حضور علیہ السلام پر درود کے ساتھ، «**سُنَّةُ الدُّعَاءِ**» یہ دعا کی سنت ہے بھئی۔ تو لہٰذا پہلے پہلی تکبیر کے بعد ثناء آئے گی، پھر دوسری تکبیر کے بعد درود آئے گا اور پھر تیسری تکبیر کے بعد وہ دعا آئے گی بھئی۔

[1] شاملہ (ص ۱۱۵) میں «وَالْبِدَايَةُ» کے بجائے «والبداءة» درج ہے۔

«وَلَا يَسْتَغْفِرُ لِلصَّبِيِّ» اور بچے کے لیے مغفرت کی دعا نہ کرے بھئی، کیونکہ بچہ معصوم ہے بھئی۔ «وَلٰكِنْ يَقُولُ» لیکن یوں کہے بھئی، یہ دعا اس موقع پر یہ دعا پڑھے اگر جنازہ کسی نابالغ کا ہے: «اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا، وَاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَذُخْرًا، وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَمُشَفَّعًا» تو جب بچے کا جنازہ ہو تو یہ دعا پڑھے بھئی: «اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا» فرط کہتے ہیں آگے بھیجی جانے والی چیز جو کام آئے بھئی، اے اللہ اس کو آئندہ کے لیے ہمارے لیے کام آنے والا بنادے۔ «وَاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا» اور اے اللہ اس کو ہمارے لیے اجر بنادے یعنی آخرت میں، «وَذُخْرًا» اور ہمارے لیے اس کو ذخیرہ بنادے۔ «وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَمُشَفَّعًا» اور اے اللہ اس کو ہمارے لیے شافع بنادے یعنی سفارش کرنے والا بنادے۔ شافع کہتے ہیں سفارش کرنے والا اور مشفع کہتے ہیں وہ جس کی سفارش قبول کی جائے، جس کی سفارش قبول کی جائے۔ تو اے اللہ اس کو ہمارے لیے سفارش کرنے والا بنادے اور ایسا سفارش کرنے والا جس کی سفارش قبول کی جائے۔

یہ تو اگر نابالغ بچہ ہو، اور اگر نابالغ بچی ہے پھر بھی یہی دعا آئے گی، بس صرف یہ ضمیریں جو مذکر کی ہیں اس کی جگہ مونث کی ضمیریں آجائیں گی اور آخر میں یہ جو «شَافِعًا وَمُشَفَّعًا» مذکر کے دو صیغے ہیں ان کی جگہ مونث کے صیغے آجائیں گے۔ تو دیکھیے مذکر میں تھا: «اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ» ہا ضمیر آئی مذکر کی، اس کی جگہ ہا ضمیر مونث والی آجائے گی: «اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا»، یہاں ہا ضمیر آجائے گی۔ آگے اسی طرح «وَاجْعَلْهَا لَنَا أَجْرًا»، یہاں پر بھی اسی طرح، اور تیسری جگہ «وَاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَمُشَفَّعَةً»، «شَافِعَةً وَمُشَفَّعَةً»۔

■ مسئلہ: وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ تَكْبِيرَةً أَوْ تَكْبِيرَتَيْنِ...

«وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ تَكْبِيرَةً أَوْ تَكْبِيرَتَيْنِ لَا يُكَبِّرُ الْآتِي حَتَّى يُكَبِّرَ أُخْرَى بَعْدَ حُضُورِهِ» جنازے کی نماز کا طریقہ بیان ہو گیا کہ چار تکبیرات کا نام ہے۔ اب عام نمازوں میں آپ ابتدا سے جیسے شریک ہوتے ہیں تو ابتدا سے تو امام کے ساتھ سارے اعمال کرتے ہیں، اگر بعد میں آپ آئیں بھئی، بعد میں آپ آئیں۔ مثلاً ایک رکعت نکل چکی ہے، عام نمازوں میں، نمازِ جنازہ کی بات نہیں کر رہا، عام نمازوں میں جب آپ آتے ہیں اور ایک رکعت نکل چکی ہے تو آتے ہی اللہ اکبر کہہ کر امام کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ چاہے ایک رکعت نکلی ہو، دو نکلی ہوں یا تین نکل گئی ہوں، وہ رہ گئی ہیں تو آپ آتے ہی انتظار نہیں کرتے بلکہ فوراً جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں اور پھر سلام جب امام پھیر دیتا ہے تو جتنی رکعتیں آپ کی نکل گئی تھیں، فوت ہو گئی تھیں، ان کو بعد میں آپ امام کے سلام پھیرنے کے بعد آپ ان کو پڑھتے ہیں۔

تو یاد رکھیے جنازے کی نماز میں بھی یہی ترتیب ہے، کیونکہ یہ چار تکبیریں چار رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔ لہٰذا جو تکبیریں رہ گئی ہیں وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد آپ پڑھیں گے بھئی۔ جیسے وہاں مسبوق کرتا تھا، یہاں بھی اب آپ مسبوق ہیں۔ ایک یا دو یا تین تکبیرات آپ کی رہ گئی ہیں، سمجھ میں آیا بھئی طریقہ؟ ہاں، البتہ ایک فرق ہے بھئی، ایک فرق، وہ یہ کہ عام نمازوں میں آپ آتے ہی اللہ اکبر کہہ کر شامل ہو جاتے ہیں، امام جس حالت میں بھی ہو۔ لیکن جنازے کی نماز میں طریقہ یہ ہے کہ آپ آتے ہی فوراً اللہ اکبر کہہ کر ساتھ شریک نہیں ہوں گے بلکہ انتظار کریں گے، جب امام اگلی تکبیر کہے گا اس وقت آپ اللہ اکبر کہہ کر ساتھ شامل ہو جائیں گے بھئی۔ جنازے کی نماز میں شامل ہونے کا طریقہ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو آپ اس وقت اللہ اکبر، جب امام اگلی تکبیر کہے گا آپ اس وقت اللہ اکبر کہہ کر اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ تو امام کی چاہے دوسری تکبیر ہے، تیسری تکبیر ہے، چاہے چوتھی تکبیر ہے، جو بھی تکبیر ہے، لیکن آپ کی یہ وہ تکبیرِ افتتاح بن جائے گی بھئی۔ اور باقی تکبیرات جب وہ سلام پھیر دے گا تو وہ آپ پھر مکمل کریں گے بھئی، مکمل کریں گے۔ اور باقی تکبیرات اس کے اندر اس میں پھر اسی طریقے سے وہی دعائیں وغیرہ جو پڑھتے ہیں اسی طرح پڑھتے جائیں گے، لیکن اگر یہ خوف ہے کہ جنازہ فوراً ہی اٹھالیا جائے گا، ادھر امام سلام پھیرے گا اور ساتھ ہی کیا ہو گا؟ جنازہ اٹھالیا جائے گا، اتنی دیر میں اب میں بھی دعاؤں میں مصروف ہوں گا تو میری نماز پوری ہونے سے پہلے جنازے کو اٹھالیا جائے گا، میرے سامنے سے جنازہ ہٹ جائے گا، تو پھر اس صورت میں وہ دعائیں پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں، بس صرف وہ تکبیرات کہیے اور سلام پھیر دیجیے بھئی، کیونکہ وہ دعائیں پڑھنا مسنون ہیں جبکہ یہ تکبیرات کیا ہیں؟ فرض ہیں۔ طریقہ سمجھ میں آگیا۔

جی، یہی اب بیان کر رہے ہیں بھئی: «وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ تَكْبِيرَةً أَوْتَكْبِيرَتَيْنِ» اور اگر امام ایک یا دو تکبیریں کہہ چکا ہے، «لَا يُكَبِّرُ الْآتِي» تو تکبیر نہ کہے آنے والا۔ آتی، اتی یاتی کے معنی ہیں آنا، تو «لَا يُكَبِّرُ الْآتِي» تو آنے والا تکبیر نہیں کہے گا، «حَتَّى يُكَبِّرَ أُخْرَى بَعْدَ حُضُورِهِ» یہاں تک کہ امام اگلی دوسری تکبیر کہے بعد حضورہ اس شخص کے حاضر ہونے کے بعد۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

یہ کس کے نزدیک ہے؟ کہتے ہیں: «عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ» یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ «وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُكَبِّرُ» جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں تکبیر کہے گا آنے والا۔ وہ فرماتے ہیں جیسے عام نمازوں میں مسبوق آتا ہے اور آتے ہی شامل ہو جاتا ہے اسی طرح جنازے کی نماز میں بھی آنے والا فوراً ہی تکبیر کہہ کر ساتھ شامل ہو جائے۔ تو «وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُكَبِّرُ حِينَ يَحْضُرُ» کہ وہ شخص آنے والا تکبیر کہے گا جب وہ حاضر ہو جائے، «لِأَنَّ الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ» اس لیے کیونکہ پہلی تکبیر تو افتتاح کے لیے ہے، نماز کے شروع کرنے کے لیے ہے، «وَالْمَسْبُوقُ يَأْتِي بِهَا» اور مسبوق اس کو لاتا ہے یعنی اس کو کہتا ہے۔ مسبوق کیا کرتا ہے؟ عام نماز میں آپ آئے ہیں، دو یا تین رکعتیں ہو گئی ہیں، تو کوئی انتظار کرتے ہیں یا آتے ہی فوراً تکبیر کہہ کر شامل ہو جاتے ہیں؟ فوراً تکبیر کہتے۔ تو یہاں پر بھی کہتے ہیں جیسے نماز میں مسبوق جو ہے افتتاح والی تکبیر فوراً کہہ دیتا ہے، ٹھیک ہے باقی رکعتیں تو نماز کے

بعد پوری کرے گا جو رہ گئی ہیں، لیکن تکبیرِ افتتاح میں وہ انتظار نہیں کرتا بلکہ کیا کرتا ہے؟ آتے ہی کہہ دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں جنازہ کے اندر بھی جب آیا امام ایک یا دو تکبیریں کہہ چکا ہے تو اب امام کی تکبیر کا انتظار نہ کرے بلکہ آتے ہی تکبیر کہہ کر نماز میں شامل ہو جائے بھئی، جیسے عام نمازوں میں مسبوق کرتا تھا۔ یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھئی۔ تو یہ ان کی دلیل ہے کہ عام نمازوں میں مسبوق اس کو لاتا ہے اس تکبیرِ افتتاح کو تو یہاں بھی فوراً کہہ کر شامل ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا

«وَلَهُمَا» اور طرفین کی دلیل یہ ہے: «أَنَّ كُلَّ تَكْبِيرَةٍ قَائِمَةٌ مَقَامَ رَكْعَةٍ» کہ ہر تکبیر جو ہے یہاں وہ قائم مقام ہے کس کے؟ ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔ «وَالْمَسْبُوقُ لَا يَبْتَدِئُ بِمَا فَاتَهُ» اور مسبوق ابتدا نہیں کرتا اس سے جو اس سے فوت ہو چکا ہے، جو اس سے رہ چکا ہے، «إِذْ هُوَ مَنْسُوخٌ» کیونکہ وہ منسوخ ہے، وہ کیا ہے؟ منسوخ۔ طرفین فرماتے ہیں کہ عام نماز اور اس نماز کا معاملہ بایں اعتبار مختلف ہے کہ یہاں یہ جو ہر ایک تکبیر ہے یہ کس کے قائم مقام ہے؟ ایک رکعت کے قائم مقام ہے، اور یہ امام کے آنے کے فوراً بعد اگر تکبیر کہے گا تو اس کا تو مطلب ہے وہ جو ایک تکبیر اس کی فوت ہو گئی تھی یہ وہ والی تکبیر کہہ رہا ہے۔ اس کا کیا معنی بنے گا؟ یہاں ہر تکبیر کس کے قائم مقام رکعت کے قائم مقام، تو ایک تکبیر تو نکل چکی ہے، امام دعا وغیرہ جس میں بھی ابھی مصروف ہے، اور یہ کیا کر دیتا ہے؟ اگر یہ تکبیر کہے گا تو یہ کون سی تکبیر ہو گی؟ جو فوت ہو چکی تھی۔ تو گویا فوت شدہ جو نماز کا فوت شدہ حصہ ہے اس کے ادا کرنے میں یہ مشغول ہو گیا پہلے، امام کے ساتھ شامل ہونے سے پہلے کس کو ادا کر رہا ہے؟ فوت شدہ حصے کو ادا کر رہا ہے، حالانکہ یہ منسوخ ہو چکا ہے کہ آنے والا پہلے فوت شدہ حصے کو ادا کرے، اور اب کیا طریقہ ہے نماز کا؟ ابتدائے اسلام میں تھا پہلے کہ جو حصہ نماز سے رہ چکا ہے اس کو آ کر پہلے ادا کر لیا جائے اور پھر باقی میں کیا ہو جائے؟ امام کے ساتھ شریک ہو جائے، لیکن اب یہ طریقہ منسوخ ہو چکا، اب کیا طریقہ ہے؟ کہ پہلے امام کے ساتھ شامل ہو اس کے بعد جب امام سلام پھیر دے تو جو فوت شدہ حصہ ہے اس کی کیا کر لی جائے؟ بعد میں قضاء یعنی بعد میں اس کو پورا کر لیا جائے بھئی، تو اب یہ طریقہ ہے۔ اور یہاں پر اگر یہ تکبیر کی اگر تکبیر وہ کہے گا تو اس کا مطلب ہے جو فوت شدہ حصہ ہے، جو فوت شدہ گویا رکعت ہے یوں کہو، اس کے ادا کرنے میں یہ لگ گیا اور حالانکہ یہ تو یہ طریقہ تو منسوخ ہو چکا ہے، لہٰذا انتظار کرے جب امام کیا کرے؟ اگلی تکبیر کہے تو یہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی۔ یہ معنی ہے کہ «وَالْمَسْبُوقُ لَا يَبْتَدِئُ بِمَا فَاتَهُ» اور مسبوق جو ہے ابتدا نہیں کرے گا اس چیز سے جو اس سے فوت ہو چکی ہے، «إِذْ هُوَ مَنْسُوخٌ» کیونکہ یہ منسوخ ہے۔

«وَلَوْ كَانَ حَاضِرًا فَلَمْ يُكَبِّرْ مَعَ الْإِمَامِ لَا يَنْتَظِرُ الثَّانِيَةَ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمُدْرِكِ» اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں: ایک شخص ابتدا سے ہی حاضر تھا جنازے کی نماز میں لیکن امام نے جب اللہ اکبر کہا تو یہ اس وقت اس سے تھوڑی سی سستی ہو گئی اور وہ امام کے ساتھ یہ تکبیر نہ کہہ سکا، تو اب وہ تکبیر نکل گئی یا نہیں نکل گئی؟ نکل گئی، تو کیا یہ بھی اگلی تکبیر کا بھی انتظار کرے پھر شامل ہو؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، یہ چونکہ ابتداءً موجود تھا البتہ اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے فوراً تکبیر ساتھ نہ کہہ سکا تو لہٰذا یہ مدرک ہی کی طرح ہے یعنی جو شروع سے ہی پوری نماز کو پانے والا ہے، لہٰذا یہ فوراً تکبیر کہہ لے بھئی۔ یہ گویا اس سے یوں سمجھا جائے گا تکبیر رہی ہی نہیں ساتھ ہی موجود ہے بھئی، بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ کیونکہ یہ موجود ہے ہاں، اور ایک دیر سے آئے وہ الگ ہے بھئی اس کی تو تکبیر فوت ہو چکی ہے۔ «وَلَوْ كَانَ حَاضِرًا» اور اگر یہ شخص حاضر تھا، «فَلَمْ يُكَبِّرْ مَعَ الْإِمَامِ» پس یہ تکبیر نہ کہہ سکا امام کے ساتھ، «لَا يَنْتَظِرُ الثَّانِيَةَ بِالِاتِّفَاقِ» تو پھر یہ اگلی دوسری تکبیر کا انتظار نہیں کرے گا بالاتفاق، «لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمُدْرِكِ» کیونکہ یہ کس کے درجے میں ہے؟ مدرک کے درجے میں ہے یعنی جو شروع سے ہی پوری نماز کو پانے والا ہے۔

«وَيَقُومُ الَّذِي يُصَلِّي عَلَى الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ الصَّدْرِ» یہاں یہ بتلا رہے ہیں کہ نمازِ جنازہ پڑھنے والا اگر مثلاً کوئی صرف ایک شخص ہے یا امام ہے تو کہاں کھڑا ہونا چاہیے امام کو بھئی؟ تو بتلا رہے ہیں آپ کو کہ میت کے سینے کے برابر میں، سینے کے بالمقابل امام کو کھڑا ہونا چاہیے، سینے کے بالمقابل۔ تو کہتے ہیں «وَيَقُومُ الَّذِي يُصَلِّي عَلَى الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ الصَّدْرِ» اور کھڑا ہو وہ شخص جو نماز پڑھ رہا ہے مرد اور عورت پر یعنی چاہے مرد کا جنازہ ہے چاہے عورت کا، تو وہ نماز پڑھنے والا کھڑا ہو مرد اور عورت پر «بِحِذَاءِ الصَّدْرِ» اس کے سینے کے بالمقابل، اس کے سینے کے برابر میں۔ بھئی سینے کے برابر میں کیوں کھڑا ہو؟ دلیل کیا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ مَوْضِعُ الْقَلْبِ» اس لیے کیونکہ سینہ جو ہے وہ دل کی جگہ ہے، «وَفِيهِ نُورُ الْإِيمَانِ» اور دل کے اندر نورِ ایمان ہے، «فَيَكُونُ الْقِيَامُ عِنْدَهُ إِشَارَةً إِلَى الشَّفَاعَةِ لِإِيمَانِهِ» تو کھڑا ہونا سینے کے پاس یہ اشارہ ہو گا، «إِلَى الشَّفَاعَةِ» سفارش کرنے کی طرف، «لِإِيمَانِهِ» اس کے ایمان کی وجہ سے۔ بھئی یہ نمازِ جنازہ کیا ہے؟ اس مرنے والے کے لیے دعا ہے، اس کے لیے سفارش کی جا رہی ہے اللہ کے حضور میں کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما دے، تو اس کے سینے کے برابر کھڑا ہو کیونکہ سینے کے اندر دل ہے اور دل کے اندر ایمان ہے اور تو جب سینے کے برابر کھڑا ہو گا تو اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے گا کہ اے اللہ اس شخص کے سینے میں ایمان کا نور موجود ہے اور اس کی وجہ سے ہم کیا کر رہے ہیں؟ اس کی سفارش کر رہے ہیں کہ اے اللہ آپ اس کی مغفرت فرما دیں بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی۔ یہ معنی ہے کہ «فَيَكُونُ الْقِيَامُ عِنْدَهُ إِشَارَةً إِلَى الشَّفَاعَةِ» پس سینے کے پاس کھڑا ہونا یہ اشارہ ہو گا، «لِإِيمَانِهِ» اس کے ایمان کی وجہ سے اس کی سفارش کی طرف۔

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ يَ...

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ يَقُومُ مِنَ الرَّجُلِ بِحِذَاءِ رَأْسِهِ» اور امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھنے والا جو ہے وہ مرد کے سر کے برابر میں کھڑا ہو، مرد کے سر کے برابر میں اس کی سیدھ میں کھڑا ہو، «وَمِنَ الْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ وَسَطِهَا» اور عورت کے وسط کے برابر میں، وسط کے بالمقابل کھڑا ہو، «لِأَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ فَعَلَ كَذٰلِكَ» اس لیے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی کیا، «وَقَالَ هُوَ السُّنَّةُ» اور فرمانے لگے یہی سنت ہے۔ یہ امام صاحب سے ایک روایت آئی بھئی۔ متن میں تو کیا آیا؟ مرد ہو یا عورت اس کے سینے کے برابر میں کھڑا ہونا چاہیے، البتہ امام صاحب سے ایک روایت یہ آئی کہ مرد کے سر کے برابر میں اور عورت کے وسط کے برابر میں کھڑا ہو۔

«قُلْنَا» ہم جواب دیتے ہیں، صاحبِ ہدایہ اس کا جواب دے رہے ہیں یعنی متن والے روایت کو ترجیح دے رہے ہیں، تو «قُلْنَا» ہم کہتے ہیں «تَأْوِيلُهُ» تاویل اس کی یہ ہے: «أَنَّ جَنَازَتَهَا لَمْ تَكُنْ مَنْعُوشَةً» کہ اس عورت کا جو جنازہ تھا وہ منعوش نہیں تھا، «فَحَالَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُمْ» تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حائل ہو گئے، آڑ بن گئے اس عورت کے درمیان یعنی اس کی میت کے درمیان «وَبَيْنَهُمْ» اور ان لوگوں کے درمیان بھئی، اس لیے وہاں پر کھڑے ہو گئے تھے۔ بھئی دوسری روایت کیا آئی؟ مرد کے سر کے برابر تو عورت کے وسط کے برابر میں کھڑا ہو۔ صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ وہاں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عورت کی جو میت تھی وہ منعوش نہیں تھی۔ منعوش، بھئی یاد رکھیے نعش، نعش میت کو بھی کہتے ہیں، میت، اور اسی طرح میت کے اوپر کوئی صندوق نما وغیرہ جیسی چیز اس کے اوپر رکھ دی جاتی، مثلاً عورت وغیرہ کا جنازہ ہے تو اس کو ڈھانپنے کے لیے صندوق نما کوئی چیز بنی ہوتی وہ اس کے اوپر رکھ دی جاتی تھی تو اس کو بھی نعش کہتے ہیں، وہ جو صندوق سا اوپر رکھا جاتا، تابوت سا، اس کو بھی نعش کہتے۔ تو صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ وہ اس عورت کا جنازہ منعوش نہیں تھا یعنی اس پر وہ سبز اور وہ کہتے ہیں عموماً سبز رنگ کا ہوتا تھا، تو وہ منعوش یعنی اس پر سبز نعش نہیں رکھی ہوئی تھی، وہ تابوت نہیں رکھا ہوا تھا، تو اس لیے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ اس عورت کے وسط کے برابر میں کھڑے ہو گئے تاکہ لوگوں کے درمیان اور اس میت کے درمیان وہ پردہ بن جائیں، کیا بن جائیں؟ پردہ بن جائیں، ان سے یہ پوری طرح چھپ جائے یہ میت بھئی عورت کی۔ تو اس وجہ سے وہاں کھڑے ہوئے تھے، ورنہ مسنون طریقہ وہی ہے کہ کہاں پر کھڑا ہو؟ سینے کے برابر میں بھئی۔ لیکن شارحین نے یہاں صاحبِ ہدایہ کی اس تعلیل کو رد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ صاحبِ ہدایہ کا یہ کہنا کہ اس عورت کا جنازہ منعوش نہیں تھا یہ درست نہیں ہے، اس لیے کیونکہ بعض روایات کے اندر اس کی تصریح ہے بھئی جس میں اس واقعے کا ذکر ملتا ہے اس میں تصریح ہے اس بات کی کہ عورت کی کا جنازہ جو تھا وہ منعوش تھا، اس پر وہ سبز رنگ کا تابوت رکھا ہوا تھا۔ تو بہر حال صاحبِ ہدایہ نے یہ علت بیان کی اور بعض روایات میں واقعی اس سبز تابوت کا ذکر نہیں ملتا تو اس بنیاد پر انہوں نے یہ تعلیل ذکر کر دی بھئی۔

«فَإِنْ صَلَّوْا عَلَى جَنَازَةٍ رُكْبَانًا أَجْزَأَهُمْ فِي الْقِيَاسِ» اگر پڑھی ان لوگوں نے جنازے پر نماز بھئی، «رُكْبَانًا» سوار ہو کر، «أَجْزَأَهُمْ فِي الْقِيَاسِ» تو یہ کافی ہو جائے گا ان کے لیے قیاس میں یعنی قیاس کے اعتبار سے ان کا اس طرح نمازِ جنازہ پڑھنا کافی ہو گا، «لِأَنَّهَا دُعَاءٌ» کیونکہ نمازِ جنازہ دراصل کیا ہے؟ دعا ہے، دعا ہے، تو قیاساً جنازہ اس طرح کافی ہو جانا چاہیے، «وَفِي الِاسْتِحْسَانِ لَا تُجْزِيهِمْ» لیکن استحسان کے مطابق یہ ان کے لیے کافی نہیں ہو گا، «لِأَنَّهَا صَلَاةٌ مِنْ وَجْهٍ» اس لیے کیونکہ نمازِ جنازہ من وجہ نماز ہے، بعض اعتبارات سے دیکھا جائے تو یہ دعا ہے اور بعض اعتبارات سے دیکھا جائے تو یہ نماز ہے، کس اعتبار سے؟ «لِوُجُودِ التَّحْرِيمَةِ» تحریمہ کے پائے جانے کی وجہ سے، جیسے نماز کی ابتدا میں تکبیرِ تحریمہ ہوتی ہے اسی طرح نمازِ جنازہ کی ابتدا میں بھی کیا ہے؟ تکبیرِ تحریمہ ہے، تو بایں اعتبار یہ نماز ہے، «فَلَا يَجُوزُ تَرْكُهُ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ احْتِيَاطًا» پس جائز نہیں ہو گا اس قیام کو ترک کرنا بغیر کسی عذر کے احتیاطاً، بطورِ احتیاط۔ تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ نمازِ جنازہ یہ دراصل دعا ہے اس کو جس حالت میں بھی دعا کر لی جائے دعا تو ہو جاتی ہے تو سواری پر سوار ہوں تو بھی جنازہ ہو جانا چاہیے، لیکن استحساناً جائز نہیں ہو گا، یہ کافی نہیں ہو گا بھئی، کیونکہ یہ نماز ہے اور نماز کے اندر قیام ضروری ہوتا ہے تو یہاں بھی اس قیام کو چھوڑا نہیں جائے گا احتیاط کے راستے پر چلتے ہوئے۔

■ مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِالْإِذْنِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ

«وَلَا بَأْسَ بِالْإِذْنِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ» اور کوئی حرج نہیں ہے اجازت دینے میں نمازِ جنازہ کے اندر، نمازِ جنازہ کے اندر اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ معنی یہ ہے کہ جنازہ پڑھانے کا جو لوگ موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ پڑھ چکے ہیں: بادشاہ ہے یا اس کے نائبین ہیں یا قاضی وغیرہ، اور جب ان میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھر سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ وہ میت کا جو ولی ہے، میت کا ولی جو ہے وہ زیادہ حقدار ہے۔ ترتیب آپ نے پیچھے پڑھ لی بھئی، تفصیل گزر گئی۔ تو اب اگر یہ ولی کسی اور کو آگے کر دیتا ہے کہ تم پڑھا دو نمازِ جنازہ، تو کیا یہ اجازت اس کا دوسرے کو دینا صحیح ہے یا صحیح نہیں؟ دوسرے کو آگے کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ کہتے ہیں بھئی کر سکتا ہے، یہ اس کا اپنا حق ہے اب اگر اپنا یہ حق خود چھوڑ دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، وہ آگے دوسرے کو کر سکتا ہے۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ یہ معنی ہے «وَلَا بَأْسَ بِالْإِذْنِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ» اور کوئی حرج نہیں ہے نمازِ جنازہ میں اجازت دینے میں، «لِأَنَّ التَّقَدُّمَ حَقُّ الْوَلِيِّ» اس لیے کیونکہ آگے ہونا ولی کا حق ہے، «فَيَمْلِكُ إِبْطَالَهُ» تو یہ مالک ہے اپنے اس حق کو باطل کرنے کا، چاہے تو کیا کر سکتا ہے اپنے اس حق کو باطل کر سکتا ہے یعنی چھوڑ سکتا ہے، «بِتَقْدِيمِ غَيْرِهِ» اپنے علاوہ کو آگے کر کے۔

«وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ لَا بَأْسَ بِالْأَذَانِ» یہاں تو صاحب ہدایہ نے جو متن کے اندر درج کیا «وَلَا بَأْسَ بِالْإِذْنِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ»، آگے بتلا رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ یہ جامع صغیر کی جو عبارت ہے «وَلَا بَأْسَ بِالْإِذْنِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ» اس میں بعض نسخوں کے اندر اذن کے بجائے اذان کا لفظ آیا ہے یعنی ذال اور نون کے درمیان الف بھی بعض نسخوں میں ملتا ہے تو پھر کیا بن گیا؟ «وَلَا بَأْسَ بِالْأَذَانِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ»، تو پھر اس صورت میں اذان کا معنی ہے اعلان، اعلان، اطلاع دینا، اعلان کرنا۔ تو پھر معنی یہ ہو گا: اور کوئی حرج نہیں اعلان کرنے میں نمازِ جنازہ کے اندر یعنی دوسروں کو بتلانا، دوسروں کو بتلانا اور ان کو اطلاع دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً ایسا شخص ہے کہ لوگ اس کے جنازہ کے اندر رغبت رکھتے ہوں تو پھر اطلاع دینا مستحب ہے تاکہ سب کو پتہ چل جائے اور سب لوگ اس کے جنازہ میں اس کے جنازے میں حاضر ہو جائیں اور اس کا جو ان پر حق ہے نمازِ جنازہ کا وہ اس کو ادا کر دیں بھئی۔ تو کہتے ہیں «وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ لَا بَأْسَ بِالْأَذَانِ» اور جامع صغیر کے بعض نسخوں میں یہ آیا ہے «لَا بَأْسَ بِالْأَذَانِ»، یہ آیا ہے، «أَيِ الْإِعْلَامِ» اذان کا معنی بتلا رہے ہیں یعنی کہ اعلام، کوئی حرج نہیں اطلاع دینے میں یعنی اعلان کرنے میں، «وَهُوَ أَنْ يُعْلِمَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا» اور وہ یہ اعلان کرنا کس طرح؟ وہ یہ کہ اطلاع دیں بعضہم بعضا ایک دوسرے کو، «لِيَقْضُوا حَقَّهُ» تاکہ اس کے حق کو ادا کر دیں۔ کون سا حق بھئی؟ نمازِ جنازہ کا پڑھنا مسلمان کی یہ کیا ہے، زندوں پر اس کا حق ہے، تو تاکہ لوگ حاضر ہوں اور اس کے اس حق کو ادا کر دیں۔

«وَلَا يُصَلَّى عَلَى مَيِّتٍ فِي مَسْجِدٍ جَمَاعَةٍ» اور نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے کسی مرنے والے پر فی مسجدٍ جماعۃ جماعت والی مسجد میں بھئی۔ وہ مسجد جس میں عام نماز پڑھی جاتی ہے، جماعت ہوتی ہے، اس مسجد کے اندر کسی جنازے پر، کسی میت پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ دلیل اس کی کہتے ہیں «لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا أَجْرَ لَهُ» کہ جس نے جنازے پر نماز پڑھی فی المسجد مسجد کے اندر، «فَلَا أَجْرَ لَهُ» تو اس کے لیے اس نماز پڑھنے والے کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ «وَلِأَنَّهُ بُنِيَ لِأَدَاءِ الْمَكْتُوبَاتِ» ایک تو ایک تو یہ نقلی دلیل ذکر کر دی، اب عقلی دلیل بھی صاحبِ ہدایہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں «وَلِأَنَّهُ بُنِيَ لِأَدَاءِ الْمَكْتُوبَاتِ» اس لیے کیونکہ یہ جو جماعت والی مسجد ہے اس کو بنایا گیا ہے «لِأَدَاءِ الْمَكْتُوبَاتِ» فرض نمازوں کی ادائیگی کے لیے، تو یہاں فرض نمازیں ہی ہونی چاہئیں، نمازِ جنازہ نہیں ہونی چاہیے۔ نیز دوسری وجہ: «وَلِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ تَلْوِيثَ الْمَسْجِدِ» اور نیز اس لیے کیونکہ اس میں احتمال ہے مسجد کے آلودہ ہو جانے کا، مسجد کے گندا ہو جانے کا، کہ ہو سکتا ہے کہ جنازہ لایا جائے اور جنازے اس کے بدن سے کوئی نجاست خارج ہو جائے اور مسجد آلودہ ہو جائے تو اس لیے بھی جنازہ مسجد میں نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَفِيمَا إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ...

«وَفِيمَا إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ» اور اس صورت میں کہ جبکہ میت جو ہے مسجد سے باہر ہو، میت کیا ہے؟ مسجد سے باہر ہو اور نمازِ جنازہ پڑھنے والے مسجد میں ہوں تو اس میں «اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ» مشائخ نے یعنی فقہاء نے اختلاف کیا ہے، بعض جو ہیں وہ مکروہ کہتے ہیں اور بعض مکروہ نہیں کہتے۔ تفصیل یہ، تفصیل یہ: بھئی دیکھیے جنازہ مسجد کے اندر نہیں لایا جائے گا، مسجد کے اندر اس کو نہیں لائیں گے کیونکہ اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا احتمال ہے اور مسجدوں کی تو مسجدوں کو تو صاف رکھنے کا حکم دیا ہے شریعت نے۔ تو ہاں، البتہ اگر یہ صورت کر لی جائے، یہ صورت کر لی جائے کہ مسجد کے اگلے حصے میں کوئی جگہ بنا دی گئی مسجد سے باہر ہے، کوئی مسجد سے باہر حصہ ہے اور اس کی طرف ادھر سے بھی راستہ کھول دیا ہے محراب کے پاس سے، اور پھر وہاں جنازہ لایا جاتا ہے اور اس کو رکھا جاتا ہے باہر کی طرف سے ہی، تو جنازہ کہاں پر ہے اس وقت؟ مسجد سے باہر ہی ہے اور مسجد کا یہ حصہ اگلا اس کی طرف کھل رہا ہے، اور پھر امام بھی اسی باہر والے حصے میں کھڑا ہو جائے اور کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ وہاں کھڑے ہو جائیں اور باقی ساری صفیں مسجد کے اندر ہیں، تو اب جنازہ بھی مسجد سے باہر، امام اور اس کے ساتھ کچھ لوگ بھی مسجد سے باہر اور باقی سارے لوگ کس میں ہیں؟ مسجد میں، تو اس صورت میں بالاتفاق مکروہ بھی نہیں ہے، مکروہ بھی نہیں ہے۔ ہاں، اگر جنازہ تو مسجد سے باہر ہے اگلے حصے میں لیکن امام اور سارے لوگ مسجد کے اندر ہی ہیں تو پھر اس میں اختلاف ہے، بعض کیا فرماتے ہیں؟ مکروہ ہے، بعض کہتے ہیں مکروہ نہیں ہے بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی۔

«وَمَنِ اسْتَهَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَةِ سُمِّيَ وَغُسِلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ» استہل کے معنی ہوتے ہیں آواز بلند کرنا۔ استہل کا کیا معنی؟ آواز بلند کرنا۔ «وَمَنِ اسْتَهَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَةِ» اور جس نے آواز بلند کی پیدا ہونے کے بعد یعنی رویا، آواز بلند کرنے سے کیا مراد ہے یہاں؟ رونا۔ کوئی بچہ پیدا ہوا اور پیدائش کے وقت وہ رویا اور پھر بعد میں انتقال ہو گیا، اس وقت رویا اور بعد میں کیا ہوا؟ اس کا انتقال ہو گیا، تو «سُمِّيَ» اس کا نام رکھا جائے گا، «وَغُسِلَ» اور اس کو غسل دیا جائے گا، «وَصُلِّيَ عَلَيْهِ» اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ دلیل اس کی کہتے ہیں «لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ «إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُودُ صُلِّيَ عَلَيْهِ» کہ جب روئے پیدا ہونے والا تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، «وَإِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ» اور اگر وہ نہ رویا تو اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اگر وہ رویا تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، اگر وہ نہ رویا تو اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ تو رونے سے رونا ہی نہیں مراد بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ حدیث کے ظاہری الفاظ نہیں بلکہ مراد حضور علیہ السلام کی یہ ہے کہ اگر وہ پیدا ہونے والا زندہ تھا، زندہ تھا اور پھر انتقال ہوا ہے تو پھر اس پر نمازِ جنازہ اس کا نام بھی رکھا جائے گا اور نمازِ جنازہ وغیرہ اور غسل سارا کچھ ہو گا بھئی۔ تو یہ ایک صرف نشانی ذکر کر دی گئی حدیث کے اندر، ایک علامت ذکر کر دی گئی کہ زندہ ہونے کی علامت کیا ہے؟ کہ وہ روئے گا بچہ، تو یہ ضروری نہیں کہ رو بلکہ اور بھی کوئی علامت پائی جائے تو سب کا یہی حکم ہے۔ مثلاً رویا تو نہیں لیکن ہاتھ پاؤں اس کے حرکت کر رہے تھے،

معلوم ہوا زندہ ہے اس وقت، پھر بعد میں انتقال ہو گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ جی تو یہاں یہ ایک نشانی بیان کی گئی، نشانی بیان کی گئی۔ تو اسی لیے اسی لیے حدیث کا وہی معنی معتبر ہو گا جو اس حدیث سے صحابہ نے سمجھا ہو، فقہاء نے سمجھا ہو۔ اگر صرف حدیث کے ظاہری لفظوں کو دیکھا جائے تو دیکھیے یہاں صرف رونے کا ذکر ہے تو کوئی صرف حدیث کو دیکھے اور صحابہ کا دامن چھوڑ دیتا ہے تو وہ غلط راستے پر ہی ہمیشہ پڑے گا بھئی۔ جیسے یہ مثال آ گئی کہ وہ دیکھے گا کہ حدیث میں تو صرف رونے کا ذکر آیا ہے، اگرچہ اس بچے نے خوب اچھی طرح ہاتھ پاؤں بھی ہلائے ہیں لیکن وہ کیا کہے گا؟ بھئی حدیث میں کیا آیا ہے؟ رونے کا ذکر ہے اور یہ رویا نہیں ہے لہٰذا اس کو غسل بھی نہیں دیں گے، نام بھی نہیں رکھیں گے اور اس پر نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھیں گے۔ تو حدیث کے معنی کو جاننے والے وہ صحابہ ہیں اور فقہائے کرام ہیں بھئی۔

تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب پیدا ہونے والا جو ہے جب وہ روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی، «وَإِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ» اور اگر وہ نہیں روتا تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ «وَلِأَنَّ الِاسْتِهْلَالَ دَلَالَةُ الْحَيَاةِ فَتَحَقَّقَ فِي حَقِّهِ سُنَّةُ الْمَوْتَى» دوسری دلیل بھی صاحبِ ہدایہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ رونا جو ہے «دَلَالَةُ الْحَيَاةِ» یہ زندگی کی دلیل ہے، «فَتَحَقَّقَ فِي حَقِّهِ» تو ثابت ہو گئی اس کے پیدا ہونے والے کے حق میں کیا چیز ثابت ہو گئی؟ «سُنَّةُ الْمَوْتَى» مرنے والوں کی سنت۔ بھئی جب یہ رویا ہے تو یہ رونا کس چیز کی دلیل ہے؟ زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ تو اب اس بچے کے حق میں، اس پیدا ہونے والے کے حق میں بھی مرنے والوں کی سنت ثابت ہو گئی۔ مرنے والوں کی؟ یعنی اس کے ساتھ بھی اسی طرح برتاؤ کیا جائے گا جیسے ایک عام مرنے والے مسلمان کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اس کی اس کی کیا سنت ہے اس عام مسلمان کے مرنے والے کی؟ اس کو غسل دیا جائے گا، اس کو کفن مسنون دیا جائے گا اور اس کو دفن کیا جائے گا، تو یہ سنتیں اس کے حق میں بھی ثابت ہو جائیں گی کیونکہ یہ زندہ تھا پیدائش کے وقت۔

■ مسئلہ: وَمَنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ

«وَمَنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ» اور جو نہ رویا، کیا مراد ہے نہ رونے سے؟ یعنی زندگی کی اس میں کوئی علامت نہ تھی، «أُدْرِجَ فِي خِرْقَةٍ» تو اس کو لپیٹ دیا جائے گا ایک کپڑے کے ٹکڑے میں، «كَرَامَةً لِبَنِي آدَمَ» بطورِ احترام کے «لِبَنِي آدَمَ» اولادِ آدم کے۔ اولادِ آدم کے احترام کے طور پر اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا کہ یہ آدم کی اولاد ہے، «وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ» اور اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ابھی ہم نے روایت کر دی۔ «وَيُغْسَلُ فِي غَيْرِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ» اور اس کو غسل دیا جائے گا غیر ظاہر الروایۃ کے مطابق بھئی۔ تو غیر ظاہر الروایۃ میں کیا آیا ہے کہ اس کو غسل دیا جائے گا، غسل دیا جائے گا، «لِأَنَّهُ نَفْسٌ مِنْ وَجْهٍ» اس لیے کیونکہ یہ ایک ذات ہے بعض اعتبارات سے، بعض اعتبارات سے یہ کیا ہے؟ ایک ذات ہے، «وَهُوَ الْمُخْتَارُ» اور یہی قول مختار ہے، یہی قول پسندیدہ ہے بھئی۔ تو ایک روایت کے مطابق کیا ہے؟ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا، اور غیر ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کو غسل دیا جائے گا اور یہی مختار قول ہے، کیونکہ یہ ایک نفس ہے بھئی، ایک ذات ہے بعض اعتبارات سے۔ بھئی بعض اعتبارات سے دیکھا جائے تو یہ مردہ پیدا ہوا تھا، یوں ہی سمجھا جائے گا جیسے بدن کا ایک ٹکڑا کٹ کر الگ ہوا ہو۔ عورت کے بدن کا ایک ٹکڑا کٹ کر الگ ہوا ہو، اور بدن کا کوئی ٹکڑا الگ ہو جائے، بدن کا ٹکڑا الگ ہو جائے تو وہ تو بدن کا ایک ٹکڑا ہے، پوری جان نہیں ہے۔ لیکن بعض اعتبارات سے دیکھا جائے تو یہ پوری ذات ہے کہ اس کا سر بھی ہے، ہاتھ پاؤں وغیرہ سب کچھ ہے، تو اس اعتبار سے یہ پوری ذات ہے تو لہٰذا اس کو غسل دیا جائے گا۔

اچھا بھئی اب ایک دو مسائل اور جنازے سے متعلق یاد رکھیے بھئی، جنازے سے متعلق۔ بھئی آج کل آپ نے دیکھا ہو گا بہت سے لوگ جوتے پہن کر ہی نمازِ جنازہ ادا کرتے ہیں، جنازہ ادا کرتے ہیں۔ یاد رکھیے ان کی یہ نمازِ جنازہ صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ جوتے کے تلوے بھی پاک ہوں اور زمین کے جس حصے پر وہ کھڑے ہیں وہ بھی پاک ہو، پھر تو یہ جنازے کی نماز ان کی صحیح ہو جائے گی جو جوتے پہن کر ادا کر رہے ہیں۔ اور اگر جوتے کا تلوا ناپاک ہے تو پھر اس صورت میں نماز نماز نہیں ہو گی بھئی، یا وہ جگہ ناپاک ہے تو اس صورت میں ان کی انہوں نے جو نمازِ جنازہ ادا کی وہ صحیح نہیں۔ ہاں، اس کا پھر بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان جوتے اتار کر ان جوتوں پر ہی کھڑا ہو جائے، پھر اس صورت میں نمازِ جنازہ ہو جائے گی اس کی، لیکن اس میں پھر یہ شرط ہے کہ جوتے کا اوپر والا حصہ، بھئی ایک تلوا ہے زمین کی طرف، ایک اوپر والا حصہ ہے، تو اوپر والا حصہ جس پر اس کے قدم رکھے ہوئے ہیں وہ پاک ہونا شرط ہے۔ اگر وہ پاک ہوا تو پھر نمازِ جنازہ ہو جائے گی، اور عموماً وہ حصہ تو کیا ہوتا ہے؟ پاک ہوتا ہے، لیکن اگر نجس ہے پھر نہیں ہو گی بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا۔

اسی طرح یہ بھی یاد رکھیے بھئی کہ جنازے کے بعد آج کل بعض لوگ دعا کرواتے ہیں، نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد پھر باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جاتی ہے، یاد رکھیے یہ درست نہیں ہے، یہ بدعت ہے بھئی بدعت ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ جنازہ، جنازہ خود دعا ہے بھئی دعا۔ اور یہ بھی مسئلہ یاد رکھیے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے جب تک اس کو دفن نہیں کر دیا جاتا اس کے لیے باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا یہ درست نہیں ہے بھئی، ہاں جب دفن کر دیا جائے پھر دعا مانگنا مستحب ہے، لیکن دفن سے پہلے باقاعدہ اس کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا یہ درست نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بالخصوص یہ جنازے کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے یاد رکھیے یہ بدعت ہے بھئی۔

اللہ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں فقہائے کرام پر اور اہلِ حق پر بھئی۔ بھئی عجیب بات ہے انسان حیران ہو جاتا ہے بھئی، اللہ تعالیٰ نے کیسا عجیب نظام بنایا ہے، چودہ سو

سال گزر گئے، یہ دین جیسا محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر عرب کے ریگستانوں کے اندر نازل ہوا تھا آج بھی ساری دنیا کے اندر اسی شکل میں موجود ہے بھئی۔ لوگ آتے ہیں نئے نئے مجتہدین جو اپنے ذہن کے مطابق اس دین کو بدلنا چاہتے ہیں، اپنی رائے سے کہتے ہیں یہ بات یوں ہونی چاہیے یوں ہونی چاہیے، نئی نئی چیزوں کا اضافہ کرتے ہیں، لیکن اللہ نے علمائے اہلِ حق کی ایک جماعت مقرر کر رکھی ہے ہر زمانے کے اندر، جو دین کے اندر جس نے ذرہ برابر بھی تبدیلی کرنے کی کوشش کی یہ اہلِ حق اس کے سامنے دیوار بن جاتے ہیں بھئی۔ اپنی جانیں قربان کر دیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں ایک ذرہ ایک نقطے کے برابر بھی کمی بیشی کی اجازت نہیں دی۔ یہ ہدایہ ہم کس لیے پڑھ رہے ہیں؟ کیا مقصد ہے ہدایہ پڑھنے کا؟ کہ یہ یہ وہی دین اس کو اسی شکل میں آگے منتقل کرنا ہے جیسے ہم تک پہنچا ہے، جس طرح صحابہ نے بتلایا اور جس طرح ہم تک پہنچا اسی صورت میں اس کو اگلی نسلوں کی طرف منتقل کرنا ہے بھئی۔ تو یہ جنازے کے بعد دعا بدعت ہے بھئی، اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ بھئی دعا ہے نا، دعا کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے، بھئی دعا ہے تو پھر اس کو ضروری کیوں سمجھتے ہو؟ اور جو منع کرتا ہے اس کے ساتھ جھگڑتے کیوں ہو؟ معلوم ہوا آپ اس کو لازمی دین کا ایک حصہ بنالیا آپ لوگوں نے، اور یہ دین کے اندر کسی قسم کی کمی نہیں، اگر آپ اس کو دین کا حصہ بنانا چاہتے ہیں معلوم ہوا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہو گا کہ دین پورا نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دین پورا نہیں اترا تھا، یہ ایک چیز اس میں باقی تھی اس کا اضافہ کرنا چاہیے جنازے کے بعد دعا ہونی، تو ہر بدعت اسی طرح ہے، ہر بدعتی گویا وہ یہی اس بات کا دعویٰ ہوتا ہے اس کا صریح لفظوں میں تو نہیں لیکن اس کا عمل یہ بتلا رہا ہوتا ہے گویا اس کے اس کا عمل بتلا رہا ہوتا ہے کہ گویا دین میں کمی تھی، اس چیز سے پوری ہو گی یہ جو میں عمل کر رہا ہوں، حالانکہ دین میں کوئی کمی نہیں بھئی۔ بھئی آپ نیکی کرنا چاہتے ہیں، دعا آپ کہیں گے اچھی بات ہے نیکی والا کام، بھئی نیکی کرنا چاہتے ہیں آپ نوافل پڑھیں، آپ صدقات کریں اور نیکی کے کام کریں، لیکن جو چیز دین کے اندر نہیں ہے اس کو آپ دین کا جزء بنانے کی اہلِ حق علماء کبھی بھی اجازت نہیں دیں گے بھئی۔ تو علماء نے اس دین کی خاطر بڑی قربانیاں دیں اور یہ دین آج بھی اسی شکل میں محفوظ ہے بھئی، اسی شکل میں ہے۔

دین کو اسی صورت میں باقی رکھنا تبھی ممکن ہے جب درمیان سے صحابہ کے واسطے کو ختم نہ کیا جائے، صحابہ کے واسطے کو برقرار رکھا جائے، کیونکہ حضور علیہ السلام سے صحابہ ہی نے ہمیں آگے پھر یہ دین منتقل کیا ہے، تو اگر صحابہ کے واسطے کو رکھا جائے گا تو معلوم ہوا ہمیں وہ دیکھنا پڑے گا صحابہ نے اس موقع پر کیا کیا ہے، کیونکہ صحابہ تو حضور علیہ السلام کو دیکھتے تھے۔ تو ہر عمل کے اندر اگر ہر عمل کے اندر یاد رکھیے صرف احادیث پہ براہِ راست نظر ڈالیں گے تو بھی انسان غلطی میں بہت سی جگہ مبتلا ہو جائے گا، کیونکہ حضور علیہ السلام ایک بات فرماتے ہیں اور کوئی بھی شخص اس بات کا دوسرا معنی بھی مراد لے سکتا ہے جیسا آپ دیکھتے ہیں شریر لوگ کیا کرتے ہیں؟ احادیث کا معنی اپنے اپنی مرضی کے مطابق کر لیتے ہیں، تو ہاں البتہ جب صحابہ کا واسطہ بیچ میں آجائے گا کہ صحابہ نے اس سے کیا سمجھا ہے یہ دیکھو، اس زمانے کے لوگ کس طرح اس پر عمل کرتے تھے یہ دیکھو، جب اس چیز کو سامنے رکھا جائے گا تو پھر کہیں بھی دین کے اندر کمی بیشی کی گنجائش نہ رہے گی بھئی۔ چلیے بس بھئی **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۸۸: وَإِذَا سُبِيَ صَبِيٌّ مَعَ أَحَدِ أَبَوَيْهِ وَمَاتَ ل...

ہدایہ صفحہ: ۱۹۴ — بتاریخ: ۱۴ مارچ ۲۰۱۳ء

وَإِذَا سُبِيَ صَبِيٌّ مَعَ أَحَدِ أَبَوَيْهِ وَمَاتَ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لَهُمَا، إِلَّا أَنْ يُقِرَّ بِالْإِسْلَامِ وَهُوَ يَعْقِلُ لِأَنَّهُ صَحَّ إِسْلَامُهُ اسْتِحْسَانًا، أَوْ يُسْلِمَ أَحَدُ أَبَوَيْهِ لِأَنَّهُ يَتْبَعُ خَيْرَ الْأَبَوَيْنِ دِينًا۔

گزشتہ سبق کے آخر میں یہ مسئلہ چل رہا تھا کہ اگر پیدا ہونے والا بچہ جو ہے، اس میں اگر زندگی کی کوئی علامت دیکھی گئی، پھر اس کا انتقال ہوا، تو اس کا نام بھی رکھا جائے گا، اسے غسل بھی دیا جائے گا اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ اور اگر اس میں زندوں والی کوئی علامت نہ دیکھی گئی، تو پھر اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور اس کو البتہ غسل دیا جائے گا مختار قول کے مطابق اور پھر کسی کپڑے میں لپیٹ کر اس کو دفن کر دیا جائے گا بھائی۔ تو نمازِ جنازہ بھی نہیں اس میں اور اسی طرح مسنون کفن بھی اس میں نہیں ہے بھائی۔

اب آپ کو مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ کسی بچے کو قید کر لیا گیا اس کے والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ بھائی، جو قیدی پکڑے گئے ان میں ان مردوں اور عورتوں کے ساتھ کچھ بچے بھی تھے، تو یہ کوئی بچہ بھی قید ہوا اپنے والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ اور پھر اس کا انتقال ہوا، پھر اس کا انتقال ہوا، تو کہتے ہیں اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اس لیے کیونکہ اس کے والدین میں سے کوئی ایک ساتھ قید ہوا ہے اور وہ مسلمان نہیں ہے، تو یہ بچہ بھی ان کے تابع ہو گا، تو اس کو بھی مسلمان شمار نہیں کیا جائے گا اور اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی بھائی، بات سمجھ میں آئی۔

ہاں اگر وہ بچہ کچھ سمجھدار ہے اور وہ اسلام کا اقرار کر اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کر لیتا ہے سمجھدار ہے، تو پھر اس کا اسلام استحساناً صحیح ہو گا اور اس صورت میں اگر اس کا انتقال ہوتا ہے تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، اگرچہ اس کے والدین مسلمان نہ ہوں بھائی، مسلمان نہ ہوں۔ یا ایک اور صورت کہ اس میں بھی اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی کہ اس کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے بھائی۔ کوئی ایک کیا ہو جائے؟ مسلمان ہو جائے، تو پھر اس صورت میں بچے پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور وہ اپنے اس مسلمان والد یا والدہ کے تابع شمار ہو گا۔ یاد رکھیے بچہ جو ہے دین کے اعتبار سے والدین میں سے جو بہتر ہو اس کے تابع ہوتا ہے۔ مثلاً، مثلاً ماں اگر یہودیہ ہے اور والد مسلمان ہے، تو اسلام اور یہودیت ان دونوں میں سے کون سا مذہب بہتر ہے؟ یہ ظاہر سی بات ہے اسلام بہتر ہے، تو لہٰذا بچے کو اس بہتر دین والے کے تابع سمجھا جائے گا، والدین میں سے جو بہتر دین پر ہے اور وہ مسلمان ہے تو بچے کو بھی مسلمان شمار کیا جائے گا۔ تو بچہ اپنے دین میں والدین میں سے جو بہتر جس کا دین بہتر ہو اس کے تابع شمار ہوتا ہے، جبکہ آزادی اور غلامی میں بچہ ماں کے تابع ہے بھائی، ماں کے تابع۔ لہٰذا اگر ماں آزاد ہے تو بچہ بھی آزاد شمار ہو گا اور اگر ماں باندی ہے تو بچے کو غلام شمار کیا جائے گا اگرچہ والد اس کا آزاد ہو۔

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا سُبِيَ صَبِيٌّ مَعَ أَحَدِ أَبَوَيْهِ** اور جب قید کر لیا گیا بچے کو اس کے والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ، **وَمَاتَ** اور پھر اس کا انتقال ہوا اس بچے کا، **لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ** تو اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، **لِأَنَّهُ تَبَعٌ لَهُمَا** اس لیے کیونکہ یہ بچہ ان کے تابع ہے، **إِلَّا أَنْ يُقِرَّ بِالْإِسْلَامِ** مگر یہ کہ وہ اقرار کر لے مسلمان ہونے کا، **وَهُوَ يَعْقِلُ** اس حال میں کہ وہ سمجھدار ہو، سمجھدار ہو بھائی، سمجھتا ہو، عقل رکھتا ہو اور پھر وہ اسلام کا اقرار کرتا ہے مسلمان ہونے کا، تو اس کا اقرار صحیح ہے، **لِأَنَّهُ صَحَّ إِسْلَامُهُ اسْتِحْسَانًا** اس لیے کیونکہ اس کا مسلمان ہونا صحیح ہے استحساناً بھائی، **أَوْ يُسْلِمَ أَحَدُ أَبَوَيْهِ** یا یہ کہ مسلمان ہو جائے اس کے والدین میں سے کوئی ایک، تو اس صورت میں بھی پھر اس کو مسلمان شمار کیا جائے گا اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ تو کہتے ہیں: **أَوْ يُسْلِمَ أَحَدُ أَبَوَيْهِ** یا یہ کہ مسلمان ہو جائے اس کے والدین میں سے کوئی ایک، **لِأَنَّهُ يَتْبَعُ خَيْرَ الْأَبَوَيْنِ دِينًا** اس لیے کیونکہ وہ تابع ہو گا والدین میں سے جو بہتر ہے دیناً، باعتبار دین کے اس کے تابع ہو گا۔

وَإِنْ لَمْ يُسْبَ مَعَهُ أَحَدُ أَبَوَيْهِ صُلِّيَ عَلَيْهِ اور اگر اس کو والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید نہیں کیا گیا، یعنی صرف قیدیوں میں کون آ گیا؟ بچہ آ گیا، جہاد تھا، لوگوں کو قیدی بنایا گیا، بعد میں دیکھا تو صرف ایک بچہ ہے ان میں اور اس کے والدین میں سے کوئی نہیں ہے، **صُلِّيَ عَلَيْهِ** پھر اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے

گی بھائی۔ بھائی، پھر کیوں پڑھی جائے گی؟ صرف اکیلا بچہ قیدی ہوا، کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ ظَهَرَتْ تَبَعِيَّةُ الدَّارِ فَحُكِمَ بِالْإِسْلَامِ كَمَا فِي اللَّقِيطِ** کہتے ہیں پھر کیونکہ ظاہر ہو گا دار کے تابع ہونا، یعنی دار الاسلام کے تابع ہونا ظاہر ہو گا۔ بھائی، پہلے والدین تھے، والدین تو بچہ ان کے تابع تھا اور جب والدین میں سے کوئی بھی نہیں اس کے ساتھ قید کے اندر، تو پھر اب بچہ جو ہے اس دار یعنی اس مملکت کے تابع ہو گا، اس مملکت کے۔ اور کہاں پر قید کر کے لے آئے ہیں؟ دار الاسلام میں قید کر کے لائے ہیں تو وہ دار الاسلام کے تابع ہوا اور اس کو کیا شمار کیا جائے گا؟ مسلمان شمار کرتے ہوئے اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ ظَهَرَتْ تَبَعِيَّةُ الدَّارِ** اس لیے کیونکہ دار یعنی وطن کا تابع ہونا ظاہر ہو گا، **فَحُكِمَ بِالْإِسْلَامِ** تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا، **كَمَا فِي اللَّقِيطِ** جیسے لقیط کے اندر ہے۔ لقیط بھائی وہ بچہ جو کہیں ملے پڑا ہوا اور اس کے والدین کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ تو یہ یاد رکھیے یہ جو بچہ ملا ہے اس کو لقیط کہتے ہیں، لقیط۔ اور یہ دار کے تابع شمار ہوتا ہے، دار کے تابع شمار ہو گا۔ لہٰذا دار الاسلام میں ہے تو اس کو مسلمان شمار کیا جائے گا اور دار الحرب دار الحرب میں ہے تو ان کے تابع شمار ہو گا بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ یہ معنی ہے کہ **فَحُكِمَ بِالْإِسْلَامِ** تو حکم لگایا جائے گا مسلمان ہونے کا، **كَمَا فِي اللَّقِيطِ** جیسے کہ لقیط میں ہے۔

وَإِذَا مَاتَ الْكَافِرُ وَلَهُ وَلِيٌّ مُسْلِمٌ فَإِنَّهُ يَغْسِلُهُ وَيُكَفِّنُهُ وَيَدْفِنُهُ بھائی، اگر کوئی کافر مر گیا اور اس کا مسلمان ولی ہے، اور کوئی نہیں، کافر اولیاء میں سے کوئی نہیں، مسلمان ولی ہے، تو پھر مسلمان جو ہے اس کا ولی وہ اس کو غسل بھی دے، کفن بھی دے اور اس کو دفن بھی کرے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ لیکن غسل، کفن وغیرہ اور دفن کرنا یہ وہ مسنون طریقے کے مطابق نہیں ہو گا۔ سمجھ میں آیا؟ آگے بیان کر رہے ہیں بھائی۔

بِذَلِكَ أُمِرَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي حَقِّ أَبِيهِ أَبِي طَالِبٍ اور اسی کا حکم دیا گیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے والد ابو طالب کے حق میں، **لَكِنْ يُغْسَلُ غَسْلَ الثَّوْبِ النَّجِسِ** لیکن غسل دیا جائے گا اس کو نجس کپڑے کے دھونے کی طرح، یعنی جس طرح نجس کپڑا دھویا جاتا ہے اسی طرح اس پر بس پانی بہا دیا جائے گا، **وَيُلَفُّ فِي خِرْقَةٍ** اور اس کو ایک کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹ دیا جائے گا، مسنون کفن نہیں بلکہ کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹ دیا جائے گا، **وَتُحْفَرُ حَفِيرَةٌ** اور اس کے لیے گڑھا کھودا جائے گا، **مِنْ غَيْرِ مُرَاعَاةِ سُنَّةِ التَّكْفِينِ وَاللَّحْدِ** بغیر رعایت کیے کفن دینے کی اور لحد کی سنت کا۔ کفن دینے اور لحد کی سنت کی رعایت کیے بغیر ہی اس کے لیے کیا کیا جائے گا؟ ایک گڑھا کھودا جائے گا اور ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا، **وَلَا يُوضَعُ فِيهِ بَلْ يُلْقَى** اور اس کو اس میں رکھا نہیں جائے گا جیسے کہ میت کو رکھتے ہیں، **بَلْ يُلْقَى** اس کے اندر اس میں ڈال دیا جائے گا، اس گڑھے میں ڈال دیا جائے گا اس کو بھائی۔ یہاں تک مسائل سمجھ میں آ گئے بھائی؟

▪ فَصْلٌ فِي حَمْلِ الْجَنَازَةِ یہ فصل ہے جنازے کے اٹھانے کے

فَصْلٌ فِي حَمْلِ الْجَنَازَةِ یہ فصل ہے جنازے کے اٹھانے کے بیان میں کہ اب جنازہ اٹھا کر کس طرح لے کر جائیں گے، نمازِ جنازہ ہو چکی ہے، اب میت کو اٹھا کر کہاں لے جانا ہے؟ دفن کے لیے لے کر جانا ہے۔ کہتے ہیں: **وَإِذَا حَمَلُوا الْمَيِّتَ عَلَى سَرِيرِهِ أَخَذُوا بِقَوَائِمِهِ الْأَرْبَعِ** اور جب وہ لوگ اٹھائیں میت کو **عَلَى سَرِيرِهِ** اس کے تخت پر، اس کی چارپائی پر، **أَخَذُوا** تو پکڑ لیں گے اس کو **بِقَوَائِمِهِ الْأَرْبَعِ** اس کے چارپایوں سے۔ چارپائی جو ہے اس کے جو چاروں پائے ہیں اس سے اس کو پکڑ کر اٹھا لیں گے۔ **بِذَلِكَ وَرَدَتِ السُّنَّةُ** اسی کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے، یعنی یہی مسنون طریقہ ہے۔ **وَفِيهِ تَكْثِيرُ الْجَمَاعَةِ** اور اس کے اندر جماعت کا کثیر کرنا ہے، جماعت کی تکثیر ہے، یعنی جماعت کیا ہو گی؟ زیادہ۔

بھائی، آگے دراصل امام شافعی رحمہ اللہ کا قول آ رہا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میت کو دو آدمی اٹھائیں گے، دو آدمی۔ اور آگے والا جو آدمی ہے وہ اس چارپائی کو اپنی گردن پر رکھے گا بھائی۔ آگے ہے نا، چارپائی پشت کی طرف کہاں پر آ گئی اس کے؟ گردن پر بھائی اگلا حصہ۔ اور ایک آدمی پیچھے ہو گا، وہ چارپائی کے پچھلے حصے کو اپنے سینے پر رکھ لے گا بھائی۔ گردن کے قریب کس طرح رکھ لے گا؟ سینے پر رکھ لے گا، اس طرح اٹھا کر اس کو چلیں گے، جبکہ ہمارے نزدیک مسنون طریقہ یہ ہے کہ چارپائی کو چار آدمی اٹھائیں گے، ہر پائے کو ایک ایک آدمی پکڑ کر اس کو اٹھا لے گا۔ اور اس میں تکثیرِ جماعت ہے، کیونکہ اٹھانے والے کتنے ہیں؟ چار، اور ان کے قول کے مطابق اٹھانے والے کتنے؟ دو ہیں، تو اس کے اندر تکثیرِ جماعت ہے، جماعت زیادہ ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَفِيهِ تَكْثِيرُ الْجَمَاعَةِ** اس کے اندر جماعت کی تکثیر ہے، جماعت کو کثیر کرنا ہے، **وَزِيَادَةُ الْإِكْرَامِ** اور زیادہ اکرام ہے۔ دو کے اٹھانے میں وہ اکرام نہیں جتنا چار کے اٹھانے میں اکرام زیادہ ہے، چار کے اٹھانے میں۔ کیونکہ انہوں نے چار کناروں سے، چارپایوں سے پکڑ کر چارپائی کو اٹھایا، کسی بوجھ اور سامان کو جیسے اٹھایا جاتا ہے ایسے نہیں اٹھایا، بلکہ کس طرح اٹھایا؟ ہاں، بوجھ ہو اس کو تو جیسے بھی اٹھا لیا جائے، لیکن یہاں کیا کیا جا رہا ہے؟ چاروں پایوں کو ایک ایک آدمی پکڑ کر اٹھا رہا ہے، تو اس میں احترام زیادہ ہے بھائی۔ یہ معنی ہے کہ اس کے اندر **وَزِيَادَةُ الْإِكْرَامِ** اکرام کی زیادتی ہے، احترام کی زیادتی ہے، **وَالصِّيَانَةُ** اور نیز اس کے اندر حفاظت ہے، حفاظت بھائی، کہ دو اٹھاتے ہیں تو اس کے اندر اتنی حفاظت نہیں، خطرہ ہے پھر بھی گرنے کا، لیکن چار اٹھائیں گے تو پھر میت کے گرنے کا خطرہ نہیں ہے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **السُّنَّةُ أَنْ يَحْمِلَهَا رَجُلَانِ** سنت یہ ہے کہ اس کو اٹھائیں گے **رَجُلَانِ** دو آدمی،

يَضَعُهَا السَّابِقُ عَلَى أَصْلِ عُنُقِهِ رکھے گا اس کو سابق یعنی مقدم جو آگے والا آدمی ہے وہ رکھے گا اس کو **عَلَى أَصْلِ عُنُقِهِ** کس پر؟ اپنی گردن کی جڑ پر بھائی۔ آگے ہے نا پچھلی پشت کی جانب اس کی گردن کی جڑ پر چارپائی کا اگلا حصہ آجائے گا، **وَالثَّانِي عَلَى صَدْرِهِ** اور دوسرا پیچھے والا آدمی اٹھائے گا چارپائی کو اپنے سینے پر۔ دلیل ان کی؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ جَنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ هَكَذَا حُمِلَتْ** وہ فرماتے ہیں کیونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہیں، جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے، ان کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا تھا، اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔

قُلْنَا ہم کہتے ہیں: **كَانَ ذَلِكَ لِازْدِحَامِ الْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِ** کہ وہ ان پر ملائکہ کے ہجوم کی وجہ سے تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی گزرے ہیں بھائی اور یہ انصار کا قبیلۂ اوس جو تھا اس کے سردار تھے بھائی، وہ اس کے سردار تھے اور روایات میں آتا ہے کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے تھے بھائی۔ اور یہ وہ شخص ہیں کہ جب ان کا انتقال ہوا تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ سعد کی موت سے اللہ کا عرش بھی لرزنے لگا بھائی، اللہ کا عرش بھی لرزنے لگا۔ علماء وجہ ذکر کرتے ہیں کہ یا تو یہ غم کی وجہ سے تھا کہ اتنی بڑی شخصیت کا انتقال ہوا تو اس غم کی وجہ سے وہ عرشِ الٰہی لرزنے لگا، یا کہتے ہیں خوشی کی وجہ سے وہ خوشی کی وجہ سے جھومنے لگا، خوشی کی وجہ سے جھومنے لگا کہ ایک بڑی ہی جلیل القدر روح جو ہے اس کی طرف آرہی ہے بھائی، ایک بڑی ہی جلیل القدر روح آسمانوں کی طرف آرہی ہے۔ تو ان کے جنازے میں بے انتہا فرشتوں کا چونکہ ہجوم تھا، اس وجہ سے ان کے جنازے کو اس طرح اٹھایا گیا۔ جواب سمجھ میں آیا؟ ہم کیا کہتے ہیں کہ ان کے جنازے میں فرشتوں کا بے انتہا ہجوم تھا اس لیے ان کے جنازے کو اس طرح اٹھایا گیا، حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں جنازے میں اپنے پنجوں کے بل چل رہے تھے، پورا قدم زمین پر نہیں رکھ رہے تھے بلکہ جو پنجہ ہے اس کے بل زمین پر چل رہے تھے، فرشتوں کے بے انتہا ہجوم کی وجہ سے۔ تو یہ معنی ہے: **قُلْنَا كَانَ ذَلِكَ لِازْدِحَامِ الْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِ** تو ہم کہتے ہیں کہ وہ ان پر فرشتوں کے ہجوم کی وجہ سے تھا اس لیے یوں اٹھایا گیا۔

وَيَمْشُونَ بِهِ مُسْرِعِينَ دُونَ الْخَبَبِ اور چلیں گے اس کو میت کو لے کر **مُسْرِعِينَ** تیزی سے، جلدی سے، **دُونَ الْخَبَبِ** نہ کہ دوڑ کر۔ خبب کہتے ہیں دوڑ، ہلکی رفتار سے دوڑنا بھائی، دوڑتے ہوئے لے کر اس کو نہیں چلیں گے، تیزی سے تو چلیں گے لیکن دوڑ کر نہیں بھائی۔ **لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ سُئِلَ عَنْهُ قَالَ مَا دُونَ الْخَبَبِ** اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا اس کے بارے میں کہ میت کو لے کر کس طرح چلیں، تو آپ فرمانے لگے: **مَا دُونَ الْخَبَبِ** دوڑنے کے علاوہ، یعنی دوڑ کر نہ ہو بھائی۔ تو میت کو لے کر بھائی جلدی جلدی چلیں گے قبرستان کی طرف، قبرستان کی طرف، اور لیکن اتنی رفتار نہ ہو کہ میت ہی ہلنے لگے۔ سمجھ میں آیا؟ احترام کے ساتھ ہو البتہ جلدی جلدی ہو، تو اس لیے کیونکہ اگر نیک آدمی ہے تو تاکہ اسے جلد سے جلد اس کے آخرت کے گھر تک پہنچا دیں اور اللہ نے اس کے لیے جو انعامات تیار کر رکھے ہیں اس تک جلدی جلدی اس کو پہنچا دیں بھائی۔ اور اگر برا آدمی ہے تو پھر تاکہ جلدی سے جلدی اس بوجھ کو اپنے سروں سے اتار دیں بھائی۔

وَإِذَا بَلَغُوا إِلَى قَبْرِهِ يُكْرَهُ أَنْ يَجْلِسُوا قَبْلَ أَنْ يُوضَعَ عَنْ أَعْنَاقِ الرِّجَالِ اور جب پہنچ جائیں اس کی قبر تک تو مکروہ ہے کہ وہ لوگ بیٹھیں قبل اس کے کہ رکھا جائے اس کو لوگوں کی گردنوں سے۔ یاد رکھیے بھائی جنازہ جب لے کر چلے اور قبرستان پہنچ گئے، تو جنازے کے رکھنے سے پہلے لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے بھائی، مکروہ ہے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت وغیرہ ہو پھر الگ بات ہے، ویسے اس کو رکھنے کے بعد پھر بیٹھ سکتے ہیں۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ کیا وجہ ہے اس کی؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ قَدْ تَقَعُ الْحَاجَةُ إِلَى التَّعَاوُنِ** اس لیے کیونکہ کبھی کبھار ضرورت پیش آجاتی ہے **إِلَى التَّعَاوُنِ** ایک دوسرے کی مدد کی، جنازے کو اتارتے ہوئے بعض اوقات ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے، **وَالْقِيَامُ أَمْكَنُ مِنْهُ** اور قیام وہ زیادہ قادر ہے اس پر، **مِنْهُ مِنَ الْجُلُوسِ** کس کے مقابلے میں؟ بیٹھنے، تو قیام جو ہے اس میں دوسرے کی مدد کرنا بیٹھنے کی بنسبت قیام کی حالت میں زیادہ قدرت ہوتی ہے اس پر۔

وَكَيْفِيَّةُ الْحَمْلِ أَنْ تَضَعَ مُقَدَّمَ الْجَنَازَةِ عَلَى يَمِينِكَ ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا عَلَى يَمِينِكَ ثُمَّ مُقَدَّمَهَا عَلَى يَسَارِكَ ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا عَلَى يَسَارِكَ إِيثَارًا لِلتَّيَامُنِ اور **كَيْفِيَّةُ الْحَمْلِ** اٹھانے کی کیفیت، کس طرح اٹھا کر چلیں گے اس کو؟ کہتے ہیں اٹھا کر اس کے اٹھانے کی کیفیت یہ ہے: **أَنْ تَضَعَ مُقَدَّمَ الْجَنَازَةِ عَلَى يَمِينِكَ** بلکہ یہاں جنازہ پڑھیں بھائی، کیا پڑھیں؟ جنازہ، کیونکہ وہ چارپائی مراد ہے۔ اور اٹھانے کی کیفیت یہ ہے: **أَنْ تَضَعَ مُقَدَّمَ الْجَنَازَةِ عَلَى يَمِينِكَ** کہ آپ رکھیں اس چارپائی کے اگلے حصے کو **عَلَى يَمِينِكَ** اپنے دائیں پر، یعنی دائیں کندھے پر، **ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا عَلَى يَمِينِكَ** پھر اس کے پچھلے حصے کو رکھیں چارپائی کے اپنے دائیں کندھے پر، **ثُمَّ مُقَدَّمَهَا عَلَى يَسَارِكَ** پھر اس کے اگلے حصے کو رکھیں اپنے بائیں کندھے پر، **ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا عَلَى يَسَارِكَ** پھر اس کے پچھلے حصے کو رکھیں اپنے بائیں کندھے پر، **إِيثَارًا لِلتَّيَامُنِ** ترجیح دیتے ہوئے تیامن کو، دائیں طرف کو ترجیح دیتے ہوئے بھائی، دائیں طرف سے کرنا تیامن کا معنی ہے دائیں طرف سے کرنا، دائیں طرف کو یعنی ترجیح دیتے ہوئے۔

بھائی، جنازہ اٹھا کر لے جانے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ چار آدمیوں نے چاروں پایوں سے اس چارپائی کو اٹھایا ہے، تو اب باری باری اٹھاتے ہیں، تو مستحب یہ ہے کہ کندھا دینے والا پہلے اگلے حصے کو کیا کرے؟ چارپائی کا جو چارپائی کے اگلے حصے کو پہلے اپنے بائیں کندھے پر رکھے، بائیں کندھے پر۔ تو چارپائی کا کون سا حصہ ہو جائے گا؟ رکھنا کس پر ہے؟ دائیں کندھے پر پہلے رکھنا ہے، کس پر؟ دائیں کندھے پر پہلے رکھنا ہے۔ جب دائیں کندھے پر رکھیں گے تو چارپائی کا کون سا حصہ ہو جائے گا؟ چارپائی کا بایاں حصہ، تو چارپائی کا اگلا جو بایاں حصہ ہے اس کو کہاں پر رکھ لے؟ اپنے دائیں کندھے پر رکھ لے، دائیں کندھے پر۔ اور پھر کندھا دینے والا کم از کم دس قدم چلے۔ پھر اس کے

بعد اب پھر وہ کندھا دینا چاہتا ہے، اب اسی جانب کا جو پچھلا پایا ہے اس کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے اور پھر کم از کم کتنا چل لے؟ دس قدم تک ساتھ چل لے بھائی۔ پھر اس کے بعد کندھا دینا چاہتا ہے، تو اب دوسری طرف آجائے اور دوسری طرف چارپائی کا ہو جائے گا دایاں حصہ اور اس شخص کے کس کندھے پر آئے گا؟ بائیں کندھے، تو اب چارپائی کا جو اگلا حصہ ہے اس کو اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر کم از کم کتنا کندھا دے دے؟ دس قدم تک اس کو کندھا دے دے۔ پھر اس کے بعد اس سے جو پچھلا حصہ ہے چارپائی کا اسی جانب والا، اس کو اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر کم از کم دس قدم تک اس کو کندھا دے دے، یہ ہے مستحب طریقہ بھائی، طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو لہٰذا جب آپ اپنے دائیں کندھے پر رکھیں گے پہلے، تو چارپائی کا تو بایاں حصہ ہو گیا بے شک، لیکن میت کی یہ دائیں جانب ہی ہے۔ آپ غور کریں، چارپائی کا اگلا حصہ کس پر آیا پہلے؟ دائیں کندھے پر، تو چارپائی کا تو بایاں کنارہ ہے، لیکن میت کا کون سا حصہ اس طرف ہے؟ میت کا دایاں پہلو ہی ہے آپ کی طرف بھائی، طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

اور عبارت لے کر آئے صاحبِ صاحبِ ہدایہ، مخاطب کے صیغے لے کر آئے کہ اٹھانے کی کیفیت یہ ہے: **أَنْ تَضَعَ أَنْ تَضَعَ مُقَدَّمَ الْجِنَازَةِ عَلَى يَمِينِكَ** کہ آپ رکھیں چارپائی کے اگلے حصے کو اپنے اپنے دائیں کندھے پر، یہ مخاطب کے صیغے کو لے کر آئے، دراصل یہ جامع صغیر کی عبارت ہے، اسی کو صاحبِ صاحبِ ہدایہ نے نقل فرمایا۔ اور جامع صغیر کے اندر یہ عبارت جو نقل کی گئی یہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، آپ اپنے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو جنازہ اٹھانے کا طریقہ سکھلا رہے تھے، تو آپ نے یہ فرمایا کہ اس طرح اٹھاؤ، تو یہ الفاظ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہیں جو صاحبِ ہدایہ نے نقل فرمائے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اس لیے یہ مخاطب کے صیغے لے کر آئے ہیں۔ اب دوبارہ دیکھ لیجیے بھائی، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے فرماتے ہیں کہ اٹھانے کی کیفیت یہ ہے: **أَنْ تَضَعَ مُقَدَّمَ الْجِنَازَةِ عَلَى يَمِينِكَ** کہ تم رکھو جنازے کے اگلے حصے کو اپنے دائیں کندھے پر، **ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا عَلَى يَمِينِكَ** پھر اس جنازے کے پچھلے حصے کو اپنے دائیں کندھے پر، **ثُمَّ مُقَدَّمَهَا عَلَى يَسَارِكَ** پھر جنازے کے اگلے حصے کو اپنے بائیں کندھے پر، **ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا عَلَى يَسَارِكَ** پھر اس کے پچھلے حصے کو اپنے بائیں کندھے پر، **إِيثَارًا لِلتَّيَامُنِ** تیامن کو ترجیح دیتے ہوئے، دائیں طرف سے کرنے شروع کرنے کو ترجیح دیتے ہوئے، **وَهَذَا فِي حَالَةِ التَّنَاوُبِ** صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں، تناوب کہتے ہیں باری باری کوئی عمل کرنا، تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَهَذَا فِي حَالَةِ التَّنَاوُبِ** یہ تناوب کی حالت میں ہو گا، یعنی باری باری کرنے کی صورت میں یہ ترتیب ہو گی کہ پہلے ایک طرف سے کندھا دیا پھر دوسری طرف، پھر تیسری طرف اور پھر چوتھی طرف وہ کندھا دیں گے بھائی، طریقہ سمجھ میں آگیا؟

▪ فَصْلٌ فِي الدَّفْنِ یہ فصل ہے دفن کرنے کے بیان میں کہ اب می

فَصْلٌ فِي الدَّفْنِ یہ فصل ہے دفن کرنے کے بیان میں کہ اب میت کو دفن کیسے کیا جائے گا۔ کہتے ہیں: **وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ** اور قبر کھودی جائے گی، **وَيُلْحَدُ** اور لحد بنائی جائے گی، **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے، آپ نے فرمایا: «**اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا**» کہ لحد ہمارے لیے ہے اور شق ہمارے علاوہ کے لیے یعنی اوروں کے لیے ہے۔ بھائی، یاد رکھیے یہ لحد اور شق یہ قبر کی دو قسمیں ہیں بھائی، قبر۔ قبر میں یاد رکھیے مستحب طریقہ یہ ہے کہ قبر کم از کم نصف قد کے برابر گہری ہونی چاہیے۔ قبر کم از کم کتنی گہری ہو؟ نصف قد کے برابر گہری ہو یا اس سے کچھ زائد ہو، البتہ قد سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے، قبر کی گہرائی قد سے زیادہ نہیں، تو نصف قد سے لے کر قد کے درمیان تک بھائی، زیادہ مناسب یہ ہے کہ سینے کے لگ بھگ اتنی گہری قبر ہونی چاہیے بھائی۔ اور پھر اس میں دو طریقے ہیں قبر کے: ایک جسے لحد کہتے ہیں، بھائی یہ لحد اس کو بغلی قبر بھی کہتے ہیں، بغلی قبر بھی، تو یہ قبر جب کھودلی گئی تو قبلے کی طرف جو قبر کی دیوار ہے اس میں جگہ بنائی جاتی ہے اس طرف، جی؟ قبلے کی جانب اس میں وہ دیوار میں جگہ بنائی جاتی ہے نچلے حصے کے اندر، یعنی اس طرف کو یوں کہیں ایک خانہ بنالیا جاتا ہے۔ جو قبلے کی طرف جو دیوار ہے اس دیوار کے نچلے حصے میں ایک خانہ اس طرف کو کھود لیا جاتا ہے اور اس کے اندر پھر میت کو لٹایا جاتا ہے اس خانے کے اندر بھائی، یہ ہے لحد بھائی لحد۔ اور دوسری ہے شق بھائی، شق وہ سیدھی قبر بھائی اور اس میں بھی بعض نے لکھا کہ سیدھی قبر کھودی، وہ قبر تھوڑی چوڑائی میں ذرا زیادہ ہو گی، پھر جو قبر کے آخری حصہ نیچے نچلی سطح جو ہے قبر کی، اس کے اندر درمیان میں ایک یوں کہیں خانہ سا سیدھا خانہ زمین میں ذرا اور گہرا تھوڑا سا جس میں وہ میت کو پھر رکھ دیں گے وہ کھودا جاتا ہے، طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ دو طریقے ہیں بھائی، اور دونوں جائز ہیں یہ بھی یاد رکھیے بھائی۔ البتہ ہمارے نزدیک لحد افضل ہے، افضل کیا ہے؟ لحد بنائی جائے، بغلی قبر بنائی جائے، یعنی قبلے کی طرف نیچے دیوار میں وہ خانہ بنا کر اس میں میت کو لٹایا جائے۔ اور میت کو لٹاتے ہوئے یہ بھی یاد رکھیں اس کو قبلہ رخ کر دینا چاہیے بھائی اور وہ کفن پر جو گرہیں وغیرہ باندھی گئی تھیں تاکہ کہیں کفن نہ کھل جائے، ان گرہوں کو اب کھول دیا جائے کیونکہ اب ان کے کفن کے منتشر ہونے کا خطرہ نہیں ہے بھائی۔ تو لہٰذا افضل ہمارے نزدیک لحد ہے، لیکن لحد میں آپ نے دیکھا کہ دیوار کے اندر پھر قبلے کی طرف ایک خانہ بنایا جاتا ہے، تو یہ وہیں پر ممکن ہو گا جہاں کی زمین سخت ہو گی، ورنہ دیوار کے اندر نیچے قبلے کی طرف جب اگر آپ خانہ بناتے ہیں زمین اگر نرم ہوئی پھر تو اوپر والی زمین نیچے بیٹھ جائے گی بھائی، تو لہٰذا جہاں سخت زمین ہو وہاں لحد بنانا افضل ہے اور جہاں زمین نرم ہے لحد بنائیں گے تو زمین بیٹھ جاتی ہے، تو وہاں شق پر عمل کیا جائے گا اور سیدھی قبر ہی کھودی جائے گی بھائی، طریقہ سمجھ میں آگیا؟ یہ معنی ہے: **وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ** اور قبر کھودی جائے گی اور لحد بنائی جائے گی، **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ «**اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا**» کہ لحد ہمارے لیے ہے اور شق ہمارے علاوہ کے لیے۔

وَيُدْخَلُ الْمَيِّتُ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ اور داخل کی جائے گی میت اس جانب سے جو قبلے کی طرف ہے، قبلے کے ساتھ ملی ہوئی ہے یعنی قبلے کی طرف ہے۔ اب بھائی میت کو قبر میں اتارنا ہے تو یاد رکھیے اب وہ چارپائی جو ہے میت کی اس کو قبلے کی جانب لے آئیں گے، قبلے۔ مثلاً دیکھیے یہاں پر قبلہ ہے مغرب کی جانب، تو قبر کو اب شمالاً جنوباً کھودا جائے گا۔ قبر شمالاً جنوباً کھودی جائے گی تاکہ جب اندر میت کو پہلو پر لٹائیں تو اس کا رخ کس طرف ہو جائے؟ قبلے کی طرف ہو جائے۔ تو اب جب میت کو قبر میں اتارنے لگے وہ چارپائی قبلے والی جانب لے آئیں گے اور پھر اس طرف سے میت کو قبر میں اتارا جائے گا بھائی، قبر میں اتارا جائے گا۔ تو یہ ہمارے نزدیک، جبکہ **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ** بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، **فَإِنَّ عِنْدَهُ يُسَلُّ سَلًّا** کیونکہ ان کے نزدیک جو ہے **يُسَلُّ سَلًّا** میت کو کھینچا جائے گا، کھینچ کر قبر میں لائیں گے، ان کے نزدیک مسنون طریقہ یہ ہے۔ ہمارے نزدیک کیا مسنون طریقہ ہوا؟ چارپائی قبلے کی طرف لے آئے، پھر چارپائی سے میت کو اٹھایا اور جو قبر میں اتار رہے ہیں وہ اس کو پھر قبر میں رکھ دیں گے نیچے، جبکہ ان کے نزدیک مسنون طریقہ یہ ہے کہ چارپائی جو ہے وہ پاؤں کی جانب لے آئیں گے، کس جانب؟ پاؤں کی جانب اور پاؤں کی جانب بھی اس طریقے سے لانی ہے کہ میت کا سر قبر کی طرف ہے اور پاؤں دوسری جانب کو ہیں، مثلاً دیکھیے قبر ہے شمالاً جنوباً، ذہن میں صورت بنالی بھائی؟ قبر ہے شمالاً جنوباً اور میت کو اب کس طرف لے آئے؟ پاؤں کی جانب، اس کا سر کس طرف ہے؟ قبر کی طرف ہے یعنی یوں کہیں سر اس کا پاؤں والی طرف ہے اور پاؤں دوسری آگے کی طرف نکلے ہوئے ہیں، اب یہاں سے میت کو اس چارپائی سے یوں کھینچ کر اٹھا کر قبر کے اندر رکھ دیا جائے گا بھائی۔ تو ہمارے نزدیک قبلے کی طرف لائیں گے اور چارپائی سے اٹھا کر میت کو قبر میں لے جائیں گے، جبکہ ان کے نزدیک اٹھا کر لے جانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ کہ چارپائی کا سر آگیا قبر کے پاؤں کی طرف اور وہاں سے پھر میت کو چارپائی سے کیسے اٹھائیں گے؟ کہ اس کے سر والے حصے کو پکڑیں گے اور کھینچتے ہوئے قبر کی طرف لے جائیں گے وہ تو یہ ذہن میں یہ نہ سوچیں کھینچ رہے ہیں، توہین وغیرہ والی، تو نہیں نہیں۔ ان کے نزدیک مسنون طریقہ یہ ہے جیسے وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو اس طرح قبر میں اتارا گیا تھا اور حضور علیہ السلام کو چار افراد نے قبر میں اتارا تھا، لیکن اس طریقے سے اتارا تھا چارپائی سے یعنی یوں اٹھایا تھا، چارپائی سے یوں اٹھایا تھا کہ سر کی جانب سے حضور علیہ السلام کے جسم مبارک کو پکڑا گیا اور پھر اندر کی طرف اس کو لے آئے، تو یعنی کہ اس میں وہ کھینچنا ہی ہے، یعنی اس طریقے سے ان کو اٹھا کر اندر میت میں قبر میں لے آئے، طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟ اس طریقے سے اٹھا کر لے آئے۔

تو لہٰذا ان کے نزدیک یہ مسنون ہے۔ یہ معنی ہے: **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ** بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، **فَإِنَّ عِنْدَهُ يُسَلُّ سَلًّا** ان کے نزدیک جو ہے اس کو کھینچا جائے گا، **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُلَّ سَلًّا** بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا کہ حضور علیہ السلام کو اس طرح اس طریقے پر قبر میں اتارا گیا، **وَلَنَا** اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ جَانِبَ الْقِبْلَةِ مُعَظَّمٌ فَيُسْتَحَبُّ الْإِدْخَالُ مِنْهُ** کہ قبلے کی جانب معظم و محترم ہے تو مستحب ہے اس جانب سے میت کو داخل کرنا۔ اور باقی آپ نے دلیل میں کیا ذکر کیا کہ حضور علیہ السلام کو اس طریقے سے قبر میں اتارا گیا تھا، تو ہم کہتے ہیں: **وَاضْطَرَبَتِ الرِّوَايَاتُ فِي إِدْخَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** حضور علیہ السلام کو قبر میں داخل کرنے کے بارے میں روایات مضطرب ہیں، یعنی مختلف ہیں، بعض روایات میں کسی طرح ذکر ہے اور بعض روایات میں کسی طرح ذکر ہے، لہٰذا ان کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ کوئی ایک طریقہ ذکر نہیں ہے، اگر ایک ہوتا تو پھر پھر تو اس کو آپ دلیل بنا سکتے تھے لیکن وہاں روایات میں اضطراب ہے بھائی، دونوں طریقے سمجھ میں آگئے بھائی؟

فَإِذَا وُضِعَ فِي لَحْدِهِ يَقُولُ وَاضِعُهُ: «بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ» پس جب اس میت کو قبر میں رکھا جائے تو **يَقُولُ وَاضِعُهُ** تو اس کو رکھنے والا یہ کہے: **«بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ»**، اس میت کو قبر میں رکھنے والا اس موقع پر کیا کہے؟ **«بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ»**، **كَذَا قَالَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَضَعَ أَبَا دُجَانَةَ فِي الْقَبْرِ** اسی طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا جس وقت کہ آپ نے رکھا ابو دجانہ کو **فِي الْقَبْرِ** قبر میں۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور علیہ السلام نے قبر میں اتارا اور قبر میں رکھا تو آپ نے اسی طرح فرمایا بھائی۔ صاحب ہدایہ نے یہاں ابو دجانہ صحابی کا نام ذکر کیا کہ ان کو اس طرح قبر میں اتارتے وقت حضور علیہ السلام نے اس طرح فرمایا، معلوم ہوا حضور علیہ السلام ان کو قبر میں اتارنے والوں میں شامل تھے اور آپ نے ان کو رکھنے کے بعد پھر **«بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ»** فرمایا، تو صاحب ہدایہ نے ابو دجانہ نام ذکر کیا اور شارحین یہاں فرماتے ہیں کہ یہ ابو دجانہ نہیں بلکہ یہ حضرت ذو البجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے بھائی۔ کون تھے؟ ذو البجادین، بجادین با کے کسرہ کے ساتھ ہے جیسا کہ علامہ عینی نے بنایہ کے اندر ذکر فرمایا ہے، ذو البجادین، با کے نیچے کسرہ ہے۔ بھائی دراصل یہ بعض کتابوں کے اندر بعض علماء سے یہ غلطی ہوئی اور انہوں نے کیا درج کر دیا؟ ابو دجانہ انہوں نے لکھ دیا کیونکہ نام بہر حال کچھ قریب قریب ہیں، دونوں میں جیم بھی آرہا ہے، دال بھی آرہا ہے، قریب قریب تھے تو بعض سے یہ غلطی ہوئی انہوں نے اپنی کتابوں میں ابو دجانہ ذکر کیا اور صاحبِ ہدایہ نے بھی ان سے اخذ کرتے ہوئے ان کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے کیا ذکر کر دیا؟ ابو دجانہ، ورنہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ذو البجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جبکہ ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا تو انتقال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ہوا، ان کے زمانے میں ہوا۔

وَيُوَجِّهُ إِلَى الْقِبْلَةِ اور اس کو متوجہ کر دے قبلے کی طرف۔ بھائی، میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کو قبلہ رخ کر دینا چاہیے کہ اس کا رخ کس طرف ہو جائے؟ قبلے کی طرف ہو جائے، لہٰذا جو دیوار وغیرہ ہے اس کے ساتھ اس میت کی کچھ ٹیک لگوا دی جائے گی تاکہ اس کا رخ قبلے کی طرف ہو جائے۔ یہ معنی ہے: **وَيُوَجِّهُ إِلَى الْقِبْلَةِ** اور قبلے کی طرف اس کو متوجہ کر دے یعنی قبلہ رخ کر دے اس کو، **بِذَلِكَ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اسی کا حکم دیا حضور علیہ السلام نے، **وَيَحُلُّ الْعُقْدَةَ** اور گرہ کو کھول دے، **يَحُلُّ الْعُقْدَةَ** گرہ کو کھول دے، **لِوُقُوعِ الْأَمْنِ مِنَ الِانْتِشَارِ** اس لیے کیونکہ انتشار سے امن واقع ہو گیا۔ بھائی، کفن

جب میت کو قبر کے اندر لٹا دیا تو اس کو قبلہ رخ کر دیا جائے اور پھر جو کفن کو باندھا گیا تھا گرہ دی گئی تھی تا کہ کہیں کفن کھل نہ جائے، تو اب تو قبر کے اندر میت کو لٹا دیا، اب تو کفن کے کھلنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، لہٰذا اب ان گرہوں کو کھول دیا جائے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **وَيَحُلُّ الْعُقْدَةَ** اور اس گرہ کو کھول دے، **لِوُقُوعِ الْأَمْنِ مِنَ الِانْتِشَارِ** اس وجہ سے کہ منتشر ہونے سے امن حاصل امن واقع ہو گیا، امن حاصل ہو گیا، اب کفن کے منتشر ہونے یعنی کھلنے اور بکھرنے کا خطرہ نہیں ہے بھائی۔

وَيُسَوَّى اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ اور برابر کر دیا جائے کچی اینٹوں کو لحد پر۔ بھائی ایک ہے لبن اور ایک ہے **آجُرّ**، رامشد دہے، **آجُرّ**۔ لبن کہتے ہیں کچی اینٹ کو اور **آجُرّ** کہتے ہیں پکی اینٹ کو۔ بھائی آپ جانتے ہیں اینٹیں مٹی سے بنائی جاتی ہیں اور پھر ان کو بھٹی کے اندر پکایا جاتا ہے تو یہ سخت صورت اختیار کر لیتی ہیں، تو وہ جو کچی اینٹ ہو پکانے سے پہلے آگ کے اندر اس کو لبن کہتے ہیں اور جب پکا دیا سخت ہو گئی تو اب اس کو کیا کہتے ہیں؟ آجر کہتے ہیں، تو یہاں کچی اینٹیں استعمال کرنا مستحب ہے پکی نہیں بھائی۔ **وَيُسَوَّى اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ** اور برابر کر دی جائیں کچی اینٹیں لحد پر، **لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَ عَلَى قَبْرِهِ اللَّبِنُ** اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام جو ہیں آپ کی قبر مبارک پر کچی اینٹیں رکھی گئیں۔ طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟ میت کو لحد میں لٹا دیا اور پھر اس کو قبلہ رخ کر دیا گیا، کوئی کسی چیز وغیرہ کے ساتھ اس کو کچھ سہارا دے کر اس کا رخ کس طرف کر دیا گیا؟ قبلے کی طرف کر دیا گیا اور یہ لحد کیا تھی؟ قبلے کی جانب جو دیوار تھی اس میں ایک خانہ بنایا گیا تھا، تو اب اس خانے کو بند کر دیا جائے کس کے ساتھ؟ کچی اینٹوں کے ساتھ بھائی، یہ معنی ہے۔

وَيُسَجَّى قَبْرُ الْمَرْأَةِ بِثَوْبٍ حَتَّى يُجْعَلَ اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ وَلَا يُسَجَّى قَبْرُ الرَّجُلِ۔ سَجَّى يُسَجِّي کے معنی ہوتے ہیں ڈھانپنا یعنی پردہ کرنا۔ **وَيُسَجَّى قَبْرُ الْمَرْأَةِ بِثَوْبٍ** اور ڈھانپ دیا جائے گا عورت کی قبر کو کسی کپڑے سے، یعنی اس پر پردہ کر دیا جائے گا۔ یاد رکھیے عورت کی قبر پر کپڑے وغیرہ چادروں سے پردہ کرنا مستحب ہے، کیا ہے؟ مستحب ہے۔ اور اگر کفن کھلنے کا خوف ہو تو پھر واجب ہے، پردہ کرنا واجب ہے۔ تو یہ معنی ہے: اور ڈھانپ دیا جائے گا یعنی پردہ کر دیا جائے گا عورت کی قبر پر کسی کپڑے سے، **حَتَّى يُجْعَلَ اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ** یہاں تک کہ کچی اینٹیں رکھ دی جائیں لحد پر، اس وقت تک پردہ کر دیں گے۔ **وَلَا يُسَجَّى قَبْرُ الرَّجُلِ** اور ڈھانپا نہیں جائے گا مرد کی قبر کو یعنی اس پر پردہ نہیں کیا جائے گا، **لِأَنَّ مَبْنَى حَالِهِنَّ عَلَى السَّتْرِ** اس لیے کیونکہ عورتوں کی حالت عورتوں کی حالت کی بنیاد ستر یعنی پردے پر ہے، عورت کے لیے کیا مناسب ہے؟ پردہ مناسب ہے، تو ان کی حالت کی بنیاد پردے پر ہے، **وَمَبْنَى حَالِ الرِّجَالِ عَلَى الِانْكِشَافِ** اور مردوں کی حالت کی بنیاد انکشاف یعنی کشف پر ہے، مردوں کی حالات پر کی بنیاد پردے پر نہیں ہے بلکہ کشف یعنی غیر پردے پر ہے، کھلے ہونے پر ہے۔

وَيُكْرَهُ الْآجُرُّ وَالْخَشَبُ اور مکروہ ہے پکی اینٹ **وَالْخَشَبُ** اور لکڑی۔ لک تخت لکڑی وغیرہ اور لکڑی کے تختے وغیرہ استعمال کرنا یا پکی اینٹیں استعمال کرنا مکروہ ہے، **لِأَنَّهُمَا لِإِحْكَامِ الْبِنَاءِ، أَحْكَمَ يُحْكِمُ اِحْكَام** کا معنی مضبوط کرنا، اس لیے کیونکہ یہ جو اینٹ پکی اینٹیں اور لکڑی جو ہے یہ عمارت کی مضبوطی کے لیے ہوتی ہیں، **وَالْقَبْرُ مَوْضِعُ الْبِلَى،** با کے کسرہ کے ساتھ، **وَالْقَبْرُ مَوْضِعُ الْبِلَى** اور قبر تو گلنے کی جگہ ہے، بوسیدہ ہونے کی جگہ ہے، تو لہٰذا وہ یہاں پر مکروہ ہیں۔ ہاں اگر ضرورت ہو تو پھر جائز ہے بھائی، ضرورت ہو تو جائز ہے، تو ضرورت کی بنا پر مثلاً وہ زمین جو ہے نرم وغیرہ ہے یا کوئی ایسی مجبوری آ گئی تو پھر جائز ہے۔

ثُمَّ بِالْآجُرِّ أَثَرُ النَّارِ فَيُكْرَهُ تَفَاؤُلًا، پھر جو پکی اینٹ جو ہے اس پہ آگ کا اثر ہوتا ہے، اینٹ پکتی کیسے ہے اس کو کس پر پکاتے ہیں؟ آگ پر، تو اس میں آگ کا اثر ہوتا ہے، **فَيُكْرَهُ تَفَاؤُلًا** تو وہ بدفالی کے اعتبار سے بھی مکروہ ہو گی۔ کس اعتبار سے؟ بدفالی کے اعتبار سے مکروہ ہو گی، کوئی شخص اس سے بدفالی مراد لے گا کہ اس شخص کی قبر پر کس طرح کی اینٹیں لگائی گئیں؟ وہ اینٹیں جو آگ پر پکائی گئی تھیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو بدفالی کوئی لے گا کہ آگ والی چیز اس کی قبر میں آ گئی۔

وَلَا بَأْسَ بِالْقَصَبِ اور کانے میں کوئی حرج نہیں۔ قصب کہتے ہیں کانا، نرکل بھائی نرکل۔ بھائی وہ جو کاتب جس سے قلم بناتے ہیں قلم بناتے ہیں اور اس سے لکھتے ہیں، نیز اسی کی وہ بناتے ہیں بھائی پردے کے لیے ہاں چک وغیرہ، چک بھی اسی کی بنتی ہے، اس کو نرکل بھی کہتے ہیں اور کانا بھی۔ تو کہتے ہیں کانوں کے اندر کوئی حرج نہیں یعنی وہ قبر پر لگا سکتے ہیں وہ قبر کے اندر۔ **وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ** اور جامع صغیر کے اندر ہے، جامع صغیر میں یہ لکھا ہے کہ **وَيُسْتَحَبُّ اللَّبِنُ وَالْقَصَبُ،** لبن اور یعنی کچی اینٹ اور یہ نرکل جو ہیں یہ مستحب ہیں، یہ کیا ہیں؟ مستحب ہیں۔ صاحب قدوری نے تو فرمایا تھا کانوں میں یعنی نرکل میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن جامع صغیر میں آیا کہ کانوں کا لگانا مستحب ہے، **لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَ عَلَى قَبْرِهِ طُنٌّ مِنْ قَصَبٍ** اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر لگایا گیا **طُنٌّ،** طن کہتے ہیں گٹھا بھائی، **مِنْ قَصَبٍ** وہ نرکل جو وہ جو کانے ہیں ان کا ایک گٹھا لگایا گیا حضور علیہ السلام کی قبر پر۔

ثُمَّ يُهَالُ التُّرَابُ پھر مٹی ڈالی جائے۔ پھر اس قبر پر مٹی ڈالی جائے اور یاد رکھیے بھائی مٹی ڈالنے کی ابتدا جو ہے وہ مستحب یہ ہے سر کی طرف سے کی جائے، سر کی طرف سے مٹی ڈالنا شروع کی جائے اور ہر شخص مستحب یہ ہے کہ ہر شخص تین تین مٹھی مٹی ڈالے بھائی۔ تین مٹھی مٹی ڈالے بھائی تو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں میں مٹی لے کر قبر پر ڈالے تین مرتبہ بھائی، دونوں ہاتھوں میں دونوں ہاتھوں میں مٹی اٹھا کر قبر پر ڈالے اور پہلی مرتبہ جب دونوں ہاتھوں میں مٹی لے کر قبر پر ڈالے تو اس وقت کہے: «**مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ**»، اس وقت پہلی مرتبہ میں کیا کہے؟ «**مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ**»، اور دوسری مرتبہ میں کہے گا: «**وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ**»، اور تیسری مرتبہ میں کہے گا: «**وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى**» بھائی، تو یہ طریقہ ہے بھائی، یہ طریقہ ہے۔

تو یہ معنی ہے: **ثُمَّ يُهَالُ التُّرَابُ** پھر اس پر مٹی ڈالی جائے گی، **وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ** اور قبر کو مسنم کیا جائے گا یعنی کوہان نما بنایا جائے گا۔ کوہان بھائی آپ نے وہ اگر اونٹ کو دیکھا ہو، اونٹ کی کمر پر ایک ابھری ہوئی اس کی ہڈی ہوتی ہے، ابھرا ہوا حصہ ہوتا ہے اس کو کوہان کہتے ہیں، تو قبر بھی کوہان نما ہونی چاہیے، کوہان کی طرح۔ اور یاد رکھیے یہ بھی بھائی کہ قبر کی اونچائی زمین سے ایک بالشت یا اس سے تھوڑی معمولی سی کچھ زیادہ ہو جائے اتنی اونچائی ہونی چاہیے، ایک بالشت سے زیادہ اونچی قبر بنانا یعنی کافی زیادہ، تھوڑی بہت ہو تو اس کی خیر ہے ایک بالشت سے تھوڑی بہت زیادہ ہو، ہاں زیادہ اونچی ہے اس سے تو پھر ایسا کرنا مکروہ ہے بھائی، مکروہ ہے۔ یرحمک اللہ۔ یہ معنی ہے تو **يُسَنَّمُ الْقَبْرُ** قبر کو کوہان نما بنایا جائے گا۔ سنام کہتے ہیں سنام وہ اونٹ کا جو کوہان ہوتا ہے تو وہ بھی اسی سے ہے **يُسَنَّمُ الْقَبْرُ** قبر کو کوہان نما بنایا جائے گا، **وَلَا يُسَطَّحُ** اور اس کو برابر نہیں کیا جائے گا اوپر سے اس کے سطح کو برابر نہیں کیا جائے گا، کیا معنی برابر نہیں کیا جائے گا؟ **أَيْ لَا يُرَبَّعُ** یعنی چار کونوں والی نہیں بنائی جائے گی۔ چار کونے اس کے نہیں بلکہ کوہان کی طرح گولائی میں ہونی چاہیے، مربہ نہیں ہونی چاہیے، **لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ تَرْبِيعِ الْقُبُورِ** اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے قبروں کی تربیع سے منع فرمایا ہے۔ قبروں کی تربیع سے منع فرمایا ہے۔

وَمَنْ شَاهَدَ قَبْرَهُ أَخْبَرَ أَنَّهُ مُسَنَّمٌ اور جنہوں نے حضور علیہ السلام کی قبر کا مشاہدہ کیا ہے، **أَخْبَرَ** انہوں نے بتلایا ہے، انہوں نے خبر دی ہے کہ **أَنَّهُ مُسَنَّمٌ** کہ حضور علیہ السلام کی قبر مبارک بھی کس طرح ہے؟ مسنم ہے، یعنی اوپر سے گولائی کے اندر ہے، چوڑائی میں اور چار کونوں والی نہیں ہے بھائی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے قبر پر پھر اس کے بعد جب مٹی ڈال دی گئی تو اس پر پانی کا چھڑک دینا بھی مستحب ہے، مستحب ہے اور پھر دفن کرنے کے بعد فوراً نہیں چلنا چاہیے بلکہ مستحب یہ ہے کہ انسان کچھ دیر وہاں ٹھہرے اور اس میت کے لیے دعا کر لے بھائی۔ تو کسی کا انتقال ہو جائے تو دفنانے سے پہلے اس کے لیے باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا یہ درست نہیں ہے، لیکن جب دفن کر دیا گیا اب اس کے لیے مستحب کیا ہے کہ فوراً انسان نہ جائے بلکہ وہاں پر اس کے لیے دعا کر لے بھائی، اسی طرح یا قرآن پڑھ لے اس کے لیے کچھ بھائی، تو یہ مستحب ہے۔

اچھا یاد رکھیے بھائی میت کو تابوت کے اندر دفن کرنا بھی صحیح ہے بھائی، چاہے لکڑی کا تابوت ہو چاہے لوہے کا ہو چاہے پتھر وغیرہ جس چیز کا بھی تابوت ہو اس میں بھی دفن کرنا جائز ہے، لیکن اس کے اندر پھر بہتر یہ ہے کہ اس تابوت کے اندر کچھ مٹی بچھا دی جائے بھائی، پھر اس پر کیا کر دیا جائے میت کو رکھا جائے بھائی تابوت کے اندر۔ اور اسی طرح یہ بھی یاد رکھیے بھائی جنازہ جب لے کر چل رہے ہوں تو اس وقت بلند آواز سے کوئی ذکر وغیرہ کرنا یا دعا وغیرہ پڑھنا یہ مکروہ ہے بھائی، دعا جب جنازہ لے کر جا رہے ہوں۔

چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۸۹: مسئلہ: زَمِّلُوهُمْ بِكُلُومِهِمْ وَدِمَائِهِمْ وَلَات...

ہدایہ صفحہ: ۱۹۷ — بتاریخ: ۱۷ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الشَّهِيدِ

اَلشَّهِيدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُونَ أَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهِ أَثَرٌ أَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُونَ ظُلْمًا وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَةٌ فَيُكَفَّنُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ وَلَا يُغْسَلُ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى شُهَدَاءِ أُحُدٍ وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ: «زَمِّلُوهُمْ بِكُلُومِهِمْ وَدِمَائِهِمْ وَلَا تَغْسِلُوهُمْ». [1]

بھئی شہید بھی میت ہے اور اس سے ماقبل میں اور مرنے والوں کے احکام بیان ہوئے تو شہید بھی مرنے والا ہے۔ لیکن اس کے کچھ احکام باقیوں سے الگ ہیں اور نیز شہادت کی فضیلت بھی بہت زیادہ ہے، حتی کہ شہادت کی اقسام اور اس کی تفصیل کے سلسلے میں علماء نے علیحدہ کتابیں اور رسالے لکھے ہیں۔ تو اس لیے صاحبِ ہدایہ نے اس کو علیحدہ باب کے اندر ذکر کیا بھئی۔ تو اس باب میں شہید کسے کہیں گے اس کی تفصیل بیان کریں گے اور شہید عام مردوں سے جن احکام کے اندر مختلف ہے وہ بیان کریں گے۔

وہ بیان کریں گے۔ آگے صاحبِ ہدایہ تفصیل بیان کریں گے اس سے پہلے مختصراً یہیں پر سمجھ لیجیے اور اشارات اگر کچھ لکھنا چاہیں، مکمل تفصیلاً لکھوانا تو مشکل ہے، بس اشارات لکھتے جایئے بھئی۔

یاد رکھیے بھئی، شہید جو ہے نا شہید کی دو قسمیں ہیں بھئی: ایک شہیدِ حقیقی ہے، ایک شہیدِ اخروی ہے۔

شہیدِ حقیقی وہ جو دنیاوی اعتبار سے بھی شہید اور اخروی اعتبار سے بھی شہید۔ یعنی اس پر دنیا میں بھی شہید کے احکام جاری ہوں گے اور آخرت کے اعتبار سے بھی وہ شہید ہے۔ تو یہ ہے شہیدِ حقیقی۔

اور شہیدِ اخروی وہ ہے جو آخرت کے اعتبار سے تو شہید ہے، اللہ تعالیٰ یقیناً بلند درجات نصیب فرمائیں گے، لیکن دنیاوی اعتبار سے اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

بات سمجھ میں آئی بھئی؟ شہید کی کتنی قسمیں ہیں؟ دو قسمیں ہیں: ایک شہیدِ حقیقی اور ایک شہیدِ اخروی۔ شہیدِ حقیقی کسے کہیں گے؟ جو دنیاوی اعتبار سے بھی شہید ہے اور اخروی اعتبار سے بھی شہید، یعنی دنیا میں شہید کے جو احکام ہیں وہ احکام اس پر جاری ہوں گے۔ جبکہ دوسرا شہید وہ ہے جو صرف اخروی اعتبار سے شہید ہے، دنیاوی اعتبار سے جو شہید کے احکام ہیں وہ اس پر جاری نہیں ہوں گے بھئی۔ جاری نہیں ہوں گے۔

اب شہیدِ حقیقی جو ہے جس پر دنیاوی احکام بھی جاری ہوں گے شہید کے، اس کے لیے یاد رکھیے علماء نے، علمائے احناف نے، فقہائے احناف نے سات شرطیں ذکر کی ہیں بھئی، جو آگے صاحبِ ہدایہ اس باب کے اندر ذکر کریں گے۔ سات شرطیں بھئی:

پہلی شرط یہ ہے کہ شہید ہونے والا مسلمان ہو بھئی، مسلمان ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مکلف ہو، مکلف ہو، یعنی عاقل بالغ ہو بھئی۔ عاقل بالغ ہو وہ۔ تو پہلی شرط کیا ذکر ہوئی؟ کہ مسلمان ہو۔ لہٰذا غیر مسلم نکل گئے، ان کے لیے شہادت نہیں ثابت ہوگی بھئی۔ دوسری شرط یہ کہ وہ عاقل بالغ ہوں، مکلف ہوں بھئی۔ جب عاقل اور بالغ کی قید لگائی تو مجنون نکل گیا، اسی طرح نابالغ بھی نکل گیا۔ تو مجنون اور نابالغ جو ہے اس پر بھی شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے بھئی۔

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۲۰): «وآله»۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ حدثِ اکبر سے پاک ہونا چاہیے۔ شہید ہونے والا حدثِ اکبر سے پاک ہونا چاہیے۔ لہٰذا جو شخص جنابت کی حالت میں شہید ہوا وہ اس حکم سے خارج ہو گا، دنیاوی احکام شہید کے اس پر جاری نہیں ہوں گے۔ تو جو شخص جنابت کی حالت میں شہید ہو، یا اسی طرح وہ عورت جو حیض اور نفاس کی حالت میں جسے مارا گیا، قتل کیا گیا، وہ بھی اس حکم سے خارج ہو گئی۔ کیونکہ تیسری قید کیا آگئی کہ وہ حدثِ اکبر سے پاک ہو بھئی، پاک ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ بے گناہ مقتول ہوا ہو۔ بے گناہ مقتول ہوا ہو، ظلماً اس کو قتل کیا گیا ہو۔ لہٰذا وہ شخص جسے قصاص میں قتل کیا گیا، قصاص میں، کہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا، بدلے میں دوسرے کو بھی کیا کر دیا گیا؟ قاضی نے فیصلہ کیا اور اس کو قصاص میں قتل کر دیا گیا، تو یہ اس حکم سے خارج کیونکہ یہ بے گناہ مقتول نہیں۔ یا اسی طرح کسی کو رجم کر دیا گیا، آپ جانتے ہیں کہ جو شادی شدہ شخص زنا کرلے اور وہ اس پر ثابت ہو جائے قاضی کے پاس، تو اس کو کیا کیا جاتا ہے؟ رجم کیا جائے گا اور پتھر مار مار کر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ تو یہ بھی اس حکم سے نکل گیا کیونکہ یہ بے گناہ نہیں مارا گیا، مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا ہے لیکن بے گناہ نہیں مارا گیا بلکہ شریعت کا یہی حکم تھا بھئی۔

اور پانچویں شرط بھئی، کہ اگر وہ مرنے والا کسی مسلمان یا ذمی کے ہاتھ سے مارا گیا ہے، مسلمان یا ذمی کے ہاتھ سے، تو اس میں یہ شرط ہے کہ کسی تیز دھار آلے سے یا آلۂ قتل سے اس کو قتل کیا گیا ہو۔ کس کے ذریعے؟ کسی تیز دھار آلے یا آلۂ قتل کے ذریعے اس کو قتل کیا گیا ہو بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ لہٰذا اگر کسی مسلمان یا ذمی کے ہاتھ سے کوئی شخص بے گناہ مارا جاتا ہے، لیکن مثلاً انہوں نے بڑی سی لاٹھی سے اس کو مارا ہے یا بڑے پتھر سے مارا ہے تو وہ اس حکم سے خارج ہو گیا، کیونکہ کیا قید آگئی پانچویں شرط بھئی؟ تیز دھار آلے یا آلۂ قتل سے قتل کیا گیا ہو۔

جبکہ اس کے مقابلے میں اگر کوئی میدانِ جنگ میں شہید ہوتا ہے، لڑائی کے اندر اہل حرب دار الحرب والوں سے دار الحرب والوں سے لڑائی میں شہید ہوا، یعنی کفار کے ساتھ، یا اسی طرح کوئی باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوا، یا **قُطَّاعُ الطَّرِیقِ**، قاطعِ طریق جو ہیں، قاطعِ طریق، جو ڈاکو ہیں ڈاکو، ڈاکوؤں کے ہاتھوں کوئی قتل ہوا، تو اس میں پھر آلۂ جارحہ کی قید نہیں۔ آلۂ قتل یا تیز دھار والے آلے کی شرط نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص میدانِ جنگ میں مارا جاتا ہے، یا باغیوں کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، یا ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، تو پھر اس کے اندر یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ اس کو تیز دھار والے آلے سے یا آلۂ قتل سے قتل کریں۔ بلکہ جس طرح بھی وہ مارا جائے وہ شہید ہے بھئی۔ حتی کہ اگر انہوں نے اس کو اپنے جانوروں کے قدموں تلے روند ڈالا اور اس سے وہ مر گیا تب بھی شہید ہے۔ یا بلکہ وہ قتل کا سبب بن گئے، مثلاً وہ مسلمان کسی جانور پر سوار تھا اور انہوں نے اس کے جانور کو بھگایا اور وہ جانور بدکا اور مسلمان اس سے گر کر مر گیا، تو یاد رکھیے یہ بھی شہید ہے بھئی۔ یہ بھی کیا ہے؟ شہید ہے۔ وہ صرف قتل کا باعث بنے ہیں، قتل بھی انہوں نے نہیں کیا لیکن پھر بھی یہ کیا ہے؟ شہید ہے۔ یا اسی طرح انہوں نے کیا کیا مسلمانوں کو گھروں وغیرہ کو آگ لگائی اور مسلمان اس کے اندر جل گئے بھئی، تو یہ سب کیا ہیں؟ شہید ہیں بھئی۔ تو اس کے اندر آلۂ جارحہ یعنی تیز دھار والے آلے یا آلۂ قتل سے قتل کی قید بھی نہیں ہے بھئی۔

اور یہ بھی یاد رکھنا بھئی، یہ بھی یاد رکھنا، میں نے قید بتلائی آپ کو کہ اگر مسلمان یا ذمی کے ہاتھ سے کوئی بے گناہ مارا گیا ہے تو اس میں کیا شرط ہے؟ تیز دھار والے آلے سے آلۂ قتل سے اس کو قتل کیا گیا ہو۔ تو یہ یاد رکھنا، لوہا جو ہے نا لوہا، وہ مطلقاً، وہ مطلقاً آلۂ جارحہ ہے چاہے اس کی دھار وغیرہ بھی نہ ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کوئی کسی کو سریا مار کر قتل کر دیتا ہے، اب سریے کی تو کوئی دھار وغیرہ نہیں ہے لیکن لوہا کیا ہے؟ مطلقاً آلۂ جارحہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے کوئی بچتا نہیں ہے بھئی، تو یہ اسی کے حکم میں ہے۔

تو یہ پانچویں شرط ہو گئی۔ چھٹی شرط یاد رکھیے کہ اس شخص کو جس کو قتل کیا گیا ہے اس میں شرط یہ ہے کہ اس کے قتل سے ابتداءً دیت نہ آتی ہو، مالِ عوض نہ آتا ہو۔ اگر مالِ عوض آتا ہے اس کے قتل کی وجہ سے تو پھر یاد رکھیے اس صورت میں اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے بھئی۔

چھٹی شرط میں نے کیا بتلائی؟ کہ ابتداءً مالِ عوض نہ آتا ہو۔ مثلاً ایک آدمی نے دوسرے کو گولی مار دی، اب ابتداءً قصاص آیا، کیا آیا؟ قصاص آیا۔ لیکن بعد میں ان دونوں کے خاندان والوں کی اس آدمی کے اس کے خاندان والوں کے ساتھ، اس کے اولیاء کے ساتھ صلح ہو گئی، انہوں نے کہا ہمیں دس لاکھ روپے دے دو ہم تمہاری جان چھوڑ دیتے ہیں۔ تو دیکھیے اب یہاں مال آگیا لیکن ابتداءً آیا یا صلح کے نتیجے میں آیا؟ صلح کے، لہٰذا یہاں شہید کے احکام جاری ہوں گے بھئی۔ اسی لیے کہا ابتداءً مالِ عوض نہیں آنا چاہیے، بعد میں چاہے کوئی صورت بن جائے وہ الگ ہے بھئی۔ ابتداء میں دیت نہ آئے بھئی۔ اگر دیت آئی تو وہاں، وہاں شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

معلوم ہوا کوئی مسلمان اگر کہیں پر مرا ہوا ملتا ہے، اس کو کسی نے قتل کر دیا ہے اور قاتل کا پتہ ہی نہیں، قاتل کا پتہ ہی نہیں ہے، علم ہی نہیں ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں اس محلے والوں پر دیت آتی ہے، قسامت آتی ہے، پچاس آدمیوں سے اس محلے کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی کہ اور وہ اس بات پر قسم اٹھائیں گے کہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور ہم نہیں جانتے اس کے قاتل کے بارے میں۔ تو پچاس آدمیوں سے، اور اس میں بھی یاد رکھیے آگے کتاب میں بھی ذکر آئے گا، تو اس میں بھی بچوں، عورتوں، بوڑھوں، غلاموں وغیرہ ان سے قسم نہیں لی جائے گی، بلکہ جو آزاد بالغ مرد ہیں، پچاس مردوں سے قسم لی جائے گی کہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور ہم اس کے قاتل کو نہیں جانتے کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے، اس پر قسم لی جائے گی۔ اور پھر اس کے بعد ان محلے والوں پر دیت آجائے گی، ان کو دیت ادا کرنا پڑے گی۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ ان لوگوں کی کوتاہی ہے کہ ان کے محلے میں کسی کو قتل کیا گیا اور یہ اس کی مدد کو نہیں پہنچے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ ان لوگوں کی کوتاہی ہے تو ان کو دیت دینا پڑے گی۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان مقتول ملتا ہے اور اس کو قتل کر دیا گیا ہے اور قاتل کا علم ہی نہیں ہے، تو پھر اس صورت میں احکام نہیں جاری ہوں گے۔ کیوں نہیں جاری ہوں گے؟ کیونکہ ابھی بتایا کہ اس صورت میں قسامت اور دیت آتی ہے، لہٰذا دیت آ رہی ہے ابتداءً، لہٰذا اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے بھئی، احکام جاری نہیں ہوں گے۔

ساتویں شرط بھئی، ساتویں شرط: زخم لگنے کے بعد اگر وہ شخص زندگی کی کوئی راحت یا نفع حاصل کر لے، زندگی کی راحت یا نفع حاصل کر لے، تو اس پر بھی شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ تو اس پر بھی شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ دنیاوی نفع یا زندگی کا کوئی نفع یا راحت حاصل کر لے، مثلاً بھئی کچھ کھا لے یا کچھ پی لے، دیکھو اس نے کچھ نفع اٹھا لیا اور کھانا پینا زندوں کا کام ہے، تو اس نے نفع اٹھا لیا زندگی کا، لہٰذا یہ اس حکم سے نکل جائے گا۔ یا اسی طرح بھئی کسی سے شدید زخمی حالت میں بیع و شراء کر لیتا ہے، کوئی چیز کے خرید و فروخت کا معاملہ کر لیتا ہے، یا اسی طرح کچھ دیر سو جاتا ہے، آرام کر لیتا ہے، تو بس یہ شہید کے حکم سے نکل گیا بھئی، شہید کے حکم سے نکل گیا۔

اسی طرح، اسی طرح اگر ہوش و حواس کی حالت میں، ہوش و حواس کی حالت میں اس شخص پر ایک پوری نماز کا وقت گزر گیا، حتی کہ وہ نماز اس کے ذمے اس کے ذمے آ گئی، اس کے ذمے آ گئی، یعنی اس پر اس کی قضا واجب ہو گئی، تو وہ بھی اس حکم سے خارج ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ وہ بھی اس حکم سے خارج ہے۔

اور اسی طرح، اسی طرح اگر میدانِ جنگ کے اندر وہاں سے کسی کو منتقل کر لیا گیا، میدانِ جنگ میں شدید زخمی ہوا اور پھر اس کو منتقل کر لیا گیا اور اس کا کچھ علاج وغیرہ کر لیا گیا، علاج وغیرہ کر لیا گیا یا ان چیزوں میں سے اس نے کوئی نفع اٹھایا تو یاد رکھیے اس صورت میں بھی اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے، کیونکہ اس نے کیا کیا دنیا کا کچھ نفع اٹھا لیا، حاصل کر لیا۔

اور نیز یہ بھی یاد رکھیے، شدید زخمی ہونے کے بعد وہ زیادہ کلام نہ کرے، کیونکہ کلام کرنا زندوں کی شان ہے، زندوں کی حالت ہے، تو لہٰذا اس صورت میں بھی وہ اس حکم سے خارج ہو جائے گا بھئی، خارج ہو جائے گا۔

اور اس میں پھر یہ بھی یاد رکھنا، ہاں اگر میدانِ جنگ سے کسی شخص کو منتقل کیا گیا، دشمن کے ساتھ لڑائی جاری ہے کفار وغیرہ کے ساتھ اور اس شخص کو میدانِ جنگ سے منتقل کر لیا گیا، تو ابھی میں نے آپ کو بتایا کہ منتقل کرنے کی صورت میں اگر اس کو منتقل کر لیا جائے تو پھر اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوتے، لیکن یہ وہ صورت ہے جب جنگ رک جائے، جنگ کیا ہو جائے؟ رک گئی اور اس کو منتقل کر لیا گیا تو اب اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ لیکن اگر ابھی جنگ جاری ہے اور اسی حالت میں، اسی حالت میں پھر بے شک یہ اوپر والے جو نفعے ذکر ہوئے ان میں سے کوئی نفع اٹھا ہی کیوں نہ لے، پھر بھی وہ شہید ہی ہے، اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے۔ لہٰذا ایک شخص کو میدانِ جنگ سے منتقل کیا گیا اور اس کو کچھ علاج کی بھی کوشش کی گئی، دوا بھی دی گئی، یا اس نے کلام بھی کیا زیادہ، یا وہ کچھ کھا پی بھی لیتا ہے، لیکن ابھی لڑائی جاری ہے اور اسی دوران پھر وہ شہید ہو گیا تو اب یہ شہید ہی ہے بھئی، شہید ہی ہے۔

سمجھ میں آیا؟ بھئی جب لڑائی، ویسے میدانِ جنگ سے منتقل کریں گے تو وہ شہید، یعنی شہیدِ حقیقی نہیں، دنیاوی احکام جاری نہیں ہوں گے اس پر، اگرچہ اخروی اعتبار سے شہید ہے، اور شہید ہے لیکن دنیاوی احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے بھئی۔ تو لڑائی کے اندر ہی اگر اس کو منتقل کیا گیا ہے اور ان نفعوں میں سے کوئی نفع اس نے حاصل کر بھی لیا ہے لیکن ابھی لڑائی جاری ہے، اسی دوران اس کا انتقال بھی ہو گیا، تو یہ شہید ہے اور اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے۔

ساتویں شرط کی تفصیل سمجھ میں آئی بھئی؟ کہ وہ دنیاوی نفعوں میں سے کوئی نفع نہ اٹھائے اور نیز اس کو میدانِ جنگ سے منتقل نہ کیا جائے۔ اور اگر منتقل کیا ہے اور لڑائی ابھی جاری ہے اور پھر بے شک ان نفعوں میں سے کوئی نفع وہ اٹھا بھی لے، کوئی راحت حاصل کر بھی لے، پھر بھی اس پر کون سے احکام جاری ہوں گے؟ شہید کے احکام جاری ہوں گے بھئی۔

یہ سات شرطیں ہیں مولانا شہید کی بھئی، سات شرطیں ہیں۔ ان میں سے ایک شرط بھی کوئی کم ہوئی تو وہ اس پر شہید کا حکم جاری نہیں ہو گا بھئی، شہید کا حکم جاری نہیں ہو گا۔

اور یہ ساتوں شرطیں، یہ شرطیں پوری ہو جائیں تو پھر اس صورت میں اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے اور وہ یہ کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا، اس کا خون اس کے بدن سے صاف نہیں کریں گے، اسی طرح خون آلود کپڑوں ہی میں دفن کریں گے۔ تو پہلا حکم کیا؟ کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ اور دوسرا حکم یہ کہ اس سے اس کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے، کپڑوں سمیت ہی دفن کریں گے۔ ہاں البتہ اگر کفن مسنون، کفن کو پورا کرنے کے لیے کچھ کپڑے زائد دینا پڑیں تو زائد دے کر کفن کے مسنون عدد کو پورا کر لیں گے اور اگر کپڑے زائد ہیں اس کے بدن پر تو زائد کپڑے اتار کر عددِ مسنون کو پورا کر لیں گے اور انہی کپڑوں کے اندر اس کو دفن کریں گے۔ اور جو چیزیں جو چیزیں کفن کی جنس میں سے نہیں ہیں، مثلاً اس نے کوئی کوئی چمڑے چمڑے کی چیز وغیرہ پہنی ہوئی ہے تو یا اسی طرح کوئی چمڑے وغیرہ کی چیز یا جیکٹ وغیرہ اس طرح کی چیزیں پہنی ہیں تو وہ اس سے اتار لیں گے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ وہ اتاریں تو عددِ مسنون کم ہوتا ہے تو پھر وہ بھی نہیں اتاریں گے، اس کے ساتھ ہی رہنے دیں گے۔ ہاں البتہ ٹوپی ہے یا جوتے ہیں یا اسلحہ ہے وہ ہر حال میں اتار لیا جائے گا کیونکہ یہ کفن کی جنس میں سے نہیں ہے اور پھر اس کو اسی طرح دفن کر دیا جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ تھی پوری تفصیل جو اس باب میں آنے والی ہے بھئی۔

جی، اب دیکھیے بھئی کتاب پر بھئی:

■ مسئلہ: بَابُ الشَّهِيدِ

«بَابُ الشَّهِيدِ» یہ باب ہے شہید کے بیان میں۔

«اَلشَّهِيدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُونَ أَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهِ أَثَرٌ» شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کر دیا ہو، «أَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ» یا اس کو میدانِ جنگ میں یا وہ میدانِ جنگ میں پایا جائے، «وَبِهِ أَثَرٌ» اور اس پر کوئی نشان ہو، یہ قید ضروری ہے بھئی۔ میدانِ جنگ میں کوئی ویسے مرا ہوا ملتا ہے تو فوراً اس پر شہید کا حکم نہیں جاری ہو گا، دیکھا جائے گا اس کے بدن پر زخم ہے یا زخم نہیں؟ زخم ہونا چاہیے تاکہ پتہ چلے اس کو دشمنوں نے کیا کیا ہے؟ قتل کیا ہے، اور اگر ویسے موت آئی ہے پھر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ اسی لیے قید لگا دی کہ «أَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ» یا وہ شخص میدانِ جنگ میں پایا گیا، «وَبِهِ أَثَرٌ» اور اس پر کوئی نشان تھا، نشان سے کیا مراد ہے؟ زخم تھا۔

«أَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُونَ ظُلْمًا» یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا ہو، یعنی ظلم کرتے ہوئے، بے گناہ قتل کر دیا ہو، «وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَةٌ» اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت بھی واجب نہ ہوتی ہو، «فَيُكَفَّنُ» تو اس کو کفن دیا جائے گا۔ «وَيُصَلَّى عَلَيْهِ» کفن دیا جائے گا، یعنی وہ مسنون عدد پورا کیا جائے گا اگر پورا نہیں ہوتا، سمجھ میں آیا بھئی؟ اس کے کپڑے نہیں اتاریں گے۔ «وَيُصَلَّى عَلَيْهِ» اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھ ہی جائے گی، «وَلَا يُغْسَلُ» اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا بھئی۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى شُهَدَاءِ أُحُدٍ

«لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى شُهَدَاءِ أُحُدٍ» اس لیے کیونکہ یہ شہدائے احد کے معنی میں ہے بھئی۔ غزوۂ احد آپ جانتے ہیں بھئی، کہ غزوۂ احد بھئی جس میں آپ جانتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے قریب پہاڑ ہے، احد پہاڑ، اس کے قریب یہ غزوہ ہوا تھا مشرکینِ مکہ کے ساتھ اور اس میں کوئی ستر ستر مسلمان جو ہیں تقریباً شہید ہو گئے تھے اور ان کو غسل وغیرہ نہیں دیا گیا تھا۔ تو یہ جو شخص جس میں یہ شرائط پوری ہو گئیں یہ بھی ان شہدائے احد کے معنی میں ہوا، انہی جیسا ہو گیا، اور ان کو تو غسل وغیرہ نہیں دیا گیا تھا، ان سے ان کے کپڑے نہیں اتارے گئے تھے، خون وغیرہ کو ان سے صاف نہیں کیا گیا تھا، لہٰذا جس میں یہ شرطیں پوری ہوں گی اس کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا، اس سے خون وغیرہ کو صاف نہیں کیا جائے گا، دفن کیا جائے گا۔

«وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ» اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہدائے احد کے بارے میں فرمایا: «زَمِّلُوهُمْ» کہ ان کو لپیٹ دو «بِكُلُومِهِمْ» ان کے زخموں کے ساتھ «وَدِمَائِهِمْ» اور ان کے خونوں کے ساتھ «وَلَا تَغْسِلُوهُمْ» اور ان کو غسل نہ دو۔ ان کے بارے میں حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا؟ ان کو ان کے زخموں اور خونوں کے ساتھ لپیٹ دو اور ان کو غسل نہ دو۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «فَكُلُّ مَنْ قُتِلَ بِالْحَدِيدِ ظُلْمًا وَهُوَ طَاهِرٌ بَالِغٌ وَلَمْ يَجِبْ بِهِ عِوَضٌ مَالِيٌّ فَهُوَ فِي مَعْنَاهُمْ فَيُلْحَقُ بِهِمْ» تو ہر وہ شخص جس کو، حدید ہے تیز دھار والی چیز بھئی، تیز دھار۔ ہر وہ شخص جس کو تیز دھار والی چیز سے قتل کر دیا گیا ظلماً، ظلم کرتے ہوئے، «وَهُوَ طَاهِرٌ» اور وہ طاہر پاک تھا، پاک ہونے کی قید لگائی تو کس کو نکال دیا؟ جو حدثِ اکبر کی حالت میں ہے، جو یعنی جنابت میں ہے یا حیض و نفاس والی عورت ہے وہ اس سے نکل گئیں۔ «بَالِغٌ» اور وہ کیا ہو؟ بالغ ہو، تو اس سے کون نکل گیا؟ بچہ نکل گیا بھئی۔ «وَلَمْ يَجِبْ بِهِ عِوَضٌ مَالِيٌّ» اور اس کے قتل کی وجہ سے کوئی مالی عوض یعنی دیت وغیرہ بھی واجب نہ ہوتی ہو، «فَهُوَ فِي مَعْنَاهُمْ» تو یہ شخص بھی انہی یہ بھی انہی کے معنی میں ہے، یعنی شہدائے احد کے معنی میں ہے، انہی کے حکم میں ہے، «فَيُلْحَقُ بِهِمْ» تو اس کو ان کے ساتھ ملایا جائے گا، یعنی جو حکم ان کا تھا وہی حکم اس پر بھی جاری ہو گا۔

■ مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالْأَثَرِ الْجِرَاحَةُ

«وَالْمُرَادُ بِالْأَثَرِ الْجِرَاحَةُ» صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ متن میں جو اثر کا لفظ آیا: «وَبِهِ أَثَرٌ»، تو اثر سے مراد جو ہے «اَلْجِرَاحَةُ» زخم ہے، «لِأَنَّهَا دَلَالَةُ الْقَتْلِ» اس لیے کیونکہ یہ قتل کی دلیل ہے، اس سے پتہ چلے گا کہ اس کو کیا کیا ہے؟ قتل کیا گیا ہے۔ «وَكَذَا خُرُوجُ الدَّمِ مِنْ مَوْضِعٍ غَيْرِ مُعْتَادٍ كَالْعَيْنِ وَنَحْوِهِ» اور اسی طرح خون کا نکلنا غیر معتاد جگہ سے۔ خون کا نکلنا غیر، یعنی بدن کے سے خون نکلا اور ایسے مقام سے نکلا کہ جہاں سے عادتاً خون نکلتا نہیں۔ ایسے

مقام سے خون نکلا جہاں سے عادتاً خون نکلتا نہیں۔ تو معلوم اب زخم کا نشان تو کوئی نہیں لیکن وہ شخص ملا اور اس کی آنکھ میں سے خون نکلا ہوا ہے یا اسی طرح اس کے کان میں سے خون نکلا ہوا ہے، بھئی کان سے تو عادتاً خون نہیں نکلتا، آنکھ سے تو عادتاً خون نہیں نکلتا، معلوم ہوا کوئی ضرب انہوں نے سر پر لگائی ہے جس سے آنکھ سے یا کان سے خون نکلا ہے، تو اب بظاہر بدن پر زخم نہیں ہے لیکن یہ خون بتلا رہا ہے کہ اس طرح عام طور پر خون نکلتا نہیں، تو معلوم ہوا کوئی ضرب لگائی ہے، لہٰذا یہ اسی حکم میں ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

ہاں اس کے بجائے اگر ناک سے خون نکلا ہے یا پاخانے کے مقام سے خون نکلا ہے وہ تو بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ یہ علامت اس چیز کی علامت نہیں ہے لازمی کہ اس کو کسی نے ضرب لگائی ہے، وہ تو ویسے بھی نکل سکتا ہے، لہٰذا وہ خارج ہو گئے کیونکہ انہوں نے کیا قید لگا دی؟ غیر معتاد جگہ سے خون نکلا ہو۔ یہ معنی ہے: «وَكَذَا خُرُوجُ الدَّمِ مِنْ مَوْضِعٍ غَيْرِ مُعْتَادٍ كَالْعَيْنِ وَنَحْوِهِ» اور اسی طرح خون کا نکلنا ایسی جگہ سے جو معتاد نہ ہو یعنی جہاں سے عادتاً خون نہ نکلتا ہو، «كَالْعَيْنِ» جیسے کہ آنکھ ہے «وَنَحْوِهِ» اور اس جیسی چیز۔

«وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُنَا فِي الصَّلَاةِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ ہماری مخالفت کرتے ہیں نماز میں۔ وہ اختلاف کرتے ہیں نمازِ جنازہ کے اندر، ہم نے تو کیا کہا؟ شہید کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، شہید کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں یہ جو تلوار تھی، تلوار جس کے ذریعے اس کو قتل کیا گیا، اس تلوار نے اس کے سارے گناہوں کو ختم کر دیا، اس نے اللہ کے راستے میں جان دے دی ہے یا اس کو ظلماً بیچارے کو قتل کر دیا گیا ہے، تو اس تلوار نے اس کے سارے گناہوں کو دھو دیا، ختم کر دیا اور اب اس کے لیے دعا کی حاجت ہی نہیں، اللہ کے ہاں اس کی سفارش کی حاجت ہی نہیں ہے، اس کی یہ مغفرت اس کی ہو چکی ہے، گناہ اس کے سارے ختم ہو چکے ہیں۔ دلیل ان کی سمجھ میں آئی بھئی؟

■ مسئلہ: وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُنَا فِي...

«وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُنَا فِي الصَّلَاةِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ ہماری مخالفت کرتے ہیں نماز کے اندر، «وَيَقُولُ» اور فرماتے ہیں: «اَلسَّيْفُ مَحَّاءٌ لِلذُّنُوبِ» کہ تلوار جو ہے مٹانے والی ہے گناہوں کو، «فَأَغْنَى عَنِ الشَّفَاعَةِ» تو یہ شخص سفارش سے بے نیاز ہو گیا، اب اس کی سفارش کی ضرورت نہیں، تلوار نے اس کے گناہوں کو مٹا دیا۔ سفارش تو اس کی کی جاتی ہے جس کا کوئی گناہ ہوتا ہے کہ اللہ اس کی مغفرت فرما دے اور جب تلوار نے سارے گناہ مٹا دیے اب سفارش کی حاجت نہیں، اس کی بخشش ہو گئی۔

«وَنَحْنُ نَقُولُ» اور ہم کہتے ہیں: «اَلصَّلَاةُ عَلَى الْمَيِّتِ لِإِظْهَارِ كَرَامَتِهِ وَالشَّهِيدُ أَوْلَى بِهَا» ہم کہتے ہیں کہ یہ جو نماز میت پر پڑھی جاتی ہے یہ صرف سفارش کے طور پر ہی نہیں ہے بلکہ یہ اس کے احترام اور اس کے اکرام کے طور پر بھی ہے۔ اس مرنے والے کے احترام اور اکرام کا بھی اس کے ذریعے اظہار کیا جاتا ہے اور شہید زیادہ لائق ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے اور اس کے احترام اور اس کے محترم ہونے کا اظہار کیا جائے، لہٰذا اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

«وَنَحْنُ نَقُولُ اَلصَّلَاةُ عَلَى الْمَيِّتِ لِإِظْهَارِ كَرَامَتِهِ وَالشَّهِيدُ أَوْلَى بِهَا» کہ نماز مرنے والے پر یہ اس کی کرامت کے اظہار کے لیے ہے، یہ اس کے احترام کے اظہار کے لیے ہے، «وَالشَّهِيدُ أَوْلَى بِهَا» اور شہید اس کے زیادہ لائق ہے کہ اس کے کرامت کا اظہار کیا جائے، اس کے محترم ہونے کا اظہار کیا جائے کہ یہ بڑا محترم شخص تھا۔

■ مسئلہ: وَالطَّاهِرُ عَنِ الذُّنُوبِ لَا يَسْتَغْنِي عَنِ...

«وَالطَّاهِرُ عَنِ الذُّنُوبِ لَا يَسْتَغْنِي عَنِ الدُّعَاءِ كَالنَّبِيِّ وَالصَّبِيِّ» اور نیز آپ نے کیا کہا کہ گناہوں سے پاک ہو چکا ہے لہٰذا نمازِ جنازہ کی ضرورت نہیں، تو ہم کہتے ہیں یہ دلیل نہیں ہے اس بات کی، گناہوں سے پاک ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ شخص کہ وہ شخص دعا سے بے نیاز ہو گیا۔ مثلاً انبیاء ہیں، انبیاء معصوم ہیں، گناہوں سے پاک ہیں لیکن ان کی بھی نماز پڑھی جاتی ہے۔ معلوم ہوا گناہوں سے پاک ہونا یہ کسی کو دعا سے بے نیاز نہیں کرتا۔

«وَالطَّاهِرُ عَنِ الذُّنُوبِ» اور وہ شخص جو گناہوں سے پاک ہو «لَا يَسْتَغْنِي عَنِ الدُّعَاءِ» وہ دعا سے بے نیاز نہیں ہوتا، «كَالنَّبِيِّ وَالصَّبِيِّ» جیسے کہ نبی ہوتا ہے اور بچہ۔ اب یہ بھی دیکھیے یہ بھی معصوم ہیں لیکن نماز ان کی پڑھی جاتی ہے۔

«وَمَنْ قَتَلَهُ أَهْلُ الْحَرْبِ أَوْ أَهْلُ الْبَغْيِ أَوْ قُطَّاعُ الطَّرِيقِ فَبِأَيِّ شَيْءٍ قَتَلُوهُ لَمْ يُغْسَلْ» اور وہ شخص جس کو اہل حرب نے یعنی دار الحرب والے کافروں نے قتل کر دیا ہو، «أَوْ أَهْلُ الْبَغْيِ» یا باغیوں نے قتل کر دیا ہو، باغی کچھ لوگ خلیفہ کے خلاف کچھ لوگوں نے بغاوت کی انہوں نے قتل کر دیا ہو، «أَوْ قُطَّاعُ الطَّرِيقِ» قُطَّاعُ الطَّرِيقِ، رہزن بھئی، ڈاکو، ڈاکو رہزن، قاطعِ طریق بھئی ڈاکو، انہوں نے قتل کر دیا ہو، «فَبِأَيِّ شَيْءٍ قَتَلُوهُ لَمْ يُغْسَلْ»

تو انہوں نے جس چیز کے ذریعے بھی اس کو قتل کیا ہو ان کو غسل نہیں دیا جائے گا، یعنی اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے۔ جس چیز سے بھی قتل کیا ہو۔

اور یاد رکھیے، یہاں آیا قاطعِ طریق، رہزن بھئی۔ یاد رکھیے قاطعِ طریق عربی زبان میں ڈاکو کو کہتے ہیں۔ قاطعِ طریق دیکھیے لفظوں پر غور کر لیجیے، قاطع کاٹنے والا، الطریق راستہ، قاطعِ طریق راستے کو کاٹنے والا، یعنی رہزن، رہزن۔ اس کو یہ ڈاکو کسی کو قتل کر دیں تو جس چیز سے بھی قتل کر دیں اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ لیکن یاد رکھیے یہ جس کو ہم اردو میں ڈاکو کہتے ہیں یہ وہ ڈاکو نہیں، یہ وہ ڈاکو نہیں، بلکہ لفظوں پہ ذرا غور کریں: قاطعِ طریق، کیا معنی؟ راستہ کاٹنے والا۔ اور یہ جو ڈاکو آتے ہیں یہ تو گھروں کے اندر آتے ہیں، یہاں تو راستہ کاٹنے والی بات نہیں، وہ ڈاکو ہوتے تھے لوگ آپ کو پتہ ہے قدیم زمانے میں سفر بڑا مشکل تھا اور قافلوں کی صورت میں سفر کرتے تھے، اکیلے سفر کرنا بڑا ہی دشوار ہوتا تھا، اور یہ قافلے ان کو جنگلوں سے گزرنا پڑتا تو وہاں کبھی ان کا راستہ کاٹ کر ڈاکو آ جاتے، تو دیکھو یہ ہیں قاطعِ طریق، راستے میں حملہ کر دیا تو ان کے راستے کو کاٹ دیا۔ یہ کیا ہیں؟ قاطعِ طریق ہیں۔ اور دیکھیے ایسی جگہ پر حملہ کیا ہے، ایسی جگہ پر انہوں نے قافلے کو پکڑا ہے جہاں ان کی مدد کو کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا تھا، وہاں جنگل میں کوئی مدد کو پہنچ سکتا تھا؟ کسی کو پتہ ہی نہیں ہے بھئی جنگل کے اندر جا رہے ہیں اور وہاں انہوں نے راستہ کاٹ دیا اور سب کو بیچاروں کو قتل کر دیا۔ تو یہ ڈاکو یہ ہیں قاطعِ طریق جہاں مدد کو کوئی نہیں پہنچ سکتا، اور یہ شہر کے اندر جو ڈاکو آتے ہیں یہاں کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں پہنچ سکتا؟ یہ تو فوراً وہاں سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ فوراً لوگ ان کی مدد کو پہنچیں گے، تو لہٰذا یہ فرق ہے یہ وہ قاطعِ طریق جو یہاں ذکر ہوئے، اردو میں تو ہم سب کو ڈاکو کہہ دیتے ہیں لیکن عربی میں اس کے اندر فرق ہے بھئی، تو یہ قاطعِ طریق یہاں ذکر ہوا وہ جو ایسی جگہ پر، تو قاطعِ طریق سے کون سے ڈاکو یہاں مراد ہوئے؟ جو ایسی جگہ پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں جہاں کوئی مدد کو نہیں پہنچ سکتا۔

تو اس طرح کے ڈاکو اگر کسی کو قتل کریں گے تو جس چیز سے بھی قتل کریں، چاہے لاٹھیوں سے قتل کریں، چاہے پتھر مار کر قتل کریں، چاہے جیسے میں نے ذکر کر دیا اس کے جانور کو بھگایا اور یہ جانور سے گر کر مسلمان مر گیا تو یہ سب کیا ہیں؟ شہید ہیں، ان کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، کہتے ہیں: «لِأَنَّ شُهَدَاءَ أُحُدٍ مَا كَانَ كُلُّهُمْ قَتِيلَ السَّيْفِ وَالسِّلَاحِ» اس لیے کیونکہ احد کے جو شہداء تھے ان میں سے ہر ایک تلوار اور اسلحے کا مقتول نہیں تھا، ان سب کو تلوار اور اسلحے سے نہیں قتل کیا گیا تھا بلکہ بعض کو پتھر کے وغیرہ کے ذریعے قتل کیا گیا، بعض کو اور چیزوں کے ذریعے، بھئی جس طرح بھی ان کا بس چلا انہوں نے کیا کیا مسلمانوں کو شہید کیا تو انہوں نے قتل کیا تھا۔

■ مسئلہ: وَإِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِلَ عِنْدَ أَبِي...

«وَإِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا لَا يُغْسَلُ» یاد رکھیے عربی زبان میں جب کوئی شخص شہید ہو جائے تو یوں نہیں کہیں گے، مثلاً زید شہید ہوا تو یوں نہ کہنا «شَهِدَ زَيْدٌ»، وہاں کہیں گے «أُسْتُشْهِدَ زَيْدٌ»، کیا کہیں گے؟ «أُسْتُشْهِدَ زَيْدٌ»، زید شہید ہو گیا۔ اگر «شَهِدَ زَيْدٌ» آپ کہیں گے تو شہد کا معنی تو حاضر ہونا، حاضر ہونا، یا گواہی دینا۔ تو جب شہادت کو ذکر کرنا ہو تو کس طرح کہیں گے؟ «أُسْتُشْهِدَ»، اور مجہول کے صیغے کے ساتھ اسی طرح بھئی، کیونکہ یہ اپنے اختیار میں نہیں ہے اور عموماً غیر اختیاری افعال جو ہیں عربی زبان میں ان کے لیے مجہول کا فعل استعمال ہوتا ہے بھئی جو اپنے اختیار میں نہ ہو۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ» دیکھو بھئی، جب شہید ہو جائے جنب، جنابت والا، یعنی جس کو حدثِ اکبر ہے، تو غسل دیا جائے گا یا نہیں دیا جائے گا؟ آپ کو کیا بتلایا میں نے شرائط میں؟ غسل دیا، یہی ذکر کر رہے ہیں: «وَإِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور جب جنابت والا شخص شہید ہو جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، «وَقَالَا لَا يُغْسَلُ» اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں جنابت میں ہو اس کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔ دلیل ذکر ہو رہی ہے آگے صاحبین کی، وہ فرماتے ہیں: «لِأَنَّ مَا وَجَبَ بِالْجَنَابَةِ سَقَطَ بِالْمَوْتِ» اس لیے کیونکہ ما، ماسے مراد ہے غسل، «لِأَنَّ مَا وَجَبَ» اس لیے کیونکہ وہ غسل جو واجب ہوا تھا «بِالْجَنَابَةِ» کس کی وجہ سے؟ جنابت کی وجہ سے جو غسل واجب ہوا تھا «سَقَطَ بِالْمَوْتِ» وہ موت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ کیونکہ اب تو آدمی مر گیا اور وہ مر جو مر چکا ہے وہ تو کسی چیز کا مکلف نہیں ہے بھئی، تو موت کی وجہ سے وہ جنابت والا غسل تو ساقط ہوا۔ اور دوسرا غسل آتا ہے موت کی وجہ سے، مرنے والے کو کیا دیا جاتا ہے؟ غسل، لیکن یہاں یہ شہید ہوا ہے تو دوسرا غسل بھی موت والا بھی اس پر واجب جنابت والا ساقط ہوا کس کی وجہ سے؟ موت کی وجہ سے، اور موت کی وجہ سے جو غسل واجب ہوتا ہے وہ شہادت کی وجہ سے آیا ہی نہیں، لہٰذا اس کو غسل نہیں دیں گے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟

یہ معنی ہے، کہتے ہیں: «لِأَنَّ مَا وَجَبَ بِالْجَنَابَةِ سَقَطَ بِالْمَوْتِ» اس لیے کیونکہ وہ غسل جو جنابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے وہ موت کی وجہ سے ساقط ہو گیا، «وَالثَّانِي لَمْ يَجِبْ لِلشَّهَادَةِ» اور دوسرا غسل جو موت سے آتا ہے وہ واجب ہی نہیں ہوا «لِلشَّهَادَةِ» کس وجہ سے؟ شہادت کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أَنَّ...

«وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّ الشَّهَادَةَ عُرِفَتْ مَانِعَةً غَيْرَ رَافِعَةٍ فَلَا تَرْفَعُ الْجَنَابَةَ» اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہادت جو ہے، شہادت اس کو مانعِ غسل تو جانا گیا ہے، رافعِ غسل نہیں جانا گیا۔ شہادت کیا کرتی ہے؟ غسل کے لیے مانع بن جاتی ہے، کوئی شہید ہو جائے اس کو غسل نہیں دیا جاتا، تو کیا چیز مانع بنی؟ شہادت۔ بھئی ہر مرنے والے کو غسل دینا زندوں پر فرض ہے لیکن شہید کو غسل نہیں دیتے، تو یہاں کیا چیز مانع بنی؟ شہادت، تو شہادت غسل سے مانع تو بنتی ہے، مانع تو بنتی ہے لیکن اگر غسل پہلے سے واجب ہو تو اس غسل کو شہادت ختم نہیں کرتی بھئی۔ سمجھ میں آئی صورت؟ تو ایک شخص جنابت میں تھا، جنابت کی وجہ سے اس پر کیا واجب ہو چکا؟ غسل واجب ہو چکا ہے، تو غسل اس پر پہلے سے واجب ہے، اب شہادت اس پہلے والے غسل کو نہیں ختم کرے گی۔ ہاں موت کی وجہ سے جو غسل آنا تھا اس کے لیے مانع بن جائے گی۔ تو شہادت مانعِ غسل تو ہے، رافعِ غسل نہیں، غسل جو پہلے سے واجب تھا اس کو ختم کرنے والی نہیں۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے: «أَنَّ الشَّهَادَةَ عُرِفَتْ مَانِعَةً غَيْرَرَافِعَةٍ» کہ شہادت جو ہے اس کو مانع جانا گیا ہے «غَيْرَ رَافِعَةٍ» رافع نہیں، «فَلَا تَرْفَعُ الْجَنَابَةَ» لہٰذا شہادت جنابت کو نہیں اٹھائے گی، یعنی ختم نہیں کرے گی۔ دلیل بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں بھئی؟

«وَقَدْ صَحَّ أَنَّ حَنْظَلَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَمَّا اسْتُشْهِدَ جُنُبًا غَسَلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ» اور نیز امام صاحب کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں: «وَقَدْ صَحَّ» اور تحقیق یہ بات ثابت ہے کہ حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تھے «لَمَّا اسْتُشْهِدَ جُنُبًا» جب یہ شہید ہوئے اس حال میں کہ آپ جنابت کی حالت جب کہ آپ جنابت کی حالت میں تھے، «غَسَلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ» تو ان کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ ان کو کس نے غسل دیا تھا؟ فرشتوں نے غسل دیا تھا، معلوم ہوا شہادت کی وجہ سے بھی وہ جو پچھلے پچھلا غسل جو واجب ہوا ہے وہ ختم نہیں ہوتا بھئی۔

تو یہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھئی، ان کی اسی رات شادی ہوئی تھی، اسی رات شادی ہوئی تھی۔ صحابہ انسان ان کی باتیں پڑھتا ہے، حیران رہ جاتا ہے، یہ کیسے لوگ تھے بھئی، کیسے لوگ تھے! تو اسی رات ان کی شادی ہوئی تھی اور صبح جب حضور علیہ السلام کی طرف سے اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ نکلو لڑائی کے لیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں نکلو لڑائی کے لیے جلدی، تو کہتے ہیں یہ ابھی جنابت کی حالت میں تھے، ابھی غسل نہیں کیا تھا، یہ اسی حالت میں نکل پڑے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا ہے، بس اب ذرہ تاخیر کی بھی گنجائش نہیں ہے بھئی۔ تو یہ نکل گئے اسی طرح اور پھر جب یہ شہید ہو گئے، شہید ہو گئے حضور علیہ السلام جو ہیں وہ بعد میں فرمانے لگے کہ آپ نے رخ پھیر لیا ان کی طرف سے اور فرمانے لگے کہ فرشتے جو ہیں ان کو غسل دے رہے ہیں۔ بعد میں ان کی بیوی سے پوچھا گیا کہ کہ ان کو فرشتے غسل دے رہے تھے، کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے پھر بات بتلائی کہ جس وقت اعلان ہوا تو ابھی یہ نہائے نہیں تھے، اعلان سنتے ہی فوراً نکل گئے، غسل کا بھی انتظار نہیں کیا انہوں نے بھئی۔

یہ معنی ہے: «وَقَدْ صَحَّ أَنَّ حَنْظَلَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَمَّا اسْتُشْهِدَ جُنُبًا غَسَلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ» اور تحقیق یہ بات ثابت ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب جنابت کی حالت میں جب جنابت کی حالت میں ان کو شہید کر دیا گیا تو ان کو فرشتوں نے غسل دیا۔

■ مسئلہ: وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ...

«وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ إِذَاطَهُرَتَا» اور اسی اختلاف پر ہے حیض والی عورت بھی اور نفاس والی عورت بھی «إِذَا طَهُرَتَا» جب وہ پاک ہو جائیں۔ ایک عورت ہے وہ حیض سے یا نفاس سے پاک ہو گئی ہے، خون رک گیا ہے حیض یا نفاس کا لیکن ابھی وہ نہائی نہیں تھی، غسل واجب تو ہے لیکن ابھی اس نے غسل کیا نہیں، اس سے پہلے ہی اس کو کسی نے شہید کر دیا، تو اب دیکھیے اس صورت کے اندر بھی کیا کیا جائے گا؟ غسل دیا جائے گا، ابھی یہی مسئلہ تو بیان ہوا اوپر شرائط میں سے کیا ضروری تھا؟ حدثِ اکبر سے پاک ہونا، اور شہید کا حکم تو کیا تھا؟ اس کو غسل نہیں دیا جاتا، لیکن ان کو امام صاحب کے نزدیک غسل دیا جاتا ہے کیونکہ شہادت مانعِ غسل تو ہے، رافعِ غسل نہیں ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک صاحبین کے نزدیک ان کو غسل نہیں دیا جائے گا بھئی۔

«وَكَذَا قَبْلَ الِانْقِطَاعِ فِي الصَّحِيحِ مِنَ الرِّوَايَةِ» اور اسی طرح خون کے منقطع ہونے سے پہلے بھی صحیح روایت کے مطابق۔ خون منقطع ہونے سے پہلے، ایک عورت حیض کی حالت میں ہے یا نفاس کی حالت میں، ابھی خون رکا نہیں، اسی حالت میں کسی نے اس کو شہید کر دیا، کیا کیا؟ شہید کر دیا۔ تو یاد رکھیے اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ اس کو غسل نہیں دیں گے، کس کو؟ غسل نہیں دیں گے۔ کیوں نہیں دیں گے؟ دلیل اس کی ذکر کرتے ہیں فقہاء کہ کیونکہ خون رکتا تو اس پہ غسل واجب ہونا تھا، ابھی خون رکا ہی نہیں تھا لہٰذا غسل بھی اس پر واجب نہیں۔ تو پہلے والا غسل بھی واجب نہیں اور دوسرا موت کی وجہ سے جو آتا ہے وہ بھی شہادت کی وجہ سے واجب نہیں۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اس میں بھی یہی حکم ہے، صاحبین کے نزدیک اس کو غسل نہیں دیں گے جبکہ امام صاحب کے نزدیک غسل دیا جائے گا، اس لیے کیونکہ ابھی یہ حالتِ حیض میں تھی یا نفاس میں تھی لیکن مرنے سے وہ خون کیا ہو گیا؟ منقطع ہو گیا، تو اس کی وجہ سے غسل آیا۔ ہاں خود

سبق نمبر ۸۹: مسئلہ: زَمِّلُوهُمْ بِكُلُومِهِمْ وَدِمَائِهِمْ وَلَا...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

موت کی وجہ سے جو غسل آیا تھا وہ تو نہ آتا لیکن یہ غسل تو کس کی وجہ سے آیا ہے؟ انقطاعِ دم، خون کے رکنے کی وجہ سے آیا ہے، لہٰذا اس کو غسل دیا جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «**وَكَذَا قَبْلَ الِانْقِطَاعِ فِي الصَّحِيحِ مِنَ الرِّوَايَةِ**» اور اسی طرح خون کے منقطع ہونے سے پہلے صحیح روایت میں۔

«**وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الصَّبِيُّ**» اور اسی اختلاف پر بچہ بھی ہے۔ صاحبین کے نزدیک بچہ بھی اگر کوئی اس طرح کوئی شہید کر دیتا ہے اس کو غسل نہیں دیں گے، امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، بچے کو کیا کریں گے؟ غسل دیں گے، اسی لیے انہوں نے شرط کیا بڑھائی تھی؟ کہ بالغ ہونا چاہیے۔

اور کہتے ہیں اسی اختلاف پر بچہ ہے، «**لَهُمَا**» صاحبین کی دلیل یہ ہے: «**أَنَّ الصَّبِيَّ أَحَقُّ بِهَذِهِ الْكَرَامَةِ**» وہ فرماتے ہیں کہ بھئی جب بڑا آدمی بالغ جب اس کو اس طرح کوئی قتل کر دے تو اس کا اکرام کرتے ہوئے، اکرام کرتے ہوئے کیا کیا جاتا ہے؟ غسل ہی نہیں دیا جاتا، غسل ہی نہیں ہے، تو جب بڑے کا اکرام کیا جاتا ہے تو بچہ بیچارہ تو معصوم ہے، وہ زیادہ اس اکرام کے لائق ہے، لہٰذا اس کو بطریقِ اولیٰ غسل نہیں دیا جائے گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «**أَنَّ الصَّبِيَّ أَحَقُّ بِهَذِهِ الْكَرَامَةِ**» کہ بچہ جو ہے وہ اس کرامت کے، اس احترام کے زیادہ لائق ہے۔

«**وَلَهُ**» امام صاحب کی دلیل، وہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تلوار جو ہے نا تلوار، یہ غسل سے کافی ہو جاتی ہے۔ تلوار کیا ہے؟ توجہ ہے بھئی؟ امام صاحب فرماتے ہیں تلوار غسل سے کافی ہو جاتی ہے، یعنی تلوار سے جب تلوار سے جب کسی کو قتل کر دیا گیا تو اس کے گناہ ختم ہو گئے اور جیسے شہدائے احد ان کو غسل نہیں دیا گیا کیونکہ ان کے لیے تلوار کیا ہو گئی؟ کافی ہو گئی، تو تلوار نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا، لیکن بچہ اس طرح نہیں ہے، وہ تو معصوم ہے اس کے تو گناہ ہی نہیں ہیں۔ وہ تو معصوم، تو کیا ضروری ہے؟ جیسے وہاں پر تلوار نے گناہوں کو ختم کیا تھا، یہاں بھی اسی طرح ہونا چاہیے تلوار کیا کرے؟ گناہوں کو ختم کرے، لیکن یہاں تو ایسا نہیں ہے، یہاں تو بچہ قتل ہوا ہے وہ معصوم ہے اور معصوم کے تو گناہ نہیں، تو تلوار نے گناہوں کو ختم کیا؟ نہیں، شہدائے احد میں تلوار نے گناہوں کو ختم کیا تھا اور یہاں تلوار نے گناہوں کو ختم نہیں کیا، لہٰذا یہ ان کی طرح نہ ہوئے، جب ان کی طرح نہ ہوئے تو ان کا حکم بھی ان پر نہیں آئے گا اور ان کا حکم تو تھا ان کو غسل نہیں دیا گیا تھا تو یہ ان کی طرح نہیں، لہٰذا ان بچوں کو کیا کریں گے؟ غسل دیں گے۔

یہ معنی ہے: «**وَلَهُ أَنَّ السَّيْفَ كَفَى عَنِ الْغُسْلِ فِي حَقِّ شُهَدَاءِ أُحُدٍ بِوَصْفِ كَوْنِهِ طُهْرَةً**» کہ تلوار جو ہے کافی ہو گئی غسل سے «**فِي حَقِّ شُهَدَاءِ أُحُدٍ**» کس کے حق میں؟ شہدائے احد کے حق میں «**بِوَصْفِ كَوْنِهِ طُهْرَةً**» اس وصف کے ساتھ کہ وہ تلوار پاک کرنے والی تھی، کہ وہ تلوار کیا تھی؟ پاک کرنے والی تھی، «**وَلَا ذَنْبَ عَلَى الصَّبِيِّ**» اور بچے پر تو کوئی گناہ ہی نہیں ہے، «**فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَاهُمْ**» لہٰذا یہ بچہ ان شہدائے احد کے معنی میں نہیں۔

دلیل سمجھ میں آئی؟ چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

748

سبق نمبر ۹۰: مسئلہ: وَلَا یُغْسَلُ عَنِ الشَّهِیدِ دَمُهُ، وَلَا یُنْ...

ہدایہ صفحہ: ۱۹۸ — بتاریخ: ۱۷ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَمُهُ، وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ لِمَا رَوَيْنَا، وَيُنْزَعُ عَنْهُ الفَرْوُ وَالحَشْوُ وَالسِّلَاحُ وَالخُفُّ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ الكَفَنِ، وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ مَا شَاؤُوا إِتْمَامًا لِلْكَفَنِ، وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِلَ». [1]

گزشتہ سبق میں باب الشہید ہم نے شروع کیا تھا، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ شہید جو ہے دو قسم پر ہے: ایک شہید حقیقی ہے اور ایک شہید اخروی ہے۔ شہید حقیقی وہ ہے جو دنیاوی اعتبار سے بھی شہید ہے اور اخروی اعتبار سے بھی شہید ہے۔ تو اس پر شہید کے دنیاوی احکام بھی لاگو ہوں گے اور اس کو غسل بھی نہیں دیا جائے گا، اس کے خون کو اس سے صاف نہیں کیا جائے گا اور نیز اس کے کپڑے بھی اس کے بدن سے نہیں اتارے جائیں گے۔ ہاں البتہ اگر کپڑے کم ہیں مسنون کفن سے تو کپڑے بڑھا کر مسنون عدد پورا کر لیا جائے گا، اور اگر مسنون عدد سے کپڑے زائد ہیں تو ان کو کم کر کے مسنون عدد کو پورا کر لیا جائے گا۔

اور جبکہ شہید اخروی جو ہے، اس کا یہ حکم نہیں ہے بھائی، اور اس کی شرائط میں نے لکھوا دی تھیں، سات شرائط تھیں بھائی، سات شرائط۔

اور پھر آخر میں گزشتہ سبق کے آخر میں یہ مسئلہ ذکر ہوا تھا کہ صاحبین کے نزدیک بچہ جو ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے، اس کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔ جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، بچے کا یہ حکم نہیں ہے، بچہ جو ہے شہدائے احد کے معنیٰ میں نہیں ہے اس لیے کیونکہ شہدائے احد کے حق میں تلوار غسل سے کافی ہو گئی تھی بہ ایں اعتبار کہ تلوار جو ہے ان کو ان کے گناہوں سے پاک کرنے والی بن گئی، ان کے گناہوں سے۔ تو جبکہ بچے میں یہ صورت نہیں ہے اس لیے کیونکہ بچے کے گناہ ہی نہیں ہیں، تو تلوار اس کے لیے گناہوں سے پاک کرنے والی بھی نہیں، تو لہٰذا بچہ ان کی طرح نہیں، جب ان کی طرح نہیں تو ان کا حکم بھی اس پر نہیں آئے گا، اور ان کا حکم تو یہ تھا کہ ان کو غسل نہ دیا جائے، لیکن یہ حکم اب بچے میں نہیں آئے گا، لہٰذا اس کو کیا کیا جائے گا؟ غسل دیا جائے گا۔

آگے فرما رہے ہیں: «**وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَمُهُ**» اور نہیں دھویا جائے گا شہید سے اس کے خون کو، خون اسی طرح اس کے بدن پر، کپڑوں پر لگا رہے، «**وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ**» اور اس سے اس کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے، وہ کپڑوں سمیت اسی طرح اس کو دفنائیں گے، «**لِمَا رَوَيْنَا**» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی کہ حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا تھا: «**زَمِّلُوهُمْ بِكُلُومِهِمْ وَدِمَائِهِمْ**»۔

■ مسئلہ: وَيُنْزَعُ عَنْهُ الفَرْوُ وَالحَشْوُ

«**وَيُنْزَعُ عَنْهُ الفَرْوُ وَالحَشْوُ**»، **فَرْوٌ، فَرْوٌ** کہتے ہیں یا در کھیے پوستین کو، بھائی جانوروں کی کھال کو دباغت دے کر اس کے چمڑے کو اس سے پہننے کا لباس بنا لیا جاتا ہے جیکٹ وغیرہ اس طرح کی چیز، تو وہ اس سے ہاں وہ اتار دیا جائے گا۔ پوستین وغیرہ اگر وہ جانور کے چمڑے کی کھال وغیرہ اس نے پہنی ہوئی ہے تو اس کو کیا کیا جائے گا اس سے؟ اتار دیا جائے گا۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۲۱): «**والقلنسوة**»۔ • شاملہ (ص ۱۲۱) میں «**شَاؤُوا**» کے بجائے «**شاءوا**» درج ہے۔ • ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۲۱): «**والقلنسوة**»۔ • شاملہ (ص ۱۲۱) میں «**شَاؤُوا**» کے بجائے «**شاءوا**» درج ہے۔

اسی طرح «**وَالحَشْوُ**»، **حَشْوٌ** یاد رکھیے اس چیز کو کہتے ہیں جسے دوسری چیز میں بھرا جائے، جیسے روئی ہے۔ روئی کو کیا کرتے ہیں؟ تکیے میں بھی بھرتے ہیں، رضائی میں بھی بھرتے ہیں، اور جو سردی کے لباس ہوتا ہے اس کے اندر بھی بھرتے ہیں، اگر آپ نے جیکٹ وغیرہ دیکھی ہو تو اس کے اندر انہوں نے باقاعدہ روئی کو سیا ہوتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ **حَشْوٌ** ہے، وہ چیز جس کو دوسری چیز میں بھرا جائے۔ لیکن یہاں پر یہ روئی وغیرہ نہیں مراد، بلکہ وہ کپڑا مراد ہے جس کے اندر روئی بھری ہوئی ہو، جیسے جیکٹ ہوتی ہے، اس میں کیا بھری ہوتی ہے؟ روئی۔ تو شہید کے بدن سے پوستین وغیرہ جو جانور کی کھال دباغت دے کر پاک کیا گیا ہے اور اس سے چمڑا بنایا گیا ہے، لباس بنایا گیا ہے، وہ بھی اتار لیں گے، اور اگر کوئی ایسی چیز پہنی ہے جس کے اندر روئی وغیرہ بھری ہوئی ہے، جیکٹ وغیرہ ہے، اس کو بھی کیا کر لیا جائے گا؟ اس سے اتار لیا جائے گا۔

«**وَالسِّلَاحُ**» اسی طرح اسلحے کو بھی اس سے اتار لیں گے، «**وَالخُفُّ**» اور موزہ، اگر موزے پہنے ہوئے ہیں تو موزے کو بھی اس سے اتار لیں گے، «**لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ الكَفَنِ**» اس لیے کیونکہ یہ چیزیں کفن کی جنس میں سے نہیں ہیں، کفن کی جنس میں سے نہیں ہیں۔ اور میں نے آپ کو تفصیل بتلائی تھی کہ اسلحہ، موزہ اور ٹوپی وغیرہ یہ تو ہر حال میں اتار لیں گے کیونکہ یہ کفن کی جنس میں سے نہیں۔ ہاں، **فَرْو** اور **حَشْو** کو تب اتاریں گے اگر کپڑوں کا عدد مسنون عدد سے زائد ہے۔ اگر **حَشْو** اتارتے ہیں تو کپڑے تین سے کم پڑ جاتے ہیں تو پھر اس کو بھی نہیں اتاریں گے، اس کے بدن پر ہی رہنے دیں گے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ مَا شَاؤُوا

«**وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ مَا شَاؤُوا**» اور بڑھا دیں گے اور کم کر دیں گے، جو چاہیں، «**إِتْمَامًا لِلْكَفَنِ**» کفن کو پورا کرنے کے لیے۔ میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا؟ اگر کپڑے مسنون عدد سے زیادہ ہیں تو کیا کر دیں گے؟ کم کر دیں گے، اور اگر مسنون عدد سے کم ہیں تو پھر بڑھا دیں گے۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: «**وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ**» اور کم کر دیں گے اور بڑھا دیں گے، «**مَا شَاؤُوا**» جو چاہیں، «**إِتْمَامًا لِلْكَفَنِ**» کفن سنت کو پورا کرنے کے لیے۔

«**وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِلَ**» اور جو مرتث جو ہے اس کو غسل دیا جائے گا۔ مرتث جو ہے غسل دیا جائے گا۔ مرتث وہی بھائی وہ جو ساتویں شرط میں نے بیان کی تھی۔ ارتثاث اس کو کہتے ہیں کہ کسی شخص کو زخمی کر دیا گیا اور اس کو اس لڑائی کی جگہ سے منتقل کر دیا گیا اور اس میں ابھی زندگی کچھ باقی تھی۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ ارتثاث۔ کسے کہتے ہیں؟ زخمی ہوا ایک آدمی اور پھر اس کو لڑائی کی جگہ سے منتقل کر دیا گیا اور ابھی اس میں کچھ زندگی باقی تھی، اس کو کہتے ہیں ارتثاث۔ سمجھ میں آیا؟ تو مراد یہاں ارتثاث سے یہ ہے کہ وہ زندگی کے نفعوں میں سے کوئی نفع حاصل کر لے، آگے تفصیل وہ خود بھی بیان کریں گے۔ تو جو شخص زندگی کے نفعوں میں سے کوئی نفع حاصل کر لے اس کو مرتث کہیں گے، اور آپ کو مسئلہ میں نے بتلایا تھا کہ مرتث کو غسل دیں گے یا نہیں دیں گے؟ اس کو غسل دیں گے کیونکہ اس نے زندگی کے نفعوں میں سے کوئی نفع حاصل کر لیا۔ یہ معنیٰ ہے «**وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِلَ**» اور جو جس کو ارتثاث کیا گیا یعنی جو مرتث جو ہے اس کو غسل دیا جائے گا۔

اور مرتث کون ہے؟ کہتے ہیں: «**وَهُوَ مَنْ صَارَ خَلَقًا**» آپ کی کتابوں میں **خَلَقًا** ہے، **خَلَقًا** نہیں **خَلَقًا خَلَقًا**، قاف ہے دو نقطوں والا۔ ایک ہے **خَلْقٌ** لام ساکن ہو، **خَلْقٌ** کا معنیٰ پیدا کرنا، اور **خَلَقٌ** لام پر فتحہ ہو تو **خَلَقٌ** کا معنیٰ ہوتا ہے پرانا ہونا، کسی چیز کا پرانا ہونا۔ تو کہتے ہیں: «**وَهُوَ مَنْ صَارَ خَلَقًا فِي حُكْمِ الشَّهَادَةِ**» کہ مرتث وہ شخص ہے جو پرانا ہو گیا شہادت کے حکم میں۔ جو شہادت کے حکم میں پرانا ہو گیا۔ بھائی کیا معنیٰ پرانا ہو گیا؟ بھائی دیکھا نہیں، میدان جنگ میں یا لڑائی کی جگہ پر وہ مرا نہیں بلکہ اس کو کیا کر دیا گیا؟ منتقل کر دیا اور اس نے کیا کیا؟ کچھ نفع اٹھا لیا، تو شہادت کے حکم میں پرانا ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ کچھ دیر گزر گئی۔ یہ معنیٰ ہے «**وَهُوَ مَنْ صَارَ خَلَقًا فِي حُكْمِ الشَّهَادَةِ**» وہ شخص ہے جو پرانا ہو جائے شہادت کے حکم میں۔ کیوں پرانا ہو گیا شہادت کے حکم میں؟ «**لِنَيْلِ مَرَافِقِ الحَيَاةِ**» زندگی کے نفعے حاصل، زندگی کے نفعے پانے کی وجہ سے۔ اس نے زندگی کے منافع کچھ پا لیے، مثلاً کھا لیا یا پی لیا، یا کسی سے کوئی خرید و فروخت والا معاملہ کر لیا، یا کچھ دیر کے لیے سو گیا، یہ سب کیا ہیں؟ یا اس کا کچھ علاج کیا گیا، دوا وغیرہ دی گئی، یہ سب کیا ہیں؟ زندگی کے منافع۔ تو وہ شخص ہے جو شہادت کے حکم میں پرانا ہو جائے زندگی کے منافع پا لینے کی وجہ سے، «**لِأَنَّ بِذَلِكَ يَخِفُّ أَثَرُ الظُّلْمِ**»۔ بھائی یہ زندگی کے منافع حاصل کرنے سے آپ اس کو مرتث کیوں قرار دیتے ہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب اس نے زندگی کے منافع کچھ پا لیے تو اس پر جو ظلم ہوا اس ظلم کے اثر میں کمی آگئی، کیا آگئی؟ یہ تو مظلوم تھا نا، اس کو تو ظلماً قتل کیا گیا تھا، لیکن پھر اس کو کچھ دوا وغیرہ دے دی گئی یا اس نے کچھ کھا لیا، کچھ پی لیا، کسی نے دے دیا اس کو، تو مظلومیت میں کمی آئی یا نہیں؟ ایک شخص ہے اس بیچارے کو کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں ملا، ایک وہ مرتا ہے، اور ایک وہ ہے جس کو کوئی کچھ کھانے پینے کو دے دیتا ہے، پیاس لگی ہوئی ہے پانی دے دیتا ہے یا کوئی دوائی دے دیتا ہے، یا اٹھا کر لے جاتا ہے خیمے کے اندر کچھ آرام کروا دیتا ہے، تو مظلومیت کس کی زیادہ ہے؟ کس کی مظلومیت زیادہ؟ ہاں جو بغیر کھائے پیے، یقیناً اس کی مظلومیت زیادہ ہے، اور اس کا کسی نے کچھ تھوڑا بہت تو خیال کر لیا، لہٰذا اس کی مظلومیت کیا ہو گئی؟ کم ہو گئی، لہٰذا شہادت کے حکم میں بھی اسی کے مطابق کمی آجائے گی۔ یہ معنیٰ ہے «**لِأَنَّ بِذَلِكَ يَخِفُّ أَثَرُ الظُّلْمِ**» اس لیے کیونکہ اس کی وجہ سے یہ جو زندگی کے منافع پائے ہیں ان کی وجہ سے ظلم کا اثر خفیف ہو جاتا ہے، کم ہو جاتا ہے، «**فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَى شُهَدَاءِ أُحُدٍ**» لہٰذا یہ شخص شہدائے احد کے معنیٰ میں نہ ہوا، ان کی طرح نہ ہوا، کیونکہ ان بیچاروں کو تو نہ کوئی کھانے کچھ دیا گیا، نہ پینے کو دیا گیا، نہ علاج کے لیے موقع ملا، لہٰذا یہ بھی ان کی طرح

نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَالِارْتِثَاثُ

«وَالِارْتِثَاثُ» خود بیان کر رہے ہیں ارتثاث کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَالِارْتِثَاثُ أَنْ يَأْكُلَ» ارتثاث یہ ہے کہ وہ زخمی کیا ہو؟ کچھ کھالے، «أَوْ يَشْرَبَ» یا کچھ پی لے، «أَوْ يَنَامَ» یا سو جائے کچھ دیر، «أَوْ يُدَاوَى» یا اس کا علاج کیا جائے، کوئی دوا وغیرہ دی جائے، «أَوْ يُنْقَلَ مِنَ الْمَعْرَكَةِ» یا اس کو میدان جنگ سے منتقل کر لیا جائے، «لِأَنَّهُ نَالَ بَعْضَ مَرَافِقِ الْحَيَاةِ» اس لیے کیونکہ اس شخص نے پالیے زندگی کے کچھ منافع، «وَشُهَدَاءُ أُحُدٍ مَاتُوا عِطَاشًا» اور جبکہ شہدائے احد جو تھے وہ تو پیاسے مر گئے تھے، «وَالْكَأْسُ تُدَارُ عَلَيْهِمْ» اور پانی کے بھرے ہوئے پیالے، كَأْسٌ پانی کا برتن کوئی بھی ہو لیکن خصوصاً جب وہ پانی سے بھرا ہو تب اس کو كَأْسٌ کہتے ہیں، «وَالْكَأْسُ تُدَارُ عَلَيْهِمْ» اور پانی کے بھرے ہوئے پیالے ان پر گھمائے گئے، ان پر گھمائے جا رہے تھے، یعنی پانی کے پیالے ان کے پاس لائے گئے، «فَلَمْ يَقْبَلُوا» تو انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا کہ اب ہم مرنے والے ہیں، اب تو بچنے کی کوئی صورت نہیں، اتنے شدید زخمی حالت میں ہیں، لیکن اس حالت میں بھی انہوں نے پانی کے پیالے کو قبول نہیں کیا، کیوں؟ «خَوْفًا مِنْ نُقْصَانِ الشَّهَادَةِ» شہادت کے نقصان کے خوف کی وجہ سے کہ شہادت میں کوئی کمی نہ آجائے بھائی۔ نقصان کا کیا معنیٰ؟ کمی۔ شہادت میں کمی کے خوف کی وجہ سے۔

«إِلَّا إِذَا حُمِلَ مِنْ مَصْرَعِهِ» اچھا بھائی، اوپر متن میں کیا آیا؟ «أَوْ يُنْقَلَ مِنَ الْمَعْرَكَةِ» کسی کو میدان جنگ سے منتقل کر لیا جائے۔ میں نے تفصیل آپ کے سامنے بیان کر دی، میدان جنگ سے منتقل کیا جائے تو پھر وہ مرتث ہے، مرتث ہے، اور اس کو غسل دیا جائے گا، غسل دیا جائے گا۔ ہاں اگر لڑائی ابھی جاری تھی پھر پھر مرتث نہیں، پھر شہید ہی ہے، سمجھیں، اس نے کوئی پھر نفع بھی اٹھالے پھر بھی اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ یہی بات صاحب ہدایہ بھی بیان کر رہے ہیں کہ لڑائی سے منتقل کیا گیا، کیوں منتقل کیا گیا؟ تاکہ کہیں اس کو گھوڑے وغیرہ اپنے قدموں تلے نہ روند ڈالیں، اس لیے منتقل کیا گیا، تو پھر یہ مرتث نہیں ہے، یہ شہید ہی ہے۔ یہ معنیٰ ہے «إِلَّا إِذَا حُمِلَ مِنْ مَصْرَعِهِ» مگر یہ کہ جب اس کو اٹھایا گیا اپنے گرنے کی جگہ سے، «كَيْ لَا تَطَأَهُ الْخُيُولُ» تاکہ کہیں اس کو روند نہ ڈالیں گھوڑے۔ کیوں منتقل کیا گیا اس کو؟ تاکہ کہیں اس کو گھوڑے نہ روند ڈالیں، تو پھر کوئی اس سے کمی نہیں آتی اس کی شہادت میں، «لِأَنَّهُ مَا نَالَ شَيْئًا مِنَ الرَّاحَةِ» اس لیے کیونکہ اس نے راحت کی چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں پائی بھائی۔

«وَلَوْ آوَاهُ فُسْطَاطٌ أَوْ خَيْمَةٌ كَانَ مُرْتَثًّا لِمَا بَيَّنَّا» ۔ آوَى يُؤْوِي کے معنیٰ ٹھکانہ دینا۔ اور اگر اس وہ جو زخمی ہے اس کو ٹھکانہ دیا «فُسْطَاطٌ»، فُسْطَاطٌ کہتے ہیں یہ اون وغیرہ کا کوئی خیمہ ہوتا ہے تو انہوں نے لکھا ہے یہ بڑا خیمہ جو ہے، فُسْطَاطٌ کیا ہے؟ بڑا خیمہ، اور خیمہ عام خیمہ ہو اچھوٹا ذرا۔ اور جس کو ٹھکانہ دیا بڑے خیمے نے یا چھوٹے خیمے نے، یعنی اس میں منتقل کر دیا، بڑے خیمے تک لے گئے وہاں اس کو لے گئے، یا کس میں لے گئے؟ چھوٹے، تو جس کو ٹھکانہ دیا بڑے خیمے نے یا چھوٹے خیمے نے، «كَانَ مُرْتَثًّا» تو یہ بھی کیا ہے؟ مرتث ہے، «لِمَا بَيَّنَّا» اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی بھائی کہ اس نے زندگی کی کچھ راحت اٹھالی، تو اس کو غسل دیا جائے گا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ بَقِيَ حَيًّا حَتَّى مَضَى وَقْتُ صَلَاةٍ و...

«وَلَوْ بَقِيَ حَيًّا حَتَّى مَضَى وَقْتُ صَلَاةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ فَهُوَ مُرْتَثٌّ» اور اگر یہ شخص زندہ رہا یہاں تک کہ ایک نماز کا وقت پورا گزر گیا، «وَهُوَ يَعْقِلُ» اس حال میں کہ یہ ہوش و حواس میں تھا، یہ عقل رکھتا تھا، یعنی ہوش و حواس میں تھا یعنی بے ہوش نہیں تھا، «فَهُوَ مُرْتَثٌّ» تو یہ بھی کیا ہے؟ مرتث ہے، اور مرتث کو تو غسل دیا جاتا ہے۔ بھائی یہ کیا وجہ ہے؟ ایک پوری نماز کا وقت گزر گیا اور وہ زندہ رہا تو وہ مرتث ہے؟ کہتے ہیں بھائی یہ کیونکہ اس کے ذمے ایک نماز آگئی یا نہیں آگئی؟ ہوش و حواس میں ہونا، اور نماز زندوں کے اوپر آتی ہے یا مردوں کے اوپر آتی ہے؟ زندوں، تو دیکھو زندوں والی ایک چیز اس میں آگئی، لہٰذا اس لیے بھائی زندوں کا حکم اس پر آگیا۔ «لِأَنَّ تِلْكَ الصَّلَاةَ صَارَتْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِ» اس لیے کیونکہ وہ نماز جو ہے وہ دین ہو گئی اس کے ذمے میں، اس پر قرض ہو گئی، اس پر اس کی قضا ہے، «وَهُوَ مِنْ أَحْكَامِ الْأَحْيَاءِ» اور یہ نماز کا کسی کے ذمے دین ہو جانا، کسی کے ذمے نماز کا رہ جانا یہ کس کے احکام میں سے ہے؟ زندوں کے احکام میں سے ہے، اس لیے یہ مرتث ہے۔ «قَالَ» صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: «وَهَذَا مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے بھائی۔ یہ کس سے روایت ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک نماز کا وقت گزر جائے اور وہ ہوش و حواس میں ہو تو بھی وہ مرتث ہے۔ تو صاحب ہدایہ نے بتلایا کہ یہ امام ابو حنیفہ یا امام محمد رحمہ اللہ کا قول نہیں ہے بلکہ کس کا قول ہے؟ امام ابو یوسف کا۔

«وَلَوْ أَوْصَى بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ» ہاں یہ بھی یاد رکھنا بھائی، یہ وہ شرائط میں رہ گیا تھا۔ اگر کوئی شخص وصیت کر دیتا ہے شدید زخمی ہے اور اس وقت وصیت کر دیتا ہے، اب وصیت دو طرح کی ہو سکتی ہے: یا تو وہ اپنے کسی دنیاوی معاملے کی وصیت کرتا ہے یا اخروی معاملے کی وصیت کرتا ہے۔ اگر دنیاوی معاملے کی اس نے

وصیت کی تو بالاتفاق وہ مرتث ہے، وہ کیا ہے؟ مرتث، اس کو غسل دیا جائے گا۔ اور اگر آخرت کے معاملے کی اس نے وصیت کی ہے کسی ثواب وغیرہ کے لیے، آخرت کے معاملے کی وصیت کی ہے تو پھر یاد رکھنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مرتث ہے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، آخرت کی اس نے وصیت کی ہے اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ یہ مردوں کے احکام میں سے ہے، وصیت کب نافذ ہوتی ہے؟ مرنے کے بعد، اور جو مرنے والا ہوتا ہے وہ وصیت کرتا ہے اور مرنے کے بعد نافذ ہوتی ہے، لہٰذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہ پھر بھی شہید ہی ہے، جب کس معاملے کی وصیت کرے؟ آخرت کے معاملے کی وصیت اس نے کی ہو بھائی۔ اور علماء نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے بھائی۔

«وَلَوْ أَوْصَى بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِالآخِرَةِ» اور اگر اس نے وصیت کی آخرت کے امور میں سے کسی چیز کی، «كَانَ ارْتِثَاثًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو یہ ارتثاث ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، «لِأَنَّهُ ارْتِفَاقٌ» اس لیے کیونکہ یہ کیا ہے؟ نفع اٹھانا ہے، اس نے وصیت کر کے کیا کیا؟ نفع اٹھالیا۔ «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَكُونُ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آخرت کی وصیت کرنا یہ ارتثاث نہیں ہے، «لِأَنَّهُ مِنْ أَحْكَامِ الأَمْوَاتِ» اس لیے کیونکہ یہ کس کے احکام میں سے ہے؟ مرنے والوں کے احکام میں سے ہے، لہٰذا یہ زندوں کے احکام میں سے نہیں بلکہ مرنے والوں کے احکام میں سے ہے، اس لیے یہ ارتثاث نہیں ہے اور یہ شخص شہید ہی ہے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي المِصْرِ غُسِلَ

«وَمَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي المِصْرِغُسِلَ» بھائی یاد رکھیے، میں نے آپ کو مسئلہ بتلایا تھا، اگر کوئی شخص کسی جگہ شہر میں مقتول ملا ہے کسی نے اس کو کیا کر دیا؟ قتل، اور قاتل کا پتہ نہیں، تو پھر کیا آتی ہے؟ قسامت آئے گی محلے والوں پر اور پھر کیا آجائے گی؟ دیت آجائے گی۔ تو لہٰذا چوتھی غالباً چوتھی شرط تھی یا کون سی؟ تیسری یا چوتھی شرط تھی کہ عوض مالی نہیں آنا چاہیے، میں نے جو بیان کیا تھا، عوض مالی نہیں، اور یہاں تو کیا آگیا؟ عوض مالی یعنی دیت آگئی۔ لہٰذا لہٰذا اس کو غسل دیا جائے گا۔ یہ وہ صورت ہے جب قاتل کا علم نہ ہو۔ اور اگر قاتل کا علم ہے پھر قصاص آئے گا، پھر قصاص آئے گا، پھر مقتول نے کوئی نفع حاصل نہیں کیا۔ بھائی دیت آئی نا تو مقتول نے نفع حاصل کر لیا، مرنے والے نے نفع پالیا۔ اور اگر قصاص آیا تو مقتول نے کوئی نفع نہیں پایا، لہٰذا اس صورت میں پھر اس کو جب قاتل کا پتہ ہو تو پھر غسل نہیں دیں گے۔ جب کیا ہو؟ قاتل کا پتہ ہو پھر غسل نہیں، کیونکہ جب قاتل کا پتہ ہے پھر دیت آتی ہے یا قصاص آتا ہے؟ قصاص۔ اور جب قاتل کا پتہ نہیں پھر کیا آتی ہے؟ دیت۔ اور یاد رکھو، جب دیت آگئی تو مقتول کو کچھ نفع مل گیا، اور نفع مل گیا تو لہٰذا اب اس کو غسل دیں گے۔ اور جب قصاص آیا تو پھر اس کو بیچارے نے کوئی نفع نہیں اٹھایا تو لہٰذا پھر اس کو غسل نہیں دیں گے۔ آپ کہیں گے بھائی دیت سے کیا نفع ہوا اس کو؟ دیت سے کیا نفع ہوا اور سزا میں اس کو کس طرح نفع نہیں؟ بھائی دیکھیے، دیت جب آتی ہے نا دیت، یہ اسی مقتول کا مال شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے دیون بھی اسی سے ادا کیے جاتے ہیں اگر اس پر کچھ دیون تھے، اس نے اگر کوئی وصیت کی ہے وہ بھی اس کے اندر نافذ کی جاتی ہے، اور ایک شخص مقروض مرے، اور آپ نے پڑھا ہے حدیث میں بھی پڑھا کہ کسی پر قرض ہوتا تھا تو حضور علیہ السلام اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرما دیتے تھے، سمجھ میں آیا؟ تو قرض کسی کا معاف نہیں ہوتا، کسی کا کسی پر حق ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ زندگی بھر اس میں بے انتہا احتیاط کریں، لوگ اس کی بالکل پرواہی نہیں کرتے بھائی۔ قرض تو ایسی چیز ہے شہید بھی کوئی ہو جائے تو قرض معاف نہیں، قرض معاف نہیں۔ لہٰذا دوسرے کے آپ کے ذمے کوئی قرض ہے چاہے وہ بھول جائے لیکن آپ اس کو ہمیشہ اس آپ کی ہمیشہ یہی کوشش ہونی چاہیے کہ دوسرے کا قرض جلد سے جلد ادا کر دیں، اپنے ذمے کسی کی کوئی چیز نہ رہنے دیں، نہ رہنے دیں۔

تو تو دیکھو دیت مل جائے گی اور دیت سے اس کے قرضے ادا ہو جائیں گے، تو آخرت میں اس کی آخرت کی منزل آسان ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ آخرت کی منزل آسان ہو گئی، نیز اسی سے اس کی وصیت وغیرہ بھی نافذ ہو گی، تو لہٰذا نفع اٹھالیا۔ دیت کی صورت میں اس کو اس نے نفع اٹھالیا، لہٰذا یہ کیا کریں گے اس کو؟ غسل دیں گے۔

اور دوسری صورت ہے جب پھر قصاص آتا ہے، قصاص کی صورت میں اس کو کوئی نفع نہیں۔ کیونکہ قصاص میں تو صرف قاتل کو سزا ملے گی، مرنے والے کو تو کوئی فائدہ نہیں، وہ تو چلا گیا دنیا سے، صرف قاتل کو کیا ہو گی؟ سزا، تو اس میں اس ہاں دنیا والوں کا تو نفع ہے، قاتل کو جب قتل کیا جائے گا فتنہ وفساد میں کمی آئے گی یا نہیں آئے گی؟ فتنہ وفساد، تو دنیا والوں کو تو بے شک اس کے قتل سے نفع ہے، لیکن خود مرنے والے کو کوئی نفع نہیں، لہٰذا اسی لیے شرط لگائی تھی کہ کہ وہ قتل ایسا نہ ہو جس کی وجہ سے ابتداءً کیا آجائے؟ دیت آجائے، کیونکہ دیت میں نفع ہے تو پھر غسل دیں گے، اور اگر قصاص آتا ہے تو پھر شہید ہی ہے۔ ہاں اگر ابتداءً قصاص آگیا پھر کسی مانع کی وجہ سے قصاص اٹھ گیا تو کوئی حرج نہیں۔ ابتداءً کیا آیا؟ قصاص۔ پھر مانع کی وجہ سے؟ قصاص، تو کوئی حرج نہیں، پھر بھی یہ شہید ہی ہے، اس کو غسل نہیں دیں گے۔ مثلاً ایک آدمی نے دوسرے کو قتل کر دیا، اب قاتل پر کیا آئے گا؟ قصاص آئے گا، قصاص آئے گا۔ لیکن اس نے صلح کر لی اور صلح کہا انہوں نے مقتول کے اولیاء نے کہا ہمیں دس لاکھ دے دو ہم تمہیں معاف کر دیتے ہیں، تو اولاً کیا آیا؟ قصاص۔ بعد میں اگرچہ مال بن جائے اس سے کوئی بحث نہیں ہے، اولاً تو قصاص آیا تھا لہٰذا یہاں شہادت ہی کے احکام جاری ہوں گے۔ یا اسی طرح باپ اگر اپنے بیٹے کو قتل کر دے، باپ بیٹے کو آلہ قتل سے قتل کر دے تو اس صورت میں اولاً قصاص آتا ہے، کیا آتا ہے؟ قصاص۔ لیکن آپ نے فقہ میں مسائل کے اندر پڑھا ہو گا کہ پھر یہ قصاص باپ سے اٹھ جاتا ہے، کیوں اٹھ جاتا ہے؟ باپ کے احترام کی وجہ سے، کہ بیٹے کی وجہ سے باپ کو تکلیف نہ پہنچے، کیونکہ

اولاد کو والدین کو تکلیف پہنچانے سے منع کیا گیا ہے، حتیٰ کہ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ» ان کو اف بھی نہ کہو، کسی تکلیف پر اف بھی نہ کہو، جب اف کہنے سے منع کیا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر تکلیف دینے سے تو بطریق اولیٰ منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر باپ کو قتل کیا جائے کس کی وجہ سے؟ بیٹے کی وجہ سے، تو قتل کی وجہ سے اس کو تکلیف ہو گی یا نہیں؟ تو اس تکلیف کا باعث کون بنا؟ بیٹا، اور بیٹوں کو تو والدین کو تکلیف پہنچانے سے منع، تو اس لیے اس وجہ سے یہاں قصاص ساقط ہو جائے گا، تو مانع کی وجہ سے مانع پایا گیا، ورنہ ابتداءً یہاں قصاص ہی آیا تھا، تو لہٰذا باپ نے اگر اپنے بیٹے کو قتل کیا اس طرح تو شہید ہی کے احکام جاری ہوں گے کیونکہ یہاں بھی اولاً دیت وغیرہ نہیں آئی بلکہ کیا آیا تھا؟ قصاص آیا تھا۔

■ مسئلہ: وَمَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي الْمِصْرِ غُسِلَ

«وَمَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي الْمِصْرِ غُسِلَ» اور جس کو مقتول پایا گیا شہر کے اندر تو اس کو غسل دیا جائے گا، قتیل بمعنی مقتول کے ہے بھائی، «لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر قسامت اور دیت واجب ہوتی ہے، قسامت اور دیت، «فَخَفَّ أَثَرُ الظُّلْمِ» تو ہلکا ہو گیا ظلم کا اثر، جب دیت آ گئی تو ظلم کا اثر کیا ہوا؟ کم ہو گیا، کم ہو گیا۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟

«إِلَّا إِذَا عُلِمَ» ہاں جبکہ مگر وہ صورت جبکہ یہ معلوم ہو «أَنَّهُ قُتِلَ بِحَدِيدَةٍ ظُلْمًا»، جب یہ معلوم ہو کہ اس کو قتل کیا گیا ہے «بِحَدِيدَةٍ» لوہے کے ساتھ، حَدِيدَةٌ لوہے کو کہتے ہیں، «ظُلْمًا» لوہے کے ساتھ قتل کیا گیا ہے اور ظلماً قتل کیا گیا ہے، ظلماً قتل کیا گیا ہے، اور اس میں کیا آئے گا؟ قصاص۔ لیکن قصاص تب ہی آئے گا نا جب قاتل کا پتہ ہو، قاتل کا پتہ ہی نہیں ہے پھر تو کیا آتی ہے؟ قسامت اور دیت آتی ہے، لہٰذا یہاں یہ قید یاد رکھنا کہ اگر قاتل کا پتہ نہیں، چاہے اس کو گولی سے قتل کیا گیا ہو، وہاں قسامت بھی آئے گی اور توجہ ہے سبق کی طرف؟ چاہے گولی سے قتل کیا ہے، تلوار سے قتل کیا ہے، ایک جگہ کسی محلے میں مرا ہوا ملا ہے تو وہاں قسامت اور دیت آتی ہے، پچاس آدمیوں سے قسم لی جاتی ہے اور پھر اس کے بعد ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ تو «إِلَّا إِذَا عُلِمَ أَنَّهُ قُتِلَ بِحَدِيدَةٍ ظُلْمًا» یہ وہ صورت بیان ہو رہی ہے جبکہ قاتل کا علم ہو، کیا ہو؟ قاتل کا علم ہو، تو پھر قصاص آئے گا اور قصاص تو قاتل کے لیے سزا ہے، مرنے والے کو تو اس کا کوئی نفع نہیں، لہٰذا اس کے ظلم مظلومیت میں کوئی کمی نہیں آئی، یہ اسی طرح مظلوم ہے لہٰذا غسل نہیں دیا جائے گا۔ «إِلَّا إِذَا عُلِمَ أَنَّهُ قُتِلَ بِحَدِيدَةٍ ظُلْمًا» مگر یہ کہ جب معلوم ہو کہ اس کو لوہے سے قتل کیا گیا ہے ظلم کرتے ہوئے، اور لوہے سے لوہا ہی نہیں مراد بھائی، کوئی بھی ایسی چیز کیونکہ لوہا لوہا تو انسان کو دوسرے کو لوہا مارے تو چاہے دھار ہو یا دھار نہ ہو وہ بچتا نہیں، تو باقی سب چیزیں جو آلہ قتل ہیں وہ بھی اس کے اندر آ گئے۔

«لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقِصَاصُ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر قصاص واجب ہوا ہے، «وَهُوَ عُقُوبَةٌ» اور قصاص تو کیا ہے؟ سزا ہے، اس میں مرنے والے کا کوئی فائدہ نہیں، «وَهُوَ عُقُوبَةٌ» اور وہ تو سزا ہے، «وَالْقَاتِلُ لَا يَتَخَلَّصُ عَنْهَا ظَاهِرًا إِمَّا فِي الدُّنْيَا وَإِمَّا فِي الْعُقْبَى» اور قاتل جو ہے وہ اس سے چھوٹ نہیں سکتا بظاہر، یا تو دنیا کے اندر اور یا آخرت میں۔ قاتل اس سزا سے چھوٹ نہیں سکتا بظاہر، یا تو دنیا ہی میں اگر پکڑا گیا تو اس کو سزا ملے گی، اور اگر دنیا میں سزا نہ ملی تو پھر آخرت میں تو اسے ضرور سزا ملے گی۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰ...

«وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ مَا لَا يُلْبِثُ كَالسَّيْفِ» اور صاحبین فرماتے ہیں وہ چیز «مَا لَا يُلْبِثُ» جو ٹھہراتی نہیں، أَلْبَثَ يُلْبِثُ کا کیا معنیٰ؟ ٹھہرانا، روکنا۔ جو ٹھہراتی نہیں، «كَالسَّيْفِ» وہ تلوار کی طرح ہے۔ جو چیز ٹھہراتی نہیں وہ یعنی جو چھوڑتی نہیں جو چیز، ایسی چیز ہے کہ جب وہ کسی کو ماری جائے تو انسان ٹھہرتا نہیں فوراً ہی مر جاتا ہے، وہ بھی کس کے حکم میں ہے؟ تلوار کے حکم میں ہے، تلوار کے حکم میں۔ جو چیز کسی کو ماری جائے اور وہ اس کو چھوڑے نہ، یعنی کیا نہ چھوڑے؟ زندہ نہ چھوڑے، اس سے انسان بچتا نہ ہو، تو وہ بھی کس کی طرح ہے؟ تلوار کی۔ لہٰذا صاحبین کے نزدیک ایک آدمی نے دوسرے کو بڑا سا پتھر اٹھا کر مارا، بڑا سا پتھر، اور بڑا پتھر کسی کو مارا جائے وہ تو نہیں بچتا بھائی، تو وہ فرماتے ہیں یہ بھی تلوار کی طرح ہے، تلوار کی طرح ہے، اور لہٰذا اس کے اندر بھی قصاص آتا ہے، کیا آتا ہے؟ قصاص آئے گا، اور جہاں قصاص آئے وہاں پر وہ شہید ہے اور غسل نہیں دیا جاتا۔ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں، ان کے نزدیک صرف آلہ قتل ہو یعنی کوئی تیز دھار والی چیز ہو تو پھر ہی قصاص آتا ہے، ویسے قصاص نہیں آتا، تفصیل آگے کتاب الجنایات میں آئے گی بھائی، وہ غالباً شاید اگلے سال کسی وقت آئے تو اس میں تفصیل ہے، یہاں پر اس سال کے نصاب میں وہ شامل نہیں ہے۔

اسی طرح کسی بڑے کسی بڑے ڈنڈے سے کسی کو مارا بھائی، خوب موٹی لکڑی ہے، وہ بھی اگر کسی کو ماری جائے تو عموماً بچتا نہیں، تو صاحبین کے نزدیک وہاں بھی قصاص آئے گا لیکن امام صاحب کے نزدیک وہاں قصاص نہیں ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے کہ «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ مَا لَا يُلْبِثُ كَالسَّيْفِ» اور صاحبین کے نزدیک وہ چیز جو ٹھہراتی نہیں یعنی زندہ نہیں چھوڑتی «كَالسَّيْفِ» وہ کس کی طرح ہے؟ تلوار کی طرح ہے، «وَيُعْرَفُ فِي الْجِنَايَاتِ إِنْ شَاءَ

اللَّهُ تَعَالَى » اور اس کو جانا جائے گا کتاب الجنایات کے اندر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

« **وَمَنْ قُتِلَ فِي حَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ** » اور وہ شخص جس کو قتل کر دیا گیا حد کے اندر، اس پر حد جاری کی گئی، مثلاً شادی شدہ تھا اور اس نے زنا کر لیا اور پھر ثابت ہو گیا قاضی کے پاس تو اس کو رجم کیا جاتا ہے، تو اس کو رجم کر دیا گیا، تو یہ شخص کس چیز میں قتل کیا گیا؟ حد میں، « **أَوْ قِصَاصٍ** » یا جس کو کس میں قتل کیا گیا؟ قصاص میں، « **غُسِلَ** » اس کو غسل بھی دیا جائے گا، « **وَصُلِّيَ عَلَيْهِ** » اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ بھائی ان کو کیوں غسل دیا جائے گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ بے گناہ مقتول نہیں، ظلماً مقتول نہیں، ان کا تو شریعت نے کیا، قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ تو غسل بھی دیں گے اور نماز جنازہ بھی پڑھیں گے بھائی۔

صحابہ عجیب لوگ تھے بھائی انسان، عجیب عجیب بھائی، جتنا سوچتا ہے، جتنے واقعات پڑھتا ہے، حیرت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ صحابہ سے اگر کبھی کوئی خطا ہو جاتی، کوئی گناہ ہو جاتا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دیتے کہ یا رسول اللہ! مجھ سے یہ خطا ہو گئی ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔ چنانچہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہیں وہ ان سے یہ غلطی ہوئی زنا کی اور پھر حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔ حضور علیہ السلام نے رخ موڑ لیا، وہ دوسری طرف آئے اور پھر کہا، یہی بات پھر کہی کہ مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔ حضور علیہ السلام نے پھر رخ موڑ لیا، وہ پھر دوسری طرف سے آئے: یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دی، مجھ سے زنا سرزد ہوا ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔ یہاں تک کہ چار مرتبہ اقرار کر لیا، اور چار دفعہ صرف اقرار ضروری نہیں، چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار ضروری ہے، اور حضور علیہ السلام رخ بدل لیتے تھے وہ دوسری طرف سے آ جاتے تھے تو مجلس بدل جاتی تھی، تو چار مرتبہ انہوں نے جب اس طرح مختلف مجلسوں میں اقرار کر لیا، یعنی کیا تو اسی موقع پر لیکن مجلس کیا تھی ان کی؟ بدل، تو پھر ان پر جب انہوں نے خود اقرار کر لیا اور چار مجلسوں میں، تو ان کو حضور علیہ السلام نے رجم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کو

■ مسئلہ: وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَمُهُ، وَلَا يُنْ...

«وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَمُهُ، وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ لِمَا رَوَيْنَا، وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ وَالسِّلَاحُ وَالْخُفُّ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ الْكَفَنِ، وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ مَا شَاؤُوا إِتْمَامًا لِلْكَفَنِ، وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِلَ».

گزشتہ سبق میں « **بَابُ الشَّهِيدِ** » ہم نے شروع کیا تھا۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ شہید جو ہے دو قسم پر ہے: ایک شہید حقیقی ہے اور ایک شہید اخروی ہے۔ شہید حقیقی وہ ہے جو دنیاوی اعتبار سے بھی شہید ہے اور اخروی اعتبار سے بھی شہید ہے۔ تو اس پر شہید کے دنیاوی احکام بھی لاگو ہوں گے اور اس کو غسل بھی نہیں دیا جائے گا، اس کے خون کو اس سے صاف نہیں کیا جائے گا اور نیز اس کے کپڑے بھی اس کے بدن سے نہیں اتارے جائیں گے۔ ہاں البتہ اگر کپڑے کم ہیں مسنون کفن سے تو کپڑے بڑھا کر مسنون عدد پورا کر لیا جائے گا۔ اور اگر مسنون عدد سے کپڑے زائد ہیں تو ان کو کم کر کے مسنون عدد کو پورا کر لیا جائے گا۔

اور جبکہ شہید اخروی جو ہے اس کا یہ حکم نہیں ہے بھائی۔ اور اس کی شرائط میں نے لکھوا دی تھیں، سات شرائط تھیں بھائی، سات شرائط۔

اور پھر آخر میں گزشتہ سبق کے آخر میں یہ مسئلہ ذکر ہوا تھا کہ صاحبین کے نزدیک بچہ جو ہے اس کا بھی یہی حکم ہے، اس کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔ جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، بچے کا یہ حکم نہیں ہے۔ بچہ جو ہے شہدائے احد کے معنی میں نہیں ہے، اس لیے کیونکہ شہدائے احد کے حق میں تلوار غسل سے کافی ہو گئی تھی بایں اعتبار کہ تلوار جو ہے ان کو ان کے گناہوں سے پاک کرنے والی بن گئی ان کے گناہوں سے۔ تو جبکہ بچے میں یہ صورت نہیں ہے اس لیے کیونکہ بچے کے گناہ ہی نہیں ہیں، تو تلوار اس کے لیے گناہوں سے پاک کرنے والی بھی نہیں۔ تو لہٰذا بچہ ان کی طرح نہیں۔ جب ان کی طرح نہیں تو ان کا حکم بھی اس پر نہیں آئے گا، اور ان کا حکم تو یہ تھا کہ ان کو غسل نہ دیا جائے لیکن یہ حکم اب بچے میں نہیں آئے گا، لہٰذا اس کو کیا کیا جائے گا؟ غسل دیا جائے گا۔

آگے فرما رہے ہیں: « **وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَمُهُ** » اور نہیں دھویا جائے گا شہید سے اس کے خون کو۔ خون اسی طرح اس کے بدن پر کپڑوں پر لگا رہے۔ « **وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ** » اور اس سے اس کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے، وہ کپڑوں سمیت اسی طرح اس کو دفنائیں گے۔ « **لِمَا رَوَيْنَا** » اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی کہ حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا تھا: « **زَمِّلُوهُمْ بِكُلُومِهِمْ وَدِمَائِهِمْ** »۔

■ مسئلہ: وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ

« **وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ** »، « **فَرْوٌ** »، فر کہتے ہیں یاد رکھیے پوستین کو۔ بھائی جانوروں کی کھال کو دباغت دے کر اس کے چمڑے کو پہننے اس سے پہننے

کا لباس بنالیا جاتا ہے، جیکٹ وغیرہ اس طرح کی چیز۔ تو وہ اس سے نہیں، ہاں وہ اتار دیا جائے گا۔ پوستین وغیرہ اگر وہ جانور کے چمڑے کی کھال وغیرہ اس نے پہنی ہوئی ہے تو اس کو کیا کیا جائے گا اس سے؟ اتار دیا جائے گا۔

اسی طرح «**وَالْحَشْوُ**»، حشو یاد رکھیے اس چیز کو کہتے ہیں جسے دوسری چیز میں بھرا جائے، جیسے روئی ہے۔ روئی کو کیا کرتے ہیں؟ تکیے میں بھی بھرتے ہیں، رضائی میں بھی بھرتے ہیں، اور جو سردی کے لباس ہوتا ہے اس کے اندر بھی بھرتے ہیں، اگر آپ نے جیکٹ وغیرہ دیکھی ہو تو اس کے اندر انہوں نے باقاعدہ روئی کو سیا ہوتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ یہ حشو ہے، وہ چیز جس کو دوسری چیز میں بھرا جائے۔ لیکن یہاں پر یہ روئی وغیرہ نہیں مراد بلکہ وہ کپڑا مراد ہے جس کے اندر روئی بھری ہوئی ہو، جیسے جیکٹ ہوتی ہے، اس میں کیا بھری ہوتی ہے؟ روئی۔ تو شہید کے بدن سے پوستین وغیرہ جو جانور کی کھال دباغت دے کر پاک کیا گیا ہے اور اس سے چمڑا بنایا گیا ہے، لباس بنایا گیا ہے، وہ بھی اتار لیں گے اور اگر کوئی ایسی چیز پہنی ہے جس کے اندر روئی وغیرہ بھری ہوئی ہے، جیکٹ وغیرہ ہے اس کو بھی کیا کر لیا جائے گا؟ اس سے اتار لیا جائے گا۔

«**وَالسِّلَاحُ**» اسی طرح اسلحے کو بھی اس سے اتار لیں گے۔ «**وَالْخُفُّ**» اور موزہ، اگر موزے پہنے ہوئے ہیں تو موزے کو بھی اس سے اتار لیں گے۔ «**لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ الْكَفَنِ**» اس لیے کیونکہ یہ چیزیں کفن کی جنس میں سے نہیں ہیں، کفن کی جنس میں سے نہیں ہیں۔ اور میں نے آپ کو تفصیل بتلائی تھی کہ اسلحہ، موزہ اور ٹوپی وغیرہ یہ تو ہر حال میں اتار لیں گے کیونکہ یہ کفن کی جنس میں سے نہیں۔ ہاں فر و اور حشو کو تب اتاریں گے اگر کپڑوں کا عدد مسنون عدد سے زائد ہے۔ اگر حشو اتارتے ہیں تو کپڑے تین سے کم پڑ جاتے ہیں تو پھر اس کو بھی نہیں اتاریں گے، اس کے بدن پر ہی رہنے دیں گے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ مَا شَاؤُوا

«**وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ مَا شَاؤُوا**» اور بڑھا دیں گے اور کم کر دیں گے، ماشاؤا جو چاہیں، «**إِتْمَامًا لِلْكَفَنِ**» کفن کو پورا کرنے کے لیے۔ میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا؟ اگر کپڑے مسنون عدد سے زیادہ ہیں تو کیا کر دیں گے؟ کم کر دیں گے۔ اور اگر مسنون عدد سے کم ہیں تو پھر؟ بڑھا دیں گے۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: «**وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ**» اور کم کر دیں گے اور بڑھا دیں گے، «**مَا شَاؤُوا**» جو چاہیں، «**إِتْمَامًا لِلْكَفَنِ**» کفنِ سنت کو پورا کرنے کے لیے۔

«**وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِلَ**» اور جو مرتث جو ہے اس کو غسل دیا جائے گا۔ مرتث جو ہے غسل دیا جائے گا۔ مرتث وہی بھائی وہ جو ساتویں شرط میں نے بیان کی تھی۔ ارتثاث اس کو کہتے ہیں کہ کسی شخص کو زخمی کر دیا گیا اور اس کو اس لڑائی کی جگہ سے منتقل کر دیا گیا اور اس میں ابھی زندگی کچھ باقی تھی۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ ارتثاث۔ کسے کہتے ہیں؟ زخمی ہوا ایک آدمی اور پھر اس کو لڑائی کی جگہ سے منتقل کر دیا گیا اور ابھی اس میں کچھ زندگی باقی تھی، اس کو کہتے ہیں ارتثاث۔ سمجھ میں آیا؟ تو مراد یہاں ارتثاث سے یہ ہے کہ وہ زندگی کے نفعوں میں سے کوئی نفع حاصل کر لے، آگے تفصیل وہ خود بھی بیان کریں گے۔ تو جو شخص زندگی کے نفعوں میں سے کوئی نفع حاصل کر لے اس کو مرتث کہیں گے۔ اور آپ کو مسئلہ میں نے بتلایا تھا کہ مرتث کو غسل دیں گے یا نہیں دیں گے؟ اس کو غسل دیں گے کیونکہ اس نے زندگی کے نفعوں میں سے کوئی نفع حاصل کر لیا۔ یہ معنی ہے: «**وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِلَ**» اور جو جس کو ارتثاث کیا گیا یعنی جو مرتث جو ہے اس کو غسل دیا جائے گا۔

اور مرتث کون ہے؟ کہتے ہیں: «**وَهُوَ مَنْ صَارَ خَلَقًا**» **خَلَقًا** ہے آپ کی کتابوں میں، **خَلَفًا** نہیں، **خَلَقًا خَلَقًا**، قاف ہے دو نقطوں والا۔ ایک ہے **خَلْقٌ**، لام ساکن ہو، خلق کا معنی پیدا کرنا، اور **خَلَقٌ**، لام پر فتحہ ہو تو **خَلَق** کا معنی ہوتا ہے پرانا ہونا، کسی چیز کا پرانا ہونا۔ تو کہتے ہیں: «**وَهُوَ مَنْ صَارَ خَلَقًا فِي حُكْمِ الشَّهَادَةِ**» کہ مرتث وہ شخص ہے جو پرانا ہو گیا شہادت کے حکم میں۔ جو شہادت کے حکم میں پرانا ہو گیا۔ بھائی کیا معنی پرانا ہو گیا؟ بھائی دیکھا نہیں، میدانِ جنگ میں یا لڑائی کی جگہ پر وہ مرا نہیں بلکہ اس کو کیا کر دیا گیا؟ منتقل کر دیا اور اس نے کیا کیا؟ کچھ نفع اٹھا لیا۔ تو شہادت کے حکم میں پرانا ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ کچھ دیر گزر گئی۔ یہ معنی ہے: «**وَهُوَ مَنْ صَارَ خَلَقًا فِي حُكْمِ الشَّهَادَةِ**» وہ شخص ہے جو پرانا ہو جائے شہادت کے حکم میں۔

کیوں پرانا ہو گیا شہادت کے حکم میں؟ «**لِنَيْلِ مَرَافِقِ الْحَيَاةِ**» زندگی کے نفع حاصل زندگی کے نفع پانے کی وجہ سے۔ اس نے زندگی کے منافع کچھ پا لیے، مثلاً کھا لیا، پا پی لیا، یا کسی سے کوئی خرید و فروخت والا معاملہ کر لیا، یا کچھ دیر کے لیے سو گیا، یہ سب کیا ہیں؟ یا اس کا کچھ علاج کیا گیا، دوا وغیرہ دی گئی، یہ سب کیا ہیں؟ زندگی کے منافع۔ تو وہ شخص ہے جو شہادت کے حکم میں پرانا ہو جائے زندگی کے منافع پا لینے کی وجہ سے، «**لِأَنَّ بِذٰلِكَ يَخِفُّ أَثَرُ الظُّلْمِ**»۔ بھائی یہ زندگی کے منافع حاصل کرنے سے آپ اس کو مرتث کیوں قرار دیتے ہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب اس نے زندگی کے منافع کچھ پا لیے تو اس پر جو ظلم ہوا، اس ظلم کے اثر میں کمی آگئی، کیا آ گئی؟ یہ تو مظلوم تھا نا، اس کو تو ظلماً قتل کیا گیا تھا لیکن پھر اس کو کچھ دوا وغیرہ دے دی گئی، یا اس نے کچھ کھا لیا، کچھ پی لیا، کسی نے دے دیا اس کو، تو مظلومیت میں کمی آئی یا نہیں؟ ایک شخص ہے اس بیچارے کو کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں ملا، ایک وہ مرتا ہے، اور ایک وہ ہے جس کو کوئی کچھ کھانے پینے کو دے دیتا ہے، پیاس لگی ہوئی ہے پانی دے دیتا ہے، یا کوئی دوائی دے دیتا ہے، یا اٹھا کر لے جاتا ہے خیمے کے اندر کچھ آرام کروا دیتا ہے، تو مظلومیت کس کی زیادہ ہے؟ ہاں جو بغیر کھائے پیے، یقیناً اس کی مظلومیت زیادہ ہے۔ اور اس کے کسی نے کچھ تھوڑا بہت تو خیال کر لیا، لہٰذا اس کی مظلومیت کیا ہو گئی؟ کم ہو گئی، لہٰذا شہادت کے حکم میں بھی اسی کے مطابق کمی آجائے گی۔

یہ معنی ہے: «لِأَنَّ بِذٰلِكَ يَخِفُّ أَثَرُالظُّلْمِ» اس لیے کیونکہ اس کی وجہ سے یہ جو زندگی کے منافع پائے ہیں، ان کی وجہ سے «يَخِفُّ أَثَرُالظُّلْمِ» ظلم کا اثر خفیف ہو جاتا ہے، کم ہو جاتا ہے۔ «فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَى شُهَدَاءِ أُحُدٍ» لہٰذا یہ شخص شہدائے احد کے معنی میں نہ ہوا، ان کی طرح نہ ہوا، کیونکہ ان بیچاروں کو تو نہ کوئی کھانے کچھ دیا گیا، نہ پینے کو دیا گیا، نہ علاج کی موقع ملا، لہٰذا یہ بھی ان کی طرح نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَالِارْتِثَاثُ

«وَالِارْتِثَاثُ» خود بیان کر رہے ہیں ارتثاث کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَالِارْتِثَاثُ أَنْ يَأْكُلَ» ارتثاث یہ ہے کہ وہ زخمی کچھ کھالے، «أَوْ يَشْرَبَ» یا کچھ پی لے، «أَوْ يَنَامَ» یا سو جائے کچھ دیر، «أَوْ يُدَاوَى» یا اس کا علاج کیا جائے، کوئی دوا وغیرہ دی جائے، «أَوْ يُنْقَلَ مِنَ الْمَعْرَكَةِ» یا اس کو میدانِ جنگ سے منتقل کر لیا جائے۔ «لِأَنَّهُ نَالَ بَعْضَ مَرَافِقِ الْحَيَاةِ» اس لیے کیونکہ اس شخص نے پالیے زندگی کے کچھ منافع، «وَشُهَدَاءُ أُحُدٍ مَاتُوا عِطَاشًا» اور جبکہ شہدائے احد جو تھے وہ تو پیاسے مر گئے تھے، «وَالْكَأْسُ تُدَارُ عَلَيْهِمْ» اور پانی کے بھرے ہوئے پیالے جو ہیں، کاس پانی کا برتن کوئی بھی ہو لیکن خصوصاً جب وہ پانی سے بھرا ہو تب اس کو کاس کہتے ہیں، «وَالْكَأْسُ تُدَارُ عَلَيْهِمْ» اور پانی کے بھرے ہوئے پیالے ان پر گھمائے گئے، ان پر گھمائے جا رہے تھے، یعنی پانی کے پیالے ان کے پاس لائے گئے، «فَلَمْ يَقْبَلُوا» تو انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا کہ اب ہم مرنے والے ہیں، اب تو بچنے کی کوئی صورت نہیں، اتنے شدید زخمی حالت میں ہیں لیکن اس حالت میں بھی انہوں نے پانی کے پیالے کو قبول نہیں کیا، کیوں؟ «خَوْفًا مِنْ نُقْصَانِ الشَّهَادَةِ» شہادت کے نقصان کے خوف کی وجہ سے، کہ شہادت میں کوئی کمی نہ آجائے بھائی۔ نقصان کا کیا معنی؟ کمی۔ شہادت میں کمی کے خوف کی وجہ سے۔

«إِلَّا إِذَا حُمِلَ مِنْ مَصْرَعِهِ» اچھا بھائی، اوپر متن میں کیا آیا؟ «أَوْ يُنْقَلَ مِنَ الْمَعْرَكَةِ» کسی کو میدانِ جنگ سے منتقل کر لیا جائے۔ میں نے تفصیل آپ کے سامنے بیان کر دی، میدانِ جنگ سے منتقل کیا جائے تو پھر وہ مرتث ہے، مرتث ہے اور اس کو غسل دیا جائے گا، غسل دیا جائے گا۔ ہاں اگر لڑائی ابھی جاری تھی پھر پھر مرتث نہیں، پھر شہید ہی ہے، سمجھ میں آیا؟ اس نے کوئی پھر نفع بھی اٹھالے، پھر بھی اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ یہی بات صاحبِ ہدایہ بھی بیان کر رہے ہیں کہ کہ لڑائی سے منتقل کیا گیا، کیوں منتقل کیا گیا؟ تاکہ کہیں اس کو گھوڑے وغیرہ اپنے قدموں تلے نہ روند ڈالیں، اس لیے منتقل کیا گیا، تو پھر یہ مرتث نہیں ہے، یہ شہید ہی ہے۔ یہ معنی ہے: «إِلَّا إِذَا حُمِلَ مِنْ مَصْرَعِهِ» مگر یہ کہ جب اس کو اٹھایا گیا «مِنْ مَصْرَعِهِ» اپنے گرنے کی جگہ سے، «كَيْ لَا تَطَأَهُ الْخُيُولُ» تاکہ کہیں اس کو روند نہ ڈالیں گھوڑے۔ کیوں منتقل کیا گیا اس کو؟ تاکہ کہیں اس کو گھوڑے نہ روند ڈالیں، تو پھر کوئی اس سے کمی نہیں آتی اس کی شہادت میں، «لِأَنَّهُ مَا نَالَ شَيْئًا مِنَ الرَّاحَةِ» اس لیے کیونکہ اس نے راحت کی چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں پائی بھائی۔

«وَلَوْ آوَاهُ فُسْطَاطٌ أَوْ خَيْمَةٌ كَانَ مُرْتَثًّا لِمَا بَيَّنَّا»، آوی یاوی کے معنی ٹھکانہ دینا، اور اگر اس وہ جو زخمی ہے اس کو ٹھکانہ دیا فسطاط نے، فسطاط کہتے ہیں یہ اون وغیرہ کا کوئی خیمہ ہوتا ہے تو انہوں نے لکھا ہے یہ بڑا خیمہ جو ہے، فسطاط کیا ہے؟ بڑا خیمہ، اور خیمہ عام خیمہ ہوا چھوٹا ذرا۔ اور جس کو ٹھکانہ دیا بڑے خیمے نے یا چھوٹے خیمے نے، یعنی اس میں منتقل کر دیا، بڑے خیمے تک لے گئے وہاں اس کو لے گئے یا کس میں لے گئے؟ چھوٹے، تو اس کو جس کو ٹھکانہ دیا بڑے خیمے نے یا چھوٹے خیمے نے، «كَانَ مُرْتَثًّا» تو یہ بھی کیا ہے؟ مرتث ہے، «لِمَا بَيَّنَّا» اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی بھائی، کہ اس نے زندگی کی کچھ راحت اٹھالی، تو اس کو غسل دیا جائے گا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ بَقِيَ حَيًّا حَتَّى مَضَى وَقْتُ صَلَاةٍ و...

«وَلَوْ بَقِيَ حَيًّا حَتَّى مَضَى وَقْتُ صَلَاةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ فَهُوَ مُرْتَثٌّ» اور اگر یہ شخص زندہ رہا یہاں تک کہ ایک نماز کا وقت پورا گزر گیا، «وَهُوَ يَعْقِلُ» اس حال میں کہ یہ ہوش و حواس میں تھا، یہ عقل رکھتا تھا، یعنی ہوش و حواس میں تھا یعنی بے ہوش نہیں تھا، «فَهُوَ مُرْتَثٌّ» تو یہ بھی کیا ہے؟ مرتث ہے، اور مرتث کو تو غسل دیا جاتا ہے۔ «لِأَنَّ تِلْكَ الصَّلَاةَ صَارَتْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِ» بھائی یہ کیا وجہ ہے ایک پوری نماز کا وقت گزر گیا اور وہ زندہ رہا تو وہ مرتث ہے؟ کہتے ہیں بھائی یہ کیونکہ اس کے ذمے ایک نماز آگئی یا نہیں آگئی ہوش و حواس میں ہونا؟ اور نماز زندوں کے اوپر آتی ہے یا مردوں کے اوپر آتی ہے؟ زندوں۔ تو دیکھو زندوں والی ایک چیز اس میں آگئی، لہٰذا اس لیے بھائی زندوں کا حکم اس پر آگیا۔ «لِأَنَّ تِلْكَ الصَّلَاةَ صَارَتْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِ» اس لیے کیونکہ وہ نماز جو ہے وہ دین ہو گئی اس کے ذمے میں، اس پر قرض ہو گئی، اس پر اس کی قضا ہے، «وَهُوَ مِنْ أَحْكَامِ الْأَحْيَاءِ» اور یہ نماز کا کسی کے ذمے دین ہو جانا، کسی کے ذمے نماز کا رہ جانا یہ کس کے احکام میں سے ہے؟ زندوں کے احکام میں سے ہے، اس لیے یہ مرتث ہے۔

«قَالَ» صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «وَهٰذَا مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اور یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے بھائی۔ یہ کس سے روایت ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک نماز کا وقت گزر جائے اور وہ ہوش و حواس میں ہو تو بھی وہ مرتث ہے۔ تو صاحبِ ہدایہ نے بتلایا کہ یہ امام ابو حنیفہ یا امام محمد رحمہ اللہ کا

قول نہیں ہے بلکہ کس کا قول ہے؟ امام ابو یوسف کا۔

«وَلَوْ أَوْصَى بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِالْآخِرَةِ» ہاں یہ بھی یاد رکھنا بھائی، یہ وہ شرائط میں رہ گیا تھا، اگر کوئی شخص وصیت کر دیتا ہے، شدید زخمی ہے اور اس وقت وصیت کر دیتا ہے، اب وصیت دو طرح کی ہو سکتی ہے: یا تو وہ اپنے کسی دنیاوی معاملے کی وصیت کرتا ہے یا اخروی معاملے کی وصیت کرتا ہے۔ اخروی معاملے کی وصیت۔ اگر دنیاوی معاملے کی اس نے وصیت کی تو بالاتفاق وہ مرتث ہے، وہ کیا ہے؟ مرتث، اس کو غسل دیا جائے گا۔ اور اگر آخرت کے معاملے کی اس نے وصیت کی ہے، کسی ثواب وغیرہ کے لیے، آخرت کے معاملے کی وصیت کی ہے تو پھر یاد رکھنا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مرتث ہے جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، آخرت کی اس نے وصیت کی ہے اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ یہ مردوں کے احکام میں سے ہے، وصیت کب نافذ ہوتی ہے؟ مرنے کے بعد، اور جو مرنے والا ہوتا ہے وہ وصیت کرتا ہے اور مرنے کے بعد نافذ ہوتی ہے، لہٰذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہ پھر بھی شہید ہی ہے جب کس معاملے کی وصیت کرے؟ آخرت کے معاملے کی وصیت اس نے کی ہو بھائی۔ اور علماء نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ أَوْصَى بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ

«وَلَوْ أَوْصَى بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِالْآخِرَةِ» اور اگر اس نے وصیت کی آخرت کے امور میں سے کسی چیز کی، «كَانَ ارْتِثَاثًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» تو یہ ارتثاث ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، «لِأَنَّهُ ارْتِفَاقٌ» اس لیے کیونکہ یہ کیا ہے؟ نفع اٹھانا ہے، اس نے وصیت کر کے کیا کیا؟ نفع اٹھالیا۔ «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَكُونُ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آخرت کی وصیت کرنا یہ ارتثاث نہیں ہے، «لِأَنَّهُ مِنْ أَحْكَامِ الْأَمْوَاتِ» اس لیے کیونکہ یہ کس کے احکام میں سے ہے؟ مرنے والوں کے احکام میں سے ہے، لہٰذا یہ زندوں کے احکام میں سے نہیں بلکہ مرنے والوں کے احکام میں سے ہے اس لیے یہ ارتثاث نہیں ہے اور یہ شخص شہید ہی ہے۔

«وَمَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي الْمِصْرِغُسِلَ» بھائی یاد رکھیے، میں نے آپ کو مسئلہ بتلایا تھا، اگر کوئی شخص کسی جگہ شہر میں مقتول ملا ہے، کسی نے اس کو کیا کر دیا؟ قتل، اور قاتل کا پتہ نہیں تو پھر کیا آتی ہے؟ قسامت آئے گی محلے والوں پر اور پھر کیا آجائے گی؟ دیت آجائے گی۔ تو لہٰذا چوتھی غالباً چوتھی شرط تھی یا کون سی؟ تیسری یا چوتھی شرط تھی کہ عوضِ مالی نہیں آنا چاہیے میں نے جو بیان کیا تھا۔ عوضِ مالی نہیں، اور یہاں تو کیا آگیا؟ عوضِ مالی یعنی دیت آگئی۔ لہٰذا لہٰذا اس کو غسل دیا جائے گا۔ یہ وہ صورت ہے جب قاتل کا علم نہ ہو۔ اور اگر قاتل کا علم ہے پھر قصاص آئے گا۔ پھر قصاص آئے گا، پھر مقتول نے کوئی نفع حاصل نہیں کیا۔ بھائی دیت آئی نا تو مقتول نے نفع حاصل کر لیا، مرنے والے نے نفع پالیا۔ اور اگر قصاص آیا تو مقتول نے کوئی نفع نہیں پایا، لہٰذا اس صورت میں پھر اس کو جب قاتل کا پتہ ہو تو پھر غسل نہیں دیں گے۔ جب کیا ہو؟ قاتل کا پتہ ہو پھر غسل نہیں، کیونکہ جب قاتل کا پتہ ہے پھر دیت آتی ہے یا قصاص آتا ہے؟ قصاص۔ اور جب قاتل کا پتہ نہیں پھر کیا آتی ہے؟ دیت۔ اور یاد رکھو، جب دیت آگئی تو مقتول کو کچھ نفع مل گیا، اور نفع مل گیا تو لہٰذا اب اس کو غسل دیں گے۔ اور جب قصاص آیا تو پھر اس بیچارے نے کوئی نفع نہیں اٹھایا تو لہٰذا پھر اس کو غسل نہیں دیں گے۔ آپ کہیں گے بھائی دیت سے کیا نفع ہوا اس کو؟ دیت سے کیا نفع ہوا؟ اور سزا میں اس کو کس طرح نفع نہیں؟ بھائی دیکھیے، دیت جب آتی ہے نا دیت، یہ اسی مقتول کا مال شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے دیون بھی اسی سے ادا کیے جاتے ہیں اگر اس پر کچھ دیون تھے۔ اس نے اگر کوئی وصیت کی ہے وہ بھی اس کے اندر نافذ کی جاتی ہے۔ اور ایک شخص مقروض مرے، اور آپ نے پڑھا ہے حدیث میں بھی پڑھا کہ کسی پر قرض ہوتا تھا حضور تو حضور علیہ السلام اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار فرما دیتے تھے۔ سمجھ میں آیا؟ تو قرض کسی کا معاف نہیں ہوتا، کسی کا کسی پر حق ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ زندگی بھر اس میں بے انتہا احتیاط کریں، لوگ اس کی بالکل پرواہی نہیں کرتے بھائی۔ قرض تو ایسی چیز ہے شہید بھی کوئی ہو جائے تو قرض معاف نہیں، قرض معاف نہیں۔ لہٰذا دوسرے کے آپ کے ذمے کوئی قرض ہے چاہے وہ بھول جائے لیکن آپ اس کو ہمیشہ اس آپ کی ہمیشہ یہی کوشش ہونی چاہیے کہ دوسرے کا قرض جلد سے جلد ادا کر دے، اپنے ذمے کسی کی کوئی چیز نہ رہنے دیں، نہ رہنے دیں۔ تو تو دیکھو دیت مل جائے گی اور دیت سے اس کے قرضے ادا ہو جائیں گے، تو آخرت میں اس کی آخرت کی منزل آسان ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ آخرت کی منزل آسان ہو گئی، نیز اسی سے اس کی وصیت وغیرہ بھی نافذ ہو گی، تو لہٰذا نفع اٹھالیا۔ دیت کی صورت میں اس کو اس نے نفع اٹھالیا، لہٰذا یہ کیا کریں گے اس کو؟ غسل دیں گے۔ اور دوسری صورت ہے جب پھر قصاص آتا ہے، قصاص کی صورت میں اس کو کوئی نفع نہیں، کیونکہ قصاص میں تو صرف قاتل کو سزا ملے گی، مرنے والے کو تو کوئی فائدہ نہیں، وہ تو چلا گیا دنیا سے، صرف قاتل کو کیا ہو گی؟ سزا، تو اس میں اس بیچارے ہاں دنیا والوں کا تو نفع ہے، قاتل کو جب قتل کیا جائے گا فتنہ وفساد میں کمی آئے گی یا نہیں آئے گی؟ فتنہ وفساد، تو دنیا والوں کو تو بے شک اس کے قتل سے نفع ہے لیکن خود مرنے والے کو کوئی نفع نہیں، لہٰذا اسی لیے شرط لگائی تھی کہ کہ وہ قتل ایسا نہ ہو جس کی وجہ سے ابتداءً کیا آجائے؟ دیت آجائے، کیونکہ دیت میں نفع ہے تو پھر غسل دیں گے، اور اگر قصاص آتا ہے تو پھر شہید ہی ہے۔ ہاں اگر ابتداءً قصاص آگیا پھر کسی مانع کی وجہ سے قصاص اٹھ گیا تو کوئی حرج نہیں۔ ابتداءً کیا آیا؟ قصاص، پھر مانع کی وجہ سے؟ تو کوئی حرج نہیں، پھر بھی یہ شہید ہی ہے، اس کو غسل نہیں دیں گے۔ مثلاً ایک آدمی نے دوسرے کو قتل کر دیا، اب قاتل پر کیا آئے گا؟ قصاص آئے گا، قصاص آئے گا، لیکن اس نے صلح کر لی اور صلح کا انہوں نے مقتول کے اولیاء نے کہا ہمیں دس لاکھ دے دو ہم تمہیں معاف کر دیتے ہیں، تو اولاً کیا آیا؟

قصاص، بعد میں اگر چہ مال بن جائے اس سے کوئی بحث نہیں ہے، اولاً تو قصاص آیا تھا لہٰذا یہاں شہادت ہی کے احکام جاری ہوں گے۔ یا اسی طرح باپ اگر اپنے بیٹے کو قتل کر دے، باپ بیٹے کو آلۂ قتل سے قتل کر دے تو اس صورت میں اولاً قصاص آتا ہے، کیا آتا ہے؟ قصاص، لیکن آپ نے فقہ میں مسائل کے اندر پڑھا ہو گا کہ پھر یہ قصاص باپ سے اٹھ جاتا ہے، کیوں اٹھ جاتا ہے؟ باپ کے احترام کی وجہ سے، کہ بیٹے کی وجہ سے باپ کو تکلیف نہ پہنچے، کیونکہ اولاد کو والدین کو تکلیف پہنچانے سے منع کیا گیا ہے، حتیٰ کہ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ» ان کو اف بھی نہ کہو، کسی تکلیف پر اف بھی نہ کہو، جب اف کہنے سے منع کیا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر تکلیف دینے سے تو بطریقِ اولیٰ منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر باپ کو قتل کیا جائے کس کی وجہ سے؟ بیٹے کی وجہ سے، تو قتل کی وجہ سے اس کو تکلیف ہو گی یا نہیں؟ تو اس تکلیف کا باعث کون بنا؟ بیٹا، اور بیٹوں کو تو والدین کو تکلیف پہنچانے سے منع، تو اس لیے اس وجہ سے یہاں قصاص ساقط ہو جائے گا، تو مانع کی وجہ سے مانع پایا گیا، ورنہ ابتداءً یہاں قصاص ہی آیا تھا، تو لہٰذا باپ نے اگر اپنے بیٹے کو قتل کیا اس طرح تو شہید ہی کے احکام جاری ہوں گے کیونکہ یہاں بھی اولاً دیت وغیرہ نہیں آئی بلکہ کیا آیا تھا؟ قصاص آیا تھا۔

«وَمَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي الْمِصْرِ غُسِلَ» اور جس کو مقتول پایا گیا شہر کے اندر، غسل تو اس کو غسل دیا جائے گا۔ قتیل بمعنی مقتول کے ہے بھائی۔ «لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر قسامت اور دیت واجب ہوتی ہے، قسامت اور دیت۔ «فَخَفَّ أَثَرُ الظُّلْمِ» تو ہلکا ہو گیا ظلم کا اثر۔ جب دیت آ گئی تو ظلم کا اثر کیا ہوا؟ کم ہو گیا، کم ہو گیا۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں۔

■ مسئلہ: إِلَّا إِذَا عُلِمَ

«إِلَّا إِذَا عُلِمَ» ہاں جبکہ مگر وہ صورت جبکہ یہ معلوم ہو: «أَنَّهُ قُتِلَ بِحَدِيدَةٍ ظُلْمًا» جب یہ معلوم ہو کہ اس کو قتل کیا گیا ہے «بِحَدِيدَةٍ» لوہے کے ساتھ، حدیدہ لوہے کو کہتے ہیں، «ظُلْمًا» لوہے کے ساتھ قتل کیا گیا ہے اور ظلماً قتل کیا گیا ہے، ظلماً قتل کیا گیا ہے۔ اور اس میں کیا آئے گا؟ قصاص، لیکن قصاص تب ہی آئے گا نا جب قاتل کا پتہ، قاتل کا پتہ ہی نہیں ہے پھر تو کیا آتی ہے؟ قسامت اور دیت آتی ہے، لہٰذا یہاں یہ قید یاد رکھنا کہ اگر قاتل کا پتہ نہیں چاہے اس کو گولی سے قتل کیا گیا ہو، وہاں قسامت بھی آئے گی اور توجہ ہے سبق کی طرف؟ چاہے گولی سے قتل کیا ہے، تلوار سے قتل کیا ہے ایک جگہ کسی محلے میں مرا ہوا ملا ہے تو وہاں قسامت اور دیت آتی ہے، پچاس آدمیوں سے قسم لے لی جاتی ہے اور پھر اس کے بعد ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ تو «إِلَّا إِذَا عُلِمَ أَنَّهُ قُتِلَ بِحَدِيدَةٍ ظُلْمًا» یہ وہ صورت بیان ہو رہی ہے جبکہ قاتل کا علم ہو، کیا ہو؟ قاتل کا علم ہو، تو پھر قصاص آئے گا اور قصاص تو قاتل کے لیے سزا ہے۔ مرنے والے کو تو اس کا کوئی نفع نہیں، لہٰذا اس کے ظلم مظلومیت میں کوئی کمی نہیں آئی، یہ اسی طرح مظلوم ہے، لہٰذا غسل نہیں دیا جائے گا۔

«إِلَّا إِذَا عُلِمَ أَنَّهُ قُتِلَ بِحَدِيدَةٍ ظُلْمًا» مگر یہ کہ جب یہ معلوم ہو کہ اس کو لوہے سے قتل کیا گیا ہے ظلم کرتے ہوئے، اور لوہے سے لوہا ہی نہیں مراد بھائی، کوئی بھی ایسی چیز کیونکہ لوہا لوہا تو انسان کو دوسرے کو لوہا مارے تو چاہے دھار ہو یا دھار نہ ہو وہ بچتا نہیں ہے، تو باقی سب چیزیں جو آلۂ قتل ہیں وہ بھی اس کے اندر آ گئے۔ «لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقِصَاصُ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر قصاص واجب ہوا ہے، «وَهُوَ عُقُوبَةٌ» اور قصاص تو کیا ہے؟ سزا ہے، اس میں مرنے والے کا کوئی فائدہ نہیں۔ «وَهُوَ عُقُوبَةٌ» اور وہ تو سزا ہے، «وَالْقَاتِلُ لَا يَتَخَلَّصُ عَنْهَا ظَاهِرًا إِمَّا فِي الدُّنْيَا وَإِمَّا فِي الْعُقْبَى» اور قاتل جو ہے وہ اس سے چھوٹ نہیں سکتا بظاہر، یا تو دنیا کے اندر اور یا آخرت میں۔ قاتل اس سزا سے چھوٹ نہیں سکتا بظاہر، یا تو دنیا میں ہی اگر پکڑا گیا تو اس کو سزا ملے گی، اور اگر دنیا میں سزا نہ ملی تو پھر آخرت میں تو اسے ضرور سزا ملے گی۔

«وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ مَا لَا يُلْبِثُ كَالسَّيْفِ» اور صاحبین فرماتے ہیں وہ چیز «مَا لَا يُلْبِثُ» جو ٹھہراتی نہیں، أَلْبَثَ يُلْبِثُ کا کیا معنی؟ ٹھہرانا، روکنا۔ جو ٹھہراتی نہیں، «كَالسَّيْفِ» وہ تلوار کی طرح ہے۔ جو چیز ٹھہراتی نہیں وہ یعنی جو چھوڑتی نہیں جو چیز، ایسی چیز ہے کہ جب وہ کسی کو ماری جائے تو انسان ٹھہرتا نہیں، فوراً ہی مر جاتا ہے، وہ بھی کس کے حکم میں ہے؟ تلوار کے حکم میں ہے، تلوار کے حکم میں۔ جو چیز کسی کو ماری جائے اور وہ اس کو چھوڑے نہ، یعنی کیا نہ چھوڑے؟ زندہ نہ چھوڑے، اس سے انسان بچتا نہ ہو، تو وہ بھی کس کی طرح ہے؟ تلوار۔ لہٰذا صاحبین کے نزدیک ایک آدمی نے دوسرے کو بڑا سا پتھر اٹھا کر مارا، بڑا سا پتھر، اور بڑا پتھر کسی کو مارا جائے وہ تو نہیں بچتا بھائی، تو وہ فرماتے ہیں یہ بھی تلوار کی طرح ہے، تلوار کی طرح ہے، اور لہٰذا اس کے اندر بھی قصاص آتا ہے، کیا آتا ہے؟ قصاص آئے گا، اور جہاں قصاص آئے وہاں پر وہ شہید ہے اور غسل نہیں دیا جاتا۔ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں، ان کے نزدیک صرف آلۂ قتل ہو یعنی کوئی تیز دھار والی چیز ہو تو پھر ہی قصاص آتا ہے، ویسے قصاص نہیں آتا۔ تفصیل آگے کتاب الجنایات میں آئے گی بھائی، وہ غالباً شاید اگلے سال کسی وقت آئے، تو اس میں تفصیل ہے، یہاں پر اس سال کے نصاب میں وہ شامل نہیں ہے۔

اسی طرح کسی بڑے کسی بڑے ڈنڈے سے کسی کو مارا بھائی، خوب موٹی لکڑی ہے، وہ بھی اگر کسی کو ماری جائے تو عموماً بچتا نہیں، تو صاحبین کے نزدیک وہاں بھی قصاص آئے گا، لیکن امام صاحب کے نزدیک وہاں قصاص نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے کہ «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ مَا لَا يُلْبِثُ كَالسَّيْفِ» اور صاحبین کے نزدیک وہ چیز جو ٹھہراتی نہیں یعنی زندہ نہیں چھوڑتی «كَالسَّيْفِ» وہ کس کی طرح ہے؟ تلوار کی طرح ہے، «وَيُعْرَفُ فِي الْجِنَايَاتِ إِنْ شَاءَ

سبق نمبر ۹۰: مسئلہ: وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَيْنُهُ، وَلَا يُنَ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

اللّٰهُ تَعَالَى » اور اس کو جانا جائے گا کتاب الجنایات کے اندر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

■ مسئلہ: وَمَنْ قُتِلَ فِي حَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِلَ وَصُلِّيَ...

« **وَمَنْ قُتِلَ فِي حَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ** » اور وہ شخص جس کو قتل کر دیا گیا حد کے اندر، اس پر حد جاری کی گئی، مثلاً شادی شدہ تھا اور اس نے زنا کر لیا اور پھر ثابت ہو گیا قاضی کے پاس تو اس کو رجم کیا جاتا ہے، تو اس کو رجم کر دیا گیا، تو یہ شخص کس چیز میں قتل کیا گیا؟ حد میں، « **أَوْ قِصَاصٍ** » یا جس کو کس میں قتل کیا گیا؟ قصاص میں، « **غُسِلَ** » اس کو غسل بھی دیا جائے گا « **وَصُلِّيَ عَلَيْهِ** » اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ بھائی ان کو کیوں غسل دیا جائے گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ بے گناہ مقتول نہیں، ظلماً مقتول نہیں۔ ان کا تو شریعت نے کیا قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ تو غسل بھی دیں گے اور نمازِ جنازہ بھی پڑھیں گے بھائی۔

صحابہ عجیب لوگ تھے بھائی، انسان عجیب عجیب بھائی، جتنا سوچتا ہے، جتنے واقعات پڑھتا ہے، حیرت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ صحابہ سے اگر کبھی کوئی خطا ہو جاتی، کوئی گناہ ہو جاتا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دیتے کہ یا رسول اللہ! مجھ سے یہ خطا ہو گئی ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔ چنانچہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو وہ ان سے یہ غلطی ہوئی زنا کی اور پھر حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔ حضور علیہ السلام نے رخ موڑ لیا، وہ دوسری طرف آئے اور پھر کہا یہی بات پھر کہی کہ مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔ حضور علیہ السلام نے پھر رخ موڑ لیا، وہ پھر دوسری طرف سے آئے: یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے، مجھ سے زنا سرزد ہوا ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔ یہاں تک کہ چار مرتبہ اقرار کر لیا۔ اور چار دفعہ صرف اقرار ضروری نہیں، چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار ضروری ہے، اور حضور علیہ السلام رخ بدل لیتے تھے، وہ دوسری طرف سے آ جاتے تھے تو مجلس بدل جاتی تھی، تو چار مرتبہ انہوں نے جب اس طرح مختلف مجلسوں میں اقرار کر لیا، یعنی اس کیا تو اسی موقع پر لیکن مجلس کیا تھی ان کی؟ بدل، تو پھر ان پر جب انہوں نے خود اقرار کر لیا اور چار مجلسوں میں تو ان کو حضور علیہ السلام نے رجم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کو رجم کر دیا گیا اور پھر ان کے چچا آئے حضور علیہ السلام کے پاس اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! ماعز کو رجم کر دیا گیا اور وہ کتے کی موت مارا گیا، اب فرمائیے اس کے ساتھ کیا کریں؟ حضور علیہ السلام فرمانے لگے: نہ اس طرح مت کہو، تمہیں نہیں معلوم، ماعز نے ایسی توبہ کی ہے اگر ساری دنیا والوں پر تقسیم کر دی جائے تو اللہ سب کی مغفرت فرما دیں گے۔ ایسی انہوں نے توبہ کی ہے۔

تو یہ صحابہ سے یاد رکھو ہمیشہ، صحابہ کے آپس میں کوئی اختلاف ہے یا کبھی کوئی غلطی آئے تو اس میں ہمیشہ ذہن میں یہ رکھیں کہ یہ وہ جلیل القدر ہستیاں ہیں کہ یہ یہ جو ان سے کوئی غلطی ہوئی بھی، کوئی غلطی اگر ہوئی بھی تو میں تو جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے بھی لکھا ہے کہ یہ عقیدہ انسان رکھے کہ صحابہ سے وہ جو غلطیاں ہوئیں وہ تکوینی طور پر من جانب اللہ کروائی گئیں تاکہ شریعت جیسے نماز وہ پڑھتے تھے شریعت کا حکم، روزہ رکھتے تھے، زکوٰۃ دیتے تھے، اسی طرح سزا والا حکم کس طرح نافذ کیا جاتا ہے، وہ تکوینی طور پر ان سے یہ غلطیاں کروائی گئیں تاکہ وہ سزا والے احکام بھی نافذ کر کے سب کے سامنے نمونہ اور مثال بنا دی جائے کیونکہ یہ دین صرف کچھ مدت کے لیے نہیں ہے بلکہ تا قیامت لوگوں کے لیے یہ دین ہے بھائی، تا قیامت لوگوں کے لیے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ان سے جو غلطیاں ہوئیں تو یہ عقیدہ کہ یہ ان سے تکوینی طور پر غلطیاں کروائی گئیں تاکہ یہ احکام لوگوں کے سامنے آ جائیں۔ اور جہاں کہیں اگر اور کوئی صورت نہ، وہاں یہ ذہن میں ہو کہ اللہ نے ان کو وفات سے پہلے توبہ کی توفیق دے دی ہو گی، کیونکہ یہ عام لوگ نہیں، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور ان کے تلامذہ ہیں بھائی۔ اچھا بھائی، تو اسی لیے تو حضور علیہ السلام نے ان پر ان کو غسل دینے اور ان پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا۔

تو کہتے ہیں: « **وَمَنْ قُتِلَ فِي حَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ** » اور جس کو حد یا قصاص میں قتل کر دیا گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی، « **لِأَنَّهُ بَذَلَ نَفْسَهُ لِإِيفَاءِ حَقٍّ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهِ** » اس لیے کیونکہ اس نے خرچ کر دیا اپنی جان کو، اپنی جان کو خرچ کر دیا یعنی اپنی جان دے دی « **لِإِيفَاءِ حَقٍّ** » ایسے حق کو ادا کرنے کے لیے « **مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهِ** » جو اس پر لازم تھا۔ کیونکہ اس نے کس چیز کے لیے جان دی ہے؟ بھائی جس کو حد میں قتل کیا گیا یا قصاص میں، تو اس نے اپنی جان دی کس چیز کے لیے؟ ایسے حق کے لیے اس نے اپنی جان دی ہے جو جس کی ادائیگی اس پر لازم تھی، تو ادائیگی کر دی یا نہیں کر دی اس نے؟ اس نے ادائیگی کر دی، اس لیے اس پر غسل اس کو دیں گے اس کو، غسل بھی دیں گے اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھیں گے۔ « **وَشُهَدَاءُ أُحُدٍ بَذَلُوا أَنْفُسَهُمْ لِابْتِغَاءِ مَرْضَاةِ اللّٰهِ تَعَالَى فَلَا يُلْحَقُ بِهِمْ** » جبکہ شہدائے احد جو ہیں انہوں نے اپنے جانوں کو خرچ کیا تھا، یعنی اپنی جانیں دے دی تھیں « **لِابْتِغَاءِ مَرْضَاةِ اللّٰهِ تَعَالَى** » اللہ کی رضا کی طلب کے لیے، اللہ کی رضا کو چاہتے ہوئے، « **فَلَا يُلْحَقُ بِهِمْ** » تو لہٰذا ان کو ان کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ انہوں نے اپنی جان دی ہے کیونکہ ان کے ذمے ایک حق کی ادائیگی تھی، وہ حق ادا کیا۔ جبکہ انہوں نے تو صرف اپنی جانیں کس لیے دی تھیں؟ اللہ کی رضا کے لیے دی تھیں، تو لہٰذا یہ ان کی طرح نہیں، تو لہٰذا ان کو غسل بھی دیں گے اور نمازِ جنازہ بھی پڑھیں گے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُغَاةِ أَوْ قُطَّاعِ الطَّرِيقِ...

«وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُغَاةِ أَوْ قُطَّاعِ الطَّرِيقِ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ» اور جو وہ جو قتل کر دیا گیا باغیوں میں سے «أَوْ قُطَّاعِ الطَّرِيقِ» یا ڈاکوؤں میں سے، «لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ» اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، «لِأَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ لَمْ يُصَلِّ عَلَى الْبُغَاةِ» اس لیے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باغیوں پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی بھائی۔ تو ان پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی بھائی۔

اچھا بھائی، شہید کا باب مکمل ہوا اور وہ خلاصۂ شرائط ایک دفعہ پھر سن لیجیے بھائی کہ شہید جو ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک شہید حقیقی اور ایک شہید اخروی۔ شہید حقیقی وہ ہے جو دنیاوی اعتبار سے بھی شہید ہے اور اخروی اعتبار سے بھی شہید ہے۔ دنیاوی اعتبار سے شہید ہے یعنی دنیا کے اندر جو شہید کے احکام ہیں وہ اس پر اس پر جاری ہوں گے، یعنی اس کو غسل بھی نہیں دیا جائے گا اور اس سے اس کے کپڑے بھی نہیں اتارے جائیں گے، خون وغیرہ نہیں صاف کیا جائے گا اور اس کو اسی طرح دفن کیا جائے گا، یہ ہوئے شہید کے دنیاوی احکام۔ اور اخروی اعتبار سے بھی وہ شہید ہے یعنی آخرت میں بھی اس کو شہید کا مقام اللہ تعالیٰ نصیب فرمائیں گے بھائی، تو یہ ہے شہید حقیقی۔ اور ایک ہے شہید اخروی۔ شہید اخروی وہ ہے کہ اخروی اعتبار سے تو شہید ہے لیکن دنیاوی اعتبار سے اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ اور پھر یہاں میں نے شرائط آپ کے سامنے ذکر کیں کہ شہید حقیقی کے لیے سات شرطیں ہیں بھائی، سات شرطیں۔ اور ان میں پہلی شرط یہ تھی کہ وہ مسلمان ہونا چاہیے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ وہ مکلف ہونا چاہیے یعنی عاقل اور بالغ ہو، لہٰذا مجنون اور نابالغ اس سے نکل گئے۔ تیسری شرط یہ تھی کہ وہ حدثِ اکبر سے پاک ہونا چاہیے، لہٰذا کوئی جنابت کی حالت میں ہے شہید ہوا ہے یا اسی طرح عورت ہے حیض یا نفاس کی حالت میں شہید ہوئی ہے تو وہ اس حکم سے خارج ہو گئے۔ اسی طرح یہ شرط بھی ذکر ہوئی تھی کہ بے گناہ مقتول ہو یعنی ظلماً اس کو قتل کیا جائے، لہٰذا کسی کو اگر قصاص میں یا حد کی وجہ سے رجم کر کے شہید کر دیا گیا تو وہ اس حکم سے نکل گئے کیونکہ وہ بے گناہ مقتول نہیں ہے بلکہ باقاعدہ شریعت کے حکم تھا ان کے قتل کا بھائی۔ اور پانچویں شرط یہ تھی کہ اگر وہ شہید ہونے والا کہ کسی مسلمان یا ذمی کے ہاتھ سے شہید ہوا ہے تو اس صورت میں آلۂ جارحہ کا ہونا ضروری تھا، کسی تیز دھار آلے کے ذریعے اس کو قتل کرے یا آلۂ قتل ایسی چیز جو بنی ہی کس لیے ہے؟ قتل کے لیے ہے جیسے تلوار ہے، بندوق وغیرہ ہے اور خنجر وغیرہ ہے تو ان کے ذریعے قتل کرے تو یہ کس صورت میں؟ جب قتل کرنے والا کون ہو؟ کوئی مسلمان یا ذمی ہو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو معلوم ہوا یہ ڈاکو وغیرہ یا کوئی مسلمان کسی کو قتل کرتا ہے تیز دھار آلے کے ذریعے تو وہ بھی کیا ہے؟ شہید ہے جبکہ باقی شرائط پوری ہوں۔ جبکہ اس کے مقابلے میں حربی کافروں، باغیوں یا ڈاکو جو ہیں، رہزن جو ہیں وہ قاطعِ طریق جو میں نے بیان کر دیا جو راستے میں ایسی جگہ پر ڈاکہ ڈالتے ہیں جہاں پر کوئی مدد کو پہنچنے والا بھی نہیں ہے بھائی، ان کے ہاتھ اگر مارا جائے تو پھر اس میں آلۂ قتل یا آلۂ جارحہ کی قید نہیں ہے، وہ جس طرح بھی قتل کر دیں وہ کیا ہے؟ شہید ہے، چاہے وہ اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کرتے بلکہ قتل کا باعث بن جاتے ہیں، جیسے میں نے مثال ذکر کی کہ جانور کو بھگایا، مسلمان جانور پر سوار تھا اور اس کے جانور کو ہی بھگایا تو مسلمان اس سے گرا اور مر گیا تو یہ شہید ہے بھائی۔ چھٹی شرط یہ تھی کہ وہ جس کو قتل کیا گیا ہے اس قتل کی وجہ سے ابتداء میں دیت یعنی مالی عوض نہ آتا ہو، مالی عوض نہ آتا ہو، اگر ابتداءً دیت آتی ہے یا دیت آتی ہے تو پھر اس صورت میں وہ شخص اس حکم سے خارج ہے، تو وہ دنیاوی اعتبار سے شہید نہیں۔ اور اس کی مثال میں نے ذکر کی اور ہدایہ کے اندر بھی ذکر آ گیا، مثلاً کوئی شخص کسی جگہ مرا ہوا پڑا ملا کسی محلے کے اندر، اگرچہ اس کو کس نے آلۂ قتل کے ذریعے قتل کیا، گولی ماری ہے یا تلوار سے قتل کیا ہے لیکن قاتل کا کوئی علم نہیں تو اس صورت میں قسامت آتی ہے، اور قسامت میں نے بتایا کس کو کہتے ہیں؟ کہ اس محلے کے پچاس آدمیوں سے کیا کی جاتی ہے؟ قسم لی جاتی ہے، وہ ولی جو ہے مقتول کے اولیاء ان کو منتخب کرتے ہیں کہ یہ یہ لوگ قسم کھائیں، اور اگر وہ پچاس سے کم ہوں تو پھر قسم دوبارہ بار سے لی جاتی ہے یہاں تک کہ پچاس قسموں کا عدد پورا ہو جائے بھائی، تو پھر اس کے بعد ان محلے والوں پر دیت کا فیصلہ ان کے خلاف کر دیا جاتا ہے، ان پر دیت لازم ہو کر دی جاتی ہے، تو دیکھیے اس صورت میں مال دیت آ گئی اور تو یہ ایسا مقتول جس کے قاتل کا علم نہیں اور محلے والوں پر کیا آ جاتی ہے؟ محلے والوں پر دیت آ جاتی ہے تو اس میں ابتداءً چونکہ مال آیا ہے لہٰذا اس پر بھی اخروی یہ اخروی اعتبار سے تو شہید ہے لیکن دنیاوی شہید کے احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے بھائی۔ اور ساتویں شرط یہ تھی کہ زخم لگنے کے بعد کوئی کوئی وہ راحت بھی یا زندگی کا نفع بھی وہ حاصل نہ کرے بھائی، حاصل نہ کرے، لہٰذا اگر کوئی وہ زخمی ہونے کے بعد اس نے کچھ کھایا، یا پیا، یا کچھ دیر سو گیا، یا اسی طرح اس نے کسی کے ساتھ خرید و فروخت کر لی، تو یہ سارے صورتوں میں وہ اس نے راحت زندگی کے حاصل کر لی تو اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ اسی طرح ہوش و حواس میں اس پر ایک نماز کا وقت بھی پورا نہ گزرے، کیونکہ اگر پوری نماز کا وقت گزر گیا تو وہ نماز اس کے ذمے آ گئی، اس پر اس کی قضا لازم ہو گئی اور یہ زندوں کے احکام میں سے ہے، تو لہٰذا اس صورت میں بھی اس پر دنیاوی احکام جاری نہ ہوں گے۔ اسی طرح زخمی ہونے کے بعد وہ زیادہ بہت زیادہ کلام بھی نہ کرے، کیونکہ زیادہ کلام کرنا بھی کس کی شان ہے؟ کس کے حال ہے یہ؟ یہ زندوں کا حال ہے۔ نیز اسی طرح یہ بھی آپ کو بتلایا کہ وہ دنیاوی وصیت بھی نہ کرے، اگر کسی دنیاوی معاملے کی اس نے وصیت کر دی تو پھر اس صورت میں بھی وہ اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے بھائی۔ ہاں اگر اخروی معاملے کی وصیت کی ہے اس نے تو پھر اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شہید ہی ہے اور اسی کو علماء نے ترجیح دی ہے بھائی۔ اور اسی طرح میدانِ جنگ میں اگر کوئی زخمی ہوا اور اس کو میدانِ جنگ سے منتقل کر لیا گیا تو اس صورت میں بھی یہ اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ لیکن میں نے تفصیل ذکر کر دی آپ کے سامنے کہ میدانِ جنگ سے جب منتقل کر لیا گیا اس کو یہ اس صورت میں ہے جب لڑائی رک چکی ہو، لڑائی رک چکی ہو، اور اگر ابھی لڑائی نہیں رکی اور اس دوران ہی اس کو منتقل کیا گیا ہے اور پھر اس نے ان نفعوں میں سے جو ذکر

ہوئے کوئی نفع بے شک اس نے اٹھا بھی لیا، چاہے اس کا کچھ علاج کر لیا گیا یا اس نے کچھ باتیں زیادہ کیں یا چاہے وہ کچھ سو گیا یا اس نے کچھ کھایا پیا، تو ان نفعوں میں سے بے شک کوئی نفع بھی اٹھالے اور پھر اس کے بعد اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو یہ شہید ہی ہے کیونکہ ابھی لڑائی جاری ہے، لڑائی جاری ہے۔ ہاں اگر لڑائی رک جائے اور تو پھر منتقل کیا ہے تو اس صورت میں وہ اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

اور ایک اور مسئلہ بھی یاد رکھیے بھائی، یہاں انہوں نے آپ کو بتلایا کہ باغیوں اور ڈاکوؤں میں سے اگر کسی کو قتل کر دیا جائے تو اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اسی طرح یاد رکھیے اگر کوئی بیٹا یا اگر اولاد جو ہے وہ اپنے والد یا والدہ کو قتل کر دے تو ان کی بھی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، وہ جو بیٹا ہے بیٹا ہے اس کو قتل کر دیا گیا، اس نے کیا کیا تھا مثلاً؟ اپنے والد یا والدہ کو کسی نے قتل کر دیا تو یاد رکھو اس کو جب قتل کیا جائے گا تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ اس نے عظیم جرم کیا، ایک تو ویسے قتل کا جرم تھا اور پھر قتل بھی کس کو کیا؟ اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا، لہٰذا اس شخص کی بھی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی بھائی، یہ جو قتل کرنے والا ہے۔

■ مسئلہ: بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

«بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ» یہ باب ہے بیت اللہ کے اندر کعبہ کے اندر نماز کے بیان میں۔ «الصَّلَاةُ فِي الْكَعْبَةِ جَائِزَةٌ» جی، یہ آخری باب آگیا بھائی کتاب الصلاۃ کا، اور ہونا تو اس باب کو پہلے چاہیے تھا لیکن صاحبِ ہدایہ نے اس کو آخر میں ذکر کیا کتاب الصلاۃ کے، کس لیے؟ برکت کے برکت کے طور پر تاکہ آخر میں کون سی نماز کا ذکر آجائے؟ جو بیت اللہ میں پڑھی جاتی ہے، تو بیت اللہ کا ذکر تاکہ آخر میں ہو جائے برکت کے طور پر۔

«بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ» یہ باب ہے بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں۔ «الصَّلَاةُ فِي الْكَعْبَةِ جَائِزَةٌ فَرْضُهَا وَنَفْلُهَا» نماز جو ہے خانہ کعبہ کے اندر جائز ہے، فرض بھی اور فرض نماز پڑھنا بھی جائز، نفل پڑھنا بھی جائز۔ یاد رکھیے بیت اللہ کے اندر نماز جائز ہے عند الاحناف، فرض بھی پڑھ سکتے ہیں آپ، نفل بھی پڑھ سکتے ہیں، جماعت بھی کروا سکتے ہیں۔ اور پھر رخ کس طرف کریں گے؟ یاد رکھیے جس طرف بھی رخ کر لیں، ہر طرف بیت اللہ ہی ہے، بیت اللہ ہی کی دیواریں ہیں، تو جس طرف بھی رخ کر کے انسان پڑھنا چاہے نماز، پڑھ سکتا ہے، نماز پڑھ سکتا ہے۔ تو یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ بیت اللہ کے اندر نماز جائز ہے فرض بھی اور نفل بھی، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ فِيهِمَا» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے «فِيهِمَا» ان دونوں میں، ان دونوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں، فرضوں میں بھی اور نفلوں میں، وہ فرماتے ہیں فرض پڑھنا بھی جائز نہیں اندر اور نفل پڑھنا بھی جائز نہیں۔ «وَلِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ فِي الْفَرْضِ» اور جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں صرف فرض میں، وہ فرماتے ہیں بیت اللہ کے اندر فرض نماز نہیں پڑھ سکتے، نفل نماز پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے یہاں جو ذکر آیا نا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرض اور نفل دونوں میں اختلاف کرتے ہیں، صاحبِ نہایہ فرماتے ہیں کہ یہ کسی لکھنے والے کی غلطی ہے، اس لیے کیونکہ شوافع کے نزدیک جو ہے ان کی کتابوں میں یہ درج ہے کہ بیت اللہ کے اندر فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور نفل بھی پڑھنا جائز ہے۔

اب دلیل آگے ذکر ہو رہی ہے کیوں جائز ہے بیت اللہ کے اندر نماز؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ يَوْمَ الْفَتْحِ» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے جوفِ کعبہ کے جوفِ کعبہ میں نماز پڑھی۔ جوف کہتے ہیں اندر والا حصہ، اندر والا حصہ۔ تو حضور علیہ السلام نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی «يَوْمَ الْفَتْحِ» یوم فتح والے دن یعنی فتح مکہ والے دن آپ نے بیت اللہ کے اندر نماز پڑھی۔ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بیت اللہ کے اندر نماز جائز ہے بھائی۔ «وَلِأَنَّهَا صَلَاةٌ اسْتَجْمَعَتْ شَرَائِطَهَا» اور اس لیے کیونکہ یہ ایسی نماز ہے کہ جمع ہیں اس میں اس کی ساری شرطیں۔ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھیں گے تو اس میں نماز کی ساری شرطیں ہیں یا نہیں؟ تو نہ ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں بنتی بیت اللہ کے اندر۔ کیا کیا ضروری تھا؟ جگہ کا پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، بدن کا پاک ہونا یعنی وضو ہونا، اور جو شرائط ہیں ساری پائی جا رہی ہیں۔ ایک شرط تھی استقبالِ قبلہ، قبلے کی جانب رخ ہونا چاہیے، اور بیت اللہ کے اندر بھی پڑھے گا تو جس طرف کو بھی رخ کرے گا سامنے بیت اللہ ہی کی دیوار ہے یا نہیں ہے؟ تو اس طرف بیت اللہ ہی ہے، تو ساری شرائط پائی گئیں لہٰذا نماز جائز ہونی چاہیے گی۔ تو یہ عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں: «وَلِأَنَّهَا صَلَاةٌ اسْتَجْمَعَتْ شَرَائِطَهَا» اور اس لیے کیونکہ یہ ایسی نماز ہے کہ جمع ہو گئی ہیں «شَرَائِطُهَا» اس کی ساری شرطیں، «لِوُجُودِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ» استقبالِ قبلہ پائے جانے کی وجہ سے، «لِأَنَّ اسْتِيعَابَهَا لَيْسَ بِشَرْطٍ» اس لیے کیونکہ پورے خانہ کعبہ کا استیعاب یہ شرط نہیں۔ بھائی آپ کہیں گے بیت اللہ کے اندر جو نماز پڑھتا ہے اس کا رخ تو ایک طرف والی دیوار کو ہوا، باقی جانب کو تو اس کا رخ نہیں، تو جواب یہ کہ بھائی بیت اللہ کی طرف رخ ہونا چاہیے نماز میں، پورے بیت اللہ کو گھیر لینا رخ کرتے ہوئے، آپ رخ اس طرح کریں کہ پورا بیت اللہ اس رخ پر ہو تو یہ شرط نہیں ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ اور نیز یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ بیت اللہ کے پاس بھی جا کر اگر آپ نماز پڑھیں گے تو دیکھیے کچھ حصہ آپ کے بیت اللہ دائیں طرف ہو گا، کچھ بائیں طرف ہو گا، درمیان میں آپ کا رخ ہے، تو استیعاب تو پورے بیت اللہ کو تو گھیرنا پھر بھی نہیں پایا گیا بھائی۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّ اسْتِيعَابَهَا لَيْسَ بِشَرْطٍ» اس لیے کیونکہ پورے بیت اللہ کا احاطہ کر لینا یہ شرط نہیں ہے۔

■ مسئلہ: فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فِيهَا

«فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فِيهَا» اچھا بھائی، یاد رکھیے بیت اللہ کے اندر اگر جماعت کروائیں، جماعت کروائیں اور امام کا رخ ایک دیوار کی طرف، ایک مقتدی کا رخ دوسری دیوار کی طرف، دوسرے مقتدی کا تیسری دیوار کی طرف، چوتھے کا چوتھی دیوار کی طرف، تو سب جائز ہے بھائی، نماز ہو جائے گی، نماز ہو جائے گی۔ ہاں البتہ ایک صورت میں نماز نہیں ہو گی کہ جب مقتدی امام سے آگے ہو۔ مقتدی کیا ہو؟ حالانکہ آگے امام کو ہونا چاہیے یا مقتدی کو؟ امام کو آگے، تو اگر مقتدی آگے ہو تو پھر اس صورت میں اس مقتدی کی نماز نہیں ہو گی۔ اور وہ کیا صورت ہے؟ کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ امام کا رخ مثلاً شمالی دیوار کی طرف ہے، شمال کی طرف جو دیوار ہے اس کی طرف رخ ہے، اور مقتدی کا رخ بھی شمالی دیوار کی طرف ہے لیکن اس کی پشت امام کی طرف بن رہی ہے۔ امام کے سامنے ہے نا تو پشت کس کی طرف ہے؟ امام کے چہرے کی طرف اس کی پشت ہے تو معلوم ہوا امام سے آگے ہے، امام سے آگے ہے۔ ہاں اگر اس کا رخ امام کی طرف ہو، امام کا رخ منہ شمال کی طرف اور مقتدی کا رخ جنوب کی طرف ہے، امام کے سامنے ہے لیکن اس کا منہ امام کے منہ کی طرف ہے تو پھر تو نماز ہو جائے گی، پھر تو نماز ہو جائے گی لیکن اگر امام سے اور دونوں کا رخ ایک ہی طرف ہے اور وہ امام سے آگے ہے تو پھر نماز نہیں۔ بھائی اس صورت میں بھی تو وہ امام کے آگے ہے، جب اس کا منہ امام کی طرف ہے؟ جی؟ امام کا رخ کس طرف؟ شمال کی طرف، اور امام کے سامنے مقتدی کھڑا ہوا ہے اس کا رخ ہے جنوب کی طرف، تو امام کے تو سامنے آ گیا، امام سے تو آگے ہو گیا۔ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس کو آگے ہونا نہیں کہتے، آگے ہونا اس کو کہتے ہیں کہ جب دونوں کا رخ ایک طرف ہو، میں اور زید شمال کی طرف دونوں چل رہے ہیں، زید کا رخ بھی شمال کو، میرا رخ بھی شمال، زید اب مجھ سے آگے ہو گا تو میں کہوں گا زید مجھ سے آگے ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اس کو آ، جب دونوں کا رخ ایک طرف ہو تب کہتے ہیں وہ اس سے آگے ہے ورنہ دیکھو آپ کہیں گے امام کا منہ شمال کی طرف، مقتدی کا رخ جنوب کی طرف اس کے سامنے کھڑا ہے، تو آپ کہتے ہیں یہ امام کے آگے ہے، نہیں، وہ کہے گا امام میرے آگے ہے، کہے گا یا نہیں؟ اگر امام کے منہ کے سامنے ہونے کا معنی یہ ہے وہ امام کے آگے ہے تو وہ کہے گا امام ہی تو میرے منہ کے آگے ہے، امام میرے امام مجھ سے آگے ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ ہاں تو لہٰذا ہاں اس صورت میں بعض صورتوں میں کراہت آئے گی لیکن نماز بہر حال ہو جائے گی بھائی، نماز بہر حال ہو جائے گی۔

تو کہتے ہیں: «فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فِيهَا فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ ظَهْرَهُ إِلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ جَازَ» اور اگر امام نماز پڑھے جماعت کے ساتھ بیت اللہ کے اندر، تو ان میں سے بعضوں نے اپنی پشت جو ہے اپنی کمر جو ہے امام کی پشت کی طرف کر لی جاز تو یہ جائز ہے یعنی نماز ہو جائے گی۔ «لِأَنَّهُ مُتَوَجِّهٌ إِلَى الْقِبْلَةِ» اس لیے کیونکہ وہ متوجہ ہے کس کی طرف؟ کیونکہ وہ بھی قبلے کی طرف متوجہ ہے، «وَلَا يَعْتَقِدُ إِمَامَهُ عَلَى الْخَطَأِ» اور وہ اپنے امام کے بارے میں غلطی پر ہونے کا اعتقاد بھی نہیں رکھتا۔ بھائی امام کا رخ شمال کی طرف ہے، وہ امام کے پیچھے کھڑا ہے اور جنوب کی طرف منہ رخ کیا ہوا ہے اس نے، تو دونوں کی کمر ایک دوسرے کی جانب ہے، تو تو بھی صحیح ہے کیونکہ مقتدی اس کا رخ کس طرف ہے؟ لیکن خانہ کعبہ کی طرف ہے یا نہیں؟ خانہ کعبہ کی طرف ہی اس کا رخ ہے، اور نیز کیا اس کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ جو میرے امام کھڑا ہوا ہے یہ غلط طرف اس نے کوئی رخ کیا ہوا ہے؟ نہیں، یہ اعتقاد بھی نہیں، تو لہٰذا اس کی نماز جائز ہے۔ «بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ التَّحَرِّي» بخلاف مسئلۂ تحری کے۔ تحری کا مسئلہ آپ نے پڑھا تھا، اندھیری تاریک رات ہے اور وہاں پر بیت اللہ کا پتہ نہیں کس طرف کو ہے، کسی جنگل وغیرہ میں کہیں پر ہیں اور یا قید میں ہیں کسی کمرے کے اندر اور پھر وہ نماز پڑھتے ہیں، اب وہاں پر وہاں پر ہر ایک اپنی تحری کر رہا ہے، جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں اور تحری کر رہے ہیں ہر ایک اپنا جو تحری کس کو کہتے تھے؟ غور کر کے، فکر کر کے جس طرف ذہن بنے، غالب رائے بنے کہ اس طرف قبلہ ہو گا، اس طرف رخ کرنا یہ کیا ہے؟ تحری ہے، یہ جو غور و فکر کیا اور غالب رائے بن گئی۔ تو تحری کے اندر البتہ ایسا نہیں۔ وہاں پر اگر ایک شخص نے تحری کی اور مقتدی ہے اور اس نے اس کے ذہن میں اس کے ذہن نے یہ کہا کہ شمال کی طرف ہو گا بیت اللہ، اس نے رخ شمال کی طرف کر لیا اور اس کو پتہ ہے امام نے مشرق کی طرف منہ کیا ہوا ہے، کس کی طرف؟ مشرق کی طرف، تو پھر صحیح نہیں، اس کا اقتداء کرنا ہی صحیح نہیں، کیونکہ جب یہ شمال کی طرف منہ کر رہا ہے اور اس کو پتہ ہے امام نے مشرق کی طرف منہ کیا ہوا ہے تو اس کے خیال میں امام نے صحیح طرف رخ کیا ہوا ہے یا غلط طرف رخ کیا ہے؟ غلط طرف رخ کیا ہوا ہے، تو اس کا اعتقاد یہ ہے اس لیے وہاں پر نماز نہیں ہو گی لیکن بیت اللہ کے اندر چونکہ یہ امام کا غلطی پر ہونے کا اعتقاد نہیں ہے اس لیے یہاں نماز ہو جائے گی۔ یہ معنی ہے: «وَلَا يَعْتَقِدُ إِمَامَهُ عَلَى الْخَطَأِ» اور وہ اعتقاد نہیں کرتا اپنے امام کے غلطی پر ہونے کا، «بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ التَّحَرِّي» بخلاف مسئلۂ تحری کے۔

«وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ ظَهْرَهُ إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ لَمْ تَجُزْ صَلَاتُهُ» اور ان میں سے جس نے اپنی پشت کو کر دیا امام کے چہرے کی طرف، «لَمْ تَجُزْ صَلَاتُهُ» اس کی نماز جائز نہیں یعنی امام کے آگے ہوا، کہاں ہوا؟ امام کے آگے ہوا۔ دائیں بائیں کھڑا ہے، دائیں بائیں کھڑا ہے تو پھر ٹھیک ہے بھائی۔ ہاں تو امام کے چہرے کی طرف اپنی پشت کر لی، «لَمْ تَجُزْ صَلَاتُهُ» اس کی نماز جائز نہیں، «لِتَقَدُّمِهِ عَلَى إِمَامِهِ» اس وجہ سے کہ یہ مقدم ہے اپنے امام پر۔

■ مسئلہ: وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَا...

«وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَتَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ» اچھا بھائی، بیت اللہ کے ارد گرد نماز پڑھتے ہیں یاد رکھیے وہاں پر بھی

امام سے آگے ہونا جائز نہیں۔ امام سے آگے، جیسے بیت اللہ کے اندر آپ نے پڑھ لیا امام سے آگے ہونا جائز نہیں ہے اور آگے ہونا تبھی ہو گا جبکہ اس کی مقتدی کی پشت کس کی طرف ہو؟ امام کے چہرے کی طرف ہو، باقی صورتوں کو آگے ہونا نہیں کہتے۔ اسی طرح بیت اللہ کے باہر بھی ہے، بیت اللہ کے باہر بھی دیکھیے بیت اللہ کے گرد لوگوں نے صفیں بنائی ہیں تو امام سے آگے ہونا یہاں بھی جائز نہیں۔ لیکن امام سے آگے ہونا صرف اس جانب میں جس طرف امام کھڑا ہے آگے ہونا جائز نہیں۔ دوسری جانب سے کوئی بیت اللہ کے زیادہ قریب بھی ہو جائے تو اس کو یہ نہیں کہیں گے یہ امام سے آگے ہے، ان کی نماز ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر آپ نے کبھی تصویر وغیرہ میں دیکھا ہو بیت اللہ کے پاس جو لوگ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں، آپ دیکھیں گے بیت اللہ کے جس جانب امام کھڑا ہوتا ہے تو مثلاً امام بیت اللہ سے دس پندرہ یا بیس گز دور کھڑا ہے تو اس جانب وہ آگے بیس گز ساری جگہ خالی ہو گی، وہاں کوئی نہیں کھڑا ہو گا لیکن بیت اللہ کی دوسری، تیسری اور چوتھی جانب جو ہے اس میں آپ دیکھیں گے صفیں بیت اللہ تک چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ سب سے اگلی صف والوں کے سر سجدے کے اندر بیت اللہ سے ٹکراتے ہیں بھائی۔ وہاں بیت اللہ تک صفیں، لیکن بالاتفاق ان سب کی نماز جائز ہے۔ کیوں؟ اس لیے کیونکہ وہ امام کی جانب میں آگے نہیں ہوئے، دوسری جانب سے آگے ہوئے ہیں۔ جس طرف امام ہے اگر اس طرف امام سے کوئی آگے ہو گا اور زیادہ قریب ہو گا بیت اللہ کے تو کہیں گے یہ امام سے آگے ہے، دوسری جانب سے کوئی زیادہ قریب ہو تو وہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ امام سے آگے ہے کیونکہ وہ تو امام کی جانب میں ہی نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ یہی بیان کر رہے ہیں: «وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَتَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ» اور جب امام نماز پڑھے مسجد الحرام میں تو حلقہ بنالیں گے لوگ بیت اللہ کے گرد، «وَصَلَّوْا بِصَلَاةِ الْإِمَامِ» اور وہ نماز پڑھیں گے امام کی نماز کے ساتھ، «فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ أَقْرَبَ إِلَى الْكَعْبَةِ مِنَ الْإِمَامِ جَازَتْ صَلَاتُهُ» تو ان میں سے جو زیادہ قریب ہوا کعبہ کے «مِنَ الْإِمَامِ» کس کے مقابلے میں؟ امام کے مقابلے میں بیت اللہ کے جو زیادہ قریب ہوا، «جَازَتْ صَلَاتُهُ» تو اس کی نماز جائز ہے، «إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي جَانِبِ الْإِمَامِ» جبکہ وہ امام کی جانب میں نہ ہو، قریب والا جو ہے وہ امام کی طرف جانب نہ ہو دوسری جانب ہو۔ «لِأَنَّ التَّقَدُّمَ وَالتَّأَخُّرَ إِنَّمَا يَظْهَرُ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجَانِبِ» اس لیے کیونکہ آگے اور پیچھے ہونا یہ اسی وقت ظاہر ہو گا جب جانب متحد ہو، جب ایک ہی جانب ہو سارے پھر ہی کہیں گے کوئی آگے ہے یا کوئی پیچھے ہے، دوسری جانب سے پھر نہیں۔

«وَمَنْ صَلَّى عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ جَازَتْ صَلَاتُهُ» اور جس شخص نے نماز پڑھی کعبہ کی پشت پر یعنی کعبہ کی چھت پر، کیا مراد ہے؟ اور جس شخص نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھی «جَازَتْ صَلَاتُهُ» اس کی نماز جائز ہے۔ ہاں البتہ آگے بتائیں گے کہ یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ کیا ہے؟ مکروہِ تحریمی ہے اس لیے کیونکہ بیت اللہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اور چھت پر نماز پڑھنے میں کیا ہے؟ ترکِ تعظیم ہے اس لیے مکروہِ تحریمی ہے۔ «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں نہیں جائز۔

دلیل بھائی، ہماری دلیل یہ کہ جائز ہے: «لِأَنَّ الْكَعْبَةَ هِيَ الْعَرْصَةُ» اس لیے کیونکہ کعبہ یہ صحن ہے، میدان ہے، «وَالْهَوَاءُ إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ عِنْدَنَا دُونَ الْبِنَاءِ» اور ہوا ہے آسمان کی بلندیوں تک ہمارے نزدیک نہ کہ عمارت۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی، جو شخص جو شخص بیت اللہ کے سامنے بیت اللہ جو شخص بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھتا ہے ہمارے نزدیک نماز ہو جائے گی، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نماز نہیں، ہم کہتے ہیں نماز ہو جائے گی۔ اس لیے اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ چھت پر پڑھ رہا ہے تو اس کے سامنے تو بیت اللہ نہیں ہے، تو ہم کہتے ہیں بیت اللہ صرف یہ اس عمارت اور اس کمرے کا نام نہیں ہے، بیت اللہ اس جگہ، یہ جو جگہ ہے یہ جگہ آسمان کی بلندیوں تک ساری فضا یہ کس کے حکم میں ہے؟ بیت اللہ ہی کے حکم میں ہے، تو لہٰذا اس کا رخ پھر بھی کس کی طرف ہے؟ بیت اللہ ہی کی طرف ہے، جیسے نیچے دیواریں تھیں تو اب اوپر کیا ہے؟ بیت اللہ کی فضا ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے: «لِأَنَّ الْكَعْبَةَ هِيَ الْعَرْصَةُ» اس لیے کیونکہ کعبہ جو ہے وہ وہ میدان ہے «وَالْهَوَاءُ» اور وہ فضا ہے «إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ» آسمان کی بلندیوں تک «عِنْدَنَا دُونَ الْبِنَاءِ» ہمارے نزدیک نہ کہ عمارت، عمارت کا نام نہیں ہے صرف، یہ ساری جگہ آسمانوں تک یہ ساری کعبہ ہے۔ لہٰذا فرض کریں فرض کریں اگر کوئی بیت اللہ کو یہاں سے منتقل کر کے دوسری جگہ لے جائے گا تو کیا دوسری طرف رخ کیا جائے گا؟ نہیں نہیں نہیں، رخ پھر بھی کیا کیا جائے گا؟ اسی طرف، کیونکہ بیت اللہ اس عمارت کا بالخصوص نام نہیں ہے بلکہ اس جگہ اور اس فضا آسمانوں تک ساری فضا کا نام کیا ہے؟ کعبہ ہے۔ یہ یہ معنیٰ ہے کہ «دُونَ الْبِنَاءِ» نہ کہ عمارت، «لِأَنَّهُ يُنْقَلُ» کیونکہ عمارت کو منتقل کر دی جاتی ہے۔

■ مسئلہ: أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ صَلَّى عَلَى جَبَلِ أَبِي...

«أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ صَلَّى عَلَى جَبَلِ أَبِي قُبَيْسٍ جَازَ وَلَا بِنَاءَ بَيْنَ يَدَيْهِ» کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر کوئی نماز پڑھنے والا نماز پڑھے جبلِ ابی قبیس پر، جبلِ ابی قبیس یہ بیت اللہ کے ساتھ پہاڑ ہے بھائی، بیت اللہ کے ساتھ پہاڑ ہے، اور کہتے ہیں روایات میں آتا ہے کہ زمین پر سب سے پہلا پہاڑ جو اللہ نے بنایا وہ یہ جبلِ ابی قبیس ہے بھائی۔ تو لہٰذا اگر کوئی نماز پڑھے جبلِ ابی قبیس پر جائز ہے، «وَلَا بِنَاءَ بَيْنَ يَدَيْهِ» اور کوئی عمارت اس کے سامنے نہیں۔ بھائی ہماری دلیل ذکر ہو رہی ہے، ہم نے کہا بیت اللہ اس کمرے کا نام نہیں ہے بلکہ اس فضا کا نام ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص بیت اللہ کے ساتھ پہاڑ ہے جبلِ ابی قبیس، اس پر چڑھ کر نماز پڑھے، اب جب اس پر نماز پڑھ رہا ہے تو بیت اللہ تو وہ نیچے ہے، اس کا رخ تو سامنے سیدھا ہے، تو اب سامنے رخ پہ کوئی عمارت ہے؟ سامنے تو کوئی کعبہ نہیں، لیکن کعبہ عمارت اور کمرے کا نام نہیں

ہے بلکہ ساری فضا کا نام ہے تو اسی لیے بالاتفاق اس کی نماز ہو جائے گی۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بیت اللہ صرف اس کمرے کا نام نہیں ہے۔ تو «**وَلَا بِنَاءَ بَيْنَ يَدَيْهِ**» اور حال یہ ہے کہ اس کے سامنے کوئی عمارت نہیں ہے۔

«**إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ**» مگر یہ یہ مکروہ ہے۔ بھائی اس کا تعلق یہ جبلِ ابی قبیس والے مسئلے سے نہیں ہے، اس کا تعلق وہ بیت اللہ کے متن میں جو آیا بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے، «**إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ**» مگر یہ مکروہ ہے، «**لِمَا فِيهِ مِنْ تَرْكِ التَّعْظِيمِ**» اس لیے کیونکہ اس کے اندر تعظیم کو چھوڑنا ہے، حالانکہ بیت اللہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔ «**وَقَدْ وَرَدَ النَّهْيُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**» نیز اس کے بارے میں نہی بھی آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے بھائی، منع فرمایا ہے۔ چلیے بس بھائی، «**هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**»۔

کتاب الزکاۃ

از وجوبِ زکوٰۃ و نصاب تا صدقۃ الفطر

سبق نمبر ۹۱: کتاب الزکاۃ: وجوبِ زکوٰۃ، نصاب اور شرائط

ہدایہ صفحہ: ۲۰۰ — بتاریخ: ۱۹ مارچ ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

كِتَابُ الزَّكَاةِ

الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْعَاقِلِ الْبَالِغِ الْمُسْلِمِ إِذَا مَلَكَ نِصَابًا مِلْكًا تَامًّا وَحَالَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ. أَمَّا الْوُجُوبُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى: «وَآتُوا الزَّكَاةَ»، وَلِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ»، وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ، وَالْمُرَادُ بِالْوَاجِبِ الْفَرْضُ لِأَنَّهُ لَا شُبْهَةَ فِيهِ. [1]

کتاب الزکاۃ۔ گزشتہ سبق میں کتاب الصلاۃ مکمل ہوئی، اور کتاب الصلاۃ کے بعد صاحب ہدایہ کتاب الزکاۃ لے کر آئے اتباع کرتے ہوئے قرآن کا۔ کیونکہ قرآن میں جہاں نماز کا ذکر آتا ہے، وہاں عموماً اس کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر آتا ہے بھئی۔ اور تقریباً بیاسی مقامات پر نماز کے ساتھ ساتھ کس کا حکم آتا ہے؟ زکوٰۃ کا حکم آتا ہے۔ تو اس لیے کتاب الصلاۃ کے بعد یہ کتاب الزکاۃ لے کر آئے۔

یاد رکھیے! عند الجمہور زکوٰۃ فرض ہوئی ہے سن دو ہجری میں بھئی، سن دو ہجری میں۔ اسی طرح رمضان کے روزے بھی سن دو ہجری میں فرض ہوئے ہیں۔ البتہ زکوٰۃ کی فرضیت روزوں کی فرضیت سے پہلے ہوئی۔ تو پہلے زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم آیا اور اس کے بعد روزوں کی فرضیت کا حکم آیا بھئی۔

اور عربی زبان میں زکوٰۃ کے کئی معانی آتے ہیں۔ زکوٰۃ کے کئی معانی آتے ہیں؛ جیسے زکوٰۃ کا ایک معنی ہے طہارت، طہارت، پاکی یعنی پاکی حاصل کرنا۔ اسی طرح زکوٰۃ کا ایک معنی ہے **نَمَاءٌ**، نماء یعنی زیادتی، بڑھوتری بھئی، افزائش، کسی چیز کا زیادہ ہونا، یہ کیا ہے؟ نماء۔ تو یہ بھی زکوٰۃ کا معنی آتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کا ایک معنی برکت کے بھی ہیں بھئی، برکت۔ اور اسی طرح زکوٰۃ کا ایک معنی مدح وثنا بھی ہے یعنی تعریف کرنا، مدح وثنا بھی ہے یعنی تعریف کرنا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو زکوٰۃ کے کئی معانی آتے ہیں عربی زبان میں: طہارت بھی ہے، نماء بھی ہے، یرحمک اللہ، طہارت بھی ہے، نماء بھی ہے، برکت بھی ہے، اور اسی طرح حمد وثنا بھی ہے۔ اور یہ چاروں معانی جو ہیں شرعی زکوٰۃ کے اندر پائے جاتے ہیں۔ شریعت میں تو زکوٰۃ وہ مخصوص مال جو اللہ کے راستے میں انسان نکال کر دیتا ہے، اس کو کہتے ہیں، اور اس کے اندر یہ چاروں معنی پائے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ دے گا تو یہ زکوٰۃ اس کے مال کی طہارت کا ذریعہ ہے، مال کیا ہو جائے گا اس سے؟ پاک ہو جائے گا۔ نیز زکوٰۃ جو ہے دے گا تو یہ مال کے بڑھنے کا سبب ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ مال دے گا اللہ کے راستے میں تو اس سے مال اور زیادہ ہو گا، کم نہیں ہو گا بھئی۔ اور اسی طرح زکوٰۃ دے گا تو یہ برکت کا باعث ہے بھئی، برکت کا، مال کے اندر برکت آ جائے گی۔ اور نیز زکوٰۃ ادا کرنا یہ مدح وثنا کا باعث ہے، قابلِ مدح وثنا ہے کہ ایک شخص کیا کر رہا ہے؟ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر عمل کر رہا ہے، اور فقراء کو مال دے رہا ہے بھئی۔ تو یہ سارے معانی کس کے اندر پائے جاتے ہیں؟ زکوٰۃ کے جو شرعی معنی ہے زکوٰۃ کا، اس میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اور شرعاً زکوٰۃ کسے کہتے ہیں؟ تعریف لکھ لیجیے بھئی، زکوٰۃ کی تعریف لکھ لیجیے۔

الزَّكَاةُ هُوَ تَمْلِيكُ جُزْءِ مَالٍ عَيَّنَهُ الشَّارِعُ مِنْ مُسْلِمٍ فَقِيرٍ غَيْرِ هَاشِمِيٍّ وَلَا مَوْلَاهُ مَعَ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِلَّهِ تَعَالَى.

[1] حوالۂ آیت (شاملہ ص ۱۲۴): (البقرة ۴۳)، ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۲۴): «وآله»۔

تملیک، «مَلَّكَ يُمَلِّكُ تَمْلِيكًا» کا کیا معنی ہوتا ہے؟ مالک بنانا۔ مملک، مالک بنانے والا، اسی تملیک سے ہے، اسم فاعل کا صیغہ۔ تو زکوٰۃ کی اصطلاحی تعریف کیا ہوئی؟ **هُوَ تَمْلِيكُ جُزْءِ مَالٍ عَيَّنَهُ الشَّارِعُ مِنْ مُسْلِمٍ فَقِيرٍ غَيْرِ هَاشِمِيٍّ وَلَا مَوْلَاهُ مَعَ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِلَّهِ تَعَالَى.**

تو معنی بھی اس کا سمجھ لیجیے بھئی کہ زکوٰۃ اصطلاحِ شریعت میں: «هُوَ تَمْلِيكُ جُزْءِ مَالٍ» وہ مالک بنانا ہے مال کے ایسے جز کا «عَيَّنَهُ الشَّارِعُ» جس کو شارع نے یعنی اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کیا ہے۔ زکوٰۃ کسے کہتے ہیں؟ مال کے ایک مخصوص جز کا مالک بنانا، وہ جز جسے کس نے متعین کیا ہے؟ شارع نے متعین کیا ہے۔ اور کس کو مالک بنانا؟ «مِنْ مُسْلِمٍ فَقِيرٍ»، یہ «مِنْ» صلہ ہے تملیک کا، تملیک کا صلہ «مِنْ» آتا ہے۔ مالک بنانا کس کو؟ «مِنْ مُسْلِمٍ فَقِيرٍ» کسی ایسے مسلمان فقیر کو «غَيْرِ هَاشِمِيٍّ» جو ہاشمی نہ ہو، یعنی سید نہ ہو، حضور علیہ السلام کے خاندان کا نہ ہو۔ «وَلَا مَوْلَاهُ» اور مولیٰ سے مراد ہے معتق بھئی، معتق، جس کو آزاد کیا گیا ہو۔ «وَلَا مَوْلَاهُ» اور اس کا معتق بھی نہ ہو، یعنی ہاشمی کو بھی نہیں دے سکتے اور جو اس ہاشمی کا معتق ہے، آزاد کردہ غلام ہے، اس کو بھی نہیں دے سکتے۔

■ مسئلہ: مَعَ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُ...

«مَعَ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ» اور یہ کہ وہ جو نفع ہے یعنی زکوٰۃ کے دینے میں مملک جو ہے یعنی مالک بنانے والا، یعنی وہ جو زکوٰۃ دینے والا ہے جو فقیر کو کیا کر رہا ہے؟ زکوٰۃ کا مالک بنا رہا ہے، تو یہ جو مملک ہے مالک بنانے والا، اس سے نفع کو کاٹتے ہوئے «مِنْ كُلِّ وَجْهٍ» ہر اعتبار سے، یعنی مالک کو اس زکوٰۃ کے دینے میں کوئی نفع نہ ہو۔ زکوٰۃ کے دینے میں کوئی نفع نہ ہو، یہ نہ ہو کسی دنیاوی مقصد کے لیے کسی کو مال دے رہا ہے، وہ زکوٰۃ نہیں ہو سکتی بھئی۔ زکوٰۃ صرف کس لیے دی جائے گی؟ اللہ کی رضا کے لیے ہو گی۔ تو لہٰذا اس میں اگر مالک کا نفع ہے تو یہ درست نہیں ہے بھئی۔ اور نیز «لِلَّهِ تَعَالَى» کس لیے ہو گی یہ زکوٰۃ؟ اللہ کی رضا کے لیے ہو گی بھئی۔

معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟ تو زکوٰۃ کہتے ہیں وہ اپنے مال کے کسی جز کا مالک بنانا، وہ جز جسے شارع نے متعین کیا ہے، کسی مسلمان ایسے مسلمان فقیر کو جو غیر ہاشمی ہو اور اس کا معتق بھی نہ ہو، اور ساتھ یہ کہ مالک بنانے والا جو ہے یعنی زکوٰۃ دینے والا ہے اس کو کوئی نفع نہ ہو کسی بھی لحاظ سے، اور کس لیے دے رہا ہو؟ صرف اللہ کی رضا کے لیے۔

تو دیکھیے مالک بنانا ہے مال کے جز کا، مالک بنانا ہے مال کے جز کا، یہ چالیسواں حصہ یعنی یا وہ دسواں، چالیسواں حصہ جو عام سونے چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ میں یا وہ دسواں حصہ جو عشر میں آتا ہے بھئی، تو یہ ادا کرنا۔ اور کس نے متعین کیا ہے؟ شارع نے یعنی اللہ اور اس کے رسول نے متعین کیا ہے۔

■ مسئلہ: مِنْ مُسْلِمٍ

«مِنْ مُسْلِمٍ»، مسلم کی قید کے ذریعے کافر کو نکال دیا۔ زکوٰۃ کے اندر مالک بنانا ضروری ہے بھئی، پہلی قید آئی «تَمْلِيكُ جُزْءِ» مالک بنانا، لہٰذا معلوم ہوا کسی وقف چیز کے اندر زکوٰۃ نہیں خرچ کی جا سکتی۔ لہٰذا اگر کوئی مسجد پر زکوٰۃ لگانا چاہتا ہے، ہسپتال پر لگانا چاہتا ہے، کوئی سڑک بنوانا چاہتا ہے، نہیں بھئی زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ زکوٰۃ کے اندر کسی فقیر محتاج کو مالک بنانا ضروری ہے، اس کو دینا ضروری ہے۔ تو یہ تملیک کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ مالک بنانا ضروری۔

اگلی قید آئی «مِنْ مُسْلِمٍ»، وہ جس کو زکوٰۃ دی جا رہی ہے وہ فقیر اور محتاج کس طرح کا ہونا چاہیے؟ مسلمان ہونا چاہیے، لہٰذا کافر کو زکوٰۃ دی جائے تو ادا نہیں ہو گی بھئی، ادا نہیں ہو گی۔ کفار کسی کی مدد کرنا چاہتا ہے ویسے صدقہ، نفلی صدقہ یعنی خیرات وغیرہ کر سکتا ہے، لیکن زکوٰۃ اس کو نہیں دے سکتا بھئی۔

«غَيْرِ هَاشِمِيٍّ» کی قید آ گئی بھئی، غیر ہاشمی، کہ وہ محتاج جو ہے جو ضرورت مند ہے وہ ہاشمی نہیں ہونا چاہیے، حضور علیہ السلام کے خاندان کا نہ ہو، حضور علیہ السلام کی اولاد میں سے نہ ہو۔ «وَلَا مَوْلَاهُ» اور نہ کسی ہاشمی کا معتق ہو، اس کا آزاد کردہ بھی نہیں ہونا چاہیے، اس کو بھی نہیں دے سکتے۔

اور نیز اگلی قید آئی «مَعَ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ» کہ مالک سے مالک کو اس میں کسی قسم کا کوئی نفع نہ ہو بھئی، «لِلَّهِ تَعَالَى» اور کس لیے ہو؟ اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے بھئی، اور کوئی مقصد نہیں اس میں۔ اور سمجھ میں آیا؟ تو یہ تعریف علماء نے لکھی ہے زکوٰۃ کی۔

اور یاد رکھیے یہاں ایک اور قید بھی معتبر ہے، ایک اور قید، اور وہ یہ: «وَلَا يَكُونُ الْآخِذُ أَصْلًا وَلَا فَرْعًا لَهُ» بھئی، کہ لینے والا جو ہے، زکوٰۃ لینے والا وہ زکوٰۃ دینے والے کی اصل یا فرع نہ ہو۔ معلوم ہوا زکوٰۃ اپنے والدین کو دینا صحیح نہیں۔ دادا دادی کو دینا صحیح نہیں، کیونکہ وہ زکوٰۃ دینے والے کے لیے اصل ہیں، اصل ہیں، ان کو دینا صحیح نہیں۔ اسی طرح جو اس زکوٰۃ دینے والے کی فرع ہے یعنی اولاد جو ہے، اس کو بھی زکوٰۃ دینا صحیح نہیں۔ ہاں بھائی بہنوں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اگر وہ الگ ہیں اور ضرورت مند ہیں تو ان کو دے سکتے ہیں بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟ اپنے اصول و فروع کو زکوٰۃ دینا درست نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ ہاں بھائی بہنوں وغیرہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں بھئی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے، یہ بھی یاد رکھیے زکوٰۃ صرف سونے، چاندی، سونے، چاندی، مالِ کرنسی جو کرنسی ہے، سوناچاندی ہے، کرنسی ہے، اور مالِ تجارت، صرف ان مالوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کس کس چیز میں؟ سونا ہے، چاندی ہے، کرنسی ہے، اور مالِ تجارت جو ہے مالِ تجارت۔ اور جانوروں وغیرہ میں زکوٰۃ اس کی آگے تفصیل آرہی ہے، تو عام مال وغیرہ جو ہے اس میں صرف سونے کو دیکھیں گے، چاندی کو دیکھیں گے، کرنسی اگر کوئی ہے کسی بھی قسم کی اس کرنسی کو دیکھا جائے گا، اور مالِ تجارت جو ہے۔

اور مالِ تجارت یاد رکھیے وہ ہے جس کو انسان خرید تا ہی اس نیت سے ہے کہ اس کو آگے بیچے گا، جس کو آگے بیچے گا اور نفع کمائے گا، وہ ہے مالِ تجارت۔ تو کس کس چیز کے اندر زکوٰۃ ہے بھئی؟ سونا ہے، چاندی ہے، اور کرنسی ہے، اور مالِ تجارت ہے، اس کے اندر زکوٰۃ ہے۔ اور مالِ تجارت کس کو کہتے ہیں؟ انسان جس کو خرید تا ہی اس نیت سے ہے کہ بعد میں کل میں اس کو بیچ کر نفع کماؤں گا، تو یہ مالِ تجارت ہے۔ چاہے اس نیت سے کوئی گاڑی خریدی ہے، چاہے اس نیت سے کوئی پلاٹ خریدا ہے، چاہے اس نیت کے ساتھ اور چیزیں دکان کی خریدی ہیں، یہ ساری کس کے اندر داخل ہیں؟ مالِ تجارت کے اندر داخل ہیں، مالِ تجارت میں۔

اور جو چیز تجارت کے لیے نہیں خرید تا، اپنے استعمال کے لیے یا گھر کے لیے خرید تا ہے تو یاد رکھنا گھر کے سامان پر زکوٰۃ نہیں، چاہے کروڑوں ہی کا کیوں نہ ہو۔ سمجھ میں آیا؟ گھر کے سامان پر، استعمال کی چیزوں کے اندر اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ضابطہ میں نے ذکر کر دیا، کیونکہ زکوٰۃ صرف کس کے اندر ہے؟ سونے، چاندی، کرنسی اور مالِ تجارت، اور گھر کا سامان تو تجارت کے لیے نہیں ہوتا جتنا بھی زیادہ کیوں نہ ہو بھئی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے، ایک چیز آپ نے خریدی تجارت کی نیت سے، تجارت کی نیت سے تو اس میں کیا آئے گی؟ زکوٰۃ، لیکن خریدنے کے بعد آپ کی نیت بدل گئی، آپ نے کہا چھوڑو میں اس کو بیچتا نہیں ہوں، اپنے لیے یہ گھر پر استعمال کے لیے رکھ لیتا ہوں، آپ وہ چیز میں آپ کی تجارت کی نیت آپ نے ختم کر دی، بس بھئی زکوٰۃ اس پر سے ختم ہوگئی۔ اب وہ مالِ تجارت نہ رہا کیونکہ آپ نے کس لیے مخصوص کر لیا اس کو؟ اپنے استعمال کے لیے، گھر کے لیے بھئی۔ پھر کل کو آپ کی نیت دوبارہ بن گئی کہ چلو اب میں بیچتا ہوں، اس سے نفع کماتا ہوں، پھر بھی یاد رکھو زکوٰۃ نہیں، ہاں جب اس کو بیچ دیں گے، پیسے آئیں گے تو ان پر زکوٰۃ آئے گی بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

اور یہ بھی یاد رکھیے، کرائے پر دینے کے لیے اگر چیزیں کسی نے رکھی ہوئی ہیں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ لہٰذا آپ نے کئی گھر رکھے ہوئے ہیں آپ کرایہ پر دیتے ہیں، تو ان میں زکوٰۃ نہیں، کیونکہ وہ گھر بیچنے کے لیے تو نہیں رکھے آپ نے، بیچنے کے لیے نہیں، تو کرایہ پر دینے کے لیے جو چیزیں ہوں یا اسی طرح ایک شخص ہے اس نے کئی گاڑیاں رکھی ہوئی ہیں، کئی گاڑیاں رکھی ہوئی ہیں لیکن گاڑیاں وہ بیچتا نہیں ہے بلکہ کس لیے ہیں؟ کرایہ پر دیتا ہے، تو پھر ان میں بھی زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر گاڑیاں آگے بیچنے کے لیے رکھی ہیں، آپ کا شوروم ہے اور آپ نے گاڑیاں رکھی ہیں، تو یہ تو بیچنے کے لیے ہیں، یہ سامانِ تجارت ہے، اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہوگی بھئی، زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جی اب دیکھیے کتاب پر بھئی:

■ مسئلہ: كِتَابُ الزَّكَاةِ، الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى الْ...

«كِتَابُ الزَّكَاةِ، الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْعَاقِلِ الْبَالِغِ الْمُسْلِمِ»، زکوٰۃ واجب ہے یعنی فرض ہے، واجب یہاں کس معنی میں ہے؟ فرض کے معنی میں ہے، آگے صاحبِ ہدایہ بھی آپ کو بتلائیں گے۔ «الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْعَاقِلِ الْبَالِغِ الْمُسْلِمِ»، زکوٰۃ واجب ہے «عَلَى الْحُرِّ» آزاد آدمی پر، وہ آزاد آدمی «الْعَاقِلِ» جو عقل رکھنے والا ہو، عاقل ہو، سمجھ میں آیا؟ ہاں عاقل سے تو مجنون نکل گیا۔ آگے «الْبَالِغِ» کی قید آئی، اس کے ذریعے نابالغ نکل گیا۔ «الْمُسْلِمِ» اور کس پر یہ واجب ہوتی ہے زکوٰۃ؟ مسلمان پر واجب ہوتی ہے۔

کب واجب ہوتی ہے؟ «إِذَا مَلَكَ نِصَابًا مِلْكًا تَامًّا»، جب وہ مالک ہو نصاب کا، نصاب کا۔ جو سونے اور چاندی وغیرہ کا نصاب ہے آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ ساڑھے سات تولے سونا ہو اگر کسی کے پاس اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس سے کم ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی ہے اور اس پر سال گزر گیا تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے، اگر اس سے کم ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یا ان کی قیمت کے برابر سامان، قیمت کے برابر کرنسی ہے یا سامانِ تجارت ہے تو اس پر سال گزر جائے تو پھر اس میں سال گزر جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ واجب نہیں۔

اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری بات بھئی، سونے کا نصاب کتنا بتایا؟ ساڑھے سات تولے۔ اس سے کم ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں، یہ اس صورت میں ہے جب اس شخص کے پاس صرف سونا موجود ہے، کرنسی کا ایک روپیہ بھی اس کے پاس نہیں، چاندی کا تھوڑا ایک ذرہ بھی چاندی اس کے پاس نہیں، اور سامانِ تجارت ایک روپے کا بھی اس کے پاس نہیں ہے، صرف سونا ہی سونا ہے۔ تو اب دیکھو ساڑھے سات تولے ہے اور سال گزر گیا ہے تو زکوٰۃ آئے گی، ورنہ زکوٰۃ نہیں آئے گی اگر اس سے کم ہوا۔ یا دوسری صورت، صرف چاندی ہے، نہ اس کے پاس کوئی سونا ہے معمولی سا بھی، نہ اس کے پاس کرنسی ہے، نہ اور کوئی مالِ تجارت ہے، صرف چاندی ہے تو دیکھو ساڑھے باون تولے چاندی اس وقت اس کی قیمت اتنی ساڑھے باون تولے ہے تو زکوٰۃ ہوگی سال کے بعد، ورنہ زکوٰۃ نہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟

لیکن اگر کسی کے پاس سونا بھی ہے تھوڑا سا، چاندی بھی ہے تھوڑی سی، یا ان کے ساتھ کچھ کرنسی بھی ہے یا سامانِ تجارت ہے، تو پھر ساروں کو ملا کر دیکھیں گے کہ ان

کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی تک پہنچتی ہے یا نہیں؟ اگر ساڑھے باون تولے چاندی تک ان کی قیمت پہنچتی ہے تو اس میں زکوٰۃ آئے گی جب سال گزر جائے ورنہ زکوٰۃ نہیں۔

اور ساڑھے سات تولے سونے کا اعتبار نہیں کیا، ساڑھے باون تولے چاندی کا اعتبار کیا گیا کیونکہ چاندی سستی ہے، تھوڑا مال ہی اس تک پہنچ جائے گا تو اس میں فقیروں کا فائدہ ہے۔ اور سونا تو بڑا مہنگا ہے تو وہاں تک تو اگر اس کو متعین کر لیں تو وہاں تک زیادہ مال چاہیے ہو گا تو تھوڑے کے اندر زکوٰۃ آئے گی نہیں اور پھر فقیروں بیچاروں کا نقصان ہو گا۔ سمجھ میں آیا؟

لہٰذا ایک شخص جو ہے اس کے پاس صرف صرف آدھا تولہ سونا ہے اور ایک روپیہ بھی تھا اس کے پاس جب سال پورا ہوا، کتنا سونا؟ آدھا تولہ، ایک، فرض کریں ویسے بتا رہا ہوں کچھ تھوڑی سی کرنسی بھی ہے سو روپیہ ہے، پچاس روپے، دو سو روپے جتنی بھی ہے۔ اب ایک چیز ہے یا دو چیزیں آ گئیں؟ دو آ گئیں، بس جب دو آ جائیں گی تو پھر کیا کرو؟ دیکھو ساڑھے باون تولے چاندی تک یہ پہنچتے ہیں یا نہیں؟ صرف سونا ہوتا تو ہم کہتے دیکھتے ساڑھے سات تولے تک ہے یا نہیں، لیکن اب تو دوسری چیز بھی ساتھ آ گئی، اب کیا دیکھو؟ ان کی قیمت لگاؤ اور آدھا تولہ سونا کتنے کا ہے آج کل؟ جی کوئی تیس ہزار کے لگ بھگ ہے، اور ساتھ کوئی دو سو روپے بھی مثلاً اس کے پاس ہیں تو یہ تیس ہزار دو سو روپے ہو گئے اس کے پاس۔ اب اس دو چیزیں آ گئیں تو دیکھیں گے اس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی تک پہنچتی ہے یا نہیں؟ چاندی کا ہم نے حساب لگایا ساڑھے باون تولے چاندی بھئی، چاندی کس طرح آج کل تولہ؟ جی، بارہ تیرہ سو روپے ہے، تو حساب لگایا ساڑھے باون تولے کو تیرہ سے ضرب دیں بھئی کتنا بنتا ہے؟ تولہ تیرہ سو روپے کا ہے نا، اس کے لگ بھگ، کتنا بتا رہے ہیں آپ؟ جی، پینسٹھ ہزار؟ ہاں پینسٹھ ہزار، پورا حساب جتنے تولہ جتنے کا ہے وہ قیمت کا پتہ کر کے اس سے حساب لگایا جائے گا، تو مثلاً یہ بنتا ہے پینسٹھ ہزار۔ تو لہٰذا اس میں زکوٰۃ نہیں آئے گی، لیکن اگر یہی سونا ہوتا کوئی تولہ سوا تولے کے لگ بھگ، تو یہ اب سوا تولہ سونا ہے اور ساتھ تھوڑی سی کرنسی ہے، تو اگر صرف سونے کے نصاب کو دیکھا جائے پھر تو یہ پورا نہیں کیونکہ صرف سوا تولہ ہے اور سونے کا نصاب تو کتنا؟ ساڑھے سات، لیکن یہاں اب جب کرنسی بھی تھوڑی سی ساتھ آ گئی یا کچھ سامانِ تجارت آ گیا یا کچھ تھوڑی سی چاندی آ گئی، تو اب چاندی کا اعتبار کریں گے، اب دیکھو ساڑھے باون تولے چاندی تک اس کی قیمت پہنچ گئی ہے تو لہٰذا اس میں کیا دینا پڑے گی؟ زکوٰۃ جبکہ اس پر سال گزر جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور یہ بھی یاد رکھنا، سال گزر جائے، سال کے اول اور آخر کا اعتبار ہے، درمیان کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا سال کے شروع میں ایک شخص کے پاس نصاب پورا تھا، کیا تھا؟ نصاب پورا تھا ساڑھے سات تولے سونے یا ساڑھے باون تولے چاندی یا ان کے بقدر مال تھا، اور پھر سال کے بیچ میں مال بڑا تھوڑا رہ گیا، اور آٹھ دس مہینے درمیان میں اسی طرح گزرے مال بڑا ہی تھوڑا تھا اس کے پاس، لیکن آخری مہینے میں جا کر پھر سال جب پورا ہوا تو نصاب کو مال پہنچ رہا تھا یا اس سے زائد تھا، تو بس زکوٰۃ دینی پڑے گی بھئی، کیونکہ کس کا اعتبار ہے؟ اول اور آخر کا اعتبار ہے، درمیان میں اگر مال کچھ کم بھی ہو جائے اس سے فرق نہیں پڑتا بھئی، فرق نہیں پڑتا۔

ہاں ایک صورت میں، ایک صورت میں فرق پڑے گا، وہ یہ کہ جب سال کے بیچ میں کسی وقت مال سارا ہی ختم ہو گیا، بالکل ختم ہو گیا مال سارا کچھ، تو اب اب پھر سال کے آخر میں مال آ گیا لیکن اب نہیں اس کا اعتبار، جب درمیان میں مال ختم ہو گیا تو بس اب حساب ختم ہوا، اب جب جس دن اس کے پاس نصاب کے بقدر مال آ جائے گا، اس دن سے سال شروع ہو گا دوبارہ، دوبارہ حساب لگایا جائے گا، اس دن سے سال شروع ہو گا اور پھر اگلے سال جب وہ دن آ جائے گا اور اس دن پھر دیکھا جائے گا اب اس کے پاس نصاب ہے یا نصاب نہیں ہے، پھر زکوٰۃ آئے گی اس کے مطابق۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ جی اب دیکھیے کتاب پر:

تو کہتے ہیں زکوٰۃ واجب ہے آزاد، عاقل، بالغ مسلمان پر «**إِذَا مَلَكَ نِصَابًا مِلْكًا تَامًّا**» جب وہ مالک ہو نصاب کا۔ نصاب یہ جو شریعت نے مقرر کیا ہے جس مال کے اندر زکوٰۃ آتی ہے اور اس سے کم ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں آتی، یہ نصاب کہلاتا ہے۔ تو جب وہ شخص مالک ہو کس کا؟ نصاب کا، «**مِلْكًا تَامًّا**» اور کس طرح کا مالک ہو؟ ملکِ تام کے ساتھ یعنی پوری ملکیت حاصل ہو، پوری ملکیت، یعنی مال اس کے قبضے میں بھی ہو اور یہ مالک بھی ہے اور اس کے قبضے اور تصرف میں بھی ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ پوری ملکیت حاصل ہے، جس طرح اس کو خرچ کرنا چاہتا ہے جو اس میں تصرف کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے، پورا مالک ہے مال کا۔

لہٰذا مکاتب نکل گیا، غلام بھی نکل گئے کیونکہ غلام تو خیر غلام تو وہاں حر کی قید سے بھی نکل گئے تھے اور نیز وہاں مکاتب جو ہے مکاتب، تو مکاتب جو ہے وہ مال کا مال پر اس کا قبضہ تو ہوتا ہے، مکاتب جانتے ہیں بھئی؟ کہ وہ غلام جس کو آقا نے کہہ دیا ہو کہ اگر تم مجھے مثلاً دس لاکھ روپے ادا کر دو گے تو تم میں پھر تو پھر تم آزاد ہو۔ وہ اس عقد کو قبول کر لیتا ہے، دونوں کے درمیان عقد ہو گیا، اور پھر یہ غلام مکاتب کہلاتا ہے، اور آقا پھر اس سے خدمت نہیں لے سکتا بھئی۔ یعنی جبراً خدمت نہیں لے سکتا، وہ خدمت کرتا رہے تو الگ بات ہے، اور یہ غلام جائے گا اور جا کر مال کمائے گا اور اپنے آپ کو آزاد کروائے گا، تو یہ ہے مکاتب، مکاتب۔

تو لہٰذا مکاتب اب تجارت کر رہا ہے، مال کما رہا ہے لیکن اس کی ملک تام نہیں، کامل نہیں۔ قبضہ تو اس کا ہے مال پر لیکن ملک کامل نہیں ہے بھئی، کیونکہ اگر وہ اس عرصے کے اندر پیسے جمع نہ کر سکا تو پھر عام غلام بن جائے گا، اور سارا کچھ کس کا ہو جائے گا؟ جو کمایا ہے یا جو مالک کو دے چکا ہے، سارا کچھ مالک کا ہے اور یہ پھر غلام بن جائے گا۔ تو اس کی ملک تام نہیں۔

ملک تام نہیں، نیز اسی طرح اس کے ذریعے اعتراض ہے عورت کا جو مہر ہے جو اس کو جس پر ابھی اس نے قبضہ نہیں کیا، خاوند نے اس کو دیا نہیں، دیا نہیں۔ اور نیز

اسی طرح اس کے ذریعے وہ مال بھی اس سے نکل گیا جس کے ملنے کی امید ہی نہ ہو، آپ نے کسی کو قرضہ دیا تھا اب اس کے نکلنے کی کوئی امید ہی نہیں ہے، صورت ہی نہیں ہے، تو اس کے اندر بھی زکوٰۃ نہیں ہے بھئی۔ یہ ساری تفصیل آگے صاحبِ ہدایہ بھی بیان کریں گے۔

تو مالک ہو جب وہ «إِذَا مَلَكَ نِصَابًا مِلْكًا تَامًّا» جب وہ مالک ہو نصاب کا، اور کس طرح کی ملکیت ہو؟ پوری ملکیت ہو «مِلْكًا تَامًّا» پوری ملکیت ہو۔ «وَحَالَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ» اور اس پر ایک سال گزر جائے، حول کہتے ہیں سال کو، «وَحَالَ عَلَيْهِ» اور گزر جائے اس پر «الْحَوْلُ» سال بھئی۔ اور میں نے بتایا سال کے اول اور آخر کا اعتبار کریں گے، درمیان کا نہیں بھئی۔

■ مسئلہ: أَمَّا الْوُجُوبُ

«أَمَّا الْوُجُوبُ» اب صاحب ہدایہ دلائل ذکر کر رہے ہیں بھئی، متن میں آیا تھا «الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ»، زکوٰۃ کیا ہے؟ فرض ہے، اس کی دلیل کیا؟ کہتے ہیں: «أَمَّا الْوُجُوبُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى: وَآتُوا الزَّكَاةَ»، کہ زکوٰۃ کا وجوب تو وہ اللہ کے اس قول کی وجہ سے ہے: «وَآتُوا الزَّكَاةَ»، اور تم لوگ زکوٰۃ ادا کرو۔

«وَلِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» اور نیز دوسری دلیل، حضور اور حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہے، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «أَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ»، ادا کرو تم لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ۔

اور تیسری دلیل: «وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ»، اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے، اور اجماع بھی دلائلِ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔

■ مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالْوَاجِبِ الْفَرْضُ

«وَالْمُرَادُ بِالْوَاجِبِ الْفَرْضُ»، بھئی متن میں آیا تھا «الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ»، میں نے آپ کو بتلایا تھا یہاں واجب کس معنی میں ہے؟ فرض، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَالْمُرَادُ بِالْوَاجِبِ الْفَرْضُ»، اور واجب سے مراد فرض ہے، «لِأَنَّهُ لَا شُبْهَةَ فِيهِ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر کوئی شبہ نہیں ہے، اس کے فرض ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔

تو یاد رکھیے فرض وہ چیز ہے وہ یہ فقہاء جو بعض چیزوں کو فرض قرار دیتے ہیں، بعض کو واجب قرار دیتے ہیں، بعض کو سنت قرار دیتے ہیں، بعض کو مستحب وغیرہ قرار دیتے ہیں، یہ کس بنیاد پر ہوتا ہے؟ دلائل کی بنیاد پر، سمجھ میں آیا بھئی؟ دلائل کی بنیاد پر دلائل کو دیکھا جاتا ہے۔ تو اگر ایک چیز کا ثبوت قطعی دلائل کے ساتھ ہو، کسی قسم کا اس میں شک اور شبہ نہیں تو وہ فرض ہو گی، اور اگر اس کے اندر شبہ آجاتا ہے پھر اس کا درجہ کم ہو جائے گا، فرض نہیں کہہ سکتے بلکہ پھر کیا کہیں گے؟ واجب کہیں گے، اسی طرح دلائل کے اعتبار سے اس کو اس پر حکم لگایا جاتا ہے۔ تو زکوٰۃ کے میں جو ہے زکوٰۃ دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے، اس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں، تو یہ واجب نہیں ہے بلکہ فرض ہے، فرض ہے۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ لَا شُبْهَةَ فِيهِ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر کوئی شبہ نہیں ہے بھئی۔

«وَاشْتِرَاطُ الْحُرِّيَّةِ لِأَنَّ كَمَالَ الْمِلْكِ بِهَا»، اور آزاد ہونے کی شرط، بھئی متن میں آیا تھا «وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ»، جو شرطیں لگائی گئیں آزاد، عاقل، بالغ وغیرہ کی، ان کا فائدہ بتلا رہے ہیں کہ یہ شرطیں کیوں لگائی گئیں؟ کہتے ہیں: «وَاشْتِرَاطُ الْحُرِّيَّةِ» اور آزاد ہونے کی شرط جو ہے اس لیے ہے «لِأَنَّ كَمَالَ الْمِلْكِ بِهَا» اس لیے کیونکہ کامل ملک اس کے ذریعے ہوتی ہے۔ کوئی آزاد ہو گا تو مال کا کامل مالک بنے گا، اگر آزاد نہیں ہے تو کامل مالک نہیں، جیسے میں نے مثال بیان کر دی کہ مکاتب جو ہے مکاتب، مکاتب مالک نہیں اپنے مال کا پورے طور پر، کیونکہ بے شک قبضہ اسی کا ہے، وہ مال کو چیزوں کو خرید بھی رہا ہے، بیچ بھی رہا ہے، اپنے آزادی کے لیے مال اکٹھا کر رہا ہے لیکن اس کا قبضہ کامل نہیں۔ حتیٰ کہ حتیٰ کہ وہ غلام اس کو غلام کو اس نے خریدا اور پھر غلام غلاموں کو بھی خرید رہا ہے اور بیچ رہا ہے، وہ مکاتب کیا کر رہا ہے؟ تجارت کر رہا ہے، جو بھی تجارت کرے تو غلاموں کو بھی خرید رہا ہے اور بیچ رہا ہے، لیکن ان غلاموں میں سے کسی کو وہ آزاد نہیں کر سکتا۔ کرے بھی تو آزاد نہیں ہو سکتا غلام بھئی، اس لیے کیونکہ اس میں آزاد کرنے کی اہلیت ہی نہیں ہے، کیونکہ اس مال کا پورے طور پر مالک ہی نہیں، اگر پورے طور پر مالک ہوتا تو یہ کہنے سے کہ جاؤ تم آزاد ہو، وہ غلام کیا ہو جاتا؟ آزاد، لیکن وہ آزاد کر سکتا ہی نہیں، اس میں اہلیت ہی نہیں، کیونکہ اس کو کامل ملکیت حاصل نہیں۔ قبضہ بے شک اس کا ہے لیکن ملکیت اس کی نہیں۔

تو کہتے ہیں آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے «لِأَنَّ كَمَالَ الْمِلْكِ بِهَا» اس لیے کیونکہ مالک کمالِ ملک اس کے ذریعے ہو گا، پورا مالک ہونا اس کے ذریعے ہو گا، «وَالْعَقْلِ وَالْبُلُوغِ لِمَا نَذْكُرُهُ»، اور متن میں جو عاقل، بالغ کی قید آئی تھی، تو یہ عقل اور بلوغ کی قید، بالغ ہونے کی قید «لِمَا نَذْكُرُهُ» اس وجہ سے ہے جس کو ہم ذکر کریں گے۔ اس کو ہم کیا کریں گے؟ ذکر کریں گے، آگے بھئی اگلا متن اسی صفحے پر آرہا ہے «وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ زَكَاةٌ»، وہاں صاحب ہدایہ بتلائیں گے کہ بچے اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے، تو وہ کہتے ہیں وہاں ہم ذکر کریں گے۔

■ مسئلہ: وَالْإِسْلَامِ

«وَالْإِسْلَامِ»، بھئی یہ اس کا عقل، بلوغ، اسلام ان سب کا عطف حریت پر ہے، اور حریت مجرور تھا مضاف الیہ، تو یہ بھی مجرور ہیں بھئی۔ «وَالْإِسْلَامِ» اور اسلام کی بھی شرط ہے «لِأَنَّ الزَّكَاةَ عِبَادَةٌ» اس لیے کیونکہ زکوۃ عبادت ہے «وَلَا تَتَحَقَّقُ الْعِبَادَةُ مِنَ الْكَافِرِ» اور عبادت جو ہے کافر سے ثابت نہیں ہو سکتی، کافر کی طرف سے نہیں ہو سکتی عبادت۔ دلیل سمجھ میں آئی بھئی؟ اس لیے مسلمان ہونا ضروری ہے زکوۃ ادا کرنے والے کا۔

«وَلَا بُدَّ مِنْ مِلْكِ مِقْدَارِالنِّصَابِ»، اور نصاب کے بقدر کا مالک ہونا ضروری ہے کہ نصاب کے بقدر مال کا انسان مالک ہو، بھئی اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ قید کیوں لگائی متن میں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّرَ السَّبَبَ بِهِ» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے مقرر فرمایا ہے سبب اس کے ساتھ، یعنی اس کو کیا قرار دیا حضور علیہ السلام نے؟ زکوۃ کے وجوب کا سبب نصاب کے بقدر مال ہے، مالِ تجارت وغیرہ۔ تو نصاب کو کس نے مقرر کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے، اس کو سبب بنایا ہے۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّرَ السَّبَبَ بِهِ» اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے سبب کو مقرر فرمایا ہے «بِهِ» أَيْ بِمِقْدَارِ النِّصَابِ، کس کے ساتھ؟ مقدارِ نصاب کے ساتھ۔

جی اور متن میں قید آئی تھی ایک سال اس پر گزرنا چاہیے، بھئی یہ قید کیوں بڑھائی متن میں؟ اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَلَا بُدَّ مِنَ الْحَوْلِ» اور ضروری ہے سال کا ہونا «لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يَتَحَقَّقُ فِيهَا النَّمَاءُ» اس لیے کیونکہ ضروری ہے ایسی مدت کا ہونا کہ «يَتَحَقَّقُ فِيهَا النَّمَاءُ»، نماء کہتے ہیں زیادتی، بڑھوتری، زیادہ ہونا، اس لیے کیونکہ ایسی مدت کا پایا جانا اور ہونا ضروری ہے کہ جس کے اندر زیادتی پائی جائے یعنی مال زیادہ ہو جائے۔ «وَقَدَّرَهَا الشَّرْعُ بِالْحَوْلِ» اور مقرر کیا ہے اس کو شریعت نے ایک سال پہ، یا اندازہ لگایا ہے اس کا شریعت نے اس کا ایک سال کے ساتھ بھئی۔

بھئی دیکھیے، زکوۃ میں جو ہے ناز کوۃ میں صرف نصاب کے بقدر مال نہیں ہونا چاہیے بلکہ وہ مال ایسا ہو کہ اس میں زیادتی ہو، وہ بڑھنے والا مال ہو، کس طرح کا مال ہو؟ اگر صرف مال کی بات ہوتی پھر تو گھر میں میں نے ابھی مسئلہ بتایا گھر میں چاہے کروڑوں کا سامان ہے چیزیں ہیں گھر کے استعمال کے لیے گاڑیاں ہیں، ایک آدمی نے بیس گاڑیاں رکھی ہوئی ہیں تو اگر ان چیزوں کی قیمت لگائی جائے پھر تو نصاب کا مالک ہے یا نہیں؟ نصاب تو بڑا معمولی سا ہے، لیکن ان کے اندر زکوۃ نہیں، اس وجہ سے کیونکہ صرف اتنے مال کا مالک نہیں ہونا ضروری بلکہ وہ مال نامی ہونا چاہیے، نامی۔ نامی اسی نماء سے ہے، نماء سے، تو نمو کہتے ہیں بڑھنے کو اور نماء کا معنی بڑھنا، وہ مال بڑھنے والا ہو۔

جب مال بڑھنے والا ہے اور سال بھی گزر گیا، تو سال کے اندر انسان جو ہے وہ اپنے مال کو تجارت میں لگاتا ہے اور چیزوں کی قیمتیں سال بھر میں کم زیادہ ہوتی رہتی ہیں، کوئی چیز سردیوں میں مہنگی ہے کوئی گرمیوں میں مہنگی ہے، مختلف اتار چڑھاؤ قیمتوں کے اندر آتے ہیں، تو انسان اس کے مطابق مال خریدتا ہے اور پھر بیچتا ہے اور نفع حاصل کرتا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو سال ایک بڑی طویل مدت ہے جس کے اندر قیمتیں کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہیں، تو اس لیے شریعت نے سال کو مقرر فرما دیا کہ سال میں عموماً کیا ہو جاتا ہے؟ مال بڑھ جاتا ہے، تو مال بڑھ گیا ہے اب اس میں سے صرف کیا کر دو؟ ڈھائی فیصد دے دو، یعنی چالیسواں حصہ۔ کتنا دے دو؟ چالیسواں حصہ دے دو، بڑی ہی معمولی سی مقدار ہے بھئی، بڑی معمولی سی مقدار ہے۔ اور سال بھر میں سال بھر میں مال کوئی ڈھائی فیصد بڑھتا ہے؟ مال تو کتنا ہی زیادہ ہو گیا ہو گا، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو مال کافی زیادہ ہو گیا ہو گا، تو لیکن شریعت نے معمولی سی مقدار ڈھائی فیصد مقرر کر دی کہ سال کے بعد یہ دو۔

اور پھر اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ مال حقیقتاً بڑھے، بلکہ ایک آدمی نے مال جو ہے وہ تجارت میں لگایا ہی نہیں، گھر پر ہی رکھا ہوا ہے، لیکن سال گزر گیا تو اس میں سے بھی زکوۃ دینا پڑے گی، آپ اصولِ فقہ میں پڑھ چکے ہیں۔ کیونکہ اس مال کے اندر بھی یوں فرض کر لیا جائے گا کہ زیادتی آ گئی ہے۔ حقیقتاً تو اس میں زیادتی نہیں ہوئی کیونکہ تجارت میں لگایا ہی نہیں، یہ تو گھر پر پڑا ہوا تھا، لیکن تقدیراً زیادتی آ گئی۔ تقدیراً کا کیا معنی؟ فرض کر لینا، تقدیر کا کیا معنی ہے ایک؟ فرض، فرض کر لیا گیا کہ اس کے اندر کیا آ چکی ہے؟ زیادتی آ چکی ہے۔ کیونکہ کوتاہی اس کی طرف سے پائی گئی، اس نے مال تجارت میں نہیں لگایا، اگر لگاتا تو بڑھتا یا نہ بڑھتا بھئی؟ تو یہ بڑھ جاتا بھئی، تو یہ لہٰذا چاہے حقیقتاً مال کے اندر زیادتی آئے سال گزرنے کے بعد، چاہے تقدیراً زیادتی ہو جب سال اس پر گزرا ہے تو اس کے اندر زکوۃ آئے، زکوۃ آئے گی بھئی۔

تو یہ دیکھو سہولت تھی، شریعت کی طرف سے سہولت آ گئی، ہر مال کے اندر زکوۃ نہیں بلکہ اس مال میں جس میں زیادتی ہوتی ہے، اس طرح کا مال ہو جو بڑھتا ہے، اور پھر جب وہ حقیقتاً بڑھ جائے کب؟ ایک سال کے بعد جا کر دینی ہے، ابھی فوراً زکوۃ نہیں دینی بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے کہ «وَلَا بُدَّ مِنَ الْحَوْلِ» اور سال کا ہونا ضروری ہے «لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يَتَحَقَّقُ فِيهَا النَّمَاءُ» اس لیے کیونکہ ضروری ہے ایسی مدت کا پایا جانا جس کے اندر زیادتی پائی جائے، یعنی زیادتی مال کے اندر ہو جائے، مال بڑھ جائے، «وَقَدَّرَهَا الشَّرْعُ بِالْحَوْلِ» اور اندازہ لگایا ہے اس مدت کا شریعت نے سال کے ساتھ «لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» اور وجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «لَا زَكَاةَ فِي مَالٍ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ»، اور کہ زکوۃ نہیں ہے مال کے اندر یہاں تک کہ اس پر ایک سال گزر جائے۔ یہ تو تھی نقلی دلیل، حدیث میں آیا حضور علیہ السلام فرماتے ہیں مال میں زکوۃ نہیں یہاں تک کہ اس پر ایک سال گزر جائے۔

آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تقریر کی، وہ عقلی دلیل یہ: «وَلِأَنَّهُ الْمُمْكِنُ بِهِ مِنَ الِاسْتِنْمَاءِ لِاشْتِمَالِهِ عَلَى الْفُصُولِ الْمُخْتَلِفَةِ»، اس لیے کیونکہ ممکن ہے سال میں استنماء یعنی اس کا مال کا بڑھنا ممکن ہے «لِاشْتِمَالِهِ عَلَى الْفُصُولِ الْمُخْتَلِفَةِ» اس وجہ سے

کہ سال مشتمل ہوتا ہے مختلف قسم کے موسموں پر، «**وَالْغَالِبُ تَفَاوُتُ الْأَسْعَارِفِيهَا**» اور غالب جو ہے عموماً کیا ہوتا ہے؟ ان موسموں میں اسعار قیمتیں بھئی نرخ جو ہیں نرخ، اور غالب جو ہے وہ نرخوں کا مختلف ہونا ہے اس سال کے اندر اس موسموں کے اندر۔ سال بھر میں عموماً نرخ مختلف ہوتے ہیں، گھٹتے بڑھتے ہیں، کسی چیز کی قیمت کم ہوتی ہے، کسی کی زیادہ ہوتی ہے۔ تو یہ سال کو مقرر کیا کیونکہ سال مختلف موسموں پر مشتمل ہے اور ان موسموں کے اندر اکثر اور غالب کیا ہوتا ہے؟ چیزوں کے نرخ بدلتے ہیں، «**فَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَيْهِ**» تو حکم کو بھی دائر کر دیا گیا اسی پر، حکم کا مدار کس پر کر دیا گیا؟ سال پر، کیونکہ سال کے اندر مال بڑھ جاتا ہے کیونکہ موسم مختلف ہے قیمتوں کے اس چیزوں کے نرخ بدلتے ہیں۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی یا نہیں آئی؟ یہ معنی ہے «**فَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَيْهِ**» تو حکم کا مدار سال پر کر دیا گیا، سال پر کر دیا گیا۔ اب نماء کو نہیں دیکھیں گے کہ سال گزرنے کے بعد مال میں زیادتی ہوئی یا زیادتی نہیں ہوئی، بس سال کے اوپر دار و مدار آ گیا، کس پر؟ سال پر، ہاں۔ جب سال کو شریعت نے مقرر کر دیا تو اب سال پر مدار ہے، سال دیکھو گزر گیا ہے اور نصاب کے بقدر مال ہے، چاہے اس میں زیادتی نہیں ہوئی لیکن کیا سمجھا جائے گا؟ تقدیراً گیا ہو چکی ہے؟ زیادتی، زکوۃ دینا پڑے گی بھئی اگر وہ نصاب کے بقدر ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ قِيلَ هِيَ وَاجِبَةٌ عَلَى الْفَوْرِ

«**ثُمَّ قِيلَ هِيَ وَاجِبَةٌ عَلَى الْفَوْرِ**»، اچھا پھر اس کے بعد یہ زکوۃ کی ادائیگی فوراً ضروری ہے یا تاخیر سے بھی انسان ادا کر دے تو کر سکتا ہے؟ تو اس میں یاد رکھیے دو قول ہیں بھئی، امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فوری ادائیگی ضروری ہے اگر کیونکہ مطلقِ امر آیا، کیا آیا؟ مطلقِ امر آیا جیسے «**أَقِيمُوا الصَّلَاةَ**» نماز قائم کرو، «**وَآتُوا الزَّكَاةَ**»، «**آتُوا الزَّكَاةَ**» کیا کرو؟ زکوۃ ادا کرو، تو «**آتُوا**» امر کا صیغہ آیا تو مطلقِ امر آیا اور تو یہ تقاضا کرتا ہے فوری عمل کا بھئی، کہ اس پر کیا کیا جائے؟ فوری عمل کیا جائے، اپنے ملازم سے کہتے ہیں، آپ نے اپنے ملازم سے کہا پانی لے آؤ، تو اگر وہ تاخیر کرے گا آپ ناراض ہوں گے یا نہیں ہوں گے؟ ناراض ہوں گے، سمجھ میں آیا؟ تو مطلقِ امر کس چیز کا تقاضا کرتا ہے؟ کہ فی الفور اس پر عمل کیا جائے، الا یہ کہ کوئی قرینہ ساتھ مل جائے تو پھر تاخیر بھی درست۔ تو وہ یہ دلیل دیتے ہیں، کہتے ہیں یہاں مطلقِ امر آیا ہے اور مطلقِ امر کس چیز کا تقاضا کرتا ہے؟ کہ فی الفور ادائیگی ہونی چاہیے۔ تو یہ امام کرخی فرماتے ہیں۔

جبکہ ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ جو ہے واجب ہے علی التراخی، تراخی کے طریقے پر کہ تاخیر سے اطمینان سے بھی ادا کرنا چاہے تو ادا کر سکتا ہے، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں زندگی بھر میں جب بھی وہ ادا کرے گا، زکوۃ آج فرض ہوئی اس پر وہ ادا نہیں کرتا، دس سال بعد جا کر ادا کرتا ہے، کہتے ہیں تب بھی اس کو ادا ہی کہیں گے، قضاء نہیں کہیں گے۔ تو پھر بھی اس کو ادا ہی کہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے اندر فی الفور ادائیگی ضروری نہیں، ہاں افضل یہی ہے فوراً ادا کرنی چاہیے، یعنی وہ فرماتے ہیں کہ تاخیر کرے جان بوجھ کر بلکہ افضل کیا ہے؟ فوراً ہی ادا کرنی چاہیے کیونکہ زندگی کا کوئی پتہ نہیں، لیکن اگر تاخیر کر دیتا ہے پھر بھی اس کو کیا کہیں گے؟ ادا ہی کہیں گے، قضاء نہیں بھئی، تو لہٰذا اس میں فوری ادائیگی نہیں ضروری، البتہ افضل یہ ہے۔

«**ثُمَّ قِيلَ هِيَ وَاجِبَةٌ عَلَى الْفَوْرِ**» پھر کہا گیا ہے، یہ امام کرخی کا قول آ رہا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ واجب ہے علی الفور، فوری طور پر یعنی جلدی ادائیگی اس کی ضروری ہے «**لِأَنَّهُ مُقْتَضَى مُطْلَقِ الْأَمْرِ**» کیونکہ یہ مطلقِ امر کا مقتضیٰ ہے، مطلقِ امر کس چیز کا تقاضا کرتا ہے؟ فوری ادائیگی کا۔ «**وَقِيلَ عَلَى التَّرَاخِي**» اور بعض علماء نے کہا وہ اور کہا گیا ہے علی التراخی کہ زکوۃ واجب ہے تراخی پر یعنی کہ اطمینان سے دے سکتا ہے «**لِأَنَّ جَمِيعَ الْعُمُرِ وَقْتُ الْأَدَاءِ**» اس لیے کیونکہ ساری عمر جو ہے وہ ادائیگی کا وقت ہے «**وَلِهَذَا لَا يَضْمَنُ بِهَلَاكِ النِّصَابِ بَعْدَالتَّفْرِيطِ**» اور اسی وجہ سے وہ ضامن بھی نہیں ہوتا نصاب کے ہلاک ہو جانے کے بعد بعد التفریط، کوتاہی کرنے کے بعد، کس کے بعد؟ کوتاہی۔

بھئی ایک آدمی ہے اس پر زکوۃ آئی لیکن اس نے زکوۃ ادا نہیں کی اور سستی کی، سال گزر گیا اس نے ابھی تک نہیں دی زکوۃ سال گزرنے والا، اور پھر اس کا سارا مال ہلاک ہوا، سارا مال ہلاک، تو فقہاء فرماتے ہیں زکوۃ بھی اس سے ساقط ہو گئی، یہ اس کے ذمے دین نہیں۔ اب جو زکوۃ واجب ہوئی تھی اس کے ذمے دین نہیں کیونکہ کیا ہوا؟ سارا مال اس بیچارے کا ہلاک ہو گیا، ہلاک ہو گیا۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فی الفور ادائیگی ضروری نہیں، اگر فی الفور ادائیگی ضروری ہوتی پھر تو یہ جو مال چاہے ہلاک بھی ہو گیا اس پر ضمان آتا یا نہ آتا؟ آنا چاہیے تھا لیکن ضمان اس پر نہیں، معلوم ہوا کہ کہ اس کا اس کے اندر فی الفور ادائیگی ضروری نہیں۔ یہ معنی ہے «**وَلِهَذَا لَا يَضْمَنُ بِهَلَاكِ النِّصَابِ بَعْدَالتَّفْرِيطِ**» اسی وجہ سے وہ ضامن نہیں ہو گا نصاب کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے بعد التفریط کوتاہی کرنے کے بعد بھئی۔ چلیے باقی کچھ تفصیل اگلے سبق میں پھر کر لیں گے، بس بھئی ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۹۲:وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ زَكَاةٌ خِلَاف...

ہدایہ صفحہ:۲۰۱ــــبتاریخ:۱۹مارچ ۲۰۱۳ء

وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ زَكَاةٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ، فَإِنَّهُ يَقُولُ: هِيَ غَرَامَةٌ مَالِيَّةٌ فَتُعْتَبَرُ بِسَائِرِ الْمُؤَنِ كَنَفَقَةِ الزَّوْجَاتِ وَصَارَ كَالْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ، وَلَنَا أَنَّهَا عِبَادَةٌ فَلَا تَتَأَدَّى إِلَّا بِالِاخْتِيَارِ تَحْقِيقًا لِمَعْنَى الِابْتِلَاءِ، وَلَا اخْتِيَارَ لَهُمَا لِعَدَمِ الْعَقْلِ بِخِلَافِ الْخَرَاجِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْأَرْضِ.

بھئی گزشتہ سبق کے آخر میں یہ مسئلہ ذکر ہوا تھا، امام کرخی اور اور ابو بکر جصاص رازی رحمہما اللہ ان کا اختلاف ذکر ہوا تھا۔ امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ کی ادائیگی فی الفور ضروری ہے، جب واجب ہو جائے فوراً ادا کرنا پڑے گی۔ اور دلیل انہوں نے یہ ذکر کی تھی کیونکہ زکوۃ کے بارے میں مطلق امر آیا ہے۔ اللہ قرآن میں کیا فرماتے ہیں؟ «**آتُوا الزَّكَاةَ**» زکوۃ ادا کرو، اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ جلدی کرو یا دیر سے کرو۔ مطلق امر ہے، کیا ہے؟ مطلق امر ہے اس میں کسی قسم کی قید نہیں۔ اور مطلق امر تقاضا کرتا ہے کہ فی الفور مامور بہ کو بجالایا جائے، یعنی جو حکم دیا گیا ہے فوراً اس پر عمل کیا جائے۔ یہ کس کا مقتضا ہے؟ مطلق امر کا، مطلق امر اس کا تقاضا کرتا ہے۔ تو زکوۃ کے بارے میں بھی مطلق امر آیا ہے، لہٰذا یہ کس چیز کا تقاضا کرتا ہے؟ فوری ادائیگی ہونی چاہیے تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔

جبکہ ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ جو ہے واجب ہے تراخی کے طریقے پر، تراخی کے ساتھ، یعنی بعد میں بھی کیا کر سکتا ہے؟ ادا کر سکتا ہے۔ اور دلیل ان کی یہ دلیل ذکر کی، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ سارا ساری عمر جو ہے وہ اس کی ادا کا وقت ہے۔ عمر بھر میں وہ جب بھی ادا کرے گا اس زکوۃ کو، اس کو ادا ہی کہیں گے، قضا نہیں کہیں گے۔ معلوم ہوا یہ ساری عمر اس کی ادائیگی کا وقت ہے۔ اور جب ساری عمر اس کی ادا کا وقت ہے تو معلوم ہوا فی الفور ادائیگی ضروری نہیں۔ اور نیز اسی لیے وہ فرماتے ہیں: «**وَلِهٰذَا لَا يَضْمَنُ بِهَلَاكِ النِّصَابِ بَعْدَالتَّفْرِيطِ**» کہ وہ شخص ضامن نہیں ہو گا نصاب کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے بعد التفریط، کوتاہی کرنے کے بعد۔ تفریط کا کیا معنی؟ کسی چیز میں حد سے کمی کرنا، تو کوتاہی کرنے کے بعد۔ بھئی اس کی میں نے صورت ذکر کر دی۔

وہ فرماتے ہیں، ان کی دلیل چل رہی ہے کہ کہتے ہیں اسی وجہ سے اگر نصاب ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں آتا۔ صورت یہ، ایک آدمی ہے اس پر مال، نصاب کے بقدر مال تھا اس کے پاس اور اس پر سال گزر گیا تو اس پر زکوۃ واجب ہو گئی، لیکن اس نے سستی کی، کوتاہی کی، زکوۃ ادا نہیں کی۔ اور کچھ مدت کے بعد اس کا وہ سارا مال ہلاک ہو گیا، سارا مال ختم ہو گیا، تو اس سے زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے بھئی۔ فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ اس سے زکوۃ ساقط ہو گئی کیونکہ اس بیچارے کا سارا مال ختم ہو گیا۔ تو امام ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھو اس صورت میں اس پر ضمان نہیں آ رہا۔ وہ جو زکوۃ واجب ہوئی تھی اب وہ اس کے ذمے نہیں ہے، یہ بھی اسی وجہ سے کہ فی الفور اس کی ادائیگی ضروری نہیں بلکہ ساری عمر میں کیا ہے؟ اس کو ادا کر سکتا ہے۔ اگر فی الفور یعنی جیسے ہی واجب ہوئی تھی زکوۃ، اسی وقت اس کی ادائیگی ضروری ہوتی پھر تو اس صورت میں اب جب اس کا مال ہلاک ہوا ہے تو اس پر کیا آنا چاہیے؟ ضمان آنا چاہیے، لیکن اس پر ضمان نہیں آتا اور فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ اس شخص سے زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ تو یہ بھی اسی وجہ سے ہے کیونکہ زکوۃ کی ادا کا وقت کیا ہے؟ ساری عمر ہے۔ لہٰذا یہ فی الفور ادائیگی اس میں لازمی نہیں ہے۔ ہاں، بہتر تو یہی ہے کہ فوراً کیا کر دے؟ ادائیگی کر دے، لیکن تراخی کے ساتھ بھی جائز ہے، تراخی کے ساتھ واجب ہوئی ہے زکوۃ بھئی تراخی کے طریقے پر۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

جی، تو آگے کہتے ہیں: «**وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ زَكَاةٌ**» اور بچے اور مجنون یعنی پاگل پر زکوۃ نہیں ہے، «**خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ**» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بچے اور مجنون جو ہیں، بچہ اور مجنون جو ہیں ان کے مال پر بھی زکوۃ واجب ہو گی۔ لہٰذا ان کا جو نگران ہو گا وہ ادا کرے گا اس میں سے، کیا کرے گا؟ ادا کرے گا بھئی۔ جبکہ ہمارے نزدیک بچے اور مجنون پر نہیں۔

■ اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ جوہ

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ جو ہے ایک مالی غرامت ہے بھئی، کیا ہے؟ مالی غرامت ہے۔ تو لہٰذا اس کا، یعنی غرامت کہتے ہیں بھئی یاد رکھیے غرامت، دیکھیے کتاب میں: «فَإِنَّهُ يَقُولُ: هِيَ غَرَامَةٌ مَالِيَّةٌ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زکوٰۃ کیا ہے؟ مالی غرامت ہے۔ غرامت کہتے ہیں ضمان کو، ضمان، تاوان، جرمانہ بھئی، ضمان بھئی۔ تو وہ فرماتے ہیں یہ ایک مالی ضمان ہے، مالی ضمان ہے یعنی مال واجب ہوا ہے، مالی چیز کے واجب ہونے کو غرامت کے ساتھ تعبیر کیا کہ یہ اس پر مال واجب ہوا ہے، مال واجب۔ لہٰذا اس کو باقی جو مالی بوجھ ہیں انہی پر قیاس کیا جائے گا۔ جو باقی مالی بوجھ انسان پر پڑتے ہیں، یہ بھی زکوٰۃ بھی کیا ہے؟ ایک مالی ضمان ہے تو اس کو انہی پر قیاس کیا جائے گا۔ اور وہ مالی بوجھ تو بچے اور مجنون پر بھی واجب ہوتے ہیں، ان کے مال میں سے ادا کیے جاتے ہیں، لہٰذا زکوٰۃ بھی ان کے مال میں سے ادا کی جائے گی۔

تو مثلاً بھئی ایک بچہ ہے، اس کے والدین نے کیا کیا ہے؟ اس کا نکاح کر دیا اور پھر مثلاً والدین کا انتقال ہوا، تو اب یہ اس کی بیوی ہے اس کا نفقہ کس میں سے دیا جائے گا؟ اس بچے کے مال میں سے دیا جائے گا بھئی، کیونکہ یہ اس کی بیوی ہے تو اس کا نفقہ کس پر آئے گا؟ بچے پر آئے گا بھئی۔ اسی طرح اگر بچے کے پاس زمین ہے، اگر وہ عشری زمین ہے تو اس میں سے عشر دیا جائے گا، اگر خراجی زمین ہے تو اس میں سے کیا ادا کیا جائے گا؟ خراج ادا کیا جائے گا۔ تو وہ فرماتے ہیں دیکھو یہ جو بیوی کا نفقہ ہے، یا اسی طرح عشر ہے، یا اسی طرح خراج ہے، یہ سارے کیا ہیں؟ یہ مالی بوجھ ہیں جو اس پر اس شخص پر ڈالے جاتے ہیں۔ جس نے نکاح کیا اس پر شریعت نے کیا کیا؟ بیوی کا خرچہ ڈال دیا کہ اس کا خرچہ، رہنے سہنے، کھانے پینے کا خرچہ اس شخص کے ذمے ہوتا ہے۔ تو جیسے یہ مالی بوجھ ہیں، اسی طرح یہ زکوٰۃ بھی کیا ہے؟ ایک مالی ضمان ہے، تو اس کو بھی ان پر قیاس کیا جائے گا اور وہ مالی بوجھ تو بچے پر بھی آتے تھے، اسی طرح مجنون پر بھی آتے ہیں، اس کے مال میں سے بھی وہ ادا کیے جاتے ہیں۔ تو لہٰذا اس زکوٰۃ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا تو یہ بھی ان کے مال میں سے ادا کی جائے گی، بچے اور مجنون کے مال میں سے۔ دلیل ان کی سمجھ میں آئی بھئی؟ کہ دیگر مالی بوجھ جو ہیں وہ ادا کیے جاتے ہیں، وہ بچے کے مال پر لازم ہوتے ہیں، تو یہ بھی کیا ہے؟ ایک مالی ضمان ہے زکوٰۃ، جب یہ مالی ضمان ہے تو یہ انہی کی طرح ہوا اور وہ تو بچے کے اور مجنون کے مال میں سے بھی ادا ہوتے ہیں لہٰذا اس کو بھی ادا کیا جائے گا۔ تو بچے اور مجنون پر بھی معلوم ہوا زکوٰۃ واجب ہے، ان کے مال میں سے ادا کیا جائے گا۔ تقریر سمجھ میں آگئی بھئی؟

یہ معنی ہے: «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ فَإِنَّهُ يَقُولُ هِيَ غَرَامَةٌ مَالِيَّةٌ فَتُعْتَبَرُ بِسَائِرِالْمُؤَنِ» وہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ جو ہے یہ ایک مالی ضمان ہے، مالی تاوان ہے، تو اس کو قیاس کیا جائے گا باقی، مؤن کہتے ہیں بھئی بوجھ کو بھئی، باقی جو بوجھ ہیں یعنی جو مالی بوجھ ہیں ان پر اس کو قیاس کیا جائے گا، «كَنَفَقَةِ الزَّوْجَاتِ وَصَارَ كَالْعُشْرِوَالْخَرَاجِ» جیسے بیویوں کا نفقہ ہے اور یہ کس کی طرح ہو گیا؟ عشر اور یہ عشر اور خراج کی طرح ہو گیا، یہ ان کی دلیل ہے۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ «أَنَّهَا عِبَادَةٌ» ہم کہتے ہیں نہیں، یہ مالی ضمان نہیں ہے، یہ بوجھ نہیں ہے، یہ عبادت ہے۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ عبادت ہے۔ اسی لیے شریعت نے بڑی آسانیاں دیں؛ مال ہو، نصاب کے بقدر، ہر مال میں نہیں بلکہ کتنا مال ہو؟ نصاب، اور مال بھی کون سا ہو؟ بڑھنے والا ہو، مال نامی ہو، سمجھ میں آیا؟ سونا چاندی، کرنسی یا سامانِ تجارت ہو، گھر کے سامان میں نہیں۔ نیز اور سہولت دی کہ مال آتے ہی فوراً نہیں زکوٰۃ آئے گی بلکہ ایک سال پورا گزرے گا۔ تو اس میں یہ تو زکوٰۃ جو ہے یہ عبادت ہے بھئی، «فَلَا تَتَأَدَّى إِلَّا بِالِاخْتِيَارِ تَحْقِيقًا لِمَعْنَى الِابْتِلَاءِ» پس یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی مگر اختیار کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ اختیار کے ساتھ، کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اختیار بھی ہو۔ «تَحْقِيقًا لِمَعْنَى الِابْتِلَاءِ» ثابت کرنے کے لیے ابتلاء کے معنیٰ کو۔ ابتلاء کہتے ہیں آزمائش، آزمائش کے معنیٰ کو ثابت کرنے کے لیے اختیار ماننا پڑے گا، کیا ماننا پڑے گا؟ اختیار ماننا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر عبادات لازم فرمائی ہیں اور ان عبادات کے ذریعے بندوں کی آزمائش کی گئی ہے کہ کون ان پر عمل کرتا ہے اور ان کو بجالاتا ہے اور کون ان پر عمل نہیں کرتا، کون ان پر عمل نہیں کرتا۔ اور آزمائش تبھی ہو گی جب اس شخص کو اختیار بھی ہو۔ اگر اس بیچارے کو اختیار ہی کوئی نہیں ہے، پھر آزمائش ہے؟ جی؟ آزمائش تو اسی میں ہے نا کہ اپنے اختیار سے ایک آدمی کرتا ہے یا نہیں کرتا، تو اختیار کا ہونا ضروری ہے۔ تو آزمائش تبھی ہو گی جب ان کے لیے کیا مانا جائے؟ اختیار، اور اختیار تو ان دونوں کو نہیں ہے بھئی، نہ مجنون کو اختیار ہے اور نہ بچے کو۔ جب ان کو اختیار نہیں ہے تو یہاں پر آزمائش بھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ آزمائش تو کہاں ہوتی ہے؟ جہاں دوسرے کو اختیار ہو کہ دیکھیں وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ «أَنَّهَا عِبَادَةٌ» کہ زکوٰۃ عبادت ہے، «فَلَا تَتَأَدَّى إِلَّا بِالِاخْتِيَارِ» تو یہ ادا نہیں ہو گی مگر اختیار کے ساتھ ہی، یعنی ادا کرنے والے کے لیے کیا ضروری ہے؟ اس کے لیے اختیار کا ہونا ضروری ہے۔ بھئی کیوں اختیار کا ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر ادا نہیں ہو گی؟ کہتے ہیں: «تَحْقِيقًا لِمَعْنَى الِابْتِلَاءِ» آزمائش کے معنیٰ کو ثابت کرنے کے لیے، تبھی کون سا معنیٰ ثابت ہو گا؟ آزمائش کا معنیٰ ثابت ہو گا، تبھی آزمائش پائی جائے گی اس کے بغیر تو آزمائش ہی نہیں بغیر اختیار کے۔ «وَلَا اخْتِيَارَ لَهُمَا» اور ان دونوں کا تو کوئی اختیار نہیں ہے، شریعت نے بچے اور مجنون کو اختیار نہیں دیا۔ چنانچہ اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی بچہ اگر خود خود اپنی زکوٰۃ ادا کرتا ہے اپنے مال کی، تو وہ بھی فرماتے ہیں ادا نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک بھی بچے کو اختیار نہیں ہے۔ وہ دے تو رہا ہے اپنے مال کی زکوٰۃ لیکن وہ ادا نہیں ہوئی کیونکہ اختیار ہی نہیں ہے، اور یہاں پر مقصود کیونکہ عبادت ہے اور عبادت کے لیے کیا ضروری ہے؟ اختیار کا ہونا ضروری ہے، تو اس کے لیے اختیار نہیں ہے۔ تو وہ بھی فرماتے ہیں وہ جو نگران ہے وہ کیا کرے گا؟ اس کے مال میں سے ادا کرے گا، وہ خود ادا نہیں کر سکتا۔

یہ معنی ہے: «وَلَا اخْتِيَارَ لَهُمَا لِعَدَمِ الْعَقْلِ» اور ان دونوں کا تو کوئی اختیار نہیں ہے عقل کے نہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ مجنون میں تو عقل بالکل ہے ہی

نہیں اور بچے میں بھی اگر وہ سمجھدار بھی ہے تو وہ عقل پوری نہیں ہے بھئی۔ تو ان دونوں کا کوئی اختیار نہیں ہے عقل نہ ہونے کی وجہ سے۔ جب اختیار نہیں تو پھر ان کی آزمائش بھی نہیں۔ اور جب آزمائش نہیں تو ان پر یہ زکوٰۃ بھی فرض نہیں کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادت کس لیے ہے؟ آزمائش کے طور پر ہے کہ کون ان پر عمل کرتا ہے اور کون عمل نہیں کرتا۔

«بِخِلَافِ الْخَرَاجِ» یہاں سے جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا۔ انہوں نے زکوٰۃ کو قیاس کیا تھا عشر اور خراج پر، تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ عشر اور خراج پر آپ قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ دونوں مختلف چیزیں ہیں، زکوٰۃ اور چیز ہے، عشر اور خراج اور چیز ہیں۔ زکوٰۃ عبادت ہے جبکہ خراج وہ بوجھ ہے، مالی بوجھ جو شریعت نے ڈالا ہے اس شخص پر۔ خراج کیا ہے؟ مالی بوجھ ہے بھئی، مالی بوجھ ہے۔ چنانچہ آپ نے مسائل پڑھے ہوں گے کہ کچھ زمینیں خراجی ہیں، کچھ عشری زمینیں ہیں۔ عشری زمین جس میں پیداوار کا دسواں حصہ دینا پڑتا ہے، چاہے تھوڑی ہو پیداوار چاہے زیادہ ہو، کتنا حصہ دینا پڑتا ہے؟ دسواں حصہ، بشرطیکہ اس کو پانی اس زمین کو پانی خود نہ لگانا پڑتا ہو، بارش وغیرہ کی وجہ سے پانی ہو جاتا ہے یا دریا ساتھ ہے یا خود ہی پانی اس کے سیم وغیرہ وہاں پہنچتا ہے اس طرح کی جگہ ہے، اور اگر پانی خود لگانا پڑتا ہے یا اس کا خرچہ وغیرہ اس پر ہوتا ہے تو پھر یاد رکھیے وہاں عشر بھی نہیں ہے، نصفِ عشر ہے۔ آگے ابھی تفصیل باب آنے والا ہے اس کا بھئی عشر وغیرہ کا۔

یاد رکھیے تو یہ زمینیں دو قسم کی ہیں، کچھ عشری ہیں ان میں عشر آتا ہے اور کچھ خراجی ہیں جن میں کیا دینا پڑتا ہے؟ خراج دینا پڑتا ہے، تو اس کی بھی مقدار ہے جو فقہ کی کتابوں کے اندر مذکور ہے بھئی۔ تو عشری زمین وہ ہے یاد رکھو کہ مسلمان کسی علاقے پر جب قبضہ کر لیں، جہاد میں مصروف ہیں اور وہ علاقہ انہوں نے فتح کر لیا، اور پھر خلیفۃ المسلمین جو ہے ان لوگوں سے زمینیں لے لے اور مسلمانوں کے حوالے کر دے، مسلمانوں کو اس کا مالک بنا دے، تو اب اس کے مالک چونکہ مسلمان ہیں تو ان کو عشر دینا پڑے گا پیداوار کا دسواں حصہ، یا بعض صورتوں میں بیسواں حصہ جیسے میں نے ابھی ذکر کیا۔

اور اگر خلیفۃ المسلمین یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان لوگوں سے زمینیں نہ چھینی جائیں، زمینیں انہی لوگوں کے پاس رہنے دی جائیں، ان کافروں کے پاس، ان سے خراج وصول پھر کیا جائے جو خاص حساب اور تناسب سے مختلف زمینوں کے اعتبار سے وصول کیا جاتا ہے، تو پھر یہ خراجی زمین کہلاتی ہے۔ کس کے پاس ہے یہ؟ کفار کے پاس ہے تو ان سے خراج لیا جاتا ہے بھئی سال بھر میں۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھیے کہ عشر کے اندر فرق اور خراج، عشر میں یہ ہے کہ عشر میں پیداوار ہو گی تو دسواں حصہ دیں گے، پیداوار زیادہ ہے تو عشر بھی زیادہ ہو گا، پیداوار کم ہے تو عشر بھی اتنا ہی کم، اور پیداوار نہیں ہے تو عشر بھی نہیں ہے۔ جبکہ خراج کے اندر سال بھر کے اندر وہ مقدار دینا پڑے گی چاہے کوئی وہ چیز کچھ کاشت کرے یا کاشت نہ کرے وہ اس کو دینا پڑے گا بھئی جو خراج ہے، خراج ہے۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھیے، خراجی زمین اگر پھر کافر سے کوئی مسلمان خرید لیتا ہے تو بھی وہ خراجی ہی رہے گی عشری نہیں بنے گی، اب اس کو بھی کیا دینا پڑے گا؟ خراج دینا پڑے گا، صورت سمجھ میں آ گئی۔ اسی طرح مسلمانوں کی زمین تھی، عشری زمین تھی، لیکن کافر نے اس کو خرید لیا تو بس اب یہ کیا بن جائے گی؟ خراجی زمین بن جائے گی، خراج لیا جائے گا۔ پھر اس کو بعد میں کوئی مسلمان واپس بھی خرید لے، پھر یہ عشری نہیں بنے گی بلکہ کیا رہے گی؟ خراجی ہی رہے گی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

تو ہم کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا اس زکوٰۃ کو خراج پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اس لیے کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے جبکہ خراج وہ مؤنت ہے، یعنی بوجھ ہے، مالی بوجھ ہے جو اس شخص پر ڈالا گیا ہے، تو لہٰذا وہ اس پر قیاس نہیں کر سکتے، ایک عبادت ہے اور دوسرا کیا ہے؟ بوجھ ہے، لہٰذا دونوں مختلف چیزیں ہیں۔

اور نیز اسی طرح عشر بھی عشر پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا زکوٰۃ کو، اس لیے کیونکہ عشر میں دونوں پہلو ہیں، عشر میں دونوں پہلو ہیں۔ اس میں بوجھ والا پہلو بھی ہے اور اس میں عبادت والا پہلو بھی ہے۔ کون سا پہلو ہے؟ بوجھ والا پہلو بھی ہے اور، تو اس میں مؤنت والا، مؤنت میم پر ضمہ ہے اور یہ ہمزہ ساکن ہے، مؤنت، اور اسی طرح معونت بھی لفظ ہے، اس کو اسی طرح دونوں طرح پڑھتے ہیں، دونوں لفظ آئے ہیں بھئی۔ تو عشر میں مؤنت والا پہلو بھی ہے، بوجھ والا پہلو بھی ہے اور عبادت والا پہلو بھی ہے۔

بوجھ والا پہلو بایں لحاظ ہے کہ عشر کے اندر دیکھو شریعت سال کے گزرنے کی شرط نہیں لگاتی بلکہ جیسے پیداوار ہوئی فوراً کیا کرنا پڑے گا اس میں سے؟ عشر دینا پڑے گا، جبکہ زکوٰۃ میں تو کیا سہولت دی تھی شریعت نے؟ سال گزرنے کی سہولت دی تھی۔ اور نیز عشر کے اندر نصاب کی بھی شرط نہیں ہے، جتنی بھی پیداوار ہو گی اس میں سے کتنا دینا پڑے گا؟ دسواں حصہ دینا پڑے گا، دینا پڑے گا۔ اور نیز عشر دَین وغیرہ کی وجہ سے ساقط بھی نہیں ہوتا، حالانکہ زکوٰۃ کے ابھی مسائل آگے آئیں گے، زکوٰۃ دَین یعنی قرض وغیرہ کی وجہ سے زکوٰۃ کیا ہو جاتی ہے؟ ساقط ہو جاتی ہے۔ ایک آدمی ہے اس کے پاس پندرہ لاکھ روپے ہیں لیکن اس پر قرضہ بیس لاکھ روپے ہے، تو اس شخص پر زکوٰۃ نہیں، سمجھ میں آیا بھئی؟ کیونکہ یہ جتنا مال ہے یہ تو کس کے اندر آ جاتا ہے؟ قرضے کے اندر ہی اس کا آ جاتا ہے، لہٰذا یوں سمجھیں گے گویا اس کے پاس مال ہے ہی نہیں، تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

تو لہٰذا عشر جو ہے اس میں دونوں پہلو ہیں، مؤنت والا پہلو بھی ہے اور عبادت والا۔ تو مؤنت والا پہلو کس اعتبار سے ہے؟ میں نے کیا بتلایا؟ کہ اس میں شریعت نے سال کے گزرنے کی شرط بھی نہیں لگائی، اس میں نصاب کی شرط بھی نہیں لگائی، اور نیز وہ دَین وغیرہ کی وجہ سے ساقط بھی نہیں ہوتا، معلوم ہوا کون سا پہلو ہے؟ بوجھ والا، مؤنت والا پہلو ہے، دینا پڑے گا ہر حال کے اندر بھئی۔

اور نیز عبادت والا پہلو بھی ہے باعتبار مصرف کے، کہ یہ کس کو دی جاتی ہے؟ فقراء کو، محتاجوں کو، مسکینوں کو یہ عشر دیا جاتا ہے، تو اس میں عبادت والا پہلو بھی ہے۔

لیکن بوجھ والا مؤنت والا پہلو عشر کے اندر غالب ہے، غالب ہے، اور عبادت کا پہلو تابع ہے، تو اعتبار غالب کا ہوتا ہے، تابع کا نہیں۔ تو لہٰذا اس پر بھی آپ قیاس نہیں کر سکتے۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ عبادت ہے، اور عشر میں کون سا پہلو غالب؟ مؤنت والا پہلو غالب ہے، تو لہٰذا جو پہلو غالب ہے اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے، تو گویا یہ مؤنت ہے اور زکوٰۃ تو عبادت ہے، تو عبادت کو مؤنت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ دلیل سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: «**بِخِلَافِ الْخَرَاجِ**» بخلاف خراج کے، «**لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْأَرْضِ**» کیونکہ خراج جو ہے وہ زمین کا بوجھ ہے، «**وَكَذٰلِكَ الْغَالِبُ فِي الْعُشْرِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ**» اور اسی طرح غالب جو ہے عشر کے اندر بھی بوجھ والا معنیٰ ہے، مؤنت والا معنیٰ ہے، «**وَمَعْنَى الْعِبَادَةِ تَابِعٌ**» اور عبادت والا معنیٰ اس کے اندر تابع ہے۔ تو لہٰذا اس کو زکوٰۃ کو خراج اور عشر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

آگے فرماتے ہیں، الگ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں: «**وَلَوْ أَفَاقَ فِي بَعْضِ السَّنَةِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ إِفَاقَتِهِ فِي بَعْضِ الشَّهْرِ فِي الصَّوْمِ**» کہتے ہیں اگر مجنون جو ہے اس کو افاقہ ہو گیا «**فِي بَعْضِ السَّنَةِ**» سال کے کچھ حصے کے اندر، سال کے کچھ حصے میں اس کا جنون ختم ہو گیا وہ صحیح ہو گیا اور پھر دوبارہ اس کو جنون ہو گیا، تو سال کے کچھ حصے کے اندر بھی جنون ختم ہو جائے اور اس کو افاقہ ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی، اس کے مال میں سے دی جائے گی۔ اور یہ اسی طرح ہے جس طرح رمضان کے اندر، رمضان کے اندر اگر مجنون کو کچھ دیر کے لیے افاقہ ہو گیا تو اس رمضان کے مہینے کے روزے اس پر فرض ہو جائیں گے۔ بعد میں اگر وہ ٹھیک ہو جاتا ہے اس کو کیا کرنا پڑے گی؟ ان روزوں کی قضا کرنا پڑے گی۔ تو لہٰذا رمضان کے اندر اگر مجنون کو کچھ دیر کے لیے بھی افاقہ ہو جائے تو وہ پورا رمضان کے مہینے اس پر فرض ہو جاتے ہیں، اسی طرح اگر سال بھر کے اندر اگر اس کو کسی وقت افاقہ ہو گیا تو اس سال کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمے لازم ہو جائے گی۔ تو ہمارے نزدیک تو مجنون پر زکوٰۃ نہیں لیکن اگر سال بھر میں کسی وقت اس کو کیا ہو گیا؟ افاقہ، تو اس سال کی زکوٰۃ کیا ہو گی؟ اس پر لازم ہو گی بشرطیکہ اس کا مال نصاب کو پہنچتا ہو بھئی۔

یہ معنی ہے: «**وَلَوْ أَفَاقَ فِي بَعْضِ السَّنَةِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ إِفَاقَتِهِ فِي بَعْضِ الشَّهْرِ فِي الصَّوْمِ**» اور اگر اس مجنون کو افاقہ ہو گیا سال کے کچھ حصے میں تو یہ اسی درجے میں ہے جیسے کہ اس کو افاقہ ہو مہینے کے کچھ حصے میں روزے کے اندر۔

«**وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ أَكْثَرُ الْحَوْلِ**» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ اعتبار کرتے ہیں اکثر سال کا۔ وہ فرماتے ہیں سال کا حساب لگاؤ، اگر سال کا اکثر حصہ یعنی چھ ماہ سے زائد، اکثر شے کیا ہوتا ہے؟ نصف سے زائد، تو سال کا اگر اکثر حصہ یعنی چھ ماہ سے زیادہ عرصے تک اس کو افاقہ رہا، جنون نہ تھا اس دوران، اور کچھ حصہ جنون رہا لیکن وہ نصف سے کم ہے، تو اس صورت میں اس سال کی زکوٰۃ اس پر واجب ہو گی ورنہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، تو وہ کس کا اعتبار کرتے ہیں؟ اکثر کا اعتبار کرتے ہیں۔ یہ معنی ہے: «**وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ**» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ ایک روایت ہے «**أَنَّهُ يُعْتَبَرُ أَكْثَرُ الْحَوْلِ**» کہ اعتبار کیا جائے گا سال کے اکثر کا۔

«**وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ**» اور کوئی فرق نہیں ہے اصلی جنون میں اور عارضی جنون میں۔ یاد رکھیے جنون دو قسم پر ہے، ایک جنونِ اصلی ہے ایک جنونِ عارضی۔ جنونِ اصلی یہ ہے کہ وہ شخص جو بالغ ہوا تو بالغ ہوتے وقت ہی وہ جنون کی حالت میں تھا تو اس کو کیا کہیں گے؟ جنونِ اصلی کہیں گے، بالغ ہی کس حالت میں ہوا ہے؟ جنون کی حالت میں ہوا ہے اس وقت بھی وہ مجنون ہی تھا۔ اور ایک جنونِ عارضی ہے کہ جب بالغ ہوا اس وقت تو جنون نہیں تھا بعد میں اس کو پیش آ گیا تو یہ کیا ہے؟ جنونِ عارضی ہے، عارضی۔ تو صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں: «**وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ**» کہ اصلی اور عارضی جنون میں کوئی فرق نہیں بھئی کوئی فرق نہیں، یعنی جیسے پیچھے مسئلہ ذکر ہوا سال کے اگر کچھ حصے کے اندر اگر اس کو افاقہ ہو گیا تو اس سال کی زکوٰۃ اس پر واجب ہو گی چاہے وہ جنون اصلی ہو چاہے عارضی ہو، جی۔

جی، اور اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو فرماتے ہیں کہ اکثر سال کا اعتبار کیا جائے گا تو یہاں بھی اصلی اور عارضی کا کوئی فرق نہیں۔ ہمارے نزدیک چاہے جنون اصلی ہو چاہے عارضی ہو دونوں کا ایک حکم ہے۔

«**وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**» اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے: «**أَنَّهُ إِذَا بَلَغَ مَجْنُونًا**» کہ جب وہ شخص جو ہے وہ بالغ ہوا اس حال میں کہ وہ مجنون تھا یعنی جنونِ اصلی تھا، «**يُعْتَبَرُ الْحَوْلُ مِنْ وَقْتِ الْإِفَاقَةِ**» تو وہ فرماتے ہیں سال کا اعتبار کیا جائے گا افاقے کے وقت سے، «**بِمَنْزِلَةِ الصَّبِيِّ إِذَا بَلَغَ**» اس بچے کے درجے میں جب وہ بالغ ہو بھئی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے وہ فرماتے ہیں: «**وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ**» امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، تو اس سے یہ نہ سمجھنا کہ یہ ان سے روایت ہی ہے اس سے اگرچہ یہ شبہ پڑتا ہے، امام صاحب کا مذہب ہی یہ ہے۔ امام صاحب کے نزدیک جب ایک شخص جب بالغ ہوا تو کس حالت میں تھا؟ جنون کی حالت میں تھا۔ پھر کچھ مدت کے بعد جا کر کسی وقت اس کو افاقہ ہوا، جنون ختم ہوا وہ صحیح ہو گیا اور اس کے پاس مال پہلے سے ہی ہے، نصاب کے بقدر مال پہلے سے ہی ہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب افاقہ ہوا اس وقت سے سال کا اعتبار کریں گے، اب سال کی گویا ابتدا ہو رہی ہے، کیا ہو رہی ہے؟ اور پھر جب پورا سال ہو جائے گا تو پھر آئے گی زکوٰۃ ورنہ زکوٰۃ نہیں ہے۔

وہ کیا فرماتے ہیں؟ جنونِ اصلی کی صورت میں جس وقت افاقہ ہوتا ہے اس وقت سے سال کا اعتبار کیا جائے گا، اس سے پہلے اگرچہ اس کے پاس نصاب کے بقدر مال تھا بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے کہ بچہ جب بالغ ہوتا ہے تو اس وقت سے سال کا اعتبار شروع ہوتا ہے سال کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس سے پہلے اگرچہ مال تھا بھی اس کے پاس

لیکن اس سے پہلے وہ نابالغ تھا اس پر زکوۃ واجب نہیں تھی تو اس وقت کا اعتبار نہیں کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے امام صاحب سے روایت ہے کہ «أَنَّهُ إِذَا بَلَغَ مَجْنُونًا» کہ جب بالغ ہو جائے اس حال میں کہ وہ مجنون ہو وہ شخص، «يُعْتَبَرُ الْحَوْلُ مِنْ وَقْتِ الْإِفَاقَةِ» تو اعتبار کیا جائے گا سال کا افاقے کے وقت سے، «بِمَنْزِلَةِ الصَّبِيِّ إِذَا بَلَغَ» اس بچے کے درجے میں جب وہ بالغ ہو جائے، تو یہ بھی اسی کی طرح ہے۔

«وَلَيْسَ عَلَى الْمُكَاتَبِ زَكَاةٌ» اور مکاتب پر زکوۃ نہیں ہے، مکاتب پر زکوۃ، مکاتب میں نے ابھی گزشتہ سبق میں جیسے ذکر کیا وہ غلام جسے آقا نے کیا کہہ دیا؟ مثلاً تم مجھے پانچ سال کے اندر پندرہ لاکھ روپے لے آؤ تو تم آزاد ہو، غلام نے اس کو قبول کر لیا تو یہ مکاتب ہے، اور مکاتب جو ہے اس سے آقا جبراً خدمت نہیں لے سکتا، یہ جائے گا اور جا کر پیسے کمائے گا اور اپنے آپ کو آزاد کروائے گا۔ تو یہ جو مکاتب ہے اب یہ تجارت اس نے شروع کر دی مال اس کے پاس کافی سارا ہے اور خرید و فروخت کر رہا ہے لیکن چونکہ اس کی ملکیت کامل نہیں، اس کی ملکیت، قبضہ بے شک اس کا ہے تصرف بھی کر رہا ہے سب کچھ کر رہا ہے لیکن اس کی ملکیت کامل نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ ادا کر دے گا وہ مال پندرہ لاکھ پانچ سال میں ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا، اگر ادا نہ کر سکا پھر عقد ہی ختم ہو جائے گا پھر وہی عام غلام بن جائے گا۔ تو یہ پھر غلام بن جائے گا اور جو کچھ اس کے پاس ہو گا اس سارے کا مالک بھی کون بن جائے گا؟ آقا ہی بن جائے گا، تو معلوم ہوا اس کا اس کی ملکیت کامل نہیں ہے۔ تو لہٰذا اس پر زکوۃ واجب نہیں ہو گی، کیونکہ حالانکہ ملکیت کس قسم کی ہونا ضروری ہے؟ کامل ملکیت۔

تو کہتے ہیں: «وَلَيْسَ عَلَى الْمُكَاتَبِ زَكَاةٌ» اور مکاتب پر زکوۃ نہیں ہے، «لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ» اس لیے کیونکہ وہ مالک نہیں ہے من کل وجہ، ہر اعتبار سے، یعنی پورے طور پر یہ مالک نہیں ہے، ہر اعتبار سے یہ مالک نہیں ہے۔ قبضے کے اعتبار سے تو مال پر قبضہ اس کا ہے اس اعتبار سے تو مالک ہے لیکن تصرف کے اعتبار سے یہ پورا مالک نہیں ہے۔ سمجھ میں آیا؟ جی، دیکھیے کتاب پر کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِوُجُودِ الْمُنَافِي» اس لیے کیونکہ یہ مالک نہیں ہے من کل وجہ، ہر اعتبار سے، یعنی پورے طور پر، بوجہ ایک منافی چیز کے پائے جانے کے، کیونکہ ایک مالک ہونے کے منافی ایک چیز پائی جا رہی ہے، «وَهُوَ الرِّقُّ» اور وہ غلامی ہے کہ یہ غلام ہے۔ «وَلِهٰذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ أَنْ يُعْتِقَ عَبْدَهُ» لہٰذا یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے کہ جو کہ جو اہل ہوں کہ وہ اپنے غلام کو آزاد کریں۔ یہ اپنے غلام کو آزاد کرنے کے اہل لوگوں میں سے نہیں ہے بھئی، سمجھ میں آیا؟ یہ اپنے غلام کو، غلاموں کی تجارت تو کر رہا ہے خرید و فروخت بھی کر رہا ہے لیکن ان کو آزاد نہیں کر سکتا، کرے بھی تو وہ غلام آزاد نہیں ہوتا۔ تو یہ اپنے غلام کو آزاد نہیں کر سکتا، معلوم ہوا کہ یہ پورے طور پر مال کا مالک نہیں ہے۔

«وَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهِ فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ» جی، یہ وہ مسئلہ آگیا جو میں نے ابھی ذکر کیا کہ ایک شخص پر اگر قرضہ ہے اور قرضہ ہے اور اس نے مثلاً اس پر پندرہ لاکھ قرضہ ہے اور مال اس کے پاس دس لاکھ ہے یا پندرہ لاکھ ہے لیکن یہ مال اگرچہ نصاب سے زائد ہے لیکن کس میں چلا جاتا ہے یہ سارا؟ قرضے ہی میں چلا جاتا ہے، تو لہٰذا اس صورت میں بھی اس پر زکوۃ نہیں آئے گی۔ تو معلوم ہوا ایک شخص پر اگر قرضہ ہے اور وہ قرضہ اس کے سارے مال کا احاطہ کر لیتا ہے، قرضے کے اندر وہ سارا مال آجاتا ہے، تو اس شخص پر زکوۃ نہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے: «وَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهِ فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ» اور جس شخص پر ایسا دَین ہے جو احاطہ کر لیتا ہے، گھیر لیتا ہے اس کے سارے مال کو، تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: يَجِبُ لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ» جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر زکوۃ واجب ہو گی۔ جس کے پاس مثلاً مال کتنا ہے؟ نصاب کے بقدر مال ہے اور اس پر قرضہ بھی ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک قرضہ ہو لیکن اس پر زکوۃ واجب ہو گی سبب کے پائے جانے کی وجہ سے، کیونکہ زکوۃ کا سبب پایا جا رہا ہے، «وَهُوَ مِلْكُ نِصَابٍ نَامٍ» اور وہ کیا ہے؟ نصابِ نامی کا مالک ہونا، «وَهُوَ مِلْكُ نِصَابٍ نَامٍ» وہ نامی نصاب کا مالک ہونا ہے۔ بھئی اس کے پاس مال ہے یا نہیں؟ مال ہے، اور مال بھی کس قسم کا ہے؟ سونا چاندی، کرنسی یا مالِ تجارت، اور یہ مالِ نامی ہے یا مالِ نامی نہیں ہے؟ یہ سب کیا ہے؟ مالِ نامی ہے، تو وہ مال نصابِ نامی کا مالک ہے، اور نصابِ نامی کو شریعت نے سبب قرار دیا، جس شخص کے پاس بھی نصابِ نامی ہو گا اس پر کیا واجب ہوتی ہے؟ زکوۃ، لہٰذا اس پر بھی زکوۃ واجب ہو گی۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّهُ مَشْغُولٌ بِحَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ» کہ وہ جو نصابِ نامی ہے وہ تو مشغول ہے اس کی حاجتِ اصلی میں، وہ نصابِ نامی اگرچہ اس کے پاس وہ مال ہے لیکن وہ مال کس کے اندر مشغول ہے؟ حاجتِ اصلی یعنی وہ کس چیز میں پورا ہو جاتا ہے؟ قرضے میں ہی وہ تو پورا ہو جاتا ہے، تو یہ وہ اس کی حاجتِ اصلی، بنیادی ضرورت کے اندر ہی پورا ہو جاتا ہے اس کے اندر وہ مشغول ہے، «فَاعْتُبِرَ مَعْدُومًا» تو اس کو معدوم شمار کیا جائے گا گویا کہ ہے ہی نہیں، «كَالْمَاءِ الْمُسْتَحَقِّ بِالْعَطَشِ وَثِيَابِ الْبِذْلَةِ وَالْمِهْنَةِ» جیسے کہ وہ پانی جسے لازم کر لیا گیا پیاس کے لیے، یعنی جس کو لازم کر لیا گیا پیاس کے لیے۔

بھئی ایک آدمی ہے وہ جنگل میں سفر کر رہا ہے اور اس کے پاس اچھا خاصا پانی موجود ہے، اچھا خاصا پانی موجود ہے لیکن اس کو خوف ہے کہ اگر میں نے یہ پانی اس سے وضو کیا تو پھر میرے اور سواری کے پینے کے لیے پانی کہیں جنگل کے اندر ہمیں نہیں ملے گا، تو اس صورت میں آپ مسئلہ پڑھ چکے ہیں کہ اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز

ہے۔ تو اب دیکھیے یہ پانی جس کو کس کے لیے لازم کر لیا اس نے؟ پینے کے لیے، اس کو وضو کے حق میں معدوم شمار کیا گیا، یوں سمجھا گیا گویا اس کے پاس پانی ہے ہی نہیں۔ ورنہ تو تیمم کی، اگر پانی کا اعتبار کریں گے پھر تو اس کو تیمم کی اجازت نہیں ہے بھئی، کیونکہ تیمم کی اجازت کب ہے؟ جب پانی نہ ملے، قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ «**فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً**» جب تم کو پانی نہ ملے بھئی، تو لہٰذا اس پانی کو کیا شمار کیا گیا؟ معدوم، کیونکہ یہ اس کی حاجتِ اصلی میں مشغول ہے یہ پانی۔ تو یہاں بھی اسی طرح اس کے پاس اگرچہ وہ مال ہے لیکن وہ مال کس کے اندر مشغول ہے؟ اس کی حاجتِ اصلی یعنی اس کے قرضے کے اندر مشغول ہے، لہٰذا اس کو معدوم شمار کریں گے گویا اس کے پاس مال ہے ہی نہیں، اور جب مال ہے ہی نہیں تو اس پر زکوٰۃ بھی نہیں آئے گی۔

یہ معنی ہے: «**كَالْمَاءِ الْمُسْتَحَقِّ بِالْعَطَشِ**» وہ پانی جسے پیاس کے لیے لازم کر لیا گیا، «**وَثِيَابِ الْبِذْلَةِ وَالْمِهْنَةِ**» البذلۃ یہاں بھی تا پر دو نقطے ہونے چاہئیں بھئی گول تا جو ہے، البذلۃ۔ ثیابِ بذلہ کہتے ہیں کام کاج کے کپڑے بھئی، کام کاج کے وقت انسان جو کپڑے عام کپڑے پہنتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ثیابِ بذلہ۔ اسی طرح ثیابِ مہنہ، ثیابِ مہنہ جو ہے یہ بھی کام کاج کے کپڑے اور اسی طرح عام استعمال کے جو کپڑے ہیں ان کو کیا کہتے ہیں؟ ثیابِ مہنہ کہتے ہیں، ثیابِ مہنہ۔ تو دونوں یہ مترادف ہیں بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ مترادف ہیں۔

تو جیسے یہ جو عام استعمال کے اور کام کاج کے کپڑے ہیں، ان کے اندر بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے زکوٰۃ ان کے اندر؟ کیونکہ یہ اس کی حاجتِ اصلیہ کے اندر مشغول ہیں تو ان کو یوں سمجھا جائے گا گویا ہیں ہی نہیں، اور جب ہیں ہی نہیں تو ان پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہو گی۔ تو دلیل دیکھیے دوبارہ بھئی: «**وَلَنَا أَنَّهُ مَشْغُولٌ بِحَاجَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ فَاعْتُبِرَ مَعْدُومًا كَالْمَاءِ الْمُسْتَحَقِّ بِالْعَطَشِ وَثِيَابِ الْبِذْلَةِ وَالْمِهْنَةِ**» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ اس کے پاس جو نصاب نامی ہے یہ مشغول ہے اس کی حاجتِ اصلی میں تو اس کو معدوم شمار کیا جائے گا، جیسے کہ وہ پانی جس کو لازم کر لیا گیا ہو پیاس کے لیے اور جیسے کہ کام کاج کے اور عام استعمال کے کپڑے ہیں تو یہ بھی انہی کی طرح ہے۔

«**وَإِنْ كَانَ مَالُهُ أَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهِ زَكَّى الْفَاضِلَ إِذَا بَلَغَ نِصَابًا**» اسی صورت میں ایک آدمی پر مثلاً پندرہ لاکھ قرض ہے اور اس کے پاس مثلاً اس سے کچھ زائد ہے رقم، مثلاً اس کے پاس بیس لاکھ ہیں، کتنے ہیں؟ پچھلی صورت میں تو قرضے کی ادائیگی کے بعد نصاب کے بقدر مال بچتا ہی نہیں تھا، پندرہ لاکھ قرضہ تھا تو مثلاً پندرہ لاکھ ہی اس کے پاس موجود تھے۔ اب مال کچھ زائد ہے قرضے سے، قرضہ ہے پندرہ لاکھ اور مال کتنا ہے؟ بیس لاکھ، تو یہ جو زائد مال ہے اس کی زکوٰۃ اس کو دینا پڑے گی کیونکہ یہ اس کی حاجتِ اصلیہ کے اندر مشغول نہیں ہے بھئی۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: «**وَإِنْ كَانَ مَالُهُ أَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهِ زَكَّى الْفَاضِلَ إِذَا بَلَغَ نِصَابًا**» اور اگر اس کا مال اس کے دَین سے زیادہ ہوا تو یہ زکوٰۃ دے گا زائد مال کی جب یہ کس کو پہنچے؟ نصاب کو، یہ زائد مال نصاب کو پہنچتا ہو۔ اگر پندرہ لاکھ قرضہ ہے اور مال اس کے پاس ہے پندرہ لاکھ اور چند ہزار ہیں، تو یہ چند ہزار تو نصاب کو نہیں پہنچتے لہٰذا ان پر زکوٰۃ نہیں ہو گی، لیکن اگر نصاب کو پہنچتا ہے پھر زکوٰۃ آئے گی۔

یہ معنی ہے: «**إِذَا بَلَغَ نِصَابًا**» جبکہ وہ زائد جو ہے وہ نصاب کو پہنچتا ہو، «**لِفَرَاغِهِ عَنِ الْحَاجَةِ**» اس لیے کیونکہ یہ حاجت سے فارغ ہے یعنی اس سے زائد ہے۔

بس بھئی، **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۹۳: مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مَالُهُ أَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهِ زَكّ...

ہدایہ صفحہ: ۲۰۲ — بتاریخ: ۲۰ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَإِنْ كَانَ مَالُهُ أَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهِ زَكَّى الْفَاضِلَ إِذَا بَلَغَ نِصَابًا بِالْفَرَاغَةِ عَنِ الْحَاجَةِ، وَالْمُرَادُ بِهِ دَيْنٌ لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ حَتَّى لَا يَمْنَعُ دَيْنُ النَّذْرِ وَالْكَفَّارَةِ، وَدَيْنُ الزَّكَاةِ مَانِعٌ حَالَ بَقَاءِ النِّصَابِ لِأَنَّهُ يَنْتَقِصُ بِهِ النِّصَابُ، وَكَذَا بَعْدَ الِاسْتِهْلَاكِ خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى فِيهِمَا». [1]

بھئی، گزشتہ سبق کے آخر میں یہ مسئلہ آپ نے پڑھا تھا کہ جس شخص پر اس قدر قرضہ ہے، اس قدر دَین ہے کہ وہ اس کے سارے مال کا احاطہ کر لیتا ہے تو اس شخص پر زکوٰۃ نہیں ہے بھئی، زکوٰۃ نہیں ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے پاس دس لاکھ روپے موجود ہیں، لیکن اس پر قرضہ بھی دس لاکھ روپے یا اس سے زیادہ ہے، تو دیکھو یہ اتنا قرضہ ہے جس نے اس کے سارے مال کا احاطہ کر لیا ہے۔ اب اس کے پاس یہ جو دس لاکھ موجود ہیں، اگرچہ یہ نصاب سے زائد ہیں، لیکن یہ اس کی حاجتِ اصلی کے اندر مشغول ہیں یہ دس لاکھ بھئی۔ کیونکہ یہ تو سارے کس کے اندر آجاتے ہیں؟ قرضے کی ادائیگی میں ہی آجاتے ہیں۔ تو لہٰذا اس کو، یہ مال چونکہ اس کی حاجتِ اصلی میں مشغول ہے، تو اس کو معدوم شمار کیا جائے گا اور یوں سمجھا جائے گا گویا اس کے پاس مال ہے ہی نہیں، اور جب مال اس کے پاس ہے ہی نہیں تو اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہو گی۔

جبکہ اگر اس کا مال جو ہے اگر دَین سے زیادہ ہوا، تو پھر جو زائد مال ہے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی جب وہ زائد مال نصاب کے بقدر ہو بھئی۔ جب وہ زائد مال کیا ہے؟ نصاب کے بقدر۔ مثلاً قرضہ ہے اس پر دس لاکھ اور مال اس کے پاس جو ہے وہ گیارہ لاکھ ہے۔ تو گیارہ لاکھ میں سے دس لاکھ تو کس میں آگئے؟ قرضے کے اندر مشغول ہو گئے اور باقی یہ ایک لاکھ زائد ہے اور یہ زائد جو ہے یہ نصاب کو اس کی مقدار پہنچ رہی ہے، یہ نصاب سے زائد ہے، تو اس کی کیا کرنا پڑے گی؟ سال گزرنے پر اس کی زکوٰۃ اس کو دینا پڑے گی۔ یہ معنیٰ ہے: «**وَإِنْ كَانَ مَالُهُ أَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهِ زَكَّى الْفَاضِلَ إِذَا بَلَغَ نِصَابًا**»، اور اگر اس شخص کا مال جو ہے اس کے دَین سے زیادہ ہے تو وہ زکوٰۃ دے گا زائد مال کی، «**زَكَّى الْفَاضِلَ**»، وہ زکوٰۃ دے گا زائد مال کی، «**إِذَا بَلَغَ نِصَابًا**»، جبکہ وہ زائد کس کو پہنچتا ہو؟ نصاب کو پہنچتا ہو، اس کے بقدر ہو، تو اس کی زکوٰۃ دے گا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں: «**بِالْفَرَاغَةِ عَنِ الْحَاجَةِ**»، بوجہ فارغ ہونے اس کی حاجت سے، کیونکہ یہ جو زائد مال ہے یہ اس کی حاجت سے زائد ہے، دس لاکھ تو قرضے کے اندر مشغول ہیں اور یہ زائد اس حاجت سے زائد ہیں بھئی۔

■ مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِهِ دَيْنٌ لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ...

«**وَالْمُرَادُ بِهِ دَيْنٌ لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ**»، یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ جو انہوں نے مسئلہ ذکر کیا نا، پچھلا متن بھی ملائیں اور یہ والا متن بھی ملائیں۔ پچھلے متن میں کیا آیا تھا کہ جس شخص پر ایسا دَین ہو جو کیا کر لے؟ اس کے سارے مال کا احاطہ کر لے تو اس پر زکوٰۃ نہیں، اور اگر اس کا مال اس دَین سے زیادہ ہے تو پھر زائد مال کی کیا کرے گا؟ زکوٰۃ دے گا۔ تو یہ آپ کو بتلائیں گے کہ دَین سے ہر دَین مراد نہیں ہے بلکہ وہ دَین مراد ہے جس کا کوئی بندوں کی طرف سے مطالبہ کرنے والا ہو۔ کس قسم کا دَین مراد ہے؟ جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو کہ یہ دَین تم پر دَین ہے یہ حوالے کرو ہمارے، تو بندوں میں سے کوئی اس کا مطالبہ کرنے والا ہونا چاہیے۔ تو اس قسم کا دَین اگر اس کے سارے مال کو گھیر لیتا ہے تو اس پر زکوٰۃ ہے ہی نہیں، اور اگر سارے مال کو نہیں گھیر تا تو پھر جس قدر کو گھیر تا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں اور زائد پر کیا ہے؟ زکوٰۃ ہے۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۲۵): «**ولأبي يوسف رحمه**»۔ • شاملہ (ص ۱۲۴) میں «**بِالْفَرَاغَةِ**» کے بجائے «**لفراغه**» درج ہے۔

تو معلوم ہوا ایسا دَین جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو، وہ مانعِ زکوٰۃ ہے۔ وہ کیا ہے؟ مانعِ زکوٰۃ ہے، یعنی جتنے مال کو وہ گھیرے گا اس کے اندر زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ جبکہ اس کے مقابلے میں یاد رکھیے وہ دَین جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا نہ ہو، وہ دَین مانعِ زکوٰۃ نہیں ہے۔ وہ دَین مانعِ زکوٰۃ نہیں ہے۔ مثلاً **دَینِ** نذر ہے اور **دَینِ** کفارہ ہے۔ منت ایک شخص نے مانی کہ اگر اے اللہ میرا یہ کام ہو گیا تو میں اتنے پیسے فقراء کو دوں گا، یا اتنے پیسے فلاں مدرسے میں دوں گا۔ تو یہ اب دیکھیے اس نے منت کے ذریعے اپنے اوپر ایک دَین کو لازم کر لیا، یہ اس کو بعد میں ادا کرنا پڑیں گے۔ اسی طرح **دَینِ** کفارہ ہے بھئی۔ تو کسی کفارے کی وجہ سے اس شخص پر دَین آجاتا ہے، مثلاً قسم وغیرہ کا کفارہ ہے وہ اس نے ادا کرنا ہے۔ تو یہ بھی اس پر لازم ہے، تو یہ دونوں دَین ہیں، لیکن ان کا بندوں کی طرف سے مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں۔ **دَینِ** نذر اس نے منت مانی تھی، لیکن کیا کوئی اس سے اب مانگنے آئے گا کہ تم پر دَین ہے ہمارے حوالے کرو؟ نہیں۔ اسی طرح **دَینِ** کفارہ، اس میں بھی بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں۔ تو وہ دَین جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا نہ ہو، وہ دَین مانعِ زکوٰۃ نہیں، وہ زکوٰۃ کے وجوب سے مانع نہیں ہے۔

لہٰذا صورت دیکھیے، صورت مثلاً یہ کہ ایک شخص ہے اس کے پاس سال کے شروع میں نصاب کے بقدر مال تھا، اور سال کا آخر آیا پورا سال ہو گیا، اب بھی اس کے پاس نصاب کے بقدر مال ہے۔ لیکن سال کے بیچ میں، سال کے بیچ میں اس پر منت کی وجہ سے بھی کوئی دَین آگیا یا کفارے کی وجہ سے بھی کوئی دَین آگیا ہے جو اس نے ابھی تک ادا نہیں کیا۔ تو اب سال کا اختتام آیا، دیکھو اس کے پاس نصاب پورا ہے، تو کیا اب اس **دَینِ** نذر کا اعتبار کریں گے یا نہیں کریں گے؟ مثلاً منت کی وجہ سے اس نے ایک لاکھ روپے اب ادا کرنے ہیں، اس نے منت مانی تھی اگر میرا یہ کام ہو گیا میں ایک لاکھ روپے فقراء کو دوں گا، تو وہ دَین اس کے ذمے ہے۔ اب اس وقت اس کے پاس مثلاً سوا لاکھ روپے ہیں، سال ختم ہوا تو کتنا ہے مال؟ سوا لاکھ ہیں۔ تو کیا **دَینِ** نذر کا اعتبار کیا جائے گا؟ اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو سوا لاکھ میں سے تو لاکھ کیا ہے؟ **دَینِ** نذر ہے، تو کتنا رہ جائے گا؟ پچیس ہزار، اور پچیس ہزار یہ تو نصاب کو نہیں پہنچتا۔ تو اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں آتی۔ اس دَین کا اعتبار کیا جائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں آتی، اور اگر اس کا اعتبار نہیں کرتے پھر تو سوا لاکھ ہے پھر تو نصاب پورا ہے پھر اس پر کیا واجب ہو گی؟ زکوٰۃ۔ تو کیا یہ **دَینِ** نذر یہ اس کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں کیا جائے گا؟ اگر اس کا اعتبار کرتے ہیں تو یہ مانعِ زکوٰۃ بنتا ہے، اگر اس کا اعتبار نہیں کرتے تو یہ مانعِ زکوٰۃ نہیں بنتا۔ تو دیکھیے ضابطہ آپ کو میں نے بتلا دیا کہ وہ دَین مانعِ زکوٰۃ بنے گا جس کا کوئی بندوں کی طرف سے مطالبہ کرنے والا ہو، اور جس دَین کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں وہ مانعِ زکوٰۃ بھی نہیں۔ تو یہ **دَینِ** نذر اور **دَینِ** کفارہ اس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں، لہٰذا یہ مانعِ زکوٰۃ نہیں بنے گا، تو اس کا اعتبار نہیں کریں گے، لہٰذا اس شخص کو اس مال کی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اس کو اس کی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔

یہی بیان کر رہے ہیں دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «**وَالْمُرَادُ بِهِ دَيْنٌ لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ**»، کہ مراد جو ہے یہ جو دَین کا ذکر آیا متن میں، اس سے مراد وہ ایسا دَین ہے «**لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ**»، جس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو بندوں کی طرف سے۔ «**دَيْنٌ**» نکرہ ہے، «**لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ**» یہ پورا جملہ ہے، اور نکرہ کے بعد پورا جملہ آیا تو یہ اس کی صفت بنے گا۔ تو موصوف سے پہلے کیا لفظ لائیں گے؟ ایسا یا ایسی۔ اور مراد اس سے، جو متن میں دَین کا لفظ آیا، اس سے مراد ایسا دَین ہے «**لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ**»، جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو۔ «**حَتّٰى لَا يَمْنَعُ دَيْنُ النَّذْرِ وَالْكَفَّارَةِ**»، یہاں تک کہ منت کا جو دَین ہے اور کفارے کا جو دَین ہے وہ نہیں روکے گا، یعنی وجوبِ زکوٰۃ کو نہیں روکے گا، یہ مانعِ زکوٰۃ نہیں بنے گا، یہ مانعِ زکوٰۃ نہیں بنے گا۔ مسئلہ بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں آیا بھئی؟ یہ مانعِ زکوٰۃ نہیں بنے گا، یعنی اس کا اعتبار نہیں کریں گے۔

■ مسئلہ: وَدَيْنُ الزَّكَاةِ مَانِعٌ حَالَ بَقَاءِ النِّصَابِ...

«**وَدَيْنُ الزَّكَاةِ مَانِعٌ حَالَ بَقَاءِ النِّصَابِ لِأَنَّهُ يَنْتَقِصُ بِهِ النِّصَابُ**»، جبکہ اس کے مقابلے میں **دَینِ** زکوٰۃ جو ہے وہ مانع بنے گا۔ **يَرْحَمُكَ اللّٰهُ۔ دَینِ** زکوٰۃ کیا ہے؟ بھئی **دَینِ** نذر تو مانعِ زکوٰۃ نہیں بنے گا، **دَینِ** کفارہ اس کا بھی کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں لہٰذا وہ بھی مانعِ زکوٰۃ نہیں، پھر بھی وجوب آئے گا۔ لیکن **دَینِ** زکوٰۃ خود جو ہے اس شخص پر ہے تو یہ مانعِ زکوٰۃ بنے گا۔ صورت اس کی یہ ہے **دَینِ** زکوٰۃ کی: ایک شخص ہے اس کے پاس سال کے شروع میں نصاب کے بقدر مال ہے، اور سال جب پورا ہو گیا تو اب بھی اس کے پاس نصاب کے بقدر مال ہے، تو اس پر کیا واجب ہو گئی؟ زکوٰۃ واجب ہو گئی، یہ زکوٰۃ اس کے ذمے دَین ہو گئی۔ تو یہ ہے **دَینِ** زکوٰۃ۔ لیکن اس نے یہ زکوٰۃ اس نے ادا نہیں کی یہاں تک کہ اگلا سال بھی پورا ہوا اور اگلے سال کے اختتام پر بھی اس کے پاس نصاب کے بقدر مال ہے۔ تو کیا اب اس **دَینِ** زکوٰۃ کا اعتبار کریں گے یا اعتبار نہیں کریں گے؟ کہتے ہیں بھئی **دَینِ** زکوٰۃ کا اعتبار کریں گے۔ **دَینِ** زکوٰۃ کا اعتبار کریں گے، تو **دَینِ** زکوٰۃ کب اعتبار کرتے ہیں؟ دوسرے سال کے اختتام پر، اور **دَینِ** زکوٰۃ کس سال کا ہے؟ پہلے سال کا ہے۔ اس کا اب اس وقت اعتبار کریں تو یہ جو اس کے پاس مال ہے یہ نصاب سے کم ہو جاتا ہے، کیا ہو جاتا ہے؟ نصاب سے کم ہو جاتا ہے۔ تو اور اگر اعتبار نہیں کرتے پھر تو اس وقت نصاب پورا ہے، اس سال کی بھی اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ تو یہ آپ کو بتلائیں گے کہ **دَینِ** زکوٰۃ مانع بنے گا، اس کا اعتبار کیا جائے گا، تو لہٰذا **دَینِ** زکوٰۃ کا اعتبار کیا، اور جب اس کا اعتبار کیا تو اب مال کیا ہو گیا؟ نصاب سے کم ہو گیا، اور جب نصاب سے کم ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، یعنی دوسرے سال کی زکوٰۃ اب اس پر واجب نہیں ہو گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: «**وَدَيْنُ الزَّكَاةِ مَانِعٌ حَالَ بَقَاءِ النِّصَابِ**»، اور **دَینِ** زکوٰۃ جو ہے وہ مانع ہے نصاب کے باقی رہنے کی حالت میں، جب نصاب کیا ہو؟ باقی

ہو۔ بھئی دوسرے سال کے درمیان کہیں نصاب بالکل ختم ہوا تھا؟ پورا مال اس آدمی کا ختم ہوا تھا؟ نہیں، نصاب، تو دوسرے سال پر بھی اسی طرح وہی مال بچا ہوا ہے اور پھر کتنا ہے؟ نصاب۔ تو دیکھو نصاب کے باقی رہنے کی صورت میں دوسرے سال پہ تو **دَینِ** زکوٰۃ کیا بن رہا ہے؟ مانع بن رہا ہے بھئی۔ یہ معنی ہے: «**وَدَيْنُ الزَّكَاةِ مَانِعٌ حَالَ بَقَاءِ النِّصَابِ**»، اور **دَینِ** زکوٰۃ جو ہے وہ مانع ہے نصاب کے باقی رہنے کی حالت میں، «**لِأَنَّهُ يَنْتَقِصُ بِهِ النِّصَابُ**»، کیونکہ اس کی وجہ سے نصاب کم ہو جاتا ہے، اس کا اعتبار کرتے ہیں تو نصاب سے مال کم ہو جاتا ہے۔ «**وَكَذَا بَعْدَ الِاسْتِهْلَاكِ**»، اور اسی طرح استہلاک کے بعد بھی ہے، استہلاک کے بعد بھی ہے۔

ایک آدمی ہے اس کے پاس سال کے آغاز میں بھی نصاب پورا، سال کے اختتام پر بھی نصاب پورا، تو اس پر کیا واجب ہو گئی؟ زکوٰۃ واجب ہو گئی، زکوٰۃ واجب ہو گئی۔ لیکن اس نے زکوٰۃ ابھی ادا نہیں کی تھی کہ کچھ عرصے بعد اس کا سارا مال ختم ہو گیا، ہلاک ہو گیا۔ اس کے ذمے **دَینِ** زکوٰۃ تھا، لیکن درمیان میں کیا ہوا اگلے سال؟ اس کا سارا مال ختم ہو گیا۔ تو فقہاء فرماتے ہیں اس سے **دَینِ** زکوٰۃ ساقط ہو جائے گا۔ اس سے **دَینِ** زکوٰۃ ساقط ہو جائے گا، جیسے وہ پچھلے مسئلے میں آیا تھا جہاں پر امام کرخی اور ابو بکر جصاص رازی رحمہما اللہ کا اختلاف آیا تھا، وہاں انہوں نے ذکر بھی کیا تھا دلیل کے اندر: «**وَلِهٰذَا لَا يَضْمَنُ بِهَلَاكِ النِّصَابِ**»، کہ وہ ضامن نہیں ہو گا نصاب کے ہلاک، تو وہاں دیکھو ایک شخص پر زکوٰۃ آ گئی ہے لیکن اس نے ابھی ادا نہیں کی، کچھ عرصے کے بعد اس کا سارا مال بالکل ختم ہو گیا تو کیا فرماتے ہیں فقہاء؟ اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ کس وجہ سے؟ یہ مال ہلاک، سارا مال ہی ہلاک ہو گیا۔ ہاں لیکن اگر مال ہلاک نہیں ہوا بلکہ استہلاک پایا گیا، اس نے اپنا سارا مال خود ختم کیا ہے، اس نے کیا کیا ہے؟ سارا مال خود ختم کیا ہے جس صورت میں بھی ختم کیا لیکن خود ختم کیا ہے تو یہ استہلاک ہے، اور استہلاک کی صورت میں یاد رکھیے اس پر سے **دَینِ** زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گا۔ تو لہٰذا اس کے ذمے وہ دَین باقی رہے گا اور اس کو زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی۔

کون سی صورت ذکر ہو رہی ہے؟ استہلاک۔ زکوٰۃ اس کے ذمے ہے ابھی ادا نہیں کی، پورا مال خود ہلاک ہوا تو زکوٰۃ بھی ساقط، اور اگر اس نے مال ہلاک کیا ہے، خود ہلاک کیا ہے، استہلاک ہے تو پھر اس سے وہ **دَینِ** زکوٰۃ ساقط نہیں۔ تو یہاں اب یہی ذکر کر رہے ہیں کہ «**وَكَذَا بَعْدَ الِاسْتِهْلَاكِ**»، اور اسی طرح استہلاک کے بعد ہے، استہلاک کے بعد، یعنی **دَینِ** زکوٰۃ مانع بنے گا استہلاک کے بعد بھی۔ صورت یہ صورت بنالیں اس کی، صورت یہ: ایک آدمی تھا اس کے پاس مال تھا نصاب کے بقدر، اس پر سال گزرا، اس پر زکوٰۃ واجب ہو گئی، زکوٰۃ واجب۔ اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اور دوسرا سال اب چل رہا ہے، درمیان میں اس نے خود مال سارا ہلاک کر دیا۔ جب سارا مال اس نے ہلاک کر دیا تو اب استہلاک پایا گیا، تو اس کے ذمے وہ **دَینِ** زکوٰۃ ہے یا ختم ہو گیا؟ وہ ہے، وہ اس کو ادا کرنا پڑے گا۔ پھر اس کے بعد اس کے پاس کچھ مال آ گیا، نصاب، نصاب کے بقدر مال آیا، تو اب نئے سال کا آغاز اس مال سے کریں گے۔ اب سال کو شمار کریں گے، جب اس کے پاس نصاب کے بقدر مال جس دن ہو جائے گا اس دن سے شروع کر دیں گے سال کا شمار کرنا، اور پھر اس پر بھی ایک پورا سال گزر گیا۔ اب سال کے آخر میں پھر اس کے پاس نصاب پورا ہے۔ تو اب اگر وہ استہلاک سے پہلے والا **دَینِ** زکوٰۃ جو اس کے ذمے ہے اس کا اعتبار کرتے ہیں تو یہ اب نصاب سے مال کم ہو جاتا ہے، تو کیا اس کا اعتبار کریں گے؟ اگر اس کا اعتبار کرتے ہیں تو اس پر اس سال کی زکوٰۃ نہیں۔ اور اگر اعتبار نہیں کرتے تو اس وقت نصاب پورا ہے، اس دوسرے سال کی بھی اس پر زکوٰۃ آ جائے گی۔ صورت ذہن میں بن رہی ہے؟ پہلے سال کے اندر نصاب پورا تھا وہ زکوٰۃ واجب ہو گئی تھی، اس کے بعد اس نے سارا مال ختم کر دیا لیکن سارا مال خود ختم کیا لہٰذا وہ **دَینِ** زکوٰۃ اس کے ذمے سے ساقط نہیں، وہ اس کے، پھر اس کے بعد مال آ گیا نصاب کے بقدر اور پھر اس پر پورا ایک سال گزر گیا، اب دوسرا سال پورا ہو گیا ہے، تو کیا اب اس کے اندر اس وہ **دَینِ** زکوٰۃ کا اعتبار کریں گے یا نہیں کریں گے؟ تو طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ استہلاک کے بعد بھی **دَینِ** زکوٰۃ کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ دَین اس کے ذمے ہے تو لہٰذا اس وقت اس کا اعتبار کریں گے، اور جب اعتبار کرتے ہیں تو اس وقت مال نصاب سے کم ہو جاتا ہے تو اس پر اس دوسرے سال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

یہ معنی ہے کہ **دَینِ** زکوٰۃ مانع ہے نصاب کے باقی رہنے کی حالت میں بھی کیونکہ «**لِأَنَّهُ يَنْتَقِصُ بِهِ النِّصَابُ**»، کیونکہ اس کی وجہ سے نصاب کم ہو جاتا ہے، «**وَكَذَا بَعْدَ الِاسْتِهْلَاكِ**»، اور اسی طرح استہلاک کے بعد بھی **دَینِ** زکوٰۃ کیا بنے گا؟ مانع بنے گا وجوبِ زکوٰۃ سے۔ «**خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى فِيهِمَا**»، بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے ان دونوں صورتوں میں۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں اختلاف کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں **دَینِ** زکوٰۃ مانع نہیں بنے گا، **دَینِ** زکوٰۃ مانع۔ بھئی پیچھے دو صورتیں ذکر ہوئیں نا، دو صورتیں، کون سی؟ **دَینِ** زکوٰۃ فی حالِ بقاءِ النصاب اور ایک ہے **دَینِ** زکوٰۃ بعد الاستہلاک۔ بعد الاستہلاک۔ تو ان دونوں کے نام رکھ لیں الگ الگ ان دو صورتوں کے تاکہ آسانی سے اشارے سے آپ سمجھتے جائیں۔ پہلی صورت جو ہے نا **دَینِ** زکوٰۃ مانع بنے گا بقائے نصاب کی حالت میں، اس صورت میں جو دَین، اس کو ہم **دَینِ** زکوٰۃ کہہ لیتے ہیں، کیا نام رکھ دیا اس کا؟ **دَینِ** زکوٰۃ۔ دوسرے کا ہم نام رکھ دیتے ہیں **دَینِ** استہلاک بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جی۔ تو امام زفر فرماتے ہیں **دَینِ** زکوٰۃ بھی، **دَینِ** زکوٰۃ بھی مانع نہیں بنے گا، **دَینِ** زکوٰۃ دوسرے سال میں، اور **دَینِ** استہلاک بھی مانع نہیں بنے گا، وہ فرماتے ہیں۔

وجہ، دلیل کیا اس کی؟ وہ فرماتے ہیں دیکھو، **دَینِ** زکوٰۃ کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہے۔ دوسرے سال، دوسرے سال، بھئی دوسرا سال آ گیا نا، پہلے سال کی بات نہیں ہو رہی، بلکہ دوسرا سال پورا ہو گیا ہے اور دوسرے سال کے اختتام پر اس کے پاس نصاب کے بقدر مال ہے لیکن پچھلی زکوٰۃ اس پر باقی ہے۔ تو کیا اس پچھلے سال والی، پچھلے سال والا جو **دَینِ** زکوٰۃ ہے وہ مانع بنے گا یا نہیں؟ طرفین کے نزدیک وہ مانع بنے گا، لہٰذا اس سال، دوسرے سال کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، وہ پچھلے سال والا **دَینِ** زکوٰۃ مانع نہیں بنے گا، لہٰذا اس سال کی زکوٰۃ اس پر واجب ہو گی۔ وہ فرماتے ہیں اس لیے، کیونکہ پچھلے سال کی جو **دَینِ** زکوٰۃ ہے اس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہے، اور جب بندوں کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں تو وہ کس کی طرح ہو گیا؟ **دَینِ** نذر اور **دَینِ** کفارہ کی طرح ہوا، اور **دَینِ** نذر اور **دَینِ** کفارہ تو بالاتفاق مانعِ زکوٰۃ نہیں، تو لہٰذا یہاں پر بھی دوسرے سال کے اختتام پر پہلے سال کی جو زکوٰۃ ہے وہ مانع نہیں بنے گی کیونکہ اس کا

کوئی مطالبہ کرنے والا بندوں کی طرف سے نہیں۔ اسی طرح دَینِ استہلاک کی صورت میں بھی اس شخص کے ذمے دَینِ زکوٰۃ ہے، لیکن یہاں پر بھی اس پچھلے سال والی زکوٰۃ کا کوئی مطالبہ کرنے والا بندوں کی طرف سے کوئی نہیں تو لہٰذا یہ دَینِ استہلاک بھی کس کی طرح ہوا؟ دَینِ نذر اور دَینِ کفارہ کی طرح ہوا، لہٰذا اس کے اندر بھی، لہٰذا یہ دَینِ استہلاک بھی مانعِ زکوٰۃ نہیں بنے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى فِيهِمَا»، بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے «فِيهِمَا» ان دونوں صورتوں میں۔ «وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الثَّانِي عَلَى مَا رُوِيَ عَنْهُ»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دوسری صورت میں بنابر اس کے جو نسار وایت کیا گیا ہے، بوجہ اس کے جو نسار وایت کیا گیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ صرف دوسری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔ دوسری صورت کون سی تھی؟ کون سا دَین؟ دَینِ استہلاک۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دَینِ استہلاک جو ہے وہ مانعِ وجوبِ زکوٰۃ نہیں بنے گا۔ کہتے ہیں اس لیے، کیونکہ یہ پرانی زکوٰۃ ہے اور درمیان میں اس کا سارا مال ختم ہو گیا تھا، اب اس پر ایک نیا سال گزر گیا نصاب پر، اور اس پرانی زکوٰۃ کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں۔ نئی، پچھلی زکوٰۃ کا تو کوئی مطالبہ، بھئی استہلاک کے علاوہ دوسری کون سی صورت تھی؟ بقائے نصاب والی صورت جو تھی، یعنی دَینِ زکوٰۃ، اس میں تو وہ فرماتے ہیں کہ جو عشر اور زکوٰۃ وصول کرنے والا ہے وہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو، لیکن یہ جو دَینِ استہلاک جو ہے یہ اس کا بعد میں آکر کوئی مطالبہ کرنے والا بندوں کی طرف سے نہیں، جب اس کا کوئی بندوں کی طرف سے مطالبہ کرنے والا نہیں تو یہ دَینِ نذر اور دَینِ کفارہ کی طرح ہوا، اور دَینِ نذر اور دَینِ کفارہ کے اندر تو بالاتفاق وہ مانعِ زکوٰۃ نہیں بنتے تھے لہٰذا یہ دَینِ استہلاک بھی مانعِ زکوٰۃ نہیں بنے گا، اور اس شخص پر دوسرے سال کی زکوٰۃ بھی واجب ہو گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الثَّانِي»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں دوسری صورت میں، «عَلَى مَا رُوِيَ عَنْهُ»، بوجہ اس کے جو نسار وایت کیا گیا ہے۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ لَهُ مُطَالِبًا

«لِأَنَّ لَهُ مُطَالِبًا»، یہ طرفین کی دلیل آرہی ہے بھئی طرفین کی۔ طرفین کیا فرماتے تھے؟ کہ دَینِ زکوٰۃ بھی مانع بنے گا اور دَینِ استہلاک بھی مانع بنے گا۔ «لِأَنَّ لَهُ مُطَالِبًا»، کیونکہ اس کا مطالبہ کرنے والا ہے بھئی۔ ان دونوں کا مطالبہ کرنے والا ہے کوئی شخص بھئی، بھئی وہ کون ہے؟ مطالبہ کرنے والا کون ہے؟ تو یاد رکھیے وہ فرماتے ہیں وہ امام المسلمین ہے، مسلمانوں کا جو امام ہے وہ مطالبہ کرنے والا ہے، وہ مطالبہ۔ کیونکہ امام المسلمین سے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں قرآن میں: «خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً»، کہ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، ان کے مالوں میں سے صدقہ یعنی زکوٰۃ لے لیجیے بھئی، زکوٰۃ لے لیجیے۔ یاد رکھیے زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہتے ہیں، صدقہ بھی۔ یہ جو عام انسان فقراء کو ویسے خیرات وغیرہ دے یہ بھی صدقہ ہے، اللہ کی رضا کے لیے دے رہا ہے، اسی طرح یہ زکوٰۃ بھی کس کی رضا کے لیے دی جاتی ہے؟ اللہ کی رضا کے لیے، تو یہ بھی صدقہ ہے۔ البتہ پھر اس میں یہ فرق ہے کہ یہ صدقہ، صدقۂ واجبہ ہے اور وہ جو خیرات وغیرہ ہے وہ نفلی ہے بھئی نفلی ہے، انسان اپنی مرضی سے دیتا ہے۔ البتہ یہ اس پر، زکوٰۃ اس پر واجب ہے بھئی۔

تو اللہ قرآن میں فرماتے ہیں امام المسلمین سے: «خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً»، کہ آپ ان لوگوں کے مالوں میں سے صدقہ یعنی زکوٰۃ لے لیجیے، تو امام المسلمین کو خطاب ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے میں مالدار جو ہوتے تھے ان سے صدقہ لیتے تھے بھئی، جو زکوٰۃ کا مال ہوتا تھا ان سے وصول کیا جاتا تھا اور مستحق لوگوں کو دیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب خلافت کا زمانہ آیا تو وہ بھی لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے اور پھر مستحقین کو دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی، وہ بھی اسی طرح لوگوں سے زکوٰۃ اکٹھی کی جاتی تھی اور پھر مستحق افراد میں تقسیم کی جاتی تھی، تقسیم کی جاتی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے والا ہے بندوں کی طرف سے، اور وہ کون ہے؟ امام المسلمین ہے، امام المسلمین۔

تو معلوم ہوا کہ امام المسلمین جو ہے وہ وہ مطالب ہے کس کے اندر؟ مالِ زکوٰۃ کے اندر وہ مطالبہ کرنے والا ہے۔ تو لہٰذا وہ جو پچھلے سال کا دَینِ زکوٰۃ ہے اس میں بھی امام المسلمین مطالبہ کرنے والا ہے، اسی طرح دَینِ استہلاک کے اندر بھی کون مطالبہ کرنے والا ہے؟ امام المسلمین مطالبہ کرنے والا ہے۔ تو یہ دونوں دَین ایسے ہیں، دلیل چل رہی ہے طرفین کی، وہ فرماتے ہیں یہ دونوں ایسے دَین ہیں جو امام کہ امام المسلمین ان کا مطالبہ کرنے والا موجود ہے، اور جو بھی دَین جس کا کوئی مطالبہ کرنے والا موجود ہوتا ہے وہ دَین کیا ہے مانع، وہ دَین مانعِ زکوٰۃ ہوتا ہے۔ تو لہٰذا یہ دَین بھی مانعِ زکوٰۃ بنے گا اور اس کی وجہ سے نصاب اگر کم پڑ جاتا ہے تو زکوٰۃ اس شخص پر دوسرے سال کی واجب نہیں ہو گی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟

یہ معنی ہے: «لِأَنَّ لَهُ مُطَالِبًا»، اس لیے کیونکہ اس دَینِ زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے والا ہے، «وَهُوَ الْإِمَامُ فِي السَّوَائِمِ»، اور وہ امام، وہ امام ہے یعنی امام المسلمین ہے «فِي السَّوَائِمِ»، چرنے والے جانوروں میں۔ کس میں؟ چرنے والے جانوروں میں، چرنے والے جانور۔ بھئی یہ آگے سوائم کے ابواب آرہے ہیں، چرنے والے جو جانور ہیں یعنی جو سال کا اکثر حصہ گھر سے باہر چر کر گزارتے ہیں یعنی ان کو گھر پر چارہ وغیرہ لا کر نہیں کھلایا جاتا بلکہ سال کا اکثر حصہ گھر سے باہر چر کر گزارتے ہیں، تو اس قسم کے جانوروں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ سونا، چاندی، کرنسی جو ہے، سونا چاندی اور کرنسی، یہ روپے، ڈالر وغیرہ سب کچھ اور اسی طرح مالِ تجارت جو ہے ان کے اندر زکوٰۃ واجب ہے زکوٰۃ۔ تو ان سب کے اندر مطالب کون ہوا؟ امام المسلمین مطالبہ کرنے والا ہوا، اور پھر کن کو مال یہ دیا جاتا ہے اکٹھا کر

کے؟ فقراء اور مستحقین کو دیا جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «**وَهُوَ الْإِمَامُ فِي السَّوَائِمِ**»، اور وہ امام المسلمین ہے چرنے والے جانوروں میں، «**وَالنَّائِبُ هُوَ فِي أَمْوَالِ التِّجَارَةِ**»، اور اس کا نائب ہے مالِ تجارت کے اندر۔ چرنے والے جانوروں میں کون ہے مطالبہ کرنے والا؟ امام المسلمین خود ہے، اور مالِ تجارت میں مطالبہ کرنے والا کون؟ اس کا نائب ہے نائب۔ بھئی یاد رکھیے جیسے میں نے ابھی ذکر کیا کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں بھی یہ طریقہ تھا اور پھر حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بھی یہی طریقہ جاری تھا کہ یہ سوائم اور باقی مالِ تجارت وغیرہ ہے ان کی زکوٰۃ اکٹھی کی جاتی تھی اور پھر فقراء میں تقسیم کی جاتی تھی۔ اس کے بعد پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا بھئی، ان کا زمانہ آیا۔ یہ جو مالِ تجارت ہے یہ تو عموماً تاجر چھپا کر رکھتے ہیں کسی کو بتاتے نہیں ہیں کہ میرے پاس اتنا مال ہے۔ تو اب جو زکوٰۃ وصول کرنے والا ہے جب اس نے پوری زکوٰۃ وصول کرنی ہے تو اس کو تحقیق کرنا پڑے گی، پوچھنا پڑے گا، پتہ لگانا پڑے گا کہ اس کے پاس کتنا مال ہے اور اسی کے بقدر اس سے کیا کرے گا؟ زکوٰۃ وصول کرے گا۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض مصلحتوں کے پیشِ نظر اس مال کی، یہ مالِ تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنا بند کر دی بھئی، آپ نے اس کو تاجروں ہی کے حوالے کر دیا یعنی مال کے جو مالک تھے انہی کے حوالے کر دیا کیونکہ لوگوں کو زکوٰۃ کا اور زکوٰۃ کے احکام کا پوری طرح پتہ چل چکا تھا، مملکتِ اسلامی بے انتہا وسیع ہو گئی تھی اور سب لوگوں کو زکوٰۃ کے حکم کا پتہ ہے۔ تو آپ نے لوگوں پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو انہی کے حوالے کر دیا کہ ہر شخص کیا کرے؟ اپنے اپنے مال میں سے خود ہی زکوٰۃ ادا کر دیا کرے گا کیونکہ لوگوں کو زکوٰۃ کے حکم کا پتہ چل گیا تھا اور لوگ زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے اس طرح عاملین کے ذریعے مالِ تجارت میں سے زکوٰۃ کے وصول کرنے کو ختم فرما دیا بعض حکمتوں کی وجہ سے۔

ایک حکمت جیسے یہ ذکر ہوئی کہ تاجر پسند نہیں کرتا کہ اپنا مال کسی کو بتائے میرے پاس اتنا مال ہے، اور جبکہ عامل وصول کرے گا اس سے تو کیا کرنا پڑے گا؟ اس سے تو پورا مال بتانا پڑے گا یا اس کو تحقیق کر کے پتہ لگانا پڑے گا اس کے پاس کتنا مال ہے، کتنا مال۔ اور نیز اس وجہ سے کہ مستقبل پر بھی آپ کی نظر تھی کہ آگے پتہ نہیں کس قسم کے لوگ، حکمران آتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگوں پر ظلم و ستم کریں اور جبراً ان سے زائد مال وصول کیا کریں، جیسا کہ آج کل دیکھتے بھی ہیں، یہ ٹیکس لینے والے بھئی کتنی زیادتی کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ بھئی، اور کس طرح رشوتیں وغیرہ یہ لیتے رہتے ہیں، اس کا تو آپ نے بھی مشاہدہ کیا ہو گا۔ تو ان کی نظر ان چیزوں پر بھی تھی کہ آگے پتہ نہیں کیسا زمانہ آتا ہے، کس طرح کے حکمران آتے ہیں، اور پھر جب وہ اس طرح یہ زکوٰۃ وصول کریں گے تو لازمی بات ہے کیا کریں گے؟ ظلم اور زیادتی کریں گے لوگوں کے ساتھ۔ تو چنانچہ آپ نے مالِ تجارت کے اندر زکوٰۃ کے وصول کرنے کو موقوف کر دیا، یعنی خود نہیں وصول کرتے تھے بلکہ انہی مالکان، انہی مالک جو تھے مال کے انہی کو اپنا نائب قرار دے دیا کہ یہ خود ہی میری طرف سے نائب بن کر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دیا کریں۔ اپنے مال کی، یہ کس کے، کس مال میں انہوں نے کیا؟ مالِ تجارت میں، جبکہ سوائم جو چرنے والے جانور ہیں وہ تو سب کو پتہ ہوتا ہے، جس جگہ پر بھی انسان رہتا ہے لوگوں کو اس کا پتہ ہوتا ہے، تو وہ البتہ وصول کیا جاتا تھا اور باقی مالِ تجارت کے اندر انہوں نے مالکوں ہی کو کیا بنا دیا؟ نائب بنا دیا۔

اور آج کل یہاں ہمارے پاس، ہمارے پاس تو نہ کوئی مالِ تجارت میں کوئی وصول کرنے آتا ہے امام کی طرف سے اور نہ سوائم میں کوئی وصول کرنے آتا ہے، تو اس میں ہر شخص خود ہی امام کی طرف سے نائب ہو کر کیا کرے گا؟ زکوٰۃ ادا کرے گا اپنے اپنے مال کی، تو ہر شخص گویا زکوٰۃ علیحدہ کرتے وقت، زکوٰۃ نکالتے وقت اصیل ہو گا، یعنی اپنی طرف سے، اپنی طرف سے کیا کر رہا ہے؟ یہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر رہا ہے، اور فقیر کو ادائیگی کرتے وقت وہ گویا خلیفہ کا نائب ہو گا، کیا ہو گا؟ خلیفہ کا نائب ہو گا بھئی، نائب ہو گا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو کہتے ہیں: «**لِأَنَّ لَهُ مُطَالِبًا**»، اس لیے کیونکہ **دَينِ** زکوٰۃ جو ہے اس کا مطالبہ کرنے والا ہے، «**وَهُوَ الْإِمَامُ فِي السَّوَائِمِ**»، اور وہ امام ہے چرنے والے جانوروں میں، یعنی معلوم ہوا صاحبِ ہدایہ کے زمانے تک یہ طریقہ تھا کہ چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ جو ہے کون وصول کرتے تھے؟ عاملین، خلیفہ کے آدمی آ کر وصول کرتے تھے، اسی لیے کہا «**وَهُوَ الْإِمَامُ فِي السَّوَائِمِ**»، تو «**وَهُوَ الْإِمَامُ فِي السَّوَائِمِ**»، اور وہ چرنے والے جانوروں میں امام ہے، «**وَالنَّائِبُ هُوَ فِي أَمْوَالِ التِّجَارَةِ**»، اور اموالِ تجارت میں امام المسلمین کا نائب ہے۔ بھئی نائب کون ہے؟ اس میں تو کوئی وصول کرنے نہیں آیا، وصول کرنے ہی نہیں آتا؟ تو جواب دے رہے ہیں: «**فَإِنَّ الْمُلَّاكَ نُوَّابُهُ**»، ملاک جمع ہے مالک کی، مالک بھئی، اور نواب جمع ہے نائب کی، تو فرما رہے ہیں: «**فَإِنَّ الْمُلَّاكَ نُوَّابُهُ**»، اس لیے کیونکہ جو مالِ تجارت کے مالکین ہیں، «**نُوَّابُهُ**»، وہ اس امام المسلمین کے نائبین ہیں بھئی۔ تو زکوٰۃ نکالنے میں، الگ کرنے میں تو وہ اپنے مال کی زکوٰۃ دے رہا ہے وہ اصیل ہے، اور زکوٰۃ جب فقیر کو دے رہا ہے تو امام المسلمین کا نائب ہے بھئی، نائب ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی۔ **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۹۴: وَلَيْسَ فِي دُورِ السُّكْنَى وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَ أَثَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۰۲ــــ بتاریخ: ۲۰ مارچ ۲۰۱۳ء

وَلَيْسَ فِي دُورِ السُّكْنَى وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَأَثَاثِ الْمَنَازِلِ وَدَوَابِّ الرُّكُوبِ وَعَبِيدِ الْخِدْمَةِ وَسِلَاحِ الِاسْتِعْمَالِ زَكَاةٌ لِأَنَّهَا مَشْغُولَةٌ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَلَيْسَتْ بِنَامِيَةٍ أَيْضًا، وَعَلَى هَذَا كُتُبُ الْعِلْمِ لِأَهْلِهَا وَآلَاتُ الْمُحْتَرِفِينَ لِمَا قُلْنَا۔ [1]

بھئی یہ میں شروع میں بیان کر چکا ہوں کہ گھر کے سامان اور استعمال کی چیزوں کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے بھائی، چاہے جتنا بھی زیادہ کیوں نہ ہو، اس کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ صرف سونے چاندی اور کرنسی جو ہے یعنی روپے پیسے وغیرہ اور اسی طرح سامانِ تجارت کے اندر ہے، گھر کے سامان میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور یہ بھی میں نے بتایا تھا مالِ تجارت وہ ہے جس کو انسان خرید تا ہی اس نیت سے ہے کہ اس کو آگے پھر بیچے گا اور اس کے ذریعے نفع کمائے گا۔

تو یہی بات اب ذکر کر رہے ہیں: **وَلَيْسَ فِي دُورِ السُّكْنَى**، دور جمع ہے دار کی، اور سکنیٰ رہائش بھائی، اور رہائش کے گھروں میں یعنی رہنے کے گھروں میں نہیں ہے، **وَثِيَابِ الْبَدَنِ** اور بدن کے کپڑوں میں، **وَأَثَاثِ الْمَنَازِلِ** اور گھروں کے سامان میں، **وَدَوَابِّ الرُّكُوبِ** اور سواری کے جانوروں میں، **وَعَبِيدِ الْخِدْمَةِ** اور خدمت کے غلاموں میں، **وَسِلَاحِ الِاسْتِعْمَالِ** اور استعمال کے اسلحے میں نہیں ہے **زَكَاةٌ**، کیا نہیں ہے؟ زکوٰۃ نہیں ہے، تو ان سب چیزوں کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے۔

کیوں ان میں زکوٰۃ کیوں نہیں؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهَا مَشْغُولَةٌ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَلَيْسَتْ بِنَامِيَةٍ أَيْضًا**، اس لیے کیونکہ یہ اس شخص کی حاجتِ اصلی میں مشغول ہے، یہ مال کس کے اندر مشغول ہے؟ اس کی حاجتِ اصلی، بنیادی ضرورت کے اندر مشغول ہے، **وَلَيْسَتْ بِنَامِيَةٍ أَيْضًا** اور نیز یہ نامی بھی نہیں ہے، نیز یہ نامی بھی نہیں ہے۔

بھئی مالِ نامی وہ جس میں زیادتی ہو، زیادتی ہو۔ اور اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور وہ میں نے بتلا دیا سونا ہے، چاندی ہے، کرنسی ہے، اور مالِ تجارت ہے۔

سونا اور چاندی جو ہیں، ان میں نما ہے، زیادتی ہے خلقۃً، باعتبار پیدائش کے ہی، ان کو اللہ نے بنایا ہی پیدا ہی بطور ثمن کے فرمایا ہے، کہ ان کو کس لئے لوگ استعمال کرتے ہیں؟ زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک اس کو ثمن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، تو یہ خلقۃً ہی کیا ہیں؟ ثمن ہیں، تو ان میں نما ہے، زیادتی ہے کیونکہ یہ ثمن ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور اسی طرح کرنسی وغیرہ یہ بھی اسی سونے چاندی کا نعم البدل ہے بھائی، تو لہٰذا تو یہ اسی کا بدل ہے، تو لہٰذا ان کے اندر بھی نما ہے۔ اور اسی طرح مالِ تجارت، جس چیز کو تجارت کی نیت سے خریدا ہے تو اس میں بھی کیا ہے؟ نما ہے بھائی نما ہے۔

تو لہٰذا نما یا تو وہ تخلیقی ہو گا، جیسے سونے چاندی اور کرنسی کے اندر ہے، کرنسی کو بھی کس لئے بنایا گیا ہے؟ بطور ثمن ہی کے بنایا گیا ہے، اس کے ذریعے چیزیں خریدی جاتی ہیں۔ اور یا نما کس وجہ سے آئے گا کہ انسان اس کو کس کے لئے تیار کرتا ہے؟ نما کے لیے، زیادتی کے لیے، سامانِ تجارت، انسان کیوں خرید تا ہے؟ کیا مقصد ہوتا ہے؟ نما، یعنی مال کے اندر تاکہ زیادتی ہو جائے، مقصد ہی یہ ہوتا ہے۔ تو سونا چاندی اور کرنسی جو ہو گئے ان میں یوں کہیں نما خلقۃً ہے، سونے اور چاندی کو تو اللہ نے اسی لیے پیدا فرمایا اور سونے چاندی کے طور پر انسان کس کو استعمال کرتا ہے عام طور پر؟ کرنسی کو بھی، تو یہ بھی وہ ثمن کے طور پر ہی ان کو بنایا گیا بھائی۔

تو یہ جو مال ہیں، یہ جو گھر ہیں اور کپڑے ہیں، گھر کا سامان ہے، اور سواری کے جانور ہیں، خدمت کے غلام ہیں اور استعمال کا اسلحہ ہے، یہ انسان کی حاجتِ اصلی میں مشغول ہے، اس وجہ سے ان میں زکوٰۃ نہیں، **وَلَيْسَتْ بِنَامِيَةٍ أَيْضًا** اور نیز یہ نامی بھی نہیں ہیں، ان کو تجارت وغیرہ کے لیے انسان نے نہیں لیا۔ البتہ یاد رکھیے سونا

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۲۵): «له»۔ • شاملہ (ص ۱۲۵) میں «دَيْنٌ» کے بجائے «الدين» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۲۵) میں «يَجِبُ» کے بجائے «تجب» درج ہے۔

چاندی جو ہے، سونا چاندی، وہ چاہے گھر کے سامان میں، مثلاً برتن ہی کیوں نہ اس کا بنا ہوا ہو، اس کے اندر کیا آئے گی؟ زکوٰۃ آئے گی بھائی، کیونکہ ان میں وہ خلقۃً نامی ہیں، ان میں نما ہے، وہ بطور ثمن کے طور پر اللہ نے پیدا فرمائے۔

وَعَلَى هَذَا كُتُبُ الْعِلْمِ لِأَهْلِهَا اور اسی پر ہیں علم کی کتابیں بھی **لِأَهْلِهَا** ان اہلِ علم کے لیے، ان کتابوں والوں کے لیے، یعنی یہ جو اہلِ علم کے پاس جو کتابیں ہوتی ہیں وہ بھی اسی طرح ہیں، یعنی ان میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ وہ تجارت کے لیے نہیں، ہاں اگر وہ کتابیں تجارت کے لیے ہیں تو پھر اس صورت میں ان کے اندر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

وَآلَاتُ الْمُحْتَرِفِينَ اور محترف کہتے ہیں پیشہ ور، جو مختلف کاریگر ہوتے ہیں، مختلف پیشوں والے ہوتے ہیں، تو پیشے والا محترف۔ اور اسی پر ہے **وَآلَاتُ الْمُحْتَرِفِينَ** پیشہ وروں کے جو آلات ہیں، یعنی ان میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے **لِمَا قُلْنَا** اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی کیونکہ یہ ان کی حاجتِ اصلی میں مشغول ہے اور نیز یہ کہ یہ نامی بھی نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اس کو تجارت کے لیے نہیں خریدا، بیچنے کے لیے نہیں خریدا۔ تو مختلف پیشوں والوں کے جو آلات ہیں مثلاً کوئی ترکھان ہے تو اس کے جو آلات ہیں ان میں بھی زکوٰۃ نہیں، اسی طرح کوئی اور پیشہ کرنے والا ہے اس کے جو آلات ہیں تو ان میں بھی زکوٰۃ نہیں۔

وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ دَيْنٌ فَجَحَدَهُ سِنِينَ ثُمَّ قَامَتْ بِهِ بَيِّنَةٌ لَمْ يُزَكِّهِ لِمَا مَضَى۔

بھئی یاد رکھیے ایک مسئلہ، یہ جو قرض ہے نا قرض، آپ نے کسی کو بطور قرض کے مال دیا ہے تو اس قرض کے اندر زکوٰۃ دینا پڑے گی آپ کو۔ سمجھ میں آیا؟ اور گزشتہ سالوں کی اگر ادا نہیں کی تو پھر جب وصول ہو جائے تو آپ کو ادا کرنا پڑے گی اس میں بھائی، ادا کرنا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ قرض کے اندر کیا واجب ہے؟ زکوٰۃ واجب ہے، یا تو ہر سال آپ ساتھ ساتھ حساب کر کے اس پر بھی زکوٰۃ دیتے رہیں، مثلاً آپ نے زید کو دس لاکھ روپے دیے ہوئے ہیں تو سال گزرنے پر زکوٰۃ کے اندر ان کا بھی حساب لگائیں گے اور اس کی بھی زکوٰۃ آپ کو دینا پڑے گی، تو چاہے ابھی دیتے جائیں ساتھ ساتھ، اور چاہیں تو جب وصول ہوں تو اس کے ساتھ ساتھ دیتے جائیں بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔

لیکن ایک وہ قرض ہے جس کے وصولی اور واپسی کی کوئی صورت دکھائی ہی نہیں دیتی، جس کی وصولی کی کوئی صورت دکھائی ہی نہیں دیتی، یاد رکھیے اس کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ مثلاً آپ نے کسی کو قرض دے دیا ہے اور کوئی گواہ وغیرہ بھی نہیں ہے آپ کے پاس اور وہ شخص اب آپ کو دے ہی نہیں رہا بھائی، سمجھ میں آیا؟ دے نہیں رہا، انکار کر دیتا ہے وغیرہ، تو آپ تھک گئے مطالبہ کر کر کے، وہ نہیں دے رہا، قرض اب آپ بالکل مایوس ہیں کہ اس کے تو ملنے کی کوئی صورت نہیں، تو اس قسم کا جو قرض ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ لہٰذا اگر فرض کریں دس سال بعد پھر اچانک وہ آپ کو آپ کے پیسے دے دیتا ہے تو اب گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ آپ کے ذمے نہیں ہے، کیونکہ اس قرض کی وصولی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی۔

اور یاد رکھیے یہ اس طرح کا جو مال ہو جس میں واپسی کی امید نہ ہو اسے مالِ ضمار کہتے ہیں، ضاد کے ساتھ، یہ آگے ہدایہ میں صاحبِ ہدایہ بھی ذکر کر رہے ہیں، اس قسم کا جو مال ہے جس میں واپسی کی بالکل امید نہ ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ مالِ ضمار، تو مالِ ضمار کے اندر یاد رکھنا زکوٰۃ واجب نہیں، اور اگر بعد میں جس وقت مل بھی جائے تو گزشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ نہیں دینا پڑے گی کیونکہ اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہی نہیں۔ ہاں جب مل جائے گا اس کے بعد اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

تو یہی بات بیان کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ بھائی، مالِ ضمار کا جو مسئلہ ہے اب وہ ذکر کرنے لگے ہیں: **وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ دَيْنٌ** اور وہ شخص جس کا دوسرے پر کوئی دین تھا **فَجَحَدَهُ** تو اس نے کیا کر دیا اس کا؟ انکار کر دیا **سِنِينَ** کئی سالوں تک، کئی سالوں تک وہ انکار کرتا رہا **ثُمَّ قَامَتْ بِهِ بَيِّنَةٌ** پھر اس پر بینہ قائم ہوگئی۔ کیا قائم ہوگئی؟ گواہی قائم ہوگئی، **لَمْ يُزَكِّهِ** تو پھر اس کی زکوٰۃ نہیں دے گا **لِمَا مَضَى** وہ جو گزر چکا، یعنی گزشتہ سالوں کی پھر وہ زکوٰۃ نہیں دے گا۔

صورت یہ کہ ایک شخص تھا اس کو آپ نے قرضہ دیا تھا اور گواہ وغیرہ آپ کے پاس نہیں تھے اور اس نے اب قرضے کا انکار کر دیا کہ میں نے کوئی آپ کے پیسے نہیں دینے، تو کئی سال گزر گئے، پھر آپ کو بینہ مل گیا، گواہ مل گئے۔ گواہ کس طرح مل گئے؟ کہ اس شخص نے کچھ لوگوں کے سامنے خود اقرار کر لیا کہ اس نے آپ کے پیسے دینے ہیں، جب خود اس نے لوگوں کے سامنے اقرار کر لیا تو وہ لوگ گواہ بن گئے یا نہیں آپ کے لیے؟ وہ گواہ بن گئے، تو آپ کو دیکھو گواہی میسر آگئی کئی سال کے بعد، اب آپ ان گواہوں کے ذریعے پیسے وصول کر سکتے ہیں۔ تو اب کیا ان گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ آئے گی یا نہیں آئے گی؟ تو میں نے آپ کو بتلا دیا کہ یہ کیا ہے؟ مالِ ضمار، جس کی واپسی کی کوئی امید نہ ہو، اس میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ اسی لیے انہوں نے کہا کہ **لَمْ يُزَكِّهِ لِمَا مَضَى** کہ وہ زکوٰۃ نہیں دے گا اس کی ان سالوں کی جو گزر چکے ہیں۔

صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں **ثُمَّ قَامَتْ بِهِ بَيِّنَةٌ** آیا متن کے اندر، پھر بینہ قائم ہوگئی اس کا کیا معنیٰ ہے؟ پہلے تو وہ انکار کرتا تھا کوئی گواہ نہیں تھے پھر کہاں سے یہ اچانک گواہ آگئے؟ بتلا رہے ہیں **مَعْنَاهُ** معنیٰ اس کا یہ ہے: **صَارَتْ لَهُ بَيِّنَةٌ** کہ اس شخص کے لیے بینہ ہوگئی **بِأَنْ أَقَرَّ عِنْدَ النَّاسِ** بایں صورت کہ اس شخص نے جس نے آپ کا قرضہ دینا تھا اور انکار کر رہا تھا اس نے لوگوں کے سامنے اقرار کر لیا، **وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْمَالِ الضِّمَارِ** اور یہ مالِ ضمار کا مسئلہ ہے۔

وَفِيهِ خِلَافُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ اور اس میں امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں مالِ ضمار کے اندر بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ ان کی دلیل آگے آرہی ہے، وہ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کا سبب پایا گیا، اور زکوٰۃ کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ نصابِ نامی کا مالک ہونا، تو یہ جو مال وہ آپ کو دے تو نہیں رہا لیکن اس کے مالک، اس کا مالک تو یہی شخص ہے، تو یہ نصابِ نامی کا مالک ہوا، اور نصابِ نامی کا مالک جب کوئی ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اسے زکوٰۃ دینا پڑتی ہے، تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ ہاں صرف یہ ہے اس آدمی، یہ آدمی مالک تو ہے اس نصابِ نامی کا، صرف اس کا قبضہ نہیں ہے، تو قبضہ نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں اور قبضہ نہ ہونا یہ وجوب کے منافی نہیں۔ قبضہ نہ ہو پھر بھی کیا آئے گا؟ وجوب آئے گا بھائی۔ تو اس میں اختلاف کرتے ہیں امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ۔

وَمِنْ جُمْلَتِهِ الْمَالُ الْمَفْقُودُ اور اسی جملہ مالِ ضمار میں سے جو ہیں یعنی اسی میں سے اسی مجموعے میں سے، اب مالِ ضمار کی مختلف صورتیں ذکر کر رہے ہیں، مالِ ضمار کسے کہتے ہیں؟ وہ مال جس کے ملنے کی اور جس کی واپسی کی کوئی امید نہ ہو، وہ مالِ ضمار ہے، اس کی مختلف صورتیں ہیں وہ سب ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، تو کہتے ہیں: **وَمِنْ جُمْلَتِهِ** اور جملہ مالِ ضمار میں سے **الْمَالُ الْمَفْقُودُ** وہ مال ہے جو کھو گیا ہے، جو گم ہو گیا ہے آپ سے، کوئی چیز آپ کی کوئی مال آپ کا گم ہو گیا اب اس کے ملنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو یہ بھی کیا ہے؟ مالِ ضمار، اور پھر دس سال بعد اچانک آپ کو مل گیا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں آئے گی۔

وَالْآبِقُ اور اسی طرح بھاگا ہوا غلام ہے، بھاگا ہوا غلام بھائی، بھاگنے والا، اب اس کے بھی ملنے کی کوئی امید نہیں، لیکن پھر آپ کو، تجارت کے لیے تھا نا، مثلاً خدمت کے لیے نہیں تھا بلکہ تجارت کے لیے خریدا تھا غلام اور وہ بھاگ گیا تو بعد میں مل جاتا ہے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں۔

وَالضَّالُّ اور جس سے راستہ کھو گیا ہو۔ اب ایک غلام ہے آپ کا تجارت کے لیے آپ نے خریدا لیکن وہ کہیں راستے میں گم ہو گیا، اس بیچارے سے راستہ غلط ہو گیا اور گم ہو گیا، گم ہو گیا، یا اسی طرح آپ کے جانور ہیں اور یہ جن کا جن کو آپ نے کس لیے خریدا ہے؟ تجارت کے لیے خریدا ہے، اور یہ کھو گئے بھائی تو پھر بڑے عرصے بعد ملے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں۔ تو یہ سب مالِ ضمار ہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَمِنْ جُمْلَتِهِ الْمَالُ الْمَفْقُودُ** اور اس جملہ مالِ ضمار میں سے وہ مال ہے جو کھو گیا ہو، **وَالْآبِقُ** اور وہ غلام جو بھاگا ہو، **وَالضَّالُّ** اور وہ جو راستے راستہ جس سے کھو گیا ہو، **وَالْمَغْصُوبُ** اور اسی طرح وہ مال جس کو غصب کر لیا گیا ہو، غصب جانتے ہیں بھائی؟ کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز پر زبردستی قبضہ کر لے، اس کو چھین لے، یہ کیا ہے؟ مغصوب۔ تو یہ بھی مالِ ضمار ہے، لیکن کب؟ **إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ** جب اس پر کوئی بینہ یعنی گواہی نہ ہو، اگر گواہی ہے، گواہ ہیں آپ کے پاس جو جنہیں علم ہے کہ یہ آپ کا مال ہے زید نے لے لیا ہے تو پھر تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ قاضی کے ذریعے وہ مال وصول کر سکتے ہیں، تو گواہ ہوں تو پھر وہ مالِ ضمار نہیں ہے، ہاں اگر گواہ نہیں ہے تو وہ مغصوب شدہ مال مالِ ضمار ہے۔ یہ معنیٰ ہے **وَالْمَغْصُوبُ** اور وہ مغصوب **إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ** کہ جب اس پر بینہ نہ ہو۔

وَالْمَالُ السَّاقِطُ فِي الْبَحْرِ اور وہ مال جو گر گیا ہو سمندر میں، دیکھو اس کے بھی ملنے کی کوئی امید نہیں، لیکن پھر کوئی صورت کسی طرح آپ کو مل گیا بھائی۔

وَالْمَدْفُونُ فِي الْمَفَازَةِ اور وہ مال جس کو دفن کر دیا گیا ہو جنگل میں، کسی شخص نے جنگل میں کسی جگہ اپنا مال دفن کیا تھا، سمجھ میں آیا بھائی؟ سفر میں آرہا تھا اس کے پاس مال تھا لیکن خطرہ تھا کہیں ڈاکو وغیرہ نہ آجائیں، اس نے جنگل ہی میں ایک نشانی متعین کی اور وہاں مال کو دفن کر دیا، پھر بعد میں بھول گیا کہ کس جگہ دفن کیا تھا، اب یہ مال ملنے کی کوئی امید نہیں، بعد میں اگر اس کو مل بھی جاتا ہے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں کیونکہ یہ مالِ ضمار ہے۔ یہ معنیٰ ہے اور وہ مال جسے جنگل میں دفن کر دیا ہو **إِذَا نَسِيَ مَكَانَهُ** جب اس کی جگہ بھول گیا ہو، اگر بھولا نہیں ہے پھر مالِ ضمار نہیں ہے۔

وَالَّذِي أَخَذَهُ السُّلْطَانُ مُصَادَرَةً اور وہ مال جسے لے لیا ہو بادشاہ نے مصادرۃً ضبط کرتے ہوئے، بادشاہ کیا کرتے ہیں بعض اوقات بطور سزا کے کسی کا مال اور جائیداد وغیرہ کو ضبط کر لیتے ہیں، تو وہ مال جس کو بادشاہ نے ضبط کر لیا تھا، اب دیکھو اس کی بھی ملنے کی کوئی امید نہیں، لیکن اگر مل جاتا ہے کئی سالوں بعد تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں کیونکہ یہ کیا ہے؟ مالِ ضمار ہے۔

جی تو یہ مالِ ضمار کی مختلف صورتیں ذکر کر دیں بھائی۔

وَوُجُوبُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ بِسَبَبِ الْآبِقِ وَالضَّالِّ وَالْمَغْصُوبِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ اور صدقۂ فطر کا واجب ہونا بوجہ بھگوڑے غلام کے، **وَالضَّالِّ** اور وہ جو راستہ کھو گیا جس سے راستہ گم ہو گیا ہو، **وَالْمَغْصُوبِ** اور وہ جسے غصب کر لیا گیا ہو **عَلَى هَذَا الْخِلَافِ** وہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔

بھئی بھاگا ہوا غلام ہے، کیا اس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہو گا یا نہیں؟ اسی طرح وہ غلام جو راستہ جن سے کھو گیا ہے وہ گم ہو گئے ہیں، ان میں بھی صدقۂ فطر بھی آئے گا یا نہیں؟ اسی طرح مغصوب وہ غلام جس کو کسی نے کیا کر لیا ہے؟ غصب کر لیا اور اس کے پاس کوئی بینہ نہیں، ان کے اندر آپ نے اوپر پڑھ لیا کہ ان کے اندر زکوٰۃ نہیں، تو کیا ان میں صدقۂ فطر بھی ہو گا یا نہیں؟ یعنی عید پر جو صدقہ دیا جاتا ہے، کہتے ہیں بھئی اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک ان میں ان میں صدقۂ فطر واجب نہیں، جبکہ امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے اندر بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔

لَهُمَا، اب امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل آئی: **لَهُمَا** ان دونوں کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَحَقَّقَ** کہ سبب جو ہے وہ تو وہ تحقیق پایا گیا ہے، **وَفَوَاتُ الْيَدِ غَيْرُ مُخِلٍّ بِالْوُجُوبِ** اور قبضے کا فوت ہو جانا یہ وجوب میں مخل نہیں ہے، اس سے وجوب کے اندر کوئی خلل نہیں پڑتا، صرف قبضہ نہیں ہے تو قبضے سے کوئی خلل نہیں پڑتا، **كَمَالِ ابْنِ السَّبِيلِ، كَمَالِ**، یہ کاف جارہ الگ ہے، اور **مَالِ ابْنِ السَّبِيلِ**، ابن السبیل یعنی مسافر، جیسے کہ مسافر کا مال ہے۔ جیسے کس کا مال ہے؟ مسافر کا۔

بھئی دیکھیے ایک آدمی ہے بڑا مالدار ہے بھائی، بڑا مالدار ہے، لیکن وہ سفر پر گیا، اب سفر کے اندر تو تھوڑا سا مال انسان کے ساتھ ہوتا ہے، اب دور کسی چلا گیا اور وہاں پر وہاں پر اب اس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہیں، لیکن گھر پر جو مال ہے وہ نصاب کے بقدر ہے یا نہیں ہے؟ نصاب کے بقدر ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی اس کے وہ مال جو گھر پر موجود ہے۔

تو امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ اس کو یہ جو مالِ ضمار ہے اس کو قیاس کرتے ہیں اس مسافر کے مال پر، کہتے ہیں دیکھو اس مسافر کا بھی فی الحال مال پر قبضہ نہیں، قبضہ ہے؟ نہیں، کیونکہ وہ تو گھر سے دور ہے مال تو اس کے قبضے میں نہیں ہے وہاں پر، وہ تو گھر پر موجود ہے، تو کہتے ہیں جیسے اس مسافر کا اپنے مال پر قبضہ نہیں اور اس کی وجہ سے وجوبِ زکوٰۃ میں کوئی خلل نہیں آیا بالاتفاق اس پر کیا واجب ہو گی؟ زکوٰۃ واجب ہو گی، تو یہ جو مالِ ضمار ہے یہ بھی اسی کے مال کی طرح ہوا، اس میں بھی صرف قبضہ نہیں ہے، ملکیت تو ہے، لہٰذا اس میں کیا آئے گی؟ زکوٰۃ آئے گی بھائی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی؟

وَلَنَا اور ہماری دلیل جو ہے **قَوْلُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «لَا زَكَاةَ فِي مَالِ الضِّمَارِ»** اور ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے، آپ نے فرمایا: **«لَا زَكَاةَ فِي مَالِ الضِّمَارِ»** مالِ ضمار کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے، یہ ایک نقلی دلیل آ گئی۔ آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: **وَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي** اور نیز اس لیے کہ اس زکوٰۃ کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ مالِ نامی بڑھنے والا مال ہے، **وَلَا نَمَاءَ إِلَّا بِالْقُدْرَةِ عَلَى التَّصَرُّفِ** اور زیادتی یعنی بڑھوتری جو ہے نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ انسان تصرف پر قادر ہو، مال کا مالک کیا ہو؟ اس مال میں تصرف کرنے پر قادر ہو، **وَلَا قُدْرَةَ عَلَيْهِ** اور اس پر تو قدرت نہیں ہے، تصرف پر تو اس کی قدرت نہیں۔

بھئی جب مالِ ضمار ہے، وہ اس کے قبضے میں ہے؟ جب قبضے میں نہیں ہے تو یہ اس میں تصرف پر قادر ہے؟ نہیں، کوئی اس کے ذریعے کوئی چیزیں وغیرہ خرید سکتا ہے؟ نہیں، یہ اس میں کسی قسم کے تصرف پر قادر نہیں ہے، اور تصرف پر انسان قادر ہو تبھی مال کے اندر اس مالِ تجارت ہے یا مال ہے اس کے اندر زیادتی ہو سکتی ہے، ویسے تو زیادتی نہیں ہوتی، جب زیادتی نہیں ہو سکتی تو یہ مالِ نامی نہ ہوا اور جب مالِ نامی نہ رہا تو اس کے اندر زکوٰۃ بھی واجب نہیں کیونکہ زکوٰۃ عام مال میں نہیں ہوتی بلکہ مالِ نامی میں ہوتی ہے۔

یہ معنیٰ ہے کہ: **وَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي** کہ سبب جو ہے وہ مالِ نامی ہے، **وَلَا نَمَاءَ إِلَّا بِالْقُدْرَةِ عَلَى التَّصَرُّفِ** اور نما یعنی زیادتی جو ہے وہ نہیں ہوتی مگر تصرف پر قدرت کے ذریعے ہی، **وَلَا قُدْرَةَ عَلَيْهِ** اور اس تصرف پر تو قدرت حاصل نہیں ہے۔

اور باقی آپ نے اس کو کس پر قیاس کیا تھا؟ مسافر پر، کہتے ہیں نہیں بھائی مسافر پر قیاس نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ مسافر اگرچہ وطن سے دور ہے لیکن وہ اپنے مال پر اس میں تصرف کرنے پر پھر بھی قادر ہے اپنے نائب کے ذریعے، وہ کیا کر دیتا ہے؟ کسی کو اپنا نائب بنا سکتا ہے اپنے وطن کے اندر، تو جبکہ مالِ ضمار کے اندر ایسا نہیں ہے، وہاں آپ کسی کو اپنا نائب بھی نہیں بنا سکتے۔

تو کہتے ہیں: **وَابْنُ السَّبِيلِ يَقْدِرُ بِنَائِبِهِ** اور مسافر جو ہے وہ تو قادر ہوتا ہے یعنی کس پر قادر ہوتا ہے؟ تصرف پر، وہ تو قادر ہوتا ہے **بِنَائِبِهِ** اپنے نائب کے ذریعے، **وَالْمَدْفُونُ فِي الْبَيْتِ.**

یہاں اب بتلا رہے ہیں ایک شخص ہے اس نے اپنے گھر میں یا اپنے کمرے کے اندر کسی جگہ پر مال کو دفن کر دیا اور بھول گیا، بھول گیا، تو کیا اس پر زکوٰۃ آئے گی یا زکوٰۃ نہیں آئے گی؟ تو بتلا رہے ہیں بھئی اس تک پہنچنا تو کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ سارا گھر یا سارا کمرہ اس کے اپنے قبضے میں ہے، تو سارے کی کھدائی کر کے اس مال کو یہ حاصل کر سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَالْمَدْفُونُ فِي الْبَيْتِ نِصَابٌ** اور وہ جو دفن کیا گیا ہو کمرے کے اندر **نِصَابٌ** وہ نصاب ہے **لِتَيَسِّرِ الْوُصُولِ إِلَيْهِ** کیونکہ اس تک پہنچنا آسان ہے۔

وَفِي الْمَدْفُونِ فِي الْأَرْضِ أَوِ الْكَرَمِ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ اور وہ جس کو دفن کیا گیا ہو زمین میں **أَوِ الْكَرَمِ** یا باغ کے اندر **اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ** اس میں مشائخ یعنی فقہاء کا اختلاف ہے۔

كَرَم بھائی **كَرَم**، کرم را کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا ایک معنیٰ ہے سرسبز و شاداب زمین بھائی، سرسبز و شاداب زمین، مراد یہاں باغ ہے، کیا مراد ہے؟ باغ۔ اور اگر کرم کو را کے سکون کے ساتھ پڑھیں **أَوِ الْكَرْمِ** تو کرم جو ہے یہ انگور اور انگور کی بیل کو کہتے ہیں بھائی، انگور کی بیل کو کہتے ہیں، تو بہر حال مراد یہاں اس سے باغ ہے،

کیا مراد ہے؟ باغ ہے، تو اس کے اندر کسی نے مال دفن کیا۔

صورت یہ: ایک آدمی نے اپنی زمین کے اندر، کوئی کھیت وغیرہ ہیں، ان کھیتوں میں کیا کیا اس نے؟ مال دفن کر دیا، یا اس کا کوئی کھیت کہہ لیں یا ویسے زمین ہے اس کی، اس میں اس نے کہیں مال دفن کیا، یا اپنے باغ کے اندر کسی جگہ پر مال دفن کیا اور پھر وہ جگہ بھول گیا، تو کیا اس کے اندر زکوۃ واجب ہو گی یا واجب نہیں ہو گی؟ تو کہتے ہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اس میں بھی زکوۃ واجب ہو گی کیونکہ زمین یا باغ اس کی اپنی ملکیت ہے اور یہ اس مال تک پہنچ سکتا ہے ساری زمین کو کھود کر، جبکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ نہیں، اگرچہ زمین اس کی ملکیت ہے اور یہ ساری زمین کو کھود کر مال تک پہنچ سکتا ہے لیکن ساری زمین یا سارے باغ کو کھودنا یہ بڑا مشکل کام ہے اور شریعت کے اندر حرج اور تنگی کو دور کیا گیا ہے، تو اس میں چونکہ حرج واقع ہو گا لہٰذا اس وجہ سے اس مال میں زکوۃ واجب نہیں ہو گی بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَفِي الْمَدْفُونِ فِي الْأَرْضِ أَوِ الْكَرَمِ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ** اور وہ مال جو دفن کیا گیا ہو زمین میں یا باغ کے اندر اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

وَلَوْ كَانَ دَيْنٌ عَلَى مُقِرٍّ مَلِيءٍ أَوْ مُعْسِرٍ تَجِبُ الزَّكَاةُ۔

اب وہ قرض کا مسئلہ آیا بھائی، میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا کہ اگر کسی کو آپ نے قرض دیا ہے تو اس میں بھی زکوۃ واجب ہو گی، ہاں اگر وہ مالِ ضمار ہے اور آپ کے پاس کوئی گواہ نہیں وصولی کی کوئی صورت نہیں پھر تو اس میں زکوۃ نہیں، لیکن اگر قرض دیا ہے اور آپ کے پاس گواہ موجود ہیں تو اس میں زکوۃ واجب ہو گی، چاہے جس کو مال دیا ہے آپ نے قرض دیا ہے چاہے وہ مالدار ہو چاہے وہ تنگدست ہو، تنگدست ہو، تو دونوں صورتوں میں زکوۃ واجب ہو گی۔ کون سی صورت میں؟ جب آپ کے پاس بینہ وغیرہ موجود ہو، کیونکہ آپ قاضی کے ذریعے اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَلَوْ كَانَ الدَّيْنُ عَلَى مُقِرٍّ مَلِيءٍ أَوْ مُعْسِرٍ** اور اگر دین ایسے شخص پر تھا جو اقرار کرنے والا ہے **مَلِيءٍ** اور مالدار ہے، ملی ء کا معنیٰ ہوتا ہے مالدار، اور اگر دین ایسے اقرار کرنے والے بھائی دیکھو مقر کہا، اقرار کرنے والا، جو قبول کر رہا ہے، مان رہا ہے کہ اس کا اس نے آپ کا قرضہ دینا ہے، یا اس پر میں نے اور صورت بھی ذکر کر دی بینہ وغیرہ وہ سب اس میں آ گئے۔ جبکہ پچھلی صورت میں وہ شخص دین کا سرے سے انکار کر رہا تھا۔

تو کہتے ہیں: دین اگر ایسے اقرار کرنے والے پر ہے **مَلِيءٍ** جو مالدار ہے **أَوْ مُعْسِرٍ** یا تنگدست ہے **تَجِبُ الزَّكَاةُ** تو زکوۃ واجب ہو گی **لِإِمْكَانِ الْوُصُولِ إِلَيْهِ** اس وجہ سے کہ اس قرضے تک یعنی اس مال تک پہنچنا اس قرض خواہ کے لیے ممکن ہے **ابْتِدَاءً** شروع سے ہی، شروع سے ہی، کیا معنیٰ شروع سے ہی؟ یعنی وہ جب مالدار ہے، جب مالدار ہے تو اس قرضے اور اقرار کر رہا ہے تو اس سے جا کر کیا کر سکتا ہے؟ وصول کر سکتا ہے، وصول کر سکتا ہے ابتداءً ہی۔

وَبِوَاسِطَةِ التَّحْصِيلِ یا تحصیل کے واسطے سے اس مال تک یہ پہنچ سکتا ہے، یہ کس کے ساتھ تعلق ہے؟ تنگدست، تنگدست ہے بھائی اس کے اگرچہ اس وقت ہاتھ میں کچھ نہیں، آپ کا مال اس وقت وہ ادا نہیں کر سکتا، لیکن وہ مال حاصل کر کے یعنی کمائی کر کے آپ کو قرضہ دے سکتا ہے یا نہیں دے سکتا؟ تو لہٰذا اس میں بھی مال تک پہنچنا ممکن ہے۔ تو ابتداءً کا تعلق کس سے ہے؟ مالدار سے ہے۔

تو ان میں **تَجِبُ الزَّكَاةُ** زکوۃ واجب ہو گی **لِإِمْكَانِ الْوُصُولِ إِلَيْهِ** اس لیے کیونکہ اس دین تک پہنچنا ممکن ہے **ابْتِدَاءً** یا تو یہ شروع سے ہی **أَوْ بِوَاسِطَةِ التَّحْصِيلِ** یا تحصیل کے ذریعے سے۔

وَكَذَا لَوْ كَانَ عَلَى جَاحِدٍ، اچھا بھائی اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں، ایک شخص پر آپ کا قرض ہے اور وہ انکار کرنے والا ہے، انکار کرنے والا ہے، لیکن آپ کے پاس بینہ موجود ہے یا قاضی کو خود پتا ہے کہ اس شخص نے آپ کا مال دینا ہے تو اب بے شک یہ انکار کر تا رہے پھر بھی یہ مالِ ضمار نہیں کیونکہ آپ اس مال تک پہنچ سکتے ہیں، کس طرح؟ قاضی کے ذریعے گواہ قائم کر کے یا قاضی خود اپنے علم کے مطابق کیا کر دیتا ہے؟ فیصلہ کر دیتا ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَكَذَا لَوْ كَانَ عَلَى جَاحِدٍ** اور اسی طرح اگر دین جو ہے کسی انکار کرنے والے پر ہے **وَعَلَيْهِ بَيِّنَةٌ أَوْ عَلِمَ بِهِ الْقَاضِي** اور اس پر کوئی بینہ قائم ہے یا قاضی کو اس کا علم ہے تو وہ بھی اسی طرح ہے یعنی اس میں بھی زکوۃ آئے گی **لِمَا قُلْنَا** اس وجہ سے جو ہم نے کہی کہ اس قرضے کو وصول کرنا ممکن ہے۔

وَلَوْ كَانَ عَلَى مُقِرٍّ مُفْلِسٍ فَهُوَ نِصَابٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ تَفْلِيسَ الْقَاضِي لَا يَصِحُّ عِنْدَهُ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ لِتَحَقُّقِ الْإِفْلَاسِ عِنْدَهُ بِالتَّفْلِيسِ۔

بھئی یاد رکھیے، کسی شخص نے آپ کا قرضہ دینا ہے اور آپ اس سے قرضے کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ میرے پاس مال ہے ہی نہیں، میں بالکل مفلس ہوں، کنگال ہوں، ایک پائی میرے پاس نہیں ہے، جب مال آئے گا میں آپ کا مال دے دوں گا لیکن اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، تو آپ قاضی کے ذریعے اس کو قید

میں بھی ڈلوا سکتے ہیں، تو اور قاضی قید میں ڈال دے اور اس کے مال کی تحقیق کرے کہ واقعی اس کے پاس مال ہے کہیں چھپا کر تو اس نے نہیں رکھا ہوا یا یہ واقعی کنگال ہے بھائی؟ تو قاضی تحقیق کروائے اور ایک ادھ مہینہ یا کچھ عرصہ اس کو جیل میں رکھے، جب قاضی کو پتا چل گیا کہ واقعی یہ صحیح کہہ رہا ہے، اس کے پاس کوئی مال نہیں، تو قاضی اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ کر دے گا کہ یہ شخص مفلس ہے۔ تو قاضی نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کر دیا؟ کہ مفلس ہے، یہ کنگال ہے، تو قاضی کا اس شخص کو مفلس قرار دینا صاحبین کے نزدیک صحیح ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی کا کسی کو مفلس قرار دینا صحیح ہی نہیں ہے۔

■ اختلافِ ائمہ: صاحبین فرماتے ہیں قاضی نے تحقیق کر لی، اس کے

صاحبین فرماتے ہیں قاضی نے تحقیق کر لی، اس کے پاس مال کا پتا نہیں چلا تو اس کو مفلس قرار دے دیا، اب یہ مفلس ہے لہٰذا اب جو قرض خواہ ہیں، قرض خواہ ہیں، قاضی ان کو منع کر دے گا، وہ جا کر اب اسے تنگ نہیں کریں گے، اس سے بار بار جا کر مطالبہ نہیں کریں گے، اس کے پیچھے نہیں پڑیں گے، اب ان کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں، الا یہ کہ یہ شخص پھر مال اس کے پاس آ جائے پھر کیا کر سکتے ہیں؟ جا کر مطالبہ کر سکتے ہیں۔ تو صاحبین کے نزدیک قاضی کا کسی کو مفلس قرار دینا صحیح ہے اور اس صورت میں وہ مطالبہ کرنے والے کو مطالبے کا حق نہیں رہتا۔

جبکہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی کا کسی کو مفلس قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس لیے کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے، صبح مال نہیں تو شام کو آ سکتا ہے، شام کو نہیں تو صبح کو آ سکتا ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ یا وہ خود کمائی کر سکتا ہے کسی طریقے کے ذریعے، یا مثلاً کوئی اس کو ویسے مال دے دیتا ہے تو آ سکتا ہے یا نہیں آ سکتا؟ تو مال تو کسی بھی وقت آ سکتا ہے، مال آنے جانے والی چیز ہے لہٰذا قاضی کا مفلس قرار دینا صحیح نہیں، لہٰذا قاضی ان مطالبہ کرنے والوں اور اس مقروض کے درمیان حائل نہیں ہو گا، یہ لوگ اس سے مطالبہ کرتے رہیں، اس کے پیچھے پڑے رہیں، اس کے پیچھے پیچھے جائیں یہ جہاں جاتا ہے اور جہاں مال اس کو حاصل ہوتا ہے اس سے اپنا حق وصول کرتے رہیں بھائی۔

مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو اب مسئلہ یہ ذکر ہو رہا ہے ہدایہ کے اندر: **وَلَوْ كَانَ عَلَى مُقِرٍّ مُفْلِسٍ** اگر مال ایسے شخص پر ہے، قرضہ ایسے شخص پر ہے جو اس قرضے کا اقرار کر رہا ہے لیکن مفلس ہے یعنی قاضی نے اس کو کیا قرار دے دیا ہے؟ مفلس قرار دے دیا ہے، تو امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود یہ جو دین ہے یہ نصاب ہے، نصاب ہے اور اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

تو کہتے ہیں: **وَلَوْ كَانَ عَلَى مُقِرٍّ مُفْلِسٍ فَهُوَ نِصَابٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور اگر دین جو ہے ایسے اقرار کرنے والے پر ہے جو مفلس ہے یعنی جس کو قاضی نے مفلس قرار دے دیا ہے **فَهُوَ نِصَابٌ** تو یہ دین نصاب ہے **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، **لِأَنَّ تَفْلِيسَ الْقَاضِي لَا يَصِحُّ عِنْدَهُ** اس لیے کیونکہ قاضی کا مفلس قرار دینا **لَا يَصِحُّ عِنْدَهُ** یہ امام صاحب کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ لِتَحَقُّقِ الْإِفْلَاسِ عِنْدَهُ بِالتَّفْلِيسِ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جو ہے اس کے اندر واجب نہیں ہو گی، زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، **لِتَحَقُّقِ الْإِفْلَاسِ عِنْدَهُ بِالتَّفْلِيسِ** اس لیے کیونکہ افلاس جو ہے وہ متحقق ہو جاتا ہے، ثابت ہو جاتا ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بالتفلیس، اس کو مفلس قرار دینے سے، یعنی قاضی کا اس کو مفلس قرار دینے سے ان کے نزدیک افلاس ثابت ہو جاتا ہے۔ تو ان کے نزدیک امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی نے جب اس کو مفلس قرار دے دیا تو یہ بھی مالِ ضمار کی طرح ہو گیا، اب اس مال کے وصولی کی بظاہر کوئی امید نہیں ہے، تو یہ مالِ ضمار کی طرح ہوا اور مالِ ضمار کے اندر تو زکوٰۃ نہیں آتی تو اس کے اندر بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں آئے گی۔

وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي تَحَقُّقِ الْإِفْلَاسِ وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي حُكْمِ الزَّكَاةِ رِعَايَةً لِجَانِبِ الْفُقَرَاءِ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ وہ امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں **فِي تَحَقُّقِ الْإِفْلَاسِ** افلاس کے ثابت ہونے میں، **وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں **فِي حُكْمِ الزَّكَاةِ** زکوٰۃ کے حکم میں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، کس چیز کے اندر؟ مفلس قرار دینے میں، یعنی جیسے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر قاضی کسی کو مفلس قرار دے دے تو اس کا افلاس ثابت ہو جائے گا، اس کو مفلس قرار دے دیا اس نے، تو اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اس کا افلاس ثابت ہو جائے گا اور زکوٰۃ کے حکم کے اندر البتہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جو ہیں ان کے نزدیک گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس میں دینا پڑے گی جو اس سے مال وصول ہو گا، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرما رہے تھے؟ نہیں، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس مال میں زکوٰۃ واجب ہو گی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ ان کے ساتھ ہیں بھائی کہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

کیوں؟ ان کے ساتھ کیوں ہیں؟ کہتے ہیں: **رِعَايَةً لِجَانِبِ الْفُقَرَاءِ** فقراء کی جانب کی رعایت رکھتے ہوئے کہ تاکہ فقراء کو مال ملے بھائی۔

بھئی آخری مسئلے کا خلاصہ پھر سن لیں بھائی۔ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر قرض ایسے شخص پر ہے جو اقرار کرنے والا ہے لیکن اس کو قاضی نے مفلس قرار دے دیا ہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں یہ جو قرض ہے یہ نصاب ہے زکوٰۃ کا، لہٰذا یہ جب وصول ہو جائے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا پڑے گی۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی نے جب اس کو مفلس قرار دے دیا ہے تو اس کا افلاس ثابت ہو گیا اور یہ مال جو ہے اب اسی طرح ہو گیا کہ جس کے ملنے کی کوئی امید نہیں ہے، یہ مالِ ضمار ہو گیا گویا، اور مالِ ضمار کے اندر تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لہٰذا یہ بھی جب مل جائے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو ہیں، تفلیس کے اندر تو امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، وہ فرماتے ہیں قاضی اگر کسی کو مفلس قرار دے دے تو اس کا افلاس ثابت ہو جاتا ہے، لیکن البتہ یہاں زکوٰۃ کے مسئلے میں وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں کہ زکوٰۃ پچھلے سالوں کی بھی یہاں پر دینا پڑے گی بھائی، کس کی رعایت رکھتے ہوئے؟ تو فقراء کی رعایت رکھتے ہوئے یہاں انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا بھائی کہ اس میں فقراء کی رعایت ہے کہ ان کو کچھ مال مل جائے گا، تو گویا یہ مذہب ہوا شیخین رحمہما اللہ کا۔ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک **مقرٌ** مفلس پر جو دین ہے وہ نصاب ہے اور وہ وصول ہو جائے جب بھی وصول ہو گزشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ دینا پڑے گی، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دیں گے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ پھر دیں گے کیسے بھائی؟ بھائی دیکھیے مثلاً ان تمام صورتوں میں جہاں پر بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، جو بھی قرض ہے، جو بھی قرض ہے۔ اس میں جب گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینی ہو اس کا طریقہ یہ ہے، مثلاً زید سے آپ نے لینے تھے دس لاکھ روپے، دس لاکھ روپے، اور چاہے وہ اقرار کر رہا ہے یا اقرار نہیں کر رہا لیکن فرض کریں یہ قرض آپ کو پانچ سال بعد وصول ہوا، پانچ سال بعد وصول ہوا، تو وہ صورت بنائیں جس میں گزشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی ہے۔ تو کتنے روپے موصول ہوئے؟ دس لاکھ قرضے کے، اور کتنے سالوں کی زکوٰۃ ہے؟ پانچ سالوں کی، تو کس طرح زکوٰۃ نکالیں گے؟

بھئی دیکھیے، پہلے سال کے اندر دس لاکھ پر کتنے آئیں گے؟ جی؟ ڈھائی فیصد ہے نا، ڈھائی فیصد، یعنی سو میں سے ڈھائی روپے۔ پچیس ہزار ہو جائے گا نا، تو دس لاکھ میں پچیس ہزار اس پر زکوٰۃ کے ہو گئے، یہ پہلے سال کی زکوٰۃ نکال لی، پچیس ہزار الگ کر دیے یہ زکوٰۃ کے ہو گئے۔ اب اگلے سال پورے دس لاکھ نہ شمار کرو بلکہ اس میں سے پچیس ہزار کم ہو چکے ہیں، تو اب نو لاکھ پچھتر ہزار اگلے سال میں تھے، اس کا حساب لگاؤ، پھر اس کے مطابق کوئی تئیس چوبیس ہزار یا جتنا بھی بنتا ہو گا وہ نکال لیں گے، پھر اس سے اگلے سال مال اور کم ہو گیا تو اس کے مطابق اس سے زکوٰۃ نکال لیں گے، پھر اس سے اگلے سال اور کچھ کم ہو گیا تو اس کے مطابق اس سے زکوٰۃ نکال لیں گے، طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو اس طرح گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس مال میں سے ادا کی جائے گی بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۹۵: وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ وَنَوَاهَا لِلْ...

ہدایہ صفحہ: ۲۰۳ــــ بتاریخ: ۲۱ مارچ ۲۰۱۳ء

وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ وَنَوَاهَا لِلْخِدْمَةِ بَطَلَتْ عَنْهَا الزَّكَاةُ لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ وَهُوَ تَرْكُ التِّجَارَةِ، وَإِنْ نَوَاهَا لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ حَتَّى يَبِيعَهَا فَيَكُونُ فِي ثَمَنِهَا زَكَاةٌ.

جی زکوٰۃ کے مسائل بیان ہورہے ہیں۔ گزشتہ سبق کے آخر میں آپ نے مسئلہ پڑھا تھا کہ اگر قاضی کسی شخص کو مفلس قرار دے دے، تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں جب قاضی نے مفلس قرار دے دیا تو اس شخص کا افلاس ثابت ہو گیا اور اب پیسے ملنے کی بظاہر کوئی امید نہیں ہے کیونکہ ایک شخص جب کنگال ہے تو قرضہ نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نہیں ہے، تو لہٰذا یہ بھی مال ضمار کی طرح ہوا، اور جب مال ضمار کی طرح ہوا تو اس کے اندر تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، تو اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک قاضی کے مفلس قرار دینے کے باوجود یہ جو قرض ہے، یہ جو دین ہے اس شخص پر، اس مفلس پر یہ نصاب ہے، لہٰذا اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہو گی اور گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی اس میں دینی پڑے گی بھائی۔ اور پھر زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ بھی میں نے بتلایا تھا کہ اگر کوئی قرض وصول ہوتا ہے اور اس کے اندر گزشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سال کا حساب لگائیں گے اور اس کے مطابق اس سے زکوٰۃ نکال لیں گے، تو کل رقم بھی کم ہو جائے گی۔ پھر اگلے سال اس کم کا اعتبار کریں گے اور اس میں زکوٰۃ کا حساب لگائیں گے۔ پھر اس سے اگلے سال جو زکوٰۃ نکال لی تو مزید رقم کم ہو گئی، تو اس کے اندر پھر زکوٰۃ کا حساب لگائیں گے۔ تو یہ ایک صورت ہے۔ یا ایک صورت یہ ہے کہ انسان ابھی تک بے شک قرضہ وصول نہیں ہوا، لیکن اپنے باقی مال میں سے اس کا بھی حساب کر کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔ یا ایک صورت یہ ہے کہ جتنا جتنا مال وصول ہوتا جائے اس میں زکوٰۃ کا حساب کر کے چالیسواں حصہ اس میں سے ہر سال کے اندر اس میں سے ادا کرتا رہے بھائی۔

اور یہ بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ زکوٰۃ جو ہے وہ صرف سونے، چاندی، کرنسی اور مال تجارت کے اندر واجب ہوتی ہے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں آگے کہ: **وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ وَنَوَاهَا لِلْخِدْمَةِ بَطَلَتْ عَنْهَا الزَّكَاةُ**۔ بھائی مال تجارت کے اندر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لیکن اگر ایک شخص نے ایک چیز خریدی تجارت کی نیت سے اور پھر نیت کر لی اس کو نیت کر لی کہ یہ چیز اب گھر کے لیے ہے، استعمال کے لیے ہے، تو پھر اس میں اب تجارت کی نیت چونکہ نہ رہی، تجارت کی نیت نہ رہی، تجارت اس میں ختم کر دی تو یہ مال تجارت بھی نہ رہا، لہٰذا اس کے اندر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہو گی۔

اور اگر پھر بعد میں اس شخص کا ارادہ ہوا اس میں تجارت کرنے کا کہ یعنی اس کو بیچ دے، اس کو بیچنے کا ارادہ ہوا، تو بھی وہ مال تجارت اب نہیں بنے گا۔ کیونکہ وہ استعمال کی چیز ہے تو وہ تجارت کی چیز نہیں بنے گی۔ ہاں جب اس کو بیچ دے گا تو اس سے جو ثمن حاصل ہوں گے، اس کی جو قیمت حاصل ہو گی، اس میں پھر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

تو یہی مسئلہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ** اور جس شخص نے کوئی باندی خریدی تجارت کے لیے یعنی نیت کیا تھی خریدتے ہوئے؟ تجارت تھی۔ پھر اس کے بعد: **وَنَوَاهَا لِلْخِدْمَةِ** اور پھر اس کی نیت کر لی خدمت کے لیے، خریدنے کے بعد اس نے اس کی نیت کیا بن گئی کہ اس سے خدمت لے گا۔ **بَطَلَتْ عَنْهَا الزَّكَاةُ** تو اس سے زکوٰۃ باطل ہو جائے گی کیونکہ اب یہ مال تجارت نہ رہا۔ بات سمجھ میں آئی؟

لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ وَهُوَ تَرْكُ التِّجَارَةِ اس وجہ سے کہ نیت مل گئی عمل کے ساتھ اور وہ ترک تجارت ہے۔ وہ کیا ہے؟ ترک تجارت ہے۔ یہاں ضابطہ یاد رکھیے بھائی، ضابطہ۔ ضابطہ یہ کہ جس چیز کا تعلق عمل سے ہے، تو صرف نیت اس میں کافی نہیں۔ تو صرف نیت اس میں معتبر نہیں، بلکہ وہاں باقاعدہ عمل کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور جو چیز ترک عمل کے قبیل سے ہے، اس میں صرف نیت ہی کافی ہے۔ یعنی صرف نیت سے ہی وہ پائی جائے گی۔

کیا لکھا بھائی؟ دوبارہ سن لیجیے۔ وہ چیز جس کا تعلق عمل سے ہے یعنی جس میں عمل کا ہونا ضروری ہے، تو وہاں صرف نیت معتبر نہیں ہے یعنی صرف نیت کے ہونے سے وہ چیز نہیں پائی جائے گی بلکہ اس کے اندر باقاعدہ عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور جو چیز ترک عمل کے قبیل سے ہے، یا یوں کہیں دوبارہ سنیں بھائی، دوبارہ۔ جو چیز عمل کے

قبیل سے ہے، یوں سمجھیں، جو چیز عمل کے قبیل سے ہے تو صرف نیت سے وہ نہیں پائی جائے گی بلکہ اس کے اندر باقاعدہ عمل کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ عمل کے قبیل سے ہے، تو صرف نیت سے وہ نہیں پائی جائے گی بلکہ کیا ضروری ہے اس میں؟ عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور جو چیز ترک عمل کے قبیل سے ہے، عمل چھوڑنے کے قبیل سے ہے، تو وہاں صرف نیت ہی کافی ہے اور صرف نیت سے ہی وہ چیز پائی جائے گی کیونکہ وہ کس قبیل سے ہے؟ ترک عمل، عمل کو چھوڑنا، اور عمل کو چھوڑنا کس کے ذریعے ہو گا؟ نیت کے ذریعے ہی ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کیا ضابطہ ہوا؟ جو چیز عمل کے قبیل سے ہو وہ صرف نیت سے نہیں پائی جائے گی بلکہ اس کے اندر باقاعدہ عمل ضروری، اور جو چیز ترک عمل کے قبیل سے ہو وہاں صرف نیت ہی کافی ہے کیونکہ ترک عمل بھی تو نیت کے ذریعے ہی ہوتا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر بھی دیکھیے، اس شخص نے باندی خریدی اور کس لیے خریدی؟ تجارت کے لیے، اور پھر اس نے اس کو پھر اس نے کس لیے کر لیا؟ خدمت کے لیے کر لیا، تو اس میں تجارت کو چھوڑنے کا ارادہ کر دیا، ترک تجارت کی اس میں، اور ترک تجارت یہ عمل کی قبیل سے ہے یا ترک عمل کے قبیل سے ہے؟ ترک عمل کے قبیل سے ہے، اور ترک عمل کے اندر صرف نیت کافی ہو جاتی ہے، تو اس نے بھی یہاں پر کیا نیت کی ہے کہ اس کے اندر تجارت نہیں کرے گا، تو نیت کافی ہو گئی، وہ اپنا اب اثر دکھائے گی اور اس کے اندر اب زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: **لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ وَهُوَ تَرْكُ التِّجَارَةِ** بوجہ نیت کے عمل کے ساتھ مل جانے کے اور وہ ترک تجارت ہے۔

صاحبِ ہدایہ دوسرے انداز میں اسی کی تقریر کر رہے ہیں۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کوئی بھی چیز بغیر عمل کے نہیں پائی جائے گی۔ میں نے کیا ضابطہ لکھوایا؟ کہ جو چیز عمل کے قبیل سے ہے، وہ صرف نیت سے نہیں پائی جائے گی بلکہ اس میں باقاعدہ عمل کا ہونا ضروری ہے۔ اور جو چیز ترک عمل کے قبیل سے ہے وہاں نیت بھی کافی ہے، صرف نیت سے ہی وہ چیز پائی جائے گی۔ بات سمجھ میں آئی؟ صاحبِ ہدایہ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں ذکر کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: کوئی بھی چیز بغیر عمل کے نہیں پائی جائے گی۔ کوئی بھی چیز بغیر عمل کے نہیں پائی جائے گی۔ اور چیزیں دو قسم پر ہیں: ایک ہے عمل، ایک ہے ترک عمل۔ تو کوئی بھی چیز بغیر عمل کے نہیں پائی جائے گی تو اس میں عمل ضروری ہے۔ اور ترک عمل، وہ فرماتے ہیں ترک عمل بھی تو ایک عمل ہے، ترک عمل بھی تو کیا ہے؟ ایک عمل ہے، عمل کو چھوڑنا بھی تو ایک عمل ہے۔ تو نیت کے ساتھ کیا پایا گیا؟ عمل پایا گیا، اور کوئی بھی چیز صرف نیت سے نہیں پائی جائے گی بلکہ اس کے ساتھ کیا ضروری؟ عمل۔ تو ترک عمل بھی کیا ہے؟ ایک عمل ہے، تو نیت کے ساتھ کیا پایا گیا؟ عمل پایا گیا تو وہ چیز پائی جائے گی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آگئی؟

یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ** اس وجہ سے کہ نیت مل گئی ہے عمل کے ساتھ، **وَهُوَ تَرْكُ التِّجَارَةِ** اور وہ ترک تجارت ہے۔

وَإِنْ نَوَاهَا لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ پھر میں نے مسئلہ آپ کو بتا دیا کہ چیز خریدی آپ نے پھر اس کو گھر کے استعمال کے لیے رکھ لیا، تو اس میں زکوٰۃ باطل۔ لیکن پھر آپ اس میں کس چیز کی نیت کر لیتے ہیں؟ تجارت کی نیت کر لیتے ہیں، تجارت کی نیت کر لیتے ہیں، تو پھر اس وقت تک وہ تجارت کے لیے نہیں جب تک آپ اس کو بیچتے نہیں، جب بیچیں گے اب جو ثمن آئیں گے اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔

تو صرف جب تجارت کی نیت کر لی، تو وہاں صرف نیت کافی نہیں۔ وہاں صرف نیت کافی نہیں، کیونکہ نیت کس کی کی ہے؟ عمل کی یا ترک عمل کی؟ عمل کی، اور عمل کے اندر کیا ضروری؟ نیت کے ساتھ عمل کا بھی ہونا ضروری ہے۔ تو یہاں وہ تجارت کی نیت کر رہا ہے تو باقاعدہ تجارت کا ہونا بھی ضروری ہے، جب تک تجارت پائی نہیں جائے گی صرف نیت معتبر نہیں، تو لہٰذا اس میں زکوٰۃ بھی نہیں آئے گی۔ ہاں اگر تجارت چھوڑی جیسے پچھلے مسئلے میں آیا، تو وہ ترک عمل کے قبیل سے ہے اور ترک عمل میں صرف نیت بھی کافی ہو جاتی ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ نَوَاهَا لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ** اور اگر اس نے اس کی نیت کر لی تجارت کے لیے بعد ذلک اس کے بعد یعنی پہلے کس کی نیت کی تھی؟ خدمت کی۔ پھر دوبارہ کس کی نیت کر لی؟ تجارت کی۔ **لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ حَتَّى يَبِيعَهَا فَيَكُونُ فِي ثَمَنِهَا زَكَاةٌ** تو یہ باندی تجارت کے لیے نہیں ہو گی یہاں تک کہ اس کو بیچ دے، تو پھر اس کے ثمن کے اندر زکوٰۃ ہو گی۔

دلیل اس کی کہتے ہیں: **لِأَنَّ النِّيَّةَ لَمْ تَتَّصِلْ بِالْعَمَلِ** بھائی جب اس نے کس چیز کی نیت کی؟ دوبارہ کس کی نیت کی؟ تجارت کی۔ تو صرف نیت سے وہ باندی تجارت کے لیے نہیں بنے گی، بلکہ اس میں باقاعدہ عمل کا ہونا۔ تو صرف نیت چونکہ پائی گئی ہے اور نیت عمل کے ساتھ نہیں ملی، تو لہٰذا تجارت بھی نہیں۔ جب تجارت نہیں تو اس وقت تک اس میں زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ النِّيَّةَ لَمْ تَتَّصِلْ بِالْعَمَلِ** اس لیے کیونکہ نیت یہاں پر عمل کے ساتھ نہیں ملی یعنی تجارت کے ساتھ نہیں ملی، صرف نیت کا اعتبار نہیں ہو گا اور صرف نیت کرنے سے وہ اب مال تجارت نہیں بنے گی۔ **إِذْ هُوَ لَمْ يَتَّجِرْ** اس لیے کیونکہ اس نے تجارت نہیں کی، صرف ابھی نیت کی ہے۔ مسئلہ بھی ذہن میں ہے یا نہیں؟ باندی کی خدمت باندی کو خریدا تھا تجارت کے لیے، پھر نیت کس کی کر لی؟ خدمت کی۔ پھر اس کے بعد جب خدمت کی نیت کر لی تو زکوٰۃ باطل ہو گئی۔ پھر اس کے کچھ عرصے بعد اس نے نیت کس کی کر لی؟ تجارت کی کر لی، تو اب یہاں صرف نیت پائی جا رہی ہے اور تجارت ابھی تک نہیں، تو لہٰذا صرف نیت سے اثر نہیں پڑے گا اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ النِّيَّةَ لَمْ تَتَّصِلْ بِالْعَمَلِ إِذْ هُوَ لَمْ يَتَّجِرْ فَلَمْ تُعْتَبَرْ** اس لیے کیونکہ نیت جو ہے عمل کے ساتھ نہیں ملی، اس لیے کیونکہ اس نے تجارت نہیں کی، تو لہٰذا نیت معتبر نہیں ہو گی۔

وَلِهَذَا يَصِيرُ الْمُسَافِرُ مُقِيمًا بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ وَلَا يَصِيرُ الْمُقِيمُ مُسَافِرًا بِالنِّيَّةِ إِلَّا بِالسَّفَرِ دیکھیے بھائی احناف کی باتیں بڑی گہری ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں اسی وجہ سے مسافر مسافر جب اقامت کی نیت کر لیتا ہے تو وہ مقیم بن جاتا ہے فوراً، اور اس کو اب دو رکعت کے بجائے کتنی نماز پڑھنا پڑے گی؟ چار رکعت پڑھنا پڑے گی۔ کیوں؟ مسافر تھا اور اس نے کس چیز کی نیت کیا؟ اقامت، تو صرف نیت ہی کافی ہو جائے گی کیونکہ یہاں پر وہ کس عمل کی نیت کر رہا ہے؟ ترک سفر کی، کس چیز کی؟ ترک سفر، تو ترک سفر ترک عمل ہے اور ترک عمل کے اندر صرف نیت کیا ہو جاتی ہے؟ کافی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں اگر کوئی مقیم ہے اور وہ سفر کی نیت کرتا ہے، تو صرف نیت کرنے سے وہ مسافر نہیں بنے گا جب تک وہ سفر پر نکلے نہ، شہر سے باہر نکلتا ہے سفر پر تو اس وقت کیا بنے گا؟ تین دن کے مسافت پر جانے کا ارادہ کرتا ہے تو اب جیسے ہی شہر سے نکلے گا تب مسافر بنے گا۔ تو مقیم سفر کا ارادہ کرتا ہے تو صرف ارادہ کرنے سے وہ مسافر نہیں بنتا۔ کیوں نہیں بنتا؟ کیونکہ عمل نہیں پایا گیا، کیونکہ اس نے ارادہ کس کا کیا؟ سفر، اور سفر عمل کے قبیل سے ہے یا ترک عمل کے قبیل سے ہے؟ عمل کے قبیل سے ہے کہ باقاعدہ اس میں نکلنا پڑتا ہے بھائی اپنے وطن سے، تو وہ ہے سفر بھائی۔ تو وہ اس لیے وہاں پر صرف نیت کافی نہیں بلکہ نیت کے ساتھ کس چیز کا ہونا ضروری؟ عمل کا ہونا ضروری ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

وَلِهَذَا يَصِيرُ الْمُسَافِرُ مُقِيمًا بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ وَلَا يَصِيرُ الْمُقِيمُ مُسَافِرًا بِالنِّيَّةِ إِلَّا بِالسَّفَرِ اور اسی وجہ سے مسافر جو ہے وہ مقیم بن جاتا ہے محض نیت سے ہی، اور مقیم جو ہے وہ نیت کے ساتھ مسافر نہیں بنتا الا بالسفر مگر سفر کے ساتھ، وہ سفر کرے گا تو وہ مقیم مسافر بنے گا ورنہ وہ مسافر صرف نیت سے مسافر نہیں بنے گا۔

وَإِنِ اشْتَرَى شَيْئًا وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لِلتِّجَارَةِ اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص کوئی چیز خرید تا ہے اور چیز خریدتے ہوئے وہ نیت کس کی کرتا ہے؟ تجارت کی، کہ اس کو آگے پھر بیچے گا اور اس کے ذریعے نفع کمائے گا، تو یہاں پر جب وہ اس کو خریدے گا تو اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اس لیے کیونکہ صرف نیت نہیں پائی گئی، نیت کے ساتھ عمل بھی مل گیا۔ نیت کے ساتھ عمل بھی مل گیا اور وہ عمل کیا تھا؟ اس کا خریدنا۔ یہ جو خریدا ہے یہ عمل ہے یا نہیں؟ تو نیت بھی تھی، کس لیے خرید رہا ہے؟ تجارت کے لیے، اور پھر خریدا بھی، باقاعدہ عمل بھی ساتھ آگیا تو نیت کے ساتھ عمل مل گیا، اور نیت کے ساتھ عمل مل جائے تو وہ معتبر ہے، لہٰذا وہ چیز کس لیے ہو گی؟ تجارت کے لیے، اور جب تجارت کے لیے ہے تو مال تجارت کے اندر تو کیا واجب ہوتی ہے؟ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

وَإِنِ اشْتَرَى شَيْئًا وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لِلتِّجَارَةِ اور اگر کوئی چیز خریدی اور نیت کی اس کی تجارت کے لیے تو وہ چیز تجارت کے لیے ہو گی یعنی اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی، **لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ** بوجہ مل جانے نیت کے عمل کے ساتھ، **بِخِلَافِ مَا إِذَا وَرِثَ وَنَوَى لِلتِّجَارَةِ لِأَنَّهُ لَا عَمَلَ مِنْهُ** بخلاف اس کے کہ جب یہ وارث ہوا کسی چیز کا۔ یاد رکھیے جب کوئی شخص کسی چیز کا وارث بنتا ہے وارث، مثلاً کوئی شخص ہے اور اس کے والد کا انتقال ہوا، تو جو مال وراثت ہے مال وراثت، وہ خود بخود اس شخص کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا۔ یہ بے شک انکار بھی کرتا رہے پھر بھی یہ مال کا وہ خود بخود کیا بن گیا؟ مالک بن گیا، اس میں قبول نہ قبول کرنے کی قید بھی نہیں ہے بلکہ خود بخود کیا بن جائے گا؟ مالک بن جائے گا۔ معلوم ہوا جب انسان مال وراثت کا مالک بنتا ہے اس میں اس کا کوئی عمل نہیں۔ جب کوئی شخص مال وراثت کا مالک بنتا ہے تو اس کا اس میں کوئی عمل نہیں ہے بھائی، حتیٰ کہ قبول کرنا بھی یہاں پر نہیں ہے میں نے بتایا، خود بخود کیا بن جائے گا؟ مالک بن جائے گا، مال اس کی ملک میں داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وارث بن رہا ہے مال کا مال وراثت کا مالک بن گیا اور لیکن وہ قبول نہیں کر رہا، تو قاضی جبراً وہ سامان اٹھوا کر اس کے گھر ڈلوا سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ جانے اور سامان جانے، بس قاضی کیا کر سکتا ہے؟ وہ سامان اس کا اٹھوائے جو وراثت میں اس کے حصے میں آیا ہے اور اٹھا کر اس کی جگہ پر پہنچا دے بس، اس کے بعد پھر وہ لیتا ہے، آگے کسی کو دیتا ہے وہ اس کی مرضی، لیکن دیکھو وہ مالک بن گیا ہے معلوم ہوا، بات سمجھ میں آگئی؟ اس کے قبول وہ تو انکار کر رہا ہے لیکن اس کا قبول کرنا یہاں ضروری ہے ہی نہیں بھائی۔

اچھا، تو مسئلہ کیا ذکر ہو رہا تھا؟ زکوٰۃ کا مسئلہ۔ ایک آدمی وہ مال وراثت کا مالک بنا اور اس میں اس نے نیت کر لی تجارت کی، کس چیز کی؟ تجارت کی نیت کر لی۔ تو اب دیکھیے تجارت کی نیت کی ہے لیکن اس کی طرف سے کوئی عمل تجارت والا یا کوئی عمل پایا گیا؟ نہیں، یہ مال اس کی ملک میں بغیر عمل کے داخل ہوا ہے، تو کوئی عمل نہیں پایا گیا، صرف نیت تجارت پائی گئی ہے، لہٰذا یہ نیت معتبر نہیں۔ لہٰذا یہ مال تجارت ابھی بھی نہیں بنے گا، اور جب ابھی تک یہ مال تجارت نہیں بنا تو اس کے اندر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔

یہی بیان کر رہے ہیں: **بِخِلَافِ مَا إِذَا وَرِثَ وَنَوَى لِلتِّجَارَةِ** بخلاف اس کے کہ جب وہ وارث ہوا اور اس نے نیت کی تجارت کی تو پچھلے مسئلے میں کیا تھا؟ کوئی چیز خریدی اور اس کی نیت تجارت کے لیے کی، **كَانَ لِلتِّجَارَةِ** وہ تجارت کے لیے ہو گا، **بِخِلَافِ مَا إِذَا وَرِثَ** بخلاف اس صورت کے یعنی یہ اس کے خلاف ہے یعنی یہ یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا، تو اس کے اندر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہو گی۔ یہ معنی بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ وارث ہوا مال کا **وَنَوَى لِلتِّجَارَةِ** اور اس نے نیت کی تجارت کی تو اس میں زکوٰۃ نہیں، **لِأَنَّهُ لَا عَمَلَ مِنْهُ** اس لیے کیونکہ اس شخص کی طرف سے کوئی عمل نہیں پایا گیا، حتیٰ کہ قبول کرنا بھی نہیں پایا گیا۔

وَلَوْ مَلَكَهُ بِالْهِبَةِ أَوْ بِالْوَصِيَّةِ أَوْ بِالنِّكَاحِ أَوْ بِالْخُلْعِ أَوْ بِالصُّلْحِ عَنِ الْقَوَدِ وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لِلتِّجَارَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِاقْتِرَانِهَا بِالْعَمَلِ۔ اور اگر کوئی شخص مالک ہوا ہبہ کے ذریعے، ہبہ کسی کو کوئی چیز ویسے دینا، تحفہ یوں کہہ لیں تحفہ دینا۔ تو اگر کوئی شخص ہبہ کے ذریعے مالک بنا یا وصیت کے ذریعے مالک بنا، ہبہ کے ذریعے مالک بنا کسی نے اس کو کوئی چیز دے دی، اس نے اس کو چیز کو لے لیا تو چیز کا مالک بن گیا، اور وصیت کے ذریعے مالک بنا، زید نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرا اتنا مال فلاں کو دے دینا، وہ مال فلاں کو دیا گیا اس نے لے لیا تو کیا بن گیا؟ مالک بن گیا۔

یا نکاح کے ذریعے مالک بنا، جیسے کوئی عورت ہے اس نے نکاح کیا اور خاوند نے اس کو مہر دیا، تو مہر اس نے لے لیا تو دیکھو وہ مالک بن گئی اس مال کی۔

أَوْ بِالْخُلْعِ یا کوئی شخص مال کا مالک بنا کس کی وجہ سے؟ خلع کے ذریعے، مثلاً عورت جو ہے وہ خاوند سے جان چھڑانا چاہتی تھی اور اس نے کہا کہ مجھ سے اتنا مال لے لو اور اس کے بدلے مجھے چھوڑ دیو، مجھے چھوڑ دو، طلاق نہیں طلاق نہیں، خلع کے اندر طلاق نہیں ہوتی، سمجھ میں آیا؟ ہاں، خلع طلاق کے قائم مقام ہے لیکن اس میں با قاعدہ طلاق کا لفظ نہیں ہوتا بھائی۔ ہاں اگر طلاق دیتا ہے تو یہ ہے تو خلع جیسا لیکن اس کو کہیں گے طلاق علی العوض، کیا کہیں گے؟ طلاق علی العوض، سمجھ میں؟ خلع میں خاوند صرف اتنا کہہ دے گا: مجھے قبول ہے۔ عورت نے کیا کہا: مجھے اتنے مال کے بدلے چھوڑ دو، خاوند نے کیا کہا: مجھے قبول ہے، مجھے منظور ہے، بس بھائی، طلاق ہو گئی۔ کیا ہو گئی؟ طلاق ہو، صرف قبول کہتے ہی طلاق ہو گئی، عورت کے ذمے اب وہ مال لازم ہو گیا۔ سمجھ میں آیا؟ تو اس میں طلاق نہیں لفظ طلاق نہیں کہتا، اگر وہ طلاق زبان سے کہتا ہے تو پھر ہے تو صورت دونوں کی ایک ہی جیسی ہے، لیکن صرف ایک آدھ لفظ کا کیا فرق آیا؟ اس میں با قاعدہ زبان سے وہ طلاق نہیں کہتا خلع میں، اور با قاعدہ زبان سے کیا کہہ دے گا؟ مجھے منظور ہے، بس ٹھیک ہے۔ کیا بات ہو رہی تھی؟

یا خلع کے ذریعے کوئی شخص مال کا مالک بنتا ہے مال کا مالک بنتا ہے، مثلاً بیوی نے خاوند سے کہا کہ اتنا مال لے لو اور مجھے چھوڑ دو، اور اس نے اس کو منظور کر لیا، تو دیکھیے اس صورت میں بھی وہ مال کا مالک بن گیا بھائی۔

أَوِ الصُّلْحِ عَنِ الْقَوَدِ یا صلح کر لی عن القود، قود کہتے ہیں قصاص کو بھائی، قصاص، قصاص اور قود کا ایک معنی ہے۔ یا صلح کر لی قصاص سے، مثلاً ایک شخص ہے اس اس کے کسی قریبی رشتہ دار کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا اور یہ اس کا ولی ہے۔ اب وہ جو قاتل ہے انہوں نے اس مقتول کے ولی کے ساتھ صلح کر لی کہ ہم آپ کو پندرہ یا بیس لاکھ روپے دیتے ہیں، آپ ہمارے اس قاتل کو معاف کر دیں جس نے قتل کیا ہے جس نے غلطی کی ہے، اس نے قبول کر لیا، منظور کر لیا بھائی۔ تو اس میں دیکھو اب وہ مال کا مالک بن گیا۔ کیا بن گیا؟ جیسے خلع کے اندر وہ خاوند مال کا مالک بنا تھا اسی طرح یہاں یہ شخص یہ جو مقتول کا جو ولی ہے وہ مال کا مالک بن گیا صلح کر لی اس نے بھائی، قصاص کو چھوڑ دیا۔

تو ان صورتوں میں اگر کوئی شخص مال کا مالک بنتا ہے یہ جو تمام صورتیں ذکر ہوئیں: ہبہ میں یا وصیت میں یا نکاح میں یا خلع میں یا صلح عن القود کے اندر، **وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ** اور اس نے نیت کس کی کی اس مال کی؟ تجارت کے لیے، کہ یہ مال تجارت کے لیے ہو گا جو مجھے ملے گا، **كَانَ لِلتِّجَارَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ** تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تجارت ہی کے لیے ہو گا یہ مال، **لِاقْتِرَانِهَا بِالْعَمَلِ** بوجہ نیت کے مل جانے عمل کے ساتھ، اس وجہ سے کہ نیت کس کے ساتھ مل گئی؟ عمل کے ساتھ مل گئی۔ نیت اس نے کیا کی؟ تجارت کی، اور ساتھ عمل بھی مل گیا، عمل کیا تھا؟ یہ جو ان سب صورتوں میں مال کو با قاعدہ وہ قبول کر رہا ہے۔ چنانچہ آپ کو اگر کوئی تحفہ دے، ہبہ کرے، آپ اس کو رد کر سکتے ہیں۔ تو ہبہ کے اندر قبول ضروری ہے، آپ قبول کریں گے تو مالک بنیں گے، قبول نہیں کرتے تو مالک بھی نہیں۔ وصیت کی ہے کسی نے آپ کو مال دیا جا رہا ہے، آپ قبول کریں گے تو مالک بنیں گے، قبول نہیں کریں گے تو مالک بھی نہیں۔ اسی طرح نکاح کے اندر بھی ہے اور عورت قبول کرتی ہے تو مہر ہوتا ہے، عورت قبول نہیں کرتی تو مہر نہیں۔ اسی طرح خلع کے اندر بھی ہے، خاوند قبول کرے گا اس مال کو جو عورت اس سے کہہ رہی ہے تو وہ خلع ہو وہ مال کا مالک بنے گا ورنہ تو خلع ہی نہیں۔ اسی طرح صلح عن القود میں اس میں بھی وہ مال کو مقتول کے اولیاء مال کو قبول کریں گے تو پھر ہی وہ صلح ہو گی اور وہ مال کے مالک بنیں گے ورنہ مال کے مالک نہیں۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سب صورتوں میں صرف نیت ہی نہیں پائی گئی تجارت کی بلکہ ساتھ ساتھ عمل بھی پایا گیا، اور نیت جب عمل کے ساتھ مل جائے تو پھر وہ چیز کیا ہو جاتی ہے؟ ثابت ہو جاتی ہے، وہ مال تجارت بن جائے گا، اور مال تجارت کے اندر تو کیا آتی ہے؟ زکوٰۃ آتی ہے تو اس میں بھی زکوٰۃ آئے گی۔ تو یہاں نیت تجارت مل گئی عمل کے ساتھ اور وہ عمل کیا تھا؟ ان لوگوں کا اس مال کو قبول کر لینا۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَصِيرُ لِلتِّجَارَةِ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مال جو ہے تجارت کے لیے نہیں ہو گا۔ جب تجارت کے لیے یہ مال نہیں ہے تو پھر اس کے اندر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ وہ فرماتے ہیں یہ: **لَا يَصِيرُ لِلتِّجَارَةِ** یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا، **لِأَنَّهَا لَمْ تُقَارِنْ عَمَلَ التِّجَارَةِ** اس لیے کیونکہ نیت جو ہے وہ عمل تجارت کے ساتھ نہیں ملی۔ وہ فرماتے ہیں ٹھیک ہے، قبول تو بے شک ان کی طرف سے پایا گیا، لیکن عام عمل نہیں مراد یہاں، عمل سے عمل تجارت مراد ہے۔ نیت کے ساتھ کیا نیت تجارت کے ساتھ کیا ملنا چاہیے؟ عمل تجارت ملنا چاہیے اور قبول کرنا یہ تو عمل تجارت نہیں۔ عمل تجارت مثلاً کیا ہے کہ اس چیز کو آگے بیچتا ہے، کیا کرتا ہے؟ جب اور یہ بیچنا اور خریدنا کس کے اندر ہوتا ہے؟ یہ تجارت کے اندر ہوتا ہے، بیچنا اور خریدنا یہ تجارت کے اندر ہوتا ہے۔ تو صرف عمل نہیں ضروری وہ فرماتے ہیں بلکہ کون سا عمل ضروری ہے؟ عمل بھائی بات بات چل رہی ہے نا، مال میں زکوٰۃ تب آئے گی جب وہ کس لیے ہو؟ تجارت کے لیے ہو، تو تجارت کے لیے تب ہی ہو گا جب اس کے اندر تجارت والا عمل پایا جائے، ہر عمل تو نہیں بلکہ کون سا عمل ضروری ہے؟ تجارت والا عمل ضروری، تو اس نے صرف نیت تجارت کی ہے اور تجارت والا عمل کوئی نہیں یہاں پایا گیا، لہٰذا یہ مال تجارت کے لیے نہیں۔ ہاں نیت تجارت بھی کرے اور ساتھ کیا پایا جائے؟ عمل تجارت بھی پایا جائے یعنی خرید و فروخت پائی جائے تو پھر اس کے اندر یہ مال تجارت بنے گا اور اس کے اندر کیا واجب ہو گی؟ زکوٰۃ واجب ہو گی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے وہ فرماتے ہیں: **لَا يَصِيرُ لِلتِّجَارَةِ لِأَنَّهَا لَمْ تُقَارِنْ عَمَلَ التِّجَارَةِ** یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا اس لیے کیونکہ یہ نیت یہاں پر ملی نہیں ہے عمل تجارت کے ساتھ۔

وَقِيلَ الِاخْتِلَافُ عَلَى عَكْسِهِ اور کہا گیا ہے کہ اختلاف اس کے برعکس ہے بھائی، اختلاف اس کے برعکس ہے۔ یعنی کہ جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے وہ دراصل امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے، اور جو امام محمد رحمہ اللہ کا قول ذکر ہوا وہ دراصل کس کا قول ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا۔ تو بعض کتابوں میں یہ منقول تھا جو صاحبِ ہدایہ نے ذکر کیا، اور بعض علماء نے کیا لکھا کہ یہ مال تجارت کے لیے ہو جائے گا، یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول نہیں ہے بلکہ کس کا قول ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے، اور یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا، یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول نہیں ہے بلکہ یہ کس کا قول ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہ معنی ہے: **وَقِيلَ الِاخْتِلَافُ عَلَى عَكْسِهِ** اور کہا گیا ہے کہ اختلاف اس کے برعکس ہے۔

خلاصۂ کلام یہاں پر یاد رکھیے گا۔ خلاصۂ کلام: یاد رکھو کوئی بھی چیز ملکیت میں داخل ہو تو اس میں اس شخص کا مالک بننے والے کا کوئی عمل دخل ہو گا یا عمل دخل چیز کا مالک بن رہا ہے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ خلاصہ بیان کر رہا ہوں بھائی۔ کہ کوئی شخص کسی چیز کا مالک بنتا ہے، تو مالک بننے میں اس کا اس کا کوئی عمل پایا جائے گا یا عمل نہیں پایا جائے گا۔ اگر عمل نہیں پایا جاتا جیسے وراثت کے اندر تھا، تو نیت تجارت معتبر نہیں، لہٰذا وہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا جب تک کوئی تجارت والا عمل نہ پایا جائے۔

اور اگر وہ شخص مال کا مالک بنتا ہے اور اس میں اس کا عمل بھی پایا جاتا ہے جیسے ابھی مثالیں گزریں: ہبہ وغیرہ میں کیا ضروری ہوتا ہے، مالک کب بنتا ہے وہ شخص؟ جب قبول کرتا ہے۔ تو اگر ایسا اگر وہ مالک بنتا ہے کسی چیز کا اور اس پہ اس کا عمل بھی اس میں پایا جا رہا ہے تو پھر اس میں دو صورتیں ہیں: یا تو یہ اس چیز کا کوئی بدل یعنی مال دے گا دے رہا ہو گا، یا مال نہیں دے رہا ہو گا۔ بھائی دیکھیے ناہبہ کے اندر آپ کو ایک شخص نے ایک چیز تحفے میں دی، آپ اس کے قبول کر لیتے ہیں، مالک بن گئے یا نہیں بن گئے؟ اور آپ کا عمل بھی اس میں آیا یا نہیں آیا؟ کیا عمل آیا آپ کا؟ قبول کرنا آیا۔ اور اسی طرح آپ کسی سے کوئی چیز خریدتے ہیں، تو خریدنے سے بھی آپ کیا بن جاتے ہیں اس چیز کے؟ مالک بن جاتے ہیں، لیکن وہاں آپ مفت میں مالک بنتے ہیں یا بدلے میں آپ کو بھی مال دینا پڑتا ہے؟ مال دینا پڑتا ہے، تو دیکھو مالک بننے میں، دوبارہ سنو بھائی اب، بات سمجھ میں آ گئی یہاں تک؟ دوبارہ سنو۔ اگر کوئی شخص کسی چیز کا مالک بنتا ہے تو اس کا اپنا عمل اس میں پایا جائے گا یا عمل نہیں پایا۔ اگر اس کا اپنا عمل نہیں پایا جاتا، تو پھر بالاتفاق یہاں صرف نیت تجارت معتبر نہیں، لہٰذا یہ مال تجارت نہیں بنے گا جب تک اس کے ساتھ کوئی عمل تجارت نہ مل جائے تو اس کے اندر زکوٰۃ بھی نہیں آئے گی۔

اور اگر ایک شخص ایک چیز کا مالک بنتا ہے اور اس میں اس کا عمل پایا جاتا ہے، کیا پایا جاتا ہے؟ عمل ہے، تو پھر دیکھو بدلے میں یہ بھی کوئی عوض مالی دے رہا ہے یا کوئی مالی عوض نہیں دے رہا؟ اگر مالی عوض کوئی مال بدلے میں دے رہا ہے، تو بالاتفاق نیت تجارت معتبر ہے اور یہ مال کس لیے شمار ہو گا؟ تجارت کے لیے شمار ہو گا، جب بدلے میں کیا دے رہا ہے؟ مال دے رہا ہے۔ اگر اس کا کوئی عمل دخل نہیں، تو پھر بالاتفاق نیت تجارت معتبر نہیں۔ اور اگر اس کا عمل دخل ہے اور بدلے میں یہ کیا دے رہا ہے؟ مال دے رہا ہے، تو پھر بالاتفاق یہ نیت معتبر ہے اور یہ مال کس لیے شمار ہو گا؟ تجارت کے لیے شمار ہو گا۔

اور اگر اس کا عمل تو ہے لیکن عوض مالی نہیں، کوئی مالی عوض نہیں دے رہا، صرف مثلاً قبول کرنا وغیرہ اس کی طرف سے پایا جا رہا ہے، تو اس صورت میں یہ اختلاف ہے جو کتاب کے اندر ذکر ہوا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مال تجارت کے لیے ہو جائے گا کیونکہ اس کا عمل آ گیا، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا کیونکہ عمل تو بے شک پایا گیا لیکن ہر عمل نہیں ضروری، کون سا عمل ضروری ہے؟ عمل تجارت ضروری ہے۔ خلاصہ سمجھ میں آ گیا؟

اگر انسان کے مالک بننے والے کا اپنا کوئی عمل دخل نہ ہو تو؟ پھر نیت تجارت معتبر نہیں، وہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا۔ اور اگر بدلے میں کوئی عوض دیا ہے تو پھر نیت تجارت معتبر ہے یا معتبر نہیں؟ پھر بالاتفاق نیت تجارت معتبر ہے۔ اور اگر بدلے میں کوئی مال نہیں دیا، اس کا عمل تو پایا گیا لیکن بدلے میں کوئی مال اس نے نہیں دیا، تو پھر اس صورت میں اختلاف ہے کہ یہاں نیت تجارت معتبر ہو گی یا معتبر نہیں ہو گی۔

آگے دیکھیے کتاب پر: **وَلَا يَجُوزُ أَدَاءُ الزَّكَاةِ إِلَّا بِنِيَّةٍ مُقَارِنَةٍ لِلْأَدَاءِ أَوْ مُقَارِنَةٍ لِعَزْلِ مِقْدَارِ الْوَاجِبِ**۔ یاد رکھیے بھائی آپ پڑھ چکے کہ زکوٰۃ جو ہے وہ عبادت ہے، اور عبادت بغیر نیت کے نہیں ہوتی بھائی۔ عبادت کے اندر کیا ضروری ہے؟ نیت کا ہونا ضروری ہے۔ آپ نفل پڑھتے ہیں تو باقاعدہ نماز کی نیت کرتے ہیں، آپ فرض نماز پڑھتے ہیں تو فرضوں کی نیت کرتے ہیں، آپ روزہ رکھتے ہیں تو روزے کی نیت کرتے ہیں، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ آپ حج کرتے ہیں تو حج کی نیت کرتے ہیں، تو اسی طرح زکوٰۃ بھی ایک عبادت اور عبادت کے لیے کیا ضروری ہے؟ نیت کا ہونا ضروری ہے۔

تو لہٰذا زکوٰۃ کے اندر بھی نیت ضروری ہوئی، اور پھر یہ نیت یاد رکھیے بھائی، جب فقیر کو مال دینے لگے ہیں اس وقت نیت چاہیے بھائی، اس وقت کیا ہونی چاہیے؟ یہ میں کون سا مال دے رہا ہوں؟ زکوٰۃ کا مال دے رہا ہوں۔ تو اس وقت نیت ہونی چاہیے، لیکن اگر اس وقت تو نیت نہیں البتہ جب زکوٰۃ کو اپنے مال میں سے جدا کیا تھا اس وقت نیت کی تھی، آپ نے اپنے مال کا حساب لگایا اور مثلاً زکوٰۃ بیس ہزار روپے بنی، آپ نے اسی نیت سے یہ بیس ہزار الگ کر لیے کہ یہ زکوٰۃ کے بیس ہزار ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب جب فقیر کو دینے لگے اس وقت کوئی نیت نہیں کی آپ نے، فقیر اچانک سامنے آیا آپ نے وہ

■ مسئلہ: وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ وَنَوَاهَا...

«وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ وَنَوَاهَا لِلْخِدْمَةِ بَطَلَتْ عَنْهَا الزَّكَاةُ لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ وَهُوَ تَرْكُ التِّجَارَةِ، وَإِنْ نَوَاهَا لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ حَتَّى يَبِيعَهَا فَيَكُونَ فِي ثَمَنِهَا زَكَاةٌ».

جی زکوٰۃ کے مسائل بیان ہو رہے ہیں۔ گزشتہ سبق کے آخر میں آپ نے مسئلہ پڑھا تھا کہ اگر قاضی کسی شخص کو مفلس قرار دے دے تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں جب قاضی نے مفلس قرار دے دیا تو اس شخص کا افلاس ثابت ہو گیا اور اب پیسے ملنے کی بظاہر کوئی امید نہیں ہے کیونکہ ایک شخص جب کنگال ہے تو قرضہ نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نہیں ہے تو لہٰذا یہ بھی مالِ ضمار کی طرح ہوا اور جب مالِ ضمار کی طرح ہوا تو اس کے اندر تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی تو اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک قاضی کے مفلس قرار دینے کے باوجود یہ جو قرض ہے یہ جو دین ہے اس شخص پر اس مفلس پر یہ نصاب ہے لہٰذا اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہو گی اور گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی اس میں دینی پڑے گی بھائی۔

اور پھر زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ بھی میں نے بتلایا تھا کہ اگر کوئی قرض وصول ہوتا ہے اور اس کے اندر گزشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سال کا حساب لگائیں گے اور اس کے مطابق اس سے زکوٰۃ نکال لیں گے۔ تو کل رقم بھی کم ہو جائے گی پھر اگلے سال اس کم کا اعتبار کریں گے اور اس میں زکوٰۃ کا حساب لگائیں گے۔ پھر اس سے اگلے سال جو زکوٰۃ نکال لی تو مزید رقم کم ہو گئی تو اس کے اندر پھر زکوٰۃ کا حساب لگائیں گے۔ تو یہ ایک صورت ہے۔ یا ایک صورت یہ ہے کہ انسان ابھی تک بے شک قرضہ وصول نہیں ہوا لیکن اپنے باقی مال میں سے اس کا بھی حساب کر کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔ یا ایک صورت یہ ہے کہ جتنا جتنا مال وصول ہوتا جائے اس میں زکوٰۃ کا حساب کر کے چالیسواں حصہ اس میں سے ہر سال کے اندر اس میں سے ادا کرتا رہے بھائی۔

اور یہ بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ زکوٰۃ جو ہے وہ صرف سونے، چاندی، کرنسی اور مالِ تجارت کے اندر واجب ہوتی ہے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں آگے کہ «**وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ وَنَوَاهَا لِلْخِدْمَةِ بَطَلَتْ عَنْهَاالزَّكَاةُ**» بھائی مالِ تجارت کے اندر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لیکن اگر ایک شخص نے ایک چیز خریدی تجارت کی نیت سے اور پھر نیت کر لی اس کو نیت کر لی کہ یہ چیز اب گھر کے لیے ہے، استعمال کے لیے ہے تو پھر اس میں اب تجارت کی نیت چونکہ نہ رہی، تجارت کی نیت نہ رہی تجارت اس میں ختم کر دی تو یہ مالِ تجارت بھی نہ رہا لہٰذا اس کے اندر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہو گی۔

اور اگر پھر بعد میں اس شخص کا ارادہ ہوا اس میں تجارت کرنے کا کہ یعنی اس کو بیچ دے، اس کو بیچنے کا ارادہ ہوا تو بھی وہ مالِ تجارت اب نہیں بنے گا۔ کیونکہ وہ استعمال کی چیز ہے تو وہ تجارت کی چیز نہیں بنے گی ہاں جب اس کو بیچ دے گا تو اس سے جو ثمن حاصل ہوں گے، اس کی جو قیمت حاصل ہو گی اس میں پھر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

تو یہی مسئلہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں «**وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ**» اور جس شخص نے کوئی باندی خریدی تجارت کے لیے یعنی نیت کیا تھی خریدتے ہوئے؟ تجارت تھی۔ پھر اس کے بعد «**وَنَوَاهَا لِلْخِدْمَةِ**» اور پھر اس کی نیت کر لی خدمت کے لیے، خریدنے کے بعد اس نے اس کی نیت کیا بن گئی؟ کہ اس سے خدمت لے گا۔ «**بَطَلَتْ عَنْهَاالزَّكَاةُ**» تو اس سے زکوٰۃ باطل ہو جائے گی کیونکہ اب یہ مالِ تجارت نہ رہا۔ بات سمجھ میں آئی؟ «**لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ وَهُوَ تَرْكُ التِّجَارَةِ**» اس وجہ سے کہ نیت مل گئی عمل کے ساتھ اور وہ ترکِ تجارت ہے۔ وہ کیا ہے؟ ترکِ تجارت ہے۔

یہاں ضابطہ یاد رکھیے بھائی ضابطہ۔ ضابطہ یہ کہ جس چیز کا تعلق عمل سے ہے، جس چیز کا تعلق عمل سے ہے تو صرف نیت اس میں کافی نہیں، تو صرف نیت اس میں معتبر نہیں بلکہ وہاں باقاعدہ عمل کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہاں باقاعدہ عمل کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور جو چیز ترکِ عمل کے قبیل سے ہے، جو چیز ترکِ عمل کے قبیل سے ہے اس میں صرف نیت ہی کافی ہے۔ اس میں صرف نیت ہی کافی ہے۔ یعنی صرف نیت سے ہی وہ پائی جائے گی۔

کیا لکھا بھائی؟ دوبارہ سن لیجیے۔ وہ چیز جس کا تعلق عمل سے ہے یعنی جس میں عمل کا ہونا ضروری ہے تو وہاں صرف نیت معتبر نہیں ہے یعنی صرف نیت کے ہونے سے وہ چیز نہیں پائی جائے گی بلکہ اس کے اندر باقاعدہ عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور جس چیز کا تعلق ترکِ عمل سے ہے یا یوں کہیں دوبارہ سنیں بھائی دوبارہ، جو چیز عمل کی قبیل سے ہے یوں سمجھیں، جو چیز عمل کی قبیل سے ہے تو صرف نیت سے وہ نہیں پائی جائے گی بلکہ اس کے اندر باقاعدہ عمل کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ عمل کی قبیل سے ہے تو صرف نیت سے وہ نہیں پائی جائے گی بلکہ کیا ضروری ہے اس میں؟ عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور جو چیز ترکِ عمل کی قبیل سے ہے عمل چھوڑنے کی قبیل سے ہے تو وہاں صرف نیت ہی کافی ہے اور صرف نیت سے ہی وہ چیز پائی جائے گی کیونکہ وہ کس قبیل سے ہے؟ ترکِ عمل، عمل کو چھوڑنا اور عمل کو چھوڑنا کس کے ذریعے ہو گا؟ نیت کے ذریعے ہی ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کیا ضابطہ ہوا؟ جو چیز عمل کی قبیل سے ہو وہ صرف نیت سے نہیں پائی جائے گی بلکہ اس کے اندر باقاعدہ عمل ضروری اور جو چیز ترکِ عمل کی قبیل سے ہو وہاں صرف نیت ہی کافی ہے کیونکہ ترکِ عمل بھی تو نیت کے ذریعے ہی ہوتا ہے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں پر بھی دیکھیے اس شخص نے باندی خریدی اور کس لیے خریدی؟ تجارت کے لیے اور پھر اس نے اس کو پھر اس نے کس لیے کر لیا؟ خدمت کے لیے کر لیا تو اس میں تجارت کو چھوڑنے کا ارادہ کر دیا، ترکِ تجارت کی اس میں اور ترکِ تجارت یہ عمل کی قبیل سے ہے یا ترکِ عمل کی قبیل سے ہے؟ ترکِ عمل کی قبیل سے ہے اور

ترکِ عمل کے اندر صرف نیت کافی ہو جاتی ہے تو اس نے بھی یہاں پر کیا نیت کی ہے کہ اس کے اندر تجارت نہیں کرے گا تو نیت کافی ہو گئی وہ اپنا اثر دکھائے گی اور اس کے اندر اب زکوۃ واجب نہیں ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ» بوجہ نیت کے عمل کے ساتھ مل جانے کے «وَهُوَ تَرْكُ التِّجَارَةِ» اور وہ ترکِ تجارت ہے۔

صاحبِ ہدایہ دوسرے انداز میں اسی کی تقریر کر رہے ہیں۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کوئی بھی چیز بغیر عمل کے نہیں پائی جائے گی۔ میں نے کیا ضابطہ لکھوایا؟ کہ جو چیز عمل کی قبیل سے ہے وہ صرف نیت سے نہیں پائی جائے گی بلکہ اس میں باقاعدہ عمل کا ہونا ضروری ہے اور جو چیز ترکِ عمل کی قبیل سے ہے وہاں نیت بھی کافی ہے، صرف نیت سے ہی وہ چیز پائی جائے گی۔ بات سمجھ میں آئی؟ صاحبِ ہدایہ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں ذکر کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کوئی بھی چیز بغیر عمل کے نہیں پائی جائے گی۔ کوئی بھی چیز بغیر عمل کے نہیں پائی جائے گی اور چیزیں دو قسم پر ہیں: ایک ہے عمل، ایک ہے ترکِ عمل۔ تو کوئی بھی چیز بغیر عمل کے نہیں پائی جائے گی تو اس میں عمل ضروری ہے اور ترکِ عمل وہ فرماتے ہیں ترکِ عمل بھی تو ایک عمل ہے۔ ترکِ عمل بھی تو کیا ہے؟ ایک عمل ہے، عمل کو چھوڑنا بھی تو ایک عمل ہے تو نیت کے ساتھ کیا پایا گیا؟ عمل پایا گیا اور کوئی بھی چیز صرف نیت سے نہیں پائی جائے گی بلکہ اس کے ساتھ کیا ضروری؟ عمل۔ تو ترکِ عمل بھی کیا ہے؟ ایک عمل ہے تو نیت کے ساتھ کیا پایا گیا؟ عمل پایا گیا تو وہ چیز پائی جائے گی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی؟ یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں «لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ» اس وجہ سے کہ نیت مل گئی ہے عمل کے ساتھ «وَهُوَ تَرْكُ التِّجَارَةِ» اور وہ ترکِ تجارت ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ نَوَاهَا لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ تَكُنْ...

«وَإِنْ نَوَاهَا لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ» پھر میں نے مسئلہ آپ کو بتا دیا کہ چیز خریدی آپ نے پھر اس کو گھر کے استعمال کے لیے رکھ لیا تو اس میں زکوۃ باطل، لیکن پھر آپ اس میں کس چیز کی نیت کر لیتے ہیں؟ تجارت کی نیت کر لیتے ہیں، تجارت کی نیت کر لیتے ہیں تو پھر اس وقت تک وہ تجارت کے لیے نہیں جب تک آپ اس کو بیچتے نہیں، جب بیچیں گے اب جو ثمن آئیں گے اس میں زکوۃ واجب ہو گی۔

تو صرف جب تجارت کی نیت کر لی تو وہاں صرف نیت کافی نہیں، وہاں صرف نیت کافی نہیں کیونکہ نیت کس کی کی ہے؟ عمل کی یا ترکِ عمل کی؟ عمل کی اور عمل کے اندر کیا ضروری؟ وہ نیت کے ساتھ عمل کا بھی ہونا ضروری ہے تو یہاں وہ تجارت کی نیت کر رہا ہے تو باقاعدہ تجارت کا ہونا بھی ضروری ہے، جب تک تجارت پائی نہیں جائے گی صرف نیت معتبر نہیں تو لہٰذا اس میں زکوۃ بھی نہیں آئے گی۔ ہاں اگر تجارت چھوڑی جیسے پچھلے مسئلے میں آیا تو وہ ترکِ عمل کی قبیل سے ہے اور ترکِ عمل میں صرف نیت بھی کافی ہو جاتی ہے۔

تو کہتے ہیں «وَإِنْ نَوَاهَا لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ» اور اگر اس نے اس کی نیت کر لی تجارت کے لیے بعد ذلک اس کے بعد یعنی پہلے کس کی نیت کی تھی؟ خدمت کی۔ پھر دوبارہ کس کی نیت کر لی؟ تجارت کی۔ «لَمْ تَكُنْ لِلتِّجَارَةِ» تو یہ باندی تجارت کے لیے نہیں ہو گی «حَتَّى يَبِيعَهَا» یہاں تک کہ اس کو بیچ دے «فَيَكُونَ فِي ثَمَنِهَا زَكَاةٌ» تو پھر اس کے ثمن کے اندر زکوۃ ہو گی۔

دلیل اس کی کہتے ہیں «لِأَنَّ النِّيَّةَ لَمْ تَتَّصِلْ بِالْعَمَلِ» بھائی جب اس نے کس چیز کی نیت کی؟ دوبارہ کس کی نیت کی؟ تجارت کی۔ تو صرف نیت سے وہ باندی تجارت کے لیے نہیں بنے گی بلکہ اس میں باقاعدہ عمل کا ہونا، تو صرف نیت چونکہ پائی گئی ہے اور نیت عمل کے ساتھ نہیں ملی تو لہٰذا تجارت بھی نہیں، جب تجارت نہیں تو اس وقت تک اس میں زکوۃ بھی واجب نہیں۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّ النِّيَّةَ لَمْ تَتَّصِلْ بِالْعَمَلِ» اس لیے کیونکہ نیت یہاں پر عمل کے ساتھ نہیں ملی یعنی تجارت کے ساتھ نہیں ملی صرف نیت کا اعتبار نہیں ہو گا اور صرف نیت کرنے سے وہ اب مالِ تجارت نہیں بنے گی۔ «إِذْ هُوَ لَمْ يَتَّجِرْ» اس لیے کیونکہ اس نے تجارت نہیں کی صرف ابھی نیت کی ہے۔ مسئلہ بھی ذہن میں ہے یا نہیں؟ باندی کی خدمت باندی کو خریدا تھا تجارت کے لیے، پھر نیت کس کی کر لی؟ خدمت کی۔ پھر اس کے بعد جب خدمت کی نیت کر لی تو زکوۃ باطل ہو گئی۔ پھر اس کے کچھ عرصے بعد اس نے نیت کس کی کر لی؟ تجارت کی کر لی تو اب یہاں صرف نیت پائی جا رہی ہے اور تجارت ابھی تک نہیں، تو لہٰذا صرف نیت سے اثر نہیں پڑے گا اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّ النِّيَّةَ لَمْ تَتَّصِلْ بِالْعَمَلِ إِذْ هُوَ لَمْ يَتَّجِرْ فَلَمْ تُعْتَبَرْ» اس لیے کیونکہ نیت جو ہے عمل کے ساتھ نہیں ملی اس لیے کیونکہ اس نے تجارت نہیں کی تو لہٰذا نیت معتبر نہیں ہو گی۔

■ مسئلہ: وَلِهَذَا يَصِيرُ الْمُسَافِرُ مُقِيمًا بِمُجَرَّدِ...

«وَلِهَذَا يَصِيرُ الْمُسَافِرُ مُقِيمًا بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ وَلَا يَصِيرُ الْمُقِيمُ مُسَافِرًا بِالنِّيَّةِ إِلَّا بِالسَّفَرِ» دیکھیے بھائی احناف کی باتیں بڑی گہری ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں اسی وجہ سے مسافر مسافر جب اقامت کی نیت کر لیتا ہے تو وہ مقیم بن جاتا ہے فوراً اور اس کو اب دو رکعت کے بجائے کتنی نماز پڑھنا پڑے گی؟ چار رکعت پڑھنا پڑے گی۔ کیوں؟ مسافر تھا اور اس نے کس چیز کی نیت کیا؟ اقامت۔ تو صرف نیت ہی کافی ہو جائے گی کیونکہ یہاں پر وہ کس عمل کی نیت کر رہا ہے؟ ترکِ سفر کی، کس چیز

کی؟ ترکِ سفر، تو ترکِ سفر ترکِ عمل ہے اور ترکِ عمل کے اندر صرف نیت کیا ہو جاتی ہے؟ کافی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں اگر کوئی مقیم ہے اور وہ سفر کی نیت کرتا ہے تو صرف نیت کرنے سے وہ مسافر نہیں بنے گا جب تک وہ سفر پر نکلے نہ، شہر سے باہر نکلتا ہے سفر پر تو اس وقت کیا بنے گا؟ اس وقت تین دن کی مسافت پر جانے کا ارادہ کرتا ہے تو اب جیسے ہی شہر سے نکلے گا تب مسافر بنے گا۔ تو مقیم سفر کا ارادہ کرتا ہے تو صرف ارادہ کرنے سے وہ مسافر نہیں بنتا، کیوں نہیں بنتا؟ کیونکہ عمل نہیں پایا گیا کیونکہ اس نے ارادہ کس کا کیا؟ سفر اور سفر عمل کی قبیل سے ہے یا ترکِ عمل کی قبیل سے ہے؟ عمل کی قبیل سے ہے کہ باقاعدہ اس میں نکلنا پڑتا ہے بھائی اپنے وطن سے تو وہ ہے سفر بھائی۔ تو وہ اس لیے وہاں پر صرف نیت کافی نہیں بلکہ نیت کے ساتھ کس چیز کا ہونا ضروری؟ عمل کا ہونا ضروری ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

«**وَلِهَذَا يَصِيرُ الْمُسَافِرُ مُقِيمًا بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ**» اور اسی وجہ سے مسافر جو ہے وہ مقیم بن جاتا ہے محض نیت سے ہی «**وَلَا يَصِيرُ الْمُقِيمُ مُسَافِرًا بِالنِّيَّةِ إِلَّا بِالسَّفَرِ**» اور مقیم جو ہے وہ نیت کے ساتھ مسافر نہیں بنتا مگر سفر کے ساتھ، وہ سفر کرے گا تو وہ مقیم مسافر بنے گا ورنہ وہ مسافر صرف نیت سے مسافر نہیں بنے گا۔

«**وَإِنِ اشْتَرَى شَيْئًا وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لِلتِّجَارَةِ**» اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص کوئی چیز خرید تا ہے اور چیز خریدتے ہوئے وہ نیت کس کی کرتا ہے؟ تجارت کی کہ اس کے اس کو آگے پھر بیچے گا اور اس کے ذریعے نفع کمائے گا، تو یہاں پر جب وہ اس کو خریدے گا تو اس کے اندر زکوۃ واجب ہو گی۔ اس لیے کیونکہ صرف نیت نہیں پائی گئی نیت کے ساتھ عمل بھی مل گیا۔ نیت کے ساتھ عمل بھی مل گیا اور وہ عمل کیا تھا؟ اس کا خریدنا۔ یہ جو خریدا ہے یہ عمل ہے یا نہیں؟ تو نیت بھی تھی کس لیے خرید رہا ہے؟ تجارت کے لیے اور پھر خریدا بھی باقاعدہ عمل بھی ساتھ آگیا تو نیت کے ساتھ عمل مل گیا اور نیت کے ساتھ عمل مل جائے تو وہ معتبر ہے لہٰذا وہ چیز کس لیے ہو گی؟ تجارت کے لیے اور جب تجارت کے لیے ہے تو مالِ تجارت کے اندر تو کیا واجب ہوتی ہے؟ زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنِ اشْتَرَى شَيْئًا وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَ...

«**وَإِنِ اشْتَرَى شَيْئًا وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لِلتِّجَارَةِ**» اور اگر کوئی چیز خریدی اور نیت کی اس کی تجارت کے لیے تو وہ چیز تجارت کے لیے ہو گی یعنی اس میں زکوۃ واجب ہو گی «**لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِالْعَمَلِ**» بوجہ مل جانے نیت کے عمل کے ساتھ «**بِخِلَافِ مَا إِذَا وَرِثَ وَنَوَى لِلتِّجَارَةِ لِأَنَّهُ لَا عَمَلَ مِنْهُ**» بخلاف اس کے کہ جب یہ وارث ہوا کسی چیز کا۔ یاد رکھیے جب کوئی شخص کسی چیز کا وارث بنتا ہے وارث، مثلاً کوئی شخص ہے اور اس کے والد کا انتقال ہوا تو جو مالِ وراثت ہے مالِ وراثت، وہ خود بخود اس شخص کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا۔ یہ بے شک انکار بھی کرتا رہے پھر بھی یہ مال کا وہ خود بخود کیا بن گیا؟ مالک بن گیا، اس میں قبول نہ قبول کرنے کی قید بھی نہیں ہے بلکہ خود بخود کیا بن جائے گا؟ مالک بن جائے گا۔ معلوم ہوا جب انسان مالِ وراثت کا مالک بنتا ہے اس میں اس کا کوئی عمل نہیں۔ جب کوئی شخص مالِ وراثت کا مالک بنتا ہے تو اس کا؟ اس میں کوئی عمل نہیں ہے بھائی، حتیٰ کہ قبول کرنا بھی یہاں پر نہیں ہے میں نے بتایا، خود بخود کیا بن جائے گا؟ مالک بن جائے گا مال اس کی ملک میں داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وارث بن رہا ہے مال کا مالِ وراثت کا مالک بن گیا اور لیکن وہ قبول نہیں کر رہا تو قاضی جبراً وہ سامان اٹھوا کر اس کے گھر ڈلوا سکتا ہے، پھر اس کے بعد وہ جانے اور سامان جانے بس قاضی کیا کر سکتا ہے؟ وہ سامان اس کا اٹھوائے جو وراثت میں اس کے حصے میں آیا ہے اور اٹھا کر اس کی جگہ پر پہنچا دے بس، اس کے بعد پھر وہ لیتا ہے آگے کسی کو دیتا ہے وہ اس کی مرضی لیکن دیکھو وہ مالک بن گیا ہے معلوم ہو، بات سمجھ میں آگئی؟ اس کے قبول وہ تو انکار کر رہا ہے لیکن اس کا قبول کرنا یہاں ضروری ہے ہی نہیں بھائی۔

اچھا تو مسئلہ کیا ذکر ہو رہا تھا؟ زکوۃ کا مسئلہ۔ ایک آدمی وہ مالِ وراثت کا مالک بنا اور اس میں اس نے نیت کر لی تجارت کی، کس چیز کی؟ تجارت کی نیت کر لی۔ تو اب دیکھیے تجارت کی نیت کی ہے لیکن اس کی طرف سے کوئی عمل تجارت والا یا کوئی عمل پایا گیا؟ نہیں، یہ مال اس کی ملک میں بغیر عمل کے داخل ہوا ہے تو کوئی عمل نہیں پایا گیا صرف نیتِ تجارت پائی گئی ہے لہٰذا یہ نیت معتبر نہیں، لہٰذا یہ مالِ تجارت ابھی بھی نہیں بنے گا اور جب ابھی تک یہ مالِ تجارت نہیں بنا تو اس کے اندر زکوۃ بھی واجب نہیں۔

یہی بیان کر رہے ہیں «**بِخِلَافِ مَا إِذَا وَرِثَ وَنَوَى لِلتِّجَارَةِ**» بخلاف اس کے کہ جب وہ وارث ہوا اور اس نے نیت کی تجارت کی تو پچھلے مسئلے میں کیا تھا؟ کوئی چیز خریدی اور اس کی نیت تجارت کے لیے کی «**كَانَ لِلتِّجَارَةِ**» وہ تجارت کے لیے ہو گا «**بِخِلَافِ مَا إِذَا وَرِثَ**» بخلاف اس صورت کے یعنی یہ اس کے خلاف ہے یعنی یہ یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا تو اس کے اندر زکوۃ بھی واجب نہیں ہو گی۔ یہ معنی بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ وارث ہوا مال کا «**وَنَوَى لِلتِّجَارَةِ**» اور اس نے نیت کی تجارت کی تو اس میں زکوۃ نہیں «**لِأَنَّهُ لَا عَمَلَ مِنْهُ**» اس لیے کیونکہ اس شخص کی طرف سے کوئی عمل نہیں پایا گیا حتیٰ کہ قبول کرنا بھی نہیں پایا گیا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ مَلَّكَهُ بِالْهِبَةِ أَوْ بِالْوَصِيَّةِ أَ...

«**وَلَوْ مَلَّكَهُ بِالْهِبَةِ أَوْ بِالْوَصِيَّةِ أَوْ بِالنِّكَاحِ أَوْ بِالْخُلْعِ أَوْ بِالصُّلْحِ عَنِ الْقَوَدِ وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لِلتِّجَارَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِاقْتِرَانِهَا بِالْعَمَلِ**» اور اگر کوئی شخص مالک ہوا ہبہ کے ذریعے، ہبہ کسی کو کوئی چیز ویسے دینا، تحفہ یوں کہہ لیں تحفہ دینا، تو اگر کوئی شخص ہبہ کے ذریعے

مالک بنایا وصیت کے ذریعے مالک بنا، ہبہ کے ذریعے مالک بنا کسی نے اس کو کوئی چیز دے دی اس نے اس کو چیز کو لے لیا تو چیز کا مالک بن گیا اور وصیت کے ذریعے مالک بنا، زید نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرا اتنا مال فلاں کو دے دینا وہ مال فلاں کو دیا گیا اس نے لے لیا تو کیا بن گیا؟ مالک بن گیا۔ یا نکاح کے ذریعے مالک بنا جیسے کوئی عورت ہے اس نے نکاح کیا اور خاوند نے اس کو مہر دیا تو مہر اس نے لے لیا تو دیکھو وہ مالک بن گئی اس مال کی، «أَوْ بِالْخُلْعِ» یا کوئی شخص مال کا مالک بنا کس کی وجہ سے؟ خلع کے ذریعے، مثلاً عورت جو ہے وہ خاوند سے جان چھڑانا چاہتی تھی اور اس نے کہا کہ مجھ سے اتنا مال لے لو اور اس کے بدلے مجھے چھوڑ دیو، مجھے چھوڑ دو۔ طلاق نہیں طلاق نہیں، خلع کے اندر طلاق نہیں ہوتی، سمجھ میں آیا؟ ہاں، خلع طلاق کے قائم مقام ہے لیکن اس میں باقاعدہ طلاق کا لفظ نہیں ہوتا بھائی۔ ہاں اگر طلاق دیتا ہے تو یہ ہے تو خلع جیسا لیکن اس کو کہیں گے طلاق علی العوض، کیا کہیں گے؟ طلاق علی العوض۔ سمجھ خلع میں خاوند صرف اتنا کہہ دے گا مجھے قبول ہے، عورت نے کیا کہا؟ مجھے اتنے مال کے بدلے چھوڑ دو، خاوند نے کیا کہا؟ مجھے قبول ہے مجھے منظور ہے، بس بھائی طلاق ہو گئی۔ کیا ہو گئی؟ طلاق ہو، صرف قبول کہتے ہی طلاق ہو گئی عورت کے ذمے اب وہ مال لازم ہو گیا۔ سمجھ میں آیا؟ تو اس میں طلاق نہیں لفظ طلاق نہیں کہتا، اگر وہ طلاق زبان سے کہتا ہے تو پھر ہے تو صورت دونوں کی ایک ہی جیسی ہے لیکن صرف ایک آدھ لفظ کا کیا فرق آیا اس میں باقاعدہ زبان سے وہ طلاق نہیں کہتا خلع میں اور باقاعدہ زبان سے کیا کہہ دے گا؟ مجھے منظور ہے بس ٹھیک ہے۔

کیا بات ہو رہی تھی؟ یا خلع کے ذریعے کوئی شخص مال کا مالک بنتا ہے مال کا مالک بنتا ہے، مثلاً بیوی نے خاوند سے کہا کہ اتنا مال لے لو اور مجھے چھوڑ دو اور اس نے اس کو منظور کر لیا تو دیکھیے اس صورت میں بھی وہ مال کا مالک بن گیا بھائی۔ «أَوْ بِالصُّلْحِ عَنِ الْقَوَدِ» یا صلح کر لی عن القود، قود کہتے ہیں قصاص کو بھائی قصاص، قصاص اور قود کا ایک معنی ہے۔ یا صلح کر لی قصاص سے، مثلاً ایک شخص ہے اس اس کے کسی قریبی رشتہ دار کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا اور یہ اس کا ولی ہے، اب وہ جو قاتل ہے انہوں نے اس مقتول کے ولی کے ساتھ صلح کر لی کہ ہم آپ کو پندرہ یا بیس لاکھ روپے دیتے ہیں آپ ہمارے اس قاتل کو معاف کر دیں جس نے قتل کیا ہے جس نے غلطی کی ہے، اس نے قبول کر لیا منظور کر لیا بھائی۔ تو اس میں دیکھو اب وہ مال کا مالک بن گیا، کیا بن گیا؟ جیسے خلع کے اندر وہ خاوند مال کا مالک بنا تھا اسی طرح یہاں یہ شخص یہ جو مقتول کا جو ولی ہے وہ مال کا مالک بن گیا، صلح کر لی اس نے بھائی قصاص کو چھوڑ دیا۔

تو ان صورتوں میں اگر کوئی شخص مال کا مالک بنتا ہے یہ جو تمام صورتیں ذکر ہوئیں ہبہ میں یا وصیت میں یا نکاح میں یا خلع میں یا صلح عن القود کے اندر، «وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ» اور اس نے نیت کس کی کی اس مال کی؟ تجارت کے لیے کہ یہ مال تجارت کے لیے ہو گا جو مجھے وہ مجھے ملے گا «كَانَ لِلتِّجَارَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تجارت ہی کے لیے ہو گا یہ مال «لِاقْتِرَانِهَا بِالْعَمَلِ» بوجہ نیت کے مل جانے عمل کے ساتھ، اس وجہ سے کہ نیت کس کے ساتھ مل گئی؟ عمل کے ساتھ مل گئی۔ نیت اس نے کیا کی؟ تجارت کی اور ساتھ عمل بھی مل گیا، عمل کیا تھا؟ یہ جو ان سب صورتوں میں مال کو باقاعدہ وہ قبول کر رہا ہے۔ چنانچہ آپ کو اگر کوئی تحفہ دے، ہبہ کرے آپ اس کو رد کر سکتے ہیں تو ہبہ کے اندر قبول ضروری ہے، آپ قبول کریں گے تو مالک بنیں گے قبول نہیں کرتے تو مالک بھی نہیں۔ وصیت کی ہے کسی نے آپ کو مال دیا جا رہا ہے آپ قبول کریں گے تو مالک بنیں گے قبول نہیں کریں گے تو مالک بھی نہیں۔ اسی طرح نکاح کے اندر بھی ہے اور عورت قبول کرتی ہے تو مہر ہوتا ہے، عورت قبول نہیں کرتی تو مہر نہیں۔ اسی طرح خلع کے اندر بھی ہے خاوند قبول کرے گا اس مال کو جو عورت اس سے کہہ رہی ہے تو وہ خلع ہو وہ مال کا مالک بنے گا ورنہ تو خلع ہی نہیں۔ اسی طرح صلح عن القود میں اس میں بھی وہ مال کو مقتول کے اولیاء مال کو قبول کریں گے تو پھر ہی وہ صلح ہو گی اور وہ مال کے مالک بنیں گے ورنہ مال کے مالک نہیں۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سب صورتوں میں صرف نیت ہی نہیں پائی گئی تجارت کی بلکہ ساتھ ساتھ عمل بھی پایا گیا اور نیت جب عمل کے ساتھ مل جائے تو پھر وہ چیز کیا ہو جاتی ہے؟ ثابت ہو جاتی ہے وہ مالِ تجارت بن جائے گا اور مالِ تجارت کے اندر تو کیا آتی ہے؟ زکوۃ آتی ہے تو اس میں بھی زکوۃ آئے گی۔ تو یہاں نیتِ تجارت مل گئی عمل کے ساتھ اور وہ عمل کیا تھا؟ ان لوگوں کا اس مال کو قبول کر لینا۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَصِيرُ لِ...

«وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَصِيرُ لِلتِّجَارَةِ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مال جو ہے تجارت کے لیے نہیں ہو گا، جب تجارت کے لیے یہ مال نہیں ہے تو پھر اس کے اندر زکوۃ بھی واجب نہیں۔ وہ فرماتے ہیں «لَا يَصِيرُ لِلتِّجَارَةِ» یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا «لِأَنَّهَا لَمْ تُقَارِنْ عَمَلَ التِّجَارَةِ» اس لیے کیونکہ نیت جو ہے وہ عملِ تجارت کے ساتھ نہیں ملی۔ وہ فرماتے ہیں ٹھیک ہے قبول تو بے شک ان کی طرف سے پایا گیا لیکن عام عمل نہیں مراد یہاں، عمل سے عملِ تجارت مراد ہے۔ نیت کے ساتھ کیا نیتِ تجارت کے ساتھ کیا ملنا چاہیے؟ عملِ تجارت ملنا چاہیے اور قبول کرنا یہ تو عملِ تجارت نہیں، عملِ تجارت مثلاً کیا ہے؟ کہ اس چیز کو آگے بیچتا ہے، کیا کرتا ہے؟ جب بیچ اور یہ بیچنا خریدنا کس کے اندر ہوتا ہے؟ یہ تجارت کے اندر ہوتا ہے، بیچنا اور خریدنا یہ تجارت کے اندر ہوتا ہے تو صرف عمل نہیں ضروری وہ فرماتے ہیں بلکہ کون سا عمل ضروری ہے؟ عملِ تجارت۔ بھائی بات بات چل رہی ہے نا، مال میں زکوۃ تب آئے گی جب وہ کس لیے ہو؟ تجارت کے لیے ہو، تو تجارت کے لیے تب ہی ہو گا جب اس کے اندر تجارت والا عمل پایا جائے، ہر عمل تو نہیں بلکہ کون سا عمل ضروری ہے؟ تجارت والا عمل ضروری ہے تو اس نے صرف نیتِ تجارت کی ہے اور تجارت والا عمل کوئی نہیں یہاں پایا گیا لہٰذا یہ مال تجارت کے لیے نہیں۔ ہاں نیتِ تجارت بھی کرے اور ساتھ کیا پایا جائے؟ عملِ تجارت بھی پایا جائے یعنی خرید و فروخت پائی جائے تو پھر اس کے اندر یہ مالِ تجارت بنے گا اور اس کے اندر کیا واجب ہو گی؟ زکوۃ واجب ہو گی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے وہ فرماتے ہیں «لَا يَصِيرُ لِلتِّجَارَةِ» یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا «لِأَنَّهَا لَمْ تُقَارِنْ عَمَلَ التِّجَارَةِ» اس لیے کیونکہ یہ نیت یہاں پر ملی نہیں ہے عملِ تجارت کے ساتھ۔ «وَقِيلَ الِاخْتِلَافُ عَلَى عَكْسِهِ» اور کہا گیا ہے کہ اختلاف اس کے برعکس ہے بھائی، اختلاف اس کے برعکس ہے یعنی کہ جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے وہ دراصل امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور جو امام محمد رحمہ اللہ کا قول ذکر ہوا وہ دراصل کس کا قول ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا۔ تو بعض کتابوں میں یہ منقول تھا جو صاحبِ ہدایہ نے ذکر کیا اور بعض علماء نے کیا لکھا کہ یہ مال تجارت کے لیے ہو جائے گا یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول نہیں ہے بلکہ کس کا قول ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول نہیں ہے بلکہ یہ کس کا قول ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہ معنی ہے «وَقِيلَ الِاخْتِلَافُ عَلَى عَكْسِهِ» اور کہا گیا ہے کہ اختلاف اس کے برعکس ہے۔

خلاصۂ کلام یہاں پر یاد رکھیے گا۔ خلاصۂ کلام: یاد رکھو کوئی بھی چیز ملکیت میں داخل ہو تو اس میں اس شخص کا مالک بننے والے کا کوئی عمل دخل ہو گا یا عمل دخل چیز کا مالک بن رہا، توجہ ہے سبق کی طرف؟ خلاصہ بیان کر رہا ہوں بھائی۔ کہ کوئی شخص کسی چیز کا مالک بنتا ہے تو مالک بننے میں اس کا اس کا کوئی عمل پایا جائے گا یا عمل نہیں پایا جائے گا۔ اگر عمل نہیں پایا جاتا جیسے وراثت کے اندر تھا تو نیتِ تجارت معتبر نہیں لہٰذا وہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا جب تک کوئی تجارت والا عمل نہ پایا جائے، اور اگر وہ شخص مال کا مالک بنتا ہے اور اس میں اس کا عمل بھی پایا جاتا ہے جیسے ابھی مثالیں گزریں ہبہ وغیرہ میں کیا ضروری ہوتا ہے مالک کب بنتا ہے وہ شخص؟ جب قبول کرتا ہے، تو اگر ایسا اگر وہ مالک بنتا ہے کسی چیز کا اور اس پہ اس کا عمل بھی اس میں پایا جا رہا ہے تو پھر اس میں دو صورتیں ہیں: یا تو یہ اس چیز کا کوئی بدل یعنی مال دے گا دے رہا ہو گا یا مال نہیں دے رہا ہو گا۔ بھائی دیکھیے ناہبہ کے اندر آپ کو ایک شخص نے ایک چیز تحفے میں دی آپ اس کے قبول کر لیتے ہیں، مالک بن گئے یا نہیں بن گئے؟ اور آپ کا عمل بھی اس میں آیا یا نہیں آیا؟ کیا عمل آیا آپ کا؟ قبول کرنا آیا۔ اور اسی طرح آپ کسی سے کوئی چیز خریدتے ہیں تو خریدنے سے بھی آپ کیا بن جاتے ہیں اس چیز کے؟ مالک بن جاتے ہیں لیکن وہاں آپ مفت میں مالک بنتے ہیں یا بدلے میں آپ کو بھی مال دینا پڑتا ہے؟ مال دینا پڑتا ہے، تو دیکھو مالک بننے میں دوبارہ سنو بھائی اب، بات سمجھ میں آ گئی یہاں تک؟ دوبارہ سنو، اگر کوئی شخص کسی چیز کا مالک بنتا ہے تو اس کا اپنا عمل اس میں پایا جائے گا یا عمل نہیں پایا، اگر اس کا اپنا عمل نہیں پایا جاتا تو پھر بالاتفاق یہاں صرف نیتِ تجارت معتبر نہیں لہٰذا یہ مالِ تجارت نہیں بنے گا جب تک اس کے ساتھ کوئی عملِ تجارت نہ مل جائے تو اس کے اندر زکوٰۃ بھی نہیں آئے گی۔ اور اگر ایک شخص ایک چیز کا مالک بنتا ہے اور اس میں اس کا عمل پایا جاتا ہے کیا پایا جاتا ہے؟ عمل ہے تو پھر دیکھو بدلے میں یہ بھی کوئی عوضِ مالی دے رہا ہے یا کوئی مالی عوض نہیں دے رہا؟ اگر مالی عوض کوئی مال بدلے میں دے رہا ہے تو بالاتفاق نیتِ تجارت معتبر ہے اور یہ مال کس لیے شمار ہو گا؟ تجارت کے لیے شمار ہو گا، جب بدلے میں کیا دے رہا ہے؟ مال دے رہا ہے۔ اگر اس کا کوئی عمل دخل نہیں تو پھر بالاتفاق نیتِ تجارت معتبر نہیں، اور اگر اس کا عمل دخل ہے اور بدلے میں یہ کیا دے رہا ہے؟ مال دے رہا ہے تو پھر بالاتفاق یہ نیت معتبر ہے اور یہ مال کس لیے شمار ہو گا؟ تجارت کے لیے شمار ہو گا، اور اگر اس کا عمل تو ہے لیکن عوضِ مالی نہیں کوئی مالی عوض نہیں دے رہا صرف مثلاً قبول کرنا وغیرہ اس کی طرف سے پایا جا رہا ہے تو اس صورت میں یہ اختلاف ہے جو کتاب کے اندر ذکر ہوا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مال تجارت کے لیے ہو جائے گا کیونکہ اس کا عمل آ گیا جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا کیونکہ عمل تو بے شک پایا گیا لیکن ہر عمل نہیں ضروری کون سا عمل ضروری ہے؟ عملِ تجارت ضروری ہے۔ خلاصہ سمجھ میں آ گیا؟

اگر انسان کے مالک بننے والے کا اپنا کوئی عمل دخل نہ ہو تو؟ صرف نیت معتبر ہے نیتِ تجارت؟ پھر نیتِ تجارت معتبر نہیں وہ مال تجارت کے لیے نہیں ہو گا۔ اور اگر بدلے میں کوئی عوض دیا ہے تو پھر نیتِ تجارت معتبر ہے یا معتبر نہیں؟ پھر بالاتفاق نیتِ تجارت معتبر ہے، اور اگر بدلے میں کوئی مال نہیں دیا اس کا عمل تو پایا گیا لیکن بدلے میں کوئی مال اس نے نہیں دیا تو پھر اس صورت میں اختلاف ہے کہ یہ یہاں نیتِ تجارت معتبر ہو گی یا معتبر نہیں ہو گی۔

آگے دیکھیے کتاب پر: «وَلَا يَجُوزُ أَدَاءُ الزَّكَاةِ إِلَّا بِنِيَّةٍ مُقَارِنَةٍ لِلْأَدَاءِ أَوْ مُقَارِنَةٍ لِعَزْلِ مِقْدَارِالْوَاجِبِ» یاد رکھیے بھائی آپ پڑھ چکے کہ زکوٰۃ جو ہے وہ عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے نہیں ہوتی بھائی، عبادت کے اندر کیا ضروری ہے؟ نیت کا ہونا ضروری ہے۔ آپ نفل پڑھتے ہیں تو باقاعدہ نماز کی نیت کرتے ہیں، آپ فرض نماز پڑھتے ہیں تو فرضوں کی نیت کرتے ہیں، آپ روزہ رکھتے ہیں تو روزے کی نیت کرتے ہیں، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ آپ حج کرتے ہیں تو حج کی نیت کرتے ہیں، تو اسی طرح زکوٰۃ بھی ایک عبادت اور عبادت کے لیے کیا ضروری ہے؟ نیت کا ہونا ضروری ہے۔

تو لہٰذا زکوٰۃ کے اندر بھی نیت ضروری ہوئی اور پھر یہ نیت یاد رکھیے بھائی جب فقیر کو مال دینے لگے ہیں اس وقت نیت چاہیے بھائی، اس وقت کیا ہونی چاہیے؟ یہ میں کون سا مال دے رہا ہوں؟ زکوٰۃ کا مال دے رہا ہوں۔ تو اس وقت نیت ہونی چاہیے لیکن اگر اس وقت تو نیت نہیں البتہ جب زکوٰۃ کو اپنے مال میں سے جدا کیا تھا اس وقت نیت کی تھی، آپ نے اپنے مال کا حساب لگایا اور مثلاً زکوٰۃ بیس ہزار روپے بنی، آپ نے اسی نیت سے یہ بیس ہزار الگ کر لیے کہ یہ زکوٰۃ کے بیس ہزار ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب جب فقیر کو دینے لگے اس وقت کوئی نیت نہیں کی آپ نے، فقیر اچانک سامنے آیا آپ نے وہ پیسے نکال کر اس کو دے دیے، اس وقت نیت ہی نہیں کی تو تو بھی بہر حال زکوٰۃ ادا ہو گئی کیونکہ نیت پائی گئی یا نہیں؟ اگرچہ ادا کے وقت تو نہیں پائی گئی لیکن کس وقت تھی؟ مال کو جدا کرتے وقت نیت موجود تھی تو نیت کا ہونا بہر حال ضروری ہے چاہے وہ مال جدا کرتے وقت ہو یا صرف کس وقت ہو؟ ادا کے وقت ہو بھائی، بات سمجھ میں آئی؟

یہی بیان کررہے ہیں کہتے ہیں «وَلَا يَجُوزُ أَدَاءُ الزَّكَاةِ إِلَّا بِنِيَّةٍ مُقَارِنَةٍ لِلْأَدَاءِ» اور جائز نہیں ہے زکوۃ کو ادا کرنا مگر ایسی نیت کے ساتھ «مُقَارِنَةٍ» جو ملی ہوئی ہو «لِلْأَدَاءِ» کس کے ساتھ؟ ادا، ادائیگی کرتے وقت فقیر کو ادائیگی کرنے کے ساتھ وہ نیت ملی ہوئی ہو «أَوْ مُقَارِنَةٍ لِعَزْلِ مِقْدَارِالْوَاجِبِ» یا وہ ملی ہوئی ہو عزل، عزل کا معنیٰ جدا کرنا، «لِعَزْلِ مِقْدَارِالْوَاجِبِ» واجب مقدار کو جدا کرنے کے ساتھ وہ نیت ملی ہوئی ہو۔ جب واجب مال جتنی آپ پر زکوۃ واجب ہوئی تھی اس واجب مقدار کو اپنے مال میں سے جدا کرتے وقت، علیحدہ کرتے وقت یعنی نکالتے وقت وہ نیت موجود تھی وہ اس وقت اس کے ساتھ نیت ملی ہوئی تھی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

■ مسئلہ: لِأَنَّ الزَّكَاةَ عِبَادَةٌ فَكَانَ مِنْ شَرْطِهَا...

«لِأَنَّ الزَّكَاةَ عِبَادَةٌ فَكَانَ مِنْ شَرْطِهَاالنِّيَّةُ» اس لیے کیونکہ زکوۃ عبادت ہے تو اس کی شرط جو ہے وہ نیت ہوگی «وَالأَصْلُ فِيهَاالِاقْتِرَانُ» یہاں سے آپ کو صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہتے ہیں اصل تو یہ ہے کہ نیت عمل کے ساتھ ملی ہونی چاہیے، نیت کس کے ساتھ ملی ہوئی ہو؟ عمل، عبادت کے ساتھ یوں کہیں نیت عبادت کے ساتھ ملی ہونی چاہیے۔ آپ نماز پڑھنے لگے ہیں تو نیت اسی وقت ضروری ہے، ایک گھنٹہ پہلے آپ نے نیت کی تھی اس نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہونا چاہیے کہ نیت کو زکوۃ کی ادائیگی کے ساتھ ملا ہونا چاہیے یعنی جب آپ فقیر کو مال دے رہے ہیں اس وقت کیا نیت ہونی چاہیے؟ یہ میں زکوۃ کے پیسے دے رہا ہوں۔ لیکن چونکہ زکوۃ کے پیسے کچھ آدمی کیا کرتا ہے عموماً؟ کچھ کسی فقیر کو دے دیتا ہے کچھ دوسرے کو کچھ تیسرے کو تو تو چونکہ وہ ادائیگی متفرق ہو جاتی ہے لہٰذا الہٰذا مال کے جدا کرنے کے وقت جو نیت پائی گئی اسی پر اکتفاء کر لیا جاتا ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ زکوۃ ادا ہو گئی۔ زکوۃ کیا ہو گئی؟ ہونا تو کیا چاہیے؟ جس فقیر کو بھی دینے لگا کیا ضروری ہے اس کے ساتھ؟ نیت کا ہونا، لیکن چونکہ ادائیگی مختلف متفرق ہوتی ہے اب ہر مقام پر نیت کی شرط لگا دی جائے کہ جس فقیر کو بھی دینے لگو اس وقت کیا ضروری؟ نیت ضروری، تو انسان مشکل میں پڑ جائے گا بھائی تو لہٰذا کس نیت پر اکتفاء کر لیا گیا؟ وہ جو مال کو جدا کر رہے تھے زکوۃ کو اپنے مال میں سے نکال کر نکالا تھا آپ نے اس نیت کو ہی کافی قرار دے دیا گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «وَالأَصْلُ فِيهَاالِاقْتِرَانُ» اور اصل اس کی نیت کے اندر اقتران ملا ہونا ہے کہ یہ کس کے ساتھ ملی ہوئی ہو؟ ادا کے ساتھ، «إِلَّا أَنَّ الدَّفْعَ يَتَفَرَّقُ» مگر یہ کہ حوالے کرنا یہ متفرق ہوتا ہے یعنی مختلف فقیروں کو تھوڑا تھوڑا انسان دیتا ہے «فَاكْتُفِيَ بِوُجُودِهَا حَالَةَ الْعَزْلِ» تو اکتفاء کر لیا گیا اس نیت کے وجود پر حالت العزل مال کو جدا کرنے کی حالت میں جو نیت کی گئی اسی نیت پر کیا کر لیا گیا؟ اکتفاء کر لیا گیا «تَيْسِيرًا» آسانی کے لیے، سہولت کے لیے «كَتَقْدِيمِ النِّيَّةِ فِي الصَّوْمِ» جیسے نیت کا مقدم کرنا روزے کے اندر بھائی، بھائی روزے کے اندر روزے کے اندر جب روزہ شروع کرنے ہونے لگے یعنی عین صبحِ صادق جب ہونے لگے ہونا تو یہ چاہیے اس وقت نیت روزے کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ عین صبحِ صادق جب ہونے لگی اس وقت کیا کرنا چاہیے انسان کو؟ اس کی نیت ہونی چاہیے لیکن اگر یہ شرط لگا دی جائے پھر تو انسان بڑی مشکل میں پڑ جائے گا عین اس وقت نیت کرنا بلکہ یہ تو اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہے گا بھائی، کس کس کو پتہ چل سکتا ہے کہ عین اب صبحِ صادق ہونے لگی ہے؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے وہاں پر بھی جیسے پہلے سے نیت جو کر لی جائے وہ بھی معتبر ہے تو یہاں پر بھی زکوۃ کے اندر بھی جب پہلے نیت کر لی تھی مال کو جدا کرتے وقت تو وہ نیت معتبر ہے۔ یہ معنی ہے «كَتَقْدِيمِ النِّيَّةِ فِي الصَّوْمِ» جیسے کہ نیت کو مقدم کرنا روزے میں ہے۔

«وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مَالِهِ لَا يَنْوِي الزَّكَاةَ سَقَطَ فَرْضُهَا» صورتِ مسئلہ یہ ہے: ایک شخص جو ہے ایک شخص اس کے پاس نصاب کے بقدر مال تھا سال کے شروع میں، پورا سال گزر گیا سال جب ختم ہوا اب بھی اس کے پاس کتنا مال ہے؟ نصاب کے بقدر یعنی اتنی جتنا بھی ہے کہ اس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، چاہے پورا نصاب جتنا ہے یا اس سے جتنا بھی زیادہ ہو اوپر۔ تو مال ہے اس کے اندر زکوۃ واجب تھی۔ اس نے وہ سارا مال فقراء کو دے دیا بغیر زکوۃ کی نیت کے، فقیروں میں محتاجوں میں بانٹ دیا، سمجھ میں آیا؟ صدقہ کر دیا سارا مال فقراء پر۔ تو صدقہ تو کیا لیکن بالخصوص زکوۃ کی اس نے نیت نہیں کی۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ اس کے ذمے جو زکوۃ کا فرض تھا وہ فرض بھی ادا ہو گیا، وہ فرض بھی کیا ہوا؟ ادا ہو گیا۔ تو دیکھو یہ جو صدقہ کر رہا ہے یہ نفلی صدقہ ہے، نفلی صدقہ ہے اور زکوۃ تو کیا تھی اس پر؟ فرض۔ تو اس نے صدقے کی نیت تو کی ہے لیکن بالخصوص اس زکوۃ کی نیت نہیں کی لیکن فقہاء احناف کیا فرماتے ہیں؟ فرض زکوۃ بھی ادا ہو گئی یعنی اس سے ساقط ہو گئی، وہ فرض کیا ہوا اس سے؟ ساقط، تو یوں کہو وہ فرض ادا ہو گیا فرض ادا ہو گیا۔

اور یہ فرض جو ادا ہوا یہ استحساناً ادا ہوا، قیاس تو اس کا تقاضا کرتا ہے کہ یہاں فرض ادا نہیں ہونا چاہیے، فرض ادا نہیں۔ قیاس تقاضا یہ کرتا ہے، کیوں؟ بھائی دیکھیے زکوۃ ہے فرض، زکوۃ ہے فرض ہے اور فرض میں مطلق نیت کافی نہیں بلکہ تعیینِ نیت ضروری ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ فرض کے اندر مطلق نیت کافی نہیں بلکہ تعیینِ نیت ضروری ہے۔ مثلاً آپ نفل پڑھنے لگیں تو مطلق نماز کی نیت کافی ہے لیکن آپ ظہر کے فرض پڑھنا چاہتے ہیں تو پھر تعیینِ نیت ضروری ہے، کیا کیا نیت کریں؟ میں کون سی نماز پڑھنے لگا ہوں؟ ظہر کی پڑھنے لگا ہوں پھر ہی یہ ظہر کی نماز ہو گی، صرف نماز کی نیت کر لیں تو ظہر کے فرض آپ کے ذمے سے ساقط نہیں۔ معلوم ہوا فرضوں کے اندر مطلقِ نیت کافی نہیں بلکہ کیا ضروری؟ تعیینِ نیت، کس چیز کی تعیین؟ کہ یہ والی یہ ہی والی عبادت میں کر رہا ہوں۔ تو یہاں بھی جب وہ مطلق صدقہ ہے اور ایک ہے زکوۃ، زکوۃ کیا ہے؟ فرض اور فرضوں کے اندر کیا ضروری؟ تعیینِ نیت، تو اس میں کیا ضروری تھا مال ادا کرتے وقت؟ صرف صدقے کی نیت یا اس صدقۂ واجبہ کی نیت کرنا ضروری

تھا؟ صدقۂ واجبہ کی نیت کرنا ضروری تھا کہ یہ میں وہ زکوٰۃ دے رہا ہوں پھر ہی زکوٰۃ ادا ہوتی ورنہ ویسے ادا، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ایک شخص نے زکوٰۃ کے وجوب کے بعد اپنا سارا مال اس نے صدقہ کر دیا تو اس میں اس کی زکوٰۃ بھی اس کا فرض بھی ادا ہو گیا۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اس سے فرض ساقط نہیں ہونا چاہیے اس لیے کیونکہ فرض کے لیے تعیینِ نیت ضروری ہے کہ اس چیز کی باقاعدہ نیت کرے جیسے یہاں زکوٰۃ ہے کہ میں یہ زکوٰۃ دے رہا ہوں فقیروں کو اور نیت وہ وہ نیت تو یہاں پر نہیں پائی گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فرضوں میں تعیینِ نیت ضروری ہے اور یہاں تعیینِ نیت نہیں پائی گئی لہٰذا زکوٰۃ ادا نہیں ہونی چاہیے، یہ کیا بیان ہو رہا ہے؟ قیاس، تو قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہاں چونکہ تعیینِ نیت نہیں لہٰذا زکوٰۃ ادا ہونی نہیں چاہیے۔

لیکن استحساناً فقہاء فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ کس طرح؟ کہ وہ فرماتے ہیں کہ بھائی دیکھیے اس نے سارا مال فقراء کو دے دیا اور جو زکوٰۃ واجب ہوئی تھی سارا مال دے دیا اس کے پاس کچھ بھی نہیں، تو زکوٰۃ جو اس نے دینی تھی وہ اسی میں تھی یا نہیں؟ اسی مال میں سے تھی نا اور تو اس کے پاس مال ہی کوئی نہیں اس نے تو سارا مال دے دیا، تو زکوٰۃ بھی اسی اس شخص کے مال میں واجب تھی اور یہی اس کا سارا مال ہے جو اس نے کس کو دے دیا؟ فقراء، تو معلوم ہوا زکوٰۃ بھی کس کے اندر واجب تھی؟ اسی مال کے اندر واجب تھی اسی مال کے اندر، یا یوں کہیں دوسرے زکوٰۃ بھی اسی کے اندر متعین تھی اور کوئی مال ہے اس آدمی کے پاس؟ ہے ہی کچھ نہیں تو وہ معلوم ہوا اسی کے اندر وہ متعین تھی، جب وہ اسی کے اندر متعین ہے زکوٰۃ تو جب وہ متعین ہے تو متعین کے لیے تعیین کی ضرورت نہیں ہوتی لہٰذا یہ مال دیا تو زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی۔

دوبارہ دلیل سنیں بھائی، کیونکہ وہ زکوٰۃ جو واجب ہوئی وہ اسی مال کا ایک جز ہے بھائی، اسی میں سے واجب ہے نا؟ اور کوئی مال ہے اس آدمی کا؟ اور تو کوئی نہیں تو وہ اسی مال میں سے اس نے دینی تھی تو معلوم ہوا اس یوں کہیں اسی کے اندر کیا تھی وہ زکوٰۃ؟ واجب ہے یعنی یوں کہیں اسی کا جز ہے، اسی کا جب سارا مال دے دیا تو وہ جز جو زکوٰۃ تھا وہ بھی ساتھ گیا یا نہیں گیا؟ تو وہ بھی ادا ہو گیا اور آپ کہتے ہیں کہ اس میں تعیینِ نیت ضروری ہے، کہتے ہیں بھائی جب زکوٰۃ اسی مال کے اندر متعین ہے جب متعین ہے تو متعین کے لیے تعیین کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تعیین کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں ایک چیز متعین نہ ہو، ایک چیز متعین نہ ہو۔ جیسے آپ نماز پڑھنے لگے ہیں تو ظہر کے نیت کرنا ضروری ہے اگر آپ ظہر کے فرض پڑھنا چاہتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ یہی نماز نفل بھی ہو سکتی ہے یہی نماز عصر یا مغرب کی بھی ہو سکتی ہے، نماز تو کوئی بھی ہو سکتی ہے لہٰذا وہاں کیا ضروری تھا؟ کیونکہ وہ متعین نہیں تھا لہٰذا کیا ضرورت تھی؟ تعیین کی ضرورت تھی، اور جو چیز متعین ہو اس میں تعیین کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے رمضان کے اندر، رمضان کے اندر صرف مطلق روزے کی نیت کافی ہے کون سا روزہ ہو جائے گا؟ رمضان کا کیونکہ وہ وقت متعین ہی کس کے لیے ہے؟ رمضان کے روزے کے لیے متعین ہے۔ تو خلاصۂ کلام یہ کہ تعیین کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں کوئی چیز متعین نہ ہو اور اگر ایک چیز پہلے سے متعین ہے پھر تعیین کی ضرورت نہیں ہے، اور یہاں پر بھی وہ مال جو زکوٰۃ اس نے دینی تھی وہ کس کا جز تھا؟ اسی مال کا جو یہ سارا اس کے پاس ہے اسی میں سے دینا تھا کہیں اور سے لا کر دیتا ہے زکوٰۃ؟ یا اپنے اسی مال میں واجب ہوتی ہے؟ اسی کے اپنے مال میں واجب ہوتی ہے تو وہ اسی کا ایک جز تھا، ایک جز تو وہ اسی کے اندر یوں کہیں متعین تھا اور جب متعین تھا تو متعین کے لیے تعیین کی ضرورت نہیں، تو متعین کے اندر مطلق نیت بھی کافی ہے اور یہاں بھی اس نے صدقے کی نیت کی ہے یا نہیں؟ کس کی نیت کی ہے؟ صدقے کی، اللہ کی رضا کے لیے دے رہا ہے یا نہیں دے رہا؟ ہاں صرف زکوٰۃ کی نیت نہیں کی مطلق صدقے کی نیت تو اس نے کی ہے تو یہاں پر مطلق نیت بھی کافی ہو جائے گی تعیینِ نیت ضروری نہیں کیونکہ زکوٰۃ اسی کے اندر متعین ہے۔ جیسے روزے کے اندر مطلق روزے کی نیت بھی کافی ہو جاتی تھی وہاں تعیینِ نیت کی ضرورت نہیں کہ یہ میں رمضان ہی کا روزہ رکھتا ہوں بلکہ صرف کیا نیت کافی ہے؟ صرف یہ نیت کہ میں روزہ رکھتا ہوں تو یہ مطلق نیت بھی کافی ہے اور ہو گا روزہ رمضان ہی کا کیونکہ وہ وقت کس کے لیے متعین ہے؟ رمضان کے روزے، تو متعین کے لیے تعیین کی ضرورت نہیں ہوتی تعیین کی ضرورت کہاں پیش آتی ہے؟ جب متعین نہ ہو۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو قیاس تو یہ تقاضا کر رہا تھا کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہونی چاہیے کیونکہ زکوٰۃ فرض ہے اور فرض کے لیے تعیینِ نیت ضروری لیکن استحساناً کہا گیا کہ اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ وہ زکوٰۃ اسی مال کا ایک جز ہے تو وہ اس کے اندر متعین ہے اور متعین کے لیے تعیینِ نیت کی ضرورت نہیں۔ اب دیکھیے کتاب پر:

■ مسئلہ: وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مَالِهِ لَا يَنْوِي الز...

«**وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مَالِهِ لَا يَنْوِي الزَّكَاةَ سَقَطَ فَرْضُهَاعَنْهُ**» اور جس نے صدقہ کر جس نے صدقہ کر دیا اپنے سارے مال کو «**لَا يَنْوِي الزَّكَاةَ**» اس حال میں کہ وہ زکوٰۃ کی نیت نہیں کرتا بس صرف صدقے کی نیت کی ہے «**سَقَطَ فَرْضُهَاعَنْهُ**» تو اس کا فرض اس سے ساقط ہو جائے گا استحساناً اور یہ حکم کس کس اعتبار سے ہے؟ یہ استحساناً ہے، قیاساً تو کیا ہونا چاہیے؟ زکوٰۃ ادا نہیں ہونی چاہیے، کیوں نہیں ہونی چاہیے؟ کیونکہ فرضوں میں مطلق نیت کافی نہیں بلکہ کیا ضروری؟ تعیین اور یہاں تعیین اس نے زکوٰۃ کی کی ہی نہیں اس نے تو صرف صدقہ کیا ہے لیکن یہ استحساناً اس کا فرض اس سے ساقط ہو جائے گا «**لِأَنَّ الْوَاجِبَ جُزْءٌ مِنْهُ**» اس لیے کیونکہ وہ جو مال اس پر واجب ہوا ہے جزء منہ وہ اسی سارے مال کا جز ہے «**فَكَانَ مُتَعَيَّنًافِيهِ**» تو وہ اس کے اندر متعین ہے تو وہ اسی کا مال کا چالیسواں حصہ دیا جاتا ہے نا تو وہ چالیسواں اسی مال کا چالیسواں حصہ دینا تھا تو وہ اسی کا جز ہے «**فَكَانَ مُتَعَيَّنًافِيهِ**» تو وہ اس کے اندر متعین ہے «**فَلَا حَاجَةَ إِلَى التَّعْيِينِ**» تو لہٰذا متعین کرنے کی حاجت نہیں ہے یہاں پر۔

«وَلَوْ أَدَّى بَعْضَ النِّصَابِ سَقَطَ زَكَاةُ الْمُؤَدَّى» دوسری صورت دوسری صورت: ایک شخص نے اس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور اس نے اپنے آدھے مال کو صدقہ کر دیا، آدھے مال کو بھائی پورا ادھا مال اور اس کے اندر اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی، جب کل مال وہ صدقہ کرتا تھا تو کل زکوٰۃ اس کے ذمے سے ساقط ہو جاتی تھی تو جب اس نے بعضِ نصاب کو کیا کر دیا؟ جب اس نے اس بعضِ نصاب کے ایک حصے کو صدقہ کر دیا تو اس حصے کے بقدر اس سے زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک۔ جب کل جب کل نصاب وہ صدقہ کرتا تھا تو اس سے کل، توجہ ہے سبق کی طرف؟ جب کل جب کل نصاب وہ صدقہ کرتا تھا تو اس سے کل زکوٰۃ ساقط ہوتی تھی تو لہٰذا امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب بعضِ نصاب کو وہ صدقہ کرے گا تو اسی کے بقدر اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، جب کل کے اندر کل زکوٰۃ ساقط ہوتی تھی تو جز کے اندر اسی کے بقدر زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، کوئی زکوٰۃ اس سے ساقط نہیں ہوئی ساری زکوٰۃ دینی پڑے گی، وہ مال جو اس نے فقیر کو دے دیا اس کی بھی زکوٰۃ دینا پڑے گی کیونکہ وہ اس کے بغیر تو نصاب پورا نہیں تھا اس کو ملا کر کیا ہو رہا ہے نصاب پورا، تو لہٰذا اس حصے کی بھی اس کو زکوٰۃ دینا پڑے گی یہ جو مال بچ گیا ہے اسی میں سے، اور جو بچا ہوا ہے اس کی بھی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں «وَلَوْ أَدَّى بَعْضَ النِّصَابِ» اور اگر اس شخص نے دے دیا بعضِ نصاب کو یعنی نصاب کے کچھ حصے کو یعنی وہ صدقہ کر دیا «سَقَطَ زَكَاةُ الْمُؤَدَّى» تو ساقط ہو جائے گی زکوٰۃ اس ادا شدہ حصے کی جو حصہ اس نے کیا کر دیا ہے؟ صدقہ کر دیا ہے صدقے میں ادا کر دیا ہے اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی «عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک «لِأَنَّ الْوَاجِبَ شَائِعٌ فِي الْكُلِّ» اس لیے کیونکہ وہ مقدار جو واجب ہے وہ مال جو واجب ہے شائع فی الکل وہ پھیلا ہوا ہے سارے میں۔

ادھر توجہ کیجیے بھائی: صورت یہ ایک شخص کے پاس نصاب کے بقدر مال ہے اور اس پر کیا واجب ہو گئی؟ زکوٰۃ۔ اسی نصاب کو جو اس کا سارا مال ہے اس کا مثلاً اس نے نصف صدقہ کر دیا یا تیسرا حصہ کر دیا یا چوتھا حصہ صدقہ کر دیا تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی کے بقدر زکوٰۃ بھی اس سے کیا ہو جائے گی؟ ساقط۔ وہ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ زکوٰۃ اس سارے مال کا چالیسواں حصہ تھا، کیا تھا؟ اور وہ چالیسواں حصہ پورے مال میں پھیلا ہوا ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نصف کے اندر چالیسواں حصہ ہے دوسرے کے اندر نہیں ہے بلکہ یہ چالیسواں حصہ کس کے اندر ہے؟ پورے مال میں پھیلا ہوا ہے کیونکہ پورے مال کا چالیسواں حصہ ہے، تو جب اس کا ایک جز اس نے فقیر کو ادا کر دیا تو اسی جز کے بقدر حصہ بھی زکوٰۃ کا اس میں ادا ہو گیا، وہ گیا یا نہیں فقیر کے پاس؟ تو وہ بھی اس میں ادا، یہ معنی ہے «لِأَنَّ الْوَاجِبَ شَائِعٌ فِي الْكُلِّ» اس لیے کیونکہ وہ واجب حصہ کیا تھا؟ شائع تھا یعنی پھیلا ہوا تھا فی الکل کس کے اندر؟ کل نصاب کے اندر۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَسْقُطُ

«وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَسْقُطُ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں یہ زکوٰۃ اس سے ساقط نہیں ہو گی «لِأَنَّ الْبَعْضَ غَيْرُ مُتَعَيِّنٍ» اس لیے کیونکہ وہ بعض غیر متعین ہے «لِكَوْنِ الْبَاقِي مَحَلًّا لِلْوَاجِبِ» اس لیے کیونکہ باقی جو ہے وہ محل ہے واجب کا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اس نے نصاب کا جو حصہ صدقے میں فقراء کو دے دیا ہے اس حصے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس لیے کیونکہ پچھلی صورت میں یہ تھا کہ سارا مال چلا گیا تھا اور وہ زکوٰۃ تو واجب بھی کس کے اندر تھی؟ مال کے اندر اسی مال کے اندر واجب تھی تو جب سارا مال گیا تو زکوٰۃ اسی کے اندر متعین تھی وہ بھی کیا ہو گئی؟ ادا ہو گئی۔ لیکن یہاں پر جو حصہ فقیر کو دیا ہے فقیر کو دیا ہے اس کے اندر وہ زکوٰۃ متعین نہیں ہے، وہ اس مال جو دوسرا حصہ ہے اس میں سے بھی ادا ہو سکتی ہے یا ادا نہیں ہو سکتی؟ ادا ہو سکتی، تو وہ یہاں وہی وہ قیاس والا حکم آئے گا ان کے نزدیک کیونکہ جو چیز فرض ہے اس کے لیے کیا ضروری ہے؟ تعیینِ نیت ضروری ہے اور اس میں فقیر کو جو آفر کریں آدھا نصاب دیا، اس میں کوئی زکوٰۃ کی تعیین کی تھی؟ نہیں کی تھی اور یہاں مقابل موجود ہے، جیسے اس مال میں سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی تھی اسی طرح یہ جو موجود ہے اس میں سے بھی کیا ہو سکتی ہے زکوٰۃ؟ ادا ہو سکتی ہے یعنی بھائی نماز کے اندر بھائی روزے کے اندر تو وہاں مقابل کوئی نہیں موجود تھا مطلق نیت کافی ہو جاتی تھی کیونکہ رمضان کا وقت مقرر ہی کس کے لیے کیا ہے شریعت نے؟ رمضان کے روزے کے لیے مقرر کیا ہے دوسرے روزوں کے لیے یہ وقت مقرر نہیں، تو وہاں مطلق نیت بھی کافی ہو جاتی تھی کیونکہ شریعت کی جانب سے وہ وقت متعین ہے کس روزے کے لیے؟ رمضان کے روزے۔ لیکن اس کے برعکس اگر آپ نماز پڑھنے لگے ہیں تو ہمیشہ جب بھی کوئی فرض پڑھنے لگیں کیا ضروری ہے؟ تعیین، کیونکہ مقابل موجود ہے۔ مثلاً آپ ظہر پڑھنا چاہتے ہیں تو ظہر کو متعین کریں گے کہ میں ظہر کی نماز پڑھتا ہوں کیونکہ بعینہٖ اسی وقت آپ عصر کی بھی پڑھ سکتے ہیں مثلاً قضا نماز ہے یا کوئی گزشتہ قضا عصر کی پڑھ سکتے ہیں یا گزشتہ قضا ظہر کی پڑھ سکتے ہیں، یا عین اسی وقت اگر فجر کی نماز آپ کے ذمے تھی وہ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں تو یہاں مقابل موجود ہیں یا مقابل موجود نہیں؟ موجود۔ رمضان میں تو کوئی مقابل نہیں تھا وہاں تو کوئی اور روزہ نہیں رکھ سکتا کون سا رکھنا پڑے گا؟ رمضان کا ہی، لیکن یہاں مقابل موجود ہے اسی وقت کے اندر ظہر کی نماز بھی پڑھنا جائز، اسی وقت کے اندر نفل پڑھنا بھی جائز، اسی وقت کے اندر قضا نمازیں پڑھنا بھی جائز اور جہاں مقابل موجود ہو وہاں کیا ضروری ہے؟ تعیینِ نیت ضروری ہے تو یہاں پر بھی اس نے جب فقراء کو آدھا مال دے دیا تو وہ مال متعین نہیں تھا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے، اس میں سے بھی جیسے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے جو مال باقی بچ گیا ہے اس میں سے بھی زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے دونوں میں سے وہ واجب مقدار ادا ہو سکتی ہے تو گویا ایک مقابل چیز آ گئی۔ وہ حصہ جو ادا کیا ایک وہ حصہ ایک حصہ رہ گیا تو اس حصے کے اندر زکوٰۃ جو واجب تھی وہ ادا نہیں ہو گی کیونکہ یہاں کیا موجود ہے؟ مقابل، کون کیا مقابل ہے؟ وہ مال وہ نصاب جو اس کے

پاس باقی رہ گیا کیونکہ اس میں سے بھی کیا ہو سکتی ہے؟ زکوٰۃ۔ تو وہ حصہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے متعین تھا ہی نہیں، زکوٰۃ اس میں سے بھی ادا ہو سکتی تھی جو فقراء کو دے دیا اور زکوٰۃ جو باقی رہ گیا اس کے اندر سے بھی ادا ہو سکتی ہے، صورت سمجھ میں آئی؟ دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو وہ فرماتے ہیں یہاں مقابل اور مضاہی موجود ہے لہٰذا یہاں پر زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی البتہ جب سارا مال دے دیا تھا وہاں تو زکوٰۃ واجب ہی کس کے اندر تھی؟ اسی مال کے اندر تھی اور وہ سارا ہی گیا تو زکوٰۃ بھی اس کے اندر ادا ہو گئی، یہاں تو سارا نہیں گیا، اس حصے میں بھی زکوٰۃ ہو سکتی تھی جو چلا گیا، جو رہ گیا اس میں بھی ادا ہو سکتی ہے اور جو حصہ گیا اس میں تو نیت نہیں کی لہٰذا ادا نہیں ہوئی لہٰذا اب اس میں سے کیا کرنا پڑے گی؟ ادا کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

یہ معنی ہے «**وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَسْقُطُ**» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس ادا شدہ حصے کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گی «**لِأَنَّ الْبَعْضَ غَيْرُ مُتَعَيِّنٍ**» اس لیے کیونکہ وہ بعض جو ہے وہ متعین نہیں ہے «**لِكَوْنِ الْبَاقِي**» کون سا بعض غیر متعین ہے؟ وہ جو نصف نصف بعضِ نصاب جو اس نے دے دیا ناوہ زکوٰۃ اسی کے اندر واجب ہو ناز کوٰۃ کا یا اسی سے اس کی ادائیگی ہو ناز کوٰۃ کی یہ متعین نہیں تھا «**لِكَوْنِ الْبَاقِي مَحَلًّا لِلْوَاجِبِ**» اس لیے کیونکہ باقی جو ہے وہ بھی محل ہے کس چیز کا؟ واجب کا محل ہے کہ اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، تو جیسے وہ محل تھا اس میں زکوٰۃ واجب تھی یہ بھی کیا ہے محل ہے اس میں زکوٰۃ واجب، جیسے اس سے ادائیگی ہو سکتی تھی اس طرح اس کے ذریعے بھی کیا ہو سکتی ہے ادائیگی ہو سکتی ہے، تو جب مقابل موجود ہے تو پھر تعیینِ نیت ضروری اور تعیینِ نیت تو نہیں پائی گئی لہٰذا اس کی زکوٰۃ بھی ساقط نہیں۔ «**بِخِلَافِ الْأَوَّلِ**» بخلاف کس کے؟ پہلی صورت کے جہاں سارا مال دیا تھا تو وہاں تو واجب اسی مال کے اندر تھا تو وہ بھی متعین تھا اور یہاں واجب اسی مال کے اندر متعین نہیں ہے بھائی۔ «**وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ**» اور اللہ ہی خوب جاننے والے ہیں درست بات کو۔

آخر میں اب خلاصہ یاد رکھیے اس مسئلے کا بھائی خلاصہ، مختصر لفظوں کے اندر تو اگر ابھی تک کسی کو سمجھ نہیں بھی آیا انشاء اللہ اب بالکل واضح ہو جائے گا۔ بھائی دیکھیے مسئلہ انہوں نے یہ ذکر کیا کہ اگر کسی شخص پر زکوٰۃ واجب ہو گئی ہے اور وہ اپنا سارا مال صدقہ کر دیتا ہے اور زکوٰۃ کی نیت نہیں کرتا صرف کس کی نیت کرتا ہے؟ صدقے کی نیت کرتا ہے، تو بھی وہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بھائی۔ وہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس لیے کیونکہ وہ زکوٰۃ اسی مال کا جز ہے تو وہ متعین ہے۔ مثلاً دیکھیے بھائی ایک شخص ہے اس کا کل مال ہی اسی ہزار روپے ہیں بھائی اسی ہزار روپے، اور اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہو چکی ہے سال اس پر گزر گیا ہے تو اسی کا چالیسواں حصہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو گئی، تو چالیسواں حصہ یہ اگر چالیس ہزار ہوتے تو ایک ہزار بنتا، اسی ہزار ہے تو کتنے بن جائیں گے؟ دو ہزار، تو اس شخص پر دو ہزار زکوٰۃ واجب ہے۔ اب یہ اپنے اس سارے مال یعنی اسی ہزار ہی کو صدقہ کر دیتا ہے فقراء کے اندر تقسیم کر دیتا ہے تو اس صورت میں اس سے یہ زکوٰۃ جو ہے اس سے ساقط ہو جائے گی اگرچہ اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی۔ تو قیاس یہاں یہ تقاضا کرتا ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہونی چاہیے لیکن استحساناً زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، قیاس تقاضا کرتا ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہونی چاہیے اس لیے کیونکہ زکوٰۃ فرض ہے اور فرض کے لیے تعیینِ نیت ضروری ہے کہ باقاعدہ یہ نیت کرے کہ میں یہ زکوٰۃ ادا کر رہا ہوں اور تعیینِ نیت تو یہاں نہیں پائی گئی تھی لہٰذا زکوٰۃ ادا نہیں ہونی چاہیے، یہ کیا چیز تقاضا کر رہی ہے؟ قیاس، لیکن استحساناً زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس لیے کیونکہ جب اس نے اسی ہزار سارے کے سارے ہی فقراء کو ادا کر دیے ان میں تقسیم کر دیے تو وہ دو ہزار جو زکوٰۃ تھی وہ بھی انہی اسی ہزار میں واجب تھی یا وہ کسی اور مال میں تھی؟ اسی اسی ہزار کے اندر وہ دو ہزار بھی واجب تھے تو وہ اسی کا جز ہے، وہ اسی کا تو وہ اسی کا جز تھے تو جب کل ادا ہو گیا تو اس کے ساتھ ساتھ کیا ادا ہو گیا؟ جز بھی ادا ہو گیا، اور وہ جز اسی مال کے اندر تھا یا کسی اور مال کے اندر تھا؟ اسی مال کے اندر تھا تو وہ اس میں متعین ہے کہ اسی مال میں ہے، تو اسی مال کے اندر اس زکوٰۃ کا ہونا متعین ہے۔ جب اسی مال کے اندر اس زکوٰۃ کا ہونا متعین ہے تو وہ متعین ہے اور متعین کے لیے تعیین کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسے رمضان کا وقت رمضان کے روزے کے لیے متعین ہے وہاں کوئی اور روزہ درست نہیں ہے تو وہاں مطلق روزے کی نیت بھی کر لے گا تو وہ رمضان ہی کا روزہ ادا ہو گا کیونکہ وہ وقت کس کے لیے متعین ہے؟ رمضان کے لیے۔ اسی طرح یہ اسی ہزار یہی مال متعین تھا ان دو ہزار کے وجوب کے لیے، انہی میں وہ دو ہزار زکوٰۃ کے بھی واجب ہوئے تھے تو وہ انہی کے اندر متعین ہیں اور جب متعین ہیں تو تعیین کی ضرورت نہیں لہٰذا مطلق نیت کافی ہو جائے گی اور مطلق نیت صدقے کی اس نے کی ہے یا نہیں کی؟ وہ کی ہے لہٰذا اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اس کی دوسری صورت تھی کہ اگر وہ اس میں سے بعض ادا کرتا ہے فقراء کو بھائی، مثلاً اس میں سے نصف وہ فقراء کو ادا کر دیتا ہے چالیس ہزار فقراء پر صدقہ کر دیتا ہے یا فرض کریں اس میں سے ربع چوتھا حصہ وہ کیا کرتا ہے فقراء پر صدقہ کر دیتا ہے یعنی بیس ہزار فقراء پر صدقہ کر دیتا ہے یا اسی طرح کوئی اور جز مثلاً ثلث تیسرا حصہ فقراء پر صدقہ کر دیتا ہے تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کل مال کو صدقہ کرنے سے کل زکوٰۃ ادا ہو جاتی تھی تو جز ادا کرنے سے اسی کے بقدر زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ تو اگر اسی ہزار سارے ادا کرتا تھا تو ساری دو ہزار جو زکوٰۃ تھی وہ ادا ہو جاتی تھی، اگر اس کا نصف یعنی چالیس ہزار ادا کرے گا تو ایک ہزار زکوٰۃ اس میں ادا ہو جائے گی، اگر بیس ہزار اس میں سے صدقہ کرتا ہے تو پھر یہ ربع ہے چوتھا حصہ تو اس میں سے دو ہزار کا چوتھا حصہ کتنا بنا؟ پانچ سو، تو پانچ سو زکوٰۃ کے اس میں سے ادا ہو جائیں گے اور باقی پندرہ سو جو مال بچ گیا ہے اس میں سے ادا کرنے پڑیں گے۔ یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی بلکہ باقی مال میں سے پوری زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی اس لیے کیونکہ جو مال وہ ادا کر رہا ہے جیسے یہ **زکوٰۃِ** واجبہ کا محل ہے اس میں سے پوری زکوٰۃ ادا ہو سکتی تھی اسی طرح جو مال باقی ہے اس میں سے بھی کیا ہو سکتی ہے؟ پوری زکوٰۃ، تو لہٰذا جو حصہ ادا کر رہا ہے یہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے یہی متعین نہیں ہے پچھلی صورت میں تو وہ پورا مال تھا وہی متعین تھا لیکن اب تو دو حصے بن گئے اور دونوں میں سے کیا ہو سکتی ہے زکوٰۃ؟ ادا ہو سکتی ہے تو جو ادا وہ دے رہا ہے یہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے متعین نہیں، جب متعین

نہیں تو تعیین ضروری اور تعیین تو پائی نہیں گئی لہٰذا زکوۃ بھی ادا نہیں ہوئی، ساری زکوۃ کس میں سے دینا پڑے گی؟ جو حصہ باقی بچ گیا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی۔

یاد رکھیے بھائی یاد رکھیے، آپ نے مسئلہ پڑھ لیا کہ زکوۃ ادا کرتے وقت نیت ضروری ہے یا مال کو جدا کرتے وقت نیت ضروری ہے اس کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہو گی۔ آپ کو ایک اور گہری بات بتلاؤں بھائی: بھائی آپ نے فقیر کو کچھ مال دے دیا اور زکوۃ کی نیت نہیں کی اور پھر آپ کو خیال آیا او ہو میں زکوۃ کی نیت کر لیتا تو زکوۃ ادا ہو جاتی، زکوۃ ادا ہو جاتی۔ تو یاد رکھیے جب تک فقیر کے پاس آپ کے وہ نوٹ موجود ہیں وہ پیسے اس کے پاس ہیں اس نے خرچ نہیں کیے ابھی آگے تو آپ زکوۃ کی نیت کر سکتے ہیں اور زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس نے آپ کے دیے ہوئے وہ نوٹ کیا کر دیے ہیں؟ خرچ کر دیے ہیں پھر نیت صحیح نہیں ہو گی پھر زکوۃ ادا نہیں ہو گی۔ تو جب تک وہ آپ کا مال وہ آپ کے نوٹ اس کے پاس ہیں آپ کیا کر سکتے ہیں؟ زکوۃ کی نیت کر سکتے ہیں، نیت کر سکتے ہیں۔ یعنی یوں کہو فقیر کو آپ نے مثلاً جیب میں ہاتھ ڈالا پانچ ہزار کا نوٹ نکل آیا آپ نے کہا چلو یہ بیچارہ غریب ہے وہ پانچ ہزار ہی آپ نے اس کو دے دیے، پھر فوراً خیال آیا بھائی میں نے دینے ہی تھے میرے ذمے زکوۃ تھی تو میں زکوۃ کی نیت کر لیتا، ابھی فقیر آپ کے سامنے جا رہا ہے آپ اسی وقت کس چیز کی نیت کر لیتے ہیں؟ زکوۃ کی، تو زکوۃ ادا ہو گئی۔ لیکن اگر فقیر ادھر ادھر چلا گیا پھر پتہ نہیں ہے ہو سکتا ہے اس نے جاتے ہی کیا کر لیا ہو؟ وہ خرچ کر لیے ہوں وہ نوٹ دے کر کسی سے دوسرے نوٹ لے لیے ہوں فوراً ہی، تو لہٰذا ابھی سامنے پتہ ہے ابھی اس نے خرچ نہیں کیا تو پھر کیا کر سکتے ہیں؟ نیت کر سکتے ہیں۔

جی اور اسی طرح یہ بھی یاد رکھیے کسی کو جب زکوۃ دینے لگیں تو اس کو یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہ زکوۃ کا مال دے رہا ہوں بلکہ عموماً اس کو کوئی پسند بھی نہیں کرے گا کہ اس کو کیا کہا جائے یہ میں کیا دے رہا ہوں؟ زکوۃ کا مال، لہٰذا زکوۃ کا مال دیتے ہوئے زکوۃ کے بارے میں بتلانا ضروری نہیں۔ بلکہ کچھ بھی کہہ کر آپ دے دیں زکوۃ ادا ہو جائے گی جبکہ آپ کی نیت زکوۃ کی ہو۔ مثلاً آپ کہہ سکتے ہیں لو بھائی یہ میری طرف سے ہدیہ آپ ویسے رکھیں۔ یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں آپ لو بھائی آپ نے بھائی وہ تو فلاں کام بڑا اچھا کیا لو میری طرف سے یہ انعام رکھو بھائی، تو اس میں نیت کس کی ہے؟ زکوۃ کی ہے یاد رکھیے زکوۃ ادا ہو جائے گی بھائی ہو جائے گی۔

چلیے بس بھائی «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۹۶: بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ

ہدایہ صفحہ: ۲۰۳ — بتاریخ: ۲۱ مارچ ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ فَصْلٌ فِي الْإِبِلِ قَالَ: لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا شَاةٌ إِلَى تِسْعٍ، فَإِذَا كَانَتْ عَشْرًا فَفِيهَا شَاتَانِ إِلَى أَرْبَعَ عَشْرَةَ، فَإِذَا كَانَتْ خَمْسَ عَشْرَةَ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى تِسْعَ عَشْرَةَ، فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ إِلَى أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ۔

بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ

بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ۔ سَوَائِم یاد رکھیے جمع ہے **سَائِمَةٌ** کی، اور **سَائِمَةٌ** وہ جانور ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارے بھائی۔ یعنی اس کو گھر پر چارہ لا کر نہیں کھلایا جاتا، بلکہ سال کا اکثر حصہ وہ باہر چراگاہ میں، جنگل میں چرتا ہے بھائی، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ سائمہ بھائی، سائمہ۔

تو اس باب کے اندر یاد رکھیے جانوروں کے اندر جو سائمہ جانور ہیں جو سال کا اکثر حصہ جنگل کے اندر چر کر گزارتے ہیں، ان کی زکوٰۃ کا بیان ہو گا۔ اور صرف اس میں اونٹ شامل ہیں، اونٹ، اور اسی طرح گائے، بیل وغیرہ، اسی میں بھینس وغیرہ بھی آ گئی، اور بھیڑ بکریاں ہیں ان کی زکوٰۃ بیان ہو گی، اور اسی طرح گھوڑوں کے اندر جو زکوٰۃ ہے اس کا بیان ہو گا۔

تو یہ جانور ہوں اور ان کی شرائط پوری ہوں تو ان کے اندر زکوٰۃ واجب ہو گی بھائی۔ اور جانور جو ہیں ان کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور جتنے جانور ہیں اگر وہ رکھیں ان کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں، اِلّا یہ کہ وہ تجارت کے لیے ہوں۔ تجارت کے لیے ہوں پھر تو وہ مالِ تجارت ہے، پھر اس اعتبار سے ان میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔ تو یہاں صرف ان جانوروں کا ذکر ہو گا جو سائمہ ہیں اور ان میں شرعاً زکوٰۃ واجب ہے۔

تو ان میں دو شرطیں ضروری ہیں بھائی پھر ان سائمہ جانوروں میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔ پہلی شرط جو ذکر ہو گئی کہ یہ جانور سائمہ ہونے چاہییں، یعنی سال کا اکثر حصہ باہر جنگل میں چر کر گزارتے ہیں۔ گھر پر لا کر ان کو چارہ نہیں کھلایا جاتا بلکہ باہر چرتے ہیں۔ یہ جانور کیا کہلاتے ہیں؟ سائمہ۔ لہٰذا اگر ایک جانور ایسا ہے کہ اس کو چھ ماہ گھر پر چارہ کھلایا جاتا ہے اور چھ ماہ وہ باہر جنگل میں چر کر گزارتا ہے، تو یہ سائمہ نہیں۔ کیونکہ یہ تو نصف سال باہر چر کر گزارتا ہے، حالانکہ شرط کیا ہے؟ سال کا اکثر حصہ۔ لہٰذا جو نصف سے زائد وقت جو ہے سال کا باہر چر کر گزارے یعنی چھ ماہ سے زائد وقت وہ سائمہ کہلائے گا بھائی، وہ سائمہ کہلائے گا۔ تو پہلی شرط ان جانوروں میں کیا ہے کہ وہ کیا ہونے چاہییں؟ سائمہ ہونے چاہییں، سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزاریں۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ ان سائمہ جانوروں کو دودھ کے لیے، دودھ کے لیے یا افزائشِ نسل کے لیے رکھا گیا ہو، نسل بڑھانے کے لیے۔ دوسری شرط کیا ہے؟ دودھ کے لیے یا افزائشِ نسل کے لیے، نسل بڑھانے کے لیے رکھا گیا ہو۔ اگر ان کو گوشت کھانے کے لیے یا سواری کرنے کے لیے رکھا ہے تو بھی ان کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ تو پہلی شرط کیا ہوئی کہ یہ جانور کیسے ہونے چاہییں؟ سائمہ ہونے چاہییں۔ دوسری شرط یہ کہ ان کو کس لیے رکھا گیا ہو؟ دودھ حاصل کرنے کے لیے یا افزائشِ نسل کے لیے رکھا گیا ہو۔ لہٰذا اگر صرف گوشت کھانے کے لیے یا سواری کے لیے رکھا گیا ہے تو ان کے اندر زکوٰۃ پھر واجب نہیں ہو گی بھائی، زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

اور نیز یہ بھی یاد رکھنا بھائی کہ یہ باہر جنگل میں چرتے ہیں تو اس چرنے کا مالک عوض نہ دیتا ہو، کوئی معاوضہ نہ دیتا ہو۔ اگر اس چراگاہ کے وہ پیسے وغیرہ دیتا ہے اس چرنے کے تو اس صورت میں بھی یاد رکھیے ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ تو زکوٰۃ کب واجب ہو گی؟ جب سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزاریں اور چریں بھی کس قسم کے جنگلات میں؟

جہاں معاوضہ نہ دینا پڑتا ہو، مباح جنگلوں کے اندر، مباح چراگاہوں کے اندر وہ چرتے ہوں۔

اور نیز یہ بھی یاد رکھیے، اگر یہ جانور یاد رکھیے تجارت کے لیے ہیں تو پھر ان کے اندر یہ والی زکوٰۃ نہیں آئے گی جو یہاں بیان ہو رہی ہے، بلکہ پھر اس میں مالِ تجارت کے اعتبار سے جو مالِ تجارت میں زکوٰۃ آتی ہے اسی طرح حساب لگایا جائے گا اور چالیسواں حصہ دینا پڑے گا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہاں تفصیل آئے گی کہ اتنے جانوروں میں اتنی ہے، اتنے میں اتنی ہے۔ وہاں پر اگر تجارت کے لیے رکھے ہیں پھر تعداد وغیرہ کو نہیں دیکھنا، پھر ہر ہر جانور کے اندر زکوٰۃ آتی جائے گی اور کتنا حصہ ہو گا؟ اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ۔ ایک بکری بھی لی ہے تجارت کی نیت سے تو اس کے اندر چالیسواں حصہ سال کے گزرنے پر دینا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں **بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ**، یہ باب ہے سائمہ جانوروں کے صدقے یعنی ان کی زکوٰۃ کے بیان میں۔ **فَصْلٌ فِي الْإِبِلِ**، یہ فصل ہے اِبل یعنی اونٹوں کے بیان میں۔

إِبِل عربی زبان میں اونٹ کو کہتے ہیں بھائی، اونٹ کو۔ یہ عجیب جانور ہے بھائی۔ اس کے بہت سی تکوینی خصوصیات بھی ہیں اور اسی طرح اس کی بہت سی ادبی خصوصیات بھی ہیں۔ اونٹ کی تکوینی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ بے انتہا فرماں بردار جانور ہے بھائی۔ اتنا فرماں بردار ہے، اتنا فرماں بردار ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ حتیٰ کہ دیکھیے اتنے بڑے ڈیل ڈول والا جانور ہے لیکن اگر اس کی مہار آپ کسی دو یا تین سال کے بچے کے ہاتھ میں بھی تھما دیں گے تو وہ بچہ جدھر جدھر کا رخ کرے گا اونٹ اطمینان سے اس کے ساتھ چلتا رہے گا بھائی، چلتا رہے گا۔ اتنا فرماں بردار جانور ہے، جبکہ اور جانور اس طرح نہیں ہیں بھائی۔

اور اسی طرح اس کی تکوینی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو بٹھا کر اس پر سامان لادا جاتا ہے اور پھر یہ اس بوجھ کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جبکہ اور کوئی جانور ایسا نہیں، باقی گھوڑا وغیرہ اور جو جانور ہیں ان کو کھڑا کر کے ان پر سامان لادتے ہیں۔ اگر ان کو بٹھا کر ان پر بوجھ لادا جائے تو وہ کھڑے ہی نہیں ہو سکتے بھائی، بوجھ ذرا بھی زیادہ ہوا تو۔ جبکہ اونٹ پر جتنا بھی بوجھ لاد دیں بٹھا کر وہ اطمینان سے اس کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور یہ دراصل وجہ اس کی لمبی گردن ہے بھائی۔ اس لمبی گردن کے زور پر وہ کیا کر لیتا ہے؟ اس بوجھ کو اٹھا لیتا ہے اور اس کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

اور اس کی ایک اور تکوینی خصوصیت یہ ہے کہ ایک ستارہ ہے جسے **سُهَيل** کہتے ہیں عربی زبان میں۔ سہیل ستارہ جو ہے اور یہ سال کے پورے سال میں چند ہفتے دکھائی دیتا ہے جنوب کی طرف، تو سہیل ستارے کی طرف یہ اونٹ کبھی نہیں دیکھتا۔ اگر اس ستارے پر اس کی نظر پڑ جائے تو یہ شدید بیمار ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے بھائی۔ تو یہ سہیل ستارے کی طرف نہیں دیکھتا بھائی۔

اور اسی طرح اس کی ایک تکوینی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کئی کئی دن تک بغیر پانی کے آرام سے گزارا کر لیتا ہے، آرام سے گزارا کر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ عرب جو ہیں، عرب اس کو آٹھ آٹھ دس دس دن کے بعد پانی پلایا کرتے تھے بھائی۔ اور عرب تو ریگستانی علاقہ ہے، وہاں تو پانی ملتا ہی نہیں ہے۔ تو اس جانور کی وجہ سے ان کو بڑی سہولت ہوتی کہ آٹھ آٹھ دس دس دن تک پانی پلانے کی ضرورت ہی نہیں ہے بھائی۔ اگر ہر دن میں ایک یا دو مرتبہ، ہر روز پانی پلانا پڑتا تو پھر تو وہ لوگ بڑی مشکل میں پڑ جاتے، اس پر وہ لمبے لمبے سفر کرتے، کئی کئی دن تک پانی پلانے کی حاجت ہی نہ ہوتی تھی بھائی۔ تو عرب اس کو خشکی کا جہاز کہتے تھے، جیسے ایک سمندری جہاز ہوتا ہے سمندر میں سفر کیا جاتا ہے، اسی طرح اس کو کیا کہتے تھے؟ خشکی کا جہاز بھائی۔

اور نیز اس کے پاؤں جو ہیں اس کی ایک خصوصیت یہ کہ اس کے پاؤں جو ہے تلوے چوڑے چوڑے ہیں بھائی۔ تو لہٰذا یہ اطمینان سے ریت کے اندر سفر کرتا ہے، پاؤں اس کے ریت میں دھنستے نہیں ہیں۔ جبکہ اور جانور جو ہیں، گھوڑے وغیرہ، گھوڑے خچر وغیرہ ان کے پاؤں جو ہیں وہ ریت کے اندر دھنستے ہیں، تو ان پر اتنی آسانی سے ریت کے اندر سفر نہیں ہو سکتا جتنی آسانی سے اونٹ پر بھائی۔

اور عرب باقاعدہ اس کے پشت پر کمرہ بنا لیتے تھے بھائی، لکڑیاں وغیرہ لگا کر اس پر کپڑا ٹکا لیتے اور شدید دھوپ کے اندر بھی اس کمرے کے اندر جو جس کو کپڑے سے بنایا گیا ہے، ڈھانپا ہوا ہے، اطمینان سے سفر کرتے رہتے بھائی۔ اور پانی پلانے کی بھی جلدی ضرورت نہ ہوتی، کئی کئی دن بعد پانی پلاتے تھے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ اس کی تکوینی خصوصیات ہیں بھائی۔

اور اسی طرح اس کی بہت سی ادبی خصوصیات بھی ہیں۔ جیسے اس کا نام ہے **إِبِل، إِبِل۔ إِبِل** بروزنِ **فِعِل** ہے، فا کے نیچے بھی کسرہ اور عین کے نیچے بھی کسرہ۔ **إِبِل** بروزنِ **فِعِل** ہے، اور امام سیبویہ فرماتے ہیں پورے کلامِ عرب میں **فِعِل** وزن پر سوائے **إِبِل** کے اور کوئی لفظ نہیں ہے بھائی۔ پورے کلامِ عرب میں اس وزن پر اور کوئی لفظ نہیں ہے، یہ کون فرماتے ہیں؟ امام سیبویہ۔ بعض علماء نے ایک دو اور لفظ بھی بیان کیے ہیں بھائی، ایک دو لفظ اور بھی بیان کیے ہیں لیکن حق یہی ہے کہ پورے کلامِ عرب میں یہی ایک لفظ ہے۔ باقی اگر کوئی لفظ اس وزن پر آتا بھی ہے وہ کسی اور وزن سے نقل وغیرہ ہو گا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہی وزن ہے۔

اور ایک اور ادبی خصوصیت، ادبی نکتہ اس کے نام کا: اس کا دوسرا نام ہے **جَمَل، جَمَل۔ جَمَل** بھی کسے کہتے ہیں؟ اونٹ کو۔ اور اس کی ادبی خصوصیت یہ ہے کہ اس لفظ کی پے در پے چھ جمعیں آتی ہیں اور پورے کلامِ عرب میں اور کوئی ایسا لفظ نہیں۔ عربی زبان میں ایسا ہوتا ہے بھائی، بعض اوقات ایک لفظ کی جمع آتی ہے پھر اس جمع کی آگے جمع آتی ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ جمع کے آگے پھر آگے جمع کی جمع کی آگے پھر جمع آجاتی ہے۔ تو یہ جو **جَمَل** ہے اس کی پے در پے چھ جمعیں آتی ہیں اور کوئی لفظ ایسا نہیں بھائی، کوئی لفظ ایسا نہیں۔

جیسے بھائی یہ لکھ لیجیے بھائی: **جَمَل** کی جمع جو ہے **جَمَل** کی جمع **أَجْمُل** آتی ہے۔اور **أَجْمُل** کی جمع **أَجْمَال** آتی ہے، **أَجْمَال۔** اور **أَجْمَال** کی جمع **جَامِلٌ** آتی ہے۔اور **جَامِلٌ** کی جمع **جِمَالٌ** آتی ہے۔اور **جِمَالٌ** کی جمع **جِمَالَةٌ** آتی ہے۔اور **جِمَالَةٌ** کی جمع **جِمَالَاتٌ** آتی ہے، آخر میں لمبی تا ہے، **جِمَالَاتٌ۔**

تو دیکھو جمع کی جمع آئی، پھر اس جمع کی آگے جمع آئی، پھر اس اگلی جمع کی جمع آئی بھائی، اس طرح تو یہ پے در پے چھ جمعیں آتی ہیں اور کوئی لفظ کلامِ عرب میں ایسا نہیں۔

تو صاحبِ ہدایہ ان سائمہ جانوروں کے اندر سب سے پہلے انہوں نے **إِبِل** کو ذکر کیا بھائی، **إِبِل** کی زکوٰۃ کو۔وجہ اس کی یہ کہ احادیث میں ان جانوروں کی زکوٰۃ میں سب سے پہلے **إِبِل** کا ذکر ہے، اس لیے اتباعِ حدیث کرتے ہوئے سب سے پہلے **إِبِل** کی زکوٰۃ کو بیان کیا۔اور نیز اس لیے کیونکہ عربوں کے ہاں سب سے قیمتی مال یہ اونٹ شمار ہوتے ہیں بھائی، اونٹ۔ جس شخص کے پاس جتنے زیادہ اونٹ ہوتے اتنا ہی وہ مالدار شمار ہوتا تھا۔ایک ایک آدمی کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک اونٹ ہوا کرتے تھے بھائی۔

اب دیکھیے بھائی کتاب پر: **فَصْلٌ فِي الْإِبِلِ،** یہ فصل ہے اِبل کے بیان میں، یعنی اس کی زکوٰۃ کے بیان میں۔ **قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ۔ قَالَ** سے مراد ہیں صاحبِ قدوری بھائی، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں۔ **لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ،** نہیں ہے **فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ ذَوْدٍ** پانچ افراد سے کم میں **صَدَقَةٌ** صدقہ، یعنی اونٹوں کے پانچ افراد میں سے کم کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں۔

یاد رکھیے یہاں **ذَوْد** کا لفظ آیا، **ذَوْد۔** یہ **ذَوْد** جو ہے نا یہ ایک اونٹ کو نہیں کہتے، یہ اونٹوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں اور تین سے لے کر دس تک ان کی تعداد ہو۔ چاہے تین ہو، چاہے چار ہو، پانچ ہو، تو دس تک جو ریوڑ ہو وہ کیا کہلاتا ہے؟ **ذَوْدٌ** کہلاتا ہے۔تو اگر ظاہری لفظوں کو دیکھا جائے تو معنیٰ یہ بنتا ہے پانچ ریوڑوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں، اور ذود میں ایک میں کم سے کم کتنے افراد پر بولا جاتا ہے؟ تین پر، تو پانچ تیے پندرہ، گویا پندرہ اونٹوں سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں یہ معنیٰ بنتا ہے، لیکن یہ مراد نہیں۔بلکہ مراد کیا ہے؟ پانچ اونٹوں سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں، پانچ اونٹ ہوں گے تو ان میں زکوٰۃ آئے گی، اس سے کم ہے تو زکوٰۃ نہیں۔

تو بھائی ذود تو ریوڑ کو کہتے ہیں پھر **خَمْسِ ذَوْدٍ** کا معنیٰ تو کم از کم کتنے اونٹ ہونے چاہییں؟ پندرہ۔تو علماء اس کا ضابطہ بیان فرماتے ہیں، کہتے ہیں: ذود ریوڑ کے معنیٰ میں ہے لیکن جب اس کی طرف عدد کی اضافت کر دی جائے، جیسے یہاں ہے **خَمْسِ ذَوْدٍ،** کون سا عدد آرہا ہے اس سے پہلے؟ **خَمْسَة** کا۔تو عدد جب اس سے پہلے آ جائے اور اس کی طرف عدد کی اضافت کر دی جائے تو اس صورت میں یہ ریوڑ کے معنیٰ میں نہیں بلکہ فرد کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔کس معنیٰ میں ہو جاتا ہے؟ فرد کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔تو **خَمْسِ ذَوْدٍ** کا کیا معنیٰ؟ پانچ افراد بھائی۔ جیسے **رَهْط** بھائی، را، ہا، اور طا بھائی، طا، **رَهْط۔ رَهْط** کہتے ہیں آدمیوں کی جماعت تین سے لے کر دس تک، تو یہ اس میں جمع ہے۔لیکن جب اس کی طرف عدد کی اضافت کر دی جائے تو یہ پھر **شَخْصٌ** اور **فَرْدٌ** کے معنیٰ میں ہو جائے گا کہ پانچ افراد بھائی۔تو **رَهْط** کی طرف جب عدد کی اضافت ہو جائے تو پھر یہ شخص اور فرد کے معنیٰ میں ہو جاتا ہے۔تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔

تو صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ،** پانچ اونٹوں سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے۔ **فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا،** جب یہ اونٹ پہنچ جائیں پانچ کی تعداد کو، **سَائِمَةً،** اس حال میں کہ وہ سائمہ ہوں یعنی سال کا اکثر حصہ جنگل میں چرنے والے ہوں، **وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ،** اور ان پر ایک سال گزر جائے، **فَفِيهَا شَاةٌ،** تو ان کے اندر ایک بھیڑ بکری ہے، ان کے اندر ایک بھیڑ بکری واجب ہے۔

یاد رکھیے شَاۃ کا لفظ صرف بکری کو شَاۃ نہیں کہتے بلکہ شَاۃ کا لفظ بھیڑ بکری دونوں پر بولا جاتا ہے، یہ اس میں جنس ہے بھائی۔ یہ بھیڑ بکری دونوں پر بولا جاتا ہے اور دونوں کے مذکر مونث اس کے اندر داخل ہیں، تو بکرا بکری اور دنبہ اور بھیڑ سب اس کے اندر داخل ہو گئے۔ معنیٰ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو شَاۃ بھیڑ بکری دونوں کو شامل ہے بھائی۔حالانکہ عام رائج یہ ہے کہ شَاۃ کا کیا معنیٰ کرتے ہیں؟ بکری کے۔ نہیں بھائی، بکری کو نہیں یہ بھیڑ بکری دونوں پر بولا جاتا ہے، دونوں اس کے اندر داخل ہیں۔

بھائی یوں کیجیے کہ یہ اونٹوں کی زکوٰۃ ذرا آپ لکھ لیجیے پھر جلدی جلدی باب آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔اوپر لکھ لیں بھائی: **زَكَاةُ الْإِبِلِ، زَكَاةُ الْإِبِلِ۔** اور عنوان دے دیں: ابتداء سے، ابتداء سے۔اس کے نیچے لکھئے: 5: **شَاةٌ** 10: **شَاتَانِ** 15: **ثَلَاثُ شِيَاهٍ** 20: **أَرْبَعُ شِيَاهٍ** 25: **بِنْتُ مَخَاضٍ** 36: **بِنْتُ لَبُونٍ** 46: **حِقَّةٌ** 61: **جَذَعَةٌ** 76: **بِنْتَا لَبُونٍ** 91: **حِقَّتَانِ** 120 تک دو حقے ہی ہوں گے۔

اب اس کے نیچے دوسرا عنوان دیجیے: 120 سے زائد میں زکوٰۃ 5: **شَاةٌ** 10: **شَاتَانِ** 15: **ثَلَاثُ شِيَاهٍ** 20: **أَرْبَعُ شِيَاهٍ** 25: **بِنْتُ مَخَاضٍ** 30: **حِقَّةٌ** تو 150 میں تین حقے ہو گئے۔

اس سے نیچے اب پھر تیسرا عنوان دیں: 150 سے زائد میں زکوٰۃ 5: **شَاةٌ** 10: **شَاتَانِ** 15: **ثَلَاثُ شِيَاهٍ** 20: **أَرْبَعُ شِيَاهٍ** 25: **بِنْتُ مَخَاضٍ** 36: **بِنْتُ لَبُونٍ** 46: **حِقَّةٌ** 46 سے 50 تک ایک حقہ ہی رہے گا۔تو 196 کے اندر کل چار حقے ہو گئے۔

نقشہ مکمل ہوا بھائی، اب اس کو ذرا سمجھ لیں بھائی۔

ابتداء سے دیکھیں ذرا بھائی کہ ابتداء سے زکوٰۃ کس طرح آئے گی، اونٹوں کی تعداد ہم ابتداء سے شمار کر رہے ہیں۔پانچ اونٹ ہوں اور سائمہ ہوں اور ان پر سال گزر جائے اور وہ دودھ کے لیے یا افزائشِ نسل کے لیے ہیں، تو ان پانچ اونٹوں میں ایک سال کے گزرنے کے بعد ایک بھیڑ بکری دینا پڑے گی، ایک شَاۃ ہے۔دس اونٹ ہوں تو

کتنے ؟ دس ہو جائیں گے تو دو بھیڑ بکریاں آجائیں گی۔ معلوم ہوا پانچ سے لے کر نو تک ایک ہی بھیڑ بکری ہے، پانچ میں بھی وہی ایک بھیڑ بکری، چھ میں بھی وہی، سات میں بھی وہی، آٹھ میں بھی وہی، یہاں تک کہ نو، نو میں بھی وہی ایک بھیڑ بکری ہے ابھی تک کوئی اضافہ نہیں ہوا زکوۃ کے اندر۔ پانچ میں بھی ایک بھیڑ بکری تھی پانچ سے لے کر نو۔ ہاں، جیسے ہی دس ہو جائیں گے اب کتنی آجائیں گی ؟ دو بھیڑ بکریاں اس میں واجب ہو جائیں گی بھائی، دو بھیڑ۔ اور پھر دس سے لے کر چودہ تک یہی دو بھیڑ بکریاں ہیں۔ جیسے ہی پندرہ ہوں گے کتنی ہو جائیں گی بھیڑ بکریاں ؟ جی، **ثَلَاثُ شِيَاهٍ** تین بھیڑ بکریاں ہو جائیں گی۔ اور پھر یہ انیس تک اسی طرح رہے گا یہاں تک کہ کتنے ہو جائیں ؟ بیس اونٹ ہو جائیں تو اس میں **أَرْبَعُ شِيَاهٍ** چار بھیڑ بکریاں آجائیں گی۔ اور پھر یہ چوبیس تک اسی طرح رہے گا یعنی چار بھیڑ بکریاں ہی رہیں گی، لیکن جیسے ہی پچیس ہو جائیں گے تو پچیس کے اندر ایک بنتِ مخاض ہو گا، کیا ہو گا ؟ بنتِ مخاض۔

یہاں دو تین نام آئے ان کو بھی سمجھ لیں۔ یاد رکھیے: **بِنْتُ مَخَاضٍ** یہ اونٹ کا وہ بچہ ہے جس پر ایک سال پورا ہو گیا ہو اور یہ دوسرے سال میں چل رہا ہو۔ جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو اور یہ دوسرے سال میں چل رہا ہو، تو یہ اگر مونث ہو تو اس کو کہتے ہیں **بِنْتُ مَخَاضٍ**۔ اگر مونث ہو تو اس کو کہتے ہیں **بِنْتُ مَخَاضٍ**، اور اگر مذکر ہو تو اس کو کہتے ہیں **اِبْنُ مَخَاضٍ**۔ مذکر ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں ؟ **اِبْنُ مَخَاضٍ**۔

دوسرا لفظ آئے گا یہاں پر **بِنْتُ لَبُونٍ**۔ **بِنْتُ لَبُونٍ** یاد رکھیے اونٹ کا وہ بچہ جس کے دو سال پورے ہو چکے ہیں اور تیسرے سال میں چل رہا ہے۔ یہ اگر مونث ہو تو اس کو کہتے ہیں **بِنْتُ لَبُونٍ**، اور اگر مذکر ہو تو اس کو کہتے ہیں **اِبْنُ لَبُونٍ**۔

اگلا لفظ ہے **حِقَّةٌ** بھائی، **حِقَّةٌ**۔ یاد رکھیے **حِقَّةٌ** اونٹ کا وہ بچہ ہے اونٹ کا وہ بچہ جس کے تین سال مکمل ہو چکے ہیں اور وہ چوتھے سال میں چل رہا ہے۔ تو اگر یہ مونث ہو تو اس کو کہتے ہیں **حِقَّةٌ**، تا کے ساتھ **حِقَّةٌ**، اور اگر مذکر ہو تو اس کو **حِقٌّ** کہتے ہیں بغیر تا کے۔ مونث ہے تو **حِقَّةٌ** اور مذکر ہے تو **حِقٌّ** کہیں گے بھائی، **حِقٌّ**۔

اور اگلا لفظ آئے گا **جَذَعَةٌ**۔ یاد رکھیے **جَذَعَةٌ** اونٹ کا وہ بچہ جس پر چار سال مکمل ہو گئے ہیں اور پانچویں سال میں وہ چل رہا ہے۔ تو اگر وہ مونث ہو تو اس کو **جَذَعَةٌ** کہتے ہیں بھائی، ذال پر یاد رکھیے فتحہ پڑھنا ہے ساکن نہیں۔ تو اس کو **جَذَعَةٌ** کہتے ہیں، اور اگر مذکر ہو تو **جَذَعٌ** کہتے ہیں، **جَذَعٌ**۔ مونث ہو تو **جَذَعَةٌ** تا کے ساتھ اور مذکر ہو تو **جَذَعٌ** بغیر تا کے، بغیر تا کے۔

تو دیکھیے آپ ان ناموں کے اندر جو زکوۃ کی تفصیل میں نے لکھوائی اونٹوں کی، دیکھیے پچیس اونٹوں میں کیا آیا ؟ بنتِ مخاض، اور چھتیس میں کیا آیا ؟ بنتِ لبون، اور چھیالیس میں حِقہ، اور اکسٹھ میں **جَذَعہ**۔ آپ دیکھیں مونث اونٹ واجب ہو رہے ہیں مذکر نہیں، یعنی اونٹنیاں، تو وہ مونث بچے واجب ہیں۔ وجہ یہ بھائی، کیونکہ اونٹوں میں جو مادہ ہے نامادہ یعنی مونث جو ہے اس کو اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے، اعلیٰ، جبکہ مذکر کو ادنیٰ شمار کرتے ہیں اس کے مقابلے میں۔ تو یہاں پر مونث بچے جو ہیں وہ دیں گے یعنی اعلیٰ دیں گے، کس قسم کا مال دیں گے ؟ اعلیٰ مال۔ تو دیکھیے بنتِ مخاض آیا، ابنِ مخاض نہیں آیا، اسی طرح بنتِ لبون کا ذکر آیا، ابنِ لبون زکوۃ میں نہیں ہے بھائی۔ وجہ سمجھ میں آگئی ؟

اور ان کے یہ نام کیوں ہیں ؟ وجہ بھی یاد رکھیے بھائی۔ **بِنْتُ مَخَاضٍ** یہ کس بچے کو کہتے ہیں ؟ ایک سال پورا ہو گیا اور دوسرا سال چل رہا ہے، تو اس کو بنتِ مخاض کہتے ہیں۔ اس کو بنتِ مخاض اس لیے کہتے ہیں کیونکہ **مَخَاض** کا معنیٰ ہے حاملہ، حاملہ، اور عموماً اس کی ماں جس نے اس کو جنم دیا تھا عادتاً وہ اونٹنی دوسرے سال میں پھر حاملہ ہو چکی ہو گی۔ وہ دوسرے سال میں پھر کیا ہو جاتی ہے عموماً ؟ حاملہ ہو چکی ہو گی، تو اس لیے اس کا نام کیا رکھا ؟ **بِنْتُ مَخَاضٍ** یعنی حاملہ کا بچہ۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا ؟

اور اس سے بڑے کا نام جو تیسرے سال میں چل رہا ہے اس کا نام **بِنْتُ لَبُونٍ** رکھا۔ **لَبُون لَبَن** سے ہے، دودھ کو کہتے ہیں۔ تو **لَبُون** کا معنیٰ ہے دودھ دینے والی۔ تو اس سے اگلا سال آگیا ہے اور پچھلے سال میں اونٹنی عادتاً کیا ہو چکی ؟ دوبارہ حاملہ، تو اس سے اگلے سال میں وہ بچے کو اب جنم دے چکی ہے اب اس بچے کو کیا کرتی ہے ؟ دودھ پلاتی ہے تو وہ دودھ پلانے والی ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا بھائی ؟ تو اس لیے اس سے اگلے سال والے بچے کو **بِنْتُ لَبُونٍ** کہتے ہیں۔

اور اس سے اگلے سال والے بچے کو **حِقَّةٌ** کہتے ہیں، **حِقَّةٌ** مونث ہو تو اور مذکر ہو تو **حِقٌّ** کہتے ہیں۔ اس کو **حِقَّةٌ** اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اب اس کے تین سال پورے ہو چکے ہیں چوتھا سال چل رہا ہے، تو یہ اس بات کا مستحق ہو گیا ہے کہ اس پر سامان لادا جائے، اس پر سواری کی جائے، کچھ بڑا ہو گیا ہے۔ پہلے تو بڑا چھوٹا تھا اب کچھ بڑا ہو گیا ہے اب اس کا حق ہو گیا ہے کہ اس پر کیا کیا جائے ؟ سواری بھی اب اس پر کی جا سکتی ہے اور سامان بھی لادا جا سکتا ہے، اس لیے اس کو **حِقَّةٌ** کہتے ہیں۔

اور اس سے اگلے سال والے کو **جَذَعَةٌ** کہتے ہیں بھائی، **جَذَعَةٌ**۔ اور **جَذَعَةٌ** یاد رکھیے یہ دانتوں کے اندر کوئی خاص نشانی ہے اس کی وجہ سے ان دانتوں کی نسبت سے اس کو **جَذَعَةٌ** کہتے ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی ؟

اب دیکھیے نقشے پر دوبارہ بھائی: پچیس اونٹوں میں ایک بنتِ مخاض واجب ہو گا۔ یہ سلسلہ پینتیس تک اسی طرح رہے گا۔ ہاں، جیسے ہی چھتیس اونٹ ہو جائیں گے اب ان میں کیا آئے گا ؟ بنتِ لبون، یعنی اب ایک سال والا بچہ نہیں دینا بلکہ دو سال والا بچہ یعنی زیادہ مال آئے گا اب۔ اور یہ سلسلہ چھتیس سے چھیالیس تک اسی طرح بنتِ لبون اس میں رہے گا۔ ہاں، جیسے ہی چھیالیس اونٹ ہو جائیں گے تو اس میں ایک حِقہ واجب ہو گا، اور ساٹھ تک اسی طرح۔ اکسٹھ اونٹ جیسے ہی ہوں گے اس میں کیا ہو گا ؟ **جَذَعہ** آجائے گا، اور پھر یہ پچھتر تک یہ **جَذَعہ** ہی رہے گا۔ جیسے ہی چھہتر اونٹ ہوئے تو چھہتر اونٹوں میں کیا آئے گا ؟ **بِنْتَا لَبُونٍ**، دو بنتِ لبون اس میں واجب ہوں گے۔ یہ نوے تک اسی طرح۔ ہاں، جیسے ہی اکیانوے اونٹ ہوئے تو اس کے اندر دو حقے واجب ہوں گے، دو حقے واجب ہوں گے۔

پھر ایک سو بیس سے زائد ہو جائیں اونٹ بھائی، تو پھر اسی طرح پانچ اونٹوں میں ایک بھیڑ بکری، دس کے اندر دو بھیڑ بکریاں، پندرہ کے اندر تین بھیڑ بکریاں، اور بیس کے اندر چار بھیڑ بکریاں، پچیس کے اندر پھر بنتِ مخاض آئے گا انتیس تک بھائی، انتیس تک۔ پہلے کہاں تک تھا؟ پینتیس تک۔ اب ایک سو بیس سے زائد میں انتیس تک بنتِ مخاض ہے، اور جیسے ہی تیس ہوں گے تو اس میں حِقہ آجائے گا۔ یہ ایک سو بیس سے اوپر والوں کی بات ہو رہی ہے بھائی، تو ایک سو بیس سے اوپر جیسے ہی تیس ہوئے ان میں کیا آگیا؟ ایک حِقہ۔ اور ایک سو بیس میں کتنے حقے تھے؟ دو، تو ایک سو بیس اور یہ والے تیس کتنے ہو گئے؟ ایک سو پچاس، تو ایک سو پچاس میں کل کتنے حقے ہو گئے؟ تین حقے ہو گئے۔ حساب سمجھ میں آرہا ہے؟ اسی لیے اس کے نیچے میں نے لکھوایا کہ ایک سو پچاس میں کل کتنے حقے آگئے؟ تین حقے۔

اس کے بعد ایک سو پچاس سے زائد کا حساب پھر اسی طرح ہے جیسے ابتداء سے تھا: پانچ اونٹوں میں ایک بھیڑ بکری، دس کے اندر دو بھیڑ بکریاں، پندرہ کے اندر تین، اور بیس کے اندر چار بھائی، اور پچیس میں پھر کیا آجائے گا؟ ایک بنتِ مخاض، چھتیس کے اندر کیا آئے گا؟ ایک بنتِ لبون بھائی، اور چھیالیس سے لے کر پچاس تک اس میں کیا آئے گا؟ ایک حِقہ آئے گا۔ چھیالیس سے لے کر پچاس تک یہ ایک حِقہ رہے گا۔ تو ایک سو پچاس میں کتنے حقے تھے؟ تین، اور یہ اس سے زائد یہ جو چھیالیس ہو گئے تو کیا آجائے گا اس میں؟ ایک اور حِقہ، یعنی ایک سو چھیانوے میں کتنے حقے ہو گئے؟ چار۔ اور یہ چھیالیس سے پچاس تک ہے یعنی ایک سو چھیانوے سے دو سو تک یہ چار ہی حقے رہیں گے، دو سو تک۔

دو سو سے اوپر جب حساب جائے گا تو پھر یہی ایک سو پچاس سے زائد والا جو حساب ہے پھر شروع ہو جائے گا۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ اب یہ جو آیا ناسب سے آخر میں ایک سو پچاس سے زائد والا حساب جو ہے، ایک سو پچاس سے دو سو تک والا جو حساب ہے، یہ پچاس والا حساب اب بار بار آئے گا۔ ایک سو پچاس سے اور ایک سو پچاس سے زائد کتنے اونٹوں کا حساب ہے؟ ایک سو پچاس سے اوپر کتنے اونٹوں کا حساب آپ نے لکھا؟ پچاس۔ اس سے اوپر پانچ میں ایک بکری ہے، دس میں دو ہیں، پندرہ میں تین ہیں، بیس میں چار ہیں، پچیس میں بنتِ مخاض ہے، چھتیس میں بنتِ لبون ہے، چھیالیس سے لے کر پچاس تک اس میں کیا واجب ہے؟ حِقہ۔ تو یہ جو آخری پچاس اونٹوں کا حساب ہے، ایک سو پچاس سے اوپر کہاں تک؟ دو سو تک، یہی پچاس اونٹوں والا حساب اب بار بار چلے گا بھائی، بار بار چلے گا۔

تو لہٰذا دو سو تک تو ہو گئے یہ چار حقے، دو سو سے ایک بھی اوپر ہو جائے گا تو نئے سرے سے حساب شروع ہو جائے گا۔ اور دو سو سے ایک اوپر ہے تو ایک کے اندر تو یہاں کوئی بھیڑ بکری نہیں لہٰذا اس کے اندر بھی وہی چار حقے، دو، تین، چار، یہاں تک کہ کتنے اونٹ ہو جائیں؟ پانچ دو سو سے اوپر ہو گئے تو پانچ میں کیا واجب ہوتی ہے؟ ایک بھیڑ بکری واجب ہوتی ہے، لہٰذا دو سو پانچ کے اندر چار حقے اور ایک بھیڑ بکری، دو سو دس کے اندر چار حقے اور دو بھیڑ بکریاں، اور دو سو پندرہ کے اندر چار حقے اور تین بھیڑ بکریاں، اور دو سو بیس کے اندر چار حقے، تو اسی طرح ہوتے ہوتے دو سو چھیالیس کے اندر کتنے حقے ہو جائیں گے؟ پانچ حقے ہو جائیں گے، کتنے تک؟ دو سو پچاس تک۔ پھر دو سو پچاس سے اوپر نئے سرے سے پھر حساب شروع ہو گا، تو دو سو پچپن کے اندر پانچ حقے اور ایک بکری، اسی طرح تو دو سو چھیانوے کے اندر کتنے ہو جائیں گے؟ چھ حقے ہو جائیں گے تین سو تک بھائی۔ پھر تین سو سے اوپر، تو ہر پچاس میں اسی طرح ہوتا جائے گا جیسے ایک سو پچاس سے لے کر دو سو تک کے اندر حساب ہوا تھا، وہی بار بار گھومتا رہے گا حساب۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

جی، چلیے بس بھائی، باقی پھر ان شاء اللہ اگلے سبق میں کریں گے بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر۹۷:بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ

ہدایہ صفحہ:۲۰۳ــــبتاریخ:۲۲مارچ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ فَصْلٌ فِي الْإِبِلِ قَالَ: «لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا شَاةٌ إِلَى تِسْعٍ، فَإِذَا كَانَتْ عَشْرًا فَفِيهَا شَاتَانِ إِلَى أَرْبَعَ عَشْرَةَ، فَإِذَا كَانَتْ خَمْسَ عَشْرَةَ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى تِسْعَ عَشْرَةَ». [1]

بھئی گزشتہ سبق کے اندر اونٹوں کی زکوٰۃ میں نے آپ کو نقشہ بنوایا تھا، لکھوادی تھی۔ اسی نقشے کو سامنے رکھیں اور کتاب میں اب صرف ترجمہ باقی ہے بھئی۔

تو یہ سوائم کی زکوٰۃ بیان ہو رہی ہے اور میں نے بتلایا تھا سائمہ وہ جانور ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چراگاہ یا جنگل میں چر کر گزارتا ہے اور اس میں یہ بھی ضروری تھا کہ اس چراگاہ کا کوئی معاوضہ نہ ادا کیا جاتا ہو اور نیز ان جانوروں کو دودھ کے لیے یا افزائشِ نسل کے لیے رکھا گیا ہو، گوشت کھانے یا سواری یا کسی اور کام کے لیے نہ رکھا گیا ہو ورنہ پھر ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی بھئی۔

تو اب یہی تفصیل بھئی دیکھتے وہ نقشہ بھی سامنے رکھیے اور اس کے مطابق ترجمہ دیکھتے جایئے۔

■ مسئلہ:بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ

«**بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ**» یہ باب ہے سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ کے بیان میں۔ «**فَصْلٌ فِي الْإِبِلِ**» یہ فصل ہے اونٹوں کے بارے میں۔ «**قَالَ: لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ**» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ پانچ اونٹوں سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے۔ «**فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا شَاةٌ**» پس جب اونٹ پہنچ جائیں پانچ کی تعداد کو اس حال میں کہ «**سَائِمَةً**» وہ چرنے والے ہوں، «**وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ**» اور ان پر ایک سال گزر جائے، «**فَفِيهَا شَاةٌ**» تو ان میں ایک بھیڑ بکری ہے، «**إِلَى تِسْعٍ**» کہاں تک؟ نو تک۔ «**فَإِذَا كَانَتْ عَشْرًا فَفِيهَا شَاتَانِ**» پس جب وہ دس ہو جائیں تو اس کے اندر دو بھیڑ بکریاں ہیں، «**إِلَى أَرْبَعَ عَشْرَةَ**» چودہ تک بھئی، چودہ تک۔ اور پندرہ پر پھر کتنی ہو جائیں گی؟ تین بھیڑ بکریاں ہو جائیں گی۔

تو یہ جو آیا یہاں پر «**أَرْبَعَ عَشْرَةَ**» یہاں شین کو ساکن پڑھیں گے۔ ویسے تو شین متحرک ہے بھئی، «**عَشْرٌ**» اور «**عَشَرَةٌ**»، لیکن جب یہ اس طرح مرکب آجائے، کیا آجائے؟ مرکب آجائے یعنی گیارہ سے لے کر انیس تک بھئی۔ تو اس صورت میں اب لفظ مرکب ہو گیا، لفظ بڑا ہو گیا اور نیز آخر میں آخر میں تا بھی ہو جب، «**عَشَرَ**» نہیں بلکہ کیا ہو آخر میں؟ «**عَشَرَةَ**»، تو اس صورت میں پھر چار مسلسل فتحے، چار مسلسل فتحے آجائیں گے، چار مسلسل زبر آجائیں گے اور اس کی وجہ سے کلمہ ثقیل کچھ ہو جائے گا، تو لہٰذا اس صورت میں شین کو کس طرح پڑھیں گے؟ ساکن پڑھیں گے۔ تو «**أَرْبَعَ عَشَرَةَ**» نہیں پڑھیں گے بلکہ کیا پڑھیں گے؟ «**أَرْبَعَ عَشْرَةَ**»۔ ہاں اگر یہ تا نہ ہوتی تو پھر شین کو متحرک ہی پڑھتے، کیسے پڑھتے؟ «**أَرْبَعَةَ عَشَرَ**»۔

تو اس میں دو بھیڑ بکریاں ہوں گی «**إِلَى أَرْبَعَ عَشْرَةَ**» چودہ تک۔ «**فَإِذَا كَانَتْ خَمْسَ عَشْرَةَ**» پس جب پندرہ ہو جائیں «**فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ**» تو اس میں تین بھیڑ بکریاں ہیں۔ «**شِيَاهٍ**» جمع ہے «**شَاةٌ**» کی، اور شاۃ میں نے بتایا بھیڑ بکری دونوں پر دونوں کو یہ لفظ شامل ہے۔ «**إِلَى تِسْعَ عَشْرَةَ**» کہاں تک بھئی؟ «**إِلَى تِسْعَ عَشْرَةَ**»، **تِسْعَ عَشْرَةَ** یعنی انیس تک یہ تین بھیڑ بکریاں ہیں۔

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۱۲۹): «**السائمة**»۔

■ مسئلہ: فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ...

«فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ إِلَى أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ» پس جب بیس ہوں تو اس میں چار بھیڑ بکریاں ہیں چوبیس تک۔ جب پہنچ جائیں اونٹ بھئی پچیس کی تعداد کو، تو ان میں ایک بنتِ مخاض واجب ہو گا۔ بھئی بنتِ مخاض میں نے آپ کو بتلایا تھا جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو اور دوسرے سال میں چل رہا ہو، اور نیز دیکھیے انہوں نے بنتِ مخاض کہا، ابنِ مخاض نہیں کہا کیونکہ میں نے بتلایا یہاں کون سے بچے واجب ہوں گے؟ جو جو مؤنث ہوں کیونکہ مؤنث اعلیٰ شمار ہوتا ہے اونٹوں کے اندر، تو یہ اعلیٰ والے جو ہیں وہ واجب ہوں گے۔ تو کہتے ہیں اس میں ایک بنتِ مخاض ہے۔

«وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّانِيَةِ» اور یہ وہ ہے جو داخل ہو گیا ہو دوسرے سال کے اندر۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ طعن کے معنی داخل ہونا، شروع ہونا۔ «إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ» کہاں تک؟ پینتیس تک۔ «فَإِذَا كَانَتْ سِتًّا وَثَلَاثِينَ فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ» پس جب اونٹ جو ہیں چھتیس ہوں تو ان میں ایک بنتِ لبون ہے، «وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّالِثَةِ» اور یہ وہ اونٹ کا بچہ ہے جو شروع ہو گیا ہو تیسرے سال کے اندر، یعنی تیسرے سال میں داخل ہو گیا ہو، دو سال پورے ہو چکے ہیں اور تیسرا اس کا چل رہا ہو۔ تو چھتیس کے اندر ایک بنتِ لبون ہے، «إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ» پینتالیس تک۔

«فَإِذَا كَانَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ» پس جب چھیالیس ہوں تو ان کے اندر ایک حقہ واجب ہے، «وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الرَّابِعَةِ» اور یہ وہ اونٹ کا بچہ ہے جو داخل ہو گیا ہو چوتھے سال کے اندر، «إِلَى سِتِّينَ» کہاں تک یہ؟ ساٹھ تک۔ تو چھیالیس سے لے کر ساٹھ تک یہ ایک حقہ واجب ہو گا۔

■ مسئلہ: فَإِذَا كَانَتْ إِحْدَى وَسِتِّينَ فَفِيهَا جَذَعَةٌ

«فَإِذَا كَانَتْ إِحْدَى وَسِتِّينَ فَفِيهَا جَذَعَةٌ» تو جب اکسٹھ ہوں اونٹ تو ان میں ایک جذعہ واجب ہو گا، «وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الْخَامِسَةِ» اور یہ وہ اونٹ ہے جو داخل ہو گیا ہو پانچویں سال کے اندر، «إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ» پچہتر تک۔ تو پچہتر تک ایک جذعہ رہے گا۔

«فَإِذَا كَانَتْ سِتًّا وَسَبْعِينَ فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ» اور تو جب یہ چھہتر ہو جائیں تو ان کے اندر «فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ» دیکھو الف ہے ساتھ، اصل میں یہ کیا تھا؟ «بِنْتَانِ لَبُونٍ»، تو یہ بنت کا تثنیہ ہے، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ تو اس میں دو بنتِ لبون ہوں گے، کتنے کے اندر؟ چھہتر کے اندر۔ «إِلَى تِسْعِينَ» نوے تک۔

«فَإِذَا كَانَتْ إِحْدَى وَتِسْعِينَ فَفِيهَا حِقَّتَانِ إِلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ» تو جب یہ کتنے ہو جائیں؟ اکیانوے ہو جائیں تو ان کے اندر دو حقے واجب ہوں گے ایک سو بیس تک۔ یہ حساب نقشے کا پہلا حصہ، ایک سو بیس تک دو حقے واجب ہوں گے جیسے میں نے نقشے میں لکھوایا۔

■ مسئلہ: بِهَذَا اشْتَهَرَتْ كُتُبُ الصَّدَقَاتِ مِنْ رَسُولِ...

«بِهَذَا اشْتَهَرَتْ كُتُبُ الصَّدَقَاتِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» اسی کے ساتھ مشہور ہیں صدقے کے خطوط حضور علیہ السلام سے۔ یاد رکھیے کتاب جو ہے خط کو بھی عربی زبان میں کتاب کہتے ہیں، تو حضور علیہ السلام نے جو صدقے کی تفصیل کے بارے میں خطوط روانہ فرمائے بھئی، تو حضور علیہ السلام کے جو صدقے صدقات کے خطوط ہیں وہ اسی تفصیل کے ساتھ مشہور ہیں بھئی۔

«ثُمَّ إِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ، فَيَكُونُ فِي الْخَمْسِ شَاةٌ مَعَ الْحِقَّتَيْنِ» پھر جب وہ اونٹ بڑھ جائیں ایک سو بیس پر تو پھر نئے سرے سے فریضہ شروع کیا جائے گا، تو پانچ اونٹوں میں ایک بھیڑ بکری ہو گی، «مَعَ الْحِقَّتَيْنِ» ساتھ کس کے؟ دو حقوں کے۔ کیونکہ ایک سو بیس سے پانچ اوپر ہوئے ہیں نا، تو ایک سو بیس میں ہو گئے دو حقے اور پانچ میں کیا آ گئی؟ ایک بھیڑ بکری۔ تو ایک سو پچیس میں یہ ایک بھیڑ بکری ہے مع الحقتین دو حقوں کے ساتھ۔

صاحبِ قدوری نے آپ کو بتا دیا، ایک سو بیس سے اوپر پانچ ہو جائیں تو ان میں کیا واجب ہو گی؟ ایک بھیڑ بکری اور ساتھ وہ جو ایک سو بیس کے اندر دو حقے بھی تھے۔ اب وہ بار بار آپ کو نہیں بتائیں گے کہ دو حقے بھی ہیں دو حقے، بس ایک دفعہ بتا دیا حساب کون سا چل رہا ہے؟ ایک سو بیس سے اوپر والا چل رہا ہے، تو دو حقے ہیں ہی انہوں نے ایک دفعہ بتا دیا۔ اگلا حساب اب آپ کو بتاتے جائیں گے، آپ خود سمجھتے جانا کہ دو حقے بھی ساتھ ہی ہیں بھئی۔

■ مسئلہ: وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ

«وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ» اور دس کے اندر دو بھیڑ بکریاں، یعنی کتنے میں؟ ایک سو بیس پچھلے اور دس یہ والے کتنے ہو گئے؟ ایک سو تیس، تو اس میں دو حقے اور دو

بھیڑ بکریاں۔ «وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ» اور پندرہ کے اندر تین بھیڑ بکریاں۔ «وَفِي الْعِشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ» اور بیس کے اندر چار بھیڑ بکریاں۔ «وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ إِلَى مِائَةٍ وَخَمْسِينَ» اور پچیس کے اندر ایک بنتِ مخاض ہے ایک سو پچاس تک۔

ایک سو پچاس، یہ جو نیا حساب شروع کیا نا ایک سو بیس کے بعد، یہ ایک سو پچاس اس نئے حساب کا نہیں مراد، کل حساب کا ایک سو پچاس مراد ہے۔ یہ پچیس میں، پچیس میں بنتِ مخاض ہے «إِلَى مِائَةٍ وَخَمْسِينَ» کہاں تک؟ ایک سو پچاس تک۔ «فَيَكُونُ فِيهَا ثَلَاثُ حِقَاقٍ» تو اس کے اندر پھر تین حقے ہو جائیں گے۔ جب ایک سو پچاس ہو جائیں گے تو کیا ہو جائیں گے؟ تین حقے، کیونکہ ایک سو بیس کے اندر دو حقے تھے اور اگلے تیس کے اندر، پچیس کے اندر بنت مخاض تھا اور تیس کے اندر ایک حقہ آ گیا اور دو حقے پچھلے تھے، کتنے ہو گئے؟ تین حقے ہو گئے۔ یہ معنی ہے کہ جب ایک سو پچاس تک پہنچ جائیں «فَيَكُونُ فِيهَا ثَلَاثُ حِقَاقٍ» تو اس کے اندر تین حقے ہوں گے۔

«ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ، فَيَكُونُ فِي الْخَمْسِ شَاةٌ» پھر نئے سرے سے فریضہ شروع کیا جائے گا۔ یہ تیسرا حصہ آیا نقشے والا بھئی، کون سا؟ ایک سو پچاس سے زائد۔ تو ایک سو پچاس میں تین حقے ہیں، بس اب یہ آپ نے خود یاد رکھنا ہے، اگلے ایک سو پچاس کے اوپر کی اب تفصیل بتانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «فَيَكُونُ فِي الْخَمْسِ شَاةٌ» تو پانچ اونٹوں میں ایک بھیڑ بکری ہو گی، «وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ» اور دس کے اندر دو بھیڑ بکریاں ہوں گی، «وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ» اور پندرہ کے اندر تین بھیڑ بکریاں ہوں گی، «وَفِي الْعِشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ» اور بیس کے اندر چار بھیڑ بکریاں ہوں گی، «وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ» اور پچیس کے اندر ایک بنتِ مخاض ہو گا، «وَفِي سِتٍّ وَثَلَاثِينَ بِنْتُ لَبُونٍ» اور چھتیس کے اندر بنتِ لبون ہو گا، «فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَةً وَسِتًّا وَتِسْعِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ حِقَاقٍ إِلَى مِائَتَيْنِ» پس جب اونٹ پہنچ جائیں ایک سو چھیانوے کو، یہ ایک سو چھیانوے کون سے ہیں؟ ایک سو پچاس سے اوپر ہیں یا سارے ملا کر؟ ہاں شاباش، سارے ملا کر ایک سو چھیانوے ہو گئے تو اس میں چار حقے ہیں «إِلَى مِائَتَيْنِ» کہاں تک؟ دو سو تک۔

■ مسئلہ: ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ

«ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ» پھر نئے سرے سے فریضہ شروع کیا جائے گا دو سو سے اوپر۔ «ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ أَبَدًا كَمَا تُسْتَأْنَفُ فِي الْخَمْسِينَ الَّتِي بَعْدَ الْمِائَةِ وَالْخَمْسِينَ» پھر نئے سرے سے فریضہ شروع کیا جائے گا ہمیشہ جیسے کہ نئے سرے سے شروع کیا جاتا تھا ان پچاس میں جو کہ ایک سو پچاس کے بعد تھے۔ «وَهَذَا عِنْدَنَا» اور یہ ہمارے نزدیک ہے بھئی، یہ ہے احناف کے مذہب کی تفصیل جو روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: إِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا ثَلَاثُ بَنَاتِ لَبُونٍ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب بڑھ جائیں اونٹ بھئی ایک سو بیس پر، بڑھ جائیں، «وَاحِدَةٌ» ایک بھی بڑھ جائے، ایک سو بیس پر ایک بھی جب وہ بڑھ جائے اونٹ بھئی، «فَفِيهَا ثَلَاثُ بَنَاتِ لَبُونٍ» تو اس میں تین بنتِ لبون ہیں۔ «فَإِذَا صَارَتْ مِائَةً وَثَلَاثِينَ» پس جب وہ ہو جائیں، بھئی دیکھیے تین بنتِ لبون ہیں، کتنے میں؟ ایک سو اکیس کے اندر۔ «فَإِذَا صَارَتْ مِائَةً وَثَلَاثِينَ» اور جب وہ کتنے ہو جائیں؟ ایک سو تیس، «فَفِيهَا حِقَّةٌ وَبِنْتَا لَبُونٍ» تو اس میں حقہ اور دو بنتِ لبون ہوں گے۔

«ثُمَّ يُدَارُ الْحِسَابُ عَلَى الْأَرْبَعِينَاتِ وَالْخَمْسِينَاتِ» پھر حساب گھمایا جائے گا چالیس اور پچاس پر بھئی۔ چالیس اونٹوں اور پچاس اونٹوں پر حساب پھر گھومے گا، چکر لگائے گا۔ تو پھر حساب کو گھمایا جائے گا چالیس اور پچاس پر، «فَيَجِبُ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ» پس واجب ہو گا ہر چالیس کے اندر ایک بنتِ لبون اور ہر پچاس کے اندر ایک حقہ۔ ہر پچاس کے اندر ایک حقہ واجب ہوتا جائے گا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو پھر اس کے بعد ہر چالیس میں بنتِ لبون آئے گا اور پچاس ہو جایا کریں گے تو بنتِ لبون کس سے بدل جائے گا؟ حقے سے بدل جائے گا۔

دلیل ان کی کہتے ہیں: «لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ: إِذَا زَادَتِ الْإِبِلُ عَلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ» دلیل ان کی حدیث ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے لکھا، تحریر فرمایا: «إِذَا زَادَتِ الْإِبِلُ عَلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ» کہ جب اونٹ بڑھ جائیں ایک سو بیس پر، «فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ» تو ہر پچاس کے اندر ایک حقہ ہے، جب ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو ہر پچاس کے اندر ایک حقہ ہے، «وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ» اور ہر چالیس میں ایک بنتِ لبون ہے، «مِنْ غَيْرِ شَرْطِ عَوْدِ مَا دُونَهَا»۔ یہ حدیث کا حصہ نہیں، ہاں دلیل کا حصہ ہے۔ «مِنْ غَيْرِ شَرْطِ عَوْدِ مَا دُونَهَا»، عود کا معنی لوٹنا، لوٹنا۔ بغیر لوٹنے کی شرط کے «مَا دُونَهَا» اس سے کم میں۔ اس سے کم میں لوٹنے کی شرط نہیں ہے۔ حدیث میں صرف کیا آیا؟ ایک سو بیس سے جب اونٹ زائد ہو جائیں تو ہر چالیس میں بنتِ لبون اور ایک بنتِ لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ، ایک حقہ۔ اور چالیس چالیس میں تو بنتِ لبون ہیں۔ چالیس سے کم کے اندر ہمارے نزدیک پانچ میں ایک بھیڑ بکری آتی تھی، دس میں دو، پندرہ میں تین، وہ فرماتے ہیں نہیں یہ حساب دوبارہ بار بار نہیں لوٹے گا۔ بس اب صرف چالیس اور پچاس کا حساب رکھیں گے، چالیس پہ بنتِ لبون آئے گا اور پچاس ہوں گے تو وہ اس کی جگہ کیا آ جائے گا؟ حقہ آ جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ یہ معنی ہے «مِنْ غَيْرِ شَرْطِ عَوْدِ مَا دُونَهَا» بغیر لوٹنے کی شرط کے اس سے کم میں، یعنی اس میں بار بار حساب نہیں لوٹے گا۔

مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے، ہمارے نزدیک تو حساب بار بار لوٹتا تھا، اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں: «أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ فِي آخِرِ ذَلِكَ فِي كِتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: فَمَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فَمَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فَفِي كُلِّ خَمْسٍ ذَوْدِشَاةٌ» کہ حضور علیہ السلام نے اس خط کے آخر میں لکھا جو عمرو بن حزم کو خط بھیجا، اس کے آخر میں لکھا: «فَمَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فَمَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فَفِي كُلِّ خَمْسٍ ذَوْدِشَاةٌ» کہ جو اس سے کم ہو، اس خط میں حضور علیہ السلام نے کے آخر میں تحریر فرمایا کہ جو اس سے کم ہو، چالیس سے چالیس میں بنتِ لبون اور پچاس میں حقہ، اور جو اس سے کم ہو «فَفِي كُلِّ خَمْسٍ ذَوْدِشَاةٌ» تو ہر پانچ اونٹوں کے اندر ایک بھیڑ بکری ہے۔ تو دیکھو معلوم ہوا جو کم ہیں ان سے ان کے اندر بھی کیا کیا جاتا ہے؟ حساب کو دوبارہ لوٹایا جاتا ہے، یہ حدیث میں آگیا۔ «فَتُعْمَلُ بِالزِّيَادَةِ» تو اس زیادتی پر عمل کیا جائے گا ہمارے نزدیک بھی۔ تو ہم دونوں پر گویا عمل کرتے ہیں، ہر چالیس میں ہمارے نزدیک بھی بنتِ لبون ہے اور ہر پچاس میں ہمارے نزدیک بھی حقہ ہے، اور جو اس سے کم ہے اس کے اندر بھی ہمارے نزدیک حساب بار بار دوبارہ لوٹتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو؟

«وَالْبُخْتُ وَالْعِرَابُ سَوَاءٌ» بخت اور عراب یہ اونٹوں کی قسمیں، عراب جمع ہے عربی کی، عربی کی۔ بھئی دیکھیے عربی انسان بھی ہے اس کو بھی عربی کہتے ہیں جو عرب قوم کا ہو، عرب کا رہنے والا ہو۔ اسی طرح وہاں کے جانوروں کی جو خاص نسلیں ہیں ان کو بھی کیا کہتے ہیں؟ عربی۔ تو عربی کا لفظ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے انسان کے لیے بھی اور جانور کے لیے بھی۔ لیکن جمع میں فرق آجاتا ہے پھر۔ انسانوں کے اندر عرب عربی انسان ہے تو جمع آئے گی عرب، اور اگر عربی حیوان ہے جانور ہے تو اس کی جمع آئے گی عراب، عراب۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو بخت اور عراب دونوں اونٹ برابر ہیں بھئی۔ تو عراب کون سے اونٹ ہوئے؟ عربی نسل والے۔ اور بخت یہ اونٹ کی کوئی اور نسل ہے۔ تو بعضوں نے کہا کہ یہ عربی اور عجمی اونٹوں کے اختلاط سے نسل پیدا ہوئی ہے، کچھ فرق ہوگا اس نسل کے اندر، سمجھ میں آیا بھئی؟ اور بعضوں نے لکھا کہ بخت جو ہے یہ بختی کی جمع ہے اور یہ دو کوہان والے اونٹ کو کہتے ہیں۔ تو بہر حال بتلانا مقصد یہ ہے کہ جس نسل کا بھی اونٹ ہو سب کا حکم یہی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں «وَالْبُخْتُ وَالْعِرَابُ سَوَاءٌ» اور بختی اور عربی اونٹ برابر ہیں، «لِأَنَّ مُطْلَقَ الِاسْمِ يَتَنَاوَلُهُمَا» اس لیے کیونکہ مطلق اسم ان دونوں کو شامل ہے۔ حدیث میں ابل کا ذکر آیا ہے اور ابل کا لفظ ان سب قسموں کو شامل ہے۔ «وَاللهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ» اور اللہ درست بات کو خوب جاننے والے ہیں۔

فَصْلٌ فِي الْبَقَرِ «لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِينَ مِنْ

فَصْلٌ فِي الْبَقَرِ «لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ صَدَقَةٌ، فَإِذَا كَانَتْ ثَلَاثِينَ سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ»

«فَصْلٌ فِي الْبَقَرِ» یہ فصل ہے بقر کے بیان میں، یعنی ان کی زکوۃ کے بیان میں۔ بھئی یاد رکھیے یہ بقر اسم جنس ہے اور مذکر اور مؤنث سب پر بولا جاتا ہے۔ اور اس کے مفرد اور جمع میں فرق تا کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر تا ساتھ آجائے، «بَقَرَةٌ»، تو اس کا معنی ہے ایک گائے یا ایک بیل۔ تو یہ تا تانیث والی نہیں ہے کہ بقرۃ کا معنی آپ گائے کے کریں بلکہ بقرۃ میں یہ تا کس چیز کی ہے؟ وحدت کی ہے، یعنی ایک فرد ایک فرد، تو وہ مذکر بھی ہو سکتا ہے اور مؤنث بھی۔ تو گائے کو بھی کیا ایک گائے ہو تو کیا کہیں گے؟ «بَقَرَةٌ»، اور ایک بیل ہو تو اس کو بھی کیا کہیں گے؟ «بَقَرَةٌ» ہی کہیں گے بھئی۔ اور جمع کے لیے پھر تا ختم کر دیتے ہیں۔ تو اس میں اب اس گائے بیل وغیرہ کی زکوۃ کا بیان ہوگا۔

کہتے ہیں «لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ صَدَقَةٌ» نہیں ہے تیس سے کم گائے بیل کے اندر صدقہ، تیس سے کم گائے بیل جو ہیں ان کے اندر زکوۃ نہیں ہے۔ «فَإِذَا كَانَتْ ثَلَاثِينَ» جب یہ تیس ہوں «سَائِمَةً» اس حال میں کہ کیا ہوں؟ سائمہ ہوں یعنی سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارتے ہیں، «وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ» اور ان پر ایک سال گزر جائے، «فَفِيهَا تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ» تو ان میں ایک تبیع یا تبیعہ واجب ہوگا۔

اور تبیع یا تبیعہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّانِيَةِ» یہ وہ ہے جو داخل ہو گیا ہو دوسرے سال میں۔ یعنی وہ گائے کا وہ بچہ جو دوسرے سال میں چل رہا ہے، ایک سال پورا ہو چکا ہے۔ یہ مذکر ہو تو تبیع کہتے ہیں اور مؤنث ہو تو تبیعہ۔ اونٹوں کی زکوۃ میں صرف مؤنث بچے دیے جاتے تھے بھئی، مؤنث بچے کیونکہ وہ اعلیٰ شمار ہوتے ہیں، جبکہ یہاں پر مذکر اور مذکر ہو یا مؤنث ہو دونوں برابر ہیں بھئی، دونوں دے سکتے ہیں کیونکہ یہاں پر مؤنث کو مذکر کے مقابلے میں اعلیٰ شمار نہیں کیا جاتا۔ اسی لیے انہوں نے کہا «فَفِيهَا تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ» تو اس کے اندر ایک تبیع یعنی مذکر ایک سال والا بچہ ہے یا تبیعہ یا ایک سال والا مؤنث بچہ ہے جو بھی دے دے۔

تو کہتے ہیں «وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّانِيَةِ» اور یہ وہ ہے جو داخل ہو گیا ہو دوسرے سال کے اندر۔ «وَفِي أَرْبَعِينَ مُسِنٌّ أَوْ مُسِنَّةٌ» اور چالیس گائے بیل ہوں تو ان میں ایک مسن یا مسنہ ہے، یعنی مذکر ہو چاہے مؤنث ہو جو بھی دینا چاہے وہ دے سکتا ہے مسن یا مسنہ۔

اور یادر کھیے گائے اور بیل یہ دو سال کے ہو جائیں تو اس کو کہتے ہیں مسن بھئی۔ دوسرا سال پورا ہو گیا ہے اور تیسرے میں چل رہا ہے تو اس کو مسن یا مسنہ کہتے۔ مذکر ہو تو «مُسِنٌّ» کہیں گے، اور نون مشدد ہے، اور مؤنث ہو تو «مُسِنَّةٌ» کہیں گے۔

اور یہ بھی یاد رکھیے مسن «مُسِنٌّ» یہ بڑی عمر والے جانور کو کہتے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں پڑھ چکے ہوں گے قدوری وغیرہ کے اندر کہ یہ بکری وغیرہ جو ہے یہ ایک سال کی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، گائے بیل دو سال کے ہوں تو ان کی قربانی جائز ہے اس سے چھوٹے کی جائز نہیں، اور اونٹ پانچ سال کا ہو تو پھر اس کی قربانی جائز ہے اس سے کم کی جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا اونٹ جب پانچ سال کا ہو جاتا ہے تو پھر یہ پورا اونٹ بن گیا، پہلے یہ بچہ تھا۔ اسی طرح گائے بیل جو ہیں یہ دو سال کے ہو گئے تو پورا اب بڑا ہو گیا اب یہ بچہ نہیں ہے بھئی، پورا جانور ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ رہی؟ اور بکری ایک سال کی ہو جاتی ہے تو پھر یہ پورا جانور ہے اب اس کو بچہ نہیں کہتے۔ تو ان سب کو بھی مسن کہتے ہیں، جو پوری عمر والا ہے بڑا جانور ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مسن، چاہے اونٹ ہو، چاہے گائے ہو، چاہے بکری ہو۔ تو مسن اصل میں کہتے ہیں بڑی عمر والا یعنی پوری عمر والا جانور، یعنی جو اب بچہ نہیں ہے۔ تو اور گائے اور بیل کتنی عمر میں مسن بنتے ہیں؟ دو سال میں۔ یہی انہوں نے ذکر کیا کہ چالیس میں ایک مسن یا مسنہ ہے «وَهِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي الثَّالِثَةِ» جو کس سال میں داخل ہو چکا ہے؟ تیسرے میں، یعنی دو پورے ہو چکے ہیں۔

■ مسئلہ: بِهَذَا أَمَرَ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ م...

«بِهَذَا أَمَرَ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُعَاذًا رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ» اسی کا حکم دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ بس بھئی، گائے بیل کی زکوٰۃ کا بیان ختم ہوا۔ تیس ہوں تو ان میں کیا واجب؟ تبیع یا تبیعہ، اور چالیس ہوں تو ان کے اندر ایک مسن یا مسنہ واجب ہے بھئی، واجب۔ اور پھر حساب اسی طرح چلتا ہے۔ ہر تیس میں کیا آتا ہے؟ تبیعہ آتا ہے یا تبیع یا تبیعہ، اور ہر چالیس میں کیا آتا ہے؟ مسن یا مسنہ آتا ہے۔

لہٰذا کتنے تھے؟ تیس میں تبیعہ تھا تبیع یا تبیعہ، چالیس میں کیا تھا؟ مسن یا مسنہ۔ اور اسی طرح یہ ساٹھ تک ہے، ساٹھ تک ایک مسنہ۔ جب ساٹھ ہو جائیں گے تو تیس میں کتنے تیسیے تھے؟ ایک۔ تو ساٹھ میں کتنے تیس ہیں؟ دو۔ دو تیس ہیں نا، تو لہٰذا اس میں دو تیسیے ہو جائیں گے۔ ستر ہو جائیں گے جب، تو ستر کے اندر کتنے تیس ہیں اور کتنے چالیس ہیں؟ ایک تیس ہے اور ایک چالیس۔ اور تیس میں کیا آتا تھا؟ تبیع یا تبیعہ، اور چالیس میں مسن یا مسنہ، تو لہٰذا ستر کے اندر ایک تبیعہ ہو جائے گا اور ایک مسنہ۔ اور اسی ہو جائیں گے جب، تو اسی کے اندر کتنے چالیس ہیں؟ دو چالیس ہیں، تو اس کے اندر دو مسنے آ جائیں گے۔ جب نوے ہو جائیں گے تو پھر کتنے آ جائیں گے؟ تین تیس تیس ہیں، تو اس میں تین تیسیے آ جائیں گے۔ جب سو ہو جائیں پھر؟ اس میں دو تیس تیس والے نصاب ہیں اور ایک چالیس والا نصاب ہے سو کے اندر، تو اس میں دو تیسیے اور ایک مسنہ۔ ایک سو دس کے اندر اس میں کتنے نصاب ہیں؟ اس میں دو چالیس والے نصاب ہیں اور ایک تیس والا نصاب ہے، تو دو مسنے اور ایک تبیعہ۔ اور ایک سو بیس ہو جائیں گے تو؟ تو تین مسنے، تین چالیس والے نصاب ہیں، اور دیکھا جائے تو چار تیس والے نصاب ہیں، تو چاہے چار تیسیے دے دے، چاہے تین مسنہ دے دے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ تھی تفصیل اس کی بھئی۔

اب تھوڑی سی مختصر سی ایک بات بیچ میں اب آپ کو بتلائیں گے اور وہ یہ کہ چالیس سے لے کر ساٹھ تک، چالیس سے لے کر ساٹھ تک تو اس کے اندر زکوٰۃ آئے گی یا نہیں آئے گی؟ تیس پہ تو ہوا ایک تبیع یا تبیعہ، چالیس پہ ہوا مسن یا مسنہ، اب چالیس سے لے کر ساٹھ تک اس کے درمیان کچھ آئے گا یا نہیں؟ کوئی زکوٰۃ زائد آئے گی یا نہیں؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ یہاں پر بھی اسی کے حساب سے زکوٰۃ آ جائے گی ان کے اندر بھی۔ اور بھی ایک دو قول ذکر کریں گے اس کے اندر، تفصیل آگے کتاب میں آ رہی ہے، دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: «فَإِذَا زَادَتْ عَلَى أَرْبَعِينَ وَجَبَ فِي الزِّيَادَةِ بِقَدْرِ ذَلِكَ إِلَى سِتِّينَ» جب چالیس سے زیادہ ہو جائیں تو «وَجَبَ فِي الزِّيَادَةِ بِقَدْرِ ذَلِكَ إِلَى سِتِّينَ» تو اس زائد کے اندر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی اسی کے بقدر، کہاں تک؟ ساٹھ تک۔ یعنی اسی جتنا زائد ہوں گے جانور چالیس سے اسی کے بقدر ان میں زکوٰۃ بھی واجب ہوتی جائے گی۔ «عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام اعظم ابو حنیفہ۔ اور دیکھیے اس کو متن کے اندر ذکر کیا، آگے بھی ایک دو روایات اور بھی آئیں گی، تو معلوم ہوا یہ قول کیا ہے؟ راجح ہے کہ یہ چالیس سے ساٹھ تک جو ہے یہ معاف نہیں ہے بلکہ اس کے اندر بھی اسی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

اب تفصیل بیان کر رہے ہیں اسی کی کہ چالیس سے زائد کہاں تک؟ ساٹھ تک، اس میں اسی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہو گی، کیا معنی؟ بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «فَفِي الْوَاحِدَةِ الزَّائِدَةِ رُبْعُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ» ایک زائد ہو جائے یعنی کتنے ہو جائیں؟ اکتالیس۔ تو یہ جو ایک زائد ہے اس کے اندر ربعِ عشرِ مسنہ ہے۔ عشر کسے کہتے ہیں؟ دسواں حصہ۔ اور ربع کسے کہتے ہیں؟ چوتھا۔ تو ربعِ عشر ہے، یعنی دسویں کا چوتھا حصہ، دسویں کا چوتھا حصہ۔ تو مسنے کے دس حصے کریں گے اور دسواں حصہ جو ہو گا اس کا پھر کیا کریں گے؟ چار حصے کریں گے، اس میں سے ایک حصہ واجب ہو گا۔ آسان لفظوں میں یوں کہو، یہاں بھی چالیسواں حصہ آئے گا۔ کتنا آئے گا؟ چالیس۔ ربعِ عشرِ مسنہ یہ چالیسواں حصہ ہے، چالیسواں حصہ ہے۔

■ مسئلہ:وَفِي الِاثْنَيْنِ نِصْفُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ

«وَفِي الِاثْنَيْنِ نِصْفُ عُشْرِمُسِنَّةٍ» اور دوزائد ہوگئے یعنی بیالیس ہوگئے،توان دو کے اندر نصفِ عشرِ مسنہ ہے۔ایک میں کیا تھا؟ربع عشر،اور دو میں کتنا ہو جائے گا؟نصفِ عشر،یہ بھی چالیسواں حصہ۔«وَفِي الثَّلَاثَةِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ عُشْرِمُسِنَّةٍ» اور تین کے اندر یہاں مسنے کے عشر کا تین چوتھائی ہو گا،کتنا ہو گا؟ تین چوتھائی،یہ بھی وہی چالیسواں حصہ ہے۔

بھئی دیکھیے کس طرح،کس طرح۔فرض کریں،فرض کریں ایک مسنے کی قیمت ہے چالیس درہم،کتنی درہم ہے؟چالیس درہم۔اچھا،چالیس گائے بیل تھے اس میں کتنا واجب؟ایک مسنہ۔ایک اس پر زیادہ جانور ہو گیا،اس میں کتنا بتلایا انہوں نے آپ کو؟کتاب پہ دیکھ کے مجھے بتائیں،ربعِ عشر آئے گا اس ایک کے اندر،ربعِ عشر۔اور اس جانور کا ربعِ عشر نہیں آئے گا،مسنے کا«رُبْعُ عُشْرِمُسِنَّةٍ»،«رُبْعُ عُشْرِمُسِنَّةٍ» مسنے کا ربعِ عشر آئے گا۔اور ایک مسنہ کتنے کا میں نے بتایا؟چالیس درہم۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ربعِ عشر میں نے آپ کو بتایا چالیسواں حصہ ہے،کس طرح چالیسواں حصہ ہے؟ایک مسنے کی قیمت کتنی؟چالیس درہم۔اچھا اس کا ذرا عشر نکالیں،دسواں حصہ،چالیس کے ذرا دس حصے کریں۔ایک میں کتنا آئے گا؟چار۔یہ چار یہ چالیس کا کتنا حصہ ہے؟دسواں،یہ عشر ہے،یہ مسنے کا عشر ہے۔اس چار کے چار حصے کریں ذرا،ایک میں کتنا آئے گا؟ایک۔یہ عشر کا چوتھا حصہ ہے۔عشر کتنا تھا؟چار۔اس عشر چار کے چار حصے کیے تو ایک میں کتنا آیا؟ایک آ گیا۔تو یہ ایک یہ ایک چار کا کتنا ہے؟چوتھائی،یہ ہے ربعِ عشر،یہ کیا ہے؟تو ایک جانور جو زائد ہوا اس میں ربعِ عشرِ مسنہ واجب ہوا،اور وہ ربعِ عشر کتنا نکلا ابھی آپ نے بتایا؟ایک درہم۔تو مسنہ تھا چالیس درہم کا اور اس میں کتنا واجب ہوا؟ایک درہم،یہ چالیسواں حصہ ہے یا نہیں؟چالیسواں حصہ۔

اچھا،دو کے اندر انہوں نے آپ کو بتلایا نصفِ عشر ہے مسنے کا۔مسنہ کتنے کا تھا؟دسواں حصہ اس کا کتنے کا ہوا؟چار۔چار کا نصف کرو؟دو۔تو دو جانوروں کے اندر دو درہم آ جائیں گے،کتنے؟دو درہم۔اور مسنہ کتنے کا تھا؟دو مسنے کتنے کے ہو گئے؟اور اسی کے اسی کا چالیسواں حصہ بنتا بھی کتنا ہے؟دو درہم۔حساب سمجھ آ رہا ہے بھئی؟تو یہ نصفِ عشر بھی وہی چالیسواں حصہ ہے،البتہ ربع کو دوگنا کیا تو نصف بن گیا۔ایک تھا تو ربعِ عشر تھا،دو ہیں تو نصفِ عشر۔

اچھا تین جانور زائد ہو گئے،ایک جانور میں کتنا درہم تھا؟ایک،دو میں کتنے درہم ہو گئے؟دو،تین میں کتنے ہو گئے؟تین۔اور یہ تین عشر کتنا تھا؟عشر چار تھا نا،چار تھا عشر،اور یہ چار میں سے تین اس کو کیا کہیں گے؟تین چوتھائی کہیں گے یا نہیں؟تو یہی بیان کر رہے ہیں«ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ عُشْرٍ»،عشر کا تین چوتھائی ہے یعنی تین درہم ان کے اندر واجب ہو جائیں گے۔حساب سمجھ میں آ گیا بھئی؟تو اس جانور کی قیمت نہیں لگانی بلکہ کس کی لگانی ہے؟مسنہ کی۔تو امام صاحب فرماتے ہیں،یاد رکھیے یہ جو قول ایک آیا،امام صاحب فرماتے ہیں چالیس سے جو زیادہ جانور ہیں نا چالیس سے زائد،ان میں زکوٰۃ معاف نہیں بلکہ ان میں سے بھی ہر ایک کے اندر زکوٰۃ دینا پڑے گی۔اور چالیس جانوروں کے اندر کتنے مسنے ہوتے تھے؟ایک ہوتا تھا۔گویا ہر جانور میں مسنے کا کتنا حصہ ہے؟چالیسواں حصہ نا،چالیس حصے چالیس جانور ہیں ہر ایک میں چالیسواں حصہ،دوسرے میں بھی چالیسواں،تیسرے میں بھی چالیسواں،تو چالیس جانوروں میں مل کر کیا بن جاتا ہے ایک پورا؟مسنہ بنتا ہے۔تو حدیث میں آیا کہ چالیس جانوروں میں ایک مسنہ ہے،معلوم ہوا ایک جانور میں مسنے کا چالیسواں حصہ،دو کے اندر دو چالیسویں حصے،تین کے اندر تین چالیسویں حصے،چار کے اندر چار چا،اسی حساب سے اسی طرح حساب چلے گا۔

وہی بیان کر رہے ہیں کہ«فَفِي الْوَاحِدَةِ الزَّائِدَةِ رُبْعُ عُشْرِمُسِنَّةٍ» تو ایک جو زائد ہے اس کے اندر مسنے کے عشر کا چوتھائی ہے،«وَفِي الِاثْنَيْنِ نِصْفُ عُشْرِمُسِنَّةٍ» اور دو کے اندر مسنے کا نصفِ عشر ہے،«وَفِي الثَّلَاثَةِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ عُشْرِمُسِنَّةٍ» اور تین کے اندر مسنے کے عشر کا تین چوتھائی ہے،«وَهَذَا رِوَايَةُ الْأَصْلِ» اور یہ روایت ہے اصل یعنی مبسوط کی،اس میں یہ ذکر ہے یہ جو متن میں قول ذکر ہوا۔

اس کی وجہ،بھئی چالیس سے اوپر ساٹھ تک،ساٹھ پر جا کر تو دو تیسیے ہو جائیں گے،تو یہ چالیس سے ساٹھ تک یہ معاف نہیں،دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ان کے اندر بھی ہم نے کیا کہا؟ہر جانور کے اندر اس کا چالیسواں حصہ،مسنے کا چالیسواں حصہ دینا پڑے گا۔بھئی یہ معاف کیوں نہیں؟کہتے ہیں اس لیے کیونکہ زکوٰۃ کے نصاب سے جو مال زائد ہوتا ہے وہ معاف ہوتا ہے یا اس میں بھی اسی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟تو قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ جو زائد مال ہوا اسی کے اندر اس کے بقدر زکوٰۃ واجب ہوتی چلی جائے،جتنا زیادہ ہوتا جائے گا اسی کے بقدر زکوٰۃ بھی بڑھتی جائے گی۔اور یہاں معاف نہیں کیونکہ پیچھے جو آپ نصاب پڑھ چکے کہ پانچ اونٹوں میں ایک بھیڑ بکری اور کتنے تک؟نو تک،معلوم ہوا اگلے چار اونٹوں میں زکوٰۃ ہے ہی نہیں،ان میں زکوٰۃ معاف ہے،ان میں زکوٰۃ معاف۔اور زکوٰۃ قیاس کیا تقاضا کرتا ہے؟نصاب سے جو زائد ہے اس میں زکوٰۃ معاف ہونی چاہیے یا اسی کے بقدر ہونی چاہیے؟اسی کے بقدر ہونی چاہیے،تو لہٰذا وہاں جو معافی ثابت ہے جہاں جہاں بھی وہ خلافِ قیاس نص سے ثابت ہے،اور یہاں پر کوئی نص نہیں جس کے اندر یہ ذکر ہو کہ اس زائد کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے،تو لہٰذا یہ حکم اپنے قیاس پر ہی رہے قیاس کے مطابق ہی رہے گا،اور قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے کہ زائد کے اندر اسی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہوتی جائے بھئی،لہٰذا ان میں سے ہر ایک کے اندر مسنے کی چالیسویں ہر جانور کے اندر مسنے کا چالیسواں حصہ واجب ہوتا جائے گا۔دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے کہتے ہیں:«لِأَنَّ الْعَفْوَ ثَبَتَ نَصًّا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ» عفو کا معنی معاف کرنا،تو وہ جو معاف معافی جو ہے وہ ثابت ہے وہاں دوسرے جانوروں میں،یا یہاں پر بھی دیکھ لیں تیس میں کیا تھا؟تبیعہ،اور اکتیس میں بھی تبیعہ،بتیس میں بھی تبیعہ،یہاں تک کہ کیا ہو جائیں؟چالیس۔تو معلوم ہوا یہ جو تیس سے اوپر ہیں اور چالیس

سے نیچے ہیں ان میں زکوٰۃ معاف ہے، معاف ہے۔ لیکن یہ کس سے ثابت ہے؟ نص سے، حدیث سے ثابت ہے اس لیے معاف ہے ورنہ قیاس تو کیا تقاضا کرتا ہے؟ ان میں بھی زکوٰۃ ہونی چاہیے۔ تو یہاں پر چونکہ کوئی نص نہیں اور وہاں نص سے ثابت تھا، جب یہاں نص نہیں ہے تو یہ اپنے قیاس پر ہی رہے گا اور اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔

کہتے ہیں «لِأَنَّ الْعَفْوَ ثَبَتَ نَصًّا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ» اس لیے کیونکہ معافی جو ہے وہ ثابت ہوئی تھی نص سے خلافِ قیاس طریقے پر، «وَلَا نَصَّ هُنَا» اور یہاں پر کوئی نص نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ

«وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ» اور روایت کیا ہے حسن ابن زیاد رحمہ اللہ نے عنہ امام صاحب سے، یہ دوسری روایت آ گئی امام صاحب سے۔ امام صاحب سے تین روایتیں یہاں ذکر کریں گے۔ پہلی روایت کے مطابق زائد میں اسی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ دوسری روایت کے مطابق: «أَنَّهُ لَا يَجِبُ فِي الزِّيَادَةِ شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ خَمْسِينَ» کہ زائد کے اندر کوئی چیز واجب نہیں ہو گی یہاں تک کہ وہ کہاں تک پہنچ جائیں؟ پچاس تک پہنچ جائیں، «ثُمَّ فِيهَا مُسِنَّةٌ وَرُبْعُ مُسِنَّةٍ أَوْ ثُلُثُ تَبِيعٍ» پھر اس کے اندر پچاس میں ایک مسنہ ہو گا اور مسنے کا چوتھا حصہ ہو گا یا تبیع کا تیسرا حصہ ہو گا۔

«لِأَنَّ مَبْنَى هَذَا النِّصَابِ» بھئی دیکھیے، اس قول کی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں اس نصاب یہ نصاب جو گائے بیل وغیرہ کا ذکر ہوا، تیس کے اندر کیا واجب ہوا؟ ایک تبیع یا تبیعہ، اور چالیس میں کیا واجب ہوا؟ مسن یا مسنہ۔ معلوم ہوا دہائیوں کے اندر زکوٰۃ واجب ہو رہی ہے، دہائیوں کے، اور دہائیوں سے جو کم ہیں ان کے اندر زکوٰۃ معاف ہے، ان میں زکوٰۃ نہیں۔ تو لہٰذا دوسرا قول حسن ابن زیاد رحمہ اللہ جو روایت کرتے ہیں حسن ابن زیاد رحمہ اللہ، کہ چالیس میں کیا ائے گا؟ مسنہ۔ اکتالیس، بیالیس، تینتالیس، چوالیس یہ دہائیوں کے بیچ میں ہیں لہٰذا ان میں کچھ بھی نہیں۔ ہاں جب پچاس ہو جائیں گے تو اگلی دہائی آ گئی، اور دہائی کے اندر کیا واجب ہوتی ہے؟ زکوٰۃ۔ تو چالیس میں کیا تھا؟ مسنہ، کتنے زیادہ ہوئے؟ دس۔ اور مسنہ کتنے میں تھا؟ چالیس میں، اور یہ دس چالیس کا کتنا حصہ ہے؟ چوتھا حصہ، تو چالیس میں پورا مسنہ تھا تو دس میں کتنا کتنا مسنہ ہونا چاہیے؟ مسنے کا چوتھا حصہ، ربعِ مسنہ اس میں دے دے۔ یا تیس میں کیا واجب تھا؟ ایک تبیعہ تھا اور یہ کتنے زائد ہیں یہاں پر؟ نہیں نہیں، چالیس سے، چالیس سے پچاس تک کتنے ہیں؟ دس ہیں نا، تو اس یعنی تیس کے اندر کیا تھا؟ تبیعہ تھا، تو تیس کے اندر کل کتنے دس ہیں؟ تین دس دس ہیں، تو گویا ہر دس میں تبیعے کا کتنا آتا ہے؟ تیسرا حصہ۔ مسنہ کا تو چوتھا حصہ آتا ہے لیکن تبیعے کا تیسرا حصہ ہر دس کے اندر آتا ہے، لہٰذا آپ چاہیں تو مسنے کا اعتبار کر لیں اور مسنے کا چوتھا حصہ دے دیں ان دس میں چالیس سے لے کر پچاس، اور آپ چاہیں تو تبیعے والا حساب کر لیں اور تبیعے تو تیس میں ہوتا تھا گویا ہر دس کے اندر تبیعے کا تیسرا حصہ تو تبیعے کا تیسرا حصہ اس کے اندر آپ دے دیں۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

یہی بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں «حَتَّى تَبْلُغَ خَمْسِينَ» یہاں تک کہ پچاس کو پہنچ جائیں «ثُمَّ فِيهَا مُسِنَّةٌ وَرُبْعُ مُسِنَّةٍ أَوْ ثُلُثُ تَبِيعٍ» پھر اس کے اندر ایک مسنہ ہو گا اور ایک مسنے کا چوتھائی یا «ثُلُثُ تَبِيعٍ» یا تبیع کا تہائی بھئی اس کے اندر ہو گا۔ وجہ سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں «حَتَّى تَبْلُغَ خَمْسِينَ» یہاں تک کہ گائے بیل کہاں تک پہنچ جائیں؟ پچاس تک، «ثُمَّ فِيهَا مُسِنَّةٌ وَرُبْعُ مُسِنَّةٍ أَوْ ثُلُثُ تَبِيعٍ» تو پھر ان میں ایک مسنہ ہو گا، مسنہ تو کتنے میں ایا؟ چالیس، اور اونٹ اور گائے بیل کتنے ہیں؟ پچاس ہیں، تو یہ دس زائد ہیں، اس دس زائد کے اعتبار سے مسنے کا ربع یا تبیعے کا ثلث دے دو، اور وہ چالیس کے اعتبار سے ایک مسنہ، تو ایک مسنہ دے دو پورا اور چوتھائی مسنہ یا تہائی تبیعہ اس کے برابر قیمت دے دو۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ مَبْنَى هَذَا النِّصَابِ عَلَى أَنْ يَكُونَ...

«لِأَنَّ مَبْنَى هَذَا النِّصَابِ عَلَى أَنْ يَكُونَ بَيْنَ كُلِّ عِقْدَيْنِ وَقْصٌ وَفِي كُلِّ عِقْدٍ وَاجِبٌ» اس لیے کیونکہ اس نصاب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ «بَيْنَ كُلِّ عِقْدَيْنِ»، عقد عَقْدٌ کا معنی ہے دہائی، دہائی، کہ ہر دو دہائیوں کے درمیان «بَيْنَ كُلِّ عِقْدَيْنِ» ہر دو دہائیوں کے درمیان «وَقْصٌ» وقص ہے بھئی، یعنی اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہر دو دہائیوں کے درمیان کیا ہے؟ وقص۔ بھئی یاد رکھیے، وقص یا وقص، بعضوں نے اس کو قاف کے سکون کے ساتھ لکھا ہے اور بعضوں نے اس کو قاف کے فتحے کے ساتھ لکھا ہے، تو ہر دو فریضوں کے درمیان جو حصہ ہوتا ہے وہ وقص کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ وقص۔ یعنی جس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ تیس گائے بیل میں کیا تھا؟ تبیعہ، اور اب چالیس میں کیا ہے؟ مسنہ، تو یہ جو تیس اور چالیس کے درمیان ہے اس میں کچھ واجب ہے؟ نہیں، تو یہ وقص کہلائے گا، کیا کہلائے گا؟ تو اس نصاب کی بنیاد کس بات پر ہے کہ ہر دو دہائیوں کے درمیان وقص ہے یعنی اس میں کچھ واجب نہیں، «وَفِي كُلِّ عِقْدٍ وَاجِبٌ» اور اس بات پر کہ ہر دہائی میں واجب ہے زکوٰۃ۔ تیس سے چالیس کے بیچ میں تو وقص ہے لیکن جیسے ہی چالیس ہوئے دہائی آئی تو اس میں کیا واجب ہو گیا؟ زکوٰۃ واجب ہو گئی۔ تو اس زکوٰۃ کے اس نصاب کی بنیاد کس پر ہے؟ کہ ہر دو دہائیوں کے درمیان وقص اور ہر دہائی پر زکوٰۃ واجب ہو گی بھئی۔ تو اسی لیے انہوں نے کہا کہ چالیس سے پچاس تک درمیان میں وقص ہو گا اس میں کچھ نہیں واجب ہو گا اور پچاس جب پورے ہو جائیں تو پھر اس میں ایک مسنہ اور ربعِ مسنہ یا ثلثِ تبیعہ واجب ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟

«وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ: لَا شَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتَّى تَبْلُغَ سِتِّينَ» اور صاحبین رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ زائد کے اندر کچھ بھی نہیں، یعنی اس میں زکوۃ واجب نہیں «حَتَّى تَبْلُغَ سِتِّينَ» یہاں تک کہ یہ گائے بیل کس عدد کو پہنچ جائیں؟ ساٹھ کے عدد کو پہنچ جائیں، اس میں کچھ بھی واجب نہیں درمیان والے جو ہیں ان میں۔ «وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» اور یہی ایک روایت ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے۔ دلیل اس کی: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمُعَاذٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: لَا تَأْخُذْ مِنْ أَوْقَاصِ الْبَقَرِ شَيْئًا» بوجہ حضور علیہ السلام کے فرمانے کے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ «لَا تَأْخُذْ مِنْ أَوْقَاصِ الْبَقَرِ شَيْئًا» آنحضور علیہ السلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم نہ لو «مِنْ أَوْقَاصِ الْبَقَرِ شَيْئًا»، يَرْحَمُكَ اللهُ، کہ تم اوقاصِ بقر میں سے کوئی چیز نہ لینا۔ ہاں، تو حدیث میں ایا «لَا تَأْخُذْ مِنْ أَوْقَاصِ الْبَقَرِ شَيْئًا» کہ تم اوقاصِ بقر میں سے کچھ مت لینا، «وَفَسَّرُوهُ بِمَا بَيْنَ أَرْبَعِينَ إِلَى سِتِّينَ» اور تفسیر بیان کی ہے اس کی اہل لغت نے «بِمَا بَيْنَ أَرْبَعِينَ إِلَى سِتِّينَ» چالیس سے لے کر ساٹھ کے بیچ جو ہے۔ اوقاص کی تفسیر اہل لغت نے کیا کی ہے کہ اوقاص کسے کہتے ہیں؟ چالیس سے لے کر ساٹھ کے جو درمیان ہیں، اور اوقاص کے اندر حضور فرمارہے ہیں ان سے کہ کچھ مت لینا، تو معلوم ہوا چالیس سے لے کر ساٹھ میں کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، ہاں جب ساٹھ ہو جائیں گے تو تبیعے والے دو نصاب بن گئے، دو تیس تیس ہو گئے، تو کتنے تبیعے اجائیں گے؟ دو تبیعے۔

تینوں اقوال سمجھ میں آگئے؟ پہلا قول کیا جو متن میں ذکر ہوا کہ زائد کے اندر بھی اسی کے حساب سے زکوۃ، ہر جانور میں مسنے کا چالیسواں حصہ ائے گا۔ دوسرا قول یہ ذکر ہوا کہ دہائی سے کم کے اندر واجب نہیں لیکن دہائی پر جا کر زکوۃ واجب ہو گی، لہٰذا پچاس پر جا کر پھر مسنے کا ربع یا تبیعے کا ثلث مزید آجائے گا۔ اور تیسرا قول یہ کہ چالیس سے لے کر ساٹھ تک کچھ بھی نہیں واجب ہو گا زائد کیونکہ حدیث میں کیا ایا حضور علیہ السلام نے فرمایا اوقاصِ بقر میں سے کچھ مت لینا، اور اوقاص کی تفسیر اہل لغت نے کس سے کی ہے؟ چالیس سے لے کر ساٹھ کے جو بیچ میں ہے۔

آگے جواب دے رہے ہیں اس کا صاحب ہدایہ امام صاحب کی جانب سے: «قُلْنَا: قَدْ قِيلَ: إِنَّ الْمُرَادَ مِنْهَا هَاهُنَا الصِّغَارُ» ہم کہتے ہیں کہ تحقیق کہا گیا ہے کہ اوقاص سے یہاں مراد صغار ہیں، چھوٹے بچے ہیں۔ کیا مراد ہیں؟ تو صاحبین کے نزدیک حدیث میں ایا حضور علیہ السلام حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں اوقاصِ بقر میں سے کچھ مت لینا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اہل لغت نے اوقاصِ بقر کا معنی بیان کیا ہے، اوقاص کا معنی اہل لغت نے بیان کیا ہے چالیس سے لے کر ساٹھ کے جو بیچ میں۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ جیسے اوقاص کا یہ معنی کیا گیا جو آپ نے بیان کیا، اسی طرح اوقاص کا ایک معنی بہت چھوٹے بچوں کے بھی کیا گیا ہے، تو حدیث کا معنی یہ ہوا کہ گائے بیل کے جو بہت چھوٹے بچے ہیں ان میں کچھ مت لینا، یعنی جو سال سے جو بہت چھوٹے بچے ہیں ان میں کچھ نہ لینا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ حدیث اپ کی حجت نہیں بن سکتی اس لیے کیونکہ اوقاص کا معنی جیسے چالیس سے ساٹھ کے درمیان ہے اسی طرح اوقاص کا معنی بہت چھوٹے بچے بھی ہیں، تو لہٰذا وہ معنی بھی بعض نے بیان کیا ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ صاحبین کی دلیل بھی ذکر ہو گئی اور امام صاحب کی طرف سے اس کا جواب بھی ہو گیا کہ اوقاص کا دوسرا معنی بھی علماء نے بیان کیا ہے کہ اس سے چھوٹے بچے بھی بعضوں نے ذکر کیا چھوٹے بچے مراد ہیں اور ہم اس کے تو ہم بھی قائل ہیں، گائے بیل وغیرہ کے جو چھوٹے بچے ہیں سال سے کم کم کے ان کے اندر زکوۃ ہمارے نزدیک بھی واجب نہیں بھئی۔

■ مسئلہ: ثُمَّ فِي السِّتِّينَ تَبِيعَانِ أَوْ تَبِيعَتَانِ

«ثُمَّ فِي السِّتِّينَ تَبِيعَانِ أَوْ تَبِيعَتَانِ» پھر ساٹھ کے اندر دو تبیعے ہوں گے «أَوْ تَبِيعَتَانِ» یا دو مؤنث تبیعے ہوں گے، «وَفِي سَبْعِينَ مُسِنَّةٌ وَتَبِيعٌ» اور ستر کے اندر ایک مسنہ اور ایک تبیع کیونکہ دو نصاب ہیں ستر میں، ایک تیس والا اور ایک چالیس والا، «وَفِي ثَمَانِينَ مُسِنَّتَانِ» اور اسی میں دو مسنے کیونکہ چالیس والے دو نصاب، «وَفِي تِسْعِينَ ثَلَاثَةُ أَتْبِعَةٍ» اور نوے کے اندر تین کیا ہیں؟ تبیعے ہیں کیونکہ نوے میں تین تیس تیس والے نصاب ہیں، «وَفِي الْمِائَةِ تَبِيعَانِ وَمُسِنَّةٌ» اور سو کے اندر دو تبیعے اور ایک مسنہ ہے کیونکہ سو کے اندر ایک چالیس والا نصاب ہے اور دو تیس تیس والے نصاب ہیں۔

«وَعَلَى هَذَا فَيَتَغَيَّرُ الْفَرْضُ فِي كُلِّ عَشَرَةٍ مِنْ تَبِيعٍ إِلَى مُسِنَّةٍ وَمِنْ مُسِنَّةٍ إِلَى تَبِيعٍ» اور اسی قیاس پر ہر دس کے اندر جو ہے وہ فرض بدلے گا تبیعہ سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیعہ کی طرف، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: فِي كُلِّ ثَلَاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنٌّ أَوْ مُسِنَّةٌ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ «فِي كُلِّ ثَلَاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنٌّ أَوْ مُسِنَّةٌ» حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ گائے بیل کے ہر تیس میں سے ایک تبیع یا تبیعہ ہے اور ہر چالیس کے اندر ایک مسن یا مسنہ ہے۔

«وَالْجَوَامِيسُ وَالْبَقَرُ سَوَاءٌ» جوامیس جمع ہے جاموس کی، اور یہ بھینس کو کہتے ہیں بھینس بھئی۔ صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں «وَالْجَوَامِيسُ وَالْبَقَرُ سَوَاءٌ» اور بھینسیں اور گائے بیل وغیرہ سب برابر ہیں، تو ان میں بھی یہی نصاب جاری ہو گا۔ «لِأَنَّ اسْمَ الْبَقَرِ يَتَنَاوَلُهُمَا» اس لیے کیونکہ بقر کا نام ان دونوں کو شامل ہے، بقر کا لفظ ان دونوں پر بولا جاتا ہے چاہے گائے بیل ہوں چاہے بھینس اور بھینسا، «إِذْ هُوَ نَوْعٌ مِنْهُ» کیونکہ یہ اسی کی ایک قسم ہے تو یہ اس کو

سب کو شامل ہوا۔

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّ أَوْهَامَ النَّاسِ لَا تَسْبِقُ إِلَيَّ...

«إِلَّا أَنَّ أَوْهَامَ النَّاسِ لَا تَسْبِقُ إِلَيْهِ فِي دِيَارِنَا» آگے صاحبِ ہدایہ ایک الگ فائدہ ذکر کر رہے ہیں کہ پیچھے آپ کو بتلادیا کہ بقر کا اسم، بقر کا نام گائے بیل کے ساتھ ساتھ بھینس کو بھی شامل ہے کیونکہ بھینس بھی کیا ہے؟ انہی کی ایک قسم ہے۔ مگر یہ بات ہے کہ لوگوں کے وہم یعنی لوگوں کا ذہن جو ہے جب بقر کا لفظ بولا جائے، ادھر ادھر دیکھیے، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں ہمارے علاقے کے اندر بھینسیں چونکہ زیادہ نہیں ہیں لہٰذا جب بقر کا لفظ بولا جائے تو لوگوں کا ذہن بھینس کی طرف جاتا ہی نہیں ہے بلکہ کس کی طرف جاتا ہے؟ گائے اور بیل کی طرف جاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے علاقے میں کہتے ہیں یہ بھینسیں کم ہیں۔ تو لہٰذا اگر کوئی شخص یہ قسم اٹھالے گا کہ واللہ میں بقر کا گوشت نہیں کھاؤں گا، بقر کا گوشت نہیں، اور پھر وہ بھینس کا گوشت کھالیتا ہے تو حانث نہیں ہو گا۔ حانث نہیں ہو گا۔ سمجھ میں ایا بھئی؟ اس لیے کیونکہ کہتے ہیں بقر کا لفظ ہمارے علاقے میں بولا جائے تو بھینس کی طرف ذہن نہیں جاتا، اس سے گائے اور بیل ہی مراد لیتے ہیں۔ اور قسم کا دارومدار یا در کھیے عرف اور عادت پر ہوتا ہے، کس پر؟ عرف پر، اور وہاں صاحبِ ہدایہ کے علاقے میں عرف اور عادت کیا جاری تھی؟ بقر کا لفظ بولا جائے تو کیا مراد لیتے ہیں؟ گائے اور بیل مراد لیتے ہیں، تو عرف اور عادت جب اس پر جاری ہے تو قسم کے اندر بھی وہی مراد ہوں گے کہ اس نے بقر کا لفظ ذکر کیا ہے تو بقر سے گائے اور بیل ہی مراد ہوں گے، ان کا گوشت کھائے گا تو حانث ہو گا، بھینس وغیرہ کا گوشت کھائے گا تو حانث نہیں ہو گا۔ لیکن یہ صاحبِ ہدایہ کے علاقے میں یہ مسئلہ اس طرح ہو گا۔ اگر دوسرا علاقہ ہے وہاں بقر کا لفظ اسی طرح بھینس پر بھی برابری کے ساتھ بولا جاتا ہے، وہاں اگر کوئی شخص یہ قسم اٹھائے گا کہ میں بقر کا گوشت نہیں کھاؤں گا تو پھر بھینس کا گوشت کھانے سے بھی کیا ہو جائے گا؟ حانث، کیونکہ وہاں عادت کے مطابق مسئلہ ہو گا، کیونکہ قسم کا دارومدار کس پر ہوتا ہے؟ عرف اور عادت پر ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں «إِلَّا أَنَّ أَوْهَامَ النَّاسِ لَا تَسْبِقُ إِلَيْهِ» مگر یہ کہ لوگوں کے وہم یعنی لوگوں کے ذہن جو ہیں وہ سبقت نہیں کرتے اس بھینس کی طرف، اس کی طرف لوگوں کے ذہن نہیں جاتے، «فِي دِيَارِنَا» ہمارے وطن میں ہمارے علاقے میں، «لِقِلَّتِهِ» بوجہ اس بھینس کے قلیل ہونے کے، «فَلِذَلِكَ لَا يَحْنَثُ بِهِ فِي يَمِينِهِ: لَا يَأْكُلُ لَحْمَ بَقَرٍ» لہٰذا اسی وجہ سے حانث نہیں ہو گا اس کی وجہ سے اب کوئی اپنی قسم میں، اس قسم کے اندر کسی نے قسم کیا اٹھائی کہ وہ بقر کا گوشت نہیں کھائے گا تو بھینس کا گوشت کھانے سے وہ قسم میں حانث نہیں ہو گا۔ «وَاللهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۹۸: فَصْلٌ فِي الْغَنَمِ.

ہدایہ صفحہ: ۲۰۶ — بتاریخ: ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ فِي الْغَنَمِ. لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ مِنَ الْغَنَمِ السَّائِمَةِ صَدَقَةٌ، فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا شَاةٌ إِلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا شَاتَانِ إِلَى مِائَتَيْنِ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ. [1]

■ فَصْلٌ فِي الْغَنَمِ: یہ فصل ہے بھیڑ بکریوں کے بیان میں یعنی

فَصْلٌ فِي الْغَنَمِ: یہ فصل ہے بھیڑ بکریوں کے بیان میں یعنی ان کی زکوۃ کے بیان میں۔

یاد رکھیے **غَنَم** اور شَاۃ، **غَنَم** اور شَاۃ یہ دونوں لفظ مترادف ہیں بھائی۔ جیسے میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ شَاۃ کا لفظ بھیڑ بکری دونوں کی جنس کو شامل ہے، دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اسی طرح **غَنَم** کا لفظ بھی بھیڑ بکری دونوں کی جنس کو شامل ہے بھائی، دونوں کی جنس کو۔ تو یہ دونوں لفظ مترادف ہیں بھائی مترادف۔

یہاں ایک قیمتی ادبی بات لکھ لیجیے، آپ کے کبھی کام آئے گی بھائی۔ مختصر دو تین چیزیں ہیں۔ جیسے میں نے ابھی آپ کو بتلایا کہ شَاۃ اور **غَنَم** کا لفظ بھیڑ اور بکری دونوں کی جنس کو شامل ہے، دونوں کی جنس کو۔ اگر صرف بکرے اور بکری کی جنس جو ہے وہ مراد ہو تو اس کے لیے عربی میں لفظ ہے **مَاعِز** بھائی، **مَاعِز**۔ میم الف عین اور زا، **مَاعِز**۔ اور اس کی جمع **مَعْز** آتی ہے، میم عین زا، میم عین زا، **مَعْز**۔

تو **مَاعِز** کا لفظ کس پر بولا جاتا ہے؟ بکرے اور بکری یعنی یہ اس جنس کو شامل ہے صرف۔ اور اس میں البتہ مذکر کے لیے بھی یہ لفظ، مذکر کو بھی شامل ہے اور مؤنث کو بھی شامل ہے۔

اگر صرف مذکر یعنی بکر امراد ہو تو اس کے لیے عربی میں لفظ ہے، **يَرْحَمُكَ اللهُ**، تو اس کے لیے عربی میں لفظ ہے **تَيْسٌ** بھائی **تَيْسٌ**۔ تا دو نقطوں والی، یا اور سین، **تَيْسٌ**۔ یہ اب صرف کس کو شامل ہے؟ صرف بکر ایعنی جو مذکر ہے، بس۔

اور مؤنث کے لیے یعنی بکری کے لیے خاص طور پر جو لفظ ہے وہ ہے **عَنْزٌ، عَنْزٌ**۔ عین نون زا، عین نون زا۔ یہ صرف بکری کو کہتے ہیں مؤنث کے لیے یہ لفظ ہے بھائی، مذکر اس میں داخل نہیں۔

یہ تو تفصیل ہوئی بکرے اور بکری کے اندر بھائی۔ تو اگر صرف بھیڑ کی جنس مراد ہو، مذکر اور مؤنث، تو اس کے لیے عربی میں لفظ ہے **ضَأْنٌ** بھائی **ضَأْنٌ**۔ ضاد الف نون، ضاد الف نون اور الف پر ہمزہ بھی ڈال دیں، **ضَأْنٌ**۔ یہ صرف کس جنس کو شامل ہے؟ بھیڑ اور دنبہ جو ہیں، بھیڑ یعنی مذکر اور مؤنث یہ جنس جو ہے۔

اور اگر صرف مؤنث کے لیے لفظ چاہیے، صرف مؤنث جو بھیڑ ہے یعنی دنبہ نہیں بلکہ صرف بھیڑ، اس کے لیے لفظ ہے **نَعْجَةٌ، نَعْجَةٌ**۔ نون عین جیم اور گول تا، **نَعْجَةٌ**۔ یہ مؤنث کے لیے ہے۔

اور مذکر کے لیے یعنی صرف دنبہ جو ہے مذکر، اس کے لیے لفظ ہے **كَبْشٌ**۔ کاف چھوٹا، کاف با اور شین، **كَبْشٌ**۔

---

[1] شاملہ (ص ۱۳۲) میں «مِنْ» کے بجائے «عن»، شاملہ (ص ۱۳۲) میں «مِائَتَيْنِ» کے بجائے «مائتي درهم» درج ہے۔

اور اسی طرح یاد رکھیے یہ دنبے اور بھیڑ کی ایک قسم ہے جس کی وہ دم بڑی سی ہوتی ہے وہ چربی والی، تو اس کے لیے لفظ ہے عربی میں **خَرُوفٌ**۔ مذکر کے لیے **خَرُوف**، خاراواوًا، **خَرُوف**۔ اور مؤنث کے لیے **خَرُوفَةٌ**، **خَرُوفَةٌ**۔

تفصیل سمجھ میں آئی بھائی؟ تو شَاۃ اور **غَنَم** کا لفظ یہ بھیڑ بکری کی دونوں جنسوں کو شامل ہے۔ اگر صرف بکرے کی جنس مراد ہو بکرے اور بکری کی تو اس کے لیے کیا لفظ ہے؟ **مَاعِز**۔ اور جمع کیا ہے اس کی؟ **مَعْز**۔ اور اگر صرف مذکر بکرا مراد لینا ہو تو اس کے لیے کیا لفظ ہے؟ **تَيْسٌ**، **تَيْسٌ** جیسے تیس لکھتے ہیں نا آپ اردو میں تیس، بس اسی طرح ہے البتہ تا پر زبر ہے بھائی **تَيْسٌ**۔ اور اگر مؤنث صرف بکری مراد لینی ہے تو اس کے لیے کون سا لفظ ہے؟ **عَنْزٌ**۔ اور اگر صرف جو دنبہ اور بھیڑ ہے ان کی جنس کا ارادہ ہے تو اس کے لیے کیا لفظ ہو گا؟ **ضَأْنٌ**۔ ضاد الف ہے اور نون، الف کے اوپر ہمزہ بھی ہے، **ضَأْنٌ**۔ اور اس میں پھر صرف مذکر ہو تو اس کے لیے **كَبْشٌ** اور مؤنث ہو تو **نَعْجَةٌ** بھائی۔ اور وہ دوسری قسم جو ہے بڑی دم جس کی ہوتی ہے اس کے لیے لفظ، مذکر کے لیے **خَرُوف** اور مؤنث کے لیے **خَرُوفَة**۔

تو **فَصْلٌ فِي الْغَنَمِ**، یہ فصل ہے بھیڑ بکری کے بیان میں یعنی ان کی زکوٰۃ کے بیان میں۔ دونوں کا ایک ہی حکم ہے سمجھ میں آیا بھائی؟ تو حدیث کے اندر چونکہ اسی طرح ذکر آیا ہے، **غَنَم** کا لفظ آیا اور وہ بھیڑ بکری دونوں کو شامل ہے تو دونوں میں یہی زکوٰۃ جاری ہو گی جو یہاں بیان ہو رہی ہے۔ چاہے آدھے بکرے بکری کی جنس میں سے ہیں جانور اور آدھے دنبے اور بھیڑ کی جنس میں سے ہیں تو بھی ان کو ساروں کو ملا لیں گے بھائی۔ دیکھیے آگے تفصیل آ رہی ہے۔

فرماتے ہیں: **لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ مِنَ الْغَنَمِ السَّائِمَةِ صَدَقَةٌ**، چالیس سے کم بھیڑ بکریاں وہ جو کہ سائمہ ہوں ان کے اندر چالیس سے کم کے اندر صدقہ نہیں ہے، چالیس سے کم سائمہ بھیڑ بکریوں کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے۔

فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ سَائِمَةً، پس جب وہ چالیس ہوں **سَائِمَةً** اس حال میں کہ سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارنے والی ہوں، **وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ** اور ان پر ایک سال گزر جائے، **فَفِيهَا شَاةٌ** تو ان میں ایک بھیڑ بکری ہے۔ دیکھیے پھر شَاۃ کا لفظ آیا۔ تو چالیس بھیڑ بکریاں ہوں۔ اور میں نے بتایا دونوں جنسوں کا، دونوں جنسوں کو یہ لفظ شامل ہے تو دونوں کا اکٹھا ہی حساب ہو گا۔ بیس بکرے بکریاں ہیں اور بیس دنبے اور بھیڑ کی جنس میں سے ہیں تو چالیس ہو گئے، دونوں کو ملا کر کیا کریں گے؟ ان کا حساب کیا جائے گا۔ تو اس میں ایک بھیڑ بکری دینی پڑے گی، ایک بھیڑ دے دے چاہے بکری دے دے، بکرا دے دے، بھیڑ دے دے، دنبہ دے دے کیونکہ شَاۃ کا لفظ سب کو شامل ہے۔ تو ان میں ایک بھیڑ بکری ہو گی۔

إِلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ، کہاں تک؟ ایک سو بیس تک۔ چالیس سے لے کر ایک سو بیس تک ایک ہی بھیڑ بکری ہے۔

فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ، پس جب ایک زیادہ ہو جائے یعنی کتنی ہو جائیں؟ ایک سو اکیس۔ **فَفِيهَا شَاتَانِ**، تو اس میں دو بھیڑ بکریاں ہیں۔ **إِلَى مِائَتَيْنِ**، کہاں تک؟ دو سو تک۔

فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ، تو جب ایک زیادہ ہو جائے یعنی کتنی ہو جائیں؟ دو سو ایک ہو جائیں، **فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ**، تو اس میں تین بھیڑ بکریاں ہیں۔

فَإِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعَ مِائَةٍ، پس جب وہ بھیڑ بکریاں پہنچ جائیں چار سو کے عدد کو، **فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ**، تو اس میں چار بھیڑ بکریاں ہیں۔

ثُمَّ فِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ، پھر ہر سو کے اندر ایک بھیڑ بکری ہے۔

چالیس سے ایک سو بیس تک ایک بھیڑ بکری، پھر ایک سو اکیس سے دو سو تک دو بھیڑ بکریاں، اور دو سو ایک سے لے کر چار سو تک، تین سو ننانوے تک، تین سو ننانوے تک اس میں کتنی ہیں؟ تین ہیں، اور جب چار سو ہو گئیں تو اس میں چار ہو گئیں، پھر ہر سو کے اندر ایک ہے، تو معلوم ہوا پانچ سو میں پانچ، چھ سو میں چھ، سات سو میں سات بھائی۔

فرماتے ہیں: **هَكَذَا وَرَدَ الْبَيَانُ فِي كِتَابِ رَسُولِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَفِي كِتَابِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ وَعَلَيْهِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ**، اسی طرح بیان آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب یعنی ان کے خط مبارک کے اندر، حضور علیہ السلام نے جو خط روانہ فرمائے زکوٰۃ کے ان میں اسی طرح ہے۔ **وَفِي كِتَابِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ**، اور اس کے بعد انبیاء کے بعد جو بالاجماع سب سے اونچا مقام ہے جن کا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انہوں نے بھی اپنے خط میں اور اپنے فرمان مبارک کے اندر اسی طرح ذکر کیا ہے تو یہی بیان ان کے خط میں بھی آیا ہے۔ **وَعَلَيْهِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ**، اور اسی پر اجماع منعقد ہوا ہے۔

وَالضَّأْنُ وَالْمَعْزُ سَوَاءٌ، دیکھیے اب وہ لفظ آ گئے جو میں نے آپ کو لکھوائے تھے۔ **وَالضَّأْنُ** اور دنبہ اور بھیڑ، دنبے اور بھیڑ کی جو جنس ہے، **وَالْمَعْزُ** اور بکرے اور بکری کی جو جنس ہے، **سَوَاءٌ** یہ دونوں برابر ہیں۔ **لِأَنَّ لَفْظَةَ الْغَنَمِ شَامِلَةٌ لِلْكُلِّ**، اس لیے کیونکہ **غَنَم** کا لفظ ان سب کو شامل ہے، **ضَأْن** کو بھی اور **مَعْز** کو بھی۔ **وَالنَّصُّ وَرَدَ بِهِ**، اور نص اسی **غَنَم** کے لفظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے یعنی نص میں یہی **غَنَم** کا لفظ آیا ہے اور **غَنَم** دونوں کو شامل ہے۔

وَيُؤْخَذُ الثَّنِيُّ فِي زَكَاتِهَا وَلَا يُؤْخَذُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ، اور ان میں سے **ثَنِي** لیا جائے گا ان کی زکوٰۃ کے اندر۔ ان بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ کے طور پر کس قسم کا جانور لیا جائے گا؟ **ثَنِي** بھائی، یا مسند ہے، **ثَنِيٌّ**۔ تو ان میں **ثَنِي** جانور لیا جائے گا۔ یاد رکھیے **ثَنِي** وہ جانور جس کے، جس کے نئے دانت آ گئے ہوں

بھائی، نئے دانت اس کے آ گئے ہوں۔ اور آپ جانتے ہیں بھیڑ بکری کے سال پورا ہونے پر نئے دانت ان کے آ جاتے ہیں تو یعنی جن کا ایک سال پورا ہو گیا ہو بھائی، ایک سال پورا ہو گیا ہو۔ اسی طرح گائے بیل وغیرہ کے اندر نئے دانت کس عمر میں آتے ہیں؟ جب دو سال پورے ہوتے ہیں تو دو سال پورے ہو جائیں تو وہ **ثَنِي** کہلائے گا ان میں۔ اور اسی طرح اونٹوں کے اندر نئے دانت جو ہیں جب پانچ سال پورے ہوتے ہیں اس وقت آتے ہیں تو اونٹوں کے اندر **ثَنِي** کس کو کہیں گے جس کے پانچ سال پورے ہو گئے ہوں۔ تو ان میں **ثَنِي** جانور لیا جائے گا ان کی زکوۃ میں یہ بھیڑ بکریوں میں یعنی جس بھیڑ بکری کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو۔ **وَلَا يُؤْخَذُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ**، اور **ضَأْن** یعنی دنبے اور بھیڑ میں سے **جَذَع** نہیں لیا جائے گا، **جَذَع** نہیں لیا جائے گا۔

إِلَّا فِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، مگر حسن ابن زیاد رحمہ اللہ کی روایت میں جو کہ انہوں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کی ہے۔

تو بھیڑ بکریوں کی زکوۃ میں کون سا جانور لیا جائے گا؟ **ثَنِي** جانور لیا جائے گا اور **ضَأْن** یعنی دنبے اور بھیڑ کا **جَذَع** نہیں لیا جائے گا، مگر کس روایت کے مطابق؟ جو حسن ابن زیاد رحمہ اللہ نے کی ہے امام صاحب سے، اس روایت کے مطابق **ضَأْن** کا **جَذَع** لینا بھی جائز ہے بھائی۔ اور **جَذَع** کسے کہتے ہیں آگے خود ذکر کریں گے۔

پہلے **ثَنِي** کا بتلا رہے ہیں: **وَالثَّنِيُّ مِنْهَا مَا تَمَّتْ لَهُ سَنَةٌ**، اور **ثَنِي** ان بھیڑ بکریوں میں سے وہ ہے کہ جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو۔ **وَالْجَذَعُ مَا أَتَى عَلَيْهِ أَكْثَرُهَا**، اور **جَذَع** وہ ہے کہ جس پر اکثر سال آ گیا ہو یعنی جس کا سال کا اکثر حصہ اس پر گزر گیا ہو یعنی کم از کم چھ ماہ اس سے زائد بھائی، چھ ماہ سے زائد جس کی عمر ہو گئی ہو بھیڑ بکریوں میں سے اس کو **جَذَع** کہتے ہیں۔ اور **جَذَع** بھی کس کا ذکر کیا؟ دنبے اور بھیڑ کا ذکر کیا ہے، بکرے بکری کی جنس کا ذکر نہیں کیا۔ تو دنبے اور بھیڑ کا **جَذَع** ایک روایت کے مطابق وہ بھی لے سکتے ہیں۔

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَهُوَ قَوْلُهُمَا أَنَّهُ يُؤْخَذُ الْجَذَعُ، اور امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے اور یہی قول ہے صاحبین کا بھی کہ **جَذَع** لیا جائے گا، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «إِنَّمَا حَقُّنَا الْجَذَعَةُ وَالثَّنِيُّ»**، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: **«إِنَّمَا حَقُّنَا الْجَذَعَةُ وَالثَّنِيُّ»** کہ ہمارا حق تو **جَذَعَہ** اور **ثَنِی** ہی ہے۔ حضور علیہ السلام کیا فرماتے ہیں کہ ہمارا حق تو کیا ہے؟ **جَذَعَہ** اور **ثَنِی** ہی ہے۔ تو اس میں دیکھو **جَذَع** کا ذکر آیا، تو لہٰذا **ضَأْن** کا **جَذَع** بھی لے سکتے ہیں۔

یاد رکھیے **جَذَع** وہ ہے جس کے کم از کم چھ ماہ پورے ہو چکے ہوں۔ مختلف روایات ہیں کہ **جَذَع** کسے کہتے ہیں، بعض نے لکھا جس پر چھ ماہ کم از کم پورے ہو گئے ہیں چھ سے اوپر ہو۔ اور بعضوں نے کہا کہ آٹھ ماہ جس کے پورے ہو گئے ہوں، بعضوں نے کہا جس کے نو، جس کا نواں مہینہ چل رہا ہو۔ تو یہ مختلف روایات ہیں بھائی۔

تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: **«إِنَّمَا حَقُّنَا الْجَذَعَةُ وَالثَّنِيُّ»** کہ ہمارا حق تو **جَذَعَہ** اور **ثَنِی** ہی ہے، یہ تو ایک نقلی دلیل آ گئی، حدیث میں آ گیا۔ کیا حدیث میں آیا؟ کیا لے سکتے ہیں؟ **جَذَع** بھی لے سکتے ہیں۔

اور دوسری دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں: **وَلِأَنَّهُ يَتَأَدَّى بِهِ الْأُضْحِيَّةُ فَكَذَا الزَّكَاةُ**، اور نیز اس لیے کیونکہ اس کے ذریعے قربانی ہو جاتی ہے، قربانی ادا ہو جاتی ہے کس کے ذریعے؟ **جَذَع** کے ذریعے، **فَكَذَا الزَّكَاةُ** تو اسی طرح زکوۃ بھی ہے وہ بھی اس سے ادا ہو جائے گی، وہ بھی اس سے ادا ہو جائے گی۔

یاد رکھیے اگر **جَذَع** ہو دنبے اور بھیڑ میں سے یعنی **ضَأْن** میں سے، کس میں سے؟ **ضَأْن** میں سے اگر **جَذَع** ہو اور وہ خوب صحت ہے اس کی، اچھی، موٹا تازہ ہے حتی کہ کہتے ہیں سال بھر کے جانوروں میں چھوڑ دیا جائے تو پتہ نہ چلے اتنا صحت مند ہے تو اس قسم کے **جَذَع** کی قربانی بھی جائز ہے، لیکن کس کا **جَذَع** ہو؟ **ضَأْن** کا ہو اور خوب، خوب موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کے جانوروں میں چھوڑ دیا جائے تو ان میں اس کا امتیاز کرنا مشکل ہو جائے بھائی، تو اس قسم کے **جَذَع** کی قربانی جائز ہے۔ تو جب اس کی قربانی جائز ہے، صاحبین کی دلیل چل رہی ہے اور جو امام صاحب سے روایت ہے، تو ایک تو حدیث میں آ گیا کہ **جَذَع** لیا جا سکتا ہے اور دوسری نیز اس لیے کیونکہ جب اس کی قربانی جائز ہے تو اس کو زکوۃ میں لینا بھی جائز ہو گا، اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

جب کہ ظاہر روایت میں کیا آیا؟ پہلا قول کیا بتلایا آپ کو؟ کہ **ثَنِی** لیا جائے گا **جَذَع** نہیں لیا جائے گا۔ اب اس کی بھی وجہ ذکر کر رہے ہیں: **وَوَجْهُ الظَّاهِرِ حَدِيثُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ مَوْقُوفًا وَمَرْفُوعًا**، اور ظاہر روایت کی وجہ جو ہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے موقوفاً بھی اور مرفوعاً بھی۔ بھائی آپ جانتے ہوں گے حدیث کی تین قسمیں ہیں: ایک حدیث مرفوع ہے، ایک حدیث موقوف ہے، ایک حدیث مقطوع ہے، مقطوع، قاف دو نقطوں والا اور طو ہے طو، مقطوع۔ یاد رکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل کو حدیث مرفوع کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ حدیث مرفوع۔ صحابی کے قول اور فعل کو حدیث موقوف کہتے ہیں، جب صحابی کا قول و فعل۔ اور تابعی کے قول اور فعل کو کیا کہتے ہیں؟ حدیث مقطوع کہتے ہیں۔

تو یہاں پر ذکر کر رہے ہیں: **وَوَجْهُ الظَّاهِرِ** اور ظاہر روایت کی وجہ، **حَدِيثُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ** وہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے، **مَوْقُوفًا وَمَرْفُوعًا** جو کہ، اس حال میں کہ وہ موقوف بھی ہے اور مرفوع بھی ہے بھائی۔ کیا معنی موقوف بھی اور مرفوع بھی ہے؟ یعنی یہ حدیث نقل کی گئی ہے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے اپنے قول کے طور پر۔ بعض روایتوں میں کس طرح یہ حدیث آئی ہے؟ اس میں حضور علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس طرح ذکر ہے جیسے یہ کس کا قول ہو؟ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا اپنا قول ہو تو یہ کیا ہو گی؟ حدیث موقوف، تو اس طور پر بھی یہ منقول ہے۔ اور بعض روایتوں میں اس حدیث کے اندر

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ باقاعدہ حضور علیہ السلام کا بھی ذکر فرماتے ہیں کہ انہوں نے یوں فرمایا ہے بھائی، ان سے روایت ہے تو حضور علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ ان کا قول ہے تو اس صورت میں یہ کون سی حدیث ہو جائے گی؟ حدیث مرفوع۔ تو یہ دونوں طریقے سے یہ روایت، یہ حدیث منقول ہے موقوف طریقے پر بھی اور مرفوع بھی۔

تو کہتے ہیں ظاہر روایت کی وجہ جو ہے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے جو اس حال میں کہ وہ موقوف بھی ہے اور مرفوع بھی ہے اور وہ حدیث یہ ہے: «**لَا يُؤْخَذُ فِي الزَّكَاةِ إِلَّا الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا**»، کہ نہیں لیا جائے گا زکوٰۃ کے اندر مگر **ثَنِی** ہی فصاعداً یا اس سے بڑھ کر۔ زکوٰۃ میں صرف کون سا جانور لیا جائے گا؟ **ثَنِی** یا اس سے بڑھ کر۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف **ثَنِی** لیا جائے گا، **جَذَع** نہیں لیا جائے گا بھائی۔ اور اسی لیے پہلا قول جو ظاہر روایت میں آیا تھا اس میں یہی تھا کہ **ثَنِی** ہی لے سکتے ہیں۔

وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ، ایک تو نقلی دلیل آگئی اب عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْوَسَطُ**، اور نیز اس لیے کیونکہ واجب جو ہے وہ کس قسم کا جانور ہے زکوٰۃ کے اندر؟ وسط، متوسط درجے کا جانور ہے۔ آپ کو یہ آگے بتلائیں گے یاد رکھیے کہ زکوٰۃ میں، زکوٰۃ میں متوسط درجے کا جانور لیا جاتا ہے نہ بہت اعلیٰ یعنی بہت اعلیٰ اور بہت قیمتی بھی نہیں اور ادنیٰ جو ہو یعنی بالکل ادنیٰ ہے اور معمولی ہے وہ بھی نہیں بلکہ کس قسم کا؟ متوسط۔ تو وجہ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں: **وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْوَسَطُ** اور نیز اس لیے کیونکہ واجب جو ہے وہ متوسط درجے کا جانور ہے، **وَهَذَا مِنَ الصِّغَارِ** اور یہ **جَذَع** تو کس میں سے ہے؟ صغار میں سے ہے چھوٹے جانوروں میں سے بچوں میں سے ہے، **وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ فِيهَا الْجَذَعُ مِنَ الْمَعْزِ**، اور اسی وجہ سے جائز نہیں ہے اس کے اندر **مَعْز** کا **جَذَع** یعنی بکرے اور بکری کا **جَذَع** وہ بالاتفاق جائز نہیں ہے، معلوم ہوا یہ کس میں سے ہے **جَذَع** کس میں سے ہوتا ہے؟ صغار میں سے بچوں میں سے ہے۔

اور باقی وہ جو دوسری دلیل ان کی ذکر ہوئی تھی، صاحبین کی دوسری دلیل کیا تھی؟ کہ چونکہ بھیڑ کا جو **جَذَع** ہے اس سے چونکہ قربانی ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں: **وَجَوَازُ التَّضْحِيَةِ بِهِ عُرِفَ نَصًّا**، اور قربانی کا اس کے ذریعے ہو جانا **عُرِفَ نَصًّا** اس کو نص سے جانا گیا ہے یعنی حدیث کے اندر آیا ہے ورنہ قیاس تو یہاں بھی کیا تقاضا کرتا ہے؟ وہ تو چھوٹا جانور ہے بھائی، بچہ ہے اس کے ذریعے قربانی ادا نہیں ہونی چاہیے لیکن چونکہ حدیث کے اندر وہ ذکر آگیا ہے کہ **ضَأْن** کے **جَذَع** کی قربانی جائز ہے تو لہٰذا وہ نص سے اس کو جانا گیا ورنہ قیاس کے مطابق تو اس سے بھی قربانی جائز نہیں ہونی چاہیے تھی۔

تو فرماتے ہیں: **وَجَوَازُ التَّضْحِيَةِ بِهِ عُرِفَ نَصًّا**، اور قربانی کا اس کے ذریعے جائز ہونا اس کو جانا گیا ہے نص سے۔

وَالْمُرَادُ بِمَا رَوَوُا الْجَذَعَةُ مِنَ الْإِبِلِ، اور مراد اس سے حدیث جس کو روایت کیا وہ **جَذَعَةٌ مِنَ الْإِبِلِ** اونٹ میں سے ہے۔ اور بھائی اوپر حدیث بھی ذکر کی تھی، دو دلیلیں ذکر کی تھیں ناصاحبین کی، ایک تو حضور علیہ السلام کیا فرماتے ہیں کہ ہمارا حق تو **جَذَع** اور **ثَنِي** ہے، تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ وہاں پر **جَذَع** سے مراد **ضَأْن** کا **جَذَع** نہیں مراد بلکہ اونٹ کا **جَذَع** مراد ہے تو وہ اونٹ کی زکوٰۃ کا ذکر ہو رہا ہے اس میں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو وہ اونٹ کا **جَذَع** مراد ہے۔

تو صاحبین کی کتنی دلیلیں آئی تھیں؟ دو۔ حدیث کا بھی جواب ہو گیا کہ **جَذَع** سے کیا مراد؟ اونٹ کا **جَذَع**۔ اور نیز انہوں نے جو کس پر قیاس کیا تھا؟ قربانی پر قیاس کیا تھا کہ **ضَأْن** کے **جَذَع** کی قربانی جائز ہے تو اس کے ذریعے زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی، تو اس کا بھی جواب دے دیا کہ وہاں جو قربانی اس کی جائز ہے وہ بھی خلاف القیاس کس سے ثابت ہے؟ نص سے ثابت ہے ورنہ قیاس کے مطابق تو اس کی قربانی جائز نہیں ہونی چاہیے تھی کیونکہ وہ بچوں میں سے ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

وَيُؤْخَذُ فِي زَكَاةِ الْغَنَمِ الذُّكُورُ وَالْإِنَاثُ، اور لیا جائے گا بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ میں **الذُّكُورُ وَالْإِنَاثُ** مذکر اور مؤنث کو، یعنی مذکر جانور بھی لے سکتے ہیں یہاں پر زکوٰۃ میں اور مؤنث بھی لے سکتے ہیں۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں: **لِأَنَّ اسْمَ الشَّاةِ يَنْتَظِمُهُمَا**، اس لیے کیونکہ شاۃ کا لفظ ان دونوں کو شامل ہے، مذکر جانور کو بھی اور مؤنث کو بھی۔ **وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «فِي أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ»**، اور نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ «**فِي أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ**» کہ چالیس جو ہے بھیڑ بکریوں کے اندر **شَاةٌ** ایک بھیڑ بکری ہے بھائی۔ تو وہاں بھی شاۃ کا لفظ آیا ہے اور شاۃ بھی شامل ہے مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہے تو جو بھی دے دیں۔ **وَاللهُ أَعْلَمُ**، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ **فِي أَرْبَعِينَ شَاةً** پڑھیں گے **شَاةٌ**، کیونکہ آپ نے پڑھا ہے کہ ان کی تمیز مفرد منصوب آتی ہے بھائی مفرد منصوب، یہ **أَحَدَ عَشَرَ** سے لے کر ننانوے تک جو عدد ہیں ان ساروں کی تمیز مفرد منصوب آتی ہے۔

■ فَصْلٌ فِي الْخَيْلِ: یہ فصل ہے گھوڑوں کے بیان میں

فَصْلٌ فِي الْخَيْلِ: یہ فصل ہے گھوڑوں کے بیان میں۔

اور یہ بات پہلے میں بیان کر چکا ہوں کہ **خَيْل** کا لفظ، **خَيْل** یہ ایک گھوڑے پر نہیں بلکہ یہ گھوڑوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے بھائی۔

إِذَا كَانَتِ الْخَيْلُ سَائِمَةً ذُكُورًا وَإِنَاثًا فَصَاحِبُهَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْطَى مِنْ كُلِّ فَرَسٍ دِينَارًا، وَإِنْ شَاءَ قَوَّمَهَا وَأَعْطَى عَنْ كُلِّ مِائَتَيْنِ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ.

إِذَا كَانَتِ الْخَيْلُ سَائِمَةً، جس وقت کہ گھوڑے جو ہیں وہ سائمہ ہوں یعنی سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارنے والے ہیں، **ذُكُورًا وَإِنَاثًا** مذکر ہوں اور مؤنث ہوں بھائی۔ بھائی یہ قید نئی آگئی۔ یہ اونٹوں کی زکوٰۃ میں بھی **ذُكُورًا وَإِنَاثًا** کی قید نہیں تھی کہ مذکر ہوں یا مؤنث ہوں، گائے بیل میں بھی یہ قید نہیں تھی، بھیڑ بکریوں کے اندر بھی یہ قید نہیں تھی، لیکن یہاں پر ذکور واناث کی قید ہے۔ جب گھوڑے سائمہ ہوں، مذکر اور مؤنث ملے جلے ہوں یعنی صرف مذکر نہ ہوں یا صرف مؤنث نہ ہوں بلکہ مذکر اور مؤنث دونوں ہوں ملے جلے ہوں اور وہ سائمہ ہوں اور سال گزر جائے، **فَصَاحِبُهَا بِالْخِيَارِ** تو ان کا مالک جو ہے اس کو اختیار ہو گا، **إِنْ شَاءَ أَعْطَى مِنْ كُلِّ فَرَسٍ دِينَارًا** اگر چاہے تو وہ دے دے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار، **وَإِنْ شَاءَ قَوَّمَهَا وَأَعْطَى عَنْ كُلِّ مِائَتَيْنِ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ** اور اگر چاہے تو اس کی قیمت لگالے اور دے دے ہر دو سو درہم میں سے پانچ دراہم بھائی۔ قیمت چاہے تو کیا کرلے؟ یا تو ہر گھوڑے کی طرف سے زکوٰۃ کے طور پر ایک دینار دے دے یا قیمت لگالے اور ہر دو سو درہم میں سے کتنے دے دے؟ پانچ درہم یعنی چالیسواں حصہ دے دے۔

وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ، اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اور یہی قول ہے امام زفر رحمہ اللہ کا بھی۔

وَقَالَا: لَا زَكَاةَ فِي الْخَيْلِ، اور صاحبین فرماتے ہیں: گھوڑوں کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ وَلَا فِي فَرَسِهِ صَدَقَةٌ»،** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ نہیں ہے مسلمان پر اس کے غلام میں اور نہ اس کے گھوڑے میں زکوٰۃ، مسلمان پر اس کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ کس کی دلیل ہے؟ صاحبین کی یہ دلیل ہے یہ حدیث بھائی۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل جو ہے، **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: **«فِي كُلِّ فَرَسٍ سَائِمَةٍ دِينَارٌ أَوْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ»،** کہ ہر سائمہ گھوڑے کے اندر دینار ایک دینار ہے یا دس درہم ہیں۔

تو ایک حدیث میں کیا آیا صاحبین کی جو دلیل تھی کہ مسلمان پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں، جبکہ امام صاحب کی دلیل حدیث آگئی کہ ہر سائمہ گھوڑے کے اندر ایک دینار ہے یا دس درہم ہیں۔

اور اب اس کا جواب بھی ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ جو صاحبین کی دلیل تھی جو حدیث۔ فرماتے ہیں: **وَتَأْوِيلُ مَا رَوَيَاهُ فَرَسُ الْغَازِي،** اور تاویل اس کی جس کو روایت کیا صاحبین نے اس حدیث کی تاویل جو ہے **فَرَسُ الْغَازِي** غازی کا گھوڑا ہے بھائی۔ اس حدیث میں جو آیا مسلمان پر اس کے غلام میں اور اس کے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں، وہاں کون سا گھوڑا مراد ہے؟ غازی کا گھوڑا ہے، وہ شخص جو غزا پر جاتا ہے، جہاد پر نکلتا ہے، اس کے لیے اس نے گھوڑا رکھا ہوا ہے جہاد کے لیے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے بھائی زکوٰۃ نہیں ہے۔

وَهُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، اور یہ تاویل ہم اپنی طرف سے نہیں کر رہے بلکہ یہ تاویل کس سے منقول ہے؟ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وہ فرماتے ہیں کہ یہاں **فَرَسٍ** سے مراد **فَرَسِ** غازی ہے، مجاہد کا گھوڑا بھائی۔

تو یاد رکھیے بھائی گھوڑوں کے اندر بھی وہی شرائط ہیں، وہی شرائط ہیں جو باقی جانوروں میں تھیں یعنی گھوڑے سائمہ ہوں اور سال کا یعنی اکثر حصہ باہر چر کر گزارتے ہوں، نیز ان کو افزائش نسل کے لیے رکھا گیا ہے، افزائش نسل کے لیے اور باربرداری کے لیے، سامان بوجھ وغیرہ لادنے کے لیے یا اسی طرح اور کسی کام کے لیے یا جہاد وغیرہ کسی اور چیز کے لیے نہیں بلکہ افزائش نسل کے لیے ہیں اور ان پر سال گزر جائے اور وہ سائمہ ہوں اور نیز ایک شرط اور اس میں آگئی کہ کیا ہونے چاہئیں؟ مذکر اور مؤنث دونوں ہونے چاہئیں بھائی ملے ہوئے۔

وَالتَّخْيِيرُ بَيْنَ الدِّينَارِ وَالتَّقْوِيمِ مَأْثُورٌ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ. بھائی متن میں آیا تھا کہ چاہے تو ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دے دے اور چاہے تو اس کی قیمت لگائے اور پھر ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم یعنی چالیسواں حصہ دے دے، وہ بھی بتلا رہے ہیں کہ یہ جو دینار، دینار اور قیمت لگانے کے درمیان اختیار دیا گیا یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے بھائی۔ کہتے ہیں: **وَالتَّخْيِيرُ بَيْنَ الدِّينَارِ وَالتَّقْوِيمِ** اور اختیار جو دیا گیا دینار اور قیمت لگانے کے درمیان، **مَأْثُورٌ أَيْ مَنْقُولٌ** یہ منقول ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

وَلَيْسَ فِي ذُكُورِهَا مُنْفَرِدَةً زَكَاةٌ لِأَنَّهَا لَا تَتَنَاسَلُ، وَكَذَا فِي الْإِنَاثِ الْمُنْفَرِدَاتِ فِي رِوَايَةٍ. بھائی یاد رکھیے انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ گھوڑے سائمہ ہوں اور مذکر مؤنث ملے جلے ہوں پھر ان میں زکوٰۃ آئے گی، پھر ان میں زکوٰۃ آئے گی۔ اور صرف مذکر ہوں تو پھر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور صرف مؤنث ہوں تو پھر زکوٰۃ ہے یا زکوٰۃ نہیں؟ تو یاد رکھیے اس سلسلے میں دو دو روایتیں ہیں امام صاحب سے۔ ایک روایت یہ ہے صرف مذکر ہوں تو زکوٰۃ نہیں، دوسری روایت ہے کہ صرف مذکر ہوں تو پھر بھی زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح مؤنث کے بارے میں بھی دو روایتیں ہیں کہ صرف مؤنث ہوں تو زکوٰۃ ہے اور دوسری روایت کیا ہے کہ پھر زکوٰۃ نہیں ہے۔

البتہ مؤنث ہوں تو اس میں زکوٰۃ ہونے کی جو روایت ہے اس کو علماء نے ترجیح دی ہے کہ اس میں پھر کیا دینی چاہیے؟ زکوٰۃ دینی چاہیے، اگر صرف کس قسم کے گھوڑے ہیں؟ مؤنث ہیں بھائی۔ اور اگر صرف مذکر ہیں تو اس میں عدمِ وجوبِ زکوٰۃ کی روایت کو علماء نے، فقہاء نے ترجیح دی ہے کہ صرف مذکر ہوں تو پھر اس کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے بھائی نہیں ہے۔

وجہ اس کی یہ کہ صرف مذکر ہوں تو اس میں آگے نسل بڑھانے کی صورت نہیں۔ آگے نسل بڑھانے کی صورت نہیں تو وہاں پر، وہاں پر سلسلۂ تناسل جاری نہیں ہو سکتا، جب کہ صرف مؤنث ہوں صرف مؤنث ہوں تو وہاں پر سلسلۂ نسل آگے چل سکتا ہے۔ اگرچہ صرف مؤنث کا وہ مالک ہے لیکن نر جانور کسی اور سے بھی مانگ کر لیا جا سکتا ہے جفتی کے لیے اور سلسلۂ نسل آگے چل سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں دیکھیے اب یہ دو دو دو روایتیں ذکر کریں گے بھائی، میں نے تفصیل بیان کر دی۔ فرماتے ہیں: **وَلَيْسَ فِي ذُكُورِهَا مُنْفَرِدَةً زَكَاةٌ لِأَنَّهَا لَا تَتَنَاسَلُ**، اور صرف مذکر جو ہیں اکیلے ان کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے **لِأَنَّهَا لَا تَتَنَاسَلُ** اس لیے کیونکہ ان میں تناسل کا سلسلہ نہیں ہو سکتا۔ **وَكَذَا فِي الْإِنَاثِ الْمُنْفَرِدَاتِ** اور اسی طرح اکیلی مؤنث جو ہیں وہ بھی ہیں یعنی ان میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں، **فِي رِوَايَةٍ** ایک روایت کے مطابق۔ **وَعَنْهُ الْوُجُوبُ فِيهَا**، اور امام صاحب سے ایک روایت ان کے اندر وجوب کی بھی ہے، کہ صرف مؤنث ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ تو مؤنث کے بارے میں کتنی روایتیں آگئیں؟ دو روایتیں، تو صرف مؤنث ہوں تو ان میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کی بھی روایت ہے، **لِأَنَّهَا تَتَنَاسَلُ بِالْفَحْلِ الْمُسْتَعَارِ**، اس لیے کیونکہ ان میں تناسل ہو سکتا ہے، فحل کہتے ہیں نر جانور جو مذکر ہے، مستعار جس کو دوسرے سے مانگا جائے، کیونکہ اس میں مانگے ہوئے نر جانور کے ذریعے بھی ان میں تناسل ہو سکتا ہے۔ **بِخِلَافِ الذُّكُورِ**، بخلاف صرف کیا ہوں اگر؟ مذکر ہوں ان میں تناسل نہیں ہو سکتا۔

وَعَنْهُ، اور امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی ہے، **أَنَّهَا تَجِبُ فِي الذُّكُورِ الْمُنْفَرِدَةِ أَيْضًا**، کہ زکوٰۃ جو ہے صرف مذکر، اکیلے مذکر گھوڑے جو ہیں ان میں بھی واجب ہے، تو یہ دوسری روایت بھی آگئی مذکر والی۔

وَلَا شَيْءَ فِي الْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ، اور کوئی چیز نہیں ہے خچروں کے اندر اور گدھوں کے اندر۔ **بِغَال** جمع ہے **بَغْلٌ** کی، خچر کو کہتے ہیں خچر بھائی، اور **حَمِير** جمع ہے **حِمَار** کی، گدھے کو کہتے ہیں۔ تو خچروں اور گدھوں کے اندر کوئی چیز نہیں یعنی ان میں زکوٰۃ واجب نہیں، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيهِمَا شَيْءٌ»**، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: **«لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيهِمَا شَيْءٌ»** کہ مجھ پر نازل نہیں کیا گیا ان دونوں کے بارے میں کوئی چیز، مجھ پر ان دونوں کے بارے میں کوئی چیز نازل نہیں کی گئی۔ تو یہ **لَمْ يَنْزِلْ** پڑھ لیں تو بھی ٹھیک، مجرد سے، **لَمْ يَنْزِلْ** نہیں اتری، نہیں اتری، آگے **شَيْءٌ** فاعل آ جائے گا، کوئی چیز نہیں اتری **عَلَيَّ** مجھ پر **فِيهِمَا** ان دونوں کے بارے میں۔ اور چاہیں تو اس کو مجہول بھی پڑھ سکتے ہیں، **لَمْ يُنْزَلْ، لَمْ يُنْزَلْ** اس صورت میں یہ باب افعال سے مجہول کا صیغہ ہو گا، **لَمْ يُنْزَلْ** نہیں اتاری گئی **شَيْءٌ** یہ آگے نائب فاعل ہو گا، کوئی چیز نہیں اتاری گئی **عَلَيَّ فِيهِمَا** مجھ پر ان دونوں کے بارے میں۔

وَالْمَقَادِيرُ تَثْبُتُ سَمَاعًا، اور مقداریں تو سماع سے ثابت ہیں بھائی، کس سے ثابت ہوتی ہیں مقداریں؟ سماع سے ثابت ہوتی ہیں۔ بھائی دیکھیے خچر اور گدھے کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں مجھ پر ان دونوں کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا بھائی، کوئی حکم۔ اور مقداریں کس سے ثابت ہوتی ہیں؟ سماع سے یعنی جیسے حضور علیہ السلام سے سنا ہو اس کے مطابق کیا ہوں گی؟ زکوٰۃ اتنی مقدار میں اتنے جانور دینے ہیں یہ تو کس سے ثابت ہو گا؟ سماع یعنی سننے سے یعنی حضور علیہ السلام سے جس طرح سنا گیا ہو ان سے جس طرح منقول ہو، اور یہاں حضور علیہ السلام سے کچھ منقول نہیں ہے بلکہ حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ مجھ پر ان کے بارے میں کوئی حکم نہیں اترا تو لہٰذا ان میں زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہو گی۔

تو ان کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کے بارے میں مجھ پر کوئی چیز نازل نہیں ہوئی یعنی ان کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ آگے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: **وَالْمَقَادِيرُ تَثْبُتُ سَمَاعًا**، اور مقداریں کس سے ثابت ہوتی ہیں؟ سماع سے ثابت ہوتی ہیں۔ تو لہٰذا ان خچروں اور گدھوں میں کوئی چیز واجب نہیں، کوئی چیز واجب نہیں۔ کیونکہ مقداریں کس سے ثابت ہوتی ہیں؟ سماع سے ثابت ہوتی ہیں یعنی جیسا کہ حضور علیہ السلام سے منقول ہو، جیسا ان سے سنا گیا ہو اس سے مقداریں واجب ہوں گی بھائی، مقداریں۔ بھائی دیکھیے آپ نے اونٹوں کی زکوٰۃ کا بیان پڑھا کہ پانچ اونٹوں سائمہ اور ان پر سال گزرے تو ان میں ایک بھیڑ بکری واجب ہو گی۔ گائے بیل میں آپ نے پڑھا کہ تیس گائے بیل ہوں اور ان پر سال گزرے اور وہ سائمہ ہوں تو ان میں کیا واجب؟ ایک **تَبِيع یا تَبِيعَه**۔ بھیڑ بکریوں میں آپ نے پڑھا کہ چالیس ہوں اور ان پر سال گزرے اور وہ سائمہ ہوں تو ان پر ایک بھیڑ بکری۔ تو یہ دیکھو یہ مقدار اونٹ کے اندر پانچ کی مقدار، اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں اور پھر واجب بھی کیا ہے؟ ایک بھیڑ بکری۔ اور اسی طرح گائے بیل کے اندر تیس سے کم کے اندر کچھ نہیں واجب اور تیس کے اندر ایک **تَبِيع یا تَبِيعَه** ہے اور بکریوں کے اندر چالیس سے کم کچھ واجب نہیں اور چالیس میں ایک بھیڑ بکری ہے، تو دیکھیے یہ مقداریں کہ اتنے میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں اس کا پتہ عقل اور رائے سے نہیں چل سکتا۔ جتنے ادمیوں سے بھی آپ، جتنے ادمی بھی اس میں غور کر لیں ہر ایک کی اپنی اپنی رائے ہو گی سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس کا پتہ عقل کے ذریعے چل ہی نہیں سکتا بھائی کہ اتنی مقدار میں، اتنی مقدار میں ہوں، اتنی تعداد میں جانور ہوں تو ان میں آئے گی اور پھر کتنی آئے گی؟ سمجھ میں آیا؟ پانچ اونٹوں میں ایک بکری، تیس گائے بیل میں ایک **تَبِيع یا تَبِيعَه**، چالیس بکریوں میں ایک بکری۔ تو یہ جو مقداریں ہیں ان کا پتہ سماع سے چل سکتا ہے یعنی جیسے حضور علیہ السلام سے

سنا گیا ہو، عقل اور رائے کا اس میں دخل نہیں ہے، اپنی رائے کے ذریعے ان کو مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہاں پر حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ مجھ پر ان کے بارے میں کوئی چیز نازل نہیں ہوئی۔ کوئی چیز، تو معلوم ہوا یہاں سماع نہیں، حضور علیہ السلام سے ان کے اندر کوئی چیز منقول نہیں، تو جب یہاں سماع نہیں، نقل نہیں تو ان کے اندر کچھ واجب بھی نہیں ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

إِلَّا أَنْ يَكُونَ لِلتِّجَارَةِ، مگر یہ کہ یہ تجارت کے لیے ہوں۔ یہ گدھے اور خچر کس لیے ہوں؟ تجارت کے لیے۔ **لِأَنَّ الزَّكَاةَ حِينَئِذٍ تَتَعَلَّقُ بِالْمَالِيَّةِ كَسَائِرِ أَمْوَالِ التِّجَارَةِ،** اس لیے کیونکہ اس وقت زکوٰۃ کا تعلق مالیت سے ہو گا، کس چیز سے ہو گا؟ مالی یعنی مال ہونے سے ہو گا کہ یہ کیا ہے؟ مال تجارت بن جائے گا نا پھر تو، تو مال ہونے کے ساتھ زکوٰۃ کا تعلق ہو گا، **كَسَائِرِ أَمْوَالِ التِّجَارَةِ** جیسے کہ باقی کے اموال تجارت ہیں، ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے کس وجہ سے؟ کیونکہ وہ مال تجارت ہیں تو یہاں بھی جب یہ تجارت کے لیے ہوں گے تو ان میں زکوٰۃ جو ہے اس کا تعلق مالیت سے ہو گا، قیمت لگائی جائے گی اور چالیسواں حصہ اس کے میں سے سال گزرنے پر دینا پڑے گا۔ جیسے یہ جو پیچھے جانور ذکر ہوئے بھیڑ بکریاں ہیں، گائے بھینس ہیں، اونٹ ہیں یہ بھی اگر تجارت کے لیے ہوں گے تو پھر ان میں یہ سائمہ جانوروں والی زکوٰۃ نہیں آئے گی بلکہ پھر کون سی زکوٰۃ آئے گی جو مال تجارت میں آتی ہے یعنی ان کی قیمت لگائی جائے گی اور پھر کتنا حصہ دینا پڑے گا؟ چالیسواں حصہ۔ پھر وہ نصاب کو بھی نہیں دیکھنا کہ بھیڑ بکریوں کا نصاب تو تھا چالیس لیکن چالیس کو نہیں، جب تجارت کے لیے ہے تو پھر چاہے ایک بکری ہی کیوں نہیں ہے اس پر بھی کیا آئے گی؟ زکوٰۃ آئے گی چالیسواں حصہ بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

اچھا یہ تو گھوڑوں کی زکوٰۃ کا بیان گزر گیا بھائی۔ تو لیکن گھوڑوں کا نصاب نہیں ذکر کیا، کتنے گھوڑوں کے اندر، کتنے گھوڑے ہوں ان پر سال گزرے تو اس میں کیا دینا پڑے گی؟ زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ بس صرف اتنا کہا مذکر اور مؤنث ملے جلے ہوں۔ تو پھر اس میں مختلف روایات ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ ایک گھوڑا بھی ہو سائمہ تو اس پر کیا واجب ہو گی؟ زکوٰۃ واجب۔ بعضوں نے کہا کم از کم تین ہونے چاہئیں کم از کم تین، اور بعضوں نے اسی طرح پانچ لکھا، بعضوں نے کہا کہ دو مذکر ہوں اور دو مؤنث ہوں کم از کم تو پھر زکوٰۃ واجب ہو گی اس سے کم میں نہیں بھائی۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۹۹: فَصْلٌ، وَلَيْسَ فِي الْفُصْلَانِ وَالْعَجَاجِيلِ وَالْحُمْ...

ہدایہ صفحہ: ۲۰۷ — بتاریخ: ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ، وَلَيْسَ فِي الْفُصْلَانِ وَالعَجَاجِيلِ وَالحُمْلَانِ صَدَقَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَهَا كِبَارٌ، وَهٰذَا آخِرُ أَقْوَالِهِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَكَانَ يَقُولُ أَوَّلًا يَجِبُ فِيهَا مَا يَجِبُ فِي المَسَانِّ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَمَالِكٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، ثُمَّ رَجَعَ وَقَالَ فِيهَا وَاحِدٌ مِنْهَا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ۔ [1]

فَصْلٌ، وَلَيْسَ فِي الْفُصْلَانِ وَالعَجَاجِيلِ وَالحُمْلَانِ صَدَقَةٌ۔ فُصْلَان یاد رکھیے جمع ہے فصیل کی، فصیل۔ اور فصیل اونٹ کا وہ بچہ جس کا ابھی ایک سال پورا نہ ہوا ہو۔ ایک سال پورا ہو جائے تو آپ نے پڑھا اس کو بنتِ مخاض یا ابنِ مخاض کہتے ہیں۔ البتہ ایک سال ابھی پورا نہیں ہوا، اس سے چھوٹا ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ فصیل۔ یعنی پہلے سال کے اندر ابھی چل رہا ہو اونٹ کا بچہ، وہ فصیل ہے۔ عجاجیل جمع ہے **عِجْلٌ** کی اور **عِجْلٌ** جو ہے وہ گائے بیل کا بچہ جو ابھی پہلے سال میں چل رہا ہو، ایک سال پورا نہ ہوا ہو۔ ایک سال پورا ہو جائے تو پھر اس کو تبیع یا تبیعۃ کہتے ہیں بھائی۔ اور حملان بھائی، حملان جمع ہے **حَمَلٌ** کی، حا اور میم دونوں پر فتحہ ہے۔ تو حملان جمع ہے حمل کی اور حمل جو ہے وہ بھیڑ بکری کا بچہ پہلے سال کے اندر بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس کے بچے کو حمل کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں **وَلَيْسَ فِي الْفُصْلَانِ وَالعَجَاجِيلِ وَالحُمْلَانِ صَدَقَةٌ،** اونٹوں کے بچوں میں اور گائے بیل کے بچوں میں اور بکری کے بچوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ان کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہے **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ** رحمہ اللہ، امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک **إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَهَا كِبَارٌ** مگر یہ کہ ان کے ساتھ بڑے بھی ہوں، بڑے جانور بھی ساتھ ہوں۔ یہ تو ہیں بچے، ان کے ساتھ بڑے جانور بھی ہیں تو پھر اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہو گی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا صرف بچے ہیں جانور کے اور چھوٹے بچے، تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے امام صاحب کے نزدیک۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں **وَهٰذَا آخِرُ أَقْوَالِهِ** اور یہ امام صاحب کے آخری اقوال میں سے، یعنی یہ ان کا اخ ان کے اقوال میں سے یہ آخری ہے۔ یاد رکھیے اس سلسلے میں امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے تین اقوال ہیں، تین قول ہیں۔ یہ صرف جانوروں کے بچے ہیں، ان میں زکوٰۃ ہو گی یا زکوٰۃ نہیں ہو گی تو تین قول ہیں اس بارے میں۔ اور یہ سب سے آخری قول ہے ان کا، آخری قول ان کا یہ کہ صرف بچے ہوں تو ان کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی جب تک ان میں کوئی بڑا نہ ہو۔ اگر بڑے آ جائیں گے ساتھ، پھر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں **وَهٰذَا آخِرُ أَقْوَالِهِ** اور یہ ان کے اقوال میں سے آخری ہے **وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ** اور یہی امام محمد رحمہ اللہ کا قول بھی ہے **وَكَانَ يَقُولُ أَوَّلًا** اور پہلے امام صاحب فرماتے تھے **يَجِبُ فِيهَا مَا يَجِبُ فِي المَسَانِّ** کہ ان کے اندر بھی وہی واجب ہو گا جو مسنوں میں واجب ہوتا ہے۔ کس میں؟ مسنوں میں۔ **مَسَانّ** جمع ہے **مُسِنٌّ** کی اور **مُسِنّ** میں نے آپ کو بتلایا تھا بھائی، گذشتہ سبق میں تفصیل آئی تھی۔ کس جانور کو کہتے ہیں؟ جو پورا جانور ہے، جو بچہ نہیں رہا یعنی بڑا ہو گیا ہے۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں ان بچوں کے اندر بھی، پہلا قول کہ ان بچوں کے اندر بھی وہی واجب ہے جو بڑے جانوروں کے اندر ہے، بڑے جانوروں کے اندر ہے۔ تو یہ پہلا قول تھا **وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَمَالِكٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ** اور یہی قول ہے امام زفر کا اور امام مالک رحمہما اللہ کا۔ **ثُمَّ رَجَعَ** پھر اس پہلے قول سے امام صاحب نے رجوع فرمایا

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۳۳): «والعجاجيل صدقة فصل وليس في الفصلان والحملان والعجاجيل»۔ • شاملہ (ص ۱۳۳) میں «وَاحِدٌ» کے بجائے «واحدة» درج ہے۔

وَقَالَ اور فرمایا **فِيهَا وَاحِدٌ مِنْهَا** ان میں انہی کا انہی سے انہی میں سے ایک ہے، یعنی بچوں میں انہی کی طرح کا ایک بچہ واجب ہو گا **وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ** اور یہی قول ہے امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کا۔

تو تین قول آ گئے امام صاحب کے۔ پہلا قول ان کا کیا تھا؟ کہ ان بچوں میں بھی وہی واجب ہو گا جو کس میں واجب ہوتا ہے؟ بڑے جانوروں میں واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا مثلاً بکری کے ایک سال سے چھوٹے چالیس بچے ہیں تو ان میں کیا واجب ہو گا؟ ایک بھیڑ بکری واجب ہو جائے گی بھائی، ایک بھیڑ بکری۔ بچہ نہیں، بھیڑ بکری پوری۔ جو بڑوں میں واجب ہوتا ہے، وہی بچوں میں بھی ہو گا۔ یہ پہلا قول۔ پھر اس سے رجوع فرمایا اور فرمایا کہ ان کے اندر انہی میں سے ایک واجب ہو گا یعنی بڑا جانور نہیں بلکہ ایک بچہ انہی میں سے ایک واجب ہو گا۔ تو پہلا قول کیا تھا؟ بڑا جانور ان میں واجب ہو گا اور دوسرا قول کیا آیا؟ بچوں میں سے ایک بچہ واجب ہو گا اور پھر اس سے بھی رجوع فرمایا، تیسرا اور آخری قول کہ ان میں کچھ بھی واجب نہیں ہے جب تک ان کے ساتھ بڑا کوئی جانور نہ ہو، ایک آ جائے، دو آ جائیں، تین، جتنے ساتھ کوئی بڑے جانور آ جائیں گے تو پھر ان کے اندر زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

تو امام صاحب کے تین قول ہوئے اور ان کی ترتیب یاد رکھنی ہے آپ نے۔ آگے صاحبِ ہدایہ ترتیب سے ان کی وجوہات ذکر کریں گے کہ پہلا قول یوں فرمایا تھا، اس کی دلیل کیا ہے، کس وجہ سے؟ دوسرا قول، دوسرے قول کی طرف گئے، اس کی کیا وجہ ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ اور پھر تیسرے قول کی طرف چلے گئے، اس کی کیا دلیل ہے؟ تو امام صاحب سے تین قول ہیں اور کوئی بھی بغیر دلیل کے نہیں ہے، کس کے ساتھ ہیں؟ دلیل کے ساتھ ہیں بھائی، دلیل کے ساتھ ہیں۔

تو کہتے ہیں آگے دیکھیے بھائی، **وَوَجْهُ قَوْلِهِ الْأَوَّلِ** امام صاحب کے پہلے قول کی وجہ یہ ہے، پہلا قول کون سا؟ بھائی ایک تو قول وہ کتاب میں ذکر ہے، کتاب میں تو پہلا قول کیا ذکر ہے؟ جو متن میں آ گیا کہ بچوں کے اندر زکوٰۃ ہے ہی نہیں۔ لیکن یہ نہیں، بلکہ امام صاحب کا پہ یہ تو آخری قول ہے ان کا، پہلا قول کیا تھا؟ کہ بچوں میں ایک بڑا ہی جانور ہو گا جیسے بڑوں کے اندر چالیس بھیڑ بکریاں ہوں تو ایک پوری بکری دینا پڑتی ہے، تو چالیس بکری کے بچے ہوں تو ان میں بھی کیا کرنا پڑے گا؟ ایک پوری بکری واجب ہو گی۔ وہ پہلا قول ہے، اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں **وَوَجْهُ قَوْلِهِ الْأَوَّلِ** امام صاحب کے پہلے قول کی وجہ یہ ہے **أَنَّ الِاسْمَ الْمَذْكُورَ فِي الْخِطَابِ يَنْتَظِمُ الصِّغَارَ وَالْكِبَارَ** کہ وہ اسم، وہ نام جو ذکر ہے **فِي الْخِطَابِ** کس کے اندر؟ خطاب کے اندر، وہ شامل ہے چھوٹوں کو بھی اور بڑوں کو بھی۔

امام صاحب فرماتے ہیں خطاب کے اندر جو نام ذکر ہے یعنی خطاب میں کیا ذکر ہے؟ حضور علیہ السلام نے جو فرمان روانہ فرمائے، جو احکام دیے، اس میں کیا ذکر ہے؟ وہاں ابل کا لفظ ذکر ہے اور ابل چھوٹے بڑے سب کو شامل ہوتا ہے، سب پر بولا جاتا ہے۔ وہاں بقر کا لفظ ہے اور بقر کا لفظ چھوٹے بڑے سب پر بولا جاتا ہے۔ وہاں غنم کا لفظ ہے اور غنم کا لفظ چھوٹے بڑے سب پر شامل ہو سب پر بولا جاتا ہے۔ تو جب یہ لفظ سب کو شامل ہیں تو سب کے اندر زکوٰۃ آئے گی۔ بڑوں کے اندر جیسے زکوٰۃ آتی تھی تو صرف چھوٹے ہی بچے کیوں نہ ہوں، ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے **أَنَّ الِاسْمَ الْمَذْكُورَ فِي** بھائی خطاب، خطاب کا لفظ اور بھی کتابوں وغیرہ میں آتا ہے، خطاب کسے کہتے ہیں میں پہلے بیان کر چکا ہوں، کسے کہتے ہیں؟ خطاب وہ کلام جو دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر کیا جائے جیسے اب میں یہ آپ کے سامنے آپ کی طرف متوجہ ہو کر آپ سے کلام کر رہا ہوں، تقریر کر رہا ہوں، یہ بھی کیا ہے؟ خطاب ہے۔ تو اسی طرح حضور علیہ السلام نے جو خطوط روانہ فرمائے اور ان میں ان کو خطاب کیا اور ان سے کہا کہ اس میں اتنی زکوٰۃ لو، اس میں اتنی زکوٰۃ لو، تو وہاں پر جو خطاب کے اندر جو نام ذکر تھے وہ ابل، بقر اور غنم، وہ **يَنْتَظِمُ الصِّغَارَ وَالْكِبَارَ،** وہ چھوٹوں کو بھی شامل ہیں اور بڑوں کو بھی۔ تو اس وجہ سے سب پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَوَجْهُ الثَّانِي اور دوسرے قول کی وجہ، دوسرا قول کیا تھا؟ بچوں میں سے ایک بچہ ہی ہو گا۔ **تَحْقِيقُ النَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ** دونوں جانب میں نظر کرتے ہوئے، دونوں جانبوں پر نظر کرتے ہوئے یعنی دونوں جانبوں کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ تو اس لیے فرمایا بچوں کے اندر ایک بچہ ہی واجب ہو گا۔ دونوں جانبوں کا کیسے لحاظ ہے؟ بھائی دیکھیے، ایک ہے زکوٰۃ دینے والا اور ایک ہے زکوٰۃ لینے والا، دونوں کی رعایت ہے۔ بچوں کے اندر اگر بڑا جانور واجب کیا جائے تو باقی بیچارے کے پاس سارے بچے ہیں اور آپ اس پر کیا واجب کر رہے ہیں؟ بڑا جانور، تو وہ تو اعلیٰ اور عمدہ ہوا تو اس بیچارے کا نقصان ہے۔ اور اگر آپ یہ کہتے ہیں بچوں کے اندر کچھ بھی واجب نہیں ہے تو پھر فقیروں کا نقصان ہے، ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ تو لہٰذا کیا کہا گیا؟ کہ بچوں میں انہی جیسا ایک بچہ واجب ہو گا تو اس میں دونوں کی رعایت، مالک کا بھی کوئی نقصان نہیں اور فقراء کا بھی نقصان نہیں۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ یہ معنی ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ **تَحْقِيقُ النَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ،** تحقیق کا معنی ہے ثابت کرنا، نظر کا معنی ہے لحاظ بھائی، لحاظ کرنا۔ تو اس لیے کیونکہ اس کے اندر دونوں جانبوں کے لحاظ کو ثابت کرنا ہے، اس میں کیا ہے؟ دونوں جانبوں کا یعنی لحاظ ہو گا ان کا خیال رکھتے ہوئے۔

كَمَا يَجِبُ فِي الْمَهَازِيلِ وَاحِدٌ مِنْهَا، مَهَازِيل جمع ہے مہزول کی، مہزول کہتے ہیں کمزور بھائی، لاغر، لاغر۔ مثلاً جیسے بھائی ایک آدمی ہے، اس کے پاس جانور تو ہیں، جانور۔ اب آپ کو آگے بتلائیں گے کہ زکوٰۃ کے اندر متوسط درجے کا جانور لیا جائے گا، نہ بہت ادنیٰ، نہ بہت اعلیٰ، بلکہ کس قسم کا؟ متوسط درجے کا جانور لیا۔ مثلاً بھائی ایک شخص پر بنتِ لبون واجب ہو رہا ہے تو اب بنتِ لبون ایک ہے بہت اعلیٰ، صحت مند قسم کا اور ایک ہے بڑا ہی کمزور قسم کا تو وہ اعلیٰ بھی نہیں لیں گے کیونکہ اس میں مالک بیچارے کا نقصان اور بالکل ادنیٰ بھی نہیں لیں گے کیونکہ اس میں فقراء کا نقصان ہے بلکہ متوسط درجے کا بنتِ لبون لیں گے اس سے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

كَمَا يَجِبُ فِي الْمَهَازِيلِ تو کہتے ہیں بھائی ایک آدمی ہے مثلاً اور اس کے پاس صرف کمزور اور لاغر جانور ہیں، کمزور اور لاغر جانور ہیں۔ تو زکوٰۃ میں تو متوسط

درجے کا جانور لیا جاتا ہے تو اب اب اگر اس سے متوسط درجے کا لیں گے تو اس کا بیچارے کا نقصان ہے، اس کے پاس تو سارے لاغر جانور ہیں۔ اس کے اپنے پاس جب لاغر ہیں تو انہی جب سارے جانور لاغر ہیں تو انہی میں سے انہی جیسا ایک جانور زکوۃ میں لے لیا جائے گا۔ اب یہاں پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ کس طرح کا جانور لے کر آؤ؟ متوسط درجے کا لے کر آؤ۔ تو جیسے وہاں پر انہی لاغروں میں سے ایک لاغر جانور زکوۃ کے طور پر واجب ہو گا تو اس میں دونوں کی رعایت ہو گئی۔ مالک سے اگر اعلیٰ لیں گے متوسط درجے کا، وہ اس کے لیے تو اعلیٰ ہو گیا تو اس کا نقصان۔ اور اگر کچھ بھی نہیں لیں گے تو کس کا نقصان؟ فقراء کا۔ تو جیسے کمزور جانوروں میں انہی جیسا ایک واجب ہوتا ہے، اسی طرح بچوں کے اندر بھی انہی جیسا ایک بچہ واجب ہو جائے گا۔

یہ معنی ہے **كَمَا يَجِبُ فِي الْمَهَازِيلِ وَاحِدٌ مِنْهَا** جیسے کہ واجب ہوتا ہے لاغر جانوروں میں انہی میں سے ایک۔ **وَوَجْهُ الْأَخِيرِ** اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے، آخری قول کی وجہ یہ ہے۔ آخری قول جو متن میں آیا تھا کہ صرف بچے ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے **أَنَّ الْمَقَادِيرَ لَا يَدْخُلُهَا الْقِيَاسُ** کہ مقداریں جو ہیں، ان میں قیاس کا دخل نہیں ہے جیسے میں نے بیان کر دیا کہ مقداروں کا پتا قیاس سے نہیں چل سکتا بلکہ اس کا پتا سماع سے یعنی صرف حضور علیہ السلام سے سن کر ہی پتا چل سکتا ہے کہ مثلاً پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہونی چاہیے، اس اور تو کتنے اونٹوں میں ہونی چاہیے اور کتنی مقدار ہونی چاہیے؟ اس کا پتا عقل سے نہیں۔ تیس گائے بیل ہیں، ان میں ایک تبیع یا تبیعہ واجب ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ عقل سے پتا نہیں چل سکتا کہ دس گائے بیل پر عقل تو کہے گی دس میں بھی واجب ہونا چاہیے یا ایک دوسرے کی عقل کیا کہے گی؟ بیس میں بھی واجب ہونا چاہیے۔ تو عقل کے ذریعے تو کسی فیصلے پر انسان نہیں پہنچ سکتا یہاں۔ تو یہاں جو مقداریں ہیں، ان میں قیاس کا دخل نہیں ہے، اس کا پتا سماع سے ہو گا۔

تو کہتے ہیں آخری قول کی وجہ یہ ہے **أَنَّ الْمَقَادِيرَ لَا يَدْخُلُهَا الْقِيَاسُ** کہ مقداریں جو ہیں، ان میں قیاس کا دخل نہیں ہے **فَإِذَا امْتَنَعَ إِيجَابُ مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ** پس جب ممتنع ہوا اس چیز کو واجب کرنا جس جو شریعت میں آیا ہے **امْتَنَعَ أَصْلًا** تو ممتنع ہو جائے گا ایجاب اصلاً، سرے سے ہی ایجاب ہو گا ہی نہیں یعنی زکوۃ آئے گی نہیں۔

اچھا بھائی، دیکھیے بھائی پھر تفصیل سن لیجیے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں تین اقوال ہیں، تین اقوال ہیں۔ پہلا قول ان کا یہ تھا کہ ان بچوں کے اندر بھی وہی جانور واجب ہو گا جو بڑے جانوروں میں واجب ہوتا ہے، بڑے جانوروں میں۔ لیکن پھر آپ نے اس قول سے رجوع فرما لیا۔ وجہ اس کی یہ کیونکہ بڑے جانور کی تو قیمت زیادہ ہے تو اس میں دینے والے کا نقصان ہے بلکہ بعض اوقات بڑے جانور کی قیمت ان سارے بچوں کے برابر یا اس سے بھی زائد ہو جاتی ہے تو پھر تو گویا سارا مال ہی زکوۃ میں دینا لازم آتا ہے، تو اس وجہ سے امام صاحب نے اس قول سے پھر رجوع فرما لیا، رجوع فرما لیا۔ کیونکہ یہ سارے بچے ہیں اور وہ بڑا جانور ہے، بڑے جانور کی تو قیمت زیادہ ہو گی اور بعض اوقات بہت اچھا ہے تو پھر اس کی قیمت سارے بچوں کے برابر یا اس کے لگ بھگ ہو جائے گی تو زکوۃ میں تو چالیسواں حصہ دیا جاتا ہے، یہ نہیں کہ سارا مال ہی زکوۃ میں دیا جائے اور نیز زکوۃ میں متوسط مال دیا جاتا ہے، اعلیٰ مال نہیں دیا جاتا تو اس لیے امام صاحب نے اس قول سے رجوع فرمایا کیونکہ اس کے اندر یا تو عمدہ مال دینا لازم آتا ہے یا بعض اوقات پورا مال ہی گویا دے رہا ہے جب بڑا جانور دے رہا ہے کیونکہ سارے بچوں کے برابر اس کی قیمت ہو گئی۔

اور پھر کس کی کس قول کی طرف رجوع فرمایا؟ کہ بچوں میں انہی کی طرح ایک بچہ واجب ہو گا تاکہ دونوں کی رعایت ہو جائے، مالکین مال کی بھی جو مال کے مالک ہیں اور فقراء کی بھی رعایت ہو جائے۔ لیکن پھر اس قول سے بھی رجوع فرمایا، اس قول سے بھی۔ یہ دوسرا قول کیا تھا؟ کہ بچوں میں سے کیا دینا پڑے گا؟ ایک بچہ ہی دینا پڑے گا۔ لیکن اس سے رجوع فرمایا، اس لیے کیونکہ شریعت نے جو زکوۃ کی مقداریں بیان کی ہیں، وہاں کہیں بھی زکوۃ کے اندر بچہ دینے کا حکم نہیں ہے۔ ایک سال سے بڑے جانور ہیں ہر جگہ پر۔ اور یہاں بات ہو رہی ہے وہ بچے جو ایک سال کے پورے ابھی نہیں ہوئے، پہلے سال میں چل رہے ہیں۔ تو شریعت میں چونکہ کہیں پر بھی کسی بھی جانور کے اندر اونٹ، گائے، بیل، بکری میں بچوں کے دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ بڑے جانور کے کچھ عمر ہو پھر دینے کا حکم ہے، تو لہٰذا اس قول سے بھی پھر آپ نے اس لیے رجوع فرما لیا کہ بچہ کیونکہ تو زکوۃ میں نہیں دیا جاتا بلکہ کم از کم ایک سال والا جانور دیا جاتا ہے۔ تو اس لیے اس قول سے بھی رجوع فرمایا، کس قول کی طرف؟ تیسرے قول کی طرف، کہ بچوں میں کچھ واجب ہی نہیں ہے، کچھ واجب ہی نہیں۔

اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مقداریں جو ہیں، ان میں قیاس کا دخل نہیں ہے، قیاس سے ان کا پتا نہیں چل سکتا بلکہ اس کا پتا صرف کس سے چلے گا؟ سماع سے یعنی احادیث وغیرہ سے۔ احادیث وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں ذکر نہیں ہے اور جو چیزیں شریعت نے ذکر کی ہیں کہ زکوۃ کے طور پر گائے بیل تیس ہو جائیں تو کیا ادا کرو؟ تبیع یا تبیعہ یعنی ایک سال سے بڑے جانور، وہ ہم یہاں واجب نہیں کر سکتے۔ اونٹ میں مثلاً پچیس اونٹ ہوں تو اس میں کیا دینا پڑتا ہے؟ بنتِ مخاض دینا پڑتا ہے، بنتِ مخاض۔ تو اگر پچیس بچوں کے اندر ایک بنتِ مخاض کو واجب قرار دے دیا جائے پھر تو اس صورت میں اس مالک کا کیا ہو گا؟ نقصان ہو گا، اعلیٰ مال دینا پڑے گا بھائی اس کو، اعلیٰ مال اور حالانکہ زکوۃ کے اندر تو اعلیٰ مال نہیں بلکہ متوسط درجے کا مال دینا پڑتا ہے۔ لہٰذا بنتِ مخاض تو ہم یہاں واجب نہیں کر سکتے۔ یا اسی طرح گائے بیل کے اندر اگر تیس بچے ہو جائیں اور ہم اس میں کہیں تبیعہ دینا پڑے گا، بھائی وہ ہیں سارے بچے اور تبیعہ تو ایک سال والا ہے تو وہ ان سے بڑا ہوا تو اعلیٰ مال دینا لازم آیا۔ یا بھیڑ بکریوں کے اندر اگر ہم ایک بھیڑ بکری دینے کا حکم دیں تو پھر وہ تو باقی تو ہیں سارے بچے اور حکم زکوۃ کیا واجب کی جا رہی ہے؟ ایک پوری بھیڑ بکری، تو اس صورت میں کیا دینا لازم آئے گا؟ اعلیٰ مال دینا لازم آئے گا حالانکہ اعلیٰ تو زکوۃ میں نہیں دیا جاتا بلکہ متوسط دیا جاتا ہے۔

تو معلوم ہوا جو جن چیزوں کا حکم شریعت نے دیا تھا، جو چیزیں شریعت نے واجب کی تھیں وہ یہاں پر نہیں آسکتیں کیونکہ اس صورت میں کس کا نقصان ہے؟ مالک کا نقصان ہے۔ اور بچوں میں سے بھی ایک ہم واجب نہیں کرسکتے کیونکہ بچوں کی ادائیگی کا تو کہیں بھی شریعت نے حکم نہیں دیا۔ تو معلوم ہوا شریعت نے جس چیز کا حکم دیا تھا وہ واجب نہیں کرسکتے تو کوئی اور چیز بھی اپنی طرف سے واجب نہیں کرسکتے تو اس میں ایجاب ہی ممتنع ہو جائے گا، اس میں کوئی چیز واجب قرار نہیں دی جاسکتی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ جس چیز کا شریعت نے حکم دیا ہے، جب وہ نہیں واجب قرار دی جاسکتی تو ایجاب ہی یہاں کیا ہو جائے گا سرے سے؟ ممتنع، یعنی کوئی اور چیز بھی اپنی رائے کے ذریعے واجب قرار نہیں دی جاسکتی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ سنیے بھائی، **وَوَجْهُ الْأَخِيرِ** آخری قول کی وجہ یہ ہے **أَنَّ الْمَقَادِيرَ لَا يَدْخُلُهَا الْقِيَاسُ** کہ مقداریں جو ہیں، ان میں قیاس کا دخل نہیں ہے **فَإِذَا امْتَنَعَ إِيجَابُ مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ** پس جب ممکن نہ رہا اس چیز کو واجب کرنا جس کے ساتھ شریعت آئی ہے یعنی جس کے شریعت نے حکم دیا ہے **امْتَنَعَ أَصْلًا** تو ایجاب ہی ممتنع ہو جائے گا، ممکن نہ رہے گا سرے سے، یعنی قطعی یعنی قطعی طور پر ایجاب ہی ممتنع ہو جائے گا یعنی کوئی چیز وہاں پر واجب قرار نہیں دی جاسکتی اپنی رائے کے ذریعے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟ دلیل یہ ہوئی کہ وہ چیز واجب کرو جو شریعت نے واجب کی ہے کیونکہ قیاس کا اس میں دخل نہیں ہے۔ اور جب قیاس کا دخل نہیں ہے اور جو چیز شریعت نے واجب کی ہے وہ تو واجب کر نہیں سکتے، جب وہ نہیں واجب کرسکتے تو اپنی رائے کے ذریعے، ابھی تو بتایا قیاس کا اس میں دخل نہیں تو اپنی رائے سے کوئی چیز اور چیز بھی واجب نہیں کرسکتے۔ تو جب شریعت کی واجب کی ہوئی چیز بھی نہیں کرسکتے، اپنی عقل سے بھی کوئی چیز واجب نہیں کرسکتے تو معلوم ہوا اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوگی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے کہ **امْتَنَعَ أَصْلًا** تو ایجاب ہی ممتنع ہو جائے گا قطعی طور پر یعنی ممکن نہ رہے گا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ بات چل رہی ہے اونٹ، گائے بیل اور بکری کے ایک سال کے کم ایک سال سے کم بچوں کے اندر کیا زکوٰۃ واجب ہوگی یا زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؟ اور آپ نے پڑھ لیا کہ صرف یہ بچے ہوں تو ان کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ تو دی جاتی ہے سال کے پورا ہونے کے بعد جب سال گزر جائے۔ اور جب یہ بچے اگر کسی کے پاس ہیں بھی، وہ صرف بچے خرید لیتا ہے تو جب سال گزرے گا تو وہ اب بچے رہے؟ نہیں، وہ تو بچے نہیں، وہ تو بڑے ہو گئے، سال سے زیادہ ہو گئی ان کی عمریں، جب سال سے زیادہ ہو گئیں پھر تو ان کے اندر کیا ہونی چاہیے؟ زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے، پھر تو وہ پھر تو وہ بچے رہے ہی نہیں تو پھر اس کا کیا معنی کہ بچوں میں زکوٰۃ ہے یا زکوٰۃ نہیں ہے؟ تو جواب یہ کہ بھئی یہ ممکن ہے، اس کی صورت بھائی، ہمارے فقہاء، فقہاء پر اللہ کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے، ہر ہر امکانی صورت انہوں نے ذکر کر دی۔ مثلاً ایک آدمی ہے، اس کے پاس بہت سے جانور تھے۔ سال کا اختتام جب آیا، سال پورا ہونے والا ہے، بڑے سارے جانور مر گئے، فرض کریں کوئی صورت ہوئی اور صرف کیا رہ گئے؟ بچے رہ گئے۔ تو اب صورت بن گئی یا نہیں بن گئی؟ جی، تو اب ان میں زکوٰۃ ہوگی یا زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

اچھا، اب دیکھیے آگے، **وَإِذَا كَانَ فِيهَا وَاحِدَةٌ مِنَ الْمَسَانِّ**، تو انہوں نے مسئلہ بتلا دیا بھائی کہ صرف بچے ہوں تو ان کے اندر زکوٰۃ نہیں لیکن اگر ان کے ساتھ کوئی بڑا آجائے پھر ان کے اندر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، یعنی یہ بچے اس بڑے کے تابع ہو جائیں گے نصاب کے پورا ہونے میں۔ کس چیز میں؟ مثلاً ایک آدمی کے پاس اب اس صورت میں ایک بڑا جانور ہے، مثلاً ایک بکری ہے اور باقی انتالیس بکری کے چھوٹے بچے ہیں۔ ایک بکری ہے اور انتالیس کیا ہیں؟ چھوٹے بچے۔ تو یہ بچے، صرف بچوں میں تو زکوٰۃ نہیں لیکن یہ بچے اب اس بڑے کے تابع ہو جائیں گے نصاب کے شمار کرنے میں اور جب اس کے تابع ہوئے تو ان کو بھی گویا کیا شمار کرو؟ بڑا جانور شمار کرو اور نصاب اس کے ساتھ ملا کر پورا ہو جائے گا۔ کتنے بکریاں ہو گئیں؟ چالیس ہو گئیں تو سال پورا ہوا، اب ان میں زکوٰۃ دی جائے گی۔

تو یہ نصاب کے شمار کرنے میں تو بڑے کے تابع ہوں گے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی میں بڑے کے تابع نہیں ہوں گے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ زکوٰۃ کے شمار کرنے میں بڑے کے تابع ہو گئے، ان کو بھی کیا شمار کر لو؟ بڑا، لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی میں ان کو بڑے کے تابع نہیں کرنا یعنی یہ نہ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک بچہ ہی زکوٰۃ کے طور پر دے دو اور اس کو بڑا سمجھ لو۔ کیا سمجھ لو؟ بڑا، کس کے تابع کر دیا؟ بڑے جانور کے تابع کرتے ہوئے ہم نے چھوٹوں کو بھی کیا شمار کیا تھا؟ بڑا ہی شمار کیا تھا، لیکن ادائے زکوٰۃ کے اندر چھوٹے کو بھی بڑا شمار کرتے ہوئے اس کے ذریعے زکوٰۃ ادا کر دی جائے؟ کہتے ہیں نہیں، ادائیگی کے اندر یہ اس کے تابع نہیں ہوں گے البتہ شمار کرنے میں اس بڑے کے تابع ہو جائیں گے۔ ادائیگی کے اندر بڑا ہی جانور دینا پڑے گا جو جتنا واجب ہوا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے، کہتے ہیں **وَإِذَا كَانَ فِيهَا وَاحِدَةٌ مِنَ الْمَسَانِّ**، مسان میں نے بتایا کس کی جمع؟ مسن کی، اور بڑے جانور کو کہتے ہیں۔ پس جب ان چھوٹے بچوں کے اندر کوئی ایک بڑا جانور ہو **جُعِلَ الْكُلُّ تَبَعًا لَهُ** تو وہ سارے چھوٹے جانور جو ہیں، اس بڑے کے تابع ہو جائیں گے **فِي انْعِقَادِهَا نِصَابًا** اس کے نصاب منعقد ہونے کے اندر کہ نصاب پورا ہو جائے **دُونَ تَأْدِيَةِ الزَّكَاةِ** نہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں، اس میں اس کے بڑے کے تابع نہیں ہوں گے بھائی۔

ثُمَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ فِيمَا دُونَ الْأَرْبَعِينَ مِنَ الْحُمْلَانِ وَفِيمَا دُونَ الثَّلَاثِينَ مِنَ الْعَجَاجِيلِ۔ اچھا بھائی، تین قول آگئے۔ امام محمد رحمہ اللہ امام صاحب کے ساتھ ہیں جو قول ان کا آخری ہے اس کے اندر، اور تو امام صاحب کا آخری قول کیا ہوا؟ بچوں میں صرف زکوٰۃ نہیں، اور اس میں امام محمد رحمہ اللہ بھی ان کے ساتھ ہیں، ان کے نزدیک بھی زکوٰۃ ان بچوں میں واجب نہیں اور صرف کون رہ گئے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ، اور ان کے نزدیک بچوں میں

سے ایک بچہ ہی دینا پڑے گا، بچوں میں سے ایک بچہ ہی دینا پڑے گا۔ تو ان کے اب قول کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں کہ کس طرح دیں گے اور کیا اس کی صورت ہو گی۔

تو کہتے ہیں **ثُمَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ** پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک **لَا يَجِبُ فِيمَا دُونَ الأَرْبَعِينَ مِنَ الحُمْلَانِ** کہ چالیس سے کم جو بکری کے بچے ہیں، ان میں کچھ واجب نہیں کیونکہ چالیس سے کم بکریاں بڑی ہوتی تھیں تو ان میں کچھ واجب نہیں ہوتا تھا تو بچوں کے اندر بھی واجب نہیں۔ **وَفِيمَا دُونَ الثَّلَاثِينَ مِنَ العَجَاجِيلِ** اور اسی طرح تیس سے کم جو گائے بیل کے بچے ہیں، ان میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ تیس سے کم تو بڑے جانور ہوتے تھے تو سائمۃ تو ان کے اندر زکوٰۃ نہیں تھی تو ان کے بچوں میں بھی اس سے کم نہیں، ہاں تیس میں ہو گی۔

وَيَجِبُ فِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الفُصْلَانِ وَاحِدٌ اور پچیس اونٹ کے بچے ہوں تو ان میں ایک واجب ہو گا، پچیس میں ایک واجب ہو گا پچیس اونٹوں میں کیونکہ پچیس بڑے اونٹ ہوتے تھے تو ان میں ایک اونٹ آتا تھا، کون سا والا اونٹ آتا تھا؟ بنتِ مخاض، اس سے نیچے تو بکریوں کا ذکر تھا تو پچیس اونٹوں میں کیا آتا تھا؟ ایک بنتِ مخاض۔ اور یہاں پر پچیس بچے ہیں اور بچوں میں سے انہی جیسا ایک دینا ہے تو وہ کتنے میں آئے گا؟ پچیس ہی میں آئے گا۔ سمجھ میں آیا؟ جیسے وہاں پچیس بڑوں کے اندر ایک اونٹ آتا تھا لیکن وہاں تو آتا تھا بنتِ مخاض، یہاں بھی پچیس بچوں کے اندر انہی جیسا ایک بچہ دیا جائے گا۔

تو کہتے ہیں یہ معنی ہے **وَيَجِبُ فِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الفُصْلَانِ وَاحِدٌ** اور واجب ہو گا پچیس اونٹ کے بچوں میں ایک **ثُمَّ لَا يَجِبُ شَيْءٌ** پھر اس کے بعد کوئی چیز واجب نہیں ہو گی **حَتَّى تَبْلُغَ مَبْلَغًا لَوْ كَانَتْ مَسَانَّ يُثَنَّى الوَاجِبُ**۔ توجہ ہے ادھر بھائی؟ پچیس اونٹ کے بچوں میں انہی جیسا ایک بچہ دینا پڑے گا کس کے نزدیک؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے۔ پچیس سے اوپر جائیں گے تو کہتے ہیں اوپر کچھ بھی واجب نہیں یہاں تک کہ ہم اس حد کو پہنچ جائیں جہاں دو بچے واجب ہوتے تھے، کس حد کو پہنچ جائیں؟ جہاں دو بچے واجب ہوتے تھے۔ وہ نقشہ سامنے رکھیے بھائی، کہاں جا کر دو بچے واجب ہو رہے ہیں؟ جی؟ بھائی چھتیس میں تو بنتِ لبون ایک ہی ہے، چھیالیس میں بھی حقہ ایک ہی ہے، اکسٹھ میں بھی جذعہ ایک ہی ہے۔ نقشہ سامنے رکھیں اونٹوں کی زکوٰۃ والا۔ چھہتر میں جا کر دو بنتِ لبون تھے تو وہ فرماتے ہیں کہ پچیس میں ایک بچہ اور پچیس سے اوپر کچھ بھی واجب نہیں یہاں تک کہ کس حد کو ہم پہنچ جائیں؟ جہاں دو بچے واجب جہاں دو جانور واجب ہوتے تھے اور بڑوں میں دو جانور کہاں واجب ہوتے تھے؟ چھہتر جب اونٹ ہو جاتے تھے تو دو بنتِ لبون ہوتے تھے، لہٰذا یہاں پر بھی جب چھہتر بچے ہو جائیں گے تو ان میں انہی جیسے دو بچے دینے پڑیں گے۔ دو بچے دینے پڑیں گے۔

اور پھر اس سے جب اوپر جائیں گے، اس سے اوپر جائیں گے تو پھر بھی اور کچھ واجب نہیں ہو گا یہاں تک کہ ہم اس حد کو پہنچ جائیں جہاں تین اونٹ واجب ہوتے تھے، جہاں اور تین کہاں واجب ہوتے ہیں؟ بھائی دیکھیے، ایک سو بیس میں بھی دو حقے ہی ہیں، لہٰذا یہاں اسی طرح سلسلہ چلے گا، ہاں ایک سو پچاس میں جا کر تین حقے واجب ہوتے تھے تو یہ فرماتے ہیں ایک سو پچاس جب بچے ہوں گے تو ان میں انہی جیسے تین بچے دینے پڑیں گے۔ پھر اسی طرح سلسلہ چلے گا جہاں چار آتے تھے، چار کہاں پر آتے تھے؟ ایک سو چھیانوے پر جا کر آتے تھے، چار حقے ہوتے تھے تو یہاں بھی ایک سو چھیانوے جب بچے ہوں گے تو انہی جیسے چار واجب واجب ہوں گے۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے کہ **وَيَجِبُ فِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الفُصْلَانِ وَاحِدٌ** اور پچیس اونٹ کے بچوں میں ایک واجب ہو گا **ثُمَّ لَا يَجِبُ شَيْءٌ** پھر اس کے بعد کوئی چیز واجب نہیں ہو گی **حَتَّى تَبْلُغَ مَبْلَغًا** یہاں تک کہ وہ اس حد کو پہنچ جائیں **لَوْ كَانَتْ مَسَانَّ** یہاں تک کہ اگر وہ کیا ہوتے؟ بڑے ہوتے **يُثَنَّى الوَاجِبُ**، ان میں واجب کو کیا کیا جاتا ہے؟ دگنا کیا جاتا ہے یعنی جہاں دو جانور لیے جاتے ہیں اس حد کو پہنچ جائیں، اس حد کو پہنچ جائیں کہ اگر بڑے ہوتے تو واجب کتنا ہوتا؟ دگنا ہوتا، اور وہ کتنے میں جا کر ہوتا ہے؟ چھہتر میں۔ تو یہ معنی ہے **حَتَّى تَبْلُغَ مَبْلَغًا لَوْ كَانَتْ مَسَانَّ يُثَنَّى الوَاجِبُ** یہاں تک کہ اس حد کو پہنچ جائیں کہ اگر بڑے ہوتے تو ان میں واجب دگنا ہوتا۔ **مَسَانَّ** یاد رکھیے بھائی یہ کان کی خبر ہے اور غیر منصرف ہے۔ کیا ہے؟ غیر، **لَوْ كَانَتْ مَسَانَّ**، مسان۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ کیونکہ جمع منتہی الجموع کا وزن ہے نا، دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ تو **لَوْ كَانَتْ مَسَانَّ** اگر وہ بڑے ہوتے تو دگنا واجب ہوتا۔ **ثُمَّ لَا يَجِبُ شَيْءٌ** پھر کوئی چیز واجب نہیں ہو گی اوپر والوں میں **حَتَّى تَبْلُغَ مَبْلَغًا لَوْ كَانَتْ مَسَانَّ يُثَلَّثُ الوَاجِبُ** یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں اس اس حد کو کہ اگر بڑے ہوتے تو واجب تین گنا ہوتا یعنی تین جانور ہوتے اور وہ کتنے میں ہے؟ ایک سو پچاس میں۔

وَلَا يَجِبُ فِيمَا دُونَ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ فِي رِوَايَةٍ۔ اب پچیس اونٹ کے بچے ہوں تو ان میں انہی جیسا ایک جانور واجب ہے، چالیس بھیڑ بکریاں ہوں تو انہی میں انہی جیسا چالیس بچے ہوں تو انہی میں ایک بچہ واجب، تیس گائے بیل کے بچے ہوں تو ان میں انہی جیسا ایک واجب ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور یہ بھی پڑھ لیا کہ اس سے اوپر کچھ واجب نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس حد کو پہنچ جائیں جہاں کتنے جانور واجب ہوتے ہیں؟ دو۔ اور پھر اس سے اوپر کچھ نہیں واجب ہوتا یہاں تک کہ اس حد کو پہنچ جائیں جہاں پر کتنے واجب ہوتے ہیں؟ تین جانور واجب ہوتے ہیں۔

اچھا، اونٹوں کے اندر اب تفصیل تھی، پچیس اونٹوں میں تو ایک بنتِ مخاض آتا تھا، ایک اونٹ آتا تھا اونٹ کا بچہ۔ لیکن پچیس سے کم میں پانچ اونٹوں میں ایک بھیڑ بکری تھی، دس میں دو، پندرہ میں تین اور بیس میں چار، تو یہ بچے اگر پچیس سے کم ہوں تو ان کے اندر کچھ واجب ہو گا یا واجب نہیں؟ تو اس میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ کہ پچیس سے کم میں کچھ بھی واجب نہیں اور دوسری روایت یہ ہے کہ ان سے جو کم ہیں، ان کے اندر بھی ان کے اندر بھی واجب ہے، ان

میں بھی اسی طرح حساب لگائیں گے جیسے کس میں لگایا تھا؟ بڑے اونٹوں میں لگایا تھا۔

اچھا، ان میں پھر حساب کس طرح لگائیں گے؟ حساب کس طرح لگائیں گے؟ اس میں پھر دو روایتیں ہیں، اس میں پھر دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ کہ بھائی پچیس میں کیا واجب ہوا یہاں بچوں کے اندر؟ ایک بچہ ہی واجب ہوا ہے۔ جب پچیس میں ایک بچہ ہے تو پانچ میں اس بچے کا کتنا حصہ بنتا ہے؟ پانچواں حصہ بنتا ہے، گویا ہر پانچ پچیس میں پانچ پانچ کتنے ہیں؟ پانچ ہیں، تو ہر ایک میں ایک خمس یعنی پانچواں حصہ ہے اور سارا ملا کر ایک بچہ بن رہا ہے یعنی پچیس میں ایک بچہ ہے۔ تو پانچ اونٹوں پانچ بچوں میں اس فصیل کا پانچواں حصہ واجب ہو گا، فصیل کا پانچواں حصہ، وہ جو اونٹ کا بچہ ہے اسی کا پانچواں حصہ۔ دس کے اندر؟ پانچ میں ایک خمس ہے فصیل کا تو دس میں دو خمس، پندرہ میں تین خمس، بیس میں چار خمس اور پچیس میں پورا ایک بچہ واجب ہو جائے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ ایک روایت ہے کہ اس طریقے سے ان میں نکال۔ ایک روایت تو یہ تھی نا پچیس سے کم میں ہے ہی نہیں، دوسری روایت کیا ہے؟ پچیس سے کم میں بھی زکوۃ واجب، تو وہ اس طریقے سے ہو گا۔

اور اس میں میں نے بتایا ایک اور بھی روایت ہے، دوسری روایت یہ کہ پانچ سے کم میں دیکھو، فصیل کا پانچواں حصہ آتا ہے پانچ بچوں میں، کتنا؟ فصیل کا پانچواں حصہ، اور بڑوں میں کیا آتی تھی؟ ایک بکری آتی تھی۔ تو اب دونوں کو دیکھو، ان پانچ میں فصیل کا خمس آئے گا یا بھیڑ بکری آئے گی، دونوں کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا، جو کم ہو گا وہ واجب ہو گا۔ اگر فصیل کا پانچواں حصہ اس کی قیمت کم ہے اور بکری کی قیمت زیادہ، تو فصیل کا پانچواں حصہ آئے گا۔ اور اگر بکری کی قیمت کم ہے اور فصیل کے پانچویں حصے کی قیمت زیادہ ہے تو پھر بکری ان کے اندر واجب ہو گی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو اس میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں، وہ فرماتے ہیں پچیس سے کم میں کچھ بھی واجب نہیں جبکہ دوسری روایت ہے کہ اس کے اندر بھی واجب ہے۔ اور پھر کس طرح واجب ہے، اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو مطلق یہ ہے کہ ہر پانچ میں فصیل کا پانچواں حصہ، دوسری روایت یہ ہے فصیل کا پانچواں حصہ نہیں بلکہ فصیل کے پانچویں حصے اور بکری کی قیمت دونوں کو دیکھو، جو کمتر ہو گا وہ واجب ہو گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

اب دیکھیے کتاب پر، **وَلَا يَجِبُ فِيمَا دُونَ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ فِي رِوَايَةٍ** اور واجب نہیں ہو گا پچیس سے کم کے اندر **فِي رِوَايَةٍ** ایک روایت کے مطابق۔ **وَعَنْهُ** اور دوسری روایت ان سے یہ ہے **أَنَّهُ يَجِبُ فِي الخَمْسِ** کہ واجب ہو گا پانچ فصیلوں میں، کیا واجب ہو گا؟ **خُمُسُ فَصِيلٍ** ایک فصیل کا پانچواں حصہ، **وَفِي العَشْرِ خُمُسَا فَصِيلٍ** اور دس بچوں میں فصیل کے دو خمس، **عَلَى هٰذَا الِاعْتِبَارِ** اسی قیاس پر۔ یہ ایک روایت ہو گئی پانچ سے کم میں جس میں کیا آ رہا ہے؟ فصیل کا پانچواں، اور دوسری روایت ہے **وَعَنْهُ أَنَّهُ يُنْظَرُ إِلَى قِيمَةِ خُمُسِ فَصِيلٍ فِي الخَمْسِ** کہ دیکھا جائے گا فصیل کے خمس کی قیمت کی طرف پانچ میں **وَإِلَى قِيمَةِ شَاةٍ وَسَطٍ** اور ایک متوسط بکری کی قیمت کی طرف، **فَيَجِبُ أَقَلُّهُمَا** تو ان دونوں میں سے جو کم ہو گا وہ واجب ہو گا، **وَفِي العَشْرِ إِلَى قِيمَةِ شَاتَيْنِ وَإِلَى قِيمَةِ خُمُسَيْ فَصِيلٍ عَلَى هٰذَا الِاعْتِبَارِ** اور دس فصیل کے اندر دس بچوں کے اندر دیکھا جائے گا کس کی طرف؟ **إِلَى قِيمَةِ شَاتَيْنِ** دو بکریوں کی قیمت کی طرف **وَإِلَى قِيمَةِ خُمُسَيْ فَصِيلٍ** اور فصیل کے دو خمس کی قیمت کی طرف، تو جو کمتر ہو گا وہ واجب ہو گا **عَلَى هٰذَا الِاعْتِبَارِ** اسی قیاس پر، اسی قیاس پر۔ یہاں تک مسائل سمجھ میں آ گئے؟ چلیے بس بھائی، **هٰذَا هُوَ المَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۰۰: مسئلہ: وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ فَلَمْ يُوجَدْ أَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۰۸ — بتاریخ: ۲۶ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ فَلَمْ يُوجَدْ أَخَذَ الْمُصَدِّقُ أَعْلَى مِنْهَا وَرَدَّ الْفَضْلَ أَوْ أَخَذَ دُونَهَا وَأَخَذَ الْفَضْلَ»، «وَهَذَا يَبْتَنِي عَلَى أَنَّ أَخْذَ الْقِيمَةِ فِي بَابِ الزَّكَاةِ جَائِزٌ عِنْدَنَا عَلَى مَا نَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى». [1]

اچھا بھائی! مختلف سائی جانوروں کا نصاب بیان ہو گیا، اونٹوں کا بھی، گائے بیل کا بھی، بھیڑ بکریوں کا بھی اور اسی طرح گھوڑوں کا بھی اور نیز یہ مسئلہ بھی ذکر ہو گیا کہ ان کے بچوں میں کچھ واجب ہے یا واجب نہیں ہے۔

اب یاد رکھیے بھائی! یہ آگے آپ کو بتلائیں گے، اسی صفحے کے آخر میں آئے گا، وہاں آپ کو بتلائیں گے کہ زکوٰۃ کے اندر متوسط درجے کا مال لیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ میں متوسط درجے کا مال لیا جاتا ہے، نہ بہت اعلیٰ اور نہ بہت ردی، متوسط درجے کا۔

تو اب مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً زکوٰۃ وصول کرنے والا خلیفہ کی طرف سے جو آدمی مقرر تھا وہ آیا، اور مثلاً وہ جو مالک ہے جانوروں کا اس پر زکوٰۃ میں ایک بنت لبون واجب ہو رہا ہے، یا مثلاً اس پر ایک حقہ واجب ہو رہا ہے، لیکن یہ جانور جو واجب ہو رہا ہے یہ والا اس کے پاس نہیں ہے، اس سے اعلیٰ جانور موجود ہے، مثلاً حقہ واجب ہو رہا ہے لیکن اس کے پاس حقہ نہیں بلکہ جذعہ ہے بھائی۔ یا اس سے ادنیٰ جانور موجود ہے، مثلاً واجب حقہ ہو رہا ہے لیکن اس کے پاس بنت لبون موجود ہے، حقہ موجود نہیں۔ تو اس صورت میں کیا کیا جائے گا؟

یا اسی طرح، یا اسی طرح واجب تو اس پر حقہ ہو رہا ہے اور حقہ متوسط درجے کا حقہ لیا جائے گا، نہ بہت ادنیٰ حقہ اور نہ بہت اعلیٰ، تو اس کے پاس مثلاً اعلیٰ حقہ موجود ہے، خوب موٹا تازہ اور صحت مند جس کی قیمت متوسط حقے سے زیادہ ہے، یا بڑا ہی لاغر حقہ موجود ہے جس کی قیمت متوسط حقے سے کم ہے، تو اس صورت میں کیا کیا جائے گا؟

تو آپ کو بتلائیں گے صاحب قدوری کہ جو جانور واجب ہوا ہے اگر وہ زکوٰۃ دینے والے کے پاس وہ جانور نہیں، تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اس سے اعلیٰ جانور لے لے اور جو زائد قیمت بنتی ہے وہ اس کو واپس کر دے۔ مثلاً وہ واجب کیا ہوا؟ حقہ، اور اس کے پاس تو حقہ نہیں تو پھر اس سے کیا لے لے؟ جذعہ لے لے، اور جو حقے اور جذعے کی قیمت میں فرق ہے وہ واپس کر دے۔ مثلاً حقہ ہے دس ہزار کا اور جذعہ ہے پندرہ ہزار کا، اس کے پاس حقہ نہیں ہے تو جذعہ لے لے اور جذعہ کتنے کا؟ پندرہ ہزار کا، تو یہ پانچ ہزار اس کو واپس کر دے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

یا دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے پاس اگر کم درجے والا جانور ہے، مثلاً واجب حقہ ہوا اور اس کے پاس بنت لبون ہے۔ اب حقہ تو دس ہزار کا ہے متوسط درجے کا اور بنت لبون فرض کیجیے سات ہزار کا ہے، تو اس صورت میں اس سے بنت لبون کے ساتھ ساتھ تین ہزار مزید لے لے، تین ہزار روپے مزید لے لے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی۔

---

[1] شاملہ (ص ۱۳۴) میں «مُسِنٌّ» کے بجائے «سن»، شاملہ (ص ۱۳۴) میں «يُوجَدْ» کے بجائے «توجد» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۳۴) میں «وَيُطَالِبَهُ» کے بجائے «ويطالب» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۳۴) میں «لِلرِّزْقِ» کے بجائے «الرزق»، شاملہ (ص ۱۳۴) میں «الدَّمِ» کے بجائے «لدم»، شاملہ (ص ۱۳۴) میں «تُعْقَلُ» کے بجائے «يعقل» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۳۴) میں «مُسِنٌّ» کے بجائے «سن»، شاملہ (ص ۱۳۴) میں «يُوجَدْ» کے بجائے «توجد» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۳۴) میں «وَيُطَالِبَهُ» کے بجائے «ويطالب» درج ہے۔

تو یہی ذکر کر رہے ہیں: کہتے ہیں: «وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ» اور وہ شخص جس پر مسنہ واجب ہوا «فَلَمْ يُوجَدْ» پس وہ نہیں پایا گیا، نہیں ملا «أَخَذَ الْمُصَدِّقُ أَعْلَى مِنْهَا» مصدق وہ زکوٰۃ لینے والا، تو لے لے زکوٰۃ لینے والا «أَعْلَى مِنْهَا» اس مسن سے اعلیٰ جانور لے لے «وَرَدَّ الْفَضْلَ» اور زائد قیمت لوٹا دے، واپس کر دے۔ «أَوْ أَخَذَ دُونَهَا» یا اس سے کم درجے کا جانور لے لے، یعنی واجب تو مسن ہوا ہے لیکن اس کے پاس وہ نہیں، اس سے کم درجے والا ہے تو وہ اس سے لے لے «وَأَخَذَ الْفَضْلَ» اور ساتھ جو زائد ہے وہ بھی اس سے لے لے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جیسے بنت لبون لیا ہے اور واجب تو حقہ تھا، تو بنت لبون کے ساتھ زائد تین ہزار روپے بھی لے لے گا بھائی۔

آگے صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں: «وَهَذَا يَبْتَنِي عَلَى أَنَّ أَخْذَ الْقِيمَةِ فِي بَابِ الزَّكَاةِ جَائِزٌ عِنْدَنَا» کہ اس مسئلے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ قیمت لینا زکوٰۃ کے باب میں ہمارے نزدیک جائز ہے۔ وہ جانور وغیرہ یا جو چیز واجب ہوئی ہے اس کے بجائے اگر کوئی شخص اس کی قیمت دینا چاہے تو ہمارے نزدیک یہ جائز ہے، تو اس پر اس مسئلے کی بنیاد ہے۔ «عَلَى مَا نَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ» بوجہ اس کے جو ہم آگے ذکر کریں گے۔ تو ہمارے نزدیک قیمت لینا جائز ہے، اور قیمت دینا کیوں جائز ہے اس کی کیا وجہ ہے، وہ بھی آگے وہ ذکر کریں گے بھائی۔

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَهُ أَنْ لَ...

«إِلَّا أَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَهُ أَنْ لَا يَأْخُذَ وَيُطَالِبَهُ بِعَيْنِ الْوَاجِبِ أَوْ بِقِيمَتِهِ لِأَنَّهُ شِرَاءٌ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يُجْبَرُ لِأَنَّهُ لَا بَيْعَ فِيهِ بَلْ هُوَ إِعْطَاءٌ بِالْقِيمَةِ».

تو صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ اعلیٰ جانور لے کر جو زائد ہے وہ اس کو لوٹا دے یا ادنیٰ لے کر اس کے ساتھ جو زائد قیمت بنتی ہے وہ بھی ساتھ لے لے۔ البتہ، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: البتہ پہلی صورت میں جب اعلیٰ جانور لے رہا ہے اور پھر اس کو کیا واپس کرتا ہے؟ جو زائد پیسے بنتے ہیں وہ اس کو واپس کرتا ہے، اس صورت کے اندر صدقہ لینے والے کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اعلیٰ لے لے اور بقیہ قیمت واپس لوٹا دے۔ مثلاً واجب کیا ہوا تھا؟ حقہ، اور حقہ تو نہیں، اس کے پاس کون سا مال ہے؟ جذعہ۔ تو جذعہ اس کو دے گا زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اور جذعہ تھا پندرہ ہزار کا، تو کتنے ہزار واپس لے لے گا اس سے؟ پانچ ہزار۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جذعہ لے لے اور پانچ ہزار اس میں سے واپس کر دے، اس لیے کیونکہ جو پانچ ہزار وہ واپس کر رہا ہے گویا اس نے جذعے کا ایک حصہ اس سے خرید لیا ہے۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے نے کچھ حصہ، جس کے پیسے دے رہا ہے وہ حصہ اس نے اس سے خرید لیا ہے، تو یہ شراء ہوئی، خریدنا ہوا اور خرید کے اندر کسی کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، شراء پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ تو یہاں چونکہ شراء کی صورت بن رہی ہے، اعلیٰ لے گا اور باقی کی قیمت واپس کرے گا، اور شراء کے اندر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اعلیٰ لینے پر ہی اور قیمت لوٹانے پر ہی صدقہ وصول کرنے والے کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

ہاں دوسری صورت میں اگر ادنیٰ جانور دے رہا ہے اور ساتھ زائد قیمت بھی دے رہا ہے، مثلاً واجب تو ہوا تھا حقہ اور اس کے پاس حقہ ہے نہیں، کون سا جانور ہے؟ بنت لبون ہے وہ دے رہا ہے، اور حقہ تھا دس ہزار کا، بنت لبون ہے سات ہزار کا، تو وہ ایک بنت لبون اور ساتھ اس کے تین ہزار روپے دے دیتا ہے۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ لینے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ یہی تمہیں لینا پڑے گا جبکہ مالک یہ دے رہا ہو۔ وجہ اس کی یہ کہ یہاں پر واجب تو اس پر حقہ ہے، حقے کے بدلے میں وہ دے رہا ہے بنت لبون اور کچھ زائد رقم، تو یہ گویا حقے کی قیمت دے رہا ہے۔ یہ سارا مال کیا ہے؟ حقے کی، وہ حقہ تو دے ہی نہیں رہا، حقہ تو واجب ہوا لیکن حقے کے بجائے وہ کیا دے رہا ہے؟ اس کی قیمت دے رہا ہے، اور ہمارے نزدیک قیمت دے سکتا ہے یا نہیں ادائے زکوٰۃ کے اندر؟ قیمت دے سکتا ہے، تو جب قیمت دے سکتا ہے تو لہٰذا صدقہ لینے والے کو بھی مجبور کیا جا سکتا ہے اس میں کہ تمہیں یہی لینا پڑے گا بھائی۔ یہ اب وہ، یعنی وہ یہاں پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے حقہ ہی لا کر دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «إِلَّا أَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ» مگر یہ کہ پہلی صورت میں، یعنی جب اعلیٰ لیتا ہے اور زائد قیمت واپس کرتا ہے اس صورت میں «لَهُ أَنْ لَا يَأْخُذَ» وہ مصدق جو ہے، زکوٰۃ لینے والا جو ہے اس کو اختیار ہے «أَنْ لَا يَأْخُذَ» کہ وہ نہ لے «وَيُطَالِبَهُ بِعَيْنِ الْوَاجِبِ» اور مطالبہ کرے عین واجب کا کہ مجھے حقہ ہی دو، میں جذعہ نہیں لوں گا «أَوْ بِقِيمَتِهِ» یا اس حقے کی مجھے قیمت دو، تو یہ اس کو اختیار ہے زکوٰۃ وصول کرنے والے کو کہ وہ عین واجب یا قیمت کا مطالبہ کرے، تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس کو اختیار ہے، کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ شِرَاءٌ» کیونکہ یہ شراء ہے، خریداری، خریدنا ہے اور خرید میں کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ «وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يُجْبَرُ» اور دوسری صورت میں مجبور کیا جائے گا بھائی۔ کون سی صورت میں؟ جب واجب حقہ ہوا ہے اور وہ کس قسم کا جانور دے رہا ہے؟ ادنیٰ جانور دے رہا ہے اور ساتھ کچھ زائد پیسے، اس صورت میں مجبور کیا جائے گا کہ یہی تمہیں لینے پڑیں گے «لِأَنَّهُ لَا بَيْعَ فِيهِ» اس لیے کیونکہ یہاں کوئی بیع نہیں ہے «بَلْ هُوَ إِعْطَاءٌ بِالْقِيمَةِ» بلکہ یہ قیمت کے ساتھ ادائیگی ہے بھائی، قیمت کے ساتھ وہ زکوٰۃ ادا کر رہا ہے۔ یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

■ مسئلہ: وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ عِنْدَنَا...

«وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ عِنْدَنَا، وَكَذَا فِي الْكَفَّارَاتِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالْعُشْرِ وَالنَّذْرِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: لَا يَجُوزُ اتِّبَاعًا لِلْمَنْصُوصِ كَمَا فِي الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا، وَلَنَا أَنَّ الْأَمْرَ بِالْأَدَاءِ إِلَى الْفَقِيرِ إِيصَالٌ لِلرِّزْقِ الْمَوْعُودِ إِلَيْهِ فَيَكُونُ إِبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ فَصَارَ كَالْجِزْيَةِ بِخِلَافِ الْهَدَايَا لِأَنَّ الْقُرْبَةَ فِيهَا إِرَاقَةُ الدَّمِ وَهُوَ لَا تُعْقَلُ، وَوَجْهُ الْقُرْبَةِ فِي الْمُتَنَازَعِ فِيهِ سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ وَهُوَ مَعْقُولٌ».

«**وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ عِنْدَنَا**»، یہ وہ مسئلہ آگیا جس کا صاحب ہدایہ نے ذکر کیا تھا کہ ہمارے نزدیک زکوۃ میں قیمت لینا بھی یا قیمت دینا بھی جائز ہے۔ تو کہتے ہیں: «**وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ عِنْدَنَا**» اور جائز ہے قیمتیں دینا زکوۃ کے اندر ہمارے نزدیک «**وَكَذَا فِي الْكَفَّارَاتِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالْعُشْرِوَالنَّذْرِ**» اور اسی طرح کفارات میں ہے اور صدقۂ فطر میں ہے اور عشر میں ہے اور نذر یعنی منت میں ہے۔ یعنی جس طرح زکوۃ میں قیمت دینا جائز اسی طرح کفارات، صدقۂ فطر، عشر اور نذر کے اندر بھی قیمت دینا جائز۔

مثلاً بھائی زکوۃ کے اندر تو مثال گزر گئی، ایک شخص پر حقہ واجب ہوا اور وہ حقہ دینے کے بجائے اس کی قیمت دس ہزار دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ اسی طرح کفارات کے اندر، کسی پر مالی کفارہ آیا، مثلاً ایک شخص نے قسم کا کفارہ دینا ہے اور وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا، تو اب وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا کپڑے پہنانے کے بجائے ان کے برابر رقم اس کھانے یا کپڑوں کے برابر رقم کیا کر دیتا ہے؟ فقراء کو دے دیتا ہے، تو یہ بھی جائز ہے۔ اسی طرح صدقۂ فطر بھائی، صدقۂ فطر آگے باب بھی آ رہا ہے تفصیلی اس کا، صدقۂ فطر میں آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ گندم، جو، کھجور وغیرہ یہ چیزیں دی جاتی ہیں اور یہ واجب ہوتی ہیں، بعض کا ایک پورا صاع واجب ہوتا ہے بعض میں نصف صاع واجب ہوتا ہے، تو اب یہاں دیکھیے گندم، جو یا کھجوریں وغیرہ واجب ہوئی ہیں لیکن اس کے بجائے اگر وہ ان کی قیمت دینا چاہے تو قیمت بھی دے سکتا ہے۔ اسی طرح بھائی عشر ہے کہ کوئی فصل کوئی پیداوار ہے اس کا دسواں حصہ بطور صدقہ کے دینا پڑتا ہے، تو اب وہ فصل کا دسواں حصہ دینے کے بجائے کوئی شخص اس دسویں حصے کی قیمت دینا چاہے تو وہ قیمت بھی دے سکتا ہے۔ اسی طرح منت کے اندر بھی، منت کسی چیز کی مانی اس نے مثلاً منت مانی کہ اللہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو یہ جو بکری ہے میری، یہ میں کیا کروں گا؟ آپ کے راستے میں صدقہ کر دوں گا فقراء کو دے دوں گا، اور پھر بعد میں وہ بکری دینے کے بجائے اس بکری کی قیمت دینا چاہتا ہے تو اس کی قیمت دے سکتا ہے۔ یا مثلاً اس نے منت مانی تھی دیناروں کی اور بعد میں دینار ہم چاہتا ہے تو یہ درہم کیا ہیں؟ دیناروں کی قیمت ہیں تو یہ بھی دے سکتا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے کہ «**وَكَذَا فِي الْكَفَّارَاتِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالْعُشْرِوَالنَّذْرِ**» اور اسی طرح ہے کفارات کے اندر بھی اور صدقۂ فطر میں بھی اور عشر میں بھی اور نذر میں بھی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى رَ...

«**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: لَا يَجُوزُ اتِّبَاعًالِلْمَنْصُوصِ**»، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جائز نہیں ہے، یعنی قیمتوں کا دینا جائز نہیں ہے «**اتِّبَاعًا لِلْمَنْصُوصِ**» منصوص کا اتباع کرتے ہوئے۔ یعنی منصوص وہ جس پر نص آئی ہے بھائی، منصوص وہ جس پر نص آئی ہے بھائی۔ یعنی وہ فرماتے ہیں کہ نص کے اندر، نص کے اندر مثلاً اونٹوں کے پانچ اونٹوں کے اندر ایک بھیڑ بکری واجب ہے تو بھیڑ بکری ہی دینا پڑے گی، اس کی قیمت نہیں دے سکتے کیونکہ نص کے اندر بھیڑ بکری کا ذکر آیا ہے اس کی قیمت کا ذکر نہیں۔ اسی طرح مثلاً پچیس اونٹوں کے اندر ایک بنت مخاض کا ذکر ہے، وہ فرماتے ہیں بنت مخاض ہی دینا پڑے گا کیونکہ نص کے اندر، حدیث کے اندر کس کا ذکر آیا ہے؟ بنت مخاض کا ذکر آیا ہے، اس کی قیمت کا ذکر نہیں آیا۔ اسی طرح بھائی گائے بیل تیس ہوں اور سائمہ اور سال گزر جائے تو ان میں کیا دینا پڑتا ہے؟ ایک تبیع یا تبیعہ، تو وہ فرماتے ہیں تبیع یا تبیعہ ہی دینا پڑے گا کیونکہ حدیث میں تبیع یا تبیعہ کا ذکر آیا ہے ان کی قیمت کا ذکر نہیں آیا۔ تو وہ اس منصوص کا اتباع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیمت دینا جائز نہیں۔

«**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ اتِّبَاعًالِلْمَنْصُوصِ**» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قیمت کا دینا جائز نہیں ہے، منصوص کا اتباع کرتے ہوئے، یعنی منصوص کا اتباع کرتے ہوئے وہ یہ فرماتے ہیں «**كَمَا فِي الْهَدَايَاوَالضَّحَايَا**» جیسے کہ ہدایا کے اندر اور ضحایا کے اندر ہے۔ ہدایا جمع ہے ہدی کی، ہدی اور ہدی وہ قربانی کا جانور جسے آپ آگے حج کے، حج کے ابواب آ رہے ہیں تو اس میں تفصیلاً ذکر ہو گا کہ بعض اوقات حاجی کیا کرتا ہے؟ اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے اس کو ہدی کہتے ہیں، یا اسی طرح جو جانور قربانی کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا جاتا ہے اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ ہدی کہتے ہیں۔ اور ضحایا جمع ہے ضحیۃ کی اور یہ قربانی کے جانور کو کہتے ہیں، جو عید وغیرہ پر ہم قربانی کرتے ہیں جس جانور کی اس کو کیا کہتے ہیں؟ ضحیۃ۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ ان چیزوں کو قیاس کرتے ہیں ہدی اور قربانی کے جانور پر۔

وہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہدی اور قربانی کا جانور ہے وہاں ان کو، ان کی قربانی ہی کرنا ضروری ہے، وہاں پر اگر قیمت صدقہ کرتا ہے تو وہ قربانی یا ہدی ادا نہیں ہو گی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ تو وہ فرماتے ہیں جیسے قربانی کے اندر جانور ہی کو قربان کرنا پڑے گا اس کی قیمت اگر آپ فقراء پر صدقہ کر بھی دیں تو قربانی ادا نہیں ہوئی، ہدی کے اندر ہدی کا وہ جانور ہی بھیج کر اس کو ذبح کروانا پڑے گا اس کی قیمت دینا، دینے سے وہ ہدی ادا نہیں ہو گی، تو یہ بھی اسی کی طرح ہیں، یہ بھی اسی کی طرح ہیں، تو لہٰذا یہاں پر بھی جن چیزوں کا ذکر آیا ہے وہی چیزیں دینی پڑیں گی، ان کی قیمت نہیں دے سکتے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو امام شافعی رحمہ اللہ گویا زکوٰۃ، کفارات، صدقۂ فطر، عشر، نذر وغیرہ ان سب چیزوں کو قیاس کرتے ہیں کس پر؟ ہدایا اور ضحایا پر۔ اور ہدایا اور ضحایا میں تو بالاتفاق قیمت دینا صحیح نہیں بلکہ جانور ہی قربان کرنا پڑے گا، تو وہ فرماتے ہیں ان میں بھی جو نص کے اندر جن چیزوں کا ذکر آیا وہی دینا پڑیں گی، قیمت نہیں دے سکتے۔ دلیل ان کی سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الْأَمْرَ بِالْأَدَاءِ إِلَى الْفَقِيرِ إِيصَالٌ لِلرِّزْقِ الْمَوْعُودِ إِلَيْهِ فَيَكُونُ إِبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ فَصَارَكَالْجِزْيَةِ».

ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ جو ہے فقراء کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کس کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ فقراء کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ دراصل وہ رزق جس کا اللہ نے ان فقراء سے وعدہ فرمایا تھا یہ ان کو وہ ان کا رزق پہنچایا جا رہا ہے بھائی، ان کا رزق پہنچایا جا رہا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا»، اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار نہیں مگر یہ کہ اللہ پر اس کا رزق ہے، تو گویا اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کا رزق اپنے اوپر لازم کر لیا، اپنے ذمے لے لیا۔ یعنی سب کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اللہ نے سب کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اور پھر اس دنیا کے اندر بعض لوگوں کو تو اللہ نے اسباب رزق دے دیے۔ بعض تجارت کے ذریعے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں، بعض کھیتی باڑی کے ذریعے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں، بعض جو ہیں وہ ملازمت کرتے ہیں اور اس کے ذریعے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں، بعض کاریگر ہیں بھائی وہ اپنے پیشے اور اپنے اپنے ہنر کے ذریعے کیا کرتے ہیں؟ اپنا رزق حاصل کرتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے پاس کوئی اسباب رزق نہیں، کوئی اسباب رزق نہیں، وہ فقراء ہیں، محتاج ہیں، جب ان کے پاس اسباب رزق نہیں تو یہ جو زکوٰۃ فقیروں کو دینے کا حکم دیا گیا یہ دراصل ان سے جو اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم سب کو رزق دینا، تم سب کو میں رزق دوں گا تو یہ دراصل اس وعدے کی تکمیل کی جا رہی ہے اس وعدے کو اللہ تعالیٰ پورا فرما رہے ہیں، کہ امراء کو مالداروں کو حکم دے دیا کہ کیا کرو؟ اپنے مال میں سے اتنی زکوٰۃ ان فقراء کو ادا کرو۔ تو یہ جو فقراء کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا یہ کیا کیا جا رہا ہے؟ وہ جو وعدہ کیا ہوا رزق ہے وہ فقراء کو پہنچانے کا دراصل حکم دیا جا رہا ہے۔

تو جب یہ فقراء کو زکوٰۃ دینے کا حکم، یہ دراصل کیا ہے؟ ان کو وہ وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا حکم ہے دراصل۔ گویا یہ حکم دیا جا رہا ہے: میں نے جن سے جس رزق کا وعدہ کیا تھا وہ رزق ان کو کیا کرو؟ پہنچا دو۔ تو یہ حکم جو وعدہ شدہ رزق پہنچانے کا ہے، یہ اس بھیڑ بکری وغیرہ یا جن چیزوں کو، جن چیزوں کا نصوص میں ذکر آتا ہے اس قید کو یہ یہ حکم باطل کر دیتا ہے۔ یہ حکم کیا کر دیتا ہے؟ باطل کرنے والا ہے۔ اس لیے کیونکہ فقراء اور جو محتاج ہیں ان کو، ان کی صرف یہی ضرورت نہیں ہے کہ ان کو، ان کی ضرورتیں بہت ساری ہیں جو صرف اس بھیڑ بکری یا بنت مخاض دے دیا جائے یا مثلاً تبیع یا تبیعہ دے دیا جائے اس کے ذریعے ان کی ساری ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں بھائی۔ ہاں البتہ اگر ان کو قیمت دی جائے گی تو اس کے ذریعے کیا کر لیں گے؟ وہ اپنی ہر ضرورت پوری کر لیں گے۔

دوبارہ سنیے بھائی: فقراء کو یہ جو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے یہ دراصل کس چیز کا حکم ہے؟ یہ دراصل حکم دیا جا رہا ہے اس وعدہ کیے ہوئے رزق کے پہنچانے کا، کہ وعدہ کیا ہوا رزق ان کو پہنچا دو۔ اور رزق اور ضروریات جو ہیں اس کی، کیا صرف اسی بھیڑ بکری یا بنت مخاض یا تبیع یا تبیعہ کے اندر بند ہیں یا اور بھی ان کی بہت سی ضروریات ہیں؟ اور بھی۔ تو جب یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وعدہ کیا ہوا رزق ان کو پہنچا دو، تو یہ حکم ہی کیا کر دیتا ہے؟ اس قید کی نفی کر دیتا ہے، یہ حکم ہی بتلا دیتا ہے کہ اس جانور کی قیمت بھی دے سکتے ہو۔ صرف وہ جانور ہی نہیں بلکہ کیا کر سکتے ہو؟ جانور کی قیمت بھی دے سکتے ہو۔

کیونکہ حکم کس چیز کا ہے؟ وعدہ کیے ہوئے رزق پہنچانے کا، تو ان کو جب ان کی قیمت دے دیں گے تو وعدہ کیا ہوا رزق پہنچے گا یا نہیں پہنچے گا؟ اور اس کے ذریعے وہ زیادہ بہتر طریقے سے اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں یا اس جانور کے ذریعے بہتر طریقے سے اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں؟ قیمت کے ذریعے زیادہ بہتر طریقے سے وہ پوری کر سکتے ہیں۔ تو یہ جب وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا حکم دیا جا رہا ہے تو یہ حکم ہی کیا کر دیتا ہے وہ جو احادیث کے اندر قیدیں آگئیں کہ تبیع یا تبیعہ دو، یا بکری دو، یا بنت مخاض دو، ان کی کیا کر دیتا ہے؟ نفی کر دیتا ہے۔ معلوم ہوا وہی جانور دینا لازم نہیں ہے کیونکہ رزق پہنچانا ہے، تو لہٰذا کس صورت میں دے سکتے ہو؟ قیمت کی صورت میں بھی دے سکتے ہو، اور قیمت کی صورت میں دینا بلکہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کے ذریعے وہ اپنی ہر ضرورت فوری طور پر پوری کر سکے گا۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جانور اس کو دے دیا جائے جیسا حدیث میں آیا ہے، اور اس کو تو وہ خود بیچ کر کیا کر لے گا؟ اپنی ضرورتیں پوری کر لے گا۔ تو جواب یہ کہ ہو سکتا ہے اس کی کوئی فوری حاجت ہو، اب آپ نے اس کو مثلاً، یرحمک اللہ، ہو سکتا ہے اس کی کوئی فوری ضرورت ہو، آپ نے اس کو بنت مخاض دے دیا مثلاً، آپ پر کیا واجب تھا؟ بنت مخاض، تو کیا اس کے ذریعے اب وہ فوری اپنی ضرورت پوری کر سکے گا؟ مثلاً کوئی اور ضرورت ہے اس کی، مثلاً اسے کپڑے چاہییں پہننے کے لیے، اب وہ ضرورت پوری نہیں کر سکے گا بلکہ کیا کرنا پڑے گا اسے؟ اس بنت مخاض کو بیچنا پڑے گا، تو وہ مشکل میں پڑ جائے گا۔ اور نیز اگر فوری ضرورت ہوئی پھر؟ پھر تو اس بنت مخاض

کو پوری قیمت پر بھی وہ نہیں بیچ سکتا، کیونکہ فوری گاہک تو کہیں سے نہیں ملے گا خریدار تو فوراً کہیں سے نہیں ملے گا، تو لازمی بات ہے اسے فوری ضرورت ہے وہ اسے اونے پونے داموں جتنی قیمت پر بھی بکتا ہے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو اگر آپ اس کو قیمت دیتے تو پوری قیمت ادا کرتے، اور جب اب خود اس کو بیچنا پڑا تو اب اس کو پیسے تھوڑے ملے، تو لہٰذا معلوم ہوا فائدہ کس کے اندر ہے اس کا زیادہ؟ کہ پوری قیمت اس کو ادا کر دی جائے۔

تو لہٰذا، تو یہ جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا یہ دراصل اس وعدہ شدہ رزق کے پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے، اور وعدہ شدہ رزق کے پہنچانے کا جب حکم دیا جا رہا ہے تو یہ کیا کر دیتا ہے؟ ان قیدوں کی نفی کر دیتا ہے کہ معلوم ہوا وہ چیزیں دینا لازم نہیں ہے۔ یہ کس سے پتہ چلتا ہے؟ یہ جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یعنی مثلاً «آتُوا الزَّكَاةَ» کہا جا رہا ہے، کیا کرو؟ تو یہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دراصل کس چیز کا حکم ہے؟ وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا حکم ہے، اور وعدہ کیا ہوا رزق جب پہنچانے کا حکم ہے یہ کیا کر رہا ہے؟ ان قیدوں کی نفی کر رہا ہے کیونکہ جب رزق دینا ہے تو وہ صورت زیادہ بہتر ہو گی جس کے ذریعے وہ اپنی ضرورتیں فوری طور پر اور اچھے طریقے سے پوری کر سکے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو جب قیمت ملے گی وہ اس کے ذریعے اس کی جو جو بھی ضرورت وہ پوری کرنا چاہے گا خوب آسانی کے ساتھ ضرورت پوری کر لے گا، چاہے اس کو کھانے کی ضرورت ہے، چاہے کپڑے کی ضرورت ہے، چاہے کوئی اور ضرورت ہے وہ سب پوری کر سکتا ہے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

دوبارہ دیکھیے بھائی: «وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الْأَمْرَ بِالْأَدَاءِ إِلَى الْفَقِيرِ» کہ فقیر کو ادائیگی کا حکم جو ہے «إِيصَالٌ لِلرِّزْقِ الْمَوْعُودِ إِلَيْهِ» وہ اس کو وعدہ کیے ہوئے رزق اس کی طرف پہنچانا ہے، اس کی طرف پہنچانا ہے یعنی یہ اس پہنچانے کا حکم ہے «فَيَكُونُ إِبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ» تو یہ جو حکم ہے کس چیز کا؟ وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا جو حکم ہے، یہ «إِبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ» یہ باطل کرنے والا ہے بھیڑ بکری کی قید کو۔ معلوم ہوا بھیڑ بکری دینا ہی لازمی نہیں، دے دے تو ٹھیک ہے اس کا تو حدیث میں ذکر ہے اس سے انکار نہیں، ہاں البتہ لازم نہیں ہے۔ یہ کس سے پتہ چلا؟ وہ جو فقراء کو وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا حکم دیا گیا اس سے پتہ چلا کہ یہ لازم نہیں ہے، لازم نہیں بلکہ ان کی قیمت بھی دے سکتے ہو۔ تو یہاں جو آیا نا: «فَيَكُونُ إِبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ»، تو یہ حکم باطل کرنے والا ہے بھیڑ بکری کی قید کو جو حدیث میں آئی ہے۔ اس شاۃ سے شاۃ ہی نہیں مراد، بھیڑ بکری نہیں مراد بلکہ جو جو چیزیں ذکر ہوئی ہیں احادیث کے اندر، مثلاً تبیع یا تبیعہ کا ذکر آیا معلوم ہوا وہ بھی لازمی نہیں، اسی طرح بنت مخاض، بنت لبون، حقے، جذعے وغیرہ کا ذکر آیا معلوم ہوا وہ بھی دینا لازمی نہیں بلکہ ان کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ اسی طرح بھائی صدقۂ فطر کے اندر ایک صاع یا نصف صاع جو چیزیں دینے کا حکم آیا ہے معلوم ہوا وہ صاع یا نصف صاع دینا بھی ضروری نہیں بلکہ اس کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ اسی طرح عشر کے اندر فصل کا دسواں حصہ دینے کا ذکر آیا ہے لیکن وہ دسواں حصہ معلوم ہوا دینا ضروری نہیں بلکہ اس کی قیمت بھی دے سکتے ہیں، تو یہ چیزیں لازم نہیں ہیں کہ یہی دی جائیں۔

■ مسئلہ: فَصَارَ كَالْجِزْيَةِ

«فَصَارَ كَالْجِزْيَةِ» تو یہ کس کی طرح ہوئے؟ یہ جزیہ کی طرح ہو گیا، اور جزیے کے اندر تو بالاتفاق قیمت دینا جائز ہے۔ جزیہ بھائی جو، جو کفار دار الاسلام میں رہتے ہیں اور ان سے سالانہ ٹیکس لیا جاتا ہے کہ سارا سال مملکت اسلامی تمہاری حفاظت کرے گی، تو اس پر ان سے معمولی سا ٹیکس، بڑا ہی تھوڑا سا ہے بھائی وہ لیا جاتا ہے، تو وہ مثلاً ایک شخص پر سال بھر میں ایک درہم آتا ہے یا دو درہم جو بھی ہے وہ مقدار، تو وہ اگر اس مقدار درہم کے بجائے کیا کر دیتا ہے؟ اس کی قیمت دینا چاہے تو قیمت بالاتفاق دے سکتا ہے بھائی۔ تو یہ بھی کس کی طرح ہوئیں یہ چیزیں؟ جزیے کی طرح ہوئیں اور وہاں بالاتفاق قیمت دینا جائز، تو ان سب چیزوں کے اندر بھی قیمت دینا جائز۔

اب آگے «بِخِلَافِ الْهَدَايَا»، یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ان چیزوں کو کس پر قیاس کیا تھا؟ ہدایا اور ضحایا پر، ہدی اور قربانی کے جانوروں پر، اور فرماتے تھے وہاں پر دیکھو ہدی کے اندر اس کی قیمت دے دینا یا قربانی کے جانور میں اس کی قیمت صدقہ کر دینا اس سے وہ ادا نہیں ہوں گے۔ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ نہیں، آپ زکوٰۃ کو ہدی اور قربانی پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ دونوں بالکل الگ الگ چیزیں ہیں، بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہدی اور قربانی جو ہے اس میں وہ جانور کو کیا کیا جاتا ہے؟ ذبح کیا جاتا ہے، معلوم ہوا وہاں پر وہاں پر اس جانور کو ذبح کرنا اس کا خون بہا دینا یہ عبادت ہے، کیونکہ یہ حکم کس نے دیا؟ شریعت نے دیا ہے نا، شریعت نے بطور عبادت کے ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور خون کا بہا دینا یہ عبادت ہے یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آتی یہ بات عقل میں آنے والی نہیں۔ بھائی آپ نماز پڑھ رہے ہیں ٹھیک ہے نماز کا عبادت ہے آپ اللہ کے سامنے جھکتے ہیں اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں وغیرہ، روزہ رکھتے ہیں ٹھیک ہے اس کا بھی عبادت عبادت ہونا سمجھ میں آتا ہے، آپ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں فقراء کی مدد ہو جاتی ہے اس میں بھی عبادت کا ہونا سمجھ میں آتا ہے، لیکن جانور کو ذبح کرنا اور اس کا خون بہانا یہ عبادت ہے یہ اس کی وجہ عقل میں سمجھ، عقل میں نہیں آتی لیکن شریعت نے جیسا حکم دیا اسی طرح اس پر عمل کیا جائے گا۔ تو دلیل یہاں یہ بیان ہو رہی ہے کہ ہدی اور قربانی وہاں پر خون کا بہا دینا عبادت ہے اور وہ عقل میں آنے والی چیز نہیں ہے، جبکہ زکوٰۃ کے اندر فقراء کی مدد کرنا ہے اور فقراء کی مدد کا عبادت ہونا یہ تو ہمیں ہماری سمجھ میں آتا ہے، تو وہ ہدی اور قربانی وہ عبادت ہے لیکن غیر معقول ہے، عقل میں آنے والی نہیں، اور زکوٰۃ ایسی عبادت ہے جو معقول ہے یعنی عقل میں آنے والی ہے، تو آپ ایک معقول چیز کو کس پر قیاس کر رہے ہیں؟ غیر معقول پر، یہ صحیح نہیں۔ معقول کو معقول پر قیاس کیا جا سکتا ہے، معقول کو غیر معقول پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «بِخِلَافِ الْهَدَايَا» بخلاف ہدی کے «لِأَنَّ الْقُرْبَةَ فِيهَا إِرَاقَةُ الدَّمِ وَهُوَ لَا تُعْقَلُ» اس لیے کیونکہ عبادت اس کے اندر وہ خون کا بہا دینا ہے «وَهُوَ لَا تُعْقَلُ» اور وہ معقول نہیں ہے، وہ عقل میں آنے والا نہیں کہ یہ خون کا بہا دینا کس طرح عبادت ہے، لیکن جیسا شریعت نے حکم دیا اسی طرح اس پر

عمل کیا، تو وہ غیر معقول ہے۔ «وَوَجْهُ الْقُرْبَةِ فِي الْمُتَنَازَعِ فِيهِ سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ» اور قربت یعنی عبادت کی وجہ متنازع فیہ کے اندر یعنی جس کے اندر جھگڑا ہے، اختلاف ہے۔ کس چیز میں اختلاف یہاں ذکر ہو رہا ہے؟ کہ زکوۃ میں اور ان چیزوں میں قیمت دے سکتے ہیں یا قیمت نہیں دے سکتے۔ تو اس متنازع فیہ کے اندر بھائی یعنی زکوۃ کے اندر اس کی قیمت دینے میں قربت یعنی عبادت ہونے کی وجہ جو ہے «سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ»، سد کا معنی ہے بند کرنا، خلۃ کہتے ہیں محتاجی، ضرورت کو، محتاجی کو، اس میں محتاج کی محتاجی کو بند کرنا ہے یعنی اس کو ختم کرنا ہے اس کو دور کرنا ہے، ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ «وَوَجْهُ الْقُرْبَةِ فِي الْمُتَنَازَعِ فِيهِ» اور متنازع فیہ یعنی زکوۃ میں قیمت دینے کے مسئلے، قیمت دینے کے مسئلے میں عبادت کی وجہ وہ محتاج کی محتاجی کو دور کرنا ہے «وَهُوَ مَعْقُولٌ» اور وہ معقول ہے، عقل میں آنے والی چیز ہے۔ تو لہٰذا اس معقول کو غیر معقول پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک دلیل سمجھ میں آ گئی؟ تو معلوم ہوا ہمارے نزدیک ان چیزوں میں ان کی قیمت دینا بھی جائز ہے، اس لیے کیونکہ ان چیزوں کا جو حکم دیا گیا وہ دراصل فقراء کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے، اور فقراء کی ضرورت وہ کس کے ساتھ پوری ہو گی؟ جیسے اس جانور کے ذریعے یا ان چیزوں کے ذریعے پوری ہو جائے گی اسی طرح قیمت کے ساتھ بھی پوری ہو جاتی ہے اور بلکہ قیمت کے ساتھ زیادہ بہتر انداز میں پوری ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: وَلَيْسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعُلُ...

«وَلَيْسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعُلُوفَةِ صَدَقَةٌ».

عوامل، حوامل اور علوفہ کے اندر زکوۃ نہیں ہے، ان کے اندر صدقہ نہیں ہے۔ عوامل جمع ہے عاملۃ کی، وہ جانور جن کو کام کاج کے لیے رکھا گیا ہو بھائی۔ حوامل جمع ہے حامل کی، وہ جانور جو بوجھ اٹھانے والے ہیں، کیا کرنے والے ہیں؟ بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ اور علوفہ، علف سے ہے بھائی، علف کہتے ہیں جانور کا جو چارہ ہوتا ہے چارہ، تو علوفہ وہ جانور جن کو گھروں پر چارہ لا کر کھلایا جاتا ہے۔ ماقبل میں جن جانوروں کا ذکر تھا وہ سائمہ تھے، وہ باہر خود چر کر گزارا کرتے تھے، اور یہ علوفہ وہ جانور جن کو گھروں پر چارہ لا کر کھلایا جاتا ہے۔

تو صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ کام کاج کے لیے جو جانور رکھے گئے ہوں اور اسی طرح بوجھ اٹھانے کے لیے یعنی باربرداری کے لیے جو جانور رکھے ہوں اور اسی طرح جو علوفہ جانور ہیں جن کو گھروں پر چارہ لا کر کھلایا جاتا ہے ان کے اندر صدقہ نہیں ہے، «خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں ان سب جانوروں کے اندر صدقہ یعنی زکوۃ واجب ہے۔

■ مسئلہ: لَهُ ظَوَاهِرُ النُّصُوصِ

«لَهُ ظَوَاهِرُ النُّصُوصِ»، ان کی دلیل ظاہری نصوص ہیں بھائی، یعنی ظاہری نصوص ہیں، قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ کی طرف وہ دیکھتے ہیں اور عام احادیث میں مثلاً یہ ذکر آتا ہے کہ پانچ اونٹوں کے اندر ایک بھیڑ بکری ہے، دس کے اندر مثلاً دو بھیڑ بکریاں ہیں، تو وہاں کوئی قید وغیرہ ذکر نہیں، کوئی قید وغیرہ ذکر نہیں کہ یہ جانور عوامل نہیں ہونے چاہییں، حوامل نہیں ہونے چاہییں، علوفہ نہیں ہونے، یہ قیدیں وہاں ذکر نہیں۔ سمجھ میں؟ اسی طرح قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً»، کہ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے یعنی زکوۃ لے لیجیے، تو یہاں بھی دیکھیے اموال کا لفظ آیا اور یہ جانور بھی جن کو باربرداری کے لیے رکھا ہو یا گھر پر چارہ کھلائیں یہ بھی مال ہیں یا مال نہیں؟ تو یہ بھی سارے مال، تو ظاہری نصوص جو ہیں وہ ان سب کو شامل ہیں، ظاہری نصوص ان سب کو شامل ہے، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب کے اندر زکوۃ دینا پڑے گی چاہے حوامل ہوں، چاہے عوامل ہوں، چاہے علوفہ ہوں بھائی۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل جو ہے «قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» وہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، یہ حدیث ہے: «لَيْسَ فِي الْحَوَامِلِ وَالْعَوَامِلِ وَلَا فِي الْبَقَرَةِ الْمُثِيرَةِ صَدَقَةٌ». حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حوامل، عوامل میں نہیں ہے اور اسی طرح «فِي الْبَقَرَةِ الْمُثِيرَةِ»، بقرۂ مثیرہ حل چلانے والا بیل بھائی، أَثَارَ يُثِيرُ کے معنی ہیں حل چلانا، تو وہ بیل جو حل چلانے والے ہیں ان میں زکوۃ نہیں ہے بھائی۔ حوامل، عوامل اور حل چلانے والے بیلوں میں زکوۃ نہیں ہے بھائی۔ بقرۃ کا ترجمہ میں نے بیل کے کیے اس لیے کیونکہ میں یہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ بقرۃ کے اندر جو تا ہے یہ تانیث کی نہیں ہے بلکہ وحدت کی ہے، اس کا اطلاق مذکر پر بھی ہوتا ہے اور مؤنث پر بھی ہوتا ہے، اور عام طور پر کس کو استعمال کرتے ہیں حل چلانے کے لیے؟ بیل کو استعمال کرتے ہیں بھائی۔ تو یہ حدیث ہماری دلیل ہے، اس میں ذکر آ گیا حوامل، عوامل وغیرہ کا بھی۔

اور نیز دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں عقلی دلیل بھی، کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي» اور نیز اس لیے کہ وجوب زکوۃ کا سبب جو ہے وہ مال نامی ہے، وہ مال جو نامی ہو، بڑھنے والا ہو، جس میں بڑھوتری پائی جائے، اور مال نامی کی دلیل کیا ہے؟ کس مال کو مال نامی کہیں گے؟ کہتے ہیں: «وَدَلِيلُهُ الْإِسَامَةُ أَوِ الْإِعْدَادُ لِلتِّجَارَةِ» اور مال نامی ہونے کی دلیل سائمہ ہونا ہے، یعنی سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارنے والا ہو، تو مال نامی کی دلیل وہ سائمہ ہونا ہے «أَوِ الْإِعْدَادُ لِلتِّجَارَةِ»

یا تجارت کے لیے تیار کرنا ہے، کہ وہ مال کس لیے ہو؟ تجارت کے لیے ہو، تو پھر وہ مال نامی ہو گا، وہ مال کیا ہو گا؟ وہ مال نامی ہو گا۔

تو یہ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں، ایک دلیل حدیث ذکر کر دی اور...

قَالَ: «وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ فَلَمْ يُوجَدْ أَخَذَ الْمُصَدِّقُ أَعْلَى مِنْهَا وَرَدَّ الْفَضْلَ أَوْ أَخَذَ دُونَهَا وَأَخَذَ الْفَضْلَ، وَهَذَا يَبْتَنِي عَلَى أَنَّ أَخْذَ الْقِيمَةِ فِي بَابِ الزَّكَاةِ جَائِزٌ عِنْدَنَا عَلَى مَا نَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى».

اچھا بھائی! مختلف سائمہ جانوروں کا نصاب بیان ہو گیا، اونٹوں کا بھی، گائے بیل کا بھی، بھیڑ بکریوں کا بھی، اور اسی طرح گھوڑوں کا بھی، اور نیز یہ مسئلہ بھی ذکر ہو گیا کہ ان کے بچوں میں کچھ واجب ہے یا واجب نہیں ہے۔

اب یاد رکھیے بھائی! یہ آگے آپ کو بتلائیں گے، اسی صفحے کے آخر میں آئے گا، وہاں آپ کو بتلائیں گے کہ زکوٰۃ کے اندر متوسط درجے کا مال لیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ میں متوسط درجے کا مال لیا جاتا ہے، نہ بہت اعلیٰ اور نہ بہت ردی، متوسط درجے کا۔

تو اب مسئلہ یہ کہ مثلاً زکوٰۃ وصول کرنے والا، خلیفہ کی طرف سے جو آدمی مقرر تھا وہ آیا، اور مثلاً وہ جو مالک ہے جانوروں کا اس پر زکوٰۃ میں ایک **بِنْتِ لَبُون** واجب ہو رہا ہے، یا مثلاً اس پر ایک **حِقَّہ** واجب ہو رہا ہے۔ لیکن یہ جانور جو واجب ہو رہا ہے، یہ والا اس کے پاس نہیں ہے، اس سے اعلیٰ جانور موجود ہے۔ مثلاً **حِقَّہ** واجب ہو رہا ہے لیکن اس کے پاس **حِقَّہ** نہیں بلکہ **جَذَعَہ** ہے۔ یا اس سے ادنیٰ جانور موجود ہے، مثلاً واجب **حِقَّہ** ہو رہا ہے لیکن اس کے پاس **بِنْتِ لَبُون** موجود ہے، **حِقَّہ** موجود نہیں، تو اس صورت میں کیا کیا جائے گا؟

یا اسی طرح واجب تو اس پر **حِقَّہ** ہو رہا ہے، اور **حِقَّہ** متوسط درجے کا **حِقَّہ** لیا جائے گا، نہ بہت ادنیٰ **حِقَّہ** اور نہ بہت اعلیٰ۔ تو اس کے پاس مثلاً اعلیٰ **حِقَّہ** موجود ہے خوب موٹا تازہ اور صحت مند جس کی قیمت متوسط حقّے سے زیادہ ہے، یا بڑا ہی لاغر **حِقَّہ** موجود ہے جس کی قیمت متوسط حقّے سے کم ہے، تو اس صورت میں کیا کیا جائے گا؟

تو آپ کو بتلائیں گے صاحبِ قدوری کہ جو جانور واجب ہوا ہے اگر وہ زکوٰۃ دینے والے کے پاس وہ جانور نہیں، تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اس سے اعلیٰ جانور لے لے اور جو زائد قیمت بنتی ہے وہ اس کو واپس کر دے۔ مثلاً وہ واجب کیا ہوا؟ **حِقَّہ**، اور اس کے پاس تو **حِقَّہ** نہیں تو پھر اس سے کیا لے لے؟ **جَذَعَہ** لے لے، اور جو حقّے اور **جَذَعَہ** کی قیمت میں فرق ہے وہ واپس کر دے۔ مثلاً **حِقَّہ** ہے دس ہزار کا اور **جَذَعَہ** ہے پندرہ ہزار کا، اس کے پاس **حِقَّہ** نہیں ہے تو **جَذَعَہ** لے لے، اور **جَذَعَہ** کتنے کا؟ پندرہ ہزار کا، تو یہ پانچ ہزار اس کو واپس کر دے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

یا دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے پاس اگر کم درجے والا جانور ہے، مثلاً واجب **حِقَّہ** ہوا اور اس کے پاس **بِنْتِ لَبُون** ہے۔ اب **حِقَّہ** تو دس ہزار کا ہے متوسط درجے کا اور **بِنْتِ لَبُون** فرض کیجیے سات ہزار کا ہے، تو اس صورت میں اس سے **بِنْتِ لَبُون** کے ساتھ ساتھ تین ہزار مزید لے لے، تین ہزار روپے مزید لے لے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی۔

تو یہی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «**وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ**» اور وہ شخص جس پر **مُسِنَّہ** واجب ہوا «**فَلَمْ يُوجَدْ**» پس وہ نہیں پایا گیا، نہیں ملا «**أَخَذَ الْمُصَدِّقُ أَعْلَى مِنْهَا**» **مُصَدِّق** وہ زکوٰۃ لینے والا، تو لے لے زکوٰۃ لینے والا «**أَعْلَى مِنْهَا**» اس **مُسِنّ** سے اعلیٰ جانور لے لے «**وَرَدَّ الْفَضْلَ**» اور زائد قیمت لوٹا دے، واپس کر دے «**أَوْ أَخَذَ دُونَهَا**» یا اس سے کم درجے کا جانور لے لے، یعنی واجب تو **مُسِنّ** ہوا ہے لیکن اس کے پاس وہ نہیں، اس سے کم درجے والا ہے، تو وہ اس سے لے لے «**وَأَخَذَ الْفَضْلَ**» اور ساتھ جو زائد ہے وہ بھی اس سے لے لے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جیسے **بِنْتِ لَبُون** لیا ہے اور واجب تو **حِقَّہ** تھا، تو **بِنْتِ لَبُون** کے ساتھ زائد تین ہزار روپے بھی لے لے گا بھائی۔

آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: «**وَهَذَا يَبْتَنِي عَلَى أَنَّ أَخْذَ الْقِيمَةِ فِي بَابِ الزَّكَاةِ جَائِزٌ عِنْدَنَا**» کہ اس مسئلے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ قیمت لینا زکوٰۃ کے باب میں ہمارے نزدیک جائز ہے۔ وہ جانور وغیرہ یا جو چیز واجب ہوئی ہے اس کے بجائے اگر کوئی شخص اس کی قیمت دینا چاہے تو ہمارے نزدیک یہ جائز ہے، تو اس پر اس مسئلے کی بنیاد ہے۔ «**عَلَى مَا نَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى**» بوجہ اس کے جو ہم آگے ذکر کریں گے۔ تو ہمارے نزدیک قیمت لینا بھائی جائز ہے، اور قیمت دینا کیوں جائز ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ بھی آگے وہ ذکر کریں گے بھائی۔

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَهُ أَنْ لَ...

«إِلَّا أَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَهُ أَنْ لَا يَأْخُذَ وَيُطَالِبَهُ بِعَيْنِ الْوَاجِبِ أَوْ بِقِيمَتِهِ لِأَنَّهُ شِرَاءٌ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يُجْبَرُ لِأَنَّهُ لَا بَيْعَ فِيهِ بَلْ هُوَ إِعْطَاءٌ بِالْقِيمَةِ».

تو صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ اعلیٰ جانور لے کر جو زائد ہے وہ اس کو لوٹا دے، یا ادنیٰ لے کر اس کے ساتھ جو زائد قیمت بنتی ہے وہ بھی ساتھ لے لے۔ البتہ، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: البتہ پہلی صورت میں جب اعلیٰ جانور لے رہا ہے اور پھر اس کو کیا واپس کرتا ہے؟ جو زائد پیسے بنتے ہیں وہ اس کو واپس کرتا ہے، اس صورت کے اندر صدقہ لینے والے کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اعلیٰ لے لے اور بقیہ قیمت واپس لوٹا دے۔ مثلاً واجب کیا ہوا تھا؟ **حِقَّہ**، اور **حِقَّہ** تو نہیں، اس کے پاس کون سا مال ہے؟ **جَذَعَہ**۔ تو **جَذَعَہ** اس کو دے گا زکوٰۃ وصول کرنے والے کو، اور **جَذَعَہ** تھا پندرہ ہزار کا، تو کتنے ہزار واپس لے لے گا اس سے؟ پانچ ہزار۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ **جَذَعَہ** لے لے اور پانچ ہزار اس میں سے واپس کر دے۔ اس لیے کیونکہ جو پانچ ہزار وہ واپس کر رہا ہے گویا اس نے **جَذَعَہ** کا ایک حصہ اس سے خرید لیا ہے۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے نے کچھ حصہ جس کے پیسے دے رہا ہے وہ حصہ اس نے اس سے خرید لیا ہے، تو یہ شراء ہوئی، خرید نا ہوا، اور خرید کے اندر کسی کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، شراء پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ تو یہاں چونکہ شراء کی صورت بن رہی ہے، اعلیٰ لے گا اور باقی کی قیمت واپس کرے گا، اور شراء کے اندر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا اعلیٰ لینے پر ہی اور قیمت لوٹانے پر ہی صدقہ وصول کرنے والے کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

ہاں دوسری صورت میں اگر ادنیٰ جانور دے رہا ہے اور ساتھ زائد قیمت بھی دے رہا ہے، مثلاً واجب تو ہوا تھا **حِقَّہ**، اور اس کے پاس **حِقَّہ** ہے نہیں، کون سا جانور ہے؟ **بِنْتِ لَبُون** ہے، وہ دے رہا ہے، اور **حِقَّہ** تھا دس ہزار کا، **بِنْتِ لَبُون** ہے سات ہزار کا، تو وہ ایک **بِنْتِ لَبُون** اور ساتھ اس کے تین ہزار روپے دے دیتا ہے۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ لینے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ یہی تمہیں لینا پڑے گا جبکہ مالک یہ دے رہا ہو۔ وجہ اس کی یہ کہ یہاں پر واجب تو اس پر **حِقَّہ** ہے، حقّے کے بدلے میں وہ دے رہا ہے **بِنْتِ لَبُون** اور کچھ زائد رقم، تو یہ گویا حقّے کی قیمت دے رہا ہے۔ یہ سارا مال کیا ہے؟ حقّے کی... **حِقَّہ** تو دے ہی نہیں رہا، **حِقَّہ** تو واجب ہوا لیکن حقّے کے بجائے وہ کیا دے رہا ہے؟ اس کی قیمت دے رہا ہے، اور ہمارے نزدیک قیمت دے سکتا ہے یا نہیں ادائے زکوٰۃ کے اندر؟ قیمت دے سکتا ہے، تو جب قیمت دے سکتا ہے تو لہٰذا صدقہ لینے والے کو بھی مجبور کیا جاسکتا ہے اس میں کہ تمہیں یہی لینا پڑے گا بھائی۔ یعنی وہ یہاں پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے **حِقَّہ** ہی لا کر دو۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

یہ معنی ہے: **«إِلَّا أَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ»** مگر یہ کہ پہلی صورت میں یعنی جب اعلیٰ لیتا ہے اور زائد قیمت واپس کرتا ہے اس صورت میں **«لَهُ أَنْ لَا يَأْخُذَ»** وہ **مُصَدِّق** جو ہے، زکوٰۃ لینے والا جو ہے اس کو اختیار ہے کہ وہ نہ لے **«وَيُطَالِبَهُ بِعَيْنِ الْوَاجِبِ»** اور مطالبہ کرے **عَيْن** واجب کا کہ مجھے **حِقَّہ** ہی دو، میں **جَذَعَہ** نہیں لوں گا **«أَوْ بِقِيمَتِهِ»** یا اس حقّے کی مجھے قیمت دو، تو یہ اس کو اختیار ہے زکوٰۃ وصول کرنے والے کو کہ وہ **عَيْن** واجب یا قیمت کا مطالبہ کرے، تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ تو اس کو اختیار ہے، کیوں؟ کہتے ہیں: **«لِأَنَّهُ شِرَاءٌ»** کیونکہ یہ شراء ہے، خریداری خریدنا ہے، اور خرید میں کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ **«وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يُجْبَرُ»** اور دوسری صورت میں مجبور کیا جائے گا بھائی۔ کون سی صورت میں؟ جب واجب **حِقَّہ** ہوا ہے اور وہ کس قسم کا جانور دے رہا ہے؟ ادنیٰ جانور دے رہا ہے اور ساتھ کچھ زائد پیسے، اس صورت میں مجبور کیا جائے گا کہ یہی تمہیں لینے پڑیں گے **«لِأَنَّهُ لَا بَيْعَ فِيهِ»** اس لیے کیونکہ یہاں کوئی بیع نہیں ہے **«بَلْ هُوَ إِعْطَاءٌ بِالْقِيمَةِ»** بلکہ یہ قیمت کے ساتھ ادائیگی ہے بھائی، قیمت کے ساتھ وہ زکوٰۃ ادا کر رہا ہے۔ یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

■ مسئلہ: وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ عِنْدَنَا

«وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ عِنْدَنَا» یہ وہ مسئلہ آگیا جس کا صاحبِ ہدایہ نے ذکر کیا تھا کہ ہمارے نزدیک زکوٰۃ میں قیمت لینا بھی یا قیمت دینا بھی جائز ہے۔ تو کہتے ہیں: **«وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ عِنْدَنَا»** اور جائز ہے قیمتیں دینا زکوٰۃ کے اندر ہمارے نزدیک **«وَكَذَا فِي الْكَفَّارَاتِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالْعُشْرِ وَالنَّذْرِ»** اور اسی طرح کفارات میں ہے، اور صدقۂ فطر میں ہے، اور عُشر میں ہے، اور نذر یعنی منت میں ہے۔ یعنی جس طرح زکوٰۃ میں قیمت دینا جائز، اسی طرح کفارات، صدقۂ فطر، عُشر اور نذر کے اندر بھی قیمت دینا جائز۔

مثلاً بھائی زکوٰۃ کے اندر تو مثال گزر گئی، ایک شخص پر **حِقَّہ** واجب ہوا اور وہ **حِقَّہ** دینے کے بجائے اس کی قیمت دس ہزار دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ اسی طرح کفارات کے اندر، کسی پر مالی کفارہ آیا، مثلاً ایک شخص نے قسم کا کفارہ دینا ہے اور وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا، تو اب وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا کپڑے پہنانے کے بجائے ان کے برابر رقم، اس کھانے یا کپڑوں کے برابر رقم کیا کر دیتا ہے؟ فقراء کو دے دیتا ہے، تو یہ بھی جائز ہے۔ اسی طرح صدقۂ فطر بھائی، صدقۂ فطر آگے

سبق نمبر ۱۰۰: مسئلہ: وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ فَلَمْ يُوجَدْ أَ...

باب بھی آرہا ہے تفصیلی اس کا، صدقۂ فطر میں آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ گندم، جَو، کھجور وغیرہ یہ چیزیں دی جاتی ہیں، اور یہ واجب ہوتی ہیں، بعض کا ایک پورا صاع واجب ہوتا ہے، بعض میں نصف صاع واجب ہوتا ہے۔ تو اب یہاں دیکھیے، گندم، جَو یا کھجوریں وغیرہ واجب ہوئی ہیں لیکن اس کے بجائے اگر وہ ان کی قیمت دینا چاہے تو قیمت بھی دے سکتا ہے۔ اسی طرح بھائی عُشر ہے کہ کوئی فصل، کوئی پیداوار ہے، اس کا دسواں حصہ بطورِ صدقہ کے دینا پڑتا ہے، تو اب وہ فصل کا دسواں حصہ دینے کے بجائے کوئی شخص اس دسویں حصے کی قیمت دینا چاہے تو وہ قیمت بھی دے سکتا ہے۔ اسی طرح منت کے اندر بھی، منت کسی چیز کی مانی اس نے، مثلاً منت مانی کہ اللہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو یہ جو بکری ہے میری، یہ میں کیا کروں گا؟ آپ کے راستے میں صدقہ کر دوں گا، فقراء کو دے دوں گا، اور پھر بعد میں وہ بکری دینے کے بجائے اس بکری کی قیمت دینا چاہتا ہے تو اس کی قیمت دے سکتا ہے۔ یا مثلاً اس نے منت مانی تھی دیناروں کی اور بعد میں دینا درہم چاہتا ہے تو یہ درہم کیا ہیں؟ دیناروں کی قیمت ہیں، تو یہ بھی دے سکتا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

یہ معنی ہے کہ «وَكَذَا فِي الْكَفَّارَاتِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالْعُشْرِ وَالنَّذْرِ» اور اسی طرح ہے کفارات کے اندر بھی، اور صدقۂ فطر میں بھی، اور عُشر میں بھی، اور نذر میں بھی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَ...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: لَا يَجُوزُ اتِّبَاعًا لِلْمَنْصُوصِ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے، یعنی قیمتوں کا دینا جائز نہیں ہے «اتِّبَاعًا لِلْمَنْصُوصِ» منصوص کا اتباع کرتے ہوئے۔ یعنی منصوص وہ جس پر نَص آئی ہے بھائی۔ منصوص وہ جس پر نَص آئی ہے بھائی۔ یعنی وہ فرماتے ہیں کہ نَص کے اندر، نَص کے اندر مثلاً اونٹوں کے... پانچ اونٹوں کے اندر ایک بھیڑ بکری واجب ہے، تو بھیڑ بکری ہی دینا پڑے گی، اس کی قیمت نہیں دے سکتے، کیونکہ نَص کے اندر بھیڑ بکری کا ذکر آیا ہے، اس کی قیمت کا ذکر نہیں۔ اسی طرح مثلاً پچیس اونٹوں کے اندر ایک بِنْتِ مَخَاض کا ذکر ہے، وہ فرماتے ہیں بِنْتِ مَخَاض ہی دینا پڑے گا کیونکہ نَص کے اندر، حدیث کے اندر کس کا ذکر آیا ہے؟ بِنْتِ مَخَاض کا ذکر آیا ہے، اس کی قیمت کا ذکر نہیں آیا۔ اسی طرح بھائی گائے بیل تیس ہوں اور سائمہ اور سال گزر جائے تو ان میں کیا دینا پڑتا ہے؟ ایک تَبِيع یا تَبِيعَة۔ تو وہ فرماتے ہیں تَبِيع یا تَبِيعَة ہی دینا پڑے گا کیونکہ حدیث میں تَبِيع یا تَبِيعَة کا ذکر آیا ہے، ان کی قیمت کا ذکر نہیں آیا۔ تو وہ اس منصوص کا اتباع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیمت دینا جائز نہیں۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ اتِّبَاعًا لِلْمَنْصُوصِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیمت کا دینا جائز نہیں ہے منصوص کا اتباع کرتے ہوئے، یعنی منصوص کا اتباع کرتے ہوئے وہ یہ فرماتے ہیں۔ «كَمَا فِي الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا» جیسے کہ ہدایا کے اندر اور ضحایا کے اندر ہے۔ ہدایا جمع ہے ہَدْیٌ کی، ہَدْیٌ، اور ہَدْی وہ قربانی کا جانور جسے آپ آگے حج کے ابواب آرہے ہیں تب اس میں تفصیلاً ذکر ہو گا کہ بعض اوقات حاجی کیا کرتا ہے؟ اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے، اس کو ہَدْی کہتے ہیں، یا اسی طرح جو جانور قربانی کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا جاتا ہے اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ ہَدْی کہتے ہیں۔ اور ضحایا جمع ہے ضَحِيَّةٌ کی اور یہ قربانی کے جانور کو کہتے ہیں، جو عید وغیرہ پر ہم قربانی کرتے ہیں جس جانور کی اس کو کیا کہتے ہیں؟ ضَحِيَّةٌ۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ ان چیزوں کو قیاس کرتے ہیں ہَدْی اور قربانی کے جانور پر۔ وہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہَدْی اور قربانی کا جانور ہے، وہاں ان کو... ان کی قربانی ہی کرنا ضروری ہے، وہاں پر اگر قیمت صدقہ کرتا ہے تو وہ قربانی یا ہَدْی ادا نہیں ہو گی، بات سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ وہ فرماتے ہیں جیسے قربانی کے اندر جانور ہی کو قربان کرنا پڑے گا، اس کی قیمت اگر آپ فقراء پر صدقہ کر بھی دیں تو قربانی ادا نہیں ہوئی، ہَدْی کے اندر ہَدْی کا وہ جانور ہی بھیج کر اس کو ذبح کروانا پڑے گا، اس کی قیمت دینا... دینے سے وہ ہَدْی ادا نہیں ہو گی، تو یہ بھی اسی کی طرح ہیں، یہ بھی اسی کی طرح ہیں تو لہٰذا یہاں پر بھی جن چیزوں کا ذکر آیا ہے وہی چیزیں دینی پڑیں گی، ان کی قیمت نہیں دے سکتے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ گویا زکوٰۃ، کفارات، صدقۂ فطر، عُشر، نذر وغیرہ ان سب چیزوں کو قیاس کرتے ہیں کس پر؟ ہدایا اور ضحایا پر، اور ہدایا اور ضحایا میں تو بالاتفاق قیمت دینا صحیح نہیں بلکہ جانور ہی قربان کرنا پڑے گا، تو وہ فرماتے ہیں ان میں بھی جو نَص کے اندر جن چیزوں کا ذکر آیا وہی دینا پڑیں گی، قیمت نہیں دے سکتے۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی؟

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الْأَمْرَ بِالْأَدَاءِ إِلَى الْفَقِيرِ إِيصَالٌ لِلرِّزْقِ الْمَوْعُودِ إِلَيْهِ فَيَكُونُ إِبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ فَصَارَ كَالْجِزْيَةِ». ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ جو ہے فقراء کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کس کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ فقراء کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ دراصل وہ رزق جس کا اللہ نے ان فقراء سے وعدہ فرمایا تھا یہ ان کو وہ ان کا رزق پہنچایا جا رہا ہے بھائی، ان کا رزق پہنچایا جا رہا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار نہیں مگر یہ کہ اللہ پر اس کا رزق ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کا رزق اپنے اوپر لازم کر لیا، اپنے ذمے لے لیا، یعنی سب کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اللہ نے سب کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اور پھر اس دنیا کے اندر بعض لوگوں کو تو اللہ نے اسبابِ رزق دے دیے۔ بعض تجارت کے ذریعے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں، بعض کھیتی باڑی کے ذریعے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں، بعض جو ہیں وہ ملازمت کرتے ہیں اور اس کے ذریعے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں، بعض کاریگر ہیں بھائی وہ اپنے پیشے اور اپنے ہنر کے ذریعے کیا کرتے ہیں؟ اپنا رزق حاصل کرتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے پاس کوئی اسبابِ رزق نہیں، کوئی اسبابِ رزق نہیں، وہ فقراء ہیں، محتاج ہیں۔ جب ان کے پاس اسبابِ رزق نہیں تو یہ جو زکوٰۃ فقیروں کو دینے کا حکم دیا گیا، یہ دراصل ان سے جو اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ

تم سب کو رزق دینا... تم سب کو میں رزق دوں گا، تو یہ دراصل اس وعدے کی تکمیل کی جارہی ہے، اس وعدے کو اللہ تعالیٰ پورا فرمارہے ہیں کہ امراء کو مالداروں کو حکم دے دیا کہ کیا کرو؟ اپنے مال میں سے اتنی زکوٰۃ ان فقراء کو ادا کرو۔ تو یہ جو فقراء کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا یہ کیا کیا جارہا ہے؟ وہ جو وعدہ کیا ہوا رزق ہے وہ فقراء کو پہنچانے کا دراصل حکم دیا جارہا ہے۔

تو جب یہ فقراء کو زکوٰۃ دینے کا حکم یہ دراصل کیا ہے؟ ان کو وہ وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا حکم ہے دراصل، گویا یہ حکم دیا جارہا ہے میں نے جن سے جس رزق کا وعدہ کیا تھا وہ رزق ان کو کیا کرو؟ پہنچادو۔ تو یہ حکم جو وعدہ شدہ رزق پہنچانے کا ہے، یہ اس بھیڑ بکری وغیرہ یا جن چیزوں کو... جن چیزوں کا نصوص میں ذکر آتا ہے، اس قید کو یہ... یہ حکم باطل کر دیتا ہے۔ یہ حکم کیا کر دیتا ہے؟ باطل کرنے والا ہے۔ اس لیے کیونکہ فقراء اور جو محتاج ہیں ان کو ان کی صرف یہی ضرورت نہیں ہے کہ ان کو... ان کی ضرورتیں بہت ساری ہیں جو صرف اس بھیڑ بکری یا **بِنْتِ مَخَاض** دے دیا جائے یا مثلاً **تَبِيع یا تَبِيعَه** دے دیا جائے، اس کے ذریعے ان کی ساری ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں بھائی۔ ہاں البتہ اگر ان کو قیمت دی جائے گی تو اس کے ذریعے کیا کر لیں گے؟ وہ اپنی ہر ضرورت پوری کر لیں گے۔

دوبارہ سنیے بھائی: فقراء کو یہ جو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے، یہ دراصل کس چیز کا حکم ہے؟ یہ دراصل حکم دیا جارہا ہے اس وعدہ کیے ہوئے رزق کے پہنچانے کا، کہ وعدہ کیا ہوا رزق ان کو پہنچادو۔ اور رزق اور ضروریات جو ہیں اس کی کیا صرف اسی بھیڑ بکری یا **بِنْتِ مَخَاض** یا **تَبِيع یا تَبِيعَه** کے اندر بند ہیں یا اور بھی ان کی بہت سی ضروریات ہیں؟ اور بھی۔ تو جب یہ حکم دیا جارہا ہے کہ وعدہ کیا ہوا رزق ان کو پہنچادو، تو یہ حکم ہی کیا کر دیتا ہے؟ اس قید کی نفی کر دیتا ہے، یہ حکم ہی بتلا دیتا ہے کہ اس کی جانور کی قیمت بھی دے سکتے ہو، صرف وہ جانور ہی نہیں بلکہ کیا کر سکتے ہو؟ جانور کی قیمت بھی دے سکتے ہو۔ کیونکہ حکم کس چیز کا ہے؟ وعدہ کیے ہوئے رزق پہنچانے کا، تو ان کو جب ان کی قیمت دے دیں گے تو وعدہ کیا ہوا رزق پہنچے گا یا نہیں پہنچے گا؟ اور اس کے ذریعے وہ زیادہ بہتر طریقے سے اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں یا اس جانور کے ذریعے بہتر طریقے سے اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں؟ قیمت کے ذریعے زیادہ بہتر طریقے سے وہ پوری کر سکتے ہیں۔ تو یہ جب وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا حکم دیا جارہا ہے تو یہ حکم ہی کیا کر دیتا ہے وہ جو احادیث کے اندر قیدیں آگئیں کہ **تَبِيع یا تَبِيعَه** دو، یا بکری دو، یا **بِنْتِ مَخَاض** دو، ان کی کیا کر دیتا ہے؟ نفی کر دیتا ہے، معلوم ہوا وہی جانور دینا لازم نہیں ہے کیونکہ رزق پہنچانا ہے، تو لہٰذا کس صورت میں دے سکتے ہو؟ قیمت کی صورت میں بھی دے سکتے ہو، اور قیمت کی صورت میں دینا بلکہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کے ذریعے وہ اپنی ہر ضرورت فوری طور پر پوری کر سکے گا۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جانور اس کو دے دیا جائے جیسا حدیث میں آیا ہے، اور اس کو تو وہ خود بیچ کر کیا کر لے گا؟ اپنی ضرورتیں پوری کر لے گا۔ تو جواب یہ کہ ہو سکتا ہے اس کی کوئی فوری حاجت ہو، اب آپ نے اس کو مثلاً... **يَرْحَمُكَ اللَّهُ**... ہو سکتا ہے اس کی کوئی فوری ضرورت ہو، آپ نے اس کو **بِنْتِ مَخَاض** دے دیا مثلاً، آپ پر کیا واجب تھا؟ **بِنْتِ مَخَاض**، تو کیا اس کے ذریعے اب وہ فوری اپنی ضرورت پوری کر سکے گا؟ مثلاً کوئی اور ضرورت ہے اس کی، مثلاً اسے کپڑے چاہییں پہننے کے لیے، اب وہ ضرورت پوری نہیں کر سکے گا بلکہ کیا کرنا پڑے گا اسے؟ اس **بِنْتِ مَخَاض** کو بیچنا پڑے گا، تو وہ مشکل میں پڑ جائے گا۔ اور نیز اگر فوری ضرورت ہوئی پھر... پھر تو اس **بِنْتِ مَخَاض** کو پوری قیمت پر بھی وہ نہیں بیچ سکتا کیونکہ فوری گاہک تو کہیں سے نہیں ملے گا، خریدار تو فوراً کہیں سے نہیں ملے گا، تو لازمی بات ہے اسے فوری ضرورت ہے وہ اسے اونے پونے داموں جتنی قیمت پر بھی بکتا ہے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرے گا، تو اگر آپ اس کو قیمت دیتے تو پوری قیمت ادا کرتے، اور جب اب خود اس کو بیچنا پڑا تو اب اس کو پیسے تھوڑے ملے، تو لہٰذا معلوم ہوا فائدہ کس کے اندر ہے اس کا زیادہ؟ کہ پوری قیمت اس کو ادا کر دی جائے۔

تو لہٰذا تو یہ جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا، یہ دراصل اس وعدہ شدہ رزق کے پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے، اور وعدہ شدہ رزق کے پہنچانے کا جب حکم دیا جارہا ہے تو یہ کیا کر دیتا ہے؟ ان قیدوں کی نفی کر دیتا ہے کہ معلوم ہوا وہ چیزیں دینا لازم نہیں ہے۔ یہ کس سے پتہ چلتا ہے؟ یہ جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا جارہا، یعنی مثلاً ﴿**آتُوا الزَّكَاةَ**﴾ کہا جارہا ہے، کیا کرو؟ تو یہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دراصل کس چیز کا حکم ہے؟ وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا حکم ہے، اور وعدہ کیا ہوا رزق جب پہنچانے کا حکم ہے یہ کیا کر رہا ہے؟ ان قیدوں کی نفی کر رہا ہے کیونکہ جب رزق دینا ہے تو وہ صورت زیادہ بہتر ہو گی جس کے ذریعے وہ اپنی ضرورتیں فوری طور پر اور اچھے طریقے سے پوری کر سکے، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو جب قیمت ملے گی وہ اس کے ذریعے اس کی جو جو بھی ضرورت وہ پوری کرنا چاہے گا خوب آسانی کے ساتھ ضرورت پوری کر لے گا، چاہے اس کو کھانے کی ضرورت ہے، چاہے کپڑے کی ضرورت ہے، چاہے کوئی اور ضرورت ہے وہ سب پوری کر سکتا ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ دیکھیے بھائی: «**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل یہ ہے «**أَنَّ الْأَمْرَ بِالْأَدَاءِ إِلَى الْفَقِيرِ**» کہ فقیر کو ادائیگی کا حکم جو ہے «**إِيصَالٌ لِلرِّزْقِ الْمَوْعُودِ إِلَيْهِ**» وہ اس کو وعدہ کیے ہوئے رزق اس کی طرف پہنچانا ہے، اس کی طرف پہنچانا ہے یعنی یہ اس پہنچانے کا حکم ہے «**فَيَكُونُ إِبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ**» تو یہ جو حکم ہے کس چیز کا؟ وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا جو حکم ہے، یہ «**إِبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ**» یہ باطل کرنے والا ہے بھیڑ بکری کی قید کو۔ معلوم ہوا بھیڑ بکری دینا ہی لازمی نہیں، دے دے تو ٹھیک ہے اس کا تو حدیث میں ذکر ہے اس سے انکار نہیں، ہاں البتہ لازم نہیں ہے۔ یہ کس سے پتہ چلا؟ وہ جو فقراء کو وعدہ کیا ہوا رزق پہنچانے کا حکم دیا گیا اس سے پتہ چلا کہ یہ لازم نہیں ہے، لازم نہیں بلکہ ان کی قیمت بھی دے سکتے ہو۔

تو یہاں جو آیا نا: «**فَيَكُونُ إِبْطَالًا لِقَيْدِ الشَّاةِ**» تو یہ حکم باطل کرنے والا ہے بھیڑ بکری کی قید کو جو حدیث میں آئی ہے۔ اس شاۃ سے شاۃ ہی نہیں مراد، بھیڑ بکری نہیں مراد بلکہ جو جو چیزیں ذکر ہوئی ہیں احادیث کے اندر۔ مثلاً **تَبِيع یا تَبِيعَه** کا ذکر آیا، معلوم ہوا وہ بھی لازمی نہیں، اسی طرح **بِنْتِ مَخَاض، بِنْتِ لَبُون، حِقَّه، جَذَعَه** وغیرہ کا ذکر آیا، معلوم ہوا وہ بھی دینا لازمی نہیں بلکہ ان کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ اسی طرح بھائی صدقۂ فطر کے اندر ایک صاع یا نصف صاع جو چیزیں

دینے کا حکم آیا ہے، معلوم ہوا وہ صاع یا نصف صاع دینا بھی ضروری نہیں بلکہ اس کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ اسی طرح عُشر کے اندر فصل کا دسواں حصہ دینے کا ذکر آیا ہے لیکن وہ دسواں حصہ معلوم ہوا دینا ضروری نہیں بلکہ اس کی قیمت بھی دے سکتے ہیں، تو یہ چیزیں لازم نہیں ہیں کہ یہی دی جائیں۔

■ مسئلہ: فَصَارَ كَالْجِزْيَةِ

«فَصَارَ كَالْجِزْيَةِ» تو یہ کس کی طرح ہوئے؟ یہ جزیہ کی طرح ہو گیا، اور جزیہ کے اندر تو بالاتفاق قیمت دینا جائز ہے۔ جزیہ بھائی جو جو کفار دار الاسلام میں رہتے ہیں اور ان سے سالانہ ٹیکس لیا جاتا ہے کہ سارا سال مملکتِ اسلامی تمہاری حفاظت کرے گی، تو اس پر ان سے معمولی سا ٹیکس، بڑا ہی تھوڑا سا ہے بھائی، وہ لیا جاتا ہے، تو وہ مثلاً ایک شخص پر سال بھر میں ایک درہم آتا ہے یا دو درہم، جو بھی ہے وہ مقدار، تو وہ اگر اس مقدار درہم کے بجائے کیا کر دیتا ہے؟ اس کی قیمت دینا چاہے تو قیمت بالاتفاق دے سکتا ہے بھائی۔ تو یہ بھی کس کی طرح ہوئی یہ چیزیں؟ جزیہ کی طرح ہوئی، اور وہاں بالاتفاق قیمت دینا جائز، تو ان سب چیزوں کے اندر بھی قیمت دینا جائز۔

اب آگے «بِخِلَافِ الْهَدَايَا» یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ان چیزوں کو کس پر قیاس کیا تھا؟ ہدایا اور ضحایا پر، بَدْی اور قربانی کے جانوروں پر، اور فرماتے تھے وہاں پر دیکھو بَدْی کے اندر اس کی قیمت دے دینا یا قربانی کے جانور میں اس کی قیمت صدقہ کر دینا اس سے وہ ادا نہیں ہوں گے۔ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ نہیں، آپ زکوٰۃ کو بَدْی اور قربانی پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ دونوں بالکل الگ الگ چیزیں ہیں، بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ بَدْی اور قربانی جو ہے اس میں وہ جانور کو کیا کیا جاتا ہے؟ ذبح کیا جاتا ہے، معلوم ہوا وہاں پر... وہاں پر اس جانور کو ذبح کرنا، اس کا خون بہا دینا یہ عبادت ہے، کیونکہ یہ حکم کس نے دیا؟ شریعت نے دیا ہے نا، شریعت نے بطورِ عبادت کے ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور خون کا بہا دینا یہ عبادت ہے یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آتی، یہ بات عقل میں آنے والی نہیں۔ بھائی آپ نماز پڑھ رہے ہیں ٹھیک ہے نماز تو عبادت ہے، آپ اللہ کے سامنے جھکتے ہیں، اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں وغیرہ۔ روزہ رکھتے ہیں ٹھیک ہے اس کا بھی عبادت... عبادت ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ آپ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں فقراء کی مدد ہو جاتی ہے اس میں بھی عبادت کا ہونا سمجھ میں آتا ہے، لیکن جانور کو ذبح کرنا اور اس کا خون بہانا یہ عبادت ہے یہ اس کی وجہ عقل میں سمجھ... عقل میں نہیں آتی، لیکن شریعت نے جیسا حکم دیا اسی طرح اس پر عمل کیا جائے گا۔

تو دلیل یہاں یہ بیان ہو رہی ہے کہ بَدْی اور قربانی وہاں پر خون کا بہا دینا عبادت ہے اور وہ عقل میں آنے والی چیز نہیں ہے، جبکہ زکوٰۃ کے اندر فقراء کی مدد کرنا ہے اور فقراء کی مدد کا عبادت ہونا یہ تو ہمیں ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ تو وہ بَدْی اور قربانی وہ عبادت ہے لیکن غیر معقول ہے، عقل میں آنے والی نہیں، اور زکوٰۃ ایسی عبادت ہے جو معقول ہے یعنی عقل میں آنے والی ہے، تو آپ ایک معقول چیز کو کس پر قیاس کر رہے ہیں؟ غیر معقول پر، یہ صحیح نہیں۔ معقول کو معقول پر قیاس کیا جا سکتا ہے، معقول کو غیر معقول پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں «بِخِلَافِ الْهَدَايَا» بخلاف بَدْی کے «لِأَنَّ الْقُرْبَةَ فِيهَا إِرَاقَةُ الدَّمِ وَهُوَ لَا تُعْقَلُ» اس لیے کیونکہ عبادت اس کے اندر وہ خون کا بہا دینا ہے «وَهُوَ لَا تُعْقَلُ» اور وہ معقول نہیں ہے، وہ عقل میں آنے والا نہیں کہ یہ خون کا بہا دینا کس طرح عبادت ہے، لیکن جیسا شریعت نے حکم دیا اسی طرح اس پر عمل کیا، تو وہ غیر معقول ہے۔ «وَوَجْهُ الْقُرْبَةِ فِي الْمُتَنَازَعِ فِيهِ سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ» اور قربت یعنی عبادت کی وجہ متنازع فیہ کے اندر یعنی جس کے اندر جھگڑا ہے، اختلاف ہے۔ کس چیز میں اختلاف یہاں ذکر ہو رہا ہے؟ کہ زکوٰۃ میں اور ان چیزوں میں قیمت دے سکتے ہیں یا قیمت نہیں دے سکتے۔ تو اس متنازع فیہ کے اندر بھائی یعنی زکوٰۃ کے اندر اس کی قیمت دینے میں قربت یعنی عبادت ہونے کی وجہ جو ہے «سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ»، سد کا معنی ہے بند کرنا، خَلَّةٌ کہتے ہیں محتاجی، ضرورت کو محتاجی کو۔ اس میں محتاج کی محتاجی کو بند کرنا یعنی اس کو ختم کرنا ہے، اس کو دور کرنا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ «وَوَجْهُ الْقُرْبَةِ فِي الْمُتَنَازَعِ فِيهِ» اور متنازع فیہ یعنی زکوٰۃ میں قیمت دینے کے مسئلے... قیمت دینے کے مسئلے میں عبادت کی وجہ وہ محتاج کی محتاجی کو دور کرنا ہے «وَهُوَ مَعْقُولٌ» اور وہ معقول ہے، عقل میں آنے والی چیز ہے۔ تو لہٰذا اس معقول کو غیر معقول پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک دلیل سمجھ میں آ گئی؟ تو معلوم ہوا ہمارے نزدیک ان چیزوں میں ان کی قیمت دینا بھی جائز ہے، اس لیے کیونکہ ان چیزوں کا جو حکم دیا گیا وہ دراصل فقراء کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے، اور فقراء کی ضرورت وہ کس کے ساتھ پوری ہو گی؟ جیسے اس جانور کے ذریعے یا ان چیزوں کے ذریعے پوری ہو جائے گی اسی طرح قیمت کے ساتھ بھی پوری ہو جاتی ہے اور بلکہ قیمت کے ساتھ زیادہ بہتر انداز میں پوری ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: وَلَيْسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعُلُ...

«وَلَيْسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعُلُوفَةِ صَدَقَةٌ» عَوَامِل، حَوَامِل اور عَلُوفَہ کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے، ان کے اندر صدقہ نہیں ہے۔ عَوَامِل جمع ہے عَامِلَةٌ کی، وہ جانور جن کو کام کاج کے لیے رکھا گیا ہو بھائی۔ حَوَامِل جمع ہے حَامِلٌ کی، وہ جانور جو بوجھ اٹھانے والے ہیں، کیا کرنے والے ہیں؟ بوجھ اٹھانے والے ہیں، اور عَلُوفَہ عَلَف سے ہے بھائی، عَلَف کہتے ہیں جانور کا جو چارہ ہوتا ہے چارہ، تو عَلُوفَہ وہ جانور جن کو گھروں پر چارہ لا کر کھلایا جاتا ہے۔ ماقبل میں جن جانوروں کا ذکر تھا وہ سائمہ تھے، وہ باہر خود چر کر گزارا کرتے تھے، اور یہ عَلُوفَہ وہ جانور جن کو گھروں پر چارہ لا کر کھلایا جاتا ہے۔ تو صاحبِ قدوری فرماتے ہیں

سبق نمبر ۱۰۰: مسئلہ: وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ فَلَمْ يُوجَدْ أَ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

کہ کام کاج کے لیے جو جانور رکھے گئے ہوں اور اسی طرح بوجھ اٹھانے کے لیے یعنی باربرداری کے لیے جو جانور رکھے ہوں اور اسی طرح جو **عَلُوفَہ** جانور ہیں جن کو گھروں پر چارہ لاکر کھلایا جاتا ہے ان کے اندر صدقہ نہیں ہے، «**خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ**» بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں ان سب جانوروں کے اندر صدقہ یعنی زکوٰۃ واجب ہے۔

«**لَهُ ظَوَاهِرُ النُّصُوصِ**» ان کی دلیل ظاہری نصوص ہیں بھائی، یعنی ظاہری نصوص ہیں، قرآن وحدیث کے ظاہری الفاظ کی طرف وہ دیکھتے ہیں اور عام احادیث میں مثلاً یہ ذکر آتا ہے کہ پانچ اونٹوں کے اندر ایک بھیڑ بکری ہے، دس کے اندر مثلاً دو بھیڑ بکریاں ہیں، تو وہاں کوئی قید وغیرہ ذکر نہیں۔ کوئی قید وغیرہ ذکر نہیں کہ یہ جانور **عَوَامِل** نہیں ہونے چاہئیں، **حَوَامِل** نہیں ہونے چاہئیں، **عَلُوفَہ** نہیں ہونے... یہ قیدیں وہاں ذکر نہیں۔ سمجھ میں... اسی طرح قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿**خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً**﴾ کہ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے یعنی زکوٰۃ لے لیجیے، تو یہاں بھی دیکھیے اموال کا لفظ آیا، اور یہ جانور بھی جن کو باربرداری کے لیے رکھا ہو یا گھر پر چارہ کھلائیں، یہ بھی مال ہیں یا مال نہیں؟ تو یہ بھی سارے مال۔ تو ظاہری نصوص جو ہیں وہ ان سب کو شامل ہیں، ظاہری نصوص ان سب کو شامل ہے، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب کے اندر زکوٰۃ دینا پڑے گی، چاہے **حَوَامِل** ہوں، چاہے **عَوَامِل** ہوں، چاہے **عَلُوفَہ** ہوں بھائی۔

«**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل جو ہے «**قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» وہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، یہ حدیث ہے: «**لَيْسَ فِي الْحَوَامِلِ وَالْعَوَامِلِ وَلَا فِي الْبَقَرَةِ الْمُثِيرَةِ صَدَقَةٌ**» حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ **حَوَامِل، عَوَامِل** میں نہیں ہے اور اسی طرح «**فِي الْبَقَرَةِ الْمُثِيرَةِ**»، **بَقَرَةِ مُثِيرَہ** ہل چلانے والا بیل بھائی۔ **أَثَارَ يُثِيرُ** کے معنی ہیں ہل چلانا، تو وہ بیل جو ہل چلانے والے ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے بھائی۔ **حَوَامِل، عَوَامِل** اور ہل چلانے والے بیلوں میں زکوٰۃ نہیں ہے بھائی۔ **بَقَرَةٌ** کا ترجمہ میں نے بیل کے کیے، اس لیے کیونکہ میں یہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ **بَقَرَةٌ** کے اندر جو تا ہے یہ تانیث کی نہیں ہے بلکہ وحدت کی ہے، اس کا اطلاق مذکر پر بھی ہوتا ہے اور مؤنث پر بھی ہوتا ہے، اور عام طور پر کس کو استعمال کرتے ہیں ہل چلانے کے لیے؟ بیل کو استعمال کرتے ہیں بھائی۔ تو یہ حدیث ہماری دلیل ہے، اس میں ذکر آگیا **حَوَامِل، عَوَامِل** وغیرہ کا بھی۔

اور نیز دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں، وہ عقلی دلیل بھی، کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي**» اور نیز اس لیے کہ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب جو ہے وہ مالِ نامی ہے، وہ مال جو نامی ہو، بڑھنے والا ہو جس میں بڑھوتری پائی جائے، اور مالِ نامی کی دلیل کیا ہے؟ کہ کس مال کو مالِ نامی کہیں گے؟ کہتے ہیں: «**وَدَلِيلُهُ الْإِسَامَةُ أَوِ الْإِعْدَادُ لِلتِّجَارَةِ**» اور مالِ نامی ہونے کی دلیل اس کا سائمہ ہونا ہے یعنی سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارنے والا ہو، تو مالِ نامی کی دلیل وہ سائمہ ہونا ہے «**أَوِ الْإِعْدَادُ لِلتِّجَارَةِ**» یا تجارت کے لیے تیار کرنا ہے، کہ وہ مال کس لیے ہو؟ تجارت کے لیے ہو، تو پھر وہ مال نامی ہوگا۔ وہ مال کیا ہوگا؟ وہ مال نامی ہوگا۔

تو یہ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں، ایک دلیل حدیث ذکر کر دی اور دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی کہ ان **عَوَامِل، حَوَامِل** اور **عَلُوفَہ** کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ یہ مالِ نامی نہیں ہے، اور زکوٰۃ ہر مال میں نہیں آتی بلکہ کس مال میں آتی ہے؟ مالِ نامی کے اندر آتی ہے، اور مالِ نامی کا پتہ کس سے چلے گا؟ کہتے ہیں دو چیزیں ہیں، دو دلیلیں ہیں اس کی: یا تو وہ جانور کیسا ہونا چاہیے؟ سائمہ ہو، تو یہ بھی معلوم ہوا وہ مالِ نامی ہے، یا وہ کس لیے ہو؟ تجارت کے لیے ہو تو یہ بھی دلیل ہے کہ یہ مالِ نامی۔ جبکہ سونا، چاندی، کرنسی وغیرہ اس میں تجارت کے لیے ہونا ضروری نہیں بلکہ ان کی تو تخلیق ہی کس لیے ہوئی ہے؟ ان کو اللہ نے پیدا ہی کس لیے فرمایا ہے؟ ان کو تو پیدا ہی تجارت کے لیے کیا گیا ہے بھائی، بطورِ **ثَمَن** کے ان کو پیدا کیا گیا کہ اس کے ذریعے کیا کریں گے؟ لوگ چیزوں کو خریدیں گے بھائی۔ تو باقی اور مالوں کے اندر دیکھنا پڑے گا کہ وہ سائمہ ہے یا سائمہ نہیں، اگر سائمہ نہیں پھر دیکھیں گے کہ یہ مالِ تجارت ہے یا مالِ تجارت نہیں، تو ان میں سے کوئی ایک دلیل بھی ان میں پائی گئی تو اس کو مالِ نامی کہیں گے اور پھر اس میں زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہیں۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي

«**لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي**» اس لیے کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب وہ مالِ نامی ہے «**وَدَلِيلُهُ الْإِسَامَةُ أَوِ الْإِعْدَادُ لِلتِّجَارَةِ**» اور مالِ نامی ہونے کی دلیل سائمہ ہونا ہے یا تجارت کے لیے تیار کرنا ہے، یا کس لیے تیار کرنا ہے؟ تو بھائی وجوبِ زکوٰۃ کا سبب مالِ نامی ہے، اور مالِ نامی ہونے کی دلیل حیوانات کے اندر کیا ہے؟ یا تو وہ سائمہ ہونے چاہئیں یا ان کو کس لیے رکھا گیا ہو؟ تجارت کے لیے رکھا گیا ہو «**وَلَمْ يُوجَدْ**» اور ان میں سے کوئی دلیل نہیں پائی گئی۔ **عَوَامِل، حَوَامِل** اور **عَلُوفَہ** کے اندر ان دلیلوں میں سے کوئی دلیل نہیں پائی گئی، کون سی دلیلیں؟ سائمہ ہونا یا تجارت کے لیے تیار ہونا، یہ سائمہ بھی نہیں اور تجارت کے لیے بھی نہیں، تو ان کے اندر دلیل نہیں مالِ نامی ہونے کی، جب مالِ نامی ہونے کی دلیل نہیں تو یہ مالِ نامی بھی نہیں۔ دلیل ہوگی تو یہ مالِ نامی ہوں گے، دلیل نہیں تو مالِ نامی بھی نہیں۔ تو یہ مالِ نامی نہ ہوئے، اور مالِ نامی تو سبب تھا وجوبِ زکوٰۃ کا، تو وہ مالِ نامی جب یہ نہیں ہے تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

«**وَلِأَنَّ فِي الْعَلُوفَةِ**» **عَلُوفَہ** زیادتی تو اس کے اندر بھی ہوتی ہے، ایک جانور ہے اس کو آپ گھر پر چارہ لاکر کھلاتے ہیں لیکن اس میں بھی نماء تو ہوتی ہے، اس کی مثلاً اولاد وغیرہ آگے اس کے بچے ہوتے ہیں، تو زیادتی اس میں آگئی یا نہیں آگئی؟ تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، کہتے ہیں بھائی کہ یہ **عَلُوفَہ** جانور جو ہیں اس میں اگرچہ نماء ہوتی ہے، ان میں نماء ہوتی ہے لیکن سارا سال ان کو چارہ کھلانے کی مشقت اور خرچہ بھی تو اٹھانا پڑتا ہے، تو وہ اتنا خرچہ ہو جاتا ہے اور اتنی مشقت ہو

جاتی ہے کہ اس کے مقابلے میں یہ نَماء گویا ہے ہی کچھ نہیں، یہ زیادتی یہ ہے ہی کچھ نہیں، تو لہٰذا اس مشقت کی وجہ سے یہاں وہ نَماء بھی کیا ہو جاتی ہے؟ معدوم ہو جاتی ہے، تو نَماء گویا پائی نہیں گئی، اور جب نَماء نہیں پائی گئی تو یہ مالِ نامی نہیں، جب مالِ نامی نہیں تو اس کے اندر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ فِي الْعَلُوفَةِ تَتَرَاكَمُ الْمُؤْنَةُ فَيَنْعَدِمُ النَّمَاءُ مَعْنًى**» اور اس لیے کیونکہ **عَلُوفَه** جانور جو ہے اس میں **تَتَرَاكَمُ، تَرَاكُمٌ** کا معنی ہوتا ہے جمع ہونا، ڈھیر لگنا، انبار لگنا۔ اس لیے کیونکہ **عَلُوفَه** جانور کے اندر **مُؤْنَة** یعنی مشقت اور خرچے کا جو ہے ڈھیر لگ جاتا ہے، مسلسل کیا کرنا پڑتا ہے ان کو؟ چارہ لا کر کھلانا پڑتا ہے، «**فَيَنْعَدِمُ النَّمَاءُ مَعْنًى**» تو لہٰذا وہ جو ان کے اندر نَماء ہوتی ہے بڑھوتری وہ معدوم ہو جاتی ہے **مَعْنًى** باعتبار معنی کے۔ معنی کے اعتبار سے کیا ہو جاتی ہے؟ بھائی ظاہری اعتبار سے تو معدوم نہیں، اس کے بچے ہیں، بچے ہوئے ہیں اس جانور کے جو **عَلُوفَه** ہے، بچے بڑھ رہے ہیں، وہ تو ختم نہیں وہ تو زندہ ہیں لیکن اتنا خرچہ ہوا کہ اس خرچے کے سامنے وہ زیادتی بھی گویا لازیادتی ہے کہ گویا کچھ زیادتی اس میں ہوئی ہی نہیں۔ یہ معنی ہے کہ «**فَيَنْعَدِمُ النَّمَاءُ مَعْنًى**» تو وہ نَماء وہ زیادتی معنی کے اعتبار سے کیا ہو جاتی ہے؟ معدوم ہو جاتی ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ السَّائِمَةُ هِيَ الَّتِي تَكْتَفِي بِالرَّعْيِ...

«**ثُمَّ السَّائِمَةُ هِيَ الَّتِي تَكْتَفِي بِالرَّعْيِ فِي أَكْثَرِ الْحَوْلِ**» اچھا! سائمہ جانور کس کو کہتے ہیں؟ اب صاحبِ ہدایہ وہ بیان فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں سائمہ جانور «**هِيَ الَّتِي**» یہ وہ جانور ہے «**الَّتِي تَكْتَفِي بِالرَّعْيِ**»، **رَعَى يَرْعَى** کے معنی ہوتے ہیں چرنے کے، جو «**الَّتِي تَكْتَفِي بِالرَّعْيِ**» جو چرنے پر اکتفاء کرتا ہے «**فِي أَكْثَرِ الْحَوْلِ**» سال کے اکثر حصے میں، یعنی سال کا اکثر حصہ وہ باہر مباح جنگلوں میں چَر کر گزارتا ہے، یعنی وہ چرنے کا بھی معاوضہ، ان جنگلوں کا معاوضہ نہیں دینا پڑتا، یہ قید میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ تو جو سال کا اکثر حصہ چَر کر گزارتا ہے، «**حَتَّى لَوْ أَعْلَفَهَا نِصْفَ الْحَوْلِ أَوْ أَكْثَرَ كَانَتْ عَلُوفَةً**» یہاں تک کہ اگر اس کو چارہ کھلایا آدھا سال گھر پر «**أَوْ أَكْثَرَ**» یا اس سے زیادہ «**كَانَتْ عَلُوفَةً**» تو پھر وہ سائمہ نہیں ہو گا بلکہ **عَلُوفَه** ہو گا «**لِأَنَّ الْقَلِيلَ تَابِعٌ لِلْأَكْثَرِ**» اس لیے کیونکہ قلیل جو ہے وہ اکثر کے تابع ہوتا ہے۔ قلیل کیا ہوتا ہے؟ اکثر کے تابع ہوتا ہے۔

تو یہ دلیل ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ بھائی دیکھیے دراصل سائمہ جانور جو ہیں نا سائمہ جانور، جو جانور سارا سال باہر چَر کر گزارتا ہے وہ تو بالاتفاق سائمہ ہے، وہ تو بالاتفاق سائمہ ہے۔ البتہ اگر اس سائمہ جانور کو چند دن گھر پر چارہ لا کر کھلایا گیا، مثلاً دو چار دن ہی چارہ گھر پر لا کر کھلایا گیا سال بھر کے اندر، تو کیا پھر بھی یہ سائمہ رہے گا یا سائمہ نہیں رہے گا؟ تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ نہیں، دو چار دن بھی اگر اس کو گھر پر چارہ لا کر کھلانا پڑتا ہے تو یہ سائمہ نہیں، یہ سائمہ نہیں۔ جبکہ احناف نے متوسط راستے کا انتخاب کیا کہ نہیں بھائی، تھوڑا بہت تو کبھی چارہ گھر پر لا کر کھلانا ہی پڑتا ہے، سمجھ میں آیا؟ مثلاً بھائی بعض اوقات کوئی بارشیں وغیرہ یا کوئی ایسا مسئلہ بن گیا کہ جانور کو جنگل بھیجا ہی نہیں بلکہ کیا کرنا پڑا؟ گھر پر ہی چارہ کھلانا پڑا، یا مثلاً کوئی بڑا ٹھنڈ اعلاقہ ہے وہاں برفباری زیادہ ہو گئی تو کئی دن اس کو پھر گھر پر چارہ کھلانا پڑا، تو تھوڑا بہت تو سائمہ جانور کو بھی کبھی کبھار گھر میں چارہ کھلانا ہی پڑتا ہے اس کو چارہ لا کر، تو اس سے وہ سائمہ ہونے سے خارج نہیں ہو جائے گا بلکہ اس کو پھر بھی کیا قرار دیا جائے گا؟ سائمہ، کیونکہ اکثر... سال کا اکثر حصہ تو وہ جنگل میں چَر کر گزارتا رہا، اور جب اکثر حصہ اس نے چَر کر گزارا ہے تو اقل اکثر کے تابع شمار ہو گا اور یوں سمجھا جائے گا گویا سارا سال ہی اس نے جنگل میں چَر کر گزارا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «**لِأَنَّ الْقَلِيلَ تَابِعٌ لِلْأَكْثَرِ**» اس لیے کیونکہ قلیل جو ہوتا ہے وہ اکثر کے تابع ہوتا ہے، تو اگر تھوڑا بہت اس کو گھر پر چارہ کھلایا بھی گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ قلیل ہے اور یہ اکثر کے تابع ہے، تو گویا اس کو بھی یوں ہی شمار کیا جائے گا کہ وہ جنگل میں چَر کر ہی چَرتا ہی رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «**لِأَنَّ الْقَلِيلَ تَابِعٌ لِلْأَكْثَرِ**» کیونکہ قلیل کیا ہے؟ اکثر کے تابع ہوتا ہے، تو یہاں بھی اگر قلیل اس کو گھر پر چارہ کھلایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَلَا يَأْخُذُ الْمُصَدِّقُ خِيَارَ الْمَالِ وَلَا...

«**وَلَا يَأْخُذُ الْمُصَدِّقُ خِيَارَ الْمَالِ وَلَا رُذَالَتَهُ وَيَأْخُذُ الْوَسَطَ**» **خِيَارُ الْمَالِ، خِيَارُ الْمَالِ** کہتے ہیں مال کا سب سے عمدہ اور قیمتی حصہ، اور **رُذَالَةُ الْمَالِ، رُذَالَةُ، رُذَالَة** کے معنی سب سے ادنیٰ اور گھٹیا حصہ، سب سے ادنیٰ اور گھٹیا حصہ۔ بھائی میں نے بتلایا تھا کہ صاحبِ ہدایہ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ زکوٰۃ میں کس قسم کا مال لیا جائے؟ متوسط درجے کا مال لیا جائے، تو وہ اب ذکر کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں: «**وَلَا يَأْخُذُ الْمُصَدِّقُ خِيَارَ الْمَالِ وَلَا رُذَالَتَهُ**» اور صدقہ لینے والا وہ سب سے عمدہ مال بھی نہ لے «**وَلَا رُذَالَتَهُ**» اور سب سے ادنیٰ مال بھی نہ لے «**وَيَأْخُذُ الْوَسَطَ**» اور کس قسم کا مال لے؟ متوسط درجے کا مال لے گا۔

دلیل اس کی؟ کہتے ہیں: «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا تَأْخُذُوا مِنْ حَزَرَاتِ**» **حَزَرَات** نہیں بھائی، یہ زا مقدم ہے بھائی، را مؤخر ہے: **حَزَرَات**۔ حدیث

کے اندر کیا لفظ آتا ہے؟ **حَزَرَات**، زا مقدم ہے بھائی۔ اگرچہ معنی دونوں صورتوں میں یہی بنتا ہے، معنی درست رہتا ہے دونوں صورتوں میں، چاہے را کو مقدم کر دیں چاہے را کو مؤخر کر دیں، لیکن حدیث کے اندر زا مقدم آئی ہے۔ تو بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «**لَا تَأْخُذُوا مِنْ حَزَرَاتِ أَمْوَالِ النَّاسِ، أَيْ كَرَائِمَهَا**» **حَزَرَاتِ أَمْوَال** کا کیا معنی؟ «**أَيْ كَرَائِمِ الْأَمْوَالِ**» بھائی، ہا ضمیر کس کو راجع؟ **أَمْوَالُ النَّاس** کو بھائی۔ تو **كَرَائِمُ الْأَمْوَال** بھائی عمدہ اور قیمتی مال۔ **كَرَائِمُ الْأَمْوَال** کا کیا معنی؟ عمدہ اور... تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**لَا تَأْخُذُوا مِنْ حَزَرَاتِ أَمْوَالِ النَّاسِ**» لوگوں کے مالوں کے **حَزَرَات** نہ لو «**أَيْ كَرَائِمَهَا**» یعنی ان کے مال کا عمدہ حصہ نہ لو «**وَخُذُوا مِنْ حَوَاشِي أَمْوَالِهِمْ**» اور ان کے اموال کے حواشی لو «**أَيْ أَوْسَاطِهَا**» یعنی متوسط درجے کے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ حدیث ہے اور «**أَيْ كَرَائِمَهَا**» یہ صاحبِ ہدایہ معنی بیان کر رہے ہیں درمیان میں، اور اسی طرح حدیث آگے: «**مِنْ حَوَاشِي أَمْوَالِهِمْ**» یہ حدیث اور آگے صاحبِ ہدایہ نے معنی بیان کیا کہ حواشیِ اموال کا کیا معنی؟ «**أَيْ أَوْسَاطِهَا**» متوسط درجے کے مال لو بھائی۔

تو دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ زکوٰۃ میں کس قسم کا مال لیا جائے گا؟ متوسط درجے کا مال لیا جائے گا اور یہ حدیث میں آ گیا بھائی حدیث میں، تو یہ نقلی دلیل ہوئی۔ آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں: «**وَلِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا مِنَ الْجَانِبَيْنِ**» **نَظَر** کا معنی ہے لحاظ بھائی، اور اس لیے کیونکہ اس کے اندر دونوں جانبوں کا لحاظ ہے۔ متوسط درجے کا مال لیں گے تو دونوں جانبوں کا لحاظ، دونوں جانبیں؟ بھائی ایک ہے زکوٰۃ دینے والا وہ مال کا مالک، اور ایک ہے زکوٰۃ لینے والا یعنی فقیر اور محتاج۔ تو متوسط درجے کا مال لیں گے تو دونوں کی رعایت ہو جائے گی، کیونکہ اگر اعلیٰ درجے کا مال لیں گے تو بیچارے مالک کا نقصان ہے، اور اگر بالکل ادنیٰ درجے کا مال لیں گے تو فقراء کو تھوڑا مال ملے گا، ان بیچاروں کا نقصان ہے۔ البتہ متوسط درجے کا مال لیا جائے تو اس میں دونوں کی رعایت ہے، دونوں کا لحاظ ہے۔ یہ معنی ہے: «**وَلِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا مِنَ الْجَانِبَيْنِ**» اور اس لیے کیونکہ اس کے اندر دونوں جانبین کا لحاظ ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ كَانَ لَهُ نِصَابٌ فَاسْتَفَادَ فِي...

«**قَالَ: وَمَنْ كَانَ لَهُ نِصَابٌ فَاسْتَفَادَ فِي أَثْنَاءِ الْحَوْلِ مِنْ جِنْسِهِ ضَمَّهُ إِلَيْهِ وَزَكَّاهُ بِهِ**» بھائی دیکھیے یاد رکھیے، یہاں مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس مثلاً اونٹوں کا نصاب ہے اور سال کے درمیان میں اس کو کچھ اور اونٹ وغیرہ مزید مل گئے تو کیا ان نئے ملنے والے اونٹوں کو بھی پچھلے نصاب کے ساتھ ملا کر سال کے اختتام پر ان کی زکوٰۃ اکٹھی ادا کی جائے گی یا یہ جو نئے اونٹ ملے ہیں ان کا علیحدہ سے حساب کیا جائے گا اور ان کا سال الگ شمار کیا جائے گا؟

تو یاد رکھیے بھائی! تفصیلِ مسئلہ کہ اب کسی شخص کو درمیانِ سال میں جو مال حاصل ہو گا مثلاً ایک شخص کے پاس اونٹوں کا نصاب ہے اور سال شروع ہو چکا ہے بھائی، اور سال چل رہا ہے، درمیان میں اس کو کچھ اور مال حاصل ہوا۔ تو اگر... تو اگر یہ مال بھائی انہی جانوروں سے حاصل ہوا، مطلب انہی کے اور بچے ہو گئے درمیانِ سال میں یا ان کے اور منافع وغیرہ ہوئے، تو پھر یاد رکھیے یہ بچے اور منافع جب انہی سے حاصل ہوئے ہیں پھر تو بالاتفاق جب اس نصاب کا سال پورا ہو گا تو ان کو بھی ساتھ ہی شمار کریں گے اور ساروں کی زکوٰۃ دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کس صورت میں؟ جبکہ وہ جو زیادتی حاصل ہوئی ہے وہ انہی سے حاصل ہوئی ہے، انہی کے بچے وغیرہ ہیں۔ تو مثلاً سال کے شروع میں جب نصاب شروع ہوا تھا دس اونٹ تھے، اور سال کے اختتام پر فرض کریں کتنے ہو گئے؟ پندرہ ہو گئے، تو دس... دس پر تو سال پورا ہو گیا، اور یہ جو پانچ بچے درمیان میں ہوئے ہیں ان کا تو ابھی مثلاً کتنا عرصہ گزرا ہے؟ مثلاً ان پر ابھی چھ مہینے گزرے ہیں لیکن نہیں، ان کو یہ چونکہ انہی سے حاصل ہوئے ہیں لہٰذا یہ ان کے تابع ہیں، تو جب ان پر سال پورا ہو گا تو یوں سمجھا جائے گا ان پر بھی سال پورا ہو گیا، تو اب ساروں کی زکوٰۃ دیں گے اور دو بھیڑ بکریاں نہیں آئیں گی بلکہ تین بھیڑ بکریاں آ جائیں گی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

یہ تو وہ صورت تھی کہ مال سال کے درمیان حاصل ہوا اور انہی جانوروں کی اولاد وغیرہ ہے۔ اور اگر مال سال کے جو درمیان میں حاصل ہوا اس کی جنس ہی علیحدہ ہے، مثلاً اس کے پاس نصاب تھا اونٹوں کا اور درمیان میں اس کے پاس آ گئیں مثلاً تیس گائے، تیس گائے آ گئیں، تو اب اونٹوں کے تو چھ ماہ گزر چکے ہیں اور گائے کا نصاب پھر اس صورت میں بالاتفاق علیحدہ ہو گا کیونکہ گائے الگ جنس ہے، اونٹ الگ جنس ہیں، تو ان کا اب سال اب سے شمار شروع ہو گا اور پھر جب ان پر پورا سال ہو گا تب ان میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ جب جنس الگ ہو تو پھر تو اس کا علیحدہ شمار کریں گے۔

لیکن اگر جنس ایک ہی ہو، جنس ایک ہی ہو اور انہی جانوروں سے وہ حاصل نہیں ہوئے، کسی اور سبب سے حاصل ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے پاس اونٹوں کا نصاب ہے، سال کے شروع میں کتنے اونٹ تھے؟ دس اونٹ، اور درمیان میں اس نے دس مزید اونٹ خرید لیے، تو اب یہ انہی کی اولاد ہے یا نئے خریدے ہیں؟ نئے خریدے ہیں تو ان کا سبب اور ہے۔ تو اس صورت میں اختلاف ہے جب سبب الگ ہو۔ ہمارے نزدیک بھائی سبب بے شک الگ ہو پھر بھی یہ چونکہ انہی اونٹوں کی جنس میں سے ہیں یہ نئے اونٹ بھی، تو سال کے اختتام پر ان سب کی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ ان اونٹوں پر چھ ماہ گزر چکے تھے اس کے بعد یہ نئے دس اونٹ اس نے خریدے ہیں، لیکن اگلے ہی چھ ماہ کے بعد پہلے اونٹوں کا سال پورا ہو رہا ہے تو ان نئے اونٹوں کا بھی یوں سمجھا جائے گا ان پر بھی سال پورا ہو گیا ہے، ان کی بھی اکٹھی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں، جب ان کا سببِ ملک الگ ہے یعنی وہ تو مملوک تھے اور سبب سے، ان کا وہ پہلے سے مالک ہے اور سبب سے، اور اس نئے

اونٹوں کا مالک ہوا ہے نئے سبب کی وجہ سے، مثلاً اس نے خریدا ہے یا یہ نئے اونٹ اس کو کسی نے تحفے کے طور پر دیے تھے یا یہ نئے اونٹ جو ہیں اس کو بطورِ وراثت کے ملے ہیں، تو یہ سببِ ملک ان کا علیحدہ، ان کے مملوک ہونے کا سبب ان اونٹوں کی وجہ سے ان اونٹوں کا مالک نہیں بنا، ان کا سبب الگ تھا، یہ انہی کی اولاد نہیں ہے بلکہ یہ ایک الگ سبب سے ان کا مالک بنا ہے، اور وہ کیا سبب ہے مثلاً؟ ان کو خریدا ہے یا یہ کس طرح مالک بنا ان کا؟ بطورِ وراثت کے ملے ہیں، یا کس طرح مالک بنا ہے؟ ہبہ کے ذریعے مالک بنا، کسی نے اس کو تحفے کے طور پر دیے ہیں، تو ان کا سبب الگ۔ جب سبب الگ ہے تو ان کا سال بھی الگ شمار کریں گے۔ کس کے نزدیک؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک۔ جبکہ ہمارے نزدیک جنس جب ایک ہو، جب جنس ایک ہو تو ان کو ملایا جائے گا ان کے ساتھ۔ وہ فرماتے ہیں جنس ایک ہونے کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ سببِ ملک کو دیکھا جائے گا، سببِ ملک الگ ہو تو سال بھی علیحدہ ہی شمار کریں گے۔ اختلاف سمجھ میں آیا بھائی؟

اب دیکھیے کتاب پر بھائی: «قَالَ: وَمَنْ كَانَ لَهُ نِصَابٌ» اور جس شخص کے پاس کوئی نصاب تھا «فَاسْتَفَادَ فِي أَثْنَاءِ الْحَوْلِ مِنْ جِنْسِهِ» پس اس کو حاصل ہوا سال کے دوران میں، سال کے بیچ میں «مِنْ جِنْسِهِ» اسی نصاب کی جنس میں سے اور مال آ گیا، مثلاً اس کے پاس اونٹ تھے اور اور کیا آ گئے؟ اسی کی جنس میں سے یعنی اور اونٹ اس کو حاصل ہو گئے «ضَمَّهُ إِلَيْهِ» تو ان اونٹوں کو بھی کیا کرے گا؟ ان کے ساتھ ملائے گا «وَزَكَّاهُ بِهِ» اور ان کی بھی زکوٰۃ اس نصاب کے ساتھ دے گا ہمارے نزدیک۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يُضَمُّ» جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جو مستفاد مال ہے، یہ جو نیا مال حاصل ہوا ہے اس کو نہیں ملایا جائے گا اس پرانے نصاب کے ساتھ۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ أَصْلٌ فِي حَقِّ الْمِلْكِ» اس لیے کیونکہ یہ جو مستفاد مال ہے یہ اصل ہے حقِ ملک میں، ملکیت کے حق میں یہ اصل ہے، یہ ان کے تابع نہیں۔

بھائی دیکھیے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان پہلے اونٹوں سے جو اولاد یا منافع حاصل ہوتے ہیں ان کا مالک انسان اس لیے بنتا ہے کہ وہ اولاد یا منافع اصل کے تابع ہوتے ہیں، اور انہی دس اونٹوں کے بچے ہیں تو وہ ان کے تابع ہوں گے اور ان کا یہ شخص مالک ہے تو بچوں کا بھی وہی شخص مالک ہو گا۔ کیوں مالک ہو گا ان بچوں اور منافع کا؟ کیونکہ وہ اصل کا مالک ہے اور یہ اس کے اصل کے یہ بچے وغیرہ تابع، تو جب اصل کا مالک ہے تو تابع کا بھی کیا ہو گا؟ مالک ہو گا۔ تابع کا بھی مالک ہو گا۔ جبکہ یہ جو درمیانِ سال میں اس کو کہیں اور سے اونٹ ملے یہ اس مال کے پرانے نصاب کے تابع نہیں، یہ ان کی اولاد وغیرہ نہیں۔ تو یہ ان کے تابع نہیں، یہ مملوک ہونے کے حق میں اصل ہیں، ان کا سبب اور، اور وہ پچھلے نصاب کے مملوک ہونے کا سبب اور۔ تو یہ مملوک ہونے میں یہ ان کے تابع ہیں یا یہ خود اصل ہیں یہ جو مالِ مستفاد ہے؟ یہ خود اصل۔ جب یہ خود اصل ہے تو یہ اپنے زکوٰۃ کے حکم میں بھی اصل رہیں گے، اس کے تابع نہیں ہوں گے، انہی کے ساتھ ملا کر سال نہیں شمار کریں گے بلکہ یہ اصل ہیں تو ان کا باقاعدہ الگ سے سال شمار کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

یہ معنی ہے، وہ فرماتے ہیں نہیں ملایا جائے گا اس کو: «لِأَنَّهُ أَصْلٌ فِي حَقِّ الْمِلْكِ فَكَذَا فِي وَظِيفَتِهِ» اس لیے کیونکہ یہ مال جو حاصل ہوا ہے یہ ملکیت یعنی مملوک ہونے کے حق میں خود اصل ہے «فَكَذَا فِي وَظِيفَتِهِ» تو اسی طرح اپنے وظیفے یعنی اپنے زکوٰۃ میں بھی زکوٰۃ کے حکم میں بھی اصل رہے گا یعنی ان کا سال الگ شمار کریں گے، «بِخِلَافِ الْأَوْلَادِ وَالْأَرْبَاحِ» بخلاف اولاد کے اور منافع کے «لِأَنَّهَا تَابِعَةٌ فِي الْمِلْكِ» اس لیے کیونکہ وہ ملکیت کے اندر تابع ہوتے ہیں، ملکیت میں تابع ہوتے ہیں «حَتَّى مُلِكَتْ بِمِلْكِ الْأَصْلِ» یہاں تک کہ وہ مملوک ہوتے ہیں اصل کے مملوک ہونے کی وجہ سے۔

■ اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو بچے اور من

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو بچے اور منافع اسی مال سے حاصل ہوں ان کا بھی یہی شخص مالک ہوتا ہے، ان بچوں اور منافع... اور کیوں ان بچوں کا مالک کیوں ہوتا ہے یہ؟ کیونکہ وہ اصل کا مالک ہے، جو اصل اونٹ تھے ان کا مالک ہے تو پھر اور یہ بچے ان کے تابع، تو لہٰذا ان کا بھی وہ مالک ہو گا۔ تو لہٰذا جب یہ ملکیت کے اندر ان کے تابع ہیں تو زکوٰۃ کے اندر بھی ان کے تابع ہوں گے اور انہی کے ساتھ ان کا بھی سال شمار کیا جائے گا۔ اور جبکہ وہ نئے اونٹ حاصل ہوئے تھے وہ تو اس اس پرانے نصاب کے تابع نہیں، وہ تو خود اصل ہیں، مملوک ہونے میں خود اصل، جب مملوک ہونے میں خود اصل ہیں تو زکوٰۃ کے حکم میں بھی اصل ہی رہیں گے۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل جو ہے «أَنَّ الْمُجَانَسَةَ هِيَ الْعِلَّةُ فِي الْأَوْلَادِ وَالْأَرْبَاحِ» ہماری دلیل یہ ہے کہ مجانست ہی علت ہے یعنی ملانے کی، مجانست ہی علت ہے ملانے کی «فِي الْأَوْلَادِ وَالْأَرْبَاحِ» اولاد اور منافع کے اندر۔ بھائی امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مال کو دوسرے مال کے ساتھ ملائیں گے اور اسی کے ساتھ اس کا سال شمار کریں گے کب؟ جب وہ مملوک ہونے میں دوسرے کے تابع ہو۔ جیسے بچے جو تھے وہ مملوک ہونے میں... بچے جو تھے وہ مملوک ہونے میں اصل کے تابع تھے، تو وہ فرماتے ہیں مملوک ہونے میں دیکھا جائے گا، ایک ایک ہی جنس کے جانور ہیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ یہ ان کا مالک انسان کسی الگ سبب سے بنا ہے یا انہی اصل کی وجہ سے بنا ہے یعنی وہ اس کے انہی کے انہی کی وہ اولاد ہے۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ایک شخص ہے اس کے پاس مثلاً ایک مال جیسے اونٹ موجود ہیں، سال کے درمیان اس کو کچھ اور اونٹ حاصل ہوئے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھو کہ ان نئے اونٹوں کا جو مالک بنا ہے یہ شخص یہ انہی کی وجہ سے بنا ہے یعنی انہی کی اولاد ہیں یا ان کی اولاد نہیں؟ اگر یہ انہی کی اولاد ہیں تو اس اولاد کا مالک کیوں ہوا یہ شخص؟ کیونکہ اصل اس کے مملوک تھے تو اولاد بھی اس کی مملوک، تو اولاد تابع ہوتی ہے اصل کے کس چیز کے اندر؟ مملوک

ہونے، جب مملوک ہونے میں یہ اصل کے تابع ہے تو وظیفۂ زکوٰۃ میں بھی ان کے تابع ہوں گے۔ اور اگر ان کا سببِ مملوکیت علیحدہ ہے تو پھر ان کو علیحدہ ہی شمار کریں گے، یہ اس کے تابع نہیں بنیں گے کیونکہ یہ خود اصل ہیں، تو یہ دوسرے کے تابع نہیں۔ تو ان کے نزدیک ایک ہی جنس کے جانور ہوں تو ان کو ملایا جائے گا کس صورت میں؟ توجہ میرا خیال نہیں ہے سبق کی طرف۔

بھائی یہ ذہن سے نکال دیں کہ مال کہیں سے خریدا ہے یا انہی کی اولاد ہے، بس مطلقاً ایک بات رکھیں: ایک دو صورتیں بنتی ہیں یہاں، اونٹ مثلاً ایک نصاب پہلے سے موجود ہے اس پر سال چل رہا ہے، چھ ماہ گزر چکے ہیں، اب کچھ اور اونٹ آ گئے اور دو صورتیں ہیں اور اونٹ آنے کی: یا تو انہی اونٹوں کے کیا ہو گئے؟ بچے ہو گئے، یا کہیں سے اور اس نے اونٹ خرید لیے یا ہبہ وغیرہ کے طور پر اس کو اونٹ مل گئے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کس صورت میں ملائیں گے اور کس صورت میں نہیں ملائیں گے؟ وہ کیا فرماتے ہیں؟ کس چیز کو دیکھو؟ سببِ ملک کو دیکھو۔ یہ نئے اونٹوں کا مالک انسان کیوں ہوا؟ اسی اصل کی وجہ سے؟ اگر اسی اصل کی وجہ سے یہ مملوک ہوئے ہیں یعنی انہی کی اولاد ہے تو جب یہ مملوک ہونے میں ان کے تابع ہیں تو زکوٰۃ میں بھی ان کے تابع ہوں گے۔ اور اگر یہ الگ سبب سے ان کا مالک ہوا ہے یعنی خریدا ہے تو یہ شخص کیوں مالک بنا ان کا؟ خریدنے کی وجہ سے، ان پرانے اونٹوں کی وجہ سے ان کا مالک... تو یہ مملوک ہونے میں ان کے تابع نہیں، جب یہ مملوک ہونے میں ان کے تابع نہیں تو وظیفۂ زکوٰۃ میں بھی یہ ان کے تابع نہیں۔ تو معلوم ہوا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک ہی جنس کے جانوروں کو ملایا جائے گا وظیفۂ زکوٰۃ میں کب؟ جب وہ مملوک ہونے میں پہلوں کے تابع ہوں، مملوک ہونے میں تابع نہیں تو نہیں ملایا جائے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ ہمارے نزدیک ملانے کی علت وہ مملوک ہونے کا سبب نہیں ہے کہ اس میں تابع ہو یہ دیکھا جائے، بلکہ ہمارے نزدیک جو ملانے کی علت ہے وہ مجانست ہے کہ دونوں ایک جنس کے ہوں، بس پھر ملایا جائے گا۔ یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کا سبب الگ ہے یا سبب الگ نہیں۔ لہٰذا ہمارے نزدیک چاہے سال کے اندر اونٹوں کے بچے ہو گئے تو بھی اونٹوں کے بچے کس جنس میں سے ہیں؟ اونٹ کی، اسی جنس جب جنس ایک ہے تو بس ملانا پڑے گا۔ سال کے اندر بھائی، سال کے بیچ میں اس نے کہیں سے کچھ اونٹ خرید لیے، کچھ اس کو مزید مل گئے وراثت کے طور پر مل گئے، اور کچھ بالکل آخری گیارہویں مہینے کے اندر اس کو اس کو کسی نے تحفے کے طور پر دے دیے، ہم کہتے ہیں جیسے ہی بارہواں مہینہ پورا ہو گا دیکھو یہ ساروں کی جنس ایک ہے یا جنس ایک نہیں ہے؟ جنس ایک ہے تو بس جب مجانست ہے تو ساروں کو ملا لیں گے اور یوں سمجھا جائے گا کہ ان سب پر سال پورا ہو گیا اور ساروں کی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو ہمارے نزدیک زکوٰۃ کے اندر ملانے کی علت کیا ہے؟ مجانست ہے، اسی جنس کا مال ہے تو اس کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ملانے کی علت کیا ہے؟ سببِ ملک ہے ان کے نزدیک، اس میں اگر وہ تابع ہے تو ملائیں گے، تابع نہیں تو نہیں ملائیں گے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْمُجَانَسَةَ هِيَ الْعِلَّةُ فِي ا...

«وَلَنَا أَنَّ الْمُجَانَسَةَ هِيَ الْعِلَّةُ فِي الْأَوْلَادِ وَالْأَرْبَاحِ» اور ہمارے نزدیک مجانست یعنی ایک جنس والا ہونا یہی علت ہے اولاد اور ارباح، اولاد اور منافع میں بھی۔ ہمارے نزدیک بھائی اولاد اور منافع کو بھی کیا کیا جائے گا؟ اصل اونٹوں کے ساتھ زکوٰۃ کے حساب میں ملایا جائے گا، لیکن اس وجہ سے نہیں ملایا جائے گا کہ یہ مملوکیت میں ان کے تابع ہیں بلکہ کس وجہ سے ملایا جائے گا؟ کہ یہ کہ ان سب کی جنس کیا ہے؟ ایک، تو مجانست کی وجہ سے ان کو ملایا جائے گا۔ یہ معنی ہے کہ «أَنَّ الْمُجَانَسَةَ هِيَ الْعِلَّةُ فِي الْأَوْلَادِ وَالْأَرْبَاحِ» کہ باہم ایک جنس کا ہونا یہی علت ہے اولاد اور منافع کے اندر بھی، یعنی ملانے کی علت ہے اولاد اور منافع کے اندر بھی «لِأَنَّ عِنْدَهَا يَتَعَسَّرُ التَّمْيِيزُ» اس لیے کیونکہ مجانست کے وقت جو ہے امتیاز کرنا، فرق کرنا مشکل ہو جائے گا «فَيَعْسُرُ اعْتِبَارُ الْحَوْلِ لِكُلِّ مُسْتَفَادٍ» تو مشکل ہو جائے گا سال کا اعتبار کرنا ہر مستفاد کے لیے۔

دلیل ہماری ابھی چل رہی ہے۔ ہمارے نزدیک اولاد اور منافع کو بھی اصل مال کے ساتھ اصل نصاب کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور اس کی علت کیا ہے؟ مجانست ہے کہ جنس ایک ہے، جب جنس ایک ہو تو سب کو ملایا جائے گا، سببِ ملک کو دیکھا ہی نہیں جائے گا، تو اولاد کی بھی وہی جنس ہے لہٰذا ملائیں گے بھائی، سمجھ میں آیا؟ اسی طرح منافع کے اندر وہی جنس ہے مثلاً ایک آدمی کے پاس دراہم کا نصاب ہے اور اس کو اور دراہم سال کے اندر حاصل ہوتے ہیں تو ان کی... نصاب بھی پہلے کون سا تھا؟ دراہم کا، اور نیا مال جو حاصل ہوا وہ بھی کیا ہے؟ دراہم، تو جنس ایک ہے تو بس ملایا جائے گا اور سال کے آخر پر سب کی زکوٰۃ دینا پڑے گی، کیونکہ ہمارے نزدیک ملانے کی علت کیا ہے؟ مجانست ہے۔

کیونکہ اگر ہر ایک کا الگ حساب کیا جائے تو انسان بڑی مشکل میں پڑ جائے گا، مشکل میں پڑ جائے گا۔ مثلاً ایک شخص کے پاس سال کے شروع میں کچھ جانور موجود ہیں نصاب کے بقدر، پھر سال کے اندر اسی قسم کے کچھ جانور اس نے خرید لیے، پھر کچھ جانور اس کو بطورِ وراثت کے اسی طرح مل گئے، یا کچھ جانور اسی طرح اس کو اسی جنس کے کسی نے تحفے کے طور پر دے دیے، یا پھر سال کے اندر اس نے کئی مرتبہ اسی قسم کے جانور خریدے بھائی، تو اب سارے ایک جنس کے ہیں۔ جب ایک جنس کے ہیں، ایک جیسے ہیں تو اب ان میں فرق کرنا کہ یہ فلاں والا میں نے فلاں تاریخ کو خریدا تھا اس کو فلاں وقت پہ اس کا سال پورا ہو گا، فلاں والے جو میں نے مجھے تحفے کے طور پر ملے تھے یہ فلاں مہینے کے اندر ملے تھے ان کا فلاں وقت پر جا کر سال پورا ہو گا، تو ایک ہی جنس والے ہیں یہ تو سارے مل جل... ملے جلے ہوں گے، تو ان میں فرق کرنا اور ہر ایک کا

الگ الگ حساب رکھنا یہ بڑا مشکل ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «لِأَنَّ عِنْدَهَا يَتَعَسَّرُ التَّمْيِيزُ»، عِنْدَهَا کی ہاضمیر راجع ہے مجانست کو، اس لیے کیونکہ مجانست کے پائے جاتے وقت «يَتَعَسَّرُ التَّمْيِيزُ» مشکل ہو جائے گا، کیا چیز مشکل ہو جائے گی؟ فرق کرنا۔ ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں سارے اونٹ ہی ہیں تو سب میں فرق کرنا کہ یہ فلاں وقت خریدا تھا، یہ فلاں وقت خریدا تھا، ان میں فرق کرنا مشکل ہو جائے گا «فَيَعْسُرُ اعْتِبَارُ الْحَوْلِ لِكُلِّ مُسْتَفَادٍ» تو مشکل ہو جائے گا سال کا اعتبار کرنا ہر حاصل ہونے والے مال کے لیے۔ ہر ایک کا علیحدہ جب ایک ہی قسم کے ہیں تو فرق کرنا ہی مشکل ہو جائے گا یہ کس وقت خریدا تھا، یہ کس وقت خریدا تھا، یہ کس وقت خریدا تھا، سب میں فرق کرنا ہی مشکل... جب مشکل ہو جائے گا تو سال کا اعتبار کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

اور «وَمَا شُرِطَ الْحَوْلُ إِلَّا لِلتَّيْسِيرِ» اور سال کی شرط تو آسانی ہی کے لیے لگائی گئی ہے۔ شریعت نے مال کے پر کتنی مدت گزرنے کی شرط لگائی ہے؟ سال۔ بھائی دیکھیے یہ جو نصاب ہے نا نصاب، اس کے لیے انسان کی مالداری ثابت ہو جاتی ہے، جس کے پاس یہ نصاب کے بقدر مال ہے معلوم ہوا وہ مالدار ہے، وہ کیا ہے؟ اور اس کو فقراء کی مدد کرنی چاہیے، زکوۃ دینی چاہیے۔ لیکن شریعت نے اتنی سہولت کر دی آسانی کے لیے سال کی مدت دے دی کہ ابھی واجب نہیں تم پر بلکہ کیا کرو؟ جب سال پورا گزر جائے اتنے پورے سال تک تمہارے پاس اتنا مال ہے تو اب کیا کرو؟ زکوۃ، تو سال گزرنے کی شرط کس لیے لگائی شریعت نے؟ آسانی کے لیے لگائی، اور اب... اب اگر ایک ہی جنس والے ہر ہر جانور کا علیحدہ علیحدہ حساب کرنا پڑے تو وہ انسان کے لیے آسانی ہو گی یا وہ مشکل میں پڑ جائے گا؟ وہ تو مشکل میں پڑ جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

لہٰذا اس لیے ملانے کی علت جو ہے وہ سببِ ملک کو قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ کس کو قرار دیا جائے گا؟ مجانست کو بھائی۔ دوبارہ ایک دفعہ دلیل دیکھ لیجیے: «وَلَنَا أَنَّ الْمُجَانَسَةَ هِيَ الْعِلَّةُ فِي الْأُوْلَادِ وَالْأَرْبَاحِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مجانست یعنی باہم ایک جنس والا ہونا یہی علت ہے ملانے کی اولاد اور منافع میں بھی «لِأَنَّ عِنْدَهَا يَتَعَسَّرُ التَّمْيِيزُ» اس لیے کیونکہ مجانست کے ہوتے وقت جانوروں میں اور اس مال کے اندر فرق کرنا مشکل ہو جائے گا «فَيَعْسُرُ اعْتِبَارُ الْحَوْلِ لِكُلِّ مُسْتَفَادٍ» تو مشکل ہو جائے گا سال کا اعتبار کرنا ہر حاصل ہونے والے مال کے لیے «وَمَا شُرِطَ الْحَوْلُ إِلَّا لِلتَّيْسِيرِ» اور سال کی شرط تو نہیں لگائی گئی مگر کس کے لیے؟ آسانی کے لیے، اور دوسری صورت اختیار کی جائے تو وہ کس میں پڑ جاتا ہے؟ مشکل میں، تو لہٰذا یہاں بھی آسانی والی ہی صورت اختیار کی جائے گی اور آسانی کس صورت میں ہے کہ ایک جنس والا مال ہو تو اس کو کیا کیا جائے گا؟ اس نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا بھائی۔

خلاصۂ دلیل یاد رکھیے، مختصر بھائی: ہم کہتے ہیں کہ مجانست جو ہے اسی کو علت قرار دیا جائے گا ایک مال کو دوسرے مال کے ساتھ ملانے میں۔ ایک مال کو دوسرے مال کے ساتھ ملانے میں مجانست ہی کا اعتبار کیا جائے گا، اس لیے کیونکہ اگر مجانست پائی جائے اور پھر بھی ملایا نہ جائے ہر ایک کا الگ الگ اعتبار کیا جائے گا تو انسان مشکل میں پڑ جائے گا، کیونکہ جانور مثلاً سارے اونٹ ہیں تو وہ تو آپس میں مل جل جائیں گے، اب ہر اونٹ قسم کے اونٹوں کا الگ اعتبار کرنا کہ یہ فلاں قسم والے ہیں ان پہ اتنے مہینے گزرے ہیں، یہ فلاں اونٹ ہیں ان پر اتنے مہینے گزرے ہیں، یہ فلاں اونٹ ہیں ان میں اتنے مہینے گزرے ہیں، تو پھر تو انسان بڑی مشکل میں پڑ جائے گا کہ ہر ہر جانور کا کیا کرے گا؟ الگ الگ حساب رکھنا پڑے گا، اور سال کے گزرنے کی جو شریعت نے رخصت دی ہے وہ آسانی اور سہولت کے لیے دی ہے، نصاب کے بقدر مال تو اس کے پاس موجود تھا لیکن شریعت نے پھر بھی رخصت دے دی کہ ابھی رخصت دے دی کہ ابھی زکوۃ دینے کی ضرورت نہیں، ابھی تم پر واجب نہیں، کب دینا؟ جب ایک سال گزر جائے۔ تو سال کی رخصت کس لیے دی گئی؟ جی، تو سال کے گزرنے کی جو رخصت دی گئی وہ آسانی کے لیے دی گئی اور اب اگر وہ مجانست کے باوجود ہر ہر جانور کا ہر ہر قسم کا علیحدہ حساب کرنے کرے گا تو وہ آسانی میں پڑ جائے گا یا مشکل میں پڑ جائے گا؟ اب مشکل میں پڑ جائے گا، تو سال گزرنے کی جو شرط تھی وہ تو آسانی کے لیے تھی اور یہ آسانی کے بجائے کس میں پڑ جائے گا؟ مشکل میں پڑ جائے گا، لہٰذا کس کو علت قرار دینا چاہیے مال ملانے کے لیے؟ مجانست ہی کو علت قرار دینا چاہیے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۰۱: مسئلہ: وَالزَّكَاةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوس...

ہدایہ صفحہ: ۲۰۹ــــ بتاریخ: ۲۷ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَالزَّكَاةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ فِي النِّصَابِ دُونَ الْعَفْوِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: فِيهِمَا، حَتَّى لَوْ هَلَكَ الْعَفْوُ وَبَقِيَ النِّصَابُ بَقِيَ كُلُّ الْوَاجِبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يَسْقُطُ بِقَدْرِهِ». [1]

«**وَالزَّكَاةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ فِي النِّصَابِ دُونَ الْعَفْوِ**». بھائی! ایک ہے نصاب اور ایک ہے عفو، بھائی عفو۔ نصاب تو وہ مقدار مال کی جس پر پھر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، مثلاً اونٹوں کے اندر پانچ اونٹ ہوں سائمہ تو یہ پانچ اونٹ جو ہیں یہ کیا ہے؟ نصاب ہے نصاب ہے۔ پانچ اونٹ ہوں تو ان میں ایک بھیڑ بکری ہے اور دس اونٹ ہوں تو ان میں دو بھیڑ بکریاں ہیں۔ تو یہ جو چھ سے لے کر نو تک ہے دو نصابوں کے درمیان اس کو کہتے ہیں **عَفْوٌ**۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ **عَفْوٌ** کہتے ہیں۔

یا اسی طرح جیسے بھیڑ بکریوں کا نصاب ہے چالیس بکریاں بھائی چالیس بھیڑ بکریاں۔ ان میں ایک بھیڑ بکری واجب اور پھر ایک سو اکیس کے اندر دو بھیڑ بکریاں واجب ہیں۔ تو یہ جو اکتالیس سے لے کر ایک سو بیس تک تعداد ہے یہ کیا ہے؟ یہ **عَفْوٌ** کہلاتا ہے، عفو بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو گویا زکوٰۃ کے دو فریضوں کے درمیان جو مقدار ہے جو تعداد ہے وہ **عَفْوٌ** کہلاتی ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق صرف نصاب کے ساتھ ہوتا ہے یا عفو کے ساتھ بھی ہوتا ہے؟ تو شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا تعلق صرف نصاب سے ہوتا ہے عفو سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ جبکہ امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا تعلق نصاب اور عفو جو ہے دونوں کے ساتھ زکوٰۃ کا تعلق ہوتا ہے، دونوں کے اندر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

ثمرۂ اختلاف ظاہر ہو گا، مثلاً ایک شخص کے پاس فرض کیجیے اسی بکریاں ہیں بھائی، اسی بکریاں۔ اب اسی بکریوں میں سے فرض کیجیے سال پورا ہو گیا اور سال پورا ہونے کے بعد کتنی بھیڑ بکریاں اس میں واجب ہوئیں؟ ایک بھیڑ بکری، کیونکہ چالیس کا نصاب پورا ہے، اگلا نصاب تو ایک سو اکیس پر شروع ہوتا ہے وہاں تک تو ابھی عدد نہیں پہنچا، تو ایک بھیڑ بکری واجب ہو گئی۔ اب ابھی اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی کہ اس میں سے چالیس بکریاں ہلاک ہو گئیں، چالیس بکریاں ہلاک ہو گئیں۔

تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وجوبِ زکوٰۃ کا تعلق صرف نصاب سے ہوتا ہے، زائد کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا، تو وہ جو اکتالیس سے لے کر اسی بکریوں تک یہ تعداد جو تھی اس میں زکوٰۃ واجب ہی نہیں تھی، زکوٰۃ تو صرف کس میں واجب تھی؟ چالیس میں، اور وہ چالیس تو اس وقت بھی موجود ہیں لہٰذا ان میں بھی ایک پوری بھیڑ بکری دینا پڑے گی۔ جبکہ امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وجوبِ زکوٰۃ کا تعلق سارے مال کے ساتھ ہوتا ہے، تو وہ فرماتے ہیں کہ ان اسی جو بھیڑ بکریاں تھیں ان سب کے ساتھ وجوبِ زکوٰۃ کا تعلق ہو گا۔ تو یوں کہا جائے گا کہ اسی بکریوں کے اندر ایک بھیڑ بکری واجب ہوئی ہے۔

تو نصاب ہے چالیس تک اور چالیس سے اوپر تو کیا تھا؟ عفو، لیکن وہ فرماتے ہیں اس سے بھی زکوٰۃ کے وجوب کا تعلق ہے، ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، اور ابھی پورا تو ایک ہی نصاب ہوا ہے چالیس، اور چالیس میں کیا آتی ہے؟ ایک بھیڑ بکری، تو اسی کے اندر بھی کیا آئے گی؟ ایک۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک بھیڑ بکری جو آئی اب یوں نہ کہو چالیس میں آئی ہے بلکہ یوں کہو اسی کے اندر آئی ہے، سارے کے ساتھ اس کا تعلق ہے، نصاب سے بھی اور عفو کے ساتھ بھی، تو سارے میں ایک بھیڑ بکری آئی ہے

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۳۵): «لمحمد وزفر رحمهما الله أن الزكاة»۔ • شاملہ (ص ۱۳۵) میں «وَالْجِبَايَةُ» کے بجائے «والجناية» درج ہے۔

اور اس میں سے چالیس یعنی آدھی بھیڑ بکریاں ہلاک ہو گئیں تو اسی کے بقدر زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی، لہٰذا اب چالیس بھیڑ بکریاں رہ گئی ہیں تو امام محمد اور امام زفر رحمہا اللہ فرماتے ہیں ان میں پوری بھیڑ بکری نہیں دینی پڑے گی بلکہ نصف دینی پڑے گی کیونکہ آدھی آدھا مال ہلاک ہو گیا۔

تو شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک چالیس بکریاں یہاں ہلاک ہوئیں تو پھر بھی ایک بھیڑ بکری ہی دینا پڑے گی، جبکہ امام محمد اور امام زفر رحمہا اللہ کے نزدیک نصف بکری دینا پڑے گی یعنی اس کی قیمت دینا پڑے گی بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو دیکھیے اب کتاب پر: «قَالَ: وَالزَّكَاةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ فِي النِّصَابِ دُونَ الْعَفْوِ»، اور زکوٰۃ جو ہے شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک نصاب کے اندر ہے «دُونَ الْعَفْوِ» نہ کہ عفو کے اندر۔ «وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ فِيهِمَا»، اور امام محمد اور امام زفر رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں میں زکوٰۃ ہے۔ «حَتَّى لَوْ هَلَكَ الْعَفْوُ وَبَقِيَ النِّصَابُ بَقِيَ كُلُّ الْوَاجِبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ»، یہاں تک کہ اگر عفو ہلاک ہو گیا اور نصاب باقی رہا، جیسے چالیس بکریاں ہلاک ہو گئی تھیں اور کتنی رہ گئیں؟ چالیس، تو عفو دیکھو ہلاک ہوا اور نصاب باقی رہا، «بَقِيَ كُلُّ الْوَاجِبِ» تو سارا کا سارا واجب باقی رہے گا عند ابی حنیفہ وابی یوسف رحمہا اللہ بھائی۔ «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يَسْقُطُ بِقَدْرِهِ»، جبکہ امام محمد اور امام زفر رحمہا اللہ کے نزدیک اسی کے بقدر زکوٰۃ جو ہے وہ ساقط ہو جائے گی، تو آدھی بھیڑ بکریاں ہلاک ہوئی ہیں تو آدھی زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی۔

اب آگے دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «لِمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ أَنَّ الزَّكَاةَ وَجَبَتْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ الْمَالِ»، امام محمد اور امام زفر رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ جو ہے وہ واجب ہوئی ہے نعمتِ مال کے شکر کے طور پر۔ اللہ نے مال جیسی نعمت دی ہے تو اس نعمت کے شکرانے کے طور پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، تو وہ فرماتے ہیں یہ زکوٰۃ جو واجب ہوتی ہے یہ مال کے شکرانے کے طور پر واجب ہوتی ہے، کس چیز کے شکرانے کے طور پر؟ مال کی جو نعمت ہے۔ اور نعمت صرف نصاب کے بقدر ہے یا جو نصاب سے زائد ہے وہ بھی نعمت ہے اللہ کی؟ جو نصاب سے زائد ہے وہ بھی نعمت ہے اللہ کی، اور زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مال کے شکرانے کے طور پر، تو یہ سارے مال کے شکرانے کے طور پر گویا ایک بھیڑ بکری واجب ہوئی ہے بھائی، سارے کے اندر یعنی یوں کہیں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، کیونکہ سارا مال کیا ہے؟ اللہ کی نعمت۔ جیسے نصاب کے بقدر مال اللہ کی نعمت ہے اسی طرح نصاب سے جو زائد ہے وہ بھی اللہ کی نعمت ہے، اور زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مال کے شکرانے کے طور پر اور یہ سارا مال نعمت ہے تو سارے کے اندر زکوٰۃ واجب ہو گی، نصاب سے جو زائد ہے اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

تو وہ فرماتے ہیں: «أَنَّ الزَّكَاةَ وَجَبَتْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ الْمَالِ»، کہ زکوٰۃ واجب ہوئی ہے مال کی نعمت کے شکرانے کے طور پر، «وَالْكُلُّ نِعْمَةٌ» اور مال تو سارا کا سارا اللہ کی نعمت ہے، تو وجوب بھی سارے میں آئے گا، وجوب بھی سارے کے ساتھ زکوٰۃ کا تعلق ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا

«وَلَهُمَا»، اور شیخین رحمہا اللہ کی دلیل جو ہے «قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «فِي خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ السَّائِمَةِ شَاةٌ»، کہ پانچ سائمہ اونٹوں کے اندر بھیڑ بکری ہے بھائی، پانچ سائمہ اونٹوں کے اندر۔ تو شیخین رحمہا اللہ کی دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ آپ فرماتے ہیں: «فِي خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ السَّائِمَةِ شَاةٌ»، پانچ سائمہ اونٹوں کے اندر ایک بھیڑ بکری ہے، «وَلَيْسَ فِي الزِّيَادَةِ شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ عَشْرًا»، اور زائد کے اندر کوئی چیز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اونٹ دس کے عدد کو پہنچ جائیں۔

تو دیکھیے شیخین رحمہا اللہ کی دلیل یہ حدیث آ گئی کہ پانچ اونٹوں میں زکوٰۃ ہے اور زیادہ کے اندر زکوٰۃ نہیں، معلوم ہوا زکوٰۃ کا تعلق صرف کس سے ہوتا ہے؟ نصاب سے ہوتا ہے، جو نصاب سے زائد ہے اس کے ساتھ زکوٰۃ کا تعلق نہیں ہوتا۔

«وَهَكَذَا قَالَ فِي كُلِّ نِصَابٍ»، اور اسی طرح حضور علیہ السلام نے ہر نصاب میں فرمایا، «وَنَفَى الْوُجُوبَ عَنِ الْعَفْوِ»، و نفی یہاں نفی یہ فعل ہے اور اس سے پہلے واؤ ہونا چاہیے اور اس کا عطف قال پر ہے: «وَهَكَذَا قَالَ فِي كُلِّ نِصَابٍ وَهَكَذَا نَفَى الْوُجُوبَ عَنِ الْعَفْوِ»، تو اسی طرح حضور علیہ السلام نے ہر نصاب کے بارے میں فرمایا، جیسے اس میں آیا تھا کہ پانچ سائمہ اونٹوں میں کیا ہے؟ ایک بھیڑ بکری ہے، اور اسی طرح حضور علیہ السلام نے وجوب کی نفی کی عَنِ الْعَفْوِ کس سے؟ عفو سے، زائد سے، جیسے فرمایا کہ زائد کے اندر کوئی چیز نہیں حَتَّى تَبْلُغَ عَشْرًا یہاں تک کہ کہاں تک پہنچ جائیں؟ دس تک پہنچ جائیں۔ اسی طرح زائد پھر آگے دس زائد کے اندر کچھ نہیں یہاں تک کہ پندرہ کو پہنچ جائیں، پھر زائد کے اندر کچھ نہیں یہاں تک کہ بیس، تو اسی طرح آپ نے ہر نصاب کے بارے میں وجوبِ زکوٰۃ ذکر فرمائی اور ہر زائد سے وجوبِ زکوٰۃ کی نفی فرمائی، معلوم ہوا زکوٰۃ صرف نصاب کے اندر واجب ہوتی ہے زائد کے اندر واجب نہیں۔ تو یہ اسی کے اندر اگر ایک بھیڑ بکری ہے تو اس کا تعلق صرف نصاب سے ہو گا، پہلی چالیس جو ہیں ان کے ساتھ زکوٰۃ کا تعلق ہو گا، باقی زائد کے ساتھ تعلق نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الْعَفْوَ تَبَعٌ لِلنِّصَابِ فَيُصْرَفُ...

«وَلِأَنَّ الْعَفْوَ تَبَعٌ لِلنِّصَابِ فَيُصْرَفُ الْهَلَاكُ أَوَّلًا إِلَى التَّبَعِ كَالرِّبْحِ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ»، اور اس لیے کیونکہ جو زائد ہے وہ نصاب کے تابع ہے، «فَيُصْرَفُ الْهَلَاكُ أَوَّلًا إِلَى التَّبَعِ»، لہٰذا پھیرا جائے گا ہلاک کو پہلے تابع کی طرف۔ تَبَعٌ با کے فتحہ کے ساتھ ہے یہ بمعنی تابع کے ہے، تابع۔

دوسری دلیل بھائی شیخین رحمہما اللہ کی، ایک دلیل تو حدیث آگئی دوسری دلیل وہ فرماتے ہیں کہ بھائی یہ جو عفو ہے یہ تابع ہوتا ہے نصاب کے۔ پہلے عفو آتا ہے کہ پہلے نصاب آتا ہے اس کے بعد عفو کو دیکھیں گے؟ پہلے نصاب ہے چالیس بھیڑ بکریوں تک، چالیس ہو جائیں تو یہ نصاب ہے، اس سے جو زائد ہوں گی وہ کس میں آئیں گی؟ عفو کے اندر آئیں گی، تو عفو کے اعتبار نصاب کے پورا ہونے کے بعد کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ جو عفو جو ہے یہ نصاب کے تابع ہے، اور جب ہلاک ہو جائیں جانور وغیرہ یا مال ہلاک ہو تو پہلے اس کو تابع کی طرف پھیرا جاتا ہے نہ کہ اصل کی طرف۔ نصاب ہوا اصل اور عفو کیا ہوا؟ تابع، اور ہلاک شدہ کو سب سے پہلے کس سے پورا کیا جائے گا؟ تابع سے پورا کیا جائے گا نہ یہ کہ کہ اس کو کس میں سے پورا کیا جائے؟ اصل میں سے پورا کیا جائے۔

تو کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ الْعَفْوَ تَبَعٌ لِلنِّصَابِ»، اس لیے کیونکہ عفو جو ہے وہ نصاب کے تابع ہے، «فَيُصْرَفُ الْهَلَاكُ أَوَّلًا إِلَى التَّبَعِ»، لہٰذا ہلاک کو پہلے پھیرا جائے گا تابع کی طرف، یعنی پہلے اس میں سے ہلاک شدہ کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اب اگر اس میں سے پورے ہو جاتے ہیں تو پھر نصاب کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں، لیکن اگر اس میں سے پورے نہیں ہوتے پھر کس کی طرف آئیں گے؟ جب تابع ختم ہو جائیں گے یعنی عفو پورا ہو جائے گا تو پھر کس کی طرف آئیں گے؟ نصاب کی طرف آئیں گے، نصاب کی طرف۔

■ مسئلہ: كَالرِّبْحِ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ

«كَالرِّبْحِ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ»، جیسے کہ نفع ہے مالِ مضاربت کے اندر بھائی، نفع۔ مضاربت یہ ہے کہ مال ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے شخص کی ہے اور نفع کو وہ آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ مثلاً آپ کے پاس مال ہے لیکن آپ کو تجارت نہیں آتی، آپ کا ایک ساتھی ہے اس کو تجارت آتی ہے لیکن اس کے پاس مال نہیں ہے، تو اب آپ اپنا مال اس کو دیتے ہیں اور وہ اس کے لیے تجارت کرتا ہے، تو مال آپ کا محنت اس کی اور نفع کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، یہ ہے مضاربت بھائی۔

تو جیسے کہتے ہیں مالِ مضاربت کے اندر نفع ہے، اب مثلاً آپ نے ایک شخص کو مال دیا بطورِ مضاربت کے اس نے تجارت شروع کر دی، شروع میں چند دن نفع ہوتا چلا گیا اور پھر نقصان ہوا، تو یہ جو نقصان ہے بالاتفاق اولاً نفع میں سے پورا کیا جائے گا اور نفعے سے پورا نہ ہو تو پھر کس سے پورا کیا جائے گا؟ اصل مال میں سے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو جیسے مضاربت کے مسئلے کے اندر بالاتفاق نقصان کو اولاً کس سے پورا کیا جاتا ہے؟ نفع میں سے، کیونکہ نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے، تو اولاً نقصان کو تابع میں سے پورا کیا جاتا ہے اگر اس سے پورا نہ ہو پھر کس کی طرف اس کو پھیرتے ہیں؟ اصل مال کی طرف۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے، ہلاک کو اولاً تابع کی طرف یعنی عفو کی طرف پھیریں گے، اگر اس سے ہلاک پورا نہیں ہوتا تو پھر کس کی طرف پھیر دیں گے؟ اصل کی طرف بھائی۔ یہ معنی ہے: «كَالرِّبْحِ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ»، جیسے کہ نفع ہے مالِ مضاربت کے اندر، یعنی جیسے نفع تابع ہے مالِ مضاربت میں اور دوسرا باقی مال اصل ہے۔

«وَلِهَذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: يُصْرَفُ الْهَلَاكُ بَعْدَ الْعَفْوِ إِلَى النِّصَابِ الْأَخِيرِ»، اور کہتے ہیں اسی وجہ سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ «يُصْرَفُ الْهَلَاكُ بَعْدَ الْعَفْوِ»، کہ ہلاک کو پھیرا جائے گا عفو کے بعد «إِلَى النِّصَابِ الْأَخِيرِ»، آخری نصاب کی طرف، «ثُمَّ إِلَى الَّذِي يَلِيهِ»، پھر اس نصاب کی طرف جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، «إِلَى أَنْ يَنْتَهِيَ»، یہاں تک کہ وہ ہلاک ختم ہو جائے، وہ ہلاک کیا ہو جائے؟ ختم ہو جائے یعنی پورا ہو جائے، «لِأَنَّ الْأَصْلَ هُوَ النِّصَابُ الْأَوَّلُ وَمَا زَادَ عَلَيْهِ تَابِعٌ»، اس لیے کیونکہ اصل وہ نصابِ اول ہی ہے اور وہ جو اس پر زائد ہے وہ تابع ہے۔

بھائی یاد رکھیے بھائی! شیخین رحمہما اللہ کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب کا تعلق صرف نصاب سے ہوتا ہے عفو کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا، لیکن اگر عفو کے اندر وہ ہلاک شدہ مال جو ہے ہلاک شدہ جانور جو ہیں وہ پورے نہیں ہوتے تو اب اس کو پھیرنا پڑے گا نصاب کی طرف، تو اب اس کو کس طریقے کے کس طریقے پر پھیریں گے؟ اس میں امام صاحب اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ پھر اختلاف کرتے ہیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ پہلا پہلا نصاب اصل ہے اور باقی کے نصاب اس کے تابع ہیں، کیونکہ اصل میں زکوٰۃ کس کی وجہ سے واجب ہوئی ہے؟ نصابِ اول کی وجہ سے، کس کی وجہ سے؟ نصابِ اول، یہ اصل ہے سببِ زکوٰۃ کے اندر، اور اوپر والے نصاب اس کے تابع ہیں، جیسے بھائی پانچ اونٹوں میں ایک بھیڑ بکری ہے، دس کے اندر دو بھیڑ بکریاں، پندرہ کے اندر تین بھیڑ بکریاں، بیس کے اندر چار بھیڑ بکریاں، اور پچیس کے اندر ایک بنتِ مخاض ہے ایک بنتِ مخاض۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ پہلا نصاب جو ہے یعنی جو پانچ اونٹ ہیں پہلے، یہ اصل ہیں وجوبِ زکوٰۃ کے اندر، یہ سبب بن رہے ہیں اصل میں کس چیز کا؟ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب یہ اونٹ بن رہے ہیں، اور باقی دوسرا نصاب جو دس والا ہے اور پندرہ تیسرا نصاب جو پندرہ والا ہے اور چوتھا نصاب جو بیس والا ہے اور پانچواں نصاب جو پچیس والا ہے اور اس سے اوپر جتنے نصاب ہیں وہ سارے اس پہلے نصاب کے تابع ہیں، پہلے نصاب کے تابع ہیں۔

بلکہ مزید، ہر اگلا نصاب پچھلے نصاب کے تابع ہے، ہر اگلا نصاب پچھلے نصاب کے تابع، کیونکہ پچھلا نصاب پورا نہ ہوتا تو اگلا بھی پورا نہ ہوتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ پہلا نصاب وجوبِ زکوٰۃ کے اندر اصل ہے اور باقی نصاب تابع ہیں، تو لہٰذا جب عفو کے ذریعے ہلاک پورا نہ ہو تو اس کو آخری نصاب کی طرف پھیریں گے کیونکہ وہ باقی سب کے تابع ہے، اس سے بھی اگر پورا نہ ہو تو پھر اس سے نچلے نصاب کی طرف آئیں گے کیونکہ وہ پہلوں کے تابع ہے، اگر اس سے بھی پورا نہ ہو تو اس سے نچلے نصاب کی طرف آئیں گے کیونکہ وہ پہلوں کے تابع ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو گویا مثلاً ایک آدمی ہے اس کے پاس تیس اونٹ ہیں مثلاً تیس اونٹ، اور ان پر سال گزر گیا، اور پچیس اونٹوں کے اندر ایک بنتِ مخاض واجب ہوتا ہے اور یہ پینتیس تک بھائی، تو یہ تیس ہیں، تیس کے اندر گویا کیا واجب ہے؟ بنتِ مخاض بھائی بنتِ مخاض۔ اب سال پورا ہو گیا ایک بنتِ مخاض واجب ہو گیا، پھر ان میں سے پندرہ اونٹ ہلاک ہو گئے بھائی، اس نے ابھی زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی کہ پندرہ اونٹ ہلاک ہو گئے۔ تو اب اب ان تیس میں سے تیس میں سے، امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بنتِ مخاض کے وجوب کا تعلق سارے مال کے ساتھ تھا، تو گویا تیس اونٹوں میں ایک بنتِ مخاض آیا، ان میں سے آدھے ہلاک ہو گئے آدھے رہ گئے تو آدھی زکوٰۃ بھی ساقط ہو گئی، کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کا تعلق سب سے تھا، تو اب گویا پندرہ اونٹوں کے اندر کتنی زکوٰۃ اس پر باقی رہ گئی؟ نصف بنتِ مخاض یعنی اس بنتِ مخاض کی آدھی قیمت اس کو دینا پڑے گی بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

جبکہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ کہ پہلے عفو کے ذریعے ہلاک کو پورا کریں گے، اس سے پورا نہیں ہوتا پھر اس سے نچلے نصاب کی طرف آئیں گے، پھر اس سے پورا نہیں ہوتا تو اس سے نچلے نصاب۔ تو یہاں ہلاک کتنے اونٹ ہوئے ہیں؟ پندرہ۔ تو تیس میں سے تیس میں سے، چھبیس سے لے کر تیس تک یہ تو عفو تھے، یہ کیا تھے؟ عفو تھے، کیونکہ پچیس میں بنتِ مخاض ہے اور آگے تیس میں بھی وہی بنتِ مخاض ہے، تو معلوم ہوا یہ پانچ اونٹ کیا ہیں؟ چھبیس سے لے کر تیس تک یہ پانچ اونٹ عفو ہیں۔ ان کے ذریعے پہلے ہلاک کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن ہلاک تو کتنے ہوئے ہیں؟ پندرہ، اور یہ ہیں عفو ہیں پانچ، تو چلو پانچ تو اس میں سے پورے ہو گئے، باقی کتنے ہلاک رہ گئے؟ دس رہ گئے، وہ ابھی بھی باقی ہیں۔

اب وہ فرماتے ہیں کہ سب سے اوپر والا نصاب جو ہے یعنی آخری نصاب کون سا ہے؟ پچیس اونٹوں کا ہے اس میں بنتِ مخاض۔ اب اس میں سے ہلاک کو پورا کریں گے، لیکن یہ نصاب ہے اکیس سے لے کر پچیس تک، بیس میں تو چار بھیڑ بکریاں تھیں، تو یہ نصاب کہاں سے کہاں تک ہے؟ اکیس سے پچیس تک۔ اس کے ذریعے ہلاک کو پورا کریں گے، تو پانچ پہلے کم ہو گئے تھے عفو کی وجہ سے، پانچ اس کی وجہ سے مزید ہلاک میں سے پورے ہو گئے، لیکن ابھی بھی ہلاک شدہ پورے نہیں، کتنے اور باقی ہیں ہلاک؟ پانچ اور باقی ہیں، تو پھر اس سے نچلے نصاب کی طرف آجائیں گے، تو جو سولہ سے لے کر بیس تک نصاب ہے اس کے ذریعے یہ آخری پانچ بھی پورے ہو جائیں گے، تو یوں سمجھا جائے گا گویا اس شخص کے پاس پندرہ اونٹ تھے اور پندرہ کے اندر کیا واجب ہوتی ہے؟ پندرہ اونٹوں کے اندر تین بھیڑ بکریاں واجب ہوتی ہیں، تو اس شخص پر اب تین بھیڑ بکریاں واجب ہوں گی۔

امام زفر اور امام محمد رحمہما اللہ کیا فرماتے تھے پندرہ اونٹوں میں کتنا واجب؟ آدھا بنتِ مخاض، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان پندرہ اونٹوں میں اب کیا واجب ہے؟ تین بھیڑ بکریاں واجب ہیں۔ تو آسان لفظوں میں یوں کہو: امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جتنا مال ہلاک ہو جائے اس کو گویا کالعدم شمار کرو، وہ تھا ہی نہیں، باقی کو دیکھو کہ یہ باقی ہیں ان کا جتنا نصاب بنتا ہے اس میں سے وہ ادا کر دو، اور باقی تو یہاں بچے ہیں پندرہ اونٹ اور پندرہ اونٹوں کے اندر کیا آتی ہیں؟ تین بھیڑ بکریاں آتی ہیں تو وہ دے دو بھائی، گویا کل مال ہی اسی کو شمار کرو، جو ہلاک ہوا ہے اس کو شمار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہلاک کو پہلے پہلے عفو سے پورا کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ وہ تابع ہے اور نصاب کیا ہے؟ اصل ہے۔ اگر عفو کے ذریعے ہلاک پورا نہیں ہوتا تو پھر اس ہلاک کو نصاب کی طرف پھیر کر لے جائیں گے، لیکن لیکن آخری نصاب کو اب نہیں دیکھنا، اب سارے نصاب میں سے اسی کے بقدر کم کر دیں گے، سارے نصاب میں سے اسی کے بقدر کم کر دیں گے، یعنی وہ ہلاک نصاب کی طرف پھیریں گے **عَلَى سَبِيلِ الشُّيُوعِ**، شیوع کا معنی پھیلا ہوا ہونا، تو اس سارے کے اندر گویا وہ ہلاک پھیلا ہوا ہے۔ آخری نصاب کی طرف نہیں پھیریں گے بلکہ کس کی طرف؟ سارے نصاب کی طرف۔

دیکھو اب یہاں پر مثلاً کتنے اونٹ ہلاک ہوئے؟ پندرہ اونٹ۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلے عفو کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کرو ان ہلاک شدہ کو، اور عفو یہاں کتنے ہیں؟ پانچ ہیں صرف بھائی چھبیس سے لے کر تیس تک، اور ہلاک ہونے والے اونٹ ہیں پندرہ، تو ان پانچ عفو کے ذریعے وہ پندرہ تو ہلاک پورا نہیں ہو رہا، تو باقی ابھی بھی دس ہیں، دس باقی ہیں۔ تو اس دس جو ہلاک ہے اس کو سارے نصاب کی طرف پھیریں گے **عَلَى سَبِيلِ الشُّيُوعِ**، کس طریقے پر؟ کہ پھیلا ہوا ہے سارے کے اندر۔ اور پچیس تو تھا نصاب آخری، اس میں کیا واجب تھا؟ ایک بنتِ مخاض واجب تھا، گویا پچیس اونٹوں میں سے ہر اونٹ کے اندر بنتِ مخاض کا پچیسواں حصہ ہے۔ حساب سمجھ میں آرہا ہے؟ یوں جب پچیس اونٹوں میں ایک بنتِ مخاض ہے گویا ہر اونٹ میں کیا ہے؟ بنتِ مخاض کا پچیسواں حصہ ہے، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے ہر پانچ اونٹوں میں بنتِ مخاض کا پانچواں حصہ ہے۔ ہر پانچ اونٹوں میں؟ بنتِ مخاض کا پانچواں حصہ ہے۔ اور کل کتنے پانچ ہیں؟ پانچ پانچ ہیں، تو لہٰذا ہر ایک میں سے پانچواں حصہ نکالو، ایک پورا بنتِ مخاض بن گیا یا نہیں؟ بنتِ مخاض ہے مثلاً دس ہزار کا، اور یہ دس ہزار کا پانچواں حصہ کیا؟ دو ہزار، دس ہزار کے پانچ حصے کریں ایک میں کتنا آتا ہے؟ دو ہزار، یہ پانچواں حصہ ہے۔ اور ہر پانچ اونٹوں میں گویا دو ہزار زکوٰۃ آرہی ہے، ہر پانچ اونٹوں میں، پہلے پانچ میں دو ہزار، اگلے پانچ میں بھی دو ہزار تو دس میں کتنی ہو گئی؟ چار

ہزار، پندرہ کے اندر چھ ہزار، بیس کے اندر آٹھ ہزار، اور پچیس کے اندر دس ہزار، تو دیکھو دس ہزار پورے ہو رہے ہیں، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پھر جو ہلاک اگر عفو سے پورا نہ ہو تو اس کو نصاب کی طرف پھیریں گے اور کس طریقے پر؟ **عَلَى سَبِيلِ الشُّيُوعِ** کہ سارے کے اندر وہ ہلاک پھیلا ہوا ہو، وہ ہلاک پھیلا ہوا ہو۔ تو پچیس اونٹوں میں ایک بنتِ مخاض ہے، گویا ہر پانچ اونٹوں کے اندر دو ہزاریاں کہیں پانچواں حصہ بنتِ مخاض کا واجب ہو رہا ہے، اور ابھی کتنا ہلاک باقی ہے؟ عفو میں سے پانچ پورے ہو گئے ہلاک ابھی بھی دس باقی ہے، تو اب گویا ان میں سے اس میں سے دس ہلاک ہو گئے، کتنے ہلاک ہو گئے؟ مزید نصاب میں سے پورا کر رہے ہیں نا، تو اس میں سے دس نکل گئے، اور دس کے اندر کتنے پانچ ہیں؟ دو پانچ ہیں، تو اور ہر پانچ میں کتنا آتا تھا؟ پانچواں حصہ آتا تھا، تو دو پانچ نکل گئے تو کتنے حصے نکل گئے؟ دو حصے، پانچ میں سے بنتِ مخاض کے پانچ میں سے دو حصے ساقط ہو گئے اور تین حصے ابھی بھی ہیں، تین حصے؟ ابھی بھی۔ تو معلوم ہوا پندرہ اونٹوں کے اندر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اب کتنی زکوٰۃ واجب ہو گی؟ بنتِ مخاض کے تین خمس واجب ہوں گے، تین پانچویں حصے، حساب بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں آیا؟ تو دیکھو انہوں نے ہلاک کو پھیرا نصابِ اخیر کی طرف یا سارے نصاب کی طرف **عَلَى سَبِيلِ الشُّيُوعِ**؟ سارے نصاب کی طرف **عَلَى سَبِيلِ الشُّيُوعِ** اس کو پھیرا جائے گا، صورت سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو کس کی طرف ہلاک کو اولاً پھیریں گے؟ عفو کی طرف پھیریں گے اور پھر اس کے بعد؟ نصابِ اخیر کی طرف پھیریں گے کیونکہ پہلا نصاب وہ اصل ہے سببِ زکوٰۃ میں پہلا نصاب اصل ہے باقی تابع ہیں، تو تابع کی طرف پھیرتے چلے جاؤ اور اصل کی طرف سب سے آخر میں ہم جائیں گے بھائی، صورت سمجھ میں؟ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، کوئی نصاب کسی کے تابع نہیں ہے سارے اصل ہیں، اور جب سارے اصل ہیں تو گویا پچیس اونٹوں میں ایک بنتِ مخاض آیا تھا اور اس میں سے دس ہلاک ہو چکے ہیں تو لہٰذا اب کیا کرو؟ اسی بنتِ مخاض کے، یوں کہو آسان لفظوں میں یوں کہو: پچیس اونٹوں میں ایک بنتِ مخاض تھا گویا ہر اونٹ میں بنتِ مخاض کا پچیسواں حصہ ہے اور ساروں میں مل کر ایک بنتِ مخاض پورا ہو رہا ہے، تو لہٰذا جب پچیس میں سے دس ہلاک ہوئے تو بنتِ مخاض کے پچیس حصے کر لو اور اس پچیس میں سے کتنے ہلاک ہو گئے؟ دس ہلاک ہو چکے، گویا بنتِ مخاض کے پندرہ پچیسویں حصے واجب رہ جائیں گے باقی ساقط ہو گئے، پندرہ پچیسویں حصے، یا اسی کو ہم نے مختصر کر کے کیا کہہ دیا؟ تین خمس رہ جائیں گے۔ سب کو بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟ اچھی طرح۔

یہ معنی ہے: «**وَلِهَذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ**»، اور اسی وجہ سے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «**يُصْرَفُ الْهَلَاكُ بَعْدَ الْعَفْوِ إِلَى النِّصَابِ الْأَخِيرِ**»، کہ پھیرا جائے گا ہلاک کو عفو کے بعد «**إِلَى النِّصَابِ الْأَخِيرِ**»، کس کی طرف؟ آخری، پہلے تو عفو کی طرف پھیرا نا کیونکہ وہ تابع ہے، پھر «**إِلَى النِّصَابِ الْأَخِيرِ**» پھر آخر والے نصاب کی طرف، «**ثُمَّ إِلَى الَّذِي يَلِيهِ**»، پھر اس نصاب کی طرف جو اس آخر والے کے ساتھ ملا ہوا ہے، «**إِلَى أَنْ يَنْتَهِيَ**»، یہاں تک کہ وہ ہلاک ختم ہو جائے یعنی وہ پورا ہو جائے، «**لِأَنَّ الْأَصْلَ هُوَ النِّصَابُ الْأَوَّلُ وَمَا زَادَ عَلَيْهِ تَابِعٌ**»، کیونکہ اصل وہ پہلا نصاب ہی ہے اور وہ جو اس پر زائد ہے وہ تابع ہے یعنی بعد والے نصاب پہلے نصاب کے تابع ہیں۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُصْرَفُ إِ...

«**وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُصْرَفُ إِلَى الْعَفْوِ أَوَّلًا ثُمَّ إِلَى النِّصَابِ شَائِعًا**»، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہلاک کو پہلے پھیرا جائے گا عفو کی طرف یعنی زائد کی طرف اولاً پہلے، «**ثُمَّ إِلَى النِّصَابِ شَائِعًا**»، پھر اس کو پھیرا جائے گا نصاب کی طرف شائع طریقے پر کہ پھیلا ہوا ہو بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

«وَإِذَا أَخَذَ الْخَوَارِجُ الْخَرَاجَ وَصَدَقَةَ السَّوَائِمِ لَا يُثَنَّى عَلَيْهِمْ لِأَنَّ الْإِمَامَ لَمْ يَحْمِهِمْ وَالْجِبَايَةُ بِالْحِمَايَةِ وَأُفْتُوا بِأَنْ يُعِيدُوهَا دُونَ الْخَرَاجِ».

مسئلہ یہ کہ خوارج جو ہیں مثلاً انہوں نے ایک علاقے پر قبضہ کر لیا، قبضہ کر لیا اور اس علاقے والوں سے انہوں نے خراج بھی وصول کر لیا یعنی وہ جو خراجی زمینوں پر سالانہ مال لیا جاتا ہے وہ ان سے وصول کر لیا بھائی، اور نیز ان لوگوں سے سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ بھی وصول کر لی جو تفصیلی باب ابھی آپ پڑھ رہے تھے۔

خوارج یاد رکھیے بھائی، خوارج جو ہے یہ تاریخِ اسلام کے اندر پہلا فرقۂ فاسقہ مبتدعہ گزرا ہے۔ خوارج تاریخِ اسلام کے اندر پہلا فاسق فرقہ گزرا ہے اہلِ بدعت کا بھائی، اور یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جنگِ صفین کے اندر یہ فرقہ پیدا ہوا، اور ان کے کئی نام ہیں: ان کو خوارج بھی کہتے ہیں، ان کو حروریہ بھی کہتے ہیں، ان کو شراۃ بھی کہتے ہیں، ان کو نواصب بھی کہتے ہیں، ان کو مارقہ بھی کہتے ہیں، تو کئی نام ہیں بھائی، خوارج بھی ہے اور حروریہ حروریہ بھی کہتے ہیں، خا ہے خا، حروریہ بھی، اسی طرح شراۃ بھی ان کا ایک نام ہے، شین را الف اور گول تا شراۃ، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور نواصب ص کے ساتھ نواصب بھی ان کا نام ہے، اور اسی طرح مارقہ میم الف را اور قاف دو نقطوں والا اور گول ہا مارقہ، یہ بھی انہی کا نام ہے۔

اور ان کو خارج اور خوارج اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ امامِ حق جو ہے، امامِ حق یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فرماں برداری سے نکل گئے اور بغاوت کر دی، تو اس لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ خارج اور خوارج کہتے ہیں کیونکہ یہ امامِ حق کی اطاعت سے نکل گئے تھے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیوں کہتے ہیں ان کو خارج یا خوارج؟ کیونکہ یہ امامِ حق کی اطاعت سے نکل گئے تھے، اس کی نافرمانی کرنے لگے تھے، بغاوت کر دی۔

اور یاد رکھیے بھائی یاد رکھیے، ان خوارج کے اندر کوئی بیس فرقے گزرے ہیں، بیس قسم کے فرقے ان میں گزرے ہیں جن کے عقیدوں میں کچھ کچھ فرق تھا بھائی۔ البتہ بھائی ان میں بنیادی بنیادی جو ہے چند ایک عقیدے ان سب کے مشترکہ تھے، مثلاً یہ سب جو ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر قرار دیتے ہیں بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ خلفائے دو خلفائے راشدین کو یہ کافر قرار دیتے ہیں، اور نیز یاد رکھیے اسی طرح یہ کبیرہ گناہ کرنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں یہ سارے کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، جو شخص بھی کبیرہ گناہ کرلے خوارج کے نزدیک وہ کافر ہے، دائرۂ اسلام سے خارج ہے، جبکہ اہلِ سنت والجماعت کا مذہب آپ جانتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کرنے سے کوئی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، ہاں اس نے جرم کیا ہے، بہت عظیم جرم کیا ہے لیکن بہر حال وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہے بھائی، دائرۂ اسلام سے خارج نہیں۔

تو یہ جو خوارج جو تھے یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کو کافر قرار دیتے تھے، وجہ اس کی یہ تھی کہ حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جنگوں کے دوران ثالث مقرر کیے تھے بھائی، ثالث اور **حَكَم** فیصلہ کرنے والے۔ بھائی آپس میں بات چیت کے لیے کچھ آدمی مقرر کیے بھائی کہ آپس میں بات چیت کرو، جنگ وغیرہ تاکہ ختم ہو جائے، آپس میں کسی فیصلے پر ہم پہنچ جائیں۔ تو **حَكَم** کس کو کہتے ہیں؟ فیصلہ کرنے والا، ثالث بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو انہوں نے ثالث اور جج آپس میں مقرر کیے تھے تاکہ بات چیت کے ذریعے ہی مسئلہ حل ہو جائے اور جنگ تک نوبت نہ پہنچے بھائی، جنگ تک نوبت نہ پہنچے۔ تو یہ خوارج کہتے تھے کہ تم لوگوں نے ثالث اور جج کیوں مقرر کیے؟ **حَكَم** فیصلہ کرنے والے کیوں مقرر کیے؟ فیصلہ کرنے کا اختیار تو صرف اللہ کی ذات کو ہے اور کسی کو فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں، اور قرآن سے دلیل دیتے تھے: «**إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ**»، کہ حکم صرف کس کے لیے ہے؟ اللہ کے لیے، فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللہ کی ذات کو ہے اور کسی کو اختیار نہیں ہے بھائی۔ چنانچہ چنانچہ یہی ان کا نعرہ تھا، وہ جہاں بھی نعرہ لگاتے تھے ان کے یہی نعرہ ہوتا تھا: «**إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ**» بھائی۔ تو ابتدا اس طرح ہوئی، تو یہ «**إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ**» کا نعرہ لگایا کرتے تھے اور اور ان کی بڑی تعداد تھی بھائی، اور حجاج ابن یوسف کے زمانے تک ان کے ساتھ جنگیں جاری رہیں بھائی، بلکہ اس کے بعد بھی ان کے ساتھ لڑائیاں ہوتی رہیں اور پھر اس کے بعد اس فرقے کا نام ونشان ہی مٹ گیا بھائی۔

اور ان کے بارے میں احادیث میں بھی ذکر آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ آئیں گے کہ تمہیں اپنی نماز ان کی نمازوں کے سامنے تمہیں اپنی نماز حقیر معلوم ہونے لگے گی، ایسی ایسی وہ نمازیں پڑھیں گے ایسے خشوع اور خضوع کے ساتھ کہ تمہیں اپنی نمازیں ان کے سامنے حقیر لگنے لگیں گی، ویسے روزے رکھیں گے کہ ان کے روزوں کے سامنے تمہیں اپنے روزے حقیر لگنے لگیں گے، لیکن ایمان جو ہے ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو حدیث میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

تو یہ لوگ بھائی یہ انسان حیران ہوتا تھا واقعی ان کی نمازیں اور روزے، حتیٰ حتیٰ کہ یہ تو کبیرہ گناہ والے کو کافر قرار دیتے ہیں بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہو گیا، کافر ہو گیا بھائی۔ تو یہ اہلِ بدعت گزرے ہیں بھائی۔

تو صورتِ مسئلہ یہ کہ یہ خوارج نے ایک علاقے پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے رہنے والے لوگوں سے انہوں نے خراج بھی وصول کر لیا اور ان کے سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ بھی وصول کر لی، پھر بعد میں خلیفۃ المسلمین جو ہے وہ اس علاقے پر اس نے دوبارہ فتح کر لیا، خوارج کو وہاں سے دفع کر دیا، تو کیا اب ان علاقے والوں سے دوبارہ زکوٰۃ لی جائے گی؟ دوبارہ ان سے خراج لیا جائے گا یا نہیں لیا جائے گا؟ تو وہ اب ذکر کر رہے ہیں دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: «**وَإِذَا أَخَذَ الْخَوَارِجُ الْخَرَاجَ**»، اور جب خوارج نے خراج لے لیا، خراج یاد رکھیے یہ مثلث الحاء ہے، مثلث الحاء یعنی اس کے خا پر تینوں حرکتیں پڑھنا جائز: **خَرَاج، خِرَاج، خُرَاج** تینوں طرح ہے بھائی یہ۔ کہتے ہیں: «**وَإِذَا أَخَذَ الْخَوَارِجُ الْخَرَاجَ**»، جب خوارج نے خراج لے لیا یعنی وصول کر لیا، «**وَصَدَقَةَ السَّوَائِمِ**»، اور سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ بھی، «**لَا يُثَنَّى عَلَيْهِمْ**»، تو ان پر اس کو دگنا نہیں کیا جائے گا، اس پر ان کو دگنا نہیں کیا جائے گا یعنی دوبارہ ان سے یہ خراج اور زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

کیوں بھائی دوبارہ کیوں نہیں وصول کی جائے گی؟ وہ تو خوارج نے وصول کی تھی، خلیفۃ المسلمین نے تو وصول نہیں کی؟ تو کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْإِمَامَ لَمْ يَحْمِهِمْ**»، اس لیے کیونکہ امام المسلمین نے ان کی حفاظت نہیں کی، اور یہ خراج اور زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کا اختیار خلیفہ کو کس بنیاد پر ہوتا ہے؟ کیونکہ وہ حفاظت کرتا ہے سب کی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا اس کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ ان لوگوں سے لو اس مال کو اور پھر انہی کے فقراء پر کیا کرو؟ فقراء اور جو جو سرحدات کی حفاظت کرنے والے ہیں، کفار سے لڑنے والے ہیں ان پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو چونکہ یہاں خلیفہ نے حفاظت نہیں کی لہٰذا اس کو وصولی کا حق بھی نہیں ہے، دوبارہ وصول نہیں کر سکتا۔

تو کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْإِمَامَ لَمْ يَحْمِهِمْ**»، اس لیے کیونکہ امام نے ان کی حفاظت نہیں کی، «**وَالْجِبَايَةُ بِالْحِمَايَةِ**»، **جِبَايَةُ** کہتے ہیں بھائی وصول کرنا، **حِمَايَةُ، حِمَايَةُ** کہتے ہیں حفاظت کرنا۔ کہتے ہیں: «**وَالْجِبَايَةُ بِالْحِمَايَةِ**»، اور وصول کرنا حفاظت کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، وصولی کس وجہ سے ہوتی ہے؟ ہاں تو محصول جو ہے وہ حفاظت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہاں حفاظت نہیں تو محصول بھی نہیں ہو گا اس کے لیے۔

■ مسئلہ: وَأُفْتُوا

«وَأُفْتُوا»، أُفْتُوا پڑھنا بھائی، مجہول کا صیغہ ہے۔ «وَأُفْتُوا بِأَنْ يُعِيدُوهَا دُونَ الْخَرَاجِ»، اور ان کو فتویٰ دیا جائے گا، اور ان لوگوں کو علاقے والوں کو فتویٰ دیا جائے گا «بِأَنْ يُعِيدُوهَا»، کہ وہ اس صدقۃ السوائم کا اعادہ کریں، وہ سوائم کی زکوٰۃ دوبارہ دیں «دُونَ الْخَرَاجِ»، نہ کہ خراج۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ خلیفہ وصول دونوں نہیں کر سکتا، ایک دفعہ وہ ادا کر چکے ہیں۔ ہاں البتہ مفتی حضرات ان کو یہ فتویٰ دیں گے کہ کیا کرو؟ صدقۃ السوائم دوبارہ ادا کرو اور خراج دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

تو اس کی کیا وجہ ہے کہ صدقۃ السوائم کو لوٹائیں گے اور خراج نہیں لوٹائیں گے؟ تو کہتے ہیں فیما اچھا، «فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى»، یعنی یہ ان کے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے، کس کا؟ اللہ اور ان کے، یعنی ان کو فتویٰ دیا جائے گا۔ یاد رکھیے یہ جو مفتی فتویٰ دیتا ہے یہ اس بندے اور اس کے اللہ کے درمیان معاملہ ہوتا ہے، مفتی کو تو نہیں پتہ صورتِ حال کیا پیش آئی تھی یا کیا پیش نہیں آئی تھی، وہ آدمی آ کر مسئلہ ذکر کرتا ہے کہ مفتی صاحب یہ یہ یوں یوں مسئلہ پیش آ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مفتی اس کو شرعی حکم بتلاتا ہے کہ اگر یہ صورت پیش آئی ہے جو تم ذکر کر رہے ہو تو اس کے اندر مسئلہ یوں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ باقی اس کا اور اس کے اللہ کے مابین کا معاملہ ہے بھائی کہ صورت وہی پیش آئی ہے یا پیش نہیں آئی وہ تو اللہ ہی جانتے ہیں بھائی، تو اگر پیش آئی ہے تو اس کو اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے بھائی، سمجھ؟ تو یہاں بھی ان کو فتویٰ دیا جائے گا یہ ان کے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے بھائی، کیا کرنا چاہیے ان کو؟ دوبارہ وہ زکوٰۃ دینی چاہیے بھائی، خلیفہ ان سے وصول نہیں کر سکتا۔

تو ان کو فتویٰ دیا جائے گا کہ وہ اس صدقۃ السوائم کا اعادہ کریں نہ کہ خراج کا، «فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى»، ان کے اور یہ ان کے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے، تو ان کو یہ فتویٰ دیا جائے گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو مفتی کیا کرتا ہے صرف؟ فتویٰ دیتا ہے، شرعی مسئلہ بتلاتا ہے، بتلاتا ہے بناتا نہیں ہے بھائی بلکہ بتلاتا ہے، شریعت کے اندر اس چیز کا یہ حکم ہے۔ تو یہ ان کے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے بھائی۔ اور قاضی، قاضی تو فیصلہ جبراً نافذ کرواتا ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ قاضی فیصلہ، تو یہاں پر ان سے وصول نہیں کیا جائے گا بلکہ فتویٰ دے دیا جائے گا، ان کے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے۔

اب وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ ان کو یہ فتویٰ دیا جائے گا اور سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ لوٹانے کا نہ کہ خراج کا: «لِأَنَّهُمْ مَصَارِفُ الْخَرَاجِ»، اس لیے کیونکہ وہ خراج کا مصرف ہیں۔ خراج کا؟ خراج کا مصرف تو یہ ہیں، لہٰذا خراج لوٹانے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ بھائی کیوں یہ خراج کا مصرف کیسے ہیں خوارج؟ کہتے ہیں: «لِكَوْنِهِمْ مُقَاتِلَةً»، اس وجہ سے کہ یہ مقاتلہ ہیں، لڑنے والے ہیں یعنی مسلمانوں کی طرف سے کفار سے لڑنے والے ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ بھائی کفار حملہ کریں گے تو خوارج بھی ان کے ساتھ لڑیں گے یا نہیں لڑیں گے؟ خوارج بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ خوارج بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو یقیناً وہ بھی کفار سے لڑیں گے، تو یہ کفار کے ساتھ لڑنے والے ہیں، اور خراج بھی کن پر خرچ کیا جاتا ہے؟ جو سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اور کفار سے لڑنے والے ہوتے ہیں، تو بایں اعتبار کہ یہ بھی لڑنے والے ہیں کفار کے ساتھ تو یہ بھی کیا ہوئے؟ خراج کا مصرف ہوئے بھائی، اور جب مصرف ہیں تو ان کا خراج وصول کرنا ٹھیک ہو گیا، وہ جہاں خرچ ہونا چاہیے تھا وہیں گویا مال پہنچ گیا بھائی۔

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّهُمْ مَصَارِفُ الْخَرَاجِ»، اس لیے کیونکہ یہ خراج کا مصرف ہیں، «لِكَوْنِهِمْ مُقَاتِلَةً»، اس وجہ سے کہ یہ لڑنے والے ہیں یعنی کفار سے مقابلہ کرنے والے ہیں، ان سے لڑنے والے ہیں۔ «وَالزَّكَاةُ مَصْرِفُهَا الْفُقَرَاءُ فَلَا يَصْرِفُونَهَا إِلَيْهِمْ»، اور جبکہ زکوٰۃ جو تھی سائمہ جانوروں کی اس میں فتویٰ دیا جائے گا کہ وہ دوبارہ لوٹائیں، اس لیے کیونکہ زکوٰۃ کا مصرف جو ہے وہ کس پر خرچ کی جاتی ہے؟ فقراء مسلمانوں پر خرچ کی جاتی ہے، اور خوارج تو عام مسلمانوں کے قتل کو جائز کہتے تھے، اپنے علاوہ باقی سب کے قتل کو جائز کہتے تھے، تو وہ تو ان کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں، ان کو زکوٰۃ دیں گے وہ؟ جی؟ فقراء عام مسلمانوں کو تو وہ کیا کہتے ہیں؟ کافر قرار دیتے ہیں، ان کے قتل کو جائز قرار دیتے ہیں، تو وہ ان کو یقیناً زکوٰۃ بھی نہیں دیں گے، تو زکوٰۃ اپنے مصرف پر خرچ ہوئی؟ اپنے مصرف پر خرچ نہیں، اس لیے ان کو فتویٰ دیا جائے گا کہ یہ زکوٰۃ دوبارہ دے دیں۔

تو کہتے ہیں: «وَالزَّكَاةُ مَصْرِفُهَا الْفُقَرَاءُ»، اور زکوٰۃ جو ہے اس کا مصرف تو فقراء ہے، «فَلَا يَصْرِفُونَهَا إِلَيْهِمْ»، تو یہ اس پر اس کو خرچ نہیں کریں گے۔

■ مسئلہ: وَقِيلَ

«وَقِيلَ»، اور کہا گیا ہے: «إِذَا نَوَى بِالدَّفْعِ التَّصَدُّقَ عَلَيْهِمْ سَقَطَ عَنْهُ»، بعض فقہاء فرماتے ہیں بھائی خوارج کو صدقۃ السوائم دیتے وقت اگر وہ صدقہ دینے والے نے یہ نیت کر لی کہ یہ میں انہی پر صدقہ کرتا ہوں، کیا کرتا ہوں؟ انہی پر صدقہ کرتا ہوں، یہ نیت نہیں کہ یہ آگے کسی کو صدقہ کریں پہنچائیں گے بلکہ کیا نیت کی؟ انہی پر میں یہ صدقہ کرتا ہوں، انہی پر یہ زکوٰۃ انہی کو دیتا ہوں، تو یاد رکھیے وہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ان سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، ان سے زکوٰۃ کیا ہو جائے گی؟ ساقط ہو جائے گی۔

بھائی کیوں کس طرح زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی؟ کہتے ہیں بھائی یہ لوگ جو ہیں اسی طرح ہر ظالم جو ہے وہ لوگوں پر ظلم وغیرہ کرتے ہیں، ان کے حقوق غصب کرتے ہیں،

ان کا مال چھین لیتے ہیں، تو اس قسم کے جو ظالم لوگ ہیں ان پر لوگوں کے اس قدر حقوق ہوتے ہیں کہ اگر اس میں ان کی ساری دولت بھی خرچ ہو جائے تو وہ حقوق پورے نہیں ہو سکتے بھائی، تو گویا ان پر یہ سارا کچھ دَین ہے اور اس دین نے کیا کیا ہوا ہے؟ ان کے سارے مال کا احاطہ کیا ہوا ہے، اور جب دین نے سارے مال کا احاطہ کیا ہوا ہے تو گویا ان کے پاس کوئی مال سرے سے ہے ہی نہیں، جب کوئی مال سرے سے ہے ہی نہیں تو یہ فقراء ہوئے اور فقراء کو مال دینا فقراء کو زکوٰۃ دی جاتی ہے، لہٰذا اس وجہ سے زکوٰۃ کی نیت کی تو ان کو دیتے وقت تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

کہتے ہیں: «**وَقِيلَ إِذَا نَوَى بِالدَّفْعِ التَّصَدُّقَ عَلَيْهِمْ سَقَطَ عَنْهُ**»، اور کہا گیا ہے کہ جب نیت کی ان کو دیتے وقت ان پر صدقہ کرنے کی تو زکوٰۃ اس سے صدقہ اس سے ساقط ہو جائے گا دینے والے سے، «**وَكَذَا مَا دَفَعَ إِلَى كُلِّ جَائِرٍ**»، جائر کہتے ہیں ظالم کو، اور اسی طرح جو حوالے کیا ہر ظالم کے تو اس میں بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، «**لِأَنَّهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ مِنَ التَّبِعَاتِ فُقَرَاءُ**»، اس وجہ سے کہ وہ ظالم جو ہیں ان پر جو حقوق اور حقوق ہوتے ہیں، تبعات جمع ہے تبعۃ کی، تبعۃ کہتے ہیں انجام کو اور نتیجے کو، مراد یہاں وہ حقوق ہیں جو لوگوں کے انہوں نے غصب کیے ہیں، اس کے نتیجے میں جو چیزیں ان پر واجب ہوئی ہیں، تو کہتے ہیں: «**لِأَنَّهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ مِنَ التَّبِعَاتِ فُقَرَاءُ**»، اس لیے کہ ان پر جو لوگوں کے حقوق ہیں ان کی وجہ سے یہ فقراء ہیں، تو لہٰذا ان کو دیتے ہوئے بھی زکوٰۃ کی نیت کرے گا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یہ بعض فقہاء نے فرمایا۔

■ مسئلہ: وَالْأَوَّلُ أَحْوَطُ

«**وَالْأَوَّلُ أَحْوَطُ**»، اور صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول جو ہے وہ احوط ہے، اس میں احتیاط زیادہ ہے، وہ کون سا قول؟ کہ ان کو فتویٰ دے دیا جائے کہ دوبارہ ادا کرو، تو دوبارہ ادا کرنے میں احتیاط زیادہ ہے بھائی، احتیاط زیادہ ہے۔

یاد رکھیے یہاں متن کے اندر خوارج کا ذکر آیا، خوارج کا، کہ اگر خوارج کسی سے خراج یا صدقہ وصول کر لیں تو اس صورت میں صدقے کے بارے میں فتویٰ دیا جائے گا کہ یہ صدقہ یعنی زکوٰۃ وہ لوگ دوبارہ ادا کر دیں اور خراج ان سے دوبارہ وصول نہیں کرے گا خلیفہ بھائی، تو یہ یاد رکھیے اس خوارج ہی نہیں مراد، خوارج تو ختم ہو چکے گزر چکے ہیں بلکہ اس سے مراد باغی ہیں، جو خلیفہ کی کیا کر دیں؟ خلیفہ سے جو لوگ بغاوت کر دیتے ہیں تو وہ باغی اگر اس طرح کسی سے خراج یا زکوٰۃ وصول کر لیں تو اس کا یہ حکم ہے جو انہوں نے جو انہوں نے یہاں بیان کر دیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

چلیے بس بھائی، هذا هو المرام، والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۱۰۲: مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ فِ...

ہدایہ صفحہ: ۲۰۹ — بتاریخ: ۲۷ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ فِي سَائِمَتِهِ شَيْءٌ، وَعَلَى الْمَرْأَةِ مَا عَلَى الرَّجُلِ مِنْهُمْ؛ لِأَنَّ الصُّلْحَ قَدْ جَرَى عَلَى ضِعْفِ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ دُونَ صِبْيَانِهِمْ، وَإِنْ هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزَّكَاةِ سَقَطَتِ الزَّكَاةُ». [1]

«وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ فِي سَائِمَتِهِ شَيْءٌ» بنو تغلب بھائی! یہ عرب کے عیسائیوں کا ایک قبیلہ تھا بھائی۔ تھے عرب لیکن کیا تھے؟ عیسائی تھے اور یہ روم کی طرف، روم کے قریب رہتے تھے بھائی، روم کے قریب۔ اور تھے جب مسلمانوں نے یہ سارے علاقے فتح کر لیے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر جزیہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا کہ ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا، تو یہ بنو تغلب والے کہنے لگے کہ ہم بھی عرب ہیں، آپ جیسے عرب ہیں اسی طرح ہم بھی عرب ہیں اور یہ ہمارے لیے بڑی شرم اور بڑے عار کی بات ہو گی کہ ہم آپ کو کیا کریں؟ جزیہ ادا کریں۔ ہمارے لیے طعنہ بن جائے گا یہ، ہم آپ کو جزیہ نہیں دے سکتے۔ ہاں، جو آپ مسلمانوں سے وصول کرتے ہیں وہی دینے کے لیے ہم تیار ہیں، چاہے ہم سے اس سے دگنا لے لیا کریں۔ یعنی جو مسلمانوں سے زکوٰۃ لیتے ہیں ہم بھی زکوٰۃ دینے کے لیے تیار ہیں، کیونکہ وہ تو آپ سارے مسلمانوں سے بھی وصول کرتے ہیں تو ہم بھی دے دیں گے۔ چاہے اس کو دگنا ہم پر کر دیں تو وہ ہم دینے کے لیے تیار ہیں لیکن جزیہ دینا ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہو گی، ہم وہ ادا نہیں کریں گے۔ اور اگر آپ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تو ہم بھاگ کر روم چلے جائیں گے لیکن جزیہ دینا ہمیں کسی صورت میں منظور نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور پھر اس کو منظور فرما لیا، منظور فرما لیا اور فرمانے لگے کہ یہ جزیہ ہی ہے، تم اس کو جو بھی نام دے دو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بھائی، تم جو بھی نام دو اس کو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو لہٰذا اب یہ جو بنو تغلب والے ہیں ان سے مسلمانوں سے جو وصول کیا جاتا ہے اس سے دگنا لیا جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ حضرت عمر نے اس طرح مقرر کیا اور پھر یہی سلسلہ بعد میں بھی چلتا رہا خلفائے راشدین کے دور میں۔ تو ان سے مسلمانوں سے جو زکوٰۃ جس طرح لی جاتی ہے، ان سے وہی چیز دگنی لی جائے گی، دگنی لی جائے گی۔ اور جن جن مسلمانوں کے جن جن مالوں کے اندر زکوٰۃ لی جاتی ہے ان کے بھی انہی مالوں میں وہی چیز لیکن دگنی کر کے لی جائے گی، اور مسلمانوں کے جن مالوں میں جو چیز واجب نہیں ہے تو ان کے بھی ان مالوں کے اندر کوئی چیز ان سے نہیں لی جائے گی کیونکہ ان سے اسی بات پر معاہدہ ہوا بھائی، بات سمجھ میں آ گئی۔

تو یہی بات ذکر کر رہے ہیں کہ اب ان کے بچے ہیں مثلاً اور اس بچہ، وہ بچہ ہے ان کا وہ مالک ہے سائمہ جانوروں کا، تو ان سے کچھ نہیں وصول کیا جائے گا۔ اس لیے کیونکہ مسلمان بچے پر جیسے زکوٰۃ نہیں آتی تو ان کے ساتھ بھی یہی معاہدہ ہوا کہ جو مسلمانوں سے لیا جائے گا اسی کا دگنا ان سے لیا جائے گا، اور مسلمان بچے کے مال پر تو زکوٰۃ نہیں آتی لہٰذا ان کے بچے کے مثلاً سائمہ جانور ہے تو ان سے بھی سوائم کی زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ اور البتہ زکوٰۃ، زکوٰۃ تو جیسے مسلمان مردوں سے وصول کی جاتی ہے اسی طرح عورتوں سے بھی وصول کی جاتی ہے تو ان کی عورتوں سے بھی وصول کی، یہ مال وصول کیا جائے گا اسی کا دگنا کر کے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ فِي سَائِمَتِهِ شَيْءٌ» اور نہیں ہے بنو تغلب کے بچوں میں ان کے سائمہ جانوروں کے اندر کوئی چیز، یعنی وہ ان سے، پر واجب ان سے وصول نہیں کی جائے گی۔ «وَعَلَى الْمَرْأَةِ مَا عَلَى الرَّجُلِ مِنْهُمْ» اور ان کی عورتوں پر وہی ہے جو ان کے مردوں پر واجب ہے۔ «لِأَنَّ الصُّلْحَ قَدْ جَرَى عَلَى ضِعْفِ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ» اس لیے کیونکہ صلح جو ہے وہ جاری ہوئی تھی اس، کس چیز پر؟ «عَلَى ضِعْفِ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ» مسلمانوں سے جو لیا جاتا ہے اس سے دگنے پر صلح جاری ہوئی تھی۔ «وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ دُونَ صِبْيَانِهِمْ» اور مسلمان،

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۳۵): «منهم»۔

مسلمانوں کی عورتوں سے لیا جاتا ہے نہ کہ بچوں سے۔ تو ان کی بھی عورتوں کے مالوں میں سے زکوۃ لی جائے گی اور بچوں کے مال میں سے نہیں لی جائے گی۔ اور کتنی لی جائے گی؟ دگنی لی جائے گی بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزَّكَاةِ س...

«وَإِنْ هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزَّكَاةِ سَقَطَتِ الزَّكَاةُ». بھائی یاد رکھیے، ہمارا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک زکوۃ جو ہے وہ مال کے اندر واجب ہوتی ہے۔ کس کے اندر؟ مال کے۔ لہٰذا مال باقی ہے تو زکوۃ بھی دینی پڑے گی، مال ہلاک ہو گیا تو زکوۃ بھی اسی قدر ساقط ہو جائے گی۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ جو ہے مال کے اندر واجب نہیں ہوتی بلکہ اس شخص کے ذمے میں واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر مال بے شک ہلاک ہو جائے لیکن وہ شخص تو موجود ہے، اس کا ذمہ تو موجود ہے، لہٰذا زکوۃ اس سے ساقط نہیں ہو گی بلکہ اس پر دین رہے گی، اسے ادا کرنا پڑے گی۔ اختلاف سمجھ میں آیا بھائی؟

تو یہی بات ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَإِنْ هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزَّكَاةِ سَقَطَتِ الزَّكَاةُ» اور اگر مال ہلاک ہو گیا زکوۃ کے واجب ہو جانے کے بعد تو زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً ایک شخص پر مال ہے اس کے پاس، سال گزر گیا، اس پر زکوۃ واجب ہو گئی، ابھی اس نے زکوۃ ادا نہیں کی، تاخیر کر دی کچھ، اور اس دوران اس کا سارا مال ہلاک ہوا تو ساری، ساری زکوۃ بھی اس سے ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر کچھ مال ہلاک ہوا ہے تو اسی کے بقدر زکوۃ اس سے ساقط ہو جائے گی۔

اور یاد رکھیے بھائی! یہ ہلاک کی بات ہو رہی ہے اگر مال اس کا ہلاک ہو جاتا ہے۔ ایک ہے ہلاک اور ایک ہے استہلاک، میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ہلاک یہ ہے کہ مال خود ہلاک ہو جائے، کسی قدرتی آفت وغیرہ یا کسی وجہ سے کس نے چرا لیا یا آگ لگ گئی یا کچھ ہو گیا۔ اور ایک ہے استہلاک، کہ خود اس کو ہلاک کرتا ہے، یعنی خود اس کو خرچ کرتا ہے یا خود جلا دیتا ہے، تو استہلاک کی صورت میں زکوۃ ہمارے نزدیک بھی ساقط نہیں ہو گی کیونکہ اس نے زیادتی کی ہے اور خود مال کو ہلاک کیا ہے تو اس سے زکوۃ ساقط نہیں ہو گی بلکہ اس کو ادا کرنا پڑے گی بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو ہمارے نزدیک کس صورت میں زکوۃ ساقط ہو گی؟ ہلاک کی صورت میں ساقط ہو گی، استہلاک کی صورت میں نہیں ہو گی۔

تو اسی لیے ہلاک ذکر کیا: «وَإِنْ هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزَّكَاةِ سَقَطَتِ الزَّكَاةُ» اور اگر مال ہلاک ہو جائے زکوۃ واجب ہو جانے کے بعد تو زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: ي...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: يَضْمَنُ إِذَا هَلَكَ بَعْدَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْأَدَاءِ». امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر ضمان آئے گا جبکہ مال ہلاک ہوا ہو بعد اس کے کہ جبکہ وہ قادر تھا زکوۃ کے ادا کرنے پر۔ مثلاً سال پورا ہو گیا اور سال پورا کرتے ہی، سال پورا کرتے ہی وہ زکوۃ ادا کرنے پر قادر تھا، مال اس کے پاس تھا، اور پھر اس نے کیا کیا؟ زکوۃ ادا نہیں کی، تو اب وہ زکوۃ اس کے ذمے میں رہے گی بھائی، اسے وہ ادا کرنا پڑے گی۔ تو معلوم ہوا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جیسے ہی سال پورا ہوتا ہے، زکوۃ واجب ہو جائے گی اور ساتھ ہی وہ زکوۃ کے ادا کرنے پر بھی کیا ہے اس وقت؟ قادر ہے، تو لہٰذا اب وہ اس کے ذمے میں باقی رہے گی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس کے ذمے میں۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَضْمَنُ إِذَا هَلَكَ بَعْدَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْأَدَاءِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ضامن ہو گا یعنی اس پر ضمان آئے گا «إِذَا هَلَكَ بَعْدَ التَّمَكُّنِ» جب مال ہلاک ہو جائے بعد اس کے کہ وہ شخص قادر تھا «مِنَ الْأَدَاءِ» ادا کرنے پر۔ جب وہ ادا کرنے پر قادر تھا اور اس نے زکوۃ ادا نہیں کی تو لہٰذا اس پر اس کے، اس پر ضمان آئے گا، بے شک مال ہلاک ہو جائے لیکن وہ ضمان آئے گا اور وہ زکوۃ اس کے ذمے رہے گی، اسے ادا کرنا پڑے گی۔

دلیل ان کی کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِي الذِّمَّةِ» اس لیے کیونکہ جو واجب ہے وہ اس کے ذمے کے اندر ہے، یہ جو زکوۃ واجب ہوئی ہے وہ اس کے ذمے کے اندر ہے۔ جیسے میں نے بتلا دیا کہ ہمارے نزدیک زکوۃ کس میں ہوتی ہے؟ مال کے اندر، اور ان کے نزدیک ذمے کے اندر، اس شخص کے ذمے واجب ہے۔ وہ فرماتے ہیں: «لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِي الذِّمَّةِ» اس لیے کیونکہ وہ جو چیز واجب ہوئی ہے «فِي الذِّمَّةِ» وہ اس کے ذمے میں ہے، «فَصَارَ كَصَدَقَةِ الْفِطْرِ» تو یہ صدقۂ فطر کی طرح ہو گیا۔ یہ کس کی طرح ہوا؟ زکوۃ کس کی طرح ہو گئی بھائی؟ صدقۂ فطر کی طرح ہو گئی، اور صدقۂ فطر تو بالاتفاق ذمے میں واجب ہوتا ہے، ہمارے نزدیک بھی صدقۂ فطر اس شخص کے ذمے میں واجب ہوتا ہے لہٰذا وہ دینا ہی پڑے گا چاہے مال ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائے بھائی۔ تو وہ فرماتے ہیں یہ بھی اسی کی طرح ہے، لہٰذا یہ بھی اس کے ذمے میں رہے گی۔

مسئلہ: وَلِأَنَّهُ

« وَلِأَنَّهُ » دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی، وہ فرماتے ہیں: « وَلِأَنَّهُ مَنَعَهُ بَعْدَ الطَّلَبِ فَصَارَ كَالِاسْتِهْلَاكِ » اور نیز اس لیے کیونکہ اس شخص نے اس کو روک دیا وہ جو مال اس پر واجب ہوا تھا، « بَعْدَ الطَّلَبِ » طلب کے بعد۔ کس کے بعد؟ طلب کے بعد اس نے اس کو روک دیا، ادا نہیں کیا، « فَصَارَ كَالِاسْتِهْلَاكِ » تو یہ بھی کس کی طرح ہو گیا؟ استہلاک کی طرح ہو گیا اور استہلاک میں تو بالاتفاق ضمان آتا ہے تو لہٰذا یہاں پر بھی کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا، زکوٰۃ اس کو دینا پڑے گی بھائی۔

بھائی کیا معنی ہے اس نے روک دیا طلب کے بعد؟ بھائی یاد رکھیے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ادا واجب ہو جاتی ہے جب زکوٰۃ پر سال پورا ہو جائے اور زکوٰۃ واجب ہو گئی اور پھر ادا کب واجب ہو گی؟ وہ فرماتے ہیں جب کوئی مستحقِ زکوٰۃ مل جائے۔ ایک ہے نفسِ وجوب، آپ اصولِ فقہ میں پڑھ چکے ہیں، ایک ہے وجوبِ ادا۔ سال گزرا نفسِ وجوب آ گیا، زکوٰۃ اس پر واجب ہو گئی۔ اور پھر جب اس کو کوئی مستحق مل جائے گا تو ادا بھی واجب ہو جائے گی، اب اس پر ادا کرنا لازم ہو گیا، اس پر ادا کرنا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ادا کب واجب ہوتی ہے؟ جب کوئی مستحقِ زکوٰۃ مل جائے۔ چاہے اس کو پہلے سے معلوم ہے، چاہے بعد میں طلب کرنے سے ملے۔ چاہے پہلے سے معلوم ہے، تو مستحقِ زکوٰۃ مل گیا یا نہیں مل گیا؟ مستحقِ زکوٰۃ پہلے سے معلوم ہے نا ایک کہ ایک شخص یہ شخص بیچارہ محتاج ہے، غریب ہے، مستحقِ زکوٰۃ ہے۔ تو جب پہلے سے معلوم ہے تو جس وقت سال پورا ہوا عین اسی لمحے میں جب وجوبِ زکوٰۃ آیا، اگلے ہی لمحے میں کیا آ گیا؟ وجوبِ ادا بھی آ جائے گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اسی لمحے میں۔ اور اگر طلب کرنے کے بعد ملا، سال پورا ہو گیا، زکوٰۃ واجب ہو گئی، اب اس نے تلاش شروع کر دی کہ کوئی مستحقِ زکوٰۃ مجھے مل جائے اور پھر اس کو مثلاً ایک دن بعد، دو دن بعد اس کو کون مل گیا؟ مستحقِ زکوٰۃ۔ وہ فرماتے ہیں جیسے مستحقِ زکوٰۃ ملے گا اب اس پر کیا واجب ہو جائے گی؟ ادا بھی واجب ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو ان کے نزدیک زکوٰۃ میں وجوبِ ادا آئے گا جب کسی مستحقِ زکوٰۃ کو پالے۔ جب اس نے مستحقِ زکوٰۃ کو پا لیا تو گویا اس کی طرف سے طلب آ گئی۔ فقیر ہے، اس نے اس سے مانگا نہیں، محتاج ہے مانگا نہیں لیکن اس نے اس کو پا لیا یا نہیں؟ اس کو پتہ چل گیا یا نہیں کہ فلاں شخص محتاج ہے؟ اس کو پتہ ہے۔ تو جیسے ہی اس کا پتہ چلے گا، ساتھ ہی گویا اس فقیر کی طرف سے مطالبہ آ گیا کہ لائیں بھائی زکوٰۃ مجھے دے دیں، میرا جو حق آپ کے مال میں اللہ نے مقرر کیا تھا وہ میرے حوالے کر دیں۔ اور اس نے تو ادا نہیں کی تو گویا اس کے طلب کے بعد اس نے مال کو روک لیا اور طلب کے بعد مال کو روکنا اس صورت میں ضمان آتا ہے۔ اس میں کیا آتا ہے؟ جیسے آپ امانت کے مسئلے میں پڑھ چکے ہیں، امانت کسی کے پاس رکھوائی جائے اور اس نے اس کو محفوظ طریقے سے رکھا ہے اور وہ امانت اس کے پاس پھر بھی ہلاک ہو گئی تو اس پر ضمان نہیں آتا۔ ضمان؟ لیکن اگر وہ امانت لینے والا آدمی آ گیا اور اس نے کہا لائیں بھائی مجھے امانت دے دیں اور اس نے جان بوجھ کر اس کو امانت نہیں دی کہ کل دوں گا آپ کو بھائی، کل دوں گا، سمجھ میں آیا؟ یا چند دن بعد دوں گا، ابھی نہیں میں دے سکتا آپ کو، اس نے روک لیا امانت کو، اب اگر امانت ہلاک ہو گئی تو یاد رکھیے اس میں ضمان آئے گا۔ کیا آئے گا؟ کیونکہ طلب کے بعد اس نے کیا کر لیا؟ اس کے حق کو روک لیا۔

تو یہاں پر بھی امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب فقیر مستحق کو اس نے پا لیا تو اس کی طرف سے تقدیراً طلب آ گئی۔ فرض کر لیا کیا آ چکی ہے؟ حقیقتاً تو اس نے مطالبہ نہیں کیا لیکن فرض کیا کر لیا گیا؟ کہ اس کی طرف سے مطالبہ آ گیا۔ جب اس کی طرف سے مطالبہ آ گیا اور اس نے پھر بھی ادا نہیں کی تو اس نے کیا کیا؟ مطالبے کے بعد مال کو روک لیا اور جب مطالبے کے بعد مال کو روک لیا جائے تو اس صورت میں کیا آتا ہے؟ ضمان آتا ہے کیونکہ یہ کس کی طرح ہے؟ استہلاک کی طرح ہے گویا اس نے خود کیا، اس نے تو مانگا تھا اس نے اور اس وقت اس کے پاس موجود تھا یہ دے سکتا تھا، پھر بھی نہیں دیا تو گویا اس نے کیا کیا ہے؟ اس کے مال کو ہلاک کیا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو ان کی دوسری دلیل چل رہی ہے۔ پہلی کیا دلیل تھی؟ کیونکہ زکوٰۃ کیا ہے؟ اس کے ذمے میں واجب ہے، جب ذمے میں واجب ہے تو یہ صدقۂ فطر کی طرح، اور جب صدقۂ فطر کی طرح ہے تو صدقۂ فطر تو مال کے ہلاک ہونے سے ساقط نہیں ہوتا، زکوٰۃ بھی ساقط نہیں۔ دوسری دلیل: « وَلِأَنَّهُ مَنَعَهُ بَعْدَ الطَّلَبِ » اور اس لیے کیونکہ اس نے مال کو روکا ہے طلب کے بعد، کس کے بعد؟ طلب کے بعد، « فَصَارَ كَالِاسْتِهْلَاكِ » تو یہ کس کی طرح ہوا؟ استہلاک کی طرح ہوا، اور استہلاک میں تو بالاتفاق کیا آتا ہے؟ ضمان آتا ہے، لہٰذا یہاں بھی کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا کیونکہ مطالبے کے بعد اس نے اس واجب مال کو یعنی زکوٰۃ کو روک لیا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْوَاجِبَ جُزْءٌ مِنَ النِّصَابِ ت...

« وَلَنَا أَنَّ الْوَاجِبَ جُزْءٌ مِنَ النِّصَابِ تَحْقِيقًا لِلتَّيْسِيرِ » اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ واجب ذمے میں نہیں ہے، جواب دے رہے ہیں ان کی پہلی دلیل کا، بلکہ واجب جو ہے وہ نصاب میں سے ایک جزء ہے۔ تو زکوٰۃ مال میں، نصاب میں واجب ہوتی ہے، کسی شخص کے ذمے میں واجب نہیں ہوتی۔ بھائی کیوں، مال کے اندر کیوں واجب ہے؟ ذمے کے اندر کیوں نہیں واجب؟ ہم کہتے ہیں آسانی کے کو ثابت کرنے کے لیے، آسانی اسی کے اندر ہے۔ کس کے اندر ہے؟ کیونکہ شریعت

نے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نصاب مقرر کیا۔ مثلاً چالیس بکریوں میں سے شریعت نے کیا واجب کی؟ ایک بکری، تاکہ اس کے پاس انتالیس بکریاں باقی رہ جائیں تو یہ ایک دینا اس کے لیے آسان ہے، کوئی مشکل نہیں۔ جب انتالیس اس کے پاس رہ جائیں گی تو آسانی ہے یا آسانی نہیں ہے؟ آسانی ہے۔ تو معلوم ہوا نصاب شریعت نے اسی لیے مقرر کیا ہے تاکہ باقی انتالیس حصے مثلاً اس شخص کے پاس رہ جائیں گے اور سہولت رہے گی بھائی، سہولت رہے گی کہ انتالیس حصے اس کے پاس باقی ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا آسانی کس صورت میں کہ اس کے ذمے میں واجب قرار دیا جائے یا اس مال کے اندر واجب قرار دیا جائے؟ مال کے اندر واجب کیونکہ وہ باقی سارا مال اس کے پاس بچ جائے گا تو اس میں آسانی ہے، جبکہ ذمے میں واجب قرار دیا جائے پھر وہ تو ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں پر یہ نصاب کا ایک جزء واجب ہوا ہے تو نصاب باقی ہے تو یہ جزء بھی باقی ہے، نصاب جس قدر ہلاک ہوگا یہ جزء میں بھی کیا ہو جائے گی؟ اسی کے بقدر کمی آجائے گی۔ دلیل سمجھ میں آگئی۔

اور «وَلَنَا أَنَّ الْوَاجِبَ جُزْءٌ مِنَ النِّصَابِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ واجب جو ہے وہ نصاب کا ایک، نصاب میں سے ایک جزء ہے «تَحْقِيقًا لِلتَّيْسِيرِ» آسانی کو ثابت کرنے کے لیے کہ آسانی اسی کے اندر ہے۔ «فَيَسْقُطُ بِهَلَاكِ مَحَلِّهِ» تو یہ واجب بھی ساقط ہو جائے گا اپنے محل کے ہلاک ہو جانے سے۔ جب اس کا محل ہلاک ہوگا تو یہ واجب بھی کیا ہو جائے گا؟ ساقط ہو جائے گا۔ بھائی دیکھیے، زکوٰۃ ہمارے نزدیک کس میں سے واجب؟ مال یعنی نصاب میں سے اسی کا ایک جزء ہے کیونکہ باقی سارا مال اس کے پاس بچ جائے گا تو آسانی ہوگی، اس کے لیے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ معلوم ہوا وہ جو زکوٰۃ واجب ہوئی ہے وہ کس کے اندر ہے؟ نصاب کے اندر، اور گویا نصاب اس کا محل ہے، اور یہ محل جب تک ہے اس وقت تک زکوٰۃ بھی ہے اور جب یہ محل ہلاک ہو جائے گا تو زکوٰۃ بھی کیا ہو جائے گی؟ ساقط، کیونکہ زکوٰۃ اسی کا ایک جزء تھا اور وہ جب کُل ہی نہیں رہا تو جزء بھی نہیں رہے گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی۔

یہ معنی ہے: «فَيَسْقُطُ بِهَلَاكِ مَحَلِّهِ» تو یہ واجب جو ہے ساقط ہو جائے گا اپنے محل کے ہلاک ہو جانے سے، کیونکہ وہ نصاب اس کا محل تھا وہی نہیں رہا تو یہ بھی جزء بھی باقی نہیں رہے گا۔ «كَدَفْعِ الْعَبْدِ الْجَانِي بِالْجِنَايَةِ يَسْقُطُ بِهَلَاكِهِ» جیسے کہ حوالے کرنا اس غلام کو جس نے کوئی جنایت کی ہے، بال جنایۃ بوجہ جنایت کے، «يَسْقُطُ بِهَلَاكِهِ» تو یہ ساقط ہو جاتا ہے یعنی حوالے کرنا ساقط ہو جاتا ہے اس کے ہلاک ہونے کی وجہ سے۔

بھائی یاد رکھیے، آزاد آدمی جب کوئی جنایت کرتا ہے مثلاً کسی کو خطأً قتل کر دیا ہے یا کسی کا ہاتھ کاٹ دیا یا پاؤں کاٹ دیا خطأً تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر کسی کو خطأً قتل کیا ہے تو پوری دیت دینا پڑے گی، ہاتھ کاٹ دیا ہے تو نصف دیت دینا پڑے گی، اسی طرح ایک پاؤں کاٹ دیا ہے تو نصف دیت دینا پڑے گی۔ یہ تو آزاد آدمی کے اندر ہے۔ اگر غلام سے اس طرح کوئی جنایت ہو جائے، کوئی جرم ہو جائے تو یاد رکھیے اس صورت میں پھر وہ غلام جس پر جنایت کی تھی ان کو دے دیا جاتا ہے بھائی۔ یہ غلام کیا کرنا پڑتا ہے؟ کیونکہ غلام کی ملکیت میں تو کوئی مال نہیں ہے لہٰذا مالک کیا کرے گا؟ اسی غلام کو ان کو دے دے گا کہ اس نے تمہارا جرم کیا، لو بھائی اب تم ہی اس کے مالک ہو۔ الا یہ کہ مالک اس کو اس کا فدیہ دے کر اس کو چھڑا لے بھائی، اس کا مال وغیرہ دے کر اس کو اس غلام کی قیمت ان کے حوالے کر دیتا ہے کہ چلو یہ غلام رہنے دو میں کیا کرتا ہوں؟ تمہیں اس کی قیمت دے دیتا ہوں۔ تو اختیار ہے اس کو یا تو غلام کیا کرے؟ اس کے حوالے کرے یا اس کو فدیہ دے کر اس کو چھڑوا لے۔ اب صورت یہ، غلام نے کوئی جنایت کی ہے اور ابھی ان کے حوالے نہیں کیا غلام کو کہ وہ غلام ہلاک ہو گیا، غلام ہلاک ہو گیا۔ تو یاد رکھیے اب یہاں پر وہ جو غلام کا حوالے کرنا تھا وہ بھی ساقط ہو گیا، وہ بھی کیا ہو گیا؟ ساقط، کیونکہ محل ہی نہ رہا، دینا کس کو تھا، حوالے کس کو کرنا تھا؟ غلام کو، اور وہ محل جس چیز کو حوالے کرنا تھا وہ رہا ہی نہیں، وہ ہلاک ہو گیا۔ تو جیسے وہاں پر وہ جس چیز کو حوالے کرنا تھا وہ چیز نہ رہی تو وہ حوالے کرنا بھی کیا ہو گیا؟ ساقط ہو گیا، اسی طرح یہاں پر بھی زکوٰۃ کس کے اندر ہے؟ نصاب کے اندر ہے، اسی کا ایک جزء ہے تو جب نصاب ہلاک ہوا تو وہ جزء بھی ہلاک ہو گیا، تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی بھائی، کیونکہ جو چیز دینی تھی وہ باقی نہیں رہی، جب کُل ہلاک ہوا تو جزء بھی کیا ہو گیا؟ ہلاک ہو گیا، باقی ہی نہیں رہا۔ باقی رہتا تو حوالے ہم کرتے لیکن باقی نہیں رہا، ساقط ہو گیا۔ جیسے وہاں اس غلام کا حوالے کرنا کیا ہو جاتا تھا؟ ساقط، کیوں؟ کیونکہ حوالے کس کو کرنا تھا؟ اس غلام کو اور وہ باقی نہیں رہا، وہ تو ہلاک ہو گیا، تو اب کس کو حوالے کریں بھائی؟ صورت سمجھ میں آگئی۔

یہ معنی ہے: «فَيَسْقُطُ بِهَلَاكِ مَحَلِّهِ» تو وہ واجب مال جو ہے زکوٰۃ کا وہ اپنے محل کے ہلاک ہونے سے ساقط ہو جائے گا «كَدَفْعِ الْعَبْدِ الْجَانِي بِالْجِنَايَةِ يَسْقُطُ بِهَلَاكِهِ» جیسے کہ جنایت کی وجہ سے جنایت کرنے والے غلام کا حوالے کرنا «يَسْقُطُ بِهَلَاكِهِ» یہ ساقط ہو جاتا ہے اس کے ہلاک ہو جانے سے۔

■ مسئلہ: وَالْمُسْتَحِقُّ فَقِيرٌ يُعَيِّنُهُ الْمَالِكُ وَ...

«وَالْمُسْتَحِقُّ فَقِيرٌ يُعَيِّنُهُ الْمَالِكُ وَلَمْ يَتَحَقَّقْ مِنْهُ الطَّلَبُ» یہ دوسری دلیل کا جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی۔ انہوں نے دوسری دلیل کیا ذکر کی تھی؟ کیونکہ وہ فرماتے ہیں طلب فقیر کی طرف سے طلب تقدیراً آچکی ہے اور اس طلب کے بعد اس نے ادائیگی نہیں کی، مال کو روک لیا تو اس نے کیا کی؟ زیادتی کی تو یہ کس کی طرح ہوا؟ استہلاک کی طرح ہوا۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھائی دیکھیے، مستحق، زکوٰۃ کا مستحق دنیا کا ہر فقیر نہیں ہے بلکہ وہ فقیر ہے جس کو مالک متعین کر کے اس کو مال دیتا ہے۔ مالک کی مرضی ہے چاہے اس فقیر کو دے، دوسرے کو دے، تیسرے کو دے، چوتھے کو دے، مرضی ہے یا نہیں اس کی؟ تو جس کو دے گا وہ متعین ہوگا، اس سے پہلے کوئی متعین نہیں، اور متعین تو تب ہوگا جب اس کو حوالے کرے گا، اس سے پہلے وہ متعین بھی نہیں اور جب متعین نہیں ہے تو پھر اس کی

طرف سے مطالبہ بھی نہیں کیونکہ متعین ہی نہیں ہے تو مطالبہ کہاں سے آئے؟ پہلے فقیر تو متعین ہو، اس کے بعد کیا آسکتا ہے؟ مطالبہ آسکتا ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: «وَالْمُسْتَحِقُّ فَقِيرٌيُعَيِّنُهُ» تو لہٰذا انہوں نے دلیل کیا ذکر کی تھی کہ مطالبے کے بعد کیا آچکی ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل فقیر کی طرف سے مطالبہ آنے کے بعد اس نے کیا کیا ہے؟ منع کیا ہے، روک دیا ہے، انکار کیا ہے، مال نہیں دیا، تو ہم کہتے ہیں یہاں فقیر ہی نہیں متعین۔ جب فقیر نہیں متعین تو اس کی طرف سے طلب بھی نہیں، جب طلب نہیں ہے تو منع کرنا بھی نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَالْمُسْتَحِقُّ فَقِيرٌ يُعَيِّنُهُ الْمَالِكُ» اور مستحق تو ایسا فقیر ہے جس کو مالک متعین کرتا ہے «وَلَمْ يَتَحَقَّقْ مِنْهُ الطَّلَبُ» اور اس کی طرف سے تو طلب نہیں پائی گئی کیونکہ ابھی وہ متعین ہی نہیں ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَبَعْدَ طَلَبِ السَّاعِي قِيلَ يَضْمَنُ وَقِيلَ لَ...

«وَبَعْدَ طَلَبِ السَّاعِي قِيلَ يَضْمَنُ وَقِيلَ لَا يَضْمَنُ لِانْعِدَامِ التَّفْوِيتِ». اچھا یہ تو فقیر کی طلب کی بات تھی، اگر ساعی جو ہے، ساعی وہ شخص جو زکوٰۃ اکٹھی کرتا ہے، وصول کرتا ہے، زکوٰۃ وصول کرنے والا، زکوٰۃ پر جو عامل مقرر ہے۔ ساعی یعنی جو خلیفہ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہے وہ آیا اور اس نے آکر زکوٰۃ کا مطالبہ کیا کہ لاؤ بھائی زکوٰۃ دے دو، اس شخص نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، تو کیا اب اس صورت میں اس پر ضمان آئے گا؟ مثلاً دینے سے انکار کر دیا اور بعد میں اس کا سارا مال ہلاک ہو گیا، تو کیا اب بھی زکوٰۃ اس کے ذمے سے ساقط ہو گی یا ساقط نہیں ہو گی؟ یا اس نے جو منع کر دیا انکار کی وجہ سے اس پر ضمان آئے گا؟

تو کہتے ہیں: «وَبَعْدَ طَلَبِ السَّاعِي قِيلَ يَضْمَنُ» اور ساعی کے طلب کرنے کے بعد یعنی اس کے مطالبے کے بعد «قِيلَ يَضْمَنُ» کہا گیا ہے کہ وہ ضامن ہو گا کیونکہ مطالبے کے بعد اس نے کیا کیا؟ منع کیا اور مطالبے کے بعد منع کرنا یہ زیادتی ہے تو یہ استہلاک کی طرح ہو لہٰذا دینا پڑے گا۔ تو یہ امام کرخی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ «وَقِيلَ» اور کہا گیا ہے، یہ فقہائے ماوراء النہر کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں: «لَا يَضْمَنُ» کہ وہ ضامن نہیں ہو گا۔ ساعی کو نہیں دیتا پھر بھی اور بعد میں مال ہلاک ہو گیا تو بھی اس پر ضمان نہیں، «لِانْعِدَامِ التَّفْوِيتِ» کہتے ہیں اس لیے کیونکہ تفویت معدوم ہے۔ تفویت ہلاک کرنا، وہی استہلاک بھائی۔ تفویت کا کیا معنی؟ فوت کر دینا یعنی ہلاک کر دینا، تو استہلاک اور تفویت کا ایک معنی۔ اس لیے وہ فرماتے ہیں کیونکہ تفویت معدوم ہے، استہلاک یہاں نہیں پایا گیا اور ضمان تو کس صورت میں آتا ہے؟ استہلاک کی صورت میں۔ اس نے بے شک ساعی کے حوالے زکوٰۃ نہیں کی، ساعی کے حوالے نہیں کی لیکن یہ ہو سکتا ہے اس کا ارادہ کسی اور کو دینے کا ہو، اس کا ارادہ کسی اور کو دینے کا ارادہ ہو اور اس دوران مال سارا ہلاک ہو گیا تو مال ہلاک ہوا ہے یا استہلاک یہاں پر پایا گیا ہے؟ ہلاک ہونا پایا گیا ہے، تفویت یا استہلاک یہاں پر نہیں اور ضمان تو کس صورت میں آتا تھا؟ استہلاک کی صورت میں آتا تھا، یہاں تو استہلاک پھر بھی نہیں ہے لہٰذا اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہا گیا: «وَقِيلَ لَا يَضْمَنُ لِانْعِدَامِ التَّفْوِيتِ» اور کہا گیا ہے کہ یہ ضامن نہیں ہو گا تفویت نہ پائے جانے کی وجہ سے کیونکہ یہاں تفویت نہیں ہے۔ «وَفِي الِاسْتِهْلَاكِ وُجِدَ التَّعَدِّي» جبکہ اور استہلاک کے اندر بھائی امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا کیا تھا؟ اس زکوٰۃ، اس ہلاک کو کس پر قیاس کیا تھا؟ استہلاک پر قیاس کیا کہ اس نے منع کیا ہے طلب کے بعد تو یہ کس کی طرح ہوا؟ استہلاک کی طرح ہے اور استہلاک میں تو ضمان آتا ہے تو اس ہلاک میں بھی کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا، ہم کہتے ہیں نہیں، ہلاک کو آپ استہلاک پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ استہلاک کے اندر اس شخص اس مال کے مالک کی طرف سے زیادتی پائی گئی ہے، اس نے زیادتی کی ہے، سارا مال خود ہلاک کیا ہے تو وہ الگ صورت ہے اور ہلاک میں تو اس بیچارے کا کوئی دخل نہیں ہے لہٰذا اس میں ضمان نہیں آئے گا۔ یہ معنی ہے: «وَفِي الِاسْتِهْلَاكِ وُجِدَ التَّعَدِّي» اور استہلاک کے اندر تو زیادتی پائی گئی، تعدی زیادتی کرنا بھائی۔

■ مسئلہ: وَفِي هَلَاكِ الْبَعْضِ يَسْقُطُ بِقَدْرِهِ اعْتِبَارًا...

«وَفِي هَلَاكِ الْبَعْضِ يَسْقُطُ بِقَدْرِهِ اعْتِبَارًا لَهُ بِالْكُلِّ» یہاں آخر میں اب چھوٹی سی ایک بات صاحب ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھائی متن میں تو آیا تھا سارا مال ہلاک ہو جائے تو ساری زکوٰۃ کیا ہو جائے گی؟ ساقط۔ آگے بتلا رہے ہیں اگر بعض مال ہلاک ہو گا تو اسی کے بقدر زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی تو وہ گویا بعض کو یا یوں کہیں جزء کو قیاس کرتے ہیں کس پر؟ کل پر۔ کل مال ہلاک تو کل زکوٰۃ ساقط اور مال کا جزء ہلاک تو اسی کے بقدر جزء زکوٰۃ میں سے بھی ساقط ہو گا۔ یہ معنی ہے: «وَفِي هَلَاكِ الْبَعْضِ يَسْقُطُ بِقَدْرِهِ» اور بعض مال ہلاک ہونے کی صورت میں اسی کے بقدر جو ہے واجب بھی ساقط ہو جائے گا «اعْتِبَارًا لَهُ بِالْكُلِّ» قیاس کرتے ہوئے بعض کو کل پر۔

«وَإِنْ قَدَّمَ الزَّكَاةَ عَلَى الْحَوْلِ وَهُوَ مَالِكٌ لِلنِّصَابِ جَازَ». اور اگر مقدم کر دیا زکوٰۃ کو سال پر «وَهُوَ مَالِكٌ لِلنِّصَابِ» اس حال میں کہ یہ نصاب کا مالک ہے «جَازَ» تو یہ بھی جائز ہے۔

اچھا مسئلہ یاد رکھیے بھائی، ہمارے نزدیک سال کے گزرنے سے پہلے بھی اگر کوئی زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے، بشرطیکہ یہ شخص نصاب کا مالک ہو۔ سال کا آغاز ہوا اور یہ نصاب کا مالک ہے اور یہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ ابھی سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے، ابھی تو سال نہیں گزرا لیکن اگر یہ نصاب کا مالک ہے تو زکوٰۃ پہلے سے ہی ادا کر سکتا ہے، کر سکتا ہے۔ اس لیے کیونکہ زکوٰۃ کا سبب کیا ہے؟ نصاب، اور نصاب کے بقدر مال کا تو یہ مالک ہے اور یہ سال کے گزرنے کے بعد کیا آئے گا؟ ادا واجب ہو جائے گی، کیا ہو جائے گی؟ ادا واجب ہو جائے گی البتہ اس سے پہلے بھی ادا جائز ہے کیونکہ سببِ زکوٰۃ یہاں موجود ہے اور وہ نصاب کے بقدر مال ہے۔ بھائی دیکھیے کتاب پر:

■ مسئلہ: وَإِنْ قَدَّمَ الزَّكَاةَ عَلَى الْحَوْلِ

«وَإِنْ قَدَّمَ الزَّكَاةَ عَلَى الْحَوْلِ» اور اگر مقدم کر دیا زکوٰۃ کو سال پر، یعنی سال گزرنے سے پہلے ہی زکوٰۃ دے دی «وَهُوَ مَالِكٌ لِلنِّصَابِ» اس حال میں کہ یہ شخص کس چیز کا مالک ہے؟ نصاب کا، یہ ضروری شرط ہے اگر نصاب کے بقدر مال ابھی نہیں ہے اور وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ زکوٰۃ دینا چاہتا ہے پھر نہیں ادا ہو گی کیونکہ ابھی تو اس پر وجوب ہی نہیں آیا، نصاب کا مالک ہو گا تو وجوبِ زکوٰۃ ہے، اس سے پہلے تو زکوٰۃ واجب ہی نہیں۔

«جَازَ» تو یہ جائز ہے «لِأَنَّهُ أَدَّى بَعْدَالْوُجُوبِ» اس لیے کیونکہ اس نے اس مال کو ادا کیا ہے واجب ہو جانے کے بعد «فَيَجُوزُ» تو یہ جائز ہے، یعنی واجب ہونے کے بعد دی ہے زکوٰۃ تو یہ جائز ہے «كَمَا إِذَا كَفَّرَ بَعْدَالْجَرْحِ» جیسے کہ اس نے کفارہ دیا ہو زخمی کرنے کے بعد۔ کفارہ دیا ہو کس کے بعد؟ زخمی کرنے کے بعد۔

بھائی یاد رکھیے، آپ نے قدوری وغیرہ میں پڑھا ہو گا کہ اگر کوئی شخص کسی کو غلطی سے قتل کر دے، غلطی سے قتل کر دے تو اس صورت میں دیت بھی آتی ہے اور کفارہ بھی آتا ہے بھائی۔ دیت بھی دینی پڑے گی اور ساتھ ساتھ کفارۂ قتل بھی ہے۔ تو اس صورت میں ایک غلام یا باندی کو آزاد کرے گا اور اگر وہ نہیں ملتا تو ساٹھ روزے مسلسل رکھنا پڑیں گے۔ یہاں پر اطعامِ طعام اطعامِ طعام درست نہیں ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ غلام یا باندی کو آزاد کرے گا یا کیا کرے گا؟ ساٹھ روزے مسلسل رکھے گا بھائی ساٹھ روزے۔ تو اب ایک شخص ہے مثلاً اس نے کسی دوسرے کو خطأً شدید زخمی کر دیا، مثلاً تیر چلایا تھا شکار پر اور دوسری طرف ایک آدمی کھڑا تھا وہ تیر اس کو جا لگا، تو وہ شخص شدید زخمی ہو گیا اور ابھی وہ مرا نہیں، زخمی ہے، زخمی ہے لیکن اب بظاہر یہی لگ رہا ہے کہ یہ شاید بچے گا نہیں، تو اس نے کیا کیا؟ پہلے ہی سے کفارہ دے دیا، ایک غلام یا باندی کو آزاد کر دیا اور پھر بعد میں اس شخص کا انتقال ہوا بعد میں، تو وہ پہلے یعنی صرف زخمی ہوا ہے اور ابھی مرا نہیں اس سے پہلے ہی وہ کفارہ دے سکتا ہے بھائی۔ کفارہ دے سکتا ہے اس لیے کیونکہ سببِ قتل یہاں پایا گیا، ایسا زخم لگ چکا ہے کہ اب بظاہر زندہ بچنے کی کوئی صورت نہیں، تو جیسے وہاں پر سببِ قتل کے بعد وہ کیا کر سکتا ہے؟ مرنے سے پہلے کفارہ دے سکتا ہے حالانکہ کفارہ تو ابھی تو وہ شخص مرا نہیں، تو جیسے یہاں پہلے کفارہ دے سکتا ہے اسی کیونکہ سبب پایا گیا ہے سببِ قتل، اسی طرح یہاں زکوٰۃ کے اندر بھی جب وہ نصاب کے بقدر مال کا مالک ہے تو نفسِ وجوب اس پر آ چکا ہے، سببِ زکوٰۃ موجود ہے تو وہ مقدم بھی کر سکتا ہے، پہلے سے زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

یہ معنی ہے: «لِأَنَّهُ أَدَّى بَعْدَالْوُجُوبِ» اس لیے کیونکہ اس نے اس مال کو ادا کیا ہے واجب ہو جانے کے بعد «فَيَجُوزُ» تو یہ جائز ہے «كَمَا إِذَا كَفَّرَ بَعْدَالْجَرْحِ» جیسے کہ وہ کفارہ دے دے بعد الجرحِ زخمی کرنے کے بعد۔

■ مسئلہ: وَفِيهِ خِلَافُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ

«وَفِيهِ خِلَافُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور اس کے اندر امام مالک رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں نہیں، جب تک سال نہیں گزرے گا اس وقت تک زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے بھائی، سال گزرنے کے بعد ہی کیا کرے گا؟ زکوٰۃ ادا کرے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سال کا گزرنا زکوٰۃ کے لیے شرط ہے تب ہی واجب ہو گی، تو یہ شرط ہے اور شرط ہو تو مشروط ہے، شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں، جیسے وضو نماز کے لیے شرط ہے، وضو ہے تو نماز ہو گی، وضو نہیں تو نماز بھی نہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ سال کے گزرنے کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہو گی تو سال کا گزرنا وجوبِ ادا کی شرط ہے، اس کے بعد کیا واجب ہو گی؟ ادائیگی واجب ہو گی تو سال کا گزرنا کس چیز کی شرط ہے؟ وجوبِ ادا کی شرط ہے، جوازِ ادا کی شرط نہیں ہے۔ جوازِ ادا اس سے پہلے بھی ادا کرنا جائز ہے کیونکہ وہ نصاب کے بقدر مال کا مالک ہے تو سببِ زکوٰۃ پایا گیا۔ سال کا گزرنا ہمارے نزدیک وجوبِ ادا کی شرط ہے، جوازِ ادا کی شرط نہیں کہ اس سے پہلے ادا کرنا جائز ہی نہ ہو، ادا کرنا اس سے پہلے بھی جائز ہے لیکن اس کے بعد ادا کرنا واجب ہو جائے گا۔ تو سال کا گزرنا ہمارے نزدیک وجوبِ ادا کی شرط ہے، جوازِ ادا کی شرط نہیں۔

«وَيَجُوزُ التَّعْجِيلُ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَةٍ لِوُجُودِالسَّبَبِ». اور یہ بھی یاد رکھیے بھائی کہ ایک سال سے زائد کی زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔ آپ دو تین سال کی زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں تو بھی تو وہ بھی دے سکتے ہیں جبکہ آپ نصاب کے مالک ہیں بھائی۔ کیونکہ کیا پایا جا رہا ہے؟ سببِ زکوٰۃ موجود ہے اور وہ نصاب کے بقدر مال ہے، تو نفسِ وجوب ہے۔

«وَيَجُوزُ التَّعْجِيلُ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَةٍ لِوُجُودِالسَّبَبِ» اور جائز ہے جلدی کرنا یعنی جلدی ادا کرنا «لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَةٍ» ایک سال سے زیادہ کی بھی

زکوٰۃ جلدی ادا کرنا جائز ہے «لِوُجُودِ السَّبَبِ» سبب کے پائے جانے کی وجہ سے کہ سبب موجود ہے اور سبب کیا ہے؟ نصاب کے بقدر مال کا مالک ہونا۔

■ مسئلہ: وَيَجُوزُ لِنُصُبٍ إِذَا كَانَ فِي مِلْكِهِ...

«وَيَجُوزُ لِنُصُبٍ إِذَا كَانَ فِي مِلْكِهِ نِصَابٌ وَاحِدٌ». اور یہ بھی یاد رکھیے بھائی، ہمارے نزدیک بھائی ایک شخص ایک نصاب کا مالک ہے تو بھی وہ سال کے گزرنے سے پہلے کئی نصابوں کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ کیا کر سکتا ہے؟ کئی نصابوں کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس سال کے آغاز میں چالیس بھیڑ بکریاں ہیں تو یہ تو ایک نصاب موجود ہے بھیڑ بکریوں کا اور وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے ایک سو اکیس یا دو سو ایک بکریوں کی، ایک سو اکیس میں کتنی واجب؟ دو، اور دو سو ایک کے اندر تین واجب ہیں۔ تو وہ تین بھیڑ بکریاں دینا چاہتا ہے، تو اب اس کے پاس صرف پہلا نصاب موجود ہے چالیس والا، اوپر والے دو نصاب یعنی اکتالیس سے لے کر ایک سو اکیس تک یہ والا نصاب تو ہے ہی نہیں اور اس سے لے کر آگے دو سو ایک تک یہ والا نصاب بھی نہیں ہے، تو صرف ایک نصاب کا مالک ہے اور وہ سال کے گزرنے سے پہلے کئی نصابوں کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی جائز ہے بھائی، یہ بھی جائز ہے ہمارے نزدیک۔

اس کی کیا وجہ؟ وجہ دراصل اس کی یہ کہ آپ پڑھ چکے بھائی گذشتہ سبق کے اندر کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وجوبِ زکوٰۃ کا سبب پہلا نصاب ہے، باقی نصاب اس کے تابع ہیں، تو جب اصل موجود ہے تو گویا تابع بھی موجود ہیں تو ان کی بھی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے تین بھیڑ بکریاں ادا کر دیں اور وہ تو کتنے میں واجب ہوتی ہیں؟ دو سو ایک کے اندر۔ لہٰذا سال جب گزرا اس کے پاس دو سو سے کچھ اوپر بھیڑ بکریاں تھیں تو ساری زکوٰۃ ادا ہو گئی کیونکہ وہ پہلے سے ہی کر چکا ہے ادا۔ ہاں اگر سال گزرا اور پھر سال جب ختم ہوا تو اس کے پاس ایک بکری بھی نہیں ہے، ساری ختم ہو چکی ہیں یا سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یاد رکھیے اس صورت میں جو مال اس نے پہلے بطورِ زکوٰۃ کے ادا کیا تھا وہ اس کی طرف سے نفلی صدقہ ہو گیا، اس کی طرف سے خیرات ہو گئی فقراء میں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ سال کے گزرنے کے بعد تو اس کے پاس نصاب ہی موجود نہیں، جب نصاب نہیں تو اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں، تو لہٰذا جو اس نے فقراء کو دیا تھا معلوم ہوا وہ مالِ واجب نہیں بلکہ وہ نفلی صدقہ ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

یہ معنی ہے: «وَيَجُوزُ لِنُصُبٍ إِذَا كَانَ فِي مِلْكِهِ نِصَابٌ وَاحِدٌ» اور جائز ہے کئی نصابوں کے لیے بھی یعنی جلدی زکوٰۃ ادا کرنا «إِذَا كَانَ فِي مِلْكِهِ نِصَابٌ وَاحِدٌ» جبکہ اس کی ملکیت میں ایک ہی نصاب ہو، تو ایک ہی نصاب ہو اور کئی نصابوں کی پہلے سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے یہ جائز ہے۔ «خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں جائز نہیں کیونکہ اوپر والے نصاب نہیں ہیں تو ان میں ان کا وجوب بھی ابھی نہیں پایا گیا، کیونکہ ہر نصاب وہ فرماتے ہیں اصل ہے، جب اصل ہے تو اس کا ہونا ضروری تب ہی وجوب آئے گا، تب ہی سببِ زکوٰۃ پایا جائے گا اور وہ تو موجود نہیں لہٰذا پہلے سے ادا بھی نہیں کر سکتا۔ جبکہ ہمارے نزدیک میں نے ذکر کر دیا کہ پہلا نصاب کیا ہے؟ وہ اصل اور باقی نصاب اس کے تابع، تو جب اصل موجود ہے تو گویا تابع بھی موجود ہیں۔

یہ معنی ہے: «خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، «لِأَنَّ» یہاں سے وہ ہماری دلیل ذکر کر رہے ہیں: «لِأَنَّ النِّصَابَ الْأَوَّلَ هُوَ الْأَصْلُ فِي السَّبَبِيَّةِ وَالزَّائِدَةَ عَلَيْهِ تَابِعٌ لَهُ» اس لیے کیونکہ پہلا نصاب وہی اصل ہے سبب ہونے میں یعنی وجوبِ زکوٰۃ کا سبب ہونے میں وہی اصل ہے «وَالزَّائِدَةَ عَلَيْهِ تَابِعٌ لَهُ» اور جو اس پر زائد ہیں وہ اس کے تابع ہیں، «وَاللَّهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

■ مسئلہ: بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ

«بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ» یہ باب ہے مال کی زکوٰۃ کے بیان میں، مال کی زکوٰۃ۔ یہاں مراد مال سے وہ سوائم کے علاوہ، وہ سائمہ جانوروں کے علاوہ باقی وہ اموال جن کے اندر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان کا بیان اس میں کریں گے بھائی۔ تو یہ باب ہے مال کی زکوٰۃ کے بیان میں۔

«فَصْلٌ فِي الْفِضَّةِ» یہ فصل ہے چاندی کے بیان میں یعنی اس کی زکوٰۃ کے بیان میں۔

«لَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ» دو سو درہم سے کم چاندی کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے «لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ» حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پانچ اواقی یعنی پانچ اوقیہ، اوقیہ، اوقیہ یہ آگے لفظ آ رہا ہے بھائی اگلا لفظ۔ اوقیہ میں یاد رکھیے یہ یاء مشدد ہے۔ تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پانچ اوقیہ سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے «وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا» اور ایک اوقیہ جو ہے یہ چالیس درہم ہے، ایک اوقیہ کتنا ہے؟ چالیس درہم ہے۔ یاد رکھیے یہ جو «وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا» اس میں دونوں احتمال ہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث کا حصہ ہو، یہ کیا ہو؟ حدیث کا حصہ ہو اس لیے کیونکہ بعض احادیث میں اسی طرح اوقیہ چالیس درہم ہے یہ بعض میں آیا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کس کا کلام ہو؟ صاحبِ ہدایہ کا بھائی۔

تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں پانچ اوقیہ سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں اور اوقیہ کس کا نام ہے؟ چالیس درہم بھائی چالیس درہم۔

اچھا بھائی، یہاں پر کچھ اوزانِ شرعیہ ہیں وہ ذرا لکھ لیجیے بھائی۔ اچھا بھائی یہ اوزانِ شرعیہ ہمیشہ یاد رکھیے گا بھائی، یہ آپ کے جگہ جگہ کام آئیں گے بھائی۔

یاد رکھیے، آٹھ چاول کے دانے ہوں تو یہ برابر ہے ایک رتی کے۔ آٹھ چاول کے دانے ہوں تو یہ برابر ہے ایک رتی، راء، تاء دو نقطوں والی اور یاء، رتی۔ آٹھ چاول کے دانے کس کے برابر؟ ایک رتی کے برابر۔ اور آٹھ رتی ہو تو یہ برابر ہے ایک ماشے کے۔ آٹھ رتی ہو تو یہ برابر ہے ایک ماشے کے۔ اور بارہ ماشے ہوں تو یہ بنتا ہے ایک تولہ۔ بارہ ماشے برابر ہیں ایک تولے کے۔

یہ تو ایک ترتیب تھی بھائی ایک اوزان۔ دوسری صورت ہے، پانچ جَو کے دانے ہوں تو یہ برابر ہے ایک قِراط کے۔ یہ دوسرا پیمانہ ہے بھائی۔ پانچ جَو کے دانے ہوں تو یہ برابر ہے ایک قِراط، قِراط میں قاف دو نقطوں والا ہے، یاء، راء، الف اور طاء ہے آخر میں طاء، ظاء، قِراط۔ لکھ لیا بھائی؟ پانچ جَو کے دانے ہوں یہ برابر ہے ایک قِراط کے۔ اور بیس قِراط ہوں تو یہ برابر ہے، بیس قِراط ہوں تو یہ برابر ہے ایک دینار کے، ایک دینار کے، اور ایک مثقال کے۔ یہی بیس قِراط برابر ہیں ایک دینار کے اور ایک مثقال کے، اور ساڑھے چار ماشے کے، اور ساڑھے چار ماشے کے۔

یہاں تک لکھ لیا بھائی؟ بھائی دیکھیے، ایک پیمانہ تھا کہ آٹھ چاول کے دانے ایک رتی کے برابر اور آٹھ رتیاں ہوں تو یہ ایک ماشے کے برابر اور بارہ ماشے ہوں تو یہ بنتا ہے ایک تولہ۔ دوسرا پیمانہ ہے کہ پانچ جَو کے دانے برابر ہیں ایک قِراط کے اور بیس قِراط ہوں تو یہ بنتا ہے ایک دینار اور اسی کا دوسرا نام مثقال بھی ہے، یہی میں نے لکھوایا اور کہ برابر ہے کس کے؟ ایک مثقال کے۔ تو معلوم ہوا دینار اور مثقال یہ ایک ہی وزن کا نام ہے۔ دینار اور مثقال ایک وزن، یاد رکھیے یہ وزن کی بات چل رہی ہے بھائی، قیمت کی بات نہیں چل رہی۔ تو ایک دینار اور ایک مثقال یہ ایک ہی وزن کا نام ہے، یہ آگے سونے کی زکوٰۃ آئے گی وہاں بھی آپ نے یاد رکھنا ہے کہ ایک مثقال اور ایک دینار کیا ہے؟ ایک وزن کا نام ہے۔ اور ایک پیمانے کے مطابق یہ ایک مثقال یا ایک دینار کتنے قِراط کے برابر؟ بیس قِراط، اور دوسرا پیمانہ تھا وہ ماشوں والا اس کے اعتبار سے یہ ایک دینار کتنے کے برابر ہے؟ ساڑھے چار ماشے کے۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا بیس قِراط کہیں یا ایک دینار کہیں یا ایک مثقال کہیں یا ساڑھے چار ماشے کہیں یہ چاروں ایک ہی چیز ہیں، یہ چاروں کیا ہیں؟ ایک ہی چیز ہیں، برابر ہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آگے لکھیے بھائی، اور چودہ قِراط ہوں تو یہ برابر ہے ایک درہم کے۔ اور چودہ قِراط ہوں تو یہ برابر ہے ایک درہم کے۔ اور یہ برابر ہیں، اور نیز یہ برابر ہے تین ماشے، تین ماشے، ایک رتی، ایک رتی اور خمس رتی، اور خمسِ رتی۔

لکھ لیا بھائی؟ معلوم ہوا دینار بیس قِراط کا ہے وہ بڑا ہے، درہم چودہ قِراط کا ہے اس کا وزن اس سے، اس دینار سے کم ہے۔ اور نیز یہ تو ایک پیمانے کے مطابق چودہ قِراط ایک درہم ہے اور ماشوں کے اعتبار سے ایک درہم برابر ہے تین ماشے، ایک پوری رتی اور خمسِ رتی، رتی کا پانچواں حصہ بھائی۔ یعنی سوا رتی سے تھوڑا سا کم، تین ماشے اور سوا رتی سے تھوڑا سا کم ہوتا ہے درہم بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چوتھا حصہ ہوتا نا تو پھر تو سوا رتی ہو جاتی، یہ تو کون سا حصہ ہے رتی کا؟ پانچواں۔ تو ایک رتی پوری اور رتی کا پانچواں حصہ تو یہ سوا رتی سے کچھ کم ہوا۔ تو تین ماشے اور سوا رتی سے کچھ کم ہے درہم بھائی درہم۔

اور نیچے اور لکھیے بھائی، اوقیہ برابر ہے، اوقیہ برابر ہے چالیس درہم کے، چالیس درہم کے، اور یہ برابر ہے ساڑھے دس تولے کے، ساڑھے دس تولے۔ یعنی ایک اوقیہ درہموں کے اعتبار سے اس کا وزن ہے چالیس درہم اور تولوں کے اعتبار سے اگر اس کا وزن آپ چاہتے ہیں تو وہ ہے ساڑھے دس تولے۔ یہاں تک لکھ لیا بھائی؟

اچھا اب آیئے بھائی دوبارہ کتاب کی طرف بھائی۔ صاحبِ قدوری نے آپ کو بتلا دیا: «لَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ» دو سو سے کم درہم کے اندر صدقہ یعنی زکوٰۃ نہیں، اور دلیل صاحبِ ہدایہ نے ذکر کر دی کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے اور اوقیہ چالیس درہم کا نام ہے تو پانچ اوقیہ کتنے ہو گئے؟ جب ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے تو پانچ اوقیہ کتنے ہو گئے؟ دو سو درہم ہو گئے، وہی بات صاحبِ قدوری نے کہی تھی کہ دو سو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور یہ بات کس کی چل رہی ہے؟ چاندی کی، چاندی کی۔

اور آج کل آپ سنتے رہتے ہوں گے اور پڑھا ہو گا کہ مفتی حضرات بتلاتے ہیں ساڑھے باون تولے چاندی ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی، اس سے کم ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ تو یہ دراصل وہی دو سو درہم کا وزن ہم نے تولوں میں نکالا تو وہ ساڑھے باون تولے بن گئے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ یہی قول چونکہ آج کل تو درہم وغیرہ ہیں نہیں، آج کل تو کیا چلتے ہیں؟ تولے، تولوں کا حساب ہوتا ہے تو مفتی حضرات نے اسی کا حساب کیا اور تولوں کے اعتبار سے بتلا دیا کہ دو سو درہم ساڑھے باون تولے کے برابر ہے۔

اب ذرا حساب ہم کر لیتے ہیں، اب آپ کو میں نے پیمانے بتلا دیے بھائی۔ اب ہم حساب کرتے ہیں کہ دو سو درہم ساڑھے باون تولے بنتے ہیں یا نہیں بنتے؟ اچھا بھائی، ایک درہم ماشوں کے اعتبار سے کس کے برابر ہے؟ تین ماشے، ایک رتی اور خمسِ رتی۔ اچھا بھائی تین چیزیں ذکر ہو رہی ہیں، ایک درہم کا وزن کیا ہے؟ تین ماشے، ایک پوری رتی اور رتی کا پانچواں حصہ۔ ذرا پہلے ہم ماشوں کا حساب کر لیتے ہیں، دو سو درہم ہوں تو کل کتنے ماشے بنتے ہیں؟ ہر درہم میں تین ماشے ہیں۔ چھ سو، چھ سو ماشے بھائی آپ اپنی جیب میں رکھیں بھائی سنبھال کر، بعد پھر اس کو آپ نے واپس کرنا ہے، حساب کرنا ہے بھائی۔ اچھا ماشے ختم ہو گئے، کتنے؟ ایک رتی اور خمسِ رتی، یہ ابھی ہر درہم کے اندر باقی ہے۔ تو ایک پوری رتی ہے ہر درہم کے اندر تو دو سو درہموں میں کتنی رتیاں مل گئیں؟ دو سو رتیاں مل گئیں، یہ بھی اب آپ سنبھال کر رکھیں بھائی دو سو رتی، سمجھ میں آیا؟ لیکن ابھی رتی کا پانچواں حصہ ہر درہم میں ہے اس کا بھی ہم نے حساب کرنا ہے۔ ہر ہر درہم میں رتی کا پانچواں حصہ ہے، معلوم ہوا پانچ درہم ہوں گے تو ان میں ایک

پوری رتی ہمیں حاصل ہو جائے گی، ہر پانچ درہم میں ایک پوری رتی بنے گی یا نہیں؟ کیونکہ ہر درہم میں رتی کا پانچواں حصہ، تو پانچ درہموں میں سے رتی کا پانچواں پانچواں حصہ لیتے گئے پانچ درہموں میں جا کر یہ کیا بن جائے گی؟ ایک پوری رتی۔ جب ہر پانچ درہموں کے اندر ایک رتی ہے تو پچاس درہموں میں کتنی رتیاں بن گئیں؟ دس، سو کے اندر بیس، ایک سو پچاس میں تیس اور دو سو میں چالیس۔ تو چالیس مزید رتیاں آ گئیں اور پہلے کتنی رتی تھی؟ دو سو رتی تھی تو دو سو اور یہ چالیس کتنے ہو گئے؟ دو سو چالیس۔ گویا دو سو درہم یہ برابر ہیں چھ سو ماشے اور دو سو چالیس رتی، دو سو چالیس رتی۔

اچھا اب رتیوں کے بھی ہم ماشے بنا لیتے ہیں بھائی، رتیوں کے بھی ماشے۔ تو ایک ماشہ کتنی رتی کے برابر ہے؟ آٹھ رتی کے برابر میں نے لکھوایا نا، آٹھ رتیاں ہوں تو ایک ماشہ بنے گا۔ تو دو سو چالیس کو آٹھ سے تقسیم کر دیں یہ ماشے بن جائیں گے۔ تیس، تیس ماشے اور آ گئے، تیس ماشے بن گئے۔ اور پہلے کتنے ماشے تھے؟ چھ سو، تو گویا کل چھ سو تیس ماشے وزن ہے دو سو درہم کا۔ حساب سمجھ میں آ رہا ہے؟ کتنا، کتنے ماشے بن گئے؟ چھ سو تیس، یہ ہم نے ماشوں میں کر لیا دو سو درہم کا حساب۔

اچھا اب ماشوں کو ذرا تولوں میں لے جائیں، بارہ ماشے کا ایک تولہ ہے، کیلکولیٹر وغیرہ ہو جلدی حساب ہو جائے گا، چھ سو تیس کو ذرا بارہ سے تقسیم کریں یہ تولوں میں نکل آئے گا۔ پورا دیکھیں ساڑھے باون جواب آ جائے گا، تو کتنے یہ دو سو درہم بن گئے؟ ساڑھے باون تولے۔ حساب سمجھ میں آیا بھائی؟ ساڑھے باون تولے، تو اسی لیے مفتی حضرات آپ کو کیا بتلاتے ہیں؟ چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے۔

چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۱۰۳: بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ

ہدایہ صفحہ: ۲۱۰ — بتاریخ: ۲۸ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ فَصْلٌ فِي الْفِضَّةِ «لَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ» لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ «لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ» «وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا» «فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ». [1]

■ بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ

بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ۔ بھائی! گزشتہ سبق کے آخر میں ہم نے یہ باب شروع کیا تھا اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں مال سے مراد وہ مالِ زکوٰۃ ہے جو سوائم کے علاوہ ہو۔ سائمہ جانوروں کا بیان گزر گیا، ان کے علاوہ جو مال جس کے اندر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کا بیان اس باب میں کریں گے، اور سب سے پہلے یہ چاندی کے بارے میں ذکر کر رہے ہیں بھائی! **فَصْلٌ فِي الْفِضَّةِ۔**

اور میں نے آپ کو اوزانِ شرعیہ بھی لکھوائے تھے اور بتلایا تھا کہ آٹھ چاول کے دانے ہوں تو یہ بنتی ہے ایک رتی بھائی، ایک رتی۔ اور آٹھ رتیاں ہوں تو یہ بنتا ہے ایک ماشہ، اور بارہ ماشے ہوں تو یہ بنتا ہے ایک تولہ۔ اس کے بعد دینار اور درہم کا وزن بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا اور اس کے لیے ایک اور پیمانہ بھی میں نے ساتھ ذکر کیا تھا کہ پانچ جو کے دانے ہوں تو یہ برابر ہیں ایک قِراط کے۔ اور دینار کا وزن جو ہے قِراطوں کے اعتبار سے بیس قِراط ہے۔ دینار کا وزن بیس قِراط ہے اور اسی دینار وزن کا دوسرا نام مثقال ہے بھائی۔ یہ وزن کی بات چل رہی ہے ساری، قیمت کی بات نہیں چل رہی۔ تو اسی دینار کا وزن دوسرا نام کیا ہے اس کا؟ مثقال بھائی، تو مثقال اور دینار یہ ایک ہی وزن کا نام ہے اور یہ بیس قِراط کے برابر ہے، اور ماشوں کے اعتبار سے یہ ساڑھے چار ماشے کے برابر ہے۔ جبکہ درہم جو ہے وہ قِراطوں کے اعتبار سے چودہ قِراط ہے۔ معلوم ہوا درہم جو ہے وہ دینار سے چھوٹا ہوتا ہے وزن کے اعتبار سے۔ تو چودہ قِراط ہوں تو یہ ایک درہم بنتا ہے، اور ماشوں کے اعتبار سے درہم برابر ہے: تین ماشے، ایک رتی اور **خُمُسِ** رتی، **خُمُسِ** رتی۔ تو یہ ہے ایک درہم کا وزن۔ تو معلوم ہوا ماشوں کے اعتبار سے درہم جو ہے وہ کوئی تین ماشے اور سوا رتی سے کچھ معمولی سا کم ہے، معمولی سا کم ہے۔

اور اس کے بعد اوقیہ وزن جو ہے بتلایا تھا آپ کو کہ یہ چالیس درہم کے برابر ہے، اور تولوں کے اعتبار سے یہ ساڑھے دس تولے بنتا ہے، ساڑھے دس تولے۔ تو اب آپ حساب کر سکتے ہیں کہ یہ اوقیہ کتنے تولے بنتا ہے۔ بھائی! اوقیہ چالیس درہم کے برابر اور ہر درہم کتنے کے برابر ہے؟ تین ماشے، ایک رتی اور **خُمُسِ** رتی۔ لہٰذا چالیس درہم ہے، تو ان کا ماشوں کے اعتبار ان کے ذرا ماشے پہلے الگ کر لیں۔ چالیس درہم ہے اور ہر درہم میں کتنے پورے ماشے؟ تین تین، تو چالیس تیا ایک سو بیس، یہ ایک سو بیس ماشے ہو گئے۔ اور پھر ہر درہم کے اندر ایک رتی اور **خُمُسِ** رتی بھی ہے، تو پہلے صرف ایک رتی کا حساب کر لیں۔ چالیس درہموں میں سے ہر ایک سے ایک ایک رتی مل گئی کتنی ہو گئیں؟ چالیس رتی، یہ۔ اور اس کے بعد ہر درہم میں **خُمُسِ** رتی بھی ہے، رتی کا پانچواں حصہ۔ رتی کے پانچواں حصہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ پانچ درہم ہوں گے تو ایک پوری رتی بن جائے گی۔ ہر درہم سے کتنی حاصل ہو رہی ہے؟ **خُمُسِ** رتی۔ تو پانچ درہموں میں گویا ایک رتی حاصل ہو رہی ہے، تو دس میں کتنی ہو جائیں گی؟ دو۔ اور بیس کے اندر؟ چار۔ اور چالیس کے اندر؟ آٹھ۔ تو گویا آٹھ مزید رتیاں مل گئیں۔ تو چالیس رتی پہلے تھی اور آٹھ مزید، کتنی ہو گئیں؟ اڑتالیس بھائی، اڑتالیس۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۳۷): «من الذهب صدقة»، عبارتِ شاملہ (ص ۱۳۷): «لما روينا والمثقال ما يكون كل سبعة منها وزن عشرة دراهم وهو المعروف ثم»۔ • شاملہ (ص ۱۳۷) میں «بَلَغَ» کے بجائے «كانت» درج ہے۔ • عبارتِ شاملہ (ص ۱۳۷): «لأن الواجب ربع العشر وذلك فيما قلنا إذ كل مثقال عشرون قيراطا وليس فيما دون أربعة مثاقيل صدقة»۔

اور ان اڑتالیس رتیوں کے بھی اب ماشے بنالیں۔ پہلے کتنے ماشے ہو چکے ہیں؟ ایک سو بیس ماشے پہلے ہیں۔ اب یہ اڑتالیس رتی کے بھی کیا بنالیں؟ ماشے۔ اور آٹھ رتی ہوں تو یہ بنتا ہے ایک ماشہ، تو اڑتالیس رتی کے کتنے ماشے بنے؟ چھ ماشے بن گئے۔ تو کل کتنے ماشے ہو گئے؟ چھ یہ والے ماشے اور ایک سو بیس پہلے، یہ ایک سو چھبیس ہو گئے۔ اب یہ ماشے ہیں اور بارہ ماشے ہوں تو یہ بنتا ہے ایک تولہ۔ تو ایک سو چھبیس ماشوں کے اندر کتنے تولے پورے ہو گئے؟ بارہ ماشے کا ایک تولہ ہے، تو ایک سو بیس ماشے یہ دس تولے ہو گئے، اور چھ ماشے مزید ہیں وہ آدھا تولہ ہو گیا۔ تو دیکھو ساڑھے دس تولے، معلوم ہوا ایک اوقیہ کتنے کے برابر ہے؟ ساڑھے دس تولے کے برابر ہے۔ حساب سمجھ میں آ گیا بھائی؟

اب دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں: «لَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ» دو سو درہم سے کم کے اندر صدقہ نہیں ہے، اور درہم کس کا ہوتا ہے؟ چاندی کا ہوتا ہے تو یہ چاندی کا نصاب بیان ہو رہا ہے۔ اور کل ہم نے اس کا حساب لگایا تھا یہ دو سو درہم کتنے بنتے ہیں؟ ساڑھے باون تولے بنتے ہیں، ساڑھے باون تولے۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ «لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ» اَوَاقِی جمع ہے اوقیہ کی بھائی۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پانچ اوقیہ سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے، «وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا» اور اوقیہ چالیس درہم کا ہے، چالیس درہم ہے۔ تو پانچ اوقیہ سے کم میں نہیں اور پانچ اوقیہ اور ہر اوقیہ کتنے کے برابر؟ چالیس درہم، تو پانچ اوقیہ کتنے درہم بن گئے؟ دو سو درہم بن گئے۔ اسی لیے متن میں انہوں نے کہا دو سو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

■ مسئلہ: فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ

«فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ» جب دو سو درہم ہوں «وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ» اور ان پر ایک سال گزر جائے «فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ» تو ان کے اندر پانچ درہم ہوں گے، یعنی پانچ درہم زکوٰۃ آئے گی۔ اور آپ کو بتلایا جاتا ہے آپ مختلف آپ نے اور کتابوں وغیرہ میں پڑھا ہو گا، سنا ہو گا کہ زکوٰۃ کتنی ہوتی ہے؟ چالیسواں حصہ۔ کتنی ہے؟ چالیسواں حصہ مال کا زکوٰۃ کے طور پر دینا پڑتا ہے۔ تو دو سو درہم میں سے پانچ درہم ہیں، معلوم ہوا ہر چالیس درہم میں ایک درہم آ رہا ہے تو یہ پانچ درہم دو سو کا چالیسواں ہی حصہ ہے۔ پانچ سے دو سو کو تقسیم کریں گے تو چالیس جواب آئے گا۔ معلوم ہوا یہ کتواں حصہ ہے؟ چالیسواں حصہ۔

تو کہتے ہیں جب دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان میں پانچ دراہم ہیں، «لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ إِلَى مُعَاذٍ: أَنْ خُذْ مِنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ، وَمِنْ كُلِّ عِشْرِينَ مِثْقَالًا مِنْ ذَهَبٍ نِصْفَ مِثْقَالٍ» حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ تم لو ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم، اور ہر بیس مثقال سونے میں سے نِصْفَ مِثْقَالٍ، نصفِ مثقال لو۔ ہر بیس مثقال سونے میں سے نصف آدھا مثقال لو۔ تو بیس کے اندر آدھا مثقال ہے اور یہ کتواں حصہ بنتا ہے؟ بیس کے اندر آدھے آدھے کتنے ہیں؟ چالیس ہیں نا، تو یہ آدھا مثقال یہ اس کا چالیسواں حصہ ہے بھائی۔ حساب سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟

«قَالَ: وَلَا شَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعِينَ فَيَكُونَ فِيهَا دِرْهَمٌ، ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ». اور کوئی چیز زائد کے اندر نہیں۔ بھائی! یاد رکھیے، امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ دو سو سے اوپر جب دراہم ہو جائیں تو پھر اس کے بعد کیا ہر ہر درہم میں زکوٰۃ واجب ہو گی یا ہر چالیس کے اندر ایک درہم ہو گا؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں دو سو سے اوپر جب درہم ہو جائیں تو پھر چالیس درہموں پر جا کر پھر ایک درہم اس کا یعنی چالیس درہم ہو جائیں گے تو اس میں سے ایک درہم واجب ہو جائے گا یعنی چالیسواں حصہ۔ ہاں، چالیس سے کم درہم ہیں، دو سو انتالیس درہم ہیں، یا دو سو تیس ہیں، یا دو سو بیس ہیں، یا دو سو دس ہیں، تو چالیس سے جو کم درہم ہوں گے، دو سو سے اوپر اور دو سو چالیس سے کم، اس کے اندر وہ فرماتے ہیں کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ بلکہ اگلا درہم کب واجب ہو گا جب درہم کتنے ہو جائیں؟ دو سو چالیس۔ تو دو سو کے اندر پانچ ہیں، تو دو سو دس کے اندر بھی پانچ، دو سو بیس کے اندر بھی پانچ، دو سو تیس کے اندر بھی پانچ ہی ہیں، دو سو انتالیس کے اندر بھی پانچ ہی ہیں، کوئی اضافہ نہیں ہو رہا۔ ہاں، جیسے ہی دو سو چالیس درہم ہوں گے اب درہم کتنے ہو جائیں گے؟ ایک اور درہم ہو جائے گا تو کل چھ درہم ہو جائیں گے بھائی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں: نہیں، دو سو سے اوپر ایک درہم بھی زیادہ ہو گا تو اس کا بھی چالیسواں حصہ دینا پڑے گا۔ دو درہم اوپر ہوں گے تو دونوں کا چالیسواں چالیسواں حصہ دینا پڑے گا۔ ہر ایک کے حساب سے اسی کے بقدر زکوٰۃ آئے گی۔ اختلاف سمجھ میں آ گیا بھائی؟

دیکھیے! کہتے ہیں: «وَلَا شَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعِينَ» یہ امام صاحب کا مذہب ذکر ہو رہا ہے متن میں، اور کوئی چیز زائد کے اندر نہیں ہے یہاں تک کہ وہ چالیس کو پہنچ جائے «فَيَكُونَ فِيهَا دِرْهَمٌ» تو اس کے اندر ایک درہم ہو گا۔ جب کہاں تک پہنچ جائیں؟ چالیس۔ اور یہ کون سے درہم بیان ہو رہے ہیں؟ دو سو سے اوپر والے بھائی، تو اس میں ایک درہم ہو گا۔ «ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ» پھر ہر چالیس درہموں کے اندر ایک درہم ہو گا۔ «وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ «وَقَالَا: وَمَا زَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَزَكَاتُهُ بِحِسَابِهَا» اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دو سو پر جو زیادہ ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ اسی زائد کے حساب سے ہے، اسی زیادتی کے حساب سے۔ ایک درہم اوپر ہے تو اسی کے حساب سے چالیسواں حصہ، دو درہم اوپر ہیں تو دونوں کا دو چالیسویں حصے درہم کے، تین اوپر ہیں تو تین چالیسویں حصے بھائی۔

■ مسئلہ: وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ

«وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے جو صاحبین کا ہے۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں، حضور نے فرمایا: «وَمَا زَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَبِحِسَابِهِ» اور وہ جو زیادہ ہو دو سو پر تو وہ اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہو گی۔ یہ ان کی دلیل ہے کہ دیکھو حضور علیہ السلام کیا فرمارہے ہیں کہ جو دو سو سے اوپر ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہو گی، معلوم ہوا اوپر زائد معاف نہیں۔ جتنا اوپر ہو گا اسی کے حساب سے چالیسواں حصہ ہر درہم میں آئے گا۔

دوسری دلیل ان کی: «وَلِأَنَّ الزَّكَاةَ وَجَبَتْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ الْمَالِ» اور نیز اس لیے کیونکہ زکوٰۃ واجب ہوئی ہے نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر، کہ اللہ نے مال جیسی نعمت دی ہے تو اس کے شکر کے طور پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے۔ تو لہٰذا سارا مال اللہ کی نعمت ہے۔ دو سو ایک درہم ہو جائیں یہ ایک زائد بھی کیا ہے؟ اللہ کی نعمت۔ دو سو دس ہو گئے یہ دس بھی اوپر جو ہوئے یہ بھی کیا ہے؟ اللہ کی نعمت۔ تو لہٰذا ان ساروں کے اندر کیا آنی چاہیے؟ زکوٰۃ آنی چاہیے۔ یہ صاحبین کی دلیل چل رہی ہے دوسری عقلی دلیل۔ تو وہ فرماتے ہیں کیونکہ زکوٰۃ جو ہے وہ واجب ہوئی ہے نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر۔

«وَاشْتِرَاطُ النِّصَابِ فِي الِابْتِدَاءِ لِتَحَقُّقِ الْغِنَى» یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبین کی طرف سے۔ صاحبین نے کیا فرمایا؟ کہ مال تو سارا کا سارا ہی اللہ کی نعمت ہے اور یہ زکوٰۃ کس لیے واجب ہوئی ہے؟ نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر، اور مال سارا نعمت ہے تو لہٰذا سارے مال کے اندر کیا واجب ہو گی؟ زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر آپ کی اس دلیل کو تسلیم کیا جائے پھر کہ مال سارا نعمت ہے لہٰذا سارے کی دینی پڑے گی زکوٰۃ، پھر تو دو سو درہم سے جو کم ہے، ایک سو نوے ہیں، حالانکہ ایک سو نوے کے اندر تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں۔ لیکن آپ کی اس دلیل کو لیا جائے کہ زکوٰۃ نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر ہے تو پھر یہ ایک سو نوے کے اندر کیوں نہیں زکوٰۃ واجب ہوتی؟ یہ بھی تو اللہ کی نعمت ہے اتنے دراہم بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھائی! یہ جو زکوٰۃ ہے یہ امیر لوگوں پر، مالداروں پر واجب ہے کہ وہ اس اپنے مال میں سے حصہ نکالیں اور کس کو ادا کریں؟ فقراء کو۔ تو یہ زکوٰۃ فقراء پر نہیں بلکہ صرف مالداروں پر واجب ہے، تو شروع میں جو نصاب کی شرط لگائی گئی ہے وہ مالداری کو ثابت کرنے کے لیے ہے، نصاب کے بقدر مال ہو گا تو اس سے پتہ چل جائے گا یہ شخص کیا ہے؟ مالدار ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اور اگر اس کے بقدر مال نہیں تو معلوم ہوا مالدار نہیں اور جب مالدار نہیں تو پھر اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ تو لہٰذا وہ فرماتے ہیں مال تو سارا اللہ کی نعمت ہے لیکن یہ زکوٰۃ صرف کس پر واجب ہے؟ مالداروں پر، تو شروع میں جو نصاب کی شرط لگائی گئی وہ کس لیے ہے؟ مالداری کو ثابت کرنے کے لیے۔

تو کہتے ہیں: «وَاشْتِرَاطُ النِّصَابِ فِي الِابْتِدَاءِ لِتَحَقُّقِ الْغِنَى» غِنیٰ کہتے ہیں مالداری کو بھائی۔ اور نصاب کی جو شرط لگائی گئی شروع کے اندر لِتَحَقُّقِ الْغِنَى وہ مالداری کے پائے جانے کے لیے ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ مالداری پائی جا رہی ہے یا نہیں پائی جا رہی، لِتَحَقُّقِ الْغِنَى مالداری کے ثابت ہونے کے لیے ہے۔

■ مسئلہ: وَبَعْدَ النِّصَابِ فِي السَّوَائِمِ تَحَرُّزًا...

«وَبَعْدَ النِّصَابِ فِي السَّوَائِمِ تَحَرُّزًا عَنِ التَّشْقِيصِ» یہ ایک دوسرے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبین کی طرف سے صاحبِ ہدایہ بھائی۔ اعتراض صاحبین پر یہ ہوتا ہے: چلیے ٹھیک ہے یہاں تو آپ نے یہ کہہ دیا کہ ابتدا میں نصاب کی شرط کیوں لگائی گئی؟ مالداری کے ثابت کرنے کے لیے تاکہ مالداری ثابت ہو جائے۔ اچھا، پھر سوائم کے اندر تو ایک نصاب کے بعد پھر دوسرا نصاب آتا ہے، پھر تیسرا آتا ہے، پھر چوتھا آتا ہے، جیسے اونٹوں کے اندر نصاب کیا ہے؟ پانچ اونٹ ہوں، سال گزر جائے، سائمہ ہوں تو ان میں ایک بھیڑ بکری۔ پھر چھ سے لے کر نو تک کچھ نہیں ہے، پھر دس کا نصاب آتا ہے اور دس اونٹوں میں دو بھیڑ بکریاں، پندرہ میں تین ہیں اور بیس کے اندر چار بھیڑ بکریاں اور پچیس کے اندر کیا ہے؟ ایک بنتِ مخاض ہے۔ تو وہاں تو دیکھو بار بار نصاب آ رہے ہیں اور درمیان میں کچھ بھی نہیں واجب، پانچ اور دس کے درمیان یعنی چھ سے لے کر نو تک اس میں تو کچھ بھی واجب نہیں، حالانکہ یہ بھی مال ہے یا مال نہیں؟ اور آپ کہتے ہیں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر، تو اس سارے کے اندر بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے کیونکہ پہلا نصاب آ گیا تو مالداری ثابت ہو گئی، اب بعد والوں میں بھی کیا آنی چاہیے؟ زکوٰۃ، جیسے آپ کس میں فرماتے ہیں؟ جیسے آپ چاندی کے اندر ذکر فرما رہے تھے بھائی۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟ تو اعتراض یہ کہ پھر سائمہ جانوروں کے اندر ایک نصاب کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا کیوں آتا ہے؟ وہاں بھی تو پہلے نصاب کے ذریعے مالداری ثابت ہو چکی ہے اور درمیان والوں پر کچھ بھی واجب درمیان میں جو مال آ رہے ہیں دو نصابوں کے درمیان اس میں کچھ بھی واجب نہیں ہے بھائی۔

تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَبَعْدَ النِّصَابِ فِي السَّوَائِمِ» اور نصاب کی شرط لگائی گئی نصاب کے بعد فِي السَّوَائِمِ کس میں؟ سوائم کے اندر «تَحَرُّزًا عَنِ التَّشْقِيصِ» تشقیص سے بچنے کے لیے۔ تشقیص کا معنی ہے ٹکڑے کرنا، ٹکڑے کرنا، جدا کرنا، ٹکڑے کرنے سے بچانے کے لیے بھائی۔ کس چیز سے؟ ٹکڑے کرنے سے بچانے کے لیے، ورنہ مالک کا مال ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مالک کا مال کیا ہو جائے گا؟ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ کیا معنی مالک کا مال ٹکڑے

ٹکڑے ہو جائے گا؟ کہتے ہیں دیکھیے! اگر مثلاً بھائی پانچ اونٹوں کے اندر کیا واجب ہے؟ ایک بھیڑ بکری۔ اس کے بعد چھ سے لے کر نو تک ان کے اندر شریعت نے زکوٰۃ واجب نہیں کی بلکہ دس اونٹوں پر جا کر پھر ایک دو دوسری بھیڑ بکری بھی واجب ہو گئی۔ تو درمیان والوں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی شریعت نے، کیونکہ اگر درمیان والوں پر واجب کی جاتی تو پانچ اونٹوں میں کیا آئی تھی؟ ایک بھیڑ بکری۔ معلوم ہوا فی اونٹ کتنا حصہ آرہا ہے بکری کا؟ پانچواں حصہ آرہا ہے۔ تو اگر چھٹے اونٹ پر بھی زکوٰۃ بڑھے تو کیا آج کتنی زکوٰۃ ہو جائے گی؟ پانچ میں تو ایک بکری بھیڑ بکری پوری، اور چھٹے اونٹ میں بکری کا کتواں حصہ آجائے گا؟ پانچواں حصہ آجائے گا۔ اور سات کے اندر دو پانچویں حصے، دو **خُمُس** آجائیں گے بکری کے۔ تو مالک جب دو **خُمُس** زکوٰۃ کے طور پر دے دے گا تو ان دو **خُمُس** کا مالک مثلاً صرف فقیر ہو گیا، کون ہو گیا؟ فقیر ہو گیا۔ اور تین حصے کا مالک کون ہے اس بکری کے اندر؟ مالک ہے۔ تو دیکھو شرکت آگئی یا نہیں آگئی؟ تو مالک کے مال کے اندر شرکت آجائے گی، اس کا مال ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور شرکت ایک ضرر ہے۔ آپ بتائیے ایک چیز پوری آپ کی ہو وہ بہتر ہے یا آدھی آپ کی ہو آدھی دوسرے کی ہو شرکت ہو اس کے اندر وہ بہتر ہے؟ پوری چیز اپنی ہو وہ بہتر ہے، جس چیز کے اندر شرکت ہو شرکت کو عیب شمار کیا جاتا ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ مالک کا مال ٹکڑے ٹکڑے ہو گا اگر ہر جانور کے اندر اس کے بقدر زکوٰۃ واجب ہوتی جائے تو اس کے مال میں شرکت آجائے گی دوسروں کی اور شرکت کا شرکت کیا ہے؟ ایک نقصان ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «**وَبَعْدَ النِّصَابِ فِي السَّوَائِمِ**» اور نصاب کی شرط لگائی گئی نصاب کے بعد سوائم کے اندر، یعنی ایک نصاب کے بعد جو دوسرے نصاب کی شرط لگائی گئی سائمہ جانوروں کے اندر «**تَحَرُّزًا عَنِ التَّشْقِيصِ**» یہ ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے بچنے کے لیے ہے۔

«**وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» اور امام صاحب کی دلیل «**قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» حضور علیہ السلام کا یہ قولِ مبارک ہے «**فِي حَدِيثِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ**» حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**لَا تَأْخُذْ مِنَ الْكُسُورِ شَيْئًا**» کسروں میں سے کچھ نہ لو۔ اس حدیث میں حضور علیہ السلام کیا فرماتے ہیں؟ کسروں میں سے کچھ نہ لو۔ کسر کا معنی ہوتا ہے توڑنا، توڑنا، توڑنا۔ تو کسروں میں سے کچھ نہ کچھ نہ لو، یعنی جس میں پورا درہم واجب نہیں ہوتا اس میں سے کچھ نہ لو۔ پورا درہم واجب نہیں ہوتا تو بھائی دیکھیے! اگر جیسے دو سو درہم کے اندر کتنے درہم ہیں؟ پانچ۔ تو اگر دو سو ایک جو ایک درہم اوپر ہو گیا اس ایک درہم کے اندر بھی زکوٰۃ واجب کی جائے تو کتنی زکوٰۃ واجب ہو گی؟ اس درہم کا چالیسواں حصہ واجب ہو گا۔ تو درہم ٹکڑے ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا؟ درہم ٹکڑے ہو رہا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو حضور علیہ السلام تو یہاں کسر آرہی ہے، تو حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا: کسروں میں سے کچھ نہ لو۔ دو درہم اور اوپر ہو جائیں گے اور ان میں زکوٰۃ واجب کی جائے تو دو چالیسویں حصے ہو جائیں گے درہم کے، تین اوپر ہو گئے درہم تو کتنے حصے ہو جائیں گے زکوٰۃ کے؟ تین چالیسویں حصے ہو جائیں گے۔ تو یہ تو دیکھیے کسر آرہی ہے، سمجھ میں آگئی بات بھائی؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**لَا تَأْخُذْ مِنَ الْكُسُورِ شَيْئًا**» کسروں میں سے کچھ نہ لو، یہ حدیث امام صاحب کی دلیل۔

اور نیز دوسری حدیث بھی ان کی دلیل ہے: «**وَقَوْلُهُ فِي حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ الْأَرْبَعِينَ صَدَقَةٌ**» اور نیز امام صاحب کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں: «**وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ الْأَرْبَعِينَ صَدَقَةٌ**» اور چالیس سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے۔ چالیس سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس حدیث کے اندر یہ آگیا بھائی۔ اور یاد رکھیے یہ چالیس کون سے ذکر ہو رہے ہیں؟ جو دو سو سے اوپر ہیں، تو اس میں چالیس سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے، یہ صراحۃً حدیث کے اندر آگیا۔

آگے امام صاحب کی دوسری دلیل آرہی ہے، نقلی دلیل ختم ہوئی، دو حدیثیں ذکر کر دیں بھائی، دو دلیلیں ذکر ہو گئیں، تو یوں کہیے یہ تیسری دلیل آگئی: «**وَلِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ، وَفِي إِيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ لِتَعَذُّرِ الْوُقُوفِ**»۔ امام صاحب فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ شریعت کے معاملات کے اندر شریعت کے احکام کے اندر تنگی نہیں ہے، جہاں بھی تنگی اور حرج آتا ہے شریعت کیا کر دیتی ہے وہاں پر؟ آسانی کر دیتی ہے، تنگی کو دور کر دیا جاتا ہے۔ تو شریعت میں تنگی نہیں، حرج اور تنگی کو بندوں سے دور کیا گیا ہے اور اگر کسروں کے اندر بھی زکوٰۃ واجب قرار دی جائے تو لوگ مشکل میں اور تنگی میں پڑ جائیں گے، بلکہ تنگی میں کیا پڑیں گے ان کے لیے ممکن ہی نہیں رہے گا حساب کرنا، اتنا دشوار حساب ہے ان کا بھائی! اتنا دشوار حساب۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا اگر کسروں کو بھی واجب کیا جائے تو انسان کس میں پڑ جائے گا؟ تنگی اور مشکل میں پڑ جائے گا اور مشکل کو تو شریعت میں دور کیا گیا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ**» اور اس لیے کیونکہ حرج جو ہے اس کو دور کیا گیا ہے «**وَفِي إِيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ**» یہ عبارت پہ نظر رکھنا بھائی! «**وَلِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ**» اور اس لیے کیونکہ حرج کو دور کیا گیا ہے «**وَفِي إِيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ**» اور کسروں کے واجب کرنے میں وہ حرج ہے، ذلک کے ذریعے اشارہ کس کی طرف؟ حرج کی طرف، معنی سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ اس لیے کیونکہ حرج کو تو حرج کو دور کیا گیا ہے «**وَفِي إِيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ**» اور کسروں کے واجب کرنے میں وہ ہے، یہ کیا ہے؟ وہ حرج ہے «**لِتَعَذُّرِ الْوُقُوفِ**» اس لیے کیونکہ واقف ہونا ممکن نہیں ہے، ان کسروں پر واقف ہونا ممکن نہیں ہے۔ کس طرح بھائی؟ کس طرح ممکن نہیں ہے؟ بڑا مشکل ہے یعنی۔

بھائی دیکھیے! دیکھیے! ایک آدمی ہے اس کے پاس، چلیے ایک آدھ کسر ہی ہم کر لیتے ہیں، ایک آدمی ہے اس کے پاس دو سو دس درہم ہیں بھائی، کتنے ہیں؟ دو سو دس درہم ہیں۔ اچھا، دو سو درہموں میں تو کتنے درہم واجب ہو گئے؟ پانچ درہم۔ اور جو دس درہم زائد ہیں، دس درہم زائد، ان میں سے ہر درہم کے اندر اگر واجب کیا جائے بھائی، تو ہر درہم میں درہم کا کتواں حصہ؟ چالیسواں، تو دس درہموں میں کتنے چالیسویں؟ دس چالیسویں حصے ہو گئے۔ کتنے؟ تو گویا اس شخص پر دو سو دس درہموں کے اندر پانچ درہم اور اور ایک درہم کے دس چالیسویں حصے واجب ہو گئے۔ باقی کتنے رہ گئے؟ بھائی! دو سو دس کل مال ہے، زکوٰۃ ذرا نکال لو، زکوٰۃ ذرا نکال لو، پانچ درہم اور دس چالیسویں حصے، کتنے

سبق نمبر ۱۰۳: بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

رہ گئے؟ پانچ درہم تو دو سو دس میں سے پورے نکل گئے، کتنے رہ گئے؟ دو سو پانچ۔ پھر اس ایک درہم کے اندر سے بھی دس چالیسویں حصے نکل گئے۔ ہاں، دیکھو آپ ابھی سے پریشان ہو گئے، ابھی تو پہلی کسر آئی ہے۔ پانچ درہم پورے ہیں اور ایک درہم کے کتنے حصے؟ دس چالیسویں حصے، دو سو دس میں سے نکالنے ہیں۔ پانچ درہم نکالو کتنے رہ گئے؟ دو سو پانچ۔ اچھا، اور پھر یہ جو دو سو پانچواں درہم ہے اس میں سے دس چالیسویں حصے نکال دو، کتنے رہ گئے؟ تیس چالیسویں حصے رہ گئے، اور دو سو چار درہم پورے ہیں۔ دو سو چار درہم اور تیس چالیسویں حصے رہ گئے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

اور وہ شخص ایسا ہے کہ اس نے زکوٰۃ ایک سال ادا ہی نہیں کی، اگلا سال بھی آ گیا۔ اب ان اب اس پر یہی مال ہے اس میں پھر زکوٰۃ واجب ہوئی۔ اب اس کے پاس مال کتنا؟ دو سو چار درہم اور ایک درہم کا تیس چالیسویں حصے، اب ان کے اندر پھر زکوٰۃ کا حساب کریں گے۔ دو سو درہم میں تو کتنے ہو گئے؟ پانچ ہو گئے، ٹھیک ہے؟ دو سو درہم میں پانچ ہو گئے۔ اچھا، اور چار درہموں میں کتنے ہو گئے؟ چار چالیسویں حصے، کتنے ہو گئے؟ چار چالیسویں حصے ہو گئے۔ اور باقی کتنے ہیں ابھی؟ تیس چالیسویں حصے، اس تیس چالیسویں حصوں میں سے ذرا نکالو چالیسواں حصہ۔ تیس چالیسویں حصوں میں سے کتنا نکالو؟ چالیسواں حصہ نکالو، دیکھو مشکل میں پڑ گئے یا نہیں پڑ گئے؟ گویا پہلے تیس چالیسویں حصے تھے اور اس میں سے نکالنا ہے چالیسواں حصہ۔ معلوم ہوا اب اس کے مزید ٹکڑے کرنے پڑیں گے۔ اس تیس کو بھی کیا بنانا پڑے گا؟ چالیس بنانا پڑے گا۔ جب چالیس ان تیس کو چالیس بنائیں گے تو ہر حصہ مزید کم ہو جائے گا یا نہیں بھائی؟ تو یہ بڑا مشکل ہو جائے گا، اب دیکھیے یہاں تیس چالیسویں حصوں میں سے ایک چالیسواں حصہ ہم نے نکالنا ہے اور وہ بڑا دشوار ہے۔ پھر اس سے اگلے سال بات چلی گئی تو پھر اور زیادہ مشکل حساب ہو جائے گا، تو اس کو تو ماہرین کے لیے کرنا مشکل ہو جائے گا، عام لوگ، دیہاتی لوگ کس طرح کریں گے بھائی؟ تو اس میں حرج ہے کسروں کے اندر زکوٰۃ واجب کرنے میں، اور حرج کو تو کیا کیا ہے؟ شریعت نے ہر معاملے میں دور کر دیا ہے، حرج میں مبتلا نہیں کیے گئے لوگ۔

یہ معنی ہے: «وَلِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ، وَفِي إِيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ» اور اس لیے کیونکہ حرج جو ہے اس کو دور کیا گیا ہے اور کسروں کو واجب کرنے میں وہ حرج ہے «لِتَعَذُّرِ الْوُقُوفِ» اس لیے کیونکہ واقف ہونا ان کسروں پر ممکن نہیں ہے۔ «وَالْمُعْتَبَرُ فِي الدَّرَاهِمِ وَزْنُ سَبْعَةٍ، وَهُوَ أَنْ تَكُونَ الْعَشَرَةُ مِنْهَا وَزْنَ سَبْعَةِ مَسَاقِيلَ، بِذَلِكَ جَرَتِ التَّقْدِيرُ فِي دِيوَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَاسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِ».

اور معتبر دراہم کے اندر وزنِ سبعہ ہے بھائی۔ درہموں کے اندر کیا معتبر ہے؟ وزنِ سبعہ معتبر ہے۔ اور وہ کتنا ہے؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ أَنْ تَكُونَ الْعَشَرَةُ مِنْهَا» کہ ان درہموں میں سے دس درہم جو ہیں «وَزْنَ سَبْعَةِ مَسَاقِيلَ» ان کا وزن کتنا ہو؟ سات مثقالوں کا وزن ہو ان کا، سات مثقال کے برابر ان کا وزن ہو۔ اور ایک مثقال کتنے قراط کا تھا؟ بیس قراط، تو سات قراسات مثقال کتنے قراط بن گئے؟ ایک سو چالیس قراط ہو گئے۔ تو درہم سے مراد وہ درہم ہے کہ دس درہموں کو ملائیں تو ان کا وزن سات مثقال یعنی ایک سو چالیس قراط بنے۔ اچھا، ایک سو چالیس کو ذرا دس سے تقسیم کریں۔ کتنے آئے؟ چودہ، تو ایک درہم چودہ قراط کا ہوا۔ یہ وزنِ سبعہ کا معنی سمجھ میں آیا؟ کہ دس درہموں کا وزن کتنا ہو؟ سات مثقال ہو، تو اس کو کہتے ہیں وزنِ سبعہ، یعنی دس درہموں کا وزن کتنا ہو؟ سات مثقال ہو، اس کو کہتے ہیں وزنِ سبعہ۔

تو کہتے ہیں: «وَالْمُعْتَبَرُ فِي الدَّرَاهِمِ وَزْنُ سَبْعَةٍ» اور معتبر دراہم کے اندر وزنِ سبعہ ہے «وَهُوَ أَنْ تَكُونَ الْعَشَرَةُ مِنْهَا وَزْنَ سَبْعَةِ مَسَاقِيلَ» اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے دس درہم سات مثقال کے وزن کے برابر ہوں «بِذَلِكَ جَرَتِ التَّقْدِيرُ فِي دِيوَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» اسی کے ساتھ اندازہ جاری ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رجسٹر کے اندر، دیوان کہتے ہیں رجسٹر کو بھائی، دفتر رجسٹر۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے میں ایک رجسٹر تیار کروایا تھا جس کے اندر مجاہدین کے نام اور ان کے وظائف لکھے ہوئے تھے کہ کس مجاہد کو کتنا وظیفہ دینا ہے، تو اس میں یہ طے ہوا تھا کہ جو درہم ان کو دیے جائیں گے وہ کون سے درہم ہوں گے؟ وزنِ سبعہ والے۔ اور یہی وزن جو ہے وہ تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہو گیا، سارے ائمہ نے اسی کو قبول کر لیا، تو زکوٰۃ وغیرہ کے اندر یہی درہم معتبر ہے۔

کہتے ہیں: «بِذَلِكَ جَرَتِ التَّقْدِيرُ فِي دِيوَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» اسی کے ساتھ اندازہ جاری ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفتر کے اندر «وَاسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِ» اور معاملہ اسی پر برقرار ہو گیا، استقرار پکڑ گیا یعنی تمام ائمہ نے اسی کو قبول کر لیا۔

■ مسئلہ: وَأَصْلُهُ أَنَّ الدَّرَاهِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ...

«وَأَصْلُهُ أَنَّ الدَّرَاهِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانَتْ مُخْتَلِفَةً؛ فَبَعْضُهَا كَانَ وَزْنَ عَشَرَةٍ، وَهُوَ الْبَغْلِيُّ، وَبَعْضُهَا كَانَ وَزْنَ خَمْسَةٍ، وَهُوَ الطَّبَرِيُّ، وَبَعْضُهَا كَانَ وَزْنَ سِتَّةٍ، وَهُوَ السَّمَرْقَنْدِيُّ، فَجَمَعُوا بَيْنَ الثَّلَاثَةِ فَصَارَتْ أَحَدَ وَعِشْرِينَ، فَأَخَذُوا ثُلُثَ ذَلِكَ، وَهُوَ سَبْعَةٌ، وَضَرَبُوا الدَّرَاهِمَ عَلَيْهِ».

اور اس کی اصل یہ ہے، یعنی یہ درہم کہاں سے آیا؟ وزنِ سبعہ کہاں سے آیا؟ یہ کس طرح بنا؟ تو صاحبِ ہدایہ اس کی تاریخ ذکر کر رہے ہیں کہ یہ وزنِ سبعہ کس طرح

وجود میں آیا بھائی۔ کہتے ہیں کہ اس کی اصل یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے اندر درہم مختلف تھے بھائی، الگ الگ اوزان کے درہم چلتے تھے۔ بعض درہم وہ تھے جو وزنِ عشرہ تھے، یعنی دس درہم دس مثقال کے برابر تھے، دس درہم دس مثقال کے برابر۔ اور ان کو بغلی کہا جاتا تھا، کیونکہ بغل نامی ایک یہودی تھا جس نے یہ درہم تیار کیے تھے۔ تو اس کے نام سے منسوب ہو کر ان درہموں کو کیا کہا جاتا تھا؟ بغلی۔ تو یہ بغلی درہم تھے، ان کا وزن کتنا تھا؟ وزنِ عشرہ، یعنی دس درہم دس مثقال کے برابر تھے۔

اور بعض درہم وہ تھے جو وزنِ خمسہ تھے، یعنی دس درہم پانچ مثقال کے برابر تھے۔ اور ان کو طبری درہم کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ طبرستان کے اندر بنے تھے۔

اور بعض درہم وہ تھے جو وزنِ ستہ تھے، یعنی دس درہم چھ مثقال کے برابر تھے۔ اور ان کو سمرقندی درہم کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ سمرقند کے اندر تیار ہوئے تھے۔

تو اب یہ تین قسم کے درہم چلتے تھے زمانۂ جاہلیت میں، اب جب اسلام آیا اور شریعت کے احکام نازل ہوئے اور بعض احکام دراہم کے ساتھ وابستہ کیے گئے، جیسے زکوۃ ہے، اب زکوٰۃ کے اندر درہموں کا تذکرہ آ گیا، تو اب کون سے درہم مراد لیے جائیں؟ بغلی مراد لیں گے تو ان کا وزن الگ ہے، طبری مراد لیں گے تو ان کا وزن الگ ہے، سمرقندی مراد لیں گے تو ان کا وزن الگ ہے۔ اور اسی طرح دیت ہے، دیت کے اندر بھی دس ہزار درہم بیان ہوئے تو وہاں کون سے درہم مراد ہوں گے؟ سرقہ کی حد ہے، اس کے اندر بھی دس درہم پر ہاتھ کٹتا ہے تو وہاں کون سے درہم مراد ہوں گے؟ تو جب درہم مختلف تھے تو پھر صحابہ کرام نے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو جمع فرمایا اور ان درہموں کے درمیان اوسط نکالی، اوسط نکالی کہ نہ زیادہ اونچا ہو نہ زیادہ ہلکا ہو بلکہ درمیانہ وزن لے لیا جائے، تو انہوں نے ان تینوں کو جمع کیا، ان تینوں کے اوزان کو کیا کیا؟ جمع کیا۔ تو ایک دس مثقال کے برابر تھا دس درہم، اور ایک میں دس درہم پانچ مثقال کے برابر تھے اور تیسرے کے اندر دس درہم چھ مثقال کے برابر تھے، تو دس اور پانچ پندرہ، اور چھ اکیس۔ تو یہ تین قسم کے درہموں کا وزن اکیس مثقال بنا، تو اب ان کا اوسط نکالنے کے لیے تین پر تقسیم کیا، تو اکیس کو جب تین پر تقسیم کیا تو کیا جواب آیا؟ سات۔ تو معلوم ہوا دس درہم کتنے مثقال کے برابر بن گئے؟ سات مثقال کے، تو پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ یہی درہم سکہ بنا دیا جائے، تو پھر حکومتِ اسلامیہ کے اندر یہی درہم ڈھالے گئے اور اسی درہم پر شریعت کے احکام کو مرتب کیا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ اس کا تاریخی پس منظر تھا کہ یہ درہم کس طرح وجود میں آیا۔

دیکھیے! کہتے ہیں: «وَأَصْلُهُ» اور اس کی اصل یہ ہے «أَنَّ الدَّرَاهِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانَتْ مُخْتَلِفَةً» کہ درہم زمانۂ جاہلیت کے اندر مختلف تھے، «فَبَعْضُهَا كَانَ وَزْنَ عَشَرَةٍ» پس بعض ان میں سے وزنِ عشرہ تھے، یعنی دس درہم دس مثقال کے برابر تھے «وَهُوَ الْبَغْلِيُّ» اور وہ بغلی درہم تھا، «وَبَعْضُهَا كَانَ وَزْنَ خَمْسَةٍ» اور بعض ان میں سے وزنِ خمسہ تھے، یعنی دس درہم پانچ مثقال کے برابر تھے «وَهُوَ الطَّبَرِيُّ» اور وہ طبری درہم تھا، «وَبَعْضُهَا كَانَ وَزْنَ سِتَّةٍ» اور بعض ان میں سے وزنِ ستہ تھے، یعنی دس درہم چھ مثقال کے برابر تھے «وَهُوَ السَّمَرْقَنْدِيُّ» اور وہ سمرقندی درہم تھا، «فَجَمَعُوا بَيْنَ الثَّلَاثَةِ» پس انہوں نے ان تینوں کو جمع کیا، «فَصَارَتْ أَحَدَ وَعِشْرِينَ» پس وہ اکیس ہو گئے «فَأَخَذُوا ثُلُثَ ذَلِكَ» پس انہوں نے اس کا تہائی لیا، «وَهُوَ سَبْعَةٌ» اور وہ سات ہے «وَضَرَبُوا الدَّرَاهِمَ عَلَيْهِ» اور انہوں نے درہم ڈھالے اسی پر، یعنی اسی سات مثقال کے وزن پر انہوں نے درہم ڈھالے بھائی۔

■ مسئلہ: فَصَارَ كُلُّ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَزْنَ سَبْعَةٍ...

«فَصَارَ كُلُّ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَزْنَ سَبْعَةِ مَسَاقِيلَ، وَكُلُّ دِرْهَمٍ نِصْفَ مِثْقَالٍ وَخُمُسَ مِثْقَالٍ؛ لِأَنَّ السَّبْعَةَ كَانَتْ أَرْبَعَةَ عَشَرَ نِصْفًا، فَخَرَجَ لِكُلِّ عَشَرَةٍ عَشَرَةُ أَنْصَافٍ، وَبَقِيَ أَرْبَعَةُ أَنْصَافٍ، وَهِيَ شَيْئَانِ، فَاقْتَسَمَهَا الْعَشَرَةُ، فَأَصَابَ كُلَّ دِرْهَمٍ خُمُسُ مِثْقَالٍ، فَالْتَأَمَ مِنْ ذَلِكَ أَنَّ كُلَّ دِرْهَمٍ نِصْفُ مِثْقَالٍ وَخُمُسُ مِثْقَالٍ، وَهُوَ أَرْبَعَةَ عَشَرَ قِيرَاطًا؛ لِأَنَّ الْمِثْقَالَ عِشْرُونَ قِيرَاطًا، فَنِصْفُهُ عَشَرَةٌ، وَخُمُسُهُ أَرْبَعَةٌ».

اب یہ حساب سارا اوپر گزر چکا ہے، صاحبِ ہدایہ اس حساب کو ذرا کھول کر بیان کر رہے ہیں کہ ہر درہم کے اندر کتنا کتنا وزن آ رہا ہے بھائی۔ کہتے ہیں: «فَصَارَ كُلُّ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَزْنَ سَبْعَةِ مَسَاقِيلَ» پس ہو گئے ہر دس درہم سات مثقال کے وزن کے برابر، «وَكُلُّ دِرْهَمٍ نِصْفَ مِثْقَالٍ وَخُمُسَ مِثْقَالٍ» اور ہر درہم نصفِ مثقال اور خُمُسِ مثقال ہو گیا۔

اب اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ ہر درہم نصفِ مثقال اور خُمُسِ مثقال کس طرح ہوا، یہ ذرا حساب کر کے بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: «لِأَنَّ السَّبْعَةَ كَانَتْ أَرْبَعَةَ عَشَرَ نِصْفًا» اس لیے کیونکہ سات مثقال جو ہیں ان کے اندر چودہ نصف ہیں، چودہ آدھے ہیں، سات مثقال کے اندر آدھے آدھے کتنے ہیں؟ چودہ، سات دونی چودہ۔ «فَخَرَجَ لِكُلِّ عَشَرَةٍ عَشَرَةُ أَنْصَافٍ» پس دس درہموں میں سے ہر ایک کے لیے نکل آئے دس آدھے، دس درہم ہیں ان کو ایک ایک آدھا مل گیا تو دس آدھے نکل گئے، «وَبَقِيَ أَرْبَعَةُ أَنْصَافٍ» اور باقی رہ گئے چار آدھے، چودہ میں سے دس نکل گئے تو باقی کتنے رہ گئے؟ چار آدھے، «وَهِيَ شَيْئَانِ» اور وہ

چار آدھے کتنے ہیں؟ وہ دو پورے مثقال ہیں، چار آدھے یعنی دو پورے مثقال، «فَاقْتَسَمَهَا الْعَشَرَةُ» پس ان دو مثقالوں کو آپس میں تقسیم کیا دس درہموں نے، دو مثقالوں کو کس نے تقسیم کیا؟ دس درہموں نے، تو دو کو تقسیم کریں گے دس پر تو کیا جواب آئے گا؟ دو ایکم دو، اور دو پنجے دس، ایک بٹا پانچ جواب آگیا، یعنی پانچواں حصہ۔ «فَأَصَابَ كُلَّ دِرْهَمٍ خُمُسُ مِثْقَالٍ» پس ہر درہم کو پہنچا خُمُسِ مثقال، مثقال کا پانچواں حصہ، «فَالْتَأَمَ مِنْ ذَلِكَ أَنَّ كُلَّ دِرْهَمٍ نِصْفُ مِثْقَالٍ وَخُمُسُ مِثْقَالٍ» پس جڑ گیا اس سے، یعنی ثابت ہو گیا اس سے کہ ہر درہم نصفِ مثقال اور خُمُسِ مثقال ہے، کیونکہ پہلے ایک ایک آدھا مل چکا تھا اور اب خُمُسِ مثقال اور مل گیا تو ہر درہم کتنا ہو گیا؟ نصفِ مثقال اور خُمُسِ مثقال ہو گیا۔

■ مسئلہ: وَهُوَ أَرْبَعَةَ عَشَرَ قِيرَاطًا

«وَهُوَ أَرْبَعَةَ عَشَرَ قِيرَاطًا» اور وہ چودہ قراط ہے، قراطوں کے اعتبار سے نصفِ مثقال اور خُمُسِ مثقال کتنا ہے؟ چودہ قراط۔ اس کی دلیل کہ چودہ قِراط کس طرح ہے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْمِثْقَالَ عِشْرُونَ قِيرَاطًا» اس لیے کیونکہ مثقال بیس قِراط ہے، «فَنِصْفُهُ عَشَرَةٌ» پس اس کا آدھا دس قِراط ہو گیا «وَخُمُسُهُ أَرْبَعَةٌ» اور اس کا پانچواں حصہ چار قِراط ہو گیا۔ تو دس اور چار کتنے ہو گئے؟ چودہ قراط، تو چودہ قراط ہو گیا۔ سمجھ میں آگیا بھائی؟ یہ کتاب کے مطابق آپ کو حساب سمجھا دیا۔

«وَفِي مِائَتَيْ دِرْهَمٍ مِائَةٌ وَأَرْبَعُونَ مِثْقَالًا، وَالْمُعْتَبَرُ فِيهَا الْوَزْنُ دُونَ الْعَدَدِ، حَتَّى لَوْ كَانَتْ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَزْنُهَا مِائَةٌ وَتِسْعُونَ لَا زَكَاةَ فِيهَا، وَلَوْ كَانَتْ مِائَةٌ وَثَمَانُونَ وَزْنُهَا مِائَتَانِ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَزْنًا».

«وَفِي مِائَتَيْ دِرْهَمٍ مِائَةٌ وَأَرْبَعُونَ مِثْقَالًا» اور دو سو درہم کے اندر ایک سو چالیس مثقال ہیں۔ حساب لگا لو بھائی، دو سو درہم ہیں اور ہر درہم کتنا ہے؟ نصفِ مثقال اور خُمُسِ مثقال۔ تو دو سو درہموں کو ہر ایک کو پہلے نصف نصف مثقال دو تو دو سو کے اندر کتنے مثقال ہو گئے؟ ایک سو مثقال۔ اور پھر ہر ایک کو خُمُسِ مثقال دو تو خُمُس یعنی پانچواں حصہ، دو سو کو پانچ پر تقسیم کرو تو چالیس مثقال ہو گئے۔ تو سو مثقال پہلے اور چالیس یہ، کتنے ہو گئے؟ ایک سو چالیس مثقال۔ تو دو سو درہم میں کتنے مثقال ہوتے ہیں؟ ایک سو چالیس مثقال۔

■ مسئلہ: وَالْمُعْتَبَرُ فِيهَا الْوَزْنُ دُونَ الْعَدَدِ

«وَالْمُعْتَبَرُ فِيهَا الْوَزْنُ دُونَ الْعَدَدِ» اور معتبر درہموں کے اندر وزن ہے نہ کہ گنتی۔ یعنی یہ جو کہا ہے کہ دو سو درہم کے اندر پانچ درہم زکوۃ ہے تو اس سے مراد وزن کے اعتبار سے دو سو درہم ہیں، گنتی کا اعتبار نہیں ہے۔ «حَتَّى لَوْ كَانَتْ مِائَتَا دِرْهَمٍ» یہاں تک کہ اگر دو سو درہم ہوں «وَزْنُهَا مِائَةٌ وَتِسْعُونَ» اور ان کا وزن ایک سو نوے درہم ہو، گنتی میں تو دو سو ہیں، لیکن کھرے کھوٹے ہیں یا گھسے ہوئے ہیں اور وزن کیا تو کتنے بنے؟ ایک سو نوے، تو «لَا زَكَاةَ فِيهَا» ان کے اندر زکوۃ نہیں ہو گی، کیونکہ نصاب پورا نہیں ہوا۔ وزن معتبر ہے بھائی، اور وزن کتنا ہونا چاہیے؟ دو سو درہم ہونا چاہیے۔ «وَلَوْ كَانَتْ مِائَةٌ وَثَمَانُونَ» اور اگر گنتی کے اندر ایک سو اسی درہم ہوں «وَزْنُهَا مِائَتَانِ» اور ان کا وزن دو سو درہم کے برابر ہو، بڑے درہم ہیں، بھاری درہم ہیں «فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَزْنًا» تو ان کے اندر پانچ درہم وزن کے اعتبار سے زکوۃ واجب ہو گی۔ یہ نہیں کہ گنتی کے اعتبار سے پانچ درہم دے دے، بلکہ پانچ درہم وزن کے اعتبار سے یعنی ساڑھے بارہ تولے وزن کے اعتبار سے زکوۃ ادا کرنی پڑے گی، کیونکہ نصاب وزن کے اعتبار سے پورا ہو چکا ہے۔

«فَصْلٌ: وَلَيْسَ فِي ذَهَبٍ صَدَقَةٌ حَتَّى يَبْلُغَ عِشْرِينَ مِثْقَالًا، فَإِذَا بَلَغَ عِشْرِينَ مِثْقَالًا فَفِيهَا نِصْفُ مِثْقَالٍ؛ لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِهِ وَرَدَ فِي كِتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَفِي حَدِيثِ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا».

فَصْلٌ۔ یہ اگلی فصل سونے کے احکام کے بارے میں ہے۔ فرماتے ہیں: «وَلَيْسَ فِي ذَهَبٍ صَدَقَةٌ حَتَّى يَبْلُغَ عِشْرِينَ مِثْقَالًا» اور سونے کے اندر صدقہ نہیں ہے یہاں تک کہ وہ بیس مثقال کو پہنچ جائے۔ سونے کا نصاب کتنا ہے؟ بیس مثقال ہے، اور تولوں کے اعتبار سے بیس مثقال کتنے بنتے ہیں؟ ساڑھے سات تولے بنتے ہیں، کل ہم نے حساب لگایا تھا، ساڑھے سات تولے۔ «فَإِذَا بَلَغَ عِشْرِينَ مِثْقَالًا» پس جب وہ بیس مثقال کو پہنچ جائے «فَفِيهَا نِصْفُ مِثْقَالٍ» تو ان میں نصفِ مثقال ہو گا، یعنی نصفِ مثقال زکوۃ آئے گی، چالیسواں حصہ۔ دلیل کیا ہے اس کی؟ «لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِهِ وَرَدَ فِي كِتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَفِي حَدِيثِ

عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا » اس لیے کیونکہ یہ اندازہ وارد ہوا ہے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے خط کے اندر اور حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کے اندر، اس لیے سونے کا نصاب بیس مثقال ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعَةِ مَثَاقِيلَ قِيرَاطٌ...

«ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعَةِ مَثَاقِيلَ قِيرَاطَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ. وَقَالَا: مَا زَادَ عَلَى الْعِشْرِينَ فَبِحِسَابِهِ، وَالْخِلَافُ عَلَى نَحْوِ مَا ذَكَرْنَا فِي الْفِضَّةِ».

«ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعَةِ مَثَاقِيلَ قِيرَاطَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ » پھر ہر چار مثقال کے اندر دو قراط ہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ یعنی بیس مثقال کے اوپر جب سونا بڑھے گا تو امام صاحب کے نزدیک چار مثقال جب بڑھے گا تو اس میں دو قراط زکوٰۃ آئے گی۔ چار سے کم میں کچھ نہیں آئے گا۔ دو قراط یعنی چالیسواں حصہ، چار مثقال کا چالیسواں حصہ کتنا ہے؟ دو قراط۔ کیونکہ چار مثقال کے قراط بناؤ تو ایک مثقال بیس قراط کا ہے تو چار مثقال کتنے قراط کے ہوئے؟ اسّی قراط۔ تو اسّی کا چالیسواں حصہ کتنا ہوا؟ دو قراط۔ تو امام صاحب کے نزدیک چار چار مثقال پر دو دو قراط زکوٰۃ آئے گی۔ «وَقَالَا: مَا زَادَ عَلَى الْعِشْرِينَ فَبِحِسَابِهِ » اور صاحبین فرماتے ہیں جو بیس پر زیادہ ہو جائے تو اسی کے حساب سے زکوٰۃ آئے گی۔ «وَالْخِلَافُ عَلَى نَحْوِ مَا ذَكَرْنَا فِي الْفِضَّةِ » اور یہ اختلاف اسی طرح ہے جیسا کہ ہم نے چاندی کے اندر ذکر کیا۔ وہی دلائل ہیں صاحبین کی وہی دلیل اور امام صاحب کی وہی دلیل ہے جو اوپر گزری۔ یہاں تک سبق رکھتے ہیں۔

■ بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ فَصْلٌ فِي الْفِضَّةِ لَيْسَ فِيمَا دُونَ

بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ فَصْلٌ فِي الْفِضَّةِ لَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ.

■ بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ

بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ۔ بھائی گزشتہ سبق کے آخر میں ہم نے یہ باب شروع کیا تھا اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں مال سے مراد وہ مالِ زکوٰۃ ہے جو سوائم کے علاوہ ہو۔ سائمہ جانوروں کا بیان گزر گیا، ان کے علاوہ جو مال جس کے اندر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس کا بیان اس باب میں کریں گے اور سب سے پہلے یہ چاندی کے بارے میں ذکر کر رہے ہیں بھائی، **فَصْلٌ فِي الْفِضَّةِ**۔

اور میں نے آپ کو اوزانِ شرعیہ بھی لکھوائے تھے اور بتلایا تھا کہ آٹھ چاول کے دانے ہوں تو یہ بنتی ہے ایک رتی بھائی، ایک رتی۔ اور آٹھ رتیاں ہوں تو یہ بنتا ہے ایک ماشہ، اور بارہ ماشے ہوں تو یہ بنتا ہے ایک تولہ۔ اس کے بعد دینار اور درہم کا وزن بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا۔ اور اس کے لیے ایک اور پیمانہ بھی میں نے ساتھ ذکر کیا تھا کہ پانچ جو کے دانے ہوں تو یہ برابر ہیں ایک قراط کے۔ اور دینار کا وزن جو ہے قراطوں کے اعتبار سے بیس قراط ہے۔ دینار کا وزن بیس قراط ہے اور اسی دینار وزن کا دوسرا نام مثقال ہے بھائی۔ یہ وزن کی بات چل رہی ہے ساری، قیمت کی بات نہیں چل رہی۔ تو اسی دینار کا وزن، دوسرا نام کیا ہے اس کا؟ مثقال بھائی، تو مثقال اور دینار یہ ایک ہی وزن کا نام ہے اور یہ بیس قراط کے برابر ہے اور ماشوں کے اعتبار سے یہ ساڑھے چار ماشے کے برابر ہے۔ جبکہ درہم جو ہے وہ قراطوں کے اعتبار سے چودہ قراط ہے۔ معلوم ہوا درہم جو ہے وہ دینار سے چھوٹا ہوتا ہے وزن کے اعتبار سے۔ تو چودہ قراط ہوں تو یہ ایک درہم بنتا ہے، اور ماشوں کے اعتبار سے درہم برابر ہے تین ماشے، ایک رتی اور **خُمسِ** رتی۔ **خُمسِ** رتی، تو یہ ہے ایک درہم کا وزن۔ تو معلوم ہوا ماشوں کے اعتبار سے درہم جو ہے وہ کوئی تین ماشے اور سوا رتی سے کچھ معمولی سا کم ہے، معمولی سا کم ہے۔

اور اس کے بعد **أُوقِيَّہ** وزن جو ہے بتلایا تھا آپ کو کہ یہ چالیس درہم کے برابر ہے، اور تولوں کے اعتبار سے یہ ساڑھے دس تولے بنتا ہے، ساڑھے دس تولے۔ تو اب آپ حساب کر سکتے ہیں کہ یہ **أُوقِيَّہ** کتنے تولے بنتا ہے۔ بھائی **أُوقِيَّہ** چالیس درہم کے برابر اور ہر درہم کتنے کے برابر ہے؟ تین ماشے، ایک رتی اور **خُمسِ** رتی۔ لہٰذا چالیس درہم ہے تو ان کا ماشوں کے اعتبار ان کے ذرا ماشے پہلے الگ کر لیں۔ چالیس درہم ہے اور ہر درہم میں کتنے پورے ماشے؟ تین تین۔ تو چالیس تیا ایک سو بیس، یہ ایک سو بیس ماشے ہو گئے۔ اور پھر ہر درہم کے اندر ایک رتی اور **خُمسِ** رتی بھی ہے تو پہلے صرف ایک رتی کا حساب کر لیں۔ چالیس درہموں میں سے ہر ایک سے ایک

ایک رتی مل گئی، کتنی ہو گئیں؟ چالیس رتی، یہ۔ اور اس کے بعد ہر درہم میں **خُمسِ** رتی بھی ہے، رتی کا پانچواں حصہ۔ رتی کا پانچواں حصہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ پانچ درہم ہوں گے تو ایک پوری رتی بن جائے گی۔ ہر درہم سے کتنی حاصل ہو رہی ہے؟ **خُمسِ** رتی، تو پانچ درہموں میں گویا ایک رتی حاصل ہو رہی ہے۔ تو دس میں کتنی ہو جائیں گی؟ دو۔ اور بیس کے اندر؟ چار۔ اور چالیس کے اندر؟ آٹھ۔ تو گویا آٹھ مزید رتیاں مل گئیں۔ تو چالیس رتی پہلے تھی اور آٹھ مزید، کتنی ہو گئیں؟ اڑتالیس بھائی، اڑتالیس۔

اور ان اڑتالیس رتیوں کے بھی اب ماشے بنالیں۔ پہلے کتنے ماشے ہو چکے ہیں؟ ایک سو بیس ماشے پہلے ہیں۔ اب یہ اڑتالیس رتی کے بھی کیا بنالیں؟ ماشے۔ اور آٹھ رتی ہوں تو یہ بنتا ہے ایک ماشہ، تو اڑتالیس رتی کے کتنے ماشے بنے؟ چھ ماشے بن گئے۔ تو کل کتنے ماشے ہو گئے؟ چھ یہ والے ماشے اور ایک سو بیس پہلے، یہ ایک سو چھبیس ہو گئے۔ اب یہ ماشے ہیں اور بارہ ماشے ہوں تو یہ بنتا ہے ایک تولہ۔ تو ایک سو چھبیس ماشوں کے اندر کتنے تولے پورے ہو گئے؟ بارہ ماشے کا ایک تولہ ہے تو ایک سو بیس ماشے یہ دس تولے ہو گئے۔ اور چھ ماشے مزید ہیں، وہ آدھا تولہ ہو گیا تو دیکھو ساڑھے دس تولے۔ معلوم ہوا ایک **أُوقِيَّه** کتنے کے برابر ہے؟ ساڑھے دس تولے کے برابر ہے۔ حساب سمجھ میں آ گیا بھائی؟

اب دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں: **لَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ**، دو سو درہم سے کم کے اندر صدقہ نہیں ہے۔ اور درہم کس کا ہوتا ہے؟ چاندی کا ہوتا ہے تو یہ چاندی کا نصاب بیان ہو رہا ہے۔ اور کل ہم نے اس کا حساب لگایا تھا یہ دو سو درہم کتنے بنتے ہیں؟ ساڑھے باون تولے بنتے ہیں، ساڑھے باون تولے۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، أَوَاقِي** جمع ہے **أُوقِيَّه** کی بھائی۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پانچ **أُوقِيَّه** سے کم کے اندر زکوٰۃ نہیں ہے، **وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا**، اور **أُوقِيَّه** چالیس درہم کا ہے، چالیس درہم ہے۔ تو پانچ **أُوقِيَّه** سے کم میں نہیں اور پانچ **أُوقِيَّه** اور ہر **أُوقِيَّه** کتنے کے برابر؟ چالیس درہم، تو پانچ **أُوقِيَّه** کتنے درہم بن گئے؟ دو سو درہم بن گئے۔ اسی لیے متن میں انہوں نے کہا دو سو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ، جب دو سو درہم ہوں، **وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ**، اور ان پر ایک سال گزر جائے، **فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ**، تو ان کے اندر پانچ درہم ہوں گے، یعنی پانچ درہم زکوٰۃ آئے گی۔ اور آپ کو بتلایا جاتا ہے آپ مختلف آپ نے اور کتابوں وغیرہ میں پڑھا ہو گا، سنا ہو گا کہ زکوٰۃ کتنی ہوتی ہے؟ چالیسواں حصہ۔ کتنی ہے؟ چالیسواں حصہ مال کا زکوٰۃ میں کے طور پر دینا پڑتا ہے۔ تو دو سو درہم میں سے پانچ درہم ہیں۔ معلوم ہوا ہر چالیس درہم میں ایک درہم آ رہا ہے تو یہ پانچ درہم دو سو کا چالیسواں ہی حصہ ہے۔ پانچ سے دو سو کو تقسیم کریں گے تو چالیس جواب آئے گا۔ معلوم ہوا یہ کتواں حصہ ہے؟ چالیسواں حصہ۔

تو کہتے ہیں جب دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان میں پانچ درا ہم ہیں، **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ إِلَى مُعَاذٍ: «أَنْ خُذْ مِنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ، وَمِنْ كُلِّ عِشْرِينَ مِثْقَالًا مِنْ ذَهَبٍ نِصْفَ مِثْقَالٍ»**. حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ تم لو ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم، اور ہر بیس مثقال سونے میں سے **نِصْفَ مِثْقَالٍ**، نصف مثقال لو۔ ہر بیس مثقال سونے میں سے نصف، آدھا مثقال لو۔ تو بیس کے اندر آدھا مثقال ہے اور یہ کتواں حصہ بنتا ہے؟ بیس کے اندر آدھے آدھے کتنے ہیں؟ چالیس ہیں نا، تو یہ آدھا مثقال یہ اس کا چالیسواں حصہ ہے بھائی۔ حساب سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟

قَالَ: وَلَا شَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعِينَ فَيَكُونَ فِيهَا دِرْهَمٌ، ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ۔ اور کوئی چیز زائد کے اندر نہیں۔ بھائی یاد رکھیے، امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ دو سو سے اوپر جب درا ہم ہو جائیں تو پھر اس کے بعد کیا ہر ہر درہم میں زکوٰۃ واجب ہو گی یا ہر چالیس کے اندر ایک درہم ہو گا؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں دو سو سے اوپر جب درہم ہو جائیں تو پھر چالیس درہموں پر جا کر پھر ایک درہم اس کا یعنی چالیس درہم ہو جائیں گے تو اس میں سے ایک درہم واجب ہو جائے گا یعنی چالیسواں حصہ۔ ہاں چالیس سے کم درہم ہیں، دو سو انتالیس درہم ہیں یا دو سو تیس ہیں یا دو سو بیس ہیں یا دو سو دس ہیں، تو چالیس سے جو کم درہم ہوں گے دو سو سے اوپر اور دو سو چالیس سے کم، اس کے اندر وہ فرماتے ہیں کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ بلکہ اگلا درہم کب واجب ہو گا؟ جب درہم کتنے ہو جائیں؟ دو سو چالیس۔ تو دو سو کے اندر پانچ ہیں، تو دو سو دس کے اندر بھی پانچ، دو سو بیس کے اندر بھی پانچ، دو سو تیس کے اندر بھی پانچ ہی ہیں، دو سو انتالیس کے اندر بھی پانچ ہی ہیں، کوئی اضافہ نہیں ہو رہا۔ ہاں جیسے ہی دو سو چالیس درہم ہوں گے اب درہم کتنے ہو جائیں گے؟ ایک اور درہم ہو جائے گا تو کل چھ درہم ہو جائیں گے بھائی۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، دو سو سے اوپر ایک درہم بھی زیادہ ہو گا تو اس کا بھی چالیسواں حصہ دینا پڑے گا، دو درہم اوپر ہوں گے تو دونوں کا چالیسواں چالیسواں حصہ دینا پڑے گا، ہر ایک کے حساب سے اسی کے بقدر زکوٰۃ آئے گی۔ اختلاف سمجھ میں آ گیا بھائی؟

دیکھیے، کہتے ہیں: **وَلَا شَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعِينَ**، یہ امام صاحب کا مذہب ذکر ہو رہا ہے متن میں۔ اور کوئی چیز زائد کے اندر نہیں ہے یہاں تک کہ وہ چالیس کو پہنچ جائے، **فَيَكُونَ فِيهَا دِرْهَمٌ**، تو اس کے اندر ایک درہم ہو گا۔ جب کہاں تک پہنچ جائیں؟ چالیس۔ اور یہ کون سے درہم بیان ہو رہے ہیں؟ دو سو سے اوپر والے بھائی۔ تو اس میں ایک درہم ہو گا۔ **ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ**، پھر ہر چالیس درہموں کے اندر ایک درہم ہو گا۔ **وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ **وَقَالَا: وَمَا زَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَزَكَاتُهُ بِحِسَابِهَا**، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جو دو سو پر جو زیادہ ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ اسی زائد کے حساب سے ہے، اسی زیادتی کے حساب۔ ایک درہم اوپر ہے تو اسی کے حساب سے چالیسواں

حصہ، دو درہم اوپر ہیں تو دونوں کا دو چالیسویں حصے درہم کے، تین اوپر ہیں تو تین چالیسویں حصے بھائی۔

وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے جو صاحبین کا ہے۔ **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،** بوجہ حضور علیہ السلام کے قول کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں، حضور نے فرمایا: **«وَمَا زَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَبِحِسَابِهِ»**، اور وہ جو زیادہ ہو دو سو پر تو وہ اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہو گی۔ یہ ان کی دلیل ہے کہ دیکھو حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ جو دو سو سے اوپر ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہو گی۔ معلوم ہوا اوپر زائد معاف نہیں، جتنا اوپر ہو گا اسی کے حساب سے چالیسواں حصہ ہر درہم میں آئے گا۔

دوسری دلیل ان کی: **وَلِأَنَّ الزَّكَاةَ وَجَبَتْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ الْمَالِ،** اور نیز اس لیے کیونکہ زکوٰۃ واجب ہوئی ہے نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر کہ اللہ نے مال جیسی نعمت دی ہے تو اس کے شکر کے طور پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے۔ تو لہٰذا سارا مال اللہ کی نعمت ہے۔ دو سو ایک درہم ہو جائیں، یہ ایک زائد بھی کیا ہے؟ اللہ کی نعمت۔ دو سو دس ہو گئے، یہ دس بھی اوپر جو ہوئے یہ بھی کیا ہے؟ اللہ کی نعمت۔ تو لہٰذا ان ساروں کے اندر کیا آنی چاہیے؟ زکوٰۃ آنی چاہیے۔ یہ صاحبین کی دلیل چل رہی ہے دوسری، عقلی دلیل۔ تو وہ فرماتے ہیں کیونکہ زکوٰۃ جو ہے وہ واجب ہوئی ہے نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر۔

وَاشْتِرَاطُ النِّصَابِ فِي الِابْتِدَاءِ لِتَحَقُّقِ الْغِنَى، یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبین کی طرف سے۔ صاحبین نے کیا فرمایا؟ کہ مال تو سارا کا سارا ہی اللہ کی نعمت ہے اور یہ زکوٰۃ کس لیے واجب ہوئی ہے؟ نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر، اور مال سارا نعمت ہے تو لہٰذا ہر سارے مال کے اندر کیا واجب ہو گی؟ زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر آپ کی اس دلیل کو تسلیم کیا جائے پھر کہ مال سارا نعمت ہے لہٰذا سارے کی دینی پڑے گی زکوٰۃ، پھر تو دو سو درہم سے جو کم ہے ایک سونوے ہیں، حالانکہ ایک سونوے کے اندر تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں۔ لیکن آپ کی اس دلیل کو لیا جائے کہ زکوٰۃ نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر ہے تو پھر یہ ایک سونوے کے اندر کیوں نہیں زکوٰۃ واجب ہوتی؟ یہ بھی تو اللہ کی نعمت ہے اتنے دراہم بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھائی یہ جو زکوٰۃ ہے یہ امیر لوگوں پر، مالداروں پر واجب ہے کہ وہ اس اپنے مال میں سے حصہ نکالیں اور کس کو ادا کریں؟ فقراء کو۔ تو یہ زکوٰۃ فقراء پر نہیں بلکہ صرف مالداروں پر واجب ہے، تو شروع میں جو نصاب کی شرط لگائی گئی ہے وہ مالداری کو ثابت کرنے کے لیے ہے، نصاب کے بقدر مال ہو گا تو اس سے پتہ چل جائے گا یہ شخص کیا ہے؟ مالدار ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اور اگر اس کے بقدر مال نہیں تو معلوم ہوا مالدار نہیں، اور جب مالدار نہیں تو پھر اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ تو لہٰذا وہ فرماتے ہیں مال تو سارا اللہ کی نعمت ہے لیکن یہ زکوٰۃ صرف کس پر واجب ہے؟ مالداروں پر، تو شروع میں جو نصاب کی شرط لگائی گئی وہ کس لیے ہے؟ مالداری کو ثابت کرنے کے لیے۔

تو کہتے ہیں: **وَاشْتِرَاطُ النِّصَابِ فِي الِابْتِدَاءِ لِتَحَقُّقِ الْغِنَى،** غِنیٰ کہتے ہیں مالداری کو بھائی۔ اور نصاب کی جو شرط لگائی گئی شروع کے اندر **لِتَحَقُّقِ الْغِنَى** وہ مالداری کے پائے جانے کے لیے ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ مالداری پائی جا رہی ہے یا نہیں پائی، **لِتَحَقُّقِ الْغِنَى** مالداری کے ثابت ہونے کے لیے ہے۔

وَبَعْدَ النِّصَابِ فِي السَّوَائِمِ تَحَرُّزًا عَنِ التَّشْقِيصِ، یہ ایک دوسرے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبین کی طرف سے صاحبِ ہدایہ بھائی۔ اعتراض صاحبین پر یہ ہوتا ہے: چلیے ٹھیک ہے، یہاں تو آپ نے یہ کہہ دیا کہ ابتداء میں نصاب کی شرط کیوں لگائی گئی؟ مالداری کے ثابت کرنے کے لیے تاکہ مالداری ثابت ہو جائے۔ اچھا، پھر سوائم کے اندر تو ایک نصاب کے بعد پھر دوسرا نصاب آتا ہے، پھر تیسرا آتا ہے، پھر چوتھا آتا ہے، جیسے اونٹوں کے اندر نصاب کیا ہے؟ پانچ اونٹ ہوں، سال گزر جائے، سائمہ ہوں تو ان میں ایک بھیڑ بکری۔ پھر چھ سے لے کر نو تک کچھ نہیں ہے، پھر دس کا نصاب آتا ہے اور دس اونٹوں میں دو بھیڑ بکریاں، پندرہ میں تین ہیں اور بیس کے اندر چار بھیڑ بکریاں اور پچیس کے اندر کیا ہے؟ ایک بنتِ مخاض ہے۔ تو وہاں تو دیکھو بار بار نصاب آ رہے ہیں اور درمیان میں کچھ بھی نہیں واجب، پانچ اور دس کے درمیان یعنی چھ سے لے کر نو تک اس میں تو کچھ بھی واجب نہیں، حالانکہ یہ بھی مال ہے یا مال نہیں؟ اور آپ کہتے ہیں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے نعمتِ مال کے شکرانے کے طور پر، تو اس سارے کے اندر بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے کیونکہ پہلا نصاب آ گیا تو مالداری ثابت ہو گئی۔ اب بعد والوں میں بھی کیا آنی چاہیے؟ زکوٰۃ، جیسے آپ کس میں فرماتے ہیں؟ جیسے آپ چاندی کے اندر ذکر فرما رہے تھے بھائی۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟ تو اعتراض یہ کہ پھر سائمہ جانوروں کے اندر ایک نصاب کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا کیوں آتا ہے؟ وہاں بھی تو پہلے نصاب کے ذریعے مالداری ثابت ہو چکی ہے اور درمیان والوں پر کچھ بھی واجب درمیان میں جو مال آ رہے ہیں دو نصابوں کے درمیان اس میں کچھ بھی واجب نہیں ہے بھائی۔

تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَبَعْدَ النِّصَابِ فِي السَّوَائِمِ،** اور نصاب کی شرط لگائی گئی نصاب کے بعد **فِي السَّوَائِمِ** کس میں؟ سوائم کے اندر، **تَحَرُّزًا عَنِ التَّشْقِيصِ،** تشقیص سے بچنے کے لیے۔ تشقیص کا معنیٰ ہے ٹکڑے کرنا، ٹکڑے کرنا، جدا کرنا۔ ٹکڑے کرنے سے بچانے کے لیے بھائی، کس چیز سے؟ ٹکڑے کرنے سے بچانے کے لیے، ورنہ مالک کا مال ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مالک کا مال کیا ہو جائے گا؟ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ کیا معنیٰ مالک کا مال ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا؟ کہتے ہیں دیکھیے، اگر مثلاً بھائی پانچ اونٹوں کے اندر کیا واجب ہے؟ ایک بھیڑ بکری۔ اس کے بعد چھ سے لے کر نو تک ان کے اندر شریعت نے زکوٰۃ واجب نہیں کی بلکہ دس اونٹوں پر جا کر پھر ایک دوسری بھیڑ بکری بھی واجب ہو گئی۔ تو درمیان والوں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی شریعت نے۔ کیونکہ اگر درمیان والوں پر

واجب کی جاتی تو پانچ اونٹوں میں کیا آئی تھی؟ ایک بھیڑ بکری۔ معلوم ہوا فی اونٹ کتنا حصہ آرہا ہے بکری کا؟ پانچواں حصہ آرہا ہے۔ تو اگر چھٹے اونٹ پر بھی زکوۃ بڑھے تو کیا کتنی زکوۃ ہو جائے گی؟ پانچ میں تو ایک بھیڑ بکری پوری اور چھٹے اونٹ میں بکری کا کتواں حصہ آجائے گا؟ پانچواں حصہ آجائے گا۔ اور سات کے اندر دو پانچویں حصے، دو خُمس آجائیں گے بکری کے۔ تو مالک جب دو خُمس زکوۃ کے طور پر دے دے گا تو ان دو خُمس کا مالک مثلاً صرف فقیر ہو گیا، کون ہو گیا؟ فقیر ہو گیا۔ اور تین حصے کا مالک کون ہے اس بکری کے اندر؟ مالک ہے۔ تو دیکھو شرکت آگئی یا نہیں آگئی؟ تو مالک کے مال کے اندر شرکت آجائے گی، اس کا مال ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور شرکت ایک ضرر ہے۔ آپ بتایئے ایک چیز پوری آپ کی ہو وہ بہتر ہے یا آدھی آپ کی ہو آدھی دوسرے کی ہو شرکت اس کے اندر وہ بہتر ہے؟ پوری چیز اپنی ہو وہ بہتر ہے، جس چیز کے اندر شرکت ہو شرکت کو عیب شمار کیا جاتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ مالک کا مال ٹکڑے ٹکڑے ہو گا اگر ہر جانور کے اندر اس کے بقدر زکوۃ واجب ہوتی جائے تو اس کے مال میں شرکت آجائے گی دوسروں کی اور شرکت کا شرکت کیا ہے؟ ایک نقصان ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنٰی ہے: **وَبَعْدَ النِّصَابِ فِي السَّوَائِمِ تَحَرُّزًا عَنِ التَّشْقِيصِ،** اور نصاب کی شرط لگائی گئی نصاب کے بعد سوائم کے اندر، یعنی ایک نصاب کے بعد جو دوسرے نصاب کی شرط لگائی گئی سائمہ جانوروں کے اندر **تَحَرُّزًا عَنِ التَّشْقِيصِ** یہ ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے بچنے کے لیے ہے۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «لَا تَأْخُذْ مِنَ الْكُسُورِشَيْئًا»، اور امام صاحب کی دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قولِ مبارک ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: کسروں میں سے کچھ نہ لو۔ اس حدیث میں حضور علیہ السلام کیا فرماتے ہیں؟ کسروں میں سے کچھ نہ لو۔ کسر کا معنٰی ہوتا ہے توڑنا، توڑنا۔ توڑنا، تو کسروں میں سے کچھ نہ لو یعنی جس میں پورا درہم واجب نہیں ہوتا اس میں سے کچھ نہ لو۔ پورا درہم واجب نہیں ہوتا تو کچھ نہ لو۔ بھائی دیکھیے، اگر جیسے دو سو درہم کے اندر کتنے درہم ہیں؟ پانچ۔ تو اگر دو سو ایک، جو ایک درہم اوپر ہو گیا، اس ایک درہم کے اندر بھی زکوۃ واجب کی جائے تو کتنی زکوۃ واجب ہو گی؟ اس درہم کا چالیسواں حصہ واجب ہو گا، تو درہم ٹکڑے ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا؟ درہم ٹکڑے ہو رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو حضور علیہ السلام تو یہاں کسر آرہی ہے اور تو حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا: کسروں میں سے کچھ نہ لو۔ دو درہم اور اوپر ہو جائیں گے اور ان میں زکوۃ واجب کی جائے تو دو چالیسویں حصے ہو جائیں گے درہم کے، تین اوپر ہو گئے درہم تو کتنے حصے ہو جائیں گے زکوۃ کے؟ تین چالیسویں حصے ہو جائیں گے۔ تو دیکھیے کسر آرہی ہے۔ سمجھ میں آگئی بات بھائی؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: **«لَا تَأْخُذْ مِنَ الْكُسُورِشَيْئًا»**، کسروں میں سے کچھ نہ لو، یہ حدیث امام صاحب کی دلیل۔

اور نیز دوسری حدیث بھی ان کی دلیل ہے: **وَقَوْلُهُ فِي حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: «وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ الْأَرْبَعِينَ صَدَقَةٌ»**، اور نیز امام صاحب کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے عمرو ابن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں: اور چالیس سے کم کے اندر زکوۃ نہیں ہے۔ چالیس سے کم کے اندر زکوۃ نہیں ہے۔ اس حدیث کے اندر یہ آگیا بھائی، اور یاد رکھیے یہ چالیس کون سے ذکر ہو رہے ہیں؟ جو دو سو سے اوپر ہیں، تو ان میں چالیس سے کم کے اندر زکوۃ نہیں ہے، یہ صراحۃً حدیث کے اندر آگیا۔

آگے امام صاحب کی دوسری دلیل آرہی ہے، نقلی دلیل ختم ہوئی دو حدیثیں ذکر کر دیں بھائی، دو دلیلیں ذکر ہو گئیں تو یوں کہیے یہ تیسری دلیل آگئی: **وَلِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ، وَفِي إِيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ لِتَعَذُّرِ الْوُقُوفِ۔** امام صاحب فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ شریعت کے معاملات کے اندر، شریعت کے احکام کے اندر تنگی نہیں ہے، جہاں بھی تنگی اور حرج آتا ہے شریعت کیا کر دیتی ہے وہاں پر؟ آسانی کر دیتی ہے، تنگی کو دور کر دیا جاتا ہے۔ تو شریعت میں تنگی نہیں، حرج اور تنگی کو بندوں سے دور کیا گیا ہے اور اگر کسروں کے اندر بھی زکوۃ واجب قرار دی جائے تو لوگ مشکل میں اور تنگی میں پڑ جائیں گے۔ بلکہ تنگی میں کیا پڑیں گے ان کے لیے ممکن ہی نہیں رہے گا حساب کرنا، اتنا دشوار حساب ہے ان کا بھائی، اتنا دشوار حساب۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا اگر کسروں کو بھی واجب کیا جائے تو انسان کس میں پڑ جائے گا؟ تنگی اور مشکل میں پڑ جائے گا، اور مشکل کو تو شریعت میں دور کیا گیا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ،** اور اس لیے کیونکہ حرج جو ہے اس کو دور کیا گیا ہے، **وَفِي إِيجَا** یہ عبارت پہ نظر رکھنا بھائی: **وَلِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ،** اور اس لیے کیونکہ حرج کو دور کیا گیا ہے، **وَفِي إِيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ،** اور کسروں کے واجب کرنے میں وہ حرج ہے، **ذَلِكَ** کے ذریعے اشارہ کس کی طرف؟ حرج کی طرف۔ معنٰی سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ اس لیے کیونکہ حرج کو دور کیا گیا ہے **وَفِي إِيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ** اور کسروں کے واجب کرنے میں وہ ہے، یہ کیا ہے؟ وہ حرج ہے، **لِتَعَذُّرِ الْوُقُوفِ،** اس لیے کیونکہ واقف ہونا ممکن نہیں ہے، ان کسروں پر واقف ہونا ممکن نہیں ہے۔ کس طرح بھائی؟ کس طرح ممکن نہیں ہے؟ بڑا مشکل ہے یعنی۔

بھائی دیکھیے، دیکھیے، ایک آدمی ہے اس کے پاس چلیے ایک آدھ کسر ہی ہم کر لیتے ہیں۔ ایک آدمی ہے اس کے پاس دو سو دس درہم ہیں بھائی، کتنے ہیں؟ دو سو دس درہم ہیں۔ اچھا دو سو درہموں میں تو کتنے درہم واجب ہو گئے؟ پانچ درہم۔ اور جو دس درہم زائد ہیں، دس درہم زائد، ان میں سے ہر درہم کے اندر اگر واجب کیا جائے بھائی تو ہر درہم میں درہم کا کتواں حصہ؟ چالیسواں، تو دس درہموں میں کتنے چالیسویں؟ دس چالیسویں حصے ہو گئے۔ کتنے؟ دس چالیسویں۔ تو گویا اس شخص پر دو سو دس درہموں کے اندر پانچ درہم اور اور ایک درہم کے دس چالیسویں حصے واجب ہو گئے۔ باقی کتنے رہ گئے؟ بھائی دو سو دس کل مال ہے، زکوۃ ذرا نکال لو، زکوۃ ذرا نکال لو، پانچ درہم اور دس

چالیسویں حصے، کتنے رہ گئے؟ پانچ درہم تو دو سو دس میں سے پورے نکل گئے، کتنے رہ گئے؟ دو سو پانچ۔ پھر اس ایک درہم کے اندر سے بھی دس چالیسویں حصے نکل گئے، ہاں دیکھا آپ ابھی سے پریشان ہو گئے، ابھی تو پہلی کسر آئی ہے! پانچ درہم پورے ہیں اور ایک درہم کے کتوں حصے؟ دس چالیسویں حصے، دو سو دس میں سے نکالنے ہیں۔ پانچ درہم نکالو کتنے رہ گئے؟ دو سو پانچ۔ اچھا، اور پھر یہ جو دو سو پانچواں درہم ہے اس میں سے دس چالیسویں حصے نکال دو، کتنے رہ گئے؟ تیس چالیسویں حصے رہ گئے، اور دو سو چار درہم پورے ہیں، دو سو چار درہم اور تیس چالیسویں حصے رہ گئے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

اور وہ شخص ایسا ہے کہ اس نے زکوٰۃ ایک سال ادا ہی نہیں کی، اگلا سال بھی آ گیا۔ اب ان اب اس پر یہی مال ہے اس میں پھر زکوٰۃ واجب ہوئی۔ اب اس کے پاس مال کتنا؟ دو سو چار درہم اور ایک درہم کا تیس چالیسویں حصے، اب ان کے اندر پھر زکوٰۃ کا حساب کریں گے۔ دو سو درہم میں تو کتنے ہو گئے؟ پانچ ہو گئے، ٹھیک ہے؟ دو سو درہم میں پانچ ہو گئے۔ اچھا اور چار درہموں میں کتنے ہو گئے؟ چار چالیسویں حصے، کتنے ہو گئے؟ چار چالیسویں حصے ہو گئے۔ اور باقی کتنے ہیں ابھی؟ تیس چالیسویں حصے۔ اس تیس چالیسویں حصوں میں سے ذرا نکالو چالیسواں حصہ، تیس چالیسویں حصوں میں سے کتنا نکالو؟ چالیسواں حصہ نکالو۔ دیکھو مشکل میں پڑ گئے یا نہیں پڑ گئے؟ گویا پہلے تیس چالیسویں حصے تھے اور اس میں سے نکالنا ہے چالیسواں حصہ، معلوم ہوا اب اس کے مزید ٹکڑے کرنے پڑیں گے۔ اس تیس کو بھی کیا بنانا پڑے گا؟ چالیس بنانا پڑے گا۔ جب چالیس ان تیس کو چالیس بنائیں گے تو ہر حصہ مزید کم ہو جائے گا یا نہیں بھائی؟ تو یہ بڑا مشکل ہو جائے گا۔ اب دیکھیے یہاں تیس چالیسویں حصوں میں سے ایک چالیسواں حصہ ہم نے نکالنا ہے اور وہ بڑا دشوار ہے۔ پھر اس سے اگلے سال بات چلی گئی تو پھر اور زیادہ مشکل حساب ہو جائے گا۔ تو اس کو تو ماہرین کے لیے کرنا مشکل ہو جائے گا، عام لوگ، دیہاتی لوگ کس طرح کریں گے بھائی؟ تو اس میں حرج ہے کسروں کے اندر زکوٰۃ واجب کرنے میں، اور حرج کو تو کیا کیا ہے شریعت نے ہر معاملے میں دور کر دیا ہے، حرج میں مبتلا نہیں کیے گئے لوگ۔

یہ معنیٰ ہے: **وَلِأَنَّ الْحَرَجَ مَدْفُوعٌ، وَفِي إِيجَابِ الْكُسُورِ ذَلِكَ لِتَعَذُّرِ الْوُقُوفِ،** اس لیے کیونکہ حرج کو دور کیا گیا ہے اور کسروں کو واجب کرنے میں وہ حرج ہے، اس لیے کیونکہ واقف ہونا ان کسروں پر ممکن نہیں ہے۔

وَالْمُعْتَبَرُ فِي الدَّرَاهِمِ وَزْنُ سَبْعَةٍ، وَهُوَ أَنْ تَكُونَ الْعَشَرَةُ مِنْهَا وَزْنَ سَبْعَةِ مَثَاقِيلَ، بِذَلِكَ جَرَتِ التَّقْدِيرُ فِي دِيوَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَاسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِ۔ اور معتبر دراہم کے اندر وزنِ سبعہ ہے بھائی۔ درہموں کے اندر کیا معتبر ہے؟ وزنِ سبعہ معتبر ہے۔ اور وہ کتنا ہے؟ کہتے ہیں: **وَهُوَ أَنْ تَكُونَ الْعَشَرَةُ مِنْهَا،** کہ ان درہموں میں سے دس درہم جو ہیں، **وَزْنَ سَبْعَةِ مَثَاقِيلَ،** ان کا وزن کتنا ہو؟ سات مثقالوں کا وزن ہو ان کا، سات مثقال کے برابر ان کا وزن ہو۔ اور ایک مثقال کتنے قِراط کا تھا؟ بیس قِراط، تو سات قِراط سات مثقال کتنے قِراط بن گئے؟ ایک سو چالیس قِراط ہو گئے۔ تو درہم سے مراد وہ درہم ہے کہ دس درہموں کو ملائیں تو ان کا وزن سات مثقال یعنی ایک سو چالیس قِراط بنے۔

ایک سو چالیس کو ذرا دس سے تقسیم کریں۔ کتنا آیا؟ چودہ قِراط۔ معلوم ہوا ہر درہم چودہ قِراط والا ہو، اور میں نے بھی کیا لکھوایا تھا آپ کو؟ درہم کا وزن کتنا ہے؟ چودہ قِراط۔ تو چودہ قِراط کا ایک درہم، یہ والے دس درہم ملیں گے تو ان کا وزن بھی کتنا ہو جائے گا؟ ایک سو چالیس ہو جائے گا۔ سات مثقال کتنے قِراط تھے؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ سات مثقال کا وزن کتنے قِراط تھا؟ ایک سو چالیس، اور ایک درہم کا وزن کتنا ہے؟ چودہ قِراط۔ دس درہم ہوں گے، یہ بھی کتنا بن جائے گا؟ ایک سو چالیس قِراط بن جائے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں معتبر درہموں کے اندر وزنِ سبعہ ہے، اور وہ یہ کہ دس درہم جو ہیں وہ **وَزْنَ سَبْعَةِ مَثَاقِيلَ** وہ سات مثاقیل کے وزن کے ہوں۔ **بِذَلِكَ جَرَتِ التَّقْدِيرُ فِي دِيوَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،** اسی پر تقدیر جاری ہوئی، مقرر کرنا جاری ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رجسٹر کے اندر۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھائی رجسٹر حضرت عمر نے اپنے زمانے میں یہ رجسٹر وغیرہ جاری فرمائے جس کے اندر یہ معاملات لکھے جاتے تھے۔ جو محصول وغیرہ ہوتا تھا وہ ہر عاشر وغیرہ اور قاضی وغیرہ جو تھے ان کے پاس کیا ہوتے تھے باقاعدہ؟ رجسٹر ہوتے جن میں ان معاملات کو لکھا جاتا تھا۔ تو یعنی حضرت عمر کے زمانے میں ان میں ان رجسٹروں کے اندر جو مقدار متعین کر کے لکھ دی گئی وہ کتنی تھی؟ کون سا درہم معتبر تھا؟ وزنِ سبعہ والا، اور وہ کس کو کہتے ہیں؟ بتلا دیا کہ دس درہموں کا وزن کتنا ہو؟ سات مثقال ہو بھائی۔

بھائی اس سے پہلے یاد رکھیے دو تین قسم کے درہم جاری تھے بھائی، دو تین قسم کے۔ بعض درہموں کا وزن زیادہ تھا، بعض کا کم تھا، بعض کا ان سے بھی کم تھا اور جو جن کا وزن زیادہ تھا وہ اعلیٰ شمار ہوتے تھے، جن کا وزن کم تھا وہ ادنیٰ شمار ہوتے تھے۔ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء میں جو زیادہ وزن والے درہم تھے وہ لوگوں پر نافذ کیے بھائی تاکہ فقراء کا فائدہ ہو جائے، ان کو زیادہ مال مل جائے۔ اس پر ان لوگوں نے درخواست کی کہ یہ ہمارے لیے بوجھ ہے، زیادہ ہے، اگر اس میں کچھ کمی ہو جائے۔ آپ نے سب سے اعلیٰ درہم ہم پر مقرر کر دیا، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماہرین کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ کوئی متوسط مقدار متعین کرو درہم کی، تو ان ساروں کے جمع کر کے پھر انہوں نے حساب وغیرہ کے ذریعے یہ والے درہم کی یہ مقدار متعین کر دی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ وہ جو سب سے اعلیٰ تھے ان سے کم تھا اور جو سب سے ادنیٰ تھے ان سے زیادہ تھا، متوسط درجے کی ایک مقدار متعین کر دی کہ دس درہم کا وزن کتنا ہو؟ سات مثقال کے برابر ہو۔ یعنی چودہ قِراط کا ایک درہم ہو اور ماشوں کے اعتبار سے تین ماشے، ایک رتی اور خُمسِ رتی بن جاتا ہے یہ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنیٰ ہے: **بِذَلِكَ جَرَتِ التَّقْدِيرُ فِي دِيوَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،** تقدیر کا معنیٰ مقرر کرنا، اسی پر مقرر کرنا جاری ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے رجسٹر میں، **وَاسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِ**، اور اسی پر معاملہ ٹھہر گیا یعنی اسی پر بات طے ہو گئی، اسی پر بات ٹھہر گئی کہ یہی مقدار ہے، اسی پر پھر معاملہ چلتا رہا۔ تو یہ معنٰی ہے: **وَاسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِ**، اور اسی پر امر ٹھہر گیا۔

وَإِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الْوَرِقِ الْفِضَّةَ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْفِضَّةِ، وَإِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهَا الْغَشَّ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْعُرُوضِ يُعْتَبَرُ أَنْ تَبْلُغَ قِيمَتُهُ نِصَابًا۔ صورت یہ بھائی کہ ایک شخص کے پاس چاندی کا ڈھلا ہوا سکہ ہے بھائی، چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے ہیں بھائی۔ تو **وَرِق** کہتے ہیں چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے کو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ سکوں کو کیا کیا جاتا ہے؟ ڈھالا جاتا ہے، اس کو مخصوص صورت دی جاتی ہے۔ تو اب درہم اور دینار نہیں ہے بلکہ کیا چیز ہے اس آدمی کے پاس؟ چاندی کا ڈھلا ہوا سکہ ہے، درہم کے علاوہ ہے بھائی، اس سے کم درجے کا ہے، چھوٹا ہے۔ تو کیا اب اس جو چاندی کا ڈھلا ہوا سکہ ہے اس کو اس کو چاندی شمار کریں گے اور اسے تو اس کا مخصوص وزن ہو گا بھائی، کیا ہو گا؟ مخصوص وزن ہو گا۔ تو اس ڈھلے ہوئے سکے کو کیا چاندی شمار کریں گے یا اس کو اس کے ساتھ جو اور دھات وغیرہ ملی ہوئی ہے وہ شمار کریں گے؟ تو بتلا رہے ہیں آپ کو بھائی مسئلہ کہ اگر اس سکے میں چاندی غالب ہے تو سارا ہی چاندی کے حکم میں ہے اور اگر اس پر کھوٹ غالب ہے تو سارا ہی کس کے حکم میں ہے؟ کھوٹ یعنی سامان کے حکم میں پھر ہو جائے گا بھائی۔ ضابطہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو غالب کو دیکھا جائے گا۔ معلوم ہوا پچاس فیصد سے زائد چاندی ہے اس سکے کے اندر تو سارے ہی کو چاندی شمار کریں گے۔ جو کھوٹ ہے اس کو بھی چاندی شمار کر لیں گے کیونکہ اعتبار کس کا ہے؟ غالب کا ہوتا ہے، اکثر کا ہوتا ہے۔ تو جب پچاس فیصد سے زائد چاندی ہے تو یوں سمجھو یہ ساری ہی چاندی ہے اور اس کا پھر وزن کر لو۔ سال گزر جاتا ہے اور اس کا وزن کتنا ہے؟ دو سو درہم تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے اندر زکوٰۃ دینا پڑے گی، زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ اور اگر وہ کھوٹ غالب ہے، پچاس فیصد سے زائد ہے کھوٹ، چاندی تھوڑی ہے تو پھر اس صورت میں یہ سامان کے حکم میں ہے۔ اب وزن کو نہیں دیکھنا۔ چاندی اور سونے میں وزن کو دیکھا جاتا ہے، سامان کے اندر اس کی قیمت کو دیکھا جاتا ہے۔ تو اب قیمت دیکھو اس کی کہ اس کی قیمت دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال، یا یوں کہیں کہ اس اس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونے تک تو نہیں پہنچتی؟ اگر وہاں تک پہنچتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ زکوٰۃ واجب نہیں، کس کی بات کر رہا ہوں؟ جس میں کیا غالب ہو؟ کھوٹ غالب ہو کیونکہ وہ سامان کے حکم میں ہے تو قیمت دیکھی جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جبکہ دراہم اور دینار ان کی قیمت نہیں دیکھی جاتی کیونکہ وہ چاندی ہے اور سونا ہے، اور سونے اور چاندی میں وزن دیکھا جاتا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الْوَرِقِ الْفِضَّةَ**، ورق کسے کہتے ہیں؟ چاندی کا ڈھلا ہوا سکہ۔ تو کہتے ہیں جب ڈھلے ہوئے سکے پر چاندی غالب ہو، **فَهُوَ فِي حُكْمِ الْفِضَّةِ**، تو وہ چاندی کے حکم میں ہے لہٰذا کس کا اعتبار کریں گے؟ چاندی کا کس اعتبار سے؟ وزن کے اعتبار سے۔ **وَإِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهَا الْغَشَّ**، اور اگر اس ڈھلے ہوئے سکے پر کھوٹ غالب ہو، **غَشٌّ** یہ کھوٹ کو کہتے ہیں بھائی کھوٹ کو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ **غَشٌّ** بھی ہے اور **غِشٌّ** بھی ہے لیکن زیادہ **غَشٌّ** استعمال ہوتا ہے۔ **وَإِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهَا الْغَشَّ**، اور اگر اس پر کھوٹ غالب ہو، **فَهُوَ فِي حُكْمِ الْعُرُوضِ**، تو پھر وہ سامان کے حکم میں ہے، **يُعْتَبَرُ أَنْ تَبْلُغَ قِيمَتُهُ نِصَابًا**، اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے، اس کی قیمت اب دیکھیں گے وزن کو اب نہیں دیکھنا کہ قیمت کہاں تک پہنچتی ہو ان کی؟ نصاب یعنی ساڑھے باون تولے چاندی تک یا ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت تک اس کی قیمت پہنچتی ہو۔

لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ لَا تَخْلُو عَنْ قَلِيلِ غَشٍّ، اس لیے کیونکہ درہم وہ خالی نہیں ہوتے تھوڑے سے کھوٹ سے۔ درہم، دنانیر وغیرہ کے اندر کچھ نہ کچھ کھوٹ ملانا ہی پڑتا ہے، بغیر کھوٹ کے وہ ڈھلتے ہی نہیں، ان کی وہ صورت بنتی ہی نہیں۔ تو چاندی اور سونے میں کچھ نہ کچھ کھوٹ ملانا پڑتا ہے پھر ان کو مخصوص صورت دی جاتی ہے، جیسے مثلاً سکہ بنانا ہے یا جو کچھ بھی بنانا ہے۔ تو یہ معنٰی ہے: **لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ لَا تَخْلُو عَنْ قَلِيلِ غَشٍّ**، اس لیے کیونکہ درہم وہ خالی نہیں ہوتے تھوڑے کھوٹ سے، **لِأَنَّهَا لَا تَنْطَبِعُ إِلَّا بِهِ**، اس لیے کیونکہ وہ ڈھلتے نہیں ہیں مگر کھوٹ کے ساتھ ہی یعنی ان کی مخصوص صورت بنتی نہیں ہے بغیر کھوٹ کے، **وَتَخْلُو عَنِ الْكَثِيرِ**، اور وہ زیادہ کھوٹ سے خالی ہوتے ہیں، **فَجَعَلْنَا الْغَلَبَةَ فَاصِلَةً**، تو ہم نے فاصل کس کو بنا دیا؟ غلبے کو۔ جس کا غلبہ ہو گا اسی کا حکم ہو گا، چاندی غالب ہے تو سارا کس کے حکم میں؟ چاندی کے حکم میں، کھوٹ غالب ہے تو سارا کس کے حکم میں؟ کھوٹ یعنی سامان کے حکم میں۔ **فَجَعَلْنَا الْغَلَبَةَ فَاصِلَةً**، تو ہم نے غلبے کو فصل کرنے والا بنا دیا، **وَهُوَ أَنْ يَزِيدَ عَلَى النِّصْفِ**، اور وہ یہ کہ آدھے سے بڑھ جائے، **اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ**، حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے۔ کس کا اعتبار کرتے ہوئے؟ حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے، حقیقت میں غالب کس کو کہتے ہیں؟ جو آدھے سے زیادہ ہو، ہم نے بھی یہی کہا کہ آدھے سے زیادہ ہے تو وہ غالب ہے اور جو غالب ہے وہ سارا ہی اس کے حکم۔ تو ہم نے کس کا اعتبار کیا؟ غلبے کی حقیقت کا اعتبار کیا کہ حقیقۃً غالب کس کو کہتے ہیں جو آدھے سے زیادہ ہو۔ یہ معنٰی ہے: **وَهُوَ أَنْ يَزِيدَ عَلَى النِّصْفِ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ**، اور یہ کہ وہ بڑھ جائے آدھے سے حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے۔ کس چیز کی حقیقت؟ غلبے کی یا اکثر ہونے کی حقیقت کا۔

وَسَنَذْكُرُ فِي الصَّرْفِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، اور ہم عنقریب اس کی اس کو ذکر کریں گے باب الصرف کے اندر بھائی۔ صرف آپ پڑھ چکے ہوں گے قدوری وغیرہ کے اندر کہ بیعِ صرف کس کو کہتے ہیں جس کے اندر دونوں طرف سے سونا یا چاندی یا کرنسی ہو بھائی۔ ایک طرف سونا ہے دوسری طرف چاندی ہے یا دونوں طرف کرنسی وغیرہ ہے تو یہ اس کو کیا کہتے ہیں؟ بیعِ صرف کہتے ہیں، اور اس کی شرائط میں سے ایک شرط آپ کو یاد ہو گی کہ اس کے اندر مجلس کے اندر عوضین پر قبضہ ضروری ہے۔ اگر مجلس کے اندر عوض پر قبضہ نہ پایا گیا تو یہ بیع صحیح نہیں ہے بھائی۔ تو ہم کہتے ہیں اس کو ذکر کریں گے بیع صرف کے باب میں ان شاء اللہ۔

إِلَّا أَنَّ فِي غَالِبِ الْغَشِّ لَا بُدَّ مِنْ نِيَّةِ التِّجَارَةِ كَمَا فِي سَائِرِ الْعُرُوضِ۔ یہاں سے صاحبِ ہدایہ اب مزید تھوڑی سی گہرائی کی طرف آپ کو

لے گئے اور بتلا رہے ہیں کہ وہ کس کے حکم میں ہے سارا؟ سامان کے حکم میں ہے، کس کے حکم میں ہے؟ سامان۔ تو پھر سامان کے حکم میں ہے تو اب اس کے اندر ان چیزوں کا اعتبار کرنا جس کا اعتبار سامان میں کرتے تھے، اور زکوۃ ہر سامان پر واجب ہوتی ہے یا جس میں تجارت کی نیت ہو اس میں واجب ہوتی ہے؟ جس میں تجارت کی نیت ہو، تو کہتے ہیں اس کا یہاں بھی لحاظ رکھنا، اگر تجارت کی نیت ہو گی تو کیا ہو گا اس کے اندر؟ زکوۃ ہو گی، تجارت کی نیت نہیں تو پھر بے شک نصاب کو پہنچے بھی تو بھی اس کے اندر زکوۃ واجب نہیں۔

اور پھر نیز مزید آپ کو بتلائیں گے ایک اور چیز کا بھی خیال رکھنا، یہ ان سکوں میں سے اگر چاندی کو ہم نکال لیں اور وہ ساری چاندی مل کر چاندی کے نصاب کو پہنچ جاتی ہے، اتنے سکے ہیں کہ ان میں سے چاندی کو اگر نکالا جائے اگرچہ کیا غالب ہے؟ کھوٹ غالب ہے، چاندی صرف پچیس فیصد ہے لیکن سکے اتنے سارے ہیں کہ اگر ان میں سے وہ پچیس فیصد چاندی کو نکالا جائے تو وہ کتنی بن جاتی ہے؟ دو سو درہم یا اس سے زیادہ، تو اس صورت میں تو چاندی کا نصاب بن رہا ہے اس کے اندر، پھر چاندی کی زکوۃ دینا پڑے گی کیونکہ چاندی اور سونے میں کوئی نیتِ تجارت شرط نہیں ہے۔ بس سونا اور چاندی ہے اور وہ نصاب کو پہنچ رہے ہیں تو پھر چاہے تجارت کی نیت ہے یا نہیں ان میں کیا کرنا پڑے گا؟ زکوۃ دینی پڑے گی، تو یہاں بھی اسی طرح چاندی اگر نصاب کو پہنچ رہی ہے تو پھر نیتِ تجارت کو بھی نہیں دیکھنا بلکہ کیا کرنا پڑے گا؟ چاندی کی زکوۃ دینا پڑے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: **إِلَّا أَنَّ فِي غَالِبِ الْغَشِّ لَا بُدَّ مِنْ نِيَّةِ التِّجَارَةِ كَمَا فِي سَائِرِ الْعُرُوضِ،** مگر یہ کہ کھوٹ غالب ہونے کی صورت میں بھی تجارت کی نیت ضروری ہے جیسے کہ تمام سامانوں میں ہے، **إِلَّا إِذَا كَانَ تَخْلُصُ مِنْهَا فِضَّةٌ تَبْلُغُ نِصَابًا،** مگر یہ کہ اس میں سے نکل آتی ہے اتنی چاندی **تَبْلُغُ نِصَابًا** جو کس کو پہنچ جاتی ہے؟ نصاب کو، تو پھر زکوۃ آئے گی۔ **لِأَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ فِي عَيْنِ الْفِضَّةِ الْقِيمَةُ وَلَا نِيَّةُ التِّجَارَةِ،** اس لیے کیونکہ عینِ چاندی کے اندر قیمت کا اعتبار بھی نہیں اور نیتِ تجارت کا اعتبار بھی نہیں، قیمت کو بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ وزن دیکھو نصاب کو پہنچ رہا ہے، اور نیتِ تجارت کا اعتبار کرنے کی بھی ضرورت نہیں، اس کے اندر زکوۃ ہر حال میں واجب ہو گی۔ **وَاللَّهُ أَعْلَمُ،** اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

▪ فَصْلٌ فِي الذَّهَبِ، یہ فصل ہے سونے کے بیان میں، یعنی سونے

فَصْلٌ فِي الذَّهَبِ، یہ فصل ہے سونے کے بیان میں، یعنی سونے کی زکوۃ کے بیان میں۔ **لَيْسَ فِيمَا دُونَ عِشْرِينَ مِثْقَالًا مِنْ ذَهَبٍ صَدَقَةٌ،** بیس مثقال سونے سے کم کے اندر زکوۃ نہیں ہے۔ بیس مثقال سونے سے کم میں زکوۃ نہیں، اور بیس مثقال ہیں۔ ایک مثقال کتنے کتنا تھا؟ بھائی تولے ذرا ہم بنا لیتے ہیں، سونے کا نصاب کیا پڑھتے ہیں آپ کتنا ہے؟ ساڑھے سات تولے، اور یہاں صاحبِ قدوری کیا فرما رہے ہیں؟ بیس مثقال ہے۔ اب ہم ذرا دیکھتے ہیں یہ بیس مثقال ساڑھے سات تولے بنتا ہے یا نہیں۔ بیس مثقال ہے اور ایک مثقال کتنے ماشوں کے برابر؟ ساڑھے چار ماشے، تو بیس کو ذرا ساڑھے چار سے ضرب دیں۔ بیس چوکے اسی، اور ہر ہر مثقال کے اندر ادھا ادھا ماشہ الگ بھی ہے، چار ماشے پورے ہر مثقال میں، تو کل کتنے ماشے ہو گئے بیس کے اندر؟ بیس بھائی مثقال اور دینار کیا ہیں؟ ایک وزن ہے نا، مثقال۔ تو جہ ہے سبق کی طرف بھائی؟ بیس مثقال ہیں، ہر مثقال میں کتنے ماشے ہیں؟ ساڑھے چار، تو بیس کے اندر ہر ایک میں سے صرف پہلے چار چار پورے کا حساب کر لو، کتنے ماشے ہو گئے بیس میں سے ہر ایک چار ماشے کے برابر؟ اسی ماشے یہ ہو گئے، اور نیز ان بیس میں سے ہر ایک کے اندر ادھا ادھا ماشہ بھی ہے کیونکہ وہ ساڑھے چار ماشے کے برابر تھا، تو ادھا ادھا ماشہ بیس دفعہ کریں یہ کتنا بنتا ہے؟ دس ماشے۔ اسی وہ تھے اور دس یہ ماشے، کتنے ہو گئے؟ نوے ماشے۔ اب اس نوے کو ذرا بارہ ماشے بارہ سے تقسیم کریں کیونکہ بارہ ماشے ہوں تو یہ ایک تولہ بنتا ہے۔ بارہ چھکے بہتر، بارہ ستے چوراسی، چوراسی، یہ سات ہو گئے اور چھ ماشے بچ گئے، یہ ادھا تولہ ہو گیا تو دیکھو ساڑھے سات تولے پورا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ حساب سمجھ میں آ گیا بھائی؟

تو کہتے ہیں: **لَيْسَ فِيمَا دُونَ عِشْرِينَ مِثْقَالًا مِنْ ذَهَبٍ صَدَقَةٌ،** بیس مثقال سونے سے کم کے اندر زکوۃ نہیں ہے، **فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِينَ مِثْقَالًا فَفِيهَا نِصْفُ مِثْقَالٍ،** پس جب بیس مثقال ہوں تو ان کے اندر آدھا مثقال ہے۔ بیس مثقال ہوں بھائی، بیس تو جہ ہے ادھر؟ بیس مثقال ہیں، چالیسواں حصہ دینا ہے۔ اگر ایک پورا مثقال دیں یہ کتنا بنتا ہے؟ بیسواں، اور اس کا ادھا دے دیں تو کتوں بن جائے گا؟ چالیسواں، اور یہی بات یہ بھی ذکر کر رہے ہیں کہ نصف مثقال دیں گے یعنی چالیسواں حصہ۔ **لِمَا رَوَيْنَا،** اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی، بھائی وہ حدیث آئی تھی چاندی کے اندر بھائی دوسری تیسری سطر میں: «**وَمِنْ كُلِّ عِشْرِينَ مِثْقَالًا مِنْ ذَهَبٍ نِصْفُ مِثْقَالٍ**»، کہ ہر بیس مثقال سونے میں سے کتنا لے لو؟ نصف مثقال، تو یہاں بھی اسی لیے کہا نصف مثقال ہے۔

وَالْمِثْقَالُ مَا يَكُونُ كُلُّ سَبْعَةٍ مِنْهَا وَزْنَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ، اور مثقال وہ ہے کہ ہر سات مثقالوں کا وزن جو ہے دس درہم کا وزن ہو۔ سات مثقال کس کے برابر ہوں؟ بھائی مثقال کون سا مراد ہے؟ کہ سات مثقال کا وزن کتنے دراہم کے برابر ہو؟ دس دراہم، دس دراہم۔ سات مثقال کا وزن ذرا قراطوں میں نکالیں: ایک سو چالیس، اور ایک سو دس درہموں کا وزن بھی کتنا؟ ایک سو چالیس، تو یہ وہی بات جو اوپر ذکر کی تھی بھائی اسی کی

وَهُوَ الْمَعْرُوفُ، اور وہ مشہور ہے بھائی، وہ مثقال جس کا وزن کتنا ہو؟ سبعہ ہو اور وہ دس درہموں کے برابر ہو وہ معروف ہے۔

ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعَةِ مَثَاقِيلَ قِيرَاطَانِ، پھر ہر چار مثقالوں کے اندر دو قراط ہیں۔ توجہ ہے ادھر سبق کی طرف؟ بھائی چاندی کے اندر جیسے دو سو درہم سے اوپر چاندی ہوتی تھی امام صاحب کے نزدیک اس میں زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ کتنے درہم بن جائیں؟ چالیس۔ یہاں بھی اسی طرح وہ فرماتے ہیں بیس مثقال سے اوپر جو سونا ہو گا اس کے اندر زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ چار مثقال بن جائیں، کتنے بن جائیں؟ چار مثقال بن جائیں۔ اور جب چار مثقال بنیں گے تو ایک مثقال میں کتنے قِراط؟ بیس قِراط، ایک مثقال میں بیس قِراط، دو مثقالوں میں چالیس، اس میں سے چالیسواں حصہ نکالو کتنے قِراط؟ چالیس قِراط میں سے چالیسواں حصہ کتنا نکلے گا؟ ایک قِراط، اور اگلے دو مثقال بھی چالیس قِراط ان میں سے بھی ایک قِراط نکل آیا زکوٰۃ کا تو چار مثقالوں میں کتنے قِراط نکل آئے؟ چار مثقالوں میں دو قِراط نکل آئے کیونکہ چار مثقال برابر ہیں اسی قِراط کے، اسی اور اسی میں سے چالیسواں حصہ نکالیں گے تو کتنا نکلے گا؟ دو نکلے گا، یہی بیان کر رہے ہیں: **ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعَةِ مَثَاقِيلَ قِيرَاطَانِ،** پھر ہر چار مثقالوں میں دو قِراط ہے۔ معلوم ہوا امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیس مثقال سے ایک مثقال اوپر ہوا تو اس ایک مثقال میں زکوٰۃ نہیں، دو اوپر ہوئے دو مثقال ان میں بھی زکوٰۃ نہیں، تین اوپر ہوئے ان میں بھی زکوٰۃ نہیں، ہاں جب چار اوپر ہو جائیں گے تو ان چار میں کتنے؟ دو قِراط واجب ہوں گے۔

لِأَنَّ الْوَاجِبَ رُبْعُ الْعُشْرِ، اس لیے کیونکہ واجب عشر کا چوتھا حصہ ہے، عشر کا یعنی چالیسواں حصہ ہے۔ مثلاً دیکھیے بھائی، چالیس روپے کے دس حصے کریں، دس آدمیوں میں تقسیم کریں، ایک آدمی کو کتنے ملیں گے؟ چار روپے، یہ عشر ہے دسواں حصہ ہے چالیس کا۔ اور اس چار کو چار آدمیوں میں تقسیم کریں تو ایک ایک آدمی کو کتنا ملے گا؟ ایک روپیہ، یہ عشر کا چوتھا حصہ ہے۔ عشر کتنا تھا؟ چار، اور اس چار کے چار حصے کیے تو ایک ان میں سے کیا ہے؟ چوتھا حصہ، ایک روپیہ۔ اور حساب شروع کہاں سے کیا تھا ہم نے؟ چالیس میں سے، تو دیکھو یہ ربعِ عشر یعنی عشر کا چوتھا حصہ یعنی ایک روپیہ یہ کل مال یعنی چالیس کا کتواں حصہ ہے؟ چالیسواں، صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو ربعِ عشر کا کیا معنیٰ ہے؟ چالیسواں حصہ بھائی۔ یہ معنیٰ ہے: **لِأَنَّ الْوَاجِبَ رُبْعُ الْعُشْرِ،** اس لیے کیونکہ واجب جو ہے عشر کا چوتھا حصہ ہے، **وَذَلِكَ فِيمَا قُلْنَا،** اور یہ اسی صورت میں جو ہم نے کہا کہ چار مثقالوں میں سے کتنا واجب ہوں گے؟ دو قِراط، **إِذْ كُلُّ مِثْقَالٍ عِشْرُونَ قِيرَاطًا،** اس لیے کیونکہ ہر مثقال کتنے قِراط کا ہے؟ بیس قِراط کا ہے۔

وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ أَرْبَعَةِ مَثَاقِيلَ صَدَقَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور چار مثقالوں سے کم کے اندر صدقہ نہیں ہے امام صاحب کے نزدیک، **وَعِنْدَهُمَا تَجِبُ بِحِسَابِ ذَلِكَ،** جبکہ صاحبین کے نزدیک جو چار مثقالوں سے کم ہو ان میں بھی صدقہ واجب ہو گا **بِحِسَابِ ذَلِكَ** اسی کے حساب سے، **وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْكُسُورِ،** اور یہی وہ یہ وہی کسور والا مسئلہ ہے جو اوپر بیان ہوا۔

وَكُلُّ دِينَارٍ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فِي الشَّرْعِ، اور ہر دینار دس درہم ہے شریعت میں۔ ہر دینار اور اوپر کہا تھا کہ سات سات دینار کتنے کے برابر؟ دس درہم، سات مثقال کس کے برابر تھے؟ دس درہم کے برابر تھے نا، دس درہم کے برابر۔ تو وہاں تھا سات مثقال دس درہم کے برابر ہیں، سات مثقال تو جہ ہے؟ سات مثقال دس کے برابر یعنی سات دینار برابر ہیں کس کے؟ دس درہم کے کیونکہ مثقال اور دینار کس کا نام ہے؟ ایک ہی چیز کا نام۔ تو سات مثقال ہوئے دس درہم کے برابر گویا سات دینار برابر ہوئے کس کے؟ دس۔ اور یہاں پر کیا کہہ رہے ہیں؟ ہر دینار دس درہم ہے۔ بھائی یاد رکھیے، وہاں بات چل رہی تھی وزن کی اور یہاں بات چل رہی ہے قیمت کی، ایک دینار دس درہم کے بدلے لیا جاتا ہے، دس درہم کے برابر اس کی قیمت ہے بھائی۔ ہاں وزن کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ کوئی ڈیڑھ درہم کے لگ بھگ وزن بنتا ہے اور اس اعتبار سے سات دینار کتنے درہموں کے برابر؟ دس درہموں کے برابر، تو وہاں بات چل رہی تھی وزن کی اور اب بات کس کی کر رہے ہیں؟ قیمت کی۔ یہ معنیٰ ہے: **وَكُلُّ دِينَارٍ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فِي الشَّرْعِ،** اور ہر دینار دس درہم کا ہے شریعت میں، **فَيَكُونُ أَرْبَعَةُ مَثَاقِيلَ فِي هَذَا كَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا،** تو ان کے اندر ان کے اندر چار مثقال جو ہے سونے کے اندر بھائی انہوں نے کیا کہا؟ سونے کا نصاب کیا ہے؟ بیس مثقال ہے، اور بیس مثقال سے جب چار اوپر ہو جائیں گے تو پھر اس میں دو قِراط آئیں گے، چار سے کم میں نہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو چار مثقال ہیں نا ان میں سے ہر مثقال یعنی ہر دینار دس درہم کے برابر ہے تو چار مثقال کتنے کے برابر ہوئے؟ چالیس کے برابر ہوئے، تو جیسے وہاں چاندی کے نصاب میں چالیس درہم پورے ہوتے تھے پھر ایک درہم آتا تھا دو سو سے اوپر جو حساب تھا، دو سو سے جو اوپر حساب تھا وہاں جب چالیس پورے ہوتے تھے پھر ایک درہم آتا تھا تو یہاں بھی اسی کے برابر چار مثقال کہا کہ یہ بھی کس کی طرح ہیں؟ چالیس درہم کی طرح ہیں۔ یہ معنیٰ ہے: **فَيَكُونُ أَرْبَعَةُ مَثَاقِيلَ فِي هَذَا كَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا،** تو اس کے اندر چار مثقال جو ہیں وہ چالیس درہم کی طرح ہیں۔

قَالَ: وَفِي تِبْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَحُلِيِّهِمَا وَأَوَانِيهِمَا الزَّكَاةُ۔ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَفِي تِبْرِ الذَّهَبِ،** تِبْرٌ کہتے ہیں سونے یا چاندی کا بغیر ڈھلا ہوا ٹکڑا، سونے اور چاندی کا سونے اور چاندی کی ڈلی بھائی جو ڈھلی ہوئی نہ ہو، سونے اور چاندی کا ٹکڑا جس کو کوئی صورت وغیرہ نہیں دی گئی۔ تو کہتے ہیں: **وَفِي تِبْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ،** سونے اور چاندی کی ڈلی کے اندر، **وَحُلِيِّهِمَا،** اور ان کے زیورات کے اندر، **وَأَوَانِيهِمَا،** اور ان کے برتنوں کے اندر، **الزَّكَاةُ،** زکوٰۃ واجب ہے۔ سونے اور چاندی کے چاہے وہ جس صورت میں بھی ہو چاہے زیور کی صورت میں ہوں، چاہے ڈلی کی صورت میں ہوں، چاہے برتنوں کی صورت میں ہوں، جب ان کا وزن اپنے نصاب کو پہنچے گا تو ان کے اندر کیا دینا پڑے گی؟ زکوٰۃ دینا پڑے گی۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا تَجِبُ فِي حُلِيِّ النِّسَاءِ وَخَاتَمِ الْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے زیورات کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں، **وَخَاتَمِ الْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ** اور جو چاندی ہے انگوٹھی کی مردوں کے لیے چاندی کی جو انگوٹھی ہے مردوں کے لیے اس میں بھی زکوٰۃ واجب

نہیں، **لِأَنَّهُ مُبْتَذَلٌ فِي مُبَاحٍ فَشَابَهَ ثِيَابَ الْبِذْلَةِ**، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ چیز مبتذل ہے۔ مبتذل کہتے ہیں عام استعمال کی، استعمال کی چیز بھائی۔ **فِي مُبَاحٍ**، مباح جائز جن چیزوں کا استعمال کیا ہے؟ جائز۔ وہ فرماتے ہیں جائز اور مباح چیزوں میں سے یہ یہ استعمال کی جانے والی چیز ہے، عام استعمال کی چیز ہے، کیا؟ یہ عورتوں کے زیور وہ عام استعمال کرتی ہیں اور مرد کیا کرتے ہیں؟ عموماً چاندی کی انگوٹھی بنوالیتے ہیں شریعت نے اجازت دی ہے تو یہ عام استعمال کی چیز ہے۔ **فَشَابَهَ ثِيَابَ الْبِذْلَةِ**، تو یہ مشابہ ہوگئے کام کاج کے کپڑوں کے، ثیابِ بذلہ کام کاج کے وقت جو انسان کپڑے پہنتا ہے عام کپڑے، تو یہ کام کاج کے کپڑوں کے مشابہ ہوگئے کیونکہ یہ بھی استعمال کی عام چیزیں ہیں اور کام کاج کے کپڑوں کے اندر تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں ہے تو یہ جب ان کے مشابہ ہوئے تو ان کے اندر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، دلیل سمجھ میں آگئی۔ یہ معنٰی ہے وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّهُ مُبْتَذَلٌ فِي مُبَاحٍ**، اس لیے کیونکہ وہ مباح چیزوں میں سے عام استعمال کی چیز ہے، **فَشَابَهَ ثِيَابَ الْبِذْلَةِ**، تو یہ کام کاج کے کپڑوں کے مشابہ ہوگئے تو ان میں زکوٰۃ نہیں۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے، **أَنَّ السَّبَبَ مَالٌ نَامٍ**، کہ سببِ زکوٰۃ کیا ہے؟ زکوٰۃ کے وجوب کا سبب مالِ نامی ہے، **وَدَلِيلُ النَّمَاءِ مَوْجُودٌ**، اور نماء کی دلیل بھی یہاں پر موجود ہے کہ یہ سونا اور چاندی کیا ہیں؟ مالِ نامی ہیں، ان میں نماء یعنی بڑھنے کی بڑھوتری کی دلیل بھی موجود ہے، **وَهُوَ الْإِعْدَادُ لِلتِّجَارَةِ خِلْقَةً**، اور وہ ان کو تجارت کے لیے تیار کرنا ہے **خِلْقَةً** باعتبار تخلیق کے پیدا کرنے کے۔ اللہ تعالیٰ نے سونے اور چاندی کو پیدا ہی کس لیے کیا ہے؟ تجارت کے لیے، ان کو پیدا ہی اللہ نے اسی مقصد کے لیے فرمایا کہ اس کے لیے لوگ کیا کریں گے؟ چیزیں خریدیں گے، بیچیں گے، تجارت کریں گے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو اگرچہ اس وقت زیور بنالیا گیا اور زیور تو تجارت کے لیے نہیں ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اللہ نے اس کو ان کو پیدا ہی تجارت کے لیے کیا ہے تو یہ مالِ تجارت ہی ہر حال میں شمار ہوں گے، بندہ ان کو جس استعمال میں بھی لائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ معنٰی ہے کہ یہ مالِ نا کہ کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب جو ہے وہ مالِ نامی ہے، **وَدَلِيلُ النَّمَاءِ مَوْجُودٌ**، اور بڑھنے کی دلیل مالِ نامی ہونے کی دلیل ان میں موجود ہے، **وَهُوَ الْإِعْدَادُ لِلتِّجَارَةِ خِلْقَةً**، اور وہ تجارت کے لیے ان کو تیار کرنا ہے **خِلْقَةً** باعتبار پیدائش کے۔

وَالدَّلِيلُ هُوَ الْمُعْتَبَرُ، اور دلیل ہی کا اعتبار ہے، اعتبار کس کا ہے؟ دلیل کا اعتبار ہے، اور یہاں دلیل ہے کہ نہیں مالِ نامی ہونے کی؟ مالِ نامی ہونے کی دلیل ہے تو دلیل کا اعتبار ہے، **بِخِلَافِ الثِّيَابِ**، بخلاف کپڑوں کے کہ وہاں کوئی دلیل موجود نہیں کہ وہ مالِ نامی ہو۔ وہاں اگر دلیل آجاتی ہے کہ وہ مالِ نامی ہے تو وہاں بھی زکوٰۃ آجائے گی، اور یہاں مالِ نامی ہونے کی دلیل موجود ہے کہ ان کو اللہ نے پیدا ہی بطورِ ثمن کے کیا ہے بھائی، تجارت کے لیے کیا ہے، خرید و فروخت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو ان میں دلیل موجود اور دلیل موجود ہے تو یہ مالِ نامی ہوا اور جب مالِ نامی ہے تو اس کے اندر کیا واجب ہوگی؟ زکوٰۃ واجب ہوگی بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۱۰۴: فَصْلٌ فِي الْعُرُوْضِ

ہدایہ صفحہ: ۲۱۲ــــ بتاریخ: ۲۸ مارچ ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ فِي الْعُرُوْضِ الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ فِي عُرُوْضِ التِّجَارَةِ كَائِنَةً مَا كَانَتْ إِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهَا نِصَابًا مِنَ الْوَرِقِ أَوِ الذَّهَبِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْهَا يُقَوِّمُهَا فَيُؤَدِّي مِنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ وَلِأَنَّهَا مُعَدَّةٌ لِلِاسْتِنْمَاءِ بِإِعْدَادِ الْعَبْدِ فَأَشْبَهَ الْمُعَدَّ بِإِعْدَادِ الشَّرْعِ وَيُشْتَرَطُ نِيَّةُ التِّجَارَةِ لِيَثْبُتَ الْإِعْدَادُ۔ [1]

فَصْلٌ فِي الْعُرُوْضِ

فَصْلٌ فِي الْعُرُوْضِ۔ عروض جمع ہے عرض کی، اور عرض کہتے ہیں سامان کو۔ یہ فصل ہے سامان کے بیان میں، یعنی ان کی زکوٰۃ کے بیان میں۔ تو سونے اور چاندی کے اندر زکوٰۃ کتنی مقدار میں واجب ہوگی اور کتنی واجب ہوگی تفصیل گزر گئی۔ اب دوسرا جو تجارتی سامان ہے، اس کے اندر کس طرح واجب ہوگی؟ وہ بیان کرنے لگے ہیں۔

تو کہتے ہیں: **الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ فِي عُرُوْضِ التِّجَارَةِ**، زکوٰۃ واجب ہے سامان تجارت کے اندر، **كَائِنَةً مَا كَانَتْ**، جو بھی ہو وہ، یعنی جس قسم کا سامان بھی ہو، جس جنس کا سامان بھی ہو۔ تو سامان تجارت ہو اور جس جنس کا بھی ہو، اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہے۔ **إِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهَا نِصَابًا**، جب اس کی قیمت جو ہے وہ نصاب کو پہنچ جائے۔ سونے اور چاندی میں وزن کا اعتبار تھا، اور یہاں پر قیمت کا۔ تو جب ان کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے، **مِنَ الْوَرِقِ أَوِ الذَّهَبِ**، ورق سے یہاں مراد چاندی ہے، چاندی۔ جبکہ اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے چاندی میں سے یا سونے میں سے، یعنی سونے اور چاندی کے نصاب تک اس کی قیمت پہنچ جائے، تو اس میں پھر زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ یعنی سامان تجارت ہے، چاہے تجارت کے لیے کوئی بھی سامان ہو، کپڑے ہیں، برتن ہیں، اور جانور ہیں، جو بھی چیز ہے، جب اس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے، یعنی اس سامان کی قیمت دو سو درہم ہو یا اس کی قیمت بیس دینار ہو یعنی بیس مثقال ہو اور سال گزر جائے، تو اس میں کیا دینا پڑے گی؟ زکوٰۃ دینا پڑے گی۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، بوجہ حضور علیہ السلام کے فرمان مبارک کے، آپ نے فرمایا: **فِيْهَا**، اس کے بارے میں، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْهَا أَيْ فِي عُرُوْضِ التِّجَارَةِ**، حضور علیہ السلام نے اس سامان تجارت کے بارے میں فرمایا: **يُقَوِّمُهَا**، کہ وہ شخص جو ہے، وہ جو تجارت کرنے والا ہے وہ ان کی قیمت لگائے، **فَيُؤَدِّي مِنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ**، پس ادا کرے ہر دو سو درہم میں سے پانچ دراہم۔ یہ حدیث میں آیا ہے۔

دوسری عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ۔ کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهَا مُعَدَّةٌ لِلِاسْتِنْمَاءِ**، اور اس لیے کیونکہ اس کو تیار کیا گیا ہے، **مُعَدَّةٌ**، تیار کیا۔ اس لیے کیونکہ اس سامان کو تیار کیا گیا ہے **لِلِاسْتِنْمَاءِ**۔ نماء کہتے ہیں بڑھوتری کو، افزائش کو، اور باب استفعال آیا، اور باب استفعال میں سین جو ہے وہ طلب کے لیے آتا ہے۔ تو استنماء کا کیا معنی ہوا؟ طلبِ نماء، نماء کو، بڑھوتری کو طلب کرنے کے لیے۔ **وَلِأَنَّهَا مُعَدَّةٌ لِلِاسْتِنْمَاءِ**، اس لیے کیونکہ اس سامان کو تیار کیا گیا ہے بڑھوتری طلب کرنے کے لیے کہ اس میں زیادتی ہو جائے، **بِإِعْدَادِ الْعَبْدِ**، بندے کے تیار کرنے کے ساتھ۔ یعنی اس کو کس نے تیار کیا ہے نماء طلب کرنے کے لیے؟ بندے نے، یعنی وہ جو تاجر ہے، اس نے اس کو کس لیے تیار کیا ہے اس سامان کو؟ نماء یعنی بڑھوتری طلب کرنے کے لیے کہ مال زیادہ ہو جائے۔ **فَأَشْبَهَ الْمُعَدَّ بِإِعْدَادِ الشَّرْعِ**، تو یہ مشابہ ہو گیا اس سامان کے، اس چیز کے جس کو تیار کیا گیا ہے **بِإِعْدَادِ الشَّرْعِ**، شریعت کے تیار کرنے سے جو تیار ہوا ہے بھائی۔ اور شریعت نے کس کو تیار کیا ہے

[1] شاملہ (ص ۱۳۹) میں «وَيُشْتَرَطُ» کے بجائے «وتشترط» درج ہے۔

تجارت کے لیے؟ سونے اور چاندی کو، کہ ان کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا کہ اس کے ذریعے لوگ کیا کریں گے؟ خرید و فروخت کریں گے، تجارت کریں گے۔ تو جیسے سونے اور چاندی کو شریعت نے تجارت کے لیے تیار کیا اور اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہے، تو یہ جو ہے یہ سامان اس کو بندے نے کس کے لیے تیار کر لیا یہ سامان تجارت کو؟ اس کو تجارت کے لیے تیار کر لیا اس نے، تو یہ اس کے مشابہ ہو گیا جس کو شریعت نے تیار کیا تھا، اور اس کے اندر تو زکوٰۃ واجب ہے تو اس کے اندر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ یہ اس کے مشابہ ہے، تو اس کا بھی وہی حکم ہو گا۔ تو یہ معنی ہے: **فَأَشْبَهَ الْمُعَدَّ بِإِعْدَادِ الشَّرْعِ**، تو یہ مشابہ ہو گیا اس مال کے جو تیار کیا گیا ہے نماء طلب کرنے کے لیے **بِإِعْدَادِ الشَّرْعِ**، کس کے تیار کرنے کے ساتھ؟ شریعت کے تیار کرنے سے۔

وَيُشْتَرَطُ نِيَّةُ التِّجَارَةِ لِيَثْبُتَ الْإِعْدَادُ، اور تجارت کی نیت ہونا شرط ہو گا، **لِيَثْبُتَ الْإِعْدَادُ**، تاکہ تیار کرنا ثابت ہو جائے۔ بھائی، سونے اور چاندی کو تو شریعت نے پیدا ہی کس لیے کیا ہے؟ تجارت کے لیے۔ تو اس میں تجارت کی نیت نہیں دیکھی جائے گی، وہ تو ہے ہی تجارت کے لیے بھائی۔ ان کو تو پیدا ہی کس لیے کیا گیا؟ تجارت کے لیے۔ ہاں، باقی یہ دوسرا مال، دوسرا مال، اس کے اندر نیتِ تجارت شرط ہو گی کہ تجارت کی نیت سے اس کو خریدا ہو، تجارت کی نیت سے اس کو خریدا ہو، تاکہ ثابت ہو جائے یہ کس لیے تیار کیا گیا ہے؟ تجارت یعنی نماء کو طلب کرنے کے لیے۔ تب ہی یہ مشابہ ہو گا نا اس سونے اور چاندی کے، جب یہ بھی کس لیے ہو جائے؟ تجارت کے لیے ہو جائے۔ وہ بھی تجارت کے لیے، تو یہ بھی تاکہ ان کے مشابہ، تو یہ ان کے مشابہ ہو گئی تب جب اس کے اندر کیا نیت ہو گی خریدتے وقت؟ تجارت کی۔ یہ معنی ہے: **وَيُشْتَرَطُ نِيَّةُ التِّجَارَةِ**، اور تجارت کی نیت شرط ہو گی، **لِيَثْبُتَ الْإِعْدَادُ**، تاکہ تیار کرنا ثابت ہو جائے، یعنی نماء طلب کرنے کے لیے تیار کرنا ثابت ہو جائے۔

ثُمَّ قَالَ، پھر صاحب قدوری فرماتے ہیں: **يُقَوِّمُهَا بِمَا هُوَ أَنْفَعُ لِلْمَسَاكِيْنِ**، قیمت لگائے اس سامان کی اس چیز کے ساتھ جو مسکینوں کے لیے زیادہ نفع والی ہے، زیادہ فائدے والی ہے۔ یعنی اس چیز کے ساتھ اس کا حساب لگائیں گے جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو۔ ایک نصاب ہے سونے کا، ایک نصاب ہے چاندی کا۔ ایک نصاب ہے چاندی کا۔ اب دیکھیے، مثلاً سونے کا نصاب تولوں میں ہم نے کیا تھا ساڑھے سات تولے، اور اس کی قیمت لگائی جائے تو آج کل سونا کتنے کا ہے؟ جی؟ کوئی پینسٹھ ہزار یا اس کے لگ بھگ، اس کے آس پاس قیمت ہے بھائی۔ تو پینسٹھ ہزار کو ذرا ساڑھے سات سے ضرب دیں، کیا آتا ہے؟ پینسٹھ ہزار کو ساڑھے سات سے ضرب دیجیے۔ جی؟ ہاں، یہ دیکھو، یہ کوئی پونے پانچ لاکھ سے بھی اوپر بنتا ہے، پونے پانچ لاکھ سے۔ تو معلوم ہوا اتنا مال اس کو پہنچے گا تو اس میں زکوٰۃ آئے گی، اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ اب ذرا چاندی ہے ساڑھے باون تولے اس کا نصاب ہے، اور چاندی کا ایک تولہ کتنے کا ہے؟ بارہ تیرہ سو؟ چلیے جو بھی ہے، وہ تو پھر پورا حساب اندازہ ہم لگا رہے ہیں صرف۔ تو ذرا تیرہ سو کو آپ ضرب دے دیں بھائی ساڑھے باون سے۔ جی؟ ہاں، کوئی یہ تقریباً ستر ہزار کے قریب بنتا ہے، ستر ہزار۔ تو معلوم ہوا جو مالِ تجارت ستر ہزار کی اس کی قیمت پہنچتی ہو گی اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں کیا دینا پڑے گی؟ زکوٰۃ۔ تو اب دیکھیے بھائی، ایک ہے سونے کا نصاب، اس اعتبار سے دیکھیں تو جب تک مال کوئی پونے پانچ لاکھ کا نہیں ہو گا اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور چاندی کے نصاب سے حساب لگائیں تو صرف ستر ہزار کا مال ہی ہو وہ کس کو پہنچ گیا؟ نصاب کے بقدر ہو گیا، اس میں کیا واجب ہو جائے گی؟ زکوٰۃ۔ تو کس میں فقراء کا کس میں زیادہ فائدہ ہے؟ کہ چاندی کے ساتھ حساب لگایا جائے تاکہ تھوڑے مال میں ہی زکوٰۃ آ جائے تو ان کو کچھ نہ کچھ مل جائے گا بھائی۔ تو لہٰذا اس نصاب کے ساتھ حساب لگائیں گے جس میں مال جلدی کس کو پہنچ جائے؟ نصاب کو، کیونکہ اس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے۔ تو اس صورت کو اختیار کریں گے جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو، یعنی جس کی قیمت تھوڑی ہو بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: **يُقَوِّمُهَا**، کہ اس کی قیمت لگائے، **بِمَا هُوَ أَنْفَعُ لِلْمَسَاكِيْنِ**، اس چیز کے ساتھ جو فقراء کے لیے زیادہ نفع والی ہو، **اِحْتِيَاطًا**، بطورِ احتیاط کے، **لِحَقِّ الْفُقَرَاءِ**، فقراء کے حق کی۔ فقراء کے حق کی وجہ سے احتیاط کرتے ہوئے۔

قَالَ وَهٰذَا رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَ، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: یہ امام صاحب سے یہ ایک روایت ہے کہ اس چیز کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی جس میں فقراء کا نفع ہو۔ **وَفِي الْأَصْلِ**، اور اصل یعنی مبسوط کے اندر، **خَيَّرَهُ**، امام صاحب نے اختیار دیا ہے اس سامان والے کو کہ وہ جس کے ساتھ بھی قیمت لگانا چاہے لگا سکتا ہے، چاہے سونے کے ساتھ قیمت لگائے، سونے کے نصاب کو دیکھے، چاہے چاندی کے۔ یہ معنی ہے: **وَفِي الْأَصْلِ خَيَّرَهُ**، اور مبسوط کے اندر امام صاحب نے اس مالک کو اختیار دیا ہے۔ اس کی بھی دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی۔ پچھلے کی تو دلیل ذکر ہو گئی کہ اس صورت کو اختیار کرے جس میں فقراء کا فائدہ ہو بطورِ احتیاط کے فقراء کے حق کی وجہ سے۔ اور اس کی بھی اب دلیل ذکر کر رہے ہیں: **لِأَنَّ الثَّمَنَيْنِ فِي تَقْدِيْرِ قِيَمِ الْأَشْيَاءِ بِهِمَا سَوَاءٌ**، اس لیے کیونکہ یہ دونوں ثمن جو ہیں یعنی سونا اور چاندی، یہ دونوں ثمن جو ہیں: **فِي تَقْدِيْرِ قِيَمِ الْأَشْيَاءِ بِهِمَا**، آخر سے ترجمہ کروں گا، اپنے ساتھ چیزوں کی قیمت کا اندازہ لگانے میں، یہ دونوں ثمنین اپنے ساتھ چیزوں کی قیمت کا اندازہ لگانے میں، **سَوَاءٌ**، برابر ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ، ان میں سے جس کے ساتھ بھی چیزوں کی قیمت لگائی جائے یہ دونوں آپس میں، چاہے آپ سونے سے ایک چیز کی قیمت لگا لیں، چاہے کس کے ساتھ لگا لیں؟ چاندی کے ساتھ، تو دونوں قیمتیں کا اندازہ لگانے میں برابر ہیں بھائی۔ جب دونوں برابر ہیں قیمتوں کا اندازہ لگانے کے اندر، تو پھر جس کے ساتھ بھی وہ چاہے قیمت لگا سکتا ہے، چاہے سونے کے نصاب کا اعتبار کر لے، چاہے چاندی کے ساتھ اس کا اندازہ کر لے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ قیمت اس لیے لگائی جاتی ہے تاکہ سامان کی مالیت کا پتہ چل جائے۔ قیمت کس لیے لگائی جاتی ہے؟ تاکہ سامان کی مالیت کا پتہ چل جائے، اور اس میں دونوں برابر ہیں۔ سونے کے ذریعے بھی قیمت لگا کر اس کی مالیت کا پتہ چلایا جا سکتا ہے، اور چاندی کے ذریعے بھی قیمت لگا کر اس کی مالیت کا پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ یہ سامان اتنی قیمت کا ہے۔ تو جب دونوں برابر ہیں اس سلسلے میں، تو جس کے ساتھ بھی وہ قیمت لگانا چاہے قیمت لگا سکتا ہے۔ یہ دوسرے قول کی دلیل ہو گئی۔

وَتَفْسِيْرُ الْأَنْفَعِ، اب وہی انفع جس میں مساکین کا زیادہ نفع ہو متن میں آیا تھا، اس کی تفسیر صاحب ہدایہ بیان کریں گے، اور میں نے بیان کر دی، یعنی جس کے ساتھ جلدی قیمت نصاب کو پہنچ جائے اس کے ساتھ حساب لگائیں گے۔ تو کہتے ہیں: **وَتَفْسِيْرُ الْأَنْفَعِ،** اور انفع کی تفسیر جو ہے وہ یہ ہے: **أَنْ يُقَوِّمَهَا بِمَا يَبْلُغُ نِصَابًا،** کہ اس کی قیمت لگائے ایسی چیز کے ساتھ جو کس کو پہنچے؟ نصاب کو پہنچے، اور ہمارے ہاں تو چاندی سستی ہے تو کس سے قیمت معلوم ہو الگائی جائے گی؟ چاندی سے لگائی جائے گی کیونکہ اس سے جلدی نصاب کو پہنچ جائے گا۔

وَعَنْ أَبِي يُوْسُفَ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے: **أَنَّهُ يُقَوِّمُهَا بِمَا اشْتَرَى،** کہ وہ قیمت لگائے گا اس سامان کی اسی چیز کے ساتھ جس کے ساتھ اس کو خریدا ہے۔ درہموں کے ساتھ خریدا ہے تو چاندی کے ساتھ، اور دیناروں کے ساتھ خریدا ہے تو سونے کے ساتھ۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ قیمت لگائے اسی چیز کے ساتھ جس کے ساتھ اس کو خریدا ہے، **إِنْ كَانَ الثَّمَنُ مِنَ النُّقُوْدِ،** اگر ثمن کس میں سے ہو؟ نقود میں سے ہو، یعنی انہی سونے اور چاندی وغیرہ میں سے ہو۔ **لِأَنَّهُ أَبْلَغُ فِي مَعْرِفَةِ الْمَالِيَّةِ،** اس لیے کیونکہ وہ ابلغ ہے مالیت کے جاننے میں۔ بھائی دیکھیے، وہ فرماتے ہیں کہ قیمت لگائی جاتی ہے چیز کی مالیت معلوم کرنے کے لیے، اور یہ چیز جس نقدی کے ساتھ اس نے یہ مال خریدا تھا، تو ایک دفعہ قیمت لگ چکی ہے یا نہیں لگ چکی؟ ایک دفعہ قیمت لگ چکی ہے اس مال کی، تو لہٰذا اب آسانی کے ساتھ قیمت لگا کر اس کی مالیت کا پتہ چل جائے گا بھائی، لہٰذا اسی نقدی کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی جس کے بدلے میں اس کو خریدا ہے۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ أَبْلَغُ فِي مَعْرِفَةِ الْمَالِيَّةِ،** اس لیے کیونکہ یہ ابلغ ہے اس کی مالیت کے پہچاننے میں، یعنی اس سے زیادہ اچھی طرح پتہ چل جائے گا مالیت کا۔

وَإِنِ اشْتَرَاهَا بِغَيْرِ النُّقُوْدِ قَوَّمَهَا بِالنَّقْدِ الْغَالِبِ، اور اگر اس سامان کو خریدا ہے نقدیوں کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ، یعنی کسی مال کے بدلے میں خریدا ہے، گائے دے کر، گائے دے کر اونٹ خرید لیے ہیں، یا مثلاً گندم دے کر کیا کر لیا؟ بکریاں خرید لی ہیں، جو بھی چیز ہے لیکن بدلے میں نقدی نہیں دی بلکہ کیا دیا ہے؟ مال ہی سامان ہی دیا ہے۔ تو یہ معنی ہے: اور اگر اس کو خریدا ہے نقود کے علاوہ کسی اور چیز کے بدلے میں، **قَوَّمَهَا بِالنَّقْدِ الْغَالِبِ،** تو پھر اس کی قیمت لگائے غالب نقدی کے ساتھ، یعنی اس شہر میں جو نقدی زیادہ چلتی ہے اس کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی۔ یہ تھا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول۔

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ، اور امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے: **أَنَّهُ يُقَوِّمُهَا بِالنَّقْدِ الْغَالِبِ عَلَى كُلِّ حَالٍ،** کہ وہ اس کی قیمت لگائے غالب نقدی کے ساتھ ہر حال میں، **كَمَا فِي الْمَغْصُوْبِ وَالْمُسْتَهْلَكِ،** جیسے کہ مال مغصوب میں اور مال مستہلک کے اندر غالب نقدی کے ساتھ قیمت لگائی جاتی ہے، یعنی جو اس شہر میں نقدی زیادہ چلتی ہے۔ مغصوب بھائی، ایک شخص نے دوسرے کا مال چھین لیا یا اس پر زبردستی قبضہ کر لیا اور وہ اس کے پاس ہلاک ہو گیا، تو اب اس پر ضمان آئے گا، اسے اس مال کی قیمت دینا پڑے گی، تو قیمت پھر کس کے ساتھ لگائی جاتی ہے اس کی؟ جو اس شہر میں غالب نقدی ہوتی ہے۔ اسی طرح مستہلک بھائی، جس کسی کا مال دوسرے نے ہلاک کر دیا بھائی، تو اس کی بھی اس صورت میں اس پر ضمان آتا ہے، اسے اس کی قیمت دینا پڑتی ہے، اور وہ قیمت کس کے ساتھ لگائی جاتی ہے؟ غالب نقدی جو ہوتی ہے، جو زیادہ چلنے والی ہے اس شہر میں۔

وَإِذَا كَانَ النِّصَابُ كَامِلًا فِي طَرَفَيِ الْحَوْلِ فَنُقْصَانُهُ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ لَا يُسْقِطُ الزَّكَاةَ، اور جب نصاب پورا ہو سال کے دو کناروں پہ، سال کے دونوں طرف میں، یعنی ابتدا میں اور انتہا، ابتدائے سال میں اور انتہائے سال میں، **فَنُقْصَانُهُ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ،** تو اس میں کمی جو ہے اس کے بیچ میں، اس نصاب کے اندر، نقصان کہتے ہیں کمی کو، تو اس نصاب کے اندر جو کمی آجائے **فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ،** یہ جو سال کے جو دو کناروں کے بیچ میں ہے، یعنی ابتدا اور انتہا کے بیچ میں اگر اس نصاب میں کمی بھی آجائے، **لَا يُسْقِطُ الزَّكَاةَ،** تو یہ زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرتا۔

بھائی، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ صرف سال کے شروع میں نصاب پورا ہونا چاہیے اور سال کے آخر میں پورا ہونا چاہیے، درمیان میں کمی بھی آجائے تو کوئی حرج نہیں بھائی۔ تو دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں بھائی کہ پورا سال نصاب پورا ہونے کی اگر شرط لگائی جائے تو وہ آدمی مشکل میں پڑ جائے گا، اس لیے کیونکہ چیزوں کی قیمتیں کم زیادہ ہوتی رہتی ہیں، تو ہر روز وہ حساب کرنے بیٹھے کہ بھائی یہ نصاب سے نیچے تو نہیں چلا گیا، نصاب پورا ہے یا نہیں، تو مشکل میں پڑ جائے گا یا نہیں پڑ جائے گا؟ مشکل میں۔ لہٰذا اس لیے درمیان کا اعتبار نہیں ہے بلکہ صرف کس کا اعتبار ہے؟ شروع اور آخرِ سال کا۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ يَشُقُّ اعْتِبَارُ الْكَمَالِ فِي أَثْنَائِهِ،** اس لیے کیونکہ مشکل ہے کمال کا اعتبار، یعنی پورا ہونے کا اعتبار کرنا وہ مشکل ہے، اس میں مشقت ہے **فِي أَثْنَائِهِ،** سال کے بیچ۔ تو سال کے بیچ میں پورا ہونے کا اعتبار کرنا دشوار ہے، اس میں مشقت ہے۔

أَمَّا لَا بُدَّ مِنْهُ فِي ابْتِدَائِهِ، اچھا بھائی، تو پھر یہ شروع اور آخر میں پورا ہونا، یہ کیوں ضروری ہے نصاب؟ کہتے ہیں بھائی، شروع میں تو نصاب کا پورا ہونا اس لیے ضروری تاکہ سببِ زکوٰۃ پایا جائے۔ زکوٰۃ کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ نصاب ہے، نصابِ نامی۔ تو شروع میں اس لیے شرط لگائی گئی تاکہ سببِ زکوٰۃ منعقد ہو جائے، وہ پایا جائے بھائی۔ اور سال کے آخر میں اس لیے پورا ہونے کی شرط لگائی گئی تاکہ وجوب آجائے، زکوٰۃ اس پر کیا ہو جائے؟ واجب ہو جائے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **أَمَّا لَا بُدَّ مِنْهُ فِي ابْتِدَائِهِ،** اور باقی ضروری ہے ابتدائے سال کے اندر نصاب کا ہونا، **لِلِانْعِقَادِ،** انعقاد کے لیے، یعنی انعقادِ سبب کے لیے، اور کس چیز کا انعقادِ سبب؟ زکوٰۃ کا بھائی، زکوٰۃ کے وجوب کا سبب منعقد ہو جائے، **وَتَحَقُّقِ الْغِنَى،** اور اس لیے تاکہ مالداری ثابت ہو جائے کہ یہ مالدار ہے اور زکوٰۃ مالداروں پر آتی ہے، **وَفِي انْتِهَائِهِ لِلْوُجُوْبِ،** اور انتہا کے اندر بھی نصاب کا ہونا ضروری ہے **لِلْوُجُوْبِ،** کس لیے؟ وجوب کے لیے، یعنی زکوٰۃ کے واجب ہونے

کے لیے۔ **وَلَا كَذَلِكَ فِيْمَا بَيْنَ ذَلِكَ**، اور اس کے بیچ میں اس طرح نہیں ہے، اس کے بیچ میں نصاب پورا ہونا کسی وجہ سے بھی ضروری نہیں۔ شروع میں تو کس لیے تھا؟ تاکہ سبب منعقد ہو جائے، اور آخر میں کس لیے ہے؟ تاکہ وجوب، جبکہ **وَلَا كَذَلِكَ فِيْمَا بَيْنَ ذَلِكَ**، جبکہ ان دونوں کے درمیان اس طرح نہیں ہے، **لِأَنَّهُ حَالَةُ الْبَقَاءِ**، اس لیے کیونکہ درمیان میں تو بقاء کی حالت ہے، باقی ہونے کی، مال باقی رہنے کی حالت ہے۔

بِخِلَافِ مَا لَوْ هَلَكَ الْكُلُّ حَيْثُ يَبْطُلُ حُكْمُ الْحَوْلِ وَلَا تَجِبُ الزَّكَاةُ، بخلاف اس کے، بھائی یہ تو وہ صورت تھی جب درمیان میں نصاب سے مال کم ہو جاتا ہے، پورا ہلاک نہیں ہوتا، کچھ نہ کچھ مال ہے لیکن نصاب سے کم ہو گیا، کہتے ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں البتہ بخلاف اس صورت کے کہ اگر سارا ہی مال بیچ میں ہلاک ہو گیا تو پھر تو سال کا حکم ہی باطل ہو جائے گا اور زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہو گی، اس لیے کیونکہ نصاب مجموعی طور پر ہی ختم ہو گیا، باقی رہا ہی نہیں بھائی، باقی تو رہنا چاہیے تھا کچھ نہ کچھ۔ تو ایک چیز جب وہ منعقد ہو دوسری چیز پر، توجہ ہے سبق کی طرف؟ ایک چیز جب وہ منعقد ہو دوسری چیز پر، جیسے زکوٰۃ منعقد ہو رہی ہے کس پر؟ نصاب پر، زکوٰۃ کا وجوب کس پر ہے؟ نصاب پر۔ تو زکوٰۃ منعقد ہو رہی ہے نصاب پر۔ تو ایک چیز منعقد ہو رہی ہے دوسری چیز پر، تو جب بھی ایک چیز منعقد ہو دوسری چیز پر، تو دوسری چیز جب تک ہے وہ پہلی چیز بھی جو اس پر منعقد ہوئی ہے وہ بھی باقی رہے گی۔ اور جب یہ جس پر منعقد ہو رہی ہے یعنی دوسری چیز بالکل ختم ہو گئی، تو وہ پہلی کا انعقاد بھی کیا ہو جائے گا؟ ختم، کیونکہ اس کا انعقاد تھا ہی اس دوسری چیز پر اور یہ تو باقی ہی نہیں رہی، بالکل ہی ختم ہو گئی سرے سے، تو اس کا انعقاد بھی کیا ہو جائے گا؟ ختم۔ لیکن اگر وہ باقی رہتی ہے چاہے تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، انعقاد باقی رہتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **بِخِلَافِ مَا لَوْ هَلَكَ الْكُلُّ**، بخلاف اس کے کہ اگر سارا نصاب ہلاک ہو جائے، **حَيْثُ يَبْطُلُ حُكْمُ الْحَوْلِ**، اس طور پر کہ حول کا یعنی سال کا حکم باطل ہو جائے گا، **وَلَا تَجِبُ الزَّكَاةُ**، اور زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، **لِانْعِدَامِ النِّصَابِ فِي الْجُمْلَةِ**، اس وجہ سے کہ معدوم ہو گیا نصاب بھائی **فِي الْجُمْلَةِ**، مجموعی طور پر۔ نصاب مجموعی طور پر ہی معدوم ہو گیا یعنی بالکل ختم ہو گیا۔ **وَلَا كَذَلِكَ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُوْلَى**، اور پہلے مسئلے کے اندر اس طرح نہیں ہے جو متن میں آیا وہاں نقصان، کمی کا ذکر ہے، سارے مال کے ہلاک ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ تو وہاں ایسا نہیں ہو گا کہ زکوٰۃ واجب ہی نہ ہو بلکہ واجب ہو گی، **لِأَنَّ بَعْضَ النِّصَابِ بَاقٍ**، اس لیے کیونکہ بعض نصاب تو سال کے بیچ میں بھی باقی ہے، **فَبَقِيَ الِانْعِقَادُ**، تو انعقاد انعقاد بھی باقی رہے گا، یعنی انعقادِ سببِ زکوٰۃ بھائی۔

قَالَ وَتُضَمُّ قِيْمَةُ الْعُرُوْضِ إِلَى الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ حَتَّى يَتِمَّ النِّصَابُ، اور ملائی جائے گی سامان کی قیمت سونے اور چاندی کے ساتھ یہاں تک کہ نصاب پورا ہو جائے۔

بھائی، یاد رکھیے سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے ہے، چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے، لیکن ان کا اعتبار اس وقت کریں گے، سونے کے نصاب کا اعتبار تب کریں گے جب ایک شخص کے پاس صرف سونا ہے، باقی چاندی ایک ذرہ نہیں اس کے پاس، اور کرنسی اور مال میں سے ایک روپیہ اس کے پاس نہیں ہے، تو اب صرف سونا ہے اور سونے کا نصاب تو ساڑھے سات تولے ہے، تو ساڑھے سات تولے اگر سونا ہے اور اس پر سال گزرتا ہے تو زکوٰۃ آئے گی ورنہ زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح صرف چاندی کا نصاب تب دیکھیں گے چاندی کے اندر زکوٰۃ، کہ مثلاً اس کے پاس کرنسی کا ایک روپیہ بھی نہیں، صرف ساڑھے باون تولے چاندی ہے یا اس سے زیادہ ہے، اور سونے کا ایک ذرہ اس کے پاس نہیں، تو اب صرف چاندی ہے تو چاندی کا نصاب ہے ساڑھے باون تولے، دیکھو یہ ساڑھے باون تولے تک اس کا وزن چاندی کا پہنچ رہا ہے یا نہیں۔ اگر پہنچ رہا ہے تو زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ زکوٰۃ واجب نہیں۔

لیکن اگر سونا یا چاندی دونوں ہیں، یا سونا اور چاندی اور سامان تجارت تینوں ہیں، تو کوئی دو ہوں یا تینوں ہوں، تو پھر اس صورت میں وہ سونے اور چاندی میں وزن کا اعتبار اب نہیں کرنا، اب وہاں ساڑھے باون تولے یا ساڑھے سات تولے کو نہیں دیکھنا، بلکہ پھر قیمت لگائی جائے گی۔ سونا ہے ایک تولہ، اور ساتھ اس کے پاس دس ہزار روپے بھی ہیں، تو ایک تولہ سونا ہو امثلاً پینسٹھ ہزار کا، اور دس ہزار روپے ساتھ ملا لیے یہ کتنے ہو گئے؟ پچھتر ہزار۔ اور چاندی کے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت جو ہے وہ تقریباً ستر ہزار بنتی ہے، تو دیکھو یہ ستر ہزار سے اوپر ہے مال، تو لہٰذا اس کے اندر اب زکوٰۃ واجب ہو گی، اگرچہ سونا صرف ایک تولہ ہے اور کرنسی صرف دس ہزار ہے۔ صورت سمجھ اکیلا سونا ہو پھر اس کا نصاب دیکھیں گے، صرف چاندی ہو تو پھر اس کا وزن دیکھیں گے، لیکن اگر دو مال ہیں چاہے سونا اور چاندی ہیں، یا سونا اور سامان تجارت ہے، یا صرف چاندی اور سامان تجارت ہے، یا تینوں ہیں، تو پھر کس کو دیکھا جائے گا؟ قیمت کو۔ اور قیمت کے اعتبار سے وہ سونے یا چاندی کا جو نصاب ہے اس کی قیمت کو پہنچ رہا ہے تو کیا دینا پڑے گی؟ زکوٰۃ دینا پڑے گی۔

یہی بیان کر رہے ہیں: **وَتُضَمُّ قِيْمَةُ الْعُرُوْضِ إِلَى الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ**، اور ملایا جائے گا سامان کی قیمت کو سونے اور چاندی کے ساتھ، **حَتَّى يَتِمَّ النِّصَابُ**، یہاں تک کہ نصاب پورا ہو جائے، **لِأَنَّ الْوُجُوْبَ فِي الْكُلِّ بِاعْتِبَارِ التِّجَارَةِ**، اس لیے کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ جو ہے ان سب کے اندر کس اعتبار سے ہے؟ تجارت کے اعتبار سے ہے، سونے میں بھی، چاندی میں بھی، اور سامانِ تجارت میں۔ **وَإِنِ اخْتَلَفَتْ جِهَةُ الْإِعْدَادِ**، اگرچہ تیار کرنے کی جہت مختلف ہے۔ سونے اور چاندی کو تجارت کے لیے تیار کیا ہے، لیکن کس نے تیار کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقرر ہی کس لیے فرمایا؟ تجارت کے لیے۔ جبکہ سامانِ تجارت کو اس بندے نے کیا کیا ہے؟ تجارت کے لیے تیار۔ تو اگرچہ تیار کرنے کی جہت الگ، سونے اور چاندی میں تیار کرنے کس کی طرف سے؟ شریعت کی طرف سے، اور سامانِ تجارت میں تیار تجارت کے لیے تیار کرنا کس کی طرف سے؟ بندے کی طرف سے۔ تو اگرچہ جہتیں الگ الگ ہیں لیکن ہیں تو کس لیے؟ تجارت کے لیے سارے ہیں، تو جب سارے تجارت

کے لیے تو ان کو ملایا جائے گا اور ان کی قیمت نصاب کو پہنچے تو اس میں زکوٰۃ ہوگی۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الْوُجُوْبَ فِي الْكُلِّ بِاعْتِبَارِ التِّجَارَةِ**، اس لیے کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ جو ہے ان سب کے اندر تجارت کے اعتبار سے ہے، **وَإِنِ اخْتَلَفَتْ جِهَةُ الْإِعْدَادِ**، اگرچہ تیار کرنے کی جہت دونوں میں الگ الگ ہے۔

وَيُضَمُّ الذَّهَبُ إِلَى الْفِضَّةِ لِلْمُجَانَسَةِ، اور ملایا جائے گا سونے کو چاندی کے ساتھ مجانست کی وجہ سے، کہ ان دونوں کی جنس ایک ہے۔ ان دونوں کی جنس کیا ہے؟ ایک ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیسے ایک ہے؟ سونا الگ چیز ہے، چاندی الگ چیز ہے، کہتے ہیں بھائی: **مِنْ حَيْثُ الثَّمَنِيَّةِ**، ثمن ہونے کی حیثیت سے یہ ایک ہی جنس ہیں۔ یعنی جیسے سونا ثمن ہے، اس کو پیدا ہی کس لیے کیا گیا؟ بطورِ ثمن۔ اسی طرح چاندی بھی ثمن ہے، اس کو پیدا ہی کس لیے کیا گیا؟ ثمن۔ تو ثمن ہونے کے اعتبار سے یہ ایک جنس ہیں کہ دونوں ثمن، دونوں کیا ہیں؟ ثمن۔ یہ معنی ہے کہ ملایا جائے گا سونے کو چاندی کے ساتھ: **لِلْمُجَانَسَةِ مِنْ حَيْثُ الثَّمَنِيَّةِ**، بوجہ باہم ہم جنس ہونے کے ثمن ہونے کے اعتبار سے، **وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ صَارَا سَبَبًا**، اور اسی وجہ سے یہ سبب بنتے ہیں وجوبِ زکوٰۃ کا۔ کس وجہ سے؟ کیونکہ یہ ثمن ہیں، کیونکہ کیا ہیں؟ ثمن۔ بے شک ان کے زیور بنائے ہوئے ہیں، لیکن یہ ہیں ہی کیا؟ ثمن ہیں، تو اسی وجہ سے، یہ معنی ہے: **وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ صَارَا سَبَبًا**، اور اسی وجہ سے، یعنی ثمن ہونے کی وجہ سے یہ سبب بنتے ہیں یعنی زکوٰۃ کا۔

ثُمَّ تُضَمُّ بِالْقِيْمَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، اچھا بھائی، اس میں تو اتفاق ہے ہمارے ائمہ کا کہ سونا اور چاندی جو ہو ان کو ملایا جائے گا اور پھر اس کی زکوٰۃ دی جائے گی جب نصاب کو پہنچ جائے۔ لیکن ان سونے اور چاندی صرف یہ دو ہیں، ان کو کس اعتبار سے ملایا جائے گا؟ بھائی دیکھیے، ان کے ساتھ اگر کرنسی آگئی یا سامانِ تجارت آگیا پھر تو قیمت ہی دیکھنا پڑے گی بالاتفاق۔ لیکن اگر صرف سونا ہے اور صرف کیا ہے؟ چاندی، یہ دو چیزیں ہیں اس آدمی کے پاس، تو اس صورت میں بھی ان کو ملایا تو جائے گا اس میں تو اتفاق ہے، لیکن کس اعتبار سے ملایا جائے گا؟ امام صاحب فرماتے ہیں قیمت کے اعتبار سے ملالو۔ قیمت لگاؤ چاندی کی بھی، قیمت لگاؤ سونے کی بھی، اور پھر دیکھو کہ یہ **أَنْفَعُ لِلْفُقَرَاءِ** والے نصاب کو پہنچتا ہے یا نہیں، اور **أَنْفَعُ لِلْفُقَرَاءِ** کون سا نصاب ہے؟ چاندی کا۔ تو ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت لگاؤ اور پھر آپ کے پاس جو سونا اور چاندی ہے ان کی قیمت لگا کر دیکھو یہ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کو پہنچ رہے ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہیں۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں جب صرف سونا اور صرف چاندی ہیں، تو پھر ان کو ملایا جائے گا لیکن قیمت کے اعتبار سے نہیں، اجزاء کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ اجزاء کے اعتبار سے۔ یعنی یہ دیکھو کہ مثلاً چاندی کا آدھا نصاب ہے، یعنی سو درہم ہیں، تو سونے کا بھی آدھا نصاب ہونا چاہیے، یعنی دس مثقال۔ دس مثقال۔ اور اگر چاندی کا ایک پاؤ نصاب ہے یعنی پچاس درہم، تو سونے کے تین پاؤ نصاب ہونا چاہیے یعنی پندرہ مثقال۔ سونے کا نصاب کتنا تھا؟ بیس مثقال تھا نا، تو ہم اجزاء کے اعتبار سے ملا رہے ہیں۔ قیمت کے اعتبار سے تو پھر آسان تھا معاملہ، دونوں کو ملایا اور دونوں کی قیمت دیکھی کہ **أَنْفَعُ لِلْفُقَرَاءِ** والے نصاب کو پہنچ رہی ہے یا قیمت نہیں پہنچ رہی۔ لیکن صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ صرف سونا اور چاندی ہیں تو ان کو کس اعتبار سے ملائیں گے؟ اجزاء کے اعتبار سے۔ یعنی اگر نصف نصاب چاندی کا ہے تو نصف کس کا ہونا چاہیے؟ سونے کا، اور چاندی کا نصف نصاب کتنا؟ سو درہم، تو سونے کا نصف نصاب کتنا؟ دس مثقال، تو یہ ہو تو پھر زکوٰۃ آئے گی۔ یا اگر چاندی کا ہے ایک پاؤ یعنی دو سو میں سے پچاس درہم ہے، تو سونے کا کتنا ہونا چاہیے؟ تین پاؤ ہونا چاہیے یعنی پندرہ مثقال ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر چاندی کا دسواں حصہ ہے نصاب کا، دسواں حصہ کتنے درہم؟ بیس درہم، دو سو کا دسواں حصہ کتنا ہے؟ بیس درہم۔ تو سونے کے نصاب میں چاندی کے نصاب کا عشر ہے نا، عشر ہے دسواں حصہ، تو سونے کے نصاب کے نو عشر ہونے چاہئیں، نو عشر کتنے بنتے ہیں؟ اٹھارہ بھائی، اٹھارہ مثقال ہونے چاہئیں سونا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، اجزاء کو نہیں دیکھیں گے بلکہ کس کو دیکھیں گے؟ قیمت کو دیکھیں گے بھائی۔

جی، اب دیکھیے آگے دلائل بھی ذکر ہوں گے اور مذاہب بھی بھائی۔ تو کہتے ہیں: **ثُمَّ تُضَمُّ بِالْقِيْمَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَعِنْدَهُمَا بِالْأَجْزَاءِ**، پھر ان کو ملایا جائے گا قیمت کے اعتبار سے امام صاحب کے نزدیک، **وَعِنْدَهُمَا بِالْأَجْزَاءِ**، اور صاحبین کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے، **وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْهُ**، اور یہی ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے، **حَتَّى أَنَّ مَنْ كَانَ لَهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ وَخَمْسَةُ مَثَاقِيْلَ ذَهَبٍ وَتَبْلُغُ قِيْمَتُهَا مِائَةَ دِرْهَمٍ فَعَلَيْهِ الزَّكَاةُ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا**، **حَتَّى**، یہاں تک کہ **أَنَّ مَنْ كَانَ لَهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ**، جس شخص کے پاس سو درہم ہوں، **وَخَمْسَةُ مَثَاقِيْلَ ذَهَبٍ**، پانچ مثقال ہوں سونے کے۔ تو چاندی کا نصاب کتنا ہے؟ نصاب تو ہے دو سو درہم، اس شخص کے پاس کتنے ہیں؟ سو درہم یعنی آدھا نصاب ہے۔ اور سونے کا نصاب ہے بیس مثقال، اس میں سے کتنے ہیں؟ پانچ مثقال ہیں، یعنی آدھا نہیں بلکہ ایک پاؤ ہے۔ تو امام صاحب کے نزدیک جب ان کی قیمت کس کو پہنچ رہی ہے؟ نصاب کو پہنچ رہی ہے، جو **أَنْفَعُ لِلْفُقَرَاءِ** ہو جو بھی نصاب ہو، اس کو اس کی قیمت پہنچ رہی ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، جبکہ صاحبین کے نزدیک اجزاء کو دیکھا جائے گا، اور چاندی کا آدھا نصاب ہے تو سونے کا تو آدھا نصاب نہیں ہے، لہٰذا اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے: **حَتَّى أَنَّ مَنْ كَانَ لَهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ وَخَمْسَةُ مَثَاقِيْلَ ذَهَبٍ**، یہاں تک کہ وہ شخص جس کے پاس سو درہم ہوں اور پانچ مثقال سونا ہو، **وَتَبْلُغُ قِيْمَتُهَا مِائَةَ دِرْهَمٍ**، اور اس کی قیمت جو ہے سو درہم کو پہنچتی ہے۔ کس کی قیمت؟ اس پانچ مثقال کی، سو درہم تو الگ ہیں، اور اس پانچ مثقال کی قیمت کس کو پہنچ رہی ہے؟ سو درہم کو اس کی بھائی قیمت کی بات چل رہی ہے نا، تو قیمت کتنی ہونی چاہیے اس کی؟ سو درہم تو خود موجود ہیں، اور پانچ مثقال سونا ہے، تو اس سونے کی بھی قیمت

کس کو پہنچ رہی ہو؟ سو درہم کو، تو کل کتنے ہو گئے؟ دو سو درہم کی قیمت ہو گئی، لہٰذا اس میں کیا آئے گی؟ زکوۃ آئے گی۔ یہ معنی ہے: **وَتَبْلُغُ قِيْمَتُهَا**، اور اس پانچ مثقال کی قیمت جو ہے پہنچتی ہے **مِائَةَ دِرْهَمٍ** سو درہم کو، **فَعَلَيْهِ الزَّكَاةُ عِنْدَهُ**، تو اس پر زکوۃ واجب ہو گی امام صاحب کے نزدیک، **خِلَافًا لَهُمَا**، بخلاف صاحبین کے، وہ فرماتے ہیں نہیں، اس میں زکوۃ نہیں کیونکہ اجزاء کے اعتبار سے نصاب پورا نہیں۔

هُمَا يَقُوْلَانِ، دلیل ذکر کر رہے ہیں، صاحبین فرماتے ہیں: **اَلْمُعْتَبَرُ فِيْهِمَا الْقَدْرُ دُوْنَ الْقِيْمَةِ**، کہ ان دونوں میں سونے اور چاندی میں جس کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ مقدار ہے **دُوْنَ الْقِيْمَةِ** نہ کہ قیمت۔ سونے اور چاندی میں مقدار کا اعتبار کیا جاتا ہے قیمت کا نہیں، صرف چاندی ہے تو کہاں تک ہو؟ دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولے ہو تو تب، اتنا وزن ہو تو لے تو لہ کس چیز کا نام ہے؟ وزن کا نام ہے نا، تو ساڑھے باون تولے اس کا وزن ہو گا ایک آدمی کے پاس صرف چاندی ہے، تو قیمت کو دیکھیں گے یا چاندی کے وزن کو دیکھیں گے؟ وزن۔ تو صاحبین فرماتے ہیں ان میں مقدار یعنی وہی وزن ہے نا یہاں مقدار، ان میں مقدار کا اعتبار ہے، اسی طرح سونے کے اندر سونے کے اندر بیس مثقال صرف سونا ہو تو پھر اس پر زکوۃ ہوتی ہے، اس میں قیمت کو نہیں دیکھا جاتا، تو لہٰذا یہاں بھی اجزاء کو دیکھا جائے گا یعنی مقدار کو۔ **هُمَا يَقُوْلَانِ**، صاحبین فرماتے ہیں: **اَلْمُعْتَبَرُ فِيْهِمَا الْقَدْرُ دُوْنَ الْقِيْمَةِ**، کہ معتبر ان دونوں میں یعنی سونے چاندی میں القدر وہ مقدار ہے **دُوْنَ الْقِيْمَةِ** نہ کہ قیمت، **حَتّٰى لَا تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي مَصُوْغٍ وَزْنُهُ أَقَلُّ مِنْ مِائَتَيْنِ**، یہ مصنوع لفظ نہیں ہے بھائی، مصوغ ہے، مصوغ، م، ص، و، اور غ ہے غ۔ **مَصُوْغٌ، مَصُوْغٌ** ڈھلا ہوا، ڈھالی ہوئی چیز بھائی۔ **صَاغَ يَصُوْغُ** کا معنی ہے دھات سے دھات کو ڈھال کر اس سے کوئی چیز بنانا، اس سے کوئی صورت دینا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ لوہے سے جگ بنایا جاتا ہے، کس طرح ڈھالا جاتا ہے اس کو؟ پگھلا کر اس کو جگ کی صورت دیا، اس سے گلاس بنایا جاتا ہے تو اس کو پگھلا کر گلاس کی صورت دی جاتی ہے۔ تو یہ جو دھات کو دھات سے کوئی چیز بنائی جاتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ڈھالنا، ڈھالنا۔ تو اسی سے ہے **مَصُوْغٌ**، جو ڈھلی ہوئی چیز ہے جس کو بنایا گیا ہے اس دھات سے، چاہے گلاس ہے، جگ ہے، پیالہ ہے، جو بھی چیز ہے، وہ ہے **مَصُوْغٌ** بھائی، اس کو ڈھالا گیا ہے اس صورت میں۔

تو صاحبین کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے اندر مقدار معتبر ہے، قیمت معتبر نہیں، **حَتّٰى لَا تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي مَصُوْغٍ وَزْنُهُ أَقَلُّ مِنْ مِائَتَيْنِ**، یاد رکھیے **مَصُوْغٍ** نکرہ آیا، اور **وَزْنُهُ أَقَلُّ مِنْ مِائَتَيْنِ**، **وَزْنُهُ** مبتدا، **أَقَلُّ مِنْ مِائَتَيْنِ** اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ، اور **مَصُوْغٍ** تھا نکرہ، نکرہ کے بعد کیا آیا؟ جملہ، تو یہ اس کی کیا بنے گا؟ صفت۔ تو اسی لیے وہ فرماتے ہیں: **حَتّٰى لَا تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي مَصُوْغٍ**، یہاں تک کہ زکوۃ واجب نہیں ہو گی ایسی ڈھلی ہوئی چیز میں جس کا وزن دو سو درہم سے کم ہو، وزن دو سو درہم سے کم ہو، **وَقِيْمَتُهُ فَوْقَهَا**، اور اس کی قیمت اس دو سو درہم سے زیادہ۔ صاحبین فرماتے ہیں بالاتفاق اگر کوئی برتن سونے یا چاندی سے بنایا گیا ہے اور اس کا وزن جو ہے دو سو درہم سے کم ہو، تو اس کے اندر زکوۃ واجب نہیں ہو گی اگرچہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ برتن بنایا ہے نا، تو وہ قیمت چاہے زیادہ ہی کیوں نہ ہو دو سو درہم سے، لیکن قیمت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس میں کس چیز کو دیکھا جاتا ہے؟ اس میں مقدار اور وزن کو دیکھا جاتا ہے۔ تو لہٰذا یہاں بھی جب دونوں کو ملا رہے ہیں تو وزن کا اعتبار کریں گے کیونکہ ان دونوں میں وزن کا اعتبار ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

هُوَ يَقُوْلُ، امام صاحب فرماتے ہیں: **إِنَّ الضَّمَّ لِلْمُجَانَسَةِ**، کہ ملانا جو ہے مجانست کی وجہ سے ہے۔ یہ جو سونے اور چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جاتا ہے یہ کس بنیاد پر ملایا جاتا ہے؟ کہ یہ ایک ہی دونوں باہم ایک جنس ہیں، ان کی جنس ایک ہے، **وَهُوَ يَتَحَقَّقُ بِاعْتِبَارِ الْقِيْمَةِ**، اور یہ مجانست جو ہے یہ قیمت کے اعتبار سے پائی جاتی ہے، **دُوْنَ الصُّوْرَةِ**، نہ کہ صورت۔ صورت کے اعتبار سے تو سونا الگ چیز ہے، چاندی الگ چیز ہے، لیکن ان کو ملایا ہی کس لیے جاتا ہے؟ کیونکہ ان کی جنس ایک ہے، اور جنس کس اعتبار سے ہے؟ کہ دونوں ثمن ہیں، تو ثمن یعنی قیمت کا اعتبار اس میں کیا جائے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ ورنہ اگر قیمت کا اعتبار نہیں کرتے یعنی ثمن ہونے کا اعتبار نہیں کرتے پھر تو مجانست ہے ہی نہیں، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، سونا اور چیز ہے، چاندی اور چیز ہے۔ تو مجانست پائی ہی کس صورت میں جاتی ہے؟ ثمن ہونے کے اعتبار سے یعنی ثمن ہیں، قیمت ہیں بھائی۔ یہ معنی ہے، وہ فرماتے ہیں امام صاحب: **إِنَّ الضَّمَّ لِلْمُجَانَسَةِ وَهُوَ يَتَحَقَّقُ بِاعْتِبَارِ الْقِيْمَةِ**، کہ ملانا جو ہے وہ مجانست کی وجہ سے ہے اور وہ ثابت ہو گا قیمت کے اعتبار سے، **دُوْنَ الصُّوْرَةِ**، نہ کہ صورت کے اعتبار سے، **فَيُضَمُّ بِهَا**، تو ان کو ملایا جائے گا **بِهَا**، قیمت کے اعتبار سے۔ اجزاء کے اعتبار سے نہیں بلکہ کس اعتبار سے ان کو ملایا جائے گا؟ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا۔

واللہ اعلم، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ چلیے بس بھائی، هذا هو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۰۵: باب ہے اس شخص کے بیان میں جو عاشر پر گزرتا ہے

ہدایہ صفحہ: ۲۱۳ــــ بتاریخ: ۳۰ مارچ ۲۰۱۳ء

بَابٌ فِي مَنْ يَمُرُّ عَلَى الْعَاشِرِ، إِذَا مَرَّ عَلَى الْعَاشِرِ بِمَالٍ فَقَالَ: أَصَبْتُهُ مُنْذُ أَشْهُرٍ، أَوْ عَلَيَّ دَيْنٌ وَحَلَفَ صُدِّقَ. وَالْعَاشِرُ: مَنْ نَصَبَهُ الْإِمَامُ عَلَى الطَّرِيقِ لِيَأْخُذَ الصَّدَقَاتِ مِنَ التُّجَّارِ، فَمَنْ أَنْكَرَ مِنْهُمْ تَمَامَ الْحَوْلِ أَوِ الْفَرَاغَ مِنَ الدَّيْنِ كَانَ مُنْكِرًا لِلْوُجُوبِ، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ الْيَمِينِ، وَكَذَا إِذَا قَالَ: أَدَّيْتُهَا إِلَى عَاشِرٍ آخَرَ. [1]

بَابٌ فِي مَنْ يَمُرُّ عَلَى الْعَاشِرِ: یہ باب ہے اس شخص کے بیان میں جو عاشر پر گزرتا ہے۔ وہ شخص جو کس پر گزرتا ہے؟ عاشر پر بھائی۔ یاد رکھیے عاشر جو ہے آگے صاحبِ ہدایہ بھی آپ کو بتلائیں گے کہ عاشر وہ شخص ہے جسے خلیفہ نے مقرر کیا ہو راستے پر تاکہ جو تاجر حضرات اس کے پاس سے تجارتی سامان لے کر گزریں تو وہ ان سے زکوٰۃ وصول کرتا رہے بھائی، زکوٰۃ وصول کرتا رہے۔ تو اسے کیا کہتے ہیں؟ عاشر کہتے ہیں بھائی عاشر۔

اور پھر اس کے اندر یہ مسلمان تاجروں سے بھی لے گا زکوٰۃ، اسی طرح یہ ذمی جو ہیں جو غیر مسلم دار الاسلام میں رہتے ہیں وہ کوئی مال لے کر گزریں ان سے بھی یہ مال وصول کرے گا، اور اسی طرح اگر کوئی حربی امان لے کر دار الحرب سے دار الاسلام آیا ہے اور وہ مالِ تجارت لے کر اس پر سے گزر اس پر گزرتا ہے تو اس سے بھی وہ ٹیکس وغیرہ وصول کرے گا۔ تو مسلمان سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے چالیسواں حصہ وصول کرے گا اس سے، کیونکہ زکوٰۃ بھی کس قدر ہے؟ مال کا چالیسواں حصہ ہے جب وہ نصاب کے بقدر ہو مال اور اس پر سال گزرے۔ اور ذمی سے وہ اس کا دگنا لے گا، یرحمک اللہ، ذمی سے اس کا دگنا لے گا یعنی بیسواں حصہ لیتا ہے، اور اگر کوئی حربی یعنی دار الحرب والا گزرتا ہے تو اس سے دسواں حصہ لیتا ہے۔ یعنی ذمی سے مسلمان کی بنسبت دگنا لے گا اور حربی سے ذمی کی بنسبت دگنا لے گا۔ تو مسلمان سے چالیسواں حصہ، ذمی سے بیسواں حصہ اور حربی سے دسواں حصہ بھائی۔ یہ ساری تفصیل آگے آرہی ہے، تو بس یہ یاد رکھیے یہ جو مال وصول کرنے والا خلیفہ کی طرف سے مقرر ہے، یہ زکوٰۃ وصول کرنے والا، اس کو عاشر کہتے ہیں عاشر بھائی۔

تو کہتے ہیں: **بَابٌ فِي مَنْ يَمُرُّ عَلَى الْعَاشِرِ:** یہ باب ہے اس شخص کے بیان میں جو عاشر پر گزرے۔ **إِذَا مَرَّ عَلَى الْعَاشِرِ بِمَالٍ فَقَالَ: أَصَبْتُهُ مُنْذُ أَشْهُرٍ، أَوْ عَلَيَّ دَيْنٌ وَحَلَفَ صُدِّقَ. إِذَا مَرَّ عَلَى الْعَاشِرِ:** جب وہ کوئی تاجر گزرا عاشر پر، **بِمَالٍ:** مال کے ساتھ، **فَقَالَ أَصَبْتُهُ مُنْذُ أَشْهُرٍ:** تو وہ تاجر کہتا ہے کہ میں نے اس مال کو پایا ہے چند مہینوں سے۔ بھائی زکوٰۃ تو واجب ہوتی ہے پورا سال گزرنے کے بعد اور وہ تاجر کیا کہتا ہے عاشر کو کہ اس مال کو سال نہیں گزرا بلکہ اس کو سال سے کم عرصہ گزرا ہے، چند مہینے گزرے ہیں۔ یا کہتا ہے: **أَوْ عَلَيَّ دَيْنٌ:** مجھ پر دین ہے، اور آپ نے پڑھا تھا کہ دین جو ہے وہ مانع زکوٰۃ ہے اگر اتنا دین ہو کہ وہ سارے مال کا احاطہ کرلے یا سارے مال کا تو احاطہ نہیں کرتا لیکن جو مال بچ جاتا ہے وہ نصاب کو نہیں پہنچتا تو اس صورت میں اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ تو اس تاجر نے اس عاشر سے کہا کہ میرے مال یہ جو مال مجھے ملا ہے اس پر ابھی سال نہیں ہوا، اس پر چند مہینے گزرے ہیں، **أَوْ عَلَيَّ دَيْنٌ** یا یہ کہا کہ مجھ پر دین ہے، **وَحَلَفَ:** اور قسم اٹھالی اس بات پر، چند مہینے گزرے ہیں، کس بات پر؟ یا دین ہونے پر قسم اٹھالی، **صُدِّقَ:** تو اس کی تصدیق کی جائے گی بھائی، یعنی اب اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

اب صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں عاشر کسے کہتے ہیں، کہتے ہیں: **وَالْعَاشِرُ: مَنْ نَصَبَهُ الْإِمَامُ عَلَى الطَّرِيقِ لِيَأْخُذَ الصَّدَقَاتِ مِنَ التُّجَّارِ،** اور عاشر وہ شخص ہے جس کو خلیفہ نے نصب کیا ہو یعنی قائم کیا ہو، مقرر کیا ہو راستے پر تاکہ وہ صدقات لے یعنی زکوٰۃ لے تاجروں سے۔ **فَمَنْ أَنْكَرَ مِنْهُمْ تَمَامَ الْحَوْلِ،** پس جس نے انکار کیا ان میں سے سال کے پورا ہونے کا، **أَوِ الْفَرَاغَ مِنَ الدَّيْنِ:** یا دین سے فارغ ہونے کا۔ سال پورا ہونے کا انکار کر رہا ہے یہ جو اوپر متن میں مسئلہ ذکر ہوا یا دین سے مال کے فارغ ہونے کا انکار کر رہا ہے، **كَانَ مُنْكِرًا لِلْوُجُوبِ:** تو یہ شخص وجوبِ زکوٰۃ کا منکر ہوا، انکار کرنے والا ہوا۔

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۴۱): «العاشر»۔ • شاملہ (ص ۱۴۱) میں «فِي مَنْ» کے بجائے «فيمن» درج ہے۔

وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ الْيَمِينِ، اور قول جو معتبر ہے وہ منکر کا قول ہے ساتھ قسم کے۔ بھائی آپ پڑھ چکے ہوں گے قدوری وغیرہ میں: «**الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ**»، کہ دعویٰ کرنے والے کے ذمہ گواہ ہوتے ہیں اور انکار کرنے والے پر قسم آتی ہے۔ تو یہاں بھی یہ دونوں آدمی وجوبِ زکوۃ کا انکار کرنے والے ہیں، جب انہوں نے کہا کچھ مہینے گزرے ہیں تو یہ کس چیز کا دراصل انکار کر رہے ہیں؟ اپنے مال پر زکوۃ کے واجب ہونے کا، یا اسی طرح وہ کہتا ہے مجھ پر دین ہے تو دراصل یہ کیا کر رہا ہے؟ وہ اپنے مال پر زکوۃ کے واجب ہونے کا انکار کر رہا ہے، اور منکر پر کیا آتی ہے؟ قسم آتی ہے۔ تو یہی بات بیان کر رہے ہیں: **وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ**، اور وہ قول جو معتبر ہے وہ منکر ہی کا قول ہے **مَعَ الْيَمِينِ** کس کے ساتھ؟ قسم کے ساتھ۔ تو لہٰذا اسی وجہ سے انہوں نے یہ بھی اگر اس بات پر قسم اٹھا لیتے ہیں تو ان کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ منکر ہیں اور منکر کا قول معتبر ہے۔ ہاں مدعی ہو دعویٰ کرنے والا، اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے، وہ قسم اٹھالے اس کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس کے ذمہ گواہی لانا ہوتے ہیں، اس نے دعویٰ کیا تو کیا لانا پڑیں گے؟ گواہ۔ ہاں جو انکار کرنے والا ہے اس سے قسم لی جاتی ہے اور یہ بھی یہاں انکار کر رہے ہیں تو ان پر قسم ہی آئے گی اور انہوں نے قسم اٹھالی ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور ان سے زکوۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

وَكَذَا إِذَا قَالَ: أَدَّيْتُهَا إِلَى عَاشِرٍ آخَرَ، اور اسی طرح ہے حکم جب وہ کہے کہ میں نے زکوۃ ادا کر دی ہے ایک دوسرے عاشر کو۔ تو اس صورت میں بھی یہی مسئلہ ہے، اگر وہ کیا کہتا ہے کہ میں نے ایک دوسرے عاشر کو زکوۃ ادا کر دی ہے تو بھی اس کی تصدیق کی جائے گی جب یہ قسم اٹھالے، کیونکہ یہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اس نے امانت کو اپنے محل تک پہنچا دیا ہے، اور جو امین ہوتا ہے امین جس کے پاس کیا ہوتی ہے؟ امانت ہوتی ہے تو اس سے بھی امانت کے پہنچانے پر قسم لی جاتی ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ معلوم ہوا وہ تعدی کا انکار کر رہا ہے، زیادتی کا انکار کر رہا ہے کہ اس نے کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ امانت کو اپنی جگہ پر پہنچا دیا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَكَذَا إِذَا قَالَ: أَدَّيْتُهَا إِلَى عَاشِرٍ آخَرَ**، اور اسی طرح حکم ہے یعنی قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی جب وہ یہ کہے کہ میں نے زکوۃ ادا کر دی ہے ایک دوسرے عاشر کو۔ **وَمُرَادُهُ**، آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ بھائی عاشر تو ایک ہی مقرر ہوتا ہے بھائی، عاشر تو ایک جگہ پر ایک ہی عاشر مقرر ہوتا ہے، تو مراد یہ ہے کہتے ہیں متن کی کہ جب سال کے کسی حصے میں کوئی دوسرا عاشر بھی خلیفہ کی طرف سے اگر مقرر تھا تو پھر تو تصدیق کی جائے گی کیونکہ واقعی حقیقت میں بھی ایک اور عاشر مقرر تھا تو ہو سکتا ہے یہ آدمی اس پر گزرا ہو بھائی اور اس نے زکوۃ ادا کر دی ہو، مال لے کر اس پر گزرا ہو۔ اور اگر اور تو کوئی عاشر مقرر ہی نہیں تھا، صرف یہی ایک عاشر مقرر ہے خلیفہ کی طرف سے تو پھر تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ پھر تو بات ظاہر ہی ہے کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے، کوئی اور تو عاشر تھا ہی نہیں اور یہ کیا کہہ رہا ہے کہ میں نے کسی اور عاشر کو ادا کر دی ہے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں: **وَمُرَادُهُ إِذَا كَانَ فِي تِلْكَ السَّنَةِ عَاشِرٌ آخَرُ**، اور متن کی مراد یہ ہے کہ جب کہ جب اسی سال کے اندر کوئی دوسرا عاشر بھی ہو تو تب تصدیق کی جائے گی، **لِأَنَّهُ ادَّعَى وَضْعَ الْأَمَانَةِ مَوْضِعَهَا**، اس لیے کیونکہ اس نے دعویٰ کیا ہے امانت رکھنے کا **مَوْضِعَهَا** اپنی جگہ پر یعنی امانت کو امانت کی جگہ پر رکھنے یعنی پہنچانے کا اس نے دعویٰ کیا ہے، **بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَاشِرٌ آخَرُ فِي تِلْكَ السَّنَةِ**، بخلاف اس کے کہ جب کوئی دوسرا عاشر نہ ہو اس سال کے اندر یعنی کسی اور کو خلیفہ نے اس سال مقرر نہیں کیا تو اس صورت میں تصدیق نہیں کی جائے گی، **لِأَنَّهُ ظَهَرَ كَذِبُهُ بِيَقِينٍ**، اس لیے کیونکہ اس کا جھوٹ جو ہے یقینی طور پر ظاہر ہو گیا کہ یقیناً یہ جھوٹ بول رہا ہے۔

وَكَذَا إِذَا قَالَ: أَدَّيْتُهَا أَنَا، اور اسی طرح ہے حکم جب وہ یہ کہے کہ میں نے خود ادا کر دیا ہے، میں نے خود کیا کر دیا ہے؟ ادا کر دیا ہے۔ تاجر مالِ تجارت لے کر عاشر پر سے گزرا، عاشر نے کہا: اس کی زکوۃ ادا کرو۔ وہ کہتا ہے: بھائی میں نے خود شہر کے اندر زکوۃ اس کی ادا کر دی ہے فقراء اور محتاجوں کو دے دیا ہے، زکوۃ دے دی ہے ان کو۔ تو بھی اس صورت میں اس کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی بھائی قسم کے ساتھ۔

یہ معنی ہے: **وَكَذَا إِذَا قَالَ: أَدَّيْتُهَا أَنَا**، اور اسی طرح جب اس نے یہ کہا کہ میں نے خود ادا کر دیا ہے، **يَعْنِي إِلَى الْفُقَرَاءِ فِي الْمِصْرِ**، یعنی فقراء اور محتاجوں کو شہر کے اندر، **لِأَنَّ الْأَدَاءَ كَانَ مُفَوَّضًا إِلَيْهِ فِيهِ**، اس لیے کیونکہ ادائیگی جو ہے وہ اسی کے سپرد کی گئی تھی **فِيهِ** شہر کے شہر میں بھائی، شہر میں ادائیگی اسی کے سپرد کی گئی تھی۔

بھائی یہ چند صفحات قبل یہ مسئلہ ذکر ہوا تھا جہاں کتاب الزکوۃ شروع ہوئی تھی بھائی وہاں پر کتاب الزکوۃ کا تیسرا صفحہ، صفحہ نمبر میرے پاس ہے صفحہ ۲۰۲، صفحہ ۲۰۲ اور اس کے درمیان میں آیا تھا کہ جو یہ جوز کوۃ وغیرہ ہے ان کا مطالب بندوں کی طرف سے وہ کون ہے؟ خلیفۃ المسلمین ہے **فِي السَّوَائِمِ** سائمہ جانوروں میں، **وَنَائِبُهُ فِي أَمْوَالِ التِّجَارَةِ** اور اس زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا خلیفہ کا نائب ہے اموالِ تجارت کے اندر، **فَإِنَّ الْمُلَّاكَ نُوَّابُهُ** اس لیے کیونکہ مال کے جو مالکین ہیں وہ اس خلیفہ کے نائب ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک جو زکوۃ ہے وہ تاجروں سے ان کے سائمہ جانوروں پر جو ہے وہ بھی زکوۃ وصول کی جاتی تھی اور ان کا جو باقی مالِ تجارت ہوتا اس کا بھی حساب لگا کر اس کی زکوۃ وصول کی جاتی تھی، زکوۃ وصول کی جاتی تھی، لیکن پھر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض مصلحتوں کے پیشِ نظر مالِ تجارت کے اندر جوز کوۃ کی ادائیگی تھی اس میں مالکوں کو ہی اپنا نائب بنا کر انہی کے حوالے کر دیا کہ وہ خود ہی کیا کر دیا کریں؟ اپنے مالِ تجارت کی زکوۃ ادا کر دیا کریں۔ ہاں تفصیل یاد رکھیے بھائی دیکھیے کہ یہ جو سائمہ جانور ہیں نا سائمہ جانور، یہ تو کھلا مال ہے، ظاہر ہے سب کو اس کا پتہ ہوتا ہے کہ فلاں کے مثلاً اس کے پاس بہت سارے اونٹ ہیں یا بہت ساری بھیڑ بکریاں ہیں یا بہت ساری گائے بھینسیں ہیں تو یہ اموالِ ظاہرہ ہیں، یہ سائمہ جانور کیا ہیں؟ اموالِ ظاہرہ۔ اور جبکہ اس کے علاوہ اور اس کے پاس کتنے دینار ہیں، درہم ہیں، کتنا مالِ تجارت ہے اس کا ہر ایک کو پتہ نہیں ہوتا، اس کو یہ ہے اموالِ باطنہ، یہ کیا ہیں؟ اموالِ باطنہ۔

تو تاجر جو ہے وہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے اموالِ باطنہ کی تفصیل لوگوں کو بتائے بھائی، تو لہٰذا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اموالِ باطنہ یعنی مالِ تجارت کے اندر ان مالکوں کو خود ہی اپنی اپنا نائب بنا دیا کہ تم ہی خود ہی کیا کیا کرو؟ میری طرف سے نائب ہو کر زکوٰۃ ادا کر دیا کرو۔ کیونکہ خلیفہ جو ہے جو امام ہے امام المسلمین اس کو تو اللہ کی طرف سے حکم ہے: ﴿**خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً**﴾ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجیے، تو اس میں صدقہ سائمہ جانوروں کے اندر بھی آتا ہے اور مالِ تجارت کے اندر بھی آتا ہے تو ان میں وصول کیا جاتا تھا لیکن پھر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے کے اندر آ کر یہ طریقہ اختیار کیا کہ صرف سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ تو وصول کی جاتی تھی کیونکہ یہ مالِ ظاہر ہے سب کو اس کا پتہ ہوتا ہے، جبکہ دوسرا مالِ تجارت جو ہے اس کو تو تاجر عموماً چھپا کر رکھتا ہے کسی کو بتلانا پسند نہیں کرتا تو اب اگر اس کی زکوٰۃ لی جائے گی تو سارا وہ جو زکوٰۃ لینے آیا ہے اس کو سارے مال کی تفصیل بتلانا پڑے گی اور تاجر اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اپنے اموالِ باطنہ لوگوں کو بتلائیں بھائی، اموالِ باطنہ۔ اور پھر بالخصوص اس بات کی طرف بھی آپ کی نظر تھی کہ آگے معلوم نہیں کس قسم کا زمانہ آئے، اگر یہ سلسلہ اسی طرح چلے گا تو اگر بعد میں کسی وقت کوئی ظالم بادشاہ وغیرہ آ گئے پھر تو وہ لوگوں کو بڑا تنگ کریں گے، اور اسی طرح جب وہ بادشاہ ظالم ہے اسی طرح اس کے کام کرنے والے ہیں ان پہ بھی اسی طرح اثر پڑتا ہے وہ بھی پھر اسی قدر بڑھ چڑھ کر ظلم کرتے ہیں اور لوگوں سے جو جائز زکوٰۃ ہے اس سے بڑھ کر ان سے وصول کریں گے، تو وہ ساعی کیا کریں گے؟ وہ بھی ان کے مال پر قبضہ کرنے اور اس کو کھانے کی کوشش کریں گے تو آپ نے ان مصلحتوں کی بنا پر اموالِ باطنہ کے اندر جو مالوں کے مالکین ہیں یعنی تاجر ہیں ان کو اپنا نائب بنا دیا کہ ظاہری مال جو ہے سائمہ جانور ان میں تو خلیفہ کی طرف سے ہی آدمی آتے اور وہ زکوٰۃ وصول کرتے، لیکن اموالِ باطنہ کے اندر زکوٰۃ کی ادائیگی کس کے سپرد کر دی گئی؟ مالکینِ مال کے یعنی تاجروں ہی کے سپرد کر دی گئی بھائی، یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں اب دیکھیے مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ کوئی شخص عاشر پر گزرا اور عاشر کے پاس سے گزرتے ہوئے عاشر نے کہا: لاؤ بھائی اپنے مالِ تجارت کی زکوٰۃ دے دو۔ وہ کہتا ہے: میں نے زکوٰۃ خود ہی دے دی ہے فقیروں کو اپنے شہر کے اندر۔ کہتے ہیں: اس صورت کے اندر بھی وہ امانت کو اپنے محل پر پہنچانے کا دعویٰ کر رہا ہے لہٰذا قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ ادائیگی اسی کے حوالے تھی، کیونکہ اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کس کے حوالے کی گئی تھی؟ مالِ تجارت والوں کے، تو جب یہ اس کے حوالے تھی اور وہ کہہ کیا وہ کیا کہہ رہا ہے کہ میں امانت کو اپنے محل پر پہنچا چکا ہوں یعنی زکوٰۃ جس کا حق تھا یعنی جو فقراء کا حق تھا میں ان کو وہ حق پہنچا چکا ہوں تو اس صورت میں بھی قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ اب دیکھیے بھائی۔

وَكَذَا إِذَا قَالَ: أَدَّيْتُهَا أَنَا، اور اسی طرح حکم ہے جب اس نے یہ کہا کہ میں نے خود ادا کر دی ہے، **يَعْنِي إِلَى الْفُقَرَاءِ فِي الْمِصْرِ،** یعنی فقیروں کو شہر میں، **لِأَنَّ الْأَدَاءَ كَانَ مُفَوَّضًا إِلَيْهِ فِيهِ،** اس لیے کیونکہ ادائیگی جو ہے وہ اسی کے سپرد تھی اس مالِ تجارت والے کے سپرد تھی **فِيهِ** کس میں؟ اس شہر میں، جب تک وہ شہر میں ہے ادائیگی اس کے سپرد ہے، **وَوِلَايَةُ الْأَخْذِ بِالْمُرُورِ لِدُخُولِهِ تَحْتَ الْحِمَايَةِ،** اور یہ بھی یاد رکھیے بھائی، یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھیے کہ جب تک تاجر مالِ تجارت کے ساتھ اپنے شہر کے اندر ہے تو وہ زکوٰۃ کی ادائیگی اسی کے سپرد ہے، لیکن جب وہ اپنا مالِ تجارت لے کر شہر سے نکلتا ہے تو اب وہ خلیفہ کی حفاظت کی اس کو ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ باہر جنگل کی طرف سے گزرنا پڑے گا یعنی کسی اور جگہ جانے کے لیے، تو اب وہ خلیفہ کی حفاظت میں آتا ہے اور جب خلیفہ کی حفاظت میں آئے گا اور اس عاشر پر گزرے گا تو اب زکوٰۃ مالِ تجارت کی بھی اس کو ادا کرنا پڑے گی۔ شہر میں تو ادائیگی اسی کے سپرد تھی لیکن اب کیا کرے گا وہ؟ شہر سے نکلے گا، جنگل کی طرف جائے گا، جنگل میں سے گزرے گا، سفر کرے گا تو اب اسے کس چیز کی ضرورت ہے؟ خلیفہ کی خلیفہ کی طرف سے حفاظت کی ضرورت ہے تو اس حفاظت کے لیے اس حفاظت کی وجہ سے اب زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار کس کو کس کے پاس آ گیا؟ خلیفہ کے پاس آ گیا، ورنہ پہلے تو اموالِ باطنہ کے اندر خلیفہ نے انہی کو نائب بنایا ہوا تھا لیکن اب جب وہ شہر سے نکلے گا تو اب خلیفہ کے پاس اختیار آ گیا وہ زکوٰۃ وصول کرے گا کیونکہ اس شخص کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ حفاظت کی ضرورت ہے بھائی۔ یہ معنی ہے اس لیے کیونکہ ادائیگی اسی شخص کے سپرد تھی شہر کے اندر، **وَوِلَايَةُ الْأَخْذِ بِالْمُرُورِ** اور لینے کی یعنی زکوٰۃ لینے کی جو ولایت ہے گزرنے کی وجہ سے، **لِدُخُولِهِ تَحْتَ الْحِمَايَةِ** بوجہ اس شخص کے داخل ہو جانے حفاظت میں اس وجہ سے کہ یہ شخص کس میں داخل ہو رہا ہے؟ حفاظت میں اس امام کی حفاظت میں۔

وَكَذَا الْجَوَابُ فِي صَدَقَةِ السَّوَائِمِ فِي ثَلَاثَةِ فُصُولٍ، اور اسی طرح جواب ہو گا سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ میں **فِي ثَلَاثَةِ فُصُولٍ** تین فصلوں کے اندر۔ بھائی یاد رکھیے اوپر چار صورتیں ذکر ہو گئیں اب تک متن کے اندر: ایک شخص عاشر پر گزرا اور اس نے کیا کہا کہ میرے مال پر ابھی سال پورا نہیں ہوا لہٰذا اس میں زکوٰۃ نہیں۔ ایک صورت۔ دوسری صورت یہ کہ وہ کہتا ہے کہ مجھ پر دین ہے تو اس صورت میں بھی اس کی تصدیق کی جائے گی۔ تیسری صورت وہ کہتا ہے کہ میں نے کسی دوسرے عاشر کو ادا کر دیا ہے اور اس سال میں کوئی دوسرا عاشر تھا بھی تو اس صورت میں بھی اس کی تصدیق کی جائے گی۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میں نے خود فقراء کو ادا کر دی ہے شہر کے اندر زکوٰۃ تو اس صورت میں بھی قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی، تو چار صورتیں آ گئیں۔

آگے صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں اگر تاجر جو ہے وہ سائمہ جانوروں کو لے کر گزرتا ہے اور یہی چاروں باتیں کہتا ہے۔ ایک صورت میں کیا کہتا ہے کہ ابھی سال ان پر پورا نہیں ہوا۔ دوسری صورت کیا ہے کہ مجھ پر دین ہے۔ تیسری صورت کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے دوسرے عاشر کو ادا کر دی ہے، اور چوتھی صورت کہ میں نے خود کیا کیا ہے؟ ادا کر دی ہے۔ تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ پہلی تین صورتوں میں تصدیق کی جائے گی اس شخص کی، کون سا شخص جو کیا لے کر گزر رہا ہے؟ سائمہ جانور

لے کر گزر رہا ہے تو پہلی تین صورتوں میں تصدیق کی جائے گی، اور چوتھی صورت جس میں اس نے کہا میں نے شہر کے اندر خود ان سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے اس صورت میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی بھائی، اس صورت میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، باقی تینوں صورتوں میں تصدیق کی جائے گی۔ بھائی کیا وجہ یہ چوتھی صورت جب وہ کہہ رہا ہے میں نے شہر کے اندر فقراء کو دے دیا ہے دے دی ہے اس کی زکوٰۃ کیوں نہیں اس کی تصدیق کی جائے گی؟ دلیل اس کی آگے ذکر کریں گے، بھائی اس لیے کیونکہ اموالِ باطنہ کے اندر تو خلیفہ نے ان کو اپنا نائب بنایا تھا کہ مال کے مالکین کیا کریں؟ میری طرف سے نائب بن کر اپنے مال کی زکوٰۃ کس کے حوالے کر دیں؟ فقراء کے حوالے کر دیں، لیکن سائمہ جانوروں کے اندر تو خلیفہ نے کسی کو اپنا نائب نہیں بنایا وہاں تو خود خلیفہ کے آدمی آ کر کیا کرتے ہیں؟ زکوٰۃ وصول، تو جب اس کے اندر خلیفہ نے اس کو اپنا نائب نہیں بنایا تو یہ کون ہوتا ہے خلیفہ کے حق کو باطل کرتے ہوئے خود ہی زکوٰۃ ادا کرنے والا؟ وہ تو کام ہی کس کا ہے؟ خلیفہ کا کام ہے، یہ ادا کرنے کی اس کو اجازت نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اس وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے: **وَكَذَا الْجَوَابُ فِي صَدَقَةِ السَّوَائِمِ فِي ثَلَاثَةِ فُصُولٍ**، اور اسی طرح جواب یعنی حکم ہے سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ میں بھی **فِي ثَلَاثَةِ فُصُولٍ** تین فصلوں میں یعنی تین صورتوں میں، **وَفِي الْفَصْلِ الرَّابِعِ** اور چوتھی صورت میں چوتھی فصل میں، **وَهُوَ مَا إِذَا قَالَ: أَدَّيْتُ بِنَفْسِي إِلَى الْفُقَرَاءِ فِي الْمِصْرِ**، جبکہ اس نے کہا کہ میں نے خود ادا کر دیا ہے فقیروں کو شہر میں، تو اس چوتھی صورت میں **لَا يُصَدَّقُ** اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، **وَإِنْ حَلَفَ** اگرچہ وہ قسم اٹھالے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُصَدَّقُ؛ لِأَنَّهُ أَوْصَلَ الْحَقَّ إِلَى الْمُسْتَحِقِّ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی تصدیق کی جائے گی اس لیے کیونکہ اس نے حق کو پہنچا دیا ہے **إِلَى الْمُسْتَحِقِّ** حقدار کو، کیونکہ اس نے حقدار کو کیا کیا ہے؟ پہنچا دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زکوٰۃ حق بھی فقیروں کا تھا اور یہ بھی کیا کہہ رہا ہے کہ میں نے فقیروں کو وہ ادا کر دیا ہے تو یعنی یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے حقداروں کو ان کا حق پہنچا دیا ہے تو لہٰذا اس کی تصدیق کی جائے گی اس صورت میں بھی، یعنی یہ سائمہ جانوروں میں۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لِلسُّلْطَانِ**، کہ یہ سائمہ جانوروں کے اندر زکوٰۃ لینے کا حق کس کا ہے؟ سلطان یعنی بادشاہ کا ہے، خلیفہ کا ہے، **فَلَا يَمْلِكُ إِبْطَالَهُ**، تو یہ شخص جو تاجر ہے یہ مالک نہیں ہے اس بات کا کہ خلیفہ کے حق کو باطل کرے بھائی۔ یہ کون ہوتا ہے کہ کیا کر دے خلیفہ کے جب خود دینے کا دعویٰ کر رہا ہے تو یہ کیا کر رہا ہے؟ خلیفہ کے حق کو باطل، یہ تو خلیفہ کا اختیار تھا یہ کون ہے دینے والا اور اس کے حق کو باطل کرنے والا؟ تو یہ معنی ہے کیونکہ شہر کے اندر لینے کا حق خلیفہ کا ہے **فَلَا يَمْلِكُ إِبْطَالَهُ** تو یہ شخص مالک نہیں ہے خلیفہ کے حق کو باطل کرنے کا، **بِخِلَافِ الْأَمْوَالِ الْبَاطِنَةِ**، بخلاف کس کے؟ اموالِ باطنہ کے، کیونکہ وہ اس میں تو اسی خود خلیفہ نے حق دے دیا تھا لیکن سائمہ کے اندر تو خلیفہ نے اس کو حق نہیں دیا۔

ثُمَّ قِيلَ، پھر کہا گیا ہے: اچھا بھائی اب اس نے شہر میں بھی ادا کر دی تھی اور سائمہ جانور ہیں اور پھر وہ جو عاشر پر گزرا اس نے وہ بھی اس سے لے گا، وہ بھی کیا کرے گا اس سے؟ زکوٰۃ لے گا، تو اب ان میں سے زکوٰۃ کون سی ہوئی؟ زکوٰۃ کون سی ہوئی؟ تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جو پہلی دفعہ دے دیے تھے زکوٰۃ وہی تھی، زکوٰۃ وہی تھی اور یہ جو خلیفہ لے گا یہ سیاسۃً ہے بس۔ یہ کیا ہے؟ سیاسۃً۔ سیاست کہتے ہیں ملکی معاملات کو چلانے کی تدبیر بھائی، ملکی معاملات کو چلانے کی جو تدبیر ہے یہ ہے سیاست بھائی۔ تو کہتے ہیں یہ جو خلیفہ لے گا یہ سیاسۃً ہے، سیاسۃً ہو گا، ملکی معاملات کی تدبیر کے اعتبار سے ہو گا تاکہ تاکہ آئندہ اس کو ایسا کرنے کی جرات نہ ہو بھائی، اس سے لی جائے گی یہ تو خلیفہ کا حق تھا یہ کون ہے اس خلیفہ کے حق کو باطل کرنے والا؟ تو بے شک اس نے دے دی ہو، اس سے دوبارہ لی جائے گی زکوٰۃ تاکہ یہ دوبارہ آئندہ اس طرح نہ کرے اور دوسرے کو بھی اس کو دیکھ کر تنبیہ ہو جائے اور کوئی دوسرا بھی اس طرح خلیفہ کے حق کو باطل کرنے کی کوشش نہ کرے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس قول کے مطابق زکوٰۃ اولاً جو پہلی دفعہ ادا کی وہ زکوٰۃ ہو گئی تھی اور یہ کیا ہے؟ یہ جو ادائیگی ہے یہ سیاسۃً ہے۔ اور بعضوں نے کہا نہیں، یہ جو ہے دوسری دفعہ جو خلیفہ لے گا یہ زکوٰۃ ہے اور جو پہلی دفعہ اس نے ادا کر دی تھی کہتے ہیں وہ نفلی صدقہ ہو جائے گا، وہ وہ زکوٰۃ نہیں ہو گی ویسے نفلی صدقہ اور خیرات بن جائے گا، یہ زکوٰۃ ہو گی جو خلیفہ کے عاشر کو وہ ادا کر رہا ہے، اس لیے کیونکہ شریعت نے لینے کا حق کس کو دیا ہے؟ خلیفہ کو دیا ہے: ﴿**وَخُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً**﴾ کہ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، تو شریعت نے امام المسلمین کو یہ حق دیا ہے اور لہٰذا جو اس نے خود ادا کیے تھے وہ نفل نفلی ہو جائے گا صدقہ اور یہ زکوٰۃ ہو جائے گی۔ جیسے جمعہ کے دن شریعت نے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے یا جمعہ کی نماز پڑھنے کا؟ جمعہ کی نماز پڑھنے کا، اور آپ یہ مسئلہ پڑھ چکے ہیں کہ کوئی شخص بغیر کسی عذر کے گھر پر ہی ظہر کی نماز جمعہ سے پہلے پڑھ لیتا ہے پھر اس کا بعد میں ارادہ بن گیا کہ اب میں جمعہ جا کر پڑھ لیتا ہوں اور وہ جا کر جمعہ کی نماز پڑھ لیتا ہے تو بالاتفاق جمعہ اس کا ہو گیا اور وہ پہلی نماز نفل ہو جائے گی، کیا ہو جائے گی؟ نفل ہو جائے گی۔ تو یہاں بھی اسی طرح جو پہلی دفعہ زکوٰۃ دی تھی وہ کیا ہو جائے گی؟ نفل ہو جائے گی اور بعد والی ادا ہو گی کیونکہ شریعت نے لینے کا حق کس کو دیا ہے؟ خلیفہ کو دیا ہے جیسے جمعہ کے دن شریعت نے جمعہ کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

یہی بیان کر رہے ہیں: **ثُمَّ قِيلَ: الزَّكَاةُ هُوَ الْأَوَّلُ**، پھر کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ وہ پہلی ہی ہے، **وَالثَّانِي سِيَاسَةٌ**، اور دوسری کیا ہے؟ سیاست ہے یعنی ملکی معاملات چلانے کی تدبیر کے اعتبار سے ہے، **وَقِيلَ: هُوَ الثَّانِي، وَالْأَوَّلُ يَنْقَلِبُ نَفْلًا**، اور کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ جو ہے وہ دوسری ہی ہے یعنی عاشر نے لی ہے، **وَالْأَوَّلُ يَنْقَلِبُ نَفْلًا** اور پہلی جو ہے وہ پلٹ جائے گی نفل ہو کر یعنی کس میں بدل جائے گی؟ نفلی زکوٰۃ میں، **وَهُوَ الصَّحِيحُ**، اور یہی قول صحیح ہے کہ دوسری مرتبہ

جو ادا کرے گا وہ زکوٰۃ ہو گی۔

ثُمَّ فِيمَا يُصَدَّقُ فِي السَّوَائِمِ وَأَمْوَالِ التِّجَارَةِ لَمْ يَشْتَرِطْ إِخْرَاجَ الْبَرَاءَةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ، وَشَرَطَهُ فِي الْأَصْلِ. تو دیکھیے عاشر جب زکوٰۃ وصول کرے گا تو وہ اس تاجر کو تحریر لکھ کر حوالے کرے گا کہ میں نے اس کے مال میں سے زکوٰۃ وصول کر لی ہے۔ خلیفہ کی طرف سے جو آدمی مقرر ہے وہ کیا کرے گا؟ تحریر اس کے حوالے کرے گا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو سرٹیفکیٹ اس کو دے دے گا کہ اس کے مال میں سے زکوٰۃ وصول ہو گئی ہے۔ اب یہ جب دوسرے عاشر کے اوپر سے گزرا اور اس کو اس نے کہا کہ میں پچھلے عاشر کو زکوٰۃ ادا کر چکا ہوں، تو کیا اس سے اس پچھلے عاشر کی جو رسید تھی اور اس کی جو تحریر تھی وہ طلب کی جائے گی یا طلب نہیں کی جائے گی؟ یہ کیا صرف قسم اٹھالیتا ہے، قسم اٹھالیتا ہے یہ کافی ہے یا اس سے وہ جو اس نے تحریر لکھ کر دی تھی اس کو یہ یہاں براءت کے نام سے ذکر کریں گے، کس نام سے؟ براءت بھائی۔ براءت کا معنی چھٹکارا، خلاصی، یعنی وہ بھی جب زکوٰۃ لے لیتا ہے تو وہ خلاصی اور چھٹکارے کی رسید دے دیتا ہے یعنی اس کی طرف سے ادائیگی ہو چکی ہے، یہ یعنی ادائے زکوٰۃ سے اس کی خلاصی ہو گئی ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کو یہ براءت کہیں گے۔ تو کہتے ہیں کیا یہ دوسرا عاشر اس پہلے عاشر نے جو رسید وغیرہ لکھ کر دی تھی وہ اس سے طلب کرے گا یا طلب نہیں کرے گا؟ تو کہتے ہیں اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، دو روایتیں ہیں۔ جامع صغیر کے اندر امام محمد رحمہ اللہ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ اس سے کیا کیا جائے گا؟ اس سے وہ رسید بھی رسید دکھانا بھی شرط ہو گا، یہ شرط اس میں انہوں نے نہیں لگائی۔ البتہ بھائی اصل یعنی مبسوط کے اندر انہوں نے شرط لگائی ہے کہ اس کے لیے کیا ضروری ہو گا؟ وہ رسید کا دکھانا ضروری ہو گا بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھائی تو کہتے ہیں: **ثُمَّ فِيمَا يُصَدَّقُ فِي السَّوَائِمِ وَأَمْوَالِ التِّجَارَةِ،** پھر ان صورتوں میں جس میں تصدیق کی جائے گی جس میں اور تصدیق کتنے معاملات میں کی جاتی تھی؟ اموالِ باطنہ کی چاروں صورتوں میں اور سائمہ کے اندر تین صورتوں میں، تو ان صورتوں میں جن میں تصدیق کی جائے گی **فِي السَّوَائِمِ وَأَمْوَالِ التِّجَارَةِ** سائمہ جانوروں میں اور مالِ تجارت میں تو وہ سات صورتیں جو ہیں، **لَمْ يَشْتَرِطْ إِخْرَاجَ الْبَرَاءَةِ،** تو شرط نہیں لگائی امام محمد نے براءت کے نکالنے کی کہ براءت نکال کر دکھائے، وہ رسید نکال کر دکھائے، **فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ،** کس کے اندر؟ جامع صغیر میں امام محمد نے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ رسید بھی نکال کر دکھائے گا۔ **وَشَرَطَهُ فِي الْأَصْلِ،** اور امام محمد رحمہ اللہ نے شرط لگائی ہے کس کے اندر؟ اصل یعنی مبسوط میں، مبسوط میں اس کو شرط کے طور پر ذکر کیا ہے اور جامع صغیر میں یہ دکھانے کی شرط ذکر نہیں کی۔

وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، اور یہی روایت ہے حسن ابن زیاد کی بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے۔ کون سی؟ شرط جو اصل مبسوط میں امام محمد نے شرط لگائی ہے، اور یہی ایک روایت ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی، حسن ابن زیاد رحمہ اللہ امام صاحب کے جو شاگرد ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ وہ براءت اور وہ رسید کی شرط وہ شرط ہو گی وہ دکھانا پڑے گی اس کو۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ ادَّعَى،** اس لیے کیونکہ ایک شخص اس شخص نے ایک دعویٰ کیا ہے، کیا دعویٰ کیا؟ کہ میں زکوٰۃ ادا کر چکا ہوں دوسرے عاشر کو، **وَلِصِدْقِ دَعْوَاهُ عَلَامَةٌ،** اور اس کے دعوے کی سچائی کے لیے ایک علامت بھی ہے، **فَيَجِبُ إِبْرَازُهَا،** تو واجب ہے اس کو ظاہر کرنا اور اس کو دکھانا، جب علامت موجود ہے تو اس کو دکھانا واجب ہے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَوَجْهُ الْأَوَّلِ، اور پہلے قول کی وجہ جو جامع صغیر میں تھا اور وہاں انہوں نے شرط نہیں لگائی، اس کی وجہ یہ ہے وہاں اس لیے انہوں نے شرط نہیں لگائی: **أَنَّ الْخَطَّ يُشْبِهُ الْخَطَّ،** کہ ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے، **فَلَا يُعْتَبَرُ عَلَامَةً،** لہٰذا اس کا علامت ہونا معتبر نہیں ہے بھائی۔ ہو سکتا ہے اس آدمی نے اپنی طرف سے کیا کر لی ہو وہ رسید خود بنالی ہو، تو تحریر اس کی اس طرح کی اس نے بنالی، تو لہٰذا یہ تحریر چونکہ ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے لہٰذا اس کو اس کا علامت ہونا معتبر ہی نہیں ہے، جب معتبر نہیں ہے تو پھر دکھانے کی شرط بھی نہیں ہو گی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

یہاں ایک چھوٹی سی بات یاد رکھنا: **فِيمَا يُصَدَّقُ فِي السَّوَائِمِ وَأَمْوَالِ التِّجَارَةِ،** وہ صورتیں جن میں سائمہ جانوروں میں اور مالِ تجارت میں اس کی تصدیق کی جاتی تھی، اور اس میں کتنی صورتیں ہیں؟ سات صورتیں ہیں، لیکن مراد اس کے اندر صرف دو صورتیں ہیں۔ سات نہیں مراد، کتنی مراد ہیں؟ دو صورتیں، کون سی؟ جس میں وہ کہتا ہے کہ میں پچھلے عاشر کو ادا کر چکا ہوں، اور باقی صورتیں مثلاً وہ کہتا ہے مجھ پر دین ہے یا اس کو ابھی سال پورا نہیں ہوا یا میں کس کو دے چکا ہوں؟ فقراء کو دے چکا ہوں، ان صورتوں کے اندر براءت کی تو بات ہی نہیں ہے۔ ایک آدمی پر دین ہو تو اس کے پاس کوئی رسید ہو گی؟ وہاں تو ہونے کا سوال، فقراء کو دے گا تو کیا ان سے رسید لے گا؟ وہاں بھی رسید نہیں ہے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور یا اور کیا صورت تھی؟ یا ابھی چند مہینے ہوئے ہیں، اس پر کوئی رسید ہو گی؟ نہیں بھائی، تو وہاں پر تو رسید کا سوال ہی نہیں، ہاں ان دو صورتوں میں رسید ہو گی اس کے پاس بھائی۔ اور پھر صاحبِ ہدایہ نے تو ذکر کیا **فِيمَا** ان تمام صورتوں میں جو کس میں ہیں؟ جس میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے سائمہ جانوروں میں اور اموالِ تجارت کے اندر، جواب یہ کہ عام بول کر خاص مراد ہے۔ یہاں عام بول کر لفظ ایسے استعمال کیے جو ساری صورتوں کو شامل تھے لیکن مراد ان میں سے صرف کتنی صورتیں ہیں؟ دو صورتیں ہیں بھائی دو صورتیں ہیں۔ تو بھائی پھر عام لفظ کیوں استعمال کیے، خاص ہی کیوں نہیں استعمال کیے؟ انہی دو کا خاص طور پر ذکر کرتے؟ کہتے ہیں بھائی یہاں چونکہ کوئی اشتباہ کا محل ہی نہیں تھا، اشتباہ ہونے کی کوئی وجہ ہے یہاں؟ ظاہر ہے یا نہیں کہ فقیر تو لازمی بات ہے رسید نہیں دیں گے، اور اس کے اوپر دین ہے تو اس کی بھی تو کوئی رسید نہیں ہو گی، اسی طرح چند مہینے گزرے ہیں اس میں بھی کس سے لے گا رسید کہ ابھی چند مہینے گزرے ہیں بھائی؟ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو چونکہ بات ظاہر تھی اس لیے صاحبِ ہدایہ نے عام الفاظ استعمال کر لیے۔

قَالَ: وَمَا صُدِّقَ فِيهِ الْمُسْلِمُ صُدِّقَ فِيهِ الذِّمِّيُّ، اور وہ وہ چیزیں جن میں تصدیق کی جائے گی مسلمان کی اس میں تصدیق کی جائے گی ذمی کی بھی۔ بھائی سات صورتوں میں کس کی تصدیق کی جائے گی؟ مسلمان کی، تو انہی سات صورتوں کے اندر ذمی کی بھی تصدیق کی جائے گی۔ ذمی جو غیر مسلم دار الاسلام میں رہتا ہے وہ اپنا مالِ تجارت لے کر گزرا چاہے اموالِ باطنہ ہوں یعنی عام مالِ تجارت ہو یا چاہے سائمہ جانور ہوں، تو جن جن صورتوں میں مسلمان کی تصدیق کی جائے گی انہی چیزوں میں ذمی کی بھی تصدیق کی جائے گی، اور جن چیزوں میں مسلمان کی تصدیق نہیں کی جائے گی اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی وہاں پر ذمی کی بات بھی تسلیم نہیں بھائی یہ کیا وجہ ہے کہ جہاں مسلمان کی بات تسلیم کی جائے گی وہاں ذمی کی بھی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مسلمان سے لیا جاتا تھا چالیسواں حصہ اور ذمی سے اس سے دگنا یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ تو مسلمان سے جو لیا جاتا تھا اسی کا دگنا لیا جاتا تھا، اور اسی کا دگنا یہ تب ہی کہیں گے جب پہلی چیز میں جو شرطیں تھیں دوسری میں بھی وہی شرطیں ہوں۔ مسلمان سے لینے کی جو جو صورتیں تھیں، جو جو شرطیں تھیں وہی شرطیں یہاں کس کے اندر ہوں؟ ذمے کے مال میں بھی ہوں، تو پھر کہیں گے یہ اسی کا دگنا ہے، اگر ادھر اور شرطیں ہوں پھر تو یہ اور یہ تو پھر بالکل بدل جائے گا یہ اسی کا دگنا تو نہ رہے گا، یہ تو چیز ہی اور ہو جائے گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسی کا دگنا تب ہی ہو گا نا جب شرطیں جو اس میں تھیں وہی شرطیں اس میں ہوں، صرف مقدار دگنی ہے باقی شرطیں وہی ہیں تو ہم کیا کہیں گے؟ یہ اسی کا دگنا ہے، لیکن اگر شرطیں بھی بدل جائیں پھر تو یہ اس کا دگنا نہیں ہے یہ تو چیز ہی اور ہے، شرطیں وغیرہ ہی ساری الگ ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

کہتے ہیں: **لِأَنَّ مَا يُؤْخَذُ مِنْهُ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِ،** اس لیے کیونکہ وہ جو ان ذمیوں سے لیا جاتا ہے وہ دگنا ہوتا ہے اس کا جو مسلمان سے لیا جاتا ہے، **فَيُرَاعَى تِلْكَ الشَّرَائِطُ،** تو رعایت رکھی جائے گی ان شرطوں کی، **تَحْقِيقًا لِلتَّضْعِيفِ،** دگنا کرنے کو ثابت کرنے کے لیے تاکہ دگنا ہونا ثابت ہو جائے بھائی، ورنہ تو دگنا ہونا نہیں پھر یہ کہلائے گا یہ تو پھر چیز ہی اور بن جائے گی اگر شرطیں الگ ہوں۔ شرطیں وہی ہیں صرف کیا چیز بدل رہی ہے؟ مقدار بدل رہی ہے، تو یوں کہیں گے یہ مسلمان سے جو لیا جاتا ہے اس کا دگنا ہے۔

وَلَا يُصَدَّقُ الْحَرْبِيُّ إِلَّا فِي الْجَوَارِي يَقُولُ: هُنَّ أُمَّهَاتُ أَوْلَادِي، أَوْ غِلْمَانٌ مَعَهُ يَقُولُ: هُمْ أَوْلَادِي. حربی بھائی، جو شخص دار الحرب سے آیا ہے، کفار کے ملک سے آیا ہے بھائی دشمنانِ اسلام کے ملک سے آیا ہے امان لے کر، اور وہ آکر ان باتوں میں سے کوئی بات کہتا ہے کہ ان پر ابھی سال نہیں گزرا، یا مجھ پر دین ہے، یا میں یہ پہلے ہی فقیروں کو ادا کر چکا ہوں، کہتے ہیں کسی کے اندر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ یہ کون ہے؟ حربی ہے بھائی، اس میں اس میں ان میں سے کسی چیز کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ہاں ایک دو چیزوں میں اس کی بھی تصدیق کی جائے گی۔ یہ گزرا اور اس کے ساتھ کچھ بچے تھے۔ اب اگر یہ بچے غلام ہیں پھر تو ان سے کیا لیا جاتا ہے؟ حربی سے کتنا لیا جاتا تھا؟ مسلمان سے چالیسواں حصہ، ذمی سے بیسواں اور حربی سے دسواں، پھر تو اس سے دسواں حصہ لیا جائے گا۔ لیکن یہ کہتا ہے یہ میری اولاد ہیں، یہ میرے بچے ہیں۔ تو کہتے ہیں اب اس صورت میں اس سے عشر یعنی دسواں حصہ نہیں لیا جائے گا، اس لیے کیونکہ اگرچہ یہ حربی ہے لیکن اقرارِ نسب اس کی طرف سے بھی معتبر ہے، یہ اگر نسب کا اقرار کر رہا ہے کہ یہ میری اولاد ہیں تو اس سے اس کی اولاد ہونا ثابت ہو جائے گا اور معلوم ہوا یہ اس کی اولاد ہیں، جب اس کی اولاد ہیں تو یہ بچے بھی آزاد ہیں، یہ غلام ہیں ہی نہیں، اور جب آزاد ہیں تو یہ تو مال نہیں کیونکہ آزاد آدمی تو مال نہیں ہے، جب مال نہیں ہے تو عشر تو کس میں سے لیا جاتا ہے؟ مال میں سے لیا جاتا ہے، تو جب یہ مال نہیں تو ان سے عشر بھی نہیں لیا جائے گا۔

اسی طرح اگر اس کے پاس کچھ عورتیں تھیں اور اس نے کیا کہا؟ یہ میری امہاتِ اولاد ہیں یعنی یہ ساری میری ام ولد ہیں، کیا ہیں؟ یعنی یہ ہیں تو باندیاں لیکن ان سے میری آگے اولاد ہے۔ تو اس میں بھی اس کی تصدیق کی جائے گی۔ بھائی اس میں کیوں اس کی تصدیق کی جائے گی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کی طرف سے اقرارِ نسب صحیح تھا یا نہیں؟ اقرارِ نسب صحیح تھا، جب اس کی طرف سے اقرارِ نسب صحیح ہے تو اقرارِ نسب سے ہی تو کوئی باندی کیا بن جاتی ہے؟ ایک باندی کی اولاد ہوئی اور وہ مالک کیا کہتا ہے یہ کس کی اولاد ہے؟ میری اولاد ہے، تو حربی کا بھی یہ اقرار معتبر ہو گیا یا نہیں؟ حربی کا بھی یہ اقرارِ نسب معتبر، جب وہ اس کی اس کی اولاد بن گئی تو یہ عورت کیا بن گئی یہ جو باندی ہے؟ یہ ام ولد بن گئی، تو اس اقرارِ نسب پر ہی تو ام ولد ہونے کی بنیاد ہے، تو جب اقرارِ نسب ثابت ہو رہا ہے تو اس باندی کا ام ولد ہونا بھی ثابت ہو جائے گا تو پتہ تو پھر معلوم ہوا اب یہ مال نہیں، یہ مال نہیں، کیونکہ اس نے اب آزاد ہونا ہے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ ام ولد کیا ہے؟ آقا کے مرنے پر آزاد ہو جاتی ہے اور اس کو بیچنے وغیرہ کی شرعاً اجازت نہیں ہے، آزادی اس کا حق بن چکی ہے اب اس نے آزاد ہونا ہے ہر حال میں تو اس کو بیچنے وغیرہ کی اجازت نہیں، تو جب اس نے کہہ دیا یہ میرے ام ولد ہیں تو معلوم ہوا اب یہ مال نہ رہا، جب مال نہ رہا تو عشر تو لیا کس میں سے جاتا تھا؟ مال میں سے، تو لہٰذا اب اس میں بھی اس سے عشر نہیں لیا جائے گا، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

یہ معنی ہے: **وَلَا يُصَدَّقُ الْحَرْبِيُّ إِلَّا فِي الْجَوَارِي،** اور تصدیق نہیں کی جائے گی حربی کی مگر باندیوں کے اندر، **يَقُولُ** اس حال میں کہ وہ کہتا ہے: **هُنَّ أُمَّهَاتُ أَوْلَادِي،** یہ میری کیا ہیں؟ میری اولاد کی مائیں ہیں یعنی میری ام ولد ہیں، **أَوْ غِلْمَانٌ مَعَهُ** یا اس کے اس کے ساتھ کچھ لڑکے ہیں، غلمان جمع ہے غلام کی، اور غلام جیسے غلام کو کہتے ہیں اسی طرح لڑکے کو بھی کہتے ہیں، یا اس کے ساتھ کچھ لڑکے ہیں، **يَقُولُ** تو وہ کہتا ہے: **هُمْ أَوْلَادِي،** یہ میری اولاد۔ ان میں تصدیق کی جائے گی۔

لِأَنَّ الْأَخْذَ مِنْهُ بِطَرِيقِ الْحِمَايَةِ، اس لیے کیونکہ حربی سے جو لینا ہے وہ حفاظت کے طریقے پر ہے، کس طریقے پر ہے؟ بھائی حربی ہے نا دار الاسلام آیا

ہے، امان لے کر آیا ہے، تو اس کے پاس جو مال ہے جب اس نے امان لی تو کیا اس سے اس کا مال چھینیں گے؟ نہیں، اور کیا کیا جائے گا اس کے مال؟ جب اس کو امان دی ہے تو اس کے مال کی بھی حفاظت کی جائے گی، جب مال کی حفاظت کی جائے گی تو اس پر اس سے ٹیکس لیا جائے گا، تو اس سے جو حربی سے لیا جاتا ہے وہ کس وجہ سے لیا جاتا ہے؟ حفاظت کی وجہ سے۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الْأَخْذَ مِنْهُ بِطَرِيقِ الْحِمَايَةِ**، اس لیے کیونکہ اس سے وصول کرنا جو ہے وہ حفاظت کے طریقے پر ہے، **وَمَا فِي يَدِهِ مِنَ الْمَالِ يَحْتَاجُ إِلَى الْحِمَايَةِ**، اور جو مال اس کے قبضے میں ہو وہ محتاج ہے حفاظت کا، تو جب مال ہو گا تو اس سے عشر بھی لیا جائے گا کیونکہ مال حفاظت کا محتاج ہے، **غَيْرَ أَنَّ إِقْرَارَهُ بِنَسَبِ مَنْ فِي يَدِهِ مِنْهُ صَحِيحٌ**، علاوہ اس کے کہ اس کا اقرار کرنا **بِنَسَبِ مَنْ فِي يَدِهِ** اس شخص کے نسب کا جو اس کے قبضے میں ہے **مِنْهُ** اپنے سے کہ یہ اپنے سے اس کے نسب کا اقرار کرنا کہ یہ میری اولاد ہے **صَحِيحٌ** یہ اقرار صحیح ہے، تو جب یہ اقرار صحیح ہے تو: **فَقَضَى بِأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ**، اسی طرح اس کا اقرار امِ ولد ہونے کا یہ بھی صحیح ہے کہ یہ میری امِ ولد ہے۔

بھائی امومیت یہ کبھی کبھار یہ یائے مشدد اور تا ساتھ ملائی جاتی ہے کسی وصف کو مصدر بنانے کے لیے، کیا کرنے کے لیے؟ دیکھو ایک ہے فاعل، ایک اسی کے ساتھ یائے مشدد اور تا ملا دی فاعلیت، اب یہ مصدر بن گیا۔ پہلے فاعل فعل کرنے والا، فعل کرنے والا، لیکن اب مصدر بن گیا فاعلیت، اب اس کا ترجمہ کریں گے فاعل ہونا۔ اور اردو میں بھی مصدر کی پہچان پہچان کیا ہے؟ آخر میں کیا آتا ہے؟ «نا» آتا ہے، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، یہ سارے کیا ہیں؟ مصادر۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو امومیت کیا معنی ہو گا؟ ماں ہونا، سمجھ میں آیا؟ یہ معنی ہے: **فَقَضَى بِأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ**، اسی طرح امِ ولد ہونے کا اقرار کرنا بھی صحیح ہے، **لِأَنَّهَا تَبْتَنِي عَلَيْهِ**، اس لیے کیونکہ یہ جو امِ ولد ہونا جو ہے **تَبْتَنِي عَلَيْهِ** اس کی بنیاد اسی پر ہے، کس پر ہے بھائی؟ اقرارِ نسب پر ہے، اقرارِ نسب جب صحیح ہے تو اسی پر بنیاد ہے کس کی؟ بھائی یاد رکھو یاد رکھو، اپنی بیوی سے جو بھی اولاد ہو گی اس میں اقرار کی ضرورت نہیں، وہ اسی خاوند کی شمار ہو گی، سمجھ میں آیا؟ لیکن اپنی باندی سے جو اولاد ہو وہ اس مالک کی نہیں شمار ہو گی جب تک وہ یہ نہ کہہ دے یہ میری اولاد ہے۔ جب وہ کہہ دے گا یہ میری اولاد ہے اب یہ بچہ اس کا شمار ہو گا، اور جب اقرارِ نسب ہو گیا تو ساتھ ہی یہ عورت اب کیا بن گئی؟ اس کی امِ ولد بن گئی کہ اس کے بچے کی ماں ہے بھائی، تو امِ ولد ہونے کی بنیاد جو ہے وہ اقرارِ نسب پر ہے۔ **فَانْعَدَمَتْ صِفَةُ الْمَالِيَّةِ فِيهِنَّ**، تو ان کے اندر مال ہونے کی صفت معدوم ہو گئی، ان بچوں میں بھی کیونکہ یہ اس کے اپنے بچے ہیں مال نہیں، آزاد انسان ہیں، آزاد انسان مال نہیں ہوتا، غلام جو ہے وہ تو مال ہے آزاد انسان مال نہیں۔ اسی طرح امِ ولد کے اندر بھی مال ہونے کی صفت کیا ہو گئی؟ معدوم ہو گئی کیونکہ یہ اس کے بچوں کی مائیں ہیں، انہوں نے اب آگے چل کر آزاد ہونا ہے اب شرعاً ان کو کسی کو بیچنے کی بھی اجازت نہیں ہے بھائی، تو جب یہ بچے ثابت ہو گئے اور امِ ولد ہو گئیں **فَانْعَدَمَتْ صِفَةُ الْمَالِيَّةِ فِيهِنَّ** تو ان میں مال ہونے کی صفت معدوم ہو گئی، اور جب یہ مال نہیں رہے تو اب اس حربی سے عشر بھی نہیں لیں گے کیونکہ عشر تو ہم لیتے ہی کس پر تھے؟ مال کی حفاظت کے لیے لیتے تھے، اس لیے کہ مال کی ہمیں حفاظت کرنا پڑے گی تمہارے مال کی، تو اب اس سے وہ نہیں، **وَالْأَخْذُ لَا يَجِبُ إِلَّا مِنَ الْمَالِ**، اور لینا تو واجب نہیں ہوتا مگر کس سے؟ مال میں سے، اور یہ تو اب مال نہ رہے، یہ تو اس کے امِ ولد ہیں، یہ اس کی اولاد ہیں، لہٰذا اس سے ان پر عشر بھی نہیں لیا جائے گا بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۰۶: قَالَ: وَيُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِ رُبُعُ الْعُشْرِ، وَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۱۴ــــ بتاریخ: ۳۰ مارچ ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: وَيُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِ رُبُعُ الْعُشْرِ، وَمِنَ الذِّمِّيِّ نِصْفُ الْعُشْرِ، وَمِنَ الْحَرْبِيِّ الْعُشْرُ، هٰكَذَا أَمَرَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سُعَاتَهُ، وَإِنْ مَرَّ حَرْبِيٌّ بِخَمْسِينَ دِرْهَمًا لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَكُونُوا يَأْخُذُونَ مِنَّا مِنْ مِثْلِهَا.

قَالَ: قَالَ سے مراد ہیں امام محمد رحمہ اللہ، اس لیے کیونکہ یہ باب جو ہم پڑھ رہے ہیں یہ قدوری کے اندر یہ باب ذکر نہیں ہے بھائی۔ اسی طرح جو اگلا باب آرہا ہے وہ بھی قدوری کے اندر نہیں ہے۔ تو یہ معلوم ہوا صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ میں نے اس متن کو ترتیب دیا ہے کس سے اخذ کرتے ہوئے؟ قدوری اور جامع صغیر سے۔ تو قدوری میں تو یہ نہیں، معلوم ہوا یہ جامع صغیر سے انہوں نے لیا، اور جامع صغیر کس کی تصنیف ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کی، تو معلوم ہوا وہ مراد ہیں **قَالَ** سے۔

تو وہ فرماتے ہیں: **وَيُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِ رُبُعُ الْعُشْرِ** اور لیا جائے گا مسلمان سے عشر کا چوتھا حصہ۔ اور عشر کا چوتھا حصہ یہ کتنا ہوتا ہے؟ چالیسواں۔ بھائی دیکھیے مثلاً بھائی، آپ کے پاس چالیس روپے ہیں۔ یہ چالیس روپے آپ دس آدمیوں میں تقسیم کر دیں تو ایک ایک آدمی کو کتنا ملے گا؟ چار چار روپے۔ تو یہ عشر ہے، دیکھو دس آدمیوں میں چالیس تقسیم کیا تو ایک آدمی کو کتنا ملا؟ چار، تو یہ چار ہوا عشر چالیس کا۔ اور پھر اس چار کا چوتھا حصہ نکالیں، اس چار کو پھر اگلے چار آدمیوں میں اگر تقسیم وہ کرے تو چار آدمیوں میں میں سے ہر ایک کو کتنا ملے گا؟ ایک۔ تو یہ جو ایک ہے یہ اس عشر کا کتنا ہے؟ اس چار کا چوتھا ہے۔ لیکن چالیس میں سے یہ ایک ہے یعنی اس کا چالیسواں حصہ ہے۔ تو معلوم ہوا ربعِ عشر یہ دراصل کس حصے کا نام ہے؟ چالیسویں حصے کا نام ہے۔ دیکھو عشر کا چوتھا حصہ ہم نے نکالا اور وہ ایک روپیہ بن رہا ہے اور عشر تو تھا چالیس کا، تو معلوم ہوا یہ ایک اس چالیس کا کتنا حصہ بن رہا ہے؟ چالیسواں حصہ، تو یہ ربعِ عشر چالیسویں حصے کا نام ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَيُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِ رُبُعُ الْعُشْرِ** اور لیا جائے گا مسلمان سے چالیسواں حصہ، یعنی وہ زکوٰۃ ہے بھائی، اور زکوٰۃ میں بھی چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ اور میں نے آپ کو بتایا تھا ذمی سے اس کا دگنا لیا جائے گا، تو مسلمان سے ہے ربعِ عشر، اور ربعِ عشر کتنا ہے چالیس میں سے؟ چالیس کا ربعِ عشر کتنا ہے؟ چالیسواں حصہ کتنا ہے؟ ایک ہے ایک۔ اسی ایک کے دگنا کر دیں، دو بن گیا، تو یہ دگنا لیا جائے گا کس سے؟ ذمی سے۔ اور یہ دو اس عشر یعنی چار کا کتنا تھا؟ کتنا ہے؟ دو چار کا کتنا ہے؟ نصف، تو اس کو کہیں گے نصفِ عشر، یعنی اور یا یوں کہیں اسی مسلمان سے جو لیا اس کا دگنا ہے۔

یہ معنٰی ہے: **وَمِنَ الذِّمِّيِّ نِصْفُ الْعُشْرِ** اور ذمی سے نصفِ عشر لیا جائے گا، یعنی اس سے بیسواں حصہ لیا جائے گا۔ **وَمِنَ الْحَرْبِيِّ الْعُشْرُ** اور حربی سے عشر لیا جائے گا دسواں حصہ، یعنی جو ذمی سے لیا اس کا بھی دگنا۔ مسلمان سے لیا چالیس میں سے ایک، ذمی سے لیا اس کا دگنا یعنی چالیس میں سے دو، اور یہ دو کیا ہے چالیس کا؟ بیسواں حصہ۔ اور حربی سے اس کا بھی دگنا لیں گے، اور دو کا دگنا کیا؟ چار، اور چار چالیس کا کیا ہے؟ دسواں حصہ یعنی عشر ہے۔ یہ معنٰی ہے: **وَمِنَ الْحَرْبِيِّ الْعُشْرُ** اور حربی سے عشر لیا جائے گا۔

هٰكَذَا أَمَرَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سُعَاتَهُ اسی طرح حکم دیا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **سُعَاتَهُ** اپنے ساعیوں کو، سعاۃ جمع ہے ساعی کی، تو جو ان کے ساعی تھے زکوٰۃ وصول کرنے والے تھے ان کو اسی طرح حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ مسلمان سے چالیسواں حصہ، ذمی سے بیسواں حصہ اور حربی سے دسواں حصہ۔

وَإِنْ مَرَّ حَرْبِيٌّ بِخَمْسِينَ دِرْهَمًا اور اگر حربی گزرا عاشر پر **بِخَمْسِينَ دِرْهَمًا** پچاس درہم کے ساتھ، **لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ شَيْءٌ** تو اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا، پچاس درہموں میں سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ **إِلَّا أَنْ يَكُونُوا يَأْخُذُونَ مِنَّا مِنْ مِثْلِهَا** مگر یہ کہ وہ بھی لیتے ہوں ہم سے **مِّنْ مِثْلِهَا** اس جیسے اس کے مثل مال میں سے۔ یعنی اگر وہ بھی ہمارے تاجروں کے پاس اگر پچاس درہم ہوں تو اس سے بھی کیا لیتے ہیں؟ کچھ وصول کرتے ہیں تو پھر ہم بھی اسی کے مثل لیں گے۔ اگر ان کے ملک میں ایسا ہے کہ وہ ہمارے تاجر کے پچاس درہموں میں سے بھی لیتے ہیں تو پھر ہم بھی کیا کریں گے؟ ان سے اسی کے بقدر لیں گے، ویسے ورنہ اگر وہ نہیں لیتے تو ہم بھی نہیں لیں گے۔

وجہ اس کی کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْأَخْذَ مِنْهُ بِطَرِيقِ الْمُجَازَاةِ** اس لیے کیونکہ ان سے لینا یعنی حربیوں سے لینا جو ہے مجازات یعنی بدلے کے طریقے پر ہے، جتنا وہ لیتے ہیں ہم بھی بدلے کے طور پر اتنا ہی ان کے تاجروں سے لیں گے۔ **بِخِلَافِ الْمُسْلِمِ وَالذِّمِّيِّ** بخلاف مسلم اور ذمی کے، **لِأَنَّ الْمَأْخُوذَ زَكَاةٌ أَوْ ضِعْفُهَا** اس لیے کیونکہ وہ جو لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہے یا اس کا دگنا ہے۔ زکوٰۃ ہے یہ کس سے لی جائے گی؟ مسلمان سے، اور اس کا زکوٰۃ کا دگنا یہ کس سے لیا جائے گا؟ ذمی سے۔ اس لیے کیونکہ مسلمان اور ذمی جو ہیں ان سے جو لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہے یعنی چالیسواں حصہ، **أَوْ ضِعْفُهَا** یا اس کا دگنا جو ذمی سے لیا جاتا ہے۔ **فَلَا بُدَّ مِنَ النِّصَابِ** تو ضروری ہے اس کے لیے نصاب کا ہونا، اور یہاں تو کتنے درہم لے کر گزرا ہے؟ مثلاً پچاس درہم، تو ان سے نہیں لیا جائے گا کیونکہ پچاس درہم تو نصاب کو نہیں پہنچ رہے۔ تو مسلمان سے پچاس درہم میں کچھ نہیں لیا جائے گا کیونکہ یہ نصاب کو نہیں پہنچ رہا، اور ذمی سے مسلمان کی بنسبت دگنا لیا جاتا تھا لیکن جب مسلمان سے یہاں کچھ نہیں تو ذمی سے بھی کچھ نہیں ہو گا بھائی۔

وَهَذَا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ اور یہ جامع صغیر کے اندر ہے بھائی، میں نے بھی آپ کو بتلایا تھا کہ یہ باب قدوری میں نہیں ہے بلکہ کہاں سے انہوں نے لیا؟ جامع صغیر۔ تو کہتے ہیں یہ جامع صغیر میں ہے۔ **وَفِي كِتَابِ الزَّكَاةِ** اور کتاب الزکوٰۃ کے اندر یعنی مبسوط کی جو کتاب الزکوٰۃ ہے اس کے اندر امام محمد فرماتے ہیں: **لَا تَأْخُذُوا** یہ تا ہے آپ کی کتابوں میں، تا نہیں بھائی یہ کتابت کی غلطی ہے، یہ نون ہے نون: **لَا نَأْخُذُ مِنَ الْقَلِيلِ وَإِنْ كَانُوا يَأْخُذُونَ مِنَّا مِنْهُ۔** تو مبسوط کی کتاب الزکوٰۃ میں امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لَا نَأْخُذُ مِنَ الْقَلِيلِ** کہ قلیل میں سے ہم نہیں لیں گے، **وَإِنْ كَانُوا يَأْخُذُونَ مِنَّا مِنْهُ** اگرچہ وہ ہم سے لیتے ہوں **مِنْهُ أَيْ مِنَ الْقَلِيلِ**، کس میں سے؟ قلیل میں سے۔ یہاں پر تو امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم بھی ان سے لیں گے اگر وہ پچاس درہم بھی ہمارے تاجروں کے معاف نہیں کرتے اس میں سے وہ دار الحرب والے ہمارے تاجروں سے لیتے ہیں تو ہم بھی بدلے کے طور پر ان سے لیں گے، جبکہ کتاب الزکوٰۃ کے اندر کیا وہ فرماتے ہیں؟ کہ بے شک وہ لیتے ہوں پھر بھی ہم نہیں لیں گے بھائی، تو دونوں صورتیں یہاں ذکر ہو گئیں بھائی۔

تو کہتے ہیں **لَا نَأْخُذُ** ہم نہیں لیں گے **مِنَ الْقَلِيلِ** تھوڑے میں سے، **وَإِنْ كَانُوا يَأْخُذُونَ مِنَّا مِنْهُ** اگرچہ وہ ہم سے اس تھوڑے میں سے بھی لیتے ہوں۔ **لِأَنَّ الْقَلِيلَ لَمْ يَزَلْ عَفْوًا**، دلیل بھی ذکر کر دی: **لِأَنَّ الْقَلِيلَ لَمْ يَزَلْ عَفْوًا** اس لیے کیونکہ تھوڑا جو ہے وہ ہمیشہ معاف ہوتا ہے۔ تھوڑا مال جو ہوتا ہے وہ ہمیشہ معاف ہوتا ہے۔ **وَلِأَنَّهُ لَا يَحْتَاجُ إِلَى الْحِمَايَةِ** اور نیز اس لیے کیونکہ وہ حفاظت کا محتاج بھی نہیں۔ تھوڑے مال کے حفاظت کی اتنی ضرورت بھی نہیں، ہاں زیادہ مال ہو تو پھر اس کی حفاظت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو اس کی کیا وجہ ذکر کر دی؟ کیونکہ تھوڑا معاف ہوتا ہے اور نیز اس میں حفاظت کی ضرورت بھی نہیں، اور جو ہم وصول کرتے تھے وہ کس وجہ سے وصول کرتے تھے؟ حفاظت کے لیے وصول کرتے۔ اور دوسرے قول کی وجہ بھی آ گئی کہ اگر پچاس میں وہ ہم سے لیتے ہیں تو ہم بھی لیں گے کیونکہ یہ وصول کرنا کس طریقے پر ہے؟ بدلے کے طور پر ہے، وہ ہم سے لیتے ہیں اتنے مال میں تو ہم بھی ان سے لیں گے۔

قَالَ: وَإِنْ مَرَّ حَرْبِيٌّ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَلَا يَعْلَمُ كَمْ يَأْخُذُونَ مِنَّا يَأْخُذُ مِنْهُ الْعُشْرَ۔ صورت یہ بھائی: حربی مال لے کر گزرا بھائی دو سو درہم، اور دو سو درہم تو نصاب ہے۔ یعنی زیادہ مال لے کر گزرا۔ اور اب ہمارے عاشر ہمارا عاشر اتنا ہی لے گا جتنا وہ ہمارے دو سو درہم میں سے لیتے ہیں، دار الحرب میں جتنا ہم سے لیتے ہیں ہم بھی اتنا ہی لیں گے، اور اس عاشر کو نہیں پتا کہ وہ کتنا لیتے ہیں تو اگر اس کو علم نہیں پتا نہیں چل سکتا کسی صورت میں یہاں پر تو پھر کہتے ہیں عشر ہی لے لے گا یہ۔ کتنا لے لے گا؟ عشر ہی لے لے گا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح فرمایا ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ مَرَّ حَرْبِيٌّ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ** اگر حربی دو سو درہم کے ساتھ گزرا، **وَلَا يَعْلَمُ كَمْ يَأْخُذُونَ مِنَّا** اور یہ عاشر نہیں جانتا کہ وہ دار الحرب والے ہم سے کتنا لیتے ہیں، **فَيَأْخُذُ مِنْهُ الْعُشْرَ** تو اس سے عشر لے گا اس حربی سے، **لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ** بہ وجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمانِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: **فَإِنْ أَعْيَاكُمْ فَالْعُشْرُ۔ أَعْيَا** کے معنیٰ تھکا دینے، **فَإِنْ أَعْيَاكُمْ** اگر تمہیں تھکا دے، **فَالْعُشْرُ** تو پھر عشر ہے، یعنی عشر لے لو۔ تھکا دے، کیا چیز؟ یہ معلوم کرنا کہ وہ ہم سے کتنا لیتے ہیں، اگر یہ تمہیں تھکا دے تم عاجز آ جاؤ تمہیں پتا نہ چل سکے کہ کتنا ہم سے لیتے ہیں وہ دار الحرب والے تو پھر کیا لے لو؟ عشر لے لو۔ یہ معنیٰ ہے: **فَإِنْ أَعْيَاكُمْ** اگر تمہیں یہ معلوم کرنا تھکا دے، **فَالْعُشْرُ** تو عشر ہے۔

وَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُمْ يَأْخُذُونَ مِنَّا رُبُعَ الْعُشْرِ أَوْ نِصْفَ عُشْرٍ يَأْخُذُ بِقَدْرِهِ اور اگر عاشر جانتا ہے کہ وہ لیتے ہیں ہم سے ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ، **أَوْ نِصْفَ عُشْرٍ** یا بیسواں حصہ لیتے ہیں، **يَأْخُذُ بِقَدْرِهِ** تو یہ عاشر بھی اسی کے بقدر لے لے، جتنا دار الحرب والے ہمارے تاجروں سے لیتے ہیں تو یہ عاشر بھی حربی سے اسی کے بقدر لے لے۔ **وَإِنْ كَانُوا يَأْخُذُونَ الْكُلَّ** لَا **يَأْخُذُ الْكُلَّ** اور اگر وہ سارا ہی مال لے لیتے ہیں دار الحرب والے ہمارے تاجر سے سارا کچھ ہی چھین

لیتے ہیں، لَا **يَأْخُذُ الْكُلَّ** تو یہ ہمارا عاشر سارا مال ان سے نہ لے بھائی، **لِأَنَّهُ غَدْرٌ** اس لیے کیونکہ یہ دھوکا ہے۔ غدر کہتے ہیں دھوکے کو، عہد شکنی کو، عہد کو وعدے کو توڑنا۔ بھائی جب یہ حربی دار الحرب سے آیا تھا دار الاسلام میں تو امان لے کر آیا ہے یا بغیر امان کے؟ امان لے کر آیا ہے، جب ہم نے امان دے دی تو اس کا معنیٰ کیا ہے؟ اس کے جان ومال کی حفاظت کی جائے گی، اس کا جان ومال محفوظ ہے، تو اگر ہم اس سے سارا مال لے لیں تو ہم نے وعدہ پورا کیا یا عہد شکنی کر دی؟ عہد شکنی کر دی، ہم نے تو کہا تھا جان ومال محفوظ ہے اس کا، آجائے اس کو امان ہے، اور اب ہم کیا کر رہے ہیں؟ اس کا سارا مال لے لیتے ہیں تو یہ عہد شکنی ہے اور دھوکا ہے، لہٰذا سارا مال وہ چاہے لیتے بھی ہوں ہم نہیں لیں گے۔ یہ معنیٰ ہے: **وَإِنْ كَانُوا يَأْخُذُونَ الْكُلَّ** لَا **يَأْخُذُ الْكُلَّ** اگر وہ سارا مال لے لیتے ہیں تو یہ عاشر سارا مال نہیں لے گا، **لِأَنَّهُ غَدْرٌ** کیونکہ یہ دھوکا ہے، یا یوں کہیں **لِأَنَّهُ غَدْرٌ** کیونکہ یہ عہد شکنی ہے۔

وَإِنْ كَانُوا لَا **يَأْخُذُونَ أَصْلًا** لَا **يَأْخُذُ** اور اگر وہ سرے سے کچھ لیتے ہی نہیں ہیں، نہ چالیسواں حصہ لیتے ہیں بلکہ ہمارے جو تاجر جتنا مال لے کر جاتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں لیتے ہم سے، لَا **يَأْخُذُ** تو ہمارا عاشر جو ہے یہ بھی کچھ نہ لے بھائی۔ **لِيَتْرُكُوا الْأَخْذَ مِنْ تُجَّارِنَا** تاکہ وہ اسی طرح لینا چھوڑے رکھیں ہمارے تاجروں سے، جیسے اب نہیں لیتے آگے بھی اسی طرح نہ لیتے رہیں۔ **وَلِأَنَّا أَحَقُّ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ** اور نیز اس لیے کیونکہ ہم اخلاق، بلند اخلاقی اوصاف کے زیادہ لائق ہیں۔ جب وہ اتنے اعلیٰ اخلاق ہیں ان کا کہ ہمارے تاجروں سے کچھ نہیں لیتے تو ہم زیادہ لائق ہیں کس کے؟ بلند اخلاق کے کہ ہم ان سے بطریقِ اولیٰ کچھ نہ لیں بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

قَالَ: وَإِنْ مَرَّ الْحَرْبِيُّ عَلَى عَاشِرٍ فَعَشَّرَهُ ثُمَّ مَرَّ مَرَّةً أُخْرَى لَمْ يُعَشِّرْهُ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔ اور اگر حربی گزرا **عَلَى عَاشِرٍ** کسی عاشر پر **فَعَشَّرَهُ** اس نے عشر وصول کر لیا، **ثُمَّ مَرَّ مَرَّةً أُخْرَى** پھر وہ حربی دوبارہ گزرا اس عاشر پر، **لَمْ يُعَشِّرْهُ** تو دوبارہ اس سے عشر نہ لے، **حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ** یہاں تک کہ اس پر کیا گزر جائے؟ ایک سال۔ ایک سال میں ایک دفعہ لینا ہے بس، ایک دفعہ لے چکا ہے دوبارہ گزرا ہے تو دوبارہ نہ لے۔

وجہ اس کی، دوبارہ کیوں نہیں لے گا؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْأَخْذَ فِي كُلِّ مَرَّةٍ اسْتِئْصَالُ الْمَالِ** اس لیے کیونکہ ہر مرتبہ میں عشر لینا **اسْتِئْصَالُ الْمَالِ**، استئصال کہتے ہیں کسی چیز کو جڑ سے ختم کر دینا، سرے سے بالکل پورے طور پر اس کو نیست ونابود کر دینا، مراد یہاں اس سے استہلاک ہے بھائی، کیا مراد ہے؟ استہلاک۔ اس لیے کیونکہ یہ عشر لینا **فِي كُلِّ مَرَّةٍ** ہر مرتبہ میں **اسْتِئْصَالُ الْمَالِ** یہ تو مال کو ہلاک کرنا ہے۔ یہ تو ہم سارا اس کا مال ہی کیا کر رہے ہیں بیچارے کا؟ پورا مال ہی نیست ونابود کر رہے ہیں۔ ہم نے امان دی ہوئی ہے کہ تم آؤ تمہارا مال بھی محفوظ اور تمہاری جان بھی محفوظ، اور ایک دفعہ ہم نے عشر لے لیا، دسواں حصہ اچھا خاصا ہوتا ہے، پھر دوبارہ دسواں حصہ لے رہے ہو بھائی، یہ تو اس کے مال ہی کو کیا کیا جا رہا ہے؟ ہلاک کیا جا رہا ہے۔ **وَحَقُّ الْأَخْذِ لِحِفْظِهِ** اور لینے کا حق تو کس لیے تھا؟ حفاظت کے لیے تھا، نہ یہ کہ اس کے مال کو کیا کر دیا جائے؟ ہلاک کر دیا جائے۔ تو **وَحَقُّ الْأَخْذِ لِحِفْظِهِ** اور لینے کا حق تو حفاظت کے لیے ہے۔

وَلِأَنَّ حُكْمَ الْأَمَانِ الْأَوَّلِ بَاقٍ، وَبَعْدَ الْحَوْلِ يَتَجَدَّدُ الْأَمَانُ، اور نیز اس لیے کیونکہ پہلے امان کا حکم باقی ہے۔ پہلے امان کا؟ حکم باقی ہے۔ بھائی جب وہ آیا تھا کیا لے کر آیا؟ امان لے کر آیا، اور اس امان کا حکم باقی ہے، اور سال جب گزرے گا تو امان نیا بن جائے گا، امان کیا ہے؟ نیا ہو جائے گا، تو پھر اس کے بعد اس سے دوبارہ لیا جائے گا لیکن سال گزرنے سے پہلے نہیں لیا جائے گا۔ یہ معنیٰ ہے: **وَلِأَنَّ حُكْمَ الْأَمَانِ الْأَوَّلِ بَاقٍ** اس لیے کیونکہ پہلے امان کا حکم باقی ہے، جب اسی سال میں دوبارہ گزر رہا ہے تو وہی پہلا ہی امان ہے اور اسی کا حکم باقی ہے، **وَبَعْدَ الْحَوْلِ يَتَجَدَّدُ الْأَمَانُ** اور سال گزرنے کے بعد پھر امان نیا ہو جائے گا، پھر نیا ہو جائے گا پھر دوبارہ اس سے عشر لیا جائے گا بھائی۔

لِأَنَّهُ لَا يُمَكَّنُ مِنَ الْمُقَامِ إِلَّا حَوْلًا، لِأَنَّهُ لَا يُمَكَّنُ اس لیے کیونکہ حربی کو قدرت نہیں دی جائے گی **مِنَ الْمُقَامِ**، مقام یاد رکھیے یہ مصدرِ میمی ہے، **أَقَامَ يُقِيمُ إِقَامَةً** سے، تو یہ بمعنیٰ اقامت کے ہوا، اس لیے کیونکہ اس کو قدرت نہیں دی جائے گی **مِنَ الْإِقَامَةِ** رہنے کی، **إِلَّا حَوْلًا** مگر ایک سال، مگر؟ توجہ ہے بھائی؟ یہ ذرا مشکل مقام ہے بھائی۔ اس لیے کیونکہ اس کو قدرت نہیں دی جائے گی اقامت کی **إِلَّا حَوْلًا** مگر ایک سال۔ یاد رکھو مسئلہ یہ ہے کہ دار الحرب سے جب کوئی حربی دار الاسلام میں امان لے کر داخل ہوتا ہے تو اس کو پورا سال مملکتِ اسلامیہ کے اندر رہنے کی اجازت نہیں، سال سے کم کم رہنے کی اجازت ہے اور پھر اس کو واپس جانا پڑے گا۔ دو مہینے رہے، چار مہینے رہے، چھ مہینے رہے، دس مہینے، گیارہ مہینے رہے، سال پورا رہنے کی اس کو اجازت نہیں ہے بھائی، سال پورا رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اس کو کہہ دیا جائے گا اگر تم یہاں پورا سال رہے تو تم ذمی بن جاؤ گے، پھر تمہیں دار الحرب جانے کی واپس اجازت نہیں ہو گی، تمہیں یہیں ذمی بن کر زندگی گزارنا پڑے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو حربی جب بھی دار الاسلام آئے اس کو ایک سال رہنے کی اجازت نہیں، اس سے کم کم رہنے کی اجازت ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ اگر اس کو ہم اجازت دے دیں زیادہ عرصہ رہنے کی تو یہ یہاں کی زبان سیکھ لے گا، یہاں کے طور طریقے سیکھ لے گا، یہاں لوگوں سے تعلقات بنا لے گا اور پھر جاسوسی کرے گا بھائی، تو لہٰذا اس کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی بھائی، اجازت نہیں۔ سال سے کم رہ سکتا ہے، سال نہیں۔ سال گزر گیا اور یہ نہیں گیا تو بس اب اس کو کیا بنا دیا جائے گا؟ ذمی، بس اب نہیں جا سکتے یہیں پر ہمیں سالانہ ٹیکس دو اور یہیں پر رہو گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے ذرا عبارت پر آیئے، صاحبِ ہدایہ کیا فرما رہے ہیں؟ وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَا يُمَكَّنُ مِنَ الْمُقَامِ أَيْ مِنَ الْإِقَامَةِ** اس لیے کیونکہ اس کو قدرت نہیں دی جائے گی رہنے کی **إِلَّا حَوْلًا** مگر ایک سال۔ کیا معلوم ہو رہا ہے؟ اس لیے کیونکہ اس کو ایک سال ہی رہنے کی اجازت دی جائے گی۔ اور مسئلہ کیا میں نے بتایا؟

ایک سال رہنے کی تو اجازت نہیں دی جائے گی، تو یہ عبارت درست نہیں ہے، تمام شارحین یہاں لکھتے ہیں بھائی کہ یہ عبارت صحیح نہیں۔ اور معلوم ہوا کہ یہ کسی لکھنے والے سے غلطی ہوئی ہے یہاں کچھ بھائی، غلطی ہوئی ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ کتابت کی کوئی غلطی ہوئی ہے کسی سے ابتداء کے اندر ہی کہیں اور پھر وہی نسخہ پھیل گیا اور شائع ہوا تو یہ، تو البتہ یہ لفظ غلط ہے۔ اب کیا اب اس کی اصلاح کس طرح کی جائے؟

تو بعض نے کہا، بعض کہتے ہیں کہ یہ لَا يُمَكَّنُ سے لَا کو ختم کر دیں۔ لَا کو ختم کر دیں پھر عبارت صحیح ہو جائے گی: **لِأَنَّهُ يُمَكَّنُ مِنَ الْمُقَامِ إِلَّا حَوْلًا**، اب ترجمہ کیا ہوا؟ اس لیے کیونکہ حربی کو قدرت دی جائے گی رہنے کی **إِلَّا حَوْلًا** سوائے سال کے۔ یعنی سال نہیں رہ سکتا سال سے کم۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ اس کو قدرت دی جائے گی رہنے کی مگر ایک سال، یعنی اس کی اجازت نہیں ہو گی، تو ایک سال سے کم کم رہنے کی اجازت۔ عبارت صحیح ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟

بعضوں نے دوسری صورت میں اصلاح کی، انہوں نے کہا یہ **إِلَّا** جو ہے یہ بس کسی کاتب کی غلطی ہے، یہ لفظ نکال دیں تو عبارت صحیح ہو جاتی ہے۔ اب وہ لَا باقی ہے اور کس کو ختم کرنا ہے؟ **إِلَّا**، اب دیکھیے: **لِأَنَّهُ** لَا **يُمَكَّنُ مِنَ الْمُقَامِ حَوْلًا، إِلَّا** ختم کر دیا ہم نے۔ اس لیے کیونکہ اس کو قدرت نہیں دی جائے گی رہنے کی **حَوْلًا** پورا سال، پورا سال رہنے کی قدرت نہیں دی جائے گی۔ اب عبارت صحیح ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟

بعضوں نے تیسرا جواب دیا، کہتے ہیں **حَوْلًا** سے مراد **قَرِيبٌ مِّنَ الْحَوْلِ** لے لیں۔ حول سے سال سے کیا مراد لے لیں؟ **قَرِيبٌ مِّنَ الْحَوْلِ** جو سال کے قریب ہے لیکن پورا نہیں سال سے کم ہے۔ تو اب پھر اسی طرح معنیٰ صحیح بن جاتا ہے کہ اس کو قدرت نہیں دی جائے رہنے کی **إِلَّا قَرِيبًا مِّنَ الْحَوْلِ** مگر ایک سال کے قریب بس، صرف اسی کے ایک سال کے قریب ہی رہ سکتا ہے پورا سال نہیں رہ سکتا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس پر اشکال ہوتا ہے۔ اب اشکال ہوتا ہے کہ صاحبِ ہدایہ دلیل ذکر کر رہے ہیں، کس چیز کی؟ اوپر متن میں کیا آیا؟ یرحمک اللہ۔ اوپر متن میں آیا: ایک دفعہ عشر دے چکا ہے حربی تو اس سے دوبارہ اگر وہ دوبارہ عاشر پر گزرتا ہے تو اس سے دوبارہ عشر نہیں لے گا مگر قبلِ جب سال پورا ہو چکا ہو، اگلے سال لے، تو متن سے پتا چل رہا ہے اگلے سال دے گا عشر۔ اور نیچے مسئلہ بھی ذکر ہو گیا اور صاحبِ ہدایہ کے عبارت کی تصحیح بھی ہو گئی کہ کتنا رہنے کی اجازت ہے اس کو؟ سال سے کم۔ تو یہ کیسے اس کی دلیل ہے اور کس طرح دونوں باتوں میں تناقض ہے؟ ادھر کہہ رہے ہیں کہ وہ رہنے کی اجازت ہی نہیں ایک سال اور اوپر کہہ رہے ہیں دوسرے سال آئے گا تو پھر کیا دے گا؟ دوبارہ عشر اس سے لیا جائے گا۔ تو جواب یہ کہ یہ وہ صورت ذکر ہو رہی ہے کہ اس کو اجازت تو ایک سال رہنے کی نہیں تھی لیکن امام کو پتا نہیں، حکومت والوں کو پتا نہیں اور یہ ایک سال سے زائد بھی رہا، جیسا ہوتا بھی ہے آپ دیکھتے ہیں آج کل بھی لوگ ممالک مختلف ممالک میں جاتے ہیں اور ویزے کے بعد بھی وہیں پر چھپ کر رہتے ہیں بھائی۔ تو یہ وہ صورت ذکر ہو رہی ہے جس میں امام کو اور اس کے جو عاملین ہیں ان کو پتا نہیں، تو سال گزر گیا ہے تو پھر اس صورت میں اس سے اس کا کیا کیا جائے گا؟ دوبارہ لیا جائے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آگیا۔

سوال یہ کہ صاحبِ ہدایہ دلیل کس کی ذکر کر رہے ہیں؟ جی؟ **لِأَنَّهُ** لَا **يُمَكَّنُ مِنَ الْمُقَامِ حَوْلًا** اس کو ایک سال رہنے کی اجازت نہیں۔ اور دلیل کس کی؟ **وَبَعْدَ الْحَوْلِ يَتَجَدَّدُ الْأَمَانُ** سال کے بعد امان نیا ہو جائے گا، اس کی دلیل ذکر فرما رہے ہیں۔ کیا دلیل ذکر فرما رہے ہیں؟ کس چیز کی دلیل ہے؟ پہلے ادھر دیکھیے توجہ کیجیے۔ کس چیز کی دلیل؟ سال کے بعد امان نیا ہو جائے گا اس کی دلیل۔ کیا دلیل؟ کیونکہ ان کو ایک سال رہنے کی اجازت نہیں ہے بھائی۔ بھائی وجہ یہ، دلیل اس دعوے کے مطابق ہے۔ دعویٰ یہ کہ سال کے بعد امان نیا ہو جائے گا۔ دلیل کیا؟ کیونکہ ان کو ایک سال رہنے کی اجازت نہیں، تو جب بھی اجازت دی وہ سال سے کم کم کی ہے، لہٰذا جب اگلے سال بھی وہیں رہا تو امان خود بخود نیا ہو جائے گا، کیونکہ ہم نے جو پہلی اجازت دی تھی وہ کتنے عرصے کی دی تھی؟ ایک سال سے کم دی تھی، تو وہ امان ایک سال سے کم کا تھا، لہٰذا اگلا سال آیا تو امان خود بخود کیا ہو جائے گا؟ نیا ہو جائے گا۔ اب دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

یہ معنیٰ ہے: **وَبَعْدَ الْحَوْلِ يَتَجَدَّدُ الْأَمَانُ** اور سال کے گزرنے کے بعد امان نیا ہو جائے گا، **لِأَنَّهُ** لَا **يُمَكَّنُ مِنَ الْمُقَامِ حَوْلًا** اس لیے کیونکہ ان کو قدرت نہیں دی جائے گی اقامت کی ایک سال، **وَالْأَخْذُ بَعْدَهُ** لَا **يَسْتَأْصِلُ الْمَالَ** اور سال گزرنے کے بعد عشر لینا لَا **يَسْتَأْصِلُ الْمَالَ** یہ مال کو ہلاک نہیں کرتا۔ اوپر آیا تھا نا اگر دوسری دفعہ گزرے اور پھر ہم عشر لیں تو یہ تو مال کو ہلاک کرنا ہے، تو اب وہ بھی وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں کہ اب تو کس کی ہم نے قید متن میں آگئی؟ سال کی قید آئی، اور سال کے بعد دوبارہ عشر ہو تو یہ اس صورت میں مال کا ہلاک کرنا نہیں پایا جاتا، اس سے مال ہلاک نہیں ہو گا کیونکہ ایک سال بڑی لمبی مدت ہے، اس میں اس نے اور نفع کما لیا ہو گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی تو مسئلہ یہ ذکر ہوا بھائی کہ حربی ایک دفعہ جب عشر دے چکا ہے تو اس سے دوسری مرتبہ عشر نہیں لیا جائے گا۔ اس پر ایک واقعہ جو کتابوں میں ذکر ہے بھائی، اور ہماری درخشندہ تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے والے واقعات میں سے ایک واقعہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسی طرح ایک حربی عیسائی تھا، وہ بہت سارے گھوڑے وغیرہ اور غلام مالِ تجارت لے کر کوفہ یا بصرہ میں آیا، اور غلام، غلام تو اس طرح سمجھیں جیسے آج کل کوئی اعلیٰ قسم کی گاڑی قیمتی ہوتی ہے اس طرح شمار ہوتا تھا اتنا مہنگا کہ بڑے بڑے مالدار ہی رکھ سکتے تھے، عام آدمی تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا بھائی۔ تو وہ بڑا یہ مال لے کر گزرا اور اس سے جب وہ شہر میں داخل ہونے لگا تو عاشر نے اس سے عشر وصول کر لیا۔ جب عشر وصول کر لیا وہ چلا گیا اور اپنا مال وغیرہ بیچتا رہا، اب کچھ عرصے کے بعد دوبارہ اب واپس آرہا ہے اب پھر اس عاشر پر گزرا تو عاشر نے پھر کہا: عشر لاؤ بھائی دسواں حصہ اپنے مال کا۔ اس نے کہا: میں نے عشر دے تو دیا جب میں جا رہا تھا، دوبارہ کیوں عشر دوں اس کا؟ تو اس نے کہا: نہیں نہیں، عشر اب گزر

رہے ہو دوبارہ تمہیں دوبارہ عشر دینا پڑے گا۔ تو اس نے کہا: نہیں، دوبارہ میں کیسے عشر دوں؟ بڑی ان سے بات وغیرہ کی لیکن وہ نہیں مانے کہ نہیں بھائی دوبارہ گزرو گے عشر دینا پڑے گا۔

اور تو اس نے آگے گزرنے کے بجائے اپنے غلاموں کو کہا کہ تم یہیں رہو، مال وغیرہ کی حفاظت کرو، میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ جو ہے مسلمانوں کے ہاں بڑا عدل و انصاف ہے اور ان کے عدل و انصاف کی شہرت اور خود بھی میں مشاہدہ کر چکا ہوں، میں جاتا ہوں خلیفۃ المسلمین کے پاس بھائی۔ چنانچہ وہ وہاں سے چلا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تھی، اور طویل سفر طے کر کے وہ مدینہ منورہ پہنچا بھائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے معاملات سننے میں مصروف ہیں بھائی، یہ بھی وہاں پر حاضر ہوا۔ جب اس کی باری آئی اس سے پوچھا: کیا بات ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ اس نے کہا: جی میں اس طرح ایک دفعہ عشر ادا کر چکا ہوں، اب دوبارہ گزر رہا ہوں چند مہینے کے بعد تو وہ مجھے پھر کہہ رہا ہے دوبارہ عشر ادا کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: **كُفِيتَ**، تمہاری کفایت کر دی گئی، تمہارا کام ہو گیا۔ بس پھر اپنے اور باتوں میں مصروف ہو گئے، اور لوگوں کے مسائل سننے، بس یہ چند سیکنڈ وقت اس کو دیا اور کیا فرمایا: **كُفِيتَ**، تمہارا کام ہو گیا۔

اب اس نے دیکھا میری طرف توجہ ہی نہیں، بڑا ہی مایوس اور پریشان وہاں سے نکلا کہ میری تو انہوں نے توجہ سے بات بھی نہیں سنی بھائی، بڑا مایوس ہو کر نکلا، اور اسی غم اور پریشانی کے ساتھ وہ آہستہ آہستہ سفر کرتا ہوا واپس پہنچا۔ اور غلاموں کو کہا: چلو بھائی لو بھائی سارا مال لو اور چلیں ہم۔ اور ان عشر والوں کے پر اب گزرنے لگا تو عشر نکالا، یہ لو بھائی۔ عشر والوں نے کہا: نہیں نہیں، تم سے ایک دفعہ عشر ہم لے چکے ہیں، جاؤ اپنا مال لے جاؤ بھائی، اپنا مال یہاں سے لے جاؤ۔ وہ حیران رہ گیا کہ میرے یہاں پہنچنے سے پہلے خلیفۃ المسلمین کی طرف سے عدل و انصاف یہاں پر پہنچ چکا ہے، تو وہیں پر اس نے کلمہ پڑھا: **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ**۔ تو دیکھو اس کے پہنچنے سے پہلے خلیفہ کی طرف سے حکم آچکا تھا کہ ایک دفعہ عشر لے لیا ہے تو دوبارہ عشر نہیں لینا بھائی، تو وہیں پر وہ مسلمان ہو گیا بھائی وہیں پر۔

اللہ! سمجھ میں آیا بھائی؟ تو حضرت عمر وہ سمجھا شاید میری طرف توجہ ہی نہیں کی انہوں نے تو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بات سنی، بات ٹھیک، بس **كُفِيتَ** تمہارا تمہاری کفایت کر دی گئی، اتنا ایک لفظ فرمایا بس۔ اور پھر یہ بھی نہیں اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے، اس حکم وہ بھول گئے رہ گئے، نہیں نہیں، وہ حکم بھی انہوں نے لکھوایا بھی ہو گا تحریر کروایا اور فوراً بھجوا دیا کہ فوراً جا کر یہ وہاں یہ کہہ دو عاشر سے کہ آئندہ جس ایک دفعہ عشر لے لیا ہو تو دوبارہ عشر نہیں لینا بھائی۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس طرح کے ایسے ایسے واقعات انسان انسان سوچتا ہے حیران رہ جاتا ہے کہ یہ صحابہ کیسے لوگ تھے اور کس طرح عدل و انصاف، اتنا عدل و انصاف! تاریخ میں آتا ہے: دمشق پر جب مسلمانوں نے قبضہ کر لیا دمشق پر بھائی، اور وہاں پر ان لوگوں پر جو غیر مسلم تھے جزیہ مقرر کر دیا گیا، جزیہ بڑا معمولی سا ہوتا ہے سال بھر کا معمولی سا ہوتا ہے بہت تھوڑا سا ہوتا ہے، فی کس اتنے پیسے دینے پڑتے ہیں مطلب اس کہ ہم تمہارے سارا سال تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ تو ان سے بھی وہ جزیہ لے لیا گیا، اور ابھی چند مہینے پانچ چھ مہینے گزرے تھے کہ اچانک کسی اور محاذ پر تمام مسلمانوں کی مجاہدین کی ضرورت پڑ گئی۔ چنانچہ خلیفہ کی طرف سے حکم آگیا مسلمانوں کو کہ دمشق کو خالی کر دو سارا لشکر وہاں پہنچے، فلاں جگہ پر بڑی دشمن ہے وہاں ضرورت ہے بھائی۔ اب مسلمان دمشق کو خالی کر کے جانے لگے ہیں تو انہوں نے دمشق والوں کو بلایا اور ساروں کو ان کا جزیہ واپس کر دیا کہ لو بھائی اپنا مال واپس رکھو، یہ تو ہم نے تم سے لیا تھا حفاظت کے لیے لیکن اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے، ہمیں یہاں سے نکلنا پڑ رہا ہے فوری طور پر جانا پڑ رہا ہے، اور یہ اپنا مال اپنے پاس واپس رکھو۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ مسلمان جب وہاں سے نکل رہے تھے بھائی، وہ غیر مسلم بچے، عورتیں راستوں کے کناروں پر، چھتوں پر سارے جمع تھے اور زار و قطار رو رہے تھے کہ تم جیسے انصاف پسند لوگ ہم نے آج تک دیکھے نہیں اور سنا نہیں، ہمارے تو اپنے پہلے ہم پر حکمران تھے وہ ہمیں چھوڑتے نہیں تھے، ظلم و زیادتی کرتے تھے، اور تم جیسے اتنا انصاف کہ واپس جاتے ہوئے وہ پیسے، عدل و انصاف کا تو انہوں نے مشاہدہ کیا ہی ہو گا جو مسلمانوں نے وہاں پر عدل و انصاف قائم کیا، جاتے ہوئے کیا کیا؟ وہاں وہ جزیہ بھی ان کو واپس کر کے جا رہے تھے۔ وہ سارے رو رہے تھے اور دعائیں کر رہے تھے کہ اللہ تم جیسے تم لوگوں کو دوبارہ واپس لے کر آئیں جلد سے جلد بھائی۔ اللہ! اللہ!

جی اب دیکھیے کتاب پر: **وَإِنْ عَشَّرَهُ فَرَجَعَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ عَشَّرَهُ أَيْضًا**۔ اب دوسری صورت ہے، حربی نے عشر ادا کر دیا اور دار الحرب چلا گیا، اور پھر دار الحرب سے وہ واپس آیا دوبارہ عاشر پر گزرا تو کیا اب عشر لیں گے یا نہیں لیں گے؟ کہتے ہیں اب عشر لیں گے، چاہے اسی دن ہی کیوں نہ گزرے۔ جب ایک دفعہ دار الحرب چلا گیا اور پھر دوبارہ عاشر پر گزرا تو اب اس سے عشر لیا جائے گا، اس لیے کیونکہ کیونکہ وہ دار الحرب گیا اپنے وطن گیا مال لے کر گیا تو امید ہے اس نے اس پر نفع کما لیا ہو گا، کیا کر لیا ہو گا؟ نفع کما لیا ہو گا۔ اور چونکہ اب اس بات کا پتا تو نہیں چل سکتا کہ پتا نہیں نفع کمایا ہے یا نہیں لیکن بہر حال سفر تو پایا گیا ہے نا دار الاسلام سے دار الحرب کی طرف اور پھر دار الحرب سے، بس۔ تو بس جو دار الاسلام سے دار الحرب کی طرف جو سفر پایا گیا اس سفر ہی کو نفع کے قائم مقام کر دیا گیا، کیونکہ بعض اوقات سبب کا پتا نہیں چلتا تو سبب کے سبب کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ سبب کا قائم مقام کر دیا جاتا ہے بھائی۔ صورت سمجھ، جیسے بھائی آپ نے مسئلہ پڑھا تھا کہ نیند کے اندر کوئی سو جائے اور سو جائے لیٹ کر یا پہلو پر تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ نیند تو سبب نہیں وضو ٹوٹنے کا، وضو ٹوٹنے کا سبب کیا ہے؟ کہ احتمال ہے اس حالت میں کیا ہوا ہو گا؟ خروجِ نجاست ہوا ہو گا، لیکن اس کا پتا نہیں چل سکتا تو اس خروجِ نجاست کا سبب جو ہے یعنی استرخائے مفاصل والی نیند جو ہے اسی کو کیا کر دیا گیا؟ سبب کے سبب کو اس سبب کا قائم مقام کر دیا گیا اور نیند پر ہی وضو ٹوٹنے کا حکم لگا دیا گیا، مسئلہ سمجھ میں آگیا۔

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ عَشَّرَهُ فَرَجَعَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ** اور اگر اس نے اس سے عشر لے لیا پھر وہ لوٹ گیا دار الحرب، **ثُمَّ خَرَجَ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ** پھر وہ

نکلا اپنے اسی دن یعنی اسی دن پھر نکلا دار الحرب سے کدھر کو؟ دار الاسلام کی طرف، **عَشَّرَهُ أَيْضًا** تو اس سے تو بھی اس سے عشر لے گا۔ دلیل اس کی کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ رَجَعَ بِأَمَانٍ جَدِيدٍ** اس لیے کیونکہ وہ نئے امان کے ساتھ آیا ہے، اور وہ جو عشر پہلے لیا تھا وہ پچھلے امان کا تھا یہ نیا امان ہے تو اس کا عشر بھی الگ ہو گا۔ **وَكَذَا الْأَخْذُ بَعْدَهُ لَا يُفْضِي إِلَى الِاسْتِئْصَالِ** اور اسی طرح دار الحرب سے لوٹنے کے بعد عشر لینا یہ مال کو ہلاک کرنے تک بھی نہیں پہنچاتا کیونکہ سفر کے اندر اس نے کیا کر لیا ہو گا؟ نفع کما لیا ہو گا بھائی۔

وَإِنْ مَرَّ ذِمِّيٌّ بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ عَشَّرَ الْخَمْرَ دُونَ الْخِنْزِيرِ اور اگر ذمی شراب یا خنزیر لے کر عاشر پر گزرا **عَشَّرَ الْخَمْرَ دُونَ الْخِنْزِيرِ** تو عاشر شراب کا عشر لے گا نہ کہ خنزیر کا۔ صورت یہ کہ حربی گزرا عاشر پر اور اس کے پاس صرف شراب ہے تو اس صورت میں اس سے شراب کا عشر لیا جائے گا، لیکن عشر کے طور پر شراب نہیں لی جائے گی اس کی قیمت لی جائے گی بھائی، اس کی قیمت۔ اور اسی طرح اگر خنزیر لے کر گزرا تو پھر اس صورت کے اندر اس سے عشر نہیں لیا جائے گا، عشر نہیں لیا جائے گا۔ تو شراب کے اندر تو عشر لیں گے اور خنزیر کے اندر عشر نہیں لیں گے، یہی بات بیان کر رہے ہیں: **عَشَّرَ الْخَمْرَ دُونَ الْخِنْزِيرِ** کہ شراب کا عشر لے وہ عاشر نہ کہ خنزیر کا۔

اور انہوں نے جو کہا نا: **وَقَوْلُهُ** اور ماتن کا قول جو ہے نا: **عَشَّرَ الْخَمْرَ**، کس کا عشر لے لے؟ شراب کا، **أَيْ مِنْ قِيمَتِهَا** یعنی اس کی قیمت میں سے لے گا، عینِ شراب کو نہیں لے گا، کیونکہ شراب جو ہے نہ مسلمان اس کا مالک بن سکتا ہے نہ دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے بھائی، سمجھ رہے ہیں؟ اسی طرح خنزیر ہے، خنزیر، یرحمک اللہ، خنزیر اور شراب جو ہیں یہ ہمارے نزدیک مال نہیں، مال نہیں۔ ان کا مسلمان مالک بن بھی نہیں سکتا، مالک بننے کا کیا معنیٰ؟ پہلے اس کی ملک میں نہیں تھی اور اب کس میں داخل ہو جائے؟ اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے، یہ مالک بن جائے، یہ بھی نہیں صحیح۔ اور دوسری صورت یہ کہ دوسرے کو مالک بنا دے، یہ بھی درست نہیں۔ مثلاً مسلمان جو ہے اس کے پاس مثلاً انگور کا رس تھا وہ خود ہی شراب میں تبدیل ہو گیا، اب یہ مسلمان اس شراب کا مالک ہے۔ کیونکہ ملک میں شراب داخل نہیں ہو رہی، ملک میں تو یہ چیز پہلے ہی تھی، بدل کس میں گئی؟ شراب۔ اب یہ کسی اور کو مالک بنانا چاہتا ہے یعنی بیچنا چاہتا ہے؟ نہیں بھائی، کسی اور کو بھی اس کا مالک نہیں بنا سکتا۔ تو خنزیر اور خمر میں نہ تملک جائز ہے نہ تملیک جائز ہے، نہ خود مالک بن سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے۔

تو اسی لیے کہا اس کی قیمت میں سے لے گا خنزیر وہ شراب کو نہیں لے گا۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ** اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لَا يُعَشِّرُهُمَا** دونوں میں عشر نہیں لے گا، کسی کا بھی عشر نہ لے عاشر، **لِأَنَّهُ لَا قِيمَةَ لَهُمَا** اس لیے کیونکہ ان دونوں کی کوئی قیمت نہیں، شریعت میں ان کی کوئی قیمت نہیں، یہ مال ہے ہی نہیں ہمارے نزدیک تو ان کا عشر بھی نہیں لیں گے۔

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ: يُعَشِّرُهُمَا، امام زفر فرماتے ہیں دونوں کا عشر لے گا، خنزیر کا بھی عشر عاشر لے لے گا اور شراب کا بھی۔ بھائی یہ اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں: **لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْمَالِيَّةِ عِنْدَهُمْ** بہ وجہ ان دونوں کے برابر ہونے میں **فِي الْمَالِيَّةِ** مال ہونے کے اندر **عِنْدَهُمْ** ان کے نزدیک۔ اس لیے کیونکہ جو حربی ہیں دار الحرب والے ہیں یا جو غیر مسلم ہیں بھائی، جو غیر مسلم ہیں ان کے نزدیک یہ کیا ہے؟ یہ مال ہونے میں برابر ہیں۔ ہمارے نزدیک تو ٹھیک ہے نہ خنزیر مال ہے نہ شراب مال ہے لیکن ان کے نزدیک شراب بھی مال، خنزیر بھی مال، چنانچہ وہ یہ دونوں چیزیں خریدتے بھی ہیں اور بیچتے۔ تو ان کے نزدیک جب مال ہے تو لہٰذا دونوں کے دونوں میں سے کیا کیا جائے گا؟ عشر لیا جائے گا۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: يُعَشِّرُهُمَا إِذَا مَرَّ بِهِمَا جُمْلَةً، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھائی، ادھر دیکھیے بھائی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر خنزیر اکیلے لے کر گزرا صرف خنزیر ہے اس حربی کے پاس تو ان کی ان سے ان میں عشر نہ لے، صرف شراب لے کر گزرا تو پھر کیا کرے اس کا؟ عشر لے، جیسا متن میں آیا۔ اور اگر دونوں لے کر اکٹھے گزرا، خنزیر بھی اس کے پاس ہیں اور شراب، تو پھر اس صورت میں دونوں کا عشر لے لے، شراب کا تو لینا ہی تھا اب کس کا لے لے؟ خنزیر کا بھی لے لے، گویا جب وہ اکٹھا لے کر گزرتا ہے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ خنزیر کو شراب کے تابع کر دیتے ہیں۔ اکیلے خنزیر میں تو عشر نہیں تھا لیکن اب جب اکٹھے لے کر گزر رہا ہے اب اس کے تابع بنا دیا، شراب میں تو لیا جاتا ہے تو لہٰذا خنزیر میں بھی لیا جائے گا، مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔ یہ معنیٰ ہے: **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُعَشِّرُهُمَا** کہ دونوں میں عشر وہ لے لے **إِذَا مَرَّ بِهِمَا جُمْلَةً** جب وہ ان کے ساتھ ان دونوں کو اکٹھا لے کر گزرا، **كَأَنَّهُ جَعَلَ الْخِنْزِيرَ تَبَعًا لِلْخَمْرِ** گویا کہ انہوں نے خنزیر کو تابع بنا دیا شراب کے، **فَإِنْ مَرَّ بِكُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الِانْفِرَادِ عَشَّرَ الْخَمْرَ دُونَ الْخِنْزِيرِ** یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی انہی کا قول چل رہا ہے، وہ فرماتے ہیں اگر ان میں سے ہر ایک کو **عَلَى الِانْفِرَادِ** اکیلے لے کر گزرا، **عَشَّرَ الْخَمْرَ** تو کس کا عشر لے گا؟ شراب کا عشر وہ عاشر لے لے گا **دُونَ الْخِنْزِيرِ** نہ کہ خنزیر کا۔

وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الظَّاهِرِ اور ظاہر روایت پر فرق کی وجہ بھائی، کہ کیا وجہ ہے جو متن میں آیا کہ شراب میں عشر لے گا اور خنزیر میں عشر نہیں لے گا، تو فرق بیان کرنے لگے ہیں کہ شراب اور خنزیر میں فرق کیا ہے۔ کہتے ہیں بھائی فرق کی وجہ یہ ہے: بھائی یاد رکھیے، چیزیں دو قسم پر ہیں: کچھ مثلیات کہلاتی ہیں اور کچھ ذوات القیم۔ مثلیات وہ چیزیں ہیں جن کا مثل مل جاتا ہے، جیسے چینی ہے، آٹا ہے، گندم ہے وغیرہ، یہ کیا ہیں؟ مثلیات۔ آپ کے پاس اگر چینی ہے تو اسی کا مثل اسی جیسی چینی بازار سے بھی مل جاتی ہے یا نہیں مل جاتی؟ مل جاتی ہے۔ آپ کے پاس اگر گندم ہے تو اسی کا مثل یعنی اسی طرح گندم بازار سے مل جاتی ہے یا نہیں ملتی؟ مل جاتی ہے۔ تو وہ

چیزیں جن کا مثل مل جاتا ہو ان کو کہتے ہیں مثلیات یا اسی طرح ان کو کہتے ہیں ذوات الامثال بھائی۔ اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا مثل نہیں ملتا ان کو کہتے ہیں ذوات القیم یعنی قیمت والی بھائی، قیمت والی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ مثلاً آپ کے پاس گاڑی ہے بھائی گاڑی، یہ گاڑی یاد رکھیے یہ ذوات القیم میں سے ہے، کس میں سے ہے؟ ذوات القیم میں سے ہے، کیونکہ اسی جیسی اور اس ہی جیسی گاڑی اور آپ کو کہیں سے بھی نہیں ملے گی، آپ کہیں گے بھائی کیوں نہیں ملتی؟ بعینہ اسی جیسی اور گاڑی مل جاتی ہے، نہیں بھائی نہیں، وہ جو بھی گاڑی آپ لے آئیں بالکل آپ کی گاڑی جیسی شکل ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ آپ کی گاڑی کی طرح نہیں، اس لیے کیونکہ گاڑی اب ایک گاڑی آپ چلاتے ہیں وہ گاڑی کوئی اور چلاتا تھا، آپ پتا نہیں ہو سکتا ہے احتیاط سے استعمال کرتے ہوں وہ احتیاط سے استعمال نہ کرتا ہو، تو ظاہری طور پر تو گاڑیاں ایک جیسی لیکن انجن کے اندر کیا ہو گی؟ کچھ نہ کچھ کمی بیشی ہو گی، سمجھ میں آیا؟ اسی طرح جانور ہیں بھائی وہ بھی وہ بھی ذوات القیم میں سے ہیں مثلیات میں سے نہیں، مثلاً بکری ہے اب آپ کہیں گے بالکل اسی جیسی اور بکری تلاش کی جاسکتی ہے، بھائی آپ بے شک تلاش کر لیں لیکن پھر بھی ایک جیسی دونوں دونوں بکریاں ایک جیسی نہیں ہیں، جیسے گاڑی کے اندر صرف ظاہری صفات کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ کس کو دیکھا جاتا ہے؟ باطنی صفات کو بھی دیکھا دیکھا جائے گا، تو ظاہری اعتبار سے دونوں گاڑیاں چاہے بالکل ایک جیسی ہوں لیکن باطنی اعتبار سے بالکل ایک جیسی ہو ہی نہیں سکتیں بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اسی طرح اگر دو بکریاں ہیں چاہے دیکھنے میں بالکل ایک جیسی ہی کیوں نہ ہوں لیکن باطنی اعتبار سے ایک جیسی نہیں ہوں گی بھائی۔ ہو سکتا ہے یہ بکری دودھ نکالے آرام سے دودھ نکالنے دیتی ہے دوسری آرام سے دودھ نکالنے ہی نہیں دیتی بھائی، سمجھ رہے ہیں؟ تو لہٰذا باطنی اوصاف ضرور مختلف ہوں گے، تو یہ جانور وغیرہ اور یہ گاڑیاں وغیرہ یہ کس میں سے ہیں؟ ذوات القیم میں سے، جبکہ اس کے مقابلے میں یہ گندم وغیرہ چینی یہ چیزیں کس میں سے ہیں؟ ذوات الامثال میں سے ہیں۔

اور یاد رکھیے بھائی یاد رکھیے، ذوات القیم کے اندر اگر کوئی شخص کسی کی چیز غصب کر لے اگر کوئی شخص کسی کی چیز غصب کر لے اور وہ چیز اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو اگر وہ چیز ذوات القیم میں سے تھی تو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔ لہٰذا کسی نے کسی کی بکری غصب کر لی اور وہ اس کے پاس ہلاک ہو گئی تو بدلے کے طور پر اس پر کیا آئے گا؟ اس بکری کی قیمت آئے گی کیونکہ بکری کس میں سے ہے؟ ذوات القیم میں سے۔ لیکن اس کے بجائے اگر جو چیز ہلاک اس کے پاس ہوئی وہ مثلی تھی، مثلاً ایک آدمی نے دوسرے کی دس من گندم غصب کر لی اور گندم کس میں سے ہے؟ مثلیات میں سے ہے، تو اب وہ گندم اگر اس کے پاس ہلاک ہو گئی تو بدلے کے طور پر اس کو بھی اسی کا مثل دینا پڑے گا، قیمت نہیں آئے گی بلکہ اس کا مثل آئے گا، یعنی دس من گندم ہی اب اس کو لا کر دینا پڑے گی بھائی اسی جیسی۔ صورت سمجھ؟ معلوم ہوا ذوات القیم اگر غصب میں ہلاک ہو جائے کیا دینا پڑتا ہے؟ قیمت دینا، اور ذوات الامثال اگر ہلاک ہو جائے غاصب کے پاس تو کیا دے گا اس کا؟ مثل دے گا، مثل دے گا۔

تو یہاں پر یاد رکھو، مسئلہ چل رہا ہے کہ خنزیر کا عشر نہیں لے گا عاشر البتہ شراب کا عشر لے گا۔ اس لیے کیونکہ شراب ذوات الامثال میں سے ہے مثلیات میں سے اور خنزیر ذوات القیم میں سے، اور ذوات القیم کے اندر آتی ہی کیا ہے؟ اس میں دینا ہی کیا پڑتا ہے اگر غاصب ہلاک؟ اس میں قیمت دینا پڑتی ہے۔ تو یہاں اگر خنزیر کے اندر بھی عشر لیا جائے اور عشر کس میں سے ہو گا؟ خنزیر کی قیمت میں سے، تو یاد رکھیے یہ قیمت دینا اسی طرح ہے جیسے وہ خنزیر دے رہا ہے۔ کیونکہ ذوات القیم میں آتی ہی کیا ہے؟ قیمت، تو وہاں پر قیمت بھی اس عین کی طرح اسی چیز کی طرح ہوتی ہے، کیونکہ اس کا مثل تو ملتا نہیں ہے تو قیمت دے رہا ہے گویا وہی چیز دے رہا ہے۔ تو یہاں پر اگر خنزیر میں کیا لیا جائے؟ عشر لیا جائے اور عشر کس میں سے لیں گے؟ اس کی قیمت میں سے، تو خنزیر تو ہے ہی ذوات القیم میں سے اور وہ عشر بھی کس میں سے دے رہا ہے؟ قیمت میں سے دے رہا ہے، اور ذوات القیم کے اندر قیمت بھی کس کی طرح ہوتی ہے؟ عینِ شے کی طرح ہوتی ہے، تو قیمت بھی کس کی طرح ہوئی؟ عینِ خنزیر کی طرح ہوئی، تو یہ عشر گویا کیا دے رہا ہے عشر کے طور پر؟ گویا خنزیر ہی دے رہا ہے اور خنزیر لینا تو مسلمان کے لیے جائز نہیں، اس لیے خنزیر کے اندر جو ہے عشر نہیں لے گا۔ جبکہ شراب جو ہے وہ مثلیات میں سے ہے، کس میں سے؟ مثلیات۔ ایک آدمی دوسرے کی شراب غصب کر دیتا ہے حربی حربی کی اور اس کو ہلاک ختم کر دیتا ہے تو بدلے کے طور پر اس پر کیا واجب ہو گا؟ شراب ہی واجب ہو گی اس کا مثل اس کو دینا پڑے گا کیونکہ شراب کس میں سے ہے؟ مثلیات۔ تو شراب ہے مثلیات میں سے، اور مثلی چیز کے اندر اس کا مثل واجب ہوتا ہے اس کی قیمت واجب نہیں ہوتی، تو اس کا مثل اسی کی طرح ہے قیمت اس کی طرح نہیں ہے، لہٰذا وہاں کیا دینا پڑتا ہے؟ مثل دینا پڑتا ہے قیمت نہیں۔ لیکن یہاں پر اس سے شراب کے عشر کے طور پر کیا لی جا رہی ہے؟ قیمت لی جا رہی ہے، اور مثلی کے اندر مثل لیا جاتا ہے یا قیمت لی جاتی ہے؟ مثل لیا جاتا ہے، تو معلوم ہوا مثل ہے اس کی طرح قیمت اس کی طرح نہیں ہے، تو یہاں شراب میں اس لیے قیمت لے لے گا کیونکہ قیمت جب دے رہا ہے تو یہ قیمت ہی ہے خود شراب نہیں کیونکہ یہ شراب مثلیات، اور خنزیر کے اندر اگر وہ قیمت بھی دے دے تو وہ تو ہے ہی ذوات القیم میں سے تو گویا کیا دے رہا ہے؟ خنزیر ہی دے رہا ہے۔ فرق بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں؟ تو مثلیات میں مثل آتا ہے قیمت اس کے مثل شمار نہیں ہوتی، جبکہ ذوات القیم میں تو آتی ہی قیمت ہے تو وہ قیمت ہی گویا عینِ شے کی طرح ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: **وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الظَّاهِرِ** اور ظاہرِ روایت پر فرق کی وجہ یہ ہے: **أَنَّ الْقِيمَةَ فِي ذَوَاتِ الْقِيَمِ لَهَا حُكْمُ الْعَيْنِ** کہ قیمت جو ہے ذوات القیم کے اندر **لَهَا حُكْمُ الْعَيْنِ** تو اس قیمت کا حکم اس عینِ شے والا ہی حکم ہے، **وَالْخِنْزِيرُ مِنْهَا** اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہے تو یہاں اگر قیمت لے لی جائے تو گویا عینِ خنزیر لے لیا، **وَذَوَاتُ الْأَمْثَالِ لَيْسَ لَهَا هَذَا الْحُكْمُ** اور ذوات الامثال جو ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے، یعنی ان میں قیمت دینا عینِ چیز کا دینا نہیں کیونکہ وہاں تو عینِ چیز کیا ہے؟ اسی کا مثل ہوتا ہے، تو یہاں مثل نہیں لیا جا رہا قیمت دی۔ تو کہتے ہیں: **وَالْخَمْرُ مِنْهَا** اور خمر ذوات الامثال میں سے ہے جن کے اندر قیمت

لینے کا حکم انہی کی طرح نہیں ہے۔

وَلِأَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لِلْحِمَايَةِ اور اس لیے کیونکہ عشر لینے کا حق جو ہے وہ حفاظت کرنے کی وجہ سے ہے، **وَالْمُسْلِمُ يَحْمِي خَمْرَ نَفْسِهِ** اور مسلمان اپنی شراب کی حفاظت کرتا ہے، **يَحْمِي خَمْرَ نَفْسِهِ** مسلمان کیا کرتا ہے؟ اپنی شراب کی حفاظت کرتا ہے **لِلتَّخْلِيلِ** سرکہ بنانے کے لیے۔ کیونکہ شراب کو دھوپ میں رکھا جائے یا نمک وغیرہ اس میں ڈال کر رکھا جائے تو وہ کس میں بدل جاتی ہے؟ سرکے میں۔ شراب کا تو استعمال جائز نہیں تھا لیکن اب سرکہ بن گیا اب اس کا استعمال کیا ہوا؟ جائز۔ تو مسلمان اپنی شراب کی حفاظت کرتا ہے، کس لیے حفاظت کرتا ہے؟ سرکہ بنانے کے لیے، تو جب اپنی شراب کی حفاظت کرتا ہے تو حربی جو گزرا ہے اس کی بھی شراب کی کیا کی جائے گی؟ حفاظت کی جائے گی، اور یہ جو ٹیکس ہم لے رہے ہیں یہ لے ہی کس چیز کا رہے ہیں؟ یہ حفاظت ہی کا تو لے رہے ہیں، تو جب مسلمان اپنی شراب کی حفاظت کرتا ہے تو اس کی بھی شراب کی کیا کی جائے گی؟ حفاظت کی جائے گی۔ سمجھ میں آیا؟ لیکن خنزیر کا معاملہ اس طرح نہیں ہے، خنزیر تو مسلمان اگر مالک بھی ہو خنزیروں کا تو ان کی تو اس کو آزاد کر دینا اور چھوڑ دینا اس پر واجب ہے۔ کیونکہ شراب کے حلال ہونے کی صورت تھی کہ اس سے کیا کر لیا جائے؟ سرکہ، لیکن خنزیر کے حلال ہونے کی تو کوئی صورت نہیں ہے بھائی، تو خنزیر کو خنزیر اپنے خنزیروں کی بھی حفاظت وہ نہیں کرے گا بلکہ ان کو کیا کرنا واجب اس پر؟ چھوڑ دینا ان کو آزاد کر دینا واجب ہے، تو لہٰذا حربی کے بھی خنزیروں کی حفاظت اس کی ذمہ داری بھی نہیں لے گا۔ جب اپنے خنزیروں کی حفاظت نہیں کرتا ان کو آزاد چھوڑنا واجب ہے تو اس کے خنزیروں کی بھی حفاظت نہیں کرے گا، جب حفاظت نہیں کرے گا تو اس پر ٹیکس بھی نہیں لیا جائے گا، دلیل سمجھ میں آگئی۔

یہ معنٰی ہے: **وَلِأَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لِلْحِمَايَةِ** اور اس لیے کیونکہ عشر لینے کا حق جو ہے وہ حفاظت کرنے کی وجہ سے ہے، **وَالْمُسْلِمُ يَحْمِي خَمْرَ نَفْسِهِ لِلتَّخْلِيلِ** اور مسلمان اپنی ذاتی شراب کی حفاظت کرتا ہے سرکہ بنانے کے لیے، **فَكَذَا يَحْمِيهَا عَلَى غَيْرِهِ** تو اسی طرح شراب کی حفاظت کرے گا **عَلَى غَيْرِهِ** کسی دوسرے پر بھی، یعنی کسی دوسرے کے لیے بھی کیا کر سکتا ہے؟ شراب کی حفاظت کر سکتا ہے۔ **وَلَا يَحْمِي خِنْزِيرَ نَفْسِهِ** اور اپنے خنزیر کی حفاظت نہیں کر سکتا، **بَلْ يَجِبُ تَسْيِيبُهُ بِالْإِسْلَامِ** بلکہ واجب ہے اس کو کھلا چھوڑ دینا آزاد کر دینا، تسییب کا کیا معنٰی؟ آزاد کر دینا، چھوڑ دینا، جانے دینا۔ بلکہ اس کو جانے دینا یعنی اس خنزیر کو آزاد کر کے جانے دینا اس پر واجب ہو گا **بِالْإِسْلَامِ** مسلمان ہونے کی وجہ سے۔ کس وجہ سے؟ مسلمان۔ بھائی میں ترجمہ کیا کر رہا ہوں: **بِالْإِسْلَامِ** اسلام کی وجہ سے، یہ بھی ترجمہ تو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ ترجمہ زیادہ مناسب بنتا ہے۔ **أَسْلَمَ يُسْلِمُ إِسْلَامًا، أَسْلَمَ** کا کیا معنٰی؟ مسلمان ہونا، تو اسی سے مصدر ہے **إِسْلَام**، اس کا کیا ترجمہ ہو گا؟ مصدری مع ترجمہ کریں: مسلمان ہونا، یہی میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ **بَلْ يَجِبُ تَسْيِيبُهُ** بلکہ اس کو آزاد کر دینا اور چھوڑ دینا واجب ہے اس پر **بِالْإِسْلَامِ** کس کی وجہ سے؟ مسلمان ہونے کی وجہ سے۔ مثلاً بھائی ایک آدمی تھا وہ پہلے غیر مسلم تھا اور اس کے پاس بڑے خنزیر ہیں پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اب اس پر کیا واجب ہے؟ ان خنزیروں کو چھوڑ دینا واجب ہے۔ یہ معنٰی ہے: **بَلْ يَجِبُ تَسْيِيبُهُ بِالْإِسْلَامِ** بلکہ ان کو چھوڑ دینا واجب ہے اس پر مسلمان ہونے کی وجہ سے۔ تو جب اپنے خنزیروں کی حفاظت نہیں کر سکتا مسلمان **فَكَذَا** لَا **يَحْمِيهِ عَلَى غَيْرِهِ** تو اپنے علاوہ پر بھی اس کی حفاظت نہیں کرے گا، کسی دوسرے کے خنزیروں کی بھی حفاظت نہیں کرے گا، اور جب حفاظت نہیں کرے گا تو یہ ٹیکس لیا ہی کس لیے جاتا تھا؟ حفاظت کے لیے، تو اس کا ٹیکس بھی نہیں لیا جائے گا بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۰۷: مسئلہ: وَلَوْ مَرَّ صَبِيٌّ أَوِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِيَت...

ہدایہ صفحہ: ۲۱۵ — بتاریخ: ۱۲ اپریل ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَوْ مَرَّ صَبِيٌّ أَوِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ بِمَالٍ فَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ شَيْءٌ، وَعَلَى الْمَرْأَةِ مَا عَلَى الرَّجُلِ لِمَا ذَكَرْنَا فِي السَّوَائِمِ. وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ لَهُ فِي مَنْزِلِهِ مِائَةً أُخْرَى قَدْ حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ لَمْ يُزَكِّ الَّتِي مَرَّ بِهَا».

بات چل رہا ہے کہ وہ شخص جو عاشر پر گزرے۔ وہ شخص جو عاشر پر گزرے، اور عاشر وہ شخص جسے خلیفہ نے مقرر کیا ہے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے، اور میں نے بتلایا تھا کہ وہ صرف زکوٰۃ ہی وصول نہیں کرتا بلکہ جو ذمی گزرتا ہے اس سے بھی ٹیکس لیتا ہے، اسی طرح جو حربی اس پر گزرتا ہے اس سے بھی ٹیکس لیتا ہے بھائی۔

اب مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں کہ بنو تغلب کا کوئی بچہ یا عورت جو ہے وہ مال لے کر عاشر پر گزرے۔ بنو تغلب گزشتہ باب میں ذکر آیا تھا کہ بنو تغلب جو ہے یہ عرب عیسائیوں کا ایک قبیلہ تھا جو روم کے قریب رہتا تھا اور انہوں نے جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ یہ ہمارے لیے بڑے شرم اور عار کی بات ہو گی کہ ہم آپ کو جزیہ دیں۔ ہاں، آپ جو مسلمانوں سے لیتے ہیں وہی ہم سے بھی لیں چاہے دگنا لے لیں، ہم وہ دینے کے لیے تیار ہیں لیکن جزیہ نہیں دیں گے، اور اگر آپ نے زبردستی کی تو ہم بھاگ کر روم چلے جائیں گے لیکن جزیہ دینا ہمارے لیے طعنے کا، شرم کا اور عار کا باعث ہے، ہم کبھی جزیہ نہیں دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد ان کی بات کو منظور کر لیا، چنانچہ ان سے دگنی، جو مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جاتی ہے اس کا دگنا ان سے لیا جاتا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ یہ جزیہ ہی ہے تم چاہے اس کو جو مرضی نام دو، یعنی تم چاہے اس کو زکوٰۃ کہو لیکن یہ ہے کیا؟ جزیہ ہے بھائی۔

تو اب یہ بنو تغلب والوں میں سے کوئی عورت یا کوئی بچہ سامان لے کر اس عاشر پر گزرا تو اس صورت میں، آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ بنو تغلب والوں سے مسلمانوں کے مال کے مقابلے میں دگنا لیا جاتا ہے، تو مسلمانوں کے جس جس مال کے اندر زکوٰۃ وغیرہ وصول کی جاتی تھی ان کے بھی اس مال میں وصول کی جائے گی، اور مسلمانوں کے جن مالوں میں وصولی نہیں ہوتی ان کے بھی ان مالوں میں وصولی نہیں ہو گی۔ تو آپ پڑھ چکے مسلمان بچے پر زکوٰۃ واجب نہیں تو لہٰذا مسلمان بچے کے مال میں سے زکوٰۃ عاشر نہیں لے گا۔ مسلمانوں کے بچے کے مال میں سے نہیں لیا جاتا تو ان کے بچے کے مال میں سے بھی نہیں لیا جائے گا کیونکہ ان کے ساتھ معاہدہ ہی یہی ہوا تھا، اور مسلمان عورت جو ہے اس پر تو زکوٰۃ آتی ہے، اس کے مال میں سے زکوٰۃ عاشر وصول کرے گا، تو بنو تغلب کی جو عورت مال لے کر گزرے گی اس سے بھی کیا کرے گا؟ مال وصول کرے گا اور دگنا وصول کرے گا جتنا مسلمان سے لیا جاتا ہے اس سے۔

یہ معنی ہے «**وَلَوْ مَرَّ صَبِيٌّ أَوِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ بِمَالٍ**» اور اگر گزرا کوئی بچہ یا کوئی عورت بنو تغلب میں سے مال کے ساتھ «**فَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ شَيْءٌ**» تو بچے پر کوئی چیز نہیں ہو گی «**وَعَلَى الْمَرْأَةِ مَا عَلَى الرَّجُلِ**» اور عورت پر وہی واجب ہو گا جو مرد پر ہوتا ہے یعنی اسی طرح زکوٰۃ ہو گی اسی قدر «**لِمَا ذَكَرْنَا فِي السَّوَائِمِ**» اس وجہ سے جو ہم نے سوائم کے اندر ذکر کر دی بھائی۔ یہی تفصیل وہاں بھی میں نے ذکر کی تھی کہ کس وجہ سے ان سے لیا جاتا ہے کہ انہوں نے انکار کیا تھا جزیہ دینے کا۔

مسئلہ: وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَأَ...

«**وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَأَخْبَرَهُ**» صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص جو ہے عاشر پر گزرا اور اس شخص کے پاس جو مال ہے وہ سو درہم ہے بھائی۔ مال کتنا ہے؟ سو درہم، اور زکوٰۃ کا نصاب کتنا ہے؟ سو درہم ہے یا دو سو درہم ہے؟ دو سو درہم ہے، تو اس کے پاس سو درہم ہے یعنی نصاب سے کم ہے، اور اس نے عاشر کو یہ

بھی بتلایا کہ میرے پاس گھر میں بھی سو درہم پڑے ہوئے ہیں۔ یعنی نصاب میں سے کچھ حصہ اس کے پاس یہاں موجود ہے اور کچھ حصہ وہ بتلا رہا ہے کہ میرے گھر ہے، گھر پر موجود ہے، اور یہ بھی ساتھ اس نے بتایا کہ جو گھر پر ہے اس پر سال گزر چکا ہے۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں عاشر زکوٰۃ نہیں لے گا اس مال میں سے جو یہ اس پر لے کر گزرا۔ یہ جو مال لے کر گزر رہا ہے یہ تو ہے نصاب سے کم اور نصاب سے کم میں تو زکوٰۃ نہیں آتی لہٰذا اس میں سے زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا۔ اور جو گھر پر اس نے مال بتلایا اس کی زکوٰۃ تو عاشر وصول کر ہی نہیں سکتا بھائی کیونکہ عاشر زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اس کو کب ملتا ہے؟ کیونکہ خلیفہ کی طرف سے وصول کر رہا ہے اور عام مالِ تجارت کے اندر تو مالکین کو خود کیا کر دیا گیا ہے؟ خلیفہ کا نائب بنا دیا گیا ہے، تو وہ مال اس کے گھر پر ہے، وہ اس کی اپنی حفاظت میں ہے لہٰذا اس میں سے زکوٰۃ عاشر وصول نہیں کر سکتا۔ ہاں، جب وہ گھر سے لے کر نکلتا ہے جنگلوں کی طرف، راستے میں سفر کرتا ہے اب اسے خلیفہ کی حمایت کی ضرورت ہے، خلیفہ کی حفاظت کی ضرورت ہے تو اس وجہ سے پھر عاشر اس سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے۔ تو یہ جو سو لے کر گزر رہا ہے یہ نصاب سے کم، اس میں سے زکوٰۃ نہیں لے سکتا، اور وہ جو سو گھر پر پڑا ہے اس کی بھی زکوٰۃ نہیں لے سکتا کیونکہ اس میں حق ہی کس وجہ سے بنتا تھا وصولی کا؟ حفاظت کی وجہ سے، اور وہ تو اس کی اپنی حفاظت میں ہے، وہ تو خلیفہ کی حفاظت میں داخل نہیں لہٰذا اس میں سے بھی وصول نہیں کر سکتا۔

یہ معنی ہے «وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ» اور جو شخص عاشر پر سو درہم لے کر گزرا «وَأَخْبَرَهُ» اور اس کو یہ بتلایا «أَنَّ لَهُ فِي مَنْزِلِهِ مِائَةً أُخْرَى» کہ اس کے گھر پر بھی سو دوسرے درہم ہیں «قَدْ حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ» تحقیق ان پر سال گزر چکا ہے «لَمْ يُزَكِّ الَّتِي مَرَّ بِهَا» تو عاشر زکوٰۃ نہیں لے گا ان سو درہموں کی جن کو وہ اس پر لے کر گزرا ہے۔ کیوں نہیں لے گا؟ «لِقِلَّتِهِ» ان کے قلیل ہونے کی وجہ سے کہ یہ نصاب کو نہیں پہنچ رہے۔ «وَمَا فِي بَيْتِهِ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ حِمَايَتِهِ» اور وہ جو اس کے گھر پر سو درہم ہیں وہ تو اس کی حمایت میں، اس کی حفاظت میں داخل نہیں، جب حفاظت میں نہیں داخل تو وہ ان کی بھی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔

«فَلَوْ مَرَّ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ بِضَاعَةً لَمْ يُعَشِّرْهَا؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَأْذُونٍ بِأَدَاءِ زَكَاتِهِ». اور اگر وہ اس پر دو سو درہم لے کر گزرا عاشر پر لیکن وہ سو درہم، وہ دو سو درہم ہیں بضاعت کے۔ بھائی ایک ہے مضاربت، ایک ہے بضاعت۔ مضاربت میں مال ایک کا ہوتا ہے، محنت دوسرے کی ہوتی ہے اور نفع کو آپس میں تقسیم کرتے ہیں جس تناسب سے بھی طے کر لیں، مثلاً اگر آدھا آدھا نفع پر بات ہوئی ہے تو آدھا آدھا نفع مضارب اور وہ مال کا مالک آپس میں تقسیم کریں گے، اور اگر کمی بیشی کے ساتھ ہوئی ہے کہ مثلاً مضارب سے کہا ہے کہ تم صرف چالیس فیصد لو گے، مالک نے کہا میں ساٹھ فیصد لوں گا، تو بس اسی تناسب سے نفع کو کیا کریں گے؟ تقسیم۔ تو جس تناسب سے بھی نفع طے ہو جائے اسی پر تقسیم کریں گے، تو یہ ہے مضاربت۔ اور جبکہ بضاعت یہ ہے کہ مال ایک شخص کا ہے وہ دوسرے کو دے دیتا ہے، وہ اس سے تجارت کرتا ہے اور سارا کا سارا نفع مالک کو دیتا ہے، خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیتا، تو یہ جو مال مالک نے دیا ہے اور دوسرا اس کے لیے تجارت کر رہا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ بضاعت کہتے ہیں۔ اس میں نفع تقسیم نہیں کرتے بلکہ تاجر کیا کرتا ہے؟ سارا نفع مالک ہی کو دیتا ہے بھائی۔ مثلاً آپ کا کاروبار ہے، آپ ایک کام کر رہے ہیں، آپ کے ساتھی نے کہا کہ یہ میرے پیسے بھی اپنے ساتھ ملا لو، تو آپ نے اپنے کام کے ساتھ اس کے پیسے بھی اس سے لے لیے اور سارا نفع اسی کو دیتے ہیں بھائی، یہ ہے بضاعت بھائی۔

■ مسئلہ: فَلَوْ مَرَّ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ بِضَاعَةً

«فَلَوْ مَرَّ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ بِضَاعَةً» اگر وہ شخص، اگر کوئی شخص عاشر پر دو سو درہم بطورِ بضاعت کے لے کر گزرا «لَمْ يُعَشِّرْهَا» تو عاشر اس کی زکوٰۃ نہیں لے گا۔ بھائی کیوں اس کی زکوٰۃ کیوں نہیں لے گا؟ دو سو درہم ہیں نصاب کے، کہتے ہیں بھائی یہ مال جو لے کر گزر رہا ہے اس کا مال ہے یا کسی دوسرے کا ہے؟ کسی دوسرے کا ہے، اور یہ جو عاشر وصول کرتا ہے یہ کیا چیز ہے؟ یہ زکوٰۃ ہے، یہ زکوٰۃ ہے، اور زکوٰۃ مالک ہی ادا کر سکتا ہے، کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا، تو چونکہ مالک نے اس کو اجازت نہیں دی اپنے مال کی زکوٰۃ کی ادا کرنے کی، لہٰذا یہ مالک کی طرف سے نائب ہو کر بھی ادا، ہاں مالک نے کہا ہو ادا کر دو پھر تو ٹھیک ہے لیکن خود ادا نہیں کر سکتا۔ یہ معنی ہے «لَمْ يُعَشِّرْهَا» تو اس سے عُشر نہیں لے گا یعنی زکوٰۃ نہیں لے گا «لِأَنَّهُ غَيْرُ مَأْذُونٍ بِأَدَاءِ زَكَاتِهِ» اس لیے کیونکہ وہ ماذون، یعنی اس کو اجازت نہیں دی گئی اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی۔

«قَالَ: وَكَذَا الْمُضَارَبَةُ» اور اسی طرح مضاربت ہے۔ «وَكَذَا الْمُضَارَبَةُ» اسی طرح مضاربت ہے۔ اسی طرح مضاربت بھی ہے بھائی۔ مضاربت کے اندر بھی دیکھو مال دوسرے کا ہوتا ہے اور تجارت اور محنت کرنے والا شخص کوئی اور ہے، تو اگر مالِ مضاربت لے کر عاشر پر گزرا تو اس کی بھی اس سے زکوٰۃ نہیں لے گا کیونکہ مالک نے اس کو تجارت کے لیے مال دیا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کی اس نے اجازت نہیں دی۔ تو نہ تو یہ مال لے کر جو گزرا ہے نہ خود مالک ہے اس مال کا کہ زکوٰۃ دے اور نہ مالک کا نائب ہے کہ اس کی طرف سے کیا کر دے؟ زکوٰۃ ادا کر دے۔

یہ معنی ہے «وَكَذَا الْمُضَارَبَةُ» اور اسی طرح مضاربت بھی ہے یعنی اس کا بھی یہی حکم ہے «يَعْنِي إِذَا مَرَّ الْمُضَارِبُ بِهِ عَلَى الْعَاشِرِ» یعنی اگر گزرا مضارب جو ہے عاشر پر «وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ [رَحِمَهُ اللَّهُ] يَقُولُ أَوَّلًا: يُعَشِّرُهَا لِقُوَّةِ حَقِّ الْمُضَارِبِ» اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ پہلے

فرماتے تھے «يُعَشِّرُهَا» کہ اس کی بھی کیا کرے گا؟ عُشر اس سے لے گا یعنی زکوٰۃ لے گا «لِقُوَّةِ حَقِّ الْمُضَارِبِ» مضارب کے حق کے قوی ہونے کی وجہ سے۔

بھائی امام صاحب کے سلسلے میں ان سے دو روایتیں، ایک پہلی روایت پھر بعد میں امام صاحب نے رجوع کر لیا اور دوسری روایت جو ان کا آخری قول ہے وہ یہ ہے جو متن میں آ گیا کہ مضارب سے بھی کیا کیا جائے گا؟ مالِ مضاربت کے اندر وہ عُشر یا زکوٰۃ نہیں لیا جائے گا۔ پہلے امام صاحب فرماتے تھے کہ مضارب سے لیا جائے گا بھائی، عُشر اور زکوٰۃ اس سے لی جائے گی لی جائے گی بھائی۔ اور اس کی کیا وجہ؟ اس کی بھی وجہ ذکر کریں گے کہ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عُشر لیا جائے گا بھائی کیونکہ امام صاحب فرماتے تھے کہ مضارب کا حق مال کے ساتھ وابستہ ہے، مضارب کا حق کیا ہے؟ مال کے ساتھ وابستہ ہے، مضارب کا قوی تعلق ہے مال کے ساتھ، حتیٰ کہ اگر وہ کچھ سامان خرید چکا ہے تو مالک کو اسے آگے بیچنے سے روکنے کا حق بھی نہیں ہے۔

بھائی دیکھیے مسئلہ یاد رکھیے، آپ نے کسی شخص کو، کسی شخص کو مال دے دیا اور اس کے ذریعے وہ تجارت کر رہا ہے، عقدِ مضاربت کر لیا، نفع آپ دونوں آدھا آدھا تقسیم کرتے ہیں، تو جب تک اس کے پاس وہ مال نقدی کی صورت میں ہے، کس صورت میں ہے؟ نقدی کی صورت، آپ درمیان میں بھی کسی وقت اس کو روک سکتے ہیں کہ بس بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ ہاں روک سکتے ہیں۔ تو، لیکن اگر وہ مال کے ذریعے سامان خرید چکا ہے پھر آپ روکیں بھی تو پھر بھی شرعاً وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے، وجہ یہ کہ اس نے اس کے ذریعے سامان خرید لیا ہے، سامان خرید لیا ہے، اور جب سامان خرید لیا ہے تو اب آگے اس کو بیچے گا اور اس کے ذریعے نفع کمائے گا، اور نفع کے اندر اس مضارب کا بھی حق ہے یا حق نہیں ہے؟ حق ہے، تو جب تک وہ مال سامان کی صورت میں ہے اس وقت تک پتہ ہی نہیں چلے گا اس کا کتنا نفع ہے اور مالک کا کتنا نفع ہے، لہٰذا اس کو آگے بیچنے کی اجازت ہے چاہے مالک روکے، پھر بھی اس کو بیچنے کی اجازت، لیکن ایک دفعہ بیچ دیتا ہے اور مال پھر کس صورت، کون سی صورت اختیار کر لیتا ہے؟ نقدی والی، کرنسی بن جاتا ہے یا درہم بن جاتا ہے یا دینار تو پھر اس کے بعد اس کو پھر تصرف کی اجازت نہیں کیونکہ پھر تو نفع وغیرہ کا حساب آسانی سے لگایا جا سکتا ہے جب مال نقدی کی صورت میں ہو، لیکن جب تک مال کس صورت میں تھا؟ سامان کی صورت میں تھا، اس نے اس کے ذریعے سامان خرید لیا تھا تو اس کے بعد مالک کو، مالک بھی اس کو تصرف سے نہیں روک سکتا۔ جب مالک بھی نہیں روک سکتا، معلوم ہوا اس کا حق مال کے ساتھ بڑا قوی ہو چکا ہے، تو لہٰذا اس کے مال میں سے امام صاحب اولاً کیا فرماتے تھے؟ اسی وجہ سے اس کے مال میں سے زکوٰۃ، وہ زکوٰۃ وصول کرے گا عاشر بھائی۔

یہ معنی ہے «وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ [رَحِمَهُ اللَّهُ] يَقُولُ أَوَّلًا» اور امام صاحب پہلے یہ فرماتے تھے «يُعَشِّرُهَا» کہ اس سے عُشر لے گا یعنی زکوٰۃ لے گا «لِقُوَّةِ حَقِّ الْمُضَارِبِ» مضارب کے حق کے قوی ہونے کی وجہ سے «حَتَّى لَا يَمْلِكَ رَبُّ الْمَالِ نَهْيَهُ عَنِ التَّصَرُّفِ فِيهِ بَعْدَمَا صَارَعُرُوضًا» یہاں تک کہ مالک نہیں ہے رب المال، مال والا جو ہے یعنی جو مال کا اصل مالک ہے وہ مالک نہیں ہے اس بات کا کہ، کس بات کا مالک نہیں ہے؟ «نَهْيَهُ عَنِ التَّصَرُّفِ فِيهِ» کہ اس کو روکے، اس کو منع کرے «عَنِ التَّصَرُّفِ فِيهِ» اس میں تصرف کرنے سے۔ یعنی مال کا مالک بھی اس کو مال کے اندر تصرف سے نہیں روک سکتا کب؟ «بَعْدَمَا صَارَعُرُوضًا» بعد اس جبکہ وہ مال کیا بن چکا ہے؟ سامان بن چکا ہے یعنی اس کے ذریعے وہ سامان خرید چکا ہے، تو اس کے بعد نہیں روک سکتا۔ «فَنُزِّلَ مَنْزِلَةَ الْمِلْكِ» تو لہٰذا اس کو کس کے درجے میں اتار لیا گیا؟ مالِ مضاربت کو ملک ہی کے درجے میں اتار لیا گیا، کیونکہ یہ گویا اس کی ملک ہے جب مالک اس کو تصرف سے نہیں روک سکتا، تو یہ گویا کس کے درجے میں ہے؟ اس کی ملک ہے، اس پر گویا یہ مملوک ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ رَجَعَ

«ثُمَّ رَجَعَ» پھر امام صاحب نے رجوع فرمایا «إِلَى مَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ» اس قول کی طرف جو کتاب میں یعنی متن میں ذکر ہے «وَهُوَ قَوْلُهُمَا» اور یہی صاحبین کا بھی قول ہے، کیا؟ کہ مالِ مضاربت میں سے بھی وہ عاشر زکوٰۃ نہیں لے گا۔ کیوں؟ کہتے ہیں «لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا نَائِبٍ عَنْهُ فِي أَدَاءِ الزَّكَاةِ» اس لیے کیونکہ وہ اس مالِ مضاربت کا مالک بھی نہیں ہے، یہ جو مضارب ہے، اس مالِ مضاربت کا مالک بھی نہیں ہے «وَلَا نَائِبٍ عَنْهُ» اور مالک کا نائب بھی نہیں ہے «فِي أَدَاءِ الزَّكَاةِ» زکوٰۃ کی ادائیگی میں، مالک نے اس کو نہیں کہا ہوا۔

«إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ» مگر یہ کہ مال کے اندر نفع ہو، مال کے اندر کیا ہو چکا ہے؟ نفع ہو چکا ہے، یہ کچھ عرصے سے تجارت کر رہا ہے اور اس میں نفع ہو چکا ہے «يَبْلُغُ نَصِيبُهُ نِصَابًا» اور اس مضارب کا حصہ نصاب کو پہنچ رہا ہے، مثلاً مال کے اندر چار سو درہم کا نفع ہو چکا ہے اور چار سو میں سے آدھے آدھے پر عقد ہوا تھا تو آدھا مال، مال کے مالک کا دو سو درہم اور آدھا نفع دو سو درہم کس کے؟ مضارب کے، تو مضارب کا جو نفع ہے، جو اس کا حصہ ہے، جو اس کا نفع ہے وہ نصاب کو پہنچ رہا ہے یا نہیں؟ وہ نصاب کو پہنچ رہا ہے تو پھر اس میں سے زکوٰۃ لی جائے گی کیونکہ یہ اسی کا مال ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے «إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ يَبْلُغُ نَصِيبُهُ نِصَابًا» مگر یہ کہ مال کے اندر اتنا نفع ہو کہ اس مضارب کا حصہ نصاب کو پہنچ رہا ہو «فَيُؤْخَذُ مِنْهُ» تو اس سے زکوٰۃ لی جائے گی «لِأَنَّهُ مَالِكٌ لَهُ» کیونکہ وہ اس کا مالک ہے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ مَرَّ عَبْدٌ مَأْذُونٌ لَهُ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ...

«وَلَوْ مَرَّ عَبْدٌ مَأْذُونٌ لَهُ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَلَيْسَ عَلَيْهِ دَيْنٌ عَشَّرَهُ» اور اگر گزرا عبدِ ماذون لہ بھائی۔ ماذون لہ، وہ غلام جس کو آقا نے اجازت دی ہے کہ تم تجارت کر سکتے ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ غلام جو ہے اس پر شرعاً تصرفات کے اندر اس پر پابندی ہوتی ہے بھائی، تصرفات میں اس پر پابندی ہے بھائی، انہی میں ایک تصرف تجارت کا بھی ہے، غلام کو تجارت کرنے کی اجازت نہیں لیکن اگر آقا اس کو اجازت دے دے پھر وہ کیا کر سکتا ہے؟ تجارت کر سکتا ہے۔ تو ایسا ہی ایک غلام تھا آقا نے اس کو اجازت دے دی تجارت کرنے کی اور یہ غلام اب دو سو درہم لے کر عاشر پر گزرا اور اس غلام پر کوئی دین بھی نہیں ہے، دورانِ تجارت کوئی قرضے وغیرہ بھی اس پر واجب نہیں ہوئے، تو اس سے وہ عاشر عُشر یعنی زکوٰۃ لے گا، عاشر کیا کرے گا اس سے؟ زکوٰۃ لے گا، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں «وَلَوْ مَرَّ عَبْدٌ مَأْذُونٌ لَهُ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَلَيْسَ عَلَيْهِ دَيْنٌ عَشَّرَهُ» اور اگر گزرا عبدِ ماذون لہ دو سو درہم لے کر اور اس پر دین نہیں ہے «عَشَّرَهُ» تو اس سے عُشر لے گا یعنی زکوٰۃ لے گا۔ «قَالَ أَبُو يُوسُفَ [] رَحِمَهُ اللَّهُ []: لَا أَدْرِي أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ [] رَحِمَهُ اللَّهُ [] رَجَعَ عَنْ هَذَا أَمْ لَا» امامِ اعظم کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «لَا أَدْرِي أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ [] رَحِمَهُ اللَّهُ [] رَجَعَ عَنْ هَذَا أَمْ لَا» کہ امام صاحب نے اس مسئلے سے رجوع فرمایا یا نہیں۔ کون فرما رہے ہیں؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں رجوع فرمایا یا نہیں۔ مضارب کے مسئلے میں تو انہوں نے رجوع فرمایا تھا، پہلے فرماتے تھے مضارب کے مال میں سے زکوٰۃ لے گا عاشر اور بعد میں رجوع کر کے کیا فرمایا؟ اس میں زکوٰۃ نہیں لے گا عاشر، تو لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ عبدِ ماذون لہ کے مسئلے میں ان کی پہلے یہی رائے تھی کہ کیا کریں گے اس میں؟ عُشر لیں گے جیسا متن میں آیا، پھر بعد میں امام صاحب نے اس سے رجوع فرمایا یا نہیں فرمایا، یہ مجھے معلوم نہیں۔ لیکن اگر اسی مسئلے پر قیاس کیا جائے، کس مسئلے پر؟ مضارب والے مسئلے پر قیاس کیا جائے تو پھر تو امام صاحب کا رجوع بنتا ہے اس کے اندر کیونکہ یہ بھی اسی کی طرح ہے۔ جیسے مضارب جو تھا نہ مال کا مالک تھا اور نہ مالک کی طرف سے نائب تھا لہٰذا اس کے مال میں سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی، تو اسی طرح عبدِ ماذون لہ بھی ہے، جو کچھ ہے اس کے پاس وہ کس کا ہے دراصل؟ مالک کا ہے، تو یہ مال کا مالک بھی نہیں اور مالک کی طرف سے ادائے زکوٰۃ کے اندر اس کا نائب بھی نہیں، تو قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے کہ اس کے اندر بھی زکوٰۃ نہیں ہونی چاہیے بھائی۔ امام صاحب کا رجوع ثابت تو نہیں ہے لیکن قیاس کیا جائے مضارب کے مسئلے پر تو اس میں بھی ان کا کیا بنتا ہے؟ رجوع ہی بنتا ہے اگرچہ ہمیں علم نہیں کہ رجوع فرمایا یا رجوع نہیں فرمایا، البتہ ان کی پہلی رائے تو یہی تھی جو متن میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں «قَالَ أَبُو يُوسُفَ [] رَحِمَهُ اللَّهُ []: لَا أَدْرِي أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ [] رَحِمَهُ اللَّهُ [] رَجَعَ عَنْ هَذَا أَمْ لَا» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے رجوع فرمایا اس سے یا نہیں «وَقِيَاسُ قَوْلِهِ الثَّانِي فِي الْمُضَارَبَةِ، وَهُوَ قَوْلُهُمَا، أَنَّهُ لَا يُعَشِّرُهُ» اور دوسرے قول، مضاربت کے اندر جو دوسرا قول ہے اس پر قیاس جو ہے، اس پر قیاس «وَهُوَ قَوْلُهُمَا» اور یہی کس کا قول ہے؟ صاحبین کا بھی، صاحبین کا بھی یہی قول ہے اور اس پر قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے «أَنَّهُ لَا يُعَشِّرُهُ» کہ عاشر اس سے عُشر نہیں لے گا اس عبدِ ماذون لہ سے «لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيمَا يَدِهِ لِلْمَوْلَى» اس لیے کیونکہ ملکیت اس مال کے اندر جو اس کے قبضے میں ہے «لِلْمَوْلَى» وہ کس کی ملکیت ہے؟ اس کے آقا کی ہے «وَلَهُ التَّصَرُّفُ» اور اس کو صرف کس چیز کا حق ہے؟ تصرف کا حق ہے، اس کے ذریعے بیع و شراء کر سکتا ہے «فَصَارَ كَالْمُضَارِبِ» تو یہ کس کی طرح ہوا؟ مضارب کی طرح ہوا بھائی، یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

■ مسئلہ: وَقِيلَ فِي الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا

«وَقِيلَ فِي الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا» اور کہا گیا ہے ان دونوں میں فرق کرتے ہوئے۔ بعض فقہاء نے فرق بیان کیا، وہ فرماتے ہیں نہیں، مضارب کے مسئلے میں امام صاحب کے رجوع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام صاحب نے عبدِ ماذون لہ کے مسئلے میں بھی کیا کر لیا ہو؟ رجوع کر لیا ہو اس لیے کیونکہ دونوں میں فرق ہے، دونوں میں کیا ہے؟ فرق ہے، اور وہ کیا فرق ہے؟ وہ آگے بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں «وَقِيلَ فِي الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا» اور کہا گیا ان دونوں میں فرق میں «إِنَّ الْعَبْدَ يَتَصَرَّفُ لِنَفْسِهِ» کہ غلام جو ہے وہ اپنی ذات کے لیے تصرف کرتا ہے۔ یاد رکھیے بھائی، عبدِ ماذون لہ اگر تجارت کر رہا ہے اور تجارت کے اندر جو مال وغیرہ کوئی وہ خریدتا ہے اس میں کوئی عیب نکل آتا ہے، کوئی نقص نکل آتا ہے، مثلاً اس نے، مثلاً غلاموں کی تجارت کر رہا ہے، اس نے کوئی غلام خریدا یا کوئی جانور وغیرہ خریدا یا کوئی چیز خریدی مثلاً، اور خریدنے کے بعد اس کا کوئی اور مستحق نکل آیا مثلاً، کیا نکل آیا؟ کوئی اور آدمی بیچ میں آیا اس نے اس کے پاس وہ چیز دیکھی تو کہنے لگا بھائی یہ تو میری چیز ہے، یہ کہے گا مجھے تو فلاں آدمی نے بیچی تھی، تو وہ کہتا ہے نہیں بھائی فلاں آدمی کون ہے؟ یہ میری چیز ہے اس نے کیسے آپ کو بیچ دی؟ اور چنانچہ وہ اس سے وہ لے لیتا ہے قاضی کے پاس جا کر بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو اب دیکھیے سامان کے اندر وہ نقصان ہو گیا، عیب نکل آیا اور وہ لے گیا مالک، اب نقصان ہوا تو اس صورت میں جب عبدِ ماذون لہ تجارت کر رہا ہو اور اس طرح کا کوئی نقص نکل آئے تو ذمہ دار مالک نہیں ہوتا۔ اس عبدِ ماذون لہ کا جو مالک ہے، جو اس کا آقا ہے وہ ذمہ دار نہیں ہوتا۔ یہ اب اس صورت میں جو دین وغیرہ جو نقصان آیا ہے وہ غلام ہی کو خود ہی پورا کرنا ہو گا، اپنی گردن سے اتارے جیسے بھی کرے وہ اسی پر ہو گا، مالک کی طرف وہ رجوع نہیں کرتا۔ معلوم ہوا مالک نقصان کی صورت میں یہاں ذمہ دار نہیں، جبکہ مالِ مضاربت کے اندر اگر اسی طرح مسئلہ پیش آ جائے تو ذمہ دار مالک ہوتا ہے، وہ مضارب پھر کس پر رجوع کرتا ہے؟ مالک پر رجوع کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا

مضارب جو بھی تصرف کر رہا ہے وہ کس کے لیے کر رہا ہے؟ وہ اس مال کے اصل مالک کے لیے تصرف کر رہا ہے، اپنے لیے تصرف وہ کر ہی نہیں رہا، اور جبکہ غلام جو تصرف کر رہا ہے وہ کس کے لیے تصرف کر رہا ہے؟ وہ اپنی ذات کے لیے تصرف کر رہا ہے تو لہٰذا جب اپنے لیے تصرف کر رہا ہے، مال اس کے پاس ہے تو یہ غلام حفاظت کا محتاج ہے۔ غلام کس چیز کا محتاج ہے؟ حفاظت کا محتاج ہے، تو جب مال لے کر عاشر پر گزر رہا ہے تو یہ حفاظت کا محتاج ہے یا حفاظت کا محتاج نہیں؟ حفاظت کا محتاج ہے، اور عاشر بھی زکوٰۃ کس وجہ سے لیتا ہے؟ حفاظت کی وجہ سے، تو لہٰذا غلام کے مال میں سے وہ عُشر لے گا یعنی زکوٰۃ لے گا، جبکہ مضارب جو ہے نقصان اور عیب کی صورت میں کس پر رجوع کرتا ہے؟ مالک پر، تو یوں کہیے جب یہ اس کے لیے تصرف کر رہا ہے تو حفاظت کا یہ محتاج نہیں ہے، مالک تو محتاج ہے، یہ محتاج نہیں، جب یہ محتاج نہیں تو لہٰذا اس سے زکوٰۃ اور عُشر بھی وصول نہیں کیا جائے گا۔ فرق سمجھ میں آ گیا بھائی؟

تو کہتے ہیں «**وَقِيلَ فِي الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا: إِنَّ الْعَبْدَ يَتَصَرَّفُ لِنَفْسِهِ**» اور ان دونوں میں فرق میں کہا گیا ہے کہ غلام جو ہے یعنی عبدِ ماذون لہ جو ہے وہ اپنی ذات کے لیے تصرف کرتا ہے «**حَتَّى لَا يَرْجِعَ بِالْعُهْدَةِ عَلَى الْمَوْلَى**» یہاں تک کہ وہ رجوع نہیں کرتا نقصان کے ساتھ علی المولیٰ، آقا پر۔ عُہدہ کہتے ہیں نقص کو اور عیب کو، اسی طرح ذمہ داری وغیرہ کو بھی کہتے ہیں بھائی، تو یہ جو ہے نقصان اور عیب کی صورت میں آقا پر رجوع نہیں کرتا «**فَكَانَ هُوَ الْمُحْتَاجَ إِلَى الْحِمَايَةِ**» تو یہ جو عبدِ ماذون لہ ہے یہی محتاج ہے حمایت یعنی حفاظت کا بھائی۔ یہی کس کا محتاج ہے؟ حفاظت کا، جب یہ حفاظت کا محتاج ہے تو اس کے مال میں سے زکوٰۃ عاشر وصول کرے گا۔ «**وَالْمُضَارِبُ يَتَصَرَّفُ بِحُكْمِ النِّيَابَةِ**» اور مضارب جو ہے وہ تصرف کرتا ہے نائب ہونے کے حکم کے ساتھ، یعنی یہ کس حیثیت سے تصرف کرتا ہے مال کے اندر مضارب؟ مضارب جو ہے وہ مالک کی طرف سے نائب ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے «**حَتَّى يَرْجِعَ بِالْعُهْدَةِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ**» یہاں تک کہ یہ رجوع کرتا ہے نقصان کے ساتھ علی رب المال، کس پر؟ رب المال پر «**فَكَانَ رَبُّ الْمَالِ هُوَ الْمُحْتَاجَ**» تو رب المال ہی محتاج ہے، مضارب محتاج نہیں لہٰذا اس سے نہیں لی جائے گی۔ تو یہ دونوں میں فرق آ گیا۔ تو جب دونوں میں فرق آ گیا «**فَلَا يَكُونُ الرُّجُوعُ فِي الْمُضَارِبِ رُجُوعًا مِنْهُ فِي الْعَبْدِ**» تو مضارب کے مسئلے کے اندر امام صاحب کا رجوع کرنا وہ غلام کے مسئلے میں رجوع کرنا نہیں ہے کیونکہ دونوں میں فرق ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مَوْلَاهُ مَعَهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ

«**وَإِنْ كَانَ مَوْلَاهُ مَعَهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ**» اور اگر اس عبدِ ماذون لہ کے ساتھ اس کا آقا بھی ہو، جب وہ تجارت تو کون کر رہا ہے؟ غلام کر رہا ہے لیکن ساتھ کون گزر رہا ہے اس کے؟ آقا بھی اس کے ساتھ ہی ہے سفر کے اندر «**يُؤْخَذُ مِنْهُ**» پھر اس سے عاشر عُشر لے گا «**لِأَنَّ الْمِلْكَ لَهُ**» اس لیے کیونکہ ملکیت کس کی ہے؟ اس آقا کی ہے بھائی اور تو وہ اس سے زکوٰۃ لی جائے گی کیونکہ مال کا مالک خود ساتھ ہے۔

«**إِلَّا إِذَا كَانَ عَلَى الْعَبْدِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهِ**» مگر یہ کہ غلام پر اتنا دین ہے «**يُحِيطُ بِمَالِهِ**» جس نے کیا کر لیا ہے؟ اس کے مال کا احاطہ کر لیا ہے، اتنا اس غلام پر تجارت کے اندر ہی اتنے قرضے اس پر آ گئے ہیں جس نے اس کے سارے مال کا احاطہ کر لیا ہے تو اس صورت میں عاشر عُشر نہیں لے گا «**لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ أَوْ لِلشَّغْلِ**» ملکیت معدوم ہونے کی وجہ سے یا مشغول ہونے کی وجہ سے۔ یاد رکھیے یہ دو دلیلیں ہیں بھائی، ایک دلیل امام صاحب کی ہے، ایک دلیل صاحبین کی ہے۔ «**لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ**» تو یہ ملک کا تعلق یہ امام صاحب کی دلیل، اور «**أَوْ لِلشَّغْلِ**» یا مشغول ہونا یہ صاحبین کی دلیل ہے۔

تو مسئلہ یہ ذکر ہوا کہ اگر غلام پر اتنا دین ہے، اتنا دین ہے کہ جس نے کیا کر لیا ہے؟ اس کے سارے مال کا احاطہ کر لیا ہے، احاطہ کر لیا ہے، تو اس صورت میں بے شک چاہے مال کا مالک ساتھ ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس صورت میں عاشر عُشر وصول نہیں کرے گا اس لیے کیونکہ وہ سارا مال تو کس میں چلا جاتا ہے؟ قرضے میں جا رہا ہے تو مالک کی ملکیت اس کے اندر ہے ہی نہیں۔ اس مال کے اندر غلام کی، یہ تو سارا مال کس میں جا رہا ہے؟ قرض میں، تو چونکہ مالک کی ملکیت ہی نہیں ہے اس مال کے اندر لہٰذا اس وجہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی امام صاحب کے نزدیک، تو امام صاحب کے نزدیک مالک کی ملکیت ہی نہیں ہے اس میں، «**أَوْ لِلشَّغْلِ**» یا اس مال کے مشغول ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی کیونکہ صاحبین کے نزدیک یہ سارا مال کیا ہے؟ دین کے اندر مشغول ہے، کس کے اندر مشغول ہے؟ دین کے اندر مشغول ہے۔

بھائی دیکھیے مسئلہ یہاں یہ ذکر ہوا کہ صاحبین کے نزدیک جو ہے، صاحبین کے نزدیک اس عبدِ ماذون لہ کے مال میں سے عاشر عُشر نہیں لے گا۔ جبکہ امام صاحب کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں کہ انہوں نے اس مسئلے میں رجوع فرمایا یا رجوع نہیں فرمایا، البتہ ان کا پہلا قول تو یہی ہے اس میں کہ عاشر ماذون لہ سے کیا کرے گا؟ عُشر لے گا عُشر لے گا بھائی۔ البتہ اگر اس مضارب کے مسئلے پر قیاس کیا جائے تو قیاس یہی تقاضا کرتا ہے کہ امام صاحب نے اس مسئلے میں بھی کیا کر لیا ہو گا؟ رجوع کر لیا ہو گا، رجوع کر لیا ہو گا۔ لیکن بعض فقہاء نے فرق بیان کیا، وہ فرماتے ہیں نہیں، مضارب کے مسئلے میں رجوع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عبدِ ماذون لہ کے مسئلے میں بھی امام صاحب نے رجوع کیا ہو اس لیے کیونکہ دونوں کے اندر فرق ہے، اور وہ فرق یہ ہے کہ عبدِ ماذون لہ جو تصرف کرتا ہے اپنی ذات کے لیے کرتا ہے، چنانچہ وہ اپنے مال کی حفاظت کا محتاج ہے، وہ اپنے لیے تصرف کرتا ہے بایں لحاظ کہ اگر مال کا کوئی مستحق وغیرہ نکل آئے کوئی اس میں عیب یا نقص ظاہر ہو جائے تو وہ آقا پر رجوع نہیں کرتا۔ معلوم ہوا یہ اپنے لیے تصرف کر رہا ہے، اور کوئی دین وغیرہ اس پر آتا ہے تو وہ آقا پر لازم نہیں ہوتا بلکہ وہ دین اس کو اپنی گردن سے ادا کرنا ہوتا ہے، اپنی طرف سے جیسے بھی ادا کرے بھائی، چاہے اس وقت ادا کرے نہیں تو چاہے بعد میں پھر آزاد ہونے کے بعد کیا کرے اس کو؟ ادا کرے، وہ اسی کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ اپنے لیے تصرف کر رہا ہے، جب اپنے لیے تصرف کر رہا ہے تو اب یہ مال کے لیے، مال کے سلسلے میں حفاظت کا محتاج ہوا، جب محتاج ہوا تو عاشر کیا کرے گا؟ اس کے مال سے زکوٰۃ لے

گا۔ جبکہ مضارب جو ہے مال کے اندر کوئی نقص یا عیب نکل آئے تو وہ رب المال یعنی مال کے مالک پر رجوع کرتا ہے، معلوم ہوا مضارب جو تصرف کرتا ہے مال کے اندر وہ نائب ہونے کی حیثیت سے تصرف کر رہا ہے تو لہٰذا اس میں تو زکوٰۃ نہیں لی جائے گی اور عبدِ ماذون لہ جو مال لے کر گزرا اس میں زکوٰۃ لی جائے گی، لیکن عبدِ ماذون لہ کے ساتھ اگر اس کا آقا ہو تو پھر زکوٰۃ لی جائے گی کیونکہ مال کا مالک ہمراہ ہے، مال کا مالک ہمراہ ہے تو اس صورت میں تو بالاتفاق پھر زکوٰۃ لی جائے گی۔

لیکن اگر وہ غلام جو ہے اس پر اتنا دین ہے کہ اس دین نے اس کے سارے مال کا احاطہ کر لیا ہے، جب سارے مال کا احاطہ کر لیا ہے تو گویا اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں کیونکہ اس نے دین کو، اور یہ دین جو عبدِ ماذون لہ پر آتا ہے یہ کس نے ادا کرنا ہوتا ہے؟ اس نے خود ہی ادا کرنا ہوتا ہے تو گویا اس کی ملک میں کچھ ہے ہی نہیں، جب ملکیت کے اندر کچھ نہیں ہے تو اس کے مال میں سے بے شک مالک چاہے ساتھ ہے یا نہیں، لیکن سارا اس مال سے بڑھ کر کیا ہے اس پر؟ دین ہے، تو گویا اس کی ملک میں کچھ ہے ہی نہیں، جب ملک میں کچھ نہیں تو اس سے زکوٰۃ بھی وصول نہیں کی، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں ملک میں تو ہے لیکن وہ سارا کس کے اندر مشغول ہے؟ دین کے اندر مشغول ہے، اب بے شک آقا ساتھ ہے، عبدِ ماذون لہ کے پاس مال ہے اور یہ آقا اس مال کا مالک بھی ہے لیکن یہ سارا مال کس کے اندر مشغول ہے؟ دین کے اندر مشغول ہے لہٰذا اس لیے اس میں زکوٰۃ، اس میں سے نہیں لی جائے گی۔ تو امام، فرق کیا ہوا؟ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ ملک ہی نہیں ہے سرے سے، مشغول نہ مشغول ہونے کی تو بعد میں بات آتی ہے، اس میں ملکیت سرے سے ہے ہی نہیں بھائی، کیونکہ وہ دین سارا غلام نے اپنی طرف سے ادا کرنا ہے، غلام کے پاس کچھ ہو گا تو مالک اس کا مالک بنے گا ورنہ اس کا مالک ہی نہیں۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں مال تو اس کے پاس ہے لیکن وہ کس کے ساتھ مشغول ہے؟ دین کے ساتھ۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے «لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ أَوْلِلشَّغْلِ» ملکیت معدوم ہونے کی وجہ سے یا مشغول ہونے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرِ الْخَوَارِجِ فِي...

«قَالَ: وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرِ الْخَوَارِجِ فِي أَرْضٍ قَدْ غَلَبُوا عَلَيْهَا فَعَشَّرَهُ يُثَنَّى عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ». بھائی دو تین سبق قبل یہ مسئلہ ذکر ہوا تھا کہ اگر کوئی شخص ایسے علاقے میں ہے جہاں پر باغیوں نے قبضہ کر لیا مثلاً جیسے خوارج بطورِ مثال کے ذکر کیے گئے تھے، خوارج میں نے بتلایا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں یہ کچھ لوگوں نے بغاوت کی تھی اور یہ اسلام کے اندر ظاہر ہونے والا پہلا فرقۂ فاسقہ ہے اور ان کو خارج اور خوارج اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ امامِ حق جو ہے یعنی امامِ عادل کی اطاعت سے نکل گئے تھے، امامِ عادل کی اطاعت سے نکل گئے تھے تو اس لیے ان کو خارج اور خوارج کہتے ہیں بھائی۔

تو اب باغیوں نے کسی علاقے پر قبضہ کر لیا اور ان علاقے والوں سے انہوں نے زکوٰۃ وصول کر لی تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان لوگوں کو کیا کیا جائے گا؟ زکوٰۃ بھی وصول کر لی اور خراج بھی وصول کر لیا، تو زکوٰۃ کے مسئلے میں ان کو فتویٰ دیا جائے گا کہ زکوٰۃ تم لوگوں کو دوبارہ ادا کرنی چاہیے، البتہ خراج جو ہے وہ دوبارہ ان سے نہیں لیا جائے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔

اب دوسری صورت ہے کہ خوارج نے یا یوں کہیے باغیوں نے ایک علاقے پر قبضہ کر رکھا ہے اور ایک شخص مالِ تجارت لے کر ان کے علاقے پر سے گزرا۔ پہلی صورت تھی وہ شخص رہتا ہی وہاں تھا جس پر پھر کیا کر لیا؟ باغیوں نے قبضہ کر لیا تھا، وہ اور صورت تھی، اب یہ ہے کہ یہ شخص جو مال لے کر گزر رہا ہے یہ اس علاقے میں نہیں رہتا جہاں پر باغیوں نے قبضہ کیا ہے، یہ دوسرے علاقے سے چلا اور کس علاقے پر سے گزرا؟ باغیوں نے جہاں قبضہ کیا اس شہر پر اس علاقے پر سے گزرا، اور گزرنے کی وجہ سے اب باغیوں نے اس کے پاس مال دیکھا تو انہوں نے اس سے زکوٰۃ وصول کر لی، تو کیا اس سے دوبارہ زکوٰۃ وصول کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ پہلے بتلایا تھا کیا؟ پہلے کیا بتلایا تھا؟ کہ زکوٰۃ دوبارہ وصول نہیں کی جائے گی اور نہ خراج وصول کیا جائے گا، ہاں زکوٰۃ کے مسئلے میں ان کو فتویٰ دے دیا جائے گا کہ دوبارہ ادا کر دو، لیکن اب آگے آپ کو صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے کہ اس اب اگر باغیوں پر یہ گزرا ہے اور انہوں نے زکوٰۃ وغیرہ وصول کی ہے تو جب ہمارے عاشر پر گزرے گا، خلیفہ کے عاشر پر گزرے گا تو وہ دوبارہ زکوٰۃ ان سے لے گا۔ بھائی یہ کیا وجہ ہے؟ وہاں آپ نے کہا تھا دوبارہ وصول نہیں کریں گے، یہاں فرما رہے ہیں دوبارہ وصول کریں گے؟ کہتے ہیں بھائی وہاں باغیوں نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا تھا تو اس بیچارے کا تو اختیار ہی نہیں رہا تھا، یہ رہتا ہی وہاں پر تھا، اور اب تو اس کا اپنا قصور ہے کہ رہتا کہیں اور ہے اور گزر کہاں سے رہا ہے؟ باغیوں کے علاقے سے گزر رہا ہے تو یہ کوتاہی اس کی طرف سے آئی ہے، لہٰذا اس صورت میں خلیفہ کا عاشر کیا کرے گا؟ دوبارہ زکوٰۃ وصول کرے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے «وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرِ الْخَوَارِجِ» اور جو شخص جو ہے خوارج کے عاشر پر گزرا، خوارج سے خوارج ہی نہیں مراد، میں نے پہلے بھی بتلایا تھا اس سے ہر باغی مراد ہے، تو اگر کوئی شخص خوارج کے عاشر پر گزرا «فِي أَرْضٍ» ایسی زمین میں «قَدْ غَلَبُوا عَلَيْهَا» جس پر وہ لوگ غالب ہیں، جن پر جس پر ان لوگوں کا قبضہ ہے «فَعَشَّرَهُ» تو ان خوارج کے عاشر نے کیا کیا؟ اس سے عُشر لے لیا «يُثَنَّى عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ» تو دگنا کیا جائے گا اس پر زکوٰۃ کو یعنی دوبارہ اس سے زکوٰۃ لی جائے گی، خلیفہ کا عاشر خلیفہ کے عاشر پر گزرتا ہے تو وہ دوبارہ اس سے زکوٰۃ لے گا۔

مسئلہ: مَعْنَاهُ

«مَعْنَاهُ» معنی اس کا یہ ہے صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں «إِذَا مَرَّ عَلَى عَاشِرِ أَهْلِ الْعَدْلِ» کہ جب یہ اہلِ عدل کے عاشر پر گزرے گا تو اس کو اگر یہ کہتا ہے کہ مجھ سے تو خوارج کیا کر چکے ہیں؟ زکوٰۃ وصول کر چکے ہیں، پھر بھی وہ کیا کرے گا؟ دوبارہ اس سے زکوٰۃ وصول کرے گا، یہ معنی ہے۔

اور کہا «إِذَا مَرَّ عَلَى عَاشِرِ أَهْلِ الْعَدْلِ» کس پر یہ گزرا؟ اہلِ عدل کے عاشر پر۔ میں نے آپ کو بتلا دیا خارج اور خوارج یہ ان لوگوں کو کیوں کہتے تھے؟ کیونکہ وہ امامِ عادل، امامِ حق جو تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی اطاعت سے نکل گئے تھے، تو جو ان کے مقابلے میں خلیفۂ عادل کی اطاعت میں ہیں ان کو اہلِ عدل کہیں گے، کیا کہیں گے؟ اہلِ عدل بھائی، سمجھ میں آیا؟ اہلِ عدل یعنی یہ خلیفۂ عادل کی اطاعت کرنے والے ہیں بھائی۔

تو معنی یہ ہے «إِذَا مَرَّ عَلَى عَاشِرِ أَهْلِ الْعَدْلِ» جب یہ اہلِ عدل کے عاشر پر گزرے «لِأَنَّ التَّقْصِيرَ جَاءَ مِنْ قِبَلِهِ» اس لیے کیونکہ کوتاہی اس شخص کی طرف سے آئی ہے «مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَرَّ عَلَيْهِ» اس حیثیت سے کہ یہ ان پر گزرا، ان خوارج کے عاشر پر گزرا ہے تو یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے لہٰذا اس سے دوبارہ زکوٰۃ وصول کی جائے گی بھائی۔ چلیے بس بھائی، هذا هو المرام، والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۱۰۸: بَابٌ فِي الْمَعَادِنِ وَالرِّكَازِ قَالَ: مَعْدِنُ ذَه...

ہدایہ صفحہ: ۲۱۵ — بتاریخ: ۱۲ اپریل ۲۰۱۳ء

بَابٌ فِي الْمَعَادِنِ وَالرِّكَازِ قَالَ: مَعْدِنُ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ حَدِيدٍ أَوْ رَصَاصٍ أَوْ صُفْرٍ وُجِدَ فِي أَرْضِ خَرَاجٍ أَوْ عُشْرٍ فَفِيهِ الْخُمُسُ عِنْدَنَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِيهِ لِأَنَّهُ مُبَاحٌ سَبَقَتْ يَدُهُ إِلَيْهِ كَالصَّيْدِ.

بَابٌ فِي الْمَعَادِنِ وَالرِّكَازِ- مَعَادِن، یاد رکھیے یہ جمع ہے **مَعْدِن** کی، اور **مَعْدِن** کہتے ہیں کان کو، کان۔ آپ جانتے ہیں سونا، چاندی، لوہا وغیرہ زمین سے نکالے جاتے ہیں اور ان کی کانیں ہوتی ہیں زمین میں، باقاعدہ کھدائی کر کے ان کے وہاں جو پتھر ہوتے ہیں، ان پتھروں کے اندر پتھر اور اس میں جو مٹی ہوتی ہے، اس میں یہ سونے چاندی وغیرہ ذرات کی صورت میں ہوتے ہیں، تو پھر ان کو ان سے جدا کیا جاتا ہے اور تو یہ وہ جگہ جہاں سے ان کو نکالا جاتا ہے وہ کیا کہلاتی ہے؟ کان کہلاتی ہے، کان۔ کان کو عربی میں **مَعْدِن** کہتے ہیں اور جمع ہے **مَعَادِن۔**

اور **رِكَاز** جو ہے **رِكَاز،** یہ کان کو بھی شامل ہے، کان کو بھی کہتے ہیں اور اسی طرح زمین کے اندر جو خزانہ یا مال وغیرہ دفنا دیا گیا ہے، چھپا دیا گیا ہے تو اس دفینے کو بھی کیا کہتے ہیں؟ **رِكَاز** کہتے ہیں۔ تو گویا **رِكَاز** کا لفظ شامل ہے یہ **مَعْدِن** کو بھی اور **كَنْز، كَنْز** جو خزانہ ہوتا ہے زمین میں دفنایا گیا اس کو بھی دونوں کو شامل ہے۔ لیکن یہاں پر **رِكَاز** سے مراد وہ خزانہ ہے کیونکہ **مَعَادِن** اس کے مقابلے پہ آرہا ہے تو اب معلوم ہوا **مَعْدِن** کے علاوہ چیز مراد ہے اور یہ دو چیزوں کو شامل تھا، ایک **مَعْدِن** کو اور ایک **كَنْز** یعنی خزانے کو، تو یہاں اب کیا مراد ہے؟ خزانہ، کیونکہ **مَعَادِن** کا خود ذکر آ گیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو **بَابٌ فِي الْمَعَادِنِ وَالرِّكَازِ،** یہ باب ہے کانوں اور زمین میں دفن کیے ہوئے خزانے کے بیان میں۔

قَالَ، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جامع صغیر میں۔ میں نے آپ کو پہلے بتلایا تھا کہ یہ باب اور جو پہلے اس سے پہلے پچھلا باب گزرا، یہ دونوں قدوری کے اندر نہیں ہیں، معلوم ہوا صاحب ہدایہ نے کہاں سے لیے ہیں؟ جامع صغیر سے لیے ہیں جو امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

تو **قَالَ،** امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **مَعْدِنُ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ حَدِيدٍ أَوْ رَصَاصٍ أَوْ صُفْرٍ وُجِدَ فِي أَرْضِ خَرَاجٍ أَوْ عُشْرٍ فَفِيهِ الْخُمُسُ عِنْدَنَا۔** سونے کی کان یا چاندی کی کان یا لوہے کی کان یا رصاص کی کان۔ رصاص بھائی یہ کوئی سفید دھات ہے جس سے برتن وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور اردو میں اس کو رانگ کہتے ہیں، رانگ، را، الف، نون اور گاف، رانگ۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور غالباً یہ وہ دھات ہوگی یہ جو آپ برتن دیکھتے ہیں سفید عام، ایک تو اسٹیل کے برتن ہیں، ایک پلاسٹک کے ہیں اور یہ جو عام سفید، سلور غالباً کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ ہاں، سلور جس کو کہتے ہیں یہ وہ دھات ہوگی بھائی۔ تو رصاص وہ دھات جس سے وہ برتن بنائے جاتے ہیں جسے سلور آپ حضرات سلور کہتے ہیں۔ اسی طرح رصاص جو ہے سیسے کو بھی کہتے ہیں، سیسے کو بھی بھائی۔

أَوْ صُفْرٍ، صُفر کہتے ہیں پیتل کو بھائی، پیتل جس سے برتن وغیرہ بنتے ہیں بھائی۔

تو سونے یا چاندی یا لوہے یا رانگ یا پیتل کی جو کان ہے، **وُجِدَ فِي أَرْضِ خَرَاجٍ أَوْ عُشْرٍ،** پایا جائے اس کو خراجی زمین میں یا عشری زمین میں، یعنی جس زمین میں بھی ملے، چاہے خراجی زمین ہو چاہے عشری، **فَفِيهِ الْخُمُسُ عِنْدَنَا،** تو اس کے اندر خمس واجب ہے ہمارے نزدیک، پانچواں حصہ بھائی دینا پڑے گا۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا **شَيْءَ عَلَيْهِ فِيهِ،** امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس شخص پر اس کے اندر کچھ بھی واجب نہیں ہے، یہ جو سونے چاندی وغیرہ کی کان ہے، لوہے کی، **لِأَنَّهُ مُبَاحٌ،** وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّهُ مُبَاحٌ،** اس لیے کیونکہ یہ مباح چیز ہے بھائی، **سَبَقَتْ يَدُهُ إِلَيْهِ،** جس کی طرف اس کا ہاتھ سبقت کر گیا۔ یاد رکھیے یَد جیسے ہاتھ کو کہتے ہیں، اسی طرح یَد کا معنی قبضے کے بھی آتا ہے، تو موقع محل کے مطابق جو مناسب ترجمہ بنتا ہو آپ کر سکتے ہیں۔ تو وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّهُ مُبَاحٌ،** یہ ایک مباح چیز ہے بھائی، یعنی جو بھی اس کو حاصل کرنا چاہے حاصل کر سکتا ہے، پا سکتا ہے، تو یہ ایک مباح چیز ہے، ایسی مباح چیز ہے **سَبَقَتْ يَدُهُ إِلَيْهِ** کہ

جس کی طرف اس کا ہاتھ سبقت کر گیا، یعنی پہلے اس کا ہاتھ اس تک پہنچ گیا ہے، اس کا قبضہ پہلے اس تک پہنچ گیا ہے، **كَالصَّيْدِ**، جیسے کہ شکار ہوتا ہے۔ شکار بھی جائز ہے، مباح ہے اور جو جس جانور کو شکار کر لیتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے، تو یہ بھی اسی طرح ہے، جس کو یہ کان وغیرہ مل جائے وہی اس کا مالک ہے بھائی۔

إِلَّا إِذَا كَانَ الْمُسْتَخْرَجُ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً فَيَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ۔ اچھا، تو جیسے بھائی اس شکار کے اندر کوئی حصہ نہیں دینا پڑتا، خمس وغیرہ نہیں ہے، اسی طرح یہ کان وغیرہ جو ہے اس کے اندر بھی خمس ان کے نزدیک واجب نہیں۔ **إِلَّا إِذَا كَانَ الْمُسْتَخْرَجُ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً فَيَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ**، مگر یہ کہ وہ چیز جس کو نکالا گیا ہے وہ سونا ہے یا چاندی ہے تو پھر اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ اگر وہ چیز جس کو نکالا گیا ہے وہ کیا ہے؟ سونا یا چاندی ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ سونے اور چاندی یہ تو ثمن ہیں، ان کے اندر تو ہر صورت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو اس وجہ سے ان میں واجب ہو گی۔

وَلَا يَشْتَرِطُ الْحَوْلَ فِي قَوْلٍ، اور وہ سال کی بھی شرط نہیں لگاتے **فِي قَوْلٍ**، ایک قول کے مطابق۔ ایک قول کے مطابق وہ فرماتے ہیں کہ سونا اور چاندی جو نکالا گیا ہے اس کے اندر سال گزرنے کی بھی شرط نہیں ہے بلکہ اس کے اندر اس کے اندر زکوٰۃ دینا پڑے گی، **لِأَنَّهُ نَمَاءٌ كُلُّهُ**، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّهُ نَمَاءٌ كُلُّهُ**، کیونکہ سال کا گزرنا کس لیے شرط ہوتا ہے؟ نماء کے لیے تاکہ اس میں زیادتی ہو جائے اور جبکہ یہ تو جو ہے **نَمَاءٌ كُلُّهُ**، یہ تو ساری کی ساری ہی نماء ہے بھائی، نماء ہے، زیادتی ہی ہے، اس میں اس کا کوئی خرچ وغیرہ نہیں، ساری نماء ہے، **وَالْحَوْلُ لِلتَّنْمِيَةِ**، اور سال تو بڑھانے کے لیے ہوتا ہے، تو یہاں اس کے اندر وہ فرماتے ہیں واجب ہو گی، سال کا گزرنا بھی شرط نہیں۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو وہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ: **وَلَا يَشْتَرِطُ الْحَوْلَ فِي قَوْلٍ**، وہ سال گزرنے کی شرط بھی نہیں لگاتے ایک قول کے مطابق، **لِأَنَّهُ نَمَاءٌ كُلُّهُ**، اس لیے کیونکہ یہ سارا کا سارا نماء ہی ہے، **وَالْحَوْلُ لِلتَّنْمِيَةِ**، اور سال تو بڑھانے کے لیے ہوتا ہے، نماء کے لیے ہوتا ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل، ہمارے نزدیک خمس واجب ہے، ہماری دلیل: **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، آپ نے فرمایا: «**وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ**»، رکاز کے اندر خمس ہے، کس کے اندر؟ رکاز کے اندر خمس ہے، **وَهُوَ مِنَ الرِّكْزِ**، آگے صاحبِ ہدایہ معنی بیان کر رہے ہیں حدیث کا، کہتے ہیں: **وَهُوَ مِنَ الرِّكْزِ**، رکاز کس سے ہے؟ **رِكْز** سے ہے، **رِكْز** کا معنی ہے گاڑنا، گاڑنا، زمین کے اندر کوئی چیز گاڑ دینا۔ تو لہٰذا یہ رکاز جیسے خزانے کو شامل ہے، اسی طرح معدن کو بھی شامل ہے۔ جیسے خزانہ جو ہے اس کو انسان گاڑ دیتا ہے، تو جو کان ہے اس کے اندر جو سونا چاندی لوہا وغیرہ ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے اندر گاڑ دیا، اس میں یعنی بنا دیا بھائی۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ تو لہٰذا یہ دونوں کو شامل ہے۔ **وَهُوَ مِنَ الرِّكْزِ**، اور یہ **رِكْز** سے ہے یعنی گاڑنے سے، **فَأُطْلِقَ عَلَى الْمَعْدِنِ**، تو معدن پر بھی اس کا اطلاق کیا گیا، تو یہاں رکاز سے وہ دونوں مراد ہیں ہمارے نزدیک بھائی، تو دونوں میں خمس آئے گا۔

وَلِأَنَّهَا كَانَتْ فِي أَيْدِي الْكَفَرَةِ وَحَوَتْهَا أَيْدِينَا غَلَبَةً فَكَانَتْ غَنِيمَةً وَفِي الْغَنَائِمِ الْخُمُسُ۔ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی، کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ یہ چیزیں جو تھیں کفار کے قبضے میں تھیں، کفار کے ہاتھوں میں تھیں، **وَحَوَتْهَا أَيْدِينَا**، اور ان کو جمع کر لیا، سمیٹ لیا ہمارے ہاتھوں نے، **غَلَبَةً**، بطور غلبہ کے، غلبہ کرتے کے طور پر، غلبہ پاتے ہوئے ان کو ہمارے ہاتھوں نے جمع کر لیا، **فَكَانَتْ غَنِيمَةً**، تو یہ تو یہ غنیمت ہے، **وَفِي الْغَنَائِمِ الْخُمُسُ**، اور غنیمتوں کے اندر خمس ہوتا ہے۔ غنیمتوں میں کتنا واجب ہے؟ خمس دینا پڑتا ہے بھائی، خمس دینا پڑتا ہے۔ تو یہ بھی یہ ساری زمین کس کے قبضے میں تھی پہلے؟ کفار کے، سمجھ میں آیا بھائی؟ کفار کے قبضے میں تھی اور پھر اسلام عرب سے آہستہ آہستہ پھیلتا چلا گیا، مسلمانوں کی مملکت وسیع ہوتی گئی، اسلام پھیلتا چلا گیا تو یہ چیزیں پہلے کس کے قبضے میں تھیں؟ کفار کے قبضے میں تھیں اور اب پھر مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی ہیں تو یہ غنیمت ہے اور غنیمت کے اندر خمس واجب ہوتا ہے۔

بِخِلَافِ الصَّيْدِ، بخلاف شکار کے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دے رہے۔ انہوں نے کس پر قیاس کیا تھا؟ شکار پر کہ جیسے شکار ہے وہ مباح ہے، جس کے ہاتھ لگ جائے اسی کا ہوتا ہے اور اس کے اندر خمس واجب نہیں، اسی طرح یہ سونے چاندی کی کانیں وغیرہ مل جائیں ان کے اندر بھی خمس واجب نہیں۔ جواب دے رہے ہیں کہ اس پر آپ قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ شکار تو کسی کے قبضے میں نہیں تھا، وہ تو آزاد تھا وہ جانور وغیرہ اور جبکہ یہاں پر یہ جو مال وغیرہ یا کانیں تھیں، یہ زمینیں کس کے قبضے میں تھیں پہلے؟ کفار کے قبضے میں تھیں، پھر مسلمانوں کے ہاتھ میں آئی ہیں، تو گویا یہ کفار کے قبضے سے مسلمانوں کے ہاتھ لگا ہے یہ مال، اور مسلمانوں کے ہاتھ اس طرح جو مال آئے اس میں کیا واجب ہوتا ہے؟ خمس، تو اس میں بھی خمس واجب ہو گا، تو یہ شکار کی طرح نہیں ہے بھائی، وہ تو کسی کے قبضے میں نہیں تھا اور یہ تو پہلے کس کے قبضے میں تھیں؟ کفار کے قبضے میں۔

یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ الصَّيْدِ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي يَدِ أَحَدٍ**، بخلاف شکار کے اس لیے کیونکہ وہ کسی کے قبضے میں نہیں تھا، **إِلَّا أَنَّ لِلْغَانِمِينَ يَدًا حُكْمِيَّةً لِثُبُوتِهَا عَلَى الظَّاهِرِ وَأَمَّا الْحَقِيقِيَّةُ فَلِلْوَاحِدِ فَاعْتَبَرْنَا الْحُكْمِيَّةَ فِي حَقِّ الْخُمُسِ وَالْحَقِيقِيَّةَ فِي حَقِّ الْأَرْبَعَةِ الْأَخْمَاسِ حَتَّى كَانَتْ لِلْوَاحِدِ۔**

ہاں، یہاں سے اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ یوں کہیں، یہاں ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں بتلا دیا کہ یہ جو کان وغیرہ ملتی ہے، جو چیز ملتی ہے یہ کیا ہے دراصل؟ مالِ غنیمت ہے۔ اور مالِ غنیمت میں کیا دینا پڑتا ہے؟ خمس دینا پڑتا ہے، خمس واجب ہوتا ہے اس کے اندر۔ اور باقی چار خمس تو غنیمت والوں کے ہوتے ہیں یعنی وہ غازیوں کے ہوتے ہیں جو جہاد کر رہے ہیں جنہوں نے اس جگہ پر قبضہ کیا ہے مجاہدین نے، تو چار حصے کن کے ہوتے ہیں؟ ان مجاہدین، ان غازیوں

کے ہوتے ہیں، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہونا چاہیے کہ جب ایک حصہ جب یہ غنیمت ہے تو ایک حصہ یعنی پانچواں حصہ وہ تو خمس کا ہوا اور چار حصے کس کے ہونے چاہئیں؟ مجاہدین کے یعنی غازیوں کے ہونے چاہئیں، لیکن یہاں پر کیا کہا گیا کہ چار حصے اس شخص کے ہیں جس کو وہ کان ملی ہے، جس کے وہ قبضے میں ہے۔ تو تو یہ تو غنیمت والا پورا حکم نہیں آیا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو غنیمت کا حکم تو کیا تھا، چار حصے کس کے ہونے چاہئیں؟ مجاہدین اور غازیوں کے ہونے چاہئیں اور یہاں پر چار حصے کس کے قرار دیے گئے؟ جس کا جس شخص کے قبضے میں ہے، جس کو وہ کان ملی ہے اس کے قرار دیے گئے۔

تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ غازی جو ہیں غازی، جب ان کا کسی چیز پر قبضہ ہوتا ہے تو جہاں حقیقتاً قبضہ ہوتا ہے وہاں حکماً قبضہ بھی آجاتا ہے۔ کیا آجاتا ہے؟ حکماً قبضہ بھی آجاتا ہے۔ مثلاً غازیوں نے کفار سے کوئی مال چھین لیا تو حقیقتاً قبضہ کس کا اس وقت اس مال پر؟ غازیوں کا، اور حکماً بھی قبضہ کس کا؟ حکم بھی کیا لگایا جائے گا کس کا قبضہ ہے؟ غازیوں کا قبضہ ہے، تو حقیقتاً بھی قبضہ ان کا، حکماً بھی قبضہ ان کا۔ تو اس طرح کا جو مال ہوتا ہے جس میں غازیوں کا حقیقتاً بھی قبضہ ہو، حکماً بھی قبضہ ہو، اس کے اندر پانچواں حصہ خمس کا واجب ہوتا ہے اور باقی چار حصے کس کے ہوتے ہیں؟ غازیوں کے ہوتے ہیں۔ کس قسم کے مال میں؟ جہاں حقیقتاً قبضہ بھی ان کا ہو اور حکماً بھی قبضہ ان کا ہو۔ جبکہ یہاں پر ایسا نہیں ہے، یہاں پر غازیوں کا حکماً قبضہ تو ہے حقیقتاً نہیں۔

حکماً قبضہ کس طرح؟ کیونکہ یہ ساری جگہ پہلے کس نے فتح کی؟ غازیوں نے، اور جب یہ ساری زمین ان کے قبضے میں آئی تو زمین ہی کے اندر کان بھی تھی، وہ کان بھی کس کے قبضے میں آگئی؟ غازیوں کے قبضے میں آئی، لیکن حکماً قبضہ ہے حقیقتاً نہیں غازیوں کا۔ کان پر حکماً قبضہ ہے کیونکہ حقیقتاً نہیں، حقیقت کے اعتبار سے تو غازیوں کو پتہ ہی نہیں تھا کان کا، یہ کان کا تو اب اس شخص کو آکر پتہ لگا ہے۔ تو ان کا صرف قبضہ کون سا تھا؟ حکماً قبضہ تھا، حقیقتاً نہیں۔ حقیقتاً اور حکماً دونوں ہوں تو چار حصے غازیوں کے ہوتے ہیں اور ایک حصہ کس کا واجب ہے؟ خمس کا۔ لیکن یہاں پر غازیوں کا صرف حکماً قبضہ ہے حقیقتاً نہیں، حقیقتاً قبضہ تو اس آدمی کا ہے جس کو یہ کان ملی ہے، اس حقیقتاً اس وقت کس کے قبضے میں ہے؟ جس کو ملی ہے اس کے قبضے میں ہے۔ تو لہٰذا یہاں حقیقتاً قبضہ ہوا اس پانے والے کا اور حکماً قبضہ کس کا؟ غازیوں کا۔ تو ہم نے دونوں کا لحاظ رکھا، حکماً قبضہ چونکہ غازیوں کا ہے لہٰذا یہ غنیمت کے حکم میں ہے، اس میں کیا دینا پڑے گا؟ خمس پانچواں حصہ دینا پڑے گا۔ اور حقیقتاً قبضہ اس آدمی کا ہے، پانے والے کا ہے لہٰذا چار حصے وہ غازیوں کے نہیں ہوں گے بلکہ اس حقیقی قبضے والے کے ہوں گے۔ فرق سمجھ میں آگیا بھائی؟

یہ معنی ہے: **إِلَّا أَنَّ لِلْغَانِمِينَ يَدًا حُكْمِيَّةً لِثُبُوتِهَا عَلَى الظَّاهِرِ**، مگر یہ کہ غنیمت والے جو ہیں یعنی غازی جو ہیں ان کا جو ہے **يَدًا حُكْمِيَّةً**، ان کا حکمی قبضہ ہے **لِثُبُوتِهَا عَلَى الظَّاهِرِ**، بوجہ اس قبضے کے ظاہر پر ثابت ہونے کے، اس وجہ سے کہ وہ قبضہ کس پر ثابت ہے؟ بھائی کان تو زمین کے اندر چھپی ہوئی ہے لیکن ظاہری زمین پر کس کا قبضہ پہلے؟ غازیوں کا، تو ظاہر پر اس قبضے کے ثبوت کی وجہ سے کہا جائے گا کہ غازیوں کا قبضہ کان پر بھی آگیا۔ کس پر آگیا؟ لیکن کان پر حقیقتاً قبضہ آیا یا حکماً آیا؟ حکماً آیا۔ حقیقتاً کیوں نہیں آیا؟ غازیوں کو پتہ ہی نہیں ہے یہاں پر کان، ہاں زمین قبضے میں ہے تو حکم کیا آگیا، یہ بھی کس کے قبضے میں ہے؟ غازیوں، لیکن حقیقی قبضہ بہر حال نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے کہ **إِلَّا أَنَّ لِلْغَانِمِينَ يَدًا حُكْمِيَّةً**، مگر یہ کہ غنیمت والے جو ہیں ان کا حکمی قبضہ ہے، **لِثُبُوتِهَا عَلَى الظَّاهِرِ**، اس وجہ سے کہ یہ قبضہ ثابت ہے ظاہر پر، **وَأَمَّا الْحَقِيقِيَّةُ فَلِلْوَاجِدِ**، باقی حقیقی قبضہ جو ہے وہ اس پانے والے کا ہے جس نے اس کان کو پایا ہے جس کو یہ کان ملی ہے، **فَاعْتَبَرْنَا الْحُكْمِيَّةَ فِي حَقِّ الْخُمْسِ**، تو خمس کے حق میں ہم نے کس کا اعتبار کیا؟ حکمی قبضے کا اعتبار کیا اور حکمی قبضہ تو کس کا تھا؟ غازیوں کا، اور غازیوں کو جو مال ملتا ہے وہ مالِ غنیمت ہے اور مالِ غنیمت میں کیا واجب ہوتا ہے؟ خمس ہوتا ہے تو اس میں بھی خمس واجب ہوگا، تو ہم نے حکمی قبضے کا اعتبار کیا خمس کے حق میں، **وَالْحَقِيقِيَّةَ فِي حَقِّ الْأَرْبَعَةِ الْأَخْمَاسِ**، اور ہم نے حقیقی قبضے کا اعتبار کیا چار خمس کے حق میں کہ چار خمس جو ہیں وہ کس کے ہوں گے؟ جس کا حقیقی قبضہ ہے، تو ان میں ہم نے حقیقی قبضے کا اعتبار کیا، **حَتَّى كَانَتْ لِلْوَاجِدِ**، یہاں تک کہ یہ چار خمس جو ہیں پانے والے کے ہوں گے۔

وَلَوْ وَجَدَ فِي دَارِهِ مَعْدِنًا فَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ مسئلہ یہ بھائی، ایک شخص ہے اس کو اپنے گھر کے اندر کان مل گئی بھائی، سونے، چاندی یا لوہے کی کان کہاں نکل آئی؟ گھر میں، تو کیا اس کے اندر بھی خمس ہوگا یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے اندر خمس نہیں۔ جبکہ صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ اس کے اندر بھی خمس واجب ہے بھائی۔ یہ معنی ہے: **وَلَوْ وَجَدَ فِي دَارِهِ مَعْدِنًا فَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ**، اور اگر پانے والے نے اپنے گھر میں کان پالی تو اس میں کچھ نہیں ہے یعنی خمس واجب نہیں ہے امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَا فِيهِ الْخُمُسُ**، اور صاحبین فرماتے ہیں: اس میں بھی خمس واجب ہے۔

دلیل صاحبین کی، کہتے ہیں: **لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا**، بوجہ مطلق ہونے کے اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا۔ کون سی حدیث بھائی؟ حدیث میں کیا آیا تھا؟ «**وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ**»، اور رکاز کے اندر خمس ہے اور یہاں رکاز شامل ہے خزانے کو بھی اور معدن یعنی کان کو بھی شامل ہے، اور وہاں کوئی قید تھی کہ گھر میں ہو تو واجب نہیں، گھر سے باہر ہو تو واجب ہے؟ کوئی قید وہاں پر نہیں، تو وہ حدیث مطلق تھی تو لہٰذا اس کے اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ گھر کے اندر کان ملے تو اس میں بھی کیا واجب ہونا چاہیے؟ خمس ہونا چاہیے۔ یہ معنی ہے، صاحبین فرماتے ہیں: اس میں خمس ہوگا، **لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا**، بوجہ مطلق ہونے کے اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ مُرَكَّبٌ فِيهَا،** کہ یہ جو کان یا کان میں سے جو چیز نکلی ہے، یاد رکھیے معدن کان کو بھی کہتے ہیں اور کان میں سے جو دھات نکلتی ہے چاہے سونا ہے، چاندی ہے، لوہا ہے، اس دھات کو بھی کیا کہتے ہیں؟ اس کو بھی معدن کہتے ہیں، اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ معدن کہتے ہیں۔ تو معدن کان اور کان سے جو چیز نکلی ہے دونوں پر معدن کا لفظ۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جو کان ہے یا یہ جو اس میں سے دھات نکلی ہے، **مِنْ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ،** یہ کس کے اجزاء میں سے ہے؟ یہ زمین کے اجزاء میں سے ہے، **مُرَكَّبٌ فِيهَا،** جو اسی کے اندر مرکب کی گئی ہے، اس کے ساتھ یعنی ملادی گئی ہے۔ بھائی میں نے بتایا یہ سونا، چاندی وغیرہ کانوں سے نکالتے ہیں اور کان میں یہ کس شکل میں ہوتے ہیں؟ ذرات کی صورت میں، کس طرح؟ ذرات۔ بھائی جیسے یہ آپ ریت ہے ناریت، اسی کے اندر جیسے سونے کے ذرات ملادیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ اسی طرح یہ ذرات کی صورت میں یہ دھاتیں زمین میں ہوتی ہیں اور پھر وہاں سے زمین سے وہ پتھر وغیرہ نکالتے ہیں اور پھر بڑا لمبا عمل ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ ایک ایک ذرے کو علیحدہ کر کے نکالا جاتا ہے اس میں سے، سمجھ میں آیا بھائی طریقہ؟ تو یہ، تو یہ کہتے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں: **أَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ مُرَكَّبٌ فِيهَا،** یہ کان کس میں سے تھی یا یہ دھات کس میں سے تھی؟ زمین کے اجزاء میں سے تھی، **مُرَكَّبٌ فِيهَا،** جو اسی کے ساتھ ملائی گئی تھی، زمین کے ساتھ ملائے ہوئے مٹی کی طرح اس کے ساتھ ملی ہوئی ہیں، **وَلَا مُؤْنَةَ فِي سَائِرِ الْأَجْزَاءِ فَكَذَا فِي هَذَا الْجُزْءِ،** اور کوئی خرچہ یا کوئی مشقت نہیں ہے باقی اجزاء کے اندر، تو اسی طرح اس جزء میں بھی ہو گا۔

اسی طرح بھائی دیکھیے، گھر ہے کسی کا گھر، زمین ہے اس زمین کے اندر آپ فصل وغیرہ کاشت کرتے ہیں تو خراجی زمین ہے تو اس میں شریعت نے خراج واجب کیا ہے اور عشری زمین ہے تو اس میں شریعت نے عشر واجب کیا ہے، لیکن کیا گھر کے اندر خراج یا عشر ہوتا ہے؟ گھر میں تو خراج یا عشر گھر میں کوئی خرچہ وغیرہ شریعت نے کوئی چیز انسان پر نہیں ڈالی، کوئی خراج نہیں، کوئی عشر نہیں، تو جب پورے گھر پر کوئی خرچہ نہیں شریعت کی طرف سے یعنی کوئی چیز واجب نہیں، نہ خراج ہے نہ اور نہ عشر ہے اور یہ کان بھی اسی کے اجزاء، زمین کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے، تو جب باقی زمین کے اندر شریعت نے کچھ واجب نہیں کیا تو یہ کان جو گھر کے اندر سے نکلی ہے اس کے اندر بھی کچھ واجب نہیں ہو گا، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے کہ یہ کیونکہ یہ زمین کے اجزاء میں سے ہے، **مُرَكَّبٌ فِيهَا،** اس کے اندر اس کو ملایا گیا ہے، **وَلَا مُؤْنَةَ فِي سَائِرِ الْأَجْزَاءِ،** اور باقی اجزاء کے اندر تو کوئی مشقت یعنی خرچہ نہیں ہے یعنی شرعاً کوئی چیز واجب نہیں ہے، **فَكَذَا فِي هَذَا الْجُزْءِ،** تو اسی طرح اس جزء کے اندر بھی ہو گا یعنی اس میں بھی کچھ واجب نہیں ہو گا، **لِأَنَّ الْجُزْءَ لَا يُخَالِفُ الْجُمْلَةَ،** اس لیے کیونکہ جزء جو ہوتا ہے وہ کُل کا مخالف نہیں ہوتا، جو کُل کا حکم ہوتا ہے وہی جزء کا، اور کُل گھر کے اندر تو کچھ واجب نہیں تو اس جزء کے اندر بھی کچھ واجب نہیں ہے یعنی اس میں خمس نہیں ہو گا۔

بِخِلَافِ الْكَنْزِ، بخلاف کنز کے یعنی خزانے کے، **لِأَنَّهُ غَيْرُ مُرَكَّبٍ فِيهَا،** اس لیے کیونکہ وہ زمین کے اندر مرکب نہیں ہے بھائی۔ خزانہ زمین کے ساتھ مرکب تھا، ملا ہوا تھا یا بعد میں کسی نے اس کو دفنایا ہے؟ وہ تو بعد میں کسی نے دفنایا ہے جبکہ یہ کان اور یہ دھات وغیرہ اس کو تو اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے اندر اسی طرح پیدا فرمایا ہے بھائی، تو لہٰذا ان کا وہ حکم ہو گا جو زمین کا حکم ہے۔ زمین میں اگر شریعت نے کچھ واجب کیا ہے تو پھر ان میں بھی کیا کہیں گے؟ واجب ہے۔ اگر اس زمین میں کچھ نہیں واجب جیسے گھر کے اندر ہوتا ہے تو جو اس میں کان نکلی اس کے اندر بھی کچھ واجب نہیں ہو گا بھائی۔ جبکہ خزانے کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ خزانہ زمین کے اندر مرکب نہیں تھا، اس کو بعد میں کسی نے اس میں دفنایا ہے بھائی۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھائی؟ یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ الْكَنْزِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُرَكَّبٍ فِيهَا،** بخلاف خزانے کے اس لیے کیونکہ وہ زمین کے اندر مرکب نہیں ہوتا۔

قَالَ: وَإِنْ وَجَدَ فِي أَرْضِهِ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِيهِ رِوَايَتَانِ۔ یہ تو مسئلہ تھا کہ کسی شخص کو کان ملی اپنے گھر میں، کان گھر میں نکل آئی بھائی۔ دوسری صورت ہے گھر کے اندر نہیں ملی، اپنی زمین کے اندر ملی، اپنی مملوکہ زمین کے اندر، اس کی زمین تھی، کھیت تھا، باغ تھا، اس کے اندر کیا نکل آئی؟ کان نکل آئی بھائی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں: **وَإِنْ وَجَدَ فِي أَرْضِهِ،** اور اگر کان کو پالیا اپنے اپنی زمین کے اندر، **فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِيهِ رِوَايَتَانِ،** تو امام صاحب سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ اس میں خمس واجب ہے اور دوسری روایت کیا؟ کہ اس میں خمس واجب بھائی دو روایتیں ہیں نا، اسی سے پتہ چل گیا، ایک روایت کیا ہے کہ اس کے اندر خمس واجب ہے، دوسری روایت کیا؟ خمس واجب نہیں۔

تو جو روایت تھی کہ اس میں خمس واجب نہیں اس میں یہ تو پہلے قول کے مطابق ہوئی، پہلے قول کے اور دوسرا قول کیا آیا؟ خمس واجب ہے، تو اس میں فرق کیا گیا معلوم ہوا، گھر میں نکلنے والی کان میں اور زمین کے اندر مملوکہ زمین میں نکلنے والی کان کے اندر فرق کیا گیا، گھر میں جو کان نکلے اس میں تو کچھ واجب نہیں لیکن زمین میں جو نکلے اس میں واجب۔ تو اس میں فرق کی وجہ کیا ہے وہ وجہ آگے آپ کو بتائیں گے۔ کہتے ہیں: **وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى إِحْدَاهُمَا،** اور فرق کی وجہ ایک روایت پر، **وَهُوَ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ،** اور وہ کس کی روایت ہے؟ جامع صغیر کی کہ اس میں خمس ہو گا تو اس کے مطابق فرق کی وجہ یہ ہے: **أَنَّ الدَّارَ مُلِّكَتْ خَالِيَةً عَنِ الْمُؤَنِ دُونَ الْأَرْضِ،** اس لیے کیونکہ گھر جو ہے وہ مملوک ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ خالی ہوتا ہے مشقت سے۔ گھر جو ہوتا ہے وہ مملوک ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ مشقت سے خالی ہوتا ہے یعنی اس میں کوئی شرع شریعت کی طرف سے کوئی خرچہ وغیرہ عشر یا خراج وغیرہ اس میں نہیں ہوتا، **دُونَ الْأَرْضِ،** نہ کہ زمین۔ زمین خالی نہیں ہوتی، زمین میں ہمیشہ کیا دینا پڑتا ہے؟ خراج یا عشر دینا پڑتا ہے تو اس اعتبار سے زمین اس گھر سے مختلف ہوئی، تو گھر کے اندر جو ہو اس کے اندر خمس نہیں اور زمین میں جو کان نکلے

اس میں کیا دینا پڑے گا؟ خمس کیونکہ زمین کے اندر شریعت نے بھی خراج یا عشر واجب کیا ہے۔

وَلِهَذَا، اور اسی وجہ سے، **وَجَبَ الْعُشْرُ وَالْخَرَاجُ فِي الْأَرْضِ دُونَ الدَّارِ**، عشر اور خراج واجب ہوتا ہے زمین میں **دُونَ الدَّارِ** نہ کہ گھر میں، **فَكَذَا هَذِهِ الْمُؤْنَةُ**، اسی طرح یہ خرچہ بھی ہوگا یا یہ مشقت بھی ہوگی یعنی جیسے زمین میں عشر اور خراج واجب ہوتا ہے اسی طرح یہ خمس بھی واجب ہوگا۔

وَإِنْ وَجَدَ رِكَازًا أَيْ كَنْزًا وَجَبَ فِيهِ الْخُمُسُ عِنْدَهُمْ، اور اگر رکاز پایا، کسی شخص کو خزانہ ملا، دفینہ کوئی زمین کے اندر مل گیا، خود معنی بیان کر رہے ہیں، میں نے بتلایا تھا بھائی رکاز کا اطلاق معدن پر بھی ہوتا ہے اور **كَنْز** یعنی خزانے پر بھی، تو بتلا دیا انہوں نے: **رِكَازًا أَيْ كَنْزًا**، یعنی کہ خزانہ۔ تو اگر خزانہ پایا، **وَجَبَ فِيهِ الْخُمُسُ عِنْدَهُمْ**، تو اس کے اندر خمس واجب ہوگا ہمارے ائمہ کے نزدیک یعنی تینوں ائمہ کے نزدیک، **لِمَا رَوَيْنَا**، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی اور وہ حدیث کیا تھی؟ «**وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ**»، رکاز کے اندر خمس واجب ہے تو اس میں خمس ہوگا۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَاسْمُ الرِّكَازِ يُطْلَقُ عَلَى الْكَنْزِ لِمَعْنَى الرَّكْزِ وَهُوَ الْإِثْبَاتُ**، کہ رکاز کا اسم جو ہے اس کا اطلاق خزانے پر بھی ہوتا ہے، **لِمَعْنَى الرَّكْزِ**، **رَكْز** یعنی گاڑنے کے معنی، **رَكْز** کے معنی پائے جانے کی وجہ سے، **لِمَعْنَى الرَّكْزِ**، **رَكْز** کا معنی پائے جانے کی وجہ سے، **وَهُوَ الْإِثْبَاتُ**، اور **رَكْز** کا کیا معنی ہے؟ اثبات، کسی چیز کو ثابت کرنا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ وہی ثابت کرنا یعنی گاڑنا، اس کو رکھ دینا۔

ثُمَّ إِنْ كَانَ عَلَى ضَرْبِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ كَالْمَكْتُوبِ، یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ خزانہ ملتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں بھائی، دو صورتیں: کہ اس میں کوئی نشانی ملے گی یا اس پر کوئی نشانی نہیں لگی ہوگی۔ نشانی ملتی ہے مثلاً جس سے پتہ چلتا ہے اس کو کسی مسلمان نے دفن کیا ہے، مثلاً اس میں کوئی کلمۂ شہادت وغیرہ یا اس طرح کی کوئی چیز لکھی ہوئی ہے جس سے کیا پتہ چلتا ہے کہ اس کو کس نے دفن کیا ہے؟ مسلمان۔ یا نشانی ملتی ہے غیر مسلموں کی کوئی، مثلاً خزانے کے اندر کوئی بت کی صورت بنی ہوئی ہے وغیرہ بھائی۔ سمجھ گئے؟ تو یہ صورت تھی جب نشانی ملے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ جس میں نشانی نہیں ملتی، پتہ ہی نہیں کہ اس کو کس نے دفنایا، مسلمانوں نے یا کافروں نے۔

تو وہ اب پہلے جس کی نشانی ملتی ہے، اگر مسلمانوں کی نشانی اس پر لگی ہوئی ہے تو پھر کیا حکم ہے؟ کفار کی نشانی لگی ہے کیا حکم ہے؟ تو کفار کی نشانی لگی ہو پھر تو وہی مالِ غنیمت والا حکم ہے، خمس دینا پڑے گا اور باقی پانے والے کا۔ جبکہ مسلمانوں کی اگر نشانی اس پر لگی ہوئی ہے پھر یا در کھیے، پھر یہ لقطہ کے حکم میں ہے۔ کس کے حکم میں؟ لقطہ۔ لقطہ، کوئی چیز کسی کو راستے میں پڑی ہوئی مل جائے اس کو لقطہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ لقطہ۔ تو کوئی چیز اگر کسی کی آپ کو راستے میں پڑی ہوئی مل جائے تو کیا آپ مالک بن جاتے ہیں اس کے؟ نہیں، بلکہ کیا ضروری ہے آپ پر؟ اس کے مالک کو تلاش کریں اور اس تک پہنچائیں، تو اس خزانے میں جس میں مسلمانوں کی نشانی ہے اس میں بھی آپ پر کیا ضروری ہے؟ کہ آپ اعلانات کروائیں، پتہ کروائیں یہ کس کا ہے اور مالک تک پہنچائیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **ثُمَّ إِنْ كَانَ عَلَى ضَرْبِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ**، پھر یہ خزانہ جو ہے اگر اہل اسلام کی قسم پر تھا، **كَالْمَكْتُوبِ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الشَّهَادَةِ**، جیسے کہ لکھا ہوا ہو اس پر کلمۂ شہادت، **فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ اللُّقَطَةِ**، تو یہ کس کے درجے میں ہے؟ لقطہ کے درجے میں ہے۔ جی، تو لقطہ کے اندر پھر اعلان کروانا پڑے گا، پتہ کروائیں گے بھائی۔ اور کتاب اللقطہ کے اندر آپ نے پڑھا ہوگا قدوری وغیرہ کے اندر کہ دس درہم یا اس سے زائد مال ہو تو کم از کم ایک سال تک اعلانات کرواتا رہے، پتہ کرتا رہے کہ کہیں سے اس کے مالک کا پتہ چل جائے، سمجھ میں آیا؟ اور

بَابٌ فِي الْمَعَادِنِ وَالرِّكَازِ قَالَ مَعْدِنُ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ حَدِيدٍ أَوْ رَصَاصٍ أَوْ صُفْرٍ وُجِدَ فِي أَرْضِ خَرَاجٍ أَوْ عُشْرٍ فَفِيهِ الْخُمُسُ عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِيهِ لِأَنَّهُ مُبَاحٌ سَبَقَتْ يَدُهُ إِلَيْهِ كَالصَّيْدِ.

بَابٌ فِي الْمَعَادِنِ وَالرِّكَازِ۔ **مَعَادِن** یاد رکھیے یہ جمع ہے **مَعْدِن** کی، اور **مَعْدِن** کہتے ہیں کان کو کان۔ آپ جانتے ہیں سونا، چاندی، لوہا وغیرہ زمین سے نکالے جاتے ہیں اور ان کی کانیں ہوتی ہیں زمین میں باقاعدہ کھدائی کر کے ان کے وہاں جو پتھر ہوتے ہیں، ان پتھروں کے اندر پتھر اور اس جو مٹی ہوتی ہے، اس میں یہ سونے، چاندی وغیرہ ذرات کی صورت میں ہوتے ہیں۔ تو پھر ان کو ان سے جدا کیا جاتا ہے اور تو یہ وہ جگہ جہاں سے ان کو نکالا جاتا ہے وہ کیا کہلاتی ہے؟ کان کہلاتی ہے، کان۔ کان کو عربی میں **مَعْدِن** کہتے ہیں اور جمع ہے **مَعَادِن**۔

اور **رِكَاز** جو ہے **رِكَاز**، یہ کان کو بھی شامل ہے، کان کو بھی کہتے ہیں اور اسی طرح زمین کے اندر جو خزانہ یا مال وغیرہ دفنا دیا گیا ہے، چھپا دیا گیا ہے، تو اس دفینے کو بھی کیا کہتے ہیں؟ **رِكَاز** کہتے ہیں۔ تو گویا **رِكَاز** کا لفظ شامل ہے یہ **مَعْدِن** کو بھی اور **كَنْز**، **كَنْز** جو خزانہ ہوتا ہے زمین میں دفنایا گیا، اس کو بھی، دونوں کو شامل ہے۔ لیکن یہاں پر **رِكَاز** سے مراد وہ خزانہ ہے کیونکہ **مَعَادِن** اس کے مقابلے پر آرہا ہے، تو اب معلوم ہوا **مَعْدِن** کے علاوہ چیز مراد ہے اور یہ دو چیزوں کو شامل تھا: ایک **مَعْدِن** کو اور ایک **كَنْز** یعنی خزانے کو، تو یہاں اب کیا مراد ہے؟ خزانہ، کیونکہ **مَعَادِن** کا خود ذکر آگیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو **بَابٌ فِي الْمَعَادِنِ وَالرِّكَازِ**، یہ باب ہے کانوں اور زمین میں دفن کیے ہوئے خزانے کے بیان میں۔ **قَالَ**، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جامع صغیر میں۔ میں نے آپ کو پہلے بتلایا تھا کہ یہ باب اور جو پہلے اس سے پہلے پچھلا باب گزرا، یہ دونوں قدوری کے اندر نہیں ہیں، معلوم ہوا صاحبِ ہدایہ نے کہاں سے لیے ہیں؟ جامع صغیر سے لیے ہیں جو امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

تو **قَالَ**، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **مَعْدِنُ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ حَدِيدٍ أَوْ رَصَاصٍ أَوْ صُفْرٍ وُجِدَ فِي أَرْضِ خَرَاجٍ أَوْ عُشْرٍ فَفِيهِ الْخُمُسُ عِنْدَنَا۔ مَعْدِنُ ذَهَبٍ**، سونے کی کان، **أَوْ فِضَّةٍ**، یا چاندی کی کان، **أَوْ حَدِيدٍ**، یا لوہے کی کان، **أَوْ رَصَاصٍ**، یا رصاص کی کان۔ رصاص بھئی یہ کوئی سفید دھات ہے جس سے برتن وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور اردو میں اس کو رانگ کہتے ہیں، رانگ۔ را، الف، نون اور گاف، رانگ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور غالباً یہ وہ دھات ہوگی یہ جو آپ برتن دیکھتے ہیں سفید عام، ایک تو سٹیل کے برتن ہیں، ایک پلاسٹک کے ہیں اور یہ جو عام سفید، سلور غالباً کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ ہاں سلور جس کو کہتے ہیں، یہ وہ دھات ہوگی بھئی۔ تو رصاص وہ دھات جس سے وہ برتن بنائے جاتے ہیں جسے سلور آپ حضرات سلور کہتے ہیں۔ اسی طرح رصاص جو ہے سیسے کو بھی کہتے ہیں، سیسے کو بھی بھئی۔ **أَوْ صُفْرٍ، صُفْر** کہتے ہیں پیتل کو بھئی، پیتل، جس سے برتن وغیرہ بنتے ہیں بھئی۔

تو سونے یا چاندی یا لوہے یا رانگ یا پیتل کی جو کان ہے، **وُجِدَ فِي أَرْضِ**، جس کو زمین میں پایا جائے، **وُجِدَ فِي أَرْضِ خَرَاجٍ أَوْ عُشْرٍ**، پایا جائے اس کو خراجی زمین میں یا عشری زمین میں، یعنی جس زمین میں بھی ملے چاہے خراجی زمین ہو چاہے عشری، **فَفِيهِ الْخُمُسُ عِنْدَنَا**، تو اس کے اندر خمس واجب ہے ہمارے نزدیک، پانچواں حصہ بھئی، دینا پڑے گا۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِيهِ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شخص پر اس اس کے اندر کچھ بھی واجب نہیں ہے، یہ جو سونے چاندی وغیرہ کی کان ہے، لوہے کی، **لِأَنَّهُ مُبَاحٌ**، وہ فرماتے ہیں **لِأَنَّهُ مُبَاحٌ**، اس لیے کیونکہ یہ مباح چیز ہے بھئی، **سَبَقَتْ يَدُهُ إِلَيْهِ**، جس کی طرف اس کا ہاتھ سبقت کر گیا۔ یاد رکھیے یَد جیسے ہاتھ کو کہتے ہیں، اسی طرح یَد کا معنی قبضے کے بھی آتا ہے، تو موقع محل کے مطابق جو مناسب ترجمہ بنتا ہو آپ کر سکتے ہیں۔ تو وہ فرماتے ہیں **لِأَنَّهُ مُبَاحٌ**، یہ ایک مباح چیز ہے بھئی، یعنی جو بھی اس کو حاصل کرنا چاہے، حاصل کر سکتا ہے، پا سکتا ہے، تو یہ ایک مباح چیز ہے، ایسی مباح چیز ہے **سَبَقَتْ يَدُهُ إِلَيْهِ**، کہ جس کی طرف اس کا ہاتھ سبقت کر گیا، یعنی پہلے اس کا ہاتھ اس تک پہنچ گیا ہے، اس کا قبضہ پہلے اس تک پہنچ گیا ہے، **كَالصَّيْدِ**، جیسے کہ شکار ہوتا ہے۔ شکار بھی شکار بھی جائز ہے، مباح ہے اور جو جس جانور کو شکار کر لیتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے، تو یہ بھی اسی طرح ہے، جس کو یہ کان وغیرہ مل جائے وہی اس کا مالک ہے بھئی۔

إِلَّا إِذَا كَانَ الْمَسْتَخْرَجُ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً۔ اچھا، تو جیسے بھئی اس شکار کے اندر کوئی حصہ نہیں دینا پڑتا، خمس وغیرہ نہیں ہے، اسی طرح یہ کان وغیرہ جو ہے اس کے اندر بھی خمس ان کے نزدیک واجب نہیں۔ **إِلَّا إِذَا كَانَ الْمَسْتَخْرَجُ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً فَيَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ**، مگر یہ کہ وہ چیز جس کو نکالا گیا ہے وہ سونا ہے یا چاندی ہے، تو پھر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ اگر وہ چیز جس کو نکالا گیا ہے وہ کیا ہے؟ سونا یا چاندی ہے، تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ سونے اور چاندی یہ تو ثمن ہیں، ان کے اندر تو ہر صورت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو اس وجہ سے ان میں واجب ہوگی۔

وَلَا يَشْتَرِطُ الْحَوْلَ فِي قَوْلٍ، اور وہ سال کی بھی شرط نہیں لگاتے **فِي قَوْلٍ**، ایک قول کے مطابق۔ ایک قول کے مطابق یہ وہ فرماتے ہیں کہ سونا اور چاندی جو نکالا گیا ہے، اس کے اندر سال گزرنے کی بھی شرط نہیں ہے بلکہ اس کے اندر اس کے اندر زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ **لِأَنَّهُ نَمَاءٌ كُلُّهُ**، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں **لِأَنَّهُ نَمَاءٌ كُلُّهُ**، کیونکہ سال کا گزرنا کس لیے شرط ہوتا ہے؟ نماء کے لیے تاکہ اس میں زیادتی ہو جائے اور جبکہ یہ تو جو ہے **نَمَاءٌ كُلُّهُ**، یہ تو ساری کی ساری ہی نماء ہے بھئی، نماء ہے، زیادتی ہی ہے، اس میں اس کا کوئی خرچ وغیرہ نہیں، ساری نماء ہے، **وَالْحَوْلُ لِلتَّنْمِيَةِ**، اور سال تو بڑھانے کے لیے ہوتا ہے، تو یہاں اس کے اندر وہ فرماتے ہیں واجب ہوگی، سال کا گزرنا بھی شرط نہیں۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟ تو وہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ **لَا يَشْتَرِطُ الْحَوْلَ فِي قَوْلٍ**، وہ سال گزرنے کی شرط بھی نہیں لگاتے ایک قول کے مطابق، **لِأَنَّهُ نَمَاءٌ كُلُّهُ**، اس لیے کیونکہ یہ سارا کا سارا نماء ہی ہے، **وَالْحَوْلُ لِلتَّنْمِيَةِ**، اور سال تو بڑھانے کے لیے ہوتا ہے، نماء کے لیے ہوتا ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل، ہمارے نزدیک خمس واجب ہے۔ ہماری دلیل: **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، آپ نے فرمایا: «**وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ**»، رکاز کے اندر خمس ہے، کس کے اندر؟ رکاز کے اندر خمس ہے، **وَهُوَ مِنَ الرِّكْزِ**، آگے صاحبِ ہدایہ معنی بیان کر رہے ہیں حدیث کا، کہتے ہیں: **وَهُوَ مِنَ الرِّكْزِ**، رکاز کس سے ہے؟ **رِكْز** سے ہے، **رِكْز** کا معنی ہے گاڑنا، گاڑنا، زمین کے اندر کوئی چیز گاڑ دینا۔ تو لہٰذا یہ رکاز جیسے خزانے کو شامل ہے، اسی طرح معدن کو بھی شامل ہے۔ جیسے خزانہ جو ہے اس کو انسان گاڑ دیتا ہے، تو جو کان ہے اس کے اندر جو سونا چاندی لوہا وغیرہ ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے اندر گاڑ دیا، اس میں یعنی بنا دیا بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ تو لہٰذا یہ دونوں کو شامل ہے۔

وَهُوَ مِنَ الرِّكْزِ، اور یہ رکز سے ہے یعنی گاڑنے سے، **فَأُطْلِقَ عَلَى الْمَعْدِنِ**، تو معدن پر بھی اس کا اطلاق کیا گیا، تو یہاں رکاز سے دونوں مراد ہیں ہمارے نزدیک بھئی، تو دونوں میں خمس آئے گا۔ **وَلِأَنَّهَا كَانَتْ فِي أَيْدِي الْكَفَرَةِ وَحَوَتْهَا أَيْدِينَا غَلَبَةً فَكَانَتْ غَنِيمَةً وَفِي الْغَنَائِمِ الْخُمُسُ**، دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ چیزیں جو تھیں کفار کے قبضے میں تھیں، کفار کے ہاتھوں میں تھیں، **وَحَوَتْهَا أَيْدِينَا**، اور ان کو جمع کر لیا، سمیٹ

لیا ہمارے ہاتھوں نے، **غَلَبَةً**، بطور غلبہ کے، غلبہ کرتے کے طور پر، غلبہ پاتے ہوئے ان کو ہمارے ہاتھوں نے جمع کر لیا، **فَكَانَتْ غَنِيمَةً**، تو یہ تو یہ غنیمت ہے، **وَفِي الْغَنَائِمِ الْخُمُسُ**، اور غنیمتوں کے اندر خمس ہوتا ہے۔ غنیمتوں میں کتنا واجب ہے؟ خمس دینا پڑتا ہے بھئی، خمس دینا پڑتا ہے۔ تو یہ بھی یہ ساری زمین کس کے قبضے میں تھی پہلے؟ کفار کے، سمجھ میں آیا بھئی؟ کفار کے قبضے میں تھی اور پھر اسلام عرب سے آہستہ آہستہ پھیلتا چلا گیا، مسلمانوں کی مملکت وسیع ہوتی گئی، اسلام پھیلتا چلا گیا، تو یہ چیزیں پہلے کس کے قبضے میں تھیں؟ کفار کے قبضے میں تھیں اور اب پھر مسلمانوں کے ہاتھ آگئی ہیں، تو یہ غنیمت ہے اور غنیمت کے اندر خمس واجب ہوتا ہے۔

بِخِلَافِ الصَّيْدِ، بخلاف شکار کے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں۔ انہوں نے کس پر قیاس کیا تھا؟ شکار پر، کہ جیسے شکار ہے وہ مباح ہے، جس کے ہاتھ لگ جائے اسی کا ہوتا ہے اور اس کے اندر خمس واجب نہیں، اسی طرح یہ سونے چاندی کی کانیں وغیرہ مل جائیں، ان کے اندر بھی خمس واجب نہیں۔ جواب دے رہے ہیں کہ اس پر آپ قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ شکار تو کسی کے قبضے میں نہیں تھا، وہ تو آزاد تھا وہ جانور وغیرہ اور جبکہ یہاں پر یہ جو مال وغیرہ یا کانیں تھیں، یہ زمینیں کس کے قبضے میں تھیں پہلے؟ کفار کے قبضے میں تھیں، پھر مسلمانوں کے ہاتھ میں آئی ہیں، تو گویا یہ کفار کے قبضے سے مسلمانوں کے ہاتھ لگا ہے یہ مال، اور مسلمانوں کے ہاتھ اس طرح جو مال آئے اس میں کیا واجب ہوتا ہے؟ خمس، تو اس میں بھی خمس واجب ہوگا، تو یہ شکار کی طرح نہیں ہے بھئی، وہ تو کسی کے قبضے میں نہیں تھا اور یہ تو پہلے کس کے قبضے میں تھیں؟ کفار کے قبضے میں۔

یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ الصَّيْدِ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي يَدِ أَحَدٍ**، بخلاف شکار کے، اس لیے کیونکہ وہ کسی کے قبضے میں نہیں تھا۔ **إِلَّا أَنَّ لِلْغَانِمِينَ يَدًا حُكْمِيَّةً لِثُبُوتِهَا عَلَى الظَّاهِرِ وَأَمَّا الْحَقِيقِيَّةُ فَلِلْوَاجِدِ فَاعْتَبَرْنَا الْحُكْمِيَّةَ فِي حَقِّ الْخُمُسِ وَالْحَقِيقِيَّةَ فِي حَقِّ الْأَرْبَعَةِ الْأَخْمَاسِ حَتَّى كَانَتْ لِلْوَاجِدِ**۔ ہاں، یہاں سے اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ یوں کہیں یہاں ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں بتلا دیا کہ یہ جو کان وغیرہ ملتی ہے، جو چیز ملتی ہے، یہ کیا ہے دراصل؟ مالِ غنیمت ہے۔ اور مالِ غنیمت میں کیا دینا پڑتا ہے؟ خمس دینا پڑتا ہے، خمس واجب ہوتا ہے اس کے اندر۔ اور باقی چار خمس تو غنیمت والوں کے ہوتے ہیں، یعنی وہ غازیوں کے ہوتے ہیں جو جہاد کر رہے ہیں، جنہوں نے اس جگہ پر قبضہ کیا ہے مجاہدین نے، تو چار حصے کن کے ہوتے ہیں؟ ان مجاہدین ان غازیوں کے ہوتے ہیں، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہونا چاہیے کہ جب ایک حصہ جب یہ غنیمت ہے تو ایک حصہ یعنی پانچواں حصہ وہ تو خمس کا ہوا اور چار حصے کس کے ہونے چاہئیں؟ مجاہدین کے یعنی غازیوں کے ہونے چاہئیں، لیکن یہاں پر کیا کہا گیا کہ چار حصے اس شخص کے ہیں جس کو وہ کان ملی ہے، جس کے وہ قبضے میں ہے۔ تو یہ تو غنیمت والا پورا حکم نہیں آیا، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو غنیمت کا حکم تو کیا تھا؟ چار حصے کس کے ہونے چاہئیں؟ مجاہدین اور غازیوں کے ہونے چاہئیں اور یہاں پر چار حصے کس کے قرار دیے گئے؟ جس کا جس شخص کے قبضے میں ہے، جس کو وہ کان ملی ہے، اس کے قرار دیے گئے۔

تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ غازی جو ہیں غازی، جب ان کا کسی چیز پر قبضہ ہوتا ہے تو جہاں حقیقتاً قبضہ ہوتا ہے وہاں حکماً قبضہ بھی آجاتا ہے۔ کیا آجاتا ہے؟ حکماً قبضہ بھی آجاتا ہے۔ مثلاً غازیوں نے کفار سے کوئی مال چھین لیا، تو حقیقتاً قبضہ کس کا اس وقت اس مال پر؟ غازیوں کا، اور حکماً بھی قبضہ کس کا؟ حکم بھی کیا لگایا جائے گا؟ کس کا قبضہ ہے؟ غازیوں کا قبضہ ہے، تو حقیقتاً بھی قبضہ ان کا، حکماً بھی قبضہ ان کا۔ تو اس طرح کا جو مال ہوتا ہے جس میں غازیوں کا حقیقتاً بھی قبضہ ہو، حکماً بھی قبضہ ہو، اس کے اندر پانچواں حصہ خمس کا واجب ہوتا ہے اور باقی چار حصے کس کے ہوتے ہیں؟ غازیوں کے ہوتے ہیں۔ کس قسم کے مال میں؟ جہاں حقیقتاً قبضہ بھی ان کا ہو اور حکماً بھی قبضہ ان کا ہو۔ جبکہ یہاں پر ایسا نہیں ہے، یہاں پر غازیوں کا حکماً قبضہ تو ہے، حقیقتاً نہیں۔ حکماً قبضہ کس طرح؟ کیونکہ یہ ساری جگہ پہلے کس نے فتح کی؟ غازیوں نے، اور جب یہ ساری زمین ان کے قبضے میں آئی، تو زمین ہی کے اندر کان بھی تھی، وہ کان بھی کس کے قبضے میں آگئی؟ غازیوں کے قبضے میں آئی۔ لیکن حکماً قبضہ ہے، حقیقتاً نہیں غازیوں کا، کان پر حکماً قبضہ ہے کیونکہ حقیقتاً نہیں، حقیقت کے اعتبار سے تو غازیوں کو پتہ ہی نہیں تھا کان کا، یہ کان کا تو اب اس شخص کو آکر پتہ لگا ہے۔ تو ان کا صرف قبضہ کون سا تھا؟ حکماً قبضہ تھا، حقیقتاً نہیں۔ حقیقتاً اور حکماً دونوں ہو تو چار حصے غازیوں کے ہوتے ہیں اور ایک حصہ کس کا واجب ہے؟ خمس کا۔ لیکن یہاں پر غازیوں کا صرف حکماً قبضہ ہے، حقیقتاً نہیں۔ حقیقتاً قبضہ تو اس آدمی کا ہے جس کو یہ کان ملی ہے، حقیقتاً اس وقت کس کے قبضے میں ہے؟ جس کو ملی ہے اس کے قبضے میں ہے۔ تو لہٰذا یہاں حقیقتاً قبضہ ہوا اس پانے والے کا اور حکماً قبضہ کس کا؟ غازیوں کا، تو ہم نے دونوں کا لحاظ رکھا۔ حکماً قبضہ چونکہ غازیوں کا ہے، لہٰذا یہ غنیمت کے حکم میں ہے، اس میں کیا دینا پڑے گا؟ خمس، پانچواں حصہ دینا پڑے گا۔ اور حقیقتاً قبضہ اس آدمی کا ہے، پانے والے کا ہے، لہٰذا چار حصے وہ غازیوں کے نہیں ہوں گے بلکہ اس حقیقی قبضے والے کے ہوں گے۔ فرق سمجھ میں آگیا بھئی؟

یہ معنی ہے: **إِلَّا أَنَّ لِلْغَانِمِينَ يَدًا حُكْمِيَّةً لِثُبُوتِهَا عَلَى الظَّاهِرِ**، مگر یہ کہ غنیمت والے جو ہیں یعنی غازی جو ہیں، ان کا جو ہے **يَدًا حُكْمِيَّةً**، ان کا حکمی قبضہ ہے **لِثُبُوتِهَا عَلَى الظَّاهِرِ**، بوجہ اس قبضے کے ظاہر پر ثابت ہونے کے، اس وجہ سے کہ وہ قبضہ کس پر ثابت ہے؟ بھئی کان تو زمین کے اندر چھپی ہوئی ہے، لیکن ظاہری زمین پر کس کا قبضہ پہلے؟ غازیوں کا، تو ظاہر پر اس قبضے کے ثبوت کی وجہ سے کہا جائے گا کہ غازیوں کا قبضہ کان پر بھی آگیا، کس پر آگیا؟ لیکن کان پر حقیقتاً قبضہ آیا یا حکماً آیا؟ حکماً آیا۔ حقیقتاً کیوں نہیں آیا؟ غازیوں کو پتہ ہی نہیں ہے یہاں پر کان، ہاں زمین قبضے میں ہے تو حکم کیا آگیا؟ یہ بھی کس کے قبضے میں ہے؟ غازیوں، لیکن حقیقی قبضہ بہر حال نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے کہ **إِلَّا أَنَّ لِلْغَانِمِينَ يَدًا حُكْمِيَّةً**، مگر یہ کہ غنیمت والے جو ہیں ان کا حکمی قبضہ ہے، **لِثُبُوتِهَا عَلَى الظَّاهِرِ**، اس وجہ سے کہ یہ قبضہ ثابت

ہے ظاہر پر، **وَأَمَّا الحَقِيقِيَّةُ**، باقی حقیقی قبضہ جو ہے **فَلِلْوَاجِدِ**، وہ اس پانے والے کا ہے جس نے اس کان کو پایا ہے، جس کو یہ کان ملی ہے، **فَاعْتَبَرْنَا الحُكْمِيَّةَ فِي حَقِّ الخُمُسِ**، تو خمس کے حق میں ہم نے کس کا اعتبار کیا؟ حکمی قبضے کا اعتبار کیا اور حکمی قبضہ تو کس کا تھا؟ غازیوں کا، اور غازیوں کو جو مال ملتا ہے وہ مالِ غنیمت ہے اور مالِ غنیمت میں کیا واجب ہوتا ہے؟ خمس ہوتا ہے، تو اس میں بھی خمس واجب ہوگا۔ تو ہم نے حکمی قبضے کا اعتبار کیا خمس کے حق میں، **وَالحَقِيقِيَّةَ فِي حَقِّ الأَرْبَعَةِ الأَخْمَاسِ**، اور ہم نے حقیقی قبضے کا اعتبار کیا **فِي حَقِّ الأَرْبَعَةِ الأَخْمَاسِ**، چار خمس کے حق میں، کہ چار خمس جو ہیں اس پر وہ کس کے ہوں گے؟ جس کا حقیقی قبضہ ہے، تو ان میں ہم نے حقیقی قبضے کا اعتبار کیا، **حَتَّى كَانَتْ لِلْوَاجِدِ**، یہاں تک کہ یہ چار خمس جو ہیں پانے والے کے ہوں گے۔

وَلَوْ وَجَدَ فِي دَارِهِ مَعْدِنًا فَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ۔ مسئلہ یہ بھئی: ایک شخص ہے، اس کو اپنے گھر کے اندر کان مل گئی بھئی۔ سونے، چاندی یا لوہے کی کان کہاں نکل آئی؟ گھر میں۔ تو کیا اس کے اندر بھی خمس ہوگا یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے اندر خمس نہیں، جبکہ صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ اس کے اندر بھی خمس واجب ہے بھئی۔ یہ معنی ہے: **وَلَوْ وَجَدَ فِي دَارِهِ مَعْدِنًا فَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ**، اور اگر پانے والے نے اپنے گھر میں کان پا لی، تو اس میں کچھ نہیں ہے یعنی خمس واجب نہیں ہے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**، امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَا فِيهِ الخُمُسُ**، اور صاحبین فرماتے ہیں اس میں بھی خمس واجب ہے۔ دلیل صاحبین کی، کہتے ہیں: **لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا**، بوجہ مطلق ہونے کے اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا۔ کون سی حدیث بھئی؟ حدیث میں کیا آیا تھا؟ «**وَفِي الرِّكَازِ الخُمُسُ**»، رکاز کے اندر خمس ہے، اور یہاں رکاز شامل ہے خزانے کو بھی اور معدن یعنی کان کو بھی شامل ہے، اور وہاں کوئی قید تھی کہ گھر میں ہو تو واجب نہیں، گھر سے باہر ہو تو واجب ہے؟ کوئی قید وہاں پر نہیں، تو وہ حدیث مطلق تھی، تو لہٰذا اس کے اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ گھر کے اندر کان ملے تو اس میں بھی کیا واجب ہونا چاہیے؟ خمس ہونا چاہیے۔ یہ معنی ہے، صاحبین فرماتے ہیں اس میں خمس ہوگا، **لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا**، بوجہ مطلق ہونے کے اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الأَرْضِ مُرَكَّبٌ فِيهَا**، کہ یہ جو کان یا کان میں سے جو چیز نکلی ہے، یاد رکھیے معدن کان کو بھی کہتے ہیں اور کان میں سے جو دھات نکلتی ہے چاہے سونا ہے، چاندی ہے، لوہا ہے، اس دھات کو بھی کیا کہتے ہیں؟ اس کو بھی معدن کہتے ہیں، اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ معدن کہتے ہیں۔ تو معدن کان اور کان سے جو چیز نکلی ہے دونوں پر معدن کا لفظ۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جو کان ہے یا یہ جو اس میں سے دھات نکلی ہے، **مِنْ أَجْزَاءِ الأَرْضِ**، یہ کس کے اجزاء میں سے ہے؟ یہ زمین کے اجزاء میں سے ہے، **مُرَكَّبٌ فِيهَا**، جو اسی کے اندر مرکب کی گئی ہے، اس کے ساتھ یعنی ملا دی گئی ہے۔ بھئی میں نے بتایا یہ سونا، چاندی وغیرہ کانوں سے نکالتے ہیں اور کان میں یہ کس شکل میں ہوتے ہیں؟ ذرات کی صورت میں، کس طرح؟ ذرات۔ بھئی جیسے یہ ریت ہے ناریت، اسی کے اندر جیسے سونے کے ذرات ملا دیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو تو یہ اسی طرح یہ ذرات کی صورت میں یہ دھاتیں زمین میں ہوتی ہیں اور پھر وہاں سے زمین سے وہ پتھر وغیرہ نکالتے ہیں اور پھر بڑا لمبا عمل ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ ایک ایک ذرے کو علیحدہ کر کے نکالا جاتا ہے اس میں سے، سمجھ میں آیا بھئی طریقہ؟ تو یہ، تو یہ کہتے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں: **أَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الأَرْضِ مُرَكَّبٌ فِيهَا**، یہ کان کس میں سے تھی یا یہ دھات کس میں سے تھی؟ زمین کے اجزاء میں سے تھی، **مُرَكَّبٌ فِيهَا**، جو اسی کے ساتھ ملائی گئی تھی، زمین کے ساتھ ملائے ہوئے مٹی کی طرح اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ **وَلَا مُؤْنَةَ فِي سَائِرِ الأَجْزَاءِ فَكَذَا فِي هَذَا الجُزْءِ**، اور کوئی خرچہ یا کوئی مشقت نہیں ہے باقی اجزاء کے اندر، تو اسی طرح اس جزء میں بھی ہوگا۔ اسی طرح، بھئی دیکھیے گھر ہے کسی کا گھر، زمین ہے اس زمین کے اندر آپ فصل وغیرہ کاشت کرتے ہیں، تو خراجی زمین ہے تو اس میں شریعت نے خراج واجب کیا ہے اور عشری زمین ہے تو اس میں شریعت نے عشر واجب کیا ہے، لیکن کیا گھر کے اندر خراج یا عشر ہوتا ہے؟ گھر میں تو خراج یا عشر نہیں، گھر میں کوئی خرچہ وغیرہ شریعت نے کوئی چیز انسان پر نہیں ڈالی، کوئی خراج نہیں، کوئی عشر نہیں۔ تو جب پورے گھر پر کوئی خرچہ نہیں شریعت کی طرف سے یعنی کوئی چیز واجب نہیں، نہ خراج ہے نہ اور نہ عشر ہے اور یہ کان بھی اسی کے اجزاء زمین کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے، تو جب باقی زمین کے اندر شریعت نے کچھ واجب نہیں کیا تو یہ کان جو گھر کے اندر سے نکلی ہے، اس کے اندر بھی کچھ واجب نہیں ہوگا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے کہ یہ کیونکہ یہ زمین کے اجزاء میں سے ہے، **مُرَكَّبٌ فِيهَا**، اس کے اندر اس کو ملایا گیا ہے، **وَلَا مُؤْنَةَ فِي سَائِرِ الأَجْزَاءِ**، اور باقی اجزاء کے اندر تو کوئی مشقت یعنی خرچہ نہیں ہے یعنی شرعاً کوئی چیز واجب نہیں ہے، **فَكَذَا فِي هَذَا الجُزْءِ**، تو اسی طرح اس جزء کے اندر بھی ہوگا یعنی اس میں بھی کچھ واجب نہیں ہوگا، **لِأَنَّ الجُزْءَ لَا يُخَالِفُ الجُمْلَةَ**، اس لیے کیونکہ جزء جو ہوتا ہے وہ کُل کا مخالف نہیں ہوتا، جو کُل کا حکم ہوتا ہے وہی جزء کا، اور کُل گھر کے اندر تو کچھ واجب نہیں تو اس جزء کے اندر بھی کچھ واجب نہیں یعنی اس میں خمس نہیں ہوگا۔

بِخِلَافِ الكَنْزِ، بخلاف کنز کے یعنی خزانے کے، **لِأَنَّهُ غَيْرُ مُرَكَّبٍ فِيهَا**، اس لیے کیونکہ وہ زمین کے اندر مرکب نہیں ہے بھئی۔ خزانہ زمین کے ساتھ مرکب تھا، ملا ہوا تھا یا بعد میں کسی نے اس کو دفنایا ہے؟ وہ تو بعد میں کسی نے دفنایا ہے، جبکہ یہ کان اور یہ دھات وغیرہ اس کو تو اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے اندر اسی طرح پیدا فرمایا ہے بھئی، تو لہٰذا ان کا وہ حکم ہوگا جو زمین کا حکم ہے۔ زمین میں اگر شریعت نے کچھ واجب کیا ہے تو پھر ان میں بھی کیا کہیں گے؟ واجب ہے۔ اگر اس زمین میں کچھ نہیں واجب جیسے گھر کے اندر ہوتا ہے تو جو اس میں کان نکلی اس کے اندر بھی کچھ واجب نہیں ہوگا بھئی۔ جبکہ خزانے کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ خزانہ زمین کے اندر مرکب نہیں

تھا، اس کو بعد میں کسی نے اس میں دفنایا ہے بھئی۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھئی؟ یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ الكَنْزِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُرَكَّبٍ فِيهَا**، بخلاف خزانے کے، اس لیے کیونکہ وہ زمین کے اندر مرکب نہیں ہوتا۔

قَالَ: وَإِنْ وَجَدَ فِي أَرْضِهِ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِيهِ رِوَايَتَانِ۔ یہ تو مسئلہ تھا کہ کسی شخص کو کان ملی اپنے گھر میں، کان گھر میں نکل آئی بھئی۔ دوسری صورت ہے گھر کے اندر نہیں ملی، اپنی زمین کے اندر ملی، اپنی مملوکہ زمین کے اندر، اس کی زمین تھی، کھیت تھا، باغ تھا، اس کے اندر کیا نکل آئی؟ کان نکل آئی بھئی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں: **وَإِنْ وَجَدَ فِي أَرْضِهِ**، اور اگر کان کو پالیا اپنے اپنی زمین کے اندر، **فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِيهِ رِوَايَتَانِ**، تو امام صاحب سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ اس میں خمس واجب ہے، اور دوسری روایت کیا؟ کہ اس میں خمس واجب، بھئی دو روایتیں ہیں نا اسی سے پتہ چل گیا، ایک روایت کیا ہے کہ اس کے اندر خمس واجب ہے، دوسری روایت کیا؟ خمس واجب نہیں۔ تو جو روایت تھی کہ اس میں خمس واجب نہیں اس میں خمس، یہ تو پہلے قول کے مطابق ہوئی، پہلے قول کے مطابق، اور دوسرا قول کیا آیا؟ خمس واجب ہے، تو اس میں فرق کیا گیا معلوم ہوا، گھر میں نکلنے والی کان میں اور زمین کے اندر مملوکہ زمین میں نکلنے والی کان کے اندر فرق کیا گیا۔ گھر میں جو کان نکلے اس میں تو کچھ واجب نہیں لیکن زمین میں جو نکلے اس میں واجب، تو اس میں فرق کی وجہ کیا ہے؟ وہ وجہ آگے آپ کو بتائیں گے۔

کہتے ہیں: **وَوَجْهُ الفَرْقِ عَلَى إِحْدَاهُمَا**، اور فرق کی وجہ ایک روایت پر، **وَهُوَ رِوَايَةُ الجَامِعِ الصَّغِيرِ**، اور وہ کس کی روایت ہے؟ جامع صغیر کی کہ اس میں خمس ہوگا، تو اس کے مطابق فرق کی وجہ یہ ہے: **أَنَّ الدَّارَ مُلِكَتْ خَالِيَةً عَنِ المُؤَنِ دُونَ الأَرْضِ**، اس لیے کیونکہ گھر جو ہے وہ مملوک ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ خالی ہوتا ہے مشقت سے، گھر جو ہوتا ہے وہ مملوک ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ مشقت سے خالی ہوتا ہے، یعنی اس میں کوئی شریعت کی طرف سے کوئی خرچہ وغیرہ، عشر یا خراج وغیرہ اس میں نہیں ہوتا، **دُونَ الأَرْضِ**، نہ کہ زمین، زمین خالی نہیں ہوتی، زمین میں ہمیشہ کیا دینا پڑتا ہے؟ خراج یا عشر دینا پڑتا ہے، تو اس اعتبار سے زمین اس گھر سے مختلف ہوئی، تو گھر کے اندر جو ہو اس کے اندر خمس نہیں، اور زمین میں جو کان نکلے اس میں کیا دینا پڑے گا؟ خمس، کیونکہ زمین کے اندر شریعت نے بھی خراج یا عشر واجب کیا ہے۔ **وَلِهَذَا وَجَبَ العُشْرُ وَالخَرَاجُ فِي الأَرْضِ دُونَ الدَّارِ**، اور اسی وجہ سے عشر اور خراج واجب ہوتا ہے زمین میں **دُونَ الدَّارِ**، نہ کہ گھر میں، **فَكَذَا هَذِهِ المُؤْنَةُ**، اسی طرح یہ خرچہ بھی ہوگا یا یہ مشقت بھی ہوگی یعنی جیسے زمین میں عشر اور خراج واجب ہوتا ہے، اسی طرح یہ خمس بھی واجب ہوگا۔

وَإِنْ وَجَدَ رِكَازًا أَيْ كَنْزًا وَجَبَ فِيهِ الخُمُسُ عِنْدَهُمْ۔ اور اگر رکاز پایا، کسی شخص کو خزانہ ملا، دفینہ کوئی زمین کے اندر مل گیا، خود معنی بیان کر رہے ہیں، میں نے بتلایا تھا بھئی رکاز کا اطلاق معدن پر بھی ہوتا ہے اور کنز یعنی خزانے پر بھی، تو بتلا دیا انہوں نے رکاز سے کیا مراد ہے؟ **أَيْ كَنْزًا**، یعنی کہ خزانہ۔ تو اگر خزانہ پایا، **وَجَبَ فِيهِ الخُمُسُ عِنْدَهُمْ**، تو اس کے اندر خمس واجب ہوگا ہمارے ائمہ کے نزدیک یعنی تینوں ائمہ کے نزدیک، **لِمَا رَوَيْنَا**، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی، اور وہ حدیث کیا تھی؟ «**وَفِي الرِّكَازِ الخُمُسُ**»، رکاز کے اندر خمس واجب ہے، تو اس میں خمس ہوگا۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَاسْمُ الرِّكَازِ يُطْلَقُ عَلَى الكَنْزِ لِمَعْنَى الرَّكْزِ وَهُوَ الإِثْبَاتُ**، کہ رکاز کا اسم جو ہے اس کا اطلاق خزانے پر بھی ہوتا ہے **لِمَعْنَى الرَّكْزِ**، رکز یعنی گاڑنے کے معنی رکز کے معنی پائے جانے کی وجہ سے، **لِمَعْنَى الرَّكْزِ**، رکز کا معنی پائے جانے کی وجہ سے، **وَهُوَ الإِثْبَاتُ**، اور رکز کا کیا معنی ہے؟ اثبات، کسی چیز کو ثابت کرنا، سمجھ میں آیا بھئی؟ وہی ثابت کرنا یعنی گاڑنا، اس کو رکھ دینا۔

ثُمَّ إِنْ كَانَ عَلَى ضَرْبِ أَهْلِ الإِسْلَامِ كَالمَكْتُوبِ۔ یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ خزانہ ملتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں بھئی، دو صورتیں: کہ اس میں کوئی نشانی ملے گی یا اس پر کوئی نشانی نہیں لگی ہوگی۔ نشانی ملتی ہے مثلاً جس سے پتہ چلتا ہے اس کو کسی مسلمان نے دفن کیا ہے، مثلاً اس میں کوئی کلمۂ شہادت وغیرہ یا اس طرح کی کوئی چیز لکھی ہوئی ہے جس سے کیا پتہ چلتا ہے کہ اس کو کس نے دفن کیا ہے؟ مسلمان۔ یا نشانی ملتی ہے غیر مسلموں کی کوئی مثلاً خزانے کے اندر کوئی بت کی صورت بنی ہوئی ہے وغیرہ بھئی، تو یہ صورت تھی جب نشانی ملے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ جس میں نشانی نہیں ملتی، پتہ ہی نہیں کہ اس کو کس نے دفنایا، مسلمانوں نے یا کافروں نے؟ تو وہ اب پہلے جس کی نشانی ملتی ہے، اگر مسلمانوں کی نشانی اس پر لگی ہوئی ہے تو پھر کیا حکم ہے؟ کفار کی نشانی لگی ہے کیا حکم ہے؟ تو کفار کی نشانی لگی ہو پھر تو وہی مالِ غنیمت والا حکم ہے، خمس دینا پڑے گا اور باقی پانے والے کا۔ جبکہ مسلمانوں کی اگر نشانی اس پر لگی ہوئی ہے، پھر یا در کھیے پھر یہ لقطہ کے حکم میں ہے، کس کے حکم میں؟ لقطہ، لقطہ کوئی چیز کسی کو راستے میں پڑی ہوئی مل جائے اس کو لقطہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ لقطہ۔ تو کوئی چیز اگر کسی کی آپ کو راستے میں پڑی ہوئی مل جائے تو کیا آپ مالک بن جاتے ہیں اس کے؟ نہیں، بلکہ کیا ضروری ہے آپ پر؟ اس کے مالک کو تلاش کریں اور اس تک پہنچائیں، تو اس خزانے میں جس میں مسلمانوں کی نشانی ہے اس میں بھی آپ پر کیا ضروری ہے؟ کہ آپ اعلانات کروائیں، پتہ کروائیں یہ کس کا ہے اور مالک تک پہنچائیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: **ثُمَّ إِنْ كَانَ عَلَى ضَرْبِ أَهْلِ الإِسْلَامِ**، پھر یہ خزانہ جو ہے اگر اہل اسلام کی قسم پر تھا، **كَالمَكْتُوبِ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الشَّهَادَةِ**، جیسے کہ لکھا ہوا ہو اس پر کلمۂ شہادت، **فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ اللُّقَطَةِ**، تو یہ کس کے درجے میں ہے؟ لقطہ کے درجے میں ہے۔ جی تو لقطہ کے اندر پھر اعلان کروانا پڑے گا، پتہ کروائیں گے بھئی، اور کتاب اللقطہ کے اندر آپ نے پڑھا ہوگا قدوری وغیرہ کے اندر کہ دس درہم یا اس سے زائد مال ہو تو کم از کم ایک سال تک اعلانات کرواتا رہے، پتہ کرتا رہے کہ کہیں سے اس کے مالک کا پتہ چل جائے، سمجھ میں آیا؟ اور اگر پھر بھی مالک کا پتہ نہیں چلتا تو پھر فقراء پر صدقہ کر دے، فقراء پر صدقہ کر دے۔ اور اگر مالک آگیا پھر وہ

آپ سے مطالبہ کر سکتا ہے، لاؤ بھئی میری چیز میرے حوالے کرو۔ آپ صدقہ کر چکے ہیں، وہ پھر آ گیا، تو چاہے اس کی مرضی ہے اس کو صدقے کو صدقہ ہی چلنے دے اسی طرح، یا چاہے جس نے صدقہ کیا ہے اس سے کیا کہے کہ لاؤ بھئی مجھے دو، میں نہیں جانتا، میرا مال تھا، آپ نے کس طرح صدقہ کیا ہے، تو پھر ضمان دینا پڑے گا اس آدمی کو۔

تو کہتے ہیں: **فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ اللُّقَطَةِ**، تو اگر اہل اسلام کی کوئی نشانی اس میں ہوئی تو وہ لقطہ کے درجے میں ہے، **وَقَدْ عُرِفَ حُكْمُهَا فِي مَوْضِعِهَا**، اور تحقیق لقطہ کا حکم جان لیا گیا ہے اپنے مقام میں۔ **وَإِنْ كَانَ عَلَى ضَرْبِ أَهْلِ الجَاهِلِيَّةِ**، اور اگر وہ اہلِ جاہلیت کے قسم پر ہوا، اہلِ جاہلیت بھئی زمانہ اسلام سے پہلے کا زمانہ کیا کہلاتا ہے؟ زمانۂ جاہلیت، یعنی وہ کفار کا زمانہ ہے۔ تو وہ اگر جاہلیت والوں کی قسم پر ہوا، **كَالمَنْقُوشِ عَلَيْهِ الصَّنَمُ**، جیسے کہ اس پر صورت بنی ہوئی ہو بت کی، **فَفِيهِ الخُمُسُ عَلَى كُلِّ حَالٍ**، تو اس میں خمس ہو گا ہر حال میں، **لِمَا بَيَّنَّا**، اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی بھئی، کیونکہ یہ مالِ غنیمت ہے۔

ثُمَّ إِنْ وَجَدَهُ فِي أَرْضِ مُبَاحَةٍ فَأَرْبَعَةُ أَخْمَاسِهِ لِلْوَاجِدِ لِأَنَّهُ تَمَّ الإِحْرَازُ مِنْهُ۔ اور پھر اگر اس جاہلی خزانہ جو ہے اس کو کسی مباح زمین کے اندر پایا یعنی جو کسی کی مملوک نہیں ہے، **فَأَرْبَعَةُ أَخْمَاسِهِ لِلْوَاجِدِ**، تو اس کے چار خمس جو ہیں اس کو پانے والے کے ہیں جس کو یہ ملی ہے، **لِأَنَّهُ تَمَّ الإِحْرَازُ مِنْهُ**، اس لیے کیونکہ احراز اس کی طرف سے پورا ہوا ہے۔ **أَحْرَزَ يُحْرِزُ إِحْرَاز** کا معنی ہے جمع کرنا، محفوظ کرنا۔ اس لیے کیونکہ محفوظ کرنا کس کی طرف سے پایا گیا؟ جمع کرنا اور محفوظ کرنا اس آدمی کی طرف سے پایا گیا ہے، اس نے اس کو محفوظ کر لیا، اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ معنی ہے **لِأَنَّهُ تَمَّ الإِحْرَازُ مِنْهُ**، اس لیے کیونکہ جمع کرنا اس کی طرف سے ہے، **إِذْ لَا عِلْمَ بِهِ لِلْغَانِمِينَ**، اس لیے کیونکہ غانمین کو تو اس کا پتہ ہی نہیں تھا، مجاہدین اور بھئی جاہلی خزانہ ہے کہاں سے ملا؟ زمین میں اور مباح زمین میں سے ملا ہے، تو اس صورت میں اس صورت میں پھر وہی جو پہلے شروع میں بیان ہوا تھا کہ اس علاقے کو فتح کس نے کیا؟ مجاہدین نے، تو ظاہری قبضہ ان کا، تو جب ظاہری قبضہ ان کا تو حکمی قبضہ بھی ان کا، لیکن حقیقی قبضہ ان کا نہیں بھئی کیونکہ ان کو تو اس کے بارے میں پتہ ہی نہیں تھا بھئی، تو اس لیے اس میں باقی چار حصے اس پانے والے کے ہیں۔ **إِذْ لَا عِلْمَ بِهِ لِلْغَانِمِينَ**، اس لیے کیونکہ غنیمت والوں کو تو اس کا علم ہی نہیں تھا یعنی غازیوں کو، **فَيَخْتَصُّ هُوَ بِهِ**، تو یہی پانے والا اس کے ساتھ خاص ہو گا، یہ اسی کا ہو گا، چار خمس اس کے ہوں گے۔

وَإِنْ وَجَدَهُ فِي أَرْضِ مَمْلُوكَةٍ فَكَذَا الحُكْمُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ۔ اور اگر اس کو کسی مملوکہ زمین کے اندر پایا، کس کے اندر؟ کسی مملوکہ زمین کے اندر پایا، کسی بھی مملوکہ زمین میں، چاہے خود مالک ہو چاہے کوئی اور مالک، تو جب مملوکہ زمین میں پایا، **فَكَذَا الحُكْمُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ**، تو اسی طرح حکم ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، یعنی ایک خمس دینا پڑے گا، وہ فقراء وغیرہ کا حصہ ہو گیا وہ، اور باقی چار خمس پانے والے کے۔ دلیل امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہتے ہیں: **لِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ بِتَمَامِ الحِيَازَةِ وَهُوَ مِنْهُ**، اس لیے کیونکہ مستحق ہونا وہ حفاظت کے پورا ہونے سے ہو گا اور وہ حفاظت کرنا وہ کس کی طرف سے ہے؟ وہ اس پانے اس نے کیا کیا؟ اس مال کو محفوظ کیا، اس کو جمع کر لیا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ هُوَ لِلْمُخْتَطِّ لَهُ وَهُوَ الَّذِي مَلَّكَهُ الإِمَامُ هَذِهِ البُقْعَةَ أَوَّلَ الفَتْحِ۔ بھئی اگر مملوکہ زمین کے اندر کیا پا لیا؟ خزانہ پا لیا، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ خمس دینا پڑے گا، وہ فقراء کا حق ہے اور باقی چار خمس ہاں پانے والے کے ہیں، اس لیے کیونکہ مستحق ہونا وہ محفوظ کرنے حفاظت کو پورا کرنے کے اعتبار سے ہو گا اور محفوظ کرنا اور حفاظت کرنا اور جمع کرنا کس کی طرف سے پایا گیا؟ اس آدمی کی طرف سے۔ جبکہ طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مختط لہٗ کے لیے ہو گا، یہ حصہ اس کا نہیں ہو گا پانے والے کا بلکہ کس کا ہو گا؟ مختط لہ کا ہو گا۔ بھئی مختط لہ کون ہے؟ کہتے ہیں مختط لہٗ وہ شخص ہے جس کو خلیفہ نے، امام المسلمین نے بالکل ابتداء کے اندر اس زمین کا مالک بنایا تھا۔ مجاہدین نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا تھا، اس کو فتح کر لیا تھا، تو پھر خلیفہ نے جب زمینیں تقسیم کیں تو اس زمین کا مالک جس مسلمان کو بنایا تھا، یہ یہ خزانہ اسی کا ہو گا بھئی، یہ خزانہ اسی کا ہو گا یعنی اس میں سے خمس دینا پڑے گا اور باقی چار حصے اس کے ہو جائیں گے بھئی، چار حصے، اور بھئی اس کو تو مرے ہوئے عرصہ ہو چکا ہے تو بھئی اس کے وارث یا وارثوں کے وارث یا وارثوں کے وارثوں کے آگے جو وارث جو بھی ہوں ان کو دینا پڑے گا بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ هُوَ لِلْمُخْتَطِّ لَهُ**، **مُخْتَطّ** میں یہ طاء جو آخر میں آ رہی ہے طاء، یہ مشدد ہے، تو وہ مختط لہٗ کے لیے ہو گا، **وَهُوَ الَّذِي مَلَّكَهُ الإِمَامُ هَذِهِ البُقْعَةَ أَوَّلَ الفَتْحِ**، اور وہ یہ وہ شخص ہے جس کو امام نے مالک بنایا ہو اس جگہ کا، اس ٹکڑے کا، **أَوَّلَ الفَتْحِ**، اول فتح میں، ابتدائے فتح میں۔ **لِأَنَّهُ سَبَقَتْ يَدُهُ إِلَيْهِ**، اس لیے کیونکہ اس کا ہاتھ اس کی طرف سبقت، اس کا قبضہ اس کی طرف پہلے پہنچ چکا ہے، وہ اس کے قبضے میں یہ زمین ہے، **وَهِيَ يَدُ الخُصُوصِ فَيَمْلِكُ بِهِ مَا فِي البَاطِنِ**، اور وہ یدِ خصوص تھا، خاص قبضہ تھا، بھئی یاد رکھیے ایک ہے عام قبضہ، ایک ہے خاص قبضہ۔ مجاہدین نے جب علاقے کو فتح کیا تو اس میں کسی خاص آدمی کا قبضہ آیا یا تمام مجاہدین کا قبضہ آیا؟ تمام مجاہد، تو یہ ہے عام قبضہ، عام قبضہ۔ اور ایک ہے خاص قبضہ، خاص قبضہ جو کسی متعین فرد کا مثلاً ہوتا ہے، متعین فرد کا۔ اور عام قبضہ جب پایا جائے ظاہر پر، عام قبضہ جب ہو جائے کسی علاقے پر، تو جو چیزیں اس جگہ کے باطن میں ہیں، جو اندر چھپی ہوئی ہیں مثلاً خزانہ ہے یا کان ہے، تو اس پر حکماً قبضہ آتا ہے، حقیقتاً نہیں۔ حقیقتاً کب آئے گا؟ جب ان کو پتہ چل جائے اور اس پر باقاعدہ قبضہ کریں مجاہدین وغیرہ، پھر تو حقیقتاً آئے گا، لیکن ویسے کون سا قبضہ آئے گا؟ صرف حکمی قبضہ آئے گا، حکمی قبضہ۔ تو جو عام قبضہ ہوتا ہے اس کے اندر اس کے اندر حقیقی قبضہ باطنی چیزوں پر نہیں آتا بلکہ صرف کون سا قبضہ

آتا ہے؟ حکمی قبضہ۔ لیکن اگر قبضہ خاص ہو کسی متعین فرد کا قبضہ ہے، تو جب اس کا قبضہ ظاہر پر آجائے تو باطن پر بھی اس کا قبضہ آجاتا ہے۔ عام قبضہ جب ظاہر پر آیا تو باطن پر قبضہ نہیں آتا، اسی لیے ہم نے کیا کہا تھا؟ زمین کے اندر سے جو کان نکلی ہے اس پر مجاہدین کا حکماً قبضہ ہے، حقیقی قبضہ نہیں، کیونکہ ان کو تو پتہ ہی نہیں تھا، یہ تو مال اندر چھپا ہوا تھا۔ لیکن اگر قبضہ خاص ہو کسی فرد کا تو جب اس کا قبضہ ظاہری زمین پر آتا ہے تو اس زمین کے جو اندر ہوتا ہے اس پر بھی اس کا قبضہ آجاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو اس پر بھی اس کا قبضہ آجاتا ہے، وہ صرف ظاہر کا مالک نہیں بنتا بلکہ اس زمین کے جو اندر ہوتا ہے اس کا بھی مالک بن جاتا ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا بھئی؟

یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں یہ جو خزانہ ملا تو طرفین فرماتے ہیں یہ اس شخص کا ہوگا جس کو امام نے یہ زمین پہلے دی تھی، چاہے اس کی اپنی زمین میں ملا ہے خزانہ، جاہلی خزانہ ہے، چاہے کسی اور کی زمین میں ملا، اس کا مالک کون ہے طرفین کے نزدیک؟ جس کو امام نے، امام المسلمین نے شروع میں یہ زمین دی تھی، کیونکہ اس کا قبضہ ظاہر پر آگیا تھا، ظاہری زمین جب دے دی تو ظاہر پر آیا قبضہ یا نہیں آیا؟ ظاہری زمین تو اس کے قبضے میں آگئی، لیکن یہ باطنی اندر والا حصہ جو ہے کیا اس پر اس کا قبضہ آئے گا یا نہیں آئے گا؟ تو کہتے ہیں بھئی یہ قبضہ خاص ہے، قبضہ عام نہیں، اور قبضہ خاص جب ظاہر پر آتا ہے تو باطن پر بھی آجاتا ہے، لہٰذا یہ چیز بھی اس کے قبضے میں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا اس کو دیں گے۔

یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ سَبَقَتْ يَدُهُ إِلَيْهِ**، اس لیے کیونکہ محتطہ لہٗ کا قبضہ اس کی طرف سبقت کر گیا، **وَهِيَ يَدُ الْخُصُوصِ**، اور یہ خاص قبضہ ہے، **فَيَمْلِكُ بِهِ مَا فِي الْبَاطِنِ**، تو اس قبضے کے ذریعے وہ مالک بن جائے گا اس چیز کا بھی جو زمین کے باطن میں ہے، اندر ہے، **وَإِنْ كَانَتْ عَلَى الظَّاهِرِ**، اگرچہ قبضہ اس کا صرف کس پر ہے؟ ظاہر پر، لیکن باطن کا بھی مالک بن جائے گا، **كَمَنِ اصْطَادَ سَمَكَةً فِي بَطْنِهَا دُرَّةٌ**، جیسے کہ وہ شخص جس نے جو کوئی کسی مچھلی کو شکار کرے ایسی مچھلی **فِي بَطْنِهَا دُرَّةٌ**، جس کے پیٹ میں موتی ہو موتی۔ بھئی یاد رکھیے شکار شکار حلال ہے اور جس شخص کے قبضے میں وہ جانور آجائے گا وہی اس کا مالک ہے۔ اب مثلاً ایک شخص نے مثلاً ایک مچھلی شکار کی اور مچھلی کے پیٹ میں کیا ہے؟ موتی ہے، تو اس مچھلی پر اس آدمی کا قبضہ آیا، لیکن قبضہ ظاہر پر آیا صرف یا باطن پر بھی آگیا؟ باطن پر بھی آگیا کیونکہ یہ خاص قبضہ ہے اس آدمی کا، عام قبضہ نہیں، اور وہ باطن پر بھی آگیا، لہٰذا یہ موتی کا بھی مالک بن گیا۔ لیکن اس کو پتہ نہیں کہ اس کے پیٹ میں موتی ہے، اس نے اسی طرح مچھلی آگے فروخت کر دی، فروخت کر دی، اور اس اگلے شخص نے پھر جب مچھلی کو کاٹا تو اس میں سے وہ موتی نکل آیا، تو یہ موتی جس نے اس کو مچھلی بیچی تھی اس کا ہے، اس کو لوٹانا پڑے گا بھئی، کیونکہ وہ قبضہ کس قسم کا تھا؟ خاص قبضہ تھا، جب ظاہر پر آیا تھا تو باطن پر بھی آگیا، تو یہ باطن کی چیز بھی اس کی ہے، تو اس نے اس کو مچھلی بیچی ہے، موتی تو نہیں بیچا، لہٰذا موتی کا ابھی بھی وہی مالک ہے، لوٹانا پڑے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ یہ معنی ہے: **كَمَنِ اصْطَادَ سَمَكَةً فِي بَطْنِهَا دُرَّةٌ**، جیسے کہ وہ شخص جو شکار کر لے ایسی مچھلی کو جس کے پیٹ میں موتی ہو۔ تو یہ مسئلہ بھی اسی کی طرح ہے۔

ثُمَّ بِالبَيْعِ لَمْ يَخْرُجْ عَنْ مِلْكِهِ، پھر بیچنے سے یہ اس کی ملکیت سے نہیں نکلتا، **لِأَنَّهُ مُودَعٌ فِيهَا**، اس لیے کیونکہ یہ اس کے اندر امانت رکھا گیا ہے۔ بھئی یہ اب موتی کی بات نہیں چل رہی بلکہ یہ اسی پھر رکاز یا کنز کی بات چل رہی ہے، کس کی؟ کیونکہ **دُرَّةٌ** موتی، **دُرَّةٌ** یہ تو مؤنث ہے اور آگے مؤنث کی ضمیریں نہیں لوٹا رہے: **لَمْ يَخْرُجْ**، کون سی ضمیر لوٹائی؟ مذکر کی، **لِأَنَّهُ مُودَعٌ فِيهَا**، **لِأَنَّهُ** یہ کون سی ضمیر لوٹائی؟ مذکر کی، تو معلوم ہوا یہ وہ کنز یا رکاز کی بات کر رہے ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وہ مچھلی اور موتی والی بات پوری ہو گئی بس۔ **ثُمَّ بِالبَيْعِ**، پھر بیچنے سے، **لَمْ يَخْرُجْ عَنْ مِلْكِهِ**، یہ خزانہ یا یہ رکاز اس کے محتطہ لہٗ کی ملک سے نہیں نکلا۔ اس نے کیا کیا تھا؟ خلیفہ نے اس کے حوالے کر دی تھی، بے شک اس نے کسی کو یہ زمین بیچ دی ہو، بیچنے سے بھی وہ خزانہ اس کی ملک سے نہیں نکلا، **لِأَنَّهُ مُودَعٌ فِيهَا**، اس لیے کیونکہ یہ خزانہ اس کے اندر بطور امانت رکھا ہوا ہے، تو یہ اس کا مالک ہے، تو اس نے صرف زمین بیچی ہے، خزانہ نہیں بیچا۔

بِخِلَافِ المَعْدِنِ، بخلاف کس کے؟ معدن کے، کان کے، **لِأَنَّهُ مِنْ أَجْزَائِهَا فَيَنْتَقِلُ إِلَى المُشْتَرِي**، اس لیے کیونکہ وہ زمین کے اجزاء میں سے ہے تو وہ منتقل ہو جاتی ہے مشتری کی طرف۔ بھئی یاد رکھیے زمین بیچی اس محتطہ لہٗ نے، کس نے؟ محتطہ لہٗ نے، اور اس میں کیا موجود تھا؟ خزانہ، اور خزانہ آج نکلا ہے، لیکن یہ قبضہ کس قسم کا تھا؟ خاص۔ جب ظاہر پر قبضہ آیا تو باطن پر بھی قبضہ آگیا، تو یہ اس کا کیا بن گیا؟ محتطہ لہٗ اس کا مالک ہوا، اس کے بعد اس کے چاہے اس نے یا اس کے وارثوں نے زمین بیچی لیکن انہوں نے زمین بیچی ہے اور یہ خزانہ یہ تو زمین کے اندر ایک الگ چیز پڑی ہوئی ہے، زمین بیچنے سے اس کا بیچنا لازم نہیں آتا، لہٰذا اس کے ابھی بھی وہی مالک ہیں۔ لیکن اگر اس نے زمین بیچی تھی، بعد میں کسی یا یوں کہیں آج کل کسی زمین میں سے کان نکل آتی ہے، کیا نکل آتی ہے؟ کان، تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہ کان بھی محتطہ لہٗ کی ہے۔ بھئی کیوں نہیں محتطہ لہٗ کی؟ کہ ابھی آپ نے ہمیں ضابطہ بتلا دیا کہ جب ظاہر پر قبضہ خاص آئے تو باطن پر بھی وہ قبضہ آجاتا ہے، تو کہتے ہیں بھئی ٹھیک ہے، قبضہ خاص ظاہر کے ساتھ ساتھ کس پر آجاتا ہے؟ باطن پر بھی آجاتا ہے، لیکن یہ کان کی بات ہو رہی ہے اور کان کس کے اجزاء میں سے ہے؟ زمین کے اجزاء میں سے ہے، کوئی الگ چیز نہیں، جب الگ چیز نہیں تو جب اس نے زمین کو بیچا تو کان تو وہ کان بھی ساتھ ہی بک گئی کیونکہ وہ کس کے اجزاء میں سے؟ اور زمین کو اس نے سارے اجزاء سمیت بیچا ہے یا نہیں بیچا؟ اس نے زمین کو سارے اجزاء سمیت، جبکہ خزانہ تو ایک بالکل الگ چیز اس کے اندر رکھی ہوئی تھی تو دونوں میں فرق ہے۔ تو زمین بیچنے سے کان بھی بک گئی، وہ دوسرا مشتری اس کا مالک بن گیا، لیکن خزانہ ہے وہ زمین کو بیچنے سے وہ مشتری اس کا مالک نہیں ہوا۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ المَعْدِنِ لِأَنَّهُ مِنْ أَجْزَائِهَا فَيَنْتَقِلُ إِلَى المُشْتَرِي**، بخلاف کان کے، اس لیے کیونکہ وہ زمین کے اجزاء میں سے ہے، تو وہ منتقل

ہو جاتی ہے خریدار کی طرف۔ **وَإِنْ لَمْ يُعْرَفِ الْمُخْتَطُّ لَهُ يُصْرَفُ إِلَى أَقْصَى مَالِكٍ يُعْرَفُ فِي الْإِسْلَامِ عَلَى مَا قَالُوا۔** اچھا بھئی، طرفین کے نزدیک یہ جو خزانہ نکلا ہے جاہلی خزانہ، یہ اس کا مالک کون ہے؟ محتطلہ ہے، اگر محتطلہ کا پتہ ہی نہیں، بڑا عرصہ گزر گیا، بڑے سال گزر گئے، سینکڑوں سال، کہ کس کو دی تھی ابتدائً جب پتہ کی اس علاقے کو فتح کیا گیا تھا تو کس مسلمان کو ملی تھی؟ تو کہتے ہیں اگر محتطلہ کا پتہ نہیں تو پھر جو آخری مالک کا پتہ چلتا ہے اوپر کی طرف مسلمانوں میں سے، اس کو وہ اس کا مالک ہو گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ دادا، پردادا، لکڑدادا، اس سے اوپر جس آخری مسلمانوں کا میں سے آخری کا پتہ چلتا ہے وہ کیا ہو گا؟ اس کا مالک ہو گا کیونکہ اس سے پیچھے کا تو ہمیں پتہ ہی نہیں چل سکا کوشش کے باوجود بھئی۔ تو یہ معنی ہے: **وَإِنْ لَمْ يُعْرَفِ الْمُخْتَطُّ لَهُ**، اور اگر محتطلہ کا پتہ محتطلہ معلوم نہ ہو، **يُصْرَفُ إِلَى أَقْصَى مَالِكٍ**، تو اس کو پھیرا جائے گا آخری مالک کی طرف، **يُعْرَفُ فِي الْإِسْلَامِ**، جو معلوم ہے اسلام کے اندر، **عَلَى مَا قَالُوا**، بوجہ اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے۔

وَلَوِ اشْتَبَهَ الضَّرْبُ، اور اگر ضرب جو ہے، قسم مشتبہ ہو گئی، یعنی یا تو کوئی نشانی نہیں یا نشانی مشتبہ ہے، پتہ ہی نہیں چل رہا یہ کس کا ہے، مسلمانوں نے دفنایا ہے یا کفار نے، جاہلی ہے؟ تو پھر کہتے ہیں اس صورت میں اس کو جاہلی ہی شمار کیا جائے گا۔ کیا شمار کیا جائے گا؟ جاہلی ہی شمار کیا جائے گا۔ یہ معنی ہے: **وَلَوِ اشْتَبَهَ الضَّرْبُ يُجْعَلُ جَاهِلِيًّا**، اور اگر مشتبہ ہو گئی قسم، تو اس کو جاہلی شمار جاہلی قرار دیا جائے گا، **فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ لِأَنَّهُ الْأَصْلُ**، ظاہر مذہب میں، کیونکہ وہی اصل ہے، اصل یہی ہے کہ جاہلی ہی ہو گا۔ **وَقِيلَ يُجْعَلُ إِسْلَامِيًّا فِي زَمَانِنَا**، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اور کہا گیا ہے کہ اس کو ہمارے زمانے میں اسلامی قرار دیا جائے گا کہ یہ خزانہ کس نے دفن کیا ہے؟ کسی مسلمان نے۔ بھئی کیوں؟ کہتے ہیں: **لِتَقَادُمِ الْعَهْدِ**، زمانے کے پرانا ہو جانے کی وجہ سے، یعنی اسلام کا زمانہ پرانا ہو چکا ہے، اسلام کو آئے ہوئے بھی سینکڑوں سال گزر چکے ہیں، تو اب کیا قرار دیا جائے گا اس کو؟ اسلامی ہی قرار دیا جائے گا، اور اسلامی ہے تو پھر یہ لقطے کے حکم میں ہے اور اس کے مالک کا پتہ چلانے کی کوشش کی جائے گی۔

وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَوَجَدَ فِي دَارٍ بَعْضِهِمْ رِكَازًا رَدَّهُ عَلَيْهِمْ۔ مسئلہ یہ بھئی: ایک مسلمان دار الحرب گیا امان لے کر، امان لے کر، اور وہاں کسی گھر میں وہ رہنے لگا اور وہاں اس گھر کے اندر بھئی اس کو رکاز ملا، کیا ملا؟ کیا معنی؟ دونوں دونوں مراد ہیں، یہاں رکاز کا اطلاق کیا ہوتا ہے؟ دونوں پر ہوتا ہے۔ ماقبل میں رکاز کا معنی صاحبِ ہدایہ نے کنز کے ساتھ کیا تھا کیونکہ معدن کی بات پیچھے گزر گئی تھی، اس لیے وہاں بتلایا رکاز سے کیا مراد ہے؟ کنز مراد ہے۔ اور یہاں پر دار الحرب گیا ہے اور وہاں گھر میں کیا ملا؟ رکاز، تو یہاں تو معدن کی دونوں کی اکٹھی بات کر رہے ہیں، دونوں کا بیان کر رہے ہیں۔ تو اس گھر کے اندر اس کو کوئی کان مل گئی یا کوئی خزانہ مل گیا، تو کیا یہ اس کا ہوا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، یہ جو گھر کا مالک ہے اس کو دے دے گا، اس پر رد کر دے گا، اس کو لوٹا دے گا، کیونکہ اس کا قبضہ کس قسم کا ہے؟ قبضہ خاص ہے، اور قبضہ خاص سے انسان ظاہر کے ساتھ ساتھ کس کا مالک بن جاتا ہے؟ باطن کا بھی مالک بن جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ**، اور جو شخص دار الحرب میں جو مسلمان دار الحرب میں داخل ہوا، **بِأَمَانٍ**، امان کے ساتھ، **فَوَجَدَ فِي دَارِ بَعْضِهِمْ رِكَازًا**، تو اس نے ان میں سے کسی کے گھر کے اندر رکاز پایا، یعنی چاہے کان ہو یا خزانہ، **رَدَّهُ عَلَيْهِمْ**، تو اس پر اس کو ان پر لوٹا دے گا، **تَحَرُّزًا عَنِ الْغَدْرِ**، دھوکے سے بچنے کے لیے، عہد شکنی سے بچنے کے لیے، **لِأَنَّ مَا فِي الدَّارِ فِي يَدِ صَاحِبِهَا خُصُوصًا**، اس لیے کیونکہ وہ جو کچھ گھر کے اندر ہے وہ اس گھر کے مالک کے قبضے میں ہے خصوصاً خاص طور پر، کیونکہ یہ قبضہ کون سا ہے؟ قبضہ خاص ہے، تو لہٰذا یہ دھوکہ ہو گا کہ اس کی چیز لے لے بھئی۔

وَإِنْ وَجَدَهُ فِي الصَّحْرَاءِ فَهُوَ لَهُ، اور اگر اس نے اس رکاز کو صحرا میں پایا، دار الحرب میں کہاں پر؟ صحرا کے اندر، **فَهُوَ لَهُ**، تو پھر وہ اسی مسلمان کا ہے جو امان لے کر گیا۔ **لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِ أَحَدٍ عَلَى الْخُصُوصِ**، اس لیے کیونکہ یہ کان یا خزانہ کسی کے قبضے میں نہیں تھا علی الخصوص، خاص طور پر، کسی کے قبضہ خاص میں یہ نہیں تھا، **فَلَا يُعَدُّ غَدْرًا**، لہٰذا اس کو دھوکہ شمار نہیں کیا جائے گا، **وَلَا شَيْءَ فِيهِ**، یا یوں کہیں اس کو عہد شکنی شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جب یہ امان لے کر گیا ہے امان لے کر، تو گویا اس نے کیا وعدہ کیا ہے کہ ان لوگوں کے جان و مال میں کسی کو نقصان نہیں دے گا بھئی، تو لہٰذا لیکن اگر اس کو صحرا میں ملا پھر تو کسی کا قبضہ نہیں، تو اس صورت میں اس میں کوئی عہد شکنی نہیں ہے۔ یہ معنی ہے: **فَلَا يُعَدُّ غَدْرًا**، تو اس کو غدر شمار نہیں کیا جائے گا، **وَلَا شَيْءَ فِيهِ**، اور اس کے اندر کوئی چیز بھی واجب نہیں ہو گی یعنی خمس بھی نہیں ہو گا، اس میں کوئی بھئی خمس کیوں نہیں واجب ہو گا اس کے اندر؟ کہتے ہیں بھئی خمس اس مال میں واجب ہوتا ہے جو بطور غنیمت کے مسلمانوں کو ملتا ہے، اور غنیمت مسلمانوں کو کس طرح ملتی ہے؟ زور بازو سے اور قوت سے اور فتح کے بعد ملتی ہے یا نہیں ملتی بھئی؟ فتح، تو وہاں زبردستی ہوتی ہے اور اپنی قوت کے ذریعے ان سے وہ چیز کفار سے چھینی جاتی ہے تو اس کے اندر خمس، اور یہاں تو اس نے جو مال اس کو ملا ہے وہ خفیہ طور پر حاصل کیا ہے، لہٰذا یہ غنیمت کے حکم میں نہیں۔ جب خفیہ طور پر لیا، غنیمت کے حکم میں نہیں، تو اس میں خمس بھی واجب نہیں ہو گا۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمُتَلَصِّصِ غَيْرِ مُجَاهِرٍ**، اس لیے کیونکہ یہ شخص جو ہے متلصص کے، خفیہ طور پر لینے والے کے درجے میں ہوا۔ **لِصّ** کہتے ہیں **لِصّ** عربی میں چور کو کہتے ہیں، کس کو؟ چور، چور بھی کیا کرتا ہے؟ خفیہ طور پر دوسرے کا مال لے جاتا ہے۔ تو یہ شخص بھی متلصص کے درجے میں ہوا یعنی خفیہ طور پر مال لینے والے کے درجے میں ہوا، **غَيْرِ مُجَاهِرٍ**، نہ کہ اعلانیہ طور پر، نہ کہ اعلانیہ طور پر مال لینے والا نہیں ہے، اگر اعلانیہ طور پر یہ مال لینے والا ہو تا زبردستی، تو پھر اس صورت میں اس میں خمس آنا تھا۔

وَلَيْسَ فِي الفَيْرُوزَجِ الَّذِي يُوجَدُ فِي الجِبَالِ خُمْسٌ۔ اور فیروزج یعنی فیروزہ بھئی، یہ قیمتی پتھر جو پہاڑوں سے نکلتے ہیں، تو یہ مختلف قسمیں ہیں: یاقوت ہے، زمرد ہے، فیروزہ وغیرہ، یہ قیمتی پتھر ہیں۔ تو ان کے اندر خمس نہیں ہے۔ کہتے ہیں: **وَلَيْسَ فِي الفَيْرُوزَجِ الَّذِي يُوجَدُ فِي الجِبَالِ خُمْسٌ،** اور وہ فیروزہ جو پہاڑوں میں پایا جائے اس میں خمس نہیں ہے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَا خُمْسَ فِي الحَجَرِ»،** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ آپ نے کیا فرمایا: پتھر کے اندر خمس نہیں، اور یہ یاقوت اور زمرد اور فیروزہ وغیرہ یہ کیا ہیں؟ یہ پتھر ہی ہیں۔

وَفِي الزِّئْبَقِ الخُمْسُ، زئبق کہتے ہیں پارے کو بھئی، پارہ۔ پارہ جانتے ہیں یا نہیں؟ بھئی یہ تھرمامیٹر جس کے ذریعے بخار کو ڈاکٹر چیک کرتے ہیں، اس میں یہ پارہ بھرا ہوتا ہے جو حرارت سے پھیلتا ہے اور اس کے لیے پھر ڈاکٹر بتلاتا ہے کہ کسی کو بخار ہے یا بخار نہیں، تو یہ پارہ ہوتا ہے اور یہ یعنی مائع چیز ہے، مائع چیز بھئی، بہنے والی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس کے اندر خمس ہوگا یا نہیں؟ تو کہتے ہیں بھئی اس کے اندر خمس واجب ہے، امام یہ امام صاحب کا آخری قول ہے۔ کہتے ہیں: **وَفِي الزِّئْبَقِ الخُمْسُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ آخِرًا،** اور پارے کے اندر خمس ہے امام صاحب کے آخری قول میں، **وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ،** اور یہی قول امام محمد رحمہ اللہ کا بھی ہے، **خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ،** بخلاف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے، ان کے نزدیک اس میں نہیں ہے۔

وَلَا خُمْسَ فِي اللُّؤْلُؤِ وَالعَنْبَرِ۔ لؤلؤ بھئی موتی، اور عنبر، عنبر یاد رکھیے یہ سمندر سے ایک چیز نکلتی ہے، ٹھوس، سخت چیز ہوتی ہے، بعض اوقات سمندر اس کو کنارے پر پھینک دیتا ہے، تو یہ ٹھوس چیز ہوتی ہے اور اس کو باریک پیسا جائے تو یہ خوشبو دینے لگتی ہے، مہکنے لگتی ہے، یا اسی طرح اس کو آگ پر ڈالیں تو اس سے بھی خوشبودار دھواں پھر بنتا ہے اور خوشبو کے طور پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور پھر یہ اصل میں کیا ہے؟ تو اس میں مختلف اقوال ہیں بھئی، بعض کہتے ہیں کہ یہ سمندر کے اندر کوئی خاص پودا ہے پودا، یہ اس کا حصہ ہوتا ہے یہ، یہ جو عنبر ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ بعض سمندری جانور ہے یا مچھلی وغیرہ ہے، ان کے پیٹ سے یہ نکلتا ہے، تو یہ عنبر جو ہے ان کے پیٹ سے نکلتا ہے بھئی۔ تو اس میں خمس ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، موتی اور عنبر کے اندر خمس نہیں ہے۔

کہتے ہیں: **وَلَا خُمْسَ فِي اللُّؤْلُؤِ وَالعَنْبَرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا** اللهُ، اور موتیوں اور عنبر کے اندر خمس نہیں ہے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک، **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ فِيهِمَا وَفِي كُلِّ حِلْيَةٍ تَخْرُجُ مِنَ البَحْرِ خُمْسٌ،** امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں میں بھی یعنی موتی اور عنبر جو ہیں ان میں بھی، **وَفِي كُلِّ حِلْيَةٍ،** اور اسی طرح ہر زیور جو ہے، **تَخْرُجُ مِنَ البَحْرِ،** جو کس سے نکلے؟ سمندر سے نکلے، **خُمْسٌ،** اس میں خمس ہے، **لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَخَذَ الخُمْسَ مِنَ العَنْبَرِ،** دلیل ان کی یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خمس لیا تھا عنبر میں سے، خمس لیا تھا عنبر میں سے، عنبر ملا تھا بعض لوگوں کو، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں سے پھر خمس لیا، تو یہ دلیل ہے کس کی؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی۔

وَلَهُمَا، طرفین کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ قَعْرَ البَحْرِ لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ القَهْرُ، قَعْر** کہتے ہیں گہرائی کو، گہرائی کو۔ طرفین فرماتے ہیں کہ سمندر کی جو گہرائی ہے **لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ القَهْرُ،** قہر کہتے ہیں زبردستی کو، اس پر زبردستی نہیں ہو سکتی، زبردستی اس پر وارد، یعنی اس پر زبردستی قبضہ کوئی نہیں کر سکتا، بھئی گہرائی ہے، گہرائی تک کون پہنچ سکتا ہے؟ ظاہر پر تو قبضہ ہو سکتا ہے لیکن گہرائی پر قبضہ نہیں، اور غنیمت اور یہ خمس کس مال کے اندر واجب ہوتا ہے؟ جس کو زبردستی جس پر قبضہ کیا گیا ہو جس مال پر، اس میں کیا واجب ہوتا ہے؟ خمس، اور سمندر کی گہرائی سے یہ عنبر اور موتی نکلتے ہیں، اور سمندر کی گہرائی پر زبردستی قبضہ ہو سکتا ہے؟ جب وہاں کسی کی زبردستی چل نہیں سکتی تو یہ جس سے جو مال نکلے گا وہ غنیمت کے حکم میں نہیں، جب غنیمت کے حکم میں نہیں تو اس میں خمس بھی واجب نہیں۔ یہ معنی ہے: **وَلَهُمَا أَنَّ قَعْرَ البَحْرِ لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ القَهْرُ،** اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سمندر کی جو گہرائی ہے اس پر زبردستی نہیں ہو سکتی، **فَلَا يَكُونُ المَأْخُوذُ مِنْهُ غَنِيمَةً،** تو اس سے جو لیا جائے، اس میں سے جو نکالا جائے وہ غنیمت نہیں ہوگا، **وَإِنْ كَانَ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً،** اگرچہ وہ سونا یا چاندی ہی کیوں نہ ہو، وہ غنیمت نہیں ہے۔

وَالمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ فِيمَا دَسَرَهُ البَحْرُ، اور جواب بھی دے رہے ہیں طرفین کی طرف سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل کا، کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو خمس لیا تھا عنبر میں سے، یہ وہ عنبر تھا جو سمندر کی گہرائی سے نہیں نکالا گیا تھا بلکہ سمندر نے خود اس کو کنارے پر پھینک دیا تھا، لہروں کے ساتھ کہاں پر آ گیا تھا؟ کنارے پر آ گیا تھا، تو یہ اس کے اندر ہے، اس کے اندر حضرت عمر نے خمس لیا تھا، کون فرما رہے ہیں؟ طرفین، کس کی دلیل کا جواب دے رہے ہیں؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ، کہ یہ عام عنبر نہیں تھا جو سمندر کی گہرائی سے نکالا گیا، اور سمندر کی گہرائی پر میں جو نکلے گا اس میں کچھ نہیں، بلکہ یہ وہ عنبر تھا جس کو سمندر نے کنارے پر پھینک دیا تھا، لہروں کے ساتھ کنارے پر آ گیا تھا، اور اس طرح جو کنارے پر جو ملے اس میں تو ہم بھی قائل ہیں، اس کے اندر کیا لیں گے؟ خمس لیں گے، ہاں جو اندر سے سمندر کے کوئی نکالتا ہے اس میں خمس نہیں، کیونکہ وہاں پر کسی کی زبردستی نہیں چلتی، تو وہاں اس کو زبردستی اس پر قبضہ بھی نہیں ہو سکتا، جب زبردستی قبضہ نہیں ہو سکتا تو اس میں جو نکلے گا وہ غنیمت نہیں، جب غنیمت نہیں تو اس کے اندر خمس بھی واجب نہیں، دلیل سمجھ میں آ گئی؟ تو وہ کہتے ہیں: **وَالمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ فِيمَا دَسَرَهُ البَحْرُ،** اور جو روایت کیا گیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، **فِيمَا،** یہ اس عنبر کے بارے میں ہے، **دَسَرَهُ البَحْرُ،** جس کو سمندر نے دھکیل دیا تھا یعنی سمندر نے باہر پھینک دیا تھا، **وَبِهِ نَقُولُ،** اور اسی اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ اس طرح جو سمندر باہر پھینکے اس کے اندر خمس دینا پڑے گا۔

مَتَاعٌ وُجِدَ رِكَازًا فَهُوَ لِلَّذِي وَجَدَ وَفِيهِ الخُمْسُ۔ بھئی پہلے تو صورت ذکر کر دی کہ کسی کو خزانہ زمین سے ملا، اس کے اندر تفصیل گزر گئی۔ اب خزانہ

نہیں ملا بلکہ کوئی سامان ملازمین کے اندر دفنایا ہوا، برتن وغیرہ یا اس طرح کی کوئی چیزیں مل گئیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں اس کے اندر بھی خمس ہو گا اور باقی پانے والے کا ہو گا، جس شخص کو مل گیا یعنی اس کا یہ بھی اسی کی طرح ہے۔ تو کہتے ہیں: **مَتَاعٌ وُجِدَ رِكَازًا**، ایسا سامان جس کو بطور رکاز کے پایا جائے، **فَهُوَ لِلَّذِي وَجَدَ**، تو یہ اسی شخص کے لیے ہو گا جس نے اس کو پایا ہے، **وَفِيهِ الْخُمُسُ**، اور اس کے اندر خمس ہو گا۔ **مَعْنَاهُ**، آگے صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ معنی اس کا یہ ہے کہ **وُجِدَ فِي أَرْضٍ لَا مَالِكَ لَهَا**، کہ یہ رکاز کس جگہ ملا ہے؟ ایسی زمین میں جس کا کوئی مالک نہیں ہے، تو پھر اس میں یہ پانے والے کا ہے اور اس میں کیا دیا جائے گا؟ خمس دیا جائے گا، **لِأَنَّهُ غَنِيمَةٌ بِمَنْزِلَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ**، اس لیے کیونکہ یہ بھی غنیمت ہے سونے اور چاندی کے درجے میں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جو ایسی زمین میں ملے جس کا کوئی مالک نہیں ہے، اور اگر مالک ہے تو پھر وہی تفصیل جو پیچھے بیان ہو چکی رکاز کے اندر بھئی، جی سمجھ میں آیا؟ تو کہتے ہیں یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ غَنِيمَةٌ بِمَنْزِلَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ**، اس لیے کیونکہ یہ غنیمت ہے سونے اور چاندی کے درجے میں، **وَاللهُ أَعْلَمُ**، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ چلیے بس **هَذَا هُوَ المَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۱۰۹: بَابُ زَكَاةِ الزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ

ہدایہ صفحہ: ۲۱۷ — بتاریخ: ۱۳ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ زَكَاةِ الزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: فِي قَلِيلِ مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ وَكَثِيرِهِ الْعُشْرُ، سَوَاءٌ سُقِيَ سَيْحًا أَوْ سَقَتْهُ السَّمَاءُ، إِلَّا الْقَصَبَ وَالْحَطَبَ وَالْحَشِيشَ. وَقَالَا: لَا يَجِبُ الْعُشْرُ إِلَّا فِيمَا لَهُ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ إِذَا بَلَغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ. [1]

■ بَابُ زَكَاةِ الزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ

بَابُ زَكَاةِ الزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ۔ زروع جمع ہے زرع کی اور زرع کہتے ہیں کھیتی کو اور فصل کو بھائی۔ اور ثمار جمع ہے ثمر کی، پھل کو کہتے ہیں۔ تو **بَابُ زَكَاةِ الزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ**، یہ باب ہے فصلوں اور پھلوں کی زکوۃ کے بیان میں۔ تو اس میں عشر کو بیان کریں گے اور عشر کیا ہے؟ یہ زکوۃ ہے بھائی پھلوں اور فصلوں کی۔

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: فِي قَلِيلِ مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ وَكَثِيرِهِ الْعُشْرُ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **فِي قَلِيلِ مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ**، وہ جس کو زمین اگائے، **مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ**، وہ جس کو زمین اگائے، وہ جس کو زمین پیدا کرے، یعنی زمین کی پیداوار۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں: **فِي قَلِيلِ مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ**، زمین کی تھوڑی پیداوار میں، **وَكَثِيرِهِ**، اور زیادہ پیداوار، دونوں کے اندر **الْعُشْرُ**، ان دونوں میں عشر واجب ہے بھائی۔

سَوَاءٌ سُقِيَ سَيْحًا أَوْ سَقَتْهُ السَّمَاءُ۔ سقیٰ کے معنی سیر اب کرنے کے۔ **سَوَاءٌ سُقِيَ**، برابر ہے کہ اس کو سیر اب کیا گیا ہو، **سَيْحًا**، سیح کہتے ہیں بہتے پانی کو بھائی، جاری پانی کو۔ برابر ہے کہ اس کو بہتے پانی کے ساتھ سیر اب کیا گیا ہو، یعنی دریا وغیرہ کے ذریعے، **أَوْ سَقَتْهُ السَّمَاءُ**، یا اس کو بارش نے سیر اب کیا ہو۔ سماء سے یہاں مراد بارش ہے بھائی۔ تو بارش بھی چونکہ اوپر کی طرف سے نازل ہوتی ہے آسمان کی طرف سے، تو اسی لیے بعض اوقات اس کو کیا کہہ دیا جاتا ہے؟ سماء کہہ دیا جاتا ہے۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں زمین کی پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ ہو اس کے اندر عشر واجب ہے، برابر ہے کہ چاہے اس کو بہتے پانی کے ساتھ، یعنی دریا کے پانی کے ساتھ سیر اب کیا گیا ہو یا اس کو بارش نے سیر اب کیا ہو۔

إِلَّا الْقَصَبَ وَالْحَطَبَ وَالْحَشِيشَ۔ إِلَّا الْقَصَبَ، قصب کہتے ہیں نرکل کو، نرکل، کانا، جس سے وہ قلم بناتے ہیں بھائی، بانس کی ایک قسم ہے باریک جو ہوتے ہیں اور اس سے قلم وغیرہ بنائے جاتے ہیں، قصب بھائی وہ ہے، نرکل، کانا۔ حطب بھائی، حطب جلانے کی لکڑی بھائی، جلانے کی لکڑی۔ اور حشیش کہتے ہیں گھاس کو بھائی، گھاس۔ تو زمین کی پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ اس کے اندر عشر واجب ہے چاہے اس کو بہتے پانی سے سیر اب کیا گیا ہو یا اس کو بارش نے سیر اب کیا ہو، **إِلَّا الْقَصَبَ وَالْحَطَبَ وَالْحَشِيشَ**، سوائے کانے کے، یوں کہیں سوائے نرکل کے اور جلانے والی لکڑی کے اور گھاس کے، کہ ان تینوں میں نہیں عشر واجب، باقی چیزوں کے اندر عشر واجب ہے۔

وَقَالَا: لَا يَجِبُ الْعُشْرُ إِلَّا فِيمَا لَهُ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ عشر واجب نہیں ہے مگر اس چیز کے اندر کہ جس کا پھل باقی رہتا ہو، **إِذَا بَلَغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ**، جب وہ پانچ وسق تک پہنچ جائے۔ صاحبین فرماتے ہیں، بھائی صاحبین دو شرطیں لگاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ جو پیداوار ہے، وہ جو پھل ہے، وہ جو چیز حاصل ہو رہی ہے، وہ باقی رہنے والی ہو، یعنی ایک سال تک، ایک سال تک وہ باقی رہنے والی ہو۔ لہٰذا اس سے یہ پھل وغیرہ سب نکل گئے، کیونکہ یہ ایک سال تک باقی نہیں رہتے، پھلوں کو آپ رکھیں چند دن میں خراب ہو جائیں گے۔ اسی طرح سبزیاں وغیرہ اور جو اس طرح کی چیزیں ہیں جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں، گل جاتی ہیں وہ سب

[1] شاملہ (ص ۱۴۶) میں «الْقَصَبَ وَالْحَطَبَ» کے بجائے «الحطب والقصب» درج ہے۔

نکل گئیں۔ اور کیا کیا رہ گئے؟ مثلاً گندم ہے، جو ہے، چاول ہے، دالیں ہیں، یہ چیزیں رہ گئیں کیونکہ یہ سال بھر تک آسانی سے محفوظ کر لی جاتی ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو صاحبین کے نزدیک ایک شرط یہ ہے کہ وہ پھل اور وہ چیز جو ہے، وہ دانے جو ہیں، وہ فصل جو ہے وہ سال بھر تک باقی رہنے والی ہو، خراب نہ ہوتی ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا وزن پانچ وسق ہو بھائی، پانچ وسق۔ تو پھر اس کے اندر اس کے اندر عشر آئے گا، ورنہ عشر اس کے اندر نہیں۔ اگر گلنے والی چیز ہے، خراب ہونے والی چیز ہے پھر بھی عشر نہیں، اور اگر محفوظ رہنے والی چیز ہے لیکن پانچ وسق سے کم کم ہے تو بھی اس کے اندر عشر واجب نہیں۔ تو دونوں شرطیں ضروری ہیں صاحبین کے نزدیک بھائی۔

وَالْوَسْقُ سِتُّونَ صَاعًا بِصَاعِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، اور وسق جو ہے وہ ساٹھ صاع کا ہے حضور علیہ السلام کے صاع کے ساتھ، یعنی وسق کی مقدار کتنی ہے؟ ساٹھ صاع ہے بھائی، ساٹھ صاع۔

اچھا بھائی، میں نے کچھ آپ کو ایک تو پیمائش کے پیمانے لکھوا دیے تھے بھائی کہ ایک انگریزی میل ہے، ایک شرعی میل ہے، اس کی تفصیل گزر گئی تھی۔ اور اسی طرح اوزان کچھ تھے وہ بھی ذکر کر دیے تھے کہ آٹھ چاول کے دانے ہوں تو یہ ایک رتی بنتی ہے اور آٹھ رتیاں ہوں تو یہ ایک ماشہ بنتا ہے وغیرہ۔ یہاں بھی کچھ اوزان اور کچھ جو یہ ماپنے کے آلے ہیں وہ لکھ لیجیے بھائی۔

سب سے پہلے تو یہاں صاع کا ذکر آیا بھائی، صاع۔ یہ میں پہلے بھی آپ کو بتلا چکا ہوں کہ صاع جو تھے وہ تین قسم کے صاع رائج تھے زمانۂ قدیم میں بھائی۔ تین قسم کے صاع رائج تھے۔ ایک صاع، صاعِ عراقی کہلاتا ہے، صاعِ عراقی، اور یہ برابر ہے آٹھ رطل کے۔ صاعِ عراقی برابر ہے آٹھ رطل کے۔ را، طا اور لام، ط ظ والی جو طا ہے، را، طا اور لام، رطل بھائی۔ صاعِ عراقی کتنا ہے؟ آٹھ رطل، اور اسی کے آگے لکھ دیجیے یہی صاعِ حنفی ہے، **عِنْدَ الْأَحْنَافِ** یہ ہے صاعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ دوسرا صاع جو ہے وہ صاعِ حجازی ہے۔ صاعِ حجازی، اور یہ برابر ہے پانچ رطل اور ثلثِ رطل کے۔ پانچ رطل اور ثلثِ رطل۔ یعنی پانچ پورے رطل اور چھٹے رطل کا تیسرا حصہ، اس کا ثلث بھائی، تو یہ کوئی سوا پانچ رطل سے تھوڑا سا زیادہ ہوا بھائی۔ اور تیسرا صاع ہے صاعِ ہاشمی۔ صاعِ ہاشمی، اور یہ برابر ہے بتیس رطل کے۔ یہ برابر ہے بتیس رطل کے۔

تو علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے، فقہاء کا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں کون سا صاع رائج تھا؟ کس کے ذریعے یہ چیزوں کو ماپا جاتا تھا؟ تو احناف کے نزدیک، فقہائے احناف کے نزدیک یہ صاعِ عراقی جو تھا یہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں رائج تھا اور یہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ تو اسی صاعِ عراقی کا دوسرا نام صاعِ حنفی بھی ہے کہ احناف کے نزدیک یہ ہے صاعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، تو اس لیے اس کو صاعِ حنفی بھی کہہ دیتے ہیں۔

اب رطل کا ذکر آیا بھائی، آگے لکھیے کہ ایک رطل برابر ہے پونے چونتیس تولے۔ پونے چونتیس تولے۔ بھائی یاد رکھیے پہلے جو میں نے آپ کو ایک دو چیزیں لکھوائی تھیں وہ ایک تو تھے پیمائشیں تھیں بھائی، کیا تھیں؟ پیمائشیں، کہ شرعی میل وغیرہ کس کو کہتے ہیں؟ یہ تفصیل غالباً کہاں گزری تھی؟ باب المسافر میں، باب المسافر میں غالباً یہ میں نے آپ کو لکھوائی تھیں بھائی۔ اور اسی طرح یہ زکوٰۃ کے باب میں ہی میں نے آپ کو اوزان بھی لکھوائے بھائی، اوزان بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تولہ کسے کہتے ہیں، ماشہ کسے کہتے ہیں، درہم کتنا ہوتا ہے، دینار کتنا ہوتا ہے۔ یہ جو اب پیمانے ذکر ہو رہے ہیں یہ تیسری قسم ہے پیمانوں کی جس میں چیز کی مقدار ماپی جاتی تھی، وزن نہیں، وزن نہیں۔ بھائی جیسے دیکھیے، آپ چینی لینے جاتے ہیں دکاندار وزن کر کے دیتا ہے آپ کو، تو یہ وزن کیا جاتا ہے چینی کا۔ لیکن آپ دودھ لینے جاتے ہیں، تو دودھ کا وہ ایک خاص برتن بنا ہوتا ہے اس برتن میں وہ ماپ کر آپ کو دودھ دیتا ہے۔ تو دیکھیے وزن نہیں کیا جاتا بلکہ کیا کیا جاتا ہے؟ اس برتن کے ساتھ اس کی پیمائش، اس کو ماپا جاتا ہے بھائی۔ تو یہ وہ پیمانے جس میں چیز کی مقدار ماپی جاتی تھی بھائی۔ تو پھر علماء نے اس کا اندازہ اوزان وغیرہ کے ساتھ کیا کیونکہ بہت سی جگہ اوزان کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً سمجھ میں آیا بھائی؟ اوزان کی ضرورت پیش آجاتی ہے، مثلاً صاع جو ہے صاع، صاع تو پیمائش کا، ماپنے کا آلہ ہے لیکن اب ہمارے ہاں تو گندم ماپی نہیں جاتی اس کو تو کیا کیا جاتا ہے؟ تولا جاتا ہے، وزن کیا جاتا ہے۔ تو علماء نے پھر اس کا اندازہ لگایا اور اس کے حساب سے بتایا کہ ایک صاع کے اندر اتنی گندم ہوتی ہے اور اتنا وزن اس کا بنتا ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

جی تو کیا لکھا آپ نے؟ ایک رطل برابر ہے پونے چونتیس تولے۔ اگلا پیمانہ ہے مد بھائی، مد، میم دال، اور میم پر پیش لکھ دیں، **مُدّ**۔ تو ایک مد برابر ہے دو رطل کے۔ ایک مد برابر ہے دو رطل کے۔ اور یہی اور یہی بعض کے نزدیک شرعی من بھی ہے۔ شرعی من بھی ہے۔ بھائی ایک من ہمارے ہاں رائج ہے، من، کہ چالیس سیر ہو تو ایک من بنتا ہے۔ لیکن یہ شرعی من نہیں، یہ ہمارے ہاں جو رائج ہے۔ باقی جو قدیم کتابوں کے اندر ذکر ہوتا ہے اور من کا ذکر ملتا ہے تو وہ من کتنا ہے؟ یہ ایک مد ہے یعنی دو رطل ہے بعض بعض علماء کے مطابق بھائی، یہ شرعی من ہے۔

اگلا پیمانہ ہے صاع بھائی۔ تو ایک صاع برابر ہے چار مد کے۔ ایک صاع برابر ہے چار مد کے۔ اور تولوں کے اعتبار سے ایک صاع برابر ہے دو سو ستر تولے کے۔ تولوں کے اعتبار سے صاع برابر ہے دو سو ستر تولے بھائی۔ اور سیروں کے حساب سے صاع برابر ہے تین سیر چھ چھٹانک۔ تین سیر چھ چھٹانک، یہ ایک صاع کی مقدار ہے بھائی۔ تین سیر چھ چھٹانک، یہ ہے وہ صاعِ عراقی بھائی۔ دیکھا، یہ چار مد کے برابر ہے اور مد کتنا ہوتا ہے؟ دو رطل ہوتا ہے، تو ایک صاع کس کے برابر ہوا؟ آٹھ رطل کے برابر، یہی میں نے شروع میں آپ کو لکھوایا تھا کہ ایک صاع برابر ہے آٹھ رطل کے صاعِ عراقی بھائی۔ یہ وزن میں نے کیا لکھوایا سیروں کے اعتبار سے؟ تین سیر چھ چھٹانک۔ اور آپ جانتے ہیں ایک پاؤ کے اندر چار چھٹانک ہوتے ہیں، تو چھ چھٹانک کا کیا معنی؟ ڈیڑھ پاؤ، ڈیڑھ پاؤ، تین سیر ڈیڑھ پاؤ کا یہ ایک صاع ہے۔ اور سیر کی بات کر رہا ہوں بھائی میں، کلو کی بات نہیں کر رہا، کلو سیر سے ذرا زیادہ ہوتا ہے۔

اگلا پیمانہ لکھیے: ساٹھ صاع ہوں تو یہ برابر ہے ایک ایک وسق کے۔ ساٹھ صاع ہوں تو یہ برابر ہے ایک وسق کے۔ اور یہ برابر ہے پانچ من اڑھائی سیر۔ پانچ من اڑھائی سیر یعنی ڈھائی سیر۔ پانچ من ڈھائی سیر، یہ وسق کا وزن ہوا منوں کے اعتبار سے۔ پانچ من، یہ جو آج کل رائج من ہیں وہ والے یہاں مراد ہیں بھائی۔ شرعی من تو ذکر ہو گیا وہ تو چھوٹا سا ہوتا ہے۔ لکھ لیا بھائی؟ ہاں، اور اس سے بڑا پیمانہ ہے **كُرّ** بھائی، **كُرّ۔ كُرٌّ**، کاف چھوٹا اور رامشدد، **كُرٌّ۔** اور یہ برابر ہے بارہ وسق کے۔ بارہ وسق ہوں تو یہ ایک کر بنتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور ہدایۃ النحو وغیرہ میں آپ نے پڑھا ہو گا وہ مثال اب آپ کو سمجھ میں آ گئی ہو گی: **اَلْكُرُّ الْبُرُّ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا** بھائی، تو وہ کر یہ پیمانہ ہے بھائی جو بارہ وسق کے برابر ہوتا ہے، بارہ وسق کے۔

اور ایک اور بات بھی لکھ لیجیے کہ ایک سیر برابر ہے اسی تولے کے۔ ایک سیر برابر ہے اسی تولے کے۔ بھائی اوزان میں نے یہ پیمانے لکھوا دیے، اب جو بھی چیز ذکر ہو گی سب کا آپ وزن وغیرہ نکال سکتے ہیں کہ یہ کتنا ہے اور یہ کتنا بھائی۔

اب دیکھیے کتاب پر: صاحبین فرماتے ہیں کہ عشر واجب نہیں ہو گا **إِلَّا فِيمَا لَهُ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ**، مگر اس چیز میں کہ جس کا پھل باقی رہنے والا ہو، اور کتنا عرصہ باقی رہے؟ ایک سال تک۔ **إِذَا بَلَغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ**، جب وہ پہنچ جائے پانچ وسق کو۔ **وَالْوَسْقُ سِتُّونَ صَاعًا بِصَاعِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، اور ایک وسق جو ہے وہ ساٹھ صاع کا ہوتا ہے حضور علیہ السلام کے صاع کے ساتھ۔ اور آج کل جو سیر رائج ہیں ان کے اعتبار سے بھی میں نے بتلا دیا، وسق کتنی مقدار ہے؟ پانچ من اڑھائی سیر۔ اور صاحبین کے نزدیک کتنے وسق ہوں تو اس میں عشر آئے گا؟ پانچ وسق۔ تو پانچ من ڈھائی سیر کو ذرا پانچ سے ضرب دیں، پانچ گنا کریں اس کو۔ پچیس من، اور ڈھائی سیر کو بھی ذرا ضرب دیں پانچ سے۔ ساڑھے بارہ۔ یعنی پچیس من ساڑھے بارہ سیر کوئی چیز ہو گی تو صاحبین کے نزدیک اس میں عشر ہو گا ورنہ اس سے کم ہو تو اس میں عشر واجب نہیں بھائی۔

وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ عِنْدَهُمَا عُشْرٌ، اور سبزیوں کے اندر صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے۔ سبزیوں کے اندر عشر نہیں، کیونکہ صاحبین نے شرط لگائی بھائی، کیا شرط لگائی؟ کہ وہ سال بھر باقی رہے، اور سبزیاں تو سال بھر نہیں رہتی ہیں وہ تو چند دن کے اندر ہی خراب ہو جاتی ہیں۔ آگے دلائل بھی آ رہے ہیں سب کے بھائی۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **فَالْخِلَافُ فِي مَوْضِعَيْنِ**، کہ اختلاف دو جگہوں پر ہے، یعنی امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف دو جگہ پر ہے، دو چیزوں میں ہے: **فِي اشْتِرَاطِ النِّصَابِ وَفِي اشْتِرَاطِ الْبَقَاءِ**، ایک تو نصاب کی شرط لگانے میں اور دوسرا بقاء کی شرط لگانے میں۔ صاحبین کے نزدیک جو ہے بقاء بھی شرط ہے کہ وہ چیز باقی رہنے والی ہو ایک سال تک، اور صاحبین کے نزدیک نصاب بھی شرط ہے کہ پچیس من ساڑھے بارہ سیر اس اس مقدار کو وہ چیز پہنچتی ہے تو اس میں عشر آئے گا، اس سے کم ہو تو عشر نہیں۔

لَهُمَا فِي الْأَوَّلِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، صاحبین کی دلیل جو ہے پہلے میں حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے۔ پہلی چیز میں، کس چیز میں؟ نصاب کی شرط جو لگائی ہے انہوں نے، تو اس میں ان کی دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «**لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ**»، کہ پانچ وسق سے کم کے اندر صدقہ نہیں ہے۔ تو یہ حدیث کے اندر آ گیا کہ پانچ وسق سے کم کے اندر صدقہ نہیں ہے بھائی۔ اور یہاں لفظ ذکر ہوا صدقہ، اور صدقہ تو زکوٰۃ کو بھی شامل ہے اور عشر کو بھی شامل ہے۔ تو یہاں وہ فرماتے ہیں یہاں عشر ہی مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ عشر ہی مراد ہے، کیونکہ مالِ تجارت کے اندر وہ تو چاہے پانچ وسق سے کم ہی کیوں نہ ہو جب اس کی قیمت دو سو درہم کو پہنچتی ہو تو اس میں کیا واجب ہے؟ اس میں زکوٰۃ بالاتفاق واجب ہے۔ معلوم ہوا یہاں مالِ تجارت کی زکوٰۃ نہیں مراد بلکہ کیا مراد ہے صدقہ سے یہاں؟ عشر مراد ہے۔ تو حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ پانچ وسق سے کم کے اندر عشر نہیں ہے۔

دوسری دلیل صاحبین کی، وہ فرماتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ صَدَقَةٌ**، کہ یہ عشر جو ہے یہ بھی صدقہ ہے، یہ بھی زکوٰۃ ہے، **فَيُشْتَرَطُ فِيهِ النِّصَابُ**، تو اس کے اندر بھی نصاب شرط ہو گا، جیسے کس میں تھا؟ جیسے زکوٰۃ کے اندر نصاب شرط ہے تو عشر بھی کیا ہے؟ زکوٰۃ ہے، اس کے اندر بھی نصاب شرط ہو گا، **لِتَحَقُّقِ الْغِنَى**، غناء کے ثابت ہونے کے لیے۔ کیونکہ زکوٰۃ زکوٰۃ وہ غریب آدمی پر واجب ہوتی ہے یا مالدار پر؟ مالدار پر، اور مالداری کس سے ثابت ہو گی؟ نصاب کے بقدر مال کا مالک ہونے سے، تو وہاں جیسے نصاب کی شرط ہے تاکہ مالداری ثابت ہو جائے، عشر کے اندر بھی نصاب شرط ہو گا تاکہ مالداری ثابت ہو جائے۔ یہ معنی ہے **فَيُشْتَرَطُ فِيهِ النِّصَابُ لِتَحَقُّقِ الْغِنَى**، تو اس میں بھی نصاب شرط ہو گا غناء کے مالداری کے ثبوت کے لیے۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «مَا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ فَفِيهِ الْعُشْرُ»، اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل وہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، آپ نے فرمایا: «**مَا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ فَفِيهِ الْعُشْرُ**»، وہ جس کو زمین اگائے تو اس کے اندر عشر ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا جس چیز کو زمین اگائے اس کے اندر عشر ہے، **مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ**، بغیر کسی فصل کے، بغیر کسی فرق کے، یعنی اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ پانچ وسق ہو تو اس کے اندر عشر ہو گا اور اس سے کم ہو تو عشر نہیں، تو اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا کم یا زیادہ کا، معلوم ہوا ہر پیداوار کے اندر کیا واجب ہو گا؟ عشر واجب ہو گا، چاہے ایک من پیداوار ہی صرف کیوں نہیں ملی، ساری فصل خراب ہو گئی لیکن کتنی ملی؟ صرف ایک من، تو اس ایک من کے اندر بھی کیا کرنا پڑے گا؟ عشر دینا پڑے گا، امام صاحب فرماتے ہیں۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، پانچ وسق سے کم ہے تو اس میں عشر نہیں ہے۔ تو امام صاحب کی دلیل یہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «**مَا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ فَفِيهِ الْعُشْرُ**»، وہ جس کو

زمین اگائے تو اس کے اندر عشر ہے، یہ حدیث ہے **مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ**، بغیر کسی فصل کے، یعنی اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا کم یا زیادہ کا۔

وَتَأْوِيلُ مَا رَوَيَاهُ زَكَاةُ التِّجَارَةِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَتَبَايَعُونَ بِالْأَوْسَاقِ وَقِيمَةُ الْوَسْقِ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، اور تاویل اس حدیث کی جس کو صاحبین نے روایت کیا، اس کی تاویل جو ہے وہ **زکوٰۃِ** تجارت ہے۔ وہاں جو حضور علیہ السلام فرمارہے ہیں پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے، اس سے اس سے وہ زکوٰۃ مراد ہے جو اور مالِ تجارت کا ذکر ہو رہا ہے وہاں پر، کہ حضور علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ مالِ تجارت پانچ وسق سے کم ہو تو اس کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں، اور مراد مراد وہ کھجوروں وغیرہ کا وسق ہے، کیونکہ ان وہ لوگ جو آپس میں معاملات کرتے تھے حضور علیہ السلام کے زمانے میں وہ کھجوروں کے بڑا پیمانہ جو تھا وسق تھا بھائی، اور ایک وسق کھجوروں وغیرہ کا چالیس درہم کا ہوتا تھا۔ تو پانچ وسق کتنے کے ہو گئے؟ دو سو درہم کے، اور دو سو درہم تو کیا ہے؟ نصاب ہے تو اس کے اندر تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ وہاں عشر ذکر نہیں کیا جارہا بلکہ کیا ذکر کیا جارہا ہے؟ سامانِ تجارت یعنی وہ کھجوریں کہ ان کا ذکر فرمارہے ہیں حضور علیہ السلام کہ وہ جب پانچ وسق ہو جائیں تو اس کے اندر زکوٰۃ ہے، اور ایک وسق ہوتا تھا چالیس درہم کا اس زمانے میں، تو پانچ وسق دو سو درہم کے ہو گئے تو نصاب کو قیمت پہنچ جاتی تھی، اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پانچ وسق کے اندر زکوٰۃ ہے، اور اس سے کم ہو گا وہ تو نصاب کو نہیں پہنچتا لہٰذا اس میں زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ یہ معنی ہے: **وَتَأْوِيلُ مَا رَوَيَاهُ زَكَاةُ التِّجَارَةِ**، اور تاویل اس حدیث کی جس کو صاحبین نے روایت کیا وہ تجارت کی زکوٰۃ ہے، **لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَتَبَايَعُونَ بِالْأَوْسَاقِ**، اس لیے کیونکہ وہ لوگ جو ہیں وہ اوساق یعنی وسق کے ساتھ خرید و فروخت کے معاملات کرتے تھے، **وَقِيمَةُ الْوَسْقِ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا**، اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی۔

وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْمَالِكِ فِيهِ فَكَيْفَ بِصِفَتِهِ وَهُوَ الْغِنَى؟ یہاں سے امام صاحب صاحبین کی عقلی دلیل کا جواب دے رہے ہیں کہ آپ نے کیا کہا؟ عقلی دلیل صاحبین نے کیا ذکر کی تھی؟ کہ عشر بھی زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کے اندر تو نصاب شرط ہے تو لہٰذا اس عشر کے اندر بھی نصاب شرط ہو گا تاکہ اس شخص کی مالداری پائی جائے، ثابت ہو جائے، کیونکہ زکوٰۃ صرف کس پر آتی ہے؟ مالداروں پر آتی ہے، تو یہاں پر بھی نصاب شرط ہو گا تاکہ مالداری ثابت ہو جائے۔ تو امام صاحب کی طرف سے صاحبِ ہدایہ جواب دے رہے ہیں کہ **وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْمَالِكِ فِيهِ فَكَيْفَ بِصِفَتِهِ؟** کہ کہ عشر کے اندر تو مالک کا بھی اعتبار نہیں ہے تو پھر اس کی صفت کا کیسے اعتبار ہو گا، یعنی مالداری کا؟ مالداری کیا ہے؟ مالک کی صفت ہے، تو جب مالک کا نہیں اعتبار تو مالک کی صفت یعنی مالداری کا کیسے اعتبار کیا جائے گا؟ بھائی یاد رکھیے عشر جو ہے نا عشر، یہ عشر ہر پیداوار میں سے دیا جائے گا چاہے اس زمین کا مالک جو ہے وہ کوئی بچہ ہو، چاہے مجنون ہو، چاہے وہ کاشت وغیرہ کرنے والا مکاتب ہی کیوں نہ ہو بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو چاہے بچہ ہو، چاہے مجنون ہو، چاہے مکاتب وغیرہ جو کوئی بھی ہو پھر بھی کیا دینا پڑے گا اس پیداوار میں سے؟ عشر دینا پڑے گا، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں پر تو عشر کے اندر تو مالک کا ہی سرے سے اعتبار نہیں کیا جاتا، حالانکہ زکوٰۃ تو بچے اور مجنون پر نہیں آتی، لیکن عشر یہاں پر بچے اور مجنون کی فصل پر بھی آتا ہے، تو معلوم ہوا یہاں مالک کا اعتبار ہی نہیں ہے، جب مالک کا اعتبار نہیں ہے تو مالک کی صفت یعنی مالداری کا کیسے یہاں پر اعتبار کیا جائے گا؟ جب مالک کا اعتبار نہیں ہے تو اس کی صفت کا بطریقِ اولیٰ اعتبار نہیں ہو گا۔ مالک کا کیسے اعتبار نہیں ہے؟ چاہے بچہ ہو، چاہے مجنون ہو، چاہے مکاتب ہو، سب میں کیا آئے گا؟ عشر دینا پڑے گا، عشر دینا پڑے گا۔ معلوم ہوا مالک کا کوئی اعتبار نہیں کیا شریعت نے، حالانکہ زکوٰۃ کے اندر کیا ضروری تھا؟ بچے پر نہیں آتی تھی زکوٰۃ، مجنون پر نہیں آتی تھی، وہاں مالک کا اعتبار ہوتا تھا اور یہاں مالک کا اعتبار نہیں، سب کی فصلوں میں سے عشر دینا پڑے گا بھائی۔ تو جب مالک کا نہیں اعتبار تو اس کی صفت یعنی مالداری کا بطریقِ اولیٰ اعتبار نہیں کیا جائے گا، لہٰذا یہاں نصاب شرط نہیں ہو گا بلکہ چاہے پیداوار تھوڑی ہو چاہے پیداوار زیادہ ہو ہر حال میں عشر دینا پڑے گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: **وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْمَالِكِ فِيهِ فَكَيْفَ بِصِفَتِهِ**، اور مالک کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس عشر کے اندر تو کیسے اس کی صفت کا اعتبار ہو گا؟ اور اس کی صفت سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں: **وَهُوَ الْغِنَى**، اور وہ مالداری یعنی مالداری کا کیسے اعتبار ہو گا؟

وَلِهَذَا لَا يُشْتَرَطُ الْحَوْلُ، اور اسی وجہ سے اس کے اندر سال کی شرط نہیں لگائی گئی، **لِأَنَّهُ لِلِاسْتِنْمَاءِ**، اس لیے کیونکہ سال کی شرط کس لیے ہوتی ہے؟ نماء کو طلب کرنے کے لیے کہ اس چیز کے اندر زیادتی آجائے، **وَهُوَ كُلُّهُ نَمَاءٌ**، اور یہ سارا کیا ہے؟ یہ ساری پیداوار نماء ہی ہے۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں، دوبارہ سن لیں ان کی دلیل کا خلاصہ، وہ فرماتے ہیں کہ عشر کے سلسلے میں مالک کا اعتبار نہیں کیا گیا تو اس کی صفت یعنی مالداری کا کیسے اعتبار کیا جائے گا؟ اور اسی وجہ سے یہاں سال کے گزرنے کی شرط نہیں لگائی گئی، جیسے نصاب کی شرط نہیں ہے یہاں پر اسی طرح سال گزرنے کی شرط بھی یہاں نہیں لگائی گئی، کیونکہ سال گزرنے کی شرط کس لیے ہوتی ہے؟ نماء کے لیے ہوتی ہے کہ وہ مال بڑھ جائے، وہ مال بڑھ جائے، اور یہ پیداوار تو ساری کی ساری کیا ہے؟ نماء ہی ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ ساری زمین سے جو کچھ حاصل ہوا یہ نماء ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

وَلَهُمَا فِي الثَّانِي، اور صاحبین کی دلیل دوسری چیز کے اندر۔ دوسری کیا چیز تھی؟ بقاء کی شرط وہ لگاتے تھے صاحبین کہ وہ چیز سال بھر تک باقی رہنے والی ہو، تو اس کے اندر صاحبین کی دلیل جو ہے: **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ»**، حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ سبزیوں کے اندر صدقہ نہیں ہے۔ سبزیوں کے اندر صدقہ نہیں، تو صاحبین فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث کے اندر آگیا کہ سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے، اور صدقہ کا لفظ تو عام ہے وہ زکوٰۃ کو بھی شامل ہے اور عشر کو بھی شامل ہے، لیکن **وَالزَّكَاةُ غَيْرُ مَنْفِيَّةٍ**، یہ **مَنْفِيَّةٌ** یہ تا ہونی چاہیے اس کے ساتھ بھائی، یہ کتابت کی غلطی ہے، دیگر نسخوں میں تا موجود ہے۔ اور زکوٰۃ تو غیر منفی ہے یعنی بالاتفاق، زکوٰۃ تو غیر منفی ہے، **فَتَعَيَّنَ الْعُشْرُ**، تو عشر متعین ہوا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کیا آیا؟ سبزیوں کے اندر صدقہ نہیں

ہے، اور صدقہ کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ زکوٰۃ پر بھی ہوتا ہے اور عشر پر بھی ہوتا ہے، لیکن سبزیوں میں زکوٰۃ بالاتفاق ہوگی بھائی۔ ہاں زکوٰۃ جو ہے وہ سبزیوں اگر مال کی صورت میں ہو، سبزیاں ہیں تجارت کی نیت سے خریدی ہیں تو بالاتفاق اس کے اندر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ معلوم ہوا سبزیوں سے زکوٰۃ کی نفی نہیں ہے کسی کے بھی نزدیک۔ اگر مالِ تجارت کی صورت میں ہے، سبزیوں کی صورت میں ہے تو اس میں سے کیا دینی پڑے گی؟ زکوٰۃ۔ معلوم ہوا سبزیوں میں سے زکوٰۃ کی نفی نہیں کی گئی۔ اس میں کیا آئے گی؟ زکوٰۃ آئے گی، توز کوٰۃ کی اس سے نفی نہیں کی گئی۔ جب بالاتفاق سبزیوں سے زکوٰۃ کی نفی نہیں کی گئی، سبزیوں سے زکوٰۃ کی نفی یہاں مراد نہیں ہے تو صدقے کا لفظ تو دو ہی چیزوں کو شامل تھا، ایک زکوٰۃ کو اور ایک عشر کو، اور زکوٰۃ کی تو بالاتفاق نفی نہیں، کہ زکوٰۃ ہر حال میں اس سبزیوں میں توز کوٰۃ تو آئے گی تو معلوم ہوا یہاں جو نفی کی جارہی ہے وہ کس چیز کی کی جارہی ہے؟ عشر کی کی جارہی ہے، کہ سبزیوں کے اندر عشر نہیں ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ معنی ہے کہ **وَالزَّكَاةُ غَيْرُ مَنْفِيَّةٍ**، اور زکوٰۃ جو ہے وہ تو غیر منفی ہے یعنی اس کی تو نفی نہیں کی گئی، کیا نفی نہیں کی گئی اس میں؟ کہ اس میں زکوٰۃ نہ ہو، کسی کے نزدیک بھی ایسا نہیں۔ توز کوٰۃ تو یہاں غیر منفی ہے یعنی اس کی نفی بالاتفاق مراد نہیں ہے، **فَتَعَيَّنَ الْعُشْرُ**، تو عشر ہی متعین ہوا کہ صدقہ سے کیا مراد ہے؟ عشر ہی مراد ہے اور یہ سبزیوں سے عشر ہی کی نفی کی جارہی ہے۔

وَلَهُ مَا رَوَيْنَا، اور امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں سبزیاں ہوں یا کچھ بھی ہو پیداوار، اس کے اندر کیا دینا پڑے گا؟ عشر دینا پڑے گا، اور ان کی دلیل وہی حدیث ہے جو اوپر ذکر ہوئی تھی کہ «**مَا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ فَفِيهِ الْعُشْرُ**»، جو بھی زمین سے پیداوار ہو اس میں عشر ہے، تو دیکھو اس کے اندر وہ وہ عام ہے اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ سبزیاں ہوں تو نہیں ہوگی عشر نہیں ہوگا اور باقی چیزیں ہوں تو عشر ہوگا، تو وہاں کوئی فصل نہیں، لہٰذا معلوم ہوا سبزیوں کے اندر بھی عشر واجب ہوگا۔

وَمَرْوِيُّهُمَا مَحْمُولٌ عَلَى صَدَقَةٍ يَأْخُذُهَا الْعَاشِرُ وَبِهِ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ فِيهِ، یہاں سے یہاں سے امام صاحب کی طرف سے صاحبین کی حدیث کا جواب ذکر کر رہے ہیں۔ صاحبین نے کیا حدیث ذکر کی تھی کہ سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے؟ «**لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ**»، اور وہ فرماتے ہیں یہاں صدقے سے کیا مراد ہے؟ عشر مراد ہے کہ حضور علیہ السلام فرمارہے ہیں سبزیوں کے اندر عشر نہیں ہے، تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں امام صاحب کی طرف سے جواب دیتے ہوئے کہ **وَمَرْوِيُّهُمَا مَحْمُولٌ عَلَى صَدَقَةٍ يَأْخُذُهَا الْعَاشِرُ**، اور ان کی روایت، صاحبین کی روایت کردہ حدیث وہ محمول ہے ایسے صدقہ پر جس کو کون لیتا ہے؟ عاشر لیتا ہے، **وَبِهِ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ فِيهِ**، اور اسی کو لیتے ہیں امام صاحب اس کے محل کے اندر بھائی، اس کے محمل کے اندر بھائی۔ بھائی دیکھیے صاحبین نے جو حدیث ذکر کی کہ سبزیوں کے اندر عشر نہیں ہے، عشر نہیں ہے تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس میں اس سے مراد وہ صدقہ ہے جس کو عاشر لیتا ہے۔ جس کو کون لیتا ہے؟ عاشر لیتا ہے، تو یعنی حدیث کے اندر یہ کہا جارہا ہے کہ سبزیوں کے اندر عشر نہیں یعنی یہ عاشر کو کہا جارہا ہے، کس کو کہا جارہا ہے؟ عاشر کو کہا جارہا ہے کہ سبزیوں کے اندر، سبزیوں میں سے عشر نہ لینا، اس میں عشر نہیں۔ بھائی دیکھیے یہ عاشر جو ہوتے عاشر، یہ زکوٰۃ وصول کرتے سب لوگوں سے بھائی، سمجھ میں آیا؟ اور زکوٰۃ وصول کرتے، اب مثلاً کوئی مالک کوئی گزرا سبزیاں لے کر اور عاشر نے اس کی فصل کا حساب لگایا اور اس کے اعتبار سے اس سے عشر طلب کیا عشر کی کہ اتنا عشر بنتا ہے اس کی قیمت اب دے دو، اتنے درہم کا یہ بنتا ہے عشر۔ سو من سبزیاں لے کر گزرا مثلاً اس میں کتنے من آیا عشر؟ دس من ہے، تو دس من کی قیمت لگا کر کہا اتنی قیمت دے دو، اتنی قیمت دے دو، مالک نے قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو وہ عاشر جو ہے **عَيْنِ** سبزیوں میں سے عشر نہ لے۔ **عَيْنِ** سبزیوں میں سے عشر نہ لے، یعنی وہ پیسے تو نہیں دے رہا اب دس من کے تو اب عاشر یہ نہ کرے کہ اب **عَيْنِ** دس من سبزیاں ہی اس سے لے لے۔ کیا کرے؟ **عَيْنِ** دس من سبزیاں ہی اس سے لے لے، ایسا نہ کرے، یہ معنی ہے **لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ**، خضراوات میں عشر نہیں ہے یعنی **عَيْنِ** خضراوات میں سے وہ عشر نہ لے یعنی سبزی ہی کی صورت میں عشر نہ لے۔ وجہ یہ کہ عاشر عموماً دور ہوتے شہر سے دور ہوتے، وہاں فقراء وغیرہ کا ملنا بھی لازمی نہیں ہے کہ اس کو کوئی فقیر مل جائیں، تو اگر یہ سبزی لے لے گا تو وہ سبزی تو ایک دو دن کے اندر تین دن کے اندر وہ خراب ہو جائے گی، تو اگر اس کو کوئی فقیر نہ ملا، فقراء اس کو نہ ملے تو وہ ساری سبزی ضائع ہو جائے گی، لہٰذا عاشر اس میں سے عشر نہ لے بلکہ مالک خود کیا کرے؟ فقراء کو دے دے بھائی، عاشر نہ لے اس سے۔ تو حدیث کا محمل سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ اس پر محمول ہے۔ یہ معنی ہے: **وَمَرْوِيُّهُمَا مَحْمُولٌ عَلَى صَدَقَةٍ يَأْخُذُهَا الْعَاشِرُ**، اور صاحبین کی روایت کی ہوئی حدیث وہ محمول ہے ایسے صدقہ پر جس کو کون لیتا ہے؟ عاشر لیتا ہے، اس کے بارے میں حضور فرمارہے ہیں: «**لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ**»۔ **وَبِهِ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيهِ**، اور اسی کو لیتے ہیں امام صاحب، یعنی اسی روایت کو لیتے ہیں امام صاحب **فِيهِ**، اس کے محل میں، اس کے محمل میں، یعنی جس پر امام صاحب نے محمول کیا ہے، کس پر محمول کیا؟ کہ کون سا عشر مراد ہے؟ جو عاشر لیتا ہے، کون سا عشر مراد ہے؟ جو عاشر لیتا ہے۔ اور اس محل اس محمل میں امام صاحب اسی حدیث کو لیتے ہیں، تو یہ معنی نہیں کہ امام صاحب اس حدیث پر عمل ہی نہیں کرتے بلکہ وہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں لیکن اس کا محمل الگ ہے، اس کا محل کیا ہے؟ الگ ہے اور اس مقام پر وہ اسی پر عمل کرتے ہیں، اس مقام میں یہی ان کی دلیل ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا وہ دونوں پر عمل کرتے ہیں، اپنی حدیث پر تو عمل کر ہی رہے ہیں کہ جو بھی زمین سے پیداوار ہوگی اس میں کیا ہوگا؟ عشر، اور نیز **لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ** اس پر بھی وہ عمل کرتے ہیں لیکن اس سے مراد کیا ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ وہ عاشر جو عشر لیتا ہے وہ والا صدقہ مراد ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔

وَلِأَنَّ الْأَرْضَ قَدْ تُسْتَنْمَى بِمَا لَا يَبْقَى وَالسَّبَبُ هِيَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ وَلِهَذَا يَجِبُ فِيهَا الْخَرَاجُ، یہاں سے دوسری دلیل امام صاحب کی طرف سے عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں بھائی، عقلی دلیل۔ بھائی دیکھیے نا، حدیث میں آیا تھا: «**لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ**»، سبزیوں کے اندر صدقہ نہیں، اور یہ دلیل کس چیز کی ذکر ہو رہی ہے صاحبین کی طرف سے؟ بقاء کی، وہ کیا فرماتے ہیں؟ ایک سال تک وہ چیز باقی رہنے والی ہو۔ وہ فرماتے ہیں اس حدیث کے اندر سبزیوں

سے عشر کی نفی کی گئی ہے اور یہاں پر اور کوئی علت نہیں ہے، ایک ہی علت ہے کہ سبزیاں چونکہ زیادہ دیر تک محفوظ نہیں رہتیں اس وجہ سے حضور علیہ السلام نے ان کے اندر عشر کو واجب نہیں فرمایا۔ جبکہ امام صاحب کے نزدیک تو بقاء کی شرط نہیں ہے، وہ چیز باقی رہنے والی ہو یا باقی رہنے والی نہ ہو، دونوں صورتوں میں ان کے نزدیک عشر واجب ہوتا ہے، تو امام صاحب کی ایک دلیل تو گزر گئی کہ جو بھی زمین سے پیداوار ہوگی اس میں عشر ہوگا۔ اب دوسری عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں امام صاحب کی طرف سے، وہ فرماتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْأَرْضَ قَدْ تُسْتَنْمَى بِمَا لَا يَبْقَى،** اس لیے کیونکہ زمین جو ہے اس سے تحقیق نماء طلب کی جاتی ہے ایسی پیداوار کے ساتھ جو باقی رہنے والی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات زمین میں کیا کاشت کیا جاتا ہے؟ سبزیاں یا اس طرح کی چیزیں کاشت کی جاتی ہیں جو باقی رہنے والی نہیں ہوتیں۔ تو یہ نماء طلب کی گئی زمین سے، اور کس قسم کی نماء ہے؟ باقی رہنے والی ہے یا جلدی خراب ہونے والی ہے؟ جلدی، اور یہ نماء زمین سے طلب کی جاتی ہے یا نہیں؟ اس طرح کی فصلیں کاشت کی اس طرح کی چیزیں کاشت کی جاتی ہیں یا کاشت نہیں کی جاتیں؟ کاشت کی جاتی ہیں، بلکہ ان کے اندر نماء باقی رہنے والی چیزوں سے زیادہ ہے، وہ چاول، دالیں، گندم وغیرہ جو سال بھر تک محفوظ رہتے ہیں ایک نماء اور فائدہ ان کے اندر ہے اور ایک نماء اور فائدہ کس کے اندر ہے؟ سبزیوں وغیرہ کے اندر، اور جو نماء سبزیوں وغیرہ کے اندر ہے وہ ان باقی رہنے والی چیزوں سے زیادہ ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو وہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار زمین سے نماء طلب کی جاتی ہے ایسی چیزوں کے ساتھ جو باقی رہنے والی نہیں ہوتیں، **وَالسَّبَبُ هِيَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ،** اس حال میں، یہ واؤ حالیہ ہے، اس حال میں کہ سبب جو ہے وہ ارضِ نامی ہے۔ سبب کیا ہے اس عشر کا؟ ارضِ نامی ہے، **وَلِهَذَا يَجِبُ فِيهَا الْخَرَاجُ،** اور اسی وجہ سے زمین کے اندر خراج واجب ہوتا ہے کیونکہ خراج کا سبب کیا ہے؟ ارضِ نامی۔ یاد رکھیے یہ جو عشر ہے نا عشر، پیداوار ہوگی تو اس میں عشر دینا پڑے گا، پیداوار نہیں تو عشر بھی نہیں ہے، اور جبکہ خراج جو ہے، خراج کے اندر پیداوار ہونا ضروری نہیں بلکہ جو شخص خراجی زمین کا مالک ہے اور اس پر سال گزر گیا اور وہ فصل کاشت کرنے پر قادر تھا پھر اس نے فصل کاشت نہیں کی تو بھی اس سے خراج لیا جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خراج کا سبب کیا ہے؟ ارضِ نامی ہے، تو یہاں گویا جو لیا جا رہا ہے اس کا سبب ارضِ نامی ہے تو اسی وجہ سے اس میں عشر بھی آئے گا، تو معلوم ہوا عشر کا بھی سبب کیا ہے دراصل؟ وہ ارضِ نامی ہی ہے، عشر کا سبب بھی ارضِ نامی ہی ہے، اور نیز خراج کے اندر تو چاہے اس نے کچھ نہ کاشت کیا ہو تب بھی اس سے خراج لیا جاتا ہے، اسی طرح اس نے اگر ایسی چیز کاشت کی خراجی زمین والے نے جو باقی رہنے والی نہیں ہے مثلاً سبزیاں وغیرہ تو بھی اس سے کیا لیا جاتا ہے؟ خراج لیا جاتا ہے، تو جب باقی نہ رہنے والی چیزوں کے اندر جب خراج آتا ہے تو اس کے اندر عشر بھی آئے گا بھائی، کیونکہ سبب کیا ہے دونوں کا؟ ارضِ نامی ہے، چاہے خراج ہے چاہے عشر ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو اس میں باقی رہنے کی شرط نہیں ہوگی کیونکہ اس کا سبب ارضِ نامی ہے اور ارضِ نامی تو یہاں پائی جا رہی ہے، لہٰذا یہاں پر عشر آئے گا جیسے اس کے اندر کیا آتا ہے؟ خراج آتا ہے، جب خراج آتا ہے تو عشر بھی آئے گا کیونکہ دونوں کا سبب ایک ہی ہے اور وہ سبب کیا ہے؟ ارضِ نامی ہے اور وہ یہاں پر موجود ہے، تو بقاء کی شرط نہیں لگائی جائے گی کیونکہ ارضِ نامی ہونی چاہیے اور اس ارضِ نامی سے آدمی کیا طلب کرتا ہے؟ نماء طلب کرتا ہے، پیداوار طلب کرتا ہے، اور وہ پیداوار کبھی باقی رہنے والی چیزوں کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی جلد خراب ہو جانے والی چیزوں کی صورت میں ہوتی ہے، یعنی جو باقی نہیں رہتیں بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ نماء ہے اور جب نماء ہے، سبب ارضِ نامی ہے اور ارضِ نامی تو موجود ہے تو اس کے اندر کیا واجب ہوگا؟ عشر واجب ہوگا، باقی رہنے کی شرط نہیں ہوگی بھائی، کیونکہ یہ باقی رہنے والی چیز نہ ہو پھر بھی یہ نماء ہے اور اسی کی صورت میں بعض اوقات نماء کو طلب کیا جاتا ہے، انسان چیز ہی ایسی کاشت کرتا ہے کہ جو باقی رہنے والی نہیں لیکن اور وہ پیداوار اس کی مقصود ہوتی ہے وہ اس کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّ الْأَرْضَ قَدْ تُسْتَنْمَى بِمَا لَا يَبْقَى،** اس لیے اور اس لیے کیونکہ زمین جو ہے اس سے تحقیق نماء طلب کی جاتی ہے ایسی چیز کے ساتھ، ایسی پیداوار کے ساتھ جو باقی رہنے والی نہیں ہوتی، اس حال میں کہ سبب وہ ارضِ نامی ہے اور ارضِ نامی تو موجود ہے لہٰذا عشر بھی آئے گا کیونکہ یہ جو سبزیاں ہیں یہ بھی کیا ہے؟ نماء ہے، ارضِ نامی موجود ہے اس سے نماء وہ طلب کر رہا ہے اور نماء اسے حاصل ہو گئی ہے تو اس نماء میں سے کیا دینا پڑے گا؟ عشر دینا پڑے گا، **وَلِهَذَا يَجِبُ فِيهَا الْخَرَاجُ،** اور اسی وجہ سے ارضِ نامی کے اندر خراج واجب ہوتا ہے چاہے اس کے اندر سبزیاں ہی کیوں نہ کاشت کر لے، تو جب سبزیاں بھی کاشت کر لے اس میں خراج دینا پڑے گا کیونکہ سبب ارضِ نامی موجود ہے، تو جب اس کے اندر خراج واجب ہوتا ہے تو عشر بھی دینا پڑے گا کیونکہ عشر کا سبب بھی کیا ہے؟ ارضِ نامی ہے بھائی۔

أَمَّا الْحَطَبُ وَالْقَصَبُ وَالْحَشِيشُ لَا تُسْتَنْبَتُ فِي الْجِنَانِ عَادَةً بَلْ تُنَقَّى عَنْهَا، بھائی متن میں آیا تھا کہ جلانے والی لکڑی اور اسی طرح جو نرکل ہے اور اسی طرح جو گھاس ہے ان کے اندر عشر واجب نہیں۔ اس کی کیا وجہ؟ ان میں کیوں نہیں عشر واجب؟ اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں، کیونکہ عموماً باغات وغیرہ میں ان چیزوں کو اگایا نہیں جاتا بلکہ باغات کو تو ان سے صاف کیا جاتا ہے۔ نرکل وغیرہ اگر اگ آئیں تو ان کو کیا کر دیتے ہیں؟ ختم کر دیتے ہیں، صاف کر دیتے ہیں، جلا دیتے ہیں، اور اسی طرح ایندھن کی لکڑیاں ہیں اور اسی طرح گھاس وغیرہ تو ان کو اگایا نہیں جاتا ان سے باغات وغیرہ کو صاف کیا جاتا ہے، تو عشر تو آئے گا جو زمین میں انسان اگاتا ہے، جو پیداوار حاصل کرتا ہے، اور ان کو تو دور کیا جاتا ہے زمین سے اس لیے ان میں عشر نہیں۔ تو کہتے ہیں: **أَمَّا الْحَطَبُ وَالْقَصَبُ وَالْحَشِيشُ،** اور باقی جلانے والی لکڑی جو ہے اور نرکل جو ہے اور گھاس جو ہے، **لَا تُسْتَنْبَتُ فِي الْجِنَانِ،** جنان جمع ہے جنت کی، باغ کو کہتے ہیں اور جنان اسی کی جمع، اس لیے کیونکہ یہ چیزیں جو ہیں اگائی نہیں جاتیں باغات میں، **عَادَةً بَلْ تُنَقَّى عَنْهَا،** بلکہ ان سے باغات کو صاف کیا جاتا ہے۔

حَتَّى لَوِ اتَّخَذَهَا مَقْصَبَةً أَوْ مَشْجَرَةً أَوْ مَنْبِتًا لِلْحَشِيشِ يَجِبُ فِيهَا الْعُشْرُ. تو ان کے اندر اس لیے عشر واجب نہیں کیونکہ ان کو کوئی اگاتا نہیں، لیکن اگر کوئی ان کو اگا لے، کہیں پر خود نرکل لگا لے بہت سارے، یا اسی طرح خود کیا کرے؟ گھاس کے لیے کوئی جگہ بنا لے وہاں گھاس اگاتا ہے، گھاس وہاں سے حاصل کرتا ہے، یا اسی طرح کوئی ایسی جگہ جہاں پر وہ جلانے والی لکڑی کے درخت اگاتا ہے تو پھر اس صورت میں یہ بھی زمین کی پیداوار بن جائیں گی اور ان میں سے

بھی کیا دینا پڑے گا؟ عشر، کیونکہ یہ مقصود ہو گئیں، جبکہ اس سے پہلے تو یہ مقصود نہیں تھیں ان سے تو باغات کو صاف کیا جاتا تھا، کوئی ان کو لیکن اگر کوئی باقاعدہ ارادے کے ساتھ زمین تیار کرتا ہے اور اس میں کیا اگا لیتا ہے؟ ہاں یہ جو چیزیں ذکر ہوئیں یہ اگاتا ہے، پھر تو یہ مقصود ہو گئیں، اس کا ارادہ ہو گیا ان کو حاصل کرنے کا، جب ارادہ ہوا حاصل کرنے کا اب یہ مقصودی چیزیں بن گئیں تو پھر اس صورت میں یہاں عشر دینا پڑے گا بھائی۔ **حَتَّى لَوِ اتَّخَذَهَا مَقْصَبَةً**، یہاں تک کہ اگر زمین کو کسی نے بنالیا **مَقْصَبَةً**، نرکل اگانے کی جگہ، **أَوْ مَشْجَرَةً**، یا درخت کی جگہ، یعنی درخت اگانے کی جگہ بنالیا جلانے والی لکڑی کے لیے، **أَوْ مَنْبِتًا لِلْحَشِيشِ**، یا گھاس اگانے کی جگہ بنالیا کہ اس کے ذریعے کیا حاصل کرتا ہے وہ؟ گھاس حاصل کرتا ہے، **يَجِبُ فِيهَا الْعُشْرُ**، تو اس کے اندر عشر واجب ہو گا۔

وَالْمُرَادُ بِالْمَذْكُورِ الْقَصَبُ الْفَارِسِيُّ، اور کہتے ہیں مراد اس سے جو ذکر کیا گیا متن کے اندر قصب جو ذکر کیا گیا، **الْقَصَبُ الْفَارِسِيُّ**، یہاں فارسی نرکل مراد ہے۔ کون سا نرکل؟ فارسی نرکل، تو یہ ایک قسم ہے اس کا نام رکھ دیا اس کو فارسی نرکل کہتے ہوں گے، یعنی وہی نرکل بھائی وہ مراد ہے بھائی۔ دیکھیے یہ جو ہے نا نرکل، یہ ایک نوع ہے پودوں کی جس میں بہت سی قسمیں ہیں حتیٰ کہ بانس بھی اسی کی قسم ہے، بانس بھی اسی کی قسم ہے تو اس طرح کے بہت سے پودے ہیں تو ان قسموں میں سے کہہ رہے ہیں یہاں جو ذکر ہے ناوہ قصبِ فارسی مراد ہے، وہ جسے نرکل کہتے ہیں جس سے قلم وغیرہ بھی بناتے ہیں اور یہ جو پردوں کے طور پر وہ جو چق لٹکائی جاتی ہے دروازوں وغیرہ کے سامنے اس میں بھی استعمال ہوتے ہیں، یہ ہے نرکل بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ اگر باقاعدہ مقصود ہوں گے تو عشر ہو گا، اگر یہ مقصود نہیں تو ان میں عشر بھی نہیں۔ تو یہ تو زمین میں جہاں اگتے ہیں ساری زمین کو خراب کر دیتے ہیں لہٰذا اس سے لوگ کیا کرتے ہیں؟ زمینوں کو صاف کرتے ہیں، زیادہ ہو جائیں تو ان کو جلا دیا جاتا ہے باقاعدہ آگ لگا کر کیونکہ یہ بالکل زمین کو ردی کر دیتے ہیں وہ کاشت کے قابل پھر نہیں رہتی بھائی۔ تو یہ قصبِ فارسی مراد ہے۔

أَمَّا قَصَبُ السُّكَّرِ، قصب السکر، سکر کہتے ہیں عربی زبان میں چینی کو، چینی بھائی۔ تو قصب السکر، یہ گنے کو کہتے ہیں، گنا۔ بھائی دیکھیے گنا بھی اسی کی ایک قسم ہے جیسے بانس، نرکل اور اسی طرح گنا، یہ سارے کیا ہیں؟ ایک ہی نوع کے، ایک ہی قسم کے پودے ہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں باقی قصب السکر جو ہے یعنی گنا جو ہے، **وَقَصَبُ الذَّرِيرَةِ**، اور یہ قصب الذریرہ یہ بھی اس کی کوئی قسم ہو گی، کہتے ہیں یہ اسی کی ایک قسم ہے جس کو باریک سفوف کی صورت میں پیس لیتے ہیں یعنی اس کا پاؤڈر بنا لیتے ہیں اور پھر اس کو دوائیوں وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تو ذریرہ وہ سفوف اور پاؤڈر کو کہتے ہیں عربی زبان میں۔ ذریرہ کا کیا معنی؟ سفوف اور اسی طرح پاؤڈر بھائی۔ تو اس کو چونکہ پاؤڈر کی صورت میں دواؤں میں استعمال کرتے ہیں اس لیے اس کا نام ہی کیا رکھ دیا گیا؟ قصب الذریرہ۔ تو یہ بھی اس کی کوئی قسم ہے۔ تو کہتے ہیں باقی گنا جو ہے اور قصب الذریرہ جو ہے، **فَفِيهِمَا الْعُشْرُ**، تو ان کے اندر عشر واجب ہے، **لِأَنَّهُ يُقْصَدُ بِهِمَا اسْتِغْلَالُ الْأَرْضِ**، اس لیے کیونکہ ان کے ذریعے زمین کی پیداوار مقصود ہوتی ہے، ان کو تو کیا کیا جاتا ہے؟ باقاعدہ اگایا جاتا ہے، یہ گنا وغیرہ اور قصب الذریرہ ہے۔

بِخِلَافِ السَّعَفِ وَالتِّبْنِ، بخلاف سعف کہتے ہیں بھائی کھجور کے پتے، اور **تِبْنٌ**، تبن کہتے ہیں بھس کو بھائی۔ گندم کی فصل مثلاً آپ نے کاشت کر لی اور خوشوں کے اندر تو دانے تھے وہ دانے آپ نے نکال لیے باقی جو پودا رہ گیا وہ اسے کیا کہتے ہیں؟ وہ جو خشک پودا رہ گیا وہ بھس ہے، تو کیا یہ جو کھجور کی شاخیں اور پتے ہیں، شاخیں اور پتے، کیا ان کے اندر بھی عشر ہو گا؟ کیونکہ ان کو بھی بہت سے کاموں کے اندر لوگ استعمال کرتے ہیں مثلاً اس سے رسیاں بنائی جاتی ہیں، چٹائیاں وغیرہ بناتے ہیں اور چیزیں بناتے ہیں، تو کیا ان کے اندر بھی عشر ہو گا؟ یا اسی طرح بھس ہے، بھس کو جانوروں کے لیے چارے وغیرہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اسی طرح بھائی مٹی وغیرہ جس سے گھر بنائے جاتے ہیں اس کے اندر بھی ملا کر استعمال کرتے ہیں، تو کیا ان کے اندر بھی عشر ہے یا نہیں ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، ان کے اندر عشر نہیں۔ کھجور کے پتوں کے اندر اور بھس جو بچ گیا ہے اور جس کو پھر لوگ استعمال بھی کرتے ہیں لیکن ان کے اندر عشر نہیں، اس لیے کیونکہ کھجور کے پتے وہ مقصود نہیں ہوتے، درخت لگایا جاتا ہے کھجور کا کس لیے لگایا جاتا ہے؟ کیا حاصل کرنے کے لیے؟ پھل حاصل کرنے کے لیے درخت لگایا جاتا ہے، پتے حاصل کرنے کے لیے نہیں، ہاں وہ الگ بات ہے کہ پتے بھی کسی کام آجاتے ہیں۔ اسی طرح جو فصل کاشت کی جاتی ہے وہ بھس کو حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے یا دانوں کو حاصل کرنے کے لیے؟ دانوں کو حاصل کرنے کے لیے، تو جو پھل ہے جو دانے ہیں ان کے اندر عشر واجب ہو گا، یہ کھجور کے پتوں اور جو بھس ہے ان کے اندر عشر واجب نہیں۔ یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ السَّعَفِ وَالتِّبْنِ**، بخلاف کھجور کے پتوں کے اور بھس کے، **لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْحَبُّ وَالثَّمَرُ دُونَهُمَا**، اس لیے کیونکہ مقصود جو ہے وہ دانہ اور پھل ہے **دُونَهُمَا** نہ کہ یہ دو چیزیں بھائی، یعنی بھس اور کھجور کے پتے، یہ مقصود نہیں ہیں بھائی۔ **لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْحَبُّ وَالثَّمَرُ**، تو ثمر اور بعض نسخوں میں یہاں **تَمْرٌ** ہے بھائی، تمر اور وہ زیادہ مناسب بنتا ہے، اس لیے کیونکہ ان میں مقصود کیا ہوتا ہے؟ دانے اور کھجوریں ہوتی ہیں، **دُونَهُمَا** نہ کہ یہ سعف اور تبن، یہ مقصود نہیں ہوتے بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمُرَادُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۱۱۰: مسئلہ: وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْ سَانِي...

ہدایہ صفحہ: ۲۱۸ — بتاریخ: ۱۳ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْ سَانِيَةٍ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ وَتَقِلُّ فِيمَا يُسْقَى بِالسَّمَاءِ أَوْ سَيْحًا، وَإِنْ سُقِيَ سَيْحًا وَبِدَالِيَةٍ فَالْمُعْتَبَرُ أَكْثَرُ السَّنَةِ كَمَا هُوَ فِي السَّائِمَةِ». [1]

گزشتہ سبق میں عُشر کی تفصیل شروع ہوئی تھی اور آپ نے پڑھا کہ امام صاحب کے نزدیک زمین سے جو بھی پیداوار حاصل ہو چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، اس کے اندر عُشر واجب ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک دو شرطیں ہیں اس میں، ایک تو یہ کہ وہ پیداوار ایسی ہو جو سال بھر تک آسانی سے محفوظ رہتی ہو اور دوسری شرط یہ کہ اس میں نصاب کی بھی شرط ہے اور وہ نصاب پانچ وسق ہے پانچ وسق، اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے بھائی۔

اب آگے فرماتے ہیں: «**قَالَ: وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْ سَانِيَةٍ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ**». صاحب قدوری فرماتے ہیں: اور وہ زمین جس کو سیر اب کیا جائے **بِغَرْبٍ**، غرب کہتے ہیں بڑے ڈول کو بھائی، بڑا ڈول۔ **أَوْ دَالِيَةٍ**، دالیہ کہتے ہیں رہٹ کو بھائی رہٹ۔ رہٹ جانتے ہیں یا نہیں بھائی؟ کنویں کے اوپر وہ ڈول باندھے جاتے ہیں گول پہیے کی شکل میں اور پھر ان کو بیل وغیرہ چلا کر گھمایا جاتا ہے اور اس طرح کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے۔ **سَانِيَةٍ**، سانیہ وہ اونٹ یا اونٹنی جس کے ذریعے اسی طرح پانی نکالا جاتا ہے کنویں سے زمین کو سیر اب کیا جاتا ہے۔

بھائی گزشتہ سبق میں یہ بات ذکر ہوئی تھی کہ زمین جو ہے اس کے اندر عُشر دینا پڑے گا یعنی دسواں حصہ۔ لیکن یاد رکھیے یہ وہ زمین ذکر ہوئی جس کو دریا کے پانی سے یعنی بہتے پانی سے سیر اب کیا جائے یا بارش کے پانی سے وہ سیر اب ہوتی ہے۔ لیکن اگر زمین ایسی ہے کہ اس پر مشقت ہوتی ہے اس کو سیر اب کرنے میں اور اس پر خرچہ ہوتا ہے تو یاد رکھیے اس صورت میں اس پیداوار کے اندر عُشر نہیں واجب ہو گا بلکہ نصفِ عُشر واجب ہو گا بھائی، نصفِ عُشر، یعنی بیسواں حصہ۔ کتنا حصہ؟ بیسواں حصہ۔ تو خرچہ اور مشقت جب بڑھ گئی تو شریعت نے نرمی کر دی اور عُشر کے بجائے کیا واجب کیا؟ نصفِ عُشر واجب کیا۔

تو کہتے ہیں: «**وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْسَانِيَةٍ**» اور وہ زمین جس کو سیر اب کیا جائے ڈول کے ساتھ یا رہٹ کے ساتھ یا اونٹ کے ساتھ «**فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ**» تو اس کے اندر نصفِ عُشر واجب ہے «**عَلَى الْقَوْلَيْنِ**» دونوں قولوں پر، یعنی امام صاحب کے نزدیک بھی اور صاحبین کے نزدیک بھی نصفِ عُشر آئے گا۔ البتہ وہ شرطیں صاحبین کے نزدیک وہی ہیں بھائی کہ وہ چیز باقی رہنے والی ہو اور اس کی مقدار کتنی ہو؟ پانچ وسق ہو بھائی۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ

«**لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ**» اس لیے کیونکہ مشقت جو ہے اس کے اندر زیادہ ہے۔ جب ڈول کے ذریعے یا رہٹ وغیرہ کے ذریعے سیر اب کریں گے تو مشقت زیادہ، خرچہ زیادہ، تو لہٰذا اس لیے نصفِ عُشر آئے گا۔ یہ معنی ہے: «**لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ**» اس لیے کیونکہ مشقت اس کے اندر زیادہ ہے «**وَتَقِلُّ فِيمَا يُسْقَى بِالسَّمَاءِ أَوْسَيْحًا**» اور تھوڑی ہے مشقت اس کے اندر جس کو بارش سے سیر اب کیا جاتا ہے یا جاری پانی سے بھائی۔

«**وَإِنْ سُقِيَ سَيْحًاوَبِدَالِيَةٍ**» اب بھائی ایک زمین ہے اس کو بہتے پانی سے یا دریا کے پانی سے بھی سیر اب کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس کو ڈول کے ساتھ بھی سیر اب کیا جاتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ اس میں پھر اکثر کا اعتبار ہے۔ جیسے سائمہ جانوروں کے اندر اکثرِ سال کا اعتبار تھا، اگر سال

[1] شاملہ (ص ۱۴۷) میں «هُوَ» کے بجائے «مر» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۴۷) میں «هُوَ» کے بجائے «مر» درج ہے۔

کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارے اور کچھ حصہ اس کو گھر پر چارہ لا کر کھلایا جائے تو اس کو کیا شمار کرتے تھے؟ سائمہ شمار کرتے تھے۔ تو یہاں بھی اسی طرح اگر سال کا اکثر حصہ اس کو بہتے پانی وغیرہ سے سیر اب کیا جاتا ہے تو پھر وہ اس کا حکم آجائے گا، اور اگر سال کا اکثر حصہ اس کو ڈول وغیرہ کے ساتھ سیر اب کیا جاتا ہے تو پھر یہ حکم آجائے گا یعنی پھر نصفِ عُشر ہو گا بھائی۔

یہ معنی ہے: «وَإِنْ سُقِيَ سَيْحًا وَبِدَالِيَةٍ» اور اگر سیر اب کیا جاتا ہو بہتے پانی کے ساتھ اور رہٹ کے ساتھ یعنی دونوں کے ساتھ «فَالْمُعْتَبَرُ أَكْثَرُ السَّنَةِ» تو معتبر جو ہے وہ سال کا اکثر حصہ ہے یعنی اکثر حصے میں جس طرح سیر اب کیا جاتا ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا «كَمَا هُوَ فِي السَّائِمَةِ» جیسے کس کے اندر تھا؟ سائمہ جانور میں تھا۔

■ مسئلہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ فِيمَا لَا...

«وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ فِيمَا لَا يُوسَقُ» بھائی صاحبین نے ایک شرط لگائی تھی بھائی کہ وہ پیداوار کس قسم کی ہونی، وہ پیداوار ایک تو باقی رہنے والی ہو اور دوسری شرط کیا لگائی تھی؟ اس کی کتنی مقدار ہو؟ پانچ وسق ہونی چاہیے اس کی مقدار۔ اب ان پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بھائی بعض چیزوں تو ایسی ہیں کہ ان کو وسق سے نہیں ان کی مقدار ماپی جاتی بھائی، وسق کے ذریعے ان کی مقدار نہیں ماپی جاتی، اس میں کیا کریں گے؟ مثلاً جیسے بھائی پیمانے ہیں، تو سستی چیز ہوتی ہے اس کے لیے پیمانے بڑے بڑے ہوتے ہیں اور مہنگی چیز ہو اس کے لیے پیمانے چھوٹے ہوتے ہیں۔ جیسے چینی وغیرہ خریدتے ہیں آپ کلو کے حساب سے خریدتے ہیں، من کے حساب سے خریدتے ہیں، لیکن اگر سونا خریدنے لگے اب وہ کلو اور من کے حساب سے تو نہیں خریدا جاتا، وہ تو چھوٹے چھوٹے پیمانے ہیں کیونکہ مہنگی چیز ہے۔ تو اسی طرح یہ جو پیداواریں ہیں یہ بھی مختلف قسم کی، بعض سستی ہیں ان کے لیے پیمانے بڑے، بعض مہنگی ہیں تو ان کے پیمانے چھوٹے ہیں۔ تو وہ پیداوار جن کے اندر جن کو وسق کے ساتھ ماپا ہی نہیں جاتا، چھوٹے پیمانوں سے ماپا جاتا ہے، ان میں کیا کریں گے؟ ان میں کیا کریں گے؟

تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قیمت کا اعتبار کریں گے۔ کس چیز کا؟ اس لیے کیونکہ شرعی پیمانہ تو وسق ہے جیسا کہ ذکر ہو گیا حدیث کے اندر، لیکن اب جب شرعی پیمانہ ممکن نہ رہا تو پھر قیمت کا اعتبار کریں گے۔ یعنی وہ جو پیداوار ہے اس کی قیمت وسق کے ذریعے جس چیز کو ماپا جاتا ہے جو سستی ترین چیز ہے جس کو کس سے ماپا جاتا ہے؟ وسق کے ساتھ، اس کی قیمت کو اس کی قیمت پہنچ جائے تو اس میں عُشر واجب ہو گا۔

مثلاً جیسے صاحبِ ہدایہ ذکر کریں گے کہ ہمارے زمانے میں مکئی بڑی سستی ہے بھائی۔ جو چیزیں وسق کے ساتھ ماپی جاتی ہیں ان میں سب سے سستی چیز کیا ہے؟ مکئی ہے، جسے جوار بھی کہتے ہیں، تو جوار ہے تو وہ سب سے سستی چیز ہے۔ تو فرض کریں مثلاً جوار پانچ وسق ہوں تو اس کی قیمت دس ہزار بنتی ہے، کتنے کی بنتی ہے؟ دس ہزار کی۔ تو کہتے ہیں جو چیز وسق کے ساتھ نہیں ماپی جاتی اس میں پھر اس قیمت کا اعتبار کر لیں جو سستی ترین چیز پانچ وسق کی جتنی قیمت بنتی تھی اور وہ دس ہزار بنتی تھی تو مثلاً زعفران ہے، زعفران یہ آپ جانتے ہوں گے بھائی یہ گھاس ہے زرد یا سرخ سے رنگ کی اور اس کو دوائیوں وغیرہ میں بھی اور کھانے وغیرہ میں بھی خوشبو کے لیے استعمال کرتے ہیں اور دوائیوں میں بھی استعمال کرتے ہیں، تو زعفران وہ تو قیمتی چیز ہے اس کو تو وسق کے ساتھ نہیں ماپا جاتا، تو پھر اس سستی ترین چیز کے ساتھ اس کا اندازہ لگا لیں گے۔ تو مثلاً زعفران چاہے تھوڑا سا ہے لیکن اس کی قیمت اگر پانچ وسق جوار تک پہنچتی ہے یعنی دس ہزار تک اس کی قیمت پہنچتی ہے تو اس کے اندر کیا واجب ہو گا؟ عُشر واجب ہو گا ورنہ عُشر واجب نہیں۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ سب سے اعلیٰ پیمانے کا اعتبار کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں شرعی پیمانہ تو وسق ہے، پانچ وسق ہو، لیکن جس چیز میں وسق ممکن نہیں اس کے پیمانے چھوٹے ہیں تو پھر اس چیز کا جو سب سے بڑا پیمانہ ہے اس کا اعتبار کریں گے۔ اس کا سب سے بڑا پیمانہ استعمال ہونے والا، وہ والے پانچ پیمانے ہو جائیں تو اس کے اندر عُشر ہو گا، اگر وہ پانچ پیمانے سب سے بڑے والے اس کے نہیں بنتے تو اس میں عُشر بھی نہیں۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کس چیز کا اعتبار کرتے ہیں پھر؟ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں کہ جو وسق کے ذریعے ماپی جانے والی سستی ترین چیز کے پانچ وسق تک اس چیز کی قیمت پہنچ جائے تو اس میں عُشر ہو گا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ؟ اس چیز کے سب سے بڑے پیمانے، تو وہ فرماتے ہیں زعفران کے اندر قیمت نہیں دیکھیں گے بلکہ کیا دیکھیں گے؟ جو زعفران کا سب سے بڑا پیمانہ ہے وہ پانچ پیمانے ہو جاتے ہیں تو اس کے اندر عُشر ہو گا۔

تو کہتے ہیں: «وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ فِيمَا لَا يُوسَقُ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان چیزوں میں جن کو جن کا وسق نہیں کیا جاتا «كَالزَّعْفَرَانِ» جیسے کہ زعفران ہے «وَالْقُطْنِ» اور جیسے کہ کپاس ہے، روئی بھائی، قطن روئی اور کپاس کو کہتے ہیں، «وَالْقُطْنِ» اور جیسے کپاس ہے «يَجِبُ فِيهِ الْعُشْرُ» تو ان میں عُشر واجب ہو گا «إِذَا بَلَغَتْ قِيمَتُهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ مِنْ أَدْنَى مَا يُوسَقُ» جب ان کی قیمت پانچ وسق کو پہنچ جائے من اَدنی ما یوسق، وہ سب سے ادنیٰ چیز جو سب سے کم تر چیز جس میں وسق جاری ہوتا ہے جس کا وسق کیا جاتا ہے، «كَالذُّرَةِ» یہ یاد رکھیے یہ ذال مشدد ہے، رانہیں مشدد، ذرۃ ذرۃ ہے بھائی لفظ، «كَالذُّرَةِ» جیسے کہ جوار ہے یعنی مکئی ہے «فِي زَمَانِنَا» ہمارے زمانے میں «لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ التَّقْدِيرُ الشَّرْعِيُّ فِيهِ فَاعْتُبِرَتْ قِيمَتُهُ» اس لیے کیونکہ ان کے اندر شرعی تقدیر تو ممکن نہیں ہے، شرعی پیمانے کے ساتھ تو ان کا اندازہ کرنا ممکن نہیں کیونکہ ان میں وسق چلتا ہی نہیں ہے، «فَاعْتُبِرَتْ قِيمَتُهُ»

تو اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا «كَمَا فِي عُرُوضِ التِّجَارَةِ» جیسے کس کے اندر ہے؟ سامانِ تجارت کے اندر ہے بھائی۔ سامانِ تجارت ہے بھائی اب زکوٰۃ تو کس کے اندر واجب ہے؟ دو سو درہم یا بیس دینار کے اندر ہے، تو اب دو سو درہم اب سامان سامانِ تجارت ہے وہ تو درہموں کی صورت میں نہیں ہے، تو وہاں یہ پیمانہ چل ہی نہیں سکتا تو پھر وہاں کس چیز کا اعتبار کیا جاتا ہے؟ قیمت کا، تو یہاں بھی اسی طرح قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

■ مسئلہ: وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَجِبُ الْعُشْرُ...

«وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَجِبُ الْعُشْرُ إِذَا بَلَغَ الْخَارِجُ خَمْسَةَ أَعْدَادٍ مِنْ أَعْلَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ نَوْعُهُ» اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عُشر واجب ہو گا جب پیداوار پہنچ جائے پانچ کے عدد کو، پانچ عددوں کو، من أعلی مایقدر بہ، اس سب سے اعلیٰ پیمانے کو جس کے ساتھ اس کی نوع کا اس قسم کا حساب کیا جاتا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ کہ جب پیداوار پہنچ جائے پانچ عددوں کو اس سب سے بڑے پیمانے کو جس کے ساتھ اس قسم کا حساب لگایا جاتا ہے، «فَاعْتَبَرَ فِي الْقُطْنِ خَمْسَةَ أَحْمَالٍ» پس امام محمد رحمہ اللہ اعتبار کرتے ہیں کپاس میں پانچ حِمل کا، حِمل حا کے کسرہ کے ساتھ، پانچ حملوں کا اعتبار کرتے ہیں، «كُلُّ حِمْلٍ ثَلَاثُمِائَةِ مَنٍّ» اور ہر حِمل جو ہے وہ تین سو من کا ہے۔ کتنے کا ہے؟ تین سو من بھائی، اور من میں نے بتلایا تھا کس کے برابر ہے؟ دور طل کے برابر ہے یعنی ایک مد کے برابر بھائی، بعض بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے بھائی۔

تو کپاس کا چونکہ سب سے بڑا پیمانہ حِمل ہے لہٰذا وہی پانچ معتبر ہوں گے۔ «وَفِي الزَّعْفَرَانِ خَمْسَةَ أَمْنَاءٍ» اور زعفران کے اندر وہ اعتبار کرتے ہیں پانچ منوں کا «لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْوَسْقِ كَانَ لِاعْتِبَارِ أَنَّهُ أَعْلَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ» کیونکہ وسق کے ساتھ جو اندازہ کرنا تھا کان لاعتبار أنہ أعلی مایقدر بہ، اس اعتبار سے تھا کہ وہ سب سے بڑا پیمانہ تھا جس کے ساتھ ان چیزوں کا حساب۔ تو وسق جو شریعت نے اس لیے متعین کیا کیونکہ وہ سب سے بڑا پیمانہ تھا جس کے ساتھ ان چیزوں کا حساب لگایا جاتا تھا اور ان کے اندر تو وسق کا ہونہیں سکتا تو ان کے اندر جو ان کا بڑا پیمانہ ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْوَسْقِ» اس لیے کیونکہ وسق کے ساتھ اندازہ لگانا «كَانَ لِاعْتِبَارِ أَنَّهُ أَعْلَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ» وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ سب سے بڑا پیمانہ تھا جس کے ساتھ ان کا حساب لگایا جاتا تھا۔

«وَفِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ إِذَا أُخِذَ مِنْ أَرْضِ الْعُشْرِ» اور شہد کے اندر بھی عُشر ہے، شہد کے اندر بھی عُشر ہے «إِذَا أُخِذَ مِنْ أَرْضِ الْعُشْرِ» جب اس کو کہاں سے حاصل کیا جائے؟ عشری زمین سے حاصل کیا جائے۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَجِبُ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شہد میں عُشر واجب نہیں «لِأَنَّهُ مُتَوَلِّدٌ مِنَ الْحَيَوَانِ» اس لیے کیونکہ یہ حیوان یعنی ایک شہد کی مکھی سے پیدا ہوتا ہے «فَأَشْبَهَ الْإِبْرَيْسَمَ» تو یہ کس کے مشابہ ہو گیا؟ ریشم کے مشابہ ہو گیا بھائی، ابریسم ریشم بھائی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شہد جو ہے یہ شہد کی مکھی سے پیدا ہوتا ہے، وہ اس کو بناتی ہے، تو یہ ریشم کے مشابہ ہو گیا جیسے ریشم کو ریشم جو ہے وہ ریشم کا کیڑا بناتا ہے، تو جیسے وہ ریشم ایک جانور سے حاصل ہوتا ہے ایک کیڑے سے، اسی طرح شہد بھی ایک شہد کی مکھی سے حاصل ہوتا ہے تو یہ اس کے مشابہ ہوا اور ریشم کے اندر تو بالاتفاق عُشر نہیں، تو یہ شہد بھی اسی کی طرح ہے یہ بھی ایک جانور سے ایک مکھی سے حاصل کیا جاتا ہے تو اس میں بھی عُشر واجب نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: فِي الْعَسَلِ...

«وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: فِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ» اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: «فِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ» شہد میں عُشر ہے، یہ حدیث میں آیا ہے۔ «وَلِأَنَّ النَّحْلَ» اور دوسری دلیل بھی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب بھی دے رہے ہیں، «وَلِأَنَّ النَّحْلَ يَتَنَاوَلُ مِنَ الْأَنْوَارِ وَالثِّمَارِ» اور نیز اس لیے کیونکہ شہد کی مکھی وہ کھاتی ہے من الأنوار والثمار، انوار جمع ہے نَوْرٌ کی، نَوْرٌ نون کے فتحہ کے ساتھ اور یہ پھول کو کہتے ہیں، اس لیے کیونکہ شہد کی مکھی جو ہے وہ کھاتی ہے پھولوں میں سے والثمار اور پھلوں میں سے «وَفِيهِمَا الْعُشْرُ» اور پھولوں اور پھلوں میں تو کیا واجب ہوتا ہے؟ عُشر واجب ہوتا ہے «فَكَذَا فِيمَا يَتَوَلَّدُ مِنْهُمَا» تو اسی طرح اس چیز کے اندر بھی عُشر واجب ہو گا جو ان دونوں ان سے پیدا ہوتا ہے یعنی شہد۔ یہ شہد کس سے بناتی ہے شہد کی مکھی؟ پھولوں اور پھلوں سے، اور پھولوں اور پھلوں میں کیا واجب؟ عُشر، تو ان پھولوں اور پھلوں سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اس میں بھی کیا واجب ہو گا؟ عُشر، تو شہد ان سے پیدا ہوتا ہے اس میں عُشر واجب ہو گا۔

«بِخِلَافِ دُودِ الْقَزِّ» بخلاف ریشم کے کیڑے کے «لِأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ الْأَوْرَاقَ» اس لیے کیونکہ وہ پتے کھاتا ہے «وَلَا عُشْرَ فِيهِ» اور پتوں کے اندر تو عُشر نہیں، لہٰذا جب پتوں کے اندر عُشر نہیں تو پتوں سے جو چیز بناتا ہے وہ کیڑا اس کے اندر بھی عُشر واجب نہیں، اس لیے ریشم کے اندر عُشر واجب نہیں ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

«ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجِبُ فِيهِ الْعُشْرُ قَلَّ أَوْ كَثُرَ» پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شہد کے اندر عُشر واجب ہو گا چاہے شہد

تھوڑا ہو یا زیادہ «لِأَنَّهُ لَا يَعْتَبِرُ النِّصَابَ» اس لیے کیونکہ امام صاحب نصاب کا اعتبار نہیں کرتے جیسے پہلے ذکر ہوا، «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ يَعْتَبِرُ فِيهِ قِيمَةَ خَمْسَةِ أَوْسَاقٍ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کے اندر پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں جیسا کہ ان کی اصل ہے ان کا ضابطہ ہے کہ جس چیز کے اندر وسق والا پیمانہ جاری نہیں ہوتا تو پھر وہاں کیا کیا جائے گا؟ جو وسق کے ذریعے سستی ترین چیز ماپی جاتی ہے اس کے پانچ وسق کی مقدار کو جب اس چیز کی قیمت پہنچ جائے تو اس میں کیا واجب ہو گا؟ عُشر بھائی، تو اسی طرح شہد کی جب اس کی قیمت پانچ وسق کو پہنچ جائے۔

اور دوسری روایت: «وَعَنْهُ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دوسری روایت یہ ہے «أَنَّهُ لَا شَيْءَ فِيهِ حَتَّى يَبْلُغَ عَشَرَقِرَبٍ» کہ شہد کے اندر کچھ بھی نہیں ہے یہاں تک کہ وہ دس مشکیزوں کو اس کی مقدار پہنچ جائے بھائی۔ مشکیزہ بھائی وہ مشک جس کے اندر پانی وغیرہ ہوتا ہے اسی طرح شہد، گھی وغیرہ ان کے الگ مشکیزے ہوتے تھے خاص مقدار کے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو پانی کا مشکیزہ تو بڑا ہوتا ہے شہد کا چھوٹا ہوتا تھا اسی طرح شہد اور گھی وغیرہ کا بھائی۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ شہد میں کچھ بھی واجب نہیں یہاں تک کہ وہ دس مشکیزوں کو اس کی مقدار پہنچ جائے اور ہر مشکیزہ جو ہے وہ کہتے ہیں پچاس رطل کا ہو گا، بعضوں نے رطل لکھا ہے بعضوں نے من لکھا ہے کہ پچاس من کا ہو گا۔ دلیل ان کی: «لِحَدِيثِ بَنِي شَبَابَةَ» بنی شبابہ کی حدیث کی وجہ سے «أَنَّهُمْ كَانُوا يُؤَدُّونَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذٰلِكَ» کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح ادا کرتے تھے۔ تو یہ وہ اپنے وہ شہد وغیرہ ان کے علاقے میں ہوں گی مکھیاں بہت زیادہ بھائی تو وہ ہر دس مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ حضور علیہ السلام کو ادا کرتے تھے۔ تو یہ دو روایتیں ہو گئیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے۔

■ مسئلہ: وَعَنْهُ

«وَعَنْهُ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے یہ تیسری روایت آ گئی ان کی کہ وعنہ اور ان سے روایت ہے «خَمْسَةَ أَمْنَاءٍ» کتنے من ہو؟ پانچ من ہو بھائی من، تو اس کے اندر عُشر ہو گا، پانچ من سے کم ہو تو اس میں عُشر نہیں۔

«وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: خَمْسَةَ أَفْرَاقٍ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شہد کتنا ہو کس مقدار کو پہنچے؟ پانچ فرق کی مقدار کو، «كُلُّ فَرْقٍ سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ رِطْلًا» اور ہر فرق جو ہے وہ چھتیس رطل کا ہے۔ تو یہ فرق پیمانہ ہے یہ چھتیس رطل کے برابر ہے اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانچ فرق ہوں تو اتنا شہد ہو تو اس کے اندر عُشر ہو گا، «لِأَنَّهُ أَقْصَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ» اس لیے کیونکہ یہ انتہائی درجے کا وہ پیمانہ ہے جس کے ساتھ اس کا حساب لگایا جاتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کا ضابطہ کیا تھا؟ جو سب سے بڑا پیمانہ ہو اس کا اعتبار کیا جاتا ہے اور شہد کے اندر سب سے بڑا پیمانہ کیا ہے؟ فرق کا ہے، تو کہتے ہیں یہی پانچ معتبر ہیں۔

«وَكَذَا فِي قَصَبِ السُّكَّرِ» اور اسی طرح گنے کے اندر ہے۔ اسی طرح گنے کے اندر ہے یعنی گنے کے اندر بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسی طرح پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں کیونکہ گنے کے گنے کو جو ہے اس کو اس میں وسق کیونکہ گنے کے اندر وسق جاری نہیں ہوتا۔ جب ایسی چیز ہو جس میں وسق جاری نہ ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ اس کی قیمت لگا لو اگر اس کی قیمت وسق کے ذریعے جو سب سے سستی چیز ماپی جاتی ہے اس کے پانچ وسق تک اس کی قیمت پہنچ جائے تو اس کے اندر کیا واجب ہو گا؟ عُشر واجب ہو گا ورنہ عُشر واجب نہیں۔ اور جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ اس کے سب سے بڑے پیمانے کا اعتبار کرو تو گنے کا جو سب سے بڑا پیمانہ ہے وہ پانچ اگر ہو جاتے ہیں تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں عُشر واجب ہو گا، اگر اس سے کم ہے تو اس میں عُشر واجب نہیں۔ یہ معنی ہے: «وَكَذَا فِي قَصَبِ السُّكَّرِ» اور اسی طرح گنے کے اندر بھی ہے یعنی اسی طرح اختلاف ہے امام امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس میں پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ اس کے پانچ بڑے پیمانوں کا اعتبار کرتے ہیں۔

■ مسئلہ: وَمَا يُوجَدُ فِي الْجِبَالِ مِنَ الْعَسَلِ وَالثّ...

«وَمَا يُوجَدُ فِي الْجِبَالِ مِنَ الْعَسَلِ وَالثِّمَارِ فَفِيهِ الْعُشْرُ» اور وہ جو پایا جائے پہاڑوں کے اندر شہد اور پھلوں میں سے تو اس کے اندر بھی عُشر۔ پہاڑوں میں بھائی پھل ملتے ہیں یا کیا ملتا ہے؟ شہد، تو اس میں بھی عُشر واجب ہے۔ «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا يَجِبُ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ وَهِيَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی واجب نہیں، طرفین تو کیا فرماتے ہیں؟ اس میں عُشر ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہاڑوں میں جو شہد اور پھل ملیں اس میں عُشر نہیں «لِانْعِدَامِ السَّبَبِ» سبب کے معدوم ہونے کی وجہ سے کیونکہ سبب نہیں پایا جا رہا، بھائی سبب کیا ہے؟ کہتے ہیں: «وَهِيَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ» ارضِ نامیہ ہے، نمو والی زمین ہے اور یہ تو پہاڑوں میں ملے ہیں ارضِ نامیہ کے اندر یعنی خراجی یا عشری زمین کے اندر خراجی یا عشری زمین میں نہیں ملے بھائی۔ «وَوَجْهُ الظَّاهِرِ: أَنَّ الْمَقْصُودَ حَاصِلٌ وَهُوَ الْخَارِجُ» ظاہرِ روایت کی وجہ یہ ہے کہ مقصود حاصل ہے اور وہ پیداوار ہے۔ طرفین کیا فرماتے تھے کہ پہاڑوں کے اندر بھی جو شہد اور پھل ملیں ان کے اندر بھی کیا واجب ہے؟ عُشر واجب ہے، تو اس ظاہرِ روایت کی وجہ یہ ہے کہ بے شک ارضِ نامیہ نہیں ہے یہ پہاڑوں سے ملے ہیں ارضِ نامیہ نہیں ہے، لیکن پھر بھی مقصود تو حاصل ہے اور مقصود کیا ہے؟ پیداوار تو حاصل ہے بھائی۔

«قَالَ: وَكُلُّ شَيْءٍ أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ مِمَّا فِيهِ الْعُشْرُ لَا يُحْتَسَبُ فِيهِ أَجْرُ الْعُمَّالِ وَنَفَقَةُ الْبَقَرِ» ہر وہ ایسی چیز جس کو زمین اگائے ان چیزوں میں سے جن کے اندر عُشر ہوتا ہے «لَا يُحْتَسَبُ فِيهِ أَجْرُالْعُمَّالِ» عمال جمع ہے عامل کی، عامل کام کرنے والا یعنی مزدور وغیرہ، تو اس میں حساب نہیں کیا جائے گا کام کرنے والوں کی اجرت کا «وَنَفَقَةُ الْبَقَرِ» اور اسی طرح بیلوں کے خرچے کا۔ بیلوں کے خرچے کا حساب نہیں کیا جائے گا یعنی اس کو اس کی اس کی کٹوتی الگ نہیں کی جائے گی۔ مثلاً بھائی یہ نہیں کیا جائے گا کہ ایک آدمی نے فصل کاشت کی اور وہ فصل مثلاً سو من فصل ہوئی اور وہ کہتا ہے بھائی میں نے مزدور لگائے تھے ان پر بھی میرا خرچہ ہوا، بیلوں وغیرہ پر بھی میرا خرچہ ہوا، تو کوئی بیس من کے لگ بھگ تو میرا خرچہ ہو گیا، تو بیس من کے برابر میرا جتنا بیس من کی قیمت ہے اتنا میرا اس پر کیا ہوا ہے؟ خرچہ ہوا ہے، لہٰذا بیس من کو نکال دیں کہ بیس من کے اندر تو عُشر نہیں کیونکہ یہ تو میرے خرچے کے ہیں، باقی اسی من کے اندر سے کیا دے دیتا ہے وہ؟ عُشر دے دیتا ہے، تو کہتے ہیں نہیں بھائی نہیں، جو خرچہ ہوا ہو وہ اس کے اندر عُشر نہ مانا جائے یہ کرنا صحیح نہیں بلکہ سارے کے اندر عُشر آئے گا۔ اور اسی حساب سے اگر بارش وغیرہ سے زمین سیراب کی ہے تو اس صورت میں دسواں حصہ، اور اگر رہٹ وغیرہ یا ڈول کے ذریعے سیراب کی ہے تو بیسواں حصہ دینا پڑے گا۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟

یہ معنی ہے: «لَا يُحْتَسَبُ فِيهِ أَجْرُ الْعُمَّالِ وَنَفَقَةُ الْبَقَرِ» تو اس میں حساب نہیں کیا جائے گا مزدوروں کی اجرت کا اور بیل کے خرچے کا، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَكَمَ بِتَفَاوُتِ الْوَاجِبِ لِتَفَاوُتِ الْمُؤْنَةِ فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» جی اس مقام کو اچھی طرح سمجھ لیں یہ مشکل مقام ہے بھائی، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے «حَكَمَ» وہ فیصلہ فرمایا ہے «بِتَفَاوُتِ الْوَاجِبِ» واجب کے مختلف ہونے کا «لِتَفَاوُتِ الْمُؤْنَةِ» مشقت کے اختلاف کی وجہ سے۔ مشقت کے مختلف ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام نے مختلف واجب کا فیصلہ فرمایا ہے۔ بھائی دیکھیے، بارش کے پانی سے زمین سیراب ہوتی ہے یا دریا کے پانی سے تو مشقت کم، تو حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا اس میں کتنا واجب ہے؟ اس میں دسواں حصہ عُشر ہے۔ اور جس کے اندر مشقت ہوئی ہے مثلاً رہٹ وغیرہ یا ڈول وغیرہ کے ذریعے اس کو سیراب کیا ہے تو اس میں حضور علیہ السلام نے کتنا واجب قرار دیا؟ اس میں بیسواں حصہ واجب قرار دیا۔ تو حضور علیہ السلام نے مشقت کے مختلف ہونے کی وجہ سے واجب بھی مختلف کیے ہیں۔ بعض میں عُشر واجب کیا اور بعض میں نصفِ عُشر واجب فرمایا ہے۔

■ مسئلہ: فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا

«فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» تو کوئی، معنی یہاں علت اور سبب کے معنی میں ہے، «فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» لہٰذا اس خرچے کو دور کرنے کی کوئی علت نہیں ہے۔ ہا ضمیر مؤنث کو راجع ہے۔ اس خرچے کو دور کرنے اور اس کو اٹھانے کی کوئی علت نہیں ہے۔ دلیل کس چیز کی چل رہی ہے؟ کہ فصل پر جو خرچہ ہوا ہے مزدوروں کا یا بیلوں کا یا اسی طرح اور بھی جو بھی خرچہ ہوا ہے ان خرچوں کا حساب کر کے اس کو نکالا نہیں جائے گا۔ یہ نہیں کہ اس کے بقدر میں عُشر نہ ہو اور باقی میں عُشر ہو، نہیں، بلکہ سارے میں عُشر دینا پڑے گا، چاہے عُشر آئے چاہے نصفِ عُشر آئے۔ دلیل اس اس کی ذکر ہو رہی ہے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے خرچے کے مختلف ہونے کے اعتبار سے واجب بھی مختلف قرار دیا ہے، بعضوں میں عُشر ہے تو بعضوں میں نصفِ عُشر ہے، «فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» رفع کا معنی اٹھا دینا، دور کر دینا، یعنی جیسے میں نے صورت ذکر کر دی کہ وہ آدمی مثلاً کیا کہتا ہے؟ میرا خرچہ کتنا ہوا ہے؟ بیس من کے برابر میرا خرچہ ہوا ہے تو یہ بیس من الگ کرو اس میں سے عُشر نہیں کیونکہ یہ تو کس کے ہیں؟ خرچے کے ہیں، باقی اسی من میں کیا کرو؟ اس میں سے عُشر لے لو، صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو کہتے ہیں نہیں، «فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» اس خرچے کو نکالنے کی اور اٹھانے کی کوئی علت نہیں۔ اٹھانے کی کوئی علت نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے مختلف واجب قرار دیے ہیں خرچوں کے مختلف ہونے کے اعتبار سے۔

تو اگر اس خرچے کو ہم نکال لیتے ہیں جو فصل والے کا ہوا ہے فصل والے کا ہوا ہے، پھر تو اس صورت میں ایک ہی واجب ہو گا سب پر، حالانکہ ایک ہی واجب ہے سب پر یا حضور علیہ السلام نے مختلف واجب قرار دیے ہیں؟ بعضوں میں عُشر ہے تو بعضوں میں، لیکن اگر یہ خرچہ نکال لیا جائے پھر تو ایک ہی واجب سب پر لازم آئے گا۔ مثلاً دیکھیے صورت بنا لیں، صورت یہ کہ ایک شخص کے اگر بارش سے زمین سیراب ہوتی ہے، اس میں بیس من بیس من غلہ ہو تو کتنا آئے گا اس پر؟ عُشر آئے گا دسواں حصہ، اور بیس من کا دسواں حصہ کتنا ہے؟ دو من، تو اس پر دو من آئیں گے بھائی عُشر کے۔ اور اگر ایک شخص ہے وہ کیا کرتا ہے اس کی زمین وہ اس کو ڈول کے ساتھ سیراب کرتا ہے اور اس میں سے اس کو چالیس من پیداوار حاصل ہو جاتی ہے، کتنی؟ چالیس من پیداوار حاصل ہوئی، اور اس کا فرض کریں خرچہ ہوا ہے بیس من کے برابر اس پر خرچہ ہوا ہے مشقت ہوئی ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اب چالیس میں سے بیس کو نکال دیں کہ یہ تو کس کے ہیں؟ خرچے کے، تو باقی کتنے رہ گئے؟ بیس رہ گئے، تو جب خرچے کو نکال لیا تو اب اس کے اندر عُشر آنا چاہیے یا نصفِ عُشر؟ اب تو عُشر پورا آنا چاہیے کیونکہ خرچے کو تو اس نے خود نکالا، تو اس کے اندر بھی کتنا آ جائے گا؟ عُشر اور وہ کتنا بنتا ہے؟ دو من۔ تو اگر اس طرح خرچے کو نکالا جائے پھر تو سب کے اندر ایک ہی واجب ماننا پڑے گا، حالانکہ حضور علیہ السلام نے تو ایک واجب نہیں فرمایا بلکہ خرچے کے اعتبار سے مختلف واجب فرمائے ہیں، لہٰذا کوئی علت نہیں ہے، کوئی سبب نہیں ہے کہ اس خرچے کو اس میں سے نکال دیا جائے کیونکہ اس صورت میں

قَالَ: «وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْ سَانِيَةٍ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ، لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ وَتَقِلُّ فِيمَا يُسْقَى بِالسَّمَاءِ أَوْ سَيْحًا، وَإِنْ سُقِيَ سَيْحًا وَبِدَالِيَةٍ فَالْمُعْتَبَرُ أَكْثَرُ السَّنَةِ كَمَا هُوَ فِي

السَّائِمَةِ».

گزشتہ سبق میں عشر کی تفصیل شروع ہوئی تھی، اور آپ نے پڑھا کہ امام صاحب کے نزدیک زمین سے جو بھی پیداوار حاصل ہو، چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، اس کے اندر عشر واجب ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک دو شرطیں ہیں اس میں: ایک تو یہ کہ وہ پیداوار ایسی ہو جو سال بھر تک آسانی سے محفوظ رہتی ہو، اور دوسری شرط یہ کہ اس میں نصاب کی بھی شرط ہے اور وہ نصاب پانچ وسق ہے پانچ وسق، اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے بھائی۔

اب آگے فرماتے ہیں: «**قَالَ وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْ سَانِيَةٍ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ**». صاحب قدوری فرماتے ہیں: اور وہ زمین جس کو سیر اب کیا جائے **بِغَرْبٍ**، غرب کہتے ہیں بڑے ڈول کو بھائی، بڑا ڈول۔ **أَوْ دَالِيَةٍ**، دالیہ کہتے ہیں رہٹ کو بھائی، رہٹ۔ رہٹ جانتے ہیں یا نہیں بھائی؟ کنویں کے اوپر وہ ڈول باندھے جاتے ہیں گول پہیے کی شکل میں اور پھر ان کو بیل وغیرہ چلا کر گھمایا جاتا ہے اور اس طرح کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے۔ **سَانِيَةٍ**، سانیہ وہ اونٹ یا اونٹنی جس کے ذریعے اسی طرح پانی نکالا جاتا ہے کنویں سے، زمین کو سیر اب کیا جاتا ہے۔

بھائی گزشتہ سبق میں یہ بات ذکر ہوئی تھی کہ زمین جو ہے اس کے اندر عشر دینا پڑے گا یعنی دسواں حصہ۔ لیکن یاد رکھیے یہ وہ زمین ذکر ہوئی جس کو دریا کے پانی سے یعنی بہتے پانی سے سیر اب کیا جائے یا بارش کے پانی سے وہ سیر اب ہوتی ہے۔ لیکن اگر زمین ایسی ہے کہ اس پر مشقت ہوتی ہے اس کو سیر اب کرنے میں اور اس پر خرچہ ہوتا ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں اس پیداوار کے اندر عشر نہیں واجب ہوگا بلکہ نصف عشر واجب ہوگا بھائی نصف عشر، یعنی بیسواں حصہ۔ کتنا حصہ؟ بیسواں حصہ۔ تو خرچہ اور مشقت جب بڑھ گئی تو شریعت نے نرمی کر دی اور عشر کے بجائے کیا واجب کیا؟ نصف عشر واجب کیا۔

تو کہتے ہیں «**وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْسَانِيَةٍ**» اور وہ زمین جس کو سیر اب کیا جائے ڈول کے ساتھ «**أَوْ دَالِيَةٍ**» یا رہٹ کے ساتھ «**أَوْ سَانِيَةٍ**» یا اونٹ کے ساتھ «**فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ**» تو اس کے اندر نصف عشر واجب ہے «**عَلَى الْقَوْلَيْنِ**» دونوں قولوں پر، یعنی امام صاحب کے نزدیک بھی اور صاحبین کے نزدیک بھی نصف عشر آئے گا۔ البتہ وہ شرطیں صاحبین کے نزدیک وہی ہیں بھائی کہ وہ چیز باقی رہنے والی ہو اور اس کی مقدار کتنی ہو؟ پانچ وسق ہو بھائی۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ

«**لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ**» اس لیے کیونکہ مشقت جو ہے اس کے اندر زیادہ ہے۔ جب ڈول کے ذریعے یا رہٹ وغیرہ کے ذریعے سیر اب کریں گے تو مشقت زیادہ خرچہ زیادہ، تو لہٰذا اس لیے نصف عشر آئے گا۔ یہ معنی ہے «**لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ**» اس لیے کیونکہ مشقت اس کے اندر زیادہ ہے «**وَتَقِلُّ فِيمَا يُسْقَى بِالسَّمَاءِ أَوْسَيْحًا**» اور تھوڑی ہے مشقت اس کے اندر جس کو بارش سے سیر اب کیا جاتا ہے «**أَوْ سَيْحًا**» یا جاری پانی سے بھائی۔

«**وَإِنْ سُقِيَ سَيْحًاوَبِدَالِيَةٍ**» اب بھائی ایک زمین ہے اس کو بہتے پانی سے یا دریا کے پانی سے بھی سیر اب کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس کو ڈول کے ساتھ بھی سیر اب کیا جاتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ اس میں پھر اکثر کا اعتبار ہے۔ جیسے سائمہ جانوروں کے اندر اکثر سال کا اعتبار تھا، اگر سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارے اور کچھ حصہ اس کو گھر پر چارہ لا کر کھلایا جائے تو اس کو کیا شمار کرتے تھے؟ سائمہ شمار کرتے تھے۔ تو یہاں بھی اسی طرح اگر سال کا اکثر حصہ اس کو بہتے پانی وغیرہ سے سیر اب کیا جاتا ہے تو پھر وہ اس کا حکم آجائے گا، اور اگر سال کا اکثر حصہ اس کو ڈول وغیرہ کے ساتھ سیر اب کیا جاتا ہے تو پھر یہ حکم آجائے گا یعنی پھر نصف عشر ہوگا بھائی۔

یہ معنی ہے «**وَإِنْ سُقِيَ سَيْحًاوَبِدَالِيَةٍ**» اور اگر سیر اب کیا جاتا ہو بہتے پانی کے ساتھ «**وَبِدَالِيَةٍ**» اور رہٹ کے ساتھ یعنی دونوں کے ساتھ «**فَالْمُعْتَبَرُ أَكْثَرُالسَّنَةِ**» تو معتبر جو ہے وہ سال کا اکثر حصہ ہے، یعنی اکثر حصے میں جس طرح سیر اب کیا جاتا ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا «**كَمَا هُوَ فِي السَّائِمَةِ**» جیسے کس کے اندر تھا؟ سائمہ جانور میں تھا۔

■ مسئلہ: وَقَالَ أَبُويُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ فِيمَالَا...

«**وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا لَا يُوسَقُ**» بھائی صاحبین نے ایک شرط لگائی تھی بھائی کہ وہ پیداوار کس قسم کی ہونی وہ پیداوار ایک تو باقی رہنے والی ہو اور دوسری شرط کیا لگائی تھی؟ اس کی کتنی مقدار ہو؟ پانچ وسق ہونی چاہیے اس کی مقدار۔ اب ان پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بھائی بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان کو وسق سے نہیں ان کی مقدار ماپی جاتی بھائی، وسق کے ذریعے ان کی مقدار نہیں ماپی جاتی، اس میں کیا کریں گے؟ مثلاً جیسے بھائی پیمانے ہیں، تو سستی چیز ہوتی ہے اس کے لیے پیمانے بڑے بڑے ہوتے ہیں، اور مہنگی چیز ہو اس کے لیے پیمانے چھوٹے ہوتے ہیں۔ جیسے چینی وغیرہ خریدتے ہیں آپ کلو کے حساب سے خریدتے ہیں، من کے حساب سے خریدتے ہیں، لیکن اگر سونا خریدنے لگے اب وہ کلو اور من کے حساب سے تو نہیں خریدا جاتا، وہ تو چھوٹے چھوٹے پیمانے ہیں کیونکہ مہنگی چیز ہے۔ تو اسی طرح یہ جو پیداواریں ہیں یہ بھی مختلف قسم کی، بعض سستی ہیں ان کے لیے پیمانے بڑے، بعض مہنگی ہیں تو ان کے پیمانے چھوٹے ہیں۔ تو وہ پیداوار جن کے اندر جن کو وسق کے ساتھ ماپا ہی نہیں

جاتا، چھوٹے پیمانوں سے ماپا جاتا ہے، ان میں کیا کریں گے؟ ان میں کیا کریں گے؟

تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قیمت کا اعتبار کریں گے، کس چیز کا؟ قیمت کا۔ اس لیے کیونکہ شرعی پیمانہ تو وسق ہے جیسا کہ ذکر ہو گیا حدیث کے اندر، لیکن اب جب شرعی پیمانہ ممکن نہ رہا تو پھر قیمت کا اعتبار کریں گے۔ یعنی وہ جو پیداوار ہے اس کی قیمت وسق کے ذریعے جس چیز کو ماپا جاتا ہے، جو سستی ترین چیز ہے جس کو کس سے ماپا جاتا ہے؟ وسق کے ساتھ، اس کی قیمت کو اس کی قیمت پہنچ جائے تو اس میں عشر واجب ہو گا۔ مثلاً جیسے صاحبِ ہدایہ ذکر کریں گے کہ ہمارے زمانے میں مکئی بڑی سستی ہے بھائی۔ جو چیزیں وسق کے ساتھ ماپی جاتی ہیں ان میں سب سے سستی چیز کیا ہے؟ مکئی ہے، جوار جسے جوار بھی کہتے ہیں، تو جوار ہے تو وہ سب سے سستی چیز ہے۔ تو فرض کریں مثلاً جوار پانچ وسق ہوں تو اس کی قیمت دس ہزار بنتی ہے، کتنے کی بنتی ہے؟ دس ہزار کی۔ تو کہتے ہیں جو چیز وسق کے ساتھ نہیں ماپی جاتی اس میں پھر اس قیمت کا اعتبار کر لیں جو سستی ترین چیز پانچ وسق کی جتنی قیمت بنتی تھی، اور وہ دس ہزار بنتی تھی، تو مثلاً زعفران ہے، زعفران یہ آپ جانتے ہوں گے بھائی یہ گھاس ہے زرد یا سرخ رنگ کی اور اس کو دوائیوں وغیرہ میں بھی اور کھانے وغیرہ میں بھی خوشبو کے لیے استعمال کرتے ہیں اور دوائیوں میں بھی استعمال کرتے ہیں، تو زعفران وہ تو قیمتی چیز ہے، اس کو تو وسق کے ساتھ نہیں ماپا جاتا، تو پھر اس سستی ترین چیز کے ساتھ اس کا اندازہ لگا لیں گے۔ تو مثلاً زعفران چاہے تھوڑا سا ہے لیکن اس کی قیمت اگر پانچ وسق جوار تک پہنچتی ہے یعنی دس ہزار تک اس کی قیمت پہنچتی ہے تو اس کے اندر کیا واجب ہو گا؟ عشر واجب ہو گا، ورنہ عشر واجب نہیں۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ سب سے اعلیٰ پیمانے کا اعتبار کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں شرعی پیمانہ تو وسق ہے، پانچ وسق ہو، لیکن جس چیز میں وسق ممکن نہیں اس کے پیمانے چھوٹے ہیں تو پھر اس چیز کا جو سب سے بڑا پیمانہ ہے اس کا اعتبار کریں گے۔ اس کا سب سے بڑا پیمانہ استعمال ہونے والا، وہ والے پانچ پیمانے ہو جائیں تو اس کے اندر عشر ہو گا۔ اگر وہ پانچ پیمانے سب سے بڑے والے اس کے نہیں بنتے تو اس میں عشر بھی نہیں۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کس چیز کا اعتبار کرتے ہیں پھر؟ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں کہ جو وسق کے ذریعے ماپی جانے والی سستی ترین چیز کے پانچ وسق تک اس چیز کی قیمت پہنچ جائے تو اس میں عشر ہو گا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ اس چیز کے سب سے بڑے پیمانے، تو وہ فرماتے ہیں زعفران کے اندر قیمت نہیں دیکھیں گے بلکہ کیا دیکھیں گے؟ جو زعفران کا سب سے بڑا پیمانہ ہے وہ پانچ پیمانے ہو جاتے ہیں تو اس کے اندر عشر ہو گا۔

تو کہتے ہیں «**وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا لَا يُوسَقُ**» امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان چیزوں میں جن کو جن کا وسق نہیں کیا جاتا «**كَالزَّعْفَرَانِ**» جیسے کہ زعفران ہے «**وَالْقُطْنِ**» اور جیسے کہ کپاس ہے، روئی بھائی، قطن روئی اور کپاس کو کہتے ہیں، «**وَالْقُطْنِ**» اور جیسے کپاس ہے «**يَجِبُ فِيهِ الْعُشْرُ إِذَا بَلَغَتْ قِيمَتُهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ مِنْ أَدْنَى مَا يُوسَقُ**» تو ان میں عشر واجب ہو گا جب ان کی قیمت پانچ وسق کو پہنچ جائے من ادنی ما یوسق، وہ سب سے ادنیٰ چیز جو سب سے کمتر چیز جس میں وسق جاری ہوتا ہے جس کا وسق کیا جاتا ہے «**كَالذُّرَةِ**» یہ یاد رکھیے ذال مشدد ہے، را نہیں مشدد، راذرۃ، ذرۃ ہے بھائی لفظ۔ «**كَالذُّرَةِ**» جیسے کہ جوار ہے یعنی مکئی ہے «**فِي زَمَانِنَا**» ہمارے زمانے میں، «**لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ التَّقْدِيرُ الشَّرْعِيُّ فِيهِ فَاعْتُبِرَتْ قِيمَتُهُ**» اس لیے کیونکہ ان کے اندر شرعی تقدیر تو ممکن نہیں ہے۔ شرعی پیمانے کے ساتھ تو ان کا اندازہ کرنا ممکن نہیں کیونکہ ان میں وسق چلتا ہی نہیں ہے «**فَاعْتُبِرَتْ قِيمَتُهُ**» تو اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا «**كَمَا فِي عُرُوضِ التِّجَارَةِ**» جیسے کس کے اندر ہے؟ سامانِ تجارت کے اندر ہے بھائی۔ سامانِ تجارت ہے بھائی، اب زکوۃ تو کس کے اندر واجب ہے؟ دو سو درہم یا بیس دینار کے اندر ہے، تو اب دو سو درہم اب سامان سامانِ تجارت ہے وہ تو درہموں کی صورت میں نہیں ہے، تو وہاں یہ پیمانہ چل ہی نہیں سکتا، تو پھر وہاں کس چیز کا اعتبار کیا جاتا ہے؟ قیمت کا، تو یہاں بھی اسی طرح قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

■ مسئلہ: وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ الْعُشْرُ...

«**وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ الْعُشْرُ إِذَا بَلَغَ الْخَارِجُ خَمْسَةَ أَعْدَادٍ مِنْ أَعْلَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ نَوْعُهُ**» اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشر واجب ہو گا جب پیداوار پہنچ جائے «**خَمْسَةَ أَعْدَادٍ**» پانچ کے عدد کو، پانچ عددوں کو «**مِنْ أَعْلَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ نَوْعُهُ**» اس سب سے اعلیٰ پیمانے کو جس کے ساتھ اس کی نوع کا اس قسم کا حساب کیا جاتا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟ کہ جب پیداوار پہنچ جائے خمسۃ اعداد پانچ عددوں کو من اعلی مایقدر بہ نوعہ، اس سب سے بڑے پیمانے کو جس کے ساتھ اس قسم کا حساب لگایا جاتا ہے۔ «**فَاعْتَبَرَ فِي الْقُطْنِ خَمْسَةَ أَحْمَالٍ**» پس امام محمد رحمہ اللہ اعتبار کرتے ہیں کپاس میں پانچ **حِمْل** کا، **حِمْل** حا کے کسرہ کے ساتھ، پانچ حملوں کا اعتبار کرتے ہیں «**كُلُّ حِمْلٍ ثَلَاثُمِائَةِ مَنٍّ**» اور ہر حمل جو ہے وہ تین سو من کا ہے۔ کتنے کا ہے؟ تین سو من بھائی۔ اور من میں نے بتلایا تھا کس کے برابر ہے؟ دور طل کے برابر ہے یعنی ایک مد کے برابر بھائی، بعض بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے بھائی۔ تو کپاس کا چونکہ سب سے بڑا پیمانہ **حِمْل** ہے لہٰذا وہی پانچ معتبر ہوں گے۔ «**وَفِي الزَّعْفَرَانِ خَمْسَةَ أَمْنَاءٍ**» اور زعفران کے اندر وہ اعتبار کرتے ہیں خمسۃ امناء، پانچ منوں کا، «**لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْوَسْقِ كَانَ لِاعْتِبَارِ أَنَّهُ أَعْلَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ**» کیونکہ وسق کے ساتھ جو اندازہ کرنا تھا «**كَانَ لِاعْتِبَارِ أَنَّهُ أَعْلَى مَا يُقَدَّرُ بِهِ**» اس اعتبار سے تھا کہ وہ سب سے بڑا پیمانہ تھا جس کے ساتھ ان چیزوں کا حساب۔ تو وسق جو شریعت نے اس لیے متعین کیا کیونکہ وہ سب سے بڑا پیمانہ تھا جس جس کے ساتھ ان چیزوں کا حساب لگایا جاتا تھا، اور ان کے اندر تو وسق کا ہو نہیں سکتا، تو ان کے اندر جو ان کا بڑا پیمانہ ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ معنی ہے «**لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْوَسْقِ كَانَ لِاعْتِبَارِ أَنَّهُ**

أَعْلَى مَا يُقَدَّرُبِهِ » اس لیے کیونکہ وسق کے ساتھ اندازہ لگانا وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ سب سے بڑا پیمانہ تھا جس کے ساتھ ان کا حساب لگایا جاتا تھا۔

« وَفِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ إِذَا أُخِذَ مِنْ أَرْضِ الْعُشْرِ » اور شہد کے اندر بھی عشر ہے، شہد کے اندر بھی عشر ہے « إِذَا أُخِذَ مِنْ أَرْضِ الْعُشْرِ » جب اس کو کہاں سے حاصل کیا جائے؟ عشری زمین سے حاصل کیا جائے۔ « وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ » امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شہد میں عشر واجب نہیں « لِأَنَّهُ مُتَوَلِّدٌ مِنَ الْحَيَوَانِ » اس لیے کیونکہ یہ حیوان یعنی ایک شہد کی مکھی سے پیدا ہوتا ہے « فَأَشْبَهَ الْإِبْرَيْسَمَ » تو یہ کس کے مشابہ ہو گیا؟ ریشم کے مشابہ ہو گیا بھائی، ابریسم ریشم بھائی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شہد جو ہے یہ شہد کی مکھی سے پیدا ہوتا ہے، وہ اس کو بناتی ہے، تو یہ ریشم کے مشابہ ہو گیا، جیسے ریشم کو وہ ریشم جو ہے وہ ریشم کا کیڑا بناتا ہے، تو جیسے وہ ریشم ایک جانور سے حاصل ہوتا ہے، ایک کیڑے سے، اسی طرح شہد بھی ایک شہد کی مکھی سے حاصل ہوتا ہے، تو یہ اس کے مشابہ ہوا، اور ریشم کے اندر تو بالاتفاق عشر نہیں، تو یہ شہد بھی اسی کی طرح ہے یہ بھی ایک جانور سے ایک مکھی سے حاصل کیا جاتا ہے تو اس میں بھی عشر واجب نہیں ہو گا۔

« وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ » اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے: « فِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ » شہد میں عشر ہے، یہ حدیث میں آیا ہے۔ « وَلِأَنَّ النَّحْلَ » اور دوسری دلیل بھی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب بھی دے رہے ہیں، « وَلِأَنَّ النَّحْلَ يَتَنَاوَلُ مِنَ الْأَنْوَارِ وَالثِّمَارِ » اور نیز اس لیے کیونکہ شہد کی مکھی وہ کھاتی ہے من الانوار والثمار، انوار جمع ہے نورٌ کی نورٌ، نون کے فتحہ کے ساتھ، اور یہ پھول کو کہتے ہیں۔ اس لیے کیونکہ شہد کی مکھی جو ہے وہ کھاتی ہے پھولوں میں سے « وَالثِّمَارِ » اور پھلوں میں سے « وَفِيهِمَا الْعُشْرُ » اور پھولوں اور پھلوں میں تو کیا واجب ہوتا ہے؟ عشر واجب ہوتا ہے « فَكَذَا فِيمَا يَتَوَلَّدُ مِنْهُمَا » تو اسی طرح اس چیز کے اندر بھی عشر واجب ہو گا جو ان دونوں ان سے پیدا ہوتا ہے، یعنی شہد۔ یہ شہد کس سے بناتی ہے شہد کی مکھی؟ پھولوں اور پھلوں سے، اور پھولوں اور پھلوں میں کیا واجب؟ عشر، تو ان پھولوں اور پھلوں سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اس میں بھی کیا واجب ہو گا؟ عشر، تو شہد ان سے ہی پیدا ہوتا ہے اس میں عشر واجب ہو گا۔ « بِخِلَافِ دُودِ الْقَزِّ » بخلاف ریشم کے کیڑے کے « لِأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ الْأَوْرَاقَ » اس لیے کیونکہ وہ پتے کھاتا ہے « وَلَا عُشْرَ فِيهِ » اور پتوں کے اندر تو عشر نہیں، لہٰذا جب پتوں کے اندر عشر نہیں تو پتوں سے جو چیز بناتا ہے وہ کیڑا اس کے اندر بھی عشر واجب نہیں، اس لیے ریشم کے اندر عشر واجب نہیں ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

■ مسئلہ: ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ...

« ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ فِيهِ الْعُشْرُ قَلَّ أَوْ كَثُرَ » پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شہد کے اندر عشر واجب ہو گا چاہے شہد تھوڑا ہو یا زیادہ « لِأَنَّهُ لَا يَعْتَبِرُ النِّصَابَ » اس لیے کیونکہ امام صاحب نصاب کا اعتبار نہیں کرتے جیسے پہلے ذکر ہوا۔ « وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَعْتَبِرُ فِيهِ قِيمَةَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ » اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کے اندر پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، جیسا کہ ان کی اصل ہے ان کا ضابطہ ہے کہ جس چیز کے اندر وسق والا پیمانہ جاری نہیں ہوتا تو پھر وہاں کیا کیا جائے گا؟ جو وسق کے ذریعے سستی ترین چیز ماپی جاتی ہے اس کے پانچ وسق کی مقدار کو جب اس چیز کی قیمت پہنچ جائے تو اس میں کیا واجب ہو گا؟ عشر بھائی، تو اسی طرح شہد کی جب اس کی قیمت پانچ وسق کو پہنچ جائے۔

اور دوسری روایت « وَعَنْهُ » امام امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دوسری روایت یہ ہے « أَنَّهُ لَا شَيْءَ فِيهِ حَتَّى يَبْلُغَ عَشَرَقِرَبٍ » کہ شہد کے اندر کچھ بھی نہیں ہے یہاں تک کہ وہ دس مشکیزوں کو اس کی مقدار پہنچ جائے بھائی۔ مشکیزہ بھائی، وہ مشک جس کے اندر پانی وغیرہ ہوتا ہے، اسی طرح شہد، گھی وغیرہ ان کے الگ مشکیزے ہوتے تھے خاص مقدار کے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو پانی کا مشکیزہ تو بڑا ہوتا ہے، شہد کا چھوٹا ہوتا تھا اسی طرح شہد اور گھی وغیرہ کا بھائی۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ شہد میں کوئی کچھ بھی واجب نہیں یہاں تک کہ وہ دس مشکیزوں کو اس کی مقدار پہنچ جائے۔ اور ہر مشکیزہ جو ہے وہ کہتے ہیں پچاس رطل کا ہو گا، بعضوں نے رطل لکھا ہے بعضوں نے من لکھا ہے کہ پچاس من کا ہو گا بھائی۔ دلیل ان کی « لِحَدِيثِ بَنِي شَبَابَةَ » بنی شبابہ کی حدیث کی وجہ سے « أَنَّهُمْ كَانُوا يُؤَدُّونَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ » کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح ادا کرتے تھے۔ تو یہ وہ اپنے وہ شہد وغیرہ ان کے علاقے میں ہوں گی مکھیاں بہت زیادہ بھائی، تو وہ ہر دس مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ حضور علیہ السلام کو ادا کرتے تھے۔ تو یہ دو روایتیں ہو گئیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے۔ « وَعَنْهُ » اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے، یہ تیسری روایت آ گئی ان کی کہ « وَعَنْهُ خَمْسَةَ أَمْنَاءٍ » کتنے من ہو؟ پانچ من ہو بھائی من، تو اس کے اندر عشر ہو گا، پانچ من سے کم ہو تو اس میں عشر نہیں۔

« وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ خَمْسَةَ أَفْرَاقٍ » اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شہد کتنا ہو کس مقدار کو پہنچے؟ پانچ پانچ فرق کی مقدار کو، « كُلُّ فَرَقٍ سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ رِطْلًا » اور ہر فرق جو ہے وہ چھتیس رطل کا ہے۔ تو یہ فرق پیمانہ ہے، یہ چھتیس رطل کے برابر ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانچ فرق ہوں تو اس اتنا شہد ہو تو اس کے اندر عشر ہو گا۔ « لِأَنَّهُ أَقْصَى مَا يُقَدَّرُبِهِ » اس لیے کیونکہ یہ انتہائی درجے کا وہ پیمانہ ہے جس کے ساتھ اس کو اس کا حساب لگایا جاتا ہے۔ امام محمد

رحمہ اللہ کا ضابطہ کیا تھا؟ جو سب سے بڑا پیمانہ ہو اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور شہد کے اندر سب سے بڑا پیمانہ کیا ہے؟ فرق کا ہے، تو کہتے ہیں یہی پانچ معتبر ہیں۔

■ مسئلہ: وَكَذَا فِي قَصَبِ السُّكَّرِ

«وَكَذَا فِي قَصَبِ السُّكَّرِ» اور اسی طرح گنے کے اندر ہے۔ اسی طرح گنے کے اندر ہے یعنی گنے کے اندر بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسی طرح پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں۔ کیونکہ گنے کے گنے کو جو ہے اس کو اس میں وسق کیونکہ گنے کے اندر وسق جاری نہیں ہوتا، جب ایسی چیز ہو جس میں وسق جاری نہ ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ اس کی قیمت لگالو اگر اس کی قیمت وسق کے ذریعے جو سب سے سستی چیز ماپی جاتی ہے اس کے پانچ وسق تک اس کی قیمت پہنچ جائے تو اس کے اندر کیا واجب ہو گا؟ عشر واجب ہو گا ورنہ عشر واجب نہیں۔ اور جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ اس کے سب سے بڑے پیمانے کا اعتبار کرو، تو گنے کا جو سب سے بڑا پیمانہ ہے وہ پانچ اگر ہو جاتے ہیں تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں عشر واجب ہو گا اگر اس سے کم ہے تو اس میں عشر واجب نہیں۔ یہ معنی ہے «وَكَذَا فِي قَصَبِ السُّكَّرِ» اور اسی طرح گنے کے اندر بھی ہے، یعنی اسی طرح اختلاف ہے۔ امام امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس میں پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ اس کے پانچ بڑے پیمانوں کا اعتبار کرتے ہیں۔

«وَمَا يُوجَدُ فِي الْجِبَالِ مِنَ الْعَسَلِ وَالثِّمَارِ فَفِيهِ الْعُشْرُ» اور وہ جو پایا جائے پہاڑوں کے اندر شہد اور پھلوں میں سے «فَفِيهِ الْعُشْرُ» تو اس کے اندر بھی عشر۔ پہاڑوں میں بھائی پھل ملتے ہیں یا کیا ملتا ہے؟ شہد، تو اس میں بھی عشر واجب ہے۔ «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَجِبُ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ وَهِيَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی واجب نہیں۔ طرفین تو کیا فرماتے ہیں؟ اس میں عشر ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہاڑوں میں جو شہد اور پھل ملیں اس میں عشر نہیں۔ «لِانْعِدَامِ السَّبَبِ» سبب کے معدوم ہونے کی وجہ سے کیونکہ سبب نہیں پایا جا رہا، بھائی سبب کیا ہے؟ کہتے ہیں «وَهِيَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ» ارضِ نامیہ ہے، نمو والی زمین ہے، اور یہ تو پہاڑوں میں ملے ہیں، ارضِ نامیہ کے اندر یعنی خراجی یا عشری زمین کے اندر خراجی یا عشری زمین میں نہیں ملے بھائی۔ «وَوَجْهُ الظَّاهِرِ» ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے «أَنَّ الْمَقْصُودَ حَاصِلٌ وَهُوَ الْخَارِجُ» کہ مقصود حاصل ہے اور وہ پیداوار ہے۔ طرفین کیا فرماتے تھے کہ پہاڑوں کے اندر بھی جو شہد اور پھل ملیں ان کے اندر بھی کیا واجب ہے؟ عشر واجب ہے، تو اس ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ بے شک ارضِ نامیہ نہیں ہے، یہ پہاڑوں سے ملے ہیں ارضِ نامیہ نہیں ہے، لیکن پھر بھی مقصد تو حاصل ہے اور مقصود کیا ہے؟ پیداوار تو حاصل ہے بھائی۔

«قَالَ: وَكُلُّ شَيْءٍ أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ مِمَّا فِيهِ الْعُشْرُ لَا يُحْتَسَبُ فِيهِ أَجْرُ الْعُمَّالِ وَنَفَقَةُ الْبَقَرِ» ہر وہ ایسی چیز جس کو زمین اگائے ان چیزوں میں سے جن کے اندر عشر ہوتا ہے «لَا يُحْتَسَبُ فِيهِ أَجْرُ الْعُمَّالِ» عمال جمع ہے عامل کی، عامل کام کرنے والا یعنی مزدور وغیرہ، تو اس میں حساب نہیں کیا جائے گا کام کرنے والوں کی اجرت کا «وَنَفَقَةُ الْبَقَرِ» اور اسی طرح بیلوں کے خرچے کا۔ بیلوں کے خرچے کا حساب نہیں کیا جائے گا یعنی اس کو اس کی اس کی کٹوتی الگ نہیں کی جائے گی۔ مثلاً بھائی یہ نہیں کیا جائے گا کہ ایک آدمی نے فصل کاشت کی اور وہ فصل مثلاً سو من فصل ہوئی اور وہ کہتا ہے بھائی میں نے مزدور لگائے تھے ان پہ بھی میرا خرچہ ہوا، بیلوں وغیرہ پر بھی میرا خرچہ ہوا، تو کوئی بیس من کے لگ بھگ تو میرا خرچہ ہو گیا، تو بیس من کے برابر میرا جتنا بیس من کی قیمت ہے اتنا میرا اس پر کیا ہوا ہے؟ خرچہ ہوا ہے، لہٰذا بیس من کو نکال دیں کہ بیس من کے اندر تو عشر نہیں کیونکہ یہ تو میرے خرچے کے ہیں، باقی اسی من کے اندر سے کیا دے دیتا ہے وہ؟ عشر دے دیتا ہے، تو کہتے ہیں نہیں بھائی نہیں۔ جو خرچہ ہوا ہو وہ اس کے اندر عشر نہ مانا جائے یہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ سارے کے اندر عشر آئے گا، اور اسی حساب سے اگر بارش وغیرہ سے زمین سیراب کی ہے تو اس صورت میں دسواں حصہ، اور اگر رہٹ وغیرہ یا ڈول کے ذریعے سیراب کی ہے تو بیسواں حصہ دینا پڑے گا۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟

یہ معنی ہے «لَا يُحْتَسَبُ فِيهِ أَجْرُ الْعُمَّالِ وَنَفَقَةُ الْبَقَرِ» تو اس میں حساب نہیں کیا جائے گا مزدوروں کی اجرت کا اور بیل کے خرچے کا، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَكَمَ بِتَفَاوُتِ الْوَاجِبِ لِتَفَاوُتِ الْمُؤْنَةِ فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» جی اس مقام کو اچھی طرح سمجھ لیں یہ مشکل مقام ہے بھائی۔ اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے «حَكَمَ» وہ فیصلہ فرمایا ہے «بِتَفَاوُتِ الْوَاجِبِ» واجب کے مختلف ہونے کا «لِتَفَاوُتِ الْمُؤْنَةِ» مشقت کے اختلاف کی وجہ سے۔ مشقت کے مختلف ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام نے مختلف واجب کا فیصلہ فرمایا ہے۔ بھائی دیکھیے، بارش کے پانی سے زمین سیراب ہوتی ہے یا دریا کے پانی سے تو مشقت کم، تو حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا اس میں کتنا واجب ہے؟ اس میں دسواں حصہ عشر ہے۔ اور جس کے اندر مشقت ہوئی ہے مثلاً رہٹ وغیرہ یا ڈول وغیرہ کے ذریعے اس کو سیراب کیا ہے تو اس میں حضور علیہ السلام نے کتنا واجب قرار دیا؟ اس میں بیسواں حصہ واجب قرار دیا، تو حضور علیہ السلام نے مشقت کے مختلف ہونے کی وجہ سے واجب بھی مختلف کیے ہیں۔ بعض میں عشر واجب کیا اور بعض میں نصف عشر واجب فرمایا ہے۔ «فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» تو کوئی معنی یہاں علت اور سبب کے معنی میں ہے، «فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» لہٰذا اس خرچے کو دور کرنے کی کوئی علت نہیں ہے۔ ہا ضمیر مؤنث کو راجع ہے۔ اس خرچے کو دور کرنے اور اس کو اٹھانے کی کوئی علت نہیں ہے۔

دلیل کس چیز کی چل رہی ہے؟ کہ فصل پر جو خرچہ ہوا ہے مزدوروں کا یا بیلوں کا یا اسی طرح اور بھی جو بھی خرچہ ہوا ہے، ان خرچوں کا حساب کر کے اس کو نکالا نہیں جائے گا۔ یہ نہیں کہ اس کے بقدر میں عشر نہ ہو اور باقی میں عشر ہو، نہیں بلکہ سارے میں عشر دینا پڑے گا، چاہے عشر آئے چاہے نصف عشر آئے۔ دلیل اس اس کی ذکر ہو رہی ہے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے خرچے کے مختلف ہونے کے اعتبار سے واجب بھی مختلف قرار دیے ہیں، بعضوں میں عشر ہے تو بعضوں میں نصف عشر

ہے۔ «فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» رفع کا معنی اٹھا دینا، دور کر دینا۔ یعنی جیسے میں نے صورت ذکر کر دی کہ وہ آدمی مثلاً کیا کہتا ہے؟ میرا خرچہ کتنا ہوا ہے؟ بیس من کے برابر میرا خرچہ ہوا ہے، تو یہ بیس من الگ کرو اس میں سے عشر نہیں کیونکہ یہ تو کس کے ہیں؟ خرچے کے ہیں، باقی اسی من میں کیا کرو؟ اس میں سے عشر لے لو۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں نہیں، «فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» اس خرچے کو نکالنے کے اور اٹھانے کی کوئی علت نہیں۔ اٹھانے کی کوئی علت نہیں ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے مختلف واجب قرار دیے ہیں خرچوں کے مختلف ہونے کے اعتبار سے۔ تو اگر اس خرچے کو ہم نکال لیتے ہیں جو فصل والے کا ہوا ہے فصل والے کا ہوا ہے، پھر تو اس صورت میں ایک ہی واجب ہو گا سب پر، حالانکہ ایک ہی واجب ہے سب پر یا حضور علیہ السلام نے مختلف واجب قرار دیے ہیں؟ بعضوں میں عشر ہے تو بعضوں میں نصف، لیکن اگر یہ خرچہ نکال لیا جائے پھر تو ایک ہی واجب سب پر لازم آئے گا۔

مثلاً دیکھیے صورت بنالیں، صورت یہ کہ ایک شخص کے اگر بارش سے زمین سیر اب ہوتی ہے اس میں بیس من بیس من غلہ ہو، تو کتنا آئے گا اس پر؟ عشر آئے گا دسواں حصہ، اور بیس من کا دسواں حصہ کتنا ہے؟ دو من، تو اس پر دو من آئیں گے بھائی عشر کے۔ اور اگر ایک شخص ہے وہ کیا کرتا ہے؟ اس کی زمین وہ اس کو ڈول کے ساتھ سیر اب کرتا ہے اور اس میں سے اس کو چالیس من پیداوار حاصل ہو جاتی ہے، کتنی؟ چالیس من پیداوار حاصل ہوئی، اور اس کا فرض کریں خرچہ ہوا ہے بیس من کے برابر اس پر خرچہ ہوا ہے مشقت ہوئی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب چالیس میں سے بیس کو نکال دیں کہ یہ تو کس کے ہیں؟ خرچے کے، تو باقی کتنے رہ گئے؟ بیس رہ گئے۔ تو جب خرچے کو نکال لیا تو اب اس کے اندر عشر آنا چاہیے یا نصف عشر؟ اب تو عشر پورا آنا چاہیے کیونکہ خرچے کو تو اس نے خود نکال دیا، تو اس کے اندر بھی کتنا آجائے گا؟ عشر اور وہ کتنا بنتا ہے؟ دو من۔ تو اگر اس طرح خرچے کو نکالا جائے پھر تو سب کے اندر ایک ہی واجب ماننا پڑے گا، حالانکہ حضور علیہ السلام نے تو ایک واجب نہیں فرمایا بلکہ خرچے کے اعتبار سے مختلف واجب فرمائے ہیں۔ لہٰذا کوئی علت نہیں ہے، کوئی سبب نہیں ہے کہ اس خرچے کو اس میں سے نکال دیا جائے، کیونکہ اس صورت میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ ایک ہی واجب آتا ہے سب پر، حالانکہ سب پر ایک واجب تو ہے ہی نہیں بلکہ حضور علیہ السلام نے مختلف واجب فرمائے ہیں بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

یہ معنی ہے «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَكَمَ بِتَفَاوُتِ الْوَاجِبِ لِتَفَاوُتِ الْمُؤْنَةِ» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے مشقت کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف قسم کے واجب کا حکم دیا ہے «فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا» تو کوئی سبب نہیں ہے اس خرچے کو نکالنے کا۔ کون سا خرچہ؟ یہ جو مالک کا اس پر ہوا ہے، اس خرچے کو نکالنے کی کوئی علت نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ کہ اس صورت میں ایک ہی واجب سب میں آتا ہے اور حالانکہ نص کے اندر تو ایک واجب نہیں آیا بلکہ مختلف واجب آئے ہیں۔

■ مسئلہ: قَالَ: تَغْلِبِيٌّ لَهُ أَرْضُ عُشْرٍ فَعَلَيْهِ ا...

«قَالَ: تَغْلِبِيٌّ لَهُ أَرْضُ عُشْرٍ فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ مُضَاعَفًا» تغلبی تھا بھائی، قبیلہ بنو تغلب کا، اور آپ پڑھ چکے ہیں قبیلہ بنو تغلب وہ قبیلہ جن کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا معاہدہ فرمایا تھا؟ کہ مسلمانوں سے جو زکوٰۃ لی جاتی ہے اس کا دگنا ان سے لیا جاتا ہے، تو ایک تغلبی تھا «لَهُ أَرْضُ عُشْرٍ» اور اس کی عشری زمین ہے، کون سی زمین ہے؟ عشری زمین ہے «فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ مُضَاعَفًا» تو اس پر عشر ہو گا مضاعفاً، دگنا بھائی، کیونکہ ان سے معاہدہ ہی کیا ہوا تھا؟ کہ ان سے مسلمانوں کی بنسبت دگنا لیا جائے گا۔ «عُرِفَ ذَلِكَ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ» اور اس کو جانا گیا ہے صحابہ کے اجماع سے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد یہی معاہدہ کیا تھا تو اس پر صحابہ کا اجماع ہوا۔

«وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ فِيمَا اشْتَرَاهُ التَّغْلِبِيُّ مِنَ الْمُسْلِمِ عُشْرًا وَاحِدًا» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں کہ جب کہ تغلبی نے اس زمین کو مسلمان سے خریدا ہو، اس میں ایک ہی عشر آئے گا۔ بھائی بنو تغلب کے کسی آدمی کے پاس کوئی عشری زمین ہے، متن میں مثلاً ذکر ہو گیا تو کہ اس سے کتنا عشر لیا جائے گا؟ دگنا عشر لیا جائے گا۔ البتہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تغلبی نے یہ زمین کسی مسلمان سے خریدی، تو پھر مسلمان سے کیا لیا جاتا تھا؟ عشر، تو اب تغلبی سے بھی عشر ہی لیا جائے گا، دگنا نہیں بھائی۔ اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں جب یہ عشری زمین ہے تو اس زمین کا وظیفہ عشر ہوا۔ خراجی زمین کا وظیفہ کیا ہوتا ہے؟ خراج، اس میں خراج دیتے ہیں، اور عشری زمین کا وظیفہ کیا ہے؟ عشر ہے۔ تو اس کے اندر عشر اس کا وظیفہ بن چکا ہے، اب مالک کے بدلنے سے وظیفہ نہیں بدلے گا، مسلمان سے عشر لیا جاتا تھا اب مالک بدل گیا اور کون بن گیا؟ تغلبی بن گیا تو بھی اس سے کیا لیا جائے گا؟ عشر ہی لیا جائے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا ان کا؟

تو کہتے ہیں اس میں ایک ہی عشر آئے گا «لِأَنَّ الْوَظِيفَةَ عِنْدَهُ لَا تَتَغَيَّرُ بِتَغَيُّرِ الْمَالِكِ» اس لیے کیونکہ وظیفہ زمین کا جو ہے وہ ان کے نزدیک بدلتا نہیں ہے مالک کے بدلنے سے۔ «فَإِنِ اشْتَرَاهَا مِنْهُ ذِمِّيٌّ فَهِيَ عَلَى حَالِهَا عِنْدَهُمْ» پس اگر اس عشری زمین کو خرید لیا «مِنْهُ» اس تغلبی سے، کس نے خرید لیا؟ «ذِمِّيٌّ» کسی ذمی نے خرید لیا، یعنی کسی دوسرے عیسائی، کوئی بنو تغلب کا عیسائی نہیں تھا کوئی اور عیسائی تھا یا یہودی تھا، دار الاسلام میں رہتا ہے، تو اس ذمی نے خرید لیا «فَهِيَ عَلَى حَالِهَا عِنْدَهُمْ» تو یہ زمین اپنے حال پر ہی رہے گی، «عِنْدَهُمْ» تینوں ائمہ کے نزدیک بھائی، تینوں کے نزدیک۔ بھائی اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں بھائی وجہ یہ کہ گزشتہ باب میں ذکر ہوا تھا کہ عاشر پر جو شخص گزرتا ہے تو مسلمان سے جو لیا جاتا ہے ذمی سے اس کا دگنا لیا جاتا ہے، دگنا لیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی جب تغلبی

کے پاس یہ زمین تھی تو اس سے کتنا لیا جاتا تھا؟ دگنا، عشر کا دگنا لیا جاتا تھا، جب دگنا لیا جاتا تھا کوئی اور ذمی بھی خرید لے تو بھی وہی صورت ہے اس سے بھی کیا لیا جاتا ہے؟ مسلمان سے دگنا ہی لیا جاتا ہے، تو یہ لہٰذا یہاں اسی طرح اس کو برقرار رکھیں گے، اس سے دگنا ہی لیا جائے گا، تو کوئی اور ذمی بھی خرید لے اسی طرح ہو گا۔

یہ معنی ہے «فَإِنِ اشْتَرَاهَا مِنْهُ ذِمِّيٌّ فَهِيَ عَلَى حَالِهَا عِنْدَهُمْ» تو اگر اس زمین اگر اس عشری زمین کو خرید لیا تغلبی سے کسی دوسرے ذمی نے تو یہ زمین اپنے حال پر ہی رہے گی یعنی دگنا عشر ہی اس سے لیا جائے گا «عِنْدَهُمْ» تینوں ائمہ کے نزدیک «لِجَوَازِ التَّضْعِيفِ عَلَيْهِ فِي الْجُمْلَةِ» اس لیے کیونکہ ان پر دگنا کرنا جائز ہے مجموعی اعتبار سے «كَمَا إِذَا مَرَّ عَلَى الْعَاشِرِ» جیسے کہ وہ جب گزرے کس پر؟ عاشر پر۔

■ مسئلہ: وَكَذَا إِذَا اشْتَرَاهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ أَوْ أَسْ...

«وَكَذَا إِذَا اشْتَرَاهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ أَوْ أَسْلَمَ التَّغْلِبِيُّ» اور اسی طرح ہو گا اگر اس زمین کو خرید لے «مِنْهُ» اس تغلبی سے «مُسْلِمٌ» کوئی مسلمان بھائی۔ تغلبی سے کتنا لیا جاتا تھا؟ دگنا عشر لیا جاتا ہے، تو اگر اس زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو مسلمان سے بھی دگنا عشر اب لیا جائے گا۔ اور اگر وہ تغلبی خود مسلمان ہو جائے تو بھی اس سے دگنا عشر ہی لیا جائے گا بھائی، کیونکہ اس زمین کا وظیفہ کیا ہے؟ دگنا عشر ہے بھائی۔ یہ معنی ہے «وَكَذَا إِذَا اشْتَرَاهَا مِنْهُ» اور اسی طرح اگر اس زمین کو خرید لیا اس تغلبی سے «مُسْلِمٌ» کسی مسلمان نے «أَوْ أَسْلَمَ التَّغْلِبِيُّ» یا کوئی مسلمان ہو گیا وہ تغلبی «عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» جی؟ جی، نہیں بھائی ذمی نہیں۔ اوپر تھا اوپر تھا تغلبی سے ذمی خرید لیتا ہے، اب آگے ہے تغلبی سے مسلمان خرید لیتا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ ہاں یہ یہ بین السطور پہ ہمیشہ اسی پہ نہ چلیں، یہ غلطیاں بہت اس طرح کی غلطیاں ہیں، ایک عبارت ایک جگہ کی ہوتی ہے وہ لکھ کہیں اور دیتا ہے بھائی۔ یہ کسی اور جگہ پر ہو گا «أي من الذمي»، یہ اس نے اٹھا کر یہاں لکھ دیا ہے۔ اچھا بھائی۔

«عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» امام صاحب کے نزدیک «سَوَاءٌ كَانَ التَّضْعِيفُ أَصْلِيًّا أَوْ حَادِثًا» برابر ہے کہ یہ دگنا کرنا اصلی ہو یا حادث ہو یعنی نیا پیش آیا ہو۔ بھائی ایک تو تضعیفِ اصلی ہے کہ زمین شروع سے ہی کس کے پاس تھی؟ تغلبی کے پاس تھی، تو اس سے دگنا عشر لیا جائے گا، تو یہ تضعیف ہے اصلی، یہ دگنا کرنا اصلی ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان کے پاس زمین تھی، مسلمان عشر دیتا تھا، اس کو کس نے خرید لیا؟ تغلبی نے خرید لیا، تو اب اس سے کتنا لیا جائے گا؟ دگنا عشر لیا جائے گا، تو یہ دگنا کرنا جو عشر کا ہوا یہ یہاں پر اصلی ہے یا اب پیش آیا ہے؟ اب پیش آیا ہے کیونکہ پہلے تو عشر مسلمان دے رہا تھا اب تغلبی مالک بنا ہے تو یہ دگنا کرنا حادث ہے۔ فرق سمجھ میں آیا بھائی؟ ایک تضعیف اصلی ہے کہ پہلے سے ہی کیا آ رہا ہے اس میں؟ دگنا عشر چلا آ رہا ہے، وہ زمین تھی ہی تغلبی کے پاس شروع سے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان کے پاس تھی اور وہ عشر دیتا تھا لیکن آگے کس کے پاس گئی؟ تغلبی کے پاس اس نے خرید لی، تو اب وہ کتنا دے گا؟ دگنا عشر دے گا، تو یہ جو دگنا کرنا ہے یہ کس قسم کا ہے؟ حادث ہے، نیا پیش آیا ہے۔

تو کہتے ہیں «سَوَاءٌ كَانَ التَّضْعِيفُ أَصْلِيًّا أَوْ حَادِثًا» برابر ہے کہ تضعیف اصلی ہو یا حادث ہو نئی پیش آنے والی ہو، یعنی مسلمان نے اس زمین کو خریدا تغلبی سے، یا وہ تغلبی کیا ہوا؟ مسلمان ہوا۔ اور اس میں دو صورتیں ہیں کہ تغلبی جو زمین کا دو عشر دیتا تھا یہ تضعیف یا تو اصلی ہو گی پہلے سے اسی طرح چلا آ رہا ہے، یا اس تغلبی نے اس کو کس سے خریدا تھا؟ مسلمان سے خریدا تھا پھر تضعیف اس کے بعد ہوئی دگنا ہوا، تو دونوں صورتوں میں چاہے تضعیف اصلی ہو چاہے تضعیف حادث ہو، تو پھر اس کو کون خریدے؟ مسلمان خریدے یا وہ تغلبی خود کیا ہو جائے؟ مسلمان ہو جائے، دگنا ہی عشر دینا پڑے گا۔ تو تضعیف چاہے اصلی ہو یا حادث دونوں میں حکم یہی ہے۔

یہ معنی ہے «سَوَاءٌ كَانَ التَّضْعِيفُ أَصْلِيًّا أَوْ حَادِثًا» برابر ہے کہ تضعیف اصلی ہو یا حادث ہو «لِأَنَّ التَّضْعِيفَ صَارَ وَظِيفَةً لَهَا» اس لیے کیونکہ تضعیف وہ اس زمین کا وظیفہ بن گیا «فَتَنْتَقِلُ إِلَى الْمُسْلِمِ بِمَا فِيهَا» تو یہ زمین منتقل ہو جائے گی مسلمان کی طرف اسی وظیفے کے ساتھ جو اس کے اندر تھا «كَالْخَرَاجِ» جیسے خراج ہے کہ مسلمان اگر خراجی زمین کو خریدتا ہے تو وہ پھر بھی کیا رہتی ہے؟ خراجی ہی رہتی ہے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَعُودُ إِلَى...

«وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَعُودُ إِلَى عُشْرٍ وَاحِدٍ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ زمین پھر لوٹ جائے گی ایک عشر کی طرف۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ زمین لوٹ جائے گی ایک عشر کی طرف «لِزَوَالِ الدَّاعِي إِلَى التَّضْعِيفِ» اس لیے کیونکہ داعی الی التضعیف جو ہے وہ ختم ہو گیا، تضعیف کا یعنی دگنا کرنے کا جو داعی تھا جو اس کی طرف دعوت دے رہا تھا وہ ختم ہو گیا، اور وہ کیا تھا؟ وہ تغلبی کا کفر تھا، تو اگر وہ مسلمان ہو گیا تو وہ کفر ختم ہوا یا اس کو کس نے خرید لیا؟ مسلمان نے تو وہ دونوں صورتوں میں وہ داعی ختم ہوا۔

«قَالَ فِي الْكِتَابِ: وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا صَحَّ عَنْهُ» قال فی الکتاب، کتاب کے اندر فرماتے ہیں مصنف، مراد ہے مبسوط کی بھائی، کتاب الزکاۃ بھائی۔ کیا مراد ہے؟ مبسوط کی کتاب الزکاۃ، اس میں مصنف فرماتے ہیں یعنی شمس الائمہ رحمہ اللہ بھائی، وہ مبسوط کی کتاب الزکاۃ میں فرماتے ہیں «وَهُوَ

قَوْلُ مُحَمَّدٍ » اور یہی قول ہے امام محمد رحمہ اللہ کا بھائی، یہی قول ہے امام محمد رحمہ اللہ کا بھی، کون سا؟ جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ذکر ہوا، وہ کیا فرماتے ہیں کہ زمین جو ہے وہ تضعیف سے پھر کس طرف لوٹ آئے گی؟ عشرِ واحد کی طرف لوٹ آئے گی۔ تو وہ فرماتے ہیں اس کتاب کے اندر « **وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ** » کہ یہی قول ہے امام محمد رحمہ اللہ کا « **فِيمَا** » اس قول میں « **صَحَّ عَنْهُ** » **أَيْ ثَبَتَ عَنْهُ**، جو کس سے ثابت ہے؟ امام محمد۔ وہ فرماتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ سے جو قول صحیح طور پر ثابت ہے اس کے مطابق امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ہے، یعنی امام محمد رحمہ اللہ اس مسئلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔

آگے « **قَالَ** »، قال سے مراد ہے صاحب ہدایہ، وہ فرماتے ہیں « **اخْتَلَفَتِ النُّسَخُ فِي بَيَانِ قَوْلِهِ** » کہ نسخے مختلف ہیں بھائی، یعنی مبسوط کے نسخے مختلف ہیں امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے بیان میں کہ وہ کس کے ساتھ ہیں اس مسئلے میں۔ « **وَالْأَصَحُّ** » اور زیادہ صحیح قول یہ ہے « **أَنَّهُ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** » وہ کس کے ساتھ ہیں؟ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں « **فِي بَقَاءِ التَّضْعِيفِ** » تضعیف کے باقی رہنے میں۔ یعنی وہ بھی فرماتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ کہ اس کو اگر کوئی مسلمان بھی خرید لے یا تغلبی مسلمان ہو جائے دونوں صورتوں میں تضعیف باقی رہے گی، دگنا ہی عشر لیا جائے گا۔ « **إِلَّا أَنَّ قَوْلَهُ لَا يَتَأَتَّى إِلَّا فِي الْأَصْلِيِّ** » مگر یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول جو ہے وہ حاصل نہیں ہوتا مگر صرف اصلی کی صورت میں۔ جب تضعیف کون سی ہو؟ اصلی ہو، اسی صورت میں ان کا قول جاری ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تضعیف اصلی ہے تو پہلے سے تضعیف چلی آ رہی ہے تو اب مالک بدل گیا، مسلمان آ گیا مالک بھائی، تو بھی وظیفہ زمین کا مالک کے بدلنے سے نہیں بدلتا تو تضعیف ہی رہے گی۔ اور اگر وہ زمین پہلے کیا تھی؟ مسلمان کے پاس تھی، اور تضعیف پھر حادث ہوئی ہے امام صاحب کے نزدیک، تضعیف کیسی ہوئی ہے؟ بعد میں پیش آئی، تغلبی نے خریدا تو اس پر عشر اب اس کو دگنا دینا پڑے گا، تو اس صورت میں اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو تضعیف آئے گی نہیں، تغلبی پر بھی تضعیف نہیں آئے گی کیونکہ مسلمان کے پاس تھی وہ کیا دیتا تھا؟ عشر دیتا تھا، تو جب تغلبی نے خریدا اس پر بھی کیا ائے گا؟ عشر ہی ائے گا کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مالک کے بدلنے سے زمین کا وظیفہ نہیں، تو ان کے نزدیک تو تضعیفِ حادث ہو ہی نہیں سکتی۔ جب شروع میں عشر ہے تو بعد میں بھی عشر ہی رہے گا، اگر پہلے سے تضعیف ہے تو بعد میں بھی تضعیف رہے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّ قَوْلَهُ لَا يَتَأَتَّى إِلَّا فِي ال...

« **إِلَّا أَنَّ قَوْلَهُ لَا يَتَأَتَّى إِلَّا فِي الْأَصْلِيِّ** » مگر یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول حاصل نہیں ہوتا مگر تضعیفِ اصلی کے اندر ہی « **لِأَنَّ التَّضْعِيفَ الْحَادِثَ لَا يَتَحَقَّقُ عِنْدَهُ** » اس لیے کیونکہ نئی پیش آنے والی تضعیف وہ پائی ہی نہیں جاتی ان کے نزدیک « **لِعَدَمِ تَغَيُّرِ الْوَظِيفَةِ** » وظیفے کے نہ بدلنے کی وجہ سے۔ یہاں تک مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

« **وَلَوْ كَانَتِ الْأَرْضُ لِمُسْلِمٍ بَاعَهَا مِنْ نَصْرَانِيٍّ يُرِيدُ بِهِ ذِمِّيًّا غَيْرَ تَغْلِبِيٍّ وَقَبَضَهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ** » مسئلہ یہ: ایک مسلمان کی زمین تھی اور اس کے اندر عشر واجب تھا، اس مسلمان نے وہ زمین کسی عیسائی کے ہاتھ فروخت کر دی، عیسائی کے ہاتھ، یعنی تغلبی کے علاوہ کسی دوسرے عیسائی پر فروخت کر دی یا کسی ذمی پر، اور اس عیسائی نے اس پر قبضہ کر لیا، تو یاد رکھیے اب وہ زمین عشری نہ رہے گی بلکہ کیا بن جائے گی؟ خراجی بن جائے گی۔ کیونکہ زکوٰۃ، جو عشر جو ہے وہ زکوٰۃ ہے، اور زکوٰۃ عبادت ہے، اور کافر جو ہے وہ عبادت کا اہل نہیں، تو اس سے خراج لیں گے کیونکہ خراج کیا ہے؟ خراج بطورِ سزا کے ہے، اور کافر سزا کے زیادہ لائق ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے « **وَلَوْ كَانَتِ الْأَرْضُ لِمُسْلِمٍ** » اور اگر زمین جو تھی وہ کسی مسلمان کی تھی « **بَاعَهَا مِنْ نَصْرَانِيٍّ** » اس نے اس کو بیچ دیا کسی عیسائی کے ہاتھ « **يُرِيدُ بِهِ ذِمِّيًّا غَيْرَ تَغْلِبِيٍّ** » صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ جو نصرانی متن کے اندر آیا اس کے ذریعے ماتن نے ارادہ کیا ایسے ذمی کا جو تغلبی نہ ہو، جو تغلبی نہ ہو کیونکہ اس کا مسئلہ پیچھے ذکر ہو گیا۔ اور نصرانی سے یعنی عیسائی سے عیسائی ہی نہیں مراد، کوئی بھی ذمی مراد ہے، کوئی بھی غیر مسلم مراد ہے۔ تو اس نے خرید لی « **وَقَبَضَهَا** » اور اس نے اس زمین پر پھر قبضہ کر لیا خریدنے کے بعد « **فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ** » تو اس پر خراج ہو گا « **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** » امام صاحب کے نزدیک « **لِأَنَّهُ أَلْيَقُ بِحَالِ الْكَافِرِ** » اس لیے کیونکہ خراج زیادہ لائق ہے کافر کی حالت کے۔ « **وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْعُشْرُ مُضَاعَفًا** » اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر عشر ہی ہو گا مضاعفاً، دگنا کرتے ہوئے « **وَيُصْرَفُ مَصَارِفَ الْخَرَاجِ** » اور اس کو اس دگنے عشر کو خرچ کیا جائے گا خراج کے مصرفوں میں۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اس پر دگنا عشر ہو گا « **اعْتِبَارًا بِالتَّغْلِبِيِّ** » قیاس کرتے ہوئے تغلبی پر، کہ جیسے تغلبی سے دگنا عشر اس پر دگنا عشر ہو جاتا تھا تو ذمی بھی جب خریدے گا تو اس میں عشر کیا ہو جائے گا؟ دگنا ہو جائے گا۔ اور نیز اس کے مصارف بھی تو کہتے ہیں وہ خراج والے مصارف ہوں گے۔ بھائی زکوٰۃ تو فقراء کا مسکینوں کا حق ہے، لیکن خراج جو ہے یاد رکھیے یہ ان پر خرچ کی جاتی ہے جو دشمنانِ اسلام سے جو حربیوں سے لڑنے والے ہیں بھائی، جو حربیوں سے لڑنے والے ہیں جو مجاہدین وغیرہ ہیں بھائی، اسی طرح راستوں کی نگہبانی وغیرہ کا میں بھی اس کو راستوں کی حفاظت وغیرہ پر بھی اس کو خرچ کیا جائے گا۔ تو خراج کا مصرف کیا ہے؟ وہ جماعت ہے جو کس سے لڑنے والی ہے؟ کفار سے لڑنے والی ہے، اور اسی طرح راستوں کی حفاظت پر اس کو خرچ کیا جائے گا جبکہ زکوٰۃ وہ فقراء پر خرچ کی جاتی ہے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے عشر لیا جائے گا دگنا کر کے اور اس کو خراج کے مصرفوں میں خرچ کیا جائے گا « **اعْتِبَارًا بِالتَّغْلِبِيِّ** » وہ کس پر قیاس کرتے ہیں؟ تغلبی پر۔

«وَهَذَا أَهْوَنُ مِنَ التَّبْدِيلِ» اور یہ جو ہے زیادہ آسان ہے بدلنے سے۔ بدلنے سے یہ زیادہ آسان۔ ایک صورت یہ: ایک چیز کی ذات ہی بدل دی جائے، اور ایک صورت یہ ہے: ایک چیز کی ذات کو نہ بدلا جائے صرف صفت کو بدل دیا جائے۔ تو کس کو بدلنا آسان ہے زیادہ؟ صفت کو۔ تو بہتر یہ ہے کہ صرف صفت میں تبدیلی لائی جائے، ذات کو نہ بدلا جائے۔ اگر عشری زمین کو ذمی نے خریدا ہے اور کہا جائے کہ اب اس کو کیا دینا پڑے گا؟ عشری زمین تھی، کس نے خریدا؟ ذمی نے، اوپر متن میں کیا آیا اس کو کیا دینا پڑے گا؟ اب عشر وہ نہیں لیا جائے گا اس سے بلکہ کیا لیا جائے گا؟ خراج لیا جائے گا، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس صورت میں تو ذات ہی بدل دی گئی، عشر کو کس سے بدل دیا گیا؟ خراج۔ اس کے بجائے صرف صفت کو بدلا جائے کہ عشر ہی رکھو، صرف اس کی صفت بدل دو یعنی مقدار دگنی کر دو۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ اسی لیے وہ کہتے ہیں خراج نہیں ائے گا، عشر ہی ائے گا لیکن کس طرح کا؟ دگنا کر کے۔ یہ معنی ہے «وَهَذَا أَهْوَنُ مِنَ التَّبْدِيلِ» اور یہ زیادہ آسان ہے تبدیل کرنے کے مقابلے میں۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ هِيَ عُشْرِيَّةٌ...

«وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ هِيَ عُشْرِيَّةٌ عَلَى حَالِهَا» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ زمین عشری ہی رہے گی اپنے حال پر، کیونکہ ان کے نزدیک مالک کے بدلنے سے وظیفہ نہیں بدلتا۔ «لِأَنَّهُ صَارَ مُؤْنَةً لَهَا» اس لیے کیونکہ عشر جو ہے وہ اس زمین کا خرچہ ہو گیا، اس کا وظیفہ ہو گیا «فَلَا تَتَبَدَّلُ كَالْخَرَاجِ» تو یہ بدلے گا نہیں جیسے کہ خراج ہے، وہ نہیں بدلتا۔ خراجی زمین اگر مسلمان بھی خریدے تو وہ کیا رہتی ہے؟ خراجی، جیسے وہاں وظیفہ نہیں بدلتا تو یہاں بھی نہیں بدلے گا۔ «ثُمَّ فِي رِوَايَةٍ يُصْرَفُ مَصَارِفَ الصَّدَقَاتِ وَفِي رِوَايَةٍ مَصَارِفَ الْخَرَاجِ» پھر ایک روایت کے مطابق یہ جو عشر ہے، جو کس سے لیا جا رہا ہے؟ ذمی سے، کس سے؟ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ذمی پر بھی عشر ہی رہے گا نا، تو یہ عشر جو اس سے لیا جائے گا، یہ ایک روایت کے مطابق «يُصْرَفُ مَصَارِفَ الصَّدَقَاتِ» اس کو صدقات یعنی زکوۃ کے مصرفوں میں یعنی فقراء پر خرچ کیا جائے گا «وَفِي رِوَايَةٍ مَصَارِفَ الْخَرَاجِ» اور ایک روایت کے مطابق کس پر خرچ کیا جائے گا؟ خراج کے مصرفوں پر۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ مسلمان کی زمین تھی عشری، اس کو خرید لیا ذمی نے، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اب یہ زمین عشری نہ رہے گی بلکہ کیا بن جائے گی؟ خراجی۔ جب خراجی بن گئی تو خراج کا مصرف جو ہے وہیں پر اس کو خرچ کریں گے۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ خراجی نہیں بنے گی بلکہ وہی عشر دگنا کر دیا جائے گا اس پر، ہاں البتہ خرچ اس کو اسی خراج والے مصارف پر اس کو خرچ کیا جائے گا بھائی۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جیسے پہلے عشری تھی اب بھی کیا رہے گی جب جب ذمی نے خرید لیا؟ اب بھی کیا رہے گی؟ عشری ہی رہے گی۔ البتہ اس کو خرچ کہاں کیا جائے گا؟ اس سلسلے میں ان سے دو روایتیں منقول ہیں: ایک روایت کے مطابق کہ یہ عشر ہے تو اس کا مصرف وہی عشر والا رہے گا، فقراء پر خرچ ہو گی۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ اگرچہ ہے عشر لیکن وصول کس سے کیا جا رہا ہے؟ ذمی سے، لہٰذا اس کو خرچ کس پر کیا جائے گا؟ خراج کے مصرفوں پر خرچ کیا جائے گا۔

«فَإِنْ أَخَذَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ بِشُفْعَةٍ أَوْ رُدَّتْ عَلَى الْبَائِعِ لِفَسَادِ الْبَيْعِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ كَمَا كَانَتْ» صورتِ مسئلہ یہ: کہ مسلمان نے اپنی زمین کسی ذمی کو بیچ دی اور پہلے وہ عشری تھی، اب کیا بن جائے گی؟ خراجی بن جائے گی، متن میں آ گیا، خراجی بن جائے گی۔ لیکن اس زمین کے ساتھ کا کوئی پڑوسی دوسرا مسلمان تھا، اس کی زمین ساتھ تھی، اس نے شفعہ کر دیا۔ شفعہ جانتے ہیں یا نہیں؟ بھائی شفعہ جو نہیں جانتے یاد رکھیں، شفعہ اسے کہتے ہیں کہ آپ کوئی زمین یا مکان وغیرہ بیچتے ہیں تو جو اس مکان یا زمین کے پڑوسی ہیں جن کے زمین اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے، یا جن کے مکان اس مکان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، ان کو شریعت نے حق دیا ہے وہ اس زمین کو جبراً لے سکتے ہیں، کیا کر سکتے ہیں؟ جبراً لے سکتے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ جس آدمی نے یہ زمین مثلاً پچاس لاکھ کی خریدی ہے تو اس زمین کا جو پڑوسی ہے وہ اس نئے خریدار کو پچاس لاکھ دے کر اس سے یہ زمین لے لے گا۔ وہ بے شک نہ بیچنا چاہے، یہ قاضی کے پاس جا کر جبراً کیا کر سکتا ہے؟ زمین اس سے صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ قیمت اس کو اس کی پوری دے دے گا۔ ہاں، وہ بیچنا بے شک نہیں چاہتا لیکن یہ اس سے لے سکتا ہے، لے سکتا ہے۔ اور اس کی شرائط اور تفصیل وغیرہ وہ تو کتاب الشفعہ کے اندر اتی ہیں، بہر حال میں نے خلاصہ بیان کر دیا کہ اس طرح ہوتا ہے شفعہ کہ آپ کے ساتھ والی زمین بکی ہے، آپ کو پتہ چلا آپ شفعہ کر کے اس کو وہی پیسے دے کر آپ لے سکتے ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور وجہ اس کی یہ، کیونکہ جو نیا خریدار ائے گا وہ اپ کا پڑوسی بن جائے گا اور پڑوسی اگر اچھا ہو تو زندگی بڑی راحت سے گزرتی ہے، اور اگر پڑوسی برا آدمی ہو وہ تو ہر وقت سر پر سوار ہے اس سے تو پھر جان چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ لہٰذا جب آپ کے ساتھ والے نے اپنی زمین بیچی تو آپ کے ساتھ مثلاً زید کی زمین تھی، آپ زید کے پڑوس پر تو راضی ہیں، زید تو نیک آدمی ہے لیکن آگے خریدار پتہ نہیں کس قسم کا آتا ہے وہ کیسا پڑوسی بنتا ہے، تو شریعت نے آپ کو حق دے دیا، آپ کیا کر سکتے ہیں اس زمین کو؟ وہی پیسے دے کر آپ لے سکتے ہیں اس زمین کو تاکہ نئے پڑوسی سے بچ جائیں۔ اگر اچھا ہے تو پھر بے شک آنے دیں، لینا چاہتے ہیں تو آپ لے سکتے ہیں بھائی، آپ کو حق دیا ہے شریعت نے۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

اچھا اب یاد رکھیے، مسلمان نے اپنی زمین بیچی کسی ذمی کو، اور اس میں اب کیا اجائے گا؟ خراج۔ لیکن اس زمین کے ساتھ دوسرے مسلمان کی زمین تھی، اس نے شفعہ کر کے یہ زمین لے لی اس ذمی سے، اس ذمی سے لے لی۔ تو کیا اب یہ خراجی ہو گی یا یہ اب عشری بن جائے گی؟ پہلے عشری تھی، کس نے خریدی؟ ذمی نے، خراجی بن گئی، اور

ادھر مسلمان نے شفعہ کر کے اس سے لے لیا، تو کیا اب یہ عشری ہو گی یا خراجی رہے گی؟ کہتے ہیں بھائی یہ عشری ہو گی، کون سی ہو گی؟ عشری۔ بھائی یہ تو خراجی بن گئی تھی اور ایک دفعہ جب زمین خراجی بن جائے تو پھر وہ عشری نہیں بنتی؟ کہتے ہیں نہیں، ابھی یوں کہیں خراجی بنی ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ جو پڑوسی تھا اس کو شریعت نے شفعہ کا حق دیا ہے، تو اس کا حق ابھی زمین کے ساتھ وابستہ تھا، اس مسلمان کا حق کیا تھا؟ یہ جس نے شفعہ کرنا ہے اس کا حق اس زمین کے ساتھ وابستہ ہے تو جب تک اس کا حق وابستہ ہے ابھی زمین پورے طور پر ذمی کے پاس گئی ہی نہیں ہے، لہٰذا یہ عشری ہی رہے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

اسی میں دوسری صورت ہے کہ مسلمان نے اپنی زمین ذمی کو بیچی لیکن بیع فاسد کر لی یعنی مثلاً بیع میں کوئی شرط لگا دی اور بیع میں شرط لگائی جائے تو بیع کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد۔ تو اس نے بیع میں کوئی شرط لگا دی۔ اب پھر وہ زمین جو ہے وہ واپس مسلمان کے پاس آ گئی۔ بیعِ فاسد کے ساتھ ساتھ کس کو بیچی تھی؟ ذمی کو، اور ذمی کے پاس جاتی ہے زمین کیا بن جاتی ہے؟ خراجی۔ لیکن پھر بیعِ فاسد کی وجہ سے وہ زمین واپس آ گئی کس کے پاس؟ مسلمان کے پاس آ گئی، تو کیا اب یہ خراجی رہے گی یا عشری؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، یہ بھی عشری ہی رہے گی اس لیے کیونکہ یہ بیعِ فاسد ہوئی تھی تو ابھی بھی اس مالک کا حق تھا اس زمین کے ساتھ، یا یوں کہیں یہ کیونکہ ابھی بھی یہ بیع مستحق تھی کہ اس کو رد کیا جائے، کیا کیا جائے؟ رد، کیونکہ کون سی بیع ہوئی ہے؟ بیعِ فاسد ہوئی ہے، اور بیعِ فاسد کے اندر واجب ہے رد واجب ہے بھائی، اس کو فسخ کرنا اور ختم کرنا ضروری ہے۔ تو لہٰذا ابھی بھی اس کا حق اس زمین کے ساتھ وابستہ تھا، جب ابھی بھی حق وابستہ تھا تو یہ پورے طور پر خراجی نہ بنی، لہٰذا یہ عشری ہی رہے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے «**فَإِنْ أَخَذَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ**» پس اگر اس زمین کو لے لیا اس ذمی سے کسی مسلمان نے «**بِشُفْعَةٍ**» شفعہ کی وجہ سے، ایک صورت یہ۔ «**أَوْ رُدَّتْ عَلَى الْبَائِعِ لِفَسَادِ الْبَيْعِ**» یا وہ زمین بائع پر لوٹا دی گئی بیع کے فاسد ہونے کی وجہ سے «**فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ كَمَا كَانَتْ**» تو یہ عشری ہی ہے جیسے کہ یہ تھی۔ «**أَمَّا الْأَوَّلُ**» باقی پہلی صورت جس میں شفعہ کی وجہ سے وہ لیتا ہے پھر بھی وہ کیا رہتی ہے؟ عشری رہتی ہے، اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں: «**فَلِتَحَوُّلِ الصَّفْقَةِ إِلَى الشَّفِيعِ**» یہ صفقہ لفظ ہے بھائی، صفت کتابت کی غلطی ہے۔ «**فَلِتَحَوُّلِ الصَّفْقَةِ إِلَى الشَّفِيعِ**» اس وجہ سے کیونکہ صفقہ کہتے ہیں عقد کو بھائی، اس لیے کیونکہ وہ عقد پھر گیا، پلٹ گیا «**إِلَى الشَّفِيعِ**» کس کی طرف؟ شفیع کی طرف۔ بھائی مسلمان سے زمین خریدی کس نے تھی؟ ذمی نے، اور پھر دوسرے مسلمان نے شفعہ کر کے اس سے لے لی، تو یوں سمجھا جائے گا وہ جو عقد مسلمان نے پہلے مسلمان نے ذمی کے ساتھ کیا تھا وہ عقد پلٹ کر کس کی طرف چلا گیا؟ مسلمان کی طرف پلٹ کر چلا گیا، تو گویا اس نے مسلمان ہی کو زمین بیچی ہے ذمی کو بیچی ہی نہیں ہے، تو لہٰذا جب مسلمان کو بیچی ہے تو کیا رہے گی؟ عشری رہے گی۔ یہ معنی ہے «**فَلِتَحَوُّلِ الصَّفْقَةِ إِلَى الشَّفِيعِ**» اس وجہ سے کہ عقد جو ہے وہ پلٹ گیا شفیع مسلمان شفیع کی طرف «**كَأَنَّهُ اشْتَرَاهَا مِنَ الْمُسْلِمِ**» تو گویا کہ اس نے اس زمین کو مسلمان ہی سے خریدا ہے، ذمی سے خریدا ہی نہیں۔

■ مسئلہ: وَأَمَّا الثَّانِي

«**وَأَمَّا الثَّانِي**» اور باقی دوسری صورت میں جس میں بیعِ فاسد کی وجہ سے زمین لوٹائی گئی تھی، تو دوسری صورت میں «**فَلِأَنَّهُ بِالرَّدِّ وَالْفَسْخِ بِحُكْمِ الْفَسَادِ جُعِلَ الْبَيْعُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ**» اس لیے کیونکہ واپس کرنے کی وجہ سے «**وَالْفَسْخِ**» اور فسخ کرنے کی وجہ سے «**بِحُكْمِ الْفَسَادِ**» کس وجہ سے؟ فساد کے حکم کی وجہ سے جو فسخ کرنا اور رد کرنا ہے، «**جُعِلَ الْبَيْعُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ**» تو بیع کو اسی طرح قرار دیا جائے گا گویا کہ بیع ہوئی ہی نہیں۔ «**وَلِأَنَّ حَقَّ الْمُسْلِمِ لَمْ يَنْقَطِعْ بِهَذَا الشِّرَاءِ**» اور نیز اس لیے کیونکہ اس مسلمان کا حق وہ منقطع نہیں ہوا «**بِهَذَا الشِّرَاءِ**» اس شراء کی وجہ سے، اس خرید کی وجہ سے۔ بھائی جس نے مسلمان نے کس کو بیچی؟ ذمی کو، اور کس قسم کا عقد کیا؟ بیعِ فاسد کی، تو جب بیعِ فاسد کی اس کے اندر بیع کو رد کرنا ضروری ہوتا ہے، اس کو فسخ کرنا ضروری ہوتا ہے، تو جب اس کے اندر فسخ ضروری ہوا تو ابھی بھی مسلمان کا حق اس زمین سے منقطع نہیں ہوا، کٹا نہیں ہے بلکہ کیا ضروری ہے کہ وہ زمین اس پر واپس لوٹائی جائے بھائی۔ یہ معنی ہے «**وَلِأَنَّ حَقَّ الْمُسْلِمِ لَمْ يَنْقَطِعْ بِهَذَا الشِّرَاءِ**» اس لیے کیونکہ مسلمان کا حق وہ منقطع نہیں ہوا اس شراء کی وجہ سے «**لِكَوْنِهِ مُسْتَحِقَّ الرَّدِّ**» اس لیے کیونکہ یہ شراء کیا ہے؟ مستحق الرد ہے کہ اس کو واپس کیا جائے، لوٹایا جائے بھائی۔ چلیے بس بھائی، هذا هو المرام، والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۱۱۱: مسئلہ: وَإِذَا كَانَتْ لِمُسْلِمٍ دَارُ خِطَّةٍ فَجَعَلَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۲۰ — بتاریخ: ۱۴ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَإِذَا كَانَتْ لِمُسْلِمٍ دَارُ خِطَّةٍ فَجَعَلَهَا بُسْتَانًا فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ، مَعْنَاهُ إِذَا سَقَاهُ بِمَاءِ الْعُشْرِ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ تُسْقَى بِمَاءِ الْخِرَاجِ فَفِيهَا الْخِرَاجُ؛ لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ فِي مِثْلِ هَذَا تَدُورُ مَعَ الْمَاءِ، وَلَيْسَ عَلَى الْمَجُوسِيِّ فِي دَارِهِ شَيْءٌ؛ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ جَعَلَ الْمَسَاكِنَ عَفْوًا، وَإِنْ جَعَلَهَا بُسْتَانًا فَعَلَيْهِ الْخِرَاجُ». [1]

بھئی عشر کا بیان چل رہا ہے اور اب مسئلہ ذکر کر رہے ہیں۔ **قَالَ** امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «**وَإِذَا كَانَتْ لِمُسْلِمٍ دَارُ خِطَّةٍ**» کہ جب کسی مسلمان کا کوئی دارِ خطہ ہو۔ بھئی خطہ، خطۃ کہتے ہیں کسی زمین کو متعین کرنا، یعنی امام جو ہے خلیفۃ المسلمین کسی زمین کو خط کھینچ کر یعنی نشان لگا کر متعین کر دے کہ یہ تمہاری ہو گئی۔ کسی علاقے وغیرہ کو کیا کر دیا گیا؟ فتح کر لیا مجاہدین نے، اور اس زمین کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا، تو ایک زمین مثلاً ایک مسلمان کے حق میں آئی اور اس کے اندر گھر ہے۔ کیا ہے؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ یعنی اس میں فصلیں نہیں کاشت کی جاتیں، گھر وغیرہ ہے یا ویسے زمین ہے تو اب جب عام زمین ہے، گھر وغیرہ ہے تو کیا اس کے اندر عشر یا خراج آئے گا؟ گھر کے اندر عشر یا خراج ہوتا ہے؟ گھر کے اندر تو عشر یا خراج نہیں ہوتا۔ تو پھر بعد میں اس مسلمان نے اس کو باغ بنا لیا۔ تھا تو وہ گھر لیکن اس نے کیا کیا اس کو؟ باغ بنا لیا۔ اب اس کے اندر کیا آئے گا؟ کیا آئے گا؟ عشر آئے گا یا؟ کہتے ہیں بھئی اس کے اندر دار و مدار پانی پر ہے۔ جس قسم کے پانی سے وہ اس زمین کو سیر اب کرے گا تو اسی وہی چیز آئے گی۔ اگر عشری پانی کے ساتھ اس کو سیر اب کرے اور باغ بنائے تو اس کے اندر عشر آئے گا، اور اگر خراجی پانی کے ساتھ اس کو سیر اب کرے تو اس صورت میں اس میں کیا واجب ہو گا؟ خراج واجب ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «**وَإِذَا كَانَتْ لِمُسْلِمٍ دَارُ خِطَّةٍ**» اور جب کسی مسلمان کا کوئی دارِ خطہ تھا یعنی اور خطہ میں نے کیا بتلایا؟ باقاعدہ خط کھینچ کر، نشانیاں لگا کر زمین تقسیم امام کی طرف سے وہ زمین تقسیم کی جاتی تھی کہ یہاں سے یہاں تک فلاں کی ہو گئی، یہاں سے لے کر یہاں تک فلاں۔ تو وہ جو نشان لگائے جاتے، خط کھینچے جاتے وہ ہے خطہ، سمجھ میں آیا؟ مراد ہے متعین کرنا چاہے جس صورت میں بھی ہو، متعین کرنا۔ تو اس کا کوئی دار تھا اور دار بھی کس قسم کا تھا؟ دارِ خطہ تھا یعنی متعین کر کے اس کو دیا گیا تھا۔ اب اس کے اندر تو فی الحال نہ عشر ہے اور نہ خراج کیونکہ وہ دار ہے۔ «**فَجَعَلَهَا بُسْتَانًا**» پھر اس نے اس کو کیا بنا دیا؟ باغ بنا دیا، «**فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ**» تو اس پر عشر واجب ہے۔ کیا واجب ہے؟ عشر واجب ہے۔ تو بھئی میں نے تو آپ کو کیا بتلایا؟ کہ پانی کا اعتبار۔ اگر پانی کون سا لگایا جائے؟ عشری، تو عشر واجب۔ اگر خراجی پانی لگائے گا تو خراج واجب۔ تو پھر متن میں تو آ رہا ہے «**فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ**» اس پر کیا واجب ہے؟ عشر۔ صاحب ہدایہ خود معنی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «**مَعْنَاهُ إِذَا سَقَاهُ بِمَاءِ الْعُشْرِ**» معنی اس کا یہ ہے جب اس کو کس پانی کے ساتھ سیر اب کیا ہو؟ عشری پانی کے ساتھ تو پھر اس میں عشر ہو گا۔ «**أَمَّا إِذَا كَانَتْ تُسْقَى بِمَاءِ الْخِرَاجِ فَفِيهَا الْخِرَاجُ**» اور باقی اگر اس کو سیر اب کیا گیا ہو خراج کے پانی کے ساتھ تو اس میں خراج ہو گا، «**لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ فِي مِثْلِ هَذَا تَدُورُ مَعَ الْمَاءِ**» اس لیے کیونکہ جو خرچہ جو ہے اس قسم کی جگہوں میں وہ **تَدُورُ** وہ گھومتا ہے «**مَعَ الْمَاءِ**» کس کے ساتھ؟ پانی کے ساتھ، یعنی اس کا مدار پانی پر ہوتا ہے۔ پانی عشری تو عشر واجب، پانی خراجی تو خراج واجب۔ سمجھ میں آیا؟ مؤنت وہی جو عشر یا خراج لیا جائے گا نا، وہ کس کے ساتھ گھومتا ہے؟ پانی کے ساتھ۔ پانی عشری تو عشر والا، عشر والی مؤنت آئے گی، عشر والا خرچہ اس پر آئے گا، وہ دینا پڑے گا۔ اور اگر پانی خراجی ہے تو خراج آئے گا، خراج والی مؤنت اس سے لی جائے گی بھئی۔

[1] شاملہ (ص ۱۴۸) میں «**أَمَّا**» کے بجائے «**وأما**» درج ہے۔

■ مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَى الْمَجُوسِيِّ فِي دَارِهِ شَيْءٌ

«وَلَيْسَ عَلَى الْمَجُوسِيِّ فِي دَارِهِ شَيْءٌ» اچھا بھئی، گھروں کے اندر تو کچھ نہیں مسلمانوں کے گھر ہیں۔ لیکن اگر کوئی مجوسی ہے یا اور ذمی وغیرہ ہیں، ان کے گھر ہیں، کیا ان کے گھروں پر بھی ان سے کوئی ٹیکس وغیرہ لیا جائے گا؟ کوئی چیز اس میں واجب ہو گی؟ کہتے ہیں: نہیں بھئی، گھروں کے اندر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ یہ معنی ہے «وَلَيْسَ عَلَى الْمَجُوسِيِّ فِي دَارِهِ شَيْءٌ» اور نہیں ہے مجوسی پر یعنی آتش پرست جو آگ کی عبادت کرتے ہیں، جو آتش پرست ہیں اس پر اس کے گھر میں کوئی چیز واجب نہیں، «لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ جَعَلَ الْمَسَاكِنَ عَفْوًا» اس لیے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جَعَلَ الْمَسَاكِنَ عَفْوًا انہوں نے رہائش گاہوں کو معاف قرار دے دیا، رہنے کی جگہوں کو معاف قرار دیا اور اس میں کچھ بھی واجب نہیں کیا ان ذمیوں پر۔ «وَإِنْ جَعَلَهَا بُسْتَانًا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ» اور اگر وہ مجوسی کیا کرتا ہے؟ اس گھر کو باغ بنالیتا ہے، «فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ» تو اس پر کیا واجب ہو گا؟ خراج واجب ہو گا، خراج واجب ہو گا۔

آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «وَإِنْ سَقَاهَا بِمَاءِ الْعُشْرِ» اگرچہ وہ اس کو سیر اب کرے عشری پانی سے ہی۔ بھئی مدار کس پر تھا؟ پانی پر تھا، لیکن یہاں اگر عشری پانی سے سیر اب کرے تو بھی اس پر عشر نہیں آئے گا بلکہ کیا آئے گا؟ خراج آئے گا، کیونکہ عشر عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے، بلکہ اس پر خراج ہی آئے گا بھئی۔ تو اس پر عشر واجب کرنا ہی ممکن نہیں ہے، اب کیا کیا جائے؟ تو خراج ہی آئے گا۔ یہ معنی ہے «وَإِنْ سَقَاهَا بِمَاءِ الْعُشْرِ» اگرچہ وہ اس کو عشری پانی سے سیر اب کرے، «لِتَعَذُّرِ إِيجَابِ الْعُشْرِ» اس وجہ سے کہ عشر کا واجب کرنا ممکن ہی نہیں ہے، «إِذْ فِيهِ مَعْنَى الْقُرْبَةِ» اس لیے کیونکہ عشر کے اندر قربت یعنی عبادت والا معنی ہے اور یہ تو عبادت کا اہل نہیں، «فَتَعَيَّنَ الْخَرَاجُ» تو خراج ہی متعین ہوا، «وَهُوَ عُقُوبَةٌ تَلِيقُ بِحَالِهِ» اور خراج جو ہے وہ سزا ہے جو اس کے حال کے مناسب بھی ہے، کافر کے حال کے مناسب بھی ہے کہ وہ سزا کا ہی اہل ہے کہ وہ اللہ کی وحدانیت کی طرف نہیں آتا بھئی۔

«وَعَلَى قِيَاسِ قَوْلِهِمَا» اور صاحبین کے قول پر تو قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ «يَجِبُ الْعُشْرُ فِي الْمَاءِ الْعُشْرِيِّ» کہ یہاں پر بھی عشر ہی واجب ہونا چاہیے کس کے اندر؟ ماءِ عشری، عشری پانی کی صورت میں یہاں بھی عشر ہی واجب ہونا چاہیے، «إِلَّا أَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عُشْرًا وَاحِدًا» مگر یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کیا واجب ہو گا؟ ایک ہی عشر واجب ہو گا، «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عُشْرَانِ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دو عشر واجب ہوں گے، «وَقَدْ مَرَّ الْوَجْهُ» اور تحقیق اس کی وجہ گزر چکی جو ہم نے بیان کر دی تھی، وہ صورت جہاں پر وہ کسی مسلمان کی زمین تھی اور اس کو کس نے خرید لیا؟ کسی ذمی نے خرید لیا، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر دگنا عشر آئے گا اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زمین کا وظیفہ ایک دفعہ عشر ہو چکا ہے اب وہ دوبارہ بدلے گا نہیں، لہٰذا اس پر ایک ہی عشر آئے گا۔

کہتے ہیں: «ثُمَّ الْمَاءُ الْعُشْرِيُّ» اب تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ بھئی آپ نے ہمیں بتلایا دار و مدار پانی پر ہے، عشری پانی ہے تو عشر آئے گا، خراجی پانی ہے تو خراج۔ تو یہ عشری پانی کس کو کہتے ہیں؟ خراجی پانی کس کو کہتے ہیں؟ وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «ثُمَّ الْمَاءُ الْعُشْرِيُّ مَاءُ السَّمَاءِ وَالْآبَارِ وَالْعُيُونِ وَالْبِحَارِ الَّتِي لَا تَدْخُلُ تَحْتَ وِلَايَةِ أَحَدٍ» پھر عشری پانی جو ہے وہ مَاءُ السَّمَاءِ آسمان کا پانی یعنی بارش کا پانی ہے، «وَالْآبَارِ» اور کنوؤں کا پانی ہے، «وَالْعُيُونِ» اور چشموں کا پانی ہے، «وَالْبِحَارِ» اور سمندروں کا پانی ہے وہ سمندر «الَّتِي لَا تَدْخُلُ تَحْتَ وِلَايَةِ أَحَدٍ» جو کسی کی ولایت کے تحت نہیں آتے یعنی کسی کی ان پر حکمرانی نہیں ہے، کسی کا ان پر قبضہ نہیں ہے۔ تو یہ سارا جو ہے عشری پانی ہے۔ «وَالْمَاءُ الْخَرَاجِيُّ الْأَنْهَارُ الَّتِي شَقَّهَا الْأَعَاجِمُ» تو کہتے ہیں مائے خراجی وہ نہریں ہیں جن کو اعاجم یعنی عجمیوں نے کھودا ہے، جن کو یعنی اسلام سے پہلے جو عجمی بادشاہوں نے جو نہریں کھدوائیں ان سب کا پانی کیا ہے؟ خراجی پانی ہے۔ ان کے ساتھ اگر زمینوں کو کوئی سیر اب کرتا ہے تو اس میں کیا آئے گا؟ خراج آئے گا اگر اس کو پہلے اس میں کچھ نہیں تھا تو اب خراج اس کے اندر آئے گا۔

■ مسئلہ: وَمَاءُ جَيْحُونَ وَسَيْحُونَ وَدِجْلَةَ وَالْفُرَ...

«وَمَاءُ جَيْحُونَ وَسَيْحُونَ وَدِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ عُشْرِيٌّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور دریائے جیحون کا پانی اور دریائے سیحون کا پانی اور اسی طرح دریائے دجلہ کا پانی اور دریائے فرات کا پانی «عُشْرِيٌّ» یہ سب کیا ہیں؟ عشری ہیں، یہ سب دریاؤں کے نام ہیں بھئی، سمجھ میں آیا؟ یہ دجلہ اور فرات یہ تو عراق میں دو دریا بہتے ہیں، اسی طرح یہ سیحون جو ہے انہوں نے لکھا ہے کہ یہ ترکی کے اندر کوئی دریا ہے اور اسی طرح جیحون جو ہے یہ بلخ علاقے کے اندر کوئی دریا ہے بھئی۔ تو یہ قدیم نام ہیں اب ہو نام بدل گئے ہوں گے بھئی۔ تو یہ سب دریا جو ہیں ان کا پانی کیا ہے؟ عشری ہے «عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، «لِأَنَّهُ لَا يَحْمِيهَا أَحَدٌ كَالْبِحَارِ» اس لیے کیونکہ کوئی ایک بھی ان کی حفاظت نہیں کرتا جیسے کیا ہیں؟ جیسے سمندر ہیں، جیسے کہ سمندر ہیں اور سمندروں کا اوپر ذکر آیا کہ ان کا پانی کیا ہے؟ عشری ہے، تو ان دریاؤں کی بھی کوئی حفاظت نہیں کرتا تو ان کا پانی بھی کیا ہے؟ عشری ہے۔ «وَخَرَاجِيٌّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان کا پانی خراجی ہے، «لِأَنَّهَا يُتَّخَذُ عَلَيْهَا الْقَنَاطِيرُ مِنَ السُّفُنِ» اس لیے کیونکہ بنائے جاتے ہیں ان دریاؤں پر «الْقَنَاطِيرُ مِنَ السُّفُنِ» پل، قناطیر کس کو کہتے ہیں؟ قناطیر جمع ہے قنطرۃ کی، پل کو کہتے ہیں جو دریا کے اوپر بنایا جاتا ہے۔ تو وہ پل مِنَ السُّفُنِ، سفن جمع ہے سفینۃ، کیونکہ ان دریاؤں

پر کیا بنائے جاتے ہیں؟ کشتیوں کے پل بنائے جاتے ہیں، «وَهَذَا يَدُلُّ عَلَيْهَا» اور یہی اس پر قبضہ ہے، یہی اس پر۔ بھئی امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو دریا وغیرہ ہیں ان کا پانی عشری ہے کیونکہ ان پر کسی کا قبضہ نہیں، کسی کی تسلط نہیں۔ اور جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، ان کا پانی خراجی ہے کیونکہ ان پر قبضہ چلتا ہے، ان پر کیا کر لیا جاتا ہے؟ کشتیوں کے پل بنا لیے جاتے ہیں اور یہ کشتیوں کے پل ان پر بنانا یہی ان پر قبضہ ہے بھئی۔

«وَفِي أَرْضِ الصَّبِيِّ وَالْمَرْأَةِ التَّغْلِبِيَّيْنِ مَا فِي أَرْضِ الرَّجُلِ» اور بچے کی زمین میں اور عورت کی زمین میں، وہ بچہ اور عورت التَّغْلِبِيَّيْنِ جو قبیلہ بنو تغلب سے تعلق رکھتے ہیں، وہ واجب ہو گا «فِي أَرْضِ الرَّجُلِ» جو مرد کی زمین میں واجب ہوتا ہے۔ بھئی جو مرد کی زمین میں جو واجب ہوتا ہے جس طرح یعنی دگنا عشر، دگنا عشر وہی کس کے اندر واجب ہو گا؟ تغلبی عورت ہے اس کی زمین میں بھی وہی دگنا عشر ہو گا اور تغلبی بچے کی زمین ہے تو اس کے اندر بھی اسی طرح دگنا عشر ہو گا۔ یہ معنی ہے «وَفِي أَرْضِ الصَّبِيِّ وَالْمَرْأَةِ التَّغْلِبِيَّيْنِ مَا فِي أَرْضِ الرَّجُلِ» اور تغلبی بچے اور عورت کی زمین میں بھی وہی ہے جو مرد کی زمین میں ہے یعنی جو تغلبی مرد کی زمین میں ہے۔ «يَعْنِي الْعُشْرَ الْمُضَاعَفَ فِي الْعُشْرِيَّةِ وَالْخِرَاجَ الْوَاحِدَ فِي الْخِرَاجِيَّةِ» یعنی کہ دگنا عشر ہو گا عشری زمین میں اور ایک ہی خراج ہو گا خراجی زمین میں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ کیونکہ ان سے کیا معاہدہ ہوا تھا کہ مسلمانوں سے جو لیا جاتا ہے اس کا دگنا لیا جائے گا اور مسلمانوں سے تو عشر لیا جاتا ہے تو عشر تو دگنا ہو گا لیکن خراج ایک ہی ہو گا۔ «وَالْخِرَاجَ الْوَاحِدَ فِي الْخِرَاجِيَّةِ» اور ایک خراج ہو گا خراجی زمین میں، «لِأَنَّ الصُّلْحَ قَدْ جَرَى عَلَى تَضْعِيفِ الصَّدَقَةِ دُونَ الْمُؤْنَةِ الْمَحْضَةِ» اس لیے کیونکہ صلح جو تھی وہ تحقیق جاری ہوئی تھی صدقے یعنی زکوٰۃ کے دگنا کرنے پر «دُونَ الْمُؤْنَةِ الْمَحْضَةِ» نہ کہ صرف خرچے کے۔ صرف خرچے کو دگنا کرنے کا معاہدہ ان سے نہیں ہوا تھا بلکہ کس چیز کو دگنا کرنے کا معاہدہ ہوا تھا؟ جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے۔ مسلمانوں سے تو کیا لی جاتی ہے؟ زکوٰۃ اور عشر لیا جاتا ہے تو وہ چیز ان پر دگنی ہو گی، لیکن صرف اگر کوئی خرچہ ہے جیسے خراج، خراج ٹھیک ہے ان پر ٹیکس ہے، خرچہ ہے۔ لیکن کیا ان سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ٹیکس تم سے دگنا لیا جائے گا؟ ٹیکس کے دگنا ہونے کی بات نہیں ہوئی تھی اس لیے خراج ایک ہی لیا جائے گا، البتہ عشر دگنا لیا جائے گا۔ یہ معنی ہے: اس لیے کیونکہ صلح تحقیق صدقے کے دگنا کرنے پر جاری ہوئی تھی، صرف خرچے کے اوپر، خرچے کے دگنا کرنے پر نہیں تھی بھئی۔

«ثُمَّ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَرْأَةِ إِذَا كَانَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ الْعُشْرُ فَيُضَعَّفُ ذَلِكَ إِذَا كَانَا مِنْهُمْ» پھر جو بچہ ہے اور عورت ہے جب وہ مسلمانوں میں سے ہوں تو ان پر کیا واجب ہوتا ہے ان کی زمینوں میں؟ «الْعُشْرُ» ان پر عشر واجب ہوتا ہے، اور تغلبی لوگوں سے جو چیز مسلمانوں پر واجب ہوتی ہے وہی ان سے دگنی لی جاتی ہے، تو جب مسلمان عورت اور بچے پر عشر آتا ہے تو تغلبی عورت اور بچے پر کیا آئے گا؟ عشر کا دگنا آئے گا جیسے متن میں ذکر ہوا۔ یہ معنی ہے کہ بچہ اور عورت جب مسلمانوں میں سے ہوں تو ان پر عشر آتا ہے، «فَيُضَعَّفُ ذَلِكَ إِذَا كَانَا مِنْهُمْ» تو اسی کو دگنا کیا جائے گا جب یہ بچہ اور عورت جو ہیں یہ قبیلہ بنو تغلب میں سے ہوں۔

■ مسئلہ: وَلَيْسَ فِي عَيْنِ الْقِيرِ وَالنِّفْطِ فِي أَرْضٍ...

«وَلَيْسَ فِي عَيْنِ الْقِيرِ وَالنِّفْطِ فِي أَرْضِ الْعُشْرِ شَيْءٌ» اور قیر کے چشمے میں اور نفط کے چشمے میں عشری زمین میں کچھ بھی نہیں ہے۔ عشری زمین میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یاد رکھیے قیر جو ہے نا قِيرٌ، قیر، قاف دو نقطوں والا، یا ہے اور را، قیر۔ قیر کہتے ہیں تار کول کو۔ کس کو؟ تار کول، بھئی یہ جس سے سڑکیں بنتی ہیں جس کو آپ لُک کہتے ہیں یہ، یہ کیا ہے؟ عربی میں اس کو قِيرٌ کہتے ہیں، قیر۔ اور اسی طرح تار کول جیسا ہی ایک مادہ ہوتا ہے وہ بھی زمین سے نکلتا ہے اور اسی کی طرح ہوتا ہے، اس کو بھی قیر کہتے ہیں، کوئی تیل وغیرہ ہے تار کول کی شکل کا کہتے ہیں زمین سے نکلتا ہے اور اس کے لیے اس کو کشتیوں وغیرہ پر لگاتے ہیں تاکہ کشتی کے اندر پانی داخل نہ ہو بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وہ تو وہ تار کول یا جو اس کا اس جیسا جو تیل ہے اس کا کوئی چشمہ نکل آیا کسی کی زمین میں۔ چشمے کی صورت میں وہ وہاں سے نکل رہا ہے۔ تو اس کے اندر اور زمین کون سی ہے؟ عشری۔ تو اس کے اندر کچھ واجب نہیں ہو گا، اس لیے کیونکہ یہ زمین کی پیداوار میں سے نہیں ہے۔ یہ قیر اور عشر تو کس کے اندر آتا ہے؟ زمین کی پیداوار کے اندر یعنی فصلوں وغیرہ میں یا پھلوں میں آتا ہے، تو اس کے اندر عشر واجب نہیں ہو گا۔ اسی طرح نفط ہے، نِفْطٌ۔ یہ نفط یہ بھی کوئی تیل وغیرہ کی قسم ہے جیسے یہ پیٹرول وغیرہ اس جیسی چیز ہے بھئی۔ تو اگر نفط کا چشمہ پھوٹا کسی کی زمین میں، وہاں سے نفط نکلنے لگا چشمے کی صورت میں تو اور زمین کون سی ہے؟ عشری زمین، تو اس کے اندر کچھ بھی واجب نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَيْسَ فِي عَيْنِ الْقِيرِ وَالنِّفْطِ فِي أَرْضِ الْعُشْرِ شَيْءٌ» اور قیر اور نفط کے چشمے میں کچھ بھی نہیں ہے عشری زمین میں، «لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَنْزَالِ الْأَرْضِ» اس لیے کیونکہ یہ زمین کی پیداوار میں سے نہیں ہے، «وَإِنَّمَا هُوَ عَيْنٌ فَوَّارَةٌ كَعَيْنِ الْمَاءِ» یہ تو ایک پھوٹنے والا چشمہ ہے جیسے کہ پانی کا چشمہ ہوتا ہے۔ فوارہ؟ جوش کے ساتھ ابلنے والا، پھوٹنے والا۔ تو یہ تو ایک پھوٹنے والا اور جوش کے ساتھ نکلنے والا فوارہ ہے جیسے کہ پانی کا فوارہ ہوتا ہے، تو اس کے یہ زمین کی پیداوار نہیں ہے اس سے اس میں عشر نہیں ہو گا۔ «وَعَلَيْهِ فِي أَرْضِ الْخِرَاجِ خَرَاجٌ» اور اسی پر اس پر خراجی زمین میں خراج ہو گا، یعنی خراجی زمین کے اندر اگر کیا نکل آیا؟ یہ چشمہ نکل آیا تو چاہے قیر کا ہو چاہے نفط کا ہو، اس میں اس پر خراج لیا جائے گا۔

آگے صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں: «وَهَذَا إِذَا كَانَ حَرِيمُهُمَا صَالِحًا لِلزِّرَاعَةِ» یہ اس وقت ہے کہ جب ان کا حریم جو ہے، حریم جو اس کے ارد گرد کی

جگہ ہے۔ اس چشمے، چشمے اور کنویں وغیرہ کے ارد گرد کی جو جگہ ہوتی ہے بھئی وہ اس کا حریم کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ حریم۔ یہ کہتے ہیں اس صورت میں جب چشموں کا حریم جو ان کے ارد گرد کی جگہ ہے «صَالِحًا لِلزِّرَاعَةِ» جب وہ زراعت کے قابل ہو یعنی جب اس میں کاشت ہو سکے۔ یہ نہیں کہ یہ چشمہ نکل آیا اب وہاں کچھ کوئی چیز اگا بھی نہیں سکتے اور پھر بھی ان سے کیا لیا جائے؟ خراج لیا جائے، ایسا نہیں۔ کیونکہ خراج کا سبب کیا ہے؟ ارضِ نامی۔ تو اگر کچھ نہیں اگا سکتے پھر تو وہ ارضِ نامی نہیں، اور جب ارضِ نامی نہیں تو پھر اس میں خراج بھی نہیں۔ تو لہٰذا اسی لیے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب ان کے ارد گرد کی زمین صَالِحًا لِلزِّرَاعَةِ جب وہ زراعت کے، کاشت کے قابل ہو، «لِأَنَّ الْخِرَاجَ يَتَعَلَّقُ بِالتَّمَكُّنِ مِنَ الزِّرَاعَةِ» اس لیے کیونکہ خراج کا تعلق زراعت پر قدرت کے ساتھ ہے، زراعت پر قدرت ہے تو خراج ہے، زراعت پر قدرت نہیں تو خراج بھی نہیں، اور جب وہ زمین میں نفط یا قیر کا چشمہ نکل آیا اور وہ کاشت کے قابل ہی نہیں رہی زمین، تو خراج کا تو تعلق ہی کس سے تھا؟ کہ انسان کاشت پر قادر ہو، تو اب کاشت پر قادر ہی نہ رہا لہٰذا اس کے اندر پھر خراج بھی نہیں ہو گا۔

تو اب اس کے اندر خراج کس طرح ہو گا؟ انہوں نے متن میں کیا کہا؟ «وَعَلَيْهِ فِي أَرْضِ الْخِرَاجِ خِرَاجٌ» عین القیر اور عین النفط کے اندر کیا ہو گا؟ خراج ہو گا۔ تو بعض فقہاء پھر اس طرف گئے کہ معنی یہ ہے کہ وہ جو چشمے کی جگہ ہے اس کو ملا کر سارے میں سے خراج وصول کیا جائے گا۔ خراج کا سبب کیا ہے؟ ارضِ نامی ہے نا تو اس کو بھی اسی میں شمار کرتے ہوئے سارے کا کیا کریں گے؟ خراج لیں گے، تو خراج کا سبب ارضِ نامی ہے، اور لازمی بات ہے زمین زیادہ ہو گی تو خراج بھی زیادہ ہو گا، زمین تھوڑی ہو گی تو خراج بھی تھوڑا۔ تو لہٰذا بعض مشائخ گئے کہ اس میں بھی اس چشمے کے اندر بھی خراج ہو گا، اس کا معنی یہ ہے کہ اس چشمے کو بھی ساتھ شمار کریں گے کہ یہ بھی زمین کا حصہ ہے اور پھر سارے میں سے خراج لیا جائے گا۔ جبکہ بعض مشائخ اس طرف گئے کہ نہیں، بلکہ اس چشمے کے اس کی زمین کو نکال دیں گے اور باقی کا اعتبار کریں گے، اس کے اندر اسی طرح خراج لیا جائے گا بھئی، خراج لیا جائے گا۔

اچھا بھئی، عشر کا بیان تو مکمل ہوا۔ ایک مسئلہ یاد رکھیے کہ گھر کے اندر اگر کوئی پھل دار درخت وغیرہ ہوں یا اسی طرح گھر کے اندر کوئی کسی نے سبزیاں وغیرہ یہ یہ چیزیں کاشت کی ہوں، تو یاد رکھیے اس کے اندر عشر نہیں ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ گھر کے اندر اگر کوئی پھل دار درخت وغیرہ ہیں یا اسی طرح کیاریاں بنائی ہیں اس میں سبزیاں کاشت کی ہیں تو ان کے اندر عشر نہیں ہے بھئی۔

■ مسئلہ: بَابُ مَنْ يَجُوزُ دَفْعُ الصَّدَقَاتِ إِلَيْهِ وَ...

«بَابُ مَنْ يَجُوزُ دَفْعُ الصَّدَقَاتِ إِلَيْهِ وَمَنْ لَا يَجُوزُ» یہ باب ہے اس شخص کے بیان میں کہ جائز ہے اس کو صدقات دینا، «وَمَنْ لَا يَجُوزُ» اور اس شخص کے بیان میں کہ جائز نہیں ہے، یعنی جس کو صدقات دینا جائز نہیں۔ تو اس باب میں وہ لوگ بیان ہوں گے جو صدقے اور زکوٰۃ کے مستحق ہیں اور ان کو صدقہ زکوٰۃ دینا جائز ہے، اور وہ لوگ ذکر ہوں گے جن کو صدقات دینا جائز نہیں ہے یعنی زکوٰۃ وغیرہ۔ تو کہتے ہیں: قَالَ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «الْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ الْآيَةَ» کہ اصل اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ الآیۃ، کہ صدقات تو فقراء کے لیے ہیں الآیۃ۔ اس کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں، اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ «الْآيَةَ» أَيْ: «الْآيَةُ مَعْلُومَةٌ» پوری آیت نہیں لکھی، آیت کا ایک حصہ تھوڑا سا لکھ دیا اور آگے کیا فرما دیا کہ «الْآيَةُ مَعْلُومَةٌ» آیت معلوم ہے، آپ ساری آیت پڑھ لیجیے بھئی، آپ کو علم ہے۔ یا اس کو منصوب پڑھیں گے اور یہ «اقْرَأْ» فعل کے لیے مفعول ہو گا، أَيْ: «اقْرَأِ الْآيَةَ» کہ ہم نے تو کچھ حصہ لکھ دیا، آیت طویل ہے، آپ کیا کیجیے؟ آیت کو پورا آپ کو معلوم ہے آپ اس کو پڑھ لیجیے۔

تو قرآن کے اندر بھئی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ کہ صدقات جو ہیں وہ فقراء کے لیے ہیں اور مساکین کے لیے ہیں، «وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا» اور وہ جو عامل ہیں ان صدقات پر، أَيْ: «عَامِلِينَ عَلَى تَحْصِيلِهَا» جو ان صدقات کو حاصل کرنے پر عامل، عاملین وہ جن کو خلیفہ نے مقرر کیا ہے اور وہ لوگوں کے پاس جا کر ان سے ان کے مالوں کی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں، وہ ہیں عامل جس کو کیا کہتے ہیں؟ ساعی بھی کہتے ہیں، ساعی۔ تو وہ جو عامل ہیں ان کو دی جائے گی جو زکوٰۃ کی تحصیل پر عامل ہیں، «وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ» اور مؤلفۃ القلوب ہیں۔

مؤلفۃ القلوب بھئی، أَلَّفَ يُؤَلِّفُ تالیف کے معنی ہوتے ہیں جوڑنے کے، جوڑنے کے۔ تو مؤلفۃ القلوب وہ جن کے دلوں کو جوڑا گیا ہے یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ۔ وہ جن کے دلوں کو جوڑا گیا ہے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ۔ بھئی یہ مؤلفۃ القلوب کچھ لوگ تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کے مال میں سے دیا کرتے تھے اور کچھ ان میں کافر تھے تو کچھ مسلمان تھے۔ کافروں کو جو دیتے تھے مال بعض کو اس وجہ سے دیتے تھے تاکہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائیں اور اسلام لے آئیں، تو ان کو کیا دیا کرتے تھے؟ کچھ مال دیتے تھے۔ اور بعض کافروں کو اس لیے دیتے تھے تاکہ مسلمان ان کے شر سے، ان کی تکلیف سے محفوظ رہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ تھے مؤلفۃ۔ اور کچھ مسلمان تھے، بعض لوگ جو نئے مسلمان ہوئے تھے یا اور جن کے ایمان کمزور تھے، تو ان کو حضور علیہ السلام یہ کچھ مال وغیرہ دیا کرتے زکوٰۃ کے مال میں سے تاکہ ان کے دل مسلمانوں کے ساتھ جڑے رہیں اور تاکہ ایمان جو ہے ان کے دل میں مضبوط ہو جائے، تو یہ کیا تھے؟ مؤلفۃ القلوب۔ تو یہ کفار میں سے بھی کچھ لوگ تھے اور اسی طرح مسلمانوں میں سے بھی تھے جو جن کا ایمان کمزور تھا، نئے مسلمان ہوئے تھے، تو ان کے دلوں کو مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ جڑا رکھنے کے لیے اور جوڑنے

کے لیے حضور علیہ السلام یہ زکوٰۃ میں سے ان کو دیتے تھے، یہ ہیں مؤلفۃ القلوب بھئی۔

■ مسئلہ: وَفِي الرِّقَابِ

«وَفِي الرِّقَابِ» اور گردنوں کے اندر بھئی یعنی گردنوں کے چھڑانے کے اندر۔ یہ زکوٰۃ خرچ کی جائے گی بھئی، زکوٰۃ کے مصارف بیان ہو رہے ہیں کہ زکوٰۃ کس کو دی جائے گی؟ فقراء کو جو فقیر ہیں ان کو دی جائے گی، اور مساکین اور جو مسکین ہیں، اور اسی طرح «وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا» اور جو اس زکوٰۃ کو حاصل کرنے پر، اس کے وصول کرنے پر عامل ہیں، اور اسی طرح جو مؤلفۃ القلوب ہیں ان کو دی جائے گی، «وَفِي الرِّقَابِ» اور اس کو نیز کس میں خرچ کیا جائے گا صدقات کو؟ گردنوں کے چھڑانے میں یعنی یہ کہ مکاتب وغیرہ جو ہیں ان کا بدلِ کتابت ادا کر کے ان کو چھڑایا جائے گا۔ مکاتب وہ غلام جس کو آقا نے کہہ دیا ہے مثلاً کہ پانچ سال میں پندرہ لاکھ روپے لے آؤ تو تم آزاد ہو۔ اب یہ بیچارہ محنت کر رہا ہے، پیسے اکٹھے کرنے کی کوشش کر رہا ہے اپنی آزادی کے لیے، تو یہ بھی زکوٰۃ کا مستحق ہے کہ اس نے جو ادائیگی کرنی ہے تو زکوٰۃ کے ذریعے اس کی مدد کی جائے تاکہ وہ جلد سے جلد اپنے آپ کو آزاد کروا سکے۔ اسی طرح «وَالْغَارِمِينَ»، غارمین جو ہیں مقروض بھئی مقروض، جن پر قرضہ ہے۔ جن پر قرضہ ہے تو ان کی بھی زکوٰۃ کے مال کے ساتھ مدد کی جائے گی تاکہ اپنا وہ قرضہ اتار سکیں۔ «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» اور وہ جو اللہ کے راستے میں ہیں بھئی، جو اللہ کے راستے میں ہیں یعنی مجاہدین بھئی۔ سب کی آگے اس کتاب میں تفصیل آ رہی ہے بھئی، بس میں تو وہ آیت کا معنی بیان کر رہا ہوں۔ «وَابْنِ السَّبِيلِ» اور یہ زکوٰۃ کس کس کو دی جائے گی؟ مسافر کو بھئی۔ «فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ» یہ یہ فریضہ ہے اللہ کی طرف سے، «وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ» اور اللہ خوب جاننے والے، خوب حکمت والے ہیں۔

آیت کا معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟ دیکھیے اب سارے ایک ایک قسم کو تفصیل سے صاحبِ ہدایہ بیان کریں گے اور صاحبِ قدوری بھئی۔ تو صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «الْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ الْآيَةَ» کہ اصل جو ہے اس کے اندر کہ صدقات کن کو دیے جائیں گے؟ اس کے اندر اصل اللہ تعالیٰ کا قول ہے یہ ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ الآیۃ، یہ آیت ہے بھئی۔ «فَهَذِهِ ثَمَانِيَةُ أَصْنَافٍ» تو یہ آٹھ قسمیں ہیں بھئی، آٹھ قسمیں ہو گئیں بھئی۔ کون کون سی؟ فقراء ہو گئے، مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، اور وفي الرقاب، اور اسی طرح غارمین، وفي سبیل اللہ، اور اور ابن السبیل، یہ ہو گئے بھئی آٹھ ہو گئے بھئی۔ تو یہ «فَهَذِهِ ثَمَانِيَةُ أَصْنَافٍ» یہ آٹھ قسمیں ہیں۔ «وَقَدْ سَقَطَ مِنْهَا الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ» اور تحقیق مؤلفۃ القلوب اس میں سے ساقط ہو گئے ہیں، «لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَعَزَّ الْإِسْلَامَ» اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت نصیب فرما دی ہے، «وَأَغْنَى عَنْهُمْ» اور ان سے اسلام کو بے نیاز کر دیا ہے، «وَعَلَى ذَلِكَ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ» اور اسی پر اجماع منعقد ہے بھئی، اسی پر صحابہ کا اجماع ہوا ہے بھئی، اجماع ہوا ہے۔

بھئی یاد رکھیے، مؤلفۃ القلوب جیسا میں نے بیان کر دیا، یہ کچھ لوگ تھے جن کو حضور علیہ السلام دیتے تھے تاکہ ان کے دل اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جڑے رہیں، کچھ کافر تھے اور کچھ ان میں مسلمان تھے لیکن ایمان کمزور تھا، نئے مسلمان ہوئے تھے۔ اب آگے صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں: «وَقَدْ سَقَطَ مِنْهَا» یہ جو مؤلفۃ القلوب ہیں یہ ساقط ہو چکے ہیں، اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت دے دی ہے «وَأَغْنَى عَنْهُمْ» اور اسلام کو ان سے، اسلام کو اور مسلمانوں کو ان سے بے نیاز کر دیا ہے، اب اسلام قوی ہو گیا، اب ان کو دینے کی ضرورت نہیں، اب ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ «وَعَلَى ذَلِكَ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ» اور اسی پر اجماع ہوا ہے یعنی صحابہ کا اسی پر اجماع ہوا ہے، تو لہٰذا مؤلفۃ القلوب ساقط ہیں۔ ان کو اب نہیں دیں گے، تو باقی سات قسمیں رہ گئیں۔ کتنی قسمیں رہ گئیں؟ آیت میں آٹھ قسمیں ذکر تھیں نا جن کو جن کو زکوٰۃ دی جائے گی، اب ان میں سے سات رہ گئیں، یہ ساقط ہوئے۔

تو اس پر صحابہ کا اجماع ہوا ہے۔ بھئی واقعہ اس کا یوں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اپنی زندگی میں یہ مؤلفۃ القلوب کو مال وغیرہ دیا کرتے تھے، تو جب حضور علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، تو دو سردار تھے بھئی دو سردار۔ ایک کا نام تھا عیینہ، عین، یا، پھر یا، پھر نون اور ہا، عُيَيْنَةُ۔ اور ایک کا نام تھا اقرع، الف، قاف دو نقطوں والا، را اور عین، أَقْرَعُ۔ تو یہ دو سردار تھے عیینہ اور اقرع، یہ ان کو یہ بھی مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، اور ان کو حضور علیہ السلام مال وغیرہ دیتے تھے، تو یہ پھر آئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اور کوئی جاگیر وغیرہ انہوں نے طلب کی بھئی۔ کوئی جاگیر وغیرہ کہ وہ علاقہ ہمیں دے دیں اور کہ حضور علیہ السلام ہمیں دیتے تھے، آپ بھی ہمیں یہ جاگیر دے دیجیے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لکھ کر دے دیا باقاعدہ بھئی، وہ جاگیر ان کے حوالے کر دی، لکھ کر دے دیا۔ اب انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو ان کی تحریر اور ان کی طرف سے رسید لے لی، اب آپس میں مشورہ کیا کہ بھئی عمر کے پاس بھی جانا چاہیے، وہ مسلمانوں میں بڑے معتبر آدمی ہیں اور ان کی بات سب مانتے ہیں، تو ان سے بھی تصدیق کروا لیتے ہیں تاکہ بات اور پکی ہو جائے۔ تو وہ آئے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ ہم اس طرح حضور علیہ السلام ہمیں دیتے تھے اور اب ہم آئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہیں انہوں نے ہمیں دے دیا ہے، لکھ کر دے دیا ہے، جاگیر دے دی ہے، اب ہم چاہتے ہیں آپ بھی اس پر دستخط کر دیں یعنی اس کی تائید کر دیں، توثیق کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عجیب شان ہوتی تھی، فرمانے لگے: اچھا، ابو بکر نے لکھ کر دے دیا ہے؟ کہنے لگے: ہاں، انہوں نے لکھ کر دے دیا۔ عمر فرمانے لگے: دکھاؤ ذرا مجھے بھئی۔ تو انہوں نے خط دیا کہ یہ دیکھیے یہ انہوں نے لکھ کر دے دیا ہے، تو وہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خط ان سے لیا اور پہلے اس پر تھوکا، لعاب ڈالا اور پھر اس کو آپس میں مل دیا، ساری تحریر خراب کر دی بھئی۔ گیلا کر کے اس کو کیا کیا

لعاب کے ذریعے؟ ساری تحریر خراب کر دی اور پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور کہنے لگے کہ اب اسلام کو اللہ نے قوت نصیب فرمادی ہے، اب ہمیں تم جیسے لوگوں کی حاجت نہیں ہے۔ اگر اسلام پر ہو تو ٹھیک ہے نہیں تو ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی، اب ہمیں تمہیں مال دینے کی ضرورت نہیں ہے، اب اسلام کو اللہ نے قوت بخشی ہے اور تم لوگوں سے اسلام کو اللہ نے بے نیاز کر دیا ہے۔ اور چنانچہ وہ بڑے پریشان ہوئے، یہ کیا ہو گیا ہمارا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا سارا۔ چنانچہ واپس آئے وہاں سے بڑے غصے کے اندر اور حضرت ابو بکر صدیق کے پاس پہنچے اور ان کو یہ بات سنائی اور کہنے لگے کہ آپ نے ہمیں لکھ کر دیا تھا انہوں نے پھاڑ دیا یہ کاغذ، آپ خلیفہ ہیں یا وہ خلیفہ ہیں؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے عجیب جواب دیا، فرمایا: «هُوَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى» کہ وہ ہوں گے خلیفہ انشاء اللہ، تو ان کی آگے خلافت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا بھئی۔ تو چنانچہ ان کو پھر لکھ کر نہیں دیا، اور یہ واقعہ صحابہ کے سامنے پیش آیا تھا اور کسی نے بھی اس کا رد نہیں کیا، معلوم ہوا کہ مؤلفۃ القلوب کے ساقط ہونے پر تمام صحابہ کا اتفاق ہو گیا۔ مؤلفۃ القلوب تھے اور ان کو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کیا فرمایا ان سے؟ کہ اب ہمیں تمہیں دینے کی ضرورت نہیں، اب اسلام کو اللہ نے قوت نصیب فرمادی ہے، اور کس صحابہ میں سے کسی نے اس کا رد نہیں فرمایا، معلوم ہوا صحابہ کا اس پر اتفاق ہو گیا، تو یہ ہے اجماعِ سکوتی کہ باقی صحابہ خاموش رہے، خاموش رہنے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے بھی اس کی تائید کر دی، تائید کر دی۔ تو سب کے نزدیک معتبر نہیں، البتہ احناف کے نزدیک یہ اجماعِ سکوتی بھی معتبر ہے، تو صحابہ کا اجماع ہوا لہٰذا یہ مؤلفۃ القلوب ساقط ہیں، ان کو اب نہیں دیا جائے گا۔ ان کو اب نہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، اب یاد رکھنا ایک قیمتی بات بھئی، قیمتی بات۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا ذکر قرآن میں موجود ہے، قرآن کے اندر موجود ہے، تو اجماع کے ذریعے اس کو کیسے ساقط کیا جا سکتا ہے؟ اجماع بے شک قطعی دلیلوں میں سے ہے۔ اجماع کس کو کہتے ہیں؟ کہ ایک زمانے کے تمام مجتہد کسی مسئلے پر اکٹھے ہو جائیں تو یہ ہے اجماع، تو اجماع بے شک قطعی دلیل ہے اور اجماع کا انکار کرنے والا کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، لیکن بہر حال اجماع جتنی بھی قوی دلیل ہو اس کے ذریعے قرآن کو کہ قرآن کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا، قرآن کے کسی حکم کو ساقط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تو پھر اس کا کیا معنی کہ صحابہ کا اس پر اجماع ہوا ہے لہٰذا یہ کیا ہو گئے؟ ساقط ہو گئے بھئی۔ اجماع کی وجہ سے تو قرآن کا حکم ساقط نہیں ہو سکتا بھئی، اعتراض سمجھ میں آرہا ہے؟ تو اجماع جتنی بھی بڑی اور قوی دلیل مرضی ہو لیکن قرآن کا حکم اس کے ذریعے ساقط ہو جائے ایک یقینی اور قطعی حکم جو اللہ کی طرف سے ثابت ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت ہے، اس کو اجماع کے ذریعے ساقط نہیں کیا جا سکتا۔ تو جواب اس کا یاد رکھنا، جواب یہ کہ بھئی پورے طور پر مؤلفۃ القلوب ساقط نہیں ہیں بلکہ ساقط ہونے کا معنی یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو دینے کی جو علت تھی، وہ کیا علت تھی؟ کہ اسلام اور مسلمان کمزور تھے، ان کو دینے کی علت کیا تھی؟ اسلام اور مسلمان کمزور تھے، وہ علت ختم ہو گئی، اور حکم تو کب تک ہوتا ہے؟ جب تک علت ہے حکم ہے، علت نہیں تو حکم بھی نہیں۔ تو اللہ کا حکم تو اپنی طرف سے ابھی بھی باقی ہے، البتہ علت ختم ہو گئی لہٰذا حکم بھی کیا ہوا؟ ختم ہو گیا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں سمجھ میں آرہی؟ اللہ کا حکم تو اسی طرح ہے، مؤلفۃ القلوب کیا ہیں؟ ان کو مال دیا جائے گا لیکن جب علت پائی جائے، کون سی علت؟ جب اسلام ضعیف ہو، اور وہ ضعفِ اسلام والی علت ختم ہوئی تو حکم بھی ختم ہوا، مؤلفۃ القلوب بھی کیا ہو گئے؟ ساقط۔ اور پھر اگر کسی زمانے میں یہ علت دوبارہ پائی گئی یعنی اسلام پھر کیا ہوا؟ کمزور ہوا، تو ان کو دینا جائز ہو گا کیونکہ حکم کا مدار کس پر ہے؟ علت پر ہے، تو جب علت ہو گی حکم ہے، علت نہیں تو حکم بھی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «وَقَدْ سَقَطَ مِنْهَا الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ» اور تحقیق اس میں سے مؤلفۃ القلوب جو ہیں وہ ساقط ہو گئے ہیں، «لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَعَزَّ الْإِسْلَامَ» اس لیے کیونکہ اللہ نے اسلام کو معزز فرمادیا، اسلام کو قوت عطا فرما دی، «وَأَغْنَى عَنْهُمْ» اور ان سے بے نیاز کر دیا، ان مؤلفۃ القلوب سے بے نیاز کر دیا اسلام کو، «وَعَلَى ذَلِكَ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ» اور اسی پر اجماع منعقد ہوا۔

■ مسئلہ: وَالْفَقِيرُ مَنْ لَهُ أَدْنَى شَيْءٍ وَالْمِسْكِينِ...

«وَالْفَقِيرُ مَنْ لَهُ أَدْنَى شَيْءٍ وَالْمِسْكِينُ مَنْ لَا شَيْءَ لَهُ» اب جو بھئی آٹھ قسمیں بیان ہوئی تھیں، آٹھ قسمیں، ساروں کی تفصیل بیان کریں گے صاحبِ قدوری۔ سب سے پہلے فقراء کا ذکر آیا تھا تو فقیر کسے کہتے ہیں وہ بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَالْفَقِيرُ مَنْ لَهُ أَدْنَى شَيْءٍ» فقیر وہ ہے جس کے پاس تھوڑی سی چیز ہو یعنی نصاب سے کم مال ہو اس کے پاس، وہ کیا ہے؟ فقیر، تھوڑا سا مال تو ہے لیکن نصاب سے کم کم ہے۔ «وَالْمِسْكِينُ مَنْ لَا شَيْءَ لَهُ» اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو، مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ معلوم ہوا زیادہ بری حالت اور زیادہ محتاج کون ہے ان دونوں میں سے؟ مسکین ہے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ «وَهَذَا مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہ جو تعریف کی گئی فقیر اور مسکین کی، یہ روایت کی گئی ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، وہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ «وَقَدْ قِيلَ عَلَى الْعَكْسِ» اور تحقیق اس کے عکس بھی کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا ہے فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس تھوڑا سا تھوڑا مال ہو لیکن نصاب سے کم ہو۔ «وَلِكُلٍّ وَجْهٌ» اور ہر ایک کی وجہ ہے، ہر ایک کی وجہ، یہ جو فقیر کی تعریف کرتے ہیں کہ جس کے پاس تھوڑا سا مال ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، تو یہ قول ویسے نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی دلیل بھی ہے بھئی، دلیل کے مطابق ہے۔ «ثُمَّ هُمَا صِنْفَانِ أَوْ صِنْفٌ وَاحِدٌ سَنَذْكُرُهُ فِي كِتَابِ الْوَصَايَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى» پھر یہ دونوں یہ فقیر اور مسکین یہ ایک ہی قسم ہیں یا یہ دونوں الگ الگ قسمیں ہیں؟ ان کو ایک قسم شمار کریں گے یا ان کو الگ الگ قسم شمار کریں گے؟ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کو ہم کتاب

الوصایا کے اندر انشاء اللہ ذکر کریں گے، کتاب الوصایا میں۔ تو وہاں وہ یہ ذکر فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی قسم ہیں، فقیر اور مسکین یہ ایک ہی قسم ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ قسمیں ہیں، دونوں الگ الگ قسمیں ہیں۔ ثمرۂ اختلاف ظاہر ہو گا بطور مثال کے اس مسئلے کے اندر کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے مرنے کے بعد زید، فقراء اور مساکین کو کیا کرنا؟ میرے مال میں سے ایک لاکھ روپیہ دے دینا۔ اب امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ فقراء اور مساکین کیا ہیں؟ ایک ہی نوع ہیں، جب ایک ہی نوع ہیں ان کے مقابلے میں زید خاص ذکر ہے معلوم ہوا ایک لاکھ ان دونوں میں تقسیم ہو گا تو آدھا آدھا تقسیم ہو گا۔ آدھا کس کو دے دیں گے؟ زید کو، اور آدھا کس کو دے دیں گے؟ فقراء اور مساکین کو کیونکہ وہ یہ دونوں ایک ہی نوع ہیں۔ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ انواع ہیں لہٰذا وصیت والے نے تین چیزیں ذکر کر دی ہیں: زید کو بھی دینا ہے، فقراء کو بھی دینا ہے اور مساکین، تو لہٰذا اب تین حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ زید کا، ایک فقراء کا اور ایک مساکین کا۔ فرق سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ معنی ہے «ثُمَّ هُمَا صِنْفَانِ أَوْ صِنْفٌ وَاحِدٌ» اور پھر یہ دونوں دو قسمیں ہیں یا ایک ہی قسم ہے، «سَنَذْكُرُهُ فِي كِتَابِ الْوَصَايَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى» عنقریب ہم اس کو ذکر کریں گے کتاب الوصایا کے اندر انشاء اللہ تعالیٰ۔

«وَالْعَامِلُ» اور عامل بھئی، «وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا» آیا تھا آیت میں، کہتے ہیں «وَالْعَامِلُ يَدْفَعُ الْإِمَامُ إِلَيْهِ» اور عامل جو ہے اس کو امام دے گا «إِنْ عَمِلَ» اگر اس نے عمل کیا ہو، اگر اس نے عمل کیا ہو تو اس کو بھی اس صدقات میں سے امام دے گا «بِقَدْرِ عَمَلِهِ» اس کے عمل کے بقدر یعنی جتنا عمل کیا جتنا کام کیا اس کے بقدر دے گا، «فَيُعْطِيهِ مَا يَسَعُهُ وَأَعْوَانَهُ» پس امام اس کو دے گا ماوہ مقدار يَسَعُهُ جو اس کے لیے کافی ہو جائے «وَأَعْوَانَهُ» اور اس کے مددگاروں کے لیے۔ یعنی اس میں کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آٹھواں حصہ دے گا کیونکہ آیت کے اندر آٹھ قسمیں ذکر ہوئی ہیں اور ہر ایک کا حصہ ہے صدقات کے اندر، تو لہٰذا عاملین ایک قسم ہے تو ان کے حصے میں کتنا آئے گا؟ آٹھواں حصہ آئے گا، آٹھواں حصہ صدقات کا۔ جبکہ ہمارے نزدیک آٹھواں حصہ نہیں بلکہ اتنا مال ان کو دے گا امام جو ان کے لیے کافی ہو جائے جس سے ان کا خرچہ وغیرہ اور اس کے ساتھیوں کا خرچہ پورا ہو جائے، کیونکہ عامل اکیلا تو نہیں ہو گا نا، اس کے ساتھ اس کے مددگار وغیرہ ہوں گے، مال لینا ہے، وصول کرنا ہے اور مختلف جگہوں سے لینا ہے، تو وہ جو عامل اور اس کے جو مددگار ہیں ان کو صدقات میں سے اتنا مال دیں گے جس سے ان کا خرچہ وغیرہ پورا ہو جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «فَيُعْطِيهِ مَا يَسَعُهُ وَأَعْوَانَهُ» اور دے گا امام ان کو اتنی مقدار جو اس کے لیے اور اس کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو جائے بھئی، «غَيْرَ مُقَدَّرٍ بِالثُّمُنِ» ثمن کے ساتھ اس کا حساب نہیں لگایا جائے گا، «غَيْرَ مُقَدَّرٍ بِالثُّمُنِ» ثمن کے ساتھ یہ اس کا حساب نہیں ہو گا کہ آٹھواں حصہ دیا جائے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلکہ اتنا دے گا جو ان کے لیے کافی ہو جائے، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ» برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے کہ وہ فرماتے ہیں نہیں آٹھواں حصہ ہی دیا جائے گا۔ «لِأَنَّ اسْتِحْقَاقَهُ بِطَرِيقِ الْكِفَايَةِ» یہ ہماری دلیل ہے، اس لیے کیونکہ ان کا مستحق ہونا کفایت کے طریقے پر ہے، کس طریقے پر ہے؟ کفایت کے طریقے پر ہے۔ بھئی یاد رکھیے یہ جو زکوٰۃ کے عامل ہیں اس کو وصول کرنے والے ہیں ان کو جو زکوٰۃ میں سے مال دیا جائے گا وہ بایں اعتبار نہیں دیا جائے گا کہ یہ محتاج ہیں، ضرورت مند ہیں، بلکہ ان کو جو دیا جائے گا وہ ان کے خرچے کے اعتبار سے کہ جو ان کے لیے کافی ہو جائے، ان کی کفایت کے اعتبار سے دیا جائے گا، کس اعتبار سے؟ کفایت کے جو ان کے لیے کافی ہو جائے جس سے ان کا خرچہ اور ضرورتیں وغیرہ پوری ہو جاتی ہیں، تو یہ ان کو کفایت کے طریقے پر دیا جائے گا، زکوٰۃ کے طریقے پر نہیں دیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ زکوٰۃ تو کس طریقے پر دی جاتی ہے کہ وہ شخص محتاج ہے، کیا ہے؟ تو ان کو محتاج ہونے کے اعتبار سے نہیں زکوٰۃ کے اعتبار سے یہ مال نہیں ملے گا بلکہ کس اعتبار سے ملے گا؟ کفایت کے اعتبار سے بھئی کہ ان کے لیے کافی ہو جائے۔ لہٰذا عامل اگرچہ مالدار ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کو امام دے گا۔ حالانکہ مالدار کو تو زکوٰۃ نہیں دی جاتی لیکن عامل مالدار ہو پھر بھی کیا کرے گا؟ امام اس کو زکوٰۃ دے گا، کیوں؟ کیونکہ اس کو یہ زکوٰۃ زکوٰۃ کے طور پر نہیں دی جاتی بلکہ کس طور پر دی جاتی ہے؟ کفایت کے طور پر کہ جو اس سے اس کا خرچہ وغیرہ ضرورتیں اس کی اور اس کے ساتھیوں کی پوری ہو جائیں بھئی، یہ زکوٰۃ وصول کر کے لا رہے ہیں تو جو ان کا خرچہ وغیرہ ہو وہ پورا ہو جائے۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّ اسْتِحْقَاقَهُ بِطَرِيقِ الْكِفَايَةِ» اس لیے کیونکہ اس کا مستحق ہونا وہ کفایت کے طریقے پر ہے، «وَلِهَذَا يَأْخُذُ وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا» اور اسی وجہ سے وہ لے گا اگرچہ وہ مالدار ہو، غنی عربی زبان میں مالدار کو کہتے ہیں، اگرچہ وہ مالدار ہو۔

«إِلَّا أَنَّ فِيهِ شُبْهَةَ الصَّدَقَةِ» یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ آپ نے ہمیں بتایا اے صاحبِ ہدایہ کہ یہ جو عاملین کو زکوٰۃ کے مال میں سے دیا جاتا ہے یہ ان کو زکوٰۃ کے طور پر نہیں دیا جاتا بلکہ کس طور پر دیا جاتا ہے؟ کفایت کے طور پر دیا جاتا ہے۔ اگر یہ کفایت کے طور پر دیا جاتا ہے تو پھر اگر کوئی عامل ہاشمی ہو یعنی حضور علیہ السلام کے خاندان میں سے ہو، اور آپ جانتے ہیں جو ہاشمی ہو، سید ہو، حضور علیہ السلام کے خاندان میں سے ہو اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاتی، اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ تو اگر تو اگر یہ زکوٰۃ جو عاملین کو دی جاتی ہے کفایت کے طریقے پر دی جاتی ہے تو اگر کوئی عامل ہاشمی ہو تو اس کو بھی دینا جائز ہونا چاہیے، لیکن آپ کیا فرماتے ہیں؟ فقہاء کیا بتلاتے ہیں؟ کہ ان کو نہیں دیں گے بھئی، ان کو نہیں دیں گے۔ حالانکہ جب کفایت کے طریقے پر دی جا رہی ہے زکوٰۃ کے طریقے پر تو دے ہی نہیں رہے، زکوٰۃ نہیں دے سکتے ان کو اور یہاں تو دے ہی کس طریقے پر رہے ہیں؟ کفایت کے طریقے پر تو لہٰذا ان کو بھی دینا چاہیے، کہتے ہیں بھئی ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے کہ دیا تو کفایت کے طریقے پر ہی جاتا ہے لیکن چونکہ اس کے اندر زکوٰۃ کا شبہ موجود ہے کیونکہ ادائیگی کس میں سے کی جا رہی ہے؟ زکوٰۃ کے مال میں سے ادائیگی کی جا رہی ہے تو اس میں زکوٰۃ کا شبہ آگیا، اور زکوٰۃ تو آپ جانتے ہیں یہ مال کا میل کچیل ہے، تو حضور علیہ السلام کی قرابت کو اس میل کچیل سے بچانے کے لیے وہ ہاشمی عامل جو ہے اس کو یہ نہیں لینا چاہیے کیونکہ اس کے اندر کس چیز کا شبہ ہے؟ زکوٰۃ کا شبہ ہے، اگرچہ دیا کفایت کے طریقے پر جا رہا ہے لیکن اس میں زکوٰۃ کا شبہ ہے۔ جبکہ مالدار مالدار چاہے

وہ معزز کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو لیکن معزز ہونے کے اندر وہ ہاشمی کے برابر نہیں ہے، لہٰذا عامل مالدار ہو تو بھی وہ لے کیونکہ اس کے حق میں شبہۂ صدقہ کا اعتبار نہیں کیا گیا، زکوٰۃ کے شبہے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس کے حق میں، البتہ ہاشمی وہ نہایت ہی معزز ہے اس کے حق میں شبہۂ زکوٰۃ کا بھی اعتبار کیا جائے گا اور اس کو شبہۂ زکوٰۃ سے بچنا چاہیے لہٰذا وہ نہ لے بھئی، مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے «**إِلَّا أَنَّ فِيهِ شُبْهَةَ الصَّدَقَةِ**» مگر یہ کہ اس کے اندر زکوٰۃ کا شبہ ہے، «**فَلَا يَأْخُذُهَا الْعَامِلُ الْهَاشِمِيُّ**» لہٰذا اس کو ہاشمی عامل نہ لے، «**تَنْزِيهًا لِقَرَابَةِ الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ شُبْهَةِ الْوَسَخِ**» بچانے کے لیے حضور علیہ السلام کی قرابت کو میل کچیل کے شبہے سے، «**وَالْغَنِيُّ لَا يُوَازِيهِ فِي اسْتِحْقَاقِ الْكَرَامَةِ**» اور مالدار جو ہے وہ برابر نہیں ہے اس ہاشمی کے **فِي اسْتِحْقَاقِ الْكَرَامَةِ** کرامت کے استحقاق میں یعنی اکرام کے اکرام کا مستحق ہونے میں یہ ہاشمی کے برابر نہیں، «**فَلَمْ تُعْتَبَرِ الشُّبْهَةُ فِي حَقِّهِ**» لہٰذا اس کے حق میں شبہے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، البتہ ہاشمی کے حق میں شبہۂ زکوٰۃ کا بھی اعتبار کیا جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۱۱۲: مسئلہ: وَفِي الرِّقَابِ: أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُونَ م...

ہدایہ صفحہ: ۲۲۱ — بتاریخ: ۱۴ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَفِي الرِّقَابِ: أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُونَ مِنْهَا فِي فَكِّ رِقَابِهِمْ هُوَ الْمَنْقُولُ، وَالْغَارِمُ: مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ وَلَا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلًا عَنْ دَيْنِهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: مَنْ تَحَمَّلَ غَرَامَةً فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَإِطْفَاءِ النَّائِرَةِ بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ». [1]

بھئی گزشتہ سبق میں یہ بحث آئی تھی۔ صاحبِ ہدایہ نے بتلایا تھا کہ مؤلفۃ القلوب جو ہیں وہ ساقط ہو گئے ہیں، اس لیے کیونکہ اللہ نے اسلام کو قوت دے دی ہے اور اسلام کو ان سے بے نیاز کر دیا ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع منعقد ہوا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ اجماع اگرچہ قطعی دلیل ہے لیکن اس کے ذریعے قرآن یا حدیث کے کسی قطعی حکم کو ساقط نہیں کیا جا سکتا، تو یہ اس کے لیے ناسخ نہیں بن سکتا۔ اور پھر میں نے اس کا جواب بھی آپ کو بتلایا کہ بھئی کہ یہ جو مؤلفۃ القلوب کو دینے کا حکم تھا یہ معلول تھا علت کے ساتھ کہ ان کو دینے کی علت کیا تھی؟ اسلام کا کمزور ہونا۔ تو یہ حکم علت کے ساتھ معلول تھا اور چونکہ یہ علت ختم ہو گئی اس لیے یہ مؤلفۃ القلوب ساقط ہو گئے۔ یہ مؤلفۃ القلوب کیا ہوئے؟ ساقط ہو گئے۔ علت ختم ہو گئی، اور علت کیا تھی؟ اسلام کا کمزور ہونا۔ اور جب یہ علت دوبارہ پائی جائے گی تو یہ حکم بھی دوبارہ اسی طرح آئے گا اور مؤلفۃ القلوب کو دینا جائز ہو گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آئی؟

«**وَفِي الرِّقَابِ**»، بھئی آیت کے اندر «**وَفِي الرِّقَابِ**» آیا تھا۔ اس سے کیا مراد ہے؟ رقاب جمع ہے رقبۃ کی بھئی، اور گردنوں کے اندر، یعنی گردنوں کے چھڑانے میں، غلاموں کو آزاد کروانے میں۔ اس کا معنٰی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «**وَفِي الرِّقَابِ**» اور «**وَفِي الرِّقَابِ**» جو ہے وہ یہ ہے کہ «**أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُونَ**» کہ مدد کی جائے گی مکاتبوں کی «**مِنْهَا**» اس زکوٰۃ میں سے «**فِي فَكِّ رِقَابِهِمْ**» ان کی گردنوں کے چھڑانے میں۔ فَکّ کا معنٰی ہے چھڑانا۔ ان کی گردنوں کے چھڑانے میں ان کی مدد کی جائے گی بھئی۔ «**هُوَ الْمَنْقُولُ**»، یہی منقول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے بھئی۔ کہ «**وَفِي الرِّقَابِ**» سے کیا مراد ہے؟ کہ مکاتبوں کی مدد کی جائے گی۔

میں نے آپ کو بتلا دیا کہ مکاتب وہ غلام ہے جسے اس کے آقا نے کہہ دیا مثلاً دو سال کے اندر اتنے پیسے لے آؤ تو تم آزاد ہو۔ تو یہ مکاتب ہے۔ تو اب یہ مالِ زکوٰۃ میں سے اس کی بھی مدد کی جائے گی تاکہ یہ جلد سے جلد وہ مال کی ادائیگی کر کے اپنے آپ کو آزاد کروا سکے۔

جبکہ اسی «**وَفِي الرِّقَابِ**» کی دوسری تفسیر بھی بعض فقہاء نے کی اور وہ اس کی طرف گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں «**وَفِي الرِّقَابِ**» سے مراد یا گردنوں کے چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ اس مالِ زکوٰۃ کے ذریعے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے گا۔ کیا کیا جائے گا؟ غلاموں کو باقاعدہ خرید کر آزاد کیا جائے گا۔ جبکہ ہمارے نزدیک غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا صحیح نہیں اس لیے کیونکہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے اور زکوٰۃ کے اندر دوسرے کو مالک بنانا ضروری ہے۔ تو جب غلام کو خرید کر آزاد کیا جائے گا اس کے اندر مالک بنانا نہیں پایا گیا، حالانکہ زکوٰۃ میں کیا ضروری ہے؟ کہ کسی کو اس مال کا مالک باقاعدہ بنایا جائے بھئی۔ جی آگے اس کا بھی ذکر آ جائے گا بھئی۔

تو بہر حال ہمارے نزدیک غلاموں کو خرید کر آزاد نہیں کیا جائے گا بلکہ مکاتب جو ہیں ان کو، ان کی مدد کی جائے گی تاکہ وہ اپنے آپ کو آزاد کروائیں اور بدلِ کتابت ادا کریں جلد سے جلد بھئی۔ یہ معنٰی ہے کہ «**أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُونَ مِنْهَا**» کہ مدد کی جائے گی مکاتبوں کی اس مالِ زکوٰۃ میں سے «**فِي فَكِّ رِقَابِهِمْ**» ان کی گردنوں کے چھڑانے میں، ان کی گردنوں کے آزاد کروانے میں۔ «**هُوَ الْمَنْقُولُ**»، اور یہی منقول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے۔

---

[1] شاملہ (ص ۱۵۰) میں «هُوَ» کے بجائے «وهو»، شاملہ (ص ۱۵۰) میں «النَّائِرَةِ» کے بجائے «الثائرة» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۵۰) میں «هُوَ» کے بجائے «وهو»، شاملہ (ص ۱۵۰) میں «النَّائِرَةِ» کے بجائے «الثائرة» درج ہے۔

■ مسئلہ: وَالْغَارِمُ: مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ

«وَالْغَارِمُ: مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ»، بھئی آیت کے اندر غارمین کا ذکر آیا تھا بھئی، غارمین کا۔ اور وہ کہتے ہیں «وَالْغَارِمُ: مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ»، غارم وہ ہے جس پر دین لازم ہو گیا ہو یعنی جو مقروض ہو گیا ہے، مقروض ہو گیا ہے۔ تو جو مقروض ہے جس بیچارے پر قرضے زیادہ ہیں ان کی بھی اس مالِ زکوۃ کے ذریعے مدد کی جائے گی، ان کو دیا جائے گا تاکہ اس کے ذریعے وہ اپنے قرضے ادا کریں۔ تو کہتے ہیں «وَالْغَارِمُ: مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ»، اور غارم جو ہے وہ شخص ہے جس پر دین لازم ہو گیا ہو «وَلَا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلًا عَنْ دَيْنِهِ» اور وہ اپنے دین سے زائد نصاب کا مالک نہ ہو۔ اپنے دین سے زائد نصاب، یعنی، یعنی بے شک اس کے پاس مال ہو لیکن وہ مال کس کے ساتھ مشغول ہے؟ دین کے ساتھ مشغول ہے۔ مثلاً فرض کریں ایک شخص ہے اس کے پاس دس لاکھ روپے موجود ہیں لیکن اس پر قرضہ بھی تقریباً دس لاکھ ہی ہے، تو اب بے شک اس کے پاس مال موجود ہے یہ لیکن یہ مال کس کے ساتھ مشغول ہے؟ دین کے ساتھ مشغول ہے۔ اگر اس کے ذریعے وہ دین ادا کرتا ہے تو باقی اس کے پاس نصاب کے بقدر مال بچتا ہی نہیں ہے۔ تو یہ شخص بھی محتاج ہے لہٰذا اس کو بھی کیا کیا جائے گا؟ مالِ زکوۃ میں سے دیا جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ قید ضروری ہے کہ دین سے زائد مال اتنا نہ ہو جو نصاب کو پہنچتا ہو، ورنہ قرضہ تو مالداروں پر بھی ہو جاتا ہے، وہ بھی کسی سے قرضہ لے لیتے ہیں لیکن ان کے پاس تو مال ہوتا ہے، قرضہ ارام سے پھر ادا بھی کر دیتے ہیں، تو وہ مراد نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں «وَلَا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلًا عَنْ دَيْنِهِ» اور وہ مالک نہ ہو نصاب کا جو کہ زائد ہو اس کے دین سے۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: مَنْ تَحَمَّلَ غَرَامَةً فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَإِطْفَاءِ النَّائِرَةِ بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ»، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں غارم وہ شخص ہے «مَنْ تَحَمَّلَ غَرَامَةً» جس نے غرامت کو برداشت کر لیا، جس نے غرامت کو یعنی جرمانے کو اٹھالیا «فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ»، ذات البین کہتے ہیں آپس کا تعلق بھئی، رشتہ اور محبت جو ہے۔ تو ذات البین یعنی آپس کے تعلق کی اصلاح کے لیے۔ «وَإِطْفَاءِ النَّائِرَةِ»، اطفاء یطفیء کے معنیٰ ہوتے ہیں بجھانا، بجھا دینا۔ النائرۃ، نائرۃ یہ نار سے ہے نار سے۔ تو نائرۃ غصے اور عداوت کی آگ بھئی، غصے اور بغض وعداوت کی جو آگ ہے۔ «بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ» دو قبیلوں کے درمیان۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں غارم سے مراد وہ شخص ہے کہ مثلاً دو آدمیوں کے درمیان تعلق خراب تھا، آپس میں انہوں نے فیصلہ کر کے کسی پر جرمانہ وغیرہ ڈالا کہ یہ میرے اتنے مال ادا کر دے، اتنا مال، تو اس جرمانے کو اس تیسرے آدمی نے اٹھالیا اور برداشت کر لیا کہ چلو یہ جرمانہ میں ادا کر دوں گا، تم دونوں کیا کر لو آپس میں؟ صلح کر لو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ شخص جو ہے یہ ہے غارم کہ اس نے غرامت کو اٹھالیا، غرامت کو اٹھالیا۔ یا اسی طرح دو قبیلوں کے درمیان بغض وعداوت کی آگ جل رہی تھی، یہ شخص اس آگ کو بجھا دیتا ہے یعنی ان میں آپس میں صلح نہیں ہو رہی، ایک قبیلہ کہتا ہے یہ ہمیں اتنا مال ادا کرے اس نے ان کی وجہ سے ہمارا یہ نقصان ہوا یا کچھ ہوا ہے تو تب ہی ہم ان کے ساتھ صلح کریں گے، اور وہ دوسرا ادا کرنے پر راضی نہیں ہے تو یہ تیسرا شخص کیا کر لیتا ہے؟ وہ کہتا ہے بھئی یہ مال میں اپنی جیب سے دے دوں گا لیکن آپس میں کیا کر لو؟ صلح کر لو۔ تو دیکھو اس نے جرمانے کو اٹھالیا۔ کس لیے اٹھایا؟ دو قبیلوں کے درمیان بغض وعداوت کی آگ کو بجھانے کے لیے۔ تو یہ ہے غارم، لہٰذا یہ اگرچہ مالدار ہی کیوں نہ ہو لیکن اس نے کیا کیا ہے؟ جرمانے کو اٹھایا ہے تو یہ غارم ہوا اور غارم کو آیت کے اندر مالِ زکوۃ دینے کا حکم ہے بھئی۔

یہ معنیٰ ہے «قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: مَنْ تَحَمَّلَ غَرَامَةً فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ»، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے جرمانے کو اٹھالیا یعنی تاوان کو اٹھالیا آپس کے تعلق کی اصلاح کے لیے «وَإِطْفَاءِ النَّائِرَةِ» اور بغض وعداوت کی آگ کو بجھانے کے لیے «بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ» دو قبیلوں کے درمیان، وہ ہے غارم بھئی۔

■ مسئلہ: وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ

«وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ»، اور آیت کے اندر چھٹی قسم کیا آئی تھی؟ «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ»۔ اس سے کون مراد ہیں؟ کہتے ہیں: «مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، وہ منقطع الغزاۃ ہیں بھئی۔ غزاۃ جمع ہے غازی کی، غازی کی، جو مجاہد ہے۔ تو «فِي سَبِيلِ اللَّهِ» سے مراد جو ہیں منقطع الغزاۃ ہیں۔ منقطع یعنی کٹے ہوئے ہیں، جدا ہوئے ہیں۔ منقطع الغزاۃ وہ غازی جو یعنی مال سے کٹے ہوئے ہیں، مال سے کٹے ہوئے ہیں یعنی محتاج ہیں، کیا ہیں؟ محتاج ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ، تو «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» سے مراد جو ہیں «مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ»، منقطع غزاۃ ہیں یعنی وہ غازی ہیں جو محتاج ہیں جن کے پاس مال نہیں ہے «عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، «لِأَنَّهُ الْمُتَفَاهَمُ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ» اس لیے کیونکہ «فِي سَبِيلِ اللَّهِ» سے یہی مفہوم ہوتے ہیں اطلاق کے وقت۔ جب «فِي سَبِيلِ اللَّهِ» کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو عرف میں عام لوگ اس سے کیا سمجھتے ہیں؟ مجاہدین ہی سمجھتے ہیں کہ وہ کیا ہیں، اللہ کے راستے میں لڑ رہے ہیں، جہاد کر رہے ہیں۔

«وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ مُنْقَطِعُ الْحَاجِّ»، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک «فِي سَبِيلِ اللَّهِ» سے مراد منقطع الحاج ہیں۔ وہ حاجی جو مال سے

کٹے ہوئے ہیں یعنی وہ حاجی جن بیچاروں کے پاس مال نہیں ہے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک «فِي سَبِيلِ اللَّهِ» سے کیا مراد ہیں؟ غازی مراد ہیں، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حاجی مراد ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کیا دلیل گزری؟ کیونکہ وہ فرماتے ہیں «فِي سَبِيلِ اللَّهِ» کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے کون لوگ اس سے کیا سمجھتے ہیں؟ مجاہدین مراد لیتے ہیں، وہ مجاہدین کا معنیٰ اس سے سمجھا جاتا ہے، حاجی کا معنیٰ اس سے سمجھا نہیں جاتا۔ لیکن امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں منقطع الحاج مراد ہیں، «لِمَا رُوِيَ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے «أَنَّ رَجُلًا جَعَلَ بَعِيرًا لَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ» کہ ایک آدمی جو تھا اس نے کر دیا بعیراً لہٗ ایسا اونٹ جو اس کا تھا یعنی جو اس کا اپنا تھا، کہ ایک آدمی نے اپنے اونٹ کو کر دیا فی سبیل اللہ، کس میں؟ اللہ، ایک آدمی نے جو ہے وہ اپنا اونٹ جو ہے فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا تو «فَأَمَرَهُ» اب تو پھر حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ اب کیا کریں اس اونٹ کا؟ «فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهِ الْحَاجَّ»، تو حضور علیہ السلام نے اس کو حکم دیا کہ وہ اس پر حاجیوں کو سوار کرے۔ کن کو سوار کرے؟ بھئی دیکھیے اس آدمی نے کیا کہا تھا کہ میں نے اپنے اونٹ کو کس کے لیے وقف کر دیا؟ فی سبیل اللہ۔ اور حضور علیہ السلام کیا حکم دے رہے ہیں؟ اس کو حاجیوں کو اس پر سوار کرو۔ معلوم ہوا فی سبیل اللہ سے کون مراد ہیں؟ حاجی مراد ہیں بھئی۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے بھئی۔

«وَلَا يُصْرَفُ إِلَى أَغْنِيَاءِ الْغُزَاةِ عِنْدَنَا لِأَنَّ الْمَصْرِفَ هُوَ الْفُقَرَاءُ»، اور یہ صدقات جو ہیں، زکوٰۃ جو ہے اس کو خرچ نہیں کیا جائے گا، اس کو صرف نہیں کیا جائے گا «إِلَى أَغْنِيَاءِ الْغُزَاةِ» مالدار غازیوں پر، جو غازیوں میں سے مالدار ہیں ان پر کی طرف نہیں پھیرا جائے گا، ان پر نہیں خرچ کیا جائے گا «عِنْدَنَا» ہمارے نزدیک، «لِأَنَّ الْمَصْرِفَ هُوَ الْفُقَرَاءُ» اس لیے کیونکہ اس کا مصرف کون ہیں؟ فقراء ہیں، تو لہٰذا غازیوں میں سے بھی جو فقراء ہیں وہ مراد ہیں آیت کے اندر۔

■ مسئلہ: وَابْنُ السَّبِيلِ

«وَابْنُ السَّبِيلِ»، تو آیت کے اندر آخری قسم جو ہے ابن السبیل ذکر ہے، اور ابن السبیل عربی زبان میں کسے کہتے ہیں؟ مسافر کو۔ مسافر کو ابن السبیل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ سبیل کا معنیٰ ہے راستہ، ابن السبیل کا کیا معنیٰ ہوا؟ راستے کا بیٹا، یعنی راستے کے ساتھ لازم رہنے والا۔ چونکہ مسافر بھی سفر کے اندر ہے اور راستے کے ساتھ لازم رہنے والا ہے، راستے پر چل رہا ہے، تو اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ابن السبیل کہتے ہیں۔ تو یہ آٹھویں قسم بیان ہوئی آیت میں تو یہ مسافر ہیں۔ اور اس کی بھی تفسیر کر رہے ہیں کون سا مسافر مراد ہے؟ کہتے ہیں: «مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي وَطَنِهِ» وہ مسافر کہ اس کے وطن کے اندر تو اس کا مال ہے «وَهُوَ فِي مَكَانٍ آخَرَ» اور وہ خود دوسری جگہ پر ہے «لَا شَيْءَ لَهُ فِيهِ» اس کے اس کے پاس کوئی چیز نہیں فیہ اس جگہ میں۔ مسافر سے کون سا مسافر مراد ہے؟ یعنی جو محتاج ہے، جو مسافر کیا ہے؟ محتاج ہے۔ چاہے وہ مسافر ایسا ہے کہ اس کے پاس گھر میں تو بڑا مال موجود ہے لیکن اس وقت سفر میں نکلا ہوا ہے اور یہاں پر اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو یہ بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے۔

«قَالَ: فَهَذِهِ جِهَاتُ الزَّكَاةِ»، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں یہ ہیں زکوٰۃ کی جہتیں، یہ آٹھ قسمیں جو آیت میں بیان ہو گئیں اور جن کی ہم نے تفسیر کر دی یہ کیا ہے؟ زکوٰۃ کی جہتیں ہیں یعنی جن میں زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے گا۔ «فَلِمَالِكٍ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ»، تو مالک کے لیے جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو دے۔ مسئلہ یاد رکھیے بھئی، یہ زکوٰۃ کے مصارف جو بیان ہوئے آیت کے اندر تو زکوٰۃ دینے والے کو اختیار ہے ہمارے نزدیک کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ چاہے تو سب کو تھوڑا تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ دے دے، اور چاہے تو کسی ایک ہی قسم کو کیا کر دے؟ ساری زکوٰۃ دے دے بھئی، ساری۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں۔ سب قسموں کو دینا پڑے گا، سب قسمیں، سب قسموں کو دینا پڑے گا کیونکہ یہ سارے زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ وہ فرماتے ہیں یہ جو لام آیا نا آیت کے اندر لام: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾، یہ جو لام آیا یہ لام استحقاق کا ہے، کون سا ہے؟ تو یہ مستحقینِ صدقات بیان ہو رہے ہیں اور زکوٰۃ کے مستحق یہ سارے ہیں۔ جب سارے ہیں تو کسی ایک کو نہیں دیں گے بلکہ ساروں کو دیں گے کیونکہ سارے زکوٰۃ کے مستحق ہیں، اور نیز آیت کے اندر جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں فقراء، مساکین وغیرہ۔ تو اور جمع کا اطلاق کتنے افراد پر ہوتا ہے کم از کم؟ تین افراد پر، لہٰذا ہر قسم میں سے کم از کم تین افراد کو زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ لہٰذا مؤلفۃ القلوب تو ہو گئے ساقط، باقی کتنے رہ گئے؟ سات، اور سات میں سے ہر ایک کو میں سے کے تین افراد، تو گویا کم از کم اکیس افراد میں یہ زکوٰۃ تقسیم کرنا پڑے گی بھئی۔

جبکہ ہمارے نزدیک کسی ایک کو بھی دے سکتے ہیں کیونکہ زکوٰۃ یہ ہمارے نزدیک یہ لام جو ہے یہ استحقاق کے لیے نہیں ہے، یہ لام استحقاق کے لیے نہیں، تو یہ سارے زکوٰۃ کے مستحق نہ ہوئے بلکہ یہ لام اختصاص کے لیے ہے، کس کے لیے ہے؟ اختصاص، یعنی یہ صدقات انہی کے ساتھ خاص ہیں، انہی کو دیے جائیں گے تو یہ صدقات کے مصارف بیان ہو گئے۔ یہ سارے صدقات کے زکوٰۃ کے مصارف ہیں، تو اب دینے والے کی مرضی ہے چاہے ساروں کو دے چاہے ان میں سے کسی ایک کو دے، جب ایک کو بھی دے گا وہ بھی کیا ہے؟ زکوٰۃ کا مصرف ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنیٰ ہے «فَلِمَالِكٍ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَلَهُ أَنْ يَقْتَصِرَ عَلَى صِنْفٍ وَاحِدٍ»، پس مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ دے ان میں سے ہر ایک کو یعنی ساتوں قسموں کو، «وَلَهُ» اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے «أَنْ يَقْتَصِرَ عَلَى صِنْفٍ وَاحِدٍ» کہ وہ اکتفاء کر لے کسی ایک قسم پر۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَجُوزُ...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يَصْرِفَ إِلَى ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ لِأَنَّ الْإِضَافَةَ بِحَرْفِ اللَّامِ لِلِاسْتِحْقَاقِ»، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اس کو خرچ کرے «إِلَى ثَلَاثَةٍ» تین افراد کی طرف «مِنْ كُلِّ صِنْفٍ» ہر قسم میں سے، «لِأَنَّ الْإِضَافَةَ بِحَرْفِ اللَّامِ» اس لیے کیونکہ یہاں جو اضافت کی گئی ہے وہ کس کے ساتھ ہے؟ حرفِ لام، ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ یہ لام کے ساتھ ہے، اور وہ لام «لِلِاسْتِحْقَاقِ» کس کے لیے ہے؟ استحقاق کے لیے ہے۔ یہ معنٰی ہے «لِأَنَّ الْإِضَافَةَ بِحَرْفِ اللَّامِ لِلِاسْتِحْقَاقِ» اس لیے کیونکہ حرفِ لام کے ساتھ جو اضافت کی گئی ہے وہ استحقاق کے لیے ہے۔

«وَلَنَا أَنَّ الْإِضَافَةَ لِبَيَانِ أَنَّهُمْ مَصَارِفُ لَا لِإِثْبَاتِ الِاسْتِحْقَاقِ»، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک یہ جو لام کے ساتھ جو ہے اضافت کی گئی ہے یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ یہ زکوۃ کے مصارف ہیں «لَا لِإِثْبَاتِ الِاسْتِحْقَاقِ» استحقاق کو ثابت کرنے کے لیے نہیں، یعنی یہ لامِ استحقاق نہیں ہے بلکہ لامِ اختصاص ہے ہمارے نزدیک۔

«وَهَذَا لِمَا عُرِفَ أَنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى»، اور یہ اس وجہ سے جو جانی گئی ہے کہ زکوۃ جو ہے وہ اللہ کا حق ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ بات معلوم ہے کہ زکوۃ جو ہے اللہ کا حق ہے، «وَبِعِلَّةِ الْفَقْرِ صَارُوا مَصَارِفَ» اور فقر کی علت کی وجہ سے، محتاج ہونے کی علت کی وجہ سے یہ زکوۃ کے مصارف ہو گئے، «فَلَا يُبَالَى بِاخْتِلَافِ جِهَاتِهِ» لہٰذا پرواہ نہیں کی جائے گی ان کی جہتوں کے مختلف ہونے کی۔

بھئی یہ سارے کیا بیان ہوئے ہیں آیت کے اندر؟ یہ سارے زکوۃ کے مصارف ہیں، اور زکوۃ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور یہ جو مصارف ہیں، یرحمک اللہ، یہ جو مصارف ہیں، یہ جو زکوۃ کے مصارف بنے کس وجہ سے زکوۃ کے مصارف بنے؟ فقر یعنی محتاج ہونے کی وجہ سے یہ زکوۃ کے مصارف بنے ہیں اگرچہ جہت الگ الگ ہے۔ مسافر وہ بھی محتاج لیکن جہت الگ، اور اسی طرح غازی ہے تو ہے وہ بھی محتاج لیکن جہت کیا ہے؟ محتاج ہونے کی جہت الگ ہے، اور اسی طرح غارم ہے، مسکین وغیرہ سب بھئی۔ تو جہتیں بے شک الگ الگ ہیں لیکن بہر حال سارے کیا ہیں؟ محتاج ہیں اور علتِ احتیاج کی وجہ سے یہ مصرف بنے ہیں تو لہٰذا ان میں سے جس پر بھی خرچ کر دے گا، جس کو بھی زکوۃ دے دے گا زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنٰی ہے «فَلَا يُبَالَى بِاخْتِلَافِ جِهَاتِهِ»، لہٰذا پرواہ نہیں کی جائے گی ان کی جہتوں کے مختلف ہونے کی۔

■ مسئلہ: وَالَّذِي ذَهَبْنَا إِلَيْهِ مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ...

«وَالَّذِي ذَهَبْنَا إِلَيْهِ مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ»، اور یہ جس کی طرف ہم گئے ہیں، کس بات کی طرف ہم گئے؟ کہ مالک سب کو بھی دے سکتا ہے اور کسی ایک کو بھی دے سکتا ہے۔ یہ صرف ہم نے صرف اپنی رائے سے بات نہیں کی بلکہ یہی روایت ہے کس سے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اور یہی روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی۔ یہ معنٰی ہے «وَالَّذِي ذَهَبْنَا إِلَيْهِ» اور وہ بات جس کی طرف ہم گئے «مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ» وہ روایت کی گئی ہے حضرت عمر سے بھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی۔

«وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَدْفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى ذِمِّيٍّ»، اور جائز نہیں ہے کہ زکوۃ دینے والا زکوۃ دے ذمی کو۔ ذمی وہ غیر مسلم جو دار الاسلام میں رہتے ہیں۔ تو زکوۃ دینے والے کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ذمی کو زکوۃ دے یعنی کافر کو زکوۃ دے، اس سے زکوۃ ادا نہیں ہو گی۔ اور یہ بھی یاد رکھیے یہ صرف زکوۃ کا حکم نہیں ہے اس طرح بلکہ ہر صدقۂ واجبہ کا یہی حکم ہے۔ جو بھی صدقہ انسان پر واجب ہے وہ کسی کافر کو نہیں دیا جا سکتا، وہ کسی مسلمان ہی کو دینا پڑے گا۔ صدقۂ واجبہ مثلاً ایک عام زکوۃ ہے، عشر ہے، اسی طرح منت مانی تھی وہ پوری ہو گئی اس کی وجہ سے اس پر مال واجب ہو گیا، تو جو بھی صدقۂ واجبہ ہے اسی طرح یا کفارات کی وجہ سے جو مال واجب ہوا ہے، تو جو واجب مال ہو گا وہ صرف مسلمان ہی کو دینے سے ادا ہو گا۔ اور باقی نفلی صدقات یعنی خیرات وغیرہ غیر مسلموں کو دینا چاہتا ہے؟ ہاں وہ دے سکتا ہے، وہ مسلمانوں کو بھی دے سکتا ہے خیرات وغیرہ اور غیر مسلموں کو بھی دیا جا سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَدْفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى ذِمِّيٍّ» اور جائز نہیں ہے کہ زکوۃ حوالے کرے ذمی کے «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے جو آپ نے فرمایا «لِمُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» حضرت معاذ سے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: «خُذْهَا مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَرُدَّهَا فِي فُقَرَائِهِمْ»۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا قاضی بنا کر اور جہاں ان کو اور احکامات آپ نے دیے وہاں ایک حکم یہ بھی دیا کہ زکوۃ انہی لوگوں کے مالداروں سے لے کر انہی کے فقراء پر اس کو لوٹا دینا یعنی انہی کے فقراء میں اس کو تقسیم کر دینا۔ تو حدیث میں کیا آیا؟ انہی کے فقراء کو دے دینا، اور لی کس سے جاتی ہے زکوۃ؟ مسلمانوں سے، اور انہی کے فقراء پر لوٹا دینا، معلوم ہوا کس کو دینا ضروری ہے؟ مسلمانوں ہی کے فقراء کو دینا ضروری ہے۔ یہ معنٰی ہے بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے جو آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ «خُذْهَا مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ» کہ زکوۃ لینا ان کے مالداروں سے «وَرُدَّهَا

فِي فُقَرَائِهِمْ » اور اس کو لوٹا دینا ان کے محتاجوں میں۔

■ مسئلہ: وَيَدْفَعُ إِلَيْهِ مَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الصَّدَقَةِ

« وَيَدْفَعُ إِلَيْهِ مَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الصَّدَقَةِ »، زکوٰۃ دینے والا ذمی کو تو زکوٰۃ نہیں دے گا لیکن اس کے علاوہ اور جو صدقات ہیں وہ ذمی کو دے سکتا ہے۔ یہ معنیٰ ہے « وَيَدْفَعُ إِلَيْهِ » اور ذمی کو دے سکتا ہے « مَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الصَّدَقَةِ » اس کے علاوہ جو ہیں صدقے میں سے یعنی نفلی صدقے دے سکتا ہے۔

« وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَدْفَعُ »، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں دے سکتا، اور نفلی صدقے بھی غیر مسلم کو نہیں دے سکتا، « وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ » اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی، « اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ » زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے، جیسے زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں اسی طرح وہ فرماتے ہیں یہ نفلی صدقہ بھی غیر مسلم کو دینا جائز نہیں۔

« وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَصَدَّقُوا عَلَى أَهْلِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا »، اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ « تَصَدَّقُوا عَلَى أَهْلِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا » کہ تم لوگ صدقہ کرو تمام دینوں والوں پر، تمام دین والے جو ہیں ان پر کیا کرو؟ صدقہ کرو۔

■ مسئلہ: وَلَوْلَا حَدِيثُ مُعَاذٍ لَقُلْنَا بِالْجَوَازِ فِ...

« وَلَوْلَا حَدِيثُ مُعَاذٍ لَقُلْنَا بِالْجَوَازِ فِي الزَّكَاةِ »، اور اگر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث نہ ہوتی تو ہم قائل ہو جاتے زکوٰۃ کے اندر بھی جواز کے۔ زکوٰۃ میں بھی ہم کس کے قائل ہوتے؟ جواز کے قائل ہوتے۔ تو کیونکہ اس حدیث میں کیا آیا: « تَصَدَّقُوا عَلَى أَهْلِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا »، تمام دینوں والے جو ہیں ان پر کیا کرو تم لوگ؟ صدقہ کرو، اور صدقہ تو شامل ہے نفلی صدقے کو بھی اور صدقۂ واجبہ کو بھی شامل ہے۔ تو یہ حدیث تقاضا کر رہی ہے کہ سب کو دینا جائز ہو، سب کو دینا جائز ہو، لیکن حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے پتہ چل رہا تھا کہ زکوٰۃ کس کو دی جائے گی؟ مسلمانوں ہی کے فقراء کو۔ اس وجہ سے ہم نے کہا کہ زکوٰۃ یعنی صدقاتِ واجبہ غیر مسلموں کو نہیں دیے جا سکتے، اور اگر وہ حدیث نہ ہوتی تو اس حدیث کے اطلاق کی وجہ سے ہم کس چیز کے قائل ہو جاتے؟ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ وہ غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ حدیث عام ہے۔

« وَلَا يُبْنَى بِهَا مَسْجِدٌ وَلَا يُكَفَّنُ بِهَا مَيِّتٌ »، اور اس کے ذریعے مسجد تعمیر نہیں کی جا سکتی اور نہ اس کے ذریعے کسی میت کو کفن دیا جا سکتا ہے۔ یاد رکھیے مالِ زکوٰۃ سے مسجد وغیرہ تعمیر نہیں کر سکتے، اس کے ذریعے کسی کو میت کو کفن دفن وغیرہ اس پر اس کو خرچ نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں کر سکتے؟ کہتے ہیں: « لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ »، کیونکہ تملیک معدوم ہے۔ تملیک کا معنیٰ ہے مالک بنانا۔ زکوٰۃ کے اندر ضروری ہے کہ کسی فقیر اور محتاج کو اس کا مالک بنایا جائے، اور اب آپ اس سے مسجد تعمیر کرتے ہیں تو اس میں کسی کو مالک بنا رہے ہیں؟ نہیں، آپ خرچ تو کر رہے ہیں لیکن کسی کو مالک نہیں بنا رہے۔ میت کو کفن دیتے ہیں اس میں بھی کسی کو مالک بنانا نہیں ہے، جبکہ مالک بنانا رکن ہے زکوٰۃ کے اندر، اس کے بغیر وہ ادا ہو گی ہی نہیں بھئی۔ یہ معنیٰ ہے « لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ » تملیک کے معدوم ہونے کی وجہ سے « وَهُوَ الرُّكْنُ » اور تملیک وہ تو رکن ہے زکوٰۃ کا۔

« وَلَا يُقْضَى بِهَا دَيْنُ مَيِّتٍ »، اور اس کے ذریعے کسی مرنے والے کا دین بھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شخص کے مرنے والے کا دین بھی ادا نہیں کیا جا سکتا، « لِأَنَّ قَضَاءَ دَيْنِ الْغَيْرِ لَا يَقْتَضِي التَّمْلِيكَ مِنْهُ لَا سِيَّمَا فِي الْمَيِّتِ » اس لیے کیونکہ کسی دوسرے کا، کسی دوسرے کا دین ادا کرنا « لَا يَقْتَضِي » یہ تقاضا نہیں کرتا « التَّمْلِيكَ مِنْهُ » اس کو مالک بنانے کا۔ اس کو مالک بنانے کا یہ تقاضا نہیں، بھئی دیکھیے زید پر مثلاً قرض ہے، زید پر قرض ہے۔ آپ زید کی طرف سے یہ قرض خود ادا کر دیتے ہیں، خود ادا کرتے ہیں، تو کسی دوسرے کی طرف سے جب قرض ادا کیا جائے یہ تقاضا نہیں کرتا اس بات کا کہ اس کو مالک پہلے بنایا جائے پھر ہی قرضہ ادا ہو گا ورنہ قرضہ ادا نہیں ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آ رہی ہے یا نہیں؟ آپ زید کی طرف سے مال دے دیتے ہیں تو قرض ادا ہو گیا یا ادا نہیں ہو گیا؟ قرض ادا ہو گیا۔ لیکن کیا اس میں یہ شرط ہے کہ پہلے زید مالک بنے پھر اس کے بعد وہ قرض خواہ کو مال ملے تو قرض ادا ہو گا ویسے ادا نہیں؟ نہیں، یہ شرط یہاں پر نہیں ہے۔ تو کسی کے، کسی دوسرے کا قرضہ ادا کرنا یہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ دوسرے شخص کو پہلے کیا بنایا جائے؟ یعنی مقروض کو مالک بنایا جائے، یہ تقاضا نہیں کرتا۔ جب یہ تقاضا نہیں کرتا تو یہاں تملیک نہیں پائی گئی، دوسرے کو مالک نہیں بنایا گیا، اور حالانکہ زکوٰۃ کے اندر تو کیا ضروری تھا؟ دوسرے کو مالک بنانا ضروری تھا بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنیٰ ہے « لِأَنَّ قَضَاءَ دَيْنِ الْغَيْرِ لَا يَقْتَضِي التَّمْلِيكَ مِنْهُ » اس لیے کیونکہ کسی دوسرے کے دین کو ادا کرنا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اس کو مالک بھی بنایا جائے « لَا سِيَّمَا فِي الْمَيِّتِ » خاص طور پر میت کے اندر مرنے والے میں، وہ تو مالک بن ہی نہیں سکتا کسی چیز کا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس صورت میں وہ مرنے والے کا دین بھی اس کے ذریعے ادا نہیں کیا جا سکتا۔

■ مسئلہ: وَلَا تُشْتَرَى بِهَا رَقَبَةٌ تُعْتَقُ خِلَافًا لِمَالِكٍ...

«وَلَا تُشْتَرَى بِهَا رَقَبَةٌ تُعْتَقُ خِلَافًا لِمَالِكٍ»، اور اس کے ذریعے کسی رقبہ کو، کسی غلام یا باندی کو بھی نہیں خریدا جاسکتا «تُعْتَقُ» کہ وہ کیا ہو؟ کہ وہ اسے آزاد کر دیا جائے «خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے۔ بھئی یہ مسئلہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ «وَفِي الرِّقَابِ» کے دو معنیٰ بیان کیے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک «وَفِي الرِّقَابِ» سے کیا مراد ہے؟ کہ زکوٰۃ خرچ کی جائے گی گردنوں کے چھڑانے میں یعنی ان کو آزاد کرنے میں۔ اب اس سے کیا مراد ہے؟ ہمارے نزدیک مراد کیا ہے؟ کہ مکاتب کی مدد کی جائے گی کہ وہ اپنا بدلِ کتابت ادا کر دے۔ جبکہ بعض فقہاء نے اس کا کیا معنیٰ کیا؟ کہ غلاموں کو خرید کر باقاعدہ اس کے ذریعے کیا کیا جائے گا؟ آزاد کیا جائے گا، اور اسی کی طرف امام مالک رحمہ اللہ گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں نہیں، غلام کو آزاد کرنا، غلام کو آزاد کرنا یہ ملکیت کو اس پر سے ختم کرنا ہے، پہلے وہ مملوک تھا اب اس پر سے ملکیت کو کیا کر دیا گیا؟ ختم۔ اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں دوسرے کو مالک بنائیں گے تو پھر زکوٰۃ ادا ہو گی، تو یہاں تملیک نہیں پائی جا رہی۔ جب کسی غلام کو کیا کیا گیا؟ اسقاطِ ملک تو ہے، وہ پہلے کیا تھا؟ مملوک، اب اس پر سے ملکیت کیا کر دی گئی؟ ختم کر کے اس کو آزاد کر دیا گیا، تو یہاں اسقاطِ ملک تو پایا جائے گا لیکن تملیک نہیں پائی جائے گی، حالانکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کیا ضروری؟ تملیک ضروری ہے دوسرے کو مالک بنایا جائے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «وَلَا تُشْتَرَى بِهَا رَقَبَةٌ تُعْتَقُ» اور اس کے ذریعے کسی رقبہ کو نہیں خریدا جائے گا کہ اس کو آزاد کر دیا جائے «خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے، «حَيْثُ ذَهَبَ إِلَيْهِ فِي تَأْوِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾» کیونکہ وہ گئے ہیں اس بات اسی تاویل کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول «وَفِي الرِّقَابِ» میں۔ «وَلَنَا أَنَّ الْإِعْتَاقَ إِسْقَاطُ الْمِلْكِ وَلَيْسَ بِتَمْلِيكٍ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اعتاق یعنی آزاد کرنا جو ہے وہ ملکیت کو ساقط کرنا ہے، ملکیت کو اس غلام پر سے ختم کرنا ہے «وَلَيْسَ بِتَمْلِيكٍ» اور یہ آزاد کرنا یہ تملیک نہیں ہے اور زکوٰۃ میں تو کیا ضروری؟ تملیک ضروری ہے۔

«وَلَا تُدْفَعُ إِلَى غَنِيٍّ»، اور زکوٰۃ جو ہے مالدار کو بھی نہیں دی جائے گی «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ» اس وجہ سے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ حلال نہیں ہے مالدار کے لیے، تو معلوم ہوا مالدار کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ «وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي غَنِيِّ الْغُزَاةِ»، اور یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ یہ دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف مالدار غازیوں میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے اندر آیا «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» اور «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» سے مراد غازی ہیں، تو غازیوں کو بھی زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ آیت کے اندر فقر وغیرہ کی قید نہیں، «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» مطلق ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث، یہ حدیث جو ابھی ذکر ہوئی کہ «لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ»، یہ حدیث مطلق ہے کہ مالدار کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اس میں کوئی قید ہے کہ غازی ہو تو اس کو دی جاسکتی ہے؟ نہیں، تو یہ حدیث اپنے اطلاق کے اعتبار سے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف بھی حجت ہے اور دلیل ہے۔

یہ معنیٰ ہے «وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَنِيِّ الْغُزَاةِ» اور یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ یہ دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف مالدار غازیوں میں۔ «وَكَذَا حَدِيثُ مُعَاذٍ عَلَى مَا رَوَيْنَاهُ»، اور اسی طرح حدیثِ معاذ بھی بوجہ اس کے جو ہم نے روایت کر دی بھئی۔ تو حدیث جیسے یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف دلیل ہے مالدار غازیوں کے سلسلے میں، وہ فرماتے ہیں مالدار غازیوں کو دے سکتے ہیں لیکن یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ جیسے یہ ان کے خلاف دلیل تھی اسی طرح وہ حدیثِ معاذ بھی ان کے خلاف دلیل ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا تھا؟ «وَرُدَّهَا فِي فُقَرَائِهِمْ»، کہ انہی کے فقراء پر زکوٰۃ کو لوٹا دینا، تو وہاں بھی فقراء ہی کا ذکر ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَلَا يَدْفَعُ الْمُزَكِّي زَكَاةَ مَالِهِ...

«قَالَ: وَلَا يَدْفَعُ الْمُزَكِّي زَكَاةَ مَالِهِ إِلَى أَبِيهِ وَجَدِّهِ وَإِنْ عَلَا»، بھئی یہاں سے یہ مسئلہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ زکوٰۃ اپنے اصول و فروع کو نہیں دی جاسکتی۔ اصول وہ ہیں جو اوپر کی طرف ہیں جیسے باپ ہے، دادا دادی ہے، نانا نانی ہے، پردادا پردادی ہے، پرنانا پرنانی وغیرہ یا ان سے اوپر تک، یہ سارے کیا ہیں؟ اصول ہیں، اصول ہیں کسی آدمی جو بھی آدمی ہے اس کے لیے یہ اصول ہیں بھئی، تو ان کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح اس شخص کے جو فروع ہوتے ہیں یعنی اس کی جو اولاد ہے یا آگے اولاد کی اولاد ہے ان میں سے بھی کسی کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اولاد مثلاً بیٹا بیٹی، اولاد کی اولاد جیسے پوتا پوتی، نواسہ نواسی، یا اسی طرح چاہے یہ سلسلہ نیچے تک ہی کیوں نہ ہو، تو ان میں سے کسی کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ تو آدمی اپنے اصول کو بھی اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور اپنے فروع کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ وجہ اس کی یہ کہ یہ اصول و فروع جو ہوتے ہیں ان کے منافع مشترک ہوتے ہیں، منافع کیا ہوتے ہیں؟ مشترک ہوتے ہیں۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کرتے ہیں تو لہٰذا ان میں سے اگر ایک کو دے گا، تو منافع تو مشترک ہیں تو گویا خود اپنے اس کا نفع خود ہی حاصل کر رہا ہے، کیونکہ یہ کیا کرتے ہیں؟ ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کرتے ہیں، ان کے منافع مشترک ہوتے ہیں، تو...

«وَفِي الرِّقَابِ أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُونَ مِنْهَا فِي فَكِّ رِقَابِهِمْ، هُوَ الْمَنْقُولُ، وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ وَلَا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلًا عَنْ دَيْنِهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: مَنْ تَحَمَّلَ غَرَامَةً فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَإِطْفَاءِ النَّائِرَةِ بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ.»

بھئی گزشتہ سبق میں یہ بحث آئی تھی، صاحبِ ہدایہ نے بتلایا تھا کہ مؤلفۃ القلوب جو ہیں وہ ساقط ہو گئے ہیں، اس لیے کیونکہ اللہ نے اسلام کو قوت دے دی ہے اور اسلام کو ان سے بے نیاز کر دیا ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع منعقد ہوا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ اجماع اگرچہ قطعی دلیل ہے لیکن اس کے ذریعے قرآن یا حدیث کے کسی قطعی حکم کو ساقط نہیں کیا جا سکتا، تو یہ اس کے لیے ناسخ نہیں بن سکتا۔ اور پھر میں نے اس کا جواب بھی آپ کو بتلایا کہ بھئی یہ جو مؤلفۃ القلوب کو دینے کا حکم تھا، یہ معلول تھا علت کے ساتھ، کہ ان کو دینے کی علت کیا تھی؟ اسلام کا کمزور ہونا۔ تو یہ حکم علت کے ساتھ معلول تھا اور چونکہ یہ علت ختم ہو گئی اس لیے یہ مؤلفۃ القلوب ساقط ہو گئے۔ مؤلفۃ القلوب کیا ہوئے؟ ساقط ہو گئے۔ تو علت ختم ہو گئی اور علت کیا تھی؟ اسلام کا کمزور ہونا۔ اور جب یہ علت دوبارہ پائی جائے گی تو یہ حکم بھی دوبارہ اسی طرح آئے گا اور مؤلفۃ القلوب کو دینا جائز ہو گا بھئی، صورت سمجھ میں آئی؟

■ مسئلہ: وَفِي الرِّقَابِ

«وَفِي الرِّقَابِ» بھئی آیت کے اندر «وَفِي الرِّقَابِ» آیا تھا۔ اس سے کیا مراد ہے؟ رقاب جمع ہے رقبۃ کی بھئی، اور گردنوں کے اندر، یعنی گردنوں کے چھڑانے میں، غلاموں کو آزاد کروانے میں۔ اس کا معنی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَفِي الرِّقَابِ» اور «وَفِي الرِّقَابِ» جو ہے وہ یہ ہے کہ «أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُونَ» کہ مدد کی جائے گی مکاتبوں کی «مِنْهَا» اس زکوٰۃ میں سے «فِي فَكِّ رِقَابِهِمْ» ان کی گردنوں کے چھڑانے میں۔ فک کا معنی ہے چھڑانا۔ ان کی گردنوں کے چھڑانے میں ان کی مدد کی جائے گی بھئی۔ «هُوَ الْمَنْقُولُ» یہی منقول ہے حضور ﷺ اور صحابہ سے بھئی۔ کہ «وَفِي الرِّقَابِ» سے کیا مراد ہے؟ کہ مکاتبوں کی مدد کی جائے گی۔ میں نے آپ کو بتلا دیا کہ مکاتب وہ غلام ہے جسے اس کے آقا نے کہہ دیا مثلاً دو سال کے اندر اتنے پیسے لے آؤ تو تم آزاد ہو۔ تو یہ مکاتب ہے، تو اب یہ مالِ زکوٰۃ میں سے اس کی بھی مدد کی جائے گی تاکہ یہ جلد سے جلد وہ مال کی ادائیگی کر کے اپنے آپ کو آزاد کروا سکے۔

جبکہ اسی «وَفِي الرِّقَابِ» کی دوسری تفسیر بھی بعض فقہاء نے کی اور وہ اس کی طرف گئے ہیں، وہ فرماتے ہیں «وَفِي الرِّقَابِ» سے مراد یا گردنوں کے چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ اس مالِ زکوٰۃ کے ذریعے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے گا۔ کیا کیا جائے گا؟ غلاموں کو باقاعدہ خرید کر آزاد کیا جائے گا۔ جبکہ ہمارے نزدیک غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا صحیح نہیں، اس لیے کیونکہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے اور زکوٰۃ کے اندر دوسرے کو مالک بنانا ضروری ہے، تو جب غلام کو خرید کر آزاد کیا جائے گا اس کے اندر مالک بنانا نہیں پایا گیا، حالانکہ زکوٰۃ میں کیا ضروری ہے؟ کہ کسی کو اس مال کا مالک باقاعدہ بنایا جائے بھئی۔ جی آگے اس کا بھی ذکر آ جائے گا بھئی۔

تو بہر حال ہمارے نزدیک غلاموں کو خرید کر آزاد نہیں کیا جائے گا بلکہ مکاتب جو ہیں ان کو، ان کی مدد کی جائے گی تاکہ وہ اپنے آپ کو آزاد کروائیں اور بدلِ کتابت ادا کریں جلد سے جلد بھئی۔ یہ معنی ہے کہ «أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُونَ مِنْهَا» کہ مدد کی جائے گی مکاتبوں کی اس مالِ زکوٰۃ میں سے «فِي فَكِّ رِقَابِهِمْ» ان کی گردنوں کے چھڑانے میں، ان کی گردنوں کے آزاد کروانے میں۔ «هُوَ الْمَنْقُولُ» اور یہی منقول ہے حضور ﷺ اور صحابہ سے۔

■ مسئلہ: وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ

«وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ» بھئی آیت کے اندر غارمین کا ذکر آیا تھا بھئی، غارمین کا۔ اور وہ کہتے ہیں «وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ» غارم وہ ہے جس پر دین لازم ہو گیا ہو، یعنی جو مقروض ہو گیا ہے، مقروض ہو گیا ہے۔ تو جو مقروض ہے جس بیچارے پر قرضے زیادہ ہیں ان کی بھی اس مالِ زکوٰۃ کے ذریعے مدد کی جائے گی، ان کو دیا جائے گا تاکہ اس کے ذریعے وہ اپنے قرضے ادا کریں۔ تو کہتے ہیں «وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ» اور غارم جو ہے وہ شخص ہے جس پر دین لازم ہو گیا ہو «وَلَا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلًا عَنْ دَيْنِهِ» اور وہ اپنے دین سے زائد نصاب کا مالک نہ ہو۔ اپنے دین سے زائد نصاب، یعنی بے شک اس کے پاس مال ہو، مال ہو لیکن وہ مال کس کے ساتھ مشغول ہے؟ دین کے ساتھ مشغول ہے۔ مثلاً فرض کریں ایک شخص ہے اس کے پاس دس لاکھ روپے موجود ہیں لیکن اس پر قرضہ بھی تقریباً دس لاکھ ہی ہے، تو اب بے شک اس کے پاس مال موجود ہے یہ، لیکن یہ مال کس کے ساتھ مشغول ہے؟ دین کے ساتھ مشغول ہے۔ اگر اس کے لیے وہ دین ادا کرتا ہے تو باقی اس کے پاس نصاب کے بقدر مال بچتا ہی نہیں ہے، تو یہ شخص بھی محتاج ہے لہٰذا اس کو بھی کیا کیا جائے گا؟ مالِ زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ قید ضروری ہے کہ دین سے زائد مال اتنا نہ ہو جو نصاب کو پہنچتا ہو، ورنہ قرضہ تو مالداروں پر بھی ہو جاتا ہے، وہ بھی کسی سے قرضہ لے لیتے ہیں لیکن ان کے پاس تو مال ہوتا ہے، قرضہ آرام سے پھر ادا بھی کر دیتے ہیں، تو وہ مراد نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں «وَلَا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلًا عَنْ دَيْنِهِ» اور وہ مالک نہ ہو نصاب کا جو کہ زائد ہو اس کے دین سے۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: مَنْ تَحَمَّلَ غَرَامَةً فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَإِطْفَاءِ النَّائِرَةِ بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ» جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غارم وہ شخص ہے «مَنْ تَحَمَّلَ غَرَامَةً» جس نے غرامت کو برداشت کر لیا، جس نے غرامت کو یعنی جرمانے کو اٹھالیا «فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ» ذات البین کہتے ہیں آپس کا تعلق بھئی، رشتہ اور محبت جو ہے۔ تو ذات البین یعنی آپس کے تعلق کی اصلاح کے لیے۔ «وَإِطْفَاءِ النَّائِرَةِ» اطفا یطفی کے معنی ہوتے ہیں بجھانا، بجھا دینا۔ النائرۃ، نائرہ یہ نار سے ہے، نار سے۔ تو نائرہ غصے اور عداوت کی آگ بھئی، غصے اور بغض وعداوت کی جو آگ ہے۔ «بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ» دو قبیلوں کے درمیان۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں غارم سے مراد وہ شخص ہے کہ مثلاً دو آدمیوں کے درمیان تعلق خراب تھا، آپس میں انہوں نے فیصلہ کر کے کسی پر جرمانہ وغیرہ ڈالا کہ یہ میرے اتنے مال ادا کر دے، اتنا مال، تو اس جرمانے کو اس تیسرے آدمی نے اٹھالیا اور برداشت کر لیا کہ چلو یہ جرمانہ میں ادا کر دوں گا، تم دونوں کیا کرلو آپس میں؟ صلح کرلو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ شخص جو ہے یہ ہے غارم، کہ جس نے غرامت کو اٹھالیا، غرامت کو اٹھالیا۔ یا اسی طرح دو قبیلوں کے درمیان بغض وعداوت کی آگ جل رہی تھی، یہ شخص اس آگ کو بجھا دیتا ہے، یعنی ان میں آپس میں صلح نہیں ہو رہی، ایک قبیلہ کہتا ہے یہ ہمیں اتنا مال ادا کرے اس نے ان کی وجہ سے ہمارا یہ نقصان ہوا ہے یا کچھ ہوا ہے تو تب ہی ہم ان کے ساتھ صلح کریں گے، اور وہ دوسرا ادا کرنے پر راضی نہیں ہے، تو یہ تیسرا شخص کیا کر لیتا ہے؟ وہ کہتا ہے بھئی یہ مال میں اپنی جیب سے دے دوں گا لیکن آپس میں کیا کرلو؟ صلح کرلو۔ تو دیکھو اس نے جرمانے کو اٹھالیا۔ کس لیے اٹھایا؟ دو قبیلوں کے درمیان بغض وعداوت کی آگ کو بجھانے کے لیے۔ تو یہ ہے غارم، لہٰذا یہ اگرچہ مالدار ہی کیوں نہ ہو لیکن اس نے کیا کیا ہے؟ جرمانے کو اٹھایا ہے تو یہ غارم ہوا اور غارم کو آیت کے اندر مالِ زکوۃ دینے کا حکم ہے بھئی۔ یہ معنی ہے «قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: مَنْ تَحَمَّلَ غَرَامَةً فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے جرمانے کو اٹھالیا یعنی تاوان کو اٹھالیا آپس کے تعلق کی اصلاح کے لیے «وَإِطْفَاءِ النَّائِرَةِ» اور بغض وعداوت کی آگ کو بجھانے کے لیے «بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ» دو قبیلوں کے درمیان، وہ ہے غارم بھئی۔

«وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» اور آیت کے اندر چھٹی قسم کیا آئی تھی؟ «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ»، اس سے کون مراد ہیں؟ کہتے ہیں: «مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» وہ منقطع الغزاۃ ہیں بھئی۔ غزاۃ جمع ہے غازی کی، غازی کی، جو مجاہد ہے۔ تو فی سبیل اللہ سے مراد جو ہیں منقطع الغزاۃ ہیں۔ منقطع یعنی کٹے ہوئے ہیں، جدا ہوئے ہیں۔ منقطع الغزاۃ وہ غازی جو یعنی مال سے کٹے ہوئے ہیں، مال سے کٹے ہوئے ہیں یعنی محتاج ہیں، کیا ہیں؟ محتاج ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ فی سبیل اللہ سے مراد جو ہیں منقطع الغزاۃ ہیں، یعنی وہ غازی ہیں جو محتاج ہیں جن کے پاس مال نہیں ہے۔ «عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔ «لِأَنَّهُ الْمُتَفَاهَمُ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ» اس لیے کیونکہ فی سبیل اللہ سے یہی مفہوم ہوتے ہیں اطلاق کے وقت۔ جب فی سبیل اللہ کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو عرف میں عام لوگ اس سے کیا سمجھتے ہیں؟ مجاہدین ہی سمجھتے ہیں کہ وہ کیا ہیں، اللہ کے راستے میں لڑ رہے ہیں، جہاد کر رہے ہیں۔ «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ مُنْقَطِعُ الْحَاجِّ» جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد منقطع الحاج ہیں، وہ حاجی جو مال سے کٹے ہوئے ہیں یعنی وہ حاجی جن بیچاروں کے پاس مال نہیں ہے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہیں؟ غازی مراد ہیں، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حاجی مراد ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کیا دلیل گزری؟ کیونکہ وہ فرماتے ہیں «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے لوگ اس سے کیا سمجھتے ہیں؟ مجاہدین مراد لیتے ہیں، مجاہدین کا معنی اس سے سمجھا جاتا ہے، حاجی کا معنی اس سے سمجھا نہیں جاتا۔ لیکن امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں منقطع الحاج مراد ہیں۔ «لِمَا رُوِيَ: أَنَّ رَجُلًا جَعَلَ بَعِيرًا لَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ ایک آدمی جو تھا اس نے کر دیا «بَعِيرًا لَهُ» ایسا اونٹ جو اس کا تھا یعنی اس کا اپنا تھا، کہ ایک آدمی نے اپنے اونٹ کو کر دیا «فِي سَبِيلِ اللَّهِ» کس میں؟ ایک آدمی نے جو ہے وہ اپنا اونٹ فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا، «فَأَمَرَهُ» تو پھر حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ اب کیا کریں اس اونٹ کا؟ «فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهِ الْحَاجَّ» تو حضور علیہ السلام نے اس کو حکم دیا کہ وہ اس پر حاجیوں کو سوار کرے۔ کن کو سوار کرے؟ بھئی دیکھیے اس آدمی نے کیا کہا تھا کہ میں نے اپنے اونٹ کو کس کے لیے وقف کر دیا؟ فی سبیل اللہ، اور حضور علیہ السلام کیا حکم دے رہے ہیں؟ اس کو حاجیوں کو اس پر سوار کرو۔ معلوم ہوا فی سبیل اللہ سے کون مراد ہیں؟ حاجی مراد ہیں بھئی۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَلَا يُصْرَفُ إِلَى أَغْنِيَاءِ الْغُزَاةِ عِنْدَ...

«وَلَا يُصْرَفُ إِلَى أَغْنِيَاءِ الْغُزَاةِ عِنْدَنَا؛ لِأَنَّ الْمَصْرِفَ هُوَ الْفُقَرَاءُ» اور یہ صدقات جو ہیں، زکوۃ جو ہے اس کو خرچ نہیں کیا جائے گا، اس کو صرف نہیں کیا جائے گا «إِلَى أَغْنِيَاءِ الْغُزَاةِ» مالدار غازیوں پر، جو غازیوں میں سے مالدار ہیں ان کی طرف نہیں پھیرا جائے گا، ان پر نہیں خرچ کیا جائے گا «عِنْدَنَا» ہمارے نزدیک، «لِأَنَّ الْمَصْرِفَ هُوَ الْفُقَرَاءُ» اس لیے کیونکہ اس کا مصرف کون ہیں؟ فقراء ہیں، تو لہٰذا غازیوں میں سے بھی جو فقراء ہیں وہ مراد ہیں آیت کے اندر۔

«وَابْنُ السَّبِيلِ» تو آیت کے اندر آخری قسم جو ہے ابن السبیل ذکر ہے، اور ابن السبیل عربی زبان میں کسے کہتے ہیں؟ مسافر کو۔ مسافر کو ابن السبیل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ سبیل کا معنی ہے راستہ، ابن السبیل کا کیا معنی ہوا؟ راستے کا بیٹا، یعنی راستے کے ساتھ لازم رہنے والا، چونکہ مسافر بھی سفر کے اندر ہے اور راستے کے ساتھ لازم رہنے والا ہے، راستے پر چل رہا ہے تو اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ابن السبیل کہتے ہیں۔ تو یہ آٹھویں قسم بیان ہوئی آیت میں، تو یہ مسافر ہیں اور اس کی بھی تفسیر کر رہے ہیں

کہ کون سا مسافر مراد ہے؟ کہتے ہیں: «مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي وَطَنِهِ» وہ مسافر کہ اس کے وطن کے اندر تو اس کا مال ہے «وَهُوَ فِي مَكَانٍ آخَرَ لَا شَيْءَ لَهُ فِيهِ» اور وہ خود دوسری جگہ پر ہے، اس کے پاس کوئی چیز نہیں اس جگہ میں۔ مسافر سے کون سا مسافر مراد ہے؟ یعنی جو محتاج ہے، جو مسافر کیا ہے؟ محتاج ہے۔ چاہے وہ مسافر ایسا ہے کہ اس کے پاس گھر میں تو بڑا مال موجود ہے لیکن اس وقت سفر میں نکلا ہوا ہے اور یہاں پر اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، تو یہ بھی زکوۃ کا مصرف ہے۔

«قَالَ: فَهَذِهِ جِهَاتُ الزَّكَاةِ» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں یہ ہیں زکوۃ کی جہتیں، یہ آٹھ قسمیں جو آیت میں بیان ہو گئیں اور جن کی ہم نے تفسیر کر دی، یہ کیا ہے؟ زکوۃ کی جہتیں ہیں یعنی جن میں زکوۃ کو خرچ کیا جائے گا۔ «فَلِلْمَالِكِ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ» تو مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ دے ان میں سے ہر ایک کو، مسئلہ یاد رکھیے بھئی، یہ زکوۃ کے مصارف جو بیان ہوئے آیت کے اندر، تو زکوۃ دینے والے کو اختیار ہے ہمارے نزدیک کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ چاہے تو سب کو تھوڑی تھوڑی زکوۃ دے دے، اور چاہے تو کسی ایک ہی قسم کو کیا کر دے؟ ساری زکوۃ دے دے بھئی۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں، سب قسموں کو دینا پڑے گا، سب قسموں کو دینا پڑے گا کیونکہ یہ سارے زکوۃ کے مستحق ہیں، یہ کیا ہیں؟ وہ فرماتے ہیں یہ جو لام آیا نا آیت کے اندر لام، «إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ» یہ جو لام آیا، یہ لام استحقاق کا ہے، کون سا ہے؟ تو یہ مستحقینِ صدقات بیان ہو رہے ہیں، اور زکوۃ کے مستحق یہ سارے ہیں، جب سارے ہیں تو کسی ایک کو نہیں دیں گے بلکہ ساروں کو دیں گے کیونکہ سارے زکوۃ کے مستحق ہیں، اور نیز آیت کے اندر جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں: فقراء، مساکین وغیرہ۔ تو اور جمع کا اطلاق کتنے افراد پر ہوتا ہے کم از کم؟ تین افراد پر، لہٰذا ہر قسم میں سے کم از کم تین افراد کو زکوۃ دینا پڑے گی۔ لہٰذا مؤلفۃ القلوب تو ہو گئے ساقط، باقی کتنے رہ گئے؟ سات، اور سات میں سے ہر ایک کے تین افراد، تو گویا کم از کم اکیس افراد میں یہ زکوۃ تقسیم کرنا پڑے گی بھئی۔ جبکہ ہمارے نزدیک کسی ایک کو بھی دے سکتے ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک یہ لام جو ہے یہ استحقاق کے لیے نہیں ہے، یہ لام استحقاق کے لیے نہیں، تو یہ سارے زکوۃ کے مستحق نہ ہوئے بلکہ یہ لام اختصاص کے لیے ہے، کس کے لیے ہے؟ اختصاص، یعنی یہ صدقات انہی کے ساتھ خاص ہیں، انہی کو دیے جائیں گے، تو یہ صدقات کے مصارف بیان ہو گئے۔ یہ سارے صدقات کے، زکوۃ کے مصارف ہیں، تو اب دینے والے کی مرضی ہے چاہے ساروں کو دے، چاہے ان میں سے کسی ایک کو دے، جب ایک کو بھی دے گا وہ بھی کیا ہے؟ زکوۃ کا مصرف ہے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے «فَلِلْمَالِكِ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ، وَلَهُ أَنْ يَقْتَصِرَ عَلَى صِنْفٍ وَاحِدٍ» پس مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ دے ان میں سے ہر ایک کو یعنی ساتوں قسموں کو، اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اکتفاء کر لے کسی ایک قسم پر۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يَصْرِفَ إِلَى ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ؛ لِأَنَّ الْإِضَافَةَ بِحَرْفِ اللَّامِ لِلِاسْتِحْقَاقِ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اس کو خرچ کرے تین افراد کی طرف ہر قسم میں سے، اس لیے کیونکہ یہاں جو اضافت کی گئی ہے وہ کس کے ساتھ ہے؟ حرفِ لام، «إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ» یہ لام کے ساتھ ہے، اور وہ لام للاستحقاق، کس کے لیے ہے؟ استحقاق کے لیے ہے۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّ الْإِضَافَةَ بِحَرْفِ اللَّامِ لِلِاسْتِحْقَاقِ» اس لیے کیونکہ حرفِ لام کے ساتھ جو اضافت کی گئی ہے وہ استحقاق کے لیے ہے۔ «وَلَنَا: أَنَّ الْإِضَافَةَ لِبَيَانِ أَنَّهُمْ مَصَارِفُ، لَا لِإِثْبَاتِ الِاسْتِحْقَاقِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جو لام کے ساتھ جو ہے اضافت کی گئی ہے یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ یہ زکوۃ کے مصارف ہیں، استحقاق کو ثابت کرنے کے لیے نہیں، یعنی یہ لامِ استحقاق نہیں ہے بلکہ لامِ اختصاص ہے ہمارے نزدیک۔ «وَهَذَا لِمَا عُرِفَ أَنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى» اور یہ اس وجہ سے جو جانی گئی ہے کہ زکوۃ جو ہے وہ اللہ کا حق ہے، یہ اس وجہ سے کہ یہ بات معلوم ہے کہ زکوۃ جو ہے اللہ کا حق ہے، «وَبِعِلَّةِ الْفَقْرِ صَارُوا مَصَارِفَ» اور فقر کی علت کی وجہ سے، محتاج ہونے کی علت کی وجہ سے یہ زکوۃ کے مصارف ہو گئے، «فَلَا يُبَالَى بِاخْتِلَافِ جِهَاتِهِ» لہٰذا پروا نہیں کی جائے گی ان کی جہتوں کے مختلف ہونے کی۔

بھئی یہ سارے کیا بیان ہوئے ہیں آیت کے اندر؟ یہ سارے زکوۃ کے مصارف ہیں، اور زکوۃ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور یہ جو مصارف ہیں، یہ جو زکوۃ کے مصارف بنے کس وجہ سے زکوۃ کے مصارف بنے؟ فقر یعنی محتاج ہونے کی وجہ سے یہ زکوۃ کے مصارف بنے ہیں، اگرچہ جہت الگ الگ ہے۔ مسافر وہ بھی محتاج لیکن جہت الگ، اور اسی طرح غازی ہے تو ہے وہ بھی محتاج لیکن جہت کیا ہے؟ محتاج ہونے کی جہت الگ ہے، اور اسی طرح غارم ہے، مسکین وغیرہ سب بھئی۔ تو جہتیں بے شک الگ الگ ہیں لیکن بہر حال سارے کیا ہیں؟ محتاج ہیں، اور علتِ احتیاج کی وجہ سے یہ مصرف بنے ہیں، تو لہٰذا ان میں سے جس پر بھی خرچ کر دے گا، جس کو بھی زکوۃ دے دے گا، زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «فَلَا يُبَالَى بِاخْتِلَافِ جِهَاتِهِ» لہٰذا پروا نہیں کی جائے گی ان کی جہتوں کے مختلف ہونے کی۔ «وَالَّذِي ذَهَبْنَا إِلَيْهِ مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ» اور یہ جس کی طرف ہم گئے ہیں، کس بات کی طرف ہم گئے؟ کہ مالک سب کو بھی دے سکتا ہے اور کسی ایک کو بھی دے سکتا ہے، یہ صرف ہم نے اپنی رائے سے بات نہیں کی بلکہ یہی روایت ہے کس سے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اور یہی روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی۔ یہ معنی ہے «وَالَّذِي ذَهَبْنَا إِلَيْهِ» اور وہ بات جس کی طرف ہم گئے وہ روایت کی گئی ہے حضرت عمر سے بھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَدْفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى ذِمِّيٍّ

«وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَدْفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى ذِمِّيٍّ» اور جائز نہیں ہے کہ زکوۃ دینے والا زکوۃ دے ذمی کو۔ ذمی وہ غیر مسلم جو دار الاسلام میں رہتے ہیں، تو زکوۃ

دینے والے کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ذمی کو زکوٰۃ دے یعنی کافر کو زکوٰۃ دے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اور یہ بھی یاد رکھیے یہ صرف زکوٰۃ کا حکم نہیں ہے اس طرح، بلکہ ہر صدقۂ واجبہ کا یہی حکم ہے۔ جو بھی صدقہ انسان پر واجب ہے وہ کسی کافر کو نہیں دیا جاسکتا، وہ کسی مسلمان ہی کو دینا پڑے گا۔ صدقۂ واجبہ مثلاً ایک عام زکوٰۃ ہے، عشر ہے، اسی طرح منت مانی تھی وہ پوری ہوگئی اس کی وجہ سے اس پر مال واجب ہوگیا، تو جو بھی صدقۂ واجبہ ہے، اسی طرح یا کفارات کی وجہ سے جو مال واجب ہوا ہے، تو جو واجب مال ہوگا وہ صرف مسلمان ہی کو دینے سے ادا ہوگا۔ اور باقی نفلی صدقات یعنی خیرات وغیرہ غیر مسلموں کو دینا چاہتا ہے؟ ہاں، وہ دے سکتا ہے، وہ مسلمانوں کو بھی دے سکتا ہے خیرات وغیرہ اور غیر مسلموں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ تو کہتے ہیں «**وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَدْفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى ذِمِّيٍّ**» اور جائز نہیں ہے کہ زکوٰۃ حوالے کرے ذمی کے، «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے جو آپ نے فرمایا «**لِمُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ**» حضرت معاذ سے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**خُذْهَا مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ، وَرُدَّهَا فِي فُقَرَائِهِمْ**» حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ نے یمن بھیجا قاضی بنا کر، اور جہاں ان کو اور احکامات آپ نے دیے وہاں ایک حکم یہ بھی دیا کہ زکوٰۃ انہی لوگوں کے مالداروں سے لے کر انہی کے فقراء پر اس کو لوٹا دینا، یعنی انہی کے فقراء میں اس کو تقسیم کر دینا۔ تو حدیث میں کیا آیا؟ انہی کے فقراء کو دے دینا، اور لی کس سے جاتی ہے زکوٰۃ؟ مسلمانوں سے، اور انہی کے فقراء پر لوٹا دینا، معلوم ہوا کس کو دینا ضروری ہے؟ مسلمانوں ہی کے فقراء کو دینا ضروری ہے۔ یہ معنی ہے کہ بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے جو آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ «**خُذْهَا مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ**» کہ زکوٰۃ لینا ان کے مالداروں سے «**وَرُدَّهَا فِي فُقَرَائِهِمْ**» اور اس کو لوٹا دینا ان کے محتاجوں میں۔

«**وَيَدْفَعُ إِلَيْهِ مَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الصَّدَقَةِ**» زکوٰۃ دینے والا ذمی کو تو زکوٰۃ نہیں دے گا لیکن اس کے علاوہ اور جو صدقات ہیں وہ ذمی کو دے سکتا ہے۔ یہ معنی ہے «**وَيَدْفَعُ إِلَيْهِ**» اور ذمی کو دے سکتا ہے «**مَا سِوَى ذَلِكَ**» اس کے علاوہ جو ہیں «**مِنَ الصَّدَقَةِ**» صدقے میں سے یعنی نفلی صدقے دے سکتا ہے۔ «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَدْفَعُ**» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں دے سکتا، اور نفلی صدقے بھی غیر مسلم کو نہیں دے سکتا۔ «**وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ**» اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی، زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے، جیسے زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں اسی طرح وہ فرماتے ہیں یہ نفلی صدقہ بھی غیر مسلم کو دینا جائز نہیں۔ «**وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَصَدَّقُوا عَلَى أَهْلِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا**» اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ تم لوگ صدقہ کرو تمام دینوں والوں پر، تمام دین والے جو ہیں ان پر کیا کرو؟ صدقہ کرو۔ «**وَلَوْلَا حَدِيثُ مُعَاذٍ لَقُلْنَا بِالْجَوَازِ فِي الزَّكَاةِ**» اور اگر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث نہ ہوتی تو ہم قائل ہو جاتے زکوٰۃ کے اندر بھی جواز کے۔ زکوٰۃ میں بھی ہم کس کے قائل ہوتے؟ جواز کے قائل ہوتے۔ تو کیونکہ اس حدیث میں کیا آیا؟ «**تَصَدَّقُوا عَلَى أَهْلِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا**» تمام دینوں والے جو ہیں ان پر کیا کرو تم لوگ؟ صدقہ کرو، اور صدقہ تو شامل ہے نفلی صدقے کو بھی اور صدقۂ واجبہ کو بھی شامل ہے۔ تو یہ حدیث تقاضا کر رہی ہے کہ سب کو دینا جائز ہو، سب کو دینا جائز ہو، لیکن حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے پتہ چل رہا تھا کہ زکوٰۃ کس کو دی جائے گی؟ مسلمانوں ہی کے فقراء کو، اس وجہ سے ہم نے کہا کہ زکوٰۃ یعنی صدقاتِ واجبہ غیر مسلموں کو نہیں دیے جاسکتے، اور اگر وہ حدیث نہ ہوتی تو اس حدیث کے اطلاق کی وجہ سے ہم کس چیز کے قائل ہو جاتے؟ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ وہ غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ حدیث عام ہے۔

«**وَلَا يُبْنَى بِهَا مَسْجِدٌ، وَلَا يُكَفَّنُ بِهَا مَيِّتٌ**» اور اس کے ذریعے مسجد تعمیر نہیں کی جاسکتی اور نہ اس کے ذریعے کسی میت کو کفن دیا جاسکتا ہے۔ یاد رکھیے مالِ زکوٰۃ سے مسجد وغیرہ تعمیر نہیں کر سکتے، اس کے ذریعے کسی میت کو کفن دفن وغیرہ اس پر اس کو خرچ نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں کر سکتے؟ کہتے ہیں: «**لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ**» کیونکہ تملیک معدوم ہے، تملیک کا معنی ہے مالک بنانا۔ زکوٰۃ کے اندر ضروری ہے کہ کسی فقیر اور محتاج کو اس کا مالک بنایا جائے، اور اب آپ اس سے مسجد تعمیر کرتے ہیں تو اس میں کسی کو مالک بنا رہے ہیں؟ نہیں، آپ خرچ تو کر رہے ہیں لیکن کسی کو مالک نہیں بنا رہے ہیں۔ میت کو کفن دیتے ہیں اس میں بھی کسی کو مالک بنانا نہیں ہے، جبکہ مالک بنانا رکن ہے زکوٰۃ کے اندر، اس کے بغیر وہ ادا ہوگی ہی نہیں بھئی۔ یہ معنی ہے «**لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ**» تملیک کے معدوم ہونے کی وجہ سے «**وَهُوَ الرُّكْنُ**» اور تملیک وہ تو رکن ہے زکوٰۃ کا۔

■ مسئلہ: وَلَا يُقْضَى بِهَا دَيْنُ مَيِّتٍ

«**وَلَا يُقْضَى بِهَا دَيْنُ مَيِّتٍ**» اور اس کے ذریعے کسی مرنے والے کا دین بھی ادا نہیں کیا جاسکتا۔ کسی شخص کے مرنے والے کا دین بھی ادا نہیں کیا جاسکتا، «**لِأَنَّ قَضَاءَ دَيْنِ الْغَيْرِ لَا يَقْتَضِي التَّمْلِيكَ مِنْهُ، لَا سِيَّمَا فِي الْمَيِّتِ**» اس لیے کیونکہ کسی دوسرے کا، کسی دوسرے کا دین ادا کرنا «**لَا يَقْتَضِي**» یہ تقاضا نہیں کرتا «**التَّمْلِيكَ مِنْهُ**» اس کو مالک بنانے کا۔ اس کو مالک بنانے کا یہ تقاضا نہیں کرتا۔ بھئی دیکھیے زید پر مثلاً قرض ہے، زید پر قرض ہے۔ آپ زید کی طرف سے یہ قرض خود ادا کر دیتے ہیں، خود ادا کرتے ہیں، تو کسی دوسرے کی طرف سے جب قرض ادا کیا جائے یہ تقاضا نہیں کرتا اس بات کا کہ اس کو مالک پہلے بنایا جائے پھر ہی قرضہ ادا ہوگا ورنہ قرضہ ادا نہیں ہوگا۔ دلیل سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں؟ آپ زید کی طرف سے مال دے دیتے ہیں تو قرض ادا ہو گیا یا ادا نہیں ہوگیا؟ قرض ادا ہو گیا۔ لیکن کیا اس میں یہ شرط ہے کہ پہلے زید مالک بنے پھر اس کے بعد وہ قرض خواہ کو مال ملے تو قرض ادا ہوگا، ویسے ادا نہیں؟ نہیں، یہ شرط یہاں پر نہیں ہے۔ تو کسی کے، کسی

دوسرے کا قرضہ ادا کرنا یہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ دوسرے شخص کو پہلے کیا بنایا جائے؟ یعنی مقروض کو مالک بنایا جائے، یہ تقاضا نہیں کرتا۔ جب یہ تقاضا نہیں کرتا تو یہاں تملیک نہیں پائی گئی، دوسرے کو مالک نہیں بنایا گیا اور حالانکہ زکوٰۃ کے اندر تو کیا ضروری تھا؟ دوسرے کو مالک بنانا ضروری تھا بھئی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «لِأَنَّ قَضَاءَ دَيْنِ الْغَيْرِ لَا يَقْتَضِي التَّمْلِيكَ مِنْهُ» اس لیے کیونکہ کسی دوسرے کے دین کو ادا کرنا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اس کو مالک بھی بنایا جائے «لَا سِيَّمَا فِي الْمَيِّتِ» خاص طور پر میت کے اندر، مرنے والے میں، وہ تو مالک بن ہی نہیں سکتا کسی چیز کا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس صورت میں وہ مرنے والے کا دین بھی اس کے ذریعے ادا نہیں کیا جا سکتا۔

«وَلَا تُشْتَرَى بِهَا رَقَبَةٌ تُعْتَقُ خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور اس کے ذریعے کسی رقبہ کو، کسی غلام یا باندی کو بھی نہیں خریدا جا سکتا «تُعْتَقُ» کہ وہ کیا ہو؟ کہ وہ اسے آزاد کر دیا جائے «خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» برخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے۔ بھئی یہ مسئلہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ «وَفِي الرِّقَابِ» کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں، ہمارے نزدیک «وَفِي الرِّقَابِ» سے کیا مراد ہے؟ کہ زکوٰۃ خرچ کی جائے گی گردنوں کے چھڑانے میں یعنی ان کو آزاد کرنے میں، اب اس سے کیا مراد ہے؟ ہمارے نزدیک مراد کیا ہے؟ کہ مکاتب کی مدد کی جائے گی کہ وہ اپنا بدلِ کتابت ادا کر دے، جبکہ بعض فقہاء نے اس کا کیا معنی کیا؟ کہ غلاموں کو خرید کر باقاعدہ اس کے ذریعے کیا کیا جائے گا؟ آزاد کیا جائے گا، اور اسی کی طرف امام مالک رحمہ اللہ گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں: نہیں۔ غلام کو آزاد کرنا، غلام کو آزاد کرنا یہ ملکیت کو اس پر سے ختم کرنا ہے، پہلے وہ مملوک تھا اب اس پر سے ملکیت کو کیا کر دیا گیا؟ ختم، اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں دوسرے کو مالک بنائیں گے تو پھر زکوٰۃ ادا ہو گی، تو یہاں تملیک نہیں پائی جا رہی، جب کسی غلام کو کیا کیا گیا؟ اسقاطِ ملک تو ہے، وہ پہلے کیا تھا؟ مملوک، اب اس پر سے ملکیت کیا کر دی گئی؟ ختم کر کے اس کو آزاد کر دیا گیا، تو یہاں اسقاطِ ملک تو پایا جائے گا لیکن تملیک نہیں پائی جائے گی، حالانکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کیا ضروری ہے؟ تملیک ضروری ہے، دوسرے کو مالک بنایا جائے، دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «وَلَا تُشْتَرَى بِهَا رَقَبَةٌ تُعْتَقُ» اور اس کے ذریعے کسی رقبہ کو نہیں خریدا جائے گا کہ اس کو آزاد کر دیا جائے «خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» برخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے «حَيْثُ ذَهَبَ إِلَيْهِ فِي تَأْوِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾» کیونکہ وہ گئے ہیں اس بات، اسی تاویل کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول «وَفِي الرِّقَابِ» میں۔ «وَلَنَا: أَنَّ الْإِعْتَاقَ إِسْقَاطُ الْمِلْكِ وَلَيْسَ بِتَمْلِيكٍ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اعتاق یعنی آزاد کرنا جو ہے وہ ملکیت کو ساقط کرنا ہے، ملکیت کو اس غلام پر سے ختم کرنا ہے «وَلَيْسَ بِتَمْلِيكٍ» اور یہ آزاد کرنا یہ تملیک نہیں ہے، اور زکوٰۃ میں تو کیا ضروری؟ تملیک ضروری ہے۔

■ مسئلہ: وَلَا تُدْفَعُ إِلَى غَنِيٍّ

«وَلَا تُدْفَعُ إِلَى غَنِيٍّ» اور زکوٰۃ جو ہے مالدار کو بھی نہیں دی جائے گی «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ» اس وجہ سے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ حلال نہیں ہے مالدار کے لیے، تو معلوم ہوا مالدار کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ «وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَنِيِّ الْغُزَاةِ» اور یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ یہ دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف مالدار غازیوں میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے اندر آیا «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ»، اور «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» سے مراد غازی ہیں، تو غازیوں کو بھی زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ آیت کے اندر فقر وغیرہ کی قید نہیں، «وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» مطلق ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث، یہ حدیث جو ابھی ذکر ہوئی کہ «لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ» یہ حدیث مطلق ہے کہ مالدار کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اس میں کوئی قید ہے کہ غازی ہو تو اس کو دی جا سکتی ہے؟ نہیں، تو یہ حدیث اپنے اطلاق کے اعتبار سے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف بھی حجت ہے اور دلیل ہے۔ یہ معنی ہے «وَهُوَ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَنِيِّ الْغُزَاةِ» اور یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ یہ دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف مالدار غازیوں میں۔ «وَكَذَا حَدِيثُ مُعَاذٍ عَلَى مَا رَوَيْنَاهُ» اور اسی طرح حدیثِ معاذ بھی بوجہ اس کے جو ہم نے روایت کر دی بھئی۔ تو جیسے یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف دلیل ہے مالدار غازیوں کے سلسلے میں، وہ فرماتے ہیں مالدار غازیوں کو دے سکتے ہیں لیکن یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ جیسے یہ ان کے خلاف دلیل تھی اسی طرح وہ حدیثِ معاذ بھی ان کے خلاف دلیل ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا تھا؟ «رُدَّهَا فِي فُقَرَائِهِمْ» کہ انہی کے فقراء پر زکوٰۃ کو لوٹا دینا، تو وہاں بھی فقراء ہی کا ذکر ہے۔

«قَالَ: وَلَا يَدْفَعُ الْمُزَكِّي زَكَاةَ مَالِهِ إِلَى أَبِيهِ وَجَدِّهِ وَإِنْ عَلَا» بھئی یہاں سے یہ مسئلہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ زکوٰۃ اپنے اصول و فروع کو نہیں دی جا سکتی۔ اصول وہ ہیں جو اوپر کی طرف ہیں جیسے باپ ہے، دادا دادی ہے، نانا نانی ہے، پردادا پردادی ہے، پرنانا پرنانی وغیرہ یا ان سے اوپر تک، یہ سارے کیا ہیں؟ اصول ہیں، اصول ہیں، جو بھی آدمی ہے اس کے لیے یہ اصول ہیں بھئی، تو ان کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح اس شخص کے جو فروع ہوتے ہیں یعنی اس کی جو اولاد ہے یا آگے اولاد کی اولاد ہے ان میں سے بھی کسی کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اولاد مثلاً بیٹا بیٹی، اولاد کی اولاد جیسے پوتا پوتی، نواسہ نواسی، یا اسی طرح چاہے یہ سلسلہ نیچے تک ہی کیوں نہ ہو، تو ان میں سے کسی کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ تو آدمی اپنے اصول کو بھی اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور اپنے فروع کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ وجہ اس کی یہ کہ یہ اصول و فروع جو ہوتے ہیں ان کے منافع مشترک ہوتے ہیں، منافع کیا ہوتے ہیں؟ مشترک ہوتے ہیں، یہ آپس میں ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کرتے ہیں تو لہٰذا ان میں سے

اگر ایک کو دے گا تو منافع تو مشترک ہیں تو گویا خود اپنے، اس کا نفع خود ہی حاصل کر رہا ہے، کیونکہ یہ کیا کرتے ہیں؟ ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کرتے ہیں، ان کے منافع مشترک ہوتے ہیں، تو اس کے اندر ضروری تھا کہ کسی غیر کو مالک بنایا جائے، خود نفع نہ اٹھائے اس سے۔

«قَالَ» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «وَلَا يَدْفَعُ الْمُزَكِّي زَكَاةَ مَالِهِ إِلَى أَبِيهِ وَجَدِّهِ» کہ زکوٰۃ دینے والا اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے والد کو نہ دے اور اپنے جد کو، جد عربی زبان میں دادا اناسب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ «وَإِنْ عَلَا» اگرچہ اوپر تک ہی کیوں نہ ہو یعنی پر دادا پر نانا وغیرہ۔ «وَلَا إِلَى وَلَدِهِ» اور نہ اپنی اولاد کو دے «وَوَلَدِ وَلَدِهِ» اور نہ اپنے اولاد کی اولاد کو «وَإِنْ سَفَلَ» اگرچہ نیچے تک ہی ہو۔ «لِأَنَّ مَنَافِعَ الْأَمْلَاكِ بَيْنَهُمْ مُتَّصِلَةٌ» اس لیے کیونکہ املاک کے یعنی ملکیتوں کے منافع جو ہوتے ہیں، ملکیتیں ہیں ان میں سے جو بھی جس چیز کا مالک ہوتا ہے ان کے منافع «بَيْنَهُمْ مُتَّصِلَةٌ» وہ ان کے درمیان متصل ہوتے ہیں، ملے ہوئے ہوتے ہیں، «فَلَا يَتَحَقَّقُ التَّمْلِيكُ عَلَى الْكَمَالِ» لہٰذا یہاں پر مالک بنانا کامل طریقے پر نہ ہوا کیونکہ خود ہی اس چیز کا نفع خود ہی اس کو پہنچے گا، تو دوسرے کو تو کامل طور پر اس مال کا مالک نہ بنایا بھئی۔ «وَلَا إِلَى امْرَأَتِهِ» اور اسی طرح زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ اپنی بیوی کو بھی نہیں دے سکتا «لِلِاشْتِرَاكِ فِي الْمَنَافِعِ عَادَةً» بوجہ منافع کے اندر شریک ہونے کے عادتاً، کیونکہ میاں بیوی بھی کیا ہے، عادتاً منافع کے اندر شریک ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کرتے ہیں تو منافع اسی دینے والے کو لوٹیں گے۔ «وَلَا تَدْفَعُ الْمَرْأَةُ إِلَى زَوْجِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور بیوی بھی جو ہے وہ زکوٰۃ نہیں دے گی اپنے خاوند کو، امام صاحب کے نزدیک «لِمَا ذَكَرْنَا» اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی کہ میاں بیوی کے منافع مشترک ہوتے ہیں۔ «وَقَالَا: تَدْفَعُ إِلَيْهِ» اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بیوی خاوند کو دے سکتی ہے اگر خاوند فقیر ہے محتاج ہے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَكِ أَجْرَانِ: أَجْرُ الصَّدَقَةِ، وَأَجْرُ الصِّلَةِ، قَالَهُ لِامْرَأَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» صاحبین دلیل میں حضور علیہ السلام کا قول ذکر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی سے فرمایا تھا: «لَكِ أَجْرَانِ» تیرے لیے دو اجر ہیں: «أَجْرُ الصَّدَقَةِ» ایک تو صدقے کا اجر ہے «وَأَجْرُ الصِّلَةِ» اور ایک صلہ رحمی کا اجر ہے، کہ رشتہ دار سے کیا کر رہی ہے؟ نیک سلوک کر رہی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ جو ہیں وہ حضور علیہ السلام کے پاس تشریف لائیں اور پوچھا کہ یا رسول اللہ، کیا میں صدقہ اپنے خاوند کو دے سکتی ہوں؟ وہ بیچارہ غریب ہے۔ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ تمہیں دگنا اجر ملے گا، ایک تو صدقے کی ادائیگی کا اور ایک صلہ رحمی کا۔ صلہ رحمی ہے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنا، اچھا سلوک۔ تو صلہ رحمی بھی ہے اس کے اندر اور نیز تمہیں صدقے کا بھی ثواب۔ تو انہوں نے کس چیز کے بارے میں پوچھا؟ صدقے کے بارے میں، صدقے کے کہ صدقہ میں دے سکتی ہوں یا صدقہ نہیں دے سکتی، تو حضور نے فرمایا تمہیں دو اجر ملیں گے: ایک صدقے کا اور ایک صلہ رحمی کا۔ «قَالَهُ لِامْرَأَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» یہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ سے فرمایا۔ «وَقَدْ سَأَلَتْهُ عَنِ التَّصَدُّقِ عَلَيْهِ» اور تحقیق انہوں نے پوچھا تھا حضور علیہ السلام سے ان پر صدقہ کرنے کے بارے میں۔ «قُلْنَا: هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى النَّافِلَةِ» ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ جو صدقہ ذکر ہوا حدیث کے اندر یہ محمول ہے نفلی صدقے پر، یعنی اس میں صدقے سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ کون سا صدقہ مراد ہے؟ نفلی صدقہ ہے، اور نفلی صدقہ تو ہمارے نزدیک بھی کر سکتی ہے، بات یہاں کس کی ہو رہی ہے؟ زکوٰۃ کی ہو رہی ہے بھئی، زکوٰۃ کی۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَلَا يَدْفَعُ إِلَى مُدَبَّرِهِ، وَمُكَاتَبِهِ...

«قَالَ: وَلَا يَدْفَعُ إِلَى مُدَبَّرِهِ، وَمُكَاتَبِهِ، وَأُمِّ وَلَدِهِ» اور صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ نہیں دے سکتا اپنے مدبر کو، زکوٰۃ دینے والا اپنے مدبر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا «وَمُكَاتَبِهِ» اور اپنے مکاتب کو بھی نہیں دے سکتا «وَأُمِّ وَلَدِهِ» اور اپنی ام ولد کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ مسئلہ سمجھ میں آیا بھئی؟ زکوٰۃ دینے والا اپنے ہی مدبر کو یا اپنے مکاتب کو یا اپنے ام ولد کو زکوٰۃ دینا چاہتا ہے؟ نہیں بھئی، ان کو وہ زکوٰۃ نہیں دے سکتا، اگر ان کو دے گا زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ مدبر وہ غلام جس کو آقا نے کہہ دیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو، تو یہ کیا ہے؟ مدبر ہے بھئی۔ اور مکاتب، یہ تو کئی دفعہ گزر چکا، مکاتب وہ غلام جسے آقا نے کہہ دیا کہ تم مثلاً دو سال میں دس لاکھ روپے لے آؤ تو تم آزاد ہو۔ اور ام ولد وہ باندی جس نے بچے کو جنم دیا اور پھر آقا نے کہہ دیا کہ یہ میرا بچہ ہے، میری اولاد ہے یعنی اس بچے کے نسب کا اقرار کر لیا، تو پھر یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی بھئی۔ جب تک آقا اقرار نہ کرے اس وقت تک یہ ام ولد نہیں، تو اقرار کرنے کے بعد یہ ام ولد بن گئی اور یہ بھی آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے گی۔ تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ بھئی ان کو کیوں نہیں زکوٰۃ دے سکتے؟ کہتے ہیں «لِفُقْدَانِ التَّمْلِيكِ» تملیک کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ فقدان کا معنی نہ ہونا بھئی، تو «لِفُقْدَانِ التَّمْلِيكِ» تملیک کے نہ پائے جانے کی وجہ سے، کیونکہ زکوٰۃ کے اندر دوسرے کو مالک بنانا ضروری ہے اور غلام تو کسی چیز کا بھی مالک نہیں ہوتا، اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ کس کا ہوتا ہے؟ آقا کا ہوتا ہے، تو ان کو اگر دیتا ہے تو یہ غلام ہیں یہ تو مالک نہیں بنیں گے، گویا یہ خود ہی اپنے آپ ہی کو دے رہا ہے کیونکہ یہ غلام اسی کے ہیں زکوٰۃ دینے والے کے، تو لہٰذا تملیک نہ پائی گئی اور ادائے زکوٰۃ کے لیے کیا ضروری تھا؟ تملیک ضروری تھی بھئی۔ تو کہتے ہیں «لِفُقْدَانِ التَّمْلِيكِ إِذْ كَسْبُ الْمَمْلُوكِ لِسَيِّدِهِ» تملیک کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کیونکہ مملوک یعنی غلام کی جو کمائی ہوتی ہے وہ اپنے آقا کے لیے ہوتی ہے۔ «وَلَهُ حَقٌّ فِي كَسْبِ مُكَاتَبِهِ» بھئی یہ مدبر اور ام ولد، ان کے پاس تو جو کچھ ہے یہ ان کے آقا کا ہے۔ البتہ مکاتب جو ہے وہ مال کا مالک بنتا ہے، مکاتب کیا ہے؟ جسے آقا نے کہا ہے کہ مثلاً دس لاکھ روپے دو سال میں لے آؤ تو تم آزاد ہو، یہ مال کا مالک بنتا ہے لیکن اس کو بھی، اپنے مکاتب کو بھی زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح نہیں ہے کیونکہ

مکاتب جو ہے وہ اگرچہ مال کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کے مال کے اندر اس کے آقا کا بھی حق ہوتا ہے، کیونکہ وہ کما کر لا کر کس کو دیتا ہے؟ اپنے ہی آقا کو دیتا ہے، اور نیز اگر مکاتب کمائی سے عاجز آجائے جتنے پر عقد ہوا تھا وہ پیسے اتنی مدت میں وہ اکٹھے نہ کر سکا تو پھر وہ عام غلام بن جائے گا، اور جو کچھ اب تک وہ آقا کو ادا کر چکا ہے یا جو کچھ اس کے پاس مال ہے وہ سارا کس کا بن جائے گا؟ اس کے آقا کا ہو جائے گا۔ تو معلوم ہوا مکاتب اگرچہ مالک بنتا ہے لیکن اس کی کمائی کے اندر اس کے آقا کا حق ہوتا ہے، تو اگر اپنے ہی مکاتب کو کوئی شخص زکوٰۃ دے گا تو اس کمائی کے اندر اس کی، اپنا بھی اس کا حق ہے، تو پورے طور پر مالک بنانا نہیں پایا گیا، حالانکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے اندر کیا ضروری تھا کہ دوسرے کو پورے طور پر مالک بنا دے، لیکن اس میں تو اس کا اپنا حق ہے زکوٰۃ دینے والے کا، اس لیے اس کو زکوٰۃ ادا نہیں کر سکتا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ یہ معنی ہے «**وَلَهُ حَقٌّ فِي كَسْبِ مُكَاتَبِهِ**» اور نیز زکوٰۃ ادا کرنے والے کا حق ہے اپنے مکاتب کی کمائی میں «**فَلَمْ يَتِمَّ التَّمْلِيكُ**» لہٰذا تملیک پوری نہ ہوئی۔

«**وَلَا إِلَى عَبْدٍ قَدْ أَعْتَقَ بَعْضَهُ**» اور اسی طرح زکوٰۃ نہیں دے سکتا کسی ایسے غلام کو «**قَدْ أَعْتَقَ بَعْضَهُ**» جس کے بعض کو اس نے آزاد کر دیا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے نے کیا کیا ہے؟ غلام کے کچھ حصے کو آزاد کر دیا ہے، کچھ حصے کو آزاد کر دیا۔ مثلاً دیکھیے بھئی ایک شخص ہے اس کا غلام ہے، وہ اس کے نصف کو آزاد کر دیتا ہے، کیا کہتا ہے کہ تمہارا نصف آج سے آزاد ہے، یا تمہارا ثلث تیسرا حصہ آزاد ہے یا تمہارا دسواں حصہ آزاد ہے، تو یاد رکھیے یہ ایسا غلام جس کے کچھ حصے کو آزاد کر دیا جائے وہ امام صاحب کے نزدیک مکاتب کے درجے میں ہوتا ہے۔ کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ مکاتب کے درجے میں ہوتا ہے، یعنی جتنا حصہ اس کا ابھی غلامی کے اندر باقی ہے اس کی وہ کمائی کرے گا اور لا کر اپنے آقا کو دے گا اور اپنے آپ کو آزاد کروائے گا۔ دیکھیے دوسری مثال سے ذرا زیادہ بات سمجھ میں آئے گی: آپ کے اور زید کے درمیان ایک غلام مشترک ہے، مثلاً آدھے آدھے پیسے ملا کر آپ نے اس کو خریدا ہے، تو آدھا آپ کا ہوا اور آدھا زید کا۔ آپ اپنے حصے، آدھے حصے کو آزاد کر دیتے ہیں کیونکہ آپ آدھے کے مالک ہیں، آپ نے اپنے حصے کو آزاد کر دیا، تو اس صورت میں یاد رکھیے یہ امام صاحب کے نزدیک یہ غلام مکاتب کی طرح بن گیا زید کے لیے۔ اپنے حصے کو تو آپ نے کیا کر دیا؟ آزاد، لیکن زید کے، زید نے تو اپنے حصے کو آزاد نہیں کیا، تو اس کے لیے یہ غلام کس کی طرح ہوا؟ مکاتب۔ زید چاہے تو اپنے حصے کو بھی آزاد کر دے، اور چاہے تو غلام سے کہے کہ بھئی تمہارے اندر نصف حصہ میرا تھا، تو میرا حصہ لاؤ جا کر کما کر لاؤ اور لا کر مجھے ادا کر دو اور تم پھر کیا ہو جاؤ گے؟ آزاد ہو جاؤ گے۔ تو یہ شخص، یہ غلام جو ہے دوسرے کے لیے مکاتب کے درجے میں ہو گیا، جائے گا اور اس کے حصے کے بقدر یعنی اپنی قیمت میں سے نصف پیسے جو بنتے ہیں اس کے، وہ کما کر لا کر زید کو دے گا اور پھر کیا ہو جائے گا؟ آزاد ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو امام صاحب کے نزدیک غلام کے نصف کو یا کچھ حصے کو آزاد کر دیا جائے تو باقی غلام کس کی طرح ہو جاتا ہے؟ مکاتب کی طرح ہو جاتا ہے کہ اس میں پھر جن جن کا حصہ ہے اس غلام کے اندر ان کو لا کر ان کے حصے کے جتنا حصہ ہے اپنی قیمت میں سے وہ لا کر ان کو ادا کرے گا اور اپنے آپ کو آزاد کروائے گا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک اگر غلام کے کچھ حصے کو آزاد کر دیا جائے تو پورا غلام ہی آزاد ہو جاتا ہے، پورا غلام ہی آزاد ہو جاتا ہے۔ البتہ چونکہ یہ غلام مثلاً آپ نے اپنے نصف حصے کو آزاد کیا اور آدھا تو کس کا تھا؟ زید کا۔ لیکن صاحبین کے نزدیک جیسے ہی آپ نے اپنے حصے کو آزاد کیا باقی حصہ بھی کیا ہو گیا؟ آزاد ہو گیا، تو اب زید بیچارے کا تو حصہ اس کے اندر تھا اس نے تو آزاد نہیں کیا تھا، اب اس غلام پر لازم ہے کہ یہ جا کر کمائے اور لا کر زید کو اس کے حصے کے بقدر دے، جتنا حصہ زید کا بنتا تھا وہ اس کو دے۔ تو فرق صرف اتنا ہے: امام صاحب کی صورت میں بھی اس نے وہ حصہ کما کر لا کر دینا ہے اس دوسرے آدمی کو، صاحبین کے نزدیک بھی اس نے کما کر لا کر دینا ہے اس دوسرے آدمی کو، دوسرے مالک کو، لیکن فرق اتنا کہ امام صاحب کے نزدیک وہ شخص ابھی بھی غلام ہی ہے، مکاتب کی طرح ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ آزاد ہو چکا ہے، البتہ اب اس پر قرضہ ہے، یہ جو مال دے رہا ہے یہ کس صورت میں ہے اب اس پر؟ قرضے کی صورت میں ہے۔ فرق سمجھ میں آ گیا بھائی؟

تو اب یہاں پر جو کتاب کے اندر مسئلہ ذکر ہوا صورت یہ کہ آپ کا ایک غلام تھا، آپ نے اس کے نصف حصے کو آزاد کر دیا اور نصف ابھی بھی آپ اس کے مالک ہیں، تو اب وہی مسئلہ جو جس طرح اقوال ذکر ہو گئے، امام صاحب کے نزدیک یہ ابھی بھی غلام ہے اور کس درجے میں ہے؟ مکاتب، تو یہ آپ کے مکاتب کے درجے میں ہوا، آپ نے اس کے کچھ حصے کو آزاد کر دیا اور باقی غلام کس کی طرح ہوا؟ آپ کے لیے مکاتب بن گیا، آپ کا مکاتب بن گیا، اور ابھی مسئلہ ذکر ہوا کہ اپنے مکاتب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ اس کی کمائی کے اندر آقا کا بھی حق ہوتا ہے، تو لہٰذا یہ مکاتب ہوا، امام صاحب کے نزدیک اس کو ادا کرنا صحیح نہیں۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ کیا ہو چکا؟ پورا آزاد ہے، البتہ اب یہ مقروض ہے، اور جو حصہ باقی تھا وہ کما کر لا کر آپ کو دے گا، تو یہ آزاد اور مقروض، آزاد مقروض ہوا، اور آزاد کوئی ہو اور مقروض ہو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں دے سکتے؟ اس کو تو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، تو صاحبین فرماتے ہیں کہ آپ بھی اپنے اس غلام کو جس کے کچھ حصے کو آپ نے آزاد کیا تھا آپ زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں، جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ آپ اس کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

یہ ذکر کر رہے ہیں «**وَلَا إِلَى عَبْدٍ قَدْ أَعْتَقَ بَعْضَهُ**» اور نہ ادا کر سکتے ہیں زکوٰۃ ایسے غلام کو کہ تحقیق اس کے بعض کو اس زکوٰۃ دینے والے نے آزاد کر دیا ہے «**عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» امام صاحب کے نزدیک «**لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ عِنْدَهُ**» اس لیے کیونکہ یہ غلام جو ہے مکاتب کے درجے میں ہے ان کے نزدیک، «**وَقَالَا: يَدْفَعُ إِلَيْهِ**» اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے «**لِأَنَّهُ حُرٌّ مَدْيُونٌ عِنْدَهُمَا**» اس لیے کیونکہ یہ ایسا آزاد ہے جو مقروض ہے صاحبین کے نزدیک بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟

■ مسئلہ: وَلَا يُدْفَعُ إِلَى مَمْلُوكِ غَنِيٍّ

«وَلَا يَدْفَعُ إِلَى مَمْلُوكِ غَنِيٍّ» اسی طرح زکوٰۃ جو ہے وہ کسی مالدار کا جو مملوک ہے، اس کا غلام یا اس کی باندی ہے اس کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، کیونکہ غلام کو کچھ دینا یہ دراصل کس کو دینا ہے؟ اس کے آقا کو، کیونکہ غلام کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اس کا مالک اس کا آقا ہوتا ہے، اور یہاں اس کا جو آقا ہے وہ تو مالدار ہے، تو اس کو گویا ادا کر رہا ہے اور مالدار کو تو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ یہ معنی ہے «وَلَا يَدْفَعُ إِلَى مَمْلُوكِ غَنِيٍّ» اور زکوٰۃ نہیں دے سکتا مالدار کے غلام کو «لِأَنَّ الْمِلْكَ وَاقِعٌ لِمَوْلَاهُ» اس لیے کیونکہ ملکیت جو ہے وہ اس کے آقا کے لیے واقع ہوگی، یعنی جو مالک بنے گا زکوٰۃ کا وہ یہ غلام نہیں بنے گا بلکہ کون بنے گا؟ اس کا آقا بنے گا۔

«وَلَا إِلَى وَلَدِ غَنِيٍّ إِذَا كَانَ صَغِيرًا» جی، یہاں مسئلہ آپ کو بتلا رہے ہیں، یاد رکھیے اگر کسی مالدار کے بچے کو کوئی شخص زکوٰۃ دیتا ہے، زکوٰۃ، کس کو دے رہا ہے؟ مالدار کے بچے کو۔ تو اس میں دو صورتیں ہیں: یا وہ بچہ نابالغ ہوگا یا بالغ ہوگا۔ اگر نابالغ ہے تو اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس لیے کیونکہ نابالغ بچہ جو ہے وہ اس کا باپ اگر مالدار ہو تو بچے کو بھی کیا شمار کیا جاتا ہے؟ مالدار شمار کیا جاتا ہے، تو جب یہ بھی مالدار ہوا تو اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ لیکن اگر اس کے بجائے وہ بالغ ہے، وہ بالغ ہے اور اس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہیں تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اس لیے کیونکہ جو بالغ اولاد ہوتی ہے اس کو باپ کے مالدار ہونے کی وجہ سے اس کو مالدار شمار نہیں کیا جاتا، چاہے بے شک یہ رہتا باپ کے ساتھ ہی ہے، کھاتا پیتا وہیں پر ہے لیکن پھر بھی باپ کے مالدار ہونے کی وجہ سے اس کو مالدار شمار نہیں کیا جاتا، تو جب یہ مالدار نہیں تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں «وَلَا إِلَى وَلَدِ غَنِيٍّ إِذَا كَانَ صَغِيرًا» اور زکوٰۃ اسی طرح نہیں دے سکتا مالدار کی اولاد کو بھی جبکہ وہ صغیر ہو یعنی نابالغ ہو «لِأَنَّهُ يُعَدُّ غَنِيًّا بِمَالِ أَبِيهِ» اس لیے کیونکہ اس کو بھی مالدار شمار کیا جاتا ہے اپنے باپ کے مال کی وجہ سے، «بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ كَبِيرًا» برخلاف اس صورت کے جبکہ یہ اولاد جو غنی کی تھی یہ بڑی تھی یعنی بالغ تھی «فَقِيرًا» اور کیا تھی؟ فقیر یعنی محتاج ہے، «لِأَنَّهُ لَا يُعَدُّ غَنِيًّا بِيَسَارِ أَبِيهِ» اس لیے کیونکہ اس کو مالدار شمار نہیں کیا جاتا اپنے باپ کی مالداری کی وجہ سے «وَإِنْ كَانَتْ نَفَقَتُهُ عَلَيْهِ» اگرچہ اس کا نفقہ کس پر ہو؟ اس کے باپ پر ہو، وہ اس کے پاس ہی کھاتا پیتا ہے پھر بھی اس کو مالدار شمار نہیں کیا جاتا۔ «وَبِخِلَافِ امْرَأَةِ الْغَنِيِّ» اور اسی طرح برخلاف مالدار کی بیوی کے، مالدار کی بیوی اگر محتاج ہے تو اس کو بھی کیا کیا جاسکتا ہے؟ زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، «لِأَنَّهَا وَإِنْ كَانَتْ فَقِيرَةً لَا تُعَدُّ غَنِيَّةً بِيَسَارِ زَوْجِهَا» اس لیے کیونکہ یہ اگرچہ محتاج ہے تو اس کو مالدار شمار نہیں کیا جاتا اپنے خاوند کے مالدار ہونے کی وجہ سے۔ خاوند کے مالدار ہونے کی وجہ سے اس کو مالدار شمار نہیں کیا جاتا۔ بھئی خاوند اس کو نفقہ وغیرہ تو دیتا ہے، خرچہ وغیرہ دیتا ہے، کہتے ہیں بھئی خرچہ وغیرہ دینے سے کوئی مالدار تو نہیں ہوتا، وہ تو اس کی ضرورت کے بقدر ہی ہوتا ہے، تو اس سے مالداری ثابت نہیں ہوتی۔ یہ معنی ہے «وَبِقَدْرِ النَّفَقَةِ لَا تَصِيرُ مُوسِرَةً» اور نفقے کی مقدار کے ساتھ تو یہ مالدار نہیں بنتی۔

«وَلَا تُدْفَعُ إِلَى بَنِي هَاشِمٍ» اور زکوٰۃ نہیں دی جائے گی بنو ہاشم کو یعنی حضور علیہ السلام کے جو خاندان والے ہیں، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: «يَا بَنِي هَاشِمٍ، إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى حَرَّمَ عَلَيْكُمْ غُسَالَةَ النَّاسِ» اے بنو ہاشم، بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کر دیا ہے لوگوں کے غسالے کو، لوگوں کے غسالے کو تم پر حرام کر دیا ہے۔ غسالہ کہتے ہیں غسل کے بعد وہ جو بچا ہوا پانی یا غسل کا استعمال شدہ پانی ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ غسالہ۔ ہاں، وہ غسل کا جو مستعمل پانی ہے وہ ہے غسالہ، یعنی دھوون کہیں، کیا کہیں؟ دھوون۔ کہ اے بنو ہاشم، اللہ تعالیٰ نے تم پر لوگوں کے دھوون کو حرام کر دیا ہے «وَأَوْسَاخَهُمْ» اور ان کے میل کچیل کو، «وَعَوَّضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ» اور اللہ نے تمہیں عوض دے دیا ہے اس کے بدلے میں خمس کا خمس۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر لوگوں کے دھوون اور ان کے غسالے کو حرام کر دیا ہے اور اس کے عوض تمہیں کیا دے دیا ہے؟ خمس کا خمس۔ بھئی یاد رکھیے جو غنیمت آتی ہے اس کے اندر کتنا حصہ نکالا جاتا ہے؟ پانچواں حصہ خمس نکالا جاتا ہے۔ اس خمس کے مصارف جہاں اور ہیں وہاں اس خمس میں سے پھر اس کا پانچواں حصہ وہ بنو ہاشم کو دیا جائے گا یعنی حضور علیہ السلام کے جو خاندان والے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے «وَعَوَّضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ» اور عوض دیا تمہیں اس کے بدلے میں خمس کا خمس۔ «بِخِلَافِ التَّطَوُّعِ» برخلاف نفل کے، یعنی نفلی صدقہ بنو ہاشم والوں کو دیا جاسکتا ہے لیکن صدقۂ واجبہ ان کو نہیں دیا جاسکتا اس حدیث کی وجہ سے۔ بھئی نفلی صدقہ کیوں دیا جاسکتا ہے؟ آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «لِأَنَّ الْمَالَ هَاهُنَا كَالْمَاءِ يَتَدَنَّسُ بِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ» اس لیے کیونکہ مال یہاں پر پانی کی طرح ہے جو میلا ہو جاتا ہے فرض کے ساقط ہونے کی وجہ سے، «أَمَّا التَّطَوُّعُ فَبِمَنْزِلَةِ التَّبَرُّدِ بِالْمَاءِ» باقی تطوع جو ہے یہ پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے کے درجے میں ہے۔ کس درجے میں ہے؟ بھئی دیکھیے ایک آدمی ہے وہ غسل کرتا ہے، غسل کرتا ہے، اگر اس پر غسل فرض تھا تو جس پانی کو اس نے استعمال کر لیا یہ اب گندا پانی ہو گیا، میلا کچیلا پانی ہو گیا، اور اس کے ساتھ اب وضو وغیرہ کرنا جائز نہیں، مسئلہ پڑھ چکے ہیں یا نہیں پڑھ چکے؟ ماءِ مستعمل ہو گیا۔ تو یہ گندا میلا کچیلا پانی ہو گیا، اور ایک شخص وہ غسل کرتا ہے صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، وضو وغیرہ اس کا ہے، صرف کیا گرمی کی وجہ سے اس نے بدن پر پانی بہایا تو یاد رکھیے یہ پانی پاک ہے، ماءِ مستعمل بھی نہیں کیونکہ اس کے لیے کوئی حدث دور نہیں کیا گیا، جب یہ پانی پاک ہے تو یہاں تک کہ اس کے ساتھ وضو کرنا بھی جائز ہے بھئی، مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو اب ایک پانی وہ ہے جس کے ذریعے بدن سے فرض کو ساقط کیا گیا، وہ پانی ہوا میلا کچیلا، اور ایک وہ پانی ہے جس کے ساتھ صرف ٹھنڈک حاصل کی گئی، وہ ہے صاف پانی۔ تو یہاں پر مال بھی کس کی طرح ہے؟ پانی کی طرح ہے، تو وہ مال جس کے ساتھ فرض ادا کیا گیا یعنی صدقۂ واجبہ، وہ کس قسم کا مال ہے؟ وہ اس غسل کے پانی کی طرح ہے یعنی یہ میل کچیل ہے، اور

میل کچیل ان کو نہیں دی جائے گی جو حضور علیہ السلام کے رشتہ دار ہیں کیونکہ یہ مال یہ کیا ہے؟ میل کچیل ہے۔ جبکہ عام صدقہ جو ہے نفلی صدقہ وہ اس پانی کی طرح ہے جس کو صرف کس لیے استعمال کیا گیا ہو؟ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، اور وہ تو صاف ستھرا ہوتا ہے تو یہ نفلی صدقہ بھی اسی کی طرح ہے، یہ صاف ستھرا ہے یہ ان کو بنو ہاشم کو دیا جا سکتا ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «لِأَنَّ الْمَالَ هَاهُنَا كَالْمَاءِ» اس لیے کیونکہ مال یہاں پر پانی کی طرح ہے «يَتَدَنَّسُ بِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ» جو میلا ہو جاتا ہے، گندا ہو جاتا ہے فرض کے ساقط کرنے کی وجہ سے، «أَمَّا التَّطَوُّعُ فَبِمَنْزِلَةِ التَّبَرُّدِ بِالْمَاءِ» اور باقی نفلی صدقہ جو ہے وہ تو پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے کے درجے میں ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَهُمْ آلُ عَلِيٍّ، وَآلُ عَبَّاسٍ، وَآلُ ج...

«قَالَ: وَهُمْ آلُ عَلِيٍّ، وَآلُ عَبَّاسٍ، وَآلُ جَعْفَرٍ، وَآلُ عَقِيلٍ، وَآلُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَمَوَالِيهِمْ» اب بتلا رہے ہیں بھئی کہ بنو ہاشم سے کون مراد ہیں بنو ہاشم سے؟ تو کہتے ہیں «وَهُمْ آلُ عَلِيٍّ» حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو اولاد ہے «وَآلُ عَبَّاسٍ» اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو اولاد ہے «وَآلُ جَعْفَرٍ» اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو اولاد ہے «وَآلُ عَقِيلٍ» اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو اولاد ہے «وَآلُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ» اور جو حارث بن عبد المطلب کی اولاد ہے۔ عبد المطلب یاد رکھیے اس میں ط مشدد ہے، ط۔ بعض طلبہ غلطی کرتے ہیں لام کو مشدد پڑھتے ہیں، لام نہیں مشدد، ط مشدد ہے لام کے نیچے کسرہ ہے، عبد المطلب۔ تو یہ ہیں بنو ہاشم۔ «وَمَوَالِيهِمْ» اور اسی طرح جو ان کے موالی یعنی ان کے مولا ہیں یعنی ان کے جو آزاد کردہ غلام ہیں۔ جو ان کے، کیونکہ آزاد کردہ غلام بھی انہی لوگوں میں سے شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے اس کو آزاد کیا ہو بھئی، تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔

تو یہ ہیں بھئی بنو ہاشم، سمجھ میں آیا بھئی؟ یہ ہیں بنو ہاشم، تو باقی لوگ مراد نہیں، حضور علیہ السلام کے اور رشتہ دار مراد نہیں، یہ رشتہ دار ہیں بنو ہاشم میں سے۔ وجہ یہ کہ یہ جو لوگ تھے اور ان کی جو اولاد تھی وہ حضور ﷺ کی نصرت اور مدد کرتے تھے ہر معاملے کے اندر بھئی۔ یہی لوگ تھے انہی لوگوں کی وجہ سے جب حضور ﷺ دینِ حق لے کر آئے تو تمام عرب حضور ﷺ کے دشمن بن گئے، اور حضور علیہ السلام کو بے انتہا تکالیف دیں، لیکن ایک حد سے بڑھ کر زیادہ وہ تکلیف نہیں دے سکتے تھے کیونکہ حضور علیہ السلام کی قوم والوں سے وہ ڈرتے تھے، کیونکہ اس زمانے میں قومی غیرت ایک بہت بڑی چیز تھی جو اب ختم ہوتی جا رہی ہے۔ کوئی قوم یہ برداشت نہیں کرتی تھی کہ کسی دوسرے قبیلے والے ہمارے کسی آدمی کو نقصان پہنچائیں، بلکہ کیا کہتے تھے کہ ہمیں آ کر بتاؤ، کوئی شکایت ہے ہمارے آدمی سے، اس نے کوئی جرم کیا ہے، ہمیں آ کر بتلاؤ ہم اس سے بدلہ لیں گے، لیکن کسی دوسرے کو یہ اجازت نہیں ہے کہ ہمارے آدمی کو ہاتھ لگائے اور اس کو نقصان پہنچائے۔ تو یہ جو تھے حضور علیہ السلام کی قوم والے ان کی وجہ سے حضور علیہ السلام کو کفار تکالیف تو دیتے تھے لیکن ایک حد سے بڑھ کر تجاوز نہیں کرتے تھے، حضور علیہ السلام کی قوم والوں سے ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے کوئی زیادہ تکلیف دی تو یہ لوگ ہمیں چھوڑیں گے نہیں، ہمارے ساتھ جنگ شروع کر دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ چونکہ حضور علیہ السلام کی مدد کرتے تھے تو اس لیے، اسی لیے ان کے لیے خمس کا خمس مقرر کیا گیا۔ کیا مقرر کیا گیا؟ خمس کا خمس ان لوگوں کا حق مقرر کیا گیا۔ تو اور یہ وہ، یہ لوگ تھے بھئی جن کا ذکر آ گیا۔ باقی حضور علیہ السلام کے جو رشتہ دار جو مدد نہیں کرتے تھے وہ اس میں داخل نہیں، جیسے ابو لہب جو مدد نہیں کرتے تھے وہ اس کے اندر داخل نہیں ہیں بھئی، داخل نہیں ہیں۔ تو ابو لہب وہ تو حضور علیہ السلام کی مدد کیا کرتا، وہ تو سب سے بڑھ چڑھ کر حضور علیہ السلام کو تکلیف دیا کرتے تھے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ وہ تو اپنے ہی خاندان والے تھے، ان کو تو اپنے باقی خاندان کی پروا بھی نہیں ہوتی تھی، دوسرے لوگ تو حضور علیہ السلام کے خاندان والوں سے ڈرتے تھے لیکن ان کو تو فکر بھی نہیں تھی، تو یہ بڑھ چڑھ کر تکلیف دیتے تھے حضور علیہ السلام کو بھئی، تو لہٰذا وہ نہیں اس کے اندر داخل۔ اگرچہ وہ بھی بنو ہاشم میں سے اگر جن کو بنو ہاشم کہا جاتا تھا اس کے اندر وہ بھی داخل ہوتے ہیں کیونکہ یہ سارے بنو ہاشم جن کو کہتے ہیں یہ نسبت ہے ہاشم بن عبد مناف کی طرف، حضور علیہ السلام کے اوپر جو پر دادا وغیرہ جو تھے ان میں ہاشم بن عبد مناف جو تھے ان کی جو اولاد ہے وہ ساری کیا کہلاتی ہے؟ بنو ہاشم، اور اس کے اعتبار سے تو ابو لہب بھی داخل ہوتے ہیں لیکن وہ داخل نہیں کیونکہ وہ حضور علیہ السلام کو تکلیف دیتے تھے، یہ حضور علیہ السلام کی مدد کرتے تھے۔ اور ان میں سے، ان میں سے آپ سب کو جانتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، یہ حضور علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں، اسی طرح جعفر یہ حضرت علی کے بھائی ہیں، عقیل یہ بھی حضرت علی کے بھائی ہیں، جبکہ حضرت عباس یہ حضور علیہ السلام کے چچا ہیں، اور حارث بن عبد المطلب یہ بھی کیا تھے؟ حضور علیہ السلام کے چچا اور ان کی اولاد بھئی، یہ بھی مدد کرتے تھے حضور علیہ السلام کی۔

«وَمَوَالِيهِمْ» اور ان کے موالی۔ یاد رکھیے یہ موالی کا عطف جو ہے نا موالی کا عطف، یہ بنو ہاشم پر ہے: «لَا تُدْفَعُ إِلَى بَنِي هَاشِمٍ وَمَوَالِيهِمْ»، زکوٰۃ نہیں دی جائے گی کس کو؟ بنو ہاشم کو اور ان کے جو موالی ہیں۔ «أَمَّا هَؤُلَاءِ فَلِأَنَّهُمْ يَنْتَسِبُونَ إِلَى هَاشِمِ بْنِ عَبْدِمَنَافٍ» باقی یہ لوگ، یہ بنو ہاشم کیوں ہیں یہ لوگ ان میں سے؟ اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں: یہ لوگ «فَلِأَنَّهُمْ يَنْتَسِبُونَ» یہ لوگ منسوب ہوتے ہیں «إِلَى هَاشِمِ بْنِ عَبْدِمَنَافٍ» کس کی طرف؟ ہاشم بن عبد مناف جو حضور علیہ السلام کے جد گزرے ہیں، «وَنِسْبَةُ الْقَبِيلَةِ إِلَيْهِ» اور انہی کی طرف قبیلے کی نسبت ہے، اسی نسبت سے یہ بنو ہاشم کہلاتے ہیں۔ «وَأَمَّا مَوَالِيهِمْ» باقی جو بنو ہاشم کے موالی ہیں ان کو کیوں نہیں زکوٰۃ دے سکتے؟ کہتے ہیں: «فَلِمَا رُوِيَ: أَنَّ مَوْلًى لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهُ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے مولا نے حضور علیہ السلام سے پوچھا یعنی حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام نے حضور علیہ السلام

سے پوچھا: «أَتَحِلُّ لِيَ الصَّدَقَةُ؟» کہ یارسول اللہ، کیا میرے لیے صدقہ حلال ہے، زکوٰۃ حلال ہے، میں لے سکتا ہوں؟ «فَقَالَ: لَا، أَنْتَ مَوْلَانَا» حضور علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، تو ہمارا مولا ہے، یعنی تو ہمارا آزاد کردہ ہے لہٰذا تو بھی زکوٰۃ نہیں، تم بھی زکوٰۃ نہیں لے سکتے۔ «بِخِلَافِ مَا إِذَا أَعْتَقَ الْقُرَشِيُّ عَبْدًا نَصْرَانِيًّا حَيْثُ تُؤْخَذُ مِنْهُ الْجِزْيَةُ» برخلاف اس کے کہ جب کوئی قریشی، قریشی سے مراد کوئی بھی مسلمان ہے بھئی، خاص طور پر قبیلہ قریش والا ہی مراد نہیں ہے، کوئی بھی مسلمان جب وہ آزاد کرتا ہے «عَبْدًا نَصْرَانِيًّا» کسی نصرانی غلام کو «حَيْثُ تُؤْخَذُ مِنْهُ الْجِزْيَةُ»، بھئی یہ دراصل ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ کی تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ موالیِ بنوہاشم جو ہیں ان کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، کیوں نہیں دی جائے گی؟ کیونکہ جنہوں نے ان کو آزاد کیا یعنی بنوہاشم ان کو زکوٰۃ جب نہیں دی جاتی تو ان کے موالی کا بھی یہی حکم، ان کے آزاد کردہ کا بھی یہی حکم، اس کو بھی زکوٰۃ نہیں دی، معلوم ہوا مولا کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس کو آزاد کرنے والے کا حکم ہو، تو پھر تو اگر کوئی مسلمان اپنے عیسائی غلام کو آزاد کردے تو آقا سے کوئی جزیہ لیا جاتا تھا؟ نہیں، وہ تو مسلمان تھا اس سے تو جزیہ نہیں لیا جاتا تھا، اور غلام جس کو آزاد کیا جائے اس کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جو آقا کا ہوتا ہے تو اس غلام سے بھی جزیہ نہیں لینا چاہیے، حالانکہ اس پر کیا واجب ہے آپ کے نزدیک؟ جزیہ واجب ہے، اب یہ آزاد ہو گیا لیکن عیسائی ہے، دار الاسلام میں رہتا ہے تو اب اس کو کیا ادا کرنا پڑے گا؟ جزیہ ادا کرنا پڑے گا۔ تو یہاں پر تو وہ آزاد کیا ہوا شخص اپنے آزاد کرنے والے کے مخالف ہو گیا۔ اعتراض سمجھ میں آرہا ہے؟ تو اس کا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: «بِخِلَافِ مَا إِذَا أَعْتَقَ الْقُرَشِيُّ عَبْدًا نَصْرَانِيًّا حَيْثُ تُؤْخَذُ مِنْهُ الْجِزْيَةُ» برخلاف اس کے کہ جب آزاد کرے کوئی قریشی کسی عیسائی غلام کو کیونکہ اس سے جزیہ لیا جائے گا، «وَيُعْتَبَرُ حَالُ الْمُعْتَقِ؛ لِأَنَّهُ الْقِيَاسُ» اور وہاں پر وہ آزاد کیے ہوئے کے حال کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ یہی قیاس ہے، قیاس بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ جس کو آزاد کیا گیا ہے اس کے حال کا اعتبار کرنا چاہیے، قیاس بھی کیا تقاضا کرتا ہے؟ بھئی جزیہ لینا ہے یا جزیہ نہیں لینا ہے، زکوٰۃ دینی ہے یا زکوٰۃ نہیں دینی، اس میں کس کا اعتبار کرنا چاہیے، قیاس کیا تقاضا کرتا ہے؟ جس کو دینی ہے زکوٰۃ یا جس سے جزیہ وصول کرنا ہے ان کی حالت کا اعتبار کرنا چاہیے، اس کے آزاد کرنے والے کی حالت کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے، تو ان سے یہ جو عیسائی غلام آزاد کیا اس سے جزیہ لیا جائے گا کیونکہ قیاس بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ اس شخص کی اپنی حالت کا اعتبار کیا جائے یعنی معتق کی، معتق جو ہے جس کو آزاد کیا گیا ہے اس کی اپنی حالت کا اعتبار کیا جائے، یہی قیاس تقاضا بھی کرتا ہے اور ہم نے بھی یہی حکم دیا کہ اس سے جزیہ لیا جائے گا۔ اور باقی «وَالْإِلْحَاقُ بِالْمَوْلَى بِالنَّصِّ وَقَدْ خُصَّتِ الصَّدَقَةُ» باقی جو حدیث کے اندر بنوہاشم کے مولا کو بنوہاشم کے ساتھ ملایا گیا وہ تو خلافِ قیاس نص سے ثابت ہوا، خلافِ قیاس نص سے، قیاس تو کیا تقاضا کرتا تھا؟ غلام کی اپنی حالت کا اعتبار کیا جائے، یہ اگر مالدار نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینی چاہیے، اور اگر مالدار ہے تو زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے، لیکن کس کا اعتبار کیا گیا؟ اس کے آقا کا کہ آزاد کرنے والا کون ہے؟ بنوہاشم، تو اس کے آقا کا جو اعتبار کیا گیا یہ مطابقِ قیاس ہے یا خلافِ قیاس ہوا؟ تو یہاں خلافِ قیاس ایک حکم آیا تھا لیکن چونکہ نص میں آیا تھا لہٰذا اسی طرح اس پر عمل کیا گیا، اور آپ جانتے ہیں جو حکم خلافِ قیاس ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتا ہے، یعنی جس چیز کے بارے میں آیا جس چیز کے بارے میں وہ خلافِ قیاس حکم ہے اسی پر بند رہتا ہے اور چیزوں کو اس میں داخل نہیں کیا جاسکتا، تو یہ بھی اپنے مورد پر بند رہے گا اور یہ حکم صرف کس چیز کے بارے میں تھا؟ زکوٰۃ کے بارے میں تھا، تو یہ زکوٰۃ والا حکم یہیں پر بند رہے گا اور باقی چیزوں کو، جزیہ وغیرہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «وَالْإِلْحَاقُ بِالْمَوْلَى بِالنَّصِّ» اور آقا کے ساتھ ملانا یہ نص کی وجہ سے تھا، اور کس طرح تھا؟ خلافِ قیاس، تو یہ خلافِ قیاس نص کی وجہ سے آقا کے ساتھ ملانا تھا «وَقَدْ خُصَّتِ الصَّدَقَةُ» اور تحقیق کس کی تخصیص کی گئی تھی؟ صدقہ کی تخصیص کی گئی تھی، وہاں پر صرف کس کا ذکر ہے؟ کہ صدقہ یہ موالیِ بنوہاشم بھی نہیں لے سکتے، تو یہ صدقے پر ہی یعنی زکوٰۃ پر ہی یہ حکم بند رہے گا، جزیہ وغیرہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۱۳: قَالَ أَبُوحَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰہُ...

ہدایہ صفحہ: ۲۲۴ — بتاریخ: ۱۶ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى إِذَا دَفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى رَجُلٍ يَظُنُّهُ فَقِيرًا ثُمَّ بَانَ أَنَّهُ غَنِيٌّ أَوْ هَاشِمِيٌّ أَوْ كَافِرٌ أَوْ دَفَعَ فِي ظُلْمَةٍ فَبَانَ أَنَّهُ أَبُوهُ أَوِ ابْنُهُ فَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْإِعَادَةُ۔ [1]

■ باب چل رہا ہے کہ کس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کس شخص کو

باب چل رہا ہے کہ کس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

تو مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں کہ مثلاً کسی شخص نے کسی دوسرے کو زکوٰۃ دے دی اور بعد میں پتہ چلا کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں تھا، تو کیا زکوٰۃ ادا ہو گئی یا زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی؟ تو طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی، دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں، اعادے کی ضرورت نہیں، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعادہ ضروری ہے، زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

تو کہتے ہیں: **قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى إِذَا دَفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى رَجُلٍ يَظُنُّهُ فَقِيرًا**، طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب زکوٰۃ دے دی ایک ایسے شخص کو **يَظُنُّهُ فَقِيرًا** کہ جس کے بارے میں یہ گمان کرتا ہے کہ وہ فقیر ہے، محتاج ہے، یعنی یہ گمان کرتے ہوئے دے دی کہ شاید یہ کیا ہے؟ فقیر اور محتاج ہے، **ثُمَّ بَانَ، بَانَ يَبِينُ** کے معنی ہوتے ہیں ظاہر ہونے کے، پھر یہ بات ظاہر ہوئی، اس بات کا پتہ چلا کہ **أَنَّهُ غَنِيٌّ** کہ یہ تو مالدار ہے بھائی جس کو اس نے زکوٰۃ دی ہے، **أَوْ هَاشِمِيٌّ** یا یہ کیا تھا؟ یہ تو ہاشمی ہے، **أَوْ كَافِرٌ** یا کافر ہے، یا **أَوْ دَفَعَ فِي ظُلْمَةٍ** یا اس نے زکوٰۃ دی تاریکی کے اندر، اندھیرے میں کسی شخص کو، **فَبَانَ** پھر یہ بات ظاہر ہوئی کہ **أَنَّهُ أَبُوهُ أَوِ ابْنُهُ** کہ یہ تو اس کے والد تھے، **أَوِ ابْنُهُ** یا اس کا بیٹا تھا، **فَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ** تو اس شخص پر اعادہ نہیں ہے۔

صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ کس شخص کو زکوٰۃ دے دی ہے جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے، جس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، تو طرفین فرماتے ہیں اس پر اعادہ نہیں ہے، اس نے اپنی طرف سے کوشش کر کے دے دی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْإِعَادَةُ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر اعادہ واجب ہے، زکوٰۃ پھر ادا کرنا پڑے گی۔

ان کی دلیل، وہ فرماتے ہیں: **لِظُهُورِ خَطَئِهِ بِيَقِينٍ**، اس وجہ سے کیونکہ اس کی غلطی یقینی طور پر ظاہر ہو گئی ہے۔ جب پتہ چلا یہ مالدار تھا یا ہاشمی تھا اور مالدار اور ہاشمی کو تو زکوٰۃ نہیں دے سکتے یا اسی طرح کافر ہے یا پتہ چلا اس کا والد یا بیٹا ہے یعنی اس کے اصول اور فروع میں سے کوئی ہے، تو یہ تو زکوٰۃ ان لوگوں کو نہیں دی جا سکتی تو اس کو بعد میں پتہ چل گیا کہ ان میں سے کوئی تھا، تو اپنی غلطی کا یقینی طور پر پتہ چل گیا اس کو، لہٰذا کیا کرنا پڑے گا؟ اعادہ کرنا پڑے گا۔

وَلِإِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ، اس کا عطف ظہور پر ہے، **وَلِإِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ** اور اس وجہ سے کہ ان چیزوں پر واقف ہونا ممکن ہے۔ ان چیزوں پر؟ ان چیزوں پر تو پتہ لگایا جا سکتا ہے بھائی، زکوٰۃ دینے سے پہلے کیا کر لے انسان پتہ لگا لے کہ یہ مالدار ہے یا نہیں، یہ ہاشمی ہے یا نہیں، یہ

[1] شاملہ (ص ۱۵۴) میں «قَالَ» کے بجائے «الله» درج ہے۔

کافر ہے یا نہیں، سمجھ میں آیا؟ یا اس کا والد، اس کا بیٹا ہے، وہ سب پتہ لگ سکتے ہیں آرام سے، تو ان چیزوں پر واقف ہوا جا سکتا ہے اور اس نے اس پر واقفیت حاصل نہیں کی اور ویسے ہی زکوٰۃ دے دی تو ادا نہیں ہوئی، دوبارہ ادا کرنا پڑے گی۔

وَصَارَ كَالْأَوَانِي وَالثِّيَابِ اور یہ برتنوں اور کپڑوں کی طرح ہو گیا۔ کس کی طرح؟ بھائی دیکھیے مثلاً بہت سے برتن تھے اور ان میں نجس برتن مل گیا، اب ایک شخص نے تحری کر کے ایک برتن کے پانی سے وضو کر لیا، بعد میں اس کو پتہ چلا کہ یہ تو اس نے نجس برتن سے وضو کیا ہے تو اس پر وضو کا اعادہ لازم ہے۔ وضو کا اعادہ؟ لازم ہے۔ اسی طرح بھائی نجس کپڑے اور کپڑوں کے اندر مل گئے، ایک شخص نے تحری کر کے کہ کون سے کپڑے پاک ہیں، ان میں سے ایک کپڑا نکال لیا اور پہن لیا اور اس میں نماز ادا کی بھائی، پھر بعد میں پتہ چلا یہ تو اس نے کون سا کپڑا اس کے ہاتھ آ گیا تھا جو نجس تھا، ناپاک تھا، تو اس پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اس پر نماز کا اعادہ؟ تو جیسے وہاں پر وہ اعادہ واجب تھا وضو کے اندر بھی اور نجس کپڑے پہن لیے تھے ان میں نماز کا اعادہ واجب ہے، تو اسی طرح یہاں پر بھی زکوٰۃ اس نے دی ہے ایک ایسے شخص کو جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ کا اعادہ واجب ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

وَلَهُمَا اور طرفین کی دلیل جو ہے: **حَدِيثُ مَعْنِ بْنِ يَزِيدَ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِيهِ**، اور طرفین کی دلیل معن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے بھائی، **فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِيهِ** پس اس کے اندر حضور علیہ السلام نے فرمایا: **يَا يَزِيدُ لَكَ مَا نَوَيْتَ وَيَا مَعْنُ لَكَ مَا أَخَذْتَ**، اے یزید! تمہارے لیے وہ ہے جس کی تم نے نیت کی ہے، یعنی تمہیں اس چیز کا ثواب ملے گا جس کی تم نے نیت کی ہے، **وَيَا مَعْنُ لَكَ مَا أَخَذْتَ** اور اے معن! تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے لے لیا ہے۔

بھائی صورت یہ پیش آئی تھی کہ حضرت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مال سے صدقہ نکالا اور کسی شخص کے حوالے کر دیا مسجد میں کہ یہ کسی مستحق زکوٰۃ کو یہ دے دینا۔ اب ان کے بیٹے تھے معن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تو وہ وکیل نے ان کو دے دیے بھائی، ان کو دے دیے اور پھر ذکر کیا ہو گا کہ یہ آپ کے والد کے ہیں، تو یہ بعد میں اپنے والد کے پاس بھی آئے اور ذکر کیا، تو انہوں نے کہا کہ بھائی میں نے تو تمہارا ارادہ نہیں کیا تھا، یہ جو میں نے مال نکال کر دیا تھا اس کو تو میرا یہ ارادہ تو نہیں تھا کہ وہ تمہیں دے۔ تو یہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے ان کے والد سے: **يَا يَزِيدُ لَكَ مَا نَوَيْتَ**، اے یزید! تمہارے لیے وہی ہے جو تم نے نیت کی، یعنی تمہیں اسی چیز کا ثواب ملے گا جس کی تم نے نیت، اور ان کے بیٹے جنہوں نے وہ زکوٰۃ یا وہ صدقہ لیا تھا ان سے کہنے لگے: **يَا مَعْنُ لَكَ مَا أَخَذْتَ**، تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے لے لیا، یعنی جو تم نے لے لیا وہ تمہارا ہو گیا اور اے یزید! تمہیں جس چیز کی تم نے نیت کی تھی تمہیں اس کا ثواب مل گیا۔ تو یہ کس کی دلیل؟ طرفین کی، طرفین کی۔

تو طرفین فرماتے ہیں کہ دیکھیے اس حدیث کے اندر وہ وکیل نے غلطی سے کس کو دے دیا؟ وکیل نے ان کے بیٹے کو دے دیا تھا اور پھر بھی دوبارہ ادائیگی کا حضور علیہ السلام نہیں فرما رہے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: **يَا يَزِيدُ لَكَ مَا نَوَيْتَ وَيَا مَعْنُ لَكَ مَا أَخَذْتَ، وَقَدْ دَفَعَ إِلَيْهِ وَكِيلُ أَبِيهِ صَدَقَتَهُ** اور تحقیق حوالے کر دیا تھا ان کے ان کے والد کے وکیل نے **صَدَقَتَهُ** ان کا صدقہ، ان کے حوالے کر دیا تھا۔

اب دیکھیے، یہاں اگرچہ یہ بھی احتمال ہے ہو سکتا ہے ان کے والد نے نفلی صدقہ دیا ہو، ہو سکتا ہے وہ زکوٰۃ دی ہو، صدقہ واجبہ دیا ہو، لیکن استدلال ہے یہاں پر دراصل حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں: **لَكَ مَا نَوَيْتَ**، اے یزید! تمہارے لیے اسی چیز کا ثواب ہے جو تم نے نیت کی ہے، **مَا نَوَيْتَ** جو بھی تم نے نیت کی ہے، معلوم ہوا نفلی صدقے کی نیت کی ہے تو اس کا ثواب مل جائے گا اور زکوٰۃ کی نیت کی ہے تو تمہیں اس کا ثواب مل، تو یہ **مَا نَوَيْتَ** لفظ عام ہے، یہ نفلی کو بھی شامل ہو رہا ہے اور صدقہ واجبہ کو بھی، جو بھی نیت کی ہے تمہیں اس کا ثواب ملے گا بھائی۔ تو معلوم ہوا اگر اس طرح غلطی سے دے دیا جائے زکوٰۃ کسی غیر مستحق کو تو بھی ادا ہو جائے گی، اعادے کی ضرورت نہیں۔

اور دوسرا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی عقلی دلیل کا بھی جواب دے رہے ہیں بھائی۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ انہوں نے اس کو قیاس کیا تھا برتنوں اور کپڑوں پر اور فرمایا تھا کہ ان چیزوں پر واقف ہونا ممکن ہے، تو کہہ رہے ہیں بھائی ان چیزوں پر واقف یقینی طور پر کوئی بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ اجتہادی طور پر ہی اپنی کوشش سے ہی جو ہے وہ اندازہ لگا سکتا ہے۔ یقینی طور پر پتہ نہیں چل سکتا بھائی زکوٰۃ کس کو دے سکتے ہیں۔

تو زکوٰۃ کا بھائی زکوٰۃ کا مصرف جو ہیں وہ فقراء ہیں اور کسی کے فقر اور مالداری کا یقینی طور پر پتہ نہیں چل سکتا بھائی، بلکہ کس اس میں؟ اجتہاد ہی اپنی کوشش ہو گی، سوچے گا، غور کرے گا اور جو محتاج اور مسکین معلوم ہو گا، مسکین دکھائی دے گا اس کو انسان زکوٰۃ وغیرہ دے دیتا ہے۔ یقینی طور پر تو یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ محتاج ہے یا محتاج نہیں ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ دوسرے کا مال ہے اس کو کیا پتہ اس کے پاس اتنا مال ہے یا نہیں ہے اور کون ظاہر کرتا ہے بھائی اپنے مال کو، سمجھ میں آیا؟ تو یقینی طور پر چونکہ ان چیزوں کا پتہ چل ہی نہیں سکتا، صرف اپنی کوشش اور اجتہاد ہی ہو گا، اسی کے مطابق یہ شخص عمل کرے گا اور یہاں پر بھی اس نے کوشش تو کی ہے زکوٰۃ دیتے ہوئے لیکن یہ پھر بعد میں اس کا اندازہ تو یہی تھا یہ شاید زکوٰۃ کے مستحق ہیں لیکن بعد میں پتہ چلا یہ زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْوُقُوفَ عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ بِالِاجْتِهَادِ دُونَ الْقَطْعِ** اور اس لیے کیونکہ ان چیزوں پر واقف ہونا اجتہاد سے ہے **دُونَ الْقَطْعِ**

نہ کہ یقینی طور پر، **فَيُبْنَى الْأَمْرُ فِيهَا عَلَى مَا يَقَعُ عِنْدَهُ** تو معاملے کی بنیاد اس کے اندر ہو گی اسی اجتہاد پر، اسی تحری پر جو اس کے نزدیک واقع ہو، جو کچھ اس کے نزدیک واقع ہو گا جو اس کا اجتہاد ہو گا اسی پر معاملے کی بنیاد ہو گی اور اس نے بھی کیا اجتہاد کیا کہ شاید یہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں بھائی۔

كَمَا إِذَا اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ جیسے کہ اس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے، جب قبلہ کسی پر مشتبہ ہو جائے تو کیا حکم بتلایا گیا؟ تحری کرے گا اور غالب رائے پر عمل کر لے گا اور اگر بعد میں پتہ چلے اس نے تو غلط طرف کو نماز پڑھ لی ہے تو کیا اس پر اعادہ ہے؟ اس پر اعادہ نہیں، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، اس نے تحری کر کے زکوٰۃ دے دی ہے بعد میں اگر پتہ چل، پتہ بھی چل گیا کہ یہ مستحق نہیں تھا، یہ محل نہیں تھا ادائیگی کا تو بھی اس پر اعادہ نہیں ہے۔

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَيْرِ الْغَنِيِّ أَنَّهُ لَا يُجْزِيهِ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مالدار کے علاوہ کے اندر **أَنَّهُ لَا يُجْزِيهِ** کہ یہ کافی نہیں ہو گا۔ امام صاحب سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جو اوپر افراد ذکر ہوئے ان میں سے اگر وہ شخص مالدار نکلا بعد میں جس کو کیا دی تھی؟ زکوٰۃ، پھر تو ادا ہو جائے گی زکوٰۃ، مالدار کے علاوہ جو صورتیں ذکر ہوئیں، ہاشمی نکل آیا یا کافر نکل آیا یا اپنے اصول و فروع میں سے یعنی والد، دادا وغیرہ، نانا وغیرہ یا اولاد میں سے نیچے کوئی شخص نکل آیا تو پھر اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، پھر اعادہ کرنا پڑے گا۔ ہاں مالدار اگر نکل آیا تو پھر اعادے کی ضرورت نہیں، پھر اعادے کی ضرورت نہیں، کیونکہ مالدار فی الجملہ مستحق زکوٰۃ ہے۔ مالدار مجموعی اعتبار سے کسی نہ کسی طور پر اس مال زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ بھائی آپ نے پڑھا یا نہیں وہ آیت کے اندر مصارف زکوٰۃ بیان ہوئے تھے، ان میں عاملین ذکر ہوئے تھے اور عاملین کو کس طریقے پر دیا جاتا ہے؟ کفایت کے طریقے پر دیا جاتا ہے نہ کہ زکوٰۃ، تو لہٰذا اگر وہ مالدار ہو پھر بھی وہ مال لے سکتا ہے جو کس کس کا مال ہے، کس چیز کا مال ہے؟ زکوٰۃ کا مال ہے، تو جو مالدار ہے وہ فی الجملہ کسی نہ کسی اعتبار سے اس مال کا حقدار ہے، لہٰذا اس لحاظ سے اس کو اگر دے دیا ہے تو اس میں تو اعادے کی ضرورت نہیں۔ یہ کون سی صورت بیان ہو رہی ہے؟ جب غلطی سے دیا ہے، اس کا خیال تھا یہ محتاج ہے لیکن بعد میں کیا پتہ چلا؟ یہ مالدار ہے، ویسے تو مالدار کو دے گا زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی لیکن بہر حال فی مجموعی اعتبار سے کسی نہ کسی صورت میں مالدار کو بھی وہ مال دیا جا سکتا تھا زکوٰۃ والا، تو اس وجہ سے مالدار کے مسئلے کے اندر تو اعادے کی ضرورت نہیں لیکن باقی سب صورتوں میں کیا کرنا پڑے گا؟ اعادہ کرنا پڑے گا، پھر زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ اور ان لوگوں کو چاہیے اگر انہوں نے لے لیا ہے ان کو زکوٰۃ واپس کر دینی چاہیے بھائی جب اگر ان کو معاملے کا پتہ چل جائے کہ یہ زکوٰۃ ان کو ادا کی گئی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَيْرِ الْغَنِيِّ أَنَّهُ لَا يُجْزِيهِ** اور امام صاحب سے مالدار کے علاوہ کے اندر یہ روایت ہے کہ یہ کافی نہیں ہو گا، **وَالظَّاهِرُ هُوَ الْأَوَّلُ** اور ظاہر روایت جو ہے وہ اول ہی ہے کہ مالدار کے علاوہ باقیوں کے اندر بھی اعادے کی ضرورت نہیں۔

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھیے، فتویٰ اس پر ہے کہ زکوٰۃ ان تمام صورتوں میں ادا ہو جائے گی **إِلَّا** یہ کہ وہ کافر ہو۔ جس نے زکوٰۃ دی تھی بعد میں پتہ چلا کہ وہ کیا نکلا، وہ کون ہے وہ آدمی؟ کافر ہے، پھر زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، زکوٰۃ دوبارہ ادا کرنا پڑے گی، لیکن اگر وہ بعد میں پتہ چلا وہ ہاشمی ہے یا مالدار ہے یا اپنی اولاد ہے یا اپنے اصول ہیں تو پھر زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن اس کے اندر یہ ضروری ہے کہ پہلے اس نے کیا کی ہو؟ تحری کی ہو تحری، تحری کی ہو اگر اس کو شک ہے کہ پتہ نہیں یہ مالدار ہو گا یا یہ زکوٰۃ کا مستحق ہو گا یا زکوٰۃ کا مستحق نہیں، اس نے تحری کی اور پھر مال دیا۔ تحری ضروری ہے اس صورت میں جب اس کو شک ہو کہ پتہ نہیں یہ محتاج ہے یا محتاج نہیں۔ اگر شک نہیں ہے پھر تو بغیر تحری کے بھی دے سکتا ہے، لیکن اگر شک ہے کہ پتہ نہیں یہ مالدار ہے، محتاج بھی ہے یا محتاج نہیں ہے، تو پھر تحری ضروری ہے اور غور کرے اور جس طرف اس کا ذہن زیادہ جائے اس پر عمل کر لے، پھر اعادے کی ضرورت نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو یہی ذکر کر رہے ہیں: **وَهَذَا إِذَا تَحَرَّى وَدَفَعَ** اور یہ اس صورت میں ہے جب اس نے تحری کی ہے اور حوالے کی ہے، **وَفِي أَكْبَرِ رَأْيِهِ أَنَّهُ مَصْرِفٌ** اور اس کی غالب رائے کے اندر وہ یہ اس کی غالب رائے یہ تھی کہ یہ بھی مصرف زکوٰۃ ہے، اس نے تحری کر کے مال دیا تھا اور اس کی غالب رائے کیا بنی تھی کہ یہ بھی مصرف زکوٰۃ ہے۔ **أَمَّا إِذَا شَكَّ وَلَمْ يَتَحَرَّ** اور باقی وہ صورت کہ جب اس کو شک ہوا **وَلَمْ يَتَحَرَّ** اور اس نے تحری نہیں کی اور ویسے ہی دے دیا، پھر تو اعادہ کرنا ہی پڑے گا کیونکہ شک بھی تھا اور پھر بھی تحری نہیں کی اس نے، **أَوْ تَحَرَّى** یا اس نے تحری تو کی، **فَدَفَعَ** پھر حوالے بھی کر دیا، **وَفِي أَكْبَرِ رَأْيِهِ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَصْرِفٍ** اور اس کی بڑی رائے یہ تھی کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں۔ بھائی اس نے اس کو ایک آدمی کے بارے میں شک تھا کہ یہ پتہ نہیں محتاج ہے یا محتاج نہیں، اس نے تحری کی، تحری کے اندر ذہن غالب جس طرف چلا گیا، غالب گمان اس کا یہ ہوا کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے، یہ مالدار ہے، پھر بھی اس نے زکوٰۃ اس کو دے دی، پھر بھی؟ تو دیکھو غالب رائے کے مطابق اس نے دیا ہے یا اس کے خلاف کر عمل کرتے ہوئے دی ہے؟ اس کے خلاف عمل کرتے ہوئے دی ہے، تو اس صورت میں پھر زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، **إِلَّا** ایک صورت میں پھر بھی ادا ہو جائے گی کہ بعد میں پتہ چلا کہ یہ واقعی مستحق زکوٰۃ تھا، اب تو بے شک غالب رائے کے خلاف دی ہے لیکن کس کو دی ہے؟ مستحق زکوٰۃ ہی کو دی ہے، وہ محتاج ہی نکلا، تو پھر پھر تو ٹھیک ہو گئی بھائی۔

یہ معنی ہے: **أَوْ تَحَرَّى فَدَفَعَ** یا اس نے تحری کی پس پھر حوالے کر دی، **وَفِي أَكْبَرِ رَأْيِهِ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَصْرِفٍ لَا يُجْزِيهِ** اور اس کی غالب رائے یہ تھی کہ وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے تو اس صورت میں **لَا يُجْزِيهِ** یہ اس کے لیے کافی نہیں، **إِلَّا إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ فَقِيرٌ هُوَ الصَّحِيحُ** مگر یہ کہ جب پھر اس کو معلوم ہوا کہ یہ فقیر ہی تھا **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے کہ پھر اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، چاہے بغیر تحری کے دی ہے، شک تھا پھر بھی تحری نہیں کی ویسے ہی زکوٰۃ دے دی اور بعد میں پتہ چلا واقعی یہ محتاج بھی تھا، پھر تو یقینی طور پر زکوٰۃ کہاں پر پہنچی ہے؟ اپنے محل کو پہنچی ہے، اپنے مصرف کو، ادا ہو جائے گی۔

وَلَوْ دَفَعَ إِلَى شَخْصٍ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ عَبْدُهُ أَوْ مُكَاتَبُهُ لَا يُجْزِيهِ اور اگر حوالے کر دی کسی شخص کے زکوٰۃ، یہی صورت بھائی، ایک شخص کو ایک آدمی نے کیا کیا؟ اپنی زکوٰۃ حوالے کر دی، **ثُمَّ عَلِمَ** پھر اس کو یہ معلوم ہوا کہ **أَنَّهُ عَبْدُهُ** کہ یہ تو اس کا اپنا ہی غلام تھا، **أَوْ مُكَاتَبُهُ** یا اس کا اپنا مکاتب تھا، **لَا يُجْزِيهِ** یہ کافی نہیں ہے بھائی، یہ کافی نہیں ہے۔ بھائی اس صورت میں کیوں نہیں کافی؟ کہتے ہیں بھائی اس لیے کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے اندر تملیک ضروری تھی کہ دوسرے کو مالک بنایا جائے، مالک بنایا جائے اور غلام تو مالک بننے کا اہل ہی نہیں ہے، اس کو تو جو کچھ دیا جائے گا وہ کس کس کا ہو گا؟ اس کے آقا کا ہو گا اور آقا تو خود یہی زکوٰۃ دینے والا ہے تو گویا یہ اپنے آپ کو زکوٰۃ ادا کر رہا ہے۔ تو یہاں دوسرے کی مالک بنانا پایا ہی نہیں گیا، جبکہ اوپر والی صورتوں میں مالک اپنے آپ کو بنا رہا تھا یا اپنے غیر کو بنا رہا تھا؟ اپنے غیر کو، تو وہاں غیر کو مالک بنانا تو کم از کم موجود تھا، یہاں پر تو غیر کو سرے سے مالک بنانا ہی نہیں موجود، اپنے آپ ہی کو زکوٰۃ دے رہا ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور دوسرا اپنے اگر مکاتب کو دے دی تو یاد رکھیے مکاتب جو ہے وہ ٹھیک ہے وہ مال کا مالک بنتا ہے، اس نے ادائیگی کر کے اپنے آپ کو آزاد کروانا ہے لیکن اس کے مال کے اندر مالک کا باقاعدہ حق ہوتا ہے، وہ کما کر لا کر کس کو دیتا ہے؟ مالک کو دیتا ہے، ادائیگی کرتا ہے اپنے آپ کو چھڑواتا ہے، آزادی کروا اپنی آزادی کے لیے وہ کما رہا ہے، تو وہ تو ٹھیک ہے مالک بنتا ہے لیکن اس کے مال میں کس کا حق؟ مالک کا حق ہے اور نیز اگر وہ ادا نہ کر سکا تو پھر کیا بن جائے گا؟ عام غلام بن جائے گا اور جو کچھ ہو گا اس کے پاس وہ سارا کس کا ہو جائے گا؟ اس کے مالک کا ہو جائے گا، تو لہٰذا وہاں پر بھی تملیک پورے طور پر نہیں ہے چونکہ، لہٰذا اس وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

یہ معنی ہے: **وَلَوْ دَفَعَ إِلَى شَخْصٍ** اور اگر زکوٰۃ کسی شخص کو دے دی، **ثُمَّ عَلِمَ** پھر اس کو یہ معلوم ہوا کہ **أَنَّهُ عَبْدُهُ** کہ وہ اسی کا غلام ہے، **أَوْ مُكَاتَبُهُ** یا اسی کا اپنا مکاتب ہے، **لَا يُجْزِيهِ** تو یہ کافی نہیں، **لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ** اس وجہ سے کہ مالک بنانا معدوم ہے یہاں پر، مالک بنانا یہاں نہیں پایا جا رہا، **لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْمِلْكِ** اس وجہ سے کہ مالک ہونے کی اہلیت ہی غلام میں نہیں ہے، وہ مالک ہونے کی اہلیت ہی غلام سے معدوم ہے، **وَهُوَ الرُّكْنُ عَلَى مَا مَرَّ** اور وہ تو رکن ہے ادا ادائے زکوٰۃ کا **عَلَى مَا مَرَّ** بوجہ اس کے جو گزر گیا بھائی۔

وَلَا يَجُوزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلَى مَنْ يَمْلِكُ نِصَابًا مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ اور جائز نہیں ہے زکوٰۃ دینا اس شخص کو جو نصاب کا مالک ہو **مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ** جس مال میں سے بھی وہ نصاب ہو، یہ ضروری شرط ہے یاد رکھنا بھائی۔

بھائی اب تک آپ نے نصاب کی ایک قسم پڑھی تھی نصاب کی اور وہ تھا نصاب نامی جس کے اندر زکوٰۃ آتی ہے اور نصاب نامی کیا چیز ہے؟ درہم ہیں، دنانیر ہیں، مال تجارت ہے اور سائمہ جانور ہیں۔ یہ سارے کیا ہیں؟ مال یہ سب مال نامی ہیں، نصاب نامی ہیں نصاب تک اگر یہ پہنچتے ہوں، تو یہ ہیں نصاب نامی۔ نصاب نامی، لیکن یہاں کہہ رہے ہیں: **مَنْ يَمْلِكُ نِصَابًا** وہ شخص جو نصاب کا مالک ہو **مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ** جس مال میں سے بھی ہو، چاہے وہ مال نامی ہو یا مال نامی نہ ہو۔ جس نصاب کا بھی مالک ہے اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی بھائی، زکوٰۃ دینا اس کو جائز نہیں۔

یاد رکھیے زکوٰۃ اس شخص کو دی جا سکتی ہے جو اپنی ضروریات سے یعنی اپنی حاجت اصلی سے، حاجت اصلی جس کی انسان کو ضرورت ہے بھائی، جس کی انسان کو ضرورت ہے اور یہ حاجت اصلی سے زائد مال چاہے کسی بھی صورت میں ہو وہ نصاب کو نہ پہنچتا ہو۔ اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اور جس کے پاس اپنی ضروریات سے زائد نصاب کے بقدر مال ہے، چاہے مال نامی نہیں ہے لیکن کیا ہے؟ نصاب کے بقدر مال ہے اس کے پاس اپنی ضروریات سے زائد، وہ نصاب کا مالک ہوا اور جو شخص اپنی ضروریات سے زائد نصاب کا مالک ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

تو ضروریات سے زائد مال کس کو کہیں گے؟ حاجت اصلی سے زائد مال کس کو کہیں گے؟ یاد رکھیے حاجت اصلی سے زائد مال وہ ہے جس کی بہت جو کبھی کبھار ہی جس کی ضرورت پیش آتی ہے، بہت کم، سال میں ایک آدھ مرتبہ ہی جا کر اس چیز کی اس کو ضرورت پیش آتی ہے، تو یہ اس کی ضرورت سے زائد کہیں گے اس کو، کیا کہیں گے؟ ضرورت سے زائد کہیں گے جس کے اور جو چیزیں عام استعمال میں آتی ہیں وہ جتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ سب کہیں گے یہ حاجت اصلی میں مشغول ہیں۔ چاہے اس کے پاس گاڑی ہے، اس کی تو اس کو روز ضرورت پڑتی ہے، وہ اس کی حاجت اصلی میں مشغول ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اس کا اپنا مکان ہے لیکن پھر بھی وہ کس میں مشغول ہے؟ اسی کی رہائش میں، اس کے اندر اس کو ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح اس کے پاس گھر پر اور بہت سامان ہے لیکن وہ سب اس کے استعمال میں آتا رہتا ہے تو یہ سب کیا ہیں؟ ان کو کہا جائے گا یہ اس کی حاجت اصلی میں مشغول ہیں۔ ہاں جو چیزیں بہت ہی قلیل کبھی استعمال میں آتی ہیں یا کبھی آتی ہی نہیں ہیں، اس نے ویسے ہی رکھی ہوئی ہیں تو وہ اس کو کہیں گے یہ حاجت اصلی سے زائد ہے۔

مثلاً مثلاً ایک شخص کے پاس دو مکان ہیں بھائی، ایک مکان میں وہ رہتا ہے، ایک مکان میں وہ رہتا ہے، دوسرا مکان ویسے ہی اس کے پاس موجود ہے، ضرورت ہی نہیں اس کو، لیکن رکھا ہوا ہے اس نے ویسے ہی بھائی، تو یہ ضرورت سے زائد ہوا یہ مکان اور جب ضرورت سے زائد ہوا، حاجت اصلی سے زائد ہوا اور تو پھر اس کی قیمت لگائیں گے، یہ نصاب کو پہنچتا ہے یا نہیں اور یقیناً مکان ہے تو وہ تو نصاب کو پہنچے گا، اس کی تو قیمت بہت زیادہ ہو گی تو اس شخص کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، لیکن اس کے بجائے اگر ایک ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس ضروریات کی ساری چیزیں موجود ہیں لیکن زائد چیز نہیں ہے، استعمال کرتا ہے، یہ ساری چیزیں استعمال میں آنے والی ہیں تو اس شخص کے پاس اگر نصاب سے زائد چیز، حاجت اصلی سے زائد چیز نصاب کے بقدر نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو آپ یہ نہ کہیں ایک آدمی ہے اس کے پاس موٹر سائیکل ہے یا اس کے پاس گاڑی ہے تو آپ کہیں بھائی اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، ضابطہ بیان ہو گیا، سمجھ میں آیا بھائی؟ نصاب کے بقدر اس کے پاس ویسے عموماً تو ہو گا اس کے پاس، جس کے پاس گاڑی ہے کیا ہو گا اس کے پاس؟ نصاب کے بقدر زائد کچھ نہ کچھ، لیکن اگر اس کے پاس نہیں ہے تو بے شک گاڑی ہو اس کے پاس، پھر بھی کیا کیا جاسکتا ہے؟ اس کو زکوٰۃ دی، یا اس کے پاس گاڑی تو ہے مثلاً مال بھی ہے لیکن وہ مال دین کے ساتھ مشغول ہے سارا، اور حاجت اصلی سے زائد اتنا مال بنتا ہی نہیں ہے جس سے وہ جو کس کو پہنچتا ہو؟ نصاب کو پہنچتا ہو، تو بھی اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا مثلاً بھائی ایک شخص ہے اس کے پاس تین چار مکان ہیں، ایک میں وہ خود رہتا ہے اور تین چار وہ کرائے پر اس نے دیے ہوئے ہیں لیکن انہی کی آمدنی سے اس کے گھر کا سارا خرچہ چلتا ہے اور تو وہ اس کی حاجت اصلی کے اندر مشغول ہیں یا در کھیے بھائی اور اس کے علاوہ اور ضروریات کی چیزوں کے اندر اس کے پاس خرچہ بڑی مشکل سے چلتا ہے، نصاب کے بقدر مال زائد ہے ہی نہیں، تو بھی یہ مستحق زکوٰۃ ہے، اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

جو چیزیں انسان کے روز مرہ اور عام استعمال میں آتی ہیں وہ کیا کہیں گے؟ یہ اس کی حاجت اصلی میں مشغول ہیں اور ان سے زائد اگر کوئی چیز ہے جس کی ضرورت کبھی کبھار ہی پیش آتی ہے کبھی سال میں ایک آدھ مرتبہ کبھی پیش آجائے ایسی چیزیں ہیں تو یہ اور وہ چیزوں ان کی قیمت کس کو پہنچتی ہے؟ نصاب کے بقدر مال کو پہنچتی ہے تو یہ نصاب کا مالک ہوا اس کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اور اگر نصاب کو نہیں پہنچتی تو پھر یہ زکوٰۃ کا مستحق ہے، اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیونکہ حاجت اصلی سے زائد اس کے پاس کوئی بھی نصاب کے بقدر مال نہیں، مال نامی کو نہیں دیکھنا بلکہ نصاب کے زائد، حاجت اصلی سے زائد نصاب کو نہ پہنچتا ہو، مثلاً جیسے میں نے مثال ذکر کر دی۔ اب ایک شخص ہے اس کے دو مکان ہیں، دوسرا مکان اس نے کوئی بیچنے کے لیے تو نہیں رکھا ہوا، اس نے تو ویسے ہی کہ چلو ایک دوسرا بھی مکان میرا ہو گا اس نے بنوالیا تھا، تو یہ مال تجارت نہیں، جب مال تجارت نہیں تو یہ مال نامی نہیں، تو مال نامی تو بے شک نہیں ہے لیکن کیا اس میں یہ کیا ہے؟ حاجت اصلی سے زائد ہے، حاجت اصلی سے؟ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو نصاب کتنی قسم کا؟ ایک نصاب نامی ہے اور ایک عام نصاب ہے۔ نصاب نامی تو چار چیزوں کے اندر ہی آئے گا، درہم ہیں، دنانیر ہیں، اسی طرح کرنسی بھی اس کے اندر آگئی اور مال تجارت ہے اور سائمہ جانور ہیں جو ہیں، ان کے اندر جو نصاب ہے وہ نصاب نامی کہلاتا ہے کیونکہ یہ سب مال نامی ہیں، بڑھنے والے ہیں۔ جبکہ ان کے علاوہ ضرورت سے زائد چیزوں کے اندر اگر ہم دیکھتے ہیں وہ تو وہ نصاب کو اگر پہنچیں بھی تو وہ مال نامی نہیں ہے، تو نصاب تو ہوا لیکن نصاب نامی، تو زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص جو ہے نہ تو نصاب نامی کا مالک ہو اور نہ کسی ضرورت سے زائد نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے: **وَلَا يَجُوزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلَى مَنْ يَمْلِكُ نِصَابًا مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ** اور جائز نہیں ہے زکوٰۃ دینا اس شخص کو جو نصاب کا مالک ہو **مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ** جس مال میں سے بھی وہ ہو چاہے مال نامی ہو چاہے مال نامی نہ ہو۔

لِأَنَّ الْغِنَى الشَّرْعِيَّ مُقَدَّرٌ بِهِ اس لیے کیونکہ شرعی مالداری جو ہے اسی کے ساتھ جو ہے اس کو مقرر کیا گیا ہے۔ شرعاً مالدار کس کو کہتے ہیں جو کتنے مال کا مالک ہو؟ نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو تو شرعاً اس کو کیا شمار کیا جاتا ہے؟ مالدار، تو لہٰذا یہ مالدار ہوا، یہ مستحق زکوٰۃ نہیں۔

یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الْغِنَى الشَّرْعِيَّ مُقَدَّرٌ بِهِ** اس لیے کیونکہ شرعی مالداری وہ اسی کے ساتھ اس کا اندازہ کیا گیا ہے، **وَالشَّرْطُ أَنْ يَكُونَ فَاضِلًا عَنِ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ** اور شرط اس کی یہ ہے کہ وہ جو نصاب ہے وہ زائد ہونا چاہیے اس کی حاجت اصلی سے، **وَإِنَّمَا النَّمَاءُ شَرْطُ الْوُجُوبِ** اور نماء کی نماء جو تھا وہ تو وجوب کی شرط تھی، نصاب نامی کی بھائی شرط کیوں ہوتی تھی؟ وہ تو وجوب زکوٰۃ کے لیے شرط تھا نصاب نامی کا مالک ہونا، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے نامی ہونے کی شرط بھی نہیں ہے بھائی، تو اگر نامی غیر نامی نصاب کا بھی مالک ہو ایہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہو گا بھائی، تو اس میں نصاب نامی کا ہونا ضروری نہیں ہے بھائی۔

یہاں تک مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

وَيَجُوزُ دَفْعُهَا إِلَى مَنْ يَمْلِكُ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا مُكْتَسِبًا، یہاں سے یہ مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ جس شخص کے پاس اپنی حاجت اصلیہ سے زائد نصاب کے بقدر مال نہیں ہے، اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: إِذَا دَفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى رَجُلٍ يَظُنُّهُ فَقِيرًا ثُمَّ بَانَ أَنَّهُ غَنِيٌّ أَوْ هَاشِمِيٌّ أَوْ كَافِرٌ، أَوْ دَفَعَ فِي ظُلْمَةٍ فَبَانَ أَنَّهُ أَبُوهُ أَوِ ابْنُهُ فَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: عَلَيْهِ الْإِعَادَةُ.

■ باب چل رہا ہے کہ کس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کس شخص کو

باب چل رہا ہے کہ کس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ تو مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں کہ مثلاً کسی شخص نے کسی دوسرے کو زکوٰۃ دے دی اور بعد میں پتہ چلا کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں تھا، تو کیا زکوٰۃ ادا ہو گئی یا زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی؟ تو طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی، دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں، اعادے کی ضرورت نہیں، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعادہ ضروری ہے، زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

تو کہتے ہیں: **قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى إِذَا دَفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى رَجُلٍ يَظُنُّهُ فَقِيرًا**، طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب زکوٰۃ دے دی ایک ایسے شخص کو **يَظُنُّهُ فَقِيرًا** کہ جس کے بارے میں یہ گمان کرتا ہے کہ وہ فقیر ہے، محتاج ہے، یعنی یہ گمان کرتے ہوئے دے دی کہ شاید یہ کیا ہے؟ فقیر اور محتاج ہے۔ **ثُمَّ بَانَ، بَانَ يَبِينُ** کے معنی ہوتے ہیں ظاہر ہونے کے، پھر یہ بات ظاہر ہوئی، اس بات کا پتہ چلا **أَنَّهُ غَنِيٌّ** کہ یہ تو مالدار ہے بھائی جس کو اس نے زکوٰۃ دی ہے، **أَوْ هَاشِمِيٌّ** یا یہ کیا تھا؟ یہ تو ہاشمی ہے، **أَوْ كَافِرٌ** یا کافر ہے، یا **أَوْ دَفَعَ فِي ظُلْمَةٍ** یا اس نے زکوٰۃ دی تاریکی کے اندر، اندھیرے میں کسی شخص کو، **فَبَانَ** پھر یہ بات ظاہر ہوئی **أَنَّهُ أَبُوهُ أَوِ ابْنُهُ** کہ یہ تو اس کے والد تھے **أَوِ ابْنُهُ** یا اس کا بیٹا تھا، **فَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ** تو اس شخص پر اعادہ نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ کس شخص کو زکوٰۃ دے دی ہے جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے جس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، تو طرفین فرماتے ہیں اس پر اعادہ نہیں ہے، اس نے اپنی طرف سے کوشش کر کے دے دی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْإِعَادَةُ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر اعادہ واجب ہے، زکوٰۃ پھر ادا کرنا پڑے گی۔ ان کی دلیل، وہ فرماتے ہیں **لِظُهُورِ خَطَئِهِ بِيَقِينٍ** اس وجہ سے کیونکہ اس کی غلطی یقینی طور پر ظاہر ہو گئی ہے۔ جب پتہ چلا یہ مالدار تھا یا ہاشمی تھا اور مالدار اور ہاشمی کو تو زکوٰۃ نہیں دے سکتے یا اسی طرح کافر ہے یا پتہ چلا اس کا والد یا بیٹا ہے یعنی اس کے اصول اور فروع میں سے کوئی ہے تو یہ تو زکوٰۃ ان لوگوں کو نہیں دی جا سکتی تو اس کو بعد میں پتہ چل گیا کہ ان میں سے کوئی تھا، تو اپنی غلطی کا یقینی طور پر پتہ چل گیا اس کو، لہٰذا کیا کرنا پڑے گا؟ اعادہ کرنا پڑے گا۔

وَلِإِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ، اس کا عطف **ظُهُورِ** پر ہے، **وَلِإِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ** اور اس وجہ سے کہ ان چیزوں پر واقف ہونا ممکن ہے۔ ان چیزوں پر؟ ان چیزوں پر تو پتہ لگایا جا سکتا ہے بھائی زکوٰۃ دینے سے پہلے کیا کر لے؟ انسان پتہ لگا لے کہ یہ مالدار ہے یا نہیں، یہ ہاشمی ہے یا نہیں، یہ کافر ہے یا نہیں، سمجھ میں آیا؟ یا اس کا والد، اس کا بیٹا ہے وہ سب پتہ لگ سکتے ہیں آرام سے، تو ان چیزوں پر واقف ہوا جا سکتا ہے اور اس نے اس پر واقفیت حاصل نہیں کی اور ویسے ہی زکوٰۃ دے دی تو ادا نہیں ہوئی دوبارہ ادا کرنا پڑے گی۔

وَصَارَ كَالْأَوَانِي وَالثِّيَابِ اور یہ برتنوں اور کپڑوں کی طرح ہو گیا۔ کس کی طرح؟ بھائی دیکھیے مثلاً بہت سے برتن تھے اور ان میں نجس برتن مل گیا، اب ایک شخص نے تحری کر کے ایک برتن کے پانی سے وضو کر لیا، بعد میں اس کو پتہ چلا کہ یہ تو اس نے نجس برتن سے وضو کیا ہے تو اس پر وضو کا اعادہ لازم ہے، وضو کا اعادہ لازم ہے۔ اسی طرح بھائی نجس کپڑے اور کپڑوں کے اندر مل گئے، ایک شخص نے تحری کر کے کہ کون سے کپڑے پاک ہیں ان میں سے ایک کپڑا نکال لیا اور پہن لیا اور اس میں نماز ادا کی بھائی، پھر بعد میں پتہ چلا یہ تو اس نے کون سا کپڑا اس کے ہاتھ آ گیا تھا جو نجس تھا، ناپاک تھا، تو اس پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے، اس پر نماز کا اعادہ؟ تو جیسے وہاں پر وہ اعادہ واجب تھا وضو کے اندر بھی اور نجس کپڑے پہن لیے تھے ان میں نماز کا اعادہ واجب ہے، تو اسی طرح یہاں پر بھی زکوٰۃ اس نے دی ہے ایک ایسے شخص کو جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ کا اعادہ واجب ہو گا، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

وَلَهُمَا اور طرفین کی دلیل جو ہے **حَدِيثُ مَعْنِ بْنِ يَزِيدَ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِيهِ** اور طرفین کی دلیل معن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے بھائی، **فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِيهِ** پس اس کے اندر حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**يَا يَزِيدُ لَكَ مَا نَوَيْتَ، وَيَا مَعْنُ لَكَ مَا أَخَذْتَ**»، اے یزید! تمہارے لیے وہ ہے جس کی تم نے نیت کی ہے، یعنی تمہیں اس چیز کا ثواب ملے گا جس کی تم نے نیت کی ہے، **وَيَا مَعْنُ لَكَ مَا أَخَذْتَ** اور اے معن! تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے لے لیا ہے۔

بھائی صورت یہ پیش آئی تھی کہ حضرت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مال سے صدقہ نکالا اور کسی شخص کے حوالے کر دیا مسجد میں کہ یہ کسی مستحق زکوٰۃ کو یہ دے دینا۔ اب ان کے بیٹے تھے معن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ وکیل نے ان کو دے دیے بھائی، ان کو دے دیے اور پھر ذکر کیا ہو گا کہ یہ آپ کے والد کے ہیں، تو یہ بعد میں اپنے والد کے پاس بھی آئے اور ذکر کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ بھائی میں نے تو تمہارا ارادہ نہیں کیا تھا، یہ جو میں نے مال نکال کر دیا تھا اس کو تو میرا یہ ارادہ تو نہیں تھا کہ وہ تمہیں دے۔ تو یہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے ان کے والد سے: «**يَا يَزِيدُ لَكَ مَا نَوَيْتَ**»، اے یزید! تمہارے لیے وہی ہے جو تم نے نیت کی، یعنی تمہیں اسی چیز کا ثواب ملے گا جس کی تم نے نیت کی، اور ان کے بیٹے جنہوں نے وہ زکوٰۃ یا وہ صدقہ لیا تھا ان سے کہنے لگے: «**يَا مَعْنُ لَكَ مَا أَخَذْتَ**»، تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے لے لیا، یعنی جو تم نے لے لیا وہ تمہارا ہو گیا اور اے یزید! تمہیں جس چیز کی تم نے نیت کی تھی تمہیں اس کا ثواب مل گیا۔ تو یہ کس

کی دلیل؟ طرفین کی، طرفین کی۔

تو طرفین فرماتے ہیں کہ دیکھیے اس حدیث کے اندر وہ وکیل نے غلطی سے کس کو دے دیا؟ وکیل نے ان کے بیٹے کو دے دیا تھا اور پھر بھی دوبارہ ادائیگی کا حضور علیہ السلام نہیں فرمارہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**يَا يَزِيدُ لَكَ مَا نَوَيْتَ، وَيَا مَعْنُ لَكَ مَا أَخَذْتَ**» **وَقَدْ دَفَعَ إِلَيْهِ وَكِيلُ أَبِيهِ صَدَقَتَهُ** اور تحقیق حوالے کر دیا تھا ان کے ان کے والد کے وکیل نے **صَدَقَتَهُ** ان کا صدقہ، ان کے حوالے کر دیا تھا۔

اب دیکھیے یہاں اگرچہ یہ بھی احتمال ہے ہو سکتا ہے ان کے والد نے نفلی صدقہ دیا ہو، ہو سکتا ہے وہ زکوٰۃ دی ہو، صدقہ واجبہ دیا ہو لیکن استدلال ہے یہاں پر دراصل حضور علیہ السلام فرمارہے ہیں: «**لَكَ مَا نَوَيْتَ**»، اے یزید! تمہارے لیے اسی چیز کا ثواب ہے جو تم نے نیت کی ہے، «**مَا نَوَيْتَ**» جو بھی تم نے نیت کی ہے، معلوم ہوا نفلی صدقے کی نیت کی ہے تو اس کا ثواب مل جائے گا اور زکوٰۃ کی نیت کی ہے تو تمہیں اس کا ثواب مل تو یہ «**مَا نَوَيْتَ**» لفظ عام ہے، یہ نفلی کو بھی شامل ہو رہا ہے اور صدقہ واجبہ کو بھی، جو بھی نیت کی ہے تمہیں اس کا ثواب ملے گا بھائی۔ تو معلوم ہوا اگر اس طرح غلطی سے دے دیا جائے زکوٰۃ کسی غیر مستحق کو تو بھی ادا ہو جائے گی، اعادے کی ضرورت نہیں۔

اور دوسرا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی عقلی دلیل کا بھی جواب دے رہے ہیں بھائی۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ انہوں نے اس کو قیاس کیا تھا برتنوں اور کپڑوں پر اور فرمایا تھا کہ ان چیزوں پر واقف ہونا ممکن ہے، ممکن ہے۔ تو کہہ رہے ہیں بھائی ان چیزوں پر واقف یقینی طور پر کوئی بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ اجتہادی طور پر ہی اپنی کوشش سے ہی جو ہے وہ اندازہ لگا سکتا ہے۔ یقینی طور پر پتہ نہیں چل سکتا بھائی زکوٰۃ کس کو دے سکتے ہیں؟ تو زکوٰۃ کا بھائی زکوٰۃ کا مصرف جو ہیں وہ فقراء ہیں اور کسی کے فقر اور مالداری کا یقینی طور پر پتہ نہیں چل سکتا بھائی، بلکہ کس اس میں اجتہاد ہی اپنی کوشش ہو گی، سوچے گا، غور کرے گا اور جو محتاج اور مسکین معلوم ہو گا، مسکین دکھائی دے گا اس کو انسان زکوٰۃ وغیرہ دے دیتا ہے۔ یقینی طور پر تو یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ محتاج ہے یا محتاج نہیں ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ دوسرے کا مال ہے اس کو کیا پتہ اس کے پاس اتنا مال ہے یا نہیں ہے، اور کون ظاہر کرتا ہے بھائی اپنے مال کو؟ سمجھ میں آیا؟ تو یقینی طور پر چونکہ ان چیزوں کا پتہ چل ہی نہیں سکتا، صرف اپنی کوشش اور اجتہاد ہی ہو گا، اسی کے مطابق اب یہ شخص عمل کرے گا اور یہاں پر بھی اس نے کوشش تو کی ہے زکوٰۃ دیتے ہوئے لیکن یہ پھر بعد میں اس کا اندازہ تو یہی تھا یہ شاید زکوٰۃ کے مستحق ہیں لیکن بعد میں پتہ چلا یہ زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْوُقُوفَ عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ بِالِاجْتِهَادِ دُونَ الْقَطْعِ** اور اس لیے کیونکہ ان چیزوں پر واقف ہونا اجتہاد سے ہے **دُونَ الْقَطْعِ** نہ کہ یقینی طور پر، **فَيُبْنَى الْأَمْرُ فِيهَا عَلَى مَا يَقَعُ عِنْدَهُ** تو معاملے کی بنیاد اس کے اندر ہو گی اسی اجتہاد پر، اسی تحری پر جو اس کے نزدیک واقع ہو، جو کچھ اس کے نزدیک واقع ہو گا، جو اس کا اجتہاد ہو گا اسی پر معاملے کی بنیاد ہو گی، اور اس نے بھی کیا اجتہاد کیا کہ شاید یہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں بھائی۔

كَمَا إِذَا اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ جیسے کہ اس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے، جب قبلہ کسی پر مشتبہ ہو جائے تو کیا حکم بتلایا گیا؟ تحری کرے گا اور غالب رائے پر عمل کر لے گا اور اگر بعد میں پتہ چلے اس نے تو غلط طرف کو نماز پڑھ لی ہے تو کیا اس پر اعادہ ہے؟ اس پر اعادہ نہیں، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، اس نے تحری کر کے زکوٰۃ دے دی ہے بعد میں اگر پتہ چل پتہ بھی چل گیا کہ یہ مستحق نہیں تھا، یہ محل نہیں تھا ادائیگی کا تو بھی اس پر اعادہ نہیں ہے۔

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي غَيْرِ الْغَنِيِّ أَنَّهُ لَا يُجْزِيهِ، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مالدار کے علاوہ کے اندر **أَنَّهُ لَا يُجْزِيهِ** کہ یہ کافی نہیں ہو گا۔ امام صاحب سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جو اوپر افراد ذکر ہوئے ان میں سے اگر وہ شخص مالدار نکلا بعد میں جس کو کیا دی تھی؟ زکوٰۃ، پھر تو ادا ہو جائے گی زکوٰۃ۔ مالدار کے علاوہ جو صورتیں ذکر ہوئیں ہاشمی نکل آیا یا کافر نکل آیا یا اپنے اصول و فروع میں سے یعنی والد، دادا وغیرہ، نانا وغیرہ یا اولاد میں سے نیچے کوئی شخص نکل آیا تو پھر اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، پھر اعادہ کرنا پڑے گا۔ ہاں مالدار اگر نکل آیا تو پھر اعادے کی ضرورت نہیں، پھر اعادے کی ضرورت نہیں، کیونکہ مالدار فی الجملہ مستحق زکوٰۃ ہے۔ مالدار مجموعی اعتبار سے کسی نہ کسی طور پر اس مالِ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ بھائی آپ نے پڑھا یا نہیں وہ آیت کے اندر مصارفِ زکوٰۃ بیان ہوئے تھے، ان میں عاملین ذکر ہوئے تھے اور عاملین کو کس طریقے پر دیا جاتا ہے؟ کفایت کے طریقے پر دیا جاتا ہے نہ کہ زکوٰۃ، تو لہٰذا اگر وہ مالدار ہو پھر بھی وہ مال لے سکتا ہے جو کس کس کا مال ہے؟ کس چیز کا مال ہے؟ زکوٰۃ کا مال ہے، تو جو مالدار ہے وہ فی الجملہ کسی نہ کسی اعتبار سے اس مال کا حقدار ہے، لہٰذا اس لحاظ سے اس کو اگر دے دیا ہے تو اس میں تو اعادے کی ضرورت نہیں۔ یہ کون سی صورت بیان ہو رہی ہے جب غلطی سے دیا ہے، اس کا خیال تھا یہ محتاج ہے لیکن بعد میں کیا پتہ چلا؟ یہ مالدار ہے، ویسے تو مالدار کو دے گا زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی لیکن بہر حال فی مجموعی اعتبار سے کسی نہ کسی صورت میں مالدار کو بھی وہ مال دیا جا سکتا تھا زکوٰۃ والا، تو اس وجہ سے مالدار کے مسئلے کے اندر تو اعادے کی ضرورت نہیں لیکن باقی سب صورتوں میں کیا کرنا پڑے گا؟ اعادہ کرنا پڑے گا، پھر زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور ان لوگوں کو چاہیے اگر انہوں نے لے لیا ہے ان کو زکوٰۃ واپس کر دینی چاہیے بھائی جب اگر ان کو معاملے کا پتہ چل جائے کہ یہ زکوٰۃ ان کو ادا کی گئی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي غَيْرِ الْغَنِيِّ أَنَّهُ لَا يُجْزِيهِ،** اور امام صاحب سے مالدار کے علاوہ کے اندر یہ روایت ہے کہ یہ کافی نہیں ہو گا، **وَالظَّاهِرُ هُوَ الْأَوَّلُ** اور ظاہر روایت جو ہے وہ اول ہی ہے کہ مالدار کے علاوہ باقیوں کے اندر بھی اعادے کی ضرورت نہیں۔

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھیے، فتویٰ اس پر ہے کہ زکوٰۃ ان تمام صورتوں میں ادا ہو جائے گی **إِلَّا** یہ کہ وہ کافر ہو۔ جس نے زکوٰۃ دی تھی بعد میں پتہ چلا کہ وہ کیا نکلا، وہ کون ہے وہ آدمی؟ کافر ہے، پھر زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، زکوٰۃ دوبارہ ادا کرنا پڑے گی، لیکن اگر وہ بعد میں پتہ چلا وہ ہاشمی ہے یا مالدار ہے یا اپنی اولاد ہے یا اپنے اصول ہیں تو پھر زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن اس کے اندر یہ ضروری ہے کہ پہلے اس نے کیا کی ہو؟ تحری کی ہو، تحری۔ تحری کی ہو اگر اس کو شک ہے کہ پتہ نہیں یہ مالدار ہو گا یا یہ زکوٰۃ کا مستحق ہو گا یا زکوٰۃ کا مستحق نہیں، اس نے تحری کی اور پھر مال دیا۔ تحری ضروری ہے اس صورت میں جب اس کو شک ہو کہ پتہ نہیں یہ محتاج ہے یا محتاج نہیں، اگر شک نہیں ہے پھر تو بغیر تحری کے بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اگر شک ہے کہ پتہ نہیں یہ مالدار ہے، کہیں محتاج بھی ہے یا محتاج نہیں ہے تو پھر تحری ضروری ہے اور غور کرے اور جس طرف اس کا ذہن زیادہ جائے اس پر عمل کر لے، پھر اعادے کی ضرورت نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہی ذکر کر رہے ہیں: **وَهٰذَا إِذَا تَحَرَّى وَدَفَعَ** اور یہ اس صورت میں ہے جب اس نے تحری کی ہے اور حوالے کی ہے، **وَفِي أَكْبَرِ رَأْيِهِ أَنَّهُ مَصْرِفٌ** اور اس کی غالب رائے کے اندر وہ یہ اس کی غالب رائے یہ تھی کہ یہ بھی مصرفِ زکوٰۃ ہے۔ اس نے تحری کر کے مال دیا تھا اور اس کی غالب رائے کیا بنی تھی کہ یہ بھی مصرفِ زکوٰۃ ہے۔ **أَمَّا إِذَا شَكَّ وَلَمْ يَتَحَرَّ** اور باقی وہ صورت کہ جب اس کو شک ہوا **وَلَمْ يَتَحَرَّ** اور اس نے تحری نہیں کی اور ویسے ہی دے دیا، پھر تو اعادہ کرنا ہی پڑے گا کیونکہ شک بھی تھا اور پھر بھی تحری نہیں کی اس نے، **أَوْ تَحَرَّى** یا اس نے تحری تو کی **فَدَفَعَ** پھر حوالے بھی کر دیا **وَفِي أَكْبَرِ رَأْيِهِ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَصْرِفٍ** اور اس کی بڑی رائے یہ تھی کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں۔ بھائی اس نے اس کو ایک آدمی کے بارے میں شک تھا کہ یہ پتہ نہیں محتاج ہے یا محتاج نہیں، اس نے تحری کی، تحری کے اندر ذہن غالب جس طرف چلا گیا غالب گمان اس کا یہ ہوا کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے، یہ مالدار ہے، پھر بھی اس نے زکوٰۃ اس کو دے دی، پھر بھی؟ تو دیکھو غالب رائے کے مطابق اس نے دیا ہے یا اس کے خلاف کر کے عمل کرتے ہوئے دیا ہے؟ اس کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیا ہے، تو اس صورت میں پھر زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ **إِلَّا** ایک صورت میں پھر بھی ادا ہو جائے گی کہ بعد میں پتہ چلا کہ یہ واقعی مستحقِ زکوٰۃ تھا، اب تو بے شک غالب رائے کے خلاف دی ہے لیکن کس کو دی ہے؟ مستحقِ زکوٰۃ ہی کو دی ہے، وہ محتاج ہی نکلا تو پھر پھر تو ٹھیک ہو گئی بھائی۔

یہ معنی ہے: **أَوْ تَحَرَّى فَدَفَعَ** یا اس نے تحری کی پس پھر حوالے کر دی **وَفِي أَكْبَرِ رَأْيِهِ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَصْرِفٍ لَا يُجْزِيهِ** اور اس کی غالب رائے یہ تھی کہ وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے تو اس صورت میں **لَا يُجْزِيهِ** یہ اس کے لیے کافی نہیں، **إِلَّا إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ فَقِيرٌ** مگر یہ کہ جب پھر اس کو معلوم ہوا کہ یہ فقیر ہی تھا، **هُوَ الصَّحِيحُ** یہی قول صحیح ہے کہ پھر اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، چاہے بغیر تحری کے دی ہے، شک تھا پھر بھی تحری نہیں کی ویسے ہی زکوٰۃ دے دی اور بعد میں پتہ چلا واقعی یہ محتاج بھی تھا، پھر تو یقینی طور پر زکوٰۃ کہاں پر پہنچی ہے؟ اپنے محل کو پہنچی ہے، اپنے مصرف کو، ادا ہو جائے گی۔

وَلَوْ دَفَعَ إِلَى شَخْصٍ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ عَبْدُهُ أَوْ مُكَاتَبُهُ لَا يُجْزِيهِ، اور اگر حوالے کر دی کسی شخص کے زکوٰۃ، یہی صورت بھائی ایک شخص کو ایک آدمی نے کیا کیا؟ اپنی زکوٰۃ حوالے کر دی، **ثُمَّ عَلِمَ** پھر اس کو یہ معلوم ہوا **أَنَّهُ عَبْدُهُ** کہ یہ تو اس کا اپنا ہی غلام تھا **أَوْ مُكَاتَبُهُ** یا اس کا اپنا مکاتب تھا، **لَا يُجْزِيهِ** یہ کافی نہیں ہے بھائی، یہ کافی نہیں ہے۔ بھائی اس صورت میں کیوں نہیں کافی؟ کہتے ہیں بھائی اس لیے کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے اندر تملیک ضروری تھی کہ دوسرے کو مالک بنایا جائے، مالک بنایا جائے، اور غلام تو مالک بننے کا اہل ہی نہیں ہے اس کو تو جو کچھ دیا جائے گا وہ کس کس کا ہو گا؟ اس کے آقا کا ہو گا اور آقا تو خود یہی زکوٰۃ دینے والا ہے تو گویا یہ اپنے آپ کو زکوٰۃ ادا کر رہا ہے۔ تو یہاں دوسرے کی مالک بنانا پایا ہی نہیں گیا، جبکہ اوپر والی صورتوں میں مالک اپنے آپ کو بنا رہا تھا یا اپنے غیر کو بنا رہا تھا؟ اپنے غیر کو، تو وہاں غیر کو مالک بنانا تو کم از کم موجود تھا یہاں پر تو غیر کو سرے سے مالک بنانا ہی نہیں موجود اپنے آپ ہی کو زکوٰۃ دے رہا ہے، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور دوسرا اپنے اگر مکاتب کو دے دی تو یاد رکھیے مکاتب جو ہے وہ ٹھیک ہے وہ مال کا مالک بنتا ہے، اس نے ادائیگی کر کے اپنے آپ کو آزاد کروانا ہے لیکن اس کے مال کے اندر مالک کا باقاعدہ حق ہوتا ہے، وہ کما کر لا کر کس کو دیتا ہے؟ مالک کو دیتا ہے، ادائیگی کرتا ہے اپنے آپ کو چھڑواتا ہے، آزادی کروا اپنی آزادی کے لیے وہ کما رہا ہے تو وہ تو ٹھیک ہے مالک بنتا ہے لیکن اس کے مال میں کس کا حق؟ مالک کا حق ہے اور نیز اگر وہ ادا نہ کر سکا تو پھر کیا بن جائے گا؟ عام غلام بن جائے گا اور جو کچھ ہو گا اس کے پاس وہ سارا کس کا ہو جائے گا؟ اس کے مالک کا ہو جائے گا، تو لہٰذا وہاں پر بھی تملیک پورے طور پر نہیں ہے چونکہ، لہٰذا اس وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

یہ معنی ہے: **وَلَوْ دَفَعَ إِلَى شَخْصٍ** اور اگر زکوٰۃ کسی شخص کو دے دی، **ثُمَّ عَلِمَ** پھر اس کو یہ معلوم ہوا **أَنَّهُ عَبْدُهُ** کہ وہ اسی کا غلام ہے **أَوْ مُكَاتَبُهُ** یا اسی کا اپنا مکاتب ہے، **لَا يُجْزِيهِ** تو یہ کافی نہیں، **لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ** اس وجہ سے کہ مالک بنانا معدوم ہے یہاں پر، مالک بنانا یہاں نہیں پایا جا رہا، **لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْمِلْكِ** اس وجہ سے کہ مالک ہونے کی اہلیت ہی غلام میں نہیں ہے، وہ مالک بننے کی اہلیت ہی غلام سے معدوم ہے، **وَهُوَ الرُّكْنُ عَلَى مَا مَرَّ** اور وہ تو رکن ہے ادا ادائے زکوٰۃ کا **عَلَى مَا مَرَّ** بوجہ اس کے جو گزر گیا بھائی۔

وَلَا يَجُوزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلَى مَنْ يَمْلِكُ نِصَابًا مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ، اور جائز نہیں ہے زکوٰۃ دینا اس شخص کو جو نصاب کا مالک ہو **مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ** جس مال میں سے بھی وہ نصاب ہو، یہ ضروری شرط یاد رکھنا بھائی۔ بھائی اب تک آپ نے نصاب کی ایک قسم پڑھی تھی نصاب کی اور وہ تھا نصابِ نامی جس کے اندر زکوٰۃ آتی ہے، اور نصابِ نامی کیا چیز ہے؟ درہم ہیں، دنانیر ہیں، مالِ تجارت ہے اور سائمہ جانور ہیں۔ یہ سارے کیا ہیں؟ مالِ یہ سب مالِ نامی ہیں، نصابِ نامی ہیں نصاب تک اگر یہ پہنچتے ہوں، تو یہ ہیں نصابِ نامی، نصابِ نامی۔ لیکن یہاں کہہ رہے ہیں **مَنْ يَمْلِكُ نِصَابًا** وہ شخص جو نصاب کا مالک ہو **مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ** جس مال میں سے بھی ہو چاہے

وہ مالِ نامی ہو یا مالِ نامی نہ ہو، جس نصاب کا بھی مالک ہے اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی بھائی، زکوٰۃ دینا اس کو جائز نہیں۔

یاد رکھیے زکوٰۃ اس شخص کو دی جاسکتی ہے جو اپنی ضروریات سے یعنی اپنی حاجتِ اصلی سے، حاجتِ اصلی جس کی انسان کو ضرورت ہے بھائی، جس کی انسان کو ضرورت ہے اور یہ حاجتِ اصلی سے زائد مال چاہے کسی بھی صورت میں ہو وہ نصاب کو نہ پہنچتا ہو، اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ اور جس کے پاس اپنی ضروریات سے زائد نصاب کے بقدر مال ہے چاہے مالِ نامی نہیں ہے لیکن کیا ہے؟ نصاب کے بقدر مال ہے اس کے پاس اپنی ضروریات سے زائد، وہ نصاب کا مالک ہوا اور جو شخص اپنی ضروریات سے زائد نصاب کا مالک ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

تو ضروریات سے زائد مال کس کو کہیں گے؟ حاجتِ اصلی سے زائد مال کس کو کہیں گے؟ یاد رکھیے حاجتِ اصلی سے زائد مال وہ ہے جس کی بہت جو کبھی کبھار ہی جس کی ضرورت پیش آتی ہے، بہت کم سال میں ایک آدھ مرتبہ ہی جا کر اس چیز کی اس کو ضرورت پیش آتی ہے تو یہ اس کی ضرورت سے زائد کہیں گے اس کو، کیا کہیں گے؟ ضرورت سے زائد کہیں گے جس کے اور جو چیزیں عام استعمال میں آتی ہیں وہ جتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ سب کہیں گے یہ حاجتِ اصلی میں مشغول ہیں۔ چاہے اس کے پاس گاڑی ہے اس کی تو اس کو روز ضرورت پڑتی ہے وہ اس کی حاجتِ اصلی میں مشغول ہے، سمجھ میں آیا؟ اس کا اپنا مکان ہے لیکن پھر بھی وہ کس میں مشغول ہے؟ اسی کی رہائش میں اس کے اندر اس کو ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح اس کے پاس گھر پر اور بہت سامان ہے لیکن وہ سب اس کے استعمال میں آتا رہتا ہے تو یہ سب کیا ہیں؟ ان کو کہا جائے گا یہ اس کی حاجتِ اصلی میں مشغول ہیں، ہاں جو چیزیں بہت ہی قلیل کبھی استعمال میں آتی ہیں یا کبھی آتی ہی نہیں ہیں اس نے ویسے ہی رکھی ہوئی ہیں تو وہ اس کو کہیں گے یہ حاجتِ اصلی سے زائد ہے۔

مثلاً مثلاً ایک شخص کے پاس دو مکان ہیں بھائی، ایک مکان میں وہ رہتا ہے، ایک مکان میں وہ رہتا ہے دوسرا مکان ویسے ہی اس کے پاس موجود ہے، ضرورت ہی نہیں اس کو لیکن رکھا ہوا ہے اس نے ویسے ہی بھائی، تو یہ ضرورت سے زائد ہوا یہ مکان۔ اور جب ضرورت سے زائد ہوا، حاجتِ اصلی سے زائد ہوا اور تو پھر اس کی قیمت لگائیں گے، یہ نصاب کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور یقیناً مکان ہے تو وہ تو نصاب کو پہنچے گا، اس کی تو قیمت بہت زیادہ ہو گی تو اس شخص کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ لیکن اس کے بجائے اگر ایک ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس ضروریات کی ساری چیزیں موجود ہیں لیکن زائد چیز نہیں ہے، استعمال کرتا ہے، ساری چیزیں استعمال میں آنے والی ہیں تو اس شخص میں کے پاس اگر نصاب سے زائد چیز، حاجتِ اصلی سے زائد چیز نصاب کے بقدر نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو آپ یہ نہ کہیں ایک آدمی ہے اس کے پاس موٹر سائیکل ہے یا اس کے پاس گاڑی ہے تو آپ کہیں بھائی اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، ضابطہ بیان ہو گیا، سمجھ میں آیا بھائی؟ نصاب کے بقدر اس کے پاس ویسے عموماً تو ہو گا اس کے پاس، جس کے پاس گاڑی ہے کیا ہو گا اس کے پاس؟ نصاب کے بقدر زائد کچھ نہ کچھ، لیکن اگر اس کے پاس نہیں ہے تو بے شک گاڑی ہو اس کے پاس پھر بھی کیا کیا جاسکتا ہے؟ اس کو زکوٰۃ دی یا اس کے پاس گاڑی تو ہے مثلاً مال بھی ہے لیکن وہ مال دین کے ساتھ مشغول ہے سارا، اس اور حاجتِ اصلی سے زائد اتنا مال بنتا ہی نہیں ہے جس سے وہ جو کس کو پہنچتا ہو؟ نصاب کو پہنچتا ہو، تو بھی اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یا مثلاً بھائی ایک شخص ہے اس کے پاس تین چار مکان ہیں، ایک میں وہ خود رہتا ہے اور تین چار وہ کرائے پر اس نے دیے ہوئے ہیں لیکن انہی کی آمدنی سے اس کے گھر کا سارا خرچہ چلتا ہے اور تو وہ اس کی حاجتِ اصلی کے اندر مشغول ہیں یاد رکھیے بھائی، اور اس کے علاوہ اور ضروریات کی چیزوں کے اندر اس کے پاس خرچہ بڑی مشکل سے چلتا ہے، نصاب کے بقدر مال زائد ہے ہی نہیں تو بھی یہ مستحقِ زکوٰۃ ہے، اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ جو چیزیں انسان کے روزمرہ اور عام استعمال میں آتی ہیں وہ کیا کہیں گے؟ یہ اس کی حاجتِ اصلی میں مشغول ہیں اور ان سے زائد اگر کوئی چیز ہے جس کی ضرورت کبھی کبھار ہی پیش آتی ہے، کبھی سال میں ایک آدھ مرتبہ کبھی پیش آجائے ایسی چیزیں ہیں تو یہ اور وہ چیزوں ان کی قیمت کس کو پہنچتی ہے؟ نصاب کے بقدر مال کو پہنچتی ہے تو یہ نصاب کا مالک ہوا، اس کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اور اگر نصاب کو نہیں پہنچتی تو پھر یہ زکوٰۃ کا مستحق ہے، اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیونکہ حاجتِ اصلی سے زائد اس کے پاس کوئی بھی نصاب کے بقدر مال نہیں، مالِ نامی کو نہیں دیکھنا بلکہ نصاب کے زائد، حاجتِ اصلی سے زائد نصاب کو نہ پہنچتا ہو، مثلاً جیسے میں نے مثال ذکر کر دی۔ اب ایک شخص ہے اس کے دو مکان ہیں، دوسرا مکان اس نے کوئی بیچنے کے لیے تو نہیں رکھا ہوا، اس نے تو ویسے ہی کہ چلو ایک دوسرا بھی مکان میرا ہو گا اس نے بنوا لیا تھا تو یہ مالِ تجارت نہیں، جب مالِ تجارت نہیں تو یہ مالِ نامی نہیں، تو مالِ نامی تو بے شک نہیں ہے لیکن کیا اس میں یہ کیا ہے؟ حاجتِ اصلی سے زائد ہے، حاجتِ اصلی سے زائد ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو نصاب کتنی قسم کا؟ ایک نصابِ نامی ہے اور ایک عام نصاب ہے۔ نصابِ نامی تو چار چیزوں کے اندر ہی آئے گا: درہم ہیں، دنانیر ہیں، اسی طرح کرنسی بھی اس کے اندر آگئی اور مالِ تجارت ہے اور سائمہ جانور ہیں جو ہیں، ان کے اندر جو نصاب ہے وہ نصابِ نامی کہلاتا ہے کیونکہ یہ سب مال نامی ہیں، بڑھنے والے ہیں۔ جبکہ ان کے علاوہ ضرورت سے زائد چیزوں کے اندر اگر ہم دیکھتے ہیں تو وہ نصاب کو اگر پہنچیں بھی تو وہ مال نامی نہیں ہے، تو نصاب تو ہوا لیکن نصابِ نامی نہیں تو زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص جو ہے نہ تو نصابِ نامی کا مالک ہو اور نہ کسی ضرورت سے زائد نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح مسئلہ سمجھ میں

آ گیا؟

یہ معنی ہے: **وَلَا يَجُوزُ دَفْعُ الزَّكَاةِ إِلَى مَنْ يَمْلِكُ نِصَابًا مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ** اور جائز نہیں ہے زکوٰۃ دینا اس شخص کو جو نصاب کا مالک ہو **مِنْ أَيِّ مَالٍ كَانَ** جس مال میں سے بھی وہ ہو، چاہے مالِ نامی ہو چاہے مالِ نامی نہ ہو، **لِأَنَّ الْغِنَى الشَّرْعِيَّ مُقَدَّرٌ بِهِ** اس لیے کیونکہ شرعی مالداری جو ہے اسی کے ساتھ جو ہے اس کو مقرر کیا گیا ہے۔ شرعاً مالدار کس کو کہتے ہیں جو کتنے مال کا مالک ہو؟ نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو تو شرعاً اس کو کیا شمار کیا جاتا ہے؟ مالدار، تو لہٰذا یہ مالدار ہوا یہ مستحقِ زکوٰۃ نہیں۔ یہ معنی ہے **لِأَنَّ الْغِنَى الشَّرْعِيَّ مُقَدَّرٌ بِهِ** اس لیے کیونکہ شرعی مالداری وہ اسی کے ساتھ اس کا اندازہ کیا گیا ہے، **وَالشَّرْطُ أَنْ يَكُونَ فَاضِلًا عَنِ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ** اور شرط اس کی یہ ہے کہ وہ جو نصاب ہے وہ زائد ہونا چاہیے اس کی حاجتِ اصلی سے، **وَإِنَّمَا النَّمَاءُ شَرْطُ الْوُجُوبِ** اور نماء کی نماء جو تھا وہ تو وجوب کی شرط تھی، نصابِ نامی کی بھائی شرط کیوں ہوتی تھی؟ وہ تو وجوبِ زکوٰۃ کے لیے شرط تھا نصابِ نامی کا مالک ہونا، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور مستحقِ زکوٰۃ ہونے کے لیے نامی ہونے کی شرط بھی نہیں ہے بھائی، تو اگر نامی غیر نامی نصاب کا بھی مالک ہو یہ مستحقِ زکوٰۃ نہیں ہو گا بھائی، تو اس میں نصابِ نامی کا ہونا ضروری نہیں ہے بھائی۔ یہاں تک مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

وَيَجُوزُ دَفْعُهَا إِلَى مَنْ يَمْلِكُ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا مُكْتَسِبًا، یہاں سے یہ مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ جس شخص کے پاس اپنی حاجتِ اصلیہ سے زائد نصاب کے بقدر مال نہیں ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگرچہ یہ تندرست ہے، صحیح سلامت ہے، کمانے والا ہے پھر بھی اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ یہ مالدار نہیں ہے، نصاب کے بقدر زائد مال کا مالک نہیں ہے اور معلوم ہوا یہ محتاج ہے اور جب محتاج ہے تو وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے، اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ یہ معنی ہے **وَيَجُوزُ دَفْعُهَا إِلَى مَنْ يَمْلِكُ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ** اور جائز ہے زکوٰۃ دینا اس شخص کو جو اس سے کم کا مالک ہے یعنی نصاب سے کم کا مالک ہے **وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا مُكْتَسِبًا** اگرچہ وہ تندرست ہو، کمانے والا ہو، **لِأَنَّهُ فَقِيرٌ** کیونکہ وہ محتاج فقیر ہے، محتاج ہے، **وَالْفُقَرَاءُ هُمُ الْمَصَارِفُ** اور فقراء ہی تو زکوٰۃ کے مصارف ہیں، **وَلِأَنَّ حَقِيقَةَ الْحَاجَةِ لَا يُوقَفُ عَلَيْهَا** دوسری دلیل کہتے ہیں اور اس لیے کیونکہ حاجت کی حقیقت پر جو ہے تو واقف نہیں ہوا جا سکتا۔ بھائی اس پر تو کوئی بھی مطلع نہیں ہو سکتا کہ یہ شخص واقعی ضرورت مند ہے، واقعی محتاج ہے یا محتاج نہیں؟ کیا کسی کی پیشانی پر لکھا ہوتا ہے یہ محتاج ہے یا محتاج نہیں؟ اندازہ ہی لگانا پڑتا ہے اور آپ کہیں جی پوچھا جا سکتا ہے اس سے، بھائی پوچھنے میں بھی کیا پتہ ہے وہ یقینی خبر آپ کو پوری بات بتاتا ہے یا پوری بات نہیں بتاتا؟ تو لہٰذا حقیقتاً کوئی محتاج ہے یا محتاج نہیں اس پر واقف نہیں ہوا جا سکتا، لہٰذا لہٰذا حکم کا دار و مدار دلیل پر ہو گا، کس پر؟ دلیل پر ہو گا، اور دلیل کیا ہے کہ یہ مالدار نہیں ہونا چاہیے اس کی کیا دلیل ہے؟ کہ نصاب کے بقدر مال اس کے پاس نہیں ہے، یہ دلیل ہے کہ یہ محتاج ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟

وَلِأَنَّ حَقِيقَةَ الْحَاجَةِ لَا يُوقَفُ عَلَيْهَا اس لیے کیونکہ حقیقی حاجت جو ہے اس پر واقف نہیں ہوا جا سکتا، **فَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَى دَلِيلِهَا** تو حکم جو ہے وہ دائر ہو گا اس کی دلیل پر، **وَهُوَ فَقْدُ النِّصَابِ** اور وہ نصاب کا نہ ہونا ہے۔ **فَقْدُ** کا معنی کھو دینا، نہ پانا بھائی، تو **وَهُوَ فَقْدُ النِّصَابِ** اور وہ نصاب کا نہ ہونا ہے۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى وَاحِدٍ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَصَاعِدًا وَإِنْ دَفَعَ جَازَ، بھائی یاد رکھیے زکوٰۃ کا مال ہے، آپ چاہیں تو کئی فقراء میں تقسیم کر دیں اور چاہیں تو ایک ہی فقیر کو سارا مال دے دیں، آپ کی مرضی ہے۔ اور لیکن ایک ہی فقیر کو اتنا مال نہ دے کہ وہ نصاب کو پہنچ رہا ہو، یعنی ایک ہی فقیر کو دو سو درہم کے برابر، دو سو درہم کے برابر رقم دے دینا یہ مکروہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے، لیکن اگر دے دی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بھائی، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ یہ معنی ہے: **وَيُكْرَهُ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى وَاحِدٍ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَصَاعِدًا** اور مکروہ ہے کہ دے دے ایک ہی فقیر کو دو سو درہم یا اس سے زیادہ، **وَإِنْ دَفَعَ جَازَ** اور اگر دے دیے تو جائز ہے بھائی، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوزُ، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز ہی نہیں ہے، دو سو درہم تو نصاب ہے اتنا کسی فقیر کو دے دیا تو آپ نے اس کو کیا کر دیا؟ مالدار بنا دیا، مالدار بنا دیا۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ ادھر آپ زکوٰۃ ادا کر رہے ہیں، ساتھ ہی وہ مالدار بھی ہو رہا ہے۔ ایک ہے آپ کی زکوٰۃ کی ادائیگی، آپ زکوٰۃ دے رہے ہیں اور کتنے دے رہے ہیں؟ دو سو درہم سے زیادہ، تو ادھر زکوٰۃ دے رہے ہیں اور اسی لمحے کے اندر وہ مالدار بھی بن رہا ہے تو ادائیگی کے ساتھ اس کا مالدار ہونا ملا ہوا ہے، جس لمحے میں آپ کیا کر رہے ہیں؟ اس کو دو سو درہم کے یا اس سے زائد رقم دے رہے ہیں اسی لمحے کے اندر وہ کیا بن رہا ہے؟ مالدار بن رہا ہے تو ادائے زکوٰۃ اور اس شخص کا مالدار ہونا ایک ہی لمحے کے اندر یہ چیزیں ہو رہی ہیں تو یہ گویا اسی طرح ہے آپ ایک مالدار کو زکوٰۃ دے رہے ہیں، کیونکہ ادائیگی کس کے ساتھ ہے؟ مالدار ہونے کے ساتھ ہی ملی ہوئی ہے تو لہٰذا آپ یوں یہ تو یہی صورت بن گئی گویا آپ ایک مالدار اور غنی کو کیا کر رہے ہیں؟ زکوٰۃ دے رہے ہیں اور مالدار آدمی وہ تو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے لہٰذا آپ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوزُ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے، **لِأَنَّ الْغِنَى قَارَنَ الْأَدَاءَ** اس لیے کیونکہ مالداری جو ہے وہ مل گئی ہے ادا کے ساتھ یعنی ایک ہی لمحے میں دونوں چیزیں ہو رہی ہیں، **فَحَصَلَ الْأَدَاءُ إِلَى الْغَنِيِّ** تو ادا حاصل ہوئی مالدار کو، ادا کس کو ہو گئی؟ ادائے زکوٰۃ مالدار کو ہو گئی اور یہ تو درست نہیں۔

وَلَنَا اور ہماری دلیل یہ، ہماری دلیل یہ کہ ایک ہے زکوٰۃ کی ادائیگی اور ایک ہے اس شخص کا مالدار ہونا، ہمارے نزدیک حکم کیا تھا؟ مکروہ ہے لیکن اگر دے دی تو ادا ہو جائے گی۔ ہم کہتے ہیں ایک ہے اس شخص اس شخص کو زکوٰۃ کی ادائیگی اور ایک چیز ہے اس کا مالدار ہونا، امام زفر رحمہ اللہ نے کیا فرمایا؟ یہ دونوں ایک ہی لمحے کے اندر ہو رہی ہیں، جس لمحے میں ادائیگی ہو رہی ہے اسی لمحے میں وہ کیا ہو رہا ہے؟ مالدار ہو ہم کہتے ہیں نہیں۔ ادائیگی جو ہے ادائیگی، یہ ہے سبب اور مالدار ہونا اس کا حکم ہے۔ مال ہم اس کو دیں گے تو وہ مالدار بنے گا، پہلے تو معلوم ہوا ادائیگی پہلے ہے، مالدار ہونا بعد میں ہے تو جس وقت ادائیگی کی وہ مالدار نہیں اور جب مالدار ہوا اس وقت ادائیگی نہیں وہ تو پہلے ہو چکی ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو ہمارے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ یہ ہے سبب اور مالدار ہونا حکم ہے، ادائیگی ہو گی تو مالدار ہو گا، ادائیگی نہیں تو مالدار بھی نہیں، تو ادائیگی ہے سبب اور مالدار ہونا اس کا حکم، اور سبب ہمیشہ مقدم ہوتا ہے کس پر؟ حکم پر۔ تو پہلے سبب پایا گیا ادائیگی پائی گئی اس وقت اب یہ مالدار نہیں تھا، اور اگلے ہی لمحے میں یہ کیا ہو گیا؟ مالدار ہو گیا لیکن اس میں ادائیگی نہیں وہ تو پہلے ہو چکی ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

وَلَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے **أَنَّ الْغِنَى حُكْمُ الْأَدَاءِ** کہ مالداری وہ ادا کا حکم ہے، **فَيَتَعَقَّبُهُ** تو وہ اس کے پیچھے ہو گی، اس کے بعد ہو گی مالداری، **لَكِنَّهُ يُكْرَهُ** لیکن یہ مکروہ ہے ہمارے نزدیک، زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی لیکن مکروہ ہو جائے گی، **لِقُرْبِ الْغِنَى مِنْهُ** اس لیے کیونکہ مالداری ادائیگی کے قریب آگئی۔ ایک لمحے میں ادائیگی ہو رہی ہے تو اگلے میں وہ کیا بن رہا ہے؟ مالدار، تو مالداری ادائیگی کے قریب ہی ہے اس لیے مکروہ ہے بھائی، ساتھ ملی ہوئی ہے۔ تو کہتے ہیں **لَكِنَّهُ يُكْرَهُ** لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے **لِقُرْبِ الْغِنَى مِنْهُ** اس وجہ سے کہ مالداری اس ادائیگی کے قریب ہی ہے، **كَمَنْ صَلَّى وَبِقُرْبِهِ نَجَاسَةٌ** یہ اسی شخص کی طرح ہے جس جو نماز پڑھتا ہے اور اس کے قریب ہی نجاست پڑی ہوئی ہے، اس کے قریب ہی کیا پڑی ہے؟ نجاست پڑی ہوئی ہے تو اس کا نماز یہاں پر پڑھ رہا ہے نجاست کے قریب نماز تو ہو جائے گی لیکن مکروہ ہے بھائی، تو یہ بھی اسی طرح ہے۔

قَالَ: وَأَنْ يُغْنِيَ بِهَا إِنْسَانًا أَحَبُّ إِلَيَّ، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وَأَنْ يُغْنِيَ بِهَا إِنْسَانًا أَحَبُّ إِلَيَّ** اور یہ کہ بے نیاز کر دیا جائے اس زکوٰۃ کے ذریعے کسی انسان کو **أَحَبُّ إِلَيَّ** یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ کیا کر دیا جائے؟ ہاں یعنی اتنا مال دے دے کہ اس کو سوال کرنے سے بے نیاز کر دے، اس کو کسی سے مانگنا نہ پڑے، تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بھائی۔ تو یہ معنی ہے: **وَأَنْ يُغْنِيَ بِهَا إِنْسَانًا** اور یہ کہ بے پرواہ کر دیا جائے اس کے ذریعے کسی انسان کو **أَحَبُّ إِلَيَّ** یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔

مَعْنَاهُ صاحبِ ہدایہ معنی بیان کر رہے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ **الْإِغْنَاءُ عَنِ السُّؤَالِ،** بے نیاز کرنا یعنی کس چیز سے بے نیاز کرنا؟ سوال، جی، **الْإِغْنَاءُ عَنِ السُّؤَالِ** سوال کرنے یعنی مانگنے سے بے نیاز کرنا، **لِأَنَّ الْإِغْنَاءَ مُطْلَقًا مَكْرُوهٌ،** تو امام اوپر آیا نا **أَنْ يُغْنِيَ بِهَا** اس کا معنی مالدار تو نہیں کہ اس کو مالدار کا، امام محمد رحمہ اللہ یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ اس کو مالدار کر دینا یہ مجھے پسند ہے، بلکہ کیا مراد ہے؟ مانگنے سے اس کو بے نیاز کر دینا یہ مجھے زیادہ پسند ہے، **لِأَنَّ الْإِغْنَاءَ مُطْلَقًا مَكْرُوهٌ** اس لیے کیونکہ مطلقاً بے نیاز کر دینا یعنی مالدار بنا دینا یہ تو مکروہ ہے، ابھی اوپر ذکر ہوا کہ اتنے مال کا مالک بنا دیں کہ وہ کیا بن جائے؟ صاحبِ نصاب بن جائے یہ مکروہ ہے بھائی۔

وَيُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكَاةِ مِنْ بَلَدٍ إِلَى بَلَدٍ، یاد رکھیے بھائی زکوٰۃ جس شہر والوں سے لی جائے گی انہی کے اندر اس کو تقسیم کیا جائے گا۔ لہٰذا کوئی شخص خود زکوٰۃ دیتا ہے اپنے شہر والے وہ زیادہ حقدار ہیں، وہ اس کے پڑوسی ہیں، اس کے پاس رہنے والے ہیں تو انہی فقراء کو زکوٰۃ دے، تو ایک شہر سے دوسرے شہر زکوٰۃ بھیجنا یہ مکروہ ہے۔ رہتا وہ شخص لاہور میں ہے اور اپنی زکوٰۃ وہ بھیجتا ہے فیصل آباد، یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے، جہاں رہتا ہے انہی اسی شہر والے فقیروں کو دے۔

ہاں البتہ اگر اس کے مثلاً جس شہر میں یہ زکوٰۃ بھیج رہا ہے وہاں اس کے کوئی رشتہ دار وغیرہ ہیں بھائی اور وہ بھی بیچارے فقراء ہیں، محتاج ہیں تو پھر بھیج سکتا ہے، پھر ان کو بھیجنا مکروہ بھی نہیں، یا دوسرے شہر کو اس لیے بھیج رہا ہے کہ دوسرے شہر والے لوگ اس شہر والوں سے زیادہ محتاج ہیں تو پھر اس صورت میں بھیجنا مکروہ بھی نہیں، پھر بھیج سکتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں تو ایک شہر سے دوسرے شہر ویسے زکوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے لیکن بہر حال زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ دینی کس کو ہے زکوٰۃ؟ فقراء کو، تو جہاں بھی دے دی جائے ادا ہو جائے گی۔

وَيُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكَاةِ مِنْ بَلَدٍ إِلَى بَلَدٍ اور مکروہ ہے زکوٰۃ نقل کرنا ایک شہر سے دوسرے شہر کو، **وَإِنَّمَا تُفَرَّقُ صَدَقَةُ كُلِّ فَرِيقٍ فِيهِمْ** اور تقسیم کیا جائے گا صدقہ ہر فریق کا انہی میں، ہر فریق کا؟ ہر فریق، ہر گروہ کا صدقہ جو ہے ان کی زکوٰۃ انہی میں یعنی انہی کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی، **لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ** بوجہ اس حدیث کے جو ہم نے روایت کر دی یعنی حدیثِ معاذ بھائی، حدیثِ معاذ میں کیا آیا تھا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ انہی کے مالداروں سے زکوٰۃ لے کر انہی کے فقراء پر لوٹا دینا، معلوم ہوا انہی پر لوٹانا بہتر ہے۔ یہ تو ایک نقلی دلیل ہو گئی، نیز **وَفِيهِ رِعَايَةُ حَقِّ الْجِوَارِ** نیز اس کے اندر پڑوس کے حق کی بھی رعایت ہے کہ پاس والوں کو دی جائے، تو پڑوسیوں کی بھی رعایت ہو گئی۔

إِلَّا أَنْ يَنْقُلَهَا الْإِنْسَانُ إِلَى قَرَابَتِهِ أَوْ إِلَى قَوْمٍ هُمْ أَحْوَجُ مِنْ أَهْلِ بَلَدِهِ، مگر یہ کہ منتقل کرے اس کو منتقل کرے انسان اس زکوٰۃ کو **إِلَى قَرَابَتِهِ** اپنے رشتہ داروں کو جو دوسرے شہر میں ہیں، **أَوْ إِلَى قَوْمٍ** یا ایسے لوگوں کی طرف **هُمْ أَحْوَجُ مِنْ أَهْلِ بَلَدِهِ** جو زیادہ محتاج ہیں اس کے اپنے شہر والوں

سے تو پھر ٹھیک ہے، **لِمَا فِيهِ مِنَ الصِّلَةِ** اس وجہ سے کہ اس کے اندر صلہ رحمی ہے، اپنے رشتہ داروں کو بھیجے گا دوسرے شہر میں تو پھر مکروہ بھی نہیں کیونکہ اس کے اندر کیا آگئی؟ ایک تو زکوٰۃ اپنے مصرف کو پہنچ رہی ہے اور نیز ساتھ ساتھ صلہ رحمی بھی ہے، رشتہ داروں سے نیک سلوک ہے، **أَوْ زِيَادَةِ دَفْعِ الْحَاجَةِ** اس اور اس وجہ سے کہ اس کے اندر حاجت کو دور کرنا زیادہ پایا جارہا ہے۔ یہ اس کا تعلق **إِلَى قَوْمٍ هُمْ أَحْوَجُ مِنْ أَهْلِ بَلَدِهِ** اس کے ساتھ ہے۔ تو ایک اس کے اپنے شہر والے محتاج ہیں اور ایک دوسرے شہر والے ہیں وہ بھی محتاج ہیں لیکن وہ زیادہ محتاج ہیں تو پھر ان کو بھیجنا اور زکوٰۃ کو یہاں سے منتقل کرنا مکروہ بھی نہیں کیونکہ اس کے اندر جو زیادہ محتاج بھی ہے اس کو دور کرنا ہے۔ یہ معنی ہے **أَوْ زِيَادَةِ دَفْعِ الْحَاجَةِ** یا اس کے اندر زیادہ حاجت کو دور کرنا ہے۔

وَلَوْ نَقَلَ إِلَى غَيْرِهِمْ أَجْزَأَهُ اور اگر نقل کیا اس شہر والوں کے علاوہ کی طرف **أَجْزَأَهُ** تو بھی کافی ہو جائے گی، مکروہ تو ہے لیکن زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، **وَإِنْ كَانَ مَكْرُوهًا** اگرچہ یہ مکروہ ہے، **لِأَنَّ الْمَصْرِفَ مُطْلَقُ الْفُقَرَاءِ بِالنَّصِّ** اس لیے کیونکہ زکوٰۃ کا مصرف جو ہیں وہ مطلق فقراء ہیں نص کی وجہ سے: ﴿**إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ**﴾، کیا پتہ چلا کہ زکوٰۃ کا مصرف کون ہے؟ فقراء ہیں، تو یہ بے شک دوسرے شہر بھیج رہا ہے لیکن ہیں تو وہاں بھی فقراء، لہٰذا ادا ضرور ہو جائے گی اگرچہ مکروہ ہے۔ **وَاللّٰهُ أَعْلَمُ** اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

■ بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ، یہ باب ہے صدقہ فطر کے بیان میں

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ یہ باب ہے صدقہ فطر کے بیان میں۔

قَالَ: صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ فَاضِلًا عَنْ مَسْكَنِهِ وَثِيَابِهِ وَأَثَاثِهِ وَفَرَسِهِ وَسِلَاحِهِ وَعَبِيدِهِ.

صاحبِ قدوری فرماتے ہیں صدقہ فطر واجب ہے **عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ** آزاد مسلمان پر، **إِذَا كَانَ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ** جب وہ مالک ہو نصاب کی مقدار کا، نصاب کی مقدار کا۔ بھائی ابھی ذکر ہوا تھا ایک ہے نصابِ نامی اور وہ کس میں ہے؟ درہم، دنانیر ہیں، کرنسی ہے، مالِ تجارت ہے اور سائمہ جانور ہیں، لیکن یہ یاد رکھیے وہ زکوٰۃ کے اندر ضروری تھا جس کے پاس نصابِ نامی ہوگا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جس کے پاس نصابِ نامی نہیں اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں، لیکن صدقہ فطر میں ایسا نہیں ہے، صدقہ فطر کے اندر جو ابھی دوسرا نصاب ذکر ہوا تھا کہ کسی بھی مال میں سے کیا ہو؟ نصاب کے بقدر اس کی ضرورت سے، حاجتِ اصلی سے زائد مال کس مقدار کو پہنچ رہا ہے؟ نصاب کو، تو بے شک نصابِ نامی نہیں لیکن کیا ہے؟ نصاب تو موجود ہے تو حاجتِ اصلی سے زائد جو بھی مال اس کے پاس ہے وہ حساب لگائیں گے، وہ نصاب کو پہنچتا ہو چاہے نصابِ نامی نہیں لیکن نصاب کو پہنچ رہا ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو یہاں نصاب سے مراد وہ نصاب عام ہے چاہے نامی ہو چاہے غیر۔ دیکھیے خود آگے یہ بیان کریں گے متن میں دیکھیے گا بھائی۔

کہتے ہیں صدقہ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر **إِذَا كَانَ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ** جبکہ وہ مالک ہو نصاب کی مقدار کا، **فَاضِلًا عَنْ مَسْكَنِهِ وَثِيَابِهِ وَأَثَاثِهِ وَفَرَسِهِ وَسِلَاحِهِ وَعَبِيدِهِ** اس حال میں کہ یہ جو نصاب ہے یہ زائد ہو، دیکھو دیکھا بھائی؟ زائد ہو **عَنْ مَسْكَنِهِ** اس کی رہائش سے، **وَثِيَابِهِ** اور اس کے کپڑوں سے، **وَأَثَاثِهِ** اور اس کا جو سامان ہے گھر کا سامان وغیرہ سارا، **وَأَثَاثِهِ** اور اس کا جو سامان ہے، **وَفَرَسِهِ** اور اس کے گھوڑے سے، **وَسِلَاحِهِ** اور اس کے اسلحے سے، **وَعَبِيدِهِ** اور اس کے غلاموں سے، کس سے؟ میں نے کیا ذکر کیا تھا؟ ایک آدمی کے پاس بے شک گاڑی بھی ہے پھر بھی وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے اگر اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد نصاب کے بقدر مال اس کے پاس نہیں، دیکھو وہی مثالیں آرہی ہیں۔ یہ شخص ذکر ہو رہا ہے اس کے پاس غلام بھی ہیں بہت سارے، **عَبِيدِهِ** اس کے غلام ہیں اور غلام تو بڑے مالدار کے پاس ہو سکتا تھا ہر ایک کے پاس نہیں، **وَفَرَسِهِ** فرس کا بھی ذکر آرہا ہے، فرس بھی ہر ایک کے پاس نہیں ہوتا تھا تو چاہے بظاہر اس کے پاس استعمال کی چیزیں زیادہ ہیں لیکن ان کا اعتبار نہیں، یہ تو ساری کس کے اندر مشغول ہیں؟ حاجتِ اصلی کے اندر۔ ان سے زائد چیز اب کس کو کہیں گے حاجتِ اصلی سے زائد چیز؟ میں نے کیا بتلایا؟ جو بہت ہی کم استعمال میں آتی ہیں، کبھی سال میں ایک آدھ دفعہ ہی ان کی ضرورت پیش آتی ہے یا سالوں میں کبھی ایک آدھ دفعہ ضرورت پیش آتی ہے تو یہ سب کیا ہیں؟ حاجتِ اصلی سے زائد، اور جو چیزیں روزمرہ اور عام استعمال میں آتی رہتی ہیں ان میں سے کوئی بھی ضرورت سے زائد نہیں ہے بھائی۔

تو یہ معنی ہے جبکہ وہ نصاب کی مقدار کا مالک ہو اس حال میں کہ وہ نصاب زائد ہو اس کی رہائش گاہ سے، اس کے کپڑوں سے اور اس کے سامان سے اور اس کے گھوڑے سے اور اس کے اسلحے سے اور اس کے غلاموں سے۔

أَمَّا وُجُوبُهَا، بھائی انہوں نے متن میں کیا کہا صدقہ فطر واجب ہے، اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں **أَمَّا وُجُوبُهَا** باقی صدقہ فطر کا وجوب جو ہے **فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي خُطْبَتِهِ** وہ حضور علیہ السلام کے یہ فرمانے کی وجہ سے ہے، اس قول کی وجہ سے ہے **فِي خُطْبَتِهِ** اپنے خطبے کے اندر آپ نے فرمایا: «**أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ**»، کہ ادا کرو تم ہر آزاد کی طرف سے اور ہر غلام کی طرف سے

صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ چاہے چھوٹا ہو وہ غلام یا بڑا ہو یعنی نابالغ ہو یا بالغ ہو اس کی طرف سے بھی ادا کرو، اور کتنا ادا کرو؟ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ آدھا صاع مِنْ بُرٍّ گندم میں سے، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ یا ایک صاع جو میں سے۔ گندم میں سے ادا کرنا ہے تو کتنا ادا کرو؟ نصف صاع، اور جو میں سے ادا کرنے ہیں تو ایک صاع۔ رَوَاهُ ثَعْلَبَةُ بْنُ صُعَيْرٍ الْعَدَوِيُّ روایت کیا اس حدیث کو حضرت ثعلبہ بن صعیر عدوی رضی اللہ تعالی عنہ نے، وَبِمِثْلِهِ يَثْبُتُ الْوُجُوبُ لِعَدَمِ الْقَطْعِ اور اس قسم کی حدیث سے جو ہے وجوب ثابت ہوتا ہے، فرضیت نہیں ثابت ہوتی بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے لِعَدَمِ الْقَطْعِ یقینی نہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ خبرِ واحد ہے نا اور خبرِ واحد کیا ہوتی ہے؟ ظنی ہوتی ہے، وہ غالب گمان کا فائدہ تو دیتی ہے کہ غالباً بات اسی طرح ہے، اور یقین کا فائدہ نہیں، یقین کا فائدہ کون سی خبر دیتی ہے؟ خبرِ متواتر ہے، تو لہٰذا اس سے وجوب ثابت ہو گا یعنی فرضیت اس سے ثابت نہیں ہو سکتی۔

فَشَرْطُ الْحُرِّيَّةِ لِتَحَقُّقِ التَّمْلِيكِ اور آزاد ہونے کی شرط تھی بھائی، متن میں آیا تھا وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ تو یہ آزاد ہونے کی شرط جو ہے کہتے ہیں فَشَرْطُ الْحُرِّيَّةِ اور آزاد ہونے کی شرط لِتَحَقُّقِ التَّمْلِيكِ تاکہ تملیک پائی جائے۔ تملیک کا کیا معنی؟ دوسرے کو مالک بنانا، ہم نے کہا صدقہ فطر آزاد آدمی پر واجب ہے معلوم ہوا غلام پر واجب نہیں کیونکہ صدقہ فطر میں دوسرے کو مالک بنانا ضروری ہے، صدقہ ہے نا کس کو دینا پڑے گا؟ محتاج کو، فقیر کو، تو اس تو اس میں تملیک یعنی مالک بنانا ضروری ہے فقیر کو اور غلام میں تو خود غلام تو خود کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا دوسرے کو کیا اس کا مالک بنائے گا بھائی، تو لہٰذا یہاں تملیک ہی نہیں پائی جائے گی اگر غلام ہو گا تو، اور تملیک تو ضروری ہے لہٰذا غلام پر صدقہ فطر واجب نہیں، آزاد ہونا چاہیے۔ یہ معنی ہے فَشَرْطُ الْحُرِّيَّةِ لِتَحَقُّقِ التَّمْلِيكِ اور آزاد ہونے کی شرط جو ہے وہ تملیک کے پائے جانے کے لیے ہے، وَالْإِسْلَامِ اس کو مجرور پڑھنا بھائی، حُرِّيَّةِ پر اس کا عطف ہے، أَيْ شَرْطُ الْإِسْلَامِ اور اسلام کی جو شرط متن میں ذکر ہوئی لِيَقَعَ قُرْبَةً تاکہ صدقہ فطر کیا واقع ہو؟ عبادت بن کر واقع ہو، کیا واقع ہو؟ عبادت مسلمان ہو گا تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے، کافر تو اس کا اہل ہی نہیں عبادت کافر تو عبادت کا اہل ہی نہیں اور صدقہ فطر کیا ہے؟ یہ عبادت ہے تو اس لیے مسلمان ہونا ضروری۔ یہ معنی ہے وَالْإِسْلَامِ لِيَقَعَ قُرْبَةً اور مسلمان ہونے کی شرط جو ہے تاکہ قربت واقع ہو، وَالْيَسَارِ اس کا عطف بھی اسی الْإِسْلَامِ پر ہے یا الْحُرِّيَّةِ پر ہے اور مالدار ہونے کی شرط بھائی، کیا شرط لگائی تھی متن میں؟ إِذَا كَانَ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ تو یہ مالدار ہونے کی شرط کیوں لگائی گئی؟ کہتے ہیں اور مالدار ہونے کی شرط لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے: «لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى»، کہ صدقہ نہیں ہے مگر مالدار کی طرف سے، صدقہ نہیں ہے مگر کس کی طرف سے؟ مالدار کی طرف سے۔ تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى»، ظہر کا لفظ زائد ہے یہ اسی طرح عربی میں استعمال ہوتا ہے بھائی، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: «لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى» أَيْ إِلَّا عَنْ غِنًى بھائی کہ صدقہ نہیں ہے مگر مالدار کی طرف سے، تو اسی لیے ہم نے بھی نصاب کی شرط لگائی۔

وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَوْلِهِ: يَجِبُ عَلَى مَنْ يَمْلِكُ زِيَادَةً عَلَى قُوتِ يَوْمِهِ لِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ. امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر ہر اس شخص پر واجب ہے، ہر اس شخص پر جو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے کو ایک دن سے زیادہ کی خوراک کا مالک ہو۔ کتنی کتنا کتنا مال ہے اس کے پاس کتنی چیز ہے؟ ایک دن کی جو خوراک ہوتی ہے اس سے زائد مال ہے اس کے پاس تو بس اس پر صدقہ فطر واجب ہے، ہم کہتے ہیں نہیں یہ تو بڑا معمولی سا ہے ایک دن کی ضرورت، تو اگر اس پر بھی صدقہ فطر کو واجب قرار دے دیا جائے واجب قرار دے دیا جائے تو اگر یہ صدقہ فطر دے گا تو کل خود اس کو پھر سوال کرنے اور مانگنے کی ضرورت پیش آجائے گی، سمجھ میں آیا؟ تو ہمارے نزدیک کیا ضروری ہے؟ وہ مالدار ہو یعنی نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو، چاہے وہ مالِ نامی ہو یا مالِ نامی نہ ہو لیکن نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو۔ تو یہ حدیث جو ہے ہماری امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف بھی حجت اور دلیل ہے کیونکہ اس حدیث میں کیا ایا «لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى»، صدقہ کس کی طرف سے ہو گا؟ غنی یعنی مالدار کی طرف سے ہو گا۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَوْلِهِ اور یہ حدیث دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ان کے اس قول کے اندر وہ فرماتے ہیں: يَجِبُ عَلَى مَنْ يَمْلِكُ زِيَادَةً عَلَى قُوتِ يَوْمِهِ لِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ کہ صدقہ فطر جو ہے یہ واجب ہے اس شخص پر جو مالک ہے جو مالک ہے کس چیز کا؟ زِيَادَةً عَلَى قُوتِ يَوْمِهِ ایک دن کی خوراک، قوت کہتے ہیں خوراک اور غذا، ایک دن کی خوراک ایک دن کی غذا سے زیادہ کا مالک ہے لِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ اپنے لیے اور اپنے اہل و عیال کے لیے۔

وَقُدِّرَ الْيَسَارُ بِنِصَابٍ، اچھا بھائی متن میں بھائی یہاں کیا ذکر ہوا تھا جب وہ مالک ہو کس چیز کا؟ نصاب کا، بھائی پھر مالداری کی شرط لگائیں نا، یہ نصاب کی شرط اپ کیوں لگا رہے ہیں؟ تو جواب یہ کہ شریعت میں مالدار ہونے کا اعتبار کیا ہی کس کے ذریعے جاتا ہے؟ نصاب کے ذریعے، جو نصاب کے بقدر مال کا مالک ہے وہ شرعاً وہ مالدار شمار ہوتا ہے، تو اسی لیے بھی ہم نے بھی کیا کہا کہ وہ نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو۔ یہ معنی ہے وَقُدِّرَ الْيَسَارُ بِنِصَابٍ اور اندازہ لگایا گیا مالداری کا نصاب کے ساتھ لِتَقَدُّرِ الْغِنَى فِي الشَّرْعِ بِهِ اس وجہ سے کہ اندازہ لگایا ہے اندازہ لگایا گیا ہے مالداری کا شریعت نے بِهِ اس کے ذریعے، فَاضِلًا عَمَّا ذُكِرَ مِنَ الْأَشْيَاءِ اس حال میں کہ وہ نصاب جو ہے زائد ہو ان چیزوں سے جو ذکر ہو گئیں، وہ نصاب ان چیزوں سے زائد ہو جو ذکر ہوئیں، لِأَنَّهَا مُسْتَحَقَّةٌ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ اس لیے کیونکہ یہ جو چیزیں ہیں یہ لازم ہیں کس کے ساتھ؟ حاجتِ اصلی کے ساتھ، یہ تو اس میں یہ تو اس کے لائق ہیں، اس کے قابل ہیں، تو مُسْتَحَقَّةٌ کا ترجمہ یا لازم کے کر لیں یا لائق ہیں، قابل ہیں، اس لیے کیونکہ یہ جو چیزیں متن میں ذکر ہوئیں یہ حاجتِ اصلی کے لائق ہیں یا یوں کہیں یہ حاجتِ اصلی کے ساتھ لازم ہیں، وَالْمُسْتَحَقُّ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ كَالْمَعْدُومِ اور وہ چیز جو حاجتِ اصلی کے ساتھ لازم ہو یا اس کے لائق ہو یا اس یوں کہیں اور جو چیز حاجتِ اصلی کی حقدار ہو كَالْمَعْدُومِ وہ کیا

ہے؟ وہ معدوم چیز کی طرح ہے اس کو شمار ہی نہیں کیا جائے گا۔ جیسے بھائی ایک شخص جنگل میں سفر کر رہا ہے اور اس کے پاس پانی تو ہے لیکن وہ پانی اس کو اس کو پینے کے لیے ضرورت پڑے گی تو وہ اس کے ذریعے وضو نہیں کر تا بلکہ کیا کر لیتا ہے؟ تیمم کر لیتا ہے تو تیمم جائز ہے، حالانکہ تیمم تو پانی کے ہوتے ہوئے جائز نہیں لیکن یہاں پر یہ پانی چونکہ اس کی حاجتِ اصلی میں مشغول ہے لہٰذا تیمم کے حق میں اس کو معدوم شمار کیا گیا گویا اس کے پاس پانی ہے ہی نہیں، جب ہے ہی نہیں تو تیمم اس کا کرنا جائز ہوا تو یہاں بھی یہ چیزیں حاجتِ اصلی میں مشغول ہیں تو ان کو معدوم شمار کیا جائے گا۔

وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ النُّمُوُّ، نُمُوٌّ بھائی، نون پر بھی پیش اور میم پر بھی پیش ہے اور واو مشدد ہے، **نُمُوٌّ، نُمُوٌّ** وہی زیادتی بھائی، نماء، نماء۔ **وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ النُّمُوُّ** اور اس نصاب کے اندر نماء کی بھی یعنی زیادتی زیادہ ہونے کی بھی شرط نہیں ہے کہ یہ نصابِ نامی ہو، سمجھ میں آیا؟

وَيَتَعَلَّقُ بِهَذَا النِّصَابِ حِرْمَانُ الصَّدَقَةِ وَوُجُوبُ الْأُضْحِيَّةِ وَالْفِطْرِ اور متعلق ہے اسی نصاب کے ساتھ **حِرْمَانُ الصَّدَقَةِ** صدقے سے محروم ہونا، اسی نصاب سے متعلق ہے صدقے سے محروم ہونا یعنی زکوٰۃ سے محروم ہونا۔ بھائی ابھی پچھلا باب گزرا اس میں کیا ذکر تھا؟ زکوٰۃ کس شخص کو دینا جائز ہے؟ جس کے پاس نصاب کے بقدر زائد مال اور کون سا نصاب؟ نصابِ نامی ہونا ضروری ہے یا کوئی بھی نصاب ہو؟ کوئی بھی نصاب ہو، یہی بات ذکر کر رہے ہیں یہ جو اوپر ذکر ہوا تھا اور یہاں بھی کون سا نصاب ذکر ہوا؟ نامی یا غیر نامی جو بھی ہو، جو بھی ہو، یہی ذکر کر رہے ہیں کہ یہ جو نصاب ذکر ہوا نا یہ غیر نامی، یہ حرمانِ صدقہ کا سبب ہے یعنی وہ شخص صدقے سے محروم ہو گا، یعنی جس شخص کے پاس اس نصاب کے بقدر زائد مال ہے چاہے بے شک مالِ نامی نہ ہو نصابِ نامی نہ ہو لیکن کیا ہو؟ نصاب ہو، زائد مال ہے حاجتِ اصلی حاجتِ اصلیہ سے تو یہ زکوٰۃ سے محروم ہو گا یعنی اس کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، زکوٰۃ دیں گے تو ادا نہیں ہو گی۔

اور نیز اسی نصاب سے متعلق ہے **وَوُجُوبُ الْأُضْحِيَّةِ** قربانی کا وجوب بھی۔ یاد رکھیے قربانی واجب ہوتی ہے اس کے قربانی اس شخص پر واجب ہے جو اپنی ضرورت سے زائد نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو اور وہاں بھی نصابِ نامی نہیں ضروری بلکہ کسی بھی قسم کا نصاب ہو چاہے نامی ہو چاہے غیر نامی ہو تو اس کی ضرورت سے زائد اس کے پاس نصاب کے بقدر مال ہے، بے شک مالِ نامی نہیں ہے لیکن مال ہے نصاب کے بقدر ضرورت سے زائد تو اس پر کیا واجب ہو گی؟ قربانی واجب ہو گی، تو معلوم ہوا اسی نصاب سے متعلق ہے **وَوُجُوبُ الْأُضْحِيَّةِ** قربانی کے وجوب کا بھی، **وَالْفِطْرِ أَيْ وَوُجُوبُ الْفِطْرِ** اور اسی نصاب کے ساتھ متعلق ہے صدقہ فطر کا وجوب بھی بھائی، کہ یہ نصاب جو ہے جس کے پاس ہو تو اس پر صدقہ فطر بھی واجب ہو گا چاہے نامی ہو یا نامی نہ ہو، اس پر صدقہ فطر واجب ہو گا بھائی۔ تو معلوم ہوا اس نصاب کے ساتھ تعلق ہے تین چیزوں کا: حرمانِ صدقہ کا تعلق بھی اسی سے ہے، قربانی کے وجوب کا تعلق بھی اسی سے ہے اور وجوبِ فطر یعنی وجوبِ صدقہ فطر کا تعلق بھی اسی نصاب کے ساتھ ہے جو نصابِ غیر نامی کے ساتھ ہی ہے۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۱۴: قَالَ يُخْرِجُ ذَلِكَ عَنْ نَفْسِهِ لِحَدِيثِ ابْنِ عُم...

ہدایہ صفحہ: ۲۲۵ — بتاریخ: ۱۶ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ يُخْرِجُ ذَلِكَ عَنْ نَفْسِهِ لِحَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى الْحَدِيثَ، وَيُخْرِجُ عَنْ أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ لِأَنَّ السَّبَبَ رَأْسٌ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ۔ [1]

قَالَ يُخْرِجُ ذَلِكَ عَنْ نَفْسِهِ، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر نکالے گا، صدقۂ فطر نکالے گا یعنی ادا کرے گا، **عَنْ نَفْسِهِ** اپنی طرف سے بھی۔ **لِحَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا،** حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی وجہ سے، **قَالَ** وہ فرماتے ہیں **فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى** کہ حضور علیہ السلام نے فرض قرار دیا صدقۂ فطر کو **عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى،** کس پر؟ مذکر اور مؤنث پر۔ تو یہ شخص اپنی طرف سے بھی دے گا۔ **الْحَدِيثَ،** یہاں پر بھی وہی دونوں اعراب پڑھ سکتے ہیں: **اَلْحَدِيثُ مَعْلُومٌ،** تو اس کو مبتدا بنالیں اور خبر کیا ہے؟ محذوف۔ **يا اِقْرَإِ الْحَدِيثَ،** اس کو منصوب پڑھیں، مفعول بنائیں **اِقْرَأْ** کے لیے۔ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ مذکر اور مؤنث جو ہے اس پر فرض ہوتا ہے تو اپنی طرف سے بھی وہ صاحبِ نصاب ادا کرے گا۔

وَيُخْرِجُ عَنْ أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ، اور یہ صدقۂ فطر وہ نکالے گا اپنے صغار اولاد کی طرف سے یعنی نابالغ اولاد کی طرف سے، **لِأَنَّ السَّبَبَ رَأْسٌ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ۔** یاد رکھیے یہ صدقۂ فطر کا سبب جو ہے، ایسا **رَأْسٌ** ہے، رأس، رأس بول کر ذات مراد ہے۔ یعنی جز بول کر کل مراد ہے، تو رأس کا اطلاق ذات پر ہوتا ہے، یہاں ذات مراد ہے۔ تو صدقۂ فطر کا سبب جو ہے وہ ایسی ذات ہے **يَمُونُهُ** جس کا یہ شخص خرچہ اٹھاتا ہے، **وَيَلِي عَلَيْهِ** اور اس پر اس کو ولایت حاصل ہے۔

بھئی آپ کے پاس نصاب کے بقدر زائد مال موجود ہے تو آپ پر بھی صدقۂ فطر واجب اور صرف اپنی طرف سے نہیں ادا کریں گے، اگر آپ کی نابالغ اولاد ہے تو اس کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کریں گے۔ اس لیے کیونکہ صدقۂ فطر کا سبب وہ ایسی ذات ہوتی ہے جس کا خرچہ آپ پر ہے اور جس پر آپ کو ولایت حاصل ہے۔ اس کا خرچہ بھی آپ کے ذمے اور آپ کو اس پر ولایت بھی حاصل ہے۔ تو اولادِ صغار، نابالغ اولاد اسی طرح ہوتی ہے، اس کا خرچہ بھی باپ کے ذمے اور باپ کو ان پر ولایت بھی حاصل ہے، نکاح وغیرہ ان کا کروا سکتا ہے یا نہیں کروا سکتا؟ تو باپ کو ولایت بھی حاصل ہے۔ تو جو بھی ایسی ذات ہوگی، جو بھی ایسا رأس ہوگا جس کا خرچہ بھی آپ کے ذمے اور جس پر آپ کو ولایت حاصل ہے، ان سب کی طرف سے آپ کو صدقۂ فطر دینا پڑے گا۔ تو نابالغ اولاد بھی اس کے اندر آگئی اور اسی طرح آپ کی خدمت کے جو غلام وغیرہ ہیں وہ بھی آگئے، ان کی طرف سے بھی دینا پڑے گا کیونکہ ان کا خرچہ بھی آپ کے ذمے اور ان پر آپ کو ولایت بھی حاصل ہے بھئی۔

البتہ جو بالغ اولاد ہے اس کا صدقۂ فطر آپ پر واجب نہیں۔ اس کا صدقۂ فطر آپ پر واجب نہیں کیونکہ آپ کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہے، آپ اپنی مرضی سے اس کا کہیں نکاح کروانا چاہیں جبراً نہیں کروا سکتے۔ اور اسی طرح بیوی جو ہے، بیوی، اس کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرنا آپ پر واجب نہیں ہے، آپ پر واجب نہیں۔ ہاں، آپ ادا کر دیتے ہیں اپنی بالغ اولاد کی طرف سے بھی اور بیوی کی طرف سے، تو اچھی بات ہے، ادا ہو جائے گا لیکن آپ پر لازم نہیں ہے۔ بلکہ خود ان کے ذمے لازم ہے، اگر وہ نصاب کے بقدر زائد مال کے مالک ہیں تو ان کو خود ادا کرنا پڑے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو صدقۂ فطر کا سبب کیا ہے؟ ایسا رأس ہے، ایسی ذات ہے جس کا خرچہ بھی اس شخص پر ہو اور اس پر اس کو ولایت بھی حاصل ہو۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۵۴): «وآله»۔ • شاملہ (ص ۱۵۴) میں «وَيُخْرِجُ» کے بجائے «و يخرج» درج ہے۔

یہ معنی ہے: **وَيُخْرِجُ عَنْ أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ**، اور صدقۂ فطر نکالے گا اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی، **لِأَنَّ السَّبَبَ رَأْسٌ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ**، اس لیے کیونکہ صدقۂ فطر کا سبب جو ہے وہ ایسی ذات ہے جس کا یہ خرچہ اٹھاتا ہے، **وَيَلِي عَلَيْهِ** اور جس پر اس کو ولایت حاصل ہے۔

لِأَنَّهَا تُضَافُ إِلَيْهِ، بھئی صدقۂ فطر کا سبب رأس ہے۔ کیا ہے؟ **رَأْسٌ** ہے، رأس ہے بھئی۔ بھئی اس کی کیا دلیل ہے کہ صدقۂ فطر کا سبب رأس ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهَا تُضَافُ إِلَيْهِ**، اس لیے کیونکہ صدقۂ فطر کی اضافت کی جاتی ہے رأس کی طرف، اور **يُقَالُ** کہا جاتا ہے: **زَكَاةُ الرَّأْسِ**، صدقۂ فطر کو کیا کہتے ہیں؟ **زَكَاةُ الرَّأْسِ**۔ تو یہ رأس کی طرف نسبت کرنا بتلاتا ہے کہ یہ رأس کیا ہے؟ اس صدقے کے وجوب کا سبب ہے۔

وَهِيَ أَمَارَةُ السَّبَبِيَّةِ، اور یہ سبب ہونے کی علامت ہے۔ کسی چیز کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، معلوم ہوا وہ اس چیز کا سبب ہے۔ تو یہاں رأس کی طرف اضافت کی جارہی ہے اور کہتے ہیں: **زَكَاةُ الرَّأْسِ**، رأس کی زکوٰۃ، تو معلوم ہوا یہ رأس کیا ہے؟ اس کا اس کی سبب ہے۔ تو **وَهِيَ أَمَارَةُ السَّبَبِيَّةِ**، اور یہ اضافت جو ہے کسی چیز کی طرف ہونا، یہ اس کے سبب ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

وَالْإِضَافَةُ إِلَى الْفِطْرِ، یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ آپ نے ہمیں بتلایا کہ کسی ایک چیز کی طرف دوسری چیز کی نسبت کی جائے تو وہ چیز جو ہے اس کے لیے سبب ہوتی ہے، تو پھر تو اس زکوٰۃ یا صدقے کی نسبت فطر کی طرف بھی کی جاتی ہے۔ کس کی طرف؟ فطر۔ یاد رکھیے، یاد رکھیے، فطر جو ہے نا فطر، یہ روزے کی ضد ہے۔ روزے کی ضد ہے۔ اردو میں اس کا کوئی مترادف لفظ موجود نہیں۔ اس وقت آپ کا روزہ ہے؟ روزہ نہیں، تو اس کو کہیں گے فطر۔ کیا کہیں گے آپ کی اس حالت کو؟ فطر کہیں گے۔ تو یہاں صدقۂ فطر جو ہے، رمضان کا مہینہ گزرتا ہے اور عید الفطر کا دن آتا ہے، عید الفطر کا، تو دیکھو پہلے روزوں کا زمانہ تھا اب فطر کا زمانہ آگیا۔ عید کی صبح سے کون سا زمانہ شروع ہو گیا؟ فطر والا زمانہ شروع ہو گیا۔ تو اس زمانے کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے: **زَكَاةُ الْفِطْرِ يا صَدَقَةُ الْفِطْرِ**۔ اور آپ نے ہمیں ضابطہ بتایا کہ کسی چیز کی جب نسبت کی جائے، اضافت کی جائے دوسری چیز کی طرف، تو یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ اس کا سبب ہے۔ تو لہٰذا معلوم ہوا فطر اس کا فطر بھی اس کا سبب ہے۔ تو جواب دیں گے صاحب ہدایہ کہ بھئی فطر کی طرف اس کی اضافت اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ یہ اس کا وقت ہے بھئی، کیا ہے؟ وقت، تو وقت ہونے کے اعتبار سے اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے اور اصل سبب وہی رأس ہی ہے، ذات ہی ہے بھئی۔ جواب سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو کہتے ہیں: **وَالْإِضَافَةُ إِلَى الْفِطْرِ بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ وَقْتُهَا**، اور فطر کی طرف جو اس کی اضافت کی جاتی ہے، اس اعتبار سے کہ یہ اس صدقے کا وقت ہے۔ **وَلِهَذَا تَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِ الرَّأْسِ مَعَ اتِّحَادِ الْيَوْمِ**، اسی وجہ سے صدقۂ فطر جو ہے اس میں تعدد آتا ہے **بِتَعَدُّدِ الرَّأْسِ** جبکہ رأس متعدد ہوں، جب ذاتیں کئی ہوں تو صدقۂ فطر بھی کئی واجب ہوں گے، **مَعَ اتِّحَادِ الْيَوْمِ** باوجود اس کے کہ دن ایک ہی ہے۔ اگر فطر کو سبب قرار دیا جائے، کس کو؟ فطر کو، اور فطر تو ہے وقت، اور وقت تو سب کے لیے ایک ہی ہے، تو ایک ہی صدقۂ فطر آنا چاہیے تھا، حالانکہ بالاتفاق ایک صدقۂ فطر نہیں آتا، اپنی طرف سے بھی دے گا، غلاموں کی طرف سے بھی دے گا، نابالغ اولاد کی طرف سے بھی دے گا، تو ایک فطر ایک صدقۂ فطر واجب ہو رہا ہے یا کئی واجب ہو رہے ہیں؟ کئی واجب ہو رہے ہیں، حالانکہ اگر وقت کو سبب قرار دیا جائے، وقت تو ایک ہی ہے، تو پھر تو ایک ہی صدقۂ فطر آنا چاہیے تھا لیکن متعدد صدقۂ فطر واجب ہو رہے ہیں، معلوم ہوا صدقۂ فطر کے وجوب کا سبب وقت نہیں ہے بلکہ رأس ہے اور ذات ہے، اسی وجہ سے ذاتیں کئی تو صدقۂ فطر بھی کئی، اور وقت ایک ہے لیکن اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا بھئی۔ یہ معنی ہے: **وَلِهَذَا تَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِ الرَّأْسِ مَعَ اتِّحَادِ الْيَوْمِ**، اور اسی وجہ سے صدقۂ فطر جو ہے اس میں تعدد آتا ہے رأس یعنی ذاتوں میں تعدد ہونے کی وجہ سے باوجود دن کے متحد ہونے کے۔

وَالْأَصْلُ فِي الْوُجُوبِ رَأْسُهُ وَهُوَ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ، یہاں سے بتلا رہے ہیں: **وَالْأَصْلُ فِي الْوُجُوبِ رَأْسُهُ**، کہ صدقۂ فطر کے وجوب میں اصل جو ہے **رَأْسُهُ**، وہ اس شخص کی اپنا اس کا اپنا رأس ہے، اس کی اپنی ذات ہے۔ کسی شخص پر جس کے پاس نصاب کے بقدر زائد مال ہے، اس پر صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، تو دراصل وجوب کا سبب اس شخص کی اپنی ذات ہے، کیونکہ یہ اپنی ذات کا خرچہ اٹھاتا ہے یا نہیں اٹھاتا؟ اپنی ذات کا خرچہ خود اٹھاتا ہے، اور نیز اپنی ذات پر اس کو خود ولایت حاصل ہے یا حاصل نہیں ہے؟ حاصل۔ تو اس کا اپنا رأس جو ہے، اس کی اپنی ذات جو ہے، اس کا یہ خرچہ بھی اٹھاتا ہے اور اس پر ولایت بھی حاصل ہے، اس لیے اپنی ذات کا تو صدقۂ فطر اس پر واجب ہو گا۔ نیز اپنی ذات کا صدقۂ فطر کیوں واجب ہوا؟ کیونکہ اس کا یہ خرچہ بھی اٹھاتا ہے اور اس پر اس کو ولایت بھی حاصل ہے۔ تو لہٰذا اور جو اس طرح کے لوگ ہیں جن کا یہ خرچہ بھی اٹھاتا ہے اور جن پر اس کو ولایت بھی حاصل ہے، اس کو بھی اسی انہی کے ساتھ ملا دیا جائے گا، اس کی ذات کے ساتھ ملا دیا جائے گا، اور اپنی ذات کی طرف سے تو اس پر صدقۂ فطر واجب تھا تو ان کی طرف سے بھی اس پر صدقۂ فطر واجب ہو گا کیونکہ جیسے یہ اپنا خرچہ اٹھاتا ہے اور اپنی ذات پر اس کو ولایت حاصل ہے، اسی طرح دوسرے جن کا یہ خرچہ اٹھاتا ہے اور جن پر ولایت حاصل ہے، وہ بھی اسی کی طرح ہو گئے تو ان کا بھی صدقۂ فطر اسی پر واجب ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **وَالْأَصْلُ فِي الْوُجُوبِ رَأْسُهُ**، اور اصل جو ہے صدقۂ فطر کے وجوب کے اندر **رَأْسُهُ**، اس شخص کا اپنا رأس ہے، اس شخص کی اپنی ذات ہے۔ **وَهُوَ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ**، اور اپنے رأس پر اور اپنی ذات پر تو اس کا اس کا تو یہ خرچہ بھی اٹھاتا ہے، **وَيَلِي عَلَيْهِ** اور اس پر اس کو ولایت بھی حاصل ہے، **فَيُلْحَقُ بِهِ مَا هُوَ فِي مَعْنَاهُ**، تو اسی کے ساتھ ملا یا جائے گا ان کو بھی جو اسی کے معنی میں ہیں، جو اسی طرح ہیں، **كَأَوْلَادِهِ الصِّغَارِ** جیسے کہ نابالغ اولاد ہے، **لِأَنَّهُ يَمُونُهُمْ وَيَلِي عَلَيْهِمْ**، اس لیے کیونکہ یہ ان کا خرچہ بھی اٹھاتا ہے اور ان پر اس کو ولایت بھی حاصل ہے۔

وَمَمَالِيكِهِ، اور اسی طرح اس کے جو مملوک ہیں ان کی طرف سے بھی یہ صدقۂ فطر نکالے گا یعنی ادا کرے گا۔ **وَمَمَالِيكِهِ،** اس کا عطف کس پر ہے؟ **أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ** پر، نکالے گا اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی، **وَمَمَالِيكِهِ** اور اپنے مملوکوں یعنی اپنے غلاموں اور باندیوں کی طرف سے بھی۔ بھئی ان کی طرف سے کیوں نکالے گا؟ کہتے ہیں: **لِقِيَامِ الْمُؤْنَةِ وَالْوِلَايَةِ،** اس وجہ سے کہ خرچہ اور ولایت موجود ہے، خرچہ اور ولایت قائم ہے، غلاموں پر اس کو ولایت بھی حاصل اور ان کا یہ خرچہ بھی اٹھاتا ہے۔

وَهَذَا إِذَا كَانُوا لِلْخِدْمَةِ، اور کہتے ہیں یہ وجوب اس وقت ہو گا جب یہ غلام خدمت کے لیے ہوں، تو خدمت کے لیے جو غلام اور باندیاں ہیں ان کا صدقۂ فطر اس پر واجب ہو گا۔ جو مالِ تجارت کے طور پر غلام یا باندیاں ہیں ان کا صدقۂ فطر نہیں، ان کے اندر زکوۃ آئے گی، صدقۂ فطر نہیں آئے گا، اس لیے کیونکہ اگر ان کے اندر صدقۂ فطر بھی آئے تو زکوۃ بھی ان کے اندر آ رہی ہے، صدقۂ فطر بھی آ رہا ہے، تو دو صدقے واجب ہو جائیں گے، حالانکہ ایک چیز کے اندر سال کے اندر ایک ہی صدقہ واجب ہوتا ہے، دو صدقے واجب نہیں ہوتے۔ تو صرف کون سے غلاموں کی طرف سے ادا کرے گا؟ خدمت والے، کیونکہ ان کے اندر تو زکوۃ نہیں، تو یہ صدقۂ فطر آئے گا۔ اور جو مالِ تجارت کے لیے غلام ہیں ان میں جب زکوۃ آئے گی، ان میں تو زکوۃ آتی ہے تو ان کے اندر صدقۂ فطر نہیں آئے گا۔

یہ معنی ہے: **وَهَذَا إِذَا كَانُوا لِلْخِدْمَةِ،** اور یہ صدقۂ فطر کا وجوب غلاموں پر اس وقت ہو گا جب وہ غلام خدمت کے لیے ہوں، **وَلَا مَالَ لِلصِّغَارِ** اور اسی طرح یہ اس وقت ہو گا جب ان نابالغوں کا مال نہ ہو۔ بھئی یاد رکھیے، نابالغ جو ہے نابالغ اولاد، اس کا صدقۂ فطر باپ پر واجب ہو گا، یہ اس وقت ہے جب وہ نابالغ کے پاس کوئی مال نہ ہو، لیکن اگر وہ نابالغ خود مالدار ہے مثلاً کسی نے وصیت کی تھی اس کے بیٹے کے بارے میں اور وہ مال پھر اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو مل گیا، تو بیٹا اس مال کا مالک ہے۔ اگرچہ ابھی اس کے ہم حوالے تو نہیں کریں گے مال، لیکن مال کا مالک تو وہ ہے، وصیت تو اسی بچے کے بارے میں اس نے کی تھی، تو یہ جو نابالغ ہے جو مالدار ہے، اس کی طرف سے صدقۂ فطر اب باپ پر واجب نہیں ہو گا بلکہ خود اسی کے مال میں سے ادا کیا جائے گا، کیا کیا جائے گا؟ اسی کے مال میں سے ادا کیا جائے گا، اس لیے کیونکہ یہ صدقۂ فطر جو ہے یہ نفقے کی طرح ہے، کس کی طرح؟ نفقے کی طرح، اور نابالغ اولاد جب خود مالدار ہو تو اس کا نفقہ بھی اسی کے مال میں سے ہوتا ہے، اس پر جو خرچ کیا جاتا ہے وہ کس میں سے کیا جاتا ہے؟ اسی کے مال میں سے خرچ کیا جائے گا، تو یہ صدقۂ فطر بھی کس کی طرح ہے؟ نفقے کی طرح ہے، تو یہ بھی کس میں سے ادا کیا جائے گا؟ اسی بچے کے مال میں سے، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ اس لیے کہا کہ یہ اس صورت میں ہے یہ صدقہ کا وجوب جب غلام خدمت کے لیے ہوں، **وَلَا مَالَ لِلصِّغَارِ** اور کوئی مال نہ ہو نابالغوں کا۔

فَإِنْ كَانَ لَهُمْ مَالٌ يُؤَدِّي مِنْ مَالِهِمْ، تو پھر وہ والد جو ہے ادا کرے گا صدقۂ فطر **مِنْ مَالِهِمْ** ان بچوں کے ان نابالغ اولاد کے مال میں سے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا** اللہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، **خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ** اللہ بخلاف امام محمد رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں نہیں، بیشک مال ہو پھر بھی کس میں سے دیا جائے گا؟ باپ کے مال میں سے، باپ کو دینا پڑے گا اس میں سے نہیں۔ لیکن شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں نہیں، بچے کے مال میں سے دیا جائے گا۔

شیخین رحمہما اللہ کی دلیل آگے ذکر ہو رہی ہے: **لِأَنَّ الشَّرْعَ أَجْرَاهُ مَجْرَى الْمُؤْنَةِ،** اس لیے کیونکہ شریعت نے قائم کیا ہے اس صدقۂ فطر کو **مَجْرَى الْمُؤْنَةِ،** خرچے کے مقام پر بھئی۔ یعنی شریعت نے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ شریعت نے یہ جو صدقۂ فطر ہے اس کو خرچے کے قائم مقام بنایا ہے۔ شریعت نے صدقۂ فطر کو خرچے کے قائم مقام بنایا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے: **أَدُّوا عَمَّنْ تَمُونُونَ، أَدُّوا عَمَّنْ تَمُونُونَ،** کہ ادا کرو یہ صدقۂ فطر **عَمَّنْ** اس شخص کی طرف سے **تَمُونُونَ** جس کا تم خرچہ اٹھاتے ہو۔ **أَدُّوا عَمَّنْ تَمُونُونَ،** حدیث میں کیا آیا ہے؟ **أَدُّوا عَمَّنْ تَمُونُونَ،** کہ ادا کرو صدقۂ فطر ان کی طرف سے جن کا تم خرچہ اٹھاتے ہو۔ تو معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر کو کس کے قائم مقام کیا ہے شریعت نے؟ خرچے کے قائم مقام کیا ہے۔ حدیث میں کیا آ رہا ہے: ادا کرو جن کا تم خرچہ اٹھاتے ہو، معلوم ہوا یہ بھی کس کی طرح ہے؟ خرچے کی طرح ہے، اور جب خرچہ یہ اٹھاتا ہے تو صدقۂ فطر بھی اسی شخص کو ادا کرنا پڑے گا۔

یہ معنی ہے: **لِأَنَّ الشَّرْعَ أَجْرَاهُ مَجْرَى الْمُؤْنَةِ،** اس لیے کیونکہ شریعت نے اس کو قائم مقام کیا ہے خرچے کے، **فَأَشْبَهَ النَّفَقَةَ** تو یہ کس کے مشابہ ہوا؟ نفقے کے مشابہ ہوا، اور نفقے میں میں نے بتلا دیا کہ بچہ مالدار ہے تو پھر اسی کے مال میں سے ہو گا ورنہ کس پر آئے گا؟ والد پر آئے گا۔ تو اسی طرح صدقۂ فطر بھی ہے، اگر بچہ مالدار ہے تو اسی کے مال میں سے ادا کیا جائے گا اور اگر مالدار نہیں تو پھر کون ادا کرے گا؟ والد ادا کرے گا۔

وَلَا يُؤَدِّي عَنْ زَوْجَتِهِ، اور صدقۂ فطر ادا نہیں کرے گا اپنی بیوی کی طرف سے، **لِقُصُورِ الْوِلَايَةِ وَالْمُؤْنَةِ،** بوجہ ولایت کے ناقص ہونے کے اور خرچے کے، کیونکہ بیوی کے سلسلے میں خاوند کو بیشک بیوی پر ولایت حاصل ہے لیکن ناقص ولایت حاصل ہے، کس قسم کی ہے؟ ناقص ولایت حاصل ہے یعنی صرف حقوقِ نکاح کے مسئلے میں تو ولایت حاصل ہے، نکاح کے علاوہ اور حقوق کے اندر ولایت حاصل نہیں ہے، اسی طرح بیوی کا جو خرچہ ہے وہ بھی ناقص ہے، بیوی کا صرف کھانا پینا، رہائش، اور اسی طرح اس کے جو کپڑے وغیرہ ہیں، ان کا خرچہ تو خاوند کے ذمے ہے، کھانا پینا اس کا، اس کے کپڑے، اور اس کے رہائش، یہ خرچہ تو خاوند کے ذمے ہے لیکن اس کا علاج وغیرہ کروانا یہ خاوند کے ذمے نہیں، معلوم ہوا کہ خرچے خرچہ بھی بیوی کا خاوند کے ذمے لیکن کامل نہیں بلکہ ناقص، اسی طرح ولایت خاوند کو حاصل ہے لیکن کامل نہیں بلکہ ناقص ہے، تو جب بیوی پر کامل ولایت بھی نہیں حاصل، کامل خرچہ بھی اس کے ذمے نہیں ہے، تو اب اس پر اس کا صدقۂ فطر بھی واجب نہیں ہو گا، کیونکہ صدقۂ فطر کے وجوب کا صدقۂ فطر اس شخص پر واجب ہی کس وجہ سے ہوتا تھا؟ جب پورا خرچہ بھی اس پر ہو اور اس کو پوری ولایت بھی حاصل ہو، لیکن یہاں نہ پوری ولایت

ہے اور نہ پورا خرچہ ہے بھئی۔

یہ معنی ہے: **وَلَا يُؤَدِّي عَنْ زَوْجَتِهِ**، اور ادا نہیں کرے گا اپنی بیوی کی طرف سے، **لِقُصُورِ الْوِلَايَةِ وَالْمُؤْنَةِ**، بوجہ ولایت کے اور خرچے کے ناقص ہونے کے، **فَإِنَّهُ لَا يَلِيهَا فِي غَيْرِ حُقُوقِ النِّكَاحِ**، اس لیے کیونکہ خاوند کو جو ہے اس پر ولایت حاصل نہیں سوائے نکاح کے حقوق کے، نکاح کے جو حقوق ہیں ان کے علاوہ کے اندر بیوی پر ولایت حاصل نہیں ہے، معلوم ہوا ولایت ناقص ہے۔ **وَلَا يَمُونُهَا فِي غَيْرِ الرَّوَاتِبِ**، اور نیز وہ اس کا خرچہ بھی نہیں اٹھاتا سوائے ثابت شدہ خرچوں کے، رواتب جو ثابت شدہ خرچے ہیں، اور وہ ثابت شدہ خرچے کس کس چیز کے ہیں؟ کھانے پینے کا ہے، کپڑوں کا ہے، اور رہائش کا ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَلَا يَمُونُهَا فِي غَيْرِ الرَّوَاتِبِ كَالْمُدَاوَاةِ**، اور یہ اس کا خرچہ بھی نہیں اٹھاتا سوائے ثابت شدہ خرچوں کے **كَالْمُدَاوَاةِ** جیسے کہ علاج معالجہ ہے، علاج معالجہ ہے، یہ کس کی مثال ہوئی؟ **لَا يَمُونُهَا**، جس کا وہ خرچہ نہیں اٹھاتا۔

وَلَا عَنْ أَوْلَادِهِ الْكِبَارِ، وَلَا عَنْ أَوْلَادِهِ الْكِبَارِ وَإِنْ كَانُوا فِي عِيَالِهِ، اور اسی طرح صدقۂ فطر کوئی شخص ادا نہیں کرے گا اپنے بڑی اولاد کی طرف سے یعنی بالغ اولاد کی طرف سے، ان کی طرف سے بھی ادا نہیں کرے گا، **وَإِنْ كَانُوا فِي عِيَالِهِ** اگرچہ وہ اس کے عیال میں سے ہوں، کس میں سے ہوں؟ اہل و عیال میں سے، یعنی اسی کے پاس کھاتے پیتے ہیں، اسی پر ان کا خرچہ ہے لیکن پھر بھی ان کی طرف سے بھی صدقۂ فطر اس شخص پر واجب نہیں، کیونکہ اس کو ان پر ولایت حاصل نہیں، جبراً ان کا کہیں نکاح نہیں کروا سکتا، تو جب اس کو ان پر ولایت پوری ولایت حاصل نہیں ہے تو اس پر صدقۂ فطر بھی واجب نہیں، ان کے پاس اگر مال ہے انہیں خود ادا کرنا پڑے گا۔

یہ معنی ہے: **وَإِنْ كَانُوا فِي عِيَالِهِ**، اگرچہ وہ اس کے اگرچہ وہ اس کے عیال میں ہوں، **لِانْعِدَامِ الْوِلَايَةِ**، بوجہ ولایت کے معدوم ہونے کے کیونکہ یعنی ولایت نہیں پائی جا رہی۔

وَلَوْ أَدَّى عَنْهُمْ، بھئی آگے مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ بیوی کا اور بالغ اولاد کا صدقۂ فطر جو ہے ان کے اس کے خاوند یا والد پر نہیں ہے لیکن اگر وہ ادا کر دیتے ہیں تو استحساناً ادا ہو جائے گا، استحساناً یہ ادا ہو جائے گا، اس لیے کیونکہ عادۃً اجازت ثابت ہوتی ہے، عادۃً اس طرح کی چیزوں میں کیونکہ اولاد اپنے والد کو اپنی طرف سے صدقۂ فطر کی اجازت دیں گے یا نہیں دیں گے؟ اجازت دیں گے۔ بیوی کی طرف سے ادا کرنا چاہتا ہے، بیوی اجازت دے گی یا نہیں دے گی؟ تو اس طرح کے معاملات میں عموماً کیا دی جاتی ہے؟ اجازت دی جاتی ہے، تو یہاں بھی یوں سمجھیں گے گویا ان کی طرف سے اجازت آچکی ہے، انہوں نے کہہ دیا ہے ہماری طرف سے ادا کر دیجیے، جب انہوں نے کہہ دیا تو ان کے کہنے کے بعد ادا ہو رہی ہے، تو ایک چیز جو ان کے ذمے لازم تھی وہ کون ادا کر رہا ہے؟ والد ادا کر رہا ہے لیکن ان کے کہنے پر کر رہا ہے، کہے بغیر تو کیونکہ یہ تو عبادت ہے اور عبادت کے اندر کیا ضروری ہے؟ ارادہ ضروری ہوتا ہے، بغیر ارادے کے عبادت ہوتی ہے؟ بغیر ارادے کے تو عبادت نہیں، لیکن یہاں پر ان سے پوچھے بغیر بھی اگر یہ والد دے دیتا ہے بالغ اولاد کی طرف سے یا خاوند دے دیتا ہے خاوند دے دیتا ہے بیوی کی طرف سے، تو یہ صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا، اور یوں ہی سمجھا جائے گا گویا ان کی ان سے کیا لے لی گئی ہے؟ اجازت لے لی گئی ہے کیونکہ عادۃً اس طرح کی چیزوں میں ان کی طرف سے اجازت ہوتی ہے، مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے: **وَلَوْ أَدَّى عَنْهُمْ أَوْ عَنْ زَوْجَتِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِمْ**، اور اگر ادا کر دیا اپنی اپنے بالغ اولاد کی طرف سے **أَوْ عَنْ زَوْجَتِهِ** یا اپنی بیوی کی طرف سے **بِغَيْرِ أَمْرِهِمْ** بغیر ان کے حکم کے، بغیر ان کے کہے، **أَجْزَأَهُمْ** تو یہ ان کے لیے کافی ہو جائے گا استحساناً، **لِثُبُوتِ الْإِذْنِ عَادَةً**، اس لیے کیونکہ اجازت ثابت ہوتی ہے عادۃً بھئی، اس طرح کے معاملات میں اجازت دے دی جاتی ہے۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے یہ زکوٰۃ صدقۂ فطر ادا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ صدقۂ فطر عبادت ہے اور عبادت کے اندر باقاعدہ ارادہ اور نیت ضروری ہے، اور ارادہ اور نیت کب پایا جائے گا؟ جب وہ خود کہیں ہماری طرف سے کیا کر دیجیے؟ ادا کر دیجیے، تو پھر ان کی طرف سے اجازت ہو جائے گی پھر ہونا چاہیے، قیاس یہ تقاضا کرتا ہے۔ لیکن استحساناً جو ہے یہ صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا کیونکہ عادۃً اس طرح کی چیزوں میں اجازت ہی دی جاتی ہے، کبھی اس سے روکا نہیں جاتا۔

وَلَا يُخْرِجُ عَنْ مُكَاتَبِهِ، اور اپنے مکاتب کی طرف سے صدقۂ فطر نہیں نکالے گا، **لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ**، ولایت نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ کیونکہ مکاتب میں آپ کو بیان کر چکا ہوں کہ مکاتب جس کو آقا نے یہ کہہ دیا کہ اگر تم دس لاکھ روپے دو سال میں لے آئے تو تم آزاد ہو، یہ مکاتب آزاد آدمی کی طرح ہو جاتا ہے، آزاد تو نہیں لیکن اس کی طرح ہے یعنی اب آقا اس سے خدمت نہیں لے سکتا جبراً، وہ خود کرنا چاہے اس کی مرضی ہے لیکن آقا اس سے جبراً خدمت، معلوم ہوا آقا کو اس پر ولایت حاصل نہیں، اور یہ صدقۂ فطر تو واجب ہی کس وجہ سے ہوتا تھا؟ کہ جب کسی پر ولایت حاصل ہو، تو جب مکاتب پر ولایت نہیں حاصل تو اس کا صدقۂ فطر بھی آقا پر واجب نہیں۔

یہ معنی ہے: **لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ**، بوجہ ولایت کے نہ ہونے کے۔ **وَلَا الْمُكَاتَبُ عَنْ نَفْسِهِ**، اور نہ ہی مکاتب اپنی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے گا۔ بھئی مکاتب کیوں نہیں ادا کرے گا؟ کہتے ہیں بھئی اس لیے کیونکہ وہ محتاج ہے، وہ تو کیا کر رہا ہے؟ مال کما کر لا رہا ہے اور اپنے آپ کو آزاد کروا رہا ہے، تو اس پر تو اتنا دین ہے جو اگر اس کے پاس کچھ مال ہے بھی تو وہ دین نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے، تو لہٰذا یہ محتاج ہوا اور محتاج پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہوتا بلکہ مالدار پر واجب ہوتا ہے، دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: **وَلَا الْمُكَاتَبُ عَنْ نَفْسِهِ**، اور نہ ہی مکاتب اپنی طرف سے ادا کرے گا، **لِفَقْرِهِ** بوجہ اپنے فقیر ہونے کے کہ یہ محتاج ہے۔

وَفِي الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وِلَايَةُ الْمَوْلَى ثَابِتَةٌ، اور مدبر اور ام ولد کے اندر جو ہے آقا کی آقا کی ولایت ثابت ہے، **فَيُخْرِجُ عَنْهُمَا** تو ان کی طرف سے آقا نکالے گا۔

وَلَا يُخْرِجُ عَنْ مَمَالِيكِهِ لِلتِّجَارَةِ، اور اسی طرح صدقۂ فطر نہیں نکالے گا اپنے ان غلاموں کی طرف سے **لِلتِّجَارَةِ** جو کس لیے ہیں؟ تجارت کے لیے ہیں۔ وجہ اس کی کیا؟ میں نے کہ اس کیونکہ ان پر تو زکوۃ واجب ہے، اور اگر صدقۂ فطر بھی واجب قرار دیا جائے تو ایک ہی سال میں دو صدقے ان پر واجب ہو جائیں گے اور حالانکہ حدیث میں کیا آیا ہے؟ ایک ہی صدقہ ادا کرنے کا حکم ہے، دو صدقے نہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يُخْرِجُ عَنْ مَمَالِيكِهِ لِلتِّجَارَةِ**، اور نہ نکالے اپنے ان غلاموں کی طرف سے جو تجارت کے لیے ہیں، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ** اللہُ بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، **فَإِنَّ عِنْدَهُ وُجُوبَهَا عَلَى الْعَبْدِ**، اس لیے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس صدقۂ فطر کا وجوب غلام پر ہوتا ہے، **وَوُجُوبَ الزَّكَاةِ عَلَى الْمَوْلَى** اور زکوۃ جو ہے وہ آقا پر واجب ہوتی ہے، **فَلَا تُنَافِيهِ** تو لہٰذا یہ اس کے منافی نہیں، یہ اس صدقۂ فطر کا وجوب وجوبِ زکوۃ کے منافی نہیں۔

بھئی ہمارے نزدیک، ہمارے نزدیک وہ غلام جو تجارت کے لیے ہیں اگر ان کی وجہ سے صدقۂ فطر کو بھی واجب قرار دیا جائے تو ایک ہی مال کے اندر دو زکوتیں واجب ہو جائیں گی آقا پر، حالانکہ صدقے کو دوگنا کرنے سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے: **لَا ثِنَى فِي الصَّدَقَةِ**، صدقے کے اندر دوگنا کرنا نہیں ہے یعنی ایک ہی سال میں دو مرتبہ صدقہ نہیں لیا جائے گا، حدیث کے اندر آیا ہے۔ اور اگر اس صدقۂ فطر کو بھی واجب قرار دیا جائے تو ان غلاموں کی زکوۃ بھی مالک پر واجب تھی اور صدقۂ فطر بھی مالک پر واجب ہو گا، تو ایک ہی چیز کے اندر کتنی دفعہ زکوۃ آجائے گی؟ دو دفعہ آجائے گی ایک سال کے اندر، حالانکہ اس سے تو حدیث میں منع کیا گیا ہے، دلیل سمجھ میں آگئی؟

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ صدقۂ فطر جو ہے یہ غلام پر واجب ہوتا ہے، آقا پر نہیں بلکہ کس پر؟ غلام پر، ہاں، ادا آقا ہی کرے گا۔ وجوب کس پر آیا؟ غلام پر، لیکن غلام تو بیچارہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا ادا کون کرے گا؟ آقا ادا کرے گا۔ تو صدقۂ فطر کا وجوب امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غلام پر ہوتا ہے اور زکوۃ کا وجوب آقا پر ہوتا ہے، تو وجوب ہی الگ الگ جگہ آرہا ہے، وہ فرماتے ہیں یہاں صدقہ دوگنا ہو ہی نہیں رہا بلکہ زکوۃ کا وجوب ہے آقا پر اور صدقۂ فطر کا وجوب ہے غلام پر، بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **فَإِنَّ عِنْدَهُ وُجُوبَهَا عَلَى الْعَبْدِ وَوُجُوبَ الزَّكَاةِ عَلَى الْمَوْلَى**، اس لیے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صدقۂ فطر کا وجوب غلام پر ہے اور زکوۃ کا وجوب آقا پر ہے، **فَلَا تُنَافِيهِ** لہٰذا صدقۂ فطر کا وجوب زکوۃ کے وجوب کے منافی نہیں ہے کیونکہ محل ہی الگ الگ ہیں۔

وَعِنْدَنَا وُجُوبُهَا عَلَى الْمَوْلَى، اور ہمارے نزدیک صدقۂ فطر کا وجوب جو ہے وہ آقا پر آتا ہے **بِسَبَبِهِ** اپنے سبب کی وجہ سے، **كَالزَّكَاةِ** جیسے کہ زکوۃ ہے، جیسے زکوۃ اپنے سبب کی وجہ سے آقا پر ثابت ہوتی ہے، اسی طرح غلاموں پر چونکہ آقا کو ولایت حاصل ہے تو اس وجہ سے اس کا صدقہ بھی کس پر واجب ہو گا؟ آقا پر واجب ہو گا، **فَيُؤَدِّي إِلَى الثِّنَى**، اس کو ثِنی پڑھیں یا ثُنی، ثا پر ضمہ پڑھنا بھی صحیح اور کسرہ پڑھنا بھی صحیح۔ تو **فَيُؤَدِّي إِلَى الثِّنَى**، تو یہ پہنچادے گا دوگنا دوگنا کرنے کو دو تک پہنچادے گا بھئی، دو مرتبہ تک یعنی ایک ہی سال میں کتنے صدقے ہو جائیں گے؟ دو ہو جائیں گے، حالانکہ دو تو نہیں آتے سال میں ایک ہی صدقہ آتا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ کہ اگر زکوۃ کے ساتھ ساتھ صدقۂ فطر بھی ان تجارت کے غلاموں میں واجب مانا جائے، **فَيُؤَدِّي إِلَى الثِّنَى** تو یہ دوگنے تک پہنچادے گا صدقۂ فطر کے دوگنا ہونے تک۔

وَالْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ لَا فِطْرَةَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا، جی، فقہائے کرام پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں بھئی، ایک ایک مسئلہ دلیل کے ساتھ بیان کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا اور اب ہم اس کو تیار روٹی کی طرح کھا رہے ہیں بھئی، سمجھ میں آیا؟ اتنے مشکل اتنے پیچیدہ مسائل اور جو جو بھی امکانی صورت بنتی تھی ہر ایک کو دلیلوں کے ساتھ خوب واضح کر کے رکھ دیا بھئی۔ تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی ہدایت نصیب فرمائے جو فقہاء کے خلاف بولتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں بھئی۔ یہ فقہاء ہی کی محنتیں ہیں بھئی، یہ فقہاء کی محنتیں ہیں کہ یہ دین آج تک اسی طرح محفوظ ہے۔ اگر صرف بعض لوگ کہتے ہیں احادیث کو دیکھو اور قرآن کو دیکھو، بھئی انہوں نے احادیث اور قرآن سے ہی مسائل نکالے ہیں، کہاں پر حدیث اور قرآن کے خلاف اب تک بات آئی ہے؟ سمجھ میں آیا بھئی؟ ہاں، اگر کوئی شخص اپنی عقل سے قرآن اور حدیث کو دیکھے گا تو وہ تو اپنی سمجھ کے مطابق معنی نکالے گا، تو ایک شخص کوئی معنی کرے گا اس کا، دوسرا کوئی معنی کرے گا، تیسرا کچھ اور معنی کرے گا، تو دین کی تو شکل ہی بدل جائے گی، ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اس کا معنی کرے گا، ہر شخص اپنی مرضی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ لَا فِطْرَةَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا**، اور ایسا غلام جو دو شریکوں کے درمیان ہو تو صدقۂ فطر نہیں ہے ان میں سے کسی ایک پر بھی۔ بھئی صورتِ مسئلہ یہ کہ میں نے اور زید نے مل کر ایک غلام خریدا، یا میں نے، زید نے، عمرو نے، بکر نے کئی آدمیوں نے مل کر خریدا ایک غلام، تو کسی پر بھی صدقۂ فطر اس غلام کا واجب نہیں، اس لیے کیونکہ کسی کو بھی اس غلام پر کامل ولایت حاصل نہیں، تو نہ کسی کو اس پر کامل ولایت حاصل ہے اور نہ ہی کسی پر اس کا کامل نفقہ ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ غلام مشترکہ ہوا تو اس کا خرچہ بھی سب پر باری باری پڑے گا اور خدمت بھی سارے اس سے باری باری لیں گے، ایک دن ایک کی خدمت کرے گا

دوسرے دن دوسرے کی۔ تو کسی کو کامل ولایت بھی نہیں اور کسی پر اس کا کامل خرچہ بھی نہیں، لہٰذا اس کا صدقۂ فطر کسی پر واجب نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَالْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ لَا فِطْرَةَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا**، اور ایسا غلام جو دو شریکوں کے درمیان ہو تو اس کا صدقۂ فطر ان میں سے کسی ایک پر بھی نہیں، **لِقُصُورِ الْوِلَايَةِ وَالْمُؤْنَةِ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا**، اس وجہ سے کہ ولایت اور خرچہ ناقص ہیں ان دونوں میں سے ہر ایک کے اندر۔ ہر ایک آقا پر اس کا خرچہ بھی ناقص اور اس کی ولایت بھی ناقص ہے۔

وَكَذَا الْعَبِيدُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، اور اسی طرح کئی غلام ہوں دو آدمیوں کے درمیان۔ بھئی صورت یہ، میں نے اور زید نے مل کر کئی غلام خرید لیے، فرض کریں مثلاً سات غلام ہیں، طاق طاق عدد کی مثال بنائیں تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے۔ سات غلام میں نے اور زید نے مل کر خریدے ہیں، تو ہر غلام کے اندر آدھا غلام میرا اور آدھا کس کا؟ زید کا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں ان سات اور یہ بھی یاد رکھیں، یہ ساتوں غلام ہم نے خدمت کے لیے خریدے ہیں تجارت کے لیے نہیں، کیونکہ تجارت والے ہوں تو اس میں تو صدقۂ فطر واجب ہی نہیں۔ تو ہم نے سات غلام خرید لیے، تو امام صاحب کے نزدیک ان میں سے کسی غلام کا صدقۂ فطر کسی بھی مالک پر واجب نہیں، کیونکہ کوئی بھی ان میں سے پورے غلام کا مالک نہیں۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، غلاموں کی تقسیم کرو ویسے ہی ویسے ہی، باقاعدہ تقسیم نہیں یعنی حساب لگالو۔ سات غلام ہیں، ہر ایک میں سے آپ کا حصہ آدھا غلام، اور دو آدھے غلام ہوں تو یہ بنتا ہے ایک پورا غلام، تو سات آدھے حصے آپ کے ہیں کتنے پورے غلام بن گئے؟ تین پورے غلام اور ایک آدھا غلام۔ تو گویا آپ کے پاس تین پورے غلام ہیں اور ایک آدھا غلام ہے، تو تین جو پورے غلام ہیں ان کا صدقۂ فطر آپ پر، اور تین جو غلام ہیں پورے دوسرے کے حصے میں آرہے ہیں اس کا صدقۂ فطر اس پر آئے گا، اور ایک غلام تو آدھا آدھا آرہا ہے وہ چونکہ پورا نہیں تو لہٰذا اس میں صدقۂ فطر نہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو وہ صاحبین تقسیم کا اعتبار کرتے ہیں اور امام صاحب تقسیم کا اعتبار نہیں کرتے۔

یہ وہ صورت ہے جب غلام آپس میں تقسیم نہیں کیے ابھی، صرف تقسیم کا اعتبار کر رہے ہیں۔ ہاں، اگر غلام باقاعدہ تقسیم کر دیتے ہیں کہ لیں بھئی یہ ساتوں ہمارے مشترکہ تھے لیکن بس آج کے بعد یہ تین آپ کے ہو گئے اور یہ تین میرے ہو گئے اور یہ غلام ہم دونوں کا مشترکہ رہے گا، پھر تو آپ مالک بن گئے، پھر تو آپ کو دینا پڑے گا بھئی، سمجھ میں آیا؟ یہ تقسیم سے پہلے کی بات ہو رہی ہے، صرف تقسیم کا اعتبار کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَكَذَا الْعَبِيدُ بَيْنَ اثْنَيْنِ**، اور اسی طرح کئی غلام دو آدمیوں کے درمیان ہوں تو اس میں بھی صدقۂ فطر نہیں، اوپر والے مسئلے کی طرح ہے یہ مسئلہ بھی، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ** کس کے نزدیک؟ امام صاحب کے نزدیک۔ **وَقَالَا** اور صاحبین فرماتے ہیں: **عَلَى كُلِّ مِنْهُمَا مَا يَخُصُّهُ مِنَ الرُّءُوسِ دُونَ الْأَشْقَاصِ**، وہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر **مَا يَخُصُّهُ مِنَ الرُّءُوسِ** وہ جو اس کے ساتھ خاص ہے رؤوس میں سے، ہر ایک پر ہر ایک پر اس کا صدقۂ فطر ہے جو اسی آدمی کے ساتھ خاص ہے ان افراد میں سے ان غلاموں میں سے، **دُونَ الْأَشْقَاصِ** نہ کہ حصوں میں سے۔ اشخاص جمع ہے شخص کی، کہ ٹکڑے اور حصے کو کہتے ہیں۔ صاحبین کے نزدیک کیا تھا مسئلہ؟ کیا مسئلہ تھا؟ کہ جو ٹکڑے اور حصے بنتے ہیں ان کو کیا کیا جائے گا؟ ملایا جائے گا، تو جو جو پورا پورا رأس بن جائے گا اس میں صدقۂ فطر واجب ہو گا، اور جو ٹکڑے ہوں گے اس کے اندر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ ایک ایک کے حصے میں ساڑھے تین آرہے تھے تو تین پورے تھے اس میں تو صدقۂ فطر اس پر آئے گا، اور ایک تو ٹکڑا اور حصہ تھا آدھا اس میں صدقۂ فطر نہیں۔ یہ معنی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: **عَلَى كُلِّ مِنْهُمَا مَا يَخُصُّهُ مِنَ الرُّءُوسِ**، کہ ان میں سے ہر ایک پر وہ جو اس کے ساتھ خاص ہے رؤوس میں سے، **دُونَ الْأَشْقَاصِ** نہ کہ حصوں میں سے۔

بِنَاءً بنابر اس کے **عَلَى أَنَّهُ لَا يَرَى قِسْمَةَ الرَّقِيقِ**، کہ امام صاحب رائے نہیں رکھتے غلام کی تقسیم کی، **وَهُمَا يَرَيَانِهَا** اور صاحبین جو ہیں غلام کی تقسیم کی رائے رکھتے ہیں یعنی اس کا اعتبار کرتے ہیں اور امام صاحب اعتبار نہیں کرتے۔

وَقِيلَ اور کہا گیا ہے: **هُوَ بِالْإِجْمَاعِ**، کہ یہ قول بالاجماع ہے، بالاجماع ہے، یعنی جو متن میں آیا نا اسی طرح ہے مسئلہ کئی غلاموں میں بھی جو دو آدمیوں کے درمیان ہو۔ اسی طرح ہے، کیا معنی؟ جیسے اوپر والے مسئلے میں صدقۂ فطر نہیں تھا ایک غلام کے اندر تو کئی کے اندر بھی صدقۂ فطر نہیں ہو گا۔ صاحبِ ہدایہ نے تو اختلاف ذکر کر دیا کہ یہ جو متن میں آیا یہ امام صاحب کا قول ہے، صاحبین کے نزدیک کئی غلام دو آدمیوں کے درمیان ہوں تو ان میں صدقۂ فطر تقسیم کا اعتبار کر کے دینا پڑے گا، جبکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ جو متن میں آیا یہ بالاجماع ہے، بالاجماع ہے یعنی ہمارے تینوں ائمہ کا یہی قول ہے، تینوں ائمہ کا یہی قول ہے۔

لِأَنَّهُ لَا يَجْتَمِعُ النَّصِيبُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، اس لیے کیونکہ حصہ اکٹھا نہیں ہوتا تقسیم سے پہلے۔ تقسیم سے پہلے حصہ اکٹھا نہیں ہوتا، دونوں بھئی آپس میں میرے اور آپ کے غلام ہیں تو ہر غلام کے اندر میرا بھی حصہ پھیلا ہوا ہے اور آپ کا حصہ بھی پھیلا ہوا ہے، میرا حصہ اکٹھا نہیں ہو گا جب تک ہم دونوں غلاموں کو آپس میں تقسیم نہ کر دیں کہ تین غلام آپ کے ہو گئے تین غلام میرے، جب تک تقسیم نہیں کریں گے ہمارا حصہ اکٹھا نہیں ہے بلکہ ہر غلام کے اندر پھیلا ہوا ہے، جب ہر غلام کے اندر حصہ پھیلا ہوا ہے تو حصہ اکٹھا نہیں، جب حصہ اکٹھا نہیں تو کسی ایک کے حصے میں بھی پورا غلام نہیں، جب پورا غلام کسی کے حصے میں بھی نہیں تو اس کا صدقۂ فطر بھی واجب نہیں ہو گا، دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَا يَجْتَمِعُ النَّصِيبُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ**، اس لیے کیونکہ حصہ اکٹھا نہیں ہوتا تقسیم سے پہلے، **فَلَمْ تَتِمَّ الرَّقَبَةُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا**، تو

رقبہ پورا نہ ہوا ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے، یعنی کسی کے حصے میں بھی پورا غلام نہیں، ہر ایک کے حصے میں آدھا آدھا غلام آرہا ہے تو صدقۂ فطر واجب ہی نہیں۔ چلیے بس بھئی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۱۵: مسئلہ: أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ يَهُودِيٍّ أَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۲۶ــــ بتاریخ: ۷ اپریل ۲۰۱۳ء

وَيُؤَدِّى الْمُسْلِمُ الْفِطْرَةَ عَنْ عَبْدِهِ الْكَافِرِ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَاهُ وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِى حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا: «أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ، يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مَجُوسِيٍّ» الْحَدِيثَ. [1]

بھئی صدقۂ فطر کے مسائل چل رہے ہیں، اور گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ صدقۂ فطر واجب ہے ہر آزاد مسلمان پر جبکہ وہ اپنی حاجتِ اصلیہ سے زائد نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو۔ اس نصاب کے اندر نامی ہونے کی شرط نہیں ہے بھئی۔ اور حاجتِ اصلیہ سے زائد کس کو کہیں گے؟ میں نے بتلایا تھا وہ سامان جو اس کے عام استعمال میں آتا رہتا ہے، چاہے جتنا بھی زیادہ کیوں نہ ہو، اس کو کہیں گے کہ یہ حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہے۔ اور وہ چیز یا وہ سامان جو بہت ہی کم کبھی سالوں میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کو کیا کہیں گے؟ یہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے بھئی، زائد ہے۔

اور گزشتہ سبق میں یہ بھی آپ نے پڑھا تھا کہ صدقۂ فطر جو ہے کسی شخص پر، وہ اس کی اپنی ذات میں بھی واجب ہوتا ہے، اپنی طرف سے بھی دینا پڑے گا، اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی دینا پڑے گا اگر ان کے پاس مال نہیں ہے، اور اسی طرح اپنے غلاموں کی طرف سے بھی دینا پڑے گا بشرطیکہ وہ غلام خدمت کے لیے ہوں، تجارت کے لیے نہ ہوں بھئی، تجارت کے لیے نہ ہوں۔

اب آپ کو یہ مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ غلام چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو مسلمان کا، مسلمان کا غلام ہے اور کافر ہے، اس کی طرف سے بھی کیا کرنا پڑے گا؟ صدقۂ فطر ادا کرنا پڑے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں: **وَيُؤَدِّى الْمُسْلِمُ الْفِطْرَةَ عَنْ عَبْدِهِ الْكَافِرِ** اور مسلمان جو ہے وہ ادا کرے گا صدقۂ فطر اپنے کافر غلام کی طرف سے بھی، **لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَاهُ** بوجہ مطلق ہونے اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا، اور وہ باب صدقۃ الفطر کے شروع کے اندر حدیث آئی تھی حضرت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْكَبِيرٍ**»۔ تو یہاں دیکھیے، یہ حدیث مطلق ہے کہ ہر غلام چاہے چھوٹا ہو یا بڑا اس کی طرف سے صدقۂ فطر دیا جائے گا۔ کافر یا مومن کی قید نہیں اس کے اندر، معلوم ہوا یہ مطلق ہے۔ چاہے غلام مومن ہو چاہے کافر ہو، اس کی طرف سے دینا پڑے گا۔ یہ معنی ہے: **لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَاهُ** بوجہ مطلق ہونے اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا۔ ایک یہ دلیل، دوسری:

وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِى حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اور بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ، يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْمَجُوسِيٍّ**» کہ صدقۂ فطر ادا کرو ہر آزاد اور غلام کی طرف سے، یہودی ہو یا عیسائی ہو یا مجوسی یعنی آتش پرست ہو۔ **الْحَدِيثَ** تو اس کو **الْحَدِيثُ** مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصوب بھی۔

تو اب آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں: **وَلِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَحَقَّقَ** اور نیز اس لیے کیونکہ صدقۂ فطر کا سبب جو ہے وہ پایا گیا ہے۔ صدقۂ فطر کا سبب کیا تھا؟ ایسا راس تھا جس پر انسان کو ولایت حاصل ہو اور جس کا وہ خرچہ اٹھاتا ہو۔ اور یہاں پر بھی وہ غلام ہے کافر جو ہے، اس پر مالک کو ولایت بھی حاصل ہے اور اس کا خرچہ بھی اٹھاتا ہے۔ تو لہٰذا اس کا وجوب آقا پر آئے گا کیونکہ آقا، آقا تو مسلمان ہے، اس میں تو وجوب کی اہلیت ہے کہ اس پر صدقۂ فطر واجب ہو۔ یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَحَقَّقَ** اس لیے کیونکہ سبب تحقیق وہ پایا گیا ہے، **وَالْمَوْلٰى مِنْ أَهْلِهِ** اور آقا بھی اس کے اہل میں سے ہے یعنی وہ بھی اس صدقۂ فطر کے وجوب کی اہلیت رکھتا ہے۔ جب مومن ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ جب بھی وہ نصاب کے بقدر اس سے زائد مال کا مالک ہو گا تو اس پر صدقۂ فطر کا وجوب آ سکتا ہے۔ تو آقا وہ اس کے وجوب کا اہل ہے، اہلیت رکھتا ہے۔ کس وجہ سے اہلیت رکھتا ہے؟ مسلمان ہونے کی وجہ سے۔

وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اور اس کے اندر امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کافر غلام کا صدقۂ فطر جو ہے وہ آقا پر نہیں آئے گا۔ کیوں؟ اس کی کیا وجہ؟ بھئی کیونکہ ان کے نزدیک صدقۂ فطر کا وجوب خود غلام پر آتا ہے اور غلام تو ہے کافر، اس میں تو اہلیت ہی نہیں ہے کہ اس

[1] شاملہ (ص۱۵۵) میں «وَ يُؤَدِّي» کے بجائے «واحد منهما ويؤدي»، شاملہ (ص۱۵۵) میں «الْفِطْرَةَ عَنْ» کے بجائے «الفطر»، شاملہ (ص۱۵۵) میں «رَوَيْنَاهُ وَ لِقَوْلِهِ» کے بجائے «روينا ولقوله»، شاملہ (ص۱۵۵) میں «وَ عَبْدِ» کے بجائے «وعبد» درج ہے۔

پر وجوب آئے۔ کیونکہ صدقۂ فطر کیا ہے؟ عبادت ہے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس کا وجوب صرف کس پر آئے گا؟ مومن پر آئے گا۔ تو ہمارے نزدیک وجوب آرہا ہے آقا پر، اور آقا تو مسلمان ہے، اس میں اہلیت ہے۔ جبکہ ان کے نزدیک وجوب آرہا ہے خود غلام پر اور غلام تو ہے کافر، تو اس میں وجوب کی اہلیت ہی نہیں، لہٰذا اس پر نہیں آئے گا اور آقا کو اس کی طرف سے ادا نہیں کرنا پڑے گا۔

یہ معنی ہے: **وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ** اور اس کے اندر اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا، **لِأَنَّ الْوُجُوبَ عِنْدَهُ عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ** اس لیے کیونکہ وجوب امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غلام پر ہوتا ہے، **وَهُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ** اور وہ تو اس کا اس وجوب کا اہل نہیں ہے کیونکہ مومن نہیں ہے۔

وَلَوْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ فَلَا وُجُوبَ بِالِاتِّفَاقِ اور اگر اس کا عکس ہو تو پھر بالاتفاق وجوب نہیں ہے۔ اس کا عکس ہو، یعنی غلام مسلمان ہو اور اس کا آقا کیا ہو؟ کافر ہو، پھر بالاتفاق وجوب نہیں آئے گا۔ ہمارے نزدیک تو اس لیے کیونکہ وجوب آقا پر آتا ہے اور آقا جب کافر ہے تو اس میں وجوب کی اہلیت ہی نہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وجوب اگرچہ غلام پر آتا ہے اور غلام تو ہے مومن، لیکن آقا کیا ہے؟ کافر، اور ادا کس کو کرنا پڑتا ہے؟ آقا کو، تو آقا میں اہلیت نہیں ادا کی، کیونکہ یہ صدقۂ فطر دینا یہ کیا ہے؟ عبادت ہے، اور عبادت کا کی اہلیت کافر میں نہیں ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آگئی۔ یہ معنی ہے: **وَلَوْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ** اور اگر اس کا عکس ہو، **فَلَا وُجُوبَ بِالِاتِّفَاقِ** تو بالاتفاق وجوب نہیں ہے۔

قَالَ: وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وَأَحَدُهُمَا بِالْخِيَارِ فَفِطْرَتُهُ عَلَى مَنْ يَصِيرُ لَهُ۔ بھئی یاد رکھیے، آپ نے کتاب البیوع کے اندر قدوری وغیرہ میں پڑھا ہو گا خیارِ شرط کے بارے میں۔ کس کے بارے میں؟ خیارِ شرط۔ اور خیارِ شرط یہ ہے کہ دو آدمی آپس میں خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرتے ہیں اور دونوں میں سے کوئی ایک وہ اختیار رکھ لیتا ہے کہ مجھے اختیار ہے، ایک دن، دو دن، یا زیادہ سے زیادہ یہ تین دن تک یہ خیار ہوتا ہے۔ تو میں چاہوں تو ان دنوں کے اندر بیع کو فسخ کرنا چاہوں کر سکتا ہوں۔ دونوں میں سے کوئی ایک اختیار رکھ لیتا ہے، سمجھ میں آیا؟ کبھی بائع رکھ لیتا ہے اور کبھی مشتری۔ مثلاً بائع کے پاس ایک چیز تھی، مشتری نے کہا: یہ چیز مجھے فروخت کر دو۔ بائع اس کو بیچنا نہیں چاہتا، لیکن مشتری نے اس کو مجبور کر دیا، تو بائع نے کہا: چلو ٹھیک ہے، میں نے آپ کو بیچ دی، لیکن میں اس پہ مزید غور کروں گا اور تین دن میں اگر میری رائے بن گئی تو ٹھیک ہے، ورنہ میں تین دن کے اندر کیا کر سکتا ہوں اس بیع کو؟ فسخ کر سکتا ہوں۔ صورت سمجھ میں آئی؟ یا دوسری صورت ہے، کبھی مشتری میں یہ صورت پیش آتی ہے۔ مشتری ایک چیز خرید لیتا ہے لیکن اس کو اس چیز کا تجربہ نہیں، پہچان نہیں۔ تو وہ کیا کہتا ہے؟ میں خرید تا ہوں لیکن مجھے تین دن کا یا دو دن کا یا ایک دن کا اختیار ہے، چنانچہ وہ جا کر مشورہ کرتا ہے کہ یہ چیز میں نے لی ہے اتنے کی، اس کو رکھوں یا نہ رکھوں؟ اور اس اختیار، پھر اس کو اختیار رہتا ہے، اس مدت میں وہ چاہے تو کیا کر سکتا ہے؟ بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔ تو اس کو کہتے ہیں جی خیارِ شرط بھئی، کیا کہتے ہیں؟ خیارِ شرط۔

اب صورتِ مسئلہ یہ کہ کسی شخص نے اپنا غلام بیچا اور مشتری یا بائع دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے لیے خیار رکھ لیا، جس نے بھی رکھا، لیکن کسی ایک نے کیا کیا؟ خیار رکھا۔ اور اسی خیار کے دن میں وہ عید کا دن بھی آرہا ہے۔ عید کا دن بھی، اس دن بھی خیار ہے چاہے مشتری کو ہے چاہے بائع کو ہے۔ تو اب اس کا صدقۂ فطر کس پر واجب ہو گا؟ بائع پر واجب ہو گا یا مشتری پر واجب ہو گا؟ تو ہمارے نزدیک، ہمارے نزدیک جو اس کا مالک ہو جائے گا یا جو اس کا مالک رہے گا صدقۂ فطر بھی اس پر واجب ہو گا۔ مثلاً اگر مشتری نے خیار کے ذریعے بیع کو فسخ نہیں کیا تو یہ غلام کس کا ہوا؟ مشتری کا، اور یوں شمار کریں گے بیع کے وقت سے ہی مشتری کا ہے، اور بیع تو ہوئی ہے عید سے پہلے، لہٰذا عید کے دن بھی کس کا ہوا؟ مشتری کا ہی ہوا، اور صدقۂ فطر کس پر آتا ہے؟ جو مالک ہوتا ہے، لہٰذا اس پر صدقۂ فطر آئے گا۔ اور اگر مشتری نے عید سے اگلے دن خیار کو استعمال کیا اور بیع فسخ کر دی، تو غلام پہلے کس کا تھا؟ بائع کا، اب بھی کس کا رہے گا؟ بائع کا رہے گا، تو لہٰذا اس صورت میں صدقۂ فطر کس پر آئے گا؟ بائع پر، کہ یوں سمجھا جائے گا غلام کو بیچا ہی نہیں، شروع سے اس کے پاس ہے، عید کے دن بھی اس کے پاس تھا، لہٰذا صدقۂ فطر بھی اسی پر آئے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا۔

یہ معنی ہے: **وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وَأَحَدُهُمَا بِالْخِيَارِ** اور جس شخص نے کوئی غلام بیچا اس حال میں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار تھا، **فَفِطْرَتُهُ عَلَى مَنْ يَصِيرُ لَهُ** تو اس غلام کا صدقۂ فطر اس شخص پر ہو گا، **يَصِيرُ لَهُ** جس کے لیے وہ غلام ہو جائے۔ یعنی بائع کے لیے ہو جاتا ہے، بیع رد ہو جاتی ہے تو اسی پر، اور اگر مشتری لے جاتا ہے، بیع کو فسخ نہیں کرتا تو پھر اس پر آئے گا صدقۂ فطر۔

مَعْنَاهُ إِذَا مَرَّ يَوْمُ الْفِطْرِ وَالْخِيَارُ بَاقٍ، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: معنی اس کا یہ ہے کہ جب عید الفطر کا دن گزرے اور خیار باقی ہو، کیونکہ اسی دن خیار ہونا چاہیے نا، پھر ہی اعتبار کیا جائے گا خیار کا۔ اگر اس سے پہلے یا بعد میں خیار ہے پھر تو یہ بحث ہی نہیں ہے، پھر تو ظاہر سی بات ہے جو مالک ہو گا اس پر آئے گا۔

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: عَلَى مَنْ لَهُ الْخِيَارُ، امام زفر رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں اس مسئلے میں، وہ فرماتے ہیں: نہیں، جس کو اختیار ہے اس پر صدقۂ فطر آئے گا۔ بعد میں چاہے وہ بیع فسخ کر دے، لیکن عید کے دن جس کا اختیار ہے صدقۂ فطر بھی اس پر واجب ہے، کیونکہ ولایت اس کو حاصل ہے، وہ چاہے تو بیع کو جائز قرار دے دے، وہ چاہے تو بیع کو فسخ کر دے۔ یہ معنی ہے: **وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: عَلَى مَنْ لَهُ الْخِيَارُ** اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر اس شخص پر ہو گا جس کے لیے خیار ہے، **لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لَهُ** اس لیے کیونکہ ولایت اس کو حاصل ہے، وہ چاہے تو بیع کو چلنے دے اور چاہے تو اس کو فسخ کر دے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: عَلٰى مَنْ لَهُ الْمِلْكُ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر اس شخص پر ہو گا جس کے لیے ملکیت ثابت ہے۔ جس کے لیے ملکیت ثابت ہے، **لِأَنَّهُ مِنْ وَظَائِفِهِ كَالنَّفَقَةِ** اس لیے کیونکہ یہ ملکیت کے وظائف میں سے ہے جیسے کہ نفقہ ہے۔ نفقہ کسی غلام کا کس شخص پر آتا ہے؟ جو مالک ہوتا ہے۔ تو نفقہ جو ہے ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے، جس کی ملکیت اس غلام کا خرچہ اور نفقہ بھی اسی پر۔ تو یہاں پر بھی جس کے لیے ملکیت ہے صدقۂ فطر بھی اسی پر آئے گا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خیار کے درمیان ملکیت مشتری کے لیے ہوتی ہے۔ کس کے لیے ہوتی ہے؟ خیار کے درمیان، خیار کے دوران، خیارِ شرط کے ان ایام میں بھی ملکیت کس کے لیے ہوتی ہے؟ مشتری کے لیے ہوتی ہے، تو ان کے نزدیک جس کے لیے ملکیت اسی پر صدقۂ فطر بھی، اور ملکیت تو مشتری کے لیے ہے لہٰذا صدقۂ فطر بھی مشتری پر واجب ہو گا۔ یہ معنی ہے: اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **عَلٰى مَنْ لَهُ الْمِلْكُ** کہ صدقۂ فطر اس شخص پر ہو گا جس کے لیے ملکیت ہے، **لِأَنَّهُ مِنْ وَظَائِفِهِ كَالنَّفَقَةِ** اس لیے کیونکہ یہ جو صدقۂ فطر ہے یہ ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے جیسے کہ نفقہ ہے۔

وَلَنَا أَنَّ الْمِلْكَ مَوْقُوفٌ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت موقوف ہے۔ ہم کہتے ہیں: ٹھیک ہے، آپ کی بات تسلیم کہ یہ صدقۂ فطر ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے، جو مالک ہوتا ہے اسی پر صدقۂ فطر بھی آتا ہے، لیکن یہاں ملکیت موقوف ہے۔ ملکیت کیا ہے؟ موقوف ہے، کہ پتہ نہیں جس کا خیار ہے وہ اس بیع کو جاری رکھتا ہے، اگر وہ اجازت دے دے گا تو مشتری مالک بن جائے گا، اور اگر وہ بیع کو فسخ کر دے گا تو چیز کس کے پاس باقی رہے گی؟ بائع کے پاس واپس رہے گی۔ تو ابھی معلوم ہوا اس دوران ملکیت موقوف ہے۔ جب ملکیت موقوف ہے تو جس چیز کی بنیاد ملکیت پر تھی یعنی صدقۂ فطر، وہ بھی کیا رہے گا؟ موقوف رہے گا۔ دلیل سمجھ میں آ رہی ہے؟ کہ صدقۂ فطر کس کے وظیفوں میں سے؟ ملکیت کے وظیفوں میں سے، تو صدقۂ فطر کی بنیاد ہوئی ملکیت پر، اور ملکیت اس وقت موقوف ہے تو صدقۂ فطر بھی موقوف رہے گا، اور جس کے لیے پھر ملکیت ثابت ہو جائے گی اسی پر صدقۂ فطر بھی آ جائے گا۔

یہ معنی ہے: **وَلَنَا أَنَّ الْمِلْكَ مَوْقُوفٌ** اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت موقوف ہے، **لِأَنَّهُ لَوْ رُدَّ يَعُودُ إِلٰى مِلْكِ الْبَائِعِ** اس لیے کیونکہ اگر مبیع کو رد کر دیا گیا یا بیع کو اگر رد کر دیا گیا تو **يَعُودُ إِلٰى مِلْكِ الْبَائِعِ** تو وہ چیز بائع کی ملکیت میں لوٹ آئے گی، **وَلَوْ أُجِيزَ يَثْبُتُ الْمِلْكُ لِلْمُشْتَرِي** اور اگر بیع کی اجازت دے دی گئی تو ملکیت مشتری کے لیے ثابت ہو جائے گی **مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ،** کب سے ملکیت ثابت ہو جائے گی مشتری کے لیے؟ عقد کے وقت سے ہی۔ عقد تو تین دن پہلے ہوا تھا، تو یوں شمار کریں گے گویا تین دن پہلے سے ہی مشتری اس کا مالک بن گیا ہے۔ کب؟ جب بیع کی اجازت دے دی جائے۔ تو وقتِ عقد سے ہی ملکیت شمار ہو گی، **فَيَتَوَقَّفُ مَا يَبْتَنِي عَلَيْهِ** تو جب ملکیت موقوف ہے تو موقوف رہے گی وہ چیز بھی **يَبْتَنِي عَلَيْهِ** جس کی بنیاد کس پر ہے؟ ملکیت پر ہے، یعنی صدقۂ فطر۔

بِخِلَافِ النَّفَقَةِ، یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں۔ انہوں نے اس صدقۂ فطر کو کس پر قیاس کیا تھا؟ نفقے پر۔ انہوں نے کہا تھا: جیسے نفقہ ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے، اسی طرح صدقۂ فطر بھی ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے، اور اس دوران نفقہ تو مشتری پر آتا ہے، تو لہٰذا کیونکہ ملکیت اس کی ہے، تو نفقہ مشتری پر آتا ہے تو صدقۂ فطر بھی کس پر آئے گا؟ مشتری پر آئے گا بھئی۔ تو ہم کہتے ہیں: نہیں، نفقے پر آپ قیاس نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ نفقہ فوری ضرورت ہے۔ فی الحال ہی غلام کو کھانے اور پینے کی حاجت ہے، اور خیارِ شرط تو مثلاً تین دن کا رکھا ہوا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو خیارِ شرط تین دن تک رکھا ہوا ہے تو اس دوران فی الحال غلام کو کھانے اور پینے کی حاجت ہو گی یا حاجت نہیں ہو گی؟ تو اس کی تو حاجت ہو گی، لہٰذا اس میں تو ابھی فوری ضرورت ہے، جبکہ صدقۂ فطر تو بعد میں بھی ادا کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، لہٰذا اس کو نفقے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

بِخِلَافِ النَّفَقَةِ بخلاف نفقہ کے، **لِأَنَّهَا لِلْحَاجَةِ النَّاجِزَةِ،** ناجزہ کا معنی: موجودہ، فی الحال۔ اس لیے کیونکہ نفقہ جو ہے اس کی ضرورت فی الحال ہے، **فَلَا تَقْبَلُ التَّوَقُّفَ** لہٰذا یہ نفقہ جو ہے یہ توقف کو قبول نہیں کرتا، اس میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ نفقہ موقوف رہے گا، کیونکہ اس نفقے کی تو اسے فوری ضرورت ہے بھئی، سمجھ میں آئی بات؟ تو وہ موقوف نہیں رہے گا۔

وَزَكَاةُ التِّجَارَةِ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ اور تجارت کی زکوٰۃ بھی اسی اختلاف پر ہے۔ یعنی مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو کوئی سامان فروخت کیا سامانِ تجارت، اور دونوں میں سے کسی ایک نے خیار رکھ لیا، اور انہی خیار کے ایام میں اس کا سال پورا ہو رہا ہے اس شخص کے پاس جو نصاب کے بقدر مال تھا اس پر سال پورا ہو رہا ہے۔ تو اب اس سال جس دن پورا ہو رہا ہے اس دن ابھی خیار باقی ہے یا بائع کا ہے یا مشتری کا۔ تو اب اس کیا اس کی بھی زکوٰۃ ادا کی جائے گی اس مال کی جس کے اندر خیار ہے یا زکوٰۃ یہ ادا نہیں کرے گا دوسرے کا شمار کریں گے؟ تو کہتے ہیں بھئی اس کے اندر بھی وہی صورت ہے۔ جس کا وہ ہو جائے گا اسی پر اس کی زکوٰۃ بھی آئے گی، سمجھ میں آ گیا؟ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک جس کا خیار ہے اس پر اس کی زکوٰۃ آئے گی جبکہ سال پورا ہو رہا ہے ان دنوں میں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جس کے لیے ملکیت ہے اس پر کیا آئے گی؟ زکوٰۃ آئے گی، اور ملکیت ان کے نزدیک کس کے لیے ہے؟ مشتری کے لیے ہے، لہٰذا اس پر بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

■ فَصْلٌ فِي مِقْدَارِ الْوَاجِبِ وَوَقْتِهِ یہ فصل ہے واجب کی

فَصْلٌ فِي مِقْدَارِ الْوَاجِبِ وَوَقْتِهِ یہ فصل ہے واجب کی مقدار میں اور اس کے وقت میں، یعنی صدقۂ فطر کی واجب مقدار کتنی ہے، اس کی مقدار کتنی ہے

اور اس کا وقت کب ہے، کس وقت یہ ادا کیا جائے گا؟

کہتے ہیں: **اَلْفِطْرَةُ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ دَقِيقٍ أَوْ سَوِيقٍ أَوْ زَبِيبٍ أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ۔** صدقۂ فطر جو ہے، **نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ** وہ نصفِ صاع ہے، آدھا صاع ہے **مِنْ بُرٍّ** گندم میں سے، **أَوْ دَقِيقٍ** یا آٹے میں سے، دقیق کہتے ہیں آٹے کو، **أَوْ دَقِيقٍ** یا آٹے میں سے، **أَوْ سَوِيقٍ** یا ستو میں سے، ستو جانتے ہیں یا نہیں بھئی؟ ہاں، تو ستو میں سے، **أَوْ زَبِيبٍ** یا کشمش میں سے، **أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ** یا ایک صاع ہے کھجور میں سے **أَوْ شَعِيرٍ** یا جو میں سے، شعیر کہتے ہیں جو کو۔

تو بھئی دیکھیے، اگر گندم دینی ہے صدقۂ فطر کے اندر، یا آٹا دینا چاہتے ہیں، یا ستو دینا چاہتے ہیں، یا کشمش دینا چاہتے ہیں تو آدھا صاع دینا پڑے گا۔ اور اگر آپ کھجور یا جو دینا چاہتے ہیں پھر آدھا صاع نہیں بلکہ ایک پورا صاع دینا پڑے گا۔

وَقَالَا: اَلزَّبِيبُ بِمَنْزِلَةِ الشَّعِيرِ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ کشمش جو کے درجے میں ہے۔ کس کے درجے میں ہے؟ بھئی یہ جو متن میں ذکر ہوا نا متن میں، کشمش کا ذکر کس کے ساتھ آیا، نصفِ صاع کے ساتھ یا صاع کے ساتھ؟ نصفِ صاع کے ساتھ زبیب کا ذکر، معلوم ہوا زبیب کا وہی حکم ہے جو گندم کا ہے، جو کس کا حکم ہے؟ گندم کا حکم ہے۔ جبکہ شعیر کا وہ حکم ہے جو کھجور کا حکم ہے یعنی پورا صاع دینا پڑے گا۔ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ زبیب جو کے درجے میں ہے، اور جو کے اندر تو پورا صاع دینا پڑتا ہے، لہٰذا اگر کوئی کشمش دینا چاہتا ہے صدقۂ فطر کے طور پر تو پورا صاع دینا پڑے گا، نصفِ صاع نہیں۔ امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ نصفِ صاع دے گا اگر کشمش دیتا ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں: پورا صاع۔

یہ معنی ہے: **وَقَالَا: اَلزَّبِيبُ بِمَنْزِلَةِ الشَّعِيرِ** اور صاحبین فرماتے ہیں کہ کشمش جو ہے وہ جو کے درجے میں ہے، **وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ** اور یہی ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے۔ ایک روایت تو اوپر متن میں آگئی کہ کشمش میں سے نصفِ صاع ہے، اور ایک روایت امام صاحب سے یہ بھی آئی ہے کہ کشمش میں پورا صاع دینا پڑے گا۔

وَالْأَوَّلُ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ اور پہلی جو ہے وہ جامع صغیر کی روایت ہے جو متن کے اندر آئی کہ زبیب کا نصفِ صاع دینا پڑے گا، یہ روایت امام صاحب سے نقل کی گئی ہے جامع صغیر کے اندر بھئی۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: مِنْ جَمِيعِ ذٰلِكَ صَاعٌ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان سب میں سے صاع دینا پڑے گا۔ وہ فرماتے ہیں: نصفِ صاع کی بات ہے ہی نہیں کہیں پر بھی، بلکہ جو بھی چیز دینی ہے، گندم ہے، آٹا ہے، ستو ہے، کشمش ہے، کھجور وغیرہ سب میں سے صدقۂ فطر کتنا آئے گا؟ ایک صاع دینا پڑے گا۔ ان کی دلیل: **لِحَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، **قَالَ** وہ فرماتے ہیں: «**كُنَّا نُخْرِجُ ذٰلِكَ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**» کہ **كُنَّا نُخْرِجُ ذٰلِكَ** ہم یہ نکالا کرتے تھے، یعنی کیا مراد ہے؟ صاع، صاع، کہ ہم ایک صاع نکالا کرتے تھے حضور علیہ السلام کے زمانے میں۔ یہ ان کی دلیل ہے، اس میں کس کا ذکر آرہا ہے؟ صاع کا۔

وَلَنَا مَا رَوَيْنَا اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا، اور وہ جو حضرت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے اس میں کیا آیا تھا؟ «**نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ**» تو دیکھو، وہاں گندم کا نصفِ صاع ذکر ہے بھئی اور جو کا صاع بھئی۔ تو یہاں **وَلَنَا مَا رَوَيْنَا** اور ہماری دلیل جو ہے وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا، **وَهُوَ مَذْهَبُ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ** اور یہی مذہب ہے صحابہ کی ایک جماعت کا، صحابہ کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، **وَفِيهِمُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ** اور انہی میں سے خلفائے راشدین بھی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھئی، ان کا بھی یہی مذہب ہے۔

وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الزِّيَادَةِ تَطَوُّعًا، اب امام شافعی رحمہ اللہ کی حدیث کا جواب بھی دے رہے ہیں کہ وہ حدیث جو ہے، **مَا رَوَاهُ** جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا، **مَحْمُولٌ عَلَى الزِّيَادَةِ تَطَوُّعًا** وہ محمول ہے زیادتی پر بطورِ نفل کے، بطورِ نفل کے۔ یعنی حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو گندم میں سے بھی ایک صاع ادا کرتے تھے تو نصفِ صاع تو اس میں واجب تھا اور جو نصفِ صاع زائد دیتے تھے وہ بطورِ نفل کے ویسے ہی زائد دے دیا کرتے تھے۔ یہ معنی ہے: **وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الزِّيَادَةِ تَطَوُّعًا** اور وہ حدیث جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ محمول ہے بطورِ نفل کے زیادتی پر، کہ وہ زیادتی بطورِ نفل کے تھی۔

وَلَهُمَا فِي الزَّبِيبِ، جی، متن میں اختلاف بھی ذکر ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک زبیب کس کے ساتھ ہے؟ گندم کے ساتھ ہے، یعنی نصفِ صاع دیں گے، اور صاحبین کے نزدیک زبیب کس کے ساتھ ہے؟ شعیر کے ساتھ ہے، دونوں میں سے ایک صاع دیں گے۔ اب وہ بھی ذکر کرنے لگے ہیں: **وَلَهُمَا** اور صاحبین کی دلیل **فِي الزَّبِيبِ** کشمش کے اندر یہ ہے: **أَنَّهُ وَالتَّمْرُ يَتَقَارَبَانِ فِي الْمَقْصُودِ** کہ کشمش اور کھجور جو ہیں وہ قریب قریب ہیں ایک دوسرے کے **فِي الْمَقْصُودِ** مقصود کے اندر۔ دونوں کیا ہیں؟ مقصود میں ایک دوسرے کے قریب ہیں، مقصود کیا؟ یعنی دونوں کو بطورِ لذت کے کھایا جاتا ہے، جیسے کھجور لذت کے طور پر کھائی جاتی ہے اسی طرح کشمش کو بھی بطورِ لذت کے کھایا جاتا ہے۔ اور نیز جس طرح کھجور کے ذریعے مٹھاس حاصل کی جاتی ہے، مٹھاس کے لیے اس کو کھایا جاتا ہے اسی طرح کشمش کو بھی

کس لیے کھایا جاتا ہے؟ مٹھاس حاصل کرنے کے لیے، تو دونوں مقصود میں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے، ایک دوسرے جیسے ہو گئے۔ لہٰذا کھجور کے اندر تو بالاتفاق ایک صاع دینا پڑتا ہے، تو کشمش بھی اسی کی طرح ہے، اس کے اندر بھی کیا دینا پڑے گا؟ ایک صاع دینا پڑے گا۔ یہ صاحبین کی دلیل۔

یہ معنی ہے: **وَلَهُمَا** اور صاحبین کی دلیل **فِي الزَّبِيبِ** کشمش میں یہ ہے: **أَنَّهُ وَالتَّمْرُ يَتَقَارَبَانِ فِي الْمَقْصُودِ** کہ کشمش اور کھجور جو ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے قریب ہیں مقصود کے اندر، اور مقصود کیا ہے؟ لذت اور مٹھاس۔

وَلَهُ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ وَالْبُرُّ يَتَقَارَبَانِ** کہ کشمش اور گندم **يَتَقَارَبَانِ** وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں **فِي الْمَعْنَى** معنی کے اعتبار سے، کس اعتبار سے؟ معنی کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے قریب ہیں بھئی۔ کس طرح معنی کے اعتبار سے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ يُؤْكَلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِجَمِيعِ أَجْزَائِهِ** اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو کھایا جاتا ہے اپنے سارے اجزاء کے ساتھ۔ گندم کو بھی کیا کیا جاتا ہے؟ سارے اجزاء سمیت کھا لیتے ہیں، اسی طرح کشمش کو بھی سارے اجزاء سمیت کھا لیتے ہیں، جبکہ جو اور کھجور ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ جیسے کھجور میں سے کچھ حصہ یعنی گٹھلی نکال کر پھینک دی جاتی ہے، ساری کھجور کو نہیں کھاتے بلکہ اس کا ایک جز یعنی گٹھلی کو پھینک دیا جاتا ہے، اسی طرح جو کو بھی سارا نہیں کھایا جاتا بلکہ اس کو چھانتے ہیں اور جو چھان بچ جاتا ہے اس کو نہیں کھاتے بلکہ پھینک دیا جاتا ہے۔ تو دیکھو، کھجور اور جو کیا ہوئے؟ ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے کیونکہ کچھ جز کو کھایا جاتا ہے اور کچھ جز کو کھایا نہیں جاتا۔ جبکہ گندم اور کشمش وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے، ایک دوسرے کے قریب ہوئے کیونکہ ان میں سارے اجزاء کو کھایا جاتا ہے۔ تو جب کشمش کس کے قریب ہوئی؟ گندم کے قریب ہوئی کہ سارا کھایا جاتا ہے سب کو، تو اسی کا حکم ہو گا، اور گندم میں تو کیا دیتے ہیں؟ نصف صاع، تو کشمش میں بھی کیا دیں گے؟ نصفِ صاع دیں گے۔ جبکہ جو اور کھجور کا ایک حکم ہو گا، کھجور کے اندر جب ایک صاع ہے تو جو کے اندر بھی اسی طرح ایک صاع ہے بھئی۔

یہ معنی ہے، کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں: **أَنَّهُ وَالْبُرُّ يَتَقَارَبَانِ فِي الْمَعْنَى** کہ کشمش اور گندم جو ہیں وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں معنی کے اندر، **لِأَنَّهُ يُؤْكَلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِجَمِيعِ أَجْزَائِهِ** اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو کھایا جاتا ہے اپنے سارے اجزاء کے ساتھ، **وَيُلْقَى مِنَ التَّمْرِ النَّوَاةُ** اور پھینک دیا جاتا ہے کھجور میں سے گٹھلی کو، **وَمِنَ الشَّعِيرِ النُّخَالَةُ** اور جو میں سے چھان کو، نخالہ کہتے ہیں چھان، بھئی جو کو چھاننے کے بعد جو چھلنی کے اندر جو جز اس کا رہ جائے وہ کیا ہے؟ چھان ہے، اس کو پھینک دیا جاتا ہے جو میں سے۔ **وَبِهٰذَا ظَهَرَ التَّفَاوُتُ بَيْنَ الْبُرِّ وَالتَّمْرِ** اور اسی سے ظاہر ہو گیا فرق بھی گندم اور کھجور کے درمیان، کیونکہ گندم ساری کھائی جاتی ہے اور کھجور ساری نہیں کھائی جاتی۔

وَمُرَادُهُ مِنَ الدَّقِيقِ وَالسَّوِيقِ مَا يُتَّخَذُ مِنَ الْبُرِّ، کہتے ہیں بھئی متن کے اندر دقیق اور سویق یعنی آٹے اور ستو کا ذکر آیا تھا، تو اس آٹے اور ستو سے مراد گندم کا آٹا اور گندم کا ستو مراد ہے، جو کا آٹا یا جو کا ستو مراد نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: **وَمُرَادُهُ** اور صاحبِ قدوری کی مراد جو ہے یا متن کی مراد جو ہے **مِنَ الدَّقِيقِ وَالسَّوِيقِ** آٹے اور ستو سے، **مَا يُتَّخَذُ مِنَ الْبُرِّ** وہ آٹا یا وہ ستو ہے جو کس سے بنایا جاتا ہے؟ گندم سے۔ **أَمَّا دَقِيقُ الشَّعِيرِ كَالشَّعِيرِ** اور باقی جو جو کا آٹا ہے وہ جو کی طرح ہے۔ کس کی طرح ہے؟ بھئی وہاں ذکر ہوا تھا نا آٹے یا ستو میں سے بھی کتنا ہے، متن میں کیا آیا تھا؟ نصفِ صاع، تو بتلا دیا کہ وہ گندم کا آٹا اور گندم کا ستو ہے اس میں سے نصفِ صاع دیں گے، اور جو کے آٹے کا وہی حکم ہے جو جو کا ہے، اور جو میں سے نصفِ صاع دیتے ہیں یا ایک صاع دیتے ہیں؟ ایک صاع دیتے ہیں، تو جو کا آٹا یا ستو دینا چاہتے ہیں تو وہ ایک صاع دینا پڑے گا، نصفِ صاع سے وہاں ادائیگی نہیں ہو گی۔

وَالْأَوْلَى أَنْ يُرَاعَى فِيهِمَا الْقَدْرُ وَالْقِيمَةُ احْتِيَاطًا اور بہتر یہ ہے کہ رعایت رکھی جائے ان دونوں کے اندر مقدار کی بھی اور قیمت کی بھی احتیاطاً بطورِ احتیاط کے۔ احتیاط یہ ہے کہ ان دونوں میں، یعنی اگر ستو یا آٹا دینا چاہتے ہیں گندم کا یا جو کا، تو اس میں مقدار کا بھی مقدار کی بھی رعایت رکھیں اور قیمت کی بھی قیمت کا بھی اعتبار کریں بطورِ احتیاط کے، احتیاط اسی میں ہے۔ مثلاً بھئی آپ صدقۂ فطر دینا چاہتے ہیں آٹے یا ستو کے ساتھ اور وہ ہے گندم کا آٹا یا ستو، تو اب آپ مثلاً دیتے ہیں گندم کے آٹے کا نصفِ

وَ يُؤَدِّي الْمُسْلِمُ الْفِطْرَةَ عَنْ عَبْدِهِ الْكَافِرِ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَاهُ وَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَ عَبْدٍ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مَجُوسِيٍّ الْحَدِيثَ۔

بھئی، صدقۂ فطر کے مسائل چل رہے ہیں۔ اور گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ صدقۂ فطر واجب ہے ہر آزاد مسلمان پر، جب کہ وہ اپنی حاجتِ اصلیہ سے زائد نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو۔ اس نصاب کے اندر نامی ہونے کی شرط نہیں ہے بھئی، اور حاجتِ اصلیہ سے زائد کس کو کہیں گے؟ میں نے بتلایا تھا وہ سامان جو اس کے عام استعمال میں آتا رہتا ہے، چاہے جتنا بھی زیادہ کیوں نہ ہو، اس کو کہیں گے کہ یہ حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہے۔ اور وہ چیز یا وہ سامان جو بہت ہی کم کبھی سالوں میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کو کیا کہیں گے؟ یہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے بھئی، زائد ہے۔

اور گزشتہ سبق میں یہ بھی آپ نے پڑھا تھا کہ صدقۂ فطر جو ہے، کسی شخص پر وہ اس کی اپنی ذات میں بھی واجب ہوتا ہے، اپنی طرف سے بھی دینا پڑے گا، اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی دینا پڑے گا اگر ان کے پاس مال نہیں ہے، اور اسی طرح اپنے غلاموں کی طرف سے بھی دینا پڑے گا، بشرطیکہ وہ غلام خدمت کے لیے ہوں، تجارت کے لیے نہ ہوں بھئی، تجارت کے لیے نہ ہوں۔

اب آپ کو یہ مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ غلام چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو مسلمان کا، مسلمان کا غلام ہے اور کافر ہے، اس کی طرف سے بھی کیا کرنا پڑے گا؟ صدقۂ فطر ادا کرنا پڑے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں: **وَ يُؤَدِّي الْمُسْلِمُ الْفِطْرَةَ عَنْ عَبْدِهِ الْكَافِرِ** اور مسلمان جو ہے وہ ادا کرے گا صدقۂ فطر اپنے کافر غلام کی طرف سے بھی، **لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَاهُ** بوجہ مطلق ہونے اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا، اور وہ باب صدقۃ الفطر کے شروع کے اندر حدیث آئی تھی حضرت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: **أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَ عَبْدٍ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ۔** تو یہاں دیکھیے، یہ حدیث مطلق ہے کہ ہر غلام چاہے چھوٹا ہو یا بڑا اس کی طرف سے صدقۂ فطر دیا جائے گا۔ کافر یا مومن کی قید نہیں اس کے اندر، معلوم ہوا یہ مطلق ہے۔ چاہے غلام مومن ہو چاہے کافر ہو، اس کی طرف سے دینا پڑے گا۔ یہ معنی ہے: **لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَاهُ** بوجہ مطلق ہونے اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا۔ ایک یہ دلیل۔ دوسری: **وَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا** اور بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَ عَبْدٍ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مَجُوسِيٍّ** کہ صدقۂ فطر ادا کرو ہر آزاد اور غلام کی طرف سے یہودی ہو یا عیسائی ہو یا مجوسی یعنی آتش پرست ہو۔ **الْحَدِيثَ** تو اس کو **الْحَدِيثُ** مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصوب بھی۔

تو اب آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں: **وَ لِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَحَقَّقَ** اور نیز اس لیے کیونکہ صدقۂ فطر کا سبب جو ہے وہ پایا گیا ہے۔ صدقۂ فطر کا سبب کیا تھا؟ ایسا راس تھا جس پر انسان کو ولایت حاصل ہو اور جس کا وہ خرچہ اٹھاتا ہو۔ اور یہاں پر بھی وہ غلام ہے، کافر جو ہے اس پر مالک کو ولایت بھی حاصل ہے اور اس کا خرچہ بھی اٹھاتا ہے۔ تو لہٰذا اس کا وجوب آقا پر آئے گا کیونکہ آقا، آقا تو مسلمان ہے، اس میں تو وجوب کی اہلیت ہے کہ اس پر صدقۂ فطر واجب ہو۔ یہ معنی ہے: **وَ لِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَحَقَّقَ** اس لیے کیونکہ سبب تحقیق وہ پایا گیا ہے، **وَ الْمَوْلَى مِنْ أَهْلِهِ** اور آقا بھی اس کے اہل میں سے ہے، یعنی وہ بھی صدقۂ فطر کے وجوب کی اہلیت رکھتا ہے۔ جب مومن ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ جب بھی وہ نصاب کے بقدر اس سے زائد مال کا مالک ہو گا تو اس پر صدقۂ فطر کا وجوب آ سکتا ہے۔ تو آقا وہ اس کے وجوب کا اہل ہے، اہلیت رکھتا ہے۔ کس وجہ سے اہلیت رکھتا ہے؟ مسلمان ہونے کی وجہ سے۔

وَ فِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ اور اس کے اندر امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کافر غلام کا صدقۂ فطر جو ہے وہ آقا پر نہیں آئے گا۔ کیوں؟ اس کی کیا وجہ؟ بھئی، کیونکہ ان کے نزدیک صدقۂ فطر کا وجوب خود غلام پر آتا ہے اور غلام تو ہے کافر، اس میں تو اہلیت ہی نہیں ہے کہ اس پر وجوب آئے، کیونکہ صدقۂ فطر کیا ہے؟ عبادت ہے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس کا وجوب صرف کس پر آئے گا؟ مومن پر آئے گا۔ تو ہمارے نزدیک وجوب آ رہا ہے آقا پر اور آقا تو مسلمان ہے، اس میں اہلیت ہے۔ جب کہ ان کے نزدیک وجوب آ رہا ہے خود غلام پر اور غلام تو ہے کافر، تو اس میں وجوب کی اہلیت ہی نہیں، لہٰذا اس پر نہیں آئے گا اور آقا کو اس کی طرف سے ادا نہیں کرنا پڑے گا۔ یہ معنی ہے: **وَ فِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور اس کے اندر اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا، **لِأَنَّ الْوُجُوبَ عِنْدَهُ عَلَى الْعَبْدِ وَ هُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ** اس لیے کیونکہ وجوب امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غلام پر ہوتا ہے، **وَ هُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ** اور وہ تو اس کا، اس وجوب کا اہل نہیں ہے کیونکہ مومن نہیں ہے۔

وَ لَوْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ فَلَا وُجُوبَ بِالِاتِّفَاقِ اور اگر اس کا عکس ہو تو پھر بالاتفاق وجوب نہیں ہے۔ اس کا عکس ہو، یعنی غلام مسلمان ہو اور اس کا آقا کیا ہو؟ کافر ہو، پھر بالاتفاق وجوب نہیں آئے گا۔ ہمارے نزدیک تو اس لیے کیونکہ وجوب آقا پر آتا ہے اور آقا جب کافر ہے تو اس میں وجوب کی اہلیت ہی نہیں۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وجوب اگرچہ غلام پر آتا ہے اور غلام تو ہے مومن، لیکن آقا کیا ہے؟ کافر، اور ادا کس کو کرنا پڑتا ہے؟ آقا کو، تو آقا میں اہلیت نہیں ادا کی، کیونکہ یہ صدقۂ فطر دینا یہ کیا ہے؟ عبادت ہے، اور عبادت کا، کی اہلیت کافر میں نہیں ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **وَ لَوْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ** اور اگر اس کا عکس ہو، **فَلَا وُجُوبَ بِالِاتِّفَاقِ** تو بالاتفاق وجوب نہیں ہے۔

قَالَ: وَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَ أَحَدُهُمَا بِالْخِيَارِ فَفِطْرَتُهُ عَلَى مَنْ يَصِيرُ لَهُ۔ بھئی یاد رکھیے، آپ نے کتاب البیوع کے اندر قدوری وغیرہ میں پڑھا ہو گا خیارِ شرط کے بارے میں۔ کس کے بارے میں؟ خیارِ شرط، اور خیارِ شرط یہ ہے کہ دو آدمی آپس میں خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرتے ہیں اور دونوں میں سے کوئی ایک وہ اختیار رکھ لیتا ہے کہ مجھے اختیار ہے، ایک دن، دو دن یا زیادہ سے زیادہ یہ تین دن تک یہ خیار ہوتا ہے، تو میں چاہوں تو ان دنوں کے اندر بیع کو فسخ کرنا چاہوں کر سکتا ہوں۔ دونوں میں سے کوئی ایک اختیار رکھ لیتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ کبھی بائع رکھ لیتا ہے اور کبھی مشتری۔ مثلاً بائع کے پاس ایک چیز تھی، مشتری نے کہا یہ چیز مجھے فروخت کر دو۔ بائع اس کو بیچنا نہیں چاہتا، لیکن مشتری نے اس کو مجبور کر دیا تو بائع نے کہا چلو ٹھیک ہے، میں نے آپ کو بیچ دی، لیکن میں اس پہ مزید غور کروں گا اور تین دن میں اگر میری رائے بن گئی تو ٹھیک ہے ورنہ میں تین دن کے اندر کیا کر سکتا ہوں اس بیع کو؟ فسخ کر سکتا ہوں۔ صورت سمجھ میں آئی؟ یا دوسری صورت ہے، کبھی مشتری میں یہی صورت پیش آتی ہے، مشتری ایک چیز خرید لیتا ہے لیکن اس کو اس چیز کا تجربہ نہیں، پہچان نہیں۔ تو وہ کیا کہتا ہے؟ میں خریدتا ہوں لیکن مجھے تین دن کا یا دو دن کا یا ایک دن کا اختیار

ہے۔ چنانچہ وہ جا کر مشورہ کرتا ہے کہ یہ چیز میں نے لی ہے اتنے کی، اس کو رکھوں یا نہ رکھوں؟ اور اس اختیار، پھر اس کو اختیار رہتا ہے اس مدت میں وہ چاہے تو کیا کر سکتا ہے؟ بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔

تو اس کو کہتے ہیں جی خیارِ شرط بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ خیارِ شرط۔ اب صورتِ مسئلہ یہ کہ کسی شخص نے اپنا غلام بیچا اور مشتری یا بائع دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے لیے خیار رکھ لیا، جس نے بھی رکھا لیکن کسی ایک نے کیا کیا؟ خیار رکھا۔ اور اسی خیار کے دن میں وہ عید کا دن بھی آ رہا ہے، عید کا دن بھی، اس دن بھی خیار ہے چاہے مشتری کو ہے چاہے بائع کو ہے۔ تو اب اس کا صدقۂ فطر کس پر واجب ہو گا؟ بائع پر واجب ہو گا یا مشتری پر واجب ہو گا؟ تو ہمارے نزدیک، ہمارے نزدیک جو اس کا مالک ہو جائے گا یا جو اس کا مالک رہے گا صدقۂ فطر بھی اس پر واجب ہو گا۔ مثلاً اگر مشتری نے خیار کے ذریعے بیع کو فسخ نہیں کیا تو یہ غلام کس کا ہوا؟ مشتری کا، اور یوں شمار کریں گے بیع کے وقت سے ہی مشتری کا ہے، اور بیع تو ہوئی ہے عید سے پہلے، لہٰذا عید کے دن بھی کس کا ہوا؟ مشتری کا ہی ہوا، اور صدقۂ فطر کس پر آتا ہے جو مالک ہوتا ہے، لہٰذا اس پر صدقۂ فطر آئے گا۔ اور اگر مشتری نے عید سے اگلے دن خیار کو استعمال کیا اور بیع فسخ کر دی، تو غلام پہلے کس کا تھا؟ بائع کا، اب بھی کس کا رہے گا؟ بائع کا رہے گا۔ تو لہٰذا اس صورت میں صدقۂ فطر کس پر آئے گا؟ بائع پر، کہ یوں سمجھا جائے گا غلام کو بیچا ہی نہیں، شروع سے اس کے پاس ہے، عید کے دن بھی اس کے پاس تھا، لہٰذا صدقۂ فطر بھی اسی پر آئے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

یہ معنی ہے: **وَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَ أَحَدُهُمَا بِالْخِيَارِ** اور جس شخص نے کوئی غلام بیچا اس حال میں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار تھا، **يَرْحَمُكَ اللَّهُ، فَفِطْرَتُهُ عَلَى مَنْ يَصِيرُ لَهُ** تو اس غلام کا صدقۂ فطر اس شخص پر ہو گا، **يَصِيرُ لَهُ** جس کے لیے وہ غلام ہو جائے، یعنی بائع کے لیے ہو جاتا ہے، بیع رد ہو جاتی ہے تو اسی پر، اور اگر مشتری لے جاتا ہے، بیع کو فسخ نہیں کرتا تو پھر اس پر آئے گا صدقۂ فطر۔ **مَعْنَاهُ إِذَا مَرَّ يَوْمُ الْفِطْرِ وَ الْخِيَارُ بَاقٍ** صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں معنی اس کا یہ ہے کہ جب عید الفطر کا دن گزرے اور خیار باقی ہو، کیونکہ اسی دن خیار ہونا چاہیے نا، پھر ہی اعتبار کیا جائے گا خیار کا۔ اگر اس سے پہلے یا بعد میں خیار ہے پھر تو یہ بحث ہی نہیں ہے، پھر تو ظاہر سی بات ہے جو مالک ہو گا اس پر آئے گا۔

وَ قَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِيَارُ امام زفر رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں اس مسئلے میں، وہ فرماتے ہیں نہیں، جس کو اختیار ہے اس پر صدقۂ فطر آئے گا۔ بعد میں چاہے وہ بیع فسخ کر دے، لیکن عید کے دن جس کا اختیار ہے صدقۂ فطر بھی اس پر واجب ہے، کیونکہ ولایت اس کو حاصل ہے، وہ چاہے تو بیع کو جائز قرار دے دے، وہ چاہے تو بیع کو فسخ کر دے۔ یہ معنی ہے: **وَ قَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِيَارُ** اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر اس شخص پر ہو گا جس کے لیے خیار ہے، **لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لَهُ** اس لیے کیونکہ ولایت اس کو حاصل ہے، وہ چاہے تو بیع کو چلنے دے اور چاہے تو اس کو فسخ کر دے۔

وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى مَنْ لَهُ الْمِلْكُ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر اس شخص پر ہو گا جس کے لیے ملکیت ثابت ہے، جس کے لیے ملکیت ثابت ہے، **لِأَنَّهُ مِنْ وَظَائِفِهِ كَالنَّفَقَةِ** اس لیے کیونکہ یہ ملکیت کے وظائف میں سے ہے جیسے کہ نفقہ ہے۔ نفقہ کسی غلام کا کس شخص پر آتا ہے؟ جو مالک ہوتا ہے۔ تو نفقہ جو ہے ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے، جس کی ملکیت، اس غلام کا خرچہ اور نفقہ بھی اسی پر۔ تو یہاں پر بھی جس کے لیے ملکیت ہے صدقۂ فطر بھی اسی پر آئے گا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خیار کے درمیان ملکیت مشتری کے لیے ہوتی ہے۔ کس کے لیے ہوتی ہے؟ خیار کے درمیان، خیار کے دوران، خیارِ شرط کے ان ایام میں بھی ملکیت کس کے لیے ہوتی ہے؟ مشتری کے لیے ہوتی ہے، تو ان کے نزدیک جس کے لیے ملکیت اسی پر صدقۂ فطر بھی، اور ملکیت تو مشتری کے لیے ہے لہٰذا صدقۂ فطر بھی مشتری پر واجب ہو گا۔ یہ معنی ہے: اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **عَلَى مَنْ لَهُ الْمِلْكُ** کہ صدقۂ فطر اس شخص پر ہو گا جس کے لیے ملکیت ہے، **لِأَنَّهُ مِنْ وَظَائِفِهِ** اس لیے کیونکہ یہ جو صدقۂ فطر ہے یہ ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے، **كَالنَّفَقَةِ** جیسے کہ نفقہ ہے۔

وَ لَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْمِلْكَ مَوْقُوفٌ** کہ ملکیت کیا ہے؟ ملکیت موقوف ہے۔ ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے، آپ کی بات تسلیم کہ یہ صدقۂ فطر ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے، جو مالک ہوتا ہے اسی پر صدقۂ فطر بھی آتا ہے، لیکن یہاں ملکیت موقوف ہے۔ ملکیت کیا ہے؟ موقوف ہے، کہ پتہ نہیں جس کا خیار ہے وہ اس بیع کو جاری رکھتا ہے، اگر وہ اجازت دے دے گا تو مشتری مالک بن جائے گا، اور اگر وہ بیع کو فسخ کر دے گا تو چیز کس کے پاس باقی رہے گی؟ بائع کے پاس واپس رہے گی۔ تو ابھی معلوم ہوا اس دوران ملکیت موقوف ہے۔ جب ملکیت موقوف ہے تو جس چیز کی بنیاد ملکیت پر تھی، یعنی صدقۂ فطر، وہ بھی کیا رہے گا؟ موقوف رہے گا۔ دلیل سمجھ میں آ رہی؟ کہ صدقۂ فطر کس کے وظیفوں میں سے؟ ملکیت کے وظیفوں میں سے، تو صدقۂ فطر کی بنیاد ہوئی ملکیت پر، اور ملکیت اس وقت موقوف ہے تو صدقۂ فطر بھی موقوف رہے گا، اور جس کے لیے پھر ملکیت ثابت ہو جائے گی اسی پر صدقۂ فطر بھی آ جائے گا۔

یہ معنی ہے: **وَ لَنَا** اور ہماری دلیل یہ ہے، **أَنَّ الْمِلْكَ مَوْقُوفٌ** کہ ملکیت موقوف ہے، **لِأَنَّهُ لَوْ رُدَّ يَعُودُ إِلَى مِلْكِ الْبَائِعِ** اس لیے کیونکہ اگر مبیع کو رد کر دیا گیا یا بیع کو اگر رد کر دیا گیا، **يَعُودُ إِلَى مِلْكِ الْبَائِعِ** تو وہ چیز بائع کی ملکیت میں لوٹ آئے گی، **وَ لَوْ أُجِيزَ** اور اگر بیع کی اجازت دے دی گئی، **يَثْبُتُ الْمِلْكُ لِلْمُشْتَرِي** تو ملکیت مشتری کے لیے ثابت ہو جائے گی، **مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ** کب سے ملکیت ثابت ہو جائے گی مشتری کے لیے؟ عقد کے وقت سے ہی۔ عقد تو تین دن پہلے ہوا تھا، تو یوں شمار کریں گے گویا تین دن پہلے سے ہی مشتری اس کا مالک بن گیا ہے۔ کب؟ جب بیع کی اجازت دے دی جائے۔ تو وقتِ عقد سے ہی ملکیت شمار ہو گی،

فَيَتَوَقَّفُ مَا يَبْتَنِي عَلَيْهِ جب ملکیت موقوف ہے تو موقوف رہے گی وہ چیز بھی، **يَبْتَنِي عَلَيْهِ** جس کی بنیاد کس پر ہے؟ ملکیت پر ہے، یعنی صدقۂ فطر۔

بِخِلَافِ النَّفَقَةِ یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں۔ انہوں نے اس صدقۂ فطر کو کس پر قیاس کیا تھا؟ نفقے پر، انہوں نے کہا تھا جیسے نفقہ ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے، اسی طرح صدقۂ فطر بھی ملکیت کے وظیفوں میں سے ہے، اور اس دوران نفقہ تو مشتری پر آتا ہے، تو لہٰذا کیونکہ ملکیت اس کی ہے، کیونکہ نفقہ مشتری پر آتا ہے تو صدقۂ فطر بھی کس پر آئے گا؟ مشتری پر آئے گا بھئی۔ تو ہم کہتے ہیں نہیں، نفقے پر آپ قیاس نہیں کر سکتے۔ اس لیے، کیونکہ نفقہ فوری ضرورت ہے۔ فی الحال ہی غلام کو کھانے اور پینے کی حاجت ہے، اور خیارِ شرط تو مثلاً تین دن کا رکھا ہوا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو خیارِ شرط تین دن تک رکھا ہوا ہے تو اس دوران فی الحال غلام کو کھانے اور پینے کی حاجت ہوگی یا حاجت نہیں ہوگی؟ تو اس کی تو حاجت ہوگی، لہٰذا اس میں تو ابھی فوری ضرورت ہے، جب کہ صدقۂ فطر تو بعد میں بھی ادا کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، لہٰذا اس کو نفقے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

بِخِلَافِ النَّفَقَةِ بخلاف نفقہ کے، **لِأَنَّهَا لِلْحَاجَةِ النَّاجِزَةِ** ناجزہ کا معنی موجودہ، فی الحال، اس لیے کیونکہ نفقہ جو ہے اس کی ضرورت فی الحال ہے، **فَلَا تَقْبَلُ التَّوَقُّفَ** لہٰذا یہ نفقہ جو ہے یہ توقف کو قبول نہیں کرتا، اس میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ نفقہ موقوف رہے گا، کیونکہ اس نفقے کی تو اسے فوری ضرورت ہے بھئی، سمجھ میں آئی بات؟ تو وہ موقوف نہیں رہے گا۔

وَ زَكَاةُ التِّجَارَةِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ اور تجارت کی زکوٰۃ بھی اسی اختلاف پر ہے، یعنی مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو کوئی سامان فروخت کیا، سامانِ تجارت، اور دونوں میں سے کسی ایک نے خیار رکھ لیا، اور انہی خیار کے ایام میں اس کا سال پورا ہو رہا ہے، اس شخص کے پاس جو نصاب کے بقدر مال تھا اس پر سال پورا ہو رہا ہے۔ تو اب اس سال جس دن پورا ہو رہا ہے اس دن ابھی خیار باقی ہے، یا بائع کا ہے یا مشتری، تو اب اس کیا اس کی بھی زکوٰۃ ادا کی جائے گی اس مال کی جس کے اندر خیار ہے؟ یا زکوٰۃ یہ ادا نہیں کرے گا، دوسرے کا شمار کریں گے؟ تو کہتے ہیں بھئی اس کے اندر بھی وہی صورت ہے۔ جس کا وہ ہو جائے گا اسی پر اس کی زکوٰۃ بھی آئے گی، سمجھ میں آ گیا؟ جب کہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک جس کا خیار ہے اس پر اس کی زکوٰۃ آئے گی جب کہ سال پورا ہو رہا ہے ان دنوں میں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جس کے لیے ملکیت ہے اس پر کیا آئے گی؟ زکوٰۃ آئے گی، اور ملکیت ان کے نزدیک کس کے لیے ہے؟ مشتری کے لیے ہے، لہٰذا اس پر بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

■ فَصْلٌ فِي مِقْدَارِ الْوَاجِبِ وَوَقْتِهِ یہ فصل ہے واجب ک

فَصْلٌ فِي مِقْدَارِ الْوَاجِبِ وَ وَقْتِهِ یہ فصل ہے واجب کی مقدار میں اور اس کے وقت میں، یعنی صدقۂ فطر کی واجب مقدار کتنی ہے، اس کی مقدار کتنی ہے، اور اس کا وقت کب ہے، کس وقت یہ ادا کیا جائے گا؟

کہتے ہیں: **الْفِطْرَةُ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ دَقِيقٍ أَوْ سَوِيقٍ أَوْ زَبِيبٍ أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ۔** صدقۂ فطر جو ہے، **نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ** وہ نصف صاع ہے، آدھا صاع ہے **مِنْ بُرٍّ** گندم میں سے، **أَوْ دَقِيقٍ** یا آٹے میں سے، دقیق کہتے ہیں آٹے کو، **أَوْ دَقِيقٍ** یا آٹے میں سے، **أَوْ سَوِيقٍ** یا ستو میں سے، ستو جانتے ہیں یا نہیں بھئی؟ ہاں، تو ستو میں سے، **أَوْ زَبِيبٍ** یا کشمش میں سے، **أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ** یا ایک صاع ہے کھجور میں سے **أَوْ شَعِيرٍ** یا جو میں سے۔ شعیر کہتے ہیں جو کو۔

تو بھئی دیکھیے، اگر گندم دینی ہے صدقۂ فطر کے اندر، یا آٹا دینا چاہتے ہیں یا ستو دینا چاہتے ہیں یا کشمش دینا چاہتے ہیں، تو آدھا صاع دینا پڑے گا۔ اور اگر آپ کھجور یا جو دینا چاہتے ہیں پھر آدھا صاع نہیں بلکہ پورا صاع دینا پڑے گا۔

وَ قَالَا: الزَّبِيبُ بِمَنْزِلَةِ الشَّعِيرِ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ کشمش جو کے درجے میں ہے۔ کس کے درجے میں ہے؟ جو کے درجے میں۔ بھئی یہ جو متن میں ذکر ہوا نا متن میں، کشمش کا ذکر کس کے ساتھ آیا، نصف صاع کے ساتھ یا صاع کے ساتھ؟ نصف صاع کے ساتھ زبیب کا ذکر۔ معلوم ہوا زبیب کا وہی حکم ہے جو گندم کا ہے، جو کس کا حکم ہے؟ گندم کا حکم ہے، جب کہ شعیر کا وہ حکم ہے جو کھجور کا حکم ہے یعنی پورا صاع دینا پڑے گا۔ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ زبیب جو کے درجے میں ہے، اور جو کے اندر تو پورا صاع دینا پڑتا ہے، لہٰذا اگر کوئی کشمش دینا چاہتا ہے صدقۂ فطر کے طور پر تو پورا صاع دینا پڑے گا، نصف صاع نہیں۔ امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ نصف صاع دے گا اگر کشمش دیتا ہے، جب کہ صاحبین فرماتے ہیں: پورا صاع۔ یہ معنی ہے: **وَ قَالَا الزَّبِيبُ بِمَنْزِلَةِ الشَّعِيرِ** اور صاحبین فرماتے ہیں کہ کشمش جو ہے وہ جو کے درجے میں ہے۔

وَ هُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ اور یہی ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے۔ ایک روایت تو اوپر متن میں آ گئی کہ کشمش میں سے نصف صاع ہے، اور ایک روایت امام صاحب سے یہ بھی آئی ہے کہ کشمش میں پورا صاع دینا پڑے گا۔

وَ الْأَوَّلُ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ اور پہلی جو ہے وہ جامع صغیر کی روایت ہے جو متن کے اندر آئی کہ زبیب کا نصف صاع دینا پڑے گا، یہ روایت امام صاحب

سے نقل کی گئی ہے جامع صغیر کے اندر بھی۔

وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ مِنْ جَمِيعِ ذَلِكَ صَاعٌ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان سب میں سے صاع دینا پڑے گا۔ وہ فرماتے ہیں نصف صاع کی بات ہے ہی نہیں کہیں پر بھی، بلکہ جو بھی چیز دینی ہے: گندم ہے، آٹا ہے، ستو ہے، کشمش ہے، کھجور وغیرہ، سب میں سے صدقۂ فطر کتنا آئے گا؟ ایک صاع دینا پڑے گا۔ ان کی دلیل: لِحَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، قَالَ وہ فرماتے ہیں: كُنَّا نُخْرِجُ ذَلِكَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ كُنَّا نُخْرِجُ ذَلِكَ ہم یہ نکالا کرتے تھے، یعنی کیا مراد ہے؟ صاع، صاع، کہ ہم ایک صاع نکالا کرتے تھے حضور علیہ السلام کے زمانے میں۔ یہ ان کی دلیل ہے، تو اس میں کس کا ذکر آرہا ہے؟ صاع کا۔

وَ لَنَا مَا رَوَيْنَا اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا اور وہ جو حضرت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، اس میں کیا آیا تھا؟ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ۔ تو دیکھو وہاں گندم کا نصف صاع ذکر ہے بھئی اور جو کا صاع بھئی۔ تو یہاں: وَ لَنَا مَا رَوَيْنَا اور ہماری دلیل جو ہے وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا، وَ هُوَ مَذْهَبُ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اور یہی مذہب ہے صحابہ کی ایک جماعت کا، صحابہ کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، وَ فِيهِمُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ اور انہی میں سے خلفائے راشدین بھی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھئی، ان کا بھی یہی مذہب ہے۔

وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الزِّيَادَةِ تَطَوُّعًا اب امام شافعی رحمہ اللہ کی حدیث کا جواب بھی دے رہے ہیں، کہ وہ حدیث جو ہے، مَا رَوَاهُ جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا، مَحْمُولٌ عَلَى الزِّيَادَةِ وہ محمول ہے زیادتی پر، تَطَوُّعًا بطورِ نفل کے، بطورِ نفل کے۔ یعنی حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو گندم میں سے بھی ایک صاع ادا کرتے تھے، تو نصف صاع تو اس میں واجب تھا اور جو نصف صاع زائد دیتے تھے وہ بطورِ نفل کے، ویسے ہی زائد دے دیا کرتے تھے۔ یہ معنی ہے: وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الزِّيَادَةِ تَطَوُّعًا اور وہ حدیث جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ محمول ہے بطورِ نفل کے زیادتی پر، کہ وہ زیادتی بطورِ نفل کے تھی۔

وَ لَهُمَا فِي الزَّبِيبِ ج، متن میں اختلاف بھی ذکر ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک زبیب کس کے ساتھ ہے؟ گندم کے ساتھ ہے، یعنی نصف صاع دیں گے، اور صاحبین کے نزدیک زبیب کس کے ساتھ ہے؟ شعیر کے ساتھ ہے، دونوں میں سے ایک صاع دیں گے۔ اب وہ بھی ذکر کرنے لگے ہیں: وَ لَهُمَا اور صاحبین کی دلیل فِي الزَّبِيبِ کشمش کے اندر یہ ہے: أَنَّهُ وَ التَّمْرُ يَتَقَارَبَانِ فِي الْمَقْصُودِ کہ کشمش اور کھجور جو ہیں وہ قریب قریب ہیں ایک دوسرے کے فِي الْمَقْصُودِ مقصد کے اندر۔ دونوں کیا ہیں؟ مقصد میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ مقصد کیا؟ یعنی دونوں کو بطورِ لذت کے کھایا جاتا ہے۔ جیسے کھجور لذت کے طور پر کھائی جاتی ہے، اسی طرح کشمش کو بھی بطورِ لذت کے کھایا جاتا ہے۔ اور نیز جس طرح کھجور کے ذریعے مٹھاس حاصل کی جاتی ہے، مٹھاس کے لیے اس کو کھایا جاتا ہے، اسی طرح کشمش کو بھی کس لیے کھایا جاتا ہے؟ مٹھاس حاصل کرنے کے لیے۔ تو دونوں مقصود میں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے، ایک دوسرے جیسے ہو گئے۔ لہٰذا کھجور کے اندر تو بالاتفاق ایک صاع دینا پڑتا ہے، تو کشمش بھی اسی کی طرح ہے، اس کے اندر بھی کیا دینا پڑے گا؟ ایک صاع دینا پڑے گا۔ یہ صاحبین کی دلیل۔

یہ معنی ہے: وَ لَهُمَا تو صاحبین کی دلیل فِي الزَّبِيبِ کشمش میں یہ ہے: أَنَّهُ وَ التَّمْرُ يَتَقَارَبَانِ فِي الْمَقْصُودِ کہ کشمش اور کھجور جو ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے قریب ہیں مقصود کے اندر، اور مقصود کیا؟ لذت اور مٹھاس۔

وَ لَهُ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّهُ وَ الْبُرُّ يَتَقَارَبَانِ کہ کشمش اور گندم يَتَقَارَبَانِ وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں فِي الْمَعْنَى معنی کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ معنی کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے قریب ہیں بھئی۔ کس طرح معنی کے اعتبار سے؟ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ يُؤْكَلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِجَمِيعِ أَجْزَائِهِ اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو کھایا جاتا ہے اپنے سارے اجزاء کے ساتھ۔ گندم کو بھی کیا کیا جاتا ہے؟ سارے اجزاء سمیت کھا لیتے ہیں، اسی طرح کشمش کو بھی سارے اجزاء سمیت کھا لیتے ہیں۔ جب کہ جو اور کھجور ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ جیسے کھجور میں سے کچھ حصہ یعنی گٹھلی نکال کر پھینک دی جاتی ہے، ساری کھجور کو نہیں کھاتے بلکہ اس کا ایک جزء یعنی گٹھلی کو پھینک دیا جاتا ہے، اسی طرح جو کو بھی سارا نہیں کھایا جاتا بلکہ اس کو چھانتے ہیں اور جو چھان بچ جاتا ہے اس کو نہیں کھاتے بلکہ پھینک دیا جاتا ہے۔ تو دیکھو، کھجور اور جو کیا ہوئے؟ ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے کیونکہ کچھ جزء کو کھایا جاتا ہے اور کچھ جزء کو کھایا نہیں جاتا۔ جب کہ گندم اور کشمش، وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے، ایک دوسرے کے قریب ہوئے کیونکہ ان میں سارے اجزاء کو کھایا جاتا ہے۔ تو جب کشمش کس کے قریب ہوئی؟ گندم کے قریب ہوئی کہ سارا کھایا جاتا ہے سب کو، تو اسی کا حکم ہو گا۔ اور گندم میں تو کیا دیتے ہیں؟ نصف صاع، تو کشمش میں بھی کیا دیں گے؟ نصف صاع دیں گے۔ جب کہ جو اور کھجور کا ایک حکم ہو گا۔ کھجور کے اندر جب ایک صاع ہے تو جو کے اندر بھی اسی طرح ایک صاع ہے بھئی۔

یہ معنی ہے، کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں: أَنَّهُ وَ الْبُرُّ يَتَقَارَبَانِ فِي الْمَعْنَى کہ کشمش اور گندم جو ہیں وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں معنی کے اندر، لِأَنَّهُ يُؤْكَلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِجَمِيعِ أَجْزَائِهِ اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو کھایا جاتا ہے اپنے سارے اجزاء کے ساتھ، وَ يُلْقَى مِنَ التَّمْرِ النَّوَاةُ اور پھینک دیا جاتا ہے کھجور میں سے گٹھلی کو، وَ مِنَ الشَّعِيرِ النُّخَالَةُ اور جو میں سے چھان کو۔ نخالہ کہتے ہیں چھان۔ بھئی وہ جو جو کو چھاننے کے بعد جو چھلنی کے اندر جو جزء اس کا رہ جائے وہ کیا ہے؟ چھان ہے، اس کو پھینک دیا جاتا ہے جو میں سے۔ وَ بِهَذَا ظَهَرَ التَّفَاوُتُ بَيْنَ الْبُرِّ وَ التَّمْرِ اور اسی سے ظاہر ہو گیا فرق بھی گندم اور کھجور کے

درمیان، کیونکہ گندم ساری کھائی جاتی ہے اور کھجور ساری نہیں کھائی جاتی۔

وَ مُرَادُهُ مِنَ الدَّقِيقِ وَ السَّوِيقِ مَا يُتَّخَذُ مِنَ الْبُرِّ کہتے ہیں بھئی، متن کے اندر دقیق اور سویق یعنی آٹے اور ستو کا ذکر آیا تھا، تو اس آٹے اور ستو سے مراد گندم کا آٹا اور گندم کا ستو مراد ہے، جو کا آٹا یا جو کا ستو مراد نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَ مُرَادُهُ اور صاحبِ قدوری کی مراد جو ہے یا ماتن کی مراد جو ہے مِنَ الدَّقِيقِ وَ السَّوِيقِ آٹے اور ستو سے، مَا يُتَّخَذُ مِنَ الْبُرِّ وہ آٹا یا وہ ستو ہے جو کس سے بنایا جاتا ہے؟ گندم سے۔ أَمَّا دَقِيقُ الشَّعِيرِ كَالشَّعِيرِ اور باقی جو جو کا آٹا ہے وہ جو کی طرح ہے۔ کس کی طرح ہے؟ جو کی طرح۔ بھئی وہاں ذکر ہوا تھا نا آٹے یا ستو میں سے بھی کتنا ہے، متن میں کیا آیا تھا؟ نصف صاع، تو بتلا دیا کہ وہ گندم کا آٹا اور گندم کا ستو ہے اس میں سے نصف صاع دیں گے، اور جو کے آٹے کا وہی حکم ہے جو جو کا ہے، اور جو میں سے نصف صاع دیتے ہیں یا ایک صاع دیتے ہیں؟ ایک صاع دیتے ہیں، تو جو کا آٹا یا ستو دینا چاہتے ہیں تو وہ ایک صاع دینا پڑے گا، نصف صاع سے وہاں ادائیگی نہیں ہو گی۔

وَ الْأَوْلَى أَنْ يُرَاعَى فِيهِمَا الْقَدْرُ وَ الْقِيمَةُ احْتِيَاطًا اور بہتر یہ ہے کہ رعایت رکھی جائے ان دونوں کے اندر مقدار کی بھی اور قیمت کی بھی، احْتِيَاطًا بطورِ احتیاط کے۔ احتیاط یہ ہے کہ ان دونوں میں، یعنی اگر ستو یا آٹا دینا چاہتے ہیں گندم کا یا جو کا، تو اس میں مقدار کا بھی، مقدار کی بھی رعایت رکھیں اور قیمت کی بھی، قیمت کا بھی اعتبار کریں بطورِ احتیاط کے، احتیاط اسی میں ہے۔ مثلاً بھئی، آپ صدقۂ فطر دینا چاہتے ہیں آٹے یا ستو کے ساتھ اور وہ ہے گندم کا آٹا یا ستو، تو اب آپ مثلاً دیتے ہیں گندم کے آٹے کا نصف صاع، نصف صاع، تو دیکھو مقدار تو پوری ہے نصف صاع، لیکن قیمت میں بھی دیکھو، اس نصف صاع آٹے کی قیمت نصف صاع گندم کے برابر یا اس سے زائد ہونی چاہیے۔ مقدار تو پوری ہے لیکن قیمت میں بھی کیا کرو؟ رعایت رکھو، نصف صاع گندم کے برابر اس آٹے یا ستو کی قیمت ہونی چاہیے۔ مقدار تو پوری ہے، قیمت بھی اس کے برابر یا اس سے زائد ہونی چاہیے، احتیاط اسی کے اندر ہے۔ ہاں، گندم یا گندم کا آٹا یا ستو ہے، مقدار تو نصف صاع ہے آٹے کی یا ستو کی، لیکن فرض کریں اس کی قیمت کیا ہے؟ نصف صاع گندم سے کم ہے، تو پھر تھوڑا زیادہ کر دو تا کہ قیمت اس کے برابر ہو جائے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو دیکھو اب دونوں کی رعایت ہو گئی۔ مقدار کی بھی رعایت ہو گئی، نصف صاع پورا ہے بلکہ اس سے زائد ہے، اور نیز قیمت کی بھی رعایت ہو گئی کہ کچھ کمی تھی آپ نے اس کو بڑھا کر پورا کر لیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: وَ الْأَوْلَى أَنْ يُرَاعَى فِيهِمَا الْقَدْرُ وَ الْقِيمَةُ احْتِيَاطًا اور بہتر یہ ہے کہ اس میں رعایت رکھی جائے مقدار اور قیمت دونوں کی بطورِ احتیاط کے، وَ إِنْ نُصَّ عَلَى الدَّقِيقِ فِي بَعْضِ الْأَخْبَارِ اگرچہ تصریح کی گئی ہے آٹے پر بھی بعض احادیث میں۔ اگرچہ بعض احادیث میں آٹے کا بھی ذکر آیا ہے، کس کا ذکر آیا ہے؟ آٹے کا بھی ذکر آیا ہے لیکن وہ احادیث ضعیف ہیں، تو ضعیف ہیں تو لہٰذا احتیاط کیا ہے کہ اس میں صرف نصف صاع کا اعتبار، صرف مقدار کا اعتبار نہ کریں بلکہ ساتھ ساتھ کس کا اعتبار کر لو؟ گندم کی قیمت کا بھی اعتبار کر لو تا کہ پوری طرح، کامل طریقے سے یہ ادا ہو جائے، احتیاط اسی میں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

وَ لَمْ يُبَيِّنْ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ اور امام محمد رحمہ اللہ نے بیان نہیں کیا اس کو اپنی کتاب یعنی جامع صغیر میں اعتبار کرتے ہوئے غالب کا۔ بھئی ہم نے صاحبِ ہدایہ نے تو آپ کو بتلا دیا کہ کیا کرنا ہے، احتیاط کا تقاضا کیا ہے کہ آٹے یا ستو کے ساتھ جب صدقۂ فطر ادا کرنے لگیں تو مقدار کا بھی اعتبار کرنا، نصف صاع مقدار ہونی چاہیے، اور قیمت کا بھی اعتبار کرنا کہ اس گندم یا جو کی قیمت کے برابر اس کی قیمت ہونی چاہیے بھئی۔ صاحبِ ہدایہ نے تو یہ ذکر کر دیا، اور اب بتلا رہے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر نہیں کی کہ کس کا اعتبار کرنا؟ قیمت اور مقدار دونوں کا اعتبار کرنا۔ بھئی انہوں نے کیوں نہیں ذکر کیا؟ کہتے ہیں بھئی انہوں نے غالب احوال کا اعتبار کیا۔ کس کا؟ غالب احوال کا اعتبار کیا، کیونکہ غالباً، غالباً جو ہے نصف صاع گندم کا آٹا ہو تو اس کی قیمت نصف صاع گندم کے برابر یا بلکہ اس سے عموماً زیادہ ہی ہوتی ہے، زیادہ ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک صاع اگر جو کا آٹا یا اس کا ستو ہو تو اس کی قیمت غالباً غالباً کیا ہوتی ہے؟ ایک صاع جو کے برابر یا اس سے عموماً زائد ہی ہوتی ہے۔ تو چونکہ عموماً ہوتی اس کے برابر یا اس سے زائد ہے اس لیے انہوں نے اس کو ذکر نہیں کیا بھئی، لیکن ہم نے آپ کو مسئلہ کہتے ہیں بتلا دیا، آپ احتیاط پر عمل کرنا۔ اگر قیمت اس کے برابر ہے پھر تو اچھی بات ہے، لیکن اگر قیمت اس سے کم ہو رہی ہے تو پھر کیا کر دینا؟ کچھ زائد کر دینا تا کہ احتیاط پر عمل ہو جائے۔

یہ معنی ہے: وَ لَمْ يُبَيِّنْ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو بیان نہیں کیا کتاب جامع صغیر کے اندر غالب احوال کا اعتبار کرتے ہوئے، وَ الْخُبْزُ يُعْتَبَرُ فِيهِ الْقِيمَةُ هُوَ الصَّحِيحُ بھئی ایک شخص روٹیوں کی صورت میں صدقۂ فطر ادا کرنا چاہتا ہے، اب روٹی بھی گندم سے بنتی ہے یا جو سے بنتی ہے، تو کہتے ہیں بھئی اس کے اندر قیمت کا اعتبار کریں گے، صحیح قول یہی ہے۔ ان روٹیوں کی قیمت گندم کی ہیں تو نصف صاع گندم تک ان کی قیمت پہنچتی ہے تو ٹھیک ہے، اور اسی طرح اگر جو کی ہے تو پھر ایک صاع جو تک اگر ان کی قیمت پہنچتی ہے تو ادائیگی ٹھیک پوری ہو جائے گی۔ یہ معنی ہے: وَ الْخُبْزُ يُعْتَبَرُ فِيهِ الْقِيمَةُ هُوَ الصَّحِيحُ اور روٹی جو ہے اس کے اندر قیمت ہی معتبر ہے یہی قول صحیح ہے، سمجھ میں آیا؟ روٹیوں میں قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

ثُمَّ يُعْتَبَرُ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ وَزْنًا فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ كَيْلًا۔ اچھا بھئی، اب بھئی نصف صاع گندم مثلاً دینا چاہتا ہے کوئی شخص، تو صاع جو ہے صاع، یہ تو پیمائش کا ایک آلہ ہے، ایک برتن ہوتا ہے، برتن۔ جیسے بھئی آپ دودھ لینے جاتے ہیں تو وہ دودھ آپ کو تول کر نہیں دیا جاتا بلکہ ایک برتن میں ماپ کر آپ کو دیا جاتا ہے، ایک لیٹر لینا ہے یا دو لیٹر یا تین لیٹر۔ اسی طرح یہ گندم کا جو جس برتن میں ماپتے تھے اور جو آج

کل بھی بعض دیہات میں رائج ہے اس کو صاع کہتے تھے، کیا کہتے تھے؟ صاع۔ تو صاع یہ وزن کا نام نہیں ہے بلکہ کس کا نام ہے؟ پیمانے کا نام ہے، پیمانے کا نام ہے۔ تو اب یہ جو گندم نصف صاع دینا چاہتا ہے تو ایک تو ہے نصف صاع وہ پیمانہ اور برتن، تو کیا اس پیمانے اور برتن کا اعتبار کریں گے نصف صاع میں یا صاع کی کا وزن بھی ذکر کرتے ہیں علماء؟ تو اس وزن کا اعتبار کریں گے کہ نصف صاع اتنا وزن ہے اتنی گندم دے دو؟ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اس نصف صاع اس پیمانے کا اعتبار کریں یا نصف صاع وزن کا اعتبار کیا جائے گا؟ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وزن کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس لیے کیونکہ صاع کے اندر اختلاف ہے، ہمارے نزدیک صاع آٹھ رطل کا ہے تو امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک صاع جو ہے پانچ رطل اور ثلثِ رطل کے برابر۔ میں نے آپ کو لکھوائے تھے کہ صاع تین قسم کے ہیں: ایک صاعِ ہاشمی ہے وہ ۳۲ رطل کا ہے، ایک صاعِ عراقی ہے جسے صاعِ حنفی بھی کہتے ہیں وہ آٹھ رطل کا ہے، اور ایک صاعِ حجازی ہے جو پانچ رطل اور ثلثِ رطل یعنی ایک رطل کا تیسرا حصہ اس کے برابر ہے صاعِ حجازی۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ صاع کی مقدار میں اختلاف ہے، کس میں؟ صاع کی مقدار میں اختلاف ہے، ہمارے نزدیک آٹھ رطل ہے تو ان کے نزدیک پانچ رطل اور ثلثِ رطل ہے، اس لیے یہاں اب صاع پیمانے کے ساتھ نہ دے بلکہ کس کے ساتھ دے دے؟ وزن کے ساتھ، اس لیے کیونکہ وزن کے اندر تو اتفاق ہے۔ وزن کے اندر، یعنی یعنی صاع کی مقدار ہم بھی رطلوں میں بیان کرتے ہیں، وہ بھی صاع کی مقدار کس سے بیان کرتے ہیں؟ رطل کے ساتھ، اور رطل تو بالاتفاق وزن کا پیمانہ ہے لہٰذا کس کا اعتبار کرو؟ وزن کا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو صاع کی مقدار کس کے ساتھ علماء بیان کرتے ہیں؟ رطل کے، اور رطل کس میں سے؟ وزن کے پیمانوں میں سے ہے۔ تو جب صاع کے پیمائش اور اس کے برتن کی مقدار کے اندر تو اختلاف ہے علماء کا، لیکن اس کو بیان کرنا وزن کے ساتھ، اس میں کیا ہے؟ علماء کا اتفاق ہے۔ وہ بھی رطل وزن کے ساتھ بیان کرتے ہیں، ہم بھی رطل کس کے ساتھ؟ وزن کے ساتھ، یعنی رطل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تو لہٰذا اس کا اعتبار بھی کس سے کریں گے؟ وزن کے ساتھ۔ جب کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، وزن کے ساتھ نہیں بلکہ صاع کا اعتبار پیمانے کے اعتبار سے، اس برتن کے اعتبار سے کریں گے، کیونکہ احادیث میں کس طریقے سے اس کا ذکر آیا ہے؟ اس پیمانے کے اعتبار سے ذکر آیا ہے، وزن کے اعتبار سے ذکر نہیں آیا۔

یہ معنی ہے: **ثُمَّ يُعْتَبَرُ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ وَزْنًا** پھر اعتبار کیا جائے گا گندم میں سے نصف صاع کا باعتبار وزن کے، **فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** اس روایت کے مطابق جس کو روایت کیا گیا ہے امام صاحب سے، **وَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ كَيْلًا** اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس نصف صاع کا اعتبار کیا جائے گا کیل یعنی ماپنے کے اعتبار سے۔

وَ الدَّقِيقُ أَوْلَى مِنَ الْبُرِّ اب یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ بھئی کہ ایک ہے گندم کو دینا صدقۂ فطر کے طور پر، ایک ہے اس کے آٹے کو دینا، اور ایک ہے گندم کی قیمت دینا، تین صورتیں ہیں۔ کون سی صورت بہتر ہے، کس پر عمل کرنا افضل ہے؟ تو آپ کو دو قول بتلائیں گے، کہ فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ ان کے نزدیک گندم کے بجائے آٹا دینا بہتر ہے، تاکہ فقیر اس سے اپنی فوری ضرورت پوری کر سکے۔ گندم دیں گے تو پھر اس کو آٹا بنانا پڑے گا اس کے لیے، تو آپ کیا کریں اس کو تیار آٹا دے دیں، یہ زیادہ بہتر ہے۔ اور آٹے سے پھر بہتر یہ ہے کہ اس کو درہموں کی صورت میں دے دو، قیمت کی صورت میں دے دو، کیونکہ آٹے کو آٹا تو صرف اس کے کھانے کے کام آئے گا لیکن درہم اس کے ہر کام آسکتے ہیں، اس کے لیے جو بھی ضرورت ہو گی اس کو وہ پورا کر لے گا۔ لہٰذا گندم سے بہتر آٹا اور آٹے سے بہتر درہم ہیں۔ جب کہ دوسرا قول، وہ ابو بکر اعمش رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ گندم بہتر ہے سب سے۔ اس لیے کہ گندم کے اندر ہمارا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اتفاق ہے، جب کہ آٹا دینے میں اور قیمت دینے میں وہ اختلاف کرتے ہیں، وہ اختلاف، وہ کہتے ہیں آٹا یا قیمت نہیں دے سکتے۔ یہ مسئلہ پیچھے کتاب الزکوۃ میں ذکر ہوا تھا کہ ہمارے نزدیک قیمت بھی اس چیز کی دی جا سکتی ہے جب کہ ان کے نزدیک قیمت نہیں دی جا سکتی بھئی۔ تو لہٰذا گندم دینا وہ گندم دینا وہ فرماتے ہیں افضل ہے کیونکہ یہ بالاتفاق گندم کے ساتھ درست ہے، جب کہ آٹے کے ساتھ دینا یا قیمت ادا کرنا اس میں تو ہمارا اور ان کا اختلاف ہے، تو بہتر یہ ہے کہ آدمی اختلاف سے بچ جائے اور اتفاقی صورت اختیار کرے اور گندم ہی دے دے بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَ الدَّقِيقُ أَوْلَى مِنَ الْبُرِّ** اور آٹا جو ہے وہ بہتر ہے گندم سے، **وَ الدَّرَاهِمُ أَوْلَى مِنَ الدَّقِيقِ** اور درہم جو ہیں وہ آٹے سے بہتر ہیں، **فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ** اس روایت کے مطابق جو روایت کی گئی ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے، **وَ هُوَ اخْتِيَارُ الْفَقِيهِ أَبِي جَعْفَرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور یہ مختار ہے، یہ پسندیدہ قول ہے، یعنی اس قول کو پسند کیا کس نے؟ فقیہ ابو جعفر نے، یعنی انہوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے، **لِأَنَّهُ أَدْفَعُ لِلْحَاجَةِ** اس لیے کیونکہ یہ حاجت کو زیادہ دور کرنے والا ہے، **وَ أَعْجَلُ بِهِ** اور اس کو جلدی دور کرنے والا ہے، اس کے ذریعے حاجت جلدی دور ہو گی یا زیادہ دور ہو گی۔ **وَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الْأَعْمَشِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَفْضِيلُ الْحِنْطَةِ** اور ابو بکر اعمش رحمہ اللہ سے روایت ہے گندم کو فضیلت دینا، وہ کس کو فضیلت دیتے ہیں؟ گندم کو، **لِأَنَّهُ أَبْعَدُ مِنَ الْخِلَافِ** اس لیے کیونکہ وہ اختلاف سے زیادہ دور ہے، **إِذْ فِي الدَّقِيقِ وَ الْقِيمَةِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ** اس لیے کیونکہ آٹے اور قیمت کے اندر تو امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں اس سے ادا ہی نہیں ہو گا۔

قَالَ: وَ الصَّاعُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ بِالْعِرَاقِيِّ وَ قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وَ ثُلُثُ رِطْلٍ۔ اب وہی صاع کا اختلاف بیان کرنے لگے ہیں، صاع جو ہے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ آٹھ رطل ہے بالعراقی بھئی، عراقی آٹھ رطل۔ **وَ قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وَ ثُلُثُ رِطْلٍ** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صاع جو ہے وہ پانچ رطل اور ثلثِ رطل ہے، **وَ هُوَ قَوْلُ**

الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، حدیث وہ ذکر کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: **صَاعُنَا أَصْغَرُ الصِّيعَانِ** ہمارا صاع سب سے چھوٹا صاع ہے۔ یہ ان کی دلیل۔

وَ لَنَا مَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ رِطْلَيْنِ وَ يَغْتَسِلُ یہ **يَغْتَسِلُ** لفظ ہے، کتابت کی غلطی ہے۔ **وَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ ثَمَانِيَةِ أَرْطَالٍ** اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام **كَانَ يَتَوَضَّأُ** کہ حضور علیہ السلام وضو فرماتے تھے **بِالْمُدِّ** ایک مد کے ساتھ، **رِطْلَيْنِ** یعنی دو رطل۔ یہ رطلین اسی مد کا بیان ہے، میں نے آپ کو پیمانے لکھوائے تھے ایک دو سبق قبل بھئی، تو ایک مد کس کے برابر ہے؟ دو رطل کے برابر، تو یہ اسی کا بیان ہو رہا ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مد یعنی دو رطل کے ساتھ وضو فرماتے تھے، **وَ يَغْتَسِلُ** میں نے بتلایا یہاں تا ہونی چاہیے، یہ کتابت کی غلطی ہے، **وَ يَغْتَسِلُ** اور حضور علیہ السلام غسل فرماتے تھے **بِالصَّاعِ** ایک صاع کے ساتھ، **ثَمَانِيَةِ أَرْطَالٍ** یعنی آٹھ رطل، یہ اسی صاع کا بیان ہے کیونکہ صاع کس کے برابر ہے؟ آٹھ رطل کے برابر، تو حضور علیہ السلام غسل فرماتے تھے ایک صاع یعنی آٹھ رطل کے ساتھ، **وَ هَكَذَا كَانَ صَاعُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ** اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاع تھا۔ تو دیکھو، حدیث میں کیا آ گیا؟ حضور علیہ السلام ایک صاع سے غسل فرماتے تھے یعنی کہ آٹھ رطل سے۔ صاع کی مقدار بھی بیان ہو گئی، وہ کتنے کے برابر ہے؟ آٹھ رطل کے برابر ہے، اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاع بھی تھا، **وَ هُوَ أَصْغَرُ مِنَ الْهَاشِمِيِّ** یہ جواب دے رہے ہیں اس حدیث کا، حدیث میں کیا آیا تھا: ہمارا صاع چھوٹا، سب سے چھوٹا صاع، تو کہتے ہیں بھئی یہ جو آٹھ رطل ہے یہ والا صاع: **أَصْغَرُ مِنَ الْهَاشِمِيِّ** یہ کیا ہے؟ ہاشمی صاع سے چھوٹا ہے، **وَ كَانُوا يَسْتَعْمِلُونَ الْهَاشِمِيَّةَ** اور وہ لوگ یعنی صحابہ ہاشمی صاع عام استعمال کرتے تھے معاملات کے اندر، تو اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہمارا صاع کیا ہے؟ چھوٹا ہے بھئی۔

قَالَ: وَ وُجُوبُ الْفِطْرَةِ يَتَعَلَّقُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ۔ اور صدقۂ فطر کے وجوب کا تعلق جو ہے یوم الفطر یعنی عید والے دن کی طلوعِ فجر کے ساتھ ہے۔ بھئی یاد رکھیے، ہمارے نزدیک صدقۂ فطر کے وجوب کا تعلق جو ہے عید الفطر کی صبحِ صادق کے ساتھ ہے، یعنی رمضان گزر گیا، عید الفطر کی صبحِ صادق جب ہو گی، اس وقت جو جو افراد ہیں جن کا پیچھے ذکر ہو چکا، ان افراد کا صدقۂ فطر اس نصاب والے پر اور اس گھر والے پر کیا ہو جائے گا؟ واجب ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ کس وقت؟ یعنی عید کے دن کی صبحِ صادق کے وقت بھئی، تو وجوب کا تعلق اس صبحِ صادق کے ساتھ ہے، فجر کے ساتھ ہے۔ اور اس رات اگر صبحِ صادق سے پہلے کوئی مر گیا تو فجر کے وقت وہ موجود نہ تھا، لہٰذا اس کا صدقۂ فطر بھی اس پر واجب نہیں۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر کے وجوب کا تعلق غروبِ آفتاب کے ساتھ ہے، یعنی آخری روزہ جب گزر گیا اور سورج جس وقت غروب ہوا، اس وقت جو جو موجود ہیں ان کا صدقۂ فطر اس شخص پر واجب ہو جائے گا۔ تفصیل تو پیچھے بیان ہو چکی ناکن کن کا واجب اس پر ہونا ہے، یا جس کا اب صرف اکیلا ہے تو اپنا، تو وجوب کا تعلق یعنی اس وقت کے ساتھ ہے۔ تو گویا ان کے نزدیک وجوب کا تعلق غروبِ آفتاب کے ساتھ ہے اور ہمارے نزدیک وجوب کا تعلق صبحِ صادق کے ساتھ ہے۔ تو ان کے نزدیک اس غروبِ آفتاب کے وقت جو جو موجود تھا اس کا صدقۂ فطر اس شخص پر واجب ہو گا، اور ہمارے نزدیک ابھی نہیں واجب، سات آٹھ گھنٹے بعد جب صبحِ صادق ہو گی اس وقت کیا ہو گا؟ واجب ہو گا۔ تو لہٰذا ایک شخص جو رات کے وقت جس کا انتقال ہو گیا تو ہمارے نزدیک فجر کے وقت وہ نہیں تھا، انتقال ہو چکا ہے لہٰذا اس کا صدقۂ فطر اس پر واجب نہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا انتقال رات کو ہوا ہے، غروب کے وقت تو یہ موجود تھا لہٰذا اس کا صدقۂ فطر اس کے مثلاً بیٹے کا، چھوٹے کا انتقال ہوا ہے تو والد پر اس کا صدقۂ فطر واجب ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

یہ معنی ہے: **قَالَ** صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَ وُجُوبُ الْفِطْرَةِ يَتَعَلَّقُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ** کہ صدقۂ فطر کے وجوب کا تعلق فجر طلوع ہونے کے ساتھ ہے، **مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ** عید الفطر کے دن، **وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ بِغُرُوبِ الشَّمْسِ فِي الْيَوْمِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ** اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صدقۂ فطر کے وجوب کا تعلق جو ہے سورج غروب ہونے کے ساتھ ہے رمضان کے آخری دن میں، رمضان کے آخری دن سورج کے غروب ہونے کے ساتھ اس کے وجوب کا تعلق ہے۔

حَتَّى أَنَّ مَنْ أَسْلَمَ أَوْ وُلِدَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ یہاں تک کہ جو شخص مسلمان ہوا یا جو بچہ پیدا ہوا **لَيْلَةَ الْفِطْرِ** کس رات؟ عید الفطر کی رات میں، **تَجِبُ فِطْرَتُهُ عِنْدَنَا** تو اس کا صدقۂ فطر واجب ہو گا ہمارے نزدیک، کیونکہ فجر کے وقت یہ مسلمان ہو چکا ہے پہلے سے ہی اور یا فجر کے وقت وہ پہلے ہی پیدا ہو چکا ہے تو وہ اس موجود ہے تو صدقۂ فطر واجب ہو گا ہمارے نزدیک، **وَ عِنْدَهُ لَا تَجِبُ** اور ان کے نزدیک واجب نہیں ہو گا کیونکہ غروبِ آفتاب کے وقت تو ابھی وہ شخص مسلمان نہیں ہوا تھا یا ابھی وہ بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

وَ عَلَى عَكْسِهِ مَنْ مَاتَ فِيهَا مِنْ مَمَالِيكِهِ أَوْ وَلَدِهِ اور اس کا برعکس ہے جو مر جائے اس کے مملوکوں میں سے یا اس کی اولاد میں سے۔ بھئی ہمارے نزدیک عید کی رات میں جو مسلمان ہوا یا جو بچہ پیدا ہوا اس کا صدقۂ فطر واجب ہو گا، ان کے نزدیک نہیں۔ لیکن اس کا برعکس ہو گا اگر رات کو کوئی رات کو کوئی غلام اس کا مر گیا یا کوئی بچہ یا اس کے کسی بچے کا انتقال ہوتا ہے، تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس غلام کا یا بچے کا انتقال رات کو ہوا ہے، غروبِ آفتاب کے وقت تو یہ زندہ تھے لہٰذا ان کا صدقۂ فطر واجب ہو گا۔ جب کہ ہمارے نزدیک ان کا انتقال رات کو ہو چکا ہے اور فجر کے وقت تو یہ موجود نہیں تھے، لہٰذا ان کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں

آ گیا۔

یہ معنی ہے: وَ عَلَى عَكْسِهِ اور اس کے برعکس ہو گا، یعنی پچھلے مسئلے میں ہمارے نزدیک صدقۂ فطر واجب تھا، ان کے نزدیک واجب نہیں۔ اب برعکس ہے، ہمارے نزدیک واجب نہیں ہو گا اور ان کے نزدیک واجب ہو گا، کس صورت میں؟ مَنْ مَاتَ فِيهَا مِنْ مَمَالِيكِهِ أَوْ وَلَدِهِ وہ جو مر جائے اس لیلۃ الفطر میں اس کے مملوکہ غلاموں میں سے یا اس کی اولاد میں سے۔

لَهُ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے: أَنَّهُ يَخْتَصُّ بِالْفِطْرِ کہ اس صدقۂ فطر کا کی تخصیص ہے، یہ خاص ہے بِالْفِطْرِ کس کے ساتھ؟ فطر کے ساتھ۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صدقۂ فطر ہے، نام ہی بتلا رہا ہے صدقۂ فطر، اور فطر میں نے آپ کو بتلایا تھا کس چیز کا نام ہے؟ روزے کی ضد ہے، اس کا اردو میں کوئی مترادف لفظ موجود نہیں۔ اس وقت آپ کا روزہ نہیں، تو اس آپ کی اس حالت کو کیا کہیں گے؟ فطر کہیں گے، فطر کہیں گے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس صدقۂ فطر یہ صدقۂ فطر خاص ہے، کس کے ساتھ؟ فطر کے ساتھ، اسی لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ صدقۂ فطر کہتے ہیں۔ اور جیسے ہی رمضان کا آخری سورج غروب ہوا روزے کے روزے کا زمانہ گزر گیا اور فطر والا زمانہ شروع ہو گیا، لہٰذا اسی وقت واجب ہو گا غروبِ آفتاب کے وقت۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: لَهُ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے أَنَّهُ يَخْتَصُّ بِالْفِطْرِ کہ صدقۂ فطر خاص ہے فطر کے ساتھ، وَ هَذَا وَقْتُهُ اور یہ اس فطر کا وقت ہے، یعنی جب سورج غروب ہو جائے۔

وَ لَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے: أَنَّ الْإِضَافَةَ لِلِاخْتِصَاصِ کہ یہ اضافت کس لیے ہے؟ اختصاص کے لیے۔ معلوم ہوا یہ صدقہ یہ صدقہ خاص ہے فطر کے ساتھ، اور فطر یہ روزے کی ضد ہے، اور روزہ کس وقت ہوتا ہے؟ دن کے وقت ہوتا ہے، لہٰذا فطر کا بھی اختصاص کس کے ساتھ ہو گا؟ دن، رات کے وقت تو کسی کا روزہ نہیں ہوتا، تو یہاں فطر آیا ہے اور فطر کس کے ساتھ خاص ہے؟ دن کے ساتھ خاص ہو گا، کیونکہ روزہ کس وقت ہوتا ہے؟ دن میں ہوتا ہے، تو فطر کا بھی اعتبار کب سے کریں گے؟ دن سے کریں گے جب صبحِ صادق طلوع ہو جائے۔

یہ معنی ہے: وَ لَنَا أَنَّ الْإِضَافَةَ لِلِاخْتِصَاصِ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ اضافت جو ہے اختصاص کے لیے ہے، یعنی یہ صدقہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ فطر کے وقت کے ساتھ، وَ اخْتِصَاصُ الْفِطْرِ بِالْيَوْمِ دُونَ اللَّيْلِ اور فطر کا اختصاص دن کے ساتھ ہے نہ کہ رات کے ساتھ، کیونکہ دن ہے روزے کا وقت، تو دن ہی کیا ہو گا؟ فطر کا وقت۔

وَ الْمُسْتَحَبُّ أَنْ يُخْرِجَ النَّاسُ الْفِطْرَةَ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى اور مستحب یہ ہے کہ نکالیں لوگ صدقۂ فطر کو عید الفطر والے دن عید گاہ جانے سے پہلے۔ عید گاہ جانے سے پہلے ہی کیا کر دیں؟ فقراء کو صدقۂ فطر ادا کر دینا مستحب ہے، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُخْرِجُ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام بھی صدقۂ فطر نکالتے تھے نکلنے سے پہلے، یعنی عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے۔ وَ لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالْإِغْنَاءِ كَيْ لَا يَتَشَاغَلَ الْفَقِيرُ بِالْمَسْأَلَةِ عَنِ الصَّلَاةِ دوسری دلیل، عقلی دلیل، اس لیے کیونکہ حکم دیا گیا ہے حدیث میں بالا فناء، بے نیاز کرنے کا۔ حدیث میں کیا آیا ہے؟ ان فقراء کو بے نیاز کر دو۔ تو یہ جو حدیث میں فقراء کو بے نیاز کرنے کا حکم دیا گیا یہ اس لیے ہے تا کہ فقیر جو ہے وہ مانگنے میں نہ مشغول رہے بلکہ پورے طور پر کس کی طرف متوجہ ہو جائے؟ نماز کی طرف متوجہ ہو جائے، تو اسی لیے بہتر یہ ہے کہ نماز سے پہلے ہی صدقۂ فطر ادا کر کے فقیر کو سوال مانگنے سے بے نیاز کر دیا جائے تا کہ وہ پورے طور پر نماز کی طرف متوجہ ہو جائے۔ یہ معنی ہے: وَ لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالْإِغْنَاءِ اور اس لیے کیونکہ بے نیاز کرنے کا، بے پروا کرنے کا جو حکم ہے وہ اس لیے ہے كَيْ لَا يَتَشَاغَلَ الْفَقِيرُ بِالْمَسْأَلَةِ تا کہ فقیر جو ہے وہ مشغول نہ ہو جائے مانگنے میں عَنِ الصَّلَاةِ کس سے؟ نماز سے۔ وَ ذَلِكَ بِالتَّقْدِيمِ اور یہ مقدم کرنے کی صورت میں ہی ہو گا کہ پہلے ہم ادا کر دیں گے تو پھر وہ مانگنے میں مشغول نہیں ہو گا۔

فَإِنْ قَدَّمُوهَا عَلَى يَوْمِ الْفِطْرِ جَازَ اگر صدقۂ فطر کو ان لوگوں نے مقدم کر دیا عید الفطر پر تو بھی جائز ہے۔ کوئی عید سے پہلے ہی کیا کر دیتا ہے؟ صدقۂ فطر ادا کر دیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ یعنی ایک دو دن پہلے ہی دے دیتا ہے، ایک دن پہلے یا کئی دن پہلے دے دیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ لِأَنَّهُ أَدَّى بَعْدَ تَقَرُّرِ السَّبَبِ اس لیے کیونکہ اس نے صدقۂ فطر ادا کیا ہے سبب کے پائے جانے کے بعد۔ سبب تو موجود تھا، سبب نہ ہوتا پھر تو ادا نہیں ہونا تھا، لیکن سبب موجود ہے، اور صدقہ، صدقۂ فطر کا سبب کیا ہے؟ وہ راس ہے، وہ ذات ہے، وہ تو موجود ہے پہلے بھی، تو لہٰذا سبب پایا گیا تو پہلے ادا بھی ہو جائے گا۔ فَأَشْبَهَ التَّعْجِيلَ فِي الزَّكَاةِ تو یہ مشابہ ہو گیا زکوٰۃ میں جلدی کرنے کے، جیسے زکوٰۃ کے اندر اگر سال سے پہلے کوئی زکوٰۃ دینا چاہے تو دے سکتا ہے بشرطیکہ سببِ زکوٰۃ یعنی نصابِ نامی پایا جائے۔

وَلَا تَفْصِيلَ بَيْنَ مُدَّةٍ وَ مُدَّةٍ هُوَ الصَّحِيحُ اور کوئی تفصیل نہیں ہے، کوئی فرق نہیں یعنی ایک مدت اور دوسری مدت کے درمیان، یہی قول صحیح ہے۔ بھئی دراصل یہاں فقہاء اختلاف کرتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ رمضان کے مہینے سے پہلے نہیں دے سکتا، رمضان جب شروع ہو جائے پھر صدقۂ فطر دے سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں رمضان کے نصفِ اخیر کے اندر، آخری پندرہ دنوں میں دے سکتا ہے اس سے پہلے نہیں دے سکتا، اسی طرح مختلف اقوال ہیں، تو صاحبِ ہدایہ فرما رہے ہیں کہ نہیں بھئی، ایک مدت اور دوسری مدت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، یعنی جب بھی دینا چاہے دے سکتا ہے، اس میں کسی مدت کی قید نہیں ہے۔

وَ إِنْ أَخَّرُوهَا عَنْ يَوْمِ الْفِطْرِ لَمْ تَسْقُطْ بھئی مسئلہ یہ کہ عید الفطر کا دن گزر گیا اور کسی نے صدقۂ فطر ادا ہی نہیں کیا، تو کیا یہ اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، ساقط نہیں ہو گا، بعد میں بھی اس کو دینا ہی پڑے گا، اس کے ذمے باقی رہے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَ إِنْ أَخَّرُوهَا عَنْ يَوْمِ الْفِطْرِ لَمْ

تَسْقُطُ اور اگر صدقۂ فطر کو مؤخر کر دیا عید الفطر کے دن سے تو بھی یہ ساقط نہیں ہو گا، یعنی ختم نہیں ہو گا، وَ **كَانَ عَلَيْهِمْ إِخْرَاجُهَا** اور ان پر واجب ہو گا اس کو نکالنا یعنی ادا کرنا، **لِأَنَّ وَجْهَ الْقُرْبَةِ فِيهَا مَعْقُولٌ** اس لیے کیونکہ قربت کی وجہ، عبادت ہونے کی وجہ اس کے اندر معقول ہے یعنی عقل میں آنے والی ہے، **فَلَا يَتَقَدَّرُ وَقْتُ الْأَدَاءِ فِيهَا** لہٰذا ادا کا وقت اس میں مقرر نہیں ہو گا، **بِخِلَافِ الْأُضْحِيَّةِ** بخلاف قربانی کے۔

بھئی قربانی جو ہے نا قربانی، وہ غیر معقول ہے، وہ اس میں ہمیں جانور کو ذبح کرنے اور اس کا خون بہانے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ جانور کو ذبح کرنا اور خون کا بہانا کس طرح عبادت ہے اس کی وجہ عقل میں نہیں آتی۔ جب یہ عقل میں نہیں آتی اس کی وجہ تو یہ اپنے مورد پر بند رہے گا۔ اور مورد یعنی اس قربانی کرنے کا حکم کن دنوں میں دیا گیا ہے؟ ان تین دنوں میں، ایام النحر جو ہیں انہی تین دنوں میں، یعنی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ذوالحج کو۔ تو چونکہ یہ قربانی خود غیر معقول ہے، لہٰذا یہ اپنے اس مورد پر، اپنے وقت پر بند رہے گی، اور دنوں کے اندر جائز نہیں بھئی، وہ قربانی نہیں ہو گی، سمجھ میں آیا بھئی؟

جب کہ یہ صدقۂ فطر جو ہے یہ ایک معقول عبادت ہے یعنی عقل میں آنے والی ہے، اس لیے کیونکہ صدقۂ فطر کے ذریعے فقیر کی محتاجی دور کی جائے گی، اس کی ضرورت پوری کی جائے گی، اور فقیر کی محتاجی دور کرنا اس کا عبادت ہونا ہمیں سمجھ میں آتا ہے بھئی کہ ایک شخص کی کیا ہے، تکلیف اور پریشانی کو کیا کیا جا رہا ہے؟ دور، تو اس کا عبادت ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ جب یہ امر معقول ہے تو اس میں وقت جو ہے وہ مقرر نہیں ہو گا، اس کے اندر وقت مقرر نہیں ہو گا کہ عید کے دن ادا کرے تو صدقۂ فطر ادا ہو گا، بعد میں ادا کرے تو ادا نہیں ہو گا۔ اس لیے کیونکہ اس میں قربت کی وجہ کیا ہے؟ فقیر کی محتاجی کو دور کرنا، اور فقیر کی محتاجی جیسے عید کے دن دینے کے اندر اس کی محتاجی دور ہوتی ہے اسی طرح بعد میں دینے سے بھی کیا ہوتی ہے؟ اس کی محتاجی دور ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ایک وقت کے ساتھ مقرر نہیں ہو گا کیونکہ اس کی وجہ عقل میں آنے والی ہے، اور وہ وجہ بتلاتی ہے کہ عید کے بعد بھی دو گے تو کیا ہو گا؟ اس کی محتاجی دور ہو گی، اس کی ضرورت پوری ہو گی۔ اس لیے اس صدقۂ فطر کو وقت کے ساتھ مقرر، وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا، جب کہ قربانی کے اندر اس کی عبادت ہونے کی وجہ عقل میں نہیں آتی لہٰذا اس کے اندر انہی دنوں کے اندر ہی جائز ہو گی جس کا ذکر آیا ہے احادیث وغیرہ میں، اور دنوں میں اس سے وہ قربانی ادا نہیں ہو گی بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟

یہ معنی ہے: **لِأَنَّ وَجْهَ الْقُرْبَةِ فِيهَا مَعْقُولٌ** اس لیے کیونکہ عبادت ہونے کی وجہ صدقۂ فطر کے اندر معقول ہے، عقل میں آنے والی ہے، **فَلَا يَتَقَدَّرُ وَقْتُ الْأَدَاءِ فِيهَا** لہٰذا مقرر نہیں ہو گا ادا کا وقت اس کے اندر، **بِخِلَافِ الْأُضْحِيَّةِ** بخلاف قربانی کے، کہ اس کے اندر جو ہے عبادت ہونے کی وجہ عقل میں نہیں آتی لہٰذا اس کے اندر وہی وقت ہی مقرر ہو گا جو نص کے اندر آیا ہے۔ **وَاللَّهُ أَعْلَمُ** اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۱۶: کِتَابُ الصَّوْمِ

ہدایہ صفحہ: ۲۲۹ — بتاریخ: ۱۸ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

كِتَابُ الصَّوْمِ

قَالَ: «الصَّوْمُ ضَرْبَانِ: وَاجِبٌ وَنَفْلٌ، وَالْوَاجِبُ ضَرْبَانِ: مِنْهُمَا مَا يَتَعَلَّقُ بِزَمَانٍ بِعَيْنِهِ كَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ، فَيَجُوزُ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ، وَإِنْ لَمْ يَنْوِ حَتَّى أَصْبَحَ أَجْزَأَتْهُ النِّيَّةُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الزَّوَالِ»، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يُجْزِيهِ. [1]

كِتَابُ الصَّوْمِ۔ یاد رکھیے! **صَوْم** جو ہے **صَوْم، صَوْم** کا لغوی معنی ہے **إِمْسَاك** بھائی، **إِمْسَاك**۔ **إِمْسَاك** میں الف، میم، سین، الف اور چھوٹا کاف، **إِمْسَاك** یعنی رکنا، رکنا۔ تو عربی زبان میں **صَوْم** کہتے ہیں مطلقاً **إِمْسَاك** کو یعنی کسی چیز سے بھی رکنا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ **صَوْم** کہلاتا ہے۔

لیکن اصطلاحِ شریعت کے اندر **صَوْم** کہتے ہیں کھانے، پینے اور **جِمَاع** سے **إِمْسَاك بِنِيَّةِ الصَّوْمِ** روزے کی نیت کے ساتھ۔ تو یہ ہے **صَوْم** شرعاً بھائی۔ تو تین چیزوں سے رکنا بھائی: کھانے، پینے اور صحبت سے۔ اور کس نیت کے ساتھ؟ باقاعدہ روزے کی نیت کے ساتھ بھائی، نیت کے ساتھ۔ تو نیت ہو گی تو روزہ ہو گا۔ نیت نہ ہو تو ویسے یہ **إِمْسَاك** پایا بھی جائے تو اس سے روزہ نہیں ہو گا بھائی۔

تو شرعی تعریف روزے کی کیا ہوئی؟ **الصَّوْمُ الشَّرْعِيُّ هُوَ الْإِمْسَاكُ عَنْ ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ: الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالْجِمَاعُ بِنِيَّةِ الصَّوْمِ**۔ کھانے، پینے، **جِمَاع** سے رکنا روزے کی نیت کے ساتھ بھائی۔

اور یاد رکھیے یہ روزوں کی فرضیت ہوئی ہے سن دو ہجری میں۔ دو ہجری میں یہ رمضان کے روزے فرض کیے گئے بھائی، دو ہجری میں۔ اسی طرح آپ پڑھ چکے پہلے میں نے بتلایا تھا کہ زکوٰۃ بھی سن دو ہجری میں فرض ہوئی ہے۔ روزے بھی دو ہجری میں اور زکوٰۃ بھی، لیکن زکوٰۃ کی فرضیت پہلے ہوئی اور پھر اس کے بعد روزوں کی فرضیت ہوئی، روزے فرض قرار دیے گئے۔

جی، اب دیکھیے کتاب پر: **قَالَ: «الصَّوْمُ ضَرْبَانِ»** صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **«الصَّوْمُ ضَرْبَانِ»** روزہ جو ہے وہ دو قسم پر ہے، روزے کی دو قسمیں ہیں: **«وَاجِبٌ وَنَفْلٌ»** ایک قسم واجب ہے اور ایک نفل ہے بھائی، نفل ہے۔ یاد رکھیے! واجب سے یہاں واجبِ لغوی مراد ہے، اصطلاحی واجب نہیں مراد بھائی۔ اس لیے کیونکہ رمضان کے روزے فرض ہیں آپ جانتے ہیں بھائی۔ تو یہ واجب بمعنی لازم کے ہے۔ واجب کا کیا معنی؟ لازم، جو لازمی ہیں، ضروری ہیں۔ تو روزے دو قسم پر ہیں: کچھ لازمی ہیں اور کچھ دوسری قسم نفل ہے بھائی۔ اور لازمی یہ شامل ہے فرض کو بھی اور واجب کو بھی شامل ہے، دونوں قسمیں اس کے اندر داخل ہو گئیں بھائی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ تو یہ واجب یہاں لغوی واجب مراد ہے۔

تو کہتے ہیں: **«الصَّوْمُ ضَرْبَانِ: وَاجِبٌ وَنَفْلٌ»** کہ روزہ جو ہے دو قسم پر ہے، ایک واجب ہے اور ایک نفل ہے۔ **«وَالْوَاجِبُ ضَرْبَانِ»** پھر یہ جو واجب ہے یہ دو قسم پر ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: **«مِنْهُمَا مَا يَتَعَلَّقُ بِزَمَانٍ بِعَيْنِهِ»** ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق معین زمانے کے ساتھ ہوتا ہے، **«كَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ»** جیسے کہ رمضان کا روزہ ہے اور معین نذر کا روزہ ہے۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۱۵۸): «عنه»۔ • شاملہ (ص۱۵۸) میں «مِنْهُمَا» کے بجائے «منه»، شاملہ (ص۱۵۸) میں «رَحِمَهُ» کے بجائے «رضي» درج ہے۔

بھائی دیکھیے! یہ جو واجب روزے ہیں یہ دو قسم کے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کا وقت متعین ہے جیسے رمضان کے روزے کا وقت متعین ہے کہ رمضان کے اندر رکھے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح نذرِ معین بھائی۔ یاد رکھیے! ایک نذرِ معین ہے، ایک نذرِ مطلق ہے۔ نذرِ معین وہ ہے جس میں آپ منت مانتے ہیں روزے کی اور باقاعدہ دن بھی مقرر کرتے ہیں کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں فلاں تاریخ کو یا فلاں دن کو میں کیا کروں گا؟ روزہ رکھوں گا۔ تو دیکھو آپ نے دن کی تعیین کر دی، یا فلاں مہینے کی فلاں تاریخ سے لے کر فلاں تاریخ تک میں روزے رکھوں گا، تو دیکھو آپ نے دنوں کی تخصیص کر دی۔ تو یہ کیا ہے؟ نذرِ معین ہے بھائی، نذرِ معین ہے۔

ایک تو یہ صورت تھی کہ آپ نے منت مانی کس طریقے پر کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں فلاں دن سے فلاں دن تک یعنی فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک روزے رکھوں گا۔ یا ویسے ہی آپ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے لیے اپنے اوپر لازم کرتا ہوں، یا یوں کہتے ہیں میں اللہ کے لیے فلاں تاریخ سے فلاں تک روزے رکھوں گا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو آپ نے خود اپنے اوپر کیا کر لیے روزے لازم کر لیے بھائی۔ تو یہ سب منت میں داخل ہیں۔

اور ایک نذرِ مطلق ہے جس میں آپ وقت کی تعیین نہیں کرتے بلکہ مطلقاً کیا کہتے ہیں کہ اگر میرا یہ کام ہوا تو مثلاً میں دس روزے رکھوں گا۔ کس دن رکھیں گے یہ تعیین آپ نے نہیں کی۔ تو یہ ہے نذرِ مطلق بھائی، جس میں کوئی قید نہیں۔ اور پہلے میں کیا تھی؟ قید تھی کہ فلاں تاریخ سے فلاں تک رکھوں گا تو وہ تھی نذرِ معین بھائی، نذرِ معین۔

تو کہتے ہیں یہ جو واجب ہے **ضَرْبَانِ** یہ دو قسم پر ہے: «**مِنْهُمَا مَا يَتَعَلَّقُ بِزَمَانٍ بِعَيْنِهِ**» ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق معین زمانے کے ساتھ ہوتا ہے، «**كَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ**» جیسے کہ رمضان کا روزہ ہے اور جیسے کہ معین نذر کا روزہ ہے۔ «**فَيَجُوزُ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ**» تو یہ روزہ جو معین زمانے کے ساتھ جس کا تعلق ہوتا ہے، یہ روزہ جائز ہے رات کی نیت سے۔ یعنی رات کو کیا کرے؟ نیت کرے تو یہ روزہ جائز ہے۔ «**وَإِنْ لَمْ يَنْوِ حَتَّى أَصْبَحَ أَجْزَأَتْهُ النِّيَّةُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الزَّوَالِ**» اور اگر نیت نہیں کی یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو وہ نیت اس کے لیے کافی ہو جائے گی جو اس صبح اور زوال کے درمیان ہو۔

آپ نے پڑھا دو قسم پر، ایک نفلی روزہ اور ایک واجب۔ واجب پھر دو قسم پر: ایک وہ جس کا وقت متعین ہے، ایک وہ جس کا وقت متعین نہیں۔ تو وہ قسم واجب کی جس کا وقت متعین ہے اس میں رات سے نیت کرنا بھی صحیح اور اگر رات کو نیت نہیں کی تو پھر صبح سے لے کر زوال سے پہلے پہلے نیت کرنا بھی صحیح ہے اور اس سے یہ روزہ ہو جائے گا۔ تو لہٰذا رمضان کے اندر رات سے نیت نہیں کی بلکہ صبح ہونے کے بعد آپ نیت کرتے ہیں زوال سے پہلے پہلے تو بھی صحیح ہے بھائی، روزہ آپ کا ہو جائے گا بھائی، وہ رمضان والا۔ یا وہ معین نذر والا روزہ اسی طرح آپ رکھتے ہیں، نیت بعد میں کرتے ہیں تو روزہ ہو جائے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہ آگے آپ کو صاحب ہدایہ بتلائیں گے، یہ جو متن آرہا ہے یہ عبارت ہے قدوری کی۔ صاحبِ قدوری کیا فرماتے ہیں کہ نیت کافی ہو جائے گی صبح سے لے کر زوال تک بھائی، اس دوران بھی نیت کر لے تو نیت صحیح ہے، روزہ ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ صبح سے لے کر **نِصْفُ النَّهَار** تک، کب تک؟ **نِصْفُ النَّهَار** تک جو ہے نیت کر لے تو نیت صحیح ہو جائے گی اور روزہ صحیح ہو جائے گا بھائی، روزہ صحیح ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں صاحب قدوری نے آپ کو زوال کا کہا کہ صبح سے لے کر زوال تک، لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ صبح سے لے کر **نِصْفُ النَّهَار** تک جو ہے اس کے بیچ نیت ہونی چاہیے۔ سمجھ میں آیا؟

اور **نِصْفُ النَّهَار؟** بھائی دیکھیے! یہ جو ہے نا زوال کا وقت، کون سا وقت؟ جب سورج عین سر پر آتا ہے، یہ ہوتا ہے سورج جب طلوع ہوتا ہے، سورج جب نکلتا ہے اور سورج جب غروب ہوتا ہے اس کا عین وسط ہوتا ہے۔ سورج طلوع ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ ہوتے ہوتے اوپر عین سر پر آتا ہے تو بالکل یہ دن کا وسط ہے۔ اور پھر سورج آہستہ آہستہ غروب کی طرف چلتا ہے اور پھر غروب ہو جاتا ہے، تو جب عین سر پر ہو تو یہ دن کا وسط ہے۔ لیکن روزے کی ابتدا تو کہاں سے ہوتی ہے؟ سورج طلوع ہوتے وقت ہوتی ہے یا صبحِ صادق سے ہوتی ہے؟ وہ تو صبحِ صادق سے ابتدا ہوتی ہے۔ تو لہٰذا اس کے اندر پھر **نِصْفُ النَّهَار** کا اعتبار کیا جائے گا یعنی صبحِ صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک اس سارے وقت کو آپ شمار کریں، فرض کریں یہ بنتا ہے چودہ گھنٹے۔ کتنے گھنٹے؟ چودہ گھنٹے۔ تو اس کا عین نصف یعنی سات گھنٹے کا جو وقت ہو گا اس وقت یہ **نِصْفُ النَّهَار** کا وقت ہے بھائی۔ کس چیز کا ہے؟ **نِصْفُ النَّهَار** کا۔ تو یہ اس زوال سے کوئی آدھا پونا گھنٹہ یا گھنٹہ جتنا بھی پہلے بنتا ہے اس سے پہلے پہلے نیت ہونی چاہیے بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو ہمارے نزدیک بھائی رات سے بھی نیت جائز ہے اور اگر صبح نیت کر لی زوال سے پہلے پہلے یعنی **نِصْفُ النَّهَار** سے پہلے پہلے تو بھی یہ نیت اس کے لیے کافی ہو جائے گی اور روزہ صحیح ہو جائے گا۔ «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يُجْزِيهِ**» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس کے لیے کافی نہیں، یہ جو نیت کرتا ہے زوال سے پہلے اور صبح کے بعد، یہ اس کے لیے کافی نہیں، اس سے روزہ نہیں ادا ہو گا۔

اعْلَمْ أَنَّ صَوْمَ رَمَضَانَ فَرِيضَةٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ جان لے کہ رمضان کا روزہ جو ہے وہ فرض ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ تم پر روزے فرض کر دیے گئے۔ **وَعَلَى فَرْضِيَّتِهِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ** اور ان کے فرض ہونے پر اجماع منعقد ہے، تو قران سے بھی ثابت ہیں اور نیز ان کے فرض ہونے پر اجماع بھی ہے۔ **وَلِهَذَا يُكَفَّرُ جَاحِدُهُ** اور اسی وجہ سے **يُكَفَّرُ** کافر قرار دیا جائے گا، کافر قرار دیا جائے گا **جَاحِدُهُ** اس کے انکار کرنے والے کو۔ جو شخص روزے کے فرض ہونے کا انکار کرے اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔

وَالْمَنْذُورُ وَاجِبٌ اور وہ روزہ جس کی منت مانی گئی ہے، **وَاجِبٌ** وہ واجب ہے بھائی، واجب ہے۔ اس کے واجب ہونے کی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾** اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: **﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾** اور چاہیے کہ وہ لوگ پورا کریں اپنی منتوں کو، اور ان لوگوں کو اپنی منتوں کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ کس چیز کی دلیل ہے؟ کہ منت کا جو روزہ ہے وہ واجب ہے۔ بھائی رمضان کا روزہ تو فرض، لیکن منت کا روزہ فرض نہیں بلکہ اس سے کچھ کم درجے یعنی واجب ہے بھائی، واجب ہے۔ اور دلیل کیا ذکر کی؟ **﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾** دلیل کس طرح ہے یہ بھائی؟ کہ امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے، اور یہاں کون سا صیغہ آرہا ہے؟ امر کا صیغہ۔ بھائی یاد رکھیے یہ بات کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے، وجوب سے فرضیت مراد ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہاں امر کا صیغہ آیا تو اس کو فرض قرار دینا چاہیے، اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے منتوں کو؟ ان لوگوں کو منتوں کو پورا کرنا چاہیے بھائی۔

تو یہ جو آپ پڑھتے ہیں نا کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے، وجوب سے کیا مراد ہے؟ فرضیت مراد ہے۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ یہاں امر کا صیغہ آیا اور قران سے ثابت ہو رہی ہے ایک بات اور صیغہ بھی امر کا ہے، تو اس منت کے روزے کو بھی کیا قرار دینا چاہیے؟ فرض قرار دینا چاہیے، تو یہ دلیل تو دعوے کے مطابق نہیں، دعویٰ تو کیا تھا؟ کہ منت کا روزہ واجب، اور دلیل جو ذکر کی جا رہی ہے وہ تو کس پر دلالت کر رہی ہے؟ اس کو کیا قرار دینا چاہیے؟ فرض قرار دینا چاہیے۔ جواب یہ کہ بالاتفاق منتوں میں سے بعض منتیں اس حکم سے خارج ہیں۔ بعض منتیں کیا ہیں؟ اس حکم سے خارج ہیں۔ تو یہ عام، عام مخصوص البعض ہوا بھائی، وہ عام جس سے بعض افراد کی کیا کر لی گئی ہے؟ تخصیص کر لی گئی ہے بالاتفاق، بالاتفاق۔ مثلاً کوئی گناہ کی منت مان لیتا ہے تو کیا اس کو پورا کرنا پڑے گا؟ حالانکہ قران میں اللہ کیا فرما رہے ہیں: **﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾** تو بالاتفاق وہ اس حکم سے خارج ہے، اس کو پورا نہیں کیا جائے گا تو اس سے تو بچنا ضروری ہے بلکہ۔ تو اسی طرح اور بعض منتیں ہیں مثلاً کسی ایسی چیز کی منت مان لیتا ہے جو عبادت نہیں ہے مثلاً کسی بھی وقت، تو یعنی لازم عبادتِ لازمہ نہیں ہے تو اس طرح کی منت جو ہے وہ بھی پوری کرنا ضروری نہیں۔ تو معلوم ہوا بعض منتوں کو اس حکم سے نکالا گیا ہے، تو یہ کس طرح کا عام ہوا جس سے بعض افراد کی تخصیص کر لی گئی ہے، اور وہ عام جس سے بعض افراد کی تخصیص کر لی جائے وہ قطعی نہیں رہتا بلکہ کیا بن جاتا ہے؟ ظنی بن جاتا ہے، ظنی بن جاتا ہے۔ تو لہٰذا اس لیے یہ بھی ظنی ہوا اور اس وجہ سے یہ قطعی نہ رہا تو اس کو فرض نہیں قرار دیا گیا اور اس سے نچلا درجہ تھا واجب کا تو اس کو کیا قرار دیا گیا؟ واجب قرار دیا گیا۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو اگر اس سے تخصیص نہ ہوتی تو اس کو بھی ہم فرض قرار دیتے۔ جیسے آپ اصول الشاشی اور نور الانوار میں پڑھ چکے ہیں، کتاب اللہ سے مثالیں ذکر کی جاتی ہیں عام کی اور اس سے بعض افراد کو نکال لیا جاتا ہے تو پھر وہ قطعی نہیں رہتا بلکہ کیا بن جاتا ہے؟ ظنی بن جاتا ہے، تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔

وَسَبَبُ الْأَوَّلِ الشَّهْرُ اور اول کا سبب مہینہ ہے۔ بھائی دو قسم کے روزے ذکر ہوئے ناجن کا تعلق متعین زمانے سے ہے، ایک رمضان کا اور ایک نذرِ معین۔ تو وہ اول یعنی رمضان کا جو روزہ ہے اس کا سبب مہینہ ہے۔ **وَلِهَذَا يُضَافُ إِلَيْهِ** اسی لیے اس کی نسبت اس مہینے کی طرف کی جاتی ہے اور کیا کہتے ہیں؟ **صَوْمُ رَمَضَانَ. وَيَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِهِ** اور نیز اس کا تکرار ہوتا ہے مہینے کے تکرار کے ساتھ، یعنی اگلے سال پھر رمضان جو شخص پائے گا اس پر پھر اس مہینے کے روزے فرض ہوں گے، اس سے اگلے سال پھر رمضان کا مہینہ پائے گا تو اس پر اس رمضان کے روزے بھی فرض ہو جائیں گے۔ تو لہٰذا معلوم ہوا ان رمضان کے روزوں کا سبب کیا ہے؟ رمضان کا مہینہ ہے، جو اس رمضان کے مہینے کو پالے گا اس پر رمضان کے روزے فرض ہو جائیں گے، واجب ہو جائیں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا یہ وجوب کس سے آتا ہے رمضان کے روزوں کا؟ رمضان کے مہینے کو پا لینے سے، جو اس مہینے کو پالے گا۔

وَكُلُّ يَوْمٍ سَبَبُ وُجُوبِ صَوْمِهِ اور ہر دن جو ہے وہ اپنے روزے کے وجوب کا سبب ہے۔ رمضان کا ہر دن اپنے روزے کے وجوب کا سبب ہے۔ یہاں وجوب سے مراد ہے وجوبِ ادا، کیا مراد ہے؟ وجوبِ ادا مراد ہے۔ بھائی دیکھیے! ایک ہے نفسِ وجوب، ایک ہے وجوبِ ادا، ایک وجوبِ ادا۔ آپ کسی کے ساتھ عقد و شراء والا معاملہ کرتے ہیں، خرید و فروخت کرتے ہیں تو آپ نے مثلاً اس سے ایک کتاب خرید لی، کتاب خرید لی کہ یہ کتاب میں آپ سے سو روپے میں خریدتا ہوں، اس نے کہا مجھے منظور ہے، عقد ہو گیا۔ عقد ہوتے ہی آپ اس کتاب کے مالک بن گئے اور آپ پر سو روپے واجب ہو گئے، کیا ہو گئے؟ واجب، لازم ہو گئے۔ تو نفسِ وجوب عقد سے ہی آگیا آپ پر سو روپے کا، لیکن یہ سو روپے فی الحال دینا ضروری نہیں ہے آپ پر، فی الحال آپ کو دینا ضروری نہیں۔ ہاں، جب وہ شخص آپ سے مانگ لے: لاؤ بھائی، میرے پیسے دے دو، اب آپ پر ادا بھی ضروری ہو گئی۔ تو پہلے کیا آیا تھا؟ نفسِ وجوب، اور پھر جب مطالبہ اس کی طرف سے ہو گیا تو کیا آگیا؟ وجوبِ ادا بھی آپ پر آگیا۔ تو نفسِ وجوب اور چیز ہے، وجوبِ ادا اور چیز۔ تو نفسِ وجوب ان روزوں کا کس سے آتا ہے؟ رمضان کے مہینے سے، اور وجوبِ ادا کس سے آئے گا؟ ہر دن کے وجوبِ ادا اس دن کے آنے سے ہو گا کہ اب یہ دن آگیا ہے اب کیا کرو؟ اس دن کا روزہ ادا کر دو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «**وَكُلُّ يَوْمٍ سَبَبُ وُجُوبِ صَوْمِهِ**» اور ہر دن جو ہے اپنے روزے کے وجوب کا سبب ہے۔ تو یہ ایک تقریر ہو گئی اس مقام کی کہ سببِ اول کس کو قرار دیا، یہ ان رمضان کے روزوں کا نفسِ وجوب کس سے آتا ہے؟ رمضان کا مہینہ پانے سے، اور وجوبِ ادا ہر دن کے روزے کا اس دن کو پا لینے سے ہو گا وجوبِ ادا۔ یا «**وَكُلُّ يَوْمٍ سَبَبُ وُجُوبِ صَوْمِهِ**» اس کے ذریعے صاحبِ ہدایہ جو ہے وہ دوسرے قول کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جیسا کہ علامہ فخر الاسلام وغیرہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ روزہ جو ہے وہ عبادتِ متفرقہ ہے کہ ہر دن کا الگ روزہ ہوتا ہے، رمضان میں ہر دن کا الگ روزہ ہوتا ہے۔ تو ہر دن کے روزے کا نفسِ وجوب ہی کس سے آتا ہے؟ اس دن کے پا لینے سے ہو گا۔ ہر دن کا نفسِ وجوب ہی اس دن کے پا لینے کے ساتھ ہو گا بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا رمضان کے روزے واجب ہو رہے ہیں مہینے کے، اس رمضان کے مہینے کی وجہ سے، لیکن ہر ہر روزہ جو ہے وہ اس دن کے پانے سے واجب ہوتا ہے بھائی۔ یہ معنی ہے: «**وَكُلُّ يَوْمٍ سَبَبُ وُجُوبِ صَوْمِهِ**» یا ہر

دن جو ہے وہ اپنے روزے کے وجوب کا سبب ہے۔

وَسَبَبُ الثَّانِي النَّذْرُ اور دوسرے کا سبب منت ہے، دوسرا روزہ جو نذرِ معین تھا اس کا سبب وہ منت ہے۔ پہلے کا سبب تو مہینہ ہے رمضان کا، اور دوسرا منت ہے۔ **وَالنِّيَّةُ مِنْ شُرُوطِهِ** اور نیت روزے کی شرائط میں سے ہے، نیت ہو گی تو روزہ ہو گا، نیت نہیں تو روزہ بھی نہیں۔ **وَسَنُبَيِّنُهُ وَنُفَسِّرُهُ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى** اور عنقریب ہم اس کو بیان کریں گے اور اس کی تفسیر کریں گے **إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى**۔

وَجْهُ قَوْلِهِ فِي الْخِلَافِيَّةِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بھائی امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے کہ رمضان کا روزہ ہو یا نذرِ معین کا روزہ ہو تو رات سے ہی نیت کرنا ضروری ہے، صبح کے بعد نیت کی تو یہ اس کے لیے کافی نہیں، اس سے وہ روزہ ادا نہیں ہو گا۔ تو یہ جو انہوں نے اختلاف کیا اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ ان کی دلیل کیا ہے۔ کہتے ہیں: «**وَجْهُ قَوْلِهِ**» اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی وجہ یعنی ان کی دلیل جو ہے «**فِي الْخِلَافِيَّةِ**» **أَيْ فِي الْمَسْأَلَةِ الْخِلَافِيَّةِ** اس اختلافی مسئلے کے اندر، «**قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَنْوِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ**» کہ روزے نہیں ہے اس شخص کے جس نے روزوں کی نیت رات سے نہ کی۔ حدیث میں کیا آتا ہے؟ اس شخص کا روزہ ہی نہیں جس نے رات سے روزے کی نیت نہ کی۔ ایک دلیل، ایک دلیل یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی۔

اور دوسری عقلی دلیل، وہ فرماتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ لَمَّا فَسَدَ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ لِفَقْدِ النِّيَّةِ فَسَدَ الثَّانِي ضَرُورَةَ أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ** بھائی یاد رکھیے! امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک یہ واجب روزہ ہے، فرض روزہ ہے رمضان وغیرہ کا اور ایک نفل روزہ ہے۔ نفل روزے کی تقسیم ہو سکتی ہے۔ یرحمک اللہ۔ نفل روزے کی تقسیم ہو سکتی ہے، ٹکڑے ہو سکتا ہے وہ، وہ ٹکڑے ہو سکتا ہے، لیکن رمضان وغیرہ یہ جو واجب روزہ ہے اس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ یہ اس کے اندر جب ٹکڑے نہیں ہو سکتے تو ایک جز کے اندر اگر خرابی آئی تو خرابی سارے روزے میں گویا آ گئی کیونکہ ٹکڑے تو ہو نہیں سکتے، ایک ہی چیز ہے، تو جب ایک جز میں خرابی آ گئی، جز میں خرابی آئی تو گویا کس کے اندر آ گئی؟ کل کے اندر خرابی آ گئی، لہٰذا پورا روزہ ہی فاسد ہو جائے گا۔ اور جب اس نے اول جز کے اندر رمضان کے اندر نیت نہیں کی تھی صبح طلوع ہو گئی اور اس نے ابھی نیت نہیں کی تو پہلا جز فاسد ہوا کیونکہ اس کے اندر تو روزہ نہیں، اور تقسیم تو ہو نہیں سکتی اس کی لہٰذا جب ایک جز فاسد ہوا تو باقی جز بھی کیا ہو جائے گا سارا؟ فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہاں تقسیم نہیں کہ کچھ کا حکم کچھ اور ہو اور کچھ حصے کا حکم کچھ اور ہو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

جبکہ اس کے مقابلے میں وہ فرماتے ہیں نفل کے اندر تجزی ہو سکتی ہے، تقسیم ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ایک آدمی نے نفل روزے کی نیت کی عصر کے وقت جا کر، کس وقت کی؟ عصر کے وقت جا کر کی، تو کہتے ہیں بس اس کا روزہ ہو جائے گا اور صرف عصر سے مغرب تک ہو گا۔ کب سے لے کر؟ لیکن شرط ہے صبح سے اس نے کچھ کھایا نہ ہو، یہ تو شرط ہے۔ یعنی خلافِ روزہ کوئی چیز نہ پائی گئی، اس نے صبح سے نہ کچھ کھایا ہے، نہ پیا ہے، نہ بیوی کے قریب گیا ہے اور عصر کو جا کر اس کا ارادہ ہوا یا زوال کے بعد اس کا ارادہ بن گیا کہ میں کیا کر لیتا ہوں، میں نے کچھ کھایا پیا تو ہے نہیں میں کیا کر لیتا ہوں؟ روزہ رکھ لیتا ہوں، تو بس اس کی یہ نیت صحیح ہے اور اس کا روزہ ہو گا، لیکن صبح سے نہیں ہو گا بلکہ کب سے ہو گا؟ جس وقت اس نے نیت کی ہے اس سے لے کر آخر تک، کیونکہ یہ نفلی روزہ ہے اور نفلی روزے کی ان کے نزدیک تقسیم ہو سکتی ہے، تجزی ہو سکتی ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ لیکن واجب روزے کے اندر وہ بھی فرماتے ہیں تجزی نہیں ہو سکتی۔

تو وہ ان کی عقلی دلیل اب آ رہی ہے، وہ فرماتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ لَمَّا فَسَدَ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ لِفَقْدِ النِّيَّةِ** اس لیے کیونکہ جب پہلا جز فاسد ہو گیا نیت نہ ہونے کی وجہ سے، **فَسَدَ الثَّانِي** تو دوسرا جز بھی فاسد ہو گیا، **ضَرُورَةَ أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ** اس بات کے یقینی ہونے کی وجہ سے کہ اس کی تقسیم نہیں ہوتی، اس کے ٹکڑے نہیں ہوتے۔ **ضَرُورَةَ** کا کیا معنی یہاں کر لیں؟ یقینی کے، اس بات کے یقینی ہونے کی وجہ سے کہ اس کے ٹکڑے، کیونکہ ہمارے نزدیک بھی روزے کے ٹکڑے نہیں، ایک جز فاسد ہوا تو سارا روزہ کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ تو ان کے نزدیک بھی یہ حکم ہے۔ یہ معنی ہے کہ جب پہلا جز فاسد ہوا نیت نہ ہونے کی وجہ سے تو دوسرا جز بھی فاسد ہو جائے گا اس بات کے یقینی ہونے کی وجہ سے کہ **أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ** کہ اس کی تقسیم نہیں ہوتی، اس کے ٹکڑے نہیں ہوتے۔ **بِخِلَافِ النَّفْلِ** بخلاف کس کے؟ نفل کے، **لِأَنَّهُ مُتَجَزٍّ عِنْدَهُ** اس لیے کیونکہ نفل جو ہے وہ اس کی تجزی ہوتی ہے ان کے نزدیک، وہ ٹکڑے ہونے والا ہے، اس کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔

وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا شَهِدَ الْأَعْرَابِيُّ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ: «أَلَا مَنْ أَكَلَ فَلَا يَأْكُلَنَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، وَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ فَلْيَصُمْ» اور ہماری دلیل جو ہے حضور علیہ السلام کا قول ہے: **بَعْدَ مَا شَهِدَ الْأَعْرَابِيُّ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ** بعد اس کے کہ جب ایک دیہاتی نے گواہی دے دی تھی چاند دیکھنے کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**أَلَا**» آگاہ رہو، سنو! «**مَنْ أَكَلَ فَلَا يَأْكُلَنَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ**» کہ جس نے کھا لیا ہے تو وہ باقی کا دن ہرگز نہ کھائے، «**وَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ فَلْيَصُمْ**» اور جس نے نہیں کھایا اس کو روزہ رکھ لینا چاہیے۔ بھائی ایک مرتبہ یہ چاند نظر نہیں آیا تھا، اگلے دن اگلے دن پھر ایک دیہاتی نے آ کر گواہی دی کہ اس نے رمضان کا چاند دیکھا ہے تو پھر حضور علیہ السلام نے صحابہ کو حکم دیا اور ان سے فرمایا کہ جس نے جس نے کھا لیا ہے تو وہ باقی دن نہ کھائے یعنی روزہ تو نہیں لیکن باقی دن اب وہ کچھ نہ کھائے، اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ روزہ رکھ لے، وہ روزہ رکھ لے۔ اور یہ کب فرما رہے ہیں حضور علیہ السلام؟ صبح طلوع ہو چکی ہے یا نہیں ہو چکی؟ صبح طلوع ہو چکی ہے، اس کے بعد فرما رہے ہیں کہ وہ روزہ رکھ لے، معلوم ہوا صبح طلوع ہو جانے کے بعد بھی نیت روزے کی کرنا صحیح ہو جائے گا رمضان وغیرہ واجب روزے میں۔

وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى نَفْيِ الْفَضِيلَةِ وَالْكَمَالِ اور وہ حدیث جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ محمول ہے فضیلت اور کمال کی نفی پر۔ اب وہ جواب دے رہے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے کون سی حدیث ذکر کی تھی؟ کہ «**لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَنْوِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ**» اس شخص کے روزے ہی نہیں جس نے رات سے روزوں کی نیت نہیں کی۔ تو صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں کہ اس حدیث میں فضیلت اور کمال کی نفی ہے یعنی اس شخص کے لیے روزے کی فضیلت نہیں ہے جس نے رات سے نیت نہ کی، یا اس شخص کے لیے اس شخص کا روزہ کامل نہیں ہے جس نے رات سے روزے کی نیت نہیں کی۔ تو نفسِ روزے کی نفی وہاں مراد نہیں ہے کہ اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا بلکہ حدیث میں کیا مراد ہے؟ فضیلت کی نفی ہے کہ افضل نہیں ہے اس کا روزہ اور کامل نہیں ہے اس کا روزہ بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «**وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى نَفْيِ الْفَضِيلَةِ وَالْكَمَالِ**» اور وہ حدیث جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ محمول ہے فضیلت اور کمال کی نفی پر۔ ایک جواب اس کا ہو گیا اس حدیث کا۔

أَوْ مَعْنَاهُ لَمْ يَنْوِ أَنَّهُ صَوْمٌ مِنَ اللَّيْلِ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے یہ نیت نہیں کی کہ اس کا روزہ رات سے ہے۔ مثلاً بھائی، ہم کہتے ہیں حدیث میں جو آیا کہ جس نے رات سے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں، معنی یہ ہے کہ دن میں نیت کر رہا ہے اور نیت یہ کر رہا ہے کہ اس وقت سے میرا روزہ ہے، حالانکہ نیت تو کیا ہونی چاہیے؟ صبحِ صادق سے یعنی رات سے ہی میرا کیا ہونا چاہیے؟ روزہ۔ یہ نیت ضروری تھی، لیکن یہ کیا نیت کر رہا ہے؟ اس وقت سے، مثلاً صبح دس بجے ہیں، نو بجے ہیں، اس وقت وہ نیت کیا کر رہا ہے؟ اس وقت سے میرا شام تک روزہ ہے، تو اس صورت میں تو ہمارے نزدیک بھی روزہ صحیح نہیں ہے بلکہ کیا نیت ضروری ہے؟ کہ رات سے اس کا روزہ ہے یعنی جب سے صبحِ صادق طلوع ہوئی ہے اس وقت سے روزہ ہے کیونکہ روزہ روزے کا آغاز ہوتا ہی کس وقت سے ہے؟ صبحِ صادق سے ہوتا ہے۔ جواب بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں سمجھ میں آیا؟ تو دوسرا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: «**أَوْ مَعْنَاهُ لَمْ يَنْوِ أَنَّهُ صَوْمٌ مِنَ اللَّيْلِ**» یا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس نے یہ نیت نہیں کی کہ یہ روزہ کب سے ہے؟ رات سے ہے، یہ نیت نہیں کی بلکہ کیا نیت کی ہے؟ روزہ اس وقت سے ہے جب وہ نیت کر رہا ہے تو اس صورت میں اس کا روزہ نہیں ہوگا جیسا حدیث میں آیا۔

وَلِأَنَّهُ یہاں سے اب دوسری دلیل ہماری ذکر ہو رہی ہے، عقلی دلیل۔ پہلی دلیل حدیث ذکر ہو گئی تو عقلی دلیل کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ يَوْمُ صَوْمٍ فَيَتَوَقَّفُ الْإِمْسَاكُ فِي أَوَّلِهِ عَلَى النِّيَّةِ الْمُتَأَخِّرَةِ الْمُقْتَرِنَةِ بِأَكْثَرِهِ كَالنَّفْلِ** بھائی نفلی روزے میں نفلی روزے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ان کے نزدیک ابھی مسئلہ ذکر ہوا، جب چاہے کوئی شخص نیت کر سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک نفلی روزے کے اندر بھی **نِصْفُ النَّهَارِ** سے پہلے نیت ضروری ہے، اور وہ بھی فرماتے ہیں کہ نفلی روزے کے اندر بعد میں بھی نیت ہو سکتی ہے لیکن وہ **نِصْفُ النَّهَارِ** کی قید بھی نہیں لگاتے، وہ فرماتے ہیں جس وقت بھی کیا کرے گا؟ نیت کرے گا اس وقت سے اس کا روزہ شمار ہوگا۔ ہاں، جو حصہ گزر گیا اس میں چونکہ نیت نہیں تھی لہٰذا وہ ان کے نزدیک روزہ بھی شمار نہیں ہوگا۔ ہاں، البتہ میں نے بتایا **إِمْسَاكٌ** یعنی کھانے، پینے اور صحبت سے رکنا وہ ضروری ہو، نیت سے پہلے بھی یہ **إِمْسَاكٌ** ضروری ہو ضروری ہے اس دن ان کے نزدیک بھائی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ جو رمضان ہے یا نذرِ معین والا دن جو اس نے خود متعین کر لیا، یہ دن ہے ہی کس چیز کا؟ روزے کا دن ہے، روزے کا دن ہے۔ اور لہٰذا اس اس دن کا روزہ موقوف ہے کس پر؟ اس کے یعنی یوں کہیں کہ اس کے اندر اکثر حصے کے اندر بھی اگر نیت پائی جائے، اکثر حصے میں بھی، تو آپ ضابطہ پڑھ چکے ہیں: «**لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**» کہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہے، جو ایک چیز کے اکثر پر عمل کر لے گویا اس نے اس کے کل پر عمل کر لیا۔ تو بے شک، بے شک اس کی نیت مؤخر ہوئی لیکن **إِمْسَاكٌ** کچھ پہلے پایا گیا لیکن اکثر **إِمْسَاكٌ** کس چیز کے ساتھ پایا گیا؟ نیت کے ساتھ پایا گیا تو لہٰذا یہ **إِمْسَاكٌ** جو ہے یہ روزہ ہی شمار ہوگا کیونکہ اس کے اکثر کے ساتھ نیت پائی گئی ہے جیسے نفلی روزے کے اندر ہے، جیسے کس میں ہے؟ نفل، اور نفلی روزے میں تو آپ کے نزدیک بھی اگر بعد میں نیت ہو تو نیت معتبر ہے، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، یہاں بعد میں نیت ہو جائے تو بھی یہ روزہ معتبر ہے لیکن شرط کیا ہے؟ کہ اکثر حصے میں نیت پائی جانی چاہیے، اور اکثر حصے میں نیت کب پائی جائے گی؟ جب **نِصْفُ النَّهَارِ** سے پہلے کر لے گا، پہلے کر لے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

اب ترجمے پہ نظر رکھیے گا بھائی یہاں پر: **وَلِأَنَّهُ يَوْمُ صَوْمٍ** اور اس لیے کیونکہ یہ روزے کا دن ہے، **فَيَتَوَقَّفُ الْإِمْسَاكُ فِي أَوَّلِهِ** تو اس دن کے پہلے حصے میں جو **إِمْسَاكٌ** ہے، جو رکنا ہے، کس چیز سے رکنا؟ کھانے، پینے اور صحبت سے، یہ جو **إِمْسَاكٌ** ہے یہ موقوف رہے گا **عَلَى النِّيَّةِ الْمُتَأَخِّرَةِ** اس نیت پر جو اس سے مؤخر ہے، **الْمُقْتَرِنَةِ بِأَكْثَرِهِ** اور ملی ہوئی ہے اس کے اکثر اس **إِمْسَاكٌ** کے اکثر حصے کے ساتھ، **كَالنَّفْلِ** جیسے کہ نفل ہے، اور نفل کے اندر تو آپ بھی مانتے ہیں تو یہ بھی کس کی طرح ہوا؟ اس نفل کی طرح ہوا تو اس میں بھی **إِمْسَاكٌ** ہوتا ہے اور اس **إِمْسَاكٌ** کے اکثر حصے میں جب نیت پائی گئی تو یہ شروع کا جو **إِمْسَاكٌ** وہ بھی اسی کے ساتھ شمار ہوگا کیونکہ اکثر میں نیت پائی گئی ہے تو روزہ واقع ہو جائے گا۔

وَهَذَا لِأَنَّ الصَّوْمَ رُكْنٌ وَاحِدٌ مُمْتَدٌّ اور یہ اس وجہ سے، بھائی انہوں نے کیا کہا کہ نیت بے شک مؤخر ہو لیکن اکثر **إِمْسَاكٌ** کے ساتھ نیت پائی جائے تو یہ **إِمْسَاكٌ** کیا شمار کیا جائے گا؟ روزہ شمار کیا جائے گا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ نہیں، یہ روزہ اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی لہٰذا جب ایک جز فاسد، پہلے میں نیت نہیں تو وہ جز فاسد، جب وہ فاسد تو باقی بھی فاسد ہوگا۔ تو ہم نے کہا نہیں کہ یہ **إِمْسَاكٌ** جو ہے یہ سارا ہی روزہ شمار کیا جائے گا جب اس کے اکثر میں کیا پائی جائے؟ نیت

پائی جائے، اور آگے بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَهَذَا لِأَنَّ الصَّوْمَ رُكْنٌ وَاحِدٌ مُمْتَدٌّ** اور یہ اس وجہ سے اس لیے کیونکہ روزہ جو ہے وہ ایک ہی رکن ہے **مُمْتَدٌّ** لمبا بھائی، ایک ہی لمبا رکن ہے روزے کا اور وہ کیا؟ **إِمْسَاك،** کیا ہے؟ اس میں کیا روزے میں کئی ارکان ہیں؟ بھائی نماز میں جیسے قیام ہے، قرأت ہے، رکوع ہے، سجدہ ہے، کئی ارکان ہیں نماز کے، لیکن روزے کا تو ایک ہی رکن ہے اور وہ کیا؟ **إِمْسَاك،** اور وہ **إِمْسَاك** وہ لمبا ہے یا لمبا نہیں ہے؟ لمبا **إِمْسَاك** ہے، صبحِ صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک بھائی۔ تو روزے کا ایک ہی روزہ جو ہے وہ ایک ہی لمبا رکن ہے، **وَالنِّيَّةُ لِتَعْيِينِهِ لِلَّهِ تَعَالَى** اور نیت جو ہے وہ اس **إِمْسَاك** کو اللہ تعالیٰ کے لیے متعین کرنے کے لیے ہے کہ یہ **إِمْسَاك** جو ہے ویسے عادتاً میں ان چیزوں سے نہیں رکا بلکہ کس لیے رکا ہوں ان چیزوں سے؟ اللہ کے لیے میں رکا ہوں، کس کے لیے رکا ہوں؟ تو نیت جو ہے اس **إِمْسَاك** کو اللہ کے لیے متعین کرنے کے لیے ہے، **فَتَتَرَجَّحُ بِالْكَثْرَةِ جَنْبَةُ الْوُجُودِ** پس ترجیح پا جائے گا کثرت کی وجہ سے وجود والی جانب، کثرت کی وجہ سے وجود والی جانب ترجیح پا جائے گی۔

یعنی جب اکثر حصے کے اندر یہ تعیین موجود ہے کہ یہ کس کے لیے **إِمْسَاك** ہے؟ اللہ کے لیے۔ پہلے حصے میں **إِمْسَاك** تو تھا لیکن ابھی نیت نہیں تھی، اور اکثر حصے میں نیت آ گئی تو معلوم ہوا اکثر حصے میں اس نے یہ تعیین کر دی کہ یہ کس کے لیے ہے **إِمْسَاك؟** اللہ کے لیے ہے، تو کثرت کی وجہ سے یہ وجود والی جہت وہ ترجیح پا جائے گی۔ بھائی کچھ حصہ گزرا اس میں وجودِ نیت نہیں، اور کچھ حصہ گزرا اس میں وجودِ نیت ہے، اور کون سا حصہ کثیر ہے؟ جس میں وجودِ نیت ہے، تو وجودِ نیت والی جانب ترجیح پا جائے گی کس کی وجہ سے؟ کثرت کی وجہ سے، کثیر ہونے کی وجہ سے اور سارے ہی کو کیا قرار دے دیں گے؟ روزہ، سارے **إِمْسَاك** کو کس کے لیے قرار دے دیں گے؟ اللہ کے لیے قرار دے دیں گے یعنی روزہ ہو جائے گا۔

دلیل سمجھ میں آ رہی ہے کہ روزہ کس چیز کا نام ہے؟ **إِمْسَاك،** اور یہ **إِمْسَاك** طویل ہے، صبحِ صادق سے لے کر کب تک ہے؟ غروبِ آفتاب، آفتاب تک۔ ایک ہی رکن ہے، اس میں دو یا تین یا چار ارکان نہیں، ایک ہی لمبا رکن ہے۔ تو اور یہ **إِمْسَاك** جو ہے اس کے اندر صرف کیا شرط تھی؟ کیا ضروری تھا؟ کہ یہ یہ متعین کرنا یہ کس کے لیے ہے؟ اللہ کے لیے ہے یعنی ارادہ کرنا اور نیت کرنا، ارادہ اور نیت کرنا۔ یہ ضروری تھا اور یہ باقی تھا، صبح اس نے کی نہیں نیت لیکن پھر بعد میں اس نے نیت کر لی یعنی یہ متعین کر دیا کہ یہ کس کے لیے **إِمْسَاك** ہے؟ اللہ کے لیے ہے۔ تو جب ایک ہی رکن ہے، جب اس کے اکثر حصے کے اندر یہ تعیین پائی گئی کہ یہ **إِمْسَاك** اللہ کے لیے ہے تو یہ اکثر حصہ جو ہے کثیر ہونے کی وجہ سے ترجیح پا جائے گا اور کیا شمار کیا جائے گا؟ گویا کہ سارے ہی **إِمْسَاك** میں کیا پائی گئی؟ نیت یعنی یہ تعیین للہ پائی گئی بھائی، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَهَذَا لِأَنَّ الصَّوْمَ رُكْنٌ وَاحِدٌ مُمْتَدٌّ** اور یہ اس وجہ سے کیونکہ روزہ جو ہے ایک ہی لمبا رکن ہے، **وَالنِّيَّةُ لِتَعْيِينِهِ لِلَّهِ تَعَالَى** اور نیت جو ہے اس کو اللہ کے لیے متعین کرنے کے لیے ہوتی ہے، **فَتَتَرَجَّحُ بِالْكَثْرَةِ جَنْبَةُ الْوُجُودِ** تو ترجیح پا جائے گی کثیر ہونے کی وجہ سے ترجیح پا جائے گی، کون سی جانب؟ **جَنْبَةُ الْوُجُودِ** وجود کی جانب یعنی جس میں نیت کا وجود پایا گیا یعنی اکثر حصے میں۔

بِخِلَافِ الصَّلَاةِ وَالْحَجِّ بخلاف کس کے؟ نماز اور حج کے، وہاں پر شروع سے ہی نیت ضروری ہے، وہاں اکثر حصے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کہ بعد میں بھی نیت کر لی تو اکثرِ نماز میں تو نیت پائی گئی۔ کہتے ہیں نہیں، نماز اور حج اس طرح نہیں، اس لیے کیونکہ روزے کا تو ایک ہی رکن تھا جبکہ ان کے تو زیادہ ارکان ہیں، جب زیادہ ارکان ہیں تو جس وقت ان کو شروع کرنے لگا ہے، ان کو ادا کرنے لگا ہے اس سے پہلے کیا ضروری ہے؟ اس وقت نیت ضروری ہے جب ان کو شروع کرنے لگا ہے تاکہ سب ارکان میں کیا آ جائے؟ نیت آ جائے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

بِخِلَافِ الصَّلَاةِ وَالْحَجِّ لِأَنَّهُمَا أَرْكَانٌ بخلاف نماز اور حج کے اس لیے کیونکہ وہ تو کئی ارکان ہیں، **فَيُشْتَرَطُ قِرَانُهَا بِالْعَقْدِ عَلَى أَدَائِهِمَا قِرَانُهَا** ہونا چاہیے بھائی، یہ **هُمَا** نہیں بلکہ **قِرَانُهَا۔ فَيُشْتَرَطُ قِرَانُهَا بِالْعَقْدِ عَلَى أَدَائِهِمَا قِرَانُهَا** یہ ہا ضمیر راجع ہے نیت کو، ہا ضمیر کس کو راجع؟ نیت کو راجع۔ تو شرط ہو گا اس نیت کا ملا ہونا، اس کو کیا قرار دیا جائے گا؟ شرط کہ نیت ملی ہوئی ہو، **بِالْعَقْدِ عَلَى أَدَائِهِمَا** عقد سے مراد ہے شروع کی حالت، عقد سے کیا مراد ہے؟ شروع کی حالت مراد ہے۔ تو یہ جو **عَلَى أَدَائِهِمَا** یہ جو نماز اور حج کی ادا پر جو عقد ہے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ نماز اور حج کی ادائیگی پر جو عقد ہے یعنی جو شروع کی حالت ہے اس کے ساتھ نیت کا ملا ہونا شرط ہو گا۔ یعنی ان کے شروع میں ہی نیت کا پایا جانا شرط ہو گا۔ ترجمہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ عقد سے کیا مراد؟ شروع کی حالت مراد ہے، شروع کی حالت بھائی۔ اور **عَلَى أَدَائِهِمَا** ہما ضمیر کس کو راجع؟ حج اور نماز کو، تو حج اور نماز کی ادا پر جو شروع کی حالت ہے اس کے ساتھ **يُشْتَرَطُ قِرَانُهَا أَيْ قِرَانُ النِّيَّةِ** اس کے ساتھ نیت کے ملنے کی نیت کا ملنا شرط ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی ہے: «**فَيُشْتَرَطُ قِرَانُهَا بِالْعَقْدِ عَلَى أَدَائِهِمَا**» تو شرط ہو گا کہ وہ نیت ملی ہوئی ہو اس شروع کی اس حالت کے ساتھ جو نماز اور حج کی ادائیگی پر ہے، نماز اور حج کی ادائیگی پر جو شروع کی حالت ہے اس کے ساتھ نیت کا ملا ہونا شرط ہو گا۔

بِخِلَافِ الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ يَتَوَقَّفُ عَلَى صَوْمِ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَهُوَ النَّفْلُ بخلاف قضا کے۔ بھائی قضا مثلاً کسی شخص کے ذمے وہ رمضان کا روزہ رہ گیا ہے اس کی اس نے قضا کرنی ہے، قضا کرنی ہے۔ یا اسی طرح نذرِ معین کا روزہ تھا وہ اس سے رہ گیا، اب بھی اب اس کے ذمے تو ہے اس نے اس کی کیا کرنی ہے؟ قضا کرنی ہے تو وہ اس طرح نہیں ہے، یعنی اس کے اندر صبح کے بعد نیت کرے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس سے وہ قضا ادا نہیں ہو گی بلکہ اس کے اندر رات سے ہی نیت ضروری ہے ہمارے نزدیک بھی۔ اس لیے کیونکہ وہ جو پہلے دن گزرے یعنی رمضان کے یا نذرِ معین کے، تو رمضان کے روزے تو شریعت نے کس کے لیے مقرر کیے تھے؟ رمضان کے روزے

کے لیے، لہٰذا وہاں پر بعد میں بھی نیت کر لیتا ہے تو وہ نیت معتبر ہو جائے گی اور دوسرا روزہ اس وقت ہو نہیں سکتا، ہونا ہی کون سا ہے؟ رمضان کا۔ اور اسی طرح نذرِ معین والا دن اس نے خود متعین کر دیا اس روزے کے لیے تو لہٰذا اس دن بھی کوئی اور نیت کرے گا تو کون سا روزہ ہو گا؟ وہ نذرِ معین والا ہی روزہ ہو گا، جبکہ ان کے علاوہ باقی ایام جو ہیں ان میں تو نفلی روزہ بھی جائز ہے، نفلی روزہ بھی جائز۔ تو لہٰذا اب اگر یہ صبح ہونے کے بعد نیت کرتا ہے تو پھر نفلی روزہ ہو جائے گا کیونکہ اس کی شریعت نے باقی ایام میں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ تو اگر قضا رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے رات سے ہی نیت ضروری ہے۔ جبکہ رمضان میں اور نذرِ معین میں تو وہاں تو اس وقت میں تو نفلی روزہ رکھ ہی نہیں سکتے تھے، کوئی نفلی روزے کی بھی نیت کرے گا رمضان میں کون سا روزہ ہو گا؟ رمضان ہی کا ہو گا، نذرِ معین والے دن کوئی نفلی روزہ بھی رکھے گا کون سا روزہ ہو گا؟ نذرِ معین ہی کا روزہ ہو گا، بات سمجھ میں آئی؟ تو وہاں پر کوئی یوں کہیں وہاں کوئی مقابل نہیں موجود، وہاں ان کا کوئی مقابل نہیں موجود، شرعاً متعین ہے رمضان کا مہینہ رمضان کے روزے کے لیے، نفلی نہیں روزہ رکھ سکتے اس میں۔ اور وہ نذرِ معین والے دن نفلی روزہ رکھ سکتے تھے لیکن اس نے کس کے لیے متعین کر لیا اس دن کو؟ اس نذر کے روزے کے لیے، تو لہٰذا اس دن نفلی روزہ بھی رکھے گا تو کون سا روزہ ہو گا؟ وہ نذر والا ہی روزہ ہو گا۔ جبکہ یہاں پر نفلی روزہ بھی جائز ہے باقی دنوں میں، تو لہٰذا رات سے ہی نیت کرے گا تو وہ قضا والا روزہ ہو گا، اگر بعد میں نیت کرتا ہے پھر قضا والا نہیں ہو گا بلکہ کون سا ہو جائے گا؟ نفلی روزہ ہو جائے گا کیونکہ نفلی روزے کی بھی اس دن میں شریعت نے اجازت دی ہے بھائی۔

یاد رکھیے سال کے پانچ دن ہیں جن کے اندر روزہ رکھنا حرام ہے بھائی: ایک عید الفطر والا دن ہے، ایک یوم النحر ہے یعنی دس ذوالحجہ عید الاضحیٰ والا دن اور اس سے اگلے تین دن ہیں یعنی گیارہ ذوالحجہ، بارہ ذوالحجہ اور تیرہ ذوالحجہ۔ تو یہ یہ پانچ دن جو ہیں ان میں روزہ رکھنا حرام ہے، باقی سال میں جس وقت بھی انسان روزہ رکھنا چاہے روزہ رکھ سکتا ہے۔ تو باقی دنوں میں نفلی روزہ جائز ہوا اور یہ کیا رکھنا چاہتا ہے اس میں؟ قضا روزہ، تو اس کے لیے کیا ضروری؟ رات سے ہی نیت ضروری کیونکہ اس اس دن تو شریعت نے کون سے روزے کی اجازت دی ہے؟ نفلی روزے کی اجازت دی ہے تو گویا یہ دن ان دنوں میں نفلی روزہ مشروع ہوا تو لہٰذا اگر یہ بعد میں نیت کرے گا تو شریعت نے چونکہ نفلی روزے کی اجازت دی ہے تو وہ نفلی روزہ ہی ہو جائے گا، لہٰذا اس میں رات ہی سے تعیین کرنا پڑے گی کہ میں کون سا روزہ رکھتا ہوں؟ قضا والا رکھتا ہوں بھائی۔

بِخِلَافِ الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ يَتَوَقَّفُ عَلَى صَوْمِ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَهُوَ النَّفْلُ بخلاف قضا کے، اس لیے کیونکہ قضا کا جو روزہ ہے وہ موقوف ہے اس دن کے روزے پر، قضا کا روزہ موقوف ہے اس دن کے روزے پر اور اس دن کا روزہ تو کون سا ہے؟ نفلی ہے یعنی شریعت نے مشروع قرار دیا ہے ان تمام باقی دنوں کے اندر نفلی روزہ، تو یہ گویا کس کون سے روزے والا دن ہے؟ نفلی روزے والا دن ہے۔ جب نفلی روزے والا دن ہے تو نیت کرے گا دن میں تو کون سا ہو گا؟ نفلی ہی ہو گا۔ قضا چاہتا ہے تو اس کے لیے پھر اس کو باقاعدہ کیا کرنا پڑے گی؟ رات سے ہی نیت کرنا پڑے گی۔

وَبِخِلَافِ مَا بَعْدَ الزَّوَالِ بھائی ابھی آپ کو مسئلہ بتلایا کہ زوال سے یا **نِصْفُ النَّهَارِ** سے پہلے نیت کر لے گا رمضان میں اور نذرِ معین میں تو سارا دن ہی کیا شمار ہو گا؟ روزے کا شمار ہو گا اور وہ روزہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر زوال کے بعد یعنی **نِصْفُ النَّهَارِ** کے بعد وہ نیت کرتا ہے تو دن کے اکثر حصے میں نیت پائی گئی یا دن کے اکثر حصے میں نیت نہ پائی گئی؟ دن کے اکثر حصے میں تو نیت نہیں پائی گئی، تو لہٰذا فوت ہو جانے والی، چھوٹ جانے والی جہت راجح ہو جائے گی، راجح ہو جائے گی، لہٰذا اس دن اس کا روزہ نہیں ہو گا کیونکہ اکثر حصے میں نیت نہیں پائی گئی بھائی۔ یہ معنی ہے: «**وَبِخِلَافِ مَا بَعْدَالزَّوَالِ**» اور بخلاف زوال کے بعد کے، **لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ اقْتِرَانُهَا بِالْأَكْثَرِ** اس لیے کیونکہ نیت کا ملا ہونا نہیں پایا گیا اکثر حصے کے ساتھ، **فَتَرَجَّحَتْ جَنْبَةُ الْفَوَاتِ** تو ترجیح پا جائے گی فوت ہو جانے والی جانب، کون سی جانب؟ فوت ہو جانے کہ روزہ فوت ہو گیا یعنی چھوٹ گیا ہے کیونکہ اکثر حصے کے اندر نیت نہیں پائی گئی۔ یہاں تک مسائل اچھی طرح سمجھ میں آ گئے؟

ثُمَّ قَالَ فِي الْمُخْتَصَرِ بھائی وہ جو میں نے مسئلہ بیان کیا تھا، صاحب قدوری نے کیا ذکر کیا: صبح سے لے کر زوال کے درمیان، اور امام محمد رحمہ اللہ جامع صغیر کے اندر ذکر کرتے ہیں: صبح سے لے کر **نِصْفُ النَّهَارِ** کے درمیان، اور زیادہ صحیح قول کون سا؟ جامع صغیر میں جو ذکر ہے۔ کہتے ہیں: «**ثُمَّ قَالَ فِي الْمُخْتَصَرِ**» پھر فرمایا صاحبِ قدوری نے مختصر القدوری کے اندر: **مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الزَّوَالِ** وہ نیت جو کس کے درمیان ہو؟ صبح اور زوال کے درمیان ہو۔ **وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ** اور جامع صغیر میں ہے: **قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ** کہ نیت کس سے پہلے ہو؟ **نِصْفُ النَّهَارِ** سے پہلے ہو۔ **وَهُوَ الْأَصَحُّ** اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، **لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ وُجُودِ النِّيَّةِ فِي أَكْثَرِ النَّهَارِ** اس لیے کیونکہ ضروری ہے نیت کا پایا جانا دن کے اکثر حصے میں، **وَنِصْفُهُ مِنْ وَقْتِ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى وَقْتِ الضَّحْوَةِ الْكُبْرَى** اور نصف دن کا نصف کب ہے؟ **مِنْ وَقْتِ طُلُوعِ الْفَجْرِ** طلوعِ فجر کے وقت سے لے کر **إِلَى وَقْتِ الضَّحْوَةِ الْكُبْرَى**۔ **ضَحْوَة** کہتے ہیں چاشت کا وقت جب سورج تھوڑا سا بلند ہو جائے، اور **الضَّحْوَةِ الْكُبْرَى** کہتے ہیں **نِصْفُ النَّهَارِ** کو، بڑی چاشت یعنی جب خوب دن چڑھ آئے، خوب دن چڑھ آئے یعنی مراد وہی ہے، **نِصْفُ النَّهَارِ** مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ **نِصْفُ النَّهَارِ**، اس کو **الضَّحْوَةِ الْكُبْرَى** کہتے ہیں۔ اور نصف جو ہے اس دن کا طلوعِ فجر سے لے کر ضحوہ کبریٰ کے وقت تک ہے یعنی **نِصْفُ النَّهَارِ** تک ہے، نہ کہ زوال۔ مثلاً **نِصْفُ النَّهَارِ** ہوتا ہے ساڑھے گیارہ بجے اور زوال کتنے بجے ہوتا ہے؟ بارہ بجے فرض کریں ہوتا ہے، تو ساڑھے گیارہ سے پہلے پہلے نیت ضروری ہے بھائی تاکہ اکثر حصے میں نیت پائی جائے۔

دوبارہ ذرا ترجمہ دیکھیں: **لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ وُجُودِ النِّيَّةِ فِي أَكْثَرِ النَّهَارِ** اس لیے کیونکہ ضروری ہے نیت کا پایا جانا دن کے اکثر حصے میں، **وَنِصْفُهُ مِنْ وَقْتِ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى وَقْتِ الضَّحْوَةِ الْكُبْرَى لَا وَقْتِ الزَّوَالِ** اور نہار کا نصف جو ہے طلوعِ فجر سے لے کر **نِصْفُ النَّهَارِ** کے وقت تک ہے، یہ

کیا ہے؟ یہ اس کا نصف ہے، لَا **وَقْتِ الزَّوَالِ** نہ کہ وقتِ زوال تک بھائی، یہ نصف نہیں ہے۔ **فَتُشْتَرَطُ النِّيَّةُ قَبْلَهَا** تو شرط ہو گا نیت کا ہونا اس سے پہلے ہی، **لِتَتَحَقَّقَ فِي الْأَكْثَرِ** تاکہ نیت پائی جائے اکثر نہار میں۔ **لِيَتَحَقَّقَ**، بھائی یہ **لِيَتَحَقَّقَ** نہیں بلکہ **لِتَتَحَقَّقَ** ہونا چاہیے بھائی۔ **لِتَتَحَقَّقَ فِي الْأَكْثَرِ** تاکہ، تو **لِيَتَحَقَّقَ** نہیں بلکہ **لِتَتَحَقَّقَ** کیونکہ اس کے اندر ضمیر راجع ہے نیت کو اور نیت کا لفظ مؤنث ہے تو مؤنث کی ضمیر راجع ہو گی بھائی، **لِتَتَحَقَّقَ فِي الْأَكْثَرِ** تاکہ نیت پائی جائے اکثر حصے کے اندر، اکثر حصے کے اندر نیت پائی جائے اور وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ضحوہ کبریٰ یعنی **نِصْفُ النَّهَارِ** سے پہلے نیت کرے گا، بعد میں کرے تو پھر اکثر حصے میں نیت نہیں پائی جائے گی۔

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمُسَافِرِ وَالْمُقِيمِ اور کوئی فرق نہیں ہے مسافر اور مقیم کے درمیان یعنی مقیم ہو یا مسافر ہو **نِصْفُ النَّهَارِ** سے پہلے نیت کر لے گا تو اس دن کا روزہ رمضان کا ہو جائے گا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ **خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ** اللہ بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں نہیں مسافر ہے تو اس کے لیے رات سے نیت کرنا ضروری، اس لیے کیونکہ مسافر کو تو شریعت نے رخصت دی ہے: ﴿**فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ**﴾ بھائی، کہ جو تو لہٰذا اس کو جب شریعت نے رخصت دی ہے تو اور وہ رکھنا کون سا روزہ چاہتا ہے؟ وہ پھر بھی رکھنا چاہتا ہے تو اس کو رات ہی سے نیت کرنا پڑے گی، صبح ہونے کے بعد اس کی نیت معتبر نہیں۔

خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللہ بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، **لِأَنَّهُ** لَا **تَفْصِيلَ فِيمَا ذَكَرْنَا مِنَ الدَّلِيلِ** یہ ہماری دلیل ہے بھائی، امام زفر رحمہ اللہ کا صرف اختلاف ذکر کیا ان کی دلیل وغیرہ نہیں آگے ذکر ہو رہی۔ ہمارے درمیان مسافر اور مقیم میں کوئی فرق نہیں، چاہے مسافر ہو چاہے مقیم ہو کیا کر سکتا ہے؟ **نِصْفُ النَّهَارِ** سے پہلے رمضان کے روزے کی نیت کر سکتا ہے۔ **لِأَنَّهُ** لَا **تَفْصِيلَ فِيمَا ذَكَرْنَا مِنَ الدَّلِيلِ** اس لیے کہ کیونکہ کوئی تفصیل نہیں ہے وہ جو ہم نے دلیل ذکر کی، اس کے اندر کوئی فرق نہیں کیا گیا مسافر اور مقیم کے درمیان، وہ مطلق ہے، معلوم ہوا سب اس میں آ گئے چاہے مسافر ہو چاہے مقیم ہو، سب کیا کر سکتے ہیں؟ **نِصْفُ النَّهَارِ** سے پہلے نیت کر سکتے ہیں تو اکثر حصے کے اندر نیت پائی جائے گی اور جب اکثر حصے میں نیت پائی گئی تو وہ رمضان کا روزہ ہی ادا ہو گا بھائی، وہ روزہ ہو جائے گا اور رمضان ہی کا شمار ہو گا، چلیے بس بھائی۔ **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۱۷: مسئلہ: وَهٰذَا الضَّرْبُ مِنَ الصَّوْمِ يَتَأَدَّى بِمُ...

ہدایہ صفحہ: ۲۳۰ــــ بتاریخ: ۱۸ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَهٰذَا الضَّرْبُ مِنَ الصَّوْمِ يَتَأَدَّى بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ، وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ، وَبِنِيَّةِ وَاجِبٍ آخَرَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ نِيَّةِ النَّفْلِ: عَابِثٌ، وَفِيْ مُطْلَقِهَا لَهُ قَوْلَانِ؛ لِأَنَّهُ بِنِيَّةِ النَّفْلِ مُعْرِضٌ عَنِ الْفَرْضِ، فَلَا يَكُوْنُ لَهُ الْفَرْضُ». [1]

گزشتہ سبق میں روزے کا بیان شروع ہوا تھا اور صاحب قدوری نے آپ کو بتلایا تھا کہ روزہ دو قسم پر ہے: ایک نفل ہے اور ایک واجب۔ اور پھر واجب دو قسم پر ہے: ایک وہ جس کا وقت متعین ہو اور ایک وہ جس کا وقت متعین نہ ہو۔ اور پھر سب سے پہلے اس روزے کی تفصیل اور اس کے احکام بتانا شروع کیے جس کا وقت متعین ہو، جیسے رمضان کا روزہ ہے اور نذر معین کا روزہ ہے۔

اب آگے اسی کے بارے میں بتلا رہے ہیں: «**وَهٰذَا الضَّرْبُ مِنَ الصَّوْمِ**» کہ روزے کی یہ جو قسم ہے «**يَتَأَدَّى**» یہ ادا ہو جاتا ہے، روزے کی یہ قسم جو معین وقت کے ساتھ جس کا وقت متعین ہے، یہ ادا ہو جاتا ہے «**بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ**» مطلق نیت سے بھی۔ یعنی مطلق روزے کی نیت کی، یہ نیت نہیں کی کہ میں نفل روزہ رکھتا ہوں یا مثلاً رمضان کا روزہ رکھتا ہوں، بلکہ صرف مطلق کیا نیت کی؟ روزے کی نیت۔ تو اس سے بھی یہ اس قسم والا روزہ ادا ہو جائے گا۔ «**وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ**» اور نفل کی نیت سے بھی یہ روزہ ادا ہو جائے گا۔ یعنی کس روزے کی نیت کی؟ نفل روزے کی، تو بھی وہ رمضان کا یا وہ نذر معین ہی کا روزہ ادا ہو گا۔ «**وَبِنِيَّةِ وَاجِبٍ آخَرَ**» اور کسی دوسرے واجب کی نیت سے بھی یہ روزہ ادا ہو جائے گا۔ مثلاً رمضان کے اندر نیت یہ کی کہ گزشتہ سال کا جو ایک قضا روزہ میرے ذمہ باقی ہے، اور قضا روزے کا تو کوئی وقت متعین نہیں، تو البتہ وہ واجب ہے اس کے ذمے ہے۔ تو اس نے رمضان کے اندر کیا کیا؟ اسی واجب آخر کی نیت کی، دوسرے واجب کی نیت کی جس کا وقت متعین نہیں ہے، تو اس صورت میں بھی رمضان ہی کا روزہ ادا ہو گا، واجب آخر کا روزہ ادا نہیں ہو گا ہمارے نزدیک۔

البتہ یہاں اشکال ہوتا ہے کہ یہ حکم پوری قسم کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ والی روزے کی جو قسم ہے جس کا وقت متعین ہو یہ مطلق نیت سے بھی ادا ہو جاتا ہے، نفل کی نیت سے بھی ادا ہو جاتا ہے اور واجب آخر کی نیت سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ تو یہ تینوں چیزیں رمضان کے روزے کے بارے میں تو ٹھیک ہیں، اس میں مطلق نیت ہو تو بھی رمضان کا روزہ ادا ہو گا، اس میں نفل کی نیت ہو تو بھی رمضان کا روزہ ادا ہو گا، اس میں واجب آخر کی نیت ہو، مثلاً قضا ہے یا کسی کوئی منت کا عام روزہ تھا یا کفارے کا کوئی روزہ تھا وہ رکھنا چاہتا ہے، تو اس صورت میں بھی رمضان ہی کا روزہ ادا ہو گا۔ لیکن نذر معین کے سلسلے میں یہ تیسری بات یہاں پوری نہیں ہوتی۔ نذر معین جو ہے مطلق روزے کی نیت کی تو بھی نذر معین کا روزہ ادا ہو گا، نفلی روزے کی نیت کی تو بھی نذر معین کا روزہ ادا ہو گا، لیکن اگر واجب آخر کی نیت کی، مثلاً منت مانی تھی کہ اس جمعہ کو میں روزہ رکھوں گا، متعین کر دیا اور اس جمعہ والے دن اب وہ منت کے روزے کے بجائے کسی قضا روزے کی نیت کرتا ہے تو عند الاحناف وہ قضا روزہ ہی ادا ہو گا، منت والا ادا نہیں، منت والا اس کے ذمے باقی رہ گیا اس کو پھر ادا کرنا پڑے گا۔

تو یہاں اشکال ہوتا ہے بھئی، اشکال اور اعتراض سمجھ میں آیا؟ کہ یہ تو پوری قسم کا حکم بیان کر رہے ہیں اور پوری قسم کا تو یہ حکم نہیں ہے۔ رمضان کے روزے کا تو یہ حکم ہے، نذر معین کے اندر یہ واجب آخر کی نیت سے واجب آخر ہی ادا ہو گا، نذر معین والا ادا نہیں ہو گا بھئی۔

تو بعض علماء نے پھر اس کا جواب دیا کہ بھئی یہ مجموعے کا حکم **مِنْ حَيْثُ الْمَجْمُوْعِ** بیان ہو رہا ہے۔ یعنی یہ جو قسم ہے روزے کی یہ جو مجموعہ ہے اور اس میں کتنی قسمیں ہیں؟ دو، ایک رمضان کا اور ایک نذر معین۔ تو یہ والا جو روزے کا مجموعہ ہے، یہ جو قسم ہے، اس کا یہ مجموعی حکم ہے۔ کیا مجموعی حکم ہے؟ کہ مطلق روزے سے بھی،

[1] شاملہ (ص ۱۵۸) میں «مُعْرِضٌ» کے بجائے «معوض» درج ہے۔

مطلق نیت سے بھی ادا ہو جاتے ہیں، نفل کی نیت سے بھی ادا ہو جاتے ہیں اور واجب آخر کی نیت سے بھی ادا ہو جاتے ہیں۔ تو اس مجموعۂ روزے کا یہ مجموعی حکم ہے۔

تو مجموعے کا حکم مجموعی طور پر بیان ہو رہا ہے اور اس میں ضروری نہیں کہ ہر ہر فرد کے لیے وہ حکم پایا جائے، ہاں مجموعے میں سے بعض افراد کے لیے بھی وہ حکم پایا جائے تو بات درست رہتی ہے۔ پہلا مجموعہ کیا تھا؟ حکم کس کا بیان ہو رہا ہے؟ اس مجموعے میں کیا کیا شامل؟ رمضان کا روزہ بھی اور نذر معین کا، اس مجموعۂ روزہ جو ہے یہ جو روزے کا مجموعہ ہے اس کا کیا حکم ہے؟ کیا مجموعی حکم بیان کیا؟ کہ تین قسم کی نیتیں ہوں، تینوں کے اندر وہی ادا ہوں گے۔ تو یہ مجموعۂ حکم ہے اس مجموعۂ روزے کا، اس مجموعۂ روزے کا۔ تو ان میں سے بعض افراد کے لیے بھی اگر یہ سارے ثابت ہو جاتے ہیں تو بات درست رہے گی یا نہیں؟ رہے گی۔ اس مجموعے کا یہ حکم ہے۔ اس مجموعے میں سے یعنی رمضان کے روزے پر تو یہ تینوں باتیں اس میں پائی جا رہی ہیں لیکن نذر معین کے لیے اگرچہ یہ تینوں نہیں لیکن ہم نے نذر معین کے لیے یہ تینوں باتیں بیان کیں نہیں، ہم نے تو یہ تینوں باتیں، یہ تینوں حکم کس کے بیان کیے ہیں؟ مجموعے کے بیان کیے ہیں اور مجموعے میں سے کسی ایک فرد میں یہ ساری باتیں پوری ہو رہی ہیں یا نہیں ہو رہی ہیں؟ ایک میں تو پوری ہو رہی ہیں تو بات تو صحیح ہو گئی بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ مجموع، پہلے مجموعے کے لیے یہ مجموعی حکم بیان ہوا اور اس کے بعض افراد پر بھی اگر یہ صادق آ جائے تو آپ کی بات، تو یہ بات درست ہو جاتی ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

مثلاً بھئی، آپ کے تین ساتھی ہیں اور مثلاً میں نے آپ کو روپے روپے والے تین نوٹ دیے اور اسی طرح پانچ پانچ والے بھی تین نوٹ دیے اور دس دس والے دو نوٹ دے دیے۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں: وہ جو تین ساتھیوں کا مجموعہ ہے ان کے لیے یہ والے نوٹوں کا مجموعہ یہ ان کو دے دو۔ یہ سارا، وہ جو ساتھیوں کا مجموعہ ہے ان کے لیے یہ نوٹوں کا مجموعہ ہے۔ اب آپ نے تقسیم کیے، روپیہ روپیہ تو تینوں کو آیا، پانچ پانچ والا نوٹ بھی تینوں کو آیا، لیکن دس والا دو کو آیا ایک کو نہیں، لیکن کیا اس سے میری بات غلط ہوئی؟ نہیں، میں نے تو کیا کہا تھا؟ ان تینوں کے لیے یہ سارے نوٹ ہیں۔ تو اب یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کے لیے ہر ہو، بس مجموعے کے لیے مجموعہ ثابت ہو رہا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔

تو کہتے ہیں: «**وَهٰذَا الضَّرْبُ مِنَ الصَّوْمِ يَتَأَدَّى بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ**» اور یہ قسم جو روزے کی ہے یہ ادا ہو جاتی ہے مطلق نیت سے بھی «**وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ**» اور نفل کی نیت سے بھی «**وَبِنِيَّةِ وَاجِبٍ آخَرَ**» اور دوسرے واجب کی نیت سے بھی۔ «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً فِيْ نِيَّةِ النَّفْلِ: عَابِثٌ**» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفل کی نیت میں وہ شخص عبث کرنے والا ہے، بے کار کام کرنے والا ہے۔ کیا کرنے والا ہے؟ بے کار کام کرنے والا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس روزہ رکھنے والے نے رمضان کے اندر نفلی روزے کی نیت کی تو پھر نفلی روزے کی نیت کی ہے اور رمضان کا روزہ تو فرض ہے لہٰذا فرض روزہ تو نہیں ہوا اور نفلی روزہ بھی نہیں ہوا کیونکہ یہ نفل کا وقت نہیں ہے، یہ وقت تو کس روزے کا ہے؟ رمضان کے روزے کا ہے، تو گویا سرے سے اس کا روزہ ہو گا ہی نہیں، تو یہ عبث کام کرنے والا ہے، بے کار کام کرنے والا ہے، روزہ اس کا سرے سے ہو گا ہی نہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ نِيَّةِ النَّفْلِ: عَابِثٌ**» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نفل کی نیت میں یہ شخص عبث کرنے والا ہے، بے کار کام کرنے والا ہے، یعنی اس کا نہ روزہ فرض ادا ہو گا اور نہ نفل ہو گا۔ «**وَفِيْ مُطْلَقِهَا لَهُ قَوْلَانِ**» اور مطلق نیت کے اندر امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں۔ یعنی اگر ایک شخص نے اس روزے کے اندر کیا کیا؟ مطلق روزے کی نیت کی، نفل یا کسی اور چیز کی نیت نہیں ہے بلکہ صرف کس چیز کی ہے؟ مطلق روزے کی نیت کی ہے، تو اس میں ان کے دو قول ہیں۔ ایک قول معلوم ہوا کیا ہے کہ اس سے رمضان کا فرض ادا ہو جائے گا اور دوسرا قول یہ کہ اس سے رمضان کا روزہ، رمضان کا فرض ادا نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ بِنِيَّةِ النَّفْلِ

«**لِأَنَّهُ بِنِيَّةِ النَّفْلِ**» یہ دلیل ہے وہ جو پیچھے ذکر ہوا تھا نا کہ نفل کی نیت میں وہ بے کار کام کرنے والا ہے، اس کا روزہ ہو گا ہی نہیں، اس کی اب دلیل یہاں ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «**لِأَنَّهُ بِنِيَّةِ النَّفْلِ مُعْرِضٌ عَنِ الْفَرْضِ**» بھئی امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے نفل کی نیت کی اور کس دن کی ہے مثلاً؟ رمضان کے دن اس نے نفلی روزے کی نیت کی ہے، تو معلوم ہوا وہ فرض روزے سے منہ موڑ رہا ہے، فرض روزے سے وہ اعراض کرنے والا ہے۔ جب فرض روزے سے یہ اعراض کرنے والا ہے پھر تو فرض تو ادا نہیں ہو گا، کیونکہ فرض کی تو وہ نیت ہی نہیں کر رہا، کس کی کر رہا ہے؟ نفل کی، تو فرض سے اس نے منہ موڑ لیا تو فرض تو ادا نہیں ہو گا، اور نفل بھی نہیں ہو گا کیونکہ نفل کے روزے کا تو یہ وقت نہیں ہے بھئی۔ یہ معنی ہے: «**لِأَنَّهُ بِنِيَّةِ النَّفْلِ مُعْرِضٌ عَنِ الْفَرْضِ**» اس لیے کیونکہ یہ شخص جو ہے نفل کی نیت کے ذریعے اعراض کر رہا ہے فرض روزے سے، اعراض کر رہا ہے فرض سے یعنی فرض روزے سے، «**فَلَا يَكُوْنُ لَهُ الْفَرْضُ**» تو اس کا فرض نہیں ہو گا۔

«**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل یہ ہے «**أَنَّ الْفَرْضَ مُتَعَيَّنٌ فِيْهِ**» کہ فرض اس دن کے اندر متعین ہے «**فَيُصَابُ بِأَصْلِ النِّيَّةِ**» تو لہٰذا وہ پانے والا ہو گا اصل نیت سے ہی۔ وہ اصل نیت سے ہی اس فرض کو پانے والا ہو گا، فرض روزہ اس کو مل جائے گا یعنی اس کا فرض روزہ ادا ہو جائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ دن شریعت نے متعین ہی کس لیے کیا ہے؟ فرض روزے کے لیے، لہٰذا اصل نیت پائی جائے روزے کی نیت، تو بس کافی ہے۔ باقی فرض روزہ، باقی روزہ کون سا متعین کیا ہے شریعت نے

یہاں پر؟ فرض، تو بس مطلق نیت پائی گئی، اصل روزے کی نیت پائی جائے تو کافی ہے اور کیا ادا ہو گا؟ اسی دن کا فرض روزہ ادا ہو جائے گا۔

جیسے کہ ایک گھر کے اندر کوئی شخص ہے، کوئی شخص ہے مثلاً عمر و اس کسی گھر میں، کسی کمرے کے اندر ہے اور کوئی بھی نہیں ہے، تو اسے صرف اس کی جنس کا نام لے کر بھی پکارا جائے تو اس کو پایا جا سکتا ہے۔ مثلاً آپ کمرے کے باہر کھڑے ہو کر آواز دیتے ہیں: اے انسان! اور کوئی ہے نہیں۔ تو وہ جواب دے گا یا نہیں؟ آپ اس کو پالیں گے یا نہیں پالیں گے؟ اور آپ کا آواز دینا اسی کے لیے ہو گا یا کسی اور کے لیے ہو گا؟ اسی کے لیے ہو گا، آپ اسی کو آواز دے رہے ہیں کیونکہ یہاں پر تو اور تو کوئی آدمی ہے نہیں۔ تو جیسے وہاں پر ایک کمرے کے اندر ایک شخص ہے تو اس کے صرف جنس کا نام لے کر پکارنا اسی کو پکارنا ہے، تو یہاں بھی جب یہ دن روزے کے لیے، رمضان کے روزے کے لیے متعین ہے تو اس دن مطلق روزے کی نیت سے بھی، صرف روزے کی نیت سے ہی انسان کس روزے کو پانے والا ہو گا؟ فرض روزے یعنی رمضان وغیرہ ہی کو پانے والا ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے کہ ہماری دلیل یہ ہے: «أَنَّ الْفَرْضَ مُتَعَيَّنٌ فِيهِ» کہ فرض جو ہے متعین ہے اس دن کے اندر «فَيُصَابُ بِأَصْلِ النِّيَّةِ» تو اس فرض کو پالیا جائے گا اصل نیت سے ہی «كَالْمُتَوَحِّدِ فِي الدَّارِ» جیسے کہ وہ شخص جو اکیلا ہو کسی گھر میں «يُصَابُ بِاسْمِ جِنْسِهِ» اس کو پالیا جائے گا اس کی جنس کے نام سے ہی۔ اس کا نام نہیں لیا بلکہ اس کی جنس کا نام لیا تو بھی اس کو پالیا جائے گا یعنی آواز وغیرہ اسی کے لیے ہو گی۔

■ مسئلہ: وَإِذَا نَوَى النَّفْلَ أَوْ وَاجِبًا آخَرَ

«وَإِذَا نَوَى النَّفْلَ أَوْ وَاجِبًا آخَرَ» اور جب اس نے نفل کی نیت کی، تو ہمارے نزدیک بھئی مطلق نیت سے بھی کون سا روزہ ادا ہو گا؟ رمضان ہی کا روزہ ادا ہو گا۔ تو جب مطلق نیت پائی جائے، صرف روزے کی نیت پائی جائے تو اس سے رمضان کا روزہ ادا ہو جاتا ہے تو اگر نفل یا واجب آخر کی نیت پائی گئی، تو جب نفل کی نیت کی تو اصل روزے کی نیت پائی گئی یا نہیں؟ ہاں ساتھ ایک چیز زائد بھی آگئی کہ نفل ہے۔ اور اسی طرح اگر واجب آخر کی نیت کرتا ہے تو اصل روزے کی نیت پائی گئی یا نہیں پائی گئی؟ اصل روزے کی نیت پائی گئی، ہاں ساتھ ایک جہت زائد بھی آگئی کہ کس کی نیت کر رہا ہے؟ واجب آخر کی نیت کر رہا ہے۔ تو جب اصل نیت کے ساتھ رمضان کا روزہ ادا ہو جاتا تھا تو اگر نفل یا واجب آخر کی نیت کرے گا تو اصل نیت بھی پائی جائے گی اور ساتھ اس کی جہت بھی آجائے گی، کیا آجائے گی؟ اور جہت مثلاً نفل کے اندر نفلی روزے کی نیت، نفلی جہت آجائے گی اور واجب آخر کے اندر واجب آخر کی جہت، تو اصل نیت تو بہر حال پائی جا رہی ہے اور اصل نیت کے ساتھ رمضان کا روزہ ادا ہو جاتا تھا، تو یہاں پر بھی اصل نیت پائی گئی رمضان ہی کا روزہ ادا ہو جائے گا اور وہ جو اس نے جہت بیان کی تھی وہ لغو ہو جائے گی، بے کار ہو جائے گی بھئی۔ وہ کیا ہو جائے گی؟ بے کار ہو جائے گی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا نَوَى النَّفْلَ أَوْ وَاجِبًا آخَرَ» اور جب اس نے نفل یا کسی دوسرے واجب کی نیت کی «فَقَدْ نَوَى أَصْلَ الصَّوْمِ وَزِيَادَةَ جِهَةٍ» تو تحقیق اس نے اصل روزے کی بھی نیت کی اور ایک جہت کی زیادتی کی بھی اس نے نیت کی، اس نے اصل روزے کی بھی نیت کی اور جہت کی زیادتی کی بھی نیت کی، جہت کی زیادتی کیا؟ نفل کے اندر نفل کی جہت کی اس نے نیت کی ہے اور واجب آخر میں واجب آخر کی جہت کی نیت کی ہے، تو اصل روزے کی بھی نیت اس نے کی ہے اور جہت کی زیادتی بھی کی ہے «وَقَدْ لَغَتِ الْجِهَةُ» اور تحقیق جہت کیا ہو جائے گی؟ لغو ہو جائے گی «فَبَقِيَ الْأَصْلُ» تو اصل روزے کی نیت باقی رہ جائے گی «وَهُوَ كَافٍ» اور وہ اس روزے کے لیے کافی ہے۔

«وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمُسَافِرِ وَالْمُقِيمِ وَالصَّحِيحِ وَالسَّقِيمِ» اور کوئی فرق نہیں ہے مسافر کے اندر اور مقیم شخص میں، اور جو تندرست ہے اور جو بیمار ہے «عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ» صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسافر ہو کوئی یا مقیم ہو، تندرست ہو یا بیمار ہو، سب کے حق میں یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔ وہ کوئی بھی نیت کر لیں کون سا روزہ ادا ہو گا؟ رمضان ہی کا ادا ہو گا۔ بھئی اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیے، ٹھیک ہے بیمار کو شریعت نے رخصت دی تھی وہ بعد میں روزے رکھ سکتا ہے، مسافر کو شریعت نے رخصت دی ہے وہ بعد میں روزے رکھ سکتا ہے، لیکن یہ جب اس دن روزہ رکھتے ہیں تو انہوں نے خود ہی اس رخصت کو چھوڑ دیا۔ پہلے تو شریعت نے ان کو معذور قرار دے دیا تھا کہ آپ لوگ کیا کر سکتے ہیں؟ بعد میں روزہ رکھ سکتے ہیں، لیکن جب یہ اسی دن رکھتے ہیں پھر چاہے یہ نفل کی نیت کریں یا واجب آخر کی نیت کریں، تو پھر اس صورت میں یہ معذور نہ رہے، کیونکہ شریعت نے تو رخصت دی تھی انہوں نے اس کا فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ کیا رکھنا چاہتے ہیں یہ اس دن؟ نفلی روزہ رکھنا چاہتے ہیں یا واجب آخر کا روزہ رکھنا چاہتے ہیں رمضان والے دن میں، تو اس صورت میں انہوں نے اس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا تو یہ غیر معذور کی طرح ہو گئے۔ انہوں نے خود اس مشقت کو برداشت کر لیا تو کس کی طرح ہوئے؟ غیر معذور عام لوگوں کی طرح، اور عام لوگوں کے حق میں ہم نے بتا دیا ہے کہ وہ رمضان کے اندر چاہے مطلق نیت کریں، نفل کی نیت کریں یا واجب آخر کی، تو رمضان ہی کا ادا ہوتا ہے۔ تو جب مسافر اور مقیم بھی ان کی طرح ہو گئے ان کا بھی وہی حکم ہے، یہ جو بھی نیت کر لیں کون سا روزہ ادا ہو گا؟ رمضان ہی کا ادا ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے: «لِأَنَّ الرُّخْصَةَ كَيْ لَا تَلْزَمَ الْمَعْذُورَ مَشَقَّةٌ» اس لیے کیونکہ رخصت جو ہے وہ اس لیے ہے تاکہ اس معذور جو ہے اس کے ساتھ مشقت

لازم نہ ہو، اس پر مشقت پیش نہ آئے «فَإِذَا تَحَمَّلَهَا» جب اس نے اس مشقت کو برداشت کر لیا یعنی روزہ رکھ لیا، چاہے کوئی واجب آخر کار کھا چاہے نفلی رکھا، تو جب اس نے اس مشقت کو برداشت کر لیا «الْتَحَقَ بِغَيْرِ الْمَعْذُوْرِ» تو یہ مل گیا غیر معذور کے ساتھ، اور غیر معذور میں تو وہ جو بھی نیت کرتا ہے کون سا روزہ ادا ہوتا ہے؟ رمضان کا، تو ان کے حق میں بھی کون سا ادا ہو گا؟ رمضان کا ہی۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: إِذَا...

«وَعِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: إِذَا صَامَ الْمَرِيْضُ وَالْمُسَافِرُ بِنِيَّةِ وَاجِبٍ آخَرَ يَقَعُ عَنْهُ» امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مریض اور مسافر کو شریعت نے رخصت دی ہے تو اگر یہ واجب آخر کا روزہ رکھتے ہیں تو اس صورت میں وہ واجب آخر ہی ادا ہو گا، رمضان کا روزہ ادا نہیں ہو گا۔ صاحبین تو کیا فرماتے تھے؟ وہ فرماتے تھے رمضان ہی کا ہو گا، لیکن امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، یہ شخص مسافر ہے یا یہ شخص بیمار ہے اور ان کو شریعت نے رخصت دی ہے، جب ان کو رخصت دے دی ہے تو اس دن کے اندر یہ واجب آخر کی نیت کرتے ہیں تو وہ واجب آخر ہی ادا ہو گا، یعنی ان کے ذمے کوئی قضا روزہ تھا یا ان کے ذمے کفارے کا روزہ تھا یا ان کے ذمے منت کا روزہ تھا جو ان کے ذمے واجب تھا، اس کی نیت کر لی انہوں نے کس دن میں؟ رمضان کے دن میں، تو وہ واجب آخر ہی ادا ہو گا رمضان کا ادا نہیں ہو گا۔

بھئی اس کی کیا وجہ؟ اس کی کیا وجہ، رمضان کا کیوں نہیں ادا ہو گا؟ واجب آخر کا کیوں ادا ہو گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس نے اس دن میں جو روزہ اس کے لیے زیادہ اہم تھا وہ روزہ رکھ لیا، جب وہ زیادہ اہم تھا تو اس کا اس دن وہ روزہ رکھنا صحیح ہوا۔ واجب آخر کیا تھا اس کے لیے؟ زیادہ اہم تھا اور جب زیادہ اہم کی اس نے نیت کی ہے تو وہ ادا ہو جائے گا، وہ ادا ہو جائے گا۔

بھئی زیادہ اہم کس طرح تھا اس کے لیے؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیے، اس وقت یہ مسافر ہے یا یہ اس وقت مریض ہے اور مسافر اور مریض کو شریعت نے رخصت دی ہے کہ یہ بعد میں روزے رکھ سکتا ہے، لہٰذا اگر ان دنوں میں اس نے روزے نہ رکھے اور اس کا انتقال ہو گیا تو کیا اللہ کی طرف سے اس کا مواخذہ ہو گا؟ نہیں مواخذہ نہیں ہو گا کیونکہ شریعت نے خود رخصت دی تھی کہ بعد میں رکھ سکتے ہو اور بعد میں اس بیچارے کو وقت ہی نہیں ملا پہلے ہی انتقال ہو گیا تو اس اللہ کی طرف سے اس کا مواخذہ نہیں ہو گا، لیکن اگر ان دنوں میں اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ جو اس کے ذمے واجب آخر تھا، قضا روزہ تھا پچھلے رمضان کا یا اس کے ذمے منت والا روزہ تھا یا کفارے کا، تو کیا اس پر مواخذہ ہو گا یا مواخذہ نہیں ہو گا اس کا؟ اس پر تو اس کا مواخذہ ہو گا۔ معلوم ہوا اس مسافر اور مریض کے حق میں وہ واجب آخر زیادہ اہم ہے کس کے مقابلے میں؟ رمضان کے مقابلے میں، کیونکہ رمضان میں اس بیماری میں یا اس سفر میں شریعت نے اس کو رخصت دے رکھی ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ اس لیے امام صاحب فرماتے ہیں واجب آخر کی نیت کرے گا تو واجب آخر ادا ہو جائے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَعِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: إِذَا صَامَ الْمَرِيْضُ وَالْمُسَافِرُ بِنِيَّةِ وَاجِبٍ آخَرَ» کہ جب روزہ رکھا مریض نے اور مسافر نے دوسرے واجب کی نیت سے «يَقَعُ عَنْهُ» تو اسی واجب آخر سے ہی یہ روزہ واقع ہو گا «لِأَنَّهُ شَغَلَ الْوَقْتَ بِالْأَهَمِّ» اس لیے کیونکہ اس نے اس وقت کو مشغول کر دیا زیادہ اہم کے ساتھ «لِتَحَتُّمِهِ فِي الْحَالِ» اس وجہ سے کہ وہ جو واجب آخر ہے وہ تو قطعی ہے، لازمی ہے فی الحال ہی «وَتَخَيُّرِهِ فِيْ صَوْمِ رَمَضَانَ إِلَى إِدْرَاكِ الْعِدَّةِ» اور اس وجہ سے کہ اس کو اختیار ہے رمضان کے روزے میں «إِلَى إِدْرَاكِ الْعِدَّةِ» کچھ اور دن پانے تک بھئی، اس میں اس کو اختیار دیا ہے شریعت نے کچھ اور دنوں کے شمار کو پانے تک شریعت نے اس کو اختیار دیا، تو اس میں اختیار ہے، معلوم ہوا یہ اس کے ذمے لازم نہیں اور وہ پچھلا روزہ اس کے ذمے لازم ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو «لِتَحَتُّمِهِ فِي الْحَالِ وَتَخَيُّرِهِ» یہ اس کا عطف «تَحَتُّمِهِ» پر ہے، یعنی «لِتَخَيُّرِهِ» اس وجہ سے کہ فی الحال وہ روزہ، کہ واجب آخر اس کے ذمے لازم ہے اور اس وجہ سے کہ اس کو اختیار ہے رمضان کے روزے کے اندر «إِلَى إِدْرَاكِ الْعِدَّةِ» کچھ اور دنوں کے پا لینے تک بھئی۔

■ مسئلہ: وَعَنْهُ فِي نِيَّةِ التَّطَوُّعِ رِوَايَتَانِ

«وَعَنْهُ فِيْ نِيَّةِ التَّطَوُّعِ رِوَايَتَانِ» اور امام صاحب سے جو ہے نفلی روزے کی نیت میں دو روایتیں ہیں۔ یہ تو واجب آخر کی نیت کے بارے میں تھا، نفلی روزے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ کہ نفلی روزے کی نیت کرے گا تو نفلی روزہ ہی ہو جائے گا، اور دوسری روایت کے مطابق نفلی روزے کی نیت کرے گا تو نفلی روزہ نہیں ادا ہو گا بلکہ کون سا ادا ہو گا؟ رمضان ہی کا ادا ہو گا۔

اچھا بھئی نفلی روزے کی نیت کی تو اس میں کتنی روایتیں ہیں امام صاحب سے؟ دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کیا کہ نفلی روزہ ہو جائے گا، کیا؟ نفلی روزہ ہو جائے گا۔ اس میں تو نفلی روزہ اسی واجب آخر کی طرح وہی حکم آ گیا، البتہ دوسری روایت کے نفلی روزہ نہیں ہو گا بلکہ کون سا ہو گا؟ رمضان کا ہو گا، تو معلوم ہوا اس صورت میں پھر فرق کیا گیا ہے کس کے اندر؟ واجب آخر کے اندر اور نفلی روزے کے اندر۔ تو اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ وہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَالْفَرْقُ عَلَى إِحْدَاهُمَا» اور دو روایتوں میں سے ایک پر جو فرق ہے وہ اس وجہ سے «أَنَّهُ مَا صَرَفَ الْوَقْتَ إِلَى الْأَهَمِّ» کیونکہ اس شخص نے وقت کو زیادہ اہم پر خرچ نہیں کیا۔ چاہیے تو کیا تھا؟

اس وقت کو وہ زیادہ اہم روزے پر خرچ کرتا لیکن اس نے زیادہ اہم پر خرچ نہیں کیا، لہٰذا نفلی نہیں ہو گا بلکہ کون سا ہو گا؟ رمضان ہی کا ہو گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور یہ یاد رکھنا بھئی، یہ نفلی روزہ عام آدمی یعنی مقیم اور تندرست کی بات نہیں ہو رہی بلکہ کس کی بات ہو رہی ہے؟ مسافر اور بیمار جو ہے، مسافر اور بیمار اس کے بارے میں ہے امام صاحب فرماتے ہیں۔ مقیم جو مقیم اور تندرست ہے اس کے بارے میں تو پیچھے متن میں بیان ہو گیا تھا کہ مقیم اور تندرست کیا کرلے؟ وہ جس روزے کی بھی نیت کرے گا ہو گا کون سا؟ رمضان ہی کا روزہ ہو گا، البتہ مسافر یا بیمار ہے تو اگر وہ واجب آخر کی نیت کرتا ہے تو امام صاحب کے نزدیک واجب آخر والا روزہ ادا ہو گا رمضان والا ادا نہیں ہو گا، اور اگر وہ بیمار یا مسافر نفلی روزے کی نیت کرتا ہے تو اس بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں: ایک روایت کے مطابق نفلی روزہ ہو جائے گا اور دوسری روایت کے مطابق نفلی روزہ نہیں ہو گا بلکہ کون سا ہو گا؟ رمضان ہی کا ہو گا بھئی۔

■ مسئلہ: وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ: مَا ثَبَتَ فِي الذِّمَّةِ

«وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ: مَا ثَبَتَ فِي الذِّمَّةِ» اور دوسری قسم روزے کی، وہ جو واجب تھا نا، واجب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کا وقت متعین ہو اور ایک وہ جس کا وقت متعین نہ ہو، البتہ وہ ذمے میں ہوتا ہے اس شخص کے ذمے کہ جس وقت بھی موقع ملے اس کو کیا کرنا چاہیے؟ فوری طور پر اس روزے کو ادا کرنا چاہیے۔ تو کہتے ہیں: «وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ: مَا ثَبَتَ فِي الذِّمَّةِ» اور واجب کی روزے کی دوسری قسم وہ ہے جو اس شخص کے ذمہ میں ثابت ہو «كَقَضَاءِ شَهْرِ رَمَضَانَ» جیسے رمضان کے روزے کی، رمضان کے مہینے کی قضا ہے «وَصَوْمِ الْكَفَّارَةِ» اور جیسے کفارے کا روزہ ہے، تو ان کا کوئی وقت متعین نہیں، ہے تو واجب اس کے ذمے لیکن وقت متعین نہیں «فَلَا يَجُوْزُ إِلَّا بِنِيَّةٍ مِّنَ اللَّيْلِ» تو یہ روزہ جو ہے یہ قسم جو ہے جائز نہیں ہے مگر ایسی نیت سے جو کب سے ہو؟ جو رات سے ہی ہو «لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَيَّنٍ» اس لیے کیونکہ یہ جو ہے یہ دن اس روزے کے لیے غیر متعین ہے یعنی اس روزے کا کوئی وقت متعین نہیں ہے «وَلَا بُدَّ مِنَ التَّعْيِيْنِ مِنَ الِابْتِدَاءِ» اور تعین تو ضروری ہے کب سے؟ شروع سے ہی، یعنی روزے کے شروع سے ہی تعین ہونی چاہیے کہ کون سا روزہ رکھ رہا ہے، اور روزے کے شروع سے ہی تعین کب پائی جائے گی؟ کہ جب رات کو ہی وہ نیت کرلے گا، اگر بعد میں نیت کرے گا تو شروع روزے سے تعین نہیں پائی گئی حالانکہ کیا ضروری تھا؟ شروع سے ہی تعین۔ یہ معنی ہے: «وَلَا بُدَّ مِنَ التَّعْيِيْنِ مِنَ الِابْتِدَاءِ» اور ضروری ہے تعین شروع روزے سے ہی۔

«وَالنَّفْلُ كُلُّهُ يَجُوْزُ بِنِيَّةٍ قَبْلَ الزَّوَالِ» اور نفل جو ہیں وہ سارے کے سارے جائز ہیں ایسی نیت کے ساتھ جو کس سے پہلے ہو؟ زوال سے پہلے ہو، یعنی نصف النہار سے پہلے ہو۔ «خِلَافًا لِّمَالِكٍ رَّحِمَهُ اللّٰهُ» بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے «فَإِنَّهُ يَتَمَسَّكُ بِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا» وہ استدلال کرتے ہیں، وہ دلیل پکڑتے ہیں اس حدیث کے مطلق ہونے سے جو ہم نے روایت کی، وہ فرماتے ہیں کہ جو حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا: «لَا صِيَامَ لِمَنْ لَّمْ يَنْوِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ» یہ حدیث مطلق ہے اس کے اندر، اس سے کیا معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی بھی روزہ جب تک رات سے نیت نہیں کریں گے وہ روزہ نہیں ہو گا، چاہے نفلی ہو چاہے فرض روزہ ہو سب اس کے اندر داخل ہیں، یہ حدیث مطلق ہے اس میں کسی قسم کے فرض روزے کی قید نہیں ہے، تو نفل کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ معنی ہے: «فَإِنَّهُ يَتَمَسَّكُ بِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا» پس امام مالک رحمہ اللہ جو ہیں وہ دلیل پکڑتے ہیں اس حدیث کے اطلاق سے جو ہم نے روایت کی۔

«وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا كَانَ يُصْبِحُ غَيْرَ صَائِمٍ» اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے بعد اس کے کہ جب آپ صبح فرماتے غیر روزے کی حالت میں۔ ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے جو آپ نے کب فرمایا جب آپ نے صبح کی بغیر، حضور علیہ السلام صبح بعض اوقات کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو ازواج مطہرات وغیرہ کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے: کوئی چیز کھانے کی ہے؟ تو وہ اگر فرماتیں کھانے کی کوئی چیز ہے تو اس کو تناول فرما لیتے، اور اگر کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تو پھر آپ روزہ رکھ لیتے، جیسے یہ روایت ہے کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کوئی چیز ہے؟ وہ فرمانے لگیں کوئی چیز نہیں، تو آپ فرمانے لگے: تب تو پھر میں روزہ رکھتا ہوں، تب تو پھر میں روزہ رکھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں۔ اور معلوم ہوا یہ اور ظاہر سی بات ہے یہ کون سا روزہ ہوتا تھا؟ نفلی روزہ ہوتا تھا، اور کس وقت نیت فرما رہے ہیں حضور علیہ السلام؟ صبح ہو چکی ہے اس کے بعد نیت فرما رہے ہیں، معلوم ہوا صبح ہو جانے کے بعد بھی نفلی روزے کی نیت جائز ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا كَانَ يُصْبِحُ غَيْرَ صَائِمٍ» اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے بعد اس کے کہ جب آپ صبح غیر روزہ دار ہونے کی حالت کرتے تھے، یعنی جب آپ غیر روزے کی حالت میں صبح فرماتے تھے اس وقت آپ نے کیا فرمایا: «إِنِّيْ إِذًا لَّصَائِمٌ» یہ ہیں حدیث کے الفاظ بھئی، صبح آپ کرتے کس میں؟ غیر روزہ دار ہونے کی حالت میں، پھر کیا فرماتے؟ «إِنِّيْ إِذًا لَّصَائِمٌ» تب تو پھر میں روزہ رکھتا ہوں، تب تو میں روزہ دار ہوں۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الْمَشْرُوْعَ خَارِجَ رَمَضَانَ هُوَالنَّفْلُ...

«وَلِأَنَّ الْمَشْرُوْعَ خَارِجَ رَمَضَانَ هُوَالنَّفْلُ» اور اس لیے کیونکہ وہ روزہ جو مشروع ہے رمضان سے باہر «هُوَ النَّفْلُ» وہ کون سا روزہ ہے؟ نفلی روزہ ہے «فَيَتَوَقَّفُ الْإِمْسَاكُ فِيْ أَوَّلِ الْيَوْمِ عَلَى صَيْرُوْرَتِهِ صَوْمًابِالنِّيَّةِ» تو اس، بھئی دیکھیے رمضان کے سے باہر کون سا روزہ مشروع ہے؟ نفلی روزہ ہے، شریعت نے تو کوئی روزہ اس دن فرض نہیں کیا تو وہ نفلی روزہ ہے، جس دن بھی رکھنا چاہے سوائے ان پانچ دنوں کے جن میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ تو لہٰذا اس دن کے اندر، رمضان کے علاوہ کسی دن کے اندر جو بھی امساک پایا جائے گا صبح کے وقت میں، صبح کے وقت میں یہ امساک جو ہے یہ امساک نیت پر موقوف رہے گا کس سلسلے میں؟ روزہ بننے کے سلسلے میں، کس پر موقوف رہے گا؟ ہاں، یہ امساک ویسے نہیں روزہ بنے گا کھانے پینے اور صحبت سے انسان رکا رہے تو خود ہی روزہ ہو جائے، نہیں نہیں، بلکہ یہ امساک جو رمضان کے علاوہ باقی دنوں میں پایا جائے صبح کے وقت میں یہ امساک روزہ بننے کے لیے کس چیز پر اس کا دارومدار ہے؟ نیت پر دارومدار ہے جیسے ہم نے بیان کر دیا، تو اگر نیت کر لیتا ہے اور وہ نیت دن کے اکثر حصے میں پائی جا رہی ہے تو اس امساک کو بھی کیا شمار کیا جائے گا؟ یہ اس امساک کو بھی روزہ شمار کیا جائے گا کیونکہ اکثر دن میں نیت پائی گئی، اور اگر زوال کے بعد نیت کرتا ہے تو پھر تو اکثر دن کے اندر نیت نہیں پائی گئی تو اس امساک کو بھی روزہ قرار نہیں دیا جائے گا تو روزہ پھر نہیں ہو گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ الْمَشْرُوْعَ خَارِجَ رَمَضَانَ هُوَالنَّفْلُ» اس لیے کیونکہ وہ روزہ جو مشروع ہے رمضان سے باہر وہ نفلی ہے «فَيَتَوَقَّفُ الْإِمْسَاكُ فِيْ أَوَّلِ الْيَوْمِ» تو موقوف رہے گا وہ جو رکنا ہے دن کے پہلے حصے میں «عَلَى صَيْرُوْرَتِهِ صَوْمًا» روزہ ہو جانے پر، وہ امساک جو دن کے پہلے حصے میں پایا گیا وہ روزہ ہو جانے کے سلسلے میں، روزہ ہو جانے کے بارے میں موقوف رہے گا «بِالنِّيَّةِ» کس پر؟ نیت پر «عَلَى مَا ذَكَرْنَا» اس بنا پر جو ہم نے ذکر کر دی۔

«فَيَتَوَقَّفُ الْإِمْسَاكُ فِيْ أَوَّلِ الْيَوْمِ عَلَى صَيْرُوْرَتِهِ صَوْمًا بِالنِّيَّةِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا» پس موقوف رہے گا موقوف رہے گا وہ امساک جو کس میں ہے؟ دن کے پہلے حصے میں جو امساک پایا جا رہا ہے وہ امساک موقوف رہے گا روزہ ہو جانے پر کس کے ساتھ؟ نیت، نیت کے ساتھ روزہ ہو جانے پر وہ موقوف رہے گا، نیت ہو گی تو وہ روزہ ہو جائے گا نیت نہیں تو وہ امساک روزہ بھی نہیں بنے گا «عَلَى مَا ذَكَرْنَا» بوجہ اس کے جو ہم نے ذکر کر دیا۔ «وَلَوْ نَوَى بَعْدَالزَّوَالِ» اور اگر نیت کی زوال کے بعد «لَا يَجُوْزُ» تو پھر جائز نہیں کیونکہ اکثر یوم میں نیت نہیں پائی گئی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَجُوْزُ،...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَجُوْزُ، وَيَصِيْرُ صَائِمًا مِّنْ حِيْنَ نَوَى» بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جو نفلی روزہ ہے اس کی تجزی ہو سکتی ہے وہ تقسیم ہو سکتا ہے، اس کے حصے ہو سکتے ہیں، لہٰذا انسان جس وقت نیت کرے گا اس وقت سے اس کا روزہ شمار ہو گا غروب آفتاب تک۔ زوال کے بعد نیت کرے گا تو اس وقت سے اس کا روزہ رہے گا کب تک؟ غروب آفتاب تک، لیکن شرط کیا ہے کہ پہلے حصے میں امساک پایا جائے، تو پہلے حصے والا امساک تو روزہ نہیں بنے گا، البتہ امساک ہونا ضرور چاہیے اور دوسرے حصے والا امساک نیت کی وجہ سے روزہ بن جائے گا کیونکہ یہ نفلی روزہ ہے اور نفلی روزے کی ان کے نزدیک تجزی ہو سکتی ہے۔ یہ معنی ہے: «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَجُوْزُ» اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے یعنی زوال کے بعد بھی نیت جائز ہے «وَيَصِيْرُ صَائِمًا» اور وہ شخص روزہ دار ہو جائے گا «مِّنْ حِيْنَ نَوَى» جس وقت وہ نیت کر لے گا، یعنی زوال کے بعد بھی نیت کر لے گا تو روزہ دار ہو جائے گا «إِذْ هُوَ مُتَجَزِّءٌعِنْدَهُ» اس لیے کیونکہ یہ نفلی روزہ ان کے نزدیک متجزی ہے یعنی تقسیم قبول کرنے والا ہے «لِكَوْنِهِ مَبْنِيًّا عَلَى النَّشَاطِ» اس لیے کیونکہ اس نفلی روزے کی بنیاد نشاط پر ہے، کس پر ہے؟ نشاط کہ طبیعت کے اندر بشاشی ہو بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ طبیعت کے اندر مستعدی ہو سستی وغیرہ اس پر چھائی ہوئی نہ ہو تو یہ ہے نشاط، تو وہ فرماتے ہیں اس نفلی روزے کی بنیاد کس پر ہے؟ نشاط پر ہے «وَلَعَلَّهُ يَنْشَطُ بَعْدَالزَّوَالِ» اور تو ہو سکتا ہے کہ شاید زوال کے بعد اس کو یہ نشاط حاصل ہو تو اس وقت وہ کیا کر لیتا ہے؟ روزے کی نیت کر لیتا ہے تو روزہ صحیح ہو جائے گا بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو ان کے نزدیک اس کی بنیاد جو ہے نشاط پر ہے «وَلَعَلَّهُ يَنْشَطُ بَعْدَالزَّوَالِ» اور ہو سکتا ہے شاید کہ اس کو نشاط حاصل ہو جائے زوال کے بعد «إِلَّا أَنَّ مِنْ شَرْطِهِ الْإِمْسَاكَ فِيْ أَوَّلِ النَّهَارِ» مگر یہ کہ ان کے نزدیک شرط ہے امساک کا ہونا دن کے پہلے حصے میں، نیت بے شک وہ زوال کے بعد کر رہا ہے لیکن زوال سے پہلے جتنا حصہ دن کا گزرا اس میں بھی امساک پایا جائے یعنی کھانے پینے اور صحبت سے انسان رکا رہے پھر ہی نیت نفلی روزے کی صحیح ہو گی۔

«وَعِنْدَنَا يَصِيْرُ صَائِمًا مِّنْ أَوَّلِ النَّهَارِ» اور ہمارے نزدیک وہ روزہ دار ہو جائے گا اول نہار سے ہی، تو ان کے نزدیک جب نفلی روزے کی نیت کرے گا تو کب سے نفلی روزہ شمار ہو گا؟ جب اس نے نیت کی ہے، معلوم ہوا پہلے دن کا جو حصہ گزر گیا اس میں وہ روزہ دار شمار ہی نہیں، بے شک امساک پایا جا رہا ہے لیکن روزہ دار نہیں۔ ہمارے نزدیک وہ دن کے آغاز سے ہی اختتام تک سارا کیا شمار ہو گا؟ روزہ دار شمار ہو گا اور وہ سارا روزہ ہو گا۔ یہ معنی ہے: «وَعِنْدَنَا يَصِيْرُ صَائِمًا مِّنْ أَوَّلِ النَّهَارِ» اور ہمارے نزدیک وہ روزہ دار ہو گا دن کے اول حصے سے ہی «لِأَنَّهُ عِبَادَةُ قَهْرِالنَّفْسِ» اس لیے کیونکہ روزہ جو ہے یہ نفس کو مغلوب کر دینے والی عبادت ہے «عِبَادَةُ قَهْرِالنَّفْسِ» نفس کو مغلوب کرنے کی عبادت ہے «وَهِيَ إِنَّمَا تَتَحَقَّقُ بِإِمْسَاكٍ مُّقَدَّرٍ» بھئی روزہ جو ہے نا روزہ، اس کے یہ ایسی عبادت

ہے جس کے ذریعے نفس مغلوب ہوتا ہے، انسان کا نفس مغلوب ہوتا ہے تو نفس کی خواہشات بڑھتی جاتی ہیں تو علماء پھر کیا فرماتے ہیں کہ انسان روزے رکھنا شروع کر دے، جب نفس پر مشقت آئے گی تکلیف آئے گی تو پھر اس کے بعد اس کے وہ مغلوب ہو جائے گا اور اس کی خواہشات میں وہ شدت باقی نہیں رہے گی بھئی، تو یہ روزہ کس قسم کی عبادت ہے؟ نفس کو مغلوب کرنے والی عبادت ہے، اور یہ عبادت جو ہے یہ پائی جائے گی «بِإِمْسَاكٍ مُّقَدَّرٍ» وہ متعین امساک کے پائے جانے سے ہی، کون سا امساک؟ جو متعین ہے جو مقرر ہے، اور مقرر کون سا امساک ہے؟ روزہ کس کو کہتے ہیں؟ کھانے پینے اور صحبت سے رکنا اور کب سے کب تک؟ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک رکنا، یہ امساک یہ متعین امساک ہے، تھوڑے سے امساک کا اعتبار نہیں، تو لہٰذا یہ روزہ جو ہے نفس کو مغلوب کر دینے والی عبادت ہے اور یہ عبادت اسی وقت پائی جائے گی جب وہ متعین امساک پایا جائے گا «فَيُعْتَبَرُ قِرَانُ النِّيَّةِ بِأَكْثَرِهِ» تو اعتبار کیا جائے گا کہ نیت ملی ہوئی ہو اکثر حصے کے ساتھ۔

روزہ، دوبارہ سنیے، روزہ کس قسم کی عبادت ہے؟ نفس کو مغلوب کرنے والی، اور یہ عبادت کب پائی جائے گی؟ جب وہ متعین امساک پایا جائے یعنی کہاں سے کہاں تک؟ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک، اور اس امساک کا اعتبار کب کیا جائے گا روزہ ہونے کا؟ یہ امساک تو ویسے بھی ہو سکتا ہے کوئی کچھ کھائے پیے وغیرہ نہ تو امساک ویسے بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس کے روزہ ہونے کا اعتبار کب کیا جائے گا؟ جب اس کے اکثر کے اندر نیت پائی جائے، تو اسی لیے ہم نے بھی کیا قید لگا دی کہ اکثر کے اندر نیت کا ہونا ضروری، اور وہ تبھی ہو سکتا ہے جب وہ نصف النہار سے پہلے نیت کر لے۔ یہ معنی ہے: «وَهِيَ إِنَّمَا تَتَحَقَّقُ بِإِمْسَاكٍ مُّقَدَّرٍ» اور یہ عبادت پائی جائے گی اس مقررہ امساک کے پائے جانے سے «فَيُعْتَبَرُ قِرَانُ النِّيَّةِ بِأَكْثَرِهِ» پس اعتبار کیا جائے گا نیت کے ملا ہونے کا اس کے اکثر حصے کے ساتھ، تبھی یہ امساک کیا بنے گا؟ روزہ، اور پھر یہ عبادت پائی جائے گی بھئی۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱۸: مسئلہ: وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ أَنْ يَلْتَمِسُوا الْهِلَا...

ہدایہ صفحہ: ۲۳۱ — بتاریخ: ۱۹ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ أَنْ يَلْتَمِسُوا الْهِلَالَ فِي الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ، فَإِنْ رَأَوْهُ صَامُوا، وَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِمْ أَكْمَلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ صَامُوا»، لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمُ الْهِلَالُ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا». [1]

قَالَ: «وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ»، صاحب قدوری فرماتے ہیں: **«وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ»** اور مناسب ہے لوگوں کے لیے **«أَنْ يَلْتَمِسُوا الْهِلَالَ»** کہ وہ ہلال کو تلاش کریں یعنی چاند دیکھیں **«فِي الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ»** شعبان کے انتیسویں دن بھائی۔ شعبان کے انتیسویں دن یعنی شعبان کے انتیس دن جب پورے ہو جائیں اور سورج غروب ہو جائے تو اس وقت رمضان کے چاند کو دیکھیں۔ **«فَإِنْ رَأَوْهُ صَامُوا»** پس اگر اس کو دیکھ لیں تو **«صَامُوا»** روزہ رکھیں یعنی اگلے دن پھر رمضان کا روزہ رکھیں۔ **«وَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِمْ»** اور اگر چاند ان پر پوشیدہ رہے یعنی چاند ان کو دکھائی نہ دے **«أَكْمَلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا»** تو پورا کر لیں شعبان کے شمار کو تیس دن بھائی۔ شعبان کا شمار تیس دن کا پورا کر لیں **«ثُمَّ صَامُوا»** پھر اس کے بعد روزہ رکھیں۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ انتیس شعبان کو کیا کرنا چاہیے؟ چاند دیکھنا چاہیے اور چاند اگر دکھائی دے تو پھر اگلے دن سے رمضان کے روزے رکھنا شروع کیے جائیں گے اور اگر رمضان کا چاند نہیں دکھائی دیا تو پھر شعبان کے تیس دن پورے کر لیے جائیں گے، پھر اس کے بعد رمضان کے روزے رکھے جائیں گے۔

■ مسئلہ: لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

«لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ آپ نے فرمایا: **«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ»** کہ تم روزہ رکھو چاند کو دیکھ کر **«وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ»** اور فطر کرو چاند کو دیکھ کر۔ فطر کرو چاند کو دیکھ کر، کون سا فطر مراد ہے؟ عید الفطر والا کہ وہ فطر کا زمانہ یعنی شروع ہو جائے گا اس کا حساب کب کرنا؟ جب عید کا چاند دکھائی دے۔ یہ معنی ہے **«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ»** کہ تم روزہ رکھو چاند کو دیکھ کر **«وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ»** اور تم لوگ فطر کرو چاند کو دیکھ کر **«فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمُ الْهِلَالُ»**، یہ ابھی حدیث چل رہی ہے بھائی، **«فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمُ الْهِلَالُ»** پس چاند اگر تمہیں دکھائی نہ دے، چاند تم پر پوشیدہ رہے **«فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا»** تو پورا کر لو شعبان کے شمار کو تیس دن۔ جی، یہاں تک ہے حدیث بھائی **«ثَلَاثِينَ يَوْمًا»**، اگر چاند تمہیں دکھائی نہ دے تو پھر شعبان کے تیس دن پورے کر لو۔

آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ کہتے ہیں: **«وَلِأَنَّ الْأَصْلَ بَقَاءُ الشَّهْرِ»** کہتے ہیں کہ اصل جو ہے وہ شہر کا باقی رہنا ہے۔ مہینے کا باقی رہنا ہے **«فَلَا يُنْقَلُ عَنْهُ إِلَّا بِدَلِيلٍ»** لہٰذا منتقل نہیں ہوا جائے گا اس مہینے سے **«إِلَّا بِدَلِيلٍ»** مگر کس کے ساتھ؟ دلیل کے ساتھ **«وَلَمْ يُوجَدْ»** اور دلیل تو نہیں پائی گئی بھائی۔ شعبان کا مہینہ چل رہا ہے اور انتیسویں کو چاند دیکھنے کی کوشش کی گئی، چاند نظر نہیں آیا تو اگلا دن شعبان ہی کا شمار کیا جائے گا کیونکہ اس سے ماقبل میں کون سا مہینہ چل رہا تھا؟ شعبان کا چل رہا تھا تو شعبان کا مہینہ تو ہے یقینی اور آگے رمضان، اگلا دن رمضان کا ہونے میں شک ہے، شک ہے تو صرف شک کی بنا پر اس کو رمضان کا دن

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۶۰): «وآله»۔

شمار نہیں کریں گے اور شعبان کے مہینے سے رمضان کی طرف منتقل نہیں ہوں گے، شعبان سے رمضان کی طرف منتقل نہیں ہوں گے مگر کسی دلیل کی وجہ سے اور وہ دلیل کیا تھی؟ کہ چاند نظر آجائے اور چاند تو نظر آیا نہیں، دلیل تو پائی نہیں گئی لہٰذا اس مہینے سے منتقل بھی نہیں ہوا جائے گا۔

یہ معنی ہے «وَلِأَنَّ الْأَصْلَ بَقَاءُ الشَّهْرِ» اور اس لیے کہ اصل جو ہے وہ مہینے کا باقی رہنا ہے «فَلَا يُنْقَلُ عَنْهُ إِلَّا بِدَلِيلٍ» تو اس سے منتقل نہیں ہوا جائے گا مگر کسی دلیل کی وجہ سے «وَلَمْ يُوجَدْ» اور حال یہ ہے کہ دلیل تو نہیں پائی گئی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَصُومُونَ يَوْمَ الشَّكِّ إِلَّا تَطَوُّعًا

«وَلَا يَصُومُونَ يَوْمَ الشَّكِّ إِلَّا تَطَوُّعًا» اور روزہ نہیں رکھیں گے یوم الشک میں «إِلَّا تَطَوُّعًا» مگر نفلی، مگر نفلی ہی۔ یوم الشک والے دن نفلی روزہ ہی رکھا جائے گا بھائی۔ بھائی، یوم الشک جو ہے یہ جو شعبان کا تیسواں دن ہے۔ انتیس شعبان کو مثلاً چاند دیکھنے کی کوشش کی گئی لیکن چاند نظر نہیں آیا اس دن کیونکہ بادل وغیرہ موجود تھے۔ تو اب ہو سکتا ہے رمضان کا چاند نکل آیا ہو لیکن بادلوں کی وجہ سے دکھائی نہ دیا ہو تو اگلے دن میں شک آگیا کہ یہ پتہ نہیں رمضان کا ہے یا یہ دن شعبان کا ہے۔ تو اس دن کیا کیا جائے؟ کیا روزہ رکھا جائے گا یا روزہ نہیں رکھا جائے گا؟ تو صاحبِ ہدایہ نے آپ کو مسئلہ بتلا دیا یہ صاحبِ قدوری نے، وہ فرماتے ہیں: «لَا يَصُومُونَ يَوْمَ الشَّكِّ إِلَّا تَطَوُّعًا» کہ روزہ نہیں رکھیں گے یوم الشک کا مگر نفلی ہی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یوم الشک کون سا دن؟ جو شعبان کا تیسواں دن بن رہا ہے اور اس سے ماقبل دن جو تھا انتیس کو شام کو مطلع ابر آلود تھا یعنی بادل چھائے ہوئے تھے اس وجہ سے چاند دکھائی نہ دیا اور اگر بادل نہیں ہیں پھر تو کسی قسم کا شک نہیں ہے بھائی۔ تو بادل ہوں چاند دکھائی نہیں دیا تو یہ یوم الشک ہوا تو اس دن رمضان کا روزہ نہیں رکھا جائے گا بلکہ نفلی روزہ رکھا جائے گا۔

دلیل اس کی ذکر کر رہے ہیں: «لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے، آپ نے فرمایا، دیکھیے آپ نے فرمایا: «لَا يُصَامُ الْيَوْمُ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ إِلَّا تَطَوُّعًا» کہ جس کے بارے میں شک ہو کہ یہ رمضان میں سے ہے، یعنی جس دن کا رمضان میں سے ہونا مشکوک ہو، اس کے بارے میں شک ہو اس میں روزہ نہیں رکھا جائے گا «إِلَّا تَطَوُّعًا» مگر نفلی ہی یعنی نفلی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آیا بھائی؟

«وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى وُجُوهٍ» اور یہ مسئلہ جو ہے کئی قسم پر ہے یعنی کئی صورتوں پر ہے۔ «أَحَدُهَا» ان صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے «أَنْ يَنْوِيَ صَوْمَ رَمَضَانَ» کہ وہ شخص رمضان کے روزے کی نیت کرتا ہے۔ وہ آدمی جو یوم الشک والے دن روزہ رکھتا ہے وہ کس روزے کی نیت کرتا ہے؟ رمضان۔ بھائی دیکھیے، اب اس میں کئی صورتیں ذکر کریں گے، یہ مسئلہ اگلے ایک ڈیڑھ صفحے تک جا رہا ہے، اس میں ساری مختلف صورتیں ذکر کریں گے کہ اگر یہ نیت کی تو پھر کیا حکم ہے، اگر یہ نیت کی مثلاً رمضان کے روزے کی نیت کر لیتا ہے یوم الشک والے دن یا نفلی روزے کی نیت کر لیتا ہے یا واجب آخر کی نیت کر لیتا ہے یا اس کی نیت دو چیزوں کے درمیان دائر ہوتی ہے، سمجھ میں آیا؟ تو مختلف صورتیں وہ ذکر کریں گے۔ تو پہلی صورت ذکر کر رہے ہیں: «أَحَدُهَا» ان صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے «أَنْ يَنْوِيَ صَوْمَ رَمَضَانَ» کہ وہ رمضان کے روزے کی نیت کر لیتا ہے، کس دن؟ یوم الشک میں بھائی۔

کہتے ہیں: «وَهُوَ مَكْرُوهٌ» اور یہ مکروہ ہے «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی، کہ حدیث میں کیا آیا تھا کہ روزہ نہیں رکھا جائے گا اس دن میں جس کے رمضان میں سے ہونے کے بارے میں شک ہو مگر نفلی ہی، تو اس وجہ سے یہ مکروہ ہے۔ «وَلِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِأَهْلِ الْكِتَابِ» اور دوسری عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے بھائی، کس کے ساتھ؟ اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے «لِأَنَّهُمْ زَادُوا فِي مُدَّةِ صَوْمِهِمْ» اس لیے کیونکہ وہ جو ہے وہ بڑھاتے تھے اپنے روزوں کی مدت میں۔ وہ کبھی کبھی کیا کر دیتے تھے؟ روزوں کی مدت کے اندر زیادتی کر دیتے تھے، روزوں کی مدت بڑھا دیتے تھے۔ تو یہاں بھی اگر یوم الشک میں ایک دن پہلے رمضان کا روزہ رکھے گا تو اس شخص نے کیا کیا ہے؟ دراصل رمضان کے روزے بڑھا دیے بھائی، تو اس وجہ سے ان کے ساتھ مشابہت آئے گی لازمی تو مکروہ ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ إِنْ ظَهَرَ أَنَّ الْيَوْمَ مِنْ رَمَضَانَ

«ثُمَّ إِنْ ظَهَرَ أَنَّ الْيَوْمَ مِنْ رَمَضَانَ»، اچھا بھائی، اس نے نیت کیا کی؟ رمضان کے روزے کی نیت کی ہے۔ اب اگلے دن دونوں احتمال ہیں کہ اگر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اگلا دن رمضان کا ہے تو اس نے نیت بھی کس روزے کی کی تھی؟ رمضان کے روزے کی نیت کی تھی تو رمضان کا روزہ ادا ہو جائے گا اور اگر اگلے دن ظاہر ہو گئی یہ بات پتہ چل گیا کہ یہ شعبان ہی کا تیسواں دن ہے تو پھر تو پھر یہ نفلی روزہ بن جائے گا کیونکہ رمضان کا تو ہو نہیں سکتا کیونکہ رمضان تو ابھی شروع ہوا نہیں، پتہ چل گیا کہ یہ کون سا دن ہے؟ شعبان کا تیسواں دن ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ إِنْ ظَهَرَ أَنَّ الْيَوْمَ مِنْ رَمَضَانَ يُجْزِيهِ» پھر اگر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ دن جو ہے رمضان میں سے ہے «يُجْزِيهِ» تو یہ روزہ اس شخص کے لیے کافی ہو جائے گا «لِأَنَّهُ شَهِدَ الشَّهْرَوَصَامَهُ» اس لیے کیونکہ اس نے اس مہینے کو اس مہینے کو پالیا بھائی، کیونکہ اس نے اس مہینے کو پالیا «وَصَامَهُ» اور اس کا روزہ رکھ لیا۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ یا یوں کہیں: «لِأَنَّهُ شَهِدَالشَّهْرَ» اس لیے کیونکہ وہ اس مہینے میں حاضر ہے «وَصَامَهُ» اور اس مہینے یعنی رمضان، وہ یعنی وہ رمضان کے مہینے میں حاضر بھی ہے اور اس کا روزہ بھی رکھ لیا ہے۔ «وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ كَانَ تَطَوُّعًا» اور اگر اس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ دن شعبان ہی میں سے ہے «كَانَ تَطَوُّعًا» تو اس کا یہ روزہ نفلی ہو جائے گا۔

«وَإِنْ أَفْطَرَ لَمْ يَقْضِهِ» اور اگر اس نے روزہ توڑ دیا، «وَإِنْ أَفْطَرَ» اور اگر اس نے روزہ توڑ دیا «لَمْ يَقْضِهِ» تو یہ اس کی قضا نہیں کرے گا یعنی اس روزے کی قضا اس پر لازم نہیں۔ بھائی آپ جانتے ہیں نفل جب تک شروع نہیں کیا وہ نفل ہے اور جب ایک مرتبہ نفل شروع کر دیے تو وہ نفل نہیں رہتے بلکہ واجب بن جاتے ہیں اس کو پورا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا ایک شخص نفلی روزہ رکھتا ہے، روزہ رکھنے سے پہلے تو اس کو اختیار ہے رکھے یا نہ رکھے لیکن جب رکھ لیا تو اب اس کو پورا کرنا پڑے گا لہٰذا اگر درمیان میں توڑ دیتا ہے تو پھر اس کی قضا کرنا پڑے گی۔ لیکن یہاں پر جو اس نے روزہ رکھا اور پھر پتہ چلا یہ شعبان میں سے ہے تو وہ نفلی ہو گا اور اگر اس روزے کو اس نے توڑ دیا تو پھر اس کی قضا اس پر نہیں، قضا نہیں اس پر۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَظْنُونِ» اس لیے کیونکہ یہ مظنون کے معنی میں ہے، یہ شخص کس معنی میں ہے؟ یہ روزہ کس معنی میں ہے؟ مظنون روزے کے معنی میں ہے۔ بھائی، جیسے وہ نماز میں آپ نے نماز کے مسئلے میں گزرا تھا کہ ایک شخص کیا کرتا ہے مثلاً وہ ایک نماز پڑھ چکا ہے ظہر کی اور پھر اس کا یہ خیال ہوا کہ شاید میں نے ابھی ظہر کی نماز نہیں پڑھی حالانکہ وہ پڑھ چکا ہے، اس نے پھر نماز پڑھنا شروع کر دی اور پھر درمیان میں اس کو یاد آیا کہ بھائی میں تو نماز پڑھ چکا ہوں۔ تو جب ایک دفعہ نماز پڑھ چکا ہے تو یہ دوسری نماز یہ تو اب ظہر کے فرض نہیں ہو سکتے ظاہر سی بات ہے، یہ کیا ہوئے؟ نفل ہوئے تو نفل ہوئے، اور نفل جب ایک دفعہ شروع کر دیے جائیں وہ واجب ہو جاتے ہیں لیکن یہ جو چار رکعت پھر اس نے پڑھنا شروع کیے ہیں یہ کیا اس نے نفل کی نیت سے شروع کیے تھے یا اس نے وہ فرض کی نیت سے شروع کیے تھے؟ فرض، تو لہٰذا یہ نفل جو تھے یہ ہیں مظنون بھائی، یہ نفل کیا ہیں؟ مظنون ہیں یعنی ان کے بارے میں اس نے کیا یہ گمان کیا کہ شاید یہ فرض میرے ذمے باقی ہے۔ اور نفل مظنون کے اندر جب ان کو توڑ دیا جائے ان کی قضا نہیں آتی بھائی کیونکہ اس نے ارادے کے ساتھ نفل نہیں شروع کیے بلکہ اس کا ارادہ تو کیا تھا؟ فرض پڑھنا۔ تو یہاں پر بھی اس نے جو روزہ رکھا، روزہ رکھا وہ مظنون کے معنی میں ہو گیا وہ روزہ بھائی۔ کس معنی میں؟ مظنون۔ اس نے تو بطورِ احتیاط کے رکھا تھا نا کہ شاید کون سا دن نکل آئے؟ رمضان کا دن نکل آئے تو میرا فرض روزہ ادا ہو جائے گا تو لہٰذا اس کا یہ روزہ مظنون کے معنی میں ہوا اور مظنون جو نفل ہیں یا روزے ہیں ان کی تو قضا نہیں لہٰذا اس کی بھی قضا نہیں ہو گی، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ یہ معنی ہے «وَإِنْ أَفْطَرَ لَمْ يَقْضِهِ» اور اگر اس نے روزہ توڑ دیا تو اس کی قضا نہیں کرے گا «لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَظْنُونِ» اس لیے کیونکہ اس کا یہ روزہ مظنون کے معنی میں ہے۔

■ مسئلہ: وَالثَّانِي أَنْ يَنْوِيَ عَنْ وَاجِبٍ آخَرَ

«وَالثَّانِي أَنْ يَنْوِيَ عَنْ وَاجِبٍ آخَرَ» اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ واجب آخر کی نیت کرتا ہے۔ بھائی، یوم الشک والے دن روزہ رکھا ایک شخص نے، پہلی صورت کیا تھی کہ اس نے کون سا روزے کی نیت کی ہے؟ رمضان کے روزے کی نیت کی ہے۔ دوسری صورت کہ «أَنْ يَنْوِيَ عَنْ وَاجِبٍ آخَرَ» وہ نیت کرتا ہے کسی دوسرے واجب کی مثلاً اس کے ذمے پچھلے سال کا ایک قضا روزہ باقی ہے رمضان کا، وہ اس یوم الشک والے دن اس واجب کی نیت کر لیتا ہے کہ وہ بھی میرے ذمے واجب ہے چلو آج میں وہ روزہ رکھ لیتا ہوں، یا اس کے ذمے کفارے کا روزہ تھا اس کی وہ نیت کر کے وہ روزہ رکھ لیتا ہے، یا اس نے منت کا ایک روزہ مانا ہوا تھا وہ تو آج سوچتا ہے کہ میں وہ روزہ رکھ لیتا ہوں، تو یہ سارے کیا ہیں؟ واجب ہیں، البتہ رمضان کے علاوہ ہیں۔ تو یہ اس واجب آخر کی نیت کر لیتا ہے تو کہتے ہیں: «وَهُوَ مَكْرُوهٌ أَيْضًا» تو یہ بھی مکروہ ہے «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی، کہ حدیث میں کیا آیا تھا کہ روزہ نہیں رکھا جائے گا جس دن کے بارے میں رمضان کے ہونے کا شک ہو اس میں روزہ نہیں رکھا جائے گا «إِلَّا تَطَوُّعًا» مگر صرف کون سا؟ نفلی روزہ ہی، تو صرف نفلی کی اس میں اجازت دی گئی۔ تو لہٰذا یہ بھی مکروہ ہو گا۔

«إِلَّا أَنَّ هَذَا دُونَ الْأَوَّلِ فِي الْكَرَاهَةِ» مگر یہ کہ یہ والا روزہ جو ہے، یہ واجب آخر والا روزہ، یہ پہلے روزے سے کم درجے کا ہے «فِي الْكَرَاهَةِ» کراہت کے اندر۔ ایک تو یہ پہلی صورت کیا تھی کس روزے کی نیت کی؟ رمضان کے روزے کی نیت کی اس میں بھی وہ روزہ مکروہ اور اس صورت میں واجب آخر کی نیت کرتا ہے یہ بھی مکروہ، لیکن اس روزے کی کراہت اس روزے سے کم ہے۔ یہ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہاں اہل کتاب سے مشابہت نہیں۔ وہاں تو دو وجہیں تھیں، ایک تو دلیل کیا ذکر کی؟ وہ حدیث بھی آ گئی اور دوسری وجہ کیا تھی کراہت کی؟ کہ اہل کتاب سے مشابہت لازم آتی تھی کہ وہ اپنے روزوں کے دنوں میں اضافہ کر دیا کرتے تھے، اور تو یہاں پر تو وہ واجب آخر کی نیت کر رہا ہے رمضان کی نیت تو وہ کر ہی نہیں رہا، رمضان کے روزوں میں تو وہ اضافہ نہیں کر رہا، پہلی صورت میں وہ کیا کر رہا تھا؟ رمضان ہی کے روزوں میں اضافہ کر رہا تھا رمضان کے روزے کی اس نے نیت کی تھی اور یہاں اس نے رمضان کی نیت نہیں کی تو اہل کتاب کے ساتھ مشابہت نہیں، جب مشابہت نہیں تو کراہت تو پھر بھی البتہ آئے گی اس حدیث کی وجہ سے، لیکن چونکہ مشابہت نہیں ہے لہٰذا اس درجے کی کراہت نہیں کچھ کم درجے کی ہو گی۔

«ثُمَّ إِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ»، اب بتلا رہے ہیں کہ اگر پھر پتہ چلتا ہے یہ رمضان کا روزہ ہے یا شعبان ہی کا ہے تو کیا صورت ہو گی؟ کہتے ہیں: «ثُمَّ إِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ يُجْزِيهِ لِوُجُودِ أَصْلِ النِّيَّةِ» پھر اگر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ روزہ رمضان میں سے ہے، یہ دن رمضان میں سے ہے «يُجْزِيهِ» تو یہ روزہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا «لِوُجُودِ أَصْلِ النِّيَّةِ» اصل نیت کے پائے جانے کی وجہ سے، کیونکہ آپ پڑھ چکے رمضان کے روزے میں اصل نیت بھی کافی ہے یعنی روزے کی بس نیت ہونی چاہیے، اور یہاں بھی واجب آخر کی جب نیت کی تو اصل روزے کی بھی نیت پائی گئی اور ساتھ جہت بھی جہت بھی آ گئی، جہت بھی آ گئی تو جہت تو ہو جائے گی لغو اور اصل نیت فائدہ دے گی اور کون سا روزہ ہو گا؟ رمضان ہی کا ہو گا۔ یہ معنی ہے کہ «يُجْزِيهِ» یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا «لِوُجُودِ أَصْلِ النِّيَّةِ» اصل نیت کے پائے جانے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ فَقَدْ قِيلَ...

«وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ فَقَدْ قِيلَ يَكُونُ تَطَوُّعًا لِأَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ فَلَا يَتَأَدَّى بِهِ الْوَاجِبُ»، اب اگر یہ پتہ چل گیا کہ یہ تو شعبان ہی کا دن ہے رمضان کا نہیں ہے، تو کہتے ہیں: اس صورت میں پھر دو قول ہیں فقہاء کے۔ بعض فرماتے ہیں کہ پھر بھی وہ واجب آخر نہیں ہو گا ادا بلکہ نفلی روزہ ہو گا، کون سا ہو گا؟ نفلی روزہ ہو گا، اس لیے کیونکہ حدیث میں منع کیا گیا ہے تو نفلی روزے کے علاوہ باقی روزے کیا ہوئے؟ منہی عنہ ہوئے۔ باقی روزے کیا ہوئے؟ منہی عنہ ہوئے یعنی ان سے روکا گیا ہے، صرف کس کی اجازت دی گئی ہے؟ نفلی روزے کی، تو باقی روزے ہوئے منہی عنہ اور ان کو ادا کرے گا اس واجب آخر کو تو وہ اس نہی کی وجہ سے وہ کامل ادا نہیں ہوں گے بلکہ ناقص اور مکروہ ادا ہوں گے نا۔ تو جب مکروہ ادا ہوا تو کامل ادا ہوا یا ناقص ادا ہوا؟ ناقص ادا ہوا، اور وہ جو واجب آخر تھا وہ تو واجب ہوا تھا کامل، تو اس ناقص ادائیگی سے وہ واجب ادا نہیں ہو گا بھائی، فرق سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ تو ایک قول ہے۔

اور دوسرا قول ہے کہ وہ واجب آخر جو ہے اس سے یہ روزہ کافی ہو جائے گا یعنی وہ اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا بھائی، دیکھیے تفصیل کتاب میں آ رہی ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ فَقَدْ قِيلَ يَكُونُ تَطَوُّعًا» اور اگر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ روزہ شعبان میں سے ہی ہے «فَقَدْ قِيلَ يَكُونُ تَطَوُّعًا» تو تحقیق کہا گیا ہے کہ یہ بھی نفلی ہی ہو گا «لِأَنَّهُ» اس لیے کیونکہ یہ روزہ منہی عنہ ہے «فَلَا يَتَأَدَّى بِهِ الْوَاجِبُ» تو اس سے وہ واجب ادا نہیں ہو گا کیونکہ وہ واجب کامل تھا اور یہ ادا کیسی ہو گی؟ ناقص ہو گی نہی کی وجہ سے۔ «وَقِيلَ يُجْزِيهِ عَنِ الَّذِي نَوَاهُ» اور کہا گیا ہے: یہ روزہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا اس روزے سے جس کی اس نے نیت کی ہے یعنی واجب آخر سے، «وَهُوَ الْأَصَحُّ» اور یہی قول زیادہ صحیح ہے بھائی۔ «لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ وَهُوَ التَّقَدُّمُ عَلَى رَمَضَانَ لَا يَقُومُ بِكُلِّ صَوْمٍ».

بھائی دیکھیے، صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ یہ دوسرا قول زیادہ صحیح ہے، جس میں کیا کہا گیا؟ کہ یوم الشک والے دن اس نے کون سا روزہ رکھا؟ واجب آخر کا، اور پھر پتہ چلا کہ یہ دن بھی کون سا ہے؟ شعبان کا ہے، تو اس صورت میں واجب آخر ہی ادا ہو جائے گا، یہ قول زیادہ صحیح ہے اور اس کی وجہ ذکر کریں گے صاحبِ ہدایہ۔ وجہ بتلائیں گے کہ بھائی، جو حدیث جو تھی نا حدیث، اس کے اندر اگرچہ رمضان کا ذکر نہیں، حدیث میں تو کیا آیا تھا کہ وہ دن جس کے رمضان میں سے ہونے میں شک ہو اس دن روزہ نہ رکھا جائے مگر کون سا؟ نفلی، تو اس حدیث کو فقہاء نے محمول کیا ہے رمضان کے روزے پر، کہ معلوم ہوا حضور علیہ السلام ہر روزے سے منع نہیں فرما رہے بلکہ یہاں حدیث میں مراد کون سا روزہ ہے؟ رمضان کا روزہ مراد ہے، اگرچہ لفظوں میں رمضان تو ذکر نہیں لیکن مراد کون سا روزہ ہے؟ رمضان کا روزہ ہے، اس سے حضور علیہ السلام منع فرما رہے ہیں۔ اور رمضان کے روزے سے جب منع فرما رہے ہیں تو معلوم ہوا یہ واجب آخر سے تو منع نہیں فرمایا گیا، جب واجب آخر سے نہیں منع فرمایا گیا تو وہ ادا ہو جائے گا، وہ کیا ہو جائے گا؟ ادا ہو جائے گا۔

البتہ چونکہ حدیث کے الفاظ تو عام ہیں اگرچہ فقہاء نے اس کو کس پر محمول کیا ہے؟ رمضان کے روزے پر، لیکن لفظ تو عام ہیں کہ وہ اس دن روزہ نہ رکھا جائے جس کے بارے میں رمضان میں سے ہونے میں شک ہو، اس دن روزہ نہ رکھا جائے، الفاظ عام ہیں اگرچہ فقہاء نے کس پر محمول کیا ہے؟ رمضان، لیکن بہر حال صورت تو نہی کی ہے، صورت تو الفاظ تو عام ہیں بھائی لہٰذا اس وجہ سے وہ اس کو مکروہ قرار دیا جائے گا اور اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ معلوم ہوا واجب آخر کے جو مکروہ قرار دیا گیا ہے وہ مکروہ تحریمی نہیں بلکہ وہاں کراہتِ تنزیہی ہو گی، وہاں کیا ہو گی؟ کراہتِ تنزیہی ہو گی کیونکہ صورۃً تو نہی پائی جا رہی ہے، حضور علیہ السلام منع فرما رہے ہیں یا نہیں؟ حدیث کے الفاظ بھی کیسے ہیں؟ عام ہیں، رمضان کا اس میں ذکر نہیں، اس میں مطلقاً رمضان سے پہلے روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے سوائے نفلی روزے کے، اس کی اجازت دی گئی ہے باقی سے منع کیا، تو فقہاء نے اس کو کس پر محمول کیا؟ رمضان کے روزے پر، لیکن الفاظ کیا ہیں؟ الفاظ عام ہیں، وہ تو ہر قسم کے روزے کو شامل ہو رہے ہیں تو اس وجہ سے واجب آخر بھی اس نہی کے اندر داخل ہو جائے گا، واجب آخر بھی۔ لیکن مراد کیا ہے؟ تو صرف صورت چونکہ نہی کی ہے اس وجہ سے واجب آخر کے روزے کو بھی مکروہ قرار دیا جائے گا کیونکہ الفاظ عام ہیں، وہ بظاہر سب کو شامل ہو رہے ہیں لیکن بہر حال وہاں پھر کراہتِ تنزیہی آئے گی، کراہتِ تحریمی نہیں آئے گی بھائی۔

دلیل سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے اسی بات کو صاحبِ ہدایہ ذرا اور اچھے لفظوں میں ذکر کریں گے۔ تو کہتے ہیں: یہی قول زیادہ صحیح ہے «لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ» اس لیے

کیونکہ منہی عنہ جو ہے یعنی وہ جس روزہ جس سے منع کیا گیا ہے «وَهُوَ التَّقَدُّمُ عَلَى رَمَضَانَ بِصَوْمِ رَمَضَانَ» وہ رمضان پر مقدم ہونا ہے، کس کے ساتھ؟ رمضان کے روزے کے ساتھ رمضان پر مقدم ہونا ہے «لَا يَقُومُ بِكُلِّ صَوْمٍ» اور یہ تقدم ہر روزے کے ساتھ یہ قائم نہیں ہوتا، ہر روزے سے یہ حاصل نہیں ہوتا۔ رمضان پر رمضان کا روزہ مقدم ہو جائے یہ صرف کس صورت میں ہو گا جب وہ کس کی نیت کرے؟ رمضان کے روزے کی نیت کرے گا تو اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ رمضان پر رمضان کا روزہ مہینہ ابھی شروع ہوا نہیں اور پہلے ہی کون سے روزے کی اس نے نیت کر لی؟ تو رمضان کا روزہ رمضان پر گویا مقدم ہو گیا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس نے نیت بھی کس کی کی ہو؟ رمضان کے روزے کی نیت کی ہو، کسی اور واجب کی کی ہو تو پھر یہ والا تقدم حاصل نہیں، پھر تو رمضان کا روزہ نہیں مقدم ہو رہا، واجب آخر والا روزہ مقدم ہو رہا ہے۔ تو حدیث میں جو منہی عنہ ہے وہ کون سا تقدم ہے؟ رمضان کے روزے کا تقدم منع کیا گیا ہے، ہر روزے کا تقدم منع یعنی فقہاء نے اس کو اس معنی پر محمول کیا ہے، فقہاء نے اس معنی پر محمول کیا ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی مراد ہے، حضور علیہ السلام یہ فرمانا چاہتے ہیں بھائی۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ وَهُوَ التَّقَدُّمُ عَلَى رَمَضَانَ بِصَوْمِ رَمَضَانَ لَا يَقُومُ بِكُلِّ صَوْمٍ» اور اس لیے کیونکہ وہ روزہ جس سے منع کیا گیا ہے وہ مقدم ہونا ہے رمضان پر رمضان کے روزے کے ساتھ اور یہ حاصل نہیں ہوتا ہر روزے سے۔ «بِخِلَافِ يَوْمِ الْعِيدِ لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ وَهُوَ تَرْكُ الْإِجَابَةِ» بخلاف عید کے دن کے «لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ» اس لیے کیونکہ وہ روزہ وہ کیا ہے؟ منہی عنہ ہے یعنی عید کے دن روزہ رکھنا منہی عنہ ہے، اس سے روکا گیا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا سال میں پانچ دن ہیں جن کے اندر روزہ رکھنا حرام ہے بھائی، تو ان میں یوم العید بھی آیا ہے تو اس دن بھی روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے تو اس دن کا روزہ بھی منہی عنہ ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟ «تَرْكُ الْإِجَابَةِ» دعوت کو ترک کرنا ہے۔ یہ عید کا دن اللہ کی طرف سے تمام لوگوں کی دعوت کا دن ہے تو اگر انسان اس دن روزہ رکھتا ہے تو اس دعوت کو رد کرنا لازم آتا ہے، اللہ تو دعوت فرما رہے ہیں لوگوں کی اور یہ شخص گویا روزہ رکھ کے کیا کر رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی اس دعوت کو رد کر رہا ہے لہٰذا عید والے دن جو بھی روزہ رکھے گا چاہے نفلی ہی کیوں نہ رکھے تو دعوت کو رد کرنا اس کے ساتھ لازم ہے یا لازم نہیں؟ لازم ہے، اس وجہ سے اس دن ہر روزہ کیا ہو گا؟ اس دن حرام ہو گا اور جبکہ اس دن جو ہے یہاں پر اس حدیث کے اندر جو ذکر ہوا وہ صرف کون سے روزے سے منع کیا گیا؟ رمضان کے روزے سے منع کیا گیا ہے۔

یہ معنی ہے «بِخِلَافِ يَوْمِ الْعِيدِ لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ وَهُوَ تَرْكُ الْإِجَابَةِ يُلَازِمُ كُلَّ صَوْمٍ» بخلاف عید والے دن کے اس لیے کیونکہ منہی عنہ جو ہے «وَهُوَ تَرْكُ الْإِجَابَةِ»، اجابت کہتے ہیں دعوت قبول کرنا، دعوت قبول کرنے کو ترک کرنا جو ہے «يُلَازِمُ كُلَّ صَوْمٍ» وہ لازم ہے ہر روزے کے ساتھ، تو جو بھی روزہ رکھے گا وہ کیا ہو گا اس دن؟ منہی عنہ ہی ہو گا بھائی۔ «وَالْكَرَاهَةُ هُنَا بِصُورَةِ النَّهْيِ» اور کراہت یہاں پر نہی کی صورت کی وجہ سے ہے۔ یہاں پر جو کراہت ہے وہ کس وجہ سے ہے؟ نہی کی صورت کی وجہ سے ہے۔

بھائی دیکھیے، یہاں جو حدیث آئی کہ جس دن کے بارے میں یہ شک ہو کہ یہ رمضان میں سے ہے اس دن روزہ رکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا سوائے کس روزے کے؟ نفلی روزے کے۔ اب فقہاء نے اس کو کس پر محمول کیا کہ اس سے ہر روزہ مراد نہیں جس سے منع کیا جا رہا ہے بلکہ کون سا روزہ مراد ہے؟ رمضان کا روزہ مراد ہے۔ جب رمضان کا روزہ مراد ہے تو پھر واجب آخر کا روزہ تو مکروہ نہیں ہونا چاہیے وہ تو مراد ہی نہیں ہے لیکن آپ نے اس کو بھی کیا قرار دیا؟ مکروہ قرار دیا، تو وہی بتلا رہے ہیں کہ بھائی، اگرچہ اس حدیث کو محمول تو رمضان کے روزے پر کیا گیا لیکن حدیث کے الفاظ تو عام ہیں، حدیث کے الفاظ تو کیا ہیں؟ عام ہیں، اس میں تو رمضان کی قید نہیں ہے کہ رمضان کا روزہ نہیں رکھ سکتے باقی رکھ سکتے، تو وہاں الفاظ عام ہیں وہ نفلی روزے کے علاوہ سب روزوں کو شامل ہیں تو ان عام الفاظ کے اعتبار سے پھر بھی اس واجب آخر کے لیے بھی نہی والی صورت بن جاتی ہے کہ گویا اس سے بھی منع کیا گیا ہے، کس بنا پر؟ الفاظ عام ہیں نا، الفاظ سب کے کہ روزہ نہ رکھا جائے یوم الشک والے دن سوائے کون سا؟ سوائے نفلی روزے کے۔ تو اس میں تو یہ نہیں ذکر کہ رمضان کا نہ رکھو صرف باقی نفلی باقی روزے رکھ سکتے ہو بلکہ اس میں تو کیا کیا جا رہا ہے؟ ہر روزے سے منع کیا جا رہا ہے، لیکن اس کو محمول کس پر کیا گیا؟ کس روزے سے منع کیا جا رہا ہے؟ رمضان، لیکن بہر حال الفاظ تو عام ہیں، الفاظ کے اعتبار سے تو تو ظاہر یہی لگتا ہے کہ سب روزوں سے منع ہے لہٰذا چونکہ نہی کی صورت تو موجود ہے لہٰذا اس وجہ سے کراہت آئے گی بھائی۔ واجب آخر میں بھی کیا آئے گی؟ کراہت آئے گی کیونکہ بہر حال نہی کی صورت تو موجود ہے، الفاظ تو موجود ہیں بھائی نہی والے۔ البتہ یہ کراہت کون سی ہو گی؟ کراہتِ تنزیہی ہے کیونکہ بتلا دیا حقیقت میں واجب آخر سے منع کیا ہی نہیں جا رہا، صرف کس سے منع کیا جا رہا ہے؟ رمضان کے روزے سے، لیکن بہر حال الفاظ عام ہیں نہی کی صورت بن گئی تو اس وجہ سے کراہت آئے گی۔ یہ معنی ہے «وَالْكَرَاهَةُ هُنَا بِصُورَةِ النَّهْيِ» اور کراہت یہاں پر نہی کی صورت کی وجہ سے ہے۔

بھائی، دو صورتیں گزر گئیں۔ ایک صورت یہ کہ یوم الشک والے دن کس روزے کی نیت کرتا ہے؟ رمضان کے روزے کی۔ دوسری صورت ذکر ہوئی کہ یوم الشک والے دن کس روزے کی نیت کرتا ہے؟ واجب آخر کی نیت کرتا ہے۔ تیسری صورت ذکر کر رہے ہیں: «وَالثَّالِثُ أَنْ يَنْوِيَ تَطَوُّعًا» اور تیسری صورت یہ ہے کہ وہ نفل کی نیت کرتا ہے یعنی یوم الشک والے دن نفلی روزے کی نیت کرتا ہے، «وَهُوَ غَيْرُ مَكْرُوهٍ» اور نفل تو اس دن مکروہ نہیں ہے «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی اس میں تو نفل کی اجازت ہے۔ «وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ يُكْرَهُ عَلَى سَبِيلِ الِابْتِدَاءِ» اور یہ حدیث جو ہے یہ دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ان کے اس قول کے اندر کہ وہ جو فرماتے ہیں کہ یہ نفل بھی مکروہ ہے «عَلَى سَبِيلِ الِابْتِدَاءِ» ابتدا کے طریقے پر، ابتدا کے ابتدا کے طریقے پر۔

■ اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوم الشک و

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوم الشک والے دن ایک شخص روزہ رکھتا ہے نفلی روزہ، تو اگر یہ ابتداءً اس طرح کر رہا ہے تو یہ مکروہ ہے، یہ کیا ہے؟ اور اگر اس کی عادت چلی آ رہی ہے مثلاً اس کی عادت ہے وہ ہر ہفتے میں پیر والے دن روزہ رکھتا ہے نفلی روزہ ہر ہفتے میں، اور اتفاق سے یہ یوم الشک بھی کون سے دن آ گیا؟ پیر والے دن، تو یہ اس دن جب نفلی روزہ رکھے گا تو یہ ابتداءً ہے یا اس کی پہلے سے عادت چلی آ رہی ہے؟ پہلے سے عادت چلی آ رہی ہے پھر تو فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں مکروہ نہیں بلکہ بالاجماع کیا ہے؟ اس دن یہ افضل ہے۔ یا اسی طرح اس کی عادت ہے وہ ہر مہینے کے آخری تین چار دن کیا کرتا ہے؟ روزہ رکھتا ہے، تو لہٰذا معلوم ہو یہ اس کی عادت ہے اس دن روزہ رکھتا ہے تو یہ ابتداءً ابتدا کے طریقے پر یہ نفلی روزہ نہیں، تو وہ فرماتے ہیں اگر عادت کے طریقے پر اس دن روزہ نفلی روزہ رکھتا ہے تو پھر تو مکروہ نہیں لیکن اگر ابتداءً رکھتا ہے پہلے نہیں رکھتا تھا اور اب کیا کر رہا ہے؟ یوم الشک والا دن آ گیا تو اب وہ نفلی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو اس صورت میں مکروہ ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو ان کے نزدیک ابتداءً نفلی روزہ بھی اس دن مکروہ ہے جبکہ ہمارے نزدیک نہیں مکروہ نہیں اس وجہ سے جو ہم نے حدیث ذکر کر دی۔

تو یہی معنی ہے «وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہ حدیث جو ہے دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف بھی «فِي قَوْلِهِ» ان کے اس قول کے اندر «يُكْرَهُ عَلَى سَبِيلِ الِابْتِدَاءِ» کہ نفلی روزہ مکروہ ہے ابتدا کے طریقے پر۔ «وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَتَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا بِصَوْمِ يَوْمَيْنِ، الْحَدِيثَ» اور باقی جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «لَا تَتَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا بِصَوْمِ يَوْمَيْنِ» کہ تم لوگ مقدم نہ ہو رمضان پر ایک دن کے روزے کے ساتھ «وَلَا بِصَوْمِ يَوْمَيْنِ» اور نہ دو دن کے روزے کے ساتھ، یعنی رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھو بھائی، یہ جو حدیث میں آیا ہے کہتے ہیں: حضور علیہ السلام کے اس قول سے مراد جو ہے «نَهْيُ التَّقْدِيمِ بِصَوْمِ رَمَضَانَ» رمضان کے روزے کے ساتھ رمضان کے روزے کو مقدم کرنا مراد ہے۔ یہ جو حدیث میں کیا آیا؟ بھائی یہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جو قول کیا تھا کہ ابتداءً مکروہ ہے، ابتداءً اگر نفلی روزہ رکھے گا یوم الشک والے دن تو یہ مکروہ ہے۔ اسی طرح وہ یہ حدیث بھی ذکر کرتے ہیں کہ حدیث میں کیا آیا؟ رمضان پر ایک یا دو دن کا روزہ مقدم نہ کرو، معلوم ہوا اس دن نفلی روزہ بھی مکروہ ہے ان کے نزدیک، تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھائی، جو حدیث میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک یا دو دن رمضان سے قبل روزے ایک یا دو دن رمضان پر روزے مقدم نہ کرو ہم کہتے ہیں یہ «نَهْيُ التَّقْدِيمِ بِصَوْمِ رَمَضَانَ» یہ نہی کس چیز کی ہے؟ رمضان کے روزے کو مقدم کرنے کی نہی ہے، ہر روزے کو مقدم کرنے سے یہاں نہیں روکا گیا، ہاں رمضان کے روزے کو مقدم نہ کرو کہ آپ اس سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھتے ہیں اور نیت کس چیز کی کرتے ہیں؟ رمضان کے روزے کی تو پھر یہ مکروہ ہے، اگر نفلی روزہ رکھتے ہیں تو پھر یہ مکروہ نہیں کیونکہ حدیث میں کیا آیا تھا کہ یوم الشک والے دن کون سا روزہ رکھا جا سکتا ہے؟ نفلی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ تو یہ جو ہے یہ رمضان کے روزے کے ساتھ مقدم ہونے سے روکا گیا ہے کہ رمضان کے روزے کے ساتھ کوئی مقدم نہ ہو بھائی، اس سے ہر روزہ مراد نہیں۔

اب دیکھیے بھائی دوبارہ ترجمہ: «وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ» اور مراد جو ہے حضور علیہ السلام کے اس قول سے جو آگے آ رہا ہے کہ «لَا تَتَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا بِصَوْمِ يَوْمَيْنِ»، یہ جو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ رمضان پر ایک دن کے روزے یا دو دن کے روزے کے ساتھ مقدم نہ ہو اس پر آگے نہ بڑھو، اس حضور علیہ السلام کے اس قول سے مراد «نَهْيُ التَّقْدِيمِ بِصَوْمِ رَمَضَانَ» وہ رمضان کے روزے پر مقدم ہونے سے نہی ہے بھائی، اس سے روکا گیا ہے «لِأَنَّهُ يُؤَدِّيهِ قَبْلَ أَوَانِهِ» اس لیے کیونکہ وہ شخص اس روزے کو ادا کرنے والا ہے اس کے وقت سے پہلے ہی۔ کیا کرنے والا ہے؟ ہاں، حدیث میں جو آیا نا کہ رمضان پر ایک یا دو دن کے روزے مقدم نہ کرو اس سے کون سے روزے مراد ہیں؟ رمضان کے روزے مراد ہیں اس لیے کیونکہ اگر یہ رمضان سے ایک دو دن پہلے ہی روزے رمضان کی نیت کے ساتھ رکھ لیتا ہے تو اس نے کیا کام کیا؟ رمضان کا ابھی وقت آیا ہی نہیں اور اس سے پہلے ہی کیا کر دیے اس نے رمضان کے روزے شروع کر دیے، اس لیے یہ اس سے منع کر دیا گیا ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ يُؤَدِّيهِ قَبْلَ أَوَانِهِ» اس لیے کیونکہ وہ اس کو ادا کرنے والا ہے اس روزے کو اس کے وقت سے پہلے ہی یعنی رمضان کے روزے کو وہ ادا کرنے والا ہے رمضان کے وقت سے پہلے ہی۔

■ مسئلہ: ثُمَّ إِنْ وَافَقَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ فَالصَّوْمُ أَفْضَلُ...

«ثُمَّ إِنْ وَافَقَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ فَالصَّوْمُ أَفْضَلُ بِالْإِجْمَاعِ»، اب بتلا رہے ہیں بھائی کہ اگر اس شخص کی عادت ہی کیا تھی؟ ہر پیر والے دن روزہ رکھنے کی یا ہر مہینے کے آخری تین چار دن روزہ رکھنے کی، یوم الشک والے دن بھی اب وہ روزہ رکھتا ہے اور یہ کس وجہ سے؟ کیونکہ یہ اس کی عادت کے موافق پڑ جاتا ہے یہ تو اس صورت میں بالاجماع اس دن روزہ رکھنا افضل ہے، روزہ رکھنا افضل ہے۔ کہتے ہیں: «ثُمَّ إِنْ وَافَقَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ» پھر اگر موافق ہو گیا یہ والا روزہ اس روزے کے جو وہ رکھا کرتا تھا «فَالصَّوْمُ أَفْضَلُ بِالْإِجْمَاعِ» تو پھر روزہ بالاجماع افضل ہے «وَكَذَا إِذَا صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ آخِرِ الشَّهْرِ فَصَاعِدًا» اور اسی طرح جب وہ روزہ رکھتا ہو مہینے کے آخر میں تین دن «فَصَاعِدًا» یا اس سے زیادہ، یعنی اگر اس صورت میں بھی کیا ہو گا؟ یوم الشک والا روزہ اس کی عادت کے موافق ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ یہ بالاجماع افضل ہے۔

«وَإِنْ أَفْرَدَهُ» اور اگر اس روزے کو اس نے جدا کیا ہے اکیلا کیا ہے یعنی نہ اس کی عادت نہیں ہے اب کیا کر رہا ہے؟ وہ یوم الشک والے دن نفلی روزہ رکھ رہا ہے «فَقَدْ قِيلَ الْفِطْرُأَفْضَلُ» تو پھر تحقیق کہا گیا ہے کہ اس روز فطر افضل ہے اس کے لیے۔ روزہ افضل نہیں، جب اس کی عادت نہیں ہے تو یوم الشک والے دن اب اس کے لیے روزہ رکھنا افضل نہیں ہے بلکہ فطر افضل ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ «وَإِنْ أَفْرَدَهُ» اور اگر اس روزے کو وہ علیحدہ کرتا ہے یعنی جدا کرتا ہے یعنی اس کی پہلے سے عادت نہیں ہے «فَقَدْ قِيلَ الْفِطْرُأَفْضَلُ» تو تحقیق کہا گیا ہے کہ فطر جو ہے وہ افضل ہے «احْتِرَازًا عَنْ ظَاهِرِالنَّهْيِ» احتراز کرتے ہوئے بچتے ہوئے ظاہرِ نہی سے، کس سے بچتے ہوئے؟ ظاہرِ نہی سے بچتے ہوئے اس کے لیے فطر افضل ہے کیونکہ اوپر احادیث آگئیں «لَا تَتَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا بِصَوْمِ يَوْمَيْنِ»، نہی آگئی یا نہیں آگئی؟ تو لہٰذا اس کے لیے افضل کیا ہے؟ افطار یعنی اس روز روزہ نہ رکھے تاکہ اس نہی سے بچ جائے، اس نہی سے بچ جائے۔

«وَقِيلَ الصَّوْمُ أَفْضَلُ» اور کہا گیا ہے کہ روزہ افضل ہے اس روز بھائی چاہے پہلے سے بے شک عادت نہیں ہے پھر بھی اس دن اس کے لیے نفلی روزہ افضل ہے «اقْتِدَاءً بِعَلِيٍّ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا» اقتداء کرتے ہوئے حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی «فَإِنَّهُمَا كَانَا يَصُومَانِهِ» اس لیے کیونکہ وہ دونوں جو ہیں یہ روزہ رکھا کرتے تھے، یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

■ مسئلہ: وَالْمُخْتَارُ أَنْ يَصُومَ الْمُفْتِي بِنَفْسِهِ...

«وَالْمُخْتَارُ أَنْ يَصُومَ الْمُفْتِي بِنَفْسِهِ أَخْذًابِالِاحْتِيَاطِ» اور مختار قول یہ ہے کہ مفتی روزہ رکھے بنفسہ خود، مفتی کہ مفتی خود کیا کرے؟ روزہ رکھے «أَخْذًا بِالِاحْتِيَاطِ» احتیاط کو لیتے ہوئے، احتیاط پر عمل کرتے ہوئے۔ اگر کوئی شخص مفتی ہے عالم ہے یا یوں کہیں آسان لفظوں میں: خواص کو اس دن روزہ رکھنا افضل ہے اور عوام کے لیے اس دن افطار افضل ہے۔ خواص کے لیے اور مفتی حضرات کے لیے اور علماء کے لیے اس روز روزہ نفلی روزہ رکھنا افضل ہے اور عوام کے لیے افطار افضل ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «وَالْمُخْتَارُ أَنْ يَصُومَ الْمُفْتِي بِنَفْسِهِ أَخْذًابِالِاحْتِيَاطِ» اور مختار یہ ہے کہ مفتی خود جو ہے وہ روزہ رکھے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے، احتیاط کو لیتے ہوئے۔ بھائی، احتیاط پر تاکہ عمل ہو جائے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ دن کس کا ہو؟ رمضان کا ہو، گزشتہ دن تو بادلوں کی وجہ سے چاند دکھائی نہیں دیا تھا تو شک آگیا کہ شاید یہ دن رمضان کا ہی کہیں نہ ہو بھائی۔ تو اگر روزہ نہیں رکھا تو اس صورت میں تو رمضان کا ایک روزہ رہ جائے گا تو احتیاط کس کے اندر ہے؟ اس دن وہ مفتی روزہ رکھ لے۔

«وَيُفْتِي الْعَامَّةَ بِالتَّلَوُّمِ إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ» اور فتویٰ دے عام لوگوں کو «بِالتَّلَوُّمِ»، تلوم کا معنی ہے توقف کرنا، ٹھہرنا یعنی مراد ہے انتظار کرنا، اور عام لوگوں کو فتویٰ دے «بِالتَّلَوُّمِ» ٹھہرنے کا «إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ» زوال کے وقت تک، «ثُمَّ بِالْإِفْطَارِ» پھر روزہ توڑنے کا فتویٰ دے «نَفْيًا لِلتُّهْمَةِ» تہمت کی نفی کرنے کے لیے۔ تہمت کی نفی کرنے کے لیے، تہمت اور بدگمانی کو دور کرنے کے لیے تو زوال تک لوگوں کو فتویٰ دے: زوال تک کہ تم ٹھہر جاؤ، زوال تک روزہ نہ توڑو اور شاید کہیں سے کوئی شہادت آجائے کہ رمضان کا چاند نظر آگیا ہے۔ اگر زوال تک کوئی شہادت نہ آئی تو پھر مفتی عام لوگوں کو کیا فتویٰ دے؟ کہ وہ روزہ وہ روزہ توڑ دیں بھائی، روزہ توڑ دیں کیونکہ رمضان کے چاند کی شہادت کہیں سے بھی نہیں ملی تو لہٰذا روزہ توڑ دیں «نَفْيًا لِلتُّهْمَةِ» تہمت کی نفی کرنے کے لیے، تہمت کی نفی کرنے۔

اس لیے کہ اس صورت میں بدگمانی آئے گی دلوں کے اندر بھائی۔ تہمت کسے کہتے ہیں؟ بدگمانی کو۔ دلوں میں بدگمانی آئے گی، بعض لوگوں کے دلوں میں بدگمانی آ سکتی ہے کیونکہ کہتے ہیں اس روز اس روز شیعوں کے نزدیک روزہ رکھنا واجب ہے۔ روافض اور شیعہ کے نزدیک یوم الشک والے دن روزہ رکھنا واجب ہے، واجب ہے تو لہٰذا یہ نہ ہو بعض لوگ کے دلوں میں بدگمانی آئے کہ یہ تو مفتی صاحب کس کے مذہب کے مطابق ہمیں مسئلہ بتلا رہے ہیں؟ شیعوں کے مذہب کے مطابق مسئلہ بتلا رہے ہیں۔ کس صورت میں؟ اگر وہ مفتی ان کو بھی روزہ رکھنے کا ہی حکم دے گا تو پھر کیا آئے گی؟ دلوں میں بدگمانی، لہٰذا ان کو کیا کر دے؟ روزہ توڑنے کا حکم دے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور نیز اس لیے کیونکہ حدیث میں آگیا، حدیث میں کیا آیا؟ «لَا تَتَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا بِصَوْمِ يَوْمَيْنِ»، رمضان پر ایک یا دو دن کے روزے مقدم نہ کرو تو حدیث میں یہ آیا ہے۔ اب عام لوگوں کو تو ان ابحاث کا علم نہیں جو دیکھیے ہم یہاں پر کر رہے ہیں کہ اس حدیث سے کے اندر عام روزے کی بات نہیں ہو رہی بلکہ اس سے کون سا مراد کون سا روزہ مراد ہے؟ رمضان کا روزہ مراد ہے تو عام لوگ تو ان چیزوں کو نہیں جانتے، وہ تو حدیث کے ظاہری لفظوں کو دیکھیں گے اور کہیں گے: دیکھیے بھائی، حدیث میں کیا آیا ہے؟ کہ روزہ نہ رکھو، اور مفتی صاحب ہمیں کیا فتویٰ دے رہے ہیں؟ کہ روزہ رکھو بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو بعض چیزیں یاد رکھو ہمیشہ ایسی ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کو اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا، فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ اب بظاہر تو یہاں فتویٰ تو مفتی کو یہی دینا چاہیے کہ کیا کر لو؟ نفلی روزے کی اجازت ہے، تم بھی احتیاط پر عمل کر لو کہ ایسا نہ ہو کہیں رمضان کا روزہ ہو، سمجھ میں آیا؟ کیونکہ حدیث کے اندر جو منع کیا گیا ہے وہ رمضان کا روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، نفلی روزہ رکھنے سے تو منع نہیں کیا گیا، لیکن فتویٰ نہیں دیا جاتا ان عام لوگوں کو اس پر، اس لیے کیونکہ اس میں اور کئی مفاسد آجاتے ہیں جیسے یہاں یہ بیان ہو گیا کہ اگر مفتی یہ فتویٰ دے گا تو بعض لوگ کیا بدگمانی کریں گے؟ کہ یہ تو ہمیں کس طرح کا فتویٰ دے رہے ہیں؟ جو شیعوں کا مذہب ہے اس کے مطابق فتویٰ دے رہے ہیں، بعض لوگ اسی طرح وہ یہ بدگمانی کر سکتے ہیں کہ دیکھو حدیث میں آیا ہے ایک دو دن پہلے روزے نہ رکھو اور مفتی صاحب ہمیں کیا فتویٰ دے رہے ہیں؟ کہ روزہ رکھ لو

بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

چنانچہ روایت ہے بھائی کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے پاس ایک کوئی شخص آیا اور اس نے آکر یہی مسئلہ پوچھا کہ یوم الشک والے دن روزہ رکھنا چاہیے؟ آج یوم الشک والے دن ہی وہ آدمی آیا اور اس نے کہا کہ کیا آج کا روزہ رکھنا چاہیے یا روزہ نہیں رکھنا چاہیے؟ صبح صبح آیا ہو گا یوم الشک والے دن بھائی، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہیں، نہیں رکھنا چاہیے۔ اور پھر اس سے کہا: ذرا میرے قریب آجاؤ۔ جب وہ قریب آیا تو کہنے لگے: میرا روزہ ہے، فرمانے لگے: میرا روزہ ہے۔ دیکھو، فتویٰ کیا دیا؟ کہ نہیں رکھنا چاہیے، اور قریب بلا کر بتلا دیا کہ میرا روزہ ہے، معلوم ہوا خواص کو کیا کرنا چاہیے اس روز؟ روزہ رکھنا چاہیے، احتیاط اسی میں ہے، ہو سکتا ہے یہ رمضان کا دن ہو تو رمضان کا ایک روزہ نکل جائے گا ہاتھ سے لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ وہ روزہ رکھیں اور عوام کو یہ فتویٰ نہیں دیا جائے گا بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۱۹: وَالرَّابِعُ أَنْ يُزَجِّعَ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ بِأَنْ...

ہدایہ صفحہ: ۲۳۲ــــ بتاریخ: ۱۹ اپریل ۲۰۱۳ء

وَالرَّابِعُ أَنْ يُزَجِّعَ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ بِأَنْ يَنْوِيَ أَنْ يَصُومَ غَدًا إِنْ كَانَ رَمَضَانَ وَلَا يَصُومَهُ إِنْ كَانَ مِنْ شَعْبَانَ، وَفِي هَذَا الْوَجْهِ لَا يَصِيرُ صَائِمًا لِأَنَّهُ لَمْ يَقْطَعْ عَزِيمَتَهُ، فَصَارَ كَمَا إِذَا نَوَى أَنَّهُ إِنْ وَجَدَ غَدًا غِذَاءً يُفْطِرُ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ يَصُومُ۔ [1]

بھئی یوم الشک والے دن روزہ رکھنا یہ بحث چل رہی ہے اور تین صورتیں بیان ہو گئیں۔ ایک صورت یہ کہ اس دن کوئی روزہ رکھتا ہے اور رمضان کے روزے کی نیت کرتا ہے تو یہ مکروہ ہے، آپ نے پڑھ لیا۔ اور اگر دوسری صورت یہ تھی کہ وہ واجب آخر کی نیت کرتا ہے تو اس صورت میں آپ نے مسئلہ پڑھ لیا کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، البتہ وہ واجب آخر ادا ہو جائے گا۔ اور تیسری صورت یہ تھی کہ وہ نفل روزے کی نیت کرتا ہے اور آپ نے پڑھ لیا کہ یہ مکروہ نہیں ہے، اور اگر ایک شخص کی عادت ہی یہ ہے اس قسم کے دن میں روزہ رکھتا ہے تو پھر بالاجماع اس دن یہ نفلی روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور اگر اس کی عادت نہیں ہے تو پھر اس صورت میں اگر وہ شخص خواص میں سے ہے تو اس کو یہ روزہ رکھنا چاہیے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے، اور عوام کو اس کے اس دن روزہ نہ رکھنے کا فتویٰ دیا جائے گا بھئی۔

اب چوتھی صورت بیان ہو رہی ہے کہ اس نے نیت جو ہے وہ قطعی نہیں کی بلکہ یوں نیت کی کہ اگر کل رمضان ہوا، کل کا دن رمضان میں سے ہوا تو میں روزہ رکھوں گا اور اگر کل کا دن شعبان میں سے ہوا تو میں روزہ نہیں رکھوں گا۔ تو اس نے اس کی نیت جو ہے وہ متردد ہے۔ اس کی نیت کیا ہے؟ متردد ہے دو چیزوں کے درمیان، تو اس صورت کے اندر اس کا روزہ نہیں ہو گا بھئی۔ روزہ؟ کیونکہ اس نے روزہ رکھنے کی پکی اور قطعی نیت کی ہی نہیں بلکہ کیا کہا؟ اگر رمضان ہوا تو رکھوں گا، اگر شعبان ہوا تو نہیں رکھوں گا۔ تو اس طرح تو روزہ ادا نہیں ہوتا، روزے کے لیے قطعی نیت تو ضروری ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَالرَّابِعُ** اور چوتھی صورت یہ ہے: **أَنْ يُزَجِّعَ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ، زَجَّعَ يُزَجِّعُ تَزْجِيع** کے معنی ہیں کوتاہی کرنا، کسی معاملے میں کوتاہی کرنا اور سستی کرنا۔ اسی طرح **زَجَّعَ يُزَجِّعُ** کے معنی ہیں کسی معاملے کے اندر متردد ہونا۔ تو کہتے ہیں: **وَالرَّابِعُ أَنْ يُزَجِّعَ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ** چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ تردد کرتا ہے اصل نیت کے اندر۔ **بِأَنْ يَنْوِيَ** بایں صورت کہ وہ یہ نیت کرتا ہے: **أَنْ يَصُومَ غَدًا إِنْ كَانَ رَمَضَانَ** کہ وہ کل روزہ رکھے گا اگر کل رمضان ہوا، **وَلَا يَصُومَهُ إِنْ كَانَ مِنْ شَعْبَانَ** اور روزہ نہیں رکھے گا اگر شعبان میں سے ہوا، **وَفِي هَذَا الْوَجْهِ لَا يَصِيرُ صَائِمًا** اور اس صورت میں وہ روزہ رکھنے والا نہیں ہو گا، **لِأَنَّهُ لَمْ يَقْطَعْ عَزِيمَتَهُ** اس لیے کیونکہ اس نے پکا نہیں کیا، قطعی نہیں کیا اپنے ارادے کو، اس نے اپنے ارادے کو یقینی نہیں بنایا، **فَصَارَ كَمَا إِذَا نَوَى أَنَّهُ إِنْ وَجَدَ غَدًا غِذَاءً يُفْطِرُ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ يَصُومُ** تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ اس نے یہ نیت کی ہو کہ اگر کل اس کو غذا یعنی خوراک ملی، کل اس کو کھانا مل گیا **يُفْطِرُ** تو وہ کیا کرے گا؟ افطار کرے گا یعنی روزہ نہیں رکھے گا، **وَإِنْ لَمْ يَجِدْ يَصُومُ** اور اگر کھانا نہ ملا تو وہ روزہ رکھے گا۔ تو اس صورت میں روزہ نہیں ہو گا بھئی۔

وَالْخَامِسُ اور پانچویں صورت یہ ہے: **أَنْ يُزَجِّعَ فِي وَصْفِ النِّيَّةِ** کہ وہ تردد کرتا ہے نیت کے وصف میں۔ پہلے تو کیا تھا؟ اصل نیت ہی میں تردد تھا کہ روزہ رکھوں گا یا روزہ نہیں رکھوں گا۔ اب روزہ رکھنے کی نیت تو پکی ہے، البتہ وصف میں تردد ہے اور یوں نیت کرتا ہے کہ اگر کل کا دن رمضان میں سے ہوا تو میں رمضان کا روزہ رکھوں گا اور اگر شعبان میں سے ہوا تو میں واجب آخر کا روزہ رکھوں گا۔ کس کا؟ واجب آخر کا۔ تو دیکھیے، صرف وصف کے اندر اس نے تردید کی ہے، اصل روزے کے اندر تردید نہیں، روزہ رکھنا ضرور ہے لیکن اگر رمضان کا ہوا تو رمضان میں سے اور اگر رمضان کا نہ ہوا تو واجب آخر میں سے۔

تو کہتے ہیں: **وَالْخَامِسُ أَنْ يُزَجِّعَ فِي وَصْفِ النِّيَّةِ** اور پانچویں صورت یہ ہے کہ وہ تردد کرتا ہے نیت کے وصف میں، **بِأَنْ يَنْوِيَ** بایں صورت کہ وہ یہ نیت کرتا ہے: **إِنْ كَانَ غَدًا مِنْ رَمَضَانَ يَصُومُ عَنْهُ** اگر کل کا دن رمضان میں سے ہوا تو وہ رمضان سے روزہ رکھے گا یعنی رمضان کا روزہ رکھے گا، **وَإِنْ**

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۶۱): «من»۔ • شاملہ (ص ۱۶۱) میں «يُزَجِّعَ» کے بجائے «يضجع» درج ہے۔

كَانَ مِنْ شَعْبَانَ فَعَنْ وَاجِبٍ آخَرَ اور اگر کل کا دن شعبان میں سے ہوا تو پھر دوسرے واجب سے وہ روزہ رکھے گا، **وَهَذَا مَكْرُوهٌ** اور یہ بھی مکروہ ہے، **لِتَرَدُّدِهِ بَيْنَ أَمْرَيْنِ مَكْرُوهَيْنِ** اس وجہ سے کہ یہ متردد ہے دو مکروہ امروں کے درمیان۔ کیونکہ یوم الشک والے دن رمضان کا روزہ رکھنا بھی مکروہ اور واجب آخر کا روزہ رکھنا بھی مکروہ، تو چونکہ اس کی نیت دائر ہو گئی دو مکروہوں کے درمیان اس لیے ایسا کرنا بھی مکروہ ہی ہو گا۔ یہ معنی ہے: **وَهَذَا مَكْرُوهٌ لِتَرَدُّدِهِ بَيْنَ أَمْرَيْنِ مَكْرُوهَيْنِ** اور یہ بھی مکروہ ہے اس وجہ سے کہ وہ متردد ہے دو مکروہ چیزوں کے درمیان۔

ثُمَّ إِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ أَجْزَأَهُ لِعَدَمِ التَّرَدُّدِ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ پھر اگر یہ بات ظاہر ہوئی کہ اگلا دن کس میں سے ہے؟ رمضان میں سے ہے، **أَجْزَأَهُ** تو یہ روزہ اس کا رمضان کے روزے سے کافی ہو جائے گا یعنی رمضان ہی کا روزہ ہو جائے گا، **لِعَدَمِ التَّرَدُّدِ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ** اس لیے کیونکہ اصل نیت میں تو تردد نہیں ہے، روزہ رکھنے کی نیت تو اس کی ضرور تھی اور رمضان کے روزے کے لیے بھی اصل نیت کافی ہے بھئی۔

وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ لَا يُجْزِيهِ عَنْ وَاجِبٍ آخَرَ اور اگر یہ بات ظاہر ہوئی کہ اگلا دن شعبان میں سے ہے تو یہ روزہ کافی نہیں ہو گا اس شخص کو **عَنْ وَاجِبٍ آخَرَ** اس دوسرے واجب سے جس کی اس نے نیت کی تھی، **لِأَنَّ الْجِهَةَ لَمْ تَتَعَيَّنْ لِلتَّرَدُّدِ فِيهَا** اس لیے کیونکہ جہت ثابت نہیں ہوئی اس میں تردد ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ کوئی اگر کسی اور واجب کی نیت کرتا ہے رمضان کے علاوہ تو اس کے اندر تو نیت کا قطعی اور یقینی ہونا اور پکا ہونا ضروری تھا، لیکن یہاں پر تو اس کی واجب آخر کی پکی نیت نہیں ہے بلکہ کیا تھا اس کی نیت میں؟ تردد تھا، اگر رمضان کا ہوا تو رمضان کا روزہ رکھوں گا، رمضان کا نہ ہوا تو واجب آخر کا روزہ رکھوں گا۔ تو واجب آخر کے لیے تو رات سے ہی پکی نیت ہونا ضروری ہے پھر ہی ہوتا ہے۔ یہ معنی ہے، تو دوسرے واجب سے یہ روزہ کافی نہیں ہو گا: **لِأَنَّ الْجِهَةَ لَمْ تَتَعَيَّنْ لِلتَّرَدُّدِ فِيهَا** اس لیے کیونکہ جہت جو ہے وہ ثابت نہیں ہوئی اس میں تردد ہونے کی وجہ سے، **وَأَصْلُ النِّيَّةِ لَا يَكْفِيهِ** اور اصل نیت کافی نہیں ہے۔ واجب آخر کے لیے اصل نیت کافی نہیں ہے بلکہ اس میں اس واجب آخر کی قطعی اور یقینی نیت ہونی چاہیے۔

لَكِنَّهُ يَكُونُ تَطَوُّعًا غَيْرَ مَضْمُونٍ بِالْقَضَاءِ لیکن یہ جو روزہ اس کا ہو گا یہ نفلی ہو جائے گا۔ وہ واجب آخر تو ادا نہیں ہو گا اگر شعبان کا دن ہوا۔ تو کون سا روزہ ہو جائے گا؟ نفلی ہو جائے گا۔ لیکن **تَطَوُّعًا غَيْرَ مَضْمُونٍ** یہ روزہ ایسا نفلی روزہ ہو گا **غَيْرَ مَضْمُونٍ بِالْقَضَاءِ** جو مضمون بالقضاء نہیں یعنی جس میں قضا کا ضمان نہیں آئے گا یعنی اگر یہ اس کو توڑ دیتا ہے، کیا کر دیتا ہے؟ توڑ دیتا ہے تو پھر نفل نفلی روزہ توڑ دیا جائے پھر تو اس کی قضا ہوتی ہے لیکن اس کی قضا نہیں آئے گی بھئی، اس کی قضا نہیں آئے گی بھئی۔ بھئی کیوں نہیں؟ قضا کیوں نہیں آئے گی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس روزے کو اس نے شروع کیا تھا اپنے سے واجب کو ساقط کرنے کے لیے، اپنے اوپر کسی چیز کو واجب کرنے کے لیے نہیں۔

بھئی دیکھیے، جب رمضان کا روزہ انسان رکھتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ اس پر جو روزہ واجب ہوتا ہے اس کو اپنے اوپر سے ساقط کرنا چاہتا ہے، ختم کرنا چاہتا ہے کہ اس کو ادا کر دوں، پورا کر دوں تو میرے سے یہ واجب کیا ہو جائے گا؟ ختم۔ رمضان کا روزہ اگر نہیں رکھے گا تو اس کے ذمے میں باقی رہے گا یا نہیں رہے گا؟ اس کے ذمے میں باقی رہے گا۔ تو رمضان کا روزہ جب انسان رکھتا ہے یعنی جب واجب روزہ رکھتا ہے تو دراصل اس کی نیت کیا ہوتی ہے؟ کہ اس واجب کو اپنے اوپر سے وہ ختم کرنا چاہتا ہے، اپنے سے اتارنا چاہتا ہے۔ اور اسی طرح جب واجب آخر کی نیت کرتا ہے انسان تب بھی اس کی کیا نیت ہوتی ہے؟ کہ اس واجب کو اپنے اوپر سے اتارنا چاہتا ہے، اس کو ساقط کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ ذمے سے اتر جائے، ذمے سے اتر جائے۔ جبکہ نفلی روزہ جب انسان رکھتا ہے تو دراصل وہ روزے کو اپنے اوپر لازم کر رہا ہے۔ کیا کر رہا ہے؟ لازم، کیونکہ نفل جب تک شروع نہیں کیے وہ نفل ہیں لیکن جب ایک دفعہ شروع کر دیے تو وہ اس پر لازم ہو گئے، اب اس کو وہ توڑ دیتا ہے تو بعد میں کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا واجب روزہ رکھتے ہوئے انسان کی نیت کیا ہوتی ہے؟ کہ وہ اپنے سے واجب کو ساقط کر رہا ہے، چاہے رمضان کا روزہ ہو چاہے واجب آخر، اور نفلی روزہ رکھتے ہوئے انسان کی نیت کیا ہوتی ہے کہ وہ روزے کو اپنے اوپر لازم کر رہا ہے۔ اگر توڑ بھی دیا بعد میں کیا کرنا پڑے گی اس کی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں پر اس نے نیت کیا کی تھی؟ کہ اگر کل رمضان کا دن ہوا تو میں رمضان کا روزہ رکھوں گا، اگر رمضان کا دن نہ ہوا تو میں واجب آخر کا روزہ رکھوں گا۔ تو اس کی نیت، اس کی نیت روزے کو اپنے اوپر لازم کرنے کی ہے یا اپنے ذمے سے اتارنے کی ہے؟ اپنے ذمے سے روزے کو اتارنے کی نیت ہے۔ رمضان میں بھی روزے کو اتارنے کی نیت بنتی ہے اور واجب آخر میں بھی اپنے سے تو اپنے سے واجب کو ساقط کرنے کی نیت ہے، اپنے اوپر روزے کو لازم کرنے یعنی نفل کی نیت نہیں۔ لہٰذا اس نے واجب آخر کی نیت بھی کی تھی کہ اگر رمضان نہ ہوا تو کون سا روزہ ہو گا؟ واجب۔ تو واجب آخر تو ادا نہیں ہوا، تو کون سا روزہ ہو جائے گا؟ نفلی روزہ کیونکہ اصل نیت تو پائی جا رہی ہے، اور نفل کے لیے بھی کیا ضروری تھا؟ اصل نیت کا ہونا ضروری تھا، وہ پائی گئی تو نفلی روزہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ روزہ اگر وہ توڑ دیتا ہے تو اس پر قضا نہیں آئے گی اس لیے کیونکہ یہ روزہ جو اس نے شروع کیا تھا یہ اسقاط کی نیت سے شروع کیا تھا، اپنے اوپر لازم کرنے کی نیت سے شروع ہی نہیں کیا۔ تو جب نیت صرف اسقاط کی ہے اپنے اوپر لازم کرنے کی نیت ہے ہی نہیں تو اس پر یہ روزہ لازم بھی نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟

یہ معنی ہے: **لَكِنَّهُ يَكُونُ تَطَوُّعًا غَيْرَ مَضْمُونٍ بِالْقَضَاءِ لِشُرُوعِهِ فِيهِ مُسْقِطًا** لیکن یہ جو روزہ ہے یہ ایسا نفلی روزہ ہو گا **غَيْرَ مَضْمُونٍ بِالْقَضَاءِ** جو مضمون بالقضاء نہیں ہو گا یعنی اگر توڑ دیتا ہے تو اس پر اس کی قضا نہیں آئے گی، **لِشُرُوعِهِ فِيهِ مُسْقِطًا** اس لیے کیونکہ اس روزے کے اندر وہ شروع ہوا اس حال میں کہ یہ شخص کیا تھا؟ روزے کو اپنے سے، اپنے سے واجب کو ساقط کرنے والا تھا یعنی اس نے نیت تو صرف کس کی کی ہے؟ رمضان کی یا واجب آخر کی، تو دونوں

صورتوں میں یہ اپنے سے روزے کو ساقط کرنے والا ہے، اپنے اوپر روزے کو لازم کرنے والا نہیں، لہٰذا اس پر قضا نہیں آئے گی بھئی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

وَإِنْ نَوَى عَنْ رَمَضَانَ إِنْ كَانَ غَدًا مِنْهُ وَعَنِ التَّطَوُّعِ، تیسری صورت اسی کے اندر تردید کے اندر بھئی، تردید کے اندر۔ وہ یہ نیت کرتا ہے کہ اگر کل کا دن رمضان میں سے ہوا تو میں رمضان کا روزہ رکھوں گا اور اگر شعبان میں سے ہوا تو پھر نفلی رکھ لوں گا۔ کیا کرلوں گا؟ نفلی روزہ رکھ لوں گا۔ تو پھر اس صورت میں یہ بھی مکروہ ہے بھئی، یہ بھی مکروہ ہے۔ اس لیے کیونکہ من وجہ وہ رمضان کے روزے کی نیت کر رہا ہے۔ رمضان کی نیت بھی پائی جارہی ہے یا نہیں؟ اور یوم الشک والے دن تو رمضان کا روزہ رکھنے سے منع کیا گیا، تو چونکہ اس کی نیت رمضان کے روزے کی بھی ہے تو لہٰذا اس اعتبار سے یہ مکروہ ہے مکروہ ہے۔ اور پھر اگر یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ رمضان ہی کا دن ہے پھر تو روزہ ہو جائے گا رمضان کا، کیونکہ رمضان کے روزے کے لیے اصل نیت کا ہونا ضروری ہے اور اس نے بھی کیا نیت کی تھی؟ یا رمضان کا رکھوں گا اگر رمضان ہوا، یا پھر نفلی رکھوں گا۔ معلوم ہوا روزہ رکھنے کی نیت پکی ہے البتہ جہت میں کیا ہے؟ تردد ہے، جہت میں تردد ہے۔ تو روزہ رمضان کا ہو جائے گا کیونکہ رمضان کے روزے کے لیے اصل نیت کافی ہے روزے کی۔

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ نَوَى عَنْ رَمَضَانَ إِنْ كَانَ غَدًا مِنْهُ وَعَنِ التَّطَوُّعِ إِنْ كَانَ غَدًا مِنْ شَعْبَانَ يُكْرَهُ** اور اگر اس نے یہ نیت کی کہ وہ رمضان کا روزہ رکھے گا اگر کل کا دن رمضان میں سے ہوا اور یا نفلی روزہ رکھے گا اگر کل کا دن شعبان میں سے ہوا **يُكْرَهُ** تو یہ بھی مکروہ ہے، **لِأَنَّهُ نَاوٍ لِلْفَرْضِ مِنْ وَجْهٍ** اس لیے کیونکہ وہ نیت کرنے والا ہے، **نَاوٍ** نیت کرنے والا ہے، اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس لیے کیونکہ وہ نیت کرنے والا ہے فرض کی یعنی رمضان کے فرض کی **مِنْ وَجْهٍ** بعض اعتبارات سے، رمضان کی بھی نیت بھی پائی جارہی ہے۔

ثُمَّ إِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ أَجْزَأَهُ عَنْهُ لِمَا مَرَّ پھر اگر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اگلا دن جو ہے رمضان میں سے ہے تو یہ روزہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا **عَنْهُ** اس رمضان کے روزے سے **لِمَا مَرَّ** اس وجہ سے جو گزر گئی، کیونکہ اصل نیت میں تو یہاں تردد نہیں ہے بھئی تو۔

وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ جَازَ عَنْ نَفْلِهِ اور اگر یہ بات ظاہر ہوئی کہ اگلا دن شعبان میں سے ہے تو جائز ہو جائے گا یہ روزہ اس کے نفل سے یعنی نفلی روزہ ہو جائے گا، **لِأَنَّهُ يَتَأَدَّى بِأَصْلِ النِّيَّةِ** اس لیے کیونکہ نفل بھی ادا ہو جاتا ہے اصل نیت سے۔

وَلَوْ أَفْسَدَهُ يَجِبُ أَنْ لَا يَقْضِيَهُ لِدُخُولِ الْإِسْقَاطِ فِي عَزِيمَتِهِ مِنْ وَجْهٍ، وَلَوْ أَفْسَدَهُ اور اگر اس روزے کو وہ فاسد کر دیتا ہے یعنی توڑ دیتا ہے **يَجِبُ أَنْ لَا يَقْضِيَهُ** تو واجب ہو گا یا یوں کہیں ثابت ہو گا **أَنْ لَا يَقْضِيَهُ** کہ وہ اس کی قضا نہ کرے یعنی اس کی قضا کرنا اس پر لازم نہیں ہو گا، **لِدُخُولِ الْإِسْقَاطِ فِي عَزِيمَتِهِ مِنْ وَجْهٍ** اس لیے کیونکہ اسقاط پایا جارہا ہے اس کے ارادے میں **مِنْ وَجْهٍ** بعض اعتبارات سے۔ بعض اعتبارات سے اس کی نیت میں کیا پایا جارہا ہے؟ اسقاط پایا جارہا ہے۔ اس نے کیا نیت کی؟ میں رمضان کا رکھوں گا اگر اگلا دن کس میں سے ہوا؟ رمضان، اور رمضان کا روزہ کس لیے ہوتا ہے؟ اسقاط کی، گویا اسقاط کی نیت کر رہا ہے کہ میرے ذمے سے تاکہ یہ رمضان کا روزہ اتر جائے تو یہ اسقاط کی نیت ہوئی۔ اور نفل کی نیت بھی پائی جارہی ہے کہ وہ اپنے اوپر کیا کر رہا ہے روزے کو لازم، لیکن بہر حال بعض اعتبارات سے جب اسقاط کی نیت پائی گئی تو یہ روزہ اس پر لازم نہیں ہو گا اور اگر اس کو توڑ دیتا ہے تو اس پر اس کی قضا نہیں ہے، کیونکہ بعض اعتبارات سے کون سی نیت پائی جارہی ہے؟ اسقاط والی نیت پائی جارہی ہے بھئی، اور نفل میں تو صرف اپنے اوپر لازم کرنے کی نیت ہوتی ہے، اسقاط کی نیت نہیں ہوتی۔

یہ معنی ہے: **وَلَوْ أَفْسَدَهُ** اور اگر یہ اس روزے کو فاسد کر دیتا ہے **يَجِبُ أَنْ لَا يَقْضِيَهُ** تو واجب ہو گا یہ کہ وہ اس کی قضا نہ کرے۔ کیا واجب ہو گا؟ یعنی ثابت ہو گا، **يَجِبُ** یہاں کس معنی میں کرلیں؟ **يَثْبُتُ** کے معنی میں، تو یہ بات ثابت ہو گی **أَنْ لَا يَقْضِيَهُ** کہ یہ اس کی قضا نہیں کرے گا **لِدُخُولِ الْإِسْقَاطِ فِي عَزِيمَتِهِ مِنْ وَجْهٍ** اس وجہ سے کہ اسقاط بھی داخل ہے اس کے ارادے میں بعض اعتبارات سے۔

وَمَنْ رَأَى هِلَالَ رَمَضَانَ وَحْدَهُ صَامَ وَإِنْ لَمْ يُقْبَلِ الْإِمَامُ شَهَادَتَهُ، بھئی صورت مسئلہ یہ کہ ایک آدمی نے اکیلے رمضان کا چاند دیکھ لیا اور کسی کو نظر نہیں آیا لیکن اس کو نظر آگیا۔ اب یہ امام کے پاس آیا اور اس کے پاس آکر گواہی دی، لیکن امام نے اس کی گواہی کو قبول نہیں کیا، رد کر دیا۔ تو کیا اب اس شخص کو جس نے خود چاند دیکھا ہے، کیا اس پر رمضان کا روزہ یہ روزہ رکھنا واجب ہے یا واجب نہیں؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، اس پر یہ روزہ رکھنا واجب ہے کیونکہ اس نے خود چاند کو دیکھ لیا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ رَأَى هِلَالَ رَمَضَانَ وَحْدَهُ صَامَ** اور جس نے رمضان کے چاند کو دیکھا **وَحْدَهُ** اکیلے ہی **صَامَ** تو وہ روزہ رکھے گا، **وَإِنْ لَمْ يُقْبَلِ الْإِمَامُ شَهَادَتَهُ** اگرچہ امام جو ہے وہ اس کی شہادت کو اس کی گواہی کو قبول نہ کرے، **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ»** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمان مبارک کے آپ نے فرمایا: «**صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ**» کہ تم لوگ روزہ رکھو چاند کو دیکھ کر، «**وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ**» اور تم فطر کرو چاند کو دیکھ کر، **وَقَدْ رَآهُ ظَاهِرًا** اور تحقیق اس آدمی نے چاند کو ظاہراً دیکھا ہے، ظاہراً دیکھا ہے تو یہ لہٰذا خود روزہ رکھے گا۔

وَإِنْ أَفْطَرَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ اور اگر اس نے توڑ دیا وہ روزہ تو اس پر قضا تو اس پر قضا ہے **دُونَ الْكَفَّارَةِ** نہ کہ کفارہ۔

بھئی یاد رکھیے قیمتی بات بھئی کہ یہ جو کفارہ آتا ہے نا کفارہ، اگر کوئی شخص رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑ دے تو پھر اس صورت میں اس پر کفارہ آئے گا، اور رمضان

کے روزے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنا پڑے گا۔ اگر غلام یا باندی آزاد نہیں کر سکتا یا وہ نہیں ملتے تو پھر اس صورت میں ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے مسلسل، مسلسل۔ درمیان میں اگر ایک روزہ بھی چھوٹ گیا، چاہے جس وجہ سے بھی چھوٹ جائے، پھر نئے سرے سے دوبارہ ساٹھ روزے شروع کرنا پڑیں گے۔ کفارہ سمجھ میں آ گیا؟ اور اگر یہ ساٹھ روزے بھی رکھنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ ساٹھ مسکینوں کو، اور ساٹھ مسکینوں کو جو کھانا کھلانا ہے وہ صبح اور شام دونوں وقت کا ہے تاکہ ان کے ایک دن کی ضرورت پوری ہو جائے بھئی، ایک دن کی ضرورت پوری ہو جائے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا، یہ جو کفارہ آتا ہے یہ صرف رمضان کے روزے کی خصوصیت ہے۔ رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑے گا تو کفارہ آئے گا۔ اور کسی روزے کو توڑنے پر کفارہ نہیں ہے، باقی کسی روزے کو توڑے گا وہاں قضا تو آئے گی، اس روزے کی ایک روز ایک قضا کرنا پڑے گی یعنی ایک روزہ رکھنا پڑے گا لیکن کفارہ نہیں، کفارہ صرف کس کے اندر آتا ہے؟ رمضان کے روزے میں، تو یہ رمضان کے روزے کی خصوصیت ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس روزے کا مقام بڑا اونچا ہے اس لیے اس کے اندر اگر جان بوجھ کر توڑا تو کفارہ دینا پڑے گا، کفارہ۔

اور یہ بھی یاد رکھیں رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑا ہے تو صرف کفارہ ہی نہیں آئے گا، ساٹھ روزے تو رکھنے ہی ہیں ساتھ یہ جو روزہ توڑا اس کا اس کی قضا بھی کرنی ہے۔ تو گویا اکسٹھ روزے اس پر آئیں گے، ساٹھ مسلسل اور ایک ان کے علاوہ روزہ رکھنا پڑے گا، اس دن کی قضا کرنا پڑے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟

اب کہتے ہیں یہاں پر یہ شخص جس نے اکیلے چاند کو دیکھا ہے اس پر واجب ہے کہ یہ اگلے دن کا روزہ رکھے۔ اس نے اگلے دن کا روزہ رکھا لیکن پھر اس کو توڑ دیا، تو کہتے ہیں اس صورت میں اس پر قضا تو آئے گی کفارہ نہیں آئے گا۔ کفارہ نہیں آئے گا بھئی۔ بھئی کیا وجہ؟ کفارہ کیوں نہیں آئے گا؟ رمضان کا روزہ اس نے توڑا ہے، تو کہتے ہیں بھئی دراصل یہاں شبہ آ گیا۔ کیونکہ امام نے اس کی شہادت کو رد کر دیا اور تو امام نے اس کی شہادت کو رد کیا ہے، اور امام نے اس کی شہادت کو ویسے ہی رد کیا یا کسی شرعی دلیل کی بنا پر رد کیا؟ شرعی دلیل کی بنا پر رد کیا ہے، تو لہٰذا شبہ آ گیا اس کفارے کے اندر کہ یہ اس پر آئے گا یا نہیں آئے گا۔ اس نے روزہ توڑ دیا تو اب یہ کفارہ اس پر آنا چاہیے تھا لیکن چونکہ امام نے اس کی گواہی کو رد کیا ہے تو اس کفارے کے آنے میں کیا آ گیا؟ اس کفارے کے اس پر واجب ہونے میں شبہ آ گیا، اور یہ جو کفارہ ہے یہ شبہے کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے حدود اور قصاص کیا ہوتے ہیں؟ شبہے کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ کفارہ اس شخص سے ساقط ہو جائے گا صرف اس پر قضا آئے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ أَفْطَرَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ** اور اگر اس نے روزہ توڑ دیا یہ والا تو اس پر قضا ہے نہ کہ کفارہ۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کفارہ بھی واجب ہے **إِنْ أَفْطَرَ بِالْوِقَاعِ** اگر یہ روزہ توڑتا ہے جماع کے ساتھ یعنی بیوی کے ساتھ صحبت کر کے روزے کو توڑتا ہے پھر تو اس پر کفارہ بھی آئے گا وہ فرماتے ہیں۔ ہاں کھانے پینے کے ذریعے وہ اس روزے کو توڑے تو پھر وہ بھی فرماتے ہیں اس صورت میں کفارہ نہیں آئے گا صرف کیا آئے گی؟ قضا آئے گی۔ تو ان کے نزدیک بھی کفارہ آئے گا کس صورت میں؟ جب وہ اس روزے کو کس طرح توڑتا ہے؟ بیوی کے ساتھ صحبت کر کے بھئی۔ یہ معنی ہے: **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ إِنْ أَفْطَرَ بِالْوِقَاعِ** کہ اس پر کفارہ واجب ہے اگر اس نے اس روزے کو توڑ دیا بالوقاع، وقاع جماع کے معنی میں ہے تو سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وقاع اور جماع کا ایک معنی، اگر اس نے روزے کو توڑ دیا جماع کے ذریعے، **لِأَنَّهُ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ حَقِيقَةً لِتَيَقُّنِهِ بِهِ وَحُكْمًا لِوُجُوبِ الصَّوْمِ عَلَيْهِ** اس لیے کیونکہ اس نے روزہ توڑا ہے رمضان کے اندر **حَقِيقَةً لِتَيَقُّنِهِ بِهِ** وہ جو رمضان ہے حقیقتاً بھی، **وَحُكْمًا** اور حکماً بھی رمضان ہے۔ حقیقتاً بھی یہ دن رمضان ہے اور حکماً بھی اس کے لیے کیا ہے؟ رمضان۔ حقیقتاً اس کے لیے کیوں رمضان ہے؟ کیونکہ اس نے چاند کو دیکھا ہے، اس کو یقین ہے یہ کون سا دن ہے؟ رمضان، تو رمضان ہے حقیقتاً بھی کیونکہ اس آدمی کو یقین ہے اس نے چاند دیکھا ہے، اور حکماً بھی یہ اس کے لیے رمضان ہے، اس کو کیا حکم دیا گیا ہے؟ کہ اس کو یہ روزہ رکھنا چاہیے، یہ اس پر واجب ہے یا واجب نہیں ہے؟ ابھی بتایا مسئلہ کہ اس اکیلے شخص پر بھی اس دن کا روزہ رکھنا واجب، تو یہ دن اس کے لیے حقیقتاً بھی رمضان اور حکماً بھی رمضان۔ حقیقتاً کیوں؟ کیونکہ اس نے چاند دیکھا ہے اس کو یقین ہے یہ رمضان کا دن ہے، اور حکماً کیوں ہے یہ دن اس کے لیے رمضان؟ کیونکہ شریعت نے بھی اس کو کیا حکم دیا کہ اس دن روزہ رکھنا اس پر واجب۔ تو یہ دن رمضان کا ہے اس کے لیے حقیقتاً بھی اور حکماً بھی، اور حقیقتاً اور حکماً رمضان جب ہو اور کوئی شخص روزہ توڑے تو اس پر قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی آتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ** اس لیے کیونکہ اس نے روزہ توڑا ہے رمضان کے اندر حقیقتاً بھی، **لِتَيَقُّنِهِ بِهِ** اس وجہ سے کہ اس کو اس کا اس رمضان کا یقین ہے، **وَحُكْمًا** اور یہ حکماً بھی رمضان ہے **لِوُجُوبِ الصَّوْمِ عَلَيْهِ** کیونکہ اس پر روزہ واجب ہے اس دن۔

وَلَنَا اور ہمارے نزدیک کیا مسئلہ تھا؟ قضا آئے گی صرف، کفارہ نہیں۔ اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں: **وَلَنَا** اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْقَاضِيَ رَدَّ شَهَادَتَهُ بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ** کہ قاضی نے اس کی شہادت کو رد کیا ہے ایک شرعی دلیل کی وجہ سے، **وَهُوَ تُهْمَةُ الْغَلَطِ** اور وہ غلطی کی بدگمانی ہے، صرف اس نے چاند دیکھا اور کسی نے دیکھا ہی نہیں تو دلوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ یہ اگر چاند نکلا ہوتا تو اور بھی کسی نہ کسی کو ضرور نظر آتا، صرف اسی کا اسی نے اسی کو نظر آیا ہے معلوم ہوا اس سے غلطی ہوئی ہے، کیا ہو کیا ہوئی ہے؟ غلطی ہوئی ہے بھئی۔ تو اس غلطی کی چونکہ گمان یہاں پر پیدا ہو جاتا ہے اس لیے قاضی نے کیا کیا؟ اس کی شہادت کو رد کیا ہے۔ تو اس لیے کیونکہ قاضی نے اس کی شہادت کو رد کیا ہے ایک شرعی دلیل کی وجہ سے **وَهُوَ تُهْمَةُ الْغَلَطِ** اور وہ غلطی کی تہمت ہے، **فَأَوْرَثَ شُبْهَةً** تو اس نے پیدا کر دیا ایک

شبہ، **وَهَذِهِ الْكَفَّارَةُ تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ** اور یہ کفارہ جو ہے یہ رمضان کے روزے کا یہ **تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ** یہ ساقط ہو جاتا ہے، ختم ہو جاتا ہے، یہ اٹھ جاتا ہے **بِالشُّبُهَاتِ** کس کی وجہ سے؟ شبہات کی وجہ سے۔

وَلَوْ أَفْطَرَ قَبْلَ أَنْ يَرُدَّ الْإِمَامُ شَهَادَتَهُ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ، دوسری صورت، یہ شخص روزہ توڑ دیتا ہے امام کے اس کی شہادت کو رد کرنے سے پہلے ہی۔ امام نے ابھی اس کی شہادت رد نہیں کی، اس سے پہلے ہی یہ کیا کر دیتا ہے؟ اس روزے کو توڑ دیتا ہے، تو کہتے ہیں اس میں پھر فقہاء نے اختلاف کیا ہے، بعض کہتے ہیں اس صورت میں بھی صرف قضا ہی اس پر آئے گی، کفارہ نہیں، جبکہ بعض فرماتے ہیں اس صورت میں قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی آئے گا۔ یہ معنی ہے: **وَلَوْ أَفْطَرَ قَبْلَ أَنْ يَرُدَّ الْإِمَامُ شَهَادَتَهُ** اور اگر اس نے روزہ توڑ دیا امام کے اس کی شہادت کو رد کرنے سے پہلے ہی **اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ** تو اس میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

وَلَوْ أَكْمَلَ هَذَا الرَّجُلُ ثَلَاثِينَ يَوْمًا، جی اب مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ اس آدمی نے جس نے اکیلے رمضان کا چاند دیکھا تھا اس کو کیا حکم دیا گیا تھا اس دن کہ وہ اس دن کا روزہ اس پر واجب ہے، اس نے وہ روزہ رکھ لیا اور پھر اگلے دن سے تو باقی لوگوں نے بھی رکھنا شروع کر دیے تو اب دیکھیے بھئی، اب جب انتیس رمضان آیا، جب انتیس رمضان آیا تو اب لوگوں نے چاند دیکھا عید کا لیکن عید کا چاند ان کو دکھائی نہیں دیا، تو اگلا دن جو ہے عام لوگوں کے لیے وہ تو رمضان کی تیسویں تاریخ بنے گی اور اس کے لیے تو رمضان کا اکتیسواں دن بن جائے گا۔ تو کیا یہ اس دن روزہ رکھے یا روزہ نہ رکھے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ احتیاط اسی کے اندر ہے کہ یہ اس دن بھی روزہ رکھ لے۔ اس دن بھی کیا کرلے؟ روزہ رکھ لے۔ جیسے شروع کے اندر احتیاط اسی کے اندر تھی کہ روزے کو اس پر واجب قرار دیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے واقعی چاند ہو اور اس کو نظر آیا ہو اور کسی کو نظر نہیں آیا، تو احتیاط کس میں تھی کہ اس پر روزے کو واجب قرار دیا جائے چنانچہ اس پر روزے کو واجب قرار دیا گیا کہ اسے اب روزہ رکھنا پڑے گا۔ لیکن یہاں پر اب احتیاط اس کے اندر ہے کہ افطار نہ کرے بلکہ کیا کرے؟ روزہ رکھے، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ جو اس نے رمضان کا چاند دیکھا تھا وہاں اس سے غلطی ہوئی ہو، کیا ہو گئی ہو؟ غلطی ہو گئی ہو، ویسے ہی اس کو شبہ پڑ گیا چاند کا، چاند نکلا ہی نہیں تھا تو اس نے دوبارہ ایک روزہ رکھ لیا اور چاند حقیقتاً اگلے دن نکلا ہے تو دیکھو وہ شروع والے شروع میں چاند کے دیکھنے میں غلطی کا شبہ آ گیا، جب شبہ آ گیا تو احتیاط اسی میں ہے کہ یہ روزہ رکھے اس روز بھی اور پھر باقی لوگوں کے ساتھ عید کرے بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

اب کتاب پر دیکھیے: **وَلَوْ أَكْمَلَ هَذَا الرَّجُلُ ثَلَاثِينَ يَوْمًا** اور اگر پورے کر لیے اس آدمی نے تیس دن، **لَمْ يُفْطِرْ إِلَّا مَعَ الْإِمَامِ** تو یہ فطر نہیں کرے گا مگر امام کے ساتھ ہی، **لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَيْهِ لِلِاحْتِيَاطِ** اس لیے کیونکہ اس پر وہ جو روزے کا وجوب تھا، وہ جو شروع رمضان میں اس پر روزے کا وجوب تھا **لِلِاحْتِيَاطِ** وہ کس لیے تھا؟ احتیاط کی وجہ سے تھا، **وَالِاحْتِيَاطُ بَعْدَ ذَلِكَ فِي تَأْخِيرِ الْإِفْطَارِ** اور احتیاط جو ہے اس کے بعد افطار کو مؤخر کرنے میں ہے یعنی جب عید کا چاند نظر نہیں آیا تو احتیاط کس میں ہے؟ افطار یعنی فطر کو مؤخر کرنے میں احتیاط ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس سے شروع رمضان میں غلطی ہوئی ہو۔

وَلَوْ أَفْطَرَ اور اگر اس نے روزہ توڑ دیا، یہ جو آخری دن ہے رمضان کا باقی لوگوں کے لیے تیسواں اور اس کے لیے اکتیسواں، اس دن اس نے روزہ رکھ کر پھر توڑ دیا، **فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ** تو اس پر کفارہ نہیں ہے، **اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ الَّتِي عِنْدَهُ** اعتبار کرتے ہوئے اس حقیقت کا جو اس شخص کے نزدیک ثابت ہے۔ اس کے نزدیک تو حقیقت کیا ثابت ہے؟ کہ اس کے تیس رمضان کے روزے پورے ہو چکے ہیں اور تیس سے اوپر تو رمضان نہیں ہوتا، لہٰذا اگلا دن یقیناً کس کا ہو گا؟ عید کا ہی ہو گا اس کے نزدیک، لہٰذا اس پر کفارہ نہیں آئے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

وَإِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ قَبِلَ الْإِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ الْعَدْلِ فِي رُؤْيَةِ الْهِلَالِ رَجُلًا كَانَ أَوِ امْرَأَةً، حُرًّا كَانَ أَوْ عَبْدًا، بھئی یاد رکھیے ایک ہے رمضان کا چاند اور ایک ہے عید کا چاند۔ اگر آسمان پر بادل اور غبار وغیرہ اس جیسی چیز کوئی نہ ہو تو پھر رمضان کے چاند میں بھی ضروری ہے کہ اس کو لوگوں کی ایک بڑی جماعت دیکھے اور اسی طرح عید کے چاند میں بھی ضروری ہے کہ اس کو لوگوں کی ایک بڑی جماعت دیکھے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ کس دن؟ جب یہ انتیسواں دن ہو، تیس سے اوپر تو مہینہ ہوتا نہیں، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو لہٰذا انتیسویں دن اگر آسمان صاف ہے، بادل اور غبار نہیں ہے تو چاہے رمضان کا چاند دیکھ رہے ہیں چاہے عید کا چاند دیکھ رہے ہیں دونوں صورتوں میں جم غفیر کا چاند کو دیکھنا ضروری ہے، پھر ہی رمضان یا عید کا ثبوت ہو گا ورنہ عید یا رمضان کا ثبوت نہیں ہو گا۔ لیکن اگر آسمان پر بادل ہیں یا غبار وغیرہ ہے تو پھر اس صورت میں یاد رکھیے رمضان کا چاند دیکھنے کے سلسلے میں ایک عادل آدمی کی گواہی بھی کافی ہو جائے گی، چاہے وہ عادل آدمی آزاد ہو چاہے غلام ہو، چاہے وہ مذکر ہو چاہے مؤنث ہو۔ تو اس میں ایک آدمی کی بھی گواہی کافی ہو جائے گی چاہے مرد ہو یا عورت ہو، غلام ہو یا آزاد ہو اور اس گواہی کو قبول کر لیا جائے گا اور قاضی کس کا حکم دے دے گا؟ رمضان کا حکم دے دے گا کہ رمضان شروع ہو گیا ہے، سب لوگ کل سے اس کا روزہ رکھیں۔ اور اگر عید کا چاند دیکھ رہے ہیں انتیس رمضان کو اور آسمان پر بادل ہیں یا غبار ہے تو پھر یاد رکھیے اب ایک آدمی کی گواہی یہاں کافی نہیں بلکہ کم از کم دو عادل آدمی ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو پھر ان کی گواہی سے عید ثابت ہو جائے گی بھئی، عید ثابت۔ اور صرف عورتوں کی گواہی ہو، چار عورتوں کا چار عورتیں کہتی ہیں ہم نے عید کا چاند دیکھا ہے تو صرف عورتوں کی گواہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ مرد کا ہونا ضروری ہے، اور نہ اس میں غلاموں کی گواہی بھی قبول نہیں۔ فرق سمجھ میں آ گیا بھئی؟ اب اس کی وجہ کیا ہے وہ آگے یہ دیکھیے ذکر کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: **وَإِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ** اور اگر آسمان میں کوئی عذر ہوا، علت کہتے ہیں عذر کو یعنی کوئی بادل وغیرہ ہیں یا غبار ہے، اور اگر اور جب آسمان پر کوئی علت ہو **قَبِلَ الْإِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ الْعَدْلِ** تو قبول کرے گا امام ایک قابل اعتماد شخص کی گواہی، عدل یعنی عادل، اور عادل کیا معنی؟ قابل اعتماد بھئی۔ قابل اعتماد آدمی

ہو، چاہے مرد ہو یا عورت ہو یا غلام ہو۔ اب عادل کس کو کہتے ہیں بھئی؟ یہ جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟ عادل وہ شخص ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، صغیرہ گناہ بھی اس سے کبھی کبھار ہی ہوتے ہیں، عام ان صغیرہ کرتا ہی نہیں چلا جاتا بلکہ صغیرہ بھی اس سے کبھی کبھار ہوتے ہیں، اور نیز گھٹیا اور ادنیٰ افعال سے بھی وہ اپنے آپ کو بچاتا ہو، یہ ہے قابل اعتماد آدمی۔ کبیرہ گناہوں سے بھی بچتا ہو، صغیرہ پر اصرار بھی نہ کرتا ہو یعنی صغیرہ کبھی کبھار ہی ہوتے ہیں، یہ نہیں کہ صغیرہ کرتا ہی چلا جاتا ہے وہ اس کی پرواہی نہیں کرتا، ایسا بھی نہ ہو، اور نیز وہ گھٹیا اور ادنیٰ افعال سے بھی اپنے آپ کو بچاتا ہو۔ گھٹیا اور ادنیٰ افعال مثلاً بھئی وہ راستے میں کھاتا ہے، تو حالانکہ معزز آدمی ایسا کبھی بھی نہیں کرتا کہ راستے میں بیٹھ کر کھائے یا راستے میں چلتے ہوئے کھائے بھئی، تو یہ ادنیٰ فعل ہے، گھٹیا فعل ہے۔ اسی طرح اور گھٹیا فعل مثلاً یہ کہ راستے میں چلتے ہوئے جہاں کہیں پیشاب آتا ہے دیوار کی طرف رخ کر کے وہیں بیٹھ کر پیشاب شروع کر دیتا ہے تو یہ تو گھٹیا فعل ہے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ معزز آدمی کبھی بھی اس طرح نہیں کرتا بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ معزز آدمی کو تو اگر پیشاب کے لیے باہر نکلنا بھی پڑتا ہے تو وہ آبادی سے اتنی دور چلا جاتا ہے جہاں کسی کے ہونے کا امکان نہیں ہوتا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس طرح اگر گھٹیا افعال کرتا ہے تو اس سے بھی اس کی عدالت باقی نہیں رہے گی بھئی۔ تو عادل شخص ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ** اور جب آسمان میں کوئی عذر ہو **قَبِلَ الْإِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ الْعَدْلِ فِي رُؤْيَةِ الْهِلَالِ** تو امام قبول کر لے گا ایک عادل شخص کی گواہی کو چاند کے دیکھنے میں، **رَجُلًا كَانَ أَوِ امْرَأَةً** مرد ہو وہ یا عورت ہو، **حُرًّا كَانَ أَوْ عَبْدًا** آزاد ہو یا غلام ہو، یہ کس چاند کی بات ہو رہی ہے؟ رمضان کے چاند کی بات ہو رہی ہے، عید کے چاند کی بات نہیں ہو رہی وہ آگے ذکر آئے گا۔

لِأَنَّهُ أَمْرٌ دِينِيٌّ، دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ ایک ہی گواہی کیوں قبول کی جائے گی؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ أَمْرٌ دِينِيٌّ** اس لیے کیونکہ یہ ایک دینی معاملہ ہے **فَأَشْبَهَ رِوَايَةَ الْأَخْبَارِ** تو یہ مشابہ ہو گیا احادیث کی روایت کے۔ جیسے احادیث میں کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں، دینی معاملات اس میں بیان ہوتے ہیں، تو اس کے اندر جیسے ایک عادل شخص کی روایت کو اور اس کی خبر کو قبول کر لیا جاتا ہے، روایت کرنے والا ایک ہی کیوں نہ ہو پھر بھی کیا کر لیا جاتا ہے اس کو؟ قبول کر لیا جاتا ہے، تو یہاں پر بھی یہ جو گواہی ہے یہ دینی معاملے کے مشابہ ہو گئی یعنی حدیث کی روایت کے مشابہ ہو گئی اور وہاں ایک آدمی کی روایت کو قبول کر لیا جاتا ہے تو یہاں اس آدمی کی خبر کو قبول کر لیا جائے گا۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ أَمْرٌ دِينِيٌّ فَأَشْبَهَ رِوَايَةَ الْأَخْبَارِ** اس لیے کیونکہ یہ ایک دینی معاملہ ہے یعنی رمضان کے چاند کی خبر دینا یہ کیا ہے؟ ایک دینی معاملہ ہے، اس میں لوگوں کا کوئی نفع نہیں ہے بلکہ رمضان کے رمضان کا چاند جب دیکھ لیا جائے گا تو اس سے کیا شروع ہو گا؟ رمضان کا ثبوت ہو جائے گا، رمضان شروع ہو گا، تو یہ ایک دینی معاملہ ہے اس میں لوگوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ فاسق لوگ جو ہیں، فاسق وہ رمضان کو پسند کریں گے یا چاہیں گے یہ ذرا اور دیر سے آئے؟ وہ تو یقیناً چاہیں گے کہ ذرا اور دیر، تو معلوم ہوا لوگوں کا اس میں نفع نہیں ہے، یہ خالص دینی معاملہ ہے اور جب دینی معاملہ ہے تو اور دینی معاملات کی طرح اس کا حکم ہو گا، اور دینی معاملات کے اندر جیسے ایک شخص کی روایت کو اور حدیث کو قبول کر لیا جاتا ہے اسی طرح اس آدمی کی خبر کو بھی قبول کر لیا جائے گا۔ یہ معنی ہے: **فَأَشْبَهَ رِوَايَةَ الْأَخْبَارِ** تو یہ احادیث کی روایت کے مشابہ ہو گیا۔

وَلِهَذَا لَا يَخْتَصُّ بِلَفْظِ الشَّهَادَةِ اور اسی وجہ سے یہ خبر خاص نہیں ہے شہادت کے لفظ کے ساتھ یعنی اس میں شہادت کا لفظ کہنا بھی ضروری نہیں، وہ جس شخص نے چاند دیکھا ہے وہ آ کر یہ کہتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا ہے، یہ کافی ہے۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں ہو گی کہ یوں کہو: **أَشْهَدُ**، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے چاند، تو یہاں شہادت کا لفظ بولنا بھی اس کے لیے شرط نہیں، معلوم ہوا یہ شہادت کے درجے میں نہیں بلکہ کس درجے میں ہے؟ ایک دینی خبر کے درجے میں ہے لہٰذا اسی کی شرائط ہوں گی۔ اگر یہ شہادت کے درجے میں ہوتا تو شہادت میں تو معاملات کے اندر کیا ضروری ہے؟ دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہوتی ہے لیکن وہ یہاں شرط نہیں ہو گا۔ اسی لیے کہا: **وَلِهَذَا لَا يَخْتَصُّ بِلَفْظِ الشَّهَادَةِ** اور اسی وجہ سے یہ خاص نہیں ہو گا شہادت کے لفظ کے ساتھ۔

وَتُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ اور عدالت کی شرط ہو گی، عدالت کی شرط لگائی جائے گی، **لِأَنَّ قَوْلَ الْفَاسِقِ فِي الدِّيَانَاتِ غَيْرُ مَقْبُولٍ** اس لیے کیونکہ فاسق آدمی کا قول **فِي الدِّيَانَاتِ** دینی معاملات کے اندر **غَيْرُ مَقْبُولٍ** وہ قبول نہیں کیا جاتا۔ فاسق آدمی کا قول دینی معاملات میں قبول نہیں کیا جاتا کیونکہ فاسق تو وہ آدمی ہے جو دین پر پورے طریقے پر چلتا ہی نہیں ہے، جب وہ خود دین کی پروا نہیں کرتا تو دینی معاملات میں کیسے اس کی بات کو قبول کر لیا جائے بھئی؟

وَتَأْوِيلُ قَوْلِ الطَّحَاوِيِّ عَدْلًا كَانَ أَوْ غَيْرَ عَدْلٍ أَنْ يَكُونَ مَسْتُورًا، یہاں سے صاحب ہدایہ امام طحاوی رحمہ اللہ کے ایک قول کی تفسیر اور تاویل بیان کر رہے ہیں کہ بھئی یہاں پر تو متن میں کیا آیا؟ کہ عادل ہونا ضروری ہے اس آدمی کا جس کی گواہی کو قبول کیا جائے، چاہے مرد ہو یا عورت ہو یا غلام، لیکن عادل ہونا شرط ہے۔ جبکہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **عَدْلًا كَانَ أَوْ غَيْرَ عَدْلٍ** چاہے وہ عادل ہو چاہے عادل نہ ہو، تو انہوں نے تو گویا ان کے نزدیک تو گویا غیر عادل کی خبر کو بھی قبول کیا جائے گا۔ تو صاحب ہدایہ آپ کو بتائیں گے کہ امام طحاوی کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ غیر عادل کی بات کو بھی قبول کیا جائے گا بلکہ ان کے کہنے کا معنی یہ ہے کہ چاہے وہ خبر لانے والا عادل ہو چاہے وہ مستور الحال ہو یعنی اس کی عدالت کا پتہ ہی نہیں۔ ایک تو وہ شخص ہے جس کی عدالت کا علم ہے، پتہ ہے کہ عادل آدمی ہے، نیک آدمی ہے، قابل اعتماد آدمی ہے، تو جو امام طحاوی نے **غَيْرَ عَدْلٍ** کہا اس سے غیر عادل نہیں مراد بلکہ کون سا شخص مراد ہے؟ مستور الحال جس کا حال چھپا ہوا ہے، پتہ نہیں کہ وہ عادل ہے یا عادل نہیں ہے، تو اس کی بھی گواہی کو اس مسئلے میں قبول کر دیا جائے گا۔ تو خبر لانے والا اگر ایسا شخص ہو جس کی عدالت کا پتہ ہے اس کی بات کو بھی قبول کیا

جائے گا، اور ایسا شخص جس کی عدالت کا پتہ نہیں اس کی بات کو بھی کیا کر لیا جائے گا؟ قبول کر لیا جائے گا۔ ہاں جس کے فاسق ہونے کا پتہ ہے کہ یہ دینی معاملات کی پرواہی نہیں کرتا، اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تو کہتے ہیں: **وَتَأْوِيلُ قَوْلِ الطَّحَاوِيِّ عَدْلًا كَانَ أَوْ غَيْرَ عَدْلٍ أَنْ يَكُونَ مَسْتُورًا** اور امام طحاوی کے قول **عَدْلًا كَانَ أَوْ غَيْرَ عَدْلٍ** کی تاویل جو ہے وہ یہ ہے: **أَنْ يَكُونَ مَسْتُورًا** کہ وہ شخص کیا ہو؟ مستور ہو یعنی پوشیدہ ہو یعنی اس کی عدالت پوشیدہ ہو۔

وَالْعِلَّةُ غَيْمٌ أَوْ غُبَارٌ أَوْ نَحْوُهُ، بھئی متن میں آیا تھا: **وَإِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ،** یہ علت سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں: اور علت جو ہے **غَيْمٌ** وہ بادل ہیں **أَوْ غُبَارٌ** یا غبار ہے **أَوْ نَحْوُهُ** یا اس جیسی کوئی چیز ہے، اس کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا۔

وَفِي إِطْلَاقِ جَوَابِ الْكِتَابِ يَدْخُلُ الْمَحْدُودُ فِي الْقَذْفِ بَعْدَمَا تَابَ، بھئی قدوری کے متن میں جو بات آ رہی ہے وہاں مطلق ہے، مطلق ہے کہ عادل کی گواہی کو قبول کر لیا جائے گا۔ اب عادل دو قسم کے ہیں، ایک عادل وہ ہے جو جو محدود فی القذف نہیں ہے، عام آدمی ہے، اور ایک عادل وہ ہے جو محدود فی القذف ہے، اس نے کسی پر تہمت لگائی تھی زنا کی اور پھر اس کو عدالت میں ثابت نہ کر سکا، گواہ پیش نہ کر سکا تو اس پر حد قذف جاری کر دی گئی اور اسی کوڑے لگائے گئے اور نیز اس کے بارے میں قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ **فَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا** کہ ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔ تو یہ جو محدود فی القذف ہے اس کی گواہی کسی بھی معاملے کے اندر قبول نہیں کی جاتی چاہے یہ بعد میں توبہ ہی کیوں نہ کر لے۔ ہمارے نزدیک یہ گواہی کا قبول نہ کرنا یہ حد ہی کا حصہ ہے، حد ہی کا حصہ ہے یعنی سزا ہی کا حصہ ہے تو اس کو کوڑے بھی لگیں گے اور پھر عمر بھر اب کسی بھی معاملے کے اندر اس کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ تو یہ شخص اگر بعد میں توبہ کر لیتا ہے تو یہ بھی عادل بن گیا، کیا بن گیا؟ عادل بن گیا جب توبہ کر لیتا ہے۔ لیکن بہر حال یہ ہے تو محدود فی القذف، اور محدود فی القذف کی گواہی تو کسی معاملے میں بھی قبول نہیں کی جاتی، تو متن کے اندر تو مطلقاً عادل کا ذکر آیا تو کیا یہ محدود فی القذف عادل جو ہے کیا اس کی گواہی کو بھی اس چاند دیکھنے کے سلسلے میں قبول کیا جائے گا یا قبول نہیں کیا جائے گا؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، اس کی گواہی کو بھی قبول کیا جائے گا، اس کی گواہی کو بھی قبول کیا جائے گا۔ بھئی سوال پیدا ہوتا ہے اس کے بارے میں تو اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ اس کی گواہی کو کبھی بھی قبول نہ کرو، تو جواب یہ کہ بھئی ابھی ذکر ہو گیا کہ یہ جو چاند دیکھنے کے بارے میں بتلا رہا ہے یہ گواہی ہے ہی نہیں، یہ کیا کر رہا ہے؟ خبر دے رہا ہے، لہٰذا خبر کی شرائط اس کے اندر ضروری ہیں اور ان میں اس میں شرط تھی عدالت، اور عادل تو یہ ہے، عادل تو یہ ہے، شہادت تو یہ ہے ہی نہیں، اگر شہادت ہوتی تو پھر ہم اس کی گواہی بھی قبول نہ کرتے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: **وَفِي إِطْلَاقِ جَوَابِ الْكِتَابِ** اور یہ کتاب یعنی قدوری کا جو جواب ہے اس کے مطلق ہونے میں **يَدْخُلُ الْمَحْدُودُ فِي الْقَذْفِ** محدود فی القذف بھی داخل ہو جائے گا **بَعْدَمَا تَابَ** بعد اس کے جب وہ توبہ کر لے، کیونکہ وہ بھی کیا بن جائے گا؟ عادل بن جائے گا، اور یہاں تو مطلقاً عادل کا ذکر آیا، کوئی قید آئی کہ محدود فی القذف نہیں ہونا چاہیے؟ کوئی قید نہیں، تو مطلقاً کتاب کا جو جواب ہے یعنی اس میں جو بتلایا گیا ہے اس کے اندر تو محدود فی القذف بھی داخل ہو جائے گا بعد اس کے جب وہ توبہ کر لے، **وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ** اور یہی ظاہر روایت بھی ہے یعنی محدود فی القذف جب توبہ کر لے تو اس میں اس کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی، **لِأَنَّهُ خَبَرٌ** کیونکہ یہ کیا ہے؟ یہ خبر ہے، شہادت ہے ہی نہیں۔

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا لَا تُقْبَلُ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ اس کی یہ خبر قبول نہیں کی جائے گی، یہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی، **لِأَنَّهَا شَهَادَةٌ مِنْ وَجْهٍ** اس لیے کیونکہ یہ بعض اعتبارات سے یہ شہادت ہی ہے، بعض اعتبارات سے شہادت ہی ہے امام صاحب فرماتے ہیں لہٰذا قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کیونکہ اس میں اس میں یہ جو خبر دیتا ہے تو کیا خبر کی وجہ سے روزہ ثابت ہو جائے گا یا قضائے قاضی ضروری ہے کہ قاضی فیصلہ کر دے اور کہہ دے لوگوں سے کہ کل کیا کرنا؟ روزہ رکھنا۔ تو اس میں تو کیا ضروری ہے؟ قضائے قاضی، قاضی کا یہ کہنا اور حکم دینا ضروری ہے۔ معلوم ہوا یہ شہادت کی طرح ہے کیونکہ قضائے قاضی کب ہوتی ہے؟ شہادت کے بعد ہوتی ہے، اور نیز نیز اس کے اندر بھی عدالت کی شرط ہے جیسے شہادت کے اندر عدالت کی شرط ہوتی ہے تو وہ یہاں بھی معتبر، تو یہ بعض اعتبارات سے یہ شہادت کی طرح ہے اگرچہ پورے طور پر تو نہیں لیکن بعض اعتبارات سے یہ شہادت کی طرح، اور جب بعض اعتبارات سے یہ شہادت کی طرح ہے تو شہادت کی شرائط کا لحاظ رکھنا پڑے گا اور اس میں شرط کیا تھی شہادت کے اندر کہ وہ شخص محدود فی القذف نہ ہو، نہیں ہونا چاہیے۔

تو یہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّهَا شَهَادَةٌ مِنْ وَجْهٍ** اس لیے کیونکہ یہ بعض اعتبارات سے شہادت ہے۔

وَكَانَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ يَشْتَرِطُ الْمُثَنَّى اور امام شافعی رحمہ اللہ اپنے دو قولوں میں سے ایک قول کے اندر شرط لگاتے ہیں مثنیٰ دو کی، وہ فرماتے ہیں ایک کی گواہی سے یہ ثابت نہیں ہو گا رمضان بلکہ دو ہونے چاہیے گواہی دینے والے۔

وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَا اور دلیل ان کے خلاف وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی کہ یہ کیا ہے؟ یہ شہادت ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو خبر ہے دینی معاملے کی خبر ہے، اور دینی معاملے کی خبر ایک قابل اعتماد آدمی کی بھی قبول کر لی جاتی ہے۔

وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبِلَ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ فِي رُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ اور تحقیق یہ بات ثابت ہے کہ حضور علیہ

السلام نے **قَبِلَ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ** ہونا چاہیے بھئی الف لام نہیں، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے **قَبِلَ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ فِي رُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ** کہ حضور علیہ السلام نے ایک آدمی کی گواہی کو بھی قبول فرمالیا تھا رمضان کا ہلال دیکھنے میں۔ بھئی وہ دیہاتی آیا تھا اور اس نے گواہی دی تھی کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے اس کو قبول فرمایا تھا۔

ثُمَّ إِذَا قَبِلَ الْإِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ وَصَامُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا لَا يُفْطِرُونَ فِيمَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ لِلِاحْتِيَاطِ، بھئی مسئلہ یہ کہ رمضان کا چاند صرف ایک آدمی نے دیکھا تھا انتیس شعبان کی شام کو اور اس نے آکر گواہی دے دی اور امام نے اس کی گواہی قبول کرتے ہوئے لوگوں کو رمضان کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اب رمضان کے دن گزرتے چلے گئے، انتیس رمضان آیا بھئی، لوگوں کے کتنے روزے ہو چکے ہیں؟ انتیس روزے اس ایک شخص کی گواہی کی وجہ سے رمضان کا ثبوت ہوا تھا۔ اب اگلا دن کون سا ہے؟ تیس، تیس والے دن بھی لوگوں نے روزہ رکھ لیا اور پھر شام کو بادل وغیرہ بھی نہیں ہے اور وہ چاند تلاش کر رہے ہیں، چاند دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ اب تیس روزے پورے ہو چکے ہیں تو کیا کیا جائے؟ اگلا دن عید کا شمار کیا جائے یا کل بھی کیا کر لیں گے لوگ؟ روزہ رکھیں گے۔ تو کہتے ہیں بھئی احتیاط اس کے اندر ہے کہ کل بھی روزہ ہی رکھیں بھئی، کیونکہ اس ایک آدمی نے چاند دیکھا تھا تو ہو سکتا ہے اس سے غلطی ہوئی ہو۔ تو احتیاط اسی کے اندر ہے کہ کیا کر لیں اس دن بھی؟ روزہ رکھ لیں، روزہ رکھ لیں۔

یہ معنی ہے: **ثُمَّ إِذَا قَبِلَ الْإِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ** پھر جب امام نے ایک آدمی کی گواہی قبول کر لی **وَصَامُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا** اور ان لوگوں نے تیس روزے رکھ لیے **لَا يُفْطِرُونَ** تو پھر اس کے بعد اگلے دن افطار نہیں کریں گے، فطر نہیں کریں گے، **فِيمَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ** اس روایت کے مطابق جس کو روایت کیا ہے حسن ابن زیاد رحمہ اللہ نے امام صاحب سے **لِلِاحْتِيَاطِ** بطور احتیاط یعنی بطور احتیاط کے اگلے دن فطر نہیں کریں گے، **وَلِأَنَّ الْفِطْرَ لَا يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ الْوَاحِدِ** اور نیز اس لیے کیونکہ فطر وہ ایک آدمی کی گواہی سے ثابت نہیں ہوتا۔ اب تو بات عید کی آ گئی بھئی، اور رمضان تو ایک آدمی کی گواہی سے ثابت ہو جاتا تھا، میں نے آپ کو مسئلہ بتلا دیا تھا شروع میں، جبکہ عید کے لیے تو کم از کم کتنے آدمیوں کی گواہی ضروری؟ دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہے۔ تو رمضان تو ثابت ہو گیا تھا لیکن اسی گواہی پر آگے کیا فیصلہ کر دیا جائے کہ عید کا دن بھی ثابت ہو رہا ہے، یہ تو ایک ہی گواہی پر گویا عید کو ثابت کیا جا رہا ہے حالانکہ ایک ہی گواہی پر تو عید کا دن ثابت نہیں ہوتا، تو اس لیے احتیاط یہ ہے کہ اگلے دن روزہ ہی رکھا جائے۔

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُمْ يُفْطِرُونَ اور امام محمد رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ وہ لوگ فطر کر لیں گے، کیا کر لیں گے؟ فطر کر لیں گے یعنی اگلے دن روزہ نہیں رکھیں گے بلکہ عید کا دن ہو گا۔ اچھا ان پر اشکال ہوتا ہے، ان پر اشکال ہوتا ہے، بھئی عید کا دن تو ایک شخص کی گواہی سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے تو کم از کم دو آدمیوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، تو فرماتے ہیں کہ بھئی بعض چیزیں اگرچہ ابتداءً ثابت نہیں ہوتیں کسی چیز سے لیکن ضمناً ثابت ہو جاتی ہیں۔ ابتداءً ثابت نہیں ہوتیں لیکن ضمناً ثابت ہو جاتی ہیں۔ یعنی اگر ایک آدمی اکیلا آکر عید کا چاند دیکھنے کی گواہی دے تو اب ابتداءً اس گواہی کی وجہ سے عید کا دن ثابت نہیں ہو گا بلکہ اگلے دن لوگ کیا کریں گے؟ روزہ ہی رکھیں گے، تو ابتداءً کوئی آدمی اکیلا آدمی آکر گواہی دے گا تو اس سے عید کا دن ثابت نہیں ہو گا کیونکہ وہ ابتداءً گواہی ہی کس کی دے رہا ہے؟ عید کی گواہی، عید کے دن کی عید کے چاند کی گواہی دے رہا ہے اور اس کے لیے دو آدمیوں کا ہونا یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری تھا۔ لیکن یہاں پر جو عید کا ثبوت ہو رہا ہے ایک آدمی کی گواہی سے وہ ابتداءً نہیں ہے بلکہ ضمناً ہے۔ کس طرح ہے؟ ضمناً ہے، اس لیے کیونکہ اس ایک آدمی کی گواہی سے رمضان ثابت ہوا تھا، یہ گواہی اس نے عید کے لیے نہیں دی تھی بلکہ کس کے لیے دی تھی؟ رمضان، تو جب رمضان ثابت ہوا تو جب تیس دن پورے ہو جائیں گے تو ضمناً عید بھی کیا ہو جائے گی؟ ثابت ہو جائے گی اسی گواہی کی وجہ سے۔ تو وہ گواہی ابتداءً عید کے لیے تھی یا اب ضمناً عید کے لیے بن گئی؟ اب ضمناً عید کے لیے بن گئی ہے، ابتداءً وہ عید کے لیے نہیں۔ تو بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ابتداءً تو ایک چیز کی وجہ سے ثابت نہیں ہوتیں لیکن ضمناً کیا ہو جاتی ہیں؟ تو یہاں پر بھی ابتداءً ایک آدمی کی گواہی سے عید ثابت نہیں ہو گی لیکن ضمناً ثابت ہو جائے گی۔

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُمْ يُفْطِرُونَ کہ وہ فطر کریں گے، **وَيَثْبُتُ الْفِطْرُ** اور فطر ثابت ہو جائے گی **بِنَاءً عَلَى أَنَّ ثُبُوتَ الرَّمَضَانِيَّةِ بِشَهَادَةِ الْوَاحِدِ** اس وجہ سے کیونکہ رمضان ہونے کا ثبوت جو ہے وہ ایک آدمی کی گواہی سے ہے، تو اس وجہ سے فطر بھی ثابت ہو جائے گا یعنی ضمناً، **وَإِنْ كَانَ لَا يَثْبُتُ بِهَا ابْتِدَاءً** اگرچہ اس ایک کی گواہی کی وجہ سے ابتداءً فطر ثابت نہیں ہوتا، **كَاسْتِحْقَاقِ الْإِرْثِ** جیسے کہ وراثت کا مستحق ہونا **بِنَاءً عَلَى النَّسَبِ الثَّابِتِ بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ** بوجہ اس نسب کے جو ثابت ہو دایہ کی گواہی کی وجہ سے۔ بھئی یاد رکھیے کہ نسب جو ہے نا نسب، یہ دایہ کی گواہی سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کس کی گواہی سے؟ دایہ جو ہے، جو بچے کی پیدائش کے وقت جو عورت موجود ہے اس کی گواہی سے بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔ مثلاً ایک دایہ نے گواہی دی کہ اس عورت نے میں موجود تھی اس نے بچے کو اس بچے کو اس نے جنم دیا ہے، اور یہ بیوی کس کی ہے مثلاً زید کی، تو جو بچہ ہوتا ہے وہ بھی کس کے لیے ثابت ہوتا ہے؟ خاوند کے لیے۔ تو اس ایک عورت کی گواہی سے اس بچے کا نسب زید سے ثابت ہو جائے گا۔ زید سے اور جب زید سے نسب ثابت ہو گیا تو تو یہ بچہ اب زید کا وارث بنے گا اگر زید کا انتقال ہوتا ہے، اور اگر اس بچے کا انتقال ہوتا ہے اور اس کا اس کو کوئی اس سے مال کوئی مل جاتا ہے، کوئی وارث کوئی اس کے لیے وصیت کر دیتا ہے کہ زید کا جو بچہ ہے اس کے لیے میرے مرنے کے بعد میرے مال میں سے اس کو اتنا مال دے دینا، تو مال کا مالک کون ہو گیا؟ وہ بچہ ہو گیا۔ اب اگر اس بچے کا انتقال ہوتا ہے تو زید اس کا وارث بنے گا کیونکہ

نسب ثابت ہے یا نہیں؟ تو دیکھیے نسب کس کی وجہ سے ثابت ہوا تھا؟ ایک عورت کی گواہی کی وجہ سے کیونکہ نسب ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن لیکن وراثت جو ہے اس کے اندر تو دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، لیکن یہاں وراثت جو ثابت ہو رہی ہے وہ ابتداءً اس عورت کی گواہی سے ثابت ہو رہی ہے یا ضمناً ثابت ہو رہی ہے؟ اس عورت نے تو وراثت کی بات ہی نہیں کی، اس نے تو صرف کس چیز کی گواہی دی تھی؟ نسب کی گواہی دی تھی، تو وہ نسب کی وجہ سے ضمناً وراثت بھی ثابت ہو جائے گی اس ایک گواہی پر، حالانکہ ابتداءً ایک عورت کی گواہی پر کوئی وراثت کا مستحق نہیں ہوتا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

یہ معنی ہے: **كَاسْتِحْقَاقِ الْإِرْثِ** جیسے کہ وراثت کا مستحق ہونا **بِنَاءً عَلَى النَّسَبِ الثَّابِتِ** بوجہ اس نسب کے جو ثابت ہے **بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ** دایہ کی گواہی کی وجہ سے۔ چلیے بس بھئی ھذا ھو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

کتاب الصوم

از رؤیتِ ہلال تا قضاء، کفارہ اور اعتکاف کے مسائل

سبق نمبر ۱۲۰: کتاب الصوم: رؤیتِ ہلال اور روزے کے بنیادی مسائل

ہدایہ صفحہ: ۲۳۳ــــ بتاریخ: ۱۰ اپریل ۲۰۱۳ء

وَإِذَا لَمْ تَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ حَتَّى يَرَاهُ جَمْعٌ كَثِيرٌ يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ لِأَنَّ التَّفَرُّدَ بِالرُّؤْيَةِ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ يُوهِمُ الْغَلَطَ فَيَجِبُ التَّوَقُّفُ فِيهِ حَتَّى يَكُونَ جَمْعًا كَثِيرًا۔

بھئی گزشتہ سبق کے آخر میں یہ مسئلہ میں نے ذکر کیا تھا کہ عید کا چاند ہو یا رمضان کا چاند ہو، جب آسمان صاف ہو تو ایک بڑے مجمعے کا اس کو دیکھنا ضروری ہے، پھر ہی روزے کا یا عید کا ثبوت ہو گا۔ اور اگر آسمان پر بادل ہیں تو پھر رمضان کے چاند کے اندر ایک عادل شخص کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو، آزاد ہو یا غلام ہو۔ اس لیے کیونکہ یہ خبر کے درجے میں ہے اور خبر جیسے عادل شخص کی قبول کر لی جاتی ہے، اسی طرح یہ بھی خبر ہے تو یہ بھی عادل شخص کی قبول کر لی جائے گی۔ اور اگر آسمان پر کوئی علت نہ ہو، پھر کس کا دیکھنا ضروری؟ ایک بڑے مجمعے کا دیکھنا ضروری ہے۔ تو یہی اب بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: **وَإِذَا لَمْ تَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ**، اور جب آسمان پر کوئی عذر نہ ہو، آسمان پر کوئی عذر نہ ہو، **لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ**، تو قبول نہیں کی جائے گی گواہی، **حَتَّى يَرَاهُ جَمْعٌ كَثِيرٌ**، یہاں تک کہ دیکھ لے اس چاند کو ایک اتنا کثیر مجمع، **يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ**، علم یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ **يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ**، کہ ان کی خبر دینے سے یقین واقع ہو جائے یعنی یقین حاصل ہو جائے۔ جب آسمان پر کوئی عذر نہ ہو تو پھر شہادت قبول نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ اس کو دیکھ لے اتنا بڑا مجمع، اتنا کثیر مجمع کہ ان کی خبر سے یقین حاصل ہو جائے کہ یقیناً چاند نظر آ گیا۔ اتنے لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے اور اتنے لوگ جھوٹ نہیں بول سکتے، معلوم ہوا یقیناً چاند نظر آ گیا ہے بھئی۔

لِأَنَّ التَّفَرُّدَ بِالرُّؤْيَةِ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ يُوهِمُ الْغَلَطَ، اس لیے کہ دیکھنے میں اکیلا ہونا، **لِأَنَّ التَّفَرُّدَ بِالرُّؤْيَةِ**، دیکھنے میں اکیلا ہونا، **فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ**، اس جیسی حالت میں، **يُوهِمُ الْغَلَطَ**، یہ غلطی کا وہم ڈالتا ہے۔ اگر آسمان صاف ہے اور پھر بھی کوئی ایک آدھ آدمی، ایک یا دو نے چاند دیکھا ہے تو دل میں وہم پڑتا ہے کہ ان سے کیا ہوئی ہو گی؟ غلطی ہوئی ہو گی، آسمان تو صاف ہے، اگر چاند نظر آیا ہوتا تو بہت سے لوگ اس کو دیکھ لیتے بھئی۔ تو اس لیے ایک دو کی گواہی نہیں بلکہ ایک بڑے مجمعے کی گواہی قبول کی جائے گی۔

فَيَجِبُ التَّوَقُّفُ فِيهِ حَتَّى يَكُونَ جَمْعًا كَثِيرًا، تو واجب ہو گا اس کے اندر توقف کرنا۔ اس میں کیا کیا جائے گا؟ آسمان پر بادل نہیں ہیں اور ایک دو نے اگر آ کر گواہی دے دی ہے تو اس پر فوراً قاضی رمضان کا حکم نہیں دے گا بلکہ توقف کیا جائے گا، وہ انتظار کرے گا کہ اور لوگ بھی آئیں اور آ کر گواہی دیں اور پھر جب وہ بڑا مجمع گواہی دے دے، پھر اس کے بعد رمضان کا اعلان کیا جائے گا بھئی۔ یہ معنی ہے: **فَيَجِبُ التَّوَقُّفُ فِيهِ**، تو اس کے اندر توقف یعنی انتظار واجب ہے، **حَتَّى يَكُونَ جَمْعًا كَثِيرًا**، یہاں تک کہ ایک کثیر مجمع ہو جائے یعنی وہ دیکھنے والوں کا، چاند دیکھنے والوں کا ایک کثیر مجمع ہو جائے۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ، بھئی اوپر آیا تھا اگر آسمان پر کوئی علت ہو تو وہاں آپ نے ایک آدمی کی گواہی پر ہی رمضان کا ثبوت کا حکم دیا تھا کہ رمضان ثابت ہو جائے گا، اس کی وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں کہ بھئی وہ تو بادلوں والی یا غبار والی صورت تھی یعنی جب آسمان پر کوئی علت ہو تو بعض اوقات آسمان پر بادل یا غبار وغیرہ ہے اور پھر کسی وقت وہ عین جہاں چاند ہوتا ہے وہاں سے تھوڑے سے بادل پھٹ جاتے ہیں تو کسی ایک آدھ کی نظر پڑ جاتی ہے بھئی، سب کی نظر نہیں پڑتی، تو اس لیے وہاں پر ایک آدمی کی گواہی کو قبول کیا گیا۔ کہتے ہیں: **بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ**، بخلاف اس صورت کے جبکہ آسمان پر کوئی عذر ہو، **لِأَنَّهُ قَدْ يَنْشَقُّ الْغَيْمُ عَنْ مَوْضِعِ الْقَمَرِ**، اس لیے کیونکہ کبھی کبھار پھٹ جاتے ہیں بادل چاند کی جگہ سے، چاند کے مقام سے، **فَيَتَّفِقُ لِلْبَعْضِ النَّظَرُ**، تو مل جاتی ہے بعض کی نظر بھئی، بعض کی نظر مل، **فَيَتَّفِقُ**، تو متفق ہو جاتی ہے بعض لوگوں کی **النَّظَرُ**، نظر، یعنی بعض لوگوں کی نظر اس چاند کے ساتھ متفق ہو جاتی ہے یعنی مل جاتی ہے اس کے ساتھ یعنی وہ ان کو دکھائی دے دیتا ہے۔

ثُمَّ قِيلَ فِي حَدِّ الْكَثِيرِ، اچھا انہوں نے کہا ایک کثیر مجمع اس کو دیکھے، کثیر کی حد کیا ہے؟ کن کو کثیر کہیں گے اور کن کو کثیر نہیں کہیں گے؟ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **ثُمَّ قِيلَ فِي حَدِّ الْكَثِيرِ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ،** پھر کثیر کی حد میں کہا گیا ہے کہ وہ اہلِ محلہ ہیں۔ اگر کسی ایک سارے محلے والے کیا کر دیں؟ گواہی دے دیں تو معلوم ہوا یہ کثیر ہیں اور اس سے رمضان کا ثبوت ہو جائے گا۔ **وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ خَمْسُونَ رَجُلًا،** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مجمعِ کثیر جس کو کہا گیا یعنی کثیر کی حد جو ہے وہ **خَمْسُونَ رَجُلًا،** وہ پچاس آدمی ہیں، **اعْتِبَارًا بِالْقَسَامَةِ،** قیاس کرتے ہوئے قسامت پر۔ کس پر؟ قسامت، آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر کسی محلے کے اندر کوئی شخص اس کو کسی نے قتل کیا ہے اور اس کی میت ملی اس محلے کے اندر، تو اس صورت میں اس محلے والے جو ہیں، محلے والے، ان پر پچاس قسمیں آئیں گی۔ پچاس قسمیں وہ اٹھائیں گے بھئی اور پھر پچاس قسموں کے بعد یہ علم حاصل ہو جائے گا کہ معلوم ہوا ان میں سے کسی کو قاتل کا علم نہیں، ہر شخص اس بات پر قسم اٹھائے گا کہ میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور میں اس کے قاتل کو نہیں جانتا، اس پر وہ قسم اٹھائے گا، تو پچاس دیکھو جیسے وہاں پر قسم اٹھاتے تھے اور اس سے یہ بات یقینی طور پر حاصل ہو جاتی تھی کہ معلوم ہوا ان میں سے کسی کو قاتل کا پتہ نہیں ہے اور پھر ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جاتا تھا، تو جیسے وہاں پر پچاس آدمیوں سے یقینی بات حاصل ہو جاتی ہے، یہاں پر بھی کتنے آدمیوں کی گواہی ضروری ہو گی؟ پچاس آدمیوں کی تاکہ یقینی خبر حاصل ہو جائے۔

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَهْلِ الْمِصْرِ وَمَنْ وَرَدَ مِنْ خَارِجِ الْمِصْرِ، اور کوئی فرق نہیں ہے شہر والوں میں اور وہ شخص جو شہر سے باہر سے آیا ہو۔ اگر باہر سے آئے ہوں یا شہر میں سے آئے ہوں، جہاں سے بھی آئے ہوں، ان میں کوئی فرق نہیں، سب کا ایک ہی حکم ہے۔

وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّهُ تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْوَاحِدِ إِذَا جَاءَ مِنْ خَارِجِ الْمِصْرِ، امام طحاوی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ ایک شخص کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی جب وہ شہر کے باہر سے آیا ہو۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اگر شہر کے باہر سے آیا ہو تو ایک آدمی کی بھی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ بھئی اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں: **لِقِلَّةِ الْمَوَانِعِ،** موانع کے قلیل ہونے کی وجہ سے۔ اس لیے کیونکہ شہر کے اندر عموماً جو ہے وہ دھواں اور گرد و غبار زیادہ ہوتا ہے اور شہر کے باہر جو ہے اس قسم کے موانع نہیں ہوتے، فضا بالکل صاف ستھری ہوتی ہے تو وہاں چاند نظر آنے کا زیادہ امکان ہے بھئی، تو لہٰذا اگر باہر سے کوئی آ کر گواہی دے رہے ہیں تو ان کی ایک کی بھی کیا کر لی جائے گی؟ گواہی قبول کر لی جائے گی۔

وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ فِي كِتَابِ الِاسْتِحْسَانِ، اور اسی کی طرف اشارہ ہے کتاب الاستحسان میں بھی۔ یہ بات جو امام طحاوی نے ذکر کی، اوپر تو صاحبِ ہدایہ نے بتلا دیا کہ شہر والوں میں اور باہر سے آنے والوں میں کوئی فرق نہیں، لیکن امام طحاوی کیا فرماتے ہیں؟ باہر سے اگر ایک شخص آیا ہے تو اس کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی، کون سے دن؟ جب بادل نہ ہوں، بالکل صاف ہو آسمان، تو اس روز بھی اگر شہر کے اندر تو ایک دو کی گواہی قبول نہیں کریں گے بلکہ بڑا مجمع ہونا چاہیے، لیکن اگر باہر سے کوئی آیا ہے تو ایک بھی ہو وہ چاند دیکھنے کی گواہی دے تو گواہی اس کی قبول کر لی جائے گی کیونکہ وہاں پر موانع کم ہوتے ہیں، رکاوٹیں کم ہوتی ہیں۔ اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے کتاب الاستحسان میں بھی۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الاستحسان کے اندر جو مسئلہ ایک ذکر کیا اس سے اسی بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو امام طحاوی نے ذکر کی ہے، جو کس نے ذکر کی ہے؟ امام طحاوی نے ذکر کی ہے، اور وہ کیا؟ بھئی دیکھیے یہ لفظ دیے ہوئے ہیں **فِي كِتَابِ الِاسْتِحْسَانِ وَلَفْظُهُ،** اور اس کے لفظ یہ ہیں بھئی، اس میں وہ فرماتے ہیں: **فَإِذَا كَانَ الَّذِي يَشْهَدُ بِذَلِكَ فِي الْمِصْرِ وَلَا عِلَّةَ فِي السَّمَاءِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُ،** دیکھو یہ لفظ ہیں کس کے؟ کتاب الاستحسان کے۔ اس میں اب دیکھیے کیا آیا؟ **فَإِذَا كَانَ الَّذِي يَشْهَدُ بِذَلِكَ فِي الْمِصْرِ،** پس اگر وہ شخص جو اس بات کی گواہی دے رہا ہے **فِي الْمِصْرِ،** وہ کس میں ہے؟ شہر میں ہے یعنی شہر کا رہنے والا ہے، **وَلَا عِلَّةَ فِي السَّمَاءِ،** اور آسمان میں کوئی علت بھی نہ ہو، **لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُ،** تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ تو دیکھیے یہاں کتاب الاستحسان میں تصریح کر دی گئی کہ شہر کے اندر ہو اگر گواہی دینے والا، شہر کے اندر رہتا ہو تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور اس سے خود بخود پتہ چل گیا، جب **فِي الْمِصْرِ** کی قید لگائی، معلوم ہوا اگر خارجِ مصر سے کوئی آیا ہو تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ فِي كِتَابِ الِاسْتِحْسَانِ،** اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے کتاب الاستحسان میں، کس بات کی طرف؟ جو کس نے ذکر کی ہے؟ امام طحاوی نے۔ **وَكَذَا إِذَا كَانَ عَلَى مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ فِي الْمِصْرِ،** اور اسی طرح ہے حکم جبکہ وہ شخص جبکہ دیکھنے والا جو ہے وہ اونچی جگہ پر ہو شہر میں۔ اگر کوئی شخص ہے وہ اونچی جگہ پر ہے رہتا ہے اور وہ کیا کہتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو جب اونچی جگہ پر ہے تو وہاں سے چاند نظر آنے کا زیادہ احتمال ہے، تو اس میں بھی یہی حکم ہے، اس کی ایک کی بھی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

وَمَنْ رَأَى هِلَالَ الْفِطْرِ وَحْدَهُ لَمْ يُفْطِرْ، اور وہ شخص جس نے دیکھا اکیلے ہی فطر کے چاند کو، **لَمْ يُفْطِرْ،** تو وہ فطر نہیں کرے گا، وہ فطار نہیں کرے گا، **احْتِيَاطًا،** بطورِ احتیاط کے۔ بھئی دیکھیے مطلع صاف ہے، کوئی بادل نہیں ہے اور صرف ایک آدمی نے چاند دیکھا ہے تو اب اس کی گواہی پر باقی لوگوں کو تو یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ تم بھی روزہ رکھو۔ صرف ایک شخص نے یہ عید کا چاند دیکھا ہے تو اس ایک کے حکم کی وجہ سے تو فطر ثابت نہیں ہو گا، آپ کو میں نے مسئلہ بتلا دیا۔ تو کیا اب یہ شخص جس نے عید الفطر کا چاند دیکھا ہے اکیلے ہی، یہ اگلے دن اب عید کرے یعنی فطر کرے گا یا روزہ رکھے گا؟ کہتے ہیں بھئی یہ اکیلا بھی کیا کرنا چاہیے اس کو؟ روزہ رکھنا

چاہیے کیونکہ احتیاط اسی میں ہے، کیونکہ اکیلا ہے دیکھنے والا تو ہو سکتا ہے اس سے غلطی ہو گئی ہو، بات سمجھ میں آ گئی۔ یہ معنیٰ ہے: **وَمَنْ رَأَى هِلَالَ الْفِطْرِ وَحْدَهُ،** اور جس نے عید کے چاند کو دیکھا اکیلے، **لَمْ يُفْطِرْ،** تو وہ فطر نہیں کرے گا، **احْتِيَاطًا،** بطورِ احتیاط کے۔

وَفِي الصَّوْمِ الِاحْتِيَاطُ فِي الْإِيجَابِ، اور روزے کے اندر بھی احتیاط واجب کرنے میں ہی ہے۔ روزے کے مسئلے میں احتیاط کس چیز کے اندر ہے؟ کہ روزے کو واجب کیا جائے۔ جیسے شروع والے دن کے اندر ایک آدمی نے اگر چاند دیکھا تھا اور اس کی شہادت قبول بھی نہ کی گئی، پھر بھی اس ایک پر روزے کو واجب قرار دیا گیا کیونکہ روزے کے اندر احتیاط واجب کرنے میں ہے، تو یہاں پر بھی روزے ہی کا مسئلہ ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو بھی روزہ رکھنا چاہیے۔

وَإِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ تُقْبَلْ فِي هِلَالِ الْفِطْرِ إِلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ، اور جب آسمان پر کوئی عذر ہو، بھئی عید کا چاند دیکھ رہے ہیں اور آسمان پر بادل وغیرہ ہیں، تو کتنے آدمیوں کی گواہی قبول کی جائے گی؟ رمضان میں ایک عادل شخص کی گواہی قبول کرتے تھے لیکن عید کے مسئلے میں دو عادل مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی، یہاں غلام کی گواہی بھی قابلِ قبول نہیں اور صرف عورتوں کی گواہی بھی قابلِ قبول نہیں، جیسے اور معاملات میں ہوتا ہے وہاں یہاں پر بھی اسی طرح ہو گا۔

وَإِذَا كَانَ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ، اور جب آسمان پر کوئی عذر ہو، **لَمْ تُقْبَلْ فِي هِلَالِ الْفِطْرِ،** تو قبول نہیں کی جائے گی فطر کے ہلال کے بارے میں، **إِلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ،** مگر دو مردوں کی گواہی، **أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ،** یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی۔ بھئی اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ میں نے کل ذکر کر دی تھی سبق میں بھئی، کیونکہ ہاں وہ خبر ہے رمضان کی جو خبر، وہ دینی خبر ہے، اس میں بندوں کا کوئی نفع نہیں، بندوں کا کوئی نفع نہیں، لیکن عید کے اندر بندوں کا بھی نفع ہے۔ فاسق لوگ کیا چاہیں گے؟ جلدی سے جلدی رمضان گزر جائے تاکہ جو کھانے پینے پر رکاوٹیں ہیں وہ ساری ختم ہو جائیں، تو لہٰذا اس میں بندوں کا بھی نفع ہے۔ جب بندوں کا نفع ہے تو لہٰذا اب یہاں وہی شہادت والی شرائط ہوں گی۔ جیسے بھئی معاملات کے اندر گواہی کے اندر جو شرطیں ہوتی ہیں وہاں بھی گواہی کی شرطیں کیوں ہیں؟ وہ بندوں کا معاملہ کسی ایک کا اس میں فائدہ ہوتا ہے، کوئی دعویٰ کرتا ہے تو اس پر کیا ضروری ہوتا ہے؟ گواہ پیش کرے اور دعوے کے اندر اس کا فائدہ ہو گا یا فائدہ نہیں ہو گا؟ دعوے کے اندر فائدہ ہی ہو گا، تو لہٰذا وہاں پر جیسے جو شرطیں ہیں کہ دو مرد ہونے چاہییں یا ایک مرد اور دو عورتیں، تو یہاں عید کا مسئلہ بھی بندوں کے نفع جیسا ہو گیا تو اس میں بھی دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورت کی گواہی ضروری ہو گی۔

لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ نَفْعُ الْعَبْدِ، اس لیے کیونکہ اس کے ساتھ بندوں کے فائدے کا تعلق ہے، اس فطر کے ساتھ بندوں کے فائدے کا تعلق ہے، **وَهُوَ الْفِطْرُ،** اور وہ کیا ہے؟ فطر ہے کہ رمضان ختم ہو جائے گا اور کیا شروع ہو جائے گا؟ فطر شروع ہو جائے گا۔ **فَأَشْبَهَ سَائِرَ حُقُوقِهِ،** تو یہ مشابہ ہو گیا باقی حقوق کے۔ یہ کس کے مشابہ ہو گیا؟ ہاں میں نے بتایا تھا سائر کے معنیٰ باقی کے بھی آتے ہیں اور تمام کے بھی آتے ہیں، موقع محل کے مطابق آپ جو ترجمہ کرنا چاہیں، تو لہٰذا تو یہاں اگر تمام کر لیں تمام درست بنتا ہے بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے تمام کر لیں: **فَأَشْبَهَ سَائِرَ حُقُوقِهِ،** تو یہ مشابہ ہو گیا اس بندے کے تمام حقوق کے ساتھ، اور بندے کے حقوق کے اندر تو دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری تھی تو یہاں بھی ضروری ہو گی۔

وَالْأَضْحَى كَالْفِطْرِ فِي هَذَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، اور عید الاضحیٰ بھی جو ہے وہ عید الفطر کی طرح ہے **فِي هَذَا،** اس معاملے میں، **فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ،** ظاہر روایت کے مطابق، **وَهُوَ الْأَصَحُّ،** اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ عید الفطر تو میں تو دو آدمیوں کی گواہی ضروری تھی، اسی طرح عید الاضحیٰ یعنی قربانی کی جو عید ہے اس میں بھی دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہو گی اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ **خِلَافًا لِمَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ،** بخلاف اس کے جو روایت کیا گیا ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، **أَنَّهُ كَهِلَالِ رَمَضَانَ،** یہ روایت کیا گیا امام صاحب سے کہ یہ جو اضحیٰ جو ہے اس کا چاند جو ہے **كَهِلَالِ رَمَضَانَ،** وہ کس کی طرح ہے؟ رمضان کے چاند کی طرح ہے۔ امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کا چاند جو ہے وہ رمضان کے چاند کی طرح ہے، جیسے رمضان کے چاند سے ایک دینی معاملہ متعلق تھا اسی طرح یہ عید الاضحیٰ کے چاند سے بھی ایک دینی معاملہ یعنی حج متعلق ہے، ذوالحجہ کا چاند دیکھ رہے ہیں نا تو وہ اس سے کیا متعلق ہے؟ دینی معاملہ یعنی حج متعلق ہے، تو لہٰذا اس میں وہ رمضان کے اندر جو شرائط تھیں وہ ہوں گی اور وہاں تو ایک عادل شخص کی بھی گواہی قبول ہو جاتی تھی تو لہٰذا اس میں بھی ایک عادل کی گواہی قبول ہو جائے گی۔

آگے **لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ،** یاد رکھیے یہ امام صاحب کی دلیل نہیں ذکر ہو رہی، یہ ظاہر روایت میں جو آیا ہے نا کہ عید الاضحیٰ بھی کس کی طرح ہے؟ عید الفطر کی طرح ہے، اس کی دلیل ذکر ہو رہی ہے: **لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ نَفْعُ الْعِبَادِ،** اس لیے کیونکہ اس کے ساتھ بھی بندوں کے نفع کا تعلق ہے، **وَهُوَ التَّوَسُّعُ بِلُحُومِ الْأَضَاحِيِّ،** کس کے ساتھ؟ **وَهُوَ التَّوَسُّعُ،** اور وہ وسعت ہو جانا ہے **بِلُحُومِ الْأَضَاحِيِّ،** قربانیوں کے گوشت سے۔ اس میں بھی بندوں کا نفع ہے کہ اس چاند کے ساتھ کس چیز کا تعلق ہے؟ آگے عید آئے گی اور عید کی وجہ سے گوشت زیادہ ہو گا، کھانے پینے میں ہر ایک کے وسعت آ جائے گی، فقراء کو بھی گوشت میسر آ جائے گا، تو لہٰذا چونکہ اس میں بھی بندوں کا نفع ہے جیسے عید الفطر کے اندر بندوں کا نفع تھا، جب عید الفطر میں دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری تو اسی طرح عید الاضحیٰ میں بھی ہو گا کیونکہ اس میں بھی بندوں کا نفع ہے اور وہ کھانے پینے کی وسعت ہو جانا قربانی کے گوشت کی وجہ سے۔ یہ معنیٰ ہے اس لیے کیونکہ اس کے ساتھ بھی

بندوں کے نفع کا تعلق ہے، **وَهُوَ التَّوَسُّعُ بِلُحُومِ الْأَضَاحِيِّ**، اور وہ وسعت کا ہو جانا ہے قربانی کے گوشت سے۔

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ تُقْبَلْ إِلَّا شَهَادَةُ جَمَاعَةٍ يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ كَمَا ذَكَرْنَا، اور بھئی عید کے معاملے میں اگر آسمان صاف ہو پھر کتنے آدمیوں کی گواہی ضروری؟ میں نے کیا بتلایا تھا؟ ایک بڑی جماعت کی گواہی ضروری ہے، وہی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ**، اور اگر آسمان میں کوئی عذر نہ ہو، **لَمْ تُقْبَلْ**، قبول نہیں کی جائے گی، **إِلَّا شَهَادَةُ جَمَاعَةٍ**، مگر ایک ایسی جماعت کی گواہی، **يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ**، کہ یقین حاصل ہو جائے ان کی خبر سے، **كَمَا ذَكَرْنَا**، جیسے ہم نے ذکر کر دیا۔

وَوَقْتُ الصَّوْمِ مِنْ حِينِ طُلُوعِ الْفَجْرِ الثَّانِي إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، یہاں سے روزے کا وقت بیان کر رہے ہیں اور روزے کی تعریف کریں گے کہ روزہ کہتے کس کو ہیں شریعت میں۔ کہتے ہیں: **وَوَقْتُ الصَّوْمِ مِنْ حِينِ طُلُوعِ الْفَجْرِ الثَّانِي إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ**، اور روزے کا وقت جو ہے فجر ثانی کے طلوع کے وقت سے لے کر، فجر ثانی بھئی، فجر اول تو وہ صبح کاذب ہے، اس کا تو کوئی اعتبار نہیں جس میں روشنی ستون کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد کچھ اندھیرا چھاتا ہے اور پھر کچھ دیر بعد پھر روشنی افق پر پھیلی ہوئی ظاہر ہوتی ہے، چوڑائی کے اندر ظاہر ہوتی ہے، یہ ہے فجر صادق بھئی۔ تو یہ فجر صادق کے طلوع کے وقت سے لے کر **إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ**، سورج کے غروب ہونے کے وقت تک ہے، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: **كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ**، کہ تم لوگ کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید دھاگہ، **خَيْطٌ** کسے کہتے ہیں؟ دھاگے کو، تاکہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید دھاگہ **مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ**، سیاہ دھاگے کے مقابلے میں۔ سیاہ دھاگے کے مقابلے میں تمہارے لیے سفید دھاگہ ظاہر ہو جائے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور آپ کو صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے کہ یہ جو سفید دھاگہ اور سیاہ دھاگہ ذکر کیا گیا اس سے مراد صبح کی سفیدی اور رات کی سیاہی اور تاریکی مراد ہے۔ تو سفید دھاگہ وہ صبح کی روشنی اور سفیدی اور سیاہ دھاگہ رات کی تاریکی۔ تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں تم لوگ کھاؤ اور پیو یعنی رمضان کی رات میں تم کھاؤ اور پیو، **حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ**، یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے سفید دھاگہ یعنی صبح کی سفیدی یعنی کیا طلوع ہو جائے؟ فجر صادق، **مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ**، کس کے مقابلے میں؟ سیاہ دھاگے یعنی رات کی تاریکی۔ تو پہلے تو افق پر تاریکی رات کی چھائی ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد کون کیا چیز ظاہر ہو گی؟ ہلکی سی سفیدی پھیلنا شروع ہو جائے گی، بس جب یہ سفیدی پھیلنے لگے یہ فجر صادق طلوع ہو گئی بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ **إِلَى أَنْ قَالَ**، یہاں تک کہ اللہ نے فرمایا، یہ اب آخری حصہ آیت کا ذکر کر رہے ہیں: **ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ**، پھر تم پورا کرو روزے کو رات تک۔ دیکھو بتلا دیا، روزے کا آغاز کب سے ہوتا ہے؟ صبحِ صادق سے جیسے آیت میں آ گیا، اور کب تک رہتا ہے؟ رات تک، کیونکہ اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ **ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ**، تو یہ دیکھیے وقت کے ہونے پر یہ دلیل ہے قرآن سے بھئی۔

وَالْخَيْطَانِ بَيَاضُ النَّهَارِ وَسَوَادُ اللَّيْلِ، اور دو دھاگے جو ہیں وہ، نہار کہتے ہیں دن کو، وہ دن کی سفیدی ہے یعنی وہ صبح کی سفیدی ہے، **وَسَوَادُ اللَّيْلِ**، اور رات کی سیاہی ہے۔

اب تعریف کر رہے ہیں روزہ کہتے کسے ہیں؟ کہتے ہیں: **وَالصَّوْمُ هُوَ الْإِمْسَاكُ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ نَهَارًا مَعَ النِّيَّةِ**، اور روزہ جو ہے وہ رکنا ہے۔ **أَمْسَكَ يُمْسِكُ إِمْسَاكٌ** کا کیا معنی؟ رکنا۔ وہ رکنا ہے **عَنِ الْأَكْلِ**، کھانے سے، **وَالشُّرْبِ**، اور پینے سے، **وَالْجِمَاعِ**، اور جماع سے یعنی صحبت سے، **نَهَارًا**، دن کے وقت میں، **مَعَ النِّيَّةِ**، ساتھ کس کے؟ نیت کے۔ دن کے وقت کھانے پینے اور صحبت سے رکنا ہے کیونکہ وقت بیان ہو گیا، فجر صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک، اور **مَعَ النِّيَّةِ**، ساتھ نیت کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ عادت اور عبادت میں فرق ہو جائے۔ ایک شخص ہے ویسے عادتاً نہیں کھاتا بھئی، مثلاً ڈائٹنگ کر رہا ہے بھئی، تو اب وہ عادتاً صبح سے لے کر شام تک نہیں کھاتا تو یہ تو اس کی عادت ہے بھئی، لہٰذا اس کو روزہ دار نہیں کہیں گے اور اس کے اس عمل کو روزہ نہیں کہیں گے بلکہ روزے کے اندر کیا ضروری ہے؟ وہ باقاعدہ نیت کرے کہ میں یہ کھانے سے کس لیے رکا ہوا ہوں؟ کھانے پینے اور صحبت سے اللہ کے لیے رکا ہوا ہوں، تو اس امساک کا اللہ کے لیے متعین کرنا بھی ضروری ہے، پھر ہی عبادت بنے گا۔ یہ معنی ہے: **مَعَ النِّيَّةِ**، ساتھ نیت کے، **فِي الشَّرْعِ**، شریعت میں، اصطلاحِ شریعت یعنی یہ جو روزے کی تعریف کی نا: **وَالصَّوْمُ هُوَ الْإِمْسَاكُ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ نَهَارًا مَعَ النِّيَّةِ**، یہ روزے کی تعریف ہے، یہ روزہ ہے **فِي الشَّرْعِ**، کس میں؟ شریعت میں یعنی اصطلاحِ شریعت میں یہ روزہ کہلاتا ہے۔ لغت میں نہیں، عربی زبان میں نہیں۔ عربی زبان میں میں نے آپ کو بتلا دیا تھا روزے کا معنی ہے امساک، رکنا، کسی بھی چیز سے رکنا تو وہ امساک وہ روزہ کہلائے گا۔ مثلاً کھانے پینے سے رکے یہ بھی امساک ہے، تھوڑی دیر کے لیے رکے، ایک گھنٹے کے لیے، تو یہ بھی کیا ہے؟ امساک یا صوم کہلائے گا عربی زبان کے اعتبار سے۔ آپ بات چیت سے بات چیت کرنے سے رک گئے، خاموش رہے ایک گھنٹہ، تو یہ بھی کیا کہلائے گا؟ یہ بھی دیکھیے اس میں امساک ہے، رکنا ہے، تو اس کو بھی عربی زبان کے اعتبار سے کیا کہیں گے؟ صوم کہیں گے، لیکن یہاں عربی زبان کی بات نہیں ہو رہی بلکہ شریعت کی بات ہو رہی ہے کہ شریعت میں روزہ کس کو کہتے ہیں؟ تو وہ تعریف انہوں نے متن میں کر دی۔

کہتے ہیں **فِي الشَّرْعِ**، یہ شریعت میں ہے، **لِأَنَّ الصَّوْمَ فِي حَقِيقَةِ اللُّغَةِ هُوَ الْإِمْسَاكُ لِوُرُودِ الِاسْتِعْمَالِ فِيهِ**، اس لیے کیونکہ روزہ جو ہے حقیقتِ لغت میں یعنی عربی زبان کے اندر **هُوَ الْإِمْسَاكُ لِوُرُودِ الِاسْتِعْمَالِ فِيهِ**، وہ رکنا ہے بوجہ استعمال کے وارد ہونے کے اس میں، کیونکہ عربی زبان میں یہ اسی اس کا یہی استعمال وارد ہوا ہے۔ عرب کیا کرتے ہیں؟ صوم کا لفظ کس معنی میں استعمال کرتے ہیں؟ رکنے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، تو معلوم ہوا اس کا معنی

رکنے کے ہیں۔ **إِلَّا أَنَّهُ زِيدَ عَلَيْهِ النِّيَّةُ فِي الشَّرْعِ،** مگر یہ کہ اس پر **زِيدَ عَلَيْهِ النِّيَّةُ،** اس پر نیت کا اضافہ کر دیا گیا **فِي الشَّرْعِ،** شریعت میں۔ باقی معنی تو وہی، رکنا، شریعت میں بھی روزہ کس چیز کا نام ہے؟ رکنا کھانے پینے اور صحبت سے، البتہ ساتھ ایک زائد قید لگا دی شریعت نے اور وہ کیا؟ کہ رکنا کس کے ساتھ ہو؟ نیت کے ساتھ ہو۔ یہ معنی ہے: **إِلَّا أَنَّهُ زِيدَ عَلَيْهِ النِّيَّةُ فِي الشَّرْعِ،** مگر یہ کہ اس پر اضافہ کر دیا گیا نیت کا شریعت کے اندر، **لِتَتَمَيَّزَ بِهَا الْعِبَادَةُ مِنَ الْعَادَةِ،** تاکہ جدا ہو جائے اس کے ذریعے عبادت عادت سے۔

وَاخْتُصَّ بِالنَّهَارِ، اور روزہ خاص ہے نہار کے ساتھ۔ سمجھ میں آیا؟ دن میں ہونا چاہیے کیونکہ متن میں کیا قید آئی تھی؟ **نَهَارًا مَعَ النِّيَّةِ،** تو اس کا فائدہ بتلا رہے ہیں کہ یہ دن کی قید کیوں لگائی؟ کہتے ہیں: **وَاخْتُصَّ بِالنَّهَارِ،** اور روزہ خاص ہے دن کے ساتھ، **لِمَا تَلَوْنَا،** بوجہ اس آیت کے جو ہم نے تلاوت کر دی جس میں کیا بتلایا گیا تھا کہ کب سے کب تک ہے روزہ؟ فجر صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک، معلوم ہوا دن کے ساتھ یہ خاص ہے۔

اور دوسری دلیل بھئی عقلی دلیل: **وَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْوِصَالُ كَانَ تَعْيِينُ النَّهَارِ أَوْلَى لِيَكُونَ عَلَى خِلَافِ الْعَادَةِ وَعَلَيْهِ مَبْنَى الْعِبَادَةِ۔** بھئی ایک تو نقلی دلیل ذکر کر دی کہ روزے کا اختصاص دن کے ساتھ ہے، دن میں روزہ ہو گا، رات میں روزہ نہیں ہو گا۔ اب آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، عقلی دلیل یہ ہے کہ دیکھیے یہ رمضان کے روزے فرض کیے گئے اور رمضان جو ہے رمضان، رمضان ایک پورے مہینے کا نام ہے اور اس پورے مہینے میں مسلسل کھائے پیے بغیر رہنا یہ تو ممکن نہیں۔ پورا مہینہ معلوم ہو دن اور رات سارے ہی اس میں امساک پایا جائے یہ تو ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے اس امساک کو دن کے ساتھ ہی متعین کرنا چاہیے کیونکہ انسان عموماً کھاتا پیتا کس وقت ہے؟ دن کے وقت کھاتا پیتا ہے تو لہٰذا دن کے وقت ہی رکنے کی شرط ہونی چاہیے تاکہ عادت سے فرق ہو جائے۔ عادت تو کیا تھی اس کی؟ دن کو کھاتا پیتا تھا، اب عبادت کیا لازم کی جائے؟ کہ دن کو نہ کھائے، کیونکہ عبادت جو ہے وہ عادت کے مخالف ہوا کرتی ہے۔ عبادت جو ہے عادت کے مخالف ہوا کرتی ہے۔ اگر ایک شخص کی عادت ہی ہے اور اسی پر اس اسی کو اس کی عبادت قرار دے دیا جائے تو کوئی اس کے لیے مشکل ہے؟ نہیں، وہ تو اس کی عادت ہے، وہ تو سلسلہ پہلے سے جاری تھا، تو عبادت ہوتی ہی وہ ہے جس کے اندر اس کی عادت کی مخالفت ہوتی ہے تاکہ پتہ چلے یہ اپنی عادت کو چھوڑ کر عبادت ادا کرتا ہے یا عبادت ادا نہیں کرتا، تو عبادت کی بنیاد ہی کس پر ہے؟ کہ وہ عادت کے مخالف ہونی چاہیے، اور عادت کیا ہے کھانے پینے کی؟ عموماً انسان کھاتا کس وقت ہے؟ دن کے وقت ہی کھاتا ہے بھئی، تو لہٰذا روزے کا اختصاص بھی کس کے ساتھ ہونا چاہیے؟ دن کے ساتھ ہونا چاہیے، دلیل سمجھ میں آ گئی۔

یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْوِصَالُ،** اور نیز اس لیے کیونکہ جب ممکن نہ رہا وصال، وصال وصل سے ہے، ملانا، یعنی مسلسل روزے کا ملانا یعنی مسلسل دن رات روزہ رکھنا اور کتنا عرصہ؟ پورا مہینہ، یہ تو ممکن نہیں ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْوِصَالُ،** اور اس لیے کیونکہ جب وصال ممکن نہ رہا، **كَانَ تَعْيِينُ النَّهَارِ أَوْلَى،** تو دن کا متعین کرنا اولیٰ ہو گا، **لِيَكُونَ عَلَى خِلَافِ الْعَادَةِ،** تاکہ یہ عادت کے خلاف ہو جائے، **وَعَلَيْهِ مَبْنَى الْعِبَادَةِ،** اور اسی پر عبادت کی بنیاد ہے، کس پر؟ عادت کے خلاف ہونے پر عبادت کی بنیاد ہے۔

وَالطَّهَارَةُ عَنِ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ شَرْطٌ لِتَحَقُّقِ الْأَدَاءِ فِي حَقِّ النِّسَاءِ، اور پاک ہونا حیض اور نفاس سے یہ شرط ہے ادا کے پائے جانے کے لیے **فِي حَقِّ النِّسَاءِ،** عورتوں کے حق میں۔ بھئی عورتیں جو ہیں عورتیں، ان پر روزے کا وجوب تو آئے گا لیکن وہ ادا نہیں کر سکتیں حیض اور نفاس کی حالت میں، تو بعد میں کیا کریں گی اس کی؟ قضا کریں گی۔ نماز کی قضا نہیں ہوتی کیونکہ نماز کی اگر قضا واجب کی جائے تو پھر تو عورت تنگی اور مشکل میں پڑ جائے گی، ہر مہینے چند ایام حیض کے ہیں اور پھر اس سے کہا جائے کہ ان دنوں کی نمازوں کی قضا بھی تمہیں پھر کرنا پڑے گی، تو ہر مہینے ہی وہ نمازیں بڑھتی جائیں گی اس پر بھئی، ہر مہینے دگنا دگنا نمازیں اس کو ادا کرنا پڑیں گی، ان ایک تو وقتی نمازیں ہوں گی اور ایک وہ قضا نمازیں، تو لہٰذا وہ مشکل میں پڑ جائے گی اور دین میں تو کوئی حرج اور تنگی نہیں ہے، حرج اور تنگی کو تو دور کیا گیا ہے، اس لیے ایامِ حیض اور نفاس کی نمازیں اس سے معاف ہیں بھئی، جبکہ روزے تو سال میں ایک ہی دفعہ آتے ہیں تو ان کی ادائیگی میں کوئی مشقت نہیں، اگر چار پانچ روزے چھوڑ بھی دیے ہیں وہ سال بھر میں کسی بھی وقت وہ قضا کر سکتی ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَالطَّهَارَةُ عَنِ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ شَرْطٌ،** اور حیض اور نفاس سے پاک ہونا یہ شرط ہو گا، **لِتَحَقُّقِ الْأَدَاءِ،** ادا کے پائے جانے کے لیے، **فِي حَقِّ النِّسَاءِ،** عورتوں کے حق میں۔

■ بَابُ مَا يُوجِبُ الْقَضَاءَ وَالْكَفَّارَةَ، یہ باب ہے اس چ

بَابُ مَا يُوجِبُ الْقَضَاءَ وَالْكَفَّارَةَ، یہ باب ہے اس چیز کے بیان میں جو قضا اور کفارہ واجب کرتی ہے۔ اس باب میں ان چیزوں کا بیان ہو گا جن کی وجہ سے قضا اور کفارہ آتا ہے بھئی۔ تو بعض صورتوں میں صرف قضا آئے گی روزے کی قضا، اور بعض صورتوں میں قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی آئے گا۔ اور یہ بات میں گزشتہ سبق میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ کفارہ جو ہے کفارہ روزے کا، یہ صرف رمضان کا روزہ توڑنے کی صورت میں کفارہ آتا ہے، یہ رمضان کے روزے کی خصوصیت ہے اور کسی روزے کے توڑنے پر کفارہ نہیں ہے بھئی، کفارہ نہیں ہے۔ باقی سب روزوں میں سے اگر کوئی روزہ توڑ دیتا ہے اس میں صرف قضا کرنا پڑے گی۔ تو لہٰذا مثلاً اگر آپ نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہے، نفلی روزہ، نفلی کی بات کر رہا ہوں، واجب کی وغیرہ نہیں، نفلی روزہ رکھا ہوا ہے اور آپ کو کوئی شخص، کوئی ساتھی آپ کا دعوت دیتا ہے کہ آیئے کھانا کھا لیجیے۔ تو اگر آپ کو پتہ ہے میں نہیں کھاؤں گا اس کی دل شکنی ہو گی، یہ محسوس کرے گا اس بات کو، تو وہ روزہ توڑ دینا چاہیے بھئی اور اس کے ساتھ انسان کھانے میں شریک

ہو جائے اور پھر بعد میں کسی اور دن اس روزے کی قضا کر لے بھئی۔

کہتے ہیں: **إِذَا أَكَلَ الصَّائِمُ أَوْ شَرِبَ أَوْ جَامَعَ نَاسِيًا لَمْ يُفْطِرْ**، اور جب کھایا روزہ دار نے **أَوْ شَرِبَ**، پیا، **أَوْ جَامَعَ**، یا جماع کیا، **نَاسِيًا**، بھولے سے، یہ قید ضروری ہے بھئی۔ کھایا، پیا یا جماع کیا **نَاسِيًا**، بھولے سے یعنی اس کو روزہ یاد ہی نہیں تھا، **لَمْ يُفْطِرْ**، تو ان میں سے کسی چیز نے اس کا روزہ نہیں توڑا۔ **أَفْطَرَ يُفْطِرُ، أَفْطَرَ الشَّيْءُ الصَّوْمَ، أَفْطَرَ الشَّيْءُ الصَّوْمَ**، اس چیز نے روزے کو توڑ دیا، تو **أَفْطَرَ** کے کیا معنی ہیں؟ روزے کو توڑنا۔ تو یہاں بھی اسی طرح ترجمہ کیجیے: **لَمْ يُفْطِرْ**، یہ چیز اس کے روزے کو نہیں توڑے گی، یہ چیز اس کے روزے کو نہیں توڑے گی۔

وَالْقِيَاسُ أَنْ يُفْطِرَ، اور قیاس یہ ہے کہ یہ روزے کو توڑ دے بھئی، یہ روزے کو توڑ دے۔ بھئی قیاس تو کیا کہتا ہے؟ کھایا ہے، پیا ہے یا جماع کیا ہے اور روزہ تو نام ہی کس چیز کا تھا؟ ان چیزوں سے رکنے کا، تو جب کھایا ہے، پیا ہے، جماع کیا ہے تو روزہ ٹوٹ جانا چاہیے، لیکن کیا بتلایا صاحبِ قدوری نے آپ کو؟ کہ اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، وجہ اس کے آگے ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں: **وَالْقِيَاسُ أَنْ يُفْطِرَ**، اور قیاس یہ ہے کہ روزہ توڑ دے، **وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ**، اور یہی قول ہے امام مالک رحمہ اللہ کا، وہ بھی قیاس کے مطابق فرماتے ہیں بھولے سے کھائے یا جان بوجھ کر کھائے، ہر صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی۔ **لِوُجُودِ مَا يُضَادُّ الصَّوْمَ**، اس وجہ سے کہ پائی گئی ہے وہ چیز جو روزے کی ضد ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ چیز پائی گئی جو روزے کی ضد ہے، روزہ تو کیا تھا؟ کھانے، پینے اور جماع سے رکنے کا نام تھا، تو کھانا، پینا اور جماع روزے کی ضد ہے اور دو ضدین جمع نہیں ہو سکتیں، یا تو روزہ ہو گا یا فطر ہو گا، سمجھ میں آیا بھئی؟ اور یہاں جب کھانا، پینا پایا گیا تو فطر آ گیا، جب فطر آ گیا تو اب روزہ باقی نہیں رہ سکتا۔ یہ معنی ہے: **وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ**، اور یہی قول ہے امام مالک رحمہ اللہ کا، **لِوُجُودِ مَا يُضَادُّ الصَّوْمَ**، بوجہ پائے جانے اس چیز کے **يُضَادُّ الصَّوْمَ**، جو روزے کی ضد ہے۔

فَصَارَ كَالْكَلَامِ نَاسِيًا فِي الصَّلَاةِ، تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ کلام کیا ہو بھول کر نماز میں۔ وہ فرماتے ہیں جیسے نماز کے اندر کوئی شخص بھولے سے کلام کر لے تو بالاتفاق اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، اگرچہ اس نے بھولے سے کلام کیا ہے، کیونکہ کلام نماز کی ضد ہے، نماز کے اندر کلام سے منع کیا گیا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا جیسے وہاں بھولے سے بھی کلام کر لیا جائے پھر بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے تو یہاں روزے کے اندر اگر روزے کے اندر اگر بھولے سے بھی کھا پی لے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تو انہوں نے اس روزے کو قیاس کیا نماز پر، روزے کو نماز پر قیاس کیا۔ یہ معنی ہے: **فَصَارَ كَالْكَلَامِ نَاسِيًا فِي الصَّلَاةِ**، تو یہ ہو گیا جیسے کہ کلام ہو بھول کر **فِي الصَّلَاةِ**، نماز میں۔

وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلَّذِي أَكَلَ وَشَرِبَ نَاسِيًا: «تِمَّ عَلَى صَوْمِكَ فَإِنَّمَا أَطْعَمَكَ اللهُ وَسَقَاكَ»، اور استحسان کی وجہ، دیکھیے استحسان آتا ہے جگہ جگہ، میں نے بتلایا تھا استحسان کس دلیل کو کہتے ہیں؟ جس کے مقابلے میں قیاس ہو، تو دیکھو یہاں قیاس تو یہ تقاضا کر رہا تھا روزہ ٹوٹنا چاہیے لیکن خلافُ القیاس کیا حکم دیا گیا؟ روزہ نہیں ٹوٹے گا تو یہ کیا کہلائے گا؟ استحسان۔ اب اس کی وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں: **وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ**، اور استحسان کی وجہ جو ہے، **قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ**، وہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، **لِلَّذِي أَكَلَ وَشَرِبَ نَاسِيًا**، جو آپ نے اس شخص سے فرمایا جس نے بھول کر کھایا اور پیا تھا، اس سے حضور علیہ السلام نے یہ قول فرمایا: **«تِمَّ عَلَى صَوْمِكَ فَإِنَّمَا أَطْعَمَكَ اللهُ وَسَقَاكَ»**، **تِمَّ عَلَى صَوْمِكَ**، بھئی ایک صحابی آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس: یارسول اللہ! میں نے تو رمضان کے اندر روزے کی حالت میں بھولے سے کھا پی لیا ہے۔ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: **«تِمَّ عَلَى صَوْمِكَ»**، تم اپنا روزہ پورا کرو، **«فَإِنَّمَا أَطْعَمَكَ اللهُ وَسَقَاكَ»**، پس تمہیں اللہ نے کھلایا ہے اور پلایا ہے۔ کس نے کھلایا ہے؟ اللہ نے کھلایا ہے اور پلایا ہے۔ تو روزے کے اندر اگر انسان بھولے سے کھا پی لیتا ہے یا اسی طرح اگر بالکل بھول گیا اور بیوی سے صحبت بھی کر لی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو یہ جو اس کو اس نے کھایا پیا یہ اس کو اللہ نے کھلایا پلایا ہے، اسی لیے علماء فرماتے ہیں اگر کوئی روزے میں ہے اور بھولے سے کھا پی رہا ہے اس کو یاد نہیں کروانا چاہیے بھئی، سمجھ میں آیا؟ یہ اس کو اللہ کھلا پلا رہے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: **«فَإِنَّمَا أَطْعَمَكَ اللهُ وَسَقَاكَ»**، کہ تمہیں تو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔

وَإِذَا ثَبَتَ هَذَا فِي حَقِّ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ ثَبَتَ فِي الْوِقَاعِ لِلِاسْتِوَاءِ فِي الرُّكْنِيَّةِ، اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کھانے اور پینے کے حق میں، بھئی متن میں آیا تھا نا کھانے، پینے اور بھولے سے جماع کرنے تینوں صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا اور حدیث میں تو صرف کس کا ذکر آیا؟ صرف کھانے اور پینے کا ذکر آیا، تو پھر یہ جماع آپ نے کہاں سے اضافہ کر دیا؟ جماع۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَإِذَا ثَبَتَ هَذَا فِي حَقِّ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ**، اور جب یہ حکم ثابت ہو گیا کھانے اور پینے کے حق میں، **ثَبَتَ فِي الْوِقَاعِ**، تو جماع میں بھی یہی حکم ثابت ہو جائے گا۔ کس میں؟ جماع میں بھی، **لِلِاسْتِوَاءِ فِي الرُّكْنِيَّةِ**، بوجہ برابر ہونے کے رکن ہونے کے اندر، کیونکہ یہ یہ تینوں چیزیں روزے کا رکن ہونے میں یعنی روزے کے رکن کا متعلق ہونے میں یہ تینوں چیزیں برابر ہیں۔ روزے کے رکن کا تعلق تینوں چیزوں سے برابر ہے، جیسے کھانے سے رکنا ضروری، جیسے پینے سے رکنا ضروری، اسی طرح صحبت سے بھی رکنا ضروری، تو تینوں کا تعلق روزے کے رکن کے ساتھ برابر درجے کا ہے۔ تو جب دو کے حق میں ایک بات حدیث سے ثابت ہو گئی تو دلالۃ النص کے ذریعے تیسرے کے بھی خود بخود اس کے حق میں بھی یہی حکم ثابت ہو جائے گا کیونکہ تینوں برابر ہیں، تینوں روزے کے رکن سے متعلق ہونے میں یہ تینوں برابر ہیں۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو ہم نے یہ حکم جو ثابت کیا، کس کے بارے میں؟ جماع کے بارے میں کہ بھولے سے جماع کیا تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہ ہم نے قیاس کے ذریعے نہیں

ثابت کیا کیونکہ قیاس یہاں چل ہی نہیں سکتا، کیونکہ حدیث میں سے جو ثابت ہوا کہ کھانے اور پینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا بھولے سے اگر کھایا پیا ہو تو یہ حکم قیاس کے مطابق تھا یا خلافُ القیاس تھا؟ یہ تو خلافُ القیاس تھا، امام مالک رحمہ اللہ اسی لیے تو فرماتے تھے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا، تو یہ حکم خلافُ القیاس تھا اور جو حکم خلافُ القیاس ہو اس پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، وہ اپنے مورد پر بند رہتا ہے، لہٰذا اشکال ہوتا ہے کہ اے احناف! آپ نے جماع کو کیسے اس کے ساتھ ملا دیا؟ تو جواب میں نے ذکر کر دیا کہ ہم نے قیاس کے ذریعے یہ حکم ثابت نہیں کیا بلکہ کس کے ذریعے کیا ہے؟ دلالۃ النص کے ذریعے کیا ہے۔ جب نص میں جب تین چیزیں بالکل برابر ہیں، دو کے بارے میں نص میں ذکر آ گیا تو تیسری کے لیے بھی خود بخود وہی حکم، کیونکہ تینوں برابر ہیں، تینوں روزے کے رکن سے متعلق ہونے میں یہ تینوں برابر ہیں، صورت سمجھ میں آ گئی۔ ہاں فرق ہوتا تو پھر الگ بات تھی لیکن تینوں برابر ہیں، تینوں سے رکنا ضروری ہے، صبحِ صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک۔

یہ معنی ہے: **وَإِذَا ثَبَتَ هَذَا فِي حَقِّ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ ثَبَتَ فِي الْوِقَاعِ لِلِاسْتِوَاءِ فِي الرُّكْنِيَّةِ**، اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کھانے اور پینے کے حق میں تو ثابت ہو جائے گی جماع کے حق میں بھی بوجہ برابر ہونے رکن ہونے میں۔

بِخِلَافِ الصَّلَاةِ، یہاں سے امام مالک رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں کہ آپ نے روزے کو کس پر قیاس کیا تھا؟ نماز پر قیاس کیا تھا، ہم کہتے ہیں نہیں، روزے کو نماز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ نماز کے اندر انسان وہ کھڑا ہوتا ہے، قبلہ رخ تکبیرِ تحریمہ کہتا ہے، قرات پڑھتا ہے، رکوع کرتا ہے، سجدے کرتا ہے، تشہد پڑھتا ہے، تو نماز میں باقاعدہ اعمال کرنے پڑتے ہیں تو نماز کی حالت انسان کو یاد کرواتی رہتی ہے کہ وہ کس حالت میں ہے اس وقت؟ نماز کی حالت میں ہے، جبکہ روزے کے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہے، روزے میں تو کوئی عمل نہیں کرنا پڑتا، صرف کھانے پینے اور جماع سے رکنا پڑتا ہے، تو روزہ باطنی چیز ہے، ظاہر میں اس میں کچھ بھی عمل نہیں کرنا پڑتا، وہاں کوئی چیز یاد کروانے والی نہیں ہوتی تو انسان بھول جاتا ہے۔ اور نماز کے اندر تو وہ باقاعدہ کیا کر رہا ہے؟ اعمال میں مشغول ہے تو یہ نماز اس کو خود بخود یہ اعمال اس کو یاد کرواتے رہتے ہیں، اس کو یاد رہتا ہے کہ میں اس وقت کیا کر رہا ہوں؟ نماز پڑھ رہا ہوں۔ لہٰذا نماز کی حالت میں بھولنا بہت قلیل ہو گا، اس میں بھولا نہیں جاسکتا، جبکہ روزے کے اندر بھولنا زیادہ ہو گا کیونکہ وہاں کوئی چیز یاد کروانے والی نہیں ہے بھئی۔

یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ الصَّلَاةِ**، بخلاف نماز کے، **لِأَنَّ هَيْئَةَ الصَّلَاةِ مُذَكِّرَةٌ فَلَا يَغْلِبُ النِّسْيَانُ**، اس بخلاف نماز کے اس لیے کیونکہ نماز کی حالت جو ہے وہ یاد کروانے والی ہے، **فَلَا يَغْلِبُ النِّسْيَانُ**، نسیان کہتے ہیں بھولنا، بھولنا، **فَلَا يَغْلِبُ النِّسْيَانُ**، تو بھولنا اس پر غالب نہیں ہو گا۔ جب نماز کی حالت اور نماز میں اعمال مسلسل کرتا جا رہا ہے تو یہ اعمال اور یہ نماز کی یہ حالت اس پر نسیان کو غالب نہیں ہونے دے گی۔ **وَلَا مُذَكِّرَ فِي الصَّوْمِ**، اور روزے میں کوئی چیز یاد کروانے والی نہیں ہے، **فَيَغْلِبُ**، تو نسیان اس پر غالب ہو جائے گا۔

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ لِأَنَّ النَّصَّ لَمْ يَفْصِلْ، اور کوئی فرق نہیں ہے فرض اور نفل روزے کے اندر اس لیے کیونکہ نص نے کوئی فرق نہیں کیا۔ بھئی جس طرح فرض روزے کے اندر کھانے، پینے اور جماع سے بھولے سے کیا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح حکم کس کا ہے؟ نفل کا بھی ہے یعنی دونوں کا یہی حکم ہے۔ اس لیے کیونکہ حدیث میں جو آیا تھا: «**تِمَّ عَلَى صَوْمِكَ فَإِنَّمَا أَطْعَمَكَ اللهُ وَسَقَاكَ**»، وہاں کوئی فرض یا نفلی روزے کی قید موجود نہیں کہ نفلی روزہ ہو تو یہ حکم ہے، نفلی نہ ہو یا فرض روزہ ہو تو یہ حکم نہیں ہے، تو وہاں کوئی تفصیل نہیں تو یہ حکم مطلق ہوا، عام ہوا، دونوں کو شامل ہو گا۔ یہ معنی ہے: **وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ**، اور کوئی فرق نہیں ہے فرض اور نفل روزے میں، **لِأَنَّ النَّصَّ لَمْ يَفْصِلْ**، اس لیے کیونکہ نص نے کوئی فرق نہیں کیا، کوئی جدائی نہیں کی۔

وَلَوْ كَانَ مُخْطِئًا أَوْ مُكْرَهًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ، اور اگر وہ شخص خطا کرنے والا ہوا، غلطی کرنے والا ہوا، وہ جو کھانے والا ہے وہ کیا ہے؟ غلطی کرنے والا ہے یعنی غلطی سے کوئی چیز کھا پی لی۔ بھئی ایک ہے بھولنا اور ایک ہے غلطی۔ فرق دونوں میں یہ کہ بھولنے کی صورت میں انسان کا ارادہ ہو گا اور روزہ اس کو یاد نہیں ہو گا۔ آپ کو روزہ بھول گیا اب آپ کھا پی رہے ہیں، تو یہ کھا پی آپ ارادے کے ساتھ رہے ہیں یا بغیر ارادے کے؟ باقاعدہ ارادے کے ساتھ کھا پی رہے ہیں، لیکن روزہ آپ کو اس وقت یاد نہیں ہے۔ جبکہ خطا کے اندر روزہ یاد ہوتا ہے اور اس فعل کا ارادہ نہیں ہوتا۔ پہلی صورت میں؟ روزہ یاد نہیں تھا اور اس عمل میں اس کھانے پینے کا باقاعدہ ارادہ تھا، اور اب خطا کے اندر؟ خطا کے اندر روزہ یاد ہے، وہاں روزہ یاد نہیں تھا یہاں روزہ یاد ہے۔ وہاں کھانے پینے کا ارادہ تھا یہاں کھانے پینے کا ارادہ نہیں۔ تو یہاں روزہ یاد ہو گا اور کھانے پینے کا ارادہ نہیں ہو گا۔ مثلاً ایک شخص وضو کر رہا ہے اور کلی کرنے لگا، اب روزہ یاد ہے اس کو، لیکن کلی کرتے کرتے اچانک تھوڑا سا پانی حلق سے اتر گیا۔ اب دیکھیے اس کا ارادہ تھا اس پانی کو پینے کا؟ نہیں، تو یہ ہے خطا جس میں پینے کا ارادہ تو نہیں اور روزہ یاد ہے، یہ ہے خطا۔ تو اگر کوئی شخص خطا کرنے والا ہے یعنی غلطی کرنے والا ہے، **أَوْ مُكْرَهًا**، مکرَہ جس پر زبردستی کی گئی بھئی، مثلاً دوسرے شخص نے تلوار نکالی کہ وہ مکرَہ جس پر زبردستی کی گئی وہ ہے مکرَہ، اور جو زبردستی کرنے والا ہے وہ ہے **مُكْرِهٌ**، **مُكْرِهٌ** اسم فاعل کا صیغہ، تو **مُكْرِه** نے تلوار نکالی اور مکرَہ روزہ دار تھا، اس سے کہا کہ یہ پانی پیو، اسے پتہ تھا یہ روزہ دار ہے، اب وہ کیا کر رہا ہے؟ اس کا روزہ تڑوا رہا ہے، یہ پانی پیو نہیں تو میں تمہارا ہاتھ کاٹتا ہوں یا تمہاری گردن اڑاتا ہوں، تو اس نے اس خوف کی وجہ سے یہ پانی پی لیا، یہ پانی پی لیا۔ تو کیا اس صورت میں اس کا روزہ ٹوٹے گا یا روزہ نہیں ٹوٹے گا؟ تو آپ کو بتلائیں گے متن میں کہ بھئی روزہ ٹوٹ گیا چاہے وہ غلطی سے پانی حلق سے اترا ہے، چاہے اکراہ کی صورت میں اس نے کچھ کھایا پیا ہے، اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور اس کو بعد میں قضا کرنا پڑے گی۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، جیسے بھولنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا تھا اسی طرح مخطی جو خطا کرنے والا ہے اس کا بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، جو مکرَہ ہے جس پہ زبردستی کی گئی اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَلَوْ كَانَ مُخْطِئًا أَوْ مُكْرَهًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ**، اور اگر وہ شخص جو ہے غلطی کرنے والا ہے یا اس پر زبردستی کی گئی ہے، **فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ**، تو اس پر قضا واجب ہے، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ**، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، **فَإِنَّهُ يَعْتَبِرُهُ بِالنَّاسِي**، پس بیشک وہ جو ہیں اس کو قیاس کرتے ہیں، اس مخطی اور مکرہ کو قیاس کرتے ہیں **بِالنَّاسِي**، بھولنے والے پر، اور بھولنے والے کا تو روزہ نہیں ٹوٹتا تھا تو ان کا بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ لَا يَغْلِبُ وُجُودُهُ وَعُذْرُ النِّسْيَانِ غَالِبٌ**، ہم کہتے ہیں کہ یہ جو غلطی اور اکراہ ہے ان کا وجود غالب نہیں ہے، یہ زیادہ نہیں پائے جاتے، یہ تو کبھی کبھار ہی یہ صورت پیش آئے گی، یہ غلطی والی اور اکراہ والی، **وَعُذْرُ النِّسْيَانِ غَالِبٌ**، اور بھولنے کا عذر تو غالب ہے، وہ تو اکثر پیش آتا رہتا ہے، اور جو چیز اکثر پیش آئے وہ شریعت کے اس کے حکم میں کیا کر دیتی ہے؟ تخفیف کر دیتی ہے، اور جو چیز کبھی کبھار پیش آئے وہ اس کی طرح نہیں ہے بھئی۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں یہ خطا کرنے والا یا یہ مکرہ جو ہیں ان کا روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ یہ کبھی کبھار ہی یہ صورت پیش آتی ہے جبکہ نسیان تو کثرت سے پیش آتا ہے اور کثرت کس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ حکم میں نرمی کی جائے، تخفیف کی جائے۔ تو ہماری دلیل یہ ہے کہ **أَنَّهُ لَا يَغْلِبُ وُجُودُهُ**، کہ ان کا وجود جو ہے غالب نہیں ہوتا یعنی زیادہ یہ نہیں پائے جاتے، **وَعُذْرُ النِّسْيَانِ غَالِبٌ**، اور نسیان کا عذر تو غالب ہوتا ہے۔

وَلِأَنَّ النِّسْيَانَ، دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں، ہم کہتے ہیں اس لیے کیونکہ نسیان اللہ کی طرف سے ہے۔ نسیان، بھلانا کس کی طرف سے ہے؟ اللہ، اور یہ روزہ ہم کس کے لیے رکھتے ہیں؟ اللہ کے لیے۔ تو نسیان اس ذات کی طرف سے ہے جس کا یہ روزہ، جس کا حق ہے۔ تو صاحبِ حق کی طرف سے ایک چیز آئے وہ اور ہو گی اور یہ اکراہ یا غلطی یہ کس کی طرف سے ہے؟ یہ بندے کی طرف سے ہے، تو ایک چیز ہے صاحبِ حق کی طرف سے، ایک چیز ہے غیر کی طرف سے، تو دونوں کا ایک حکم نہیں ہو سکتا بھئی۔ **وَلِأَنَّ النِّسْيَانَ مِنْ قِبَلِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ**، اور اس لیے کیونکہ بھولنا جو ہے اس ذات کی طرف سے ہے جس کا یہ حق ہے، **وَالْإِكْرَاهَ مِنْ قِبَلِ غَيْرِهِ**، اور اکراہ اس کے علاوہ کی طرف سے ہے، **فَيَفْتَرِقَانِ**، تو دونوں جدا ہو گئے، دونوں جدا ہو گئے یعنی دونوں میں فرق ثابت ہو گیا کیونکہ ایک چیز صاحبِ حق کی طرف سے ہے، ایک غیر کی طرف سے۔

كَالْمُقَيَّدِ وَالْمَرِيضِ فِي قَضَاءِ الصَّلَاةِ، جیسے کہ مقید ہے اور مریض ہے نماز کی قضا کے مسئلے میں۔ بھئی مقید، مقید جس کو بیڑیوں میں جکڑ دیا گیا ہے، زنجیروں سے باندھ دیا گیا ہے۔ ایک آدمی ہے اس کو کسی نے زنجیروں سے باندھ دیا ہے اور اس وجہ سے اب وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تو اس نے بیٹھ کر نماز ادا کر لی، کیا کر لی؟ بیٹھ کر نماز ادا کر لی یا اشارے سے نماز ادا کر لی، تو یاد رکھیے یہ مسئلہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں تو یہ عذر کس کی طرف سے آیا؟ بندوں کی طرف سے پیش آیا ہے لہٰذا ابھی تو اس نے نماز پڑھ لی لیکن بعد میں بھی اس کو پھر قضا کرنا پڑے گی، بعد میں بھی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی، جبکہ اس کے مقابلے میں مریض ہے وہ بیمار ہے اس وجہ سے بیٹھ کر پڑھتا ہے یا اس وجہ سے وہ لیٹ کر اشارے سے پڑھتا ہے تو اس کے ذمے قضا نہیں کیونکہ مریض کا جو عذر ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ قید اور بیڑیوں اور زنجیروں کا عذر کس کی طرف سے تھا؟ بندوں کی طرف سے، تو جو عذر بندوں کی طرف سے آیا ہے اس میں کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی اور جو عذر صاحبِ حق یعنی اللہ کی طرف سے آیا ہے اس میں قضا نہیں کرنا پڑے گی۔ یہ معنی ہے **كَالْمُقَيَّدِ وَالْمَرِيضِ فِي قَضَاءِ الصَّلَاةِ**، جیسے کہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا شخص اور مریض ہیں نماز کی قضا کے مسئلے میں۔ چلیے بس! **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۱۲۱: فَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ لَمْ يُفْطِرْ لِقَوْلِهِ صَلَّ...

ہدایہ صفحہ: ۲۳۴ــــ بتاریخ: ۱۰ اپریل ۲۰۱۳ء

فَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ لَمْ يُفْطِرْ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصِّيَامَ الْقَيْءُ وَالْحِجَامَةُ وَالِاحْتِلَامُ وَلِأَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ صُورَةُ الْجِمَاعِ وَلَا مَعْنَى وَهُوَ الْإِنْزَالُ عَنْ شَهْوَةٍ بِالْمُبَاشَرَةِ۔ [1]

بھئی! باب چل رہا ہے ان چیزوں کے بیان میں جو قضا اور کفارے کو واجب کرتی ہیں۔ تو اس میں صاحبِ ہدایہ وہ چیزیں بیان کر رہے ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور پھر بعض صورتوں میں قضا آتی ہے اور بعض صورتوں میں قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی آتا ہے۔

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ لَمْ يُفْطِرْ،** اگر وہ روزہ دار سو گیا **فَاحْتَلَمَ** تو اس کو احتلام ہو گیا **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ اس کے روزے کو نہیں توڑے گا۔ **أَفْطَرَ يُفْطِرُ** کے معنی میں نے کیا بیان کیے تھے؟ کسی چیز کا روزے کو توڑنا، تو اس کے لیے ایک فاعل چاہیے اور ایک اس کے لیے مفعول چاہیے۔ **أَفْطَرَ الشَّيْءُ الصَّوْمَ، أَفْطَرَ الشَّيْءُ** اُس چیز نے توڑ دیا **الصَّوْمَ** روزے کو، تو **الصَّوْمَ** یہاں پر مفعول ہے اور وہ ذکر عموماً یعنی نہیں کرتے بھئی۔ اور اسی طرح فاعل کی ضمیر جو ماقبل میں ہو گا، جس کا ذکر اسی کی طرف لوٹے گی بھئی۔ تو اگر کوئی شخص سو گیا تو اس کو احتلام ہوا تو **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ احتلام اس کے روزے کو نہیں توڑے گا۔

لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بوجہ حضور ﷺ کے فرمانِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: **ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصِّيَامَ،** تین چیزیں جو ہیں وہ روزے کو نہیں توڑتیں۔ دیکھا؟ **الصِّيَامَ** یہ مفعول آ گیا **يُفْطِرُ** کے لیے۔ اور **لَا يُفْطِرْنَ** اس کے اندر فاعل کی ضمیر ہے جو **ثَلَاثٌ** کو راجع ہے بھئی، کہ تین چیزیں ہیں وہ روزے کو نہیں توڑتیں۔ اور پھر آگے ان تین کا بیان آ رہا ہے، تو یہ لف و نشر ہے۔ کیا ہے؟ پہلے اکٹھا ذکر کیا اور پھر ہر ایک کو کھول کر بیان کر دیے کہ وہ تین چیزیں یہ ہیں بھئی۔ تو **ثَلَاثٌ** کہا، اس میں تینوں آ گئیں۔ تو یہ کیا ہے؟ لف۔ لف کا معنیٰ لپیٹنا۔ اور پھر اس کے بعد آگے تینوں کو الگ الگ کھول کر بیان کر دیا کہ یہ تین چیزیں ہیں، تو اس کو کہتے ہیں نشر، یعنی اسی کو اب کیا کیا؟ کھول کر بیان کر دیا۔

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: **ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصِّيَامَ،** تین چیزیں جو ہیں وہ روزے کو نہیں توڑتیں: **الْقَيْءُ وَالْحِجَامَةُ وَالِاحْتِلَامُ،** ایک تو قے ہے، **وَالْحِجَامَةُ** اور پچھنے لگوانا۔ پچھنے لگوانا، حجامت کس کو کہتے ہیں؟ پچھنے لگوانا یا اسی کو سینگی لگوانا، یہ ایک پرانا طریقۂ علاج تھا بھئی، جس کے اندر وہ بدن کے مثلاً گردن وغیرہ پر خاص آلات لگا کر منہ کے ذریعے وہ فاسد خون کو کھینچ کر نکالا جاتا تھا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس کو حجامت کہتے ہیں بھئی۔ اور یہ بڑا ہی مفید طریقۂ علاج ہے بھئی، بڑا ہی مفید طریقۂ علاج۔ آج کل یہ پھر کچھ بعض اطباء نے شروع کیا ہے اور اس کے واضح فوائد انہوں نے دیکھے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: ان تین چیزوں میں سے ایک **الْقَيْءُ** قے ہے، **وَالْحِجَامَةُ** اور ایک پچھنے لگوانا، **وَالِاحْتِلَامُ** اور تیسری چیز احتلام ہے، ان سے روزہ، یہ چیزیں روزے کو نہیں توڑتیں۔

وَلِأَنَّهُ، یہاں سے عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ صُورَةُ الْجِمَاعِ وَلَا مَعْنَى،** اور اس لیے کیونکہ صورتِ جماع بھی نہیں پائی گئی **وَلَا مَعْنَى** اور معنوی اعتبار سے بھی جماع نہیں پایا گیا۔ بھئی! یاد رکھیے، ایک ہے صورتِ جماع اور ایک ہے معنیٰ جماع۔ معنیٰ جماع۔ تو صورتِ جماع یاد رکھیے وہ ہے دخول کی صورت میں۔ صورتِ جماع کس صورت میں ہے؟ دخول کی صورت میں۔ اور معنیٰ جماع کسے کہتے ہیں؟ وہ خود بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَهُوَ الْإِنْزَالُ عَنْ شَهْوَةٍ بِالْمُبَاشَرَةِ۔** مباشرت کا لفظ یہاں آیا بھئی، مباشرت کا معنیٰ یاد رکھیے۔ مباشرت کہتے ہیں مرد اور عورت کا ایک دوسرے کے ساتھ بدن ملانا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ مباشرت۔ مرد اور عورت کا ایک دوسرے کے ساتھ بدن ملانا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ مباشرت۔ پھر اسی میں ایک لفظ آئے گا مباشرتِ فاحشہ بھئی۔ مباشرتِ فاحشہ یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے ساتھ بدن ملاتے ہیں بغیر حائل کے، بغیر کپڑے کے، تو یہ ہے مباشرتِ فاحشہ۔ تو کپڑے کے ساتھ ہو تو یہ مباشرت ہے اور بغیر کپڑے کے ہو تو مباشرتِ فاحشہ ہے۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۶۴): «وآله»۔ • شاملہ (ص ۱۶۴) میں «الصِّيَامَ» کے بجائے «الصائم»، شاملہ (ص ۱۶۴) میں «مَعْنًى» کے بجائے «معناه» درج ہے۔
• ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۶۴): «وآله»۔ • شاملہ (ص ۱۶۴) میں «الصِّيَامَ» کے بجائے «الصائم»، شاملہ (ص ۱۶۴) میں «مَعْنًى» کے بجائے «معناه» درج ہے۔

تو اب صورتِ جماع میں نے بتلا دیا، صورتِ جماع کیا ہے؟ وہ دخول ہے اور معنًی جماع کہتے ہیں: **وَهُوَ الْإِنْزَالُ عَنْ شَهْوَةٍ بِالْمُبَاشَرَةِ**، مباشرت کی وجہ سے شہوت سے انزال ہونا۔ مباشرت کی وجہ سے مرد اور عورت نے بدن ملایا اور شہوت سے انزال ہو گیا، یہ کیا ہے؟ معنًی جماع ہے۔ کیا ہے؟ معنًی جماع۔ معنٰی سمجھ میں آ گیا بھئی؟ تو یاد رکھیے صورۃً جماع ہو یا معنًی جماع ہو تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی۔ تو یہاں پر نہ تو صورتِ جماع پائی گئی اور نہ معنًی جماع پایا گیا۔ کس کے اندر؟ احتلام کے اندر۔ صورتِ جماع نہیں، دخول یہاں نہیں۔ اور معنًی بھی جماع نہیں کیونکہ یہاں پر عورت کے ساتھ بدن کا ملانا ہے ہی نہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

وَكَذَا إِذَا نَظَرَ إِلَى امْرَأَةٍ فَأَمْنَى، اور اسی طرح ہے حکم جب دیکھا اس روزہ دار نے کسی عورت کی طرف **فَأَمْنَى** تو اس کی منی نکل آئی، یعنی اس کو انزال ہو گیا۔ صرف دیکھنے سے ہی کیا ہو گیا؟ انزال، تو اس صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیوں بھئی؟ کہتے ہیں: **لِمَا بَيَّنَّا**، اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔ کیونکہ نہ صورۃً جماع ہے اور نہ معنًی جماع ہے۔

وَصَارَ كَالْمُتَفَكِّرِ إِذَا أَمْنَى، اور یہ ہو گیا اس شخص کی طرح جو سوچنے والا ہے **إِذَا أَمْنَى** جب اس کو انزال ہو جائے۔ جیسے سوچ میں بھئی سوچ اور تصور ہی کیا کسی عورت کا اور اس کو کیا ہوا؟ انزال ہو گیا، تو جیسے وہاں پر نہ صورۃً جماع ہے اور نہ معنًی جماع ہے، تو یہ بھی اسی کی طرح ہوا تو دونوں کے اندر، دونوں کے اندر روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وَكَالْمُسْتَمْنِي بِالْكَفِّ عَلَى مَا قَالُوا، اور جیسے کہ مستمنی، منی کو طلب کرنے والا یعنی اس کو نکالنے والا **بِالْكَفِّ** ہتھیلی کے ذریعے یعنی ہاتھ کے ذریعے **عَلَى مَا قَالُوا** بوجہ اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے۔ تو یہ ہو گیا اس شخص کی طرح جو سوچنے والا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو انزال ہو گیا، یا جیسے وہ شخص ہے جو ہاتھ کے ذریعے انزال کرنے والا ہے۔

اب دیکھیے، معلوم ہوا اس سے کہ ہاتھ کے ذریعے انزال کرنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی لیے صاحبِ ہدایہ نے کہا: **عَلَى مَا قَالُوا**، بوجہ اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے۔ دیکھو، اس طرح کا جب اختلافی مسئلہ ہوتا ہے تو صاحبِ ہدایہ فقہاء پہ بات ڈال دیتے ہیں۔ **عَلَى مَا قَالُوا**، اور جیسا انہوں نے فرمایا ہے۔ تو یاد رکھیے یہ تو صاحبِ ہدایہ نے ذکر کیا اور اختلاف کی طرف بھی اشارہ کر دیا **عَلَى مَا قَالُوا** کے ذریعے، بات ان پر ڈال دی۔ یاد رکھیے، یہ ہاتھ کے ذریعے اگر کوئی انزال کرتا ہے تو اکثر مشائخ اسی پر ہیں کہ اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی۔ روزہ ٹوٹ جائے گا، ہاں اس میں قضا آئے گی کفارہ نہیں آئے گا بھئی، کفارہ نہیں آئے گا۔ حدیث میں آتا ہے بھئی: **نَاكِحُ الْيَدِ مَلْعُونٌ**، ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے۔ اور اسی طرح بعض کہتے ہیں علماء نے، بڑے علماء نے ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے یعنی روایات میں آیا ہے کہ کچھ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور ان کے ہاتھ جو ہیں وہ وہ حمل والے ہوں گے، ہاتھ کیا ہوں گے؟ ہاتھ حمل والے ہوں گے۔ تو کہتے ہیں شاید یہ وہی لوگ مراد ہیں جو انزال کرنے والے ہیں ہاتھ سے بھئی۔

وَلَوِ ادَّهَنَ لَمْ يُفْطِرْ، اور اگر روزہ دار نے تیل لگایا بالوں پر، سر پر یا بدن پر، **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ تیل لگانا اس کے روزے کو نہیں توڑے گا **لِعَدَمِ الْمُنَافِي** منافی چیز کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ کیونکہ منافی، کوئی روزے کے منافی چیز نہیں پائی گئی جب اس نے صرف تیل لگایا بدن پر۔

وَكَذَا إِذَا احْتَجَمَ، اور اسی طرح ہے حکم جب وہ پچھنے لگوائے۔ کیا کرے؟ پچھنے لگوائے، جیسے حدیث میں آیا تھا۔ تو **وَكَذَا إِذَا احْتَجَمَ لِهَذَا وَلِمَا رَوَيْنَا**، اور اسی طرح ہے پچھنے لگوانا بھی یعنی اس کا بھی یہی حکم ہے **لِهَذَا** اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ کون سی دلیل؟ کہ پچھنے پچھنے لگوانے میں کوئی منافیِ صوم چیز نہیں ہے۔ اس میں اس میں تو خون نکالا جا رہا ہے اور روزہ ٹوٹے گا جب بدن کے اندر کوئی چیز داخل ہو۔ تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی **وَلِمَا رَوَيْنَا** اور اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا: **ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصَّيَامَ الْقَيْءُ وَالْحِجَامَةُ وَالِاحْتِلَامُ**، تو اس کے اندر دیکھو حجامت کا ذکر بھی ہے کہ یہ چیزیں روزے کو نہیں توڑتیں۔

وَلَوِ اكْتَحَلَ لَمْ يُفْطِرْ، اور اگر سرمہ لگایا روزہ دار نے **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ بھی اس کے روزے کو نہیں توڑے گا **لِأَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ الْعَيْنِ وَالدِّمَاغِ مَنْفَذٌ**، اس لیے کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے، کوئی گزرنے کی جگہ یعنی کوئی راستہ نہیں ہے۔

تو روزہ ٹوٹے گا کہ کھانے والی کوئی چیز اندر پہنچ جائے۔ اندر پہنچ جائے، اندر پہنچ جائے یعنی یہ سارا چاہے دماغ تک پہنچ جائے اور چاہے یا پیٹ تک پہنچ جائے، تو اس صورت میں روزہ ٹوٹے گا۔ اور یہاں پر اس نے کیا کیا ہے؟ سرمہ لگایا ہے، تو پھر روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لیے کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں کہ یہ سرمہ کہاں تک پہنچ جائے؟ دماغ تک پہنچ جائے۔ اگر راستہ ہوتا تو پھر اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا لیکن ان میں کوئی راستہ نہیں۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی آنسو بھی تو دماغ سے آتے ہیں اور آنکھ سے نکلتے ہیں، معلوم ہوا دماغ اور آنکھ کے درمیان راستہ موجود ہے۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ آنکھ اور دماغ میں راستہ موجود ہے کہ آنسو وہاں سے چلے ہیں اور آنکھ سے نکل رہے ہیں، تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَالدَّمْعُ يَتَرَشَّحُ كَالْعَرَقِ**، **عَرَق** را کے فتحہ کے ساتھ، یہ پسینے کو کہتے ہیں۔ اور آنسو جو ہیں وہ ٹپکتے ہیں **كَالْعَرَقِ** جیسے کہ پسینہ ہے۔ جیسے کیا ہے؟ پسینہ۔ بلکہ اس کا زیادہ مناسب ترجمہ یوں کریں: **وَالدَّمْعُ يَتَرَشَّحُ كَالْعَرَقِ**، اور آنسو رِستے ہیں، آنسو رِستے ہیں **كَالْعَرَقِ** جیسے کہ پسینہ ہے۔ بھئی! یہ جسم میں جسم میں، جلد میں باریک چھوٹے سوراخ ہیں، ان کو مسام کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مسام کہتے ہیں۔ تو پسینہ جیسے ان سے نکلتا ہے، ان سے ٹپکتا ہے، ان سے رستا ہے، اسی طرح یہ آنسو بھی دماغ سے رِستے ہیں۔

توراستہ درمیان میں کوئی نہیں ہے بلکہ یہ ان کے ذریعے رِستے ہیں، ان سوراخ جو ہیں باریک بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ معنیٰ: **وَالدَّمْعُ يَتَرَشَّحُ كَالْعَرَقِ،** اور آنسو جو ہیں وہ رِستے ہیں جیسے کہ پسینہ ہے۔

وَالدَّاخِلُ مِنَ الْمَسَامِّ لَا يُنَافِي كَمَا لَوِ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ، یہاں سے بتلا رہے ہیں، بھئی معلوم ہوا آنسو جو ہیں آنسو وہ رِستے ہیں، معلوم ہوا باریک سوراخ تو ہیں مسام جیسی صورت تو وہاں بھی ہے، تو کچھ نہ کچھ اثر پہنچے گا یا نہیں اندر؟ کہتے ہیں بھئی مسام کے ذریعے اگر کوئی چیز بدن میں داخل ہو تو اس سے روزے پر اثر نہیں پڑتا بھئی۔ جیسے جیسے انسان ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہے تو اس پانی کا اثر مسام کے ذریعے اندر تک پہنچتا ہے، اندر تک انسان ٹھنڈک محسوس کرتا ہے بھئی، لیکن اس سے کوئی فرق روزے پر نہیں پڑتا بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَالدَّاخِلُ مِنَ الْمَسَامِّ لَا يُنَافِي،** اور مسام سے داخل ہونے والی، مسام میں یاد رکھیے یہ آخری میم مشدد ہے، **مَسَامٌّ، وَالدَّاخِلُ مِنَ الْمَسَامِّ لَا يُنَافِي** اور مسام سے داخل ہونے والی چیز وہ روزے کے منافی نہیں ہے **كَمَا لَوِ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ** جیسے کہ وہ روزہ دار غسل کرے ٹھنڈے پانی سے، تو ٹھنڈک مسام کے ذریعے اندر تک پہنچتی ہے لیکن اس میں روزے پر کوئی اثر اس سے نہیں پڑے گا۔

وَلَوْ قَبَّلَ امْرَأَةً لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ، اور اگر روزہ دار نے بوسہ لے لیا کسی عورت کا لَا **يَفْسُدُ صَوْمُهُ** تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا **يُرِيدُ بِهِ إِذَا لَمْ يُنْزِلْ۔** صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ ماتن نے جو کہا نا، صاحبِ قدوری نے: اگر عورت کا بوسہ لے لیا تو یہ روزے کے لیے روزے کو فاسد کرنے والا نہیں، اس سے روزہ فاسد نہیں ہو گا، کہتے ہیں اس کے ذریعے ماتن کی مراد یہ ہے کہ جب اس کو انزال نہ ہو۔ جب اس کو انزال نہ ہو۔ اس لیے کیونکہ اگر انزال ہوا تو مباشرت پائی گئی یا نہیں پائی گئی؟ مرد اور عورت کا بدن بوسہ بھی لے گا، بدن کا ملنا پایا گیا یا نہیں؟ پایا گیا۔ تو مباشرت ہوئی بھی ہوئی اور اس کی وجہ سے شہوت سے انزال بھی ہوا ہے، تو اس صورت میں معنًی جماع پایا جائے گا۔ معنًی جماع، تو یہ وہ صورت ذکر ہو رہی ہے جب انزال نہ ہوا ہو، تو لہٰذا صرف بوسہ لیا ہے تو لہٰذا معنًی بھی جماع نہیں کیونکہ انزال ہی نہیں اور صورۃً بھی جماع نہیں، تو لہٰذا اس لیے روزے پر اثر نہیں پڑے گا۔

یہ معنیٰ: **يُرِيدُ بِهِ إِذَا لَمْ يُنْزِلْ،** کہ ارادہ کیا صاحبِ قدوری نے اس کے ذریعے جب اس شخص کو انزال نہ ہو **لِعَدَمِ الْمُنَافِي صُورَةً وَمَعْنًى،** اس لیے کیونکہ روزے کے منافی کوئی چیز نہیں پائی گئی نہ صورۃً اور نہ معنًی، یعنی صورت کے اعتبار سے بھی جماع نہیں ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی جماع نہیں ہے۔

بِخِلَافِ الرَّجْعَةِ وَالْمُصَاهَرَةِ لِأَنَّ الْحُكْمَ هُنَاكَ أُدِيرَ عَلَى السَّبَبِ، بخلاف رجوع کرنے کے اور مسئلۂ مصاہرت میں، اس لیے کیونکہ حکم جو ہے وہاں پر **أُدِيرَ عَلَى السَّبَبِ** وہ دائر کیا گیا ہے سبب پر۔

بھئی! یاد رکھیے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دے دے، تو اس صورت میں عدت کے اندر اندر وہ رجوع کر سکتا ہے اور رجوع جس طرح زبان سے کہنے سے ہوتا ہے، اسی طرح اگر کوئی ایسا عمل کر لیا جو رجوع پر دلالت کر رہا ہے تو بھی رجوع ثابت ہو جائے گا۔ زبان سے رجوع کرتا ہے، مثلاً یوں کہتا ہے: میں تم سے رجوع کرتا ہوں، یا میں اپنی بیوی پر رجوع کرتا ہوں، بس رجوع ہو جائے گا۔ اور عمل کے ذریعے، زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف کس کے ذریعے رجوع کرتا ہے مثلاً؟ عمل کے ذریعے، یعنی اس حالت میں وہ شہوت سے بیوی کا ہاتھ اس نے پکڑ لیا یا بیوی کا بوسہ لے لیا، اب یہ شہوت سے ہاتھ کا پکڑنا یا بوسہ لینا اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ رجوع کر رہا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟

تو اسی طرح ایک حرمتِ مصاہرت والا مسئلہ ہے بھئی، حرمتِ مصاہرت۔ حرمتِ مصاہرت یہ یاد رکھیے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو شہوت سے ہاتھ لگا دے، ہاتھ لگا دے، تو اس عورت کے اصول و فروع اس شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں۔ اور تو مصاہرت کہتے ہیں سسرالی رشتے جو ہیں، مصاہرت کسے کہتے ہیں؟ سسرالی رشتے۔ تو حرمتِ مصاہرت کا معنیٰ ہوا سسرالی رشتوں کا احترام بھئی۔ حرمتِ مصاہرت کا کیا معنیٰ؟ سسرالی رشتوں کا احترام۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس عورت کی ماں جو ہے وہ اس کی ساس بن جاتی ہے، وہ اس شخص کے لیے بھی ماں کے درجے میں ہو جاتی ہے، لہٰذا وہ اس شخص پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔ اور اسی طرح اس عورت کی جو اولاد ہے وہ اس نکاح کرنے والے کے لیے اس کے اپنے اولاد کے درجے میں ہو جاتی ہے تو ان سے بھی نکاح کیا ہو جاتا ہے ہمیشہ کے لیے؟ حرام۔ تو جب کوئی شخص کسی عام عورت کو بھی جب شہوت سے ہاتھ لگائے گا تو جیسے بیوی کے ساتھ نکاح کے اندر اس بیوی کے اصول و فروع حرام ہو جاتے تھے کس وجہ سے؟ سسرالی رشتوں کے احترام، ان سے رشتہ بن گیا یا نہیں بن گیا؟ اس عورت کی ماں کیا بن گئی اس کی؟ اس کی ماں جیسی ہو گئی اور اس عورت کی اولاد کیسے ہو گئی؟ وہ اس شخص کے اولاد۔ تو جیسے وہاں سسرالی رشتوں کے احترام کی وجہ سے اس عورت کے اصول و فروع حرام ہو جاتے تھے، اگر کسی عام عورت کو بھی کوئی شخص شہوت سے ہاتھ لگائے گا تو اس عورت کے بھی اصول و فروع کیا ہو جائیں گے؟ اس شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائیں گے اسی سسرالی رشتوں کے احترام کی علت کی وجہ سے، یعنی یہ بھی اسی طرح ہو گئی۔ یہ بھی جیسے بیوی میں حکم تھا وہی حکم یہاں بھی آجائے گا بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟

تو اب دیکھیے یہ جو رجوع کرنا ہے اور مصاہرت ہے مصاہرت، یہ بوسہ لینے سے بھی رجوع ثابت ہو جائے گا اور اسی طرح بوسہ لینے سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ تو صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ عورت کا بوسہ لیا اس سے روزہ تو نہیں ٹوٹے گا لیکن بوسہ لیا تو رجوع بھی ثابت ہو جائے گا اگر وہ اس کی بیوی تھی اور اور حرمتِ

مصاہرت بھی ثابت ہو جائے گی، اس لیے کیونکہ ان مسئلوں کے اندر حکم کا مدار جو ہے سبب پر ہے، یعنی دواعیِ دواعیِ جماع پر ہے۔ کس پر ہے؟ تو رجوع کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جماع کرے گا پھر رجوع ہو گا، اور حرمتِ مصاہرت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جماع کرے گا تو پھر حرمتِ مصاہرت ثابت ہو گی بلکہ جو دواعیِ جماع ہیں، جو چیزیں جماع تک لے جانے والی ہیں ان کی وجہ سے بھی یہ رجوع بھی ثابت ہو جائے گا اور حرمتِ مصاہرت بھی۔ تو وہاں پر حکم کا مدار کس پر رکھا گیا ہے؟ سببِ جماع پر ہی حکم کا مدار کیا گیا ہے، اس لیے وہاں پر رجوع بھی ثابت ہو جائے گا اور حرمتِ مصاہرت بھی۔ جبکہ روزے کے اندر ایسا نہیں ہے، روزے کے اندر اگر روزے کے منافی چیز پائی جائے گی یعنی چاہے صورۃً جماع ہو چاہے معنًی جماع ہو پھر روزہ ٹوٹے گا اور یہاں نہ صورۃً جماع ہے اور نہ معنًی جماع ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **بِخِلَافِ الرَّجْعَةِ وَالْمُصَاهَرَةِ**، بخلاف رجوع کرنے اور مصاہرت کے مسئلے کے، **لِأَنَّ الْحُكْمَ هُنَاكَ أُدِيرَ عَلَى السَّبَبِ**، اس لیے کہ حکم جو ہے وہاں پر دائر کیا گیا ہے سبب پر، **عَلَى مَا يَأْتِي** بوجہ اس کے جو آگے آجائے گی **فِي مَوْضِعِهِ** اپنے مقام پر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَلَوْ أَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ أَوْ لَمْسٍ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ، اور اگر اس شخص کو روزہ دار کو انزال ہو گیا بوسہ لینے کی وجہ سے **أَوْ لَمْسٍ** یا چھونے کی وجہ سے یعنی ہاتھ لگانے سے، **فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ** تو اس پر قضا واجب ہے یعنی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ روزہ اگر اس کو انزال ہوا چھونے سے یا ہاتھ لگانے سے، بھئی کیوں؟ کیوں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا؟ کیونکہ معنًی جماع پایا گیا، اور معنًی جماع کس چیز کا نام تھا؟ کہ مرد اور عورت بدن ایک دوسرے کے ساتھ ملائیں، اور یہاں بھی ملانا ہے یا نہیں؟ ہاتھ کو ہاتھ لگایا ہے تو بدن کا ملانا پایا گیا، یا بوسہ لیا ہے تو بدن کا بدن سے ملانا پایا گیا، اور ساتھ مباشرت کی اس وجہ سے کیا ہو جائے؟ شہوت سے انزال ہو جائے، تو یہ تھا جماع معنوی اعتبار سے اور وہ یہاں پایا جا رہا ہے کیونکہ انزال ہو گیا ہے۔ تو اس شخص پر قضا ہے **دُونَ الْكَفَّارَةِ** نہ کہ کفارہ، کفارہ نہیں ہے اس پر، **لِوُجُودِ مَعْنَى الْجِمَاعِ** معنًی جماع کے پائے جانے کی وجہ سے۔

وَوُجُودُ الْمُنَافِي صُورَةً أَوْ مَعْنًى يَكْفِي لِإِيجَابِ الْقَضَاءِ احْتِيَاطًا، اور منافی چیز کا پایا جانا صورۃً ہو یا معنًی ہو یہ کافی ہے قضا واجب کرنے کے لیے **احْتِيَاطًا** بطورِ احتیاط کے۔ تو یہاں بھی احتیاط پر عمل کرتے ہوئے ایجابِ قضا کا حکم لگایا جائے گا کہ اس پر قضا واجب ہے، اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے۔

أَمَّا الْكَفَّارَةُ، باقی انہوں نے متن میں کہا تھا کفارہ واجب نہیں ہو گا، تو آگے آپ کو بتائیں گے کہ بھئی کفارہ اس لیے نہیں واجب کہ کفارہ تب آئے گا جب جرم کامل درجے کا پایا جائے۔ جرم کس قسم کا پایا جائے؟ کامل درجے کا پایا جائے، اور کامل درجے کا جرم تب پایا جائے گا جب صورۃً بھی جماع ہو اور معنًی بھی جماع ہو۔ صرف معنًی جماع پایا جائے تو یہ جرم چونکہ کامل نہیں لہٰذا کفارہ بھی نہیں آئے گا۔

یہ معنًی ہے: **أَمَّا الْكَفَّارَةُ فَتَفْتَقِرُ إِلَى كَمَالِ الْجِنَايَةِ**، باقی کفارہ جو ہے تو وہ محتاج ہے کامل جنایت کا یعنی پورے جرم کا کہ جرم پورا ہونا چاہیے، **لِأَنَّهَا تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ كَالْحُدُودِ**، اس لیے کیونکہ یہ کفارہ جو ہے وہ اٹھ جاتا ہے یعنی ختم ہو جاتا ہے **بِالشُّبُهَاتِ** شبہوں کی وجہ سے۔ شبہے کی وجہ سے بھی یہ کفارہ کیا ہو جاتا ہے؟ ساقط ہو جاتا ہے **كَالْحُدُودِ** جیسے کہ حدود ہیں۔

وَلَا بَأْسَ بِالْقُبْلَةِ إِذَا أَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ، یہاں سے یہ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں کہ بھئی کیا روزے کی حالت میں کوئی شخص اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے یا نہیں لے سکتا؟ کہتے ہیں بھئی اگر اس شخص کو اپنے نفس پر اطمینان ہو کہ یہ بوسہ آگے جماع تک ہمیں نہیں پہنچائے گا تو پھر اس کے لیے جائز ہے بھئی، پھر اس کے لیے جائز۔ اور اگر اس کو اس کا اپنے نفس پر اطمینان نہیں اور یہ خطرہ ہے کہ یہ بوسہ لینا کہیں جماع تک نہ پہنچا دے تو پھر اس کے لیے یہ بوسہ لینا بھی مکروہ ہے، بوسہ لینا بھی مکروہ ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا بَأْسَ بِالْقُبْلَةِ إِذَا أَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ**، اور کوئی حرج نہیں ہے بوسہ لینے میں **إِذَا أَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ** جب اس کو اطمینان ہو اپنی ذات پر، **أَيِ الْجِمَاعَ أَوِ الْإِنْزَالَ**، یعنی اس کو اطمینان ہو کس پر؟ جماع یا انزال پر کہ بوسہ لینے سے اس کو یہ جماع تک نہیں پہنچائے گا یا انزال تک نہیں پہنچائے گا۔

وَيُكْرَهُ إِذَا لَمْ يَأْمَنْ، اور مکروہ ہے اس کے لیے جب جب اس کو اطمینان نہ ہو، **لِأَنَّ عَيْنَهُ لَيْسَ يُفْطِرُ**، اس لیے کیونکہ عینِ بوسہ جو ہے وہ تو روزہ نہیں توڑتا۔ عینِ بوسہ تو روزہ نہیں توڑتا جیسے ابھی اوپر ذکر ہوا تھا، **وَرُبَّمَا يَصِيرُ فِطْرًا بِعَاقِبَتِهِ**، اور بسا اوقات یہ بوسہ جو ہے وہ **فِطْر** بن جاتا ہے اپنے انجام کے اعتبار سے، یعنی کس طرف پہنچا دیتا ہے؟ جماع کی طرف یا انزال تک پہنچا دیتا ہے، تو بسا اوقات یہ جو ہے یہ بوسہ یہ **فِطْر** بن جاتا ہے اپنے انجام کے اعتبار سے۔

فَإِنْ أَمِنَ يُعْتَبَرُ عَيْنُهُ، تو اگر اس روزہ دار کو اپنے نفس پر اطمینان ہو تو **يُعْتَبَرُ عَيْنُهُ** تو پھر اس بوسے کے عین کا اعتبار کیا جائے گا، اس بوسے کی ذات کا، اور نفسِ بوسہ لینا یہ تو روزے کے توڑنے والا نہیں تو اس کا اعتبار کریں گے، **وَأُبِيحَ لَهُ** اور یہ اس کے لیے جائز ہو گا۔ **وَإِنْ لَمْ يَأْمَنْ** اور اگر اس کو اپنی ذات پر اطمینان نہیں ہے **تُعْتَبَرُ عَاقِبَتُهُ** تو پھر اس بوسے کے انجام کا اعتبار کیا جائے گا **وَكُرِهَ لَهُ** اور اس کے لیے یہ مکروہ ہو گا۔

وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ أَطْلَقَ فِيهِ فِي الْحَالَيْنِ، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے مطلق رکھا ہے بوسے کو **فِيهِ** جواز میں **فِي الْحَالَيْنِ** دونوں حالتوں میں۔ یعنی اپنے نفس پر اطمینان ہو یا اطمینان نہ ہو، وہ کیا فرماتے ہیں؟ بوسہ جائز ہے بھئی، مکروہ بھی نہیں ہے۔

وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَا، اور دلیل ان کے خلاف وہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی کہ یہ روزہ کیا، یہ بوسہ اگرچہ روزے کے خلاف نہیں لیکن انجام کے اعتبار سے کبھی یہ کہاں تک پہنچا دیتا ہے؟ روزے کے توڑنے تک پہنچا دیتا ہے، تو لہٰذا موقع کے مطابق کبھی صرف اس عینِ بوسے کا اعتبار کیا جائے گا جب اس کو اطمینان ہو، اور کبھی

کبھار انجام کا اعتبار کیا جائے گا جب اس کو اپنی ذات پر اعتبار نہ ہو۔

وَالْمُبَاشَرَةُ الْفَاحِشَةُ مِثْلُ التَّقْبِيلِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ۔ مباشرتِ فاحشہ کا ذکر آیا میں نے آپ کو پہلے بتلا دیا، مباشرتِ فاحشہ کسے کہتے ہیں؟ مرد اور عورت کا بدن ملانا بغیر حائل کے، بغیر کسی رکاوٹ یعنی بغیر کپڑوں کے۔ تو کیا کیا خاوند کے لیے بیوی کے ساتھ بغیر کپڑوں کے بدن ملانا روزے کی حالت میں جائز ہے یا جائز نہیں؟ تو کہتے ہیں اس کا بھی وہی حکم ہے جو بوسہ لینے کا حکم تھا۔ اگر اپنے نفس پر اطمینان ہے تو پھر پھر جائز ہے، اور اگر اپنے نفس پر اطمینان نہیں تو پھر اس صورت میں یہ بھی مکروہ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْمُبَاشَرَةُ الْفَاحِشَةُ مِثْلُ التَّقْبِيلِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ،** اور مباشرتِ فاحشہ جو ہے وہ بھی بوسہ لینے کی طرح ہی ہے **فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ** ظاہرِ روایت کے مطابق۔

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ كُرِهَ الْمُبَاشَرَةُ الْفَاحِشَةُ لِأَنَّهُ قَلَّمَا تَخْلُو عَنِ الْفِتْنَةِ، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مباشرتِ فاحشہ مکروہ ہے، مطلقاً مکروہ ہے چاہے نفس پر اطمینان ہو یا اطمینان نہ ہو، ہر حال میں مکروہ ہے، **لِأَنَّهُ قَلَّمَا تَخْلُو عَنِ الْفِتْنَةِ** اس لیے کیونکہ بہت کم یہ فتنے سے خالی ہو گا، یہ یقیناً کس طرف پہنچا دے گا انسان کو؟ یہ انسان کو یقیناً فتنے میں مبتلا کر دے گا۔

وَلَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ ذُبَابٌ وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ لَمْ يُفْطِرْ۔ مسئلہ یہ بھئی: ایک آدمی ہے وہ اس کے حلق میں مکھی چلی گئی اور اس کو روزہ یاد ہے، تو کیا اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا یا روزہ نہیں ٹوٹے گا؟ کہتے ہیں اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس لیے کیونکہ اگر اگرچہ صورۃً مفطر چیز پائی گئی ہے لیکن معنًی مفطر چیز نہیں۔

بھئی ایک چیز ہے جو صورۃً مفطر ہو، روزے کو توڑنے والی، اور وہ کیا؟ کہ کھانے کہ کوئی چیز اندر پیٹ تک پہنچ جائے۔ یہ کیا ہے؟ صورتِ افطار، صورۃً افطار ہے۔ یہ کیا ہے؟ کہ کوئی چیز پیٹ تک اندر پہنچ جائے۔ اور ایک معنًی افطار ہے کہ وہ چیز ایسی ہو جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو، جسے کھایا جاجس سے بدن کو نفع ہوتا ہو۔ تو صورتِ افطار کیا ہے؟ کہ کوئی ایسی چیز پیٹ میں چلی گئی، صورتِ افطار: کوئی چیز پیٹ کے اندر چلی جائے، یہ کیا ہے؟ صورتِ افطار۔ اور معنًی افطار کیا ہے؟ کہ وہ چیز بھی بدن کو نفع دینے والی ہے یعنی غذا وغیرہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں مکھی اس کے پیٹ میں گئی ہے، ٹھیک ہے صورۃً تو افطار ہے، ایک چیز پیٹ میں پہنچ گئی لیکن معنًی افطار نہیں کیونکہ یہ غذا نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَلَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ ذُبَابٌ،** اور اگر داخل ہو گئی اس روزہ دار کے حلق میں مکھی، **وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ** اس حال میں کہ اس کو اپنا روزہ یاد ہے، **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ اس کے روزے کو نہیں توڑے گی۔

وَفِي الْقِيَاسِ يَفْسُدُ صَوْمُهُ، اور قیاس کے مطابق تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا **لِوُصُولِ الْمُفْطِرِ إِلَى جَوْفِهِ** اس وجہ سے کہ روزہ توڑنے والی چیز پہنچ گئی ہے **إِلَى جَوْفِهِ** اس کے پیٹ تک، **وَإِنْ كَانَ لَا يُتَغَذَّى بِهِ** اگرچہ اس سے غذا حاصل نہیں کی جاتی **كَالتُّرَابِ وَالْحَصَاةِ** جیسے کہ مٹی ہے **وَالْحَصَاةِ** اور کنکری ہے۔ کنکری اور سنگریزہ۔ جیسے کہ مٹی اور سنگریزہ ہے، اور مٹی اور سنگریزہ اگر یہ پیٹ تک پہنچ گیا تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس صورت میں کیونکہ صورۃً افطار پایا گیا یا نہیں پایا گیا؟ کوئی چیز پیٹ کے اندر تک پہنچ گئی ہے تو صورۃً افطار پایا گیا، اور جب صورۃً افطار ہے تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تو لہٰذا مٹی اور کنکری کوئی نگل لیتا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن یہاں یہاں مکھی پیٹ میں گئی ہے، یہاں قیاس کو چھوڑ کر کس پر عمل کیا گیا ہے؟ استحسان پر۔ تو یہاں پر استحساناً اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لیے کیونکہ اس سے بچنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ کیونکہ اس مکھی سے بچنا اس کے بس میں نہیں تھا بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ،** اور استحسان کی وجہ یہ ہے: **أَنَّهُ لَا يُسْتَطَاعُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ،** کہ اس استطاعت نہیں ہوتی اس سے بچنے کی، **فَأَشْبَهَ الْغُبَارَ وَالدُّخَانَ،** تو یہ مکھی مشابہ ہو گئی غبار کے اور دھوئیں کے۔ جیسے ایک جگہ سے آپ مثلاً گزر رہے ہیں وہاں پر غبار موجود ہے، تو روزہ دار ہیں تو اب غبار سے تو نہیں بچ سکتے، وہ تو ضرور کچھ نہ کچھ سانس کے ساتھ اندر جائے گا۔ اسی طرح کہیں دھواں ہے، تو اگر کہیں سے گزر رہے ہیں اور دھواں ہے تو اس سے بھی آپ نہیں بچ سکتے، وہ بھی ضرور کچھ نہ کچھ سانس کے ساتھ اندر چلا جائے گا۔ تو جیسے اس دھوئیں اور اس غبار سے بچنا انسان کے بس میں نہیں ہوتا اسی طرح یہاں یہ مکھی سے بھی بچنا اس کے بس میں نہیں تھا، تو یہ ان کی طرح ہوئی اور ان غبار اور دھوئیں کی صورت میں تو روزہ نہیں ٹوٹتا تو لہٰذا اس کی صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ وہ صورت بیان ہو رہی ہے جب وہ دھواں بغیر اختیار کے اس کے سانس کے ساتھ اندر گیا ہے، اور اگر کوئی ارادے کے ساتھ لے کر جاتا ہے مثلاً حقہ پیتا ہے وغیرہ، تو یاد رکھیے اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی، روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وَاخْتَلَفُوا فِي الْمَطَرِ وَالثَّلْجِ، اور اختلاف کیا ہے فقہاء نے بارش میں اور برف میں۔ بارش ہو رہی ہے بھئی، ایک شخص بارش میں چل رہا ہے اور کچھ ایک آدھ قطرہ اس کے پیٹ میں پہنچ گیا، اس کے حلق سے گزر گیا اور پیٹ تک پہنچ گیا، تو اس صورت میں کہتے ہیں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ یا اسی طرح برف باری ہو رہی ہے اور وہ سانس لیتے ہوئے برف کے کچھ چند ذرات کیا ہوئے؟ پیٹ میں چلے گئے تو اس صورت میں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کیونکہ ان سے بچنا اس کے بس میں تھا۔

اس سے بچنا اس کے بس میں تھا۔ مثلاً بارش میں باہر نہ نکلتا، چھت کے نیچے رہتا۔ برف باری میں باہر نہ نکلتا، یا باہر نکلا ہے تو منہ بند کر کے ان کے لیے بچ سکتا ہے یا نہیں بچ سکتا؟ تو ان سے چونکہ بچنا اس کے بس میں ہے اس لیے ان میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَاخْتَلَفُوا فِي الْمَطَرِ وَالثَّلْجِ**، اور اختلاف کیا ہے فقہاء نے بارش میں اور برف کے اندر، **وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يُفْسِدُ**، اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ روزے کو فاسد کر دیں گے **لِإِمْكَانِ الِامْتِنَاعِ عَنْهُ** اس وجہ سے کہ ان سے باز رہنا ممکن ہے یعنی ان سے بچنا ممکن ہے **إِذَا آوَاهُ خَيْمَةٌ أَوْ سَقْفٌ** جب ٹھکانہ دے دے اس روزہ دار کو کوئی خیمہ یا کوئی چھت بھئی۔ کوئی خیمہ یا چھت اس کو ٹھکانہ دے دے تو ان سے بچنا ممکن ہے یا اسی طرح جیسے وہ منہ بند کر لے تو ان سے بچنا ممکن ہے بھئی۔

وَلَوْ أَكَلَ لَحْمًا بَيْنَ أَسْنَانِهِ فَإِنْ كَانَ قَلِيلًا لَمْ يُفْطِرْ وَإِنْ كَانَ كَثِيرًا يُفْطِرْ۔ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے گوشت کھایا تھا اور گوشت کے کچھ ذرات جو ہیں، کچھ ریشے اس کے دانتوں میں پھنس گئے اور پھر وہ ان ریشوں کو نگل لیتا ہے تو کیا اس سے اس کا روزہ ٹوٹے گا یا روزہ نہیں ٹوٹے گا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ اگر یہ قلیل ہوئے، تھوڑے سے ہیں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور کثیر ہوئے تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور قلیل...

فَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ لَمْ يُفْطِرْ، لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصِّيَامَ: الْقَيْءُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالِاحْتِلَامُ»؛ وَلِأَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ صُورَةُ الْجِمَاعِ وَلَا مَعْنًى، وَهُوَ الْإِنْزَالُ عَنْ شَهْوَةٍ بِالْمُبَاشَرَةِ.

بھئی! باب چل رہا ہے ان چیزوں کے بیان میں جو قضا اور کفارے کو واجب کرتی ہیں۔ تو اس میں صاحبِ ہدایہ وہ چیزیں بیان کر رہے ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور پھر بعض صورتوں میں قضا آتی ہے اور بعض صورتوں میں قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی آتا ہے۔

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ لَمْ يُفْطِرْ**، اگر وہ روزہ دار سو گیا **فَاحْتَلَمَ** تو اس کو احتلام ہو گیا **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ اس کے روزے کو نہیں توڑے گا۔ **أَفْطَرَ يُفْطِرُ** کے معنی میں نے کیا بیان کیے تھے؟ کسی چیز کا روزے کو توڑنا۔ تو اس کے لیے ایک فاعل چاہیے اور ایک اس کے لیے مفعول چاہیے۔ **أَفْطَرَ الشَّيْءُ الصَّوْمَ، أَفْطَرَ الشَّيْءُ** اس چیز نے توڑ دیا **الصَّوْمَ** روزے کو۔ تو **الصَّوْمَ** یہاں پر مفعول ہے اور وہ ذکر عموماً یہ نہیں کرتے بھئی۔ اور اسی طرح فاعل کی ضمیر جو ما قبل میں ہو گا جس کا ذکر، اسی کی طرف لوٹے گی بھئی۔ تو اگر کوئی شخص سو گیا تو اس کو احتلام ہوا تو **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ احتلام اس کے روزے کو نہیں توڑے گا۔

لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: **«ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصِّيَامَ»**، تین چیزیں جو ہیں وہ روزے کو نہیں توڑتیں۔ دیکھا، **الصِّيَامَ** یہ مفعول آ گیا **يُفْطِرْنَ** کے لیے اور لَا **يُفْطِرْنَ** اس کے اندر فاعل کی ضمیر ہے جو **ثَلَاثٌ** کو راجع ہے بھئی، کہ تین چیزیں ہیں وہ روزے کو نہیں توڑتیں۔ اور پھر آگے ان تین کا بیان آ رہا ہے، تو یہ لف و نشر ہے۔ کیا ہے؟ پہلے اکٹھا ذکر کیا اور پھر ہر ایک کو کھول کر بیان کر دیے کہ وہ تین چیزیں یہ ہیں بھئی۔ تو **ثَلَاثٌ** کہا، اس میں تینوں آ گئیں۔ تو یہ کیا ہے؟ لف۔ لف کا معنی لپیٹنا۔ اور پھر اس کے بعد آگے تینوں کو الگ الگ کھول کر بیان کر دیے کہ یہ تین چیزیں ہیں، تو اس کو کہتے ہیں نشر، یعنی اسی کو اب کیا کیا؟ کھول کر بیان کر دیا۔

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: **«ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصِّيَامَ»**، تین چیزیں جو ہیں وہ روزے کو نہیں توڑتیں: **«الْقَيْءُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالِاحْتِلَامُ»**، ایک تو قے ہے **وَالْحِجَامَةُ** اور پچھنے لگوانا۔ پچھنے لگوانا۔ حجامت کس کو کہتے ہیں؟ پچھنے لگوانا یا اسی کو سینگی لگوانا، یہ ایک پرانا طریقۂ علاج تھا بھئی جس کے اندر وہ بدن کے مثلاً گردن وغیرہ پر خاص آلات لگا کر منہ کے ذریعے وہ فاسد خون کو کھینچ کر نکالا جاتا تھا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس کو حجامت کہتے ہیں بھئی اور یہ بڑا ہی مفید طریقۂ علاج ہے بھئی، بڑا ہی مفید طریقۂ علاج۔ آج کل یہ پھر کچھ بعض اطباء نے شروع کیا ہے اور اس کے واضح فوائد انہوں نے دیکھے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں **الْقَيْءُ** ان تین چیزوں میں سے ایک قے ہے، **وَالْحِجَامَةُ** اور ایک پچھنے لگوانا، **وَالِاحْتِلَامُ** اور تیسری چیز احتلام ہے، ان سے روزہ یہ چیزیں روزے کو نہیں توڑتیں۔

وَلِأَنَّهُ، یہاں سے عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ صُورَةُ الْجِمَاعِ وَلَا مَعْنًى**، اور اس لیے کیونکہ صورتِ جماع بھی نہیں پائی گئی **وَلَا مَعْنًى** اور معنوی اعتبار سے بھی جماع نہیں پایا گیا۔ بھئی یاد رکھیے، ایک ہے صورتِ جماع اور ایک ہے معنیٔ جماع، معنیٔ جماع۔ تو صورتِ جماع یاد رکھیے وہ ہے دخول کی صورت میں۔ صورتِ جماع کس صورت میں ہے؟ دخول کی صورت میں۔ اور معنیٔ جماع کسے کہتے ہیں؟ وہ خود بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَهُوَ الْإِنْزَالُ عَنْ شَهْوَةٍ بِالْمُبَاشَرَةِ**۔ مباشرت کا لفظ یہاں آیا بھئی، مباشرت کا معنی یاد رکھیے۔ مباشرت کہتے ہیں مرد اور عورت کا ایک دوسرے کے ساتھ بدن ملانا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ مباشرت۔ مرد اور عورت کا ایک دوسرے کے ساتھ بدن ملانا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ مباشرت۔ پھر اسی میں ایک لفظ آئے گا مباشرتِ فاحشہ بھئی۔ مباشرتِ فاحشہ یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے ساتھ بدن ملاتے ہیں بغیر حائل کے، بغیر کپڑے کے، تو یہ ہے مباشرتِ فاحشہ۔ تو کپڑے کے ساتھ ہو تو یہ مباشرت ہے اور بغیر کپڑے کے ہو تو مباشرتِ فاحشہ ہے۔

تو اب صورتِ جماع میں نے بتلا دیا، صورتِ جماع کیا ہے؟ وہ دخول ہے اور معنًی جماع، کہتے ہیں: **وَهُوَ الْإِنْزَالُ عَنْ شَهْوَةٍ بِالْمُبَاشَرَةِ**، مباشرت کی وجہ سے شہوت سے انزال ہونا۔ مباشرت کی وجہ سے مرد اور عورت نے بدن ملایا اور شہوت سے انزال ہو گیا، یہ کیا ہے؟ معنًی جماع ہے۔ کیا ہے؟ معنًی جماع۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھئی؟ تو یاد رکھیے، صورۃً جماع ہو یا معنًی جماع ہو تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی۔ تو یہاں پر نہ تو صورتِ جماع پائی گئی اور نہ معنًی جماع پایا گیا۔ کس کے اندر؟ احتلام کے اندر۔ صورتِ جماع نہیں، دخول یہاں نہیں۔ اور معنًی بھی جماع نہیں، کیونکہ یہاں پر عورت کے ساتھ بدن کا ملانا ہے ہی نہیں بھئی۔ صورت سمجھ میں آئی؟

وَكَذَا إِذَا نَظَرَ إِلَى امْرَأَةٍ فَأَمْنَى، اور اسی طرح ہے حکم جب دیکھا اس روزہ دار نے کسی عورت کی طرف **فَأَمْنَى** تو اس کی منی نکل آئی یعنی اس کو انزال ہو گیا۔ صرف دیکھنے سے ہی کیا ہو گیا؟ انزال۔ تو اس صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیوں بھئی؟ کہتے ہیں: **لِمَا بَيَّنَّا**، اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔ کیونکہ نہ صورۃً جماع ہے اور نہ معنًی جماع ہے۔

وَصَارَ كَالْمُتَفَكِّرِ إِذَا أَمْنَى، اور یہ ہو گیا اس شخص کی طرح جو سوچنے والا ہے **إِذَا أَمْنَى** جب اس کو انزال ہو جائے۔ جیسے سوچ میں بھئی، سوچ اور تصور ہی کیا کسی عورت کا اور اس کو کیا ہوا؟ انزال ہو گیا۔ تو جیسے وہاں پر نہ صورۃً جماع ہے اور نہ معنًی جماع ہے، تو یہ بھی اسی کی طرح ہوا تو دونوں کے اندر دونوں کے اندر روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وَكَالْمُسْتَمْنِي بِالْكَفِّ، اور جیسے کہ مستمنی، منی کو طلب کرنے والا یعنی اس کو نکالنے والا **بِالْكَفِّ** ہتھیلی کے ذریعے یعنی ہاتھ کے ذریعے، **عَلَى مَا قَالُوا**، بوجہ اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے۔ تو یہ ہو گیا اس شخص کی طرح جو سوچنے والا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو انزال ہو گیا، یا جیسے وہ شخص ہے جو ہاتھ کے ذریعے انزال کرنے والا ہے۔ اب دیکھیے معلوم ہوا اس سے کہ ہاتھ کے ذریعے انزال کرنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی لیے صاحبِ ہدایہ نے کہا: **عَلَى مَا قَالُوا**، بوجہ اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے۔ دیکھو اس طرح کا جب اختلافی مسئلہ ہوتا ہے تو صاحبِ ہدایہ فقہاء پہ بات ڈال دیتے ہیں۔ **عَلَى مَا قَالُوا**، جیسا انہوں نے فرمایا ہے۔ تو یاد رکھیے یہ تو صاحبِ ہدایہ نے ذکر کیا اور اختلاف کی طرف اشارہ کر دیا **عَلَى مَا قَالُوا** کے ذریعے، بات ان پر ڈال دی۔ یاد رکھیے یہ ہاتھ کے ذریعے اگر کوئی انزال کرتا ہے تو اکثر مشائخ اسی پر ہیں کہ اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی۔ روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ہاں، اس میں قضا آئے گی، کفارہ نہیں آئے گا بھئی، کفارہ نہیں آئے گا۔ حدیث میں آتا ہے بھئی: «**نَاكِحُ الْيَدِ مَلْعُونٌ**»، ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے۔ اور اسی طرح بعض کہتے ہیں علماء نے بڑے علماء نے ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے یعنی روایات میں آیا ہے کہ کچھ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور ان کے ہاتھ جو ہیں وہ وہ حمل والے ہوں گے۔ ہاتھ حمل والے ہوں گے؟ ہاتھ کیا ہوں گے؟ تو کہتے ہیں شاید یہ وہی لوگ مراد ہیں جو انزال کرنے والے ہیں ہاتھ سے بھئی۔

وَلَوِ ادَّهَنَ لَمْ يُفْطِرْ، اور اگر روزہ دار نے تیل لگایا بالوں پر، سر پر یا بدن پر، **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ تیل لگانا اس کے روزے کو نہیں توڑے گا، **لِعَدَمِ الْمُنَافِي**، منافی چیز کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ کیونکہ منافی، کوئی روزے کے منافی چیز نہیں پائی گئی جب اس نے صرف تیل لگایا بدن پر۔

وَكَذَا إِذَا احْتَجَمَ، اور اسی طرح ہے حکم جب وہ پچھنے لگوائے۔ کیا کرے؟ پچھنے لگوائے، جیسے حدیث میں آیا تھا۔ تو **وَكَذَا إِذَا احْتَجَمَ لِهَذَا وَلِمَا رَوَيْنَا**، اور اسی طرح ہے پچھنے لگوانا بھی، یعنی اس کا بھی یہی حکم ہے، **لِهَذَا**، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ کون سی دلیل؟ کہ پچھنے پچھنے لگوانے میں کوئی منافیٔ صوم چیز نہیں ہے۔ اس میں اس میں تو خون نکالا جا رہا ہے اور روزہ ٹوٹے گا جب بدن کے اندر کوئی چیز داخل ہو۔ تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ **وَلِمَا رَوَيْنَا**، اور اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا: «**ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصَّيَامَ: الْقَيْءُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالِاحْتِلَامُ**»، تو اس کے اندر دیکھو حجامت کا ذکر بھی ہے کہ یہ چیزیں روزے کو نہیں توڑتیں۔

وَلَوِ اكْتَحَلَ لَمْ يُفْطِرْ، اور اگر سرمہ لگایا روزہ دار نے **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ بھی اس کے روزے کو نہیں توڑے گا، **لِأَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ الْعَيْنِ وَالدِّمَاغِ مَنْفَذٌ**، اس لیے کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے، کوئی گزرنے کی جگہ یعنی کوئی راستہ نہیں ہے۔ تو روزہ ٹوٹے گا کہ کھانے والی کوئی چیز اندر پہنچ جائے۔ اندر پہنچ جائے، اندر پہنچ جائے، یعنی یہ سارا، چاہے دماغ تک پہنچ جائے اور چاہے یا پیٹ تک پہنچ جائے، تو اس صورت میں روزہ ٹوٹے گا۔ اور یہاں پر اس نے کیا کیا ہے؟ سرمہ لگایا ہے، تو پھر روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس لیے کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں کہ یہ سرمہ کہاں تک پہنچ جائے؟ دماغ تک پہنچ جائے۔ اگر راستہ ہوتا تو پھر اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا لیکن ان میں کوئی راستہ نہیں۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی آنسو بھی تو دماغ سے آتے ہیں اور آنکھ سے نکلتے ہیں، معلوم ہوا دماغ اور آنکھ کے درمیان راستہ موجود ہے۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ آنکھ اور دماغ میں راستہ موجود ہے کہ آنسو وہاں سے چلے ہیں اور آنکھ سے نکل رہے ہیں، تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَالدَّمْعُ يَتَرَشَّحُ كَالْعَرَقِ**، **عَرَق** را کے فتحہ کے ساتھ، یہ پسینے کو کہتے ہیں۔ اور آنسو جو ہیں وہ ٹپکتے ہیں **كَالْعَرَقِ** جیسے کہ پسینہ ہے۔ جیسے کیا ہے؟ پسینہ۔ بلکہ اس کا زیادہ مناسب ترجمہ یوں کریں: **وَالدَّمْعُ يَتَرَشَّحُ كَالْعَرَقِ**، اور آنسو رِستے ہیں، آنسو رِستے ہیں **كَالْعَرَقِ** جیسے کہ پسینہ ہے۔ بھئی یہ جسم میں جسم میں، جلد میں باریک چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں، ان کو مسام کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مسام کہتے ہیں۔ تو پسینہ جیسے ان سے نکلتا ہے، ان سے ٹپکتا ہے، ان سے رستا ہے، اسی طرح یہ آنسو بھی دماغ سے رِستے ہیں۔ تو راستہ درمیان میں کوئی نہیں ہے بلکہ یہ ان کے ذریعے رِستے ہیں ان سوراخ جو ہیں باریک بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ تو یہ معنی **وَالدَّمْعُ يَتَرَشَّحُ كَالْعَرَقِ**، اور آنسو جو

ہیں وہ رِستے ہیں جیسے کہ پسینہ ہے۔

وَالدَّاخِلُ مِنَ الْمَسَامِّ لَا يُنَافِي كَمَا لَوِ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ، یہاں سے بتلا رہے ہیں، بھئی معلوم ہوا آنسو جو ہیں آنسو وہ رِستے ہیں۔ معلوم ہوا باریک سوراخ تو ہیں، مسام جیسی صورت تو وہاں بھی ہے، تو کچھ نہ کچھ اثر پہنچے گا یا نہیں اندر؟ کہتے ہیں بھئی مسام کے ذریعے اگر کوئی چیز بدن میں داخل ہو تو اس سے روزے پر اثر نہیں پڑتا بھئی۔ جیسے جیسے انسان ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہے تو اس پانی کا اثر مسام کے ذریعے اندر تک پہنچتا ہے، اندر تک انسان ٹھنڈک محسوس کرتا ہے بھئی، لیکن اس سے کوئی فرق روزے پر نہیں پڑتا بھئی۔ تو کہتے ہیں: **وَالدَّاخِلُ مِنَ الْمَسَامِّ لَا يُنَافِي،** اور مسام سے داخل ہونے والی مسام میں یاد رکھیے یہ آخری میم مشدد ہے، **مَسَامٌّ۔ وَالدَّاخِلُ مِنَ الْمَسَامِّ لَا يُنَافِي،** اور مسام سے داخل ہونے والی چیز وہ روزے کے منافی نہیں ہے **كَمَا لَوِ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ** جیسے کہ وہ روزہ دار غسل کرے ٹھنڈے پانی سے۔ تو ٹھنڈک مسام کے ذریعے اندر تک پہنچتی ہے لیکن اس میں روزے پر کوئی اثر اس سے نہیں پڑے گا۔

وَلَوْ قَبَّلَ امْرَأَةً لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ، اور اگر روزہ دار نے بوسہ لے لیا کسی عورت کا، **لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ** تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا۔ **يُرِيدُ بِهِ إِذَا لَمْ يُنْزِلْ،** صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ ماتن نے جو کہا ناصاحبِ قدوری نے، اگر عورت کا بوسہ لے لیا تو یہ روزے کے لیے روزے کو فاسد کرنے والا نہیں، اس سے روزہ فاسد نہیں ہو گا۔ کہتے ہیں اس کے ذریعے ماتن کی مراد یہ ہے کہ جب اس کو انزال نہ ہو۔ جب اس کو انزال نہ ہو۔ اس لیے کیونکہ اگر انزال ہوا، تو مباشرت پائی گئی یا نہیں پائی گئی؟ مرد اور عورت کا بدن بوسہ بھی لے گا، بدن کا ملنا پایا گیا یا نہیں؟ پایا گیا۔ تو مباشرت ہوئی بھی ہوئی اور اس کی وجہ سے شہوت سے انزال بھی ہوا ہے، تو اس صورت میں معنًی جماع پایا جائے گا۔ معنًی جماع، تو یہ وہ صورت ذکر ہو رہی ہے جب انزال نہ ہوا ہو، تو لہٰذا جب صرف بوسہ لیا ہے تو لہٰذا معنًی بھی جماع نہیں، کیونکہ انزال ہی نہیں۔ اور صورۃً بھی جماع نہیں، تو لہٰذا اس لیے روزے پر اثر نہیں پڑے گا۔ یہ معنی **يُرِيدُ بِهِ إِذَا لَمْ يُنْزِلْ،** کہ ارادہ کیا صاحبِ قدوری نے اس کے ذریعے جب اس شخص کو انزال نہ ہو، **لِعَدَمِ الْمُنَافِي صُورَةً وَمَعْنًى،** اس لیے کیونکہ روزے کے منافی کوئی چیز نہیں پائی گئی نہ صورۃً اور نہ معنًی، یعنی صورت کے اعتبار سے بھی جماع نہیں ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی جماع نہیں ہے۔

بِخِلَافِ الرَّجْعَةِ وَالْمُصَاهَرَةِ لِأَنَّ الْحُكْمَ هُنَاكَ أُدِيرَ عَلَى السَّبَبِ، بخلاف رجوع کرنے کے اور مثلاً مصاہرت میں، اس لیے کیونکہ حکم جو ہے وہاں پر **أُدِيرَ عَلَى السَّبَبِ** وہ دائر کیا گیا ہے سبب پر۔ بھئی یاد رکھیے، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دے دے تو اس صورت میں عدت کے اندر اندر وہ رجوع کر سکتا ہے۔ اور رجوع جس طرح زبان سے کہنے سے ہوتا ہے، اسی طرح اگر کوئی ایسا عمل کر لیا جو رجوع پر دلالت کر رہا ہے تو بھی رجوع ثابت ہو جائے گا۔ زبان سے رجوع کرتا ہے، مثلاً یوں کہتا ہے: میں تم سے رجوع کرتا ہوں یا میں اپنی بیوی پر رجوع کرتا ہوں، بس رجوع ہو جائے گا۔ اور عمل کے ذریعے، زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف کس کے ذریعے رجوع کرتا ہے مثلاً؟ عمل کے ذریعے، یعنی اس حالت میں وہ شہوت سے بیوی کا ہاتھ اس نے پکڑ لیا یا بیوی کا بوسہ لے لیا، اب یہ شہوت سے ہاتھ کا پکڑنا یا بوسہ لینا اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ رجوع کر رہا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟

تو اسی طرح ایک حرمتِ مصاہرت والا مسئلہ ہے بھئی، حرمتِ مصاہرت۔ حرمتِ مصاہرت یہ یاد رکھیے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو شہوت سے ہاتھ لگا دے، ہاتھ لگا دے، تو اس عورت کے اصول و فروع اس شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں۔ اور تو مصاہرت کہتے ہیں سسرالی رشتے جو ہیں۔ مصاہرت کسے کہتے ہیں؟ سسرالی رشتے۔ تو حرمتِ مصاہرت کا معنی ہوا سسرالی رشتوں کا احترام بھئی۔ حرمتِ مصاہرت کیا معنی؟ سسرالی رشتوں کا احترام۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس عورت کی ماں جو ہے وہ اس کی ساس بن جاتی ہے، وہ اس شخص کے لیے بھی ماں کے درجے میں ہو جاتی ہے، لہٰذا وہ اس شخص پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔ اور اسی طرح اس عورت کی جو اولاد ہے وہ اس نکاح کرنے والے کے لیے اس کے اپنے اولاد کے درجے میں ہو جاتی ہے، تو ان سے بھی نکاح کیا ہو جاتا ہے ہمیشہ کے لیے؟ حرام۔ تو جب کوئی شخص کسی عام عورت کو بھی جب شہوت سے ہاتھ لگائے گا، تو جیسے بیوی کے ساتھ نکاح کے اندر اس بیوی کے اصول و فروع حرام ہو جاتے تھے، کس وجہ سے؟ سسرالی رشتوں کے احترام، ان سے رشتہ بن گیا یا نہیں بن گیا؟ اس عورت کی ماں کیا بن گئی اس کی؟ اس کے ماں جیسی ہو گئی اور اس عورت کی اولاد کیسے ہو گئی؟ وہ اس شخص کے اولاد۔ تو جیسے وہاں سسرالی رشتوں کے احترام کی وجہ سے اس عورت کے اصول و فروع حرام ہو جاتے تھے، اگر کسی عام عورت کو بھی کوئی شخص شہوت سے ہاتھ لگائے گا، تو اس عورت کے بھی اصول و فروع کیا ہو جائیں گے؟ اس شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائیں گے اسی سسرالی رشتوں کے احترام کی علت کی وجہ سے۔ یعنی یہ بھی اسی طرح ہو گئی، یہ بھی جیسے بیوی میں حکم تھا وہی حکم یہاں بھی آجائے گا بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟

تو اب دیکھیے یہ جو رجوع کرنا ہے اور مصاہرت ہے مصاہرت، یہ بوسہ لینے سے بھی رجوع ثابت ہو جائے گا اور اسی طرح بوسہ لینے سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ تو صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ عورت کا بوسہ لیا اس سے روزہ تو نہیں ٹوٹے گا لیکن بوسہ لیا تو رجوع بھی ثابت ہو جائے گا اگر وہ اس کی بیوی تھی، اور اور حرمتِ مصاہرت بھی ثابت ہو جائے گی، اس لیے کیونکہ ان مسئلوں کے اندر حکم کا مدار جو ہے سبب پر ہے یعنی دواعیٔ دواعیٔ جماع پر ہے۔ کس پر ہے؟ تو رجوع کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جماع کرے گا پھر رجوع ہو گا۔ اور حرمتِ مصاہرت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جماع کرے گا تو پھر حرمتِ مصاہرت ثابت ہو گی۔ بلکہ جو دواعیٔ جماع ہیں، جو چیزیں جماع تک لے جانے والی ہیں، ان کی وجہ سے بھی یہ رجوع بھی ثابت ہو جائے گا اور حرمتِ مصاہرت بھی۔ تو وہاں پر حکم کا مدار کس پر رکھا گیا ہے؟ سببِ جماع پر ہی حکم کا مدار کیا گیا ہے۔ اس لیے وہاں پر رجوع بھی ثابت ہو جائے گا اور حرمتِ مصاہرت بھی، جبکہ روزے کے اندر ایسا نہیں ہے۔ روزے کے اندر اگر روزے کے منافی چیز

پائی جائے گی، یعنی چاہے صورۃً جماع ہو چاہے معنًی جماع ہو، پھر روزہ ٹوٹے گا۔ اور یہاں نہ صورۃً جماع ہے اور نہ معنًی جماع ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **بِخِلَافِ الرَّجْعَةِ وَالْمُصَاهَرَةِ**، بخلاف رجوع کرنے اور مصاہرت کے مسئلے کے، **لِأَنَّ الْحُكْمَ هُنَاكَ أُدِيرَ عَلَى السَّبَبِ عَلَى مَا يَأْتِي فِي مَوْضِعِهِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى**، اس لیے کہ حکم جو ہے وہاں پر دائر کیا گیا ہے سبب پر بوجہ اس کے جو آگے آجائے گی اپنے مقام پر، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَلَوْ أَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ أَوْ لَمْسٍ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ، اور اگر اس شخص کو روزہ دار کو انزال ہو گیا بوسہ لینے کی وجہ سے **أَوْ لَمْسٍ** یا چھونے کی وجہ سے یعنی ہاتھ لگانے سے، **فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ** تو اس پر قضا واجب ہے، یعنی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ روزہ ٹوٹ جائے گا اگر اس کو انزال ہوا چھونے سے یا ہاتھ لگانے سے۔ بھئی کیوں؟ کیوں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا؟ کیونکہ معنًی جماع پایا گیا، اور معنًی جماع کس چیز کا نام تھا؟ کہ مرد اور عورت بدن ایک دوسرے کے ساتھ ملائیں، اور یہاں بھی ملانا ہے یا نہیں؟ ہاتھ کو ہاتھ لگایا ہے تو بدن کا ملانا پایا گیا، یا بوسہ لیا ہے تو بدن کا بدن سے ملانا پایا گیا۔ اور ساتھ مباشرت کی وجہ سے کیا ہو جائے؟ شہوت سے انزال ہو جائے، تو یہ تھا جماع معنوی اعتبار سے اور وہ یہاں پایا جا رہا ہے کیونکہ انزال ہو گیا ہے۔ تو اس شخص پر قضا ہے **دُونَ الْكَفَّارَةِ**، نہ کہ کفارہ، کفارہ نہیں ہے اس پر، **لِوُجُودِ مَعْنَى الْجِمَاعِ**، معنیٰ جماع کے پائے جانے کی وجہ سے۔

وَوُجُودُ الْمُنَافِي صُورَةً أَوْ مَعْنًى يَكْفِي لِإِيجَابِ الْقَضَاءِ احْتِيَاطًا، اور منافی چیز کا پایا جانا صورۃً ہو یا معنًی ہو، یہ کافی ہے قضا واجب کرنے کے لیے **احْتِيَاطًا** بطورِ احتیاط کے۔ تو یہاں بھی احتیاط پر عمل کرتے ہوئے ایجابِ قضا کا حکم لگایا جائے گا کہ اس پر قضا واجب ہے، اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے۔

أَمَّا الْكَفَّارَةُ، باقی انہوں نے متن میں کہا تھا کفارہ واجب نہیں ہو گا، تو آگے آپ کو بتائیں گے کہ بھئی کفارہ اس لیے نہیں واجب کہ کفارہ تب آئے گا جب جرم کامل درجے کا پایا جائے۔ جرم کس قسم کا پایا جائے؟ کامل درجے کا پایا جائے، اور کامل درجے کا جرم تب پایا جائے گا جب صورۃً بھی جماع ہو اور معنًی بھی جماع ہو۔ صرف معنًی جماع پایا جائے تو یہ جرم چونکہ کامل نہیں، لہٰذا کفارہ بھی نہیں آئے گا۔ یہ معنی **أَمَّا الْكَفَّارَةُ فَتَفْتَقِرُ إِلَى كَمَالِ الْجِنَايَةِ**، باقی کفارہ جو ہے تو وہ محتاج ہے کامل جنایت کا یعنی پورے جرم کا، کہ جرم پورا ہونا چاہیے، **لِأَنَّهَا تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ كَالْحُدُودِ**، اس لیے کیونکہ یہ کفارہ جو ہے وہ اٹھ جاتا ہے یعنی ختم ہو جاتا ہے **بِالشُّبُهَاتِ** شبہوں کی وجہ سے بھی۔ شبہے کی وجہ سے بھی یہ کفارہ کیا ہو جاتا ہے؟ ساقط ہو جاتا ہے **كَالْحُدُودِ** جیسے کہ حدود ہیں۔

وَلَا بَأْسَ بِالْقُبْلَةِ إِذَا أَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ، یہاں سے یہ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں کہ بھئی کیا روزے کی حالت میں کوئی شخص اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے یا نہیں لے سکتا؟ کہتے ہیں بھئی اگر اس شخص کو اپنے نفس پر اطمینان ہو کہ یہ بوسہ آگے جماع تک ہمیں نہیں پہنچائے گا تو پھر اس کے لیے جائز ہے بھئی، پھر اس کے لیے جائز۔ اور اگر اس کو اس کا اپنے نفس پر اطمینان نہیں اور یہ خطرہ ہے کہ یہ بوسہ لینا کہیں جماع تک نہ پہنچا دے تو پھر اس کے لیے یہ بوسہ لینا بھی مکروہ ہے، بوسہ لینا بھی مکروہ ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا بَأْسَ بِالْقُبْلَةِ إِذَا أَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ**، اور کوئی حرج نہیں ہے بوسہ لینے میں **إِذَا أَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ** جب اس کو اطمینان ہو اپنی ذات پر، **أَيِ الْجِمَاعَ أَوِ الْإِنْزَالَ**، یعنی اس کو اطمینان ہو کس پر؟ جماع یا انزال پر، کہ اس بوسہ لینے سے اس کو یہ جماع تک نہیں پہنچائے گا یا انزال تک نہیں پہنچائے گا۔ **وَيُكْرَهُ إِذَا لَمْ يَأْمَنْ**، اور مکروہ ہے اس کے لیے جب جب اس کو اطمینان نہ ہو، **لِأَنَّ عَيْنَهُ لَيْسَ يُفْطِرُ**، اس لیے کیونکہ عینِ بوسہ جو ہے وہ تو روزہ نہیں توڑتا۔ عینِ بوسہ تو روزہ نہیں توڑتا جیسے ابھی اوپر ذکر ہوا تھا، **وَرُبَّمَا يَصِيرُ فِطْرًا بِعَاقِبَتِهِ**، اور بسا اوقات یہ بوسہ جو ہے وہ فطر بن جاتا ہے اپنے انجام کے اعتبار سے، یعنی کس طرف پہنچا دیتا ہے؟ جماع کی طرف یا انزال تک پہنچا دیتا ہے۔ تو بسا اوقات یہ جو ہے یہ بوسہ یہ فطر بن جاتا ہے اپنے انجام کے اعتبار سے، **فَإِنْ أَمِنَ يُعْتَبَرُ عَيْنُهُ**، تو اگر اس روزہ دار کو اپنے نفس پر اطمینان ہو تو **يُعْتَبَرُ عَيْنُهُ** تو پھر اس بوسے کے عین کا اعتبار کیا جائے گا، اس بوسے کی ذات کا، اور نفسِ بوسہ لینا یہ تو روزے کو توڑنے والا نہیں، تو اس کا اعتبار کریں گے، **وَأُبِيحَ لَهُ**، اور یہ اس کے لیے جائز ہو گا، **وَإِنْ لَمْ يَأْمَنْ**، اور اگر اس کو اپنی ذات پر اطمینان نہیں ہے، **تُعْتَبَرُ عَاقِبَتُهُ**، تو پھر اس بوسے کے انجام کا اعتبار کیا جائے گا، **وَكُرِهَ لَهُ**، اور اس کے لیے یہ مکروہ ہو گا۔

وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ أَطْلَقَ فِيهِ فِي الْحَالَيْنِ، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے مطلق رکھا ہے بوسے کو **فِيهِ** جواز میں **فِي الْحَالَيْنِ** دونوں حالتوں میں۔ یعنی اپنے نفس پر اطمینان ہو یا اطمینان نہ ہو، وہ کیا فرماتے ہیں؟ بوسہ جائز ہے بھئی، مکروہ بھی نہیں ہے۔ **وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَا**، اور دلیل ان کے خلاف وہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی کہ یہ روزہ کیا یہ بوسہ اگرچہ روزے کے خلاف نہیں لیکن انجام کے اعتبار سے کبھی یہ کہاں تک پہنچا دیتا ہے؟ روزے کے توڑنے تک پہنچا دیتا ہے، تو لہٰذا موقع کے مطابق کبھی صرف اس عینِ بوسے کا اعتبار کیا جائے گا جب اس کو اطمینان ہو، اور کبھی کبھار انجام کا اعتبار کیا جائے گا جب اس کو اپنی ذات پر اعتبار نہ ہو۔

وَالْمُبَاشَرَةُ الْفَاحِشَةُ مِثْلُ التَّقْبِيلِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، مباشرتِ فاحشہ کا ذکر آیا، میں نے آپ کو پہلے بتلا دیا، مباشرتِ فاحشہ کسے کہتے ہیں؟ مرد اور عورت کا بدن ملانا بغیر حائل کے، بغیر کسی رکاوٹ یعنی بغیر کپڑوں کے۔ تو کیا کیا خاوند کے لیے بیوی کے ساتھ بغیر کپڑوں کے بدن ملانا روزے کی حالت میں جائز ہے یا جائز نہیں؟ تو کہتے ہیں اس کا بھی وہی حکم ہے جو بوسہ لینے کا حکم تھا۔ اگر اپنے نفس پر اطمینان ہے تو پھر پھر جائز ہے، اور اگر اپنے نفس پر اطمینان نہیں تو پھر اس صورت میں یہ بھی مکروہ ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: **وَالْمُبَاشَرَةُ الْفَاحِشَةُ مِثْلُ التَّقْبِيلِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ**، اور مباشرتِ فاحشہ جو ہے وہ بھی بوسہ لینے کی طرح ہی ہے **فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ** ظاہرِ روایت کے مطابق۔ **وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ كَرِهَ الْمُبَاشَرَةَ الْفَاحِشَةَ لِأَنَّهُ قَلَّمَا تَخْلُو عَنِ الْفِتْنَةِ**، اور امام محمد رحمہ

اللہ کے نزدیک مباشرتِ فاحشہ مکروہ ہے، مطلقاً مکروہ ہے، چاہے نفس پر اطمینان ہو یا اطمینان نہ ہو، ہر حال میں مکروہ ہے، **لِأَنَّهُ قَلَّمَا تَخْلُو عَنِ الْفِتْنَةِ** اس لیے کیونکہ بہت کم یہ فتنے سے خالی ہوگا، یہ یقیناً کس طرف پہنچادے گا انسان کو؟ یہ انسان کو یقیناً فتنے میں مبتلا کر دے گا۔

وَلَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ ذُبَابٌ وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ لَمْ يُفْطِرْ، مسئلہ یہ بھئی، ایک آدمی ہے وہ اس کے حلق میں مکھی چلی گئی اور اس کو روزہ یاد ہے، تو کیا اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا یا روزہ نہیں ٹوٹے گا؟ کہتے ہیں اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس لیے کیونکہ اگر اگرچہ صورۃً مفطر چیز پائی گئی ہے لیکن معنًی مفطر چیز نہیں۔ بھئی ایک چیز ہے جو صورۃً مفطر ہو، روزے کو توڑنے والی، اور وہ کیا؟ کہ کھانے کہ کوئی چیز اندر پیٹ تک پہنچ جائے۔ یہ کیا ہے؟ صورتِ افطار، صورۃً افطار ہے، یہ کیا ہے؟ کہ کوئی چیز پیٹ تک اندر پہنچ جائے۔ اور ایک معنًی افطار ہے کہ وہ چیز ایسی ہو جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو، جسے کھایا جا، جس سے بدن کو نفع ہوتا ہو۔ تو صورتِ افطار کیا ہے؟ کہ کوئی ایسی چیز پیٹ میں چلی گئی، صورتِ افطار، کوئی چیز پیٹ کے اندر چلی جائے، یہ کیا ہے؟ صورتِ افطار۔ اور معنًی افطار کیا ہے؟ کہ وہ چیز بدن کو نفع دینے والی ہے یعنی غذا وغیرہ ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو یہاں مکھی اس کے پیٹ میں چلی گئی ہے، ٹھیک ہے صورۃً تو افطار ہے، ایک چیز پیٹ میں پہنچ گئی، لیکن معنًی افطار نہیں کیونکہ یہ غذا نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَلَوْ دَخَلَ حَلْقَهُ ذُبَابٌ وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ لَمْ يُفْطِرْ،** اور اگر داخل ہو گئی اس روزہ دار کے حلق میں مکھی **وَهُوَ ذَاكِرٌ لِصَوْمِهِ** اس حال میں کہ اس کو اپنا روزہ یاد ہے، **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ اس کے روزے کو نہیں توڑے گی۔ **وَفِي الْقِيَاسِ يَفْسُدُ صَوْمُهُ،** اور قیاس کے مطابق تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، **لِوُصُولِ الْمُفْطِرِ إِلَى جَوْفِهِ،** اس وجہ سے کہ روزہ توڑنے والی چیز پہنچ گئی ہے **إِلَى جَوْفِهِ** اس کے پیٹ تک، **وَإِنْ كَانَ لَا يُتَغَذَّى بِهِ كَالتُّرَابِ وَالْحَصَاةِ،** اگرچہ اس سے غذا حاصل نہیں کی جاتی **كَالتُّرَابِ وَالْحَصَاةِ** جیسے کہ مٹی ہے اور کنکری ہے، کنکری اور سنگریزہ، جیسے کہ مٹی اور سنگریزہ ہے، اور مٹی اور سنگریزہ اگر یہ پیٹ تک پہنچ گیا تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس صورت میں کیونکہ صورۃً افطار پایا گیا یا نہیں پایا گیا؟ کوئی چیز پیٹ کے اندر تک پہنچ گئی ہے تو صورۃً افطار پایا گیا اور جب صورۃً افطار ہے تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، تو لہٰذا مٹی اور کنکری کوئی نگل لیتا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن یہاں یہاں مکھی پیٹ میں گئی ہے، یہاں قیاس کو چھوڑ کر کس پر عمل کیا گیا ہے؟ استحسان پر۔ تو تو یہاں پر استحساناً اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کیونکہ اس سے بچنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ کیونکہ اس مکھی سے بچنا اس کے بس میں نہیں تھا بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ لَا يُسْتَطَاعُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ،** اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس کی استطاعت نہیں ہوتی اس سے بچنے کی، **فَأَشْبَهَ الْغُبَارَ وَالدُّخَانَ،** تو یہ مکھی مشابہ ہو گئی غبار کے اور دھوئیں کے۔ جیسے ایک جگہ سے آپ مثلاً گزر رہے ہیں وہاں پر غبار موجود ہے، تو روزہ دار ہیں، تو اب غبار سے تو نہیں بچ سکتے، وہ تو ضرور کچھ نہ کچھ سانس کے ساتھ اندر جائے گا۔ اسی طرح کہیں دھواں ہے، تو اگر کہیں سے گزر رہے ہیں اور دھواں ہے تو اس سے بھی آپ نہیں بچ سکتے، وہ بھی ضرور کچھ نہ کچھ سانس کے ساتھ اندر چلا جائے گا۔ تو جیسے اس دھوئیں اور اس غبار سے بچنا انسان کے بس میں نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں یہ مکھی سے بھی بچنا اس کے بس میں نہیں تھا، تو یہ ان کی طرح ہوئی اور ان غبار اور دھوئیں کی صورت میں تو روزہ نہیں ٹوٹتا تو لہٰذا اس کی صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ صورت سمجھ میں آئی؟ یہ وہ صورت بیان ہو رہی ہے جب وہ دھواں بغیر اختیار کے اس کے سانس کے ساتھ اندر گیا ہے، اور اگر کوئی ارادے کے ساتھ لے کر جاتا ہے مثلاً حقہ پیتا ہے وغیرہ، تو یاد رکھیے اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی، روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وَاخْتَلَفُوا فِي الْمَطَرِ وَالثَّلْجِ، اور اختلاف کیا ہے فقہاء نے بارش میں اور برف میں۔ بارش ہو رہی ہے بھئی، ایک شخص بارش میں چل رہا ہے اور کچھ ایک آدھ قطرہ اس کے پیٹ میں پہنچ گیا، اس کے حلق سے گزر گیا اور پیٹ تک پہنچ گیا، تو اس صورت میں کہتے ہیں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ یا اسی طرح برف باری ہو رہی ہے اور وہ سانس لیتے ہوئے برف کے کچھ چند ذرات کیا ہوئے؟ پیٹ میں چلے گئے، تو اس صورت میں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس لیے کیونکہ ان سے بچنا اس کے بس میں تھا۔ اس سے بچنا اس کے بس میں تھا، مثلاً بارش میں باہر نہ نکلتا، چھت کے نیچے رہتا، برف باری میں باہر نہ نکلتا، یا باہر نکلا ہے تو منہ بند کر کے ان کے لیے بچ سکتا ہے یا نہیں بچ سکتا؟ تو ان سے چونکہ بچنا اس کے بس میں ہے اس لیے ان میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَاخْتَلَفُوا فِي الْمَطَرِ وَالثَّلْجِ،** اور اختلاف کیا ہے فقہاء نے بارش میں اور برف کے اندر، **وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يُفْسِدُ،** اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ روزے کو فاسد کر دیں گے، **لِإِمْكَانِ الِامْتِنَاعِ عَنْهُ،** اس وجہ سے کہ ان سے باز رہنا ممکن ہے یعنی ان سے بچنا ممکن ہے، **إِذَا آوَاهُ خَيْمَةٌ أَوْ سَقْفٌ،** جب ٹھکانہ دے دے اس روزہ دار کو کوئی خیمہ یا کوئی چھت بھئی، کوئی خیمہ یا چھت اس کو ٹھکانہ دے دے تو ان سے بچنا ممکن ہے، یا اسی طرح جیسے وہ منہ بند کر لے تو ان سے بچنا ممکن ہے بھئی۔

وَلَوْ أَكَلَ لَحْمًا بَيْنَ أَسْنَانِهِ فَإِنْ كَانَ قَلِيلًا لَمْ يُفْطِرْ وَإِنْ كَانَ كَثِيرًا يُفْطِرْ، مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے گوشت کھایا تھا اور گوشت کے کچھ ذرات جو ہیں، کچھ ریشے اس کے دانتوں میں پھنس گئے، اور پھر وہ ان ریشوں کو نگل لیتا ہے تو کیا اس سے اس کا روزہ ٹوٹے گا یا روزہ نہیں ٹوٹے گا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ اگر یہ قلیل ہوئے، تھوڑے سے ہیں، تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور کثیر ہوئے تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور قلیل اور کثیر کا حدِ فاصل جو ہے وہ چنے کی مقدار ہے۔ ایک

چنے کے دانے کی مقدار اگر اس کے برابر ہو اوہ گوشت کا ٹکڑا جو دانتوں میں پھنسا ہوا تھا، تو یہ کثیر ہے، اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر چنے کے دانے سے وہ چھوٹا ہو اوہ ٹکڑا، تو پھر اس صورت میں یہ قلیل ہے اور یہ معاف ہے بھئی۔ اس کا وہی حکم ہے جو لعاب کا ہے، جیسے لعاب نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح اس چھوٹے سے ٹکڑے کے نگلنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن یاد رکھیے یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب وہ جو گوشت کا ٹکڑا تھا چھوٹا سا، وہ دانتوں کے اندر تھا اور وہیں سے نکالا اور پیٹ میں چلا گیا۔ اور اگر اس ٹکڑے کو اس نے باہر نکال لیا ہاتھ پر اور پھر اس کو نگل گیا، تو پھر چاہے چھوٹا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ منہ کے اندر تھا تو وہ لعاب والا حکم تھا چھوٹے ٹکڑے کا، لیکن جب منہ سے نکل آیا اب لعاب کا حکم نہیں رہے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

وَلَوْ أَكَلَ لَحْمًا بَيْنَ أَسْنَانِهِ، اور اگر کھالیا روزہ دار نے ایسا گوشت جو اس کے دانتوں کے درمیان تھا، **فَإِنْ كَانَ قَلِيلًا لَمْ يُفْطِرْ**، اگر وہ تھوڑا سا تھا تو یہ روزہ نہیں توڑے گا، **وَإِنْ كَانَ كَثِيرًا يُفْطِرُ**، اور اگر وہ زیادہ ہوا تو وہ روزہ توڑ دے گا۔ **وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ: يُفْطِرُ فِي الْوَجْهَيْنِ**، اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روزے کو توڑ دے گا دونوں صورتوں میں، چاہے تھوڑا ہو چاہے زیادہ، **لِأَنَّ الْفَمَ لَهُ حُكْمُ الظَّاهِرِ**، ان کی دلیل بھئی، وہ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو منہ ہے اس کا ظاہر کا حکم ہے۔ اس کا حکم بعض اعتبارات سے اس کے یہ ظاہر کے حکم میں ہے، یعنی خارج کے حکم میں ہے۔ کس کے حکم میں ہے؟ خارج۔ اسی لیے روزے کے اندر آپ کلی کرتے ہیں وضو کرتے ہوئے، اب کلی کرتے ہوئے منہ کے اندر پانی لے گئے تو اس کو داخل شمار نہیں کیا جاتا، اسی لیے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر یہ منہ کا حکم داخلِ بدن کا ہوتا تو اس صورت میں تو کیا حکم لگایا جاتا؟ روزے کے ٹوٹنے کا حکم لگایا جاتا، لیکن وہ کلی کرتا ہے اور اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا، معلوم ہوا یہ منہ کا حکم کون سا ہے؟ خارج کا ہے۔ اور منہ سے وہ گوشت کا ٹکڑا پیٹ میں لے گیا، تو خارج سے گوشت کا گویا ٹکڑا وہ کدھر لے گیا؟ پیٹ کے اندر لے گیا، لہٰذا اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ یہ کس کی دلیل ہے؟ امام زفر رحمہ اللہ کی۔

تو وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّ الْفَمَ لَهُ حُكْمُ الظَّاهِرِ**، اس لیے کیونکہ منہ جو ہے اس کا حکم ظاہر کا ہے یعنی خارج کا ہے، **حَتَّى لَا يَفْسُدَ صَوْمُهُ بِالْمَضْمَضَةِ**، یہاں تک کہ اس روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹتا کلی کرنے کی وجہ سے، معلوم ہوا منہ کا حکم خارج کا ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے، **أَنَّ الْقَلِيلَ تَابِعٌ لِأَسْنَانِهِ بِمَنْزِلَةِ رِيقِهِ**، کہ تھوڑا سا بھی ٹکڑا جو ہے وہ اس آدمی کے اس روزہ دار کے دانتوں کے تابع ہے **بِمَنْزِلَةِ رِيقِهِ** اس کے لعاب کے درجے میں، اس کے تھوک کے درجے میں۔ **بِخِلَافِ الْكَثِيرِ**، بخلاف کثیر کے، **لِأَنَّهُ لَا يَبْقَى فِيمَا بَيْنَ الْأَسْنَانِ**، اس لیے کیونکہ وہ دانتوں کے درمیان باقی نہیں رہتا۔ قلیل کا یہ حکم ہے کیونکہ تھوڑا چھوٹا بہت ٹکڑا تو گوشت کا دانتوں میں رہ ہی جاتا ہے، اس لیے ہم نے اس کو کس کا حکم دے دیا؟ دانتوں والا ہی حکم دے دیا، اور جیسے دانتوں پر لعاب بھی لگتا ہے اس کو اندر لے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو یہاں پر بھی وہ قلیل سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر کثیر ہے، بڑا ٹکڑا ہے، وہ تو دانتوں کے اندر باقی نہیں رہتا، وہ تو انسان باقی رہنے ہی نہیں دیتا بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ اس کو تو اس سے تو تنگ ہو گا، ضرور اس کو نکالے گا۔ تو اس کو دانتوں کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ قلیل کو تو کون سا حکم دے دیا؟ دانتوں والا ہی حکم دے دیا اور وہ لعاب کے درجے میں ہو گیا، لیکن کثیر جو ہے اس کا دانتوں والا حکم نہیں، وہ لعاب کے درجے میں نہیں ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ یہ معنی **بِخِلَافِ الْكَثِيرِ لِأَنَّهُ لَا يَبْقَى فِيمَا بَيْنَ الْأَسْنَانِ**، بخلاف کثیر کے، اس لیے کیونکہ وہ دانتوں کے درمیان باقی نہیں رہتا۔

وَالْفَاصِلُ مِقْدَارُ الْحِمَّصَةِ، اور فاصل، فرق کرنے والی جو ہے وہ چنے کے دانے کی مقدار ہے۔ **حِمَّصَةٌ**، یہ چنے کے دانے کو کہتے ہیں۔ تو یعنی قلیل اور کثیر میں فاصل یعنی فرق کرنے والی چیز وہ کتنی مقدار ہے؟ چنے کے دانے کی مقدار ہے، **وَمَا دُونَهَا قَلِيلٌ**، اور چنے کے دانے سے جو کم ہے وہ قلیل ہے۔ معلوم ہوا جو چنے کے دانے کے برابر ہے وہ قلیل نہیں ہے۔

وَإِنْ أَخْرَجَهُ وَأَخَذَهُ بِيَدِهِ ثُمَّ أَكَلَهُ يَنْبَغِي أَنْ يَفْسُدَ صَوْمُهُ، اور اگر وہ شخص جو ہے اس گوشت کے ٹکڑے کو نکال لیتا ہے **وَأَخَذَهُ بِيَدِهِ** اور اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے، **ثُمَّ أَكَلَهُ** پھر اس کو کھا لیتا ہے، **يَنْبَغِي أَنْ يَفْسُدَ صَوْمُهُ** تو مناسب یہ ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے، **كَمَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ** جیسے کہ روایت کیا گیا ہے امام محمد رحمہ اللہ سے، **أَنَّ الصَّائِمَ إِذَا ابْتَلَعَ سِمْسِمَةً بَيْنَ أَسْنَانِهِ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ، وَلَوْ أَكَلَهَا ابْتِدَاءً يَفْسُدُ صَوْمُهُ.**

تو کہتے ہیں بھئی اگر یہ گوشت کے ٹکڑے کو ہاتھ میں نکالا اور پھر اس کو کھایا اور نگل گیا، تو اس صورت میں مناسب یہ ہے کہ اس کا روزہ روزہ فاسد ہو جانا چاہیے، جیسے کہ امام محمد رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے ایک مسئلہ اس سے پتہ چلتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ روزہ دار اگر ایک تل، تل جانتے ہیں یا نہیں بھئی؟ تل۔ اگر روزہ دار ایک تل جو ہے اس کو جو اس کے دانتوں کے درمیان تھا، تل کہاں پھنسا ہوا تھا؟ دانتوں کے درمیان۔ وہ اس تل کو نگل گیا تو اس صورت میں اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا۔ اور اگر اس نے ابتداءً ہی وہ تل کھایا ہے، یعنی ہاتھ میں تھا اور اس کو کھا گیا، یہ ابتداءً کھا رہا ہے۔ اور ایک صورت کیا تھی؟ وہ کہاں پر تھا؟ دانتوں کے درمیان۔ تو دانتوں کے اندر تھا اور کھا لیا ہے تو پھر اس صورت میں وہ فرماتے ہیں اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا۔ اور اگر ابتداءً کھایا ہے یعنی ہاتھ میں تھا اور پھر اس کو کھا گیا ہے تو اس صورت میں وہ فرماتے ہیں اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ گوشت کا ٹکڑا منہ سے نکالے گا اور پھر نگل جائے گا، پھر چاہے چنے کے دانے سے کم ہی کیوں نہ ہو، اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ تل کی وجہ سے امام محمد رحمہ اللہ فرما رہے ہیں اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، اور تل تو چنے کے دانے سے بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ صورت سمجھ

میں آئی؟

كَمَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّ الصَّائِمَ إِذَا ابْتَلَعَ سِمْسِمَةً بَيْنَ أَسْنَانِهِ لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ، جیسے کہ امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ روزہ دار جب نگل جائے، **اِبْتَلَعَ** کے معنی نگل جانا، کوئی چیز حلق سے پیٹ کی طرف لے جانا، جب روزہ دار نگل جائے **سِمْسِمَةً** ایک تل کو **بَيْنَ أَسْنَانِهِ** جو اس کے دانتوں کے درمیان تھا، **لَا يَفْسُدُ صَوْمُهُ** تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا۔ **وَلَوْ أَكَلَهَا ابْتِدَاءً يَفْسُدُ صَوْمُهُ،** اور اگر وہ تل کو کھا گیا ابتداءً ہی تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول یہاں تک ذکر ہوا۔

وَلَوْ مَضَغَهَا لَا يَفْسُدُ لِأَنَّهَا تَتَلَاشَى، ہاں اگر ابتداءً اس نے تل کا دانہ، بھئی وہ تل جو تھا اگر منہ میں ہے، دانتوں کے درمیان تھا اس کو نگل لے اس صورت میں تو روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن اگر ابتداءً کھاتا ہے یعنی منہ میں تل کا دانہ ڈالا اور اس کو نگل گیا تو اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، فاسد ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس نے وہ تل کا دانہ ابتداءً کھایا، منہ میں رکھا اور پھر اس کو چبایا بھی، اس کو چبایا بھی، تو پھر اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ بھئی کیوں نہیں ٹوٹے گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ پہلے ہی اتنا چھوٹا سا ہے، اب جب وہ اس کو چبائے گا تو وہ تو منہ کے اندر ہی گم ہو جائے گا بھئی، لعاب کے اندر ہی گم ہو جائے گا۔ تو اس کا نگلنا بھی کس کی طرح ہے؟ نہ نگلنے کی طرح ہی ہے، تو وہ بلکہ یوں کہیں اس کا حکم بھی وہی لعاب کی طرح ہو جائے گا اور لعاب سے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کو اگر نگلے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وَلَوْ مَضَغَهَا، اور اگر اس نے اس کو چبایا، **لَا يَفْسُدُ** تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا، **لِأَنَّهَا تَتَلَاشَى** اس لیے کیونکہ وہ تل جو ہے وہ گم ہو جائے گا یعنی اس کے لعاب میں مل جائے گا۔

وَفِي مِقْدَارِ الْحِمَّصَةِ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ، اچھا بھئی، مسئلہ انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ اگر وہ گوشت کا ٹکڑا چنے کے دانے کے برابر ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، تو کیا اس صورت میں کفارہ آئے گا یا کفارہ نہیں آئے گا؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں صرف قضا آئے گی، کفارہ نہیں، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قضا بھی آئے گی اور کفارہ بھی آئے گا۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ افطار پایا گیا صورۃً بھی اور معنًی بھی۔ صورۃً کیسے تھا افطار؟ کہ ایک چیز باقاعدہ نگل کر کہاں پہنچا دی؟ پیٹ تک پہنچا دی، اور معنًی بھی افطار پایا گیا، ایسی چیز نگلی ہے جو بدن کو نفع دینے والی ہے یعنی جس کو بطورِ غذا کے کھایا جاتا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قضا آئے گی، کفارہ نہیں آئے گا، اس لیے کیونکہ صورۃً تو اگرچہ افطار پایا گیا ہے لیکن معنًی افطار نہیں۔ معنًی افطار نہیں۔ بھئی معنًی افطار کس طرح نہیں ہے؟ وہ گوشت کا ٹکڑا ہے، وہ تو بدن کو قوت دینے والا ہے اور نفع دینے والا ہے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس طرح کا یہ جو ٹکڑا ہے اس کو کوئی بھی کھانا پسند نہیں کرتا، طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے، اس میں تو بدبو وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے تو کوئی بھی اس کو کھانا پسند، تو لہٰذا افطار صورۃً تو ہے ایک چیز پیٹ میں تو گئی ہے، لیکن اس چیز کو بطورِ غذا کوئی بھی کھانا پسند نہیں کرتا، تو معنًی افطار نہیں ہے، لہٰذا جنایت کامل نہیں، جب جنایت کامل نہیں تو کفارہ نہیں آئے گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَفِي مِقْدَارِ الْحِمَّصَةِ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ،** اور چنے کے دانے کی مقدار میں اس پر قضا ہے نہ کہ کفارہ، **عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ** امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، **وَعِنْدَ زُفَرَ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ أَيْضًا،** اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کفارہ بھی ہے، **لِأَنَّهُ طَعَامٌ مُتَغَيِّرٌ،** کیونکہ یہ جو گوشت کا ٹکڑا ہے یہ بھی ایسا طعام ہے **مُتَغَيِّرٌ** جو بدل گیا ہے، بے شک بدبودار ہو گیا ہے لیکن ہے تو کیا؟ طعام ہے، کھانے کی چیز ہے۔ **وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ،** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے، **أَنَّهُ يَعَافُهُ الطَّبْعُ،** کہ طبیعت جو ہے اس کو ناپسند کرتی ہے، طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ **عَافَ يَعَافُ** کا معنی نفرت کرنا، گھن کھانا۔ **أَنَّهُ يَعَافُهُ الطَّبْعُ،** کہ طبیعت جو ہے اس کو ناپسند کرتی ہے، اس سے نفرت کرتی ہے۔

فَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ لَمْ يُفْطِرْ، بھئی یاد رکھیے، قے کے اندر مسئلہ بھئی، قے۔ اگر روزے کی حالت میں کسی کو قے آ جائے، قے آ جائے، تو دو صورتیں ہیں: یہ قے خود بخود آئی ہو گی یا اس شخص نے جان بوجھ کر قے کی ہو گی۔ تو اگر خود قے آئی ہے تو پھر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے جتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر اس نے جان بوجھ کر قے کی ہے تو **مِلْءُ الْفَمِ** ہو گی، منہ بھر ہو گی، تو یہ روزے کو توڑ دے گی، اگر منہ بھر نہ ہوئی تو یہ روزے کو نہیں توڑے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو یہ مسئلہ ہمیشہ یاد رکھیے، بھئی اکثر پیش آتا ہے۔ اگر خود قے آ جائے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا بھئی۔ ہاں اگر خود کوئی جان بوجھ کر قے کرتا ہے تو پھر اس صورت میں منہ بھر ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تو کہتے ہیں: **فَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ لَمْ يُفْطِرْ،** پس اگر روزہ دار کو قے آ گئی، **ذَرَعَ الْقَيْءُ** کا معنی ہے قے کا آنا۔ **فَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ،** اگر روزہ دار کو قے آ گئی، **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ اس کے روزے کو نہیں توڑے گی، **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَاءَ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَامِدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ»،** بوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: **«مَنْ قَاءَ»،** جس شخص نے قے کی، **«فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ»،** تو اس پر قضا نہیں ہے، **«وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَامِدًا»،** اور جس نے جان بوجھ کر قے کی، ارادے کے ساتھ قے کی، **«فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ»،** تو اس پر قضا ہے۔

بھئی یاد رکھیے، حدیث میں لفظ آیا **اسْتَقَاءَ، اسْتَقَاءَ، اور اسْتَقَاءَ** کے معنی ہیں جان بوجھ کر قے کرنا، ارادے سے قے کرنا۔ اور **قَاءَ** کے معنی ہیں قے آنا بھئی۔ تو **قَاءَ** اور **اسْتَقَاءَ** میں کیا فرق ہوا؟ کہ **قَاءَ** میں جان بوجھ کر نہیں ہو گی، جبکہ **اسْتَقَاءَ** میں جان۔ تو **اسْتَقَاءَ** کا معنی ہوا جان بوجھ کر قے کرنا۔ تو پھر یہ **عَامِدًا** کی قید کیوں آئی حدیث کے اندر: «**مَنِ اسْتَقَاءَ عَامِدًا**»؟ کیونکہ یہی معنی تو کون ادا کر رہا ہے؟ **اسْتَقَاءَ** ادا کر رہا ہے، **اسْتَقَاءَ** کے معنی بھی جان بوجھ کر کرنا۔ تو جواب یہ کہ **عَامِدًا** کی قید حدیث میں آئی **نَاسِيًا** کو نکالنے کے لیے، **نَاسِيًا** کو نکالنے کے لیے۔ یعنی **اسْتَقَاءَ** جس شخص نے جان بوجھ کر قے کی، **عَامِدًا** ارادے کے ساتھ، یعنی اس کو روزہ یاد تھا، **نَاسِيًا** بھولے سے نہیں، بلکہ روزہ یاد تھا پھر اس نے قے کی تو اس پر قضا واجب ہے بھئی۔

بھئی یاد رکھیے یہ مسئلہ بھئی کہ روزے کے اندر اگر کوئی جان بوجھ کر قے کرتا ہے، تو آپ اس صورت میں فوراً یہ حکم نہ لگا دیں کہ اس شخص کا روزہ ٹوٹ گیا کیونکہ ہم نے مسئلہ پڑھا تھا جو جان بوجھ کر قے کرے گا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ جب اس نے جان بوجھ کر قے کی، اس وقت اس کو روزہ یاد ہو، اگر روزہ یاد ہونے کے باوجود وہ جان بوجھ کر قے کرتا ہے تو یہ ہوا **اسْتَقَاءَ عَامِدًا** بھئی، یہ **اسْتَقَاءَ عَامِدًا** ہوا۔ اور اگر کرتا تو قے جان بوجھ کر ہے لیکن اس کو روزہ نہیں یاد، سمجھ میں آیا بھئی؟ طبیعت اس کی ٹھیک نہیں ہو رہی، کچھ چیز کھائی تھی جس کی وجہ سے جس کی وجہ سے طبیعت پر بوجھ تھا، اس نے جان بوجھ کر قے کی، لیکن اس وقت یہ یاد نہیں تھا کہ میرا روزہ ہے، اگر اسے یاد ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتا، وہ بھول گیا ہے اور اس وقت اس نے جان بوجھ کر قے کی، تو پھر اس کا وہی حکم ہے جو عام قے کا ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ اور اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا بھئی۔ تو حدیث میں یہ **عَامِدًا** کی قید کس لیے آئی؟ **نَاسِيًا** کو نکالنے کے لیے۔ جان بوجھ کر کرے اور روزے کو بھولا ہوا ہے تو پھر اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور جان بوجھ کر کی اور روزہ یاد ہے یہ **عَامِدًا** ہے، تو صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اس قید کا اب آپ نے لحاظ رکھنا ہے، آگے بھی جہاں پر آ جائے۔ اسی طرح جیسے اگلے متن پہ نظر رکھیے: **مَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا**، جس نے قے کی جان بوجھ کر، یہاں پر بھی دیکھیے **اسْتَقَاءَ** کا لفظ آئے گا، اور **اسْتَقَاءَ** کا کیا معنی؟ جان بوجھ کر کرنا۔ اور **عَمْدًا** سے کس کو نکال دیا؟ نسیاناً کو نکال دیا کہ بھولے سے اگر ایسا کیا ہے یعنی روزہ یاد نہیں تھا اور جان بوجھ کر قے کی ہے، تو پھر اس صورت میں یہ حکم نہیں ہے، روزہ نہیں ٹوٹے گا بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

معلوم ہوا اگر قے جان بوجھ کر کرے، تو پھر کب روزہ ٹوٹے گا؟ جب وہ **عَامِدًا** ہو بھئی، یعنی اس کو روزہ یاد ہو۔ اور اگر روزہ نہیں یاد تو پھر پھر وہی حکم ہے جو عام قے کا ہے، اور عام قے جو خود آئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وَيَسْتَوِي فِيهِ مِلْءُ الْفَمِ فَمَا دُونَهُ، اور برابر ہے اس کے اندر منہ بھر ہونا اور یا اس سے کم ہونا، یعنی جو قے خود آئی ہے وہ چاہے منہ بھر ہو یا اس سے کم ہو، یہ سب برابر ہیں، یعنی ان صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

فَلَوْ عَادَ، اگر اس نے اگر وہ قے واپس لوٹ گئی، حلق تک آئی یا منہ تک آئی اور واپس لوٹ گئی، لوٹ گئی۔ یاد رکھیے اب آگے ذکر کریں گے اختلاف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اور امام محمد رحمہ اللہ کا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ، وہ فرماتے ہیں کہ خروج کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر منہ بھر ہو تو اس کو خارج شمار کیا جاتا ہے اور اسی لیے اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ آپ نے وضو کے مسائل پڑھے، اس میں مسئلہ پڑھا تھا اگر قے منہ بھر ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ روزہ تو نہیں ٹوٹتا اگر خود قے آئی ہے لیکن وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں اگر قے کوئی دو صورتیں ذکر ہوں گی: ایک ہے قے کا خود بخود واپس چلے جانا، حلق سے واپس چلی گئی یا منہ سے، اور ایک صورت ہے کہ یہ شخص اس کو واپس لوٹاتا ہے، دو صورتیں ہیں۔ تو ایک ہے لوٹنا قے کا اور ایک ہے قے کا لوٹانا۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں **مِلْءُ الْفَمِ** کا اعتبار ہے۔ کس کا اعتبار؟ اگر یہ جو قے آئی ہے **مِلْءُ الْفَمِ** ہوئی، منہ بھر ہوئی تو اس کو خارج شمار کیا جاتا ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف بھئی؟ قے اگر منہ بھر ہو تو اس کو کیا شمار کرتے ہیں؟ خارج شمار کرتے ہیں جبھی اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، معلوم ہوا یہ خارج ہے، نجاست خارج ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے وضو کیا ہو گا؟ ٹوٹ جائے گا۔ تو معلوم ہوا منہ بھر قے ہو تو اس کو خارج شمار کرتے ہیں، منہ بھر نہ ہو تو اس کو خارج شمار ہی نہیں کرتے۔ لہٰذا منہ بھر ہونے کے بعد چاہے وہ لوٹائے اس قے کو وہ آدمی خود لوٹائے، چاہے خود لوٹے، دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ خارج کے بعد وہ قے واپس گئی ہے تو خارج سے ایک چیز واپس گئی ہے، اور خارج سے جب بھی کوئی چیز پیٹ کے اندر جائے گی اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تو معلوم ہوا وہ کس کا اعتبار کرتے ہیں؟ **مِلْءُ الْفَمِ** ہونے کا۔ لوٹنے یا لوٹانے کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ کس کا اعتبار کرتے ہیں؟ **مِلْءُ الْفَمِ** قے تھی، پھر چاہے وہ خود لوٹے، چاہے وہ آدمی اس کو لوٹائے اپنے ارادے کے ساتھ، دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ وہ اس آدمی کے عمل کا اعتبار کرتے ہیں۔ یعنی خود لوٹی تو اس آدمی کے عمل کا کوئی دخل نہیں، لہٰذا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر اس نے لوٹائی تو پھر اس آدمی کے عمل کا دخل ہے، پھر چاہے **مِلْءُ الْفَمِ** نہ بھی ہو لیکن اس آدمی کے عمل کا دخل آ گیا، اس نے ایک چیز کو نگل کر کہاں تک پہنچا دیا؟ پیٹ تک، تو لہٰذا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اختلاف سمجھ میں آیا؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کس کا اعتبار کرتے ہیں؟ **مِلْءُ الْفَمِ** کا، کہ خارج ہونی چاہیے، جب خارج ہو جائے گی اب چاہے واپس جائے، چاہے یہ واپس لے کر جائے، دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ ایک چیز خارج سے کدھر جا رہی ہے؟ پیٹ کے اندر۔

فَلَوْ عَادَ وَكَانَ مِلْءَ الْفَمِ فَسَدَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ، اور اگر وہ قے لوٹ گئی، خود لوٹ گئی **وَكَانَ مِلْءَ الْفَمِ** اور وہ منہ بھر تھی، **فَسَدَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ** تو وہ روزہ فاسد ہو جائے گا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، **لِأَنَّهُ خَارِجٌ**، اس لیے کیونکہ منہ بھر قے کیا ہے؟ خارج ہے، **حَتَّى انْتَقَضَ بِهِ الطَّهَارَةُ**، یہاں تک کہ اس سے طہارت یعنی وضو ٹوٹ جاتا ہے، معلوم ہوا اس کو خارج شمار کیا جاتا ہے، **وَقَدْ دَخَلَ**، اور تحقیق یہ داخل ہو گئی

ہے۔ ایک چیز جو خارج تھی منہ بھر تھی نا، جب منہ بھر تھی تو کیا تھی؟ خارج، وہ باہر ہے، اور جب باہر ہے، تحقیق اس نے کیا وہ قے داخل ہو گئی، وہ چیز جو خارج تھی وہ داخل ہو گئی ہے، چاہے اگرچہ خود لوٹی ہے لیکن خارج سے داخل ہوئی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَفْسُدُ، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا، **لِأَنَّهُ لَمْ تُوجَدْ صُورَةُ الْفِطْرِ،** اس لیے کیونکہ فطر کی صورت نہیں پائی گئی۔ فطر تو کس کو کہتے تھے؟ کہ خود انسان ایک چیز کو نگل کر پیٹ تک پہنچا دے، اور یہاں اس آدمی کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہے، خود لوٹی ہے قے۔ تو وہ فرماتے ہیں کیونکہ نہیں پائی گئی فطر کی صورت، **وَهُوَ الِابْتِلَاعُ،** اور وہ نگل لینا ہے، تو نگلنا یہاں نہیں پایا گیا۔ **وَكَذَا مَعْنَاهُ،** اور اسی طرح معنیً فطر بھی یہاں نہیں پایا گیا۔ معنیً فطر کس کس چیز کا نام تھا؟ بھئی ایک تو صورۃً افطار تھا، کوئی چیز کہاں تک پہنچ جائے؟ پیٹ تک پہنچ جائے، وہ صورۃً فطر بھی یہاں نہیں کیونکہ اس نے خود نہیں لوٹایا، وہ خود لوٹی ہے۔ اور معنًی بھی فطر نہیں، اس لیے کیونکہ یہ کوئی غذا والی چیز نہیں جو واپس گئی ہے، یہ تو کیا تھی؟ قے تھی بھئی۔ **وَكَذَا مَعْنَاهُ،** اور اسی طرح فطر کا معنی بھی نہیں پایا گیا، **لِأَنَّهُ لَا يُتَغَذَّى بِهِ عَادَةً،** اس لیے کیونکہ اس سے غذا حاصل نہیں کی جاتی عام طور پر۔

وَإِنْ أَعَادَ فَسَدَ بِالْإِجْمَاعِ، اور اگر اس شخص نے اس قے کو لوٹایا ہے، **فَسَدَ بِالْإِجْمَاعِ** تو بالاجماع اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، یعنی دونوں کے نزدیک، بالاجماع سے کیا مراد ہے؟ صاحبین دونوں کے نزدیک، **لِوُجُودِ الْإِدْخَالِ بَعْدَ الْخُرُوجِ،** اس وجہ سے کہ ادخال یعنی داخل کرنا پایا گیا **بَعْدَ الْخُرُوجِ** کس کے بعد؟ خروج، **مِلْءُ الْفَمِ** تھی، تو **مِلْءُ الْفَمِ** خارج تھی یا خارج نہیں تھی؟ خارج تھی، اور پھر اس نے اس کو واپس لوٹایا ہے، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تو لوٹنے یا لوٹانے کا اعتبار نہیں کرتے، وہ کس کا اعتبار کرتے ہیں؟ **مِلْءُ الْفَمِ،** تو قے تو **مِلْءُ الْفَمِ** تھی تو چاہے اب یہ خود لوٹے یا وہ آدمی لوٹائے، اور یہاں کون سی صورت ذکر ہو رہی ہے؟ اس آدمی نے لوٹائی ہے، تو بہر حال دونوں صورتوں میں ان کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کس کا اعتبار کرتے تھے؟ اس آدمی کے عمل کا اعتبار کرتے تھے، اور اس نے جب لوٹائی ہے تو اس کا عمل ہے یا نہیں عمل؟ عمل ہے، تو اسی لیے کہا: **بِالْإِجْمَاعِ** روزہ فاسد ہو گا، **لِوُجُودِ الْإِدْخَالِ بَعْدَ الْخُرُوجِ،** کیونکہ داخل کرنا پایا گیا نکلنے کے بعد، **فَيَتَحَقَّقُ صُورَةُ الْفِطْرِ،** تو فطر کی صورت پائی گئی۔

وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ الْفَمِ فَعَادَ لَمْ يَفْسُدْ صَوْمُهُ، اور اگر وہ قے منہ بھر سے کم تھی **فَعَادَ** تو وہ لوٹ گئی، **لَمْ يَفْسُدْ صَوْمُهُ** تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا، **لِأَنَّهُ غَيْرُ خَارِجٍ،** کیونکہ وہ خارج ہی نہیں ہے۔ یہ کس کی دلیل؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ، کہ جب منہ بھر نہیں ہے تو خارج نہیں ہے، تو گویا خارج سے تو کوئی چیز اندر گئی ہی نہیں کیونکہ **مِلْءُ الْفَمِ** نہیں ہے، اس سے کم ہے۔ **وَلَا صُنْعَ لَهُ،** اور نیز اس لیے **لَا صُنْعَ لَهُ فِي الْإِدْخَالِ** داخل کرنے میں اس آدمی کے عمل کا کوئی دخل نہیں، تو یہ اس دلیل کا تعلق کس سے ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ سے۔ یہاں تک بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟

وَإِنْ أَعَادَ فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ، اور اگر اس نے لوٹایا تو بھی حکم اسی طرح ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک۔ کون سی صورت میں؟ جب **مِلْءُ الْفَمِ** نہ ہو، تو پھر چاہے جان بوجھ کر بھی لوٹا دے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک پھر بھی یہ حکم ہے یعنی روزہ فاسد نہیں ہو گا، **لِعَدَمِ الْخُرُوجِ،** کیونکہ خروج نہیں پایا گیا، **مِلْءُ الْفَمِ** ہے ہی نہیں تو خروج ہی نہیں ہے۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ يَفْسُدُ صَوْمُهُ، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، **لِوُجُودِ الصُّنْعِ مِنْهُ فِي الْإِدْخَالِ،** اس لیے کیونکہ اس آدمی کا عمل پایا گیا **فِي الْإِدْخَالِ** اس کو داخل کرنے میں، چاہے **مِلْءُ الْفَمِ** نہیں ہے وہ فرماتے ہیں، لیکن اس نے خود اس کو نگلا ہے یا نہیں؟ خود نگلا ہے تو اس آدمی کا عمل پایا گیا، لہٰذا امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی روزہ ٹوٹ جائے گا جبکہ **مِلْءُ الْفَمِ** نہ ہوتے۔

فَإِنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا مِلْءَ فِيهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ، پس اگر جان بوجھ کر قے کی، یعنی جان بوجھ کر کی اور روزہ اس کو یاد تھا، **مِلْءَ فِيهِ** منہ بھر، **فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ** تو اس پر قضا واجب ہے۔ **مِلْءَ فِيهِ، فِيهِ،** یاد رکھیے یہ **فِيهِ** یہ وہ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے۔ اسمائے ستہ مکبرہ آپ نے نحو کے اندر پڑھے ہیں بھئی کہ ان کا ان کا اعراب کیا ہے؟ حالتِ رفعی میں واؤ کے ساتھ، حالتِ نصبی میں الف کے ساتھ اور حالتِ جری میں یا کے ساتھ۔ تو یہ **فِيهِ،** یہ فی اصل میں وہی **فَمٌ** ہے، **فَمٌ۔ فِيهِ أَيْ فَمِهِ، مِلْءَ فَمِهِ،** سمجھ میں آیا بھئی؟ منہ بھر ہو۔ تو یہ جو **فَمٌ** ہے نا، **فَمٌ** لفظ عربی میں منہ کو کہتے ہیں اور **فَمٌ** کی اصل ہے **فَوَهٌ** بھئی، اصل کیا ہے؟ **فَوَهٌ** بھئی۔ پھر اس میں سے ہا کو خلافِ قیاس حذف کر لیا گیا تو **فَوْنٌ** رہ گیا، کیا رہ گیا؟ **فَوْنٌ** رہ گیا اور آخر میں واؤ آ رہا تھا، تو اس واؤ کو پھر میم سے بدل دیا گیا کیونکہ واؤ بھی ہے شفوی اور میم بھی ہے شفوی۔ واؤ بھی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے، آپ ادا کر کے دیکھیں واؤ کو، وَ، دیکھو صرف ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے۔ اور میم، میم بھی ہے شفوی یعنی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے، زبان کو زبان کی اس میں حرکت شامل نہیں۔ تو ہونٹوں سے واؤ بھی ادا ہوتا ہے، میم بھی، تو دونوں شفوی ہیں، تو لہٰذا واؤ کو کس سے بدل دیا گیا؟ میم سے، تو **فَمٌ** استعمال کرتے ہیں، **فَمٌ۔** لیکن بعض اوقات کیا کر لیا جاتا ہے؟ اس میم کو پھر واؤ سے واپس بدل دیا جاتا ہے اور اسی اس طرح استعمال کرتے ہیں اور اس صورت میں پھر جب اس کی اضافت ہو رہی ہو، جب اس کی اضافت ہو رہی ہو تو پھر اس صورت میں یہ وہ اسمائے ستہ مکبرہ کی قبیل سے ہو گا اور اسمائے ستہ مکبرہ اس کے اندر آپ نے پڑھا تھا قاعدے پڑھی تھیں کہ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ ہوں یعنی جب مفرد کے صیغے ہوں، مکبرہ ہوں یعنی مصغر کے صیغے تصغیر والے صیغے نہ ہوں اور مضاف ہوں **إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ،** یائے متکلم کے علاوہ کی طرف، تو پھر اس صورت میں ان کا اعراب حالتِ رفعی میں واؤ ہو گا، حالتِ نصبی میں الف اور حالتِ جری میں یا۔ «**جَاءَنِي أَخُوكَ**»، دیکھو واؤ کے ساتھ۔ «**رَأَيْتُ أَخَاكَ**»، دیکھو الف کے ساتھ۔ «**مَرَرْتُ بِأَخِيكَ**»، دیکھو یا کے ساتھ۔ تو اسی طرح یہ یہاں پر بھی اسی طرح ہو گا، تو

حالتِ رفعی میں کیا کہیں گے مثلاً ضمیر ساتھ ملی ہوئی ہو؟ **فُوكَ**، حالتِ رفعی میں کیسے پڑھیں گے؟ **فُوكَ**، اور حالتِ نصبی میں؟ **فَاكَ**، اور حالتِ جری میں؟ **فِيكَ**۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے **فِيهِ**، چونکہ یہ مضاف الیہ واقع ہو رہا ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، تو حالتِ جری میں یا کے ساتھ آیا۔ تو **مِلْءَ فِيهِ**، کیا معنیٰ؟ **أَيْ مِلْءَ فَمِهِ**، یعنی اس کے منہ بھر ہو۔

فَإِنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا مِلْءَ فِيهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ، اور اگر قے کی جان بوجھ کر منہ بھر **فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ** تو اس پر قضا ہے۔ جان بوجھ کر ایک شخص قے کرتا ہے تو پھر اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کب ٹوٹے گا روزہ؟ جب وہ قے کتنی ہو؟ منہ بھر ہو بھئی۔ **لِمَا رَوَيْنَا**، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی، حدیث میں کیا آیا تھا؟ «**مَنِ اسْتَقَاءَ عَامِدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ**»، جس نے جان بوجھ کر قے کی تو اس پر قضا ہے۔ تو اس کے اندر ذکر آیا تھا کہ جس نے جان بوجھ کر قے کی تو اس پر قضا ہے۔ **وَالْقِيَاسُ مَتْرُوكٌ بِهِ**، اور قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اس کی وجہ سے، اس حدیث کی وجہ سے۔ قیاس کو اس حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا جائے گا، کیونکہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے، کیونکہ روزہ ٹوٹتا ہے پیٹ میں کوئی چیز جانے سے اور قے وہ تو باہر نکل رہی ہے، تو قیاس تو کیا تقاضا کرتا ہے؟ اس سے روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ لیکن اس حدیث پر عمل کرتے ہیں احناف اور اس کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جیسے احناف آپ دیکھ رہے ہیں ہر جگہ پر احادیث ہی کو دلیل کے طور پر ذکر کرتے ہیں، اور جہاں حدیث نہیں ملتی تو پھر اس صورت میں قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

وَلَا كَفَّارَةَ لِعَدَمِ الصُّورَةِ، اور اس پر کفارہ نہیں ہو گا کیونکہ صورت دخول کی نہیں پائی گئی۔ **وَلَا كَفَّارَةَ لِعَدَمِ الصُّورَةِ**، اور کفارہ نہیں ہو گا **لِعَدَمِ الصُّورَةِ** کیونکہ صورت نہیں پائی گئی، یعنی افطار کی صورت نہیں پائی گئی۔ جان بوجھ کر قے کی ہے، ٹھیک ہے، پیٹ سے کوئی چیز نکلی تو ہے لیکن روزہ تو ٹوٹتا کس سے ہے؟ پیٹ کے اندر کوئی چیز لے کر جائے گا، تو صورۃً یہاں افطار نہیں ہے، تو لہٰذا اس لیے کفارہ نہیں آئے گا، صرف قضا آئے گی۔

وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ الْفَمِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ لِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر **مِلْءُ الْفَمِ** سے کم قے ہی کیوں نہ ہو، جب جان بوجھ کر کر رہا ہے تو چاہے منہ بھر ہو چاہے اس سے کم ہو، دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ حدیث میں مطلقاً آیا ہے، وہاں **مِلْءُ الْفَمِ** کی قید نہیں ہے، لہٰذا چاہے تھوڑی ہو زیادہ ہو ہر ایک سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تو کہتے ہیں: **وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ الْفَمِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ**، اور اگر وہ جان بوجھ کر جو قے کی ہے وہ **مِلْءُ الْفَمِ** سے کم ہے تو بھی حکم اسی طرح ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، **لِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ** حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے۔

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَفْسُدُ لِعَدَمِ الْخُرُوجِ حُكْمًا، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جب منہ بھر سے کم ہو، جو قے جان بوجھ کر کی ہے اور وہ منہ بھر سے کم ہو تو لَا **يَفْسُدُ** روزہ فاسد نہیں ہو گا، **لِعَدَمِ الْخُرُوجِ حُكْمًا** کیونکہ خروج نہیں پایا گیا **حُكماً**۔ **حُكماً** گویا خروج پایا ہی نہیں گیا، اس کی وجہ سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا بھئی۔

ثُمَّ إِنْ عَادَ، پھر اگر اس نے اس قے کو لوٹا دیا۔ قے قلیل تھی، منہ بھر سے کم تھی، لیکن جان بوجھ کر کی اور پھر اس کو واپس پھیر یہ خود لوٹ جاتی ہے یا وہ لوٹاتا ہے، دو صورتیں ہیں۔ قے کون سی ہے؟ جان بوجھ کر اور **مِلْءُ الْفَمِ** سے کم ہے، تو دو صورتیں ہیں: ایک صورت وہ خود لوٹے، ایک صورت یہ ہے کہ یہ آدمی لوٹائے، تو کیا حکم ہو گا وہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **ثُمَّ إِنْ عَادَ لَمْ يَفْسُدْ عِنْدَهُ**، پھر اگر یہ قے جو **مِلْءُ الْفَمِ** سے کم تھی جو اس نے جان بوجھ کر کی تھی اگر یہ خود لوٹ گئی، **لَمْ يَفْسُدْ عِنْدَهُ** تو اس کا شخص کا روزہ فاسد نہیں ہو گا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، **لِعَدَمِ سَبْقِ الْخُرُوجِ**، اس لیے کیونکہ اس سے مقدم خروج نہیں تھا۔ اس داخل ہونے سے پہلے خروج نہیں پایا گیا، کیونکہ خروج کب پایا جائے گا جب قے کتنی ہو؟ **مِلْءُ الْفَمِ** ہو تب خروج ہو گا۔ خروج کے بعد پھر قے واپس جائے گی تو پھر دخول پایا گیا۔ اور اگر خروج یہاں جب یہ قے **مِلْءُ الْفَمِ** سے کم ہے تو خروج ہی نہیں پایا گیا، اور جب خروج نہیں تو اس صورت میں روزہ بھی نہیں ٹوٹے گا۔ یہ معنیٰ **لِعَدَمِ سَبْقِ الْخُرُوجِ**، اس وجہ سے کہ خروج کا مقدم ہونا معدوم ہے۔

وَإِنْ أَعَادَهُ، اور اگر اس نے خود لوٹایا، تو اس میں ان سے دو روایتیں ہیں۔ منہ بھر سے کم قے تھی، جان بوجھ کر کی تھی اور اس کو پھر اس آدمی نے خود لوٹایا واپس تو دو روایتیں ہیں: ایک تو یہ کہ اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہو گا۔ کیونکہ خروج نہیں پایا گیا اور خروج کے بعد کوئی چیز لوٹا تا تو ادخال بھی پایا جاتا، جب خروج نہیں تو ادخال بھی نہیں۔ اور دوسری روایت کے مطابق روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اب عملِ کثیر آ گیا، اب اس کو **مِلْءُ الْفَمِ** والا حکم دے دیں گے۔ عملِ کثیر کیا آیا؟ پہلے خود قے کی اور پھر خود اس کو واپس لے گیا، تو اب کیا ہو گیا؟ دو دفعہ عمل آ گیا تو عملِ کثیر ہو گیا، لہٰذا اس کو کون سا حکم دے دیں گے؟ **مِلْءُ الْفَمِ** والا، اور **مِلْءُ الْفَمِ** جان بوجھ کر قے کرے تو اس میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تو یہاں بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تو کہتے ہیں: **وَإِنْ أَعَادَهُ**، اور اگر اس قے کو لوٹایا، **فَعَنْهُ أَنَّهُ لَا يَفْسُدُ لِمَا ذَكَرْنَا**، تو پھر اس صورت میں اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ **وَعَنْهُ**، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دوسری روایت یہ ہے، **أَنَّهُ يَفْسُدُ**، کہ اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، جب اس نے وہ قے **مِلْءُ الْفَمِ** سے کم ہے اور جان بوجھ کر اس کو لوٹا دیا، **فَأَلْحَقَهُ بِمِلْءِ الْفَمِ لِكَثْرَةِ الصُّنْعِ**، تو اس کو انہوں نے ملا دیا **مِلْءُ الْفَمِ** کے ساتھ اس کے عمل کے کثیر ہونے کی وجہ سے، اور روزہ توڑنے کا حکم لگا دیا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے، بس بھئی! **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۱۲۲: روزہ توڑنے والی اشیاء، قضا اور کفارہ کے مسائل

ہدایہ صفحہ: ۲۳۶ — بتاریخ: ۱۱ اپریل ۲۰۱۳ء

وَمَنِ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ أَوِ الْحَدِيدَ أَفْطَرَ لِوُجُودِ صُورَةِ الْفِطْرِ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِعَدَمِ الْمَعْنَى، وَمَنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ عَامِدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ اسْتِدْرَاكًا لِلْمَصْلَحَةِ الْفَائِتَةِ وَالْكَفَّارَةُ لِتَكَامُلِ الْجِنَايَةِ۔ [1]

تو کہتے ہیں: «وَمَنِ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ أَوِ الْحَدِيدَ أَفْطَرَ» اور جس نے نگل لیا، «الْحَصَاةَ» کنکری کو، حصاۃ کہتے ہیں کنکری اور سنگریزے کو بھائی۔ کنکری جانتے ہیں یا نہیں بھائی؟ تو حصاۃ کہتے ہیں کنکری اور سنگریزے کو۔ «وَمَنِ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ» اور جس نے کنکری کو نگل لیا، «أَوِ الْحَدِيدَ» یا لوہے کو، یعنی لوہے کا کوئی چھوٹا ٹکڑا نگل گیا، «أَفْطَرَ» تو یہ اس کے روزے کو توڑ دے گا، «لِوُجُودِ صُورَةِ الْفِطْرِ» اس لیے کیونکہ فطر کی صورت پائی گئی کہ ایک چیز خارج سے کہاں پہنچ گئی؟ پیٹ کے اندر پہنچ گئی تو صورتاً فطر موجود ہے۔ اگرچہ معناً فطر نہیں، معناً فطر تو کس طرح ہوتا ہے؟ کہ وہ ایسی چیز ہو جو جسم کو غذائیت دینے والی ہے یا نفع دینے والی ہے، مثلاً کوئی دوا وغیرہ ہے۔ تو معناً فطر یہاں نہیں پایا گیا کیونکہ یہ بدن کو کوئی نفع دینے والی چیز نہیں ہے بھائی۔ تو صورتاً فطر پایا گیا تو اس وجہ سے صرف اس پر قضا آئے گی، کفارہ نہیں آئے گا۔ «وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ» اور اس پر کفارہ نہیں ہے، «لِعَدَمِ الْمَعْنَى» کیونکہ معنیٰ فطر نہیں پایا گیا، کوئی بدن کو نفع دینے والی چیز نہیں داخل ہوئی بدن میں۔

■ مسئلہ: وَمَنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ عَامِدًا...

«وَمَنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ عَامِدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ» اور جس شخص نے جماع کیا اپنی بیوی سے، «فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ» دو راستوں میں سے کسی ایک میں، یعنی اگلے یا پچھلے راستے میں سے کسی ایک میں، «عَامِدًا» جان بوجھ کر، یعنی کہ اس کو روزہ یاد تھا، «فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ» تو اس پر قضا واجب ہے، اور آگے متن میں آرہا ہے «وَالْكَفَّارَةُ» اور نیز اس پر کیا آئے گا؟ کفارہ بھی آئے گا۔ تو اس پر قضا واجب ہے، «اسْتِدْرَاكًا لِلْمَصْلَحَةِ الْفَائِتَةِ»، استدراک کہتے ہیں تلافی کرنا، فوت شدہ مصلحت کی تلافی کے لیے اس پر قضا واجب ہے۔

بھئی دیکھیے، روزے میں مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعے نفس امارہ مغلوب ہوتا ہے۔ یہ جو انسان کا نفس ہے نا نفس، یہ انسان کو برائی پر ابھارتا ہے، برائی پر اس کو آمادہ کرتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ کہلاتا ہے نفس امارہ، وہ نفس جو حکم دینے والا ہے، نفس امارہ بالسوء، برائی کا حکم دینے والا ہے۔ تو روزے کا مقصد یہ ہے تاکہ انسان کا یہ نفس امارہ مغلوب ہو جائے۔ ورنہ تو یہ نفس، یہ خواہشات ذکر کرتا رہتا ہے، مثلاً کبھی کھانے پینے کی خواہش دل میں پیدا ہو رہی ہے، انسان اس کو پورا کرتا ہے، کبھی نفس کہتا ہے کہ ادھر کو گھومنے چلتے ہیں، گھومنے کی خواہش پوری ہو رہی ہے، کبھی نفس کہتا ہے فلاں سے باتیں کرتے ہیں بھائی بیٹھ کر، اس کی خواہش پوری ہو رہی ہے، کبھی اور غلط خواہشات پر انسان کو ابھارتا ہے، تو سارا سال یہ گویا نفس انسان پر غالب سے غالب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ تو پھر شریعت نے روزے واجب کیے، اور ایک آدھ دن کے نہیں پورے ایک مہینے کے واجب کیے تاکہ یہ نفس جو تاکہ یہ نفس کیا ہے؟ مغلوب ہو جائے بھائی، مغلوب ہو جائے، جو نیکی کے سلسلے میں رکاوٹ بنتا ہے اور برائی کی طرف انسان کو لے کر جاتا ہے۔

لہٰذا اس نفس کو مغلوب کرنے کے لیے شریعت نے روزے کا حکم دیا، یعنی اس کی جو تین بڑی خواہشات ہیں کھانا، پینا اور جماع، ان پر پابندی لگا دی گئی۔ یعنی روزے کا حکم دے کر ان چیزوں پر صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ان چیزوں پر پابندی لگا دی گئی جو اس کی تین یہ بڑی خواہشات ہیں تاکہ یہ مغلوب ہو جائے، اور صرف ایک روزے یا دو کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ پورا رمضان کا مہینہ روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ یہ نفس اچھی طرح مغلوب ہو جائے بھائی، اچھی طرح مغلوب ہو جائے۔ تو روزے کا

[1] شاملہ (ص ۱۶۶) میں «وَالْكَفَّارَةُ» کے بجائے «وللكفارة» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۶۶) میں «وَالْكَفَّارَةُ» کے بجائے «وللكفارة» درج ہے۔

مقصد کیا ہوا؟ نفس امارہ کو مغلوب کرنا، تو یہ ہے مصلحت روزے کے اندر بھائی۔ مصلحت یہ روزے کی، اور مصلحتوں میں سے ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے تاکہ نفس امارہ مغلوب ہو جائے۔

اور یہاں پر تو اس نے کیا کیا ہے؟ اس کی خواہش پوری کر دی ہے، نفس کی خواہش پوری کر دی، روزے کی حالت میں اس نے کیا کر لیا؟ صحبت کر لی ہے، تو نفس کی خواہش پوری کر دی، تو نفس امارہ مغلوب ہوا یا غالب ہو گیا؟ غالب ہو گیا، تو وہ مصلحت ہی فوت ہو گئی جس کے لیے روزے کو واجب کیا گیا تھا۔ تو اس فوت شدہ مصلحت کی تلافی کے لیے اس کی قضا کرنا پڑے گی، یہ روزہ پھر رکھنا پڑے گا۔ وجہ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ یہ معنیٰ ہے «اسْتِدْرَاكًا لِلْمَصْلَحَةِ الْفَائِتَةِ»، تلافی کرنے کے لیے فوت شدہ مصلحت کی اس پر قضا واجب ہو گی۔

■ مسئلہ: وَالْكَفَّارَةُ لِتَكَامُلِ الْجِنَايَةِ

«وَالْكَفَّارَةُ لِتَكَامُلِ الْجِنَايَةِ» اور کفارہ بھی واجب ہو گا، جنایت کے کامل ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ بڑی کامل درجے کی، بڑے کامل درجے کا اس نے جرم کیا ہے، جب کامل درجے کا جرم پایا گیا تو اب کفارہ بھی واجب ہو گا بھائی۔

«وَلَا يُشْتَرَطُ الْإِنْزَالُ فِي الْمَحَلَّيْنِ اعْتِبَارًا بِالِاغْتِسَالِ» اور انزال کی شرط نہیں ہو گی دونوں جگہوں میں، یعنی دونوں سبیلین میں سے کسی ایک کے اندر بھی انزال کی شرط نہیں ہو گی، «اعْتِبَارًا بِالِاغْتِسَالِ» قیاس کرتے ہوئے غسل پر۔ بھئی جیسے پیچھے غسل کے مسائل ذکر ہوئے تھے، وہاں آپ نے پڑھا تھا کہ نفس دخول پایا جائے تو اس سے غسل فرض ہو جائے گا، غسل واجب ہو جائے گا، انزال اس کے اندر شرط ہی نہیں۔ تو یہاں پر بھی نفس دخول سے ہی، نفس دخول سے ہی یہ قضا اور کفارہ دونوں واجب ہو جائیں گے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے «وَلَا يُشْتَرَطُ الْإِنْزَالُ فِي الْمَحَلَّيْنِ» اور انزال کی شرط نہیں لگائی جائے گی دونوں جو محل ہیں ان میں، «اعْتِبَارًا بِالِاغْتِسَالِ» قیاس کرتے ہوئے غسل پر۔

«وَهَذَا لِأَنَّ قَضَاءَ الشَّهْوَةِ يَتَحَقَّقُ دُونَهُ وَإِنَّمَا ذَلِكَ شَبْعٌ» یہ ایک اعتراض یا ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنایت تو کامل تب ہو گی جب شہوت پوری ہو جائے، اور جب تک انزال نہیں ہوا تب تک تو شہوت پوری نہیں ہوئی، لہٰذا جنایت کامل نہیں ہوئی، لہٰذا اس صورت میں کفارہ نہیں آنا چاہیے۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھائی، کہ انزال کے بغیر بھی شہوت پوری ہو جاتی ہے، البتہ انزال جو ہے وہ سیر ہو جانا ہے، یعنی جی کا پوری طرح بھر جانا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو جیسے ایک ہے ایک لقمہ کھانا اور ایک ہے سیر ہو کر کھانا کھا لینا، تو ایک لقمے سے بھی کیا ہو جائے گا؟ روزہ ٹوٹ جائے گا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح بغیر انزال کے بھی شہوت پوری ہو جاتی ہے لیکن انزال سے جی پوری طرح بھر جاتا ہے، بغیر انزال کے بھی شہوت پوری ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا جنایت یہ کس قسم کی ہے؟ کامل درجے کی ہے، جب کامل درجے کی ہے تو کفارہ بھی یہاں پر واجب ہو گا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنیٰ ہے «وَهَذَا لِأَنَّ قَضَاءَ الشَّهْوَةِ يَتَحَقَّقُ دُونَهُ» اور یہ اس لیے کیونکہ شہوت کا پورا ہونا، «يَتَحَقَّقُ» وہ پایا جاتا ہے، «دُونَهُ» اس کے بغیر بھی، یعنی انزال کے بغیر بھی، «وَإِنَّمَا ذَلِكَ شَبْعٌ» اور وہ انزال تو «شَبْعٌ» سیر ہو جانا ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ لَ...

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْكَفَّارَةُ بِالْجِمَاعِ فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوهِ» اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہوتا، «بِالْجِمَاعِ فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوهِ» جماع کرنے سے مکروہ محل میں، مکروہ مقام میں، یعنی پچھلے مقام میں۔ امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ پچھلے مقام کے اندر جماع کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ «اعْتِبَارًا بِالْحَدِّ» حد پر قیاس کرتے ہوئے، جیسے اس کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی، معنیٰ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو «اعْتِبَارًا بِالْحَدِّ عِنْدَهُ» قیاس کرتے ہوئے حد پر امام صاحب کے نزدیک، تو وہ حد پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے اس کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی اسی طرح اس کی وجہ سے کفارہ بھی واجب نہیں ہو گا۔

«وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا تَجِبُ» اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ کفارہ واجب ہو گا۔ تو امام صاحب سے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت تو یہ جو ذکر کر دی کہ اس صورت میں کفارہ واجب نہیں ہو گا، اور آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ زیادہ صحیح قول امام صاحب کا اور جو زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بھی کفارہ واجب ہو جائے گا۔ «وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا تَجِبُ» اور زیادہ صحیح قول یہ ہے امام صاحب کا کہ کفارہ واجب ہو گا، «لِأَنَّ الْجِنَايَةَ مُتَكَامِلَةٌ لِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ» اس لیے کیونکہ جنایت جو ہے وہ پوری ہے، کامل ہے لقضاء الشہوۃ، شہوت کے پورا ہونے کی وجہ سے۔

«وَلَوْ جَامَعَ مَيْتَةً أَوْ بَهِيمَةً فَلَا كَفَّارَةَ أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ» اور اگر کسی شخص نے جماع کیا، «مَيْتَةً» کسی مردار سے، مردہ عورت سے، «أَوْ بَهِيمَةً» یا کسی چوپائے سے، کسی جانور سے، «فَلَا كَفَّارَةَ» تو پھر کفارہ نہیں، «أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ» انزال ہو یا انزال نہ ہو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کفارہ نہیں ہے، یہ

نہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ کفارہ نہیں ہے بھائی۔

■ مسئلہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ

«خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، «لِأَنَّ الْجِنَايَةَ تَكَامُلُهَا بِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ فِي مَحَلٍّ مُشْتَهًى وَلَمْ يُوجَدْ» یہ ہماری دلیل ذکر ہو رہی ہے، ہمارے نزدیک جنایت جو ہے، «تَكَامُلُهَا بِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ» وہ پوری ہوتی ہے شہوت پوری کرنے سے، «فِي مَحَلٍّ مُشْتَهًى» محلِ مشتہیٰ میں۔ کس محل میں؟ محلِ مشتہیٰ کے اندر شہوت پوری کرنے سے جنایت پوری ہو گی، «وَلَمْ يُوجَدْ» اور محلِ مشتہیٰ تو یہاں نہیں پایا گیا، شہوت والا محل نہیں پایا گیا بھائی۔ اسی لیے، اسی لیے طبیعتِ سلیمہ اس کو ناگوار سمجھتی ہے، کیا کسی مردے سے صحبت کی جائے یا کسی جانور سے، حتیٰ کہ عام لوگ بھی اس کو سنیں گے تو اس کو اس شخص کی اس شخص کے جنون اور حماقت پر محمول کریں گے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو معلوم ہوا عام طبیعتیں بھی کیا کرتی ہیں اس سے؟ ناگوار سمجھتی ہیں اور نفرت کرتی ہیں، تو طبیعتِ سلیمہ تو بطریقِ اولیٰ اس سے نفرت کرے گی بھائی۔ تو یہاں پر کیونکہ محلِ مشتہیٰ کے اندر شہوت کو پورا کرنا نہیں پایا گیا اس لیے یہاں کفارہ واجب نہیں ہو گا بھائی۔ کوئی بھی اس کو محلِ شہوت نہیں سمجھتا بلکہ لوگ اس کو اس کے جنون پر یا اس کی دیوانگی پر محمول کریں گے بھائی۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھائی؟

«لِأَنَّ الْجِنَايَةَ تَكَامُلُهَا بِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ فِي مَحَلٍّ مُشْتَهًى» اس لیے کہ جنایت جو ہے وہ پوری ہوتی ہے وہ مشتہیٰ محل کے اندر شہوت پوری کرنے سے، مشتہیٰ محل کے اندر شہوت پوری کرے گا تو جنایت پوری ہو گی، «وَلَمْ يُوجَدْ» اور محلِ مشتہیٰ تو نہیں پایا گیا۔

«ثُمَّ عِنْدَنَا كَمَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ بِالْوِقَاعِ عَلَى الرَّجُلِ تَجِبُ عَلَى الْمَرْأَةِ» پھر ہمارے نزدیک جیسے کفارہ واجب ہوتا ہے، «بِالْوِقَاعِ» جماع کی وجہ سے، «عَلَى الرَّجُلِ» مرد پر، «تَجِبُ عَلَى الْمَرْأَةِ» تو عورت پر بھی واجب ہوتا ہے۔ کفارہ جیسے مرد پر واجب ہوتا ہے جماع کی وجہ سے اسی طرح عورت پر بھی واجب ہوتا ہے، لیکن یاد رکھیے اس میں کہ جبکہ عورت کی مرضی بھی شامل ہو اس کے اندر بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو اس پر بھی کفارہ واجب ہو گا، اور اگر اس کی مرضی شامل نہیں تھی یعنی بیوی تو کسی حال میں یہ نہیں چاہتی تھی تو پھر اس صورت میں اس پر صرف قضا آئے گی اس پر کفارہ نہیں آئے گا، بات سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ فِي قَوْلٍ...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلٍ لَا تَجِبُ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجِمَاعِ وَهُوَ فِعْلُهُ وَإِنَّمَا هِيَ مَحَلُّ الْفِعْلِ» امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ عورت پر کفارہ واجب نہیں ہو گا، اس لیے کیونکہ جماع کی وجہ سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور جماع کرنا مرد کا فعل ہے، عورت صرف محلِ جماع ہے، عورت کیا ہے؟ محلِ جماع ہے، اور کفارہ واجب ہوتا ہے جماع کی وجہ سے، اور جماع تو صرف کون کرتا ہے؟ مرد کرتا ہے، لہٰذا جماع کا سبب وہ صرف مرد کے اندر پایا جا رہا ہے تو کفارہ بھی صرف اسی پر آئے گا۔ عورت تو جماع نہیں کرتی بلکہ وہ صرف کیا ہے؟ محلِ جماع ہے، تو وہاں جماع کا سبب ہی نہیں پایا گیا، اس وجہ سے اس پر کفارہ بھی واجب نہیں۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلٍ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک قول میں، یعنی اس میں ان کا دوسرا قول بھی ہے، ایک قول ان کا یہ ہے: «لَا تَجِبُ عَلَيْهَا» کہ اس عورت پر واجب نہیں ہو گا کفارہ، «لِأَنَّهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجِمَاعِ» اس لیے کیونکہ وہ عورت جو ہے وہ تو جماع سے متعلق ہے، «وَهُوَ فِعْلُهُ» اور جماع تو اس مرد کا فعل ہے، «وَإِنَّمَا هِيَ مَحَلُّ الْفِعْلِ» اور یہ عورت تو محلِ فعل ہے صرف بھائی، جماع اس کی طرف سے نہیں ہے۔

«وَفِي قَوْلٍ تَجِبُ» اور ایک قول کے مطابق، امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق «تَجِبُ»، عورت پر بھی کفارہ واجب ہو گا۔ ایک قول کے مطابق، امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول کیا آیا؟ عورت پر بھی کفارہ واجب ہو گا، «وَيَتَحَمَّلُ الرَّجُلُ عَنْهَا» اور آدمی، وہ جو مرد ہے وہ برداشت کرے گا اس کی طرف سے۔ برداشت کون کرے گا؟ وہ مرد برداشت کرے گا، یعنی اس بیوی کی طرف سے بھی اس کو ہی کفارہ دینا پڑے گا۔ عورت پر بھی واجب ہوا لیکن اٹھائے گا کون؟ مرد یعنی خاوند اٹھائے گا، تو اس پر اپنی طرف سے بھی کفارہ اسے دینا پڑے گا اور بیوی کی طرف سے بھی کفارہ دینا پڑے گا۔ «اعْتِبَارًا بِمَاءِ الِاغْتِسَالِ» قیاس کرتے ہوئے غسل کے پانی پر۔ جیسے خاوند اپنی بیوی سے صحبت کر لے اور اب پانی بغیر پیسوں کے نہیں مل رہا تو غسل کی حاجت ہے تو خاوند جیسے اپنے لیے پانی خریدنا اس کے لیے ضروری ہے، اسی طرح بیوی کے لیے پانی خرید کر اس کو غسل کے لیے پانی فراہم کرنا یہ بھی کس کی ذمہ داری؟ خاوند کی ذمہ داری ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ دیکھیے جیسے غسل کے پانی کا بوجھ کس پر پڑتا ہے؟ خاوند پر پڑتا ہے، تو یہاں پر وہ کفارے کا بوجھ بھی کس کو اٹھانا پڑے گا بیوی کی طرف سے؟ خاوند کو اٹھانا پڑے گا۔ یہ معنیٰ ہے «وَيَتَحَمَّلُ الرَّجُلُ عَنْهَا اعْتِبَارًا بِمَاءِ الِاغْتِسَالِ» اور مرد جو ہے وہ برداشت کرے گا عورت کی طرف سے کفارے کو، «اعْتِبَارًا بِمَاءِ الِاغْتِسَالِ» قیاس کرتے ہوئے غسل کے پانی پر۔

■ مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ...

«وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُظَاهِرِ» اور ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ «مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ» جس نے روزہ توڑ دیا رمضان میں، «فَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُظَاهِرِ» تو اس پر وہی واجب ہے جو ظہار کرنے والے پر ہے، اس پر وہی واجب ہے جو مظاہر یعنی ظہار کرنے والے پر واجب ہے، اور ظہار تو آپ پڑھ چکے ہیں، ظہار کس کو کہتے ہیں کہ خاوند جو ہے اپنی بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دے، یعنی یوں کہے: «أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي» تو مجھ پر اسی طرح ہے جیسے میری ماں کی پشت، یعنی جیسے میری ماں مجھ پر حرام ہے اسی طرح تو بھی مجھ پر حرام ہے۔ تو یہ اس نے بڑی ہی غلط بات کہی، انتہا درجے کی غلط بات کہی، لہٰذا اس صورت میں اب اگر اس بیوی کو وہ رکھنا چاہتا ہے اور اپنے کہے ہوئے کی تلافی کرنا چاہتا ہے تو اس کا کفارہ قرآن میں ذکر کیا گیا، قرآن میں ذکر کیا گیا کہ اس صورت میں اس شخص کو ایک غلام یا باندی آزاد کرنا پڑے گی، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو پھر ساٹھ مسلسل روزے رکھنا پڑیں گے، اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔ تو ظہار کا کفارہ کیا ہے؟ غلام یا باندی آزاد کریں گے، اگر اس کی استطاعت نہیں یا وہ نہیں ملتے تو پھر ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے، اگر اس کی بھی استطاعت نہیں تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔

تو حدیث میں بھی یہی آیا کہ «مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُظَاهِرِ» جس نے روزہ توڑ دیا رمضان میں تو اس پر وہ کفارہ واجب ہے جو ظہار کرنے والے پر واجب ہے۔ اب حدیث کے اندر جو ہے «مَنْ» آیا، «مَنْ أَفْطَرَ» جس نے روزہ توڑ دیا، اور یہ «مَنْ» عام ہے، یہ مذکر کو بھی شامل ہے اور مؤنث کو، معلوم ہوا مرد پر بھی کفارہ آئے گا اور عورت پر بھی آئے گا۔ «وَكَلِمَةُ مَنْ تَنْتَظِمُ الذُّكُورَ وَالْإِنَاثَ» اور کلمہ «مَنْ» جو ہے وہ شامل ہے مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی۔

«وَلِأَنَّ السَّبَبَ جِنَايَةُ الْإِفْسَادِ لَا نَفْسُ الْوِقَاعِ» اور اس لیے کیونکہ یہ کفارے کا سبب، «جِنَايَةُ الْإِفْسَادِ» روزہ فاسد کرنے کا جرم ہے۔ یہ کفارے کا سبب کیا ہے؟ روزہ فاسد کر دینے کا جرم ہے، اس شخص نے کیا کیا ہے؟ روزہ فاسد کیا ہے، تو یہ روزہ فاسد کرنے کا جرم یہ سبب ہے کفارے کا، «لَا نَفْسُ الْوِقَاعِ» نفسِ جماع نہیں۔ نفسِ جماع وہ اس کفارے کا سبب نہیں ہے بلکہ روزے کو فاسد کرنے کا جرم ہے اور اس کے اندر تو عورت بھی شریک ہے اس کے ساتھ، جیسے اس مرد نے کیا کیا ہے روزہ فاسد کرنے کا جرم کیا ہے اگر عورت کی مرضی شامل تھی تو اس نے بھی کیا کیا ہے؟ روزہ فاسد کرنے کا جرم کیا ہے، لہٰذا کفارے کا سبب دونوں میں پایا گیا بھائی تو دونوں پر کفارہ آئے گا۔ تو نفسِ وقاع کفارے کا سبب نہیں ہے کیونکہ وقاع یعنی جماع تو صرف کس میں پایا گیا؟ مرد میں پایا گیا لیکن یہاں جماع ہے ہی نہیں سبب بلکہ سبب کیا ہے؟ روزے کو فاسد کرنے کا جرم، تو یہ دونوں نے کیا ہے، دونوں نے روزے کو فاسد کیا ہے۔

یہ معنیٰ ہے «وَلِأَنَّ السَّبَبَ جِنَايَةُ الْإِفْسَادِ لَا نَفْسُ الْوِقَاعِ» اور اس لیے کیونکہ کفارے کا سبب جو ہے وہ روزہ فاسد کرنے کا جرم ہے، «لَا نَفْسُ الْوِقَاعِ» نفسِ جماع نہیں ہے، «وَقَدْ شَارَكَتْهُ فِيهَا» اور تحقیق وہ عورت بھی مرد کے ساتھ شریک ہے اس جنایت کے اندر۔

■ مسئلہ: وَلَا تَحَمُّلَ

«وَلَا تَحَمُّلَ» یہاں سے آگے بتلا رہے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا ذکر کیا تھا؟ ماءِ اغتسال پر قیاس کرتے ہوئے کیا فرمایا تھا کہ اس کفارے کو عورت کی طرف سے کون برداشت کرے گا؟ مرد یعنی اس کا خاوند ہی برداشت کرے گا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ جو کفارہ ہے یہ یا تو عبادت ہے یا سزا۔ یاد رکھیے یہ جو کفارہ ہے نا، اس میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور اس میں سزا کا پہلو بھی ہے۔ عبادت تو ظاہر ہے، روزہ وغیرہ رکھ رہا ہے تو یہ عبادت ہے یا عبادت نہیں ہے؟ فقراء وغیرہ کو کھلا رہا ہے یہ بھی کیا ہے؟ عبادت ہے۔ اور سزا کا پہلو بھی ہے کہ یہ اس پر کیوں لازم ہوا؟ کیونکہ اس نے ایک جرم کیا تھا روزہ توڑا تھا۔ تو اس کفارے کے اندر عبادت والا پہلو بھی ہے اور سزا والا پہلو بھی ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے کہ بیوی کی طرف سے کون برداشت کرے گا؟ خاوند برداشت کرے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ یا تو یہ کفارہ عبادت ہے یا یہ کیا ہے؟ سزا ہے، اور عبادت بھی جس شخص پر لازم ہوتی ہے اسی کو ادا کرنا پڑتی ہے اس کی جگہ کوئی دوسرا ادا کرے تو اس کی طرف سے ادا نہیں ہو سکتا، اور سزا بھی اسی شخص کو دی جاتی ہے جس نے جرم کیا ہوتا ہے دوسرے شخص دوسرا شخص اس کی سزا کو برداشت کر لے اور اٹھا لے یہ اس طرح کبھی بھی نہیں کیا جاتا بھائی۔ دنیا کے اندر بھی آپ دیکھ لیں کہ مجرم ہی کو سزا دی جاتی ہے اس کا کوئی اور رشتہ دار کہے میں سزا برداشت کرنے کو تیار ہوں، کوئی بھی اس کو قبول نہیں کرے گا بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «وَلَا تَحَمُّلَ» اور برداشت کرنا نہیں ہے، یعنی خاوند کی طرف سے یا اٹھانا نہیں ہے خاوند کی طرف سے اس کفارے کا، «لِأَنَّهَا عِبَادَةٌ أَوْ عُقُوبَةٌ» اس لیے کیونکہ وہ کفارہ یا تو عبادت ہے یا سزا ہے، «وَلَا يَجْرِي فِيهَا الْحَمْلُ» اور اس کے اندر اٹھانا جاری نہیں ہوتا کہ ایک شخص کیا کرلے دوسرے کی عبادت کو یا سزا کو اٹھا لے۔

«وَلَوْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ مَا يُتَغَذَّى بِهِ أَوْ مَا يُدَاوَى بِهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ» اور اگر روزہ دار نے کھایا، «أَوْ شَرِبَ» یا پیا، «مَا» اس

چیز کو، «يُتَغَذَّى بِهِ» جس سے غذا حاصل کی جاتی ہے، «أَوْ مَا يُدَاوَى بِهِ» یا ایسی چیز کو کھایا یا پیا «يُدَاوَى بِهِ» جس کے ذریعے علاج کیا جاتا ہے، یعنی کوئی دوا وغیرہ ہے، «فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ» تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ یعنی کوئی چیز کھالی پی لی اور کس طرح کی چیز ہے؟ جسے بطورِ غذا کے کھایا جاتا ہے یا اس کو بطورِ دوا کے کھایا جاتا ہے تو اس میں قضا بھی آئے گا اور کفارہ بھی آئے گا۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَ...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کفارہ نہیں ہے، صرف کیا آئے گی؟ قضا آئے گی، «لِأَنَّهَا شُرِعَتْ فِي الْوِقَاعِ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ» اس لیے کیونکہ کفارہ تو مشروع ہوا ہے صرف کس میں؟ «فِي الْوِقَاعِ» جماع کے اندر، «بِخِلَافِ الْقِيَاسِ» خلافِ قیاس طریقے پر۔ کفارہ صرف کس کے اندر آیا ہے؟ جماع کے اندر مشروع ہوا ہے خلافِ قیاس۔ یعنی یوں کہیں کہ کفارہ خلافِ قیاس صرف کس کے اندر مشروع ہوا ہے؟ جماع میں، «لِارْتِفَاعِ الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ» اس وجہ سے کہ گناہ تو اٹھ گیا، معاف ہو گیا «بِالتَّوْبَةِ» توبہ کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ بھئی توبہ کی وجہ سے تو گناہ معاف ہو جاتا ہے یا معاف نہیں ہوتا؟ توبہ کی وجہ سے تو گناہ معاف ہو جاتا ہے۔

تو وہ ایک آگے روایت بھی آرہی ہے کہ وہ ایک دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور انہوں نے رمضان میں روزے کی حالت میں جان بوجھ کر بیوی سے صحبت کر لی تھی، اور پھر حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور پھر وہاں پر اس کو اس کفارے کا حکم دیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کفارے کا حکم دیا، حکم دیا۔ اور جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہیں تو یقیناً نادم ہو کر آئے ہیں کہ یہ میں نے کیا کر لیا، کتنی بڑی غلطی میں نے کر لی، یہ بات ظاہر ہے یا نہیں؟ ہاں ظاہر بھی ہے اور حدیث کے الفاظ سے بھی ظاہر ہو گا کہ وہ کتنے پریشان تھے اس بات پر کہ یہ مجھ سے کیسی غلطی ہو گئی، اتنی بڑی غلطی ہو گئی، تو وہ نادم ہو کر آئے تھے یعنی توبہ کر کے آئے تھے، اللہ سے بھی معافی مانگی ہو گی توبہ، اور جب توبہ کر لی جائے پھر تو گناہ کیا ہو جاتا ہے؟ معاف ہو جاتا ہے۔ جب توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو پھر اس صورت میں تو گناہ معاف ہو گیا تو پھر تو کفارہ نہیں آنا چاہیے، قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کیونکہ گناہ تو توبہ سے ختم ہو گیا لیکن خلافِ قیاس یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کا حکم دیا؟ کفارے کا حکم دیا۔

تو گناہ جب توبہ سے معاف ہو گیا، یا یوں کہیں گناہ جب توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو قیاس کیا تقاضا کرتا ہے، کوئی اور سزا ہونی چاہیے؟ نہیں، قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ جب ایک چیز اللہ کی طرف سے معاف ہو گئی تو اب مزید اس میں کوئی سزا نہیں ہونی چاہیے، تو یہ جو کفارے کو واجب کیا گیا یہ مطابقِ قیاس ہوا یا خلافِ قیاس؟ خلافِ قیاس ہوا۔ تو یہی بات امام شافعی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ «لِأَنَّهَا شُرِعَتْ فِي الْوِقَاعِ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ لِارْتِفَاعِ الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ» اس لیے کیونکہ کفارہ جو ہے جماع کے اندر خلافِ قیاس طریقے پر مشروع ہوا ہے «لِارْتِفَاعِ الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ» اس وجہ سے کہ گناہ جو ہے وہ تو اٹھ گیا ہے یعنی معاف ہو گیا ہے «بِالتَّوْبَةِ» توبہ کی وجہ سے، «فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ» تو اس پر کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اے احناف، حدیث سے تو صرف جماع کی صورت میں کفارے کا ثبوت ہے تو تم اس پر کھانے اور پینے کی صورت بھی قیاس کرتے ہوئے کہتے ہو کہ کھانے اور پینے کی صورت میں بھی کفارہ آئے گا، حالانکہ کفارے کا ثبوت تو خلافِ قیاس ہے اور جو چیز خلافِ قیاس ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے اس پر اور چیزوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تو تمہارا اس پر کھانے اور پینے کو تمہارا کھانے اور پینے کو جماع پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، لہٰذا ان میں کفارہ نہیں آئے گا کھانے اور پینے میں بلکہ صرف کیا آئے گا؟ قضا آئے گی۔

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِجِنَايَةٍ...

«وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِجِنَايَةِ الْإِفْطَارِ فِي رَمَضَانَ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارے کا تعلق جو ہے «بِجِنَايَةِ الْإِفْطَارِ» روزہ توڑنے کے جرم کے ساتھ ہے، روزہ توڑنے کے جرم کے ساتھ ہے «فِي رَمَضَانَ» رمضان کے مہینے میں، «عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ» کامل طریقے پر۔ یعنی کامل طریقے پر جو روزہ توڑنے کا جرم پایا گیا فی رمضان، رمضان کے اندر اس کے ساتھ ہے کفارے کا تعلق۔ ترجمے پر نظر ہے بھائی؟ «وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِجِنَايَةِ الْإِفْطَارِ فِي رَمَضَانَ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارے کا تعلق رمضان میں کامل طریقے پر روزہ توڑنے کا جرم جو ہے اس کے ساتھ ہے، روزہ توڑنے کے جرم کے ساتھ ہے یعنی کامل طور پر جو روزہ توڑنے کا جرم پایا گیا رمضان میں اس کے ساتھ کفارے کا تعلق ہے، اور روزہ توڑنے کا کامل جرم روزہ توڑنے کا کامل جرم جو ہے یہ جیسے صحبت کی صورت میں یعنی جماع کی صورت میں پایا جاتا ہے اسی طرح کھانے اور پینے کی صورت میں بھی پایا جاتا ہے۔ «وَقَدْ تَحَقَّقَتْ» اور تحقیق یہ جرم پایا گیا ہے۔ جب اس نے کچھ کھایا ہے یا پیا ہے تو یہ جرم پایا گیا ہے اور جب بھی یہ جرم پایا جائے گا، کون سا جرم؟ روزہ توڑنے کا جرم، اور کس طریقے پر؟ کامل طریقے پر ہو، پورا جرم ہو اور کس مہینے میں ہو؟ رمضان میں ہو، تو اس سے کفارے کا تعلق ہے اور یہ جرم تو پایا گیا ہے یہاں پر جب اس نے کچھ کھایا ہے یا پیا ہے، تو لہٰذا اس صورت میں بھی کیا واجب ہو گا؟ کفارہ واجب ہو گا۔

«وَبِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا عُرِفَ أَنَّ التَّوْبَةَ غَيْرُ مُكَفِّرَةٍ لِهَذِهِ الْجِنَايَةِ» یہاں سے وہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جو بات ذکر کی تھی اس کا جواب دے رہے ہیں، اس کا جواب دے رہے ہیں بھائی۔ اچھی طرح اس بات کو سمجھ لیجیے گا بھائی۔ بھائی دیکھیے، امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا تھا کہ گناہ جو ہے وہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو یہ جو صحبت والی غلطی جس نے کی اس کا یہ جرم بھی توبہ سے معاف ہو چکا ہے، پھر اس کو جو کفارے کا حکم دیا گیا یہ خلافِ قیاس ہے لہٰذا اس پر اور چیزوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ آپ کی بات ہمیں تسلیم ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، مٹ جاتے ہیں لیکن یہ والا جرم جو ہے، کون سا جرم؟ روزہ توڑنے کا جرم جو ہے، یہ ایسا جرم ہے کہ یہ توبہ سے نہیں مٹتا، توبہ سے ختم نہیں ہوتا۔ اور دلیل اس کی کیا ہے؟ کیونکہ اس میں غلام آزاد کرنا وغیرہ جو ہے یہ چیزیں واجب کی گئی ہیں۔ اس میں کیا واجب کی گئی ہیں؟ کفارہ واجب کیا گیا ہے یا نہیں واجب کیا گیا؟ ہم کہتے ہیں یہ کفارہ واجب کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ والا جرم جو ہے یہ توبہ سے نہیں مٹتا۔ عام گناہ ٹھیک ہے توبہ سے عام جرائم جو ہیں ٹھیک ہے وہ توبہ سے مٹ جائیں گے ختم ہو جائیں گے لیکن یہ والی جنایت جو ہے یہ توبہ سے معاف نہیں ہوتی، یہ کس سے پتہ چلا؟ یہ جو کفارہ شریعت نے واجب کیا ہے کہ غلام وغیرہ آزاد کرنا پڑے گا یا ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا۔ معلوم ہوا یہ جرم توبہ سے معاف نہیں ہوتا اور اس کے اندر کفارہ ضرور دینا پڑے گا پھر ہی یہ جرم ختم ہو گا اور معاف ہو گا۔ تو لہٰذا جب کھائے گا اور پیے گا تب بھی یہ جرم پایا گیا یعنی روزہ توڑنے والا، اور یہ جرم تو توبہ سے معاف نہیں ہوتا اس میں تو کیا ضروری ہوتا ہے؟ کفارہ ضروری، تو لہٰذا کھانے اور پینے کی صورت میں بھی کیا کرنا پڑے گا؟ کفارہ دینا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں «وَبِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا» اور اعتاق کو واجب کرنے کی وجہ سے، «تَكْفِيرًا» کفارہ ادا کرنے کے لیے، ترجمہ تکفیر اُسے میں شروع کروں گا، کفارہ ادا کرنے کے لیے اعتاق کو واجب کرنے سے، «عُرِفَ» یہ جان لیا گیا، «أَنَّ التَّوْبَةَ» کہ توبہ جو ہے، «غَيْرُ مُكَفِّرَةٍ لِهَذِهِ الْجِنَايَةِ» وہ مٹانے والی نہیں ہے اس جنایت یعنی اس جرم کو۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ دوبارہ ترجمہ سنیں بھائی: «وَبِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا عُرِفَ أَنَّ التَّوْبَةَ غَيْرُ مُكَفِّرَةٍ لِهَذِهِ الْجِنَايَةِ» یاد رکھو بھائی، یاد رکھو، یہ «بِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا» اس کا تعلق ہے «عُرِفَ» سے۔ یہ جار مجرور ہے نا، اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے تو اس کا تعلق کس سے ہے؟ «عُرِفَ»، جان لیا گیا۔ بھئی کس چیز سے جانا گیا؟ «بِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا» یہ جو بطورِ کفارے کے غلام آزاد کرنے کو واجب کہا گیا ہے واجب کیا گیا ہے اس سے جان لیا گیا کہ «أَنَّ التَّوْبَةَ غَيْرُ مُكَفِّرَةٍ لِهَذِهِ الْجِنَايَةِ» کہ توبہ جو ہے وہ اس جرم کو مٹانے والی نہیں ہے۔ عام جرم تو ٹھیک ہے توبہ سے مٹ جائیں گے لیکن یہ جرم توبہ سے مٹنے والا نہیں، یہ کس سے پتہ چلا؟ یہ جو بطورِ کفارے کے غلام کے آزاد کرنے کو واجب کیا گیا۔ تو لہٰذا معلوم ہوا یہ جرم جو ہے جو بھی کر لے گا یعنی روزے کو فاسد کر دے گا جان بوجھ کر رمضان کے اندر کامل طریقے پر تو پھر یہ جرم اب توبہ سے نہیں معاف ہو گا بلکہ کیا ضروری ہو گا؟ کفارہ ضروری ہو گا۔ تو یہ جرم جب صحبت کی صورت میں پایا گیا ہے یعنی روزہ توڑنے کا تو کھانے اور پینے کی صورت میں بھی یہی جرم پایا گیا، اور یہ جرم تو بغیر کفارے کے صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا تو کفارہ اس میں بھی آ جائے گا بھائی، یعنی کھانے اور پینے کی صورت میں بھی کفارہ آئے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

■ مسئلہ: ثُمَّ قَالَ: وَالْكَفَّارَةُ مِثْلُ كَفَّارَةِ الظ...

«ثُمَّ قَالَ: وَالْكَفَّارَةُ مِثْلُ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ» پھر صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: اور روزے کا کفارہ جو ہے، «مِثْلُ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ» وہ ظہار کے کفارے کی طرح ہے، «لِمَا رَوَيْنَا» بوجہ اس حدیث کے جو ہم نے روایت کر دی، وہ جو پیچھے آیا تھا: «مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُظَاهِرِ» جس نے رمضان کا روزہ توڑا تو اس پر وہ کفارہ واجب ہے جو ظہار کرنے والے پر واجب ہوتا ہے۔ تو اس حدیث کی وجہ سے پتہ چل گیا کہ روزے کا کفارہ بھی کیا ہے؟ ظہار کے کفارے کی طرح ہے، ایک تو اس حدیث سے پتہ چلا۔

«وَلِحَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ» اور دیہاتی کی حدیث کی وجہ سے بھی، «فَإِنَّهُ قَالَ» یہ ایک دیہاتی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، کہنے لگے، «فَإِنَّهُ قَالَ» تو وہ کہنے لگے: «يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ وَأَهْلَكْتُ» اے اللہ کے پیغمبر، میں ہلاک ہو گیا، «وَأَهْلَكْتُ» اور دوسروں کو ہلاکت میں ڈال دیا، «هَلَكْتُ» میں ہلاک ہو گیا، «وَأَهْلَكْتُ» اور میں نے ہلاک کر دیا یعنی دوسروں کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ «فَقَالَ: مَاذَا صَنَعْتَ؟» تو سرورِ کونین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: «مَاذَا صَنَعْتَ؟» تم نے کیا کیا ہے؟ «قَالَ: وَاقَعْتُ امْرَأَتِي فِي نَهَارِ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا» میں نے جماع کر لیا اپنی بیوی سے رمضان میں دن کے وقت میں «مُتَعَمِّدًا» جان بوجھ کر۔ «فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْتِقْ رَقَبَةً» تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: «أَعْتِقْ رَقَبَةً» ایک گردن آزاد کرو، یعنی ایک غلام یا باندی آزاد کرو۔ «فَقَالَ: لَا أَمْلِكُ إِلَّا رَقَبَتِي هَذِهِ» تو وہ کہنے لگا وہ دیہاتی کہ میں تو مالک نہیں ہوں سوائے اپنی اس گردن کے، میرے پاس تو کوئی غلام وغیرہ نہیں ہے صرف میں اپنی ہی گردن کا مالک ہوں۔ «فَقَالَ: صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ» تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: «صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ» کہ روزہ رکھو دو ماہ تک مسلسل۔ «فَقَالَ: هَلْ جَاءَنِي مَا جَاءَنِي إِلَّا مِنَ الصَّوْمِ؟» تو وہ کہنے لگا: «هَلْ» «هَلْ» جب یہ «إِلَّا» کے ساتھ آئے نا «هَلْ جَاءَنِي مَا جَاءَنِي إِلَّا»، تو «هَلْ» جب «إِلَّا» کے ساتھ آئے تو یہ حرفِ نفی کی طرح اس کا معنیٰ ہو گا یعنی نفی والا معنیٰ کریں گے۔ سمجھ میں آیا؟ تو «هَلْ» یہاں سوال کے لیے نہیں ہے بلکہ نفی کے معنیٰ یعنی «لَا» والا معنیٰ ادا کرے گا اور «لَا» اور «مَا» کا معنیٰ۔ تو «هَلْ جَاءَ» نہیں آئی «مَا» وہ

چیز، «جَاءَنِي» جو مجھ پر آئی ہے، «إِلَّا مِنَ الصَّوْمِ» مگر روزے کی وجہ سے، کہ یعنی یہ جو چیز مجھ پر آئی ہے تو روزے ہی کی وجہ سے تو آئی ہے، یعنی جس مصیبت میں پڑا ہوں روزے کی وجہ سے ہی تو مصیبت میں پڑا ہوں، آپ فرمارہے ہیں کہ ساٹھ مسلسل روزے رکھوں وہ میں کیسے رکھوں؟ «فَقَالَ» تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: «أَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا» کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ «فَقَالَ: لَا أَجِدُ» اس نے کہا میں نہیں پاتا، یعنی اتنا میرے پاس نہیں ہے کہ میں کیا کروں؟ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤں۔

«فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُؤْتَى بِفَرَقٍ مِنْ تَمْرٍ وَيُرْوَى بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ خَمْسَةَ عَشَرَصَاعًا» تو حضور علیہ السلام نے حکم دیا صحابہ کو کہ «أَنْ يُؤْتَى بِفَرَقٍ مِنْ تَمْرٍ» کہ لایا جائے ایک فَرَق تمر میں سے۔ فَرَق یہ پیمانہ ہے بھائی، پیمانے کا نام ہے اور جی انہوں نے لکھا ہوا ہے بین السطور کہ ۱۶ رطل کے برابر ہے، ۱۶ رطل کے برابر۔ لیکن یہاں انہوں نے فَرَق بین السطور جو ہے ۱۶ رطل لکھا ہوا ہے، حالانکہ یہ کتاب الزکوٰۃ میں آیا تھا بھائی فَرَق کا ذکر کہ وہ شہد کے اندر امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے کہ اس میں فَرَق کا ذکر آیا تھا کہ پانچ فَرَق ہوں تو اس کے اندر کیا واجب ہو گا؟ زکوٰۃ واجب ہو گی یعنی عشر واجب ہو گا، اور فَرَق وہاں متن کے اندر انہوں نے ذکر کیا تھا کہ ۳۶ رطل ہے، کتنا ہے؟ ۳۶ رطل ہے بھائی، رطل۔

تو حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ لایا جائے «بِفَرَقٍ مِنْ تَمْرٍ» ایک فَرَق تمر میں سے، «وَيُرْوَى» اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے، یعنی یہ بعض روایتوں میں تو فَرَق کا لفظ آیا ہے اور بعض روایتوں میں «بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ»، انہوں نے لکھا ہے فی دیوان الادب: العرق: الزنبیل۔ زنبیل کہتے ہیں تھیلی کو، تو بعض روایتوں میں عَرَق کا لفظ ہے یعنی ایک حضور علیہ السلام نے حکم دیا ایسا تھیلا لانے کا، «فِيهِ تَمْرٌ» جس میں تمر تھے، یعنی ایسی ٹوکری جس کے اندر تمر تھے، «خَمْسَةَ عَشَرَصَاعًا» ۱۵ صاع بھائی، کتنے؟ ۱۵ صاع تمر تھے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ

«وَقَالَ» پھر حضور علیہ السلام جب وہ لے آئے صحابہ حضور علیہ السلام کے دیا تو آپ نے فرمایا ان دیہاتی صحابی کو وہ کھجوریں دیتے ہوئے فرمایا: «فَرِّقْهَا عَلَى مَسَاكِينَ» اس کو مسکینوں پر تقسیم کر دو۔ «فَقَالَ: وَاللَّهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ أَحْوَجُ مِنِّي وَمِنْ عِيَالِي» تو وہ کہنے لگے، لابۃ، لابۃ کہتے ہیں سیاہ پتھروں والی زمین، سیاہ پتھروں والی زمین۔ بھائی مدینہ منورہ اگر جائیں مکہ مکرمہ سے تو مدینہ سے پہلے قریب ہی اس کے زمین جو ہے اس میں ہر طرف بالکل سیاہ پتھر پھیلے ہوئے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے ساری یہ زمین بالکل جلی ہوئی ہو بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس طرح کے سیاہ پتھر پھیلے ہوئے ہیں۔ تو وہ جگہ مراد ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ حَرَّة بھی کہتے ہیں اور یہ لابۃ بھی سیاہ پتھروں والی زمین کو کہتے ہیں۔ اور یہاں لَابَتَيْ آیا، اصل میں تثنیہ ہے، نون اضافت سے گر گیا، لَابَتَيْنِ تھا اصل میں پھر نون گر گیا۔ تو مدینے کے جو دو سیاہ پتھروں والی زمینیں ہیں معلوم ہوا کہیں یہ دو طرف ہوں گے بھائی، دو کناروں پر ہوں گے۔ تو وہ کہنے لگے: «وَاللَّهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ» کہ واللہ، مدینے کے دو سیاہ پتھروں والی زمین کے درمیان کوئی ایک بھی نہیں ہے، یعنی یہ پتھر دو طرف ہوں گے تو مراد کیا ہے؟ دو کناروں کے درمیان، مراد کیا ہے؟ یعنی مدینے کے، یا رسول اللہ، واللہ مدینے کے دو کناروں کے درمیان کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے، «أَحْوَجُ مِنِّي وَمِنْ عِيَالِي» جو زیادہ محتاج ہو مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے بھائی۔

تو روایات میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ بات سن کر مسکرا دیے حتیٰ کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے، اور پھر آپ فرمانے لگے: «فَقَالَ: كُلْ أَنْتَ وَعِيَالُكَ يُجْزِيكَ وَلَا يُجْزِي أَحَدًا بَعْدَكَ» پس آپ نے پھر فرمایا: «كُلْ أَنْتَ وَعِيَالُكَ» کہ جاؤ بھائی، تم کھالو اور تمہارے گھر والے کھالیں، «يُجْزِيكَ» یہ تمہارے لیے کافی ہو جائے گا، «وَلَا يُجْزِي أَحَدًا بَعْدَكَ» اور تمہارے بعد کسی ایک کے لیے بھی یہ کافی نہیں ہو گا۔ سمجھ میں آیا کہ اپنے اوپر ہی صدقہ کر رہا ہے، اپنے کو اپنے آپ کو ہی دے رہا ہے، یہ کسی اور کے لیے نہیں بلکہ باقیوں کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ اس کو صدقہ کریں اوروں پر، تو یہ معلوم ہوا حضور علیہ السلام نے ان کی تخصیص فرمادی بھائی۔

اچھا تو یہ حدیث آگئی بھائی، یہ حدیث بھائی، جس سے کیا معلوم ہوا کہ روزے کا کفارہ بھی کس کی طرح ہے؟ ظہار کے کفارے کی طرح ہے، کیونکہ اس میں بھی وہی تینوں چیزیں آئیں اور ترتیب کے ساتھ آئیں جو ظہار میں ذکر ہوئی ہیں۔ تو یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے گا، یہ جو قرآن میں آیا ہے نا یہ کفارہ یہ صرف ظہار کا ہے، روزے کے کفارے کا ثبوت حدیث سے ہے، قرآن سے نہیں ہے بھائی، یہ حدیث سے ہے۔

■ مسئلہ: وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ...

«وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ يُخَيَّرُ لِأَنَّ مُقْتَضَاهُ التَّرْتِيبُ وَعَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي نَفْيِ التَّتَابُعِ لِلنَّصِّ عَلَيْهِ» صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے، ادھر دیکھیے بھائی، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ

دینے والا جو ہے اس کو اختیار ہے ان تینوں چیزوں میں، چاہے وہ ایک غلام یا باندی آزاد کر دے، چاہے وہ ساٹھ روزے رکھ لے، اور چاہے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے، اس میں اس کو اختیار ہے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں نہیں، ان کے اندر ترتیب ہے جیسے حدیث میں آیا ہے اور جیسے ظہار کے کفارے میں آیا ہے کہ پہلے غلام دینا پڑے گا اگر وہ نہیں ملتا پھر کس طرف جائیں گے؟ پھر روزوں کی طرف جائیں گے۔ اگر غلام ملتا ہے پھر روزوں کی طرف جانے کی اجازت نہیں، اور اگر پھر روزوں پہ جب چلے گئے تو پھر روزوں پر قدرت ہے تو روزے ہی رکھنا پڑیں گے، پھر کھانا کھلانے کی طرف جانے کی اجازت نہیں، تو ہمارے نزدیک ترتیب ضروری ہے بھائی، تو وہ فرماتے ہیں نہیں، اختیار ہے، کیا ہے؟ اختیار ہے، کون؟ امام شافعی رحمہ اللہ۔ اور تو یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے، دلیل ہے، اس کے اندر دیکھو ترتیب سے تینوں چیزیں ذکر ہو رہی ہیں۔

اور اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ جو ہیں وہ روزوں کے اندر پے در پے یعنی مسلسل کی شرط نہیں لگاتے، وہ فرماتے ہیں ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے مسلسل ہونا ضروری نہیں، ان دنوں میں کچھ رکھ لیے، کچھ چند دن چھوڑ کے پھر رکھ لیے، تو ساٹھ پورے کرنا ضروری ہیں، ان میں تتابع یعنی تسلسل ضروری نہیں، لیکن یہ حدیث ان کے خلاف بھی دلیل ہے اس لیے کیونکہ یہاں متتابعین «صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ» مسلسل روزے رکھنے کا حکم آرہا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟

تو کہتے ہیں «وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ يُخَيَّرُ» اور یہ حدیث دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ان کے اس قول کے اندر کہ «يُخَيَّرُ» کہ کفارہ دینے والے کو اختیار ہے تینوں میں سے جس کو بھی ادا کرے، «لِأَنَّ مُقْتَضَاهُ التَّرْتِيبُ» یہ ہماری دلیل چل رہی ہے اس لیے کیونکہ اس حدیث کا مقتضیٰ کیا ہے، یہ کس چیز کا تقاضا کر رہی ہے؟ ترتیب کا کہ ان میں اختیار نہیں ہے بلکہ ان تینوں چیزوں میں ترتیب ہے۔ «وَعَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي نَفْيِ التَّتَابُعِ» اور اسی طرح یہ حدیث دلیل ہے امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف بھی تتابع کی نفی کے اندر، یعنی امام مالک رحمہ اللہ نے جو مسلسل ہونے کی نفی کی ہے اس میں یہ ان کے خلاف دلیل ہے کیونکہ اس حدیث میں کیا آگیا کہ وہ روزے کس طرح ہونے چاہییں؟ مسلسل ہونے چاہییں۔ «لِلنَّصِّ عَلَيْهِ» اس لیے کیونکہ ان پر تصریح کی گئی ہے حدیث میں، کیا آیا: «صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ»، تصریح کر دی گئی مسلسل ہونے کی بھائی، تو یہ امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف بھی دلیل ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اور یاد رکھیے، علماء فرماتے ہیں کہ یہاں صاحبِ ہدایہ سے تسامح ہوا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں انہوں نے ذکر کیا کہ ان کے نزدیک اختیار ہے کفارہ دینے والے کو حالانکہ ایسا نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہماری طرح اس میں ترتیب کے قائل ہیں۔ اور نیز اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کی طرف صاحبِ ہدایہ نے مسلسل نہ ہونے کی نسبت کر دی کہ روزوں کا کفارے کے روزوں کا مسلسل ہونا ضروری نہیں حالانکہ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب نہیں ہے، ان کے نزدیک بھی روزوں کا مسلسل ہونا ضروری ہے۔ بلکہ یہ جو مذہب ہے کہ اختیار ہو گا چیزوں ان میں اور اسی طرح مسلسل ہونا بھی ضروری نہیں، یہ دونوں چیزیں مذہب ہیں ابن ابی لیلیٰ کا بھائی، ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ، عظیم فقیہ گزرے ہیں بھائی، عظیم فقیہ گزرے ہیں، یہ ان کا مذہب ہے بھائی، ان کا مذہب ہے کہ کفارہ دینے والے کو اختیار ہے تینوں میں سے جو بھی دینا چاہے دے دے اور اسی طرح ان کے نزدیک روزوں کا مسلسل رکھنا بھی ضروری نہیں، اور ان کے بھی باقاعدہ ادلہ ہیں کیونکہ بغیر دلیل کے فقہاء کی کوئی بات نہیں ہوتی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ان کے پاس دلائل ہیں، لیکن بہر حال ہماری یہ حدیث جو ہے ان کے خلاف واضح دلیل ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

■ مسئلہ: وَمَنْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ ف...

«وَمَنْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ» اور جس نے جماع کیا «فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ» شرمگاہ کے علاوہ میں، جس نے بیوی سے جماع کیا شرمگاہ کے علاوہ میں، یعنی احد السبیلین کے علاوہ میں، «فَأَنْزَلَ» تو اس کو انزال ہو گیا، «فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ» تو اس پر قضا واجب ہے، «لِوُجُودِ الْجِمَاعِ مَعْنًى» اس لیے کیونکہ معناً جماع پایا گیا، اور معناً جماع کس چیز کا نام تھا؟ کہ مباشرت ہو، مرد اور عورت کے جسم کا ملانا پایا جائے اور شہوت سے انزال ہو، وہ چیز یہاں پائی گئی ہے تو معناً جماع ہے۔ «وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِانْعِدَامِهِ صُورَةً» اور اس پر کفارہ نہیں ہے اس لیے کیونکہ صورتاً انعدام ہے اس کا۔

وَمَنِ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ أَوِ الْحَدِيدَ أَفْطَرَ لِوُجُودِ صُورَةِ الْفِطْرِ، وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِعَدَمِ الْمَعْنَى. وَمَنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ عَامِدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ اسْتِدْرَاكًا لِلْمَصْلَحَةِ الْفَائِتَةِ، وَالْكَفَّارَةُ لِتَكَامُلِ الْجِنَايَةِ.

تو کہتے ہیں: **وَمَنِ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ أَوِ الْحَدِيدَ أَفْطَرَ**، اور جس نے نگل لیا **الْحَصَاةَ** کنکری کو، حصاۃ کہتے ہیں کنکری اور سنگریزے کو بھائی۔ کنکری جانتے ہیں یا نہیں بھائی؟ تو حصاۃ کہتے ہیں کنکری اور سنگریزے کو۔ **وَمَنِ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ**، اور جس نے کنکری کو نگل لیا، **أَوِ الْحَدِيدَ** یا لوہے کو، یعنی لوہے کا کوئی چھوٹا ٹکڑا نگل گیا، **أَفْطَرَ** تو یہ اس کے روزے کو توڑ دے گا، **لِوُجُودِ صُورَةِ الْفِطْرِ** اس لیے کیونکہ فطر کی صورت پائی گئی، کہ ایک چیز خارج سے کہاں پہنچ گئی؟ پیٹ کے اندر پہنچ گئی، تو صورۃً فطر موجود ہے اگرچہ معنًی فطر نہیں۔ معنًی فطر تو کس طرح ہوتا ہے؟ ہاں، کہ وہ ایسی چیز ہو جو جسم کو غذائیت دینے والی ہے یا نفع دینے والی ہے، مثلاً کوئی دوا وغیرہ ہے۔ تو معنًی فطر یہاں نہیں پایا گیا، کیونکہ یہ بدن کو کوئی نفع دینے والی چیز نہیں ہے بھائی۔ تو صورۃً فطر پایا گیا تو اس وجہ سے صرف اس پر قضا آئے گی، کفارہ نہیں آئے

گا۔ **وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ** اور اس پر کفارہ نہیں ہے، **لِعَدَمِ الْمَعْنَى** کیونکہ معنیٰ فطر نہیں پایا گیا، کوئی بدن کو نفع دینے والی چیز نہیں داخل ہوئی بدن میں۔

وَمَنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ عَامِدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ، اور جس شخص نے جماع کیا اپنی بیوی سے **فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ** دو راستوں میں سے کسی ایک میں، یعنی اگلے یا پچھلے راستے میں سے کسی ایک میں، **عَامِدًا** جان بوجھ کر، یعنی کہ اس کو روزہ یاد تھا، **فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ** تو اس پر قضا واجب ہے، اور آگے متن میں آرہا ہے **وَالْكَفَّارَةُ** اور نیز اس پر کیا آئے گا؟ کفارہ بھی آئے گا۔ تو اس پر قضا واجب ہے **اسْتِدْرَاكًا لِلْمَصْلَحَةِ الْفَائِتَةِ،** استدراک کہتے ہیں تلافی کرنا۔ **اسْتِدْرَاكًا لِلْمَصْلَحَةِ الْفَائِتَةِ** فوت شدہ مصلحت کی تلافی کے لیے۔ فوت شدہ مصلحت کی تلافی کے لیے اس پر قضا واجب ہے۔

بھائی دیکھیے، روزے میں مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعے نفس امارہ مغلوب ہوتا ہے۔ نفس امارہ مغلوب ہوتا ہے۔ یہ جو انسان کا نفس ہے نا نفس، یہ انسان کو برائی پر ابھارتا ہے، برائی پر اس کو آمادہ کرتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ کہلاتا ہے نفس امارہ۔ امارہ، وہ نفس جو حکم دینے والا ہے۔ **نفسِ أَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ،** برائی کا حکم دینے والا ہے۔ تو روزے کا مقصد یہ ہے تاکہ انسان کا یہ نفس امارہ مغلوب ہو جائے۔

ورنہ تو یہ نفس، یہ خواہشات ذکر کرتا رہتا ہے، مثلاً کبھی کھانے پینے کی خواہش دل میں پیدا ہو رہی ہے انسان اس کو پورا کرتا ہے، کبھی نفس کہتا ہے کہ ادھر کو گھومنے چلتے ہیں گھومنے کی خواہش پوری ہو رہی ہے، کبھی نفس کہتا ہے فلاں سے باتیں کرتے ہیں بھائی بیٹھ کر اس کی خواہش پوری ہو رہی ہے، کبھی اور غلط خواہشات پر انسان کو ابھارتا ہے، تو سارا سال یہ گویا نفس انسان پر غالب سے غالب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ تو پھر شریعت نے روزے واجب کیے، اور ایک آدھ دن کے نہیں پورے ایک مہینے کے واجب کیے، تاکہ یہ نفس کیا ہے؟ مغلوب ہو جائے بھائی مغلوب ہو جائے، جو نیکی کے سلسلے میں رکاوٹ بنتا ہے اور برائی کی طرف انسان کو لے کر جاتا ہے۔

لہٰذا اس نفس کو مغلوب کرنے کے لیے شریعت نے روزے کا حکم دیا، یعنی اس کی جو تین بڑی خواہشات ہیں کھانا، پینا اور جماع، ان پر پابندی لگا دی گئی۔ یعنی روزے کا حکم دے کر ان چیزوں پر صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ان چیزوں پر پابندی لگا دی گئی، جو اس کی تین یہ بڑی خواہشات ہیں، تاکہ یہ مغلوب ہو جائے۔ اور صرف ایک روزے یا دو کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ پورا رمضان کا مہینہ روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ یہ نفس اچھی طرح مغلوب ہو جائے بھائی، اچھی طرح مغلوب ہو جائے۔

تو روزے کا مقصد کیا ہوا؟ نفس امارہ کو مغلوب کرنا، تو یہ ہے مصلحت روزے کے اندر بھائی۔ تو اور مصلحتوں میں سے ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے تاکہ نفس امارہ مغلوب ہو جائے۔ اور یہاں پر تو اس نے کیا کیا ہے؟ اس کی خواہش پوری کر دی ہے، نفس کی خواہش پوری کر دی، روزے کی حالت میں اس نے کیا کر لیا؟ صحبت کر لی ہے، تو نفس کی خواہش پوری کر دی۔ تو نفس امارہ مغلوب ہوا یا غالب ہو گیا؟ غالب ہو گیا، تو وہ مصلحت ہی فوت ہو گئی جس کے لیے روزے کو واجب کیا گیا تھا۔ تو اس فوت شدہ مصلحت کی تلافی کے لیے اس کی قضا کرنا پڑے گی، یہ روزہ پھر رکھنا پڑے گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ معنیٰ ہے: **اسْتِدْرَاكًا لِلْمَصْلَحَةِ الْفَائِتَةِ** تلافی کرنے کے لیے فوت شدہ مصلحت کی، اس پر قضا واجب ہو گی۔

وَالْكَفَّارَةُ اور کفارہ بھی واجب ہو گا، **لِتَكَامُلِ الْجِنَايَةِ** جنایت کے کامل ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ بڑی کامل درجے کی، بڑے کامل درجے کا اس نے جرم کیا ہے۔ جب کامل درجے کا جرم پایا گیا تو اب کفارہ بھی واجب ہو گا بھائی۔

وَلَا يُشْتَرَطُ الْإِنْزَالُ فِي الْمَحَلَّيْنِ اعْتِبَارًا بِالِاغْتِسَالِ، اور انزال کی شرط نہیں ہو گی دونوں جگہوں میں، یعنی دونوں سبیلین میں سے کسی ایک کے اندر بھی انزال کی شرط نہیں ہو گی، **اعْتِبَارًا بِالِاغْتِسَالِ** قیاس کرتے ہوئے غسل پر، غسل پر۔ بھائی جیسے پیچھے غسل کے مسائل ذکر ہوئے تھے، وہاں آپ نے پڑھا تھا کہ نفس دخول پایا جائے تو اس سے غسل فرض ہو جائے گا، غسل واجب ہو جائے گا، انزال اس کے اندر شرط ہی نہیں۔ تو یہاں پر بھی نفس دخول سے ہی، نفس دخول سے ہی یہ قضا اور کفارہ دونوں واجب ہو جائیں گے بھائی۔

یہ معنیٰ ہے: **وَلَا يُشْتَرَطُ الْإِنْزَالُ فِي الْمَحَلَّيْنِ** اور انزال کی شرط نہیں لگائی جائے گی دونوں جو محل ہیں ان میں، **اعْتِبَارًا بِالِاغْتِسَالِ** قیاس کرتے ہوئے غسل پر۔ **وَهَذَا لِأَنَّ قَضَاءَ الشَّهْوَةِ يَتَحَقَّقُ دُونَهُ وَإِنَّمَا ذَلِكَ شَبْعٌ،** یہ ایک اعتراض یا ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنایت تو کامل تب ہو گی جب شہوت پوری ہو جائے، اور جب تک انزال نہیں ہوا تب تک تو شہوت پوری نہیں ہوئی، لہٰذا جنایت کامل نہیں ہوئی، لہٰذا اس صورت میں کفارہ نہیں آنا چاہیے۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھائی، کہ انزال کے بغیر بھی شہوت پوری ہو جاتی ہے، البتہ انزال جو ہے وہ سیر ہو جانا ہے، یعنی جی کا پوری طرح بھر جانا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو جیسے ایک ہے ایک لقمہ کھانا اور ایک ہے سیر ہو کر کھانا کھا لینا، تو ایک لقمے سے بھی کیا ہو جائے گا؟ روزہ ٹوٹ جائے گا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح، بغیر انزال کے بھی شہوت پوری ہو جاتی ہے لیکن انزال سے جی پوری طرح بھر جاتا ہے۔ بغیر انزال کے بھی شہوت پوری ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا جنایت یہ کس قسم کی ہے؟ کامل درجے کی ہے۔ جب کامل درجے کی ہے تو کفارہ بھی یہاں پر واجب ہو گا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنیٰ ہے: **وَهَذَا لِأَنَّ قَضَاءَ الشَّهْوَةِ يَتَحَقَّقُ دُونَهُ** اور یہ اس لیے کیونکہ شہوت کا پورا ہونا **يَتَحَقَّقُ** وہ پایا جاتا ہے **دُونَهُ** اس کے بغیر بھی، یعنی انزال کے بغیر بھی، **وَإِنَّمَا ذَلِكَ شَبْعٌ** اور وہ انزال تو **شَبْعٌ** سیر ہو جانا ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا بھائی؟

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْكَفَّارَةُ بِالْجِمَاعِ فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوهِ، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ کفارہ

واجب نہیں ہوتا **بِالْجِمَاعِ فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوهِ** جماع کرنے سے مکروہ محل میں، مکروہ مقام میں، یعنی پچھلے مقام میں۔ امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ پچھلے مقام کے اندر جماع کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ **اعْتِبَارًا بِالْحَدِّ،** حد پر قیاس کرتے ہوئے، جیسے اس کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی، معنیٰ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو **اعْتِبَارًا بِالْحَدِّ عِنْدَهُ** قیاس کرتے ہوئے حد پر امام صاحب کے نزدیک۔ تو وہ حد پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے اس کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی اسی طرح اس کی وجہ سے کفارہ بھی واجب نہیں ہو گا۔

وَالأَصَحُّ اور زیادہ صحیح قول یہ ہے، **أَنَّهَا تَجِبُ** کہ کفارہ واجب ہو گا۔ تو امام صاحب سے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت تو یہ جو ذکر کر دی کہ اس صورت میں کفارہ واجب نہیں ہو گا، اور آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ زیادہ صحیح قول امام صاحب کا اور زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بھی کفارہ واجب ہو جائے گا۔ **وَالأَصَحُّ أَنَّهَا تَجِبُ** اور زیادہ صحیح قول یہ ہے امام صاحب کا کہ کفارہ واجب ہو گا، **لِأَنَّ الْجِنَايَةَ مُتَكَامِلَةٌ لِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ** اس لیے کیونکہ جنایت جو ہے وہ پوری ہے، کامل ہے، **لِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ** شہوت کے پورا ہونے کی وجہ سے۔

وَلَوْ جَامَعَ مَيْتَةً أَوْ بَهِيمَةً فَلَا كَفَّارَةَ أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ، اور اگر کسی شخص نے جماع کیا **مَيْتَةً** کسی مردار سے، مردہ عورت سے، **أَوْ بَهِيمَةً** یا کسی چوپائے سے، کسی جانور سے، **فَلَا كَفَّارَةَ** تو پھر کفارہ نہیں، **أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ** انزال ہو یا انزال نہ ہو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کفارہ نہیں ہے، یہ نہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا، بلکہ کفارہ نہیں ہے بھائی۔ **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ،** برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، **لِأَنَّ الْجِنَايَةَ تَكَامُلُهَا بِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ فِي مَحَلٍّ مُشْتَهًى وَلَمْ يُوجَدْ،** یہ ہماری دلیل ذکر ہو رہی ہے۔ **لِأَنَّ الْجِنَايَةَ** ہمارے نزدیک، جنایت جو ہے **تَكَامُلُهَا بِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ** وہ پوری ہوتی ہے شہوت پوری کرنے سے **فِي مَحَلٍّ مُشْتَهًى** محلہ مشتہیٰ میں۔ کس محل میں؟ محلہ مشتہیٰ کے اندر شہوت پوری کرنے سے جنایت پوری ہو گی۔ **وَلَمْ يُوجَدْ** اور محلہ مشتہیٰ تو یہاں نہیں پایا گیا۔ شہوت والا محل نہیں پایا گیا بھائی۔ اسی لیے، اسی لیے طبیعتِ سلیمہ اس کو ناگوار سمجھتی ہے۔ کیا کیا؟ کسی مردے سے صحبت کی جائے یا کسی جانور سے۔ حتیٰ کہ عام لوگ بھی اس کو سنیں گے تو اس کو اس شخص کی، اس شخص کے جنون اور حماقت پر محمول کریں گے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو معلوم ہوا عام طبیعتیں بھی کیا کرتی ہیں اس سے؟ ناگوار سمجھتی ہیں اور نفرت کرتی ہیں، تو طبیعتِ سلیمہ تو بطریقِ اولیٰ اس سے نفرت کرے گی بھائی۔ تو یہاں پر کیونکہ محلہ مشتہیٰ کے اندر شہوت کو پورا کرنا نہیں پایا گیا، اس لیے یہاں کفارہ واجب نہیں ہو گا بھائی۔ کوئی بھی اس کو محلِ شہوت نہیں سمجھتا بلکہ لوگ اس کو اس کے جنون پر یا اس کی دیوانگی پر محمول کریں گے بھائی۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھائی؟ **لِأَنَّ الْجِنَايَةَ تَكَامُلُهَا بِقَضَاءِ الشَّهْوَةِ فِي مَحَلٍّ مُشْتَهًى** اس لیے کیونکہ جنایت جو ہے وہ پوری ہوتی ہے وہ مشتہیٰ محل کے اندر شہوت پوری کرنے سے۔ مشتہیٰ محل کے اندر شہوت پوری کرے گا تو جنایت پوری ہو گی۔ **وَلَمْ يُوجَدْ** اور محلہ مشتہیٰ تو نہیں پایا گیا۔

ثُمَّ عِنْدَنَا كَمَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ بِالْوِقَاعِ عَلَى الرَّجُلِ تَجِبُ عَلَى الْمَرْأَةِ، پھر ہمارے نزدیک جیسے کفارہ واجب ہوتا ہے بالوقاع جماع کی وجہ سے **عَلَى الرَّجُلِ** مرد پر، **تَجِبُ عَلَى الْمَرْأَةِ** تو عورت پر بھی واجب ہوتا ہے۔ کفارہ جیسے مرد پر واجب ہوتا ہے جماع کی وجہ سے اسی طرح عورت پر بھی واجب ہوتا ہے، لیکن یاد رکھیے اس میں کہ جبکہ عورت کی مرضی بھی شامل ہو اس کے اندر بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو اس پر بھی کفارہ واجب ہو گا۔ اور اگر اس کی مرضی شامل نہیں تھی، یعنی بیوی تو کسی حال میں یہ نہیں چاہتی تھی، تو پھر اس صورت میں اس پر صرف قضا آئے گی، اس پر کفارہ نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلٍ لَا تَجِبُ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجِمَاعِ وَهُوَ فِعْلُهُ وَإِنَّمَا هِيَ مَحَلُّ الْفِعْلِ، امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ عورت پر کفارہ واجب نہیں ہو گا، اس لیے کیونکہ جماع کی وجہ سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور جماع کرنا مرد کا فعل ہے، عورت صرف محلِ جماع ہے۔ عورت کیا ہے؟ محلِ جماع ہے، اور کفارہ واجب ہوتا ہے جماع کی وجہ سے، اور جماع تو صرف کون کرتا ہے؟ مرد کرتا ہے، لہٰذا جماع کا سبب وہ صرف مرد کے اندر پایا جا رہا ہے تو کفارہ بھی صرف اسی پر آئے گا۔ عورت تو جماع نہیں کرتی بلکہ وہ صرف کیا ہے؟ محلِ جماع ہے، تو وہاں جماع کا سبب ہی نہیں پایا گیا اس وجہ سے اس پر کفارہ بھی واجب نہیں۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلٍ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک قول میں، یعنی اس میں ان کا دوسرا قول بھی ہے، ایک قول ان کا یہ ہے: **لَا تَجِبُ عَلَيْهَا** کہ اس عورت پر واجب نہیں ہو گا کفارہ، **لِأَنَّهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجِمَاعِ** اس لیے کیونکہ وہ عورت جو ہے وہ تو جماع سے متعلق ہے، **وَهُوَ فِعْلُهُ** اور جماع تو اس مرد کا فعل ہے، **وَإِنَّمَا هِيَ مَحَلُّ الْفِعْلِ** اور یہ عورت تو محلِ فعل ہے صرف بھائی، جماع اس کی طرف سے نہیں ہے۔ **وَفِي قَوْلٍ تَجِبُ،** اور ایک قول کے مطابق، امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق **تَجِبُ** عورت پر بھی کفارہ واجب ہو گا، ایک قول کے مطابق۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول کیا آیا؟ عورت پر بھی کفارہ واجب ہو گا، **وَيَتَحَمَّلُ الرَّجُلُ عَنْهَا،** اور آدمی، وہ جو مرد ہے وہ برداشت کرے گا اس کی طرف سے۔ برداشت کون کرے گا؟ وہ مرد برداشت کرے گا، یعنی اس بیوی کی طرف سے بھی اس کو ہی کفارہ دینا پڑے گا۔ عورت پر بھی واجب ہوا لیکن اٹھائے گا کون؟ مرد، یعنی خاوند اٹھائے گا، تو اس پر اپنی طرف سے بھی کفارہ اسے دینا پڑے گا اور بیوی کی طرف سے بھی کفارہ دینا پڑے گا۔ **اعْتِبَارًا بِمَاءِ الِاغْتِسَالِ،** قیاس کرتے ہوئے غسل کے پانی پر۔ جیسے خاوند اپنی بیوی سے صحبت کر لے اور اب پانی بغیر پیسوں کے نہیں مل رہا، تو غسل کی حاجت ہے تو خاوند جیسے اپنے لیے پانی خریدنا اس کے لیے ضروری ہے اسی طرح بیوی کے لیے پانی خرید کر اس کو غسل کے لیے پانی فراہم کرنا یہ بھی کس کی ذمہ داری؟ خاوند کی ذمہ داری ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ دیکھیے جیسے غسل کے پانی کا بوجھ کس پر پڑتا ہے؟ خاوند پر پڑتا ہے،

تو یہاں پر وہ کفارے کا بوجھ بھی کس کو اٹھانا پڑے گا بیوی کی طرف سے؟ خاوند کو اٹھانا پڑے گا۔ یہ معنیٰ ہے: **وَيَتَحَمَّلُ الرَّجُلُ عَنْهَا اعْتِبَارًا بِمَاءِ الِاغْتِسَالِ** اور مرد جو ہے وہ برداشت کرے گا عورت کی طرف سے کفارے کو، **اعْتِبَارًا بِمَاءِ الِاغْتِسَالِ** قیاس کرتے ہوئے غسل کے پانی پر۔

وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُظَاهِرِ»، ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ: **«مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُظَاهِرِ»**، جس نے روزہ توڑ دیا رمضان میں تو اس پر وہی واجب ہے جو ظہار کرنے والے پر ہے، اس پر وہی واجب ہے جو مظاہر یعنی ظہار کرنے والے پر واجب ہے۔ اور ظہار تو آپ پڑھ چکے ہیں، ظہار کس کو کہتے ہیں کہ خاوند جو ہے اپنی بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دے، یعنی یوں کہے: **أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي**، تو مجھ پر اسی طرح ہے جیسے میری ماں کی پشت، یعنی جیسے میری ماں مجھ پر حرام ہے اسی طرح تو بھی مجھ پر حرام ہے۔ تو یہ اس نے بڑی ہی غلط بات کہی، انتہا درجے کی غلط بات کہی۔ لہٰذا اس صورت میں اب اگر اس بیوی کو وہ رکھنا چاہتا ہے اور اپنے کہے ہوئے کی تلافی کرنا چاہتا ہے تو اس کا کفارہ قرآن میں ذکر کیا گیا، قرآن میں ذکر کیا گیا کہ اس صورت میں اس شخص کو ایک غلام یا باندی آزاد کرنا پڑے گی، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو پھر ساٹھ مسلسل روزے رکھنا پڑیں گے، اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔ تو ظہار کا کفارہ کیا ہے؟ غلام یا باندی آزاد کریں گے، اگر اس کی استطاعت نہیں یا وہ نہیں ملتے تو پھر ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے، اگر اس کی بھی استطاعت نہیں تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔

تو حدیث میں بھی یہی آیا کہ **«مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُظَاهِرِ»**، جس نے روزہ توڑ دیا رمضان میں تو اس پر وہ کفارہ واجب ہے جو ظہار کرنے والے پر واجب ہے۔ اب حدیث کے اندر جو ہے، من آیا، **مَنْ أَفْطَرَ** جس نے روزہ توڑ دیا، اور یہ من عام ہے، یہ مذکر کو بھی شامل ہے اور مؤنث کو۔ معلوم ہوا مرد پر بھی کفارہ آئے گا اور عورت پر بھی آئے گا۔ **وَكَلِمَةُ «مَنْ» تَنْتَظِمُ الذُّكُورَ وَالْإِنَاثَ**، اور کلمۂ من جو ہے وہ شامل ہے مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی۔

وَلِأَنَّ السَّبَبَ جِنَايَةُ الْإِفْسَادِ لَا نَفْسُ الْوِقَاعِ، اور اس لیے کیونکہ یہ کفارے کا سبب **جِنَايَةُ الْإِفْسَادِ** روزہ فاسد کرنے کا جرم ہے۔ یہ، یہ کفارے کا سبب کیا ہے؟ روزہ فاسد کر دینے کا جرم ہے۔ اس شخص نے کیا کیا ہے؟ روزہ فاسد کیا ہے، تو یہ روزہ فاسد کرنے کا جرم یہ سبب ہے کفارے کا، **لَا نَفْسُ الْوِقَاعِ** نفسِ جماع نہیں۔ نفس، نفسِ جماع وہ اس کفارے کا سبب نہیں ہے بلکہ روزے کو فاسد کرنے کا جرم ہے، اور اس کے اندر تو عورت بھی شریک ہے اس کے ساتھ۔ جیسے اس مرد نے کیا کیا ہے؟ روزہ فاسد کرنے کا جرم کیا ہے، اگر عورت کی مرضی شامل تھی تو اس نے بھی کیا کیا ہے؟ روزہ فاسد کرنے کا جرم کیا ہے، لہٰذا کفارے کا سبب دونوں میں پایا گیا بھائی تو دونوں پر کفارہ آئے گا۔ تو نفسِ وقاع کفارے کا سبب نہیں ہے کیونکہ وقاع یعنی جماع تو صرف کس میں پایا گیا؟ مرد میں پایا گیا، لیکن یہاں جماع ہے ہی نہیں سبب بلکہ سبب کیا ہے؟ روزے کو فاسد کرنے کا جرم، تو یہ دونوں نے کیا ہے، دونوں نے روزے کو فاسد کیا ہے۔ یہ معنیٰ ہے: **وَلِأَنَّ السَّبَبَ جِنَايَةُ الْإِفْسَادِ لَا نَفْسُ الْوِقَاعِ** اور اس لیے کیونکہ کفارے کا سبب جو ہے وہ روزہ فاسد کرنے کا جرم ہے، **لَا نَفْسُ الْوِقَاعِ** نفسِ جماع نہیں ہے، **وَقَدْ شَارَكَتْهُ فِيهَا** اور تحقیق وہ عورت بھی مرد کے ساتھ شریک ہے اس جنایت کے اندر۔

وَلَا تَحَمُّلَ، یہاں سے آگے بتلا رہے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا ذکر کیا تھا؟ ماءِ اغتسال پر قیاس کرتے ہوئے کیا فرمایا تھا کہ اس کفارے کو عورت کی طرف سے کون برداشت کرے گا؟ مرد یعنی اس کا خاوند ہی برداشت کرے گا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ جو کفارہ ہے، یہ یا تو عبادت ہے یا سزا۔ یاد رکھیے، یہ جو کفارہ ہے نا، اس میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور اس میں سزا کا پہلو بھی ہے۔ عبادت کا پہلو بھی ہے اور سزا۔ عبادت تو ظاہر ہے، روزہ وغیرہ رکھ رہا ہے تو یہ عبادت ہے یا عبادت نہیں ہے؟ فقراء وغیرہ کو کھلا رہا ہے، یہ بھی کیا ہے؟ عبادت ہے۔ اور سزا کا پہلو بھی ہے کہ یہ اس پر کیوں لازم ہوا؟ کیونکہ اس نے ایک جرم کیا تھا روزہ توڑا تھا۔ تو اس کفارے کے اندر عبادت والا پہلو بھی ہے اور سزا والا پہلو بھی ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ بیوی کی طرف سے کون برداشت کرے گا؟ خاوند برداشت کرے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ یا تو یہ کفارہ عبادت ہے یا یہ کیا ہے؟ سزا ہے، اور عبادت بھی جس شخص پر لازم ہوتی ہے اسی کو ادا کرنا پڑتی ہے، اس کی جگہ کوئی دوسرا ادا کرے تو اس کی طرف سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اور سزا بھی اسی شخص کو دی جاتی ہے جس نے جرم کیا جاتا ہے، دوسرے شخص، دوسرا شخص اس کی سزا کو برداشت کر لے اور اٹھا لے، یہ اس طرح کبھی بھی نہیں کیا جاتا بھائی۔ دنیا کے اندر بھی آپ دیکھ لیں کہ مجرم ہی کو سزا دی جاتی ہے، اس کا کوئی اور رشتہ دار کہے میں سزا برداشت کرنے کو تیار ہوں، کوئی بھی اس کو قبول نہیں کرے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَلَا تَحَمُّلَ** اور برداشت کرنا نہیں ہے، یعنی خاوند کی طرف سے یا اٹھانا نہیں ہے خاوند کی طرف سے اس کفارے کا، **لِأَنَّهَا عِبَادَةٌ أَوْ عُقُوبَةٌ** اس لیے کیونکہ وہ کفارہ یا تو عبادت ہے یا سزا ہے، **وَلَا يَجْرِي فِيهَا الْحَمْلُ** اور اس کے اندر اٹھانا جاری نہیں ہوتا کہ ایک شخص کیا کر لے؟ دوسرے کی عبادت کو یا سزا کو اٹھا لے۔

وَلَوْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ مَا يُتَغَذَّى بِهِ أَوْ مَا يُدَاوَى بِهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ، اور اگر روزہ دار نے کھایا **أَوْ شَرِبَ** یا پیا مَا اس چیز کو **يُتَغَذَّى بِهِ** جس سے غذا حاصل کی جاتی ہے، **أَوْ مَا يُدَاوَى بِهِ** یا ایسی چیز کو کھایا یا پیا **يُدَاوَى بِهِ** جس کے ذریعے علاج کیا جاتا ہے، یعنی کوئی دوا وغیرہ ہے، **فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ** تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ یعنی کوئی چیز کھالی پی لی اور کس طرح کی چیز ہے؟ جسے بطورِ غذا کے کھایا جاتا ہے یا اس کو بطورِ دوا کے کھایا جاتا ہے، تو اس میں قضا بھی آئے گا اور کفارہ بھی آئے گا۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کفارہ نہیں ہے، صرف کیا آئے گی؟ قضا آئے گی۔ **لِأَنَّهَا شُرِعَتْ فِي الْوِقَاعِ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ،** اس لیے کیونکہ کفارہ تو مشروع ہوا ہے صرف کس میں؟ **فِي الْوِقَاعِ** جماع کے اندر، **بِخِلَافِ الْقِيَاسِ** خلافِ قیاس طریقے پر۔ کفارہ صرف کس کے اندر آیا ہے؟ جماع کے اندر مشروع ہوا ہے خلافِ قیاس۔ یعنی یوں کہیں کہ کفارہ خلافِ قیاس صرف کس کے اندر مشروع ہوا ہے؟ جماع میں، **لِارْتِفَاعِ الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ** اس وجہ سے کہ گناہ تو اٹھ گیا، معاف ہو گیا **بِالتَّوْبَةِ** توبہ کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ توبہ کی وجہ سے تو گناہ معاف ہو جاتا ہے یا معاف نہیں ہوتا؟ توبہ کی وجہ سے تو گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ تو وہ ایک آگے روایت بھی آرہی ہے کہ وہ ایک دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور انہوں نے رمضان میں روزے کی حالت میں جان بوجھ کر بیوی سے صحبت کر لی تھی، اور پھر حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور پھر وہاں پر اس کو اس کفارے کا حکم دیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کفارے کا حکم دیا، حکم دیا۔ اور جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہیں تو یقیناً نادم ہو کر آئے ہیں کہ یہ میں نے کیا کر لیا، کتنی بڑی غلطی میں نے کر لی۔ یہ بات ظاہر ہے یا نہیں؟ ہاں ظاہر بھی ہے اور حدیث کے الفاظ سے بھی ظاہر ہو گا کہ وہ کتنے پریشان تھے اس بات پر کہ یہ مجھ سے کیسی غلطی ہو گئی، اتنی بڑی غلطی ہو گئی۔ تو وہ نادم ہو کر آئے تھے یعنی توبہ کر کے آئے تھے، اللہ سے بھی معافی مانگی ہو گی توبہ، اور جب توبہ کر لی جائے پھر تو گناہ کیا ہو جاتا ہے؟ معاف ہو جاتا ہے۔ جب توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو پھر اس صورت میں تو گناہ معاف ہو گیا تو پھر تو کفارہ نہیں آنا چاہیے، قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کیونکہ گناہ تو توبہ سے ختم ہو گیا، لیکن خلافِ قیاس یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کا حکم دیا؟ کفارے کا حکم دیا۔ تو گناہ جب توبہ سے معاف ہو گیا، یا یوں کہیں گناہ جب توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو قیاس کیا تقاضا کرتا ہے؟ کوئی اور سزا ہونی چاہیے؟ نہیں، قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ جب ایک چیز اللہ کی طرف سے معاف ہو گئی تو اب مزید اس میں کوئی سزا نہیں ہونی چاہیے، تو یہ جو کفارے کو واجب کیا گیا یہ مطابقِ قیاس ہوا یا خلافِ قیاس؟ خلافِ قیاس ہوا۔ تو یہی بات امام شافعی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ **لِأَنَّهَا شُرِعَتْ فِي الْوِقَاعِ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ لِارْتِفَاعِ الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ** اس لیے کیونکہ کفارہ جو ہے جماع کے اندر خلافِ قیاس طریقے پر مشروع ہوا ہے، **لِارْتِفَاعِ الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ** اس وجہ سے کہ گناہ جو ہے وہ تو اٹھ گیا ہے یعنی معاف ہو گیا ہے **بِالتَّوْبَةِ** توبہ کی وجہ سے، **فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ** تو اس پر کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اے احناف، حدیث سے تو صرف جماع کی صورت میں کفارے کا ثبوت ہے تو تم اس پر کھانے اور پینے کی صورت بھی قیاس کرتے ہوئے کہتے ہو کہ کھانے اور پینے کی صورت میں بھی کفارہ آئے گا، حالانکہ کفارے کا ثبوت تو خلافِ قیاس ہے، اور جو چیز خلافِ قیاس ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے، اس پر اور چیزوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تو تمہارا اس پر کھانے اور پینے کو، تمہارا کھانے اور پینے کو جماع پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، لہٰذا ان میں کفارہ نہیں آئے گا کھانے اور پینے میں بلکہ صرف کیا آئے گا؟ قضا آئے گی۔

وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِجِنَايَةِ الْإِفْطَارِ فِي رَمَضَانَ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ، کہ کفارے کا تعلق جو ہے **بِجِنَايَةِ الْإِفْطَارِ** روزہ توڑنے کے جرم کے ساتھ ہے، روزہ توڑنے کے جرم کے ساتھ ہے، **فِي رَمَضَانَ** رمضان کے مہینے میں، **عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ** کامل طریقے پر۔ یعنی کامل طریقے پر جو روزہ توڑنے کا جرم پایا گیا **فِي رَمَضَانَ** رمضان کے اندر، اس کے ساتھ ہے کفارے کا تعلق۔ ترجمے پر نظر ہے بھائی؟ **وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِجِنَايَةِ الْإِفْطَارِ فِي رَمَضَانَ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ** اور ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارے کا تعلق رمضان میں کامل طریقے پر روزہ توڑنے کا جرم جو ہے اس کے ساتھ ہے، روزہ توڑنے کے جرم کے ساتھ ہے یعنی کامل طور پر جو روزہ توڑنے کا جرم پایا گیا رمضان میں اس کے ساتھ کفارے کا تعلق ہے۔ اور روزہ توڑنے کا کامل جرم، روزہ توڑنے کا کامل جرم جو ہے، یہ جیسے صحبت کی صورت میں یعنی جماع کی صورت میں پایا جاتا ہے اسی طرح کھانے اور پینے کی صورت میں بھی پایا جاتا ہے۔ **وَقَدْ تَحَقَّقَتْ** اور تحقیق یہ جرم پایا گیا ہے۔ جب اس نے کچھ کھایا ہے یا پیا ہے تو یہ جرم پایا گیا ہے، اور جب بھی یہ جرم پایا جائے گا، کون سا جرم؟ روزہ توڑنے کا جرم، اور کس طریقے پر؟ کامل طریقے پر ہو، پورا جرم ہو، اور کس مہینے میں ہو؟ رمضان میں ہو، تو اس سے کفارے کا تعلق ہے اور یہ جرم تو پایا گیا ہے یہاں پر جب اس نے کچھ کھایا ہے یا پیا ہے، تو لہٰذا اس صورت میں بھی کیا واجب ہو گا؟ کفارہ واجب ہو گا۔

وَبِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا عُرِفَ أَنَّ التَّوْبَةَ غَيْرُ مُكَفِّرَةٍ لِهَذِهِ الْجِنَايَةِ، یہاں سے وہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جو بات ذکر کی تھی اس کا جواب دے رہے ہیں۔ اس کا جواب دے رہے ہیں بھائی۔ اچھی طرح اس بات کو سمجھ لیجیے گا بھائی۔ بھائی دیکھیے، امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا تھا کہ گناہ جو ہے وہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے، تو یہ جو صحبت والی غلطی جس نے کی اس کا یہ جرم بھی توبہ سے معاف ہو چکا ہے، پھر اس کو جو کفارے کا حکم دیا گیا یہ خلافِ قیاس ہے، لہٰذا اس پر اور چیزوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آپ کی بات ہمیں تسلیم ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، مٹ جاتے ہیں، لیکن یہ والا جرم جو ہے، کون سا جرم؟ روزہ توڑنے کا جرم جو ہے، یہ ایسا جرم ہے کہ یہ توبہ سے نہیں مٹتا، توبہ سے ختم نہیں ہوتا۔ اور دلیل اس کی کیا ہے؟ کیونکہ اس میں غلام آزاد کرنا وغیرہ جو ہے یہ چیزیں واجب کی گئی ہیں۔ اس میں کیا واجب کی گئی ہیں؟ کفارہ واجب کیا گیا ہے یا نہیں واجب کیا گیا؟ ہم کہتے ہیں یہ کفارہ واجب کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ والا جرم جو ہے یہ توبہ سے نہیں مٹتا۔ عام گناہ ٹھیک ہے، توبہ سے عام جرائم جو ہیں ٹھیک ہے وہ توبہ سے مٹ جائیں گے، ختم ہو جائیں گے، لیکن یہ والی جنایت جو ہے یہ توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ یہ کس سے پتہ چلا؟ یہ جو کفارہ شریعت نے واجب کیا ہے کہ غلام وغیرہ آزاد کرنا پڑے گا یا ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا۔ معلوم ہوا یہ جرم توبہ سے معاف نہیں ہوتا اور اس کے اندر کفارہ ضرور دینا پڑے گا، پھر ہی یہ جرم ختم ہو گا اور معاف ہو گا۔ تو لہٰذا جب کھائے گا اور پیے گا تب بھی یہ جرم پایا گیا یعنی روزہ توڑنے والا، اور یہ جرم تو توبہ سے معاف نہیں ہوتا، اس میں تو کیا ضروری ہوتا ہے؟ کفارہ ضروری، تو لہٰذا کھانے اور پینے کی صورت میں بھی کیا کرنا پڑے گا؟ کفارہ دینا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَبِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا** اور اعتاق کو واجب کرنے کی وجہ سے، **تَكْفِيرًا** کفارہ ادا کرنے کے لیے، ترجمہ تکفیراً سے میں شروع کروں گا، کفارہ ادا کرنے کے لیے اعتاق کو واجب کرنے سے **عُرِفَ** یہ جان لیا گیا، **أَنَّ التَّوْبَةَ** کہ توبہ جو ہے، **غَيْرُ مُكَفِّرَةٍ لِهَذِهِ الْجِنَايَةِ** وہ مٹانے والی نہیں ہے اس جنایت یعنی اس جرم کو۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ دوبارہ ترجمہ سنیں بھائی: **وَبِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا عُرِفَ أَنَّ التَّوْبَةَ غَيْرُ مُكَفِّرَةٍ لِهَذِهِ الْجِنَايَةِ**، یاد رکھو بھائی، یاد رکھو، یہ **بِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا**، اس کا تعلق ہے **عُرِفَ** سے۔ یہ جار مجرور ہے نا، اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے، تو اس کا تعلق کس سے ہے؟ **عُرِفَ**، جان لیا گیا۔ بھائی کس چیز سے جانا گیا؟ **بِإِيجَابِ الْإِعْتَاقِ تَكْفِيرًا**، یہ جو بطورِ کفارے کے غلام آزاد کرنے کو واجب کہا گیا ہے، واجب کیا گیا ہے، اس سے جان لیا گیا **أَنَّ التَّوْبَةَ غَيْرُ مُكَفِّرَةٍ لِهَذِهِ الْجِنَايَةِ** کہ توبہ جو ہے وہ اس جرم کو مٹانے والی نہیں ہے۔ عام جرم تو ٹھیک ہے توبہ سے مٹ جائیں گے لیکن یہ جرم توبہ سے مٹنے والا نہیں، یہ کس سے پتہ چلا؟ یہ جو بطورِ کفارے کے غلام کے آزاد کرنے کو واجب کیا گیا۔ تو لہٰذا معلوم ہوا یہ جرم جو ہے جو بھی کر لے گا، یعنی روزے کو فاسد کر دے گا جان بوجھ کر رمضان کے اندر کامل طریقے پر، تو پھر یہ جرم اب توبہ سے نہیں معاف ہو گا بلکہ کیا ضروری ہو گا؟ کفارہ ضروری ہو گا۔ تو یہ جرم جب صحبت کی صورت میں پایا گیا ہے یعنی روزہ توڑنے کا، تو کھانے اور پینے کی صورت میں بھی یہی جرم پایا گیا اور یہ جرم توبغیر کفارے کے صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا، تو کفارہ اس میں بھی آجائے گا بھائی، یعنی کھانے اور پینے کی صورت میں بھی کفارہ آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

ثُمَّ قَالَ: «وَالْكَفَّارَةُ مِثْلُ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ»، پھر صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: اور روزے کا کفارہ جو ہے **مِثْلُ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ** وہ ظہار کے کفارے کی طرح ہے، **لِمَا رَوَيْنَا** بوجہ اس حدیث کے جو ہم نے روایت کر دی، وہ جو پیچھے آیا تھا: **«مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُظَاهِرِ»**، جس نے رمضان کا روزہ توڑا تو اس پر وہ کفارہ واجب ہے جو ظہار کرنے والے پر واجب ہوتا ہے۔ تو اس حدیث کی وجہ سے پتہ چل گیا کہ روزے کا کفارہ بھی کیا ہے؟ ظہار کے کفارے کی طرح ہے، ایک تو اس حدیث سے پتہ چلا، **وَلِحَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ** اور دیہاتی کی حدیث کی وجہ سے بھی۔ **فَإِنَّهُ قَالَ** یہ ایک دیہاتی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، کہنے لگے: **فَإِنَّهُ قَالَ** تو وہ کہنے لگے: **«يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلَكْتُ وَأَهْلَكْتُ»**، اے اللہ کے پیغمبر، میں ہلاک ہو گیا **وَأَهْلَكْتُ** اور دوسروں کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ **هَلَكْتُ** میں ہلاک ہو گیا، **وَأَهْلَكْتُ** اور میں نے ہلاک کر دیا یعنی دوسروں کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ **فَقَالَ: «مَاذَا صَنَعْتَ؟»** تو سرورِ کونین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: **«مَاذَا صَنَعْتَ؟»** تم نے کیا کیا ہے؟ **قَالَ: «وَاقَعْتُ امْرَأَتِي فِي نَهَارِ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا»**، میں نے جماع کر لیا اپنی بیوی سے رمضان میں دن کے وقت میں **مُتَعَمِّدًا** جان بوجھ کر۔ **فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَعْتِقْ رَقَبَةً»**، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: **«أَعْتِقْ رَقَبَةً»** ایک گردن آزاد کرو یعنی ایک غلام یا باندی آزاد کرو۔ **فَقَالَ: «لَا أَمْلِكُ إِلَّا رَقَبَتِي هَذِهِ»**، تو وہ کہنے لگا وہ دیہاتی کہ میں تو مالک نہیں ہوں سوائے اپنی اس گردن کے، میں تو میرے پاس تو کوئی غلام وغیرہ نہیں ہے، صرف میں اپنی ہی گردن کا مالک ہوں۔ **فَقَالَ: «صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ»**، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: **«صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ»** کہ روزہ رکھو دو ماہ تک مسلسل۔ **فَقَالَ: «هَلْ جَاءَنِي مَا جَاءَنِي إِلَّا مِنَ الصَّوْمِ؟»** تو وہ کہنے لگا: ہل، ہل جب یہ الا کے ساتھ آئے نا، **«هَلْ جَاءَنِي مَا جَاءَنِي إِلَّا»**، تو ہل جب الا کے ساتھ آئے تو یہ حرفِ نفی کی طرح اس کا معنیٰ ہو گا یعنی نفی والا معنیٰ کریں گے۔ سمجھ میں آیا؟ تو ہل یہاں سوال کے لیے نہیں ہے بلکہ نفی کے معنیٰ، یعنی لا والا معنیٰ ادا کرے گا اور ما کا معنیٰ۔ تو ہل، نہیں آئی ما وہ چیز **جَاءَنِي** جو مجھ پر آئی ہے **إِلَّا مِنَ الصَّوْمِ** مگر روزے کی وجہ سے، یعنی یہ جو چیز مجھ پر آئی ہے تو روزے ہی کی وجہ سے تو آئی ہے، یعنی جس مصیبت میں پڑا ہوں روزے کی وجہ سے ہی تو مصیبت میں پڑا ہوں، آپ فرما رہے ہیں کہ ساٹھ مسلسل روزے رکھوں وہ میں کیسے رکھوں؟ **فَقَالَ** تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: **«أَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا»**، کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ **فَقَالَ: «لَا أَجِدُ»**، اس نے کہا میں نہیں پاتا، یعنی اتنا میرے پاس نہیں ہے کہ میں کیا کروں؟ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤں۔ **فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُؤْتَى بِفَرَقٍ مِنْ تَمْرٍ، وَيُرْوَى: بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا**، تو حضور علیہ السلام نے حکم دیا صحابہ کو **أَنْ يُؤْتَى بِفَرَقٍ مِنْ تَمْرٍ** کہ لایا جائے ایک **فَرَق** تمر میں سے۔ **فَرَق** یہ پیمانہ ہے بھائی، پیمانے کا نام ہے اور جی، انہوں نے لکھا ہوا ہے بین السطور کہ سولہ رطل کے برابر ہے، سولہ رطل کے برابر، لیکن یہاں انہوں نے فرق بین السطور جو ہے سولہ رطل لکھا ہوا ہے، حالانکہ یہ کتاب الزکوٰۃ میں آیا تھا بھائی فرق کا ذکر، کہ وہ شہد کے اندر امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ کہ اس میں فرق کا ذکر آیا تھا، کہ پانچ فرق ہوں تو اس کے اندر کیا واجب ہو گا؟ زکوٰۃ واجب ہو گی یعنی عشر واجب ہو گا، اور فرق وہاں متن کے اندر انہوں نے ذکر کیا تھا کہ چھتیس رطل ہے، کتنا ہے؟ چھتیس رطل ہے بھائی رطل۔ تو حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ لایا جائے **بِفَرَقٍ مِنْ تَمْرٍ** ایک فرق تمر میں سے، **وَيُرْوَى** اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے، یعنی یہ بعض روایتوں میں تو **فَرَق** کا لفظ آیا ہے، اور بعض روایتوں میں **بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ**، انہوں نے لکھا ہے **فِي دِيوَانِ الْأَدَبِ: الْعَرَقُ: الزَّبِيلُ**، زنبیل کہتے ہیں ٹھیلی کو، تو بعض روایتوں میں **عَرَق** کا لفظ ہے یعنی ایک حضور علیہ السلام نے حکم دیا ایسا ٹھیلا لانے کا **فِيهِ تَمْرٌ** جس میں تمر تھے، یعنی ایسی ٹوکری جس کے اندر تمر تھے **خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا** پندرہ صاع بھائی، کتنے؟ پندرہ صاع تمر تھے۔ **وَقَالَ**، اور پھر حضور علیہ السلام جب وہ لے آئے صحابہ حضور علیہ السلام کو دیا تو آپ نے فرمایا، اس دیہاتی صحابی کو وہ کھجوریں دیتے ہوئے فرمایا: **«فَرِّقْهَا عَلَى مَسَاكِينَ»**، اس کو مسکینوں پر تقسیم کر دو۔ **فَقَالَ: «وَاللَّهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ أَحْوَجُ مِنِّي وَمِنْ عِيَالِي»**، لابۃ، لابۃ کہتے ہیں سیاہ پتھروں والی زمین، سیاہ پتھروں والی زمین۔ بھائی مدینہ منورہ اگر جائیں مکہ مکرمہ سے، تو مدینہ سے پہلے قریب ہی اس کے زمین جو ہے اس میں ہر طرف بالکل سیاہ پتھر پھیلے ہوئے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے ساری یہ زمین بالکل جلی ہوئی ہو بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس طرح کے سیاہ پتھر پھیلے ہوئے ہیں، تو وہ جگہ مراد ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ **حَرَّة** بھی کہتے ہیں اور یہ لابۃ بھی سیاہ پتھروں والی زمین کو کہتے

ہیں، اور یہاں **لَابَتَيْ** آیا، اصل میں تثنیہ ہے، نون اضافت سے گر گیا، **لَابَتَيْنِ الْمَدِينَةِ** تھا اصل میں، پھر نون گر گیا، تو مدینے کے جو دو سیاہ پتھروں والی زمینیں ہیں، معلوم ہوا کہیں یہ دو طرف ہوں گے بھائی دو کناروں پر ہوں گے۔ تو وہ کہنے لگے: «**وَاللَّهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ**»، کہ واللہ، مدینے کے دو سیاہ پتھروں والی زمین کے درمیان کوئی ایک بھی نہیں ہے، یعنی یہ پتھر دو طرف ہوں گے تو مراد کیا ہے؟ دو کناروں کے درمیان۔ مراد کیا ہے؟ دو، یعنی مدینے کے یا رسول اللہ، واللہ مدینے کے دو کناروں کے درمیان کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے **أَحْوَجُ مِنِّي وَمِنْ عِيَالِي** جو زیادہ محتاج ہو مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے بھائی۔ تو روایات میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ بات سن کر مسکرا دیے حتیٰ کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے، اور پھر آپ فرمانے لگے: **فَقَالَ**، پس آپ نے پھر فرمایا: «**كُلْ أَنْتَ وَعِيَالُكَ، يُجْزِيكَ وَلَا يُجْزِي أَحَدًا بَعْدَكَ**»، کہ جاؤ بھائی تم کھالو اور تمہارے گھر والے کھالیں، **يُجْزِيكَ** یہ تمہارے لیے کافی ہو جائے گا، «**وَلَا يُجْزِي أَحَدًا بَعْدَكَ**» اور تمہارے بعد کسی ایک کے لیے بھی یہ کافی نہیں ہو گا۔ سمجھ میں آیا؟ کہ اپنے اوپر ہی صدقہ کر رہا ہے، اپنے کوئی اپنے آپ کو ہی دے رہا ہے، یہ کسی اور کے لیے نہیں بلکہ باقیوں کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ اس کو صدقہ کریں اوروں پر، تو یہ معلوم ہوا حضور علیہ السلام نے ان کی تخصیص فرما دی بھائی۔

اچھا تو یہ حدیث آ گئی بھائی، یہ حدیث بھائی، جس سے کیا معلوم ہوا؟ کہ روزے کا کفارہ بھی کس کی طرح ہے؟ ظہار کے کفارے کی طرح ہے، کیونکہ اس میں بھی وہی تینوں چیزیں آئیں اور ترتیب کے ساتھ آئیں جو ظہار میں ذکر ہوئی ہیں۔ تو یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے گا یہ جو قرآن میں آیا ہے نا یہ کفارہ، یہ صرف ظہار کا ہے، روزے کے کفارے کا ثبوت حدیث سے ہے، قرآن سے نہیں ہے بھائی، یہ حدیث سے ہے۔

کہتے ہیں: **وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ يُخَيَّرُ لِأَنَّ مُقْتَضَاهُ التَّرْتِيبُ، وَعَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي نَفْيِ التَّتَابُعِ لِلنَّصِّ عَلَيْهِ**، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے، ادھر دیکھیے بھائی، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ دینے والا جو ہے اس کو اختیار ہے ان تینوں چیزوں میں، چاہے وہ ایک غلام یا باندی آزاد کر دے، چاہے وہ ساٹھ روزے رکھ لے، اور چاہے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے، اس میں اس کو اختیار ہے، جبکہ ہم کہتے ہیں نہیں، ان کے اندر ترتیب ہے جیسے حدیث میں آیا ہے اور جیسے ظہار کے کفارے میں آیا ہے، کہ پہلے غلام دینا پڑے گا، اگر وہ نہیں ملتا پھر کس طرف جائیں گے؟ پھر روزوں کی طرف جائیں گے۔ اگر غلام ملتا ہے پھر روزوں کی طرف جانے کی اجازت نہیں، اور اگر پھر روزوں پہ جب چلے گئے تو پھر روزوں پر قدرت ہے تو روزے ہی رکھنا پڑیں گے، پھر کھانا کھلانے کی طرف جانے کی اجازت نہیں، تو ہمارے نزدیک ترتیب ضروری ہے بھائی، تو وہ فرماتے ہیں نہیں، اختیار ہے، کیا ہے؟ اختیار ہے، کون؟ امام شافعی رحمہ اللہ۔ اور تو یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے، دلیل ہے، اس کے اندر دیکھو ترتیب سے تینوں چیزیں ذکر ہو رہی ہیں۔

اور اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ جو ہیں وہ روزوں کے اندر پے در پے یعنی مسلسل کی شرط نہیں لگاتے، وہ فرماتے ہیں ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے مسلسل ہونا ضروری نہیں، ان دنوں میں کچھ رکھ لیے، کچھ چند دن چھوڑ کے پھر رکھ لیے، تو ساٹھ پورے کرنا ضروری ہیں ان میں تتابع یعنی تسلسل ضروری نہیں، لیکن یہ حدیث ان کے خلاف بھی دلیل ہے، اس لیے کیونکہ یہاں **مُتَتَابِعَيْنِ**، «**صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ**»، مسلسل روزے رکھنے کا حکم آ رہا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ يُخَيَّرُ** اور یہ حدیث دلیل ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف ان کے اس قول کے اندر کہ **يُخَيَّرُ** کہ کفارہ دینے والے کو اختیار ہے تینوں میں سے جس کو بھی ادا کرے، **لِأَنَّ مُقْتَضَاهُ التَّرْتِيبُ**، یہ ہماری دلیل چل رہی ہے، اس لیے کیونکہ اس حدیث کا مقتضیٰ کیا ہے؟ یہ کس چیز کا تقاضا کر رہی ہے؟ ترتیب کا، کہ ان میں اختیار نہیں ہے بلکہ ان تینوں چیزوں میں ترتیب ہے، اور اسی طرح یہ حدیث دلیل ہے **عَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ** امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف بھی، **فِي نَفْيِ التَّتَابُعِ** تتابع کی نفی کے اندر، یعنی امام مالک رحمہ اللہ نے جو مسلسل ہونے کی نفی کی ہے اس میں یہ ان کے خلاف دلیل ہے، کیونکہ اس حدیث میں کیا آ گیا کہ وہ روزے کس طرح ہونے چاہییں؟ مسلسل ہونے چاہییں۔ **لِلنَّصِّ عَلَيْهِ** اس لیے کیونکہ ان پر تصریح کی گئی ہے حدیث میں، کیا آیا؟ «**صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ**»، تصریح کر دی گئی مسلسل ہونے کی بھائی، تو یہ امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف بھی دلیل ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

اور یاد رکھیے، علماء فرماتے ہیں کہ یہاں صاحبِ ہدایہ سے تسامح ہوا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں انہوں نے ذکر کیا کہ ان کے نزدیک اختیار ہے کفارہ دینے والے کو، حالانکہ ایسا نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہماری طرح اس میں ترتیب کے قائل ہیں۔ اور نیز اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کی طرف صاحبِ ہدایہ نے مسلسل نہ ہونے کی نسبت کر دی کہ روزوں کا، کفارے کے روزوں کا مسلسل ہونا ضروری نہیں، حالانکہ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب نہیں ہے، ان کے نزدیک بھی روزوں کا مسلسل ہونا ضروری ہے، بلکہ یہ جو مذہب ہے کہ اختیار ہو گا چیزوں ان میں اور اسی طرح مسلسل ہونا بھی ضروری نہیں، یہ دونوں چیزیں مذہب ہیں ابن ابی لیلیٰ کا بھائی، ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ عظیم فقیہ گزرے ہیں بھائی عظیم فقیہ گزرے ہیں، یہ ان کا مذہب ہے بھائی ان کا مذہب ہے کہ کفارہ دینے والے کو اختیار ہے تینوں میں سے جو بھی دینا چاہے دے دے، اور اسی طرح ان کے نزدیک روزوں کا مسلسل رکھنا بھی ضروری نہیں اور ان کے بھی باقاعدہ ادلہ ہیں، کیونکہ بغیر دلیل کے فقہاء کی کوئی بات نہیں ہوتی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ان کے پاس دلائل ہیں، لیکن بہر حال ہماری یہ حدیث جو ہے ان کے خلاف واضح دلیل ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَمَنْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ، اور جس نے جماع کیا **فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ** شرمگاہ کے علاوہ میں، جس نے بیوی سے جماع کیا شرمگاہ کے علاوہ میں، یعنی احد السبیلین کے علاوہ میں، **فَأَنْزَلَ** تو اس کو انزال ہو گیا، **فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ** تو اس پر قضا واجب ہے، **لِوُجُودِ الْجِمَاعِ مَعْنًى** اس

لیے کیونکہ معنًی جماع پایا گیا، اور معنًی جماع کس چیز کا نام تھا؟ کہ مباشرت ہو، مرد اور عورت کے جسم کا ملانا پایا جائے اور شہوت سے انزال ہو، وہ چیز یہاں پائی گئی ہے تو معنًی جماع ہے۔ **وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ** اور اس پر کفارہ نہیں ہے، **لِانْعِدَامِهِ صُورَةً** اس لیے کیونکہ صورۃً جماع معدوم ہے، اور صورۃً جماع تو کس صورت میں ہوتا تھا؟ جب دخول پایا جائے، وہ تو یہاں نہیں پایا گیا، تو اس لیے صرف قضا آئے گی کفارہ نہیں آئے گا۔

وَلَيْسَ فِي إِفْسَادِ الصَّوْمِ غَيْرِ رَمَضَانَ كَفَّارَةٌ، میں نے آپ کو بتلایا تھا مسئلہ بھائی کہ کفارہ صرف کس روزے کو توڑنے کی صورت میں آتا ہے؟ رمضان کا روزہ توڑے جب تو اس میں ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَلَيْسَ فِي إِفْسَادِ الصَّوْمِ غَيْرِ رَمَضَانَ كَفَّارَةٌ** اور رمضان کے علاوہ کسی روزے کو توڑنے کی صورت میں کفارہ نہیں ہے، **لِأَنَّ الْإِفْطَارَ فِي رَمَضَانَ أَبْلَغُ فِي الْجِنَايَةِ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ غَيْرُهُ،** اس لیے کیونکہ روزہ توڑنا رمضان کے اندر **أَبْلَغُ فِي الْجِنَايَةِ** یہ زیادہ بڑھا ہوا ہے **فِي الْجِنَايَةِ** جرم کے اندر، یعنی یہ جرم بہت بڑا ہے رمضان کے اندر روزہ توڑنا، **فَلَا يُلْحَقُ بِهِ غَيْرُهُ** تو اس کے علاوہ اور روزوں کو اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، اس میں روزہ توڑنا، باقی کے اندر بھی روزہ توڑنا اگرچہ جرم ہے لیکن اس درجے کا نہیں ہے، تو ان کا یہ حکم نہیں ہو گا۔

وَمَنِ احْتَقَنَ أَوِ اسْتَعَطَ أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ أَفْطَرَ، احتقن، احتقن کا معنٰی ہے حقنہ کروانا، حقنہ کروانا، حقنہ یہ بھائی یہ کوئی بعض اوقات کوئی بیماری وغیرہ کی وجہ سے پاخانے کے مقام سے دوا داخل کی جاتی تھی، اس کو حقنہ کہتے، حقنہ کہتے ہیں۔ اور **اسْتَعَطَ،** استعط کے معنٰی ہیں ناک میں کوئی دوائی ٹپکانا، ناک میں کوئی دوائی ڈالنا۔ اور **أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ** کان میں کوئی قطرے ٹپکانا، یعنی دوائی وغیرہ کے قطرے مراد ہیں، پانی کے قطرے نہیں کیونکہ پانی اگر کان میں جائے یا قطرے ٹپکائے کان میں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر دوائی کے قطرات کان میں ڈالے گا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تو کہتے ہیں: **وَمَنِ احْتَقَنَ أَوِ اسْتَعَطَ أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ أَفْطَرَ،** اور جس نے حقنہ کروایا **أَوِ اسْتَعَطَ** یا ناک میں دوائی ٹپکائی، **أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ** یا کان میں قطرے ڈالے، کس چیز کے؟ دوائی کے بھائی، **أَفْطَرَ** تو یہ چیزیں اس کے روزے کو توڑ دیں گی، **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْفِطْرُ مِمَّا دَخَلَ»،** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے کہ آپ نے فرمایا: **«الْفِطْرُ مِمَّا دَخَلَ»** کہ فطر اس چیز سے ہو گا جو اندر داخل ہو، فطر اس چیز سے ہو گا یعنی روزہ ٹوٹنا اس چیز سے ہو گا جو اندر داخل ہو، اور اس کے اندر بھی اندر داخل ہونا چیز کا پایا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وَلِوُجُودِ مَعْنَى الْفِطْرِ، اور اس لیے کیونکہ معنًی فطر پایا گیا، ایک تو فطر تھا صورۃً، وہ کیا تھا؟ تو صورتِ فطر یہ ہے کہ کوئی چیز نگل لی، پیٹ کے اندر لے گیا، کوئی چیز نگل لی، وہ تو یہاں نہیں پائی جا رہی، البتہ معنٰی فطر پایا جا رہا ہے، اور معنٰی فطر کیا تھا؟ کہ بدن کے اندر کوئی ایسی چیز پہنچ جائے جو بدن کو نفع دینے والی ہو، تو یہ دوا جو ہے یہ بھی بدن کو نفع دے گی یا نہیں؟ یہ بھی نفع دے گی، بیماری کی وجہ سے تو یہ دوا ٹپکا رہا ہے تاکہ اس کو نفع ہو بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَلِوُجُودِ مَعْنَى الْفِطْرِ** تو یہ عقلی دلیل بھی آ گئی، پہلی حدیث تھی وہ نقلی دلیل، اب عقلی دلیل، کہتے ہیں: **وَلِوُجُودِ مَعْنَى الْفِطْرِ** اور فطر کے معنٰی پائے جانے کی وجہ سے بھی، **وَهُوَ وُصُولُ مَا فِيهِ صَلَاحُ الْبَدَنِ إِلَى الْجَوْفِ،** اور وہ پہنچنا ہے اس چیز کا جس کے اندر بدن کی کا نفع ہے، بدن کی بہتری ہے، **إِلَى الْجَوْفِ** کہاں تک؟ جوف تک، اندر تک، بدن کے جوف، پیٹ تک بھائی۔ **وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ** اور اس پر کفارہ نہیں ہے، **لِانْعِدَامِهِ صُورَةً** اس لیے کیونکہ صورۃً فطر معدوم ہے، صورۃً فطر تو کیا تھا کہ کوئی چیز نگل کر اندر لے جائے، لہٰذا صورۃً فطر نہیں پایا گیا۔

وَلَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنَيْهِ الْمَاءَ أَوْ دَخَلَهُمَا لَا **يَفْسُدُ صَوْمُهُ،** اور اگر اس نے ٹپکایا اپنے کانوں کے اندر پانی کو، **أَوْ دَخَلَهُمَا** یا پانی خود داخل ہو گیا کانوں میں، یعنی نہاتے ہوئے وغیرہ، لَا **يَفْسُدُ صَوْمُهُ** تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہو گا، **لِانْعِدَامِ الْمَعْنَى وَالصُّورَةِ** اس لیے کیونکہ معدوم ہے معنٰی بھی اور صورت بھی فطر کی، معنًی بھی فطر نہیں پایا جا رہا اور صورۃً بھی فطر نہیں۔ صورۃً تو فطر کس طرح نہیں ہے؟ وہ تو نگلنے کی صورت میں ہے اور یہاں نگلنا نہیں ہے، اور معنًی بھی فطر نہیں ہے اس لیے کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں جو بدن کو نفع پہنچائے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہاں صورۃً بھی فطر نہیں کیونکہ کوئی چیز اس نے نگلی نہیں ہے پیٹ تک نہیں لے کر گیا، اور معنًی بھی فطر نہیں ہے اور معنًی فطر کیا تھا؟ بدن کے نفع کی کوئی چیز اندر پہنچے، اور یہ کان کے اندر پانی گیا یہ کوئی نفع دے گا؟ یہ تو بلکہ تکلیف کا باعث ہے بھائی۔ یہ معنٰی ہے: **لِانْعِدَامِ الْمَعْنَى وَالصُّورَةِ** اس لیے کیونکہ فطر کا معنٰی اور صورت معدوم ہیں تو روزہ فاسد نہیں ہو گا۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا أَدْخَلَهُ الدُّهْنَ، بخلاف اس کے جبکہ وہ تیل داخل کرے، کان میں تیل ٹپکائے، تو وہ تو فائدہ دے گا بھائی، لہٰذا اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کوئی دوائی کان میں ٹپکائے گا یا تیل کے قطرات ٹپکاتا ہے پھر روزہ ٹوٹ جائے گا، ہاں پانی سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وَلَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً بِدَوَاءٍ فَوَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ أَوْ دِمَاغِهِ أَفْطَرَ، وَلَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً، یاد رکھیے، جائفہ، جائفہ وہ زخم جو پیٹ پر لگا ہو اور اندر تک پہنچا ہو، صرف باہر باہر اوپر جلد وغیرہ پر نہ ہو بلکہ پیٹ کے اندر تک یعنی جوف تک پہنچا ہو، اسی لیے اس کو جائفہ کہتے ہیں۔ تو جوف تک جو زخم پہنچا ہوا ہو پیٹ پر وہ ہے جائفہ، اور **آمَّة،** آمہ جو ہے یہ وہ زخم ہے جو سر پر لگے اور ام دماغ تک پہنچے بھائی، ام دماغ، اسی لیے اس کو آمہ کہتے ہیں کیونکہ یہ زخم کہاں تک پہنچا ہوا ہے؟ ام دماغ تک پہنچا ہوا ہے۔ ام دماغ یاد رکھیے، یہ دماغ کے گرد ایک باریک جھلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے دماغ اپنی جگہ پر رہتا ہے۔ یہ کیا ہوتی ہے؟ دماغ کے گرد ایک باریک جھلی ہے، بھائی دیکھیے یہ سب سے پہلے تو اوپر یہ سر کی کھال ہے، کھال کے نیچے پھر ہڈی آئے گی، اس ہڈی کے نیچے پھر کیا ہو گا؟ دماغ ہے اور اس دماغ کے گرد کیا ہے؟ وہ باریک جھلی ہے، تو کسی نے کسی کو ایسا زخم لگایا جس نے کھال کو بھی کاٹ دیا، ہڈی کو بھی توڑ دیا اور کہاں تک پہنچ گیا وہ زخم؟ ام دماغ تک پہنچ گیا، ام دماغ تک۔ تو اب یہ اگر

کوئی شخص اس جائفہ زخم پر جو پیٹ کے اندر تک پہنچا ہوا ہے دوائی لگاتا ہے یا آمہ زخم پر دوائی لگاتا ہے جو دماغ تک پہنچا ہوا ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر دوائی اندر تک پہنچے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر دوائی اندر تک نہیں پہنچتی تو پھر اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَلَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً** اور اگر دوا لگائی جائفہ زخم پر یا آمہ زخم پر، یا یوں ترجمہ کریں: **وَلَوْ دَاوَى** اور اگر علاج کیا جائفہ کا **أَوْ آمَّةً** یا آمہ زخم کا **بِدَوَاءٍ** کسی دوا کے ساتھ، **فَوَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ** تو وہ دوا پہنچ گئی اس کے پیٹ تک، **أَوْ دِمَاغِهِ** یا اس شخص کے دماغ تک، **أَفْطَرَ** تو یہ اس کے روزے کو توڑ دے گی، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** امام صاحب کے نزدیک، **وَالَّذِي يَصِلُ هُوَ الرَّطْبُ** اور وہ جو پہنچے گی وہ تر دوا ہو گی۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ کون سی دوا اندر تک پہنچے گی؟ تر دوا جو گیلی دوائی ہے، جو خشک دوائی ہے وہ تو اندر تک نہیں پہنچے گی، تو گیلی البتہ جو ہو گی وہ اندر تک پہنچ جائے گی تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وَقَالَا: لَا **يُفْطِرُ**، اور صاحبین فرماتے ہیں: یہ دوا جو ہے اس کے روزے کو نہیں توڑے گی، **لِعَدَمِ التَّيَقُّنِ بِالْوُصُولِ** اس لیے کیونکہ یقین نہیں ہے اس کے پہنچنے کا، **لِانْضِمَامِ الْمَنْفَذِ مَرَّةً وَاتِّسَاعِهِ أُخْرَى**، اس وجہ سے کہ منفذ جو ہے جو راستہ ہے، یہ جو زخم کا راستہ ہے اندر تک پہنچا ہوا، یہ جو زخم کا راستہ ہے یہ کبھی کھلا ہوتا ہے اور کبھی بند ہو جاتا ہے۔ زخم کا منہ کبھی کھلا ہوتا ہے اور کبھی بند ہو جاتا ہے۔ تو جب اس کی کیفیت ایک جیسی نہیں رہتی تو یقینی نہیں، بھائی زخم کا منہ کبھی کھلا رہتا ہے اور کبھی بند ہوتا ہے، تو کبھی اس کا زخم کا منہ بند ہو جاتا ہے، تو لہٰذا جب دوا لگائی تو اگر زخم کا منہ کھلا ہے پھر تو وہ اندر تک پہنچے گی اور اگر زخم کا منہ بند ہے پھر تو دوا اندر تک نہیں پہنچے گی، لیکن یہاں یقینی طور پر علم ہی نہیں ہو سکتا کہ دوا اندر تک پہنچی ہے یا نہیں پہنچی، کیونکہ وہی زخم ہے کبھی اس کا منہ کھلا ہو گا اور کبھی بند ہو گا، تو لہٰذا جب یقین نہیں تو صرف شک ہے، شک کی وجہ سے اب روزہ توڑنے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

یہ معنیٰ ہے: **لِعَدَمِ التَّيَقُّنِ بِالْوُصُولِ** اس لیے کیونکہ یقین نہیں ہے اس دوا کے پہنچنے کا، **لِانْضِمَامِ الْمَنْفَذِ مَرَّةً وَاتِّسَاعِهِ أُخْرَى** بوجہ مل جانے اس راستے کے ایک مرتبہ **وَاتِّسَاعِهِ** اور اس کے کھل جانے کے، وسیع ہو جانے کے **أُخْرَى** دوسری مرتبہ۔ یعنی بعض مرتبہ وہ زخم کا راستہ کھلا ہو گا بعض مرتبہ بند ہو گا۔ **كَمَا فِي الْيَابِسِ مِنَ الدَّوَاءِ**، جیسے کہ خشک ہے دوا میں سے۔ جیسے کیا ہے؟ خشک، جیسے خشک دوا لگائی جائے تو اس میں امام صاحب بھی فرماتے ہیں روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کیونکہ دوا اندر تک نہیں پہنچی، جبکہ گیلی دوائی لگائی تر دوائی لگائی تو اندر تک اثر پہنچے گا اس لیے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ گیلی دوائی بھی لگائی جائے تو اندر تک دوا کے پہنچنے کا یقین نہیں تو یہ بھی کس کی طرح ہو گیا؟ خشک دوا کی طرح ہو گیا، اور خشک دوا میں تو بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا تو گیلی دوا کے اندر بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے **أَنَّ رُطُوبَةَ الدَّوَاءِ تُلَاقِي رُطُوبَةَ الْجِرَاحَةِ**، امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر گیلی دوائی ہوئی تو اس کی جو دوائی کی تری ہے، دوائی کی جو تری ہے وہ زخم کی تری سے ملے گی اور بڑھ جائے گی۔ کچھ تری کس کی تھی؟ زخم کی، اور کچھ تر دوائی لگائی تو تری بڑھ گئی۔ جب تری زیادہ ہو گئی تو وہ لازمی بات ہے نیچے کی طرف جائے گی اور اندر پہنچ جائے گی بھائی، جبکہ خشک دوائی لگائی جائے گی وہ تو تری بڑھائے گی نہیں بلکہ جو زخم کی تری ہے اس کو بھی کیا کر لے گی؟ جذب کر کے خشک کر دے گی، تو اس میں اندر پہنچنے کا احتمال نہیں ہے بھائی۔ تو اس لیے تر دوا کی صورت میں وہ فرماتے ہیں لازمی بات ہے جب تری بڑھ جائے گی وہ اندر کی طرف جائے گی اور اس سے پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تو **وَلَهُ** امام صاحب کی دلیل یہ ہے **أَنَّ رُطُوبَةَ الدَّوَاءِ تُلَاقِي رُطُوبَةَ الْجِرَاحَةِ** کہ دوا کی تری جو ہے وہ مل جائے گی زخم کی تری کے ساتھ، **فَيَزْدَادُ مَيْلًا إِلَى الْأَسْفَلِ** تو بڑھ جائے گا اس کا میلان نیچے کی طرف، یہ زیادہ نیچے کی طرف پھر مائل ہو گی، زیادہ نیچے کی طرف جائے گی، **فَيَصِلُ إِلَى الْجَوْفِ** تو یہ کہاں تک پہنچ جائے گی؟ پیٹ تک یعنی اندر تک پہنچ جائے گی۔ **بِخِلَافِ الْيَابِسِ**، بخلاف خشک دوا کے، **لِأَنَّهُ يَنْشَفُ رُطُوبَةَ الْجِرَاحَةِ** وہ جو ہے وہ جذب کر لے گی زخم کی تری کو، **فَيَنْسَدُّ فَمُهَا** تو بند ہو جائے گا زخم کا منہ۔ تو اس سے تو زخم کا منہ بند ہو جائے گا اس سے وہ دوا اندر نہیں پہنچے گی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ تر دوا سے وہ اندر تک پہنچے گی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وَلَوْ أَقْطَرَ فِي إِحْلِيلِهِ لَمْ يُفْطِرْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، اِحلیل بھائی، احلیل کہتے ہیں ذکر کے سوراخ کو، یعنی جو پیشاب کا سوراخ ہے اگر اس کے اندر کوئی دوا وغیرہ ٹپکاتا ہے، دوا ڈالتا ہے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا امام صاحب کے نزدیک۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے بھی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول کہتے ہیں اس سلسلے میں مضطرب ہے، بعض مقامات سے پتہ چلتا ہے بعض کتب سے کہ وہ کس کے ساتھ ہیں؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اس مسئلے میں، اور بعض سے کیا پتہ چلتا ہے؟ کہ وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَلَوْ أَقْطَرَ فِي إِحْلِيلِهِ لَمْ يُفْطِرْ** اور جس نے قطرے ٹپکائے اپنے احلیل میں **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ اس کے روزے کو نہیں توڑے گا **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُفْطِرُ** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اس کے روزے کو توڑ دے گا، **وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مُضْطَرِبٌ فِيهِ** اور امام محمد رحمہ اللہ کا قول اس سلسلے میں مضطرب ہے۔ سمجھ میں آگئی بات بھائی؟

فَكَأَنَّهُ وَقَعَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، یہاں سے وجہ ذکر کر رہے ہیں امام صاحب اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کی۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں

کہ گویا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس اس احلیل یعنی جو پیشاب کا سوراخ ہے اس میں اور پیٹ کے درمیان راستہ موجود ہے۔ ان کے نزدیک راستہ موجود ہے تو جب ادھر سے دوا ڈالے گا وہ کہاں تک پہنچے گی؟ پیٹ تک پہنچے گی لہٰذا اس وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ امام صاحب کے نزدیک راستہ موجود نہیں ہے بھائی، راستہ موجود نہیں ہے تو لہٰذا دوا پیٹ تک نہیں پہنچے گی بلکہ درمیان میں مثانہ موجود ہے تو اس وجہ سے روزہ بھی نہیں ٹوٹے گا۔ اور آگے آپ کو صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے کہ بھائی دراصل یہ فقہی مسئلہ ہے ہی نہیں، یہ اس کا تعلق علمِ طب کے ساتھ ہے، ڈاکٹری کے علم کے ساتھ ہے، اس سے پتہ چلے گا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی راستہ ہے یا راستہ نہیں ہے۔ اگر راستہ ثابت ہو جاتا ہے پھر تو ظاہر سی بات ہے اس دوا کا اثر پیٹ تک پہنچے گا پھر تو روزہ ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا اور اگر راستہ نہیں ہے تو پھر اس صورت میں ظاہر سی بات ہے روزہ ٹوٹنے کا حکم نہیں لگایا جائے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَكَأَنَّهُ وَقَعَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ گویا کہ یہ بات ثابت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک **أَنَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَوْفِ مَنْفَذًا** گویا کہ یہ بات ثابت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک کہ احلیل اور پیٹ کے درمیان منفذ ہے، راستہ ہے۔ جبھی وہ کیا فرماتے ہیں؟ روزہ ٹوٹنے کا حکم۔ **وَلِهَذَا يَخْرُجُ مِنْهُ الْبَوْلُ**، اور اسی وجہ سے احلیل سے بول یعنی پیشاب نکلتا ہے، وہ فرماتے ہیں پیشاب اسی لیے نکلتا ہے کہ معلوم ہوا راستہ موجود ہے۔

وَوَقَعَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمَثَانَةَ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ وَالْبَوْلُ يَتَرَشَّحُ مِنْهُ، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گویا یہ بات ثابت ہے کہ مثانہ جو ہے وہ ان دونوں کے درمیان حائل ہے، احلیل اور جوف کے درمیان امام صاحب کے نزدیک معلوم ہوا کیا ثابت ہے؟ کہ مثانہ حائل ہے۔ اور باقی جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پیشاب جو آتا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ راستہ ہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں: **وَالْبَوْلُ يَتَرَشَّحُ مِنْهُ** پیشاب جو ہے وہ پیٹ سے ٹپکتا ہے یعنی رستا ہے۔ پیشاب جو ہے پیٹ سے رستا ہے یعنی راستہ موجود نہیں ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور آج کل تو اب ڈاکٹری کے یہ علمِ طب کے ذریعے پتہ چل گیا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے، راستہ نہیں ہے بھائی۔ یہ وہی جو پانی وغیرہ ہوتا ہے معدے اور آنتوں میں سے وہ جذب ہوتا ہے بدن کے اندر، خون کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور پھر خون اس کو لے کر چلتا ہے اور پھر یہ جو فاسد مواد وغیرہ پانی ہوتا ہے اور پھر یہ خون جب گزرتا ہے گردے میں سے تو اس میں سے پھر جو ہے وہ گردہ یہ جو فاسد پانی ہوتا ہے اس کو گردہ جذب کرتا جاتا ہے اور پھر یہ کس کی صورت میں نکلتا ہے؟ پیشاب کی صورت میں نکلتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو انسان حیران ہوتا ہے اللہ نے کتنا عظیم نظام اندر چلا رکھا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کی بیماری پر حیران ہونے والی کوئی بات نہیں، بیمار ہوا ہے معلوم ہوا اندر جو نظام چل رہا ہے اس میں کہیں کچھ خرابی آگئی ہے۔ تو اتنا عظیم نظام ہے، اتنا عظیم ہے کہ آپ تصور نہیں کر سکتے بھائی، تو اتنے عظیم نظام میں کہیں خرابی تھوڑی آجائے تو یہ کوئی تعجب کی اور حیرت کی بات نہیں ہے، حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اتنا عظیم نظام صحیح کیسے چل رہا ہے بھائی، جب آپ تندرست بیٹھے ہیں یہ کیسے پورا صحیح چل رہا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ مثلاً اب یہ پیشاب ہی کو دیکھ لیجیے، بھائی آپ جانتے ہیں بعض اوقات یہ گردے فیل ہو جاتے ہیں، پھر وہ مشین کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ خون کی صفائی کی جاتی ہے اور اس سے وہ پیشاب جو فاسد پانی ہوتا ہے پیشاب کی صورت میں اس کو مشین کے ذریعے نکالا جاتا ہے، مشین کے ذریعے، اور وہ مریضوں کا وہ اس کو ڈائلیسز کہتے ہیں اور وہ غالباً دو یا تین دن میں ایک دفعہ کرتے ہیں۔ جب حد سے زیادہ یہ چیز یہ فاسد مادہ خون میں بڑھ جائے، مریض کا رنگ پورا خراب پورا رنگ اس کا خراب ہو جاتا ہے دو تین دن میں، پھر اس کے بعد ڈائلیسز کرتے ہیں اور وہ مواد خون سے نکال دیتے ہیں، اور بڑا تکلیف والا عمل ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد تین دن آہستہ آہستہ وہ پھر مواد بڑھتا چلا جاتا ہے، پھر اس کے بعد دوبارہ ڈائلیسز کیا جاتا ہے بھائی۔ معلوم ہوا ڈائلیسز سے تین دن میں گویا یا دو یا تین دن میں ایک دفعہ خون صاف کیا جاتا ہے بڑا ہی خرچہ کر کے اور بڑی ہی تکلیف اٹھا کر اور بڑی ہی قیمتی مشینوں کے ذریعے یہ کام کیا جاتا ہے، جبکہ ایک تندرست انسان کے گردے ایک دن میں تیس دفعہ سارے خون کو صاف کرتے ہیں۔ وہاں دو تین دن میں ایک دفعہ اور یہاں ایک ہی دن میں چوبیس گھنٹے میں کم از کم تیس دفعہ پورا خون گردوں میں سے نکلتا ہے اور اس کی صفائی ہوتی چلی جاتی ہے بھائی۔ تو اتنا عظیم نظام اندر چل رہا ہے کہ انسان جب یہ سائنس پڑھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ اللہ نے کتنا عظیم نظام چلا رکھا ہے اندر بھائی۔

یہ تو ضمناً بات آگئی، کتاب پر اب دیکھیے بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَالْبَوْلُ يَتَرَشَّحُ مِنْهُ** اور پیشاب جو ہے وہ اس پیٹ سے رستا ہے یعنی ٹپکتا ہے، **وَهَذَا لَيْسَ مِنْ بَابِ الْفِقْهِ**، صاحبِ ہدایہ فرماتے فرما رہے ہیں کہ یہ اس مسئلے کا تعلق فقہ سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کس سے ہے؟ طب سے ہے یعنی ڈاکٹری کے علم سے ہے۔

وَمَنْ ذَاقَ شَيْئًا بِفَمِهِ لَمْ يُفْطِرْ، بھائی ایک شخص نے کسی چیز کو منہ سے چکھا، زبان سے چکھا، تو کیا اس سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں ٹوٹے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، کوئی چیز چکھنے سے اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، الا یہ کہ اس چیز کے کچھ ذرات پیٹ میں چلے جائیں، تو پیٹ میں جانے کی تو ہم بات نہیں کر رہے ہم صرف کس کی بات کر رہے ہیں؟ چکھنے کی بات کر رہے ہیں، تو چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر پیٹ تک وہ ذرات گئے تو وہ روزہ ٹوٹ جائے گا بھائی، کیونکہ آپ مسئلہ پڑھ چکے ہیں کہ چھوٹی سی چیز ہی کیوں نہ ہو جو خود منہ میں داخل کی اور پیٹ کے اندر چلی گئی چاہے چنے کے دانے سے تھوڑی ہی کیوں نہ ہو پھر بھی کیا کرے گی؟ وہ روزے کو توڑ دے گی۔

وَمَنْ ذَاقَ شَيْئًا بِفَمِهِ لَمْ يُفْطِرْ اور جس نے چکھا کسی چیز کو **بِفَمِهِ** اپنے منہ سے **لَمْ يُفْطِرْ** تو یہ چکھنا اس کے روزے کو نہیں توڑے گا، **لِعَدَمِ الْفِطْرِ صُورَةً وَمَعْنًى** اس لیے کیونکہ فطر نہیں پایا گیا نہ صورۃً اور نہ معنًی۔ صورۃً تو فطر کیا تھا؟ کوئی چیز نگلے، یہاں تو نگلنا ہے ہی نہیں صرف چکھا ہے، اور معنًی فطر کیا تھا؟ کہ جسم کے نفع والی چیز اندر پہنچے۔ **وَيُكْرَهُ لَهُ ذَلِكَ**، اور ایسا کرنا اس شخص کے لیے مکروہ ہے، یعنی کسی چیز کو منہ سے چکھنا مکروہ ہے، **لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْرِيضِ الصَّوْمِ**

عَلَى الْفَسَادِ اس وجہ سے کہ اس کے اندر روزے کو پیش کرنا ہے فساد پر۔ جب منہ سے کسی چیز کو چکھ رہا ہے گویا اپنے روزے کو خود فاسد ہونے پر، فساد پر پیش کر رہا ہے کیونکہ اس صورت میں احتمال یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کچھ ذرات پیٹ کے اندر تک چلے جائیں گے پہنچ جائیں گے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو روزے کو یہ خود فساد پر پیش کرنا ہوا، لہٰذا اس لیے یہ مکروہ ہے بھائی، مکروہ ہے۔

لیکن علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت ہے اور اس کا خاوند بڑا سخت مزاج والا ہے، سخت مزاج والا، تو اس عورت کے لیے مکروہ بھی نہیں ہے کہ یہ کھانا یعنی سالن بناتے ہوئے اس کو زبان سے چکھ لے، اندر لے جانے کی بات نہیں ہو رہی اس سے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ہاں چکھنے کی بات ہو رہی ہے، تو اس عورت کے لیے جائز ہے یہ کیا کر سکتی ہے؟ سالن کو چکھ سکتی ہے کہ نمک، مرچ وغیرہ ٹھیک ہے کہیں ایسا نہ ہو پھر مجھے غصے کا سامنا کرنا پڑے خاوند کی طرف سے۔

وَيُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَمْضَغَ لِصَبِيِّهَا الطَّعَامَ إِذَا كَانَ لَهَا مِنْهُ بُدٌّ لِمَا بَيَّنَّا، بھائی ایک عورت ہے اس کا چھوٹا بچہ ہے اور وہ ابھی کھانا وغیرہ نہیں کھا سکتا تو بعض اوقات مائیں پھر کیا کرتی ہیں کہ روٹی وغیرہ کا ٹکڑا جو ہے اس کو اپنے دانتوں سے چبا کر، نرم کر کے بچے کو کھلاتی ہیں۔ تو کیا اب روزے کی حالت میں اس عورت کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا جائز نہیں؟ کہتے ہیں بھائی اگر اس کے سوا کوئی اور صورت ممکن ہو جس کے ذریعے بچے کو کھلایا جا سکے، یعنی کوئی اور چیز ہے جس کے ذریعے اس کی خوراک ہو جائے گی، یا کوئی اور چبانے والا ایسا بچہ ذرا بڑی عمر کا ہے لیکن اس پر روزہ فرض نہیں ہے اگر وہ موجود ہے اس کے ذریعے یہ کام ہو سکتا ہے تو پھر تو اس عورت کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے، اور اگر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے تو پھر مکروہ بھی اس عورت کے لیے نہیں ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **وَيُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ** اور مکروہ ہے عورت کے لیے **أَنْ تَمْضَغَ** کہ وہ چبائے، **مَضَغَ يَمْضَغُ** کے معنیٰ دانتوں سے کوئی چیز چبانا، اور مکروہ ہے عورت کے لیے کہ وہ چبائے **لِصَبِيِّهَا** اپنے بچے کے لیے **الطَّعَامَ** کھانے کو، **إِذَا كَانَ لَهَا مِنْهُ بُدٌّ** جبکہ اس عورت کے لیے اس کے علاوہ بھی کوئی چارہ موجود ہو کوئی اور صورت بھی موجود ہو، **لِمَا بَيَّنَّا** اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی، یہ مکروہ ہے اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی کیونکہ اس صورت میں خود روزے کو فساد پر پیش کرنا ہے کیونکہ احتمال ہے کوئی ذرہ پیٹ میں چلا جائے گا اور روزہ ٹوٹ جائے گا۔ **وَلَا بَأْسَ** اور کوئی حرج نہیں ہے **إِذَا لَمْ تَجِدْ مِنْهُ بُدًّ** کہ جب وہ عورت نہ پائے اس کے سوا کوئی چارہ، **صِيَانَةً لِلْوَلَدِ** بچے کو بچانے کے لیے، پھر کوئی حرج نہیں ہے بچے کو بچانے کے لیے کیونکہ بچے کو بچانے کے لیے پھر تو ضروری ہو گیا اس کے لیے۔ **أَلَا تَرَى** کیا آپ دیکھتے نہیں؟ **أَنَّ لَهَا أَنْ تُفْطِرَ إِذَا خَافَتْ عَلَى وَلَدِهَا** کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ افطار کر لے جب اس کو خوف ہو اپنے بچے کا۔ بھائی عورت کو اگر اپنے بچے کی جان کا خطرہ ہے تو اس کے لیے رمضان میں روزے چھوڑنا جائز ہے، بعد میں اس کی قضا کر لے، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو مثلاً بچے کو دودھ پلاتی ہے اور روزہ رکھنے کی وجہ سے تو پھر دودھ آتا ہی نہیں ہے اور بچے کی ہلاکت کا خطرہ ہے تو اس عورت کے لیے جائز ہے کہ یہ کیا کرے؟ اس وقت روزے چھوڑ دے، روزے نہ رکھے اور بعد میں پھر کسی وقت ان کی قضا کر لے۔ تو جب بچے کی وجہ سے روزوں کو چھوڑنے کی اجازت ہے عورت کو، تو اس کو بچے کی حفاظت کے لیے کوئی چیز چبا کر دینے کی بطریقِ اولیٰ اجازت ہو گی۔ یہ معنیٰ ہے: **أَلَا تَرَى أَنَّ لَهَا أَنْ تُفْطِرَ إِذَا خَافَتْ عَلَى وَلَدِهَا** کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ فطر کر لے یعنی روزہ نہ رکھے جب اس کو خوف ہو اپنے بچے پر۔

وَمَضْغُ الْعِلْكِ لَا يُفْطِرُ الصَّائِمَ، مضغ کا معنیٰ چبانا، **عِلْك** اور **عَلْك**، عین پر کسرہ بھی اور فتحہ دونوں صحیح، اور لام ساکن ہے۔ تو **عِلْكٌ، عِلْكٌ** جو ہے یہ کوئی گوند ہے بھائی گوند، جو درختوں سے حاصل ہوتی ہے۔ درختوں سے حاصل ہونے والی گوند جیسی کوئی چیز ہے، یا یوں کہیں جیسے آج کل یہ چنگم ہوتی ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس طرح کی کوئی چیز ہے جو درختوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس سے عورتیں بطورِ بطورِ مسواک کے بھی چباتی ہیں دانتوں کو صاف کرنے کے لیے، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو تو کیا یہ اس گوند کو چبانے سے روزہ دار کا روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں ٹوٹے گا؟ کہتے ہیں بھائی نہیں، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

کہتے ہیں: **وَمَضْغُ الْعِلْكِ لَا يُفْطِرُ الصَّائِمَ،** اور اس عِلک کا چبانا یہ روزہ دار کے روزے کو نہیں توڑتا، **لِأَنَّهُ لَا يَصِلُ إِلَى جَوْفِهِ** اس لیے کیونکہ یہ اس کے پیٹ تک نہیں پہنچتی۔ یہ تو چنگم کی طرح ہے نا، چنگم میں تو پھر بھی مٹھاس وغیرہ ہے وہ تو پیٹ تک پہنچے گی اس میں روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن یہ تو صرف کیا ہے؟ اس میں کوئی چیز ذائقہ وغیرہ نہیں۔ لیکن پھر بھی مکروہ ہے بھائی، اس کو چبانا بھی مکروہ ہے بھائی، اس لیے کیونکہ اس صورت میں بھی روزے کو کس پر پیش کرنا ہوا؟ فساد پر، کہ شاید کہیں ایسا نہ ہو اس کا کوئی جزء پیٹ کے اندر چلا جائے بھائی۔ تو کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَا يَصِلُ إِلَى جَوْفِهِ** اس لیے کیونکہ یہ اس کے پیٹ تک نہیں پہنچے گی۔

وَقِيلَ: إِذَا لَمْ يَكُنْ مُلْتَئِمًا يُفْسِدُ، اور کہا گیا ہے جب یہ جو گوند ہے یہ ملی ہوئی نہ ہو، **إِذَا لَمْ يَكُنْ مُلْتَئِمًا** یہ ملے ہوئے نہ ہو یعنی چپکی ہوئی نہ ہو، چپکی ہوئی نہیں ہے بلکہ منہ میں ڈالا تو ذرہ ذرہ ہو گئی۔ ایک تو صورت یہ ہے نا چنگم کی طرح چپکی ہوئی ہے اور ایک صورت کیا ہے؟ ذرہ ذرہ ہو کر بکھر گئی منہ کے اندر پھیل گئی، تو کہا گیا ہے: **إِذَا لَمْ يَكُنْ مُلْتَئِمًا** یہ گوند جب چپکی ہوئی نہ ہو، **يُفْسِدُ** تو یہ کیا کرے گی؟ روزے کو فاسد کر دے گی، **لِأَنَّهُ يَصِلُ إِلَيْهِ بَعْضُ أَجْزَائِهِ** اس لیے کیونکہ پیٹ تک پہنچ جائیں گے اس کے بعض اجزاء۔ انسان جتنی مرضی احتیاط کر لے، جتنی مرتبہ مرضی کلی کر لے لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی ذرہ دانتوں کے اندر جو رہ گیا ہو گا وہ ضرور پیٹ تک پہنچ جائے گا۔ اس لیے بعضوں نے کہا کہ یہ روزے کو فاسد کر دے گا۔

وَقِيلَ: إِذَا كَانَ أَسْوَدَ يُفْسِدُ، اور کہا گیا ہے کہ اگر یہ گوند سیاہ رنگ کی ہو، معلوم ہوا یہ کوئی اور قسم ہو گی اس کے اندر، اگر یہ سیاہ رنگ والی ہے **يُفْسِدُ** یہ روزے کو فاسد کر دے گی، **وَإِنْ كَانَ مُلْتَئِمًا** اگرچہ یہ چپکی ہوئی ہی ہو پھر بھی، اگرچہ یہ چپکی ہوئی ہو، **لِأَنَّهُ يَتَفَتَّتُ** اس لیے کیونکہ یہ جو سیاہ گوند ہے **يَتَفَتَّتُ** یہ

چوراچورا ہو جاتی ہے، یہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اور جب ریزہ ریزہ ہو گئی پھر تو ظاہر سی بات ہے کہ پورے منہ میں پھیل گئی تو ضرور اس کا کوئی ذرہ پیٹ کے اندر پہنچ جائے گا۔

إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِلصَّائِمِ، مگر یہ کہ یہ مکروہ ہے روزہ دار کے لیے۔ اس گوند کا چبانا مکروہ متن میں آیا تھا نا؟ اس گوند کا چبانا روزے کو نہیں توڑتا مگر یہ مکروہ ہے روزہ دار کے لیے، **لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْرِيضِ الصَّوْمِ لِلْفَسَادِ** اس وجہ سے کہ اس کے اندر روزے کو فساد پر پیش کرنا ہے، **وَلِأَنَّهُ يُتَّهَمُ بِالْإِفْطَارِ** اور نیز اس لیے کیونکہ اس پر تہمت آئے گی افطار کی، اس شخص کو متہم کیا جائے گا افطار کے ساتھ۔ دیکھنے والا کیا سمجھے گا اگر روزہ دار اس گوند کو چبا رہا ہے؟ وہ تو یہی سمجھے گا اس نے روزہ نہیں رکھا، تو دلوں میں بدگمانی آئے گی یا نہیں آئے گی؟ اسی لیے یہ مکروہ ہے۔ یہ معنیٰ ہے: **وَلِأَنَّهُ يُتَّهَمُ بِالْإِفْطَارِ** اس لیے کیونکہ وہ شخص وہ روزہ دار جو ہے وہ متہم ہو گا یعنی اس کے بارے میں بدگمانی دلوں میں آئے گی **بِالْإِفْطَارِ** کس چیز کی؟ افطار کی کہ اس نے روزہ نہیں رکھا۔

وَلَا يُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ إِذَا لَمْ تَكُنْ صَائِمَةً، ہاں اب ایسے مسئلہ بتلا رہے ہیں اگر عورت ویسے چباتی ہے بغیر روزے کی حالت کے، بغیر روزے تو کیا وہ چبا سکتی ہے اس کو یا نہیں؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھائی چبا سکتی ہے، اس لیے کیونکہ یہ ان کے لیے کس طرح ہے؟ مسواک کی طرح ہے کہ اس سے کیا ہو جاتے ہیں؟ ان کے دانت صاف ہو جاتے ہیں تو ان عورتوں کے لیے مکروہ بھی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَلَا يُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ إِذَا لَمْ تَكُنْ صَائِمَةً** اور عورت کے لیے مکروہ نہیں ہے اس گوند کا چبانا جب وہ روزہ دار نہ ہو، **لِقِيَامِهِ مَقَامَ السِّوَاكِ فِي حَقِّهِنَّ** اس لیے کیونکہ یہ گوند جو ہے مسواک کے قائم مقام ہے ان عورتوں کے حق میں۔

وَيُكْرَهُ لِلرِّجَالِ عَلَى مَا قِيلَ، اور مکروہ ہے مردوں کے لیے اس گوند کا چبانا **عَلَى مَا قِيلَ** بوجہ اس کے جو کہا گیا ہے، جو بعض فقہاء نے فرمایا ہے، **إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ عِلَّةٍ** جبکہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو۔ مردوں کے لیے ویسے چبانا مکروہ ہے بعض فقہاء لکھتے ہیں مگر یہ کہ بیماری کی وجہ سے ہو، اگر کسی بیماری کی وجہ سے اس کو گوند چبانے سے فائدہ ہوتا ہے پھر مکروہ نہیں ہے۔ یہ معنیٰ ہے **إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ عِلَّةٍ** جب کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو تو پھر چبانا مکروہ ہے مردوں کے لیے۔ **وَقِيلَ: لَا يُسْتَحَبُّ،** اور کہا گیا ہے مستحب نہیں ہے۔ کہا گیا ہے؟ بعض فقہاء نے تو کہا بغیر بیماری کے، بغیر کسی وجہ کے بغیر کسی وجہ کے مرد کا چبانا مکروہ ہے، جبکہ بعض نے کہا مستحب نہیں ہے، یعنی بہتر نہیں ہے ہاں جائز ہے، چبا سکتا ہے۔ **لَا يُسْتَحَبُّ** مستحب نہیں ہے، **لِمَا فِيهِ مِنَ التَّشَبُّهِ بِالنِّسَاءِ** اس لیے کیونکہ اس کے اندر عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنا ہے، کس کے ساتھ؟ اس لیے کیونکہ اس کے اندر عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِالْكَحْلِ وَدَهْنِ الشَّارِبِ، اور کوئی حرج نہیں ہے سرمہ لگانے میں، **وَدَهْنِ الشَّارِبِ، دَهْن** مصدر ہے مصدر، **دُهْن** دال کے اوپر پیش ہو تو یہ تیل کو کہتے ہیں اور **دَهَنَ يَدْهَنُ دَهْنًا** کے معنیٰ تیل لگانا۔ اور اسی طرح **كَحْل، كحل** کا معنیٰ بھی سرمہ لگانا۔ **وَلَا بَأْسَ بِالْكَحْلِ وَدَهْنِ الشَّارِبِ** اور کوئی حرج نہیں سرمہ لگانے میں اور مونچھوں کو تیل لگانے میں۔ یرحمک اللہ۔ شارب مونچھ بھائی، کوئی حرج نہیں سرمہ لگانے میں **وَدَهْنِ الشَّارِبِ** اور مونچھوں کو تیل لگانے میں، **لِأَنَّهُ نَوْعُ ارْتِفَاقٍ وَهُوَ لَيْسَ مِنْ مَحْظُورِ الصَّوْمِ،** اس لیے کیونکہ یہ تو ایک قسم کا نفع اٹھانا ہے، کسی چیز سے نفع اٹھانا ہے، **وَهُوَ لَيْسَ مِنْ مَحْظُورِ الصَّوْمِ** محظور کا معنیٰ ہے ممنوع بھائی، ممنوع، ممنوع۔ سمجھ میں آیا؟ اصول فقہ کا ضابطہ آپ پڑھتے ہوں گے: **اَلضَّرُورَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ** بھائی۔ ضرورت کیا ہے؟ وہ جائز کر دیتی ہے المحظورات ممنوع چیزوں کو بھی بھائی، تو وہ محظور یہ والا ہے ممنوع بھائی ظاء کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں: **وَهُوَ لَيْسَ مِنْ مَحْظُورِ الصَّوْمِ** اور یہ روزے کی ممنوع چیزوں میں سے بھی نہیں ہے۔ سرمہ لگانا یہ کوئی روزے میں منع نہیں اور اسی طرح تیل لگانا یہ روزے کے میں منع نہیں، تو یہ روزے کی ممنوع چیزوں میں سے نہیں ہے، یہ تو ایک قسم کا نفع اٹھانا ہے ایک چیز سے تو یہ جائز ہے۔

وَقَدْ نَدَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الِاكْتِحَالِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَإِلَى الصَّوْمِ فِيهِ، وَقَدْ نَدَبَ، ندب کا صلہ آرہا ہے آگے الی، الی، **نَدَبَ إِلَى** اور ندب الی کے معنیٰ ہوتے ہیں کسی چیز کی طرف دعوت دینا۔ یہ لفظ پہلے بھی گزر چکا ہے ایک دفعہ بھائی کہیں کسی سبق میں پیچھے گزرا تھا میں نے آپ کو بتلایا تھا۔ **وَقَدْ نَدَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الِاكْتِحَالِ** اور تحقیق دعوت دی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **إِلَى الِاكْتِحَالِ** سرمہ لگانے کی، **يَوْمَ عَاشُورَاءَ** یوم عاشورہ والے دن، یعنی دس محرم کو، **وَإِلَى الصَّوْمِ فِيهِ** اور اس کے اندر روزہ رکھنے میں کی طرف۔ حضور علیہ السلام نے یوم عاشورہ والے دن روزہ رکھنے اور سرمہ لگانے کی دعوت دی ہے کہ یعنی یہ مستحب ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِالِاكْتِحَالِ لِلرِّجَالِ، یہاں سے صاحب ہدایہ ویسے ایک مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ مردوں کے لیے سرمہ لگانا کیا اس کا کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں: **وَلَا بَأْسَ بِالِاكْتِحَالِ لِلرِّجَالِ** اور کوئی حرج نہیں سرمہ لگانے میں مردوں کے لیے، **إِذَا قَصَدَ بِهِ التَّدَاوِيَ** جب وہ اس کے ذریعے علاج کا ارادہ کرے، **دُونَ الزِّينَةِ** نہ کہ زینت۔ زینت کے ارادے سے پھر درست نہیں ہے بلکہ کس کیا ارادہ ہو؟ علاج، یعنی دوا کے طور پر اگر وہ لگاتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

وَيُسْتَحْسَنُ دَهْنُ الشَّارِبِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الزِّينَةُ، اور مستحسن ہے یعنی پسندیدہ ہے مونچھوں کو تیل لگانا جبکہ اس شخص کا ارادہ زینت کا نہ ہو، زینت کا جب ارادہ نہ ہو، **لِأَنَّهُ يَعْمَلُ عَمَلَ الْخِضَابِ** اس لیے کیونکہ یہ تیل بھی خضاب والا عمل کرتا ہے، کیا کرتا ہے؟ خضاب والا عمل کرتا ہے۔ بھائی یاد رکھیے، یہ تیل جب بالوں پر لگایا جائے تو اس سے بالوں کے اندر چمک پیدا ہو جاتی ہے اور سیاہ بال مزید سیاہ معلوم ہونے لگتے ہیں بھائی، حتیٰ کہ اگر سفید بال کچھ ہوں بھی وہ بھی پھر اس سیاہی کے اندر چھپ جاتے ہیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ایک معمولی کچھ بال سفید تھے بھائی، اور جب آپ تیل لگایا کرتے تھے تو وہ بال بھی چھپ جایا کرتے تھے، چھپ جایا کرتے تھے۔ اور چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک میں چودہ سے زیادہ سفید بال نہیں گنے بھائی، صرف چودہ بال سفید تھے۔ جبکہ بعض روایات کے اندر بیس بالوں تک کا ذکر ملتا ہے بھائی، تو بہت معمولی چند بال چند ایک بال سفید تھے بھائی۔ اور جیسے میں نے ذکر کر دیا کہ بعض روایات میں صراحتاً آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیل لگایا کرتے تھے تو یہ سفید چند ایک بال جو تھے یہ بھی چھپ جایا کرتے تھے بھائی۔ تو اسی لیے صاحبِ ہدایہ نے فرمایا: **لِأَنَّهُ يَعْمَلُ عَمَلَ الْخِضَابِ** کہ یہ تیل کیا ہے؟ خضاب والا عمل کرتا ہے، خضاب والا عمل کرتا ہے۔

اور نیز یہ بین السطور لکھا ہوا ہے: **وَبِالْخِضَابِ جَاءَتِ السُّنَّةُ**، اور خضاب کے بارے میں حدیث آئی ہے بھائی، خضاب کے بارے میں حدیث آئی ہے تو اس کا یہ معنیٰ نہ سمجھنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خضاب لگاتے تھے۔ میں نے بتلا دیا کہ آخر عمر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ایک بال ہی سفید ہوئے تھے، یہ اس حد تک پہنچے ہی نہیں تھے کہ اس میں خضاب کی ضرورت پیش آجاتی بھائی خضاب۔ تو اس کے ذریعے غالباً اشارہ ہے جو مسلم شریف میں روایت آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا بھائی، فتح مکہ والے دن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے گئے وہ لائے گئے تو ان کے بال بہت سفید ہو چکے تھے، سر کے بھی اور داڑھی کے بھی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ان بالوں کو بدل دو کسی چیز سے، «**وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ**» اور سیاہی سے بچو یعنی سیاہ رنگ نہ دو، کوئی اور رنگ دے کر ان کو ان کا رنگ بدل دو بھائی۔ تو اس کے ذریعے اس کی طرف اشارہ ہے بھائی۔

وَلَا يَفْعَلُ لِتَطْوِيلِ اللِّحْيَةِ إِذَا كَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُونِ وَهُوَ الْقَبْضَةُ، اور داڑھی کو لمبا کرنے کے لیے ایسا نہ کرے یعنی تیل نہ لگائے **إِذَا كَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُونِ** جب داڑھی مسنون مقدار کی ہو، **وَهُوَ الْقَبْضَةُ** اور وہ ایک قبضہ یعنی ایک مٹھی بھر مقدار ہے۔ قبضہ کہتے ہیں مٹھی بھر مقدار بھائی، تو ایک مٹھی کے برابر جب داڑھی ہے تو اس کو مزید لمبا کرنے کی نیت سے تیل نہ لگائے۔ داڑھی جو ہے سنت بھی ہے اور مرد کے لیے حسن و جمال کی علامت بھی ہے، لیکن بہت زیادہ طویل داڑھی بھی پسندیدہ نہیں بھائی۔ تو اسی لیے صاحبِ ہدایہ نے فرمایا کہ جب داڑھی سنت کے برابر ہو یعنی مٹھی بھر ہو تو اس کو مزید لمبا کرنے کے لیے تیل نہ لگایا جائے بھائی۔

وَلَا بَأْسَ بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ لِلصَّائِمِ، اور کوئی حرج نہیں ہے **بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ** گیلی مسواک یعنی تر مسواک، اور کوئی حرج نہیں تر مسواک کرنے میں **بِالْغَدَاةِ** صبح کے وقت، **وَالْعَشِيِّ** اور زوال کے وقت۔ عشی یاد رکھیے کہتے ہیں زوال کے بعد سے شام تک یہ سارا وقت کیا کہلاتا ہے؟ عشی۔ تو صبح کے وقت میں تر مسواک کرنا اور زوال کے بعد تر مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں **لِلصَّائِمِ** روزہ دار کے لیے، **لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «خَيْرُ خِلَالِ الصَّائِمِ السِّوَاكُ»**، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کی بہترین عادتوں میں سے مسواک ہے، روزہ دار کی بہترین عادتوں میں سے، بہترین خصلتوں میں سے **السِّوَاكُ** مسواک ہے، **مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ** بغیر کسی فصل کے، فرق کے، یعنی اس میں یہ فرق نہیں کیا گیا کہ وہ وہ سبز مسواک ہے یعنی خود ہی تر ہے یا پانی سے اس کو تر کیا گیا ہے، اس میں یہ تفصیل نہیں بس مطلقاً مسواک کو کیا قرار دیا گیا ہے؟ بہترین عادت قرار دیا گیا ہے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُكْرَهُ بِالْعَشِيِّ، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے مسواک بالعشی، کس وقت؟ زوال کے بعد بھائی، **لِمَا فِيهِ مِنْ إِزَالَةِ الْأَثَرِ الْمَحْمُودِ وَهُوَ الْخُلُوفُ**، اس وجہ سے کہ اس کے اندر قابلِ تعریف اثر کو دور کرنا ہے، بھائی احادیث میں آتا ہے کہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو ہے یہ روزہ دار کے منہ کی بو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے بھائی، روزہ دار کے منہ کی بدبو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے اللہ کے نزدیک۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زوال کے بعد اگر مسواک کرے گا تو پھر یہ بو ختم ہو جائے گی حالانکہ اس کی تو تعریف کی گئی ہے، اس وجہ سے مکروہ ہے، زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے یہ قابلِ تعریف اثر ختم ہو جائے گا۔ یہ معنیٰ ہے: **لِمَا فِيهِ مِنْ إِزَالَةِ الْأَثَرِ الْمَحْمُودِ وَهُوَ الْخُلُوفُ** اس وجہ سے کہ اس کے اندر دور کرنا ہے اثر کو، کون سا اثر؟ المحمود جس کی تعریف کی گئی ہے اس اثر کو دور کرنا ہے، **وَهُوَ الْخُلُوفُ**، خلوف کہتے ہیں منہ کی بدبو بھائی، اور وہ جو منہ کی بدبو ہے، **فَشَابَهَ دَمَ الشَّهِيدِ**، تو یہ یہ خلوف مشابہ ہو گیا شہید کے خون کے، شہید کے خون کے، کیونکہ اس کے بارے میں بھی کیا آیا ہے کہ شہید سے اس کو خون کو صاف نہ کیا جائے کیونکہ قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو اس کا خون جو ہے رنگ تو خون جیسا ہو گا لیکن خوشبو مشک جیسی ہو گی۔ تو کہتے ہیں یہ خلوف جو ہے منہ کی بدبو روزہ دار کی، یہ مشابہ ہو گئی شہید کے خون کے، اور جیسے شہید کے خون کو صاف نہیں کیا جاتا بلکہ اسی طرح خون سمیت دفن کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی اس خلوف کو دور نہیں کیا جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ اس کو دور نہیں کیا جائے گا تو مسواک نہیں کریں گے۔

قُلْنَا: ہم کہتے ہیں کہ دونوں میں فرق ہے، خلوف میں اور شہید کے خون میں۔ **قُلْنَا** ہم کہتے ہیں: **هُوَ أَثَرُ الْعِبَادَةِ** کہ خلوف جو ہے **هُوَ أَثَرُ الْعِبَادَةِ** وہ تو عبادت کا اثر ہے۔ اس نے روزہ رکھا، اس روزے کی وجہ سے منہ میں کیا پیدا ہو گئی؟ کچھ کھایا پیا ہی نہیں ہے تو اس کی وجہ سے بدبو پیدا ہو گئی ہے، تو یہ عبادت کا اثر ہے، **وَالْأَلْيَقُ بِهِ الْإِخْفَاءُ** اور اس کے زیادہ لائق اس کو چھپانا ہے۔ عبادت میں کیا کرنا چاہیے؟ عبادت جس قدر چھپا کر ہو اتنا بہتر ہے تاکہ کہیں ریاکاری کا شبہ نہ پڑے کہ لوگوں کے دکھلاوے کے لیے ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو یہ عبادت کا اثر ہے **وَالْأَلْيَقُ بِهِ الْإِخْفَاءُ** اور اس کے زیادہ لائق اس کو چھپانا ہے، **بِخِلَافِ دَمِ الشَّهِيدِ** بخلاف شہید کے خون کے، **لِأَنَّهُ أَثَرُ الظُّلْمِ** وہ تو ظلم کا اثر ہے، وہ وہ زیادہ لائق ہے اس کو باقی رکھا جائے، اس کو باقی رکھا جائے کہ وہ تو انصاف کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کو اس ظالم سے انصاف دلایا جائے جس نے اس کو شہید کیا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو دونوں الگ چیزیں ہیں، وہ عبادت کا اثر ہے اور یہ ظلم کا اثر ہے، وہ تقاضا کرتا ہے اس کو چھپایا جائے اور یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کو اس کو ظاہر کیا جائے، چھپایا نہ جائے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے: **بِخِلَافِ دَمِ الشَّهِيدِ لِأَنَّهُ أَثَرُ الظُّلْمِ** بخلاف شہید کے خون

کے کیونکہ وہ تو ظلم کا اثر ہے، **وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرَّطْبِ الْأَخْضَرِ وَبَيْنَ الْمَبْلُولِ بِالْمَاءِ لِمَا رَوَيْنَا**، اور کوئی فرق نہیں ہے **بَيْنَ الرَّطْبِ الْأَخْضَرِ** وہ مسواک جو تر ہے، گیلی ہے، الأخضر سبز ہے، بھائی ایک مسواک وہ ہے سبز ہو گی، گیلی ہو گی، اور ایک مسواک وہ ہے جو خشک ہو گی، تو جو خشک ہو گی اس کو کس سے تر کرنا پڑے گا؟ پانی سے، اور جو سبز ہے، تر ہے اس میں پانی کی ضرورت نہیں، تو کہتے ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں، دونوں کر سکتا ہے، اس لیے کیونکہ حدیث میں کیا آیا؟ «**خَيْرُ خِلَالِ الصَّائِمِ السِّوَاكُ**» **مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ** بغیر کسی فرق کے، وہاں کوئی فرق نہیں کیا گیا کہ وہ تر خود ہو یا تر کس سے کیا گیا ہو؟ پانی سے۔ تو یہ معنیٰ ہے: **وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرَّطْبِ الْأَخْضَرِ وَبَيْنَ الْمَبْلُولِ بِالْمَاءِ لِمَا رَوَيْنَا** اور کوئی فرق نہیں ہے سر سبز، گیلی مسواک میں اور اس مسواک میں جس کو گیلا کیا گیا ہو پانی کے ساتھ، **لِمَا رَوَيْنَا** اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی اوپر بھائی کہ «**خَيْرُ خِلَالِ الصَّائِمِ السِّوَاكُ**»۔

اور نیز علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو خلوف ہے ناخلوف، یہ خلوف یہ منہ سے یہ بو نہیں آتی، یہ روزہ دار کے منہ سے جو بدبو آئے یہ منہ سے نہیں آتی، یہ دراصل معدہ معدہ جو ہے کئی گھنٹے تک خالی رہتا ہے تو یہ بو وہاں پیدا ہوتی ہے اور وہاں سے بخارات اٹھتے ہیں تو یہ خلوف اس کا اثر ہے، تو یہ دراصل بو منہ سے آ نہیں رہی بلکہ یہ تو یہ بو دراصل منہ سے نہیں آ رہی بلکہ کہاں سے آ رہی ہے؟ معدے سے آ رہی ہے، تو اگر مسواک کر بھی لی جائے تو یہ بو ختم نہیں ہو گی کیونکہ یہ تو کہاں سے آ رہی ہے؟ معدے سے آ رہی ہے، لہٰذا معلوم ہوا مسواک سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، تو مسواک جو ہے وہ جائز ہے بغیر کراہت کے ہی روزے کے اندر بھائی۔

چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۱۲۳: جن اعذار کی بناپر روزہ چھوڑنا جائز ہے (مسافر و مریض)

ہدایہ صفحہ: ۲۳۹ــــ بتاریخ: ۱۳ اپریل ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا فِي رَمَضَانَ فَخَافَ إِنْ صَامَ ازْدَادَ مَرَضُهُ أَفْطَرَ وَقَضَى» «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يُفْطِرُ، وَيَعْتَبِرُ خَوْفَ الْهَلَاكِ أَوْ فَوَاتِ الْعُضْوِ كَمَا يَعْتَبِرُ فِي التَّيَمُّمِ» «وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ زِيَادَةَ الْمَرَضِ وَامْتِدَادَهُ قَدْ تُفْضِي إِلَى الْهَلَاكِ، فَيَجِبُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ». [1]

فصل: اس فصل میں صاحبِ ہدایہ وہ عذر وغیرہ بیان کریں گے جن کی

فصل: اس فصل میں صاحبِ ہدایہ وہ عذر وغیرہ بیان کریں گے جن کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز ہے کہ ان میں سے کوئی عذر آجائے تو کوئی شخص اس وقت روزہ چھوڑ سکتا ہے اور پھر بعد میں اس کی قضا کرلے گا۔

تو کہتے ہیں «وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا فِي رَمَضَانَ» اور جو شخص بیمار تھا رمضان میں «فَخَافَ إِنْ صَامَ» تو اس کو یہ خوف ہوا کہ اگر اس نے روزہ رکھا «ازْدَادَ مَرَضُهُ» تو اس کا مرض بڑھ جائے گا «أَفْطَرَ» تو وہ افطار کرلے یعنی روزہ چھوڑ دے «وَقَضَى» اور بعد میں اس کی قضا کرلے۔ کوئی شخص بیمار ہے رمضان کے اندر اور مرض بھی ایسا ہے کہ اس کو خوف ہے اگر میں روزہ رکھوں گا تو میرا مرض بڑھ جائے گا بھئی، تو «أَفْطَرَ» وہ کیا کرلے؟ افطار کرلے یعنی روزہ نہ رکھے «وَقَضَى» اور بعد میں اس کی قضا کرلے بھئی۔

«ازْدَادَ» میری کتاب میں ذال کے ساتھ لکھا ہے، یہ درست نہیں ہے بھئی، زا کے ساتھ ہونا چاہیے، زا کے ساتھ: «ازْدَادَ»۔

مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يُفْطِرُ

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يُفْطِرُ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، وہ افطار نہیں کرے گا، یعنی وہ روزہ نہیں چھوڑ سکتا، اسے روزہ رکھنا پڑے گا۔ «وَيَعْتَبِرُ خَوْفَ الْهَلَاكِ أَوْ فَوَاتِ الْعُضْوِ كَمَا يَعْتَبِرُ فِي التَّيَمُّمِ» وہ اعتبار کرتے ہیں ہلاک ہوجانے کے خوف کا یا کسی عضو کے فوت ہوجانے کے خوف کا، یعنی اگر کسی شخص کو یہ خوف ہے کہ اگر میں روزہ رکھوں گا تو میں ہلاک ہوجاؤں گا، زندہ بچوں گا ہی نہیں یا یہ خوف ہے کہ اگر روزہ رکھا تو میرا کوئی عضو ضائع ہوجائے گا بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو اگر یہ خوف ہے تو پھر تو روزہ چھوڑنے کی اس کو اجازت ہے، اگر یہ خوف نہیں تو پھر روزہ چھوڑنے کی اجازت بھی نہیں۔ جبکہ ہمارے نزدیک مرض بڑھنے کا خوف ہو کہ مرض بہت زیادہ ہوجائے گا تو اس صورت میں بھی روزہ چھوڑ سکتا ہے۔

---

[1] شاملہ (ص ۱۶۹) میں «وَيَعْتَبِرُ» کے بجائے «هو يعتبر»، شاملہ (ص ۱۶۹) میں «تُفْضِي» کے بجائے «يفضي» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۶۹) میں «وَالْمُسَافِرُ» کے بجائے «أو المسافر» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۶۹) میں «رَحِمَهُمُ» کے بجائے «رحمه» درج ہے۔ • ساقط لفظ/عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۶۹): «لأنه إفطار بعذر»، ساقط لفظ/عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۶۹): «هو»۔ • شاملہ (ص ۱۶۹) میں «خَافَتَا» کے بجائے «خافت» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۶۹) میں «وَيَعْتَبِرُ» کے بجائے «هو يعتبر»، شاملہ (ص ۱۶۹) میں «تُفْضِي» کے بجائے «يفضي» درج ہے۔

سبق نمبر ۱۲۳: جن اعذار کی بناپر روزہ چھوڑنا جائز ہے (مسافر و مریض) دروسِ ہدایہ (جلد اول)

تو «فَهُوَ يَعْتَبِرُ خَوْفَ الْهَلَاكِ أَوْ فَوَاتِ الْعُضْوِ» تو وہ اعتبار کرتے ہیں ہلاک ہوجانے یا عضو کے فوت ہوجانے کے خوف کا «كَمَا يَعْتَبِرُ فِي التَّيَمُّمِ» جیسے کہ وہ اعتبار کرتے ہیں تیمم میں۔ تیمم کے مسئلے میں بھی آپ نے پڑھا تھا ہمارے نزدیک اگر کوئی شخص بیمار ہے اور اس کو یہ خوف ہے کہ اگر وضو کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو اسے تیمم کرنے کی اجازت ہے، جبکہ ان کے نزدیک جب تک ہلاکت کا یا عضو کے فوت ہوجانے کا خوف نہ ہو اس وقت تک وہ تیمم نہیں کر سکتا۔

«وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ زِيَادَةَ الْمَرَضِ وَامْتِدَادَهُ قَدْ تُفْضِي إِلَى الْهَلَاكِ» ہم کہتے ہیں کہ مرض کا زیادہ ہونا «وَامْتِدَادَهُ» اور اس کا لمبا ہوجانا «قَدْ تُفْضِي إِلَى الْهَلَاكِ» یہ بھی کبھی کبھار ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے «فَيَجِبُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ» تو اس سے بچنا بھی واجب ہے۔ یہ بھی کبھی کبھار کس تک پہنچا دیتا ہے؟ ہلاکت تک یہ مرض کا بڑھنا اور لمبا ہوجانا، تو لہٰذا یہ خوف جس کو ہو وہ بھی ہمارے نزدیک افطار کر سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مُسَافِرًا لَا يَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ...

«وَإِنْ كَانَ مُسَافِرًا لَا يَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ فَصَوْمُهُ أَفْضَلُ، وَإِنْ أَفْطَرَ جَازَ».

بھئی یہاں سے مسافر کے بارے میں بیان کر رہے ہیں۔ مسافر اور مریض کے بارے میں اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾، پس تم میں سے جو کوئی مریض ہو یا سفر ہو تو شمار کرنا ہے چند دوسرے دنوں کا، یعنی ان ایام کے علاوہ پھر دوسرے دن میں شمار کر کے اتنے ہی روزے کیا کر لے؟ پورے کر لے جو رمضان میں چھوڑ دیے تھے اس بیماری یا اس سفر کے عذر کی وجہ سے۔ تو معلوم ہوا مسافر اور مریض کو شریعت نے رخصت دے دی ہے کہ وہ روزہ چھوڑنا چاہیں تو رمضان میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں اور بعد میں اس کی قضا کرنا پڑے گی۔

تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں اگر مسافر جو ہے اس کو روزہ رکھنے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، سفر ہلکا پھلکا ہے، کوئی مشقت نہیں ہے تو پھر اس صورت میں اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے۔ روزہ چھوڑنا جائز تو ہے اس کے لیے لیکن اس وقت افضل کیا ہے اس کے لیے؟ روزہ رکھنا افضل ہے اور یہ بھی یاد رکھیے مسافر سے وہ شرعی مسافر مراد ہے جس نے کتنی مسافت کا ارادہ کیا ہے؟ تین دن کی مسافت کا ارادہ کیا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَإِنْ كَانَ مُسَافِرًا لَا يَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ فَصَوْمُهُ أَفْضَلُ» اور اگر مسافر جو ہے اس کو نقصان نہیں ہوتا، اس کو تکلیف نہیں ہوتی روزے کی وجہ سے «فَصَوْمُهُ أَفْضَلُ» تو اس کا روزہ افضل ہے «وَإِنْ أَفْطَرَ جَازَ» اور اگر اس نے افطار کر لیا یعنی روزہ نہ رکھا تو یہ بھی جائز ہے «لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يَعْرَى عَنِ الْمَشَقَّةِ» اس لیے کیونکہ سفر جو ہے وہ خالی نہیں ہوتا مشقت سے «فَجُعِلَ نَفْسُهُ عُذْرًا» تو اس کی ذات ہی کو عذر قرار دے دیا گیا۔ سفر عموماً مشقت سے خالی نہیں ہوتا تو لہٰذا سفر ہی کو کیا قرار دے دیا گیا؟ عذر قرار دے دیا گیا، تو بس مسافر چاہے تکلیف یا مشقت اس کو ہوتی ہے یا نہیں لیکن سفر میں تو ہوتی چونکہ مشقت ہے تو نفسِ سفر ہی کو کیا قرار دے دیا شریعت نے؟ عذر قرار دے دیا۔

تو اس کے نفسِ سفر ہی کو عذر قرار دے دیا، سمجھ میں آیا؟ لہٰذا اسی لیے کہا اس کے لیے افطار کرنا جائز ہے لیکن اگر تکلیف نہیں ہے سفر میں، مشقت نہیں ہے تو افضل کیا ہے اس کے لیے؟ روزہ رکھے۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ الْمَرَضِ

«بِخِلَافِ الْمَرَضِ» بخلاف مرض کے۔ یاد رکھیے مرض کے اندر مطلقاً افطار کی اجازت نہیں ہے، مرض دو قسم کے ہیں: کچھ وہ مرض ہیں جن میں روزہ فائدہ دیتا ہے، مثلاً پیٹ خراب ہے وغیرہ، تو اس کے اندر تو روزہ فائدہ دے گا، اور بعض مرض ایسے ہوتے ہیں جس میں روزہ نقصان دیتا ہے، تکلیف دیتا ہے، تو یہاں وہ مرض مراد ہے جس کے اندر تکلیف بڑھے گی، مرض بڑھے گا، اس میں افطار کی گنجائش ہے کہ روزہ نہ رکھے، جبکہ دوسرا مرض اس میں گنجائش نہیں ہے بھئی۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں «بِخِلَافِ الْمَرَضِ» بخلاف بیماری کے «فَإِنَّهُ قَدْ يَخِفُّ بِالصَّوْمِ» پس بیماری جو ہے وہ تو کبھی کبھار روزے سے ہلکی ہو جاتی ہے، روزے کی وجہ سے فائدہ ہوتا ہے اور وہ بیماری کم ہو جاتی ہے «فَشُرِطَ كَوْنُهُ مُفْضِيًا إِلَى الْحَرَجِ» تو اس میں شرط ہے کہ وہ روزہ جو ہے وہ حرج تک پہنچانے والا ہو، وہ مرض ایسا ہو کہ روزہ رکھتا ہے تو وہ کس تک پہنچاتا ہے؟ حرج تک یعنی تنگی اور تکلیف تک پہنچاتا ہے تو پھر یہ مرض عذر ہے اور اس میں وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے، بعد میں قضا کر لے اور اگر مرض ایسا ہے کہ اس کے اندر روزہ حرج تک نہیں پہنچاتا بلکہ فائدہ ہوتا ہے روزہ رکھنے سے تو یہ عذر بھی نہیں ہے اور جب عذر نہیں تو اس میں روزہ چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے بھئی۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: الْفِطْرُ أَفْضَلُ» جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فطر افضل ہے۔ ہمارے نزدیک تو کیا افضل ہے مسافر کے لیے؟ اگر نقصان اور تکلیف نہیں ہے سفر کے اندر، مشقت نہیں ہے تو روزہ رکھ لے، یہ افضل ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فطر افضل ہے ہر صورت میں «لِقَوْلِهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ » بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: « لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ » کہ نہیں ہے نیکی میں سے روزہ رکھنا سفر میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ سفر کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ صحابہ ایک طرف جمع ہیں اور کسی ایک پر سایہ وغیرہ کیا ہوا ہے، حضور علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ تو بتلایا گیا کہ ایک شخص روزے دار تھا، اس پر سایہ وغیرہ کیا، معلوم ہوا کوئی بے ہوش وغیرہ ہو گئے ہوں گے، تو اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا « لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ »، سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ تو سفر میں جب مشقت ہو تو پھر روزہ نہیں رکھنا چاہیے بھئی۔

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ رَمَضَانَ أَفْضَلُ الْوَقْتَيْنِ

« وَلَنَا أَنَّ رَمَضَانَ أَفْضَلُ الْوَقْتَيْنِ » اور ہاں یہ تو تھی امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل، ہماری دلیل یہ ہے کہ « أَنَّ رَمَضَانَ أَفْضَلُ الْوَقْتَيْنِ » کہ رمضان دو وقتوں میں سے افضل ہے، دو وقت بھئی: ایک تو یہ وقت ہے جب یہ انسان اس وقت روزہ رکھے گا اور ایک یہ ہے کہ اس وقت روزہ چھوڑ دے گا تو بعد میں اس کی کیا کرے گا؟ قضا، تو ایک یہ وقت ہے، ایک وہ قضا کا وقت ہے، ان دونوں میں سے افضل کون سا وقت ہے؟ یہ رمضان والا وقت افضل ہے، لہٰذا ہمارے نزدیک اگر تکلیف نہیں ہوتی تو اسی وقت میں روزہ رکھ لے تاکہ کون سا وقت مل جائے اس کو؟ افضل وقت مل جائے روزے کی ادائیگی کا۔

تو یہ معنی ہے کہ ہماری دلیل یہ ہے « أَنَّ رَمَضَانَ أَفْضَلُ الْوَقْتَيْنِ » کہ رمضان جو ہے اس دو وقتوں میں سے افضل ہے « فَكَانَ الْأَدَاءُ فِيهِ أَوْلَى » تو اس کے اندر ادا کرنا بہتر ہو گا « وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْجَهْدِ » اور وہ حدیث جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ محمول ہے مشقت کی حالت پر۔ وہ حدیث کس حالت پر محمول ہے؟ مشقت کی حالت پر، جب سفر میں مشقت ہو، تکلیف ہو تو اس وقت تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھنا چاہیے، افضل یہ ہے کہ روزہ نہ رکھے بھئی، روزہ نہ رکھے۔ تو حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

اور یہ یاد رکھیے بھئی، یہ صاحبِ ہدایہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا ذکر کیا لیکن یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب نہیں ہے بھئی، یہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ علی الاطلاق فطر افضل ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی وہی مذہب ہے جو ہمارا مذہب ہے، وہ بھی یہی فرماتے ہیں اگر مشقت نہ ہو، تکلیف نہ ہو تو مسافر کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَإِذَا مَاتَ الْمَرِيضُ وَالْمُسَافِرُ وَهُمَا عَلَى حَالِهِمَا لَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ...

«وَإِذَا مَاتَ الْمَرِيضُ وَالْمُسَافِرُ وَهُمَا عَلَى حَالِهِمَا لَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ».

اور جس وقت مریض یا مسافر مر جائے « وَهُمَا عَلَى حَالِهِمَا » اس حال میں کہ وہ دونوں اپنے حال پر تھے، یعنی مریض مرض میں تھا اور مسافر سفر میں تھا « لَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ » تو ان پر قضا لازم نہیں۔

بھئی دیکھیے مسافر اور مریض کے بارے میں اللہ نے کیا فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾، تو ان کو اجازت دی گئی کہ بیماری کی حالت میں اور سفر کی حالت میں کیا کر سکتے ہیں؟ رمضان کا روزہ چھوڑ کر بعد میں اتنے ہی دن کیا کریں گے؟ روزہ رکھیں گے، اس کی قضا کریں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص بیمار تھا اس نے کچھ روزے چھوڑ دیے اور پھر اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا، یعنی بعد میں اس کو اتنے دن ملے ہی نہیں جس میں وہ کیا کرتا؟ ان روزوں کی قضا کرتا اور وہ جب دن ملے ہی نہیں اس کو تو پھر اس پر ان روزوں کی قضا بھی لازم نہیں، یا اسی طرح مسافر سفر میں تھا اور اسی سفر کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا، بعد میں اس کو کوئی دن ملا ہی نہیں جس میں کیا کر دیتا؟ قضا کر لیتا، تو عند اللہ اس پر قضا لازم نہیں، یعنی عند اللہ اس کا مواخذہ نہیں ہو گا، اس مریض اور مسافر کا مواخذہ عند اللہ نہیں ہے بھئی، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے اور اس کو اگر بعد میں وقت ملتا اور نہ رکھتا پھر تو یہ مجرم تھا لیکن اس کو تو بعد میں مریض تھا تو صحت ہی نہیں ملی اسی بیماری میں مر گیا یا مسافر تھا تو بعد میں قیام کی حالت میں کچھ دن ملے ہی نہیں اسی سفر میں ہی مر گیا تو لہٰذا ان پر ان کی قضا بھی لازم نہیں بھئی۔

یہ معنی ہے « لَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ » تو ان پر ان دنوں کی قضا بھی لازم نہیں ہے « لِأَنَّهُمَا لَمْ يُدْرِكَا عِدَّةً مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ » اس لیے کیونکہ انہوں نے نہیں پایا، کس چیز کو نہیں پایا؟ ﴿عِدَّةً مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾، کچھ اور دنوں کے شمار کو۔ کچھ اور دنوں کا شمار ان کو ملا ہی نہیں کہ اس میں یہ قضا کر لیتے!

اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں کہ اگر ان کو کچھ ایام مل گئے لیکن پورے ایام نہ ملے، مریض تھا بیمار تھا، اس بیماری کی حالت میں اس نے مثلاً رمضان کے بیس روزے چھوڑ دیے اور رمضان کے بعد کسی وقت اس کو صحت ہو گئی، وہ صحت مند ہو گیا اور مثلاً فرض کریں دس دن صحت مند رہا اور پھر انتقال کر گیا۔ تو لہٰذا اس پر جتنے دن

اس کو مل گئے صحت کی حالت میں ان کی قضا اس پر لازم ہو گی۔ دس دن صحت مل گئی تھی اور روزے تو کل کتنے باقی تھے اس کے ذمے؟ بیس تھے، تو یہ دس دن کی قضا اس کے ذمے لازم ہو گی۔ اور یا مسافر اسی طرح تھا سفر میں اس نے بیس روزے چھوڑ دیے تھے اور اس کے بعد جب وہ مقیم ہوا تو مقیم ہونے کے بعد مثلاً دس دن ہی اس کو ملے اور پھر اس کا انتقال ہو گیا تو اس پر بھی انہی دنوں کی قضا لازم ہے جتنے دن اس کو ملے ہیں بھئی، بات سمجھ میں آ گئی؟

بھئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جتنے دن ان کو ملے اتنے ہی کی قضا ان پر لازم ہے اس کا کیا معنی؟ اس کا کیا فائدہ؟ ان کا تو انتقال ہو چکا ہے! کہتے ہیں بھئی معنی یہ ہے کہ اتنے دن اگر گزر گئے اور اس میں انہوں نے روزے کی قضا نہیں کی تو عند اللہ ان کا مواخذہ ہو گا۔ اللہ نے رخصت دی تھی، کس لیے دی تھی رخصت؟ کہ بعد میں ان کی قضا کرنا پڑے گی اور اتنے دن اس کو مل گئے اور اس نے ان دنوں کی قضا نہیں کی تو عند اللہ اس کا مواخذہ ہو گا، لہٰذا اس پر کیا واجب ہے اب؟ مرنے سے پہلے موقع مل جائے تو اس پر وصیت کرنا واجب ہے کہ میرے ذمے دس روزے باقی ہیں، میرے ذمے دس روزے باقی ہیں میری طرف سے ان کا فدیہ دے دینا۔ تو اب روزے تو کل بیس چھوڑے تھے لیکن دس کا تو اس کو وقت ہی نہیں ملا، دس کا وقت ملا ہے تو ان کے بارے میں وصیت کرنا اس پر واجب ہے واجب ہے، اگر وصیت نہیں کرے گا تو عند اللہ اس کا مواخذہ ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ صَحَّ الْمَرِيضُ وَأَقَامَ الْمُسَافِرُ ثُمَّ...

«وَلَوْ صَحَّ الْمَرِيضُ وَأَقَامَ الْمُسَافِرُ ثُمَّ مَاتَا لَزِمَهُمَا الْقَضَاءُ بِقَدْرِ الصِّحَّةِ وَالْإِقَامَةِ» اور اگر تندرست ہو گیا مریض «وَأَقَامَ الْمُسَافِرُ» اور مقیم ہو گیا مسافر «ثُمَّ مَاتَا» پھر یہ دونوں مر گئے «لَزِمَهُمَا الْقَضَاءُ» تو ان دونوں پر قضا لازم ہے، کتنی قضا؟ کہتے ہیں «بِقَدْرِ الصِّحَّةِ وَالْإِقَامَةِ» صحت اور اقامت کے بقدر، یعنی جتنے دن صحت کے جتنے دن اقامت میں ملے «لِوُجُودِ الْإِدْرَاكِ بِهٰذَا الْمِقْدَارِ» بوجہ پالینے اتنی مقدار کو، یعنی اتنی مقدار انہوں نے دنوں کی پالیا تو اتنے روزوں کی قضا بھی ان پر لازم ہو گئی۔

بھئی فائدہ ذکر کر رہے ہیں کہ فائدہ کیا ہے؟ ان کا تو انتقال ہو چکا ہے، ان پر اس مقدار کو لازم کرنے کا؟ کہتے ہیں «وَفَائِدَتُهُ وُجُوبُ الْوَصِيَّةِ بِالْإِطْعَامِ» کہ اس کا فائدہ جو ہے یہ ہے کہ ان پر وصیت کرنا واجب ہے کھانے کھلانے کی، ان پر کھانا کھلانے کی وصیت کرنا واجب ہے یعنی فدیہ فدیہ کرنے کی وصیت کریں بھئی، فدیہ کہ ان کی طرف سے ہر روزے کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟ فدیہ کتنا ہے وہ آگے ذکر آ رہا ہے بھئی۔

«وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ خِلَافًا فِيهِ بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى، وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ، وَإِنَّمَا الْخِلَافُ فِي النَّذْرِ».

یہاں سے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے اندر شیخین رحمہما اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے درمیان اختلاف ذکر کیا ہے «وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ» اور یہ درست نہیں ہے بھئی، بلکہ اس مسئلے کے اندر ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے بھئی «وَإِنَّمَا الْخِلَافُ فِي النَّذْرِ» اور اختلاف صرف کس میں ہے؟ منت میں ہے، منت کے مسئلے میں اختلاف ہے بھئی۔

تو یاد رکھیے منت کے مسئلے میں کہ اگر کوئی شخص منت مانتا ہے مثلاً بیمار ہے اس نے منت مانی کہ اے اللہ اگر میں اس مرض سے تندرست ہو گیا تو میں بیس روزے رکھوں گا بھئی، بیس روزے رکھوں گا اور پھر وہ تندرست ہوا اور دس دن بعد پھر اس کا اچانک انتقال ہو گیا، تو دس دن اس کو صحت کے مل گئے بھئی۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے مسافر اور مریض کو جتنے ایام میسر آتے تھے اسی کی قضا اس پر واجب ہوتی تھی اور وہ اگر نہ کر سکا تو پھر اتنے ہی دنوں کے کفارے کی وصیت اس پر واجب ہو گی، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، اس نے بیس روزوں کی منت مانی تھی اور اس کو صرف دس دن ملے ہیں تو دس دنوں کے روزوں کے فدیے کی وصیت اس پر لازم ہو گی۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہاں جتنے دن بھی مل جائیں یہاں پورے جتنی منت مانی تھی یعنی پورے بیس روزوں ہی کی وصیت اس کے ذمے لازم ہو گی بھئی۔

تو دیکھیے معلوم ہوا شیخین رحمہما اللہ جو ہے وہ فرق کرتے ہیں، ایک ہے مسافر اور مریض اور ایک ہے منت، تو اس کے اندر معلوم ہوا وہ فرق کرتے ہیں، تو اس کی کیا وجہ ہے وہ بھی آگے بیان کر رہے ہیں: «وَالْفَرْقُ لَهُمَا أَنَّ النَّذْرَ سَبَبٌ فَيَظْهَرُ الْوُجُوبُ فِي حَقِّ الْخَلَفِ، وَفِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ السَّبَبُ إِدْرَاكُ الْعِدَّةِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا أَدْرَكَ».

تو فرق یہ ہے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو مریض اور مسافر پر قضا واجب ہوتی ہے یہ قضا کا سبب اور ایام کو پالینا ہے۔ ان پر قضا کیوں واجب ہوتی ہے؟ اور ایام کو پالینا اس کا سبب ہے، تو یہ اسی قدر دنوں کی قضا آئے گی اس پر واجب ہو گی جتنے دنوں کو وہ پالے، تو اب اگر ان پر بیس بیس روزے باقی تھے اور انہوں نے صرف دس دن پائے اور پھر انتقال ہو گیا تو صرف دس دن پائے ہیں تو اسی کے بقدر ان پر قضا بھی واجب ہو گی۔ لیکن منت کے وجوب کا سبب وہ اتنے دنوں کو پالینا نہیں ہے بلکہ منت کے وجوب کا سبب وہ منت ہے، اس منت کی وجہ سے یہ بیس روزے اس پر واجب ہوئے ہیں اور منت تو موجود ہے اور مانع جو ہے وہ دور ہو چکا

ہے مرض دور ہو چکا ہے، تو اب اس پر پورے بیس روزوں ہی کی وصیت لازم ہو گی، سمجھ میں آیا بھئی؟ کیونکہ یہاں جو اس پر اداواجب ہوئی جتنے ایام کو پائے ان کی وجہ سے اس پر اداواجب نہیں ہو رہی بلکہ یہ ادا کس وجہ سے واجب ہو رہی ہے؟ یہ روزے اس پر کس وجہ سے واجب ہو رہے ہیں؟ منت کی وجہ سے واجب ہو رہے ہیں اور منت تو موجود ہے اور مانع جو تھا جو مرض تھا وہ ختم ہو چکا ہے، جب منت موجود ہے اور مانع ختم ہو گیا تو وجوب سارے کا آئے گا اور کتنی منت مانی تھی اس نے؟ بیس کی، تو وہ ایام جو اس نے پائے ان کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ یہ دیکھا جائے گا منت اس نے کتنے کی مانی تھی اور وہ منت موجود ہے وہ سبب ہے اس کی وجہ سے بیس روزے اس پر واجب ہو رہے ہیں، بیس ہی روزے واجب ہوئے، جب مانع چلا گیا تو اس پر کتنے روزے واجب ہو گئے؟ بیس روزے واجب ہو گئے بھئی، لہٰذا اب اس نے رکھے نہیں ہیں تو لہٰذا اب خلیفہ کی طرف حکم منتقل ہو جائے گا اور روزے کا خلیفہ کیا ہے؟ فدیہ ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ فدیہ ہے، تو لہٰذا اس پر وصیت واجب ہو گی کہ وہ بیس دنوں کے روزوں کے فدیے کی وصیت کرے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ جتنے دن پائے ہیں اسی کے بقدر وصیت بھی اس پر لازم، جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ جتنے کی منت مانی ہے ان سارے روزوں کی وصیت کرنا لازم ہے کہ ان کا فدیہ دے دیا جائے بھئی، فرق سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں «**وَالْفَرْقُ لَهُمَا**» اور فرق جو ہے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک جو ہے وہ یہ ہے «**أَنَّ النَّذْرَ سَبَبٌ**» کہ اس مسئلے میں منت کے مسئلے میں منت جو ہے وہ سبب ہے ان روزوں کا «**فَيَظْهَرُ الْوُجُوبُ فِي حَقِّ الْخَلَفِ**» تو وجوب ظاہر ہو گا خلیفہ کے حق میں یعنی فدیے کے حق میں بھی وجوب ظاہر ہو گا۔ روزے تو وہ رکھ نہیں سکا، موت کا وقت اچانک موت آ گئی بھئی اور اس کو پتہ لگ گیا اب میں مرنے والا ہوں تو اس پر کیا واجب ہے؟ اگر موقع ملتا ہے اس پر وصیت واجب ہے، تو وجوب تو آیا تھا کتنے روزوں کا اس پر؟ بیس کا، تو یہ وجوب اب خلیفہ کے حق میں بھی اسی طرح ظاہر ہو گا اور کتنے روزوں کی کتنے روزوں کا فدیے کی وصیت کرنا اس پر لازم ہو گا؟ بیس ہی کی وصیت کرنا لازم ہو گا بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «**فَيَظْهَرُ الْوُجُوبُ فِي حَقِّ الْخَلَفِ**» تو وہ وجوب جس کا سبب کیا تھا؟ منت تھی، وہ وجوب اب ظاہر ہو گا «**فِي حَقِّ الْخَلَفِ**» کس کے حق میں؟ خلیفہ کے حق میں اور وہ کیا ہے؟ فدیہ یعنی فدیے کے حق میں، وہ فدیہ اس پر واجب ہو گیا یعنی اس کی وصیت کرنا۔

■ مسئلہ: وَفِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ

«**وَفِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ**» جبکہ اس مسئلہ کے اندر، یہ مریض اور مسافر کے مسئلہ کے اندر «**السَّبَبُ إِدْرَاكُ الْعِدَّةِ**» سبب جو ہے وہ شمار کو پا لینا یعنی ان دنوں کے شمار کو پا لینا ہے «**فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا أَدْرَكَ**» تو یہ مقدر ہو گا یعنی مقرر ہو گا اسی کے بقدر جو اس نے پا لیا، جتنا اس نے ایام کو پا لیا اسی کے بقدر اس پر قضا واجب ہو گی، اور قضا تو اس نے کی نہیں تھی مثلاً دس دن تندرست ہو گیا تھا یا دس دن مقیم ہو گیا تھا لیکن اس نے قضا نہیں کی، جب قضا نہیں کی قضا تو لازم تھی اس کے ذمے تو اسی کے بقدر اب وصیت کرنا اس پر واجب ہے بھئی۔

«وَقَضَاءُ رَمَضَانَ إِنْ شَاءَ فَرَّقَهُ وَإِنْ شَاءَ تَابَعَهُ».

یہاں سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص پر رمضان کے کئی روزوں کی قضا ہے بیماری وغیرہ کی وجہ سے، اس نے کئی روزے مثلاً چھوڑ دیے ہیں یا سفر کی وجہ سے، تو کیا بعد میں ان روزوں کی جب قضا کرے گا تو مسلسل روزے رکھنا ضروری ہے یا جدا جدا کر کے بھی رکھ سکتے ہیں؟ تو آپ کو صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے کہ یہ رکھنے والے کی مرضی ہے، چاہے مسلسل سارے روزے رکھ لے قضا کے اور چاہے جدا جدا کر کے رکھے، ایک آج رکھ لیا ایک چند دن بعد رکھ لیا ایک پھر چند دن بعد رکھ لیا تو یہ اس کی مرضی ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مسلسل رکھے تاکہ جلدی سے جلدی واجب جو ہے ذمے سے ساقط ہو جائے بھئی۔

تو کہتے ہیں «**وَقَضَاءُ رَمَضَانَ إِنْ شَاءَ فَرَّقَهُ وَإِنْ شَاءَ تَابَعَهُ**» اور رمضان کی قضا اگر چاہے تو جدا جدا کرے اس کو یعنی الگ الگ رکھے قضا روزوں کو «**وَإِنْ شَاءَ تَابَعَهُ**» اور اگر چاہے تو ان کو پے در پے یعنی ایک دوسرے کے پیچھے رکھے یعنی مسلسل رکھے «**لِإِطْلَاقِ النَّصِّ**» بوجہ نص کے مطلق ہونے کے، نص کے مطلق کیونکہ نص مطلق ہے، قرآن میں اللہ نے کیا ذکر فرمایا: ﴿فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ بھئی، تو اس کے اندر یہ قید نہیں ہے کہ وہ مسلسل ہونے چاہیے، معلوم ہوا جدا جدا کر کے بھی رکھ سکتا ہے۔ «**لَكِنَّ الْمُسْتَحَبَّ الْمُتَابَعَةُ**» لیکن مستحب جو ہے وہ متابعت ہے یعنی پے در پے ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل رکھنا ہے «**مُسَارَعَةً إِلَى إِسْقَاطِ الْوَاجِبِ**» جلدی کرنے کے لیے واجب کے اسقاط کی طرف، تاکہ واجب کا اسقاط جلدی سے تاکہ واجب جلدی سے جلدی ذمے سے اتر جائے بھئی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ أَخَّرَهُ حَتَّى دَخَلَ رَمَضَانُ آخَرُ صَامَ...

«وَإِنْ أَخَّرَهُ حَتَّى دَخَلَ رَمَضَانُ آخَرُ صَامَ الثَّانِيَ».

اور اگر اس نے مؤخر کیا قضا کو، ایک شخص پر روزوں کی قضا تھی لیکن وہ مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ اگلا رمضان شروع ہو گیا، تو کہتے ہیں بھئی اب اگلے رمضان کے اندر ان روزوں کی قضا نہیں کر سکتا وہ جو پچھلے رمضان کے تھے بلکہ یہ وقت اس رمضان کے روزوں کا ہے تو اس میں اسی رمضان کے روزے رکھے اور قضا کیا کرے اس رمضان کے بعد کر لے بھئی۔

بھئی یہاں یاد رکھیے «حَتَّى دَخَلَ رَمَضَانٌ آخَرُ» پڑھیں گے بھئی: «رَمَضَانٌ»۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ رمضان جو ہے نا رمضان، یہ چونکہ مہینے کا نام ہے، مہینے کا نام، تو لہٰذا ایک تو اس میں سبب آ گیا علمیت والا، علم ہے، اور دوسرا الف نون اس کے آخر میں، الف نون زائدتان آ رہے ہیں، اور دو اسبابِ منع صرف جمع ہو گئے تو یہ غیر منصرف ہوا بھئی۔ تو عام مقامات پر جب پڑھتے ہیں وہاں رمضانَ پڑھتے ہیں، رمضانَ بھئی، یعنی «رَمَضَانَ»، «رَمَضَانٌ» یہ پڑھیں گے، کسرہ بھی نہیں آئے گا اس پر اور تنوین بھی نہیں آئے گی۔ لیکن آپ نے قافیہ وغیرہ میں پڑھا ہے کہ وہ اسبابِ منع صرف جن میں ایک سبب علمیت ہو، جب جہاں دو اسبابِ منع صرف جمع ہو رہے ہیں اور ایک سبب کیا ہے؟ علمیت ہے ان میں سے جیسے یہاں پر ایک سبب تو الف نون زائدتان ہے اور ایک سبب کیا ہے؟ علمیت، تو جہاں پر بھی ایک سبب علمیت ہو اس لفظ کو اگر نکرہ بنا دیا جائے تو علمیت ختم ہو جاتی ہے، اور جب علمیت ختم ہو گئی تو صرف ایک سبب رہ گیا اس میں غیر انصراف کا، اور ایک سبب کی وجہ سے تو کوئی لفظ غیر منصرف نہیں ہوتا، تو یہاں پر بھی علمیت ختم ہو گئی تو یہ منصرف ہو گیا۔ بھئی علمیت کس طرح ختم ہوئی؟ علمیت اس طرح کہ مثلاً زید ایک شخص کا نام تھا، آپ دو کا نام زید رکھتے ہیں، بس اب علمیت ختم، کیونکہ علم تو اس کو کہتے تھے جو ایک معین ذات پر دلالت کرے، جیسے ہی میں زید بولتا تھا وہ جو آپ کا ساتھی جس کا نام زید ہے فوراً آپ کے ذہن میں آ جاتا تھا، لیکن جب دو یا تین یا چار کا نام زید ہے اب جیسے ہی میں اور اکٹھا مثلاً آپ نے رکھا، ساروں کا کیا نام رکھا ہے؟ زید، اب جیسے ہی میں زید کہوں گا تو کوئی ایک ذہن میں آئے گا متعین؟ نہیں، معلوم ہوا اب علمیت نہیں ہے۔ تو جب بھی دو یا زیادہ کا اکٹھا نام ایک چیز کا ہو گیا تو علمیت اس میں سے کیا ہو جاتی ہے؟ ختم ہو جاتی ہے، تو یہاں پر بھی اسی طرح، ایک تو وہ رمضان جو موجود تھا جس کے اس نے روزے قضا کیے ہیں، ایک اگلا رمضان اس کا نام بھی کیا اگلا مہینہ جو آ رہا ہے وہ اگلے سال والا اس کا نام بھی رمضان، تو دو ہو گئے تو علمیت کیا ہو گئی؟ ختم ہو گئی، تو اب یہ کیا بن گیا؟ منصرف بن گیا۔ اسی لیے میں نے «رَمَضَانٌ آخَرُ» پڑھا بھئی، تنوین کے ساتھ پڑھا کیونکہ اب یہ غیر منصرف نہیں ہے۔ اور دلیل بھی ساتھ موجود ہے کہ یہ نکرہ ہو چکا ہے، اور کیا دلیل ہے؟ «آخَرُ» صفت اس کی نکرہ آ رہی ہے بھئی، ورنہ تو «الْآخَرُ» ہونا چاہیے تھا بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو اسی لیے صاحبِ ہدایہ صفت بھی اس کی نکرہ ہی لے کر آئے یہ بتلانے کے لیے کہ اب یہ علم نہیں ہے، جب علم نہیں ہے تو اس میں تو ایک سبب تھا ہی علمیت، وہ ختم ہوا تو صرف الف نون زائدتان رہ گئے، اب یہ غیر منصرف نہیں ہے بھئی۔

یہ معنی ہے «إِنْ أَخَّرَهُ حَتَّى دَخَلَ رَمَضَانٌ آخَرُ صَامَ الثَّانِيَ» اور اگر اس کو اس نے مؤخر کیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان داخل ہو گیا «صَامَ الثَّانِيَ» تو دوسرے رمضان کے روزے رکھے گا «لِأَنَّهُ فِي وَقْتِهِ» اس لیے کیونکہ روزہ دار جو ہے اب اس دوسرے رمضان کے وقت میں ہے تو اس کے روزے رکھے گا «وَقَضَى الْأَوَّلَ بَعْدَهُ» اور قضا کرے پہلے کی اس کے اس رمضان کے بعد «لِأَنَّهُ وَقْتُ الْقَضَاءِ» اس لیے کیونکہ وہ اس کی قضا کا وقت ہے، کب؟ دوسرے رمضان کے بعد جو ہے وہ وہ ہے قضا کا وقت، رمضان کے اندر نہیں قضا کا وقت بھئی۔ «وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِ» اور اس شخص پر فدیہ نہیں ہے، فدیہ نہیں ہے «لِأَنَّ وُجُوبَ الْقَضَاءِ عَلَى التَّرَاخِي» اس لیے کیونکہ ہمارے نزدیک قضا کا جو وجوب آتا ہے وہ علی التراخی ہے بھئی، کس طریقے پر ہے؟ تراخی کے طریقے پر ہے یعنی تاخیر کے ساتھ بھی ادا کر سکتا ہے یعنی قضا کو «حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ يَتَطَوَّعَ» یہاں تک کہ اس کے لیے جائز ہے نفل بھئی، یہاں تک کہ اس کے لیے نفل یعنی نفلی روزہ رکھنا بھی جائز ہے۔ ایک شخص پر قضا واجب ہے اور وہ قضا سے پہلے کیا رکھ لیتا ہے؟ نفلی روزہ، تو ہمارے نزدیک یہ جائز ہے، اس لیے کیونکہ قضا کی ادائیگی فوری اس پر ہے ہی نہیں بلکہ کس طریقے پر ہے؟ تراخی کے طریقے پر ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ جب قضا کرنا چاہے کر سکتا ہے تو اس سے پہلے نفل بھی اس کے لیے جائز ہیں بھئی۔

■ مسئلہ: وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلَى أَ...

«وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا أَوْ وَلَدَيْهِمَا أَفْطَرَتَا وَقَضَتَا دَفْعًا لِلْحَرَجِ، وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِمَا، وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِمَا، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيمَا إِذَا خَافَتَا عَلَى الْوَلَدِ؛ يَعْتَبِرُهُ بِالشَّيْخِ الْفَانِي».

بھئی مسئلہ یہ کہ کوئی عورت حاملہ ہے یعنی پیٹ میں بچہ ہے یا اسی طرح کوئی عورت جو ہے بچے کو دودھ پلانے والی ہے اور اب ان کو اپنی جان کا خوف ہو اروزے کے اندر یا اپنے بچوں کا خوف ہوا تو اس صورت میں یہ روزہ روزہ چھوڑ دیں بھئی، کیا کر دیں؟ روزہ چھوڑ دیں اور اگر روزہ رکھا ہوا ہے تو اس کو توڑ سکتی ہیں بھئی، جبکہ کب؟ اپنی جان کا خوف ہے یا بچے کی جان کا خوف ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا أَوْ وَلَدَيْهِمَا أَفْطَرَتَا» اور حاملہ اور دودھ پلانے والی جب ان دونوں کو خوف ہوا

«عَلَى أَنْفُسِهِمَا» اپنی جان کا «أَوْ وَلَدَيْهِمَا» یا اپنے بچوں کی جان کا «أَفْطَرَتَا» تو دونوں افطار کر لیں «وَقَضَتَا» اور قضا کریں یہ دونوں، یعنی بعد میں کیا کریں گی؟ قضا کریں گی، تو اس وقت افطار کر لیں «دَفْعًا لِلْحَرَجِ» حرج کو دور کرنے کے لیے بھئی، کیونکہ حرج کو تو دور کیا گیا اور یہاں اپنی یا بچوں کی جان کا خطرہ ہے تو روزہ چھوڑ دیں اور یا اگر روزہ ہے، روزے کے اندر اس طرح پیش آیا تو روزہ توڑ دیں۔ «وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِمَا» اور ان پر کفارہ بھی نہیں ہے «لِأَنَّهُ إِفْطَارٌ بِعُذْرٍ» اس لیے کیونکہ یہ روزہ توڑنا کس کی وجہ سے تھا؟ عذر کی وجہ سے تھا «وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِمَا» اور ان پر فدیہ نہیں ہے، صرف کیا کریں گی؟ ان روزوں کی قضا کریں گی۔

تو «وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِمَا» اور ان پر فدیہ نہیں ہے «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيمَا إِذَا خَافَتَا عَلَى الْوَلَدِ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے اس صورت میں کہ جب اس عورت کو خوف ہے اپنے بچے کا «هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالشَّيْخِ الْفَانِي» وہ اس کو قیاس کرتے ہیں شیخِ فانی پر، کس پر؟ شیخِ فانی پر۔

بھئی شیخِ فانی کا مسئلہ آگے آرہا ہے، شیخِ فانی وہ شخص جو بہت بوڑھا ہو گیا، بہت بوڑھا ہو گیا تو اس کو شیخِ فانی کہتے ہیں کہ مرنے یعنی فنا ہونے کے قریب ہے، مرنے ہی والا ہے، بہت بوڑھا ہو گیا قوتیں ساری ختم ہو گئیں، روزہ رکھنے کی اس کے اندر اب طاقت ہی نہیں ہے بھئی، اتنا بوڑھا ہو گیا ہے۔ تو یاد رکھیے شیخِ فانی جو ہے نا شیخِ فانی، وہ چونکہ اب روزہ رکھ نہیں سکتا تو وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا، ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا یا یوں کہیں ہر روزے کا ایک فدیہ دے گا، وہی فدیہ جو صدقۂ فطر میں بیان ہوا تھا کہ ہر روزے کے بدلے کیا کر دے؟ نصف صاع گندم دے دے یا ایک صاع کھجور یا جو میں سے دے دے بھئی ایک صاع بھئی، اور چاہے تو کیا کر دے؟ ان کی قیمت دے دے اور چاہے تو کیا کرے؟ کھانا کھلا دے دو وقت کا، لیکن کھانا دو وقت کا ہونا چاہیے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے بھئی۔

تو یہ شیخِ فانی جو فدیہ ادا کرتا ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھیے جیسے شیخِ فانی جو ہے ہر روزے کے بدلے میں ایک فدیہ ادا کرتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ عورت بھی یہاں پر فدیہ ادا کرے گی، لیکن اس صورت میں جب اپنے بچے کی ہلاکت کے خوف سے اس نے روزہ توڑا ہے یا روزہ چھوڑا ہے، جب اپنی جان کی وجہ سے اس صورت میں وہ فدیہ نہیں، فدیے کے قائل نہیں ہیں بلکہ بچے کی جان کو خطرہ تھا اس لیے روزہ چھوڑ دیا یا روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں وہ فرماتے ہیں فدیہ بھی آئے گا جیسے شیخِ فانی کے اندر فدیہ آیا تھا، تو وہ اس کو قیاس کرتے ہیں اس بچے کو شیخِ فانی پر، اور شیخِ فانی میں تو فدیہ آتا ہے لہٰذا یہاں پر بھی اس عورت پر اب کیا آجائے گا؟ فدیہ آجائے گا۔ بھئی کس طرح وہ قیاس کرتے ہیں اس بچے کو شیخِ فانی پر؟ وہ فرماتے ہیں، توجہ سے سننا بھئی، وہ فرماتے ہیں کہ شیخِ فانی کے مسئلے میں کیا دینا پڑتا ہے؟ فدیہ دینا پڑتا ہے۔ فدیہ کس چیز کا بدل ہے؟ روزے کا بدل ہے، اور یہاں پر بھی جو روزہ چھوڑا گیا ہے وہ کس کی وجہ سے چھوڑا گیا ہے؟ بچے کی وجہ سے چھوڑا گیا ہے، اور بچہ جو ہے وہ شیخِ فانی کی طرح ہے یعنی وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا، تو اس عاجزی کی وجہ سے جیسے شیخِ فانی کے عاجز ہونے کی وجہ سے فدیہ واجب ہوتا ہے ویسے ہی بچے کے عاجز ہونے اور اس کی رعایت کی وجہ سے یہاں بھی فدیہ واجب ہو گا۔

■ مسئلہ: وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا فِي رَمَضَانَ فَخَافَ إِنْ ص...

«وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا فِي رَمَضَانَ فَخَافَ إِنْ صَامَ ازْدَادَ مَرَضُهُ أَفْطَرَ وَقَضَى» «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يُفْطِرُ، وَيَعْتَبِرُ خَوْفَ الْهَلَاكِ أَوْ فَوَاتِ الْعُضْوِ كَمَا يَعْتَبِرُ فِي التَّيَمُّمِ» «وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ زِيَادَةَ الْمَرَضِ وَامْتِدَادَهُ قَدْ تُفْضِي إِلَى الْهَلَاكِ فَيَجِبُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ».

فَصْلٌ۔ اس فصل میں صاحبِ ہدایہ وہ عذر وغیرہ بیان کریں گے جن کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز ہے کہ ان میں سے کوئی عذر آجائے تو کوئی شخص اس وقت روزہ چھوڑ سکتا ہے اور پھر بعد میں اس کی قضا کر لے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا فِي رَمَضَانَ» اور جو شخص بیمار تھا رمضان میں «فَخَافَ إِنْ صَامَ» تو اس کو یہ خوف ہوا کہ اگر اس نے روزہ رکھا «ازْدَادَ مَرَضُهُ» تو اس کا مرض بڑھ جائے گا «أَفْطَرَ» تو وہ افطار کر لے یعنی روزہ چھوڑ دے «وَقَضَى» اور بعد میں اس کی قضا کر لے۔ کوئی شخص بیمار ہے رمضان کے اندر اور مرض بھی ایسا ہے کہ اس کو خوف ہے اگر میں روزہ رکھوں گا تو میرا مرض بڑھ جائے گا بھئی، تو «أَفْطَرَ» وہ کیا کر لے؟ افطار کر لے یعنی روزہ نہ رکھے «وَقَضَى» اور بعد میں اس کی قضا کر لے بھئی۔

■ مسئلہ: ازْدَادَ

«ازْدَادَ» میری کتاب میں ذال کے ساتھ لکھا ہے، یہ درست نہیں ہے بھئی، زا کے ساتھ ہونا چاہیے زا کے ساتھ، «ازْدَادَ»۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُفْطِرُ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، وہ افطار نہیں کرے گا یعنی وہ روزہ نہیں چھوڑ سکتا اسے روزہ رکھنا پڑے

گا۔ «وَيَعْتَبِرُ خَوْفَ الْهَلَاكِ أَوْ فَوَاتِ الْعُضْوِ كَمَا يَعْتَبِرُ فِي التَّيَمُّمِ» وہ اعتبار کرتے ہیں ہلاک ہو جانے کے خوف کا یا کسی عضو کے فوت ہو جانے کے خوف کا۔ یعنی اگر کسی شخص کو یہ خوف ہے کہ اگر میں روزہ رکھوں گا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا زندہ بچوں گا ہی نہیں یا یہ خوف ہے کہ اگر روزہ رکھا تو میرا کوئی عضو ضائع ہو جائے گا بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو اگر یہ خوف ہے تو پھر تو روزہ چھوڑنے کی اس کو اجازت ہے، اگر یہ خوف نہیں تو پھر روزہ چھوڑنے کی اجازت بھی نہیں۔ جبکہ ہمارے نزدیک مرض بڑھنے کا خوف ہو کہ مرض بہت زیادہ ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی روزہ چھوڑ سکتا ہے۔

تو «فَهُوَ يَعْتَبِرُ خَوْفَ الْهَلَاكِ أَوْ فَوَاتِ الْعُضْوِ» تو وہ اعتبار کرتے ہیں ہلاک ہو جانے یا عضو کے فوت ہو جانے کے خوف کا «كَمَا يَعْتَبِرُ فِي التَّيَمُّمِ» جیسے کہ وہ اعتبار کرتے ہیں تیمم میں۔ تیمم کے مسئلے میں بھی آپ نے پڑھا تھا ہمارے نزدیک اگر کوئی شخص بیمار ہے اور اس کو یہ خوف ہے کہ اگر وضو کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو اسے تیمم کرنے کی اجازت ہے، جبکہ ان کے نزدیک جب تک ہلاکت کا یا عضو کے فوت ہو جانے کا خوف نہ ہو اس وقت تک وہ تیمم نہیں کر سکتا۔

■ مسئلہ: وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ زِيَادَةَ الْمَرَضِ وَامْتِدَادَهُ...

«وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ زِيَادَةَ الْمَرَضِ وَامْتِدَادَهُ قَدْ تُفْضِي إِلَى الْهَلَاكِ» ہم کہتے ہیں کہ مرض کا زیادہ ہونا «وَامْتِدَادَهُ» اور اس کا لمبا ہو جانا «قَدْ تُفْضِي إِلَى الْهَلَاكِ» یہ بھی کبھی کبھار ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے «فَيَجِبُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ» تو اس سے بچنا بھی واجب ہے۔ یہ بھی کبھی کبھار کس تک پہنچا دیتا ہے؟ ہلاکت تک، یہ مرض کا بڑھنا اور لمبا ہو جانا، تو لہٰذا یہ خوف جس کو ہو وہ بھی ہمارے نزدیک افطار کر سکتا ہے۔

«وَإِنْ كَانَ مُسَافِرًا لَا يَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ فَصَوْمُهُ أَفْضَلُ، وَإِنْ أَفْطَرَ جَازَ» بھئی یہاں سے مسافر کے بارے میں بیان کر رہے ہیں۔

مسافر اور مریض کے بارے میں اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: «فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ» پس تم میں سے جو کوئی مریض ہو یا سفر ہو تو شمار کرنا ہے چند دوسرے دنوں کا۔ یعنی ان ایام کے علاوہ پھر دوسرے دن میں شمار کر کے اتنے روزے کیا کر لے؟ پورے کر لے جو رمضان میں چھوڑ دیے تھے اس بیماری یا اس سفر کے عذر کی وجہ سے۔ تو معلوم ہوا مسافر اور مریض کو شریعت نے رخصت دے دی ہے کہ وہ روزہ چھوڑنا چاہیں تو رمضان میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں اور بعد میں اس کی قضا کرنا پڑے گی۔

تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں اگر مسافر جو ہے اس کو روزہ رکھنے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، سفر ہلکا پھلکا ہے کوئی مشقت نہیں ہے تو پھر اس صورت میں اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے۔ روزہ چھوڑنا جائز تو ہے اس کے لیے لیکن اس وقت افضل کیا ہے اس کے لیے؟ روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے مسافر سے وہ شرعی مسافر مراد ہے جس نے کتنی مسافت کا ارادہ کیا ہے؟ تین دن کی مسافت کا ارادہ کیا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ مُسَافِرًا لَا يَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ فَصَوْمُهُ أَفْضَلُ» اور اگر مسافر جو ہے اس کو نقصان نہیں ہوتا اس کو تکلیف نہیں ہوتی «بِالصَّوْمِ» روزے کی وجہ سے «فَصَوْمُهُ أَفْضَلُ» تو اس کا روزہ افضل ہے «وَإِنْ أَفْطَرَ جَازَ» اور اگر اس نے افطار کر لیا یعنی روزہ نہ رکھا «جَازَ» تو یہ بھی جائز ہے۔ «لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يَعْرَى عَنِ الْمَشَقَّةِ» اس لیے کیونکہ سفر جو ہے وہ خالی نہیں ہوتا مشقت سے «فَجُعِلَ نَفْسُهُ عُذْرًا» تو اس کی ذات ہی کو عذر قرار دے دیا گیا۔ سفر عموماً مشقت سے خالی نہیں ہوتا تو لہٰذا سفر ہی کو کیا قرار دے دیا گیا؟ عذر قرار دے دیا گیا، تو بس مسافر چاہے تکلیف اور مشقت اس کو ہوتی ہے یا نہیں لیکن سفر میں تو ہوتی چونکہ مشقت ہے تو نفسِ سفر ہی کو کیا قرار دے دیا شریعت نے؟ عذر قرار دے دیا، عذر قرار دے دیا۔ «بِخِلَافِ الْمَرَضِ» تو اس کے نفسِ سفر ہی کو عذر قرار دے دیا۔ سمجھ میں آیا؟ لہٰذا اسی لیے کہا اس کے لیے افطار کرنا جائز ہے لیکن اگر تکلیف نہیں ہے سفر میں، مشقت نہیں ہے تو افضل کیا ہے اس کے لیے؟ روزہ رکھے۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ الْمَرَضِ

«بِخِلَافِ الْمَرَضِ» بخلاف مرض کے۔ یاد رکھیے مرض کے اندر مطلقاً افطار کی اجازت نہیں ہے۔ مرض دو قسم کے ہیں: کچھ وہ مرض ہیں جن میں روزہ فائدہ دیتا ہے مثلاً پیٹ خراب ہے وغیرہ، تو اس کے اندر تو روزہ فائدہ دے گا، اور بعض مرض ایسے ہوتے ہیں جس میں روزہ نقصان دیتا ہے تکلیف دیتا ہے، تو یہاں وہ مرض مراد ہے جس کے اندر تکلیف بڑھے گی مرض بڑھے گا اس میں افطار کی گنجائش ہے کہ روزہ نہ رکھے جبکہ دوسرا مرض اس میں گنجائش نہیں ہے بھئی۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں: «بِخِلَافِ الْمَرَضِ» بخلاف بیماری کے «فَإِنَّهُ قَدْ يَخِفُّ بِالصَّوْمِ» پس بیماری جو ہے وہ تو کبھی کبھار روزے سے ہلکی ہو جاتی ہے، روزے کی وجہ سے فائدہ ہوتا ہے اور بیماری کم ہو جاتی ہے۔ «فَشُرِطَ كَوْنُهُ مُفْضِيًا إِلَى الْحَرَجِ» تو اس میں شرط ہے کہ وہ روزہ جو ہے وہ حرج تک پہنچانے والا ہو۔ وہ مرض ایسا ہو کہ روزہ رکھتا ہے تو وہ کس تک پہنچاتا ہے؟ حرج تک یعنی تنگی اور تکلیف تک پہنچاتا ہے تو پھر یہ مرض عذر ہے اور اس میں وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے بعد میں قضا کر لے، اور اگر مرض ایسا ہے کہ اس کے اندر روزہ حرج تک نہیں پہنچاتا بلکہ فائدہ ہوتا ہے روزہ رکھنے سے تو یہ عذر بھی نہیں ہے اور جب عذر نہیں تو اس میں روزہ چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے بھئی۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: الْفِطْرُ أَفْضَلُ» جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فطر افضل ہے۔ ہمارے نزدیک تو کیا افضل ہے مسافر کے لیے؟ اگر نقصان اور تکلیف نہیں ہے سفر کے اندر مشقت نہیں ہے تو روزہ رکھ لے، یہ افضل ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فطر افضل ہے ہر صورت میں۔ «لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ» کہ نہیں ہے نیکی میں سے روزہ رکھنا سفر میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ سفر کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ صحابہ ایک طرف جمع ہیں اور کسی ایک پر سایہ وغیرہ کیا ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہوا، کیا بات ہے؟ تو بتلایا گیا کہ ایک شخص روزہ دار تھا وہ روزہ دار تھا تو اس پر سایہ وغیرہ کیا، معلوم ہوا کوئی بے ہوش وغیرہ ہو گئے ہوں گے، تو اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ»، سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ تو سفر میں جب مشقت ہو تو پھر روزہ نہیں رکھنا چاہیے بھئی۔

«وَلَنَا أَنَّ رَمَضَانَ أَفْضَلُ الْوَقْتَيْنِ» اور ہاں یہ تو تھی امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل۔ ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ رَمَضَانَ أَفْضَلُ الْوَقْتَيْنِ» کہ رمضان دو وقتوں میں سے افضل ہے۔ دو وقت بھئی: ایک تو یہ وقت ہے جب یہ انسان اس وقت روزہ رکھے گا اور ایک یہ ہے کہ اس وقت روزہ چھوڑ دے گا تو بعد میں اس کی کیا کرے گا؟ قضا۔ تو ایک یہ وقت ہے ایک وہ قضا کا وقت ہے، ان دونوں میں سے افضل کون سا وقت ہے؟ یہ رمضان والا وقت افضل ہے، لہٰذا ہمارے نزدیک اگر تکلیف نہیں ہوتی تو اسی وقت میں روزہ رکھ لے تاکہ کون سا وقت مل جائے اس کو؟ افضل وقت مل جائے روزے کی ادائیگی کا۔ تو یہ معنی ہے کہ ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ رَمَضَانَ أَفْضَلُ الْوَقْتَيْنِ» کہ رمضان جو ہے اس دو وقتوں میں سے افضل ہے «فَكَانَ الْأَدَاءُ فِيهِ أَوْلَى» تو اس کے اندر ادا کرنا بہتر ہو گا۔ «وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْجَهْدِ» اور وہ حدیث جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ محمول ہے مشقت کی حالت پر۔ وہ حدیث کس حالت پر محمول ہے؟ مشقت کی حالت پر، جب سفر میں مشقت ہو تکلیف ہو تو اس وقت تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھنا چاہیے، افضل یہ ہے کہ روزہ نہ رکھے بھئی، روزہ نہ رکھے۔ تو حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

اور یہ یاد رکھیے بھئی، یہ صاحبِ ہدایہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا ذکر کیا لیکن یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب نہیں ہے بھئی، یہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ علی الاطلاق فطر افضل ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی وہی مذہب ہے جو ہمارا مذہب ہے، وہ بھی یہی فرماتے ہیں اگر مشقت نہ ہو تکلیف نہ ہو تو مسافر کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَإِذَا مَاتَ الْمَرِيضُ وَالْمُسَافِرُ وَهُمَا عَ...

«وَإِذَا مَاتَ الْمَرِيضُ وَالْمُسَافِرُ وَهُمَا عَلَى حَالِهِمَا لَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ» اور جس وقت مریض مر جائے اور مسافر، اور جس وقت مریض یا مسافر مر جائے «وَهُمَا عَلَى حَالِهِمَا» اس حال میں کہ وہ دونوں اپنے حال پر تھے یعنی مریض مرض میں تھا اور مسافر سفر میں تھا «لَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ» تو ان پر قضا لازم نہیں۔

بھئی دیکھیے مسافر اور مریض کے بارے میں اللہ نے کیا فرمایا: «فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ»، تو ان کو اجازت دی گئی کہ بیماری کی حالت میں اور سفر کی حالت میں کیا کر سکتے ہیں؟ رمضان کا روزہ چھوڑ کر بعد میں اتنے ہی دن کیا کریں گے؟ روزہ رکھیں گے اس کی قضا کریں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص بیمار تھا اس نے کچھ روزے چھوڑ دیے اور پھر اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا یعنی بعد میں بعد میں اس کو اتنے دن ملے ہی نہیں جس میں وہ کیا کرتا؟ ان روزوں کی قضا کرتا، اور وہ جب دن ملے ہی نہیں اس کو تو پھر اس پر ان روزوں کی قضا بھی لازم نہیں۔ یا اسی طرح مسافر سفر میں تھا اور اسی سفر کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا، بعد میں اس کو کوئی دن ملا ہی نہیں جس میں کیا کر دیتا؟ قضا کر لیتا، تو عند اللہ اس پر قضا لازم نہیں، یعنی عند اللہ اس کا مواخذہ نہیں ہو گا، اس مریض اور مسافر کا مواخذہ عند اللہ نہیں ہے بھئی، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے اور اس کو اگر بعد میں وقت ملتا اور نہ رکھتا پھر تو یہ مجرم تھا لیکن اس کو تو بعد میں مریض تھا تو صحت ہی نہیں ملی اسی بیماری میں مر گیا یا مسافر تھا تو بعد میں قیام کی حالت میں کچھ دن ملے ہی نہیں ہیں اسی سفر میں ہی مر گیا تو لہٰذا ان پر ان کی قضا بھی لازم نہیں بھئی۔ یہ معنی ہے: «لَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ» تو ان پر ان دنوں کی قضا بھی لازم نہیں ہے «لِأَنَّهُمَا لَمْ يُدْرِكَا عِدَّةً مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ» اس لیے کیونکہ انہوں نے نہیں پایا، کس چیز کو نہیں پایا؟ «عِدَّةً مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ» کچھ اور دنوں کے شمار کو۔ کچھ اور دنوں کا شمار ان کو ملا ہی نہیں کہ اس میں یہ قضا کر لیتے!

اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں کہ اگر ان کو کچھ ایام مل گئے لیکن پورے ایام نہ ملے: مریض تھا بیمار تھا، اس بیماری کی حالت میں اس نے مثلاً رمضان کے بیس روزے چھوڑ دیے اور رمضان کے بعد کسی وقت اس کو صحت ہو گئی وہ صحت مند ہو گیا اور صرف مثلاً فرض کریں دس دن صحت مند رہا اور پھر انتقال کر گیا۔ تو لہٰذا اس پر جتنے دن اس کو مل گئے صحت کی حالت میں ان کی قضا اس پر لازم ہو گی۔ دس دن صحت مل گئی تھی اور روزے تو کل کتنے باقی تھے اس کے ذمے؟ بیس تھے، تو یہ دس دن کی قضا اس کے ذمے لازم ہو گی۔ اور یا مسافر اسی طرح تھا سفر میں اس نے بیس روزے چھوڑ دیے تھے اور اس کے بعد جب وہ مقیم ہوا تو مقیم ہونے کے بعد مثلاً دس دن ہی اس

کو ملے اور پھر اس کا انتقال ہو گیا تو اس پر بھی انہی دنوں کی قضا لازم ہے جتنے دن اس کو ملے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

بھئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جتنے دن ان کو ملے اتنے ہی کی قضا ان پر لازم ہے، اس کا کیا معنی؟ اس کا کیا فائدہ؟ ان کا تو انتقال ہو چکا ہے! کہتے ہیں بھئی معنی یہ ہے کہ اتنے دن اگر گزر گئے اور اس میں انہوں نے روزے کی قضا نہیں تو عند اللہ ان کا مواخذہ ہو گا۔ اللہ نے رخصت دی تھی، کس لیے دی تھی رخصت؟ کہ بعد میں ان کی قضا کرنا پڑے گی، اور اتنے دن اس کو مل گئے اور اس نے ان دنوں کی قضا نہیں کی تو عند اللہ اس کا مواخذہ ہو گا۔ لہٰذا اس پر کیا واجب ہے اب؟ مرنے سے پہلے موقع مل جائے تو اس پر وصیت کرنا واجب ہے کہ میرے ذمے دس روزے باقی ہیں، میرے ذمے دس روزے باقی ہیں میری طرف سے ان کا فدیہ دے دینا۔ تو اب روزے تو کل بیس چھوڑے تھے لیکن دس کا تو اس کو وقت ہی نہیں ملا، دس کا وقت ملا ہے تو ان کے بارے میں وصیت کرنا اس پر واجب ہے واجب ہے، اگر وصیت نہیں کرے گا تو عند اللہ اس کا مواخذہ ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ صَحَّ الْمَرِيضُ وَأَقَامَ الْمُسَافِرُ ثُمَّ...

«وَلَوْ صَحَّ الْمَرِيضُ وَأَقَامَ الْمُسَافِرُ ثُمَّ مَاتَا لَزِمَهُمَا الْقَضَاءُ بِقَدْرِ الصِّحَّةِ وَالْإِقَامَةِ» اور اگر تندرست ہو گیا مریض **«وَأَقَامَ الْمُسَافِرُ»** اور مقیم ہو گیا مسافر **«ثُمَّ مَاتَا»** پھر یہ دونوں مر گئے **«لَزِمَهُمَا الْقَضَاءُ»** تو ان دونوں پر قضا لازم ہے، کتنی قضا؟ کہتے ہیں: **«بِقَدْرِ الصِّحَّةِ وَالْإِقَامَةِ»** صحت اور اقامت کے بقدر یعنی جتنے دن صحت کے جتنے دن اقامت میں ملے **«لِوُجُودِ الْإِدْرَاكِ بِهَذَاالْمِقْدَارِ»** بوجہ پالینے اتنی مقدار کو، یعنی اتنی مقدار انہوں نے دنوں کی پالیا تو اتنے روزوں کی قضا بھی ان پر لازم ہو گئی۔

بھئی فائدہ ذکر کر رہے ہیں کہ فائدہ کیا ہے ان کا تو انتقال ہو چکا ہے، ان پر اس مقدار کو لازم کرنے کا؟ کہتے ہیں: **«وَفَائِدَتُهُ وُجُوبُ الْوَصِيَّةِ بِالْإِطْعَامِ»** کہ اس کا فائدہ جو ہے یہ ہے کہ ان پر وصیت کرنا واجب ہے کھانا کھلانے کی، ان پر کھانا کھلانے کی وصیت کرنا واجب ہے یعنی فدیہ فدیہ کرنے کی وصیت کریں بھئی، فدیہ کہ ان کی طرف سے ہر روزے کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟ فدیہ کتنا ہے وہ آگے ذکر آ رہا ہے بھئی۔

«وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ خِلَافًا فِيهِ بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ، وَإِنَّمَا الْخِلَافُ فِي النَّذْرِ» یہاں سے صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے اندر شیخین رحمہما اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے درمیان اختلاف ذکر کیا ہے **«وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ»** اور یہ درست نہیں ہے بھئی، بلکہ اس مسئلے کے اندر ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے بھئی۔ **«وَإِنَّمَا الْخِلَافُ فِي النَّذْرِ»** اور اختلاف صرف کس میں ہے؟ منت میں ہے، منت کے مسئلے میں اختلاف ہے بھئی۔

تو یاد رکھیے منت کے مسئلے میں کہ اگر کوئی شخص منت مانتا ہے مثلاً بیمار ہے اس نے منت مانی کہ اے اللہ اگر میں اس مرض سے تندرست ہو گیا تو میں بیس روزے رکھوں گا بھئی، بیس روزے رکھوں گا، اور پھر وہ تندرست ہوا اور دس دن بعد پھر اس کا اچانک انتقال ہو گیا تو دس دن اس کو صحت کے مل گئے بھئی۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے مسافر اور مریض کو جتنے ایام میسر آتے تھے اسی کی قضا اس پر واجب ہوتی تھی اور وہ اگر نہ کر سکا تو پھر اتنے ہی دنوں کے کفارے کی وصیت اس پر واجب ہو گی، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، اس نے بیس روزوں کی منت مانی تھی اور اس کو صرف دس دن ملے ہیں تو دس دنوں کے روزوں کے فدیے کی وصیت اس پر لازم ہو گی۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہاں جتنے دن بھی مل جائیں یہاں پورے جتنی منت مانی تھی یعنی پورے بیس روزوں ہی کی وصیت اس کے ذمے لازم ہو گی بھئی۔

تو دیکھیے معلوم ہوا شیخین رحمہما اللہ جو ہے وہ فرق کرتے ہیں: ایک ہے مسافر اور مریض اور ایک ہے منت، تو اس کے اندر معلوم ہو وہ فرق کرتے ہیں۔ تو اس کی کیا وجہ ہے وہ بھی آگے بیان کر رہے ہیں: کہتے ہیں: **«وَالْفَرْقُ لَهُمَا أَنَّ النَّذْرَ سَبَبٌ فَيَظْهَرُ الْوُجُوبُ فِي حَقِّ الْخَلَفِ، وَفِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ السَّبَبُ إِدْرَاكُ الْعِدَّةِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا أَدْرَكَ»**.

تو فرق یہ ہے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو مریض اور مسافر پر قضا واجب ہوتی ہے یہ قضا کا سبب اور ایام کو پالینا ہے۔ ان پر قضا کیوں واجب ہوتی ہے؟ اور ایام کو پالینا اس کا سبب ہے، تو یہ اسی قدر دنوں کی قضا آئے گی اس پر واجب ہو گی جتنے دنوں کو وہ پالے۔ تو اب اگر ان پر بیس بیس روزے باقی تھے اور انہوں نے صرف دس دن پائے اور پھر انتقال ہو گیا تو صرف دس دن پائے ہیں تو اسی کے بقدر ان پر قضا بھی واجب ہو گی۔ لیکن منت کے وجوب کا سبب وہ اتنے دنوں کو پالینا نہیں ہے بلکہ منت کے وجوب کا سبب وہ منت ہے، اس منت کی وجہ سے یہ بیس روزے اس پر واجب ہوئے ہیں اور منت تو موجود ہے اور مانع جو ہے وہ دور ہو چکا ہے، مرض دور ہو چکا ہے، تو اب اس پر پورے بیس روزوں ہی کی وصیت لازم ہو گی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ کیونکہ یہاں جو اس پر ادا واجب ہوئی جتنے ایام کو پائے ان کی وجہ سے اس پر ادا واجب نہیں ہو رہی بلکہ یہ ادا کس وجہ سے واجب ہو رہی ہے؟ یہ روزے اس پر کس وجہ سے واجب ہو رہے ہیں؟ منت کی وجہ سے واجب ہو رہے ہیں اور منت تو موجود ہے اور مانع جو تھا جو مرض تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔ جب منت موجود ہے اور مانع ختم ہو گیا تو وجوب سارے کا آئے گا اور کتنی منت مانی تھی اس نے؟ بیس کی، تو وہ ایام جو اس نے پائے ان کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ یہ دیکھا جائے گا منت اس نے کتنے کی مانی تھی اور وہ منت موجود ہے وہ سبب ہے اس کی وجہ سے بیس روزے اس پر واجب ہو رہے

ہیں، بیس ہی روزے واجب ہوئے، جب مانع چلا گیا تو اس پر کتنے روزے واجب ہو گئے؟ بیس روزے واجب ہو گئے بھئی، لہٰذا اب اس نے رکھے نہیں ہیں تو لہٰذا اب خلیفہ کی طرف حکم منتقل ہو جائے گا اور روزے کا خلیفہ کیا ہے؟ فدیہ ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ فدیہ ہے تو لہٰذا اس پر وصیت واجب ہو گی کہ وہ بیس دنوں کے روزوں کے فدیے کی وصیت کرے۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ جتنے دن پائے ہیں اسی کے بقدر وصیت بھی اس پر لازم، جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ جتنے کی منت مانی ہے ان سارے روزوں کی وصیت کرنا لازم ہے کہ ان کا فدیہ دے دیا جائے بھئی۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «وَالْفَرْقُ لَهُمَا» اور فرق جو ہے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک جو ہے وہ یہ ہے «أَنَّ النَّذْرَسَبَبٌ» کہ اس مسئلے میں منت کے مسئلے میں منت جو ہے وہ سبب ہے ان روزوں کا «فَيَظْهَرُ الْوُجُوبُ فِي حَقِّ الْخَلَفِ» تو وجوب ظاہر ہو گا خلیفہ کے حق میں یعنی فدیے کے حق میں بھی وجوب ظاہر ہو گا۔ روزے تو وہ رکھ نہیں سکا، موت کا وقت اچانک موت آ گئی بھئی اور اس کو پتہ لگ گیا اب میں مرنے والا ہوں تو اس پر کیا واجب ہے؟ اگر موقع ملتا ہے اس پر وصیت واجب ہے، تو وجوب تو آیا تھا کتنے روزوں کا اس پر؟ بیس کا، تو یہ وجوب اب خلیفہ کے حق میں بھی اسی طرح ظاہر ہو گا اور کتنے روزوں کی وصیت کتنے روزوں کا فدیے کی وصیت کرنا اس پر لازم ہو گا؟ بیس ہی کی وصیت کرنا لازم ہو گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: «فَيَظْهَرُ الْوُجُوبُ فِي حَقِّ الْخَلَفِ» تو وہ وجوب جس کا سبب کیا تھا؟ منت تھی، وہ وجوب اب ظاہر ہو گا «فِي حَقِّ الْخَلَفِ» کس کے حق میں؟ خلیفہ کے حق میں، اور وہ کیا ہے؟ فدیہ ہے یعنی فدیے کے حق میں، وہ فدیہ اس پر واجب ہو گا یعنی اس کی وصیت کرنا۔

■ مسئلہ: وَفِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ

«وَفِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ» جبکہ اس مسئلے کے اندر یہ مریض اور مسافر کے مسئلے کے اندر «السَّبَبُ إِدْرَاكُ الْعِدَّةِ» قضا کا سبب کیا ہے؟ اس پر مسافر اور مریض نے کچھ روزے چھوڑے ہیں تو ان پر قضا واجب ہو گی لیکن اس قضا کا سبب کیا ہے؟ کب کیوں واجب ہو گی؟ اور دنوں کو پانے کی وجہ سے، اگر اور دنوں کو نہیں پایا اور مرض میں اور سفر میں ان کا انتقال ہوا تو آپ نے کیا پڑھا تھا؟ ان پر قضا لازم ہے یا قضا لازم نہیں؟ یہ تو قضا لازم ہی نہیں ہے، معلوم ہوا یہاں قضا کا سبب کیا ہے؟ اور دنوں کو پالینا، تو جتنے اور دن پائیں گے اتنی ہی قضا لازم ہو گی، اور قضا تو یہ کر نہیں سکا تھا لہٰذا اسی کے بقدر وصیت اس پر لازم ہو گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَفِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ» اور اس مسئلہ کے اندر «السَّبَبُ إِدْرَاكُ الْعِدَّةِ» سبب جو ہے وہ شمار کو پالینا یعنی ان دنوں کے شمار کو پالینا ہے «فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا أَدْرَكَ» تو یہ مقدر ہو گا یعنی مقرر ہو گا اسی کے بقدر جو اس نے پالیا، جتنا اس نے ایام کو پالیا اسی کے بقدر اس پر قضا واجب ہو گی، اور قضا تو اس نے کی نہیں تھی مثلاً دس دن تندرست ہو گیا تھا یا دس دن مقیم ہو گیا تھا لیکن اس نے قضا نہیں کی، جب قضا نہیں کی تو قضا تو لازم تھی اس کے ذمے تو اسی کے بقدر اب وصیت کرنا اس پر واجب ہے بھئی۔

«وَقَضَاءُ رَمَضَانَ إِنْ شَاءَ فَرَّقَهُ، وَإِنْ شَاءَ تَابَعَهُ» یہاں سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص پر رمضان کے کئی روزوں کی قضا ہے بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس نے کئی روزے مثلاً چھوڑ دیے ہیں یا سفر کی وجہ سے، تو کیا بعد میں ان روزوں کی جب قضا کرے گا تو مسلسل روزے رکھنا ضروری ہے یا جدا جدا کر کے بھی رکھ سکتے ہیں؟ تو آپ کو صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے کہ یہ رکھنے والے کی مرضی ہے: چاہے مسلسل سارے روزے رکھ لے قضا کے اور چاہے جدا جدا کر کے رکھے ایک آج رکھ لیا ایک چند دن بعد رکھ لیا ایک پھر چند دن بعد رکھ لیا تو یہ اس کی مرضی ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مسلسل رکھے تاکہ جلدی سے جلدی واجب جو ہے ذمے سے ساقط ہو جائے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَقَضَاءُ رَمَضَانَ إِنْ شَاءَ فَرَّقَهُ، وَإِنْ شَاءَ تَابَعَهُ» اور رمضان کی قضا اگر چاہے تو جدا جدا کرے اس کو یعنی الگ الگ رکھے قضا روزوں کو «وَإِنْ شَاءَ تَابَعَهُ» اور اگر چاہے تو ان کو پے در پے یعنی ایک دوسرے کے پیچھے رکھے یعنی مسلسل رکھے «لِإِطْلَاقِ النَّصِّ» بوجہ نص کے مطلق ہونے کے۔ نص کے مطلق کیونکہ نص مطلق ہے، قرآن میں اللہ نے کیا ذکر فرمایا: «فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ» بھئی، تو اس کے اندر یہ قید نہیں ہے کہ وہ مسلسل ہونے چاہئیں، معلوم ہوا جدا جدا کر کے بھی رکھ سکتا ہے۔ «لَكِنَّ الْمُسْتَحَبَّ الْمُتَابَعَةُ» لیکن مستحب جو ہے وہ متابعت ہے یعنی پے در پے ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل رکھنا ہے «مُسَارَعَةً إِلَى إِسْقَاطِ الْوَاجِبِ» جلدی کرنے کے لیے واجب کے اسقاط کی طرف تاکہ واجب کا اسقاط جلدی سے تاکہ واجب جلدی سے جلدی ذمے سے اتر جائے بھئی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ أَخَّرَهُ حَتَّى دَخَلَ رَمَضَانُ آخَرُ صَا...

«وَإِنْ أَخَّرَهُ حَتَّى دَخَلَ رَمَضَانُ آخَرُ صَامَ الثَّانِيَةَ» اور اگر اس نے مؤخر کیا قضا کو، ایک شخص پر روزوں کی قضا تھی لیکن وہ مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ اگلا رمضان شروع ہو گیا، تو کہتے ہیں بھئی اب اگلے رمضان کے اندر ان روزوں کی قضا نہیں کر سکتا وہ جو پچھلے رمضان کے تھے بلکہ یہ وقت اس رمضان کے روزوں کا ہے تو اس میں اسی رمضان کے روزے رکھے اور قضا کیا کرے؟ اس رمضان کے بعد کر لے بھئی۔

بھئی یہاں یاد رکھیے «حَتَّى دَخَلَ رَمَضَانٌ آخَرُ» پڑھیں گے بھئی، «رَمَضَانٌ»۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ رمضان جو ہے نا رمضان، یہ چونکہ مہینے کا نام ہے، مہینے کا نام، تو لہٰذا ایک تو اس میں سبب آ گیا علمیت والا، علم ہے، اور دوسرا الف نون اس کے آخر میں الف نون زائدتان آ رہے ہیں اور دو اسبابِ منع صرف جمع ہو گئے تو اس یہ غیر منصرف ہوا بھئی۔ تو عام مقامات پر جب پڑھتے ہیں وہاں «رَمَضَانَ» پڑھتے ہیں، «رَمَضَانُ» بھئی، یعنی «رَمَضَانَ»، «رَمَضَانُ» یہ پڑھیں گے۔ کسرہ بھی نہیں آئے گا اس پر اور تنوین بھی نہیں آئے گی۔ لیکن آپ نے کافیہ وغیرہ میں پڑھا ہے کہ وہ اسبابِ منع صرف جن میں ایک سبب علمیت ہو، جب جہاں دو اسبابِ منع صرف جمع ہو رہے ہیں اور ایک سبب کیا ہے؟ علمیت ہے ان میں سے، جیسے یہاں پر ایک سبب تو الف نون زائدتان ہے اور ایک سبب کیا ہے؟ علمیت، تو جہاں پر بھی ایک سبب علمیت ہو اس لفظ کو اگر نکرہ بنا دیا جائے تو علمیت ختم ہو جاتی ہے، اور جب علمیت ختم ہو گئی تو صرف ایک سبب رہ گیا اس میں غیر انصراف کا، اور ایک سبب کی وجہ سے تو کوئی لفظ غیر منصرف نہیں ہوتا، تو یہاں پر بھی علمیت ختم ہو گئی تو یہ منصرف ہو گیا۔ بھئی علمیت کس طرح ختم ہوئی؟ علمیت اس طرح کہ مثلاً زید ایک شخص کا نام تھا، آپ دو کا نام زید رکھتے ہیں، بس اب علمیت ختم! کیونکہ علم تو اس کو کہتے تھے جو ایک معین ذات پر دلالت کرے، جیسے ہی میں زید بولتا تھا وہ جو آپ کا ساتھی جس کا نام زید ہے فوراً آپ کے ذہن میں آ جاتا تھا، لیکن جب دو یا تین یا چار کا نام زید ہے اب جیسے ہی میں اور اکٹھا مثلاً آپ نے رکھا ساروں کا کیا نام رکھا ہے؟ زید، اب جیسے ہی میں زید کہوں گا تو کوئی ایک ذہن میں آئے گا متعین؟ نہیں، معلوم ہوا اب علمیت نہیں ہے۔ تو جب بھی دو یا زیادہ کا اکٹھا نام ایک چیز کا ہو گیا تو علمیت اس میں سے کیا ہو جاتی ہے؟ ختم ہو جاتی ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح: ایک تو وہ رمضان جو موجود تھا جس کے اس نے روزے قضا کیے ہیں، ایک اگلا رمضان، اس کا نام بھی کیا اگلا مہینہ جو آ رہا ہے؟ وہ اگلے سال والا اس کا نام بھی رمضان، تو دو ہو گئے تو علمیت کیا ہو گئی؟ ختم ہو گئی، تو اب یہ کیا بن گیا؟ منصرف بن گیا۔ اسی لیے میں نے «رَمَضَانٌ آخَرُ» پڑھا بھئی، تنوین کے ساتھ پڑھا کیونکہ اب یہ غیر منصرف نہیں ہے۔ اور دلیل بھی ساتھ موجود ہے کہ یہ نکرہ ہو چکا ہے، اور کیا دلیل ہے؟ «آخَرُ» صفت اس کی نکرہ آ رہی ہے بھئی، ورنہ تو «الْآخَرُ» ہونا چاہیے تھا بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو اسی لیے صاحب ہدایہ صفت بھی اس کی نکرہ ہی لے کر آئے یہ بتلانے کے لیے کہ اب یہ علم نہیں ہے، جب علم نہیں ہے تو اس میں تو ایک سبب تھا ہی علمیت وہ ختم ہوا تو صرف الف نون زائدتان رہ گئے اب یہ غیر منصرف نہیں ہے بھئی۔

یہ معنی «إِنْ أَخَّرَهُ حَتَّى دَخَلَ رَمَضَانٌ آخَرُ صَامَ الثَّانِيَةَ» اور اگر اس کو اس نے مؤخر کیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان داخل ہو گیا «صَامَ الثَّانِيَةَ» تو دوسرے رمضان کے روزے رکھے گا «لِأَنَّهُ فِي وَقْتِهِ» اس لیے کیونکہ روزہ دار جو ہے اب اس دوسرے رمضان کے وقت میں ہے تو اس کے روزے رکھے گا «وَقَضَى الْأَوَّلَ بَعْدَهُ» اور قضا کرے پہلے کی اس کے اس رمضان کے بعد «لِأَنَّهُ وَقْتُ الْقَضَاءِ» اس لیے کیونکہ وہ اس کی قضا کا وقت ہے، کب؟ دوسرے رمضان کے بعد جو ہے وہ وہ ہے قضا کا وقت، رمضان کے اندر نہیں قضا کا وقت بھئی۔ «وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِ» اور اس شخص پر فدیہ نہیں ہے، فدیہ نہیں ہے۔ «لِأَنَّ وُجُوبَ الْقَضَاءِ عَلَى التَّرَاخِي» اس لیے کیونکہ ہمارے نزدیک قضا کا جو وجوب آتا ہے وہ علی التراخی ہے بھئی، کس طریقے پر ہے؟ تراخی کے طریقے پر ہے یعنی تاخیر کے ساتھ بھی ادا کر سکتا ہے یعنی قضا کو «حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ يَتَطَوَّعَ» یہاں تک کہ اس کے لیے جائز ہے نفل بھئی، یہاں تک کہ اس کے لیے نفل یعنی نفلی روزہ رکھنا بھی جائز ہے۔ ایک شخص پر قضا واجب ہے اور وہ قضا سے پہلے کیا رکھ لیتا ہے؟ نفلی روزہ، تو ہمارے نزدیک یہ جائز ہے اس لیے کیونکہ قضا کی ادائیگی فوری اس پر ہے ہی نہیں بلکہ کس طریقے پر ہے؟ تراخی کے طریقے پر ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ جب قضا کرنا چاہے کر سکتا ہے تو اس سے پہلے نفل بھی اس کے لیے جائز ہیں بھئی۔

■ مسئلہ: وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلَى أَ...

«وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا أَوْ وَلَدَيْهِمَا أَفْطَرَتَا وَقَضَتَا دَفْعًا لِلْحَرَجِ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِمَا» بھئی مسئلہ یہ کہ کوئی عورت حاملہ ہے یعنی پیٹ میں بچہ ہے، یا اسی طرح کوئی عورت جو ہے بچے کو دودھ پلانے والی ہے، اور اب ان کو اپنی جان کا خوف ہو اروزے کے اندر یا اپنے بچوں کا خوف ہوا تو اس صورت میں یہ روزہ روزہ چھوڑ دیں بھئی، کیا کر دیں؟ روزہ چھوڑ دیں، اور اگر روزہ رکھا ہوا ہے تو اس کو توڑ سکتی ہیں بھئی، جبکہ کب؟ اپنی جان کا خوف ہے یا بچے کی جان کا خوف ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا» اور حاملہ اور دودھ پلانے والی جب ان دونوں کو خوف ہوا «عَلَى أَنْفُسِهِمَا» اپنی جان کا «أَوْ وَلَدَيْهِمَا» یا اپنے بچوں کی جان کا «أَفْطَرَتَا» تو دونوں افطار کر لیں «وَقَضَتَا» اور قضا کریں یہ دونوں، یعنی بعد میں کیا کریں گی؟ قضا کریں گی، تو اس وقت افطار کر لیں «دَفْعًا لِلْحَرَجِ» حرج کو دور کرنے کے لیے بھئی، کیونکہ حرج کو تو دور کیا گیا اور یہاں اپنی یا بچوں کی جان کا خطرہ ہے تو روزہ چھوڑ دیں اور یا اگر روزہ ہے روزے کے اندر اس طرح پیش آیا تو روزہ توڑ دیں۔ «وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِمَا» اور ان پر کفارہ بھی نہیں ہے «لِأَنَّهُ إِفْطَارٌ بِعُذْرٍ» اس لیے کیونکہ یہ روزہ توڑنا کس کی وجہ سے تھا؟ عذر کی وجہ سے تھا، «وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِمَا» اور ان پر فدیہ نہیں ہے، صرف کیا کریں گی؟ ان روزوں کی قضا کریں گی۔ تو «وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِمَا» اور ان پر فدیہ نہیں ہے۔

«خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا إِذَا خَافَتَا عَلَى الْوَلَدِ، وَيَعْتَبِرُهُ بِالشَّيْخِ الْفَانِي» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے اس صورت میں کہ جب وہ اس عورت کو خوف ہے اپنے بچے کا، «هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالشَّيْخِ الْفَانِي» وہ اس کو قیاس کرتے ہیں شیخِ فانی پر۔ کس پر؟ شیخِ فانی پر۔ بھئی شیخِ فانی کا مسئلہ آگے آ رہا

ہے، شیخِ فانی وہ شخص جو بہت بوڑھا ہو گیا، بہت بوڑھا ہو گیا تو اس کو شیخِ فانی کہتے ہیں کہ مرنے یعنی فنا ہونے کے یہ قریب ہے، مرنے ہی والا ہے، بہت بوڑھا ہو گیا، قوتیں ساری ختم ہو گئیں، روزہ رکھنے کی اس کے اندر اب طاقت ہی نہیں ہے بھئی، اتنا بوڑھا ہو گیا ہے۔ تو یاد رکھیے شیخِ فانی جو ہے نا شیخِ فانی، وہ چونکہ اب روزہ رکھ نہیں سکتا تو وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا، ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا یا یوں کہیں ہر روزے کا ایک فدیہ دے گا، وہی فدیہ جو صدقۂ فطر میں بیان ہوا تھا کہ ہر روزے کے بدلے کیا کر دے؟ نصف صاع گندم دے دے یا ایک صاع کھجور یا جو میں سے دے دے بھئی ایک صاع بھئی، اور چاہے تو کیا کر دے؟ ان کی قیمت دے دے، اور چاہے تو کیا کرے؟ کھانا کھلا دے دو وقت کا، لیکن کھانا دو وقت کا ہونا چاہیے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے بھئی۔

تو یہ شیخِ فانی جو فدیہ ادا کرتا ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھیے جیسے شیخِ فانی جو ہے ہر روزے کے بدلے میں ایک فدیہ ادا کرتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ عورت بھی یہاں پر فدیہ ادا کرے گی۔ لیکن اس صورت میں جب اپنے بچے کی ہلاکت کے خوف سے اس نے روزہ توڑا ہے یا روزہ چھوڑا ہے، جب ہاں اپنی جان کی وجہ سے اس صورت میں وہ فدیہ نہیں فدیے کے قائل نہیں ہیں بلکہ بچے کی جان کو خطرہ تھا اس لیے روزہ چھوڑ دیا یا روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں وہ فرماتے ہیں فدیہ بھی آئے گا جیسے شیخِ فانی کے اندر فدیہ آیا تھا، تو وہ اس کو قیاس کرتے ہیں اس بچے کو شیخِ فانی پر، اور شیخِ فانی میں تو فدیہ آتا ہے لہٰذا یہاں پر بھی اس عورت پر اب کیا آجائے گا؟ فدیہ آجائے گا۔

بھئی کس طرح وہ قیاس کرتے ہیں اس بچے کو شیخِ فانی پر؟ وہ فرماتے ہیں، توجہ سے سننا بھئی: وہ فرماتے ہیں کہ شیخِ فانی کے مسئلے میں کیا دینا پڑتا ہے؟ روزے کے بدلے فدیہ، اس لیے کیونکہ شیخِ فانی جو ہے وہ افطار کرتا ہے، روزہ رکھتا ہے یا افطار کرتا ہے؟ افطار کرتا ہے، تو وہ ایسا افطار ہے جس کا نفع اٹھایا گیا جس کا نفع اٹھایا گیا اس ذات کی وجہ سے جس پر روزہ لازم ہی نہیں۔ ایسا افطار جس کا نفع اٹھایا جائے ایسی ذات کی وجہ سے جس پر روزہ لازم نہیں۔ تو دیکھیے شیخِ فانی بھی ایسا شخص ہے جس پر روزہ لازم نہیں، تو دیکھو یہاں افطار کا نفع اٹھایا گیا، افطار کا نفع اٹھایا گیا ایسی ذات کی وجہ سے جس پر روزہ لازم نہیں، اور جب ایسا افطار ہو جو ایسی ذات کی وجہ سے جس پر روزہ لازم نہیں تو اس میں فدیہ دینا پڑتا ہے۔ کیا کرنا پڑتا ہے؟ فدیہ دینا پڑتا ہے۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ کیا ہو؟ افطار کا نفع اٹھایا جائے اور کس کی وجہ سے ہو؟ ایسی ذات کی وجہ سے جس پر روزہ لازم نہیں۔ وہ فرماتے ہیں دیکھو شیخِ فانی ہے اور یہ تو بہت کمزور ہو گیا روزہ تو رکھ ہی نہیں سکتا، تو اس پر روزہ لازم ہی نہیں ہوتا تو شریعت نے اس کو کیا دی ہے؟ افطار کی رخصت دے دی ہے، تو یہ افطار کا نفع اٹھایا گیا اور کس کی وجہ سے؟ ایک ایسی ذات کی وجہ سے جس پر روزہ لازم نہیں، اور تو جب بھی ایسا افطار پایا جائے جو کہ ایسی ذات کی وجہ سے ہے جس پر روزہ لازم نہیں ہے تو اس کے اندر کیا دینا پڑتا ہے؟ فدیہ دینا پڑتا ہے، تو یہاں پر بھی جب اس عورت نے اپنے بچے کے خوف کی وجہ سے افطار کیا ہے تو اس عورت نے افطار کا نفع اٹھایا اور کس کی وجہ سے؟ ایسی ذات کی وجہ سے یعنی اس بچے کی وجہ سے جس پر روزہ لازم نہیں، تو یہ اسی کی طرح ہوا اور وہاں تو فدیہ دینا پڑتا تھا تو یہاں عورت کو بھی کیا دینا پڑے گا؟ فدیہ دینا پڑے گا۔ دلیل ان کی سمجھ میں آئی؟

تو کہتے ہیں: «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا إِذَا خَافَتَا عَلَى الْوَلَدِ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے اس صورت میں کہ جب اس عورت کو خوف ہو اپنے بچے کا «هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالشَّيْخِ الْفَانِي» وہ اس کو قیاس کرتے ہیں شیخِ فانی پر۔

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْفِدْيَةَ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فِي...

«وَلَنَا أَنَّ الْفِدْيَةَ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فِي الشَّيْخِ الْفَانِي» اور ہماری دلیل یہ ہے ہم کہتے ہیں کہ فدیہ جو ہے شیخِ فانی کے اندر وہ خلافِ قیاس ہے، اور جو چیز خلافِ قیاس ہوتی ہے وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے اس پر اور چیزوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ شیخِ فانی کے اندر فدیے کا حکم دیا شریعت نے کہ یہ کیا کرے؟ ہر روزے کے بدلے فدیہ دے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ آگے شیخِ فانی کے مسئلے میں دلیل آرہی ہے بھئی: «وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ» أَيْ: «لَا يُطِيقُونَهُ»، اور وہ لوگ جو روزے کی طاقت نہیں رکھتے تو ان پر فدیہ ہے اور فدیہ کتنا ہے؟ «طَعَامُ مِسْكِينٍ»، ایک مسکین کا کھانا ہے ان کے ذمے بھئی۔ تو ہم کہتے ہیں کہ شیخِ فانی کے مسئلے کے اندر جو فدیہ واجب کیا گیا وہ خلافِ قیاس ہے بھئی، اس لیے کیونکہ ایک شخص ایک چیز کو ادا نہ کر سکے تو اس پر اس کا مثل واجب کیا جاتا ہے، کیا واجب کیا جاتا ہے؟ اس کا مثل واجب کیا جاتا ہے، اور یہاں پر یہ فدیہ یہ تو روزے کا مثل نہیں ہے کسی بھی لحاظ سے، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ خلافِ قیاس، تو یہ فدیے کا وجوب خلافِ قیاس ہوا تو لہٰذا اس پر کسی اور کو اب یہاں قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اور نیز ہم کہتے ہیں: ایک فطر ہے بچے کی وجہ سے اور ایک فطر ہے اس شیخِ فانی کا، یہ دونوں بالکل الگ الگ چیزیں ہیں، یہ دونوں ایک جیسے بھی نہیں ہیں۔ جو شیخِ فانی تھا اس پر وجوب آیا اولاً روزے کا، کس کا وجوب آیا؟ روزے کا وجوب اس پر آیا لیکن چونکہ وہ روزہ رکھنے سے عاجز تھا اس لیے پھر وہ روزہ منتقل ہو گیا کس کی طرف؟ فدیے کی طرف، تو اب ابتداءً روزے کا وجوب اس پر آیا اور پھر یہ روزہ منتقل ہو گیا کس کی طرف؟ فدیے کی طرف منتقل ہوا، جبکہ بچہ جو ہے اس کے اوپر تو سرے سے وجوب ہے ہی نہیں بھئی، تو لہٰذا یہ فطر بھی ایک جیسے نہیں ہیں بھئی، فطر بھی ایک جیسے نہیں ہیں۔ بھئی ایک بچے کے معاملے میں بھی فطر آرہا ہے، ماں کیا کر رہی ہے اس کی؟ یا دودھ پلانے والی کیا کر رہی ہے؟ افطار کر رہی ہے، افطار کر رہی ہے، تو ایک فطر وہ جو بچے کی وجہ سے ہے اور ایک فطر وہ ہے جو شیخِ فانی کر رہا ہے، یہ دونوں بھی ایک جیسے نہیں ہیں اس لیے

کیونکہ شیخ فانی وہاں پر اصل میں کیا آیا تھا اولاً؟ روزوں کا وجوب آیا تھا اور پھر وہ چونکہ عاجز تھا روزے کی ادائیگی سے تو پھر یہ کس کی طرف منتقل ہو گیا؟ فدیے کی طرف منتقل ہو گیا، جبکہ یہاں پر فطر جو آیا ہے بچے کی وجہ سے آیا ہے اور بچے پر تو سرے سے وجوب ہی نہیں ہے بھئی، تو وہاں وجوب تھا یہاں وجوب ہے ہی نہیں تو دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ چیزیں ہوئیں، وہ فطر اور طرح کا ہے یہ فطر اور طرح کا ہے، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

«وَلَنَا أَنَّ الْفِدْيَةَ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فِي الشَّيْخِ الْفَانِي» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ فدیہ جو ہے وہ خلافِ قیاس ہے شیخ فانی کے اندر «وَالْفِطْرُ بِسَبَبِ الْوَلَدِ لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ» اور بچے کی وجہ سے جو فطر ہے وہ اس کے معنی میں نہیں ہے یعنی اس کی طرح نہیں ہے «لِأَنَّهُ عَاجِزٌ بَعْدَ الْوُجُوبِ» اس لیے کیونکہ شیخ فانی تو عاجز ہے وجوب کے بعد، کس کے بعد؟ وجوب کے بعد، اولاً تو اس پر بھی کیا آیا؟ روزے کا وجوب آیا لیکن پھر اس کے بعد وہ عاجز ہے ادا نہیں کر سکتا تو اب فدیے کی طرف منتقل ہو گا «وَالْوَلَدُ لَا وُجُوبَ عَلَيْهِ أَصْلًا» جبکہ بچہ جو ہے اس پر تو سرے سے وجوب ہے ہی نہیں بھئی، تو لہٰذا ایک فطر ہوا بچے کی وجہ سے اور ایک فطر ہوا اس شیخ فانی کا تو ان دونوں میں فرق ہے بھئی، فرق سمجھ میں آ گیا؟

خلاصہ اس مسئلے کا سن لیجیے دوبارہ بھئی: خلاصہ یہ ہوا کہ اگر حاملہ یا مرضعہ جو ہے وہ اپنے بچے کی جان کے خوف کی وجہ سے وہ افطار کر لیتی ہیں روزہ نہیں رکھتیں یا روزہ توڑ دیتی ہیں تو اس صورت میں ہمارے نزدیک اس حاملہ یا مرضعہ پر صرف روزے کی قضا آئے گی، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر قضا بھی آئے گی اور فدیہ بھی آئے گا، وہ اس کو قیاس کرتے ہیں شیخ فانی پر، کس پر؟ شیخ فانی پر قیاس کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں جیسے شیخ فانی نے افطار کا فائدہ اٹھایا، افطار ایک فائدہ ہے نا روزے کے اندر تو مشقت ہے تو افطار کیا ہے؟ فائدہ، تو وہ فرماتے ہیں جیسے شیخ فانی نے افطار کا فائدہ اٹھایا اور یہ فائدہ ایک ایسی ذات کی وجہ سے تھا جس پر روزہ لازم نہیں، شیخ فانی پر تو روزہ لازم نہیں، تو شیخ فانی نے افطار کا فائدہ اٹھایا ایسی ذات کی وجہ سے یعنی اپنی ذات کی وجہ سے جس پر روزہ لازم نہیں، اسی طرح اس عورت نے افطار کا فائدہ اٹھایا ہے ایسی ذات یعنی وہ بچے کی وجہ سے، ایسی ذات کی وجہ سے جس پر روزہ لازم نہیں، تو یہ دونوں افطار ایک جیسے ہوئے، جب ایک جیسے ہوئے تو ایک کو قیاس کیا جائے گا دوسرے پر، اور دوسرا یعنی شیخ فانی کے اندر تو شریعت نے فدیہ دینے کا حکم دیا ہے ہر روزے کے بدلے تو یہاں پر بھی ہر روزے کے بدلے اس عورت کو فدیہ دینا پڑے گا۔ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ شیخ فانی کے بارے میں جو فدیہ ثابت ہے وہ خلافِ قیاس نص سے ثابت ہے، جب وہ خود خلافِ قیاس ہے تو اس پر کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ خلافِ قیاس اس طرح ہے کہ وہاں پر روزے کے بدلے میں فدیہ دینے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ کسی چیز کا جب ضمان آتا ہے تو اس کا مثل آیا کرتا ہے اور یہ فدیہ تو کسی بھی لحاظ سے روزے کا مثل نہیں، یعنی روزے کے بدلے مال آ رہا ہے، روزے اور مال کا تو کوئی تعلق ہی نہیں جڑتا آپس میں، تو یہ جو مال آیا اور کس کے بدلے آیا؟ روزے کے بدلے، یہ خلافِ قیاس ہے اور جو چیز خلافِ قیاس ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے اس پر اور چیزوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس افطار کو اس شیخ فانی والے افطار پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اور نیز ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں افطار ایک جیسے بھی نہیں ہیں بلکہ ایک افطار ہے شیخ فانی کا اور ایک افطار ہے اس عورت کا اپنے بچے کی وجہ سے، دونوں میں فرق ہے۔ تو ایک فطر وہ جو بچے کی وجہ سے ہے اور ایک فطر وہ ہے جو شیخ فانی کی وجہ سے ہے، یہ دونوں ایک جیسے نہیں ہیں تو دونوں فطر الگ الگ ہیں بھئی، لہٰذا اس وجہ سے بھی ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اور الگ الگ اس طرح ہے کہ وہ فطر جو شیخ فانی کی وجہ سے آیا یعنی یوں کہیں کہ یہاں جو فطر جس ذات کی وجہ سے آیا ہے یعنی شیخ فانی، اس پر اولاً روزے کا وجوب آیا تھا لیکن چونکہ وہ روزہ رکھنے سے عاجز تھا اس لیے وہ وجوب روزے کا کس کی طرف منتقل ہو گیا؟ فدیے اور افطار کی طرف منتقل ہو گیا، جبکہ دوسری طرف جو ہے افطار جو آیا ہے وہ بچے کی وجہ سے آیا ہے اور بچہ ایسی ذات ہے جس پر روزہ لازم ہی نہیں، روزہ اس پر واجب ہی نہیں ہے، تو ایک افطار ہے اس ذات کی وجہ سے جس پر اولاً وجوب آیا اور ایک افطار ہے اس ذات کی وجہ سے جس پر سرے سے وجوب ہے ہی نہیں، تو معلوم ہوا یہ دونوں فطر بھی کیا ہیں؟ ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، تو لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بھئی۔

اب شیخ فانی کے بارے میں بتلا رہے ہیں: «وَالشَّيْخُ الْفَانِي الَّذِي لَا يَقْدِرُ عَلَى الصِّيَامِ يُفْطِرُ وَيُطْعِمُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا كَمَا يُطْعَمُ فِي الْكَفَّارَاتِ» اور شیخ فانی جو ہے وہ شخص ہے جو قدرت نہیں رکھتا روزوں کی، «يُفْطِرُ» تو وہ افطار کرے گا یعنی روزے چھوڑ دے گا «وَيُطْعِمُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا» اور کھانا کھلائے گا ہر دن کا ایک مسکین کو «كَمَا يُطْعَمُ فِي الْكَفَّارَاتِ» جیسے کہ کھلایا جاتا ہے کفارات کے اندر۔ «وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾» اور اصل اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: «وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ»، «وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ» أَيْ: «لَا يُطِيقُونَهُ»، اور وہ لوگ جو اس کی روزے کی طاقت نہیں رکھتے تو ان پر فدیہ ہے ان کے ذمے فدیہ ہے اور کتنا ہے؟ «طَعَامُ مِسْكِينٍ» ایک مسکین کا کھانا ہے بھئی، ایک مسکین کا کھانا۔ اور «وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ» أَيْ: «لَا يُطِيقُونَهُ»، یہاں «لَا» مقدر ہے بھئی، اور وہ لوگ جو روزے کی طاقت نہیں رکھتے ان پر فدیہ ہے یعنی ایک مسکین کا کھانا بھئی۔ تو یہاں اب یہاں «يُطِيقُونَهُ» آیا اور مراد کیا ہے؟ «لَا يُطِيقُونَهُ»، اور کلامِ عرب میں ایسا ہوتا رہتا ہے کہ حرفِ نفی کو فعل سے حذف کر لیا جاتا ہے یعنی صرف لفظوں میں حذف کر لیا جاتا ہے مراد ہوتا ہے، ارادہ اس کا ہوتا ہے لیکن صرف لفظوں سے کیا کر لیا جاتا ہے؟ حرفِ نفی کو حذف کر لیا جاتا ہے اور یہ کلامِ عرب میں عام استعمال اس طرح ہوتا رہتا ہے۔ اسی لیے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «قِيلَ مَعْنَاهُ لَا يُطِيقُونَهُ» کہ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی جو ہے «لَا يُطِيقُونَهُ» ہے یعنی یہاں پر «لَا» مقدر ہے بھئی «لَا» مقدر ہے۔ اور نیز صاحبِ ہدایہ نے «قِيلَ» کے ذریعے ذکر کیا، کہا گیا ہے کہ اس «يُطِيقُونَهُ» کا معنی ہے «لَا يُطِيقُونَهُ»۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اس لیے کیونکہ اس آیت کی اور بھی تفاسیر ذکر

کی گئی ہیں بھئی، اور بعضوں نے کہا کہ یہ ابتدائے اسلام میں حکم تھا اور «يُطِيقُونَهُ» سے «يُطِيقُونَهُ» ہی مراد ہے، وہ لوگ جو طاقت رکھتے ہیں روزے کی وہ کیا کر سکتے ہیں؟ فدیہ دے سکتے ہیں ایک مسکین کا کھانا، تو ابتدائے اسلام میں اختیار تھا کہ چاہے فدیہ دیں اور چاہے روزہ رکھیں بھئی، تو بعض نے یہ تفسیر کی ہے اور بعضوں نے کہا «يُطِيقُونَهُ» کس معنی میں ہے؟ «لَا يُطِيقُونَهُ» کے معنی میں ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ قَدَرَ عَلَى الصَّوْمِ يَبْطُلُ حُكْمُ الْف...

«وَلَوْ قَدَرَ عَلَى الصَّوْمِ يَبْطُلُ حُكْمُ الْفِدَاءِ» اور اگر یہ شخص جو ہے یہ جو شیخِ فانی ہے روزے پر قادر ہو گیا بعد میں، فدیہ وغیرہ دے دیا بعد میں پھر اللہ نے اس کو قوت دے دی اور یہ شخص روزہ رکھنے پر قدرت اس کو حاصل ہو گئی تو فدیے کا حکم باطل ہو جائے گا۔ یعنی وہ جو فدیہ اس نے اب تک ادا کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا، اب اس کے ذمے قضا لازم ہو جائے گی کیونکہ اب روزے پر قادر ہے تو قضا کرنا پڑیں گے جتنے روزے چھوڑے تھے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور وہ فدیہ؟ ہاں اس کا ثواب اس کو الگ ملے گا، وہ ویسے نفلی صدقہ اس کی طرف سے ہو جائے گا۔ تو یہ معنی «وَلَوْ قَدَرَ عَلَى الصَّوْمِ» اور اگر یہ روزے پر قادر ہو گیا تو «يَبْطُلُ حُكْمُ الْفِدَاءِ» تو فدیے کا حکم باطل ہو جائے گا «لِأَنَّ شَرْطَ الْخَلِيفَةِ اسْتِمْرَارُ الْعَجْزِ» اس لیے کیونکہ خلیفہ کی شرط جو ہے وہ عجز کا استمرار ہے۔ بھئی روزے کا خلیفہ کیا ہے شیخِ فانی کے لیے؟ فدیہ ہے، اور یہ فدیے کے لیے شرط ہے «اسْتِمْرَارُ الْعَجْزِ» کہ عاجزی مستمراً یعنی مسلسل رہے، عاجزی کیا ہے؟ عاجزی مسلسل رہنی چاہیے اس کو یہ پھر روزے پر اس کی قدرت ہو ہی نہ، اور یہاں پر تو وہ قادر ہو گیا تو استمرارِ عجز پایا گیا؟ نہیں، استمرارِ عجز تو شرط تھا فدیہ کے لیے تو جب استمرارِ عجز نہیں تو فدیہ بھی نہیں بلکہ کیا کرنا پڑے گی اب روزوں کی؟ باقاعدہ قضا کرنا پڑے گی بھئی۔

«وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَأَوْصَى بِهِ أَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْشَعِيرٍ» بھئی یاد رکھیے، اگر کسی کا انتقال ہوتا ہے اور اس کے ذمے کچھ قضا روزے رمضان کے باقی ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ وصیت کرے کہ میری مجھ پر اتنے روزوں کی قضا باقی ہے، میری میری طرف سے ان روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ اور پھر اس کے بعد اس کے جو ولی ہے وہ اس کی طرف سے ان روزوں کا فدیہ ادا کر دے گا اس کے مال میں سے، مرنے والے کے مال میں سے وہ فدیہ ادا کر دے گا۔ اور یہ فدیہ یاد رکھیے وصیت کی طرح ہے بھئی، وصیت کی طرح، جیسے وصیت جو ہے وہ صرف مال کے تیسرے حصے تک نافذ ہوتی ہے بھئی، سارے میں نافذ نہیں، باقی دو حصے کس کے ہوتے ہیں؟ ورثاء کے۔ بھئی مالِ وراثت میں آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ کسی شخص کا جب انتقال ہوتا ہے سب سے پہلے اس کے مال میں سے اس کے کفن دفن کا بندوبست کیا جاتا ہے، تو کفن دفن کا سارا بندوبست ہو گیا، اس کے بعد پھر جو اس پر قرضے کوئی ہوں تو وہ قرضے ادا کیے جائیں گے چاہے سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے، پھر تیسرا نمبر وصیت کا ہے اور وصیت اب جو مال باقی بچا ہوا ہے کفن دفن بھی ہو چکا قرضے بھی ادا ہو چکے اب جو مال بچا ہوا ہے اس کے تیسرے حصے میں وصیت نافذ ہو گی اس سے زیادہ میں نہیں، باقی دو حصے وارثوں کے ہیں، کس کے ہیں؟ وارثوں کے ہیں۔ ہاں اگر وارث اجازت دے دیتے ہیں پھر چاہے تیسرے سے زیادہ کے اندر یا سارے مال میں بھی وصیت نافذ کی جا سکتی ہے لیکن ان کی اجازت کے بغیر صرف تیسرے حصے تک ہی وصیت نافذ ہو گی بھئی۔ تو یہاں پر بھی اب اگر کوئی شخص اس کے ذمے روزے باقی ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وصیت کر کے جائے اور یہ وصیت کتنے کے اندر نافذ ہو گی؟ تیسرے حصے کے اندر بھئی، یہ تیسرے حصے کے اندر نافذ ہو گی۔ اور وصیت اس نے کی ہے تو وارثوں پر لازم ہے کہ اس کی طرف سے یہ فدیہ ادا کریں تیسرے حصے تک، اگر اس نے وصیت کی ہے۔ اگر اس نے وصیت نہیں کی تو وارثوں پر لازم نہیں، ہاں اگر دے دیں تو اچھی بات ہے بھئی تاکہ سمجھ میں آیا، دے دیں تو اچھی بات ہے لیکن ان پر لازم نہیں ہے کہنے کا مطلب یہ ہے، بات سمجھ میں آ گئی۔

تو اب یہی مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ «وَمَنْ مَاتَ» اور جس شخص کا انتقال ہو گیا «وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ» اور اس پر رمضان کی قضا باقی تھی «فَأَوْصَى بِهِ» تو اس نے اس کی وصیت کی «أَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهُ» تو اس مرنے والے کا جو ولی ہے وہ کھلائے گا اس مرنے والے کی طرف سے «لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا» ہر روز ایک مسکین کو «نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْشَعِيرٍ» نصف صاع گندم میں سے یا ایک صاع تمر یا جو میں سے بھئی۔ میں نے بتلایا تھا کہ روزے کا فدیہ وہی ہے جو صدقۂ فطر میں آپ پڑھ چکے ہیں بھئی، جو صدقۂ فطر ہے وہی ہے بھئی۔ تو اب اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ کیوں بھئی روزے اس کے ذمے باقی تھے تو پھر اب اس کی طرف سے فدیہ کیوں دیا جائے گا روزے کے بدلے؟ مال کیوں دیا جائے گا؟ کھانا کیوں کھلایا جائے گا؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ عَجَزَ عَنِ الْأَدَاءِ فِي آخِرِ عُمُرِهِ فَصَارَ كَالشَّيْخِ الْفَانِي»، اس لیے کیونکہ یہ شخص جو مرنے والا تھا یہ عاجز آ گیا ان اس اس قضا کو ادا کرنے سے عاجز آ گیا «فِي آخِرِعُمُرِهِ» اپنے عمر کے آخر میں «فَصَارَ كَالشَّيْخِ الْفَانِي» تو یہ بھی کس کی طرح ہو گیا؟ شیخِ فانی کی طرح، وہ شخص جو بہت بوڑھا ہو چکا ہے مرنے کے قریب ہے اس کی طرح ہو گیا، اور شیخِ فانی کو تو شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ ہر روزے کے بدلے فدیہ دے بھئی، تو لہٰذا یہ بھی اسی کی طرح ہوا تو اس کا بھی وہی حکم ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ لَابُدَّ مِنَ الْإِيصَاءِ عِنْدَنَا خِلَافٌ...

«ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْإِيصَاءِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» میں نے آپ کو بتلادیا ہمارے نزدیک وصیت کرنا ضروری ہے پھر ہی وارثوں پر لازم ہو گا ویسے وارثوں پر لازم نہیں۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں: «ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْإِيصَاءِ عِنْدَنَا» پھر ضروری ہے وصیت کرنا ہمارے نزدیک «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں نہیں، وصیت کرنا ضروری نہیں، جب وارثوں کو پتہ ہے اس کے ذمے اتنے روزے باقی ہیں تو ان پر لازم ہے وہ کیا کریں؟ ان روزوں کا فدیہ دیں اس کی طرف سے۔

«وَعَلَى هَذَاالزَّكَاةُ» اور اسی اختلاف پر زکوٰۃ بھی ہے یعنی اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک اگر کسی کے ذمے زکوٰۃ باقی تھی تو اس نے اگر وصیت کی ہے تو وارثوں پر لازم ہے وہ زکوٰۃ ادا کرنا اور اگر اس نے وصیت نہیں کی تو وارثوں پر لازم بھی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَعَلَى هَذَاالزَّكَاةُ» اور اسی اختلاف پر زکوٰۃ بھی ہے، «هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِدُيُونِ الْعِبَادِ» امام شافعی رحمہ اللہ جو ہے اس اس کو قیاس کرتے ہیں «بِدُيُونِ الْعِبَادِ» بندوں کے قرضوں پر، کس پر؟ بندوں کے جو قرضے ہیں ان پر قیاس کرتے ہیں۔ کس کو؟ یہ جو اس کے ذمے فدیہ ہے یا اس کے ذمے جو زکوٰۃ ہے تو اس کو بندوں کے قرضے پر قیاس کرتے ہیں «إِذْ كُلُّ ذَلِكَ حَقٌّ مَالِيٌّ يَجْرِي فِيهِ النِّيَابَةُ» اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک مالی حق ہے، مال والا حق ہے جس میں کیا ہے؟ مال ہے، جیسے بندوں کا قرضہ وہ بھی کیا ہے؟ مال، یہاں پر روزے کا فدیہ بھی کیا ہے؟ مال ہے، اور زکوٰۃ میں بھی کیا دینا ہے؟ وہ مال ہے، تو یہ سب مالی حقوق ہیں «يَجْرِي فِيهِ النِّيَابَةُ» جن کے اندر نیابت یعنی نائب ہونا جاری ہوتا ہے، جن میں نائب ہونا جاری ہوتا ہے۔ بھئی دیکھیے ایک شخص پر قرضے ہیں وہ ادا نہیں کر سکا زندگی میں تو کیا مرنے کے بعد اس کے وارثوں پر وہ قرضے ادا کرنا ضروری ہیں یا ضروری نہیں؟ وہ تو ضروری ہیں بھئی، وہ تو ادا کرتے ہیں بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وہ حتیٰ کہ چاہے اس کے اندر سارا مال ہی اس کا کیوں نہ ختم ہو جائے، پہلا پہلی چیز کیا ہے؟ کفن دفن، اس کے بعد کیا ہے؟ قرضوں کا ادا کرنا ہے، تو جیسے قرضوں کے اندر نیابت یعنی نائب ہونا جاری ہوتا ہے وہ جو ولی ہوتا ہے وہ میت کا نائب ہو کر اس کی طرف سے وہ قرضے ادا کرتا ہے تو اسی طرح زکوٰۃ اور فدیہ جو ہیں وہ بھی مالی حقوق ہیں تو ان کے اندر بھی نیابت جاری ہو گی اور وہ ولی اس کا نائب ہو کر اس کی طرف سے ان کو ادا کرے گا، چاہے وصیت کی ہو چاہے وصیت نہ کی ہو، جیسے قرضوں میں چاہے وصیت کی ہے چاہے نہیں کی وہ تو نائب ہو گا اور اس کو ادا کرنے پڑیں گے، یہاں بھی اسی طرح ہو گا۔

تو یہ معنیٰ ہے «هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِدُيُونِ الْعِبَادِ» تو امام شافعی رحمہ اللہ اس کو قیاس کرتے ہیں بندوں کے دیون پر «إِذْ كُلُّ ذَلِكَ حَقٌّ مَالِيٌّ يَجْرِي فِيهِ النِّيَابَةُ» اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک جو ہے وہ ایسا مالی حق ہے «يَجْرِي فِيهِ النِّيَابَةُ» جس میں نائب ہونا جاری ہوتا ہے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے، ہمارے نزدیک کیا ضروری تھا؟ وصیت، وصیت کی ہے تو وارثوں پر لازم ہے وصیت نہیں کی تو لازم نہیں۔ تو ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّهُ عِبَادَةٌ وَلَا بُدَّ فِيهِ مِنَ الِاخْتِيَارِ» کہ یہ جو زکوٰۃ ہے اور یہ جو فدیہ ہے ان میں سے ہر ایک عبادت ہے «وَلَا بُدَّ فِيهِ مِنَ الِاخْتِيَارِ» اور اس کے اندر اختیار کا ہونا ضروری ہے۔ عبادت تو وہی ہے جو اپنے اختیار سے انسان کرتا ہے، بغیر اختیار کے تو عبادت نہیں، اختیار ہو گا اختیار یعنی باقاعدہ اس میں ارادہ کرے، ارادہ کرے گا تو عبادت ہو گی، یہ نیت اور ارادہ نہیں تو عبادت بھی نہیں، اور نیت اختیار کے ساتھ ہے یا نہیں بھئی؟ جب نیت کر رہا ہے کیا کر رہا ہے؟ نیت کر رہا ہے تو گویا اپنے اختیار کے ساتھ عبادت کو ادا کر رہا ہے، تو عبادت میں اختیار یعنی نیت کا ہونا ضروری ہے۔ تو ہمارے نزدیک ان میں سے ہر ایک عبادت ہے «وَلَا بُدَّ فِيهِ مِنَ الِاخْتِيَارِ» اور اس کے اندر جو ہے ضروری ہے اختیار کا ہونا «وَذَلِكَ فِي الْإِيصَاءِ دُونَ الْوِرَاثَةِ» اور یہ وصیت کرنے کی صورت میں تو ہے وراثت کی صورت میں نہیں۔ یہ اختیار، وصیت کرے گا تو گویا وہ اپنے اختیار سے کیا کر رہا ہے؟ عبادت کو ادا کر رہا ہے، اور وصیت نہیں کی صرف کہا جائے کہ بطورِ وراثت کے جو اس کے وارث ہیں ان کو کیا کرنا پڑے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، وراثت وراثت تو ایک جبری چیز ہے اور یہ چیزیں ہیں عبادت، عبادت اور ان میں اختیار ضروری جبکہ وراثت میں اختیار نہیں چلتا، وراثت جبری چیز ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک شخص کہتا ہے جیسے آپ آج کل پڑھتے رہتے ہیں: میں اپنے فلاں بیٹے کو جائیداد سے عاق کرتا ہوں۔ نہیں بھئی، تم کون ہو عاق کرنے والے! اللہ نے اس کو تمہارا وارث بنایا ہے، وہ جتنا مرضی نافرمان ہو کچھ ہو مال اس کو ملنا ہی ملنا ہے ہر حال میں۔ سمجھ میں آیا؟ تو اگرچہ وہ ملکی قانون کے ذریعے اس بیچارے کو مال سے محروم تو کر دیتا ہے لیکن اپنے لیے مرنے والا جو ہے وہ اپنے لیے جہنم کی آگ تیار کر لیتا ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ عاق کرنا شرعاً درست نہیں ہے اور نہ وہ شرعاً عاق ہوتا ہے بھئی۔ تو دیکھیے اس نے عاق کیا پھر بھی شرعاً وہ مالک بن رہا ہے مرنے کے بعد مال کا، معلوم ہوا وراثت میں اختیار نہیں چلتا وہ جبری چیز ہے، وہ وارث بنے گا ہر حال میں۔ یا اسی طرح وارث کہتا ہے: میں نے یہ میں اس مال کا وارث نہیں میں نہیں لیتا، میں اس مال کا وارث نہیں، نہیں بھئی تم کون ہوتے انکار کرنے والے! تمہیں اللہ نے اس مال کا مالک بنایا ہے اب تم ہی اس کے مالک ہو۔ چنانچہ اگر وہ مال وصول نہیں کرتا قاضی جبراً وہ مال اٹھوا کر اس کے گھر پھینکوا سکتا ہے، اس کے گھر پہنچا سکتا ہے، قاضی اس کے گھر پہنچا دے پھر آگے وہ اس کو چاہے فقراء میں بانٹ دے یا جو بھی کرے وہ اس کی مرضی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو معلوم ہوا وراثت کیا ہے؟ جبری، اور یہ جو فدیہ اور زکوٰۃ یہ کیا ہیں؟ یہ عبادت ہیں ان میں کیا ضروری؟ اختیار، تو وراثت تو جبری چیز ہے لہٰذا اختیار کے لیے ضروری ہے اب وہ کیا کرے؟ وصیت کرے تاکہ پتہ چلے کہ یہ اپنے اختیار

سے کیا کر رہا ہے؟ اس عبادت کو کر رہا ہے، کون؟ وہ مرنے والا مرنے والا۔

یہ معنی کہ اس میں اختیار ضروری ہے «وَذَلِكَ فِي الْإِيصَاءِ» اور اختیار تو وصیت کرنے کی صورت میں ہے «دُونَ الْوِرَاثَةِ» نہ کہ وراثت کی صورت میں «لِأَنَّهَا جَبْرِيَّةٌ» اس لیے کیونکہ وراثت تو جبری ہے «ثُمَّ هُوَ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً حَتَّى يُعْتَبَرَ مِنَ الثُّلُثِ»۔

یہ آگے آپ کو بتلا رہے ہیں وہ جو میں نے آپ کو بتلایا کہ ہمارے نزدیک یہ جو فدیہ ہے یا زکوٰۃ ہے اس کی جب اس شخص نے وصیت کر دی تو وارثوں پر لازم ہے کہ وہ اس کی طرف سے ادا کریں لیکن کتنے مال میں سے؟ ثلثِ مال میں سے، ثلثِ مال میں سے۔ بھئی اس کی کیا وجہ؟ یہ ثلثِ مال میں کیوں جاری ہوتی ہے؟ پورے میں کیوں نہیں جاری ہوتی؟ کہتے ہیں بھئی اس لیے کیونکہ یہ ابتداءً تبرع ہے۔ ابتداءً کیا ہے؟ تبرع، «ثُمَّ هُوَ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً» ابتداءً یہ تبرع ہے۔ تبرع اس کو کہتے ہیں ایک چیز آپ پر لازم نہیں ہے آپ اپنی طرف سے اس کو دے رہے ہیں، مثلاً فقیر کو آپ صدقہ دیتے ہیں ویسے ہی خیرات وغیرہ دیتے ہیں، یہ آپ پر لازم تھی خیرات؟ لازم نہیں تھی، اپنی طرف سے دے رہے ہیں اس کو کہتے ہیں تبرع۔ جیسے نفل ہیں، نفل آپ نفلی روزہ رکھتے ہیں یہ روزہ آپ پر کوئی لازم تھا؟ نہیں، تو یہ کیا ہے؟ تبرع ہے، یہ کیا ہے؟ تو جو چیز لازم نہ ہو اس کو ادا کرنا یہ تبرع کہلاتا ہے بھئی، یہ ہے تبرع بھئی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ یہ وصیت کرنا یہ جو ہے ابتداءً تبرع ہے، ابتداءً تبرع ہے، اس لیے کیونکہ اب یہ شخص مر گیا بھئی، جب یہ شخص مر گیا تو دنیا کے افعال جو اس پر تھے وہ ساقط ہو گئے، اس کے دنیا کے افعال جو اس پر تھے ساقط ہو گئے، اور روزہ اور روزے کی قضا یہ کس میں سے ہے؟ دنیا کے افعال میں سے، تو جب یہ مر گیا تو یہ افعال اس سے کیا ہو گئے؟ ساقط ہو گئے، تو لہٰذا جب ساقط ہو گئے، جب قضا وغیرہ اس پر سے ساقط ہو گئے تو وہ اس پر فدیہ وغیرہ بھی نہیں، اس پر تو معلوم ہوا یہ جو فدیہ وغیرہ دیا جائے گا مرنے کے بعد جب اس نے وصیت کی ہے یہ ابتداءً کیا ہے؟ تبرع ہے کیونکہ وہ چیزیں عمل اس پر سے کیا ہو چکے؟ وہ تو ساقط ہو چکے، یہ تو مر چکا ہے یہ تو مکلف ہی نہیں رہا اب کسی چیز کا بھئی! جب مکلف نہیں رہا وہ وہ چیزیں اس پر سے ساقط ہو گئیں تو لہٰذا یہ وصیت کرنا یہ بھی ابتداءً تبرع ہو گا۔ ہاں دنیا یہ دنیا کے اعتبار سے تبرع ہے، آخرت کے اعتبار سے یہ پھر جو فدیہ دیا جائے گا یہ اس واجب کے قائم مقام ہو جائے گا یعنی اس روزے کے قائم مقام ہو جائے گا، تو دنیاوی اعتبار سے یعنی یوں کہیں ابتداءً یہ تبرع ہے اور انتہاءً اس واجب کے قائم مقام ہے۔ ابتداءً کیا ہے؟ تبرع ہے کیونکہ اب وہ مکلف نہ رہا، اور انتہاءً کیا ہو گا؟ اس واجب کے قائم مقام ہو گا، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

یہ معنی «ثُمَّ هُوَ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً حَتَّى يُعْتَبَرَ مِنَ الثُّلُثِ» پھر یہ وصیت کرنا تبرع ہے باعتبار ابتداء کے «حَتَّى يُعْتَبَرَ مِنَ الثُّلُثِ» یہاں یہاں تک کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا ثلثِ مال میں سے، تہائی مال میں سے۔ یہ ابتداءً تبرع ہے اسی لیے تیسرے مال کے تیسرے حصے تک یہ وصیت جاری ہو گی۔ ابتداءً کیا ہے؟ وصیت میں بھی کیا کرتے ہیں، انسان مرنے لگا ہے وہ کہتا ہے میرے سارا مال مدرسے کو دے دینا یا میرا سارا مال زید کو دے دینا تو یہ کیا کر رہا ہے؟ یہ تبرع ہے یا نہیں؟ تو یہ تبرع ہے، تو جیسے یہ تبرع ہے جو اس نے وصیت کی سارے مال کی اور تبرع جو ہے وہ کتنے حصے تک جاری ہوتا ہے مرنے کے بعد؟ ثلثِ مال میں جاری ہوتا ہے باقی کس کا حق ہے؟ وارثوں کا حق ہے، تو یہاں پر بھی جو فدیہ اور زکوٰۃ کی اس نے وصیت کی ہے یہ ابتداءً تبرع ہے جب تبرع ہے تو پھر کتنے مال تک جاری ہو گی؟ ثلثِ مال تک صرف تیسرے حصے تک۔ اب وجہ سمجھ میں آ گئی بھئی؟

یہ معنی «ثُمَّ هُوَ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً حَتَّى يُعْتَبَرَ مِنَ الثُّلُثِ» پھر یہ وصیت کرنا تبرع ہے باعتبار ابتداء کے یہاں تک کہ اعتبار کیا جائے گا اس کے ثلثِ مال میں سے۔

■ مسئلہ: وَالصَّلَاةُ كَالصَّوْمِ بِاسْتِحْسَانِ الْمَشَايِخِ

«وَالصَّلَاةُ كَالصَّوْمِ بِاسْتِحْسَانِ الْمَشَايِخِ» اور نماز جو ہے وہ روزے کی طرح ہے مشائخ کے یعنی فقہاء کے استحسان کی وجہ سے یعنی استحساناً فقہاء نے نماز کو بھی روزے کی طرح قرار دیا ہے اور روزے کے اندر جو ہے وہ فدیہ فدیے کی وصیت کر جائے تو وہ اس واجب کے قائم مقام ہو جائے گا تو اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمے نمازیں ہوں تو اس پر بھی واجب ہے کہ وہ کیا کر دے؟ وصیت کر دے تو اس کی طرف سے ہر نماز کے بدلے جو ہے وہ ایک ایک فدیہ دے دیا جائے گا یعنی ایک نصف صاع گندم یا ایک صاع جو۔ تو کہا کہ نماز جو ہے روزے کی طرح ہے فقہاء کے استحسان کی وجہ سے، اس لیے کیونکہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ نماز کے اندر مال کافی نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے زندگی کے اندر، زندگی کے اندر نماز کے بدلے فدیہ کوئی نہیں دے سکتا بلکہ ہر حال میں کیا کرنا پڑے گی؟ نماز کی قضا کرنا پڑے گی جس قدر طاقت ہو اسی کے بقدر: کھڑے ہو کر، نہیں تو نہیں کھڑا ہو سکتا تو بیٹھ کر، بیٹھ کر نہیں ہو سکتا تو لیٹ کر، جس طرح بھی ہو نماز کے اندر نماز ہی کی صورت میں اس کی قضا کرنا پڑے گی مال کی صورت میں اس کی قضا نہیں کر سکتا۔ تو جب زندگی کے اندر نماز کے اندر مال کو ادا نہیں کر سکتا تو اسی طرح مرنے کے بعد بھی مال کو نماز کے بارے نماز کے سلسلے میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تقاضا ہے کس کا؟ قیاس کا، تو قیاس یہ تقاضا کرتا ہے جیسے زندگی میں نماز کے بدلے میں مال ادا نہیں کیا جا سکتا اسی طرح مرنے کے بعد بھی نماز کے بدلے میں مال ادا نہیں کیا جا سکتا لیکن استحساناً مشائخ فرماتے ہیں فقہاء فرماتے ہیں کہ اس شخص کو وصیت کر دینی چاہیے اور وجہ اس کی یہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ جیسے نماز بدنی عبادت ہے اسی طرح روزہ بھی بدنی عبادت ہے یعنی اس کا تعلق مال سے نہیں ہے بدن سے ہے، نماز میں کیا کرنا پڑتا ہے کوئی مال خرچ کرنا پڑتا ہے یا افعال کرنے پڑتے ہیں بدن کے ذریعے؟ بدن کے ذریعے کچھ افعال کرنا پڑتے ہیں، اسی طرح روزے میں بھی کوئی مال نہیں خرچ کرنا پڑتا بلکہ یہ بدن کا ایک عمل ہے کہ کھانے پینے سے رکا رہے، تو دونوں

بدنی عبادتیں ہیں تو جب ایک بدنی عبادت کے اندر فدیے کا وجوب آرہا ہے تو نماز بھی اسی کی طرح ہے لہٰذا اس میں بھی کیا کر دے؟ وصیت کر دے، امید ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے۔

یہ معنی «وَالصَّلَاةُ كَالصَّوْمِ بِاسْتِحْسَانِ الْمَشَايِخِ» اور نماز بھی روزے کی طرح ہے فقہاء کے استحسان کی وجہ سے «وَكُلُّ صَلَاةٍ تُعْتَبَرُ بِصَوْمِ يَوْمٍ هُوَالصَّحِيحُ» اور ہر نماز جو ہے اس کو قیاس کیا جائے گا ایک دن کے روزے پر، «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ سارے دن کی نمازیں وہ ایک روزے کی طرح ہیں لہٰذا دن میں پانچ فرض ہیں اور ایک وتر ہے وہ واجب ہیں تو ان چھ نمازوں کا صدقہ ایک روزے کے برابر ہے اور ایک روزے میں جو دیا جاتا تھا ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے تو ان چھ نمازوں میں بھی کیا کیا جائے گا؟ ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا یعنی ایک فدیہ ہو گا۔ لیکن صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلادیا کہ صحیح قول یہ ہے کہ سارے دن کی نمازیں ایک روزے کی طرح نہیں ہیں بلکہ ہر نماز کیا ہے؟ ایک روزے کی طرح ہے کیونکہ ہر نماز ایک الگ عبادت ہے جیسے پورا روزہ ایک عبادت ہے، اور ایک دن میں کتنی نمازیں ہیں؟ پانچ نمازیں بھی اور ایک وتر بھی کیونکہ وتر بھی واجب ہیں تو گویا ایک دن کی نمازوں کا کے میں چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا اس کی وصیت وہ کرے۔

یہ معنی ہے «وَكُلُّ صَلَاةٍ تُعْتَبَرُ بِصَوْمِ يَوْمٍ» اور ہر نماز جو ہے اس کو قیاس کیا جائے گا ایک دن کے روزے پر «هُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے۔

■ مسئلہ: وَلَا يَصُومُ عَنْهُ الْوَلِيُّ وَلَا يُصَلِّي

«وَلَا يَصُومُ عَنْهُ الْوَلِيُّ وَلَايُصَلِّي» اور روزہ نہیں رکھ سکتا مرنے والے کی طرف سے اس کا ولی «وَلَا يُصَلِّي» اور نہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ ولی یہ نہیں کر سکتا اس کے ذمے روزے باقی ہیں تو وہ اس کی طرف سے ولی روزے رکھنا شروع کر دے، نہیں بھئی یہ اس کی طرف سے نہیں ہو سکتے، اور یا اس کے ذمے نمازیں باقی ہیں تو ولی اس کی طرف سے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں یہ بھی نہیں، اس سے وہ ادا نہیں ہوں گے بھئی۔ یہ معنی «وَلَا يَصُومُ عَنْهُ الْوَلِيُّ وَلَايُصَلِّي» اور روزہ نہیں رکھ سکتا اس مرنے والے کی طرف سے اس کا ولی «وَلَا يُصَلِّي» اور نہ نماز پڑھ سکتا ہے، «لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ» حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھ سکتا کوئی ایک بھی کسی ایک کی طرف سے بھی اور اسی طرح کسی کی طرف سے بھی کوئی دوسرا نماز نہیں پڑھ سکتا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو نماز جس پر واجب ہے وہی پڑھے گا تو اس کے ذمے سے ساقط ہو گی، کوئی دوسرا پڑھے تو اس کے ذمے سے ساقط نہیں ہو گی۔ ہاں یہ کر سکتا ہے: نفلی روزہ رکھتا ہے یا نوافل پڑھتا ہے ولی، اس کا ثواب اس کو بخش سکتا ہے بھئی، کیا کر سکتا ہے؟ ہاں لیکن اس کے ذمے اگر قضا روزے باقی ہیں یا قضا نمازیں باقی تھیں مرنے والے کی طرف سے، ان کی جگہ وہ قضا روزے یا قضا نمازیں وہ نہیں ادا کر سکتا یہ بھئی۔

چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲۴: مسئلہ: وَمَنْ دَخَلَ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ أَوْ فِي...

ہدایہ صفحہ: ۲۴۱ — بتاریخ: ۱۶ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَمَنْ دَخَلَ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ أَوْ فِي صَوْمِ التَّطَوُّعِ ثُمَّ أَفْسَدَهُ قَضَاهُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، لَهُ أَنَّهُ تَبَرَّعَ بِالْمُؤَدَّى فَلَا يَلْزَمُهُ مَا لَمْ يَتَبَرَّعْ بِهِ». [1]

بھئی یہ وہی مسئلہ ہے جو پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ ہمارے نزدیک نفل جب تک شروع نہیں کیے وہ نفل ہیں، لیکن جب ایک دفعہ شروع کر دیے چاہے نفلی نماز ہے چاہے نفلی روزہ ہے، جب ایک دفعہ شروع کر دیے تو یہ واجب ہو گئے۔ لہٰذا اب ان کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر ان کو درمیان میں کسی وجہ سے توڑنا پڑا تو پھر ان کی قضا کرنا پڑے گی بھئی۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، یہ نفل ہیں تو یہ نفل ہی رہیں گے، یہ واجب نہیں ہوتے شروع کرنے سے بھی، جب واجب نہیں ہوتے تو ان کی قضا بھی لازم نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں «**وَمَنْ دَخَلَ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ أَوْ فِي صَوْمِ التَّطَوُّعِ ثُمَّ أَفْسَدَهُ قَضَاهُ**» اور جو شخص داخل ہوا نفلی نماز میں یعنی جس نے نفلی نماز شروع کی «**أَوْ فِي صَوْمِ التَّطَوُّعِ**» یا نفلی روزے کے اندر «**ثُمَّ أَفْسَدَهُ**» پھر اس کو فاسد کر دیا «**قَضَاهُ**» تو اس کی قضا کرے گا «**خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ**» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ «**لَهُ**» امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے «**أَنَّهُ تَبَرَّعَ بِالْمُؤَدَّى فَلَا يَلْزَمُهُ مَا لَمْ يَتَبَرَّعْ بِهِ**»۔

■ اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دیکھیے ایک ش

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دیکھیے ایک شخص اگر نفل شروع کرتا ہے اور درمیان میں توڑ دیتا ہے، بلکہ پہلے پوری پورے کی صورت بنالیں۔ ایک شخص نفل شروع کرتا ہے اور اختتام تک پہنچا دیتا ہے تو کیا کہیں گے؟ اس نے نفل پڑھے ہیں یا اس نے واجب ادا کیا ہے؟ اس نے نفل پڑھے ہیں۔ تو جب پورا بھی کر دے تو وہ نفل ہی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح اگر درمیان میں کچھ حصہ ابھی ادا کیا ہے تو جو حصہ گزر چکا وہ کیا ہے؟ وہ نفل ہی ہے۔ جب وہ حصہ نفل ہے وہ اس پر واجب نہیں تو جو حصہ ابھی اس نے ادا ہی نہیں کیا جس کا اس نے تبرع ہی نہیں کیا وہ تو بطریق اولیٰ اس پر لازم نہیں۔

تو تبرع کا معنی ہوتا ہے اپنی طرف سے کوئی چیز دینا۔ تبرع کا کیا معنی؟ اپنی طرف سے کوئی چیز دینا جو کسی شخص پر لازم نہ ہو، مثلاً آپ فقیر کو صدقہ یا خیرات وغیرہ دیتے ہیں تو دیکھیے یہ آپ اپنی طرف سے دے رہے ہیں، آپ پر لازم نہیں تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تبرع کہتے ہیں۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفل درمیان میں اگر کوئی نفلوں کو فاسد بھی کرتا ہے تو جو حصہ اس نے ادا کر دیا ہے وہ کیا ہے؟ وہ تو نفل ہے، جو حصہ درمیان میں نفل فاسد کیے ہیں نا، تو جو حصہ اب تک ادا کر چکا تھا وہ کیا تھے؟ وہ نفل تھے، تو جو حصہ ابھی اس نے ادا ہی نہیں کیا یعنی دوبارہ بلکہ یوں کہیں، جو حصہ اس نے ادا کر دیا ہے اس میں یہ متبرع تھا، تو جس حصے کا اس نے ابھی تبرع بھی نہیں کیا، جس کو ابھی اس نے ادا بھی نہیں کیا وہ اس پر کیسے لازم ہو سکتا ہے؟ وہ تو بطریق اولیٰ اس پر لازم نہیں۔ جب جو حصہ ادا کیا ہے وہ کیا ہے؟ تبرع۔ تو جس حصے کا تبرع بھی ابھی نہیں کیا وہ اس پر کیسے لازم قرار دیا جا سکتا ہے؟ دلیل سمجھ میں آ رہی ہے؟ جو حصہ ادا کیا وہ بھی اس پر واجب نہیں تھا، وہ بھی کیا تھا؟ وہ تبرع تھا، تو جب وہ تبرع ہے جس کو وہ ادا کر چکا ہے، تو جو حصہ ابھی اس نے ادا کیا ہی نہیں، جس کا اس نے ابھی تبرع بھی نہیں کیا وہ اس پر کیسے لازم قرار دیا جا سکتا ہے؟ لہٰذا وہ بھی اس پر لازم نہیں ہے بھئی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی؟

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۷۰): «**ولنا**»۔ • شاملہ (ص ۱۷۰) میں «**مَا لَمْ**» کے بجائے «**مالم**» درج ہے۔

یہ معنی ہے «لَهُ» ان کی دلیل یہ ہے «أَنَّهُ تَبَرَّعَ بِالْمُؤَدَّى» کہ اس نفل پڑھنے والے نے تبرع کیا ہے ادا کیے ہوئے حصے کے اندر یعنی وہ نفل ہے جو ادا کر چکا ہے حصہ «فَلَا يَلْزَمُهُ مَا لَمْ يَتَبَرَّعْ بِهِ» تو اس پر لازم بھی نہیں ہو گا وہ حصہ جس کا اس نے ابھی تبرع بھی نہیں کیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے، ہم کہتے ہیں کہ جو حصہ یہ ادا کر چکا ہے نفل کا مثلاً ادھی رکعت پڑھی ہے رکوع کے بعد پہنچا ہے اور یہاں آکر وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ نفل کو فاسد کرنا چاہتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو حصہ ادا کر چکا ہے وہ عبادت ہے یا عبادت نہیں؟ یقینی بات ہے وہ کیا ہے؟ عبادت ہے اور ایک عمل ہے اور قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ تم لوگ اپنے عملوں کو باطل نہ کرو اور یہ جو حصہ ادا کر چکا ہے وہ بھی کیا تھا؟ ایک عمل ہے، معلوم ہوا اس کو بھی باطل نہیں کیا جائے گا اور اس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری ہے اور اس کو باطل ہونے سے بچانے کی کیا صورت ہے؟ کہ اس پر عمل کو جاری رکھا جائے اور اختتام تک پہنچا دیا جائے۔ اگر اختتام تک پہنچا دیں گے تو نفل پورے ہو جائیں گے اور وہ بچ جائے گا، اگر اختتام تک نہیں پہنچائیں گے تو یہ تو آپ نے اپنے عمل کو کیا کر دیا؟ درمیان میں ہی باطل کر دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں؟ ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ تم اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔ معلوم ہوا جو شخص نفل کو درمیان میں فاسد کرتا ہے حالانکہ اس شخص پر تو اس پر عمل کو جاری رکھنا واجب تھا کیونکہ قرآن میں آگیا، تو اس پر تو کیا ضروری تھا؟ اس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری تھا اور باطل ہونے سے بچانے کی کیا صورت تھی؟ کہ انسان اس پر عمل کرتا چلا جائے کہاں تک؟ اختتام تک پہنچا دے۔ تو معلوم ہوا اس پر عمل کو جاری رکھنا اور اس پر چلتے رہنا یہ اس شخص پر واجب ہوا اور جو اس کو چھوڑ دے گا درمیان میں فاسد کر دیتا ہے تو اس پر تو عمل کو جاری رکھنا واجب تھا، اس نے واجب کو کیا کر دیا؟ چھوڑ دیا اور واجب کو چھوڑ دیا جائے تو اس کی وجہ سے کیا آتی ہے؟ قضا آتی ہے لہٰذا اس کو بھی کیا کرنا پڑے گی؟ اب اس کی قضا کرنا پڑے گی۔

تو یہ معنی ہے «وَلَنَا أَنَّ الْمُؤَدَّى قُرْبَةٌ وَعَمَلٌ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ جو ادا کر دیا گیا جو حصہ وہ قربت ہے یعنی عبادت ہے «وَعَمَلٌ» اور عمل ہے «فَتَجِبُ صِيَانَتُهُ بِالْمُضِيِّ عَنِ الْإِبْطَالِ» پس واجب ہے اس کو بچانا «عَنِ الْإِبْطَالِ» کس چیز سے؟ باطل ہونے سے، تو اس کو باطل کرنے سے بچانا ضروری ہوا «بِالْمُضِيِّ» مضی کا معنی جاری رہنا، چلتے رہنا، تو اس کو باطل کرنے سے بچانا واجب ہوا «بِالْمُضِيِّ» اس پر چلنے کے ذریعے کہ اس پر چلا جائے اس پر جاری رہا جائے، معلوم ہوا اس پر چلنا واجب ہوا۔ «وَإِذَا وَجَبَ الْمُضِيُّ وَجَبَ الْقَضَاءُ بِتَرْكِهِ» اور جب اس پر چلنا واجب ہوا اس پر جاری رہنا واجب ہوا «وَجَبَ الْقَضَاءُ» تو قضا بھی واجب ہو گی «بِتَرْكِهِ» اس مضی کو چھوڑنے سے۔ یہ مضی یعنی اس پر چلتے رہنا اس پر واجب ہے اور جب اس چلتے رہنے کو وہ چھوڑ دے گا تو اس پر قضا واجب ہو گی کیونکہ چلتے رہنا اس پر واجب تھا اور اس نے واجب کو چھوڑ دیا اور واجب کو چھوڑنے سے کیا واجب ہوتی ہے؟ قضا واجب ہوتی ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ والد صاحب رحمہ اللہ اس کی عجیب مثال سے وضاحت فرمایا کرتے تھے بھئی کہ یہ نفل شروع کرنے کے بعد لازم کیوں ہو جاتے ہیں، کیوں ہو جاتے ہیں۔ وہ فرماتے دیکھیے مثلاً دو دوست ہیں، دو ساتھی ہیں زید اور عمرو۔ تو زید عمرو کو چائے پلاتا ہے بطور دوستی اور محبت کے اور چائے لا کر دیتا ہے عمرو کو اور عمرو اس میں سے جب ایک دو گھونٹ چائے پی لیتا ہے تو زید اس سے چائے واپس لے لیتا ہے کہ لاؤ بھئی میری چائے واپس دے دو مجھے۔ تو اب دیکھیے بھئی وہ عمرو اس بات پر ناراض ہو گا اور سارے لوگ بھی اس کو برا کہیں گے زید کو برا کہیں گے کہ اس نے بڑا غلط کام کیا۔ یا تو یہ چائے اس کو پلاتا نہ اور اگر پلا دی تھی تو پھر درمیان میں واپس نہ لیتا۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے، نفل نہیں ادا کرنا تھا تو ادا نہ کرتا، اب شروع کر دیے ہیں تو درمیان میں باطل نہ کرے ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی۔

■ مسئلہ: ثُمَّ عِنْدَنَا لَا يُبَاحُ الْإِفْطَارُ فِيهِ بِغَيْرِ عُذْرٍ...

«ثُمَّ عِنْدَنَا لَا يُبَاحُ الْإِفْطَارُ فِيهِ بِغَيْرِ عُذْرٍ فِي إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ لِمَا بَيَّنَّا»۔ اب بھئی نفل جو ہیں نفل، ان میں عذر کے بغیر کیا نفلی روزے کے اندر افطار کرنا جائز ہے یا جائز نہیں بغیر عذر کے؟ تو اس میں صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ دو روایتیں ہیں اس بارے میں کہ نفل کو بغیر عذر کے نفلی روزے کو بغیر عذر کے افطار کرنا جائز ہے یا جائز نہیں، دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ کہ افطار کرنا بغیر عذر کے بھی جائز ہے کیونکہ نفل ہیں البتہ یہ بعد میں کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی، جبکہ دوسری روایت کہتے ہیں یہ ہے جو ہم نے بیان کر دی کہ بغیر عذر کے افطار جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ اس پر چلتے رہنا واجب ہے، اس پر چلتے رہنا واجب ہے، اختتام تک پہنچانا واجب ہے، معلوم ہوا بغیر عذر کے توڑ نہیں سکتے اس کو، توڑ نہیں سکتے بھئی۔

تو کہتے ہیں «ثُمَّ عِنْدَنَا لَا يُبَاحُ الْإِفْطَارُ فِيهِ بِغَيْرِ عُذْرٍ فِي إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ لِمَا بَيَّنَّا» پھر ہمارے نزدیک مباح نہیں ہے افطار کرنا اس میں بغیر کسی عذر کے، دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق «لِمَا بَيَّنَّا» اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی کہ اس پر چلتے رہنا اس پر واجب ہو چکا ہے۔ «وَيُبَاحُ بِعُذْرٍ» اور عذر کی وجہ سے افطار کرنا مباح ہے جائز ہے۔ «وَالضِّيَافَةُ عُذْرٌ» اور باقی دعوت جو ہے وہ عذر ہے بھئی۔ کوئی شخص کسی کو دعوت پر دعوت دے کھانے کی تو یہ عذر ہے۔ لہٰذا علماء فرماتے ہیں بھئی اگر کوئی شخص کسی کو کھانے کی دعوت دے اور اس کا نفلی روزہ ہے تو اگر اس کو علم ہے کہ اگر میں کھانا نہیں کھاؤں گا تو یہ شخص اس کی دل شکنی

ہو گی تو اس کو چاہیے کہ روزہ وہ نفلی روزہ توڑ دے اور پھر بعد میں کسی دن کیا کر لے اس کی؟ قضا کر لے۔

تو یہی ذکر کر رہے ہیں کہتے ہیں «وَالضِّيَافَةُ عُذْرٌ» اور دعوت جو ہے وہ عذر ہے «لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: «أَفْطِرْ وَاقْضِ يَوْمًا مَكَانَهُ»۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعوت پر موجود تھے، آپ نے دیکھا کہ صحابہ میں سے ایک جو ہیں وہ کھا پی نہیں رہے، وہ شخص کہنے لگا کہ میرا روزہ ہے، تو حضور علیہ السلام ان سے فرمانے لگے کہ «أَفْطِرْ» روزہ کیا کرو؟ توڑ دو «وَاقْضِ يَوْمًا مَكَانَهُ» اور قضا کر لو ایک دن اس کی جگہ پر، یعنی ایک دن پھر اس کی جگہ اس کی قضا کر لینا بھئی۔

■ مسئلہ: وَإِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ أَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ...

«وَإِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ أَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ فِي رَمَضَانَ أَمْسَكَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا»۔ بھئی یاد رکھیے کہ کوئی شخص ہو جس میں ابتدائے دن کے اندر روزے کی اہلیت نہ ہو یعنی اس پر روزے کا وجوب نہیں آیا اولِ دن میں اس میں اہلیت نہیں تھی یا کوئی مانع موجود تھا، تو باقی دن کے اندر جب اس میں اہلیت آ جائے یا وہ مانع چلا جائے تو اب اس شخص پر واجب ہے کہ وہ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کرے۔ رمضان کے اندر اس پر کیا واجب ہے؟ بھئی اولِ دن میں تو اس پر اہلیت نہیں تھی یا کوئی مانع وغیرہ موجود تھا تو وہ روزہ تو نہیں رکھ سکا، روزہ تو وہ نہیں رکھ سکا اور درمیان میں اب اہلیت پیدا ہو گئی، اب تو روزہ رکھا نہیں جا سکتا کیونکہ روزہ تو صبح صادق سے ہوتا ہے درمیانِ دن سے نہیں ہوتا، تو روزہ تو نہیں رکھ سکتا لیکن کم از کم پھر کیا کر لے؟ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کر لے اس وقت کے حق کو ادا کرنے کے لیے کیونکہ یہ رمضان کا وقت ہے، نہایت عظمت والا وقت ہے تو اس وقت کا حق ادا کرنے کے لیے وہ روزہ تو نہیں رکھ سکا لیکن کم از کم کیا کرے اب؟ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کر لے گا یعنی کھانے پینے وغیرہ چیزوں سے اب شام تک یہ رکا رہے گا اور یہ اس پر واجب ہے بھئی، یہ اس پر واجب ہے بھئی۔

تو یہی مسئلہ ذکر کر رہے ہیں «وَإِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ أَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ فِي رَمَضَانَ» اور جب بالغ ہو جائے کوئی بچہ یا مسلمان ہو جائے کافر رمضان میں، مثلاً کس وقت بالغ ہوا یا کس وقت مسلمان ہوا؟ دن کے وقت، «أَمْسَكَا» تو یہ دونوں رکے رہیں گے «بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا» اپنا باقی دن بھئی، باقی دن یہ کھانے پینے سے رکے رہیں گے یعنی امساک کریں گے «قَضَاءً لِحَقِّ الْوَقْتِ» وقت کے حق کو ادا کرنے کے لیے کیونکہ یہ بڑی عظمت والا وقت ہے، تو یہ وقت کے حق کو ادا کرنے کے لیے «بِالتَّشَبُّهِ» مشابہت کے ذریعے یعنی روزہ داروں کی مشابہت اختیار کریں گے۔

«وَلَوْ أَفْطَرَا فِيهِ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا»۔ بھئی اگر یہ دونوں مشابہت اختیار نہیں کرتے اور کھاتے پیتے وغیرہ ہیں تو پھر کیا ان پر قضا آئے گی؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، قضا پھر بھی ان پر نہیں آئے گی اگرچہ انہوں نے گناہ والا کام کیا لیکن قضا نہیں آئے گی، اس لیے کیونکہ قضا آتی ہے روزے کی اور روزہ تو ان پر واجب ہی نہیں تھا کیونکہ اولِ نہار میں یعنی دن کے پہلے حصے میں ان میں روزے کی اہلیت ہی نہیں تھی بھئی۔

یہ معنی ہے «وَلَوْ أَفْطَرَا فِيهِ» اور اگر ان دونوں نے افطار کر لیا اس دن کے اندر «لَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا» تو ان پر قضا نہیں ہے «لِأَنَّ الصَّوْمَ غَيْرُ وَاجِبٍ فِيهِ» اس لیے کیونکہ روزہ جو ہے ان پر اس دن کے اندر واجب نہیں تھا بلکہ صرف روزہ داروں کی مشابہت لازم تھی روزہ واجب نہیں تھا اور جب روزہ واجب نہیں تھا تو پھر قضا بھی نہیں آئے گی کیونکہ قضا تو روزے کی آتی ہے۔

■ مسئلہ: وَصَامَا مَا بَعْدَهُ

«وَصَامَا مَا بَعْدَهُ» اور یہ دونوں روزہ رکھیں گے اس کے بعد، یعنی اس دن تو یہ روزہ نہیں رکھ سکتے کیونکہ اولِ نہار میں ان میں اہلیت نہیں تھی، لیکن بعد والے دنوں میں یہ کیا کریں گے؟ رمضان کے باقی دنوں میں یہ روزہ رکھیں گے «لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ وَالْأَهْلِيَّةِ» سبب اور اہلیت پائے جانے کی وجہ سے، کیونکہ اب سبب بھی پایا جا رہا ہے اور وہ شہودِ شہرِ رمضان ہے اور نیز اہلیت بھی ان میں پیدا ہو چکی ہے۔ پہلے تو نابالغ تھا اب کیا ہو چکا؟ بالغ اور پہلے تو غیر مسلم تھا اب کیا ہو چکا؟ مسلمان ہو چکا۔

«وَلَمْ يَقْضِيَا يَوْمَهُمَا» اور دونوں قضا نہیں کریں گے اپنے اس دن کی، بھئی سوال پیدا ہوتا ہے پیچھے بھی آیا تھا «لَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا» تو یاد رکھیے وہ تو آیا تھا کہ اگر یہ دونوں کیا کر لیں؟ اس دن کھا پی لیں تو پھر ان پر قضا نہیں ہے۔ اب ویسے بتلا رہے ہیں اگر یہ مشابہت اختیار کر لیتے ہیں یعنی کچھ نہیں کھاتے پیتے تو کیا پھر بعد میں اس روزے کی قضا کریں گے؟ کیونکہ روزہ تو اس دن کا نہیں ہوا، بے شک انہوں نے مشابہت اختیار کر لی لیکن روزہ تو نہیں ہوا تو کیا بعد میں اس دن کی قضا کریں گے دونوں؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، قضا نہیں کریں گے، اس لیے کیونکہ اولِ نہار کے اندر ان کے اندر اہلیت ہی نہیں تھی لہٰذا اس دن کے روزے کا وجوب ان پر آیا ہی نہیں ہے، جب وجوب نہیں آیا تو ان پر قضا بھی نہیں۔

یہ معنی ہے «وَلَمْ يَقْضِيَا يَوْمَهُمَا» اور یہ دونوں قضا نہیں کریں گے اپنے دن کی «وَلَا مَا مَضَى» اور نہ ان دنوں کی جو گزر چکے ہیں۔ یعنی بچہ جس دن بالغ ہوا ہے اس سے گزشتہ ایام جو رمضان کے گزر چکے ہیں ان کی وہ قضا نہیں اس کے ذمہ، ہاں اگلے روزے وہ رکھنا پڑیں گے اس کو۔ اسی طرح درمیان میں کوئی مسلمان ہوا

ہے تو جو دن گزر چکے ہیں ان دنوں کی بھی قضا اس کے ذمہ نہیں ہے۔ یہ معنی ہے «وَلَا مَا مَضَى» اور نہ ان دنوں کی جو گزر چکے ہیں «لِعَدَمِ الْخِطَابِ» اس لیے کیونکہ خطاب معدوم ہے یعنی اللہ کی طرف سے خطاب ان کی طرف متوجہ نہیں ہے کہ تم لوگ روزے رکھو، یہ خطاب بچے کی طرف اور کافر کی طرف متوجہ نہیں۔ ہاں اب کافر مسلمان ہو گیا یا بچہ بالغ ہو گیا اب خطاب ان کی طرف متوجہ ہے تو اگلے ایام کے روزے رکھیں گے لیکن ان ایام میں چونکہ خطاب ان کی طرف متوجہ نہیں تھا لہٰذا ان کی قضا بھی ان پر لازم نہیں۔

■ مسئلہ: وَهَذَا بِخِلَافِ الصَّلَاةِ

«وَهَذَا بِخِلَافِ الصَّلَاةِ» یہاں سے بتلا رہے ہیں یہ تو روزے کے مسئلے میں ضروری ہے کہ اولِ نہار سے اگر اہلیت ہے تو روزہ واجب ہو گا، اگر اولِ نہار سے اہلیت نہیں تو اس دن کا روزہ بھی واجب نہیں۔ لیکن نماز کے مسئلے میں ایسا نہیں ہے، نماز کے وقت کے بیچ میں بھی اگر کوئی شخص کوئی بچہ بالغ ہو جاتا ہے یا کوئی کافر مسلمان ہو جاتا ہے تو ان پر وہ نماز واجب ہو جائے گی بھئی اور اگر اس وقت کے اندر ادا نہ کی تو پھر ان کی پھر اس کی قضا ان کے ذمہ واجب ہو گی بھئی۔ اس لیے وجہ اس کی یہ فرق یہ روزے اور رمضان میں کہ روزے کے اندر وجوب کا سبب اولِ نہار ہے یعنی صبح صادق ہے، اس وقت اہلیت ہونی چاہیے، اگر اس وقت اہلیت نہیں تو روزہ بھی واجب نہیں۔ جبکہ نماز کے وجوب کا سبب جو ہے وہ اولِ وقت نہیں ہوتا بلکہ وہ لحہ ہوتا ہے جو ادا کے ساتھ متصل ہوتا ہے، جو ادا کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔ ظہر کی نماز ہے مثلاً ظہر کا وقت فرض کریں ساڑھے بارہ شروع ہوتا ہے تو ساڑھے بارہ کا اولِ وقت کیا ہے؟ اگر اسی میں وہ نماز ادا کرتا ہے تو جو پہلا جز اس کے ساتھ متصل تھا وہ کیا ہے وجوب کا سبب، اگر یہ مؤخر کرتا چلا گیا یہ ڈھائی بجے جا کر نماز ادا کرتا ہے تو یہ نہیں کہیں گے کہ وہ ساڑھے بارہ بجے والا جز وجوب کا سبب ہے بلکہ کیا کہیں گے وجوب کا سبب کون سا ہے؟ یہ جو ڈھائی بجے اس کی نماز کے عین متصل ساتھ لحہ ملا ہوا تھا یہ ہے وجوب کا سبب۔ تو نماز میں وجوب کا سبب اولِ وقت نہیں ہوتا بلکہ وہ جز ہوتا ہے جو ادا کے ساتھ ملا ہوا ہو، تو وہ منتقل ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر آخری جز آخری حصے تک بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَهَذَا بِخِلَافِ الصَّلَاةِ» اور یہ نماز کے مسئلے کے خلاف ہے «لِأَنَّ السَّبَبَ فِيهَا الْجُزْءُ الْمُتَّصِلُ بِالْأَدَاءِ» اس لیے کیونکہ نماز کے اندر جو سبب ہوتا ہے وجوب کا وہ وہ جز ہوتا ہے جو ملا ہوا ہوتا ہے «بِالْأَدَاءِ» کس کے ساتھ؟ ادا کے ساتھ، «فَوُجِدَتِ الْأَهْلِيَّةُ عِنْدَهُ» تو اس کے وقت تو اہلیت پائی گئی، وہ جز جو ادا کے ساتھ متصل ہے اس وقت تو اہلیت پائی گئی۔ یہ بچہ بالغ ہوا ہے مثلاً ڈھائی بجے تو یہ بھی کون سی نماز کا وقت ہے؟ ظہر کی نماز کا وقت ہے تو وہ اس وقت اس میں اہلیت موجود ہے اس پر وجوب آئے گا۔ اسی طرح کافر مسلمان ہوتا ہے تو یہ بھی ظہر کی نماز کا وقت ہے لہٰذا اس پر ظہر کی نماز کا وجوب آئے گا۔ یہ معنی ہے «فَوُجِدَتِ الْأَهْلِيَّةُ عِنْدَهُ» تو اس وقت تو اہلیت پائی گئی بھئی، اہلیت آچکی ہے ان کے اندر تو اب وجوب آئے گا۔ «وَفِي الصَّوْمِ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ» اور روزے کے اندر وجوب کا سبب کیا ہوتا ہے؟ جز اول ہوتا ہے «وَالْأَهْلِيَّةُ مُنْعَدِمَةٌ عِنْدَهُ» اور اس وقت تو اہلیت معدوم تھی، جز اول کے اندر بچہ ابھی بالغ نہیں ہوا تھا اور وہ شخص ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا تو اہلیت معدوم تھی۔

«وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ إِذَا زَالَ الْكُفْرُ أَوِ الصِّبَا قَبْلَ الزَّوَالِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ»۔ صبا کہتے ہیں بچپنے کو، بچپنے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب کفر زائل ہو جائے یعنی ختم ہو جائے اور وہ شخص مسلمان ہو جائے «أَوِ الصِّبَا» یا بچپنا جب زائل ہو جائے «قَبْلَ الزَّوَالِ» زوال سے پہلے پہلے ہی «فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ» تو ان پر قضا ہے، اس بچے پر بھی قضا ہے اور اس یہ جو مسلمان ہوا ہے اس پر بھی قضا ہے۔ یہ کون فرما رہے ہیں؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ۔ جب یہ کب بالغ ہوا یا کب مسلمان ہوا؟ زوال سے پہلے، تو اس صورت میں ان پر قضا ہے «لِأَنَّهُ أَدْرَكَ وَقْتَ النِّيَّةِ» اس لیے کیونکہ اس نے نیت کے وقت کو پا لیا، یہ وقت زوال سے پہلے کیا کر سکتا تھا؟ نیت کر سکتا تھا تو لہٰذا اس لیے ان پر اس کا وجوب آئے گا۔

■ مسئلہ: وَوَجْهُ الظَّاهِرِ

«وَوَجْهُ الظَّاهِرِ» ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے، متن میں آیا تھا نا «وَلَمْ يَقْضِيَا يَوْمَهُمَا» کہ یہ دونوں قضا نہیں کریں گے اس دن کی تو یہ ظاہر روایت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو آیا کہ قضا ان پر نہیں آئے گی اس کی وجہ یہ ہے «أَنَّ الصَّوْمَ لَا يَتَجَزَّأُ وُجُوبًا» کہ روزہ جو ہے وہ تقسیم نہیں ہوتا باعتبار وجوب کے۔ یعنی روزے میں تقسیم نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ کچھ حصہ تو واجب قرار دیا جائے اور کچھ حصہ واجب قرار نہ دیا جائے، اگر اس طرح کیا جائے کچھ حصے کو واجب قرار دیا جائے اور کچھ حصے کو واجب قرار نہ دیا جائے یہ تو وجوب کی تقسیم آگئی حالانکہ روزے کے اندر وجوب میں تقسیم نہیں بلکہ ایک ہی وجوب آتا ہے یا تو آئے گا سارے روزے کا وجوب یا سارے روزے کا وجوب سرے سے نہیں آئے گا، یہاں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یہاں تقسیم نہیں ہو سکتی، جب تقسیم نہیں ہو سکتی تو اول جز کے اندر جب اہلیت نہیں تھی تو روزے کا وجوب نہیں، جب اول جز میں وجوب نہیں تو باقی پھر کسی جز میں بھی وجوب نہیں اسکتا کیونکہ وجوب کی یہاں تقسیم نہیں ہو سکتی۔ مسئلہ سمجھ میں ایا؟

تو کہتے ہیں «وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الصَّوْمَ لَا يَتَجَزَّأُ وُجُوبًا» ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ روزہ جو ہے وہ تقسیم نہیں ہوتا باعتبار وجوب کے «وَأَهْلِيَّةُ الْوُجُوبِ مُنْعَدِمَةٌ فِي أَوَّلِهِ» اور وجوب کی اہلیت تو معدوم تھی اولِ اولِ صوم کے اندر یا اولِ یوم کے اندر، دن کے اول حصے میں وجوب کی اہلیت نہیں تھی تو جب

اس وقت وجوب کی اہلیت نہیں تو بعد میں بھی وجوب نہیں آسکتا ورنہ تو وجوب کی تقسیم لازم آئے گی حالانکہ وجوب کی تقسیم نہیں ہے کہ کچھ حصے میں وجوب ہو اور کچھ میں نہ ہو ایسا نہیں ہے۔

«إِلَّا أَنَّ لِلصَّبِيِّ أَنْ يَنْوِيَ لِلتَّطَوُّعِ» ۔ یہاں سے فرق بیان کر رہے ہیں بچے اور کافر کے حکم کے اندر۔ کہتے ہیں ہاں مگر یہ بات ہے «أَنَّ لِلصَّبِيِّ أَنْ يَنْوِيَ لِلتَّطَوُّعِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ» کہ بچے کے لیے اس صورت میں جائز ہے کہ وہ نفل کی نیت کر لے «فِي هَذِهِ الصُّورَةِ» اس صورت میں «دُونَ الْكَافِرِ» کافر نفل کی بھی نیت نہیں کر سکتا۔ تو کہتے ہیں بچہ اس صورت میں نفل کی نیت اس کے لیے جائز ہے «دُونَ الْكَافِرِ» نہ کہ کافر کے لیے «عَلَى مَا قَالُوا» بوجہ اس کے جو فقہاء نے فرمایا ہے «لِأَنَّ الْكَافِرَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ التَّطَوُّعِ أَيْضًا وَالصَّبِيُّ أَهْلٌ لَهُ» اس لیے کیونکہ کافر جو ہے وہ اہل تطوع میں سے بھی نہیں ہے جبکہ بچہ اس کا اہل ہے، یعنی کافر میں تو نفل کی بھی صلاحیت اور اہلیت نہیں ہے کیونکہ اولِ یوم کے اندر وہ کافر تھا تو کافر کے اندر تو نفل کی بھی اہلیت نہیں ہے کیونکہ نفل وہ بھی کیا ہے؟ عبادت ہے اور کافر کے اندر تو عبادت کی اہلیت ہاں بچہ اب بالغ ہو گیا ہے، اولِ نہار میں وہ نابالغ تھا لیکن نابالغ بھی نفل عبادت کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ نابالغ تو نفل عبادت کر سکتا ہے، لہٰذا اس میں اولِ نہار کے اندر بھی اہلیتِ نفل تھی، جب اہلیتِ نفل تھی اور اس نے کچھ کھایا پیا نہیں ابھی تک تو وہ نفلی روزے کی بھی نیت کر سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ الْإِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ...

«وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ الْإِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ الْمِصْرَ قَبْلَ الزَّوَالِ فَنَوَى الصَّوْمَ أَجْزَأَهُ لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يُنَافِي أَهْلِيَّةَ الْوُجُوبِ وَلَا صِحَّةَ الشُّرُوعِ» ۔ بھئی یاد رکھیے کہ عذر جو ہیں ناعذر، وہ چار قسم کے ہیں عذر بھئی، چار قسم کے۔ ایک تو عذر وہ ہے بھئی یہ آپ کے حاشیے میں دیا ہوا ہے اگلے صفحے پر ہے، لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو یاد رکھیے یہ جو عذر ہیں یہ چار قسم کے ہیں بھئی۔ ایک تو وہ عذر ہے جس میں امتداد نہیں ہوتا، وہ عذر لمبا نہیں ہے یعنی ایک دن رات عموماً نہیں پایا جاتا بلکہ کم ہی پایا جاتا ہے جیسے نیند ہے، نیند سونا بھئی۔ تو یہ نیند یہ یاد رکھیے یہ چونکہ اس میں امتداد ہے ہی نہیں، یہ لمبی ہوتی نہیں ہے تو لہٰذا یہ عبادات میں سے کوئی چیز اس کی وجہ سے ساقط نہیں ہو گی کیونکہ اس میں زیادہ امتداد نہیں ہے، امتداد زیادہ نہیں ہے تو اس کو عذر نہیں قرار دیا جائے گا اور عبادات میں سے کوئی چیز ساقط نہیں ہو گی، سمجھ میں ایا؟ عبادات میں سے کوئی چیز ساقط نہیں ہو گی کیونکہ اس کی وجہ سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔

اور بعض عذر وہ ہیں جو خلقۃً جن میں جو لمبے ہیں یعنی ان میں طول پایا جاتا ہے جیسے بچپنا ہے جیسے بچپنا ہے، تو وہ جو ہے وہ ہر عبادت کو ساقط کر دیتا ہے دفعاً للحرج، حرج کو دور کرنے کے لیے۔ اب جیسے بچپنا یہ تو ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے تو اگر اس کے اندر بچے پر عبادات کو واجب کیا جائے تو وہ تو مشکل میں پڑ جائے گا بھئی۔ تو لہٰذا اس کو عذر قرار دیا گیا کیونکہ اس کے اندر امتداد ہے اور علت وہی ہے، کیوں اس کو عذر قرار دیا گیا؟ دفعِ حرج کے لیے بھئی، دفعِ حرج کے لیے۔

اور ایک عذر ہے اغماء، اغماء یعنی بے ہوشی۔ تو اغماء اس کے اندر یہ اگر اس میں اگر امتداد ہو یعنی بے ہوشی کچھ لمبی ہو تو پھر نمازوں کے اندر تو اس کو عذر قرار دیا جائے گا۔ نمازوں کے مسئلے میں عذر قرار دیا جائے گا جبکہ یہ کتنی ایک دن اور ایک رات سے زائد بے ہوشی طاری رہے تو ان نمازوں کی قضا بھی نہیں اس بے ہوش ادمی کے ذمہ۔ ہاں البتہ روزے کے اندر اس کو عذر قرار نہیں دیا جائے گا بھئی، روزے کے اندر اس کو عذر قرار نہیں دیا جائے گا۔

اور ایک وہ عذر ہے جس میں کبھی طول ہوتا ہے کبھی لمبا کبھی امتداد ہو گا اور کبھی امتداد نہیں ہو گا جیسے جنون ہے، پاگل پن بھئی۔ پاگل پن اگر یہ اس کے اندر امتداد ہو یعنی یہ لمبا ہو تو پھر اس صورت میں اس کو بچپنے کے ساتھ لاحق کیا جائے گا اور یہ وجوب کو ساقط کر دے گا اور اگر اس کے اندر امتداد نہ ہو یعنی طول نہ ہو تو پھر اس کو اغماء یعنی بے ہوشی کے ساتھ ملایا جائے گا اور بے ہوشی تو روزے کو ساقط نہیں کرتی لہٰذا یہ جنون جس میں امتداد نہیں یہ بھی روزے کو ساقط نہیں کرے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عذر کتنی قسم کے ہوئے؟ چار قسم کے۔ ایک وہ جس کے اندر امتداد ہوتا ہی نہیں ہے جیسے نیند ہے تو لہٰذا اس کو عذر قرار نہیں دیا جائے گا، اس کی وجہ سے کوئی عبادت ساقط نہیں ہو گی اور ایک عذر وہ ہے جس کے اندر امتداد ہوتا ہے جیسے بچپنا ہے، اس کو عذر قرار دیا جائے گا نماز کے مسئلے میں بھی اور عبادت وغیرہ کے مسئلے میں بھی دفعاً للحرج، حرج کو دور کرنے کے لیے اور ایک بے ہوشی ہے اس کے اندر بھی عموماً امتداد ہوتا نہیں، جب امتداد اس کے اندر نہیں ہوتا تو لہٰذا وہ روزے کے اندر روزے کے اندر وہ اس کی قضا کو ساقط نہیں کرے گی، ہاں البتہ اگر اتنا امتداد اجائے اس کے اندر کہ ایک دن رات سے وہ بے ہوشی بڑھ جائے تو پھر نمازوں کو کیا کر دے گی؟ ساقط کر دے گی، جبکہ جنون جو ہے جنون اس میں ہاں اس میں کبھی امتداد ہوتا ہے اور کبھی امتداد نہیں ہوتا، تو اگر اس کے اندر امتداد نہیں تو اس کو بے ہوشی کے ساتھ ملایا جائے گا اور بے ہوشی کی وجہ سے تو روزہ ساقط نہیں ہوتا لہٰذا جنون کی وجہ سے بھی روزہ ساقط نہیں ہو اور اگر اس کے اندر امتداد اجائے تو پھر اس کو بچپنے کے ساتھ ملایا جائے گا اور اس صورت میں یہ روزوں کی قضا کو ساقط کر دے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے اگے اسی پر اسی کے مطابق کئی مسائل ارہے ہیں بھئی۔

کہتے ہیں «وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ الْإِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ الْمِصْرَ قَبْلَ الزَّوَالِ فَنَوَى الصَّوْمَ أَجْزَأَهُ» اور جب نیت کر لی مسافر نے افطار کی، ایک شخص ہے سفر میں ہے اور اس نے افطار کی نیت کر لی کہ کل میں روزہ نہیں رکھوں گا، روزہ نہیں رکھوں گا، «ثُمَّ قَدِمَ الْمِصْرَ» پھر وہ شہر پہنچ گیا «قَبْلَ الزَّوَالِ»

زوال سے پہلے زوال سے پہلے ہی «فَنَوَى الصَّوْمَ» تو پھر اس نے روزے کی نیت کر لی تو کیا اس کا یہ روزہ ہو گا یا نہیں؟ کہتے ہیں «أَجْزَأَهُ» یہ اس کے روزے کے لیے کافی ہو جائے گا یعنی اس کا روزہ ہو جائے گا بھئی۔ یہ غیر رمضان کی بات ہو رہی ہے کیونکہ رمضان کا مسئلہ اسی مسافر میں رمضان کے اندر کیا حکم ہے وہ اگے بیان ہو رہا ہے۔ ایک شخص ہے سفر میں اس نے نیت نہیں کی ہے روزے کی اور کہاں اب پہنچ گیا زوال سے پہلے ہی شہر پہنچ گیا، مقیم ہو گیا مقیم ہو گیا، تو کیا یہ روزہ باقی دن میں نیت کر کے روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں رکھ سکتا؟ کہتے ہیں بھئی زوال سے پہلے نیت جائز ہے، جب نیت جائز ہے تو یہ بھی کیا کر سکتا ہے؟ نیت کر کے روزہ رکھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ ٹھیک ہے سفر اول حصے میں سفر تھا سفر، لیکن سفر اہلیت کو نہیں ختم کرتا، سفر میں رخصت تو اجاتی ہے البتہ اہلیت باقی ہے اسی طرح بھئی، اسی وجہ سے مسافر پر وجوب بھی اتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ سفر میں رخصت پر عمل کرتا ہے تو بعد میں قضا کرنا پڑے گی یا نہیں کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی، معلوم ہوا اس میں وجوب کی اہلیت بھی ہے اور وہ روزے کو رکھ بھی سکتا ہے شروع بھی کر سکتا ہے، تو معلوم ہوا سفر ایسا عذر ہے جو وجوب کی اہلیت کے جو وجوب کے بھی منافی نہیں اور شروع کرنے کے بھی منافی نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ الْإِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ الْمِصْرَ قَبْلَ الزَّوَالِ فَنَوَى الصَّوْمَ أَجْزَأَهُ» اور جب نیت کی مسافر نے افطار کی یعنی یہ نیت کی کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا «ثُمَّ قَدِمَ الْمِصْرَ» پھر وہ شہر پہنچ گیا «قَبْلَ الزَّوَالِ» زوال سے پہلے ہی «فَنَوَى الصَّوْمَ أَجْزَأَهُ» تو پھر اس نے روزے کی نیت کر لی «أَجْزَأَهُ» تو یہ اس کے لیے کافی ہے «لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يُنَافِي أَهْلِيَّةَ الْوُجُوبِ» اس لیے کیونکہ سفر جو ہے اہلیتِ وجوب کے منافی نہیں ہے، اہلیتِ وجوب کے منافی نہیں ہے اس میں وجوب بھی اتا ہے اور اسی طرح «وَلَا صِحَّةَ الشُّرُوعِ» اور صحتِ شروع کے بھی منافی نہیں سفر۔ روزہ شروع کرنا سفر میں شروع کیا جا سکتا ہے یا نہیں کیا جا سکتا؟ تو شروع کے صحیح ہونے کے منافی بھی نہیں ہے سفر، تو لہٰذا وہ رکھ سکتا ہے۔ دلیل سمجھ میں ا رہی ہے؟ اول حصے میں کیا تھا؟ سفر تھا، بعد میں مقیم بنا ہے تو روزہ رکھنا چاہتا ہے تو سفر تھا شروع میں اول حصے میں لیکن سفر تو کوئی وجوب کی اہلیت کے منافی نہیں اس پر روزہ واجب ہو سکتا ہے اور نیز اول حصے میں مسافر تھا یعنی سفر کا عذر تھا لیکن سفر کا عذر پایا جائے پھر بھی اس روزے کو شروع کرنے کے منافی نہیں ہے روزہ رکھا جا سکتا ہے، تو لہٰذا اس جب اول نہار میں اس میں اہلیت وغیرہ سب کچھ موجود تھی تو اب یہ روزہ اس کا درست ہو جائے گا۔ سمجھ میں ایا بھئی؟

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَ فِي رَمَضَانَ

«وَإِنْ كَانَ فِي رَمَضَانَ» اور اگر یہ مسافر رمضان میں تھا جس نے کس کی نیت کی ہے؟ افطار کی نیت کی، اگر یہ رمضان میں تھا «فَعَلَيْهِ أَنْ يَصُومَ لِزَوَالِ الْمُرَخِّصِ» تو اس پر واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے «لِزَوَالِ الْمُرَخِّصِ» اس لیے کیونکہ وہ مرخص زائل ہو گیا، مرخص رخصت دینے والی چیز یعنی وہ عذر اور وہ کیا تھا؟ سفر۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص رمضان کے اندر اولِ نہار میں مسافر تھا اور اس نے رات سے یہ نیت کی تھی کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا لیکن زوال سے پہلے پہلے وہ شہر پہنچ گیا، شہر پہنچ گیا۔ تو کہتے ہیں کیا اب یہ روزہ رکھ سکتا ہے یا روزہ نہیں رکھ سکتا جبکہ ابھی اس نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے؟ تو اپ کو بتلائیں گے کہ اس پر روزہ رکھنا واجب ہے، اس شخص پر روزہ رکھنا واجب ہے، اس لیے کیونکہ اولِ نہار میں بے شک عذر موجود تھا لیکن زوال سے پہلے پہلے وہ عذر ختم ہو گیا اور زوال سے پہلے کیا کیا جا سکتا ہے؟ روزے کی نیت کی جا سکتی ہے تو لہٰذا اس پر روزہ رکھنا اب واجب ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَإِنْ كَانَ فِي رَمَضَانَ فَعَلَيْهِ أَنْ يَصُومَ» اور اگر وہ شخص جو تھا وہ رمضان میں تھا «فَعَلَيْهِ أَنْ يَصُومَ» تو اس پر واجب ہے روزہ رکھنا «لِزَوَالِ الْمُرَخِّصِ» اس لیے کیونکہ وہ مرخص یعنی وہ رخصت دینے والی چیز یعنی جو اس کا عذر تھا سفر کا وہ زائل ہو گیا ختم ہو گیا «فِي وَقْتِ النِّيَّةِ» کس وقت میں؟ نیت کے وقت میں۔ «أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ كَانَ مُقِيمًا فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ» صاحبِ ہدایہ یہاں سے بتلا رہے ہیں کہ متن میں کیا ایا؟ اول حصے میں مسافر تھا اور پھر کیا بن گیا؟ مقیم بن گیا، تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کیا اپ دیکھتے نہیں اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا، اولِ نہار میں ایک شخص مقیم ہوتا اور پھر بعد میں نکلتا وہ سفر پر، دن کے اندر پھر وہ سفر پر نکلتا تو اس شخص کے لیے اس شخص کے لیے فطر مباح نہیں، اس پر کیا واجب ہے جو اول حصے میں مقیم تھا؟ اس پر روزہ واجب ہے، روزہ واجب ہے تو اب کہتے ہیں دیکھیے اب دو صورتیں بن گئیں۔ ایک صورت وہ ہے کہ پہلے مسافر تھا کیا بن گیا؟ مقیم بن گیا اور ایک صورت یہ ہے اول مقیم تھا پھر کیا بن گیا؟ مسافر۔ تو جو اول مقیم تھا بعد میں مسافر بن گیا اس کے حق میں مرخص موجود ہے اس وقت جب یہ سفر پر نکل گیا، جب سفر پر چل پڑا تو مرخص اگیا یعنی رخصت دینے والی چیز اگئی یا نہیں؟ اگئی، لیکن اس کے باوجود مرخص اس وقت موجود ہے لیکن اس کو افطار کی اجازت نہیں، جب اس کے وہ شخص جس کے لیے مرخص موجود ہے اس کو افطار کی اجازت نہیں ہے تو وہ پچھلے مسئلے کے اندر جس کا مرخص ہی ختم ہو چکا ہے کیونکہ کیا بن گیا؟ مقیم بن گیا، اس میں تو بطریقِ اولیٰ اس کو افطار کی اجازت نہیں ہو گی۔

یہ معنی ہے «أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ كَانَ مُقِيمًا فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ ثُمَّ سَافَرَ لَا يُبَاحُ لَهُ الْفِطْرُ تَرْجِيحًا لِجَانِبِ الْإِقَامَةِ» کیا اپ دیکھتے نہیں اگر یہ شخص مقیم ہو تا دن کے پہلے حصے میں «ثُمَّ سَافَرَ» پھر سفر کرتا «لَا يُبَاحُ لَهُ الْفِطْرُ» تو اس کے لیے فطر جائز نہ ہوتا «تَرْجِيحًا لِجَانِبِ الْإِقَامَةِ» اقامت کی جانب کو ترجیح دیتے ہوئے، جب اس کے لیے فطر مباح نہیں ہے «فَهَذَا أَوْلَى» تو اس کے اندر یہ جو متن میں پہلی صورت ائی اس میں بطریقِ اولیٰ اجازت نہیں۔ دلیل بھی سمجھ میں ائی کہ نہیں ائی؟ متن میں جو صورت ائی اس میں تو مرخص کیا ہو چکا؟ ختم ہو چکا اور دوسری صورت میں جب مرخص موجود ہے اس کو فطر کی اجازت نہیں

ہے تو جس کے حق میں مرخص ختم ہو چکا ہے اس کو بطریقِ اولیٰ فطر کی اجازت نہیں ہو گی۔ تو جیسے یہ شخص جو اول حصے میں مقیم تھا اور بعد میں کیا بن گیا ہے؟ مسافر، اس کے لیے جب افطار کی اجازت نہیں ہے حالانکہ اس وقت مرخص موجود ہے، اخری حالت کون سی ہے اس کی؟ سفر کی ہے تو اس وقت مرخص موجود ہے، اس وقت جب اس کے لیے افطار کی اجازت نہیں تو جو پچھلے مسئلے کے اندر جو تھا اس کے اندر اخری حالت کون سی تھی؟ اقامت والی، وہاں تو مرخص ہی ختم ہو چکا تھا تو وہاں بطریقِ اولیٰ اس کو افطار کی اجازت نہیں ہو گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ إِذَا أَفْطَرَ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ...

«**إِلَّا أَنَّهُ إِذَا أَفْطَرَ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ لَا تَلْزَمُهُ الْكَفَّارَةُ لِقِيَامِ شُبْهَةِ الْمُبِيحِ**» مگر یہ بات ہے کہ اگر افطار کر لیا ان دونوں مسئلوں کے اندر اس شخص نے، روزہ نہیں رکھا دونوں صورتوں میں، اولِ نہار میں مسافر تھا بعد میں کیا بنا؟ مقیم، یا اولِ نہار میں مقیم تھا بعد میں کیا بنا؟ مسافر، دونوں صورتوں میں اس کے لیے اجازت نہیں افطار کی لیکن اگر وہ افطار اس نے کر لیا «**لَا تَلْزَمُهُ الْكَفَّارَةُ**» تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہو گا، قضا تو ائے گی لیکن کفارہ لازم نہیں «**لِقِيَامِ شُبْهَةِ الْمُبِيحِ**» اس لیے کیونکہ مبیح کا شبہ پایا گیا وہ موجود ہے یعنی وہ چیز مبیح، اباحت مباح کرنے والی یعنی جو افطار کو مباح کرنے والی چیز ہے وہ اس کا شبہ پایا گیا یعنی وہ سفر، وہ کیا چیز ہے؟ افطار کو مباح کرنے والی چیز کیا ہے اس ادمی کے لیے؟ سفر ہے تو یہ اس پر کفارہ نہیں ائے گا اس لیے کیونکہ وہ مبیح موجود ہے چاہے پہلی صورت میں اولِ نہار میں مبیح موجود ہے اور دوسری صورت میں اخرِ نہار میں مبیح موجود ہے، جب مبیح موجود ہے تو اس کے اس شخص پر کفارہ انے میں شبہ آگیا کیونکہ اس کا تو عذر موجود ہے چاہے دن کے کسی بھی حصے میں ہو اور یہ کفارہ جو ہے یہ شبہے کی وجہ سے ساقط ہو جایا کرتا ہے۔ یہ معنی ہے «**لَا تَلْزَمُهُ الْكَفَّارَةُ لِقِيَامِ شُبْهَةِ الْمُبِيحِ**» اس پر کفارہ لازم نہیں ایک مبیح چیز کا ایک مباح کر دینے والی چیز کا شبہ قائم ہونے کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی «**هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**»۔

سبق نمبر ۱۲۵: مسئلہ: وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ لَمْ يَق...

ہدایہ صفحہ: ۲۴۱ — بتاریخ: ۱۶ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ لَمْ يَقْضِ الْيَوْمَ الَّذِي حَدَثَ فِيهِ الْإِغْمَاءُ لِوُجُودِ الصَّوْمِ فِيهِ وَهُوَ الْإِمْسَاكُ الْمَقْرُونُ بِالنِّيَّةِ إِذِ الظَّاهِرُ وُجُودُهَا مِنْهُ، وَقَضَى مَا بَعْدَهُ لِانْعِدَامِ النِّيَّةِ». [1]

«وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ» صورت مسئلہ یہ: ایک شخص جو ہے اس پر بے ہوشی طاری ہوئی رمضان میں بھائی۔ رمضان میں دن کے وقت جو ہے اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ تو یاد رکھیے مسئلہ کہ اس صورت میں وہ دن جس میں اس پر بے ہوشی طاری ہوئی ہے اس کی قضا اس کے ذمے نہیں ہے، اور باقی جتنے دن وہ بے ہوش رہا اس کی قضا اس کے ذمے ہے بھائی۔ جس دن بے ہوش ہوا اس دن کی قضا اس کے ذمے نہیں اس لیے کیونکہ اس دن اس کا روزہ تھا بھائی۔ اور روزہ کس چیز کا نام ہے؟ امساک کا نام ہے، امساک رکنا۔ امساک یعنی رکنا «مَعَ النِّيَّةِ» ساتھ کس کے؟ نیت کے۔ تو جب وہ امساک بھی پایا گیا اور نیت بھی موجود تھی تو اس دن کا اس کا روزہ پورا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس دن کے روزے کی قضا نہیں ہو گی۔ البتہ باقی دنوں کے روزوں کی قضا کرنا پڑے گی جن میں وہ بے ہوش رہا۔ اس لیے کیونکہ اگرچہ باقی دنوں میں بھی امساک تو پایا گیا لیکن نیت نہیں پائی گئی، اور صرف امساک ہو بغیر نیت کے اس کو روزہ نہیں کہتے بلکہ کیا ضروری ہے اس کے اندر؟ نیت ضروری ہے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں «وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ» اور جس پر بے ہوشی طاری ہو گئی رمضان میں «لَمْ يَقْضِ الْيَوْمَ الَّذِي حَدَثَ فِيهِ الْإِغْمَاءُ» تو وہ قضا نہیں کرے گا اس دن کی جس کے اندر پیش آئی ہے بے ہوشی «لِوُجُودِ الصَّوْمِ فِيهِ» اس وجہ سے کہ اس دن میں روزہ موجود تھا، اور روزہ کس کو کہتے ہیں؟ کہتے ہیں «وَهُوَ الْإِمْسَاكُ الْمَقْرُونُ بِالنِّيَّةِ» وہ امساک جو ملا ہوا ہو نیت کے ساتھ، تو اس دن روزہ موجود ہے، اور روزہ ایسا امساک جو نیت کے ساتھ ملا اس کو کہتے ہیں۔ «إِذِ الظَّاهِرُ وُجُودُهَا مِنْهُ» یعنی «وُجُودُ النِّيَّةِ مِنْهُ» اس لیے کیونکہ وہ دن کے وقت بے ہوش ہوا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ نیت اس کی طرف سے پائی گئی یعنی اس نے نیت کی ہو گی بھائی۔ ظاہر یہی ہے کہ اس نے نیت کی ہو گی، لہٰذا اس دن کا روزہ ادا ہو گیا۔

لیکن اس میں ایک قید یاد رکھنا، ایک تو انہوں نے ذکر کر دیا کہ ظاہر یہی ہے اس نے نیت کی ہو گی، تو نیت کی ہو گی تو اس روزے کی قضا اس کے ذمے نہیں ہے اور باقی دنوں میں چونکہ نیت نہیں پائی گئی وہ بے ہوش تھا تو ان میں اس کی ان کی اسے قضا کرنا پڑے گی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ اس بے ہوشی کے دوران اس کے حلق میں کوئی دوا یا پانی وغیرہ نہ ٹپکایا گیا ہو۔ اگر اس کو کوئی دوا پلا دی گئی، دوا ٹپکا دی گئی اس کے حلق میں یا پانی ٹپکا دیا گیا تو پھر اس صورت میں تو ظاہر سی بات ہے اس کا روزہ باقی نہیں رہے گا بھائی۔ اور باقی دنوں کی اس کو قضا کرنا پڑے گی بھائی، اسی لیے کہتے ہیں «وَقَضَى مَا بَعْدَهُ» اور اس کے بعد والے دنوں کی قضا کرے گا «لِانْعِدَامِ النِّيَّةِ» نیت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِنْهُ ق...

«وَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِنْهُ قَضَاهُ كُلَّهُ غَيْرَ يَوْمِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ».

[1] شاملہ (ص ۱۷۰) میں «كُلِّهِ قَضَاهُ» کے بجائے «لم يقض» درج ہے۔ • ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۷۰): «ما قضى»۔

دوسری صورت بھائی، پہلی صورت کیا تھی؟ رمضان میں دن کے وقت وہ بے ہوش ہوا تھا تو اس دن کی قضا نہیں، باقی دنوں کی قضا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ رمضان کی پہلی رات کو وہ بے ہوش ہو گیا، پہلی رات کو۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں بھی اس رات جو اگلے دن صبح جو روزہ آ رہا ہے وہ اس کا ہو جائے گا، اس لیے کیونکہ وہ رات کو بے ہوش ہوا ہے پہلی رات کو، اور ظاہر یہی ہے کہ اس نے صبح کے روزے کی نیت کی ہو گی۔ جب چاند نظر آ گیا تو ظاہر سی بات ہے اس نے کیا نیت کی ہو گی کہ صبح کیا کرے گا؟ روزہ رکھے گا۔ تو لہٰذا اس دن کا روزہ تو ادا ہو گیا، اور باقی جتنے دن وہ بے ہوش رہا ان سب کی قضا کرنا پڑے گی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا یہ وہ صورت ذکر ہو رہی ہے کہ پہلی رات کو بے ہوش ہوا اور پورا رمضان پھر بے ہوش رہا، تو اس پہلے روزے کی قضا اس کے ذمے نہیں اور باقی سارے دنوں کی اس کو قضا کرنا پڑے گی۔

تو کہتے ہیں «**وَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِنْهُ**» اور اگر بے ہوشی طاری ہوئی اس شخص پر رمضان کی پہلی رات میں «**قَضَاهُ كُلَّهُ**» تو وہ قضا کرے گا سارے رمضان کی «**غَيْرَ يَوْمِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ**» سوائے اس رات کے دن کے، کہ اس رات کا جو دن آئے گا صبح اس دن کے علاوہ باقی تمام رمضان کی وہ قضا کرے گا «**لِمَا قُلْنَا**» اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔ اور وہ کیا؟ کہ پہلے دن کی نیت پائی گئی، ظاہر یہی ہے کہ اس نے نیت کی ہو گی وہ روزہ ہو جائے گا، اور باقی روزوں میں چونکہ نیت نہیں پائی گئی وہ نہیں ہوئے تو ان کی قضا کرنا پڑے گی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ

«**وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ**» جی، امام مالک رحمہ اللہ اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ سارے رمضان کے اس کے روزے ادا ہو گئے، کسی دن کی قضا نہیں کرنا پڑے گی۔ اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے روزوں کے لیے ایک ہی نیت کافی ہے، اور اس نے بھی ظاہر سی بات ہے شروع میں کیا نیت کی ہو گی کہ سارا رمضان روزے رکھے گا، تو ایک ہی نیت کافی ہو گئی اور سارا رمضان باقی وہ بے ہوش رہا تو سارے روزوں کے اندر وہ امساک پایا گیا، رکنا پایا گیا، لہٰذا روزے ادا ہو گئے۔ جیسے اعتکاف جو ہے، اعتکاف کے اندر ایک ہی نیت کافی ہوتی ہے اور اس سے وہ تمام دنوں کا اعتکاف ادا ہو جاتا ہے، اس میں بار بار نیت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

تو ہم کہتے ہیں کہ نہیں، یہاں اعتکاف پر اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کیونکہ اعتکاف کا جو زمانہ ہوتا ہے وہ سارے ایام اعتکاف کے، دن بھی اور راتیں بھی کس کی شمار ہوتی ہیں؟ اعتکاف کی۔ جبکہ یہاں پر دن میں تو روزہ ہوتا ہے اور رات کو روزہ نہیں ہوتا، تو بیچ میں ایسا زمانہ بار بار آ رہا ہے جو عبادت نہیں ہے، روزہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں پھر ہر روزے کے لیے ہمارے نزدیک علیحدہ نیت کرنا ضروری ہے بھائی، اور وہ یہاں پر نہیں پائی گئی۔ پہلے روزے کی تو نیت پائی گئی، باقی دنوں کی نیت نہیں پائی گئی۔

تو کہتے ہیں «**وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَقْضِي مَا بَعْدَهُ**» امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعد والے دنوں کی بھی قضا نہیں کرے گا «**لِأَنَّ صَوْمَ رَمَضَانَ عِنْدَهُ يَتَأَدَّى بِنِيَّةٍ وَاحِدَةٍ بِمَنْزِلَةِ الِاعْتِكَافِ**» اس لیے کیونکہ رمضان کا روزہ ان کے نزدیک ایک ہی نیت سے ادا ہو جاتا ہے «**بِمَنْزِلَةِ الِاعْتِكَافِ**» کس کے درجے میں؟ اعتکاف کے درجے میں، جیسے وہ ایک ہی نیت سے ادا ہو جاتا ہے۔ «**وَعِنْدَنَا لَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ لِكُلِّ يَوْمٍ**» اور ہمارے نزدیک ہر دن کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے «**لِأَنَّهَا عِبَادَاتٌ مُتَفَرِّقَةٌ**» اس لیے کیونکہ رمضان کے یہ جو روزے ہیں یہ متفرق عبادتیں ہیں، جدا جدا عبادتیں ہیں «**لِأَنَّهُ يَتَخَلَّلُ بَيْنَ كُلِّ يَوْمَيْنِ مَا لَيْسَ بِزَمَانٍ لِهٰذِهِ الْعِبَادَةِ**» اس لیے کیونکہ بیچ میں آتا ہے ہر دو دنوں کے «**مَا**» ایسا زمانہ ایسا وقت، یا یوں کہیں «**مَا**» سے مراد رات لے لیں، رات۔ اس لیے کیونکہ بیچ میں آتی ہے ہر دو دنوں کے وہ رات «**لَيْسَ بِزَمَانٍ لِهٰذِهِ الْعِبَادَةِ**» جو اس عبادت کا زمانہ نہیں ہے۔ تو لہٰذا ہر روزے میں چونکہ ہر روزے کے بعد ایسا زمانہ آ رہا ہے جو روزے کا وقت نہیں ہے تو لہٰذا پھر اگلے روزے کے لیے کیا کرنا پڑے گی؟ نیت کرنا پڑے گی۔ «**بِخِلَافِ الِاعْتِكَافِ**» بخلاف اعتکاف کے، اس میں درمیان میں بیچ میں ایسا زمانہ نہیں آتا، اس لیے وہ تو مسلسل اعتکاف رہتا ہے، دن کو بھی اور رات کو بھی، تو وہاں ایک ہی نیت کافی ہے لیکن یہاں ایک نیت کافی نہیں۔

■ مسئلہ: وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ قَضَاهُ

«وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ قَضَاهُ».

اب تیسری صورت بیان کر رہے ہیں کہ ایک شخص بے ہوش ہوا رمضان سے پہلے ہی اور پورا رمضان بے ہوشی کے اندر گزر گیا، تو کیا اس پر اس کی قضا آئے گی یا قضا نہیں آئے گی؟ کہتے ہیں بھائی اس پر سارے رمضان کی قضا آئے گی۔ اب تو ایک روزہ بھی ایسا نہیں جس میں ہم کہہ سکیں اس کی نیت موجود تھی، اس لیے کیونکہ وہ رمضان سے پہلے ہی کیا ہوا ہے؟ بے ہوش ہوا ہے۔

«**وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ قَضَاهُ**» اور جس شخص پر بے ہوشی طاری ہوئی پورا رمضان «**قَضَاهُ**» تو وہ اس پورے رمضان کی قضا کرے گا۔ بھائی کیوں؟ پورا رمضان مہینہ تو بے ہوش بے ہوش ہی رہا، ہوش میں نہیں تھا۔ کہتے ہیں بھائی یہ جو بے ہوشی ہے، بے ہوشی، اس میں انسان کی صرف قوتیں ضعیف ہو

جاتی ہیں، قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں، عقل اس کی زائل نہیں ہوتی۔ قوتیں ضعیف ہو گئیں لہٰذا اس کو کچھ سنائی نہیں دے رہا، اس کو کچھ پتہ نہیں کہ میرے ارد گرد کیا ہو رہا ہے، تو صرف قوتیں ضعیف ہوئی ہیں، عقل زائل نہیں ہوئی۔ اور جب عقل زائل نہیں ہوئی تو لہٰذا اب صرف قوتیں ضعیف ہیں تو یہ اس عبادت کو مؤخر کرنے میں تو کے لیے تو یہ عذر بن جائے گا، قوتوں کا ضعیف ہونا اس عبادت کو مؤخر کرنے کے لیے تو عذر بن جائے گا لیکن اس کو ساقط کرنے کے لیے عذر نہیں بنے گا، کیونکہ عقل کیا ہوتی ہے؟ اس حالت میں بھی زائل نہیں ہوتی بھائی۔

تو کہتے ہیں «لِأَنَّهُ نَوْعُ مَرَضٍ يُضْعِفُ الْقُوَى» اس لیے کیونکہ یہ ایک قسم کا مرض ہے «يُضْعِفُ الْقُوَى» جو قوتوں کو کمزور کر دیتا ہے «وَلَا يُزِيلُ الْحِجَا» حجا کہتے ہیں عقل کو، اور یہ عقل کو زائل نہیں کرتا، یہ عقل کو زائل نہیں کرتی یعنی بے ہوشی «فَيَصِيرُ عُذْرًا فِي التَّأْخِيرِ لَا فِي الْإِسْقَاطِ» تو یہ مؤخر کرنے کے لیے تو عذر بن جائے گی لیکن ساقط کرنے کے لیے عذر نہیں بنے گی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے گزشتہ سبق میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بے ہوشی جو ہے وہ اگر ایک دن رات سے زائد رہے تو نمازیں تو اس کی وجہ سے ساقط ہوں گی لیکن روزے اس کی وجہ سے ساقط نہیں ہوں گے۔ تو جتنا بھی امتداد آجائے بے ہوشی کے اندر اس سے روزے ساقط نہیں ہوں گے بھائی۔ وجہ اس کی یہ کہ اتنی اتنا عرصہ بے ہوشی رہے کہ پورا مہینہ ہی گزر جائے، یہ بہت نادر ہے، بہت ہی کم ہے کہ ایسا ہو جائے۔ جب بہت کم ہے تو اس پر اس کی وجہ سے روزے ساقط نہیں ہوں گے۔ جو چیز کثیر الوقوع ہو وہ تو تخفیف کا تقاضا کرتی ہے لیکن جو قلیل الوقوع ہو وہاں پر عبادت کو واجب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بھائی، تو لہٰذا اس لیے یہاں پر روزے اس پر واجب ہوں گے اور وہ تو اس نے ادا کیے نہیں، تو لہٰذا اس کو قضا کرنا پڑے گی۔

اب جنون کے بارے میں بتلا رہے ہیں: «وَمَنْ جُنَّ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ لَمْ يَقْضِهِ» اور جس شخص پر جنون طاری ہوا «فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ» سارا کا سارا رمضان «لَمْ يَقْضِهِ» وہ اس کی قضا نہیں کرے گا۔ بھائی بے ہوشی چاہے کچھ رمضان میں رہے، چاہے سارے رمضان میں رہے، اس میں قضا کرنا پڑے گی۔ اور جنون، جنون میں اگر امتداد ہو یعنی پورے مہینے کا احاطہ کر لے پھر تو وہ روزوں کو ساقط کر دے گا۔ پورا رمضان کوئی پاگل رہے تو رمضان کے روزے اس پر واجب نہیں اور نہ اس کے ذمے قضا ہے۔ کیونکہ اگر سارے رمضان کو اس پر واجب قرار دیا جائے تو اس میں حرج ہے، وہ مشکل میں پڑ جائے گا۔ اور اگر کچھ رمضان اس پر جنون آیا تو پھر اس صورت میں سارے جتنے روزے رہ گئے ہیں ان ساروں کی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی، اس لیے کیونکہ سارا رمضان تو جنون نہیں رہا، کچھ ایام جنون کے آئے ہیں اور ان کی قضا کے اندر کوئی حرج نہیں، کوئی مشکل نہیں، سال بھر کا وقت ہے اس کے پاس، اطمینان سے کیا کر سکتا ہے؟ ان کی قضا کر سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَمَنْ جُنَّ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ لَمْ يَقْضِهِ» اور جو مجنون ہوا سارے رمضان وہ اس کی قضا نہیں کرے گا «خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں قضا کرے گا۔ «وَهُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالْإِغْمَاءِ» وہ اس جنون کو قیاس کرتے ہیں بے ہوشی پر۔ بے ہوشی سارا مہینہ رہتی تھی تو روزے قضا کرنا پڑتے تھے یا نہیں کرنا پڑتے تھے؟ قضا کرنا پڑتے تھے، تو جنون بھی اگر سارا مہینہ رہے تو اس میں بھی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الْمُسْقِطَ هُوَ الْحَرَجُ» کہ وہ چیز جو روزوں کو ساقط کرنے والی ہے وہ حرج ہے، تو جہاں حرج ہو گا روزوں کو ساقط کیا جائے گا اور جہاں حرج نہیں تو وہاں روزے بھی ساقط نہیں ہوں گے۔ تو ساقط وہ ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الْمُسْقِطَ هُوَ الْحَرَجُ» کہ وہ چیز جو ساقط کرنے والی ہے وجوب کو وہ حرج ہے «وَالْإِغْمَاءُ لَا يَسْتَوْعِبُ الشَّهْرَ عَادَةً» اور بے ہوشی عادۃً یعنی عموماً پورے مہینے کو گھیرتی نہیں ہے، پورے مہینے کا احاطہ نہیں کرتی «فَلَا حَرَجَ» لہٰذا بے ہوشی کے اندر اگر سارے مہینے کو واجب قرار دے بھی دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نہایت ہی نادر ہے کہ ایسی صورت پیش آجائے «وَالْجُنُونُ يَسْتَوْعِبُهُ» جبکہ جنون کیا کرتا ہے؟ سارے مہینے کو گھیر لیتا ہے، تو اس صورت میں اگر وجوب قرار دیا جائے تو پھر تو انسان حرج میں اور مشکل میں پڑ جائے گا اور حرج کو تو شریعت میں دور کیا گیا ہے، اس لیے پورا مہینہ پاگل پن رہا، جنون رہا تو اس پر روزے واجب نہیں۔ تو کہتے ہیں «وَالْجُنُونُ يَسْتَوْعِبُهُ» اور جنون جو ہے وہ پورے مہینے کا احاطہ کر لیتا ہے «فَيَتَحَقَّقُ الْحَرَجُ» تو حرج پایا جائے گا بھائی، اور جب حرج ہو گا وجوب کے اندر تو روزے ساقط ہو جائیں گے۔

«وَإِنْ أَفَاقَ الْمَجْنُونُ فِي بَعْضِهِ قَضَى مَا مَضَى».

بھائی مسئلہ کیا ذکر ہوا؟ کہ اگر جنون سارے مہینے کو گھیر لے تو اس کی قضا نہیں، لیکن اگر سارے مہینے کو نہ گھیرے پھر سارے مہینے میں جتنے روزے رہ گئے ہیں سب کی قضا کرنا پڑے گی۔ یعنی ایک شخص پر جنون طاری تھا اور مہینے کے اندر ایک دن بھی اگر اس کو افاقہ ہو گیا یا چند دن بھی اس کو افاقہ ہو گیا اور پھر جنون طاری ہو گیا، تو اس صورت میں جتنے روزے چھوٹ گئے، چاہے پہلے چھوٹے ہیں، چاہے بعد میں چھوٹے ہیں، سب کی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ سب کی قضا کرنا پڑے گی۔ اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: «فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ» اور جو شخص تم میں سے رمضان کے مہینے کو پالے، یعنی رمضان کے مہینے میں حاضر ہو، «فَلْيَصُمْهُ» اسے چاہیے کہ وہ مہینہ روزے رکھے، اس رمضان کے مہینے میں روزے رکھے۔ قرآن میں کیا آیا؟ «فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ» جو تم میں سے حاضر ہو کس میں؟ رمضان کے مہینے میں، اور «الشَّهْرَ» سے مراد بعض شہر ہے۔ شہر سے مراد بعض، یعنی جو شخص رمضان کے کچھ مہینے میں حاضر ہو جائے یعنی اس کو پا

لے، تو اس پر پورے مہینے کے روزے لازم ہیں وہ ان میں روزے رکھے۔ دلیل سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو رمضان کے بعض مہینے کو بھی کوئی پالے تو اس پر مہینے کے روزے واجب ہو جائیں گے، بعض مہینے کو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بعض مہینے کی قید آپ نے کہاں سے لگادی؟ قرآن میں تو صرف کیا آیا ہے؟ «شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ» یہاں بعضِ شہر تو نہیں، ہم کہتے ہیں کہ مراد بعضِ شہر ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر پورے مہینے کو یہاں پورا مہینہ مراد لیں تو آیت کا ترجمہ یہ ہو جائے گا کہ جو آدمی پورے رمضان کے مہینے کو پالے تو اس کو روزے رکھنے چاہئیں۔ معلوم ہوا پورے مہینے کو سبب قرار دینا پڑے گا، اور پورا مہینہ سبب کب بنے گا؟ جب پورا مہینہ گزر جائے گا، پھر سبب بنے گا، سمجھ میں آیا؟ کیونکہ حکم ہمیشہ بعد میں آتا ہے، سبب پہلے آتا ہے، تو پورے مہینے کو اگر سبب قرار دیا جائے تو پھر پورا مہینہ گزرے گا اور روزے کب واجب ہوں گے؟ شوال میں جا کر واجب ہوں گے، حالانکہ روزے شوال میں جا کر واجب ہوتے ہیں یا رمضان میں ہی رکھنا پڑتے ہیں؟ رمضان میں ہی رکھنا پڑتے ہیں۔ معلوم ہوا یہاں جو شہر کا لفظ آیا اس سے مراد کیا ہے، کل مہینہ یا بعضِ مہینہ؟ بعض، تو تم میں سے بعض مہینے کو پالے اس کو اس مہینے میں کیا رکھنے چاہئیں؟ روزے رکھنے چاہئیں۔ لہٰذا پہلی رات سے ہی وجوب آ گیا، جس نے پہلا حصہ ہی پالیا اس پر کیا آ گیا؟ روزوں کا، رمضان کے روزوں کا وجوب آ گیا۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟

تو اسی لیے یہاں پر مجنون جو ہے اگر وہ رمضان کے کچھ حصے میں بھی اس کا جنون ختم ہوا تو اس نے بعضِ مہینے کو پالیا، اور بعض مہینے کو پالینا یہ روزوں کے وجوب کا سبب ہے تو اس پر روزے واجب ہوں گے، جو گزشتہ ایام جنون کی حالت میں گزرے ان کی بھی قضا کرنا پڑے گی اور اگلے دنوں کی بھی اگر رہ جاتے ہیں ان کی بھی قضا کرنا پڑے گی۔

تو کہتے ہیں «وَإِنْ أَفَاقَ الْمَجْنُونُ فِي بَعْضِهِ» اور اگر افاقہ ہو گیا مجنون کو یعنی ہوش میں آ گیا مجنون «فِي بَعْضِهِ» بعضِ رمضان میں «قَضَى مَا مَضَى» تو وہ قضا کرے گا ان دنوں کی بھی جو گزر چکے ہیں۔ «خِلَافًا لِزُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ» بخلاف امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں نہیں، گزشتہ ایام کی قضا نہیں کرنا پڑے گی۔ «هُمَا يَقُولَانِ» وہ فرماتے ہیں «لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْأَدَاءُ» کہ جو ایام جنون کی حالت میں گزر گئے اس کی ادا اس پر واجب نہیں «لِانْعِدَامِ الْأَهْلِيَّةِ» اہلیت معدوم ہونے کی وجہ سے۔ ان دنوں میں تو یہ مجنون تھا، اس میں اہلیت ہی نہیں تھی لہٰذا ان کی ادا واجب نہیں «وَالْقَضَاءُ يُرَتَّبُ عَلَيْهِ» اور قضا کیا ہے؟ ادا پر ہی مرتب ہوتی ہے، اور گزشتہ ایام میں تو اہلیت نہیں تھی، اس پر ادا واجب نہیں تھی تو قضا بھی اس پر واجب نہیں، معلوم ہوا گزشتہ ایام کی قضا اس کے ذمے نہیں۔ «وَصَارَ كَالْمُسْتَوْعِبِ» اور یہ جو ہے، یہ جنون بھی جنونِ مستوعب کی طرح ہو گیا۔ یہ جنون بھی کس کی طرح ہوا؟ وہ جنون جو پورے مہینے کا احاطہ کر لے، اور آپ نے ابھی متن میں گزشتہ متن میں یہی مسئلہ پڑھا، وہ جنون جو پورے مہینے کا احاطہ کر لے اس کے اندر اس شخص پر بعد میں بھی قضا واجب نہیں۔ تو امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ یہ جو جنون بعضِ رمضان میں پایا گیا اس کو قیاس کرتے ہیں اس جنون پر جو پورے مہینے کا احاطہ کر لے، وہ فرماتے ہیں جیسے وہاں پر قضا نہیں آتی تھی تو یہاں اس کے اندر بھی قضا نہیں ہے۔ یعنی وہ وہ قیاس کرتے ہیں بعض کو کل پر، جب کل کے اندر جنون پایا جائے تو قضا نہیں ہوتی تو بعض کے اندر جب جنون پایا جائے تو اس میں بھی قضا نہیں آئے گی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «وَصَارَ كَالْمُسْتَوْعِبِ» اور یہ جنون جو بعضِ مہینے میں پایا گیا یہ بھی کس کی طرح ہوا؟ اس جنون کی طرح جو مستوعب تھا، پورے مہینے کو گھیرنے والا تھا۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ السَّبَبَ قَدْ وُجِدَ» کہ تحقیق سبب پایا گیا ہے۔ روزوں کے وجوب کا سبب پایا گیا ہے «وَهُوَ الشَّهْرُ» اور وہ کیا ہے؟ وہ رمضان کا مہینہ ہے، یعنی بعضِ مہینہ ہے، اور اس کو بھی بعضِ مہینے میں افاقہ ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ تو اس نے سبب کو پالیا یعنی بعضِ مہینے کو۔ اور جو آپ کہتے ہیں اس کے اندر اہلیت نہیں تھی ان دنوں کے اندر، ہم کہتے ہیں اہلیت یہاں ذمے کی وجہ سے ہے، کس کی وجہ سے؟ ذمے، یہ پہلے بھی میں بیان کر چکا ہوں، ذمہ اس مفہوم کا نام ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی حق کا مستحق بنتا ہے، کسی حق کا مستحق بنتا ہے اور کسی حق کی ادائیگی کا ذمہ دار بنتا ہے، تو وہ مفہوم وہ چیز جس کی وجہ سے انسان حقوق کا مستحق بنتا ہے اور ان کی ادائیگی کا ذمہ دار بنتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ذمہ کہتے ہیں۔ کسے کہتے ہیں ذمہ؟ وہ مفہوم یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے انسان اپنے حقوق کا مستحق بنتا ہے اور دوسروں کے حقوق کا ذمہ دار بنتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ذمہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ ذمہ کہتے ہیں۔ لہٰذا مجھے آپ بتائیے، آپ پڑھ چکے ہوں گے، اگر مجنون کسی شخص کا مال ضائع کر دے، جلا دے یا ضائع کر دے، تو کیا اس کے مجنون کے مال میں سے اس کو ضمان دیا جائے گا یا نہیں دیا جائے گا؟ اس کو دیا جائے گا، کیا کیا جائے گا؟ اس کا ضمان دیا جائے گا اس کے مال میں سے کیونکہ اس نے دوسرے کا مال ضائع کیا ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ معلوم ہوا اس کا ذمہ موجود ہے، اور یہاں پر بھی اہلیت کس کی وجہ سے ہے؟ ذمے کی وجہ سے ہے۔ یہاں پر بھی اہلیت کس کی وجہ سے ہے؟ ذمے کی وجہ سے ہے، اور ذمہ کی وجہ سے وجوب آ جاتا ہے، تو جب ذمہ موجود ہے تو اس پر روزوں کا وجوب آئے گا بھائی، وہ روزوں کا وجوب آئے گا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہاں وجوب اور اہلیت کس کی وجہ سے ہے؟ ذمے کی وجہ سے ہے، تو پھر ذمہ تو اس کو جب پورا مہینہ جنون رہا، ذمہ تو اس کا اس وقت بھی موجود تھا، اور اس وقت آپ نے کیا کہا؟ اس پر قضا نہیں آئے گی، تو ذمہ تو وہاں بھی موجود ہے، جیسے یہاں پر ذمہ موجود ہے تو وہاں بھی قضا واجب ہونی چاہیے۔ تو جواب یہ

کہ بھائی یہ ذمہ جو ہے ناذمہ، اس کی وجہ سے وجوب آتا ہے۔ لہٰذا جو بچہ ہے بچہ، اس کا بھی ذمہ موجود ہے، اس پر بھی روزے واجب ہونے چاہییں، لیکن چونکہ اس کا جو عذر ہے اس میں امتداد پایا جارہا ہے، اس کا عذر کیا ہے؟ بچپنا ہے، اور بچپنے میں کیا ہے؟ امتداد ہے، تو وہاں دفعِ حرج کی وجہ سے وجوب کو کیا کر دیا گیا؟ ساقط کر دیا گیا۔ تو یہاں پر بھی جب جنون جنون کے اندر اس کا ذمہ تو موجود، لیکن جب یہ جنون پورے مہینے کا احاطہ کرلے گا تو اب اگر اس پر قضا واجب کی جائے تو کیا لازم آئے گا؟ حرج لازم آئے گا۔ اس لیے وہاں دفعِ حرج کی وجہ سے پورے مہینے کی قضا اس پر واجب قرار نہیں دی گئی، اور یہاں پر تو پورے مہینے کی قضا نہیں ہے اس کے ذمے، یہ تھوڑے سے روزے ہیں دس یا پندرہ جو گزرے ہیں، ان کی ادائیگی تو اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بات دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ وجوب فی الذمہ جو ہے وجوب فی الذمہ، چاہے بچہ ہے چاہے مجنون ہے، ان کے اندر ذمہ موجود ہے، وجوب آنا چاہیے، لیکن بچے کے اندر وجوب کیوں ساقط کر دیا گیا؟ دفعِ حرج کے لیے، کیونکہ امتداد ہے، اور جنون کے اندر بھی جہاں امتداد ہو گا تو دفعِ حرج کے لیے روزوں کو ساقط کر دیا جائے گا، اور جہاں امتداد نہیں وہاں ادائیگی کے اندر چونکہ کوئی حرج نہیں تو اس پر وجوب رہے آئے گا اور اس پر قضا واجب ہو گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

یہ معنی ہے «وَلَنَا أَنَّ السَّبَبَ قَدْ وُجِدَ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ روزوں کے وجوب کا جو سبب ہے تحقیق وہ پایا گیا ہے «وَهُوَ الشَّهْرُ» اور وہ مہینہ ہے، یعنی بعضِ مہینہ ہے «وَالْأَهْلِيَّةُ بِالذِّمَّةِ» اور اہلیت کس کی وجہ سے ہے؟ ذمے کی وجہ سے ہے، تو اس میں اہلیت ہے جب اس کا ذمہ موجود ہے «وَفِي الْوُجُوبِ فَائِدَةٌ» اور وجوب کے اندر فائدہ بھی ہے یہاں پر «وَهُوَ صَيْرُورَتُهُ مَطْلُوبًا عَلَى وَجْهٍ لَا يُحْرَجُ فِي أَدَائِهِ» وہ روزے کا ہو جانا ہے مطلوب ایسے طریقے پر کہ حرج نہ ہو اس کی ادائیگی میں۔ یہاں پر بھائی روزے کی روزہ جو ہے وہ مطلوب بن جائے گا، روزہ کیا بن جائے گا؟ مطلوب بن جائے گا ایسے طریقے پر کہ اس کی ادائیگی میں حرج نہ ہو، اور یہاں بھی جب چند ایام ہیں تو اس کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں، تو لہٰذا روزہ مطلوب بن جائے گا ایسے طریقے پر کہ اس کی ادائیگی میں حرج نہیں ہو گا «بِخِلَافِ الْمُسْتَوْعِبِ» بخلاف وہ جنون جو کیا کرلے؟ پورے مہینے کا احاطہ کرلے «لِأَنَّهُ يُحْرَجُ فِي الْأَدَاءِ فَلَا فَائِدَةَ» وہاں پر حرج ہو گا ادائیگی کے اندر لہٰذا کوئی فائدہ نہیں، تو یہاں پر فائدہ ہے کہ ادائیگی میں کوئی حرج نہیں لہٰذا اس کو واجب قرار دیا جائے گا، اور پورے مہینے کو گھیر لے تو وہاں فائدہ نہیں ہے کیونکہ وہ حرج میں پڑ جائے گا وہ آدمی، اس لیے وہاں وجوب بھی نہیں آئے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «وَتَمَامُهُ فِي الْخِلَافِيَّاتِ» اور یہ پورا مسئلے کی پوری تفصیل جو ہے «فِي الْخِلَافِيَّاتِ» خلافیات کے اندر مذکور ہے، یعنی ان کتابوں کے اندر جن میں اختلافی مسائل ذکر ہیں وہاں پر اس مسئلے کی پوری تفصیل مذکور ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ

«ثُمَّ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ» پھر کوئی فرق نہیں ہے جنونِ اصلی اور جنونِ عارضی میں۔ بھائی جنونِ اصلی یہ ہے کہ کوئی شخص بالغ ہوتا ہے حالتِ جنون میں، بالغ ہوتے وقت ہی وہ کیا تھا؟ مجنون تھا، یہ ہے جنونِ اصلی۔ اور ایک صورت یہ کہ بالغ ہوتے وقت تو ٹھیک تھا، بعد میں جنون پیش آیا تو یہ ہے جنونِ عارضی، یہ کیا ہے؟ جنونِ عارضی۔ تو یہاں پر جنونِ اصلی اور عارضی میں کوئی فرق نہیں ہے، چاہے جنون اصلی ہو چاہے عارضی ہو، درمیان میں جب افاقہ ہو گیا تو پچھلے دنوں کی بھی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔

تو کہتے ہیں «ثُمَّ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ» پھر کوئی فرق نہیں ہے جنونِ اصلی اور عارضی میں «قِيلَ هٰذَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ» اور کہا گیا ہے کہ یہ ظاہرِ روایت میں ہے، ظاہرِ روایت میں کوئی فرق نہیں کیا گیا جنونِ اصلی اور عارضی میں۔ «وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اور امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے «أَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا» انہوں نے تفریق کی ہے دونوں کے درمیان یعنی فرق کیا ہے، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں «لِأَنَّهُ إِذَا بَلَغَ مَجْنُونًا» کہ جب کوئی شخص بالغ ہی کس حالت میں ہو؟ جنون کی حالت میں یعنی جنونِ اصلی ہو «الْتَحَقَ بِالصَّبِيِّ» اس کو انہوں نے ملایا ہے بچے کے ساتھ۔ اس کو کس کے ساتھ ملایا ہے؟ بچے کے ساتھ، اور بچے کے مسئلے میں آپ نے کیا پڑھا پچھلے سبق میں؟ کہ جو گزشتہ ایام ہوتے ہیں ان کی قضا اس کے ذمے ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ گزشتہ ایام کی قضا اس کے ذمے نہیں ہوتی، تو یہاں پر بھی اگر جنون اصلی ہو تو پچھلے ایام کی قضا نہیں ہو گی، اور اگر جنون عارضی ہو تو گزشتہ ایام کی بھی قضا ہو گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

«لِأَنَّهُ إِذَا بَلَغَ مَجْنُونًا الْتَحَقَ بِالصَّبِيِّ» اس لیے کیونکہ جب کوئی شخص مجنون ہونے کی حالت میں بالغ ہو «الْتَحَقَ بِالصَّبِيِّ» تو وہ کس کے ساتھ مل جائے گا؟ بچے کے ساتھ مل جائے گا «فَانْعَدَمَ الْخِطَابُ» تو خطاب معدوم ہو گا، خطاب اس کی طرف متوجہ نہیں ہو گا تو اس پر گزشتہ ایام کی قضا بھی نہیں «بِخِلَافِ مَا إِذَا بَلَغَ عَاقِلًا ثُمَّ جُنَّ» بخلاف اس کے کہ جب وہ عقل کی حالت میں بالغ ہوا «ثُمَّ جُنَّ» پھر وہ مجنون ہوا، اس میں ایسا نہیں ہے، اس میں گزشتہ ایام کی بھی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ «وَهٰذَا مُخْتَارُ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ» اور یہی مختار ہے بعض متاخرین کا، بعض متاخرین نے اسی کو کیا کیا ہے؟ پسند کیا ہے اور اس قول کو لیا ہے کہ جنون اصلی ہو تو گزشتہ ایام کی قضا نہیں، اور جنون عارضی ہو تو گزشتہ ایام کی قضا ہے۔

چلیے بس بھائی «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ».

سبق نمبر ۱۲۶: وَمَنْ لَمْ يَنْوِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ لَا صَوْمًا وَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۴۲ — بتاریخ: ۱۷ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمَنْ لَمْ يَنْوِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ لَا صَوْمًا وَلَا فِطْرًا فَعَلَيْهِ قَضَاؤُهُ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَتَأَدَّى صَوْمُ رَمَضَانَ بِدُونِ النِّيَّةِ فِي حَقِّ الصَّحِيحِ الْمُقِيمِ، لِأَنَّ الْإِمْسَاكَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ، فَعَلَى أَيِّ وَجْهٍ يُؤَدِّيهِ يَقَعُ عَنْهُ، كَمَا إِذَا وَهَبَ كُلَّ النِّصَابِ لِلْفَقِيرِ۔ [1]

صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک شخص نے سارا رمضان نہ تو روزے کی نیت کی اور نہ فطر کی نیت کی، البتہ امساک پایا گیا۔ امساک جو ہے یعنی سارے دن میں صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور صحبت سے امساک تو پایا گیا ہے پورا رمضان، لیکن نہ اس نے روزے کی نیت کی ہے، نہ یہ نیت کی ہے کہ میں روزہ نہیں رکھتا، فطر کی بھی نیت نہیں کی۔ تو یاد رکھیے، ہمارے نزدیک روزہ عبادت ہے، اس کے لیے نیت کا ہونا ضروری، لہٰذا صرف امساک سے روزہ ادا نہیں ہو گا بلکہ کیا ضروری ہے؟ نیت ضروری ہے اور نیت تو نہیں پائی گئی، لہٰذا یہ روزے نہیں ہوئے بھئی۔ اور جب روزے نہیں ہوئے تو اس کے ذمے اب سارے رمضان کی قضا آئے گی بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے روزے شریعت کی جانب سے مقرر ہیں، اس لیے ان میں نیت کی بھی ضرورت نہیں۔ بغیر نیت کے ہی امساک پایا جائے تو وہ امساک کس کی طرف سے واقع ہو گا؟ رمضان کے روزوں کی طرف سے، لہٰذا اس کے سارے روزے ادا ہو گئے، کیونکہ امساک تو پایا گیا، لہٰذا اس پر کوئی قضا نہیں ہے۔

وہ اس کو قیاس کرتے ہیں جیسے ایک شخص اس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے اندر ضروری ہے کہ انسان جو ہے وہ نیت کرے۔ کیا کرے؟ زکوٰۃ کی ادائیگی میں آپ پڑھ چکے ہیں کیونکہ زکوٰۃ بھی عبادت ہے اور ہر عبادت کے لیے کیا ضروری ہے؟ نیت ضروری ہے۔ تو زکوٰۃ فقیر کو دیتے ہوئے یہ نیت کرنا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے، یہ میں زکوٰۃ کے پیسے اس کو دے رہا ہوں یا اس مال کو جدا کرتے وقت کم از کم نیت کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص سارا نصاب ہی کیا کر دیتا ہے؟ فقیر کو دے دیتا ہے، محتاج کو دے دیتا ہے، تو اس صورت میں آپ مسئلہ پڑھ چکے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اس لیے کیونکہ جب یہ سارا نصاب فقیر کو دے رہا ہے تو قربت کی نیت تو پائی گئی۔ فقیر کو دے رہا ہے سارا مال، تو کس چیز کی نیت پائی گئی؟ قربت کی نیت تو پائی گئی کہ اللہ کے راستے میں دے رہا ہے، صرف تعیینِ نیت باقی رہ گیا۔ کیا چیز؟ یہ تعیین اس نے نہیں کی کہ یہ زکوٰۃ بھی میں اسی میں دے رہا ہوں، زکوٰۃ کی تعیین اس نے نہیں کی اور تعیین کی وہاں ضرورت پڑتی ہے جہاں ایک چیز متعین نہ ہو، لیکن یہاں جب وہ سارا نصاب دے رہا ہے تو زکوٰۃ بھی اسی کا ایک جز ہوئی، تو وہ اسی کے اندر متعین ہوئی اور جو چیز متعین ہو اس کے لیے تعیین کی ضرورت نہیں۔ تو امام زفر فرماتے ہیں: جیسے سارا نصاب فقیر کو دے دیا جائے تو اسی کے ساتھ زکوٰۃ بھی خود بخود ادا ہو جاتی ہے، یہاں بھی اسی طرح ہے جب امساک پایا گیا تو یہ خود بخود کس کی طرف سے واقع ہو گا؟ رمضان کی طرف سے واقع ہو گا اور اس کے سارے روزے ادا ہو جائیں گے بھئی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ لَمْ يَنْوِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ لَا صَوْمًا وَلَا فِطْرًا فَعَلَيْهِ قَضَاؤُهُ**، اور جس شخص نے نیت نہیں کی سارے رمضان کے اندر نہ تو روزے کی اور نہ فطر کی، **فَعَلَيْهِ قَضَاؤُهُ** تو اس پر اس رمضان کی قضا واجب ہے۔ **وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يَتَأَدَّى صَوْمُ**

[1] شاملہ (ص ۱۷۱) میں «لِلْفَقِيرِ» کے بجائے «من» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۱) میں «هِبَةِ» کے بجائے «نية» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۱) میں «التَّشْبِيهُ» کے بجائے «التشبه» درج ہے۔

رَمَضَانَ بِدُونِ النِّيَّةِ کہ رمضان کا روزہ ادا ہو جاتا ہے بغیر نیت کے ہی، **فِي حَقِّ الصَّحِيحِ الْمُقِيمِ** وہ شخص جو تندرست ہے اور مقیم ہے، اس کے حق میں رمضان کا روزہ بغیر نیت کے ہی ادا ہو جاتا ہے، اس لیے کیونکہ اس کو کس نے متعین کیا ہے؟ شریعت نے اس وقت کو متعین ہی روزے کے لیے کیا ہے، تو تعیین شریعت کی طرف سے آچکی ہے، لہٰذا یہ ادا ہو جائے گا۔ **لِأَنَّ الْإِمْسَاكَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ** اس لیے کیونکہ امساک جو ہے یعنی کھانے پینے اور صحبت سے رکنا **مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ** وہ اس شخص پر لازم ہے۔ اس شخص پر جس نے رمضان کو پایا ہے اور تندرست ہے اور مقیم ہے، اس پر یہ امساک لازم ہے۔ **فَعَلَى أَيِّ وَجْهٍ يُؤَدِّيهِ يَقَعُ عَنْهُ** تو جس طریقے پر بھی یہ اس امساک کو ادا کرے گا **يَقَعُ عَنْهُ** تو یہ کس سے واقع ہو گا؟ رمضان ہی سے واقع ہو گا۔ وہ فرماتے ہیں: **كَمَا إِذَا وَهَبَ كُلَّ النِّصَابِ لِلْفَقِيرِ** جیسے کہ کوئی شخص دے دے سارا کا سارا نصاب کس کو؟ فقیر کو، تو جیسے اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اسی طرح یہاں پر اس امساک سے یہ روزے بھی ادا ہو جائیں گے۔

وَلَنَا: أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ الْإِمْسَاكُ بِجِهَةِ الْعِبَادَةِ، وَلَا عِبَادَةَ إِلَّا بِالنِّيَّةِ، وَفِي هِبَةِ النِّصَابِ وُجِدَ نِيَّةُ الْقُرْبَةِ عَلَى مَا مَرَّ فِي الزَّكَاةِ.

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ چیز جو لازم ہے وہ امساک ہے **بِجِهَةِ الْعِبَادَةِ**، کس جہت پر؟ مطلقاً امساک نہیں ہے بلکہ جو لازم ہے اس شخص پر، وہ امساک ہے جو کس طریقے پر ہو؟ عبادت کے طریقے پر ہو، **وَلَا عِبَادَةَ إِلَّا بِالنِّيَّةِ** اور کوئی عبادت بغیر نیت کے نہیں ہے، اور نیت تو یہاں پائی نہیں گئی، لہٰذا یہ امساک بھی عبادت نہیں بنے گا یعنی رمضان کی طرف سے واقع نہیں ہو گا۔ اور باقی جو آپ نے کہا تھا کہ سارا نصاب فقیر کو دے دے تو وہاں بغیر تعیین کے ہی خود بخود زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، تو وہاں ہم کہتے ہیں کہ نفسِ قربت کی نیت تو پائی گئی، جب فقیر کو دے رہا ہے معلوم ہوا کس لیے دے رہا ہے؟ اللہ کی رضا کے لیے دے رہا ہے، تو نفسِ قربت کی نیت بھی وہاں کافی ہے۔ لیکن یہاں تو نفسِ قربت کی نیت سرے سے پائی ہی نہیں گئی، اگر نفسِ قربت کی نیت یہاں ہوتی تو اس صورت میں تو پھر یہ امساک روزہ بن سکتا تھا، کیونکہ رمضان کے روزے کے اندر نفسِ نیت بھی کافی ہے، آپ پہلے مسئلہ پڑھ چکے ہیں، لیکن یہاں تو نفسِ نیت سرے سے پائی ہی نہیں گئی تو یہ دونوں صورتیں مختلف ہو گئیں، وہاں نفسِ نیت ہے، یہاں نفسِ نیت نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَفِي هِبَةِ النِّصَابِ وُجِدَ نِيَّةُ الْقُرْبَةِ عَلَى مَا مَرَّ فِي الزَّكَاةِ** اور پورے نصاب کو ہبہ کرنے کے اندر قربت کی نیت پائی گئی، بوجہ اس کے جو گزر گئی زکوٰۃ کے اندر بھی۔

وَمَنْ أَصْبَحَ غَيْرَ نَاوٍ لِلصَّوْمِ فَأَكَلَ لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

▪ صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک شخص نے صبح کی اس حال میں کہ اس کی نیت

صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک شخص نے صبح کی اس حال میں کہ اس کی نیت روزے کی نہیں تھی، روزہ رکھنے کی نیت نہیں تھی۔ پھر اس نے بعد میں کچھ کھایا اور پیا، تو کیا اس پر کفارہ آئے گا یا کفارہ نہیں آئے گا؟ تو امام صاحب کے نزدیک اس پر کفارہ نہیں آئے گا بھئی، کیونکہ کفارہ آتا ہے روزے کو توڑنے کی صورت میں، اور یہاں روزے کا توڑنا نہیں پایا گیا، روزے سے رکنا پایا گیا، وہ روزے سے رک گیا، اس نے روزہ رکھا ہی نہیں، ہاں رکھتا اور پھر کچھ کھاتا تو پھر کیا آتا؟ کفارہ آتا۔

یہ معنی ہے: **وَمَنْ أَصْبَحَ غَيْرَ نَاوٍ لِلصَّوْمِ** اور جس شخص نے صبح کی اس حال میں کہ وہ نیت کرنے والا نہیں تھا روزے کی، **فَأَكَلَ** پھر اس نے کھا لیا، **لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ** تو اس پر کفارہ نہیں ہے، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** امام صاحب کے نزدیک۔

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ، لِأَنَّهُ يَتَأَدَّى بِغَيْرِ النِّيَّةِ عِنْدَهُ. اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کفارہ واجب ہے، اس لیے کیونکہ یہ روزہ بغیر نیت کے ہی ادا ہو جاتا ہے ان کے نزدیک۔ ان کے ابھی مسئلہ گزرا، ان کے نزدیک یہاں رمضان کے روزے میں نیت کی ضرورت ہی نہیں ہے، بغیر نیت کے یہ روزہ ہو گا، لہٰذا بے شک اس کی نیت ہو یا نہ ہو، یہ امساک رمضان کی طرف سے ہو گا اور بے شک نیت نہ کرے لیکن یہ روزہ ہی ہے اس کا، اور پھر جب یہ کھا لے گا تو اس نے کیا کیا؟ روزے کو توڑ دیا، لہٰذا اس پر کفارہ آئے گا۔ تو امام زفر فرماتے ہیں اس پر کفارہ ہے، **لِأَنَّهُ يَتَأَدَّى بِغَيْرِ النِّيَّةِ عِنْدَهُ** اس لیے کیونکہ یہ روزہ بغیر نیت کے ہی ادا ہو جاتا ہے ان کے نزدیک۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: إِذَا أَكَلَ قَبْلَ الزَّوَالِ تَجِبُ الْكَفَّارَةُ، لِأَنَّهُ فَوَّتَ إِمْكَانَ التَّحْصِيلِ فَصَارَ كَغَاصِبِ الْغَاصِبِ.

■ اختلافِ ائمہ: صاحبین فرماتے ہیں: کہ اگر یہ شخص جس نے روزے ک

صاحبین فرماتے ہیں: کہ اگر یہ شخص جس نے روزے کی نیت نہیں کی، اس نے زوال سے پہلے کچھ کھاپی لیا تو اس پر کفارہ واجب ہے۔ زوال سے پہلے کچھ کھاپی لیا تو اس پر کفارہ واجب ہے، اس لیے کیونکہ اس نے روزے کی تحصیل کے امکان کو بھی فوت کر دیا۔ صبح تو اس کا ارادہ نہیں تھا روزہ رکھنے کا، لیکن زوال سے پہلے پہلے نیت کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ تو ابھی بھی امکان ہے، امکان ہے، روزے کو حاصل کر سکتا ہے یہ، لیکن جب اس نے کھاپی لیا تو اس نے اس تحصیل کے امکان کو بھی کیا کر دیا؟ ختم کر دیا، اب روزے کو حاصل کرنا ممکن ہی نہ رہا، ممکن ہی نہ رہا۔ تو لہٰذا چونکہ اس نے امکانِ تحصیل کو بھی فوت کر دیا ہے، لہٰذا اس پر کفارہ آئے گا۔ کیا آئے گا؟ کفارہ۔ اور یہ غاصب الغاصب کی طرح ہوا۔ کس کی طرح؟ غاصب الغاصب کی طرح ہوا، اور جیسے اس پر ضمان آتا ہے، یہاں اس پر بھی ضمان آئے گا۔ سمجھ میں آیا؟ غاصب الغاصب بھئی۔

بھئی ایک ہے غاصب۔ غاصب وہ شخص جو کسی دوسرے کی چیز کو چھین لے، اس پر زبردستی قبضہ کر لے، یہ کیا ہے؟ غاصب۔ اور یہ غاصب کے پاس جب تک یہ چیز موجود ہے، اس پر لازم ہے، واجب ہے کہ اس چیز کو واپس کرے، اصل مالک تک پہنچائے۔ مسئلہ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو ایک شخص نے مثلاً آپ کی کوئی کتاب غصب کر لی، تو یہ شخص غاصب ہوا اور اس پر واجب ہے جب تک کتاب اس کے پاس موجود ہے وہ کتاب آپ کو واپس کرے، اور اگر وہ چیز اس کے پاس باقی نہیں رہتی، ضائع ہو جاتی ہے، تو اس کا مثل اس کو دینا پڑے گا، مثلِ صوری یا مثلِ معنوی یعنی قیمت پھر دینا پڑے گی بعض صورتوں میں، بعض صورتوں میں اسی چیز کا مثل آتا ہے۔

پھر اس غاصب کے پاس آپ کی چیز موجود تھی، اس غاصب سے پھر کسی اور نے غصب کر لی، اس نے اس سے زبردستی چھین لی، اور اس کے پاس وہ چیز ہلاک ہو گئی۔ تو وہ جو غاصب دوسرا شخص ہوا، غاصب الغاصب، غاصب سے غصب کرنے والا۔ تو آپ سے تو مثلاً پہلے شخص نے غصب کی تھی، تو لیکن یہاں پر آپ اس پہلے شخص سے یعنی غاصب سے بھی ضمان کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اور آپ اس غاصب الغاصب سے بھی کیا کر سکتے ہیں؟ ضمان کا مطالبہ کر سکتے ہیں بھئی، دونوں سے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ بھئی پہلے نے تو آپ سے غصب کیا تھا، ٹھیک ہے اس پہ تو ضمان آنا چاہیے، دوسرے نے تو آپ سے غصب نہیں کیا، لیکن پھر بھی، پھر بھی آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اس سے بھی ضمان کا مطالبہ کر سکتے ہیں، نہیں دیتا تو قاضی کے پاس لے جا کر وصول کر سکتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو صاحبین فرماتے ہیں: دیکھیے، جیسے غاصب سے ضمان کا مطالبہ ہو سکتا ہے، اسی طرح غاصب الغاصب سے بھی ضمان کا مطالبہ ہو سکتا ہے، کیوں ہو سکتا ہے؟ اس لیے کیونکہ چیز جب تک غاصب کے پاس تھی اس کو حاصل کرنا ممکن تھا، امکانِ تحصیل موجود تھا، امکانِ تحصیل موجود تھا کہ اس سے واپس لے لی جائے چیز بھئی، لیکن جب اگلے غاصب نے اس سے غصب کر کے ضائع کی ہے تو اس غاصب الغاصب نے کیا کام کیا؟ اس تحصیل کے امکان کو بھی ختم کر دیا۔ پہلے تو کیا امکان تھا؟ کہ اس سے واپس لے لیں گے پہلے غاصب سے، لیکن جب دوسرے نے اسے غصب کر کے ختم کر دی چیز تو اب وہ امکان بھی ختم ہوا، تو چونکہ اس نے تحصیل کے امکان کو بھی ختم کر دیا، تو اس لیے اس پر کیا آتا ہے؟ ضمان آتا ہے۔ تو یہاں بھی اسی طرح یہ روزہ دار جس نے روزے کی نیت نہیں کی، لیکن زوال سے پہلے نیت کر سکتا تھا، ابھی بھی روزے کو حاصل کرنا ممکن ہے، لیکن اگر اس نے زوال سے پہلے کچھ کھاپی لیا، تو اس صورت نے اس صورت میں اس نے روزے کی تحصیل کے امکان کو بھی کیا کر دیا؟ فوت کر دیا، اس کو ختم کر دیا، تو یہ کس کی طرح ہوا؟ غاصب الغاصب کی طرح ہوا، اور لہٰذا جیسے اس پر ضمان آتا تھا، اس پر بھی کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا یعنی اس کو کفارہ دینا پڑے گا، کیونکہ اس نے تحصیل کے امکان کو ختم کر دیا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ** اور صاحبین فرماتے ہیں: **إِذَا أَكَلَ قَبْلَ الزَّوَالِ تَجِبُ الْكَفَّارَةُ** کہ جب اس شخص نے کھا لیا زوال سے پہلے ہی **تَجِبُ الْكَفَّارَةُ** تو کفارہ واجب ہو گا، **لِأَنَّهُ فَوَّتَ إِمْكَانَ التَّحْصِيلِ** اس لیے کیونکہ اس شخص نے فوت کر دیا تحصیل کے امکان کو، روزے کو حاصل کرنے کے امکان کو بھی اس نے فوت کر دیا، **فَصَارَ كَغَاصِبِ الْغَاصِبِ** تو یہ شخص کس کی طرح ہوا؟ غاصب الغاصب کی طرح ہوا۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِالْإِفْسَادِ، وَهَذَا امْتِنَاعٌ، إِذْ لَا صَوْمَ إِلَّا بِالنِّيَّةِ۔

■ اختلافِ ائمہ: امام صاحب کے نزدیک اوپر متن میں مسئلہ آیا تھا

امام صاحب کے نزدیک اوپر متن میں مسئلہ آیا تھا کہ اس پر کفارہ نہیں، تو ان کی کیا دلیل ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ **أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِالْإِفْسَادِ** کہ کفارہ جو ہے اس کا تعلق روزہ فاسد کرنے کے ساتھ ہے، کیونکہ خود کیا کرے؟ روزے کو فاسد کرے پھر کفارہ آتا ہے، **وَهَذَا امْتِنَاعٌ** اور یہاں پر افساد نہیں ہے بلکہ امتناع ہے، روزے سے رکنا ہے، روزے سے باز رہنا ہے۔ تو کفارہ افسادِ صوم میں آتا ہے، امتناع عن الصوم کے اندر نہیں آتا۔

تو کہتے ہیں: **وَهَذَا امْتِنَاعٌ** اور یہ روزے سے رکنا ہے، **إِذْ لَا صَوْمَ إِلَّا بِالنِّيَّةِ** اس لیے کیونکہ کوئی روزہ بغیر نیت کے نہیں پایا جاتا، اور نیت تو اس نے صبح

سے نہیں کی تھی کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا بھئی۔

اور باقی آپ نے کیا کہا؟ اس کو غاصب الغاصب پر قیاس کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ غاصب الغاصب کے مسئلے میں احتیاط اس کے اندر ہے کہ غاصب الغاصب پر ضمان واجب کیا جائے بطورِ زجر کے، بطورِ ڈانٹ کے، تاکہ اس شخص کو تنبیہ ہو جائے، یہ غاصب الغاصب کو تنبیہ ہو جائے، آئندہ کسی کے ساتھ اس طرح نہ کرے اور لوگوں کو بھی نصیحت ہو جائے، تو وہاں احتیاط اس میں ہے کہ اس پر ضمان کو واجب کیا جائے، اور کفارے کے مسئلے کے اندر احتیاط اس کے اندر ہے کہ کفارے کو ساقط کر دیا جائے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ وہاں احتیاط ہے ضمان کو ثابت کرنے میں، اور یہاں احتیاط ہے کفارے کو ساقط کرنے میں بھئی، تو اس لیے ہم نے دونوں جگہ احتیاط والی صورت پر عمل کیا، وہاں ضمان کو واجب قرار دیا اور یہاں کفارے کو ساقط کیا بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

وَإِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ أَوْ نَفِسَتْ أَفْطَرَتْ وَقَضَتْ۔

وَإِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ اور جب عورت حیض والی ہو جائے یعنی اس کا حیض شروع ہو جائے، **أَوْ نَفِسَتْ**، **نَفِسَتْ** پڑھنا بھی صحیح اور **نُفِسَتْ** نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھنا بھی صحیح، یا وہ نفاس والی ہو جائے، **أَفْطَرَتْ** تو کیا کرے؟ افطار کر لے، **وَقَضَتْ** اور قضا کرے۔ یعنی رمضان میں اگر عورت کو حیض یا نفاس شروع ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ افطار کر لے، افطار کر لے، اور صرف بعد میں کیا کرے گی؟ قضا کرے گی۔

اور نماز کے مسئلے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حیض اور نفاس یہ نماز کی قضا کو بھی ساقط کر دیتے ہیں، اس عورت پر نمازوں کی قضا نہیں ہے۔ اس لیے کیونکہ حیض تو عورت کو ہر مہینے آتا ہے، تو اب ہر مہینے اگر اس پر نمازوں کی قضا واجب کی جائے تو وہ مشکل میں پڑ جائے گی، اور شریعت میں تو کسی مسئلے کے اندر بھی مشکل نہیں ہے، حرج کو دور کیا گیا ہے، لہٰذا نمازوں کی قضا کو اس سے ساقط کر دیا گیا۔ لیکن روزے تو سال میں ایک ہی دفعہ آتے ہیں، یہاں اگر حیض کی وجہ سے پانچ چھ روزے وہ نہیں بھی رکھ سکی، تو آگے پھر رمضان کے بعد پورا سال ہے کیا کر سکتی ہے؟ اطمینان سے یہ پانچ چھ روزے رکھ سکتی ہے، اس میں کوئی حرج اور مشکل نہیں ہے بھئی۔

یہ معنی ہے: جب عورت کو حیض آ جائے **أَوْ نَفِسَتْ** یا وہ نفاس والی ہو جائے **أَفْطَرَتْ** تو افطار کر لے **وَقَضَتْ** اور قضا کرے، **بِخِلَافِ الصَّلَاةِ، لِأَنَّهَا تَحْرَجُ فِي قَضَائِهَا، وَقَدْ مَرَّ فِي الصَّلَاةِ،** بخلاف نماز کے اندر، **لِأَنَّهَا تَحْرَجُ فِي قَضَائِهَا** وہ حرج میں پڑ جائے گی ان نمازوں کی قضا کے اندر، اس لیے نمازیں اس سے ساقط ہوں گی ان کی قضا نہیں ہو گی، **وَقَدْ مَرَّ فِي الصَّلَاةِ** اور تحقیق یہ بات گزر چکی ہے نماز کے باب میں، نماز کے مسائل میں۔

وَإِذَا قَدِمَ الْمُسَافِرُ أَوْ طَهُرَتِ الْحَائِضُ فِي بَعْضِ النَّهَارِ أَمْسَكَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا۔

بھئی یاد رکھیے، یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی کہ ایک شخص جو ہے اولِ نہار کے اندر اگر اس میں روزے کی اہلیت نہیں ہے یا اولِ نہار میں کوئی مانع وغیرہ پایا جا رہا ہے یا اولِ نہار میں رخصت وغیرہ ہے اور وہ روزہ نہیں رکھتا، اور بعد میں وہ مانع چلا گیا یا اہلیت آ گئی یا وہ **مرخِّص** ختم ہو گیا، تو پھر باقی کا دن بھی جو ہے اس پر اس کے لیے کھانے پینے کی اجازت نہیں ہے بلکہ وہ اب روزہ تو نہیں رکھ سکتا لیکن کیا کرنا پڑے گا؟ روزہ داروں کی مشابہت اس کو اختیار کرنا پڑے گی، لہٰذا اس کو کھانے پینے سے رکنا اس پر واجب ہو گا۔ کیا ہو گا؟ واجب ہو گا۔

چنانچہ یہی بیان کر رہے ہیں کہ مثلاً ایک شخص مسافر تھا اولِ نہار میں، اور مسافر کو تو شریعت نے رخصت دی ہے افطار کی، پھر، پھر اس کے بعد وہ مقیم بن گیا دن کے کسی حصے میں، تو یا اسی طرح عورت اولِ نہار کے اندر اس کو حیض تھا اور دن میں کسی وقت وہ پاک ہو گئی، تو اب کیا باقی کا دن وہ کھائیں گے یا پیئیں گے؟ تو مسئلہ میں نے ذکر کر دیا کہ اب باقی کے دن کیا ضروری ہے ان پر؟ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کرنا ضروری ہے، اور لہٰذا اب یہ باقی کا دن کچھ کھائیں گے پیئیں گے نہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ باقی کا دن یہ کچھ نہیں کھائیں گے پیئیں گے بلکہ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کریں گے اور کھانے پینے وغیرہ سے رکے رہیں گے بھئی۔

کہتے ہیں: **وَإِذَا قَدِمَ الْمُسَافِرُ أَوْ طَهُرَتِ الْحَائِضُ فِي بَعْضِ النَّهَارِ** اور جس وقت مسافر آ جائے یعنی شہر میں پہنچ جائے، مقیم ہو جائے، **أَوْ طَهُرَتِ الْحَائِضُ** یا پاک ہو جائے حیض والی عورت **فِي بَعْضِ النَّهَارِ** دن کے کچھ حصے کے اندر، بعض دن کے اندر، **أَمْسَكَا** تو یہ دونوں رکیں گے **بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا** اپنے اپنا باقی دن جو ہے یہ رکے رہیں گے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجِبُ الْإِمْسَاكُ۔

امام شافعی رحمہ اللہ اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ امساک، یہ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کرنا، یہ خلیفہ ہے وجوب کا۔ روزہ داروں، توجہ ہے سبق کی طرف؟ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کرنا یہ خلیفہ ہے کس کا؟ وجوب کا۔ تو وہ شخص اگر ایسا ہو کہ اولِ نہار میں اس پر وجوب آ سکتا ہے، کیا؟ اولِ نہار میں اس پر وجوب آ سکتا ہے اور پھر روزہ نہیں رکھا یا کوئی صورت بن گئی، اس پر چونکہ اولِ نہار کے اندر وجوب آ سکتا تھا، لہٰذا وجوب یعنی اس نے تو اس پر عمل

کیا نہیں، لہٰذا باقی کے دن اس پر کیا ضروری؟ روزہ تو نہیں آیا لیکن کیا آجائے گا اس کا؟ خلیفہ آجائے گا اور وہ کیا ہے؟ ان روزہ داروں کی مشابہت، روزہ داروں کی مشابہت۔

تو وہ فرماتے ہیں: یہ امساک کا لازم ہونا، امساک کا لازم ہونا صرف اسی کے اسی شخص کے بارے میں ہو گا جس کے بارے میں وجوب آسکے، جس پر وجوب روزے کا آسکے اولِ نہار میں، اسی پر بقیہ نہار میں امساک بھی آسکتا ہے، اور جس پر اولِ نہار کے اندر وجوب نہیں آسکتا، اس پر بقیہ یوم کے اندر امساک بھی لازم نہیں ہو گا۔

مثلاً وہ فرماتے ہیں: ایک شخص ہے اس پر صبح روزے کا وجوب آیا اور پھر اس نے روزہ جان بوجھ کر توڑ دیا، جب جان بوجھ کر توڑ دیا تو قضا بھی اس پر آئے گی اور کفارہ بھی آئے گا، لیکن اب یہ باقی دن بھی اس کو کھانے پینے سے رکنا اس پر لازم ہے، کیونکہ اصل وجوب اس پر آیا تھا یا نہیں آیا تھا؟ وجوب آیا تھا، وجوب جب اس پر آیا تو اس کا خلیفہ بھی یعنی صوم اس پر آیا تھا تو صوم کا خلیفہ بھی اس پر آئے گا اور خلیفہ کیا ہے؟ مشابہت اختیار، روزہ تو اس نے توڑ دیا لیکن اب یہ نہیں کہ باقی دن کھاتا پیتا رہے بلکہ کیا ضروری ہے اس پر؟ مشابہت اختیار کرنا پڑے گی روزہ داروں کی اور اس پر واجب ہے کہ اب شام تک کچھ کھائے پیئے نہ بھئی۔

یا اسی طرح، اسی طرح ایک آدمی اس پر اولِ نہار میں روزے کا وجوب آیا اور وہ سحری کھانے میں مشغول ہے، اس کا خیال ہے ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی، اور وہ جب سحری کھا کر اس نے دیکھا تو فجر تو طلوع ہو چکی ہے، فجر تو طلوع، اب اس کا روزہ تو نہیں، کیونکہ اس نے تو طلوعِ فجر کے بعد کیا کر لی؟ سحری کھائی ہے، لہٰذا اس کا روزہ تو نہیں، غلطی ہوئی اس سے، اس میں تو صرف قضا آئے گی، کفارہ نہیں، تو اس سے غلطی ہو گئی اور اس کا روزہ نہیں، لیکن اس پر اولِ نہار میں وجوب آرہا تھا یا نہیں؟ وجوب آرہا تھا، اور روزہ تو ہوا نہیں، لہٰذا اب کیا کرنا پڑے گا؟ مشابہت اختیار کرنا پڑے گی اور باقی دن اس کو کھانے پینے سے رکنا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو جس پر جس شخص پر روزہ آئے گا اسی پر مشابہت بھی لازم ہو گی، اور جس پر روزہ نہیں آتا اس پر مشابہت بھی نہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں مسافر کو شریعت نے رخصت دی ہے، اولِ نہار کے اندر اس پر روزے کا وجوب نہیں، وہ بعد میں کیا کر سکتا ہے اس کی؟ قضا کر سکتا ہے، شریعت نے رخصت دی ہے یا نہیں دی رخصت؟ تو مسافر پر اولِ نہار میں روزہ واجب نہیں، لہٰذا دن کے کچھ حصے میں آکر اگر یہ مقیم بھی ہو گیا تو اب اس پر جب اصل واجب نہیں تو یہ مشابہت بھی اس پر واجب نہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اسی طرح عورت حیض سے پاک ہوئی تو اولِ نہار میں تو حیض والی تھی، تو اولِ نہار میں اس پر وجوب نہیں، جب اولِ نہار میں وجوب نہیں تو اس کا خلیفہ یعنی مشابہت بھی بقیہ یوم کے اندر اس پر واجب نہیں، دلیل ان کی سمجھ میں آگئی؟

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجِبُ الْإِمْسَاكُ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ كُلُّ مَنْ صَارَ أَهْلًا لِلُّزُومِ وَلَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لَا يَجِبُ الْإِمْسَاكُ** کہ یہ مسافر اور یہ حائضہ عورت جو ہے ان پر امساک واجب نہیں، **وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ كُلُّ مَنْ صَارَ أَهْلًا لِلُّزُومِ** اور اسی اختلاف پر ہے ہر وہ شخص جو لزومِ روزہ کا اہل ہو جائے، اسی اختلاف پر ہے ہر وہ شخص جو لزومِ روزہ کا اہل ہو جائے، جس پر روزہ لازم ہونے کی اہلیت جس میں پیدا ہو جائے، مسافر پر اولِ نہار میں لزومِ روزہ نہیں تھا، اسی طرح حائضہ پر اولِ نہار میں اس میں اہلیت ہی نہیں ہے، جو بھی شخص جس پر بھی دن کے کسی حصے میں کیا آئے گا؟ لزوم آتا ہے، کیا آتا ہے؟ لزوم آتا ہے یعنی وہ مانع چلا جاتا ہے یا اہلیت آگئی، تو اس پر لزوم آگیا یا نہیں؟ ہاں وہ روزہ تو نہیں ہو گا کیونکہ روزہ درمیان سے تو نہیں شروع ہوتا، روزہ تو کب سے شروع ہوتا ہے؟ صبح سے، لیکن لزوم والی حالت آگئی یا نہیں اس کی؟ اور کل سے اگلے دن سے وہ روزے رکھے گا یا نہیں رکھے گا؟ اگلے دن سے، تو جو شخص بھی درمیان میں لزوم والی حالت بن جاتی ہے جس کی، مانع وغیرہ چلا گیا، اہلیت پیدا ہو گئی، **مرخّص** وغیرہ چلا گیا، تو ان سب کے اندر یہی اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک ان پر مشابہت ضروری، ان کے نزدیک مشابہت ضروری نہیں بلکہ اولِ نہار میں دیکھا جائے گا کہ اس پر وجوب آتا ہے یا نہیں، اولِ نہار میں وجوب آتا ہے تو ان کے نزدیک مشابہت بھی لازم ہے، اولِ نہار میں وجوب نہیں تو مشابہت بھی لازم نہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ كُلُّ مَنْ صَارَ أَهْلًا لِلُّزُومِ وَلَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ** اور اسی اختلاف پر ہے ہر وہ شخص جو لزوم کا اہل ہو گیا یعنی روزہ لازم ہونے کا اہلیت جس میں آگئی، **وَلَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ فِي أَوَّلِ الْيَوْمِ** اور حال یہ ہے کہ وہ دن کے اول حصے میں ایسا نہیں تھا، بعد میں کیا آگیا؟ اس پر لزوم آگیا یعنی روزے والی حالت ہو گئی اس کی یعنی روزے کی اہلیت وغیرہ آگئی، مانع چلا گیا، ان سب میں یہی اختلاف ہے۔

هُوَ يَقُولُ: التَّشْبِيهُ خَلَفٌ فَلَا يَجِبُ إِلَّا عَلَى مَنْ يَتَحَقَّقُ الْأَصْلُ فِي حَقِّهِ كَالْمُفْطِرِ مُتَعَمِّدًا أَوْ مُخْطِئًا۔

■ اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: التَّشْبِيهُ

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **التَّشْبِيهُ خَلَفٌ** کہ تشبیہ جو ہے یہ کیا ہے؟ خلیفہ ہے، مشابہت، مشابہ بننا یہ مشابہت اختیار کرنا خلیفہ ہے، **فَلَا يَجِبُ** لہٰذا یہ

تشبیہ واجب نہیں ہوگی، **إِلَّا عَلَى مَنْ يَتَحَقَّقُ الْأَصْلُ فِي حَقِّهِ** مگر اسی شخص پر جس کے حق میں اصل پایا جائے، یہ تشبیہ صرف اس شخص پر واجب ہوگی جس کے حق میں اصل یعنی روزہ پایا جائے، **كَالْمُفْطِرِ مُتَعَمِّدًا أَوْ مُخْطِئًا** جیسے وہ شخص ہے جو روزے کو توڑنے والا ہے جان بوجھ کر یا غلطی سے۔ جان بوجھ کر میں نے مثال ذکر کر دی، جان بوجھ کر کوئی روزہ توڑتا ہے، مخطئ خطا غلطی کرتا ہے، میں نے مثال ذکر کر دی، صبح اس نے سحری کھائی اور فجر طلوع ہو چکی ہے بھئی، فجر صادق بھئی۔

عام غلطی والا نہیں مراد، عام غلطی والا نہیں مراد کہ آپ کلی کر رہے ہیں اور اچانک تھوڑا سا پانی حلق سے اتر گیا، کیونکہ اس طرح کا مخطئ اس کا تو روزہ ٹوٹتا ہی نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ اس مخطئ کو بھی غلطی کرنے والے کو ناسی پر بھولنے والے پر قیاس کرتے ہیں، اور بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو وہ فرماتے ہیں اسی طرح غلطی کرنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی لیے میں نے وہ مثال ذکر کی جس میں ان کے نزدیک بھی روزہ نہیں ہوگا یعنی اس نے کھایا پیا ہے لیکن بالارادہ، بالارادہ۔ کلی کرتے ہوئے تو جو حلق سے پانی اترا تھا اس میں تو ارادہ نہیں تھا اس آدمی کا، اور صبح سحری جو کر رہا ہے وہ تو باقاعدہ کیا کر رہا ہے؟ ارادے سے کھا پی رہا ہے۔

وَلَنَا: أَنَّهُ وَجَبَ قَضَاءً لِحَقِّ الْوَقْتِ لَا خَلَفًا، لِأَنَّهُ وَقْتٌ مُعَظَّمٌ۔

اور ہماری دلیل یاد رکھیے، ہماری دلیل یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ جو مشابہت اختیار کرنا واجب ہے، یہ مشابہت ہم کہتے ہیں یہ روزے کا خلیفہ نہیں ہے۔ آپ نے تو اس کو کیا قرار دیا؟ روزے کا خلیفہ، ہم کہتے ہیں یہ روزے کا خلیفہ نہیں ہے مشابہت، بلکہ یہ اس وقت کا حق ہے۔ یہ جو رمضان کا عظمت والا وقت ہے، یہ اس کا حق ہے، تو اولِ نہار کے اندر تو اہلیت نہیں تھی یا کوئی مانع تھا یا کوئی **مرخِّص** موجود تھا، لیکن اب جب وہ ختم ہو گئے تو اب روزہ تو خیر درمیانِ دن سے یہ رکھ نہیں سکتے، لیکن کم از کم کیا کریں؟ جو باقی دن ہے اس کے اندر اس عظیم وقت کا حق ان پر لازم ہو گیا، اور وہ حق وہ ادا کرنا پڑے گا اور کیا کریں گے؟ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کریں گے، کیونکہ روزہ تو درمیان سے ہو نہیں سکتا بھئی۔

وَلَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ وَجَبَ قَضَاءً لِحَقِّ الْوَقْتِ لَا خَلَفًا** کہ یہ مشابہت جو واجب ہوئی ہے یہ اس وقت کے حق کو ادا کرنے کے لیے ہے، **لَا خَلَفًا** بطورِ خلیفہ کے نہیں ہے، **لِأَنَّهُ وَقْتٌ مُعَظَّمٌ** اس لیے کیونکہ یہ بڑا معظم وقت ہے۔

بِخِلَافِ الْحَائِضِ وَالنُّفَسَاءِ وَالْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ حَيْثُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ حَالَ قِيَامِ هَذِهِ الْأَعْذَارِ، لِتَحَقُّقِ الْمَانِعِ عَنِ التَّشَبُّهِ حَسَبَ تَحَقُّقِهِ عَنِ الصَّوْمِ۔

یہ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ اے صاحبِ ہدایہ! آپ نے ہمیں بتلایا کہ یہ روزہ داروں کی جو مشابہت اختیار کی جائے گی یہ روزے کا خلیفہ نہیں ہے بلکہ اس وقت کا حق ہے، تو اگر اس وقت کا حق یہ ہے کہ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کی جائے، پھر تو یہ حائضہ پر بھی واجب ہونا چاہیے، نفاس والی پر بھی واجب ہونا چاہیے، مسافر اور مریض پر بھی واجب ہونا چاہیے، حائضہ روزہ رکھ تو نہیں سکتی لیکن پھر اس کو کیا کرنا چاہیے؟ روزہ داروں کی مشابہت اختیار کرنی چاہیے، نفاس والی روزہ رکھ تو نہیں سکتی لیکن یہ وقت تو عظمت والا ہے لہٰذا اس کو کیا کرنا چاہیے؟ مشابہت اختیار کرنی چاہیے، مریض اور مسافر جو ہیں ان کو تو شریعت نے رخصت دی ہے لیکن ان کو کیا کرنا چاہیے؟ مشابہت اختیار کرنی چاہیے، اشکال سمجھ میں آیا اعتراض بھئی؟

تو اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ یہ جو لوگ ہیں، ان کے جب یہ عذر موجود ہیں یعنی حیض والی کو حیض آ رہا ہے، نفاس والی کو نفاس آ رہا ہے یا مریض میں مرض موجود ہے یا مسافر حالتِ سفر میں ہے، تو ان حالتوں میں چونکہ مانع موجود ہے، کس چیز سے؟ جب روزے سے مانع موجود ہے تو اس مشابہت سے بھی یہ مانع بن جائے گا، جب روزے سے مانع موجود ہے تو مشابہت سے بھی یہ مانع بن جائے گا، اس لیے کیونکہ حیض اور نفاس والی جو ہیں ان پر روزہ حرام ہے، ان میں روزے کی اہلیت نہیں ہے، جب ان پر روزہ حرام ہے تو روزہ داروں کی مشابہت بھی ان پر حرام ہوگی، جب ان پر روزہ حرام ہے تو ان پر روزہ داروں کی مشابہت بھی کیا ہوگی؟ حرام ہوگی، لہٰذا اس لیے ان پر یہ مشابہت لازم نہیں، اور مریض اور مسافر ان کو تو شریعت نے رخصت دی ہے، کس لیے رخصت دی ہے؟ حرج کو دور کرنے کے لیے، تو اگر ان پر مشابہت کو لازم قرار دے دیا جائے تو یہ پھر اسی طرح کس میں پڑ جائیں گے؟ حرج میں پڑ جائیں گے، تو یہاں پر چونکہ جیسے روزے سے مانع موجود تھے، اسی طرح اس مشابہت کے بھی یہ مانع ہیں، اس لیے ان پر مشابہت لازم نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں: **بِخِلَافِ الْحَائِضِ وَالنُّفَسَاءِ وَالْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ** بخلاف ان لوگوں کے یعنی حائضہ، نفاس والی، مریض اور مسافر کے، **حَيْثُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ حَالَ قِيَامِ هَذِهِ الْأَعْذَارِ** کیونکہ واجب نہیں ہے ان پر ان عذروں کے قیام کی حالت میں، جب ان میں یہ عذر موجود ہیں، ان عذروں کے قیام کی حالت میں ان پر یہ مشابہت واجب نہیں، **لِتَحَقُّقِ الْمَانِعِ عَنِ التَّشَبُّهِ** اس لیے کیونکہ تشبہ سے مانع پایا جا رہا ہے، مشابہت اختیار کرنے سے مانع پایا جا رہا ہے، **حَسَبَ تَحَقُّقِهِ عَنِ الصَّوْمِ** جیسے کہ یہ مانع پایا جا رہا ہے روزے سے۔ جیسے روزے سے مانع ان کے اندر پایا جا رہا ہے، اسی طرح مشابہت سے بھی مانع پایا جا رہا ہے، دلیل سمجھ میں آ گئی بھئی؟

قَالَ: وَإِذَا تَسَحَّرَ وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّ الْفَجْرَ لَمْ يَطْلُعْ فَإِذَا هُوَ قَدْ طَلَعَ، أَوْ أَفْطَرَ وَهُوَ يَرَى أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ

غَرَبَتْ فَإِذَا هِيَ لَمْ تَغْرُبْ أَمْسَكَ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ۔

■ صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک شخص سحری کھاتا ہے، رمضان کے اندر سحری

صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک شخص سحری کھاتا ہے، رمضان کے اندر سحری کھاتا ہے اور اس کا یہ گمان ہے، اس کا یہ خیال ہے کہ شاید ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی، پھر اس نے اچانک دیکھا کہ فجر تو طلوع ہو چکی ہے، فجر تو طلوع ہو چکی ہے۔ تو یاد رکھیے، جب اس نے سحری کھائی ہے اور فجر طلوع ہو چکی ہے تو اس کا تو روزہ نہیں ہوا، روزہ نہیں ہوا، اب اس کی قضا اس کے ذمے ہے۔ البتہ باقی کا دن اس پر وہ مشابہت اختیار کرنا ضروری ہے، باقی کا دن اس پر مشابہت اختیار کرنا ضروری ہے یعنی اب وہ کھانے پینے اور صحبت سے رکنا اس پر واجب ہے اس وقت کی عظمت کی وجہ سے، اس وقت کا حق ادا کرنے کے لیے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

اسی طرح یہ مسئلہ مثلاً غروبِ آفتاب کے وقت پیش آیا، ایک شخص نے افطار کر لیا، اس کا یہ خیال تھا کہ سورج غروب ہو چکا ہے، لیکن پھر اچانک دیکھا تو سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا، تو اب افطار تو اس نے کر لیا، تو کیا اب باقی پھر یہ کھا پی سکتا ہے جو تھوڑی سی دیر رہ گئی ہے؟ کہتے ہیں: نہیں، یہ بھی اس پر بھی کیا لازم ہے؟ روزہ داروں کی مشابہت لازم ہے، روزہ داروں کی مشابہت باقی وقت کے اندر لازم ہے اس وقت کا حق ادا کرنے کے لیے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو قال صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَإِذَا تَسَحَّرَ** اور روزہ دار نے جب سحری کھائی **وَهُوَ يَظُنُّ** اس حال میں کہ اس کا یہ گمان ہے **أَنَّ الْفَجْرَ لَمْ يَطْلُعْ** کہ فجر ابھی طلوع نہیں ہوئی، **فَإِذَا هُوَ قَدْ طَلَعَ** تو اچانک وہ طلوع ہو چکی ہے یعنی اس نے دیکھا تو فجر طلوع ہو چکی ہے، **أَوْ أَفْطَرَ** یا دوسری صورت اب ذکر کر رہے ہیں غروبِ آفتاب کے وقت کی، **أَوْ أَفْطَرَ** یا جب روزہ دار نے افطار کر لیا **وَهُوَ يُرَى**، اس کو **يُرَى** پڑھنا **يَرَى** نہیں۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں: **رَأَى يَرَى** کے معنی ہیں دیکھنا، دیکھنا، لیکن کبھی یہ گمان کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، گمان کرنا، اور اس صورت میں اس کا مضارع ہمیشہ مجہول استعمال ہوتا ہے، تو یہاں **يُرَى** کس معنی میں ہے؟ **يَظُنُّ، يَظُنُّ،** جیسے پچھلے مسئلے میں آیا **وَهُوَ يَظُنُّ** اس کا یہ گمان ہے، یہاں **يُرَى** کا بھی وہی معنی ہے۔ یا شام کے وقت روزہ دار نے افطار کر لیا **وَهُوَ يُرَى** اور اس کا یہ گمان ہے **أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَرَبَتْ** کہ سورج غروب ہو چکا ہے، **فَإِذَا هِيَ لَمْ تَغْرُبْ** تو اچانک دیکھا تو وہ غروب نہیں ہوا، **أَمْسَكَ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ** تو یہ دونوں رکے رہیں گے اپنا باقی دن، وہ سحری کھانے والا بھی اور یہ افطار کرنے والا بھی، باقی افطار والے کے تو چند منٹ ہوں گے اور سحری جس نے غلطی سے کھائی تھی وہ سارا دن، تو بہر حال ان پر مشابہت اختیار کرنا واجب ہے۔

یہ معنی ہے: **أَمْسَكَ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ** تو یہ دونوں رکے رہیں گے اپنا باقی کا دن، **قَضَاءً لِحَقِّ الْوَقْتِ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ**، اس وقت کا حق ادا کرنے کے لیے **بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ** جس قدر ممکن ہو سکے۔ روزہ تو نہیں ہو سکتا لیکن مشابہت تو ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتی؟ روزہ تو نہیں ہو سکا لیکن مشابہت تو ہو سکتی ہے، تو جس قدر ممکن ہو سکے اس وقت کا یہ اس وقت کا حق ادا کریں گے، تو جس قدر ممکن ہو سکے اس قدر یہ وقت کا حق ادا کریں گے اور روزہ تو نہیں ہو سکا اب کم از کم مشابہت اختیار کریں گے، **أَوْ نَفْيًا لِلتُّهْمَةِ**، یا کس لیے؟ تہمت کی نفی کرنے کے لیے۔ یہ باقی کا دن رکے رہیں گے اس وقت کا حق ادا کرنے کے لیے یا تہمت کی نفی کے لیے۔ تہمت کا کیا معنی؟ بدگمانی، تہمت کا معنی ہے بدگمانی، **أَوْ نَفْيًا لِلتُّهْمَةِ** بدگمانی کی نفی کرنے کے لیے، اس لیے کیونکہ اگر یہ اس کے بعد بھی کھائیں پئیں، اس کے بعد بھی مشابہت اختیار نہ کریں اور کھاتے پیتے رہیں تو دیکھنے والے کیا سمجھیں گے؟ یہ؟ تو وہ تو یہی گمان کریں گے: دیکھو یہ کیسا برا آدمی ہے، رمضان کے اندر بغیر عذر کے کھا پی رہا ہے، یہ تو روزہ رکھتا ہی نہیں، بڑا خراب آدمی ہے، دین کے دین کے کاموں چیزوں کی پرواہی نہیں کرتا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **أَوْ نَفْيًا لِلتُّهْمَةِ** یا تہمت کی نفی کرنے کے لیے وہ کھانے پینے سے یہ دونوں رکے رہیں گے۔

اچھا، اب ان پر قضا آئے گی یا کفارہ آئے گا؟ تو آپ کو آگے بتلائیں گے: ان پر قضا آئے گی، کفارہ نہیں آئے گا۔

کہتے ہیں: **وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ**، اور اس پر قضا واجب ہے، **لِأَنَّهُ حَقٌّ مَضْمُونٌ بِالْمِثْلِ كَمَا فِي الْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ**، اس لیے کیونکہ روزہ جو ہے وہ ایسا حق ہے جو مضمون بالمثل ہے۔ روزہ ایسا حق ہے جو مضمون بالمثل ہے یعنی اس میں اسی کا مثل ضمان کے طور پر آتا ہے۔

بھئی آپ کسی کی کوئی چیز توڑ دیتے ہیں، کسی کی کوئی چیز ضائع کر دیتے ہیں تو آپ پر ضمان آئے گا یا نہیں آئے گا؟ ضمان آئے گا، اور ضمان، ضمان اگر اس چیز کا مثل ممکن ہو تو مثل دینا پڑتا ہے، اور قیمت، اگر مثل نہیں ممکن تو پھر کیا دینا پڑتی ہے؟ قیمت۔ مثلاً بھئی آٹا ہے آٹا، آٹے کا مثل بازار سے مل جاتا ہے یا نہیں مل جاتا؟ آٹے کا مثل عام مل جاتا ہے تو آٹا مثلیات میں سے ہے، لہٰذا اگر آپ نے کسی کا ایک من آٹا ضائع کر دیا تو ضمان آپ پر کیا آئے گا؟ ایک من آٹا ہی آپ کو دینا پڑے گا۔ معلوم ہوا آٹا مضمون بالمثل ہے، ضمان میں کیا آتا ہے اس کے؟ اسی کا مثل۔ تو روزہ بھی اسی طرح مضمون بالمثل ہے، اس میں اس کا ضمان روزہ ہی آتا ہے، روزے کو روزہ اگر نہیں رکھا تو کیا کرنا پڑے گا؟ اسی کا اس کا ضمان اسی کے مثل یعنی اسی جیسا ایک روزہ رکھنا پڑے گا۔ بعد میں وہی قضا کے بارے میں بتلا رہے ہیں نا، روزہ نہیں رکھا تو اسی کا مثل واجب ہو گا بطورِ ضمان کے یعنی ایسا ہی ایک روزہ رکھنا پڑے گا اور رمضان کے بعد اور اس کو ہم کیا کہتے ہیں؟ قضا کہتے ہیں بھئی۔

یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ حَقٌّ مَضْمُونٌ بِالْمِثْلِ كَمَا فِي الْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ** اس لیے کیونکہ روزہ جو ہے وہ ایک ایسا حق ہے جو مضمون بالمثل ہے یعنی اس میں اس کا مثل ضمان کے طور پر دینا پڑتا ہے **كَمَا فِي الْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ** جیسے کہ مریض اور مسافر کے اندر ہے، مریض اور مسافران کو شریعت نے رخصت دی ہے لیکن جب روزہ انہوں نے چھوڑ دیا تو ضمان کے طور پر اسی کا مثل روزہ رکھنا پڑے گا یعنی جتنے روزے نہیں رکھے بعد میں ان سب کی کیا کرنا پڑتی ہے؟ قضا کرنا پڑتی ہے اور قضا میں کیا کرتے ہیں؟ روزہ ہی رکھتے ہیں، جیسا روزہ چھوڑا تھا ویسا ہی روزہ رکھنا پڑے گا۔ تو ان پر تو ان پر قضا واجب ہے۔

وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ، اور اس پر کفارہ واجب نہیں، **لِأَنَّ الْجِنَايَةَ قَاصِرَةٌ،** اس لیے کیونکہ جرم جو ہے وہ قاصر ہے یعنی کامل نہیں ہے، جرم ناقص ہے ناقص ہے، کم درجے کا ہے جرم۔ کفارہ تو آتا ہے جب جرم کامل درجے کا ہو، کوئی جان بوجھ کر کھائے پیئے، اور اس شخص نے جس نے سحری کھائی ہے کیا اس کا ارادہ تھا کہ روزے کو توڑ دے جان بوجھ کر؟ نہیں اس کا ارادہ تو نہیں تھا، اسی طرح غروبِ آفتاب کے وقت جس نے کھایا پیا ہے کیا اس کا ارادہ تھا کہ جان بوجھ کر روزہ توڑ دے؟ نہیں اس کا ارادہ یہ نہیں تھا، وہ تو سمجھا تھا شاید سورج غروب ہو چکا ہے۔ تو معلوم ہوا جرم تو انہوں نے کیا لیکن یہ جرم ناقص ہے کامل درجے کا نہیں، کیونکہ ان کا ارادہ نہیں تھا بھئی جرم کرنے کا، اس وجہ سے ان پر کفارہ نہیں آئے گا، صرف کیا آئے گی؟ قضا آئے گی۔

یہ معنی ہے: **وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ** اور کفارہ ان پر نہیں ہے، **لِأَنَّ الْجِنَايَةَ قَاصِرَةٌ لِعَدَمِ الْقَصْدِ** اس لیے کیونکہ جرم جو ہے وہ ناقص ہے ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے۔

وَفِيهِ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: مَا تَجَانَفْنَا لِإِثْمٍ، قَضَاءُ يَوْمٍ عَلَيْنَا يَسِيرٌ۔ اور اسی کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: **مَا تَجَانَفْنَا لِإِثْمٍ، قَضَاءُ يَوْمٍ عَلَيْنَا يَسِيرٌ۔** حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں ایک مرتبہ اسی طرح آپ نے افطار پہلے فرمالیا، آپ نے اور چند اور لوگ تھے انہوں نے افطار پہلے فرمالیا، گمان یہ تھا کہ شاید سورج غروب ہو چکا ہے، اور افطار کر لیا اور مؤذن اذان دینے کے لیے جب وہ اونچی جگہ پر چڑھا تو اس نے کہا: امیر المؤمنین! سورج تو ابھی غروب نہیں ہوا، تو اونچی جگہ سے سورج نظر آ رہا تھا، تھوڑا سا ابھی باقی تھا، تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرمانے لگے: **مَا تَجَانَفْنَا لِإِثْمٍ، تَجَانَفَ** کے معنی ہوتے ہیں مائل ہونا، کسی چیز کی طرف جھک جانا، تو حضرت عمر فرمانے لگے: **مَا تَجَانَفْنَا لِإِثْمٍ** ہم گناہ کی طرف مائل نہیں ہوئے، ہم گناہ کی طرف نہیں جھکے، کیونکہ ہمارا ارادہ کوئی گناہ کا نہیں تھا، ہم تو کیا سمجھے تھے؟ سورج غروب۔ تو فرمانے لگے: **مَا تَجَانَفْنَا لِإِثْمٍ** ہم گناہ کی طرف مائل نہیں ہوئے یعنی ہمارا گناہ کا ارادہ نہیں تھا، **قَضَاءُ يَوْمٍ عَلَيْنَا يَسِيرٌ** ایک دن کی قضا ہمارے اوپر آسان ہے، ہم کیا کر لیں گے؟ قضا کر لیں گے، قضا کر لیں گے، سمجھ میں آیا بھئی؟ یعنی کفارہ یہاں نہیں آئے گا، صرف ہم پر کیا ہے؟ قضا ہے کیونکہ ہمارا ارادہ گناہ کا نہیں تھا، روزہ توڑنے کا ارادہ نہیں تھا بھئی۔ یہ معنی ہے: **قَضَاءُ يَوْمٍ عَلَيْنَا يَسِيرٌ** ایک دن کی قضا ہم پر آسان ہے۔

وَالْمُرَادُ بِالْفَجْرِ الْفَجْرُ الثَّانِي، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الصَّلَاةِ۔ اور صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ متن میں جو آیا نا کہ **أَنَّ الْفَجْرَ،** یہاں فجر سے مراد فجر ثانی ہے، ایک فجر اول ہے وہ صبحِ کاذب ہے، اور اس میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ روشنی جو ہے ستون کی صورت میں آسمان کی طرف دکھائی دیتی ہے مشرق کی طرف، اور پھر اس کے تھوڑی دیر بعد پھر فجر ثانی طلوع ہوتی ہے اور اس میں روشنی افق پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے، تو یہاں جو فجر آیا اس سے مراد فجر ثانی ہے، یہ فجر ثانی دراصل فجر صادق ہے اور اس سے روزے کا آغاز ہوتا ہے، فجر اول سے روزے کا آغاز نہیں ہوتا۔ تو کہتے ہیں: **وَالْمُرَادُ بِالْفَجْرِ الْفَجْرُ الثَّانِي** اور فجر سے مراد فجر ثانی ہے، **وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الصَّلَاةِ** اور تحقیق ہم اس کو نماز کے مسئلے میں، نماز کے باب میں بیان کر چکے ہیں کہ فجر اول کسے کہتے ہیں اور فجر ثانی کسے کہتے ہیں۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۲۷: مسئلہ: ثُمَّ التَّسَحُّرُ مُسْتَحَبٌّ لِقَوْلِهِ عَلَيْ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر ۱۲۷: مسئلہ: ثُمَّ التَّسَحُّرُ مُسْتَحَبٌّ لِقَوْلِهِ عَلَيْ...

ہدایہ صفحہ: ۲۴۳ــــ بتاریخ: ۱۷ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«ثُمَّ التَّسَحُّرُ مُسْتَحَبٌّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً، وَالْمُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ثَلَاثٌ مِنْ أَخْلَاقِ الْمُرْسَلِينَ: تَعْجِيلُ الْإِفْطَارِ، وَتَأْخِيرُ السَّحُورِ، وَالسِّوَاكُ، إِلَّا أَنَّهُ إِذَا شَكَّ فِي الْفَجْرِ، وَمَعْنَاهُ تَسَاوِي الظَّنَّيْنِ، فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَدَعَ الْأَكْلَ تَحَرُّزًا عَنِ الْمُحَرَّمِ». [1]

«**ثُمَّ التَّسَحُّرُ مُسْتَحَبٌّ**» یہاں سے آپ کو بتلا رہے ہیں صاحب ہدایہ کہ سحری کھانا یہ مستحب ہے۔ سحری کھانا مستحب ہے، «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: «**تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً**»، «**تَسَحَّرُوا**» تم لوگ سحری کھاؤ، «**فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً**» اس لیے کہ سحری کے اندر برکت ہے بھئی۔

«**وَالْمُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُهُ**» اور مستحب جو ہے اس کو مؤخر کرنا ہے۔ سحری کے اندر مستحب یہ ہے کہ سحری مؤخر کر کے رات کے آخری حصے میں کھائی جائے۔ «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: «**ثَلَاثٌ مِنْ أَخْلَاقِ الْمُرْسَلِينَ**»، تین چیزیں پیغمبروں کے اخلاق میں سے ہیں: «**تَعْجِيلُ الْإِفْطَارِ**» ایک تو افطار کے اندر جلدی کرنا، «**وَتَأْخِيرُ السَّحُورِ**» اور دوسری چیز ہے سحری کے اندر تاخیر کرنا، «**وَالسِّوَاكُ**» اور تیسری چیز ہے مسواک کرنا۔ تو یہ تین چیزیں پیغمبروں کے اخلاق میں سے ہیں۔

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ إِذَا شَكَّ فِي الْفَجْرِ

«**إِلَّا أَنَّهُ إِذَا شَكَّ فِي الْفَجْرِ**» مگر یہ کہ جب اس روزہ رکھنے والے کو فجر میں شک ہو جائے، شک ہو جائے، «**وَمَعْنَاهُ تَسَاوِي الظَّنَّيْنِ**» اور معنی اس کا جو ہے دونوں گمانوں کا برابر ہونا ہے۔

بھئی صورت یہ کہ سحری کھانا مستحب ہے، مگر جب روزہ رکھنے والے کو فجر میں شک ہو جائے یعنی اس کا یہ خیال ہے کہ شاید فجر طلوع ہو گئی ہے۔ شاید فجر طلوع ہو گئی ہے۔ آگے صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ فجر میں شک ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس شخص کے دونوں گمان برابر ہوں۔ ایک گمان ہے کہ فجر ابھی طلوع نہیں ہوئی اور ایک گمان یہ ہے کہ فجر طلوع ہو گئی ہے، دونوں برابر ہوں۔ ایک گمان کیا؟ کہ فجر طلوع ہو گئی ہے۔ اور دوسرا گمان کیا؟ طلوع نہیں ہوئی، یہ دونوں گمان برابر ہوں، تو اس صورت میں، اس صورت میں «**فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَدَعَ الْأَكْلَ**» تو افضل یہ ہے کہ کھانے کو چھوڑ دے یعنی سحری چھوڑ دے۔ کیا کر دے؟ سحری چھوڑ دے۔ سحری کھانا مستحب ہے، سحری کھانی چاہیے اور رات کے آخری حصے تک اس کو مؤخر کرنا مستحب ہے، لیکن اگر کسی شخص کو شک ہو گیا ہے تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ سحری کو ترک کر دے، سرے سے کھائے ہی نہ۔ کب؟ جب اس کا شک ہے کہ شاید طلوع ہوئی ہے فجر یا شاید طلوع نہیں، تو یہ دونوں گمان جب برابر ہوں اس وقت افضل یہ ہے اس کے لیے کہ کھانے کو چھوڑ دے۔ افضل کے ذریعے بتلا دیا کہ اگر کھا بھی لے گا تو بھی روزہ اس کا صحیح ہے لیکن افضل کیا ہے؟ کہ وہ نہ کھائے، چھوڑ دے سحری کھانا۔

---

[1] شاملہ (ص ۱۷۲) میں «فَالْأَفْضَلُ» کے بجائے «الأفضل» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۲) میں «قَبْلَ الْغُرُوبِ» کے بجائے «والفجر طالع»، شاملہ (ص ۱۷۲) میں «الْقَضَاءُ رِوَايَةً وَاحِدَةً» کے بجائے «قضاؤه عملا بغالب» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۲) میں «فَتَحَقَّقَتِ» کے بجائے «فتحقق» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۲) میں «أَنَّهَا تَجِبُ وَكَذَا عَنْهُمَا لِأَنَّهُ» کے بجائے «إذا كان في موضع»، شاملہ (ص ۱۷۲) میں «اشْتِبَاهَ فَلَا شُبْهَةَ» کے بجائے «يستبين الفجر أو كانت» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۲) میں «وَوَجْهُ» کے بجائے «وجه» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۲) میں «لِمُخَالَفَةِ» کے بجائے «لمخالفة» درج ہے۔

1120

سمجھ میں آیا؟ جب دونوں گمان برابر ہوں، اگر غالب گمان ہے کہ فجر طلوع ہو گئی ہے پھر تو ضروری ہو جائے گا اس کے لیے چھوڑنا بھئی۔ ہاں! لیکن اگر دونوں گمان برابر ہیں پھر افضل یہ ہے کہ سحری کھانا چھوڑ دے، «تَحَرُّزًا عَنِ الْمُحَرَّمِ» حرام سے بچنے کے لیے۔ حرام سے بچنے کے لیے، کیونکہ اگر فجر طلوع ہو گئی ہے پھر تو اس کے لیے کھانا حرام ہو چکا ہے، تو چونکہ شک آ گیا تو بچنے کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ سحری کو چھوڑ دے۔

■ مسئلہ: وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ ذَلِكَ

«وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ ذَلِكَ» اور اس پر یہ واجب نہیں ہے۔ یہ کھانا، سحری کھانے کو چھوڑنا، سحری کو چھوڑنا اس پر واجب نہیں ہے۔ «وَلَوْ أَكَلَ فَصَوْمُهُ تَامٌّ» اور اگر اس نے کھالیا تو اس کا روزہ پورا ہے بھئی، «لِأَنَّ الْأَصْلَ هُوَ اللَّيْلُ» اس لیے کیونکہ اصل وہ رات ہے۔ اصل کیا ہے؟ رات ہے۔

بھئی دیکھیے! سحری سے پہلے کون سا وقت ہے؟ وہ فجر سے پہلے؟ رات کا۔ اور رات ہی میں سحری کھائی جاتی ہے۔ اور فجر، تو فجر ایک نئی چیز ہے جو آگے پیش آئے گی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہاں پر اصل کیا ہے؟ رات ہے، اس کا وجود یقینی ہے، وہ پہلے سے چلی آ رہی ہے۔ اور «الْيَقِينُ لَا يَزُولُ إِلَّا بِالْيَقِينِ» یقین یقین ہی سے زائل ہوتا ہے، شک سے زائل نہیں۔ تو رات ہے یقینی، تو وہ یقینی چیز کس سے زائل ہو گی؟ جب کہ فجر کا ہونا بھی یقینی ہو جائے، اور یہاں فجر کا ہونا یقینی ہے یا صرف شک ہے؟ شک ہے۔ تو اس وجہ سے، اس وجہ سے اس کا روزہ کیا ہو جائے گا؟ اگر یہ کھا بھی لے تو روزہ پورا ہو جائے گا، «لِأَنَّ الْأَصْلَ هُوَ اللَّيْلُ» کیونکہ اصل کیا ہے؟ رات ہے۔

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِذَا كَانَ فِي مَوْضِعٍ لَا يَسْتَبِينُ الْفَجْرُ، أَوْ كَانَتِ اللَّيْلَةُ مُقْمِرَةً، أَوْ مُتَغَيِّمَةً، أَوْ كَانَ بِبَصَرِهِ عِلَّةٌ، وَهُوَ يَشُكُّ: لَا يَأْكُلُ، وَلَوْ أَكَلَ فَقَدْ أَسَاءَ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ».

اور امام صاحب سے یہ روایت ہے کہ «إِذَا كَانَ فِي مَوْضِعٍ» اگر وہ شخص ایسی ایسی جگہ پر ہے وہ روزہ رکھنے والا کہ «لَا يَسْتَبِينُ الْفَجْرُ» کہ فجر وہاں ظاہر نہیں ہوتی۔ ایسی جگہ پر ہے جہاں فجر ظاہر نہیں ہوتی، مثلاً پہاڑوں کے درمیان رہتا ہے، وہاں تو دونوں طرف پہاڑ ہیں، یہاں تو فجر کا پتہ نہیں چلتا۔ «أَوْ كَانَتِ اللَّيْلَةُ مُقْمِرَةً» یا وہ رات جو ہے چاندنی ہے، چاند والی رات ہے۔ تو جب چاند والی رات ہے تو پہلے سے ہی چاند کی اچھی خاصی روشنی ہو گی، تو فجر کے طلوع ہونے کا فوراً پتہ بھی نہیں چلے گا، جب ذرا زیادہ روشنی ہو گی پھر ہی پتہ چلے گا، ابتداءً تو پتہ ہی نہیں۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص ایسے مقام پر ہے جہاں فجر ظاہر نہیں ہوتی یعنی پہاڑوں کے درمیان ہے مثلاً، «أَوْ كَانَتِ اللَّيْلَةُ مُقْمِرَةً» یا وہ رات جو ہے وہ چاندنی ہے، چاند والی رات ہے، «أَوْ مُتَغَيِّمَةً» یا وہ رات بادل والی ہے، ابر آلود ہے، بادل چھائے ہوئے ہیں، «أَوْ كَانَ بِبَصَرِهِ عِلَّةٌ» یا اس شخص کی نگاہ میں، اس کی نظر میں کوئی خرابی ہے، کوئی علت ہے یعنی اس کی نظر کمزور ہے، «وَهُوَ يَشُكُّ» اس حال میں کہ اس کو شک ہے۔ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی پائی گئی اور اس کو شک بھی ہے، «لَا يَأْكُلُ» تو یہ شخص نہ کھائے، یہ سحری کو چھوڑ دے اور نہ کھائے۔ کیونکہ ایسی جگہ پر ہے جہاں فجر ظاہر نہیں ہوتی یا رات چاند والی ہے یا رات میں بادل چھائے ہوئے ہیں یا اس کی نگاہ کمزور ہے اور اس کو شک ہو گیا کہ پتہ نہیں فجر طلوع ہوئی ہے یا طلوع نہیں ہوئی، تو «لَا يَأْكُلُ» یہ شخص نہ کھائے یعنی سحری کو چھوڑ دے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ أَكَلَ فَقَدْ أَسَاءَ

«وَلَوْ أَكَلَ فَقَدْ أَسَاءَ» اور اگر اس نے کھالیا تو تحقیق اس نے برا عمل کیا، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: «دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ» کہ چھوڑ دے اس چیز کو جو تجھے شک میں ڈالے، «إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ» اس چیز کی طرف جو تجھے شک میں نہ ڈالے۔ یعنی جو چیز شک میں ڈالنے والی ہے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کو اختیار کرو جس میں شک، جو شک میں ڈالنے والی نہیں ہے۔ اور اس کو شک پڑ چکا ہے، لہٰذا اس کو کیا کرنا چاہیے اس حدیث کے مطابق؟ کھانے کو چھوڑ دینا چاہیے، تو اگر اس نے کھالیا تو اس نے برا کیا۔

«وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ أَكَلَ وَالْفَجْرُ طَالِعٌ فَعَلَيْهِ قَضَاؤُهُ عَمَلًا بِغَالِبِ الرَّأْيِ».

آگے بتلا رہے ہیں: اس کو شک تھا پھر بھی اس نے سحری کھالی۔ سحری کھانے کے بعد اب اس کا غالب گمان یہ ہے کہ میں نے جب سحری کھائی اس وقت فجر طلوع ہو چکی تھی، اور کوئی دلیل نہیں ہے، صرف کیا ہے اس کا؟ غالب گمان ہے کہ فجر طلوع ہو چکی ہے۔ تو اس صورت میں اس پر قضا واجب ہے عمل کرتے ہوئے غالب رائے پر۔ کس پر؟ غالب رائے پر عمل کرتے ہوئے اس پر قضا واجب ہے اور اسی کے اندر احتیاط بھی ہے۔ یہ...

اچھا بھئی! تو جو متن کے اندر ذکر ہوا بھئی، متن کے اندر ذکر ہوا تھا کہ جب اس کو شک ہو جائے فجر کے اندر اور اس کے دونوں گمان برابر ہیں تو اس صورت میں افضل

یہ ہے وہ کھانے کو چھوڑ دے حرام سے بچنے کے لیے۔ یہ کون سی صورت تھی؟ جب دونوں رائے برابر تھیں، اور آگے بتلایا تھا صاحب ہدایہ نے: اگر اس نے کھالیا تو پھر اس صورت میں اس کا روزہ پورا ہو جائے گا کیونکہ اصل کیا ہے؟ رات ہے، روزہ پورا ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کی غالب رائے ہوئی، غالب رائے ہوئی تو کیا اس صورت میں بھی اس کا روزہ ہو جائے گا یا روزہ نہیں ہو گا؟ تو بتلا رہے ہیں: «وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ أَكَلَ» اور اگر اس شخص کی غالب رائے یہ ہوئی، بڑی رائے یہ ہوئی کہ اس نے کھانا کھایا، اس نے سحری کھائی «وَالْفَجْرُ طَالِعٌ» اس حال میں کہ فجر طلوع ہو چکی تھی، «فَعَلَيْهِ قَضَاؤُهُ» تو اس پر قضا واجب ہے اس کی «عَمَلًا بِغَالِبِ الرَّأْيِ» کس پر عمل کرتے ہوئے؟ غالب رائے پر، «وَفِيهِ الِاحْتِيَاطُ» اور اسی کے اندر احتیاط ہے۔

تو ایک روایت یہ آگئی کہ غالب رائے اگر اس کی یہ ہوئی کہ فجر طلوع ہونے کے بعد اس نے سحری کھائی ہے تو اس پر قضا واجب ہے، قضا واجب ہے۔ لیکن آگے بتلا رہے ہیں: «وَعَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ» ظاہرِ روایت کے مطابق اس شخص پر قضا نہیں ہے۔ بھئی کیوں نہیں قضا؟ اس کو شک تھا، اس نے سحری کھا لی اور اب اس کا غالب گمان کیا ہے میں نے کب کھائی ہے؟ فجر طلوع ہونے کے بعد میں نے سحری کھائی ہے، تو اس پر قضا کیوں نہیں ہے؟ کہتے ہیں بھئی اس لیے کیونکہ رات کا ہونا تھا یقینی اور فجر کے طلوع ہونے کے بارے میں ہے اس کی غالب رائے، اور «الْيَقِينُ لَا يَزُولُ إِلَّا بِالْيَقِينِ» یقین تو یقین ہی سے زائل ہوتا ہے تو غالب رائے سے بھی یقین زائل نہیں ہو سکتا بھئی، کیونکہ رات کا وجود یقینی تھا، دلیل سمجھ میں آگئی۔

تو ظاہرِ روایت کے مطابق اس پر قضا نہیں ہے، «لِأَنَّ الْيَقِينَ لَا يُزَالُ إِلَّا بِمِثْلِهِ» اس لیے کیونکہ یقین جو ہے اس کو زائل نہیں کیا جا سکتا مگر اسی کے مثل سے یعنی یقین ہی کے ذریعے۔ اسی کا مثل کیا ہے؟ یقین کا مثل یقین ہی ہے۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّ الْيَقِينَ لَا يُزَالُ إِلَّا بِمِثْلِهِ» اس لیے کیونکہ یقین جو ہے اس کو زائل نہیں کیا جا سکتا مگر اسی کے مثل یقین سے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ ظَهَرَ أَنَّ الْفَجْرَ طَالِعٌ لَا كَفَّارَ...

«وَلَوْ ظَهَرَ أَنَّ الْفَجْرَ طَالِعٌ لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ بَنَى الْأَمْرَ عَلَى الْأَصْلِ فَلَا تَتَحَقَّقُ الْعَمْدِيَّةُ».

اب اسی میں دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں۔ سحری کھانے والے نے سحری کھائی اور اس کو شک تھا، شک تھا کہ پتہ نہیں فجر طلوع ہوئی ہے یا فجر طلوع نہیں، تو بتلا دیا افضل یہ ہے وہ چھوڑ دے کھانے کو، سحری کھانے کو۔ اور پھر اگر اس کی غالب رائے ہوئی کہ میں نے تو طلوعِ فجر کے بعد سحری کھائی ہے تو بھی ظاہرِ روایت کے مطابق اس پر اس پر قضا نہیں ہے۔

اور اگر غالب رائے نہیں ہے اس کی، باقاعدہ دلیل سے پتہ چل گیا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی جب اس نے سحری کھائی، تو اس صورت میں تو ظاہر سی بات ہے کہ اس پر کیا آئے گی؟ قضا آئے گی، البتہ کفارہ نہیں آئے گا بھئی، کفارہ نہیں آئے گا۔ یہی بیان کر رہے ہیں: «وَلَوْ ظَهَرَ» اور اگر یہ بات ظاہر ہو جائے یعنی باقاعدہ کس کے ذریعے؟ دلیل کے ذریعے، «أَنَّ الْفَجْرَ طَالِعٌ» کہ فجر طلوع ہو چکی ہے، «لَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ» تو اس پر کفارہ نہیں ہے بھئی۔ بھئی اس پر کفارہ کیوں نہیں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ بَنَى الْأَمْرَ عَلَى الْأَصْلِ» اس لیے کیونکہ اس نے معاملے کی بنیاد اصل پر رکھی۔ اس نے معاملے کی بنیاد کس پر رکھی؟ اصل پر رکھی تھی کہ اصل تو رات ہے اور رات تو یقینی ہے لہٰذا اس نے کیا کر لیا تھا؟ سحری کھالی تھی، تو اس نے معاملے کی بنیاد اصل پر رکھی ہے، «فَلَا تَتَحَقَّقُ الْعَمْدِيَّةُ» لہٰذا جان بوجھ کر کرنا وہ نہیں پایا گیا۔ جان بوجھ کر... یعنی جان بوجھ کر طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھانا نہیں پایا گیا یعنی اس کا جان بوجھ کر اس کا ارادہ نہیں پایا گیا کہ طلوع کے بعد وہ کھائے۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی یا نہیں؟ تو جب جان بوجھ کر کھانا نہیں پایا گیا تو اس پر کفارہ بھی نہیں ہے، قضا البتہ آئے گی۔

اب دوسری صورت: غروبِ آفتاب کے وقت ایک شخص کو شک ہوا کہ شاید آفتاب غروب ہو گیا ہے، تو کیا اس کے لیے افطار کرنا جائز ہے؟ سحری کے مسئلے میں تو اس کے لیے سحری کھانا جائز تھا، جب طلوعِ فجر میں شک تھا تو سحری کھانا جائز تھا یا جائز نہیں؟ جائز تھا، افضل یہ تھا کہ چھوڑ دے لیکن سحری کھانا جائز تھا۔ اب اس کا برعکس ہے، اب افطار کے وقت میں غروب کے اندر شک آگیا کہ پتہ نہیں سورج غروب ہوا ہے یا غروب نہیں، تو کیا اس کے لیے کھانا اور افطار کرنا جائز ہے یا جائز نہیں؟ کہتے ہیں: نہیں بھئی! اب اس کے لیے کھانا جائز نہیں۔ بھئی کیوں نہیں جائز؟ کہتے ہیں اس لیے کہ وہاں اصل تھی رات اور یہاں اصل ہے دن، کیونکہ افطار سے پہلے کون سا وقت چلا آرہا ہے؟ دن کا وقت چلا آرہا ہے، تو دن کا ہونا یقینی اور غروب کا ہونا اس میں شک ہے، اور «الْيَقِينُ لَا يَزُولُ إِلَّا بِالْيَقِينِ» تو یقین یقین ہی سے ختم ہوتا ہے، تو لہٰذا دن کا ختم ہونا جب یقینی طور پر سورج کا غروب ہونا معلوم ہو جائے پھر ہی ہم کہیں گے دن گزر گیا، اب افطار جائز، حالانکہ یہاں پر تو ایسا نہیں۔ لہٰذا اس کے لیے افطار جائز نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَوْ شَكَّ فِي غُرُوبِ الشَّمْسِ لَا يَحِلُّ لَهُ الْفِطْرُ لِأَنَّ الْأَصْلَ هُوَ النَّهَارُ» اور اگر اس شخص کو شک ہوا سورج کے غروب ہونے کے بارے میں، تو اس کے لیے فطر حلال نہیں ہے، اس لیے کیونکہ اصل کیا ہے؟ وہ دن ہے، دن پہلے سے چلا آرہا ہے تو صرف شک کی وجہ سے یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ دن

گزر گیا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ أَكَلَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ عَمَلًا بِالْأَصْلِ

«وَلَوْ أَكَلَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ عَمَلًا بِالْأَصْلِ».

اور اگر اس نے کھالیا تو اس پر قضا ہے، قضا واجب ہے۔ بھئی یہ کیا بات ہے؟ سحری کے مسئلے میں تھا اگر یہ کھالیتا ہے تو اس کا روزہ پورا ہو جاتا ہے اور قضا اس کے ذمے نہیں ہے، اور یہاں پر اگر وہ کھالیتا ہے تو اس کے ذمے قضا؟ کہتے ہیں بھئی وہاں اس نے اصل پر عمل کیا تھا اور اصل کیا تھی؟ رات، اور رات میں تو سحری جائز ہوتی ہے۔ اور یہاں اصل کیا ہے؟ دن، اور دن کے اندر تو افطار جائز نہیں۔ لہٰذا اصل پر ہی عمل کرتے ہوئے ہم کیا کہیں گے؟ کہ اس نے دن کے اندر ہی کھانا کھالیا ہے، افطار کر لیا ہے اور لہٰذا اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے اور اس پر کیا واجب ہے؟ قضا واجب ہے۔ یہ معنی ہے «وَلَوْ أَكَلَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ عَمَلًا بِالْأَصْلِ» اور اگر اس نے کھالیا تو اس پر قضا واجب ہے اصل پر عمل کرتے ہوئے۔

«وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ أَكَلَ قَبْلَ الْغُرُوبِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ رِوَايَةً وَاحِدَةً».

اچھا! اس نے کھالیا بھئی، اگر اس نے کیا کیا؟ کھالیا، اور اس کی غالب رائے یہ ہے کہ اس نے غروب سے پہلے کھایا ہے۔ بھئی غروب میں کیا تھا؟ شک تھا، اور اس نے کیا کر لیا؟ افطار کر لیا، اب افطار کرنے کے بعد اس کی کیا رائے ہے غالب؟ کہ میں نے غروب سے پہلے ہی افطار کر لیا ہے۔ تو اگر اس کی غالب رائے یہ ہے پھر کیا کفارہ آئے گا یا نہیں؟ کہتے ہیں بھئی قضا تو آئے گی ہی آئے گی، البتہ کفارے کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ قضا کے بارے میں ایک ہی روایت ہے کہ قضا اس پر ضرور آئے گی، البتہ کفارے کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ أَكَلَ قَبْلَ الْغُرُوبِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ رِوَايَةً وَاحِدَةً» اور اگر اس کی بڑی رائے یہ تھی کہ اس نے کھایا ہے غروب سے پہلے ہی، تو اس پر قضا واجب ہے اور یہ ایک ہی روایت ہے۔ اس بارے میں ایک ہی روایت ہے یعنی متفق علیہ مسئلہ ہے، ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک قضا واجب ہو گی، یہی ایک روایت آئی ہے، دوسری روایت نہیں آئی۔ ہاں! البتہ کفارے کے بارے میں دو روایتیں ہیں اس میں۔ بھئی قضا کیوں آئے گی؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ النَّهَارَ هُوَ الْأَصْلُ» اس لیے کیونکہ نہار یعنی دن وہ اصل ہے۔ دن کیا ہے؟ اصل ہے، تو اصل پر عمل کرتے ہوئے اس پر اس پر قضا واجب ہو گی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ كَانَ شَاكًّا فِيهِ وَتَبَيَّنَ أَنَّهَا...

«وَلَوْ كَانَ شَاكًّا فِيهِ وَتَبَيَّنَ أَنَّهَا لَمْ تَغْرُبْ يَنْبَغِي أَنْ تَجِبَ الْكَفَّارَةُ نَظَرًا إِلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ وَهُوَ النَّهَارُ».

اور اگر اس افطار کرنے والے کو شک تھا، کس چیز کے بارے میں؟ غروبِ آفتاب کے بارے میں، پھر یہ بات ظاہر ہو گئی دلیل کے ذریعے کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ سورج سے مسئلہ ذہن میں آرہا ہے بھئی؟ غروبِ آفتاب میں شک تھا اس کو اور پھر بھی اس نے کیا کر لیا؟ افطار کر لیا، کھانا کھالیا، اور پھر باقاعدہ دلیل سے ظاہر ہو گیا کہ سورج تو ابھی غروب نہیں ہوا تھا، تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ اس صورت میں بھی مناسب یہ ہے کہ اس پر کفارہ بھی واجب ہو۔ اس پر کفارہ بھی واجب ہو۔ تو اشارہ کر دیا کہ اس مسئلے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ یعنی شک کی صورت میں افطار کر لیا اور پھر باقاعدہ دلیل سے پتہ چل گیا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا اس نے پہلے ہی افطار کر لیا ہے، تو اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت کے مطابق کفارہ آئے گا، دوسری روایت کے مطابق کفارہ نہیں آئے گا۔ تو اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ کہ اس صورت میں اس کا اس پر کفارہ آئے گا اور دوسری روایت یہ کہ اس پر کفارہ نہیں آئے گا۔ تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہونا چاہیے۔ معلوم ہوا صاحبِ ہدایہ کس کو ترجیح دے رہے ہیں، کس روایت کو؟ کفارے والی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں، اور وجہ بھی اس کی ذکر کریں گے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہاں پر اصل وہ دن ہے۔ اصل کیا ہے؟ دن ہے، تو اصل کی طرف نظر کرتے ہوئے اس پر کفارہ واجب ہونا چاہیے، کیونکہ اصل دن ہے اور اس کو شک ہوا غروبِ آفتاب میں اور پھر اس نے صرف شک کی بناء پر کیا کر دیا؟ افطار کر دیا، تو لہٰذا حالانکہ اس کو کیا اس کے لیے تو افطار جائز ہی نہیں تھا، تو صرف شک کی بناء پر اس نے افطار کر لیا تو مناسب یہ ہے اس پر کفارہ بھی واجب ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَلَوْ كَانَ شَاكًّا فِيهِ وَتَبَيَّنَ أَنَّهَا لَمْ تَغْرُبْ يَنْبَغِي أَنْ تَجِبَ الْكَفَّارَةُ نَظَرًا إِلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ وَهُوَ النَّهَارُ» اور اگر اس افطار کرنے والے کو اس غروبِ آفتاب میں شک تھا اور پھر یہ بات ظاہر ہو گئی یعنی باقاعدہ دلیل کے ذریعے کہ سورج تو غروب نہیں ہوا، تو مناسب یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہونا چاہیے نظر کرتے ہوئے اس چیز کی طرف جو اصل ہے اور وہ کیا ہے؟ دن ہے بھئی۔

سبق نمبر ۱۲۷: مسئلہ: ثُمَّ التَّسَحُّرُ مُسْتَحَبٌّ لِقَوْلِهِ عَلَيْ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

■ مسئلہ: وَمَنْ أَكَلَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا وَظَنَّ أَنَّ...

«وَمَنْ أَكَلَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا وَظَنَّ أَنَّ ذَلِكَ يُفْطِرُهُ فَأَكَلَ بَعْدَ ذَلِكَ مُتَعَمِّدًا عَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ».

صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے روزہ رکھا اور پھر روزے کی حالت میں اس نے بھول کر کچھ کھا پی لیا، تو اس کا روزہ ٹوٹے گا یا نہیں ٹوٹے گا؟ اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اس کا خیال ہوا کہ شاید یہ بھول کر کھانے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ اس نے پھر جان بوجھ کر بھی کھالیا۔ پہلے کھایا تھا بھولے سے، اب کیا کیا ہے؟ جان بوجھ کر کھالیا، تو کیا اس پر کفارہ آئے گا یا کفارہ نہیں آئے گا؟ تو کہتے ہیں بھئی قضا تو اس پر آئے گی جب اس نے جان بوجھ کر کھالیا ہے، لیکن کفارہ نہیں آئے گا۔ کفارہ نہیں، مسئلہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ أَكَلَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا» اور جس نے کھانا کھالیا رمضان کے اندر بھول کر، «وَظَنَّ أَنَّ ذَلِكَ يُفْطِرُهُ» اور اس حال میں کہ اس شخص کا یہ گمان ہے کہ اس بھول کر کھانے نے اس کے روزے کو توڑ دیا ہے، «فَأَكَلَ بَعْدَ ذَلِكَ مُتَعَمِّدًا» تو پھر اس نے اس کے بعد جان بوجھ کر کھالیا، «عَلَيْهِ الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ» تو اس پر قضا واجب ہے نہ کہ کفارہ۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ الِاشْتِبَاهَ اسْتَنَدَ إِلَى الْقِيَاسِ ف...

«لِأَنَّ الِاشْتِبَاهَ اسْتَنَدَ إِلَى الْقِيَاسِ فَتَحَقَّقَتِ الشُّبْهَةُ».

«لِأَنَّ الِاشْتِبَاهَ اسْتَنَدَ إِلَى الْقِيَاسِ» اس لیے کیونکہ یہ جو اشتباہ ہے، الاشتباہ پر الف لام آیا، اس کے ذریعے اس اشتباہ، یہ جو ابھی اشتباہ بیان ہوا اس کی طرف اشارہ ہے۔ «لِأَنَّ الِاشْتِبَاهَ» اس لیے کیونکہ یہ والا جو اشتباہ ہے، «اسْتَنَدَ إِلَى الْقِيَاسِ» اس کی نسبت ہو رہی ہے قیاس کی طرف۔ اس کی نسبت کس کی طرف ہے؟ قیاس کی طرف، «فَتَحَقَّقَتِ الشُّبْهَةُ» تو شبہ پایا گیا۔ کیا پایا گیا؟ شبہ پایا گیا، اور شبہے کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے تو اس لیے کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟ تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ الِاشْتِبَاهَ اسْتَنَدَ إِلَى الْقِيَاسِ» اس لیے کیونکہ یہ والا اشتباہ جو ہے اس کی نسبت ہے قیاس کی طرف یعنی قیاسِ صحیح کی طرف اس اشتباہ کی نسبت ہے، «فَتَحَقَّقَتِ الشُّبْهَةُ» تو شبہ پایا گیا اور شبہے سے کیا ہو جاتا ہے؟ کفارہ ساقط ہو جاتا ہے تو کفارہ نہیں آئے گا۔

«وَإِنْ بَلَغَهُ الْحَدِيثُ وَعَلِمَهُ فَكَذَلِكَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ».

بھئی اس سلسلے میں حدیث کے اندر آتا ہے، آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک شخص نے بھولے سے کھایا اور پیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا اس سے؟ کہ تم اپنا روزہ پورا کرو، تمہیں اللہ نے کھلایا ہے اور اللہ نے پلایا ہے۔ تو معلوم ہوا حدیث کے اندر آگیا کہ جو شخص بھول کر روزے میں کھا پی لیتا ہے تو اس کو اپنا روزہ پورا کرنا چاہیے کیونکہ اس نے کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا ہے اور اللہ نے پلایا ہے، معلوم ہوا اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تو اب ایک شخص ہے اس کو یہ حدیث بھی پہنچی ہے، اس نے یہ حدیث بھی سنی ہے یا پڑھی ہے، اور اس کا معنی بھی وہ سمجھ گیا کہ حدیث میں کیا کہا جا رہا ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کے معنی کا بھی اس کو پتہ چل گیا۔ تو اگر اس شخص کو یہ پتہ بھی ہے، حدیث کو اس نے جان بھی لیا ہے اور پھر اس نے بھولے سے کھایا پیا، یہی صورت اس میں پیش آگئی۔ اس آدمی جس نے پہلے بھولے سے کھایا اور پھر اس نے جان بوجھ کر کھایا ہے اور اس کو حدیث کا بھی پتہ ہے اور اس کے معنی کا بھی پتہ ہے، تو کیا اس پر کفارہ آئے گا یا نہیں؟ اس کو تو حدیث پہنچ چکی ہے، کہتے ہیں بھئی ظاہرِ روایت کے مطابق اس پر بھی کفارہ نہیں ہے۔ اس پر بھی کفارہ نہیں ہے، مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ دلیل کیا ہے وہ آگے آرہی ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ بَلَغَهُ الْحَدِيثُ وَعَلِمَهُ» اور اگر اس کو حدیث پہنچ گئی اور اس نے اس حدیث کو جان لیا یعنی اس کے معنی کو سمجھ لیا، «فَكَذَلِكَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ» تو بھی حکم اسی طرح ہے ظاہرِ روایت کے مطابق یعنی اس پر کفارہ نہیں آئے گا۔

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ...

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهَا تَجِبُ، وَكَذَا عَنْهُمَا، لِأَنَّهُ لَا اشْتِبَاهَ فَلَا شُبْهَةَ».

اب دوسری روایت بیان کر رہے ہیں: اور امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہو گا، کس پر؟ جس کو حدیث پہنچ چکی ہے اور جس نے اس کے معنی کو جان لیا ہے، اس پر کفارہ واجب ہو گا۔ اور اسی طرح ایک روایت صاحبین سے بھی ہے کہ اس پر کفارہ آئے گا، «لِأَنَّهُ لَا اشْتِبَاهَ» اس لیے کیونکہ اس صورت میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ جب حدیث اس کو پہنچ چکی ہے، اس کے معنی کو جان چکا ہے اور پھر اس کے بعد یہ کیا شبہ کرتا ہے کہ روزہ شاید میرا ٹوٹ گیا، کہتے ہیں: نہیں بھئی! پھر کوئی اشتباہ نہیں، اس اشتباہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، تو جب اس اشتباہ کا کوئی اعتبار، اس شبہے کا کوئی اعتبار نہیں ہے تو شبہ نہ پایا گیا، اور جب شبہ نہیں تو کفارہ بھی ساقط نہیں ہو گا، اس پر کفارہ آئے گا۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ لَا اشْتِبَاهَ» اس لیے کیونکہ اس صورت میں کوئی اشتباہ نہیں ہے، «فَلَا شُبْهَةَ» تو شبہ نہ پایا گیا، اور جب شبہ نہیں تو کفارہ بھی ساقط نہیں۔

«وَوَجْهُ الْأَوَّلِ قِيَامُ الشُّبْهَةِ الْحُكْمِيَّةِ بِالنَّظَرِ إِلَى الْقِيَاسِ فَلَا يَنْتَفِي بِالْعِلْمِ كَوَطْءِ الْأَبِ جَارِيَةَ ابْنِهِ».

اور پہلے قول کی وجہ، وہ جو ظاہرِ روایت میں آیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ «قِيَامُ الشُّبْهَةِ الْحُكْمِيَّةِ بِالنَّظَرِ إِلَى الْقِيَاسِ» کہ یہاں شبۂ حکمیہ قائم ہے قیاس کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ ظاہرِ روایت میں کیا آیا تھا؟ اگرچہ اس کو حدیث کا پتہ بھی چل گیا ہو اور پھر بھی یہ پہلے بھولے سے کھایا اور پھر جان بوجھ کر کھاتا ہے کہ شاید میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے تو اس پر کفارہ نہیں ظاہرِ روایت کے مطابق، اس کی وجہ یہ کہ قیاس کی طرف نظر کرتے ہوئے حکماً شبہ ابھی بھی موجود ہے، شبۂ حکمیہ ابھی بھی موجود ہے۔ اس لیے کیونکہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس آدمی کا روزہ ٹوٹ جانا چاہیے، کیونکہ روزہ نام ہی کس چیز کا تھا؟ امساک کا نام تھا، کھانے پینے اور صحبت سے رکنے کا نام تھا، اور وہ امساک جب اس نے کھالیا اور پی لیا تو امساک پایا گیا یا نہیں پایا گیا؟ امساک تو ختم ہو گیا، امساک تو... اور روزہ تو نام ہی کس چیز کا تھا؟ امساک کا تھا، تو جب امساک ختم تو روزہ بھی ختم، تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اس کا روزہ ختم ہو جانا چاہیے۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو یہاں پر شبۂ حکمیہ موجود ہے کس کی طرف نظر کرتے ہوئے؟ قیاس کی طرف نظر کرتے ہوئے، چاہے ایک عالم ہو چاہے جاہل ہو، سب کے حق میں یہ قیاس برابر ہے۔ ہر ایک، ہر ایک اگر حدیث کی طرف نظر نہ کی جائے، ہر ایک کا ذہن کیا کہے گا؟ کہ روزہ ٹوٹ چکا ہے، سمجھ میں آئی بات بھئی؟ تو یہاں پر قیاسِ صحیح کی وجہ سے شبۂ حکمیہ پایا گیا، قیاسِ صحیح کی وجہ سے شبۂ حکمیہ پایا گیا، «فَلَا يَنْتَفِي بِالْعِلْمِ» تو علم کی وجہ سے بھی وہ شبہ منتفی نہیں ہو گا، کیونکہ اس شبہے کی بنیاد کس پر ہے؟ قیاسِ صحیح پر ہے، میں نے بتلایا چاہے ایک شخص عالم ہے چاہے جاہل ہے، اگر صرف عقل کی طرف نظر کی جائے تو عقل تو کیا کہتی ہے؟ کہ بھول کر بھی کھا پی لے تو روزے کو ٹوٹ جانا چاہیے، تو یہ ایک ایسا شبہ ہے جس کی بنیاد قیاسِ صحیح پر ہے، تو لہٰذا یہ شبہ علم کی وجہ سے بھی ختم نہیں ہو گا اگرچہ اس کو علم ہو چکا ہے کہ حدیث کے اندر تو کیا آیا ہے؟ روزہ نہیں ٹوٹے گا، تو اگرچہ علم پایا بھی جائے، علم حاصل بھی ہو جائے پھر بھی یہ شبۂ حکمی منتفی نہیں ہو گا، اس لیے کیونکہ اس کی بنیاد قیاسِ صحیح پر ہے۔ قیاسِ صحیح بتلاتا ہے کہ بھئی اس شخص کا تو کیا ہونا چاہیے؟ روزہ ٹوٹنا چاہیے۔ تو اس شبہے کی بنیاد ویسے ہی کسی چیز پر ہے یا ایک صحیح قوی قیاس پر ہے؟ صحیح اور قوی قیاس پر ہے، اگرچہ وہ قیاس یہاں متروک ہے حدیث کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا گیا، لیکن بہر حال شبہ تو آ جاتا ہے یا شبہ نہیں آتا؟ شبہ تو آ جاتا ہے، تو اس کا اعتبار کرنا پڑے گا، حکماً ایک شبہ پایا گیا۔ حقیقتاً تو شبہ نہیں کیونکہ حدیث میں کیا آ گیا، لیکن حکماً شبہ ہے یعنی یہ حکم لگایا جائے گا کہ شبہ موجود ہے۔ کیوں حکم لگایا جائے گا؟ کیونکہ اس شبہے کی بنیاد کس پر ہے؟ قیاسِ صحیح پر ہے۔

کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کی باندی سے صحبت کر لے تو اس پر حد واجب نہیں، اس پر حد نہیں آتی۔ اگرچہ باپ کا مال الگ ہے، بیٹے کا مال الگ ہے۔ باپ اور بیٹے کا مال الگ الگ ہے۔ بھئی باپ کے مسئلے کے اندر آپ پڑھ چکے ہیں اصولِ فقہ کی کتابوں کے اندر کہ ایک صحابی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: «أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ»، تم اور تمہارا مال یہ دونوں تمہارے باپ کے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس حدیث کی وجہ سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید بیٹے کا مال کس کا ہے؟ باپ کا مال ہے، حالانکہ دیگر دلائل کے ذریعے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیٹے کا مال الگ ہے اور باپ کا مال الگ ہے، باپ کا مال الگ ہے۔ لیکن بہر حال اس حدیث کی وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے یا شبہ پیدا نہیں ہوتا؟ اس کی وجہ سے شبہ تو پیدا ہوتا ہے، اگرچہ دیگر دلائل بتلا رہے ہیں کہ بیٹے کا مال الگ، باپ کا مال الگ، لیکن اس حدیث کی وجہ سے شبہ آ جاتا ہے اور یہ شبہ کیا کرتا ہے؟ حد کو ساقط کر دیتا ہے۔ لہٰذا باپ اگر اپنے بیٹے کی باندی سے صحبت کر بھی لے تو اس شبہے کی وجہ سے حد جو ہے وہ ساقط ہو جائے گی، اس پر حد واجب نہیں۔ چاہے باپ کو اس مسئلے کا پتہ بھی ہو کہ مجھ پر بیٹے کی باندی حرام ہے، بیٹے کا مال الگ ہے، میرا مال الگ ہے، پھر بھی وہ صحبت کر لیتا ہے تو بھی اس پر حد نہیں آئے گی۔ کیوں نہیں آئے گی حد؟ کیونکہ شبہ آ رہا ہے، کس کی وجہ سے؟ اس حدیث کی وجہ سے۔ تو جیسے اس مسئلے کے اندر علم اور عدمِ علم برابر ہیں، باپ کو چاہے علم ہو یا علم نہ ہو کہ بیٹے کا مال الگ ہوتا ہے، دونوں صورتوں میں علم اور عدمِ علم دونوں برابر ہیں، دونوں صورتوں میں باپ پر حد نہیں آئے گی۔ تو اسی طرح یہ جو روزے کا مسئلہ ذکر ہوا اس کے اندر بھی علم اور عدمِ علم دونوں برابر ہیں، کیونکہ قیاسِ صحیح کی وجہ سے یہاں شبہ آتا ہے، تو لہٰذا چاہے علم ہو مسئلے کا چاہے علم نہ ہو، دونوں صورتوں میں کفارہ نہیں آئے گا کیونکہ ایک شبۂ حکمیہ یہاں موجود ہے قیاسِ حکمی کی وجہ سے۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ مسئلہ سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟ تو جیسے باپ کے مسئلے میں علم اور عدمِ علم برابر تھے تو یہاں اس مسئلے کے اندر بھی علم اور عدمِ علم برابر ہیں کیونکہ قیاسِ صحیح سے شبہ شبہ پیدا ہو رہا ہے تو اس لیے یہاں پر یوں سمجھیں گے ایک شبہ پایا جا... اگرچہ حقیقتاً تو شبہ نہیں لیکن حکماً کیا ہے؟ شبہ موجود ہے، لہٰذا اس پر کفارہ نہیں آئے گا۔ یہاں تک بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟ اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: «وَوَجْهُ الْأَوَّلِ» پہلے قول کی وجہ یعنی ظاہرِ روایت کی وجہ یہ، وجہ جو ہے «قِيَامُ الشُّبْهَةِ الْحُكْمِيَّةِ» وہ شبۂ حکمیہ کا قائم ہونا ہے، شبۂ حکمیہ کا

پایا جاتا ہے «بِالنَّظَرِ إِلَى الْقِيَاسِ» کس کی طرف نظر کرتے ہوئے؟ قیاس یعنی قیاسِ صحیح کی طرف نظر کرتے ہوئے، «فَلَا يَنْتَفِي بِالْعِلْمِ» لہٰذا یہ علم کی وجہ سے منتفی نہیں ہو گا، یہ ختم نہیں ہو گا علم کی وجہ سے یعنی جاننے کی وجہ سے، «كَوَطْءِ الْأَبِ جَارِيَةَ ابْنِهِ» جیسے کہ باپ کا وطی کر لینا اپنے بیٹے کی باندی سے۔

■ مسئلہ: وَلَوِ احْتَجَمَ وَظَنَّ أَنَّ ذَلِكَ يُفْطِرُهُ...

«وَلَوِ احْتَجَمَ وَظَنَّ أَنَّ ذَلِكَ يُفْطِرُهُ ثُمَّ أَكَلَ مُتَعَمِّدًا عَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ».

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے سینگی لگوائی یعنی حجامت کروائی۔ حجامت اور سینگی لگوانا یہ پرانا طریقۂ علاج تھا جس میں خاص آلہ وغیرہ گردن وغیرہ اور مخصوص مقامات پر وہ آلہ رکھ کر خون کو کھینچ کر بدن سے نکالا جاتا تھا، اور یہ نہایت مفید طریقۂ علاج ہے، حتی کہ احادیث میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں معراج کی رات فرشتوں کے جس گروہ پر بھی سے بھی گزرتا تھا وہ مجھے بار بار کہتے تھے کہ اپنی امت کو سینگی لگوانے کا یعنی پچھنے لگوانے کا حکم دیں۔ تو یہ بڑا مفید ہے اور آج کل بھی یہ اب پھر شروع کیا ہے بعض طبیبوں نے اور اس کے بڑے مفید نتائج انہوں نے دیکھے ہیں بھئی۔

تو اب صورت یہ، ایک شخص نے رمضان کے اندر روزے کی حالت میں یہ سینگی لگوائی یعنی پچھنے لگوائے، اور پھر اس شخص کا یہ گمان ہوا کہ شاید یہ پچھنے لگوانے سے میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے، پھر اس نے جان بوجھ کر کھالیا، پی لیا۔ تو یاد رکھیے! اس صورت میں اس پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی واجب ہے۔ اس پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی واجب ہے۔

یاد رکھیے! اس بارے میں حدیث بھی آتی ہے، حدیث میں آتا ہے: «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»، «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»، «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ» روزہ ٹوٹ گیا پچھنے لگانے والے کا، «وَالْمَحْجُومُ» اور جس نے پچھنے لگوائے۔ یعنی پچھنے لگانے والے اور پچھنے لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ حدیث سمجھ میں آ گئی؟ «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»۔

اور تو یہ حدیث کے اندر آتا ہے۔ اور پھر اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا روزہ نہیں ٹوٹتا پچھنے لگوانے سے؟ تو یاد رکھیے! امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ ان کے نزدیک پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جبکہ باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پچھنے لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ امام احمد ابن حنبل اس حدیث کو دلیل بناتے ہیں کہ اس حدیث میں کیا آیا؟ «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»، سینگی لگانے والا اور سینگی لگوانے والا دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا، یہ حدیث میں آیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں ان کا روزہ ٹوٹ گیا، جبکہ دیگر ائمہ ثلاثہ جو ہیں وہ فرماتے ہیں اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور وہ حدیث کے کئی جوابات دیتے ہیں۔

ایک جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ اسی حدیث کی روایات کے اندر آتا ہے کہ یہ حضور علیہ السلام نے مطلقاً نہیں فرمایا، اس میں حضور علیہ السلام نے خاص حاجم اور مجوم کے بارے میں فرمایا ہے۔ آپ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو پچھنے لگوا رہا تھا، تو وہ جو پچھنے لگانے والا تھا اور وہ جو پچھنے لگوانے والا تھا وہ اس وقت غیبت کے اندر مصروف تھے، کس کے اندر؟ غیبت کے اندر مصروف تھے، اس لیے حضور علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا: «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»، تو حضور علیہ السلام نے ان کے بارے میں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»، یہ جو پچھنے لگانے والا ہے اور یہ جو پچھنے لگوانے والا ہے ان کا روزہ ٹوٹ گیا، روزہ ٹوٹ گیا، تو ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا، اور اس کی وجہ کیا تھی؟ کہ وہ دونوں غیبت کر رہے تھے اور غیبت غیبت تو بہت بڑا گناہ ہے اور پھر خصوصاً وہ روزے کی حالت میں یہ گناہ کر رہے تھے، تو معنی یہ ہے یعنی روزہ ٹوٹنے کا کہ ان کو روزے کا ثواب نہیں ملے گا۔ روزے کا ثواب نہیں ملے گا، ان کا روزہ ٹوٹ گیا یعنی ان کے لیے روزے کا ثواب نہیں ہے، تو یہ اسی طرح ہے جیسے ان کا روزہ ہے ہی نہیں، ان کا روزہ ٹوٹ گیا ختم ہو گیا۔ جواب سمجھ میں آ گیا حدیث کا؟

اور بعض نے دوسرا جواب دیا، دوسرا جواب دیا، وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں «أَفْطَرَ» سے مراد ہے «سَيُفْطِرُ»، «أَفْطَرَ» کس معنی میں ہے؟ «سَيُفْطِرُ»، کہ قریب ہے کہ ان کا روزہ ٹوٹ جائے۔ «سَيُفْطِرُ»، قریب ہے کہ ان کا روزہ ٹوٹ جائے یعنی قریب ہے کہ پچھنے لگانے والے کا روزہ ٹوٹ جائے، کیونکہ وہ خون کو چوس کر نکال رہا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کچھ خون اس کے حلق میں سے گزر جائے، پیٹ تک پہنچ جائے، تو اس صورت میں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، تو خطرہ ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے۔ اور «أَفْطَرَ الْمَحْجُومُ» پچھنے لگوانے والے کا بھی خطرہ ہے کہ کہیں اس کا روزہ ٹوٹ نہ جائے، اس لیے کیونکہ اس کا خون نکالا گیا تو اس کو کمزوری ہو جائے گی اور خطرہ ہے کہیں کمزوری کی وجہ سے یہ روزے روزے کو توڑ ہی نہ دے بھئی بعد میں، بعد میں یہ روزے کو توڑ ہی نہ دے۔ تو معلوم ہوا یہاں دوسرا جواب یہ کہ «أَفْطَرَ» کس معنی میں ہے؟ «سَيُفْطِرُ»، کہ قریب ہے ان کا روزہ ٹوٹ جائے یعنی خطرہ ہے کہ ان کا روزہ کہیں ٹوٹ نہ جائے حاجم کا پیٹ میں خون جانے کی وجہ سے اور مجوم کا کمزوری کی وجہ سے کہیں وہ بعد میں توڑ نہ دے بھئی۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

یہ دو جواب ہوئے۔ اور تیسرا جواب یہ کہ حضور علیہ السلام نے جو فرمایا «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»، اس سے دنیاوی نقصان مراد نہیں، دنیاوی اعتبار سے روزے کا ٹوٹنا مراد نہیں، بل بلکہ آخرت کے اعتبار سے ہے کہ کہ آخرت کے اعتبار سے ان کے روزے میں نقصان آ گیا، پچھنے لگانے والے کے روزے میں بھی کمی آ گئی اور

پچھنے لگوانے والے کے روزے میں بھی کمی آگئی، لیکن دنیاوی اعتبار سے نہیں، دنیاوی اعتبار سے ان کا روزہ ہے، نقصان اور کمی کس اعتبار سے آئی ہے؟ آخرت کے اعتبار سے یعنی اس روزے کے اجر و ثواب میں کمی آگئی بھئی۔ جوابات سمجھ میں آگئے؟ پہلا جواب کیا؟ کہ غیبت کرنے والے خاص حاجم اور مجوم مراد تھے، وہ وہ مراد تھے بھئی۔ اور دوسرا جواب کیا؟ کہ خطرہ ہے کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ اور تیسرا جواب کیا؟ کہ دنیاوی اعتبار سے نقصان نہیں بلکہ اخروی نقصان مراد ہے، روزے میں کمی آگئی، ثواب میں کمی آگئی اور اخروی اعتبار سے۔

بھئی یہ جوابات اس لیے دیتے ہیں ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے، وجہ اس کی یہ کیونکہ دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روزے میں پچھنے لگوانا جائز ہے اور اسی طرح آپ نے اور صحابہ کو بھی بعض کو اجازت دی روزے کی حالت میں پچھنے لگوانے کی، تو سمجھ میں آ گئی بات بھئی؟ تو معلوم ہوا روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے جاسکتے ہیں، اس سے روزہ ٹوٹتا نہیں ہے۔ تو جب آپ نے خود پچھنے لگوائے اور دیگر صحابہ کو بھی اجازت دی ہے، معلوم ہوا یہ والی حدیث منسوخ ہے: «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»، تو یہ چوتھا جواب بھی آگیا کہ یہ حدیث کیا ہے؟ منسوخ ہے بھئی، منسوخ ہے۔ تفصیلِ مسئلہ سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب صورت یہ کیا ذکر ہو رہی ہے کتاب کے اندر؟ ایک شخص نے پچھنے لگوائے اور اس کا یہ گمان ہے کہ شاید اس سے اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے، پھر اس نے جان بوجھ کر کھایا پیا کھالیا یا پی لیا، تو اس صورت میں اس پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی واجب ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے۔ بھئی کیوں؟ قضا اور کفارہ کیوں واجب ہے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الظَّنَّ مَا اسْتَنَدَ إِلَى دَلِيلٍ شَرْعِيٍّ» اس لیے کہ کیونکہ یہاں پر جو اس کا گمان ہے، اس کا کیا گمان تھا؟ کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کا یہ جو گمان ہے، «مَا اسْتَنَدَ إِلَى دَلِيلٍ شَرْعِيٍّ» اس کی نسبت کسی دلیلِ شرعی کی طرف نہیں ہے۔ اس کی نسبت کسی دلیلِ شرعی کی طرف نہیں ہے۔ بھئی یاد رکھنا، بین السطور لکھا بھی ہوا ہے، یہ وہ صورت ہے جب اس کو وہ حدیث ابھی نہیں پہنچی، اس کو حدیث کا پتہ نہیں ہے، ویسے ہی اس نے اپنے گمان کے مطابق کیا کر لیا؟ کھالیا، پی لیا، روزہ توڑ دیا۔ اگر حدیث اس کو پہنچی ہے اس کا حکم آگے آئے گا بھئی۔ تو یہاں پر اس کا جو گمان ہے اس کی اس کی نسبت کسی دلیلِ شرعی کی طرف نہیں۔ قیاس کی طرف بھی نہیں ہے یہاں پر اس نسبت، اس لیے کیونکہ قیاس بھی یہ تقاضا کرتا ہے اس کا روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے پچھنے لگوانے سے، اس لیے کیونکہ پچھنے لگوانے میں تو بدن سے خون نکلا ہے اور روزہ کسی چیز کے نکلنے سے نہیں ٹوٹتا بلکہ پیٹ میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے، تو لہٰذا یہاں یہاں پر اس کے اس گمان کی بنیاد اور اس کی نسبت کسی دلیلِ شرعی کی طرف نہیں ہے، لہٰذا اس صورت اس وجہ سے اس کے اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں اور اس نے جان بوجھ کر کھایا پیا ہے تو قضا بھی آئے گی اور کفارہ بھی آئے گا۔

یہ معنی ہے «لِأَنَّ الظَّنَّ مَا اسْتَنَدَ إِلَى دَلِيلٍ شَرْعِيٍّ» اس لیے کیونکہ اس کے اس گمان کی نسبت کسی دلیلِ شرعی کی طرف نہیں ہے۔

■ مسئلہ: إِلَّا إِذَا أَفْتَاهُ فَقِيهٌ بِالْفَسَادِ لِأَنَّ...

«إِلَّا إِذَا أَفْتَاهُ فَقِيهٌ بِالْفَسَادِ لِأَنَّ الْفَتْوَى دَلِيلٌ شَرْعِيٌّ فِي حَقِّهِ».

ہاں! مگر جب اس کو فتویٰ دے دے کوئی فقیہ روزے کے فاسد ہونے کا۔ یہ کسی مفتی کے پاس چلا گیا اور مفتی نے اس کو کیا فتویٰ دیا؟ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً کسی حنبلی فقیہ کے پاس چلا گیا اور امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تو وہ حنبلی مفتی نے اس کو کیا فتویٰ دیا کہ پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ گیا، اب اس نے جان بوجھ کر افطار کر لیا، تو اس صورت میں صرف قضا آئے گی، کفارہ نہیں آئے گا، کیونکہ اب یہ کس پر عمل کر رہا ہے؟ دلیلِ شرعی پر عمل کر رہا ہے، کیونکہ مفتی کا فتویٰ اس کے عام آدمی کے لیے دلیلِ شرعی ہے یا نہیں ہے؟ عام آدمی کے لیے تو مفتی کا فتویٰ ہی دلیلِ شرعی ہوتا ہے، تو لہٰذا یہ دلیلِ شرعی پر عمل کرنے والا ہو گیا اس صورت میں، لہٰذا اس پر کفارہ نہیں آئے گا، صرف کیا آئے گی؟ قضا آئے گی۔ یہ معنی ہے «إِلَّا إِذَا أَفْتَاهُ فَقِيهٌ بِالْفَسَادِ» مگر یہ کہ جب اس کو کوئی فقیہ یعنی کوئی مفتی فتویٰ دے دے فساد کا، «لِأَنَّ الْفَتْوَى دَلِيلٌ شَرْعِيٌّ فِي حَقِّهِ» اس لیے کیونکہ اس عام آدمی کے حق میں فتویٰ دلیلِ شرعی ہے۔

«وَلَوْ بَلَغَهُ الْحَدِيثُ فَاعْتَمَدَهُ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ قَوْلَ الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَنْزِلُ عَنْ قَوْلِ الْمُفْتِي».

اور اگر اس شخص کو یہ حدیث پہنچی ہے، اس شخص کو یہ حدیث پہنچی ہے، کون سی حدیث؟ «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»، یہ حدیث پہنچی ہے، «فَاعْتَمَدَهُ» تو اس نے کس پر اعتماد کیا؟ اس حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے کہ حدیث میں تو آرہا ہے کہ پچھنا لگا پچھنے لگانے والا اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تو اس نے اس حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے جان بوجھ کر کھالیا یا پی لیا، تو بھی مسئلہ اسی طرح ہے «عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ»، کس کے نزدیک؟ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، اس لیے

کیونکہ وہ فرماتے ہیں، کہتے ہیں: «لِأَنَّ قَوْلَ الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَنْزِلُ عَنْ قَوْلِ الْمُفْتِي» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام کا قول کسی مفتی کے قول سے کم درجے کا نہیں، جب مفتی کے قول کی صورت میں اور مفتی کے فتوے کی صورت میں اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا تھا تو حضور علیہ السلام کے قول پر جب یہ عمل کر رہا ہے تو اس صورت میں بطریقِ اولیٰ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافُ ذَلِ...

«وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافُ ذَلِكَ، لِأَنَّ عَلَى الْعَامِّيِّ الِاقْتِدَاءَ بِالْفُقَهَاءِ لِعَدَمِ الِاهْتِدَاءِ فِي حَقِّهِ إِلَى مَعْرِفَةِ الْأَحَادِيثِ».

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے اس کے خلاف روایت ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر اس کو حدیث پہنچ گئی ہے اور پھر یہ اس حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے کیا کر لیتا ہے؟ اپنا روزہ توڑ لیتا ہے، جان بوجھ کر کھا لیتا ہے، پی لیتا ہے، وہ فرماتے ہیں: اس صورت میں اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔ بھئی کیوں کفارہ واجب ہوگا؟ حالانکہ یہ حضور علیہ السلام کی حدیث کی وجہ سے اس نے ایسا عمل کیا ہے، تو کہتے ہیں وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بھئی عام آدمی جو ہے وہ اس کا کام ہے فقہاء کی پیروی کرنا۔ اس کو حدیث کے معانی جاننے کی طرف اس کے حدیث کے معنی کو وہ صحیح سمجھ ہی نہیں سکتا، اس کو کس کی پیروی واجب ہے اس پر؟ فقہاء کی پیروی واجب ہے، وہ صرف حدیث کو دیکھے اور اس پر عمل شروع کر دے، عام آدمی کے لیے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کو کس کو دیکھنا چاہیے؟ فقہاء کے، فقہاء اس حدیث کا کیا معنی بیان کرتے ہیں۔ جیسے ابھی بیان ہوا، حدیث میں تو آرہا ہے «أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ»، لیکن ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، تینوں جلیل القدر فقہاء کیا فرما رہے ہیں؟ روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حدیث کی مراد کو سمجھنا اور اس کے معنی کو سمجھنا یہ فقہاء کا کام ہے بھئی، فقہاء کا کام۔ ہر ایک حدیث کے معنی کو نہیں سمجھ سکتا، چنانچہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ جب عام آدمی ہے تو اس پر فقہاء کی پیروی لازم تھی، حدیث کے معنی کو یہ سمجھ ہی نہیں سکتا، جب سمجھ ہی نہیں سکتا تو اس کے حدیث کو حدیث کو جان کر اس پر عمل یہ کر بھی لے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے بھئی، دلیل سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافُ ذَلِكَ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے اس کے خلاف روایت ہے، «لِأَنَّ عَلَى الْعَامِّيِّ الِاقْتِدَاءَ بِالْفُقَهَاءِ» اس لیے کیونکہ عامی آدمی جو ہے، عام آدمی جو ہے اس پر فقہاء کی پیروی واجب ہے، «لِعَدَمِ الِاهْتِدَاءِ فِي حَقِّهِ إِلَى مَعْرِفَةِ الْأَحَادِيثِ» اس لیے کیونکہ اس کے لیے راہ پانا نہیں ہے، اہتداء کا معنی راستہ پالینا، اس لیے کیونکہ اس کے لیے راستہ پالینا نہیں ہے فی حقہ اس کے اپنے حق میں، الی معرفۃ الاحادیث کس کی طرف؟ احادیث کی معرفت، اس لیے کیونکہ اس شخص کے حق میں احادیث کے جاننے کی طرف کوئی راہ پالینے کی صورت نہیں ہے کہ یہ خود احادیث کے معنی کو جاننا، احادیث کے معانی کو جاننا شروع کر دے اور یہ اس کے لیے ممکن نہیں ہے، اس کے لیے کوئی صورت نہیں ہے، بلکہ اس کو کس کی اس پر کیا واجب ہے؟ فقہاء کی پیروی واجب ہے۔ یہ معنی ہے «لِعَدَمِ الِاهْتِدَاءِ فِي حَقِّهِ إِلَى مَعْرِفَةِ الْأَحَادِيثِ» اس لیے کیونکہ اس شخص کے حق میں احادیث کے جاننے کی طرف کوئی راستہ پا لینا نہیں ہے یعنی اس کی طرف ہدایت کی صورت نہیں ہے کہ وہ ان کے معنی کو جان لے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ عَرَفَ تَأْوِيلَهُ تَجِبُ الْكَفَّارَةُ لِا...

«وَإِنْ عَرَفَ تَأْوِيلَهُ تَجِبُ الْكَفَّارَةُ لِانْتِفَاءِ الشُّبْهَةِ».

اچھا بھئی! اگر اس شخص کو یہ حدیث پہنچی ہے اور اس کو حدیث کے معنی کا بھی پتہ چل گیا کہ فقہاء نے یہ معنی بیان کیا ہے۔ اب، اب اس پر کفارہ آئے گا یا نہیں؟ کہتے ہیں: اب تو بطریقِ اولیٰ اس پر کفارہ آئے گا جب اس کو پتہ بھی چل گیا کہ فقہاء فرماتے ہیں اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، تو پھر تو اب تو بالکل سرے سے کوئی شبہ رہا ہی نہیں، لہٰذا اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ یہ معنی ہے «وَإِنْ عَرَفَ تَأْوِيلَهُ» اور اگر اس نے حدیث کی تاویل کو جان لیا کہ یہ تاویل بیان کرتے ہیں فقہاء حدیث کی، «تَجِبُ الْكَفَّارَةُ» تو کفارہ واجب ہوگا «لِانْتِفَاءِ الشُّبْهَةِ» شبہے کے منتفی ہونے کی وجہ سے، کیونکہ اب تو اس کو علم بھی حاصل ہو گیا، اب تو شبہ بطریقِ اولیٰ منتفی ہو گیا۔

«وَقَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ لَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ لِمُخَالَفَةِ الْقِيَاسِ».

بھئی امام اوزاعی رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے سینگی لگوانے سے۔ سینگی لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تو ان کے قول کی وجہ سے وہ بھی تو ایک بڑے فقیہ ہیں، تو اس کی وجہ سے شبہ آجاتا ہے اور شبہے کی وجہ سے کفارہ کیا ہے؟ ساقط، تو کفارہ ساقط ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں: نہیں بھئی! امام اوزاعی کے قول کا بھی یہاں پر

اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لیے کیونکہ ان کا قول بھی مخالفِ قیاس ہے، قیاس کے مخالف ہے کیونکہ قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے کیونکہ روزہ جسم سے کوئی چیز نکلنے سے نہیں ٹوٹتا بلکہ جسم کے اندر کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے، لہٰذا امام اوزاعی کے قول کی وجہ سے بھی کوئی شبہ پیدا نہیں ہوگا۔ یہ معنی ہے «وَقَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ لَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ» اور امام اوزاعی کا قول وہ شبہ پیدا نہیں کرتا «لِمُخَالَفَةِ الْقِيَاسِ» قیاس کے مخالف ہونے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ أَكَلَ بَعْدَمَا اغْتَابَ مُتَعَمِّدًا فَ...

«وَلَوْ أَكَلَ بَعْدَ مَا اغْتَابَ مُتَعَمِّدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ كَيْفَمَا كَانَ».

بھئی یاد رکھیے! جس طرح سینگی لگوانے کے بارے میں آیا ہے، اسی طرح احادیث میں آتا ہے غیبت کرنے والے کے بارے میں کہ جس شخص نے غیبت کی اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ احادیث میں کیا آتا ہے؟ کہ غیبت کرنے والے کا روزہ ٹوٹ گیا، لیکن بالاجماع تمام فقہاء اس کی تاویل کرتے ہیں۔ کسی کے نزدیک بھی غیبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کسی کے نزدیک بھی غیبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اب ایک شخص نے غیبت کی اور پھر اس نے خیال کیا کہ شاید میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے۔ اس نے غیبت کی اور اس کا کیا خیال ہوا؟ میرا روزہ ٹوٹ گیا اور پھر اس نے جان بوجھ کر کھالیا یا پی لیا، تو کہتے ہیں پھر کہ اس صورت میں بھی اس پر قضا بھی آئے گی اور کفارہ بھی آئے گا، اس لیے کیونکہ یہاں پر وہ حدیث وہ حدیث کیا ہے؟ بالاجماع سب کے نزدیک سب نے اس کی تاویل کی ہے، کسی کے نزدیک بھی غیبت سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لہٰذا یہاں اس کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔ تو جو بھی صورت یہاں پیش آجائے، چاہے اس شخص کا صرف اپنا گمان ہے، چاہے اس کو حدیث پہنچی ہے وغیرہ، جو بھی صورت ہو، ہر حال میں یہاں قضا بھی آئے گی اور کفارہ بھی آئے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَوْ أَكَلَ بَعْدَ مَا اغْتَابَ مُتَعَمِّدًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ» اور اگر ایک شخص نے کھانا کھالیا بعد ما اغتاب بعد اس کے جب اس نے غیبت کرلی، متعمداً اس کا تعلق کھانا کھانے سے ہے، اگر اس نے جان بوجھ کر کھانا کھالیا بعد ما اغتاب جب اس نے غیبت کی ہے اس کے بعد، «فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ» تو اس پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی واجب ہے «كَيْفَمَا كَانَ» جو بھی صورت ہو۔ جو بھی صورت ہو، چاہے اس کا اپنا گمان تھا کہ شاید میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے، چاہے اس کو کسی مفتی نے فتویٰ دیا تھا، اس صورت میں اس نے جان بوجھ کر کھالیا ہے، ہر حال میں اس پر قضا بھی آئے گی اور کفارہ بھی آئے گا۔ جبکہ پچھلے مسئلے میں آپ نے پڑھا اگر مفتی نے فتویٰ دیا ہو تو پھر صرف قضا آئے گی، کفارہ نہیں آئے گا، لیکن یہاں قضا بھی آئے گی اور کفارہ بھی آئے گا۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ الْفِطْرَ يُخَالِفُ الْقِيَاسَ، وَالْحَدِي...

«لِأَنَّ الْفِطْرَ يُخَالِفُ الْقِيَاسَ، وَالْحَدِيثُ مُؤَوَّلٌ بِالْإِجْمَاعِ».

«لِأَنَّ الْفِطْرَ يُخَالِفُ الْقِيَاسَ» اس لیے کیونکہ یہاں پر روزہ ٹوٹنا وہ کیا ہے؟ خلافِ قیاس ہے، «وَالْحَدِيثُ مُؤَوَّلٌ بِالْإِجْمَاعِ» اور حدیث بھی جو ہے وہ مؤول ہے بالاجماع، حدیث کی تاویل کی گئی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا یہاں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔ اور جب کوئی شبہ نہیں تو کفارہ واجب ہوگا جب اس نے جان بوجھ کر کھایا ہے یا پیا ہے۔ چلیے بس بھئی، ھذا ہو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۲۸: وَإِذَا جُومِعَتِ النَّائِمَةُ وَالْمَجْنُونَةُ وَهِيَ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر ۱۲۸: وَإِذَا جُومِعَتِ النَّائِمَةُ وَالْمَجْنُونَةُ وَهِيَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۴۵ — بتاریخ: ۱۸ اپریل ۲۰۱۳ء

وَإِذَا جُومِعَتِ النَّائِمَةُ وَالْمَجْنُونَةُ وَهِيَ صَائِمَةٌ عَلَيْهَا الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ. وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: لَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا اعْتِبَارًا بِالنَّاسِي، وَالْعُذْرُ أَبْلَغُ لِعَدَمِ الْقَصْدِ. وَلَنَا أَنَّ النِّسْيَانَ يَغْلِبُ وُجُودُهُ وَهَذَا نَادِرٌ، وَلَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ لِانْعِدَامِ الْجِنَايَةِ. [1]

«**وَإِذَا جُومِعَتِ النَّائِمَةُ وَالْمَجْنُونَةُ**» اور جب جماع کر لیا گیا یعنی صحبت کر لی گئی نائمہ یعنی سوئی ہوئی عورت سے، «**وَالْمَجْنُونَةِ**» اور مجنونہ سے، مجنونہ سے۔

سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیے یہ جو «**مجنونہ**» آیا متن کے اندر بھائی، یہ اصل میں تھا «**مجبورة**»: «**وَإِذَا جُومِعَتِ النَّائِمَةُ وَالْمَجْبُورَةُ**»، مجبورہ جس پر جبر کیا گیا، یعنی مکرھہ مراد ہے۔ کون مراد ہے؟ مکرھہ، جس پر زبردستی کی گئی۔ اور پھر یہ کسی لکھنے والے کی غلطی سے مجبورہ کس سے بدل گیا؟ مجنونہ سے۔ کسی لکھنے والے سے غلطی ہوئی اور مجبورہ کی جگہ اس نے مجنونہ لکھ دیا اور پھر یہی نسخے پھیل گئے اسی طرح۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے تلامذہ ذکر کرتے ہیں کہ ہم نے امام محمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ یہاں مجنونہ ہے اور مجنونہ کا کیسے روزہ ہو سکتا ہے؟ تو وہ فرمانے لگے کہ یہ مجنونہ نہیں ہے بلکہ یہ اصل میں لفظ کیا ہے؟ مجبورۃ، جو وہ «**المجبورة**» جس پر جبر کیا گیا ہو یعنی زبردستی کی گئی ہے۔ تو ہم نے کہا کہ آپ پھر اس کو بدل کیوں نہیں دیتے؟ اس مجنونہ لفظ کو مجبورہ کے ساتھ بدل کیوں نہیں دیتے؟ تو وہ فرمانے لگے کہ اب اس کے اتنے نسخے پھیل گئے ہیں اب بدلنے کا فائدہ نہیں۔ اتنے نسخے اس کے پھیل چکے ہیں کہ اب بدلنے کا فائدہ نہیں ہے۔ اب اگر بدل بھی دیا جائے گا ایک آدھ نسخے میں تو اس سے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، جتنے نسخے پھیلے وہ غلطی والے پھیل گئے اسی طرح، وہ سب تک وہی پہنچے ہیں۔ اور نیز چونکہ اس کی تاویل بھی آسان تھی اس لیے اسی طرح اس کو رہنے دیا گیا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور چونکہ ان نسخوں میں اسی طرح تھا، صاحبِ ہدایہ نے بھی اسی طرح نقل کیا بھائی۔ تو یہ اصل میں کیا لفظ تھا؟ المجبورۃ۔

«**وَإِذَا جُومِعَتِ النَّائِمَةُ وَالْمَجْنُونَةُ**» اور جب صحبت کر لی گئی سوئی ہوئی سے اور جس وہ جس کے ساتھ زبردستی کی گئی، مثلاً بیوی سوئی ہوئی تھی خاوند نے اس سے صحبت کر لی، وہ روزہ دار تھی بیوی خاوند نے اس سے صحبت کر لی یا زبردستی اس سے صحبت کر لی «**وَهِيَ صَائِمَةٌ**» اس حال میں کہ وہ روزہ دار تھی «**عَلَيْهَا الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ**» تو اس عورت پر قضا ہے نہ کہ کفارہ بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی۔ تو یہ مجنونہ اصل میں مجبورہ تھا۔ اور اگر اس کو مجنونہ بھی رکھیں تو بھی اس میں صائمہ کہ وہ روزہ دار ہو اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اولِ نہار کے اندر وہ تندرست تھی اور بعد میں اس کو جنون کا دورہ پڑا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا جب اولِ نہار میں تندرست تھی تو اس نے کیا کیا؟ روزہ رکھا بھائی، تو وہ مراد ہے۔

تو یہ جو عورت ہے چونکہ اس کا ارادہ نہیں تھا، یہ تو سوئی ہوئی ہے یا اس پر جبر کیا گیا ہے لہٰذا اس پر صرف قضا آئے گی اس پر کفارہ نہیں آئے گا۔

«**وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا**» امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر قضا بھی نہیں ہے «**اعْتِبَارًا بِالنَّاسِي**» قیاس کرتے ہوئے ناسی پر، بھولنے والے پر۔ جیسے کوئی شخص بھولے سے کیا کر لے؟ صحبت کر لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح بھول کر صحبت کی روزہ نہیں ٹوٹتا، تو یہاں ان کا عذر تو اس بھولنے والے سے بھی بڑھ کر ہے۔ بھول کر صحبت کرنے والا وہ اس کا کم از کم ارادہ تو ہوتا ہے، روزہ تو اس کو یاد نہیں ہوتا لیکن صحبت کا تو ارادہ ہوتا ہے اور یہاں پر تو ارادہ بھی نہیں ہے لہٰذا ان کا عذر اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی وہی حکم آئے گا اور ان کے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، ان پر قضا نہیں ہے ان کا روزہ صحیح ہے بھائی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی؟

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۷۲): «**هنا**»۔ • شاملہ (ص ۱۷۲) میں «**وَالْمَجْنُونَةُ**» کے بجائے «**أو المجنونة**» درج ہے۔

یہ معنی ہے وہ فرماتے ہیں: «لَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا اعْتِبَارًا بِالنَّاسِي» وہ فرماتے ہیں ان دونوں پر قضا نہیں ہے قیاس کرتے ہوئے بھولنے والے پر «وَالْعُذْرُ أَبْلَغُ لِعَدَمِ الْقَصْدِ» اور یہ عذر جو ہے یہ بڑھ کر ہے اس بھولنے والے کے عذر سے بھی بڑھ کر ہے عدمِ قصد، ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے۔ بھولنے والے کا کم از کم ارادہ تو ہوتا ہے لیکن ان کا تو ارادہ بھی نہیں، تو ان کا عذر اس سے بڑھ کر ہے۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ النِّسْيَانَ يَغْلِبُ وُجُودُهُ وَهَذَا نَادِرٌ» کہ نسیان یعنی بھولنا اس کا وجود غالب ہے، وہ عام پیش آتا رہتا ہے اور یہ جو صورت ہے کہ کوئی کوئی نائمہ یا مجنونہ سے صحبت کرلے اس کا وجود نادر ہے۔ لہٰذا اس کو وہ والا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ ایک صورت عام پیش آنے والی ہے وہ تخفیف کا تقاضا کرتی ہے، ایک صورت جو نہایت نادر پیش آنے والی ہے تو اس کی وجہ سے شرعی حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی بھائی۔ تو لہٰذا نسیان چونکہ غالب تھا اس کا حکم اور ہے اور یہ چونکہ نہایت نادر ہے لہٰذا اس کا حکم اس طرح کا نہیں ہوگا بھائی۔

«وَلَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ لِانْعِدَامِ الْجِنَايَةِ» اور کفارہ واجب نہیں ہوگا ان پر «لِانْعِدَامِ الْجِنَايَةِ» کیونکہ جرم معدوم ہے، انہوں نے ان کا جرم کا کوئی ارادہ نہیں تھا تو جرم نہیں ہے اس لیے کفارہ نہیں آئے گا۔

■ فَصْلٌ فِيمَا يُوجِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ، یہ فصل ہے ان روزوں ک

فَصْلٌ فِيمَا يُوجِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ، یہ فصل ہے ان روزوں کے بیان میں «يُوجِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ» جس کو انسان جس کو وہ روزہ رکھنے والا خود اپنے نفس پر واجب کرے بھائی۔ یہ فصل ہے ان روزوں کے بیان میں جن کو روزہ رکھنے والا خود اپنے اوپر واجب کرے۔ بھائی وہ منت، منت کے ذریعے کیا کرلیتا ہے انسان؟ روزے کو اپنے اوپر واجب کرلیتا ہے، اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔

وَإِذَا قَالَ: لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ، أَفْطَرَ وَقَضَى. اور جب کہا کسی شخص نے کہ «لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ» کہ مجھ پر اللہ کے لیے واجب ہے یوم النحر یعنی قربانی کی جو عید ہے اس کا روزہ، تو «أَفْطَرَ وَقَضَى» تو یرحمک اللہ، تو «أَفْطَرَ وَقَضَى» وہ افطار کرے یعنی اس عید والے دن روزہ نہ رکھے «وَقَضَى» اور بعد میں کیا کرلے اس کی؟ قضا کرلے۔

فَهَذَا النَّذْرُ صَحِيحٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، تو یہ منت ہمارے نزدیک صحیح ہے بخلاف امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کے۔ وہ فرماتے ہیں یہ منت ہی صحیح نہیں ہے، ہم کہتے ہیں یہ منت صحیح ہے۔

هُمَا يَقُولَانِ: وہ فرماتے ہیں «إِنَّهُ نَذْرٌ بِمَا هُوَ مَعْصِيَةٌ» کہ یہ منت ہے اس چیز کی جو معصیت ہے یعنی گناہ ہے۔ یہ ایک شخص نے کس چیز کی منت مانی ہے؟ عید والے دن روزہ رکھنے کی منت مانی ہے اور آپ کو میں نے بتلایا تھا سال میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے: ایک عید الفطر والا دن، ایک عید الاضحیٰ والا دن اور پھر تین دن عید الاضحیٰ سے اگلے جو ہیں یعنی ایامِ تشریق۔ ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ تو یہاں بھی اس نے یوم النحر کے روزے کی منت مانی ہے یعنی قربانی والے دن کی، اور قربانی والے دن کا روزہ تو حرام ہے۔ تو امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس نے ایک ایسی چیز کی منت مانی جو گناہ ہے، اور گناہ کی منت مانی جائے تو اس سے منت ہوتی ہی نہیں ہے لہٰذا اس شخص پر وہ روزہ سرے سے واجب ہی نہیں۔

وہ فرماتے ہیں: «إِنَّهُ نَذْرٌ بِمَا هُوَ مَعْصِيَةٌ» کہ یہ منت ہے اس چیز کی جو معصیت ہے یعنی گناہ ہے «لِوُرُودِ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ هَذِهِ الْأَيَّامِ» اس لیے کیونکہ نہی آئی ہے ان دنوں کے روزوں سے، ان ان دنوں کے روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے حدیث کے اندر بھائی۔ تو لہٰذا ان دنوں میں روزہ رکھنا گناہ ہوا اور یہ اس گناہ کی منت مان رہا ہے، اور گناہ کی منت کا تو کوئی اعتبار نہیں اس سے منت واقع ہی نہیں ہوتی۔

یاد رکھیے منت کے مسئلے میں جب کوئی شخص منت مانے کسی چیز کی تو وہ منت تب اس پر لازم ہوگی جب جس چیز کی منت مان رہا ہے وہ کسی وقت انسان پر واجب ہو، واجب ہوتی ہو بھائی۔ وہ چیز کسی وقت انسان پر واجب ہوتی ہو اور نیز وہ کسی چیز کا وسیلہ بھی نہ ہو۔ اگر وسیلہ ہے یعنی خود بالذات مقصود نہیں ہے وسیلہ ہے تو اس صورت میں بھی منت صحیح نہیں اور اس کا کرنا ضروری نہ ہوا۔ مثلاً دیکھیے، ایک شخص منت مانتا ہے کہ اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہوگیا تو میں فلاں مریض جو ہے اس کی عیادت کرنے جاؤں گا۔ اب آپ مجھے بتائیے، مریض کی عیادت کرنا کسی وقت کسی پر واجب ہے کوئی؟ جی؟ آپ نے احکام پڑھے ہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ، کہیں عیادت والا پڑھا آپ نے کہ یہ بھی فرض ہے اور واجب ہے آپ پر؟ جی ہاں، یہ فرض اور واجب نہیں اور منت سے وہ چیز واجب ہوگی جو کسی نہ کسی وقت کیا ہو انسان پر؟ واجب ہو، سمجھ میں آئی بات بھائی؟

اب مجھے بتائیے، ایک شخص منت مانتا ہے کہ اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہوگیا تو میں ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھوں گا۔ تو کیا یہ اس پر واجب ہوگا یا نہیں؟ جی؟ واجب ہوگا کیونکہ قرآن میں کیا آیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ اور علماء کیا فرماتے ہیں؟ اس آیت کی تفسیر کیا کرتے ہیں؟

بعض فرماتے ہیں زندگی بھر میں ایک مرتبہ پڑھنا واجب، بعض کہتے ہیں ہر مجلس کے اندر جب پہلی مرتبہ نام آئے تو پڑھنا واجب۔ تو دیکھو واجب ہے یا نہیں؟ لہٰذا یہ منت صحیح ہے۔

اب مجھے بتایئے، ایک آدمی کہتا ہے اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہو گیا میں ایک لاکھ مرتبہ سبحان اللہ پڑھوں گا۔ منت ہوئی یا نہیں ہوئی؟ جی؟ یہاں بھی منت نہیں ہوئی، کوئی مقام ایسا مجھے بتائیں جہاں سبحان اللہ پڑھنا واجب ہو؟ نماز کے اندر آپ پڑھتے ہیں، نماز میں بھی سنت ہے واجب نہیں ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ سجدے، رکوع وغیرہ میں «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» یا «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى» یہ سنت ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔ کوئی بالکل پڑھے ہی نہ ان کو پھر بھی سجدہ اور رکوع ہو گا یا نہیں ہو گا اس کا؟ سجدہ اور رکوع ہو جائے گا اگرچہ سنت رہ جائے گی بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح یہ بھی میں نے کہا کہ وہ وسیلہ بھی نہیں ہونا چاہیے وسیلہ اور ذریعہ، بلکہ بالذات مقصود ہو۔ لہٰذا وضو کی کوئی منت مانتا ہے تو یہ منت بھی درست نہیں۔ کیونکہ ٹھیک ہے وضو انسان پر واجب ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ واجب ہوتا ہے، لیکن بالذات خود وضو مقصود ہوتا ہے یا اس کے ذریعے نماز وغیرہ مقصود ہوتی ہے؟ نماز وغیرہ، تو وضو ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے لہٰذا یہ منت بھی صحیح نہیں اس کا پورا کرنا ضروری نہیں۔ اسی طرح کوئی گناہ کی منت مان لے اس کا بھی پورا کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے تو بچنا ضروری ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو منت کس چیز کی واجب ہو گی؟ جو کسی وقت انسان پر وہ چیز واجب ہوتی ہو۔ لہٰذا ایک شخص ایک منت مانتا ہے کہ اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں دس پارے قرآن کے جو ہیں ان کی تلاوت کروں گا، تو بتایئے منت ہوئی یا نہیں ہوئی؟ ہو گئی کیونکہ قراءت نماز کے اندر واجب ہے یا واجب نہیں ہے؟ واجب ہے، لہٰذا یہ منت صحیح ہوئی۔ نفلوں کی، سو نفل پڑھوں گا اگر میرا یہ کام ہو گیا۔ واجب ہے واجب منت ہو گی یا نہیں ہو گی؟ ہو گی کیونکہ نفل کیا ہے؟ نماز ہے نا، اور نماز فرض ہے یا نہیں اسی کی جنس میں سے؟ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو اسی کی جنس میں سے واجب یا فرض ہو گا تو وہ منت ہو گی ورنہ منت نہیں ہو گی۔

اور پھر منت میں یہ بھی یاد رکھنا، منت دو قسم پر ہے: منت دو قسم پر ہے۔ ایک منت وہ ہے جسے انسان فوری واقع کر دیتا ہے، ایک منت وہ ہے جسے انسان معلق کر دیتا ہے کسی بات کے ساتھ۔ معلق کرتا ہے جیسے ابھی مثالیں گزریں: اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں سو رکعت نفل پڑھوں گا۔ تو دیکھو سو رکعت نفلوں کو ویسے اپنے اوپر واجب کیا یا معلق کر دیا کسی کام کے ساتھ؟ معلق، یہ معلق کرنے کی صورت ہے۔ ایک ہے ویسے ہی اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے کہ اے اللہ! میں آپ کے لیے دس روزے ضرور رکھوں گا۔ اب دیکھیے، کوئی معلق کیا؟ نہیں، لہٰذا یہ دس روزے اس پر خود واجب ہو گیا، اب اس پر رکھنا لازم ہو گئے۔

تو یہاں تو منت میں بعض اوقات معلق کرنا ہو گا، بعض اوقات معلق کرنا نہیں ہو گا، بہر حال دونوں صورتوں میں وہ چیز اس پر واجب ہو جائے گی۔ معلق کیا ہے تو جب وہ کام ہو جائے گا تو پھر واجب ہو گئی وہ چیز، اور معلق نہیں کیا تو ویسے ہی اس پر وہ چیز واجب ہو جائے گی بشرطیکہ اس کی جنس میں سے کوئی واجب ہو انسان پر کسی وقت بھائی۔ یہاں تک تفصیل سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا اگر کوئی شخص گناہ کی منت مانتا ہے، گناہ کی منت مانتا ہے مثلاً کہ میں اگر میرا یہ کام اے اللہ ہو گیا تو فلاں بابا جی کے نام پر میں ایک دیگ دوں گا۔ فلاں بابا جی کے نام پر ایک دیگ دوں گا۔ بھائی یہ تو غیر اللہ کے نام پر کوئی چیز دینا ہے، اور غیر اللہ کے نام پر جو چیز دی جائے وہ حرام ہے بلکہ عام حرام سے بڑھ کر ہے بھائی، سمجھ میں آئی بات؟ تو لہٰذا یہ گناہ کی منت ہوئی، اور گناہ کی منت تو درست نہیں لہٰذا یہ منت نہیں ہوئی اور کام ہو بھی جائے اس سے تو پھر بھی بچنا واجب ہے، اس کا کرنا حرام ہے بھائی۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ «إِنَّهُ نَذْرٌ بِمَا هُوَ مَعْصِيَةٌ» کہ یہ بھی منت ہے ایک ایسی چیز کی جو معصیت ہے، گناہ ہے «لِوُرُودِ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ هَذِهِ الْأَيَّامِ» اس لیے کیونکہ نہی آئی ہے ان دنوں کے روزے کے بارے میں۔ ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے تو یہ گناہ کی منت ہوئی اور اس کا یہ لہٰذا درست نہیں بھائی۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّهُ نَذْرٌ بِصَوْمٍ مَشْرُوعٍ وَالنَّهْيُ لِغَيْرِهِ» ہم کہتے ہیں کہ یہ منت ہے اس روزے کی جو مشروع ہے۔ یہ منت ہم کہتے ہیں یہ منت تو روزے کی ہے، منت کیا ہے؟ روزے کی، اور روزہ مشروع ہے یا مشروع نہیں ہے؟ روزہ تو جائز ہے مشروع ہے۔ تو یہ ایک مشروع روزے کی منت ہے، اور وہ جو نہی آئی ہے اس روزے سے منع کیا گیا ہے وہ غیر کی وجہ سے ہے۔ خود روزے کی ذات میں خرابی نہیں ہے یہاں پر بلکہ یہ جو منع کیا گیا ہے اس روزے سے وہ کس کی وجہ سے ہے؟ غیر کی وجہ سے، اور وہ کیا؟ کہ یہ دن اللہ کی دعوت کے ہیں بھائی، یہ دن اللہ تعالیٰ کی دعوت۔ تو روزہ رکھنے میں اس دعوت سے اعراض کرنا یعنی منہ موڑنا لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو دعوت فرما رہے ہیں اور یہ روزہ رکھ کر اس سے کیا کر رہا ہے؟ منہ موڑ رہا ہے۔ تو خود روزے کی ذات میں خرابی ہے یا اللہ کی دعوت کو رد کرنے کی وجہ سے خرابی آرہی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی دعوت کو رد کرنے اور اس سے منہ موڑنے کی وجہ سے اس میں خرابی آرہی ہے، خود روزے کی اپنی ذات میں خرابی نہیں۔ لہٰذا جب یہ ایک روزے کی یہ روزے کی منت ہوئی اور روزہ تو مشروع ہے لہٰذا منت صحیح ہو گئی۔ ہاں البتہ اس آدمی کو اس دن روزہ رکھنا نہیں چاہیے کیونکہ اس صورت میں کیا آئے گی؟ اللہ کی دعوت سے اعراض کرنا لازم آئے گا، تو لہٰذا اس روز روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں کیا کر لے؟ کسی روز اس کی قضا کر لے، لیکن اگر کوئی رکھ لیتا ہے تو وہ اس کا روزہ ہو جائے گا اور منت پوری ہو جائے گی۔ اس لیے کیونکہ اس نے جس طرح کے روزے کی منت مانی تھی ویسا ہی روزہ اس نے رکھ بھی لیا اس کی منت کیا ہو گئی؟ پوری ہو گئی، روزہ اس کی

طرف سے ادا ہو جائے گا اگرچہ گناہ ہو گا، گناہ اس کو ہو گا لیکن بہر حال وہ منت اس کے سر سے اتر جائے گی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو ہماری دلیل یہ ہے کہ «أَنَّهُ نَذْرٌ بِصَوْمٍ مَشْرُوعٍ» کہ یہ منت ہے روزے کی جو مشروع ہے «وَالنَّهْيُ لِغَيْرِهِ» اور جو نہی ہے وہ اس کے علاوہ غیر کی وجہ سے ہے، روزے کی وجہ سے نہیں ہے اس کے علاوہ کی وجہ سے ہے «وَهُوَ تَرْكُ إِجَابَةِ دَعْوَةِ اللَّهِ تَعَالَى» اور وہ کیا ہے؟ کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کرنے کو ترک کرنا ہے۔ اجابتِ دعوت کا معنی ہے دعوت کو قبول کرنا: «وَهُوَ تَرْكُ إِجَابَةِ دَعْوَةِ اللَّهِ تَعَالَى» وہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کرنے کو چھوڑنا ہے «فَيَصِحُّ نَذْرُهُ» لہٰذا اس کی منت صحیح ہوئی۔ منت صحیح ہوئی۔

تو ہم کہتے ہیں کہ منت کے اندر خرابی نہیں ہے، ہاں اس پر جب عمل کرے گا اسی طریقے سے پھر خرابی آئے گی۔ کیا کرے گا؟ ہاں جب اس دن روزہ رکھے گا پھر خرابی آئے گی لہٰذا اس دن روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں رکھے، اور منت میں خود کوئی خرابی نہیں ہے لہٰذا منت ہو جائے گی۔ یہ معنی ہے: «فَيَصِحُّ نَذْرُهُ» تو اس کی منت صحیح ہے «لَكِنَّهُ يُفْطِرُ» لیکن وہ شخص کیا کرے؟ افطار کرے یعنی اس دن روزہ نہ رکھے «احْتِرَازًا عَنِ الْمَعْصِيَةِ الْمُجَاوِرَةِ» بچتے ہوئے اس گناہ سے جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اس روز روزہ رکھے گا تو اس کے ساتھ کیا مل جائے گا؟ گناہ مل جائے گا، کیا گناہ؟ کہ اللہ کی دعوت کو چھوڑ رہا ہے۔ «ثُمَّ يَقْضِي» پھر بعد میں کیا کر لے اس کی؟ قضا کر لے «إِسْقَاطًا لِلْوَاجِبِ» اس واجب روزے کو اپنے اوپر سے ساقط کرنے کے لیے۔

«وَإِنْ صَامَ فِيهِ» اور اگر اس نے اس دن کے اندر روزہ رکھ لیا یعنی یوم النحر والے دن «يَخْرُجُ عَنِ الْعُهْدَةِ» تو وہ ذمہ داری سے نکل جائے گا یعنی اس کے سر سے اس روزے کی ذمہ داری اتر جائے گی «لِأَنَّهُ أَدَّاهُ كَمَا الْتَزَمَهُ» اس لیے کیونکہ اس نے روزے کو ویسا ہی ادا کیا جیسا اس کو اپنے اوپر لازم کیا تھا۔

«وَإِنْ نَوَى يَمِينًا فَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ» بھئی دعا بھی کرو اللہ تعالیٰ صحت دے، اس طرح تو ہدایہ کا پورا ہونا مشکل ہو جائے گا بھئی۔ آٹھ دس دن ہو گئے ہیں بیماری جان نہیں چھوڑ رہی بھئی۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ ساری رکاوٹیں دور فرمائے بھائی، احسن طریقے سے کتاب اللہ مکمل کرنے کی توفیق دے بھائی۔

«وَإِنْ نَوَى يَمِينًا فَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ» اور اگر اس شخص نے قسم کی نیت کی تو اس پر کفارۂ یمین بھی آئے گا، کیا آئے گا؟ کفارۂ یمین بھی آئے گا۔

بھئی یہی جو اوپر متن کے اندر الفاظ آئے تھے، ایک آدمی نے یوں کہا: «لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ» کہ اللہ کے لیے مجھ پر یوم النحر کا روزہ واجب ہے، واجب ہے۔ اب یاد رکھیے یہ لفظ جو ہیں یہ منت والے ہیں۔ لفظوں سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ وہ منت مان رہا ہے یا نہیں مان رہا بھائی؟ اور معلق کر رہا ہے یا ویسے ہی اپنے اوپر واجب کر رہا ہے؟ ویسے ہی، معلق نہیں کر رہا، کہہ رہا ہے «لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ» مجھ پر اللہ کے لیے یوم النحر کا روزہ واجب ہے۔ تو لہٰذا یہ الفاظ ہیں منت والے، تو اس سے منت واقع ہو جائے گی ہمارے نزدیک، لیکن اس کو اس دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے بعد میں اس کی قضا کر لے، لیکن اگر اس دن بھی رکھ لے گا تو اس کی منت پوری ہو جائے گی یعنی وہ واجب اس کے سر سے اتر جائے گا۔

لیکن اگر اس میں کوئی شخص قسم کی نیت کر لیتا ہے، تو یاد رکھیے یہ جو لفظ ہے نا «لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ» یہ الفاظ تو منت والے ہیں، ان کا حقیقی معنی کیا ہے؟ منت ہے۔ حقیقی معنی کیا ہے؟ منت ہے، تو منت ان لفظوں میں حقیقت ہے۔ البتہ یہ قسم کا بھی احتمال رکھتے ہیں یہ الفاظ کیونکہ شروع میں کیا لایا ہے؟ «لِلَّهِ»، اور للہ یہاں پر لام جارہ آیا لفظِ اللہ پر شروع میں، اور لام جارہ قسم کے لیے استعمال ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ جی، لام جارہ قسم کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس میں قسم کا بھی احتمال ہے۔ کس چیز کا؟ قسم کا بھی احتمال ہے۔

لیکن منت ہوئی اس ان لفظوں کے اندر منت ہے حقیقت اور قسم کا ہے احتمال، قسم کا ہے احتمال۔ تو لہٰذا اگر وہ قسم کی نیت کر لیتا ہے ان لفظوں کے ذریعے تو پھر یہ قسم بن جائے گی، کیا بن جائے گی؟ قسم بن جائے گی۔ تو اس صورت میں بھی اس پر روزہ واجب ہو گا، روزہ کیا ہو گا؟ جیسے منت کے ذریعے انسان پر ایک چیز واجب ہوتی ہے، قسم کے ذریعے بھی وہ کیا کرتا ہے ایک چیز کو اپنے اوپر؟ واجب، قسم آپ کیوں کھاتے ہیں کسی بات پر؟ اس بات کو پکا کرنے کے لیے۔ کس لیے کھاتے ہیں؟ آپ ایک ویسے کہتے ہیں میں یہ کام کروں گا اور ایک آپ کہتے ہیں واللہ میں یہ کام کروں گا، تو قسم سے تاکید آگئی یا نہیں آگئی؟ تو اسی کام کے اندر قسم جب کھائی جاتی ہے اس کام میں زور اس بات میں زور پیدا ہو جاتا ہے اس میں تاکید آجاتی ہے۔ تو یہاں پر بھی وہ کیا کہہ رہا ہے؟ یوم النحر کے روزے کو اپنے اوپر لازم کر رہا ہے اور ساتھ اس پر قسم کھا رہا ہے، ساتھ اس پر قسم کھا رہا ہے۔ اور یہ قسم بھی تقاضا کرتی ہے کہ یہ اپنے اس کام کو ضرور پورا کرے کیونکہ اللہ کے نام کی قسم اٹھا رہا ہے، تو اللہ کے نام کو بے حرمتی سے بچانے کے لیے اب اس پر واجب ہو گیا کہ کیا کرے؟ اس بات کو پورا کرے۔ جب کوئی شخص قسم اٹھاتا ہے اور کام نہیں کرتا تو اس پر کفارہ آتا ہے یا نہیں آتا؟ کیوں آتا ہے کفارہ؟ اس نے اللہ کے نام کی بے حرمتی کی ہے، اللہ کا نام ایک چیز کے لیے لیا تھا کہ میں یہ کام ضرور کروں گا اور کیا نہیں۔ تو معلوم ہوا قسم سے بھی کیا ہوتی ہے کوئی چیز؟ لازم ہو جاتی ہے، واجب ہوتی ہے واجب ہو جاتی ہے، اسی طرح منت کے ذریعے بھی کوئی چیز کیا ہوتی ہے انسان پر؟ واجب ہو جاتی ہے۔ تفصیل سمجھ میں آرہی ہے مسئلے کی؟

تو اب اگر یہ جو اس نے لفظ کہے، یہ منت کے سلسلے میں تو ہیں حقیقت اور قسم کا اس کے اندر احتمال ہے۔ لہٰذا اگر وہ کوئی نیت نہیں کرتا تو پھر حقیقت خود بخود ثابت ہو جائے گی کیونکہ حقیقت کو ترجیح ہوتی ہے دوسرے معنی پر۔ البتہ اگر وہ نیت کس کی کر لیتا ہے؟ قسم کی، اور قسم کا یہاں احتمال ہے یا احتمال نہیں؟ احتمال ہے۔ تو جس چیز کا کلام کے اندر احتمال ہو جب اس کی نیت کر لی جائے تو وہ چیز ثابت ہو جاتی ہے، اصولِ فقہ میں پڑھ چکے ہیں یا نہیں پڑھ چکے؟ ہاں ایسی چیز کی نیت کرے جس کا کلام احتمال ہی نہیں

رکھتا اس کا تو اعتبار ہی کوئی نہیں، لیکن یہاں وہ کس کی نیت کرتا ہے؟ قسم کی، اور قسم کا بھی اس کلام میں احتمال ہے یا نہیں؟ جب احتمال ہے بھی اور اس نے نیت کے ذریعے اس کو متعین بھی کر دیا تو اس صورت میں یہ قسم بن جائے گی۔ اور اس پر کیا ضروری ہوا؟ روزہ تو اس پر لازم ہوا، قسم کے ذریعے بھی وہ چیز کیا ہو جائے گی اس پر؟ واجب ہو جائے گی لازم ہو جائے گی۔ تو اس پر یوم النحر کا روزہ واجب ہوا، لیکن اس دن رکھے نہ، بعد میں کیا کرے؟ قضا کرے۔ اور قضا کے ساتھ ساتھ اب قسم کا کفارہ بھی دینا پڑے گا اس لیے کیونکہ اس نے ایک چیز پر قسم اٹھائی تھی اور اس کو پورا نہیں کیا، اور قسم کو پورا نہ کیا جائے تو کیا دینا پڑتا ہے؟ کفارہ دینا پڑتا ہے، مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

یہ معنی ہے: «**وَإِنْ نَوَى يَمِينًا فَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ**» اور اگر اس نے قسم کی نیت کی تو اس پر قسم کا کفارہ ہے، یعنی إِذَا أَفطر، صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں مراد یہ ہے کہ جب وہ افطار کر لے روزہ اس دن نہ رکھے تو پھر اس پر کیا آئے گا؟ قسم کا کفارہ آئے گا۔

کہتے ہیں: «**وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى وُجُوهٍ سِتَّةٍ**» اور یہ مسئلہ جو ہے چھ قسم پر ہے، چھ قسم پر بنتا ہے یہ مسئلہ بھائی۔ چھ قسم پر کس طرح بنتا ہے؟ دیکھیے بھائی، لفظ وہ یہی کہے گا: «**لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ**»، لفظ یہی کہے گا۔

ایک صورت یہ کہ وہ کسی چیز کی نیت اس نے نہیں کی بس یہ لفظ کہہ دیے: «**لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ**»، نہ اس نے منت کی نیت کی ہے نہ اس نے قسم کی نیت کی ہے، تو اس صورت میں خود بخود حقیقت ثابت ہو جائے گی اور حقیقت کیا ہے اس کی؟ منت ہے۔ تو یہ لفظ کس کے ہو جائیں گے؟ منت کے ہو جائیں گے۔

دوسری صورت، وہ باقاعدہ یہ نیت کرتا ہے کہ میں صرف منت کی نیت کر رہا ہوں اور کسی چیز کی نہیں، صرف کس کی نیت کرتا ہے؟ منت کی، تو بھی اس صورت میں کیا ہو گی؟ منت ہی ہو گی۔

تیسری صورت، وہ یہ نیت کرتا ہے کہ یہ منت ہے قسم نہیں ہے، قسم کی باقاعدہ نفی کر دیتا ہے نیت کے اندر تو اس صورت میں بھی کیا ہو گی؟ منت ہی ہو گی۔ تین صورتیں سمجھ میں آ گئیں؟ پہلی صورت، کوئی نیت ہی نہیں کی تو بھی اس صورت میں چونکہ منت حقیقت ہے وہ خود بخود ثابت ہو جائے گی۔ دوسری صورت، وہ صرف کس کی نیت کرتا ہے؟ منت کی نیت کرتا ہے، قسم کا ذہن میں آیا ہی نہیں اس کے قسم کے بارے میں اس نے سوچا ہی نہیں کچھ بھی نہیں، تو بھی کیا ہو گی؟ منت ہی ہو گی۔ تیسری صورت، باقاعدہ منت کی نیت کرتا ہے اور قسم کی نفی کرتا ہے تو اس صورت میں بھی ظاہر سی بات ہے کیا ہو گی؟ منت ہی ہو گی بھائی۔ تین صورتیں ہو گئیں۔

چوتھی صورت چوتھی صورت کہ وہ قسم کی نیت کرتا ہے صرف بھائی، صرف کس کی نیت کرتا ہے؟ قسم کی نیت کرتا ہے۔

پانچویں صورت، قسم اور نذر دونوں کی نیت کرتا ہے۔

چھٹی صورت، قسم کی نیت کرتا ہے اور منت کی باقاعدہ نفی کرتا ہے کہ میں یہ قسم کھا رہا ہوں منت نہیں مان رہا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کل کتنی صورتیں ہوئیں؟ چھ صورتیں ہوئیں۔

تو یہ چھ صورتیں ہیں۔ پہلی صورت کیا؟ کسی کی چیز کی بھی اس نے نیت نہیں کی۔ دوسری صورت، صرف منت کی نیت کی ہے۔ تیسری صورت، منت کی نیت کی ہے اور قسم کی نفی کی ہے۔ چوتھی صورت، صرف قسم کی نیت کی ہے، اور پانچویں صورت دونوں کی نیت کی ہے، اور چھٹی صورت قسم کی نیت کی ہے اور منت کی نفی کی ہے۔ تو باقی تین صورتوں میں ذرا تفصیل ہے وہ آگے آ رہی ہیں، البتہ پہلی تین کے اندر منت ہی متعین ہو گی بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى وُجُوهٍ سِتَّةٍ**» اور یہ مسئلہ چھ قسم پر یعنی چھ صورتوں پر ہے: پہلی صورت، «**إِنْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا**» اگر اس نے کسی چیز کی نیت نہیں کی، نہ منت کی نیت کی اور نہ قسم کی، یہ بس لفظ کہہ دیے ہیں۔ دوسری صورت، «**أَوْ نَوَى النَّذْرَ لَا غَيْرُ**» یا اس نے صرف کس کی نیت کی ہے؟ نذر کی نیت کی ہے، کسی اور چیز کی نیت نہیں کی۔ دوسری صورت، آگے تیسری صورت آ رہی ہے: «**أَوْ نَوَى النَّذْرَ وَأَنْ لَا يَكُونَ يَمِينًا**» اس نے منت کی نیت کی ہے اور یہ کہ قسم نہیں ہے، قسم کی باقاعدہ کیا کر دی؟ نفی کر دی۔ تو کہتے ہیں: «**يَكُونُ نَذْرًا**» تو یہ کیا ہو گی؟ تینوں صورتوں میں منت ہو گی «**لِأَنَّهُ نَذْرٌ بِصِيغَتِهِ**» اس لیے کیونکہ یہ منت ہی ہے اپنے صیغے کے اعتبار سے۔ یہ لفظ کیا ہیں؟ یہ «**لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ**» یہ لفظ کس کے ہیں؟ منت کے ہیں، تو یہ صیغے کے اعتبار سے منت ہے۔ «**كَيْفَ وَقَدْ قَرَّرَهُ بِعَزِيمَةٍ**» اور یعنی کیسے یعنی یہ کیسے منت نہیں ہو گی؟ «**وَقَدْ قَرَّرَهُ بِعَزِيمَةٍ**» اس نے اس کو کیا کر دیا ہے؟ اپنے ارادے کے ذریعے پکا کر دیا ہے۔ الفاظ صیغے کے اعتبار سے لفظ بھی کس کے؟ منت کے، اور ارادے کے ذریعے بھی اس کو کیا کر دیا؟ پختہ کر دیا ہے، تو لہٰذا منت ہی ہو گی۔

«**وَإِنْ نَوَى الْيَمِينَ**» اور اگر اس شخص نے کس کی کس کی نیت کی؟ قسم کی نیت کی «**وَنَوَى أَنْ لَا يَكُونَ نَذْرًا**» اور یہ نیت کی کہ منت نہیں ہے، چوتھی صورت آ گئی۔ چوتھی صورت، ترتیب کچھ وہ جو میں نے چھ صورتیں بتائی تھیں ترتیب وہ ضروری نہیں ہے بہر حال ان تین صورتیں میں نے پھر قسم والی بھی بتائی تھیں، ان میں سے ایک صورت کیا تھی؟ قسم کی نیت کرتا ہے اور منت کی باقاعدہ نفی کرتا ہے، یہ وہ صورت ہے کہ وہ نیت کی اس نے یمین کی «**وَنَوَى أَنْ لَا يَكُونَ نَذْرًا**» اور یہ نیت کی کہ نذر نہیں ہے منت کی باقاعدہ نفی کر دی، تو کہتے ہیں: «**يَكُونُ يَمِينًا**» اس صورت میں یہ کیا ہو گی؟ یمین ہو گی۔ بھائی یمین کیوں ہو گی؟ کہتے ہیں: «**لِأَنَّ الْيَمِينَ مُحْتَمَلُ كَلَامِهِ**» اس لیے کیونکہ قسم جو ہے وہ اس کے کلام کا محتمل ہے، اس کے کلام میں قسم کا احتمال بھی تھا «**وَقَدْ عَيَّنَهُ وَنَفَى غَيْرَهُ**» اور اس نے

قسم کو کیا کر دیا؟ متعین کر دیا اور اس کے علاوہ یعنی نذر کی نفی کر دی، تو کیا متعین ہو جائے گی؟ قسم ہو گی۔

«وَإِنْ نَوَاهُمَا» پانچویں صورت آگئی، اس نے کیا کیا؟ دونوں کی نیت کی «فَيَكُونُ نَذْرًا وَيَمِينًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ» تو اس صورت اس صورت میں منت اور قسم دونوں ہو جائیں گی طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ اگر اس نے کیا نیت کی؟ جب دونوں کی نیت کی ہے تو طرفین کے نزدیک دونوں ہو جائیں گی «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَكُونُ نَذْرًا» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف کیا ہو گی؟ صرف منت ہو گی۔ وہ فرماتے ہیں دونوں نہیں ہو سکتے کیونکہ منت اس کا حقیقی معنی اور قسم اس کا مجازی معنی، اور حقیقت اور مجاز جمع نہیں ہو سکتے۔ اور نیت اس نے دونوں کی کی ہے تو ترجیح کس کو ہو گی، حقیقت کو یا مجاز کو؟ حقیقت کو ترجیح ہو گی تو لہٰذا یہ منت ہو جائے گی اور قسم نہیں ہو گی، لیکن طرفین فرماتے ہیں نہیں، یہ قسم بھی ہے اور منت بھی ہے۔

«وَلَوْ نَوَى الْيَمِينَ» آخری صورت آگئی، اس نے صرف قسم کی نیت کی، منت کی نفی نہیں کی صرف کس کی نیت کی؟ قسم کی نیت کی، تو بھی صورت یہی ہے: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس نے صرف کس کی نیت کی ہے؟ قسم کی نیت کی ہے تو لہٰذا ان کے نزدیک قسم ہو جائے گی اور طرفین کے نزدیک اس نے صرف کس کی نیت کی ہے؟ قسم کی نیت کی ہے، منت کی نفی تو نہیں کی اس نے؟ نہیں کی، تو منت بھی ہو جائے گی اور قسم بھی ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب ذرا پھر دہرا لیں۔ پہلی صورت کیا تھی؟ کسی چیز کی اس نے نیت نہیں کی، تو پھر کیا ہو گی؟ منت ہو گی۔ اس نے صرف منت کی نیت کی ہے تو پھر؟ منت ہی ہو گی۔ اس نے منت کی نیت کی اور قسم کی نفی کی ہے، تو اس صورت میں بھی کیا ہو گی؟ منت ہی ہو گی ان تین صورتوں میں۔ اگلی صورت یہ کہ وہ قسم کی نیت کرتا ہے اور منت کی نفی کرتا ہے، تو اس صورت میں؟ قسم ہی ہو گی کیونکہ منت اگرچہ حقیقی معنی تھا لیکن اس نے خود کیا کر دی اس کی؟ نفی کر دی، تو صرف قسم ہو گی۔ اگلی صورت، وہ دونوں کی نیت کرتا ہے تو طرفین کے نزدیک دونوں، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک؟ حقیقت کو ترجیح ہے یا مجاز کو؟ حقیقت کو، اور حقیقی معنی کیا ہے اس کا؟ منت، تو ان کے نزدیک منت ہو گی یعنی قسم نہیں۔ یہ کون سی صورت ہے جب اس نے دونوں کی نیت کی۔ اور اگر صرف اس نے قسم کی نیت کی یعنی منت کی نفی نہیں کی صرف قسم کی نیت، تو بھی طرفین کے نزدیک دونوں ہوں گے کیونکہ منت اس کا حقیقی معنی اور قسم اس کا مجازی معنی، اور اس نے ٹھیک ہے نیت تو قسم کی کی ہے لیکن حقیقی معنی کی کوئی نفی کی ہے؟ نفی نہیں کی لہٰذا وہ بھی ثابت ہو جائے گا، تو منت اور قسم دونوں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف قسم ہو گی کیونکہ اس نے نیت کس کی کی ہے؟ قسم کی کی ہے اور منت نہیں آئے گی کیونکہ ورنہ کیا خرابی لازم آتی ہے؟ جمع بین الحقیقۃ والمجاز اور وہ جائز نہیں۔ یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ اب دیکھیے کتاب پر:

«وَلَوْ نَوَى الْيَمِينَ فَكَذَلِكَ عِنْدَهُمَا» اور اگر اس نے صرف قسم کی نیت کی تو بھی مسئلہ اسی طرح ہے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک یعنی منت بھی ہو گی اور قسم بھی ہو گی «وَعِنْدَهُ يَكُونُ يَمِينًا» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں صرف یمین ہو گی۔

«لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے «أَنَّ النَّذْرَ فِيهِ حَقِيقَةٌ» کہ منت ان لفظوں میں کیا ہے؟ حقیقت ہے «وَالْيَمِينَ مَجَازٌ» اور یمین کیا ہے؟ مجاز ہے «حَتَّى لَا يَتَوَقَّفَ الْأَوَّلُ عَلَى النِّيَّةِ وَيَتَوَقَّفُ الثَّانِي» یہاں تک کہ اول یعنی منت وہ نیت پر موقوف نہیں، بھئی جو حقیقت ہوتی ہے اس میں کسی نیت کی ضرورت ہوتی ہے یا وہ خود بخود ثابت ہو جاتی ہے؟ حقیقی معنی تو خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اس میں کسی نیت کی ضرورت نہیں، اسی لیے کہا یہاں تک کہ جو اول ہے یعنی منت وہ نیت پر موقوف نہیں «وَيَتَوَقَّفُ الثَّانِي» اور دوسرا کیا ہے؟ یعنی یمین کس پر موقوف ہے؟ نیت پر۔ معلوم ہوا منت اس کا حقیقی معنی اسی لیے وہ نیت پر موقوف نہیں اور قسم اس کا مجازی معنی جبھی وہ کس پر موقوف ہے؟ نیت پر موقوف ہے بھائی۔ تو معلوم ہوا ایک حقیقی معنی ہے اور ایک مجازی معنی ہے، «فَلَا يَنْتَظِمُهُمَا» لہٰذا یہ دونوں کو شامل نہیں ہو گا ورنہ کیا خرابی لازم آئے گی؟ جمع بین الحقیقۃ والمجاز۔ «ثُمَّ الْمَجَازُ يَتَعَيَّنُ بِنِيَّتِهِ» پھر مجاز جو ہے وہ متعین ہوتا ہے کس کے ذریعے؟ اس کی نیت کے ذریعے متعین ہو گا «وَعِنْدَ نِيَّتِهِمَا» اور جب وہ دونوں کی نیت کر لے گا «فَتَتَرَجَّحُ الْحَقِيقَةُ» تو ترجیح کون پا جائے گی؟ حقیقت ترجیح پا جائے گی بھائی، اور جہاں مجاز کو متعین کرے گا نیت سے تو مجاز متعین ہو جائے گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔

«وَلَهُمَا» طرفین کی دلیل یہ ہے «أَنَّهُ لَا تَنَافِيَ بَيْنَ الْجِهَتَيْنِ لِأَنَّهُمَا يَقْتَضِيَانِ الْوُجُوبَ» طرفین فرماتے ہیں کہ دونوں جہتوں میں کوئی منافات نہیں، دونوں جہتوں میں کوئی منافات نہیں۔ لہٰذا لہٰذا وہ صورت جس میں وہ نیت کرتا ہے قسم کی اور نفی کرتا ہے منت کی، اس میں تو صرف قسم ہی ہو گی کیونکہ اس نے منت کی نفی کر دی، لیکن اگر وہ صرف قسم کی نیت کرے تو قسم بھی ہو گی اور منت بھی، یا کیا کرے؟ یا دونوں کی باقاعدہ نیت کرے تو اس صورت میں بھی دونوں ہوں گے۔ اس لیے کیونکہ دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، دونوں وجوب کا تقاضا کرتے ہیں۔ منت بھی کس کا تقاضا کرتی ہے؟ وجوب کا، قسم بھی کس کا تقاضا کرتی ہے؟ وجوب کا، وجوب کا۔ تو لہٰذا دونوں کے اندر کوئی منافات نہیں اور دونوں کو جمع کیا جائے گا کیونکہ دونوں ایک ہی چیز کا تقاضا کر رہے ہیں اور وہ وجوب ہے بھائی۔

یہ معنی ہے: «وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا تَنَافِيَ بَيْنَ الْجِهَتَيْنِ» طرفین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں دونوں جہتوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے «لِأَنَّهُمَا يَقْتَضِيَانِ الْوُجُوبَ» اس لیے کیونکہ دونوں وجوب کا تقاضا کرتی ہیں۔

«إِلَّا أَنَّ النَّذْرَ يَقْتَضِيهِ لِعَيْنِهِ وَالْيَمِينَ لِغَيْرِهِ» مگر ایک بات ہے کہ منت جو ہے منت وہ اپنی ذات کے اعتبار سے وجوب کا تقاضا کرتی ہے، منت اپنی ذات کے اعتبار سے وجوب کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ اس نے کیا کہا تھا؟ «لِلَّهِ عَلَيَّ»، عَلَيَّ، علیٰ کس لیے آتا ہے؟ منت کے لیے، وجوب کے لیے آتا ہے، تو یہ اپنی ذات

کے اعتبار سے وجوب کا تقاضا کرتی ہے، اور قسم اپنے غیر کی وجہ سے وجوب کا تقاضا کرتی ہے۔ کس کی وجہ سے؟ غیر کی وجہ سے، غیر کیا؟ اللہ کے نام کو بے حرمتی سے بچانا، اس وجہ سے قسم تقاضا کرتی ہے کہ یہ چیز اس پر کیا ہو جائے؟ واجب ہو جائے، تو منت اپنے اپنی ذات کے اعتبار سے کس کا تقاضا کرتی ہے؟ وجوب کا، اور قسم غیر کی وجہ سے وجوب کا تقاضا، بہر حال یعنی دونوں تقاضا وجوب کا کر رہے ہیں اگرچہ جہت الگ الگ ہے۔ منت اپنی ذات کے اعتبار سے وجوب کا تقاضا کر رہی ہے اور قسم غیر کی وجہ سے اور وہ غیر کیا ہے؟ اللہ کے نام کو بے حرمتی سے بچانا ہے، تو بہر حال دونوں، جہت الگ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا وجوب دونوں چاہتے ہیں۔

یہ معنی ہے: «**إِلَّا أَنَّ النَّذْرَ يَقْتَضِيهِ لِعَيْنِهِ**» مگر یہ کہ منت جو ہے وہ تقاضا کرتی ہے اپنی ذات کے اعتبار سے «**وَالْيَمِينَ لِغَيْرِهِ**» اور قسم جو ہے اپنے علاوہ کے اعتبار سے «**فَجَمَعْنَا بَيْنَهُمَا عَمَلًا بِالدَّلِيلَيْنِ**» تو ہم نے دونوں کو جمع کر دیا دونوں دلیلوں پر عمل کرتے ہوئے، کس پر؟ دونوں دلیلوں پر عمل کرتے ہوئے۔ صیغہ کون سا تھا؟ منت کا، اور ارادہ کس کا تھا؟ قسم کا، تو ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کر دیا، صیغے پر بھی عمل ہو گیا اور اس شخص کی نیت پر بھی عمل ہو گیا۔

«**كَمَا جَمَعْنَا بَيْنَ جِهَتَيِ التَّبَرُّعِ وَالْمُعَاوَضَةِ فِي الْهِبَةِ بِشَرْطِ الْعِوَضِ**» جیسے ہم نے جمع کر دیا، جمع کر دیا تبرع اور معاوضے کی دو جہتوں کو اس ہبہ میں جو عوض کی شرط پر ہو۔ بھائی یاد رکھیے، ایک ہے بیع اور ایک ہے ہبہ۔ بیع کی اپنی شرائط ہیں یعنی خرید و فروخت، کوئی چیز کسی کو بیچنا، اس میں چونکہ آپ ایک چیز کا عوض لیتے ہیں لہٰذا اس کی شرائط الگ ہیں۔ ہبہ کے اندر آپ اپنی طرف سے بغیر کسی عوض کے کسی کو کوئی چیز دیتے ہیں یعنی تحفہ وغیرہ دیتے ہیں، ہدیہ دیتے ہیں کسی کو، تو یہ اس کی اپنی شرائط ہیں، پڑھ چکے ہیں یا نہیں پڑھ چکے؟ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے ایک آدمی ہبہ کے اندر شرط لگا دیتا ہے۔ مثلاً آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں کہ بھائی یہ کتاب میں آپ کو ہبہ کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے یہ جو آپ کے ہاتھ میں قلم ہے یہ آپ مجھے دیں گے، اس شرط پر یہ کتاب میں کیا کرتا ہوں آپ کو؟ ہبہ کرتا ہوں۔ تو یہاں پر دیکھیے، یہاں کہتے ہیں ہم نے یہ ہبہ ہوا بالعوض، کس کے بدلے میں ہبہ ہے؟ عوض کے بدلے میں ہے۔ تو اس میں دونوں جہتیں ہم نے جمع کر دیں، یعنی ابتداءً یہ تبرع ہے۔ تبرع کس کو کہتے تھے میں پہلے کتنی دفعہ بیان کر چکا ہوں؟ اپنی طرف سے کوئی چیز دینا جو کسی پر لازم نہ ہو، تو یہ جو ہبہ بھی کرتے ہیں، تحفہ دیتے ہیں کسی کو آپ، یہ آپ پر لازم ہوتا ہے؟ نہیں، یہ لازم نہیں ہوتا۔ تو یہ جو آپ اس کو کتاب دے رہے ہیں ہم کہیں گے یہ ابتداءً ہبہ ہے یعنی تبرع ہے اپنی طرف سے دے رہے ہیں، لیکن اختتام کے اعتبار سے یا یوں کہیں انتہاء کے اعتبار سے آپ قلم لے رہے ہیں اس سے یا نہیں؟ تو قلم جب لیں گے تو انتہاء کے اعتبار سے یہ بیع بن جائے گی۔ کیا بن جائے گی؟ کیونکہ بیع کے اندر ہوتا ہے عوض دے کر عوض لینا، ہبہ کے اندر تو عوض لینا نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں دونوں جہتوں پر عمل ہو سکتا ہے کہ ابتداءً ہم کیا کہیں گے؟ یہ ہبہ ہے اور انتہاءً یہ کیا ہے؟ بیع ہے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ یعنی معاوضہ ہے، وہی بیع کے اندر بھی کیا ہوتا ہے؟ معاوضہ ہوتا ہے نا دونوں جانب سے عوض دیا جاتا ہے۔

یہ معنی ہے: «**كَمَا جَمَعْنَا بَيْنَ جِهَتَيِ التَّبَرُّعِ وَالْمُعَاوَضَةِ**» جیسے کہ ہم نے جمع کر دیا تبرع اور معاوضے کی دونوں جہتوں کو «**فِي الْهِبَةِ بِشَرْطِ الْعِوَضِ**» کس کے اندر جمع کر دیا؟ ہبہ بشرطِ عوض کے اندر جیسے ہم نے دو جہتوں کو جمع کر دیا، تو جیسے وہاں پر دو جہتوں کو جمع کیا تھا یہاں پر بھی دو جہتوں کو جمع کر دیا کیونکہ وہاں پر دونوں جہتوں کے جمع کرنے میں کوئی منافات نہیں تھی، کوئی منافات نہیں، کس طرح منافات نہیں تھی بھائی؟ ہبہ میں عوض نہیں ہوتا، بیع کے اندر عوض ہوتا ہے۔ کہتے ہیں بھائی ہم نے کہا ابتداءً کیا ہے؟ ہبہ ہے، انتہاءً کیا ہے؟ بیع ہے، تو دیکھو ابتداء اور انتہاء کا فرق آ گیا۔ ابتداء کے اعتبار سے وہ ہبہ کیا ہے؟ وہ یعنی وہ چیز دینا ہبہ ہے ابتداء کے، اور انتہاء کے اعتبار سے وہ کیا ہے؟ بیع ہے یا معاوضہ ہے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں جب وہاں پر دو چیزیں جمع ہو گئیں جب منافات ان میں نہیں تھی تو یہاں پر بھی یہ دونوں کے اندر منافات نہیں ہے کہ اس کو قسم بھی قرار دیا جائے اور منت بھی قرار دیا جائے کیونکہ دونوں کس کا تقاضا کر رہے ہیں؟ وجوب کا تقاضا کر رہے ہیں تو دونوں میں کوئی منافات نہیں تو دونوں جمع ہو سکتے ہیں، ہم نے دونوں پر عمل کیا۔

مسئلہ بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں؟ فرق کیا ہو گا پھر؟ جی؟ فرق یہ ہو گا ثمرۂ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہو گا جب اس نے وہی لفظ کہے اور اور کیا کیا اس نے؟ «**لِلَّهِ عَلَيَّ صَوْمُ يَوْمِ النَّحْرِ**» اور اس پر وہ یوم النحر والے دن وہ کیا کر دیتا ہے؟ افطار کر دیتا ہے، کیا کر دیتا ہے؟ افطار کر دیتا ہے تو پھر وہ صورتیں جن میں اس کو یمین قرار دیا گیا وہاں کفارہ بھی آئے گا، اور جن صورتوں میں یمین قرار نہیں دیا گیا وہاں صرف کیا آئے گی؟ قضا آئے گی، کفارہ نہیں آئے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۲۹: مسئلہ: وَلَوْقَالَ لِلّٰہِ عَلَيَّ صَوْمُ هٰذِهِ السَّ...

ہدایہ صفحہ: ۲۴۶ــــ بتاریخ: ۱۸ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَوْ قَالَ لِلّٰهِ عَلَيَّ صَوْمُ هٰذِهِ السَّنَةِ أَفْطَرَ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَأَيَّامَ التَّشْرِيقِ وَقَضَاهَا، لِأَنَّ النَّذْرَ بِالسَّنَةِ الْمُعَيَّنَةِ نَذْرٌ بِهٰذِهِ الْأَيَّامِ».

صورت مسئلہ یہ کہ کوئی شخص جو ہے سال بھر کے روزوں کی منت مانتا ہے، پورے سال کی، تو پورے سال کے روزوں کو اپنے اوپر واجب کرتا ہے، تو اس کی تین صورتیں ہیں بھئی تین صورتیں۔ ایک صورت یہ کہ وہ سال کی تعیین کر دے کہ اے اللہ یہ والا جو سال ہے، اس میں میں پورا سال کیا کروں گا؟ روزے رکھوں گا۔ دوسری صورت کہ سال کی تعیین نہ کرے، بلکہ صرف اتنا کہے کہ میں ایک سال کیا کروں گا؟ روزے رکھوں گا۔ تو اس میں پھر دو صورتیں ہیں۔ جب اس نے سال کی تعیین نہیں کی، البتہ سال کے روزوں کو اپنے اوپر واجب کر رہا ہے، تو اس میں دو صورتیں ہیں کہ اس کے اندر وہ پے در پے روزے ہونے کی شرط لگائے گا یا شرط نہیں، یعنی روزوں کے مسلسل ہونے کی شرط لگائے گا یا شرط نہیں لگائے گا۔

تو اگر مسلسل روزوں کے مسلسل ہونے کی شرط لگائی تو بھی اس کا بھی وہی حکم ہے جو کسی معین سال کے روزوں کے کا حکم تھا بھئی، اور معین سال کے روزوں کا حکم پہلے یاد رکھیں۔ معین سال کے روزے اگر اس نے منت مانی کہ اس سال کے میں روزے رکھوں گا، تو اس صورت میں اس پر سال بھر کے روزے واجب ہو گئے۔ سال بھر کے روزے واجب ہو گئے، لیکن رمضان کا خود بخود استثناء ہو گیا۔ رمضان کے روزے منت کے روزے نہیں بنیں گے، وہ رمضان ہی کے رہیں گے۔ تو رمضان اسی سال کے اندر چونکہ آ رہا ہے اور اس نے بھی کیا بات کی ہے کہ میں اس سال کے روزے رکھوں گا، تو رمضان میں جو رکھے گا وہ تو رمضان کے اپنے روزے ہیں، تو وہ منت میں داخل ہی نہیں۔ باقی البتہ اس کو سال پورا کرنا پڑے گا۔ اور اس کے اندر پانچ دن ایسے آ رہے ہیں جس کے اندر روزہ رکھنا حرام ہے، روزہ رکھنا حرام، لہٰذا جب سال بھر کے روزے اپنے اوپر لازم کیے تو یہ پانچ روزے بھی اس نے گویا اپنے اوپر لازم کر لیے، لیکن ان دنوں میں پھر وہ روزے نہ رکھے بلکہ بعد میں کیا کر لے ان پانچ دنوں کی؟ قضا کر لے۔ رمضان کی قضا نہیں کرے گا، کیونکہ رمضان کے روزے اس پر لازم ہی نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس نے ایک سال کے روزوں کی بات کی ہے اور ایک سال کے اندر تو وہ رمضان والے پہلے سے خود بخود آ رہے تھے، تو ان کی علیحدہ سے کوئی منت نہیں ہوئی بلکہ وہ وہ رمضان ہی کے ہو جائیں گے، البتہ یہ پانچ دن کے روزے کیا کرے گا بعد میں؟ قضا۔

لیکن اگر وہ پانچ دن کے روزے انہی دنوں میں رکھ لیتا ہے تو بھی وہ ادا ہو جائیں گے، اس لیے کیونکہ جب اس نے سال بھر کے روزوں کی نیت کی ہے تو ان پانچ دنوں کی بھی نیت، ان میں بھی روزہ رکھنے کی نیت کر لی، گویا ان روزوں کو اس نے ناقص ہی اپنے اوپر لازم کر لیا۔ انہی ایام جب سال بھر کے روزے واجب کر رہا ہے اپنے اوپر تو ان ایام کے بھی روزے کیا کر رہا ہے اپنے اوپر؟ واجب کر رہا ہے، اور ان ایام میں تو روزے ہوتے ہیں ناقص، کامل تو نہیں کیونکہ ان دنوں میں تو روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ تو لہٰذا اس پر باقی سال کے روزے تو کامل واجب ہوئے لیکن ان پانچ دنوں کے روزے کس طرح کے واجب ہوئے؟ ناقص واجب ہوئے ہیں، لہٰذا اگر وہ ادا بھی کرے گا وہ ناقص ادا ہوں گے، لیکن کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے اپنے اوپر لازم بھی کس طرح کے کیے تھے؟ ناقص ہی کیے تھے اور ادا بھی کیسے کر دیے؟ ناقص کر دیے۔ تو بہتر تو یہ ہے کہ ان پانچ دنوں میں نہ رکھے، بعد میں ان کی کیا کر لے؟ قضا۔ لیکن اگر رکھ لیتا ہے تو اس نے اپنے اوپر ناقص ہی لازم کیے تھے اور ناقص ہی ادا کر دیے ہیں، لہٰذا یہ بھی ادا ہو جائیں گے۔ مسئلہ سمجھ میں آیا؟

دوسری صورت کیا تھی کہ اگر وہ کس چیز کی شرط لگاتا ہے؟ سال کی تعیین تو نہیں کرتا لیکن سال بھر مسلسل روزے رکھنے کی شرط لگاتا ہے، تو اس کا بھی بعینہٖ وہی حکم ہے جو کسی معین سال کے روزوں کا حکم تھا۔ اس کے اندر بھی وہ پانچ روزے اس میں بھی وہی صورت افضل کہ بعد میں قضا کرنے چاہئیں، لیکن اگر انہی دنوں میں کر لے گا تو ادا ہو جائیں گے کیونکہ اس نے جب سارے سال کی نیت کی تو ان روز یہ روزے بھی اس میں آ گئے تو اور ان دنوں میں تو روزے ناقص ہوتے ہیں، گویا اس نے اپنے اوپر

کس قسم کے روزے لازم کیے ہیں؟ یہ پانچ روزے ناقص ہی لازم کیے ہیں اور ناقص ادا کرے گا تو ادا ہو جائیں گے۔ لیکن اگر یہ بعد میں ان کی قضا کرتا ہے تو پھر فرق آئے گا۔ فرق یہ ہے کہ پھر بعد میں ان کو جیسے ہی سال پورا ہو، ساتھ ہی ملا کر ان پانچ کی قضا کرنی چاہیے، کیا کرنی چاہیے؟ ملا کر۔ پہلے تو اس نے کہا تھا نا میں سال بھر کے اس سال کے روزے رکھتا ہوں، اس میں تو جیسے بھی قضا کر لے، پانچ روزے قضا کرنے ہیں۔ لیکن جب اس نے سال کی تعیین تو نہیں کی لیکن مسلسل رکھنے کی تعیین کی ہے کہ مسلسل رکھوں گا، اور ان پانچ دنوں کے روزے اس نے چھوڑ دیے ہیں، تو جس دن سال پورا ہو اس کے ساتھ ہی کیا شروع کر دے؟ ان پانچ روزوں کی قضا شروع کر دے تاکہ جو اس نے مسلسل ہونے کی شرط لگائی تھی، اس پر جس حد تک عمل ہو سکے عمل کر لیا جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تیسری صورت یہ تھی کہ اس نے اپنے اوپر سال کے روزے واجب کیے لیکن سال کی تعیین نہیں کی اور اور مسلسل کی بھی قید اس نے نہیں لگائی کہ روزے مسلسل ہوں گے، تو اس صورت میں یاد رکھنا، اس پر بارہ مہینے کے روزے لازم ہوں گے۔ کتنے؟ جب مسلسل کی قید نہیں لگائی اور سال کے روزے اپنے اوپر لازم کر رہا ہے، معلوم ہوا کتنے مہینے کے روزے لازم کر رہا ہے؟ بارہ۔ جب مسلسل کی قید لگائی تھی، اس کے اندر تو رمضان بیچ میں آرہا تھا اسی لیے ہم نے کہا وہ گویا خود ہی اس کا کیا آگیا؟ استثناء آگیا، وہ داخل ہی نہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ لیکن یہاں پر جب اس نے سال کی تعیین بھی نہیں کی، مسلسل ہونے کی قید بھی نہیں لگائی، تو گویا وہ اپنے اوپر کتنے مہینے کے روزے لازم کر رہا ہے؟ بارہ مہینے کے روزے اپنے اوپر لازم کر رہا ہے۔ تو لہٰذا رمضان میں تو رمضان کے روزے ہوتے ہیں، اس کے منت کے روزے تو ہو نہیں سکتے، لہٰذا اس صورت میں اس کو بارہ مہینے کے روزے پورا کرنا پڑیں گے، اور یہاں پر اگر وہ مسلسل رکھتا ہے تو بیچ میں کیا آرہا ہے؟ رمضان، تو رمضان کے جتنے روزے گزرے وہ تو رمضان کے ہوئے اور اس نے تو اپنے اوپر بارہ مہینے کے روزے واجب کیے تھے، تو اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ ان کی بھی قضا کرنا، یعنی اس مہینے کے بقدر بھی روزے آگے رکھنے پڑیں گے۔ اور نیز وہ پانچ روزے اگر نہیں رکھے تو بلکہ بلکہ اگر وہ پانچ روزے ان میں رکھ بھی لے گا، وہ ایام وہ اَيَّامٍ مَنْهِيٌّ عَنْهُ جن میں روزہ منع ہے، ان میں اگر وہ پانچ روزے رکھ بھی لے گا تو وہ روزے منت والے ادا نہیں ہوں گے، کیونکہ اس نے اپنے اوپر بارہ مہینے کے روزے واجب کیے ہیں، اور کامل واجب کیے ہیں یا ناقص واجب کیے ہیں؟ کامل واجب کیے ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ اس نے مسلسل کی شرط تو نہیں لگائی تھی، مسلسل کی شرط لگاتا تو پھر تو وہ پانچ دن بیچ میں ہی آرہے تھے، تو ان کا لزوم بھی کس طرح کا آتا؟ ناقص آتا۔ لیکن اب تو صرف بارہ مہینے کی بات ہے، ان پانچ دنوں کی بات ہی نہیں، تو بارہ کے بارہ مہینے کے روزے کس طرح کے چاہئیں؟ کامل چاہئیں، اور ان پانچ دنوں میں ادا کرے گا وہ تو کیا ہوں گے؟ ناقص ہوں گے، لہٰذا وہ اگر ادا کر بھی لے گا وہ ناقص ہوئے تو منت والے پانچ روزے یہ گویا کامل روزے ادا نہیں ہوئے، تو ان کی بھی پانچ کی کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَلَوْقَالَ لِلّٰہِ عَلَيَّ صَوْمُ هٰذِهِ السَّنَةِ...

«وَلَوْ قَالَ لِلّٰهِ عَلَيَّ صَوْمُ هٰذِهِ السَّنَةِ أَفْطَرَ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَأَيَّامَ التَّشْرِيقِ وَقَضَاهَا» اور اگر اس منت ماننے والے نے یوں کہا کہ اللہ کے لیے مجھ پر اس سال کے روزے واجب ہیں، تو یہ شخص افطار کرے گا عید الفطر والے دن بھی، یوم النحر یعنی قربانی والے دن بھی، «وَأَيَّامَ التَّشْرِيقِ» اور ایام تشریق یعنی اگلے تین دن جو ہیں یوم النحر سے ان میں بھی، «وَقَضَاهَا» اور بعد میں کیا کرے گا ان کی؟ قضا کرے گا۔ «لِأَنَّ النَّذْرَ بِالسَّنَةِ الْمُعَيَّنَةِ نَذْرٌ بِهٰذِهِ الْأَيَّامِ» اس لیے کیونکہ کسی معین سال کی منت ماننا وہ منت ہے «بِهٰذِهِ الْأَيَّامِ» ان دنوں کی بھی۔ جب معین سال کی منت مانی تو گویا ان پانچ دنوں کی بھی کیا کر لی؟ منت مان لی۔ تو ان پانچ دنوں میں بھی روزہ ضروری ہوا، لیکن رکھے نہ بلکہ بعد میں کیا کرے؟ قضا کرے۔ «وَكَذَا إِذَا لَمْ يُعَيِّنْ لٰكِنَّهُ شَرَطَ التَّتَابُعَ» اور اسی طرح ہے حکم جب وہ سال کی تعیین نہ کرے لیکن وہ تتابع کی شرط لگا دے، یعنی پے در پے ہونے، مسلسل ہونے کی شرط لگا دے تب بھی حکم اسی طرح ہے، یعنی ان دنوں کے روزے اس پر لازم ہوئے لیکن رکھے نہ، بعد میں کیا کرے ان کی؟ قضا کرے۔ «لِأَنَّ الْمُتَابَعَةَ لَا تَعْرَى عَنْهَا» اس لیے کیونکہ مسلسل رکھنا یہ ان دنوں سے خالی نہیں ہے، جب مسلسل رکھے گا تو یہ پانچ دن بھی آئیں گے یا نہیں آئیں گے بیچ میں؟ تو وہ تو یہ مسلسل رکھنا وہ ان دنوں سے خالی نہیں ہے۔ «لٰكِنْ يَقْضِيهَا فِي هٰذَا الْفَصْلِ مَوْصُولَةً» لیکن ان کی قضا کرے گا ان پانچ دنوں کی «فِي هٰذَا الْفَصْلِ» اس فصل یعنی اس صورت میں۔ کون سی صورت میں؟ جب مسلسل رکھنے کی اس نے قید ذکر کی ہے تو اس صورت میں ان کی قضا کرے گا «مَوْصُولَةً» ملا کر، یعنی جس وقت سال پورا ہو اسی سے اگلے ایام میں ملا کر کیا کرے؟ پانچ روزوں کی قضا کرے، «تَحْقِيقًا لِلتَّتَابُعِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ» تاکہ تتابع پایا جائے جس قدر ممکن ہو سکے، مسلسل ہونا پایا جائے جس قدر ممکن ہو سکے۔

«وَيَتَأَتَّى فِي هٰذَا خِلَافُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ» اور حاصل ہوتا ہے اسی کے اندر امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف بھی، «لِلنَّهْيِ عَنِ الصَّوْمِ فِيهَا» اس وجہ سے کہ ان ایام میں روزے رکھنے سے منع کیا گیا ہے، نہی آئی ہے ان ایام میں روزے رکھنے سے۔ تو وہ فرماتے ہیں اس کی کوئی منت ماننے تو منت ہی صحیح نہیں، کیونکہ یہ روزہ کیا ہے؟ ان ایام میں روزہ رکھنا گناہ ہے، اور گناہ کی تو منت صحیح نہیں۔ «وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور وہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، یعنی وہ جو نہی آئی ہے نا وہ یہ قول ہے حضور علیہ السلام کا: «أَلَا لَا تَصُومُوا فِي هٰذِهِ الْأَيَّامِ، فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَبِعَالٍ». «أَلَا» خبردار! «لَا تَصُومُوا فِي هٰذِهِ الْأَيَّامِ» تم لوگ روزہ نہ رکھو ان دنوں کے اندر، ان پانچ دنوں میں، «فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَبِعَالٍ» اس لیے کیونکہ یہ کھانے پینے

اور جماع کے دن ہیں۔ «وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيهِ» اچھا یہاں تک حدیث مکمل ہوئی۔ «وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيهِ وَالْعُذْرَعَنْهُ» اور تحقیق اس کے اندر ہم وجہ بیان کر چکے ہیں اور اس سے جو عذر ہم نے ذکر کیا وہ بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ ہم نے کیا وجہ بیان کی تھی اور کیا عذر بیان کیا تھا؟ کہ یہاں جو منت مانی گئی ہے وہ ایک روزے کی منت مانی گئی ہے اور روزہ ہے مشروع، تو ایک مشروع چیز کی منت مانی گئی لہٰذا منت صحیح ہے۔ اور اس کے اندر جو خرابی آرہی ہے وہ غیر کی وجہ سے آرہی ہے اور وہ کس کی وجہ سے؟ کہ وہ کہ اللہ کی دعوت سے اعراض کرنا لازم آتا ہے، لہٰذا منت ماننے میں کوئی خرابی نہیں ہے، منت صحیح ہو جائے گی۔ ہاں جب عمل کرے گا تب خرابی آئے گی، لہٰذا وہ اس پر عمل نہ کرے، ان دنوں میں روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں کیا کرلے؟ قضا کرلے، لیکن اگر رکھ لے گا تو ادا ہو جائیں گے کیونکہ جس طرح کے روزے اس نے لازم اپنے اوپر کیے تھے ویسے ہی اس نے ادا کر دیے ہیں۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيهِ وَالْعُذْرَعَنْهُ» اور تحقیق ہم اس کے اندر وجہ اور اس سے جو عذر ہے وہ بیان کر چکے ہیں۔ «وَلَوْ لَمْ يَشْتَرِطِ التَّتَابُعَ» اور اگر اس شخص نے مسلسل ہونے کی شرط نہیں لگائی، «لَمْ يُجْزِهِ صَوْمُ هٰذِهِ الْأَيَّامِ» تو اس صورت میں اس کے لیے ان دنوں کے روزے کافی نہیں۔ اگر مسلسل ہونے کی شرط نہ لگائی تو ان دنوں میں اگر روزے رکھ بھی لے گا تو کافی نہیں، بعد میں پھر کیا کرنا پڑے گی؟ قضا، کیونکہ ادا کرے گا وہ تو ہوئے ناقص اور واجب کیسے کیے تھے؟ کامل۔ «لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيمَا يَلْتَزِمُهُ الْكَمَالُ» اس لیے کیونکہ اصل ان روزوں کے اندر جن کا اس نے التزام کیا ہے وہ کمال ہے۔ وہ کیا ہے؟ «لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيمَا يَلْتَزِمُهُ الْكَمَالُ» اس لیے کیونکہ اصل ان روزوں میں جن کے اندر اس جن کا اس نے التزام کیا ہے، ان میں اصل الْكَمَالُ کامل ہونا ہے، «وَالْمُؤَدَّى نَاقِصٌ» اور وہ جو ادا کرے گا وہ ان دنوں میں اس نے جو ادا کر دیے وہ کیا تھے؟ ناقص تھے، «لِمَكَانِ النَّهْيِ» أَيْ لِوُجُودِ النَّهْيِ کس کی وجہ سے؟ نہی کے وجود کی وجہ سے، نہی پائے جانے کی وجہ سے۔ «بِخِلَافِ مَا إِذَاعَيَّنَهَا» بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے کیا کیا تھا؟ ان ایام کو معین کر دیا تھا یا یوں کہیں اس سال کو متعین کر دیا تھا، تو اس صورت میں ادا ہو جائیں گے بھائی کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ الْتَزَمَ بِوَصْفِ النُّقْصَانِ» اس لیے کیونکہ اس صورت میں اس نے اپنے اوپر واجب بھی کس طرح کیے تھے؟ نقصان کے وصف کے ساتھ اپنے اوپر لازم کیے تھے، یعنی ناقص روزے اپنے اوپر لازم کیے تھے، «فَيَكُونُ الْأَدَاءُ بِالْوَصْفِ الْمُلْتَزَمِ» تو اس صورت میں جو ادا ہو گی وہ بھی کس وصف کے ساتھ ہو گی؟ جس کا اس نے اپنے اوپر التزام کیا تھا، اسی طرح ادا ہو جائیں گے، ناقص ہی واجب کیے تھے ناقص ہی ادا ہو جائیں گے، تو بات صحیح ہو جائے گی۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ إِنْ أَرَادَ...

«قَالَ: وَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ إِنْ أَرَادَ بِهِ يَمِينًا» امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ» اور اس شخص پر کفارہ یمین بھی آئے گا «إِنْ أَرَادَ بِهِ يَمِينًا» اگر اس نے یمین کا ارادہ کیا۔ یہ جو لفظ کہے تھے نا «لِلّٰهِ عَلَيَّ صَوْمُ هٰذِهِ السَّنَةِ»، اس میں اگر وہ کس کا ارادہ کرتا ہے؟ قسم کا ارادہ کرتا ہے اور وہ ان پانچ دنوں میں روزے نہیں رکھتا، تو پھر اس پر قسم کا کفارہ بھی آئے گا، قضا بھی آئے گی اور قسم کا کفارہ بھی آئے گا، کیونکہ یہ الفاظ قسم کا بھی احتمال رکھتے ہیں۔ «وَقَدْ سَبَقَتْ وُجُوهُهُ» اور تحقیق اس کی صورتیں گزر گئیں۔ یہ جو یمین اور منت والی چھ صورتیں گذشتہ سبق میں گزری تھیں وہی یہاں بھی جاری ہوں گی۔

«وَمَنْ أَصْبَحَ يَوْمَ النَّحْرِ صَائِمًا ثُمَّ أَفْطَرَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ». صورت مسئلہ یہ: ایک شخص نے یوم النحر والے دن یا ایام منہی میں سے کوئی بھی دن ہو، اس نے اس دن نفلی روزہ رکھ لیا، شروع کر دیا، پھر توڑ دیا اس نے بعد میں، تو کیا اس پر یہ نفلی روزہ لازم ہو گیا؟ اس کو بعد میں اس کی قضا کرنا پڑے گی یا نہیں؟ بھئی نفلی روزہ جب شروع کر دیا جائے وہ کیا ہو جاتا ہے؟ واجب ہو جاتا ہے، لازم ہو جاتا ہے۔ تو کیا یہ روزہ جو اس نے کس دن میں رکھا؟ اس دن کے اندر جس میں روزے کو حرام قرار دیا گیا ہے، مثلاً جیسے یوم النحر ہے، تو اس میں روزہ نفلی رکھ لیا اور پھر بعد میں توڑ بھی دیا، تو کیا اس پر اس روزے کی قضا ہے یا نہیں؟ تو ظاہر روایت یہ کہ اس تو ظاہر روایت اس سلسلے میں یہ ہے یاد رکھیے کہ اگر یہ روزہ توڑ دیتا ہے تو اس پر اس کی قضا نہیں۔ اس پر اس کی قضا نہیں۔ بھئی کیا وجہ ہے، کیوں نہیں قضا؟ نفل تو جب بھی شروع کر دیے جائیں وہ کیا بن جاتے ہیں؟ واجب بن جاتے ہیں۔ کہتے ہیں بھئی دیکھیے، روزہ یہ جیسے ہی شروع کرے گا، یہ شخص صائم کہلائے گا۔ کیا کہلائے گا؟ صائم، روزہ دار کہلائے گا اور اس کا یہ عمل روزہ کہلائے گا۔ شروع کرتے ہی یہ اس کا عمل کیا کہلائے گا؟ روزہ، اور یہ شخص کیا کہلائے گا؟ صائم، روزہ دار کہلائے گا۔ اور اس دن تو روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، یعنی گویا ابتداء سے ہی، ابتداء سے ہی ایک منہی عنہ فعل پایا جائے گا۔ کب سے؟ ابتداء سے ہی منہی عنہ فعل، کیونکہ ابتداء کرتے ہی یہ فعل کیا کہلائے گا؟ روزہ۔ جیسے ہی صبح صادق کو شروع کرے گا کیا کہلائیں گے؟ اس نے کیا رکھا ہے؟ روزہ رکھا ہے۔ تو یہ عمل جو شروع ہو گیا یہ ہے روزہ، اور اس دن تو روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اس دن تو روزہ حرام ہے، لہٰذا یہ جو اس کا عمل صبح صادق سے جیسے ہی شروع ہوا یہ ابتداء سے ہی روزہ ہے، اور ابتداء سے اس دن تو روزہ رکھنے سے منع، تو گویا ابتداء ہی سے یہ عمل منہی عنہ ہوا۔ ابتداء سے ہی کیا ہوا؟ منہی عنہ ہوا، یعنی اس سے منع کیا گیا ہے کہ روزہ نہ رکھو۔ جب یہ فعل منہی عنہ ہوا ابتداء سے ہی تو اس کی حفاظت ضروری نہیں۔ اس کی حفاظت ضروری نہیں اور اس کو باطل کرنا ضروری ہے۔ حفاظت ضروری نہیں اور باطل کرنا ضروری ہے، لہٰذا اس پر یہ روزہ بھی لازم نہیں۔ جبکہ عام دنوں میں جب نفل شروع کرتے تھے، چاہے نماز شروع کرتے تھے نفلی چاہے روزہ شروع کرتے تھے، اس میں کیا ضروری تھا؟ اس کی حفاظت ضروری ہوتی تھی، «لَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ»

سبق نمبر ۱۲۹: مسئلہ: وَلَوْقَالَ لِلّٰہِ عَلَیَّ صَوْمُ ھٰذِہِ السَّ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

اپنے عملوں کو باطل نہ کرو، وہاں اس عمل کی حفاظت ضروری ہوتی تھی، اور حفاظت کس طرح ہو سکتی تھی؟ کہ اس کو اس پر عمل کرتا چلا جائے انسان، اختتام تک پہنچا دے۔ اور یہاں پر جو یوم النحر کے اندر وہ روزہ رکھ رہا ہے، اس کی ابتداء سے ہی حفاظت ضروری نہیں، اور حفاظت ضروری ہوتی تھی تو وہ چیز واجب ہوتی تھی، اور یہاں حفاظت ضروری نہیں بلکہ کیا ضروری ہے؟ باطل کرنا ضروری ہے، جب حفاظت ضروری نہیں معلوم ہوا یہ روزہ اس پر واجب بھی نہیں ہے، بلکہ اس کو توڑنا ضروری ہے، لہٰذا اس لیے اس کی قضا بھی نہیں۔ جبکہ عام روزے میں حفاظت ضروری ہوتی تھی اور وہ توڑ دیتا تھا، حالانکہ حفاظت تو ضروری ہوتی تھی، لہٰذا اس پر کیا آتی تھی؟ قضا آتی تھی۔ اور یہاں حفاظت ضروری نہیں، لہٰذا اس پر قضا بھی نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

«وَمَنْ أَصْبَحَ يَوْمَ النَّحْرِصَائِمًا» جس نے صبح کی قربانی والے دن اس حال میں کہ وہ روزہ دار تھا، «ثُمَّ أَفْطَرَ» پھر اس نے روزہ توڑ دیا، «لَا شَيْءَعَلَيْهِ» تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں یعنی اس پر قضا نہیں ہے۔ «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ فِي النَّوَادِرِ أَنَّ عَلَيْهِالْقَضَاءَ» جبکہ صاحبین رحمہما اللہ سے روایت ہے نوادر کے اندر، کس کے اندر؟ نوادر میں، میں اب یہ بات پہلے بیان کر چکا ہوں کہ امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابیں ہیں، یعنی جامع صغیر، جامع کبیر، سیر کبیر، سیر صغیر، مبسوط اور زیادات۔ ان کتابوں میں جو مسئلہ آئے وہ کیا کہلاتا ہے؟ ظاہر روایت، اور ان کے علاوہ جو امام محمد رحمہ اللہ کی کتابیں ہیں وہ ان میں کوئی مسئلہ آئے وہ وہ باقی کتابیں نوادر کہلاتی ہیں۔ تو صاحبین سے روایت ہے نوادر کے اندر «أَنَّ عَلَيْهِالْقَضَاءَ» کہ اس پر قضا واجب ہے۔ کیوں واجب ہے، دلیل صاحبین کی؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الشُّرُوعَ مُلْزِمٌكَالنَّذْرِ» اس لیے کیونکہ شروع کرنا لازم کرنے والا ہے۔ نفلوں کے اندر کوئی کام کوئی عمل شروع کرنا وہ لازم کر دیتا ہے اس کو «كَالنَّذْرِ» جیسے منت کیا کر دیتی ہے، کسی پر کسی چیز کو لازم کر دیتی ہے۔ «وَصَارَ كَالشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ فِي الْوَقْتِالْمَكْرُوهِ» اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسے شروع ہوا جائے نماز کے اندر مکروہ وقت میں۔ کس میں؟ بھئی ایک شخص ہے، مکروہ وقت جو ہے، سورج طلوع ہو رہا ہے یا سورج غروب ہو رہا ہے یا سورج عین سر پر ہے، ان یہ اوقات مکروہ ہیں، ان میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، تو اگر عین اس وقت کوئی نفل شروع کر دیتا ہے نفلی نماز، تو تو اس صورت میں اگر وہ اس نفل کو توڑ دیتا ہے تو اس پر اس کی قضا لازم ہے۔ اس پر کیا ہے؟ قضا لازم ہے، اس کو قضا کرنا پڑے گی، کیونکہ یہ نفل شروع کرنے سے کیا ہو جاتے ہیں؟ واجب ہو جاتے ہیں، اور چونکہ یہ وقت تھا مکروہ لہٰذا اس کو اس وقت پورے نہیں کرنے چاہئیں، اس وقت نفل توڑ دے اور بعد میں کیا کر لے ان کی؟ قضا کر لے، قضا کر لے۔ تو صاحبین فرماتے ہیں جیسے اوقات مکروہہ میں نفل شروع کیے جائیں اور پھر وہ لازم ہو جاتے ہیں، ان کی قضا کرنا پڑتی ہے، تو یہاں بھی اسی طرح ہے، عید کے دن روزہ رکھنا اس سے منع کیا گیا تھا لیکن اگر اس نے رکھا اور پھر توڑ دیا ہے تو اب شروع کرنے کی وجہ سے وہ روزہ اس پر لازم ہو چکا ہے، اس کو بعد میں کیا کرنا پڑے گی اس کی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ ان کی دلیل سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَالْفَرْقُ لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَه...

«وَالْفَرْقُ لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهُوَ ظَاهِرُالرِّوَايَةِ» اور فرق امام صاحب کے نزدیک اس نماز میں اور اس روزے میں جو فرق ہے، امام صاحب بھی فرماتے ہیں نماز کیا ہو جائے گی؟ اوقات مکروہہ میں نفل پڑھے گا وہ اس پر کیا ہو جائیں گے؟ لازم، اس کی قضا کرنا پڑے گی، لیکن یوم النحر وغیرہ والے دن روزہ رکھے گا وہ اس پر لازم نہیں، لہٰذا اس کو توڑ بھی دے تو اس پر قضا نہیں۔ اس میں فرق کی وجہ کیا ہے، وہ فرق بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَالْفَرْقُ لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اور فرق کی وجہ جو ہے وہ امام صاحب کے نزدیک، «وَهُوَ ظَاهِرُالرِّوَايَةِ» اور یہی ظاہر روایت بھی ہے، جو امام صاحب کا قول ہے یہی کیا ہے؟ ظاہر روایت بھی ہے، متن میں بھی آگیا کہ اس پر قضا نہیں ہے، تو ان کے ان کے قول پر فرق کی وجہ جو یہ وجہ ہے: «أَنَّ بِنَفْسِ الشُّرُوعِ فِي الصَّوْمِ يُسَمَّى صَائِمًا» کہ روزے میں نفس شروع ہونے سے ہی یہ شخص کیا کہلائے گا؟ صائم، روزہ دار کہلائے گا، «حَتَّى يَحْنَثَ بِهِ الْحَالِفُ عَلَى الصَّوْمِ» یہاں تک کہ روزے پر قسم اٹھانے والا اس کے ذریعے حانث ہو جائے گا۔ مثلاً ایک شخص قسم اٹھا لیتا ہے، ایک شخص قسم اٹھا لیتا ہے کہ واللہ میں نفلی روزہ نہیں رکھوں گا۔ کیا قسم اٹھائی؟ نفلی روزہ نہیں رکھوں گا۔ اور پھر یہ یوم النحر والے دن یا کسی اور دن وہ روزہ نفلی شروع کر دیتا ہے، جیسے ہی شروع کرے گا نفلی روزہ ساتھ ہی وہ حانث ہو جائے گا۔ کیا ہو جائے گا؟ حانث ہو جائے گا، اس لیے کیونکہ یہ عمل شروع کرتے ہی کیا کہلاتا ہے؟ روزہ، اور یہ شخص کیا کہلاتا ہے؟ روزہ دار۔ تو جیسے ہی آغاز ہوا، صوم آگیا، اور اس نے تو کیا کہا تھا میں روزہ نہیں رکھوں گا، لہٰذا یہ حانث ہو جائے گا۔ یہ حانث ہو جائے گا۔ جبکہ نماز کے مسئلے میں ایسا نہیں ہے، نماز میں جب تک ایک رکعت پوری نہ کر لی جائے اس وقت تک اس کو نماز نہیں کہتے، اس وقت تک اس کو نماز نہیں کہتے۔ تو فرق یہ ہوا کہ اس یوم النحر والے دن جیسے ہی وہ روزہ شروع کرے گا تو روزہ یہ عمل کیا کہلائے گا؟ روزہ، اور روزے سے تو اس دن کیا کیا گیا ہے؟ منع، تو یہ روزہ ہوا منہی عنہ، اور منہی عنہ روزہ ہے تو اس میں اس کو پورا کرنا ضروری ہے یا توڑنا ضروری؟ توڑنا ضروری۔ تو اس کو ابتداء سے ہی توڑنا ضروری ہوا، اس کی حفاظت ضروری نہ ہوئی، لہٰذا اس پر واجب بھی نہیں، کیونکہ حفاظت ضروری ہوتی تو واجب ہوتا۔ جبکہ نماز میں جب تک سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا، تب تک یہ نماز نہیں کہلاتی۔ تب تک یہ لہٰذا اس نے مکروہ وقت کے اندر اگر نماز پڑھنا شروع بھی کر دی، جب تک سجدہ نہیں کرے گا یہ نماز نہیں کہلائے گی۔ سمجھ میں آگئی بات؟ اور جب نماز کہلائے گی تب یہ منہی عنہ بن جائے گی کہ نماز کو پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، اس سے پہلے یہ منہی عنہ ہی نہیں ہے، اس سے پہلے منہی عنہ یہ ہے ہی نہیں۔ جب اس سے پہلے والا حصہ منہی عنہ نہیں تو اس کی حفاظت ضروری ہے یا نہیں؟ ابھی تک وہ منہی عنہ بنا ہی نہیں ہے، جب تک بنا نہیں اس کی حفاظت ضروری، اور جب حفاظت ضروری ہے معلوم ہوا اس کو اگر توڑ دے گا تو کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو نماز کے مسئلے میں شروع کرتے ہی وہ منہی عنہ نہیں

1140

ہے لیکن روزے کے مسئلے میں شروع کرتے ہی وہ کیا بن جاتا ہے؟ منہی عنہ، اور جب منہی عنہ بنا تو اس کی حفاظت ضروری نہیں بلکہ اس کو توڑنا ضروری ہوا، جب حفاظت ضروری نہیں تو معلوم ہوا یہ واجب بھی نہیں ہے۔ واجب کی تو حفاظت ضروری ہوتی ہے اور اس کی تو حفاظت ضروری نہیں، معلوم ہوا یہ واجب نہیں۔ فرق اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

تو وہ فرماتے ہیں کہ: «أَنَّ بِنَفْسِ الشُّرُوعِ فِي الصَّوْمِ يُسَمَّى صَائِمًا» کہ نفس شروع ہونے سے ہی روزے کے اندر وہ شخص کیا کہلائے گا؟ صائم کہلائے گا، «حَتَّى يَحْنَثَ بِهِ الْحَالِفُ عَلَى الصَّوْمِ» یہاں تک کہ حانث ہو جائے گا اس کی وجہ سے وہ شخص جس نے قسم اٹھائی تھی کس پر؟ روزے پر، قسم اٹھائی تھی روزہ نہیں رکھوں گا، شروع کرتے ہی کیا ہو جائے گا؟ حانث ہو جائے گا۔ «فَيَصِيرُ مُرْتَكِبًا لِلنَّهْيِ» تو یہ شخص نہی کا ارتکاب کرنے والا ہوا، «فَيَجِبُ إِبْطَالُهُ» لہٰذا اس کو باطل کرنا واجب ہے۔ بھئی دیکھیے، «حَتَّى يَحْنَثَ بِهِ الْحَالِفُ عَلَى الصَّوْمِ» یہ درمیان میں ایک چھوٹی سی بات ذکر کر دی، اس کو نکال دیں باقی کلام کو جوڑیں بھئی۔ دوبارہ دیکھیں: «حَتَّى يَحْنَثَ بِهِ الْحَالِفُ عَلَى الصَّوْمِ» اس کو درمیان سے نکال دینا، یہ ویسے بس سمجھانے کے لیے بیچ میں ذکر کیا کہ شروع کرتے ہی وہ کیا کہلائے گا؟ صائم کہلائے گا اور اس کی وجہ سے یہاں کیا کیا ہو جائے گا وہ؟ حانث بھی ہو جائے گا اگر اس نے قسم اٹھائی تھی نہ رکھنے کی۔ دوبارہ دیکھیے: «أَنَّ بِنَفْسِ الشُّرُوعِ فِي الصَّوْمِ يُسَمَّى صَائِمًا» کہ شروع کرنے سے ہی یہ روزہ یہ شخص کیا کہلائے گا؟ روزہ دار، «فَيَصِيرُ مُرْتَكِبًا لِلنَّهْيِ» تو یہ شخص کیا ہو گا؟ نہی کا ارتکاب کرنے والا ہوا، ایک چیز سے منع کیا گیا ہے پھر کیا کر رہا ہے؟ پھر وہی کام کر رہا ہے، «فَيَجِبُ إِبْطَالُهُ» تو واجب ہو گیا اس پر اس روزے کو باطل کرنا، «فَلَا تَجِبُ صِيَانَتُهُ» تو لہٰذا اس روزے کی حفاظت کرنا اور اس کو بچانا واجب نہیں، «وَوُجُوبُ الْقَضَاءِ يَبْتَنِي عَلَيْهِ» اور قضا کا واجب ہونا اس کی بنیاد تو اسی حفاظت پر ہے، جس چیز کی حفاظت ضروری ہے اس کی قضا ہو گی اگر حفاظت نہیں کی اور اس کی تو حفاظت ضروری نہیں لہٰذا اس کی قضا بھی ضروری نہیں۔ یہ معنی ہے کہ اس کی حفاظت ضروری نہیں ہے «وَوُجُوبُ الْقَضَاءِ يَبْتَنِي عَلَيْهِ» اور قضا کا واجب ہونا اس کی تو بنیاد ہی کس پر ہے؟ حفاظت کرنے پر ہے کہ حفاظت کرنا واجب ہو، «وَلَا يَصِيرُ مُرْتَكِبًا لِلنَّهْيِ بِنَفْسِ النَّذْرِ» اور یہ شخص صرف منت ماننے سے نہی کا مرتکب نہیں ہوا تھا بلکہ کب مرتکب ہو گا نہی کا؟ جب وہ عمل کرے گا، تو صرف منت سے وہ نہی کا مرتکب نہیں ہوا، «وَهُوَ الْمُوجِبُ» اور منت ہی تو کیا کرنے والی ہے؟ اس روزے کو واجب کرنے والی ہے، لہٰذا معلوم ہوا نفس منت میں کوئی خرابی نہیں ہے کیونکہ اس کی وجہ سے وہ نہی کا مرتکب نہیں، جب عمل شروع کرے گا تو کیا ہو گا؟ مرتکب نہی ہو گا۔

«وَلَا بِنَفْسِ الشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ» اور اسی طرح نفس نماز نماز کے اندر صرف شروع ہونے سے ہی وہ مرتکب نہی نہیں بنے گا «حَتَّى يُتِمَّ رَكْعَةً» یہاں تک کہ وہ کیا کر لے؟ ایک رکعت پوری کر لے، پھر کیا کہلائے گی یہ؟ نماز، اور نماز سے تو کیا کیا گیا ہے ان تین اوقات میں؟ منع کیا گیا ہے تو پھر منہی عنہ بنے گی۔ «وَلِهٰذَا لَا يَحْنَثُ بِهِ الْحَالِفُ عَلَى الصَّلَاةِ» اور اسی وجہ سے حانث نہیں ہوتا اس کی وجہ سے قسم اٹھانے والا نماز پر۔ صورت یہ: ایک آدمی نے قسم اٹھائی کہ واللہ میں نفل نہیں پڑھوں گا، نفل نہیں تو جب تک وہ پہلی رکعت کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کرتا، وہ حانث بھی نہیں بنے گا۔ اس سے پہلے وہ حانث بھی نہیں کیونکہ اس سے پہلے وہ نماز کہلاتی ہی نہیں ہے۔ معلوم ہوا جو رکعت سے کم کم ہے وہ نماز ہی نہیں، اسی لیے کہا: «وَلِهٰذَا لَا يَحْنَثُ بِهِ الْحَالِفُ عَلَى الصَّلَاةِ» اور اسی وجہ سے حانث بھی نہیں ہو گا وہ شخص جو قسم اٹھانے والا ہے نماز پر، «فَتَجِبُ صِيَانَةُ الْمُؤَدَّى» لہٰذا نماز کے مسئلے میں واجب ہے ادا کیے ہوئے حصے کی حفاظت۔ نماز کے مسئلے میں بھئی اوقات مکروہہ میں نماز شروع کی ہے نا، جب تک سجدے سے مقید نہیں کیا اس وقت تک یہ منہی عنہ فعل کا ارتکاب بھی نہیں، اس سے پہلے فعل منہی عنہ کا ارتکاب ہے ہی نہیں، اور لہٰذا اس سے پہلے والے حصے میں کیا واجب ہوا؟ حفاظت ضروری ہوئی، اور حفاظت کس طرح ہو گی؟ کہ اس کو پورا کیا جائے، اور یہ درمیان میں توڑ دیتا ہے تو حفاظت تو ضروری تھی تو اس پر کیا واجب ہو گی؟ قضا واجب ہو گی، فرق سمجھ میں آ گیا۔ تو نماز کے اندر «فَتَجِبُ صِيَانَةُ الْمُؤَدَّى» واجب ہو گا اس ادا کیے ہوئے حصے کو بچانا، اس کی حفاظت کرنا، «وَيَكُونُ مَضْمُونًا بِالْقَضَاءِ» اور حفاظت تو اس نے کی نہیں کیا کیا اس نماز کو؟ توڑ دیا تو وہ کیا ہو گی؟ مضمون بالقضاء ہو گی، قضا کے ساتھ اس کا ضمان دینا پڑے گا۔

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» یہاں سے امام صاحب کی دوسری روایت ذکر کر رہے ہیں۔ ایک تو پہلی روایت، پہلی روایت کے مطابق نماز کی قضا کرنا پڑے گی اگر اوقات مکروہہ میں شروع کر کے توڑ دی ہے، اور روزے کی قضا نہیں اگر کسی دن شروع کر کے توڑ دی ہے؟ ایام النحر میں۔ تو نماز کی قضا ہے یا نہیں پہلے قول کے مطابق؟ نماز کی قضا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ نماز کی بھی قضا نہیں اگر اوقات مکروہہ میں نفل شروع کر کے توڑ دیتا ہے۔ وہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْقَضَاءُ فِي فَصْلِ الصَّلَاةِ أَيْضًا» اور امام صاحب سے یہ روایت ہے کہ قضا واجب نہیں ہو گی نماز کے فصل کے اندر بھی۔ «وَالْأَظْهَرُ هُوَ الْأَوَّلُ» صاحب ہدایہ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر جو ہے وہ پہلا قول ہی ہے، پہلی روایت ہی ہے، اور پہلی روایت جو امام صاحب سے آئی وہ کیا ہے؟ نماز کی بھی نماز کی قضا واجب ہو گی۔ «وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ» اور اللہ درست بات کو خوب جاننے والے ہیں۔

«بَابُ الِاعْتِكَافِ» «قَالَ: الِاعْتِكَافُ مُسْتَحَبٌّ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ، لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، وَالْمُوَاظَبَةُ دَلِيلُ السُّنَّةِ».

«بَابُ الِاعْتِكَافِ» یہ باب ہے اعتکاف کے بیان میں۔ بھئی یاد رکھیے، اعتکاف کا معنی ہے ٹھہرنا، ٹھہرنا۔ عکف، عکف سے ہے یہ عکف یعکف کے معنی کسی جگہ ٹھہرنا، رکنا۔ کسی جگہ پر بھی ٹھہرنا وہ اعتکاف ہے عربی زبان کے اعتبار سے۔ لیکن اصطلاح شریعت میں اعتکاف کہتے ہیں مسجد کے اندر عبادت کی نیت سے ٹھہرنا، یہ کیا ہے؟ اعتکاف۔ اصطلاح شریعت میں اعتکاف کسے کہتے ہیں؟ مسجد میں عبادت کی نیت کے ساتھ ٹھہرنا، یہ ہے اعتکاف بھئی اعتکاف۔ اور یاد رکھیے اعتکاف تین قسم پر ہے: ایک اعتکاف واجب ہے، ایک اعتکاف سنت ہے اور ایک اعتکاف نفل ہے، نفل ہے۔ اعتکاف واجب وہ ہے جس کو انسان منت کے ذریعے اپنے اوپر واجب کرتا ہے، مثلاً ایک شخص نے منت مانی کہ اے اللہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں تین دن اعتکاف کروں گا۔ تو یاد رکھیے یہ اعتکاف واجب جو ہے نامنت والا، اس کے اندر روزے کو ذکر کرے، روزوں کو ذکر کرے یا نہ کرے اس میں روزے خود بخود آجائیں گے ساتھ، تو تین دن کا اعتکاف مانا ہے تو ساتھ تین روزے بھی خود بخود واجب ہو جائیں گے بھئی اگرچہ اس نے روزوں کا ذکر بھی نہیں کیا۔ اور نیز یہ بھی یاد رکھنا، یہ تین دن کا اعتکاف مانا ہے تو اس کے اندر پھر یہ تین دن مسلسل ہوں گے، اس لیے کیونکہ اعتکاف کے اندر اصل کیا ہے؟ مسلسل ہونا ہے، کیونکہ دن اور رات یہ سارا وقت کس چیز کا ہے؟ اعتکاف کا ہے۔ روزے کے اندر تو دن روزے کا وقت ہے لیکن رات کے اندر تو روزہ نہیں ہوتا، لیکن اعتکاف تو دن کو بھی ہوتا ہے اور رات کو بھی ہوتا ہے، تو یہ جب تین دنوں کا ذکر کیا تو ساتھ راتیں بھی خود بخود آجائیں گی بھئی، راتیں بھی اور نیز روزے بھی خود بخود واجب ہو جائیں گے، کیونکہ یہ بغیر روزوں کے نہیں، روزہ اس کے لیے شرط ہے تو روزے خود بخود آجائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور آئیں گے بھی کس طرح؟ یہ تین دن الگ الگ نہیں آئیں گے بلکہ کس طرح آئیں گے؟ مسلسل آئیں گے۔ لہٰذا اگر وہ ایک دن ایک دن اعتکاف بیٹھا اور روزہ بھی رکھا اور اگلے دن پھر درمیان میں اٹھ گیا اعتکاف سے، تو یہ وہ منت والا اعتکاف نہیں ہوا، منت والا اعتکاف تو کس طرح کا ضروری تھا؟ مسلسل، لہٰذا ابھی بھی وہ اس کے ذمے ہے تو مسلسل ہی تین دن اس کو پورا کرنا پڑے گا روزے رکھ کر بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو یہ ہے اعتکاف واجب بھئی، اعتکاف واجب۔ دوسری قسم ہے اعتکاف کی سنت بھئی، سنت۔ اور اعتکاف سنت جو ہے وہ جو رمضان کے آخری عشرے میں آپ دیکھتے ہیں لوگ اعتکاف کے اندر بیٹھتے ہیں، یہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر باقاعدگی سے مداومت آپ نے فرمائی اور رمضان کے آخری عشرے میں آپ ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ سمجھ میں آیا؟ اور یہ وہ سنت ہے علی طریق الکفایہ، کس طریقے پر؟ سنت کفایہ ہے، یعنی محلے میں سے کوئی ایک شخص بھی مسجد کے اندر اگر اعتکاف کر لیتا ہے تو یہ سنت ادا ہو گئی سارے محلے کی طرف سے، اور اگر کوئی بھی نہ بیٹھا تو سارا محلہ گناہ گار ہو گا ترک سنت کا کہ انہوں نے کیا کیا؟ سنت کو چھوڑ دیا ہے بھئی۔ تو محلے میں سے کوئی ایک بھی بیٹھ جائے، یہ سنت سب کی طرف سے گویا ادا ہو گئی بھئی۔ اور تیسرا اعتکاف نفل ہے نفل، بھئی۔ اور نفل اعتکاف وہ تھوڑی دیر کا بھی ہو سکتا ہے، اس میں روزہ بھی شرط نہیں ہے کیونکہ سارے دن کا ہونا اس میں شرط ہے ہی نہیں، بلکہ تھوڑی دیر کا بھی ہو سکتا ہے۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے مسجد میں گئے تو بس آپ اعتکاف کی نیت کر لیجیے، آپ کو اعتکاف کا ثواب بھی ملتا رہے گا۔ دیکھو کتنا فائدہ ہو گیا، بلاوجہ۔ نماز تو آپ نے پڑھنی ہے، آپ اندر داخل ہوتے ہی کس چیز کی نیت کر لیتے ہیں؟ اعتکاف کی بھی نیت کر لیتے ہیں، تو بس جتنی دیر مسجد میں رہے ایک مفت کا ثواب بھی آپ کو ملتا رہا اور وہ کس چیز کا؟ اعتکاف کا، اور پھر جیسے ہی آپ مسجد سے نکلیں گے تو وہ اعتکاف نفلی پورا ہو گیا، ٹوٹا نہیں بلکہ کیا ہو گیا؟ پورا ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: بَابُ الِاعْتِكَافِ

«بَابُ الِاعْتِكَافِ» یہ باب ہے اعتکاف کے بیان میں۔ «قَالَ: الِاعْتِكَافُ مُسْتَحَبٌّ» صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اعتکاف جو ہے مستحب ہے۔ «وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ» صاحب ہدایہ فرماتے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اعتکاف کیا ہے؟ سنت مؤکدہ ہے، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس پر پابندی فرمائی ہے «فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ» رمضان کے آخری عشروں میں، رمضان کے آخری عشروں میں حضور علیہ السلام نے اس پر پابندی فرمائی ہے۔ «وَالْمُوَاظَبَةُ دَلِيلُ السُّنَّةِ» اور مواظبت یعنی پابندی کیا ہے؟ سنت ہونے کی دلیل ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مواظبت تو واجب ہونے کی دلیل ہے، حضور علیہ السلام اگر کسی عمل پر پابندی فرمائیں بغیر ترک کے، کبھی چھوڑیں نہ، تو یہ کس چیز کی دلیل ہوتی ہے؟ واجب۔ جواب یہ کہ اس کے اندر چھوڑنا بھی ثابت ہے، اس کے اندر چھوڑنا بھی ثابت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے ترک بھی فرما دیا تھا اور اگر واجب ہوتا تو حضور علیہ السلام ترک نہ فرماتے۔ نیز اس ترک سے قطع نظر، وہ جو حضور علیہ السلام نے چھوڑ دیا اس سے قطع نظر پھر بھی یہ مواظبت سنت کی دلیل ہے یہاں، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام اعتکاف باقاعدگی سے فرماتے تھے لیکن جو اعتکاف نہیں بیٹھتے تھے ان پر آپ ان پر ناراضگی کا اظہار نہیں فرماتے تھے، ان کو کچھ تاکید وغیرہ نہیں کرتے تھے، معلوم ہوا یہ واجب نہیں، اگر اعتکاف واجب ہوتا تو حضور علیہ السلام ان کو حکم ضرور دیتے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اعتکاف کی تعریف کرنے لگے ہیں، میں نے تعریف کر دی اعتکاف کسے کہتے ہیں شریعت میں؟ مسجد میں عبادت کی نیت سے ٹھہرنا، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے

ہیں: «وَهُوَ اللُّبْثُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الصَّوْمِ وَنِيَّةِ الِاعْتِكَافِ» اور وہ ٹھہرنا ہے مسجد کے اندر روزے کے ساتھ «وَنِيَّةِ الِاعْتِكَافِ» اعتکاف کی نیت کے ساتھ۔ «أَمَّا اللُّبْثُ» باقی جو ٹھہرنا ہے مسجد ٹھہرنا مسجد میں، «فَرُكْنُهُ» یہ اعتکاف کا رکن ہے، کیونکہ اعتکاف نام ہی کس چیز کا ہے؟ ٹھہرنے کا ہے۔ تو یہ تو کہتے ہیں یہ جو ٹھہرنا ہے یہ اعتکاف کا رکن ہے، «لِأَنَّهُ يُنْبِئُ عَنْهُ» اس لیے کیونکہ لفظ اعتکاف ٹھہرنے ہی کی خبر دیتا ہے، اعتکاف کا معنی ہی کیا ہے؟ ٹھہرنا ہے، تو لفظ اعتکاف اس ٹھہرنے کی خبر دیتا ہے معلوم ہوا یہ اس کا رکن ہے۔ «فَكَانَ وُجُودُهُ بِهِ» تو لہٰذا اعتکاف کا وجود اس ٹھہرنے سے ہو گا، ٹھہرنا ہے تو اعتکاف ہے، ٹھہرنا نہیں تو اعتکاف بھی نہیں، معلوم ہوا یہ اس کا رکن ہے۔ «وَالصَّوْمُ مِنْ شَرْطِهِ عِنْدَنَا» اور روزہ جو ہے یہ اعتکاف کی شرط ہے، اعتکاف کی شرط میں سے ہے ہمارے نزدیک، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ» برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں نہیں روزہ اعتکاف کی شرط نہیں ہے۔ «وَالنِّيَّةُ شَرْطٌ فِي سَائِرِ الْعِبَادَاتِ» اور اسی طرح متن میں نیت کی بھی قید آئی تو نیت جو ہے شرط ہے تمام عبادتوں میں، تو یہاں بھی نیت کیا ہو گی؟ شرط ہو گی۔

اب درمیان میں اختلاف ذکر کیا تھا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ روزہ شرط نہیں۔ «وَهُوَ يَقُولُ» وہ فرماتے ہیں: «إِنَّ الصَّوْمَ عِبَادَةٌ وَهُوَ أَصْلٌ بِنَفْسِهِ فَلَا يَكُونُ شَرْطًا لِغَيْرِهِ» وہ فرماتے ہیں کہ روزہ عبادت ہے اور یہ خود اصل ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، تو لہٰذا یہ شرط نہیں ہو سکتا کسی اور کے لیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ روزے کو اعتکاف کے لیے شرط نہیں قرار دیا جا سکتا، اس لیے کیونکہ روزہ خود عبادت ہے اور یہ خود اپنی ذات کے اعتبار سے اصل ہے، تو لہٰذا دوسرے کے لیے شرط نہیں قرار دیں گے، کیونکہ اگر شرط قرار دیں گے تو یہ تو تابع بن جائے گا روزہ اس چیز کے، حالانکہ روزہ خود اصل ہے وہ دوسروں کے تابع نہیں ہے، اور شرط بنانے کی صورت میں اس کا تابع ہونا لازم آتا ہے لہٰذا اس کو شرط قرار دینا صحیح نہیں، یہ شرط نہیں ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے کہ روزہ خود عبادت ہے «وَهُوَ أَصْلٌ بِنَفْسِهِ» اور وہ خود اپنی ذات کے اعتبار سے اصل ہے «فَلَا يَكُونُ شَرْطًا لِغَيْرِهِ» تو یہ اپنے غیر کے لیے شرط نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل «قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، آپ نے فرمایا: «لَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِالصَّوْمِ» کہ اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہے۔ حدیث میں کیا آگیا؟ اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہے، یا یوں کہیں دوسرا ترجمہ کر لیں بامحاورہ: «لَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِالصَّوْمِ» اعتکاف تو روزے ہی کے ساتھ ہے، اعتکاف تو روزے ہی کے ساتھ ہے بھئی۔ «وَالْقِيَاسُ فِي مُقَابَلَةِ النَّصِّ الْمَنْقُولِ غَيْرُ مَقْبُولٍ» اور وہ قیاس جو اس نص کے مقابلے میں ہو جو منقول ہے «غَيْرُ مَقْبُولٍ» وہ قیاس غیر مقبول ہے، اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہاں قیاس سے کام لیا اور کیا کہا تھا؟ روزہ خود اصل ہے اس کو اگر شرط قرار دیں گے یہ تابع بن جائے گا حالانکہ ایک چیز جو اصل ہے وہ تابع نہیں ہو سکتی، تو ہم کہتے ہیں یہ آپ قیاس سے کام لے رہے ہیں اور نص کے مقابلے میں قیاس درست نہیں ہے بھئی، وہ قبول نہیں ہے۔

«ثُمَّ الصَّوْمُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْوَاجِبِ مِنْهُ رِوَايَةً وَاحِدَةً» یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ جو اعتکاف واجب ہے یعنی منت والا، منت والا، اس کے صحیح ہونے کے لیے تو روزہ شرط ہے۔ وہ اعتکاف جو کون سا ہے؟ واجب ہے یعنی منت والا ہے، اس کے اندر تو روزہ اس کے لیے تو شرط ہے، اور اس میں کہتے ہیں ایک ہی روایت آئی ہے یعنی اس میں دوسری روایت نہیں آئی بلکہ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے تینوں ائمہ سے، یہی ایک ہی روایت آئی ہے کہ وہ اعتکاف جو واجب ہو اس کے اندر روزہ شرط ہے، روزہ ہے تو اعتکاف واجب ہے، روزہ نہیں تو اعتکاف واجب بھی نہیں۔ باقی نفلی اعتکاف اس کے صحیح ہونے کے لیے روزہ شرط ہے یا شرط نہیں؟ تو اس میں دو روایتیں ہیں، دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت جو ہے وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے حسن ابن زیاد رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نفل اعتکاف میں بھی، نفل اعتکاف میں بھی روزہ شرط ہے، روزہ شرط ہے۔ اور روزہ تو ہوتا ہے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک، معلوم ہوا نفل اعتکاف بھی اس سے کم نہیں ہو سکتا، کیونکہ جب اس کے اندر روزہ شرط ہوا تو روزہ تو کب سے کب تک ہوتا ہے؟ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک، تو معلوم ہوا نفل اعتکاف بھی ایک دن سے کم نہیں ہو سکتا۔ جبکہ دوسرا قول اعتکاف نفل اعتکاف اس میں روزہ شرط نہیں، وہ تو تھوڑی دیر کا بھی ہو سکتا ہے، جب تھوڑی دیر کا ہو سکتا ہے معلوم ہوا روزہ شرط نہیں کیونکہ روزہ تو تھوڑی دیر کا نہیں ہوتا، روزہ تو سارے دن کا ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ الصَّوْمُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْوَاجِبِ مِنْهُ» پھر روزہ جو ہے وہ شرط ہے «لِصِحَّةِ الْوَاجِبِ مِنْهُ» اعتکاف میں سے جو واجب ہے اس کے صحیح ہونے کے لیے روزہ کیا ہے؟ شرط ہے واجب اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے «رِوَايَةً وَاحِدَةً» یہ کیا ہے؟ اس میں ایک ہی روایت ہے یعنی اختلاف نہیں ہے۔ «وَلِصِحَّةِ التَّطَوُّعِ» اور روزے کا شرط ہونا کس چیز کے لیے؟ نفلی اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے تو تو «فِيمَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» تو اس روایت کے مطابق جو اس کے مطابق شرط ہو گا جس کو روایت کیا ہے حسن ابن زیاد نے کس سے؟ امام اعظم ابو حنیفہ، اس کے مطابق روزہ شرط ہو گا، کس کے لیے؟ بھئی عبارت کوئی «لِصِحَّةِ التَّطَوُّعِ» اس کا عطف کس پر ہے؟ «لِصِحَّةِ الْوَاجِبِ» پر۔ پیچھے عبارت ملائیں: «ثُمَّ الصَّوْمُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ التَّطَوُّعِ» پھر روزہ شرط ہو گا نفل کے صحیح ہونے کے لیے بھی یعنی نفلی اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے بھی روزہ شرط ہے «فِيمَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اس روایت کے مطابق جس کو حسن ابن زیاد نے کس سے روایت کیا ہے؟ امام صاحب سے، «لِظَاهِرِ مَا رَوَيْنَا» اس حدیث کے ظاہر کی وجہ سے جس کو ہم نے روایت

کر دیا۔ حدیث کیا آئی تھی؟ «لَا اعْتِكَافَ إِلَّابِالصَّوْمِ» تو اس کے مطابق روزہ ضروری ہے۔ «وَعَلَى هٰذِهِ الرِّوَايَةِ لَا يَكُونُ أَقَلَّ مِنْ يَوْمٍ» اور اس روایت کے مطابق نفلی اعتکاف بھی ایک دن سے کم نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَفِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ

«وَفِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ» اور اصل کی یعنی مبسوط کی روایت میں جو ہے اس کے مطابق «وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اور یہی قول کس کا ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ کا ہے: «أَقَلُّهُ سَاعَةٌ» معلوم ہوا بھئی یہ دوسری روایت اصل کے اندر مبسوط کے اندر امام صاحب کی دوسری روایت جو آئی ہے اور وہی قول ہے کس کا؟ امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے: «أَقَلُّهُ سَاعَةٌ» نفلی اعتکاف کی کم سے کم اس کا وقت کتنا ہے؟ ایک گھڑی ہے یعنی تھوڑی دیر ہے، «فَيَكُونُ مِنْ غَيْرِصَوْمٍ» معلوم ہوا نفلی اعتکاف بغیر روزے کے بھی ہو سکتا ہے، «لِأَنَّ مَبْنَى النَّفْلِ عَلَى الْمُسَاهَلَةِ» دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی کہ تھوڑی دیر کا کیوں ہو سکتا ہے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ مَبْنَى النَّفْلِ عَلَى الْمُسَاهَلَةِ» مساہلت کا معنیٰ نرمی، نرمی کرنا، درگزر سے کام لینا۔ «لِأَنَّ مَبْنَى النَّفْلِ عَلَى الْمُسَاهَلَةِ» اس لیے کیونکہ نفل کی بنیاد نرمی پر ہے، نفل میں کیا کی جاتی ہے؟ نرمی کی جاتی ہے۔ «أَلَا تَرَى» کیا آپ دیکھتے نہیں «أَنَّهُ يَقْعُدُ فِي صَلَاةِ النَّفْلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ» کہ نفل پڑھنے والا بیٹھ سکتا ہے نفلی نماز میں باوجود قیام پر قدرت ہونے کے، معلوم ہوا نفل کی بنیاد کس پر ہے؟ نرمی پر ہے۔

«وَلَوْ شَرَعَ فِيهِ ثُمَّ قَطَعَهُ لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ فِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ» اور پھر اگر اس شخص نے کیا کیا کہ نفلی اعتکاف تو ایک گھڑی کا بھی ہو سکتا ہے، تو لہٰذا ایک شخص نے کیا کیا؟ نفلی اعتکاف کی نیت کی، تو شروع کر دیا «ثُمَّ قَطَعَهُ» پھر کیا کر دیا؟ اس کو توڑ دیا یعنی مسجد سے نکل آیا، «لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ» تو اس پر قضا لازم نہیں «فِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ» کس کے مطابق؟ مبسوط کی روایت کے مطابق۔ صورت مبسوط کی روایت کے مطابق ایک شخص نے نفلی اعتکاف شروع کیا اور پھر اس نے اس کو توڑ دیا یعنی مسجد سے نکل آیا، تو اس پر اس کی قضا لازم نہیں ہے، یہ کس کی روایت کے مطابق؟ روایت الاصل، مبسوط کی روایت کے مطابق اس پر قضا واجب نہیں۔ «لِأَنَّهُ غَيْرُمُقَدَّرٍ» اس لیے کیونکہ وہ تو غیر مقدر ہے یعنی اس کا تو کوئی وقت مقرر نہیں ہے، تھوڑی دیر کا بھی ہو وہ کیا ہے؟ نفلی اعتکاف ہے، «فَلَمْ يَكُنِ الْقَطْعُ إِبْطَالًا» لہٰذا توڑنا باطل کرنا نہیں ہے۔ نفلی اعتکاف کو توڑنا یہ اس کو باطل کرنا نہیں بلکہ یہ اس کو پورا کرنا ہے۔ کیا کرنا ہے؟ پورا کرنا۔ لہٰذا مسجد میں گیا، نفلی اعتکاف کی نیت کر لی اور پھر تھوڑی دیر بعد مسجد سے باہر آیا تو یہ اعتکاف کو توڑ دیا لیکن یہ توڑنا اعتکاف کو باطل کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو پورا گویا پورا کر لیا کیونکہ نفلی اعتکاف تو تھوڑی دیر کا بھی ہو سکتا ہے اور اس نے تو کچھ زیادہ ہی وقت بلکہ گزار لیا تو یہ تو بطریق اولیٰ کیا ہو گا؟ نفلی اعتکاف ہو جائے گا۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّهُ غَيْرُمُقَدَّرٍ» اس لیے کیونکہ وہ مقرر نہیں ہے «فَلَمْ يَكُنِ الْقَطْعُ إِبْطَالًا» لہٰذا توڑنا باطل کرنا نہیں ہو گا۔ «وَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ يَلْزَمُهُ» اور حسن ابن زیاد کی روایت کے مطابق اس پر قضا لازم ہے اگر اس نے اس کو توڑ دیا، «لِأَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِالْيَوْمِ كَالصَّوْمِ» اس لیے کیونکہ وہ مقرر ہے کس کے ساتھ؟ ایک دن کے ساتھ «كَالصَّوْمِ» جیسے کہ روزہ ہے، کیونکہ اس کے اس روایت کے مطابق تو روزہ ضروری تھا تو لہٰذا یہ مقرر ہوا ایک دن کے ساتھ جیسے روزہ ہے۔

«ثُمَّ الِاعْتِكَافُ لَا يَصِحُّ إِلَّا فِي مَسْجِدِجَمَاعَةٍ» اور پھر اعتکاف صحیح نہیں ہے مگر جماعت والی مسجد میں یعنی جس میں کیا ہوتی ہو؟ جماعت ہوتی ہو۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جماعت والی مسجد۔ جماعت والی مسجد، معلوم ہوا کسی نے کوئی ویسے ایک زمین کا حصہ مختص کیا ہوا ہے نماز کے لیے، کس کے لیے؟ تو یہ تو مسجد نہیں ہے باقاعدہ، لہٰذا معلوم ہوا اس کے اندر اعتکاف صحیح نہیں ہے، بلکہ کون سی مسجد ہونا ضروری ہے؟ جماعت کی مسجد ہونا ضروری ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ «لِقَوْلِ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ» دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی یہ مسجد جماعت کی شرط کیوں لگائی؟ کہتے ہیں: «لِقَوْلِ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ» حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی وجہ سے، وہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ «لَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدِجَمَاعَةٍ» کہ اعتکاف نہیں صحیح مگر کس کے اندر؟ جماعت کی مسجد میں، اسی میں اعتکاف ہو گا۔

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اور امام صاحب سے یہ روایت ہے «أَنَّهُ لَا يَصِحُّ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ يُصَلَّى فِيهِ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ» کہ صحیح نہیں ہے اعتکاف مگر اس مسجد میں جس میں پانچ نمازیں پڑھی جاتی ہوں۔ امام صاحب فرماتے ہیں مسجد جماعت ہی نہیں صرف کافی، صرف مسجد ہونا کافی نہیں ہے بلکہ مسجد بھی کیسی ہونی چاہیے؟ جس میں پانچ نمازیں باقاعدہ پڑھی جاتی ہوں جماعت کے ساتھ، تو ایسی مسجد کا ہونا ضروری ہے۔ بھئی اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ عِبَادَةُ انْتِظَارِالصَّلَاةِ» وہ فرماتے ہیں کیونکہ یہ جو اعتکاف ہے یہ نماز کے انتظار کی عبادت ہے، انسان اپنے آپ کو مسجد میں روک لیتا ہے، کس لیے روکتا ہے؟ تاکہ ایک نماز کے بعد پھر اگلی نماز کا انتظار کرے، تو یہ عبادت کون سی ہوئی؟ نماز کے انتظار کی عبادت ہوئی، «فَيَخْتَصُّ بِمَكَانٍ يُؤَدَّى فِيهِ» تو لہٰذا یہ عبادت خاص ہو گی اس جگہ کے ساتھ جس میں یہ نمازیں ادا کی جاتی ہیں، تاکہ ایک نماز ادا کر لے تو اگلی نماز کا کیا شروع ہو جائے؟ انتظار۔ اگر وہاں جماعت ہوتی ہی نہیں، پھر تو انتظار نہ پایا گیا بھئی۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ «فَيَخْتَصُّ بِمَكَانٍ يُؤَدَّى فِيهِ» تو لہٰذا یہ خاص ہو گا اس جگہ کے ساتھ جس میں نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔

«أَمَّا الْمَرْأَةُ» باقی عورت جو ہے، کہتے ہیں یاد رکھیے عورت جو ہے وہ وہ گھر کے اندر جو حصہ نمازوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہو، جو کمرہ، اس کے اندر اعتکاف کی نیت کرے گی، اس میں بیٹھے گی۔ اور اگر گھر میں کوئی ایسی جگہ نہیں تو پھر کسی جگہ کو مقرر کر لے اور پھر وہاں پر کیا کر لے؟ اعتکاف کر لے، تو عورت اعتکاف گھر پہ کرے گی مسجد میں نہیں، اور مرد کا اعتکاف صرف کہاں ہو گا؟ مسجد میں ہو گا گھر پر نہیں ہو گا۔ تو کہتے ہیں: «أَمَّا الْمَرْأَةُ فَتَعْتَكِفُ فِي مَسْجِدِ بَيْتِهَا» اور باقی عورت جو ہے وہ اعتکاف کرے گی اپنے گھر کی مسجد میں، اپنے گھر کی مسجد یعنی گھر میں جو نماز کے لیے حصہ مختص کیا ہے۔ «لِأَنَّهُ هُوَ الْمَوْضِعُ لِصَلَاتِهَا» اس لیے کیونکہ وہی جگہ اس کی نماز کی ہے وہیں پر یہ نماز پڑھتی ہے، «فَيَتَحَقَّقُ انْتِظَارُهَا فِيهِ» لہٰذا اس عورت کا انتظار اسی جگہ پایا جائے گا کہ وہ کیا کرے؟ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار جو ہے وہ اسی جگہ اس کا پایا جائے گا۔ «وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهَا فِي الْبَيْتِ مَسْجِدٌ» اور اگر اس کے گھر میں کوئی مسجد نہیں ہے یعنی کوئی حصہ نماز کے لیے مخصوص نہیں کیا، تو «تَجْعَلُ مَوْضِعًا فِيهِ» تو وہ مقرر کر لے کوئی کوئی حصہ اس کے لیے، گھر میں کسی حصے کو کیا کر لے؟ مقرر کر لے، «فَتَعْتَكِفُ فِيهِ» تو اس کے اندر اعتکاف کر لے بھئی۔ چلیے بس بھئی ھٰذا ھو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۳۰: مسئلہ: وَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَّا لِلْحَاجَةِ...

ہدایہ صفحہ: ۲۴۷ — بتاریخ: ۲۰ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ أَوِ الْجُمُعَةِ، أَمَّا الْحَاجَةُ فَلِحَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا: كَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَخْرُجُ مِنْ مُعْتَكَفِهِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ، وَلِأَنَّهُ مَعْلُومٌ وُقُوعُهَا وَلَا بُدَّ مِنَ الْخُرُوجِ فِي تَقْضِيَتِهَا فَيَصِيرُ الْخُرُوجُ لَهَا مُسْتَثْنًى». [1]

جی اعتکاف کا بیان چل رہا ہے اور آپ نے پڑھا اعتکاف جو ہے وہ مسجد کے اندر ٹھہر نا روزے کے ساتھ اور اعتکاف کی نیت کے ساتھ بھئی، اعتکاف کی نیت کے ساتھ۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھ لیا کہ مرد کا اعتکاف مسجد میں ہو گا جبکہ عورت کا اعتکاف گھر میں ہو گا بھئی، گھر کے اندر۔

جی آگے بتلا رہے ہیں: «**وَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ أَوِالْجُمُعَةِ**» اور نہیں نکل سکتا مسجد سے «**إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ**» مگر انسانی حاجت کے لیے یعنی انسانی ضرورت کے لیے، اس سے مراد پیشاب وغیرہ کی ضرورت ہے بھئی۔ صرف اس کے لیے مسجد سے نکل سکتا ہے۔ «**أَوِ الْجُمُعَةِ**» یا جمعے کے لیے، ان دو ضرورتوں کے لیے نکل سکتا ہے۔ باقی اگر کسی اور ضرورت کے لیے وہ نکلے گا بھئی تو چاہے عیادت مریض کے لیے نکلے، چاہے نماز جنازہ وغیرہ پڑھنے کے لیے نکلے، چاہے اور کسی ضرورت کسی اور کام سے نکلے گا تو جیسے ہی نکلے گا ایک لمحے کے لیے بھی نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «**وَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ أَوِالْجُمُعَةِ**» اور نہیں نکلے گا مسجد سے مگر انسانی حاجت کے لیے یا جمعے کے لیے۔

اب دلیل اس کی ذکر کر رہے ہیں انسانی حاجت کے لیے نکلنے کی اجازت کیوں ہے؟ تو کہتے ہیں: «**أَمَّا الْحَاجَةُ**» باقی حاجت انسانی جو ہے «**فَلِحَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا**» وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی وجہ سے ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: «**كَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَخْرُجُ مِنْ مُعْتَكَفِهِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ**» کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اعتکاف کی جگہ سے نہیں نکلتے تھے مگر انسانی حاجت کے لیے۔

آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں بھئی کہ: «**وَلِأَنَّهُ مَعْلُومٌ وُقُوعُهَا**» اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو انسانی حاجت ہے اس کا واقع ہونا تو معلوم ہے کہ انسانی ضرورت یہ تو پیش آئے گی ہی، «**وَلَا بُدَّ مِنَ الْخُرُوجِ فِي تَقْضِيَتِهَا**» اور ضروری ہے نکلنا اس کے پورا کرنے میں، اس کے پورا کرنے کے لیے تو نکلنا ضروری ہے، «**فَيَصِيرُ الْخُرُوجُ لَهَا مُسْتَثْنًى**» تو اس کے لیے نکلنا جو ہے وہ مستثنیٰ ہو گا، اس کا استثنا ہو گا، اس کی اجازت ہو گی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَمْكُثُ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الطُّهُورِ لِ...

«وَلَا يَمْكُثُ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الطُّهُورِ لِأَنَّ مَا ثَبَتَ بِالضَّرُورَةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا».

جی اور یہ بھی یاد رکھیے بھئی یہ قضائے حاجت کے لیے نکلا تو وہاں اگر اس نے بلاوجہ ذرا زیادہ دیر لگا دی تو اس صورت میں بھی اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا بھئی، سمجھ میں آیا؟ جتنی ضرورت ہے پھر فوراً واپس جلد سے جلد واپس آئے بھئی۔

---

[1] شاملہ (ص ۱۷۶) میں «الْمَسْجِدِ» کے بجائے «مسجد» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۶) میں «فَيَكُونُ» کے بجائے «يكون» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۶) میں «يَبْطُلُ» کے بجائے «بطل» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۷۶) میں «وَمَنْ أَوْجَبَ» کے بجائے «على نفسه»، شاملہ (ص ۱۷۷) میں «بِلَيَالِيهِمَا وَقَالَ» کے بجائے «بليلتيهما قال» درج ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَلَا يَمْكُثُ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الطَّهُورِ» اور وہ ٹھہرے نہ طہور سے یعنی طہارت سے فارغ ہونے کے بعد وہ ٹھہرے نہ اس جگہ پر، «لِأَنَّ مَا ثَبَتَ بِالضَّرُورَةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا» اس لیے کیونکہ وہ چیز جو ضرورت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے «يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا» وہ بقدر ضرورت ہی ثابت ہوتی ہے، وہ بقدر ضرورت ہی ہوتی ہے۔ اور جب ضرورت پوری ہو گئی اس کے بعد وہ بلاوجہ ذرا تاخیر کرتا ہے تو یہ ضرورت سے زائد ہے لہٰذا اس کی گنجائش نہیں ہو گی، اس صورت میں اعتکاف کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ لہٰذا وضو کے لیے نکل سکتا ہے، وضو ضرورت ہے بھئی، سمجھ میں آیا؟ نماز وغیرہ کے لیے اس کو وضو کی ضرورت ہے وہ نکل سکتا ہے۔ نہانے کے لیے نہیں نکل سکتا۔ ہاں الا یہ کہ غسل فرض ہے پھر تو وہ بھی ضرورت بن گیا۔ ویسے ہی بھئی وہ نہانے کے لیے نکلنا چاہتا ہے کوئی حاجت نہیں ہے نہانے کی، صرف گرمی لگ رہی ہے یا کس وجہ سے اور وہ نہانا چاہتا ہے، نہیں بھئی اس کی بھی گنجائش نہیں۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ اس کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں یہ کر سکتا ہے وضو کرنے گیا تھا تو جلدی سے نہا کر آ گیا۔ وضو کے بجائے کیا کر لیا وہاں اس نے؟ ہاں وضو کر لیا ساتھ ہی نہا لیا تو یہ کر سکتا ہے لیکن اس میں بھی زیادہ دیر کی اجازت نہیں ہے بھئی، جتنا جلدی سے جلدی ہو سکے فوراً پھر مسجد میں آنا پڑے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا الْجُمُعَةُ» بھئی جمعے کی بھی اجازت آئی تھی تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا الْجُمُعَةُ فَلِأَنَّهَا مِنْ أَهَمِّ حَوَائِجِهِ» اور باقی جمعہ جو ہے تو وہ اس کی اہم ضرورتوں میں سے ہے، اہم حاجتوں میں سے ہے۔ جیسے پیشاب وغیرہ کے لیے نکلنے کا استثنا تھا کیونکہ وہ اس کے یوں کہیں طبعی ضرورت تھی، کیا تھی؟ طبعی ضرورت تھی اور جمعہ اس کے لیے اہم دینی ضرورت ہے بھئی، تو لہٰذا جمعے کے لیے نکلنے کی بھی اس کو اجازت ہو گی۔ تو کہتے ہیں: «فَلِأَنَّهَا مِنْ أَهَمِّ حَوَائِجِهِ» اس لیے کیونکہ جمعہ جو ہے وہ اس کی اہم حاجتوں میں سے ہے «وَهِيَ مَعْلُومٌ وُقُوعُهَا» اور یہ جمعہ جو ہے اس کا وقوع بھی معلوم ہے۔ جب اعتکاف میں بیٹھے گا تو اعتکاف کے ایام میں ظاہر سی بات ہے کون سا دن بھی آئے گا؟ جمعے کا دن بھی آئے گا تو اس کا وقوع ہونا بھی معلوم ہے۔ تو لہٰذا اس کی بھی اجازت ہو گی۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: الْخُرُوجُ إِلَيْهَا مُفْسِدٌ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الِاعْتِكَافُ فِي الْجَامِعِ...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: الْخُرُوجُ إِلَيْهَا مُفْسِدٌ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الِاعْتِكَافُ فِي الْجَامِعِ».

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعے کے لیے نکلنا یہ اعتکاف کو فاسد کر دے گا «لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الِاعْتِكَافُ فِي الْجَامِعِ» اس لیے کیونکہ اس شخص کے لیے اعتکاف ممکن ہے جامع مسجد میں۔ یعنی اس مسجد میں جہاں جمعہ ہوتا ہے تو اب اگرچہ اعتکاف کے ایام میں جمعہ آئے گا لیکن اس کو کیا کرنا چاہیے؟ اعتکاف ہی اس مسجد میں کرنا چاہیے جہاں پر جمعہ ہوتا ہو۔ جب جمعہ وہیں پر ہوتا ہے پھر تو نکلنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لہٰذا جب اس مسجد میں وہ اعتکاف کر سکتا ہے تو جمعے کے لیے نکلنے کی بھی اس کو اجازت نہیں ہو گی اور اگر نکلے گا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ یہ معنی ہے وہ فرماتے ہیں: «الْخُرُوجُ إِلَيْهَا مُفْسِدٌ» جمعے کے لیے نکلنا جو ہے اعتکاف کو فاسد کر دے گا «لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الِاعْتِكَافُ فِي الْجَامِعِ» اس لیے کیونکہ اس شخص کے لیے اعتکاف کرنا ممکن ہے جامع مسجد میں یعنی جہاں جمعہ ہوتا ہے۔

«وَنَحْنُ نَقُولُ: الِاعْتِكَافُ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ مَشْرُوعٌ وَإِذَا صَحَّ الشُّرُوعُ فَالضَّرُورَةُ مُطْلِقَةٌ فِي الْخُرُوجِ» اور ہم کہتے ہیں کہ اعتکاف جو ہے ہر مسجد کے اندر مشروع ہے، جائز ہے «وَإِذَا صَحَّ الشُّرُوعُ» اور جب شروع کرنا صحیح ہے، جب شروع کرنا ہر مسجد کے اندر اعتکاف مشروع ہے معلوم ہوا ہر مسجد کے اندر اعتکاف شروع کرنا صحیح ہے جائز ہے «فَالضَّرُورَةُ مُطْلِقَةٌ فِي الْخُرُوجِ» تو ضرورت جو ہے وہ اجازت دینے والی ہے فی الخروج نکلنے میں، یعنی نکلنے کی جب ہر مسجد میں اعتکاف کی اجازت ہے تو ایسی مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا جس میں جمعہ نہیں ہوتا؟ اس میں جب ہر مسجد میں اجازت ہے تو اس مسجد میں بھی اجازت ہے جس کے اندر جمعہ نہیں ہوتا اور جب اس کے اندر وہ اعتکاف کرنا اس کا جائز ہے تو اب اس کو جمعے کے لیے نکلنے کی ضرورت ہے یا ضرورت نہیں ہے؟ تو ضرورت اب پیش آ گئی تو اور ضرورت کیا ہے؟ وہ اجازت دینے والی ہے وہ ممنوع چیز کو بھی مباح کرنے والی ہے، سمجھ میں آیا؟ تو ضرورت اب اس کی وجہ سے اس کو اجازت ہو گی۔ «فَالضَّرُورَةُ مُطْلِقَةٌ» تو ضرورت جو ہے وہ اجازت دینے والی ہے «فِي الْخُرُوجِ» نکلنے کی۔

■ مسئلہ: وَيَخْرُجُ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ

«وَيَخْرُجُ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ» اور وہ نکلے، بھئی کب نکلے گا؟ کہتے ہیں بھئی زوال شمس کے بعد نکلے جب سورج ڈھل جائے، سورج ڈھل جائے۔ اس لیے کیونکہ جمعے کا وقت کب ہے جب سورج ڈھل جائے اور قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ» تو وہاں سعی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جمعے کی طرف اور جمعے کا وقت کب ہے؟ جب زوال ہو جائے تو لہٰذا سعی بھی کس وقت واجب ہو گی؟ زوال کے بعد واجب ہو گی تو اس وقت نکلے۔

تو کہتے ہیں: «وَيَخْرُجُ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ» اور نکلے جس وقت سورج ڈھل جائے «لِأَنَّ الْخِطَابَ يَتَوَجَّهُ بَعْدَهُ» اس لیے کیونکہ خطاب جو ہے

اللہ کی طرف سے جو حکم ہے «يَتَوَجَّهُ بَعْدَهُ» وہ زوال کے بعد متوجہ ہوتا ہے۔

«وَإِنْ كَانَ مَنْزِلُهُ بَعِيدًا عَنْهُ يَخْرُجُ فِي وَقْتٍ يُمْكِنُهُ إِدْرَاكُهَا».

بھئی اگر اس کی جگہ دور ہے، وہ مسجد جامع مسجد سے دور ہے تو زوال کے بعد اگر نکلتا ہے پھر تو پہنچ ہی نہیں سکتا، تو کہتے ہیں بھئی پھر اس سے پہلے بھی نکل سکتا ہے۔ تو اس اتنے پہلے نکلے کہ کیا آرام سے جمعے تک پہنچ سکے تو پھر اس صورت میں پہلے بھی نکل سکتا ہے۔ یہ معنی ہے: «وَإِنْ كَانَ مَنْزِلُهُ بَعِيدًاعَنْهُ» اور اگر اس کا ٹھکانہ اس کی منزل جو ہے اس جامع مسجد سے دور ہے «يَخْرُجُ فِي وَقْتٍ يُمْكِنُهُإِدْرَاكُهَا» تو وہ نکلے ایسے وقت کے اندر کہ ممکن ہو اس کے لیے جمعے کو پالینا۔

■ مسئلہ: وَيُصَلِّي قَبْلَهَا أَرْبَعًاوَفِي رِوَايَةٍ سِتًّا

«وَيُصَلِّي قَبْلَهَا أَرْبَعًا وَفِي رِوَايَةٍ سِتًّا».

جی یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ جمعے سے پہلے کے جو پہلے کی جو سنتیں ہیں اور جمعے کے بعد کی جو سنتیں ہیں وہ بھی جمعے کے تابع ہیں، وہ کس کے تابع ہیں؟ جمعے کے تابع ہیں۔ لہٰذا اس طرح نکلے کہ وہ سنتیں بھی ساتھ وہاں ادا کر سکے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ تو جیسے جمعے کے لیے اجازت ہے اسی طرح ان سنتوں کے لیے بھی کیا ہو جائے گی؟ اجازت، کیونکہ وہ اس جمعے کے تابع ہیں بھئی تابع ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَيُصَلِّي قَبْلَهَا أَرْبَعًا وَفِي رِوَايَةٍ سِتًّا» اور پڑھے وہ چار رکعتیں بھئی، یعنی جب جمعے کے لیے نکلے اور وہاں پہنچ جائے تو چار رکعتیں پڑھے «وَفِي رِوَايَةٍ سِتًّا» اور ایک روایت کے مطابق چھ رکعتیں پڑھے گا۔ «الْأَرْبَعُ السُّنَّةُ وَرَكْعَتَانِ تَحِيَّةُ الْمَسْجِدِ» ان چھ میں سے چار جو ہیں وہ سنت ہیں اور دو رکعتیں کیا ہیں؟ تحیۃ المسجد ہے کہ مسجد کے اندر داخل ہو تو اس میں تو دو رکعتیں وہ پڑھے گا۔

■ مسئلہ: وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا أَوْسِتًّا عَلَى حَسَبِ الِ...

«وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا أَوْ سِتًّا عَلَى حَسَبِ الِاخْتِلَافِ فِي سُنَّةِ الْجُمُعَةِ» اور جمعے کے بعد چار رکعت یا چھ رکعت پڑھے گا «عَلَى حَسَبِ الِاخْتِلَافِ فِي سُنَّةِ الْجُمُعَةِ» جمعے کی سنت کے بارے میں جو اختلاف آیا ہے اس کے مطابق بھئی، امام صاحب کے نزدیک کتنی پڑھے گا؟ چار، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چھ۔ تو یہ بھی وہ پڑھے وہاں تو اس کی بھی یعنی اجازت ہے۔

«وَسُنَّتُهَا تَوَابِعُ لَهَا فَأُلْحِقَتْبِهَا» اور جمعے کی سنتیں «تَوَابِعُ لَهَا» وہ جمعے کے تابع ہیں «فَأُلْحِقَتْ بِهَا» تو ان کو بھی کس کے ساتھ ملایا جائے گا؟ جمعے کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ کیا معنی؟ یعنی جیسے جمعے کے لیے اجازت ہے اسی طرح ان کے لیے بھی اجازت، جب ان کو جمعے کے ساتھ ملا دیا گیا تو جمعے کے لیے تو اجازت تھی نکلنے کی تو ان کے لیے بھی نکلنے کی اجازت ہو گئی، یعنی اتنا وقت گزارتا ہے پہلے جاتا ہے اور وہی سنتیں پھر پڑھ کے ذرا دیر سے آتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ تو جمعے کے تابع ہی ہیں بھئی۔

«وَلَوْ أَقَامَ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ».

یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں بھئی ویسے تو قضائے حاجت کے لیے بھی جائے اور وہاں بلا ضرورت ذرا دیر لگائے گا تو اس کا اعتکاف کیا ہو جائے گا؟ فاسد۔ تو یہاں پر اگر یہ جمعے کی نماز کے لیے گیا ہے اگر یہ وہاں مسجد میں دیر لگا دیتا ہے تو کیا اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، یہاں اگر دیر بھی لگا دے اب اعتکاف فاسد نہیں ہو گا اس لیے کیونکہ پہلے یہ اس مسجد میں تھا اب بھی کس کے اندر ہے؟ اب بھی مسجد ہی میں ہے، البتہ اب مسجد دوسری ہے، مسجد کیا ہے؟ اور اعتکاف کے اندر بھی اپنے آپ کو کہاں روکنا ہوتا ہے؟ مسجد ہی میں روکنا ہوتا ہے، تو لہٰذا وہاں بھی چونکہ مسجد ہی ہے لہٰذا دیر بھی لگا دے گا تو اعتکاف فاسد نہیں ہو گا۔ ہاں مستحب نہیں ہے اس کے لیے کہ وہاں دیر لگائے بلکہ اس کے لیے کیا مستحب ہے؟ کہ پھر اسی مسجد میں جلدی آ جائے جہاں اس نے اعتکاف شروع کر رکھا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَلَوْ أَقَامَ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَا يَفْسُدُ اعْتِكَافُهُ لِأَنَّهُ مَوْضِعُ اعْتِكَافٍ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ لِأَنَّهُ الْتَزَمَ أَدَاءَهُ فِي مَسْجِدٍ وَاحِدٍ فَلَا يُتِمُّهَا فِي مَسْجِدَيْنِ مِنْ غَيْرِضَرُورَةٍ».

اور اگر وہ ٹھہرا رہا جامع مسجد میں اس سے زیادہ «لَا يَفْسُدُاعْتِكَافُهُ» تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہو گا «لِأَنَّهُ مَوْضِعُاعْتِكَافٍ» اس لیے کیونکہ وہ جامع

سبق نمبر ۱۳۰: مسئلہ: وَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَّا لِحَاجَةٍ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

مسجد بھی کیا ہے؟ اعتکاف کا مقام ہے «إِلَّا أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ» مگر یہ کہ اس کے لیے ایسا کرنا مستحب نہیں ہے «لِأَنَّهُ الْتَزَمَ أَدَاءَهُ فِي مَسْجِدٍ وَاحِدٍ فَلَا يُتِمُّهَا فِي مَسْجِدَيْنِ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ» اس لیے کیونکہ اس نے اپنے اوپر لازم کیا ہے اس اعتکاف کی ادائیگی کو ایک ہی مسجد کے اندر، تو لہٰذا اس کو پورا نہ کرے دو مسجدوں میں بغیر ضرورت کے، سمجھ میں آگئی؟ دلیل سمجھ میں آگئی بھئی؟

■ مسئلہ: وَلَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ سَاعَةً بِغَيْرِ عُ...

«وَلَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ سَاعَةً بِغَيْرِ عُذْرٍ فَسَدَ اعْتِكَافُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ لِوُجُودِ الْمُنَافِي وَهُوَ الْقِيَاسُ».

اور اگر یہ معتکف نکل آیا مسجد سے ایک گھڑی کے لیے بھی بغیر کسی عذر کے تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا «عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ» امام صاحب کے نزدیک «لِوُجُودِ الْمُنَافِي» بوجہ منافی چیز کے پائے جانے کے، کیونکہ اعتکاف کے منافی چیز پائی گئی، اعتکاف تو کیا تھا؟ کہاں ٹھہرنا ہے؟ مسجد میں ٹھہرنا ہے اور اس صورت میں جب نکلے گا تو اعتکاف کے منافی چیز آگئی وہ تو مسجد میں نہ رہا باہر نکل گیا تو لہٰذا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ «وَهُوَ الْقِيَاسُ» اور یہی قیاس بھی ہے، قیاس بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ ایک لمحے کے لیے بھی بلا وجہ نکلے تو اس کا اعتکاف فاسد ہونا چاہیے۔

«وَقَالَا: لَا يَفْسُدُ حَتَّى يَكُونَ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ لِأَنَّ فِي الْقَلِيلِ ضَرُورَةً».

■ اختلافِ ائمہ: صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہ

صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہو گا «حَتَّى يَكُونَ» حتیٰ ہے آپ کی کتابوں میں؟ جی ہاں یہ حتیٰ لفظ کتابت کی غلطی ہے بھئی، «حَتَّى يَكُونَ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ» یہاں تک کہ وہ نصف یوم سے زیادہ ہو جائے «وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ» اور یہی استحسان ہے «لِأَنَّ فِي الْقَلِيلِ ضَرُورَةً» اس لیے کیونکہ تھوڑے میں تو ضرورت ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ مسجد سے صرف نکلے تو فوراً ہی اعتکاف ٹوٹ جائے ایسا نہیں ہے، قیاس تو یہی تقاضا کرتا ہے لیکن استحساناً جب تک وہ نصف یوم باہر نہ گزار دے آدھا دن جب تک نہ گزار دے اس وقت تک اس کا اعتکاف فاسد نہیں، اس لیے کیونکہ تھوڑا جو ہے اس کی ضرورت پیش آجاتی ہے کبھی اور لہٰذا اس کی اس کو اجازت ہو گی بھئی۔ لیکن بہر حال فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے جیسا متن میں آگیا: «وَلَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ سَاعَةً» ایک گھڑی بھی نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

«قَالَ: وَأَمَّا الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالنَّوْمُ فَيَكُونُ فِي مُعْتَكَفِهِ».

اچھا بھئی کھانا پینا اور نیند ہے یعنی سونا یہ بھی تو اس کی ضروریات میں سے ہیں، کیا ان کے لیے نہیں نکلے گا؟ کہتے ہیں بھئی یہ چیزیں مسجد کے اندر بھی یہ اس کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں، مسجد کے اندر بھی کھا سکتا ہے پی سکتا ہے سو سکتا ہے لہٰذا ان کے لیے بھی نکلنے کی اجازت نہیں ہو گی۔

کہتے ہیں: «وَأَمَّا الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالنَّوْمُ فَيَكُونُ فِي مُعْتَكَفِهِ» اور باقی کھانا اور پینا اور سونا وہ اس کے اعتکاف کی جگہ میں ہی ہو گا «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَأْوًى إِلَّا الْمَسْجِدَ» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا سوائے مسجد کے، تو وہیں پر کیا کرتے تھے یہ آپ ضروریات یہ والی پوری فرماتے تھے۔

دوسری دلیل عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَلِأَنَّهُ يُمْكِنُ قَضَاؤُهَا هَذِهِ الْحَاجَةِ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا ضَرُورَةَ إِلَى الْخُرُوجِ» اور نیز اس لیے کیونکہ ممکن ہے پورا کرنا ان حاجتوں کو مسجد میں تو کوئی ضرورت نہیں ہے نکلنے کی۔

■ مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَبِيعَ وَيَبْتَاعَ فِي الْمَس...

«وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَبِيعَ وَيَبْتَاعَ فِي الْمَسْجِدِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُحْضِرَ السِّلْعَةَ».

اور ولا بأس کوئی حرج نہیں ہے «بِأَنْ يَبِيعَ» یہ کہ وہ اعتکاف کرنے والا بیچے «وَيَبْتَاعَ» اور یہ کہ وہ خریدے «فِي الْمَسْجِدِ» مسجد میں «مِنْ غَيْرِ أَنْ يُحْضِرَ السِّلْعَةَ» بغیر اس کے کہ سامان حاضر کرے بھئی۔

سامان کو حاضر کیے بغیر بھئی جس چیز کی بیع وشراء کر رہا ہے اس کو حاضر کیے بغیر صرف مسجد میں کیا کرتا ہے؟ کسی چیز کی بیع وشراء کرتا ہے تو بیع وشراء تو صرف ایجاب وقبول کا نام ہے لہٰذا ان کی بیع وشراء وہ مسجد میں کر سکتا ہے لیکن یہ یاد رکھیے یہ ہر چیز کی بیع وشراء یہاں نہیں مراد، ضرورت کی بیع وشراء، ضرورت مثلاً کوئی کھانے پینے کی چیز خریدنا چاہتا ہے کوئی اس کے لیے بیچارے کے لیے لانے والا ہی نہیں انتظام کرنے والا ہی نہیں ہے تو وہ وہیں پر کیا کرتا ہے؟ کسی سے کھانے پینے کی چیز خریدتا ہے وغیرہ، تو اس طرح کی جو ضرورت کی چیز ہے جہاں کوئی اور اس ضرورت کو پورا کرنے والا نہیں ہے تو اس کی خرید وفروخت کی اس کو اجازت ہے یہ نہیں کہ وہاں بیٹھ کر وہ باقاعدہ کاروباری معاملات شروع کر دیں، نہیں بھئی اس سے منع کیا گیا ہے۔ مسجد ان کاموں کے لیے نہیں بنی مسجد کس لیے بنی ہے؟ عبادت کے لیے بنی ہے تو لہٰذا وہاں عبادت والے امور کو سر انجام دے گا عبادت تو کرے گا باقی دنیاوی معاملات کی وہاں اجازت نہیں اور یہ بھی یہ خرید وفروخت یہ چونکہ ضرورت ہے اس کو کوئی اور اس چیز کو سر انجام دینے والا نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے لیے گنجائش ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

یہ معنی ہے: «وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَبِيعَ وَيَبْتَاعَ فِي الْمَسْجِدِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُحْضِرَ السِّلْعَةَ» اور کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ بیچے اور خریدے مسجد میں بغیر اس کے کہ سامان حاضر کرے یعنی سامان نہیں لایا جائے گا وہاں پر، وہیں پر بس ایجاب وقبول کرے۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ قَدْ يَحْتَاجُ إِلَى ذَلِكَ بِأَنْ لَا يَأْتِيَ...

«لِأَنَّهُ قَدْ يَحْتَاجُ إِلَى ذَلِكَ بِأَنْ لَا يَجِدَ مَنْ يَقُومُ بِحَاجَتِهِ» اس لیے کیونکہ کبھی اس کو ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، بیع وشراء کی ضرورت وہ معتکف جو ہے وہ محتاج ہوتا ہے اس بیع وشراء کا «بِأَنْ لَا يَجِدَ مَنْ يَقُومُ بِحَاجَتِهِ» بھئی ان کا محتاج ہوتا ہے باکے ذریعے صورت بتلا رہے ہیں بایں صورت «أَنْ لَا يَجِدَ» کہ وہ نہیں پاتا «مَنْ يَقُومُ بِحَاجَتِهِ» جو قائم کرے اس کی حاجت کو، جو پوری کرے اس کی، کوئی اور شخص نہیں ملتا تو اس صورت میں وہ محتاج ہوتا ہے تو لہٰذا اجازت ہے۔

«إِلَّا أَنَّهُمْ قَالُوا: يُكْرَهُ إِحْضَارُ السِّلْعَةِ لِلْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُحْرَزٌ عَنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ وَفِيهِ شَغْلُهُ بِهَا» مگر یہ کہ فقہاء فرماتے ہیں مکروہ ہے سامان کا حاضر کرنا بیع وشراء کے لیے «لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُحْرَزٌ عَنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ» اس لیے کیونکہ مسجد جو ہے اس کو محفوظ کیا گیا ہے بندوں کے حقوق سے۔ مسجد تو صرف کس لیے ہے؟ حقوق اللہ کے لیے، اللہ کے حقوق پورے کرنے کے لیے، عبادت کے لیے ہے تو اس کو محفوظ کیا گیا ہے حقوق العباد سے «وَفِيهِ شَغْلُهُ بِهَا» اور اس کے اندر یعنی اگر وہ سامان حاضر کرے گا تو سامان حاضر کرنے کے اندر شغلہ بہا مسجد کو مشغول کرنا ہے اس حقوق العباد کے ساتھ حالانکہ اس سے تو مسجدوں کو محفوظ کیا گیا، لہٰذا اس کی مکروہ ہو گا۔

«وَيُكْرَهُ لِغَيْرِ الْمُعْتَكِفِ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ فِيهِ» اور غیر معتکف کے لیے مکروہ ہے بیع وشراء کرنا مسجد کے اندر۔ معتکف کو تو حاجت ہے ضرورت ہے اس لیے اس کے لیے مکروہ نہیں، باقی کوئی اور کرتا ہے اس کے لیے مکروہ ہے «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے، آپ نے فرمایا: «جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ» «إِلَى أَنْ قَالَ: وَبَيْعَكُمْ وَشِرَاءَكُمْ».

حضور علیہ السلام فرمانے لگے: «جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ» کہ تم دور کرو اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں سے یعنی بچوں کو مسجدوں سے دور رکھو، بچوں کو مساجد سے دور رکھو «إِلَى أَنْ قَالَ» یہاں تک کہ آپ نے فرمایا حدیث طویل ہے اور تو درمیان والے الفاظ صاحب ہدایہ نے ذکر نہیں کیے، آخری الفاظ ذکر کر رہے ہیں یہاں تک کہ حضور نے فرمایا: «وَبَيْعَكُمْ وَشِرَاءَكُمْ» اور اپنی بیع اور اپنی شراء، اپنی خرید وفروخت سے بھی کیا کرو مسجد کو بچاؤ بھئی، دور رکھو۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِخَيْرٍ وَيُكْرَهُ...

«قَالَ: وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِخَيْرٍ وَيُكْرَهُ لَهُ الصَّمْتُ».

صاحب قدوری فرماتے ہیں اور وہ معتکف جو ہے وہ کلام نہ کرے «إِلَّا بِخَيْرٍ» مگر خیر کے ساتھ، یعنی صرف بھلائی والا کلام کرے بھئی۔ فضول اور بری بات نہ کرے، صرف بھلائی والا کلام کرے اعتکاف کے دوران۔ «وَيُكْرَهُ لَهُ الصَّمْتُ» اور مکروہ ہے اس کے لیے خاموش رہنا۔ اعتکاف والے کے لیے خاموش رہنا مکروہ ہے، یہ معنی نہیں کہ خاموش بیٹھ ہی نہیں سکتا بولتا ہی رہے گا، نہیں۔ معنی یہ ہے کہ عبادت سمجھ کر خاموش رہتا ہے، کیا خاموش رہتا ہے کیا سمجھ کر؟ عبادت، کہتے ہیں نہیں بھئی ہماری شریعت میں خاموش رہنا عبادت نہیں ہے۔ تو عبادت سمجھ کر خاموش رہے گا تو مکروہ ہے، ویسے خاموش رہے تو کوئی حرج نہیں ہے بھئی، سمجھ میں آئی بات بھئی؟

یہ معنی ہے «وَيُكْرَهُ لَهُ الصَّمْتُ» اور مکروہ ہے اس کے لیے خاموش رہنا «لِأَنَّ صَوْمَ الصَّمْتِ لَيْسَ بِقُرْبَةٍ فِي شَرِيعَتِنَا» اس لیے کیونکہ خاموشی کا روزہ جو ہے وہ عبادت نہیں ہے ہماری شریعت میں «لَكِنَّهُ يَتَجَانَبُ مَا يَكُونُ مَأْثَمًا» لیکن وہ ایک طرف رہے اس چیز سے جو گناہ ہے، ان باتوں سے ایک طرف رہے ان سے پہلو تہی کرے ان باتوں سے جو گناہ ہیں بھئی، گناہ والی باتوں سے کیونکہ گناہ والی باتیں تو ویسے نہیں جائز اور پھر اعتکاف کے اندر تو اور زیادہ برا ہے کہ یہاں تو اس نے اپنے آپ کو روکا ہی کس لیے ہوا ہے؟ اللہ کی عبادت کے لیے۔

■ مسئلہ: وَيَحْرُمُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ الْوَطْءُ

«وَيَحْرُمُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ الْوَطْءُ» اور حرام ہے اعتکاف کرنے والے پر صحبت کرنا۔ اعتکاف کرنے والا بیوی سے صحبت نہیں کر سکتا یہ اس کے لیے حرام ہے «لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾» اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ» اور تم ان سے صحبت نہ کرو، اپنی بیویوں سے صحبت نہ کرو «وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ» اس حال میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو یعنی اعتکاف کی حالت میں ہو۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وہ حرام ہے بھئی۔

«وَكَذَا اللَّمْسُ وَالْقُبْلَةُ» اور اسی طرح چھونا یعنی ہاتھ لگانا «وَالْقُبْلَةُ» اور بوسہ ہے۔ تو اسی طرح چھونا اور بوسہ لینا یہ بھی یہ بھی اعتکاف کے اندر ممنوع ہے بھئی، ممنوع ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو چھو بھی نہیں سکتا اور اس کا بوسہ بھی نہیں لے سکتا بھئی۔

روزے کے اندر بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ روزے کے اندر صحبت سے تو منع کیا گیا ہے لیکن چھونا یا بوسہ لینا وغیرہ اس سے روزے پر اثر نہیں پڑتا جبکہ اس کو اپنے نفس پر اطمینان ہو بھئی، نفس پر اطمینان ہو۔ لیکن اعتکاف کے اندر یہ ممنوع ہیں بھئی، ممنوع ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَكَذَا اللَّمْسُ وَالْقُبْلَةُ» اور اسی طرح چھونا ہے اور بوسہ لینا ہے «لِأَنَّهُ دَوَاعِيهِ» اس لیے کیونکہ یہ دوائی وطی ہیں، یہ چیزیں کس کی طرف لے جانے والی ہیں؟ وطی تک لے جانے والی ہیں «فَيَحْرُمُ عَلَيْهِ» تو یہ بھی اس پر حرام ہوں گی «إِذْ هُوَ مَحْظُورُهُ» اس لیے کیونکہ وطی تو اعتکاف اعتکاف کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے «كَمَا فِي الْإِحْرَامِ» جیسے کس کے اندر ہے؟ احرام کے اندر۔ وطی اعتکاف کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے جیسے کہ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے، اور جب یہ اعتکاف کے اندر ممنوع تو جو اس تک لے جانے والی چیزیں ہیں وہ بھی کیا ہوں گی؟ ممنوع ہوں گی۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ الصَّوْمِ

«بِخِلَافِ الصَّوْمِ» بخلاف کس کے؟ روزے کے، «لِأَنَّ الْكَفَّ رُكْنُهُ لَا مَحْظُورُهُ» اس لیے کیونکہ رکنا یعنی صحبت سے رکنا یہ روزے کا رکن ہے «لَا مَحْظُورُهُ» یہ اس کا ممنوع نہیں۔ صحبت سے رکنا یہ روزے کی ممنوعہ چیزوں میں سے نہیں ہے یہ روزے کا رکن ہے، یہ کیا ہے؟ روزے کا رکن ہے۔ لہٰذا جب یہ رکن ہے تو یہ اور چیزوں کی طرف متعدی نہیں ہو گا اور چیزیں اس کے ساتھ داخل نہیں کی جائیں گی کہ یہ بھی کہا جائے کہ نہ چھونا یہ بھی روزے کا رکن ہے، بوسہ نہ لینا یہ بھی کیا ہے روزے کا؟ رکن، نہیں بھئی وہاں ایسا نہیں ہو گا اور چیزوں کو رکن نہیں قرار دیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہاں پر صحبت سے رکنا روزے کا رکن ہے لہٰذا وہ اور چیزوں کی طرف متعدی نہیں ہو گا لہٰذا دوائی وطی جو ہے ان کو روزے کا رکن نہیں قرار دیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ یہاں پر یہ یہاں پر صحبت سے رکنا یہ اعتکاف کا رکن نہیں ہے، اعتکاف کا رکن تو کیا ہے؟ مسجد میں ٹھہرنا ہے روزے کے ساتھ بھئی، تو لہٰذا یہ رکن نہیں یہ اعتکاف کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور جب اس سے منع کیا گیا ہے تو جو چیز اس تک پہنچانے والی ہوں گی وہ بھی خود بخود کیا ہو جائیں گی؟ اس کے حکم میں داخل ہو جائیں گی وہ بھی ممنوع ہو جائیں گی، فرق سمجھ میں آیا بھئی؟

تو کہتے ہیں: «بِخِلَافِ الصَّوْمِ» بخلاف روزے کے «لِأَنَّ الْكَفَّ رُكْنُهُ» اس لیے کیونکہ رکنا وہاں پر یعنی صحبت سے رکنا اس روزے کا رکن ہے «لَا مَحْظُورُهُ» یہ روزے کی ممنوعہ چیز نہیں ہے «فَلَمْ يَتَعَدَّ إِلَى دَوَاعِيهِ» لہٰذا یہ رکنا متعدی نہیں ہو گا دوائی دوائی وطی کی طرف یعنی ان کو رکن نہیں قرار دیا جا سکتا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اس لیے کیونکہ اگر یہاں پر بھی دوائی وطی کو بھی یہ حکم دیا جائے تو اس کا تو یہ مطلب ہو گا کہ یہ دوائی وطی سے رکنا یہ بھی روزے کا رکن ہے، اور رکن رکن تو وہ چیز ہوتی ہے جس پر اس چیز کی بنیاد ہوتی ہے وہ پائی جائے تو وہ چیز ہوتی ہے وہ چیز نہ پائی جائے تو اس چیز کا وجود بھی نہیں، تو رکن پر بنیاد ہوتی ہے تو پھر تو روزے کی بنیاد ہو جائے گی کس پر؟ دوائی وطی سے بھی اپنے آپ کو روکے اور تو صرف ایک شبہے کی بنیاد پر ان چیزوں کو رکن قرار دے دیا جائے گا حالانکہ رکن اس پر تو اس چیز کی بنیاد ہوتی ہے صرف شبہے کی بنیاد پر کسی چیز کو رکن نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ لیے بلکہ اس کے لیے باقاعدہ مضبوط شرعی دلیل چاہیے بھئی۔ تو اس کے لیے باقاعدہ مضبوط شرعی دلیل چاہیے ویسے رکنیت ثابت نہیں ہو سکتی، اسی لیے کہا: «فَلَمْ يَتَعَدَّ إِلَى دَوَاعِيهِ» اسی لیے یہ رکنا یہ متعدی نہیں ہو گا دوائی وطی کی طرف۔

■ مسئلہ: فَإِنْ جَامَعَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا عَامِدًا أَوْ...

«فَإِنْ جَامَعَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا عَامِدًا أَوْ نَاسِيًا بَطَلَ اعْتِكَافُهُ».

اگر وہ اعتکاف کرنے والے نے صحبت کرلی بیوی سے «لَيْلًا أَوْنَهَارًا» رات کو یادن کو «عَامِدًا أَوْنَاسِيًا» جان بوجھ کر یا بھولے سے «بَطَلَ اعْتِكَافُهُ» تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

«لِأَنَّ اللَّيْلَ مَحَلُّ الِاعْتِكَافِ».

بھئی روزے کے اندر تو رات کے وقت رمضان کے اندر صحبت جائز ہوتی تھی لیکن یہاں رات کو بھی اجازت نہیں، اس لیے کیونکہ روزہ صرف دن کو ہوتا ہے رات کو نہیں اس لیے رات کو وہاں اجازت ہے لیکن اعتکاف وہ تو دن کو بھی ہوتا ہے اور رات کو بھی مسلسل ہوتا ہے تو لہٰذا اس لیے یہاں رات بھی اعتکاف کا وقت ہی ہے تو اس لیے رات کے وقت بھی اجازت نہیں ہو گی۔

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ اللَّيْلَ مَحَلُّ الِاعْتِكَافِ بِخِلَافِ الصَّوْمِ» اس لیے کیونکہ رات جو ہے وہ بھی اعتکاف کا محل ہے بخلاف روزے کے «وَحَالَةُ الْعَاكِفِينَ مُذَكِّرَةٌ فَلَا يُعْذَرُ بِالنِّسْيَانِ» اور نیز اعتکاف والوں کی جو حالت ہے وہ ان کو یاد کروانے والی ہے لہٰذا ان کو معذور قرار نہیں دیا جائے گا بھولنے کی وجہ سے۔

بھئی روزے کے اندر تو انسان بھولے سے اگر کرلے صحبت وغیرہ تو روزے پر اثر نہیں پڑتا، اس لیے کیونکہ روزہ تو ایک باطنی چیز ہے ظاہری اعتبار سے انسان کو کچھ کرنا پڑتا ہے روزے میں؟ ظاہری اعتبار سے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا لہٰذا انسان بھول جاتا ہے یاد نہیں رہتی یہ چیز، لیکن اعتکاف کے اندر تو وہ مسجد کے اندر رہتا ہے اور یہ اعتکاف کی حالت ہر وقت اس کو کیا کرتی ہے؟ اس کو یاد کرواتی رہتی ہے کہ وہ کس حالت میں ہے اس وقت؟ اعتکاف کی حالت میں ہے، لہٰذا یہاں پر بھولنے کو بھی عذر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ معنی ہے: «وَحَالَةُ الْعَاكِفِينَ مُذَكِّرَةٌ» معتکفین کی جو حالت ہے وہ ان کو یاد کروانے والی ہے کہ وہ حالتِ اعتکاف میں ہیں «فَلَا يُعْذَرُ بِالنِّسْيَانِ» تو ان کو معذور نہیں قرار دیا جائے گا بھولنے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ أَ...

«وَلَوْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ أَوْ قَبَّلَ أَوْ لَمَسَ فَأَنْزَلَ يَبْطُلُ اعْتِكَافُهُ».

اور اگر معتکف نے صحبت کی بیوی سے «فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ» شرمگاہ کے علاوہ میں «فَأَنْزَلَ» تو اس کو انزال ہو گیا «أَوْ قَبَّلَ» یا اس نے بوسہ لیا «أَوْ لَمَسَ» یا اس کو چھوا یعنی ہاتھ لگایا «فَأَنْزَلَ» تو اس کو انزال ہو گیا «يَبْطُلُ اعْتِكَافُهُ» تو بھی اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

بھئی ان چیزوں سے کیوں باطل ہو گا؟ کہتے ہیں بھئی: «لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجِمَاعِ» اس لیے کیونکہ یہ چیزیں بھی کس معنی میں ہیں؟ جماع کے معنی میں ہیں۔ میں نے بتلایا تھا ایک ہے صورتِ جماع ایک ہے معنیٰ جماع۔ صورت جماع تو دخول کی صورت میں ہے اور معنیٰ جماع کس صورت میں ہے؟ کہ مباشرت پائی جائے مباشرت، مرد عورت کے بدن کا ملنا اور اس کے ساتھ انزال ہو شہوت کے ساتھ تو یہ کیا ہے؟ معنیٰ جماع۔ تو یہاں پر بھی معنیٰ جماع پایا جارہا ہے دیکھو انزال ہوا ہے شہوت کے ساتھ اور عورت کو اس نے چھوا ہے یا اس کا بوسہ لیا ہے تو لہٰذا یہ معناً جماع ہوا اور جماع تو اعتکاف کی ممنوعہ چیزوں میں سے تھا لہٰذا اس سے کیا ہو جائے گا؟ اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجِمَاعِ حَتَّى يَفْسُدَ...

«لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجِمَاعِ حَتَّى يَفْسُدَ بِهِ الصَّوْمُ» اس لیے کیونکہ یہ بھی جماع کے معنی میں ہے یہاں تک کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، روزہ بھی اس سے کیا ہو جاتا ہے؟ فاسد ہو جاتا ہے اگر یاد ہو اور پھر اس طرح کرے۔

«وَلَوْ لَمْ يُنْزِلْ لَا يَفْسُدُ» اور اگر انزال نہ ہو تو پھر اعتکاف فاسد نہیں ہو گا۔

بھئی یہ چیزیں جو ذکر ہوئیں ان میں اگر بوسہ لیا، چھوا وغیرہ اور انزال نہ ہوا، انزال نہ ہوا تو پھر اس کا اعتکاف فاسد نہیں۔ ہاں اگرچہ اس نے بہت بڑا گناہ کیا لیکن بہر حال اس کا اعتکاف فاسد نہیں۔

تو یہ معنی ہے: «وَلَوْ لَمْ يُنْزِلْ لَا يَفْسُدُ» اور اگر اس کو انزال نہ ہوا تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا «وَإِنْ كَانَ مُحَرَّمًا» اگرچہ یہ بھی حرام ہے «لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْجِمَاعِ» اس لیے کیونکہ یہ جماع کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ یہاں انزال نہیں پایا گیا «وَهُوَ الْمُفْسِدُ» اور جماع ہی تو فاسد کرنے والا ہے «وَلِهَذَا لَا يَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ» اور اسی وجہ سے اس کی وجہ سے روزہ بھی فاسد نہیں ہوتا۔

■ مسئلہ: وَمَنْ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ اعْتِكَافَ أَيَّامٍ...

«وَمَنْ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ اعْتِكَافَ أَيَّامٍ لَزِمَهُ اعْتِكَافُهَا بِلَيَالِيهَا».

بھئی یہ مسئلہ میں شروع میں بتلا چکا ہوں کہ منت کے ذریعے جب کوئی آپ اعتکاف اپنے اوپر لازم کرتے ہیں تو وہاں روزہ بھی خود بخود لازم ہو جائے گا کیونکہ روزہ اعتکاف کی شرائط میں سے ہے۔ سمجھ میں آگئی بات؟ تو ایک شخص پانچ دن کا اعتکاف اس کی منت اس نے مانی روزے کو اس نے ذکر بھی نہیں کیا لیکن اگر وہ کام ہو جاتا ہے تو اس پر پانچ دن کا اعتکاف مع روزوں کے روزوں کے ساتھ اس پر لازم ہوگا بھئی، یہی ذکر کر رہے ہیں۔

ہاں اور یہاں یہ بتلا رہے ہیں کہ جو شخص دنوں کا ذکر تو کرتا ہے راتوں کو اس نے ذکر ہی نہیں کیا کہ اے اللہ اگر میرا یہ کام ہو گیا میں پانچ دن کا اعتکاف کروں گا تو یاد رکھیے راتیں خود بخود ساتھ شامل ہو جائیں گی۔ راتیں خود بخود شامل ہو جائیں گی، تو پانچ دن بھی اور ان کی جو راتیں بھی ہیں وہ بھی داخل ہو جائیں گی۔ اور رات آتی ہے رات آتی ہے پہلے اور دن آتا ہے بعد میں، تو لہٰذا وہ راتیں پانچ راتیں جو ہیں وہ بھی ساتھ ملانا پڑیں گی، ساتھ ملانا پڑیں گی۔

اور یہ بھی ایک بات یاد رکھنا بھئی اگر کوئی شخص اعتکاف فاسد کر دیتا ہے اعتکاف کو مثلاً رمضان کے اندر بیٹھا تھا سنت اعتکاف، درمیان میں کسی وقت وہ باہر نکل آیا مسجد سے تو اعتکاف فاسد ہوا۔ یا اسی طرح اسی طرح اس نے منت پانچ دن کے اعتکاف کی مانی تھی دو دن بعد یہ کسی وجہ سے نکل آیا تو اعتکاف کیا ہوا؟ فاسد۔

تو اس صورت میں یاد رکھیے جس دن کا اعتکاف فاسد کیا ہے نا جس دن کا اس اعتکاف کی قضا بھی اس پر لازم ہوگی، اس کی قضا بھی لازم ہوگی لہٰذا ایک دن ایک رات کا اعتکاف پھر کرے گا یہ اس کی قضا کے طور پر۔ وہ جس دن والا اعتکاف اس نے فاسد کیا ہے نا اس کی قضا آئے گی اور ساتھ رات بھی ملائے گا تو ایک رات اور ایک دن کا اعتکاف اس کو قضا کرنا پڑے گی اور وہ مثلاً اس نے رمضان کا اعتکاف اس کا تھا سنت اعتکاف، اس میں چوتھے یا پانچویں دن یہ نکل آیا تو یاد رکھو اس کا اعتکاف فاسد ہوا اب صرف اس کے ذمے ایک دن رات اعتکاف کی قضا کرنا پڑے گی اس کو اور روزے کے ساتھ کرنا پڑے گی آپ پڑھ چکے ہیں تو روزہ رکھے گا اور ایک دن رات کا اعتکاف پھر کر لے گا تو قضا ادا ہو جائے گا۔ اور باقی وہ سنت اعتکاف وہ تو ختم ہی ہو گیا کیونکہ نکل آیا، صورت سمجھ میں ہاں جتنا جتنے دن کا اعتکاف ہوا تھا اس کا ثواب اس کو ملا یہ نہیں کہ اس کا ثواب ہی نہیں ملا، وہ ثواب ملا لیکن بہر حال سنت اعتکاف نہ رہا کیونکہ سنت تو کیا تھا؟ پورا پورا عشرے کا اعتکاف تھا دو چار دن کا اعتکاف نہیں بھئی۔

تو اور ہاں واجب کے اندر جب کوئی شخص منت مانتا ہے اب اس نے مثلاً پانچ چھ دن کی منت مانی ہے تو یہ اعتکاف اس پر واجب ہو گیا اور اس کے اندر آپ پڑھ چکے مسلسل ہونا بھی ضروری ہے۔ میں نے ذکر کیا تھا کہ اس کے اندر مسلسل ہونا بھی ضروری ہے آگے صاحبِ ہدایہ بھی آپ کو بتلائیں گے، لہٰذا اگر یہ درمیان میں ایک دن ایک دو دن کے بعد ہی نکل آتا ہے تو اس پر بھی اس ایک دن رات کے اعتکاف کی قضا اس کے ذمے ہے اور وہ منت والا ابھی بھی پورا نہیں وہ پھر دوبارہ سے رکھنا پڑے گا اور مسلسل پانچ دن کرے گا۔ یہ نہیں کہ دو دن کر چکا ہے اب پھر بعد میں تین دن مزید کر لے تو پورا ہو جائے گا، نہیں نہیں مسلسل ہونا ضروری ہے لہٰذا پھر دوبارہ نئے سرے سے کیا کرنا پڑے گا؟ پانچ دن کا اعتکاف کرنا پڑے گا اور روزوں سمیت اور راتیں بھی ساتھ شامل ہوں گی۔

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ اعْتِكَافَ أَيَّامٍ لَزِمَهُ اعْتِكَافُهَا بِلَيَالِيهَا» اور جس نے واجب کیا اپنے اوپر چند دنوں کا اعتکاف «لَزِمَهُ اعْتِكَافُهَا بِلَيَالِيهَا» تو اس شخص پر لازم ہوگا ان دنوں کا اعتکاف «بِلَيَالِيهَا» ساتھ ان دنوں کی راتوں کے، ان کی راتیں بھی آجائیں گی «لِأَنَّ ذِكْرَ الْأَيَّامِ عَلَى سَبِيلِ الْجَمْعِ يَتَنَاوَلُ مَا بِإِزَائِهَا مِنَ اللَّيَالِي» اس لیے کیونکہ دنوں کا ذکر کرنا جمع کے طریقے پر یہ شامل ہوتا ہے مع ان چیزوں کو بھی «بِإِزَائِهَا» جو اس کے مقابلے میں ہیں «مِنَ اللَّيَالِي» یعنی کہ راتیں۔ دنوں کو جب جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا جائے، بھئی دن کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ یوم اور جمع کیا ہے؟ ایام، تو ایام کا لفظ جب بولا جائے تو وہ دنوں کے ساتھ ساتھ راتوں کو بھی شامل ہوتا ہے صرف دن مراد نہیں ہوتے بلکہ راتیں بھی مراد ہوتی ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے: «مَا رَأَيْتُكَ مُنْذُ أَيَّامٍ» میں نے کئی دنوں سے آپ کو نہیں دیکھا، تو اس کا کیا معنی ہوتا ہے صرف دنوں کو نہیں دیکھا راتوں کو نظر آتے رہے ہو یا راتیں بھی ساتھ شامل ہوتی ہیں؟ راتیں بھی شامل ہوتی ہیں بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «لِأَنَّ ذِكْرَ الْأَيَّامِ عَلَى سَبِيلِ الْجَمْعِ يَتَنَاوَلُ مَا بِإِزَائِهَا مِنَ اللَّيَالِي» اس لیے کیونکہ دنوں کا ذکر کرنا جمع کے طریقے پر یہ شامل ہوتا ہے ان راتوں کو بھی جو اس کے مقابلے میں ہوتی ہیں۔ «يُقَالُ» کہتے ہیں عربی زبان میں: «مَا رَأَيْتُكَ مُنْذُ أَيَّامٍ» میں نے نہیں دیکھا آپ کو کئی دنوں سے «وَالْمُرَادُ بِلَيَالِيهَا» اور مراد کیا ہوتا ہے؟ ان کی راتوں سمیت بھئی، ان کی راتوں کے ساتھ۔

■ مسئلہ: وَكَانَتْ مُتَتَابِعَةً وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطِ الت...

«وَكَانَتْ مُتَتَابِعَةً وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطِ التَّتَابُعَ» اور نیز وہ ایام جو ہیں وہ پے در پے ہوں گے مسلسل ہوں گے اگرچہ اس نے تتابع کی شرط نہیں لگائی۔ منت ماننے والے نے اگرچہ ان ایام کے مسلسل ہونے کی اور پے در پے ہونے کی شرط نہیں لگائی اس نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ اے اللہ اگر میرا یہ کام ہوا میں پانچ دن اعتکاف بیٹھوں گا تو اس نے مسلسل ہونے کو ذکر نہیں کیا لیکن خود بخود تتابع کیا ہو جائے گا؟ ثابت ہو جائے گا وہ ایام مسلسل ہوں گے۔ یہ معنی ہے: «وَكَانَتْ مُتَتَابِعَةً» اور وہ ایام جو ہیں مسلسل ہوں گے «وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطِ التَّتَابُعَ» اگرچہ اس نے مسلسل ہونے کی شرط نہیں لگائی «لِأَنَّ مَبْنَى الِاعْتِكَافِ عَلَى التَّتَابُعِ» اس لیے کیونکہ اعتکاف کی بنیاد تتابع پر ہے مسلسل ہونے پر ہے «لِأَنَّ الْأَوْقَاتَ كُلَّهَا قَابِلَةٌ لَهُ» اس لیے کیونکہ اوقات جو ہیں وہ سارے کے سارے وہ اعتکاف کے قابل ہیں، دن بھی اور رات بھی وہ سب اعتکاف کے قابل ہیں «بِخِلَافِ الصَّوْمِ» بخلاف روزے کے «لِأَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى التَّفَرُّقِ» روزے کی بنیاد تفرق یعنی جدا ہونے پر ہے «لِأَنَّ اللَّيَالِيَ غَيْرُ قَابِلَةٍ لِلصَّوْمِ» اس لیے کیونکہ راتیں جو ہیں وہ روزوں کے قابل نہیں۔

بھئی بتلا رہے ہیں روزے کی اگر کوئی منت مانتا ہے اے اللہ اگر میرا یہ کام ہوا میں پانچ روزے رکھوں گا، اس سے تتابع نہیں آئے گا چاہے وہ پانچ روزے مسلسل رکھے چاہے الگ الگ کر کے رکھے دونوں صورتیں ٹھیک ہیں لیکن کیونکہ روزوں کی بنیاد جدا جدا ہونے پر ہے کیونکہ ہر دو روزوں کے درمیان رات آتی ہے اور رات تو روزے کا وقت نہیں ہے اس میں تو روزہ نہیں ہوتا تو لہٰذا روزے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں لیکن اعتکاف کے اندر تو راتیں بھی شامل ہوتی ہیں تو وہاں اس لیے کیا آجائے گا؟ تتابع آجائے گا۔

تو کہتے ہیں: «بِخِلَافِ الصَّوْمِ» بخلاف روزے کے «لِأَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى التَّفَرُّقِ» اس لیے کیونکہ روزے کی بنیاد جدا ہونے پر ہے «لِأَنَّ اللَّيَالِيَ غَيْرُ قَابِلَةٍ لِلصَّوْمِ» اس لیے کیونکہ راتیں جو ہیں وہ روزے کی صلاحیت نہیں رکھتی وہ روزے کے قابل نہیں ہیں «فَيَجِبُ عَلَى التَّفَرُّقِ» تو لہٰذا روزہ واجب ہو گا جدا جدا طریقے پر «حَتَّى يَنُصَّ عَلَى التَّتَابُعِ» یہاں تک کہ وہ شخص تصریح کر دے مسلسل ہونے پر۔

بھئی ایک آدمی ہے وہ پانچ روزوں کی منت مانتا ہے تو پانچ الگ الگ رکھ سکتا ہے حتیٰ کہ وہ تصریح کر دے پھر تتابع آئے گا۔ خود کہتا ہے اے اللہ اگر میرا یہ کام ہوا تو میں مسلسل پانچ روزے رکھوں گا اب تو اس نے خود کیا کیا؟ اپنی زبان سے تصریح کر دی کہ روزے کس طرح کے ہوں گے؟ مسلسل ہوں گے تو اس صورت میں پھر تتابع شرط ہو گا۔ یہ معنی ہے: «حَتَّى يَنُصَّ عَلَى التَّتَابُعِ» یہاں تک کہ وہ تصریح کر دے مسلسل ہونے پر۔

■ مسئلہ: وَإِنْ نَوَى الْأَيَّامَ خَاصَّةً صَحَّتْ نِيَّتُه...

«وَإِنْ نَوَى الْأَيَّامَ خَاصَّةً صَحَّتْ نِيَّتُهُ لِأَنَّهُ نَوَى الْحَقِيقَةَ».

اور اگر اس شخص نے اعتکاف کرنے والے نے صرف دنوں کی نیت کی ہے، کیا نیت کی ہے؟ دنوں کی نیت کی ہے کہ اے اللہ میں پانچ دن کا اعتکاف کروں گا لیکن اس کا ارادہ کیا ہے؟ باقاعدہ دل میں اس کا ارادہ ہے کہ دن ہی دن مراد ہیں راتیں مراد نہیں ہیں تو پھر جیسی اس نے نیت کی اسی طرح کا اعتکاف اس پر واجب ہو جائے گا یعنی اب راتیں شامل نہیں ہوں گی۔

یہ معنی ہے: «وَإِنْ نَوَى الْأَيَّامَ خَاصَّةً» اور اگر اس نے دنوں کی نیت کی خاص طور پر «صَحَّتْ نِيَّتُهُ» تو اس کی نیت صحیح ہے «لِأَنَّهُ نَوَى الْحَقِيقَةَ» اس لیے کیونکہ اس نے حقیقت کی نیت کی ہے، اس نے کس کی نیت کی ہے؟ حقیقت کی نیت کی ہے۔ حقیقت میں یوم یوم کس کو کہتے ہیں؟ دن کا جو وقت ہے رات کو یہ شامل نہیں ہوتا تو اس نے بھی اسی کی نیت کی ہے لہٰذا صحیح ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَمَنْ أَوْجَبَ اعْتِكَافَ يَوْمَيْنِ يَلْزَمُه...

«وَمَنْ أَوْجَبَ اعْتِكَافَ يَوْمَيْنِ يَلْزَمُهُ بِلَيَالِيهِمَا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: لَا تَدْخُلُ اللَّيْلَةُ الْأُولَى».

صورت مسئلہ یہ کہ جمع کے صیغے کے ساتھ جب آپ اعتکاف کی منت مانتا ہے جمع کے صیغہ ایام کے ساتھ وہ ذکر کرتا ہے پھر تو راتیں شامل ہیں لیکن اگر مثلاً وہ دو دنوں کا اعتکاف مانتا ہے اس کی منت مانتا ہے تو کیا ان میں بھی دونوں راتیں دو راتیں آئیں گی یا صرف بیچ والی ایک رات آئے گی؟ بیچ والی ایک رات۔ تو امام صاحب کے نزدیک بھئی وہ دونوں راتیں ساتھ آئیں گی، بات سمجھ میں آئی؟ دو دن ہیں تو ان کے ساتھ راتیں بھی کتنی آجائیں گی؟ دو راتیں آجائیں گی۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ

فرماتے ہیں نہیں، صرف بیچ والی دو دنوں کے جو درمیان والی ایک رات ہے وہ آجائے گی اس لیے کیونکہ تتابع مسلسل ہونا تبھی ہو سکتا ہے نا جب اس رات کو بھی بیچ میں کیا کیا جائے؟ شامل کیا جائے، اگر اس رات کو نکالتے ہیں پھر تو دونوں دنوں کا اعتکاف الگ الگ ہو جائے گا حالانکہ اس میں کیا ضروری ہے اعتکاف میں؟ تتابع مسلسل ہونا ضروری، چنانچہ وہ فرماتے ہیں بیچ والی رات اس ضرورت کی وجہ سے آجائے گی لیکن باقی اس سے پہلے والی رات نہیں آئے گی اس لیے کیونکہ جمع کے صیغے کے اندر تو ٹھیک ہے جب ایام کا لفظ جمع بولا جائے تو اس کے ساتھ راتیں بھی شامل ہوتی ہیں لیکن مفرد اور تثنیہ میں ایسا نہیں ہے، مفرد اور تثنیہ یوم یا یومان کا لفظ بولا جائے یوم اور یومانی یہ یہ لفظ بولے جائیں تو یہ راتوں کو شامل نہیں ہوتے، دلیل سمجھ میں آگئی؟

«وَمَنْ أَوْجَبَ اعْتِكَافَ يَوْمَيْنِ» اور جس نے واجب کیا اپنے اوپر دو دن کا اعتکاف «يَلْزَمُهُ بِلَيَالِيهِمَا» تو وہ اعتکاف اس پر لازم ہو گا ان کی راتوں کے ساتھ ہی «وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: لَا تَدْخُلُ اللَّيْلَةُ الْأُولَى» امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی رات جو ہے وہ داخل نہیں ہو گی اس میں منت کے اندر «لِأَنَّ الْمُثَنَّى غَيْرُ الْجَمْعِ» اس لیے کیونکہ تثنیہ جو ہوتا ہے وہ جمع کے علاوہ ہوتا ہے، تثنیہ کیا ہے؟ جمع کے علاوہ ہے۔ جمع میں ایام لفظ بولتا تھا تو راتیں شامل ہوتی تھیں لیکن یہاں تو وہ تثنیہ بول رہا ہے تو لہٰذا تثنیہ جمع کے علاوہ ہے اور اس لہٰذا اس کے اندر راتیں شامل نہیں ہوں گی۔

■ مسئلہ: وَفِي الْمُتَوَسِّطَةِ ضَرُورَةُ الِاتِّصَالِ

«وَفِي الْمُتَوَسِّطَةِ ضَرُورَةُ الِاتِّصَالِ» اور درمیان والی رات کے اندر اتصال کی ضرورت ہے، ان دنوں کو ملانے کے لیے اس رات کی ضرورت ہے اس لیے درمیان والی رات آجائے گی اس سے پچھلی رات نہیں آئے گی۔

«وَجْهُ الظَّاهِرِ» ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے وہ جو متن میں آیا کہ راتیں بھی دو آجائیں گی، کہتے ہیں کہ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے «أَنَّ فِي الْمُثَنَّى مَعْنَى الْجَمْعِ» کہ تثنیہ کے اندر بھی جمع والا معنی پایا جاتا ہے۔ جمع کے اندر جیسے تین افراد آپس میں اکٹھے ہو جاتے ہیں کم از کم کتنے پر بولا جاتا ہے جمع کا لفظ؟ تین پر، تو جیسے اس میں تین افراد جمع ہو جاتے ہیں تو تثنیہ میں بھی کتنے افراد جمع ہو جاتے ہیں؟ دو افراد جمع ہو جاتے ہیں تو تثنیہ میں بھی کون سا معنی پایا جاتا ہے؟ جمع کرنے والا معنی پایا جاتا ہے کہ یہ دو چیزوں کو جمع کر دیتا ہے تو لہٰذا تثنیہ کو بھی جمع کے ساتھ ملایا جائے گا احتیاط بطور احتیاط کے، بطور احتیاط کے احتیاط اسی کے اندر ہے عبادت کا معاملہ ہے تو احتیاط ضروری ہے لہٰذا کیا کیا جائے گا؟ دو راتیں آجائیں گی ایک رات نہیں بلکہ دو راتیں بھی ساتھ اعتکاف کرنا پڑے گا۔

کہتے ہیں: «وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ فِي الْمُثَنَّى مَعْنَى الْجَمْعِ» ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ کے اندر بھی جمع والا معنی پایا جاتا ہے «فَيُلْحَقُ بِهِ احْتِيَاطًا لِأَمْرِ الْعِبَادَةِ» تو اس تثنیہ کو بھی جمع کے ساتھ ملایا جائے گا احتیاطاً لأمر العبادۃ عبادت کا معاملہ ہونے کی وجہ سے بطور احتیاط کے۔ «وَاللهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں، چلیے بس بھئی ھذا ھو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

کتاب الحج

از مواقیت، احرام، طواف و وقوف تا ہدی و احکامِ حج بدل

سبق نمبر ۱۳۱: کتاب الحج: وجوبِ حج کی شرائط اور مواقیت

ہدایہ صفحہ: ۲۴۹ــــ بتاریخ: ۲۰ اپریل ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

كِتَابُ الحَجِّ: اَلْحَجُّ وَاجِبٌ عَلَى الْأَحْرَارِ الْبَالِغِينَ الْعُقَلَاءِ الْأَصِحَّاءِ إِذَا قَدَرُوا عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ فَاضِلًا عَنِ الْمَسْكَنِ وَمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَعَنْ نَفَقَةِ عِيَالِهِ إِلَى حِينِ عَوْدِهِ، وَكَانَتِ الطَّرِيقُ آمِنَةً. وَصَفَهُ بِالْوُجُوبِ وَهُوَ فَرِيضَةٌ مُحْكَمَةٌ ثَبَتَتْ فَرْضِيَّتُهَا بِالْكِتَابِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ الْآيَةَ. [1]

کتاب الحج: آج ہم کتاب الحج شروع کریں گے بھائی۔ یاد رکھیے، حج کا لغوی معنی ہے ارادہ کرنا۔ حَجّ اور حِجّ، حاء کے فتحہ اور حاء کے کسرہ دونوں کے ساتھ یہ لفظ پڑھا جاتا ہے بھائی، حَجٌّ اور حِجٌّ۔ اور اس کا معنی ہے عربی زبان میں مطلقاً کسی چیز کا ارادہ کرنا۔ جبکہ بعض علماء نے لکھا کہ حج جو ہے مطلقاً ارادے کا نام نہیں ہے بلکہ کسی شئے عظیم کا ارادہ کرنا، یہ حج کہلاتا ہے بھائی۔ معنی سمجھ میں آیا حج کا بھائی؟ بعض علماء کیا فرماتے ہیں؟ حج کا معنی ہے ارادہ کرنا، مطلقاً ارادہ کرنا کسی چیز کا، چاہے کوئی چیز چھوٹی ہو چاہے بڑی ہو۔ لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ حج کا معنی جو ہے وہ شئے عظیم کا ارادہ کرنا ہے، یعنی کسی عظیم چیز کا ارادہ کرنا۔ کسی چھوٹی چیز کا ارادہ کیا جائے، اس کو حج نہیں کہا جاتا بھائی۔

یہ تو عربی زبان کے اعتبار سے لفظِ حج کا معنی ہوا۔ اصطلاحِ شریعت کے اندر حج، حج کی تعریف یہ ہے بھائی: **اَلْحَجُّ هُوَ زِيَارَةُ مَكَانٍ مَخْصُوصٍ فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ بِفِعْلٍ مَخْصُوصٍ**۔ جی، تعریف لکھ لی بھائی؟ **اَلْحَجُّ هُوَ زِيَارَةُ مَكَانٍ مَخْصُوصٍ فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ بِفِعْلٍ مَخْصُوصٍ**۔ کہ اصطلاحِ شریعت میں حج نام ہے ایک مخصوص جگہ کی زیارت کا، یعنی وہ بیت اللہ اور عرفات وغیرہ جو ہیں، اور **فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ** مخصوص زمانے کے اندر یعنی وہ جو حج کے مہینے ہیں بھائی ان کے اندر، اور **بِفِعْلٍ مَخْصُوصٍ** مخصوص فعل کے ساتھ یعنی وہ جو طوافِ زیارت اور وقوفِ عرفات وغیرہ ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے حج بھائی۔

جبکہ بعض علماء نے حج کی یہ تعریف کی ہے: **اَلْحَجُّ هُوَ قَصْدُ الْبَيْتِ لِأَدَاءِ رُكْنٍ مِنْ أَرْكَانِ الدِّينِ**۔ قصد صاد کے ساتھ ہے، ارادہ کرنا۔ **اَلْحَجُّ هُوَ قَصْدُ الْبَيْتِ لِأَدَاءِ رُكْنٍ مِنْ أَرْكَانِ الدِّينِ**۔ تو بعض علماء نے حج کی کیا تعریف کی؟ **هُوَ قَصْدُ الْبَيْتِ لِأَدَاءِ رُكْنٍ مِنْ أَرْكَانِ الدِّينِ**، وہ بیت اللہ کا ارادہ کرنا **لِأَدَاءِ رُكْنٍ مِنْ أَرْكَانِ الدِّينِ** ارکانِ دین میں سے ایک رکن کو ادا کرنے کے لیے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ارکانِ دین یعنی نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ میں سے ایک ایک رکن یعنی جو حج ہے، اس کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ کا ارادہ کرنا۔

یاد رکھیے حج جو ہے، حج نو ہجری میں فرض ہوا بھائی، نو ہجری میں۔ جبکہ بعض علماء نے لکھا کہ چھ ہجری میں فرض ہوا، بعضوں نے سات ہجری کا قول کیا، اور بعض نے آٹھ ہجری کا لکھا۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ حج نو ہجری میں، نو ہجری میں فرض ہوا بھائی۔

جی، اب دیکھیے کتاب پر بھائی۔ **كِتَابُ الحَجِّ**: یہ کتاب ہے حج کے بیان میں۔ **اَلْحَجُّ وَاجِبٌ عَلَى الْأَحْرَارِ الْبَالِغِينَ الْعُقَلَاءِ الْأَصِحَّاءِ**: حج جو ہے واجب ہے **عَلَى الْأَحْرَارِ** آزاد پر، آزاد لوگوں پر، **اَلْبَالِغِينَ** جو بالغ ہوں، **اَلْعُقَلَاءِ** جو عقل والے ہوں، **اَلْأَصِحَّاءِ** جو تندرست ہوں بھائی۔ احرار کی قید

[1] شاملہ (ص ۱۷۸) میں «فَاضِلًا» کے بجائے «فاصلا»، شاملہ (ص ۱۷۸) میں «وَكَانَتِ» کے بجائے «وكان»، شاملہ (ص ۱۷۸) میں «آمِنَةً» کے بجائے «آمنا»، شاملہ (ص ۱۷۸) میں «فَرْضِيَّتُهَا» کے بجائے «فرضيته»، شاملہ (ص ۱۷۸) میں «الْآيَةَ» کے بجائے «آل» درج ہے۔

لگائی، احرار کہ حج واجب ہے آزاد پر تو غلام نکل گئے بھائی، غلام پر حج فرض نہیں بھائی۔ اگر وہ اب حج ادا کر بھی لے گا تو فرض ادا نہیں ہو گا، وہ نفلی حج ہو گا۔ لہٰذا آزاد ہو جائے تو آزاد ہونے کے بعد اور پھر اس کے پاس مال آ جائے، یرحمک اللہ، آزاد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ مال دے دیں تو پھر اس کو دوبارہ فرض حج کرنا پڑے گا بھائی۔

دوسری قید آئی: **اَلْبَالِغِينَ** کہ بالغ ہوں بھائی۔ تو بالغ کے ذریعے نابالغ کو نکال دیا بھائی، بچے پر بھی حج فرض نہیں ہے بھائی۔

اَلْعُقَلَاءِ: عقلاء کی قید کے ذریعے مجنون کو نکال دیا بھائی، مجنون پر بھی حج فرض نہیں ہے کیونکہ وہ مکلف نہیں ہے بھائی۔

اَلْأَصِحَّاءِ: اصحاء جو تندرست ہوں بھائی۔ تو اس کے ذریعے اپاہج وغیرہ کو نکال دیا بھائی۔ متن کے اندر یہ اصحاء کی قید لگا دی بھائی۔ یاد رکھیے، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔ وہ فرماتے ہیں کہ حج کے اندر اس شخص کا تندرست ہونا اور ٹھیک ہونا ضروری ہے بھائی، پھر ہی حج واجب ہو گا۔ اگر وہ معذور ہے، اپاہج ہے تو پھر اس پر حج واجب نہیں۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، اپاہج پر بھی کیا ہے؟ حج فرض ہے بھائی، حج فرض ہے۔

تو کہتے ہیں: **اَلْحَجُّ وَاجِبٌ عَلَى الْأَحْرَارِ الْبَالِغِينَ الْعُقَلَاءِ الْأَصِحَّاءِ،** حج جو ہے واجب ہے آزاد، بالغ، عاقل اور تندرست لوگوں پر، **إِذَا قَدَرُوا عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ** جبکہ وہ قادر ہوں زاد اور راحلہ پر۔ زاد، زاد کہتے ہیں سامانِ سفر کو بھائی، توشہ، راستے میں کھانے پینے کا سامان ہے، خرچہ وغیرہ جو ہے، وہ ہے زاد بھائی۔ اور راحلہ، سواری بھائی، سواری۔ تو جب یہ آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو اور صحیح سلامت ہو، جب یہ شخص قادر ہو کس پر؟ زادِ راہ پر بھی یعنی راستے کے خرچ وغیرہ اور خرچے پر بھی، **وَالرَّاحِلَةِ** اور سواری پر بھی قادر ہو۔ سواری اپنی ہونا ضروری نہیں ہے، جس طریقے سے بھی ہو، یعنی چاہے اپنی ہو چاہے کرایہ پر لینے پر قادر ہو بھائی، تو اس پر حج فرض ہو گا۔

فَاضِلًا عَنِ الْمَسْكَنِ وَمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَعَنْ نَفَقَةِ عِيَالِهِ إِلَى حِينِ عَوْدِهِ: اور اس حال میں کہ یہ زاد اور راحلہ جو ہیں، یہ زائد ہونے چاہئیں **عَنِ الْمَسْكَنِ** اس شخص کی رہائش سے بھائی، اس کے رہائش یعنی رہنے کی جگہ سے، **وَمَا لَا بُدَّ مِنْهُ** اور ان چیزوں سے جو ضروری ہیں یعنی ضروری سامان وغیرہ گھر کا جو ہے، **وَعَنْ نَفَقَةِ عِيَالِهِ** اور اس کے جو گھر والوں کا نفقہ ہے **إِلَى حِينِ عَوْدِهِ** اس کی واپسی کے وقت تک بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ زاد اور راحلہ جو ہیں یہ زائد ہونے چاہئیں اس کی رہائش سے بھی، اس کے جو بنیادی ضروریات کی چیزیں ہیں گھر پر ان سے بھی یہ زائد ہو، اور اسی طرح اس کے گھر والوں کے لیے واپسی تک جو خرچہ وغیرہ ضرورت ہے اس سے زائد زاد اور راحلہ ہوں بھائی، زاد اور راحلہ۔ سمجھ میں آیا بھائی، ان کو نکال کر۔ تو پھر ان چیزوں کو نکال کر پھر اس کے پاس اگر اتنا خرچ ہے کہ حج کے لیے جا سکتا ہے، سواری وغیرہ کا بندوبست کر سکتا ہے تو اس شخص پر حج واجب ہو گا، اور اگر اتنا نہیں ہے اس کے پاس تو اس پر حج واجب ہی نہیں ہے بھائی۔

وَكَانَتِ الطَّرِيقُ آمِنَةً: اور راستہ بھی امن والا ہو بھائی، راستہ بھی امن والا ہو۔ جی، آگے تفصیل بیان کریں گے بھائی کہ راستہ کا امن والا ہونا یہ نفسِ وجوب کی شرط ہے یا وجوبِ ادا کی بھائی، وجوبِ ادا کی۔ مثلاً بھائی، راستہ راستے میں دشمن کی فوجیں وغیرہ موجود ہیں، گزرنے کی صورت نہیں ہے تو اس شخص پر ادا بھی واجب نہیں، اگرچہ زاد اور راحلہ پر قادر ہے لیکن راستہ امن والا نہیں۔ یا اسی طرح راستے میں جو ہے کوئی ڈاکوؤں کا گروہ ہے، بڑا مشہور ہے، لوگ وہاں سے ڈرتے ہیں، گزرتے ہی نہیں ہیں تو راستہ امن والا نہ ہوا بھائی، لہٰذا اس پر وجوبِ ادا نہیں ہے بھائی۔ آگے تفصیل آ رہی ہے بھائی۔

کہتے ہیں آگے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: **وَصَفَهُ بِالْوُجُوبِ وَهُوَ فَرِيضَةٌ مُحْكَمَةٌ ثَبَتَتْ فَرْضِيَّتُهَا بِالْكِتَابِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾۔** یہ جو آگے عبارت آ رہی ہے: **وَصَفَهُ بِالْوُجُوبِ،** یہ ساری عبارت جو آگے آ رہی ہے صاحبِ ہدایہ کی، اس میں دو احتمال ہیں۔ اس میں یہ بھی احتمال کہ یہ صاحبِ قدوری پر اعتراض کر رہے ہیں، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اعتراض مقصد نہیں ہے، صرف ان کے قول کی تشریح کر رہے ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اعتراض اگر ہو تو اعتراض یوں بنے گا کہ صاحبِ قدوری نے متن کے اندر ذکر کیا: **اَلْحَجُّ وَاجِبٌ،** حج کیا ہے؟ واجب ہے۔ تو صاحبِ ہدایہ آگے اعتراض کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ صاحبِ قدوری نے تو حج کو وجوب کے ساتھ موصوف کیا کہ حج واجب ہے، حالانکہ حج تو فریضۂ محکم ہے جو کتاب اللہ سے ثابت ہے، پکا فرض ہے جو کس سے ثابت ہے؟ کتاب اللہ سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: **﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾** اور لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ اعتراض بھی ممکن ہے۔

لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ صاحبِ ہدایہ جو ہیں وہ صاحبِ قدوری کے قول کی شرح کر رہے ہیں اور بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ وجوب سے، واجب کا لفظ جو آیا، واجب سے واجبِ اصطلاحی نہیں مراد جو فرض کے مقابلے میں ہوتا ہے، بلکہ واجب یہاں بمعنی لازم کے ہے۔ کس معنی میں ہے؟ لازم، تو معنی ہوا **اَلْحَجُّ وَاجِبٌ** یعنی حج لازم ہے، ضروری ہے، اور لازم اور ضروری کے اندر تو فرض بھی آ جاتا ہے، اصطلاحی فرض بھی اور اصطلاحی واجب بھی، کیونکہ فرض بھی ضروری ہوتا ہے اور واجب بھی ضروری، تو اس صورت میں دونوں کو شامل ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَصَفَهُ بِالْوُجُوبِ،** صاحبِ قدوری نے حج کو موصوف کیا وجوب کے ساتھ یعنی کہ یہ واجب ہے، **وَهُوَ فَرِيضَةٌ مُحْكَمَةٌ ثَبَتَتْ فَرْضِيَّتُهَا بِالْكِتَابِ** اور یہ فریضۂ محکم ہے، مضبوط فریضہ ہے، پکا فریضہ ہے، **ثَبَتَتْ فَرْضِيَّتُهَا بِالْكِتَابِ** جس کا فرض ہونا ثابت ہے کتاب اللہ سے، **وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى** اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: **﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾** اور اللہ کے لیے لوگوں پر فرض ہے بیت اللہ کا حج، **الْآيَةَ أَيِ اقْرَإِ الْآيَةَ** آیت کو آپ پڑھ لیجیے **يَا الْآيَةُ مَعْلُومَةٌ** کہ آیت معلوم ہے۔

وَلَا يَجِبُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً: اور حج واجب نہیں ہوتا مگر عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ۔ اور حج واجب نہیں ہوتا عمر بھر میں مگر ایک ہی مرتبہ، **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قِيلَ لَهُ** اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام سے کہا گیا: **اَلْحَجُّ فِي كُلِّ عَامٍ أَمْ مَرَّةً وَاحِدَةً؟** کہ حج جو ہے وہ ہر سال ہو گا یا ایک ہی مرتبہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو حج کی فرضیت بتلائی کہ حج فرض ہے، تو ایک شخص نے سوال کیا بھائی کہ یارسول اللہ، کیا ہر سال حج کرنا پڑے گا یا ایک ہی مرتبہ؟ حضور علیہ السلام خاموش رہے۔ پھر اس نے یہی سوال کیا، پھر حضور علیہ السلام خاموش رہے۔ پھر اس نے تیسری دفعہ یہ سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ ایک ہی مرتبہ ہے، اور فرمانے لگے اگر میں کہہ دیتا کہ ہاں، تم نے کیا اس نے کیا سوال کیا تھا اس شخص نے کیا؟ ہر سال، اگر میں کہہ دیتا ہاں تو پھر ہر سال تم پر حج فرض ہو جاتا اور تم میں اس کی استطاعت نہ ہوتی بھائی۔

تو صحابہ جو تھے وہ حضور علیہ السلام سے زیادہ سوال نہیں پوچھتے تھے بھائی، زیادہ سوال نہیں۔ بس جو حکم بتلا دیا جاتا، اس پر اپنی پوری کوشش کے مطابق جو ہے اس پر پوری کوشش کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ تو زیادہ سوالات کو حضور علیہ السلام پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ صحابہ کو بعض اوقات بڑی ضرورت پیش آتی لیکن ہمت نہیں ہوتی تھی سوال پوچھنے کی، سوال پوچھنے کی۔ پھر کبھی کوئی نیا آدمی آجاتا مدینہ کے اندر اور اسے ان چیزوں کا پتہ نہیں ہوتا تھا، نیا نیا مسلمان ہوا ہے یا اسلام لانے کے لیے آیا ہے، وہ حضور علیہ السلام کے پاس جب آتا تو صحابہ کہتے بھائی یہ بات بھی حضور علیہ السلام سے پوچھ لینا یا یہ بات بھی حضور علیہ السلام سے پوچھ لینا۔ تو حضور علیہ السلام بس فرماتے جو میں بتا دوں اس پر عمل کرو اور جو نہ بتاؤں وہ مجھ سے مت پوچھو بھائی۔ تو دیکھو، اب اس شخص نے سوال کیا، حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ جواب نہیں دیا بھائی کہ ہر سال بھائی؟ بھائی حج تو اتنا مشکل ہے، زندگی بھر میں کسی کے لیے ایک مرتبہ کرنا مشکل ہوتا ہے، اگر ہر سال ہوتا تو پھر کس مشکل میں پڑ جاتے لوگ بھائی۔ تو حضور علیہ السلام ایک مرتبہ خاموش رہے، پھر دوبارہ بھی خاموش رہے، پھر تیسری مرتبہ پھر آپ نے جواب دیا اور ناراضگی کا بھی اظہار فرمایا بھائی۔

تو حضور علیہ السلام سے کہا گیا: **اَلْحَجُّ فِي كُلِّ عَامٍ أَمْ مَرَّةً وَاحِدَةً؟** کہ حج جو ہے وہ کیا ہر سال ہے یا ایک ہی مرتبہ؟ **فَقَالَ: لَا بَلْ مَرَّةً،** تو حضور علیہ السلام نے فرمایا نہیں بلکہ ایک ہی مرتبہ، **فَمَا زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ** تو جو اس پر زیادہ ہو وہ نفل ہے۔ بھائی حج فرض حج ایک ہی ہے، ایک مرتبہ جب وہ ادا ہو جائے اس کے بعد انسان جتنے بھی حج کرے گا وہ نفل حج ہیں بھائی، نفل حج بھائی۔

وَلِأَنَّ سَبَبَهُ الْبَيْتُ: یہاں سے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، پہلے حدیث ذکر کر دی کہ حج ایک ہی مرتبہ فرض ہے، اب عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں کہ بھائی حج کے وجوب کا سبب بیت اللہ ہے، اور بیت اللہ تو ایک ہی ہے لہٰذا لہٰذا عمر بھر میں ایک ہی حج فرض ہے۔ تو سبب کے اندر تکرار ہو تو وجوب کے اندر بھی تکرار آتا ہے، لیکن یہاں بیت اللہ ایک ہی ہے اس لیے عمر بھر میں ایک ہی حج فرض ہے۔ اگر فرض کریں بیت اللہ کئی ہوتے تو کئی حج بھی فرض ہوتے، سبب میں تکرار ہے تو وجوب میں تکرار آتا ہے۔ جیسے ہر سال رمضان آتا ہے تو ہر سال کے روزے اس شخص پر فرض ہو جاتے ہیں، ہر روز ظہر کا وقت آرہا ہے تو ہر روز ظہر کی نماز فرض ہو جاتی ہے، مغرب کا وقت آرہا ہے تو مغرب کی فرض ہو جاتی ہے، کیونکہ نمازوں کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ وقت ہے۔ اسی طرح روزے کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ وہ رمضان کا مہینہ ہے۔ لیکن یہاں پر سبب بیت اللہ ہے اور بیت اللہ تو ایک ہے، اس میں تکرار نہیں، جبکہ وہ وقت کے اندر تکرار ہے، وہ بار بار روزانہ وقت آتا ہے تو اس ہر روز کی نماز اس کے مطابق ہر وقت کی نماز فرض ہوتی ہے۔

وَلِأَنَّ سَبَبَهُ الْبَيْتُ اور اس لیے کیونکہ حج کے وجوب کا سبب بیت اللہ ہے، **وَأَنَّهُ لَا يَتَعَدَّدُ** اور بیت اللہ کے اندر تو تعدد نہیں ہے، **فَلَا يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ** لہٰذا وجوب بھی مکرر نہیں ہو گا۔

ثُمَّ هُوَ وَاجِبٌ عَلَى الْفَوْرِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ: اور پھر یہ حج جو ہے واجب ہے فوری طور پر یعنی جس سال حج فرض ہو کیا اسی سال حج کرنا ضروری ہے یا بعد میں بھی جس وقت چاہے کر سکتا ہے؟ تو یاد رکھیے، امام ابو یوسف اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حج علی الفور واجب ہے یعنی فوری طور پر واجب ہے، جس سال حج فرض ہو اسی سال کیا کرنا چاہیے؟ حج ادا کرنا چاہیے۔ اگر تاخیر کرے گا تو گنہگار ہو گا، گنہگار ہو گا۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج جو ہے علی الفور واجب نہیں ہے بلکہ علی التراخی واجب ہے یعنی تاخیر کے ساتھ، اطمینان کے ساتھ جب بھی زندگی بھر میں حج کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر تاخیر کرے گا گنہگار ہو گا، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تاخیر کرے گا تو گنہگار نہیں ہو گا بھائی۔ ہاں یہ امام محمد رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ تاخیر کرے لیکن حج فوت نہ ہو جائے، حج رہ نہ جائے اس سے۔ اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہوتا ہے تو پھر وہ گنہگار ہو گا بھائی، گنہگار ہو گا۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک تاخیر کی صورت میں بھی گنہگار ہے۔

لیکن بہر حال جب بھی وہ حج کرے گا، ادا ہی ہو گا، قضا نہیں۔ گنہگار تو وہ ہو گا تاخیر کرنے کی صورت میں لیکن جب بھی حج کرے گا وہ ادا ہی ہو گا، قضا نہیں ہو گا۔ اور نیز جب بھی کر لے گا تو وہ تاخیر کا گناہ بھی ختم ہو جائے گا، تاخیر کا گناہ بھی ختم ہو جائے گا۔ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حج جس سال فرض ہوا ہے کوشش کرنی چاہیے فوراً جلد سے جلد ادا کرے، اس لیے کیونکہ حج مخصوص وقت میں ادا ہوتا ہے، سارا سال نہیں ہوتا، حج کا مخصوص وقت ہے اور جب ایک دفعہ وقت گزر گیا اب پورے سال بعد پھر وہ وقت آئے گا، اور پورا سال تو ایک بڑا المبا زمانہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو اسی حالت میں اس شخص کی موت آجائے کیونکہ لمبا وقت ہے اور سال بھر میں تو موت کا آنا کوئی نادر

چیز نہیں ہے، موت آ ہی جاتی ہے سال میں، تو لہٰذا اس کو جلدی کرنی چاہیے۔

تو کہتے ہیں: **ثُمَّ هُوَ وَاجِبٌ عَلَى الْفَوْرِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، پھر یہ حج جو ہے واجب ہے فوری طور پر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، **وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ** اور امام صاحب سے بھی ایسی ہی روایت ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ بھائی، امام صاحب سے یہ روایت تو نہیں ہے کہ حج فوری طور پر واجب ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے تو یہ روایت ہے کہ حج کیا ہے؟ فوری فوری کرنا ضروری ہے۔ جبکہ امام صاحب سے یہ روایت تو نہیں آتی کہ حج کہ حج علی الفور واجب ہے، البتہ امام صاحب سے ایسی روایت آئی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حج فوری طور پر ادا کرنا چاہیے۔ اور وہ روایت یہ، کہتے ہیں امام صاحب سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کے پاس مال ہو تو کیا اسے حج کرنا چاہیے یا نکاح کرنا چاہیے؟ کیا بہتر ہے بھائی، حج کرنا چاہیے یا نکاح کرنا چاہیے؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ اسے حج کرنا چاہیے۔ یہ روایت دلالت کر رہی ہے کہ معلوم ہوا امام صاحب کے نزدیک بھی حج کیا ہے؟ علی الفور واجب ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ**، اور امام صاحب سے بھی ایسی روایت ہے جو اسی بات پر دلالت کرتی ہے، **وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى عَلَى التَّرَاخِي** جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک حج واجب ہے علی التراخی، تراخی کے طریقے پر یعنی اطمینان سے تاخیر کے ساتھ۔ ان کی دلیل، کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ وَظِيفَةُ الْعُمْرِ فَكَانَ الْعُمْرُ فِيهِ كَالْوَقْتِ فِي الصَّلَاةِ**، وہ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ حج جو ہے وہ عمر بھر کا وظیفہ ہے۔ عمر بھر میں ایک ہی حج ہے، عمر بھر میں ایک ہی حج ہے۔ تو یہ یہ نماز کی طرح ہوا، جیسے نماز کا وقت لمبا ہوتا ہے اور اس وقت کے اندر جب چاہے نماز انسان ادا کر لے، جیسے ظہر کا وقت مثلاً فرض کریں ساڑھے بارہ سے شروع ہوتا ہے اور کوئی پانچ بجے کے قریب تک رہتا ہے تو دیکھیے سارا لمبا وقت ہے ظہر کی نماز کا اور انسان اس میں جب چاہے ادا کرے، چاہے مؤخر کر کے بالکل آخر وقت میں ادا کر دے وہ ادا ہی ہے۔ تو وہ فرماتے ہیں جیسے نماز کے لیے اس کا وقت ہوتا ہے، بالکل اسی طرح یہ ساری عمر کیا ہے؟ حج کا وقت ہے، تو جب بھی چاہے اس کو ادا کر لے، ہاں البتہ یہ ہے کہ رہ نہ جائے بھائی، رہ نہ جائے۔

تو وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّهُ وَظِيفَةُ الْعُمْرِ**، اس لیے کیونکہ حج جو ہے وہ عمر بھر کا وظیفہ ہے، **فَكَانَ الْعُمْرُ فِيهِ كَالْوَقْتِ فِي الصَّلَاةِ** تو عمر جو ہے وہ اس حج کے معاملے میں اسی طرح ہے جیسے کہ وقت ہے نماز کے معاملے میں۔ **وَجْهُ الْأَوَّلِ**: پہلے قول کی وجہ، وہ جو امام ابو یوسف اور امام صاحب کا قول آیا بھائی، ان کی وجہ میں نے ذکر کر دی، وہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ حج کا مخصوص زمانہ ہے، اس سال نہیں کرے گا تو پھر سال کے بعد دوبارہ وہ وقت آئے گا اور یہ بڑا لمبا وقت ہے، کہیں ایسا نہ ہو اس کے اندر اس کی موت آ جائے بھائی۔ تو یہ **وَجْهُ الْأَوَّلِ**، پہلے قول کی وجہ یہ ہے: **أَنَّهُ يَخْتَصُّ بِوَقْتٍ خَاصٍّ** کہ حج جو ہے وہ خاص ہے مخصوص وقت کے ساتھ، **وَالْمَوْتُ فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ غَيْرُ نَادِرٍ** اور موت جو ہے ایک پورے سال کے اندر یہ نادر نہیں ہے، سال میں تو موت آ ہی جاتی ہے، **فَيَتَضَيَّقُ احْتِيَاطًا** تو لہٰذا وقت تنگ ہو گا بطورِ احتیاط کے، وقت کو کیا کیا جائے گا؟ تنگ کیا جائے گا بطورِ احتیاط کے کہ جلدی کر لے یہ۔

وَلِهَذَا كَانَ التَّعْجِيلُ أَفْضَلَ: اور اسی وجہ سے جلدی کرنا وہ افضل ہے، **بِخِلَافِ وَقْتِ الصَّلَاةِ** بخلاف نماز کے وقت کے۔ امام شافعی اور امام محمد رحمہ اللہ نے کس پر قیاس کیا تھا حج کو؟ نماز پر۔ کہتے ہیں بھائی نماز کا وقت جو ہوتا ہے وہ تو تھوڑا سا ہوتا ہے، دو تین گھنٹے یا چار گھنٹے کا وقت ہو گیا ایک نماز کا اور اتنے وقت میں تو موت کا آنا نادر ہے۔ تندرست آدمی ہوتا ہے تو عموماً اتنے وقت میں موت نہیں، لیکن سال تو بڑا طویل وقت ہے، سال کے اندر تو موت کا آنا نادر نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں میں فرق آ گیا، نماز میں تاخیر کر بھی لے تو اتنے وقفے میں موت کا آنا نادر نہیں، کوئی حرج اس میں نہیں ہے، لیکن اگر حج میں تاخیر کرتا ہے وہ تو بڑا لمبا زمانہ ہے پورے سال کا ہے تو اس میں موت آ سکتی ہے، لہٰذا اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ وَقْتِ الصَّلَاةِ** بخلاف نماز کے وقت کے، **لِأَنَّ الْمَوْتَ فِي مِثْلِهِ نَادِرٌ** اس لیے کیونکہ موت جو ہے اتنے اس قسم کے وقت کے اندر نادر ہے یعنی تھوڑے سے وقت میں۔

وَإِنَّمَا شَرَطَ الْحُرِّيَّةَ وَالْبُلُوغَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: بھائی متن کے اندر، متن کے اندر صاحبِ قدوری نے قید لگا دی آزاد ہونے اور بالغ ہونے کی، **اَلْحَجُّ وَاجِبٌ عَلَى الْأَحْرَارِ الْبَالِغِينَ**، تو آزاد ہونے اور بالغ ہونے کی شرط لگائی، اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَإِنَّمَا شَرَطَ الْحُرِّيَّةَ وَالْبُلُوغَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** اور صاحبِ قدوری نے شرط لگائی آزاد ہونے اور بالغ ہونے کی بوجہ حضور علیہ السلام کے قولِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: «**أَيُّمَا عَبْدٍ حَجَّ عَشْرَ حِجَجٍ ثُمَّ أُعْتِقَ فَعَلَيْهِ حَجَّةُ الْإِسْلَامِ، وَأَيُّمَا صَبِيٍّ حَجَّ عَشْرَ حِجَجٍ ثُمَّ بَلَغَ فَعَلَيْهِ حَجَّةُ الْإِسْلَامِ**»۔ کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: **أَيُّمَا عَبْدٍ** جس کسی غلام نے بھی **حَجَّ عَشْرَ حِجَجٍ**، جس کسی غلام نے بھی دس حج کر لیے یعنی غلامی کی حالت میں ہی دس حج کر لیے، **ثُمَّ أُعْتِقَ** پھر اس کو آزاد کر دیا گیا، **فَعَلَيْهِ حَجَّةُ الْإِسْلَامِ** تو اس پر حجۃ الاسلام واجب ہے، فرض ہے۔ حجۃ الاسلام یعنی وہ فرض حج بھائی، فرض حج۔ تو اس پر وہ فرض حج اس کے ذمے باقی ہے یعنی وہ اس کو کرنا پڑے گا۔ تو دیکھو غلامی کی حالت میں بے شک دس حج بھی کر لے، وہ فرض حج ادا نہیں ہو گا، بلکہ آزاد ہونے کے بعد اگر زاد اور راحلہ پر قادر ہو جاتا ہے اور تو اس پر دوبارہ حج کیا ہو گا؟ اب اس پر حج واجب ہو گا، اب ادا کرے گا تو فرض ادا ہو جائے گا۔

فَعَلَيْهِ حِجَّةُ الْإِسْلَامِ، اس کو بھی اسی طرح بھائی میں نے بتلایا، **حَجَّةُ الْإِسْلَامِ** بھی پڑھ سکتے ہیں اور **حِجَّةُ الْإِسْلَامِ** بھی، اور حجۃ الاسلام سے کیا مراد ہے؟ وہ فرض حج مراد ہے بھائی۔ **ثُمَّ أُعْتِقَ فَعَلَيْهِ حَجَّةُ الْإِسْلَامِ** پھر اس کو آزاد کر دیا گیا تو اس پر حجۃ الاسلام ہے یعنی فرض حج ہے، **وَأَيُّمَا صَبِيٍّ حَجَّ عَشْرَ حِجَجٍ** اور جس بچے نے دس حج بھی کر لیے، **ثُمَّ بَلَغَ** پھر بالغ ہو گیا، **فَعَلَيْهِ حَجَّةُ الْإِسْلَامِ** تو اس پر حجۃ الاسلام فرض ہے، واجب ہے یعنی بالغ ہونے کے

بعد پھر کرنا پڑے گا، جو پہلے کیے تھے وہ سارے کیا تھے؟ نفلی حج تھے بھائی۔ جی، یہ تو تھی نقلی دلیل۔

اور آگے اب عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں بھائی: **وَلِأَنَّهُ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَاتُ بِأَسْرِهَا مَوْضُوعَةٌ عَنِ الصِّبْيَانِ**، اور اس لیے کیونکہ حج جو ہے وہ عبادت ہے، اور عبادات جو ہیں **بِأَسْرِهَا** ساری کی ساری **مَوْضُوعَةٌ عَنِ الصِّبْيَانِ** وہ اٹھالی گئی ہیں عن الصبیان بچوں سے۔ عبادتیں ساری کی ساری کیا ہیں، وہ بچوں سے اٹھالی گئی ہیں اور ان پر عبادتیں واجب نہیں ہیں بھائی۔ تو لہٰذا حج بھی ایک عبادت ہے، یہ بھی بچے پر فرض نہیں ہو گا۔ تو یہ تو عقلی دلیل ذکر کر دی بھائی کس کی؟ کہ بچے پر حج فرض نہیں ہے۔ اور غلام پر بھی اسی طرح یاد رکھیے، حج فرض نہیں ایک تو جیسے حدیث میں آیا، اور نیز اس لیے کیونکہ غلام جو ہے وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اور جب کسی چیز کا مالک نہیں تو زاد اور راحلہ کا بھی مالک نہیں، اور حج تو واجب ہی کس پر ہوتا ہے جو کس چیز کا مالک ہو؟ زاد اور راحلہ کا مالک ہو جو اس کی بنیادی ضروریات سے زائد ہو بھائی۔

وَالْعَقْلُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ التَّكْلِيفِ: عقل بھائی، متن میں **الْعُقَلَاءِ** کی قید آئی تھی بھائی، صاحبِ قدوری نے ذکر کی تھی، اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَالْعَقْلُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ التَّكْلِيفِ** اور عقل جو ہے وہ شرط ہے تکلیف کے صحیح ہونے کی، تکلیف کیا معنی؟ جی، مکلف بنانا۔ مکلف بنانا کیا معنی؟ ذمہ دار بنانا۔ کیا بنانا؟ ذمہ دار بنانا بھائی۔ تو عقل جو ہے وہ شرط ہے ذمہ دار بنانے کے صحیح ہونے کی، کسی کو ذمہ دار بنانا تبھی صحیح ہو گا، شریعت تبھی کسی شخص کو ذمہ دار بناتی ہے عبادات وغیرہ کا کہ جب وہ کیا ہو؟ جب وہ عقل رکھنے والا ہو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جی، تو کہتے ہیں: **وَالْعَقْلُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ التَّكْلِيفِ**، اور عقل شرط ہے ذمہ دار ہونے کے صحیح ہونے کی، **وَكَذَا صِحَّةُ الْجَوَارِحِ۔** متن میں قید آئی تھی: **الْأَصِحَّاءِ**، وہ جو تندرست ہوں یعنی صحیح سلامت ہوں، اس کی بھی وجہ ذکر کر رہے ہیں: **وَكَذَا صِحَّةُ الْجَوَارِحِ** اور اسی طرح ہے اعضاء کا صحیح ہونا۔ یعنی وہ بھی شرط ہے ذمہ دار بنانے کے صحیح ہونے کی، اس لیے کیونکہ حج ہے بڑا لمبا سفر طے کر کے جانا ہے، تو اگر ایک شخص اپاہج ہے اور معذور ہے تو وہ تو اتنا لمبا سفر کر کے اور وہاں پہنچ نہیں سکتا اور نیز افعال کو سرانجام نہیں دے سکتا، اسی لیے اعضاء کا صحیح ہونا بھی شرط ہو گا یہاں پر بھائی۔

لِأَنَّ الْعَجْزَ دُونَهَا لَازِمٌ: اس لیے کیونکہ عاجزی اس کے بغیر لازم ہے، اگر تندرست نہیں ہے اپاہج ہے پھر تو وہ عاجز ہو گا، اس کے ساتھ تو عاجزی لازم ہوئی اور جب عاجز ہے حج کو ادا ہی نہیں کر سکتا تو شریعت بھی پھر اس چیز کا انسان کو مکلف نہیں بناتی جس سے انسان عاجز ہو بھائی۔

وَالْأَعْمَى إِذَا وَجَدَ مَنْ يَكْفِيهِ مُؤْنَةَ سَفَرِهِ وَوَجَدَ زَادًا وَرَاحِلَةً لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَجُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: اور اندھا جو ہے، نابینا، بھائی نابینا اگر اس کے پاس زاد اور راحلہ ہے، زاد اور راحلہ ہے تو بھی اس پر حج واجب نہیں امام صاحب کے نزدیک۔ اور اسی طرح اگر اس کو کوئی رہنما مل جائے، نابینا کو کون مل جائے؟ کوئی رہنما مل جائے جو اس کی رہنمائی کر سکے سفر میں اور افعالِ حج وغیرہ کے اندر، تو بھی امام صاحب کے نزدیک اس پر حج واجب نہیں ہے، حج واجب نہیں ہے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، جب اس کو رہنما مل جائے جو اس کی رہنمائی کرے تو پھر اس پر حج کیا ہے؟ واجب ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْأَعْمَى إِذَا وَجَدَ مَنْ يَكْفِيهِ مُؤْنَةَ سَفَرِهِ**، اور نابینا جب وہ پالے اس شخص کو جو اس کے لیے کافی ہو سفر کی مشقت میں، سفر کی مشقت سے اس کے لیے کافی ہو، **وَوَجَدَ زَادًا وَرَاحِلَةً** اور یہ نابینا زاد اور راحلہ کو بھی پالے، **لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَجُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** تو اس پر حج واجب نہیں ہے امام صاحب کے نزدیک، **خِلَافًا لَهُمَا** بخلاف صاحبین کے، **وَقَدْ مَرَّ فِي كِتَابِ الصَّلَاةِ** اور تحقیق یہ بات گزر چکی ہے کتاب الصلاۃ کے اندر بھائی۔ باب الجمعہ کے اندر آپ نے پڑھا تھا کہ اندھے پر جمعہ فرض نہیں ہے بھائی اندھے پر، تو یہ بات وہاں ذکر ہو چکی۔

وَأَمَّا الْمُقْعَدُ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَجِبُ: اور جو اپاہج ہے اپاہج، مقعد کہتے ہیں اپاہج کو بھائی، معذور جو ہے۔ اور جو اپاہج ہے، **فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** تو امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے: **أَنَّهُ يَجِبُ** کہ اس پر حج کیا ہے؟ واجب ہے یعنی جب کوئی اس کے لیے کوئی اس کے ساتھ ہو تو پھر اس صورت میں اس پر حج واجب ہے۔ تو وہ فرماتے ہیں: **فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَجِبُ** کہ امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر حج واجب ہے، **لِأَنَّهُ مُسْتَطِيعٌ بِغَيْرِهِ** اس لیے کیونکہ وہ استطاعت رکھنے والا ہے، وہ حج کی استطاعت رکھنے والا ہے **بِغَيْرِهِ** اپنے علاوہ کے ذریعے، اپنے علاوہ کسی دوسرے کے ذریعے وہ کیا کر سکتا ہے؟ جو اس کی مدد کرے، اس کے ساتھ رہے، تو اس کے ذریعے یہ کیا کر سکتا ہے؟ یہ حج کی استطاعت رکھنے والا ہے۔ **فَأَشْبَهَ الْمُسْتَطِيعَ بِالرَّاحِلَةِ:** تو یہ معذور مشابہ ہو گیا اس شخص کے جو استطاعت رکھنے والا ہے حج کی راحلہ کے ذریعے، سواری کے ذریعے۔

بھائی جیسے عام آدمی ہے، اس کے لیے استطاعت کی شرط لگائی بھائی شریعت نے: ﴿**مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا**﴾ جو حج کی استطاعت رکھتا ہو، اور استطاعت وہ کس کے ذریعے ہو گی؟ زاد اور راحلہ کے ذریعے، جبکہ امام صاحب کے نزدیک ایک تیسری شرط بھی ہے جو آپ نے متن میں پڑھ لی کہ اس کے وہ تندرست ہو، صحیح سلامت ہو، معذور نہ ہو۔ تو امام صاحب کے نزدیک استطاعت دو امروں سے ہو گی، دو چیزوں سے ہو گی، ایک تو زاد اور راحلہ یعنی مال بھی اس کے پاس اتنا ہونا چاہیے، اور دوسرا اس کے اعضاء بھی صحیح سلامت ہوں، معذور اور اپاہج وہ نہ ہو۔ تو کہتے ہیں: **فَأَشْبَهَ الْمُسْتَطِيعَ بِالرَّاحِلَةِ**، تو یہ شخص اس شخص کی طرح ہو گیا، یہ جو معذور ہے، جو استطاعت رکھتا ہے راحلہ کے ذریعے۔ بھائی عام آدمی حج کی استطاعت کب رکھے گا؟ جب اس کے پاس راحلہ ہو، سواری کا جانور ہو بھائی یا کرایہ پر لے سکے۔ تو جب عام آدمی کے اندر جیسے راحلہ کے ذریعے اس کی استطاعت ثابت ہو جاتی ہے، اسی طرح اپاہج کی جب کوئی مدد کرنے والا اور ساتھ دینے والا ہو تو اس کی بھی کیا ہو جاتی ہے؟ استطاعت

ثابت ہو جاتی ہے، لہٰذا اس پر بھی پھر حج فرض ہو گا، حج واجب ہو گا۔

بھائی یہ اندھے کے بارے میں امام صاحب سے دو روایتیں ہیں بھائی، ایک روایت کے مطابق اگر رہنما مل جائے پھر بھی اس پر حج واجب نہیں، اور ایک روایت کے مطابق اگر رہنما مل جائے تو پھر حج اس پر واجب ہے، واجب ہے۔ تو اس قول کے مطابق دیکھیے اپاہج جو ہے اس کو بھی اگر کوئی مدد والا، ساتھ دینے والا مل جائے تو پہلے قول کے مطابق، پہلا قول کیا تھا؟ اندھے کو اگر رہنما مل جائے پھر بھی اس پر حج واجب نہیں، تو اس قول کے مطابق اس اپاہج پر بھی حج واجب نہیں ہو گا، اور دوسرا قول کیا تھا؟ اگر اندھے کو رہنما مل جائے تو اس پر حج واجب ہے، تو اس کے مطابق دیکھیے یہ دوسرا قول یہ جو کتاب میں آیا کہ اپاہج کو بھی اگر کوئی مدد کرنے والا، ساتھ دینے والا مل جائے تو اس پر بھی حج کیا ہے؟ واجب ہو جائے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَأَمَّا الْمُقْعَدُ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَجِبُ لِأَنَّهُ مُسْتَطِيعٌ بِغَيْرِهِ فَأَشْبَهَ الْمُسْتَطِيعَ بِالرَّاحِلَةِ**، اور باقی اپاہج جو ہے تو امام صاحب سے روایت ہے کہ اس پر حج واجب ہے، اس لیے کیونکہ وہ استطاعت رکھنے والا ہے اپنے علاوہ کے ذریعے، تو یہ مشابہ ہو گیا اس شخص کے جو راحلہ کے ذریعے استطاعت رکھنے والا ہے۔ **وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَجِبُ** اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اپاہج پر حج واجب نہیں، **لِأَنَّهُ غَيْرُ قَادِرٍ عَلَى الْأَدَاءِ بِنَفْسِهِ** اس لیے کیونکہ اپاہج جو ہے وہ خود ادا پر قادر نہیں ہے۔ اپاہج تو افعالِ حج کو خود کرنے پر قادر ہی نہیں ہے، ہر جگہ پر کیا چاہیے؟ کوئی اس کی مدد کرنے والا چاہیے بھائی، جہاں بھی جانا ہے کوئی اس کو اٹھا کر لے کر جائے اور پہنچائے وہاں پر، تو وہ تو قادر ہی نہیں۔ **بِخِلَافِ الْأَعْمَى** بخلاف اندھے کے، اندھے کے بارے میں کیا آیا تھا؟ **خِلَافًا لَهُمَا**، صاحبین کے نزدیک اندھے پر حج واجب ہے۔ تو یہاں امام محمد رحمہ اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ اپاہج پر حج واجب نہیں **بِخِلَافِ الْأَعْمَى** بخلاف اعمیٰ کے کہ اس پر حج واجب ہے، جی وہی بات ذکر کر رہے ہیں۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپاہج پر حج واجب نہیں ہے اس لیے کیونکہ وہ خود ادا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے، بخلاف اندھے کے، **لِأَنَّهُ لَوْ هُدِيَ يُؤَدِّي بِنَفْسِهِ** اس لیے کیونکہ اندھا جو ہے اگر اس کی رہنمائی کر دی جائے تو وہ خود ادا کر لے گا۔ اندھے کی صرف رہنمائی کر لی جائے تو وہ خود کیا کر لے گا؟ ہاں ہر ہر فعل بتاتے جائیں، وہ خود کرتا چلا جائے گا خود، جبکہ اپاہج وہ تو ذرا چل پھر ہی نہیں سکتا، وہاں تو ہر وقت جو ہے کسی کے اٹھا کر لے کر جائے اور وہ وہ فعل اس کے ذریعے سرانجام دے تو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ فرق ہے دونوں کے اندر بھائی۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ لَوْ هُدِيَ يُؤَدِّي بِنَفْسِهِ**، اس لیے کیونکہ اندھا جو ہے اگر اس کی رہنمائی کر دی جائے تو وہ خود ادا کر لے گا۔

فَأَشْبَهَ الضَّالَّ عَنْهُ: تو یہ شخص، یہ اندھا جو ہے مشابہ ہو گیا وہ جو ضال ہے اس سے یعنی راستے سے، جس سے راستہ کھو گیا ہے بھائی۔ راستہ کیا ہے؟ بھائی ضال عن الطریق جس سے راستہ کھو گیا ہے، یا یوں کہیں وہ شخص جس کو یہ تو پتہ ہے کہ حج ارکانِ دین میں سے ایک رکن ہے، لیکن اس کو راستے کا پتہ ہی نہیں، بیچارہ جس جگہ پر رہتا ہے وہاں کوئی اس کو یہ بتانے والا نہیں ہے کہ حج کہاں کیا جاتا ہے، کس راستے سے جائیں گے، کیسے مکہ پہنچیں گے، اور کہاں کہاں ادا کریں گے، کس طریقے سے۔ تو یہ جو شخص ہے اس سے حج ساقط نہیں۔ کیونکہ اگر اس کو کوئی رہنما مل جائے گا جو اس کو راستہ بتلا دے گا، حج کے مقامات بتلا دے گا تو اس کے ذریعے اس کی رہنمائی سے یہ حج ادا کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ تو اس کو کوئی بھی رہنما مل جائے تو یہ حج ادا کر سکتا ہے۔ تو اسی طرح اندھا بھی ہے، اس کو بھی اگر کوئی رہنمائی کرنے والا مل جائے تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ حج ادا کر سکتا ہے۔ تو لہٰذا یہ اندھا اس کی طرح ہوا، ضال عن الطریق کی طرح ہوا، اور ضال عن الطریق پر تو حج واجب ہے، اس سے حج ساقط نہیں، لہٰذا اندھے سے بھی حج ساقط نہیں جبکہ اس کو کوئی رہنمائی کرنے والا مل جائے بھائی۔ یہ معنی ہے: **فَأَشْبَهَ الضَّالَّ عَنْهُ**، لہٰذا یہ نابینا جو ہے یہ مشابہ ہو گیا ضال عن الطریق کے جو۔

وَلَا بُدَّ مِنَ الْقُدْرَةِ عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ: اور ضروری ہے قدرت زاد اور راحلہ پر۔ متن میں کیا آیا تھا بھائی؟ **إِذَا قَدَرُوا عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ**، جب وہ جب وہ لوگ قادر ہوں کس پر؟ زاد اور راحلہ پر۔ تو کہتے ہیں ضروری ہے اس حج میں زاد اور راحلہ پر قدرت کا ہونا۔ کتنا مال وغیرہ ہو تو اس کو زاد اور راحلہ شمار کیا جائے گا اور اس شخص پر حج واجب ہو گا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ راحلہ، راحلہ تو یہ ہے، سواری پر قدرت یہ ہے کہ اس شخص کے پاس اتنا مال ہو جس کے ذریعے اونٹ پر مثلاً دو آدمی سفر کرتے ہیں، تو وہ ایک آدمی کا کرایہ اس کے پاس ہو۔ ایک آدمی کا، اس نے خود جانا ہے ناحج پر، تو اس کے پاس اپنا کرایہ ہو، آنے اور جانے کا یہ کرایہ دے سکے سواری کا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور اکیلا ہے تو اونٹ کی ایک جانب اس کے لیے کافی ہے یا پورا اونٹ اس کے لیے لینا ضروری ہو گا سفر میں؟ جی، بھائی دو ساتھی مل جائیں گے، ایک اپنی جانب کا کرایہ دے گا، دوسرا اپنی جانب کا کرایہ دے گا۔ تو لہٰذا اس کو ضرورت کتنے کی ہے؟ ایک جانب کی ضرورت ہے اپنے سوار ہونے کے لیے، تو پورے اونٹ کا یعنی کرایہ ہونا ضروری نہیں بلکہ کتنا کرایہ ہونا ضروری؟ ایک جانب کا کرایہ، جس پر یہ سفر کر کے حرم پہنچ سکے اور پھر اس پر واپس آ سکے، تو کہیں گے یہ شخص راحلہ پر قادر ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یا اسی طرح بھائی، یہ تو عام کمزور آدمی ہے، کمزور آدمی ہے کہ پیدل سفر کرنا، بھائی بعض لوگ کمزور ہوتے ہیں، پیدل چلنا ان کے لیے بڑا مشکل ہوتا ہے، اور بعض دیہات کے لوگ ہوتے ہیں، اللہ نے بڑی قوت دی ہوتی ہے، پیدل چلنا تو ان کے لیے مسئلہ ہوتا ہی نہیں۔ ہاں سامان کا اٹھانا مشکل ہوتا ہے تو اتنی قدرت ہو کہ وہ ایک باربرداری کے اونٹ کو کرایہ پر لے سکے جس پر کیا کرے؟ اپنا سامان وغیرہ لاد کر لے جا سکے بھائی، سامان وغیرہ۔ کیونکہ بھائی اب تو اللہ نے بڑی آسانیاں فرما دیں، پہلے تو حج بڑا مشکل تھا، کھانے پینے وغیرہ کا سامان یہ ساتھ لے کر چلنا پڑتا تھا، جنگلوں سے گزر رہے ہیں، نہ کوئی کھانے کی جگہ ہے، نہ کوئی رہنے کی جگہ ہے، وہیں پر پڑاؤ ڈالتے تھے، وہیں پر اپنا کھانا تیار کرتے تھے اور پھر اس طرح سفر کرتے ہوئے جاتے تھے بھائی۔ تو لہٰذا ایک یا تو کیا کرے؟ یا تو اس کے پاس اتنا مال ہو کہ کمزور آدمی ہے تو ایک اونٹ پر

سوار ہونے ایک جانب کرایہ پر لینے کی کے بقدر اس کے پاس مال ہو آنے اور جانے کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یا ایک اونٹ کرایہ پر لے سکے اپنا سامان وغیرہ لاد، یعنی خود تو مضبوط ہے، آرام سے بھائی قافلے جیسے پہلے سفر کرتے تھے، صبح صبح نکلتے تھے اور پھر ذرا سورج اونچا ہو جاتا، دوپہر سے پہلے پہلے کیا کر دیتے تھے؟ پڑاؤ ڈال لیتے تھے۔ تو تو اتنا مال ہے کہ جس کے ذریعے وہ کیا کر سکتا ہے؟ اپنا سام اپنے سامان کے لیے ایک اونٹ کرایہ پر لے سکتا ہے اور خود تو مضبوط آدمی ہے، پروا بھی نہیں، ساتھ چلتا جا سکتا ہے، قوت ہے اس کے اندر، تو پھر اس کے لیے اگر کرائے والا باربرداری والا اونٹ لے سکتا ہے حرم تک جانے کا اور واپسی کا، تو یہ اس کو کیا کہیں گے؟ یہ راحلہ پر قادر ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا بُدَّ مِنَ الْقُدْرَةِ عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ**، اور ضروری ہے قدرت زاد اور راحلہ پر، **وَهُوَ قَدْرُ مَا يَكْتَرِي بِهِ شِقَّ مَحْمِلٍ أَوْ رَأْسَ زَامِلَةٍ** اور وہ قادر ہونا ہے اتنی مقدار پر، اتنے مال پر کہ **يَكْتَرِي بِهِ** کہ کرایہ پر لے سکے اس کے ذریعے **شِقَّ مَحْمِلٍ**، محمل وہ جو اونٹ پر سواروں کے بیٹھنے کے لیے جگہ بناتے ہیں بھائی، کیا کہیں گے اس کو، پالکی کہیں گے یا کجاوہ نہیں، کجاوہ تو سواری کے لیے نہیں ہوتا باقاعدہ، وہ سواری کے لیے بیٹھنے کے لیے جگہ، بہر حال جو بھی ہو چاہے، کجاوے کی صورت میں اس کو بیٹھنے کی جگہ بنالی جاتی تھی کہ دو سوار اس پر سوار ہوتے، ایک ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف بھائی، تو اس کو محمل کہتے ہیں محمل۔ تو شق کہتے ہیں جانب کو، ایک حصے کو، کہ **وَهُوَ قَدْرُ مَا يَكْتَرِي بِهِ شِقَّ مَحْمِلٍ** وہ اتنی مقدار ہے کہ جس کے ذریعے کرایہ پر لے سکے محمل کی ایک جانب کو، محمل کے ایک حصے کو، **أَوْ رَأْسَ زَامِلَةٍ**، زاملہ، زامل وہ اونٹ جو باربرداری کے لیے جس پر سامان وغیرہ لادا جاتا ہے، اسی کی مؤنث زاملہ ہے بھائی، **أَوْ رَأْسَ زَامِلَةٍ** یا کہ اتنا مال ہو جس کے ذریعے کرایہ پر لے سکے **رَأْسَ زَامِلَةٍ** ایک فردِ زاملہ، ایک فردِ یعنی ایک اونٹ کرایہ پر لے سکے۔

وَقَدْرُ النَّفَقَةِ ذَاهِبًا وَجَائِيًا: اور نفقے کی مقدار **ذَاهِبًا وَجَائِيًا** اس حال میں کہ وہ جانے والا ہو اور آنے والا ہو، یعنی آنے اور جانے کے بقدر نفقے کی مقدار بھی اس کے پاس ہو بھائی۔ **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں بھائی کہ یہ آپ نے کیسے قید لگادی زاد اور راحلہ کی اور ان کی یہ تفصیل کی، کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سُئِلَ عَنِ السَّبِيلِ إِلَيْهِ** کہ حضور علیہ السلام سے سبیل الی الحج کے بارے میں پوچھا گیا کہ اللہ تو قرآن میں کیا فرماتے ہیں: ﴿**مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا**﴾ اس کی کیا تفسیر ہے، کیا معنی ہے؟ **فَقَالَ: «الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ»**، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ زاد اور راحلہ ہے، اس کے ذریعے استطاعت ہو گی۔

وَإِنْ أَمْكَنَهُ أَنْ يَكْتَرِيَ عُقْبَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ: یہاں سے دوسری بات بتلا رہے ہیں کہ بھائی ایک شخص ہے، ایک شخص ہے اس کے پاس اتنا مال تو نہیں کہ وہ یہاں سے لے کر مکہ تک سواری کے جانور کو کرایہ پر لے اور وہاں سے لے کر یہاں تک واپسی پر جتنا کرایہ بنتا ہے اتنا مال تو نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک اور آدمی کے ساتھ مل جاتا ہے اور دونوں جو ہیں یہ مل کر کرایہ دے دیتے ہیں مکہ سے آنے جانے کا، مکہ تک آنے جانے کا، اور باری باری اونٹ پر سوار ہوتے ہیں، پہلے ایک سوار ہوتا ہے کچھ دیر کے لیے اور پھر دوسرا۔ تو اب دیکھو، معلوم ہوا اس کے پاس پورا مال نہیں ہے بلکہ باری کے اعتبار سے تو پورا ہو جاتا ہے، لیکن خود یہ پورے سفر کے لیے اس کے پاس سواری کا جانور نہیں ہے، تو کیا اس پر بھی حج واجب ہو گا یا نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، یہ باری کا اعتبار نہیں ہے، اتنا مال ہونا چاہیے جس میں خود کیا کر سکے پورے سفر کا خرچہ اٹھا سکے اور کرایہ دے سکے، پھر اس پر حج واجب ہو گا۔ اگر اس سے کم ہے یعنی صرف باری باری کے برابر مال ہے تو اس پر حج واجب ہی نہیں کیونکہ راحلہ کا ہونا تمام سفر میں ضروری ہے بھائی، تو لہٰذا اتنا مال ہونا چاہیے۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ أَمْكَنَهُ أَنْ يَكْتَرِيَ عُقْبَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ**، اور اگر ممکن ہو اس کے لیے **أَنْ يَكْتَرِيَ** کہ وہ کرایہ پر لے لے **عُقْبَةً** باری کو، عقبہ کس کو کہتے ہیں؟ باری کو، **فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ** تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے یعنی اس پر حج واجب نہیں ہے۔ **لِأَنَّهُمَا إِذَا كَانَا يَتَعَاقَبَانِ** اس لیے کیونکہ یہ دونوں آدمی جب باری باری سوار ہوں گے، تعاقب کا معنی ہے ایک دوسرے کے پیچھے آنا یعنی ایک دوسرے کے بعد باری باری جب سوار ہوں گے، **لَمْ تُوجَدِ الرَّاحِلَةُ فِي جَمِيعِ السَّفَرِ** تو راحلہ تو پورے سفر میں نہیں پائی جائے گی حالانکہ راحلہ کا تو پورے سفر میں ہونا شرط تھا۔

وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ فَاضِلًا عَنِ الْمَسْكَنِ: اور یہ بھی شرط ہو گا کہ یہ زاد اور راحلہ جو ہیں وہ زائد ہوں **عَنِ الْمَسْكَنِ** اس شخص کی رہائش سے، **وَعَمَّا لَا بُدَّ مِنْهُ** اور ان چیزوں سے جو اس کے لیے ضروری ہیں، **كَالْخَادِمِ** جیسے کہ خادم ہے، **وَأَثَاثِ الْبَيْتِ** اور گھر کا جو سامان ہے، **وَثِيَابِهِ** اور اس کے جو کپڑے ہیں، **لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ مَشْغُولَةٌ بِالْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ** اس لیے کیونکہ یہ چیزیں تو مشغول ہیں کس کے اندر؟ اس شخص کی حاجتِ اصلیہ کے اندر، اس کی بنیادی ضروریات کے اندر، لہٰذا ان کا اعتبار نہیں ہے، ان کے علاوہ کتنا مال ہونا چاہیے؟ زاد اور راحلہ کے بقدر۔

وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ فَاضِلًا عَنْ نَفَقَةِ عِيَالِهِ إِلَى حِينِ عَوْدِهِ: اور یہ بھی شرط ہو گا کہ وہ زاد اور راحلہ زائد ہوں کس چیز سے؟ اس کے گھر والوں کے خرچے سے **إِلَى حِينِ عَوْدِهِ** اس کے واپسی کے وقت تک۔ بھائی یہ شرط آپ نے کہاں سے لگادی کہ گھر والوں کے لیے بھی واپسی تک کا خرچے کا انتظام ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں بھائی: **لِأَنَّ النَّفَقَةَ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ لِلْمَرْأَةِ**، اس لیے کیونکہ نفقہ جو ہے وہ **حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ** وہ لازمی حق ہے **لِلْمَرْأَةِ** کس کے لیے؟ عورت کے لیے۔ عورت کا نفقہ وہ خاوند پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے تو یہ اس کا لازمی حق ہے جو دینا پڑے گا، تو یہ عورت کا حق ہوا تو یہ حق العبد ہوا، کیا ہے؟ بندے کا حق ہے نا، تو یہ حق العبد۔ اور حج کیا ہے؟ وہ حق اللہ ہے، اللہ کا حق ہے، بطورِ عبادت کے واجب کرا دیا۔ تو ایک طرف ہے حق اللہ، ایک طرف ہے حق العبد بھائی، اور حق العبد وہ مقدم ہے حق اللہ پر۔ بندے کا حق کیا ہے؟ مقدم ہے کس پر؟ حق اللہ پر یعنی حقِ شریعت پر۔

سوال پیدا ہوتا ہے یہ کیا بات ہوئی بھائی عجیب بات، حق اللہ کو مقدم ہونا چاہیے تھا، حق العبد کو مؤخر ہونا چاہیے تھا، لیکن آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ حق العبد مقدم ہے اور

حق اللہ مؤخر ہے۔ کہتے ہیں بھائی یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے کہ حق العبد کیا ہے، اس کو مقدم کرو کس پر؟ حق شرع پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ حق العبد کا حق شرع پر مقدم ہونا، یہ بھی کس کا حکم ہے؟ یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے، یہ شریعت ہی کا حکم ہے، ہم نے نہیں مقدم کیا اس کو حق اللہ پر حق العبد کو بلکہ یہ شریعت نے ہی مقدم کیا ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

وَحَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ عَلَى حَقِّ الشَّرْعِ بِأَمْرِهِ، اور بندے کا حق جو ہے مقدم ہے وہ وہ مقدم ہے شریعت کے حق پر **بِأَمْرِهِ أَيْ بِأَمْرِ الشَّرْعِ،** کس کے حکم سے؟ شریعت کے حکم سے ہی۔

وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ الْوُجُوبِ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ وَمَنْ حَوْلَهُمُ الرَّاحِلَةُ: بھائی یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ جو راحلہ کی شرط ہم نے لگائی نا راحلہ کی شرط آئی حدیث وغیرہ میں، یہ دور والے لوگوں کے لیے ہے، جو مکہ میں یا مکہ کے قریب رہتے ہیں یعنی تین دن سے کم مسافت پر رہتے ہیں، ان کے لیے راحلہ کی شرط نہیں ہے۔ ان کے لیے راحلہ کی شرط نہیں ہے کیونکہ ان کے لیے وہ تو قریب رہتے ہیں، ان کے لیے تو کوئی اتنی خاص مشقت نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ الْوُجُوبِ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ وَمَنْ حَوْلَهُمُ الرَّاحِلَةُ** اور وجوب کی شرطوں میں سے نہیں ہے اہل مکہ پر اور جو مکہ کے ان کے ارد گرد ہیں، ان کے لیے وجوب کی شرطوں میں سے نہیں ہے، کیا نہیں ہے؟ **الرَّاحِلَةُ** سواری، سواری ان کے لیے وجوب کی شرطوں میں سے نہیں ہے، **لِأَنَّهُ لَا تَلْحَقُهُمْ مَشَقَّةٌ زَائِدَةٌ فِي الْأَدَاءِ** اس لیے کیونکہ ان کو کوئی زائد مشقت نہیں ملے گی حج کی ادائیگی کے اندر، جب قریب رہتے ہیں تو کوئی زائد مشقت نہیں ہے، **فَأَشْبَهَ السَّعْيَ إِلَى الْجُمُعَةِ** تو یہ سعی الی الجمعہ کے مشابہ ہو گیا۔ ان کے لیے یہ حج کی ادائیگی کس طرح ہو گئی؟ سعی الی الجمعہ کی طرح، اور سعی الی الجمعہ میں کوئی راحلہ کی قید تھی؟ وہاں تو کوئی راحلہ کی قید نہیں، لہٰذا جب یہ بھی سعی الی الجمعہ کے مشابہ ہوا تو اس کے اندر بھی ان لوگوں کے لیے راحلہ کی قید نہیں ہو گی۔ بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۳۲: امنِ طریق اور شرائطِ وجوب وادا

ہدایہ صفحہ: ۲۵۱ — بتاریخ: ۲۱ اپریل ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَا بُدَّ مِنْ أَمْنِ الطَّرِيقِ لِأَنَّ الِاسْتِطَاعَةَ لَا تَثْبُتُ دُونَهُ، ثُمَّ قِيلَ هُوَ شَرْطُ الْوُجُوبِ حَتَّى لَا يَجِبَ عَلَيْهِ الْإِيصَاءُ وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَقِيلَ هُوَ شَرْطُ الْأَدَاءِ دُونَ الْوُجُوبِ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَّرَ الِاسْتِطَاعَةَ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ لَا غَيْرُ، قَالَ: وَيُعْتَبَرُ فِي الْمَرْأَةِ أَنْ يَكُونَ لَهَا مَحْرَمٌ تَحُجُّ بِهِ أَوْ زَوْجٌ، وَلَا يَجُوزُ لَهَا أَنْ تَحُجَّ بِغَيْرِهِمَا إِذَا كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ». [1]

«**وَلَا بُدَّ مِنْ أَمْنِ الطَّرِيقِ**» اور ضروری ہے راستے کا امن بھئی، راستے کا پُر امن ہونا بھی ضروری ہے بھئی۔ تو حج کے وجوب کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ راستہ پُر امن ہونا چاہیے۔ «**لِأَنَّ الِاسْتِطَاعَةَ لَا تَثْبُتُ دُونَهُ**» اس لیے کیونکہ استطاعت بغیر امنِ طریق کے ثابت نہیں بھئی۔ راستے کے پُر امن ہوئے بغیر استطاعت ثابت نہیں ہوتی اور قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں حج کے بارے میں: «**مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا**»، جس میں اس کے راستے کی استطاعت ہو بھئی۔ اور جب راستہ پُر امن نہیں تو استطاعت بھی نہیں ہو گی۔ یعنی راستے کے اندر مثلاً دشمن کی فوجیں ہیں بھئی اور تو اب تو وہاں سے گزرنا ممکن نہیں ہے، یا اسی طرح راستے کے اندر بھئی ڈاکوؤں کا کوئی گروہ وغیرہ ہے اور لوگ وہاں سے گزرتے ہوئے ڈرتے ہیں، ڈاکو ان کو لوٹ لیتے ہیں، قتل کر دیتے ہیں، تو اس صورت میں راستہ پُر امن نہیں، لہٰذا حج بھی واجب نہیں ہو گا۔

اس میں آگے یہ اختلاف ذکر کریں گے کہ فقہاء اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک راستے کا پُر امن ہونا یہ نفسِ وجوب کی شرط ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ وجوبِ ادا کی شرط ہے بھئی۔ ایک ہے نفسِ وجوب، ایک ہے وجوبِ ادا۔ نفسِ وجوب یعنی وجوب آ گیا ایک شخص پر لیکن ادائیگی ابھی ضروری نہیں۔ اور ایک ہے وجوبِ ادا کہ جس کے بعد ادائیگی کیا ہو جاتی ہے؟ واجب ہو جاتی ہے۔

مثلاً دیکھیے نفسِ وجوب اور وجوبِ ادا کو سمجھنے کے لیے کہ مثلاً آپ کوئی چیز دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں، اس کے ساتھ بیع والا معاملہ کرتے ہیں، تو ایجاب وقبول کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے اپنا قلم جو ہے دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا بھئی، آپ اس سے کہتے ہیں: میں نے یہ قلم آپ کو سو روپے میں فروخت کر دیا، اور دوسرے نے کہا: میں نے منظور کیا۔ بس بھئی، ایجاب وقبول ہو گیا اور بیع منعقد ہو گئی۔ وہ قلم بے شک ابھی آپ کے پاس ہے، آپ کی جیب پر لگا ہوا ہے لیکن آپ نے بیع کر لی ہے دوسرے کے ساتھ، وہ دوسرا ایجاب وقبول کرتے ہی اس قلم کا مالک بن گیا بھئی۔ اس قلم کا مالک بن گیا۔ اور اب بھئی آپ کی چیز جو تھی یعنی قلم اس کا مالک وہ بن چکا ہے، تو اس پر بھی کچھ آنا چاہیے یا نہیں آنا چاہیے؟ تو لہٰذا اس کے ذمے وہ ثمن یعنی وہ جو سو روپیہ طے کیا تھا، وہ سو روپے جو تھے وہ اس کے ذمے واجب ہو گئے، وہ اس کے ذمے واجب ہوئے۔ لیکن ابھی ادائیگی ضروری نہیں کہ وہ فوراً سو روپیہ نکالے اور آپ کے حوالے کر دے۔ ہاں البتہ اس کے ذمے واجب ہو گئے یعنی اس پر نفسِ وجوب آ گیا۔ وہ قلم کا مالک وہ بن گیا تو آپ کے، آپ کے لیے اس پر اس قلم کے بدلے میں سو روپے اس کے ذمے آ گئے، اس پر وہ سو روپے واجب ہو گئے۔ یہ ہے نفسِ وجوب۔ لیکن ابھی وجوبِ ادا نہیں اس پر، ادائیگی اس کے ذمے واجب نہیں۔ ہاں جب آپ اس کو کہیں گے: لاؤ بھئی، میرے سو روپے ادا کر دو، اب اس پر ادائیگی بھی واجب ہو جائے گی

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۱۷۹): «**مسيرة**»، ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۱۷۹): «**وقال الشافعي رحمه الله يجوز لها الحج إذا خرجت في رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة ولنا قوله عليه الصلاة والسلام لا تحجن امرأة الا ومعها محرم ولأنها بدون المحرم يخاف عليها الفتنة وتزداد بانضمام غيرها اليها ولهذا تحرم الخلوة بالأجنبية وإن كان معها غيرها بخلاف ما إذا كان بينها وبين مكة أقل من**»۔ • شاملہ (ص۱۸۰) میں «جُحْفَةُ» کے بجائے «**الجحفة**» درج ہے۔

بھئی، ادائیگی بھی واجب۔ تو یہ جو ادائیگی واجب ہوئی اس پر، یہ ہے وجوبِ ادا۔ پہلے اس پر آیا تھا نفسِ وجوب، اس کے ذمے سوروپے آ گئے تھے لیکن ادائیگی ضروری ابھی نہیں تھی، اور جب آپ مطالبہ بھی کر دیتے ہیں تو اب ادائیگی بھی اس پر ضروری ہو گئی، تو یہ جو ادائیگی ہے، ادائیگی کا لازم ہو جانا اس کو کہتے ہیں وجوبِ ادا۔ تو ایک ہے نفسِ وجوب کہ کسی کے ذمے کوئی چیز واجب ہو جائے اور ایک ہے وجوبِ ادا کہ اس پر پھر اس کی ادائیگی بھی کیا ہو جائے؟ واجب ہو جائے۔ تو یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، ایک ہے نفسِ وجوب اور ایک ہے وجوبِ ادا۔

تو اس بارے میں فقہاء اختلاف کرتے ہیں کہ یہ جو راستے کا پُر امن ہونا ہے، یہ نفسِ وجوب کی شرط ہے یا وجوبِ ادا کی شرط ہے بھئی؟ تو بعض فرماتے ہیں کہ یہ نفسِ وجوب کی شرط ہے۔ راستے کا پُر امن ہونا نفسِ وجوب کی شرط ہے۔ راستہ پُر امن ہو گا اور باقی چیزیں شرائط پوری ہوں گی تو اس شخص پر حج واجب ہو جائے گا۔ حج کیا ہو جائے گا؟ واجب ہو جائے گا۔ اور اگر راستہ پُر امن نہیں تو اس پر حج بھی واجب ہی نہیں۔ کیونکہ یہ کس چیز کی شرط ہے؟ نفسِ وجوب کی، تو اگر راستہ پُر امن نہیں تو اس پر حج واجب ہی نہیں ہے بھئی، بے شک باقی شرائط پوری ہوں لیکن حج اس پر واجب نہیں۔ جبکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں نہیں، کہ راستے کا پُر امن ہونا یہ نفسِ وجوب کی شرط نہیں ہے بلکہ وجوبِ ادا کی شرط ہے۔ جب باقی شرائط پوری ہو جائیں گی تو اس شخص پر حج واجب ہو جائے گا، نفسِ وجوب اس پر آ جائے گا، ہاں ابھی ادائیگی واجب نہیں کیونکہ راستہ پُر امن نہیں ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو ثمرۂ اختلاف ظاہر ہو گا اس صورت میں کہ اگر اس شخص کا انتقال ہونے لگا تو اس پر واجب ہے کہ وہ وصیت کرے کہ میری طرف سے کیا کروا دیا جائے؟ حج کروا دیا جائے۔ کن کے نزدیک؟ جن کے نزدیک یہ وجوبِ ادا کی شرط تھی، راستے کا پُر امن ہونا وجوبِ ادا کی شرط تھی، معلوم ہوا نفسِ وجوب اس پر آ چکا ہے، صرف ابھی ادا واجب نہیں۔ جب نفسِ وجوب آ چکا ہے تو اس پر کیا لازم ہے؟ کہ یہ وصیت کر جائے کہ میری طرف سے حج کروا دیا جائے، مجھ پر حج واجب تھا۔ جبکہ جن کے نزدیک یہ راستے کا پُر امن ہونا نفسِ وجوب کی شرط ہے، ان کے نزدیک اس پر وصیت لازم نہیں کیونکہ اس پر حج واجب ہی نہیں ہوا تھا، جب واجب نہیں تو اس کی وصیت کرنا بھی اس پر واجب نہیں ہے بھئی۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟ تو البتہ اس میں یہ یاد رکھیے، راجح یہ ہے کہ یہ نفسِ وجوب کی شرط ہے بھئی۔ کس کی؟ نفسِ وجوب کی، راستہ اگر پُر امن نہیں ہے تو اس پر حج واجب ہی نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «**وَلَا بُدَّ مِنْ أَمْنِ الطَّرِيقِ**» اور ضروری ہے راستے کا پُر امن ہونا، «**لِأَنَّ الِاسْتِطَاعَةَ لَا تَثْبُتُ دُونَهُ**» اس لیے کیونکہ استطاعت اس کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ اگر راستہ پُر امن نہیں تو معلوم ہوا اس کو حج کرنے کی استطاعت ہی نہیں، جب استطاعت نہیں ہے تو اس پر حج بھی واجب نہیں۔ «**ثُمَّ قِيلَ هُوَ شَرْطُ الْوُجُوبِ حَتَّى لَا يَجِبَ عَلَيْهِ الْإِيصَاءُ**» پھر کہا گیا ہے کہ یہ وجوب کی شرط ہے یعنی نفسِ وجوب کی شرط ہے، یہاں تک کہ اس پر وصیت کرنا واجب نہیں ہے، «**وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**» اور یہی روایت کیا گیا ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی۔ «**وَقِيلَ**» اور کہا گیا ہے، «**هُوَ شَرْطُ الْأَدَاءِ**» یہ راستے کا پُر امن ہونا یہ ادا کی شرط ہے یعنی وجوبِ ادا کی شرط ہے، «**دُونَ الْوُجُوبِ**» نہ کہ وجوب کی، «**لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَّرَ الِاسْتِطَاعَةَ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ لَا غَيْرُ**» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استطاعت کی تفسیر فرمائی زاد اور راحلہ کے ساتھ لا غیر، نہ کہ ان کے علاوہ کے ساتھ۔ حضور علیہ السلام نے کوئی راستے کے پُر امن ہونے کی شرط ذکر نہیں فرمائی، لہٰذا زاد اور راحلہ ہو گا بے شک راستہ پُر امن نہ ہو، لیکن زاد اور راحلہ ہے تو نفسِ وجوب آ جائے گا۔ ہاں البتہ راستہ پُر امن نہیں تو وجوبِ ادا نہیں آئے گا کیونکہ راستہ خطرے والا ہے، اس کے لیے جانا فی الحال ممکن نہیں ہے۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَيُعْتَبَرُ فِي الْمَرْأَةِ أَنْ يَكُونَ ل...

«**قَالَ: وَيُعْتَبَرُ فِي الْمَرْأَةِ أَنْ يَكُونَ لَهَا مَحْرَمٌ تَحُجُّ بِهِ أَوْ زَوْجٌ**» اور معتبر ہے عورت کے حق میں کہ اس کے لیے کوئی محرم ہونا چاہیے «**تَحُجُّ بِهِ**» کہ وہ عورت حج کرے اس کے ساتھ «**أَوْ زَوْجٌ**» یا خاوند کا ہونا بھئی، خاوند کا ہونا۔ بھئی عورت جو ہے، عورت کے لیے باقی شرائط کے ساتھ ساتھ کوئی محرم ہونا چاہیے یا خاوند ساتھ ہونا چاہیے جو اس سفرِ حج میں اس کے ساتھ جائے، بشرطیکہ وہ عورت مکہ سے تین دن کی مسافت پر رہتی ہے۔ اگر تین دن سے کم مسافت پر رہتی ہے تو اتنے کم، تھوڑے سفر پر تو عورت بغیر محرم کے بھی جانا جائز ہے۔ لہٰذا اس صورت میں محرم یا خاوند کی شرط نہیں ہو گی۔ لیکن اگر دور رہتی ہے، تین دن کی مسافت سے زائد پر رہتی ہے، تو اس صورت میں کسی محرم کا ہونا یا خاوند کا ہونا ضروری ہے، تب حج کی ادائیگی تب ہی اس پر لازم ہو گی بھئی۔ اور محرم جانتے ہیں یا نہیں جانتے بھئی؟ محرم وہ، محرم وہ شخص جس کے ساتھ شریعت نے ہمیشہ کے لیے نکاح کو حرام قرار دیا ہو، اس کو محرم کہتے ہیں۔ یعنی جہاں نکاح کی کوئی صورت نہیں، جیسے بھائی بہن ہیں، یہ آپس میں محرم ہیں ایک دوسرے کے، کیونکہ یہاں نکاح کی کوئی صورت نہیں۔ اسی طرح بھئی عورت کے لیے مثلاً اس کا بھائی ہوا، محرم ہے، اس کا والد ہے وہ محرم ہے، چچا ہے، ماموں ہے وغیرہ، یہ سب کیا ہیں؟ اس کے محرم ہیں بھئی، محرم ہیں۔

تو کہتے ہیں: «**وَيُعْتَبَرُ فِي الْمَرْأَةِ أَنْ يَكُونَ لَهَا مَحْرَمٌ تَحُجُّ بِهِ**» اور معتبر ہے عورت کے حق میں کہ اس کے لیے کوئی ایسا محرم ہو «**تَحُجُّ بِهِ**» کہ وہ عورت حج کرے اس کے ساتھ «**أَوْ زَوْجٌ**» یا خاوند ہو، «**وَلَا يَجُوزُ لَهَا أَنْ تَحُجَّ بِغَيْرِهِمَا إِذَا كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ**» اور جائز نہیں

ہے عورت کے لیے کہ وہ حج کرے ان دونوں کے علاوہ یعنی محرم اور خاوند کے علاوہ وہ حج کرے جبکہ اس عورت کے اور اس کے مکہ کے درمیان جو ہے تین دن کی مسافت کا سفر ہو یا اس سے یعنی زیادہ۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «يَجُوزُ لَهَا الْحَجُّ إِذَا خَرَجَتْ فِي رُفْقَةٍ» کہ جائز ہے اس کے لیے حج جب وہ نکلے ساتھیوں کے ہمراہ یعنی اور عورتیں اس کے ساتھ ہوں، «وَمَعَهَا نِسَاءٌ ثِقَاتٌ» اور اس کے ساتھ قابلِ اعتماد عورتیں ہوں۔ عورت کے لیے وہ فرماتے ہیں حج پر جانا جائز ہے جبکہ اور ساتھی عورتیں ہیں اور وہ عورتیں بھی کس قسم کی ہیں؟ قابلِ اعتماد عورتیں ہیں۔ «لِحُصُولِ الْأَمْنِ بِالْمُرَافَقَةِ» اس وجہ سے کہ امن حاصل ہو گیا مرافقت کی وجہ سے، ساتھ ہونے کی وجہ سے امن حاصل ہو گیا۔ بھئی عورت کے لیے حفاظت ضروری ہے بھئی، سمجھ میں آیا؟ اور جب اور عورتیں اس کے ساتھ ہیں تو اب راستے کا امن اس کو حاصل ہو گیا بھئی، حفاظت کا سامان ہے یہ۔ تو کہتے ہیں: «لِحُصُولِ الْأَمْنِ بِالْمُرَافَقَةِ» اس لیے کیونکہ امن حاصل ہو گیا مرافقت کی وجہ سے یعنی ساتھ ہونے کی وجہ سے۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل «قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کا قول ہے، آپ نے فرمایا: «لَا تَحُجَّنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ» کہ ہرگز حج نہ کرے کوئی عورت مگر یہ کہ اس کے ساتھ محرم ہو کوئی۔ «وَلِأَنَّهَا بِدُونِ الْمَحْرَمِ يُخَافُ عَلَيْهَا الْفِتْنَةُ» یہاں سے دوسری عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: اور اس لیے کیونکہ بغیر محرم کے «يُخَافُ عَلَيْهَا الْفِتْنَةُ» عورت پر خوف ہو گا فتنے کا کہ کہیں کوئی کسی فتنے میں واقع نہ ہو جائے بھئی۔ «وَتَزْدَادُ بِانْضِمَامِ غَيْرِهَا إِلَيْهَا» بھئی امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ اور قابلِ اعتماد عورتیں ہوں تو پھر امن حاصل ہو گیا، لہٰذا عورت حج پر جا سکتی ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں، محرم کا ہونا یا خاوند کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کیونکہ عورت پر فتنے کا خوف ہے کہ کہیں فتنے میں نہ پڑ جائے بھئی، اور اگر جو امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا اور قابلِ اعتماد عورتیں ہوں، تو ہم کہتے ہیں کہ عورت پر فتنے کا خوف ہے عورت پر، اور دوسری عورت اس کے ساتھ مل جائے گی تو وہ بھی عورت ہے، اس پر بھی کیا خوف ہے؟ فتنے کا خوف ہے۔ تو فتنہ اور بڑھ جائے گا، فتنے کا خوف اور بڑھ جائے گا، جتنی بھی اور عورتیں ہو جائیں فتنے کا خوف اور بڑھ جائے گا بجائے کم ہونے کے، لہٰذا محرم یا خاوند کا ہونا ضروری ہے بھئی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَتَزْدَادُ بِانْضِمَامِ غَيْرِهَا إِلَيْهَا» اور بڑھ جائے گا فتنہ «بِانْضِمَامِ غَيْرِهَا» بوجہ مل جانے اس کے علاوہ کے «إِلَيْهَا» اس کے ساتھ۔ اس کے ساتھ اور عورتیں مل جائیں گی تو اس سے فتنے کا خوف اور بڑھ جائے گا۔ «وَلِهَذَا تَحْرُمُ الْخَلْوَةُ بِالْأَجْنَبِيَّةِ وَإِنْ كَانَ مَعَهَا غَيْرُهَا» اور اسی وجہ سے اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے اگرچہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہو، اور عورتیں بھی ہوں پھر بھی اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے بھئی۔ «بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ أَقَلُّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ» بخلاف اس کے کہ جب اس عورت کے درمیان اور مکہ کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہو، «لِأَنَّهُ يُبَاحُ لَهَا الْخُرُوجُ إِلَى مَا دُونَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ» اس لیے کیونکہ عورت کے لیے جائز ہے نکلنا سفر سے کم مقدار میں، سفر سے کم مسافت میں «بِغَيْرِ مَحْرَمٍ» بغیر کسی محرم کے، تو پھر وہ جا سکتی ہے۔

■ مسئلہ: وَإِذَا وَجَدَتْ مَحْرَمًا لَمْ يَكُنْ لِلزَّوْجِ...

«وَإِذَا وَجَدَتْ مَحْرَمًا لَمْ يَكُنْ لِلزَّوْجِ مَنْعُهَا» بھئی یہاں سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر عورت کو کوئی محرم مل گیا جو اس کے ساتھ حج پر جانے کے لیے تیار ہے، تو کیا خاوند کو اس کو روکنے کا حق ہے یا روکنے کا حق نہیں؟ تو مسئلہ یاد رکھیے گا کہ خاوند کا حق مقدم ہے بے شک، لیکن فرائض نہیں۔ فرائض کے سلسلے میں فرائض مقدم ہیں بھئی، لہٰذا جیسے خاوند اس کو فرض روزے، فرض نماز وغیرہ سے نہیں روک سکتا، اسی طرح اگر یہ فرض حج ہے اس کا تو اس سے بھی خاوند روک نہیں سکتا۔ ہاں اگر نفلی حج ہے تو اس سے خاوند روک سکتا ہے بھئی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا وَجَدَتْ مَحْرَمًا لَمْ يَكُنْ لِلزَّوْجِ مَنْعُهَا» اور جب وہ عورت کسی محرم کو پالے تو خاوند کو یہ حق نہیں ہے «مَنْعُهَا» کہ اس کو منع کرے۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ لَهُ أَنْ يَمْنَعَهَا» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں خاوند کے لیے جائز ہے یعنی اس کو یہ حق ہے «أَنْ يَمْنَعَهَا» کہ اس کو منع کر دے، «لِأَنَّ فِي الْخُرُوجِ تَفْوِيتَ حَقِّهِ» اس لیے کیونکہ نکلنے کے اندر یعنی حج کے لیے نکلنے میں «تَفْوِيتَ حَقِّهِ» اس خاوند کے حق کا فوت کر دینا ہے، لہٰذا وہ روک سکتا ہے۔ «وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ حَقَّ الزَّوْجِ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْفَرَائِضِ» کہ خاوند کا حق فرضوں کے حق میں ظاہر نہیں ہو گا، جیسے وہ فرض نماز اور فرض روزے سے نہیں روک سکتا یہاں بھی نہیں روک سکتا۔ «وَالْحَجُّ مِنْهَا» اور حج بھی فرائض میں سے ہے، «حَتَّى لَوْ كَانَ الْحَجُّ نَفْلًا لَهُ أَنْ يَمْنَعَهَا» حتی کہ اگر وہ حج جو ہے وہ نفل ہو تو پھر خاوند کے لیے جائز ہے کہ اس کو منع کر دے، اس کو روک دے۔

«وَلَوْ كَانَ الْمَحْرَمُ فَاسِقًا قَالُوا لَا يَجِبُ عَلَيْهَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ لَا يَحْصُلُ بِهِ» بھئی صورتِ مسئلہ یہ کہ عورت کو حج کے لیے محرم مل گیا جو تیار ہے اس کے ساتھ جانے کے لیے، لیکن وہ محرم فاسق ہے، محرم کس قسم کا ہے؟ فاسق ہے، دینی چیزوں وغیرہ کا بالکل کسی اعتبار سے لحاظ رکھتا ہی نہیں ہے، تو بھی اس صورت میں اس صورت میں عورت پر حج واجب نہیں ہے بھئی، حج واجب نہیں ہے۔ اس لیے کیونکہ محرم کی شرط لگائی گئی تھی تاکہ امن حاصل ہو جائے، حفاظت حاصل ہو

جائے، لیکن جب محرم خود فاسق ہے تو مقصود حاصل نہیں، لہٰذا اس پر ادائیگی بھی واجب نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَلَوْ كَانَ الْمَحْرَمُ فَاسِقًا» اور اگر محرم جو تھا وہ فاسق تھا، «قَالُوا» تو فقہاء فرماتے ہیں «لَا يَجِبُ عَلَيْهَا» تو عورت پر حج واجب نہیں ہے، «لِأَنَّ الْمَقْصُودَ لَا يَحْصُلُ بِهِ» اس لیے کیونکہ مقصود حاصل نہیں ہوگا اس فاسق محرم کے ذریعے۔

■ مسئلہ: وَلَهَا أَنْ تَخْرُجَ مَعَ كُلِّ مَحْرَمٍ إِلَّا أَ...

«وَلَهَا أَنْ تَخْرُجَ مَعَ كُلِّ مَحْرَمٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَجُوسِيًّا» بھئی عورت کے لیے جائز ہے وہ ہر محرم کے ساتھ جا سکتی ہے، ہاں اگر وہ محرم اس کا مجوسی ہے، آتش پرست ہے، تو پھر اس صورت میں اس کے ساتھ جانا جائز نہیں۔ اس لیے کیونکہ یہ جو مجوسی ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ محرموں کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔ ان کا عقیدہ کیا ہے؟ محرموں کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔ تو لہٰذا جب یہ اس قسم کا عقیدہ ہے اس کا، تو راستے کا امن اور حفاظت حاصل نہ ہوئی، لہٰذا مقصود حاصل نہیں تو اس کے ساتھ اجازت نہیں بھئی۔ «وَلَهَا أَنْ تَخْرُجَ مَعَ كُلِّ مَحْرَمٍ» عورت کے لیے جائز ہے وہ نکل سکتی ہے ہر محرم کے ساتھ، «إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَجُوسِيًّا» مگر یہ کہ وہ محرم مجوسی ہو، «لِأَنَّهُ يَعْتَقِدُ إِبَاحَةَ مُنَاكَحَتِهَا» اس لیے کیونکہ مجوسی جو ہے وہ اعتقاد رکھتا ہے، وہ عقیدہ رکھتا ہے «إِبَاحَةَ مُنَاكَحَتِهَا» اس کے ساتھ مناکحت کے جائز ہونے کا یعنی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

«وَلَا عِبْرَةَ بِالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ» اچھا بھئی، اگر محرم بچہ ہے یا مجنون ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، بچے اور مجنون کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے کیونکہ محرم کے ساتھ ہونے کا مقصد کیا تھا؟ حفاظت، اور وہ حفاظت تو بچے اور مجنون کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا عِبْرَةَ بِالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ» اور کوئی اعتبار نہیں ہے بچے اور مجنون کا، «لِأَنَّهُ لَا تَتَأَتَّى مِنْهُمَا الصِّيَانَةُ» اس لیے کیونکہ حاصل نہیں ہوتی ان سے حفاظت۔ «وَالصَّبِيَّةُ الَّتِي بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ بِمَنْزِلَةِ الْبَالِغَةِ» جی، اور یاد رکھیے بھئی، یہ عورت کے احکامات بیان ہو رہے ہیں عورت کے۔ اسی طرح اگر وہ بچی جو حدِ شہوت کو پہنچ چکی ہے، قابلِ شہوت ہو چکی ہے، وہ بھی عورت کے حکم میں ہے۔ کس کے حکم میں ہے؟ عورت کے حکم میں ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بھی بغیر محرم کے سفر پر جانا صحیح نہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَالصَّبِيَّةُ الَّتِي بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ» اور وہ بچی جو پہنچ چکی ہے شہوت کی حد کو، «بِمَنْزِلَةِ الْبَالِغَةِ» وہ بھی بالغہ عورت کے درجے میں ہے، «حَتَّى لَا يُسَافَرَ بِهَا مِنْ غَيْرِ مَحْرَمٍ» یہاں تک کہ سفر نہیں کیا جائے گا اس کے ساتھ بغیر محرم کے۔

«وَنَفَقَةُ الْمَحْرَمِ عَلَيْهَا» سوال پیدا ہوتا ہے: یہ جو محرم ساتھ جا رہا ہے عورت کے حج کروانے کے لیے، تو اس کا نفقہ کس پر آئے گا؟ راستے کے کھانے پینے کا خرچہ وغیرہ، کیا اس کو خود بندوبست کرنا پڑے گا یا یہ عورت کے ذمے ہے؟ کہتے ہیں بھئی، یہ عورت کے ذمے ہے، کیونکہ وہ کس لیے جا رہا ہے ساتھ؟ عورت کے لیے، اس کو حج کروانے کے لیے، لہٰذا اس کے نفقے کی ذمہ داری بھی کس پر آئے گی؟ عورت پر آئے گی۔ تو کہتے ہیں: «وَنَفَقَةُ الْمَحْرَمِ عَلَيْهَا» اور اس نفقہ اور اس محرم کا نفقہ بھی جو ہے اس عورت پر ہے، «لِأَنَّهَا تَتَوَسَّلُ بِهِ إِلَى أَدَاءِ الْحَجِّ» اس لیے کیونکہ وہ عورت جو ہے اس کے ذریعے سے پہنچ رہی ہے ادائے حج تک بھئی۔ کس کے ذریعے پہنچ رہی ہے؟ کس تک؟ حج کی ادائیگی تک۔

■ مسئلہ: وَاخْتَلَفُوا فِي أَنَّ الْمَحْرَمَ شَرْطُ الْوُجُ...

«وَاخْتَلَفُوا فِي أَنَّ الْمَحْرَمَ شَرْطُ الْوُجُوبِ أَوْ شَرْطُ الْأَدَاءِ عَلَى حَسَبِ اخْتِلَافِهِمْ فِي أَمْنِ الطَّرِيقِ» اور اختلاف کیا ہے فقہاء نے اس بات میں کہ عورت کے لیے محرم ہونا یہ نفسِ وجوب کی شرط ہے یا وجوبِ ادا کی؟ نفسِ... تو بعض کہتے ہیں نفسِ وجوب کی شرط ہے۔ لہٰذا محرم یا خاوند وغیرہ نہیں ہے تو اس پر وجوب ہی نہیں، لہٰذا اس پر وصیت کرنا بھی واجب نہیں۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ نہیں، وہ نفسِ وجوب آ جائے گا، ہاں وجوبِ ادا کی یہ شرط ہے، ادائیگی اس پر واجب نہیں ہوگی لیکن نفسِ وجوب اس پر آ جائے گا اور لہٰذا اس پر مرنے سے پہلے وصیت کرنا لازم ہوگا۔ تو کہتے ہیں: «وَاخْتَلَفُوا فِي أَنَّ الْمَحْرَمَ شَرْطُ الْوُجُوبِ أَوْ شَرْطُ الْأَدَاءِ عَلَى حَسَبِ اخْتِلَافِهِمْ فِي أَمْنِ الطَّرِيقِ» اور اختلاف کیا ہے فقہاء میں کہ محرم کا ہونا یہ وجوب کی شرط ہے یا ادا کی شرط ہے، «عَلَى حَسَبِ اخْتِلَافِهِمْ فِي أَمْنِ الطَّرِيقِ» اسی طرح جیسے کہ ان کا اختلاف ہے کس میں؟ راستے کے امن کے بارے میں۔ اور اس میں یاد رکھیے، اس میں راجح یہ ہے کہ یہ وجوبِ ادا کی شرط ہے بھئی۔ کس چیز کی شرط ہے؟ وجوبِ ادا، لہٰذا نفسِ وجوب اس پر آ جائے گا اور اس کو وصیت کر، مرنے سے پہلے وصیت کر دے کہ اس کی طرف سے حج بدل کروا دیا جائے بھئی۔

«وَإِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ بَعْدَمَا أَحْرَمَ أَوْ أُعْتِقَ الْعَبْدُ فَمَضَيَا لَمْ يُجْزِهِمَا» بھئی صورتِ مسئلہ یہ، صورتِ مسئلہ یہ: آپ پڑھ چکے ہیں کہ بچہ جتنے بھی حج کر لے وہ حج کون سے ہوں گے؟ نفلی ہوں گے۔ بالغ ہونے کے بعد اگر استطاعت آتی ہے تو پھر اس کو فریضۂ حج دوبارہ ادا کرنا پڑے گا۔ اور اسی طرح غلام ہے، غلام بھی جتنے مرضی غلامی کے اندر حج کر لے وہ سارے کیا ہیں؟ نفلی حج ہیں۔ اب مسئلہ یہ کہ ایک بچے نے حج کا احرام باندھ لیا اور حج کے لیے چل پڑا، اسی طرح ایک غلام تھا اس نے

حج کا احرام باندھ لیا اور چل پڑا، راستے میں وہ بچہ بالغ ہو گیا، بالغ ہو گیا، یا اور اسی طرح راستے میں اس غلام کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا، اور یہ پھر اسی طرح چلتے رہے اور انہوں نے حج کر لیا، تو کیا بچے کا فرض حج ادا ہو جائے گا؟ کیونکہ راستے میں یہ بالغ ہو گیا تھا، غلام کا فرض حج ادا ہو جائے گا کیا؟ کیونکہ اب وہ کیا ہو چکا راستے میں؟ آزاد ہو چکا۔ کہتے ہیں نہیں بھئی، انہوں نے احرام کون سا باندھا ہے؟ نفلی حج کا احرام باندھا ہے، تو اس سے فرض حج ادا نہیں ہو گا بھئی۔ فرض حج کے لیے فرض حج والا احرام ان کو باندھنا پڑے گا، فرض حج والا احرام باندھنا پڑے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ بَعْدَمَا أَحْرَمَ» اور جب بچہ بالغ ہو جائے بعد اس کے جب اس نے احرام باندھ لیا ہے، «أَوْ أُعْتِقَ الْعَبْدُ» یا غلام کو کیا کر دیا گیا؟ آزاد کر دیا گیا بعد اس کے جب اس نے احرام باندھ لیا ہے، «فَمَضَيَا» تو دونوں چلتے رہے، دونوں اسی احرام پر چلتے رہے، «لَمْ يُجْزِهِمَا» تو یہ ان کے لیے کافی نہیں ہو گا «عَنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ» کس چیز سے کافی نہیں ہو گا؟ حجۃ الاسلام یعنی فرض حج سے۔ تو یہ بھی یہ لفظ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں، حَجَّة الاسلام اور حِجَّة الاسلام دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ «لِأَنَّ إِحْرَامَهُمَا انْعَقَدَ لِأَدَاءِ النَّفْلِ فَلَا يَنْقَلِبُ لِأَدَاءِ الْفَرْضِ» اس لیے کیونکہ ان دونوں کا احرام جو ہے وہ منعقد ہوا ہے نفل کی ادائیگی کے لیے، لہٰذا وہ پلٹے گا نہیں، وہ بدلے گا نہیں فرض کی ادائیگی کے لیے، اس سے فرض ادا نہیں ہو گا۔

اچھا، «وَلَوْ جَدَّدَا» بھئی صورت یہ: یہ بچہ جو راستے میں بالغ ہو گیا تھا، اس نے نئے احرام کی نیت کر لی، نئے سرے سے احرام باندھ لیا بھئی، کیا کر لیا؟ پہلے نفلی حج کا احرام تھا، اب اس نے کیا کیا بالغ ہونے کے بعد؟ فرض حج کی نیت سے احرام باندھ لیا۔ تو کیا اس سے اس کا فرض ادا ہو جائے گا؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، اس کا فرض ادا ہو جائے گا جب فرض کی نیت سے احرام باندھ لے گا۔ اور اگر یہی مسئلہ غلام میں پیش آیا، غلام نے نفلی حج کا احرام باندھا تھا، راستے میں راستے میں آقا نے اس کو آزاد کر دیا، اس نے اب فرض حج کی نیت سے احرام باندھ لیا، تو کیا فرض ادا ہو جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، اب فرض نہیں ادا ہو گا۔ بھئی یہ کیا وجہ ہے؟ بچے کا نیا احرام معتبر تھا، اس کا نیا احرام کیوں نہیں معتبر؟ کہتے ہیں بھئی بچہ جو ہے، بچہ وہ مکلف نہیں ہے، لہٰذا اگر اس نے وہ جو نفلی احرام بھی باندھا تھا وہ اس پر لازم نہیں تھا۔ نفل تو ایک دفعہ شروع کر دیا جائے لازم ہو جاتا ہے لیکن بچہ تو مکلف نہیں، لہٰذا اس پر وہ نفلی حج بھی لازم نہیں، تو وہ اس احرام کو ختم کر دیتا ہے، وہ اس پر لازم ہی نہیں تھا اور نیا احرام کس کا کس کی نیت کر لیتا ہے؟ فرض کی نیت کر لیتا ہے، تو وہ پہلا لازم نہیں تھا وہ ختم ہو جائے گا اور نیا احرام شروع ہو جائے گا بھئی۔ جبکہ غلام وہ تو بالغ عاقل ہے، لہٰذا اس نے جب ایک دفعہ نفل شروع کر دیا ہے تو وہ نفل اس پر لازم ہو گیا، اس کو پورا کرنا ضروری ہے، جب تک اس کو پورا نہیں کرے گا نیا احرام شروع نہیں کر سکتا بھئی۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «وَلَوْ جَدَّدَ الصَّبِيُّ الْإِحْرَامَ» جَدَّدَ يُجَدِّدُ تَجْدِيد کے معنی ہیں نیا کر لینا۔ «وَلَوْ جَدَّدَ الصَّبِيُّ الْإِحْرَامَ» اور اگر نیا کر لیا بچے نے احرام کو یعنی احرام کی تجدید کر لی «قَبْلَ الْوُقُوفِ» وقوفِ عرفات سے پہلے، اس لیے کیونکہ وقوفِ عرفات فرض ہے بھئی۔ آگے حج کی تفصیل آئے گی، میں انشاء اللہ بیان کروں گا، امید ہے اگلے سبق میں آ جائے گی بھئی اگلے سبق میں، تو وہاں حج کے فرائض وغیرہ اور چیزیں تفصیل سے آ جائیں گی۔ تو یہ وقوفِ عرفات سے پہلے اس نے کیا کر لیا بچے نے؟ احرام کی تجدید کر لی، «وَنَوَى حَجَّةَ الْإِسْلَامِ» اور حجۃ الاسلام یعنی فرض حج کی نیت کر لی، «جَازَ» تو یہ جائز ہے۔ «وَالْعَبْدُ لَوْ فَعَلَ ذَلِكَ لَمْ يَجُزْ» اور اگر غلام نے ایسا کیا تو جائز نہیں، «لِأَنَّ إِحْرَامَ الصَّبِيِّ غَيْرُ لَازِمٍ» اس لیے کیونکہ بچے کا احرام جو ہے وہ اس پر لازم نہیں ہے «لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ» کیونکہ اس کے اندر اہلیت نہیں ہے، «أَمَّا إِحْرَامُ الْعَبْدِ لَازِمٌ» اور باقی غلام کا احرام تو وہ لازم ہے «فَلَا يُمْكِنُهُ الْخُرُوجُ مِنْهُ» لہٰذا اس کے لیے اس احرام سے نکلنا ممکن نہیں ہے «بِالشُّرُوعِ فِي غَيْرِهِ» اس کے علاوہ دوسرے میں شروع ہوتے ہوئے۔ دوسری دوسرے حج میں شروع ہو کر اس کے ذریعے وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس احرام سے نکلنا چاہتا ہے، تو یہ اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ واللہ اعلم، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ یہاں تک مسائل اچھی طرح سمجھ میں آ گئے بھئی؟

■ مسئلہ: فَصْلٌ: وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُ...

«فَصْلٌ: وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُجَاوِزَهَا الْإِنْسَانُ إِلَّا مُحْرِمًا خَمْسَةٌ: لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذُو الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتُ عِرْقٍ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ جُحْفَةُ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ».

«فَصْلٌ» یہاں سے مواقیت کا بیان شروع کر رہے ہیں صاحب ہدایہ بھئی، مواقیت۔ تو کہتے ہیں: «وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُجَاوِزَهَا الْإِنْسَانُ» اور وہ مواقیت کہ جائز نہیں ہے کہ ان سے انسان تجاوز کر جائے، ان سے آگے بڑھ جائے «إِلَّا مُحْرِمًا» مگر محرم ہونے کی حالت میں ہی، «خَمْسَةٌ» وہ پانچ ہیں۔ «لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذُو الْحُلَيْفَةِ» اہل مدینہ کے لیے وہ ذوالحلیفہ ہے۔ ذوالحلیفہ ایک جگہ کا نام ہے بھئی۔ «وَلِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتُ عِرْقٍ» اور اہل عراق کے لیے وہ میقات جو ہے ذات عرق، ذات عرق یہ جگہ کا نام ہے۔ «وَلِأَهْلِ الشَّامِ جُحْفَةُ» اور شام والوں کے لیے میقات جو ہے جحفہ مقام ہے۔ «وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ» اور اہل نجد کے لیے میقات جو ہے وہ قرن ہے، قرن جگہ کا نام ہے۔ «وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ» اور اہل یمن کے لیے میقات جو ہے وہ یلملم ہے بھئی، یہ بھی جگہ کا نام ہے۔

بھئی یاد رکھیے، مواقیت جمع ہے میقات کی۔ مواقیت جمع ہے میقات کی۔ اور میقات جو ہیں مکہ مکرمہ کے ارد گرد کچھ خاص جگہیں ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے

مقرر فرمایا اور بتلایا صحابہ کو۔ تو یہ جگہیں میقات کہلاتی ہیں۔ ان میں سے بعض مکہ سے سو میل کے فاصلے پر ہیں، بعض جو ہیں مکہ سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر ہیں، بعض ان میں سے مکہ سے ڈھائی سو میل کے فاصلے پر ہیں۔ تو یہ کچھ حدود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائیں، کچھ حدود ہیں، کچھ حدیں ہیں۔ اس حد سے آگے کوئی شخص مکہ جانا چاہتا ہے، تو ان مقامات سے آگے بغیر احرام کے جانا اس کے لیے جائز نہیں۔ جو شخص بھی مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہے اور چاہے پاکستان سے جا رہا ہے، بنگلہ دیش سے جا رہا ہے، امریکہ سے جا رہا ہے، جس طرف سے بھی جا رہا ہے، تو یہ جو کچھ حدود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادیں، وہ شخص جانا کہاں چاہتا ہے؟ مکہ، اور تو ان حدود سے گزرتے ہوئے ان سے پہلے پہلے اس کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے۔ بغیر احرام باندھے ان جگہوں سے آگے جانا اس کے لیے جائز نہیں۔ اگر بغیر احرام کے آگے جائے گا تو اس پر دم لازم آئے گا، دم، یعنی ایک قربانی کرنا پڑے گی ایک جانور کی بطور جرمانے کے، بطور سزا کے۔ تو ان یہ جو حدود ہیں ان کو مواقیت کہتے ہیں۔ اور ان سے آگے جو بھی جائے گا اور مقصد کہاں ہے، جانا کہاں چاہتا ہے؟ مکہ کی قید میں بار بار ذکر کر رہا ہوں، مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ جانا چاہتا ہے جو ان حدود کے اندر ہے پھر احرام ضروری نہیں، لیکن اگر کہاں جانا چاہتا ہے؟ مکہ جانا چاہتا ہے، تو اس پر احرام لازم ہے، احرام باندھ کر یہاں سے گزرے گا۔ اور احرام کیوں لازم ہے؟ بیت اللہ کی تعظیم کے لیے۔ بیت اللہ کی چونکہ یہ مکہ جانا چاہتا ہے اور مکہ کے اندر تو کیا ہے؟ بیت اللہ ہے، تو بیت اللہ کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ یہ احرام باندھ کر یہاں آئے اور یہاں اللہ کی عبادت کرے یعنی عمرہ کرے یا حج کرے، عمرہ کرے یا حج کرے گا، یہ لازم ہے بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ کن لوگوں کے لیے ہے؟ جو ان حدود سے باہر رہتے ہیں، جو ان حدود سے باہر رہتے ہیں۔ اور یہ جو متن کے اندر ان جگہوں کا ذکر آگیا کہ یہ ذوالحلیفہ مقام ہے مدینہ والوں کے لیے، یہ مدینہ کے بالکل قریب ایک جگہ ہے، اور اہل عراق کے لیے ذات عرق جگہ ہے، اسی طرح شام کی طرف جو مقام ہے جحفہ، اور اسی طرح نجد والوں کی طرف جو مقام قرن ہے وہ، اور یمن والوں کے لیے یلملم ہے بھئی۔ تو ہمارا یہ میقات ہماری جانب یلملم ہے بھئی۔ تو اس یلملم سے آگے بغیر احرام کے گزرنا جبکہ مکہ جانے کا ارادہ ہو، یہ جائز نہیں ہے۔ یہاں سے احرام باندھنا پڑے گا بیت اللہ کی تعظیم کے لیے کہ انسان احرام باندھے اور وہاں جا کر عمرہ کرے یا کیا کرے؟ حج کرے بھئی، حج کرے۔

تفصیل یاد رکھیے کہ بیت اللہ کے ارد گرد کچھ حدود ہیں، بعض طرف چار میل، بعض طرف پانچ میل اور بعض طرف چودہ پندرہ میل تک۔ یہ کچھ حدود ہیں جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتلائی تھیں بھئی۔ یہ حدود جو ہے ان کے اندر کا علاقہ سارا یہ حرم کہلاتا ہے، یہ کیا کہلاتا ہے؟ حرم۔ تو یہ بعض طرف بیت اللہ سے کتنے فاصلے پر ہے؟ چار میل، بعض طرف پانچ میل اور بعض طرف چودہ پندرہ میل تک۔ تو یہ باقاعدہ حدود مقرر کیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتلایا اور نشانات لگائے گئے بھئی۔

تو یہ جو حرم ہے، یہ چونکہ بیت اللہ کے بالکل ساتھ کا علاقہ ہے، لہٰذا اس کی نہایت عظمت ہے، حتی کہ اس حرم کے اندر کسی کو کسی قسم کی تکلیف دینے کی اجازت نہیں ہے۔ ویسے تو باہر بھی کسی کو تکلیف دینے کی اجازت نہیں، لیکن یہاں پر جو ہے نہایت سختی ہے کہ یہ تو اللہ کا جو زمین پر سب سے پہلا گھر بنایا گیا، یہ اس کے ارد گرد کا علاقہ ہے، لہٰذا یہاں کسی کو کسی درجے میں تکلیف نہیں دینی، حتی کہ یہاں درختوں کا کاٹنا منع ہے، یہاں پر شکار کھیلنا منع ہے وغیرہ بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو کسی درختوں کو کوئی تکلیف، نقصان نہیں دینا، جانوروں کو کسی قسم کی تکلیف اور نہیں دینی، ان کو کوئی نقصان نہیں دینا، شکار بھی منع، درختوں وغیرہ کا کاٹنا بھی منع۔ تو یہ علاقہ حرم کہلاتا ہے، یہ سارا کیا کہلاتا ہے؟ حرم۔ اور اس حرم کی حدود کے اندر جو لوگ رہتے ہیں ان کو اہلِ حرم کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اہلِ حرم کہتے ہیں۔ تو یہ بالکل بیت اللہ کے قریب قریب کا علاقہ ہے بھئی۔

پھر اس سے باہر ایک حد بندی جو میں نے ابھی بیان کر دی، جن کو میقات کہا جاتا ہے، جو بعض اطراف میں مکہ سے ستر میل کے فاصلے پر، بعض طرف سو میل ہیں، بعض طرف ڈھائی سو میل تک۔ یہ دوسری حد بندی ہے، یہ دوسری حد بندی ہے۔ بات سب کو سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو کتنی حدود آگئیں؟ دو حدود۔ تو یہ جو حرم کی حدود میں رہتے ہیں ان سب کو کہتے ہیں اہلِ حرم۔ اور جو حرم سے باہر رہتے ہیں لیکن میقات کی حدود کے اندر رہتے ہیں، ان کو کہتے ہیں **حِلّی**، ح، ل اور ی، ل مشدد ہے، **حِلّی**۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ان کو کہتے ہیں **حِلّی**۔ اور جو میقات سے باہر تمام دنیا کے باقی لوگ ہیں ان کو آفاقی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ آفاقی۔ معلوم ہوا پاکستانی، ہندوستانی، بنگلہ دیش والے، افغانستان والے اور ارد گرد مصر والے سارے لوگ یہ کس میں سے ہیں؟ آفاقی ہیں، آفاقی ہیں۔

تو گویا حج کرنے والے لوگ تین قسم کے ہو گئے: ایک اہلِ حرم ہیں، ایک **حِلّی** ہیں اور ایک آفاقی ہیں بھئی، آفاقی۔ تو ان کے اندر کچھ چیزوں کا فرق آئے گا کہ کہاں سے احرام وغیرہ باندھنا ہے اور تو لہٰذا اس کو یاد رکھنا ذہن میں ہمیشہ بھئی۔ تو **حِلّی** کون سے لوگ ہیں جو کہاں رہتے ہیں؟ میقات اور حرم کی حدود کے درمیان میں، اور اہلِ حرم جو حرم کے اندر رہتے ہیں، اور آفاقی جو ان میقاتوں کی حدود سے باہر رہتے ہیں، باہر رہتے ہیں۔

تو لہٰذا دنیا بھر میں سے کوئی بھی شخص جب وہ مکہ جانا چاہتا ہے، چاہے اس کا مقصد کوئی بھی ہو، وہ مکہ چاہے تجارت کے لیے جانا چاہتا ہے، چاہے وہ ملازمت کے لیے جانا چاہتا ہے، لیکن ارادہ کس جگہ جانے کا ہے؟ مکہ۔ حِل کے اندر کسی اور جگہ کی بات نہیں ہو رہی، حِل کے اندر اگر وہ کہیں اور جانا چاہتا ہے مثلاً اس کا ارادہ صرف جدہ جانے کا ہے، تو پھر میقات سے گزرنا پڑے گا لیکن اس پر احرام لازم نہیں، احرام تو کس شخص پر لازم تھا؟ جو مکہ جانا چاہتا ہے، میقات سے گزر کر مکہ۔ تو مکہ جس نیت سے بھی انسان

جائے لیکن چونکہ وہاں اللہ کا سب سے پہلا گھر ہے، لہٰذا اس گھر کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جب اس کے اتنا قریب جارہا ہے، اسی شہر میں جارہا ہے، تو وہاں جاکر کیا کرے؟ اولاً عبادت کرے، لہٰذا احرام باندھ کر گزرنا پڑے گا میقات سے بھئی۔ بغیر احرام کے گزرے گا تو دم لازم آئے گا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص گزر گیا تو اس پر دم لازم ہو گیا۔ لیکن اگر وہ پھر واپس آجاتا ہے، باہر نکل آتا ہے اور اب احرام باندھ کر چلا جاتا ہے تو وہ دم اس پر سے ساقط ہو جائے گا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا آفاقی شخص تو بغیر احرام کے میقات سے نہیں گزر سکتا جب اس نے مکہ جانا ہو۔ البتہ **حِلّی** آدمی جو ہے جو حرم اور میقات کے اندر رہتا ہے، ان میں سے یہاں رہنے والا اگر کوئی شخص کہاں جانا چاہتا ہے؟ مکہ جانا چاہتا ہے، اس کے لیے احرام ضروری نہیں، اس لیے کیونکہ یہ حرم کے آس پاس کے لوگ ہیں اور ان پر بھی اگر احرام کی پابندی لاگو کر دی جائے تو یہ تو حرج میں پڑ جائیں گے، ان کو تو بار بار آنا جانا پڑتا ہے، اب ہر مرتبہ اگر ان پر عمرہ یا حج ضروری قرار دے دیا جائے تو یہ حرج میں پڑ جائیں گے اور حرج کو تو شریعت میں دور کیا گیا ہے، لہٰذا **حِلّی** آدمی بغیر احرام کے مکہ آجاسکتا ہے۔ لیکن آفاقی بغیر احرام کے نہیں جاسکتا بھئی۔

ہاں اگر مثلاً آپ کا ارادہ یہ ہوا کہ آپ جدہ جانا چاہتے ہیں، جدہ جانا چاہتے ہیں یہاں سے، تو کیا احرام آپ پر لازم ہو گا یا احرام لازم نہیں؟ جب آپ جدہ جانا چاہتے ہیں لازمی بات ہے مکہ کا تو ارادہ نہیں ہے، لہٰذا آپ پر احرام لازم نہیں، آپ جاسکتے ہیں، جدہ چلے گئے۔ اور جدہ تو حِل کے اندر ہے۔ پھر بعد میں آپ کا ارادہ بنا کہ مکہ میں آپ کو کوئی کام پڑ گیا، اب آپ کو مکہ جانا ہے، مکہ جانا ہے۔ تو کیا اب احرام لازم ہو گا یا نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، اب نہیں لازم، کیونکہ اب آپ حِل کے اندر ہیں، اب ارادہ بنا ہے آپ کا اور اب آپ کا حِلّیوں والا حکم آگیا، اور **حِلّی** کا کیا حکم ہے؟ وہ تو بغیر احرام کے مکہ آجاسکتا ہے، لہٰذا اب آپ بھی کیا کر سکتے ہیں؟ بغیر احرام کے مکہ جاسکتے ہیں۔ لیکن یہ وہ صورت ہے جب کہ آپ کا ارادہ بعد میں بنا مکہ جانے کا۔ اگر آپ کا ارادہ پہلے سے ہی تھا مکہ جانے کا پھر تو پھر آپ پر احرام لازم ہے بھئی۔ فرق سمجھ میں آگیا بھئی؟

حتیٰ کہ **حِلّی** شخص، **حِلّی** آدمی اگر وہ ان میقاتوں سے باہر نکل آیا تو اس کا بھی آفاقیوں والا حکم ہو جائے گا، اب وہ باہر سے کہاں جانا چاہتا ہے؟ مکہ جانا چاہتا ہے اور تو بغیر احرام کے اس کے لیے جانا جائز نہیں ہو گا بھئی۔ تفصیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

عمرے کا طریقہ بھی سمجھ لیجیے۔ حج کا طریقہ ہم انشاء اللہ کل کر لیں گے، عمرے کا طریقہ یہاں اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ بھئی یاد رکھیے، عمرے میں صرف دو چیزیں ہیں، دو: ایک آپ نے بیت اللہ کا طواف کرنا ہے اور ایک صفا مروہ دو پہاڑیاں جو ہیں ان کے درمیان سعی کرنی ہے، س، ع، ی، سعی۔ یہ لفظ بار بار آئیں گے، اچھی طرح ان کو سمجھ لیجیے۔ عمرے کے اندر صرف کتنے افعال کرنا پڑتے ہیں؟ دو، دو افعال ہیں: ایک طواف کرنا ہے بیت اللہ کا اور دوسرا سعی کرنی ہے، سعی کرنی ہے۔

تفصیل یہ، بھئی دیکھیے اگر آپ نے بیت اللہ کی تصویر دیکھی ہو، بیت اللہ کی تصویر، اس میں آپ دیکھیں گے بیت اللہ کے ساتھ ہی بالکل ایک چھوٹی سی دیوار ہے نصف دائرے کی شکل میں، ایک چھوٹی سی دیوار ہے نصف دائرے کی شکل میں، اس کو حطیم کہتے ہیں، ط، ق کے ساتھ ہے حطیم بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو یہ جو نصف دائرے کی شکل میں دیوار ہے اس کو حطیم کہتے ہیں۔ اور یاد رکھیے یہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے، دراصل یہ بھی کیا ہے؟ بیت اللہ کا حصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت سے پہلے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ بڑا بہت زیادہ بارشیں ہوئیں اور بڑا سیلاب آیا، پہاڑوں سے بڑا پانی آیا اور اس سے بیت اللہ کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ تو قریش نے بیت اللہ کی تعمیرِ نو کا ارادہ کیا کہ اس کی عمارت دوبارہ تعمیر کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے تعمیر کا ارادہ کیا لیکن ان کے دلوں میں بیت اللہ کی عظمت بہت زیادہ تھی، چنانچہ انہوں نے شرط لگا دی کہ بھئی مال اکٹھا کرتے ہیں لیکن صرف حلال مال دینا ہے، حرام کا ایک ذرہ بھی نہ آئے بیت اللہ کی تعمیر کے لیے، چنانچہ حلال مال صرف اکٹھا کیا لوگوں سے، اور وہ حلال مال جب اکٹھا کیا تو وہ اتنا نہ ہو سکا کہ جس سے پوری عمارت بن سکے۔ چنانچہ ایک حصے پر تو انہوں نے ایسی ہی عمارت تعمیر کر دی جیسے آپ دیکھ رہے ہیں، اور کچھ حصہ بچ گیا تھا اس کے گرد انہوں نے وہ یہ چھوٹی سی دیوار بنا دی اور یہی حصہ حطیم کہلاتا ہے۔ تو یہ دراصل کیا ہے؟ بیت اللہ ہی کا حصہ ہے لیکن چونکہ وہ حلال مال پورا نہیں ہوا تھا تو اس حصے پر انہوں نے دیوار پوری عمارت نہیں بنائی، اس حصے پر صرف وہ چھوٹی سی دیوار بنا دی نشان کے طور پر۔ لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اب کوئی عام آدمی بھی ہے، اس کا جی چاہے اس کا جی چاہتا ہو کہ میں بیت اللہ کے اندر جاکر نماز ادا کروں، کچھ نوافل پڑھ لوں، تو اب حطیم کے اندر وہ با آسانی جاکر اپنے اس شوق کو پورا کر سکتا ہے، حطیم کے اندر جاکر وہ نماز پڑھ لے تو یہ بیت اللہ کے اندر ہی گویا نماز ادا کر رہا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ حصہ حطیم کہلاتا ہے، حطیم بھئی۔

اسی لیے کعبہ کو کعبہ کہتے ہیں، کعب کے معنی ہوتے ہیں ابھرے ہوئے ہونے کے۔ تو بیت اللہ بھی دیکھو چوکور نہیں ہے، اس کا ایک حصہ ابھرا ہوا ہے، یہ جو حطیم کی شکل میں ہے، یہ بھی کس کا حصہ ہے دراصل؟ بیت اللہ ہی کا حصہ ہے نا، اور گولائی میں ہے یعنی ابھرا ہوا ہے یا نہیں؟ تو لہٰذا اسی لیے اس کو کعبہ کہتے ہیں بھئی، بات سمجھ میں آ گئی۔

یہ تو تھی یہ بیت اللہ کی تفصیل۔ اب طواف کا طریقہ یاد رکھیں۔ تصویر میں آپ نے دیکھا ہو گا بیت اللہ کی تصویر جو ہے کہ بیت اللہ کا جو دروازہ ہے، دروازے کے ساتھ ہی جو کونا ہے بیت اللہ کا اس پر حجرِ اسود نصب ہے اسی کونے پر۔ اور اسی حجرِ اسود سے طواف کی ابتدا ہوتی ہے، یہاں سے طواف شروع کیا جاتا ہے اور پھر بیت اللہ کے گرد چکر لگاتے ہوئے جب دوبارہ اس حجرِ اسود پر پہنچیں گے تو ایک چکر مکمل ہوا۔ اس طرح سات چکر جب پورے کر لیں گے تو ایک طواف مکمل ہو جاتا ہے۔ تو ایک طواف میں سات چکر لگائے جاتے ہیں بیت اللہ کے، سات چکر۔ تو دروازے کے بالکل ساتھ کونے پر کیا ہے؟ حجرِ اسود ہے، اس سے طواف کی ابتدا کی جاتی ہے۔ اور طواف کا طریقہ یہ ہے کہ حجرِ اسود کا بوسہ لیتا ہے انسان اور «**بِسْمِ اللهِ، اَللهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ**» کہتا ہے اور پھر اس کے بعد دروازے کی طرف چلنا شروع کرتا ہے۔ یعنی بایاں

کندھا بیت اللہ کی طرف رہتا ہے طواف کے دوران۔ دروازے کی طرف جب چلے گا تو کون سا کندھا آئے گا بیت اللہ کی طرف؟ بایاں کندھا بیت اللہ کی طرف آتا ہے، یا زیادہ اچھے لفظوں میں یوں کہو کہ انسان کا دل جو ہے وہ بیت اللہ کی جانب رہتا ہے بیت اللہ کے گرد چکر لگاتے ہوئے بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔ اور پھر چکر لگاتے ہوئے جب پورا چکر لگایا اور پھر حجرِ اسود پر پہنچا تو پھر اسی طرح حجرِ اسود کو بوسہ دے گا اور «بِسْمِ اللهِ، اَللهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» کہے گا بھئی، پھر دوسرا چکر لگائے گا اسی طرح، پھر دوسرے چکر کے بعد حجرِ اسود کو بوسہ دے گا، تو یہاں تک کہ سات چکر جب پورے ہو جائیں گے تو یہ ایک طواف مکمل ہو گیا، ایک طواف مکمل ہو گیا۔

لیکن اس میں میں نے تو بتایا آپ کو کہ ہر چکر میں کیا کرے؟ حجرِ اسود کا بوسہ لے گا، لیکن یہ تو بڑا مشکل کام ہے، اتنا ہجوم ہوتا ہے کوئی حجرِ اسود کے قریب نہیں پہنچ سکتا۔ تو دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حجرِ اسود کو ہاتھ سے چھو لے اور پھر اس ہاتھ کو بوسہ دے دے، یا کوئی رومال وغیرہ ہے وہ حجرِ اسود پر لگا دے اور اس کو بوسہ دے دے۔ لیکن یہ بھی مشکل ہے بھئی، یہ بھی اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ حجرِ اسود کے قریب نہیں جا سکتا۔ تو پھر آسان طریقہ یہی ہے کہ حجرِ اسود کی سیدھ میں جب انسان پہنچ جائے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تقریباً سینے کے لگ بھگ اور حجرِ اسود کی طرف ہتھیلیوں کا رخ کرتا ہے اور «بِسْمِ اللهِ، اَللهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» کہے اور پھر ان ہاتھوں کو بوسہ دے دے بھئی۔ ہاتھوں کو اٹھا کر جیسے بھئی آپ تکبیر نماز شروع کرتے ہوئے تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے ہیں اور ہتھیلیوں کا رخ کس طرف کرتے ہیں؟ قبلے کی طرف کرتے ہیں، تو یہاں بھی اس طرح ہاتھ اٹھانے ہیں لیکن کانوں تک نہیں اٹھانے بس سینے کے برابر حجرِ اسود کی طرف ہتھیلیوں کا رخ کیا اور کیا کہا: «بِسْمِ اللهِ، اَللهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» کہا اور پھر ان ہاتھوں کو بوسہ دے دیا۔ تو جب بھی حجرِ اسود کی سیدھ میں آئیں اسی طرح ہاتھوں کو بوسہ دے دیں گے۔ اور پھر لوگوں کی آسانی کے لیے وہاں سعودی حکومت نے حجرِ اسود کی سیدھ میں جو صحن کے دوسری طرف جو برآمدہ ہے تو وہاں پر انہوں نے ایک سبز رنگ کی لائٹ لگا دی ہے۔ تو سبز رنگ کی لائٹ اور حجرِ اسود کے درمیان جب انسان پہنچتا ہے تو یہ حجرِ اسود کی سیدھ میں آگیا۔ وہ سبز لائٹ اور حجرِ اسود کی سیدھ میں انہوں نے جو برآمدہ بنتا ہے اس کے کنارے پر کیا لگا دی ہے؟ سبز رنگ کی لائٹ، اس کے ذریعے حجرِ اسود کی سیدھ کا پتہ چلتا ہے۔ تو وہاں پہنچ کر ان ہاتھوں کو اٹھایا جائے، «بِسْمِ اللهِ، اَللهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» کہا جائے اور ان ہاتھوں کو اور ان ہاتھوں کو بوسہ دے دیا جائے۔ تو اس طرح جب سات چکر لگا لیں گے تو یہ ایک طواف مکمل ہو گیا۔

اور ہر طواف کے بعد طواف کے دو رکعت پڑھنا واجب ہیں بھئی، دو رکعت نماز پڑھنا پڑیں گی، یہ واجب الطواف کہلاتے ہیں، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ واجب الطواف۔ تو ہر جتنے آپ طواف کرتے جائیں وہاں کی سب سے بڑی عبادت یہی طواف ہے، جتنے چاہیں آپ طواف کریں، لیکن ہر طواف کے بعد کیا کرنا پڑے گا؟ دو رکعت وہ واجب پڑھنا پڑیں گے بھئی۔ اور اس میں افضل یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں جو ہیں انسان مقامِ ابراہیم کے پاس پڑھے، مقامِ ابراہیم۔ مقامِ ابراہیم کی جالی بھی شاید آپ نے تصاویر میں دیکھی ہو گی، بیت اللہ کے دروازے کے سامنے ہی چند گز کے فاصلے پر یہ مقامِ ابراہیم ہے، وہاں پر سنہری جالی ہے باقاعدہ تصاویر میں واضح نظر آتا ہے، اور اس کے اندر وہ پتھر موجود ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی اور اس کی دیواریں اونچی کی تھیں، اور اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات آج بھی نمایاں ہیں بھئی۔ اور جب آپ بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے تو یہ پتھر خود بخود اونچا ہوتا تھا، اونچی جیسے اونچی جگہ پر اب پتھر لگا رہے ہیں تو یہ پتھر بلند ہو جاتا تھا، پھر جب پتھر رکھتے تھے یہ پھر نیچے آجاتا تھا، تو اس پر کھڑے ہو کر آپ نے اس طرح ساری عمارت تعمیر فرمائی بھئی۔ تو اس کے پاس وہ دو رکعت پڑھنا افضل ہیں۔ لیکن یاد رکھو ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہے، لوگ پھر بھی یہاں پر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور خود بھی اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال لیتے ہیں اور جو بیچارے طواف کر رہے ہوتے ہیں ان کو بھی مصیبت میں ڈال لیتے ہیں۔ لہٰذا اگر ہجوم ہو یہاں جگہ نہیں ہے، طواف زیادہ ہے، تو پھر یہاں انسان وہ نوافل نہ پڑھے بھئی، صرف افضل کام کے لیے دوسروں کو مصیبت میں ڈالنا یہ تو ٹھیک نہیں ہے بھئی، لہٰذا کہیں بھی مسجد میں وہ دو نوافل ادا کر لے بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو یہ ایک طواف اس سے مکمل ہو جاتا ہے۔

اور دوسری چیز جو عمرے میں کی جاتی ہے وہ سعی ہے، سعی۔ بھئی اگر آپ نے پورے مسجد الحرام کی پوری کی تصویر دیکھی ہو جس میں پوری مسجد الحرام آرہی ہو، اس میں آپ دیکھیں گے کہ اس عمارت جو ہے مسجد کی، اس کے ایک طرف ایک برآمدہ سیدھا چلا گیا ہے باقی عمارت سے جدا ہو کر دور تک سیدھا چلا گیا ہے۔ اگر ابھی تک غور نہیں کیا تھا اب آپ غور کرنا تصاویر میں دیکھنا، تو آپ دیکھیں گے باقی عمارت تو مسجد کے بیت اللہ کے ارد گرد چاروں طرف ہے لیکن ایک طرف ایک برآمدہ سیدھا مسجد سے الگ ہو کے دور تک چلا گیا ہے۔ سعی اس برآمدے میں کی جاتی ہے۔ اس برآمدے کے ایک کونے پر صفا پہاڑی ہے، اندر ہے، جو باقی پہاڑی اب ختم ہو گئی ہے کچھ تھوڑے سے معمولی سا حصہ اس کا باقی ہے اسی کے اوپر انہوں نے گنبد بنا دیا ہے، اور اسی برآمدے کے دوسرے کونے پر مروہ پہاڑی ہے، وہ بھی اوپر گنبد بن گیا ہے، برآمدے کے اندر ہی آگئی ہے، بند کر دی گئی ہے ہر طرف سے، تو اس برآمدے میں سعی کی جاتی ہے۔ اس برآمدے کا جو بیت اللہ کے قریب والا کنارہ ہے اس میں ہے صفا پہاڑی، اور وہ جو دور نکل گیا ہے کنارہ مسجد سے الگ ہو کر اس کنارے پر ہے مروہ پہاڑی بھئی، مروہ پہاڑی۔ اس کے اندر سات چکر لگائے جاتے ہیں، یہ ہے سعی۔ یہ کیا ہے؟ سعی۔

لیکن اس میں یہ تفصیل یاد رکھنا کہ بیت اللہ کے گرد جب چکر لگاتے تھے تو حجرِ اسود سے چلے اور پھر حجرِ اسود پہ پہنچ گئے تو یہ ایک چکر ہوتا تھا، لیکن یہاں صفا سے سعی شروع کریں گے اور مروہ پہاڑی پہ پہنچیں گے اور پھر مروہ سے واپس چلیں گے واپس کہاں پہنچ گئے؟ صفا، اس کو ایک چکر نہیں کہیں گے، اس کو دو چکر کہیں گے۔ یعنی صفا سے مروہ تک ایک چکر ہے اور پھر مروہ سے واپس صفا پر آئے تو یہ دو چکر ہو گئے۔ لہٰذا دوسری دفعہ جب آپ صفا پر پہنچیں گے تو کتنے چکر ہو گئے؟ چار چکر ہو گئے۔ کتنے؟ چار۔ پھر تیسری دفعہ جب آپ صفا پر پہنچیں گے تو کتنے ہو گئے؟ چھ چکر ہو گئے۔ لہٰذا ساتواں چکر مروہ پہاڑی پر جا کر پورا ہو گا۔ یہ ہو گئی سعی بھئی۔

اور اس میں بھی یاد رکھیے، سعی کے اندر درمیان میں یہ جو بر آمدے میں آپ چل رہے ہیں، درمیان میں تھوڑی سی جگہ ہے چند گز کی اس پہ سبز نشان لگے ہوئے ہیں، اس جگہ کے اندر مرد جب پہنچے تو ہلکی رفتار سے دوڑ لگائے گا بھئی، کیا کرے گا؟ عورتوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے، صرف کس کے لیے ہے؟ مردوں کے لیے۔ عورتیں اسی طرح اطمینان سے چلتی رہیں، مرد البتہ ان دو سبز نشانوں کے درمیان جب پہنچتا ہے تو ایک نشان سے لے کر دوسرے نشان تک ہلکی رفتار سے دوڑ لگانا پڑے گی بھئی۔ یہ سنت ہے حضرت ہاجرہ کی بھئی، حضرت ہاجرہ۔ وہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جو بچے تھے ابھی ان کو یہاں چھوڑ کر چلے گئے بھئی اللہ کے حکم سے، تو پانی وغیرہ جو ہے ان کے پاس ختم ہو گیا، اب ماں تھیں پریشان تھیں کہ بچے کے لیے پانی کا بندوبست کہاں سے کروں، چنانچہ بچے کو لٹایا یہ بیت اللہ کے قریب ہی جگہ اس کے قریب بچے کو لٹایا، ابھی بیت اللہ کی عمارت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے جنگل ہے، تو وہاں بچے کو لٹایا اور پھر یہ صفا پہاڑی تھی اس پر چڑھ گئیں بھئی کہ دیکھیں کہیں کوئی کہیں پانی دکھائی دے، کوئی انسان نظر آجائے، پانی کا بندوبست ہو جائے، لیکن کچھ دکھائی نہ دیا، تو وہاں سے وہ چل پڑیں، اتریں اور دوسری طرف کچھ جو پہاڑی مروہ کی پہاڑی موجود تھی اس کی طرف چل پڑیں، درمیان میں یہ جو سبز نشانات کی جگہ ہے یہ جگہ تھوڑی سی گہری تھی، اس میں جب پہنچتی تھیں تو ان کو اپنا بچہ نظر نہیں آتا تھا، تو یہاں سے وہ دوڑ کر نکلتی تھیں کہ بچہ میری نگاہوں میں رہے بھئی، ماں کی محبت بھی عجیب ہے، اللہ تعالیٰ نے عظیم نعمت دی ہے ماں کی صورت میں انسان کو بھئی عظیم نعمت بھئی جس کے ذریعے جتنا انسان اپنی آخرت کو سنوار سکے سنوار سکتا ہے بھئی۔ تو وہ وہاں سے دوڑ کر نکلتی تھیں، پھر باقی ذرا اونچی جگہ آجاتی تو پھر اطمینان سے سکون سے چلتے ہوئے پھر مروہ پر چڑھ گئیں، وہاں دیکھا کچھ نظر نہیں آیا، پھر صفا کی طرف آئیں، تو اس طرح انہوں نے سات چکر لگائے، اور پھر اس کے بعد جب آئیں تو دیکھا کہ بچے نے جہاں ایڑیاں ماری تھیں وہاں جبرئیل علیہ السلام نے پر مارا اور وہاں سے وہ زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا بھئی، تو یہ وہ زمزم کا چشمہ یہاں اس طرح جاری ہوا بھئی۔ تو یہ ان کی سنت ہے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ہمیشہ کے لیے حکم جاری فرما دیا کہ جو بھی یہاں آئے وہ ان کی سنت پر عمل کرے بھئی، تو مرد یہاں دوڑ کر گزرتے ہیں اور عورتیں اسی طرح اطمینان سے بھئی۔

تو یہ ہوئی سعی بھئی، سات چکر لگا لیے صفا مروہ میں، اور اختتام کہاں پر ہو گا؟ مروہ پر، اور آغاز کہاں سے ہوا تھا؟ صفا پہاڑی سے آغاز ہوا تھا۔ تو عمرہ صرف ان دو چیزوں کا نام ہے۔

عمرے کے اندر اب تفصیل یاد رکھو، عمرے کے لیے جب کوئی جاتا ہے اس کو میقات سے احرام باندھنا پڑتا ہے اس سے پہلے پہلے یعنی، میقات تو آخری حد ہے اس سے آگے تو احرام کے بغیر جانا جائز ہی نہیں، تو پہلے پہلے کیا کرنا پڑتا ہے؟ احرام باندھنا پڑتا ہے۔ آج کل تو اللہ نے بڑی آسانی فرما دی، جہاز کے ذریعے چند گھنٹوں میں انسان پہنچ جاتا ہے وہاں، تو لہٰذا یہیں سے کیا کر لیا جاتا ہے؟ احرام باندھ لیا جاتا ہے اور پھر وہاں جب حرم پہنچ گئے تو وہاں پر جا کر طواف کرنا ہے اور پھر کیا کرنی ہے؟ سعی۔

لیکن ایک اور بات یاد رکھیں، جب انسان نے احرام باندھا ہے اور طواف کے بعد کیا کرنی ہے؟ سعی، تو ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو اس کے اندر اضطباع بھی کرنا پڑتا ہے اور رمل بھی۔ اضطباع: ا، ض، ط، ب، ا، ع، اضطباع۔ یہ آگے سب کچھ آئے گا لیکن اگر ابھی اچھی طرح سمجھ لیں گے وہاں آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ اضطباع اس کو کہتے ہیں کہ انسان جب احرام کی چادر اوپر اوڑھتا ہے، ایک چادر تو تہبند کے طور پر باندھ لی اور دوسری چادر جو اوپر اوڑھی ہے اس میں اس کو اس طریقے سے اوڑھتا ہے کہ دایاں کندھا ننگا ہو بھئی۔ یعنی بائیں کندھے پر چادر ڈالی اور دائیں کندھے کے نیچے سے، بغل کے نیچے سے چادر نکال کر پھر بائیں کندھے پر ڈال لیتا ہے، تو دیکھو دایاں کندھا ننگا ہوا، اس کو کہتے ہیں اضطباع بھئی، کیا کہتے ہیں؟ اضطباع کہتے ہیں۔ تو یہ اس میں کرے گا، ایسے کا یہ صرف یہ طواف کے اندر ضروری ہے، کس کے اندر؟ طواف کے اندر۔ لہٰذا یہیں سے آپ احرام عمرے کا باندھ کر جا رہے ہیں تو یہاں ابھی سے اضطباع نہیں ضروری کہ آپ یہیں سے کندھا ننگا کر لیں، نہیں نہیں، لوگوں کو پتہ نہیں ہوتا وہ اس طرح کر لیتے ہیں حالانکہ یہ کب ضروری ہے؟ طواف کے اندر ضروری، کس کے اندر؟ طواف کے اندر ضروری، لہٰذا ابھی اطمینان سے دونوں کندھوں کو چھپاتے ہوئے جیسے چادر اوڑھتے ہیں اس طرح اوڑھ لیں اور پھر وہاں جب طواف کرنے لگیں تو پھر ایک کندھے کو پہلے ننگا کر لیں، اس طرح بغل کے نیچے سے چادر کو گزار لیں، دایاں کندھا ننگا کر لیں۔ یہ ہوا اضطباع۔

اور نیز اس طواف کے اندر جس کے بعد سعی ہے، اضطباع بھی کرنا ہے اور رمل بھی کرنا ہے، رمل۔ رمل اس کو کہتے ہیں بھئی، اگر آپ نے کشتیاں دیکھی ہوں، کشتی کے لیے جب پہلوان کا نام لیا جاتا ہے اور وہ اکھاڑے کے اندر داخل ہوتا ہے تو بڑے فخر کے ساتھ وہ وہ پورے اکھاڑے کا چکر لگاتا ہے اور خوب اپنی طاقت کا اور اپنے اپنی طاقت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے خوب کندھے ہلاتے ہوئے ہلکی رفتار سے دوڑ لگاتے ہوئے اور خوب فخر و تکبر کے ساتھ اکڑتے ہوئے وہ چکر لگاتا ہے، دیکھا ہے یا نہیں دیکھا بھئی؟ یہ ہے رمل بھئی، یہ کیا ہے؟ یہ رمل ہے، تو یہ جو طواف ہے اس کے پہلے تین چکروں میں رمل بھی کرنا پڑے گا بھئی، رمل بھی کرنا پڑے گا، اسی طرح کندھوں کو پہلوانوں کی طرح ہلاتے ہوئے اور خوب طاقت کے اظہار کرتے ہوئے یہ پہلے تین چکر۔ طواف میں تو کل کتنے چکر ہیں؟ سات، لیکن پہلے تین چکروں میں رمل مسنون ہے، ہاں اگر ان میں نہ کر سکا بھول گیا تو بعد والے چکروں میں نہ کرے، صرف پہلے تین میں ہی مسنون ہے بھئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ حضور علیہ السلام جب صحابہ کے ہمراہ یہاں عمرے کے لیے تشریف لائے تھے تو مشرکینِ مکہ نے مشہور کر دیا کہ مسلمان جو یہاں سے ہجرت کر کے گئے مدینہ میں رہتے ہیں بڑے کمزور ہو گئے ہیں بھئی۔ حضور علیہ السلام کو یہ اطلاع پہنچ گئی تو آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ پہلے تین چکروں میں رمل کرنا ہے، چنانچہ سارے اسی طرح خوب طاقت اور قوت کا اظہار کرتے ہوئے اور بڑے فخر کے ساتھ چکر، مشرکین نے ان کو دیکھا تو ساتھیوں میں آپس میں کیا بھئی تم لوگ تو کہتے تھے یہ کمزور ہو گئے ہیں بھئی، بھئی یہ تو سارے پہلوانوں کی طرح اتنے اور

زیادہ قوت والے ہو گئے ہیں بھئی، تو اس کو پھر اسی سنت کو اللہ تعالیٰ نے جاری فرمادیا بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ چکر لگائیں گے۔

تو یہ طواف جب مکمل ہو جائے اس کے بعد اب سعی کرنی ہے، سعی کے لیے پھر انسان صفا پر آئے گا اور صفا پر آئے اور اسی طرح بیت اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو جائے، اس پر تکبیر وغیرہ اور «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ» وغیرہ کہے گا اور دعا مانگ لے اور پھر مروہ کی طرف چلنا شروع کر دے اور پھر یہاں سات چکر پورے کر لے گا۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے عمرے کا بھئی؟ تو یہ سات چکر جب پورا کر لے گا عمرہ مکمل ہو گیا۔

اب آپ نے احرام اتارنا ہے لیکن ایک کام اب باقی ہے: احرام تب آپ اتاریں گے جب آپ اپنے سر کے بال منڈوالیں یعنی ٹنڈ کروالیں یا اگر چھوٹے کروانا چاہتے ہیں تو بال ٹنڈ نہیں کروانا چاہتے، حلق نہیں کروانا چاہتے تو بال چھوٹے کرنا بھی درست ہے بھئی، تو بال چھوٹے کروالیں گے، بس اس کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور پھر اس کے بعد انسان حلال ہو جاتا ہے، پھر اب سلے ہوئے کپڑے وغیرہ پہن سکتا ہے بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے عمرہ بھئی، یہ عمرہ بھئی۔ تو اگر ہجوم وغیرہ نہ ہو تو ایک عمرہ آرام سے تقریباً تین چار گھنٹے میں انسان اطمینان سے ایک عمرہ کر سکتا ہے بھئی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے بھئی، اب آپ یہاں سے سفر کر کے گئے تھے، آپ نے عمرہ کر لیا، طواف اور سعی کر لی اور حلق کروالیا اور اب آپ حلال ہو کر وہاں مکہ میں رہنے لگے، اب جتنے طواف کرنا چاہیں کریں، نیز جس اور عمرے آپ کرنا چاہتے ہیں اور عمرے بھی کر سکتے ہیں، اور بھی جتنے عمرے کرنا چاہیں، لیکن عمرے کے لیے اب آپ پر ضروری ہو گا کہ آپ حرم کی حدود سے نکلیں اور پھر احرام باندھ کر آئیں۔ اور حرم کی حدود میں نے بتایا، بعض طرف چار میل ہے، بعض طرف پانچ میل ہے، بعض طرف چودہ پندرہ میل، تو وہ وہاں پر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی عمرے کی عمرہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ یا رسول اللہ! باقی لوگوں نے حج بھی کر لیا اور عمرہ بھی کر لیا ہے اور میں نے صرف حج کیا ہے، تو حضور علیہ السلام نے ان کے بھائی کو حکم دیا کہ ان کو مقامِ تنعیم سے عمرہ کروالائیں۔ مقامِ تنعیم سے، تنعیم وہ جو قریب ترین جگہ ہے حرم سے باہر یعنی، تو وہ ان کے بھائی لے کر گئے ان کو اور تنعیم مقام پر وہاں انہوں نے احرام کی نیت کی، پھر ان کو لے آئے، پھر انہوں نے طواف کیا، سعی کی اور اسی طرح وہ بال چھوٹے کروائے۔ مردوں کے لیے بال چھوٹے کروانے، منڈوانے کا حکم ہے، عورتیں یہ ہیں بالوں کے آخری کنارے جو ہیں وہ تھوڑے سے کاٹ لیں گی تو اس سے وہ حلال ہو جاتی ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور وہ مقامِ تنعیم جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عمرہ کیا تھا تو وہاں پر پھر بعد میں مسجد بنادی گئی اور وہ مسجدِ عائشہ کے نام سے مشہور ہے بھئی۔ لہٰذا اور جو بھی عمرہ کرنا چاہتا ہے تو وہ وہاں گاڑیاں وغیرہ عام ملتی ہیں، مسجدِ عائشہ انسان چلا جائے، احرام اپنے گھر جگہ سے ہی باندھ لے، احرام کیا کرے؟ اپنی جگہ سے ہی باندھ لے، نیت وہاں جا کر کر لے احرام کی اس مسجدِ عائشہ جو حرم کی حدود سے باہر ہے، لیکن پہلے تو یہ مکہ سے باہر تھی یہ جگہیں، یہ جگہ بھی مکہ سے باہر تھی لیکن اب مکہ اتنا پھیل گیا ہے کہ وہ مسجدِ عائشہ مکہ کے اندر ہی آگئی ہے لیکن بہر حال حرم کی حدود سے باہر ہے۔ تو آپ جتنے ایک دن میں اگر آپ دو عمرے کرنا چاہیں، تین عمرے کرنا چاہیں، طریقہ وہی ہے بھئی، آپ احرام کی مسجدِ عائشہ سے کیا کر لیں گے؟ نیت کر لیں گے، احرام باندھ کر وہاں سے آئیں گے، طواف کریں گے، سعی کر لیں گے اور حلق کروالیں گے، اور اگر حلق پہلے ہی کروا چکے ہیں سر پر اب بال ہیں ہی نہیں تو صرف کیا کر لیا جائے گا؟ حلق والوں کی مشابہت اختیار کر لی جائے گی یعنی سر پر استرا پھروالیں گے، کیا کر لیں گے؟ بال تو ہیں نہیں سر پہ، ابھی مثلاً اسی دن دوسرا آپ عمرہ کر رہے ہیں تو پھر صرف کیا کر لیں؟ سر پر استرا پھروالیں گے اور اب حلال ہو جائیں گے بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھئی؟ یہ تھی عمرے کی تفصیل بھئی۔

اچھا بھئی، چلیے بس کرتے ہیں بھئی، باقی انشاء اللہ پھر کریں گے۔ اگلے سبق میں انشاء اللہ ہم حج کا طریقہ بھی کوشش کریں گے ہو جائے، تو پھر اس کے بعد پھر سمجھنا آسان ہو۔ عمرہ عمرے کا طریقہ سب کو آگیا بھئی؟ عمرہ صرف کس چیز کس چیز کا نام ہے؟ دو چیزیں ہیں، طواف ہے اور سعی ہے، اور حالتِ احرام پھر ختم کب ہو گی؟ جب سعی کے بعد کیا کر لے؟ سر کے بال منڈوالے یا چھوٹے کروالے، تو بس اس کے بعد احرام اتار کر عام کپڑے پہن سکتا ہے اور احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی بھئی، ختم ہو جائیں گی۔ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۳۳: فَصْلٌ: وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُجَاوِ...

ہدایہ صفحہ: ۲۵۲ــــ بتاریخ: ۲۲ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: وَالمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُجَاوِزَهَا الإِنْسَانُ إِلَّا مُحْرِمًا خَمْسَةٌ: لِأَهْلِ المَدِينَةِ ذُو الحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ العِرَاقِ ذَاتُ عِرْقٍ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ جُحْفَةُ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ، وَلِأَهْلِ اليَمَنِ يَلَمْلَمُ. هَكَذَا وَقَّتَ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ هَذِهِ المَوَاقِيتَ لِهَؤُلَاءِ. [1]

گزشتہ سبق میں کتاب الحج ہم نے شروع کی تھی بھائی، اور وہاں پر بتلایا تھا آپ کو کہ بیت اللہ کے ارد گرد کچھ علاقہ جو ہے وہ حرم کہلاتا ہے۔ اور یہ علاقہ جو ہے بعض طرف چار میل، بعض طرف پانچ میل، بعض طرف چودہ پندرہ میل تک ہے، اور یہ بیت اللہ کی عظمت کی وجہ سے یہ علاقہ بھی بڑا معزز اور محترم ہے کہ یہ زمین پر جو اللہ کا پہلا گھر بنایا گیا، یہ اس کے ارد گرد اس کے قریب ترین جگہ ہے۔ لہٰذا یہاں پر کسی چیز کو بھی ادنیٰ درجے کی تکلیف دینے سے بھی بالخصوص منع کیا گیا۔ حتیٰ کہ یہاں درختوں کا کاٹنا منع ہے، یہاں شکار کھیلنا منع ہے، وغیرہ بھائی۔

اور پھر اس حرم سے باہر کچھ حدود ہیں جن کو مواقیت کہتے ہیں، مواقیت بھائی۔ مواقیت جمع ہے میقات کی، میقات۔ اور میقات جو ہیں وہ بعض طرف مکہ مکرمہ سے کوئی سو میل کے فاصلے پر ہیں، بعض طرف ساٹھ ستر میل ہے، بعض طرف ڈھائی سو میل تک ہے۔ یہ حضور علیہ السلام نے حدود متعین فرمائیں۔ اور ان میقاتوں سے آگے اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہے تو ان میقاتوں سے آگے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں۔ اگر بغیر احرام کے گزرے گا تو دم لازم آئے گا۔ دم بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ دم یعنی ایک قربانی، ایک جانور کی قربانی کرنا پڑے گی بھائی۔

اور عمرے کے طریقے میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عمرہ جو ہے وہ صرف طواف اور سعی کا نام ہے، طواف اور سعی کا۔ اور طواف کے اندر بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے جاتے ہیں، حجر اسود سے ابتدا کی جاتی ہے اور حجر اسود بیت اللہ کے دروازے کے ساتھ جو کونا ہے اس پر نصب ہے۔ تو وہاں سے ابتدا کرتے ہوئے دروازے کی طرف چلیں یعنی انسان کا بایاں کندھا بیت اللہ کی طرف رہتا ہے بیت اللہ کے گرد چکر لگاتے ہوئے۔ اور بیت اللہ کے گرد چکر لگاتے ہوئے میں نے بتلایا تھا کہ بیت اللہ کے ساتھ ایک نصف دائرے کی چھوٹی سی دیوار بھی ہے جسے حطیم کہتے ہیں، اس کا بھی آگے ذکر آجائے گا، اور طواف کرتے ہوئے اس حطیم کے باہر سے ہی چکر لگانا ہے، یہ بھی آپ کو آگے بتلائیں گے کہ طواف چکر لگاتے ہوئے حطیم کے باہر سے چکر لگانا ہے۔ حطیم کے بیچ میں دونوں طرف کو راستہ ہے تو وہاں سے نہیں گزرنا اس لیے کیونکہ یہ حطیم بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ تو طواف کس کے گرد کرنا ہے؟ بیت اللہ کے ارد گرد کرنا ہے، اس کے بیچ میں سے گزر کر نہیں کرنا، تو لہٰذا حطیم کے پیچھے سے، باہر سے گزریں گے بھائی۔

اور میں نے بتلایا تھا حطیم کے بارے میں کہ یہ بھی دراصل بیت اللہ کا حصہ تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے کچھ عرصہ پہلے مکہ میں زبردست بارشیں ہوئیں اور سیلاب آیا، پہاڑوں سے پانی آیا جس سے بیت اللہ کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ تو قریش نے بیت اللہ کی نئی تعمیر کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس کے لیے انہوں نے شرط لگائی کہ صرف حلال مال جو ہے اس پر خرچ کریں گے۔ اب حلال مال اکٹھا کیا گیا تو وہ اس قدر نہیں تھا کہ جس سے پوری بیت اللہ کی تعمیر ہو سکے۔ چنانچہ کچھ حصے کو انہوں نے صرف تھوڑی سی دیوار بنا کر چھوڑ دیا اور باقی جتنا پیسہ جمع ہوا تھا اس کے ذریعے جو کچھ حصے پر عمارت بن سکتی تھی وہ بنا دی گئی بھائی۔

اور اس میں بھی جب وہ بیت اللہ کی تعمیر کرنے لگے تو اب پچھلی عمارت کو نقصان تو پہنچا تھا لیکن وہ ابھی کھڑی ہوئی تھی عمارت، تو اب سوچ رہے ہیں اس کو گرائیں کیسے بھائی۔ ہر شخص ڈر رہا ہے کہ اگر میں نے بیت اللہ کی دیوار پر کدال چلائی تو کہیں مجھ پر فوراً ہی اللہ کا عذاب نہ آجائے۔ اب کئی دن تک وہ سارے ان کے سردار جمع ہیں

[1] شاملہ (ص ۱۸۰) میں «جُحْفَةُ» کے بجائے «الجحفة» درج ہے۔

لیکن کسی کی ہمت نہیں ہو رہی کہ جا کر بیت اللہ کی دیوار کو گرانا شروع کرے۔ اگرچہ ان کا مقصد اصلاح تھا کوئی خرابی نہیں، بلکہ نئی تعمیر کرنا چاہتے تھے لیکن پھر بھی بڑا خوف تھا ان کے دلوں میں۔ آخر کئی دن اسی کے اندر گزر گئے۔ ایک دن ایک سردار نے ہمت کی اور کدال لے کر گیا اور اس نے کدال چلانے سے پہلے دعا کی کہ اے اللہ! آپ جانتے ہیں ہمارا ارادہ خیر ہی خیر کا ہے کوئی نقصان کا ارادہ نہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے پھر کدال چلائی بھائی۔ اور پھر بھی ڈر رہے تھے کہ ابھی عذاب آیا، ابھی عذاب آیا۔ لیکن جب کچھ دیر گزری اور باقیوں نے دیکھا ان کو تو کچھ نہیں ہوا تو پھر باقی بھی ساتھ شریک ہو گئے، چنانچہ وہ ساری عمارت گرائی گئی بھائی ساری عمارت، اور پھر اس کی بنیادیں بھی انہوں نے کھودیں تاکہ نیچے سے مضبوط عمارت بنائیں۔

تو بنیادیں کھودتے ہوئے کچھ گہرائی تک گئے تو آگے سبز پتھروں کی ایک بنیاد آئی۔ اس بنیاد پر جب انہوں نے کدال چلائی تو پورا مکہ لرزنے لگا بھائی۔ وہ سمجھ گئے کہ بس اس سے آگے معلوم ہوا اجازت نہیں ہے، یہ وہ بنیادیں ہیں، قدیم بنیادیں ہیں اس سے آگے اجازت نہیں۔ چنانچہ اسی پر پھر انہوں نے عمارت تعمیر کی اور یہ کچھ حصہ رہ گیا تھا اس پر انہوں نے کیا کر دیا؟ نصف دائرے کی شکل میں بس علامتی طور پر دیوار بنا دی بھائی کہ یہ پھر کبھی موقع ملے گا تو اس کو بھی بنالیں گے بھائی۔ تو بہر حال اس کو پھر اسی طرح برقرار رکھا گیا۔ لیکن اس کا فائدہ یہ ہے اب کوئی عام شخص بھی چاہتا ہے میں بیت اللہ کے اندر جا کر نماز ادا کروں، اب وہ تو بادشاہوں ہی کے لیے کھولا جاتا ہے کسی اور کے لیے نہیں، لیکن اب عام آدمی بھی اپنی اس خواہش کو پورا کر سکتا ہے، وہاں جا کر نماز وغیرہ، نوافل ادا کر سکتا ہے بھائی۔

تو یہ سات چکر جب لگا لیے تو طواف مکمل ہوا اور اس کے بعد طواف کی دو رکعتیں واجب ہیں وہ پڑھی جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد سعی کی جاتی ہے صفا اور مروہ کے درمیان۔ اور صفا سے چلنا شروع کریں، مروہ پر پہنچیں تو یہ ایک چکر ہو گیا اور واپس جب صفا پر پہنچیں گے تو یہ دو چکر ہو گئے۔ اس طرح ساتواں چکر مروہ پہاڑی پر مکمل ہو جائے گا اور درمیان میں جو سبز رنگ کے نشانات ہیں ان میں مرد کے لیے ہلکی رفتار سے دوڑنے کا حکم ہے۔ اور پھر جب یہ طواف اور سعی مکمل ہو گئے تو اب احرام اتارنے سے پہلے ایک عمل ضروری ہے پھر ہی انسان حلال ہو گا، پھر ہی احرام کی پابندیاں ختم ہوں گی اور وہ یہ کہ انسان اپنے سر کے بال استرے سے منڈوا دے، مرد ہے اگر تو سر کے بال استرے سے منڈوا دے یا سارے سر کے بال چھوٹے کروا دے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ بالوں کے آخری کنارے کم از کم آدھا پونا انچ سارے سر کے بال چھوٹے کروا دے تو یہ بھی کافی ہے بھائی۔ اور پھر اس کے بعد وہ حلال ہو جائے گا، احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی بھائی۔ یہ تھا عمرہ بھائی عمرہ۔

تو دیکھیے اب یہی میقات وغیرہ کی تفصیل اب کتاب کے اندر آ رہی ہے، اس کے بعد پھر ہم حج کا طریقہ بھی آج ہی ان شاء اللہ کر لیں گے بھائی۔

■ فَصْلٌ: وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُجَاوِزَهَا

فَصْلٌ: وَالمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُجَاوِزَهَا الإِنْسَانُ إِلَّا مُحْرِمًا خَمْسَةٌ: اور وہ مواقیت کہ جائز نہیں ہے کہ انسان ان سے آگے بڑھ جائے بغیر احرام کی حالت کے، محرم جس نے احرام باندھا ہو۔ اور وہ مواقیت کہ جائز نہیں ہے کہ ان سے آگے بڑھ جائے انسان **إِلَّا مُحْرِمًا** مگر محرم ہوتے ہوئے ہی، **خَمْسَةٌ** وہ پانچ ہیں۔ **لِأَهْلِ المَدِينَةِ ذُو الحُلَيْفَةِ،** اہل مدینہ کے لیے وہ ذوالحلیفہ مقام ہے۔ یہ مدینہ کے قریب ہی ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو یہ جگہ مکہ سے کافی دور ہے، مدینہ کے بالکل قریب ہے۔ **وَلِأَهْلِ العِرَاقِ ذَاتُ عِرْقٍ،** اور عراق والوں کے لیے جو میقات ہے وہ ذات عرق ہے۔ **وَلِأَهْلِ الشَّامِ جُحْفَةُ،** اور شام والوں کے لیے میقات جحفہ ہے۔ **وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ،** اہل نجد کے لیے جو میقات ہے وہ قرن ہے۔ **وَلِأَهْلِ اليَمَنِ يَلَمْلَمُ،** اور اہل یمن کے لیے جو میقات ہے وہ یلملم ہے بھائی۔ **هَكَذَا وَقَّتَ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ هَذِهِ المَوَاقِيتَ لِهَؤُلَاءِ:** اسی طرح میقات مقرر فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، یہ والے میقات ان لوگوں کے لیے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ مدینہ والے، عراق والے، شام والے یعنی اس طرف سے جو بھی آ رہا ہے ان کے لیے حضور علیہ السلام نے یہ میقات مقرر فرمائے۔

وَفَائِدَةُ التَّأْقِيتِ المَنْعُ عَنْ تَأْخِيرِ الإِحْرَامِ عَنْهَا، اب یہ میقاتوں کا فائدہ بیان کر رہے ہیں۔ میقاتوں کا کیا فائدہ؟ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ یہ آخری حد ہے، اس سے آگے بغیر احرام کے جانا جائز نہیں۔ ہاں اس سے پہلے، پہلے تو جہاں سے مرضی احرام باندھ لیں بلکہ افضل ہے اپنے گھر سے ہی کیا کریں، اپنی جگہ سے ہی احرام باندھ کر انسان چلے۔ تو البتہ یہ میقات آخری حد ہے، ان سے آگے بغیر احرام کے جانا جائز نہیں جبکہ جانے والے کا ارادہ کہاں جانے کا ہو؟ مکہ جانے کا ہو۔ اگر مکہ کے علاوہ حل کے اندر کسی اور جگہ وہ جا رہا ہے تو پھر احرام ضروری نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَفَائِدَةُ التَّأْقِيتِ المَنْعُ عَنْ تَأْخِيرِ الإِحْرَامِ عَنْهَا،** تاقیت وہی میقاتوں کا مقرر کرنا۔ اور یہ میقاتوں کے مقرر کرنے کا فائدہ جو ہے وہ یہ ہے کہ ان سے احرام کو مؤخر کرنا ممنوع ہے، **لِأَنَّهُ يَجُوزُ التَّقْدِيمُ عَلَيْهَا بِالاتِّفَاقِ،** اس لیے کیونکہ ان پر احرام کو مقدم کرنا تو بالاتفاق جائز ہے کہ پہلے سے انسان کیا کر لے؟ احرام باندھ لے اور بلکہ افضل ہے کہ اپنی جگہ سے ہی احرام باندھ کر چلے۔

ثُمَّ الآفَاقِيُّ، بھائی وہی جو میں نے ذکر کیا تھا، حرم کے اندر جو رہتے ہیں ان کو کیا کہتے ہیں؟ اہل حرم کہتے ہیں یا اسی طرح حرمی بھی کہتے ہیں۔ اور جو میقات اور حرم کے درمیان رہتے ہیں ان کو حلی کہتے ہیں اور یہ جگہ حل کہلاتی ہے، لام مشدد ہے، **حِلٌّ۔** اور جو میقات سے باہر کے سارے لوگ ہیں وہ کیا کہلاتے ہیں؟ آفاقی کہلاتے

ہیں۔ کہتے ہیں: **ثُمَّ الْآفَاقِيُّ إِذَا انْتَهَى إِلَيْهَا عَلَى قَصْدِ دُخُولِ مَكَّةَ عَلَيْهِ أَنْ يُحْرِمَ، قَصَدَ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ أَوْ لَمْ يَقْصِدْ عِنْدَنَا،** پھر آفاقی جب پہنچے ان میقاتوں تک **عَلَى قَصْدِ دُخُولِ مَكَّةَ** کس ارادے سے؟ مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے، **عَلَيْهِ أَنْ يُحْرِمَ** تو اس پر واجب ہے کہ وہ احرام باندھے، **قَصَدَ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ أَوْ لَمْ يَقْصِدْ** چاہے اس نے حج کا ارادہ کیا ہے یا عمرے کا ارادہ کیا ہے یا ارادہ نہیں کیا ہے **عِنْدَنَا** ہمارے نزدیک۔ یعنی جس ارادے سے بھی مکہ جا رہا ہے چاہے تجارت کے لیے، چاہے ملازمت کے لیے، چاہے کسی اور کام سے، لیکن جب مکہ جا رہا ہے تو احرام ضروری ہے۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، دلیل بھائی اس کی کہ کیوں اس سے آگے گزرنا بغیر احرام کے جائز نہیں؟ کہتے ہیں بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول مبارک کے کہ آپ نے فرمایا: «**لَا يُجَاوِزُ أَحَدُ الْمِيقَاتَ إِلَّا مُحْرِمًا**» کہ کوئی بھی تجاوز نہ کرے میقات سے مگر محرم، **إِلَّا مُحْرِمًا** مگر حالت احرام میں۔ اور دوسری دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں عقلی دلیل بھی: **وَلِأَنَّ وُجُوبَ الْإِحْرَامِ لِتَعْظِيمِ هَذِهِ الْبُقْعَةِ الشَّرِيفَةِ،** اور اس لیے کیونکہ احرام کا واجب ہونا وہ اس زمین کے اس معزز ٹکڑے کی تعظیم کے لیے ہے۔ بقعہ کہتے ہیں زمین کا ٹکڑا، الشریفہ یعنی معزز بھائی۔ اس لیے کیونکہ احرام کا واجب ہونا زمین کے اس معزز ٹکڑے کی تعظیم کے لیے ہے، **فَيَسْتَوِي فِيهِ الْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَغَيْرُهُمَا،** تو اس کے اندر حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اور ان کے علاوہ سب برابر ہیں، سب پر کیا ضروری ہے؟ اس زمین کے ٹکڑے کی تعظیم ضروری ہے بھائی۔

وَمَنْ كَانَ دَاخِلَ الْمِيقَاتِ لَهُ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ لِحَاجَتِهِ، میں نے آپ کو بتلایا تھا جو میقات کے اندر رہتے ہیں یعنی حلی، ان کے لیے بغیر احرام کے بھی مکہ جانا جائز ہے کیونکہ وہ مکہ کے قریب رہتے ہیں، ان کو آنے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو اگر ان پر بھی پابندی لگا دی جائے احرام کی تو وہ تو حرج میں پڑ جائیں گے اور حالانکہ حرج اور تنگی کو شریعت میں دور کیا گیا ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَمَنْ كَانَ دَاخِلَ الْمِيقَاتِ** اور جو شخص میقات کے اندر ہو، **لَهُ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ لِحَاجَتِهِ** تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ داخل ہو مکہ بغیر احرام کے اپنی ضرورت کے لیے۔ وہ اپنی ضرورت کے لیے بغیر احرام کے بھی جا سکتا ہے، **لِأَنَّهُ يَكْثُرُ دُخُولُهُ مَكَّةَ** اس لیے کیونکہ اس کا مکہ میں داخل ہونا کثرت سے ہو گا، اسے بار بار حاجت پیش آئے گی مکہ جانے کی، **وَفِي إِيجَابِ الْإِحْرَامِ فِي كُلِّ مَرَّةٍ حَرَجٌ بَيِّنٌ** اور ہر مرتبہ احرام کو واجب کرنے میں حرج بین، کھلا حرج ہے، **حَرَجٌ بَيِّنٌ** کھلا حرج ہے ظاہر حرج ہے، **فَصَارَ كَأَهْلِ مَكَّةَ** تو وہ شخص جو ہے وہ مکہ والوں جیسا ہی ہو گیا، جو حل میں رہتا ہے وہ کس کی طرح ہو گیا؟ اہل مکہ کی طرح ہی ہو گیا، **حَيْثُ يُبَاحُ لَهُمُ الْخُرُوجُ مِنْهَا ثُمَّ دُخُولُهَا بِغَيْرِ إِحْرَامٍ لِحَاجَتِهِمْ** کیونکہ ان مکہ والوں کے لیے مباح ہے اس مکہ سے نکلنا پھر اس مکہ میں داخل ہونا بغیر احرام کے اپنی ضرورت کے لیے۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا قَصَدَ أَدَاءَ النُّسُكِ لِأَنَّهُ يَتَحَقَّقُ أَحْيَانًا فَلَا حَرَجَ، نسک کہتے ہیں عبادت کو۔ نسک کا کیا معنی؟ عبادت۔ تو یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں بھائی کہ یہ جو آفاقی ہیں، آفاقی ان کے لیے تو میقات کی یہ حدود ہیں جو ابھی بیان ہو گئیں۔ لیکن اگر حلی شخص جو ہے جو حرم سے باہر رہتا ہے اور میقاتوں کے اندر رہتا ہے، وہ اگر عمرے یا حج کی نیت سے مکہ جانا چاہتا ہے تو اس کا میقات یہ حرم کی حدود ہیں۔ کیا ہیں؟ یعنی اس کے باہر باہر سے، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے اس کا میقات یہ حل ہی ہے، کیا ہے؟ حل ہی ہے، یہیں سے جہاں سے بھی وہ چاہے کیا کر لے؟ احرام باندھ لے لیکن حرم سے باہر باہر ہی، تو حرم کی حدود گویا اس کے لیے میقات بن جائیں گی بھائی۔ اس سے آگے جب وہ عمرے یا حج کے لیے جا رہا ہے تو بغیر احرام کے جانا جائز نہیں اس کے لیے۔ اور چونکہ ویسے اپنی حاجت اور ضرورت کے لیے تو اس کو مکہ اکثر جانے کی ضرورت پیش آئے گی لہٰذا اس وجہ سے احرام اگر اس پر واجب کیا جائے تو حرج لازم آئے گا تو احرام اس پر واجب نہیں۔ لیکن اگر وہ عبادت کی نیت سے جا رہا ہے یعنی عمرے یا حج کے لیے تو پھر یہ تو کبھی کبھار ہوتا ہے، اس کے لیے احرام کو واجب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا وہ جب عمرے یا حج کے لیے جائے گا تو اس کے لیے حل سے ہی احرام کا باندھنا ضروری ہے۔ یہ معنی ہے: **بِخِلَافِ مَا إِذَا قَصَدَ أَدَاءَ النُّسُكِ** بخلاف اس کے کہ جب اس کا ارادہ جو ہے عبادت کی ادائیگی کا ہو تو پھر احرام باندھے گا، پھر کوئی حرج نہیں، **لِأَنَّهُ يَتَحَقَّقُ أَحْيَانًا** اس لیے کیونکہ یہ تو کبھی کبھار ہی ہو گا، **فَلَا حَرَجَ** تو اس کے اندر کوئی حرج نہیں ہے بھائی۔

فَإِنْ قَدَّمَ الْإِحْرَامَ عَلَى هَذِهِ الْمَوَاقِيتِ جَازَ، اگر احرام کو حج یا عمرے پر جانے والے نے کیا کیا؟ مقدم کر دیا احرام کو ان میقاتوں پر، **جَازَ** تو جائز ہے۔ ان میقاتوں سے پہلے احرام باندھ سکتا ہے یا نہیں باندھ سکتا؟ باندھ سکتا ہے بلکہ اپنی جگہ سے باندھنا، اپنے گھر سے باندھنا افضل ہے۔ تو یہ ذکر کر رہے ہیں اگر احرام کو مقدم کر دیا ان میقاتوں پر تو یہ جائز ہے، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى** بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: ﴿**وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ**﴾ اور تم لوگ پورا کرو حج اور عمرے کو اللہ کے لیے۔ تو تم لوگ کیا کرو حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو۔ اس آیت کی کئی تفاسیر کی گئی ہیں اور ایک تفسیر جو اس کی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلے اور پھر حج اور عمرے کو پورا کرے۔ آیت میں کیا آیا؟ تم پورا کرو حج اور عمرے کو، یعنی اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلو اور پھر کیا کرو؟ حج اور عمرے کو پورا کرو۔ تو معلوم ہوا میقاتوں سے باہر بھی اپنے گھر سے بھی احرام باندھنا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔

یہی بیان کر رہے ہیں: **وَإِتْمَامُهَا أَنْ يُحْرِمَ بِهِمَا مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ،** اور اس حج اور عمرے کا پورا کرنا یہ ہے کہ وہ احرام باندھے ان دونوں کا **مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ** اپنے اہل کے چھوٹے گھر سے۔ اپنے اہل کے چھوٹے گھر سے یعنی اپنے اہل سے، اپنے اہل و عیال والے گھر سے ہی کیا کرے؟ احرام باندھے۔ **دُوَيْرَةٌ** یاد رکھیے یہ تصغیر ہے دار کی، دار کی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور صاحب ہدایہ نے یہاں دار کی تصغیر استعمال کی، دار کا معنی گھر، دویرہ کا معنی چھوٹا گھر۔ سوال پیدا ہوتا ہے دار کیوں نہیں کہا؟ دویرہ کیوں کہا؟ وجہ اس کی یہ کہ یہاں ذکر چل رہا ہے بیت اللہ کا، کس کا ذکر چل رہا ہے؟ بیت اللہ کا، اور بیت عربی زبان میں کہتے ہیں کمرے کو، کس کو کہتے ہیں؟ کمرے کو،

اور دار جو ہوتا ہے وہ بیت سے بڑا ہوتا ہے۔ دار کے اندر ایک یا ایک سے زیادہ کمرے ہوں گے اور ساتھ صحن بھی ہو گا، تو وہ بیت سے بڑا ہوتا ہے۔ تو لہٰذا اس لیے صاحب ہدایہ نے یہاں پر دار چونکہ بڑا ہے اور پیچھے ذکر آگیا ہے بیت اللہ کا تو دار کی تصغیر استعمال کی یہ بتلانے کے لیے کہ بیت اللہ کے مقابلے میں ہر دار کیا ہے؟ بڑا چھوٹا اور معمولی ہے بھائی۔ نکتہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

تو یہ معنی ہے، اور حج اور عمرے کا پورا کرنا یہ ہے: **أَنْ يُحْرِمَ بِهِمَا مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ** کہ وہ ان دونوں کا احرام باندھے اپنے اہل وعیال کے چھوٹے گھر سے۔ یا یوں ترجمہ کریں: ان دونوں کا احرام باندھے اپنے اہل وعیال کے گھروندے سے ہی اس کی ان کا احرام باندھے۔ **قَالَهُ عَلِيٌّ وَابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا،** اور یہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے۔ یعنی انہوں نے یہ اتمام حج وعمرہ کی یہ تفسیر بیان کی ہے۔ یہ ہم اپنی جانب سے تفسیر نہیں بیان کر رہے کہ گھر سے ہی کیا کرے؟ احرام باندھ کر چلے، بلکہ یہ انہوں نے تفسیر کی ہے اس کی۔

وَالْأَفْضَلُ التَّقْدِيمُ عَلَيْهَا، اور افضل جو ہے وہ احرام کا مقدم کرنا ہے ان میقاتوں پر، **لِأَنَّ إِتْمَامَ الْحَجِّ مُفَسَّرٌ بِهِ** اس لیے کیونکہ اتمام حج جو ہے اس کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ کہاں سے احرام باندھ کر چلے؟ اپنے گھر سے۔ **وَالْمَشَقَّةُ فِيهِ أَكْثَرُ** اور نیز اس لیے کیونکہ اس کے اندر مشقت زیادہ ہے، **وَالتَّعْظِيمُ أَوْفَرُ** اور اس کے اندر تعظیم زیادہ ہے بھائی۔ بھائی دیکھیے احرام جو ہے نا احرام، احرام کی حالت میں انسان پر مختلف پابندیاں لگ جاتی ہیں۔ وہ خوشبو نہیں لگا سکتا، وہ سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتا، دو چادریں پہننی پڑیں گی، اور اسی طرح وہ ناخن نہیں کاٹ سکتا، وہ بال نہیں کاٹ سکتا، وہ شکار وغیرہ نہیں کر سکتا، وہ بیوی سے صحبت نہیں کر سکتا، تو بہت سی پابندیاں احرام کے اندر انسان پر لاگو ہو جاتی ہیں۔ تو جب اپنے گھر سے احرام باندھ کر چلے گا تو ابھی سے ہی پابندیاں اس پر لاگو ہو جائیں گی تو اس میں مشقت زیادہ ہے کیونکہ میقات تو مکہ کے قریب جا کر آئے گا لیکن ابھی سے یہ ساری پابندیاں برداشت کر کے چلنا اس میں مشقت زیادہ ہے۔ اور آج کل تو بڑی آسانی ہو گئی، جہاز میں بیٹھتے ہیں اسی دن شام تک آرام سے مکہ بھی پہنچ جاتے ہیں، اور قدیم زمانے میں تو بڑا المباسفر ہوتا تھا، میقات تک پہنچتے ہی مہینہ مہینہ یا اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا تھا بھائی۔ تو اتنا عرصہ یہ ساری پابندیاں رہیں یہ کوئی آسان کام نہیں ہے، بڑا مشقت والا کام ہے۔ تو لہٰذا اسی لیے یہ افضل ہے، اس کے اندر مشقت زیادہ تو ثواب بھی زیادہ ہے۔ یہ معنی ہے: **وَالْمَشَقَّةُ فِيهِ أَكْثَرُ وَالتَّعْظِيمُ أَوْفَرُ** اور مشقت اس کے اندر کثیر ہے اور تعظیم جو ہے اس کے اندر زیادہ ہے۔

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: إِنَّمَا يَكُونُ أَفْضَلَ إِذَا كَانَ يَمْلِكُ نَفْسَهُ أَنْ لَا يَقَعَ فِي مَحْظُورٍ، امام صاحب بھائی، امام صاحب کی بڑی گہری نظر ہوتی ہے بھائی، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً گھر سے احرام باندھنا افضل نہیں ہے، افضل نہیں ہے۔ ہاں اس وقت افضل ہے جب انسان کو اپنے نفس پر قابو ہو بھائی، اور نفس پر قابو ہو اسے یقین ہو کہ اتنا عرصہ احرام کی پابندیاں رہیں گی اور میں کسی احرام کی ممنوعہ چیز میں نہیں پڑوں گا بھائی، تو پھر اس کے لیے افضل ہے۔ اور اگر اس کے لیے اس کا اپنے نفس پر قابو نہیں ہے اور اتنا عرصہ جو ہے اس کے لیے احرام کی پابندیوں کی وجہ سے اس کو خطرہ ہے میں کسی احرام کی ممنوعہ چیز میں نہ پڑ جاؤں تو پھر اس کے لیے یہ افضل نہیں ہے بلکہ یہ کیا کرے؟ میقات پر جا کر ہی احرام باندھے بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: إِنَّمَا يَكُونُ أَفْضَلَ إِذَا كَانَ يَمْلِكُ نَفْسَهُ** اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ یہ تقدیم جو ہے یہ افضل ہے **إِذَا كَانَ يَمْلِكُ نَفْسَهُ** جب وہ اپنے نفس کا مالک ہو یعنی اپنے نفس پر اس کو قابو ہو، **أَنْ لَا يَقَعَ فِي مَحْظُورٍ** کہ وہ کسی ممنوع چیز میں نہیں پڑے گا۔

وَمَنْ كَانَ دَاخِلَ الْمِيقَاتِ فَوَقْتُهُ الْحِلُّ، اور جو شخص میقات کے اندر ہو تو اس کا میقات جو ہے **فَوَقْتُهُ** تو اس کا میقات جو ہے **الْحِلُّ** وہ کیا ہے؟ حل ہے۔ بھائی میں نے آپ کو بتلایا جو میقات کے اندر رہتا ہے اور حرم سے باہر یہ جگہ کہلاتی ہے **حِلٌّ،** حل بھائی۔ اور جو حل کے اندر ہے اس کا میقات کیا ہے؟ یہی حل ہی ہے، یہاں سے جہاں سے بھی چاہے کیا کر سکتا ہے؟ احرام باندھ سکتا ہے لیکن حرم کی حدود سے باہر ہی باہر اس کو باندھنا پڑے گا۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں: **وَمَنْ كَانَ دَاخِلَ الْمِيقَاتِ فَوَقْتُهُ الْحِلُّ** اور جو شخص میقات کے اندر ہو تو اس کا میقات حل ہے، **مَعْنَاهُ: الْحِلُّ الَّذِي بَيْنَ الْمَوَاقِيتِ وَبَيْنَ الْحَرَمِ،** معنی اس کا یہ ہے کہ وہ حل جو میقاتوں کے درمیان اور حرم کے درمیان ہے، **لِأَنَّهُ يَجُوزُ إِحْرَامُهُ مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ وَمَا وَرَاءَ الْمِيقَاتِ إِلَى الْحَرَمِ مَكَانٌ وَاحِدٌ،** اس لیے کیونکہ اس شخص کے لیے احرام جائز ہے اپنے اہل وعیال کے گھر سے، **وَمَا وَرَاءَ الْمِيقَاتِ إِلَى الْحَرَمِ مَكَانٌ وَاحِدٌ** اور میقات سے پیچھے حرم تک ایک ہی جگہ ہے یعنی سارے کا ایک ہی حکم ہے۔ تو جب اپنے گھروں سے جائز ہے اس کے لیے تو جہاں سے بھی باندھنا چاہے حل کے اندر وہ کیا کر سکتا ہے؟ احرام باندھ سکتا ہے۔

وَمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَوَقْتُهُ فِي الْحَجِّ الْحَرَمُ وَفِي الْعُمْرَةِ الْحِلُّ، بھائی اب اہل مکہ جو حرم کے اندر رہتے ہیں، حرم کے اندر، ان کا میقات کیا ہے؟ وہ احرام کہاں سے باندھیں گے؟ تو یاد رکھنا ایک احرام ہے عمرے کا، ایک احرام ہے حج کا۔ تو عمرے کا احرام جو ہے اس کے لیے ان کو حرم سے نکلنا پڑے گا۔ اہل مکہ کو بھی کیا کرنا پڑے گا؟ عمرے کا احرام باندھنے کے لیے حرم سے نکلنا پڑے گا۔ وجہ اس کی یہ کہ عمرہ کرنا ہے وہیں پر مکہ ہی کے اندر، وہیں طواف کرنا ہے اور وہیں سعی کرنی ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ تھوڑا سا سفر کر کے آئے۔ لہٰذا حرم سے نکلے اور جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے بھائی نے حضور علیہ السلام کے حکم پر مقام تنعیم سے عمرہ کروایا تھا، اور تنعیم یہ حرم سے باہر حل کے اندر ہے۔ اور میں نے بتلایا وہیں پر اب مسجد عائشہ بن گئی ہے، لیکن اب وہ مکہ کے اندر آگئی ہے لیکن بہر حال حرم کی حدود سے

باہر ہے۔ تو جیسے ان کو وہ پہلے حرم سے نکلی تھیں اور پھر احرام باندھ کر آئی تھیں اور عمرہ کیا تھا تو اس سے کیا ہوا؟ کچھ سفر ہو گیا۔ تو عمرے کے لیے مکہ والا بھی کیا کرے گا؟ حرم سے نکلے گا اور احرام باندھ کر پھر آئے گا اور عمرہ ادا کرے گا تا کہ کچھ سفر ہو جائے۔

اور حج، حج کے اندر تو منیٰ جانا پڑتا ہے، مزدلفہ جانا پڑتا ہے، عرفات جانا پڑتا ہے اور یہ مکہ سے باہر ہے تو اس میں تو سفر آئے گا ہی آئے گا، لہٰذا اس کے لیے اب باہر جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے اندر تو سفر ویسے بھی آجائے گا۔ لہٰذا اس کا احرام مکہ والے مکہ ہی سے باندھیں گے۔ اس کا احرام مکہ ہی کے اندر سے، حرم کے اندر سے وہیں پر کیا کر لیں گے؟ احرام باندھ لیں گے کیونکہ اس میں سفر تو ویسے ہی موجود ہے لہٰذا الگ سفر کی ضرورت نہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَوَقْتُهُ فِي الْحَجِّ الْحَرَمُ وَفِي الْعُمْرَةِ الْحِلُّ**، اور جو شخص مکہ کے اندر ہوا تو اس کا میقات **فِي الْحَجِّ** حج کے اندر **الْحَرَمُ** وہ حرم ہی ہے، حرم کی حدود کے اندر ہی احرام باندھ لے، **وَفِي الْعُمْرَةِ الْحِلُّ** اور عمرے کے اندر اس کا میقات جو ہے وہ حل ہے یعنی حرم سے نکلے گا اور پھر احرام باندھ کر آئے گا۔ **لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُحْرِمُوا بِالْحَجِّ مِنْ جَوْفِ مَكَّةَ**، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اپنے صحابہ کو کہ وہ حج کا احرام باندھیں **مِنْ جَوْفِ مَكَّةَ** مکہ کے بیچ میں سے ہی، **وَأَمَرَ أَخَا عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنْ يُعْمِرَهَا مِنَ التَّنْعِيمِ وَهُوَ فِي الْحِلِّ**، اور حکم دیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی کو کہ وہ ان کو عمرہ کروالائیں **مِنَ التَّنْعِيمِ** کہاں سے؟ تنعیم مقام سے، **وَهُوَ فِي الْحِلِّ** اور یہ تنعیم کس جگہ پر ہے؟ حل کے اندر ہے۔

وَلِأَنَّ، جی یہاں سے عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں وہ جو میں نے ذکر کر دی کہ کچھ سفر ہونا چاہیے اور اگر پہلے سے سفر ہے تو پھر مزید سفر کی ضرورت نہیں۔ **وَلِأَنَّ أَدَاءَ الْحَجِّ فِي عَرَفَةَ وَهِيَ فِي الْحِلِّ**، اور اس لیے کیونکہ حج کی ادائیگی عرفات میں ہو گی کیونکہ عرفات میں وقوف عرفات فرض ہے، تو حج کی ادائیگی عرفات میں ہو گی **وَهِيَ فِي الْحِلِّ** اور وہ کس کے اندر ہے؟ حل کے اندر ہے، وہ تو پہلے ہی مکہ سے باہر ہے، حرم سے باہر ہے۔ **فَيَكُونُ الْإِحْرَامُ مِنَ الْحَرَمِ لِيَتَحَقَّقَ نَوْعُ سَفَرٍ**، تو احرام جو ہے وہ حرم سے ہو گا تا کہ ایک قسم کا سفر پایا جائے، **وَأَدَاءُ الْعُمْرَةِ فِي الْحَرَمِ** اور عمرے کی جو ادائیگی ہے **فِي الْحَرَمِ** وہ حرم ہی میں ہو گی **فَيَكُونُ الْإِحْرَامُ مِنَ الْحِلِّ** تو احرام کہاں سے ہو گا؟ حل سے ہو گا، لہٰذا اسی وجہ سے، یعنی تا کہ ایک نوع کا سفر پایا جائے۔ **إِلَّا أَنَّ التَّنْعِيمَ أَفْضَلُ لِوُرُودِ الْأَثَرِ بِهِ**، مگر یہ کہ تنعیم جو ہے وہ افضل ہے اس وجہ سے کہ اس کے بارے میں اثر آئی ہے، حدیث آئی ہے، **وَاللهُ أَعْلَمُ** اور اللہ خوب جاننے والے۔ کہتے ہیں بھائی عمرے کے لیے سفر کر لے، حرم سے نکلے حل میں آئے اور پھر احرام باندھ کر آئے، لیکن اب حرم سے تو چاروں طرف نکل سکتا ہے، چاروں طرف اس کی حد ہے، لیکن افضل کیا ہے؟ کہاں سے کرے؟ تنعیم سے کرے کیونکہ اس کے بارے میں حدیث آگئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائی کو کیا کہا تھا کہ تنعیم سے کروالائیں، **وَاللهُ أَعْلَمُ** اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

■ بَابُ الْإِحْرَامِ، یہ باب ہے احرام کے بیان میں

بَابُ الْإِحْرَامِ، یہ باب ہے احرام کے بیان میں۔ **وَإِذَا أَرَادَ الْإِحْرَامَ اغْتَسَلَ أَوْ تَوَضَّأَ وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ**، اور جب ارادہ کرے احرام کا، حج یا عمرے پر جانے والا، تو **اغْتَسَلَ** تو غسل کر لے، **أَوْ تَوَضَّأَ** یا وضو کر لے، **وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ** اور غسل افضل ہے، **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اغْتَسَلَ لِإِحْرَامِهِ** اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے غسل فرمایا اپنے احرام کے لیے۔

یہاں سے احرام کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ یاد رکھیے احرام جو ہے آپ لوگ عموماً ان دو چادروں کو کہتے ہوں گے، لیکن یاد رکھنا احرام ان دو چادروں کا نام نہیں ہے۔ ان دو چادروں کا نام نہیں، بلکہ احرام انسان کی اس حالت کا نام ہے جب وہ حج یا عمرے کا ارادہ کر لیتا ہے اور اس پر پھر پابندیاں لاگو ہو جاتی ہیں۔ یہ حالت اس کی احرام کہلاتی ہے، چاہے بے شک اس وقت سلے ہوئے کپڑے ہی اس نے کیوں نہ پہنے ہوں، ہم کہیں گے یہ شخص محرم ہے، کس میں ہے؟ حالت احرام میں۔ ہاں البتہ یہ جرم کر رہا ہے، احرام کے اندر تو سلے ہوئے کپڑے پہننے منع تھے، اس نے کیا کیے ہوئے ہیں؟ سلے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا احرام ان دو چادروں کا نام نہیں ہے بلکہ کس کا نام ہے؟ اس حالت کا نام ہے۔ اس حالت میں اگر وہ سلے ہوئے کپڑے پہن لے گا پھر بھی ہم اس کو کیا کہیں گے؟ محرم ہی کہیں گے بھائی، محرم ہی کہیں گے۔ اور یہ جو دو چادریں ہیں یہ اسی حالت کا ایک پابندیوں کا ایک حصہ ہیں، اس حالت میں جہاں اور پابندیاں آتی ہیں وہاں ایک یہ پابندی بھی آتی ہے کہ سلے ہوئے کپڑے نہیں پہننے۔ لہٰذا دو چادریں انسان پہن لیتا ہے، ایک کو تہبند کے طور پر باندھ لیتا ہے، اس سے ستر عورت کا کام لیتا ہے، شرمگاہ وغیرہ تا کہ اس سے ڈھانپ لے اور دوسری چادر کو اوپر اوڑھ لیتا ہے تا کہ سردی اور گرمی سے اپنے آپ کو بچائے بھائی۔ تو اس احرام کے اندر سلے ہوئے کپڑے پہننا چونکہ منع ہے اور اس میں یہ مرد دو چادریں پہنتا ہے، اس لیے ان چادروں ہی کو احرام کہہ دیا جاتا ہے، حالانکہ احرام دراصل ان دو چادروں کا نام نہیں بلکہ یہ ان پابندیوں والی حالت کا نام ہے اور اس کے اندر انسان پر بہت سی پابندیاں لگ جاتی ہیں۔ وہ خوشبو نہیں لگا سکتا، وہ بال نہیں کاٹ سکتا، وہ ناخن نہیں کاٹ سکتا، وہ بیوی سے صحبت نہیں کر سکتا، وہ شکار وغیرہ نہیں کھیل سکتا، بہت سی پابندیاں اس پر لگ جاتی ہیں، تو یہ حالت جو ہے یہ کیا کہلاتی ہے؟ احرام کہلاتی ہے بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ حالت احرام کہلاتی ہے۔

حج کا طریقہ بھی یہیں سمجھ لیجیے بھائی۔ یاد رکھیے بھائی حج جو ہے وہ تین قسم پر ہے بھائی، تین قسم: ایک حج افراد ہے، ایک حج قران ہے اور ایک جو ہے وہ حج تمتع ہے۔ حج افراد، حج تمتع اور حج قران بھائی۔ یہ تین قسمیں ہیں، آگے ان کی باقاعدہ مکمل تفصیل آجائے گی لیکن یہاں اچھی طرح سمجھ لیں ان شاء اللہ پھر آگے سمجھنا بالکل آسان ہو گا۔

بھائی یاد رکھیے احرام کا طریقہ بھی، احرام یہ ہے کہ انسان جو ہے انسان وہ وہ غسل کرلے اور اپنے آپ کو صاف ستھرا کرلے اور پھر دو چادریں پہن لے اور احرام کی، احرام جب پہنے انسان تو مسنون ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ لے بھائی، تو یہ دو رکعتیں پڑھنا سنت ہیں۔ یہ پڑھ لے دو رکعتیں اور پھر اس کے بعد، ابھی بھی احرام شروع نہیں ہوا، بے شک دو چادریں پہن لی ہیں لیکن احرام وہ اس حالت کا نام ہے دو چادروں کا نام نہیں، اور وہ جب وہ نیت کرے گا اور تلبیہ پڑھ لے گا تو تب احرام شروع ہو گا۔ صرف نیت کرے تب بھی احرام شروع نہیں، صرف تلبیہ پڑھے تب بھی احرام شروع نہیں، بلکہ نیت بھی کرلے اور تلبیہ بھی پڑھ لے۔ تلبیہ کی جگہ اگر اس نے کوئی اور ذکر اللہ پڑھ لیا اس ارادے سے تو بھی درست ہے، تو بھی درست ہے۔ جیسے آپ نماز کے مسئلے میں پڑھ چکے امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ اللہ اکبر کہے تب بھی نماز شروع ہو جائے گی، اسی طرح اگر الرحمن اکبر کہے تو بھی کیا ہو جائے گی؟ نماز شروع ہو جائے گی، تو کوئی بھی ذکر اللہ کر لیا جائے اور نیت کر لی جائے تو پھر احرام کی پابندیاں شروع ہو جائیں گی۔

اور اس میں بھی آپ سنتے رہتے ہوں گے کہ حاجی حضرات جو حج پر جا رہے ہوتے ہیں ان کو علماء ہمیشہ یہی مشورہ دیتے ہیں کہ احرام بے شک باندھ لیں ابھی دو چادریں، سنت بھی سنتیں بھی اس کی دو پڑھ لیں لیکن احرام کی نیت ابھی نہ کریں بلکہ جہاز میں بیٹھنے کے بعد احرام کی نیت کریں۔ اس لیے کیونکہ ہو سکتا ہے خدانخواستہ اگر اس کی فلائٹ مس ہو گئی، فلائٹ رہ گئی تو پھر اس نے اگر پہلے سے ہی احرام کی نیت کی ہوئی تو پابندیاں شروع ہو چکی ہیں، اب یہ پابندیاں برقرار رہیں گی، اب احرام اتارنے کی صورت نہیں ہے بھائی، یہ پابندیاں اس پر رہیں گی۔ اور پھر ایک صورت ہے احرام اتارنے کی کہ یہاں سے کوئی قربانی کا جانور بھیجے یا وہیں پر کوئی قربانی مکہ میں قربانی کروا دے بھائی، جب وہاں قربانی ہو جائے گی پھر اس کے لیے حلال ہونا جائز ہو جائے گا۔ تو لہٰذا اس لیے احرام کی نیت پہلے نہ کرے بلکہ جہاز میں بیٹھنے کے بعد احرام کی نیت کر لے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

تو حج کا طریقہ میں بیان کر رہا تھا، حج جو ہے وہ تین قسم پر ہے: ایک حج افراد ہے، ایک حج تمتع ہے اور ایک حج قران ہے۔ حج افراد نام سے ہی پتہ چل رہا ہے، افرد یفرد افراد کا معنی الگ کرنا، جدا کرنا۔ یہ اس میں صرف حج کا احرام باندھا جاتا ہے، اس میں عمرہ اس سفر میں نہیں، عمرہ اس سفر میں نہیں۔ ہاں وہاں پہنچ کے حج کے بعد جتنے عمرے مرضی کرے لیکن یہاں سے وہ کس کی نیت صرف کر کے جا رہا ہے؟ حج کی نیت کر کے جا رہا ہے۔ جبکہ حج تمتع اور حج قران کے اندر عمرہ بھی ہوتا ہے اور حج بھی ہوتا ہے، عمرہ بھی اور حج بھی ہوتا ہے۔

اور یاد رکھیے حج افراد کے اندر قربانی حاجی پر واجب نہیں یعنی حج کی قربانی واجب نہیں۔ اور اس کے اندر البتہ مشقت تھوڑی زیادہ ہے، مشقت زیادہ۔ مشقت یہ کہ یہیں سے حج کا احرام باندھ کر جا رہا ہے، جتنے دن مکہ میں رہے گا احرام کی پابندیاں رہیں گی اس پر بھائی، یہاں تک کہ حج پورا کرلے گا پھر احرام کی پابندیاں ختم ہوں گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اس میں کیا مشکل ہے؟ کہ احرام کی پابندیاں ذرا لمبے عرصے تک رہیں گی اور احرام کی پابندیاں کوئی آسان نہیں ہیں بھائی ان کو پورا کرنا، تو لہٰذا یہ مشقت اس میں زیادہ آگئی بھائی۔ جب اس میں مشقت زیادہ آگئی تو مشقت بھی زیادہ اور نیز عمرہ بھی نہیں ہے تو لہٰذا اس پر قربانی واجب نہیں۔ لیکن حج تمتع اور حج قران اس میں عمرہ اور حج دونوں ہوتے ہیں تو وہاں بطور شکرانے کے ایک قربانی بھی واجب ہوتی ہے اس شخص پر کہ اللہ نے اس کو ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کی توفیق نصیب فرمائی، عمرے کی بھی اور حج کی بھی، لہٰذا اس پر بطور شکرانے کے حج کی قربانی بھی واجب ہوتی ہے۔ یہ وہ عید کی قربانی کے علاوہ ہے، یہ حج کی قربانی ہے۔ لہٰذا اگر وہ شخص جس نے حج تمتع کیا ہے یا حج افراد کیا ہے یا حج قران، اگر وہ مکہ میں مقیم تھے اور پندرہ دن کی ان کی اقامت کی نیت ہے تو پھر وہ مسافر نہ رہے، جب مسافر نہ رہے مقیم بن گئے اور مقیم کے پاس اگر مال ہو ضرورت سے زائد نصاب کے بقدر تو پھر اس صورت میں اس پر عید کی بھی قربانی واجب ہوتی ہے۔ تو اگر ایسا ہوا تو پھر عید کی قربانی بھی واجب ہو جائے گی، عید کی قربانی الگ اور حج کی قربانی الگ ہو گی، لیکن حج کی قربانی صرف کس پر آتی ہے؟ حج تمتع والے پر اور حج قران والے پر آتی ہے، حج افراد والے پر نہیں۔ ہاں کرنا چاہے تو مرضی ہے، حج افراد والا بھی کر سکتا ہے قربانی، اچھی بات ہے، لیکن واجب نہیں ہے یعنی اس پر۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو حج افراد میں یہاں سے ہی وہ احرام کس کا باندھے گا؟ حج کا، حج کی نیت کرے گا اور حج کا احرام باندھے گا اور حج کے اخیر تک یہ احرام باقی رہے گا اور جب پھر حج پورا ہو جائے گا پھر احرام اتارے گا، پابندیاں ختم ہوں گی۔

دوسری قسم ہے حج تمتع بھائی۔ حج تمتع میں یاد رکھنا، تمتع کا معنی ہے فائدہ اٹھانا، نفع اٹھانا۔ تو یہ جو ہے یہ شخص حج بھی کرتا ہے اور عمرہ بھی، لیکن یہاں سے یہ حج کا احرام نہیں باندھے گا، یہاں سے وہ عمرے کا احرام باندھے گا، کس کا؟ عمرے کا، اور جا کر پھر عمرہ کرے گا، بال چھوٹے کروا دے گا یا سر منڈوا دے گا اور پھر حلال ہو کر رہے گا مکہ میں یعنی اب احرام کی پابندیاں ختم۔ ہاں جب پھر آٹھ ذوالحجہ آئے گی اور نویں کو عرفات جانا ہے تو آٹھ ذوالحجہ کو پھر وہ حج کا احرام باندھے گا۔ تو درمیان میں دیکھو اس نے نفع اٹھا لیا، احرام کی پابندیاں نہیں ہیں، آرام سے جیسے چاہے رہے بھائی۔ تو اس لیے اس میں آسانی آگئی تو عموماً لوگ جو ہیں یہ حج تمتع کرتے ہیں۔ یہاں سے حج، لیکن اس میں پھر یاد رہے یہاں سے حج کی نیت نہیں کرنی، حج کی نیت کر لی تو بس پھر حج کے آخر تک چلیں گی یہ پابندیاں پھر نہیں اتار سکتے احرام، لہٰذا یہاں سے کیا نیت کر کے چلے؟ عمرے کی نیت کرے اور جا کر عمرہ کرے گا اور حلال ہو جائے گا اور پھر آٹھ ذوالحجہ کو دوبارہ کیا کرے گا؟ حج کا احرام باندھے گا بھائی، کس کا؟ اور چونکہ مکہ میں رہ رہا تھا اور مکہ والے

حج کا احرام کہاں سے باندھتے ہیں؟ وہیں سے حرم سے ہی، مکہ سے ہی باندھتے ہیں تو وہیں سے حج کا احرام بھی باندھے گا، دوبارہ باہر جانے کی، حرم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تیسرا طریقہ تیسرا طریقہ ہے حج کا حج قران۔ حج قران کے اندر یہیں سے حاجی حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھتا ہے، کس کا؟ حج اور عمرے دونوں کا۔ یہ جائے گا، جا کر پہلے عمرہ کرے گا لیکن پھر عمرہ کرنے کے بعد یہ بال نہیں کٹوائے گا، احرام نہیں اتارے گا، اسی طرح احرام کی حالت میں وہاں رہے گا اور پھر اسی احرام کے ساتھ وہ حج بھی کرے گا۔ تو دیکھو اس میں پابندیاں زیادہ آگئیں، پابندیاں؟ جیسے حج افراد میں پابندیاں تھیں اسی طرح اس کے اندر بھی لمبے عرصے تک پابندی ہے احرام کی، لیکن یہ افضل ہے، سب سے افضل ہمارے نزدیک حج قران ہے بھائی۔ اس لیے کیونکہ اس میں ایک تو دو عبادتیں آگئیں، دو عبادتیں، عمرہ بھی آگیا اور حج بھی، اور نیز احرام کی پابندیاں بھی لمبے عرصے تک رہیں تو اس لیے یہ افضل ہے بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ حج افراد کے اندر یہیں سے کس چیز کا احرام باندھے گا؟ حج کا، اور صرف حج ہی کرنا ہے لہٰذا اس پر قربانی واجب نہیں، کرلے تو اچھی بات ہے، اور حج تمتع کے اندر حج بھی کرنا ہے اور عمرہ بھی لیکن یہاں سے کس کا احرام باندھے گا؟ صرف عمرے کا، اور وہاں جا کر پھر عمرہ ادا کر کے حلال ہو کر جتنے دن مکہ میں رہنا ہے رہے، پھر جب آٹھویں ذوالحجہ آئے گی پھر کیا کرے گا؟ حج کا احرام باندھے گا اور پھر وہ چند دن حج کے ہیں اور پھر اس کے بعد پھر وہ حج پورا کر کے احرام اتارے گا بھائی۔ تو یہ اس کے اندر بھی قربانی واجب ہے شکرانے کے طور پر کہ اللہ نے دو عبادتوں کی توفیق دی ایک ہی سفر میں۔ اور تیسرا جو مشکل طریقہ ہے حج قران بھائی، اس کے اندر یہیں سے حج اور عمرے دونوں کی نیت کرے گا، دونوں کا احرام باندھے گا اور وہاں جا کر پہلے عمرہ ادا کرے گا اور پھر عمرہ ادا کرنے کے بعد حلال نہیں ہونا، اسی طرح احرام کی حالت میں رہنا ہے اور پھر اسی احرام کے ساتھ حج بھی کرنا ہے اور پھر آخر میں جا کر احرام کی پابندیاں ختم ہوں گی، تو لہٰذا یہ افضل ہے ہمارے نزدیک اور اس کے اندر بھی قربانی واجب ہے بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

اب مزید تفصیل یاد رکھیں، یہ تو ان کے احرام کی تفصیل تھی۔ اب وہاں جا کر کرنا کیا ہے؟ کرنا کیا ہے؟ یاد رکھیے حاجی جب احرام باندھ کر مکہ پہنچے گا تو چونکہ یہاں وہ سفر کر کے بیت اللہ کے پاس آیا ہے تو اس پر اس پر بیت اللہ کا جاتے ہی ایک طواف سنت ہے، اس کو طواف قدوم کہتے ہیں۔ قاف دو نقطوں والا، دال، واؤ، میم، دال، واؤ، میم، طواف قدوم، قدوم کا معنی ہوتا ہے آنا، آنا۔ چونکہ یہ دور سے آیا ہے لہٰذا بیت اللہ کا ایک طواف کرے، یہ طواف سنت ہے بھائی۔

اور پھر یاد رکھیے حج کے بہت سے افعال ہیں۔ حج کے جو فرائض ہیں نا فرائض، حج کے فرائض صرف دو ہیں: ایک عرفات میں حاضری ہے اور ایک طواف زیارت ہے۔ بعضوں نے تین فرائض ذکر کیے، تیسرا فرض ہے احرام بھائی۔ تو احرام کو بعضوں نے شرط میں ذکر کر دیتے ہیں اور بعض اس کو فرض میں، تو بہر حال یہ بھی چونکہ سارے حج کے اندر ضروری ہے اسی لیے وہ اس کو کس میں شمار کر لیتے ہیں؟ فرائض کے اندر شمار کر لیتے ہیں۔ تو دوسرا فرض کیا ذکر کیا میں نے؟ عرفات میں حاضری ہے، عرفات میں حاضری یہ فرض ہے۔ اگر عرفات میں انسان حاضر نہ ہو سکا تو اس کا حج ہی نہیں ہوا۔ ہاں عرفات میں ایک لمحے کے لیے بھی داخل ہو گیا اگر نویں ذوالحجہ کو تو زوال کے بعد سے لے کر اگلے دن فجر سے فجر تک تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا، چاہے بے ہوشی کی حالت میں ہی کیوں نہ گزر جائے، کسی بھی حالت میں ہو بھائی، تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اور دوسری چیز جو فرض ہے وہ طواف زیارت ہے بھائی، طواف زیارت، اور یہ عید کے تین دنوں میں کرنا ہوتا ہے، یوم النحر اور اس سے اگلے جو دو دن ہیں ان کے اندر کرنا یہ طواف زیارت واجب ہے۔ اگر بعد میں بھی کرلے گا تو طواف زیارت ادا ہو جائے گا لیکن پھر دم لازم آئے گا بطور جرمانہ کے، ایک قربانی کرنا پڑے گی ایک جانور کی بھائی۔

اچھا حاجی بھائی دوبارہ سنیے، حاجی یہاں سے گیا اور جاتے ہی کیا کرے گا؟ طواف قدوم کرے گا بھائی، طواف قدوم۔ اور یاد رکھیے حج کے اندر بھی سعی ہوتی ہے، جیسے عمرے میں سعی ہے نا، حج کے اندر بھی طواف بھی ہے وہ طواف زیارت بھی ہے اور سعی بھی ہے۔ تو لہٰذا اگر حج افراد کرنے والا ہے، کون سا حاجی؟ حج افراد کرنے والا، اس پر ابھی تو سعی نہیں لیکن حج کی سعی اس پر ہے یا نہیں ہے؟ ہے، وہ ابھی یہ سعی کرنا چاہتا ہے تو ابھی بھی کر سکتا ہے۔ ابھی بھی کیا کر سکتا ہے؟ یہ سعی کر سکتا ہے۔ اور لیکن سعی سے پہلے ایک طواف کرنا پڑے گا اور جا کر اس نے طواف قدوم تو کرنا ہی ہے۔ لہٰذا اسی میں کیا کرلے وہ؟ اسی کے بعد وہ سعی بھی کر سکتا ہے اور لہٰذا جائے اور جا کر طواف کرے گا۔ اور ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو میں نے اس میں بتلایا تھا کہ اس کے اندر اضطباع بھی ضروری ہے۔ اضطباع کسے کہتے تھے؟ کہ دایاں کندھا ننگا کرنا ہے چادر سے نکالنا ہے، کہ بائیں کندھے پر چادر ڈالے اور پھر دائیں کندھے کے نیچے سے بغل میں سے اس کو نکال کر پھر بائیں کندھے پر ڈال لے تو اس طرح یہ دایاں کندھا ننگا ہو گیا۔ اور یہ صرف طواف کے اندر ضروری ہے، لہٰذا ابھی سے جو جا رہا ہے ابھی سے کندھے کو ننگا نہ کرے بلکہ وہاں طواف شروع کرنے سے پہلے اس طرح کرلے بھائی، تو یہ کیا ہے؟ اضطباع۔ اور رمل بھی کرنا ہے، ہر وہ طواف جس کے بعد کیا ہو؟ سعی، اس کے پہلے تین چکروں میں رمل مسنون ہے۔ اگر پہلے تین چکروں میں بھول گیا تو بعد والے چکروں میں نہ کرے کیونکہ پہلوں ہی میں مسنون ہے، بعد والوں میں مسنون نہیں ہے بھائی۔ اور میں نے بیان کر دیا کہ یہ وہ مسلمانوں کے کمزور ہونے کی خبر انہوں نے پھیلائی تھی کیونکہ اکثر جو تھے وہ یہیں سے ہجرت کر کے گئے تھے تو وہ مکہ والوں نے، مشرکین نے مشہور کر دیا کہ مسلمان جو ہیں وہ مدینہ کی آب و ہوا نے ان کو کمزور کر دیا ہے ان لوگوں کو، تو حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے تمام صحابہ کو رمل کا حکم دیا کہ خوب فخر و تکبر کے ساتھ اور طاقت کا اظہار کرتے ہوئے، کندھوں کو ہلاتے ہوئے چکر لگائیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ وہ بھی کیا منظر ہو گا جب سرور کونین اور ان کے ہزاروں جاں نثار ان کے ساتھ بھائی رمل کرتے ہوئے بیت اللہ کے گرد چکر لگا رہے ہوں گے اور مشرکین کے دلوں پر ہیبت طاری ہو رہی ہو گی کہ یہ یہ، یہ تو سارے بھائی اتنے طاقتور ہو گئے ہیں، اس طرح چکر لگا رہے ہیں، اس طرح تو ہم نے کسی کو دیکھا ہی نہیں ہے چکر لگاتے ہوئے اور تم لوگ تو کہہ رہے تھے یہ کمزور ہو گئے ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو تو یہ سنت ہے تو اس طرح کرے بھائی۔ تو اس میں پھر رمل کرے گا اور پھر باقی چکروں کے

اندر اطمینان سے چلتا رہے، باقی چار چکروں کے اندر بھائی۔

اور یہ بھی یاد رکھنا بھائی، یہ طواف اور سعی کے درمیان کوئی خاص دعا مسنون نہیں ہے۔ بس اس کے اندر ذکر کرتا رہے انسان، سبحان اللہ پڑھتا رہے، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، درود شریف، جو ذکر کرنا چاہے ذکر کرتا رہے، اپنے لیے، گھر والوں کے لیے، مسلمانوں کے لیے، سب کے لیے دعائیں کرتا رہے، جو بھی چاہے، سمجھ میں آیا طریقہ بھائی؟ تو اس میں کوئی دعا وغیرہ خاص مسنون نہیں ہے۔ بعض لوگ کتابیں ہاتھ میں پکڑ کر ان کو پڑھتے ہوئے جا رہے ہوتے ہیں، نہیں بھائی یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ دعا تو دل سے ہوتی ہے، اثر بھی اسی کے اندر ہوتا ہے جو اپنے دل سے ہو دعا، تو اس میں انسان بس ذکر کرتا ہوا چلے اور دل سے خوب اللہ کے سامنے عاجزی وزاری کا اظہار کرتا ہوا، دعائیں مانگتا ہوا چلے بھائی۔

اور پھر طواف مکمل ہوا، اس کے بعد پھر طواف کے دو رکعتیں جو ہیں وہ بھی ادا کر لے، پھر اس کے بعد آئے اب سعی کرنی ہے، یہ وہ حج کی سعی ہے کیونکہ حج افراد میں بیان کر رہا ہوں، کس کو؟ حج، تو یہ حج کی سعی بھی ابھی کرنا چاہتا ہے، اچھی بات ہے ابھی کر لے آسانی ہو گی بھائی۔ وہ اگر عید والے دن یہ کرے گا طواف زیارت کے بعد، اس دن بہت ہجوم ہوتا ہے بھائی، ابھی بھی بہت ہجوم ہو گا لیکن بہر حال اس دن کی بنسبت کم ہو گا لہٰذا بہتر یہ ہے ابھی کیا کر لے؟ وہ حج والی سعی ابھی کر لے، تو یہ پھر جا کر پھر یہ آئے اور صفا پہاڑی پر کھڑا ہو جائے ایسی جگہ پر کہ بیت اللہ نظر آئے۔ اگرچہ اس پر انہوں نے اب گنبد بنا دیا ہے لیکن وہ ستونوں کے درمیان سے صفا پر اگر تھوڑا سا انسان چڑھے، وہ تھوڑا سا حصہ ہی اس کا باقی ہے باقی تو پہاڑی ختم ہو چکی ہے، وہ فرش وغیرہ انہوں نے بنا دیا وہاں لیکن کچھ حصہ علامتی طور پر انہوں نے وہاں چھوڑا ہوا ہے، اس پر ایسی جگہ کھڑا ہو جائے جہاں سے بیت اللہ ستونوں کے درمیان سے نظر آ رہا ہو، تو بیت اللہ کی طرف رخ کر کے وہ تکبیر و تہلیل وغیرہ کہے، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، اور دعائیں وغیرہ مانگ لے ہاتھ اٹھا کر اور پھر چل پڑے مروہ پہاڑی کی طرف۔ پھر مروہ پر بھی اسی طرح کھڑے ہو کر بیت اللہ کی طرف رخ کر لے، یہاں سے تو بیت اللہ دکھائی نہیں دے گا لیکن اس کی طرف رخ کر کے کیا کر لے؟ دعائیں وغیرہ مانگ لے اسی طرح، اور پھر واپس صفا پہ آئے دو چکر ہو گئے تو سات چکر پورے کر لے گا، یہ سعی مکمل ہو گئی، حج کی سعی ہو گئی بھائی۔ اب عید والے دن دوبارہ اس سعی کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔

پھر اس کے بعد اب یہ مکہ کے اندر ہی مقیم رہے گا یہ حاجی، اور اس دوران جس قدر طواف کرنا چاہے یہ کر سکتا ہے، طواف کر سکتا ہے، اور یہاں کی سب سے بڑی عبادت طواف ہے، لہٰذا جس قدر انسان زیادہ سے زیادہ طواف کرنا چاہے، جس قدر طواف کو زیادہ کر لے اتنا ہی اچھا ہے بھائی۔ بلکہ کوشش کرے انسان کہ پچاس طواف اس سفر کے اندر مکمل کر لے بھائی، پچاس طواف بھائی۔ حدیث میں آتا ہے جو شخص پچاس طواف مکمل کر لے اس وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جیسے اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا بھائی۔ تو لہٰذا طواف پچاس طواف انسان مکمل کر لے، اگرچہ اب تو پچاس طواف کرنا بڑا مشکل کام ہے، بڑا ہجوم ہوتا ہے اور بڑے بڑی دیر لگ جاتی ہے کئی کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں ایک طواف پر بھائی۔ ہاں اگر ہجوم نہ ہو پھر تو بڑی آسانی سے ایک طواف بھی بڑی جلدی ہو جاتا ہے، انسان آرام سے پچاس کر سکتا ہے، لیکن پھر بھی انسان اگر کوشش کرے، اوقات کا اندازہ لگا لے کہ فلاں وقت میں رش نہیں ہوتا، مثلاً فجر سے کچھ پہلے کا جو وقت ہے اس وقت رش کم ہوتا ہے یا عین دوپہر کے وقت اس کے لگ بھگ جو یعنی گرمی کا جو وقت ہوتا ہے اس وقت رش ذرا کم ہوتا ہے، تو اوقات انسان دیکھ لے تو پھر پچاس طواف پورے کر سکتا ہے، اسی وقت کے اندر جلدی جلدی انسان کئی طواف کر لیتا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ دوپہر کو جب خوب گرمی ہو تو اس وقت رش ذرا کم ہوتا ہے۔

اچھا تو سعی بھی کر لی، اب مکہ میں رہے اور جس نے طواف کرنا چاہے کرتا رہے، یہاں تک کہ آٹھویں ذوالحجہ آ جائے، یہ یوم الترویہ کہلاتا ہے۔ ترویہ، تا دو نقطوں والی ہے، را، واؤ، یا اور ہا، ترویہ۔ یہ آٹھویں ذوالحجہ یوم ترویہ ہے، فجر کی نماز پڑھ کر اب حاجی منیٰ چلنے کی تیاری کرے گا بھائی، منیٰ چلے گا بھائی۔ اور حج افراد کا طریقہ بیان کر رہا ہوں، یہ اس وقت پہلے سے ہی کس حالت میں ہے؟ حالت احرام میں ہے، لیکن اگر تمتع والا ہو اس نے تو احرام اتارا ہوتا ہے تو وہ اس وقت پھر احرام باندھے گا، سمجھ میں آیا؟ احرام باندھ لے، احرام کی نیت کر لے اور بہتر یہ ہے کہ مسجد الحرام آ کر کیا کر لے؟ احرام کی نیت کر لے اور یہاں وہ دو رکعتیں پڑھ لے احرام کی، سنت جو ہیں میں نے بتلایا، اور پھر منیٰ چلا جائے گا۔ یہ آٹھویں ذوالحجہ ہے، آج کے دن کی ظہر کی نماز، عصر کی نماز، مغرب کی نماز، عشاء کی نماز اور اگلے دن کی فجر، یہ پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھنا سنت ہیں، واجب نہیں بلکہ سنت ہیں۔ آٹھویں دن چلا گیا ظہر کی بھی پڑھی، عصر، مغرب، عشاء اور اگلے دن فجر کی بھی پڑھ لی بھائی، یہ منیٰ کے اندر پڑھنا سنت ہے، سنت ہے۔

اب منیٰ کے بارے میں بھی یاد رکھیے، بھائی یہ جو بیت اللہ کا دروازہ ہے نا دروازہ، یہ تقریباً مشرق کو ہے، مشرق کو، اور ہم یہاں سے کس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں؟ مغرب کی طرف، تو گویا بیت اللہ کا دروازہ اس جانب کو ہے جس جانب میں ہم ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ یہ پاکستان کی طرف۔ اسی دروازے کے سامنے ہی وہ صفا مروہ والا برآمدہ بھی ہے، یہ بھی اسی سیدھ میں آتا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ صفا مروہ والا برآمدہ۔ اسی سے آگے اسی طرف کو مشرق ہی کی طرف بیت اللہ سے جائیں تو چار پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر پھر منیٰ کا علاقہ آتا ہے بھائی، منیٰ کہلاتا ہے یہ علاقہ، اب تو مکہ یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ تو یہ جو منیٰ ہے مکہ سے پانچ چھ کلو میٹر تھا اب تو مکہ یہاں تک پھیل گیا ہے، اس میں یہاں یہ پانچ نمازیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔ پھر منیٰ سے منیٰ سے ذرا اور آگے کو آئیں تو مزدلفہ آتا ہے، مزدلفہ۔ مزدلفہ سے آگے آئیں تو پھر عرفات آتا ہے، کیا آتا ہے؟ ترتیب سمجھ میں آ گئی؟ پہلے کیا آئے گا؟ منیٰ، منیٰ سے آگے اور نکلیں گے تو مزدلفہ، مزدلفہ سے آگے نکلیں گے تو عرفات آئے گا۔

تو حاجی جو ہے وہ آٹھ ذوالحجہ کو چلا گیا منیٰ اور پانچ نمازیں اس نے وہاں ادا کر لیں یہ سنت ہیں، اور جب فجر کی نماز اگلی ادا کی پانچویں نماز تو یہ نویں تاریخ آ گئی۔ کون

سی تاریخ ہے؟ نویں ذوالحجہ ہے، آج یوم عرفہ ہے، اب عرفات چلنا ہے۔ تو یہاں سے پھر وہ چلا جائے گا عرفات بھائی حاجی سارے۔ یہ یوم عرفہ، یہ یہاں اس دن یہ وقوف عرفہ جو ہے یہ فرض ہے بھائی، عرفات میں حاضری فرض، اور یہ وقوف عرفات کا وقت جو ہے وہ زوال سے لے کر اگلے دن فجر تک ہے، یعنی آج جب نویں کو سورج ڈھل جائے یہ وقوف عرفہ کا وقت شروع ہو گیا، اور کب تک ہے؟ اگلے دن یعنی دسویں کی طلوع فجر تک، جیسے ہی فجر طلوع ہوئی وقت ختم ہو گیا۔ تو اس سے پہلے پہلے یہ عرفات میں حاضری ضروری ہے، چاہے کوئی انسان ایک لمحے کے لیے بھی آجائے تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا، چاہے بے ہوشی کی حالت میں یہاں سے اس کو گزار دیا جائے اس کا فرض کیا ہو جائے گا؟ ادا ہو جائے گا، لیکن اگر یہاں وہ نہ آیا تو اس کا فرض ہی نہیں ادا ہوا تو اس کا حج بھی نہ ہوا۔

اور پھر یہاں پر ایک مسجد ہے بڑی، مسجد نمرہ بھائی مسجد نمرہ، اس میں خصوصاً یاد رکھنا مسجد نمرہ کا جو آگے والا حصہ ہے جو، یرحمک اللہ، مسجد نمرہ کا جو آگے والا حصہ ہے جو بیت اللہ کی طرف کو ہے تو وہ اکثر کافی زیادہ حصہ یہ عرفات سے باہر ہے۔ تو بعض لوگ اگر غلطی سے آئے اور آکر سیدھے اگلے حصے میں چلے گئے، پچھلے حصے کی طرف گئے ہی نہیں، اگلے حصے میں ہی داخل ہوئے اور پھر یہیں سے نکل کر واپس چلے گئے تو یاد رکھیں وہ تو عرفات میں داخل ہی نہیں ہوئے لہٰذا ان کا حج بھی ادا نہیں ہوا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس کا اچھا خاصا حصہ اگلا جو ہے وہ عرفات سے باہر ہے بھائی، تو اس میں انسان احتیاط کرے بھائی۔

تو جب عرفات پہنچ گیا اور سورج ڈھل گیا تو وقوف عرفہ کا وقت شروع ہو گیا بھائی، وقوف عرفہ کا وقت، اور یہ بڑا ہی مبارک وقت ہے، اللہ کی رحمت اپنے پورے جوش پر ہوتی ہے، دنیا بھر سے لاکھوں مسلمان اور اللہ سے عشق و محبت رکھنے والے لاکھوں بندے جمع ہیں یہاں پر اور اللہ کے حضور کھڑے ہوئے ہیں، رو رہے ہیں، گڑگڑا رہے ہیں، دعائیں کر رہے ہیں، لہٰذا جس قدر انسان یہاں اللہ کے سامنے روئے، گڑگڑائے، دعائیں کرے، ذکر کرے، جتنا بھی کر لے وہ کم ہے بھائی، خوب اس موقع سے نفع اٹھا لے۔

اور پھر یہاں پر ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی باجماعت ادا کی جاتی ہے، کیا کیا جاتا ہے؟ اکٹھی باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ تو عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی کی جائے گی لیکن اس میں عند الاحناف شرط یہ ہے یہ جمع بین الصلاتین بھائی۔ یہ جو عرفات میں جمع بین الصلاتین ہو گئی اس کے اندر عند الاحناف شرط یہ ہے کہ نماز پڑھانے والا امام المسلمین ہو یعنی خلیفہ خود موجود ہو یا اس کی طرف سے کوئی مقرر کیا ہوا شخص ہو بھائی یعنی اس کا نائب ہو بھائی، ایک یہ شرط ضروری، اور نیز جماعت کا ہونا اس میں ضروری ہے اور تیسری شرط جو ہے وہ احرام کا ہونا ضروری ہے۔ تو یہ عرفات کے اندر جو ہے ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں کی نمازیں اکٹھی پڑھی جائیں گی لیکن اس کے لیے عند الاحناف کتنی شرائط ہیں؟ تین شرائط ہیں: ایک تو یہ کہ نماز پڑھانے والا امام ہو یعنی امام المسلمین ہو یا اس کا مقرر کیا ہوا یعنی اس کا کوئی نائب ہو، اور نیز نماز بھی جماعت کے ساتھ ہو اور تیسری شرط یہ ہے کہ احرام کی حالت میں ہو، احرام کی حالت میں ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ وہ بڑی جماعت جو ہو رہی ہوتی ہے جہاں جو مسجد نمرہ کا امام جو ہے وہ جماعت کروا رہا ہو وہ باقاعدہ حکومت کی طرف سے مقرر ہوتا ہے، تو اس جماعت کے ساتھ اگر کوئی یہ ظہر اور عصر ادا کرتا ہے پھر اس کے لیے تو جمع بین الصلاتین جائز ہے، باقیوں کے لیے جو اپنی جگہ پر ادا کرتے ہیں نماز چاہے اکیلے ادا کریں یا چاہے جماعت کے ساتھ ادا کریں لیکن اپنی جگہ پر ادا کر رہے ہیں تو پھر جمع بین الصلاتین نہیں کیا جائے گا بلکہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر ہوں گی، ظہر کی نماز ظہر کے وقت میں اور عصر کی نماز عصر کے وقت میں ہو گی بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ اس لیے کیونکہ ٹھیک ہے اپنی جگہ پر ادا کرے گا احرام بھی پایا گیا اور اگر جماعت سے وہاں ادا کر لیتے ہیں تو جماعت بھی پائی گئی لیکن تیسری شرط جو تھی امام کا ہونا یا امام کے نائب کا ہونا چونکہ یہ شرط پوری نہیں لہٰذا یہاں پر اب جمع بین الصلاتین نہیں کیا جائے گا بھائی، اس لیے کیونکہ جمع بین الصلاتین یہ خلاف القیاس ہے اور جو چیز خلاف القیاس ہوتی ہے وہ اپنے مورد پر بند ہوتی ہے، اور یہ دونوں نمازیں جمع کرنا اس کے اندر یہ تینوں شرطیں موجود ہوں گی تو پھر تو پھر جمع بین الصلاتین جائز ہو گا ورنہ جائز نہیں ہو گا، آگے کتاب میں اس کی تفصیل بھی آجائے گی۔

تو خلاصہ کلام کیا ہوا کہ وہ بڑی جماعت کے ساتھ ہو تو پھر اس وقت جمع بین الصلاتین جائز ہے، اگر بڑی جماعت کے ساتھ نہیں، اپنے مقام پر چاہے جماعت کے ساتھ ادا کر رہے ہیں تو جمع بین الصلاتین عند الاحناف جائز نہیں۔

اور ہاں اس کے اندر ایک اور احتیاط بڑی ضروری ہے بھائی۔ یہاں پر امام عموماً جو بھی امام ہوتا ہے وہ قصر کرواتا ہے یعنی ظہر کی نماز بھی دو رکعت پڑھاتا ہے اور عصر کی نماز بھی دو رکعت پڑھاتا ہے بھائی۔ تو یہ حنابلہ وغیرہ کے نزدیک وہ ان کے نزدیک یہ حج کے دنوں میں یہاں نماز قصر ہی پڑھی جائے گی چاہے امام ان کی طرف سے مقیم ہی کیوں نہ ہو، مقیم امام ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ کیا کرواتا ہے؟ یعنی مکہ سے آیا ہوتا ہے اور یہ تو مکہ سے کوئی تین دن کی مسافت تو نہیں ہے وہ مسافر شرعی تو بنا ہی نہیں لیکن پھر بھی وہ یہاں کیا کرواتا ہے؟ قصر کرواتا ہے، اور عند الاحناف قصر تو صرف مسافر کے لیے جائز ہے مقیم کے لیے جائز نہیں۔ لہٰذا اگر یہاں امام مقیم ہے چاہے حکومت کی طرف سے مقرر ہے لیکن وہ مقیم ہے مکہ ہی کا رہنے والا ہے تو پھر اس صورت میں وہ قصر کروا رہا ہے تو احناف کے نزدیک اس طرح قصر تو جائز نہیں ہے بھائی، لہٰذا پھر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے انسان اپنی نماز اپنے مقام پر خود جماعت کے ساتھ اپنے اپنے وقت میں ادا کر لے۔ لیکن اب سنا ہے بعض لوگوں سے کہ اب سعودی حکومت جو ہے وہ خیال رکھتی ہے اور احناف کی وجہ سے وہ امام کو کسی دوسرے شہر سے، ریاض وغیرہ سے بلوایا جاتا ہے اور وہ پھر چونکہ مسافر ہے تو وہ قصر کرواتا ہے، تو بس آپ نے یہ شرطیں یاد رکھنی ہیں۔ اگر امام مسافر ہے تو اس کے پیچھے جمع بین الصلاتین اس بڑی جماعت میں جائز ہے، اگر امام مسافر نہیں تو پھر اس کے پیچھے جمع بین الصلاتین بھی جائز نہیں بھائی کیونکہ وہ قصر کروائے گا، ان کا تو مذہب ہی یہ ہے، ان کے نزدیک تو یہ یہاں پر کی ہی قصر جائے گی، پوری نماز پڑھی نہیں جائے گی، جبکہ عند الاحناف یہاں بھی پوری نماز

پڑھی جائے گی اور قصر جو کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے کیا تھا؟ کہ آپ مسافر تھے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

یاد رکھیے عند الاحناف صرف دو جگہ جمع بین الصلاتین جائز ہے: ایک یہاں عرفات میں ظہر اور عصر اکٹھی پڑھیں گے یعنی ظہر پڑھتے ہی، ظہر اپنے وقت پر پڑھیں گے اور ظہر کی نماز پڑھتے ہی پھر عصر کی اقامت ہو گی اور عصر کی بھی فوراً ظہر کے وقت میں ہی پڑھ لی جائے گی، تو ایک یہ جگہ ہے جہاں جمع بین الصلاتین جائز ہے عند الاحناف، اور ایک واپسی پہ مزدلفہ کے اندر مغرب اور عشاء کی پھر اکٹھی نماز ادا کی جائے گی۔ ظہر اور عصر کی عرفات میں اور مغرب اور عشاء کی مزدلفہ میں ادا کریں گے۔

تو لہٰذا یہاں پر ظہر کا وقت جب آگیا امام مسافر ہے اور وہ بڑی جماعت ہے تو اذان دی جائے، اذان دی جاتی ہے ظہر کی اور پھر اقامت کہی جاتی ہے، ظہر کی نماز کھڑی ہو گئی جماعت ہو گئی اور پھر فوراً ہی اس کے بعد عصر کی اقامت کہی جاتی ہے اور عصر کی نماز ادا کر لی جاتی ہے۔ تو ایک اذان اور دو اقامتیں، دو اقامتیں۔ آگے مزدلفہ کا مسئلہ آئے گا وہاں وہاں ایک اذان اور ایک ہی اقامت ہے، وہاں ایک اذان ایک ہی اقامت ہے وہ وہاں میں بیان کروں گا، تو یہاں البتہ دو اقامتیں ہیں۔ اس لیے کیونکہ یہ اقامت جو ہے دراصل نماز کے جماعت کے کھڑا ہونے کا اعلان ہوتا ہے کہ جماعت کھڑی ہو رہی ہے، اقامت کیا ہے؟ جماعت کھڑی ہو رہی ہے اس کا اعلان ہوتا ہے، تو ظہر کی نماز ادا کر لی اگرچہ لوگ سارے جمع ہیں لیکن پھر بھی عصر کی اقامت کہی جائے گی اس لیے کیونکہ عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے ادا کی جا رہی ہے تو لہٰذا پھر اعلان ہو گا کہ جماعت کھڑی ہو رہی ہے بھائی، دوسری جماعت بھی اسی وقت کھڑی ہو رہی ہے سارے لوگ کیا کر لیں؟ صفیں بنالیں بھائی۔ تو لہٰذا دو اقامتیں اور ایک اذان۔

تو پھر یہاں وقوف عرفہ کرے انسان، کھڑا رہے اللہ کے حضور، گڑگڑائے، روئے، دعائیں کرے، جس قدر دعائیں کر سکتا ہے، جس قدر نفع اٹھا سکتا ہے اٹھالے اس وقت سے۔ پھر اس کے بعد جب سورج غروب ہو جائے پھر اب عرفات سے واپس چلنا ہے، سمجھ میں آیا؟ غروب آفتاب سے پہلے نہیں، غروب آفتاب کے بعد چلنا ہے، اگر پہلے چلے گا تو دم لازم آئے گا بھائی۔ تو جب سورج غروب ہو جائے اب عرفات سے واپس چل پڑے، درمیان میں کون سی جگہ آئی تھی؟ مزدلفہ آئی تھی منیٰ سے چلتے ہوئے، تو پھر اب واپس جانا ہے مزدلفہ جانا ہے، اور سورج غروب ہو گیا ہے لیکن مغرب کی نماز یہاں نہیں ادا کرنی، وہ مزدلفہ پہنچ کر ادا کریں گے عشاء کی نماز کے ساتھ بھائی۔

اور تو واپس چل پڑیں گے اور جب مزدلفہ پہنچ جائیں تو عشاء کا وقت ہو گا یا کچھ دیر ہو چکی ہو گی تو اس وقت پھر کیا کہیں اذان دی جائے گی اور یہ بھی ایک کھلا میدان ہے، یہاں پر پھر اقامت کہی جائے گی اور پہلے مغرب کی نماز باجماعت ادا کی جائے گی اور پھر مغرب کے فوراً بعد عشاء کی نماز ہے لیکن اس کے لیے اقامت نہیں کہی جائے گی۔ وجہ اس کی یہ کہ اقامت اقامت جو ہے وہ جماعت کے کھڑا ہونے کا اعلان ہے اور لیکن وہ وہاں پر اس لیے ضروری تھی کہ عرفات میں کیونکہ عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے تھی اور یہاں پر یہ جو دوسری جماعت ہے وہ کون سی ہے؟ عشاء کی، اور وہ تو اپنے وقت پر ہی ہے لہٰذا اب دوبارہ لوگوں کو بتلانے اور اقامت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ لوگوں کو پتہ ہے مغرب پڑھ لی اب کون سی نماز پڑھنی ہے؟ عشاء کی پڑھنی ہے تو ساتھ ہی پھر عشاء کی نماز ادا کی جائے گی بھائی۔

اور یاد رکھیے یہ رات مزدلفہ میں گزارنا عند الاحناف واجب ہے بھائی، واجب ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو باقی ائمہ کے نزدیک تو واجب نہیں لیکن عند الاحناف یہ رات مزدلفہ میں گزارنا واجب ہے۔ یہاں پر رات گزارے اور یہیں پر ستر کنکریاں اکٹھی کر لے بھائی، چھوٹے چھوٹے پتھر کی کنکریاں جن کے ذریعے آگے پھر رمی جمرات کرنی ہے، وہ کنکریاں یہیں سے اکٹھی کر لے، کتنی کم از کم؟ ستر اکٹھی کر لے۔ ویسے ضرورت تو اناسی کی پیش آئے گی لیکن پھر بھی احتیاطاً کتنی لے لے؟ ستر، ستر کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے وہ آگے میں بیان کروں گا بھائی، تو بلکہ کچھ اوپر بھی لے لے کوئی چند ایک اگر گر گئیں راستے میں یا کچھ تو تاکہ پوری ہو جائیں بھائی۔

تو پھر اب صبح جب صبح صادق طلوع ہو گئی تو کچھ وقوف کر لے تھوڑا سا دعائیں وغیرہ کر لے اور سورج نکلنے سے پہلے پھر اب منیٰ واپس چلنا شروع کر دے اور منیٰ آ جائے اور منیٰ یہ دسویں تاریخ ہے، آج یوم النحر ہے عید والا دن ہے بھائی عید والا دن۔ آج کے دن جو ہے آج کے دن حاجی نے دو عمل کرنے ہیں بھائی، دو عمل کرنے ہیں: ایک تو جمرہ کبرا جو ہے اس پر سات کنکریاں مارنی ہیں اور نیز طواف زیارت بھی ہے۔ اور اگر حج تمتع یا قران کرنے والا ہے تو قربانی بھی ہے، وہ قربانی بھی کرے گا، سمجھ میں آیا؟ تو قربانی بھی کرے گا۔ اور حج افراد والا اس پر تو قربانی واجب نہیں، ہاں کرنا چاہے وہ بھی کر لے بھائی۔ اچھا تو آج جب یہ منیٰ پہنچ گیا اب اس نے کیا کرنا ہے؟ جمرہ کبرا جو ہے اس پر سات کنکریاں مارنی ہیں۔

یاد رکھیے منیٰ کے اندر ایک بہت بڑی مسجد ہے جسے مسجد خیف کہتے ہیں، خا، یا، فا، مسجد مسجد خیف کہتے ہیں۔ وہ جو عرفات میں مسجد تھی وہ ہے مسجد نمرہ اور یہ ہے مسجد خیف۔ مسجد خیف سے آگے چلیں مکہ کی طرف یعنی حرم کی طرف چلیں تو ایک ستون آتا ہے، یہ ہے جمرہ صغریٰ، اس سے چند قدم اور آگے چلیں تو دوسرا ہے جمرہ وسطیٰ، اور اس سے آگے چند قدم ہے تو وہ جمرہ کبرا ہے، تو یہ تین جمرات ہیں، جو مسجد خیف کے قریب ہے وہ کیا ہے؟ جمرہ صغریٰ، اس سے اگلا ہے جمرہ وسطیٰ اور اس سے اگلا ہے جمرہ کبرا، نیز اس کو جمرہ عقبہ بھی کہتے ہیں جمرہ کبرا کو بھائی۔ آج کے دن صرف جمرہ عقبہ جو ہے یعنی جمرہ کبرا جو ہے اس پر سات کنکریاں مارنی ہیں، سات کنکریاں۔ تو اس کو سات کنکریاں مار لے اور پھر قربانی اگر کرنا چاہتا ہے قربانی کر لے اور پھر اب سر کے بال منڈوالے یا چھوٹے کروالے اور احرام اتار دے، احرام کی پابندیاں ختم ہوئیں بھائی، احرام کی پابندیاں۔ حج تمتع یا قران والا ہے وہ تو قربانی کرے گا اور پھر کیا کرے گا؟ پھر احرام اتارے گا، سر کے بال منڈوائے گا پہلے، احرام کے لیے ضروری ہے سر کے بال منڈوالے یا سر کے بال چھوٹے کروالے اور احرام اتار دے۔ احرام کی پابندیاں ختم، لیکن یاد رکھنا باقی ساری پابندیاں ختم ہو گئیں، خوشبو بھی لگا سکتا ہے، بال بھی کاٹ سکتا ہے، ناخن بھی کاٹ سکتا ہے لیکن بیوی کے ساتھ صحبت ابھی بھی جائز نہیں۔ کیونکہ ابھی حج کا ایک فرض یعنی طواف زیارت باقی ہے، جب وہ کر لے گا تو پھر بیوی

بھی حلال ہو جائے گی، وہ پابندی بھی ختم ہو جائے گی۔ تو چاہے تو آج ہی کیا کر لے؟ طواف زیارت جا کر کر لے، اور چاہے تو اگلے عید کے ایک دو دن یہ عید کے تین دنوں کے اندر طواف زیارت کرنا واجب ہے بھائی۔ اگر بعد میں کرے گا پھر بھی ہو جائے گا لیکن پھر دم لازم آئے گا قربانی کرنا پڑے گی ایک جانور کی، تو ان تین دنوں میں طواف زیارت کر لے۔ اور اگر اگر حج کی سعی نہیں کی تھی تو اس طواف زیارت کے بعد پھر وہ سعی کر لے، حج افراد میں تو میں نے بتلا دیا کہ اس کو کیا چاہیے؟ پہلے ہی سعی کر لے، لیکن اگر ابھی تک سعی نہیں کی تو اب کیا کرے گا؟ اس طواف کے بعد سعی بھی کرے گا بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ سعی بھی کرے گا۔

اور پھر یہ اچھا اس کے بعد اگلا دن آ گیا۔ پہلے دن عید کا دن تھا سات کنکریاں ماری تھیں، دوسرے دن اب تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں مارنی ہیں۔ پہلے جمرہ صغریٰ کو سات کنکریاں ماریں گے، پھر جمرہ وسطیٰ کو سات کنکریاں، پھر جمرہ کبرا کو سات کنکریاں ماریں گے۔ یہ کون سی تاریخ ہے؟ گیارہ تاریخ ہے، گیارہویں ذوالحجہ ہے۔ دسویں کو صرف جمرہ عقبہ پہ تھیں اور گیارہویں کو تینوں پر ہے۔ بارہ تاریخ کو پھر ان تینوں جمرات کو اسی ترتیب سے، پہلے جمرہ صغریٰ کو سات کنکریاں، پھر جمرہ وسطیٰ کو اور پھر جمرہ کبرا کو، جی یہ بارہ تاریخ۔ جب یہ کنکریاں مار لیں تو بس اب حج کے افعال مکمل ہوئے بھائی، حج کے افعال مکمل ہو گئے۔ اب حاجی مکہ جانا چاہتا ہے تو مکہ چلا جائے، مکہ جانا چاہتا ہے۔ تیرہ تاریخ کو اگر صبح صادق طلوع ہو گئی اور حاجی ابھی منیٰ ہی میں تھا تو تیرہ تاریخ کی بھی رمی اس پر واجب ہو گئی۔ اب تیرہ تاریخ کو بھی پھر تینوں کو کیا کرے؟ اسی ترتیب سے سات سات کنکریاں مارے گا۔ اسی لیے میں نے کہا اکیس کنکریاں کافی ہیں لیکن احتیاطاً کتنی لے لے؟ ستر، کہ اگر تیرویں تاریخ کو بھی یہاں رہنا پڑا تو اس کی بھی اکیس کنکریاں تاکہ اس کے پاس ہوں۔ تو پہلے دن دسویں کو سات کنکریاں ماری تھیں، اگلے دن گیارہویں کو تینوں کی رمی کی تھی تو اکیس وہ ہو گئیں، سات اور اکیس اٹھائیس، اور پھر بارہ کی بھی رمی واجب ہے تو وہ اکیس مزید ہو گئیں کتنی ہو گئیں؟ انچاس ہو گئیں، یہ تو ضروری تھیں۔ لیکن اگر تیرہ کو یہیں پر ہوا، صبح صادق طلوع ہو گئی تو تیرہ تاریخ کی بھی رمی اس پر واجب ہو گئی وہ بھی اب اکیس مزید کنکریاں مارے گا تو یہ کتنی ہو جائیں گی؟ ستر ہو جائیں گی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی۔

اب حج کے سارے افعال پورے ہو گئے۔ صرف ایک کام باقی ہے، واپسی سے پہلے طواف وداع کر لے گا۔ الوداعی طواف الوداعی طواف کر لے گا بھائی، بیت اللہ سے جدا ہو رہا ہے جیسے جاتے ہوئے ایک کیا کیا تھا؟ طواف کیا تھا، واپسی پہ پھر جدائی کے وقت ایک طواف کر لے تو یہ طواف وداع کہلاتا ہے اور یہ بھی واجب ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص طواف وداع کرنا بھول گیا تو بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ طواف زیارت کے بعد کوئی اور طواف کر چکا ہو۔ کیا کر چکا ہو؟ بھائی اور دن وہاں تھا نا، اس کو مکہ میں موقع تھا جتنے مرضی طواف کرے، اس نے درمیان میں کئی طواف کر لیے تھے۔ اب عین واپسی کی نیت سے آخری طواف نہیں کیا اس نے، موقع ہی نہیں مل سکا، نکلنے کا ادھر سارے ساتھی چل رہے تھے اور موقع نہیں ملا اس کو نکلنا پڑا تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں، طواف زیارت کے بعد جو اس نے طواف کیے ہیں تو جو آخری طواف کیا ہے وہ خود ہی کیا بن جائے گا؟ وہ طواف وداع بن جائے گا۔ لیکن اگر اس نے طواف زیارت کے بعد ایک بھی طواف نہیں کیا تو پھر واجب اس کے ذمے رہ گیا بھائی، پھر اس صورت میں اس پر دم واجب ہو گیا، قربانی کرنا پڑے گی، لیکن اگر کوئی طواف کر چکا ہے وہ خود بخود کس کے قائم مقام ہو جائے گا؟ طواف وداع کے قائم مقام ہو جائے گا۔

تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ تو تھی حج افراد کی تفصیل۔ حج تمتع اور قران میں تھوڑا سا فرق وہ بھی سمجھ لیں مختصر سے۔ حج تمتع میں اس نے کیا کیا تھا؟ صرف کس کا احرام باندھا تھا؟ عمرے کا احرام باندھا تھا، اسی طرح آئے گا، آ کر جو پہلا طواف ہے وہ تو عمرے کا طواف ہے، اس میں اسی طرح وہ اضطباع کرے گا ایک کندھے کو ننگا کرے گا اور رمل کرے گا پہلے تین چکروں کے اندر اور پھر اس کے بعد سعی کر لے گا، جب سعی کر لی تو اس کا عمرہ کیا ہوا؟ مکمل ہو گیا۔ تو یہ تمتع والا بھی یوں کرے گا اور قران والا بھی یہی، لیکن تمتع والا اب بال کٹوا کر حلال ہو جائے گا، احرام کی پابندیاں ختم، لیکن قران والے پر ابھی بھی کیا ہیں؟ احرام کی پابندیاں ہیں۔ قران والا اگر چاہتا ہے کہ وہ حج کی سعی انہی دنوں میں کر لے جن دنوں وہ مکہ میں ٹھہرا ہوا ہے وہ بھی کر سکتا ہے اسی طرح، لیکن اس سعی سے پہلے کیا کر لے؟ ایک طواف کرنا پڑے گا اور اس طواف کے اندر بھی یہ کیا کر لے؟ اسی طرح اضطباع بھی کرے گا، ایک کندھے کو ننگا کرے گا اور پھر کیا کر لے؟ وہ حج والی سعی کر لے، حج والی سعی کر لے۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا۔

حج تمتع والا اس نے تو عمرہ کر کے کیا کیا؟ کپڑے پہن لیے ہیں، احرام کی پابندیاں ختم، یہ بھی حج کی سعی پہلے کر سکتا ہے، یہ آٹھویں ذوالحجہ کو جب دوبارہ حج کا احرام حرم سے ہی باندھے گا یہ اگر چاہے تو اسی وقت حج کی سعی بھی کر سکتا ہے، اس وقت تو رش بڑا ہی کم ہو گا، لہٰذا یہ کیا کر لے؟ اسی وقت ایک پہلے اس سعی سے پہلے کیا کر لے؟ جب احرام باندھ لے تو پھر ایک طواف کر لے اس سعی سے پہلے اور اس میں اسی طرح اضطباع کر لے گا اور رمل کر لے گا اور پھر اس کے بعد حج کی وہ سعی کر لے گا اور پھر چلا جائے گا منیٰ بھائی اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور اگلے دن کی فجر پھر وہاں نمازیں پڑھے گا بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ لیکن اگر حج کی سعی کسی کی باقی ہے چاہے قران والا ہے، چاہے تمتع والا ہے، چاہے حج افراد والا ہے، اگر ان کی سعی باقی ہے تو پھر وہ طواف زیارت کے بعد کیا کریں گے؟ حج کی سعی کریں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح سارا طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

تو لہٰذا آٹھویں کو چلتے ہیں، کہاں ٹھہرتے ہیں؟ منیٰ۔ کتنی نمازیں پڑھتے ہیں؟ پانچ نمازیں یہاں پڑھنا سنت۔ اگلے دن فجر پڑھ کے کہاں جانا ہے؟ عرفات۔ عرفات کا وقت کب سے کب تک ہے وقوف کا؟ زوال کے بعد سے لے کر اگلے دن کی فجر تک، یہاں وقوف فرض ہے، اور پھر یہاں پر وہ جمع بین الصلاتین ہو گا، ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی ادا کی جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ امام کیا ہو کہ امام المسلمین ہو یا اس کا نائب یا اس کی طرف سے مقرر کیا ہوا آدمی جو ہے وہ نماز پڑھائے اور نیز جماعت بھی ہو اور

تیسری شرط یہ کہ احرام بھی ہو بھائی۔ اور میں نے یہ بھی بتلادیا کہ امام جو ہے مسافر ہونا چاہیے کیونکہ یہاں وہ پڑھاتے ہی دو رکعت ہیں تو اگر مسافر ہے تو پھر تو ٹھیک ہے قصر کرنا ٹھیک ہو گا اور اگر مسافر نہیں تو قصر صحیح نہیں۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

اور پھر اس کے بعد جب سورج غروب ہو جائے تب واپس چلنا ہے اور کہاں رات گزارنی ہے؟ مزدلفہ میں، اور وہاں پر ایک ہی وقت وہاں عشاء کے وقت کے اندر ہی مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی پڑھیں گے ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ، اور پھر اگلے دن سورج نکلنے سے پہلے چل پڑے منیٰ آجائے اور منیٰ یہ دسویں تاریخ ہے عید کا دن ہے، آج کے دن صرف جمرہ کبرا کی کیا کرے گا؟ رمی کرے گا، اور نیز کیا کرے گا؟ اگر قران والا یا تمتع والا ہے تو وہ قربانی بھی کریں گے اور اس کے بعد کیا کریں گے؟ بال منڈوادیں یا چھوٹے کروادیں اور احرام کی باقی پابندیاں ختم، لیکن بیوی ابھی بھی حلال نہیں، وہ کب حلال ہو گی؟ جب طواف زیارت کرلے گا، اور وہ چاہے آج ہی کرلے، چاہے اگلے دن کرلے، چاہے اس سے اگلے دن، یہ عید کے تین دنوں میں طواف زیارت کرنا واجب ہے، اور نیز یہ دسواں دن گزر گیا، گیارہویں دن تینوں جمرات پہ رمی کرنی ہے، بارہ تاریخ کو بھی تینوں جمرات پہ کیا کرنی ہے؟ رمی کرنی ہے، اور تیرہ تاریخ کی رمی اختیاری ہے، اگر نہیں کرنا چاہتے تو صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پہلے حاجی منیٰ سے کہاں چلا جائے؟ مکہ چلا جائے، لیکن اگر مکہ نہ گیا منیٰ ہی میں تھا تو یہ رمی بھی اس پر کیا ہو گئی؟ واجب ہو گئی، یہ رمی کرلے، تو بس حج کے افعال سارے مکمل ہو گئے۔ اب صرف ایک کام باقی ہے اور وہ کیا؟ طواف وداع ہے، وہ واپسی سے پہلے کرلے، یہ تھی حج کی مکمل تفصیل۔ یہی سارا اسی کے اندر مزید وہ تفصیل بیان کریں گے، خلاصہ میں نے بیان کر دیا بھائی۔

بات سارے طریقے اچھی طرح سمجھ میں آگئے؟ حج افراد میں صرف کیا ہوتا ہے؟ حج، یہاں سے نیت کس کی کرے گا؟ حج کی۔ حج تمتع کے اندر اس میں دونوں عبادتیں ہیں لیکن یہاں سے نیت کس کی کرے گا؟ عمرے کی، اور پھر بعد میں حج کے لیے الگ احرام باندھے گا۔ اور حج قران میں یہیں سے کس چیز کی نیت کرے گا؟ حج اور عمرے دونوں کی نیت کرے گا۔ اور نیز فرق صرف ایک تو احرام کا فرق آگیا، حج افراد اور حج قران میں شروع سے آخر تک احرام رہتا ہے، حج تمتع میں بیچ میں احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور ایک قربانی کا فرق آگیا، حج افراد والے پہ حج کی قربانی واجب نہیں اور حج تمتع اور حج قران والے پر قربانی واجب ہے، باقی سب تینوں کا ایک ہی طریقہ ہے باقی چیزوں کے اندر۔

ہاں البتہ ایک اور بات یاد رکھنا، حج قران والا جو ہے نا اس کا یہ احرام حج کا بھی ہے اور عمرے کا بھی ہے، کس کا ہے؟ حج کا بھی ہے اور عمرے کا بھی ہے، لہٰذا اگر اس نے کسی واجب کو چھوڑا تو اس پہ ایک دم نہیں آئے گا دو دم آئیں گے۔ حج افراد والے پہ بھی ایک دم آئے گا، حج تمتع والے پر بھی ایک دم آئے گا کیونکہ حج تمتع والے کا اولاً احرام کس کا ہے؟ عمرے کا تو اس میں بھی اگر جنایت کوئی کی کوئی جرم کیا تو صرف عمرے کا دم آئے گا اور اگر حج کا احرام کیا تو حج کا احرام ہے تو وہ بھی صرف حج کا ہے تو ایک جنایت کی ہوئی، لیکن حج قران والے کا احرام عمرے کا بھی ہے اور حج کا بھی ہے، وہ اگر کوئی جنایت کرتا ہے کوئی جرم کرتا ہے یعنی کسی واجب کو چھوڑتا ہے تو وہاں ایک دم نہیں آئے گا اس پر بلکہ دو دم آئیں گے، ایک دم ہے عمرے کی جنایت اور ایک دم ہے حج کی جنایت بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حج کا طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟ بھائی یہ ہے حج کا طریقہ بھائی۔ باقی ان شاء اللہ کتاب کے اندر اور تفصیل کے ساتھ اور وضاحت آجائے گی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ المَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۳۴: بَابُ الْإِحْرَامِ

ہدایہ صفحہ: ۲۵۴ — بتاریخ: ۲۳ اپریل ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الْإِحْرَامِ «وَإِذَا أَرَادَ الْإِحْرَامَ اغْتَسَلَ أَوْ تَوَضَّأَ، وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ لِمَا رُوِيَ «أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اغْتَسَلَ لِإِحْرَامِهِ» إِلَّا أَنَّهُ لِلتَّنْظِيفِ حَتَّى تُؤْمَرَ بِهِ الْحَائِضُ وَإِنْ لَمْ يَقَعْ فَرْضًا عَنْهَا، فَيَقُومُ الْوُضُوءُ مَقَامَهُ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ لَكِنَّ الْغُسْلَ أَفْضَلُ لِأَنَّ مَعْنَى النَّظَافَةِ فِيهِ أَتَمُّ، وَلِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اخْتَارَهُ». [1]

بھئی، گزشتہ سبق میں حج کا طریقہ میں نے بیان کیا تھا، اور آپ کو بتلایا تھا کہ حج تین قسم پر ہے: حج افراد ہے، حج تمتع ہے، اور حج قران ہے۔ اور یاد رکھیے ہمارے نزدیک حج قران افضل ہے بھئی، افضل ہے۔ کیونکہ اس میں ایک ہی ساتھ حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھا جاتا ہے۔ طریقہ تو آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔ ایک دفعہ پھر تینوں حج جو ہیں ان کو میں الگ الگ بیان کر دیتا ہوں مختصراً بھئی، تاکہ خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ اس کے بعد پھر آگے صرف کتاب کے اندر نفسِ ترجمہ ہی ہے، وہ ان شاء اللہ ہم جلدی جلدی کرتے جائیں گے، اور تفصیل جب آپ کے ذہن میں ہو گی پھر اس کا سمجھنا مشکل نہیں ہے بھئی۔

تو سب سے پہلے حج افراد کا طریقہ میں بیان کرتا ہوں۔ بھئی، حج افراد جو ہے، **أَفْرَدَ يُفْرِدُ إِفْرَادٌ** کا معنی ہے: الگ کرنا۔ تو حج افراد جو ہے اس میں الگ یعنی صرف حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ تو لہٰذا حاجی جو ہے وہ میقات سے یا بلکہ اپنے گھر سے، وہ حج کا احرام باندھ لے گا، دو چادریں باندھ لے گا اور پھر اس کے بعد جو ہے وہ احرام کے دو رکعت سنت جو ہیں وہ پڑھ لے گا، اور اس کے بعد پھر وہ نیت کرے اور تلبیہ کہے تو اس کا احرام شروع ہو گیا۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا احرام ان دو چادروں کا نام نہیں بلکہ احرام انسان کی اس حالت کا نام ہے جس میں اس پر پابندیاں آ جاتی ہیں بہت سی بھئی۔ لہٰذا شروع میں جب یہ دو چادریں پہن لیں تو پہنتے ہی محرم نہیں بنا، بلکہ جب وہ دو رکعت پڑھ لیں اس کے بعد جب اس نے نیت کی اور تلبیہ کہہ دیا، اب احرام اس کا شروع ہو گیا، احرام کی پابندیاں شروع ہو گئیں۔

اور پھر اس کے بعد یہ حج افراد والا آئے گا حرم پہنچ گیا تو آ کر طوافِ قدوم کرے گا اور طوافِ قدوم ہمارے نزدیک سنت ہے، واجب نہیں ہے۔ اور اس حج کے اندر بھی اس نے چونکہ سعی کرنی ہے تو اگر ابھی سے وہ حج کی سعی کرنا چاہتا ہے چاہے اسی طواف کے بعد حج کی سعی کر لے، چاہے اگلے جو چند دن مکہ میں ہے اس میں کسی بھی طواف کے بعد کیا کر لے؟ حج کی سعی پہلے سے کرنا چاہتا ہے، کر سکتا ہے، کیونکہ یہ احرام اس نے کون سا باندھا ہوا ہے؟ حج کا۔ تو اگر اسی کے بعد کرنا چاہتا ہے حج کی سعی تو بھی کر سکتا ہے، چند دن مکہ میں مقیم ہے اس میں کسی وقت کرنا چاہتا ہے، کر سکتا ہے۔ لیکن جب بھی سعی کرنے لگے پہلے کیا کر لے گا اس سے؟ اس سے پہلے ایک طواف کر لے گا، اور اس طواف کے اندر چونکہ اس کے بعد سعی کرنی ہے اور ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو اس میں اضطباع بھی کیا جاتا ہے یعنی دائیں کندھے کو ننگا کیا جاتا ہے اور پہلے تین چکروں میں رمل کیا جاتا ہے یعنی وہ پہلوانوں کی طرح طاقت کا اظہار کرتے ہوئے کندھے ہلاتے ہوئے چلے گا۔

تو جب یہ حج افراد والا پہنچ گیا، یا مثلاً پہلے ہی طواف کے بعد کیا کرنا چاہتا ہے؟ حج کی سعی بھی۔ تو پہلے ہی طواف کے اندر کیا کر لے؟ اضطباع بھی کر لے اور رمل بھی پہلے تین چکروں میں کر لے۔ پھر جب یہ طواف پورا ہو جائے تو اس کے بعد طواف کی جو دو رکعتیں ہیں، واجب الطواف، وہ بھی پڑھ لے گا۔ وہ اگرچہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھنا افضل ہے لیکن ہجوم زیادہ ہو تو وہاں نہیں پڑھنی چاہیے، خود بھی انسان تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے، طواف کرنے والوں کو بھی مصیبت میں ڈال دیتا ہے، تو مسجد میں کسی بھی جگہ پر وہ ادا کر سکتا ہے۔ تو پھر وہ جب دو رکعتیں بھی ادا کر دیں، طواف مکمل ہوا، اب سعی کرے گا۔ تو سعی صفا سے ابتدا ہو گی، مروہ پر پہنچے گا تو ایک چکر ہوا، واپس صفا پر آئے گا تو دو چکر ہو گئے، اس طرح ساتواں چکر مروہ پہاڑی پر مکمل ہو گا۔ لیکن جب یہ سعی کر لی، اب بال وغیرہ نہیں کٹوانے کیونکہ آپ کوئی عمرہ نہیں کر رہے، بلکہ یہ کون

[1] شاملہ (ص ۱۸۲) میں «فَرْضًا» کے بجائے «فرضها» درج ہے۔

سا احرام ہے؟ حج کا احرام۔ تو بال وغیرہ کٹوانا یہ تو اس وقت ہے جب انسان احرام سے نکلنے لگے، احرام سے حلال ہونے لگے بھئی۔ تو لہٰذا بال وغیرہ ابھی نہیں کٹوانے، اسی طرح اب حالتِ احرام میں ہی مکہ میں رہنا ہے۔ اس دوران جتنے طواف کرنا چاہے انسان طواف کر سکتا ہے۔

اور پھر جب آٹھویں ذی الحجہ آجائے، یہ یوم الترویہ کہلاتا ہے۔ آٹھویں دن فجر کی نماز پڑھ کر اس کے بعد آپ منیٰ چلنے کی تیاری کرے اور منیٰ کے اندر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور اگلے دن کی فجر، یہ پانچ نمازیں پڑھنا سنت ہیں، واجب نہیں بلکہ سنت ہیں۔ تو یہ وہاں جا کر یہ نمازیں پڑھ لے گا اور پھر یہ جب فجر کی نماز پڑھ لی، یہ نویں ذی الحجہ ہے، یومِ عرفہ ہے، اب عرفات کی تیاری کرے، عرفات کی طرف چلے۔ اور میں نے بتلایا تھا منیٰ سے آگے چلیں تو پہلے مزدلفہ آتا ہے پھر اس کے بعد عرفات کا میدان آتا ہے، تو یہاں سے عرفات چلا جائے اور وقوفِ عرفات میں نے بتلایا یہ حج کے اندر فرض ہے۔ اگر یہ رہ گیا تو حج ہی نہیں ہوا۔ اور اس کا وقت شروع ہوتا ہے نویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد اس کا وقت شروع ہوتا ہے اور اگلے دن کی فجر تک اس کا وقت رہتا ہے۔ اس دوران ایک لمحے کے لیے بھی اگر حاجی عرفات آگیا تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔ اور میں نے بتلایا کہ یہ بڑی ہی دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے اور اس میں پھر انسان وہ وقوفِ عرفات کرتا ہے، اللہ کے سامنے کھڑا ہو جائے، دعائیں کرے، ذکر کرے، روئے، گڑگڑائے اللہ کے سامنے، جتنی زیادہ سے زیادہ دعائیں کر لے اتنا ہی اچھا ہے۔

اس کے بعد جب سورج غروب ہو جائے تو اب عرفات سے واپس چلنا ہے اور رات مزدلفہ میں گزارنی ہے۔ لیکن عرفات سے سورج غروب ہونے کے بعد نکلنا ہے، اگر پہلے نکل آیا تو دم واجب ہو گا، البتہ فرض ادا ہو چکا ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو غروبِ آفتاب کے بعد چلے گا۔

اور ہاں، یہ بات تو رہ گئی کہ عرفات کے اندر ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی باجماعت ادا کی جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ امام کیا ہو؟ کہ امام المسلمین یا اس کا نائب یا اس کی طرف سے مقرر کیا ہوا آدمی جو ہے وہ نماز پڑھائے اور نیز جماعت بھی ہو اور تیسری شرط یہ کہ احرام بھی ہو بھئی۔ اور میں نے یہ بھی بتلا دیا کہ امام جو ہے مسافر ہونا چاہیے کیونکہ یہاں وہ پڑھاتے ہی دو رکعت ہیں۔ تو اگر مسافر ہے تو پھر تو ٹھیک ہے قصر کرنا ٹھیک ہو گا اور اگر مسافر نہیں تو قصر صحیح نہیں۔

اور پھر اس کے بعد جب سورج غروب ہو گیا، اب واپس چل پڑے تو مغرب کی نماز عرفات میں نہیں پڑھنی، راستے میں بھی نہیں پڑھنی بلکہ مغرب کی نماز مزدلفہ پہنچ کر پڑھیں گے بھئی۔ وہاں پھر ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز باجماعت وہاں ادا کی جاتی ہے۔ یہ رات یہاں گزاری جائے گی اور عند الاحناف یہ رات یہاں گزارنا واجب ہے۔ اگر چھوٹ گیا یہ واجب تو دم لازم آئے گا۔

پھر جب فجر طلوع ہو جائے تو کچھ دیر وقوف کرے، دعائیں وغیرہ کر لے، ذکر کر لے اور پھر اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ چل پڑے اور منیٰ آجائے۔ یہ دسویں ذی الحجہ ہے اور عید کا دن ہے۔ آج کے دن حج افراد کرنے والے نے صرف رمیِ جمرات کرنی ہے اور وہ بھی صرف جمرۂ کبریٰ جو ہے اس کو سات کنکریاں مارنی ہیں بھئی، جمرۂ کبریٰ۔

اور پھر اس کے بعد قربانی کرنا چاہے تو اچھی بات ہے لیکن اس پر واجب نہیں ہے، نہیں کرنا چاہتا اس کی مرضی ہے۔ تو یہ جب رمیِ جمرات کر لے، قربانی اگر کرنا چاہتا ہے وہ بھی کر لے اور پھر اس کے بعد اب یہ بال کٹوالے گا یا بال منڈوالے گا اور احرام اتار دے گا۔ احرام کی ساری پابندیاں ختم، صرف ایک پابندی ابھی بھی باقی ہے کہ بیوی سے صحبت نہیں کر سکتا۔ وہ جب طوافِ زیارت کر لے گا تب وہ پابندی بھی ختم ہو جائے گی۔ اور طوافِ زیارت آج عید کا دن ہے چاہے تو آج ہی کر لے چاہے اگلے عید کے دو دن جو ہیں ان کے اندر کر لے، تو تین دنوں کے اندر طوافِ زیارت کرنا واجب ہے۔ اس میں پھر وہ طوافِ زیارت کر لے تو پھر وہ پابندی بھی ختم ہو جائے گی۔ تو یہ طوافِ زیارت کر لے چاہے اسی دن کرے چاہے اگلے دو دنوں میں کرے اور اگر حج کی سعی پہلے نہیں کی تھی تو وہ بھی اس طوافِ زیارت کے بعد کر لے گا۔

اور پھر اگلا دن جب آئے گا گیارہ تاریخ گیارہ ذی الحجہ، تو اب تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے۔ پہلے جمرۂ صغریٰ کو سات کنکریاں مارے گا، پھر جمرۂ وسطیٰ کو اور اس کے بعد جمرۂ کبریٰ کو۔ بارہ تاریخ کو بھی اسی طرح ترتیب سے تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے بھئی۔ بس، اس کے بعد حج کے افعال مکمل ہو گئے۔ حج کے افعال مکمل ہوئے اور صرف ایک طوافِ وداع جو ہے وہ اس کے ذمے باقی ہے۔ لہٰذا بارہ تاریخ کو منیٰ سے مکہ آجائے۔ لیکن اگر بارہ تاریخ گزر گئی تیرہ کی فجر طلوع ہو گئی اور حاجی ابھی منیٰ ہی میں تھا تو تیرہ تاریخ کی رمی بھی اس پر واجب ہو جائے گی۔ تو اس دن بھی پھر تینوں جمرات کو اسی ترتیب سے کنکریاں مارے اور پھر اس کے بعد مکہ آجائے گا۔ اب واپسی سے پہلے صرف کیا باقی ہے؟ طوافِ وداع باقی ہے۔ اور اس میں بھی میں نے بتلایا تھا کہ طوافِ زیارت کے بعد اگر انسان کوئی بھی طواف کر لے تو یہ طواف بھی کس کے قائم مقام ہو جائے گا؟ طوافِ وداع کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اگرچہ اس نے نیت تو نہیں کی تھی کہ یہ آخری طواف ہے میرا لیکن وہ خود بخود کیا بن جائے گا؟ طوافِ وداع بن جائے گا۔ تو اس طرح یہ حج کے افعال مکمل ہو گئے بھئی، طریقہ سمجھ میں آیا؟ یہ تھا حج افراد کا طریقہ۔

اس کے بعد حج تمتع کا بھی یہی طریقہ، معمولی سا فرق آئے گا۔ کہ حج تمتع کے اندر جو ہے وہ یہاں سے عمرے کا احرام باندھے گا، حج کا نہیں! اگر حج کا احرام حج کی نیت کر لی حاجی نے تو حج کا احرام شروع ہو جائے گا بھئی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا وہ حج افراد پھر بن جائے گا۔ لہٰذا اس میں خصوصاً خیال رکھے، یہاں سے وہ عمرے کی نیت کر کے چلے گا اور جب حرم پہنچ گیا وہاں پہلے طواف کر لے گا، اس میں بھی اسی طرح اضطباع ہو گا، رمل ہو گا کیونکہ یہ عمرہ کر رہا ہے اس کے بعد سعی بھی کرنی ہے۔ پھر اس کے بعد سعی بھی کر لے گا اور پھر سعی کر لی عمرہ مکمل ہوا، اب سر کے بال منڈوالے یا چھوٹے کروالے اور احرام اتار دے۔ احرام کی پابندیاں ختم ہو گئیں، اب یہ متمتع جو ہے یہ مکہ میں رہے، جتنے طواف وغیرہ کرنا چاہے کر سکتا ہے، احرام کی کوئی پابندی اس پر نہیں ہے۔ جبکہ حج افراد کے اندر احرام ہی کی حالت میں رہتا تھا اس پر سب پابندیاں ہوتی

تھیں۔ تو یہ حلال ہو کر وہاں رہے گا۔

پھر جب آٹھویں تاریخ آئے گی یوم الترویہ آئے گا تو پھر یہ حج کا احرام باندھے گا اور حج کا احرام یہیں حرم سے ہی، اپنی جگہ سے ہی باندھ لے اور پھر بہتر یہ ہے کہ مسجد الحرام آ کر وہ دو رکعتیں سنت جو ہیں احرام کی وہ پڑھ لے اور تلبیہ کہہ لے اور نیت کر لے احرام کی، حج کے احرام کی، تو یہیں نیت بھی کر لے، تلبیہ کہہ لے، یہ حج کا احرام شروع ہو گیا۔ اور اگر چاہتا ہے حج کی سعی ابھی کے کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی ابھی کر سکتا ہے لیکن اس سے پہلے کیا کر لے؟ ایک طواف کر لے، اس میں اضطباع بھی کرے، اس میں رمل بھی کرے، پھر اس کے بعد سعی بھی کر لے لیکن سعی کے بعد اب بال نہیں کٹوانے کیونکہ یہ احرام کون سا ہے؟ حج کا ہے، عمرے کا احرام اب نہیں ہے۔ تو اب حج کے افعال کرنے کے بعد جا کر یہ احرام اتارے گا بھئی۔ تو لہٰذا پھر یہ سعی کر لے یہیں پر اور چلا جائے پھر منیٰ، وہاں وہ پانچ نمازیں ادا کرے، اگلے دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد عرفات چلا جائے گا اور وقوفِ عرفات کرے گا۔ ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی اسی طرح ادا کی جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ امام کیا ہو؟ کہ امام المسلمین یا اس کا نائب یا اس کی طرف سے مقرر کیا ہوا آدمی جو ہے وہ نماز پڑھائے اور نیز جماعت بھی ہو اور تیسری شرط یہ کہ احرام بھی ہو بھئی۔ اور میں نے یہ بھی بتلا دیا کہ امام جو ہے مسافر ہونا چاہیے کیونکہ یہاں وہ پڑھاتے ہی دو رکعت ہیں۔ تو اگر مسافر ہے تو پھر تو ٹھیک ہے قصر کرنا ٹھیک ہو گا اور اگر مسافر نہیں تو قصر صحیح نہیں، طریقہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟ ورنہ اپنے اپنے وقت میں اسی طرح پڑھیں گے۔

پھر غروبِ آفتاب کے بعد وہاں سے چل پڑے اور مزدلفہ آئے، مزدلفہ میں اسی طرح مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی ادا کی جائے گی اور پھر اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے ذرا پہلے منیٰ روانہ ہو جائے، منیٰ آ جائے۔ یہ عید کا دن ہے اسی طرح بھئی، پہلے دن جو ہے وہ صرف جمرۂ کبریٰ کو سات کنکریاں مارنی ہیں اس نے۔ اور حج افراد میں تو یہ سات کنکریاں مارنے کے بعد اس کی مرضی تھی، قربانی کرے یا قربانی نہ کرے، تو اس کے بعد پھر وہ حلال ہو جاتا تھا، احرام اتار دیتا تھا لیکن یہ حج تمتع کرنے والا ہے اب، تو اب اس صورت میں اس پر حج کی قربانی واجب ہے۔ لہٰذا یہ رمیِ جمرات کر لے گا تو اس کے بعد پھر یہ قربانی کرے گا، پھر اس کے بعد اب یہ احرام اتارے گا بھئی، اور بال وغیرہ منڈوا دے گا اور احرام اتار دے گا۔ باقی ساری پابندیاں ختم لیکن ابھی چونکہ طوافِ زیارت نہیں کیا لہٰذا بیوی ابھی بھی حلال نہیں اس کے لیے۔ پھر یہ چاہے تو اسی طرح ان تین دنوں میں سے جس وقت چاہے طوافِ زیارت کر لے، اور اگر سعی پہلے نہیں کی تھی آٹھ تاریخ کو تو اب کرنی پڑے گی وہ بھی، سعی بھی کر لے، پھر اس کے بعد گیارہ تاریخ کو اب تینوں جمرات کو اسی طرح ترتیب سے کنکریاں مارنی ہیں، بارہ تاریخ کو بھی اسی ترتیب سے تینوں جمرات کو کنکریاں مارنی ہیں، تیرہ تاریخ کی رمی اسی طرح اختیاری ہے اگر نہیں کرنا چاہتا تو پہلے ہی مکہ چلا جائے اور اگر تیرہ کی فجر طلوع ہو گئی اور یہ منیٰ ہی میں تھا تو تیرہ تاریخ کی بھی تیرہ تاریخ کو بھی تینوں جمرات کی رمی کرنا پڑے گی اور پھر اس کے بعد یہ مکہ چلا جائے گا، حج کے تمام افعال مکمل ہو چکے ہیں، اب صرف اس کے ذمے کیا باقی ہے؟ طوافِ وداع باقی ہے، تفصیل سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟

تو فرق کیا آیا حج افراد والے سے؟ حج افراد والے کا احرام شروع سے آخر تک رہتا تھا جبکہ حج تمتع والے کا احرام عمرے کے بعد ختم ہو جاتا تھا پھر آٹھویں کو دوبارہ شروع ہوتا تھا۔ اور نیز دوسرا فرق کیا آیا کہ حج افراد میں قربانی واجب نہیں تھی اس کے اندر قربانی واجب ہے، باقی سارے افعال ایک جیسے ہیں۔

تیسرا طریقہ ہے حج قران کا۔ حج قران بالکل وہ حج افراد کی طرح ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ اس کے اندر شروع میں ایک عمرہ بھی کرنا پڑے گا۔ کیا کرنا پڑے گا؟ تو حج قران کے اندر حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھ کر چلے گا، دونوں کی نیت کرے گا۔ حج افراد میں صرف کس کا احرام تھا؟ حج کا، حج تمتع میں صرف عمرے کا شروع میں صرف عمرے کا احرام باندھا تھا، اور حج قران میں شروع سے کیا کرے گا؟ دونوں کی نیت کرے گا اور احرام باندھ کر چلے گا بھائی۔ اور پھر جا کر پہلے عمرہ کرے گا لیکن عمرے کے بعد پھر اس نے بال نہیں کٹوانے، بال چھوٹے نہیں کروانے کیونکہ یہ احرام صرف عمرے کا نہیں ہے بلکہ حج کا بھی ہے۔ لہٰذا عمرہ ادا کر کے اب باقی دن مکہ ہی میں رہے گا اسی طرح احرام کی حالت میں، احرام کی پابندیوں کے ساتھ۔ اور ہاں ان دنوں کے اندر یہ بھی اگر چاہتا ہے حج کی سعی کر لے تو پہلے کر سکتا ہے اور اس کا کیا طریقہ؟ کہ سعی سے پہلے اسی طرح ایک طواف کر لے پھر سعی کر لے بھائی۔ اور پھر اسی طرح آٹھویں تاریخ کو یہ چلا جائے گا، پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھے گا، اگلے دن جائے گا، عرفات چلا جائے گا نویں تاریخ کو، پھر مغرب کے بعد واپس چلے گا، مزدلفہ میں رات گزارے گا، پھر اگلے دن جو ہے جب سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کی طرف چل پڑے گا اور یہ عید کا دن ہے، آج کے دن اسی طرح یہ سات کنکریاں مارے گا جمرۂ کبریٰ پر اور اس پر حج کی قربانی بھی واجب ہے تو یہ قربانی بھی کرے گا، اس کے بعد اب یہ کیا کر لے؟ بال کٹوا لے یا بال چھوٹے کروا لے، احرام اتار دے، احرام کی باقی پابندیاں ختم لیکن بیوی ابھی بھی حلال نہیں، پھر جائے گا طوافِ زیارت ان تین دنوں میں جب چاہے کر لے، اگر حج کی سعی پہلے نہیں کی تھی وہ بھی اس کے بعد کر لے اور پھر اس کے بعد اگلے دن جو ہے گیارہ تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کرے گا، بارہ تاریخ کو بھی تینوں جمرات کی رمی کرے گا، تیرہ تاریخ کی رمی اسی طرح اختیاری ہے، نہیں کرنا چاہتا تو پہلے ہی چلا جائے مکہ، اگر تیرہ کی فجر طلوع ہو گئی اور منیٰ ہی میں تھا تو تیرہ تاریخ کو بھی تینوں جمرات کی رمی کر لے گا اور پھر اس کے بعد جو ہے اب حج کے تمام افعال پورے ہو چکے ہیں صرف اس کے ذمے کیا باقی ہے؟ طوافِ وداع باقی ہے بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

جی اب آیئے بھائی، اب دیکھیے کتاب پر، اب انہی کی جو چیزیں میں نے آپ کو بتلا دیں انہی میں تفصیل وہ بیان کرتے جائیں گے۔

■ مسئلہ: بَابُ الْإِحْرَامِ

«بَابُ الْإِحْرَامِ» یہ باب ہے احرام کے بیان میں۔ «وَإِذَا أَرَادَ الْإِحْرَامَ اغْتَسَلَ أَوْ تَوَضَّأَ، وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ» اور جب وہ، حج یا عمرے پر جو جانے والا ہے اس کا ارادہ احرام کا ہو، تو غسل کرلے یا وضو کرلے، اور غسل افضل ہے۔ «لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اغْتَسَلَ لِإِحْرَامِهِ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اپنے احرام کے لیے۔ «إِلَّا أَنَّهُ لِلتَّنْظِيفِ» ہاں، آگے صاحبِ ہدایہ بتلاتے ہیں مگر یہ بات ہے کہ یہ جو غسل ہے یہ صاف ستھرا کرنے کے لیے ہے یعنی اپنے آپ کو صاف ستھرا کرنے کے لیے ہے۔ «حَتَّى تُؤْمَرَ بِهِ الْحَائِضُ» یہاں تک کہ حائضہ کو بھی اس کا حکم دیا جائے گا۔ حائضہ کو بھی اس کا حکم دیا جائے گا۔ «وَإِنْ لَمْ يَقَعْ فَرْضًا عَنْهَا» اگرچہ یہ اس کی طرف سے فرض واقع نہیں ہو گا۔ بھئی حائضہ ہے، وہ تو حیض کی حالت میں درمیان میں اگر غسل کرلے تو کیا پاک ہو جائے گی؟ نہیں، وہ تو جب حیض رکے گا پھر اس کے بعد وہ غسل کرے گی تو کیا ہو گی؟ پاک ہو جائے گی۔ لیکن یہ غسل تو یہ غسل جو ہے یہ صرف کس لیے ہے اپنے آپ کو صاف ستھرا کرنے کے لیے ہے، لہٰذا اس کو بھی کہا جائے گا وہ بھی کیا کرلے؟ غسل کرلے اور اپنے آپ کو صاف ستھرا کرلے، اگرچہ یہ غسل وہ فرض غسل نہیں اس کا بنے گا، یہ صرف کس لیے ہے؟ صاف ستھرا کرنے کے لیے ہے اپنے آپ کو، بعد میں جب حیض سے پاک ہو گی تو پھر الگ غسل کرنا پڑے گا۔ یہ معنی ہے: «إِلَّا أَنَّهُ لِلتَّنْظِيفِ» مگر یہ جو ہے غسل ہے جو ہے صاف ستھرا کرنے کے لیے اپنے آپ کو «حَتَّى تُؤْمَرَ بِهِ الْحَائِضُ» یہاں تک کہ حکم دیا جائے گا اس کا حائضہ کو بھی «وَإِنْ لَمْ يَقَعْ فَرْضًا عَنْهَا» اگرچہ اس سے اس کا فرض واقع نہیں ہو گا۔ «فَيَقُومُ الْوُضُوءُ مَقَامَهُ» تو وضو بھی اس کا قائم مقام ہو جائے گا۔ یہ غسل چونکہ صرف کس لیے ہے؟ صفائی کے لیے ہے تو وضو بھی اس کا قائم مقام ہو جائے گا۔ «كَمَا فِي الْجُمُعَةِ» جیسے جمعہ کے اندر ہے، جمعہ کے دن بھی غسل ہے لیکن وہ کس لیے ہے؟ اپنے آپ کو صاف ستھرا کرنے کے لیے تو وضو بھی اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ «لَكِنَّ الْغُسْلَ أَفْضَلُ» لیکن غسل افضل ہے، «لِأَنَّ مَعْنَى النَّظَافَةِ فِيهِ أَتَمُّ» اس لیے کیونکہ صفائی کا معنی جو ہے صاف ستھرا ہونے کا معنی اس کے اندر زیادہ کامل ہے۔ «وَلِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اخْتَارَهُ» اور نیز اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار فرمایا، حضور علیہ السلام نے غسل فرمایا تھا تو غسل افضل ہے۔

«قَالَ: وَلَبِسَ ثَوْبَيْنِ جَدِيدَيْنِ أَوْ غَسِيلَيْنِ إِزَارًا وَرِدَاءً» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: اور غسل کرلے پھر «وَلَبِسَ ثَوْبَيْنِ جَدِيدَيْنِ» اور دو نئے کپڑے پہن لے «أَوْ غَسِيلَيْنِ» یا دھلے ہوئے، «إِزَارًا وَرِدَاءً» وہ دو کپڑے کیا ہیں؟ آگے تفصیل کر رہے ہیں: «إِزَارًا» ایک تو کیا ہو گا؟ ازار ہے یعنی تہبند ہے جس کو نیچے باندھ لے گا، «وَرِدَاءً» اور دوسری چادر ہے جس کو اوپر اوڑھ لے گا۔ «لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ائْتَزَرَ وَارْتَدَى عِنْدَ إِحْرَامِهِ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ نے ازار باندھا اور چادر اوڑھی اپنے احرام کے وقت بھئی۔ تو یہ ایک تو انہوں نے حدیث ذکر کر دی کہ معلوم ہوا دو کپڑے پہنے گا دو چادریں بھئی۔

«وَلِأَنَّهُ مَمْنُوعٌ» یہاں سے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں کہ یہ دو چادریں کیوں اوڑھے گا، کیوں پہنے گا؟ کہتے ہیں بھئی اس لیے کیونکہ یہ جو محرم ہوتا ہے اس کو سلے ہوئے کپڑے پہننے سے روکا گیا ہے، سلے ہوئے کپڑے پہننے کی اس کو اجازت نہیں، اجازت نہیں۔ اور لہٰذا اب ستر کو بھی ڈھانپنا وہ بھی اس پر ضروری ہے تو ستر ڈھانپنے کے لیے ایک چادر یعنی ازار وہ کام دے گا، اور گرمی سردی سے بھی اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے تو اس کے لیے جو اوپر چادر اوڑھ لے گا وہ کام دے گی، تو معلوم ہوا یہ دو چادروں سے ضرورت اس کی پوری ہو جائے گی۔ تو کہتے ہیں: «وَلِأَنَّهُ مَمْنُوعٌ عَنْ لُبْسِ الْمَخِيطِ» اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو محرم ہے یہ روکا گیا ہے سلے ہوئے کپڑے پہننے سے «وَلَا بُدَّ مِنْ سَتْرِ الْعَوْرَةِ وَدَفْعِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ» اور ضروری ہے عورت کا ستر بھئی یعنی شرمگاہ کا ستر جو ہے وہ اس کو ڈھانپنا ضروری ہے، «وَنِيلَ وَدَفْعِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ» اور گرمی اور سردی کو دور کرنا بھی ضروری ہے، «وَذَلِكَ فِيمَا عَيَّنَّاهُ» اور یہ اس صورت میں ہے جو ہم نے متعین کر دی یعنی ایک ازار اور ایک چادر ہے اس کے ذریعے دونوں چیزیں پوری ہو جائیں گی۔ «وَالْجَدِيدُ أَفْضَلُ» اور نئے کپڑے جو ہیں وہ افضل ہیں «لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الطَّهَارَةِ» اس لیے کیونکہ وہ طہارت کے زیادہ قریب ہیں۔ نئے کپڑے ہوں گے ان کو تو کبھی نجاست لگی ہی نہیں ہے تو لہٰذا وہ طہارت کے زیادہ قریب ہیں۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَمَسَّ طِيبًا إِنْ كَانَ لَهُ

«قَالَ: وَمَسَّ طِيبًا إِنْ كَانَ لَهُ» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: اور خوشبو لگالے اگر اس کے پاس ہو، اگر اس محرم کے پاس کیا ہو؟ خوشبو ہو تو خوشبو لگالے۔ بھئی یاد رکھیے، احرام کی حالت میں خوشبو لگانا بلکہ خوشبو والی کوئی چیز استعمال کرنا بھی منع ہے لیکن ابھی احرام شروع ہی نہیں ہوا، بیشک اس نے دو چادریں اوڑھ لی ہیں لیکن کیا احرام ان دو چادروں کا نام ہے؟ نہیں، احرام تو اس حالت کا نام ہے جب نیت کر کے تلبیہ پڑھ لے گا اور پھر وہ حالت شروع ہو جائے گی، تو یہ ابھی بھی محرم نہیں بنا۔ لہٰذا کیا کرلے؟ خوشبو لگالے، بعد میں اب جتنے دن آئیں گے آگے حج کے اختتام تک خوشبو وغیرہ لگانے کی اجازت نہیں بھئی، خوشبو لگانے کی اجازت نہیں۔ تو لہٰذا اب خوشبو لگا لے، تو کہتے ہیں: «وَمَسَّ طِيبًا إِنْ كَانَ لَهُ» اور خوشبو لگالے اگر اس کے پاس ہو۔

«وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُكْرَهُ إِذَا تَطَيَّبَ بِمَا يَبْقَى عَيْنُهُ بَعْدَ الْإِحْرَامِ» امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا

جس کا جسم ہو یعنی کوئی گاڑھی قسم کی خوشبو بدن وغیرہ پر لگانا جس کا جسم بعد میں بھی باقی رہتا ہے۔ بعد میں بھی باقی رہتا ہے، کوئی گاڑھی قسم ایک تو خوشبو ہم جو عام استعمال کرتے ہیں بھئی، اس کا تو کوئی جسم نہیں ہوتا، سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ تو پانی کی طرح ہے اور ختم ہو جاتی ہے لیکن پہلے معلوم ہوا پہلے جو تھے کئی قسم کی خوشبوئیں ہوتی تھیں بعض خوشبوؤں کا باقاعدہ جسم ہوتا تھا یعنی بدن پر وہ لگی ہوئی ہوتی تھیں، ہاں یعنی کوئی بھی چیز جسم پر جو رہ جائے نظر آئے بھئی لگی ہوئی ہے، یہ جسم کے اوپر ہے لگی ہوئی ہے باقاعدہ۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسی خوشبو لگانا جس کا جسم ہو باقاعدہ نظر آئے، بعد میں بھی جسم پر لگی ہوئی اس کا بدن اس کا اس کی ذات اس خوشبو کی باقی رہتی ہے تو اس طرح کی خوشبو لگانا مکروہ ہے بھئی۔ باقی عام خوشبو لگانا تو وہ بھی فرماتے ہیں مکروہ نہیں، لیکن جو باقی رہنے والی ہے اس کا بدن باقاعدہ اس کی خوشبو کے کا جسم باقی رہتا ہے تو یہ مکروہ ہے۔ تو کہتے ہیں: «**وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ**» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک «**أَنَّهُ يُكْرَهُ إِذَا تَطَيَّبَ بِمَا يَبْقَى عَيْنُهُ بَعْدَالْإِحْرَامِ**» کہ مکروہ ہے کہ جب وہ خوشبو لگائے ایسی چیز کے ساتھ کہ اس کی ذات باقی رہتی ہو احرام کے بعد، «**وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُتَعَالَى**» اور یہی قول ہے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی، «**لِأَنَّهُ مُنْتَفِعٌ بِالطِّيبِ بَعْدَالْإِحْرَامِ**» اس لیے کیونکہ یہ شخص نفع اٹھانے والا ہے خوشبو کا احرام کے بعد، اور احرام کے بعد تو خوشبو کا نفع اٹھانے سے منع کیا گیا ہے اور اس صورت میں یہ احرام کی حالت میں احرام کے بعد خوشبو سے نفع اٹھانے والا ہے اس لیے مکروہ ہے، اس لیے کیا ہے؟ بھئی ہونا تو ناجائز چاہیے لیکن چونکہ پہلے لگایا تھا اس وجہ سے ناجائز تو نہیں کہا گیا بلکہ صرف کیا کہا گیا؟ مکروہ کہا گیا۔

«**وَوَجْهُ الْمَشْهُورِ**» اور مشہور قول کی وجہ، یہ جو متن میں آیا نا کہ خوشبو ہے تو لگالے اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «**وَوَجْهُ الْمَشْهُورِ**» اور مشہور قول کی وجہ جو ہے «**حَدِيثُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْيُحْرِمَ**» حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں خوشبو لگایا کرتی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے احرام کے لیے، قبل اس کے کہ وہ احرام باندھیں، کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے احرام باندھنے سے پہلے ان کو خوشبو لگایا کرتی تھی، بلکہ بعض روایات میں تو یہ بھی تصریح ہے کہ وہ خوشبو حضور علیہ السلام کے جو سر میں مانگ مبارک ہوتی تھی اس کے اندر بعد میں بھی چمکتی ہوئی دکھائی دیتی تھی بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ معلوم ہوا وہ اس کا جسم ہوتا تھا اور بعد میں بھی وہ باقی رہتا تھا لیکن معلوم ہوا یہ جائز ہے کیونکہ یہ احرام سے پہلے لگائی ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الْمَمْنُوعَ عَنْهُ التَّطَيُّبُ بَعْدَ...

«**وَلِأَنَّ الْمَمْنُوعَ عَنْهُ التَّطَيُّبُ بَعْدَ الْإِحْرَامِ وَالْبَاقِي كَالتَّابِعِلَهُ**» اور نیز اس لیے کیونکہ عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ جس سے منع کیا گیا ہے وہ خوشبو لگانا ہے احرام کے بعد، اور یہ تو کیا کر رہا ہے؟ احرام کے شروع ہونے سے پہلے خوشبو لگا رہا ہے، «**وَالْبَاقِي كَالتَّابِعِلَهُ**» اور وہ جو باقی ہے بھئی خوشبو لگالی اس کا جو اثر وغیرہ باقی ہے جو اس کا جسم وغیرہ باقی ہے «**كَالتَّابِعِ لَهُ**» وہ اس محرم کے تابع ہے یعنی اس کے بدن کے تابع ہے۔ کس کے تابع ہے؟ بدن پر خوشبو لگائی نا بدن پر، تو وہ اس کے بدن کے تابع ہو جائے گا لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس نے پہلے لگائی اور یہ اب اسی کے بدن کی طرح ہی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «**وَالْبَاقِي كَالتَّابِعِ لَهُ لِاتِّصَالِهِبِهِ**» اور وہ جو باقی رہ جائے اس کا جسم یا نشان وغیرہ وہ اس شخص کے تابع ہو جائے گا اس وجہ سے کہ یہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے جڑا ہوا ہے۔ «**بِخِلَافِ الثَّوْبِ لِأَنَّهُ مُبَايِنٌعَنْهُ**» بخلاف کپڑے کے کیونکہ وہ کپڑا اس سے جدا ہے۔ بھئی یہ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا کہ اگر پہلے خوشبو بدن پر لگالے گا تو یہ خوشبو چونکہ بدن کے ساتھ ملی ہوئی ہے تو یہ اس کے تابع بن جائے گی لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ بدن کی طرح ہی ہو گئی، بدن کی طرح ہی اسی کے حکم میں آگئی۔ تو پھر تو کپڑا بھی اگر کوئی پہلے سے سلا ہوا پہن لے تو یہ بھی اس کے بدن کے ساتھ لگا ہوا ہے، یہ بھی پھر تابع ہونا چاہیے اور پھر اس کپڑے کی اجازت ہونی چاہیے جو احرام سے اس نے پہلے سلا ہوا کپڑا پہن لیا ہے، کون سا کپڑا؟ سلا، تو یہ بھی تابع بن جائے گا۔ کہتے ہیں: نہیں بھئی، کپڑے کو بدن کے تابع نہیں قرار دے سکتے کیونکہ خوشبو تو باقاعدہ بدن کے ساتھ جڑی ہوئی اس کے اوپر لگ گئی تھی جبکہ کپڑا تو بدن سے جدا ہوتا ہے لہٰذا اس کا وہ حکم نہیں ہے، اس کی گنجائش نہیں ہو گی بلکہ بغیر سلی ہوئی چادریں ہی اس کو اوڑھنا پڑیں گی، سلے ہوئے کپڑے کی گنجائش کسی صورت میں بھی نہیں ہے بھئی۔ لہٰذا اگر کوئی احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہن لے آگے آپ کو بتائیں گے اگر تھوڑی دیر تک پہنے ہیں تو پھر اس صورت میں کچھ صدقہ وغیرہ کرے گا اور اگر زیادہ دیر تک پہنے ہیں دن کا اکثر حصہ تو پھر اس صورت میں اس پر بھی قربانی واجب ہو جائے گی، ایک دم اس پر آجائے گا بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے: «**بِخِلَافِ الثَّوْبِ لِأَنَّهُ مُبَايِنٌعَنْهُ**» بخلاف کپڑے کے کیونکہ وہ اس سے جدا ہے۔

«**قَالَ: وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ**» جی، احرام کا طریقہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کیا کرے؟ چادریں باندھنے کے بعد دو رکعتیں پڑھے گا، وہ بیان آرہا ہے۔ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «**وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ**» اور دو رکعتیں پڑھ لے «**لِمَا رَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ عِنْدَإِحْرَامِهِ**» بوجہ اس حدیث کے جس کو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں ذوالحلیفہ کے اندر دو رکعتیں اپنے احرام کے وقت بھئی۔

«قَالَ: وَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «وَقَالَ» اور وہ محرم وہ احرام باندھنے والا یہ کہے: «اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُالْحَجَّ» اے اللہ، بیشک میں حج کا ارادہ کرتا ہوں «فَيَسِّرْهُ لِي» پس آپ اس کو میرے لیے آسان فرمادیجیے «وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي» اور میری طرف سے اس کو قبول فرمالیجیے۔ «اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُالْحَجَّ» اے اللہ، میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، معلوم ہوا کون سا حاجی ہے؟ جلدی بتایئے بھئی، جلدی، تین طریقے میں نے بیان کردیے۔ «اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُالْحَجَّ»، شاباش، حج افراد والا ہے۔ تو یہاں اب یہ حج افراد کا طریقہ بیان کریں گے، پھر آگے حج تمتع کا الگ بیان کریں گے اور حج قران کا الگ۔ تو یہ صرف حج کی بات کر رہا ہے معلوم ہوا حج افراد والا ہے۔ اگر تمتع والا ہوتا وہ کیا کہتا؟ «اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُالْعُمْرَةَ»، جی۔ اور اگر قران والا ہوتا وہ کیا کہتا؟ ہاں، وہ حج اور عمرے دونوں کا ذکر کرتا۔ تو یوں کہے: «اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي» اے اللہ، یقیناً میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو آپ اس کو میرے لیے آسان فرمادیجیے اور اس کو میری طرف سے قبول فرمالیجیے۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ أَدَاءَهُ

«لِأَنَّ أَدَاءَهُ» یہاں سے وجہ ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ کہ کیوں بھئی؟ یہ دعا کیوں کرے شروع کے اندر کہ اے اللہ اس حج کو میرے لیے آسان فرمادیجیے؟ کہتے ہیں بھئی اس لیے کیونکہ حج بڑا مشقت والا کام ہے لہٰذا دعا کرلے اللہ سے کہ اللہ اس کے لیے آسان فرمادے، کیونکہ ایک بڑا طویل سفر کرکے جانا ہے اور ایک جگہ پر نہیں فعل ادا کرنے، طواف بھی کرنا ہے، سعی بھی کرنی ہے، عرفات بھی جانا ہے، مزدلفہ بھی جانا ہے، منیٰ بھی آنا ہے، رمیِ جمرات بھی کرنی ہے، قربانی بھی کرنی ہے اور طوافِ زیارت بھی کرنا ہے اور ایک ایک عمل ان میں سے موت کی طرح ہے، لاکھوں انسانوں کا مجمع ہوتا ہے کہ کتنی مشقت ہوتی ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ آج کل اتنی سہولیات ہوگئیں اتنی سہولیات ہوگئیں لیکن اس کے باوجود حج کے اندر قدم قدم پر انتہا درجے کی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ پہلے کی بنسبت تو بہت آسانیاں ہوگئیں لیکن پھر بھی انسان انسان ہے، کمزور ہے، اور جب خصوصاً لاکھوں کا مجمع ہو تو پھر بہت ہی زیادہ ہر کام میں بہت زیادہ مشقت ہو جاتی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا دعا کرلے۔

تو یہی بات ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «لِأَنَّ أَدَاءَهُ فِي أَزْمِنَةٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَأَمَاكِنَ مُتَبَايِنَةٍ» اس لیے کیونکہ اس حج کی ادائیگی مختلف زمانوں میں ہوگی، مختلف دنوں کے اندر ہے یعنی مختلف زمانوں سے کیا مراد ہے؟ مختلف دنوں میں ہے «وَأَمَاكِنَ مُتَبَايِنَةٍ» اور مختلف جگہوں کے اندر ہے، ایک ہی جگہ پر نہیں ہے بلکہ مختلف جگہوں پر ہے «فَلَا يَعْرَى عَنِ الْمَشَقَّةِ عَادَةً» تو یہ خالی نہیں ہوتا مشقت سے عام طور پر «فَيَسْأَلُ التَّيَسُّرَ» تو لہٰذا یہ آسانی کو سہولت کو مانگ لے اس کی دعا کرلے۔ «وَفِي الصَّلَاةِ» بھئی نماز بھی انسان پڑھتا ہے اس میں یہ دعا نہیں مانگتا کہ اے اللہ نماز پڑھنے لگا ہوں میرے لیے نماز کو آسان فرمادیجیے، اس لیے کیونکہ نماز تو مختصر سی ہوتی ہے اور مختصر سی ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی آسان ہوتی ہے لہٰذا وہاں اس دعا کی حاجت نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَفِي الصَّلَاةِ لَمْ يُذْكَرْ مِثْلُ هَذَاالدُّعَاءِ» اور نماز کے اندر اس جیسی دعا ذکر نہیں کی جاتی «لِأَنَّ مُدَّتَهَايَسِيرَةٌ» اس لیے کیونکہ نماز کی مدت یعنی اس کا وقت جو ہے وہ یسیرہ مختصر سا ہے تھوڑا سا ہے «وَأَدَاؤُهَا عَادَةً مُتَيَسِّرٌ» اور اس نماز کی ادائیگی جو ہے عام طور پر وہ آسان ہی ہوتی ہے بھئی، نماز کی ادائیگی آسان ہی ہوتی ہے۔

«قَالَ: ثُمَّ يُلَبِّي عَقِيبَ صَلَاتِهِ» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «ثُمَّ يُلَبِّي» پھر وہ شخص جو ہے تلبیہ کہہ لے «عَقِيبَ صَلَاتِهِ» اپنی نماز کے پیچھے یعنی اپنی نماز کے بعد۔ یہ دو رکعتیں جب پڑھ لیں اس کے بعد پھر تلبیہ کہہ لے «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَبَّى فِي دُبُرِصَلَاتِهِ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پڑھا اپنی نماز کے پیچھے، اپنی نماز کے بعد۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے تلبیہ پڑھا تھا لہٰذا یہ بھی اس کے بعد تلبیہ پڑھ لے، «وَإِنْ لَبَّى بَعْدَمَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ جَازَ» اور اگر یہ تلبیہ پڑھتا ہے نماز کے بعد نہیں پڑھا تلبیہ بلکہ تلبیہ اس وقت پڑھتا ہے جب یہ سواری پر سوار ہو جاتا ہے اور سواری اس کو لے کر کھڑی ہو جاتی ہے تو بھی جائز ہے بھئی، تو بھی جائز ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ لَبَّى بَعْدَمَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ جَازَ» اور اگر اس نے تلبیہ پڑھا بعد اس کے جبکہ سیدھی کھڑی ہوگئی تھی اس کو لے کر اس کی سواری تو یہ بھی جائز ہے۔ «بَعْدَمَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ جَازَ» بعد اس کے کہ جب سیدھی ہوگئی تھی اس کو لے کر اس کی سواری تو بھی جائز ہے «وَلَكِنَّ الْأَوَّلَ أَفْضَلُ» لیکن اول افضل ہے «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کردی کہ حضور علیہ السلام نے نماز کے فوراً بعد کیا پڑھا تھا؟ تلبیہ پڑھا تھا۔

■ مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مُفْرِدًا بِالْحَجِّ

«وَإِنْ كَانَ مُفْرِدًابِالْحَجِّ» اور اگر وہ شخص جو ہے مفرد بالحج ہے یعنی حج افراد کرنے والا ہے «يَنْوِي بِتَلْبِيَتِهِ» یہ «بِتَلْبِيَةٍ» بھئی یہ کتابت کی غلطی ہے، «بِتَلْبِيَتِهِ» یہ ہا کے اوپر دو نقطے نہیں آنے چاہیے، ہا سے پہلے ایک دندانہ ہوگا اور اس پر دو نقطے آئیں گے جبکہ آخر میں یہ تا نہیں ہے یہ ہا ہے۔ «يَنْوِي بِتَلْبِيَتِهِ» اور وہ حج افراد کرنے والا ہے تو «يَنْوِي بِتَلْبِيَتِهِ» وہ نیت کرے گا اپنے تلبیہ سے «الْحَجَّ» کس کی نیت کرے گا؟ حج کی نیت کرے گا، «لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ

وَالْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ » اس لیے کیونکہ یہ عبادت ہے اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

« **وَالتَّلْبِيَةُ** » اب تلبیہ بتلانے لگے کہ تلبیہ کے الفاظ کیا ہیں؟ کسے کہتے ہیں تلبیہ؟ کہتے ہیں: « **وَالتَّلْبِيَةُ أَنْ يَقُولَ** » اور تلبیہ یہ ہے کہ یوں کہے: « **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ** » یہ ہے تلبیہ بھئی۔ تو ترجمہ بھی اس کا سمجھ لیجیے، یوں کہے: « **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ** » اے اللہ، میں حاضر ہوں آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے۔ « **لَبَّيْكَ** » کا کیا معنی؟ اے اللہ، میں حاضر ہوں آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے۔ اور کثرت اور بار بار والا معنی بھی اس کے اندر آئے گا جیسے کہ آپ نحو میں پڑھ چکے ہیں کہ مفعولِ مطلق کو کبھی تثنیہ ذکر کیا جاتا ہے کثرت اور تکرار کو بتلانے کے لیے، سمجھ میں آیا بھئی؟ جیسے قرآن میں آتا ہے: « **فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ** » « **فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ** » وہاں « **كَرَّتَيْنِ** » تثنیہ آیا تو اس کا یہ معنی نہیں کہ دو مرتبہ نظر لوٹا کر نظر ڈال لیجیے بلکہ کثرت سے نظر ڈال لیجیے، بار بار نظر ڈال لیجیے، آپ کو ہماری بنائی ہوئی چیزوں میں کوئی عیب نظر نہیں آئے گا بھئی۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے: « **أَنْ يَقُولَ** » یوں کہے: « **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ** » اے اللہ، میں بار بار آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں، اے اللہ میں کثرت سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں، « **لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ** » اے اللہ، میں بار بار حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں ہے، اے اللہ میں کثرت سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں، « **إِنَّ الْحَمْدَ** » یقیناً حمد جو ہے ساری کی ساری حمد جو ہے ساری تعریفیں جو ہیں « **وَالنِّعْمَةَ** » اور ساری نعمتیں جو ہیں « **لَكَ** » وہ آپ کے لیے ہیں یعنی آپ کی طرف سے ہی ہیں بھئی، ساری تعریفیں آپ کے لیے ہیں اور ساری نعمتیں آپ ہی کی طرف سے ہیں، آپ ہی وہ ساری نعمتیں دینے والے ہیں، « **وَالْمُلْكَ** » اور بادشاہی بھی آپ کے لیے ہے، « **لَا شَرِيكَ لَكَ** » آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

« **قَوْلُهُ إِنَّ الْحَمْدَ بِكَسْرِ الْأَلِفِ لَا بِفَتْحِهَا** » یہاں سے صاحبِ ہدایہ یہ بتلا رہے ہیں کہ « **إِنَّ الْحَمْدَ بِكَسْرِ الْأَلِفِ** » اس کو الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا، یہ الف کے کسرہ کے ساتھ ہے « **لَا بِفَتْحِهَا** » الف کے فتحہ کے ساتھ نہیں ہے یعنی « **أَنَّ الْحَمْدَ** » نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ « **إِنَّ الْحَمْدَ** ». « **لِيَكُونَ ابْتِدَاءً** » تاکہ یہ ابتدا بن جائے « **لَا بِنَاءً** » بنا نہ بنے « **إِذِ الْفَتْحَةُ صِفَةُ الْأُولَى** » اس لیے کیونکہ فتحہ جو ہے وہ پہلے کی صفت ہو گا۔ بھئی آپ جانتے ہیں، نحو میں آپ پڑھ چکے کہ « **إِنَّ** » جو ہے نا « **إِنَّ** »، یہ کلام کی ابتدا میں آتا ہے، اور « **أَنَّ** » جو ہے وہ کلام کے بیچ میں آتا ہے، اس کا ما قبل سے تعلق ہوتا ہے، وہ الگ پورا کلام ہوتا ہی نہیں جب تک ما قبل کے ساتھ اس کو جوڑا نہ جائے۔ تو یہاں پر بھی یہی بتلا رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ اس کو « **إِنَّ** » پڑھنا تاکہ یہ الگ بات بن جائے کہ اے اللہ تمام جتنی تعریفیں ہیں وہ آپ کے لیے ہیں اور تمام نعمتیں اے اللہ آپ کی طرف سے ہیں۔ اگر آپ اس کو « **أَنَّ** » پڑھیں گے تو اس کا مطلب ہے اس کا ما قبل سے تعلق ہے، سمجھ میں آیا؟ ما قبل سے تعلق ہے، الگ کلام نہیں، تو پھر اس صورت میں یہ اس معنی میں ہو جائے گا: « **لِأَنَّ الْحَمْدَ** » « **لِأَنَّ الْحَمْدَ** » کہ اے اللہ میں بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں بار بار آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں، کیونکہ ساری تعریفیں آپ کے لیے ہیں اور ساری نعمتیں آپ کی طرف سے ہیں اور بادشاہی آپ کی ہے اس لیے میں بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے۔ تو معلوم ہوا اس صورت میں یہ ما قبل کی علت بیان کر رہا ہے، کیوں حاضر ہوں بار بار آپ کی خدمت میں؟ کیونکہ تمام تعریفیں آپ کے لیے ہیں، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ ما قبل کی وجہ اور علت اس کے اندر بیان ہو رہی ہے کہ اس وجہ سے میں حاضر ہوں۔ اور افضل یہ ہے کہ اس کو عام رکھا جائے، عام رکھا جائے، ما قبل کی علت نہ بنایا جائے کہ اس وجہ سے میں حاضر ہوں، پھر تو تخصیص آ گئی بھئی، بلکہ عام رکھا جائے، وہاں ما قبل میں مطلقاً ذکر ہے اے اللہ میں آپ کی خدمت میں آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے بار بار حاضر ہوں، اور آگے الگ بات ہے اے اللہ تمام تعریفیں آپ کے لیے ہیں، تمام نعمتیں آپ کی طرف سے ہیں، تو دیکھو اب ما قبل کی یہ علت نہیں بلکہ الگ کلام ہے اور اس میں عموم ہے، کیا ہے؟ عموم ہے کہ یہ ما قبل کی علت نہیں ہے بلکہ ایک الگ کلام ہے جس میں بتلا دیا گیا کہ ساری حمدیں اللہ کے لیے ہیں، ساری نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور ساری بادشاہی کس کی ہے؟ اللہ کی ہے بھئی۔ تو اگر « **أَنَّ** » پڑھیں گے تو اس کا تعلق ما قبل سے ہو گا اور اس صورت میں اس کے اندر تخصیص آ جائے گی، علت یہ بن جائے گی اس کے لیے، سبب اور وجہ بن جائے گی، اور « **إِنَّ** » پڑھیں گے تو پھر یہ الگ کلام رہے گا اور عموم آ جائے گا کہ یہ کسی چیز کی علت نہیں بیان ہو رہی بلکہ عام کلام کیا جا رہا ہے کہ ہر حمد بس اللہ کے لیے ہے، ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہے، ساری بادشاہی کس کی ہے؟ اللہ کی ہے بھئی۔ تو لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کو کیا پڑھا جائے؟ « **إِنَّ** »، ہاں اگر « **أَنَّ** » بھی پڑھ لیں گے تو بھی جائز ہے لیکن بہتر کیا ہے؟ « **إِنَّ** » پڑھیں بھئی، بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: « **قَوْلُهُ** » کہ ماتن کا قول جو آیا « **إِنَّ الْحَمْدَ** » « **بِكَسْرِ الْأَلِفِ** » یہ الف کے کسرہ کے ساتھ ہے « **لَا بِفَتْحِهَا** » یہ الف کے فتحہ کے ساتھ نہیں ہے « **لِيَكُونَ ابْتِدَاءً لَا بِنَاءً** » تاکہ یہ کیا بن جائے؟ ابتدا بن جائے نیا کلام بن جائے « **لَا بِنَاءً** » بنا نہ بنے یعنی کہ اس کا ما قبل کلام پر اس کی بنیاد ہو ایسا نہ ہو، « **إِذِ الْفَتْحَةُ صِفَةُ الْأُولَى** » اس لیے کیونکہ فتحہ جو ہوتا ہے یعنی « **أَنَّ** » جو ہوتا ہے وہ صفت الاولیٰ وہ ما قبل کی صفت ہوتا ہے۔ صفت سے وہ نحوی صفت نہیں مراد، وہ جو توابع میں سے ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے یہ وہ والی صفت نہیں مراد، بلکہ صفت سے مراد ہے وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو، جس کا غیر کے ساتھ تعلق ہو، وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو، مثلاً: « **زَيْدٌ قَائِمٌ** »، زید مبتدا اور قائم اس کی خبر، لیکن ہم کہیں گے یہ قائم زید کی صفت ہے، کیا ہے؟ کس طرح؟ کیونکہ یہ قیام کس کے ساتھ ہے؟ زید، زید ہے تو یہ قیام ہے، دیکھو یہ کیسا معنی ہے جو غیر کے ساتھ قائم ہے، زید ہے تو یہ قیام ہے، زید نہیں تو یہ والا قیام بھی نہیں، تو لہٰذا یہ صفت ہے بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو صفت سے کیا مراد ہے؟ وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو بھئی۔ تو لہٰذا فتحہ پڑھیں گے تو اس صورت میں اس کا معلوم ہوا ما قبل سے تعلق

ہے اکیلا یہ کلام ہے ہی نہیں، تو ما قبل کے ساتھ یہ جڑا ہوا ہے ایک معنیٰ ہے جو غیر کے ساتھ جڑا ہوا ہے اس کے ساتھ قائم ہے۔

■ مسئلہ: وَهُوَ إِجَابَةٌ لِدُعَاءِ الْخَلِيلِ صَلَوَاتُ ال...

«وَهُوَ إِجَابَةٌ لِدُعَاءِ الْخَلِيلِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ عَلَى مَا هُوَ الْمَعْرُوفُ فِي الْقِصَّةِ» اور یہ جو تلبیہ ہے، «هُوَ إِجَابَةٌ» یہ قبول کرنا ہے «لِدُعَاءِ الْخَلِيلِ» حضرت ابراہیم خلیل اللہ جو ہیں صلوات اللہ علیہ اللہ کی ان پر رحمتیں ہوں ان کی ان کی دعا، ان کی جو پکار ہے، دعا کا کیا معنیٰ؟ پکار، ان کی جو پکار ہے اس کو قبول کرنا ہے «عَلَى مَا هُوَ الْمَعْرُوفُ فِي الْقِصَّةِ» بوجہ اس کے جو معروف ہے قصے کے اندر، جو واقعہ کیا ہے؟ مشہور اور معروف ہے سب کو علم ہے، علم ہے۔ بھئی، میں نے ذکر کیا تھا کہ بیت اللہ کے دروازے کے سامنے چند گز کے فاصلے پر ایک سنہری جالی ہے اور اس کو کیا یہ جگہ کون سی ہے؟ یہ مقامِ ابراہیم کہلاتی ہے اور اس کے اندر وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی اور اس کی دیواریں اونچی کی تھیں اور یہ پتھر جو تھا آپ کو لے کر دیواروں کے ساتھ اونچا ہوتا جہاں اونچا ہونے کی ضرورت ہوتی، جہاں نیچے ہونے کی ضرورت ہوتی وہ نیچے آجاتا اور تو اور اس پتھر پر آپ کے قدموں کے نشانات ہیں۔ تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ کے حضور فرمانے لگے کہ اے اللہ میں نے یہ تعمیر اس کی مکمل کر دی ہے، تو اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ اے ابراہیم، اب لوگوں میں اعلان کر دو حج کا کہ لوگ آئیں اور میرے اس گھر کا حج کریں۔ تو وہ فرمانے لگے: اے اللہ، میری آواز کہاں لوگوں تک پہنچے گی؟ میں یہاں پر، لوگ کوئی کہیں پر ہے کوئی کہیں پر ہے، کیسے میری آواز ان تک پہنچے گی؟ تو اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ آپ اعلان کیجیے اور لوگوں تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ تو کہنے لگے کہ اے اللہ میں کیسے کہوں؟ کیا کہوں؟ مجھے طریقہ بتلا دیجیے۔ تو بتلایا گیا کہ یوں کہو اے ابراہیم: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ» اے لوگو، تم پر اس قدیم گھر کا حج فرض کر دیا گیا ہے، یہ اعلان کر دو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پکار کر کہا یہ اور اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں تک ان کی آواز پہنچا دی بھئی، تمام لوگوں تک۔ حتیٰ کہ وہ بچے جو ماؤں کے پیٹ میں تھے ان تک بھی یہ آواز پہنچا دی گئی، وہ بچے وہ ذریت اور وہ نسل جو باپ کی پشتوں میں تھی ابھی اور قیامت تک ابھی آنے والی تھی ان سب تک بھی یہ آواز پہنچا دی گئی بھئی۔ اور پھر کہتے ہیں کہ جس نے جتنی مرتبہ اس پکار کا جواب دیا، جس نے جتنی مرتبہ اس پکار کا جواب دیا اللہ نے اس کو اتنے ہی حج یا حج وغیرہ کی توفیق نصیب فرمائی بھئی۔ تو دعا کرو اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی بار بار وہاں پر حج کے لیے جانے اور حج ادا کرنے، حج اور عمرے وغیرہ کے لیے جانے اور وہاں حاضری کی توفیق ہم سب کو اللہ نصیب فرمائے بھئی۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ تلبیہ جو ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو پکار کر کہا تھا کہ لوگوں تم پر اللہ کے اس قدیم گھر کا حج فرض ہے، یہ اس کا جواب ہے کہ «لَبَّيْكَ» اے اللہ میں حاضر ہوں، آپ کی طرف سے پکارنے والے نے پکار کر ہمیں بلایا ہے، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ تو کہتے ہیں: «وَهُوَ إِجَابَةٌ لِدُعَاءِ الْخَلِيلِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ عَلَى مَا هُوَ الْمَعْرُوفُ فِي الْقِصَّةِ» اور یہ قبول کرنا ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ جو ہیں صلوات اللہ علیہ ان کی پکار کو یہ قبول کرنا ہے بوجہ اس کے جو معروف ہے قصے کے اندر واقعے کے اندر۔

«وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُخِلَّ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الْكَلِمَاتِ» اور مناسب نہیں ہے کہ خلل ڈالے کسی چیز کا ان کلمات میں۔ «أَنْ يُخِلَّ» خلل ڈالنا ہے، مراد ہے کمی کرنا، اور مناسب یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کمی کرے کسی چیز کی ان کلمات میں سے یعنی یہ جتنے کلمات ہیں ان کو سب کو کہے ان میں کسی قسم کی کمی نہ کرے۔ اور یاد رکھیے یہ متن ہے بھئی متن، یہ قدوری کی عبارت ہے: «وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُخِلَّ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الْكَلِمَاتِ» یہ ساری قدوری کی عبارت ہے۔ «لِأَنَّهُ هُوَ الْمَنْقُولُ بِاتِّفَاقِ الرُّوَاةِ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهُ» اس لیے کیونکہ راویوں کے اتفاق کے ساتھ یہی الفاظ منقول ہیں، اکثر راوی جو روایت کرنے والے ہیں تلبیہ کو ان سب میں اکثر میں یہی الفاظ آئے ہیں تو یہ الفاظ منقول ہوئے راویوں کے اتفاق سے «فَلَا يَنْقُصُ عَنْهُ» لہٰذا وہ شخص اس میں کمی نہ کرے، یا یوں پڑھ لیں: «فَلَا يُنْقَصُ عَنْهُ» اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ زَادَ فِيهَا جَازَ

«وَلَوْ زَادَ فِيهَا جَازَ» اور اگر اس میں زیادتی کی تو جائز ہے، یہ بھی متن ہے: «وَلَوْ زَادَ فِيهَا جَازَ» یہ بھی قدوری کا متن ہے: «وَلَوْ زَادَ فِيهَا جَازَ» اور اگر اس میں زیادتی کی تو جائز ہے۔ بھئی یہ تلبیہ کے یہ الفاظ بھی کہتا ہے اور ساتھ مزید کچھ اللہ کی صفات وغیرہ ذکر کر دیتا ہے، اللہ کے حمد و ثنا والے کچھ اور اچھے اچھے الفاظ اور ملانا چاہتا ہے وہ بھی ملا سکتا ہے لیکن کمی نہ کرے، ہاں اچھے الفاظ اور ملانا چاہتا ہے تو زیادتی کر سکتا ہے۔ «وَلَوْ زَادَ فِيهَا جَازَ» اور اگر اس کے اندر زیادتی کی تو جائز ہے «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي رِوَايَةِ الرَّبِيعِ عَنْهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے ان کی ان کی وہ جو روایت ہے ربیع کی ان سے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے ان کے ان کے جلیل القدر شاگرد ربیع جو ہیں رحمہ اللہ وہ جو روایت کرتے ہیں اس کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کا کیا فرماتے ہیں کہ زیادتی جائز نہیں ہے۔ «وَاعْتَبَرَهُ بِالْأَذَانِ وَالتَّشَهُّدِ» امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو قیاس کیا ہے اذان اور تشہد پر، کس پر؟ یہ تلبیہ کو انہوں نے قیاس کیا ہے اذان اور تشہد پر «مِنْ

«حَيْثُ أَنَّهُ ذِكْرٌ مَنْظُومٌ» اس حیثیت سے کہ یہ ایک منظوم ذکر ہے۔ منظوم، منظوم پرُویا ہوا، پرُویا ہوا ذکر ہے یعنی مخصوص الفاظ ہیں، منظوم سے کیا مراد ہے یہاں؟ مخصوص، جیسے بھئی اذان کے مخصوص الفاظ ہیں اس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی، تشہد کے مخصوص الفاظ ہیں اس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی، اسی طرح وہ فرماتے ہیں یہ تلبیہ کے بھی مخصوص الفاظ آئے ہیں روایات میں ان میں زیادتی نہیں کی جائے گی، ان کو اسی طرح ادا کیا جائے گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو انہوں نے اس کو کس پر قیاس کیا ہے؟ اذان اور تشہد پر، «مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ ذِكْرٌ مَنْظُومٌ» اس حیثیت سے کہ یہ ایک منظوم ذکر ہے یعنی مخصوص الفاظ والا ذکر ہے۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ أَجِلَّاءَ الصَّحَابَةِ كَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ زَادُوا عَلَى الْمَأْثُورِ» ہم کہتے ہیں کہ اجل صحابہ یعنی بڑے بڑے جو صحابہ ہیں جیسے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود ہیں، حضرت عبد اللہ ابن عمر ہیں، اور اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان جیسے جلیل القدر صحابہ جو ہیں انہوں نے «زَادُوا» زیادتی کی، انہوں نے بڑھایا «عَلَى الْمَأْثُورِ» کس پر؟ ماثور جو منقول ہے، جو منقول الفاظ ہیں ان پر الفاظ انہوں نے بڑھائے ہیں، روایات میں وہ ذکر ہیں، تو لہٰذا معلوم ہوا بڑھانا الفاظ کا جائز ہے۔ «وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ الثَّنَاءُ وَإِظْهَارُ الْعُبُودِيَّةِ فَلَا يُمْنَعُ مِنَ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ» اور نیز اس لیے کیونکہ تلبیہ کے ذریعے مقصود جو ہے وہ ثنا ہے، اللہ کی تعریف ہے «وَإِظْهَارُ الْعُبُودِيَّةِ» اور اپنی بندگی کا اظہار ہے «فَلَا يُمْنَعُ مِنَ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ» لہٰذا منع نہیں کیا جائے گا اس پر زیادتی کرنے سے، اور ایسے الفاظ لاتا ہے جس میں اللہ کی اور حمد و ثنا ہے اور اپنی عاجزی اور بندگی کا اظہار ہے تو وہ بھی جائز ہو گا کیونکہ مقصد کیا ہے؟ اللہ کی تعریف اور اپنی بندگی کا اظہار ہے۔

«قَالَ: وَإِذَا لَبَّى فَقَدْ أَحْرَمَ يَعْنِي إِذَا نَوَى لِأَنَّ الْعِبَادَةَ لَا تَتَأَدَّى إِلَّا بِالنِّيَّةِ» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «وَإِذَا لَبَّى» اور جب اس شخص نے تلبیہ کہہ لیا «فَقَدْ أَحْرَمَ» تو تحقیق وہ محرم ہو گیا، وہ حالتِ احرام والا ہو گیا۔ «وَإِذَا لَبَّى» اور جب اس نے تلبیہ کہہ دیا «فَقَدْ أَحْرَمَ» تو تحقیق اس نے احرام باندھ لیا، «يَعْنِي إِذَا نَوَى» صاحبِ ہدایہ فرمارہے ہیں «وَإِذَا لَبَّى» سے مراد ہے جب یعنی «إِذَا نَوَى» جب وہ نیت کرلے یعنی تلبیہ کے ساتھ ساتھ وہ کیا کرلے؟ نیت بھی کرلے، تب وہ محرم بنے گا۔ کیونکہ صرف تلبیہ سے بھی محرم نہیں اور صرف نیت سے بھی محرم نہیں، دونوں ہونے چاہئیں۔ اسی لیے کہا: «يَعْنِي إِذَا نَوَى» کہ صاحبِ قدوری کی مراد یہ ہے جب وہ نیت کرلے اور پھر کیا کرلے؟ تلبیہ کہہ لے۔ «لِأَنَّ الْعِبَادَةَ لَا تَتَأَدَّى إِلَّا بِالنِّيَّةِ» اس لیے کیونکہ عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتی۔ «إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْهَا» ہاں، مگر یہ کہ صاحبِ قدوری نے نیت کو ذکر نہیں کیا، کس کو؟ نیت کو۔ بھئی دیکھیے، صاحبِ ہدایہ یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صاحبِ قدوری نے صرف اتنا کہا: «وَإِذَا لَبَّى فَقَدْ أَحْرَمَ» جب اس نے تلبیہ کہہ دیا تو وہ محرم بن گیا، حالانکہ اور بھی کیا ضروری تھا؟ نیت بھی ضروری ہے اور صاحبِ قدوری نے تو نیت ذکر نہیں کی۔ تو یہی بتلا رہے ہیں کہ نیت کو اس لیے ذکر نہیں کیا کیونکہ ماقبل میں نیت کی طرف اشارہ گزر چکا تھا، کہاں گزرا تھا بھئی؟ وہ پیچھے آیا تھا: «اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ» میں حج کا ارادہ کرتا ہوں یعنی حج کی نیت کرتا ہوں، تو وہاں اس دعا کے ضمن میں نیت کی طرف بھی اشارہ گزر گیا تھا، اس لیے پھر دوبارہ صاحبِ قدوری نے نیت کو ذکر نہیں کیا، صرف اتنا کہہ دیا: «وَإِذَا لَبَّى فَقَدْ أَحْرَمَ» اور جب اس نے تلبیہ کہہ دیا تو وہ محرم ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْهَا» مگر یہ کہ صاحبِ قدوری نے نیت کو ذکر نہیں کیا یعنی صراحتاً ذکر نہیں کیا «لِتَقَدُّمِ الْإِشَارَةِ إِلَيْهَا فِي قَوْلِهِ» اس لیے کیونکہ مقدم ہو چکا تھا اشارہ اس نیت کی طرف صاحبِ قدوری کے اس قول میں: «اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ» اس کے اندر اشارہ ہو چکا تھا۔ لیکن صاحبِ ہدایہ سے یہاں معلوم ہوتا ہے تسامح ہوا ہے، تسامح ہوا ہے۔ اس لیے کیونکہ ذرا آپ پچھلے صفحے پر آئیے، یہ صفحہ ۲۵۵ ہے میرے پاس، وہ جو دعا آئی تھی: «اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ» اس سے اگلا متن کیا ہے؟ «ثُمَّ يُلَبِّي عَقِيبَ صَلَاتِهِ»، پھر اس سے اگلا متن کیا ہے؟ «وَإِنْ كَانَ مُفْرِدًا بِالْحَجِّ يَنْوِي بِتَلْبِيَتِهِ الْحَجَّ»، نیت آگئی یا نہیں آگئی؟ اگر مفرد بالحج ہے تو نیت کرے گا اپنے تلبیہ سے کس کی نیت؟ حج کی نیت کرے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ صاحبِ قدوری صراحتاً اس کو ذکر کر چکے ہیں، درمیان میں تلبیہ کے الفاظ بتائے اور پھر کہا: «وَإِذَا لَبَّى»، نیت تو ہو چکی ہے اب کیا کہہ دے گا؟ تلبیہ بھی کہہ دے گا تو کیا بن جائے گا؟ محرم ہو جائے گا، بات سمجھ میں آگئی۔

یا اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ شاید صاحبِ ہدایہ کے پاس جو قدوری کا نسخہ موجود ہو جو ان کو پہنچا ہو، ہو سکتا ہے اس کے اندر یہ والی عبارت نہ ہو: «يَنْوِي بِتَلْبِيَتِهِ الْحَجَّ»، یہ والی عبارت «وَإِنْ كَانَ مُفْرِدًا بِالْحَجِّ يَنْوِي بِتَلْبِيَتِهِ الْحَجَّ»، تو شاید صاحبِ ہدایہ کو شاید جو قدوری کا نسخہ پہنچا ہو اس کے اندر شاید یہ عبارت نہ ہو بھئی، یہ عبارت نہ ہو۔ اس لیے انہوں نے فرمایا کہ صاحبِ قدوری نے نیت کو ذکر نہیں کیا۔ پھر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ عبارت تو موجود ہے یہاں پر اور آگے صاحبِ ہدایہ نے اس کی شرح بھی کی ہے، تو جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس قدوری کے اس نسخے میں یہ عبارت موجود نہ ہو لیکن صاحبِ ہدایہ نے شروع میں بتلایا تھا کہ یہ متن میں نے کس کس سے ترتیب دیا ہے، کن کتابوں سے؟ قدوری اور جامع صغیر سے، تو ہو سکتا ہے صاحبِ ہدایہ نے یہ عبارت کہاں سے اخذ کی ہو؟ جامع صغیر سے اخذ کی ہو اور ان کے پاس جو قدوری کا نسخہ تھا اس میں یہ عبارت نہ ہو، تو اس صورت میں صاحبِ ہدایہ کا اعتراض صحیح بنتا ہے کہ صرف تلبیہ کہنے سے وہ محرم نہیں بنے گا بلکہ ساتھ نیت بھی کرنا پڑے گی، بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

چلیے بس بھئی، هذا هو المرام، والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۱۳۵: وَلَا يَصِيرُ شَارِعًا فِي الإِحْرَامِ بِمُجَرَّدِ النِّ...

ہدایہ صفحہ: ۲۵۷ — بتاریخ: ۲۴ اپریل ۲۰۱۳ء

وَلاَ يَصِيرُ شَارِعًا فِي الإِحْرَامِ بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ مَا لَمْ يَأْتِ بِالتَّلْبِيَةِ خِلاَفًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً لِأَنَّهُ عَقْدٌ عَلَى الأَدَاءِ فَلاَ بُدَّ مِنْ ذِكْرٍ كَمَا فِي تَحْرِيمَةِ الصَّلاَةِ۔ [1]

گزشتہ سبق میں احرام کا بیان شروع ہوا تھا، اور صاحب ہدایہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ احرام کے لیے افضل یہ ہے کہ انسان غسل کرلے اور اس کے بعد دو چادریں پہن لے، اور بہتر یہ ہے کہ نئی چادریں ہوں ورنہ دھلی ہوئی چادریں پہن لے۔ اور اس کے بعد جو ہے خوشبو وغیرہ لگانا چاہتا ہے خوشبو لگالے، اور اس کے بعد دو رکعتیں احرام کی جو مسنون ہیں وہ پڑھ لے، اور اس کے بعد یہ دعا کرلے: «**اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي**»۔ اور اس کے بعد پھر تلبیہ پڑھے اس نماز کے بعد، اور اگر وہ مفرد بالحج ہے تو اپنے اس تلبیہ کے ذریعے حج کی نیت کرلے بھائی، اور جب وہ تلبیہ کہہ دے گا تو وہ محرم ہو گیا۔

اب آگے آپ کو بتلا رہے ہیں کہ صرف نیت کرنے سے وہ محرم نہیں بنے گا جب تک وہ تلبیہ نہیں کہہ لے گا بھائی۔ یہ بات میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ احرام کے لیے نیت بھی ضروری اور تلبیہ کا کہنا بھی ضروری۔ صرف تلبیہ کہا تو بھی محرم نہیں، صرف نیت کی تو بھی محرم نہیں۔ لیکن تلبیہ میں پھر بالخصوص تلبیہ ہی کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ اللہ کی تعظیم اور حمد و ثنا والا کوئی لفظ، کوئی کلمات کہہ لے تو اس سے وہ محرم بن جائے گا بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی۔ اللہ اکبر، سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ وغیرہ کچھ بھی کہہ لے تو اس سے کیا بن جائے گا؟ وہ محرم بن جائے گا۔

یہی اب بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَلاَ يَصِيرُ شَارِعًا فِي الإِحْرَامِ بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ مَا لَمْ يَأْتِ بِالتَّلْبِيَةِ**، اور وہ شخص جو ہے شروع ہونے والا نہیں ہو گا احرام کے اندر صرف اپنی نیت سے جب تک کہ وہ تلبیہ نہ لے کر آئے، یعنی جب تک وہ تلبیہ نہ کہے، **خِلاَفًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ**، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صرف نیت سے ہی وہ محرم بن جائے گا۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں روزے پر۔ جیسے روزے کے اندر کچھ چیزوں سے رکنا ضروری ہے، اسی طرح حج کے اندر بھی بڑی پابندیاں لگ جاتی ہیں انسان پر احرام کے اندر، احرام میں بڑی پابندیاں لگ جاتی ہیں: بال نہیں کاٹ سکتا، ناخن نہیں کاٹ سکتا، بیوی سے صحبت نہیں کر سکتا وغیرہ۔ تو یہ بھی روزے کی طرح ہوا اور روزہ صرف نیت سے شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا یہاں یہ احرام بھی صرف کس سے شروع ہو جائے گا؟ نیت سے۔

جبکہ ہم اس کو قیاس کرتے ہیں نماز پر بھائی کہ احرام کے بعد حج کے افعال سرانجام دینے ہیں باقاعدہ، جیسے نماز کے اندر باقاعدہ افعال سرانجام دیے جاتے ہیں، اور وہاں صرف نیت سے نماز شروع نہیں ہوتی بلکہ تکبیرِ تحریمہ کا کہنا ضروری ہے، اور اس میں تفصیل آپ پڑھ چکے کہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی ایسا کلمہ کہہ لے جس سے اللہ کی عظمت اور وغیرہ بیان ہو تو وہ اس کے قائم مقام ہو جائے گا، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں تکبیر کہنا ضروری: اللہ اکبر یا اللہ الا اکبر یا اللہ کبیر یا اللہ الکبیر، اور امام محمد رحمہ اللہ بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں کہ کوئی بھی کلمہ کہا جا سکتا ہے، البتہ ہونا عربی کلمہ چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ عربی ہونا چاہیے۔

تو یہی دلیل ذکر کر رہے ہیں، دلیل آگے ہماری دلیل ہے بھائی: **لِأَنَّهُ عَقْدٌ عَلَى الأَدَاءِ**، اس لیے کیونکہ یہ جو ہے یہ احرام جو ہے یہ عقد علی الاداء ہے، حج کی ادائیگی پر عقد کر رہا ہے، **فَلاَ بُدَّ مِنْ ذِكْرٍ**، تو ضروری ہو گا کسی ذکر کا ہونا، **كَمَا فِي تَحْرِيمَةِ الصَّلاَةِ**، جیسے تحریمۂ صلاۃ کے اندر ہے۔

وَيَصِيرُ شَارِعًا بِذِكْرٍ يُقْصَدُ بِهِ التَّعْظِيمُ سِوَى التَّلْبِيَةِ فَارِسِيَّةً كَانَتْ أَوْ عَرَبِيَّةً، اور وہ شروع ہونے والا ہو گا کسی بھی ایسے ذکر کے ذریعے **يُقْصَدُ بِهِ التَّعْظِيمُ** جس کے ذریعے اللہ کی تعظیم مقصود ہو، **سِوَى التَّلْبِيَةِ**، علاوہ تلبیہ کے۔ تلبیہ کے علاوہ بھی کوئی ایسا ذکر کرلے جس کے ذریعے اللہ کی تعظیم مقصود ہو جیسے اللہ اکبر کہہ دیا یا لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس سے وہ شروع ہونے والا ہو جائے گا احرام کے اندر، **فَارِسِيَّةً كَانَتْ أَوْ عَرَبِيَّةً**، چاہے وہ کلمہ وہ ذکر کیا ہو فارسی ہو یا عربی ہو، یعنی عربی ہونا ضروری نہیں جو بھی زبان ہو۔

[1] شاملہ (ص ۱۸۳) میں «ذِكْرٍ كَمَا» کے بجائے «ذكركما» درج ہے۔

هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ عَنْ أَصْحَابِنَا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں یہی مشہور ہے ہمارے فقہاء سے کہ کوئی بھی ایسا ذکر جو ہے جس سے اللہ کی تعظیم کا ارادہ کیا جائے وہ اس تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔

وَالْفَرْقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ عَلَى أَصْلِهِمَا، یہاں سے فرق بیان کر رہے ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک نماز کے مسئلے میں تکبیرِ تحریمہ کے اندر کوئی بھی ایسا ذکر جو تعظیم پر دلالت کرے وہ اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا اور چاہے عربی ہو چاہے غیر عربی ہو۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تکبیر کا ہونا ضروری تھا وہ چار کلمات: اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ کبیر اور اللہ الکبیر۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ چار کا ہونا تو ضروری نہیں لیکن عربی ہونا ضروری ہے بھائی، عربی ہونا ضروری ہے۔ تو معلوم ہوا انہوں نے فرق کیا ہے حج کے اندر۔ صاحبین کے نزدیک، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نماز میں تکبیر کے لفظ کی شرط لگاتے ہیں، یہاں پر وہ کہتے ہیں کوئی بھی ذکر ہو جائے۔ امام محمد رحمہ اللہ جو ہے وہ عربیت کی شرط نماز کے اندر لگاتے ہیں تحریمہ کے اندر، لیکن یہاں وہ فرماتے ہیں چاہے عربی ہو چاہے غیر عربی ہو۔ تو معلوم ہوا انہوں نے فرق کیا ہے۔ امام صاحب تو اپنی اصل پر ہیں، جیسے نماز میں ان کا قول ہے وہی قول کس میں؟ حج کے اندر بھی ہے، لیکن صاحبین نے معلوم ہوا فرق کیا ہے تو وہ فرق کس وجہ سے ہے، کیا فرق کیا ہے، وہ ذکر کرنے لگے ہیں۔

وَالْفَرْقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ عَلَى أَصْلِهِمَا، اور فرق جو ہے حج کے درمیان اور نماز کے درمیان **عَلَى أَصْلِهِمَا** صاحبین کی اصل پر، ان کے ضابطے پر وہ فرق یہ ہے: **أَنَّ بَابَ الْحَجِّ أَوْسَعُ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ،** کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حج کا باب جو ہے نماز کے باب سے زیادہ وسیع ہے، اس میں بڑی وسعت ہے۔ نماز کے مسئلے میں اتنی وسعت نہیں، اس کے مسئلے میں بڑی وسعت ہے، **حَتَّى يُقَامَ غَيْرُ الذِّكْرِ مَقَامَ الذِّكْرِ،** یہاں تک کہ غیر ذکر بھی یہاں ذکر کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حج کے معاملے میں غیر ذکر بھی ذکر کے قائم مقام ہو جاتا ہے، **كَتَقْلِيدِ الْبُدْنِ،** جیسے کہ بدنہ کی تقلید بھائی۔ **بُدْنٌ** جمع ہے **بَدَنَةٌ** کی، **بَدَنَةٌ۔** سمجھ میں آیا بھائی؟ تو **بَدَنَةٌ** کی جمع **بُدْنٌ** ہے، دال ساکن بھی جائز، اس پر رفع بھی: **بُدْنٌ،** دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ تو بدنہ وہ قربانی کا جانور بھائی، جو اونٹ یا گائے جو حج کے اندر ذبح کیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ بدنہ، جو بڑے بدن سے ہے، بڑے بدن والا ہو، جیسے اونٹ ہے یا گائے ہے بھائی۔

تو وہ فرماتے ہیں کہ دیکھیے حج کے اندر غیر ذکر بھی ذکر کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ مثلاً بھائی حاجی ہے وہ حج پر جا رہا ہے اور اپنے ساتھ قربانی کا جانور یہیں سے لے کر چلتا ہے، یعنی ہدی، اس قربانی کے جانور کو کیا کہتے ہیں؟ ہدی کہتے ہیں۔ تو یہ ہدی کا جانور یہیں سے لے کر چلتا ہے اور ہدی کے جانور پر علامت لگا دی جاتی ہے کوئی، یا اس کے گلے میں کوئی چیز لٹکا دی جاتی ہے مثلاً پرانا چمڑے کا ٹکڑا وغیرہ یا کوئی اس طرح کی چیز لٹکا دی جاتی ہے اس کے گلے میں تاکہ راستے میں ہر ایک کو پتہ چلے کہ یہ قربانی کا جانور ہے جو حرم لے جایا جا رہا ہے اور اس کی قربانی کی جائے گی تاکہ راستے میں کوئی اس جانور کو تکلیف نہ پہنچائے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جو وہ علامت کے ذریعے لوگ دیکھ لیتے: اچھا بھائی اس کے گلے میں تو یہ علامت ہے، معلوم ہوا یہ حرم لے جایا جا رہا ہے، تو وہ بھی پھر اس جانور کو کوئی تکلیف وغیرہ نہیں دیتے تھے۔ تو لہٰذا بات یہ ذکر ہو رہی ہے یہاں پر کہ یہ حج کا باب نماز کے باب سے زیادہ وسیع ہے، یہاں غیر ذکر بھی کس کے قائم مقام ہو جاتا ہے؟ ذکر کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ جیسے ہدی ہانکنے والا، ہدی لے جانے والا وہ جب اس کے گلے میں علامت ڈال دیتا ہے، اس کے گلے میں قلادہ ڈال دیا اس نے، وہ ہار، کوئی چمڑا وغیرہ لٹکا دیا اس کے گلے میں تو اس سے بھی احرام شروع ہو جاتا ہے، اس سے بھی کیا ہو جاتا ہے؟ احرام۔ بھائی جب علامت لٹکا دی معلوم ہوا اب کیا کر رہا ہے اس کو؟ گھر سے چلنے لگا ہے اور اس کے گلے میں کیا لٹکا دیا؟ قلادہ لٹکا دیا، اب نکلنے لگا ہے تو بس یہ قلادہ لٹکانا ہی ذکر کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور احرام شروع ہو جاتا ہے۔ کیا ہو جاتا ہے؟ تو دیکھو یہ تو اب ذکر نہیں ہے، اس نے تو صرف کیا کیا ہے؟ اس کے گلے میں قلادہ لٹکایا ہے، تو دیکھو غیر ذکر کس کے قائم مقام ہو گیا؟ ذکر کے قائم مقام ہو گیا۔ معلوم ہوا حج کے باب میں نماز کے باب سے زیادہ وسعت ہے۔ تو جب غیر ذکر ذکر کے قائم مقام ہو جاتا ہے تو پھر ذکر جو ہے وہ تو بطریقِ اولیٰ اس کے تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا، کوئی بھی ذکر ہو، کسی بھی زبان میں ہو، وہ تو بطریقِ اولیٰ اس تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا بھائی، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

حَتَّى يُقَامَ غَيْرُ الذِّكْرِ مَقَامَ الذِّكْرِ كَتَقْلِيدِ الْبُدْنِ، یہاں تک کہ غیر ذکر جو ہے ذکر کے قائم مقام ہو جاتا ہے جیسے کہ جیسے کہ بدنہ کی تقلید کرنا یعنی اس کو قلادہ پہنانا، **فَكَذَا غَيْرُ التَّلْبِيَةِ وَغَيْرُ الْعَرَبِيَّةِ،** تو اسی طرح غیر تلبیہ اور غیر عربی جو ہے وہ بھی اس ذکر کے یعنی تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

قَالَ: وَيَتَّقِي مَا نَهَى اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مِنَ الرَّفَثِ وَالْفُسُوقِ وَالْجِدَالِ، یاد رکھیے یہ متن ہے، یہ قدوری کی عبارت ہے۔ **قَالَ** صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَيَتَّقِي مَا نَهَى اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ،** اور یہ محرم جو ہے بچے **مَا** اس چیز سے **نَهَى اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ** جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے، جس سے اللہ نے روکا ہے۔ بھائی وہ کیا چیزیں ہیں؟ آگے وہ ما کا بیان آ رہا ہے: **مِنَ الرَّفَثِ وَالْفُسُوقِ وَالْجِدَالِ،** یعنی رفث، فسوق اور جدال، ان سے کیا کرے؟ محرم بچے ان چیزوں سے۔ اب رفث، فسوق اور جدال کسے کہتے ہیں؟ آگے ہر ایک کا معنی خود صاحبِ ہدایہ بیان کریں گے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾،** اور اصل اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا قول ہے بھائی، اللہ فرماتے ہیں قرآن میں: **﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾،** حج میں رفث بھی نہیں ہے، **وَلَا فُسُوقَ** اور فسوق بھی نہیں ہے، **وَلَا جِدَالَ** اور جدال بھی نہیں ہے۔

سبق نمبر ۱۳۵: وَلَا يَصِيرُ شَارِعًا فِي الْإِحْرَامِ بِمُجَرَّدِ النِ...

فَهَذَا نَهْيٌ بِصِيغَةِ النَّفْيِ، تو یہ نہی ہے نفی کے صیغے کے ساتھ۔ یہ نہی ہے کس صیغے کے ساتھ؟ نفی۔ بھائی دیکھیے یہاں کوئی منع نہیں کیا جارہا، صرف ایک خبر دی جارہی ہے: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾، حج میں رفث بھی نہیں ہے، فسوق بھی نہیں ہے اور جدال بھی نہیں۔ کوئی حکم دیا جارہا ہے؟ ایک خبر دی جارہی ہے کہ یہ چیزیں حج میں نہیں۔ تو صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں آگے کہ بھائی ٹھیک ہے یہ الفاظ نفی والے ہیں، خبر والے ہیں لیکن یہ دراصل نہی ہے، منع کیا جارہا ہے۔ یہ بتلایا نہیں جارہا کہ حج میں یہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ حکم دیا جارہا ہے کہ حج کے اندر رفث بھی نہیں کرنا، فسوق بھی نہیں کرنا اور جدال بھی نہیں کرنا۔ تو لفظ کس کے ہیں؟ نفی والے، لیکن کس معنی میں ہے؟ نہی کے معنی میں ہے یعنی ان چیزوں سے روکا جارہا ہے، منع کیا جارہا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ یہ معنی ہے: **فَهَذَا نَهْيٌ بِصِيغَةِ النَّفْيِ**، تو یہ نہی ہے نفی کے صیغے کے ساتھ۔

وَالرَّفَثُ الْجِمَاعُ، اب معنی بیان کرنے لگے ہیں کہ رفث، فسوق اور جدال کسے کہتے ہیں، تو کہتے ہیں: **وَالرَّفَثُ الْجِمَاعُ أَوِ الْكَلَامُ الْفَاحِشُ أَوْ ذِكْرُ الْجِمَاعِ بِحَضْرَةِ النِّسَاءِ**، رفث کے تین معنی بیان کر رہے ہیں کہ رفث یا تو وہ جماع ہے۔ رفث کا کیا معنی کیا ہے بعضوں نے؟ جماع کے کیے ہیں کہ حج کے اندر جماع نہیں یعنی بیوی سے دور رہنا ہوگا۔ **أَوِ الْكَلَامُ الْفَاحِشُ**، یا رفث کا معنی ہے فاحش کلام، بیہودہ کلام۔ بیہودہ کلام ویسے بھی منع ہے اور خصوصاً اب احرام کی حالت کے اندر تو اور بھی زیادہ اس سے اس سے رکنا ضروری ہے، تو بیہودہ کلام ہے اس کا معنی کہ حج میں بیہودہ کلام نہ کرے، **أَوْ ذِكْرُ الْجِمَاعِ بِحَضْرَةِ النِّسَاءِ**، یہ تیسرا معنی بیان کر رہے ہیں کہ رفث کا معنی جماع کو ذکر کرنا عورتوں کی موجودگی میں۔ جماع یا دواعیِ جماع جیسی چیزوں کو کس کے سامنے ذکر کرنا؟ عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا اس سے بھی منع کیا گیا ہے بھائی۔ تو رفث کے کتنے معنی بیان ہو گئے؟ تین: جماع ہے اس کا معنی، یا کلامِ فاحش ہے، یا عورتوں کی موجودگی میں جماع وغیرہ کا ذکر ہے۔

وَالْفُسُوقُ الْمَعَاصِي، اور فسوق جو ہے وہ معاصی، وہ گناہ ہیں بھائی۔ فسوق سے کیا مراد ہے؟ گناہ۔ یعنی حج میں گناہ بھی نہیں۔ گناہ سے تو ویسے بھی بچنا ضروری اور خصوصاً احرام کی حالت میں تو اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَهُوَ فِي حَالِ الْإِحْرَامِ أَشَدُّ حُرْمَةً**، اور گناہ جو ہیں یہ تو احرام کی حالت میں اور زیادہ حرام ہیں بھائی، ان کی حرمت تو اور زیادہ ہے۔

وَالْجِدَالُ، جدال کا لفظ بھی آیا تھا تو اس کا کیا معنی؟ کہتے ہیں: **وَالْجِدَالُ أَنْ يُجَادِلَ رَفِيقَهُ**، اور جدال یہ ہے کہ جھگڑا کرے اپنے ساتھی سے۔ بھائی یاد رکھیے حج بڑا ہی بڑا ہی مشقت والا عمل ہے اور بڑی مشقت پیش آتی ہے۔ میں نے گزشتہ سبق میں بھی ذکر کیا تھا اگرچہ اب بے انتہا سہولیات ہو گئیں، چند گھنٹوں کے اندر انسان وہاں پہنچ جاتا ہے لیکن اس کے باوجود چونکہ لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے تو بے انتہا مشقت پیش آتی ہے۔ چند منٹوں والا کام کئی گھنٹوں میں ہوتا ہے، گھنٹوں والا کام بعض اوقات دنوں تک چلا جاتا ہے، بات سمجھ میں آگئی بھائی۔ حتیٰ کہ ایئرپورٹ سے مکہ جانے میں، حالانکہ ایئرپورٹ سے نکلے اور سیدھا جدہ ہے، جدہ سے سیدھا مکہ جائیں گے وہ کوئی پونا گھنٹہ یا گھنٹے کا سفر ہے لیکن بعض اوقات یہ ایئرپورٹ پہ نکلتے نکلتے ایک دو دن لگ جاتے ہیں بھائی، کیونکہ پوری دنیا سے مسلسل لوگ آرہے ہیں تو ان سب کو سنبھالنا بڑا ہی مشکل کام ہوتا ہے۔ اسی طرح بھائی کھانے پینے وغیرہ کے اندر اور چیزوں کے اندر بھی بعض جگہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بھی، تو بے انتہا مشقت پیش آتی ہے۔

لہٰذا انسان کو پہلے ہی ذہنی طور پر تیار ہونا چاہیے کہ حد سے زیادہ مشقت آگے پیش آنے والی ہے۔ جب ذہنی طور پر تیار ہوگا تو پھر اس کے صبر کا پیمانہ جلدی لبریز نہیں ہوگا، بے صبرا نہیں ہوگا، ساتھیوں سے لڑائی جھگڑا نہیں کرے گا۔ لیکن اگر اس کے ذہن میں ہے کہ میں نے تو بڑی جو ہے پیسے لگائے ہیں، میں نے اچھا ہوٹل کروایا ہے، فلاں چیز اچھی سے اچھی کروائی ہے اور کوئی مشکل نہیں ہوگی، بسیں آرام دہ ہوں گی، جہاز آرام سے پہنچائیں گے، تو بھائی وہاں تو لاکھوں کا مجمع ہے، سارے لوگ ایک ہی جگہ جمع ہیں اور قدم قدم پر مشقت ہے انتہا درجے کی، تو پھر اس صورت میں بڑی جلدی جو ہے ذرا سی تکلیف آتی ہے اس کا جو ہے صبر ٹوٹنے لگتا ہے، بات بے بات پہ اس کو غصہ چڑھنے لگتا ہے، اپنے ہی ساتھیوں سے جھگڑتا ہے اور سب کے لیے تکلیف کا باعث بن جاتا ہے۔ تو اس لیے بالخصوص قرآن کے اندر منع کیا گیا کہ حج کی حالت میں جھگڑنا نہیں ہے بھائی، حج کی حالت میں جھگڑنا نہیں ہے۔ تم اپنے محبوبِ حقیقی کے کوچہ و بازار اور در و دیار کے اندر تم حاضری دینے جارہے ہو، عاشق کا کیا کام ہے کہ وہ کسی سے لڑائی جھگڑا کرے؟ عاشق پر تو ایک ہی دھن سوار ہوتی ہے کہ کسی طرح اپنے محبوب تک پہنچ جائے بھائی۔ تو لہٰذا یہاں بھی تم نے وہی عاشق کی طرح رہنا ہے، ہر تکلیف اور پریشانی کو برداشت کرنا ہے، کسی سے جھگڑا وغیرہ نہیں کرنا بھائی، تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَالْجِدَالُ أَنْ يُجَادِلَ رَفِيقَهُ**، اور جدال یہ ہے کہ جھگڑا کرے اپنے ساتھی سے۔ **وَقِيلَ**، اور کہا گیا ہے، جدال کا دوسرا معنی بھی کر رہے ہیں، بعضوں نے یہ قول بھی ذکر کیا ہے، کہتے ہیں: **مُجَادَلَةُ الْمُشْرِكِينَ فِي تَقْدِيمِ وَقْتِ الْحَجِّ وَتَأْخِيرِهِ**، کہ جدال کا معنی ہے جھگڑا کرنا، **مُجَادَلَةُ الْمُشْرِكِينَ** مشرکین سے جھگڑا کرنا **فِي تَقْدِيمِ وَقْتِ الْحَجِّ وَتَأْخِيرِهِ** حج کے وقت کو مقدم اور مؤخر کرنے میں۔ بھائی مشرکین جو تھے مشرکین، وہ کبھی حج کے مہینے کو مقدم کر دیتے تھے اور کبھی کبھار حج کے مہینے کو مؤخر کر دیتے تھے کہ اس دفعہ فلاں مہینے میں حج ہوگا۔ ابھی یہ حج کا مہینہ ہے ہی نہیں، وہ فلاں اگلا یا اس سے اگلا مہینہ جو آئے گا وہ حج کا ہوگا۔ کبھی پہلے ہی طے کر لیتے، اس وقت سے پہلے ہی ایک آدھ مہینہ بس طے کر لیتے کہ بھائی یہی جو اگلا مہینہ آرہا ہے یہی حج والا ہے۔ ان کا خاص طریقہ تھا اس کے مطابق وہ کر لیا کرتے تھے تو اس سے منع کیا گیا کہ مسلمانوں کو کہ مشرکین جو اگر اس حج کے مہینے کو آگے پیچھے کرتے ہیں تو ان سے جھگڑا مت کرو بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن پہلا قول راجح ہے اور اسی لیے دوسرے کو **قِيلَ** کے ساتھ ذکر کیا، **قِيلَ** کے ذریعے کمزور قول ذکر کیا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَقِيلَ مُجَادَلَةُ**

سبق نمبر ۱۳۵: وَلَا يَصِيرُ شَارِعًا فِي الْإِحْرَامِ بِمُجَرَّدِ النِّ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

الْمُشْرِكِينَ فِي تَقْدِيمِ وَقْتِ الْحَجِّ وَتَأْخِيرِهِ، اور کہا گیا ہے جدال کا معنی جو ہے مشرکین کا جھگڑنا ہے حج کے وقت کو مقدم اور مؤخر کرنے میں۔

وَلَا يَقْتُلُ صَيْدًا، اور شکار کو قتل نہ کرے۔ بھائی حالتِ احرام کے اندر پابندیاں انسان پر لگ جاتی ہیں، ان میں سے ایک پابندی کیا ہے کہ شکار کو قتل نہ کرے بھائی۔ **لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾**، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: اور تم لوگ شکار نہ کرو اس حال میں کہ تم محرم ہو، حالتِ احرام میں ہو۔ یعنی احرام کی حالت میں تم شکار نہ کرو۔ اور یہ یاد رکھنا، خشکی کا جانور جو ہے وہ شکار کرنے سے منع کیا گیا ہے، سمندری شکار جو ہے اس کی اجازت ہے اس لیے کیونکہ سمندر کے اندر خوراک کا ذریعہ ہی وہ ہے، وہ شکار وغیرہ، اس کے علاوہ تو وہاں کچھ ملتا ہی نہیں ہے، ہر طرف پانی ہی پانی ہے اور کئی دنوں کا سفر۔ تو جبکہ خشکی پر تو اور بھی اسباب موجود ہوتے ہیں تو لہٰذا خشکی پر شکار کو منع کیا گیا۔ اچھا اور دوسری جگہ اس کی تصریح بھی آتی ہے قرآن میں، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: **﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾**، اور تم پر حرام کر دیا گیا ہے خشکی کے شکار کو جب تک تم حالتِ احرام میں ہو بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی۔

وَلَا يُشِيرُ إِلَيْهِ، بھائی شکار کو قتل بھی نہیں کرنا، **وَلَا يُشِيرُ إِلَيْهِ** اور اس کی طرف اشارہ بھی نہ کرے یعنی ہاتھ کے ذریعے کسی دوسرے کو بھی نہ بتائے کہ یہ شکار ہے، **وَلَا يَدُلُّ عَلَيْهِ** اور اس پر رہنمائی بھی نہ کرے یعنی زبان کے ذریعے بھی کسی کو نہ بتلائے کہ اس طرف کو شکار موجود ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ نہ اشارہ کرنا ہے نہ رہنمائی کرنی ہے، کسی طرح شکار کے اندر دوسرے کی اعانت نہیں کرنی بھائی۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں: بھائی اشارہ بھی نہیں کرنا، رہنمائی بھی نہیں کرنی اس کی کیا دلیل ہے؟ وہ دلیل ذکر کر رہے ہیں: **لِحَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ أَصَابَ حِمَارَ وَحْشٍ وَهُوَ حَلَالٌ وَأَصْحَابُهُ مُحْرِمُونَ**، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: **أَنَّهُ أَصَابَ حِمَارَ وَحْشٍ** کہ انہوں نے ایک جنگلی گدھا جو ہے اس کو پالیا یعنی اس کا شکار کیا، **وَهُوَ حَلَالٌ**، بھائی اس کا ترجمہ خیال رکھنا بھائی: **وَهُوَ حَلَالٌ**، یہ ترجمہ نہ کرنا کہ وہ حمارِ وحشی حلال ہے بلکہ **وَهُوَ حَلَالٌ** اس حال میں کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلال تھے یعنی محرم نہیں تھے بھائی، محرم نہیں تھے۔ انہوں نے شکار کیا، **وَأَصْحَابُهُ مُحْرِمُونَ** اور ان کے ساتھی جو تھے وہ سارے محرم تھے، یہ غیر محرم تھے تو انہوں نے اس جنگلی گدھے کا شکار کر لیا۔

فَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِأَصْحَابِهِ: «هَلْ أَشَرْتُمْ؟ هَلْ دَلَلْتُمْ؟ هَلْ أَعَنْتُمْ؟» فَقَالُوا: لَا، فَقَالَ: «إِذَنْ فَكُلُوا»، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے اپنے ساتھیوں سے: **«هَلْ أَشَرْتُمْ؟»** کیا تم نے اشارہ کیا تھا؟ **«هَلْ دَلَلْتُمْ؟»** کیا تم نے رہنمائی کی تھی زبان کے ذریعے؟ **«هَلْ أَعَنْتُمْ؟»** کیا تم نے مدد کی تھی؟ **فَقَالُوا:** لَا، انہوں نے کہا نہیں، کہ ہم نے تو کوئی مدد، اشارہ وغیرہ نہیں کیا، **فَقَالَ: «إِذَنْ فَكُلُوا»**، تو حضور علیہ السلام پھر فرمانے لگے: تب تم پھر کھاؤ، تب تم پھر کھاؤ۔ تو معلوم ہوا اس حدیث سے کہ اشارہ بھی نہیں کر سکتا، رہنمائی اور کوئی مدد وغیرہ بھی نہیں کر سکتا بھائی حالتِ احرام میں۔

وَلِأَنَّهُ، یہاں سے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں بھائی، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ إِزَالَةُ الْأَمْنِ عَنِ الصَّيْدِ، وَلِأَنَّهُ** یہ جو اشارہ اور دلالت ہے اور یہ مدد جو ہے، اشارہ کرنا یا دلالت کرنا یا مدد کرنا شکار کے اندر، یہ **إِزَالَةُ الْأَمْنِ عَنِ الصَّيْدِ** یہ امن کو دور کرنا ہے شکار سے، **لِأَنَّهُ آمِنٌ بِتَوَحُّشِهِ**، اس لیے کیونکہ شکار تو مامون تھا اپنے وحشی ہونے کی وجہ سے۔ بھائی کچھ جانور مانوس ہوتے ہیں۔ جانور مانوس ہوتے ہیں: بھیڑ، بکری، گائے وغیرہ، آپ ان کے پاس بھی چلے جائیں وہ وہیں کھڑے رہیں گے، آپ آرام سے ان کو پکڑ لیں، ہاتھ لگائیں وغیرہ، وہ بھاگتے تو نہیں۔ لیکن وحشی جانور جو ہوتے ہیں وہ آپ کو قریب بھی نہیں آنے دے گا، وہ تو آپ کو دور سے ہی دیکھ کر بھاگ جائے گا۔ تو دیکھو یہ جو وحشی ہونا ہے اس کے ذریعے وہ مامون ہے، آپ اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کو زخمی کیے بغیر یا کوئی حیلے بہانے کیے بغیر آپ اس کو پکڑ نہیں سکتے، تو وہ مامون ہے کس وجہ سے؟ اپنے وحشی ہونے کی وجہ سے وہ آپ سے اور شکار ہونے سے بچا ہوا ہے۔ تو کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ آمِنٌ بِتَوَحُّشِهِ**، اس لیے کیونکہ وہ جو شکار ہے وہ تو مامون ہے اپنے وحشی ہونے کی وجہ سے، **وَبُعْدِهِ عَنِ الْأَعْيُنِ**، اور نگاہوں سے دور ہونے کی وجہ سے۔ وہ شکار تو مامون ہوتا ہے اپنے وحشی ہونے کی وجہ سے اور آنکھوں سے دور ہونے کی وجہ سے، وہ تو انسانوں کے قریب بھی نہیں آتا، تو وہ مامون تھا۔ اور یہ محرم اگر کیا کر دیتا ہے؟ اشارہ یا رہنمائی یا مدد وغیرہ کر کے بتا دیتا ہے دوسروں کو کہ وہ شکار ہے تو اس نے اس شکار کے امن کو ختم کر دیا یا نہیں کر دیا؟ اس کے امن کو ختم کر دیا اور وہ بیچارہ اس وجہ سے شکار ہو گیا، تو لہٰذا معلوم ہوا یہ بھی جرم ہے، یہ بھی کیا ہے؟ جرم ہے، کیونکہ اس نے احرام باندھا ہے اور احرام کی حالت میں تو کسی چیز کو ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف پہنچانے سے بھی منع کیا گیا ہے اور اس نے کیا کیا ہے؟ اس بیچارے جانور کے امن کو زائل کر دیا ہے، لہٰذا اس لیے یہ جرم ہوا اور اس پر پھر کیا ہو گا؟ اسی کا مثل وغیرہ دینا پڑے گا، تفصیل آپ اصولِ فقہ وغیرہ میں بھی تفصیل پڑھ چکے ہوں گے بھائی۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ آمِنٌ بِتَوَحُّشِهِ وَبُعْدِهِ عَنِ الْأَعْيُنِ**، اس لیے کیونکہ وہ شکار جو ہے وہ تو مامون ہوتا ہے اپنے وحشی ہونے کی وجہ سے اور نگاہوں سے دور ہونے کی وجہ سے۔

قَالَ: وَلَا يَلْبَسُ قَمِيصًا وَلَا سَرَاوِيلَ وَلَا عِمَامَةً وَلَا خُفَّيْنِ، اور محرم نہیں پہن سکتا قمیص، **وَلَا سَرَاوِيلَ** اور نہ شلوار۔ شلوار اور قمیص محرم نہیں پہن سکتا، کوئی سلے ہوئے کپڑے، کوئی سلی ہوئی چیز نہیں پہن سکتا بھائی۔ **وَلَا عِمَامَةً**، اور پگڑی نہیں پہن سکتا، سر کو ننگا رکھنا پڑے گا، سر کو نہیں ڈھانپ سکتا۔ تو کہتے ہیں: **وَلَا عِمَامَةً** اور نہ پگڑی پہن سکتا ہے، **وَلَا خُفَّيْنِ** اور نہ ہی موزے پہن سکتا ہے، موزے نہیں پہن سکتا بھائی۔

إِلَّا أَنْ لَا يَجِدَ نَعْلَيْنِ، مگر یہ کہ وہ شخص جوتے نہ پائے، **نَعْلَيْنِ** کہتے ہیں جوتوں کو۔ محرم کو اگر جوتے نہیں مل رہے، اس کے پاس جوتے نہیں ہیں، **فَيَقْطَعُهُمَا**

1200

أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، تو پھر ان دو موزوں کو کاٹ لے کعبین سے نیچے نیچے۔ کعبین سے نیچے کاٹ لے یعنی کاٹ کر ان کا جوتا بنالے، ان کو کاٹ کر جوتا بنالے، موزے پہننے کی اجازت نہیں۔ اور یہ یاد رکھنا، یہاں کعبین آیا، کعبین سے ٹخنے نہ مراد لینا، کعبین، بلکہ کعبین سے یہاں مراد ہیں یہ جو تسمہ باندھنے کے مقام پر ابھری ہوئی ہڈی ہے پاؤں کی، جہاں تسمے باندھے جاتے ہیں جوتے کے، یہاں پر یہ جو ابھری ہوئی ہڈی ہے اس کو کعب کہا جاتا ہے۔ کیا کہا جاتا ہے؟ کعب کہا جاتا ہے، اور دو پاؤں ہیں تو دونوں کی ایک ایک کعب تو یہ کعبین ہو گئیں، کیا بن گئیں؟ کعبین، دو کعب جو ہیں۔ اسی وجہ سے آپ حاجی اور عمرے پر جانے والے حضرات کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ جاتے ہیں وہ ہوائی چپل وغیرہ پہنتے ہیں۔ کیوں پہنتے ہیں یہ ہوائی چپل؟ اس لیے کیونکہ دورانِ احرام اس ہڈی کو کھلا رکھنا ضروری ہے۔ اس ہڈی کو کھلا رکھنا ضروری ہے۔ تو کعبین سے یہ ابھری ہوئی ہڈی مراد ہے۔ اگر یہ ٹخنے مراد ہوتے تو ٹخنے تو عموماً ہر جوتے میں کھلے ہوتے ہیں، لیکن آپ دیکھتے ہیں وہ ہر جوتا نہیں پہنتے، کون سا جوتا پہنتے ہیں؟ ہوائی چپل وغیرہ یا اس طرح کا جوتا پہنتے ہیں جس سے یہ درمیان کے پاؤں کے درمیان جو ہڈی ہے تسمہ باندھنے کے مقام پر یہ کھلی ہوتی ہے، تفصیل سمجھ میں آگئی۔

إِلاَّ أَنْ لاَ يَجِدَ نَعْلَيْنِ فَيَقْطَعُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، مگر یہ کہ وہ جوتے نہ پائے تو پھر کاٹ لے گا ان موزوں کو کعبین سے نیچے۔

لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلاَمُ نَهَى أَنْ يَلْبَسَ الْمُحْرِمُ هَذِهِ الأَشْيَاءَ، اس لیے کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ محرم پہنے یہ والی چیزیں۔ ان چیزوں سے حضور علیہ السلام نے محرم کو محرم کو پہننے سے منع فرمایا: قمیص، شلوار، پگڑی، موزے وغیرہ۔ **وَقَالَ فِي آخِرِهِ: «وَلاَ خُفَّيْنِ إِلاَّ أَنْ لاَ يَجِدَ نَعْلَيْنِ فَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ»،** اور اس حدیث کے آخر میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: اور موزے بھی نہیں پہن سکتا مگر یہ کہ وہ جوتے نہ پائے، یہ حدیث چل رہی ہے بھائی، **«وَلاَ خُفَّيْنِ»** سے آگے وہ حدیث کا حصہ چل رہا ہے: اور موزے بھی نہیں پہن سکتا مگر یہ کہ محرم جو ہے وہ جوتے نہ پائے، تو چاہیے اس کو کہ وہ کاٹ لے ان موزوں کو کعبین سے نیچے بھائی۔ یہاں تک حدیث ہے۔

آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: **وَالْكَعْبُ هُنَا الْمَفْصِلُ الَّذِي فِي وَسَطِ الْقَدَمِ عِنْدَ مَعْقِدِ الشِّرَاكِ فِيمَا رَوَى هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ،** اور کعب جو ہے یہاں پر، کعب تو ویسے ٹخنے کو بھی کہتے ہیں لیکن یہاں پر کعب جو ہے المفصل، مفصل کہتے ہیں جوڑ کو، جوڑ کو: **الْمَفْصِلُ الَّذِي فِي وَسَطِ الْقَدَمِ،** وہ جوڑ ہے جو قدم کے درمیان میں ہے، جو پاؤں کے بیچ میں ہے، **عِنْدَ مَعْقِدِ الشِّرَاكِ،** معقد باندھنے کی جگہ، اور شراک، شراک تسے کو کہتے ہیں: **عِنْدَ مَعْقِدِ الشِّرَاكِ،** تسموں کے باندھنے کی جگہ پر، **فِيمَا رَوَى هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ،** اس روایت کے مطابق جس کو ہشام نے روایت کیا ہے امام محمد رحمہ اللہ سے بھائی۔

وَلاَ يُغَطِّي وَجْهَهُ وَلاَ رَأْسَهُ، اور نہ ڈھانپے اپنے چہرے کو اور نہ اپنے سر کو۔ حالتِ احرام میں اپنے چہرے کو بھی نہیں ڈھانپ سکتا اور اپنے سر کو بھی محرم نہیں ڈھانپ سکتا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور یہ مرد کا احرام بیان ہو رہا ہے بھائی۔ مرد اپنے سر کو بھی نہیں ڈھانپ سکتا اور چہرے کو بھی نہیں ڈھانپ سکتا۔ جبکہ عورت کا احرام وہ اسی کے عام کپڑوں میں ہوتا ہے، جو بھی لباس ہو۔ اور نیز وہ جو بھی جوتے پہن لے، اس کے لیے وہ ہڈی کو کھلا رکھنا ضروری نہیں، جو بھی جوتے پہن لے، اور نیز عورت کے لیے سر کا کھلا رکھنا نہیں ضروری، سر ڈھانپے، اور ہاں چہرے چہرے کا کھلا رکھنا ضروری ہے۔ اور آگے تفصیل آ بھی جائے گی، کتاب کے اندر بھی آئے گی، اور چہرے کو اب وہ کھلا رکھے تو دوسری طرف پردہ بھی ضروری ہے بھائی، تو وہ لہٰذا کیا کرے کہ وہ جو چہرے کے سامنے جو کپڑا لٹکائے، جو نقاب لٹکائے وہ ہاتھ کے ذریعے اس کو پکڑ کر رکھے، چہرے سے جدا رکھے اس کو، چہرے سے اس کو جدا رکھے، چہرے پر نہ لگنے دے۔ اور یا کوئی ایسی چیز پہن لے کہ جو ماتھے پر ذرا آگے نکلی ہوئی ہو اور اس پر نقاب اوپر ڈال لے تو اب وہ نقاب چہرے سے جدا رہے گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلاَ يُغَطِّي وَجْهَهُ وَلاَ رَأْسَهُ،** اور نہ ڈھانپے اپنے چہرے کو اور نہ اپنے سر کو۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: يَجُوزُ لِلرَّجُلِ تَغْطِيَةُ الْوَجْهِ،** اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز ہے مرد کے لیے اپنے چہرے کو ڈھانپنا۔ وہ فرماتے ہیں چہرے کو ڈھانپ سکتا ہے، صرف سر کو نہیں ڈھانپنا۔ دلیل ان کی وہ فرماتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ: «إِحْرَامُ الرَّجُلِ فِي رَأْسِهِ وَإِحْرَامُ الْمَرْأَةِ فِي وَجْهِهَا»،** بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: مرد کا احرام اس کے سر میں ہے، اور عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔ یہ ان کی دلیل ہے، کہتے ہیں دیکھیے بھائی حدیث سے کیا پتہ چلا کہ مرد کا احرام صرف کس میں ہے؟ سر میں ہے، معلوم ہوا چہرے میں نہیں تو چہرے کو ڈھانپ سکتا ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل جو ہے: **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ: «لاَ تُخَمِّرُوا وَجْهَهُ وَلاَ رَأْسَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا» قَالَهُ فِي مُحْرِمٍ تُوُفِّيَ،** وہ حضور علیہ السلام کا یہ قولِ مبارک ہے، آپ نے فرمایا: **«لاَ تُخَمِّرُوا وَجْهَهُ وَلاَ رَأْسَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»، قَالَهُ فِي مُحْرِمٍ تُوُفِّيَ۔** بھائی ایک شخص حالتِ احرام کے اندر سواری سے نیچے گر گیا، بیچارے کی گردن ٹوٹ گئی اور انتقال ہو گیا، حالتِ احرام میں، حج کے دوران بھائی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: **«لاَ تُخَمِّرُوا وَجْهَهُ»،** تم لوگ اس کے چہرے کو نہ ڈھانپو، **«وَلاَ رَأْسَهُ»،** اور نہ اس کے سر کو۔ تم لوگ اس کے چہرے اور سر کو نہ ڈھانپو، **«فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»،** پس یہ جو ہے اٹھایا جائے گا قیامت کے دن ملبیاً، اس حال میں کہ یہ تلبیہ کہہ رہا ہو گا۔ قیامت کے دن بھائی یہ کس حالت میں اٹھایا جائے گا؟ حالتِ احرام میں ہی اٹھایا جائے گا، تلبیہ کہتے ہوئے یہ اٹھے گا بھائی۔ اور حدیث میں کیا آیا: اس کے چہرے کو بھی نہ ڈھانپو اور اس کے سر کو بھی نہ ڈھانپو،

سبق نمبر ۱۳۵: وَلَا يَصِيرُ شَارِعًا فِي الْإِحْرَامِ بِمُجَرَّدِ النِّ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

معلوم ہوا چہرے کو بھی نہیں ڈھانپا جائے گا احرام میں اور سر کو بھی نہیں ڈھانپا جائے گا، دلیل سمجھ میں آگئی بھائی۔

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَا تُخَمِّرُوا وَجْهَهُ وَلَا رَأْسَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا» قَالَهُ فِي مُحْرِمٍ تُوُفِّيَ، اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا یہ فرمانِ مبارک ہے، آپ نے فرمایا: تم لوگ نہ تو اس کے چہرے کو ڈھانپو اور نہ اس کے سر کو، پس اس کو اٹھایا جائے گا قیامت کے دن اس حال میں کہ یہ تلبیہ کہہ رہا ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا ایسے محرم کے بارے میں جس کا انتقال ہو گیا تھا، انتقال ہو گیا تھا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آپ اے احناف دلیل کے طور پر ایک ایسی حدیث ذکر کر رہے ہیں جس پر آپ خود بھی عمل نہیں کرتے، کیونکہ ہمارے نزدیک اگر حالتِ احرام میں بھی کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کے چہرے اور سر کو کھلا نہیں رکھ کر اسے دفن کیا جائے گا بلکہ بلکہ اسے عام لوگوں کی طرح ہی اسے کفن پہنایا جائے گا، خوشبو وغیرہ لگائی جائے گی اور اسی طرح دفن کیا جائے گا۔ اور اس حدیث سے تو کیا پتہ چل رہا ہے، اس کے بارے میں حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں، کس طرح اس کو دفن کرو؟ چہرے کو بھی نہیں ڈھانپنا اور سر کو بھی نہیں ڈھانپنا بھائی، سر کو بھی نہیں۔ تو اے احناف اس پر تمہارا عمل نہیں ہے، پھر تم کیسے اس کو دلیل کے طور پر ذکر کر رہے ہو؟ تو جواب یہ کہ بھائی دلیل کے طور پر اس کو ذکر کیا جا سکتا ہے، اگرچہ اور دلائل کے ذریعے ہم کہتے ہیں کہ وہ محرم جو ہے اس کو عام حاجی جب اس کا انتقال ہو گیا تو احرام ختم ہو گیا بھائی، سمجھ میں آگئی بات؟ تو اس کے بعد اس کو عام لوگوں جیسا ہی عام لوگوں جیسا ہی کفن اس کو دیا جائے گا بھائی۔ اور یہ معلوم ہوا اس صحابی کی تخصیص ہے بھائی، ان کی کیا ہے؟ ان کی خصوصیت ہے، ان کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا، لیکن بہر حال پھر بھی یہ حدیث ہم دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں اس مسئلے میں کہ احرام جو ہے مرد کا سر کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے میں بھی ہوتا ہے، اس کی دلیل کے طور پر ذکر کر رہے ہیں اور یہ بات تو حدیث سے واضح معلوم ہو رہی ہے بھائی، حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ سر کو بھی نہ ڈھانپو اور چہرے کو بھی نہ ڈھانپو بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

وَلِأَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تُغَطِّي وَجْهَهَا، جی یہاں سے عقلی دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تُغَطِّي وَجْهَهَا مَعَ أَنَّ فِي الْكَشْفِ فِتْنَةً فَالرَّجُلُ بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى**، عقلی دلیل یہ کہ بھائی دیکھیے عورت جو ہے عورت، اس کے چہرے کے ظاہر کرنے میں اگرچہ فتنے کا خطرہ ہے پھر بھی پھر بھی اس کے وہ اپنے چہرے کو نہیں ڈھانپے گی، جب عورت جس کے چہرے کے ظاہر کرنے میں اور کھلا رکھنے میں فتنہ ہے جب وہ اپنے چہرے کو نہیں ڈھانپے گی تو مرد بطریقِ اولیٰ اپنے چہرے کو نہیں ڈھانپے گا بھائی، دلیل سمجھ میں آگئی۔

وَلِأَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تُغَطِّي وَجْهَهَا مَعَ أَنَّ فِي الْكَشْفِ فِتْنَةً فَالرَّجُلُ بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى، اور اس لیے کیونکہ عورت جو ہے وہ اپنے چہرے کو نہیں ڈھانپے گی باوجود اس کے کہ چہرہ کھلا رکھنے کے اندر فتنہ ہے، تو مرد جو ہے وہ بطریقِ اولیٰ چہرے کو نہیں ڈھانپے گا۔

وَفَائِدَةُ مَا رَوَى الْفَرْقُ فِي تَغْطِيَةِ الرَّأْسِ، اور فائدہ اس حدیث کا جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ فرق کرنا ہے سر ڈھانپنے میں، وہ فرق کرنا ہے سر ڈھانپنے میں۔ ہم کہتے ہیں یہ جو حدیث امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کی یہ سر ڈھانپنے کے فرق کو بیان کرنے کے لیے ہے، یعنی اس کے ذریعے مقصد کیا ہے، کیا بیان کیا جا رہا ہے؟ سر ڈھانپنے میں فرق بیان کیا جا رہا ہے کہ مرد کا احرام سر میں ہے، عورت کا احرام سر میں نہیں ہے، مرد اپنے سر کو کھلا رکھے گا، عورت اپنے سر کو کھلا نہیں رکھے گی، یہ مقصد ہے اس حدیث کے لیے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں: «**إِحْرَامُ الرَّجُلِ فِي رَأْسِهِ**»، مرد کا احرام ہے اس کے سر میں، «**وَإِحْرَامُ الْمَرْأَةِ فِي وَجْهِهَا**»، اور عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے یعنی سر میں نہیں ہے، وہ اپنے سر کو ڈھانپے گی بھائی، دلیل سمجھ میں آگئی بھائی۔

قَالَ: وَلَا يَمَسُّ طِيبًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «الْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ»، اور محرم جو ہے وہ خوشبو نہیں لگائے گا بھائی، خوشبو نہیں لگا سکتا اور کوئی خوشبو والی چیز استعمال نہیں کر سکتا۔ **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: «**الْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ**»، کہ حاجی جو ہے **الْحَاجُّ**، حاجی جو ہے **الشَّعِثُ**، **شَعِث** کہتے ہیں پراگندہ بالوں والا یعنی جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، میلے ہیں، یہ ہے پراگندہ بالوں والا۔ بکھرے ہوئے میلے بالوں والا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ **شَعِث**، **شَعِث**۔ اور **تَفِل**، **تَفِل** کا معنی ہے بغیر خوشبو کے یعنی کوئی خوشبو وغیرہ نہیں بلکہ اس سے بو وغیرہ آ رہی ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ اس کو کیا کہتے ہیں؟ **تَفِل**۔ تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**الْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ**»، حاجی جو ہے وہ تو پراگندہ بالوں والا اور **تَفِل** ہوتا ہے یعنی بغیر خوشبو کے ہوتا ہے یعنی اس سے تو بو وغیرہ آ رہی ہوتی ہے۔

بھائی میں نے بتلایا یہ حج جو ہے عشق و محبت کا مظہر ہے بھائی، یہ اللہ سے اپنے عشق و محبت کا اظہار ہے بھائی۔ اور عاشق عاشق اس کی تو ساری توجہ اپنے محبوب کی طرف ہوتی ہے، دنیا کی کسی چیز کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ یہ خوشبو، یہ زیب و زینت والے کپڑے وغیرہ ان کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی، اپنے آپ کو سنوارنے کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی، تو جو شخص جتنا زیادہ پراگندہ حال ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے بھائی۔ تو وہ صحیح معنوں میں اپنے آپ کو ایک عاشق کے انداز میں لے کر آیا ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

یاد رکھیے یہ جو حج ہے یہ سارا عشق و محبت کا مظہر ہے بھائی، یہ عشق و محبت کا امتحان ہے، اور اس امتحان کا آغاز رمضان سے ہوتا ہے بھائی۔ انسان کی محبوب ترین چیزیں جو ہیں کھانا پینا اور بیوی ہے، تو رمضان کے اندر حکم دیا جاتا ہے کہ اے مسلمانوں تمہیں اللہ سے عشق و محبت کا دعویٰ ہے تو اپنی یہ تین محبوب چیزوں کو چھوڑ دو، اور تھوڑی

دیر کے لیے نہیں چھوڑنا، صبح سے لے کر شام تک ان سے دور رہنا ہے، اور پھر ایک دو دن نہیں رہنا بلکہ پورا مہینے تک ان چیزوں کے قریب نہیں جانا۔ چنانچہ پورے مہینے کا امتحان لیا جاتا ہے لیکن اللہ کے نیک بندے اس میں امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

پھر ادھر جیسے ہی رمضان گزرتا ہے حج کے مہینے شروع ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے کہ تمہیں تمہیں مجھ سے عشق کا دعویٰ ہے، میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو یہاں سے نکلو، میرے میرے گھر کی طرف آؤ اور وہاں مجھے تلاش کرو۔ چنانچہ یہاں سے چلنے لگتا ہے، یہاں سے وہ روانہ ہوتا ہے۔ ایک خاص مقام پر جب پہنچتا ہے تو اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے کہ بھائی یہ کیا سلے ہوئے کیا زیب وزینت والے کپڑے پہن رکھے ہیں؟ عاشق کا زیب وزینت والے کپڑوں سے کیا کام ہے؟ ان کپڑوں کو پھینک دو، صرف دو سلی ہوئی چادریں پہن لو، پتہ چلے کہ تم صحیح عاشق ہو، تمہیں زیب وزینت سے کوئی کام نہیں ہے۔ چنانچہ وہ وہ کپڑے پھینک دیتا ہے سلے ہوئے، دو چادریں پہن لیتا ہے، اور اسی طرح دیوانہ وار: **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ**، اے اللہ میں حاضر ہو گیا ہوں، اے اللہ میں آ گیا ہوں، اے اللہ میں آپ کی خدمت میں اور اطاعت کے لیے بار بار آ گیا ہوں۔ خوشبو نہیں لگائی اس نے اس دوران، خوشبو نہیں لگائی، اور اسی طرح سلے ہوئے کپڑے نہیں پہننے، اپنے بالوں کو نہیں کاٹنا، ناخنوں کو نہیں کاٹنا، یہ زیب وزینت والی اور اپنے آپ کو سنوارنے والی ہر چیز سے دور رہنا ہے۔

اور ہر چیز کو تکلیف دینے سے منع کر دیا گیا بھائی، تم عاشق ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، عاشق کا کیا کام ہے کہ کسی دوسرے کو تکلیف دے؟ اس کی توجہ تو صرف اپنے محبوب کو حاصل کرنے کی طرف ہوتی ہے، وہ دنیا سے بالکل اسے دنیا کا کچھ پتہ ہی نہیں ہوتا، صحیح محبت ہی یہ ہے۔ چنانچہ ان سب چیزوں کو منع کر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ شکار نہیں کھیلنا، کسی جانور کو کوئی تکلیف نہیں دینی، حتیٰ کہ اپنے سر کی جوؤں کو وہ قتل نہیں کر سکتا بھائی۔ اور پھر پھر وہ جب مکہ مکرمہ پہنچتا ہے تو دیوانہ وار کبھی بیت اللہ کے گرد چکر لگا رہا ہے: اے اللہ آپ کہاں ہیں، میں آ گیا ہوں، اے اللہ **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ**، کبھی صفا مروہ کے درمیان چکر لگا رہا ہے اور دوڑ رہا ہے کہ اے اللہ میں آ گیا ہوں، **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ** کہ اے اللہ میں حاضر ہوں۔ کبھی عرفات کی طرف جا رہا ہے، کبھی مزدلفہ آ رہا ہے، تو کبھی منیٰ آ رہا ہے، تو یہ سارا حج جو ہے عشق و محبت کا مظہر ہے، لیکن اللہ کے نیک بندے اس امتحان میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں بھائی۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ ہے حج بھائی، حج بھائی۔ تو اسی لیے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**الْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ**»، حاجی جو ہے وہ کیا ہے؟ حاجی پراگندہ بالوں والا، **التَّفِل** اور بغیر خوشبو کے ہوتا ہے۔

وَكَذَا لَا **يَدَّهِنُ**، اور اسی طرح جو ہے وہ جو ہے محرم جو ہے وہ تیل نہیں لگا سکتا، **لِمَا رَوَيْنَا**، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی کہ «**الْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ**»، حاجی تو کیا ہوتا ہے پراگندہ میلے بالوں والا، تو یہ تیل نہیں لگا سکتا۔

وَلَا يَحْلِقُ رَأْسَهُ، اور یہ اپنے سر کا حلق نہیں کروا سکتا یعنی اپنے سر کو نہیں منڈوا سکتا، بال نہیں ختم کر سکتا، **وَلَا شَعْرَ بَدَنِهِ**، اور اسی طرح اپنے بدن کے جو بال ہیں ان کو بھی حلق نہیں کروا سکتا، ان کو بھی نہیں منڈوا سکتا، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**: ﴿**وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ**﴾، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: اور تم اپنے سروں کا حلق نہ کرواؤ۔ حلق کا معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ سر کے بالوں کو استرے سے صاف کرنا، یہ ہے حلق بھائی، تو اللہ فرما رہے ہیں: ﴿**وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ**﴾، اور تم اپنے سروں کا حلق نہ کرواؤ، الآیۃ۔

وَلَا يَقُصُّ مِنْ لِحْيَتِهِ، اور کاٹ نہیں سکتا اپنی داڑھی میں سے، داڑھی کے بال بھی نہیں کاٹ سکتا، بدن کے کوئی بال نہیں کاٹ سکتا، **لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْحَلْقِ**، اس لیے کیونکہ داڑھی کا کاٹنا بھی کس معنی میں ہے؟ حلق ہی کے معنی میں ہے، **وَلِأَنَّ فِيهِ إِزَالَةَ الشَّعَثِ وَقَضَاءَ التَّفَثِ**، اور نیز اس لیے کیونکہ اس کے اندر ازالۂ شعث ہے۔ شعث وہی پراگندگی، بالوں کا بکھرا ہوا اور میلا ہونا۔ اس کے اندر داڑھی کے بال کاٹتا ہے یا کوئی اور بال کاٹتا ہے تو اس کے اندر کیا ہے؟ ازالۂ شعث ہے، پراگندگی کو دور کرنا ہے حالانکہ اس سے تو منع کیا گیا ہے اور وہ تو محبوب ہے۔ **وَقَضَاءَ التَّفَثِ**، تفث کا معنی بھی ہے میل کچیل وغیرہ جو ہے: قضائے تفث۔ عربی میں کہتے ہیں: **قَضَى تَفَثَهُ**، اس نے اپنے میل کچیل کو دور کر دیا، تو قضائے تفث کا کیا معنی ہوا؟ میل کچیل کو دور کرنا۔ تو معلوم ہوا یہاں قضاء بمعنی ازالہ کے ہی ہے بھائی، قضاء اور ازالہ کا یہاں ایک معنی ہے۔ **لِأَنَّ فِيهِ إِزَالَةَ الشَّعَثِ وَقَضَاءَ التَّفَثِ**، اور اس لیے کیونکہ اس کے اندر پراگندگی کو دور کرنا ہے اور میل کچیل کو دور کرنا ہے۔

قَالَ: وَلَا يَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِوَرْسٍ وَلَا زَعْفَرَانَ وَلَا عُصْفُرٍ، اور نہ پہنے ایسا کپڑا جو رنگا گیا ہو ورس بوٹی کے ساتھ اور نہ زعفران کے ساتھ اور نہ عصفر کے ساتھ۔ بھائی ایسا کپڑا بھی نہیں پہن سکتا جو ورس، ورس یہ ایک بوٹی ہے بھائی خوشبو دار قسم کی، سمجھ میں آیا بھائی، خوشبو کے طور پر اس کو استعمال کیا جاتا۔ اسی طرح زعفران بھی نہیں، اس کا رنگ بھی ہوتا ہے اور کچھ خوشبو مہک وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ **وَلَا عُصْفُرٍ**، عصفر یہ بھی ایک قسم کی بوٹی ہے، ایک پودا ہے اور یہ بھی خوشبو دار ہوتا ہے اور خوشبو والی تو ہر چیز سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا یہ بھی استعمال نہیں کر سکتا۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِوَرْسٍ وَلَا زَعْفَرَانَ وَلَا عُصْفُرٍ**، اور نہ پہنے ایسے کپڑے جو رنگے ہوئے ہوں ورس کے ساتھ اور نہ زعفران کے ساتھ اور نہ عصفر کے ساتھ، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**: «**لَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ**»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قولِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ محرم نہیں پہنے گا ایسا کپڑا جس کو چھوا ہو زعفران نے اور اسی طرح اور نہ ورس نے، یعنی زعفران یا ورس نے جس کپڑے کو چھوا ہو، جن پر لگا ہو وہ کپڑا محرم نہیں پہن سکتا۔

إِلاَّ أَنْ يَكُونَ غَسِيلاً لاَ **يَنْفُذُ، أَيْ** لاَ **يَنْفُضُ صِبْغُهُ،** یعنی اس سے رنگ جاتا نہ ہو، رنگ اس کا بھائی کپڑے پر زعفران یا ورس وغیرہ لگا تھا، تو خوشبو وغیرہ تھی، اس احرام باندھنے والے نے اس کو اچھی طرح دھولیا، اچھی طرح دھولیا تو خوشبو وغیرہ تو ختم ہو گئی لیکن وہ بوٹی کا رنگ نہیں جارہا، وہ اسی طرح کپڑے پر لگی ہوئی ہے تو کیا یہ پہن سکتا ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، رنگ لگا ہو تو کوئی حرج نہیں جب وہ اترہی نہیں رہا تو کوئی حرج نہیں، لیکن خوشبو ختم ہونی چاہیے، خوشبو نہیں ہونی چاہیے۔ یہ معنی ہے: **إِلاَّ أَنْ يَكُونَ غَسِيلاً** لاَ **يَنْفُذُ،** مگر یہ کہ وہ کپڑا دھلا ہوا ہو لاَ **يَنْفُذُ** وہ اس کا رنگ جاتا نہیں ہے، **لِأَنَّ الْمَنْعَ لِلطِّيبِ** لاَ **لِلَّوْنِ،** اس لیے کیونکہ منع کرنا جو ہے وہ خوشبو کی وجہ سے ہے، رنگ کی وجہ سے نہیں ہے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لاَ **بَأْسَ بِلُبْسِ الْمُعَصْفَرِ لِأَنَّهُ لَوْنٌ** لاَ **طِيبَ لَهُ،** امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کوئی حرج نہیں معصفر کپڑے کو پہننے میں، یعنی جس کو عصفر بوٹی کے ساتھ رنگا گیا ہو اس کپڑے کے پہننے میں کوئی حرج نہیں، **لِأَنَّهُ لَوْنٌ** لاَ **طِيبَ لَهُ،** اس لیے کیونکہ وہ رنگ ہے، اس کی خوشبو نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ عصفر بوٹی کا صرف رنگ ہے، اس کی خوشبو نہیں، لہٰذا وہ استعمال کر سکتا ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ لَهُ رَائِحَةً طَيِّبَةً،** کہ اس کی اچھی خوشبو ہے بھائی۔ رائحۃ طیبۃ، رائحۃ طیبۃ بھائی یہ خوشبو کو کہتے ہیں عربی میں۔ رائحہ تو بو ہے نا، رائحہ بو چاہے اچھی ہو چاہے بری، لیکن **رَائِحَةٌ طَيِّبَةٌ** اچھی خوشبو یعنی خوشبو مراد ہے۔ تو ہم کہتے ہیں: **أَنَّ لَهُ رَائِحَةً طَيِّبَةً** کہ اس کی اچھی خوشبو ہے۔ تو بہر حال یہ معلوم ہوا اس کی کوئی قسمیں کچھ ہوں گی بھائی، تو امام شافعی رحمہ اللہ نے جس کا مشاہدہ کیا، جس عصفر کا اس کی خوشبو نہیں تھی صرف کیا تھا؟ رنگ تھا، اور ہمارے فقہاء نے جس کا مشاہدہ کیا اس میں خوشبو یا مہک وغیرہ کچھ ہو گی، تو بہر حال یہ صرف اس چیز اور اس مشاہدے میں اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے، تو اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عصفر میں خوشبو نہیں ہوتی، صرف رنگ ہے تو پھر ہمارے نزدیک بھی جائز ہو جائے گا۔ اور اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ عصفر میں خوشبو بھی ہوتی ہے مہک بھی ہوتی ہے تو پھر ہمارے نزدیک بھی منع ہو گا اور ان کے نزدیک بھی وہ بھی منع فرمائیں گے، بات سمجھ میں آگئی۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۳۶: مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَغْتَسِلَ وَيَدْخُلَ الْحَمَّامَ

ہدایہ صفحہ: ۲۵۸ — بتاریخ: ۲۴ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَغْتَسِلَ وَيَدْخُلَ الْحَمَّامَ» لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اغْتَسَلَ وَهُوَ مُحْرِمٌ «وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَسْتَظِلَّ بِالْبَيْتِ وَالْمَحْمِلِ» وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُكْرَهُ أَنْ يَسْتَظِلَّ بِالْفُسْطَاطِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ تَغْطِيَةَ الرَّأْسِ.

احرام کا بیان چل رہا ہے بھائی۔

قَالَ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «**وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَغْتَسِلَ وَيَدْخُلَ الْحَمَّامَ**» اور کوئی حرج نہیں ہے کہ محرم جو ہے وہ غسل کرے، «**وَيَدْخُلَ الْحَمَّامَ**» اور حمام میں داخل ہو۔ «**لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اغْتَسَلَ**» اس لیے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی غسل فرمایا، «**وَهُوَ مُحْرِمٌ**» اس حال میں کہ وہ محرم تھے۔ معلوم ہوا حالتِ احرام میں انسان غسل کر سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَسْتَظِلَّ بِالْبَيْتِ وَالْمِ...

«**وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَسْتَظِلَّ بِالْبَيْتِ وَالْمَحْمِلِ**» اور کوئی حرج نہیں ہے کہ محرم جو ہے وہ سایہ لے، «**بِالْبَيْتِ**» کسی کمرے کا، «**وَالْمَحْمِلِ**» اور ہودج کا۔ محمل بھائی یہ اونٹ پر عرب جو ہے باقاعدہ ایک کمرہ نما کپڑے سے بنا لیتے تھے، سایہ وغیرہ ہو جاتا اور اس کے اندر وہ سوار بیٹھتا، تو کپڑے اور لکڑی وغیرہ سے وہ کمرہ نما جو اونٹ پر بنا لیتے تھے اس کو محمل کہتے ہیں اور اردو میں اس کو ہودج کہتے ہیں، ہودج بھائی۔ تو لہٰذا اگر محرم کمرے وغیرہ کا سایہ لے یا ہودج کا سایہ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں، وہ سایہ لے سکتا ہے، ان کے سائے میں بیٹھ سکتا ہے۔

«**وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ**» اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «**يُكْرَهُ أَنْ يَسْتَظِلَّ بِالْفُسْطَاطِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ**» کہ وہ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے کہ محرم سایہ لے، «**بِالْفُسْطَاطِ**» فسطاط کہتے ہیں بڑے خیمے کو، کہ وہ بڑے خیمے کا سایہ لے، «**وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ**» اور وہ جو چیز اس کے مشابہ ہو ان کے ذریعے سایہ لینا اس کے لیے مکروہ ہے، «**لِأَنَّهُ يُشْبِهُ تَغْطِيَةَ الرَّأْسِ**» اس لیے کیونکہ یہ سر ڈھانپنے کے مشابہ ہے، کیونکہ وہ خیمے کے اندر بیٹھے گا تو خیمے کا کپڑا اوپر آ گیا تو یہ کس کی طرح ہوا؟ سر ڈھانپنے کی طرح ہو گیا بھائی۔

«**وَلَنَا أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ كَانَ يُضْرَبُ لَهُ فُسْطَاطٌ فِي إِحْرَامِهِ**» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تھے «**كَانَ يُضْرَبُ لَهُ فُسْطَاطٌ**» ان کے لیے بڑا خیمہ نصب کیا جاتا تھا، بڑا خیمہ لگایا جاتا تھا «**فِي إِحْرَامِهِ**» ان کے احرام کے اندر، ان کے احرام کی حالت میں ہی ان کے لیے خیمہ لگایا جاتا تھا، معلوم ہوا خیمے کا سایہ لینا، خیمے کے اندر بیٹھنا جائز ہے محرم کے لیے۔ «**وَلِأَنَّهُ لَا يَمَسُّ بَدَنَهُ فَأَشْبَهَ الْبَيْتَ**» اور نیز اس لیے کیونکہ یہ خیمہ جو ہے یہ اس محرم کے بدن کو چھوتا نہیں ہے یعنی اس کے ساتھ لگا نہیں ہوتا بلکہ اس سے علیحدہ اونچا ہوتا ہے «**فَأَشْبَهَ الْبَيْتَ**» تو یہ کمرے کے مشابہ ہوا، کس کے مشابہ ہوا؟ کمرے کے مشابہ ہوا، تو لہٰذا یہ جائز ہے، اس کا سایہ لے سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ دَخَلَ تَحْتَ أَسْتَارِ الْكَعْبَةِ حَتَّى...

«وَلَوْ دَخَلَ تَحْتَ أَسْتَارِ الْكَعْبَةِ حَتَّى غَطَّتْهُ إِنْ كَانَ لَا يُصِيبُ رَأْسَهُ وَلَا وَجْهَهُ فَلَابَأْسَ» بھائی آپ پڑھ چکے ہیں محرم کے لیے سر ڈھانپنا، سر اور چہرہ ڈھانپنا جائز نہیں ہے۔ تو اب اگر کوئی شخص بیت اللہ کے جو پردے ہیں، جو بیت اللہ کے اوپر کپڑا لٹکا ہوا ہے غلافِ کعبہ جو ہے، اب وہ بیت اللہ کے ساتھ وہ غلاف لٹکا ہوا ہے وہ اس کے اندر داخل ہو گیا، کیا ہوا اس کے اندر داخل ہو گیا، جیسے آپ وہاں جائیں گے اللہ ہم سب کو بار بار وہاں جانے کی توفیق نصیب فرمائے، کہ لوگ اسی طرح بیت اللہ کے ساتھ سینے کو لگائے ہوئے اللہ کے حضور دعاؤں میں، آہ وزاری میں اور رونے میں مصروف ہوتے ہیں۔ تو کوئی شخص اس طرح اس غلاف کے اندر داخل ہوا ہے اور تو کیا یہ جائز ہے یا جائز نہیں؟ کہتے ہیں بھائی بے شک پردہ اس آدمی کو ڈھانپ لے لیکن اگر اس کے سر اور چہرے پر نہیں لگ رہا تو جائز ہے، کیونکہ احرام کہاں پر تھا؟ سر اور چہرے میں، ان کو نہیں ڈھانپنا تھا، تو اگر ان پر وہ کپڑا نہیں لگ رہا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَوْ دَخَلَ تَحْتَ أَسْتَارِالْكَعْبَةِ» اور اگر محرم داخل ہو گیا کعبہ کے پردوں کے نیچے «حَتَّى غَطَّتْهُ» یہاں تک کہ ان پردوں نے اس کو ڈھانپ لیا «إِنْ كَانَ لَا يُصِيبُ رَأْسَهُ وَلَا وَجْهَهُ فَلَابَأْسَ» اگر وہ پردے نہیں لگ رہے اس کے سر کو اور اس کے چہرے کو، «فَلَا بَأْسَ» تو کوئی حرج نہیں ہے «لِأَنَّهُ اسْتِظْلَالٌ» کیونکہ یہ بھی سایہ لینا ہے، اور آپ پیچھے پڑھ چکے سایہ لینا جائز ہے بھائی۔

«وَلَا بَأْسَ أَنْ يَشُدَّ فِي وَسَطِهِ الْهِمْيَانَ وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُكْرَهُ إِذَا كَانَ فِيهِ نَفَقَةُ غَيْرِهِ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ» اور کوئی حرج نہیں ہے کہ محرم باندھ لے «فِي وَسَطِهِ» اپنے بیچ میں یعنی اپنی کمر پر «الْهِمْيَانَ» ہمیان کو۔ ہمیان بھائی وہ تھیلی، وہ پیٹی وغیرہ جس کے اندر حاجی اپنے پیسے وغیرہ اور چیزیں رکھتا ہے بھائی۔ احرام کی حالت میں اب دو چادریں پہنی ہوئی ہیں، جیب وغیرہ تو کوئی ہے نہیں اور پیسے اور چیزیں ساتھ رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ کیا کر لے؟ اپنی کمر پر کوئی تھیلی وغیرہ باندھ لے تو یہ جائز ہے بھائی، جیسے آپ آج کل بھی دیکھتے ہیں وہ چمڑے کی پیٹی جو ہے کمر پر باندھ لی جاتی ہے اور اسی کے اندر جیب وغیرہ، اسی کے اندر اپنے کاغذات اور پیسے وغیرہ انسان رکھ لیتا ہے حفاظت کے لیے، اپنے ساتھ رکھتا ہے، تو یہ جائز ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا بَأْسَ أَنْ يَشُدَّ فِي وَسَطِهِ الْهِمْيَانَ» اور کوئی حرج نہیں کہ محرم باندھ لے اپنے وسط پر یعنی اپنی کمر پر ہمیان کو، ہمیان وہ تھیلی بھائی۔ «وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُكْرَهُ» اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیان کو باندھنا مکروہ ہے، کب؟ «إِذَا كَانَ فِيهِ نَفَقَةُ غَيْرِهِ» جبکہ اس کے اندر کسی اور کا خرچہ ہو، کسی اور کے پیسے وغیرہ اور چیزیں ہیں اپنی چیزیں نہیں ہیں تو پھر یہ مکروہ ہے، اس لیے کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ تو اور دوسرے کی چیز ہے، ہاں اپنی چیز ہو تو پھر وہ فرماتے ہیں مکروہ نہیں ہے بھائی۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے: «إِذَا كَانَ فِيهِ نَفَقَةُ غَيْرِهِ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ» کہ جبکہ اس کے اندر کسی اور کا نفقہ ہو کیونکہ ضرورت نہیں ہے اس صورت میں۔ «وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى لُبْسِ الْمَخِيطِ» کہ ہم کہتے ہیں یہ تھیلی کا باندھ لینا یہ سلے ہوئے کپڑے پہننے کے معنیٰ میں نہیں ہے۔ مخیط، سلے ہوئے بھائی، یہ سلے ہوئے کپڑے پہننے کے معنیٰ میں نہیں ہے «فَاسْتَوَتْ فِيهِ الْحَالَتَانِ» تو برابر ہیں اس کے اندر دونوں حالتیں، چاہے اپنا نفقہ ہو اس کے اندر چاہے کسی اور کا نفقہ ہو، دونوں حالتیں اس میں برابر ہیں بھائی۔ منع کس سے کیا گیا ہے؟ سلے ہوئے کپڑے پہننے سے اور یہ تو اس کے معنیٰ میں نہیں ہے، تو لہٰذا جائز ہے۔

■ مسئلہ: وَلَا يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَلَا لِحْيَتَهُ بِالْخِطْمِيِّ

«وَلَا يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَلَا لِحْيَتَهُ بِالْخِطْمِيِّ» اور نہیں دھوئے گا محرم اپنے سر کو اور نہ اپنی داڑھی کو خطمی کے ساتھ۔ خطمی یہ ایک قسم کا پودا ہے، ایک بوٹی ہے جس کو جس کے ذریعے بال وغیرہ نرم ہو جاتے ہیں اور اس کی کچھ خوشبو وغیرہ بھی ہوتی ہے، اس لیے اس سے بھی منع کیا گیا کیونکہ خوشبو کی چیز استعمال کرنا درست نہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَلَا لِحْيَتَهُ بِالْخِطْمِيِّ» اور محرم نہیں دھوئے گا اپنے سر کو اور نہ اپنی داڑھی کو خطمی کے ساتھ «لِأَنَّهُ نَوْعُ طِيبٍ» اس لیے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی خوشبو ہے «وَلِأَنَّهُ يَقْتُلُ هَوَامَّ الرَّأْسِ» اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو ہے سر کی جوؤں کو قتل کر دیتی ہے۔ یہ خطمی کیا ہے؟ سر کی جوؤں کو قتل کر دیتی ہے، جوئیں ختم ہو جاتی ہیں اس سے، اور حالانکہ احرام کی حالت میں تو کسی کو بھی تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں حتیٰ کہ اپنے سر کی جوئیں مارنا بھی منع ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی، خوشبو والی کوئی چیز استعمال نہیں کر سکتا، لہٰذا یہ جو عام صابن ہیں نہانے کے یہ بھی استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کے اندر بھی کیا ہوتی ہے؟ خوشبو ہوتی ہے بھائی۔

قَالَ: «وَيُكْثِرُ مِنَ التَّلْبِيَةِ عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ وَكُلَّمَا عَلَا شَرَفًا أَوْ هَبَطَ وَادِيًا أَوْ لَقِيَ رُكْبَانًاوَبِالْأَسْحَارِ» یاد رکھیے بھائی، یہ جو تلبیہ ہے نا احرام کے اندر یہ نماز میں تکبیرات کے مثل ہے۔ جیسے نماز کے اندر تکبیرات ہیں اور ہر انتقال کی صورت میں یعنی جب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انسان منتقل ہوتا ہے نماز میں تو تکبیر کہتا ہے، تو اسی طرح تلبیہ ہے احرام میں۔ لہٰذا جب بھی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انسان منتقل ہو تو اس وقت بلند آواز سے تلبیہ کہے بھائی، ویسے بھی کہتا رہے لیکن بالخصوص ان مواقع پر تلبیہ کہے بھائی۔ لہٰذا وہ کسی بلندی پر چڑھتا ہے، کسی اترائی میں اترتا ہے، کوئی لوگوں سے راستے میں لوگ

سامنے آتے ہیں ان سے ملاقات ہو رہی ہے، وہ یا اسی طرح صبح کا وقت ہے، نمازوں کے بعد کا وقت ہے، ان اوقات میں وہ کثرت سے تلبیہ پڑھتا رہے بالخصوص بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: «وَيُكْثِرُ مِنَ التَّلْبِيَةِ» اور محرم جو ہے وہ کثیر کرے گا تلبیہ کو یعنی کثرت سے تلبیہ کہے «عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ» نمازوں کے بعد «وَكُلَّمَا عَلَا شَرَفًا» شرف کہتے اونچی جگہ کو «وَكُلَّمَا عَلَا شَرَفًا» اور جب بھی وہ چڑھے اونچی جگہ پر «أَوْ هَبَطَ وَادِيًا» یا اترے کسی وادی میں «أَوْ لَقِيَ رُكْبَانًا» یا ملاقات کرے سواروں سے، چلتا ہوا جا رہا ہے راستے میں کوئی سوار ملتے ہیں، سوار راستے میں آتے ہیں اس وقت بھی تکبیر کہے، سوار ضروری نہیں کوئی اور پیدل جماعت بھی آتی ہے تو بھی کیا کرے؟ دیکھو حالت بدل رہی ہے تو لہٰذا کیا کہتا رہے اس وقت بالخصوص؟ تلبیہ اونچی آواز، «وَبِالْأَسْحَارِ» اور صبح کے وقت میں «لِأَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانُوا يُلَبُّونَ فِي هَذِهِ الْأَحْوَالِ» اس لیے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو ہیں وہ تلبیہ پڑھتے تھے ان احوال میں «وَالتَّلْبِيَةُ فِي الْإِحْرَامِ عَلَى مِثَالِ التَّكْبِيرِ فِي الصَّلَاةِ» اور تلبیہ جو ہے احرام کے اندر یہ نماز میں تکبیر کی طرح ہے «فَيُؤْتَى بِهَا عِنْدَ الِانْتِقَالِ مِنْ حَالٍ إِلَى حَالٍ» لہٰذا اس کو لایا جائے گا یعنی یہ کہا جائے گا، یعنی تلبیہ کہا جائے گا جب انتقال ہو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف۔

■ مسئلہ: وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّلْبِيَةِ

«وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّلْبِيَةِ» اور محرم بلند کرے گا اپنی آواز کو تلبیہ کے ساتھ یعنی تلبیہ بلند آواز سے کہتا جائے گا «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے، آپ نے فرمایا: «أَفْضَلُ الْحَجِّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ» کہ افضل حج جو ہے وہ ہے جو عج ہو اور جو ثج ہو۔ افضل حج کیا ہے؟ جو عج اور ثج ہو، بھائی عج اور ثج کا کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں: «فَالْعَجُّ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ وَالثَّجُّ إِسَالَةُ الدَّمِ» عج جو ہے تلبیہ کے ساتھ آواز کو بلند کرنا ہے، «وَالثَّجُّ إِسَالَةُ الدَّمِ» اور ثج جو ہے خون بہانا ہے، خون کا بہا دینا یہ کیا ہے؟ ثج، تو حدیث کا کیا معنیٰ ہوا: «أَفْضَلُ الْحَجِّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ» افضل حج وہ ہے جس میں بلند آواز سے تلبیہ پڑھا جائے، «وَالثَّجُّ» اور جس میں خون بہایا جائے یعنی قربانی کی جائے۔

قَالَ: «فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ ابْتَدَأَ بِالْمَسْجِدِ» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ جب محرم جب داخل ہو جائے مکہ مکرمہ میں، «ابْتَدَأَ بِالْمَسْجِدِ» تو ابتدا کرے مسجد سے، کہاں چلا جائے؟ مسجد میں چلا جائے «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ سرورِ کونین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوتے تو مسجد میں داخل ہوتے تھے «وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ زِيَارَةُ الْبَيْتِ وَهُوَ فِيهِ» اور نیز اس لیے کیونکہ مقصود جو ہے وہ بیت اللہ کی زیارت ہے، «وَهُوَ فِيهِ» اور بیت اللہ تو اس مسجد میں ہے یعنی مسجد الحرام میں ہے۔

«وَلَا يَضُرُّهُ لَيْلًا دَخَلَهَا أَوْ نَهَارًا لِأَنَّهُ دُخُولُ بَلْدَةٍ فَلَا تَخْتَصُّ بِأَحَدِهِمَا» بھائی عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ رات کو حاجیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے منع فرماتے تھے۔ رات کے وقت مکہ میں داخل ہونے سے حاجیوں کو منع فرماتے تھے۔ تو صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے آپ کو کہ مکہ میں داخل ہونا شہر میں داخل ہونا ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے، شہر میں تو انسان دن کو بھی داخل ہو سکتا ہے اور رات کو بھی داخل ہو سکتا ہے، لہٰذا چاہے دن کو داخل ہو حاجی مکہ میں اور چاہے رات کو۔ اور باقی جو وہ منع فرماتے تھے تو فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ اس لیے نہیں منع فرماتے تھے کہ یہ حج کی ممنوعہ چیزوں میں سے یا احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے کوئی چیز ہے بلکہ چوروں سے بچانے کے لیے حاجیوں کو کیا فرماتے تھے کہ دن کے وقت داخل ہوں بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔ تو اسی لیے کہتے ہیں: «وَلَا يَضُرُّهُ لَيْلًا دَخَلَهَا أَوْ نَهَارًا» اور کوئی نقصان نہیں دے گا محرم کو رات کے وقت مکہ میں داخل ہونا یا دن کے وقت، یعنی کوئی نقصان نہیں ہے چاہے رات کو داخل ہو چاہے دن کو «لِأَنَّهُ دُخُولُ بَلْدَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ تو ایک شہر میں داخل ہونا ہے «فَلَا تَخْتَصُّ بِأَحَدِهِمَا» لہٰذا یہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ خاص نہیں ہو گا، یعنی نہ رات کے ساتھ اور نہ دن کے ساتھ، جب چاہے داخل ہو سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَإِذَا عَايَنَ الْبَيْتَ كَبَّرَ وَهَلَّلَ

«وَإِذَا عَايَنَ الْبَيْتَ كَبَّرَ وَهَلَّلَ» اور جب محرم جو ہے معاینہ کرے بیت اللہ کا یعنی جب مشاہدہ کرے یعنی جب پہلی نظر پڑے بیت اللہ پر، «كَبَّرَ وَهَلَّلَ» تو تکبیر کہے اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ کہے بھائی۔ تو اس وقت اَللّٰهُ أَكْبَرُ اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ کہے۔

«وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ إِذَا لَقِيَ الْبَيْتَ: بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ» حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بیت اللہ سے ملاقات کرتے تھے تو یہ فرماتے تھے، ملاقات کرتے تھے یعنی جب اس کو دیکھتے تھے پہلی مرتبہ تو یہ فرماتے تھے: «بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ» یہ ان سے منقول ہے بھائی۔

«وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَمْ يُعَيِّنْ فِي الْأَصْلِ لِمُشَاهِدِ الْحَجِّ شَيْئًا مِنَ الدَّعَوَاتِ» اور امام محمد رحمہ اللہ نے تعیین نہیں فرمائی اصل مبسوط

کے اندر حج کے مشاہدہ کرنے والے کے لیے دعاؤں میں سے کوئی چیز۔ امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط کے اندر حج کا مشاہدہ کرنے والا جو ہے یعنی بیت اللہ کا جو وہ جو حاجی ہے اور بیت اللہ کا مشاہدہ کرنے والا ہے اس کے لیے دعاؤں میں سے کسی دعا کی تعیین نہیں فرمائی کہ اس وقت یہ دعا پڑھے «لِأَنَّ التَّوْقِيتَ يَذْهَبُ بِالرِّقَّةِ» اس لیے کیونکہ مقرر کرنا یہ رقت کو لے جاتا ہے، دل کی جو نرمی ہے اس کو لے جاتا ہے۔ جیسے میں نے پہلے ذکر کیا تھا کہ بعض لوگ کیا کر رہے ہوتے ہیں؟ طواف وغیرہ میں کتابیں پڑھ رہے ہوتے ہیں، کتابوں سے کتابیں ہاتھ میں ہوتی ہیں اور اس سے دعائیں پڑھ رہے ہوتے ہیں، اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ مناسب نہیں ہے بلکہ بہتر کیا ہے؟ انسان خود دعا کرے بھائی۔ خود جو دعا ہو گی وہ دل سے ہو گی اور اس میں زیادہ اثر ہو گا اور وہ رقتِ قلب کے ساتھ ہو گی۔ تو لہٰذا امام محمد رحمہ اللہ نے بھی کسی دعا کی اس موقع پر تعیین نہیں فرمائی کیونکہ اگر مقرر کر دیا جائے کہ یہ دعا پڑھنی ہے تو یہ رقتِ قلبی کو لے جائے گی، دل میں وہ نرمی نہیں رہے گی جو کہ خود انسان جب دعا کرے گا اس میں جو دل کی نرمی ہو گی وہ کسی معین دعا کے اندر وہ نہیں ہو گی۔ یہ معنیٰ ہے «لِأَنَّ التَّوْقِيتَ يَذْهَبُ بِالرِّقَّةِ» اس لیے کیونکہ مقرر کرنا وہ دل کی نرمی کو ختم کر دیتا ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ تَبَرَّكَ بِالْمَنْقُولِ مِنْهَا فَحَسَنٌ

«وَإِنْ تَبَرَّكَ بِالْمَنْقُولِ مِنْهَا فَحَسَنٌ» آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: اور اگر محرم برکت حاصل کرتا ہے ان دعاؤں میں سے کسی منقول دعا کے ذریعے «فَحَسَنٌ» تو یہ اچھا ہے۔ کوئی ایسی دعا بھی پڑھ لے جو منقول ہے اسی طرح جیسے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا پڑھا کرتے تھے: بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، تو یہ بھی اگر وہ پڑھ لے تو یہ اچھا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا کتاب وغیرہ سے بھی دعا کوئی پڑھتا ہے ٹھیک ہے اچھی بات ہے پڑھ لے، لیکن خود بھی دعا ہونی چاہیے تاکہ پوری طرح دل کی نرمی اور اخلاص اور رقت کے ساتھ وہ دعا ہو بھائی۔

قَالَ: «ثُمَّ ابْتَدَأَ بِالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَاسْتَقْبَلَهُ وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ» جی حاجی پہنچ گیا بھائی، حرم شریف پہنچ گیا، بیت اللہ کی اس نے زیارت کر لی بھائی۔ یاد رکھیے بیت اللہ پر جب پہلی نظر پڑتی ہے اس وقت اللہ دعائیں قبول فرماتے ہیں، تو یہاں انسان خوب دعائیں کر لے بھائی، خوب دعائیں جس قدر دعائیں ہو سکے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ والد صاحب رحمہ اللہ وہ اس موقع پر بڑی طویل دعا فرماتے تھے بھائی، بڑی طویل دعا، اور ان کا طریقہ عجیب تھا، ان کا طریقہ عجیب تھا۔ وہ جب مسجد الحرام کے پاس پہنچ جاتے تو دروازے سے باہر ہی ایک طرف کھڑے ہو جاتے، بیت اللہ پر ابھی پہلی نظر نہیں پڑی، اور وہاں بڑی طویل دعا فرماتے تھے، ادھا پونا گھنٹہ وہ دعاؤں میں مشغول رہتے بھائی، بیت اللہ کی طرف رخ کیا ہوا ہے، ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں اور دعائیں مانگتے جا رہے ہیں۔ اور پھر غالباً اس وقت تو ہم نے پوچھا نہیں لیکن میرا خیال ہے پھر اندر جا کر جیسے ہی پہلی نظر پڑتی ہو گی یقیناً یہ فرماتے ہوں گے کہ اے اللہ میں نے جو ابھی دعائیں کیں، آپ بیت اللہ کی پر پہلی نظر کے موقع پر آپ ایک دعا قبول فرماتے ہیں تو میں یہ دعا کرتا ہوں کہ میری وہ ساری دعائیں قبول فرما لیں بھائی۔ تو دیکھو ایک ہی دعا کے اندر وہ ساری دعائیں آ جاتی ہیں بھائی، اللہ! اور وہاں ان مقامات پر ان کے عشق و محبت کو انسان دیکھتا تھا، حیران رہ جاتا تھا، اتنی ہمت دن رات جو ہیں اعمال کے اندر مصروف ہوتے تھے، دن رات بھائی، دن رات۔ اور بیت اللہ کے ساتھ ہی جو پہاڑ ہے جبل ابو قبیس، اس کے ساتھ ہی بادشاہوں نے بڑا اونچا محل بنایا ہے، کئی منزلہ اونچی عمارت ہے۔ والد صاحب اس کو سخت ناپسند فرماتے تھے کہ بیت اللہ کے پاس اتنی اونچی عمارت تعمیر کیوں کی انہوں نے؟ ظاہری اعتبار سے بھی بیت اللہ کے قریب کوئی اونچی عمارت نہیں ہونی چاہیے کہ جس سے بیت اللہ کی ظاہری ظاہری طور پر بھی کوئی چیز اس سے اونچی ہو بھائی، سمجھ میں آیا؟ اور جس سے اس کی عظمت میں بظاہر کچھ کمی کا شبہ پڑے بھائی، تو وہ اس کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے آپ جب طواف وغیرہ سے فارغ ہو جاتے تو آپ نے اپنے بیٹھنے کی جو جگہ منتخب کی ہوئی تھی وہ بھی ایسی جگہ پر بیٹھتے تھے کہ آپ کا رخ بیت اللہ کی طرف ہوتا تھا تو پشت ان محلوں کی طرف ہوتی تھی بھائی۔ بیٹھتے بھی ایسی جگہ سے، ہمیشہ ان کی یہ عادت رہی۔ اور وہ یہ جو حجر اسود جو ہے اس کے ساتھ ایک طرف کو دروازہ ہے اور ساتھ دوسری طرف جو ہے بیت اللہ کی اس کی سیدھ میں طواف سے ذرا ہٹ کر پیچھے صحن میں بیٹھتے تھے بھائی۔ اور تو جو جاننے والے ہوتے ان کو علم ہوتا تھا کہ حضرت یہاں بیٹھے ہوں گے اگر آئے ہوئے ہیں، اور وہاں آسانی سے ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ ایسا ہی ایک واقعہ ذکر کیا بھائی، بعض علماء نے ذکر کیا، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت وہاں بیٹھے ہوئے تھے ہم نے دیکھا تو ہم بھی سلام کیا اور جا کر بیٹھ گئے حضرت کے پاس۔ کئی افراد، کئی علماء بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت سے مختلف قسم کے سوالات کر رہے ہیں اور وہ جوابات دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں ایک سوال ایک شخص نے پوچھا، کہنے لگا کہ حضرت یہ بزرگوں نے لکھا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ ذکر کرتے ہوئے انسان پر ایسی کیفیت آتی ہے کہ بعض اوقات وہ بیٹھا اپنے گھر پر ہوا ہے، کسی دوسرے شہر میں ہے، کسی دوسرے ملک میں بیٹھا ہوا ہے، اور کیفیت آتی ہے وہ بعد میں بتلاتے ہیں کہ ہم نے اس حالت میں بیت اللہ کا مشاہدہ کیا، بعض کہتے ہیں ہم باقاعدہ یوں وہاں پہنچ گئے تھے اور ہم نے وہاں کچھ عبادت وغیرہ بھی کی اور پھر واپس جب ذکر ختم ہوتا ہے ہم واپس آ چکے ہوتے ہیں اپنی جگہ پر۔ اسی طرح اسی کے اندر بعض بزرگوں کو اسی ذکر کے اندر بعض اوقات جو ہے وہ جنت کا مشاہدہ ہو جاتا ہے، بعض کو اسی طرح جہنم کا مشاہدہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اور چیزوں کا بعض اوقات مشاہدہ ہوتا ہے، تو کیا واقعی ایسا ہوتا ہے؟ یہ انہوں نے سوال کیا۔ تو وہ عالمِ دین جو اس واقعے کو نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت نے ان کا سوال سن کر چند لمحے خاموش رہے اور پھر فرمانے لگے: ہاں ایسا ہوتا ہے، لیکن جس شخص پر یہ احوال آئیں یہ عوام کو بتانے والی چیزیں نہیں ہیں، یہ اس کو اپنے پاس ہی محفوظ اس کو اس کو چھپا کر ان چیزوں کو رکھنا چاہیے، لوگوں کو یہ بتانے والی باتیں نہیں ہیں۔ تو یہ جواب دیا تو وہ شخص پھر کہنے لگا کہ حضرت یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیسے وہ اس نے جنت کا مشاہدہ کر لیا یا آسمان کا یا کسی چیز کا اس طرح یا مسجد الحرام کا اس نے مشاہدہ کر لیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو کہتے ہیں حضرت نے عجیب جواب دیا، کہتے ہیں اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے

لگے کہ روایات میں آتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ یہ حرم شریف کے سارے پتھر اور یہ پہاڑ وغیرہ یہ ہر وقت ذکر اللہ میں مصروف رہتے ہیں، کیا تم ان کے ذکر کو سن رہے ہو؟ وہ کہنے لگا نہیں، تو حضرت فرمانے لگے کہ اگر تم سن لو تم برداشت بھی نہ کر سکو اور میں اس وقت ان کے ذکر کو سن رہا ہوں۔ تو یہ وہ بیت اللہ کے صحن میں، مسجد کے اندر وہاں بیٹھے ہوئے آپ نے ان سے فرمایا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ روحانی دنیا ہے بھائی اور روحانی دنیا اور جس کا جتنا مقام اونچا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس بہت سی چیزیں اس کو دکھا دیتے ہیں، اس کو سنوا دیتے ہیں۔ اچھا بھائی، جی آگے کتاب پر دیکھیے بھائی۔

اب حجر اب ابتدا ہونے لگی ہے طواف کی اور طواف کا طریقہ میں نے بتلایا تھا کہ کیا کرے گا؟ حجر اسود سے ابتدا ہو گی اور کتنے چکر لگائے گا؟ سات چکر، اب یہ تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔

قَالَ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «**ثُمَّ ابْتَدَأَ بِالْحَجَرِالْأَسْوَدِ**» پھر ابتدا کرے حجر اسود سے، «**فَاسْتَقْبَلَهُ**» تو حجر اسود کا استقبال کرے یعنی اپنا رخ اس کی طرف کرے، «**وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ**» اور تکبیر کہے، «**وَهَلَّلَ**» اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے بھائی۔ «**لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَابْتَدَأَ بِالْحَجَرِ فَاسْتَقْبَلَهُ وَكَبَّرَوَهَلَّلَ**» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو آپ نے حجر اسود سے ابتدا فرمائی، «**فَاسْتَقْبَلَهُ**» تو آپ نے حجر اسود کا استقبال کیا یعنی اس کی طرف رخ کیا، «**وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ**» اور تکبیر کہی اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا۔

قَالَ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «**وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ**» اور اپنے ہاتھوں کو اٹھائے بھائی، اپنے ہاتھوں کو اٹھائے بھائی «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: «**لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ**» کہ ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے مگر سات جگہوں کے اندر، «**وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا اسْتِلَامَ الْحَجَرِ**» اور ان کے مجموعے میں سے آپ نے استلامِ حجر کو بھی ذکر فرمایا، کس کو؟ استلامِ حجر۔ یاد رکھیے یہ استلام کا لفظ بار بار آئے گا۔ استلام اس کو کہتے ہیں کہ استلامِ حجر یعنی حجر اسود کا استلام، استلام یہ کہ پتھر کو ہاتھ لگانا، ہاتھ سے چھونا، اس حجر اسود کو ہاتھ سے چھونا یا اسی طرح اس کا بوسہ لے لینا وغیرہ، یہ کیا ہے؟ استلام ہے، استلام۔ تو ان میں سے ایک استلامِ حجر ہے۔

■ مسئلہ: وَاسْتَلَمَهُ إِنِ اسْتَطَاعَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤْ...

«**وَاسْتَلَمَهُ إِنِ اسْتَطَاعَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤْذِيَ مُسْلِمًا**» اور حجر اسود کا استلام کرے وہ محرم، وہ طواف کی جو ابتدا کر رہا ہے وہ استلام کرے حجر اسود کا «**إِنِ اسْتَطَاعَ**» اگر اس کی استطاعت ہو اس میں «**مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤْذِيَ مُسْلِمًا**» بغیر اس کے کہ وہ اذیت دے، تکلیف دے «**مُسْلِمًا**» کسی مسلمان کو۔ تو بھائی حجر اسود طواف کی ابتدا میں حجر اسود کا بوسہ لیا جائے گا اور پھر ہر چکر کے میں اسی طرح جب حجر اسود پر پہنچے گا اس کا بوسہ لیا جائے گا، لیکن حجر اسود پر بے انتہا ہجوم ہوتا ہے، اس تک پہنچنا مشکل اور خصوصاً حج کے ایام میں تو ویسے ہی بہت زیادہ ہجوم ہوتا ہے، تو اگر بوسہ نہ لے سکے تو پھر اپنا ہاتھ ہی کم از کم اس پر لگا کر اس کو بوسہ دے دے یا کوئی رومال یا کوئی لاٹھی وغیرہ ہے وہ حجر اسود پر لگا کر اس کو بوسہ دے دے، لیکن یہ بھی بڑا مشکل ہوتا ہے حجر اسود کے تو کوئی قریب بھی نہیں جا سکتا اس وقت، تو پھر استقبالِ حجر اسود کر لے، اور وہ یہ کہ حجر اسود کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو جائے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھائے کندھوں کے لگ بھگ اور کندھوں کے برابر اور پھر تکبیر کہے، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے، یا اسی طرح میں بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہے اور پھر ان ہاتھوں کو بوسہ دے دے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور میں نے بتلایا تھا کہ سعودی حکومت نے حاجیوں کی آسانی کے لیے حجر اسود کی سیدھ کا جس سے پتہ چلے ایک سبز رنگ کی لائٹ ہے جو حجر اسود کے سامنے برآمدہ ہے وہاں پر لگا دی ہے، تو جب انسان حجر اسود اور اس سبز لائٹ کے درمیان میں پہنچے، ایک طرف حجر اسود ہو دوسری طرف سبز لائٹ ہو تو یہ عین اس کی سیدھ میں آگیا، اس جگہ پر وہ اپنا رخ حجر اسود کی طرف کر لے اور رخ کر لے، دونوں ہاتھ اٹھائے اور اسی طرح تکبیر و تہلیل کہے، بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہہ لے اور ہاتھوں کو بوسہ دے دے بھائی، یہ ہے استقبالِ حجر بھائی، استقبالِ حجر۔

اور پہلے چند سال پہلے سعودی حکومت نے حاجیوں کی آسانی کے لیے فرش پر بھی ایک سیاہ پٹی بنا دی تھی، سیاہ پٹی، جو حجر اسود سے شروع ہو کر اس سبز لائٹ تک جاتی تھی، تو وہ فرش پر بھی انسان چلتے ہوئے اس پر نظر رکھتا تو پتہ چل جاتا تھا کہ اب وہ حجر اسود کی سیدھ میں پہنچ گیا ہے، لیکن اب وہ کالی پٹی جو تھی اس کو ختم کر دیا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ سارے اس پٹی پر آ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور پیچھے والوں کو بڑی تکلیف ہوتی تھی بھائی، بڑی تکلیف ہوتی تھی، اب کھڑے ہو گئے، رخ ارام سے بیت اللہ کی طرف کیا حجر اسود کی طرف اور وہ استلام کر رہے ہیں۔ تو لہٰذا اس پٹی کو ختم کر دیا، بس وہ نشانی کے طور پر البتہ وہ سبز لائٹ ہے۔ تو وہ حاجی جو ہیں اب ایک ہی مقام پر سارے نہیں کھڑے ہوتے، کوئی ایک دو قدم پیچھے ہو گا کوئی ایک دو چار قدم آگے ہو گا، اپنا اندازہ لگا کر وہ کھڑا ہو گا تو اس وجہ سے پھر لوگوں کے لیے کیا ہو گئی کچھ آسانی ہو گئی بھائی آسانی، تو اس لیے انہوں نے وہ پٹی ختم کر دی بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**وَاسْتَلَمَهُ إِنِ اسْتَطَاعَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤْذِيَ مُسْلِمًا**» اور حجر اسود کا استلام کر لے اگر اس میں استطاعت ہو بغیر اس کے کہ وہ تکلیف دے کسی مسلمان کو «**لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَبَّلَ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَوَضَعَ شَفَتَيْهِعَلَيْهِ**» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے «**قَبَّلَ الْحَجَرَالْأَسْوَدَ**» کہ آپ نے بوسہ دیا حجر اسود کو «**وَوَضَعَ شَفَتَيْهِعَلَيْهِ**» اور آپ نے اپنے ہونٹ مبارک

جو ہیں ان کو اس پر رکھا، اس حجر اسود پر رکھا «وَقَالَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: إِنَّكَ رَجُلٌ أَيِّدٌ تُؤْذِي الضَّعِيفَ فَلَا تُزَاحِمِ النَّاسَ عَلَى الْحَجَرِ وَلَكِنْ إِنْ وَجَدْتَ فُرْجَةً فَاسْتَلِمْهُ وَإِلَّا فَاسْتَقْبِلْهُ وَهَلِّلْ وَكَبِّرْ» یہاں تک ہے حدیث بھائی۔ اور حضور علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: «إِنَّكَ رَجُلٌ أَيِّدٌ» کہ یقیناً تم ایک طاقتور آدمی ہو، قوت والے آدمی ہو، «تُؤْذِي الضَّعِيفَ» تم کمزور کو تکلیف دو گے، «فَلَا تُزَاحِمِ النَّاسَ عَلَى الْحَجَرِ» لہٰذا مقابلہ نہ کرنا لوگوں سے حجر اسود پر۔ تم طاقتور آدمی ہو تو یہ نہ ہو کہیں تم حجر اسود کے بوسہ لینے کے لیے جاؤ اور لوگوں سے مقابلہ کرنے لگو تو یقیناً لوگوں کو تکلیف ہو گی کیونکہ طاقتور ہو تم اور باقی لوگ تو کیا ہوں گے؟ ضعیف ہوں گے۔ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے حضرت عمر سے کہ تم قوی آدمی ہو، «تُؤْذِي الضَّعِيفَ» تم ضعیف کو تکلیف دو گے «فَلَا تُزَاحِمِ النَّاسَ عَلَى الْحَجَرِ» لہٰذا تم مقابلہ نہ کرنا لوگوں سے حجر اسود پر «وَلَكِنْ إِنْ وَجَدْتَ فُرْجَةً فَاسْتَلِمْهُ» لیکن اگر تم فرجہ پاؤ یعنی کشادگی پاؤ یعنی کھلی جگہ پالو، جگہ مل جائے تمہیں «فَاسْتَلِمْهُ» تو پھر کیا کر لو؟ حجر اسود کا استلام کر لو، اس کا بوسہ لے لو، «وَإِلَّا» اور اگر ایسا نہ ہو یعنی کشادہ جگہ نہ ہو اور ہجوم ہو «فَاسْتَقْبِلْهُ وَهَلِّلْ وَكَبِّرْ» تو پھر اس حجر اسود کا استقبال کر لو اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ لو اور اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ لو بھائی۔ حدیث کا معنیٰ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو معلوم ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ انسان دور سے کیا کر لے؟ استقبال کر لے کیونکہ قریب جائے گا تو پھر یقیناً لوگوں کو دھکے وغیرہ دینے پڑیں گے، ویسے تو انسان پہنچ ہی نہیں سکتا، تو دور سے استقبال کر لے بھائی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الِاسْتِلَامَ سُنَّةٌ وَالتَّحَرُّزَ عَنِ...

«وَلِأَنَّ الِاسْتِلَامَ سُنَّةٌ وَالتَّحَرُّزَ عَنْ أَذَى الْمُسْلِمِ وَاجِبٌ» اور دوسری عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ استلام جو ہے وہ سنت ہے «وَالتَّحَرُّزَ عَنْ أَذَى الْمُسْلِمِ وَاجِبٌ» اور بچنا مسلمان کو تکلیف دینے سے «وَاجِبٌ» یہ کیا ہے؟ واجب ہے، لہٰذا سنت پر عمل کرنے کے لیے بھائی دوسروں کو تکلیف نہ دے بھائی۔

قَالَ: «وَإِنْ أَمْكَنَهُ أَنْ يَمَسَّ الْحَجَرَ بِشَيْءٍ فِي يَدِهِ كَالْعُرْجُونِ وَغَيْرِهِ ثُمَّ قَبَّلَ ذَلِكَ فَعَلَهُ» بھائی یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ اگر اگر حجر اسود کو کسی اور چیز کے ذریعے آپ چھو سکتے ہیں، مثلاً آپ کے ہاتھ میں کوئی لاٹھی وغیرہ ہے یا کچھ اس کو اگر آپ حجر اسود کو لگا کر اس کو بوسہ دے سکتے ہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں، اس کو بھی بوسہ دے سکتے ہیں، کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنی سواری پر طواف فرمایا اور آپ جو ہے یہ حجر اسود وغیرہ کا استلام لاٹھی تھی آپ کے ہاتھ میں اس کے ذریعے استلام فرماتے تھے بھائی اس کے ذریعے۔ «وَإِنْ أَمْكَنَهُ أَنْ يَمَسَّ الْحَجَرَ بِشَيْءٍ فِي يَدِهِ» اور اگر محرم کے لیے ممکن ہو کہ وہ کہ وہ چھو لے حجر اسود کو کسی چیز کے ذریعے جو اس کے ہاتھ میں ہو «كَالْعُرْجُونِ» عرجون کہتے ہیں کھجور کا خوشہ بھائی، کھجور کا بھائی کھجور جو ہے یہ خوشوں پر لگتی ہے تو وہ اچھا خاصا بڑا اور لمبا خوشہ ہوتا ہے، اس سے کھجوریں اتار لی جائیں تو وہ خالی خوشہ ہے مثلاً کسی کے ہاتھ میں اور کھجوریں اتار چکا ہے، وہ اگر اس کے ہاتھ میں ہے یا اس جیسی اور کوئی لاٹھی، عصا وغیرہ ہے وہ حجر اسود کو لگا سکتا ہے تو وہ بھی کر سکتا ہے۔ «كَالْعُرْجُونِ وَغَيْرِهِ» جیسے کھجور کا خوشہ وغیرہ ہے، «ثُمَّ قَبَّلَ ذَلِكَ» اور پھر اس کو اس کا بوسہ لے لیتا ہے «فَعَلَهُ» تو ایسا کر لے۔ اگر ممکن ہو محرم کے لیے کہ وہ حجر اسود کو کسی چیز کے ذریعے چھو سکے اور پھر اس کا بوسہ لے سکے «فَعَلَهُ» تو ایسا کر لے۔

«لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ طَافَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَاسْتَلَمَ الْأَرْكَانَ بِمِحْجَنِهِ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف فرمایا اپنی سواری پر «وَاسْتَلَمَ الْأَرْكَانَ» اور ارکان کا استلام کیا، کس کا؟ ارکان کا استلام کیا «بِمِحْجَنِهِ»، محجن کہتے ہیں وہ لاٹھی بھائی عام لاٹھی جو آپ دیکھتے ہیں عصا جس کا ایک کنارہ مڑا ہوتا ہے، جو ہاتھ میں حصہ ہوتا ہے وہ اس کا مڑا ہوا ہوتا ہے تو اس لاٹھی کو اس عصا کو محجن کہتے ہیں، تو حضور علیہ السلام ارکان کا استلام فرماتے تھے «بِمِحْجَنِهِ» اپنی اپنے عصا کے ذریعے بھائی عصا کے ذریعے۔

ارکان کا ذکر آیا بھائی، رکن سے بیت اللہ کے کونے مراد ہیں، رکن، کونے کو کیا کہتے ہیں؟ رکن۔ تو یہ ایک رکن جو ہے ایک کونے پر تو حجر اسود ہے، اسی طرح حجر اسود سے طواف شروع کرتا ہے انسان اور بیت اللہ کے گرد دروازے کی طرف چلنا شروع کرتا ہے، بایاں کندھا کس طرف ہوتا ہے؟ بیت اللہ کی طرف ہوتا ہے، آگے چلے گا تو آگے حطیم آ جائے گا، حطیم کے حصے بھی باہر باہر سے چکر لگا کر آئے گا تو تو اب آگے پھر حجر اسود نے اسی کنارے پر پہنچے گا تو حجر اسود سے جو پہلا کونا آئے گا، آخری آخری کونا آئے گا اس پر بھی ایک پتھر نصب ہے اور اس کونے کو رکن یمانی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ رکن یمانی کہتے ہیں، تو اس کا بھی استلام کرے گا، کس کا؟ اس کا، لیکن فرق یہ ہے کہ حجر اسود کو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا ہے اور رکن یمانی جو ہے اس کو بوسہ نہیں دیں گے بس ہاں استلام کر لیں گے، ہاتھ وغیرہ اس کو لگا دیں گے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ یہ بھی اگر ہجوم نہ ہو بھائی، ہجوم نہ ہو۔ یہ معنیٰ ہے «وَاسْتَلَمَ الْأَرْكَانَ بِمِحْجَنِهِ» اور حضور علیہ السلام نے ارکان کا استلام فرمایا کس کے ذریعے؟ اپنی اپنی لاٹھی کے ذریعے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ

«وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ» اور اگر ان میں سے کسی چیز کی استطاعت نہیں ہے، یعنی حجر اسود کو بوسہ بھی نہیں دے سکتا، اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا، یا کوئی لاٹھی وغیرہ بھی اس کو یا رومال وغیرہ وہ بھی نہیں لگا سکتا، ہجوم اتنا زیادہ ہے تو «اسْتَقْبَلَهُ» پھر کیا کرلے محرم؟ حجر اسود کا استقبال کرلے، دور سے ہی اس کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو «وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ» اور تکبیر کہے اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے «وَحَمِدَ اللّٰهَ» اور اللہ کی حمد بیان کرے «وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟

قَالَ: «ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ مِمَّا يَلِي الْبَابَ» قَالَ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ جب حجر اسود کا استقبال کرلیا یا استلام کرلیا «ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ» پھر شروع ہو اپنی دائیں طرف بھائی «مِمَّا يَلِي الْبَابَ» یعنی وہ جانب جو دروازے کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اس جانب سے جو دروازے کے ساتھ ملی ہوئی ہے، بھائی دیکھیے جب آپ نے حجر اسود کا استلام کیا تو دروازہ آپ کے دائیں طرف تھا، حجر اسود کی طرف جب رخ کریں گے دروازہ آپ کے دائیں طرف ہوگا اور جب استلام کرلیا ادھر ہی کو چلنا ہے، جب ادھر کو اب رخ کرکے چلیں گے اب آپ کا بایاں کندھا کس کی طرف ہوگیا؟ بیت اللہ کی طرف ہوگیا، ترتیب سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ یہ معنیٰ ہے «ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ» تو وہ اپنی دائیں طرف شروع کرے، تو استلام کے وقت دروازہ دائیں طرف تھا تو اس طرف چلنا تو اور پھر جب چلے گا تو بایاں کندھا بیت اللہ کی طرف رہے گا۔ «ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ مِمَّا يَلِي الْبَابَ» پھر شروع ہو اپنی دائیں طرف مما یلی الباب یعنی وہ جانب جو دروازے کے ساتھ ہے «وَقَدِ اضْطَبَعَ رِدَاءَهُ» بھائی یہ اضطباع کا ذکر آگیا، میں نے بتلایا تھا کہ کیا کرے گا؟ ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو اس میں محرم کیا کرے گا؟ اضطباع کرے گا، اضطباع کسے کہتے تھے؟ ہاں دائیں کندھے کو ننگا کرنا ہے، بھائی جیسے آپ عام چادر اوڑھتے ہیں نا تو اسی طرح چادر کو اوڑھنا ہے لیکن عام حالت میں چادر دائیں کندھے کے اوپر سے لے کر آتے ہیں اور پھر بائیں کندھے پر ڈالتے ہیں، اب آپ نے کیا کرنا ہے؟ دائیں کندھے کے نیچے بغل کے نیچے سے گزار لیں گے تو دایاں کندھا ننگا رہے گا بھائی، طریقہ سمجھ میں آگیا؟ اور یہ کب کرنا ہے؟ جب طواف کرنے لگیں، اس سے پہلے ضروری نہیں، یہی بیان کرنے لگے ہیں کہ پھر شروع ہو جائے دائیں طرف یعنی جو دروازے کی جانب ہے «وَقَدِ اضْطَبَعَ رِدَاءَهُ» اس حال میں کہ وہ اپنی چادر کا اضطباع کرچکا ہے، شروع ہو جائے اس حال میں کہ وہ کیا کرچکا ہے؟ اضطباع کرچکا ہے یعنی اضطباع پہلے سے ہی کرلینا ہے آپ نے طواف شروع کرنے لگے ہیں تو۔

«فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ» تو چکر لگائے بیت اللہ کے «سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ» سات چکر «لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اسْتَلَمَ الْحَجَرَ ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ مِمَّا يَلِي الْبَابَ فَطَافَ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے «اسْتَلَمَ الْحَجَرَ» آپ نے حجر اسود کا استلام کیا، حَجَر حَجَر یاد رکھنا یہ ج پر زبر پڑھنی ہے ساکن نہیں پڑھنا اس کو، «اسْتَلَمَ الْحَجَرَ» آپ نے حجر اسود کا استلام کیا «ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ مِمَّا يَلِي الْبَابَ» پھر آپ شروع ہوئے اپنی دائیں جانب جو کہ دروازے کے ساتھ ملی ہوئی ہے «فَطَافَ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ» پس آپ نے سات چکر لگائے بھائی، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چکر لگائے۔

آگے اب اضطباع کسے کہتے ہیں وہ صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: کہتے ہیں: «وَالِاضْطِبَاعُ أَنْ يَجْعَلَ رِدَاءَهُ تَحْتَ إِبْطِهِ الْأَيْمَنِ وَيُلْقِيَهُ عَلَى عَاتِقِهِ الْأَيْسَرِ» کہ محرم اپنی چادر کر دے «تَحْتَ إِبْطِهِ الْأَيْمَنِ» اپنی دائیں بغل کے نیچے سے «وَيُلْقِيَهُ عَلَى عَاتِقِهِ الْأَيْسَرِ» اور پھر اس کو ڈال دے اپنے بائیں کندھے پر، بائیں کندھے کے اوپر ڈال دے اور دائیں بغل کے نیچے سے گزار دے «وَهُوَ سُنَّةٌ» اور یہ سنت ہے، لہٰذا اگر بھول بھی گیا ہے تو اس سے کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہوگا بھائی۔ «وَقَدْ نُقِلَ ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور تحقیق یہ منقول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

قَالَ: «وَيَجْعَلُ طَوَافَهُ مِنْ وَرَاءِ الْحَطِيمِ» بھائی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب طواف کرنا ہے تو حطیم کے باہر باہر سے ہی کرنا ہے کیونکہ حطیم بھی کس کا حصہ ہے دراصل؟ بیت اللہ کا حصہ ہے۔ تو حطیم کے باہر سے طواف کرے ورنہ حطیم کے جو دونوں کنارے ہیں حطیم تو نصف دائرے کی دیوار ہے نا بیت اللہ کے ساتھ نصف دائرے کی صورت میں، اس کے جو دونوں کنارے ہیں وہ بیت اللہ سے الگ ہیں، بیچ میں راستہ ہے، انسان ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل سکتا ہے لیکن بیچ میں سے طواف نہیں کرنا بلکہ حطیم کے باہر باہر سے کہ حطیم بھی چکر کے اندر آجائے بھائی۔ تو کہتے ہیں: قَالَ: «وَيَجْعَلُ طَوَافَهُ مِنْ وَرَاءِ الْحَطِيمِ» اور وہ طواف کرنے والا جو ہے وہ اپنا طواف حطیم کے پیچھے سے کرے گا یعنی اس کے باہر سے کرے گا «وَهُوَ اسْمٌ لِمَوْضِعٍ فِيهِ الْمِيزَابُ» بھائی حطیم کہتے کس کو ہیں؟ میں نے تو آپ کو تفصیل بتلا دی، اب صاحبِ ہدایہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں حطیم جو ہے: «وَهُوَ اسْمٌ» وہ نام ہے «لِمَوْضِعٍ» اس جگہ کا «فِيهِ الْمِيزَابُ» جس کے اندر پرنالہ ہے۔ اسی حطیم کے اندر بیت اللہ کا پرنالہ بھی ہے، سمجھ میں آئی بات؟ بارش ہو تو بیت اللہ کی چھت سے جو پانی ہے وہ پرنالے کے ذریعے حطیم کے اندر گرتا ہے بھائی۔ تو اسی لیے کہا: «وَهُوَ اسْمٌ لِمَوْضِعٍ فِيهِ الْمِيزَابُ» یہ نام ہے اس جگہ کا جس کے اندر پرنالہ ہے «يُسَمَّى بِهِ لِأَنَّهُ حُطِمَ مِنَ الْبَيْتِ أَيْ كُسِرَ» وجہ ذکر کر رہے ہیں اس کو حطیم کیوں کہتے ہیں بھائی؟ کہتے ہیں «يُسَمَّى بِهِ» اس کا یہ نام رکھا گیا «لِأَنَّهُ حُطِمَ مِنَ الْبَيْتِ أَيْ كُسِرَ» حُطِمَ کا معنیٰ كُسِرَ، یعنی اس کو بیت اللہ سے توڑا گیا ہے۔ بیت اللہ سے توڑا گیا، میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ قریش والوں نے صرف حلال مال لگانے کی شرط لگائی تھی تعمیر کے اندر،

اور حلال مال سے تو سارا پورا نہیں ہو سکتا تھا تو اس لیے اس کو بیت اللہ سے کچھ حصے کو چھوڑ دیا اور باقی پر عمارت بنا دی گئی، تو یہ بیت اللہ ہی سے توڑا گیا ہے اس کو جدا کیا گیا ہے۔ یہ معنیٰ ہے «لِأَنَّهُ حُطِمَ مِنَ الْبَيْتِ أَيْ كُسِرَ» یعنی اس کو بیت اللہ سے توڑا گیا ہے «وَسُمِّيَ حِجْرًا» اور اس کو حجر بھی کہتے ہیں، حطیم کو حجر بھی کہتے ہیں حجر حا کے کسرہ کے ساتھ، کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ حُجِرَ مِنْهُ أَيْ مُنِعَ» یعنی اس کو روکا گیا ہے اس سے یعنی بیت اللہ سے۔ اس حصے کو کیا کر لیا گیا بیت اللہ سے روک دیا گیا یعنی ساتھ نہیں ملایا گیا، اور کیوں نہیں ملایا گیا؟ کیونکہ خرچہ پورا نہیں تھا بھائی۔ «وَهُوَ مِنَ الْبَيْتِ» اور حال یہ ہے کہ یہ بیت اللہ میں سے ہے۔ صاحب ہدایہ کیا فرما رہے ہیں؟ حطیم کس میں سے ہے؟ بیت اللہ میں سے ہے، دلیل کیا اس کی؟ کہتے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: فَإِنَّ الْحَطِيمَ مِنَ الْبَيْتِ» بوجہ حضور علیہ السلام کے قولِ مبارک کے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں، آپ نے فرمایا: «فَإِنَّ الْحَطِيمَ مِنَ الْبَيْتِ» یہ ہیں حدیث کے الفاظ، کہ بے شک حطیم بھی بیت اللہ میں سے ہے۔

بھائی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ حضور علیہ السلام سے فرمانے لگیں کہ میں نے منت مانی تھی کہ اگر آپ نے مکہ کو فتح کر لیا تو میں بیت اللہ کے اندر جا کر نوافل ادا کروں گی، تو اب میں چاہتی ہوں اپنی یہ منت پوری کر لوں۔ تو حضور علیہ السلام ان کو لے آئے اور فرمانے لگے حطیم کے اندر لے آئے اور فرمانے لگے فرمانے لگے لو یہاں پر اپنی منت پوری کر لو، یہ بھی بیت اللہ ہی کا حصہ ہے، بیت اللہ ہی کا حصہ ہے بھائی۔

تو حضور علیہ السلام بھائی روایات میں آتا ہے کہ یہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ یہ حصہ جو ہے بیت اللہ ہی کا ہے اور اس وجہ سے یہ الگ رہ گیا ہے تو اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو پھر میں بیت اللہ کو اسی طرح تعمیر کروں گا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی تھی، یعنی اس سارے پر کیا کروں گا؟ حطیم سمیت عمارت تعمیر کرواؤں گا، اور نیز یاد رکھیے یہ جو بیت اللہ کا دروازہ ہے نا دروازہ، آپ نے دیکھا ہو گا یہ کوئی قد کے لگ بھگ زمین سے اونچا ہے، اور یہ نہ سمجھیں کہ دروازہ اونچا ہے اندر پھر جگہ گہری ہو گی، نہیں، یہ دروازہ جتنا اونچا ہے اندر زمین بھی اسی کے برابر ہے پھر، پھر اندر اترائی نہیں ہے تو اسی قدر اونچی جگہ ہے اندر بھی ساری سطح اسی کے برابر ہے۔ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر اس کی تعمیر کرواؤں گا، یہ حطیم بھی ساتھ شامل ہو گا اور اس کا دروازہ میں زمین کے برابر کر دوں گا۔ سمجھ میں آ رہی ہے بات؟ دروازہ کیا کر دوں گا؟ زمین کے برابر، یعنی اندر والی اونچی جو جگہ ہے وہ زمین کے برابر فرما دیں گے، اور دو دروازے کر دوں گا، ایک یہ مشرق کی طرف ہے دوسرا کس طرف؟ مغرب کی طرف کر دوں گا بھائی۔ تو یہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا، لیکن پھر آپ کا انتقال ہو گیا۔

تو بعد میں حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہیں ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس حدیث کا علم ہوا، حضور علیہ السلام کی خواہش کا پتہ چلا، تو جب ان کا زمانہ آیا تو انہوں نے اسی طریقے کے مطابق تعمیر کر دیا بیت اللہ کو۔ یہ عمارت گرائی اور پھر حطیم سمیت سارے پر عمارت بنوا دی اور دو دروازے کر دیے، ایک یہ مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف، اور دروازے کو زمین کے برابر کر دیا تاکہ ایک طرف سے کوئی داخل ہو تو دوسری طرف سے نکل سکے بھائی۔ تو یہ انہوں نے کر دیا، پھر اس ان کے بعد جب حجاج ابن یوسف کا زمانہ آیا تو حجاج ابن یوسف نے پھر بیت اللہ کو گرا دیا اور پھر اسی طرح بنوا دیا جیسا آج ہے یعنی حطیم کو پھر الگ کر دیا حجاج ابن یوسف نے۔ اور اس کو ابھی یہ حدیث نہیں پہنچی تھی، بعد میں جب اس کو یہ حدیث پہنچی اور حدیث کا علم ہوا تو بعد میں بڑا شرمندہ ہوئے اور بڑے پریشان ہوئے کہ یہ میں نے کیا کر دیا! لیکن پھر دوبارہ انہوں نے ہمت ان کی نہیں ہوئی کہ دوبارہ گرائیں اور پھر اس طرح کریں، تو پھر جب خلیفہ ہارون الرشید کا زمانہ آیا تو ان کو یہ حدیث پہنچی تو ان کا پھر ارادہ ہوا کہ بیت اللہ کی عمارت گروا کر پھر اسی طرح کر دیں جس طرح حضور علیہ السلام کی خواہش تھی، لیکن اس وقت کے فقہاء امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ فقہاء جو تھے انہوں نے خلیفہ کو اس اس کی اس خواہش سے منع کر دیا، اس ارادے سے اس کو منع کر دیا کہ اے خلیفہ آپ کی خلافت ہے اور آپ چاہیں تو یہ کر سکتے ہیں، لیکن اگر آپ ایسا کریں گے تو بیت اللہ تو ہمیشہ خلفاء کے لیے کھلونا بن جائے گا، جس کا جی چاہے گا وہ آئے گا وہ پہلے کو گرا کر دوسرے انداز میں بنائے گا، دوسرا آئے گا وہ پھر بنا کر اور انداز میں بنائے گا، تو یہ بیت اللہ کی عظمت دلوں کے اندر باقی نہیں رہے گی، لہٰذا جیسا ہے اس کو ایسا ہی رہنے دو، چنانچہ اس نے اپنے اس ارادے کو چھوڑ دیا اور یہ بیت اللہ پھر یہ اسی طرح ہے، اسی حالت پر ہے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ ہے حطیم بھائی۔

تو اس حدیثِ عائشہ میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: «فَإِنَّ الْحَطِيمَ مِنَ الْبَيْتِ» کہ یقیناً حطیم جو ہے بیت اللہ میں سے ہے، «فَلِهَذَا يَجْعَلُ الطَّوَافَ مِنْ وَرَائِهِ» اسی لیے طواف کرنے والا کرے گا اپنے طواف کو «مِنْ وَرَائِهِ» حطیم کے باہر باہر سے ہی «حَتَّى لَوْ دَخَلَ الْفُرْجَةَ الَّتِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ لَا يَجُوزُ» یہاں تک کہ اگر وہ داخل ہو گیا اس اس کھلی جگہ میں جو حطیم اور بیت اللہ کے درمیان ہے «لَا يَجُوزُ» تو جائز نہیں، اگر اس جگہ میں سے نکل کر طواف پورا کرتا ہے تو پھر جائز نہیں کیونکہ طواف بیت اللہ کے گرد کیا جائے گا، بیت اللہ کے بیچ میں سے گزر کر نہیں کیا جائے گا۔

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ إِذَا اسْتَقْبَلَ الْحَطِيمَ وَحْدَهُ

«إِلَّا أَنَّهُ إِذَا اسْتَقْبَلَ الْحَطِيمَ وَحْدَهُ» یہاں سے ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ کہ اے صاحب ہدایہ، آپ کی اس تقریر سے معلوم ہوا

کہ حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے، حطیم کیا ہے؟ بیت اللہ کا حصہ ہے اور بیت اللہ کی طرف تو رخ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، لہٰذا اگر ایک شخص صرف حطیم کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے بیت اللہ کے پاس ہی پڑھتا ہے لیکن اپنا رخ کس طرف کر لیتا ہے؟ حطیم کی طرف کر لیتا ہے تو پھر اس کی نماز ہونی ہو جانی چاہیے، حالانکہ آپ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نماز درست نہیں۔ نیز اسی طرح بیت اللہ کے اندر جس طرف رخ کر کے انسان پڑھے نماز اس کی نماز ہو جائے گی، آپ پڑھ چکے ہیں یہ مسئلہ، تو پھر جب حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے تو حطیم کے اندر بھی انسان جس طرف رخ کر لے اس کی نماز ہو جانی چاہیے، لیکن آپ کیا فرماتے ہیں؟ فقہاء کیا فرماتے ہیں؟ کہ نہیں اس صورت میں نماز درست نہیں ہے بلکہ رخ کس طرف کرنا پڑے گا؟ بیت اللہ کی طرف، اس کی عمارت کی طرف رخ کرنا کرنا پڑے گا یہ ضروری ہے۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ کہ بھائی یہ جو بیت اللہ کی طرف متوجہ ہونا نماز کے اندر یہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور حطیم کا بیت اللہ کا حصہ ہونا یہ خبرِ واحد سے، حدیث سے ثابت ہے، حدیث سے ثابت ہے۔ تو لہٰذا احتیاط اسی کے اندر ہے کہ اپنا رخ کس طرف کرے؟ بیت اللہ کی طرف کرے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ وہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور یہ کس کے ذریعے ثابت ہے؟ خبرِ واحد کے ذریعے ثابت ہے بھائی۔ تو لہٰذا وہ چیز جو خبرِ واحد سے ثابت ہے اس کے ذریعے نماز کی ادائیگی نہیں ہو گی یعنی حطیم کی طرف رخ کر کے نماز نہیں ہو گی۔

تو کہتے ہیں: «**إِلَّا أَنَّهُ إِذَا اسْتَقْبَلَ الْحَطِيمَ وَحْدَهُ لَا يُجْزِيهِ الصَّلَاةُ**» مگر یہ کہ جب وہ شخص نماز پڑھنے والا وہ رخ کر لے اکیلے حطیم کی طرف «**لَا يُجْزِيهِ الصَّلَاةُ**» تو اس کے لیے یہ نماز کافی نہیں ہے «**لِأَنَّ فَرْضِيَّةَ التَّوَجُّهِ ثَبَتَ بِنَصِّ الْكِتَابِ**» اس لیے کیونکہ توجہ کا فرض ہونا کتاب اللہ کی نص سے ثابت ہے، توجہ یعنی بیت اللہ کی طرف متوجہ کی طرف بیت اللہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے اور یہ فرضیت کس سے ثابت ہے؟ کتاب اللہ کی نص سے، کتاب اللہ میں آیا ہے، «**فَلَا يَتَأَدَّى بِمَا ثَبَتَ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ احْتِيَاطًا**» لہٰذا یہ فرضیت جو ہے یا یہ توجہ یہ ادا نہیں ہو گی اس چیز کے ذریعے جو خبرِ واحد سے ثابت ہے، «**احْتِيَاطًا**» بطورِ احتیاط کے، بطورِ احتیاط کے۔

پھر اشکال ہوتا ہے کہ اچھا معلوم ہوا حطیم کی طرف جب توجہ صحیح نہیں، صرف حطیم کی طرف نماز میں متوجہ ہونا کافی نہیں تو پھر تو طواف کے اندر بھی اگر وہ بیت حطیم اور بیت اللہ کے بیچ میں سے گزر جائے تو اس کا طواف ہو جانا چاہیے۔ اس کا طواف اشکال سمجھ میں آیا؟ تو وہ ہو جانا چاہیے۔ کہتے ہیں بھائی نماز کے مسئلے میں احتیاط اس کے اندر ہے کہ رخ بیت اللہ ہی کی طرف کیا جائے حطیم کی طرف نہ کیا جائے، اور طواف کے معاملے میں احتیاط اسی کے اندر ہے کہ حطیم کے باہر سے طواف کیا جائے، حطیم کے اندر سے طواف نہ کیا جائے، تو دونوں مسئلوں کی بنیاد احتیاط پر ہے۔ نماز کے مسئلے میں احتیاط اس طرح ہے اور طواف کے مسئلے میں احتیاط اس طرح ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے «**وَالِاحْتِيَاطُ فِي الطَّوَافِ أَنْ يَكُونَ وَرَاءَهُ**» اور طواف کے اندر احتیاط یہ ہے کہ طواف جو ہے وہ حطیم کے پیچھے سے یعنی اس کے باہر سے ہو۔ اگرچہ خبرِ واحد کے اندر آیا ہے لیکن احتیاط اسی کے اندر ہے کہ طواف حطیم کے باہر سے کرے، اس لیے کیونکہ اگر حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے تو اس صورت میں تو بیچ میں سے گزرے گا اس کا طواف ہی نہیں ہو گا، لہٰذا احتیاط اسی کے اندر ہے طواف کے اندر کہ حطیم کے باہر سے کر لے بھائی تاکہ کسی قسم کا شک اور شبہ نہ رہے بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۳: مسئلہ: وَيَرْمُلُ فِي الثَّلَاثِ الْأُوَلِ مِنَ الْأَشْ...

ہدایہ صفحہ: ۲۶۱ — بتاریخ: ۲۵ اپریل ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَيَرْمُلُ فِي الثَّلَاثِ الْأُوَلِ مِنَ الْأَشْوَاطِ، وَالرَّمَلُ: أَنْ يَهُزَّ فِي مِشْيَتِهِ الْكَتِفَيْنِ كَالْمُبَارِزِ يَتَبَخْتَرُ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ، وَذَلِكَ مَعَ الِاضْطِبَاعِ، وَكَانَ سَبَبُهُ إِظْهَارُ الْجَلَدِ لِلْمُشْرِكِينَ حِينَ قَالُوا: أَوهَنَهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ، ثُمَّ بَقِيَ الْحُكْمُ بَعْدَ زَوَالِ السَّبَبِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبَعْدَهُ». [1]

بھئی، گزشتہ سبق میں حج کا طریقہ چل رہا تھا، ذکر ہو رہا تھا اور صاحبِ ہدایت نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب حاجی مکہ مکرمہ پہنچ جائے تو پھر ابتدا جو ہے مسجد الحرام سے کرے، وہاں مسجد الحرام میں چلا جائے اور پھر طواف کی ابتدا حجرِ اسود سے کرے گا اور اس سے پہلے اضطباع کرلے یعنی دائیں کندھے کو ننگا کرلے اور اس کے بعد حجرِ اسود کا استلام کرے اگر ممکن ہو۔ اگر استلام ممکن نہیں تو پھر استقبال کرلے اس کا، یعنی اس کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو اور تکبیر و تہلیل وغیرہ کہے بھئی۔

اب آپ کو آگے بتلا رہے ہیں: «**وَيَرْمُلُ فِي الثَّلَاثِ الْأُوَلِ مِنَ الْأَشْوَاطِ**»، اور رمل کرے گا پہلے تین چکروں میں۔ «**وَيَرْمُلُ فِي الثَّلَاثِ الْأُوَلِ مِنَ الْأَشْوَاطِ**»، چکروں میں سے جو پہلے تین ہیں ان میں وہ رمل کرے گا۔ رمل میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جس طرح وہ پہلوان اکھاڑے میں اترنے کے بعد فخر و تکبر کے ساتھ اور اپنی طاقت کا اظہار کرتے ہوئے، کندھے ہلاتے ہوئے پورے اکھاڑے کا جس طرح چکر لگاتا ہے، اس طریقے سے چلنا جو ہے یہ رمل کہلاتا ہے بھئی۔ یہی صاحبِ ہدایت بھی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «**وَالرَّمَلُ: أَنْ يَهُزَّ فِي مِشْيَتِهِ الْكَتِفَيْنِ**»، «**هَزَّ يَهُزُّ**» کے معنی حرکت دینا، اور رمل یہ ہے «**أَنْ يَهُزَّ**» کہ وہ حرکت دے «**فِي مِشْيَتِهِ**» اپنے چلنے میں، اپنی چال میں، «**الْكَتِفَيْنِ**» کندھوں کو بھئی، کہ چلتے ہوئے وہ کیا کرے؟ اپنے دونوں کندھوں کو حرکت دے گا، دونوں کندھوں کو ہلاتے ہوئے چلے۔ «**كَالْمُبَارِزِ**» جیسے کہ مقابلہ کرنے والا ہوتا ہے، «**يَتَبَخْتَرُ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ**»، تبختر کہتے ہیں اترا کر چلنا، یعنی تکبر اور فخر کے ساتھ اتراتے ہوئے چلنا، یہ ہے تبختر بھئی۔ «**كَالْمُبَارِزِ يَتَبَخْتَرُ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ**»، جیسے کہ مقابلہ کرنے والا فخر و تکبر کرتے ہوئے چلتا ہے دو صفوں کے درمیان۔ «**وَذَلِكَ مَعَ الِاضْطِبَاعِ**»، اور یہ رمل اضطباع کے ساتھ ہوگا کہ پہلے سے کیا کیا ہو؟ اضطباع کیا ہو اور ساتھ رمل اب کرتا جائے گا، اور پہلے تین چکروں میں میں نے بتلایا یہ سنت ہے بھئی، اور اگر ان میں رہ جائے، بھول جائے تو بعد والے چکروں میں رمل نہ کرے کیونکہ بعد والے چکروں میں رمل مسنون نہیں ہے۔

مسئلہ: وَكَانَ سَبَبُهُ إِظْهَارُ الْجَلَدِ لِلْمُشْرِكِينَ

«**وَكَانَ سَبَبُهُ إِظْهَارُ الْجَلَدِ لِلْمُشْرِكِينَ**»، جلد کہتے ہیں بھئی ہمت اور بہادری کو، اور اس کا سبب جو ہے، اس رمل کا سبب جو ہے، «**إِظْهَارُ الْجَلَدِ لِلْمُشْرِكِينَ**» بہادری ظاہر کرنا تھا مشرکین کے لیے، «**حِينَ قَالُوا**» جس وقت انہوں نے یہ کہا تھا: «**أَوهَنَهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ**»، یثرب یاد رکھیے یہ مدینہ منورہ کا قدیم نام ہے۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے آنے سے پہلے یہ شہر یثرب کہلاتا تھا اور پھر جب نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہاں تشریف لے آئے تو یہ مدینۃ النبی کے نام سے مشہور ہوا، مدینہ کا معنی شہر، مدینۃ النبی یعنی پیغمبر کا شہر، نبی کا شہر، اور پھر اب مختصر ہو کر مدینہ ہی اس کا نام پڑ گیا بھئی۔ تو جس وقت مشرکین نے کہا تھا کہ «**أَوهَنَهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ**»، حمی کہتے ہیں بخار کو، اوہن کے معنی کمزور کر دینا، جب مشرکین نے کہا تھا «**أَوهَنَهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ**» کہ ان مسلمانوں کو یثرب یعنی مدینے کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ پہلے مدینہ منورہ کا بخار مشہور تھا بھئی، ابتدا کے اندر بہت بخار والا تھا اور یہ مرض وہاں بہت زیادہ تھا، پھر جب حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم فرما دیا۔ تو یہ جو مسلمان

[1] شاملہ (ص ۱۸۶) میں «**الثَّلَاثِ**» کے بجائے «**الثلاثة**»، شاملہ (ص ۱۸۶) میں «**أَوهَنَهُمْ**» کے بجائے «**أضناهم**» درج ہے۔

تھے ان میں سے اکثر یہیں سے ہجرت کر کے گئے تھے، تو جب اب عمرے کے لیے آئے ہیں تو وہ مشرکین نے کیا مشہور کر دیا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے تمام مسلمانوں کو پہلے تین چکروں میں رمل کرنے کا حکم دیا کہ اس طرح فخر و تکبر سے اور اپنی طاقت کا اظہار کرتے ہوئے چلیں بھئی، تاکہ ان پر رعب طاری ہو جائے اور ان کو پتہ چل جائے کہ مسلمان کمزور نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ قوی ہو گئے ہیں۔ تو کہتے ہیں: «**وَكَانَ سَبَبُهُ إِظْهَارُ الْجَلَدِ لِلْمُشْرِكِينَ**»، اور اس رمل کا سبب مشرکین کے سامنے جو ہے وہ اپنی قوت کا اظہار کرنا تھا جس وقت انہوں نے کہا تھا کہ ان مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے یثرب کے بخار نے۔

«**ثُمَّ بَقِيَ الْحُكْمُ بَعْدَ زَوَالِ السَّبَبِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبَعْدَهُ**»، پھر اس کے بعد حکم باقی رہا جبکہ سبب ختم ہو گیا تھا، حضور علیہ السلام کے زمانے میں بھی اور آپ کے بعد بھی۔ بھئی یہ اس وقت تو رمل کا مقصد کیا تھا؟ مشرکین کے سامنے اپنی قوت کا اظہار تھا۔ پھر تو سبب ختم ہو گیا۔ وہ ایک ہی مرتبہ ضرورت پیش آئی، وہ سبب دوبارہ تو نہیں تھا، پھر تو کیونکہ دوسری دفعہ حضور علیہ السلام حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے اور اس وقت تو مکہ میں مشرکین تھے ہی نہیں، مکہ فتح ہو چکا تھا بھئی، لیکن پھر بھی اس موقع پر حضور علیہ السلام نے رمل فرمایا بھئی۔ اسی طرح بعد میں خلفائے راشدین وغیرہ بھی کیا کرتے تھے؟ رمل کرتے تھے بھئی۔ تو دیکھیے سبب ختم ہو گیا تھا اگرچہ لیکن حکم پھر بھی باقی تھا بھئی۔ یہ معنی ہے کہ «**ثُمَّ بَقِيَ الْحُكْمُ بَعْدَ زَوَالِ السَّبَبِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبَعْدَهُ**»، پھر حکم باقی رہا سبب کے زائل ہو جانے کے بعد بھی حضور علیہ السلام کے زمانے میں اور آپ کے بعد بھی۔

قَالَ: صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «**وَيَمْشِي فِي الْبَاقِي عَلَى هِينَتِهِ**»، ھینۃ کے معنی ہیں آرام سے، آہستہ سے۔ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «**وَيَمْشِي فِي الْبَاقِي عَلَى هِينَتِهِ**»، اور چلے وہ طواف کرنے والا باقی چکروں کے اندر اپنے آرام پر، اپنے آرام پر چلے، اپنے آرام سے یعنی اطمینان سے چلے۔ پہلے تین چکروں میں رمل کرنا ہے اور باقیوں میں اطمینان سے اور وقار سے چلتا رہے بھئی۔ «**عَلَى ذَلِكَ اتَّفَقَ رُوَاةُ نُسُكِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، اس پر اتفاق کیا ہے حضور علیہ السلام کے حج کو روایت کرنے والوں نے۔ نسک عبادت کو کہتے ہیں اور یہاں کون سی عبادت مراد ہے؟ حج کی عبادت اور حج مراد ہے۔ تو اس پر اتفاق کیا ہے «**رُوَاةُ نُسُكِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، حضور علیہ السلام کے حج کو روایت کرنے والوں نے۔

■ مسئلہ: وَالرَّمَلُ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ

«**وَالرَّمَلُ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ**»، اور رمل جو ہو گا حجر اسود سے لے کر حجر اسود تک ہو گا، یعنی سارے چکر میں رمل کیا جائے گا۔ تو پہلے تینوں چکروں میں سارے سارے چکر میں کیا کیا جائے گا؟ رمل کیا جائے گا۔ دراصل یہاں اور بھی روایت ہے، بعض نے لکھا کہ رمل جو ہے وہ حجر اسود سے لے کر رکنِ یمانی تک ہو گا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حجر اسود سے طواف شروع کیا جائے، جب انسان بیت اللہ کے گرد گھومتا ہوا پھر حجر اسود کے پاس پہنچنے لگا ہے تو حجر اسود سے پہلے جو آخری کونا آئے گا، یعنی جس کے بعد اب کون سا کونا آرہا ہے؟ حجر اسود والا، تو یہ جو آخری کونا ہے حجر اسود سے پہلے، یہ رکنِ یمانی ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ رکنِ یمانی۔ تو بعضوں نے لکھا کہ صرف یہاں تک رمل ہے، پھر رکنِ یمانی سے حجر اسود تک آرام سے چلے گا بھئی وہ طواف کرنے والا، پھر حجر اسود سے رمل شروع کرے گا رکنِ یمانی تک، پھر رکنِ یمانی سے حجر اسود تک اطمینان سے چلے گا۔ لیکن صاحبِ ہدایت نے آپ کو بتلا دیا کہ «**وَالرَّمَلُ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ**»، کہ رمل جو ہے وہ حجر اسود سے لے کر حجر اسود تک ہو گا یعنی پورے چکر میں ہو گا۔ «**هُوَ الْمَنْقُولُ مِنْ رَمَلِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، یہی منقول ہے نبی کریم ﷺ کے رمل سے۔

«**فَإِنْ زَاحَمَهُ النَّاسُ فِي الرَّمَلِ قَامَ**»، اگر ہجوم کریں اس پر لوگ رمل میں، «**قَامَ**» تو وہ کھڑا ہو جائے۔ «**فَإِذَا وَجَدَ مَسْلَكًا رَمَلَ**»، پس جب پالے کوئی راستہ تو پھر رمل کرے۔ بھئی یہاں سے صاحبِ ہدایت بتلا رہے ہیں کہ پہلے تین چکروں میں رمل کرنا ہے، مسنون طریقہ یہ ہے، لہٰذا اگر ہجوم بڑھ جائے اور یہ رمل نہ کر سکے تو پھر ٹھہر جائے، رک جائے۔ پھر جب ہجوم کم ہو جایا کرے پھر اسی طرح رمل کرتے ہوئے چل پڑے تاکہ جس قدر ممکن ہو سکے سنت طریقے پر طواف ہو جائے۔ لہٰذا ہجوم زیادہ ہو جائے، رمل کی جگہ نہیں ہے تو یہ نہیں کہ اب اطمینان سے چلے، بلکہ کیا کرے؟ ٹھہر جائے، انتظار کرلے، انتظار کرلے۔ لیکن بھئی اب اس پر عمل بڑا مشکل ہے بھئی، بڑا مشکل ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ طواف میں لاکھوں لوگ ہوتے ہیں، اتنا ہجوم ہوتا ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اور اب تو رکنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ آپ رکیں گے، پیچھے سے لاکھوں لوگ کا مجمع ہے بھئی، وہ فوراً انسان گر جائے گا بھئی۔ پیچھے سے اتنا دھکا آئے گا کہ انسان کھڑا ہو ہی نہیں سکتا بھئی۔ اور پھر اتنا ہجوم ہوتا ہے یاد رکھنا کہ انسان قدم نہیں اٹھا سکتا بھئی، بلکہ قدم اٹھاتا ہے ایک دو انچ آگے رکھتا ہے، پھر قدم اٹھاتا ہے ایک دو انچ آگے رکھتا ہے، اس طرح آرام آرام سے ہجوم زیادہ ہو تو کئی گھنٹوں میں جا کر طواف مکمل ہوتا ہے۔ ہاں ہجوم اگر نہیں ہے پھر تو اطمینان سے عمل ہو سکتا ہے، پھر عمل کرے اس پر۔ اور اسی طریقے سے جب ہجوم جہاں زیادہ ہوتا ہے تو ذرا ٹھہر جائے، لیکن خصوصاً حج کے دنوں میں اب اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ بڑا ہی مشکل ہے انسان اس طرح کرلے بھئی۔ موقع ملتا ہے پھر تو کرنا چاہیے، لیکن اگر نہیں ہے، ہجوم زیادہ ہے، موقع نہیں ملتا تو پھر بھئی بس اسی طرح جو تھوڑا تھوڑا چل رہا ہے آہستہ آہستہ اسی میں کیا کرتا رہے؟ بس رمل کرتا رہے، کندھوں کو ہلاتا رہے بھئی۔ کیونکہ اگر رکے گا تو پھر فوراً ہی اس کے گرنے کا خطرہ ہے، دھکا پیچھے سے ایسا زوردار دھکا لگے گا فوراً ہی گرے گا، اور جو ایک دفعہ یہاں گر

جائے پھر اس کا زندہ اٹھ جانا بڑا ہی مشکل ہے، اور صرف وہ اکیلا ہی نہیں مرے گا، اپنے ساتھ کئی اور کو لے کر بھی مرے گا یا کم از کم شدید زخمی ضرور کر دے گا بہت سے لوگوں کو۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو لہٰذا یہ سنت ہے، سنت پر عمل تو کرے جس قدر ہو سکے۔ اس لیے میں نے کہا وہ آرام آرام سے ایک ایک دو دو انچ بھی قدم اٹھا رہا ہے، کیا کرتا رہے؟ اپنے کندھوں کو ہلاتا رہے، لیکن یہ نہیں کہ اس کی وجہ سے ہلاکت کا سامان ہو جائے اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی بھئی۔ تو بہر حال آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بھی اس پر عمل ہو سکتا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «**فَإِنْ زَاحَمَهُ النَّاسُ فِي الرَّمَلِ قَامَ، فَإِذَا وَجَدَ مَسْلَكًا رَمَلَ**»، پس اگر ہجوم کریں اس پر لوگ رمل کے اندر تو وہ کھڑا ہو جائے، پس جب پالے کوئی راستہ تو رمل کرے۔ «**لِأَنَّهُ لَا بَدَلَ لَهُ، فَيَقِفُ حَتَّى يُقِيمَهُ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ**»، اس لیے کیونکہ اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ رمل کا کوئی بدل نہیں۔ بھئی پیچھے ذکر ہوا تھا حجر اسود کا استلام کرنا ہے لیکن استلام نہ کر سکے تو پھر کیا کرلے؟ استقبال کرلے، دور سے اس کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو جائے۔ تو استلام کا تو بدل موجود تھا یعنی استقبال، لیکن رمل کا تو کوئی بدل موجود نہیں ہے بھئی۔ «**لِأَنَّهُ لَا بَدَلَ لَهُ، فَيَقِفُ حَتَّى يُقِيمَهُ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ**»، اس لیے کیونکہ اس کا کوئی بدل نہیں ہے، تو ٹھہر جائے، رک جائے، یہاں تک کہ اس کو قائم کرے سنت طریقے پر، یعنی سنت کے مطابق اس کو ادا کرے۔ «**بِخِلَافِ الِاسْتِلَامِ؛ لِأَنَّ الِاسْتِقْبَالَ بَدَلٌ لَهُ**»، بخلاف استلام کے، اس لیے کیونکہ استقبال جو ہے وہ اس استلام کا بدل ہے بھئی۔

قَالَ: «وَيَسْتَلِمُ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَّ إِنِ اسْتَطَاعَ»، میں نے بتلایا تھا ہر چکر کے اندر کیا کرنا ہے؟ حجر اسود کو بوسہ دینا ہے، اس کا استلام کرنا ہے، لیکن اگر ہجوم ہو تو ہر چکر میں پھر کیا کرلے؟ استقبال کرلے اس کا بھئی۔ «**وَيَسْتَلِمُ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَّ إِنِ اسْتَطَاعَ**»، اور استلام کرلے حجر اسود کا جب بھی گزرے اگر استطاعت رکھے، «**لِأَنَّ أَشْوَاطَ الطَّوَافِ كَرَكَعَاتِ الصَّلَاةِ، فَكَمَا يُفْتَتَحُ كُلُّ رَكْعَةٍ بِالتَّكْبِيرِ يُفْتَتَحُ كُلُّ شَوْطٍ بِاسْتِلَامِ الْحَجَرِ**»، اس لیے کیونکہ طواف کے جو چکر ہیں وہ نماز کی رکعتوں کی طرح ہیں، تو جس طرح ہر رکعت کو شروع کیا جاتا ہے تکبیر کے ساتھ، اسی طرح ہر چکر کو شروع کیا جائے گا استلام حجر کے ساتھ۔ «**وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الِاسْتِلَامَ اسْتَقْبَلَ وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ عَلَى مَا ذَكَرْنَا**»، اور اگر استلام کی استطاعت نہیں رکھتا، استقبال کرلے حجر اسود کی طرف رخ کرلے، اور تکبیر کہے اور لا الہ الا اللہ کہے بوجہ اس کے جو ہم نے پیچھے ذکر کر دی۔

■ مسئلہ: وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ

«**وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ**»، اور استلام کرے رکنِ یمانی کا بھئی۔ وہ حجر اسود سے جو پچھلا کونا آرہا ہے، آخری کونا حجر اسود سے پہلے، وہ کیا ہے؟ رکنِ یمانی۔ اس کا بھی استلام کرے بھئی، اس کا بھی۔ لیکن یاد رکھیے بھئی، حجر اسود کا تو بوسہ لیا جائے گا، لیکن رکنِ یمانی کے اندر صرف استلام ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اس پر ہاتھ وغیرہ پھیر دے اس رکنِ یمانی پر۔ تو اس پر صرف ہاتھ وغیرہ پھیر دے رکنِ یمانی پر، جبکہ حجر اسود میں کیا کیا جاتا ہے؟ اس کا بوسہ لیا جاتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے۔ تو کہتے ہیں: «**وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ، وَهُوَ حَسَنٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ**»، اور استلام کرلے رکنِ یمانی کا، اور یہ حسن ہے یعنی مستحب ہے ظاہر روایت میں۔ یہ رکنِ یمانی کا استلام مستحب ہے۔ «**وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ سُنَّةٌ**»، اور امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ سنت ہے، یعنی رکنِ یمانی کا استلام بھی سنت ہے بھئی۔ «**وَلَا يَسْتَلِمُ غَيْرَهُمَا**»، اور ان کے علاوہ کسی اور رکن کا استلام نہ کرے، یعنی وہ جو باقی دو کونے ہیں بیت اللہ کے، یعنی رکنِ شامی اور رکنِ عراقی جو ہیں، ان کا استلام نہ کرے، صرف انہی دو کا استلام کرے، «**فَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَسْتَلِمُ هَذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ وَلَا يَسْتَلِمُ غَيْرَهُمَا**»، اس لیے کیونکہ نبی کریم ﷺ ان دو رکنوں کا استلام فرماتے تھے اور ان کے علاوہ جو ہے کسی اور کا استلام نہیں فرماتے تھے۔

«**وَيَخْتِمُ الطَّوَافَ بِالِاسْتِلَامِ**»، اور ختم کرے طواف کو استلام کے ساتھ، یعنی استلام الحجر، یعنی حجر اسود کے استلام کے ساتھ۔ طواف کا اختتام بھی کس پر ہو گا؟ حجر اسود پر، تو اسی کا استلام کرلے۔

قَالَ: «ثُمَّ يَأْتِي الْمَقَامَ فَيُصَلِّي عِنْدَهُ رَكْعَتَيْنِ أَوْ حَيْثُ تَيَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَهِيَ وَاجِبَةٌ عِنْدَنَا»، میں نے آپ کو بتلایا تھا ہر طواف کے بعد کیا کرنا ہے؟ دو رکعت طواف کے واجب جو ہیں وہ ادا کرنے ہیں، اب ان کا ذکر آ گیا۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ افضل کیا ہے؟ ان کو کہاں پر ادا کرے؟ مقامِ ابراہیم پر ادا کیا جائے، اور مقامِ ابراہیم جو ہے وہ ایک سنہری رنگ کی جالی جو ہے وہ بیت اللہ کے دروازے سے چند گز کے فاصلے پر اسی کے سامنے جو ہے یہ سنہری جالی ہے اور اس کے اندر وہ پتھر موجود ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام جو ہیں کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے، اور یہ پتھر جو ہے ضرورت کے مطابق جتنی ضرورت ہوتی یہ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے کر اونچا ہوتا اور نیچے ہوتا تھا بھئی۔ اور یہ جو مقامِ ابراہیم ہے کہتے ہیں یہ وہ مقام ہے بعضوں نے لکھا کہ جہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پھر لوگوں کو پکارا تھا کہ اے لوگو، تم پر اللہ تعالیٰ کے اس گھر کا حج فرض کر دیا گیا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ یہاں کھڑے ہو کر انہوں نے پکارا تھا، جبکہ بعضوں نے کہا کہ یہاں پر آپ نے پہلی نماز بیت اللہ کی تعمیر کے بعد پہلی نماز ادا کی تھی بھئی۔ تو کہتے ہیں: «**ثُمَّ يَأْتِي الْمَقَامَ فَيُصَلِّي عِنْدَهُ رَكْعَتَيْنِ**»، پھر آئے مقام پر، اس مقامِ ابراہیم پر، پس پڑھے اس کے پاس دو رکعتیں۔ اس کے پاس دو رکعتیں پڑھے بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ ہجوم زیادہ ہوتا ہے تو اگر ہجوم ہو اور جگہ نہیں

ہے، طواف اس تک پہنچا ہوا ہے، اس سے آگے تک، تو پھر انسان وہاں نہ پڑھے بھئی، کیونکہ اپنے آپ کو بھی تکلیف میں ڈالے گا اور طواف کرنے والوں کو بھی تکلیف میں ڈالے گا، تو پھر مسجد میں جہاں بھی جگہ مل جائے وہاں ادا کرلے۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: «أَوْ حَيْثُ تَيَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ»، یا جہاں بھی آسان ہو مسجد میں، «وَهِيَ وَاجِبَةٌ عِنْدَنَا»، اور یہ دو رکعتیں جو ہیں واجب ہیں ہمارے نزدیک۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: سُنَّةٌ: ل...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: سُنَّةٌ؛ لِانْعِدَامِ دَلِيلِ الْوُجُوبِ»، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دو رکعتیں سنت ہیں، وجوب کی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے۔ وہ کیا فرماتے ہیں کہ اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں، لہٰذا یہ واجب نہیں سنت ہیں بھئی۔

«وَلَنَا»، اور ہماری دلیل جو ہے، «قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، حضور علیہ السلام کا یہ فرمانِ مبارک ہے، آپ نے فرمایا: «وَلْيُصَلِّ الطَّائِفُ لِكُلِّ أُسْبُوعٍ رَكْعَتَيْنِ»، اور چاہیے کہ پڑھے طواف کرنے والا ہر سات چکروں کے لیے دو رکعتیں۔ ہر سات چکر کا ایک طواف ہے، تو ہر سات چکروں کے لیے طواف کرنے والا دو رکعتیں پڑھے۔ «وَالْأَمْرُ لِلْوُجُوبِ»، اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اس حدیث میں کیا آیا؟ «وَلْيُصَلِّ»، امر کا صیغہ آیا اور امر کس لیے آتا ہے؟ وجوب کے لیے، لہٰذا ہم نے بھی کہا کہ یہ واجب ہے۔

«ثُمَّ يَعُودُ إِلَى الْحَجَرِ فَيَسْتَلِمُهُ»، بھئی طواف مکمل ہوا اور دو رکعتیں جو واجب تھیں وہ بھی ادا کرلیں۔ اب سعی کرنی ہے۔ اور یہ حج کا کون سا طریقہ بیان ہو رہا ہے؟ حجِ افراد بیان ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا یہ سعی عمرے کی سعی نہیں ہے بلکہ کس کی سعی ہے؟ حج کی سعی ہے جو وہ پہلے ہی کرنا چاہتا ہے۔ تو لہٰذا اب سعی کرنا چاہتا ہے تو کہتے ہیں پہلے حجر اسود کی سیدھ میں آجائے، اسی طرح حجر اسود کا استلام کا موقع ملتا ہے تو استلام کرلے، استلام کا موقع نہیں ملتا تو حجر اسود کا استقبال کرلے کیونکہ اب سعی شروع کرنے لگا ہے۔ تو جیسے طواف کے آغاز میں استلامِ حجر ہوا تھا، یہاں پر بھی کیا کرلے؟ استلامِ حجر کرلے اور پھر صفا پر جا کر سعی شروع کردے، طریقہ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ يَعُودُ إِلَى الْحَجَرِ فَيَسْتَلِمُهُ»، پھر لوٹے حجر اسود کی طرف تو اس کا استلام کرلے، «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ عَادَ إِلَى الْحَجَرِ»، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب دو رکعتیں ادا فرمالیں تو آپ لوٹ گئے حجر اسود کی طرف۔ «وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ طَوَافٍ بَعْدَهُ سَعْيٌ يَعُودُ إِلَى الْحَجَرِ»، ضابطہ بیان فرمارہے ہیں صاحبِ ہدایت کہ اصل یہ ہے، ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو وہ لوٹتا ہے حجر اسود کی طرف۔ وہ طواف کس کی طرف لوٹتا ہے؟ حجر اسود کی طرف لوٹتا ہے، یعنی طواف کے بعد پھر جا کر کیا کرے گا؟ حجر اسود کا استلام کرے گا اور یہ استلام کس مقصد کے لیے ہے؟ سعی شروع کرنے لگا ہے، جیسے نماز کے شروع میں تکبیرِ تحریمہ ہے اسی طرح یہاں بھی کرلے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ طَوَافٍ بَعْدَهُ سَعْيٌ يَعُودُ إِلَى الْحَجَرِ»، ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو وہ لوٹے گا حجر کی طرف، «لِأَنَّ الطَّوَافَ لَمَّا كَانَ يُفْتَتَحُ بِالِاسْتِلَامِ فَكَذَا السَّعْيُ يُفْتَتَحُ بِهِ»، اس لیے کیونکہ طواف جب اس کا آغاز استلام سے کیا جاتا ہے تو اسی طرح سعی جو ہے اس کا بھی آغاز جو ہے استلام سے ہوگا۔ «بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ بَعْدَهُ سَعْيٌ»، بخلاف اس کے کہ جب طواف کے بعد سعی نہ ہو، تو پھر طواف کے بعد دوبارہ استلام نہیں کیا جائے گا، یعنی دو رکعتیں پڑھ گیا اور پڑھ لیں اور پھر جا کر استلام کرتا ہے، نہیں بھئی، اگر سعی بعد میں نہیں ہے تو پھر دوبارہ استلام کی ضرورت نہیں۔

قَالَ: «وَهَذَا الطَّوَافُ طَوَافُ الْقُدُومِ، وَيُسَمَّى طَوَافَ التَّحِيَّةِ»، اور یہ طواف جو ہے طوافِ قدوم ہے، اور اس طواف کو طوافِ تحیہ بھی کہتے ہیں۔ طوافِ قدوم کا دوسرا نام کیا ہے؟ طوافِ تحیہ ہے، تحیہ کا معنی ہوتا ہے سلام، سلام بھئی۔ تو یہ بھی بیت اللہ کے پاس آیا ہے تو بطورِ سلام کے کیا کر رہا ہے؟ یہ طواف کر رہا ہے، جیسے مسجد میں جاتے ہیں تحیۃ المسجد آپ پڑھتے ہیں، مستحب ہے دو رکعتیں انسان پڑھ لے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ بھی طواف طوافِ تحیہ کہلاتا ہے۔ «وَهُوَ سُنَّةٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ»، اور یہ طواف سنت ہے اور یہ واجب نہیں ہے۔ «وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِنَّهُ وَاجِبٌ»، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ طواف واجب ہے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ أَتَى الْبَيْتَ فَلْيُحَيِّهِ بِالطَّوَافِ»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: جو بیت اللہ کے پاس آئے تو چاہیے کہ اس کو اس کا تحیہ کرے طواف کے ساتھ، یعنی اس کو سلام پیش کرے کس کے ساتھ؟ طواف کے ساتھ، یہ امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل ہے۔ «وَلَنَا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَمَرَ بِالطَّوَافِ»، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے طواف کا، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ اور چاہیے کہ وہ حج پر آنے والے طواف کریں بیتِ عتیق کا، اس قدیم پرانے گھر کا۔ «وَالْأَمْرُ الْمُطْلَقُ»، تو یہاں مطلق امر آیا ہے ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا﴾، «وَالْأَمْرُ الْمُطْلَقُ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ»، اور مطلق امر جو ہے وہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، «وَقَدْ تَعَيَّنَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ بِالْإِجْمَاعِ»، اور تحقیق طوافِ زیارت متعین ہے بالاجماع، بالاجماع۔ ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا﴾ اس سے کون سا طواف مراد ہے؟ کس طواف کا امر کیا جا رہا ہے؟ طوافِ زیارت کا، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ طوافِ زیارت حج میں فرض ہے کیونکہ قرآن میں کیا کیا گیا اس کے کرنے کا؟ حکم دیا گیا ہے۔ تو یہاں مطلق امر آیا قرآن میں اور مطلق امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، اور اس کے لیے کون سا طواف متعین ہوا؟ طوافِ زیارت کا، تو جب وہ متعین ہوا اس کو فرض اور واجب قرار دیا جائے گا، کسی دوسرے طواف کو فرض یا واجب قرار نہیں دیا جائے گا، ورنہ تو پھر اس کا تو معنی یہ ہوگا کہ امر ایک ہی امر کے ذریعے دو چیزیں واجب ہو رہی ہیں، گویا امر تکرار کا تقاضا کر رہا ہے حالانکہ مطلق امر جو ہو وہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتا بھئی۔ یہاں

یہ نہیں آیا کہ دو دفعہ طواف کرو بلکہ کیا آیا؟ مطلقاً آیا طواف کرو، اور اس سے کون سا طواف مراد؟ طوافِ زیارت مراد ہے، تو دوسرے کسی طواف کو واجب قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہ معنی ہے: «وَالْأَمْرُ الْمُطْلَقُ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ، وَقَدْ تَعَيَّنَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ بِالْإِجْمَاعِ»، اور امرِ مطلق جو ہوتا ہے وہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتا اور تحقیق طوافِ زیارت متعین ہو چکا ہے بالإجماع اس سے۔ «وَفِيمَا رَوَاهُ سَمَّاهُ تَحِيَّةً وَهُوَ دَلِيلُ الِاسْتِحْبَابِ»، اور اس حدیث کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ اس حدیث میں جس کو امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اس میں نبی کریم ﷺ نے اس طواف کو تحیہ قرار دیا ہے: «فَلْيُحَيِّهِ بِالطَّوَافِ»، تو دیکھو اس طواف کو حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ تحیہ فرما رہے ہیں کہ اس کا طواف کے ساتھ بیت اللہ کو تحیہ پیش کرے یعنی سلام پیش کرے۔ تو یہ تحیہ آپ نے اس کو قرار دیا ہے، اس کا نام رکھا ہے، «وَهُوَ دَلِيلُ الِاسْتِحْبَابِ»، اور یہ دلیل ہے اس طواف کے مستحب ہونے کی دلیل ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ طَوَافُ الْقُدُومِ؛...

«وَلَيْسَ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ طَوَافُ الْقُدُومِ؛ لِانْعِدَامِ الْقُدُومِ فِي حَقِّهِمْ»، اور نہیں ہے مکہ والوں پر طوافِ قدوم، اس لیے کیونکہ ان کے حق میں آنا معدوم ہے۔ بھئی طوافِ قدوم، قدوم کا مطلب ہوتا ہے آنا، آنا۔ تو یہ شخص دور سے سفر کر کے بیت اللہ کے پاس آیا ہے لہٰذا اس کے لیے تو طوافِ قدوم ہے، سنت ہے اس کے لیے کرنا، لیکن مکہ والے تو وہیں رہتے ہیں ان کے لیے تو قدوم یعنی آنا نہیں، وہ تو سفر کر کے کہیں سے نہیں آئے لہٰذا ان کے لیے طوافِ قدوم بھی ثابت نہیں ہے، یہ دور سے آنے والے کے لیے ہے۔ یہ معنی ہے «لِانْعِدَامِ الْقُدُومِ فِي حَقِّهِمْ»، اس وجہ سے کہ آنا ان کے حق میں معدوم ہے۔

قَالَ: «ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّفَا فَيَصْعَدُ عَلَيْهِ وَيَسْتَقْبِلُ الْبَيْتَ وَيُكَبِّرُ وَيُهَلِّلُ وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»، اب سعی کا طریقہ بیان ہونے لگا ہے۔ اب آپ کو بتلائیں گے کہ جب یہ استلام کر لیا حجر اسود کا، اب حاجی آ جائے اور صفا پر، پہاڑی پر چڑھ جائے بھئی۔ صفا پہاڑی اب تو ختم ہے، کچھ تھوڑی سی کچھ حصہ اس کا باقی ہے، وہ گنبد کے نیچے، اس کے اوپر ساری عمارت اور گنبد وغیرہ بنا دیا گیا ہے اس برآمدے کے اندر، تو وہ اس صفا پہاڑی پر آ جائے اور اس پر تھوڑا سا چڑھ جائے ایسی جگہ پر کھڑا ہو جائے جہاں سے بیت اللہ نظر آئے۔ تو اگرچہ اب درمیان میں بڑے ستون آ گئے ہیں، عمارت آ گئی ہے، لیکن اب معلوم نہیں وہاں سے بیت اللہ نظر آتا ہے یا نہیں، لیکن چند سال قبل تک صفا پہاڑی پر بھی انسان کھڑا ہوتا تھا تو ستونوں کے بیچ میں سے کچھ بیت اللہ کا حصہ نظر آتا تھا بھئی۔ تو صفا پہاڑی پر چڑھ جائے اور بیت اللہ پر نظر پڑ سکتی ہو ایسی جگہ پر کھڑا ہو جائے اور پھر تکبیر کہے، تہلیل کہے اور حضور علیہ السلام پر درود پڑھے اور دعائیں مانگ لے اور پھر اس کے بعد چل پڑے مروہ پہاڑی کی طرف بھئی، طریقہ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو کہتے ہیں: قَالَ، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّفَا»، پھر وہ حاجی جو ہے نکلے صفا پہاڑی کی طرف، «فَيَصْعَدُ عَلَيْهِ»، تو اس پہاڑی پر چڑھ جائے، «وَيَسْتَقْبِلُ الْبَيْتَ»، اور بیت اللہ کی طرف رخ کر لے، «وَيُكَبِّرُ وَيُهَلِّلُ»، اور تکبیر کہے اور لا الہ الا اللہ کہے، «وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»، اور حضور ﷺ پر درود پڑھے، «وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ»، اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، «وَيَدْعُو اللَّهَ لِحَاجَتِهِ»، اور دعا کرے اللہ سے اپنی حاجت کا، اپنی حاجتوں کی اللہ سے دعا کر لے۔

دلیل اب ذکر کر رہے ہیں بھئی کہ یہ جو ہم نے سارا ذکر کیا یہ طریقہ، اس کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَعِدَ الصَّفَا حَتَّى إِذَا نَظَرَ إِلَى الْبَيْتِ قَامَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُو اللَّهَ»، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے یہاں تک کہ «إِذَا نَظَرَ إِلَى الْبَيْتِ» یہاں تک کہ جب بیت اللہ کو دیکھ لیا، «قَامَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ» تو کھڑے ہو گئے قبلہ رخ ہو کر، «يَدْعُو اللَّهَ تَعَالَى» اس حال میں کہ وہ اللہ سے دعا کر رہے تھے۔ «وَلِأَنَّ الثَّنَاءَ وَالصَّلَاةَ يُقَدَّمَانِ عَلَى الدُّعَاءِ تَقْرِيبًا إِلَى الْإِجَابَةِ كَمَا فِي غَيْرِهِ مِنَ الدَّعَوَاتِ»، اور نیز اس لیے کیونکہ ثنا اور درود وغیرہ ذکر کیا متن میں، اس کی کیا دلیل ہے؟ کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ الثَّنَاءَ وَالصَّلَاةَ يُقَدَّمَانِ عَلَى الدُّعَاءِ»، اس لیے کیونکہ اللہ کی حمد و ثنا اور حضور علیہ السلام پر درود جو ہے اس کو مقدم کیا جاتا ہے دعا پر، «تَقْرِيبًا إِلَى الْإِجَابَةِ» اس کو قبولیت کے قریب کرنے کے لیے، «كَمَا فِي غَيْرِهِ مِنَ الدَّعَوَاتِ» جیسے اس کے علاوہ اور دعاؤں میں ہے۔ جیسے اور دعاؤں میں کیا جاتا ہے بھئی، پہلے اللہ کی حمد و ثنا ہوتی ہے، پھر حضور علیہ السلام پر درود پڑھا جاتا ہے، پھر دعا کی جاتی ہے، تو یہاں بھی چونکہ دعا ہے تو اسی طرح کرے گا بھئی۔ «وَالرَّفْعُ سُنَّةُ الدُّعَاءِ»، اور بھئی یہ ہاتھوں کا اٹھانا؟ تو کہتے ہیں بھئی ہاتھوں کا اٹھانا «سُنَّةُ الدُّعَاءِ»، یہ دعا کی سنت ہے اس لیے ہم نے کہا ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ «وَإِنَّمَا يَصْعَدُ بِقَدْرِ مَا يَصِيرُ الْبَيْتُ بِمَرْأًى مِنْهُ»، اور چڑھے اتنی مقدار صفا پہاڑی پر کہ ہو جائے بیت اللہ «بِمَرْأًى مِنْهُ» اس کے دیکھنے کی جگہ میں، یعنی اس کی نگاہوں میں آ جائے، اس کو نظر آنے لگے۔ تو صفا پر چڑھے وہ اتنی مقدار کہ بیت اللہ اس کو دکھائی دینے لگے۔ «لِأَنَّ الِاسْتِقْبَالَ هُوَ الْمَقْصُودُ بِالصُّعُودِ»، اس لیے کیونکہ قبلہ رخ ہونا ہی مقصود ہے اس پہاڑی پر چڑھنے کے ذریعے۔ یہ پہاڑی پر چڑھے ہی کیوں ہیں آپ؟ تاکہ کس طرف رخ ہو جائے آپ کا؟ قبلے کی طرف رخ ہو جائے اور اس کا پتہ کیسے چلے گا؟ جب آپ کو بیت اللہ دکھائی دے گا تو اس سے پوری طرح پتہ چل جائے گا کہ آپ قبلہ رخ ہیں۔

■ مسئلہ: وَيَخْرُجُ إِلَى الصَّفَا مِنْ أَيِّ بَابٍ شَاءَ

«وَيَخْرُجُ إِلَى الصَّفَا مِنْ أَيِّ بَابٍ شَاءَ»، اور نکلے صفا کی طرف جس دروازے سے چاہے۔ بھئی یہ قدیم پہلے تو یہ جو مسجد مسجدِ حرام ہے اس کی عمارت الگ تھی اور یہ صفا مروہ مسجد سے باہر مسجد کے ساتھ ہی تھیں لیکن مسجد سے باہر تھیں۔ اب تو اس سارے پر عمارت آگئی، اس پر بھی بر آمدہ بن گیا، یہ بھی وہ مسجد کی عمارت ہی میں شامل ہو گئی ہے۔ تو پہلے حاجی کو مسجد سے نکلنا پڑتا تھا اور پھر وہ صفا مروہ کے درمیان آتا تھا، پہنچتا تھا۔ تو اب تو بیچ میں ہی آگئی ہے یہ۔ تو وہ حاجی دروازے سے نکلتا تھا، تو کس دروازے سے نکلے؟ تو ہمارے نزدیک جس دروازے سے بھی نکلے تو نکل کر صفا پر جا سکتا ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بابِ بنی مخزوم جو ہے اس سے نکلے گا، جس کو بابِ صفا کہتے ہیں اب، اس سے نکلے گا اور صفا پر آئے گا۔ وہ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ نبی کریم ﷺ بابِ بنی مخزوم سے نکلے تھے اور صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے تھے۔ بنو مخزوم بھئی یہ عرب کا ایک قبیلہ تھا، ان لوگوں کے گھر کہیں اس دروازے کے قریب ہوں گے، اس جانب ہوں گے، اس سے یہ دروازہ ہی کیا کہلانے لگا؟ بابِ بنی مخزوم کہلانے لگا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس دروازے سے نکلنا سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں، یہ کوئی الگ مقصودی سنت نہیں ہے، حضور علیہ السلام اس لیے اس دروازے سے تشریف لے گئے تھے کہ یہ صفا کے سب سے قریب یہی دروازہ تھا اس لیے حضور علیہ السلام اس سے نکل کر صفا پر آئے تھے۔ تو کہتے ہیں: «وَيَخْرُجُ إِلَى الصَّفَا مِنْ أَيِّ بَابٍ شَاءَ، وَإِنَّمَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَابِ بَنِي مَخْزُومٍ، وَهُوَ الَّذِي يُسَمَّى بَابَ الصَّفَا»، اور نکلے صفا کی طرف جس دروازے سے چاہے، اور نبی کریم ﷺ بابِ بنی مخزوم سے نکلے تھے اور یہ وہی دروازہ ہے جس کو بابِ صفا کہتے ہیں، اب اس کا نام کیا ہے؟ بابِ صفا ہے۔ تو اس سے حضور علیہ السلام اس لیے نکلے تھے: «لِأَنَّهُ كَانَ أَقْرَبَ الْأَبْوَابِ إِلَى الصَّفَا لَا أَنَّهُ سُنَّةٌ»، اس لیے کیونکہ یہ صفا کے سب سے قریب دروازہ تھا، نہ اس وجہ سے کہ یہ سنت ہے۔ تو سنت کے طور پر حضور علیہ السلام اس سے باہر نہیں نکلے بلکہ چونکہ یہ سب سے قریب دروازہ تھا اس لیے تشریف لے گئے۔

قَالَ: «ثُمَّ يَنْحَطُّ نَحْوَ الْمَرْوَةِ وَيَمْشِي عَلَى هِينَتِهِ»، پھر اترے «نَحْوَ الْمَرْوَةِ»، نحو کا معنی ہے جانب، «نَحْوَ الْمَرْوَةِ» مروہ کی جانب۔ پہاڑی پر چڑھا تھا وہ حاجی اور اس نے دعا کر لی، اب کس طرف جانا ہے؟ مروہ پہاڑی کی طرف، تو وہی ذکر کر رہے ہیں: «ثُمَّ يَنْحَطُّ نَحْوَ الْمَرْوَةِ»، پھر اتر آئے مروہ کی جانب، «وَيَمْشِي عَلَى هِينَتِهِ»، اور چلے حاجی جو ہے «عَلَى هِينَتِهِ» اپنے وقار پر، یعنی اپنے اطمینان پر، یعنی آرام سے چلے بھئی۔ «هِينَتِهِ» یہاں ہا کے نیچے کسرہ ہونا چاہیے، یہ بھئی فتحہ درست نہیں ہے۔

«فَإِذَا بَلَغَ بَطْنَ الْوَادِي يَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ الْأَخْضَرَيْنِ سَعْيًا»، بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا صفا مروہ کے درمیان دو سبز رنگ کے نشانات آتے ہیں، حاجی جب بھی یہاں پہنچے گا تو ایک نشان سے دوسرے نشان تک ہلکی رفتار سے دوڑ لگائے گا، اور یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے دوڑنے کا حکم نہیں ہے۔ تو صفا سے مروہ کی طرف جائے گا تب بھی ان دو نشانوں میں دوڑ لگائے گا اور مروہ سے صفا کی طرف آئے گا پھر بھی کیا کرے گا؟ ان دو نشانوں میں دوڑ لگائے گا، یہی ذکر کر رہے ہیں۔ «فَإِذَا بَلَغَ بَطْنَ الْوَادِي»، تو جب پہنچ جائے وہ سعی کرنے والا وادی کے بیچ میں یعنی اس کی گہری جگہ میں۔ وادی کے بیچ میں یعنی اس کی گہری جگہ میں، اگرچہ اب تو گہری جگہ نہیں اب تو سارے پر فرش بنا دیا گیا ہے، لیکن بہر حال وہ نشانات باقی ہیں بھئی۔ تو جب وہ پہنچ جائے وادی کے بیچ میں، «يَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ الْأَخْضَرَيْنِ سَعْيًا»، تو دوڑ لگائے ان دو سبز نشانوں کے درمیان، «سَعْيًا» دوڑ لگانا۔ بھئی «سَعْيًا» مفعولِ مطلق ذکر کیا صاحبِ قدوری نے، صاحبِ قدوری نے کیا کیا؟ «سَعْيًا» مفعولِ مطلق ذکر کیا، اور مفعولِ مطلق کے فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ ہے اور اس کے لانے کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے، کس کے احتمال کو؟ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ مثلاً بھئی میں آپ سے کہتا ہوں: «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، میں نے زید کی پٹائی کی، تو آپ کے ذہن میں خیال آسکتا ہے اور یہ وہم آسکتا ہے کہ بھئی نہیں، زید کی پٹائی نہیں کی ہو گی، زید کی پٹائی کون کر سکتا ہے؟ ہاں اس کو ڈانٹ دیا ہو گا اچھی طرح، اور اس ڈانٹ ہی کو کس سے تعبیر کر دیا کہنے والے نے؟ ضرب کے ساتھ اور پٹائی کے ساتھ تعبیر کر دیا۔ لیکن آگے میں کہہ دیتا ہوں مثلاً: «ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا»، «ضَرْبًا» مفعولِ مطلق بھی لے آؤں تو یہ مجاز کے احتمال کو ختم کر دے گا اور بتلا دے گا کہ ضرب سے ضرب ہی مراد ہے، ڈانٹ وغیرہ مراد نہیں ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی سعی کو ذکر کیا اور آگے «سَعْيًا» مفعولِ مطلق لا کر بتلا دیا کہ دوڑنے سے دوڑنا ہی مراد ہے، تیز چلنا وغیرہ مراد نہیں ہے بھئی۔ یہ معنی ہے: «يَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ الْأَخْضَرَيْنِ سَعْيًا»، اور دوڑ لگائے گا ان دو سبز نشانوں کے درمیان۔

■ مسئلہ: ثُمَّ يَمْشِي عَلَى هِينَتِهِ حَتَّى يَأْتِيَ الْمَ...

«ثُمَّ يَمْشِي عَلَى هِينَتِهِ حَتَّى يَأْتِيَ الْمَرْوَةَ فَيَصْعَدَ عَلَيْهَا وَيَفْعَلَ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا»، پھر چلے اپنے وقار پر، اپنے اطمینان پر، یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آجائے اور اس کے اوپر چڑھ جائے اور اسی طرح کرے جیسے صفا پر کیا تھا، یعنی قبلہ رخ کھڑے ہو کر تکبیر و تہلیل کہے اور درود پڑھے اور دعا کرے۔

دلیل ذکر کر رہے ہیں: «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَلَ مِنَ الصَّفَا وَجَعَلَ يَمْشِي نَحْوَ الْمَرْوَةِ وَسَعَى فِي بَطْنِ الْوَادِي حَتَّى إِذَا خَرَجَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي مَشَى حَتَّى صَعِدَ الْمَرْوَةَ وَطَافَ بَيْنَهُمَا سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ»، کہ نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی سے اترے اور آپ

مروہ پہاڑی کی طرف چل پڑے، اور آپ دوڑے وادی کے بیچ میں یہاں تک کہ جب آپ وادی کے بیچ میں سے نکل آئے تو آپ پھر چلنے لگے یہاں تک کہ آپ مروہ پہاڑی پر چڑھ گئے، اور آپ نے چکر لگائے ان دونوں کے درمیان سات چکر۔ «وَهَذَا شَوْطٌ وَاحِدٌ»، یہ اب صاحبِ ہدایت فرمارہے ہیں کہ یہ ایک چکر ہو گیا۔ کہاں پر پہنچ گیا حاجی؟ مروہ پہاڑی پر، وہاں بھی وہی کرے جو اس نے صفا پر کیا تھا، اور یہ ایک چکر ہو گیا۔

«فَيَطُوفُ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ يَبْدَأُ بِالصَّفَا وَيَخْتِمُ بِالْمَرْوَةِ»، پس لگائے سات چکر، ابتدا کرے صفا سے اور ختم کرے مروہ پر۔ «وَيَسْعَى فِي بَطْنِ الْوَادِي فِي كُلِّ شَوْطٍ لِمَارَوَيْنَا»، اور دوڑ لگائے گا وادی کے بطن میں، وادی کے بیچ میں ہر چکر میں، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی۔

■ مسئلہ: وَإِنَّمَا يَبْدَأُ بِالصَّفَا

«وَإِنَّمَا يُبْدَأُ بِالصَّفَا»، سوال پیدا ہوتا ہے یہ سعی کی ابتدا صفا سے کیوں کی جاتی ہے، مروہ سے کیوں نہیں ابتدا کی جاتی ہے؟ تو اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں بھئی، کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا يُبْدَأُ بِالصَّفَا»، اور سعی کی ابتدا صفا پہاڑی سے کی جائے گی، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيهِ»، بوجہ نبی کریم ﷺ کے قول کے «فِيهِ» اس بارے میں۔ اس وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں فرمایا، «فِيهِ» ھا ضمیر راجع ہے ابتداء بالصفا کو بھئی، کہ نبی کریم ﷺ نے ابتداء بالصفا کے بارے میں فرمایا: «ابْدَءُوا بِمَا بَدَأَ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ»، کہ تم لوگ شروع کرو اس چیز سے جس سے اللہ نے شروع فرمایا ہے۔ تم لوگ بھی سعی اس جگہ سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے یعنی جس کو اللہ نے پہلے ذکر فرمایا ہے تم بھی اسی سے سعی شروع کرو۔ اور قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾، تو پہلے کس کا ذکر آیا؟ صفا کا، تو حضور علیہ السلام بھی فرمارہے ہیں جس کو پہلے اللہ نے ذکر فرمایا ہے تم لوگ بھی وہیں سے کیا کرو؟ ابتدا کرو، تو صفا پہاڑی سے ابتدا کی جائے گی۔ یہ معنی ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «ابْدَءُوا بِمَا بَدَأَ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ»، کہ تم لوگ شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے۔

«ثُمَّ السَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاجِبٌ وَلَيْسَ بِرُكْنٍ»، پھر یہ جو صفا اور مروہ کے درمیان سعی ہے یہ واجب ہے ہمارے نزدیک، اور یہ حج کا رکن نہیں یعنی فرض نہیں۔ رکن تو وہ ہے جو رہ جائے تو حج ہی ادا نہیں ہو گا لیکن یہ رکن نہیں ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ واجب ہے، لہٰذا اگر رہ جائے تو کیا کرنا پڑے گا؟ دم دینا پڑے گا، ایک جانور کی قربانی کرنا پڑے گی، لیکن بہر حال حج ہو جائے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں یہ سعی صفا اور مروہ کے درمیان واجب ہے اور رکن نہیں ہے۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِنَّهُ رُكْنٌ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ رکن ہے، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے کہ آپ فرماتے ہیں: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ فَاسْعَوْا»، کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے، «فَاسْعَوْا» تو تم لوگ کیا کرو؟ سعی کرو۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دیکھیے اس حدیث میں کیا حضور علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے یعنی فرض کر دی ہے، کیونکہ لکھنے کا کیا معنی ہوتا ہے؟ فرض کر دینا ہوتا ہے۔ «فَاسْعَوْا» تو تم لوگ کیا کرو؟ سعی کرو، تو وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں، یہ معلوم ہوا سعی حج کا رکن ہے باقاعدہ۔

■ مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ...

«وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾»، اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ اور کوئی حرج نہیں ہے حاجی پر کہ وہ چکر لگائے ان دونوں کا، ان دونوں میں یعنی صفا اور مروہ میں طواف کرے یعنی چکر لگائے، کوئی حرج نہیں کہ حاجی ان دونوں میں چکر لگائے۔ تو قرآن میں اللہ فرمارہے ہیں کوئی حرج نہیں، ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ﴾، «وَمِثْلُهُ يُسْتَعْمَلُ لِلْإِبَاحَةِ»، اور اس جیسے الفاظ اباحت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ یہ نہیں فرمارہے ہیں کہ ضروری ہے چکر لگانا بلکہ کیا فرمارہے ہیں؟ کوئی حرج نہیں کہ حاجی کیا کرلے؟ چکر لگالے ان میں، اور اس طرح کے الفاظ اباحت میں استعمال ہوتے ہیں، یعنی یہ مباح ہے، یہ بھی کر سکتا ہے جائز ہے بھئی، صورت سمجھ میں آگئی؟

«فَيَنْفِي الرُّكْنِيَّةَ وَالْإِيجَابَ»، تو یہ اللہ کا یہ قول نفی کر دیتا ہے اس سعی کے رکن ہونے کی «وَالْإِيجَابَ» اور واجب ہونے کی بھئی۔ تو یہ اللہ کا یہ قول تو یہ تقاضا کر رہا ہے۔ قرآن میں اللہ کیا، دلیل بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں بھئی؟ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ کوئی حرج نہیں، معلوم ہوا لازمی بھی نہیں ہے۔ سمجھ میں آرہی ہے بات؟ معلوم ہوا صرف جائز ہے، لازم بھی نہیں ہے۔ یہ اللہ کا یہ قول تو اس کے رکن ہونے کی بھی نفی کر رہا ہے اور اس کے واجب ہونے کی بھی نفی کر رہا ہے۔ «إِلَّا أَنَّا عَدَلْنَا عَنْهُ فِي الْإِيجَابِ»، مگر یہ کہ ہم نے اس سے عدول کر لیا ایجاب کے معاملے میں، کس معاملے میں؟ ایجاب میں۔ ادھر توجہ کریں بھئی۔ بھئی دیکھیے اللہ تعالیٰ کا قول دو چیزوں کی نفی کر رہا ہے، انہوں نے بتلا دیا، کس چیز کی؟ رکنیت کی بھی نفی کر رہا ہے اور دوسری چیز کیا ہے؟ ایجاب کی بھی کوئی نفی کر رہا ہے۔ رکن بھی نہیں، واجب بھی نہیں، یہ کس سے پتہ چل رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے۔ تو اللہ تعالیٰ کا قول تو بتلا رہا ہے کہ یہ رکن بھی نہیں واجب بھی نہیں، ان دو چیزوں میں سے یہ جو واجب بھی نہیں، اس میں ہم نے عدول کر لیا۔ کیا کر لیا؟ اللہ کا قول تو بتلا رہا ہے، قرآن تو بتلا رہا ہے کہ یہ واجب بھی نہیں، لیکن ہم نے اس کو واجب قرار دے دیا۔ تو عدول کیا یعنی اس سے؟ اس سے ہم پلٹ گئے یا نہیں پلٹ گئے؟ قرآن تو کیا تقاضا کر رہا ہے؟ واجب بھی نہیں۔ لیکن ہم نے کیا کہا؟ واجب ہے، تو ہم نے وجوب کے سلسلے میں اس سے عدول

کیا۔ اور دوسری کیا چیز بیان، دوسری کیا چیز معلوم ہو رہی تھی؟ کہ رکن بھی نہیں، اس پر تو ہم عمل کر رہے ہیں، یہ رکن نہیں ہے۔ لیکن وجوب کے سلسلے میں ہم نے اس سے عدول کر لیا، کیوں عدول کیا؟ اسی حدیث کی وجہ سے: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ فَاسْعَوْا»، کہ اللہ نے تم پر سعی کو لکھ دیا ہے تو تم سعی کرو۔ تو قرآن پر بھی عمل ہوا، قرآن سے معلوم ہوا کہ رکن نہیں، اور خبرِ واحد کے ذریعے جو بات ثابت ہوئی تھی اس کو فرض یا رکن نہیں قرار دیا جا سکتا، واجب قرار دیا جا سکتا ہے، اور ہم نے بھی واجب قرار دیا ہے بھئی، دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «إِلَّا أَنَّا عَدَلْنَا عَنْهُ فِي الْإِيجَابِ»، مگر یہ کہ ہم نے عدول کیا ہے اس سے ایجاب میں، «وَلِأَنَّ الرُّكْنِيَّةَ لَا تَثْبُتُ إِلَّا بِدَلِيلٍ مَقْطُوعٍ بِهِ وَلَمْ يُوجَدْ»، اور نیز اس لیے کہ رکن ہونا وہ ثابت نہیں ہوتا مگر قطعی دلیل کے ذریعے، یقینی دلیل کے ذریعے، اور یقینی دلیل تو یہاں موجود نہیں ہے، خبرِ واحد ہے۔ خبرِ واحد سے فرضیت نہیں ثابت ہو سکتی، ایجاب ثابت ہو سکتا ہے اور وہ ہم نے ثابت کیا۔

■ مسئلہ: ثُمَّ مَعْنَى مَا رَوَى كَتَبَ اسْتِحْبَابًا كَمَا...

«ثُمَّ مَعْنَى مَا رَوَى كَتَبَ اسْتِحْبَابًا كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾»، پھر معنی اس حدیث کا جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے: «كَتَبَ اسْتِحْبَابًا»، کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے استحباباً بطورِ استحباب کے، بطورِ استحباب کے لکھ دیا ہے، «كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى»، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ بھئی انہوں نے کیا معنی کیا تھا کہ لکھ دینے کا کیا معنی ہے؟ فرض کر دینا، ہم نے کہا نہیں، لکھنے سے یہاں کس معنی میں ہے؟ مستحب قرار دے دیا یعنی اللہ نے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ کہ تم پر لکھ دیا گیا ہے جب تم میں سے کسی پر موت آئے، تو یہاں پر دیکھو وصیت کا کہا جا رہا ہے اور وصیت وصیت واجب نہیں ہے بلکہ وصیت کرنا مستحب ہے بھئی مستحب ہے، حالانکہ یہاں پر بھی ﴿كُتِبَ﴾ آیا، تو معلوم ہوا لکھنے سے یہاں کیا مراد ہے؟ مستحب کرنا مراد ہے اور یہی معنی ہم حدیث میں کرتے ہیں بھئی۔ الآیۃ، ای اقرأ الآیۃ، یا الآیۃ معروفۃ، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو وصیت کرنا مستحب ہے، یہ عام احوال کی بات ہو رہی ہے، عام احوال کے اندر وصیت مستحب ہے، لیکن یاد رکھیے بعض اوقات وصیت واجب بھی ہو جاتی ہے، یہ اس صورت میں جب آپ کے ذمے کسی کا حق باقی ہے، آپ نے کسی کے پیسے دینے ہیں یا کوئی حق ادا کرنا ہے اور کسی کو اس کا پتہ ہی نہیں ہے تو اب آپ پر واجب ہے کہ آپ وصیت کر کے جائیں، کیونکہ اب تو اس بیچارے کے لیے وصولی کی کوئی صورت ہی نہیں رہے گی، صرف آپ کو پتہ ہے اور آپ کا انتقال ہو جاتا ہے تو آپ کے ورثاء میں سے تو کوئی بھی اس کو وہ ادائیگی نہیں کرے گا، وہ تسلیم ہی نہیں کریں گے اس کے اس حق کو اور قرضے کو، تو اس صورت میں پھر وصیت کیا ہوتی ہے؟ واجب ہوتی ہے، البتہ عام احوال کے اندر مستحب ہے وصیت بھئی۔

«ثُمَّ يُقِيمُ بِمَكَّةَ حَرَامًا»، پھر وہ حاجی مقیم رہے مکہ میں حراماً، ای محرماً، یعنی محرم ہو کر مکہ میں مقیم رہے۔ حج افراد کا طریقہ ذکر ہو رہا ہے، حاجی مکہ پہنچ گیا، اس نے طواف بھی کر لیا، اس نے سعی بھی کر لی، اب اس سعی کے بعد بال نہیں کٹوانے، بال نہیں منڈوانے، اس لیے کیونکہ یہ عمرہ نہیں کر رہا بلکہ یہ سعی کس کی ہے؟ حج کی ہے، لہٰذا ابھی حلال نہیں ہونا، تو بس یہ سعی کر لے اور اس کے بعد مکہ ہی میں رہے اسی حالتِ احرام کے اندر، انہی دو چادروں کے اندر بھئی، مکہ میں رہے۔ اور اس دوران بھئی جتنے طواف کرنا چاہتا ہے یہ کر سکتا ہے، جتنے طواف کرنا چاہے، اور یہ طواف چونکہ ان کے بعد سعی ہی نہیں ہو گی لہٰذا ان طوافوں میں اضطباع بھی نہیں کرے گا اور رمل بھی نہیں کرے گا کیونکہ اضطباع اور رمل کس طواف میں کیا جاتا ہے؟ جس کے بعد سعی ہو، تو عام طواف جتنے وہ چاہے کر سکتا ہے۔

یہ معنی ہے: «ثُمَّ يُقِيمُ بِمَكَّةَ حَرَامًا؛ لِأَنَّهُ مُحْرِمٌ بِالْحَجِّ فَلَا يَتَحَلَّلُ قَبْلَ الْإِتْيَانِ بِأَفْعَالِهِ»، پھر مکہ میں ہی وہ حاجی مقیم رہے محرم ہو کر، اس لیے کیونکہ وہ حج کا محرم ہے، حج کا احرام باندھنے والا ہے، لہٰذا یہ حلال نہیں ہو گا حج کے افعال کر لینے سے پہلے۔ «وَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ كُلَّمَا بَدَا لَهُ»، اور بیت اللہ کا طواف کرے جب بھی اس کی رائے بنے، بدا لہ کا معنی ہوتا ہے رائے بننا، یعنی جب بھی اس کا جی چاہے کیا کرتا ہے؟ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے۔ «لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الصَّلَاةَ»، اس لیے کیونکہ طواف جو ہے نماز کے مشابہ ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جس طرح انسان نوافل جتنے پڑھنا چاہتا ہے پڑھ سکتا ہے، اسی طرح یہ طواف بھی کس کی طرح ہے؟ نماز کی طرح ہے، تو جتنے طواف کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الصَّلَاةَ»، اس لیے کیونکہ طواف جو ہے نماز کے مشابہ ہے۔ «قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلَاةٌ»، حضور علیہ السلام نے فرمایا: بیت اللہ کا طواف جو ہے وہ نماز ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ بیت اللہ کا طواف نماز ہے، اور اسی حدیث میں آگے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: مگر یہ بات ہے کہ اس کے اندر اللہ نے بولنے کو حلال قرار دے دیا ہے۔ نماز میں تو بولیں گے، بات کریں گے، نماز ہی کیا ہو جائے گی؟ نماز ہی فاسد ہو جائے گی، باطل ہو جائے گی، لیکن البتہ یہ ہے طواف میں بولنے کی اجازت ہے لہٰذا جو شخص کلام کرے وہ اچھا کلام کرے طواف کے اندر بھئی۔ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا طواف کے اندر کوئی خاص دعا نہیں ضروری، انسان ذکر کرتا رہے، سبحان اللہ پڑھتا رہے، الحمد للہ پڑھتا رہے، درود شریف پڑھتا رہے، دعائیں کرتا رہے، کسی سے بات کی ضرورت پیش آجاتی ہے بات بھی کر سکتا ہے، لیکن بات کرے تو اچھی بات کرے، خیر کی بات کرے۔

اور ایک اور چیز بھئی، کتابوں میں بہت سی کتابوں میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ طواف کے دوران بیت اللہ کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے، بیت اللہ کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے

بھئی۔ والد صاحب کے ساتھ کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے سفر حج اور عمرہ کا موقع نصیب فرمایا اور وہاں میں نے کئی مرتبہ والد صاحب سے یہ بات سنی بھئی کہ وہ یہ ذکر کرتے تھے کہ بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ طواف کے دوران بیت اللہ کی طرف رخ نہیں کرنا چاہیے، اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ لیکن یہ بات دل مانتا نہیں ہے بھئی، کئی دفعہ یہ بات انہوں نے ذکر کی۔ سمجھ میں آیا؟ معلوم ہوا ان کی رائے یہ تھی کہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں، وہ فرماتے ہیں عجیب بات ہے کہ وہ بیت اللہ جس کے گرد انسان چکر لگا رہا ہے اور جہاں عبادت سرانجام دے رہا ہے اور اس کی طرف دیکھنا درست نہ ہو طواف کے دوران، یہ بات عجیب سی لگتی ہے۔ اگرچہ ان کا مطالعہ بے انتہا وسیع تھا، دن رات مطالعہ ہی مطالعہ ان کا کام ہوتا تھا، اور دور دور سے علماء ان کو بھی کسی حوالے کی ضرورت پیش آتی تھی تو والد صاحب کے پاس آتے تھے کہ فلاں مسئلے کے اندر اگر کوئی حوالہ وغیرہ یا کچھ ہمیں مل جائے بھئی، اور اللہ نے حافظہ بھی بڑا قوی نصیب فرمایا تھا، ایسے ایسے واقعات کہ انسان سن کر حیران رہ جاتا ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا ان کی بھی رائے یہ تھی، ان کو بھی کوئی ایسی دلیل نہیں ملی تھی کتابوں کے اندر کہ جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہو کہ بیت اللہ کو نہیں دیکھنا چاہیے، چنانچہ وہ ہمیشہ وہ یہ بات ذکر فرماتے تھے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی یہ رائے تھی کہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بھئی، حرج نہیں ہے بھئی۔ معلوم ہوا جو علماء یہ قول ذکر بھی کرتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل وغیرہ ایسی موجود نہیں ہے بھئی کہ جس سے دوسرا مطمئن ہو سکے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ ضروری بات ایک میرے ذہن میں آگئی والد صاحب سے سنی ہوئی تھی تو میں نے کہا آپ کو بھی سنا دوں بھئی۔

■ مسئلہ: وَالصَّلَاةُ خَيْرٌ مَوْضُوعٍ

«وَالصَّلَاةُ خَيْرٌ مَوْضُوعٍ»، اور نماز بہترین وضع کی ہوئی چیز ہے یعنی بہترین وضع کی ہوئی نیکی ہے۔ «فَكَذَا الطَّوَافُ»، تو اسی طرح طواف بھی ہے۔ یعنی نماز بہترین مقرر کی ہوئی نیکی ہے، یعنی انسان جس قدر نماز سے نفع اٹھانا چاہے اٹھا سکتا ہے، ان اوقاتِ مکروہہ کے علاوہ جس قدر نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے، تو اسی طرح طواف بھی ہے، طواف بھی جس قدر انسان کرنا چاہے کر سکتا ہے بھئی۔ تو یہ معنی ہے: «وَالصَّلَاةُ خَيْرُ مَوْضُوعٍ فَكَذَاالطَّوَافُ»، اور نماز بہترین مقرر کی ہوئی نیکی ہے تو اسی طرح طواف بھی ہے۔ «إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْعَى عَقِيبَ هَذِهِ الْأَطْوِفَةِ فِي هَذِهِ الْمُدَّةِ»، مگر یہ کہ وہ حاجی جو ہے وہ سعی نہیں کرے گا ان طوافوں کے بعد اس مدت کے دوران، کیونکہ وہ سعی تو کس کی تھی؟ حج کی تھی، اور ویسے سعی عمرے میں بھی ہوتی ہے لیکن بعد میں یہ جب صرف طواف کر رہا ہے تو حج کی سعی تو یہ کر چکا ہے اور عمرہ تو یہ کر نہیں رہا لہٰذا ان طوافوں کے بعد وہ سعی نہیں کرے گا۔ یہ معنی ہے مگر یہ کہ وہ سعی نہیں کرے گا ان طوافوں کے پیچھے یعنی ان کے بعد اس مدت میں، «لِأَنَّ السَّعْيَ لَا يَجِبُ فِيهِ إِلَّامَرَّةً»، اس لیے کیونکہ سعی واجب نہیں ہے حج کے اندر مگر ایک ہی مرتبہ، «وَالتَّنَفُّلُ بِالسَّعْيِ غَيْرُمَشْرُوعٍ»، اور سعی میں نفل جو ہے وہ غیر مشروع ہے یعنی نفلی سعی غیر مشروع ہے، جائز نہیں ہے بھئی۔ «وَيُصَلِّي لِكُلِّ أُسْبُوعٍرَكْعَتَيْنِ»، اور پڑھے ہر سات چکروں کے لیے دو رکعتیں، «وَهِيَ رَكْعَتَا الطَّوَافِ عَلَى مَا بَيَّنَّا»، اور یہ طواف کی دو رکعتیں ہیں بوجہ اس کے جو ہم نے بیان کر دیا، وہ حدیث گزر گئی کہ حضور علیہ السلام کیا فرماتے تھے کہ ہر طواف کرنے والے کو ہر سات چکروں کے لیے دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام، واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۳۸: مسئلہ: فَإِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ...

ہدایہ صفحہ: ۲۶۴ — بتاریخ: ۲۸ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ «فَإِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ خَطَبَ الْإِمَامُ خُطْبَةً يُعَلِّمُ فِيهَا النَّاسَ الْخُرُوجَ إِلَى مِنًى وَالصَّلَاةَ بِعَرَفَاتٍ وَالْوُقُوفَ وَالْإِفَاضَةَ».

گزشتہ سبق میں حج افراد کا طریقہ بیان کر رہے تھے صاحب ہدایہ، کہ حج افراد کرنے والا وہ حج کا احرام باندھ لے گا اور اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ آئے گا، اور ابتدا میں اس پر ایک طواف سنت ہے جسے طواف قدوم کہتے ہیں۔ اور اسی طواف کے بعد وہ حج کی سعی کرنا چاہے تو حج کی سعی بھی کر سکتا ہے۔ اور چاہے تو جتنے دن مکہ میں مقیم ہے اس میں سے بھی کسی طواف کے بعد حج کی سعی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن جس طواف کے بعد بھی حج کی سعی کرنا چاہتا ہے تو اس طواف کے اندر کیا کر لے گا؟ اضطباع بھی کر لے گا یعنی دائیں کندھے کو بھی ننگا کرے گا اور پہلے تین چکروں میں رمل بھی کرے گا۔ لہٰذا اگر وہ اس پہلے طواف یعنی طواف قدوم کے بعد ہی حج کی سعی کرنا چاہتا ہے تو اسی طواف میں کیا کر لے؟ اضطباع بھی کر لے اور رمل بھی کر لے اور اس کے بعد طواف کی دو واجب رکعتیں جو ہیں وہ بھی پڑھ لے اور پھر اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ لیکن اس میں میں نے بتلایا تھا کہ صفا سے لے کر مروہ تک جب پہنچیں گے تو یہ ایک چکر کہلائے گا۔ ویسے تو چکر اس کو کہتے ہیں کہ انسان جہاں سے چلا ہو وہیں واپس پہنچے، صفا سے چلا ہے صفا پر ہی پہنچے تو اس کو چکر کہنا چاہیے، لیکن یہاں پر صفا سے واپس جب صفا پر پہنچا تو اس کو ایک چکر نہیں کہیں گے بلکہ دو چکر کہیں گے بھائی۔ تو اس طرح ساتواں چکر مروہ پر مکمل ہوتا ہے۔

اور پھر اس کے بعد چونکہ حج افراد کر رہا ہے اور یہ حج کی سعی کی ہے کوئی عمرے کی سعی نہیں کی، لہٰذا اس کے بعد وہ حلال نہیں ہو گا یعنی حلق وغیرہ یا قصر نہیں کروائے گا، بال چھوٹے نہیں کروائے گا بلکہ اسی طرح احرام کی حالت میں مکہ میں مقیم رہے گا بھائی، اور اس دوران جتنے طواف کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے لیکن ان طوافوں کے اندر اضطباع بھی نہیں ہو گا اور رمل بھی نہیں ہو گا بھائی۔ سمجھ میں آیا طریقہ بھائی؟ اور سعی البتہ نہیں کرے گا کیونکہ حج میں ایک ہی سعی ہے اور وہ سعی وہ کر چکا ہے، اور نفلی سعی مشروع نہیں ہے بھائی۔

اب آگے بتلا رہے ہیں: **قَالَ «فَإِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ»**۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب یوم الترویہ سے ایک دن قبل کا دن ہو۔ یعنی بھائی یوم الترویہ آٹھویں ذوالحجہ کو کہتے ہیں۔ آٹھویں ذوالحجہ سے ایک دن پہلے یعنی ساتویں ذوالحجہ کو **«خَطَبَ الْإِمَامُ خُطْبَةً»** کہ امام خطبہ دے گا، **«خُطْبَةً»** ایسا خطبہ **«يُعَلِّمُ فِيهَا النَّاسَ الْخُرُوجَ إِلَى مِنًى»** کہ جس کے اندر سکھائے گا وہ لوگوں کو منیٰ کی طرف نکلنا، **«وَالصَّلَاةَ بِعَرَفَاتٍ»** اور عرفات کے اندر جو نماز ہے یعنی جمع بین الصلاتین ہے ظہر اور عصر کی جو اکٹھی ادا کی جائے گی اس کے بارے میں بتلائے گا، **«وَالْوُقُوفَ»** اور وقوف عرفات کے احکام بیان کرے گا کہ یہ وقت کب سے کب تک ہے؟ زوال سے لے کر اگلے دن کی فجر تک ہے، **«وَالْإِفَاضَةَ»** اور افاضہ، افاضہ کے معنی لوٹنے کے، لوٹنے کے، اور عرفات سے لوٹنے کا حکم بیان کرے گا کہ کب لوٹنا ہے عرفات سے واپس؟ جب سورج ڈوب جائے، غروب ہو جائے۔ غروب سے پہلے اگر کوئی عرفات سے واپس لوٹے گا تو اس کا فرض تو ادا ہو چکا ہے لیکن غروب کے بعد لوٹنا واجب تھا، اگر وہ پہلے لوٹے گا تو پھر اس پر دم واجب ہو گا یعنی ایک جانور کی قربانی کرنا پڑے گی بھائی۔

تو لہٰذا چونکہ اب حج شروع ہونے لگا ہے، حج کے افعال، اگلے دن جانا ہے منیٰ، پھر جانا ہے عرفات وغیرہ، تو ابھی سے کیا کرے؟ ایک دن پہلے ہی خطبہ دے گا اور اس خطبے میں لوگوں کو ان تمام چیزوں کی تفصیل بتلا دے گا امام بھائی۔

■ مسئلہ: وَالْحَاصِلُ أَنَّ فِي الْحَجِّ ثَلَاثَ خُطَبٍ

«وَالْحَاصِلُ أَنَّ فِي الْحَجِّ ثَلَاثَ خُطَبٍ» اور حاصل یہ ہے کہ حج کے اندر تین خطبے ہیں بھائی، تین خطبے ہیں۔ «أَوَّلُهَا مَا ذَكَرْنَا» پہلا خطبہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دیا، یعنی یوم الترویہ سے ایک دن پہلے۔ یوم الترویہ کو تو جانا ہے نا منیٰ، اس سے ایک دن پہلے خطبہ دے کر لوگوں کو بتلا دے گا احکام وغیرہ۔ تو پہلا خطبہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دیا، «وَالثَّانِيَةُ بِعَرَفَاتٍ يَوْمَ عَرَفَةَ» اور دوسرا خطبہ عرفات میں ہو گا یوم عرفہ والے دن بھائی، «وَالثَّالِثَةُ بِمِنًى فِي الْيَوْمِ الْحَادِي عَشَرَ» اور تیسرا خطبہ منیٰ میں ہو گا گیارہویں دن یعنی گیارہ تاریخ کو ذوالحجہ کی، گیارہ۔ بھائی پہلا خطبہ ہوا سات کو کیونکہ آٹھ کو یوم الترویہ اس سے ایک دن پہلے دینا ہے، سات ذوالحجہ کو پہلا خطبہ۔ آٹھ کو یوم الترویہ ہے اس دن نہیں خطبہ، پھر اگلا دن نویں ذوالحجہ یہ عرفہ کا دن ہے اس دن ایک خطبہ ہو گا۔ پھر دس کو پھر نہیں خطبہ ہو گا اور پھر اس کے بعد گیارہ کو پھر امام کیا کرے گا؟ خطبہ۔ تو دیکھو سات، نو اور گیارہ، یہ تین خطبے ہوں گے ایک ایک دن کے وقفے کے ساتھ ہیں۔ سات کے بعد آٹھ کا وقفہ آ گیا اور نو کے بعد پھر دس کا وقفہ آ گیا تو یہ تین خطبے ہوں گے۔

یہ معنیٰ ہے «فَيَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ خُطْبَتَيْنِ بِيَوْمٍ» پس امام جو ہے فصل کرے گا، جدائی کرے گا ہر دو خطبوں کے درمیان ایک دن کی، «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَخْطُبُ فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَوَالِيَةٍ أَوَّلُهَا يَوْمُ التَّرْوِيَةِ» امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام المسلمین خطبہ دے گا تین دن مسلسل «فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَوَالِيَةٍ» تین دن پے در پے مسلسل بھائی، «أَوَّلُهَا يَوْمُ التَّرْوِيَةِ» اور ان دنوں میں سے پہلا دن یوم الترویہ ہے۔ ہمارے نزدیک کس کس دن خطبے تھے؟ سات، نو اور گیارہ۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں، تین خطبے ہوں گے، مسلسل ہوں گے اور پہلا یوم الترویہ کو یعنی آٹھویں ذوالحجہ کو ہو گا، تو ان کے نزدیک گویا تین خطبے جو ہیں آٹھ، نو اور دس ان تین دنوں میں ہوں گے بھائی۔ تو وہ فرماتے ہیں تین مسلسل دن خطبہ دے گا امام «أَوَّلُهَا يَوْمُ التَّرْوِيَةِ» جس کا پہلا جو ہے وہ یوم الترویہ ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

«لِأَنَّهَا أَيَّامُ الْمَوْسِمِ وَمُجْتَمَعُ الْحَاجِّ» اس لیے کیونکہ یہ حج کے ایام ہیں اور حاجیوں کے جمع ہونے کا وقت ہے۔ ان تین دنوں میں کیا یہ تین دن کیا ہیں؟ حج کے۔ موسم، موسم یاد رکھیے حج کا جو زمانہ ہے اس کو موسم کہتے ہیں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ موسم کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں «لِأَنَّهَا أَيَّامُ الْمَوْسِمِ» اس لیے کیونکہ یہ حج کا زمانہ ہے حج کے ایام ہیں «وَمُجْتَمَعُ الْحَاجِّ» اور حاجیوں کے جمع ہونے کا وقت ہے۔ ان تین دنوں میں حاجی جمع ہوتے ہیں بھائی۔ یوم الترویہ کو سارے کہاں جمع ہو گئے؟ منیٰ میں۔ نویں کو سارے کہاں جمع ہو گئے؟ عرفات میں۔ اور دسویں کو سارے پھر کہاں جمع ہو گئے؟ منیٰ کے اندر پھر جمع ہو گئے واپس آ گئے عرفات سے بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ حج کے ایام ہیں اور حاجیوں کے جمع ہونے کا وقت ہے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا التَّعْلِيمُ، و...

«وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا التَّعْلِيمُ، وَيَوْمُ التَّرْوِيَةِ وَيَوْمُ النَّحْرِ يَوْمُ اشْتِغَالٍ، فَكَانَ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنْفَعَ، وَفِي الْقُلُوبِ أَنْجَعَ»
اور ہماری دلیل یہ ہے، ہم کہتے ہیں کہ ان خطبوں کے ذریعے مقصد یہ ہے کہ حاجیوں کو حج کا طریقہ سکھلایا جائے، کس کا؟ حج کا طریقہ سکھلایا جائے۔ اور یوم الترویہ، یوم الترویہ تو مشغولیت والا دن ہے، اس دن تو سارے حاجی مکہ سے نکل کر منیٰ آتے ہیں اور کوئی دو چار سو یا ہزار حاجی نہیں ہوتے لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے، لہٰذا یہ تو حاجی کے مشغولیت والا دن ہے بڑی مشقت ہو گی یہاں سے نکلے گا اور کہاں پہنچے گا؟ منیٰ پہنچے گا، تو لہٰذا خطبہ اس سے پہلے ہونا چاہیے تاکہ پہلے سے ہی حاجی کو کیا کر دیا جائے؟ احکام کی تفصیل بتلا دی جائے۔ تو یہ اس کی مشغولیت والا دن ہے۔ اسی طرح اسی طرح یوم النحر جو ہے وہ بھی مشغولیت والا دن ہے کیونکہ اس دن حاجی کہاں سے واپس پہنچا ہے؟ عرفات سے ہو کر واپس پہنچا ہے منیٰ کے اندر، اور منیٰ کے اندر اس نے رمی جمرات بھی کرنی ہے اور اس نے قربانی بھی کرنی ہے، اور لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے ایک ایک عمل جو ہے پہاڑ کی طرح انسان کو دکھائی دیتا ہے، تو لہٰذا یہ اس کی مشغولیت والے دن ہیں۔ لہٰذا ان دنوں میں خطبہ نہیں ہو گا بلکہ ان سے پہلے ہی کیا کیا جائے؟ حاجی کو حج کے احکام سکھا دیے جائیں بھائی۔ لہٰذا جو ہم نے ترتیب ذکر کر دی کہ یوم الترویہ تو مشغولیت والا دن ہے، پہلے ہی اس سے ایک دن کیا کرے؟ خطبہ دے اور لوگوں کو احکام سکھلا دے، اور پھر عرفات کے اندر سارے جمع ہو گئے وہاں لوگوں کو احکام سکھلا دے، اور پھر اس کے بعد یوم النحر کے بعد جب اگلا دن آئے گا اس میں اتنی مشغولیت نہیں ہے اس کی، لہٰذا اس دن کیا کرے؟ لوگوں کو احکامات سکھلا دے۔ تو اس کا فائدہ زیادہ ہو گا اور اس کا اثر دلوں میں زیادہ ہو گا۔ اور ورنہ اگر مسلسل تین دن خطبہ ہو گا اور وہ مشغولیت والے دن ہیں تو اس کا حاجی کو زیادہ فائدہ بھی نہیں ہو گا اور اپنے کاموں کی اور اپنے حج کی عبادات کی اس دن اس کو فکر لگی ہو گی تو وہ دلوں کے اندر بھی پوری طرح اثر نہیں ہو گا اس صورت میں بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

«وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا التَّعْلِيمُ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مقصود ان خطبوں کے ذریعے تعلیم ہے یعنی سکھانا ہے «وَيَوْمُ التَّرْوِيَةِ وَيَوْمُ النَّحْرِ يَوْمُ اشْتِغَالٍ» اور یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذوالحجہ اور یوم النحر یعنی دسویں ذوالحجہ جو ہے وہ مشغولیت والے دن ہیں «فَكَانَ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنْفَعَ وَفِي الْقُلُوبِ أَنْجَعَ» پس وہ جو ہم نے ذکر کر دیا وہ زیادہ نافع ہے اور دلوں کے اندر انجع، زیادہ مؤثر ہے بھائی، زیادہ اثر ڈالنے والا ہے۔

«فَإِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ خَرَجَ إِلَى مِنًى، فَيُقِيمُ بِهَا حَتَّى يُصَلِّيَ الْفَجْرَ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ» بھائی یوم الترویہ سے ایک دن پہلے کیا ہوا؟ خطبہ ہو گیا۔ اب یوم الترویہ آ گیا۔ یوم الترویہ والے دن یعنی آٹھویں ذوالحجہ کو اب کہاں چلنا ہے؟ منیٰ چلنا ہے۔ لہٰذا فجر کی نماز جب حاجی پڑھ لے مکہ کے اندر تو پھر اس کے بعد جب سورج طلوع ہو جائے پھر کہاں چلے گا حاجی؟ کہاں روانہ ہو جائے؟ منیٰ روانہ ہو جائے سورج طلوع ہو جانے کے بعد بھائی، مسنون طریقہ یہ ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور حج افراد والے کا تو پہلے سے احرام ہے، حج قران والے کا بھی پہلے سے ہی احرام ہو گا۔ ہاں، حج تمتع والا پھر کیا کرے گا؟ پہلے احرام حج کا باندھ لے گا کیونکہ وہ تو عمرہ ادا کر کے حلال ہو گیا تھا شروع میں، وہ اب کیا کرے گا؟ حج کا احرام باندھ لے اور منیٰ اب جائے گا۔ اور اسی وقت اگر وہ حج کی سعی کرنا چاہتا ہے تو حج کی بھی سعی کر سکتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور یہ احرام چونکہ اس یہ احرام حج کا ہے لہٰذا یہیں حرم ہی سے باندھ لے گا، لہٰذا یوں کرے کہ وہ دو چادریں جو ہیں وہ تو اپنی جگہ پر ہی باندھ لے اور اگر موقع مل ملتا ہے، آسانی سے ہو سکتا ہے تو مسجد الحرام آ کر یہاں وہ دو رکعت جو سنتیں ہیں احرام کی وہ یہاں ادا کر لے اور نیت اور تلبیہ یہاں کر لے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو اس کا احرام شروع ہو جائے گا بھائی۔ اور اسی یہیں پر اگر وہ حج کی سعی پہلے کرنا چاہتا ہے اور پھر جانا چاہتا ہے منیٰ تو وہ بھی کر سکتا ہے، ابھی ایک طواف کر لے اور اس کے بعد سعی کر لے حج والی سعی، لیکن یہ یہ طواف کے بعد چونکہ سعی کر رہا ہے اور احرام کی حالت میں تو لہٰذا اس میں کیا کر لے گا؟ اضطباع بھی کرے گا اور رمل بھی کرے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ جبکہ حج افراد والا تو پہلے ہی کر چکا ہے حج کی سعی، لہٰذا اب وہ آٹھویں کو سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ روانہ ہو جائے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

■ مسئلہ: فَإِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ

«فَإِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ» پس جب وہ حاجی پڑھ لے فجر کی نماز یوم الترویہ والے دن یعنی آٹھویں ذوالحجہ کو «بِمَكَّةَ» کہاں پر؟ مکہ میں «خَرَجَ إِلَى مِنًى» تو پھر نکلے کس کی طرف؟ منیٰ کی طرف بھائی۔ صاحب قدوری کی عبارت سے معلوم یوں ہوتا ہے کہ فجر کی نماز پڑھتے ہی وہ کیا کر سکتا ہے؟ منیٰ وہ منیٰ نکلے گا، منیٰ نکلے گا، لیکن مسنون طریقہ یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد کہاں روانہ ہو؟ منیٰ روانہ ہو، آگے صاحب ہدایہ ذکر کریں گے بھائی۔ «فَإِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ» پس جب حاجی فجر کی نماز پڑھ لے یوم الترویہ والے دن بمکہ مکہ میں۔ بھائی دیکھ رہے ہیں آپ «بِمَكَّةَ»، مکہ پر الف لام داخل نہیں کیا جاتا بھائی، کہیں پر بھی آپ کو اس پر الف لام نظر نہیں آئے گا۔ تو یہ کلام عرب میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کو استعمال ہی بغیر الف لام کے کیا جاتا ہے عرب ان پر الف لام داخل نہیں کرتے، ورنہ عام شہروں پر آپ دیکھیں گے ان پر الف لام داخل ہوتا ہے بھائی، المدینہ دیکھو الف لام آیا بھائی۔ تو اسی طرح یہ بعض نام وغیرہ جیسے اسی طرح عمر ہے عمر، تو اس پر بھی الف لام عرب داخل نہیں کرتے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ سمجھ میں آیا؟ تو یہ ان پر الف لام داخل نہیں کیا جائے گا عرب ان کو استعمال ہی اسی طرح کرتے ہیں بھائی۔ تو فجر کی نماز پڑھ لے جب مکہ میں «خَرَجَ إِلَى مِنًى» تو نکلے گا منیٰ کی طرف «فَيُقِيمُ بِهَا» تو وہاں مقیم رہے گا «حَتَّى يُصَلِّيَ الْفَجْرَ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ» یہاں تک کہ وہ فجر کی نماز پڑھ لے یوم عرفہ والے دن۔ پانچ نمازیں پڑھے گا نا اور پانچویں نماز کون سی ہو جائے گی؟ فجر کی ہو گی نویں ذوالحجہ کی۔

«لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ فَلَمَّا طَلَعَتِ الشَّمْسُ رَاحَ إِلَى مِنًى، فَصَلَّى بِمِنًى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ، ثُمَّ رَاحَ إِلَى عَرَفَاتٍ» یہ ساری حدیث یہاں تک ہے بھائی، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے «صَلَّى الْفَجْرَ» کہ آپ نے فجر کی نماز پڑھی «يَوْمَ التَّرْوِيَةِ» یوم الترویہ والے دن یعنی آٹھویں ذوالحجہ کو «بِمَكَّةَ» کہاں پر؟ مکہ میں پڑھی، «فَلَمَّا طَلَعَتِ الشَّمْسُ» پھر جب سورج طلوع ہو گیا «رَاحَ إِلَى مِنًى» تو آپ روانہ ہوئے منیٰ۔ دیکھا؟ معلوم ہوا مسنون طریقہ کیا ہے؟ سورج طلوع ہو جانے کے بعد منیٰ روانہ ہو بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ اگر پہلے بھی چلا جاتا ہے تو بھی جائز ہے اس میں کوئی دم وغیرہ لازم نہیں آئے گا لیکن مسنون طریقے کے خلاف ہو جائے گا۔ جب سورج طلوع ہو گیا تو «رَاحَ إِلَى مِنًى» نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ روانہ ہوئے «فَصَلَّى بِمِنًى» پھر آپ نے منیٰ کے اندر پڑھی نماز «الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ» یہ نمازیں پڑھیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی، «ثُمَّ رَاحَ إِلَى عَرَفَاتٍ» پھر آپ جو ہیں عرفات روانہ ہوئے، اس کے بعد عرفات روانہ ہوئے۔

«وَلَوْ بَاتَ بِمَكَّةَ لَيْلَةَ عَرَفَةَ وَصَلَّى بِهَا الْفَجْرَ، ثُمَّ غَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ وَمَرَّ بِمِنًى أَجْزَأَهُ» یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں اگر کسی شخص نے کوئی شخص یہاں سے منیٰ جاتا ہی نہیں بلکہ یہ رات بھی جو اس نے گزارنی تو منیٰ میں تھی لیکن وہ یہ رات کہاں گزار لیتا ہے؟ مکہ میں گزار لیتا ہے اور وہیں پر فجر بھی پڑھ لیتا ہے پھر اگلے دن روانہ ہوتا ہے عرفات، منیٰ سے گزر کر کہاں پہنچ جاتا ہے؟ عرفات پہنچ جاتا ہے تو بھی یہ کافی ہو جائے گا یعنی یعنی اس کا یہ عمل کیا ہے؟ اس سے بھی اس کا حج ہو جائے گا، البتہ اس نے برا کیا کہ سنت کی مخالفت کی بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ منیٰ میں وہ پانچ نمازیں پڑھنا واجب نہیں تھا بلکہ سنت تھا بھائی۔ «وَلَوْ بَاتَ بِمَكَّةَ» اور اگر حاجی نے رات گزاری مکہ میں، کون سی رات؟ «لَيْلَةَ عَرَفَةَ» عرفات کی رات بھائی جس جو کہاں گزارنی تھی اس نے؟ منیٰ میں گزارنی تھی۔ سمجھ میں آیا؟ یہ جو آٹھویں تاریخ گزرنے کے بعد جو نویں کی رات آئی یہ ہے عرفات کی رات، اگلے دن صبح کہاں جانا ہے؟ عرفات۔ یہ رات اس نے مکہ میں اگر گزار لی «وَصَلَّى بِهَا الْفَجْرَ» اور مکہ میں اس نے فجر کی نماز پڑھی «ثُمَّ غَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ»، غدا کے معنی صبح کے وقت چلنا بھائی، «ثُمَّ غَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ» پھر صبح کے وقت وہ چل پڑا عرفات کی

طرف «وَمَرَّ بِمِنًى» اور وہ گزرا منیٰ میں سے «أَجْزَأَهُ» تو یہ بھی اس کے لیے کافی ہو جائے گا «لِأَنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ بِمِنًى فِي هَذَا الْيَوْمِ إِقَامَةُ نُسُكٍ» اس لیے کیونکہ منیٰ کے ساتھ اس روز تعلق نہیں ہے اقامت نسک، کسی عبادت کے قائم کرنے کا، یعنی حج کے افعال میں سے کوئی ضروری فعل منیٰ کے ساتھ متعلق نہیں ہے اس روز بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ نُسُكٍ، سین پر ضمہ پڑھنا بھی صحیح اور سین کو ساکن پڑھنا نُسْكٍ دونوں طرح صحیح ہے بھائی، اور یہ عبادت کو کہتے ہیں۔ «لِأَنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ بِمِنًى فِي هَذَا الْيَوْمِ إِقَامَةُ نُسُكٍ» اس لیے کیونکہ منیٰ کے ساتھ اس روز کسی عبادت کا قائم کرنا متعلق نہیں ہے یعنی کسی ضروری عبادت کا قائم کرنا متعلق نہیں ہے اگرچہ وہ پانچ نمازیں مسنون یہ ہے کہ وہاں پڑھے، «وَلَكِنَّهُ أَسَاءَ» لیکن اس حاجی نے برا عمل کیا «بِتَرْكِهِ الِاقْتِدَاءَ بِرَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کو چھوڑ دینے کے۔

■ مسئلہ: قَالَ: ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى عَرَفَاتٍ فَيُقِيمُ...

«قَالَ: ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى عَرَفَاتٍ فَيُقِيمُ بِهَا لِمَارَوَيْنَا» پھر بھائی فجر کی نماز پڑھ لی اس نے کہاں پر؟ منیٰ میں، «ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى عَرَفَاتٍ» پھر وہ حاجی متوجہ ہو گا عرفات کی طرف «فَيُقِيمُ بِهَا» تو پھر وہاں مقیم رہے گا «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی، وہ جو اوپر آیا تھا «ثُمَّ رَاحَ إِلَى عَرَفَاتٍ» بھائی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور یہاں پر بھی بھائی یہ سورج جب طلوع ہو جائے منیٰ میں پھر کدھر روانہ ہو گا؟ عرفات روانہ ہو گا۔ «وَهَذَا بَيَانُ الْأَوْلَوِيَّةِ» اور یہ اولیٰ ہونے کا بیان تھا بھائی، یہ اولیٰ ہونے کا بیان ہے، کیا؟ کہ سورج طلوع ہونے کے بعد عرفات روانہ ہو گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہاں بھائی معلوم ہوتا ہے کسی کاتب وغیرہ کی کچھ غلطی ہے بھائی، کیونکہ یہاں صاحب ہدایہ نے کہیں ذکر نہیں کیا کہ سورج نکلنے کے بعد عرفات چلنا ہے۔ وہ جو حدیث بھی آئی تھی «فَلَمَّا طَلَعَتِ الشَّمْسُ رَاحَ إِلَى مِنًى» وہ تو منیٰ کی روانگی کی بات ہو رہی تھی کہ مکہ میں جب سورج طلوع ہو جائے پھر کہاں روانہ پھر کہاں روانہ ہوئے تھے حضور علیہ السلام؟ منیٰ۔ لیکن منیٰ سے عرفات جو جانا ہے کس وقت جانا ہے؟ سورج طلوع ہو جانے کے بعد روانہ ہونا ہے، اس کا ذکر کہیں پر بھی نہیں آیا بھائی، تو معلوم ہوا یہاں کہیں کچھ عبارت کسی لکھنے والے سے رہ گئی بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ دیکھو ھذا کے نیچے انہوں نے لکھا ہوا ہے، ھذا سے کیا مراد ہے؟ «أَيِ الذَّهَابُ إِلَى عَرَفَاتٍ بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ»، یہ جو عرفات جانا ہے کس کے بعد؟ طلوع شمس کے بعد، یہ اولیٰ ہونے کا بیان ہے یعنی افضل یہ ہے اولیٰ یہ ہے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد جائے۔

«أَمَّا لَوْ دَفَعَ قَبْلَهُ جَازَ» اور اگر، دفع کے ایک معنی ہیں روانہ ہونے کے چل پڑنے کے، «أَمَّا لَوْ دَفَعَ قَبْلَهُ جَازَ» اور اگر وہ روانہ ہو گیا اس سے پہلے ہی تو بھی جائز ہے بھائی تو بھی جائز۔ یعنی فجر پڑھنے کے بعد فوراً ہی حاجی کدھر کو روانہ ہو گیا؟ منیٰ منیٰ سے عرفات روانہ ہو گیا تو بھی جائز ہے، لیکن اولیٰ کیا ہے؟ کب روانہ ہو؟ طلوع شمس کے بعد ہو۔ تو یہ تو کہتے ہیں «أَمَّا لَوْ دَفَعَ قَبْلَهُ جَازَ» اگر سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی چل پڑا روانہ ہو گیا تو جائز یہ بھی جائز ہے «لِأَنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ بِهَذَا الْمَقَامِ حُكْمٌ» اس لیے کیونکہ اس مقام کے ساتھ کوئی حکم متعلق نہیں ہے، یہاں کوئی عمل وغیرہ حج کا نہیں کرنا فجر کے بعد بھائی۔

«قَالَ فِي الْأَصْلِ: وَيَنْزِلُ بِهَا مَعَ النَّاسِ» امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں فی الاصل مبسوط کے اندر: «وَيَنْزِلُ بِهَا مَعَ النَّاسِ» اور حاجی اترے گا عرفات میں لوگوں کے ساتھ۔ ہا ضمیر کس کو راجع؟ عرفات کو۔ «وَيَنْزِلُ بِهَا» اور حاجی اترے بھائی کہاں پر؟ عرفات میں «مَعَ النَّاسِ» کس کے ساتھ؟ لوگوں کے ساتھ۔ بس یہ صرف اتنی عبارت اصل کی مبسوط کی ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ بھائی۔ توجہ ہے سبق پر بھائی؟ «وَيَنْزِلُ بِهَا مَعَ النَّاسِ» صرف یہ عبارت ہے اصل کی بھائی۔ تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط کے اندر ذکر فرمایا ہے کہ حاجی جو ہے وہ لوگوں کے ساتھ عرفات میں اترے، بھائی کیا معنی؟ کہتے ہیں بھائی مراد یہ ہے کہ حاجی لوگوں سے الگ تھلگ نہ رہے، جدا نہ رہے کیونکہ لوگوں سے الگ تھلگ رہنا یہ تکبر کی علامت ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ لوگوں سے جدا رہنا۔ اور یہ وقت تو عرفات کا دن یہ تو بے انتہا عاجزی کا دن ہے بھائی، اللہ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے کا دن ہے دعائیں کرنے کا دن ہے، تو لہٰذا لوگوں سے الگ تھلگ نہ رہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ معلوم ہوا «وَيَنْزِلُ بِهَا مَعَ النَّاسِ» اس کے ذریعے امام محمد رحمہ اللہ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ حاجی لوگوں کے ساتھ اترے یعنی ان سے الگ تھلگ نہ رہے بھائی۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ یہ معنی ہے «وَيَنْزِلُ بِهَا» اور اترے وہ حاجی عرفات میں «مَعَ النَّاسِ» لوگوں کے ساتھ۔

آگے صاحب ہدایہ کا کلام آ رہا ہے: «لِأَنَّ الِانْتِبَاذَ تَجَبُّرٌ» انتباذ کے معنی الگ تھلگ رہنا لوگوں سے جدا رہنا، اس لیے کیونکہ جدا رہنا جو ہے «تَجَبُّرٌ» یہ تکبر ہے «وَالْحَالُ حَالُ تَضَرُّعٍ» اور حالت تو عاجزی والی ہے اس وقت بھائی، حالت کون سی ہے؟ عاجزی والی حالت ہے، «وَالْإِجَابَةُ فِي الْجَمْعِ أَرْجَى» اور قبولیت جو ہے جمع، مجمعے کے اندر ارجیٰ اس کی زیادہ امید ہے۔ جماعت میں قبولیت کی زیادہ امید ہے بھائی لہٰذا الگ تھلگ نہ رہے لوگوں کے ساتھ رہے، کیونکہ لوگ اتنی اتنا بڑا مجمع ہے تو اس میں قبولیت کی زیادہ امید ہے زیادہ امید ہے، کیونکہ اللہ کے نیک بندے ہیں دنیا کے کونے کونے سے سفر کر کے یہاں آئے ہیں یقیناً کسی ایک کے اخلاص کی وجہ سے اللہ اس کے حج کو قبول فرما لیں گے اور اسی کی برکت سے پھر باقیوں کے حج کو بھی کیا کر لیں گے؟ قبول فرما لیں گے۔ تو کہتے ہیں «وَالْإِجَابَةُ فِي الْجَمْعِ أَرْجَى» اور قبولیت کی جو ہے جماعت کے اندر زیادہ امید ہے۔

■ مسئلہ: وَقِيلَ:

«وَقِيلَ:» یہاں سے دوسرا معنی بیان کر رہے ہیں «وَيَنْزِلُ بِهَا مَعَ النَّاسِ»، ایک معنی بیان کر دیا کہ کیا مراد ہے امام محمد رحمہ اللہ کی کہ لوگوں سے الگ نہ رہے ان کے ساتھ رہے۔ بعضوں نے کہا امام محمد رحمہ اللہ کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ عرفات میں لوگوں کے ساتھ اترے یعنی جہاں لوگ اترتے ہیں اور قیام کرتے ہیں وہاں اترے اور قیام کرے اور وقوف وغیرہ کرے، راستے کے اندر قیام اور وقوف وغیرہ نہ کرے اس لیے کیونکہ لاکھوں کا مجمع آرہا ہے بھائی اگر یہ اسی طرح راستے میں اترے گا اور بھی اتریں گے تو گزرنے والوں پر راستہ تنگ ہو جائے گا وہ تکلیف میں پڑ جائیں گے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دوسرا معنی بیان کیا بعض فقہاء نے۔ «وَقِيلَ: مُرَادُهُ أَنْ لَا يَنْزِلَ عَلَى الطَّرِيقِ كَيْ لَا يُضَيِّقَ عَلَى الْمَارَّةِ» اور کہا گیا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ حاجی جو ہے وہ راستے پر نہ اترے تاکہ کہیں تنگ نہ کر دے گزرنے والوں پر، گزرنے والوں پر کہیں راستے کو تنگ نہ کر دے۔

«قَالَ: وَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ يُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الظُّهْرَوَالْعَصْرَ» اور جب سورج ڈھل جائے یعنی سر سے مغرب کی طرف ہو جائے، تو جب سورج ڈھل جائے «يُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الظُّهْرَوَالْعَصْرَ» تو امام جو ہے وہ پڑھائے لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز، «فَيَبْتَدِئُ بِالْخُطْبَةِ» پس ابتدا کرے خطبے سے، نماز سے پہلے کیا دے؟ خطبہ دے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ «فَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ فِيهَا النَّاسَ الْوُقُوفَ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ وَرَمْيَ الْجِمَارِ وَالنَّحْرَ وَالْحَلْقَ وَطَوَافَ الزِّيَارَةِ»۔ «فَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ» دیکھو خطبہ نکرہ آیا اور یعلم اس کے بعد فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے؟ اس کی صفت۔ اسی طرح کی عبارت پچھلے متن میں بھی آئی تھی، یوم الترویہ سے ایک دن پہلے امام خطبہ دے گا ایسا خطبہ جس میں لوگوں کو سکھائے بھائی، تو یہ صفت بنے گی اور موصوف سے پہلے پھر کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ تو خطبہ دے امام ایسا خطبہ کہ سکھائے اس میں لوگوں کو عرفات میں وقوف کے بارے میں، اس کے تفصیل بتلائے ان کو، «وَالْمُزْدَلِفَةِ» اور وقوف مزدلفہ کے بارے میں بتلائے، مزدلفہ بھائی مزدلفہ کا عطف عرفہ پر ہے، وقوف بعرفہ اور وقوف بالمزدلفہ، تو جیسے عرفات میں وقوف ہے اسی طرح وقوف کس کے اندر ہو گا؟ مزدلفہ میں بھی ہو گا جواب اگلی رات کے بعد ہو گا، «وَرَمْيَ الْجِمَارِ» اور نیز کیا سکھائے لوگوں کو؟ رَمْيِ جمرات کہ اگلے دن سے رمی جمرات شروع کرنی ہے ان کے احکام بتلائے گا، «وَالنَّحْرَ» اور اگلا دن دسویں ذوالحجہ کا آرہا ہے اس میں قربانی بھی کرنی ہے وہ بھی بتلائے گا، «وَالْحَلْقَ» اور رمی جمرات اور نحر کے بعد پھر حاجیوں نے کیا کروانا ہے؟ حلق کروانا ہے یعنی سر کے بال استرے سے صاف کروانے ہیں یا چاہے تو کیا کر لے؟ بال چھوٹے کروالے، یہ بھی تفصیل بتلا دے کہ پھر اس کے بعد احرام ختم ہو گا، «وَطَوَافَ الزِّيَارَةِ» اور کس کے بارے میں بتلائے گا؟ طواف زیارت کے بارے میں بھی بتلا دے گا کہ یہ عید کے تین دنوں میں کرنا واجب ہے۔

«يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ» اور امام جو ہے کتنے خطبے دے گا؟ دو خطبے دے گا، «يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجَلْسَةٍ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ» اور جدائی کرے گا ان دو خطبوں کے درمیان جلسے کے ذریعے یعنی درمیان میں بیٹھے گا «كَمَا فِي الْجُمُعَةِ» جیسے کس کے اندر ہوتا ہے؟ جمعے میں، یعنی جیسے جمعے کے خطبے میں دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرتا ہے امام اسی طرح یہاں بھی کرے گا۔ «هَكَذَا فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا بھائی یعنی دو خطبے دیے تھے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَخْطُبُ بَعْدَ...

«وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ لِأَنَّهَا خُطْبَةُ وَعْظٍ وَتَذْكِيرٍ فَأَشْبَهَ خُطْبَةَ الْعِيدِ» امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھائی کہ یہ خطبہ یہ نمازوں کے بعد دیا جائے گا۔ ہم نے تو بتلا دیا کہ نمازوں سے پہلے امام کیا کرے؟ خطبہ دے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وعظ و نصیحت والا خطبہ ہے تو یہ عید کے خطبے کے مشابہ ہوا جیسے وہ وعظ و نصیحت والا خطبہ ہوتا ہے اور وہ خطبہ تو عید کی نماز کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا یہ خطبہ جو ہے یہ بھی کس کے بعد ہو گا؟ ان نمازوں کے بعد ہو گا۔ تو کہتے ہیں «وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَخْطُبُ بَعْدَالصَّلَاةِ» کہ وہ امام خطبہ دے گا نماز کے بعد «لِأَنَّهَا خُطْبَةُ وَعْظٍوَتَذْكِيرٍ» اس لیے کیونکہ یہ وعظ و نصیحت والا خطبہ ہے «فَأَشْبَهَ خُطْبَةَ الْعِيدِ» تو یہ عید کے خطبے کے مشابہ ہو گیا اور وہ تو نماز کے بعد ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی نماز کے بعد ہو گا۔

«وَلَنَا مَا رَوَيْنَا» اور ہماری دلیل وہ جو ہم نے حدیث روایت کر دی، اوپر آیا تھا «هَكَذَا فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا یعنی دو خطبے دیے تھے تو یہ ہماری دلیل ہے، «وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا تَعْلِيمُ الْمَنَاسِكِ وَالْجَمْعُ مِنْهَا» اور نیز اس لیے کیونکہ اس خطبے کے ذریعے مقصود جو ہے وہ مناسک حج کی تعلیم ہے۔ اس خطبے کے ذریعے کیا مقصد ہے؟ مناسک حج کی تعلیم ہے اس خطبے کے ذریعے، اور جمع بین الصلاتین یہ بھی مناسک حج میں سے ہے یا نہیں؟ عند الاحناف صرف یہ عرفات میں اور آگے مزدلفہ میں یہاں جمع بین الصلاتین جائز ہے اور کسی جگہ تو جمع بین الصلاتین جائز ہی نہیں، تو معلوم ہوا یہ حج کے افعال میں سے ہے لہٰذا ان کو بھی ان کے بارے میں بھی لوگوں کو بتانا ہے اور سکھانا ہے۔ تو لہٰذا یہ نماز سے پہلے سکھایا جائے گا یا بعد میں سکھایا جائے گا؟ پہلے ہی سکھایا جائے گا کہ اب کیا کیا جائے گا؟ ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی ادا کی جائے گی تو یہ سکھانا پہلے ہوتا ہے اور عمل بعد میں ہوتا ہے اس لیے یہاں پہلے ہو گا۔ تو کہتے ہیں ہم کہتے ہیں «وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا تَعْلِيمُ الْمَنَاسِكِ» کہ مقصود اس خطبے کے ذریعے مناسک حج کا سکھانا ہے «وَالْجَمْعُ مِنْهَا» اور جمع بین الصلاتین جو ہے وہ بھی انہی مناسک حج

میں سے ہے تو لہٰذا پہلے خطبہ دے۔

«وَفِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ: إِذَا صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنْبَرَفَجَلَسَ» بھائی یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ مؤذن اذان کب دے گا؟ مؤذن اذان کب دے گا؟ تو ظاہر مذہب یہ ہے عند الاحناف کہ جب جیسے جمعے میں ہوتا ہے، امام جب منبر پر چڑھ کر بیٹھ جائے تو پھر کیا کیا جاتا ہے؟ اس کے سامنے پھر مؤذن اذان دیتا ہے، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کے نکلنے سے پہلے ہی مؤذن اذان دے گا۔ وہ فرماتے ہیں جیسے ظہر کے لیے پہلے اذان دی جاتی ہے اور پھر امام نکل کر آتا ہے اور نماز پڑھاتا ہے، تو یہاں بھی اسی طرح کیا جائے گا امام کے نکلنے سے پہلے ہی اذان دی جائے گی اور پھر امام آ کر کیا کرے گا؟ نماز پڑھائے گا۔ تو کہتے ہیں «وَفِي ظَاهِرِالْمَذْهَبِ» اور ظاہر مذہب میں یہ ہے «إِذَا صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنْبَرَ» کہ جب امام منبر پر چڑھ جائے «فَجَلَسَ» پھر بیٹھ جائے «أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ» تو پھر مؤذن جو ہے وہ اذان دیں گے جیسے کہ جمعے میں ہوتا ہے۔ «أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ» دیکھو جمع استعمال کیا، وجہ یہ کہ بھائی کئی افراد جو ہے وہ مسجد کے چاروں طرف اونچی جگہوں پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے کیونکہ مجمع بڑا ہوتا تھا تاکہ ہر ایک تک آواز پہنچ جائے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ اس وقت سپیکر وغیرہ تو تھے نہیں تو اس طرح پھر چاروں طرف جو ہے وہ مؤذن اذان دیتے تھے۔ یہ معنی ہے «أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ» اذان دیں گے مؤذن جیسے کہ جمعے میں ہوتا ہے۔ «وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُؤَذِّنُ قَبْلَ خُرُوجِ الْإِمَامِ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ اذان دے گا مؤذن امام کے نکلنے سے پہلے، «وَعَنْهُ أَنَّهُ يُؤَذِّنُ بَعْدَالْخُطْبَةِ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اذان دے گا مؤذن خطبے کے بعد اذان دے گا بھائی۔ «وَالصَّحِيحُ مَا ذَكَرْنَا» اور صحیح قول وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دیا کہ خطبے سے پہلے جب امام منبر پر بیٹھ جائے بھائی، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا خَرَجَ وَاسْتَوَى عَلَى نَاقَتِهِ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ بَيْنَ يَدَيْهِ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نکل آئے اور آپ تشریف فرما ہو گئے اپنی اونٹنی پر تو مؤذنوں نے اذان دی آپ کے سامنے۔

■ مسئلہ: وَيُقِيمُ الْمُؤَذِّنُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْخ...

«وَيُقِيمُ الْمُؤَذِّنُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْخُطْبَةِ» بھائی اذان بھی ہو گئی پھر خطبہ بھی ہو گیا، اب خطبے کے بعد کیا کریں گے؟ کہتے ہیں بھائی مؤذن اقامت کہے گا جیسے جمعے میں ہوتا ہے اور پھر امام کیا کرے گا؟ نماز پڑھائے گا۔ تو کہتے ہیں «وَيُقِيمُ الْمُؤَذِّنُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْخُطْبَةِ» اور اقامت کہے گا مؤذن خطبے سے فارغ ہو جانے کے بعد «لِأَنَّهُ أَوَانُ الشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ» اس لیے کیونکہ یہ وقت ہے نماز میں شروع ہونے کا، اس لیے کیونکہ یہ نماز میں شروع ہونے کا وقت ہے «فَأَشْبَهَ الْجُمُعَةَ» تو یہ کس کے مشابہ ہوا؟ جمعے کے مشابہ ہوا اور اس میں جیسے خطبے کے بعد فوراً اقامت کہی جاتی ہے یہاں بھی اقامت کہی جائے گی۔

«وَيُصَلِّي بِهِمُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ» قَالَ، صاحب قدوری فرماتے ہیں: «وَيُصَلِّي بِهِمُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ» اور امام نماز پڑھائے گا ان لوگوں کو ظہر کی بھی اور عصر کی بھی «فِي وَقْتِ الظُّهْرِ» کس وقت میں؟ ظہر کے وقت ہی میں «بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ» ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ بھائی۔ «وَقَدْ وَرَدَ النَّقْلُ الْمُسْتَفِيضُ بِاتِّفَاقِ الرُّوَاةِ بِالْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ» ورد کے معنی ہوتے ہیں آنا، آنا۔ «وَقَدْ وَرَدَ النَّقْلُ الْمُسْتَفِيضُ»، مستفیض کے معنی ہیں مشہور بھائی مشہور، شائع، رائج۔ «وَقَدْ وَرَدَ النَّقْلُ الْمُسْتَفِيضُ» اور تحقیق مشہور نقل وارد ہوئی ہے یعنی مشہور نقل آئی ہے «بِاتِّفَاقِ الرُّوَاةِ» راویوں کے اتفاق کے ساتھ «بِالْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ» جمع بین الصلاتین کے بارے میں۔ جمع بین الصلاتین کے بارے میں راویوں کے اتفاق کے ساتھ مشہور نقل وارد ہوئی ہے، یعنی سارے راوی کیا نقل کرتے ہیں کہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز کو جمع فرمایا تھا، اکٹھا فرمایا تھا، ظہر کے فوراً بعد کون سی نماز ادا کی گئی تھی؟ عصر کی بھائی۔ «وَفِيمَا رَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّاهُمَا بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ» اور اس حدیث کے اندر جس کو روایت کیا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں نمازیں پڑھیں «بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ» ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ، یہ بھی اس میں آیا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو دیکھیے بھائی ایک ایک مسئلے کے اندر احناف کہاں کہاں سے ڈھونڈ کر احادیث لاتے ہیں، احناف کے دلائل صرف احادیث کی جو مشہور کتابیں ہیں صحاح ستہ جو چھ مشہور کتابیں ہیں صرف ان کے اندر احناف کے دلائل بند نہیں ہیں، احناف کو جہاں سے بھی حدیث ملتی ہے احناف کی کوشش ہوتی ہے اس پر عمل کر لیں جبکہ حدیث کیا ہو؟ قابل استدلال ہو بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو دیکھیے کہاں کہاں سے ہر ہر مسئلے کے اندر صاحب ہدایہ احادیث اور روایات نقل فرماتے جا رہے ہیں۔ پھر احناف پر یہ الزام لگانا کہ احناف ہر معاملے میں قیاس کو مقدم رکھتے ہیں، نہیں بھائی قیاس کو ہم مقدم نہیں رکھتے، ہاں قیاس ہمارے نزدیک حجت ہے دلیل ہے لیکن آخری درجے کی دلیل ہے۔ اگر ہمیں قرآن و حدیث، اجماع وغیرہ سے ایک مسئلے کا ایک مسئلہ نہیں ملتا تو پھر اس کے بعد بھائی سب سے آخری درجہ کیا ہے؟ قیاس ہے، پھر قیاس ہی کرنا پڑے گا ورنہ پھر کیا کیا جائے گا؟ مسئلے کا حل تو چاہیے اور قرآن میں بھی نہیں ملا، احادیث میں بھی نہیں ملا اور نیز فقہاء سے بھی اس بارے میں صحابہ وغیرہ سے بھی کچھ منقول نہیں ہے تو پھر قیاس تو کرنا ہی پڑے گا۔ اگر قیاس سے کام نہیں لیں گے تو قدم قدم پر آپ پھنس جائیں گے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ معلوم ہوا مسئلہ پیش آ رہا ہے اور حل کوئی نہیں، بھائی حل کیسے نہیں ہے؟ یہ قیاس بھی تو قرآن و حدیث کی مدد سے ہی تو کیا جاتا ہے کوئی اپنی طرف سے تو نہیں کیا جاتا، اسی سے قرآن و حدیث سے اصول لیے جاتے ہیں وہیں سے مقیس علیہ کو دیکھا جاتا ہے اور پھر اسی پر قیاس کر کے حکم بیان کیا جاتا ہے تو یہ قیاس کوئی الگ چیز نہیں ہے بھائی، یہ اسی قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ ہے بھائی۔ تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں۔

پھر یہ ہو گا کس طرح؟ ایک اذان اور دو اقامتیں کیسے ہوں گی؟ صاحب ہدایہ طریقہ بھی بیان کر رہے ہیں: «ثُمَّ بَيَانُهُ أَنَّهُ يُؤَذِّنُ لِلظُّهْرِ وَيُقِيمُ لِلظُّهْرِ» پھر بیان اس کا یہ ہے کہ مؤذن اذان دے گا پہلے ظہر کے لیے «وَيُقِيمُ لِلظُّهْرِ» پھر اقامت کہے گا ظہر کی نماز کے لیے، پھر ظہر کی نماز پڑھ لیں گے تو «ثُمَّ يُقِيمُ لِلْعَصْرِ» پھر اقامت کہے گا عصر کی نماز کے لیے «لِأَنَّ الْعَصْرَ يُؤَدَّى قَبْلَ وَقْتِهِ الْمَعْهُودِ» اس لیے کیونکہ عصر کی نماز وہ ادا کی جا رہی ہے اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہی «فَيُفْرَدُ بِالْإِقَامَةِ» تو اس کو اقامت کے ساتھ جدا کیا جائے گا «إِعْلَامًا لِلنَّاسِ» لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے۔ بھائی دیکھیے، اگرچہ لوگ سارے جمع ہیں، لوگ سارے جمع ہیں، ظہر کی نماز پڑھ لی اور اب کون سی پڑھنی ہے؟ عصر کی۔ تو لوگ اگرچہ سارے جمع ہیں لیکن عصر کی نماز اپنے وقت پر ہے یا وقت سے پہلے ہے؟ وقت سے پہلے ہے، لہٰذا پھر دوبارہ اقامت کہی جائے گی تاکہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ اب دوسری جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «لِأَنَّ الْعَصْرَ يُؤَدَّى قَبْلَ وَقْتِهِ الْمَعْهُودِ» کیونکہ عصر کی نماز وہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ادا کی جاتی ہے «فَيُفْرَدُ بِالْإِقَامَةِ» تو اس کو جدا کیا جائے گا اقامت کے ساتھ یعنی اس کے لیے الگ اقامت کہی جائے گی «إِعْلَامًا لِلنَّاسِ» لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے۔

■ مسئلہ: وَلَا يَتَطَوَّعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ تَحْصِيلًا...

«وَلَا يَتَطَوَّعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ تَحْصِيلًا لِمَقْصُودِ الْوُقُوفِ» اور نفل نہیں پڑھے گا بھائی، امام نفل نہ پڑھے بین الصلاتین دو نمازوں کے درمیان، «تَحْصِيلًا لِمَقْصُودِ الْوُقُوفِ» وقوف کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے۔ امام ان دو نمازوں کے درمیان نفل نہیں پڑھے گا بھائی، نفل نہیں پڑھے گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اس لیے کیونکہ ان نمازوں کے بعد وقوف عرفات کرنا ہے یعنی اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، ذکر کرنا ہے، دعائیں کرنی ہیں، رونا ہے، گڑگڑانا ہے اور عاجزی وزاری کا اظہار کرنا ہے، تو لہٰذا تاکہ اس کا خوب لمبا وقت مل جائے سب کو۔ تو اگر امام ابھی نوافل وغیرہ میں مشغول ہو جائے گا تو نماز کے اندر تاخیر ہو جائے گی، وہ مشغول ہو گا اور لوگ بھی مشغول ہو جائیں گے، کافی وقت تو اسی کے اندر لگ جائے گا تو وقوف کا وقت کم ہو جائے گا حالانکہ کیا ہونا چاہیے اس دن؟ وقوف کا وقت لمبا ہونا چاہیے، اسی لیے تو یہ دونوں نمازوں کو جمع کیا گیا۔ اسی لیے تو کیا کیا گیا؟ دونوں نمازوں کو جمع کیا گیا، کیونکہ ظہر کی نماز پڑھ لی ظہر کی نماز کے بعد اگر فوراً عصر کی نماز نہ پڑھی جائے لوگ پھر اپنی اپنی جگہ پر پہنچ جائیں گے اور پھر عصر کے وقت سارے دوبارہ اکٹھے ہوں گے تو اس میں تو اچھا خاصا وقت لگ جائے گا، لہٰذا اسی لیے اس روز کیا کیا گیا؟ ظہر کے وقت سب لوگ جمع ہیں تو ساتھ ہی کون سی نماز ادا کر لی گئی؟ عصر کی ادا کر لی گئی تاکہ وقوف عرفات کا لمبا وقت ان کو مل جائے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں «وَلَا يَتَطَوَّعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ» اور امام نفل نہیں پڑھے گا ان دو نمازوں کے درمیان «تَحْصِيلًا لِمَقْصُودِ الْوُقُوفِ» وقوف کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے، «وَلِهَذَا قُدِّمَ الْعَصْرُ عَلَى وَقْتِهِ» اور اسی وجہ سے تو عصر کی نماز کو مقدم کر دیا گیا اپنے وقت پر۔ «فَلَوْ أَنَّهُ فَعَلَ فَعَلَ مَكْرُوهًا» اور اگر امام نے ایسا کر لیا تو اس نے مکروہ فعل کیا، ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ «فَلَوْ أَنَّهُ فَعَلَ» اور اگر اس نے کر لیا «فَعَلَ مَكْرُوهًا» تو اس نے مکروہ فعل کیا «وَأَعَادَ الْأَذَانَ لِلْعَصْرِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ»۔ بھائی اگر امام نے نفل پڑھ لیے یا امام کا جو نائب تھا اس نے درمیان میں نفل پڑھنا شروع کر دیے نفل پڑھ لیے تو کہتے ہیں اس نے مکروہ کیا، اور اب عصر کے لیے دوبارہ اذان دی جائے۔ اب عصر کے لیے دوبارہ اذان دی جائے گی اس لیے کیونکہ اذان کے فوراً بعد نماز کا وقت تھا اور پھر ظہر کے فوراً بعد عصر ہوتی تو عصر کا بھی اتصال تھا اسی اذان کے ساتھ، تو اگر امام نے درمیان میں نفل پڑھ لیے تو عصر کی نماز کا اتصال اذان کے ساتھ نہ رہا، بیچ میں وقفہ آ گیا لہٰذا اس وجہ سے عصر کے لیے دوبارہ اذان دی جائے گی۔

تو یہ معنی ہے «وَأَعَادَ الْأَذَانَ لِلْعَصْرِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ» اور اعادہ کرے گا مؤذن اذان کا عصر کے لیے ظاہر روایت کے مطابق، «خِلَافًا لِمَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف اس کے جو روایت کیا گیا ہے امام محمد رحمہ اللہ سے۔ امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت آئی ہے کہ نہیں، اذان کا اعادہ نہیں ہو گا اگرچہ امام کس میں مشغول ہو جائے؟ نفلوں میں بھی مشغول ہو جائے، لیکن ظاہر روایت کیا ہے کہ اگر امام نفلوں میں مشغول ہوا تو عصر کے لیے دوبارہ اذان دی جائے گی بھائی، ظاہر روایت میں یہ آیا ہے۔ اور ظاہر روایت کی دلیل یہ آگے آ رہی ہے بھائی، «لِأَنَّ الِاشْتِغَالَ» یہ ظاہر روایت کی دلیل ہے، امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل نہیں بھائی ان کا جو قول نقل ہوا اس کی دلیل نہیں ہے۔ «لِأَنَّ الِاشْتِغَالَ بِالتَّطَوُّعِ أَوْ بِعَمَلٍ آخَرَ يَقْطَعُ فَوْرَ الْأَذَانِ الْأَوَّلِ» اس لیے کیونکہ مشغول ہونا نفلوں میں یا کسی دوسرے عمل میں «يَقْطَعُ» یہ کاٹ دیتا ہے «فَوْرَ الْأَذَانِ الْأَوَّلِ» پہلی اذان کے فوری ہونے کو یعنی اس کے اس کے عصر کی نماز کے ساتھ متصل ہونے کو یہ کاٹ دیتا ہے، «فَيُعِيدُهُ لِلْعَصْرِ» لہٰذا مؤذن اس کا اعادہ کرے گا عصر کے لیے۔

■ مسئلہ: فَإِنْ صَلَّى بِغَيْرِ خُطْبَةٍ أَجْزَأَهُ

«فَإِنْ صَلَّى بِغَيْرِ خُطْبَةٍ أَجْزَأَهُ» پس اگر نماز پڑھائی بھائی بغیر خطبے کے «أَجْزَأَهُ» تو یہ بھی کافی ہے۔ خطبے کے بغیر ہی امام نے کیا کیا؟ نماز پڑھا دی تو بھی

کافی ہے۔ کہتے ہیں «لِأَنَّ هَذِهِ الْخُطْبَةَ لَيْسَتْ بِفَرِيضَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ خطبہ فرض نہیں ہے بھائی، تو لہٰذا اگر رہ بھی گیا تو کوئی حرج نہیں، حج ہو جائے گا۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۳۹: مسئلہ: وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ وَحْدَهُ صَ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سبق نمبر ۱۳۹: مسئلہ: وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ وَحْدَهُ صَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۶۶ — بتاریخ: ۲۹ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ وَحْدَهُ صَلَّى الْعَصْرَ فِي وَقْتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً، وَقَالَا: يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا الْمُنْفَرِدُ، لِأَنَّ جَوَازَ الْجَمْعِ لِلْحَاجَةِ إِلَى امْتِدَادِ الْوُقُوفِ، وَالْمُنْفَرِدُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ». [1]

حج افراد کا طریقہ ذکر کر رہے ہیں صاحب ہدایہ اور صاحب قدوری بھائی۔ اور اب تک آپ نے پڑھ لیا کہ حج افراد کرنے والا وہ احرام باندھے گا حج کی نیت سے، اور پھر جب مکہ پہنچ جائے تو طواف قدوم جو ہے وہ سنت ہے وہ کرے گا۔ اور اس کے بعد وہ حج کی سعی کرنا چاہتا ہے تو اس طواف قدوم کے اندر وہ اضطباع بھی کر لے گا یعنی دائیں کندھے کو بھی ننگا کر لے گا اور پہلے تین چکروں میں رمل بھی کرے گا۔ طواف کے بعد طواف کے دو واجب رکعتیں جو ہیں واجب الطواف وہ ادا کر لے گا، پھر اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے گا۔ اور پھر جب آٹھویں ذی الحجہ آجائے گی تو پھر وہ منیٰ روانہ ہو گا، جب فجر پڑھ لی اور سورج طلوع ہو گیا اب منیٰ روانہ ہو جائے گا۔ اور وہاں پانچ نمازیں ادا کرے گا یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور اگلے دن کی فجر کی نماز۔ اور انہی ایام میں امام جو ہے وہ تین خطبے بھی دے گا۔ پہلا خطبہ ساتویں ذی الحجہ کو ہو گا، دوسرا خطبہ نویں ذی الحجہ کو، اور تیسرا خطبہ گیارہویں ذی الحجہ کو، یعنی ایک ایک دن چھوڑ کر خطبہ دے گا امام۔

اور پھر جب حاجی منیٰ سے عرفات چلا گیا نویں ذی الحجہ کو، تو پھر وہاں پر امام دوسرا خطبہ دے گا۔ اور خطبے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز جو ہے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر ہی کے وقت میں ادا کی جائیں گی۔ اور اب اگر کوئی شخص اپنی جگہ پر نماز ادا کرتا ہے چاہے اکیلا ہو چاہے دوسری جماعت ہو اپنی، تو اس کا طریقہ آج بیان کریں گے کہ اس صورت میں بھی عصر اور ظہر کو جمع کیا جائے گا یا جمع نہیں کیا جائے گا۔ تو حاصل کلام یہ ہے یاد رکھیے گا کہ امام صاحب کے نزدیک جمع بین الصلاتین کے لیے تین شرطیں تھیں بھائی، تین شرطیں جیسے پہلے ذکر ہو چکا۔ ایک تو یہ کہ جماعت کروانے والا وہ امام المسلمین ہو یا اس کا کوئی نائب ہو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور وہ تو وہ بڑی جماعت ہی کے ساتھ ہو گا یعنی جیسے آج کل وہ مسجد نمرہ کے اندر وہ جو امام ہوتا ہے وہ باقاعدہ حکومت کی طرف سے مقرر ہے، تو وہ نائب ہے بھائی نائب، سمجھ میں آیا؟ تو وہ ہو، اور دوسری شرط کہ اس میں جماعت ہونی چاہیے وہ بھی موجود ہوتی ہے، اور تیسری شرط یہ کہ احرام بھی ہونا چاہیے۔ تو امام صاحب کے نزدیک یہ تین شرطیں ہونا ضروری ہیں جمع بین الصلاتین کے لیے، اور اسی پر فتویٰ بھی اسی پر ہے بھائی۔

تو لہٰذا بڑی جماعت ہو، اور وہ امام جو نائب ہے حکومت کی طرف سے مقرر ہے، اور حالت احرام میں ہو تو انسان کیا کر سکتا ہے؟ پھر وہاں جمع بین الصلاتین کر سکتا ہے۔ البتہ اس کے اندر ایک چیز کا ضرور لحاظ رکھنا جو میں نے پہلے بیان کر دی تھی کہ امام کا مسافر ہونا ضروری ہے، اس لیے کیونکہ یہاں پر ان کی طرف سے بھی جو امام مقرر ہوتا ہے وہ قصر کرواتا ہے۔ یعنی ظہر بھی چار کے بجائے دو رکعت پڑھاتا ہے، عصر بھی چار کے بجائے دو رکعت پڑھاتا ہے، یہ قصر کیا جا رہا ہے، اور قصر صرف سفر شرعی کے اندر جائز ہے اس کے بغیر تو قصر جائز نہیں، تو اگر امام مسافر ہو تو حنفی مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں، لیکن اگر امام مسافر نہیں ہے یہیں مکہ سے آیا ہے تو پھر اس کے لیے تو قصر جائز نہیں لہٰذا اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جائے گی ورنہ نماز ہی نہیں ہو گی۔ تو اس صورت میں پھر ظہر اور عصر کی نماز اپنے مقام پر انسان ادا کر لے، اپنی جماعت کروا لے، اور جمع بین الصلاتین کو بھی ترک کر دیا جائے گا، ظہر کی نماز ظہر کے وقت میں ہو گی اور عصر کی نماز عصر کے وقت میں ہو گی کیونکہ یہاں پر وہ بڑی جماعت نہیں، نائب جماعت نہیں کروا رہا، حالانکہ امام المسلمین یا اس کے نائب کا جماعت کروانا شرط تھا کس کے لیے؟ جمع بین الصلاتین۔ جماعت بھی موجود ہے اگر اپنی جگہ پر کوئی جماعت کرواتا ہے،

[1] شاملہ (ص ۱۹۰) میں «رَاحِلَةِ» کے بجائے «راحلته» درج ہے۔

جماعت بھی موجود ہے، احرام بھی موجود ہے، لیکن ایک شرط پوری نہیں کہ نماز کروانے والا کون ہو؟ امام المسلمین یا اس کا نائب ہو۔ تو حاصل کلام یہ ہوا کہ اپنی جگہ پر جب بھی یہ نمازیں ادا کی جائیں گی تو اپنے اپنے وقت پر ادا کی جائیں گی، جمع بین الصلاتین یہاں نہیں ہو گا۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں اپنے مقام پر بھی جب یہ نمازیں ادا کی جائیں تو پھر جمع بین الصلاتین کیا جائے گا بھائی، جمع بین الصلاتین۔ لیکن میں نے بتلایا کہ فتویٰ کس کے قول پر ہے؟ امام صاحب کے قول پر۔ یہی بیان کر رہے ہیں۔

قَالَ صاحب قدوری فرماتے ہیں: «**وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ**» رحل کجاوے کو بھی کہتے ہیں، اسی طرح اس کا ایک معنی رہائش گاہ کے بھی آتے ہیں، تو یہاں یہ رہائش گاہ کے معنی میں ہے یعنی جہاں پر وہ حاجی جس جگہ پر مقیم ہے وہ اقامت والی جگہ وہ ہے رحل بھائی۔ تو صاحب قدوری فرماتے ہیں: «**وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ**» اور جس نے ظہر کی نماز ادا کی اپنی رہائش کی جگہ پر، اپنی اقامت گاہ پر، «**وَحْدَهُ**» اکیلے ہی، «**صَلَّى الْعَصْرَ فِي وَقْتِهِ**» تو وہ عصر کی نماز اپنے وقت میں پڑھے گا، یعنی اب جمع بین الصلاتین نہیں کرے گا، «**عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» امام صاحب کے نزدیک، «**وَقَالَا**» اور صاحبین فرماتے ہیں: «**يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا الْمُنْفَرِدُ**» کہ منفرد بھی ان دو جماعتوں کو، ان دو نمازوں کو جمع کرے گا، «**لِأَنَّ جَوَازَ الْجَمْعِ لِلْحَاجَةِ إِلَى امْتِدَادِ الْوُقُوفِ**» صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ جو جمع بین الصلاتین کیا جاتا ہے عرفات کے اندر اس کا مقصد یہ ہے تاکہ وقوف عرفات لمبا ہو جائے۔ اللہ کے سامنے کھڑے ہونا ہے، رونا ہے، دعائیں کرنی ہیں، تو یہ اس کے لیے انسان کو اس وقوف کے لیے تاکہ اسے لمبا وقت مل جائے لہٰذا منفرد بھی اس کا محتاج ہے، وہ محتاج ہے کہ اسے بھی لمبا وقت ملے وقوف عرفات کا بھائی، تو لہٰذا وہ بھی کیا کرے گا؟ جمع بین الصلاتین کرے گا۔

تو کہتے ہیں: «**لِأَنَّ جَوَازَ الْجَمْعِ لِلْحَاجَةِ إِلَى امْتِدَادِ الْوُقُوفِ**» اس لیے کیونکہ یہ جمع کا جائز ہونا وقوف کے لمبا ہونے کی حاجت کی وجہ سے یہ دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہوا ہے، «**وَالْمُنْفَرِدُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ**» اور منفرد بھی اس کا محتاج ہے۔

■ مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰہ

«**وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» امام صاحب فرماتے ہیں کہ دیکھیے ہر نماز کے لیے شریعت نے الگ وقت مقرر کیا ہے، اور عصر کی نماز کا وقت عصر کے وقت ہے اس سے پہلے نہیں، اور یہ نصوص کے ذریعے، قطعی نصوص کے ذریعے ثابت ہے قرآن وحدیث کے، تو یہ قطعی نصوص کے ذریعے ثابت ہے لہٰذا اس پر عمل ضروری ہے۔ کس پر عمل ضروری ہے؟ کہ ہر نماز کو اس کے اپنے وقت پر ادا کرنا چاہیے کیونکہ یہ کس کے ذریعے ثابت ہے؟ نصوص کے ذریعے، قرآن وحدیث کے قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ ہر نماز اپنے وقت پر ہونی چاہیے۔ اور یہاں پر کیا کیا جا رہا ہے؟ عصر کو وقت سے پہلے ادا کیا جا رہا ہے یعنی اس پر عمل کو ترک کیا جا رہا ہے، لہٰذا اس پر عمل کو اسی مقام پر ترک کیا جائے گا جس کے ساتھ شریعت وارد ہوئی ہے، جیسا شریعت میں آیا ہے بھائی۔ کیا کیا جا رہا ہے؟ بھائی ہر نماز کے وقت کی حفاظت کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ کی جائے گی۔ ہر نماز کے وقت کی حفاظت کی جائے گی، اس کو اپنے وقت پر ادا کیا جائے گا، صرف کس جگہ پر اس کو چھوڑا جائے گا؟ جہاں شریعت نے بتلایا ہو۔ ویسے تو ویسے چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔ عصر کی نماز عصر ہی کے وقت ہو سکتی ہے، آپ ظہر کے وقت کسی بھی صورت میں عام احوال میں ادا نہیں کر سکتے۔ تو یہاں دیکھیے وہ وقت کی حفاظت ضروری تھی لیکن اس وقت کی حفاظت کو چھوڑ دیا گیا اور کس مقام پر چھوڑا جائے گا؟ جہاں شریعت نے بتلایا ہے، اور شریعت نے کہاں بتلایا ہے؟ عرفہ والے دن، اور کیا شرائط تھیں اس کے اندر؟ امام المسلمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کروا رہے تھے اور امام وہ تھے اور جماعت بھی تھی ساتھ، وہ اکیلے نماز ادا کر رہے تھے یا جماعت کے ساتھ؟ جماعت کے ساتھ۔ تو دوسری شرط یہ کہ جماعت بھی ہونی چاہیے اور تیسری شرط یہ کہ ان کے پیچھے جو ادا کرنے والے تھے وہ حاجی تھے یا غیر حاجی تھے؟ حاجی تھے، وہ سب حج کا احرام باندھے ہوئے تھے، معلوم ہوا یہ تین شرطیں ضروری ہیں۔ ان کے بغیر وقت کی حفاظت کو ترک نہیں کیا جائے گا بھائی کیونکہ اس کے بارے میں نصوص آئی ہیں، قطعی طور پر یہ بات نصوص کے اندر آئی ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کیا جائے گا اور لہٰذا اس کو اگر چھوڑیں گے ہم تو اسی مقام پر چھوڑنے کی گنجائش ہو گی جس کے بارے میں جہاں شریعت نے گنجائش دی ہے، اور شریعت نے گنجائش دی ہے کس صورت میں؟ جبکہ جماعت کروانے والا کون ہو؟ امام المسلمین، اور نماز بھی کس کے ساتھ ہو؟ جماعت کے ساتھ ہو، اور پڑھنے والے بھی حالتِ احرام میں ہوں وہ ان کے لیے گنجائش ہو گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «**وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمُحَافَظَةَ عَلَى الْوَقْتِ فَرْضٌ بِالنُّصُوصِ**» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ وقت کی محافظت یعنی وقت کی حفاظت جو ہے فرض ہے نصوص کی وجہ سے یعنی قرآن وحدیث کی وجہ سے، «**فَلَا يَجُوزُ تَرْكُهُ إِلَّا فِيمَا وَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ**» لہٰذا اس محافظت علی الوقت کو ترک کرنا جائز نہیں ہے مگر اس صورت ہی میں جس کے ساتھ شریعت وارد ہوئی ہے، «**وَهُوَ الْجَمْعُ بِالْجَمَاعَةِ مَعَ الْإِمَامِ**» اور وہ کون سی صورت ہے کہ وہ جمع کیا جائے نمازوں کو جماعت کے ساتھ امام یعنی امام المسلمین کے ساتھ، «**وَالتَّقْدِيمُ لِصِيَانَةِ الْجَمَاعَةِ**» یہاں سے جواب دے رہے ہیں صاحبین کی دلیل کا۔ صاحبین نے کیا ذکر کیا تھا کہ یہ جمع کرنا کیوں جائز ہوا ہے عرفات کے اندر تاکہ حاجی کو وقوف عرفات کا وقت زیادہ سے زیادہ مل سکے، تو اس کا بتلا رہے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں پر یہ جو عصر کی نماز کو اپنے وقت پر مقدم کیا گیا یہ جماعت کی حفاظت کے لیے ہے۔ کس لیے ہے؟ یہ وقوف کو لمبا کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ جماعت کی حفاظت کے لیے ہے۔ وجہ یہ کہ ظہر کے وقت سارے حاجی اکٹھے ہو گئے اور جماعت ادا کر لی امام المسلمین کے ساتھ یا اس کے نائب کے ساتھ، اور پھر اگر ابھی عصر ادا

نہیں کی جائے گی سارے حاجی اپنے اپنے مقام پر واپس چلے جائیں گے جہاں جہاں اقامت ہے ان کی، اور پھر عصر کے وقت سارے دوبارہ اکٹھے ہوں گے تو مشکل میں پڑ جائیں گے کیونکہ وقت تھوڑا ہے اور پھر سارے اکٹھے ہوں اور اپنی جگہ پر پہنچیں تو اب وقوف کے وقت میں بڑی کمی آجائے گی بھائی۔ تو لہٰذا یہاں پر جو جمع کو جائز قرار دیا گیا وہ جماعت کی حفاظت کے لیے ہے۔ کس لیے ہے؟ ورنہ تو جماعت کی حفاظت نہ ہو سکے گی، لوگ بکھر جائیں گے، پھر پھیل جائیں گے کس کے اندر؟ عرفات کے اندر، اور دوسری مرتبہ سب کے لیے جمع ہونا مشکل ہو جائے گا۔ تو یہاں یہ جمع کرنا جائز ہے کس وجہ سے جائز ہے؟ جماعت کی حفاظت کے لیے جائز ہوا ہے، وقوف کو لمبا کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ کس لیے ہے؟ دلیل سمجھ میں آرہی ہے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ امام صاحب کیا فرماتے ہیں یہاں جمع کرنا یعنی جمع بین الصلاتین کیوں جائز ہوا ہے؟ جماعت کی حفاظت کے لیے جائز ہوا ہے، وقوف کو لمبا کرنے کے لیے نہیں۔ اس لیے کیونکہ وقوف تو پھر بھی لمبا ہو سکتا ہے۔ حاجی اگر اپنی جگہ پر نماز ادا کر رہا ہے تو کھانے اور پینے میں بھی مشغول ہو گا یا نہیں؟ کھانا بھی اس نے کھانا ہے، سمجھ میں آئی بات؟ تو کھانا کھانے وغیرہ میں بھی مشغول ہو گا تو اس کی وجہ سے بھی دیکھو وقوف کے لمبا ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ کھانے پہ تو چند منٹ لگیں گے، اور اسی طرح اگر وہ اپنے اپنے وقت پر ظہر اور عصر ادا کرے گا تو بھی وقوف کے لمبا ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، ظہر کی نماز وہ اپنے وقت پر ادا کرتا ہے اپنی جگہ پر چند منٹ لگیں گے، عصر کی نماز اپنے وقت پر ادا کرتا ہے چند منٹ لگیں گے، جیسے کھانے پینے سے امتداد وقوف پر کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح اپنے اپنے وقت پر پڑھنے سے بھی امتداد وقوف میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اس پہ تو چند منٹ لگیں گے۔ لہٰذا معلوم ہوا یہاں جو جمع بین الصلاتین جائز ہوا یہ وقوف کو لمبا کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ کس لیے ہے؟ جماعت کی حفاظت کے لیے ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «**وَالتَّقْدِيمُ لِصِيَانَةِ الْجَمَاعَةِ**» اور مقدم کرنا جو ہے یعنی عصر کو جو مقدم کرنا ہے وہ جماعت کی حفاظت کے لیے ہے، «**لِأَنَّهُ يَعْسُرُ عَلَيْهِمُ الِاجْتِمَاعُ لِلْعَصْرِ بَعْدَمَا تَفَرَّقُوا فِي الْمَوْقِفِ**» اس لیے کیونکہ مشکل ہو جائے گا لوگوں پر جمع ہونا عصر کے لیے بعد اس کے کہ جب وہ بکھر گئے ہوں موقف میں، جبکہ وہ متفرق ہو گئے ہوں، جدا جدا ہو گئے ہوں موقف کے اندر تو پھر ان کے لیے جمع ہونا مشکل ہو گا، «**لَا لِمَا ذَكَرَاهُ**» نہ کہ اس وجہ سے جس کو صاحبین نے ذکر کیا، یعنی امتداد وقوف کے لیے نہیں ہے، «**إِذْ لَا مُنَافَاةَ**» اس لیے کیونکہ کوئی منافات نہیں ہے کس چیز میں؟ امتداد وقوف میں اور اپنے اپنے وقت میں نماز کے ادا کرنے میں۔ اپنے اپنے وقت میں نماز ادا کی جائے اور امتداد وقوف بھی پایا جائے یہ دونوں ہو سکتے ہیں کیونکہ نماز پر کوئی اتنا زیادہ وقت تو نہیں لگتا بھائی، یہ معنی ہے «**إِذْ لَا مُنَافَاةَ**» اس کے کیونکہ کوئی منافات نہیں ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِلَّا...

«**ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ الْإِمَامُ شَرْطٌ فِي الصَّلَاتَيْنِ جَمِيعًا**» یہاں سے امام صاحب اور امام زفر کا اختلاف ذکر فرما رہے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام المسلمین کا دونوں جماعتوں میں ہونا شرط ہے کہ جماعت کروانے والا کون ہو؟ امام المسلمین یا اس کا نائب ہو۔ ظہر میں بھی وہ ہونا چاہیے اور عصر میں بھی۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام المسلمین کا ہونا صرف عصر کی نماز میں شرط ہے، ظہر کی نماز میں شرط نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک دونوں میں شرط، اور امام زفر رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ عصر میں۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظہر کی نماز تو اپنے وقت کے اندر ہے اس میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی لہٰذا اس میں امام المسلمین کا ہونا شرط نہیں ہے، ہاں عصر کی نماز کو اپنے وقت سے بدلا گیا ہے، ادا تو اس کو کرنا چاہیے تھا عصر کے وقت لیکن کب ادا کیا جا رہا ہے؟ ظہر کے وقت، تو چونکہ صرف عصر کی نماز میں تبدیلی آئی ہے اس کو صرف بدلا گیا ہے اپنے وقت سے لہٰذا اس کے اندر امام المسلمین کا ہونا شرط ہے، ظہر کی نماز میں امام المسلمین کا ہونا شرط نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ الْإِمَامُ شَرْطٌ فِي الصَّلَاتَيْنِ جَمِيعًا**» پھر امام صاحب کے نزدیک امام کا ہونا شرط ہے دونوں نمازوں میں، «**وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْعَصْرِ خَاصَّةً**» اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کا ہونا شرط ہے عصر میں خاص طور پر، «**لِأَنَّهُ هُوَ الْمُغَيِّرُ عَنْ وَقْتِهِ**» اس لیے کیونکہ عصر ہی کی نماز کو بدلا گیا ہے اپنے وقت سے، «**وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْإِحْرَامُ بِالْحَجِّ**» اور اسی اختلاف پر احرام بالحج بھی ہے بھائی۔ اسی اختلاف پر احرام بالحج بھی ہے۔ امام صاحب کے نزدیک بھائی دونوں نمازوں کے اندر حج کا احرام ہونا ضروری ہے پھر ہی جمع بین الصلاتین اس شخص کے لیے جائز ہو گا ورنہ جائز نہیں، اگر ایک مقیم آدمی ہے یا ایک غیر حاجی ہے وہ ویسے ہی کیا کر رہا ہے؟ یہاں پر آکر نماز ادا کر رہا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں بلکہ دونوں نمازوں میں کیا ہونا ضروری؟ احرام کا ہونا ضروری۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عصر کے اندر احرام کا ہونا ضروری ہے کیونکہ عصر کو اپنے وقت سے بدلا گیا ہے لہٰذا ظہر کی نماز تو اپنے وقت میں ادا کی جا رہی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہ صرف عصر میں احرام کی شرط لگاتے ہیں۔ یہ معنی ہے «**وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْإِحْرَامُ بِالْحَجِّ**» اور اسی اختلاف پر ہے احرام حج کا۔

«**وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے، امام زفر رحمہ اللہ کی تو دلیل گزر گئی وہ فرماتے ہیں کیونکہ صرف عصر کو اپنے وقت سے بدلا گیا ہے لہٰذا اس میں شرط ہے امام کا ہونا بھی اور احرام کا ہونا بھی۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ دونوں میں امام المسلمین کا ہونا بھی ضروری اور احرام کا ہونا بھی ضروری، تو ان کی دلیل اب ذکر ہو رہی ہے۔ «**وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ التَّقْدِيمَ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ**» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ جو تقدیم عصر ہے،

عصر کو مقدم کرنا ہے یہ کیا ہے؟ خلاف القیاس ہے۔ قیاس تو کیا تقاضا کرتا ہے؟ ہر نماز کو اپنے اپنے وقت پر ہونا۔ تو یہاں پر جو عصر کی نماز کو مقدم کیا گیا یہ خلاف القیاس ہے، «عُرِفَتْ شَرْعِيَّتُهُ فِيمَا إِذَا كَانَتِ الْعَصْرُ مُرَتَّبَةً عَلَى ظُهْرٍ مُؤَدًّى بِالْجَمَاعَةِ مَعَ الْإِمَامِ فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ» امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جو عصر کا مقدم کرنا ہے یہ خلاف القیاس ہے، اس کے مشروع ہونے کو جانا گیا ہے یعنی یہ بات جانی گئی ہے کہ یہ جائز ہے، کیا جائز ہے؟ عصر کی نماز کو اپنے وقت سے مقدم کرنا۔ اس کا جائز ہونا جو ہے اس کو جانا گیا ہے اس صورت میں، اب وہ شرطیں ساری ذکر ہوں گی امام صاحب کی، اس صورت میں «إِذَا كَانَتِ الْعَصْرُ مُرَتَّبَةً عَلَى ظُهْرٍ» جبکہ یہ عصر کس پر مرتب ہو؟ ظہر پر۔ بھائی عصر کی نماز کو اپنے وقت سے کیا کیا جا رہا ہے؟ پہلے ادا کیا جا رہا ہے، اپنے وقت پر مقدم کیا جا رہا ہے اور یہ خلاف القیاس ہے اور جو چیز خلاف القیاس ہوتی ہے وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے، تو یہاں پر بھی عصر کی نماز کا مقدم ہونا جو کہ خلاف القیاس ہے اس کی تقدیم کے جائز ہونے کو جانا گیا ہے کس صورت میں؟ «إِذَا كَانَتِ الْعَصْرُ مُرَتَّبَةً عَلَى ظُهْرٍ» جب یہ عصر کس پر مرتب ہو؟ ظہر پر، یعنی اس سے پہلے کون سی نماز ہو؟ ظہر کی ہو، پھر اس کے بعد عصر کی ہو۔ «عَلَى ظُهْرٍ مُؤَدًّى بِالْجَمَاعَةِ» ایسی ظہر جو ادا کی گئی ہو کس کے ساتھ؟ جماعت کے ساتھ، «مَعَ الْإِمَامِ» کس کے ساتھ؟ امام یعنی امام المسلمین کے ساتھ، «فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ» کون سی حالت میں؟ حج کے احرام کی حالت میں، حج کے احرام۔ «فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ» لہٰذا یہ تقدیم اسی پر بند رہے گی۔ چونکہ یہ خلاف القیاس ہے اور جو چیز خلاف القیاس ہوتی ہے وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے لہٰذا یہ تقدیم عصر، عصر کو اپنے وقت سے مقدم کرنا یہ بھی بند رہے گی اسی صورت پر جیسا شریعت میں آیا ہے، اور شریعت میں یہ کب آیا ہے؟ کس صورت میں مقدم کرنا جائز ہے؟ جب عصر کی نماز جو ہے وہ مرتب ہو کس پر؟ ایسی ظہر کی نماز پر جس کو کس کے ساتھ ادا کیا گیا ہے؟ جماعت کے ساتھ ادا کیا گیا ہے، کس کے ساتھ؟ امام المسلمین کے ساتھ ادا کیا گیا ہے، اور کس حالت میں ادا کیا گیا ہے؟ حج کے احرام کی حالت میں اس کو ادا کیا گیا ہو بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی اچھی طرح؟

اب ترجمہ دوبارہ دیکھ لیجیے۔ تو امام صاحب کی دلیل یہ ہے: «أَنَّ التَّقْدِيمَ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ عُرِفَتْ شَرْعِيَّتُهُ فِيمَا إِذَا كَانَتِ الْعَصْرُ مُرَتَّبَةً عَلَى ظُهْرٍ مُؤَدًّى بِالْجَمَاعَةِ مَعَ الْإِمَامِ فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ» امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جو عصر کو مقدم کرنا ہے یہ خلاف القیاس ہے اور جانا گیا ہے اس کے مشروع ہونے کو یعنی اس کے جائز ہونے کو اس صورت میں «إِذَا كَانَتِ الْعَصْرُ مُرَتَّبَةً عَلَى ظُهْرٍ» جبکہ وہ عصر مرتب ہو رہی ہو ایسی ظہر کی نماز پر «مُؤَدًّى بِالْجَمَاعَةِ» جس کو ادا کیا گیا ہو جماعت کے ساتھ «مَعَ الْإِمَامِ» امام کے ساتھ «فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ» حج کے احرام کی حالت میں «فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ» لہٰذا یہ تقدیم عصر اسی پر بند رہے گی، صرف اسی حالت میں اس کے مقدم کرنے کی اس کو مقدم کرنا جائز ہو گا اور صورتوں میں اس کو مقدم کرنا جائز نہیں لہٰذا یہ تینوں چیزیں اس کے اندر شرط ہوں گی: جماعت بھی ہو، امام المسلمین بھی ہو، اور حج کا احرام بھی ہو بھائی۔

حاصل کلام یہ کہ امام صاحب کے نزدیک تینوں شرطیں ہیں: احرام بھی ہو، جماعت بھی ہو، اور امام المسلمین بھی ہو۔ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کے اندر یہ تینوں شرطیں ہونا ضروری ہیں کیونکہ اس کو صرف اپنے وقت سے بدلا گیا ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک صرف احرام کا ہونا شرط ہے، جماعت کا ہونا بھی شرط نہیں اور امام المسلمین کا ہونا بھی شرط نہیں ہے بھائی۔

■ مسئلہ: ثُمَّ لَابُدَّ مِنَ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ قَبْلَ...

«ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ قَبْلَ الزَّوَالِ فِي رِوَايَةٍ تَقْدِيمًا لِلْإِحْرَامِ عَلَى وَقْتِ الْجَمْعِ» پھر یاد رکھیے کہ یہ اس میں احرام کا ہونا شرط ہے، احرام کا ہونا شرط ہے۔ تو یہ احرام کب سے ہونا چاہیے؟ کیا صرف ظہر کی نماز سے پہلے اگر کسی نے حج کا احرام باندھ لیا اور حج شروع کر دیا کیا یہ کافی ہو جائے گا؟ تو یاد رکھیے اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ کہ یہ احرام زوال سے پہلے ہونا چاہیے، شرط ہے۔ یہ احرام کب ہونا چاہیے حج کا؟ زوال سے پہلے۔ لہٰذا زوال کے بعد اگر کوئی حج کا احرام باندھ کر حج شروع کرتا ہے یہاں پر تو اس کے لیے یہ جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔ جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ احرام جو ہے نماز پر مقدم ہو جائے تو کافی ہے یعنی ظہر کی نماز سے پہلے احرام باندھ لیا تو کافی۔ تو پہلی روایت کیا؟ زوال سے پہلے احرام ہونا شرط ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ جیسے ہی زوال ہو گا ساتھ ہی جمع بین الصلاتین کا وقت شروع ہو گیا، تو لہٰذا پہلے سے ہی کیا ہوا انسان اس حالت میں ہو کہ جمع اس کے لیے جائز ہو کیونکہ زوال ہوتے ہی کس کا وقت شروع ہو رہا ہے؟ جمع کا وقت، تو جیسے ہی وہ وقت ہو وہ شرط پوری پہلے سے ہونی چاہیے بھائی۔ اور دوسرا دوسری روایت کیا ہے؟ نماز سے پہلے بھی احرام ہو جائے چاہے زوال کے بعد ہی کیوں نہ ہو تو بھی جمع بین الصلاتین جائز ہے اس لیے کیونکہ مقصود تو نماز ہے اور نماز سے پہلے تو احرام پایا گیا لہٰذا کافی ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

«ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ قَبْلَ الزَّوَالِ فِي رِوَايَةٍ» پھر ضروری ہے حج کا احرام زوال سے پہلے ہی ایک روایت کے مطابق، «تَقْدِيمًا لِلْإِحْرَامِ عَلَى وَقْتِ الْجَمْعِ» تاکہ مقدم کر دیا جائے احرام کو جمع کے وقت پر، جمع بین الصلاتین کے وقت پر، «وَفِي أُخْرَى يُكْتَفَى بِالتَّقْدِيمِ عَلَى الصَّلَاةِ» اور دوسری روایت کے مطابق اکتفاء کیا جائے گا اس احرام کے نماز پر مقدم ہونے پر ہی، «لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الصَّلَاةُ» اس لیے کیونکہ مقصود وہ نماز ہی ہے بھائی۔

«قَالَ: «ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى الْمَوْقِفِ فَيَقِفُ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَالْقَوْمُ مَعَهُ عَقِيبَ انْصِرَافِهِمْ مِنَ الصَّلَاةِ» صاحب قدوری فرماتے ہیں: «ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى الْمَوْقِفِ» پھر امام جو ہے متوجہ ہو جائے موقف کی طرف یعنی وقوف کی جگہ کی طرف، «فَيَقِفُ بِقُرْبِ الْجَبَلِ» پس وہ وقوف کرے یعنی کھڑا ہو

پہاڑ کے قریب بھائی، وہاں پہاڑی ہے ایک چھوٹی سی بھائی عرفات میں جسے جبل رحمت کہتے ہیں، تو پس وہ وقوف کرے امام اس پہاڑی کے قریب، «وَالْقَوْمُ مَعَهُ» اس حال میں کہ لوگ ان کے ساتھ ہوں، «عَقِيبَ انْصِرَافِهِمْ مِنَ الصَّلَاةِ» نماز سے پلٹ جانے کے بعد۔ نماز سے پلٹنے کے بعد بھائی امام کس طرف متوجہ ہو جائے؟ موقف کی طرف اور وہاں اس پہاڑی کے قریب وقوف کرے اس حال میں کہ لوگ ان کے ہمراہ ہوں۔ «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَاحَ إِلَى الْمَوْقِفِ عَقِيبَ الصَّلَاةِ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے موقف کی طرف نماز کے بعد، «وَالْجَبَلُ يُسَمَّى جَبَلَ الرَّحْمَةِ» اور یہ پہاڑ جو ہے اس کو جبل رحمت کہتے ہیں، «وَالْمَوْقِفُ الْمَوْقِفَ الْأَعْظَمَ» اور اس موقف کو موقف اعظم کہتے ہیں۔

قَالَ: «وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: عَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ، وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوا عَنْ وَادِي مُحَسِّرٍ».

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عرفات سارا کا سارا موقف ہے بھائی۔ عرفات میں جہاں بھی انسان وقوف کرنا چاہے وقوف کر سکتا ہے سوائے بطن عرنہ کے۔ یہ ایک جگہ ہے وہاں پر اس کا نام کیا ہے بطن عرنہ۔ تو صاحب قدوری فرماتے ہیں: «وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ» اور عرفات جو ہے سارا کا سارا وہ موقف ہے، «إِلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ» سوائے بطن عرنہ کے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے آپ نے فرمایا: «عَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ» کہ عرفات سارا کا سارا موقف ہے، «وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ» یہ ابھی حدیث چل رہی ہے بھائی اگلے «قَالَ» تک یہ ساری حدیث چل رہی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: عرفات سارا کا سارا موقف ہے، «وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ» ارتفع کے ایک معنی جدا رہنے اور الگ رہنے کے آتا ہے اور یہی معنی یہاں مراد ہے، کہ عرفات سارا موقف ہے اور تم لوگ جدا رہو بطن عرنہ سے یعنی اس سے الگ رہو، اس سے دور رہو۔ «وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ» اسی طرح مزدلفہ سارا کا سارا موقف ہے، «وَارْتَفِعُوا عَنْ وَادِي مُحَسِّرٍ» اور تم لوگ جدا رہو وادی محسر سے۔ محسر یہ سین کے کسرہ کے ساتھ ہے بھائی، اس میں فاعل کا صیغہ ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ محسر بھائی، «وَعَنْ وَادِي مُحَسِّرٍ»۔ تو یہ عرفات کے قریب ایک وادی ہے اور اس کا نام وادی محسر ہے بھائی۔ اور کہتے ہیں یہاں وہ ابرہہ جو ہے وہ یمن کا گورنر اپنا لشکر لے کر آیا تھا اور یہاں اس کا وہ لشکر تباہ و برباد ہوا، اللہ کی طرف سے اس پر عذاب نازل ہوا۔

بھائی بیت اللہ کی اللہ تعالیٰ نے ابتدا سے ہی لوگوں کے دلوں میں بے انتہا حرمت اور بے انتہا عظمت لوگوں کے دلوں میں اللہ نے بٹھا دی تھی اور تمام لوگ بیت اللہ کا بے انتہا احترام کرتے تھے۔ یمن کا جو گورنر تھا ابرہہ اس کو اس بات سے بڑی تکلیف تھی کہ یہ سارے لوگ بیت اللہ کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ چنانچہ اس نے بیت اللہ کے مقابلے میں اپنے ہاں ایک بڑا بیت بنوایا بھائی، اور بڑا زبردست بھائی اور قیمتی پتھر وغیرہ ان کے ذریعے بنوایا، بڑا خوبصورت اور بڑا عالی شان قسم کا بھائی۔ اور لوگوں کو مجبور کرتا تھا کہ اس کا طواف کرو بھائی، زبردستی لوگوں پر وہ زبردستی کرتا تھا۔ تو کہاں بیت اللہ بھائی اس کی تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں عظمت بٹھار کھی تھی اور کہاں ایک انسانی بیت بنایا ہوا! چنانچہ وہ لوگوں کو زبردستی اس پر مجبور کرتا تھا۔ ایک رات کسی نے ایسا کیا کہ اس کے جو جگہ بنوائی ہوئی تھی اس میں پیشاب پاخانہ وغیرہ کر کے آ گیا رات کو۔ اس کو صبح خبر ملی، بڑا غصہ چڑھا بھائی، یہ میری اس جگہ کی کس نے بے حرمتی کی ہے! اور پھر اس نے لشکر تیار کیا کہ اب میں جاؤں گا اور بیت اللہ جو ہے اس کو نہیں چھوڑوں گا اس کو میں گرا کر آؤں گا بھائی۔ بڑا لشکر تیار کیا اور اس میں بہت سے ہاتھی بھی اس نے لیے بھائی لشکر کے اندر۔ عرب والوں نے تو پہلے کبھی ہاتھی دیکھے ہی نہیں تھے بھائی، تو یہ پوری شان و شوکت کے ساتھ اور بڑا لشکر جرار لے کر وہ چل پڑا بھائی۔ اور چلتے چلتے جب وہ یہاں پہنچا مزدلفہ میں بھائی، یہ وادی محسر کے اندر پہنچا بھائی۔

ادھر قریش والوں کو پتہ چلا کہ ابرہہ بڑا لشکر لے کر آ رہا ہے تو قریش والے جو ہیں ان کو ادھر اطلاع ملی کہ ابرہہ بڑا لشکر لے کر آیا ہے اور قریب ہی پہنچ گیا ہے بیت اللہ کے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہے اس کو گرانا چاہتا ہے، تو حضور علیہ السلام کے دادا وغیرہ جو تھے انہوں نے سارے قریش والوں کو حکم دیا کہ مکہ خالی کر دو سارے پہاڑوں پر چلے جاؤ۔ کسی نے کہا یہ کیا بات ہے، تم بیت اللہ کی تمہیں ذرا بھی عزت اور عظمت کا خیال نہیں ہے تم اس کے لیے لڑ بھی نہیں سکتے، ایک فوج آ رہی ہے اس کے ساتھ تمہیں لڑنا تو چاہیے؟ تو عجیب جواب دیا حضور علیہ السلام کے دادا وغیرہ نے بھائی۔ فرمانے لگے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ ہی کریں گے بھائی۔ چنانچہ سارے پہاڑوں پر چلے گئے۔ ادھر ابرہہ وہ اپنا لشکر لے کر اور بڑے بڑے ہاتھی لشکر کے آگے چل رہے ہیں اور جو دیکھتا ہے اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ تو یہاں کہتے ہیں یہ وادی محسر کے اندر جب وہ پہنچا تو یہاں ہاتھیوں نے آگے چلنے سے انکار کر دیا۔ بڑا زور لگایا بھائی ہاتھی آگے چلتے ہی نہیں۔ واپس موڑیں تو دوڑنے لگتے ہیں اور آگے چلائیں تو ایک قدم نہیں ہلا رہے۔ حتیٰ کہ ان کو مار مار کر انہوں نے زخمی کر دیا، نیزے چبھوئے، سب کچھ کیا، زخمی ہو گئے ہاتھی لیکن ایک قدم اس سے آگے نہیں جا رہے، اور پھر یہیں پر اللہ تعالیٰ نے وہ پرندے بھیج دیے چھوٹے چھوٹے جنہوں نے وہ کنکریاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ ہر پرندے نے تین تین کنکریاں اٹھائی ہوئی تھیں، اور چھوٹے چھوٹے چڑیا جیسے پرندے اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں بھائی چنے کے دانے کے برابر، ایک کنکری ایک پنجے میں، دوسری کنکری دوسرے پنجے میں، ایک چونچ کے اندر، یہ ہر پرندے نے تین تین کنکریاں اٹھائی ہوئی ہیں اور وہ آئے اور اس لشکر کے اوپر جب وہ پہنچے تو انہوں نے وہ کنکریاں چھوڑ دیں بھائی۔ آج سائنس اتنی ترقی کر گئی لیکن ابھی تک اس قدر طاقتور گولی نہیں ایجاد کر سکی جتنی خطرناک وہ کنکریوں نے جو خطرناک عمل کیا بھائی۔ وہ جس شخص کے سر پر پڑ جاتی تھیں نیچے اس کے قدم سے نکل جاتی تھیں بھائی،

ہاتھیوں کے اوپر پڑتی تھیں ان کے قدموں کے نیچے سے نکل جاتی تھیں بھائی۔ چنانچہ سارا لشکر وہیں پر نیست ونابود کر دیا گیا اور تمام لوگوں پر بیت اللہ کی عظمت اور ہیبت اور زیادہ ان پر چھاگئی کہ کس طرح اس عظیم لشکر کو اللہ نے تباہ وبرباد کر دیا اور نمونہ عبرت بنادیا۔

تو یہ کہتے ہیں یہ وادی محسر کے اندر ان پر یہ عذاب آیا اس لیے یہاں عذاب آیا، اور جہاں اللہ کا عذاب آئے وہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے بھائی، وہاں سے انسان اگر گزرنا بھی پڑے جلد سے جلد نکل جائے وہاں سے بھائی۔ تو یہاں اس لیے منع کیا گیا بھائی۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ» کہ مزدلفہ سارا کا سارا موقف ہے یعنی وقوف کی جگہ ہے، «وَارْتَفِعُوا عَنْ وَادِي مُحَسِّرٍ» اور جدا رہو وادی محسر سے، دور رہو وادی محسر سے۔

قَالَ: «وَيَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يَقِفَ بِعَرَفَةَ عَلَى رَاحِلَةٍ».

فقہائے کرام پر اللہ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں بھائی، کیسے دین کی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات کو محفوظ کیا بھائی کہ کس طرح نمازیں ادا کرنی ہیں، پھر کس طرح چلنا ہے، حضور علیہ السلام کس وقت چلے تھے؟ سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے تھے یا سورج طلوع ہونے کے بعد چلے تھے؟ پھر حضور علیہ السلام صحابہ کو لے کر کہاں پر آئے؟ کہاں آپ نے وقوف فرمایا؟ اور پھر کس طرح سے وقوف فرمایا؟ اور ایک ایک چیز انہوں نے محفوظ کی اور احکام کی صورت میں احادیث سے نکال کر ان کو بیان کر دیا بھائی۔

تو کہتے ہیں صاحب قدوری فرماتے ہیں: «وَيَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يَقِفَ بِعَرَفَةَ عَلَى رَاحِلَةٍ» اور مناسب ہے امام کے لیے کہ وہ وقوف عرفہ کرے سواری پر۔ امام المسلمین کو کس پر وقوف کرنا چاہیے؟ اپنی سواری پر، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَفَ عَلَى نَاقَتِهِ» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا اپنی اونٹنی پر، «وَإِنْ وَقَفَ عَلَى قَدَمَيْهِ جَازَ» اور اگر امام نے وقوف فرمایا اپنے قدموں پر یعنی ویسے قدموں پر ہی کھڑے ہو کر وقوف کیا تو یہ بھی جائز ہے، «وَالْأَوَّلُ أَفْضَلُ لِمَا بَيَّنَّا» اور اول صورت افضل ہے یعنی سواری پر افضل ہے اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی یعنی کہ حضور علیہ السلام نے اونٹنی پر وقوف فرمایا تھا۔

■ مسئلہ: وَيَنْبَغِي أَنْ يَقِفَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ

«وَيَنْبَغِي أَنْ يَقِفَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ» اور مناسب یہ ہے کہ امام وقوف کرے قبلہ رخ ہو کر، قبلے کی طرف متوجہ ہو کر، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَفَ كَذَلِكَ» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اسی طرح وقوف فرمایا تھا یعنی قبلہ رخ ہو کر، «وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: خَيْرُ الْمَوَاقِفِ مَا اسْتُقْبِلَتْ بِهِ الْقِبْلَةُ» اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مواقف میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اندر استقبال قبلہ کیا جائے، «وَيَدْعُو وَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْمَنَاسِكَ» اور امام جو ہے وہ دعا بھی کرے اور لوگوں کو حج کے اعمال بھی سکھائے، «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَدْعُو يَوْمَ عَرَفَةَ مَادًّا يَدَيْهِ كَالْمُسْتَطْعِمِ الْمِسْكِينِ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ دعا فرمارہے تھے یوم عرفہ والے دن اس حال میں کہ آپ نے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے جیسے کہ کھانا مانگنے والا مسکین ہوتا ہے، «وَيَدْعُو بِمَا شَاءَ» اور امام دعا کرے جو چاہے، «وَإِنْ وَرَدَ الْآثَارُ بِبَعْضِ الدَّعَوَاتِ» اگرچہ احادیث آئی ہیں بعض دعاؤں کے بارے میں۔ اگرچہ احادیث میں بعض دعائیں آئی ہیں لیکن امام جو بھی چاہے یہاں دعا کر سکتا ہے۔

«وَقَدْ أَوْرَدْنَا تَفْصِيلَهَا فِي كِتَابِنَا الْمُتَرْجَمِ بِـ: عُدَّةِ النَّاسِكِ فِي عِدَّةِ مِنَ الْمَنَاسِكِ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى» اور تحقیق ہم لائے ہیں ان دعاؤں کی تفصیل اپنی کتاب میں جو موسوم ہے یعنی جس کا نام جو ہے وہ «عُدَّةُ النَّاسِكِ فِي عِدَّةٍ مِنَ الْمَنَاسِكِ» ہے بھائی۔ یہ صاحب ہدایہ نے کتاب لکھی جس میں وہ دعائیں وغیرہ ذکر ہیں، حج کے طریقہ اور تفصیلات ذکر ہیں بھائی۔ «عُدَّةُ النَّاسِكِ»، نسک میں نے بتایا تھا کسے کہتے ہیں؟ عبادت کو، اور عام یہ استعمال عموماً حج کے لیے ہوتا ہے۔ تو عدہ، «عُدَّةُ النَّاسِكِ»، عدہ کا معنی ہے تیاری، «عُدَّةُ النَّاسِكِ» حاجی کی تیاری «فِي عِدَّةٍ مِنَ الْمَنَاسِكِ»، عدہ کہتے ہیں شمار کو، مناسک حج کی عبادتیں بھائی حج کے افعال جو ہیں، حاجی کی تیاری افعال حج کے شمار میں یعنی ان کے مجموعے میں حاجی کی تیاری، تو اس میں ہم لے کر آئے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔

«قَالَ: «وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ أَنْ يَقِفُوا بِقُرْبِ الْإِمَامِ» صاحب قدوری فرماتے ہیں اور مناسب ہے لوگوں کے لیے کہ وہ کھڑے ہوں، وہ وقوف کریں امام کے قریب ہی، «لِأَنَّهُ يَدْعُو وَيُعَلِّمُ فَيَعُوا وَيَسْتَمِعُوا» اس لیے کیونکہ امام جو ہے وہ دعا کرے گا اور سکھائے گا حج کے احکامات، دعا بھی وہ کرے گا اور حج کے احکام بھی سکھائے گا تو یہ اس کو یاد کریں اور توجہ سے سنیں، «وَيَنْبَغِي أَنْ يَقِفُوا وَرَاءَ الْإِمَامِ» اور مناسب یہ ہے کہ لوگ جو ہیں وہ وقوف کریں امام کے پیچھے، امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے سب کو، «لِيَكُونَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ» تاکہ وہ بھی قبلہ رخ ہو جائیں۔ امام کا رخ قبلے کی طرف ہے اور لوگ اس کے پیچھے ہوں گے تو لوگوں کا رخ بھی کس طرف ہو جائے گا؟ قبلے کی طرف، یہ معنی ہے «لِيَكُونَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ» تاکہ وہ قبلہ رخ ہو جائیں بھائی۔ «وَهَذَا بَيَانُ الْأَفْضَلِيَّةِ» اور یہ افضل ہونے کا بیان ہے کہ افضل یہ ہے یوں کریں، «لِأَنَّ عَرَفَاتٍ كُلَّهَا مَوْقِفٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَا» اس لیے کیونکہ عرفات جو ہے وہ سارا کا سارا موقف ہے بوجہ اس

حدیث کے جس کو ہم نے ذکر کر دیا، تو جہاں بھی چاہے وہ وقوف کر سکتا ہے، افضل یہ ہے کہ امام کے پاس کرے ورنہ جہاں چاہے وقوف کر لے چاہے اپنی رہائش کی جگہ پر ہی کر لے جہاں قیام ہے اس کا۔

قَالَ: «وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَغْتَسِلَ قَبْلَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ وَيَجْتَهِدَ فِي الدُّعَاءِ».

صاحب قدوری فرماتے ہیں اور مستحب یہ ہے کہ حاجی جو ہے وہ غسل کر لے وقوف عرفہ سے پہلے، اس سے پہلے کیا ہے مستحب یہ ہے کہ غسل کر لے، «وَيَجْتَهِدَ فِي الدُّعَاءِ» اور مستحب یہ ہے کہ کوشش کرے دعا میں یعنی خوب دعائیں مانگے بھائی۔ «أَمَّا الِاغْتِسَالُ فَهُوَ سُنَّةٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ» باقی غسل کرنا تو وہ سنت ہے اور واجب نہیں ہے، «وَلَوِ اكْتَفَى بِالْوُضُوءِ جَازَ» اور اگر حاجی نے وضو پر اکتفاء کر لیا تو بھی جائز ہے، «كَمَا فِي الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ وَعِنْدَ الْإِحْرَامِ» جیسے کہ جمعہ کے اندر ہے اور دونوں عیدوں کے اندر ہے اور احرام کے وقت ہے بھائی، ان مواقع پر اگرچہ غسل سنت ہے لیکن اگر کوئی وضو بھی کر لے تو جائز ہے۔ «وَأَمَّا الِاجْتِهَادُ» باقی متن میں یہ بھی آیا تھا کہ دعا میں خوب کوشش کرے اس کی بھی دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اور باقی دعا میں جو کوشش ہے «فَلِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اجْتَهَدَ فِي الدُّعَاءِ فِي هَذَا الْمَوْقِفِ لِأُمَّتِهِ» کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقف میں دعا میں خوب کوشش فرمائی اپنی امت کے لیے، آپ نے اپنی امت کے لیے دعا میں یہاں بہت کوشش فرمائی خوب دعائیں فرمائیں، «فَاسْتُجِيبَ لَهُ إِلَّا فِي الدِّمَاءِ وَالْمَظَالِمِ» تو آپ کی دعائیں قبول کی گئیں سوائے دماء کے یعنی خونوں کے، خون جو ہے قتل قتلوں میں، اور مظالم، مظالم جمع ہے مظلمۃ کی اور یہ ظلم اور ناانصافی کو کہتے ہیں۔ قتلوں اور ناانصافیوں کے علاوہ باقی آپ کی جتنی دعائیں تھیں امت کے حق میں وہ ساری قبول کر لی گئیں، لیکن ناحق کوئی کسی کو قتل کرتا ہے یا کسی پر ظلم کرتا ہے ناانصافی کرتا ہے اس کے سلسلے میں آپ کی دعا قبول نہیں کی گئی، باقی تمام چیزوں کے اندر آپ نے اور جتنی دعائیں مانگیں اپنی امت کے لیے وہ ساری قبول کر لی گئیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ البتہ یہ دو قسم کے جو لوگ ہیں یہ قتل کرنے والے اور ظلم اور ناانصافی کرنے والے ان کی بخشش کا وعدہ نہیں کیا گیا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

■ مسئلہ: وَيُلَبِّي فِي مَوْقِفِهِ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ

«وَيُلَبِّي فِي مَوْقِفِهِ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ» اور حاجی تلبیہ کہتا رہے اپنے موقف پر ایک گھڑی کے بعد دوسری گھڑی، یعنی تھوڑی تھوڑی دیر بعد حاجی کیا کرتا رہے؟ تلبیہ کہتا رہے۔

«وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ كَمَا يَقِفُ بِعَرَفَةَ» اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حاجی جیسے ہی وقوف کرے گا عرفات میں تو تلبیہ بند کر دے گا۔ یہ کون فرماتے ہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ رحمت واسعۃ وہ فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں یہ تلبیہ میں زبان کے ذریعے دعوت کو قبول کیا جا رہا تھا کہ اے اللہ میں آگیا ہوں، اے اللہ میں آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں، اے اللہ میں آگیا ہوں۔ تو یہ زبان سے کہنا تھا جب تک با قاعدہ حج کے ارکان نہیں شروع کیے تھے، اور جب با قاعدہ حج کے ارکان شروع کر دیے، عمل با قاعدہ شروع کر دیا تو اب زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اب زبان سے کیونکہ اب تو با قاعدہ عمل ہی شروع کر دیے، اس سے پہلے تو کوئی با قاعدہ عمل شروع نہیں کیے تھے بھائی۔ دلیل ان کی سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں زبان سے تب تک کہیں گے جب تک عمل ابھی شروع نہیں کیا، کہتے رہیں گے اللہ میں آگیا ہوں میں حاضر ہوں، اور جب با قاعدہ عمل شروع کر دیا اب تو با قاعدہ ارکان شروع کر دیے ہیں اب کہنے کی ضرورت نہیں اب تو اس کا عمل بتلا رہا ہے کہ وہ آگیا ہے اور حاضر ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ كَمَا يَقِفُ بِعَرَفَةَ» امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ حاجی جو ہے تلبیہ کو بند کر دے گا جیسے ہی وہ وقوف کرے گا عرفہ میں، «لِأَنَّ الْإِجَابَةَ بِاللِّسَانِ قَبْلَ الِاشْتِغَالِ بِالْأَرْكَانِ» اس لیے کیونکہ زبان سے جواب دینا یہ حج کے ارکان میں مشغول ہونے سے پہلے ہے اور جب حج کے ارکان میں مشغول ہو گیا تو اب تو با قاعدہ عمل کر رہا ہے اب زبان سے کہنے کی حاجت نہیں۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل جو ہے «مَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا زَالَ يُلَبِّي حَتَّى أَتَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ» وہ حدیث ہے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تلبیہ کہتے رہے یہاں تک کہ آپ تشریف لے آئے جمرہ عقبہ پر، کس پر؟ جمرہ عقبہ پر آخری جو جمرہ ہے جمرہ کبریٰ، اور وہ کس دن رمی کرتے ہیں اس کی؟ آج نویں ذی الحجہ ہے، عرفات میں ہیں، اگلے دن کہاں پہنچیں گے؟ رات منیٰ میں گزاریں گے اور صبح کہاں پہنچیں گے؟ پھر واپس منیٰ میں پہنچیں گے اور یہ دسویں ذی الحجہ اور عید کا دن ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا اس دن جمرہ کبریٰ کی رمی کریں گے۔ تین جمرات ہیں، جو مسجد خیف ایک بڑی مسجد ہے منیٰ کے اندر، اس مسجد خیف کے قریب ایک جمرہ ہے اس کو جمرہ صغریٰ کہتے ہیں، پھر اس سے آگے قبلے کی طرف جائیں بیت اللہ کی طرف جائیں تو چند قدم کے فاصلے پر دوسرا جمرہ ہے اس کو

جمرہ وسطیٰ کہتے ہیں، پھر اس سے اور آگے بیت اللہ کی طرف چند قدم اور چلیں تو پھر تیسرا جمرہ ہے، ترتیب سمجھ میں آرہی ہے؟ مسجد خیف کے قریب جمرہ صغریٰ ہے، اس سے آگے جمرہ وسطیٰ، اور بیت اللہ کی طرف جو سب سے قریب والا ہے وہ کیا ہے؟ جمرہ کبریٰ ہے۔ تو یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کو صرف اس جمرہ کبریٰ کو سات کنکریاں ماری جاتی ہیں، جبکہ گیارہ اور بارہ کو تینوں جمرات کو کنکریاں مارتے ہیں، پہلے صغریٰ کو، پھر وسطیٰ کو، اور پھر کبریٰ کو۔ تو گیارہ اور بارہ کو تینوں جمرات کی رمی کرتے ہیں لیکن دس کو صرف جمرہ کبریٰ کی رمی کرتے ہیں تو یہ جمرہ عقبہ یہ جمرہ کبریٰ ہے بھائی۔ تو یہاں تک حضور علیہ السلام تلبیہ کہتے رہے۔ پھر جب دسویں ذی الحجہ کو آپ نے کیا کیا؟ اس جمرہ کبریٰ پر کنکریاں مارنی شروع کیں تو پہلی کنکری مارتے ہی بس اس کے بعد تلبیہ دوبارہ آپ نے نہیں کہا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو حضور علیہ السلام ہمیشہ تلبیہ کہتے رہے «حَتَّى أَتَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ» یہاں تک کہ آپ جمرہ عقبہ پر تشریف لے آئے پھر آپ نے بند فرمادیا۔

«وَلِأَنَّ التَّلْبِيَةَ فِيهِ كَالتَّكْبِيرِ فِي الصَّلَاةِ» اور نیز اس لیے کیونکہ تلبیہ جو ہے حج کے اندر جیسے کہ تکبیر ہوتی ہے نماز میں، «فَيَأْتِي بِهَا إِلَى آخِرِ جُزْءٍ مِنَ الْإِحْرَامِ» لہٰذا حاجی اس کو لے کر آئے گا احرام کے آخری جز تک یعنی احرام کے آخری حصے تک وہ تلبیہ کہتا رہے گا اور یہ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ہی اب حاجی نے کیا کرنا ہے؟ قربانی کرنی ہے اور احرام کو اتارنا ہے لہٰذا اس وقت تک وہ تلبیہ کہتا رہے گا۔ چلیے بس هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۴۰: مسئلہ: قَالَ: وَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ...

سبق نمبر ۱۴۰: مسئلہ: قَالَ: وَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ...

ہدایہ صفحہ: ۲۶۸ــــ بتاریخ: ۲۹ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«قَالَ: وَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ عَلَى هِينَتِهِمْ حَتَّى يَأْتُوا الْمُزْدَلِفَةَ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَفَعَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ». [1]

گزشتہ سبق میں وقوفِ عرفہ کا ذکر آیا تھا اور اب عرفات سے واپسی کا ذکر فرمارہے ہیں صاحبِ ہدایہ۔ «قَالَ»، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «وَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ»، اور جب سورج غروب ہو جائے، «أَفَاضَ الْإِمَامُ»، تو امام واپس لوٹے۔ «أَفَاضَ يُفِيضُ» کے معنی ہیں واپس لوٹنے کے۔ تو «أَفَاضَ الْإِمَامُ»، امام واپس لوٹے گا، «وَالنَّاسُ مَعَهُ»، اور اس حال میں کہ لوگ اس کے ساتھ ہوں، «عَلَى هِينَتِهِمْ»، اپنے اطمینان پر یعنی آرام سے، «حَتَّى يَأْتُوا الْمُزْدَلِفَةَ»، یہاں تک کہ وہ مزدلفہ آجائیں۔ «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَفَعَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ»، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تھے سورج غروب ہو جانے کے بعد۔

«وَلِأَنَّ فِيهِ إِظْهَارَ مُخَالَفَةِ الْمُشْرِكِينَ»، اور نیز اس لیے کیونکہ اس کے اندر مشرکین کی مخالفت کا اظہار ہے۔ مشرکینِ مکہ جو ہے وہ حج میں سورج غروب ہونے سے پہلے ہی عرفات سے واپس لوٹتے تھے، لہٰذا ان کی مخالفت کی جائے گی اور کب لوٹیں گے؟ سورج غروب ہونے کے بعد۔ «وَكَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَمْشِي عَلَى رَاحِلَتِهِ فِي الطَّرِيقِ عَلَى هِينَتِهِ»، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ چل رہے تھے اپنی سواری پر راستے میں اپنے اطمینان پر یعنی آرام سے۔

■ مسئلہ: فَإِنْ خَافَ الزِّحَامَ فَدَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ...

«فَإِنْ خَافَ الزِّحَامَ فَدَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ وَلَمْ يُجَاوِزْ حُدُودَ عَرَفَةَ أَجْزَأَهُ». اگر حاجی کو ہجوم کا خوف ہوا، زحام ہجوم بھائی، اگر حاجی کو ہجوم کا خوف ہوا «فَدَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ»، تو وہ چل پڑا امام سے پہلے ہی، «وَلَمْ يُجَاوِزْ حُدُودَ عَرَفَةَ»، اور اس نے تجاوز نہیں کیا عرفات کی حدود سے، «أَجْزَأَهُ»، تو یہ بھی کافی ہے۔ بھائی یاد رکھیے، عرفات سے واپسی جو ہے وہ سورج غروب ہونے کے بعد ہوگی۔ اگر اس سے پہلے واپس آگیا، اس سے نکل آیا، تو اس صورت میں دم لازم آئے گا۔ تو لہٰذا امام جو ہے سورج غروب ہونے کے بعد واپس چلے گا اور سارے لوگ بھی اس کے ہمراہ ہوں گے۔ اگر کوئی حاجی امام کے روانہ ہونے سے پہلے چل پڑا لیکن حدودِ عرفات سے نہیں نکلا، عرفات کے آخری کنارے پر آکر ٹھہر گیا عرفات ہی میں، تو بھی کافی ہے بھائی۔ لیکن پہلی صورت افضل ہے کہ کس کے ساتھ چلے؟ امام کے ساتھ چلے، اس سے پہلے نہ چلے بھائی۔

یہ معنی ہے «فَإِنْ خَافَ الزِّحَامَ»، اگر اس کو ہجوم کا خوف ہوا تو وہ امام کے روانہ ہونے سے پہلے چل پڑا، لیکن اس نے تجاوز نہیں کیا عرفات کی حدود سے یعنی اس سے باہر نہیں نکلا، «أَجْزَأَهُ»، تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔ «لِأَنَّهُ لَمْ يُفِضْ مِنْ عَرَفَةَ»، اس لیے کیونکہ اب وہ عرفات سے واپس نہیں لوٹا۔ یہ اس کے لیے کافی ہے کیونکہ عرفات سے واپس نہیں لوٹا۔ اگر لوٹ آتا یعنی نکل آتا سورج غروب ہونے سے پہلے، پھر تو کیا لازم آتا؟ پھر تو دم لازم آتا۔ لیکن یہ اس کے اندر ہی ہے ابھی۔ تو لہٰذا یہ عرفات سے واپس نہیں لوٹا۔

[1] شاملہ (ص ۱۹۰) میں «هِينَتِهِمْ» کے بجائے «هيئتهم» درج ہے۔

«وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَقِفَ فِي مَقَامِهِ كَيْ لَا يَكُونَ آخِذًا فِي الْأَدَاءِ قَبْلَ وَقْتِهَا»، اور افضل یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر ہی وقوف کرے تاکہ وہ شروع کرنے والا نہ ہو ادا کو اس کے وقت سے پہلے ہی۔ لیکن افضل یہی ہے کہ وہ اپنی جگہ پر ہی ٹھہرا رہے اور جب امام چلے غروب کے بعد تو یہ بھی اس کے ساتھ ہی چلے تاکہ یہ ادا کو اس کے وقت سے پہلے نہ شروع کرنے والا ہو۔ ادا کو؟ ہاں، وقت کیا تھا اس کا؟ غروبِ آفتاب کے بعد بھائی۔ تو غروبِ آفتاب کے بعد تو نکلنا تھا، نکلنا تھا۔ لیکن یہ پہلے ہی چل پڑا اور کہاں آکر ٹھہر گیا؟ آخری کنارے پر آکر ٹھہر گیا۔ تو اس نے اگرچہ ابھی ادا تو نہیں کیا یعنی واپسی کا عمل تو کیا تو نہیں لیکن واپسی کا عمل شروع تو کر دیا ہے۔ کیا کر دیا ہے؟ شروع تو کر دیا ہے، اس لیے یہ افضل نہیں ہے۔ بلکہ افضل کیا ہے؟ امام کے ساتھ چلے، اس کے چلنے کے بعد یہ واپسی کے اندر شروع ہو، اس سے پہلے شروع بھی نہ ہو بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَقِفَ فِي مَقَامِهِ كَيْ لَا يَكُونَ آخِذًا فِي الْأَدَاءِ قَبْلَ وَقْتِهَا».

■ مسئلہ: فَلَوْ مَكَثَ قَلِيلًا بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَ...

«فَلَوْ مَكَثَ قَلِيلًا بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَإِفَاضَةِ الْإِمَامِ لِخَوْفِ الزِّحَامِ فَلَا بَأْسَ بِهِ». اس کا برعکس بھائی، پہلے تو کیا تھا کہ امام سے پہلے ہی چل پڑا، ایک صورت یہ۔ دوسری صورت یہ کہ امام چل پڑا اور یہ وہیں پر تھوڑی دیر ٹھہرا رہا، تو کیا ایسا جائز ہے یا جائز نہیں؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، اگر ہجوم وغیرہ کا خوف ہے تو اس وجہ سے اگر کچھ تھوڑا سا رک بھی جاتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ «فَلَوْ مَكَثَ قَلِيلًا بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَإِفَاضَةِ الْإِمَامِ لِخَوْفِ الزِّحَامِ فَلَا بَأْسَ بِهِ»، اگر حاجی ٹھہرا رہا تھوڑی دیر غروبِ شمس کے بعد اور امام کے لوٹ جانے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرا رہا ہجوم کے خوف کی وجہ سے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

«لِمَا رُوِيَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا بَعْدَ إِفَاضَةِ الْإِمَامِ دَعَتْ بِشَرَابٍ فَأَفْطَرَتْ ثُمَّ أَفَاضَتْ»، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، «بَعْدَ إِفَاضَةِ الْإِمَامِ»، امام کے واپس لوٹنے کے بعد، «دَعَتْ بِشَرَابٍ»، شراب عربی زبان میں مشروب کو کہتے ہیں۔ تو شراب کسے کہتے ہیں عربی زبان میں؟ مشروب۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے امام کے روانہ ہو جانے کے بعد یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لوٹ جانے کے بعد «دَعَتْ بِشَرَابٍ»، آپ نے مشروب منگوایا یعنی پانی وغیرہ منگوایا، «فَأَفْطَرَتْ»، تو آپ نے افطار کیا۔ تو آپ کا روزہ تھا، آپ نے پھر پانی وغیرہ منگوا کر افطار کیا، «ثُمَّ أَفَاضَتْ»، پھر واپس لوٹیں بھائی۔ تو معلوم ہوا کچھ دیر ٹھہر سکتا ہے اور پھر واپس لوٹ سکتا ہے حاجی۔

«قَالَ: وَإِذَا أَتَى مُزْدَلِفَةَ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَقِفَ بِقُرْبِ الْجَبَلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْمِيقَدَةُ يُقَالُ لَهُ قُزَحُ». اور جب حاجی مزدلفہ آجائے تو مستحب یہ ہے کہ وہ وقوف کرے اس پہاڑی کے قریب کہ جس پر میقدہ ہے۔ میقدہ کہتے ہیں آتش دان کو۔ «أَوْقَدَ يُوقِدُ» کے معنی ہیں آگ جلانا۔ میقدہ جہاں وہ آگ جلائی جاتی تھی، آتش دان تھا۔ بھائی یہ کوئی پہاڑی ہے، وہاں پر جاہلیت کے زمانے میں آگ جلائی جاتی تھی بھائی، تاکہ لوگوں کو مزدلفہ کا پتہ چل جائے اور پھر اس کے بعد خلفاء کے زمانے میں بھی اس پر آگ روشن کی جاتی تھی کیونکہ سارا علاقہ کھلا میدان ہے تو تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے بھائی کہ یہ کون سا مقام ہے۔ تو مستحب یہ ہے کہ وہ حاجی وقوف کرے اس پہاڑ کے نزدیک جس پر آتش دان ہے، جس کو قزح کہتے ہیں۔ قزح غیر منصرف ہے، قزح بروزنِ عمر، سمجھ میں آیا بھائی؟

■ مسئلہ: لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَفَ عِنْ...

«لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَفَ عِنْدَ هَذَا الْجَبَلِ وَكَذَا عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ»، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا اس پہاڑ کے قریب، اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی کے پاس وقوف فرمایا۔ «وَيَتَحَرَّزُ فِي النُّزُولِ عَنِ الطَّرِيقِ كَيْ لَا يَضُرَّ بِالْمَارَّةِ»، اور بچے حاجی راستے میں اترنے سے۔ راستے میں ہی اتر کر وقوف نہ کر لے، راستے میں قیام کرے گا تو لاکھوں کا مجمع واپس جا رہا ہے، گزرنے والوں کو تکلیف ہو گی۔ لہٰذا راستے سے ہٹ کر وہ قیام کرے۔ تو کہتے ہیں: «وَيَتَحَرَّزُ فِي النُّزُولِ عَنِ الطَّرِيقِ كَيْ لَا يَضُرَّ بِالْمَارَّةِ»، اور حاجی بچے اترنے میں راستے سے تاکہ وہ تکلیف نہ دے گزرنے والوں کو۔ «فَيَنْزِلُ عَنْ يَمِينِهِ أَوْ يَسَارِهِ»، پس وہ اترے بھائی راستے کے دائیں طرف یا بائیں طرف۔ «وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَقِفَ وَرَاءَ الْإِمَامِ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ»، اور مستحب یہ ہے کہ وہ حاجی امام کے پیچھے وقوف کرے، امام آگے ہو اور وہ پیچھے، امام کے پیچھے وقوف کرے، اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی وقوفِ عرفہ میں۔ وہاں بھی ہم نے کہا تھا کہ امام کے پیچھے وقوف کرے، کس لیے؟ تاکہ قبلہ رخ رہے بھائی، کس طرف؟ قبلہ رخ رہے۔

«قَالَ: وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ». صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: اور امام پڑھائے لوگوں کو مغرب اور عشاء ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ۔ عرفات میں ایک اذان اور دو اقامتیں تھیں کیونکہ عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے تھی لہٰذا اس کے لیے الگ اقامت کہی گئی۔ اور یہاں پر تو دوسری نماز عشاء کی ہو گی اور عشاء کی نماز اپنے وقت پر ہے بھائی، تو لہٰذا اس کے لیے دوبارہ اقامت کہنے کی اور لوگوں کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔ تو عرفات سے کب واپس ہوئے؟ سورج غروب ہونے کے بعد، اور کہاں پہنچ گئے؟ مزدلفہ پہنچ گئے۔ تو سورج تو عرفات ہی میں غروب ہو گیا تھا لیکن مغرب کی نماز

وہاں نہیں پڑھنی، راستے میں بھی نہیں پڑھنی بلکہ مغرب کی نماز کہاں ادا کریں گے؟ مزدلفہ میں۔ تو یہ دوسرا مقام ہے۔ میں نے بتلایا تھا احناف کے نزدیک صرف دو جگہ جمع بین الصلاتین جائز ہے: ایک عرفات میں اور ایک مزدلفہ میں۔ تو یہ اب اس کا بیان آ گیا۔

«وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ: بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ اعْتِبَارًا بِالْجَمْعِ بِعَرَفَةَ»، اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ یہ نمازیں ادا کی جائیں گی، قیاس کرتے ہوئے عرفہ میں جمع پر۔ عرفات میں جیسے دو نمازیں جمع کی تھیں اور ایک اذان اور دو اقامتیں تھیں، لہٰذا یہاں بھی ایک اذان اور دو اقامتیں ہوں گی۔ «وَلَنَا رِوَايَةُ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ»، اور ہماری دلیل جو ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں نمازوں کو جمع فرمایا تھا ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الْعِشَاءَ

«وَلِأَنَّ الْعِشَاءَ»، یہاں سے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، «وَلِأَنَّ الْعِشَاءَ فِي وَقْتِهِ فَلَا يُفْرَدُ بِالْإِقَامَةِ إِعْلَامًا بِخِلَافِ الْعَصْرِ بِعَرَفَةَ»، اور نیز اس لیے کیونکہ عشاء کی نماز تو اپنے وقت کے اندر ہے، لہٰذا اس کو جدا نہیں کیا جائے گا اقامت کے ساتھ یعنی اس کے لیے علیحدہ اقامت نہیں کہی جائے گی اعلاماً لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے، بخلاف عرفات میں عصر کی نماز کے، «لِأَنَّهُ مُقَدَّمٌ عَلَى وَقْتِهِ فَأُفْرِدَ بِهَا لِزِيَادَةِ الْإِعْلَامِ»، کیونکہ وہ نماز تو اپنے وقت پر مقدم ہے لہٰذا اس کو جدا کیا جائے گا اقامت کے ساتھ زیادہ اطلاع دینے کے لیے تاکہ لوگوں کو اچھی طرح اطلاع ہو جائے، کیونکہ وہاں پر نماز کیا تھی؟ وقت سے پہلے تھی، تو لہٰذا اس کے لیے علیحدہ اقامت کہی جائے گی۔

«وَلَا يَتَطَوَّعُ بَيْنَهُمَا»، اور ان کے درمیان جو ہے وہ امام نفل نہیں پڑھے گا، «لِأَنَّهُ يُخِلُّ بِالْجَمْعِ»، اس لیے کیونکہ نفلوں کا پڑھنا یہ مخل بالجمع ہو گا، اس سے تو نمازوں کا جمع ہونا اس میں خلل آئے گا بھائی نمازوں کے جمع کرنے میں۔ «وَلَوْ تَطَوَّعَ أَوْ تَشَاغَلَ بِشَيْءٍ أَعَادَ الْإِقَامَةَ لِوُقُوعِ الْفَصْلِ»، اور اگر امام نے نفل پڑھے یا وہ مشغول ہو گیا کسی اور چیز میں، مثلاً کھانا وغیرہ کھانے لگا، مغرب کی نماز پڑھا دی اور پھر نفل پڑھنے لگا یا کھانا کھانے لگا، «أَعَادَ الْإِقَامَةَ»، تو اقامت کا اعادہ کرے، «لِوُقُوعِ الْفَصْلِ»، فصل واقع ہونے کی وجہ سے کیونکہ درمیان میں کیا آ گیا؟ فصل، جدائی آ گئی بھائی۔

«وَكَانَ يَنْبَغِي أَنْ يُعِيدَ الْأَذَانَ كَمَا فِي الْجَمْعِ الْأَوَّلِ»، بھائی یہاں پر کہا کہ اگر امام نفلوں میں یا کسی اور چیز میں مشغول ہوا تو اقامت کا اعادہ کیا جائے گا یعنی عشاء کے لیے پھر علیحدہ اقامت کہی جائے گی۔ اور وہاں پر آیا تھا عرفات میں کہ اگر وہاں نفلوں میں یا کسی اور کام میں مشغول ہوا تو پھر اذان کا اعادہ ہو گا، کس کا؟ اذان کا بھی اعادہ، اقامت تو کہنی ہی تھی، اذان کا بھی وہاں اعادہ ہو گا کیونکہ فصل آ گیا۔ لیکن یہاں صرف کس پر اکتفا کیا گیا؟ صرف اقامت کا اعادہ ہو گا۔ تو یہی بات بیان کر رہے ہیں: «وَكَانَ يَنْبَغِي أَنْ يُعِيدَ الْأَذَانَ كَمَا فِي الْجَمْعِ الْأَوَّلِ إِلَّا أَنَّا اكْتَفَيْنَا بِإِعَادَةِ الْإِقَامَةِ»، اور مناسب تو یہ تھا کہ وہ اذان کا بھی اعادہ کرے جیسے کہ پہلی جمع یعنی عرفات میں جو جمع تھی اس کے اندر تھا، لیکن ہم نے اکتفا کر لیا اقامت کے اعادہ پر ہی کہ صرف اقامت کا اعادہ کیا جائے گا۔ کس وجہ سے؟ «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِمُزْدَلِفَةَ ثُمَّ تَعَشَّى ثُمَّ أَفْرَدَ الْإِقَامَةَ لِلْعِشَاءِ»، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز مزدلفہ میں پڑھی، «ثُمَّ تَعَشَّى»، پھر آپ نے عشاء کا کھانا تناول فرمایا، «ثُمَّ أَفْرَدَ الْإِقَامَةَ لِلْعِشَاءِ»، پھر آپ نے عشاء کے لیے اقامت کو جدا کیا یعنی اس کے لیے علیحدہ اقامت کہی گئی، اس حدیث کی وجہ سے۔ ورنہ تو قیاس کیا تقاضا کر رہا تھا؟ کہ اذان کا بھی اعادہ ہو، لیکن یہاں صرف کس کے اعادے کا حکم دیا گیا؟ اقامت کے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کا کھانا کھایا تھا مغرب کی نماز کے بعد اور پھر صرف کس کو لوٹانے کا حکم دیا؟ صرف اقامت لوٹائی آپ نے بھائی۔

لیکن علماء لکھتے ہیں صاحبِ ہدایہ کا اس حدیث سے استدلال کرنا اور اس کو بطورِ دلیل کے ذکر کرنا صحیح نہیں ہے بھائی۔ اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیتِ حج کے بعد ایک ہی حج فرمایا ہے بالاتفاق بھائی۔ فرضیتِ حج کے بعد ایک ہی حج ادا فرمایا ہے اور وہ پیچھے روایتِ جابر آ گئی تھی، جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پیچھے گزر گئی کہ حضور علیہ السلام نے ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع فرمایا۔ سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح ہی نہیں ہے، لہٰذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ہی حج کیا ہے اور وہ روایتِ جابر میں آ گیا، کس طریقے سے کیا؟ ایک اذان اور ایک اقامت۔ اور یہاں پر کیا ذکر آ رہا ہے؟ مغرب کے بعد کھانا کھایا۔ بھائی دوسری دفعہ تو حضور علیہ السلام آئے ہی نہیں بھائی، پھر کیسے کھانا کھایا بھائی؟ سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا صاحبِ ہدایہ کا درست نہیں ہے یہاں پر۔

■ مسئلہ: وَلَا تُشْتَرَطُ الْجَمَاعَةُ لِهَذَا الْجَمْعِ...

«وَلَا تُشْتَرَطُ الْجَمَاعَةُ لِهَذَا الْجَمْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ»، اور جماعت جو ہے وہ شرط نہیں ہے اس جمع کے لیے امام صاحب کے نزدیک۔

بھائی یہ جو جمع ہے، یہ جو جمع ہے مزدلفہ کے اندر مغرب اور عشاء کی نماز، اس کے اندر یاد رکھیے امام کا ہونا بھی شرط نہیں اور اس کے اندر جماعت کا ہونا بھی شرط نہیں۔ کوئی شخص اکیلا بھی نماز پڑھے تو کیا کرے گا؟ مغرب پڑھے گا اور پھر اس کے بعد عشاء پڑھے گا۔ بھائی اس کی کیا وجہ ہے، امام کی شرط کیوں نہیں اور جماعت کی شرط کیوں نہیں؟ کہتے ہیں بھائی وہ جو عرفات میں عصر کو اپنے وقت سے مقدم کیا گیا تھا، وہ خلافِ قیاس تھا۔ اور یہاں تو مغرب کو اپنے وقت سے مؤخر کیا جارہا ہے، اور جب نماز کو مؤخر اپنے وقت سے مؤخر ہو جائے بعد میں ادا کرنی پڑے، اس میں طریقہ ہی یہ ہے کہ پہلے وہ پچھلی نماز ادا کی جاتی ہے اور اس کے بعد اگلی نماز ادا کی جاتی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ قیاس کے مطابق ہے، لہٰذا اس کے اندر جماعت کی شرط بھی نہیں ہے اور امام کی بھی شرط نہیں۔ یہ معنی ہے «**وَلَا تُشْتَرَطُ الْجَمَاعَةُ لِهَذَا الْجَمْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ لِأَنَّ الْمَغْرِبَ مُؤَخَّرَةٌ عَنْ وَقْتِهَا**»، اور جماعت کی شرط نہیں ہوگی اس جمع بین الصلاتین کے لیے امام صاحب کے نزدیک، اس لیے کیونکہ مغرب جو ہے اس کو مؤخر کیا گیا ہے اپنے وقت سے۔ «**بِخِلَافِ الْجَمْعِ بِعَرَفَةَ لِأَنَّ الْعَصْرَ مُقَدَّمٌ عَلَى وَقْتِهِ**»، بخلاف جمع بین الصلاتین عرفات کے اندر جو تھی، کیونکہ اس کے اندر تو عصر اپنے وقت پر مقدم تھی۔

«**وَمَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ فِي الطَّرِيقِ لَمْ تُجْزِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ**»، اور جس نے مغرب کی نماز راستے میں پڑھ لی۔ بھائی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ سورج کہاں غروب ہو چکا؟ عرفات۔ اور سورج غروب ہونے کے بعد واپس چلنا ہے، مغرب کی نماز وہاں نہیں پڑھنی اور راستے میں بھی نہیں پڑھنی بلکہ کہاں پڑھنی ہے؟ مزدلفہ آکر۔ تو اگر کوئی وہاں راستے میں مغرب کی نماز پڑھ لیتا ہے یا عرفات ہی میں مغرب کی نماز پڑھ لیتا ہے تو طرفین رحمہما اللہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نماز اس کے لیے کافی نہیں، تو یہاں آکر پھر اس کو وہ نماز لوٹانا پڑے گی فجر طلوع ہونے سے پہلے پہلے۔ فجر طلوع ہونے سے پہلے پہلے اس کو یہ نماز اور اگر فجر طلوع ہو گئی پھر لوٹانے کی ضرورت نہیں بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ فِي الطَّرِيقِ لَمْ تُجْزِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى وَعَلَيْهِ إِعَادَتُهَا مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ**»، اور جس نے مغرب کی نماز راستے میں پڑھ لی تو یہ نماز اس کے لیے کافی نہیں ہے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک، اور اس پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے جب تک کہ فجر طلوع نہ ہو جائے۔

«**وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: يُجْزِيهِ وَقَدْ أَسَاءَ**»، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ نماز اس کے لیے کافی ہے، اور تحقیق اس شخص نے برا کیا۔ کیوں؟ کیونکہ سنت کی مخالفت کی، اس لیے برا عمل کیا۔ لیکن بہر حال نماز اپنے وقت کے اندر پڑھی ہے سورج غروب ہونے کے بعد، لہٰذا نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ جیسے فجر کا وقت جب فجر طلوع ہو جائے، اس میں بالاتفاق پھر نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں بھائی، تو یہاں بھی اسی طرح وہ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «**يُجْزِيهِ**»، یہ اس کے لیے کافی ہے، «**وَقَدْ أَسَاءَ**»، اور تحقیق اس نے برا کیا کہ سنت کی مخالفت کی۔ «**وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا صَلَّى بِعَرَفَاتٍ**»، اور اسی اختلاف پر ہے جب اس حاجی نے مغرب کی نماز عرفات میں پڑھ لی۔ تو طرفین کے نزدیک فجر سے پہلے پہلے اعادہ واجب، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نماز اس کے لیے کافی ہو گئی۔

دلیل، کہتے ہیں: «**لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ أَدَّاهَا فِي وَقْتِهَا فَلَا يَجِبُ إِعَادَتُهَا كَمَا بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ**»، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مغرب کی نماز کو ادا کیا ہے اپنے وقت کے اندر، لہٰذا اس پر اس نماز کو لوٹانا واجب نہیں جیسے کہ طلوعِ فجر کے بعد بالاتفاق اس کو لوٹانا واجب نہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آرہا ہے؟ طرفین بھی فرماتے ہیں اگر فجر طلوع ہو گئی اس نے نہ لوٹایا تو بعد میں پھر لوٹانے کی ضرورت نہیں، معلوم ہوا اس کے لیے وہ نماز کافی ہو گئی۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں اس نے نماز اپنے وقت پر ادا کی ہے، اگرچہ سنت کی مخالفت کی ہے لیکن بہر حال یہ نماز اس کے لیے کافی ہو جائے گی، جیسے طلوعِ فجر کے بعد یہی نماز اس کے لیے کافی ہو جاتی تھی تو پہلے بھی یہ نماز اس کے لیے کافی ہو جائے گی۔ «**إِلَّا أَنَّ التَّأْخِيرَ مِنَ السُّنَّةِ فَيَصِيرُ مُسِيئًا بِتَرْكِهِ**»، مگر یہ کہ مؤخر کرنا سنت ہے تو یہ شخص جو ہے برا عمل کرنے والا ہوا سنت چھوڑنے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا مَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ق...

«**وَلَهُمَا مَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِأُسَامَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي طَرِيقِ الْمُزْدَلِفَةِ: الصَّلَاةُ أَمَامَكَ، مَعْنَاهُ: وَقْتُ الصَّلَاةِ**». طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ راستے میں جب مزدلفہ آرہے تھے تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے نماز کا ذکر فرمایا مغرب کی نماز کے بارے میں، کہ نماز نہ پڑھ لیں؟ تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: «**الصَّلَاةُ أَمَامَكَ**»، نماز تمہارے آگے ہے۔ نماز تمہارے آگے ہے۔ طرفین فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ نماز کا وقت تمہارے آگے ہے۔ نماز کا وقت تمہارے آگے ہے کیونکہ نماز تو آگے نہیں ہو سکتی، نماز تو اس کا اپنا فعل ہے اور کسی کا اپنا فعل اس کے آگے نہیں ہوتا۔ اس کے ہاں نماز کا وقت آگے ہو سکتا ہے یا نماز کی جگہ آگے ہو سکتی ہے، اس کے سامنے ہو سکتی ہے، لیکن اس کا اپنا فعل اس کے سامنے نہیں ہو سکتا۔ تو لہٰذا یہاں کس معنی میں ہوا؟ «**الصَّلَاةُ أَمَامَكَ**» کا کیا معنی ہوا؟ «**وَقْتُ الصَّلَاةِ أَمَامَكَ**»، کہ نماز کا وقت تمہارے سامنے ہے یعنی آگے ہے۔ تو حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ نماز کا وقت تمہارے آگے ہے۔ معلوم ہوا ابھی نماز کا وقت آیا ہی نہیں، معلوم ہوا کہ نماز کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ کیونکہ ابھی جب وقت ہی نہیں

آیا وقت آگے ہے تو معلوم ہوا مؤخر کرنا بھی واجب ہے۔ دلیل سمجھ میں آرہی ہے؟

تو حضور علیہ السلام نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مزدلفہ کے راستے میں فرمایا: «الصَّلَاةُ أَمَامَكَ»، نماز تمہارے آگے ہے، «مَعْنَاهُ وَقْتُ الصَّلَاةِ»، اس کا معنی جو ہے نماز کا وقت ہے کہ وہ تمہارے آگے ہے۔ «وَهَذَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ التَّأْخِيرَوَاجِبٌ»، اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مؤخر کرنا واجب ہے، «وَإِنَّمَا وَجَبَ لِيُمْكِنَهُ الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِالْمُزْدَلِفَةِ»، اور یہ واجب اس لیے ہے تاکہ ممکن ہو اس کے لیے جمع کرنا دونوں نمازوں کا مزدلفہ کے اندر، «فَكَانَ عَلَيْهِ الْإِعَادَةُ مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ»، تو اس شخص پر نماز کا اعادہ واجب ہے جب تک فجر طلوع نہیں ہوتی، «لِيَصِيرَ جَامِعًا بَيْنَهُمَا»، تاکہ یہ شخص بھی ان دو نمازوں کو جمع کرنے والا ہو جائے۔ یہ اعادہ اس پر کیوں واجب ہے طرفین فرماتے ہیں؟ کیونکہ مقصد کیا ہے؟ دونوں جماعتوں کا جمع کرنا ہے تو لہٰذا اس پر اعادہ واجب ہے مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز پھر لوٹائے تاکہ اسی وقت کے اندر مغرب اور عشاء کا جمع کرنا پایا جائے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

«وَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ»، بھائی طرفین فرماتے تھے کہ اگر فجر طلوع ہو گئی تو پھر اس نماز کے اعادے کی ضرورت نہیں جو راستے میں پڑھی ہے یا عرفات میں، وہی اس کے لیے کافی ہو جائے گی۔ تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں: بھائی اس پر یہ نماز کا اعادہ کیوں واجب تھا؟ تاکہ دونوں نمازوں کو وہ جمع کر لے عشاء کے وقت میں، کہاں پر؟ مزدلفہ میں۔ اور فجر سے پہلے پہلے دونوں کا جمع کرنا تو ممکن ہے، فجر سے پہلے اعادہ کرے گا تو دونوں نمازیں کیا ہو جائیں گی؟ اس وقت کے اندر جمع ہو جائیں گی۔ لیکن فجر کی جب طلوع ہو گئی اب تو عشاء کا وقت نکل گیا لہٰذا اب جمع کی صورت نہ رہی، لہٰذا اس لیے ہم نے وہاں پر کہا کہ وہی نماز اس کے لیے کافی ہو گئی۔ لیکن جب تک جمع کرنا ممکن ہے اس وقت تک اس پر اعادہ بھی واجب ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ «وَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ لَا يُمْكِنُهُ الْجَمْعُ فَسَقَطَتِ الْإِعَادَةُ»، اور جب فجر طلوع ہو جائے تو اس کے لیے وہ جمع بین الصلاتین ممکن نہ رہا تو اعادہ اس پر سے ساقط ہو گیا۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُصَلِّي الْإِمَام...

«قَالَ: وَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْفَجْرَبِغَلَسٍ». غلس کہتے ہیں صبح کی تاریکی بھائی۔ رات کے آخری حصے کی تاریکی کو غلس کہتے ہیں۔ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: اور جب فجر طلوع ہو جائے، بھائی یہ رات کہاں گزاری؟ مزدلفہ میں۔ یاد رکھیے یہ رات یہاں گزارنا ہمارے نزدیک واجب ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو «وَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْفَجْرَبِغَلَسٍ»، اور جب فجر طلوع ہو گئی تو امام لوگوں کو نماز پڑھائے فجر کی تاریکی میں ہی۔ ویسے تو ہمارے ہاں کیا مستحب کیا ہے عند الاحناف کہ فجر کی نماز جب روشنی ہو جائے پھر ادا کی جائے گی، لیکن اس دن مزدلفہ کے اندر یہ فجر کی نماز تاریکی میں ادا کی جائے گی۔ وجہ اس کی یہ کہ فجر کی نماز کے بعد وقوفِ مزدلفہ کرنا ہے یعنی پھر اللہ کے دربار میں کھڑا ہونا ہے اور دعائیں کرنی ہیں، ذکر وغیرہ کرنا ہے۔ تو فجر کی نماز جلدی پڑھی جائے گی تو وقوف کا وقت ملے گا، اگر دیر سے پڑھی جائے گی پھر تو وقوف کا وقت نہیں ملے گا۔ اور پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے واپس بھی روانہ ہونا ہے۔ تو اگر فجر کی نماز تاریکی میں ہو گی تو وقوف کا وقت ملے گا، ورنہ تو پھر وقوف کا وقت نہیں ملے گا۔

تو کہتے ہیں جب فجر طلوع ہو جائے تو امام لوگوں کو فجر کی نماز تاریکی میں ہی پڑھائے گا۔ «لِرِوَايَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّاهَا يَوْمَئِذٍبِغَلَسٍ»، بوجہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھی تھی اس دن تاریکی میں۔ «وَلِأَنَّ فِي التَّغْلِيسِ دَفْعَ حَاجَةِ الْوُقُوفِ فَيَجُوزُ كَتَقْدِيمِ الْعَصْرِبِعَرَفَةَ»، اور نیز اس لیے کہ تاریکی کے اندر ادا کرنے میں وقوف کی حاجت کو پورا کرنا ہے، «وَلِأَنَّ فِي التَّغْلِيسِ»، اس لیے کیونکہ تاریکی میں ادا کرنے میں، «دَفْعَ حَاجَةِ الْوُقُوفِ»، وقوف کی حاجت کو پورا کرنا ہے، «فَيَجُوزُ كَتَقْدِيمِ الْعَصْرِبِعَرَفَةَ»، تو جائز ہے جیسے کہ عصر کو مقدم کرنا تھا عرفات میں۔ عرفات میں بھی بھائی عصر کی نماز کو مقدم کیا گیا تھا تاکہ وقوف کی حاجت پوری ہو جائے، وقوف کے لیے وقت مل جائے، تو یہاں پر بھی جلدی ادا کی جائے گی تاکہ وقوفِ مزدلفہ کے لیے وقت مل جائے۔

«ثُمَّ وَقَفَ وَوَقَفَ مَعَهُ النَّاسُ فَدَعَا»، پھر اس کے بعد امام وقوف کرے گا فجر کی نماز کے بعد اور وقوف کریں گے اس کے ساتھ لوگ، «فَدَعَا»، تو پھر وہ امام کیا کرے؟ دعا کرے گا۔ «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَفَ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ يَدْعُو»، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا اس مقام پر اس حال میں کہ آپ دعا فرما رہے تھے، «حَتَّى رُوِيَ فِي حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: فَاسْتُجِيبَ لَهُ دُعَاؤُهُ لِأُمَّتِهِ حَتَّى الدِّمَاءِوَالْمَظَالِمِ»، یہاں تک کہ روایت کیا گیا ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں کہ قبول کر لی گئی حضور علیہ السلام کی دعا اپنی امت کے لیے یہاں تک کہ ناحق قتلوں اور ظلموں کے بارے میں بھی۔ عرفات کے اندر باقی دعائیں اللہ نے قبول فرمائی تھیں، البتہ ناحق قتل اور ناانصافی اور ظلم کرنے والے کے بارے میں دعا قبول نہیں فرمائی تھی، لیکن یہاں مزدلفہ کے اندر حضور علیہ السلام نے جب پھر دعائیں کیں اور ان کے لیے بھی پھر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بھی دعا قبول فرمالی اور حضور علیہ السلام کی امت میں سے جو ناحق قتل کرنے والے ہیں اور ظلم کرنے والے ہیں لیکن ہیں اہلِ ایمان میں سے، ان کی بھی بخشش کا اللہ نے وعدہ فرمایا بھائی، ان کی بخشش کا بھی اللہ نے اعلان فرما دیا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

مسئلہ: ثُمَّ هَذَا الْوُقُوفُ وَاجِبٌ عِنْدَنَا

«ثُمَّ هَذَا الْوُقُوفُ وَاجِبٌ عِنْدَنَا»، پھر یہ وقوف ہمارے نزدیک واجب ہے بھائی، واجب ہے۔ «وَلَيْسَ بِرُكْنٍ»، رکن نہیں ہے۔ رکن وہ تو فرض ہے بھائی، فرض ہوتا ہے اور اس کے بغیر توحج ہوتا ہی نہیں اگر وہ رہ جائے۔ لیکن یہ رکن نہیں ہمارے نزدیک وقوفِ مزدلفہ بلکہ واجب ہے۔ تو کہتے ہیں: پھر یہ وقوف واجب ہے ہمارے نزدیک، «وَلَيْسَ بِرُكْنٍ»، اور یہ رکن نہیں ہے، «حَتَّى لَوْ تَرَكَهُ بِغَيْرِ عُذْرٍ يَلْزَمُهُ الدَّمُ»، یہاں تک کہ اگر حاجی نے چھوڑ دیا اس وقوفِ مزدلفہ کو بغیر کسی عذر کے تو اس پر دم لازم ہو گا یعنی ایک جانور کی قربانی کرنا پڑے گی۔ ہاں، عذر کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے پھر دم بھی نہیں آئے گا بھائی، آگے دلیل آرہی ہے بھائی۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: إِنَّهُ رُكْنٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِالْحَرَامِ﴾»، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وقوفِ مزدلفہ رکن ہے بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِالْحَرَامِ﴾، اور تم لوگ اللہ کا ذکر کرو مشعرِ حرام میں۔ مشعرِ حرام جو ہے یہ مزدلفہ کو کہتے ہیں، تو قرآن میں اللہ کیا فرمارہے ہیں: ﴿فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِالْحَرَامِ﴾، تم لوگ ذکر کرو اللہ کا مشعرِ حرام کے پاس یعنی مزدلفہ میں۔ «وَبِمِثْلِهِ يَثْبُتُ الرُّكْنِيَّةُ»، اور اس قسم کے قول سے جو ہے وہ رکنیت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کیا فرمارہے ہیں: «فَاذْكُرُوا اللهَ»، کہ تم کیا کرو وہاں پر؟ اللہ کا ذکر کرو، اور امر آیا امر، اور امر وجوب اور فرضیت کے لیے آتا ہے۔ وجوب اور فرضیت، اور ذکر تبھی ہو گا جب وقوف کیا جائے۔ ذکر تبھی ہو گا مشعرِ حرام میں جب کیا کیا جائے؟ وقوف کیا جائے، تو یہ ذکر موقوف ہو گیا وقوف پر۔ معلوم ہوا وقوف فرض ہے، کیونکہ وقوف ہو گا تو ذکر ہو سکتا ہے، وقوف نہیں تو ذکر بھی نہیں۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ وقوفِ مزدلفہ فرض ہے، یہ رہ جائے تو حج ہی نہیں ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

لیکن حق یہ ہے مولانا، علماء بھی لکھتے ہیں کہ یہ صاحبِ ہدایہ سے یہاں تسامح ہوا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقوفِ مزدلفہ رکن نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ ہمارے نزدیک تو واجب ہے اور ان کے نزدیک سنت ہے بھائی، سنت ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَبِمِثْلِهِ يَثْبُتُ الرُّكْنِيَّةُ»، اور اس قسم کے حکم سے رکنیت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ حکم آیا نا «فَاذْكُرُوا اللهَ» تم اللہ کا ذکر، تو اس قسم کے حکم سے رکنیت ثابت ہوتی ہے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ذکر کی۔

مسئلہ: وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدَّ...

«وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِاللَّيْلِ»، اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے «قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ»، آپ نے آگے بھیج دیا اپنے اہل میں سے جو ضعیف تھے، ان کو آگے بھیج دیا یعنی منیٰ روانہ کر دیا، «بِاللَّيْلِ»، رات کے وقت ہی۔ حضور علیہ السلام نے اپنے اہل وعیال میں سے جو ضعیف اور کمزور تھے ان کو رات ہی رات میں کدھر روانہ فرمادیا؟ منیٰ روانہ فرمادیا۔ اگر یہ وقوفِ مزدلفہ رکن ہوتا، فرض ہوتا، تو حضور علیہ السلام ایسا نہ کرتے، کیونکہ فرض کو تو کسی عذر کی وجہ سے بھی نہیں چھوڑا جا سکتا بھائی۔ دلیل سمجھ میں آرہی ہے؟ واجب تو ہے اس کو عذر کی وجہ سے انہوں نے یہ آپ کو بتلائیں گے چھوڑ سکتے ہیں، لیکن رکن کو تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ تو ہماری دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے «قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِاللَّيْلِ»، کہ آپ نے آگے بھیج دیا اپنے اہل میں سے جو کمزور تھے ان کو رات کے وقت ہی، «وَلَوْ كَانَ رُكْنًا لَمَا فَعَلَ ذَلِكَ»، اور اگر یہ وقوف رکن ہوتا تو حضور علیہ السلام ایسا نہ فرماتے یعنی ان کو رات ہی کے وقت نہ بھیجتے۔

«وَالْمَذْكُورُ فِيمَا تَلَا الذِّكْرُ وَهُوَ لَيْسَ بِرُكْنٍ بِالْإِجْمَاعِ». یہاں سے وہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب دے رہے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا ذکر فرمایا تھا؟ «فَاذْكُرُوا اللهَ»، کہ اللہ حکم دے رہے ہیں ذکر کرنے کا اور یہ ذکر تبھی ہو سکتا ہے جب کیا کیا جائے؟ وقوف کیا جائے، تو لہٰذا معلوم ہوا وقوف رکن ہے، فرض ہے۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ بھائی آیت میں ہے «فَاذْكُرُوا اللهَ»، تم اللہ کا ذکر کرو، اور بالاجماع یہ ذکر فرض نہیں یہاں پر۔ بالاجماع یہاں پر ذکر فرض نہیں، تو جب ذکر فرض نہیں تو ذکر جس چیز پر موقوف ہے یعنی وقوفِ عرفہ وہ بطریقِ اولیٰ فرض نہیں ہو گا۔ تو کہتے ہیں: «وَالْمَذْكُورُ فِيمَا تَلَا الذِّكْرُ وَهُوَ لَيْسَ بِرُكْنٍ بِالْإِجْمَاعِ»، اور مذکور اس آیت کے اندر جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے تلاوت فرمایا اس میں ذکر مذکور ہے، اور وہ تو بالاجماع رکن نہیں ہے۔

«وَإِنَّمَا عَرَفْنَا الْوُجُوبَ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، اچھا بھائی، اے احناف! تم نے کہا کہ وقوفِ مزدلفہ واجب ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ اس کا بھی دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا عَرَفْنَا الْوُجُوبَ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ وَقَفَ مَعَنَا هَذَا الْمَوْقِفَ وَقَدْ كَانَ أَفَاضَ قَبْلَ ذَلِكَ مِنْ عَرَفَاتٍ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ»، کہ ہم نے وجوب کو جانا حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے کہ آپ نے فرمایا: جس نے وقوف کیا ہمارے ساتھ اس موقف میں، اس وقوف کی جگہ میں، «وَقَدْ كَانَ أَفَاضَ قَبْلَ ذَلِكَ مِنْ عَرَفَاتٍ»، اس حال میں کہ وہ لوٹ چکا ہے اس سے پہلے عرفات سے یعنی مغرب کے بعد کہاں سے آیا تھا؟ عرفات سے آیا تھا، اور پھر اس نے ہمارے ساتھ وقوف کر لیا، «فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ»، تو تحقیق اس کا حج پورا ہو گیا۔ یہاں تک ہے حدیث بھائی، تو تحقیق اس کا حج پورا ہو گیا۔ «عَلَّقَ بِهِ تَمَامَ الْحَجِّ»، حضور علیہ السلام نے اس پر حج کے پورا ہونے کو معلق فرمایا۔ اس سے کیا ہو جائے گا؟ جس نے وقوفِ مزدلفہ کر لیا اور اس سے پہلے وہ کہاں سے ہو کر آیا ہے؟ عرفات سے، تو اس کا حج پورا ہو گیا، تو حضور علیہ السلام نے حج کے پورا ہونے کو اس وقوف پر معلق فرمایا، «وَهَذَا يَصْلُحُ أَمَارَةً لِلْوُجُوبِ»، اور یہ

صلاحیت رکھتی ہے وجوب کی علامت ہونے کی۔ یہ تعلیق جو حج کے پورا ہونے کا کس پر معلق کیا گیا؟ وقوفِ مزدلفہ پر، یہ اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے یہ چیز ہمیں بتلا دیتی ہے معلوم ہوا یہ واجب ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ جس نے یہ کر لیا اس کا حج پورا ہو گیا، معلوم ہوا کہ یہ ضروری ہے۔ کیا ہے؟ ضروری ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ ضروری ہے، اور رکن تو ہو نہیں سکتا کیونکہ رکن کے لیے تو کیا چاہیے؟ قطعی دلیل چاہیے، اور یہ حدیث کیا ہے؟ خبرِ واحد ہے، اور خبرِ واحد کے ذریعے وجوب تو ثابت ہو سکتا ہے لہٰذا ہم نے بھی کیا ثابت کر دیا؟ وجوب ثابت کر دیا، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَهَذَا يَصْلُحُ أَمَارَةً لِلْوُجُوبِ غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا تَرَكَهُ بِعُذْرٍ»، اور یہ تعلیق جو ہے یعنی اس پر حج کے پورا ہونے کو معلق کرنا، یہ صلاحیت رکھتا ہے وجوب کی علامت ہونے کی۔ «غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا تَرَكَهُ بِعُذْرٍ»، علاوہ اس کے کہ اگر اس نے اس کو کسی عذر کی وجہ سے چھوڑ دیا، حاجی نے وقوفِ مزدلفہ کو عذر کی وجہ سے چھوڑ دیا، «بِأَنْ يَكُونَ بِهِ ضَعْفٌ»، بایں صورت کہ اس کو وہ اس کو ضعف تھا، کمزوری تھی یعنی ضعیف تھا، «أَوْ عِلَّةٌ»، یا اس کو کوئی بیماری تھی، مرض تھا، «أَوْ كَانَتِ امْرَأَةً تَخَافُ الزِّحَامَ»، یا وہ ایسی عورت تھی جس کو ہجوم کا خوف تھا، «لَا شَيْءَ عَلَيْهِ»، تو ان پر کچھ نہیں ہے یعنی ان پر دم وغیرہ لازم نہیں ہو گا۔ «لِمَا رَوَيْنَا»، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال میں سے جو ضعیف تھے ان کو رات ہی کو واپس منیٰ بھیج دیا تھا بھائی۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا...

«قَالَ: وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا وَادِيَ مُحَسِّرٍ لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ». صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: اور مزدلفہ جو ہے وہ سارا کا سارا موقف ہے یعنی جہاں بھی وقوف کرنا چاہے وقوف کر سکتا ہے، «إِلَّا وَادِيَ مُحَسِّرٍ»، سوائے وادیِ محسر کے، «لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ»، بوجہ اس حدیث کے جس کو ہم نے پہلے روایت کر دیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ عرفات سارا کا سارا موقف ہے اور بطنِ عُرَنَہ سے جدا رہو، اور مزدلفہ سارا کا سارا موقف ہے اور وادیِ محسر سے جدا رہو، اس حدیث کی وجہ سے۔

«قَالَ: فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ حَتَّى يَأْتُوا مِنًى». صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: پس جب سورج طلوع ہو جائے تو لوٹے گا امام اور لوگ بھی، یہاں تک کہ وہ منیٰ آ جائیں گے۔ جب سورج طلوع ہو جائے بھائی! میں نے آپ کو کیا بتلایا؟ سورج طلوع ہونے سے پہلے روانہ ہوں گے بھائی، سورج طلوع ہونے سے پہلے۔ تو صاحبِ قدوری تو فرما رہے ہیں جب سورج طلوع ہو جائے پھر مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلیں گے۔ تو آگے صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے کہ یہ صاحبِ قدوری کا قول صحیح نہیں ہے، سورج طلوع ہونے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلے تھے، ہاں البتہ خوب روشنی ہو گئی تھی، سورج تو طلوع نہیں ہوا تھا لیکن خوب روشنی ہو گئی تھی۔

«قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللهُ: هَكَذَا وَقَعَ فِي نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ وَهَذَا غَلَطٌ»، عبدِ ضعیف کہتا ہے، مراد صاحبِ ہدایہ ہیں کہ اللہ کا کمزور بندہ جو ہے «عَصَمَهُ اللهُ»، اللہ اس کی حفاظت فرمائے، وہ کہتا ہے: «هَكَذَا وَقَعَ فِي نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ»، اسی طرح مختصر القدوری کے نسخوں میں آیا ہے، «وَهَذَا غَلَطٌ»، اور یہ غلط ہے۔ «وَالصَّحِيحُ إِذَا أَسْفَرَ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ»، اور صحیح یہ ہے: «إِذَا أَسْفَرَ»، جب روشنی ہو جائے، «أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ»، تو واپس لوٹے گا امام اور لوگ بھی، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَفَعَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ»، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلے تھے سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی۔ حضور علیہ السلام روانہ ہوئے تھے سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی بھائی، تو حضور علیہ السلام سورج طلوع ہونے سے پہلے روانہ ہوئے تھے بھائی۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ آگے اب یہ دسویں ذی الحجہ آ گئی، عید کا دن آ گیا، اس دن کیا کیا کرنا ہے وہ کل پھر انشاء اللہ پڑھیں گے بھائی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۴۱: مسئلہ: فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا...

ہدایہ صفحہ: ۲۷۰ — بتاریخ: ۳۰ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ «فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا مِنْ بَطْنِ الْوَادِي بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ مِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا أَتَى مِنًى لَمْ يَعْرُجْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ»، «وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ لَا يُؤْذِي بَعْضُكُمْ بَعْضًا». [1]

حج اِفراد کا بیان چل رہا ہے۔ آپ نے پڑھ لیا کہ مفرد جو ہے یعنی حج افراد کرنے والا جو ہے، وہ احرام باندھے گا صرف حج کا اور مکہ مکرمہ پہنچے تو وہ طواف قدوم کرے گا اور اس طواف قدوم کے بعد اگر وہ سعی کرنا چاہتا ہے حج کی، تو پھر اس میں اضطباع بھی کرے گا یعنی دایاں کندھا بھی ننگا کرے گا اور رمل بھی کرے گا۔

اور اس کے بعد پھر مکہ ہی میں مقیم رہے، اس دوران جس قدر طواف چاہتا ہے کرتا رہے اور ہر طواف کے بعد اس کی دو واجب رکعتیں جو ہیں وہ بھی پڑھیں گے۔ اور پھر اس کے بعد جب آٹھویں ذی الحجہ آجائے تو فجر کی نماز پڑھنے کے بعد، سورج جب طلوع ہو جائے تو منیٰ روانہ ہو جائے اور پانچ نمازیں وہاں پر ادا کرے یہ سنت ہے، یعنی آٹھویں کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں کی فجر کی نماز یہ منیٰ میں ادا کرے۔ پھر اگلا دن نویں ذی الحجہ کا ہے، یوم عرفہ ہے، تو آج پھر عرفات چلنا ہے تو سورج طلوع ہو جانے کے بعد وہ عرفات روانہ ہو۔ اور عرفات کا وقت جو ہے وہ زوال کے بعد سے لے کر اگلے دن کی فجر تک ہے۔ اور تو عرفات کے اندر جو ہے جمع بین الصلاتین کیا جائے گا۔ اور جمع بین الصلاتین کے لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تین شرائط ہیں۔ نمبر ایک کہ جماعت کروانے والا امام المسلمین یا اس کا نائب ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ جماعت ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ حج کا احرام ہو۔ تو وہاں پر یہ ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ اکٹھی ادا کی جائے گی۔

پھر جب سورج غروب ہو جائے تو پھر مزدلفہ کی طرف واپس چلیں گے۔ اور مغرب کی نماز عرفات میں بھی نہیں پڑھنی اور راستے میں بھی نہیں پڑھنی بلکہ مزدلفہ جا کر مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی ادا کی جائے گی ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ۔

اور پھر یہ رات مزدلفہ میں گزارے گا اور فجر کی نماز تاریکی ہی میں ادا کی جائے گی۔ اور اس کے بعد پھر وقوف مزدلفہ کیا جائے گا بھائی، جو ہمارے نزدیک واجب ہے۔ پھر اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے ذرا پہلے واپس چل پڑیں گے منیٰ کی طرف بھائی، منیٰ کی طرف۔

اور یہ اب دسویں ذی الحجہ اور عید کا دن ہے بھائی۔ تو آج کیا کیا کرنا ہے؟ وہ افعال آج صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ آپ کو بتلائیں گے۔

جی تو فرماتے ہیں **قَالَ** صاحب قدوری فرماتے ہیں: «**فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ**» تو ابتدا کرے جمرہ عقبہ سے۔ یاد رکھیے آج جو ہے، آج جمرہ کبریٰ جو ہے اس کی رمی کرنی ہے، سات کنکریاں اس کو مارنی ہیں۔ اس کے بعد اگر حج کی قربانی کرنا چاہے تو حج کی قربانی کر لے، پھر اس کے بعد حلق کروالے یعنی سر کے بال استرے سے صاف کر لے، یا سارے سر کے بال چھوٹے کروالے ایک ایک پورے کے بقدر تمام بالوں کے سرے کٹوا دے۔ اور پھر اسی دن یا اگلے دو دنوں میں یعنی عید کے تین دنوں کے اندر طواف زیارت کر لے جو حج کے اندر فرض ہے۔

تو یہاں جب رمی جمرہ کر لی، جمرہ کبریٰ کی رمی کر لی، قربانی کرنا چاہے وہ کر لے، اور پھر حلق کروالے گا تو حاجی حلال ہو گیا۔ اب سلے ہوئے کپڑے پہن سکتا ہے، اب خوشبو خوشبو استعمال کر سکتا ہے، احرام کی ساری پابندیاں ختم ہوئیں، صرف ایک پابندی ابھی بھی باقی ہے اور وہ یہ کہ بیوی حلال نہیں جب تک کہ وہ طواف زیارت نہ کر لے۔ تو طواف زیارت چاہے آج ہی کر لے چاہے اگلے دو دنوں میں کر لے۔ تو جب طواف زیارت کر لے گا تو اب بیوی بھی حلال ہو جائے گی بھائی۔ ترتیب سمجھ میں آگئی بھائی؟

[1] شاملہ (ص ۱۹۲) میں «فَيَبْتَدِئُ» کے بجائے «فيبتدي ء» درج ہے۔

سبق نمبر ۱۴۱: مسئلہ: فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

تو اب یہ دسویں ذی الحجہ آ گئی ہے، اب وہ جمرہ کبریٰ پر سات کنکریاں مارنی ہیں، اس کا بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ» پس ابتدا کرے حاجی جمرہ عقبہ سے یعنی جمرہ کبریٰ سے۔ «فَيَرْمِيهَا مِنْ بَطْنِ الْوَادِي بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ» پس اس کو کنکریاں مارے «مِنْ بَطْنِ الْوَادِي» وادی کے بطن سے، یعنی وادی کے جو گہرا حصہ ہے اس جانب سے «بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ» سات کنکریوں کے ساتھ اس کی رمی کرے، اس کی رمی کرے سات کنکریوں کے ساتھ یعنی سات کنکریاں اس کو مارے۔ «مِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ» جیسے کہ خذف کی کنکریاں ہوتی ہیں بھائی۔

یاد رکھیے خذف، خذف اس کو کہتے ہیں کہ انسان انگلیوں کی مدد سے کنکری پھینکے بھائی۔ ایک تو آپ پورا ہاتھ حرکت پورے ہاتھ کو حرکت دیتے ہیں کوئی چیز پھینکتے ہوئے۔ پورے ہاتھ کو نہیں حرکت دینی، بلکہ صرف کس کی مدد سے کنکری پھینکی جائے؟ صرف انگلیوں کی مدد سے۔ صرف، طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟ تو یاد رکھیے یہ کنکریاں مارنے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ صرف انگلیوں کی مدد سے کنکری پھینکی جائے۔ ہاں البتہ اگر کوئی پورے ہاتھ کو حرکت دے کر بھی کنکری پھینک دیتا ہے وہ بھی ٹھیک ہے، جائز ہے، لیکن طریقہ کیا ہے؟ کس طرح ہو؟ انگلیوں کی مدد سے ہو بھائی، وہ آگے تفصیل صاحب ہدایہ بھی بیان کریں گے بھائی۔ تو یہ جو انگلیوں سے کنکریاں پھینکنا ہے یا کوئی چیز پھینکنا اس کو خذف کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ خذف کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: «مِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ» جیسے کہ خذف کی کنکریاں ہوتی ہیں۔ اور ظاہر سی بات ہے انگلیوں کی مدد سے انسان کنکری پھینکے گا تو وہ چھوٹی سی کنکری ہو گی، بڑی کنکری تو پھینکنا انگلیوں کے ذریعے مشکل ہے بھائی۔ تو چھوٹی کنکریاں ہوں، یعنی یہ انگلیوں کے سرے کے برابر اتنی چھوٹی چھوٹی بھائی۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا أَتَى...

«لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا أَتَى مِنًى» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب منیٰ تشریف لائے «لَمْ يَعْرُجْ عَلَى شَيْءٍ»، «لَمْ يَعْرُجْ» أَيْ «لَمْ يَقِفْ» تو آپ نے وہ آپ ٹھہرے نہیں «عَلَى شَيْءٍ» کسی چیز پر بھی «حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ» یہاں تک کہ آپ نے جمرہ عقبہ کی رمی فرمائی۔ یعنی مزدلفہ سے واپس پہنچنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے تشریف لے گئے اور جمرہ عقبہ کی رمی فرمائی۔ اور یہ آپ پہلے پڑھ چکے کہ تلبیہ حاجی کہتا رہے گا، ہاں یہ جب جمرہ عقبہ کی رمی شروع کرے گا تو ساتھ ہی تلبیہ کیا کر دے گا؟ بند کر دے گا۔ تو پہلی کنکری پھینکتے ہی تلبیہ بند کر دے گا بھائی۔ تو حضور علیہ السلام «لَمَّا أَتَى مِنًى» جب منیٰ تشریف لائے «لَمْ يَعْرُجْ عَلَى شَيْءٍ» تو آپ کسی چیز پر نہیں ٹھہرے «حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ» یہاں تک کہ آپ نے رمی کر لی جمرہ عقبہ کی، «وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ» کہ تم لازم پکڑو خذف کی کنکریوں کو، یعنی خذف جیسی کنکریوں کو لازم پکڑو، یعنی چھوٹی کنکریوں سے رمی کرو، «لَا يُؤْذِي بَعْضُكُمْ بَعْضًا» تکلیف نہ دے تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو، تم میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کو تکلیف نہ دے۔ بھائی بڑی کنکریاں مارے گا تو خطرہ ہے کسی کو لگ نہ جائے بھائی۔ چھوٹی کنکریاں ہیں تو وہ اگر کسی کو لگتی بھی ہے اس میں تکلیف نہیں، لیکن بڑی کنکری ہے وہ تو تکلیف کا باعث بنے گی۔

«وَلَوْ رَمَى بِأَكْبَرَ مِنْهُ جَازَ» آگے صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں، اگر خذف کی کنکریوں سے ذرا بڑی کنکریاں بھی کسی نے مار دیں تو تو بھی جائز ہے بھائی۔ اس لیے کیونکہ مقصد یہاں رمی ہے، تو بڑی اگر کنکری بڑی بھی ہو، رمی پائی گئی یا نہیں بھائی؟ پھینکنا تو پایا گیا بھائی پھینکنا۔ تو کہتے ہیں: «وَلَوْ رَمَى بِأَكْبَرَ مِنْهُ جَازَ» اور اگر رمی کی اس سے بڑی کنکریوں کی جاز تو بھی تو یہ بھی جائز ہے «لِحُصُولِ الرَّمْيِ» اس وجہ سے کہ رمی حاصل ہو گی بھائی، رمی حاصل ہو رہی ہے۔ «غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَرْمِي بِالْكَبِيرِ مِنَ الْأَحْجَارِ» علاوہ اس کے کہ حاجی رمی نہ کرے بڑے پتھروں کے ساتھ بھائی، بڑے پتھروں کے ساتھ رمی نہ کرے «كَيْ لَا يَتَأَذَّى بِهِ غَيْرُهُ» تاکہ کہیں اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے بھائی، یہ نہ ہو کسی دوسرے کو لگ جائے اور وہ زخمی ہو جائے بھائی۔

«وَلَوْ رَمَاهَا مِنْ فَوْقِ الْعَقَبَةِ أَجْزَأَهُ» بھائی انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ کنکریاں مارنی ہیں اور کس جانب سے مارنی ہیں؟ بطن وادی کی طرف سے، یعنی وادی کا جو گہرا حصہ ہے اس طرف کھڑے ہو کر اس جمرے کو کنکریاں مارنی ہیں۔ اور اگر کوئی اوپر والی جانب سے کنکری مارتا ہے تو کہتے ہیں وہ بھی جائز ہے بھائی، اس سے بھی کیا ہے رمی ہو جائے گی، لیکن افضل یہ ہے کہ بطن بطن وادی کی طرف سے کنکری مارے، کیونکہ اس طرف سے مسنون ہے بھائی۔ اور اب تو بلکہ سعودی حکومت نے ان جمرات کو بنا ہی اس طرح دیا ہے کہ اب دوسری طرف سے رمی ہو ہی نہیں سکتی بھائی، سمجھ میں آیا؟ انہوں نے اس پر اس طرح دیوار بنا دی ہے کہ دوسری طرف کو پشت بن گئی ہے، تو سارے حاجی ایک ہی طرف سے اس کو پھر کنکریاں مارتے ہیں۔ لیکن بہر حال جائز ہے بھائی اوپر کی طرف سے بھی۔ «وَلَوْ رَمَاهَا مِنْ فَوْقِ الْعَقَبَةِ أَجْزَأَهُ» اور اگر رمی کی اس کی عقبہ کے اوپر کی طرف سے «أَجْزَأَهُ» تو بھی جائز ہے، تو بھی یہ کافی ہے «لِأَنَّ مَا حَوْلَهَا مَوْضِعُ النُّسُكِ» کیونکہ اس کے ارد گرد جو ہے وہ عبادت کا مقام ہے، یعنی یہی رمی کا محل ہے جس طرف سے بھی کرے۔ «وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَكُونَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي لِمَارَوَيْنَا» اور افضل یہ ہے کہ یہ رمی جو ہے بطن وادی کی طرف سے ہو، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی بھائی۔

1247

سبق نمبر ۱۴۱: مسئلہ: فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

■ مسئلہ: وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ

«وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ» اور تکبیر کہے ہر کنکری کے ساتھ، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے بھائی، بِسْمِ اللهِ، اَللهُ أَكْبَرُ۔ «كَذَا رَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ» اسی طرح روایت کیا ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے۔ «وَلَوْ سَبَّحَ مَكَانَ التَّكْبِيرِ أَجْزَأَهُ» بھائی اگر کوئی شخص اَللهُ أَكْبَرُ وغیرہ کہنے کے بجائے سُبْحَانَ اللهِ کہہ دیتا ہے، کہتے ہیں ہاں بھائی یہ بھی اس کے لیے کافی ہو جائے گا، اس لیے کیونکہ رمی کے آداب میں سے ہے کہ ذکر کیا جائے اس کے ساتھ، تو سُبْحَانَ اللهِ سے بھی ذکر ہو جائے گا بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَلَوْ سَبَّحَ مَكَانَ التَّكْبِيرِ أَجْزَأَهُ» اور اگر سُبْحَانَ اللهِ کہا تکبیر کی جگہ پر أَجْزَأَهُ تو یہ اس کے لیے کافی ہے «لِحُصُولِ الذِّكْرِ» اس وجہ سے کہ ذکر حاصل ہو گیا «وَهُوَ مِنْ آدَابِ الرَّمْيِ» اور یہ ذکر کیا ہے رمی کے آداب میں سے ہے۔

«وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا» اور اس جمرے کے پاس وقوف نہ کرے، اس جمرے کے پاس وقوف نہ کرے۔ یاد رکھیے آپ کو آگے یہ بتلائیں گے کہ بعض جمرات کے میں رمی کرنے کے بعد ان کے سے ذرا ہٹ کر یہ رمی والوں سے ذرا ہٹ کر سامنے انسان کھڑا ہو جائے اور قبلہ رخ ہو کر اور پھر دعا وغیرہ کر لے، اللہ کا ذکر کر لے۔ تو بعض جمرات کی رمی کے بعد وقوف ہو گا، کیا ہو گا؟ وقوف ہو گا، ذکر کر لے کچھ اور دعا وغیرہ کر لے قبلہ رخ ہو کر۔ تو ضابطہ یاد رکھیے گا آگے صاحب ہدایہ بھی آپ کو بتلائیں گے، کہ ہر وہ رمی جس کے بعد پھر رمی ہو اسی وقت، جس کے بعد پھر رمی ہو اسی وقت، تو اس رمی کے بعد دعا کرے، اور جس رمی کے بعد اسی وقت دوسری رمی نہ ہو، اس کے بعد دعا نہیں ہے بھائی۔ تو یہ دیکھیے یہ دسویں ذی الحجہ ہے اور صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرنی ہے، تو اس کے بعد کسی دوسری کسی دوسرے کی رمی کرنی ہے؟ کسی دوسرے جمرے کی رمی اس کے بعد نہیں ہے، تو لہٰذا اس کے بعد دعا بھی نہیں ہو گی۔ اگلے دن تین جمرات کی رمی کرنی ہے۔ پہلے جمرے جمرہ صغریٰ کی جب رمی کر لے گا، اس کے بعد رمی ہے یا نہیں؟ اس کے بعد رمی ہے، لہٰذا وہاں دعا کر لے۔ پھر جمرہ وسطیٰ کی رمی کرے گا اسی وقت، تو اس کے بعد بھی رمی ہے یا نہیں ہے؟ اس کے بعد بھی تیسرے کی رمیاں بھی باقی ہے، تو لہٰذا اس کے بعد بھی دعا کر لے گا۔ اور پھر جب تیسرے کی رمی کر لے گا اس کے بعد تو اسی وقت رمی نہیں، لہٰذا وہاں دعا نہیں کرے گا بھائی۔ تو ضابطہ کیا ہے؟ ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہو، اس کے بعد وقوف اور دعا ہے، اور وہ رمی جس کے بعد رمی نہ ہو اسی وقت، اس میں وقوف اور دعا نہیں ہے بھائی۔ اسی لیے کہا: «وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا» اور اس جمرے کے پاس وقوف نہ کرے «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَقِفْ عِنْدَهَا» اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف نہیں فرمایا اس کے پاس۔

«وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ مَعَ أَوَّلِ حَصَاةٍ» اور ختم کر دے تلبیہ کو پہلی کنکری کے ساتھ ہی۔ پہلی کنکری کے ساتھ ہی کیا کر دے حاجی؟ تلبیہ ختم کر دے، تلبیہ بند کر دے۔ «لِمَا رَوَيْنَا عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» بوجہ اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھائی۔ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جو پیچھے گزری تھی بھائی، یہ صفحہ ۲۶۷ پر صفحہ ۲۶۷ پر آخری متن آیا تھا: «وَيُلَبِّي فِي مَوْقِفِهِ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ» اپنے موقف میں حاجی کیا کرتا رہے؟ تھوڑی تھوڑی دیر بعد تلبیہ کہتا رہے بلند آواز سے، اور نیچے حدیث آئی تھی: «أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا زَالَ يُلَبِّي حَتَّى أَتَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ» کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تلبیہ کہتے رہے یہاں تک کہ آپ جمرہ عقبہ پر تشریف لے آئے، پھر آپ نے تلبیہ بند فرما دیا۔ جی اب آیئے سبق پر، کہتے ہیں: «لِمَا رَوَيْنَا عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» بوجہ اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، «وَرَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ عِنْدَ أَوَّلِ حَصَاةٍ رَمَى بِهَا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ» اور روایت کیا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ بند فرما دیا تھا «عِنْدَ أَوَّلِ حَصَاةٍ رَمَى بِهَا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ» پہلی کنکری کے ساتھ ہی جو آپ نے رمی فرمائی جمرہ عقبہ پر۔

■ مسئلہ: ثُمَّ كَيْفِيَّةُ الرَّمْيِ أَنْ يَضَعَ الْحَصَاةَ...

«ثُمَّ كَيْفِيَّةُ الرَّمْيِ أَنْ يَضَعَ الْحَصَاةَ عَلَى ظَهْرِ إِبْهَامِهِ الْيُمْنَى وَيَسْتَعِينَ بِالْمُسَبِّحَةِ» اب وہ رمی کی کیفیت بتلا رہے ہیں۔ میں نے جو بیان کر دیا کہ خذف کی صورت ہو رمی کرتے ہوئے، خذف کیا ہے؟ انگلیوں کی مدد سے کنکری وغیرہ پھینکنا بھائی۔ تو صاحب ہدایہ اس کا طریقہ بیان کر رہے ہیں بھائی، کہ رمی کی کیفیت یہ ہے کہ وہ کنکری کو رکھے اپنے انگوٹھے کی پشت پر، دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر۔ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت یعنی ناخن کی جانب جو ہے اس پر وہ کنکری کو رکھے گا، ناخن ہو گیا یا اس کے ساتھ انگوٹھے کی طرف جو ہے، اس پر کنکری رکھ دے گا اور پھر یہ شہادت کی انگلی سے یہ کنکری پھینکے گا بھائی۔ تو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر جو ہے وہ کنکری رکھے اور شہادت کی انگلی سے مدد لے اور اس کی مدد سے وہ کنکری پھینکے گا بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟ اچھا تو مختلف طریقے مختلف صورتیں علماء نے بیان کی ہیں بھائی کہ پھینکے انگلیوں کی مدد سے، تو جیسے ایک طریقہ انہوں نے ذکر کر دیا کہ انگوٹھے کی پشت پر رکھے اور شہادت کی انگلی سے کیا کرے؟ پھینکے بھائی۔ تو انگوٹھے کی پشت یعنی ناخن والی جانب بن جائے گی اور کس کی مدد سے پھینکے گا؟ شہادت کی انگلی سے وہ کنکری پھینکے گا۔ بعضوں نے کہا کہ یہ انگوٹھے کی اندر والی جانب جو ہے یعنی جو ہتھیلی کی جانب حصہ ہے، اس طرف کو انگوٹھے پر رکھے اور شہادت کی انگلی سے اس کو پھینکے بھائی۔ اور بعضوں نے لکھا بعض علماء نے کہ یہ جو شہادت کی انگلی ہے اس

1248

سبق نمبر ۱۴۱: مسئلہ: فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

کو درمیان سے تھوڑا سا موڑ لے اور درمیان میں اس پر اندر کی طرف کنکری رکھے اور پھر انگوٹھے کے ناخن کی مدد سے کیا کرے؟ اس کنکری کو پھینکے گا۔ طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟ تو بہر حال انگلیوں کی مدد سے یہ طریقہ یہ ہے اس طرح پھینکا جائے گا کنکری کو۔ لیکن اگر کوئی انگلیوں کی مدد سے نہیں پھینکتا، بلکہ کنکری کو دو انگلیوں میں پکڑتا ہے اور جیسے پورے ہاتھ کے ذریعے ایک چیز کو پھینکا جاتا ہے، اس طرح بھی اگر کوئی کر لیتا ہے تو رمی ہو جائے گی بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ كَيْفِيَّةُ الرَّمْيِ» پھر رمی کی کیفیت یہ ہے «أَنْ يَضَعَ الْحَصَاةَ عَلَى ظَهْرِ إِبْهَامِهِ الْيُمْنَى» کہ رکھے کنکری کو اپنے دائیں انگوٹھے کی پشت پر «وَيَسْتَعِينَ بِالْمُسَبِّحَةِ» اور مدد لے شہادت کی انگلی سے، مسبحہ یہ شہادت کی انگلی بھائی۔ «وَمِقْدَارُ الرَّمْيِ أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الرَّمْيِ وَبَيْنَ مَوْضِعِ السُّقُوطِ خَمْسَةُ أَذْرُعٍ» اور رمی کی مقدار بھائی، کہ کتنے فاصلے سے رمی کرے بھائی؟ کتنا جمرے سے کتنے فاصلے پر کھڑا ہو؟ تو کہتے ہیں بھائی پانچ ذراع کے بقدر اس سے فاصلے پر کھڑا ہو، پانچ ذراع۔ اور ایک ذراع کتنا ہے؟ ڈیڑھ فٹ۔ تو پانچ ذراع کتنے ہو گئے؟ ڈھائی گز بھائی، ڈھائی گز ہو گئے یا یوں کہیں ساڑھے سات فٹ، بس اس کے لگ بھگ تھوڑا سا فاصلہ تا کہ رکھے، یہ تھوڑا سا فاصلہ رکھے تا کہ پھینکنا پایا جائے۔ اگر بالکل اس کے پاس جا کر کھڑا ہو جائے گا، پھر تو پھینکنا نہیں پایا گیا، پھر تو کنکری کو ڈالنا نیچے کی طرف ڈالنا اس کو پایا گیا۔ تو لہٰذا کیا کرے؟ تھوڑے سے اتنے فاصلے پر کھڑا ہو جائے پانچ ذراع کے بقدر بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَمِقْدَارُ الرَّمْيِ» اور رمی کی مقدار جو ہے «أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الرَّمْيِ وَبَيْنَ مَوْضِعِ السُّقُوطِ خَمْسَةُ أَذْرُعٍ» کہ رمی کے درمیان اور وہ جگہ جہاں کنکری گرے گی اس جگہ کے درمیان «خَمْسَةُ أَذْرُعٍ» پانچ ذراع ہوں، «كَذَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اسی طرح روایت کیا حسن ابن زیاد رحمہ اللہ نے امام صاحب سے «لِأَنَّ مَا دُونَ ذَلِكَ يَكُونُ طَرْحًا» اس لیے کیونکہ اس سے کم جو ہے وہ تو طرح وہ تو ڈالنا ہو گا، پھینکنا نہیں بلکہ کنکری کو ڈال دینا ہو گا۔

«وَلَوْ طَرَحَهَا طَرْحًا أَجْزَأَهُ» اچھا بھائی اگر کسی نے کنکری پھینکی نہیں بلکہ وہاں قریب کھڑے ہو کر کنکری ڈال دی نیچے کی طرف، تو کیا رمی ہو جائے گی؟ کہتے ہیں ہاں رمی پھر بھی ہو جائے گی بھائی۔ اس لیے کیونکہ رمی اب بھی ہے، لیکن رمی اس نے کس طرف کو کی ہے یوں کہیں گویا اپنے قدموں کی طرف کی ہے، کس کی طرف؟ اور اپنے محل پر کی ہے یا نہیں کی؟ اپنے محل تو رمی بہر حال پائی گئی اگرچہ اس نے قدموں کی طرف کی ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَوْ طَرَحَهَا طَرْحًا» اور اگر اس نے اس کنکری کو ڈال دیا طرحاً، بتلایا ڈالنے سے ڈالنا ہی مراد ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ نیچے کی طرف کنکری کو ڈال دیا، «أَجْزَأَهُ» تو بھی یہ اس کے لیے کافی ہے «لِأَنَّهُ رَمَى إِلَى قَدَمَيْهِ» اس لیے کیونکہ اس نے اپنے قدموں کی طرف رمی کی ہے «إِلَّا أَنَّهُ مُسِيءٌ لِمُخَالَفَتِهِ السُّنَّةَ» مگر یہ شخص برا عمل کرنے والا ہے سنت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے، اس وجہ سے کہ اس نے سنت کی مخالفت کی ہے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ وَضَعَهَا وَضْعًا لَمْ يُجْزِهِ

«وَلَوْ وَضَعَهَا وَضْعًا لَمْ يُجْزِهِ» بھائی اگر کوئی کنکری کو وہاں لے جا کر آرام سے رکھ دیتا ہے تو پھر کیا رمی ہو جائے گی؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، پھر رمی نہیں ہو گی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ پھینکنا کچھ نہ کچھ تو پایا جانا چاہیے، اگر وہ آرام سے کنکری کو لے جا کر رکھ دیتا ہے یہ تو رکھنا ہے، اس کو کوئی بھی پھینکنا نہیں کہے گا بھائی۔ یہ معنی ہے: «وَلَوْ وَضَعَهَا وَضْعًا» اور اگر کسی نے اس کنکری کو وہاں رکھا، وضعاً مفعول مطلق ذکر کیا اور یہ مفعول مطلق کیا فائدہ دیتا ہے؟ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے، یعنی رکھنے سے یہاں رکھنا ہی مراد ہے، ڈالنا یا پھینکنا مراد نہیں، تو اگر کسی نے رکھا اس کنکری کو «لَمْ يُجْزِهِ» تو یہ اس کے لیے کافی نہیں «لِأَنَّهُ لَيْسَ بِرَمْيٍ» کیونکہ یہ رمی نہیں ہے اور حکم تو کس کا ہے؟ رمی کا ہے۔

«وَلَوْ رَمَاهَا فَوَقَعَتْ قَرِيبًا مِنَ الْجَمْرَةِ يَكْفِيهِ» بھائی مسئلہ یہ کہ رمی کرنے والے نے انگلیوں کی مدد سے کنکری پھینکی اور وہ کنکری جو ہے وہ جمرے کو جا کر نہیں لگی اس کے قریب گر گئی۔ جمرے کو نہیں لگی بلکہ اس کے قریب گر گئی، تو کیا یہ کافی ہو جائے گا یا نہیں بھائی؟ کہتے ہیں بھائی یہ رمی ہو گئی، رمی صحیح ہو گئی، اس لیے کیونکہ اتنی مقدار سے تو بچنا ممکن نہیں ہے۔ کنکری پھینکی جائے اور انگلیوں کی مدد سے پھینکی جائے تو وہ تو سیدھی ضروری نہیں ہے اس کو جا کر لگے، بلکہ کچھ سیدھی لگیں گی اور کچھ اس کے پاس گریں گی بھائی، طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟ تو انگلیوں کی مدد سے جب پھینک رہا ہے، ہاں ویسے ہاتھ سے پھینکے گا پھر تو ٹھیک ہے احتمال ہے ساری جا کر لگ جائیں گی، لیکن اگر کیا کر رہا ہے؟ انگلیوں سے پھینک رہا ہے تو پھر تو ضروری نہیں کہ ہر کنکری سیدھی جا کر اس جمرے کو اس ستون کو جا کر لگے، بلکہ کچھ اس کو لگیں گی اور کچھ اس کے پاس گریں گی، تو بہر حال جہاں اس کے قریب قریب جب گر جائے تو بس رمی بالکل صحیح ہو گئی بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَلَوْ رَمَاهَا» اور اگر اس نے اس جمرے کی رمی کی «فَوَقَعَتْ قَرِيبًا مِنَ الْجَمْرَةِ» پس وہ کنکری گری جمرے کے قریب ہی «يَكْفِيهِ» تو یہ اس کے لیے کافی ہے «لِأَنَّ هَذَا الْقَدْرَ مِمَّا لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ» اس لیے کیونکہ اتنی مقدار جو ہے اس سے تو بچنا ممکن نہیں ہے۔ «وَلَوْ وَقَعَتْ بَعِيدًا مِنْهَا لَا يُجْزِيهِ» ہاں اگر کنکری دور جا کر گری اس سے، پھر کافی نہیں ہے، پھر یہ رمی صحیح نہیں ہے بلکہ وہ پھر دوبارہ کرنا پڑے گی۔ «وَلَوْ وَقَعَتْ بَعِيدًا مِنْهَا» اور اگر وہ کنکری اس جمرے سے دور گری «لَا يُجْزِيهِ» تو یہ کافی نہیں ہے اس کے لیے اس شخص کے لیے «لِأَنَّهُ لَمْ يُعْرَفْ قُرْبَةً إِلَّا فِي مَكَانٍ مَخْصُوصٍ» اس لیے کیونکہ اس رمی کو جو ہے وہ قربت نہیں جانا گیا مگر مخصوص جگہ میں۔ یہ رمی تو مخصوص جگہ کے اندر ہی عبادت ہے، اور جگہ پر عبادت نہیں۔ لہٰذا اسی مخصوص جگہ پر ہی کنکری کو گرنا چاہیے یا اس کے بالکل قریب قریب

1249

سبق نمبر ۱۴۱: مسئلہ: فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

گرنا چاہیے، اگر دور گرے تو پھر تو یہ عبادت نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّهُ لَمْ يُعْرَفْ قُرْبَةً» اس لیے کیونکہ رمی جو ہے اس کو عبادت نہیں جانا گیا «إِلَّا فِي مَكَانٍ مَخْصُوصٍ» مگر اس مخصوص جگہ میں، یعنی وہ جو ستون ہے اس کے پاس۔

«وَلَوْ رَمَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ» صورت یہ ایک آدمی نے سات کنکریاں مٹھی میں پکڑ کر ساری ایک ہی دفعہ میں پھینک دیں، ایک ہی دفعہ میں پھینک دیں، تو کیا رمی ہو گئی؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، یہ ایک رمی ہوئی، اور اس کو ایک ہی شمار کریں گے، اور کتنی دفعہ رمی ضروری ہے؟ سات مرتبہ ضروری ہے، تو اس کو ایک شمار کریں گے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَوْ رَمَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ جُمْلَةً فَهَذِهِ وَاحِدَةٌ» اور اگر رمی کی اس حاجی نے سات کنکریاں جملۃً اکٹھی ہی «فَهَذِهِ وَاحِدَةٌ» تو یہ ایک ہی رمی ہے «لِأَنَّ الْمَنْصُوصَ عَلَيْهِ تَفَرُّقُ الْأَفْعَالِ» اس لیے کیونکہ منصوص علیہ جو ہے وہ افعال کا جدا کرنا افعال کا جدا ہونا ہے۔ جس پر نص آئی ہے، نص کے اندر، حدیث کے اندر کیا طریقہ آیا ہے؟ کہ حضور علیہ السلام نے الگ الگ رمی فرمائی تھی ہر کنکری کی، نہ کہ یہ کہ آپ نے اکٹھی فرمائی تھی، تو منصوص علیہ جس پر نص لائی ہے اس میں افعال کا جدا جدا ہونا ہے۔

■ مسئلہ: وَيَأْخُذُ الْحَصَى مِنْ أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ

«وَيَأْخُذُ الْحَصَى مِنْ أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ» بھائی یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ کہاں سے کنکریاں لے کر ان کی رمی کر سکتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا شروع میں کہ مزدلفہ سے ہی انسان کیا کرے؟ کنکریاں لے آئے بھائی، کنکریاں لے آئے، مستحب یہ ہے کہ وہاں سے انسان کنکریاں لے آئے بھائی۔ لیکن اگر وہاں سے کنکریاں نہیں لاتا، پھر جہاں سے بھی کنکریاں لے لے اس سے رمی وہ کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ یہ جمرہ کے پاس جو کنکریاں پڑی ہیں ان کو نہ لے، جو پہلے لوگ مار چکے ہیں یہ کنکریاں ان کی پڑی ہوئی کنکریاں نہ لے، اس لیے کیونکہ یہ کنکریاں مردود ہو چکی ہیں بھائی۔ تو لہٰذا ان سے رمی کرے گا تو اس سے لوگ بدشگونی لیں گے، بدفالی لیں گے، کہ اس نے کس قسم کی کنکریوں سے رمی کی ہے؟ مردود کنکریوں سے رمی کی ہے، سمجھ میں آیا؟ تو اس کے پاس جو کنکریاں پڑی ہوتی ہیں کہتے ہیں یہ مردود کنکریاں ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس کے یہ رمی قبول کر لی جاتی ہے اس کی کنکریوں کو اٹھا لیا جاتا ہے، اور جس کی قبول نہیں کی جاتی اس کی کنکریاں رد کر دی جاتی ہیں وہیں پر بھائی، تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: «وَيَأْخُذُ الْحَصَى مِنْ أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ» اور اٹھائے کنکریاں لے لے کنکریاں «مِنْ أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ» جس جگہ سے بھی وہ چاہے «إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْجَمْرَةِ» مگر جمرے کے پاس سے، یعنی وہاں سے نہ لے «فَإِنَّ ذَلِكَ يُكْرَهُ» کیونکہ یہ مکروہ ہے بھائی «لِأَنَّ مَا عِنْدَهَا مِنَ الْحَصَى مَرْدُودٌ» اس لیے کیونکہ اس جمرے کے پاس جو کنکریاں ہیں وہ مردود ہیں «هَكَذَا جَاءَ فِي الْأَثَرِ» اسی طرح آیا ہے حدیث کے اندر «فَيُتَشَاءَمُ بِهِ» تو اس سے بدفالی مراد لی جائے گی بھائی، بدفالی لی جائے گی، نحوست مراد لیں گے لوگ بھائی۔ «وَمَعَ هَذَا لَوْ فَعَلَ أَجْزَأَهُ» لیکن اس کے باوجود اگر کسی نے وہیں سے کنکریاں لے کر رمی کر لی، اگر کسی نے «وَمَعَ هَذَا لَوْ فَعَلَ» اگر کسی نے ایسا کر لیا یعنی وہیں سے کنکریاں اٹھا کر رمی کر لی «أَجْزَأَهُ» تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا یعنی اس کی رمی ہو جائے گی «لِوُجُودِ فِعْلِ الرَّمْيِ» بوجہ رمی کے فعل کے پائے جانے کے، کیونکہ رمی کا فعل پایا گیا بھائی۔

«وَيَجُوزُ الرَّمْيُ» یہاں یہ بتلا رہے ہیں آپ کو کہ کس کس چیز کے ساتھ رمی کر سکتے ہیں آپ؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رمی کے اندر پتھر کا ہونا ضروری ہے، وہ وہ جو کنکریاں ہیں کس کی ہوں؟ پتھر کی ہوں، جبکہ ہمارے نزدیک زمین کی جنس میں سے کوئی بھی چیز ہو، چاہے وہ پتھر کی کنکریاں ہوں چاہے وہ مٹی کی مٹی کی کنکریاں ہوں، تو جو بھی صورت ہو بس رمی کا فعل پایا جانا چاہیے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ الرَّمْيُ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ عِنْدَنَا» اور جائز ہے رمی ہر اس چیز کے ساتھ جو ہر اس چیز کے ساتھ جو زمین کے اجزاء میں سے ہے «عِنْدَنَا» ہمارے نزدیک «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے «لِأَنَّ الْمَقْصُودَ فِعْلُ الرَّمْيِ» یہ ہماری دلیل ہے، اس لیے کیونکہ مقصود کیا ہے؟ رمی کا فعل ہے «وَذَلِكَ يَحْصُلُ بِالطِّينِ كَمَا يَحْصُلُ بِالْحَجَرِ» اور رمی کا یہ فعل جو ہے وہ تو مٹی سے بھی حاصل ہو جاتا ہے «كَمَا يَحْصُلُ بِالْحَجَرِ» جیسے کہ وہ پتھر سے حاصل ہو جاتا ہے۔

«بِخِلَافِ مَا إِذَا رَمَى بِالذَّهَبِ أَوِ الْفِضَّةِ» برخلاف اس صورت کے کہ اگر کوئی شخص جو ہے رمی کرتا ہے سونے کے ساتھ یا چاندی کے ساتھ، کوئی سونے کے ٹکڑے مارے یا چاندی کے ٹکڑے مارے یہ درست نہیں ہے بھائی۔ بھائی کیوں نہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مقصود جو ہے وہ رمی کا فعل ہے، اور یہ سونے اور چاندی کو کوئی شخص پھینکے تو اس کو بکھیرنا کہتے ہیں، اس کو رمی کوئی بھی نہیں کہتا۔ کوئی اس طرح بھائی سونے یا چاندی کے ٹکڑے پھینکے بھائی، لوگ کیا کہتے ہیں؟ یہ تو سونا بکھیر رہا ہے، یہ چاندی بکھیر رہا ہے، اس کو کوئی بھی رمی نہیں کہتا، اور مقصود تو کیا تھا یہاں پر؟ رمی کا فعل ہے، لہٰذا سونے اور چاندی کے ٹکڑے مارے گا تو اس صورت میں رمی نہیں ہو گی کیونکہ اس کو رمی کہتے ہی نہیں ہیں۔ تو کہتے ہیں: «بِخِلَافِ مَا إِذَا رَمَى بِالذَّهَبِ أَوِ الْفِضَّةِ» برخلاف اس کے جب اس نے رمی کی سونے کے ساتھ یعنی سونے کے ٹکڑوں کے ساتھ «أَوِ الْفِضَّةِ» یا چاندی سے، تو اس صورت میں یہ اس کے لیے کافی نہیں «لِأَنَّهُ يُسَمَّى نَثْرًا لَا رَمْيًا» اس لیے کیونکہ اس کو تو نثر کہتے ہیں بکھیرنا کہتے ہیں «لَا رَمْيًا» رمی نہیں کہتے۔

«قَالَ «ثُمَّ يَذْبَحُ إِنْ أَحَبَّ ثُمَّ يَحْلِقُ أَوْ يُقَصِّرُ» پھر حاجی جو ہے وہ ذبح کر لے یعنی قربانی کر لے «إِنْ أَحَبَّ» اگر اس کو پسند ہو۔ اگر حاجی کا دل چاہتا

ہے تو پھر کیا کرلے؟ قربانی کرلے، «ثُمَّ يَحْلِقُ» پھر حلق کروالے یعنی سر کے بال استرے سے صاف کروادے «أَوْ يُقَصِّرُ» یا قصر کروالے، یعنی سر کے بال چھوٹے کروالے۔ ایک ہے حلق وہ ہے سر کے بالوں کو جڑوں سے استرے کے ساتھ صاف کرنا، اور ایک ہے تقصیر بھائی، تقصیر کہتے ہیں کہ بالوں کے آخری کنارے ان کو کاٹنا یعنی بال چھوٹے کرنا بھائی۔ تو چاہے تو حلق کروالے اور حلق افضل ہے، اور چاہے تقصیر کروالے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔

بھائی صاحب قدوری نے فرمایا: «ثُمَّ يَذْبَحُ إِنْ أَحَبَّ» پھر حاجی قربانی کرلے اگر اس کو پسند ہو، اگر اس کو پسند ہو۔ وجہ یہ کہ یہ حج افراد کا طریقہ بیان ہو رہا ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حج تمتع اور حج قران کے اندر تو حاجی پر قربانی واجب ہے، حج کی قربانی واجب ہے، اور حج افراد والے پر حج کی قربانی واجب نہیں ہے، مرضی ہے اس کی کرنا چاہے تو کرلے اور چاہے تو نہ کرے، اسی لیے صاحب قدوری نے بھی کیا ذکر کیا: «ثُمَّ يَذْبَحُ إِنْ أَحَبَّ» پھر ذبح کرلے یعنی قربانی کرلے «إِنْ أَحَبَّ» اگر حاجی کو پسند ہو۔ «ثُمَّ يَحْلِقُ أَوْيُقَصِّرُ» پھر حلق کروالے یا قصر کروالے «لِمَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نَرْمِيَ ثُمَّ نَذْبَحَ ثُمَّنَحْلِقَ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا حضور علیہ السلام سے کہ آپ نے فرمایا: کہ پہلی عبادت ہماری اس دن کے اندر وہ یہ ہے کہ ہم رمی کریں، پھر ذبح کریں، پھر حلق کریں۔ حدیث میں کیا آیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہماری پہلی عبادت اس دن کے اندر یہ ہے کہ ہم رمی کریں، پھر ذبح کریں، پھر حلق کریں۔ تو یہ حضور علیہ السلام کس دن کے بارے میں فرمارہے ہیں؟ کون سا دن چل رہا ہے؟ ۱۰ ذی الحجہ کا، سمجھ میں آیا؟ یوم النحر ہے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہماری پہلی عبادت اس دن کے اندر جو ہے وہ یہ ہے کہ ہم رمی کریں، پھر ہم ذبح کریں، پھر حلق کریں، دیکھیے ترتیب بھی آگئی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الْحَلْقَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ وَ...

«وَلِأَنَّ الْحَلْقَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ وَكَذَاالذَّبْحُ» اور اس لیے کیونکہ حلق جو ہے وہ حلال ہونے کے اسباب میں سے ہے۔ بھائی حلق جو کروالیتا ہے تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے۔ عمرے کے طریقے میں بھی آپ نے پڑھا تھا، عمرہ کرنے والا کیا کرلے؟ طواف اور سعی کے بعد حلق کروالے گا یا قصر کروالے گا تو احرام سے حلال ہو جائے گا، احرام ختم ہو جائے گا۔ معلوم ہوا حلق کس میں سے ہے؟ حلال ہونے کے اسباب میں سے، حلق کی وجہ سے انسان کیا ہو جاتا ہے؟ حلال ہو جاتا ہے۔ «وَكَذَا الذَّبْحُ» اور اسی طرح ذبح بھی ہے یعنی قربانی کی وجہ سے بھی انسان کیا ہو جاتا ہے؟ حلال ہو جاتا ہے۔ بھائی قربانی سے کس طرح حلال ہوتا ہے؟ کہتے ہیں بھائی آپ دیکھتے نہیں اگر کوئی شخص وہ حج کا احرام اس نے پہن لیا اور حج پر چل پڑا اور راستے میں کہیں اس کو رکنا پڑ گیا، اب آگے جا ہی نہیں سکتا کوئی ایسا مسئلہ پیش آگیا۔ تو اب تو یہ احرام پہن چکا ہے، اب اس کے لیے حلال ہونا جائز نہیں، الا یہ کہ قربانی کا ایک جانور یہاں سے بھیجے یا کسی کو کہہ دے وہاں پر وہ وہاں پر اس کی طرف سے ایک جانور قربان کردے، اور جب وہ جانور اس کی طرف سے قربان کردے گا تو اب اس کے لیے احرام اتارنا اور حلال ہونا جائز ہو گیا۔ تو معلوم ہوا ذبح بھی کس کے اسباب میں سے ہے؟ حلال ہونے کے اسباب میں سے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

میں نے اسی لیے آپ سے کہا تھا شروع کے اندر کہ جب حاجی روانہ ہو تو احرام بے شک گھر پر باندھ لے، احرام کی وہ دو سنتیں بھی پڑھ لے، لیکن حج کی نیت یا عمرے کی جو نیت کرنی ہے وہ جہاز کے اندر بیٹھنے کے بعد کرے، اس لیے کیونکہ اگر وہ رہ گیا جہاز اس کی فلائٹ رہ گئی اور اس نے گھر پر ہی نیت بھی کرلی تھی تو احرام تو شروع ہو چکا ہے، اب یہ احرام نہیں اتار سکتا بھائی۔ جب تک یہاں ہے اگر کوئی اور فلائٹ مل جاتی ہے پھر تو اچھی بات ہے، اور اگر کوئی اور فلائٹ نہیں ملتی تو پھر یہ احرام کی حالت ہی میں ہے اور اس پر ساری پابندیاں ہیں، اس کے ناخن بھی نہیں کاٹ سکتا، بال بھی نہیں کاٹ سکتا، خوشبو بھی نہیں لگا سکتا، بیوی بھی اس پر بیوی جو ہے اس کے قریب نہیں جا سکتا، یہ سب چیزیں اس پر منع ہیں، تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ آج کل تو آسانی ہو گئی بھائی، یہیں سے ٹیلی فون کیا اور وہیں کسی ساتھی نے آپ کے لیے کیا کر دی؟ قربانی کر دی، پہلے زمانے میں تو پھر باقاعدہ قربانی کا جانور بھیجنا پڑتا تھا یا کسی کو وہاں اسی طرح بڑی مشکل سے پیغام بھجوانا پڑتا اور پھر وہ پیغام اس کو پہنچتا، پھر وہ قربانی کرتا اور پھر ادھر یہ حلال ہوتا تو بڑے دن اس کے اندر لگ جاتے تھے بھائی۔ لیکن بہر حال شریعت نے آسانی فرمادی کہ احرام باندھ لیا، شروع کر دیا ہے اور راستہ بند ہو گیا آگے جا نہیں سکتے تو اب حلال ہونے کی کیا صورت ہے؟ ایک جانور کی قربانی حرم میں کروادو بس اس کے بعد احرام کی پابندیاں ختم، احرام۔ تو معلوم ہوا ذبح بھی کس کے اسباب میں سے ہے؟ حلال ہونے کے اسباب میں سے ہے۔

بھائی تین چیزیں ذکر ہوئیں حدیث کے اندر کہ پہلے ہم کیا کریں گے؟ اس دن حضور علیہ السلام کیا فرمارہے ہیں کہ اس دن ہم پہلے کیا کریں گے؟ رمی کریں گے، اس کے بعد قربانی کریں گے، اور اس کے بعد حلق کروائیں گے، یہ تو حدیث کے اندر آگیا۔ آگے صاحب ہدایہ عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں کہ ان چیزوں میں عقل بھی یہی کہتی ہے یہی ترتیب ہونی چاہیے، کیونکہ تین چیزیں ہیں، ایک ہے رمی، ایک ہے قربانی، اور ایک ہے حلق۔ قربانی اور حلق جو ہے یہ دو حلال ہونے کے اسباب ہیں، لہٰذا ان دو کو رمی سے مؤخر ہونا چاہیے، ان دو کو کیا ہونا چاہیے؟ رمی سے مؤخر، لہٰذا رمی پہلے اور اس کے بعد حلق اور ذبح ہونا چاہیے۔ اب حلق اور ذبح میں سے کس کو مقدم ہونا چاہیے؟ حدیث میں کیا آیا؟ ذبح مقدم ہے اور حلق اس سے مؤخر ہے، تو اس میں بھی اس کی بھی وجہ ذکر کریں گے کہ بھائی یہ قربانی جو ہے قربانی، یہ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے نہیں ہے، لیکن حلق جو ہے وہ احرام میں منع ہے۔ احرام میں بال کاٹ سکتے ہیں کہ نہیں کاٹ سکتے؟ توجہ ہے سبق کی طرف کہ نہیں ہے؟ احرام کے اندر بال کاٹنا جائز ہے یا جائز نہیں؟ جائز نہیں ہے، یہ تو ان پابندیوں میں سے ممنوع ہے، تو لہٰذا احرام کے اندر بال کاٹنا تو ممنوع ہے، تو لہٰذا اس کو مؤخر کریں گے کس پر؟ قربانی پر بھی۔ تین چیزیں

سبق نمبر ۱۴۱: مسئلہ: فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

تھیں نا ادھر پھر توجہ کریں: ایک تھی رمی، ایک ہے ذبح، اور ایک ہے حلق۔ ان میں سے سب سے پہلے کس کو لائیں گے؟ رمی، کیونکہ حلق اور ذبح یہ تو حلال ہونے کے اسباب ہیں، لہٰذا ان کو بعد میں ہونا چاہیے، اور رمی جو حج کا فعل ہے اس کو پہلے ہونا چاہیے احرام کی حالت میں، پھر اس کے بعد انسان حلال ہو۔ پھر اب معلوم ہوا ذبح اور حلق بعد میں ہوں گے، پھر ان میں سے کون سا پہلے ہو گا اور کون سا بعد میں ہو گا، ذبح اور حلق میں سے؟ تو اس میں بھی آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی دیکھیے قربانی احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے نہیں لیکن حلق کیا ہے؟ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے، لہٰذا قربانی کو حلق پر مقدم ہونا چاہیے اور حلق کو سب سے آخر میں ہونا چاہیے۔ تو جو ترتیب حدیث میں بیان ہوئی، عقلی دلیل کے ذریعے بھی صاحب ہدایہ نے اس کو ثابت کر دیا۔ ترتیب سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: «وَلِأَنَّ الْحَلْقَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ وَكَذَا الذَّبْحُ حَتَّى يَتَحَلَّلَ بِهِ الْمُحْصَرُ» اور اس لیے کیونکہ حلق کروانا یہ حلال ہونے کے اسباب میں سے ہے اور اسی طرح ذبح کرنا بھی، یہاں تک کہ حلال ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے محصر۔ کس کی وجہ سے؟ قربانی کی وجہ سے۔ محصر وہ شخص جو روک دیا گیا ہے، راستے میں کسی وجہ سے رک گیا، اس کو روک دیا گیا اب وہ آگے نہیں جا سکتا بھائی، تو اس قربانی کی وجہ سے وہ محصر بھی حلال ہو جاتا ہے، «فَيُقَدَّمُ الرَّمْيُ عَلَيْهِمَا» تو رمی کو مقدم کیا جائے گا ان دونوں پر، کن دونوں پر؟ حلق اور قربانی پر۔ «ثُمَّ الْحَلْقُ مِنْ مَحْظُورَاتِ الْإِحْرَامِ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ الذَّبْحُ» پھر حلق جو ہے وہ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے لہٰذا ذبح کو اس پر حلق پر کیا کیا جائے گا؟ مقدم کیا جائے گا بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِنَّمَا عَلَّقَ الذَّبْحَ بِالْمَحَبَّةِ

«وَإِنَّمَا عَلَّقَ الذَّبْحَ بِالْمَحَبَّةِ» آگے آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھائی صاحب قدوری نے بھائی پچھلے متن پر ذرا آیئے، «ثُمَّ يَذْبَحُ إِنْ أَحَبَّ» صاحب قدوری نے کیا ذکر کیا تھا؟ کہ یہ حاجی قربانی کر لے «إِنْ أَحَبَّ» اگر اس کو پسند ہو۔ بھائی یہ پسند ہونے کی قید کیوں لگائی؟ میں نے ذکر کر دی وجہ، کیا وجہ ہے؟ کیونکہ یہ حج افراد کا طریقہ بیان ہو رہا ہے اور اس کے اندر قربانی واجب نہیں ہے، ہاں اگر یہ حج تمتع یا قران ہو تا تو وہاں یہاں پر کیا ہو تا کہ اس پر قربانی واجب ہے۔ تو یہی بیان کرنے لگے ہیں: «وَإِنَّمَا عَلَّقَ الذَّبْحَ بِالْمَحَبَّةِ» اور صاحب قدوری نے معلق کر دیا ذبح کو بالمحبۃ پسند ہونے کے ساتھ، کہ اگر پسند ہو تو ذبح کر لے، «لِأَنَّ الدَّمَ الَّذِي يَأْتِي بِهِ الْمُفْرِدُ تَطَوُّعٌ» اس لیے کیونکہ وہ قربانی «الَّذِي يَأْتِي بِهِ الْمُفْرِدُ» جس کو مفرد ادا کرتا ہے یعنی جو مفرد سرانجام دیتا ہے «تَطَوُّعٌ» وہ قربانی کیا ہے؟ نفل ہے، اس پر واجب نہیں ہے بھائی، «وَالْكَلَامُ فِي الْمُفْرِدِ» اور ہمارا کلام بھی اس کس کے بارے میں چل رہا ہے؟ مفرد کے بارے میں یعنی حج افراد کرنے کے بارے میں۔

«وَالْحَلْقُ أَفْضَلُ» اور حلق افضل ہے۔ ایک ہے حلق اور ایک ہے قصر، بال چھوٹے کروانا، افضل کیا ہے؟ حلق افضل ہے۔ «وَالْحَلْقُ أَفْضَلُ» اور حلق جو ہے وہ افضل ہے «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: رَحِمَ اللَّهُ الْمُحَلِّقِينَ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمان مبارک کے، آپ نے فرمایا: «رَحِمَ اللَّهُ الْمُحَلِّقِينَ» اے اللہ رحم فرما محلقین پر یعنی حلق کروانے والوں پر۔ تو یہ حدیث میں آتا ہے بھائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کروانے والوں کے لیے دعا فرمائی کہ «رَحِمَ اللَّهُ الْمُحَلِّقِينَ» اے اللہ حلق کرنے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ نے عرض کیا بعض نے کہ یا رسول اللہ! اور جو قصر کروانے والے ہیں یعنی ان کے لیے بھی دعا فرمایئے، تو حضور علیہ السلام نے پھر فرمایا: «رَحِمَ اللَّهُ الْمُحَلِّقِينَ» اے اللہ حلق کروانے والوں پر رحم فرما۔ پھر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور قصر کروانے والے؟ آپ نے پھر دعا فرمائی: اے اللہ کے حلق کروانے والوں پر رحم فرما۔ اور پھر چوتھی مرتبہ میں آپ نے مقصرین کے لیے بھی دعا فرمائی بھائی۔ تو حدیث کے اندر تین دفعہ محلقین کے لیے حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی، معلوم ہوا حلق افضل ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے آپ نے فرمایا: «رَحِمَ اللَّهُ الْمُحَلِّقِينَ» اللہ رحم فرمائے حلق کروانے والوں پر، «قَالَهُ ثَلَاثًا» آپ نے اس طرح تین مرتبہ فرمایا، «الْحَدِيثَ» أَيِ اقْرَإِ الْحَدِيثَ يَا الْحَدِيثُ مَعْلُومٌ حدیث معلوم ہے۔ «ظَاهَرَ بِالرَّحِمِ عَلَيْهِمْ»، «ظَاهَرَ» أَيْ ظَاهَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار فرمایا رحم کا «عَلَيْهِمْ» حلق کروانے والوں پر، حضور علیہ السلام نے تین مرتبہ رحم کا اظہار فرمایا یعنی ان کے لیے دعا فرمائی، ان پر رحم کا اظہار فرمایا تو معلوم ہوا حلق افضل ہے۔

«وَلِأَنَّ الْحَلْقَ» یہاں سے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں کہ حلق افضل کیوں ہے؟ کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ الْحَلْقَ أَكْمَلُ فِي قَضَاءِ التَّفَثِ» اس لیے کیونکہ حلق جو ہے وہ زیادہ کامل ہے «فِي قَضَاءِ التَّفَثِ» میل کچیل کو دور کرنے میں۔ تفث کہتے ہیں میل کچیل بھائی، قضاء التفث کا معنی ہوتا ہے میل کچیل کو دور کرنا بھائی۔ یہ چند صفحات قبل بھی یہ لفظ آیا تھا اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کوئی شخص اپنے میل کچیل کو دور کر لے تو عربی میں کہتے ہیں: «قَضَى تَفَثَهُ» اس نے اپنے میل کچیل کو دور کر لیا، تو یہاں قضاء بمعنی ازالے کے ہے دور کرنا ختم کرنا۔ «وَلِأَنَّ الْحَلْقَ أَكْمَلُ فِي قَضَاءِ التَّفَثِ» اور اس لیے کیونکہ حلق جو ہے وہ زیادہ کامل ہے میل کچیل کو دور کرنے میں «وَهُوَ الْمَقْصُودُ» اور یہی تو مقصود ہے، «وَفِي التَّقْصِيرِ بَعْضُ التَّقْصِيرِ» اور بال چھوٹے کروانے میں «بَعْضُ التَّقْصِيرِ» کچھ کمی ہے، کچھ کیا ہے؟ کچھ کمی ہے، اس میں پوری طرح صفائی نہیں ہو گی۔ بھائی حاجی آیا حج پر بھائی، اور حج کے اندر انسان جتنا میلا کچیلا پراگندہ حال ہو اتنا ہی اللہ کے نزدیک وہ محبوب اور پسندیدہ ہے، کیونکہ وہ صحیح طور پر ایک عاشق کے رنگ میں آیا ہے بھائی۔ اور لہٰذا اب جب سارے افعال کر لیے اب حلق کرنا ہے اور مقصد

سبق نمبر ۱۴۱: مسئلہ: فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا...

کیا ہے اس کے ذریعے اپنے آپ کو میل کچیل سے صاف کرنا ہے، تو حلق کی صورت میں زیادہ صفائی حاصل ہو گی بنسبت قصر کے بھائی۔ یہ معنی ہے: «وَفِي التَّقْصِيرِ بَعْضُ التَّقْصِيرِ» اور بال چھوٹے کروانے میں کچھ کمی ہے، «فَأَشْبَهَ الِاغْتِسَالَ مَعَ الْوُضُوءِ» تو یہ مشابہ ہوا غسل کرنے کے ساتھ وضو کے۔ جیسے غسل کے ساتھ وضو ہو گئی، تو غسل افضل ہے یا وضو بھائی؟ صفائی کس سے اچھی طرح حاصل ہو گی؟ غسل سے اچھی طرح حاصل ہو گی، تو اسی طرح یہاں پر بھی، جو حلق جو ہے وہ غسل کی طرح ہے اس سے صفائی اچھی طرح حاصل ہوئی اور قصر کس کی طرح ہے؟ وضو کی طرح ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَيَكْتَفِي فِي الْحَلْقِ بِرُبُعِ الرَّأْسِ

«وَيَكْتَفِي فِي الْحَلْقِ بِرُبُعِ الرَّأْسِ» اور حاجی اکتفاء کر سکتا ہے حلق میں چوتھائی سر پر۔ بھائی ایک شخص حاجی ہے وہ حلق کروا رہا ہے وہ سر کے چوتھے حصے کا حلق کروا دیتا ہے، تو کیا یہ اس کے لیے کافی ہے؟ کہتے ہیں ہاں بھائی یہ کافی ہے، اس سے بھی وہ حلال ہو جائے گا قیاس کرتے ہوئے مسح پر۔ مسح جب ہم وضو میں کرتے ہیں کتنے حصے کا کرتے ہیں سر کے؟ چوتھائی حصے کا، تو لہٰذا جیسے وہاں چوتھائی سر کا مسح کافی ہو جاتا ہے تو یہاں چوتھائی سر کا حلق بھی کافی ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں: «وَيَكْتَفِي فِي الْحَلْقِ بِرُبُعِ الرَّأْسِ» اور حاجی جو ہے وہ اکتفاء کر سکتا ہے چوتھائی سر کے حلق پر «اعْتِبَارًا بِالْمَسْحِ» قیاس کرتے ہوئے مسح پر، «وَحَلْقُ الْكُلِّ أَوْلَى» اور سارے سر کا حلق اولیٰ ہے۔ اکتفاء تو چوتھائی سر پر کر سکتا ہے لیکن سارے سر کا حلق اولیٰ ہے «اقْتِدَاءً بِرَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کی اقتداء کرتے ہوئے، آپ نے بھی سارے سر کا حلق کروایا بھائی۔

«وَالتَّقْصِيرُ» بھائی تقصیر کسے کہتے ہیں؟ دو تین جگہ یہ لفظ آ چکا، صاحب ہدایہ اس کا معنی بھی بیان کر رہے ہیں، میں بیان کر چکا۔ تقصیر کسے کہتے ہیں؟ بال بال چھوٹے کروانا، یہی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَالتَّقْصِيرُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ رُءُوسِ شَعْرِهِ مِقْدَارَ الْأُنْمُلَةِ» اور تقصیر یہ ہے «أَنْ يَأْخُذَ» کہ وہ حاجی لے لے یعنی کاٹ لے «مِنْ رُءُوسِ شَعْرِهِ» اپنے بالوں کے سرے جو ہیں ان کے جو کنارے ہیں «مِقْدَارَ الْأُنْمُلَةِ» پوروں کی مقدار، انگلیوں کے جو پورے ہیں ان پوروں کے بقدر کیا کر لے بالوں کے سروں کو کاٹ لے، یعنی کوئی پونا انچ اور انچ کے لگ بھگ سر کے سارے بال اتنے چھوٹے کروا لے ان کے اتنے اتنے کنارے کاٹ دے، تو بھی یہ کافی ہے اور یہ تقصیر کہلاتا ہے۔

«وَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ» اور تحقیق حاجی کے لیے حلال ہو گئی ہر چیز سوائے عورتوں کے۔ جب یہ بھائی دسویں ذی الحجہ ہے، حاجی نے رمی بھی کر لی جمرہ کبریٰ کی، حاجی نے قربانی بھی کر لی، اور اس کے بعد حلق یا قصر بھی کروا لیا، اب اس کے لیے ہر چیز حلال ہو گئی سوائے بیوی کے۔ بیوی کب حلال ہو گی؟ جب طواف زیارت کر لے گا، چاہے آج ہی کر لے اور آج ہی کرنا افضل ہے۔ یہ عید کے پہلے دن کرنا افضل، جیسے عید کے پہلے دن قربانی افضل ہے اسی طرح طواف زیارت بھی افضل ہے۔ اور چاہے تو اگلے دو دنوں میں کر لے، لیکن جب تک وہ نہیں کرے گا اس وقت تک بیوی بھی حلال نہیں۔ «وَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ» اور تحقیق حلال ہو گئی حاجی کے لیے ہر چیز سوائے عورتوں کے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: وَإِلَّا الطِّيبَ...

«وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: وَإِلَّا الطِّيبَ أَيْضًا» اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور سوائے خوشبو کے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں بیوی بھی ابھی حلال نہیں اور خوشبو بھی ابھی حلال نہیں۔ بھائی خوشبو کیوں نہیں ابھی تک حلال؟ وہ فرماتے ہیں خوشبو نہیں استعمال کر سکتا اس لیے کیونکہ خوشبو جو ہے وہ فرماتے ہیں دواعی جماع میں سے ہے، کس میں سے ہے؟ دواعی جماع میں سے ہے، یہ جماع کی طرف دعوت دینے والی اور اس پر ابھارنے والی چیز ہے، لہٰذا اس کی بھی اجازت نہیں ہے بھائی۔ تو «وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: وَإِلَّا الطِّيبَ أَيْضًا» اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور سوائے خوشبو کے «لِأَنَّهُ مِنْ دَوَاعِي الْجِمَاعِ» اس لیے کیونکہ خوشبو جو ہے یہ جماع کے دواعی میں سے ہے یعنی اس کی دعوت دینے والی چیزوں میں سے ہے، «وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيهِ» اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے «فِيهِ» اس بارے میں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: «حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ» کہ حاجی کے لیے حلال ہو گئی ہر چیز سوائے عورتوں کے، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو دیکھیے صاحب قدوری نے متن میں بھی یہی حدیث کے الفاظ ذکر کیے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ» حلال ہو گئی اس کے لیے ہر چیز سوائے عورتوں کے، «وَهُوَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْقِيَاسِ» اور یہ حدیث مقدم ہے قیاس پر۔

«وَلَا يَحِلُّ لَهُ الْجِمَاعُ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ» بھائی یہاں سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حلق کروا لیا تو بیوی کے ساتھ شرمگاہ میں تو جماع نہیں کر سکتا، ویسے جماع وغیرہ کر سکتا ہے اس سے شہوت پوری کر سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں بلکہ بلکہ جب تک طواف زیارت نہیں کر لے گا، بیوی سے شہوت کو پورا کرنا جائز نہیں ہے بھائی، یہی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَلَا يَحِلُّ لَهُ الْجِمَاعُ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ عِنْدَنَا» اور جائز نہیں ہے اس کے لیے صحبت کرنا شرمگاہ کے علاوہ میں «عِنْدَنَا» ہمارے نزدیک «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے «لِأَنَّهُ قَضَاءُ الشَّهْوَةِ بِالنِّسَاءِ» یہ

ہماری دلیل چل رہی ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ شہوت کو پورا کرنا ہے «بِالنِّسَاءِ» عورتوں سے «فَيُؤَخَّرُ إِلَى تَمَامِ الْإِحْلَالِ» تو یہ حلال کرنے کے پورا ہونے تک اس کو مؤخر کیا جائے گا، جب تک انسان پوری طرح حلال نہ ہو جائے اس وقت تک عورتوں سے شہوت کو پورا نہیں کیا جائے گا۔

«ثُمَّ الرَّمْيُ لَيْسَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» پھر یہ جو رمی ہے، کون سی رمی؟ کس دن کا ذکر چل رہا ہے ابھی؟ ابھی دسویں تاریخ کا ذکر چل رہا ہے گیارہ اور بارہ کا ذکر ابھی نہیں آیا، اور اس دن صرف جمرہ کبریٰ کی رمی کی ہے، تو کیا یہ جو رمی کی یہ بھی حلال ہونے کے اسباب میں سے ہے یا اسباب میں سے نہیں؟ ابھی اوپر ذکر ہوا تھا کہ حلق اور ذبح کیا ہے؟ یہ اسباب ہیں حلال ہونے کے، رمی جو ہے وہ حلال ہونے کے اسباب میں سے نہیں ہے بھائی۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ رمی بھی جو ہے حلال ہونے کے اسباب میں سے ہے بھائی۔ اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ اس رمی کا وقت مقرر ہے کہ یہ یوم النحر والے دن ہو گی یعنی دسویں کو۔ وہ کیا فرماتے ہیں؟ اس رمی کا وقت مقرر ہے کون سا دن ہے؟ ۱۰ کا دسویں ذی الحجہ، اور حلق بھی کس دن کیا جاتا ہے؟ دسویں ذی الحجہ کو، تو جب دونوں کا دن ایک ہے وقت ایک ہے تو دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہو گا، اور جس طرح حلق سے انسان احرام سے حلال ہو جاتا ہے تو رمی سے بھی کیا ہو جائے گا احرام سے حلال ہو جائے گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ کہ حلق دسویں ذی الحجہ کو ہے اور رمی بھی دسویں ذی الحجہ کو ہے، تو اس رمی کا وہی حکم ہو گا جو حلق کا ہے، اور حلق کی وجہ سے تو انسان احرام سے حلال ہو جاتا ہے، تو اس رمی کی وجہ سے بھی احرام سے حلال ہو جائے گا۔

▪ مسئلہ: ثُمَّ الرَّمْيُ لَيْسَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ...

«ثُمَّ الرَّمْيُ لَيْسَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» پھر رمی جو ہے وہ حلال ہونے کے اسباب میں سے نہیں ہے ہمارے نزدیک، برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، «هُوَ يَقُولُ: إِنَّهُ يَتَوَقَّتُ بِيَوْمِ النَّحْرِ كَالْحَلْقِ» وہ فرماتے ہیں کہ اس یہ جو رمی ہے یہ اس کا وقت مقرر ہے یوم النحر کے ساتھ یعنی یہ دن اس کے لیے مقرر ہے «كَالْحَلْقِ» جیسے کہ حلق ہے یعنی استرے سے بال صاف کرنا، «فَيَكُونُ بِمَنْزِلَتِهِ فِي التَّحْلِيلِ» تو لہٰذا یہ رمی بھی جو ہے حلق کے درجے میں ہی ہو گی «فِي التَّحْلِيلِ» حلال کرنے میں۔

«وَلَنَا أَنَّ مَا يَكُونُ مُحَلِّلًا» اور ہماری دلیل یہ ہے، ہم کہتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ چیز جو احرام سے انسان کو حلال کرنے والی ہے وہ چیز جو انسان کو احرام سے حلال کرنے والی ہے، وہ احرام کے دوران جنایت تصور ہوتی ہے۔ جنایت یعنی جرم تصور ہوتی ہے۔ جیسے حلق بھائی بالوں کا کٹوانا، یہ حلال ہونے کے اسباب میں سے ہے، لہٰذا حالت احرام میں کوئی اپنے بال کٹوائے گا تو یہ جنایت کی یا جنایت نہیں کی؟ جنایت کی کیونکہ احرام کے اندر تو بالوں کا کاٹنا منع تھا، تو اس پر دم واجب ہو گا۔ معلوم ہوا وہ چیز جو حلال کرنے والی ہوتی ہے وہ حالت احرام میں کیا شمار ہوتی ہے؟ جنایت یعنی جرم شمار ہوتی ہے، اور رمی جو ہے اس طرح نہیں ہے۔ اگر حاجی دوسرے دن ہی جا کر جا کر رمی کر لیتا ہے، کیا کر لیتا ہے؟ رمی کر لیتا ہے، جس دن پہنچا ہے مکہ دوسرے دن ہی گیا اور کیا کر لی اس نے؟ رمی کر لی۔ بھائی ٹھیک ہے وہ حج والی رمی تو نہیں ہوئی وہ تو دسویں ذی الحجہ کو جا کر ہو گی، لیکن کیا یہ جرم شمار ہو گا؟ اس کی وجہ سے اس پر دم واجب ہو گا؟ نہیں بھائی اس کی وجہ سے دم واجب نہیں ہو گا بھائی۔ معلوم ہوا یہ اسباب تحلیل میں سے نہیں ہے، کیونکہ جو چیز حلال کرنے والی ہوتی ہے وہ احرام کی حالت میں کیا شمار ہوتی ہے؟ جرم شمار ہوتی ہے، اور یہ حالت احرام میں اگر رمی کی جائے یہ تو جرم شمار نہیں، معلوم ہوا یہ حلال کرنے والے اسباب میں سے نہیں۔ دلیل بھی سمجھ آ رہی ہے کہ نہیں؟ جو چیز حلال کرنے والی ہوتی ہے وہ سب سے آخر میں آئے گی جب انسان نے احرام سے نکلنا ہو گا، اس سے پہلے اگر وہ کرے گا وہ کیا شمار ہو گی؟ جرم شمار ہو گی، جیسے بالوں کا بالوں کے کاٹنے سے انسان حلال ہو جاتا ہے، تو لیکن یہی بالوں کا کاٹنا اگر پہلے کر لے گا تو یہ جرم شمار ہو گا اور قربانی واجب ہو گی، جبکہ رمی اس طرح نہیں ہے۔ جب رمی اس طرح نہیں معلوم ہوا یہ حلال ہونے کے اسباب میں سے بھی نہیں، کیونکہ جو چیز حلال کرنے والی ہوتی ہے وہ پہلے کیا شمار ہوتی ہے؟ جرم شمار ہوتی ہے، اور رمی وقت سے پہلے کر لی جائے تو جرم شمار نہیں بھائی، معلوم ہوا یہ حلال ہونے کے اسباب میں سے نہیں۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟

«وَلَنَا أَنَّ مَا يَكُونُ مُحَلِّلًا يَكُونُ جِنَايَةً فِي غَيْرِ أَوَانِهِ كَالْحَلْقِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ چیز جو حلال کرنے والی ہوتی ہے «يَكُونُ جِنَايَةً فِي غَيْرِ أَوَانِهِ» وہ جنایت ہوتی ہے اپنے اوقات کے علاوہ میں «كَالْحَلْقِ» جیسے کہ حلق ہے، یہ اپنے وقت کے علاوہ میں یعنی دسویں ذی الحجہ سے پہلے اگر حلق کروا لے گا یعنی اپنے وقت سے پہلے کروا لے گا تو یہ کیا شمار ہو گا؟ جرم شمار ہو گا۔ «وَالرَّمْيُ لَيْسَ بِجِنَايَةٍ» اور رمی تو جنایت نہیں ہے۔ «بِخِلَافِ الطَّوَافِ» یہ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ کہ آپ نے ہمیں کہا کہ جو چیز حلال کرنے والی ہوتی ہے، وہ اپنے وقت سے پہلے کی جائے تو جرم شمار ہوتی ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ وہ چیز جو حلال کرنے والی ہوتی ہے، وہ اپنے وقت سے پہلے کر لی جائے تو کیا شمار ہوتی ہے؟ جرم شمار ہوتی ہے۔ اور حالانکہ آپ دیکھ لیجیے، طواف زیارت اس کی وجہ سے بیوی حلال ہو گی یا نہیں؟ جی؟ طواف زیارت کی وجہ سے بیوی حلال ہو گی، معلوم ہوا یہ طواف حلال کرنے کے اسباب میں سے ہے، اور اس طواف کو کوئی اگر یہ پہلے کر لے حالت احرام میں تو کیا جرم شمار ہوتا ہے؟ حاجی جب تک مکہ میں تھا طواف کر سکتا تھا یا نہیں کر سکتا تھا؟ تو طواف تو جرم شمار نہیں ہوتا، حالانکہ آپ نے ہمیں ضابطہ بتلایا کہ جو چیز حلال کرنے کے اسباب میں سے ہے وہ اپنے وقت سے پہلے کر لی جائے تو کیا شمار ہوتی ہے؟ جنایت، اور طواف زیارت اسی طرح ہے، وہ وہ حلال کرنے والا ہے لیکن اپنے وقت سے پہلے اگر اس کو کوئی کر بھی لے یعنی کوئی طواف کر لے بیت اللہ کا اس کو تو جرم شمار نہیں کیا جاتا، تو آپ کا تو ضابطہ درست نہ رہا، آپ نے تو ہمیں کیا بتایا تھا؟

جو چیز حلال کرنے والی ہے وہ اپنے وقت سے پہلے جرم ہوتی ہے، اور طواف حلال کرنے والا ہے اور اپنے وقت سے پہلے بھی کوئی کر لے جرم شمار نہیں، کوئی دم واجب ہو گا اس کی وجہ سے؟ دم واجب نہیں ہو گا بھائی۔ تو جواب اس کا دے رہے ہیں کہ بھائی طواف ہم نے کب کہا ہے حلال کرنے والا ہے؟ وہ کہتے ہیں بھائی آپ ہی نے تو کہا ہے کہ طواف کیا ہے؟ اس کی وجہ سے کیا ہو گی؟ بیوی حلال ہو جائے گی۔ بھائی یہ بیوی جو حلال ہوئی ہے وہ جو صبح کے وقت اس نے حلق کروایا تھا، اس حلق کی وجہ سے بیوی اب آ کر حلال ہوئی ہے، تو یہ اس حلق کا اثر ہے اس طواف کا اثر نہیں۔ بھائی کیسے اس کا اثر؟ اس کا اثر اب کیسے ظاہر ہوا؟ کہتے ہیں بھائی حلق نے باقی چیزوں کے اندر اپنا عمل کیا اپنا اثر دکھایا اور باقی چیزیں پہلے حرام تھیں اب کیا ہو گئیں؟ جائز ہو گئیں، لیکن صحبت کے حق میں اس نے اپنے عمل کو مؤخر کر دیا طواف زیارت تک۔ اور اس کا اب اس حلق کا اثر کب ظاہر ہو گا صحبت بیوی کے ساتھ صحبت کے حق میں؟ طواف زیارت کے بعد۔ تو یہ کس کا اثر ظاہر ہوا؟ اسی حلق کا اثر ظاہر ہوا ہے، تو یہ تو بیوی جو حلال ہوئی ہے وہ سابقہ حلق کی وجہ سے ہوئی ہے، طواف کی وجہ سے نہیں ہوئی، لہٰذا طواف جو ہے وہ اسباب تحلیل میں سے نہیں ہے بھائی۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ الطَّوَافِ لِأَنَّ التَّحَلُّلَ بِالْحَلْقِ

«بِخِلَافِ الطَّوَافِ لِأَنَّ التَّحَلُّلَ بِالْحَلْقِ السَّابِقِ لَا بِهِ» برخلاف طواف کے، اس لیے کیونکہ حلال ہونا وہ سابقہ حلق کی وجہ سے ہے «لَا بِهِ» اس طواف کی وجہ سے نہیں ہے بھائی۔ چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۱۴۲: مسئلہ: ثُمَّ يَأْتِي مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ مَكَّةَ أَوْ...

ہدایہ صفحہ: ۲۷۲ — بتاریخ: ۳۰ اپریل ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «ثُمَّ يَأْتِي مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ مَكَّةَ أَوْ مِنَ الْغَدِ أَوْ مِنْ بَعْدِ الْغَدِ فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ طَوَافَ الزِّيَارَةِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ»، «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا حَلَقَ أَفَاضَ إِلَى مَكَّةَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ عَادَ إِلَى مِنًى وَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى». [1]

افعالِ حج بیان ہو رہے ہیں بھائی۔ اور حج افراد کا طریقہ ذکر کر رہے ہیں۔ اور دسویں ذی الحجہ کا دن ہو چکا ہے۔ حاجی نے رمی بھی کر لی، اور اگر قربانی کرنا چاہتا تھا وہ بھی کر لی، اور اس کے بعد حلق یا قصر بھی کروا لیا۔ اب طوافِ زیارت کرنا ہے عید کے انہی تین دنوں کے اندر بھائی۔ البتہ افضل کیا ہے؟ کس دن کرے؟ پہلے دن یعنی یہی آج کے دن دسویں ذی الحجہ کو کرے۔ اور جائز کتنے دنوں تک ہے؟ تین دن تک، یعنی بغیر کراہت کے۔ اور اس کے بعد بھی کرے گا تو یہ ہو جائے گا، البتہ اس صورت میں دم لازم آئے گا بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ تو یہی اب طوافِ زیارت کے بارے میں ذکر کریں گے بھائی۔

قَالَ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «**ثُمَّ يَأْتِي مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ مَكَّةَ**»، پھر حاجی آ جائے اپنے اسی دن میں مکہ۔ کہاں آ جائے؟ مکہ آ جائے، یعنی دسویں کو ہی۔ «**أَوْ مِنَ الْغَدِ**»، یا اگلے روز یعنی گیارہ کو آ جائے۔ «**أَوْ مِنْ بَعْدِ الْغَدِ**»، یا اگلے سے اگلے روز، اگلے کے بعد آ جائے یعنی بارہ ذی الحجہ کو، یعنی عید کے ان تین دنوں میں۔ «**فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ طَوَافَ الزِّيَارَةِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ**»، پس طواف کر لے بیت اللہ کا طوافِ زیارت، **سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ** سات چکر بھائی۔

دلیل ذکر کر رہے ہیں: «**لِمَا رُوِيَ**»، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ: «**أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا حَلَقَ**»، کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق فرما لیا، «**أَفَاضَ إِلَى مَكَّةَ**»، تو آپ مکہ لوٹے، «**فَطَافَ بِالْبَيْتِ**»، تو پھر آپ نے طواف کیا بیت اللہ کا، «**ثُمَّ عَادَ إِلَى مِنًى**»، پھر آپ منیٰ واپس لوٹ آئے، «**وَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى**»، اور آپ نے ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی۔

■ مسئلہ: وَوَقْتُهُ أَيَّامُ النَّحْرِ

«**وَوَقْتُهُ أَيَّامُ النَّحْرِ**»، وقت بتلا رہے ہیں بھائی، طوافِ زیارت کن دنوں میں کیا جائے گا؟ ایام النحر، جو قربانی کے تین دن ہیں ان میں۔ تو کہتے ہیں: «**وَوَقْتُهُ أَيَّامُ النَّحْرِ**»، اور طوافِ زیارت کا وقت جو ہے وہ نحر یعنی قربانی کے ایام ہیں۔ «**لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى عَطَفَ الطَّوَافَ عَلَى الذَّبْحِ**»، اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں طواف کا عطف کیا ہے ذبح پر۔ «**قَالَ**»، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿**فَكُلُوا مِنْهَا**﴾، تو تم کھاؤ اس میں سے، یعنی اس قربانی کے جانور میں سے تم کھاؤ، «**ثُمَّ قَالَ**»، پھر آگے اللہ فرماتے ہیں: ﴿**وَلْيَطَّوَّفُوا**﴾، اور یعنی ﴿**وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ**﴾، اور چاہیے کہ حج کرنے والے طواف کریں بیتِ عتیق کا، اس قدیم گھر کا۔

تو دیکھیے ﴿**فَكُلُوا مِنْهَا**﴾، تو تم لوگ اس قربانی کے جانور میں سے اس کے گوشت میں سے کھاؤ اور حج کرنے والوں کو طواف کرنا چاہیے، تو یہ ﴿**وَلْيَطَّوَّفُوا**﴾ کا عطف کس پر ہے؟ ﴿**فَكُلُوا مِنْهَا**﴾ اس پر عطف ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ قربانی کے اور طواف کا ان کا وقت ایک ہی ہے بھائی، اور قربانی تو تین دن تک کی جا سکتی ہے تو لہٰذا یہ طوافِ زیارت بھی تین دن تک کیا جا سکتا ہے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۱۹۳): «مكة»۔

تو اللہ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے: ﴿فَكُلُوا مِنْهَا﴾ پس کھاؤ تم اس میں سے، «ثُمَّ قَالَ»، پھر آگے اللہ فرماتے ہیں بھائی: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا﴾ اور چاہیے کہ طواف کریں حج کرنے والے، «فَكَانَ وَقْتُهُمَا وَاحِدًا»، تو ان دونوں کا وقت ایک ہی ہو گا، یعنی قربانی کا اور طواف کا۔

■ مسئلہ: وَأَوَّلُ وَقْتِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يِ...

«وَأَوَّلُ وَقْتِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ»، اوّلِ وقت بھائی، بھائی یہ طوافِ زیارت کا وقت شروع کب سے ہوتا ہے؟ کب کر لیا جائے تو یہ جائز ہو جائے گا بھائی؟ تو کہتے ہیں: «وَأَوَّلُ وَقْتِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ»، اور طوافِ زیارت کا اوّلِ وقت جو ہے فجر طلوع ہونے کے بعد ہے قربانی والے دن، یعنی یہ دس ذی الحجہ کو جب فجر طلوع ہو جائے تو طوافِ زیارت کا وقت شروع ہو گیا۔

«لِأَنَّ مَا قَبْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ»، اس لیے کیونکہ اس سے ماقبل جو رات ہے، «وَقْتُ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ»، وہ عرفات میں وقوف کا وقت ہے۔ اس سے ماقبل بھائی، رات کہاں گزاری تھی؟ مزدلفہ میں۔ اور دن کہاں گزارا تھا؟ عرفات میں۔ اور عرفات کا وقت کب سے کب تک تھا؟ زوال کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک تھا۔ تو یہ تو وقوفِ عرفہ کا وقت تھا اور اس کے بعد کس کا وقت آئے گا؟ طوافِ زیارت کا وقت آئے گا، کیونکہ طوافِ زیارت کس پر مرتب ہوتا ہے؟ وقوفِ عرفہ پر۔ پہلے وقوفِ عرفہ ہے اور اس کے بعد طوافِ زیارت۔ اور وقوفِ عرفہ کا وقت تو ہے زوال کے بعد سے لے کر فجر تک، اور فجر کے بعد پھر کس کا وقت شروع ہو جائے گا؟ طوافِ زیارت کا وقت شروع ہو جائے گا دسویں ذی الحجہ کو۔ ترتیب سمجھ میں آ رہی ہے؟

یہ معنیٰ ہے: «لِأَنَّ مَا قَبْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَقْتُ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ»، اس لیے کیونکہ اس سے ماقبل جو رات ہے وہ تو وقوفِ عرفہ کا وقت ہے، «وَالطَّوَافُ مُرَتَّبٌ عَلَيْهِ»، اور یہ طواف جو ہے اس پر مرتب ہے، یعنی اس وقوفِ عرفہ پر مرتب ہے۔

■ مسئلہ: وَأَفْضَلُ هَذِهِ الْأَيَّامِ أَوَّلُهَا كَمَا فِي...

«وَأَفْضَلُ هَذِهِ الْأَيَّامِ أَوَّلُهَا كَمَا فِي التَّضْحِيَةِ»، اور افضل جو ہے ان ایام میں سے پہلا دن ہے، «كَمَا فِي التَّضْحِيَةِ»، جیسے کہ قربانی کے اندر ہے۔ بھائی قربانی تینوں دن کی جا سکتی ہے عید کے لیکن افضل کون سا دن ہے؟ پہلا دن کہ پہلے دن قربانی کی جائے بھائی۔ اسی طرح یہ طواف بھی تینوں دن کیا جا سکتا ہے لیکن افضل کیا ہے؟ پہلا دن ہے۔ یہ معنیٰ ہے: «وَأَفْضَلُ هَذِهِ الْأَيَّامِ أَوَّلُهَا»، اور افضل ان ایام میں سے پہلا دن ہے، «كَمَا فِي التَّضْحِيَةِ»، جیسے کہ قربانی میں ہے، «وَفِي الْحَدِيثِ أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا»، اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ ان ایام میں سے افضل جو ہے وہ پہلا دن ہے۔

«فَإِنْ كَانَ سَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ»، بھائی میں نے آپ سے ذکر کیا تھا کہ حج کے افعال میں سے ایک فعل سعی بھی ہے۔ جیسے سعی عمرے میں کی جاتی ہے صفا اور مروہ کے درمیان، اسی طرح حج میں بھی سعی کی جائے گی۔ اور حاجی یہ سعی پہلے بھی کر سکتا ہے۔ تو حج افراد والا ہے تو وہ طوافِ قدوم کے بعد بھی کیا کر سکتا ہے؟ سعی کر سکتا ہے۔ یا طوافِ قدوم کے بعد تو نہیں کرتا لیکن جتنے دن پھر مکہ میں رہا حج سے پہلے وہ کسی بھی طواف کے بعد کیا کر سکتا ہے؟ حج کی سعی کر سکتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کیا کر لے پھر؟ ایک طواف کر لے اور اس میں رمل اور اضطباع کر لے اور پھر اس کے بعد یہ حج والی سعی کر لے۔ جب اس دن اگر سعی اس نے کر لی ہے پہلے سے ہی تو پھر اب سعی کی ضرورت نہیں۔ اور اگر پہلے سعی نہیں کی تھی تو اس طوافِ زیارت کے بعد کیا کر لے گا؟ سعی کر لے گا۔ یہی ذکر کر رہے ہیں۔

«فَإِنْ كَانَ سَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَقِيبَ طَوَافِ الْقُدُومِ لَمْ يَرْمُلْ فِي هَذَا الطَّوَافِ»، اور اگر حاجی سعی کر چکا ہے صفا اور مروہ کے درمیان طوافِ قدوم کے بعد، «لَمْ يَرْمُلْ فِي هَذَا الطَّوَافِ»، تو پھر رمل نہیں کرے گا اس طواف میں یعنی طوافِ زیارت میں۔ اگر سعی پہلے کر چکا ہے تو اس طوافِ زیارت میں رمل نہیں کرے گا۔ کیوں؟ ہاں، کیونکہ رمل تو اس طواف میں کیا جاتا ہے جس کے بعد سعی ہو، اور سعی تو یہ پہلے کر چکا ہے لہٰذا اس طوافِ زیارت کے بعد سعی نہیں تو لہٰذا اس کے اندر رمل بھی نہیں۔ اور اگر پہلے سعی نہیں کی تو اب کیا کرنا پڑے گی؟ سعی کرنا پڑے گی، تو اس طوافِ زیارت کے بعد سعی آئے گی اور جس طواف کے بعد سعی آئے اس میں کیا کرنا پڑتا ہے؟ رمل اور اضطباع کرنا پڑتا ہے، لیکن اضطباع تو یہاں نہیں ہو گا کیونکہ احرام یہ اتار چکا ہے، کیا پہن چکا ہے؟ سلے ہوئے کپڑے پہن چکا ہے، البتہ رمل کرے گا۔ کیا کرے گا؟ رمل، کب؟ جب اس طواف کے بعد کیا کرنی ہو؟ سعی۔ اور اگر سعی نہیں کرنی تو رمل بھی نہیں کرنا۔

یہی ذکر کر رہے ہیں کہ اگر وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر چکا ہے طوافِ قدوم کے بعد، «لَمْ يَرْمُلْ فِي هَذَا الطَّوَافِ»، تو وہ رمل نہیں کرے گا اس طواف میں، «وَلَا سَعْيَ عَلَيْهِ»، اور اس پر سعی بھی واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ واجب تو وہ پہلے ہی ادا کر چکا ہے، مزید سعی اس پر نہیں ہے۔ «وَإِنْ كَانَ لَمْ يُقَدِّمِ السَّعْيَ»، اور اگر اس نے سعی کو مقدم نہیں کیا تھا، «رَمَلَ فِي هَذَا الطَّوَافِ وَسَعَى بَعْدَهُ»، تو رمل کرے گا اس طواف میں یعنی طوافِ زیارت میں، «وَسَعَى بَعْدَهُ»، اور اس کے بعد سعی کرے گا، «لِأَنَّ السَّعْيَ لَمْ يُشْرَعْ إِلَّا مَرَّةً»، اس لیے کیونکہ سعی مشروع نہیں ہے مگر ایک ہی مرتبہ، «وَالرَّمَلُ مَا شُرِعَ إِلَّا مَرَّةً فِي طَوَافٍ بَعْدَهُ سَعْيٌ»، اور رمل بھی مشروع نہیں ہے مگر ایک ہی مرتبہ ایسے طواف میں جس کے بعد سعی ہو۔

سبق نمبر ۱۴۲: مسئلہ: ثُمَّ يَأْتِي مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ مَكَّةَ أَوْ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

■ مسئلہ: وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ هَذَا الطَّوَافِ

«وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ هَذَا الطَّوَافِ»، اور حج کرنے والا دو رکعتیں پڑھے گا اس طواف کے بعد، «لِأَنَّ خَتْمَ كُلِّ طَوَافٍ بِرَكْعَتَيْنِ فَرْضًا كَانَ الطَّوَافُ أَوْ نَفْلًا لِمَا بَيَّنَّا»، اس لیے کیونکہ ہر طواف کا ختم جو ہے وہ دو رکعتوں پر ہو گا، «فَرْضًا كَانَ الطَّوَافُ أَوْنَفْلًا»، چاہے وہ فرض طواف ہو چاہے نفل ہو، «لِمَا بَيَّنَّا»، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔ وہ حدیث پہلے بیان ہوئی تھی کہ ہر طواف کرنے والا کیا کرے؟ دو رکعت پڑھے گا بھائی۔

تو دیکھیے چاہے طواف فرض ہو چاہے نفل ہو، اس کے بعد کیا کرے گا؟ دو رکعتیں پڑھیں گے۔ یہ طوافِ زیارت فرض ہے، اور ما قبل میں جو طواف کیے تھے وہ نفل تھے، چاہے طوافِ قدوم تھا وہ بھی سنت ہے، لیکن سنت بھی کیا ہے دراصل؟ نفل ہی ہے، البتہ اس پر حضور علیہ السلام نے عمل کیا ہے۔

«قَالَ: وَقَدْ حَلَّ لَهُ النِّسَاءُ»، اور تحقیق حاجی کے لیے حلال ہو گئیں عورتیں، «لَكِنْ بِالْحَلْقِ السَّابِقِ»، لیکن یہ عورتیں بیویاں کس کی وجہ سے حلال ہوئی ہیں؟ سابقہ حلق کی وجہ سے ہوئی ہیں، اس طواف کی وجہ سے حلال نہیں، «إِذْ هُوَ الْمُحَلِّلُ»، اس لیے کیونکہ وہ حلق ہی حلال کرنے والا ہے، «لَا بِالطَّوَافِ»، تو یہ طواف کی وجہ سے حلال نہیں ہوئیں، «إِلَّا أَنَّهُ أَخَّرَ عَمَلَهُ فِي حَقِّ النِّسَاءِ»، مگر یہ کہ وہ جو حلق تھا، «أَخَّرَ عَمَلَهُ»، اس نے اپنے عمل کو مؤخر کر دیا «فِي حَقِّ النِّسَاءِ» عورتوں کے حق میں۔ اس نے باقی چیزوں میں تو اپنا عمل ظاہر کیا، کپڑے بھی پہن سکتا ہے سلے ہوئے، خوشبو بھی لگا سکتا ہے، بال بھی کاٹ سکتا ہے، ناخن بھی کاٹ سکتا ہے، لیکن عورتوں کے حق میں اس نے اپنے عمل کو مؤخر کر دیا تھا طوافِ زیارت تک بھائی۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَهَذَا الطَّوَافُ هُوَ الْمَفْرُوضُ فِي ال...

«قَالَ: وَهَذَا الطَّوَافُ هُوَ الْمَفْرُوضُ فِي الْحَجِّ وَهُوَ رُكْنٌ فِيهِ»، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: یہ طواف جو ہے فرض ہے حج کے اندر، «وَهُوَ رُكْنٌ فِيهِ»، اور یہ حج کے اندر رکن ہے۔ تو یہ فرض ہے اور جب تک فرض ادا نہ کیا جائے حج بھی ادا نہیں ہو گا۔ «إِذْ هُوَ الْمَأْمُورُ بِهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى»، اس لیے کیونکہ یہ طواف ہی جو ہے اس کا حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾، اور چاہیے کہ طواف کریں حج کرنے والے بیتِ عتیق کا یعنی اس قدیم گھر کا۔ «وَيُسَمَّى طَوَافَ الْإِفَاضَةِ وَطَوَافَ يَوْمِ النَّحْرِ»، اور اس طواف کو طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں اور طوافِ یوم النحر بھی کہتے ہیں۔ تو اس کے تین نام ہو گئے: ایک طوافِ زیارت، طوافِ افاضہ، اور طوافِ یوم النحر بھائی۔

«وَيُكْرَهُ تَأْخِيرُهُ عَنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ»، اور مکروہ ہے یعنی مکروہِ تحریمی ہے مؤخر کرنا اس طواف کو ان ایام سے۔ کن ایام سے؟ یہ عید کے تین ایام سے مؤخر کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ «لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مُؤَقَّتٌ بِهَا»، بوجہ اس دلیل کے جس کو ہم نے بیان کر دیا کہ یہ طواف جو ہے موقت ہے ان دنوں کے ساتھ، اس کا وقت مقرر ہے ان دنوں میں، اس کا وقت مقرر ہے ان دنوں کے ساتھ۔ «وَإِنْ أَخَّرَهُ عَنْهَا لَزِمَهُ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اور اگر حاجی نے مؤخر کر دیا اس طواف کو ان دنوں سے، «لَزِمَهُ دَمٌ»، تو اس پر ایک دم لازم ہو گا یعنی ایک جانور کی قربانی لازم ہو گی امام صاحب کے نزدیک۔ «وَسَنُبَيِّنُهُ فِي بَابِ الْجِنَايَاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى»، اور عنقریب ہم اس کو بیان کریں گے جنایتوں کے باب میں اگر اللہ نے چاہا۔ جنایتیں بھائی حج کے اندر اگر کوئی غلطی ہو جائے، کوئی جرم ہو جائے، مثلاً ناخن کاٹ لیے یا بال کاٹ لیے پہلے ہی یا اسی طرح اور کوئی ایسا عمل کیا جو احرام میں ممنوع تھا تو پھر اس صورت میں کیا واجب ہو گا اور کس صورت میں کتنا واجب ہو گا، اس کی تفصیل جو ہے صاحبِ ہدایہ باب الجنایات میں ذکر کریں گے۔

«قَالَ: ثُمَّ يَعُودُ إِلَى مِنًى فَيُقِيمُ»، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «ثُمَّ يَعُودُ إِلَى مِنًى فَيُقِيمُ»، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجَعَ إِلَيْهَا كَمَا رَوَيْنَا»، پھر وہ حاجی لوٹ جائے منیٰ کی طرف، «فَيُقِيمُ»، تو وہاں مقیم رہے۔ منیٰ سے آیا تھا دسویں ذی الحجہ ہی کو اور طوافِ زیارت کر لیا تو واپس جا کر اب کہاں مقیم ہو جائے؟ منیٰ میں۔ «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجَعَ إِلَيْهَا»، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی منیٰ لوٹ آئے تھے، «كَمَا رَوَيْنَا»، جیسے ہم نے روایت بیان کی بھائی، اوپر حدیث آئی تھی پہلی سطر میں ہی: «ثُمَّ عَادَ إِلَى مِنًى» بھائی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّهُ بَقِيَ عَلَيْهِ الرَّمْيُ وَمَوْضِعُهُ...

«وَلِأَنَّهُ بَقِيَ عَلَيْهِ الرَّمْيُ وَمَوْضِعُهُ بِمِنًى»، دوسری عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں: اور نیز اس لیے کیونکہ اس حاجی پر ابھی رمی باقی ہے، ابھی تو صرف پہلے دن کی رمی کی ہے، گیارہ اور بارہ کی رمی باقی ہے، «وَمَوْضِعُهُ بِمِنًى»، اور رمی کی جگہ کہاں ہے؟ منیٰ میں، تو اس لیے وہیں پر مقیم رہے اور رمی کرے۔

«فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّانِي مِنْ أَيَّامِ النَّحْرِ»، پس جب سورج ڈھل جائے دوسرے دن ایامِ نحر میں سے، جی اب گیارہویں تاریخ کا ذکر آ گیا۔ دسویں ذی الحجہ کے افعال پورے ہو گئے۔ کون سی تاریخ آ گئی؟ گیارہویں ذی الحجہ آ گئی۔ اور آج تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، تینوں جمرات کی، اور ایک جمرۂ

صغریٰ ہے پہلے اس کی رمی ہوگی، پھر جمرۂ وسطیٰ کی، اور سب سے آخر میں جمرۂ کبریٰ کی۔ اور ترتیب میں نے آپ کو بتلائی تھی کہ منیٰ کے اندر ایک بہت بڑی مسجد ہے، مسجدِ خیف کہلاتی ہے بھائی، مسجدِ خیف۔ تو اس مسجدِ خیف سے مکہ کی طرف چلیں یعنی بیت اللہ کی طرف چلیں تو تین ستون آتے ہیں ترتیب سے۔ پہلا جو ستون ہے یہ ہے جمرۂ صغریٰ جو مسجد کے قریب ہے مسجدِ خیف کے، پھر اس سے چند قدم ہی آگے چلیں گے تو دوسرا ستون آئے گا یہ ہے جمرۂ وسطیٰ، اور پھر اس سے چند قدم مزید آگے چلیں گے تو جمرۂ کبریٰ آئے گا۔ معلوم ہوا سب سے جو قریب ہے مسجدِ خیف کے وہ کون سا ہے؟ صغریٰ ہے، اور جو سب سے بعید ہے مسجدِ خیف سے اور بیت اللہ کی طرف قریب ہے وہ کیا ہے؟ جمرۂ کبریٰ ہے۔ اور ترتیب کیا ہے؟ پہلے کس پر سات کنکریاں مارنی ہیں؟ صغریٰ پر، پھر وسطیٰ پر، اور پھر کبریٰ پر۔ اور نیز رمی کے بعد دعا بھی کرنی ہے، وقوف بھی کرنا ہے، اور کس رمی کے بعد؟ جس کے بعد رمی ہو، لہٰذا صغریٰ پر جب سات کنکریاں مار لیں پھر وقوف کرے گا یا نہیں کرے گا؟ شاباش، وقوف کرے گا۔ پھر اس کے بعد جب وہ آئے گا اور وسطیٰ پر سات کنکریاں مار لیں پھر کیا کرے گا؟ پھر ایک طرف کھڑا ہو کر قبلہ رخ ہو کر دعا کرے گا، ذکر کرے گا۔ پھر اس کے بعد کس پر آئے گا؟ جمرۂ کبریٰ پر، اس کے بعد پھر وقوف نہیں کرے گا بھائی، یہی اب بیان کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «**فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّانِي مِنْ أَيَّامِ النَّحْرِ**»، اور پھر جب سورج ڈھل جائے دوسرے دن ایامِ نحر میں سے، «**رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ**»، تو رمی کرے گا تینوں جمرات کی جب سورج ڈھل جائے۔ معلوم ہوا اس رمی کا وقت بھائی دوسرے اور تیسرے دن کب رمی کرنی ہے؟ سورج ڈھلنے کے بعد رمی کرنی ہے۔

■ مسئلہ: فَيَبْدَأُ بِالَّتِي تَلِي مَسْجِدَ الْخَيْفِ

«**فَيَبْدَأُ بِالَّتِي تَلِي مَسْجِدَ الْخَيْفِ**»، پس ابتدا کرے اس جمرے سے جو ملا ہوا ہے مسجدِ خیف کے ساتھ، جو اس کے قریب ہے، «**فَيَرْمِيهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ**»، پس رمی کرے اس کی سات کنکریوں کے ساتھ، «**يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ**»، تکبیر کہے ہر کنکری کے ساتھ، ہر کنکری پھینکتے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر کہے۔ «**وَيَقِفُ عِنْدَهَا**»، اور پھر کیا کرے اس جمرۂ صغریٰ کی رمی کے بعد اس کے پاس؟ وقوف کرے، «**ثُمَّ يَرْمِي الَّتِي تَلِيهَا**»، پھر اس جمرے کی رمی کرے جو اس جمرے کے ساتھ جو ملا ہوا ہے یعنی جو درمیان والا ہے، «**مِثْلَ ذَلِكَ**»، اسی کے مثل، «**وَيَقِفُ عِنْدَهَا**»، اور اس جمرۂ وسطیٰ کے پاس بھی کیا کرے گا؟ وقوف کرے گا، «**ثُمَّ يَرْمِي جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ كَذَلِكَ**»، پھر اس کے بعد رمی کرے گا جمرۂ عقبہ کی کذلک اسی طرح ہی، «**وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا**»، اور اس کے پاس وقوف نہیں کرے گا۔

«**هَكَذَا رَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِيمَا نَقَلَ مِنْ نُسُكِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُفَسَّرًا**»، اسی طرح روایت کیا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث میں جس میں وہ نقل فرماتے ہیں حضور علیہ السلام کے افعالِ حج، «**مُفَسَّرًا**»، اس حال میں کہ ان کی تفسیر کی گئی ہے، یعنی حضور علیہ السلام کے افعال کو بیان کرتے ہوئے اور ان کو ان کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح ذکر فرمایا ہے۔ تو یہ «**مُفَسَّرًا**» یہ حال ہے «**مَا نَقَلَ**» سے، ما نقل وہ جو انہوں نے نقل کیا ہے، «**مُفَسَّرًا**»، اس حال میں کہ اس کی تفسیر کی گئی ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو انہوں نے وضاحت تفسیر کرتے ہوئے اس میں اس طرح ذکر فرمایا۔ تو یہ حال ہے «**مَا نَقَلَ**» سے، تو وہ جو منقول جو انہوں نے نقل فرمایا ہے «**مُفَسَّرًا**» اس حال میں کہ اس کی تفسیر کی گئی ہے یعنی تفصیل بیان کی گئی ہے، وضاحت کی گئی ہے۔

«**وَيَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ فِي الْمَقَامِ الَّذِي يَقِفُ فِيهِ النَّاسُ**»، اور وقوف کرے دونوں جمروں میں کے پاس، بھائی وقوف کس جگہ پر کرنا ہے رمی کرنے کے بعد؟ وہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «**وَيَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ**»، اور وقوف کرے دونوں جمروں کے پاس، «**فِي الْمَقَامِ الَّذِي يَقِفُ فِيهِ النَّاسُ**»، اس مقام میں جس میں لوگ وقوف کرتے ہیں بھائی، اور لوگ بھی کیا ہیں سامنے ہی وقوف کر رہے ہوں گے، دعا کر رہے ہوں گے وغیرہ تو وہاں وقوف کرے، جمرے کے سامنے ہی پاس ہی بھائی۔

■ مسئلہ: وَيَحْمَدُ اللَّهَ وَيُثْنِي

«**وَيَحْمَدُ اللَّهَ وَيُثْنِي**»، اور اللہ کی حمد بیان کرے، وقوف میں کیا کیا کرنا ہے وہ بتلا رہے ہیں: «**وَيَحْمَدُ اللَّهَ**»، اور وہ حاجی اللہ کی حمد بیان کرے، «**وَيُثْنِي**»، اور اللہ کی ثنا کرے، «**وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ**»، اور لا الہ الا اللہ کہے اور تکبیر کہے یعنی اللہ اکبر کہے، «**وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، اور حضور علیہ السلام پر درود پڑھے، «**وَيَدْعُو لِحَاجَتِهِ**»، اور دعا کرے اپنی حاجت کے لیے یعنی اپنے لیے دعائیں کر لے بھائی، «**وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ**»، اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے بھائی، یعنی دونوں ہاتھ اٹھا کر کیا کر لے؟ دعا کر لے بھائی۔

«**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قولِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: «**لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ**»، کہ ہاتھ نہیں

اٹھائے جائیں گے مگر سات جگہوں میں، «وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا عِنْدَالْجَمْرَتَيْنِ»، اور ان کے مجموعے میں آپ نے ذکر فرمایا کون سا مقام؟ جمرتین کے پاس جو ہے، «وَالْمُرَادُ رَفْعُ الْأَيْدِي بِالدُّعَاءِ»، اور مراد جو ہے وہ دعا کے لیے ہاتھوں کا اٹھانا ہے، دعا کے ساتھ ہاتھوں کا اٹھانا ہے۔

«وَيَنْبَغِي أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِلْمُؤْمِنِينَ فِي دُعَائِهِ فِي هَذِهِ الْمَوَاقِفِ»، اور مناسب ہے حاجی کے لیے کہ وہ اور مومنوں کے لیے بھی مغفرت کی دعا کرے، «فِي دُعَائِهِ»، اپنی دعا میں، «فِي هَذِهِ الْمَوَاقِفِ»، ان وقوف کی جگہوں میں، «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ»، اس لیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اللَّهُمَّ اغْفِرْلِلْحَاجِّ»، اے اللہ حاجی کی مغفرت فرما، «وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ»، اور اے اللہ اس کی بھی مغفرت فرما جس کے لیے حاجی مغفرت طلب کرے، اے اللہ حاجی کی بھی مغفرت فرما اور جس کے لیے حاجی مغفرت مانگے اے اللہ اس کی بھی مغفرت فرما۔ لہٰذا حاجی کو چاہیے اپنے ساتھ ساتھ اور اپنے گھر والوں کے ساتھ اور مومنین کے لیے بھی کیا کرے مغفرت کی دعا کرے کیونکہ اس کی دعا کی قبولیت کے لیے حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ الْأَصْلُ

«ثُمَّ الْأَصْلُ»، اب وہ ضابطہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ کہاں وقوف کس جمرے کے بعد کرنا ہے اور کس جمرے کے بعد نہیں کرنا۔ میں نے پہلے بیان کر دیا تھا کہ جس رمی کے بعد پھر رمی ہے اس جمرے کے پاس کیا کرے گا؟ وقوف کرے گا، اور جس جمرے کی رمی کے بعد پھر رمی نہیں ہے وہاں وقوف نہیں کرے گا۔ یہی ذکر کر رہے ہیں:

«ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ رَمْيٍ بَعْدَهُ رَمْيٌ يَقِفُ بَعْدَهُ»، پھر ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہو، «يَقِفُ بَعْدَهُ»، تو وقوف کرے اس کے بعد، «لِأَنَّهُ فِي وَسَطِ الْعِبَادَةِ»، اس لیے کیونکہ یہ شخص جو ہے عبادت کے بیچ میں ہے۔ ایک رمی کر لی ہے آگے بھی ابھی پھر کیا کرنی ہے؟ رمی کرنی ہے تو یہ عبادت کے بیچ میں ہے لہٰذا کیا کرلے؟ دعا کرلے بھائی۔ اور پھر اگلی رمی کر لی اس کے بعد پھر رمی کرنی ہے تو عبادت کے بیچ میں ہی ہے ابھی تو کیا کرلے؟ دعا کرلے، اور پھر جب آخری رمی کرلے گا تو پھر اس کے بعد تو رمی نہیں لہٰذا عبادت پوری ہو گئی لہٰذا اب واپس چل پڑے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ فِي وَسَطِ الْعِبَادَةِ فَيَأْتِي بِالدُّعَاءِ فِيهِ»، اس لیے کیونکہ وہ عبادت کے بیچ میں ہے تو اس میں دعا کو لے آئے یعنی دعا کرلے، «وَكُلُّ رَمْيٍ لَيْسَ بَعْدَهُ رَمْيٌ لَا يَقِفُ»، اور ہر وہ رمی جس کے بعد رمی نہیں ہے «لَا يَقِفُ» تو وہاں وقوف نہ کرے، «لِأَنَّ الْعِبَادَةَ قَدِانْتَهَتْ»، اس لیے کیونکہ عبادت تحقیق پوری ہو گئی، «وَلِهَذَا لَا يَقِفُ بَعْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فِي يَوْمِ النَّحْرِأَيْضًا»، اور اسی وجہ سے وقوف نہیں کرے گا جمرۂ عقبہ کے بعد بھی یوم النحر میں۔ یوم النحر والے دن جب جمرۂ عقبہ کی رمی کرلے گا تو اس کے بعد بھی اسی وجہ سے وقوف نہیں کرے گا کیونکہ اس کے بعد رمی نہیں ہے۔

«قَالَ: وَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ»، گیارہ تاریخ کا عمل مکمل ہوا۔ گیارہ تاریخ، تینوں جمرات کی رمی کر لی۔ اب بارہ تاریخ آ گئی، بارہ تاریخ کو بھی کیا کرنا ہے؟ اسی طرح تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، پہلے جمرۂ صغریٰ کی، پھر جمرۂ وسطیٰ کی، اور پھر جمرۂ کبریٰ کی۔ تیرہ تاریخ کی رمی اختیاری ہے، نہیں کرنا چاہتا تو تیرہ تاریخ کی فجر صادق سے پہلے پہلے کہاں چلا جائے؟ مکہ مکرمہ چلا جائے، اور اگر تیرہ کی فجر طلوع ہو گئی اور حاجی ابھی منیٰ ہی میں مقیم تھا تو تیرہ کی رمی بھی اس پر واجب ہو گئی اور تیرہ تاریخ کو بھی پھر وہ تینوں جمرات کو اسی ترتیب سے سات سات کنکریاں مارے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

■ مسئلہ: قَالَ: وَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ

«قَالَ: وَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ»، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «وَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ»، اور جب اگلا روز آ جائے یعنی بارہ ذی الحجہ ہو جائے، «رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ كَذَلِكَ»، تو رمی کرلے تینوں جمرات کی بعد زوالِ شمس سورج کے ڈھل جانے کے بعد کذلک اسی طریقے پر۔ بھائی جمرۂ عقبہ کی جب رمی کی تھی دس تاریخ کو وہ زوال سے پہلے ہی کی تھی، اور کیونکہ مزدلفہ سے آیا تھا اور آتے ہی سیدھا حضور علیہ السلام نے رمی فرمائی تھی، رمی فرمائی تھی، تو اس کا وقت پہلے ہی سے شروع ہے اور جبکہ یہ گیارہ اور بارہ کو رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہو گا بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَتَعَجَّلَ النَّفْرَ نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ»، اور اگر حاجی کا ارادہ یہ ہے کہ جلدی روانہ ہو جائے، «نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ»، تو وہ مکہ روانہ ہو جائے۔ بارہ تاریخ کی رمی کر لی اب حاجی جلدی جانا چاہتا ہے تو کہاں چلا جائے؟ مکہ چلا جائے، مکہ وہ جا سکتا ہے۔ «وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ»، اور اگر اس کا ارادہ ہے کہ وہ یہاں مقیم رہے، «رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ»، تو پھر وہ رمی کرے گا تینوں جمرات کی چوتھے دن بھی یعنی کس تاریخ کو؟ تیرہ ذی الحجہ کو بھی، تو تینوں جمرات کی رمی کرے گا، «بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ»، زوالِ شمس کے بعد بھائی سورج ڈھلنے کے بعد، «لِقَوْلِهِ تَعَالَى»، بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے، اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى﴾، اللہ فرماتے ہیں: پس جس نے جلدی کی دو دن میں یعنی دو دن میں ہی واپس گیا، «فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ»، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، «وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ»، اور جس نے تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے یعنی جو بعد میں بھی دو دن کے بعد بھی ٹھہرا رہا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، «لِمَنِ

اتَّقَى»، اس شخص کے لیے جو ڈرنے والا ہے، جو تقویٰ اختیار کرنے والا ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو معلوم ہوا حاجی جلدی بھی جا سکتا ہے دو دن کے بعد بھی جا سکتا ہے اور چاہے تو اگلا دن بھی رہ سکتا ہے۔

«وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُقِيمَ»، اور افضل یہ ہے کہ مقیم رہے بھائی، تیرہ تاریخ کو بھی کہاں رہے؟ منیٰ میں ہی رہے۔ «لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَبَرَ حَتَّى رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ»، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر فرمایا یعنی آپ رکے، «حَتَّى رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ»، یہاں تک کہ آپ نے تینوں جمرات کی رمی فرمائی چوتھے دن بھی۔

■ مسئلہ: وَلَهُ أَنْ يَنْفِرَ مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ م...

«وَلَهُ أَنْ يَنْفِرَ مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ مِنَ الْيَوْمِ الرَّابِعِ»، میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا؟ یہ تیرہ تاریخ کی رمی کب واجب ہو گی؟ اگر تیرہ کی فجر طلوع ہو گئی۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: «وَلَهُ أَنْ يَنْفِرَ مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ مِنَ الْيَوْمِ الرَّابِعِ»، اور حاجی کے لیے روانہ ہونا، واپس جانا جائز ہے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے، «مِنَ الْيَوْمِ الرَّابِعِ»، چوتھے دن یعنی تیرہ ذی الحجہ کا۔ «فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ»، پس جب فجر طلوع ہو جائے، «لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَنْفِرَ»، تو اب اس کے لیے لوٹنا، اب اس کے لیے روانہ ہونا جائز نہیں، «لِدُخُولِ وَقْتِ الرَّمْيِ»، کیونکہ رمی کا وقت داخل ہو گیا۔

«وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اور اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک تیرہ تاریخ کی جب فجر طلوع ہو جائے گی تو اب تیرہ تاریخ کی رمی واجب ہو گئی۔ تو جبہ ہے؟ جب تیرہ تاریخ کی فجر طلوع ہو جائے گی تو تیرہ تاریخ کی رمی بھی حاجی پر واجب ہو گئی۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہیں، بارہ تاریخ کو جب سورج ڈوب گیا اور حاجی منیٰ ہی میں تھا تو رات شروع ہوتے ہی اس پر رمی واجب ہو گئی یعنی سورج غروب ہوتے ہی رمی اس پر واجب۔ تو وہ فرماتے ہیں بارہ کا جب سورج ڈوب جائے گا اور حاجی منیٰ میں ہے تو اس پر اگلے دن کی رمی واجب۔ ہم کہتے ہیں نہیں سورج ڈوبنے سے نہیں بلکہ ابھی سات آٹھ گھنٹے کا اور وقت ہے، جب فجر طلوع ہو گی تو پھر اس وقت کیا ہو جائے گی اس پر رمی واجب ہو جائے گی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ تو یہ معنیٰ ہے: «وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اس میں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا۔

«وَإِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِي هَذَا الْيَوْمِ يَعْنِي الْيَوْمَ الرَّابِعَ قَبْلَ الزَّوَالِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، اب آگے اختلاف ذکر ہو رہا ہے امام صاحب کا اور صاحبین کا۔ تیرہ تاریخ آچکی ہے اور یہ چوتھا دن ہے رمی کا، تو یہ رمی کب سے کب کر سکتے ہیں بھائی؟ کس وقت اس کا وقت شروع ہوتا ہے یعنی؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں یہ رمی صبح کے وقت بھی کر سکتا ہے یعنی زوال سے پہلے بھی کر سکتا ہے۔ گیارہ اور بارہ کو تو زوال سے پہلے درست نہیں تھا لیکن تیرہ تاریخ کو زوال سے پہلے بھی کر سکتا ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں: نہیں، جیسے گیارہ اور بارہ کو زوال کے بعد رمی کا وقت شروع ہوتا تھا تو یہاں پر بھی یہ رمی کب کرنا پڑے گی؟ زوال کے بعد کرنا پڑے گی یعنی تیرہ تاریخ کو بھائی تیرہ تاریخ کو۔ وہ فرماتے ہیں اس کو رخصت تھی یہ منیٰ سے کہاں چلا جاتا؟ مکہ چلا جاتا، لیکن اس نے تو رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا تو چوتھا دن بھی یہیں پر آگیا، تو جب چوتھے دن میں رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا تو اس دن کا بھی وہی حکم ہو جائے گا جو گزشتہ دنوں یعنی گیارہ اور بارہ کا تھا اور گیارہ اور بارہ کو تو زوال کے بعد رمی ہوتی تھی لہٰذا اس دن بھی زوال کے بعد ہی رمی ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: وَإِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِي هَذَا الْيَوْمِ يَعْنِ...

«وَإِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِي هَذَا الْيَوْمِ يَعْنِي الْيَوْمَ الرَّابِعَ»، اور اگر حاجی نے رمی کو مقدم کر دیا اس دن میں یعنی کہ چوتھے دن میں، «قَبْلَ الزَّوَالِ»، زوال سے پہلے ہی، رمی کو مقدم کر دیا زوال سے پہلے ہی، «بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ»، فجر کے طلوع ہو جانے کے بعد، «جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ»، تو یہ امام صاحب کے نزدیک جائز ہے۔ «هَذَا اسْتِحْسَانٌ»، اور یہ استحسان ہے۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ زوال سے پہلے جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن استحساناً امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ جائز ہے بھائی۔ دیکھیے آگے قیاس بھی آرہا ہے صاحبین کا: «وَقَالَا: لَا يَجُوزُ»، اور صاحبین فرماتے ہیں: زوال سے پہلے جائز نہیں ہے، «اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْأَيَّامِ»، قیاس کرتے ہوئے باقی ایام پر۔ باقی ایام میں زوال سے پہلے رمی جائز نہیں تھی تو تیرہ تاریخ کو بھی انہی پر قیاس کرتے ہوئے زوال سے پہلے رمی جائز نہیں ہو گی۔

«وَإِنَّمَا التَّفَاوُتُ فِي رُخْصَةِ النَّفْرِ»، اور فرق جو تھا وہ صرف روانگی کی رخصت میں تھا۔ گیارہ اور بارہ کی رمی واجب تھی اور تیرہ تاریخ کا فرق کیا تھا اس سے؟ کہ اس میں روانگی کی رخصت تھی، جانا چاہے تو جا سکتا ہے، صرف اس میں فرق تھا۔ یہ معنیٰ ہے: «وَإِنَّمَا التَّفَاوُتُ فِي رُخْصَةِ النَّفْرِ»، اور فرق جو تھا وہ صرف روانگی کی رخصت میں تھا، «فَإِذَا لَمْ يَتَرَخَّصْ»، پس جب اس نے رخصت نہیں لی، اس حاجی نے رخصت نہیں لی اس دن کی، «الْتَحَقَ بِهَا»، تو یہ دن بھی

مل گیا یہاں ان دنوں کے ساتھ، اور ان دنوں میں تو زوال کے بعد رمی تھی لہٰذا اس میں بھی زوال کے بعد ہو گی۔

«وَمَذْهَبُهُ مَرْوِيٌّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا»، اور امام صاحب کا جو مذہب ہے وہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے بھائی، کہ زوال سے پہلے بھی کر سکتا ہے تیرہ تاریخ کو۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّهُ

«وَلِأَنَّهُ»، جی یہ امام صاحب کی دلیل اب آگے آ رہی ہے۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا تھا کہ زوال سے پہلے یہ رمی جائز نہ ہو لیکن استحساناً یہ رمی زوال سے پہلے بھی جائز ہو گی تو آگے وہ دلیل آ رہی ہے امام صاحب کی بھائی۔ «وَلِأَنَّهُ لَمَّا ظَهَرَ أَثَرُ التَّخْفِيفِ فِي هَذَا الْيَوْمِ فِي حَقِّ التَّرْكِ»، عجیب دلیل ہے امام صاحب کی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس دن تو رمی کو بالکل چھوڑ دینے کی بھی رخصت ہے کہ انسان کیا کرے؟ پہلے ہی مکہ چلا جائے، تو جب اس رمی کو بالکل چھوڑ دینے کی رخصت ہے تو اس کے وقت کے اندر تو بطریقِ اولیٰ رخصت ہو گی کہ جب مرضی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

«وَلِأَنَّهُ لَمَّا ظَهَرَ أَثَرُ التَّخْفِيفِ فِي هَذَا الْيَوْمِ فِي حَقِّ التَّرْكِ»، اور اس لیے کیونکہ جب تخفیف کا اثر ظاہر ہوا، ہلکا ہو گیا نا، ہلکا حکم ہو گیا یا نہیں بھائی کہ وہ چھوڑ سکتا ہے، تو جب تخفیف کا اثر ظاہر ہوا فی ھذا الیوم اس دن میں فی حق الترک چھوڑنے کے حق میں، جب چھوڑنے کے حق میں تخفیف کا حکم ظاہر ہو گیا اس دن میں، «فَلِأَنْ يَظْهَرَ فِي جَوَازِهِ فِي الْأَوْقَاتِ كُلِّهَا أَوْلَى»، تو یہ کہ ظاہر ہو اس تخفیف کا اثر اس رمی کے جائز ہونے میں فی الاوقات کلھا تمام اوقات میں اولیٰ یہ بطریقِ اولیٰ ہو گا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟

«بِخِلَافِ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي»، بخلاف پہلے اور دوسرے دن کے، «حَيْثُ لَا يَجُوزُ الرَّمْيُ فِيهِمَا إِلَّا بَعْدَ الزَّوَالِ فِي الْمَشْهُورِ مِنَ الرِّوَايَةِ»، کیونکہ جائز نہیں ہے رمی کرنا ان دو دنوں میں یعنی پہلے اور دوسرے دن میں۔ کون سے پہلے اور دوسرے دن؟ ہاں، گیارہ اور بارہ مراد ہیں۔ تو اس لیے کیونکہ پہلا اور دوسرا دن یعنی گیارہ اور بارہ کو جب تینوں جمرات کی رمی کی تھی تو وہاں جائز نہیں تھا رمی کرنا ان دو دنوں میں الا بعد الزوال مگر زوال کے بعد ہی فی المشہور من الروایہ مشہور روایت کے مطابق، «لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ تَرْكُهُ فِيهِمَا»، اس لیے کیونکہ وہاں پر رمی کا چھوڑنا بھی ان دو دنوں میں جائز نہیں، جب چھوڑنا جائز نہیں تھا تو وہاں وقت کے اندر بھی کوئی تخفیف نہیں، اور یہاں چھوڑنے کے اندر تخفیف ظاہر ہو رہی ہے تو وقت کے اندر تخفیف بطریقِ اولیٰ ظاہر ہو گی۔

■ مسئلہ: فَبَقِيَ عَلَى الْأَصْلِ الْمَرْوِيِّ

«فَبَقِيَ عَلَى الْأَصْلِ الْمَرْوِيِّ»، تو وہ دونوں جو رمی ہیں ان دو دنوں کی وہ اپنی اصل روایت کی گئی پر وہ اپنی روایت کی گئی اصل پر ہی باقی رہیں گی ان دو دنوں کی رمی۔ اور ان میں کیا اصل روایت کی گئی ہے؟ کہ کب ہو؟ زوال کے بعد ہو بھائی، زوال کے بعد ہو۔ «فَبَقِيَ عَلَى الْأَصْلِ الْمَرْوِيِّ»، تو وہ رمی باقی رہے گی اپنی روایت کی ہوئی اصل پر یعنی زوال سے پہلے وہ جائز نہیں ہو گی بھائی۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۴۳: یوم النحر میں رمی جمرات کے اوقات اور احکام

ہدایہ صفحہ: ۲۷۴ — بتاریخ: ۱ مئی ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَأَمَّا يَوْمُ النَّحْرِ فَأَوَّلُ وَقْتِ الرَّمْيِ فِيهِ مِنْ وَقْتِ طُلُوعِ الْفَجْرِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَوَّلُهُ بَعْدَ نِصْفِ اللَّيْلِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَخَّصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا لَيْلًا، وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ إِلَّا مُصْبِحِينَ، وَيُرْوَى حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَيَثْبُتُ أَصْلُ الْوَقْتِ بِالْأَوَّلِ وَالْأَفْضَلِيَّةُ بِالثَّانِي. [1]

گزشتہ سبق میں رمی جمرات کا ذکر آیا تھا اور آپ نے پڑھا تھا کہ دس تاریخ کو صرف جمرۂ عقبہ جو ہے، یعنی جمرۂ کبریٰ جو ہے، اس کی رمی کرنی ہے، اور گیارہ تاریخ کو تینوں جمرات کی ترتیب سے رمی کرنی ہے، پہلے جمرۂ صغریٰ کی، پھر جمرۂ وسطیٰ کی اور اس کے بعد جمرۂ کبریٰ کی۔ بارہ تاریخ کو بھی تینوں جمرات کی رمی اسی ترتیب سے کرنی ہے۔ تیرہ تاریخ کی رمی اختیاری ہے، نہیں کرنا چاہتا تو پہلے ہی، فجر طلوع ہونے سے پہلے ہی حاجی مکہ چلا جائے، اور اگر فجر طلوع ہو گئی اور حاجی ابھی منیٰ ہی میں مقیم تھا تو اس تیرہ تاریخ کی رمی بھی اس پر واجب ہو گئی۔

آپ نے یہ بھی پڑھا کہ پہلی اور دوسری رمی جو ہے، اس کے بعد کھڑے ہو کر دعا کی جائے گی، لیکن تیسری رمی جس کے بعد پھر رمی نہیں ہے اسی وقت، اس کے بعد کھڑے ہو کر دعا وغیرہ اور ذکر نہیں کیا جائے گا بھائی۔

اور چوتھے دن کی رمی، یعنی تیرہ ذی الحجہ کی رمی میں یہ اختلاف بھی ذکر ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک وہ زوال سے پہلے بھی کر سکتا ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں، جیسے گیارہ اور بارہ تاریخ کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں، اسی طرح تیرہ تاریخ کی رمی بھی زوال سے پہلے جائز نہیں بھائی۔

اب یوم النحر کی جو رمی ہے، یعنی دس تاریخ کو، دسویں ذی الحجہ کو جو مزدلفہ سے آ کر صرف جمرۂ عقبہ کی جو رمی کی تھی، اس کا وقت بیان کر رہے ہیں بھائی، کہ اس کا وقت کب سے کب تک ہے۔

تو آپ کو یہ بتلائیں گے کہ جو جمرۂ عقبہ کی رمی ہے دسویں ذی الحجہ کو، اس کا اولِ وقت جو ہے، طلوعِ فجر ہے۔ جب دسویں تاریخ کی فجر طلوع ہو گئی تو جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت شروع ہو گیا، اور پھر اس کا وقت کب تک رہے گا؟ تو امام صاحب کے نزدیک اس کا وقت غروبِ آفتاب تک ہے، یعنی سارے دن میں جو ہے کسی بھی وقت کیا کر سکتا ہے؟ یہ رمی کر سکتا ہے۔

البتہ اس میں دن میں کرے گا تو بغیر کراہت کے جائز ہے، اور رات کے وقت اگر دن گزر گیا اور رات کو رمی کرتا ہے تو رات کو بھی رمی جائز ہے، البتہ کراہت کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ کراہت کے ساتھ بھائی۔

اور اگر دن بھی گزر گیا، رات بھی گزر گئی اور رمی نہیں کی، اگلے دن رمی کرنا پڑی تو پھر اگلے دن کرے گا اور اس صورت میں اس پر دم لازم آئے گا، کیونکہ اس نے حج کے ایک عمل کو اپنے وقت سے مؤخر کر دیا، اور امام صاحب کا ضابطہ یہ ہے کہ حج کا کوئی عمل اپنے وقت سے مؤخر کر دیا جائے تو اس صورت میں دم لازم آتا ہے بھائی۔

تو دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: **فَأَمَّا يَوْمُ النَّحْرِ**، اور باقی یوم النحر جو ہے، **فَأَوَّلُ وَقْتِ الرَّمْيِ فِيهِ مِنْ وَقْتِ طُلُوعِ الْفَجْرِ**، تو رمی کا اولِ وقت اس دن کے اندر جو ہے وہ طلوعِ فجر کے وقت سے ہے۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَوَّلُهُ بَعْدَ نِصْفِ اللَّيْلِ**، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ یوم النحر

[1] شاملہ (ص ۱۹۵) میں «لِلرِّعَاءِ» کے بجائے «للرماء» درج ہے۔

کی رمی جو ہے اس کا اولِ وقت جو ہے آدھی رات کے بعد ہے۔ جب عرفات سے واپس آئے تھے، جب آدھی رات گزر گئی تو اس کے بعد وہ فرماتے ہیں یہ جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت شروع ہو گیا۔

■ دلیل واستدلال: دلیل وہ پیش کرتے ہیں حدیث بھائی

دلیل وہ پیش کرتے ہیں حدیث بھائی۔ کہتے ہیں: **لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَخَّصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا لَيْلًا**، بہ وجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رخصت دی **لِلرِّعَاءِ**، رعاء جمع ہے راع کی بھائی، چرواہے کو کہتے ہیں چرواہا، کہ حضور علیہ السلام نے چرواہوں کو رخصت دی تھی کہ وہ رمی کر لیں رات کے وقت۔ حضور علیہ السلام نے چرواہوں کو رات کے وقت رمی کرنے کی رخصت دی تھی بھائی۔

چرواہے جو اونٹ وغیرہ یا اور جانور وہاں چراتے تھے، ان کو لے کر دور دور تک ان کو جانا پڑتا ہے جانور چرا رہے ہیں چراگاہ کی طرف، کوئی جگہ ایسی جہاں جانوروں کو چرا سکیں، تو ان کو حضور علیہ السلام نے کیا رخصت دی تھی کہ وہ رات کے وقت بھی رمی کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آدھی رات کے بعد ہی اس رمی کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ آگے جواب بھی آئے گا اس حدیث کا کہ ہمارے نزدیک اس سے گزشتہ دن کی رات نہیں، بلکہ آنے والی رات مراد ہے، یعنی اگر سارے دن میں رمی نہیں کر سکا تو پھر کب کر سکتا ہے؟ رات کو بھی، اگلی رات میں بھی کر سکتا ہے۔ تو یہ دلیل وہ ذکر کرتے ہیں۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل جو ہے، **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، وہ حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، آپ نے فرمایا: **لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ إِلَّا مُصْبِحِينَ**، کہ تم رمی نہ کرو جمرۂ عقبہ کی **إِلَّا مُصْبِحِينَ**، مگر یہ کہ تم صبح کرنے والے ہو، یعنی صبح کے وقت میں داخل ہونے والے ہو۔ یعنی صبح کے وقت کرو، اس سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرو۔

وَيُرْوَى، اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے، بعض احادیث میں یہ آیا ہے: **حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ**، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ تو بعض روایات تو اس طرح آئیں: **لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ إِلَّا مُصْبِحِينَ**، اور بعض روایتوں میں **إِلَّا مُصْبِحِينَ** کی جگہ آیا: **حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ**، کہ **لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ**، کہ تم لوگ جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرو یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے بھائی۔

تو یہ دو قسم کی روایتیں آئیں، اور احناف کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر روایت پر عمل ہو جائے۔ چنانچہ ہم یہ پہلی روایت کو محمول کرتے ہیں اولِ وقت پر اور ثانی روایت کو محمول کرتے ہیں افضلِ وقت پر۔ پہلی حدیث کیا تھی؟ کہ تم رمی نہ کرو یہاں تک کہ صبح ہو جائے، تو ہم کہتے ہیں یہ اولِ وقت کا بیان ہے، کہ معلوم ہوا جب صبح ہو جائے گی، فجر طلوع ہو جائے گی تو رمی کا وقت شروع ہو گیا۔ اور دوسری روایت میں آیا: تم رمی نہ کرو یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، ہم کہتے ہیں اس کے اندر افضلِ وقت کا بیان ہے، تو ہمارا عمل دونوں حدیثوں پر ہے۔ بلکہ جو امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث ذکر کی اس پر بھی ہمارا عمل ہے، ہمارے نزدیک اس سے اگلی آنے والی رات مراد ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَيُرْوَى حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ**، اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے: **حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ**، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ **فَيَثْبُتُ أَصْلُ الْوَقْتِ بِالْأَوَّلِ**، تو اصلِ وقت ثابت ہو گا پہلی روایت سے، یعنی فجر کے بعد سے ہی وقت ثابت ہو گا۔ **وَالْأَفْضَلِيَّةُ بِالثَّانِي**، اور افضل ہونا دوسری روایت سے ثابت ہو گا **حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ**، یعنی جب سورج طلوع ہو جائے تو پھر کرنا افضل ہے بھائی۔

وَتَأْوِيلُ مَا رَوَى اللَّيْلَةُ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ، اور تاویل اس حدیث کی جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا، وہ دوسری اور تیسری رات ہے، یعنی آگے آنے والی جو رات ہے۔ **وَلِأَنَّ لَيْلَةَ النَّحْرِ وَقْتُ الْوُقُوفِ**، اور نیز اس لیے کیونکہ نحر کی جو رات ہے وہ وقوف کا وقت ہے۔ لیلۃ النحر جو ہے، یعنی دسویں ذی الحجہ سے جو پچھلی رات ہے، بھئی امام شافعی رحمہ اللہ کی حدیث جو تھی کہ حضور علیہ السلام نے چرواہوں کو رات ہی کو رمی کرنے کی اجازت دی، اس کی تاویل کیا بیان کر دی؟ اگلی، جو آنے والی رات ہے اگلی اور اس سے اگلی رات وہ مراد ہے اس حدیث کے اندر، کہ دن کو رمی نہیں کر سکے تو پھر آنے والی رات میں وہ رمی کر لیں۔

اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو لیلۃ النحر کی رات ہے، جس میں امام شافعی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ آدھی رات سے ہی رمی کا وقت شروع ہو جاتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ رات تو مزدلفہ میں وقوف کی رات ہے۔ یہ رات تو مزدلفہ میں وقوف کی رات ہے، اس رات تو مزدلفہ میں قیام کیا جائے گا، فجر کے بعد کیا کیا جائے گا؟ وقوفِ مزدلفہ کیا جائے گا، اور اس کے بعد رمی کی جاتی ہے، اس پر رمی مرتب ہوتی ہے، تو لہٰذا اس سے پہلے تو کون سا وقت تھا؟ وقوف کا وقت تھا، تو اس کے بعد کس کا وقت شروع ہو گا؟ رمی کا وقت شروع ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّ لَيْلَةَ النَّحْرِ وَقْتُ الْوُقُوفِ**، اور اس لیے کیونکہ نحر کی جو رات ہے وہ تو وقوف کا وقت ہے، **وَالرَّمْيُ يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ**، اور رمی اس وقوف پر مرتب ہوتی ہے، **فَيَكُونُ وَقْتُهُ بَعْدَهُ ضَرُورَةً**، تو اس رمی کا وقت جو ہے اس وقوف کے بعد ہو گا ضرورۃً، یقینی طور پر بھائی، یقینی طور پر اس کا وقت اس وقوف کے بعد ہو گا کیونکہ یہ رمی اس پر مرتب ہو رہی ہے۔

ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَمْتَدُّ هَذَا الْوَقْتُ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، پھر امام صاحب کے نزدیک جو ہے، لمبا ہوتا ہے یہ وقت غروبِ شمس تک۔ بھائی اب اس وقت کا امتداد کب تک ہے؟ غروبِ شمس تک یہ رمی کر سکتا ہے جمرۂ عقبہ کی دسویں ذی الحجہ کو۔ دلیل ذکر کر رہے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ،** بہ وجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: **إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي هَذَا الْيَوْمِ الرَّمْيُ،** کہ ہماری پہلی عبادت اس دن کے اندر وہ رمی ہے۔ حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا؟ کہ اس دن میں ہماری پہلی عبادت رمی ہے، تو حضور علیہ السلام نے پورے دن کو رمی کا وقت قرار دیا۔ اس دن میں، اس دن میں، معلوم ہوا دن کو رمی کے لیے آپ نے وقت قرار دے دیا۔ دلیل سمجھ میں آ رہی ہے؟ کہ معلوم ہوا پورا دن اس رمی کا وقت ہے، اور دن کا اختتام کس پر ہوتا ہے؟ غروبِ شمس پر ہوتا ہے، سورج ڈوبنے پر ہوتا ہے، معلوم ہوا سورج ڈوبنے تک اس رمی کا وقت ہے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

بہ وجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: **إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي هَذَا الْيَوْمِ الرَّمْيُ،** کہ بے شک ہماری پہلی عبادت اس دن کے اندر وہ رمی ہے، **جَعَلَ الْيَوْمَ وَقْتًا لَهُ،** حضور علیہ السلام نے قرار دیا دن کو اس رمی کے لیے وقت، **وَذَهَابُهُ بِغُرُوبِ الشَّمْسِ،** اور دن کا جانا غروبِ شمس سے ہوتا ہے۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَمْتَدُّ إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رمی کا وقت زوالِ شمس تک ہے، سورج ڈھلنے تک ہے، اس سے پہلے پہلے رمی کرنا پڑے گی، اس کے بعد درست نہیں بھائی، **وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا،** اس کے بعد درست نہیں۔ تو کہتے ہیں: **وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ،** اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے، **أَنَّهُ يَمْتَدُّ إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ،** کہ اس رمی کا وقت ممتد ہوتا ہے، طویل ہوتا ہے زوال کے وقت تک، **وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا،** اور دلیل ان کے خلاف وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا، کہ جس میں آپ نے سارے دن کو اس رمی کا وقت قرار دیا ہے۔

وَإِنْ أَخَّرَ إِلَى اللَّيْلِ رَمَاهُ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، اور اگر اس حاجی نے مؤخر کر دیا رمی کو رات تک، **رَمَاهُ،** تو کیا کرلے؟ رمی کرلے، یعنی رات ہی کو رمی کرلے، **وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ،** اور اس پر کوئی چیز نہیں۔ یعنی اتنی تاخیر کی وجہ سے اس پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔ بھائی کیوں نہیں دم کیوں نہیں واجب ہوگا؟ کہتے ہیں: **لِحَدِيثِ الرِّعَاءِ،** وہ چرواہوں والی حدیث کی وجہ سے، کہ اس میں ان کو حضور علیہ السلام نے رخصت دی تھی، معلوم ہوا رات کو کرنا بھی جائز ہے بھائی۔

وَإِنْ أَخَّرَهُ إِلَى الْغَدِ رَمَاهُ، اور اگر حاجی نے مؤخر کر دیا اس رمی کو، کون سی رمی؟ دسویں ذی الحجہ کی رمی، اس کو مؤخر کر دیا **إِلَى الْغَدِ،** اگلے دن تک، اگلے دن تک ہی رمی نہیں کی، اگلا دن آ گیا، **رَمَاهُ،** تو بھی کیا کرلے؟ رمی کرلے، **لِأَنَّهُ وَقْتُ جِنْسِ الرَّمْيِ،** اس لیے کیونکہ یہ بھی جنسِ رمی کا وقت ہے بھائی۔ کون سی تاریخ آ گئی؟ گیارہ۔ گیارہ، بارہ، تیرہ، ان تین دنوں میں بھی کیا کی جاتی ہے؟ رمی کی جاتی ہے، تو یہ بھی جنسِ رمی ہی کا وقت ہے، لہٰذا اگرچہ گزشتہ دن گزر گیا لیکن ابھی بھی جنسِ رمی کا وقت ہے تو کیا کرلے؟ رمی کرلے۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّهُ وَقْتُ جِنْسِ الرَّمْيِ،** اس لیے کیونکہ یہ جنسِ رمی کا وقت ہے۔

وَعَلَيْهِ دَمٌ، اور اس پر دم واجب ہے بھائی۔ اگلے دن تک مؤخر کر دی ہے تو ایک جانور کی قربانی اسے کرنا پڑے گی بطورِ جرمانے کے بھائی، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ،** امام صاحب کے نزدیک، **لِتَأْخِيرِهِ عَنْ وَقْتِهِ،** بہ وجہ اس کو مؤخر کرنے کے اس کے وقت سے، **كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ،** جیسے کہ امام صاحب کا مذہب ہے۔ امام صاحب کا کیا مذہب ہے؟ کہ اگر حج کے کسی عمل کو اس کے وقت سے مؤخر کر دیا جائے تو اس صورت میں دم لازم آتا ہے، تو یہاں پر بھی دم لازم آئے گا۔

قَالَ: فَإِنْ رَمَاهَا رَاكِبًا أَجْزَأَهُ لِحُصُولِ فِعْلِ الرَّمْيِ، بھائی اگر کوئی شخص سواری پر سوار ہو کر رمی کر لیتا ہے تو کیا کر سکتا ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، سواری پر سوار ہو کر بھی رمی کر سکتا ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ وہ رمی جس کے بعد رمی ہو اسی وقت، اس رمی کو پیدل کرنا افضل ہے، اور جس رمی کے بعد رمی نہ ہو اس کو سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔ سمجھ میں آئی، ضابطہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ رَمَاهَا رَاكِبًا أَجْزَأَهُ،** اور اگر اس شخص نے رمی کی اس جمرے کی سوار ہو کر، **أَجْزَأَهُ،** تو یہ اس کے لیے کافی ہے، **لِحُصُولِ فِعْلِ الرَّمْيِ،** کیونکہ فعلِ رمی پایا گیا بھائی۔ رمی کی ہے یعنی کنکریاں ماری ہیں اور کنکریاں مارنے کا فعل پایا گیا۔

وَكُلُّ رَمْيٍ بَعْدَهُ رَمْيٌ فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَرْمِيَهُ مَاشِيًا وَإِلَّا فَيَرْمِيهِ رَاكِبًا، اور ہر وہ رمی جس کے بعد اسی وقت کیا ہو؟ رمی ہو، تو افضل یہ ہے کہ اس میں رمی کرے **مَاشِيًا،** پیادہ بھائی، یعنی پیدل کرے، **وَإِلَّا،** اور اگر ایسا نہ ہو، یعنی اس کے بعد رمی نہ ہو، **فَيَرْمِيهِ رَاكِبًا،** تو اس کو اس کی رمی کرے سوار ہو کر۔

بھائی وجہ کیا؟ کہ جس رمی کے بعد رمی ہو اس کو پیدل کرنا افضل کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جس رمی کے بعد رمی ہوتی ہے اس کے بعد دعا کی جاتی ہے۔ کیا کی جاتی ہے؟ دعا کی جاتی ہے، اور دعا کے اندر عاجزی ہونی چاہیے، لہٰذا یہاں پر رمی بھی کیا کرے؟ پیدل کرے، کیونکہ یہ عاجزی کے زیادہ قریب ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور جس رمی کے بعد دعا نہیں تو اس میں سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْأَوَّلَ بَعْدَهُ وُقُوفٌ وَدُعَاءٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَا،** اس لیے کیونکہ پہلی رمی جو ہے اس کے بعد وقوف بھی ہے اور دعا بھی ہے بہ وجہ اس حدیث کے جس کو ہم نے ذکر کر دیا، **فَيَرْمِي مَاشِيًا،** تو اس کی رمی کیسے کرے؟ پیدل کرے، **لِيَكُونَ أَقْرَبَ إِلَى التَّضَرُّعِ،** تاکہ یہ عاجزی کے زیادہ قریب ہو، **وَبَيَانُ الْأَفْضَلِ مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ،** صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ افضل ہونے کا جو ہم نے بیان کیا، کہ کہاں پر کس صورت میں رمی

افضل ہے، یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے۔

وَيُكْرَهُ أَنْ لَا يَبِيتَ بِمِنًى لَيَالِيَ الرَّمْيِ، اور حاجی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ منیٰ میں راتیں نہ گزارے، کون سی راتیں؟ **لَيَالِيَ الرَّمْيِ**، رمی والی راتیں۔ اور حاجی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ رمی والی راتیں منیٰ میں نہ گزارے بھائی، بلکہ رمی والی راتیں کہاں گزارنی چاہییں؟ منیٰ میں بھائی۔

لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَاتَ بِهَا، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے منیٰ میں رات گزاری، **وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ كَانَ يُؤَدِّبُ عَلَى تَرْكِ الْمُقَامِ بِهَا**، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تھے وہ تادیب فرماتے تھے **عَلَى تَرْكِ الْمُقَامِ بِهَا**، مقام یہ مصدر ہے بھائی، بمعنی اقامت کے، اقامت کے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہے وہ تادیب فرماتے تھے کس بات پر؟ **عَلَى تَرْكِ الْمُقَامِ بِهَا، أَيْ عَلَى تَرْكِ الْإِقَامَةِ بِهَا**، منیٰ میں اقامت کو ترک کرنے پر آپ تادیب فرماتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے اور آپ کی طبیعت بڑی جلالی، اور آپ ہر شخص کو موقع پر ہی تنبیہ فرماتے اور ادب سکھاتے اگر کسی سے ذرا سی بھی غلطی ہوتی بھائی۔ تو آپ کی ذات ہی ایک معلم کی سی تھی بھائی، خلیفہ بھی تھے اور معلم بھی تھے، تو چنانچہ آپ اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقع پر ہی اس شخص کو سختی سے ڈانٹ دیتے، بلکہ آپ کے ہمراہ آپ کا کوڑا ہر وقت ہوتا تھا، اگر کوئی زیادہ غلطی ہوتی تو آپ اسی وقت اس شخص کو درے بھی لگاتے بھائی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شخص وہ منیٰ کے اندر اقامت کو ترک کرتا تھا اس پر آپ تادیب فرماتے تھے، ڈانٹتے وغیرہ ہوں گے بھائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تو: **وَلَوْ بَاتَ فِي غَيْرِهَا مُتَعَمِّدًا لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ عِنْدَنَا**، اور اگر اس شخص نے رات گزاری **فِي غَيْرِهَا، أَيْ فِي غَيْرِ مِنًى**، منیٰ کے علاوہ کسی جگہ اس نے رات گزاری **مُتَعَمِّدًا**، جان بوجھ کر، **لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ عِنْدَنَا**، تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے ہمارے نزدیک، یعنی کوئی دم وغیرہ اس پر لازم نہیں ہے، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ**، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، ان کے نزدیک دم واجب ہے۔

لِأَنَّهُ، یہاں سے ہماری دلیل ذکر ہو رہی ہے کہ کوئی چیز کیوں نہیں واجب، اس پر دم کیوں نہیں واجب، تو دلیل ذکر کر رہے ہیں: کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ وَجَبَ لِيَسْهُلَ عَلَيْهِ الرَّمْيُ فِي أَيَّامِهِ**، ہم کہتے ہیں کیونکہ یہ جو منیٰ کے اندر قیام ہے، یہ ثابت ہے تاکہ اس کے لیے ان ایام میں رمی آسان ہو جائے۔ یرحمک اللہ۔ تاکہ اس پر رمی کیا ہو جائے ان دنوں میں؟ بھائی رمی اس نے کہاں کرنی ہے؟ منیٰ میں، تو اگر کہیں اور رات گزارے گا تو پھر وہاں سے رمی کے لیے آنا پڑے گا، تو زیادہ آسانی اس کے اندر ہے کہ وہ رات کہاں گزارے؟ منیٰ میں ہی گزارے بھائی، تو یہ افعالِ حج میں سے نہیں ہے، لہٰذا اس کے ترک کرنے پر کوئی دم وغیرہ بھی واجب نہیں ہو گا۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ وَجَبَ**، یاد رکھیے **وَجَبَ** یہاں بمعنی **ثَبَتَ** کے ہے، کیونکہ یہ رات منیٰ میں گزارنا واجب نہیں ہے، اگر واجب ہوتا پھر تو دم لازم آتا، تو یہاں **وَجَبَ** کس معنی میں ہے؟ **ثَبَتَ**، اور **وَجَبَ** بمعنی **ثَبَتَ** کے عام استعمال ہوتا رہتا ہے بھائی۔ اسی طرح **أَوْجَبَ** بمعنی **أَثْبَتَ** کے عام استعمال ہوتا ہے۔

لِأَنَّهُ وَجَبَ، اس لیے کیونکہ یہ قیام ثابت ہوا ہے، **لِيَسْهُلَ عَلَيْهِ الرَّمْيُ**، تاکہ آسان ہو جائے حاجی پر رمی، **فِي أَيَّامِهِ**، ان، اس رمی کے ایام میں، **فَلَمْ يَكُنْ مِنْ أَفْعَالِ الْحَجِّ**، تو یہ افعالِ حج میں سے نہیں ہے، **فَتَرْكُهُ لَا يُوجِبُ الْجَابِرَ**، پس اس اقامت کو ترک کر دینا لَا **يُوجِبُ**، یہ واجب نہیں کرتا، **الْجَابِرَ**، کوئی تلافی کرنے والی چیز۔ اس کے لیے کوئی جابر بھائی، یعنی کوئی جبیرہ، کوئی تلافی کرنے والی چیز اس سے واجب نہیں ہو گی۔ ورنہ اگر یہ واجب ہوتا تو پھر واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے اس کی تلافی کرنا پڑتی ہے، وہ جابر واجب ہوتا ہے، جابر یعنی تلافی کرنے والی چیز۔ تو یہاں چونکہ واجب نہیں ہے لہٰذا کوئی جابر یعنی تلافی کرنے والی چیز، یعنی دم وغیرہ بھی واجب نہیں ہو گا۔ یہ معنی ہے: **فَتَرْكُهُ لَا يُوجِبُ الْجَابِرَ**، تو اس کا ترک جو ہے کسی تلافی کرنے والی چیز کو واجب نہیں کرتا۔

قَالَ: وَيُكْرَهُ أَنْ يُقَدِّمَ الرَّجُلُ ثَقَلَهُ إِلَى مَكَّةَ وَيُقِيمَ حَتَّى يَرْمِيَ، بھائی کوئی شخص ایسا کرتا ہے کہ ان ایام میں رہتا تو منیٰ کے اندر ہی ہے لیکن اپنا سامان پہلے ہی مکہ بھجوا دیتا ہے، کہ میں ایک دو دن بعد آؤں گا تو میرا سامان وہاں رکھ لینا مکہ میں، تو کسی کے ہاتھ سامان پہلے ہی بھیج دیتا ہے تو کہتے ہیں یہ بھی مکروہ ہے بھائی۔ یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ اس کی وجہ سے اس کا دل مشغول رہے گا، اس کا دل فکر مند رہے گا اپنے سامان کے بارے میں، تو عبادت کی ادائیگی کی طرف اس کی پوری یکسوئی اور پوری توجہ نہیں ہو گی، اس لیے یہ مکروہ ہے۔ اور نیز اس لیے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہے وہ اس سے منع فرماتے تھے اور جو ایسا کرتا اس کی تادیب فرماتے تھے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَيُكْرَهُ أَنْ يُقَدِّمَ الرَّجُلُ ثَقَلَهُ إِلَى مَكَّةَ**، اور مکروہ ہے کہ آگے بھیج دے کوئی شخص اپنا ثقل، اپنا بوجھ یعنی اپنا سامان، **إِلَى مَكَّةَ**، مکہ کو، **وَيُقِيمَ**، اور مقیم رہے منیٰ میں، **حَتَّى يَرْمِيَ**، یہاں تک کہ رمی کر لے، یہ مکروہ ہے۔ **لِمَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ كَانَ يَمْنَعُ مِنْهُ وَيُؤَدِّبُ عَلَيْهِ**، بہ وجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہے وہ اس سے منع فرماتے تھے اور اس پر تادیب فرماتے تھے، **وَلِأَنَّهُ يُوجِبُ شُغْلَ قَلْبِهِ**، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ اس کے دل کی مشغولیت کو ثابت کرے گا، اس سے کیا ہو گا؟ اس کا دل مشغول رہے گا، فکر مند رہے گا۔

وَإِذَا نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ نَزَلَ بِالْمُحَصَّبِ وَهُوَ الْأَبْطَحُ، وَهُوَ اسْمُ مَوْضِعٍ قَدْ نَزَلَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ

نُزُولُهُ قَصْدًا هُوَ الْأَصَحُّ، بھائی حاجی نے جمرات کی رمی کرلی، تمام ایام گزر گئے بھائی۔ تو بارہویں تاریخ کو جب رمی کرلی اس کے بعد وہ مکہ روانہ ہوا، یا تیرہویں تاریخ کو جب اس نے رمی کرلی وہ مکہ روانہ ہوا۔ تو منیٰ سے جب مکہ کی طرف چلا تو مکہ کے قریب ایک جگہ ہے جس کو محصب کہتے ہیں۔ اسی کا دوسرا نام ابطح ہے، ابطح بھائی۔ سمجھ میں آئے یہ دونوں نام کتاب میں آرہے ہیں۔ تو یہ محصب اور ابطح یہ ایک جگہ کا نام ہے، تو یہاں پر اترے وہ بھائی۔ یہ جو مکہ کے قریب پہنچ گیا تو کس مقام پر اترے؟ ابطح اور محصب مقام پر، اور یہاں اترنا سنت ہے بھائی، سنت ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ**، اور جب حاجی جو ہے روانہ ہو جائے مکہ کو، **نَزَلَ بِالْمُحَصَّبِ**، تو اترے محصب میں، **وَهُوَ الْأَبْطَحُ**، اور یہی ابطح ہے، **وَهُوَ اسْمُ مَوْضِعٍ قَدْ نَزَلَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**، اور یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں پر نبی کریم ﷺ اترے تھے، **وَكَانَ نُزُولُهُ قَصْدًا**، اور حضور علیہ السلام کا اترنا قصداً تھا، آپ جان بوجھ کر یہاں پر اترے تھے بھائی۔ حضور علیہ السلام جان بوجھ کر یہاں پر اترے تھے اپنے ارادے کے ساتھ، **هُوَ الْأَصَحُّ**، یہی قول زیادہ صحیح ہے، **حَتَّى يَكُونَ النُّزُولُ بِهِ سُنَّةً**، یہاں تک کہ یہاں نازل ہونا سنت ہو گا۔ حضور علیہ السلام جان بوجھ کر اترے تھے تو معلوم ہوا یہاں اترنا سنت ہے بھائی۔

عَلَى مَا رُوِيَ، بہ وجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے، **أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِأَصْحَابِهِ**، بھائی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام جان بوجھ کر اترے تھے کیسے پتہ چلا بھائی؟ وہ دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا: **إِنَّا نَازِلُونَ غَدًا عِنْدَ خَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ**، حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ کل ہم اتریں گے عند خیف۔ خیف کہتے ہیں پہاڑ کے درمیان کا حصہ بھائی، جو پہاڑ سے نیچے ہو، البتہ پانی بہنے کی جگہ سے اونچا ہو بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ ایک تو بالکل گہری جگہ ہے نا جو پانی بہنے کی ہے، اس سے جو ذرا اوپر جگہ ہو ہے نیچے لیکن پانی بہنے کی جگہ سے اوپر ہو، اس کو خیف کہتے ہیں۔ اور یہ، یہ جو ابطح اور محصب ہے، اس کو خیفِ بنی کنانہ بھی کہتے کہ یہ کہیں یہ بنی کنانہ قبیلہ عرب کا، تو ان کے گھر کہیں اس کے قریب ہوں گے یا ویسے اس کا نام ہو گا اس، مشہور ہو گیا ہو گا۔ تو اس، حضور علیہ السلام نے فرمایا اپنے صحابہ سے کہ کل ہم جو ہے خیفِ بنی کنانہ میں اتریں گے، وہاں نازل ہوں گے، **حَيْثُ تَقَاسَمَ الْمُشْرِكُونَ فِيهِ عَلَى شِرْكِهِمْ**، کیونکہ قسمیں کھائی تھیں مشرکین نے اس میں اپنے شرک پر۔

حَيْثُ، یہ ساری ابھی حدیث چل رہی ہے بھائی: **حَيْثُ تَقَاسَمَ الْمُشْرِكُونَ فِيهِ عَلَى شِرْكِهِمْ**، یہاں تک حدیث ہے، کہ ہم کل خیفِ بنی کنانہ میں اتریں گے کیونکہ مشرکین نے وہاں باہم قسمیں کھائی تھیں **عَلَى شِرْكِهِمْ**، اپنے شرک پر بھائی۔ آگے صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں: **يُشِيرُ إِلَى جَهْدِهِمْ عَلَى هِجْرَانِ بَنِي هَاشِمٍ**، حضور علیہ السلام اشارہ فرمارہے تھے **إِلَى جَهْدِهِمْ**، ان مشرکین کی کوشش پر جو انہوں نے کوشش کی تھی، **عَلَى هِجْرَانِ بَنِي هَاشِمٍ**، بنی ہاشم کو چھوڑنے پر۔ ہجران کا کیا معنی؟ چھوڑ دینا بھائی۔ تو حضور علیہ السلام نے جو کہا: **حَيْثُ تَقَاسَمَ الْمُشْرِكُونَ فِيهِ عَلَى شِرْكِهِمْ**، اپنے اس قول کے ذریعے حضور علیہ السلام کس بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں؟ کہ مشرکین نے جو انتہا درجے کی کوشش کی تھی بنی ہاشم کو چھوڑنے کی۔

بھائی یہاں پر صاحب ہدایہ اشارہ فرمارہے ہیں اس واقعے کی طرف، کہ یہ وہ مقام ہے کہ جب حضور علیہ السلام دینِ حق لے کر آئے اور یہ دین پھیلتا ہی جارہا ہے، اور اس زمانے میں قومی غیرت ایک بڑی چیز تھی۔ کوئی قوم یہ برداشت نہیں کرتی تھی کہ ان کے کسی آدمی کو کوئی دوسری قوم والا ہاتھ لگائے بھائی، اور وہ کہتے کہ اگر کوئی شکایت ہے تو ہمیں آکر بتاؤ، ہم اپنے قوم والے کو منع کریں گے لیکن کسی اور کو یہ اجازت نہیں کہ ہماری قوم کے کسی آدمی کو ہاتھ لگائے بھائی۔ تو حضور علیہ السلام جب یہ دینِ حق لے کر آئے تو یہ دین اب پھیلتا جارہا ہے، مشرکین نے ہر تدبیر کرلی کہ کسی طرح اس کو روکا جائے، لیکن ہر کوشش ناکام ہوتی چلی گئی بھائی، اور ادھر وہ حضور علیہ السلام کو تکلیف تو پہنچاتے تھے انتہا درجے کی، لیکن ایک خاص حد سے آگے وہ نہیں بڑھتے تھے، ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے ان کو کچھ کہا، قتل وغیرہ کیا تو اس صورت میں بنو ہاشم والے ان کی قوم والے جو ہیں وہ ہمیں نہیں چھوڑیں گے، وہ ہمارے ساتھ جنگ کریں گے۔ تو اس وجہ سے وہ قتل وغیرہ نہیں کر سکتے تھے۔

آخر تنگ آکر انہوں نے میٹنگ کی بھائی، کہ کس طرح روکا جائے، منع کیا جائے، اور پھر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یوں کر لیتے ہیں، پورے بنی ہاشم والوں سے ہم مقاطعہ کر دیتے ہیں، ان سے بات چیت ختم، ان کے ساتھ سارے معاملات آج کے بعد ختم، نہ کوئی ان سے بات کرے گا، نہ کوئی چیز دے گا ان کو، نہ ان کے ساتھ کوئی بیع وشراء وغیرہ والا معاملہ کرے گا، آج سے ان کا مکمل بائیکاٹ ہے۔ چنانچہ انہوں نے معاہدہ باقاعدہ لکھا اور اس پر ساروں نے اپنے دستخط وغیرہ کیے، اور پھر اس معاہدے کو بیت اللہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔ ادھر بنو ہاشم والے جب ان کا بائیکاٹ ہوا تو وہ پھر جب دیکھا نہ ان کے ساتھ کوئی بات چیت کرتا ہے نہ کچھ، چنانچہ وہ جدا ہو کر وہ گھاٹی کے اندر الگ ہو گئے بھائی، سب لوگوں سے الگ ہو کر وہ گھاٹی کے اندر آگئے اور وہاں تین سال گزارے انہوں نے بھائی، اور بڑی مشکل اور تکلیف کے اندر یہ سال گزارے، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کھانے کے لیے کوئی چیز ہی نہ رہی ان کے پاس بھائی۔ وہ حتیٰ کہ پتے وغیرہ اور چمڑے کے ٹکڑے وغیرہ یہ چیزیں کھانے تک وہ مجبور ہو گئے بھائی بھوک کی وجہ سے، کیونکہ غلہ تو کوئی دیتا نہیں، کوئی ان کے ہاتھ بیچتا ہی نہیں کوئی چیز بھائی، تو اتنی تکلیف میں پڑ گئے۔

اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام پر وحی آئی اور آپ کو بتلایا گیا کہ ان لوگوں نے جو معاہدہ کیا تھا اور دستخط وغیرہ کیے تھے سب نے مل کر اس پر اور بیت اللہ میں لٹکایا تھا، اس معاہدے کو دیمک وغیرہ سارا کھا گئے ہیں، صرف اس میں سے جو اللہ کا نام جہاں جہاں آیا تھا وہ باقی بچا ہے، باقی سارا ختم ہو چکا ہے۔ تو

چنانچہ پھر وہ مشرکینِ مکہ کو اطلاع دی گئی کہ بھائی تم، تم، تم نے وہ جو معاہدہ کیا تھا وہ تو سارا ختم ہو چکا ہے، اس کا تو وجود ہی باقی نہیں رہا۔ انہوں نے کہا اگر ایسی بات ہے تو پھر ہم آپ کا بائیکاٹ ختم کر دیں گے جب وہ معاہدہ ہی ختم ہو گیا۔ وہ پھر آئے اور انہوں نے بیت اللہ کا دروازہ کھولا اور دیکھا تو واقعی وہ معاہدہ سارا جو ہے اس کو دیمک وغیرہ کھا چکی ہے، صرف وہ جگہ باقی ہے جہاں جہاں اللہ کا نام تھا بھائی۔ تو پھر انہوں نے اپنے الفاظ پر جیسے انہوں نے بات کی تھی کہ ہم پھر بائیکاٹ ختم کر دیں گے، اس پر عمل کیا اور بائیکاٹ ختم کر دیا اور اس طرح یہ تکلیف کا زمانہ ختم ہوا بھائی۔

تو یہ وہ مقام ہے محصب جہاں انہوں نے وہ میٹنگ کی تھی کہ بائیکاٹ کریں گے بھائی۔ تو حضور علیہ السلام جان بوجھ کر یہاں پر اترے تاکہ ان لوگوں کو بتا دیں کہ یہ اللہ کی قدرتیں ہیں کہ جس مقام پر تم ہمیں مٹانے کی سازشیں کر رہے تھے، آج ہم وہاں فاتحانہ طور پر اترتے ہیں بلا خوف و خطر، ہمیں کسی کا خوف نہیں ہوتا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: **يُشِيرُ إِلَى جَهْدِهِمْ عَلَى هِجْرَانِ بَنِي هَاشِمٍ،** حضور علیہ السلام اشارہ فرما رہے تھے ان مشرکین کی جو وہ جو کوشش تھی بنی ہاشم کو چھوڑنے پر اس کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔

فَعَرَفْنَا، پس ہم نے جان لیا، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ پس ہم نے جان لیا، **أَنَّهُ نَزَلَ بِهِ،** کہ حضور علیہ السلام نازل ہوئے تھے اس مقام پر، **إِرَاءَةً لِلْمُشْرِكِينَ،** مشرکین کو دکھانے کے لیے، **لَطِيفَ صُنْعِ اللَّهِ تَعَالَى بِهِ،** اللہ کی لطیف کاریگری جو تھی بہ ان کے ساتھ، یعنی حضور علیہ السلام کے ساتھ جو اللہ نے جو لطیف معاملہ فرمایا تھا وہ ان کو دکھانے کے لیے، **فَصَارَ سُنَّةً،** تو یہ کیا ہوا؟ معلوم ہوا یہاں اترنا سنت ہو گیا، **كَالرَّمَلِ فِي الطَّوَافِ،** جیسے کہ رمل ہے طواف کے اندر، جیسے کہ رمل ہے طواف کے اندر۔

بھائی دیکھیے، حضور علیہ السلام یہاں نازل ہوئے تھے مشرکین کو دکھانے کے لیے، مشرکین کو دکھانے کے لیے اور بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی لطیف کاریگری جو ان کے ساتھ پیش آئی تھی بھائی، وہ دکھانے کے لیے حضور علیہ السلام یہاں نازل ہوئے تھے، اور بعد میں اگرچہ وہ سبب نہ رہا لیکن حکم اسی طرح باقی رہا۔ بعد میں اگرچہ مشرکین نہ رہے لیکن حکم پھر بھی وہی کہ وہاں پر نازل ہونا سنت ہے، چنانچہ خلفائے راشدین بھی یہیں اترتے تھے بھائی۔ اور یہ اسی طرح ہے کہتے ہیں جیسے رمل ہے طواف کے اندر۔ رمل کیوں کیا گیا تھا طواف میں؟ مشرکین کو اپنی قوت دکھانے کے لیے، کیونکہ وہ کہہ رہے تھے کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں۔ بعد میں اگرچہ وہ سبب نہ رہا لیکن حکم اسی طرح باقی رہا اور طواف میں رمل اس کے بعد بھی مسنون ہی رہا۔ بعد میں بھی حضور علیہ السلام جب تشریف لائے تو آپ نے رمل فرمایا اگرچہ سبب ختم ہو چکا تھا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: **فَعَرَفْنَا أَنَّهُ نَزَلَ بِهِ إِرَاءَةً لِلْمُشْرِكِينَ لَطِيفَ صُنْعِ اللَّهِ تَعَالَى بِهِ فَصَارَ سُنَّةً كَالرَّمَلِ فِي الطَّوَافِ۔**

بھائی صاحبِ ہدایہ نے تو بتلایا کہ حضور علیہ السلام محصب میں کیوں اترے تھے؟ مشرکین کو دکھانے کے لیے، کیونکہ یہاں پر انہوں نے بنو ہاشم کے بائیکاٹ کی میٹنگ کی تھی بھائی اسی مقام پر۔ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ محصب وہ مقام ہے جہاں پر مشرکینِ عرب نے آخری میٹنگ کی تھی اسلام کو مٹانے کی بھائی، اور جس کے اندر شیطان خود بھی انسانی شکل میں شریک ہو گیا تھا۔ دینِ حق ہر طرف پھیلتا ہی جا رہا تھا اور کوئی صورت اس کے روکنے کی ان کو دکھائی نہ دیتی تھی، انہوں نے اپنا پورا زور لگا لیا لیکن یہ دین تھا کہ پھیلتا ہی چلا جا رہا تھا۔ چنانچہ اس مقام پر انہوں نے تمام جو قبیلے تھے بڑے بڑے ان کے سردار سارے اکٹھے ہوئے اور اس مقام پر انہوں نے میٹنگ کی جس میں شیطان یعنی ابلیس خود بھی انسانی شکل میں شریک ہوا، اور پھر اس میٹنگ کے اندر یہ طے کیا گیا کہ بھائی اگر کوئی ایک قوم والا حضور علیہ السلام کو قتل کرے گا تو بنو ہاشم والے تو سارے اس سے جنگ کریں گے، لہٰذا یوں کرو، ہر قوم سے ایک ایک آدمی لے لو اور سارے مل کر ان کو قتل کریں، اس طرح خون ان کا ساری قوموں پر آئے گا اور بنو ہاشم والے ایک یا دو قوموں سے تو لڑ سکتے ہیں، سارے عرب کی قوموں کے ساتھ تو وہ نہیں لڑ سکتے۔

چنانچہ ہر قوم سے ایک ایک آدمی کا انتخاب کیا گیا، اور پھر یہ تلواریں لیے ہوئے قتل کے ارادے سے آئے اور اس مکان کو گھیرے میں لے لیا جس کے اندر سرورِ کونین ﷺ آرام فرما تھے، تو رات کے وقت انہوں نے اس مکان کو گھیرے میں لے لیا۔ حضور علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتلا دیا گیا کہ آپ کے اس مکان کے ارد گرد وہ مشرکین آ گئے ہیں آپ کے قتل کے ارادے سے۔ چنانچہ آپ نے اپنی جگہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑا اور آپ اس مکان سے نکلے بھائی۔ مشرکین کے آدمی مکان کے چاروں طرف تلواریں لیے ہوئے کھڑے ہیں بھائی، اور اللہ نے ان پر اونگھ طاری فرما دی، نیند کچھ طاری فرما دی، حضور علیہ السلام نکلے ان کو پتہ ہی نہیں چلا۔ آپ نے مٹی اٹھائی اور ساروں کے سروں پر تھوڑی تھوڑی مٹی بھی ڈال دی، اور پھر آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے اور غارِ ثور کے اندر تین دن پھر آپ نے قیام فرمایا بھائی۔

تو محصب یہ وہ مقام ہے جہاں مشرکینِ مکہ نے اسلام کو مٹانے کی آخری اور حتمی میٹنگ کی تھی، جس میں میں نے بتلایا شیطان خود بھی انسانی شکل میں شریک ہوا تھا، تو حضور علیہ السلام جان بوجھ کر اس مقام پر اترے تھے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے جلوے اور اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کی نیرنگیاں دکھلانے کے لیے، کہ اے مشرکینِ مکہ! یہ وہ مقام ہے جہاں پر تم ہمیں مٹانے کی آخری میٹنگ کر رہے تھے، لیکن آج ہم بلا خوف و خطر اس مقام پر نازل ہوتے ہیں، آتے ہیں اور ہمیں کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہوتا

سبق نمبر ۱۴۳: یوم النحر میں رمی جمرات کے اوقات اور احکام
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو محصب وہ مقام ہے بھائی۔

قَالَ: ثُمَّ دَخَلَ مَكَّةَ وَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ لَا يَرْمُلُ فِيهَا، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **ثُمَّ دَخَلَ مَكَّةَ،** پھر حاجی جو ہے وہ مکہ میں داخل ہو جائے۔ جی یہ کون سا دن آگیا، یہ کون سا طواف آگے ذکر ہو رہا ہے؟ طوافِ زیارت گزر چکا بھائی گزر چکا، تیرہ تاریخ کی رمی بھی کر لی ہے۔ ہاں یہ طوافِ وداع آگیا، واپس جانے لگا ہے، واپس جانے لگا ہے تو ویسے ہی نہ جائے بلکہ کیا کرے؟ بیت اللہ کا ایک طواف کر کے حاجی جائے، تو کہتے ہیں: **ثُمَّ دَخَلَ مَكَّةَ،** پھر حاجی جو ہے وہ مکہ میں داخل ہو جائے، **وَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ،** اور طواف کرلے بیت اللہ کا سات چکر، **لَا يَرْمُلُ فِيهَا،** رمل نہیں کرے گا اس طواف میں۔ بھائی کیوں نہیں کرے گا؟ شاباش، کیونکہ اس کے بعد سعی نہیں ہے۔

وَهَذَا طَوَافُ الصَّدَرِ، اور یہ طوافِ صدر ہے۔ میں نے کیا نام بتلایا تھا؟ طوافِ وداع، تو طوافِ وداع بھی اس کو کہتے ہیں اور طوافِ صدر بھی کہتے ہیں، اور بھی نام ہیں، دیکھیے آگے سب ذکر ہو رہے ہیں۔ **وَهَذَا طَوَافُ الصَّدَرِ،** اور یہ طوافِ صدر ہے، **وَيُسَمَّى طَوَافَ الْوَدَاعِ،** اور اس کو طوافِ وداع بھی کہتے ہیں، **وَطَوَافَ آخِرِ عَهْدٍ بِالْبَيْتِ،** عہد کا معنی ہے زمانہ، زمانہ، **وَطَوَافَ آخِرِ عَهْدٍ بِالْبَيْتِ،** بیت اللہ کے ساتھ آخری زمانے کا طواف، بیت اللہ کے ساتھ آخری زمانے کا طواف۔ تو بھائی یہ طوافِ وداع جو ہے، اس کو طوافِ صدر بھی کہتے ہیں، صدر کا معنی ہے لوٹنا، واپس ہونا، تو چونکہ یہ واپسی کے وقت کیا جاتا ہے اس لیے اس کو طوافِ صدر کہتے ہیں۔ اسی طرح اس کو طوافِ وداع بھی کہتے ہیں، وداع کا معنی رخصت ہونا بھائی، تو یہ رخصتی کا طواف ہے۔ تو چونکہ یہ اب حاجی جا رہا ہے واپس اپنے وطن کو تو اور آیا کس لیے تھا؟ بیت اللہ کے لیے، لہٰذا آخری عمل بھی کیا ہونا چاہیے؟ بیت اللہ ہی کے گرد طواف ہونا چاہیے، تو یہ الوداعی طواف ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ طوافِ وداع کہتے ہیں۔

وَيُسَمَّى طَوَافَ الْوَدَاعِ، اور اس کو طوافِ وداع کہتے ہیں، اور نیز اس کو **طَوَافَ آخِرِ عَهْدٍ بِالْبَيْتِ** بھی کہتے ہیں بھائی، اور عہد کا کیا معنی میں نے بتلایا؟ زمانہ، تو یہ بیت اللہ کے ساتھ آخری زمانے کا طواف ہے یعنی رخصتی کے وقت کا طواف ہے بھائی۔ بیت اللہ کے پاس جو آخری زمانہ، آخری وقت تھا اس کا طواف بھائی۔ **لِأَنَّهُ يُوَدِّعُ الْبَيْتَ وَيَصْدُرُ بِهِ،** اس لیے کیونکہ یہ شخص جو ہے اب بیت اللہ سے رخصت ہو رہا ہے، **وَيَصْدُرُ بِهِ،** اور اس سے واپس لوٹ رہا ہے بھائی۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ اس لیے اس کو طوافِ صدر بھی کہتے ہیں، طوافِ وداع بھی کہتے ہیں اور طوافِ آخرِ عہد بھی کہتے ہیں بھائی۔

وَهُوَ وَاجِبٌ عِنْدَنَا، اور یہ طواف جو ہے ہمارے نزدیک واجب ہے، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ،** بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ،** بہ وجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے، آپ نے فرمایا: **مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ الطَّوَافَ،** کہ جو شخص حج کرے اس بیت اللہ کا تو اس کا آخری زمانہ اس، تو اس کا آخری وقت جو ہے اس بیت کے ساتھ وہ کیا ہونا چاہیے؟ طواف ہونا چاہیے، یعنی آخری عمل اس کا یہاں طواف ہونا چاہیے۔

وَرَخَّصَ النِّسَاءَ الْحُيَّضَ، اور حضور علیہ السلام نے رخصت دی حیض والی عورتوں کو، حیض والی عورتوں کو رخصت۔ بھائی یہ طواف ہمارے نزدیک واجب ہے، واجب ہے، اور عورتوں کو حضور علیہ السلام نے جو حیض والی عورتیں ہیں ان کو رخصت دے دی، یعنی اگر عورتوں کو ان ایام میں حیض شروع ہو گیا اب وہ طواف تو نہیں کر سکتیں تو کیا اب ان کو ٹھہرنا پڑے گا، ضروری ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے ان کو رخصت دے دی کہ نہیں، کہ وہ جا سکتی ہیں بغیر اس طواف کے بھی بھائی۔ لیکن عام حاجی پر یہ طواف کیا ہے؟ واجب ہے، اگر وہ بغیر اس طواف کے جائے گا اس پر دم واجب ہو گا، دم۔

اور میں نے آپ کو شروع میں بتلا دیا تھا کہ کہ طوافِ زیارت کے بعد کوئی طواف بھی کر لیا جائے وہ خود بخود کیا بن جائے گا؟ طوافِ وداع بن جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ مثلاً حج کرنے کے بعد حاجی کئی دن مکہ میں رہا، مثلاً اس نے منگل والے دن جانا ہے، ان دنوں میں وہ طواف کرتا رہا اور اس کا ارادہ یہ ہے منگل والے دن جب یہاں سے نکلنے لگیں گے تو میں آخری طواف کر لوں گا، آخری طواف، لیکن وہ دن جب آیا تو موقع ہی نہیں مل سکا، تیاری میں لگ گیا، تو اب یہ نہ پریشان ہو کہ میں تو آخری طواف کر ہی نہیں سکا، نہیں بھائی، جو پہلے طواف کر چکا ہے، یعنی طوافِ زیارت کے بعد جو بھی کوئی آخری طواف اس نے کیا ہے وہ خود بخود کیا بن جائے گا؟ طوافِ وداع بن جائے گا۔

تو معنی یہ ہے اس کا، معنی یہ ہے کہ انسان حج کے لیے آیا ہے، آخری طواف طوافِ زیارت اس نے کر لیا، رمی وغیرہ کر لی، تو اب حج کرتے ہی فوراً سیدھا گھر نہ جائے، بلکہ رخصتی سے پہلے کیا کر لے؟ پھر ایک طواف کر لے بھائی، پھر ایک طواف کر لے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو طوافِ وداع جو ہے وہ اس کو عورت حیض کی وجہ سے چھوڑ سکتی ہے بھائی، لیکن طوافِ زیارت آپ نے پڑھ لیا کہ وہ فرض ہے، حج کا رکن ہے، وہ حیض کی وجہ سے یا کسی بھی وجہ سے چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں حیض کی وجہ سے عورت اس کو مؤخر کر سکتی ہے، عام آدمی تو اگر عید کے تین دنوں میں نہ کر سکا تو بعد میں کرے گا اور اس پر دم لازم ہو گا، لیکن عورت اگر حیض کی وجہ سے اسے وہ ان تین دنوں میں نہ کر سکی تو وہ بھی بعد میں کرے گی اور اس پر دم بھی واجب نہیں ہو گا بھائی۔ کس کے اندر؟ یہ طوافِ زیارت، تو طوافِ زیارت کو چھوڑنے کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ فرض ہے اور تو کسی بھی وجہ سے اس کو نہیں چھوڑا جا سکتا، البتہ طوافِ وداع کو اس عذر وغیرہ کی وجہ سے، مثلاً جیسے عورت کو حیض آیا تو وہ اس کو چھوڑ بھی سکتی ہے بھائی۔

إِلَّا عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ، مگر مکہ والوں پر۔ بھائی یہ استثناء ہے ماقبل متن سے، متن کو جوڑیں: **وَهُوَ وَاجِبٌ عِنْدَنَا إِلَّا عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ،** اور یہ طواف واجب ہے ہمارے نزدیک سوائے اہلِ مکہ کے کہ ان پر واجب نہیں۔ وجہ اس کی یہ، کیونکہ یہ طوافِ صدر ہے، یہ شخص کیا ہے یہاں سے جانے لگا ہے، روانہ ہو رہا ہے، اور

1269

اسی طرح یہ طوافِ وداع ہے، یہ شخص یہاں سے رخصت ہو رہا ہے، تو مکہ والے نے تو روانہ نہیں ہونا، اس نے تو رخصت نہیں ہونا یہاں سے، وہ تو وہیں پر رہے گا، تو لہٰذا اس کے ذمے یہ طواف بھی واجب نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے: **إِلَّا عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ**، سوائے اہل مکہ پر، **لِأَنَّهُمْ لَا يَصْدُرُونَ**، اس لیے کیونکہ وہ تو روانہ نہیں ہوتے، **وَلَا يُوَدِّعُونَ**، اور وہ تو الوداع نہیں کہتے، وہ تو رخصت نہیں ہوتے۔

وَلَا رَمَلَ فِيهِ، اور اس طواف میں رمل نہیں ہے بھائی، **لِمَا بَيَّنَّا**، اس دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم نے بیان کر دی، **أَنَّهُ شُرِعَ مَرَّةً وَاحِدَةً**، کہ رمل تو ایک ہی مرتبہ مشروع ہے، یعنی اس طواف میں جس کے بعد سعی ہو بھائی، کیونکہ رمل تو ایک ہی دفعہ مشروع ہے۔ بھائی حجِ افراد کا طریقہ بیان ہو رہا ہے نا، اور حجِ افراد کے اندر صرف حج ہے یا حج اور عمرہ دونوں ہیں؟ صرف حج۔ جب صرف حج ہے تو صرف حج کی سعی کرنی ہے، تو اس سے پہلے والا جو طواف ہو گا صرف اسی کے اندر کیا کیا جائے گا؟ رمل، تو معلوم ہوا حجِ افراد میں رمل کتنی دفعہ ہے؟ ایک ہی دفعہ ہے۔ یہ معنی ہے: **أَنَّهُ شُرِعَ مَرَّةً وَاحِدَةً**، کیونکہ رمل ایک ہی مرتبہ مشروع ہے۔

وَيُصَلِّي رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ بَعْدَهُ لِمَا قَدَّمْنَا، اور وہ روانہ ہونے والا وہ طواف کی دو رکعتیں بھی پڑھے گا اس طواف کے بعد، **لِمَا قَدَّمْنَا**، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے پہلے ذکر کر دی بھائی، جو ہم نے مقدم ذکر کر دی۔

وَيَأْتِي زَمْزَمَ وَيَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا، بھائی بیت اللہ سے روانہ ہو رہا ہے وہ شخص، اپنے وطن جا رہا ہے، طوافِ وداع کر لیا، طواف کی دو رکعتیں بھی پڑھ لیں، تو پھر اس کے بعد زمزم پر آئے بھائی اور پانی پی لے زمزم کا بھائی، زمزم کا پانی پی لے، اور اور کیا کیا کرے؟ وہ آگے بیان کر رہے ہیں کہ بیت اللہ کے دروازے پر بھی آئے اور چوکھٹ کو بوسہ دے اور اسی طرح ملتزم وغیرہ پر آنا بھی مستحب ہے، تو یہ آگے ذکر کر رہے ہیں، عین روانگی کے وقت یہ افعال وہ سرانجام دے رہا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَيَأْتِي زَمْزَمَ**، پھر وہ شخص زمزم پر آئے، **وَيَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا**، اور پیئے اس کے پانی میں سے، **لِمَا رُوِيَ**، بہ وجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے، **أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اسْتَقَى دَلْوًا بِنَفْسِهِ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ أَفْرَغَ بَقِيَّةَ الدَّلْوِ فِي الْبِئْرِ**، بہ وجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جو ہیں **اسْتَقَى دَلْوًا**، آپ نے ایک ڈول بھرا، **بِنَفْسِهِ**، خود، **اسْتَقَى دَلْوًا بِنَفْسِهِ**، کہ حضور علیہ السلام نے خود ایک ڈول بھرا۔ زمزم کے کنویں سے نبی کریم ﷺ نے خود ایک ڈول بھرا بھائی، عجیب حدیث ہے، سنیے بھائی، کہ حضور علیہ السلام نے **اسْتَقَى دَلْوًا بِنَفْسِهِ**، کہ حضور علیہ السلام نے خود اس میں سے ایک ڈول بھرا، **فَشَرِبَ مِنْهُ**، پھر آپ نے اس ڈول میں سے پیا، **ثُمَّ أَفْرَغَ بَقِيَّةَ الدَّلْوِ فِي الْبِئْرِ**، پھر آپ نے انڈیل دیا، **ثُمَّ أَفْرَغَ بَقِيَّةَ الدَّلْوِ فِي الْبِئْرِ**، پھر آپ نے انڈیل دیا باقی کا ڈول کنویں کے اندر۔ حضور علیہ السلام نے کیا کیا؟ زمزم کے کنویں سے ایک ڈول بھرا خود، اور پھر آپ نے اس میں سے کچھ زمزم کا پانی پی لیا اور جو باقی پانی تھا وہ اسی کنویں کے اندر انڈیل دیا بھائی۔

علماء اس کے اندر عجیب نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جان بوجھ کر ایسا فرمایا، جان بوجھ کر ایسا فرمایا کہ یہ میرے صحابہ تو میرے پاس موجود ہیں اور یہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں، یہ مجھے دیکھ بھی رہے ہیں اور یہ اور میری صحبت کا فیض بھی اٹھا رہے ہیں، لیکن بعد میں بھی اگلے زمانوں میں ایسے لوگ آنے والے ہیں جو مجھ سے عشق کی حد تک محبت کرنے والے ہوں گے، ایک ایک عمل کے اندر میری متابعت کرنے والے ہوں گے اور میری جدائی کی وجہ سے وہ بے چین ہوں گے، تو وہ مجھے اس وقت دیکھ تو نہیں سکتے لیکن کم از کم یہ میں اپنا جھوٹا پانی جو ہے اس زمزم کے کنویں کے اندر ڈال دیتا ہوں، تو جب بھی وہ یہاں آئیں گے وہ صرف یہ زمزم نہیں پی رہے بلکہ سرورِ کونین ﷺ کا جھوٹا پانی بھی پی رہے ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ زمزم جیسے جنتی پانی ہے، اسی طرح یہ حضور علیہ السلام کا جھوٹا پانی بھی ہے، تو اس کے اندر دگنی برکتیں آ گئیں بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

یہ معنی ہے: **فَشَرِبَ مِنْهُ**، تو آپ نے اس ڈول میں سے پیا، **ثُمَّ أَفْرَغَ بَقِيَّةَ الدَّلْوِ فِي الْبِئْرِ**، پھر آپ نے انڈیل دیا باقی ڈول کو کنویں کے اندر۔

وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَأْتِيَ الْبَابَ، اور مستحب یہ ہے کہ حاجی جو ہے بیت اللہ کے دروازے پر آ جائے۔ وہ جو وطن واپس جا رہا ہے اب وہ کیا کرے؟ بیت اللہ کے دروازے پر آ جائے، **وَيُقَبِّلَ الْعَتَبَةَ**، عتبہ کہتے ہیں دروازے کی دہلیز کو اور چوکھٹ کو بھائی، جو نچلا حصہ ہوتا ہے دروازے کا زمین کے ساتھ، تو وہ بیت اللہ کی چوکھٹ کو اور اس کی دہلیز کو بوسہ دے بھائی، **وَيَأْتِيَ الْمُلْتَزَمَ**، اور ملتزم پر آئے بھائی۔ یاد رکھیے یہ جو بیت اللہ کا دروازہ ہے اسی کونے کے ساتھ ہی حجرِ اسود نصب ہے، تو یہ دروازے اور حجرِ اسود کے درمیان یہ جو ایک ڈیڑھ گز جگہ ہے اس کو ملتزم کہتے ہیں بھائی۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ ملتزم کہتے ہیں بھائی، اور یہ نہایت ہی مبارک مقام ہے، یہاں پر اللہ تعالیٰ بے انتہا دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ لہٰذا آپ جب بھی دیکھیں گے اس مقام پر کئی کئی افراد جو ہیں وہ بیت اللہ کے ساتھ اپنے سینے کو اور اپنے رخسار کو لگائے ہوئے اللہ کے سامنے رو رہے ہوں گے، گڑگڑا رہے ہوں گے اور دعائیں مانگ رہے ہوں گے۔ تو لہٰذا یہ رخصت ہونے والا بھی کیا کرے؟ بیت اللہ کے دروازے پر آئے، دروازے کی چوکھٹ کو بوسہ دے اور پھر ملتزم پر آ جائے اور ملتزم پر وہاں اپنے سینے کو رکھے، اپنے چہرے کو رکھے اور اللہ سے خوب دعائیں کر لے بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

وَيَأْتِيَ الْمُلْتَزَمَ، اور مستحب یہ ہے کہ ملتزم پر آئے، **وَهُوَ مَا بَيْنَ الْحَجَرِ إِلَى الْبَابِ**، ملتزم کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں وہ جگہ جو حجرِ اسود اور دروازے کے درمیان ہے، **فَيَضَعَ صَدْرَهُ وَوَجْهَهُ عَلَيْهِ**، پھر وہ اس پر رکھے اپنے سینے کو اور اپنے چہرے کو، **وَيَتَشَبَّثَ بِالْأَسْتَارِ سَاعَةً**، اور چمٹ جائے بالاستار، اس بیت اللہ کے پردوں کے ساتھ، اور چمٹ جائے بیت اللہ کے پردوں کے ساتھ ساعۃً، تھوڑی دیر کے لیے، **ثُمَّ يَعُودُ إِلَى أَهْلِهِ**، پھر لوٹ آئے اپنے گھر والوں کی طرف،

یعنی اپنے وطن کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

هَكَذَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ بِالْمُلْتَزَمِ ذَلِكَ، اسی طرح روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ملتزم پر یہ فرمایا، یعنی اس طرح فرمایا۔

قَالُوا، علماء لکھتے ہیں: **وَيَنْبَغِي أَنْ يَنْصَرِفَ**، علماء لکھتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ واپس یوں نکلے بیت اللہ سے کہ اس کا چہرہ بیت اللہ کی طرف ہو اور الٹے قدموں واپس چلے بھائی۔ کیا کرے؟ الٹے قدموں واپس چلے، چہرہ بیت اللہ ہی کی طرف رکھے۔ **قَالُوا**، فقہاء فرماتے ہیں: **وَيَنْبَغِي أَنْ يَنْصَرِفَ**، اور مناسب یہ ہے کہ وہ واپس پلٹے، **وَهُوَ يَمْشِي وَرَاءَهُ**، اس حال میں کہ وہ چل رہا ہو اپنے پیچھے کی طرف، **وَوَجْهُهُ إِلَى الْبَيْتِ**، اور اس کا چہرہ بیت اللہ کی طرف ہو، **مُتَبَاكِيًا**، روتے ہوئے، **مُتَبَاكِيًا**، روتے ہوئے، **مُتَحَسِّرًا عَلَى فِرَاقِ الْبَيْتِ**، اور حسرت کرتے ہوئے بیت اللہ کی جدائی پر، **حَتَّى يَخْرُجَ مِنَ الْبَيْتِ**، یہاں تک کہ بیت اللہ سے نکل آئے، **فَهَذَا بَيَانُ تَمَامِ الْحَجِّ**، تو یہ ہوا پورے حج کا بیان بھائی، تو یہ پورے حج کا بیان ہو گیا۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ تو مناسب کہتے ہیں یہ ہے کہ اس طرح واپس پلٹے کہ رخ جو ہے بیت اللہ کی طرف ہو اور الٹے قدموں واپس چلے، لیکن اب تو مسجد بہت بڑی ہو گئی ہے بھائی، اب اس پر عمل بڑا مشکل ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ ہاں، پہلے تو مسجد چھوٹی سی تھی تو اور اتنا ہجوم بھی نہیں ہوتا تھا تو اس وقت عمل کچھ نہ کچھ صورت بن جاتی ہو گی، اب تو بہت ہی مشکل ہے کہ انسان اس طرح کرے بھائی، کہ الٹے قدموں واپس چلتا جائے اور پوری مسجد سے باہر تک وہ آئے، بڑا مشکل ہے اس طرح عمل بھائی۔ اچھا، تو بہر حال یہ تو انہوں نے لکھا، مناسب ہے کہ اس طرح کر لے بھائی۔

اور پھر یاد رکھیے بھائی، یہاں کیا آیا؟ اور مستحب یہ ہے کہ بیت اللہ کے دروازے پر آئے اور پھر اس کے بعد کہاں آئے؟ ملتزم پر آئے۔ یہ تو رخصتی کے وقت ہے، چلیے اس وقت تو کوئی صورت نکل آئے گی، لیکن حج کی کتابیں آپ عموماً اٹھالیں، جتنی بھی حج کی کتابوں میں حج کا طریقہ لکھا جاتا ہے اس میں یہی لکھا جاتا ہے کہ حاجی جب مکہ پہنچ جائے تو پھر کیا کر لے؟ طواف کر لے گا، اور طواف کے بعد پھر کیا کر لے؟ زمزم پی لے گا، اور زمزم کے پینے کے بعد پھر کیا کرے؟ یہ ملتزم پر آجائے اور دعا کر لے۔ کیا کر لے؟ دعا۔ بھائی ان دنوں کے اندر تو بیت اللہ کے گرد طواف کرنا بھی موت کی طرح ہوتا ہے، ملتزم پہ کوئی کیسے جا سکتا ہے بھائی؟ اور عوام بیچاروں کو تو پتہ نہیں ہوتا کہ یہ صرف مستحب ہے ملتزم، وہ پھر بعض بیچارے اس کی وجہ سے تکلیف میں پڑ جاتے ہیں، تو یاد رکھنا یہ ملتزم پر آئے یا ملتزم پر آنا وغیرہ یہ مستحب ہے بھائی، اور ہر چیز پر اسی کے بقدر عمل ہونا چاہیے۔ تو پورے سفر کے اندر کسی وقت ضرور ملتزم پر جا کر دعا کر لیں بھائی، تو بار بار وہاں جانا بھی بڑا ہی مشکل کام ہے۔ اللہ ہم سب کو بار بار وہاں جانے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کے لیے اسباب نصیب فرمائے۔ بھائی وہاں آپ جائیں گے پھر آپ کو ان چیزوں کا صحیح اندازہ ہو گا بھائی۔ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ**۔

سبق نمبر ۱۴۴: فَصْلٌ: وَإِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْمُحْرِمُ مَكَّةَ وَتَوَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۷۶ — بتاریخ: ۱ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: وَإِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْمُحْرِمُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ إِلَى عَرَفَاتٍ وَوَقَفَ فِيهَا عَلَى مَا بَيَّنَّا سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُومِ؛ لِأَنَّهُ شُرِعَ فِي ابْتِدَاءِ الْحَجِّ عَلَى وَجْهٍ يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ سَائِرُ الْأَفْعَالِ فَلَا يَكُونُ الْإِتْيَانُ بِهِ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ الْوَجْهِ سُنَّةً. [1]

یہ الگ فصل صاحبِ ہدایہ ذکر کر رہے ہیں بھائی۔ اب اسی حج سے متعلقہ بعض مسائل جو ہیں ان کو اس میں وہ ذکر کریں گے۔ پہلی صورت یہ ذکر کر رہے ہیں کہ بھائی حج کا طریقہ کیا تھا؟ کہ حاجی جب مکہ پہنچتا ہے پہلے کیا کرتا ہے؟ طوافِ قدوم کرتا ہے اور یہ سنت ہے بھائی۔ تو اب اگر کوئی شخص جو ہے وہ طوافِ قدوم نہیں کرتا بلکہ یومِ عرفہ والے دن حج کا احرام باندھ کر سیدھا عرفات چلا جاتا ہے، سیدھا عرفات چلا جاتا ہے، تو کیا اس کو بعد میں پھر طوافِ قدوم کرنا پڑے گا یا نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، طوافِ قدوم اس پر سے ساقط ہو گیا۔ طوافِ قدوم کیا ہو گیا؟ اس پر سے ساقط ہو گیا اور یہ طوافِ قدوم چھوڑنے کی وجہ سے اس پر کوئی دم وغیرہ بھی لازم نہیں ہو گا کیونکہ یہ طواف واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْمُحْرِمُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ إِلَى عَرَفَاتٍ**، اور اگر محرم مکہ میں داخل نہیں ہوا اور عرفات کی طرف متوجہ ہو گیا، **وَوَقَفَ فِيهَا**، اور وہاں پر اس نے وقوف کر لیا، **عَلَى مَا بَيَّنَّا**، اسی طریقے پر جو ہم نے بیان کر دیا، جس طرح وقوف کرنا تھا اسی طرح اس نے وقوف کر لیا، **سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُومِ**، تو اس سے طوافِ قدوم جو ہے وہ ساقط ہو جائے گا۔

لِأَنَّهُ شُرِعَ فِي ابْتِدَاءِ الْحَجِّ، اس لیے کیونکہ طوافِ قدوم جو ہے یہ حج کی ابتدا میں مشروع ہے، **عَلَى وَجْهٍ**، ایسے طریقے پر، **يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ سَائِرُ الْأَفْعَالِ**، کہ اس پر مرتب ہوتے ہیں باقی افعال۔ اس لیے کیونکہ یہ طوافِ قدوم جو ہے، بھائی طوافِ قدوم ابتدا میں کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ترتیب کے ساتھ باقی افعالِ حج آتے ہیں۔ تو طوافِ قدوم کس طریقے پر مشروع ہے؟ کہ حج کی ابتدا میں ہوتا ہے ایسے طریقے پر کہ اس پر باقی حج کے سارے افعال مرتب ہوتے ہیں یعنی اس کے بعد آتے ہیں۔

فَلَا يَكُونُ الْإِتْيَانُ بِهِ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ الْوَجْهِ سُنَّةً، لہٰذا اس کو لانا، **اِتْيَانُ بِهِ** اس کو لانا یعنی اس کو کرنا، **عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ الْوَجْهِ** اس طریقے کے علاوہ پر، یہ سنت نہیں ہے۔ **فَلَا يَكُونُ**، یہ **فَلَا يَكُونُ سُنَّةً**، یہ سنت نہیں ہے بھائی۔ عبارت سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ طوافِ قدوم اس طریقے پر مشروع ہوا ہے کہ اس پر حج کے باقی افعال مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب اس نے وقوفِ عرفات کر لیا تو اس سے طوافِ قدوم ساقط ہو گیا۔ اس لیے کیونکہ طوافِ قدوم ابتدا میں آتا تھا اور اس پر حج کے باقی افعال مرتب ہوتے تھے۔ اب اگر یہ اس کو بعد میں ادا کرتا ہے تو اس طریقے پر ادا کرنا تو یہ سنت نہیں ہے، اس کا سنت طریقہ تو کیا تھا؟ کہ شروع میں ادا کیا جائے۔ تو لہٰذا اس طریقے کے علاوہ کسی اور طریقے پر اس کو ادا کرنا یہ سنت نہ رہے گا بھائی، اور جب سنت نہیں تو پھر معلوم ہوا اس کے ذمے بھی نہیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

یہ معنی ہے: **فَلَا يَكُونُ الْإِتْيَانُ بِهِ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ الْوَجْهِ سُنَّةً**، تو اس کو اس طریقے کے علاوہ پر ادا کرنا یہ سنت بھی نہیں ہو گا، **وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ بِتَرْكِهِ**، اور کوئی چیز نہیں ہے اس پر اس طواف کو ترک کرنے کی وجہ سے، **لِأَنَّهُ سُنَّةٌ**، کیونکہ یہ طواف تو سنت ہے، **وَبِتَرْكِ السُّنَّةِ لَا يَجِبُ الْجَابِرُ**، اور سنت

[1] عبارتِ شاملہ (ص ۱۹۷): «وإذا لم يدخل المحرم مكة وتوجه إلى عرفات فصل وإذا»۔ • شاملہ (ص ۱۹۷) میں «فِيهَا» کے بجائے «بها» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۹۷) میں «بِعَرَفَةَ» کے بجائے «بعرفات» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۱۹۸) میں «كَالرِّجَالِ» کے بجائے «كالرجل» درج ہے۔

چھوڑنے کی وجہ سے کوئی جابر واجب نہیں ہوتا۔ جابر کا کیا معنی بتلایا تھا گذشتہ سبق میں؟ تلافی کرنے والی چیز، تو سنت کو چھوڑنے کی وجہ سے کوئی تلافی کرنے والی چیز بھی واجب نہیں ہوگی یعنی کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔

وَمَنْ أَدْرَكَ الْوُقُوفَ بِعَرَفَةَ مَا بَيْنَ زَوَالِ الشَّمْسِ مِنْ يَوْمِهَا إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ.

بھائی وقوفِ عرفات کا وقت کب سے کب تک بیان ہوا تھا؟ نویں ذی الحجہ کو زوالِ شمس کے بعد سے لے کر اگلے دن کی فجر تک بھائی۔ یہ سارا وقت وقوفِ عرفات کا وقت ہے۔ لہٰذا اس دوران اگر کوئی شخص ایک لمحے کے لیے بھی عرفات آگیا یا عرفات میں سے گزر گیا، چاہے نیند کی حالت میں اس کو گزار دیا گیا، چاہے بے ہوشی کی حالت میں اس کو گزار دیا جائے وہاں سے، تو اس کا وقوف کا رکن جو ہے وہ ادا ہو جائے گا اور وہ فرض جب ادا ہو گیا تو اس کا حج معلوم ہوا ہے ادا ہو گیا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ أَدْرَكَ الْوُقُوفَ بِعَرَفَةَ**، اور جس نے وقوفِ عرفہ کو پالیا، **مَا بَيْنَ زَوَالِ الشَّمْسِ مِنْ يَوْمِهَا إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ**، اس دن کے زوالِ شمس سے لے کر طلوعِ فجر کے بیچ میں، اس دن کے زوالِ شمس سے لے کر طلوعِ فجر کے بیچ میں اس میں جس نے وقوفِ عرفہ کو پالیا، **إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ**، یومِ نحر کے طلوعِ فجر تک بھائی۔ **مَا بَيْنَ زَوَالِ الشَّمْسِ مِنْ يَوْمِهَا إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ**، اور جس نے وقوفِ عرفہ کو پالیا اس دن کے زوالِ شمس سے لے کر یومِ نحر کی طلوعِ فجر تک کے بیچ میں، **فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ**، تو تحقیق اس نے حج کو پالیا۔

فَأَوَّلُ وَقْتِ الْوُقُوفِ بَعْدَ الزَّوَالِ عِنْدَنَا، تو وقوفِ عرفہ کا اولِ وقت جو ہے وہ زوال کے بعد ہے ہمارے نزدیک، **لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَفَ بَعْدَ الزَّوَالِ**، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زوال کے بعد وقوف فرمایا، **وَهَذَا بَيَانُ أَوَّلِ الْوَقْتِ**، اور یہ اولِ وقت کا بیان ہے۔ یعنی اس حدیث میں اولِ وقت بیان ہو رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے زوال سے پہلے وقوف نہیں فرمایا بلکہ زوال کے بعد وقوف فرمایا ہے، معلوم ہوا اس کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ زوال کے بعد، تو اس حدیث میں اولِ وقت یعنی ابتدائے وقت کا بیان ہے کہ اس وقت وقوف شروع ہوتا ہے۔

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، اور دوسری حدیث میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**مَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ بِلَيْلٍ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ، وَمَنْ فَاتَهُ عَرَفَةُ بِلَيْلٍ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ**»، کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: جس نے عرفات کو پالیا **بِلَيْلٍ** رات کے وقت، **فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ** تو تحقیق اس نے حج کو پالیا، **وَمَنْ فَاتَهُ عَرَفَةُ بِلَيْلٍ** اور جس سے چھوٹ گیا عرفات بھائی **بِلَيْلٍ** رات کے وقت، **فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ** تو تحقیق حج اس سے فوت ہو گیا۔ جس سے رات کے وقت عرفہ فوت ہو گیا تو اس سے حج فوت ہو گیا یعنی رات کے وقت بھی وہ وقوف نہ کر سکا پھر تو وقوف کا وقت ہی نکل جائے گا تو اس کا حج ہی کیا ہوا؟ فوت ہو گیا۔ تو یہاں تک حدیث ہے بھائی: **فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ**، تو اس کا حج فوت ہو گیا۔

فَهَذَا بَيَانُ آخِرِ الْوَقْتِ، تو یہ جو حدیث ہے یہ آخرِ وقت کا بیان ہے تو احناف دونوں پر عمل کرتے ہیں۔ ایک حدیث کو محمول کیا اولِ وقت پر اور دوسری حدیث کو محمول کیا آخرِ وقت پر، یعنی رات اس کا آخری وقت ہے وقوف کا اور رات تو کب تک رہتی ہے؟ طلوعِ فجر تک، لہٰذا طلوعِ فجر تک اس کا وقت ہے۔

وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً إِنْ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ أَوَّلَ وَقْتِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ أَوْ بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، فَهُوَ مَحْجُوجٌ عَلَيْهِ بِمَا رَوَيْنَا.

آگے بتلا رہے ہیں آپ کو کہ امام مالک رحمہ اللہ جو ہیں اگرچہ وہ یہ کہتے ہیں کہ وقوفِ عرفہ کا اولِ وقت طلوعِ فجر کے بعد ہے، نویں ذی الحجہ کو جب آفتاب نویں ذی الحجہ کو جب فجر طلوع ہو جائے یا جب سورج طلوع ہو جائے، معلوم ہوا ان سے دو روایتیں ہیں۔ کتنی روایتیں ہیں؟ دو روایتیں ہیں معلوم ہوا امام مالک رحمہ اللہ سے۔ ایک روایت ان کی کیا ہے کہ اس کا اولِ وقت کب ہے؟ کب شروع ہوتا ہے وقوفِ عرفہ کا وقت؟ جب نویں کو فجر طلوع ہو جائے، اور دوسری روایت کے مطابق جب سورج طلوع ہو جائے۔ تو اگرچہ وہ اس وہ اس بات کے قائل ہیں لیکن ان کے خلاف یہ حدیث جو ہے حجت ہے جو ہم نے روایت کر دی۔ یہ حدیث ہے جو ہم نے یہ حدیث جو ہم نے روایت کر دی کہ حضور علیہ السلام نے زوال کے بعد وقوف فرمایا تھا تو اگر زوال سے پہلے بھی وقوف جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور اس کو بیان فرماتے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو حضور علیہ السلام نے بیان نہیں فرمایا معلوم ہوا زوال سے پہلے اس کا وقت بھی نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ إِنْ كَانَ يَقُولُ**، اور امام مالک رحمہ اللہ اگرچہ وہ یہ فرماتے ہیں، **إِنَّ أَوَّلَ وَقْتِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ أَوْ بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ**، کہ وقوف کا وقت اولِ وقت جو ہے کہ وقوف کا اولِ وقت جو ہے وہ طلوعِ فجر کے بعد ہے یا طلوعِ شمس کے بعد ہے، **فَهُوَ مَحْجُوجٌ عَلَيْهِ**، تو ان کے خلاف حجت قائم کی گئی ہے، **بِمَا رَوَيْنَا**، اس حدیث کے ساتھ جو ہم نے روایت کر دی یعنی ان کے خلاف دلیل پکڑی گئی ہے اس حدیث سے جو ہم نے روایت کر دی، یہ حدیث ان کے خلاف دلیل ہے۔

ثُمَّ إِذَا وَقَفَ بَعْدَ الزَّوَالِ وَأَفَاضَ مِنْ سَاعَتِهِ أَجْزَأَهُ، پھر جب اس شخص نے وقوف کر لیا زوال کے بعد، **وَأَفَاضَ**، اور لوٹ گیا، **مِنْ سَاعَتِهِ**، اسی گھڑی میں، **أَجْزَأَهُ**، تو یہ بھی اس کے لیے کافی ہے۔ بھائی زوال سے لے کر اگلے دن فجر تک اس کے بیچ میں ایک لمحے کے لیے بھی اگر عرفات آ گیا تو وقوف والا رکن ادا ہو گیا، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہ جب اس نے زوال کے بعد وقوف کر لیا **وَأَفَاضَ مِنْ سَاعَتِهِ** اور اسی گھڑی واپس چل پڑا **أَجْزَأَهُ** تو یہ بھی اس کے لیے وقوف سے کافی ہو جائے گا **عِنْدَنَا** ہمارے نزدیک، **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَكَرَ بِكَلِمَةِ «أَوْ»**، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو کلمۂ **«أَوْ»** کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ کس کے ساتھ؟ کلمۂ **«أَوْ»** کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

بھائی یاد رکھیے آگے امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بیان کریں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقوف دن کے بھی کچھ حصے میں ہونا چاہیے اور رات میں بھی، دونوں کے اندر وقوف ضروری ہے۔ صرف دن صرف دن کے اندر وقوف کیا، رات کے کسی حصے میں وقوف نہیں کیا تو فرض ادا نہیں ہوا، وقوف نہیں ہوا۔ یا صرف رات کو وقوف کیا دن کو نہیں کیا تو فرض ادا نہیں ہوا بلکہ کیا ضروری ہے ان کے نزدیک؟ دن کے بھی کچھ حصے میں وقوف ہو اور رات کے بھی کچھ حصے کے اندر وقوف ہو۔ تو ہم کہتے ہیں نہیں، نبی کریم ﷺ نے حدیث کے اندر کلمۂ **«أَوْ»** ذکر فرمایا ہے کہ جس نے وقوف کر لیا دن کو یا رات کو تو اس کا حج پورا ہو گیا۔ جس نے وقوف کر لیا دن کو یا رات کو، تو دن اور رات کے درمیان **«أَوْ»** ذکر ہے حدیث کے اندر، معلوم ہوا اختیار ہے چاہے دن کو وقوف کر لے تو بھی رکن ادا ہو گیا اور چاہے تو رات کو ادا کر لے تو بھی وقوف ادا ہو جائے گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

یہی ذکر کر رہے ہیں: **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَكَرَ بِكَلِمَةِ «أَوْ»**، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کو کلمۂ **«أَوْ»** کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، **فَإِنَّهُ قَالَ**، حضور علیہ السلام نے فرمایا: **«الْحَجُّ عَرَفَةٌ»**، حج عرفات ہے، **«فَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ سَاعَةً مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ»**، جس نے وقوف کر لیا عرفات میں ایک گھڑی بھی **مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ** رات میں یا دن میں **فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ** تو اس کا حج پورا ہو گیا۔ تو دیکھو یہاں **«أَوْ»** آیا: دن میں یا رات میں۔ **وَهِيَ كَلِمَةُ التَّخْيِيرِ**، اور **«أَوْ»** کیا ہے؟ کلمۂ تخییر ہے، یہ اختیار دینے کے لیے آتا ہے تو لہٰذا یہاں بھی اختیار ہے جس وقت بھی کر لے، دونوں میں کرنا ضروری نہیں۔

وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا **يُجْزِيهِ**، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اس کے لیے کافی نہیں ہے صرف دن میں یا صرف رات میں، **إِلَّا أَنْ يَقِفَ فِي الْيَوْمِ وَجُزْءٍ مِنَ اللَّيْلِ**، مگر یہ کہ وہ وقوف کرے دن میں بھی اور رات کے کسی جز میں بھی، **وَلَكِنَّ الْحُجَّةَ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ**، لیکن دلیل ان کے خلاف وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا۔

وَمَنِ اجْتَازَ بِعَرَفَةَ نَائِمًا أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ أَوْ لَا يَعْلَمُ أَنَّهَا عَرَفَاتٌ جَازَ عَنِ الْوُقُوفِ.

بھائی صورتِ مسئلہ میں نے ذکر کر دی، کوئی شخص عرفات میں سے گزرا اور وہ بے ہوش تھا یا وہ سویا ہوا تھا، تو بے ہوشی میں یا نیند کی حالت میں اس کو عرفات سے گزار دیا گیا یا عرفات میں سے گزرا اور اس کو پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ کیا ہے، یہ کون سی جگہ ہے، عرفات ہے تو بھی اس کا وقوف والا رکن ادا ہو جائے گا جبکہ وہ زوال اور اگلے دن کی فجر کے درمیان گزرا ہو۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنِ اجْتَازَ بِعَرَفَةَ**، اور جو گزر گیا عرفات میں سے، **نَائِمًا**، اس حال میں کہ وہ سویا ہوا تھا، **أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ**، یا اس پر بے ہوشی طاری تھی، **أَوْ لَا يَعْلَمُ**، یا اس حال میں کہ وہ نہیں جانتا تھا، **أَنَّهَا عَرَفَاتٌ**، کہ یہ عرفات ہے، **جَازَ عَنِ الْوُقُوفِ**، تو یہ جائز ہے اس کے وقوف سے یعنی اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ **لِأَنَّ مَا هُوَ الرُّكْنُ قَدْ وُجِدَ**، اس لیے کیونکہ وہ چیز جو رکن ہے وہ پائی گئی، **وَهُوَ الْوُقُوفُ**، اور وہ وقوف ہے، **وَلَا يَمْتَنِعُ ذَلِكَ بِالْإِغْمَاءِ وَالنَّوْمِ**، اور یہ بے ہوشی اور نیند کی وجہ سے ممتنع نہیں ہے۔ یعنی یہ وقوف بے ہوشی اور نیند کی وجہ سے نہ پایا جائے ایسا نہیں بلکہ یہ تو بے ہوشی اور نیند کے ساتھ بھی پایا جاتا ہے، **كَرُكْنِ الصَّوْمِ**، جیسے کہ روزے کا رکن ہے۔ جیسے وہ بے ہوشی اور نیند کی صورت میں بھی پایا جا سکتا ہے، مثلاً بھائی ایک آدمی نے رات کو روزے کی نیت کی اور ابھی روزہ شروع نہیں ہوا وہ بے ہوش ہو گیا اور اگلے دن غروبِ آفتاب کے بعد اس کو ہوش آیا تو کیا اس کا روزہ ہو گیا یا نہیں اس دن کا؟ آپ پڑھ چکے مسئلہ، اس کا روزہ ہو جائے گا بھائی، کیونکہ روزے کا رکن کیا تھا؟ کھانے پینے اور بیوی سے رکنا اور یہ تینوں رکن جو یہ تینوں چیزیں جو ہیں وہ پائی گئیں روزے کے اندر اور نیت کی شرط بھی پوری ہوئی کیونکہ اس نے رات کو کیا کی تھی؟ نیت کی، یا اسی طرح سارا دن نیند میں گزر گیا تو بھی روزے کا رکن پایا جائے گا بھائی۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے نیند اور بے ہوشی کی وجہ سے وقوف کا رکن کوئی ممتنع نہیں ہے بلکہ پھر بھی پایا جا سکتا ہے۔

بِخِلَافِ الصَّلَاةِ، بخلاف کس کے؟ نماز کے، **لِأَنَّهَا لَا تَبْقَى مَعَ الْإِغْمَاءِ**، کیونکہ وہ تو بے ہوشی کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ نماز کا مسئلہ الگ ہے کیونکہ وہاں تو بے ہوشی کی وجہ سے نماز ہی باقی نہیں رہتی جبکہ روزہ اور یہ وقوفِ عرفہ کا مسئلہ الگ ہے، یہاں بے ہوشی یا نیند سے بھی کوئی اثر نہیں پڑتا، وقوف ادا ہو جاتا ہے۔

وَالْجَهْلُ يُخِلُّ بِالنِّيَّةِ، اور جہالت جو ہے وہ مخل بالنیۃ ہے، وہ نیت میں خلل ڈالنے والی ہے۔ یہاں سے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ بے ہوشی میں یا نیند میں گزرا یا اس کو پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ عرفات ہے تو پھر تو نیت نہ پائی گئی، اور جب نیت نہیں پائی گئی روزے کے اندر کم از کم نیت تو پائی جاتی تھی پھر بے ہوشی کے باوجود بھی وہ رکن ادا ہو جاتا تھا، لیکن یہاں تو سرے سے نیت ہی نہیں پائی گئی، اس کو پتہ ہی نہیں ہے یا یہ بے ہوش وغیرہ ہے تو پھر؟ کہتے ہیں بھائی ہاں ٹھیک ہے، جہالت

کی وجہ سے نیت میں خلل آئے گا، نیت نہیں پائی گئی لیکن نیت ہر رکن کے اندر شرط نہیں ہے جیسے یہاں وقوفِ عرفہ جو ہے اس کے لیے نیت شرط نہیں ہے، جب شرط نہیں ہے تو جہالت سے بھی کوئی اثر نہیں پڑتا، زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا اس کی نیت نہیں پائی گئی لیکن نیت تو شرط ہی نہیں تھی اس کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَالْجَهْلُ يُخِلُّ بِالنِّيَّةِ**، اور جہالت جو ہے وہ نیت میں خلل ڈالنے والی ہے، **وَهِيَ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ لِكُلِّ رُكْنٍ**، اور نیت یہ تو شرط نہیں ہے ہر رکن کے لیے۔

وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَأَهَلَّ عَنْهُ رُفَقَاؤُهُ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: لَا يَجُوزُ.

یہ ذرا مشکل مسئلہ ہے، توجہ سے اس کو سمجھ لینا بھائی۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص جو ہے وہ حج پر روانہ ہوا یا عمرے پر روانہ ہوا اور ابھی احرام اس نے نہیں باندھا اور جب میقات کے اوپر پہنچے جہاں احرام باندھنا ہے وہاں وہ اس سے پہلے ہی بے ہوش ہو گیا۔ تو اس کا کوئی ساتھی اگر اس کی طرف سے تلبیہ کہہ لے اور اس کے احرام کی نیت کر لے تو کیا اس کا احرام ہو جائے گا یا نہیں ہو گا؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا اگر کوئی ساتھی اس کی طرف سے تلبیہ کہہ لے اور اس کے احرام کی نیت کر لے تو اس کا احرام صحیح ہو جائے گا، یعنی یعنی میقات سے گزر گئے یہ بے ہوش تھا اور احرام کی نیت کس نے کی اس کی طرف سے؟ اس کے ساتھی نے، اس نے تو اپنا احرام تو باندھا ہی ہے، اس کی نیت بھی کی ہے اور تلبیہ بھی کیا ہے، اور اس کی طرف سے بھی کیا کر لی؟ نیت بھی اس کے احرام کی کر لی اور اس کی طرف سے تلبیہ بھی کہہ لیا۔ اب جب اس کو ہوش آیا اب میقات کے اندر جا چکے ہیں اور اس نے اسی احرام کے ساتھ پھر حج یا عمرہ کر لیا تو امام صاحب فرماتے ہیں صحیح ہو گیا۔ اس کے ساتھی نے اس کی طرف سے جو احرام کی نیت کی تھی اور تلبیہ کہا تھا وہ صحیح ہو گیا، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، اس صورت میں اس کا احرام صحیح نہیں، اس کو پھر جانا پڑے گا اور میقات سے کیا کرے؟ احرام باندھنا پڑے گا، یہ احرام کم از کم اس کا نہیں ہوا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

اس کے بخلاف دوسری صورت: ایک آدمی اس نے باقاعدہ اپنے ساتھی کو کہا اگر میں بے ہوش ہوا یا سویا ہوا میقات پر سے گزرتے ہوئے تو تم میری طرف سے تلبیہ کہہ لینا اور احرام کی نیت کر لینا، چنانچہ بے ہوش ہو گیا اس مقام پر اور اس کے ساتھی نے اس کی طرف سے اسی اسی طریقے سے احرام کی نیت کر لی اور تلبیہ کہہ دیا۔ تو اب اس صورت میں بالاتفاق اس کا یہ احرام ہو جائے گا اور اسی کے ساتھ وہ حج اور عمرہ کر سکتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اس صورت میں صاحبین بھی امام صاحب کی طرح فرماتے ہیں کہ اس کا احرام ہو گیا، لیکن وہ صورت جس میں اس نے کسی کو کہا نہیں تھا اس صورت میں امام صاحب فرماتے ہیں اس کا احرام ہو گیا اور صاحبین فرماتے ہیں احرام نہیں ہوا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ**، اور جس شخص پر بے ہوشی طاری ہو گئی، **فَأَهَلَّ عَنْهُ رُفَقَاؤُهُ جَازَ**، تو اس کی طرف سے آواز بلند کی اس کے ساتھیوں نے، آواز بلند کی کیا معنی؟ تلبیہ کہا اس کی طرف سے اس کے ساتھیوں نے، **جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، تو یہ جائز ہے امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَا:** لَا **يَجُوزُ**، اور صاحبین فرماتے ہیں جائز نہیں ہے۔ یہ کون سی صورت؟ جب اس نے کسی کو کہا نہیں تھا۔

اب اگلی صورت آرہی ہے جس میں اس نے کہا ہے: **وَلَوْ أَمَرَ إِنْسَانًا**، اور اگر اس نے کسی انسان کو حکم دیا، اس سے کہہ دیا، **بِأَنْ يُحْرِمَ عَنْهُ إِذَا أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوْ نَامَ**، کہ وہ اس کی طرف سے احرام باندھ لے جب اس پر بے ہوشی طاری ہو جائے یا **أَوْ نَامَ** یا وہ سو جائے، **فَأَحْرَمَ الْمَأْمُورُ عَنْهُ**، تو احرام باندھ لیا اس کی طرف سے اس آدمی نے جس کو حکم دیا گیا تھا، **صَحَّ بِالْإِجْمَاعِ**، تو یہ احرام صحیح ہو جائے گا بالاِجماع، کیا معنی بالاِجماع؟ یعنی بالاتفاق تینوں ائمہ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک، **حَتَّى إِذَا أَفَاقَ**، یہاں تک کہ جب اس کو ہوش آگیا، **أَوِ اسْتَيْقَظَ**، یا یہ نیند سے بیدار ہو گیا، **وَأَتَى بِأَفْعَالِ الْحَجِّ**، اور اس نے کر لیے حج کے افعال یعنی اسی احرام کے ساتھ، **جَازَ**، تو یہ جائز ہے۔

اب دلیل آگے آرہی ہے صاحبین کی: **لَهُمَا**، صاحبین کی دلیل یہ ہے، کس مسئلے میں؟ جس مسئلے میں اختلاف تھا، امام صاحب فرماتے تھے بے شک اس نے کسی کو نہ کہا ہو پھر بھی احرام ہو جائے گا اور صاحبین فرماتے ہیں جب کسی کو نہیں کہا تو احرام نہیں ہو گا، تو صاحبین فرماتے ہیں: **لَهُمَا** ان کی دلیل یہ ہے، **أَنَّهُ لَمْ يُحْرِمْ بِنَفْسِهِ وَلَا أَذِنَ لِغَيْرِهِ بِهِ**، اس لیے کیونکہ اس نے خود بھی احرام نہیں باندھا اس صورت میں، **وَلَا أَذِنَ لِغَيْرِهِ بِهِ** اور کسی دوسرے کو بھی اس کی اجازت نہیں دی۔ جب کسی کو نہیں کہا تھا تو خود تو بے ہوش تھا، خود تو اس نے احرام نہیں باندھا اور کسی دوسرے کو بھی اپنی اپنے احرام کی اجازت نہیں دی تھی، **وَهَذَا**، اور یہ اس وجہ سے کیا چیز؟ کہ کسی دوسرے کو اجازت نہیں دی تھی، یہ ہم نے کہا اس وجہ سے ہم نے کہا کیونکہ اجازت دینے کی دو ہی صورتیں ہیں: یا زبان سے کہے یا اس کا کوئی عمل اس بات پر دلالت کرے کہ اس کی طرف سے اس کام کی دوسرے کو اجازت ہے۔ یا تو اجازت کس کے ذریعے ہوتی ہے؟ زبان کے ذریعے ہوتی ہے کہ آپ کو میری طرف سے اس کام کی اجازت ہے، اور بعض اوقات زبان کے ذریعے تو اجازت نہیں ہوتی لیکن اس آدمی کا کوئی عمل بتلا دیتا ہے کہ اس کی طرف سے دوسرے کو اس کام کی اجازت ہے۔ تو نہ یہاں پر زبان کے ذریعے اجازت پائی گئی اور نہ اس کے کسی فعل یعنی نہ اس کے کسی عمل کے ذریعے اجازت پر دلالت ہوئی۔ تو یوں کہیے آسان لفظوں میں: نہ تو قال کے اعتبار سے اجازت پائی گئی اور نہ دلالت کے اعتبار سے اجازت پائی گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

توکہتے ہیں: **أَنَّهُ لَمْ يُحْرِمْ بِنَفْسِهِ**، اس نے خود بھی احرام نہیں باندھا، **وَلَا أَذِنَ لِغَيْرِهِ بِهِ**، اور کسی دوسرے کو بھی اس کی اجازت نہیں دی، **وَهَذَا**، اور یہ اس وجہ سے ہے یعنی کہ جو ہم نے کیا کہا کسی دوسرے کو بھی اجازت نہیں دی، یہ اس وجہ سے ہے، **لِأَنَّهُ لَمْ يُصَرِّحْ بِالْإِذْنِ**، اس لیے کیونکہ اس نے تصریح نہیں کی اجازت کی، اجازت کی تصریح نہیں کی یعنی زبان سے کسی کو صراحتاً اجازت کا نہیں کہا، **وَالدَّلَالَةُ تَقِفُ عَلَى الْعِلْمِ**، اور دلالۃً بھی اجازت نہیں ہے کیونکہ دلالت جو ہے وہ موقوف ہے علم پر۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ مشکل مقام ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں اس نے صراحتاً بھی اجازت نہیں دی، زبان کے ذریعے اجازت نہیں دی، اور دلالۃً بھی اجازت اس کی طرف سے دوسروں کو نہیں ہے دلالت، کیونکہ دلالۃً اجازت تب ہوگی جب دوسروں کو مسئلے کا پتہ ہو۔ جب دوسرے لوگوں کو آپ کو آج تک پتہ تھا اس مسئلے کا کہ کوئی دوسرا شخص دوسرے کی طرف سے بھی احرام باندھ سکتا ہے؟ دیکھو اس مسئلے کا تو لوگوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا، صاحبین فرماتے ہیں کہتے ہیں عام لوگوں کو تو چھوڑو بہت سے فقہاء کو بھی اس مسئلے کا پتہ نہیں ہوتا کہ دلالۃً بھی اجازت ہوتی ہے، کہ دلالۃً بھی ہاں، تو اس مسئلے کا ہی پتہ نہیں ہے ان کو تو لہٰذا دلالۃً بھی اجازت نہ ہوئی کیونکہ دلالۃً اجازت وہ موقوف ہے کس پر؟ علم پر کہ اس مسئلے کا علم ہو، اور اس مسئلے کا تو لوگوں کو علم ہی نہیں ہوتا، لہٰذا دلالۃً بھی اجازت نہ پائی گئی۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **وَالدَّلَالَةُ تَقِفُ عَلَى الْعِلْمِ**، اور دلالت جو ہے یعنی اذن دلالۃً اذن جو ہے، دلالۃً اجازت جو ہے، توکہتے ہیں: **وَالدَّلَالَةُ تَقِفُ عَلَى الْعِلْمِ**، اور دلالۃً اجازت جو ہے وہ موقوف ہے علم پر یعنی مسئلے کے معلوم ہونے پر، **وَجَوَازُ الْإِذْنِ بِهِ لَا يَعْرِفُهُ كَثِيرٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ فَكَيْفَ يَعْرِفُهُ الْعَوَامُّ**، اور **وَجَوَازُ الْإِذْنِ بِهِ**، **بِهِ** کی ہاضمیر احرام کو راجع، **وَجَوَازُ الْإِذْنِ بِهِ**، اور احرام کی اجازت کا جواز، احرام کی اجازت کا کا جائز ہونا، احرام کی اجازت بھی جائز ہے، احرام کی اجازت بھی جائز ہے، یہ بات جو ہے: **لَا يَعْرِفُهُ كَثِيرٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ**، اس کو بہت سے فقہاء نہیں جانتے، **فَكَيْفَ يَعْرِفُهُ الْعَوَامُّ**، تو اس کو عوام کیسے جانیں گے بھائی؟

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ خلاصہ کیا ہوا؟ کہ یہاں نہ اس نے خود احرام باندھا ہے اور نہ کسی دوسرے کو اجازت دی ہے کیونکہ اجازت دینے کی دو صورتیں ہیں: یا صراحتاً اجازت ہو یا دلالۃً اجازت ہو۔ صراحتاً تو اس نے اجازت دی نہیں اور دلالۃً اجازت وہ تب ہوتی اگر دوسروں کو مسئلے کا پتہ ہوتا اور احرام میں دوسرے کی طرف سے بھی اجازت ہو سکتی ہے، اس مسئلے کا تو بہت سے فقہاء کو علم نہیں ہے تو عوام کو کیسے علم ہو سکتا ہے؟ جب ان کو علم نہیں تو دلالۃً بھی اجازت نہ ہوئی۔ تو نہ صراحتاً اجازت ہوئی، نہ دلالۃً اجازت ہوئی، تو لہٰذا دوسرے کا اس کی طرف سے احرام باندھنا صحیح نہیں بھائی۔

توکہتے ہیں: **وَجَوَازُ الْإِذْنِ بِهِ**، اور احرام کی اجازت کا جائز ہونا، **لَا يَعْرِفُهُ كَثِيرٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ**، اس کو تو بہت سے فقہاء نہیں جانتے، **فَكَيْفَ يَعْرِفُهُ الْعَوَامُّ**، تو اس کو عوام کیسے جان سکتے ہیں؟ **بِخِلَافِ مَا إِذَا أَمَرَ غَيْرَهُ بِذَلِكَ صَرِيحًا**، بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے خود دوسرے کو حکم دیا ہو اس بات کا صریحًا صراحتاً بھائی، جب خود اس نے کیا کیا ہو؟ زبان سے کہا ہو پھر تو اس صورت میں اجازت پائی گئی لیکن دلالت والی صورت میں اجازت نہیں کیونکہ لوگوں کو اس مسئلے کا علم ہی نہیں ہوتا کہ احرام کی بھی اجازت ہو جاتی ہے۔

وَلَهُ، امام صاحب کی دلیل بھائی۔ آگے امام صاحب کی دلیل آرہی ہے بھائی، عجیب دلیل ہے امام صاحب کی، وہ فرماتے ہیں: **وَلَهُ**، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے، **أَنَّهُ لَمَّا عَاقَدَهُمْ عَقْدَ الرُّفْقَةِ فَقَدِ اسْتَعَانَ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فِيمَا يَعْجِزُ عَنْ مُبَاشَرَتِهِ بِنَفْسِهِ.**

امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب یہ ساتھیوں کے ہمراہ چل چل پڑا، پہلے تو لوگ کس طرح جاتے تھے حج پر؟ قافلے کی صورت میں نا، تو جب یہ ساتھیوں کے ہمراہ حج پر چل پڑا تو اس نے گویا ان کے ساتھ رفاقت کا عہد کر لیا، ساتھ چلنے اور ساتھ رہنے کا ایک عقد کر لیا۔ اور یہ عقد کس لیے کیا جاتا ہے؟ ساتھ کیوں چلتے ہیں سارے لوگ؟ تاکہ کہیں کوئی مشکل پیش آجائے، ایک آدمی ایک کام نہ کر سکے تو باقی سارے اس کی کیا کریں گے اس کام میں؟ مدد کریں گے۔ تو یہاں بھی یہاں پر بھی جب وہ ساتھیوں کے ساتھ چل پڑا تو اس نے رفاقت کا عقد ان کے ساتھ کر لیا اور اس عقد کے ذریعے اس نے ان میں سے ہر ایک سے مدد طلب کی کہ جو کام میں نہ کر سکا، جس کام کے کرنے سے میں عاجز آیا تم نے اس میں میری مدد کرنی ہے، اور اس سفر کے ذریعے اصل مقصود بھی کیا ہے؟ احرام مقصود ہے، تو جب باقی کاموں کے اندر وہ ان سے مدد طلب کر رہا ہے تو احرام کے اندر بطریقِ اولیٰ کیا ہے؟ ان سے مدد طلب کر رہا ہے۔ تو جب یہ بے ہوش ہے تو احرام باندھنے سے عاجز ہوا تو احرام کے اندر بھی اب وہ کیا کر رہا ہے؟ دوسروں سے مدد طلب کر رہا ہے بھائی، اور یہ اس پر دلالت کیا چیز کر رہی ہے؟ وہ جو عقد کیا تھا ساتھ چلنے کا، تو دلالۃً اجازت آگئی یا نہیں آگئی؟ آگئی بھائی، کیونکہ اس عقد نے دلالت کر دی کہ ہر ہر ساتھی کو اس کی طرف سے اجازت ہے کہ وہ اس کی مدد کرے اس کام میں جس کے کرنے سے یہ عاجز آجائے۔ اور باقی آپ نے فرمایا تھا صاحبین نے فرمایا تھا کہ دلالۃً بھی اجازت نہیں ہے کیونکہ لوگوں کو مسئلے کا علم نہیں ہے۔ کہتے ہیں بھائی یہاں پر علم جو ہے اس کو ثابت مانا جائے گا دلیل کی طرف دیکھتے ہوئے، کس کی طرف دیکھتے ہوئے؟ دلیل کی طرف دیکھتے ہوئے یوں سمجھا جائے گا کہ لوگوں کو مسئلے کا علم ہے بھائی، لوگوں کو مسئلے کا علم ہے کیونکہ حکم کا مدار دلیل پر ہوتا ہے، کس پر ہوتا ہے؟ حکم کا مدار دلیل پر ہوتا ہے اور دلیل پائی جا رہی ہے یا دلیل نہیں پائی جا رہی؟ جب دلیل پائی جا رہی ہے تو یوں سمجھیں گے کہ لوگوں کو بھی اس مسئلے کا علم ہے اور وہ حکم بھی آجائے گا، کوئی بھی اس کی طرف سے احرام باندھ لے تو اس کا احرام صحیح ہو جائے گا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ یہی بات اب دیکھیے صاحبِ ہدایہ بیان کریں گے۔

وَلَهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے، **أَنَّهُ لَمَّا عَاقَدَهُمْ عَقْدَ الرُّفْقَةِ**، کہ جب اس شخص نے ان ساتھیوں کے ساتھ عقد کر لیا **عَقْدَ الرُّفْقَةِ**، کون سا

عقد؟ رفاقت والا، ساتھ رہنے والا عقد، **فَقَدِ اسْتَعَانَ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ**، تو تحقیق اس نے مدد طلب کی اس عقد کے ذریعے اس نے یا عقد دراصل اسی بات پر ہے نا کہ مدد کریں گے، تو تحقیق اس نے مدد طلب کی **بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ** اپنے ساتھیوں میں سے ہر ایک سے، **فِيمَا**، اس کام کے اندر، **يَعْجِزُ عَنْ مُبَاشَرَتِهِ بِنَفْسِهِ**، کہ جس کو عاجز آجائے سرانجام دینے سے یہ خود بھائی، جس کام کو یہ خود سرانجام دینے سے عاجز آجائے اس کے اندر اس میں اس نے ان میں سے ہر ایک سے مدد طلب کر لی، **وَالْإِحْرَامُ هُوَ الْمَقْصُودُ بِهَذَا السَّفَرِ**، اور احرام ہی تو مقصود ہے اس سفر کے ذریعے، **فَكَانَ الْإِذْنُ بِهِ ثَابِتًا دَلَالَةً**، تو اجازت جو ہے اس احرام کی، **فَكَانَ الْإِذْنُ بِهِ**، أَيْ: **بِالْإِحْرَامِ**، تو احرام کی اجازت جو ہے **ثَابِتًا دَلَالَةً** وہ دلالۃً ثابت ہو جائے گی بھائی، **وَالْعِلْمُ ثَابِتٌ نَظَرًا إِلَى الدَّلِيلِ**، اور علم بھی ثابت ہو جائے گا دلیل کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ کس کی طرف نظر کرتے ہوئے؟ دلیل تو موجود ہے مدد طلب کرنے کی، دلالۃً اجازت آگئی یا نہیں آگئی؟ بس جب دلالۃً اجازت آگئی تو پھر علم کی یوں علم کو بھی کیا مانا جائے گا؟ ثابت مانا جائے گا، یوں سمجھا جائے گا کہ ہر ایک کو مسئلے کا بھائی دلالۃً اجازت آگئی یا نہیں؟ اصل تو مدار کس پر تھا مسئلے کا؟ دلیل پر تھا کہ دلالۃً اجازت، وہ صاحبین کیا فرما رہے تھے؟ دلالۃً اجازت ہی نہیں ہے، امام صاحب نے دلیل دے دی کہ دلالۃً کیا ہے؟ اجازت ہے، اور جب دلیل آگئی اجازت کی تو معلوم ہوا مسئلے کا بھی علم ہے۔

یوں کہو آسان لفظوں میں، یوں کہو آسان لفظوں میں: وہ محرم جب خود کہتا ہے دوسرے کو کہ تم میری طرف سے احرام باندھ لینا تو اذن آگیا یعنی صراحتاً، اور علم بھی ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ علم بھی، تو یہاں پر بھی اذن آگیا دلالۃً اور جب اذن دلالۃً آگیا تو اس کے ساتھ ساتھ کیا آگیا؟ علم بھی آگیا کہ یہ مسئلہ اس طرح آدمی کر سکتا ہے۔ صورت بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ کہ جب اس نے کیا کہا دوسرے کو؟ زبان سے کہا کہ میری طرف سے تم کیا کر لینا، اگر میں بے ہوش ہوا تم میری طرف سے احرام باندھ لینا، تو اس صورت میں صاحبین نے کوئی کہا تھا کہ مسئلے کا علم ہونا ضروری ہے؟ نہیں، بلکہ اس صورت میں وہ احرام باندھے گا تو یہ ہو جائے گا یا نہیں ہو جائے گا؟ احرام ہو جائے گا۔ تو جیسے وہاں پر صراحتاً اجازت کی وجہ سے خود بخود کیا ثابت ہو جاتا تھا؟ علم ثابت ہو جاتا تھا، تو یہاں پر بھی جب دلالۃً اذن آجائے گا تو علم ثابت ہو جائے گا، کس کی طرف دیکھتے ہوئے؟ اس دلیل کی طرف دیکھتے ہوئے، صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

یہ معنی ہے: **فَكَانَ الْإِذْنُ بِهِ ثَابِتًا دَلَالَةً**، تو لہٰذا احرام کی اجازت جو ہے وہ دلالۃً ثابت ہو گی، **وَالْعِلْمُ ثَابِتٌ نَظَرًا إِلَى الدَّلِيلِ**، اور علم بھی ثابت ہو جائے گا دلیل کی طرف دیکھتے ہوئے کیونکہ جب اجازت آرہی ہے تو مسئلے کا بھی پتہ چل گیا، **وَالْحُكْمُ يُدَارُ عَلَيْهِ**، اور حکم کا مدار دلیل پر ہے، اور جب دلیل پائی گئی تو لہٰذا اجازت بھی پائی گئی تو لہٰذا اس کی طرف سے احرام باندھنا صحیح ہو جائے گا۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

قَالَ: وَالْمَرْأَةُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ كَالرَّجُلِ لِأَنَّهَا مُخَاطَبَةٌ كَالرِّجَالِ.

اور عورت بھی ان تمام افعالِ حج کے اندر **كَالرَّجُلِ** مرد کی طرح ہے۔ بھائی عورت کے کچھ احکام مختلف ہیں، وہ بھی اب ساتھ ذکر کرنے لگے ہیں، باقی تمام افعال میں وہ کس کی طرح ہے؟ مرد کی طرح ہے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَالْمَرْأَةُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ كَالرَّجُلِ**، اور عورت ان تمام امور کے اندر یعنی حج کے ان تمام افعال میں **كَالرَّجُلِ** مرد کی طرح ہے، **لِأَنَّهَا مُخَاطَبَةٌ كَالرِّجَالِ**، اس لیے کیونکہ عورت بھی مخاطبہ ہے جیسے کہ مرد ہیں یعنی مردوں کو جیسے ان احکام کا حکم دیا گیا ہے، مرد ان احکام کے مخاطب ہیں اسی طرح اسی طرح عورتیں بھی ان احکام کی ان احکام کی مخاطبہ ہیں بھائی۔

غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَكْشِفُ رَأْسَهَا، اب فرق بیان کرنے لگے ہیں: علاوہ اس کے کہ عورت جو ہے اپنے سر کو نہیں کھولے گی، مرد کے لیے تو سر ڈھانپنا ممنوع ہے حالتِ احرام میں، لیکن عورت اپنے سر کو نہیں کھولے گی، **لِأَنَّهُ عَوْرَةٌ**، کیونکہ وہ عورت کا سر بھی کیا ہے؟ عورت ہے یعنی ستر ہے، کیا ہے؟ ستر ہے، **وَتَكْشِفُ وَجْهَهَا**، اور عورت اپنے چہرے کو کھولے گی۔ چہرے عورت کا احرام کس میں ہے؟ اس کے چہرے میں ہے، چہرے کو نہیں ڈھانپ سکتی۔ ہاں البتہ چہرے کا پردہ بھی فرض ہے تو پھر کیا کرے؟ تو اس کا طریقہ علماء نے لکھا ہے بھائی اور جیسا احادیث میں بھی آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ سے روایت ہے کہ ہم جو ہے اپنے چہرے کو کھلا رکھتی تھیں اور اونٹ پر سفر کر رہی ہیں تو جب کوئی اور شخص ہمارے قریب آتا تھا تو ہم اپنے چہرے پر کپڑے کو لٹکا لیتی تھیں، سمجھ میں آیا؟ پردہ کر لیتی تھیں اور پھر جب لوگ دور ہو جاتے قریب کوئی نہیں ہوتا تھا تو پھر ہم اپنے چہرے کو کھول لیتی تھیں، تو اسی طرح عورت کیا کرے گی؟ پردہ بھی فرض ہے تو چہرے پر کپڑا لٹکائے گی جب کوئی اور مرد ہوں، لیکن اس کپڑے کو چہرے پر لگنے نہ دے، چہرے سے جدا رکھے یعنی اس کو ہاتھ سے پکڑ کر چہرے سے جدا رکھے یا ماتھے پر کوئی ایسی چیز جو آگے کو نکلی ہوئی ہو اس پر کپڑا لٹکا دے تاکہ وہ کپڑا چہرے سے جدا رہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **وَتَكْشِفُ وَجْهَهَا**، اور عورت اپنے چہرے کو کھلا رکھے گی، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے، آپ نے فرمایا: «**إِحْرَامُ الْمَرْأَةِ فِي وَجْهِهَا**»، عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے، **وَلَوْ سَدَلَتْ شَيْئًا عَلَى وَجْهِهَا وَجَافَتْهُ عَنْهُ جَازَ**، اور اگر عورت نے لٹکا دیا کسی چیز کو اپنے چہرے پر **وَجَافَتْهُ عَنْهُ** اور اس کو جدا رکھا اس چہرے سے **جَازَ** تو یہ بھی جائز ہے، **هَكَذَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا**، اسی طرح روایت کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، **وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الِاسْتِظْلَالِ بِالْمَحْمِلِ**، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ محمل سے یعنی ہودج سے سایہ لینے کے درجے میں ہے۔

بھائی آپ مسئلہ پڑھ چکے کہ محرم کسی چیز کے سائے میں کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں کھڑا ہو سکتا؟ سائے میں کھڑا ہو سکتا ہے، اسی طرح جو اونٹ پر وہ جو بیٹھنے کی جگہ اور کمرہ بناتے تھے عرب جس کو محمل کہتے ہیں اور اردو زبان میں جسے ہودج کہتے ہیں، اس کے بھی سائے میں بیٹھ سکتا ہے محرم یعنی بیٹھ سکتا؟ بیٹھ سکتا ہے، تو یہاں پر بھی عورت جو اپنے چہرے پر کپڑا الٹکا لیتی ہے اور اس کو چہرے سے جدا رکھتی ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے اس کپڑے سے وہ سایہ لے رہی ہو، تو جیسے ہودج سے سایہ وغیرہ لینا جائز تھا اسی طرح اس کپڑے سے بھی سایہ لینا جائز ہے، یہ بھی اسی ہودج سے سایہ لینے کے درجے میں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الِاسْتِظْلَالِ بِالْمَحْمِلِ**، اور اس لیے کیونکہ یہ کپڑا چہرے پر لٹکانا یہ محمل سے سایہ لینے کے درجے میں ہے، **وَلَا تَرْفَعُ صَوْتَهَا بِالتَّلْبِيَةِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْفِتْنَةِ**، اور عورت جو ہے اپنی آواز اونچی نہیں کرے گی تلبیہ کے ساتھ یعنی اونچی آواز سے تلبیہ نہیں کہے گی، **لِمَا فِيهِ مِنَ الْفِتْنَةِ**، اس وجہ سے کہ اس کے اندر فتنہ ہے کیونکہ عورت کی آواز بھی کیا ہے؟ عورت ہے، اس کا بھی چھپانا ضروری ہے بھائی۔

وَلَا تَرْمُلُ وَلَا تَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ، اور عورت رمل نہیں کرے گی، طواف کے اندر رمل نہیں کرے گی، **وَلَا تَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ**، اور سعی بھی نہیں کرے گی ان دو سبز نشانوں کے درمیان۔ وہ جو سعی کے اندر دو سبز نشان تھے اور جہاں مرد ہلکی رفتار سے دوڑتا تھا تو عورت یہاں دوڑے گی نہیں، اطمینان سے چلتی رہے گی۔ **لِأَنَّهُ مُخِلٌّ بِسَتْرِ الْعَوْرَةِ**، اس لیے کیونکہ یہ چیزیں جو ہیں ستر عورت میں خلل ڈالنے والی ہیں حالانکہ ستر عورت تو ضروری ہے بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا تَحْلِقُ وَلَكِنْ تُقَصِّرُ، عورت حلق بھی نہیں کروائے گی، استرے سے سر کے بال صاف نہیں کروائے گی کیونکہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو حلق سے منع فرمایا ہے۔ ہاں وہ قصر کریں گی، بال چھوٹے کروائیں گی، سر کے بال بھائی احرام سے حلال ہونے کے لیے ان کو بھی کیا کرنا پڑے گا؟ سر کے بال کٹوانے پڑیں گے، اور کتنے بال کٹوائیں گی؟ بالوں کے جو آخری کنارے ہیں ان کناروں کو ایک ایک پورے کے بقدر کم از کم ایک ایک پورے کے بقدر اس کو کاٹ لیں گی۔ یہ معنی ہے: **وَلَا تَحْلِقُ وَلَكِنْ تُقَصِّرُ**، اور عورت حلق نہیں کروائے گی یعنی استرے سے بال صاف نہیں کروائے گی، **وَلَكِنْ تُقَصِّرُ** لیکن قصر کروائے گی یعنی بال چھوٹے کروائے گی، **لِمَا رُوِيَ**، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے، **أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى النِّسَاءَ عَنِ الْحَلْقِ وَأَمَرَهُنَّ بِالتَّقْصِيرِ**، کہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا عورتوں کو حلق کروانے سے اور حکم دیا ان کو تقصیر کا یعنی بال چھوٹے کروانے کا۔

وَلِأَنَّ، یہاں سے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حلق جو ہے یعنی استرے سے بال صاف کروانا یہ عورتوں کے لیے مثلہ ہے مثلہ، کس کی طرح ہے؟ مثلہ کی مثلہ کہتے ہیں چہرے کو بگاڑنا، صورت کو بگاڑنا۔ تو یہاں بھی عورت اگر حلق کروائے گی یہ تو اس کی صورت کو بگاڑ دینا ہے، لہٰذا وہ حلق نہیں کروائے گی کیونکہ حلق اس کے حق میں مثلہ ہے، جیسے مرد کے لیے داڑھی کا داڑھی کا حلق کروانا یہ مثلہ ہے بھائی۔ داڑھی کیا ہے مرد کے لیے؟ زینت ہے، سنت ہے اور زینت کا باعث ہے اور داڑھی کا کٹ حلق کروانا یہ مرد کے لیے کس کی طرح ہے؟ مثلہ کی طرح ہے یعنی صورت کو بگاڑ دینا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ حَلْقَ الشَّعْرِ فِي حَقِّهَا مُثْلَةٌ**، اس لیے کیونکہ بالوں کا حلق کروانا **فِي حَقِّهَا** عورت کے حق میں **مُثْلَةٌ** یہ مثلہ ہے، **كَحَلْقِ اللِّحْيَةِ فِي حَقِّ الرِّجَالِ**، جیسے کہ داڑھی کا حلق جو ہے مردوں کے حق میں ہے، جیسے کہ داڑھی کا حلق مردوں کے حق میں ہے یعنی جیسے یہ مردوں کے لیے مثلہ ہے اسی طرح سر کا حلق عورتوں کے لیے مثلہ ہے۔

وَتَلْبَسُ مِنَ الْمَخِيطِ مَا بَدَا لَهَا، بھائی مرد تو دو چادریں پہنتا تھا لیکن عورت کیا کرے گی؟ سلے ہوئے کپڑے ہی پہنے گی، تو جو کپڑے پہننا چاہے وہ پہن سکتی ہے احرام کی حالت میں۔ یہ معنی ہے: **وَتَلْبَسُ مِنَ الْمَخِيطِ**، عورت پہنے گی **مِنَ الْمَخِيطِ** سلے ہوئے کپڑوں میں سے، **مَا بَدَا لَهَا**، جو اس کی رائے ہو یعنی جو اس کا جی چاہے، جس طرح کے مرضی سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے، **لِأَنَّ فِي لُبْسِ غَيْرِ الْمَخِيطِ كَشْفَ الْعَوْرَةِ**، اس لیے کیونکہ غیر سلے ہوئے کپڑے پہننے میں ستر کا کھلنا ستر کا کھولنا ہے بھائی، اس صورت میں تو کیا ہو گا؟ ستر کھلے گا اور لہٰذا عورت سلے ہوئے کپڑے پہنے گی۔

قَالُوا: وَلَا تَسْتَلِمُ الْحَجَرَ، فقہاء فرماتے ہیں کہ عورت جو ہے وہ حجرِ اسود کا استلام نہیں کرے گی یعنی اس کا استلام نہ کرے، اس کو بوسہ نہ دے۔ اس لیے کیونکہ وہاں پر وہاں پر بڑی جماعت لوگوں کی ہوتی ہے جو جو سارے کیا کر رہے ہیں؟ تو وہاں تو سب مردوں کی ایک بڑی جماعت ہو گی، ہر ایک کوشش میں مصروف ہو گا کہ کسی طرح وہ حجرِ اسود کا بوسہ لے لے، تو یہ اگر اس طرح کرے گی تو مردوں کے ساتھ اس کا جسم لگے گا اور عورتوں کو تو مردوں سے جسم لگانے سے منع کیا گیا ہے۔

یہ معنی ہے: **وَلَا تَسْتَلِمُ الْحَجَرَ**، اور فقہاء فرماتے ہیں کہ عورت حجرِ اسود کا استلام نہیں کرے گی، **إِذَا كَانَ هُنَاكَ جَمْعٌ**، جبکہ وہاں پر جماعت ہو، کیا ہو؟ مجمع ہو لوگوں کا، لوگوں کی جماعت ہو، **لِأَنَّهَا مَمْنُوعَةٌ عَنْ مُمَاسَّةِ الرِّجَالِ**، کیونکہ عورت کو منع کیا گیا ہے مردوں کو چھونے سے یا ان کے ساتھ جسم کو لگانے سے بھائی، **إِلَّا أَنْ تَجِدَ الْمَوْضِعَ خَالِيًا**، مگر یہ کہ وہ کوئی خالی جگہ پالے۔

بھائی جب وہاں رش ہو، ہجوم ہو پھر تو عورت استلام نہیں کرے گی، لیکن اگر کوئی وقت مل جاتا ہے کہ حجرِ اسود کے پاس کوئی نہیں ہے تو پھر عورت کیا کر سکتی ہے؟ حجرِ اسود کا استلام کر سکتی ہے۔ مثلاً بھائی نماز کھڑی ہو رہی ہے، اقامت شروع ہو گئی، سارے لوگ پیچھے آجائیں گے اور صفیں بنالیں گے، تو اس وقت اگر عورت کیا کرنا چاہتی

ہے؟ استلام کرنا چاہتی ہے تو استلام کر سکتی ہے۔

ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ **لِأَنَّهَا مَمْنُوعَةٌ عَنْ مُمَاسَّةِ الرِّجَالِ**، اس لیے کیونکہ عورت کو منع کیا گیا ہے مردوں کے ساتھ چھونے سے، مردوں کے ساتھ مس کرنے سے یعنی مردوں کے ساتھ جسم لگانے سے، **إِلَّا أَنْ تَجِدَ الْمَوْضِعَ خَالِيًا**. چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۴۵: مسئلہ: وَمَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً تَطَوُّعًا، أَوْ نَذَرًا...

ہدایہ صفحہ: ۲۷۸ — بتاریخ: ۴ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَمَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً تَطَوُّعًا، أَوْ نَذْرًا، أَوْ جَزَاءَ صَيْدٍ، أَوْ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ، وَتَوَجَّهَ مَعَهَا يُرِيدُ الْحَجَّ، فَقَدْ أَحْرَمَ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً فَقَدْ أَحْرَمَ».

«**وَمَنْ قَلَّدَبَدَنَةً**»؛ **قَلَّدَ يُقَلِّدُ تَقْلِيدٌ** کا معنی ہے ہار پہنانا، قلادہ پہنانا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ قلادہ۔ تو قلادہ جس طرح یہ ہار کو کہتے ہیں، اسی طرح جانور کے گلے میں جو پٹا وغیرہ ڈالا جائے اس کو بھی قلادہ کہتے ہیں؛ کیونکہ جس طرح ہار نے گلے کا احاطہ کیا ہوتا ہے، اسی طرح اس پٹے نے بھی گلے کا احاطہ کیا ہوتا ہے۔ تو وہ جو پٹا جانور کے گلے میں پہنایا جائے، اسے بھی قلادہ کہتے ہیں۔ تقلید کا معنی ہے قلادہ پہنانا، یعنی وہ جانور کے گلے میں پٹا پہنانا۔

«**بَدَنَةً**»؛ بدنہ بھائی، بڑا جانور یہ جو اونٹ اور گائے وغیرہ ان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اور مفرد ہے «**بَدَنَةٌ**»، اور جمع جو ہے اس کی «**بُدُنٌ**» اور «**بُدْنٌ**» دال کے سکون اور دال کے ضمہ دونوں کے ساتھ صحیح ہے بھائی۔ تو مفرد کیا ہے؟ «**بَدَنَةٌ**» اور جمع کیا ہے؟ «**بُدُنٌ**» اور «**بُدْنٌ**»۔

قَالَ، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جامع صغیر میں: «**وَمَنْ قَلَّدَبَدَنَةً**» اور جس نے قلادہ پہنایا بدنہ کو، یعنی اونٹ یا گائے کو، «**تَطَوُّعًا**» چاہے وہ بدنہ جو ہے وہ نفلی ہو، یعنی اپنی طرف سے نفلی قربانی کے لیے اس جانور کو لے کر جا رہا ہے حرم، «**أَوْ نَذْرًا**» یا منت والا ہو، مثلاً اس نے منت مانی تھی کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو ایک جانور کی قربانی کروں گا مکہ میں، «**أَوْ جَزَاءَ صَيْدٍ**» یا کسی شکار کی جزا ہو۔ آپ پڑھ چکے ہیں احرام کے اندر بہت سے افعال کی پابندی انسان پر لگ جاتی ہے، انہی میں سے ایک فعل شکار ہے۔ حالتِ احرام میں کسی بھی چیز کو نقصان پہنچانے سے، تکلیف دینے سے بالخصوص منع کیا گیا ہے، حتی کہ شکار کھیلنا بھی منع ہے۔ تو صورت یہ تھی مثلاً یہ جو شخص ہے اس نے کسی پچھلے احرام میں، کسی پچھلے احرام میں کوئی شکار کیا تھا اور اس شکار کی وجہ سے اس پر ایک جانور کی قربانی واجب ہو گئی تھی بھائی۔ تو اب اس سال یہ کیا کرتا ہے؟ اس جانور کو قربانی کے لیے اپنے ساتھ گھر سے لے کر چلتا ہے۔ تو یہ ہے جزاء الصید، وہ شکار کی جزا۔ اسی احرام میں نہیں، غلطی کب ہوئی تھی مثلاً؟ پچھلے کسی احرام میں، پہلے کہیں وہ حج یا عمرے پر گیا تھا، اس وقت شکار کیا تھا۔

تو جس نے قلادہ پہنایا بدنہ کو چاہے وہ نفلی ہو یا منت والا ہو یا شکار کی جزا ہو، «**أَوْ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ**» یا کسی بھی چیز کا ہو، چیزوں میں سے کسی بھی چیز کا وہ بدنہ ہو، چاہے یعنی کہ بھائی حجِ تمتع میں بھی قربانی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح حجِ قران میں بھی قربانی۔ تو چاہے یہ جانور یہ بدنہ جس کو وہ لے کر جا رہا ہے چاہے حجِ تمتع کا ہے، چاہے حجِ قران کا ہے، تو بہر حال جو بھی بدنہ ہو جس کو اس نے قلادہ پہنایا ہے، «**وَتَوَجَّهَ مَعَهَا**» اور اس کے ساتھ وہ متوجہ ہو گیا، چل پڑا مکہ کی طرف، «**يُرِيدُ الْحَجَّ**» اس حال میں کہ وہ حج کا ارادہ کرتا ہے، «**فَقَدْ أَحْرَمَ**» تو تحقیق وہ محرم بن گیا۔

مسئلہ کیا بیان کیا؟ جس نے کسی جانور کو، قربانی کا جانور جسے وہ مکہ لے جا رہا ہے، چاہے وہ نفلی قربانی ہے، چاہے منت والی قربانی ہے، چاہے شکار کی جزا ہے، چاہے قران کی قربانی ہے، چاہے تمتع کی قربانی ہے، اس جانور کو جب وہ قلادہ پہنا دے اور اس کے ساتھ حرم کی طرف متوجہ ہو جائے، چل پڑے، تو وہ شخص محرم بن جائے گا۔

تفصیلِ مسئلہ یاد رکھیے، بھائی آپ نے شروع میں پڑھا تھا، احرام کا جہاں بیان، حجِ افراد کا جہاں بیان آیا تھا، وہاں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صرف نیت کرنے سے بھی کوئی محرم نہیں بنتا اور صرف تلبیہ کہنے سے بھی کوئی محرم نہیں بنتا، بلکہ نیت بھی کرے اور تلبیہ بھی کہے بھائی۔ نیت بھی کرے اور تلبیہ بھی کہے زبان سے، تو پھر محرم بنتا ہے۔ اور اگر تلبیہ کے بجائے وہ کوئی ایسا فعل کر لیتا ہے جو احرام کی خصوصیات میں سے ہے، تو وہ فعل بھی اس تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟

محرم کب بنتا ہے انسان؟ جب نیت بھی کرے اور تلبیہ بھی کہے۔ صرف نیت سے بھی محرم نہیں، صرف تلبیہ سے بھی محرم نہیں۔ اب صورت یہ ہے ایک شخص وہ حج کی نیت کرتا ہے، بھائی ایک شخص ہے مثلاً وہ حج کا ارادہ کرتا ہے اور اس نے احرام کی دو چادریں بھی باندھ لیں اور اس نے نیت بھی، وہ احرام کی دو رکعت سنت جو تھے وہ

بھی پڑھ لیے، اور اس کے بعد محرم کب بنے گا اب؟ جب وہ نیت کر لے گا اور تلبیہ کہہ لے گا۔ وہ نیت تو اس کی ہے لیکن ابھی اس نے تلبیہ نہیں کہا۔ تو تلبیہ کے بجائے اگر وہ کوئی ایسا فعل کر لیتا ہے جو احرام کی خصوصیات میں سے ہے، تو یہ فعل بھی تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی وہ محرم بن جائے گا، کیونکہ دونوں چیزیں پائی گئیں۔ احرام کے لیے کیا ضروری تھا؟ نیت اور تلبیہ۔ نیت تو اس نے کی ہوئی ہے یہاں پر، اور ساتھ تلبیہ تو نہیں لیکن تلبیہ کا قائم مقام آ گیا، اور وہ کیا چیز؟ احرام کی خصوصیات میں سے کوئی خاص فعل پایا گیا۔ جو کس کے ساتھ خاص ہے؟ احرام کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہاں پر مثلاً اس نے کیا کیا؟ جانور کو قلادہ پہنایا یا قاعدہ اور اس کو لے کر چل پڑا۔ جیسے ہی چلے گا، صرف اس نے نیت کی ہے، تلبیہ نہیں کہا، لیکن جانور کو قلادہ پہنا کر جیسے ہی متوجہ ہو گا حرم کی طرف، وہ خود بخود محرم بن جائے گا۔ خود بخود کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔ تفصیلِ مسئلہ سمجھ میں آ گئی بھائی؟

لہٰذا معلوم ہوا تلبیہ کہنا ضروری ہے، لیکن اگر کوئی تلبیہ کا قائم مقام آ جائے تو وہ بھی کس جیسا عمل کرے گا؟ تلبیہ جیسا ہی عمل کرے گا اور اس کی وجہ سے احرام شروع ہو جائے گا۔ لیکن نیت ضروری ہے، وہ آپ پہلے پڑھ چکے، کیونکہ صرف تلبیہ سے بھی کوئی محرم نہیں بنتا اور صرف نیت سے بھی نہیں۔ دونوں چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ تو یہاں بھی کیا ضروری ہوا؟ نیت بھی ہو اور تلبیہ یا اس کا قائم مقام۔ اور تلبیہ تو نہیں آیا، پھر کیا آیا یہاں پر؟ اس کا قائم مقام آ گیا۔ کیا؟ جانور کو اس نے قلادہ پہنایا اور قلادہ پہنا کر چل پڑا۔ قلادہ کی قید ضروری ہے، تو گویا یہاں تین چیزیں آ گئیں: ایک یہ کہ جانور کو قلادہ پہنائے، دوسرا یہ کہ اس کو لے کر چل پڑے، اور تیسرا یہ کہ اس نے حج کی نیت بھی کی ہو۔ تو اس صورت میں کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا، اگرچہ اس نے ابھی زبان سے تلبیہ نہیں کہا بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی۔

لہٰذا محرم بن جائے گا اور اس پر احرام کی ساری پابندیاں لاگو ہو جائیں گی جو محرم پر لاگو ہوتی ہیں۔ اب وہ بال نہیں کاٹ سکتا، اب وہ ناخن نہیں کاٹ سکتا، شکار نہیں کھیل سکتا بھائی، خوشبو نہیں لگا سکتا، بیوی کے قریب نہیں جا سکتا، تمام پابندیاں لگ جائیں گی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً تَطَوُّعًا، أَوْ نَذْرًا، أَوْ جَزَاءَ صَيْدٍ، أَوْ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ، وَتَوَجَّهَ مَعَهَا يُرِيدُ الْحَجَّ، فَقَدْ أَحْرَمَ**» اور جس نے بدنہ کو قلادہ پہنایا چاہے وہ نفلی ہو یا منت والا ہو، یعنی وہ بدنہ چاہے نفلی ہو یا منت والا ہو، «**أَوْ جَزَاءَ صَيْدٍ**» یا کسی شکار کی جزا ہو، مثلاً اس نے پچھلے احرام کے اندر جو ہے کوئی شکار کیا تھا، «**أَوْ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ**» یا یہ بدنہ چیزوں میں سے کسی بھی چیز کا ہو، چاہے حج قران کا ہو چاہے حج تمتع، جو بھی بدنہ ہے جو جانور لے کر وہ چل رہا ہے اس کو قلادہ پہنا دیا اور لے کر چل پڑا، نیت ہے اس کی، فوراً ہی محرم بن جائے گا۔ «**وَتَوَجَّهَ مَعَهَا**» اور اس کے ساتھ وہ متوجہ ہو گیا حرم کی طرف، یعنی چل پڑا، «**يُرِيدُ الْحَجَّ**» اس حال میں کہ یہ حج کا ارادہ کرتا ہے، «**فَقَدْ أَحْرَمَ**» تو تحقیق یہ محرم ہو گیا، «**لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے کہ آپ نے فرمایا: «**مَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً فَقَدْ أَحْرَمَ**» جس نے قلادہ پہنایا بدنہ کو تو تحقیق وہ محرم ہو گیا۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ سَوْقَ الْهَدْيِ

«**وَلِأَنَّ سَوْقَ الْهَدْيِ**» یہاں سے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، نقلی دلیل ذکر کر دی۔ کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ سَوْقَ الْهَدْيِ فِي مَعْنَى التَّلْبِيَةِ**» اور اس لیے کیونکہ ہدی کو ہانکنا، ہدی بھائی یہ جو قربانی کا جانور جس کو حرم لے جایا جاتا ہے، حرم بھیجا جاتا ہے، اس کو ہدی کہتے ہیں بھائی، **هَدْيٌ** بھائی **هَدْيٌ**۔ تو کہتے ہیں بھائی یہ جو ہدی کو ہانکنا ہے، ہانکنا بھائی ایک ہے ہانکنا ہوتا ہے کہ جانور آگے ہوتا ہے انسان اس کے پیچھے چل رہا ہے، اس کو ہانک کر لے جا رہا ہے۔ اور ایک ہے جانور کو آگے سے کھینچنا، لے جانا، اس کو، وہ جو کھینچنے والا ہے وہ قائد کہلائے گا، اور یہ جو پیچھے سے ہانکنے والا ہے یہ سائق کہلائے گا۔ تو کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ سَوْقَ الْهَدْيِ فِي مَعْنَى التَّلْبِيَةِ**» اس لیے کیونکہ اس قربانی کے جانور کو ہانکنا یہ تلبیہ کے معنی میں ہی ہے، یہ تلبیہ کی طرح ہی ہے، اور تلبیہ سے بھی انسان کیا بن جاتا تھا؟ محرم، جب اس کے ساتھ کیا مل جاتی تھی؟ نیت ملتی تھی، تو یہاں بھی نیت اس کی موجود ہے اور ساتھ تلبیہ کے، تلبیہ تو نہیں لیکن وہ چیز ہے جو تلبیہ کے قائم مقام ہے۔ یہ معنی: «**وَلِأَنَّ سَوْقَ الْهَدْيِ فِي مَعْنَى التَّلْبِيَةِ فِي إِظْهَارِ الْإِجَابَةِ**» اور اس لیے کیونکہ قربانی کے جانور کو، ہدی کو ہانکنا یہ بھی تلبیہ کے معنی میں ہے، «**فِي إِظْهَارِ الْإِجَابَةِ**»، **أَجَابَ يُجِيبُ إِجَابَةً** کے معنی ہیں قبول کرنا، قبولیت کے ظاہر کرنے میں یہ بھی تلبیہ کے معنی میں ہے۔ ہدی کو ہانکنا یہ بھی تلبیہ کے معنی میں ہے قبولیت کو ظاہر کرنے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو حج پر بلایا گیا، حج کو فرض کر دیا گیا لوگوں پر بھائی۔ اب ایک تو زبان سے اس دعوت کو قبول کرنا ہے۔ اللہ کی طرف سے بلایا گیا کہ میرے بیت اللہ کا حج کرو بھائی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کر دیا گیا اور پکارا گیا کہ سب لوگ کیا کریں؟ میرے اس گھر کا حج کریں جو بھی استطاعت رکھتے ہیں بھائی، جو بھی استطاعت رکھتے ہیں۔ اور یہ تلبیہ کے ذریعے دراصل کیا کرتا ہے؟ انسان اس دعوت کو قبول کرتا ہے۔ اس دعوت کو: «**لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ**» اے اللہ، میں حاضر ہوں، میں آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں، آپ نے جس حج کی طرف ہمیں بلایا تھا، اس حج کے لیے ہم حاضر ہیں بھائی۔

تو جس طرح یہ اس دعوت کو قبول کرنا تلبیہ کے ذریعے ہے، اسی طرح ایسا فعل، ایسے فعل کے ذریعے بھی اس کی قبولیت کو ظاہر کیا جا سکتا ہے جو صرف حج یا عمرے والا کرتا ہے، جو کون کرتا ہے؟ حج یا عمرے والا جو فعل کرتا ہے، یعنی وہ فعل جو خاص ہے کس کے ساتھ؟ حج پر جانے والے کے ساتھ یا عمرے پر جانے والے کے ساتھ۔ تو یہ

فعل بھی، اس کا یہ فعل بھی اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اللہ کی اس دعوت کو، اللہ کی طرف کے اس حکم کو کیا کر رہا ہے؟ قبول کر رہا ہے۔ تو جیسے تلبیہ کے ذریعے قبول، قبولیت کا اظہار کیا جاتا ہے، اسی طرح حج یا عمرے کا کوئی خاص فعل وہ شروع کرے گا، تو اس خاص فعل کا شروع کرنا بھی کیا بتلا رہا ہے؟ وہ اس حکم کو قبول کر رہا ہے اور اس پر لبیک کہہ رہا ہے اور اللہ کے گھر وہ حاضری کے لیے چل پڑا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جس طرح تلبیہ کے ذریعے اس حکم کو یا اس دعوت کو قبول کیا جاتا ہے، اسی طرح حج یا عمرے کے کسی خاص فعل کے ذریعے بھی کیا کیا جاتا ہے؟ دعوت کو قبول کیا جاتا ہے اور اس کی قبولیت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «**وَلِأَنَّ سَوْقَ الْهَدْيِ فِي مَعْنَى التَّلْبِيَةِ فِي إِظْهَارِ الْإِجَابَةِ**» اور اس لیے کیونکہ اس جانور کا ہانکنا جو ہے یہ تلبیہ کے معنیٰ میں ہے قبولیت کو ظاہر کرنے میں، «**لِأَنَّهُ لَا يَفْعَلُهُ إِلَّا مَنْ يُرِيدُ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ**» اس لیے کیونکہ یہ فعل کرتا نہیں ہے مگر وہ شخص جس کا ارادہ حج یا عمرے کا ہو، «**وَإِظْهَارُ الْإِجَابَةِ قَدْ يَكُونُ بِالْفِعْلِ كَمَا يَكُونُ بِالْقَوْلِ**» اور قبولیت کو ظاہر کرنا یہ کبھی فعل کے ذریعے ہوتا ہے جیسے کہ یہ کبھی قول کے ذریعے ہوتا ہے۔ دعوت کو قبول کرنا کبھی زبان کے ذریعے ہو گا اور کبھی فعل کے ذریعے بھی ہوتا ہے۔ «**فَيَصِيرُ بِهِ مُحْرِمًا**» تو اس جانور کو ہانکنے کی وجہ سے، اس ہدی کو ہانکنے کی وجہ سے وہ شخص محرم بن جائے گا، «**لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِفِعْلٍ هُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْإِحْرَامِ**» اس وجہ سے کہ مل گئی نیت ایسے فعل کے ساتھ جو احرام کی خصوصیات میں سے ہے۔ بھائی «**بِفِعْلٍ**» نکرہ آیا، اور نکرہ کے بعد «**هُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْإِحْرَامِ**» جملہ اسمیہ آیا، اور جملہ بھی کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو نکرہ کے بعد نکرہ آیا، لہٰذا یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے ہوئے موصوف سے پہلے پھر کیا لفظ لے آئیں گے؟ ایسے، تو دیکھیے: «**لِاتِّصَالِ النِّيَّةِ بِفِعْلٍ هُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْإِحْرَامِ**» بوجہ مل جانے نیت کے کہ نیت مل گئی ایسے فعل کے ساتھ جو احرام کی خصوصیات میں سے ہے۔

■ مسئلہ: وَصِفَةُ التَّقْلِيدِ

«**وَصِفَةُ التَّقْلِيدِ**»، یہاں سے تقلید کا طریقہ بھی بتلا رہے ہیں۔ بھائی یہ قدیم طریقہ تھا اور اس کے ذریعے دیکھنے والا ہر ایک جان لیتا تھا کہ یہ جانور حرم قربانی کے لیے لے جایا جا رہا ہے کہ اس کے گلے میں وہ کوئی رسی وغیرہ یا پٹا وغیرہ لٹکا دیا جاتا، کس کے ساتھ؟ کوئی پرانا چمڑے کا ٹکڑا اس میں لٹکا دیا جاتا، یا کوئی پرانا جوتا وغیرہ لٹکا دیا جاتا، یا اس کے گلے میں درخت کی چھال وغیرہ لٹکا دی جاتی، یا اسی طرح کوئی پانی وغیرہ کے برتن کا دستہ وغیرہ یہ اس کے گلے میں لٹکا دیا جاتا تھا بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ رہی ہے؟ ایک تو ویسے جانور کے گلے میں پٹا پہنانا ہے نا، اور ایک وہ کیا کرتے تھے باقاعدہ؟ کوئی پرانا چمڑے کا ٹکڑا لٹکا دیا کرتے تھے اس کے گلے میں چاہے رسی کے ساتھ ہو یا کسی چیز کے ساتھ ہو، یا اسی طرح درخت کی چھال لٹکا دیتے تھے، یا اسی طرح پانی کے برتن کا دستہ وغیرہ، جو جو اس زمانے میں طریقہ تھا، وہ جانور کے گلے میں لٹکا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جو بھی اس جانور کو دیکھتا تھا جہاں سے لے کر گزرتے تھے، وہ جانور کو دیکھتے ہی پہچان لیتے تھے کہ اس جانور کو کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ حرم قربانی کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

تو یہی ذکر کر رہے ہیں: «**وَصِفَةُ التَّقْلِيدِ**» اور تقلید کا طریقہ یہ ہے، «**أَنْ يَرْبُطَ عَلَى عُنُقِ بَدَنَتِهِ قِطْعَةَ نَعْلٍ أَوْ عُرْوَةَ مَزَادَةٍ أَوْ لِحَاءَ شَجَرَةٍ**» وہ یہ کہ باندھ دے «**عَلَى عُنُقِ بَدَنَتِهِ**» اپنے بدنہ کی گردن پر، کیا باندھ دے؟ «**قِطْعَةَ نَعْلٍ**» جوتے کا ٹکڑا، نعل کہتے ہیں جوتے کو، «**قِطْعَةَ نَعْلٍ**» جوتے کا کوئی ٹکڑا باندھ دے، «**أَوْ عُرْوَةَ مَزَادَةٍ**»، عروۃ کہتے ہیں دستے کو، دستہ بھائی، مزادہ کہتے ہیں پانی کا مشکیزہ جو ہوتا ہے یا پانی کا جو برتن وغیرہ ہو اس کو کہتے ہیں مزادہ، تو «**عُرْوَةَ مَزَادَةٍ**» پانی کے برتن کا دستہ اس کے گلے میں باندھ دے، «**أَوْ لِحَاءَ شَجَرَةٍ**»، لحاء کہتے ہیں درخت کی چھال کو، چھال بھائی، «**أَوْ لِحَاءَ شَجَرَةٍ**» یا درخت کی چھال کو۔

«**فَإِنْ قَلَّدَهَا وَبَعَثَ بِهَا وَلَمْ يَسُقْهَا لَمْ يَصِرْ مُحْرِمًا**»؛ صورت یہ ایک آدمی نے اپنے جانور کو کے گلے میں قلادہ تو پہنا دیا لیکن خود نہیں اس کے ساتھ چلا، بلکہ ساتھیوں کے ہاتھ بھجوا دیا۔ تو کیا اس سے بھی وہ محرم بن جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس سے محرم نہیں بنے گا، بلکہ خود یہ اس کو ہانک کر چلے گا اور ارادہ بھی کس کا ہو گا؟ حج کا، حج وغیرہ کا ہو گا تو پھر اس صورت میں وہ محرم بنے گا، کیونکہ نیت بھی تو ضروری ہے۔ کوئی خاص فعل ہو، احرام کا خاص فعل پایا جائے اور ساتھ کیا ہو؟ نیت ہو۔ لہٰذا اگر کسی اور کے ہاتھ بھجوا دیا چاہے قلادہ بھی پہنا دیا ہے تو اس صورت میں یہ محرم نہیں بنے گا۔ تو کہتے ہیں: «**فَإِنْ قَلَّدَهَا**» اگر اس بدنہ کو قلادہ پہنایا «**وَبَعَثَ بِهَا**» اور اس کو بھجوا دیا «**وَلَمْ يَسُقْهَا**» اور خود اس کو ہانکا نہیں «**لَمْ يَصِرْ مُحْرِمًا**» تو اس سے یہ محرم نہیں بنے گا۔

■ مسئلہ: لِمَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى...

«**لِمَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَبَعَثَ بِهَا وَأَقَامَ فِي أَهْلِهِ حَلَالًا**»، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ آپ نے فرمایا: «**كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَبَعَثَ بِهَا وَأَقَامَ فِي أَهْلِهِ حَلَالًا**»، وہ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہدی ہوتی تھی اس کے قلادے میں بٹا کرتی تھی۔

میں کیا کرتی تھی؟ میں ان کی، حضور علیہ السلام کی جو ہدی ہوتی تھی اس کے قلادے میں بٹا کرتی تھی، یعنی وہ رسی وغیرہ اس کی بناتی ہوں گی، اور پھر حضور علیہ السلام ان جانوروں کو بھجوادیا کرتے تھے حرم اور خود مدینہ منورہ ہی میں حلال ہو کر مقیم رہتے تھے۔ حلال ہو کر؟ تو دیکھیے حضور علیہ السلام دوسروں کے ہاتھ قربانی کا جانور بھیج رہے ہیں اور خود مدینہ منورہ ہی میں حلال ہو کر مقیم ہیں۔ معلوم ہوا قلادہ پہنا کر جانور کو بھیجا جائے تو اس سے کوئی انسان محرم نہیں بنتا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ وہ فرماتی ہیں: «كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» کہ میں بٹا کرتی تھی حضور علیہ السلام کی ہدی کے قلادے، «فَتَلَ يَفْتِلُ» کے معنی بٹنا، وہ بنانا بھائی رسی وغیرہ کا، «كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» کہ میں بٹا کرتی تھی حضور علیہ السلام کی ہدی کے قلادے، «فَبَعَثَ بِهَا» تو آپ ان کو بھیج دیا کرتے، اس ہدی وغیرہ کو بھیج دیا کرتے، «وَأَقَامَ فِي أَهْلِهِ حَلَالًا» اور آپ خود مقیم رہتے اپنے گھر والوں میں ہی حلال ہو کر، یعنی غیر احرام کی حالت میں۔

«فَإِنْ تَوَجَّهَ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ يَصِرْ مُحْرِمًا حَتَّى يَلْحَقَهَا»؛ صورتِ مسئلہ یہ، ایک آدمی نے قربانی کا ایک جانور تیار کیا حرم بھجوانے کے لیے اور اس کو قلادہ پہنا دیا اور کسی ساتھی کے ہمراہ بھیج دیا، اور خود ابھی اپنے علاقہ اپنے وطن میں ہی ہے، تو کیا یہ خود محرم بنے گا؟ ابھی مسئلہ آپ نے پڑھا، یہ خود محرم نہیں۔ لیکن پھر اس کا ارادہ ہوا اور یہ چل پڑا۔ کس کا ارادہ ہوا؟ حج کا اس کا ارادہ بن گیا اور یہ چل پڑا یہاں سے، تو کیا چلتے ہی محرم بن جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، صرف چلنے سے محرم نہیں۔ بلکہ یہاں تک کہ یہ جا کر اس جانور کو پالے، اس تک پہنچ جائے راستے میں، یا اس کو ہانکنا شروع کر دے، تو پھر فوراً محرم بن جائے گا۔ یہ تمام وہ صورتیں بیان ہو رہی ہیں جب اس نے زبان سے تلبیہ نہیں کہا۔ اگر زبان سے تلبیہ بھی کہہ دیا اور نیت کر دی ہے، پھر تو اسی وقت محرم بن گیا۔ یہاں کون سی صورتیں ذکر ہو رہی ہیں؟ زبان سے اس نے تلبیہ نہیں کہا، البتہ یہ احرام کے خاص افعال میں سے کوئی فعل پایا گیا، تو نیت کے ساتھ جب یہ فعل ملے گا وہ خود بخود کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «فَإِنْ تَوَجَّهَ بَعْدَ ذَلِكَ» اس کے بعد اگر یہ شخص متوجہ ہو گیا، یعنی جانور کو بھیجنے کے بعد یہ خود بھی بعد میں پیچھے چل پڑا، «لَمْ يَصِرْ مُحْرِمًا» تو یہ محرم نہیں بنے گا «حَتَّى يَلْحَقَهَا» یہاں تک کہ اس سے جا کر مل جائے۔ وہ جو ساتھی جانور لے کر جا رہا تھا، یہ خود بھی کیا ہوا، اپنے اس جانور تک پہنچ گیا۔ «لِأَنَّ عِنْدَ التَّوَجُّهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ هَدْيٌ يَسُوقُهُ لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ إِلَّا مُجَرَّدُ النِّيَّةِ، وَبِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ لَا يَصِيرُ مُحْرِمًا»؛ بھائی وجہ یہ کہ جب اس نے اپنا جانور بھیج دیا ہے اور پھر یہ خود بھی چل پڑا، خود بھی اور نیت اس کی کس چیز کی ہے؟ حج کی ہے، تو اس صورت میں جب یہ خود چلا تو احرام کے خاص افعال میں سے کوئی فعل نہیں پایا گیا، صرف اس کی نیت ہے، ہاں جب یہ اس جانور کو پالے گا اور اس کو کیا کرے گا؟ ہانکے گا، تو یہ دیکھو، جانور کو قلادہ پہنایا ہوا ہے اور حج کی نیت بھی کی ہوئی ہے اور اس کو ہانک رہا ہے، یہ فعل کس کی خصوصیات میں سے ہے؟ احرام کی خصوصیات میں سے ایک خاص فعل ہے، ہر ایک اس طرح نہیں کرتا۔ تو یہ جب فعل پایا جائے گا تو وہ کیا بن جائے گا؟ محرم، اس سے پہلے محرم نہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

ہاں، بہتر تو یہ ہے کہ وہ زبان سے تلبیہ کہے۔ نیت بھی کرے اور کیا کرے؟ زبان سے تلبیہ کہے، لیکن اگر اس نے زبان سے نہیں بھی کہا تلبیہ، نیت کی ہوئی ہے اور پھر یہ چل پڑا اس جانور تک پہنچ گیا اور اس کو ہانکنے لگ پڑا، تو فوراً خود بخود کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا، اگرچہ ابھی تلبیہ نہ کہا ہو بھائی۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّ عِنْدَ التَّوَجُّهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ هَدْيٌ» اس لیے کیونکہ متوجہ ہوتے وقت جب اس کے سامنے ایسی ہدی نہ ہو «يَسُوقُهُ» جس کو وہ ہانک رہا ہو، جب اس کے سامنے، جب یہ چل پڑا تو جب اس کے سامنے ایسی ہدی نہ ہو «يَسُوقُهُ» جس کو وہ ہانک رہا ہو، «لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ إِلَّا مُجَرَّدُ النِّيَّةِ» تو نہیں پائی گئی اس شخص کی طرف سے مگر صرف نیت، اور صرف نیت سے کوئی محرم بنتا ہے؟ بلکہ کیا ضروری ہے؟ تلبیہ یا تلبیہ کا قائم مقام ضروری ہے۔ «وَبِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ لَا يَصِيرُ مُحْرِمًا» اور صرف نیت سے وہ محرم نہیں ہوتا بھائی۔ لہٰذا جب اس جانور کو پالے گا اور اس کو ہانکے گا تو پھر فوراً کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔

■ مسئلہ: فَإِذَا أَدْرَكَهَا وَسَاقَهَا، أَوْ أَدْرَكَهَا...

«فَإِذَا أَدْرَكَهَا وَسَاقَهَا، أَوْ أَدْرَكَهَا، فَقَدِ اقْتَرَنَتْ نِيَّتُهُ بِعَمَلٍ هُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْإِحْرَامِ فَيَصِيرُ مُحْرِمًا»؛ «فَإِذَا أَدْرَكَهَا» پس جب یہ اس جانور کو، اس بدنہ کو پالے «وَسَاقَهَا» اور اس کو ہانکے، یا «أَوْ أَدْرَكَهَا» یا اس کو پالے، دو صورتیں ذکر کر رہے ہیں بھائی۔ وجہ یہ کہ اس بارے میں دو روایتیں آئی ہیں بھائی۔ بعض روایتوں میں صرف پانے کا ذکر ہے کہ جب یہ چل پڑے گا اور اپنے اس جانور کو، اس بدنہ کو راستے میں کہیں پر پالے گا، اور بعض میں پانے کے ساتھ ساتھ ہانکنے کی بھی شرط ہے۔ تو اس لیے دونوں کو ذکر کر دیا مصنف نے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «فَإِذَا أَدْرَكَهَا وَسَاقَهَا» جب یہ اس جانور کو پالے اور اس کو ہانکے، «أَوْ أَدْرَكَهَا» یا صرف کیا کر لے؟ پالے، «فَقَدِ اقْتَرَنَتْ نِيَّتُهُ بِعَمَلٍ» تو تحقیق مل گئی اس کی نیت ایسے عمل کے ساتھ «هُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْإِحْرَامِ» جو کس کی خصوصیات میں سے ہے؟ احرام کی خصوصیات میں سے ہے، «فَيَصِيرُ مُحْرِمًا» تو یہ کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔ اس کی نیت مل گئی ایسے عمل کے ساتھ جو احرام کی خصوصیات میں سے ہے۔ کون سا عمل ہے وہ؟ جانور کو قلادہ پہنا کر کدھر کو لے جا رہا ہے؟ حرم کی طرف، یہ احرام کی خصوصیات میں سے ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ ہر ایک اس طرح نہیں کرتا بھائی۔

«كَمَا لَوْ سَاقَهَا فِي الِابْتِدَاءِ» جیسے کہ اس نے اس کو ہانکا تھا ابتدا کے اندر۔ جیسے ابتدا کے اندر اس طرح ہانکنے کی صورت میں وہ محرم بن جاتا ہے، گھر سے

ہی جانور کو قلادہ پہنایا اور اس کو لے کر چل پڑا، تو فوراً ہی کیا بن جائے گا؟ محرم، بشرطیکہ اس نے نیت کی ہو۔ تو جیسے وہاں محرم بن جاتا تھا، اسی طرح اگر راستے میں جب اپنے اس بدنہ کو پالے گا اور اس کو ہانکے گا تو اس صورت میں بھی محرم بن جائے گا۔

«قَالَ: إِلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتْعَةِ فَإِنَّهُ مُحْرِمٌ حِينَ تَوَجَّهَ»؛ یہاں سے بتلا رہے ہیں کہ اگر یہ جو قربانی کا جانور جس کو اس نے بھیجا تھا، یہ جو قربانی کا جانور یہ جو اس نے بھیجا تھا حرم کی طرف، بھائی مثلاً ساتھی جا رہے تھے، اس کا اپنا ارادہ بھی ہے کہ میں اس سال جا کر کیا کروں گا؟ حجِ تمتع کروں گا یا حجِ قران کروں گا، اور حجِ تمتع یا حجِ قران میں تو قربانی واجب ہوتی ہے، تو اس کے کچھ ساتھی پہلے قافلے میں چل رہے تھے، اس نے ان کے ہاتھ بدنہ روانہ کر دیا۔ کیا روانہ کر دیا؟ کہ مجھے وہاں جانور کی ضرورت پڑے گی قربانی کے لیے، تم اور جانور لے جا رہے ہو لو بھائی، میرا یہ جانور بھی اپنے ساتھ لے جاؤ، میں بھی پھر آ جاؤں گا۔ اب اس نے یہ جانور اپنے، قلادہ پہنایا اس کو اور ساتھیوں کے ہاتھ وہ جانور اس نے بھیج دیا۔ اور یہ بدنہ کون سا ہے؟ عام بدنہ ہے یا حجِ تمتع یا قران والا ہے؟ حجِ تمتع یا قران والا ہے۔ اس کے بعد پھر اس نے بھی یہاں سے حج کی نیت کی اور یا عمرے کی، اور چل پڑا۔ کیا کیا؟ چل پڑا۔ اب آپ مجھے مسئلہ بتائیے بھائی، تو جہ ہے ناسبق کی طرف؟ یہ چل پڑا یہاں سے، بتائیے بھائی، یہ محرم کب بنے گا؟ نیت تو اس نے کی ہوئی ہے لیکن ابھی تلبیہ نہیں کہا۔ کہنا تو اس کو افضل تو یہ تھا کیا کہتا؟ تلبیہ، لیکن چلو تلبیہ نہیں بھی کہا، تلبیہ کے قائم مقام چیز جب آ جائے گی نیت بھی موجود ہے تو پھر کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔ تو یہ یہاں سے چل پڑا، کب بنے گا یہ شخص محرم؟ جب اس جانور کو پالے گا اور پھر اس کو ہانکے گا تو پھر کیا بن جائے گا؟ محرم۔ لیکن یاد رکھنا یہ عام جانور کے اندر تھا، عام ہدی کے اندر۔ اگر وہ ہدی جس کو اس نے آگے بھیجا تھا وہ حجِ تمتع یا حجِ قران والی ہدی ہے تو اس صورت میں گھر سے چلتے ہی محرم بن جائے گا۔ گھر سے؟ اب اس جانور تک جو اس کے ساتھی اس سے ایک دو دن پہلے لے کر گئے تھے اس تک پہنچنا اور اس کو ہانکنے کی شرط نہیں ہو گی، بلکہ گھر سے چلتے ہی یہ کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔ یہ کون سی صورت ہے جب اس نے تلبیہ نہ کہا ہو، تلبیہ کہہ دیا پھر تو ظاہر سی بات ہے اسی وقت محرم بن جائے گا۔

بھائی یہ کیا وجہ ہے؟ حجِ تمتع اور حجِ قران کا جو بدنہ ہے اس کے اندر ہانکنے کی بھی شرط نہیں لگائی اور جانور کو پانے کی بھی شرط نہیں لگائی، بلکہ صرف متوجہ ہونے سے ہی کیا بن جائے گا؟ محرم بنے گا۔ اور صرف متوجہ ہونے کے ساتھ ایک اور بھی چیز ضروری ہے، وہ کیا؟ ہاں، نیت کا ہونا تو ضروری ہے، اس کو بار بار میں ذکر نہیں کر رہا، وہ آپ کو علم ہے کہ نیت کے ساتھ ساتھ یہ جو دوسرا عمل ہے یہ کس کے قائم مقام ہے؟ تلبیہ کے قائم مقام ہے، اور احرام کے لیے دونوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے بھائی۔ تو نیت یہاں اس کی نیت تھی، اور جانور یہ پہلے بھیج چکا ہے، یہ گھر سے چل پڑا، جیسے ہی چلے گا فوراً کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

دیکھیے بھائی، **قَالَ**، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جامع صغیر میں: «**إِلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتْعَةِ**» مگر متعہ کے بدنہ میں، متعہ کے، متعہ سے مراد تمتع ہے، حجِ تمتع ہے۔ اور میں نے تمتع کے ساتھ ساتھ قران کو بھی ذکر کر دیا، دونوں کا یہی حکم ہے، کیونکہ حجِ قران بھی حجِ تمتع ہی کے معنی میں ہے، کیونکہ حجِ تمتع میں جیسے عمرہ کیا جاتا ہے اور کیا کیا جاتا ہے؟ حج، اسی طرح حجِ قران میں بھی کیا کیا جاتا ہے؟ عمرہ بھی کیا جاتا ہے اور حج۔ صرف کیا فرق ہے کہ تمتع والا بیچ میں عمرے کے بعد حلال ہو جاتا ہے، جبکہ حجِ قران والا حلال نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں پر، یہاں پر یاد رکھنا، آگے یہ مسئلہ خود بھی بیان کریں گے صاحبِ ہدایہ۔ عام حجِ تمتع کے لیے جو آدمی جاتا ہے نا عام آدمی، قربانی کا جانور جو اپنے ساتھ نہیں لے کر گیا جیسے آج کل لوگ جاتے ہیں، یہ عمرہ کر کے حلال ہو جاتے ہیں اور پھر کیا کرتے ہیں؟ آٹھویں ذی الحجہ کو جا کر پھر کس کا احرام باندھتے ہیں؟ حج کا احرام باندھتے ہیں۔ جبکہ قران والا تو احرام شروع سے ہی حج اور عمرے دونوں کا باندھتا ہے، وہ تو درمیان میں حلال بھی نہیں ہوتا۔ یہ جو حجِ تمتع کر رہا ہو اور اپنے ساتھ قربانی کا جانور لے جائے، اس کے لیے بھی بیچ میں حلال ہونا جائز نہیں۔ تفصیل سمجھ میں آ رہی ہے؟ عام متمتع کیا کرتا ہے؟ جاتا ہے، جا کر عمرہ کرتا ہے اور پھر بال کٹوا کر یا سر منڈوا کر حلال ہو جاتا ہے، پھر جتنے دن مکہ میں رہے گا احرام کی کوئی پابندی نہیں۔ اور پھر آٹھویں کو کیا کرے گا؟ دوبارہ حج کا احرام باندھے گا۔ لیکن اگر یہ یہاں سے قربانی کا جانور لے کر گیا ہے، یاد رکھیے، اس صورت میں اس کو حلال، اس کے لیے حلال ہونا جائز نہیں۔ یہ عمرہ کر لے گا پھر اسی عمرے کے احرام کے ساتھ حرم میں رہے گا اور پھر آگے چل کر کسی وقت جب وہ حج کا احرام، حج کے احرام کی نیت کر لے گا، کیا کر لے گا؟ حج کے احرام کی نیت کر لے گا تو پھر اس کا آگے حج کا بھی احرام شروع ہو جائے گا۔ عمرے کا بھی احرام چل پڑا اور ساتھ ساتھ حج کا بھی احرام چل پڑا بھائی۔ تو یہ اور قارن یوں سمجھیں تقریباً ایک جیسے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے قارن نے یہاں سے نیت کس کی کی تھی؟ حج اور عمرے دونوں کی، حجِ تمتع والے نے یہاں سے نیت کس کی کی تھی؟ عمرے کی نیت کی تھی اور وہاں جا کر پھر حج کی بھی بعد میں نیت کر لے گا۔ صرف اتنا فرق ہے۔ باقی احرام کی پابندیاں شروع سے لے کر آخر تک دونوں پر رہیں گی بھائی۔ یہ کس صورت میں ہے؟ جب جانور کو لے کر گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو معلوم ہوا یہ جو حجِ قران کا بدنہ ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے جو کس کا حکم ہے؟ حجِ تمتع والے بدنہ کا حکم ہے، اسی لیے میں نے کہا: «**إِلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتْعَةِ**» کہ اس سے دونوں مراد ہیں چاہے بدنہ حجِ تمتع کا ہو چاہے حجِ قران کا ہو۔ «**إِلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتْعَةِ**» مگر حجِ تمتع کے بدنہ میں «**فَإِنَّهُ مُحْرِمٌ حِينَ تَوَجَّهَ**» تو بس بے شک وہ شخص محرم بن جائے گا جس وقت وہ متوجہ ہو جائے۔ صورت کیا ہے؟ جانور کو آگے بھیج چکا ہے اور اب خود پیچھے چل پڑا، اور نیت کی ہوئی ہے، تو چلتے ہی کیا بن جائے گا؟ محرم، جانور تک پہنچنا اور اس کو ہانکنے کی شرط نہیں ہو گی۔

تو کہتے ہیں: «**إِلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتْعَةِ فَإِنَّهُ مُحْرِمٌ حِينَ تَوَجَّهَ**» مگر متعہ کے بدنہ کے اندر تو وہ شخص محرم بن جائے گا جس وقت وہ متوجہ ہو گا، بھائی «**فَإِنَّهُ**»، فا آئی، اور آپ نے پڑھا ہے اصول کی کتابوں میں کہ کبھی کبھار فا علت بیان کرنے کے لیے آتی ہے، اور اس کا ترجمہ کیونکہ کے ساتھ کرتے ہیں یا اس وجہ سے

کہ۔ تو پیچھے بتلایا تھا کہ ایک شخص نے جانور آگے بھیج دیا اور پھر اس کے بعد خود بھی چل پڑا، تو چلنے سے محرم نہیں بنے گا، چلنے سے، یہاں تک کہ اس جانور کو پالے، «إِلَّا فِي بَدَنَةِ الْمُتْعَةِ» مگر متعہ کے بدنہ کے اندر، «فَإِنَّهُ مُحْرِمٌ حِينَ تَوَجَّهَ» کیونکہ وہ محرم بن جائے گا «حِينَ تَوَجَّهَ» جب وہ متوجہ ہو جائے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ «مَعْنَاهُ إِذَا نَوَى الْإِحْرَامَ»، صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں معنی اس کا یہ ہے اس کلام کا: «إِذَا نَوَى الْإِحْرَامَ» جب اس شخص نے احرام کی نیت کی ہو، کیونکہ احرام کے لیے کتنی چیزوں کا ہونا ضروری تھا؟ دو چیزیں: ایک نیت اور ایک تلبیہ۔ تو تلبیہ کی، تلبیہ کا قائم مقام تو آگیا اور ساتھ نیت کا ہونا بھی ضروری ہے، تو وہ بھی اس نے کی ہو تو چلتے ہی محرم بن جائے گا۔

■ مسئلہ: وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ

«وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ» اور یہ استحسان ہے۔ استحسان میں نے بتلایا تھا، وہ دلیل جس کے مقابلے میں قیاس ہو، اگر قیاس اس کے مقابلے میں نہیں تو اس کو استحسان بھی نہیں کہتے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَوَجْهُ الْقِيَاسِ فِيهِمَاذَكَرْنَا» قیاس کی وجہ اس کے اندر وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی۔ دیکھا، معلوم ہوا قیاس بھی ہے یہاں پر۔ اور قیاس کیا تھا؟ قیاس دیکھو بھائی، یہ جانور آگے بھیج چکا ہے اور یہ یہاں سے چل پڑا ہے نیت کر لی ہوئی ہے، تو جب تک یہ جانور کو پا نہیں لیتا اور اس کو ہانکتا نہیں ہے، صرف اس کی طرف سے نیت پائی جا رہی ہے ابھی تو، اور صرف نیت کی وجہ سے تو کوئی محرم نہیں بنتا، بلکہ نیت کے ساتھ کیا ضروری؟ تلبیہ یا اس کا قائم مقام، اور وہ کب پایا جائے گا؟ جب جانور کو پالے گا یا اس کو ہانکے گا۔ تو یہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اس کو اس وقت محرم بننا چاہیے، صرف چل پڑنے سے محرم نہیں بننا چاہیے، لیکن استحساناً جیسے ہی یہ چلے گا اس کو کیا قرار دیا جائے گا؟ محرم، جبکہ اس نے نیت کی ہو، اور یہ استحسان ہے بھائی۔ کیا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے وہ آگے ذکر کریں گے۔

تو کہتے ہیں: «وَوَجْهُ الْقِيَاسِ فِيهِمَاذَكَرْنَا» قیاس کی وجہ اس کے اندر وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی کہ صرف نیت سے یہ محرم نہیں بنے گا بلکہ وہ جانور کو پا لے یا اس کو ہانکے بھائی۔ «وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ هَذَا الْهَدْيَ مَشْرُوعٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ نُسُكًا مِنْ مَنَاسِكِ الْحَجِّ وَضْعًا»، اچھا بھائی اس مقام کو اچھی طرح سمجھ لینا بھائی۔ استحسان کی وجہ یہ ہے: «أَنَّ هَذَا الْهَدْيَ مَشْرُوعٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ» کہ یہ جو ہدی ہے یعنی یہ جو قربانی کا جانور ہے، «مَشْرُوعٌ» یہ مشروع ہوا ہے، یہ «عَلَى الِابْتِدَاءِ» کب سے؟ ابتدا سے ہی یہ مشروع ہوا ہے، «نُسُكًا مِنْ مَنَاسِكِ الْحَجِّ» بطورِ عبادت کے مناسکِ حج میں سے۔ یہ والا قربانی کا جو جانور ہے یہ بطورِ عبادت کے حج کے افعال میں سے ایک فعل کے طور پر مشروع ہوا ہے۔ «وَضْعًا» باعتبار وضع کے، یعنی شریعت نے ہی اس کو اس طرح مقرر کیا ہے۔ شریعت نے ہی؟

بھائی ایک تو عام قربانی ہے، عام قربانی نفلی بھی ہو سکتے ہیں، وہ کوئی شریعت نے آپ پر لازم کی ہے؟ نہیں، آپ کی مرضی ہے کرنا چاہتے ہیں کریں، نہیں کرنا چاہتے نہ کریں بھائی۔ تو یہ نفلی ہدی ہو گئی، نفلی ہدی۔ دوسرا کبھی ہدی آئے گی مثلاً آپ نے منت مانی ہو گی کہ میں حرم میں ایک جانور کی قربانی کروں گا، تو یہ بھی کوئی شریعت نے آپ پر لازم کی تھی؟ یہ بھی شریعت نے آپ پر لازم نہیں کی۔ اسی طرح بعض اوقات آپ سے کوئی احرام کے اندر جنایت ہو گئی، اس جنایت کی وجہ سے آپ پر کیا آگئی؟ قربانی آگئی، ہدی آگئی، لیکن کیا یہ بھی ابتداءً شریعت نے آپ پر واجب کی تھی؟ یہ بھی آپ پر ابتداءً واجب نہیں۔ جبکہ ان سب کے برعکس جو حجِ قران یا حجِ تمتع میں جو قربانی ہے وہ ابتداءً ہی کس نے مقرر کی ہے؟ شریعت نے، اور یہ حج کے افعال میں سے ایک فعل ہے، حج کی عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا یہ ہدی خاص ہے مکہ کے ساتھ۔ اس ہدی کا اختصاص ہے کس کے ساتھ؟ مکہ کے ساتھ۔ بھائی کس طرح مکہ کے ساتھ اختصاص ہے؟ ہدی کا تو جو بھی جانور ہوتا ہے انسان اس کو کہاں لے کر جاتا ہے؟ حرم ہی لے کر جاتا ہے نا، آپ نے منت کیا مانی ہے؟ کہ میں یہ جانور لے جا کر کہاں قربان کروں گا؟ حرم میں، تو اس کو ہدی کہیں گے، کیا کہیں گے؟ ہدی۔ یہیں پر آپ قربانی کریں کسی جانور کی اس کو ہدی کہتے ہیں بھائی؟ نہیں، تو وہ تو ہدی تو ہے ہی وہ جانور جس کو آپ کہاں لے کر جاتے ہیں؟ حرم لے کر جاتے ہیں یا حرم بھجواتے ہیں، حرم بھجواتے ہیں۔ تو باقی جو ہدی کے جانور ہیں ان کا اختصاص مکہ کے ساتھ یا یوں کہیں حرم کے ساتھ نہیں، لیکن یہ جو حجِ تمتع اور قران والی ہدی ہے اس کا اختصاص ہے مکہ کے ساتھ، یعنی اس کا وجوب مکہ میں آرہا ہے انسان پر، کہاں پر؟ کیسے آرہا ہے مکہ میں وجوب؟ میں نے آپ کو شروع میں بتلایا تھا یہ حجِ قران اور حجِ تمتع والے پر حج کی قربانی واجب ہے، کس وجہ سے واجب ہے؟ ہاں کہ اللہ نے ایک ہی سفر میں اس کو دو عبادتوں کی توفیق دی، ایک عمرے کی اور ایک حج کی، اور عمرہ اور حج کہاں ہوتا ہے؟ وہی مکہ میں ہوتا ہے، تو چونکہ وہاں پر یہ دو عبادتیں جمع ہوئیں اور جب یہ دو عبادتیں جمع ہوں گی تو ایک ساتھ ایک چیز بھی ساتھ آجائے گی اور وہ کیا؟ قربانی آجائے گی۔ معلوم ہوا اس قربانی کا وجوب بھی کہاں پر آرہا ہے؟ مکہ ہی میں آرہا ہے، تو معلوم ہوا اس اس ہدی کا اختصاص ہے مکہ کے ساتھ۔ یہ مکہ ہی میں واجب ہوتی ہے اور کہیں نہیں واجب ہوتی۔ اور کیوں واجب ہوتی ہے؟ کہ دو عبادتوں کی اللہ نے توفیق دی ایک ہی سفر میں۔

باقی، باقی ہدی وہ تو کہیں اور بھی واجب ہو سکتی ہے۔ شکار کھیلا تھا اس آدمی نے تو کیا شکار حرم ہی میں کھیلے گا تو پھر اس پر ہدی واجب ہو گی یا باہر بھی احرام کی حالت میں شکار کر لے گا تو اس پر ہدی واجب ہو جائے گی؟ باہر بھی وہ اگر احرام کی حالت میں شکار کرے گا اس پر ہدی واجب ہو جائے گی۔ معلوم ہوا اس شکار والی ہدی کا اختصاص حرم کے ساتھ نہیں ہے۔ اچھا، منت والی ہدی ہے ایک آدمی نے منت مانی: میں حرم میں جا کر ایک جانور کی قربانی کروں گا، کیا اس کے لیے بھی ضروری ہے وہ آدمی حرم ہی کے اندر ہو پھر یہ منت مانے گا تو جانور واجب ہو گا یا جہاں پر بھی ہو یہ منت مانے گا اس پر یہ جانور واجب ہو جائے گا؟ جہاں پر بھی ہو، معلوم ہوا اس کا وجوب بھی حرم کے ساتھ

خاص نہیں۔ اور نفلی ہدی اس کا تو وجوب ہے ہی نہیں۔ اچھا، اور مثلاً کوئی جنایت کر دی احرام کے اندر، کوئی جرم کر دیا تو اس صورت میں بعض اوقات جانور واجب ہوتا ہے، ہدی واجب ہوتی ہے، لیکن اس کا بھی اختصاص حرم کے ساتھ نہیں۔ ایک حاجی ہے یہاں سے چل پڑا، چلتے ہی احرام کی پابندیاں شروع ہو گئیں، اس نے یہیں پر کیا کر لیا؟ اپنے سارے سر کو استرے سے صاف کروالیا یا اپنے سارے ناخن کاٹ دیے، بھائی یہ تو احرام کے اندر پابندی تھی، تو لہٰذا اس صورت میں اس پر ایک قربانی واجب ہو جائے گی بھائی، لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ یہ جرم وہ مکہ کے اندر کرے یا یہاں پر بھی اگر یہ احرام کی حالت میں جرم کرے گا تو قربانی واجب ہو جائے گی؟ یہاں پر بھی دیکھو قربانی واجب ہو جائے گی۔ معلوم ہوا یہ جو جنایت والا دم ہے، یہ جو جنایت والی ہدی ہے اس کا بھی اختصاص مکہ کے ساتھ نہیں، مکہ میں یہ جرم کرے گا تب بھی قربانی واجب ہو گی، مکہ سے باہر احرام کی حالت میں یہ جرم کرے گا تب بھی اس پر یہ قربانی واجب ہو گی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

معلوم ہوا جو حجِ قران اور حجِ تمتع والی قربانی ہے اس کا اختصاص ہے مکہ کے ساتھ، اس کا وجوب کہاں پر آ رہا ہے؟ مکہ ہی میں آ رہا ہے کہ وہ عمرہ اور حج دونوں کر رہا ہے، جبکہ باقی جو جانور جو قربانی کے جانور ہیں ان کا اختصاص مکہ کے ساتھ نہیں، مکہ کے ساتھ نہیں۔ تو چونکہ اس جانور کا اختصاص مکہ کے ساتھ ہے، لہٰذا اس کی صورت میں صرف متوجہ ہونے سے ہی کیا ہو جائے گا؟ وہ شخص محرم بن جائے گا۔ یہ جو اس نے جانور حجِ قران یا تمتع والا آگے بھیجا تھا اس میں اس کے چلنے سے ہی یہ کیا ہو جائے گا؟ محرم بن جائے گا، کیونکہ اس جانور کا اختصاص ہی کس کے ساتھ ہے؟ مکہ کے ساتھ ہے، اس کا تو وجوب آتا ہی مکہ میں ہے اور کہیں آتا ہی نہیں، لہٰذا یہاں پر صرف متوجہ ہونے سے محرم بن جائے گا، جبکہ اور جانور جو تھے ان کا اختصاص تو مکہ کے ساتھ نہیں تھا، ان کا اختصاص تو مکہ کے ساتھ نہیں تھا، لہٰذا وہاں پر صرف چل پڑنے سے وہ محرم نہیں بنے گا بلکہ حقیقتِ فعل پایا جائے کہ وہ خود اس کو ہانکنا شروع کر دے، جیسے ہی ہانکنا شروع کرے گا کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا، وہاں حقیقتِ فعل کا پایا جانا ضروری، جبکہ یہاں پر صرف متوجہ ہونا بھی کافی ہے، کیوں کافی ہے؟ کیونکہ اس جانور کا اختصاص ویسے ہی کس کے ساتھ ہے؟ مکہ کے ساتھ ہے، اس کا وجوب آتا ہی کہاں پر ہے؟ جب آتا ہی اس کا وجوب مکہ میں ہے تو صرف چلنا ہی کافی ہو جائے گا بس۔ یہ جانور واجب بھی کہاں پر ہو رہا تھا؟ اور یہ یہاں سے چل پڑا، بس چلنا کافی ہو گیا بھائی۔ جانور کا تو وجوب ویسے آتا ہی نہیں، لہٰذا اس کا چلنا بھی کافی ہے اور یہ ایسا فعل ہے جو خاص ہے کس کے ساتھ؟ احرام کی حالت کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آ گئی کہ یہ جانور کہاں لے کر جا رہا ہے قربانی کا؟ حرم کی طرف یہ بھجوا چکا ہے تو اس کا صرف چل پڑنا ہی کافی ہے۔ کیوں چلنا کافی ہے؟ کیونکہ اس جانور کا تو پہلے ہی اختصاص کس کے ساتھ ہے؟ مکہ کے ساتھ ہے بھائی، تو یہاں صرف چلنا ہی کافی ہو جائے گا۔ جبکہ باقیوں کے اندر تو اس ہدی کا اختصاص مکہ کے ساتھ نہیں، لہٰذا وہاں پر باقاعدہ حقیقتِ فعل کا ہونا یعنی یہ کہ وہ جا کر اس جانور کو پالے یا اس کو ہانکے، پھر محرم بنے گا، ویسے نہیں بنے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «**وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ**» اور استحسان کی وجہ یہ ہے، «**أَنَّ هَذَا الْهَدْيَ مَشْرُوعٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ نُسُكًا مِنْ مَنَاسِكِ الْحَجِّ وَضْعًا**» کہ یہ جو ہدی ہے، یہ جو متعہ کی ہدی ہے، یہ مشروع ہوئی ہے، یعنی جائز ہوئی ہے «**عَلَى الِابْتِدَاءِ**» شروع سے ہی «**نُسُكًا مِنْ مَنَاسِكِ الْحَجِّ**» حج کے افعال میں سے ایک فعل کے طور پر۔ یہ ہدی ابتدا سے ہی مشروع ہوئی ہے حج کی عبادتوں میں سے ایک عبادت کے طور پر «**وَضْعًا**» باعتبار وضع کے۔ وضع کا معنی ہوتا ہے مقرر کرنا، یعنی ابتدا سے ہی اس کو شریعت نے حج کی عبادتوں میں سے ایک عبادت کے طور پر مقرر کیا ہے کہ تمہیں دو عبادتوں کی توفیق ملی ہے لہٰذا تمہیں کیا کرنا پڑے گی؟ ایک جانور کی قربانی کرنا پڑے گی۔ «**لِأَنَّهُ يَخْتَصُّ بِمَكَّةَ**» کیونکہ یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ مکہ کے ساتھ، «**وَيَجِبُ شُكْرًا لِلْجَمْعِ بَيْنَ أَدَاءِ النُّسُكَيْنِ**» اور یہ واجب ہوئی ہے بطورِ شکر کے کہ جمع کرنے کی وجہ سے دو عبادتوں کی ادائیگی کو، دو عبادتوں کی ادائیگی کو جمع کرنے کے شکر کے طور پر یہ ہدی واجب ہوئی ہے۔ «**وَغَيْرُهُ قَدْ يَجِبُ بِالْجِنَايَةِ**» اور اس کے علاوہ اور جو ہدی ہیں وہ تو کبھی کبھار جنایت کی وجہ سے بھی واجب ہو جاتی ہے۔ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ اس ہدی کا تو اختصاص کس کے ساتھ ہے؟ مکہ کے ساتھ، اور اس کے علاوہ جو ہدی ہیں وہ تو کبھی جنایت کی وجہ سے بھی واجب ہو جاتی ہیں، «**وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَى مَكَّةَ**» اگرچہ یہ محرم ابھی مکہ نہ پہنچا ہو۔ جنایت پائی جائے گی چاہے ابھی یہ مکہ نہ پہنچا ہو، پھر بھی اس پر ہدی واجب ہو جائے گی جب جنایت کر لے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

یاد رکھیے: «**وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَى مَكَّةَ**» اس کی ایک تقریر کی ہے صاحبِ عنایہ نے علامہ عینی نے، اور ایک تقریر کی ہے اس کی صاحبِ فتح القدیر نے۔ فتح القدیر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ فتح القدیر نے «**وَإِنْ لَمْ يَصِلْ**» اس کی ضمیر لوٹائی ہے «**غَيْرُهُ**» کو، کس کو؟ اگرچہ وہ، «**غَيْرُهُ**» سے کیا مراد ہے؟ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ دمِ غیرہ، «**أَيْ غَيْرِ هَدْيِ الْمُتْعَةِ**» متعہ کی ہدی کے علاوہ اور جو بھی ہدی ہے۔ متعہ کی ہدی کے علاوہ اور جو بھی ہدی ہے، «**قَدْ يَجِبُ بِالْجِنَايَةِ**» وہ تو کبھی کبھار کس وجہ سے واجب ہوتی ہے؟ جنایت کی وجہ سے بھی واجب ہوتی ہے، «**وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَى مَكَّةَ**» اگرچہ وہ ہدی مکہ نہ پہنچے۔ تو صاحبِ فتح القدیر نے اس ضمیر کو کس کی طرف لوٹایا؟ «**غَيْرُهُ**» کو، اور «**غَيْرُهُ**» سے کون سی ہدی مراد ہے؟ متعہ کی ہدی کے علاوہ۔ تو وہ تو جنایت کی وجہ سے بھی واجب ہوتی ہے، اگرچہ وہ ہدی مکہ نہ پہنچے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ راستے میں مثلاً کسی نے شکار کر لیا تھا اور اس پر ہدی واجب ہو گئی اور یہ قربانی کا جانور یہ لے کر چل پڑا کدھر؟ حرم کی طرف بھائی، تو اس جانور کو راستے میں کوئی زخمی وغیرہ ہو گیا یا کچھ، اس کو ذبح کرنا پڑا، کیا کرنا پڑا؟ ذبح کرنا پڑا، تو کہتے ہیں اس سے اس شخص کے احرام پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہاں دوسری ہدی کو اس کا قائم مقام کرنا پڑے گا۔ کیا کرنا پڑے گا؟ ہاں، لیکن اگر یہ ہدی مکہ تک نہ بھی پہنچے، ذبح بھی راستے میں کرنا پڑ جائے تو کیا اس کے احرام پر کوئی اثر پڑے گا؟ اس کے احرام پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی ہے کہ اس متعہ کی ہدی کے علاوہ جو اور ہدی ہوتی ہے وہ تو کبھی جنایت کی وجہ سے بھی واجب ہوتی ہے، اگرچہ وہ مکہ تک نہ پہنچے، راستے میں ہی کیا کرنا پڑ جائے؟ ذبح کرنا پڑ جائے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ ذبح کرنا۔

لیکن علامہ عینی نے اس ضمیر کو لوٹایا ہے محرم کی طرف: «وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَى مَكَّةَ» اگرچہ محرم ابھی مکہ نہ پہنچا ہو اور اس کے علاوہ، دوبارہ سنو اب، اور اس کے علاوہ یعنی دمِ متعہ کے علاوہ اور ہدی جو ہوتی ہے وہ تو کبھی کبھار جنایت کی وجہ سے بھی واجب ہوتی ہے، اگرچہ محرم ابھی مکہ نہ پہنچا ہو، مکہ سے پہلے ہی اس نے کوئی جنایت کر دی تو اس پر ہدی واجب ہو جائے گی یعنی قربانی کا جانور واجب ہو گا یا نہیں؟ مکہ سے باہر اس نے شکار کھیل لیا، تو دیکھو: «وَغَيْرُهُ قَدْ يَجِبُ بِالْجِنَايَةِ» اور اس دمِ متعہ کے علاوہ جو ہدی ہے وہ تو کبھی کبھار جنایت کی وجہ سے بھی واجب ہو جاتی ہے، «وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَى مَكَّةَ» اگرچہ یہ شخص ابھی مکہ نہ پہنچا ہو، معلوم ہوا اس کا وجوب مکہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مکہ سے باہر بھی اس کا وجوب ہو سکتا ہے، جبکہ دمِ قران اور دمِ تمتع والی ہدی کا تو وجوب آتا ہی کہاں پر ہے؟ مکہ میں آتا ہے کیونکہ وہاں دو عبادتیں جمع ہو رہی ہیں تو ان کی وجہ سے وجوب آرہا ہے بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ صاحبِ فتح القدیر نے «وَإِنْ لَمْ يَصِلْ» کی ضمیر کس کو لوٹائی؟ «غَيْرُهُ» کو، اور صاحبِ عنایہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے انہوں نے اس ضمیر کو کس کی طرف لوٹایا ہے؟ محرم کی طرف، اگرچہ یعنی محرم مکہ کو نہ پہنچا ہو بھائی، محرم بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور صاحبِ عنایہ کی تقریر زیادہ واضح ہے بھائی۔ یہ محرم کو ضمیر لوٹانی چاہیے بھائی۔

■ مسئلہ: فَلِهَذَا اكْتُفِيَ فِيهِ بِالتَّوَجُّهِ

«فَلِهَذَا اكْتُفِيَ فِيهِ بِالتَّوَجُّهِ» لہٰذا اکتفا کیا جائے گا اس ہدی کے اندر «بِالتَّوَجُّهِ»، کس چیز پر؟ متوجہ ہونے پر اکتفا کر لیا جائے گا۔ یہ شخص چلے گا، جیسے ہی چلے گا متوجہ ہو گا تو کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔ «وَفِي غَيْرِهِ تُوُقِّفَ عَلَى حَقِيقَةِ الْفِعْلِ» اور اس کے علاوہ جو ہدی ہے اس کے اندر وہ موقوف رہے گا احرام کس پر؟ حقیقتِ فعل پر۔ حقیقتِ فعل پایا جائے یعنی یہ پہنچے راستے میں اور کس کو پالے؟ اپنی ہدی کو پالے اور یا اس کو ہانکے، حقیقتِ فعل پایا جائے پھر کیا ہو گا؟ وہ محرم بنے گا، ویسے محرم نہیں بنے گا۔

تقریر یہاں تک سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ ہاں، تو باقی ہدی کا چونکہ اختصاص مکہ کے ساتھ نہیں اس لیے وہاں حقیقتِ فعل کا ہونا ضروری کہ یہ شخص اس جانور تک پہنچے اور پھر اس کو ہانکے، اور لیکن اس ہدی کا اختصاص کس کے ساتھ ہے؟ مکہ کے ساتھ ہے، جب مکہ کے ساتھ اختصاص ہے اس کا وجوب آتا ہی کہاں پر ہے؟ مکہ میں آتا ہے، تو لہٰذا صرف چلنا ہی کیا ہو جائے گا؟ کافی، اور چلنے سے ہی وہ کیا بن جائے گا؟ محرم، بشرطیکہ احرام کی نیت ہو بھائی۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام، واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۴۶: فَإِنْ جَلَّلَ بَدَنَةً أَوْ أَشْعَرَهَا أَوْقَلَّدَ ش...

ہدایہ صفحہ: ۲۷۹ــــ بتاریخ: ۴ مئی ۲۰۱۳ء

فَإِنْ جَلَّلَ بَدَنَةً أَوْ أَشْعَرَهَا أَوْ قَلَّدَ شَاةً لَمْ يَكُنْ مُحْرِمًا لِأَنَّ التَّجْلِيلَ لِدَفْعِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ وَالذِّبَّانِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ خَصَائِصِ الْحَجِّ وَالْإِشْعَارُ مَكْرُوهٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ فَلَا يَكُونُ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ [1]

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ محرم نے جب بدنہ کی تقلید کر دی یعنی اس کو قلادہ پہنا دیا، اور پھر اس کے ساتھ وہ متوجہ ہو احرم کی طرف، اس حال میں کہ وہ اس کو ہانک رہا ہو اور احرام کی نیت کی ہو، تو تلبیہ کہے بغیر ہی اس فعل کی وجہ سے بھی وہ کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا کیونکہ نیت بھی پائی گئی اور ایک ایسا فعل پایا گیا جو احرام کے خصائص میں سے ہے۔

تقلید کے بجائے اگر کوئی شخص جو ہے، بدنہ کو جھول پہنا دیتا ہے۔ جھول، جانور کے اوپر جو کپڑا وغیرہ ڈال دیا جاتا ہے۔ سردی وغیرہ سے بچانے کے لیے بھی بعض اوقات کپڑا ڈالتے ہیں اس پر۔ تو یہ جو کپڑا جانور پر ڈالا جاتا ہے، اس کو کہتے ہیں جھول پہنانا بھائی، جھول ڈالنا جانور پر۔ تو اگر کسی شخص نے جانور پر جھول ڈال دی اور پھر اس کو لے کر چل پڑا حرم کی طرف، اور نیت ہے احرام کی، حج اور عمرے کی نیت ہے، تو کیا اس سے وہ محرم بنے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس سے وہ محرم نہیں بنے گا۔ اس لیے کیونکہ ایک چیز صرف اس کی نیت تو پائی گئی، لیکن کوئی ایسا فعل نہیں پایا گیا جو خصائص احرام میں سے ہو۔ اس لیے کیونکہ یہ جھول ڈالنا جانور پر، یہ ہدی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ سردی اور گرمی کی وجہ سے بھی جانور پر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے۔ جبکہ وہ قلادہ جو ڈالا جاتا تھا، اس کے گلے میں پرانا چمڑے کا ٹکڑا ڈالتے تھے یا درخت کی چھال وغیرہ لٹکاتے تھے، وہ تو عام جانور کے گلے میں کوئی نہیں پرانا جوتے کا ٹکڑا کوئی نہیں لٹکاتا، درخت کی چھال کوئی نہیں لٹکاتا، اور اسی طرح چمڑے کا ٹکڑا وغیرہ کوئی نہیں لٹکاتا۔ وہ خصائص احرام میں سے تھا، یہ جھول ڈالنا خصائص احرام میں سے نہیں، لہٰذا اس سے محرم نہیں بنے گا، بلکہ یہاں باقاعدہ زبان سے کیا کرنا پڑے گا؟ تلبیہ کہنا پڑے گا۔ نیت تو ہے، اب تلبیہ بھی کہہ لے گا تو محرم بن جائے گا۔

یا اسی طرح اگر کسی نے جانور کا، یعنی بدنہ کا اشعار کر دیا۔ اشعار، یہ بھی ایک قدیم طریقہ تھا کہ جانور کے کوہان کو زخمی کر دیا جاتا ایک طرف سے۔ نیزے وغیرہ کے ذریعے اس کے کوہان کو زخمی کر دیتے اور وہ جو خون وغیرہ نکلتا، اسی کوہان وغیرہ پر مل دیا جاتا۔ اس سے بھی دیکھنے والوں کو دیکھتے ہی پتہ چل جاتا کہ یہ جانور کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ حرم کے لیے لے کر جائے، حرم کے لیے لے جا رہے ہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ اشعار کر دیتا ہے، کوہان وغیرہ کو زخمی کر کے خون نکال کر اس پر لگا دیتا ہے، اس سے بھی وہ محرم نہیں بنے گا۔ اس لیے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اشعار مکروہ ہے۔ اشعار کیا ہے؟ مکروہ ہے بھائی۔ تو جب یہ اشعار مکروہ ہے، تو پھر تو یہ حج کے افعال میں سے ہی نہ رہا، اس کا کرنا ہی مکروہ ہے۔ تو جب حج کے افعال میں سے نہیں، تو خصائص احرام میں سے کوئی خاص فعل نہیں پایا گیا، لہٰذا اس کی وجہ سے تو وہ محرم نہیں بنے گا۔ صرف اس کی نیت ہے، اور نیت سے محرم نہیں بنے گا، بلکہ کیا ضروری؟ تلبیہ کہنا ضروری ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک اگرچہ یہ مکروہ نہیں ہے۔ صاحبین اس کو حسن کہتے ہیں کہ اچھا ہے، ٹھیک ہے ایسا کر سکتا ہے۔ لیکن ان کے نزدیک پھر بھی اس سے محرم نہیں بنے گا۔ اس لیے کیونکہ یہ جو کوہان وغیرہ کو زخمی کرنا ہے، یہ بعض اوقات علاج معالجے کی وجہ سے بھی جانور کو تھوڑا سا زخمی کر دیا جاتا ہے۔ تو لہٰذا یہ بھی خصائص احرام میں سے نہیں۔ جبکہ وہ قلادہ پہنانا، وہ قلادہ تو اور کسی وجہ سے نہیں کیا جاتا، صرف کس صورت میں کیا جاتا ہے؟ جب قربانی کے لیے جانور لے کر چلتے ہیں تو پھر ہی پہناتے ہیں، ویسے نہیں پہناتے۔ اور یہ تو علاج معالجے کے لیے بھی ہوتا ہے، لہٰذا یہ احرام کے ساتھ خاص نہ رہا۔ اور ہم نے تو کیا کہا تھا، کیسا فعل ہونا چاہیے؟ جو احرام کے خصوصیات میں سے ہو۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھیے، یہ مسئلہ آگے صاحبِ ہدایہ بھی آپ کو بتلائیں گے کہ امام صاحب نے اشعار کو مکروہ کہا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اشعار تو احادیث سے ثابت ہے، حضور علیہ السلام نے کیا کیا؟ اشعار فرمایا۔ تو حدیث سے ثابت ہے جانوروں کا اشعار کرنا، تو اس کو انہوں نے کیسے مکروہ قرار دیا؟ تو علماء فرماتے ہیں کہ امام صاحب مطلقاً

[1] شاملہ (ص ۱۹۹) میں «وَالذِّبَّانِ» کے بجائے «والذباب» درج ہے۔

اشعار کو مکروہ نہیں کہتے، بلکہ لوگ اس کے اندر مبالغہ کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے مکروہ کہا ہے، وہ بیچارے جانور کو کچھ زیادہ ہی زخمی کر دیتے تھے، اس لیے امام صاحب نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے بھائی۔ کہ اس سے تو بیچارے کو جانور کو تکلیف ہو گی، تھوڑا بہت زخمی نہیں کرتے تھے بلکہ لوگ مبالغہ کرتے تھے، اس لیے انہوں نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ امام صاحب نے مطلقاً مکروہ نہیں کہا اس کو، بلکہ تقلید پر اس کو ترجیح دینے کو مکروہ لکھا ہے۔ کہ کوئی شخص کیا کرتا ہے؟ ہاں کہ اس کو ایک ہے قلادہ پہنانا اور ایک ہے اشعار، تو اشعار کو تقلید پر ترجیح دینا، یہ کیا ہے؟ مکروہ ہے بھائی، مکروہ ہے۔

تیسری صورت یہ بیان کر رہے ہیں کہ کسی نے بکری کو قلادہ پہنا دیا اور اس کو لے کر چل پڑا۔ تو کیا اس سے محرم بن جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، قلادہ عام طور پر بکری کو نہیں پہنایا جاتا، قلادہ بڑے جانور کو پہنایا جاتا ہے، اونٹ ہے، گائے بیل وغیرہ ہے، ان کو جب لے کر چلتے تو کیا کیا جاتا تھا؟ قلادہ پہنایا جاتا تھا۔ لہٰذا بکری کو قلادہ پہنانے سے اور اس کو لے جانے سے وہ محرم نہیں بنے گا بھائی۔ کیونکہ یہ معروف نہیں ہے اس طرح یہ طریقہ بھائی، عادت نہیں ہے اس پر جاری۔ تو بڑے جانور کا ہونا ضروری ہے قلادے میں۔ تو لہٰذا بکری کو بھی اگر قلادہ پہنا کر لے کر چل پڑے گا اور نیت بھی کر لی حج کی، تو اس سے وہ محرم نہیں بنے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ جَلَّلَ بَدَنَةً**، اور اگر کسی نے جھول پہنا دی بدنہ کو، **أَوْ أَشْعَرَهَا**، یا اس کا اشعار کیا، **أَوْ قَلَّدَ شَاةً**، یا بکری کو قلادہ پہنا دیا، **لَمْ يَكُنْ مُحْرِمًا**، تو وہ محرم نہیں ہو گا۔ بھائی یہ تینوں فعلوں میں سے کوئی فعل کر لیا، اور ساتھ ایک اور شرط بھی ہے جو میں بار بار ذکر کر رہا ہوں، وہ کیا؟ ہاں نیت بھی ساتھ کی ہوئی ہے۔ نیت بھی کی ہے اور یہ جھول پہنا دی، یا نیت کی ہوئی ہے اور یہ اشعار کر دیا، یا نیت کی ہوئی ہے اور بکری کو قلادہ پہنا دیا، تو پھر کیا اس صورت میں محرم بنے گا؟ انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ نہیں، اس صورت میں محرم نہیں بنے گا۔ کہتے ہیں: **لِأَنَّ التَّجْلِيلَ لِدَفْعِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ وَالذُّبَّانِ**، اس لیے کیونکہ جھول پہنانا جو ہے یہ گرمی اور سردی کو دور کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے، **وَالذُّبَّانِ**، اور مکھیوں کو دور کرنے کے لیے۔ ذبان جمع ہے ذباب کی، ذباب مکھی کو کہتے ہیں۔ تو یہ تو کبھی گرمی سردی اور مکھیوں کو دور کرنے کے لیے بھی جانور پر جھول ڈال دیتے ہیں یعنی اس پر کپڑا ڈال دیتے ہیں۔ **فَلَمْ يَكُنْ مِنْ خَصَائِصِ الْحَجِّ**، تو یہ حج کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بھائی۔ **وَالْإِشْعَارُ مَكْرُوهٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**، اور اشعار تو امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے۔ اوپر تین چیزیں ذکر کی تھیں نا، ہر ایک کو اب بیان کرتے جا رہے ہیں۔ **وَالْإِشْعَارُ مَكْرُوهٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ**، اور امام صاحب کے نزدیک تو اشعار مکروہ ہے۔ **فَلَا يَكُونُ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ**، لہٰذا یہ عبادتوں میں سے کوئی چیز نہیں، یعنی حج کی عبادتوں میں سے یہ کوئی چیز نہیں ہے۔

وَعِنْدَهُمَا، تو بھائی امام صاحب کے نزدیک تو اشعار کی وجہ سے وہ محرم نہیں بنے گا۔ صاحبین تو اس کو حسن کہتے ہیں، حسن کہتے ہیں۔ تو اس کا بھی جواب دیں گے کہ صاحبین فرماتے ہیں ٹھیک ہے اشعار کر سکتا ہے، لیکن بہر حال اشعار کبھی کبھار علاج معالجے کے لیے بھی کیا جاتا ہے، تو لہٰذا یہ احرام کی خصوصیات میں سے نہ رہا۔ تو کہتے ہیں: **وَعِنْدَهُمَا إِنْ كَانَ حَسَنًا**، اور صاحبین کے نزدیک اشعار اگرچہ اچھا ہے، **فَقَدْ يُفْعَلُ لِلْمُعَالَجَةِ**، تو کبھی کبھار یہ اشعار کیا جاتا ہے علاج معالجے کے لیے بھی، **بِخِلَافِ التَّقْلِيدِ لِأَنَّهُ يَخْتَصُّ بِالْهَدْيِ**، بخلاف تقلید کے وہ تو ہدی کے ساتھ خاص ہے، وہ اور کسی وجہ سے نہیں کیا جاتا۔ **وَتَقْلِيدُ الشَّاةِ**، اوپر کیا آیا تھا؟ **أَوْ قَلَّدَ شَاةً**، بھیڑ بکری کو کسی نے قلادہ پہنا دیا۔ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں شاۃ کا لفظ بھیڑ بکری دونوں پر بولا جاتا ہے۔ **وَتَقْلِيدُ الشَّاةِ غَيْرُ مُعْتَادٍ**، اور بھیڑ بکری کو قلادہ پہنانا یہ تو غیر معتاد ہے یعنی اس کی تو عادت نہیں جاری، **وَلَيْسَ بِسُنَّةٍ أَيْضًا**، اور نیز یہ سنت بھی نہیں ہے، لہٰذا اس سے وہ محرم نہیں ہو گا۔

قَالَ وَالْبُدْنُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ، بُدن جمع آ گئی بھائی، **بَدَنَةٌ** مفرد تھا اور **بُدْنٌ** یا **بُدُنٌ** یہ اس کی جمع ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وَالْبُدْنُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ**، اور بدن جو ہیں وہ ابل اور بقر میں سے ہوتے ہیں۔ میں نے بھی بتلایا آپ کو کہ بدنہ بڑا جانور جو یعنی گائے ہو، بیل ہو، یا اونٹ وغیرہ بھائی۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ مِنَ الْإِبِلِ خَاصَّةً**، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ خاص طور پر اونٹ میں سے ہے۔ ہمارے نزدیک بدنہ کا اطلاق گائے، بیل اور اونٹ وغیرہ ان پر ہوتا ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدنہ کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے بھائی، گائے بیل کو یہ شامل نہیں ہے بھائی۔ وہ دلیل ذکر کرتے ہیں، آگے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ذکر ہو رہی ہے۔ تو وہ فرماتے ہیں یہ خاص طور پر اونٹ میں سے ہے: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ الْجُمُعَةِ**، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قول کے حدیثِ جمعہ کے اندر۔ حدیثِ جمعہ کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «**فَالْمُسْتَعْجِلُ مِنْهُمْ كَالْمُهْدِي بَدَنَةً، وَالَّذِي يَلِيهِ كَالْمُهْدِي بَقَرَةً**»، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعے کے لیے جلدی کرے، جلدی آئے، تو یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص بدنہ کی ہدی بھیجے۔ کس کی ہدی بھیجے؟ ہدی کہاں بھیجتے ہیں؟ حرم شریف، مکہ بھیجتے ہیں، قربانی کے لیے جانور جو ہے اس کو ہدی کہتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جو جمعے کے لیے جلدی آتا ہے اس کے لیے ایسا ہی اجر ہے جیسے کوئی مکہ مکرمہ قربانی کے لیے بدنہ کو بھیجے۔ کس کو بھیجے؟ تو جیسے اس کو ثواب ملتا ہے، اسی طرح جمعے کے لیے جو جلدی آتا ہے اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔ **وَالَّذِي يَلِيهِ**، اور وہ جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہو یعنی جو اس کے بعد آئے، ایک تو سب سے پہلے آنے والا ہے، ایک اس کے بعد آنے والا ہے جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اس کے فوراً بعد آیا، وہ اس طرح ہے جو کہ ہدی بھیجنے والا ہے گائے بیل کی، **كَالْمُهْدِي بَقَرَةً**، جو شخص کیا کرنے والا ہے؟ گائے بیل کی ہدی بھیجنے والا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دیکھو، اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے بدنہ کے مقابلے میں بقرہ کو ذکر کیا۔ جو جلدی آئے اس کے لیے کس طرح کا ثواب ہے؟ بدنہ کی ہدی بھیجنے والے کی طرح، اور جو اس کے بعد آئے اس کے لیے بقرہ کی ہدی بھیجنے والے کا ثواب ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے بقرہ کے مقابلے میں بدنہ کو ذکر کیا، معلوم ہوا بقرہ اور ہے اور بدنہ اور ہے۔ بقرے پر بدنہ کا اطلاق نہیں ہوتا، ورنہ حضور علیہ السلام پھر بعد میں الگ بقرہ کو ذکر نہ فرماتے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟ جی۔

تو وہ فرماتے ہیں حدیثِ جمعہ کے اندر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**فَالْمُسْتَعْجِلُ مِنْهُمْ كَالْمُهْدِي بَدَنَةً، وَالَّذِي يَلِيهِ كَالْمُهْدِي بَقَرَةً**»، کہ وہ شخص جو جلدی کرنے والا ہے لوگوں میں سے، حدیثِ جمعہ میں حضور فرمارہے ہیں، جو شخص جلدی کرنے والا ہے لوگوں میں سے یعنی جمعے کے لیے جلدی آنے والا ہے، **كَالْمُهْدِي بَدَنَةً**، یہ اس شخص کی طرح ہے جو بدنہ کی ہدی بھیجنے والا ہے، **وَالَّذِي يَلِيهِ**، اور جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے یعنی جو اس کے بعد آنے والا ہے، **كَالْمُهْدِي بَقَرَةً**، وہ بقرہ کی ہدی بھیجنے والے کی طرح ہے۔ **فَفَصَّلَ بَيْنَهُمَا**، اچھا بھائی، **بَقَرَةً**، یہاں تک حدیث کا حصہ ہے بھائی۔ آگے صاحبِ ہدایہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہی ذکر فرمارہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کہ **فَفَصَّلَ بَيْنَهُمَا**، حضور علیہ السلام نے بدنہ اور بقرہ میں فصل فرمایا، ان میں تفریق کر دی، جدائی کر دی، بتلادیا کہ بدنہ اور چیز ہے اور بقرہ اور چیز ہے۔ تو معلوم ہوا بدنہ کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْبَدَنَةَ تُنْبِئُ عَنِ الْبَدَانَةِ**، کہ بدنہ کا لفظ جو ہے یہ خبر دیتا ہے بدانت کی۔ بدنہ کس سے ہے؟ بدانت سے ماخوذ ہے، یہ بدانت کی خبر دیتا ہے۔ اور بدانت، **وَهِيَ الضَّخَامَةُ**، یہ ضخیم ہونا ہے، بڑا ہونا۔ بدنہ بدانت کی خبر دیتا ہے یعنی کہ جانور چھوٹا نہیں ہے بلکہ بڑے بدن والا ہے بھائی۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ہم کہتے ہیں کہ بدنہ جو ہے یہ خبر دیتا ہے بدانت کی، **وَهِيَ الضَّخَامَةُ**، اور یہ ضخامت ہے یعنی بڑا ہونا ہے، بڑے بدن والا ہونا ہے۔ **وَقَدِ اشْتَرَكَا فِي هَذَا الْمَعْنَى**، اور تحقیق دونوں شریک ہیں اس معنی کے اندر۔ جیسے اونٹ بڑے بدن والا ہے، اس طرح گائے اور بیل بھی کیا ہیں؟ بڑے بدن والے ہیں، لہٰذا بدنہ کا لفظ دونوں کو شامل ہوا۔ **وَلِهَذَا يُجْزِئُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ سَبْعَةٍ**، اور اسی وجہ سے ان میں سے ہر ایک سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔ ایک اونٹ کے اندر کتنے آدمی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں؟ سات آدمی۔ اسی طرح گائے بیل کے اندر بھی، ایک گائے بیل میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟ سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ معلوم ہوا دونوں کیا ہیں؟ بڑے بدن والے ہیں بھائی، کہ دونوں میں سات سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ یہاں تک دلیل سمجھ میں آگئی؟

اور باقی امام شافعی رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر کی تھی اس کا بھی جواب دے رہے ہیں: **وَالصَّحِيحُ مِنَ الرِّوَايَةِ فِي الْحَدِيثِ كَالْمُهْدِي جَزُورًا**، جزور کہتے ہیں قربانی کا اونٹ یا اونٹنی جو ہو قربانی کے لیے، اس اونٹ یا اونٹنی کو کیا کہتے ہیں؟ جزور۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ نے جو روایت ذکر کی **كَالْمُهْدِي بَدَنَةً**، صحیح روایتوں کے اندر **كَالْمُهْدِي بَدَنَةً** کا لفظ نہیں آیا، بلکہ **كَالْمُهْدِي جَزُورًا** کا لفظ آیا ہے۔ تو بدنہ کی جگہ کیا آیا ہے حدیث میں؟ جزور کا لفظ آیا ہے۔ تو جزور کے مقابلے میں بقرہ ذکر ہوا ہے، بدنہ کے مقابلے میں بقرہ ذکر نہیں ہوا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ **وَالصَّحِيحُ مِنَ الرِّوَايَةِ فِي الْحَدِيثِ**، اور حدیث میں صحیح روایت کے اندر آیا ہے: **كَالْمُهْدِي جَزُورًا**، وہ شخص جو ہدی بھیجنے والا ہے اونٹ کی، **وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ**، اور اللہ ہی درست بات کو خوب جاننے والے ہیں۔ اور بھی اس کے جوابات دیے ہیں علماء نے، بہر حال یہ ایک جواب صاحبِ ہدایہ نے ذکر کر دیا کہ حدیث میں بدنہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ صحیح روایتوں میں جزور کا لفظ آیا ہے۔

■ بَابُ الْقِرَانِ الْقِرَانُ أَفْضَلُ مِنَ التَّمَتُّعِ وَالْ

بَابُ الْقِرَانِ الْقِرَانُ أَفْضَلُ مِنَ التَّمَتُّعِ وَالْإِفْرَادِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ الْإِفْرَادُ أَفْضَلُ، وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ التَّمَتُّعُ أَفْضَلُ مِنَ الْقِرَانِ

اب حجِ قران کا طریقہ بیان کریں گے۔ **بَابُ الْقِرَانِ**، یہ باب ہے حجِ قران کے بیان میں۔ تفصیل میں پہلے بیان کر چکا ہوں بھائی۔ کہتے ہیں: **الْقِرَانُ أَفْضَلُ مِنَ التَّمَتُّعِ**، کہ حجِ قران افضل ہے حجِ تمتع سے، **وَالْإِفْرَادِ**، اور حجِ افراد سے۔ بھائی ہمارے نزدیک سب سے افضل طریقہ حج کا جو ہے وہ حجِ قران ہے۔ قران یہ تمتع سے بھی افضل اور حجِ افراد سے بھی افضل۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل طریقہ جو ہے حج کا وہ حجِ افراد ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل طریقہ حج کا وہ حجِ تمتع ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ حجِ تمتع ہے۔ یہ اختلاف دراصل مبنی ہے اس بات پر کہ حضور علیہ السلام نے جو حج فرمایا وہ کون سا تھا؟ ہمارے نزدیک حضور علیہ السلام نے حجِ قران فرمایا تھا، اور ظاہر سی بات ہے جب حضور علیہ السلام حجِ قران فرمارہے ہیں تو یہی طریقہ سب سے افضل ہو گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً سب سے بہتر طریقے کو اختیار کرنے والے ہیں بھائی۔ دلیل سمجھ میں آرہی ہے؟ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جو حج فرمایا تھا وہ حجِ افراد تھا، اس لیے وہ فرماتے ہیں حجِ افراد سب سے افضل ہے۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جو حج فرمایا تھا وہ حجِ تمتع تھا، لہٰذا معلوم ہوا یہ حج سب سے افضل ہے جس کو حضور علیہ السلام نے اختیار کیا بھائی۔ اختلاف کی وجہ سمجھ میں آگئی؟

تو قران افضل ہے تمتع اور افراد سے، یہ ہمارے نزدیک۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ الْإِفْرَادُ أَفْضَلُ**، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حجِ افراد افضل ہے۔ **وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ التَّمَتُّعُ أَفْضَلُ مِنَ الْقِرَانِ**، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمتع افضل ہے قران کے مقابلے میں۔ دلیل بھائی، امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل، وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّ لَهُ ذِكْرًا فِي الْقُرْآنِ وَلَا ذِكْرَ لِلْقِرَانِ فِيهِ**، وہ فرماتے ہیں کیونکہ تمتع کا ذکر قرآن میں آیا ہے، **وَلَا ذِكْرَ لِلْقِرَانِ فِيهِ**،

اور قران کا ذکر قرآن میں نہیں۔ اور ظاہر سی بات ہے جس کا ذکر قرآن میں آئے وہ یقیناً افضل ہے باقی دو کی بہ نسبت بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو وہ فرماتے ہیں قرآن میں اس کا ذکر آیا ہے، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾، ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾، تو دیکھو حجِ تمتع کا ذکر آیا بھائی، اور قران کا ذکر نہیں بھائی۔

وَلِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل جو ہے: **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، آپ نے فرمایا: «**الْقِرَانُ رُخْصَةٌ**»، قران رخصت ہے۔ قران کیا ہے؟ رخصت ہے۔ اور ایک ہے عزیمت اور ایک ہے رخصت، تو حضور علیہ السلام قران کو رخصت قرار دے رہے ہیں۔ معلوم ہوا افراد کیا ہے؟ وہ عزیمت ہے اور عزیمت اولیٰ ہوتی ہے، کس کے مقابلے میں؟ رخصت کے مقابلے میں۔ جیسے دیکھیے، ایک شخص مسافر ہے، مسافر کو شریعت نے رخصت دی ہے کہ وہ چاہے تو رمضان کا روزہ حالتِ سفر میں نہ رکھے، بعد میں کیا کرلے اس کی؟ قضا کرلے۔ تو یہ چھوڑنا اس کے لیے رخصت ہے، لیکن افضل کیا ہے؟ عزیمت کیا ہے؟ اس کو کیا کرنا چاہیے؟ روزہ رکھنا عزیمت ہے بھائی، اور وہ افضل ہے۔ تو معلوم ہوا عزیمت کیا ہوتی ہے؟ افضل ہوتی ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**الْقِرَانُ رُخْصَةٌ**»، قران رخصت ہے، جی یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل۔

اور نیز وہ فرماتے ہیں، اور بھی دلیل وہ دیتے ہیں، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ فِي الْإِفْرَادِ زِيَادَةَ التَّلْبِيَةِ وَالسَّفَرِ وَالْحَلْقِ**، کہ افراد کے اندر تلبیہ، سفر اور حلق کی زیادتی ہے۔ تلبیہ، سفر اور حلق کی زیادتی ہے کس کے اندر؟ حجِ افراد میں، حجِ افراد میں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قران میں حج بھی کر رہا ہے اور عمرہ بھی کر رہا ہے، اور افراد میں صرف حج کر رہا ہے۔ لہٰذا، لہٰذا حجِ افراد والا جو تلبیہ کہے گا وہ صرف کس کے لیے ہوگا؟ صرف حج کے لیے۔ اور قران والا جو تلبیہ کہے گا وہ حج کے لیے بھی ہے اور عمرے کے لیے بھی ہے، گویا وہ دونوں کی طرف تقسیم ہو رہا ہے۔ اور کیا افضل ہے کہ تلبیہ دونوں کے لیے ہو یا صرف حج کے لیے الگ تلبیہ ہو وہ افضل ہے؟ ظاہر سی بات ہے ایک تلبیہ صرف حج ہی کے لیے ہے، اور ایک تلبیہ دو چیزوں کے لیے ہے، تو یہ افضل ہے کہ ایک تلبیہ ایک ہی چیز کے لیے ہو بھائی، تقسیم وہاں نہیں ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور نیز قران والا جو سفر کرتا ہے وہ عمرے اور حج دونوں کے لیے کرتا ہے، جبکہ افراد والا جو سفر کرتا ہے وہ صرف کس کے لیے ہے؟ حج کے لیے۔ ایک چیز، ایک سفر دو چیزوں کے لیے ہو، وہ تو تقسیم ہو جائے گا۔ ادھا ایک کے لیے گویا، ادھا دوسرے کے لیے۔ ویسے صورت بتانے کے لیے سمجھا رہا ہوں، تقسیم آ رہی ہے یا نہیں؟ یا یوں کہو کہ آپ دس روپے ایک ساتھی کو دیتے ہیں، اور ایک صورت کہ آپ دس روپے دو ساتھیوں کو دیتے ہیں، تو دیکھو وہ تقسیم ہو رہے ہیں دس روپے دو ساتھیوں میں۔ اور ایک صورت کیا ہے؟ سارے دس روپے کیا کرتے ہیں آپ؟ ایک ہی ساتھی کو دے رہے ہیں، تو کس میں اس کا فائدہ زیادہ ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ سارا کیا ہو؟ ایک کے لیے ہی ہو۔ تو یہاں پر بھی ایک سفر ہے صرف حج کے لیے اور وہ حجِ افراد میں ہے، اور ایک سفر ہے دونوں کے لیے وہ کس کے اندر ہے؟ حجِ قران کے اندر۔ تو کون سا افضل ہوا؟ حجِ افراد کا، کیونکہ وہ سفر صرف حج کے لیے ہے۔

اور حلق یعنی سر کا منڈوانا استرے سے، استرے سے سر کے بال صاف کروانا۔ قران کے اندر آخر میں جا کر کیا کرے گا؟ سر استرے سے صاف کرے گا، اور یہ حجِ قران میں یہ سر کا منڈوانا حج کے احرام سے حلال ہونے کے لیے بھی ہے اور عمرے کے احرام سے حلال ہونے کے لیے بھی ہے۔ تو ایک ہی حلق ہوا کس کے لیے؟ دو احراموں کے لیے۔ اور حجِ افراد میں جو حلق ہوا وہ صرف کس کے احرام سے حلال ہونے کے لیے ہے؟ حج کے احرام سے حلال ہونے کے لیے ہے، تو وہاں تقسیم نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حجِ افراد کیا ہے؟ افضل ہے، کیونکہ اس میں تلبیہ بھی زائد صرف حج کے لیے، سفر بھی زائد کہ صرف کس کے لیے ہے؟ حج کے لیے، اور حلق بھی زائد کہ صرف کس کے لیے ہے؟ حج کے لیے ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

وَلَنَا، اور ہماری دلیل **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے، آپ نے فرمایا: «**يَا آلَ مُحَمَّدٍ، أَهِلُّوا بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعًا**»، اے آلِ محمد! اے آلِ محمد، یعنی اے محمد کے خاندان والو! «**أَهِلُّوا بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعًا**»، تم احرام باندھو حج اور عمرے دونوں کا۔ **أَهَلَّ يُهِلُّ إِهْلَالٌ** کا معنی ہوتا ہے آواز بلند کرنا، یعنی تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرنا مراد ہے۔ حاجی بھی کیا کرتا ہے جب احرام باندھتا ہے تو تلبیہ بلند آواز سے کہتا ہے، تو یہاں کیا مراد ہے؟ آواز بلند کرنا کس کے ساتھ؟ تلبیہ کے ساتھ۔ تو حضور علیہ السلام اپنے خاندان والوں سے کیا فرما رہے ہیں؟ بھائی یاد رکھو، یہ آل کا لفظ آیا، آل۔ شاید میں نے شروع میں ذکر کیا ہو۔ تو یہ آل کا لفظ جو ہے نا آل، یہ کئی معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آل سے مراد ہیں گھر والے، اسی طرح آل کا معنی خاندان والے بھی آتا ہے، اور اسی طرح آل کا معنی متبعین جو ہیں حضور علیہ السلام کی جو اتباع کرنے والے ہیں، تو موقع محل کے مطابق جو مناسب معنی ہو وہ کیا جاتا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تفصیل دیکھنی ہو تو اس کے لیے والد صاحب مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ ان کی کتاب ہے «**النهج السهل إلى مباحث الآل والأهل**»، آل اور اہل کی مباحث ہیں، اور مکمل تفصیل وہاں مل جائے گی آپ کو بھائی۔ تو یہاں پر خاندان کا، اس کا ترجمہ خاندان کے کریں یہ مناسب بنتا ہے۔ «**يَا آلَ مُحَمَّدٍ**»، اے محمد کے خاندان والو! یہ حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں اپنے خاندان والوں سے، اے آلِ محمد، اے محمد کے خاندان والو! «**أَهِلُّوا بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعًا**»، تم تلبیہ کہو حج اور عمرے دونوں کا اکٹھے ہی۔ دونوں کا اکٹھے ہی تلبیہ کہو۔ معلوم ہوا حضور علیہ السلام کس حج کا حکم دے رہے ہیں؟ حجِ قران کا، کہ حج اور عمرے کا اکٹھا تلبیہ کہو اور یہ حجِ قران میں ہوتا ہے۔ معلوم ہوا حجِ قران افضل ہے جب ہی حضور علیہ السلام اپنے خاندان والوں کو دونوں کا حکم دے رہے ہیں۔

وَلِأَنَّ فِيهِ جَمْعًا بَيْنَ الْعِبَادَتَيْنِ، اور نیز اس لیے کیونکہ قران کے اندر دو عبادتوں کا جمع کرنا ہے۔ قران میں حج بھی ہے اور عمرہ بھی ہے، اور حجِ افراد میں

صرف کیا ہے؟ صرف حج ہے، اور ایک عبادت کے بجائے دو عبادتوں کا ہونا افضل ہے۔ **فَأَشْبَهَ الصَّوْمَ مَعَ الِاعْتِكَافِ، وَالْحِرَاسَةَ فِي سَبِيلِ اللهِ مَعَ صَلَاةِ اللَّيْلِ**، تو یہ مشابہ ہو گیا وہ روزہ جو اعتکاف کے ساتھ ہو، **وَالْحِرَاسَةَ فِي سَبِيلِ اللهِ**، اور وہ پہرہ داری اللہ کے راستے میں، **مَعَ صَلَاةِ اللَّيْلِ**، جو رات کی نماز کے ساتھ ہو یعنی تہجد کے ساتھ ہو۔ بھائی ایک ہے عام روزہ، اور ایک ہے روزہ مع اعتکاف۔ ظاہر سی بات ہے، کون سی صورت افضل ہے؟ روزے کے ساتھ اعتکاف بھی ہو۔ اسی طرح ایک شخص جہاد پر گیا اور وہاں پر وہ مجاہدین رات کے وقت کیا کرتا ہے؟ ان مجاہدین کی حفاظت کرتا ہے، ہاں رات کے وقت پہرہ دیتے ہیں جو، تو ایک ہے رات کو ویسے صرف پہرہ دینا، وہ بھی عظیم عبادت، لیکن ایک ہے پہرے کے ساتھ ساتھ وہ تہجد بھی پڑھ لیتا ہے، تو کون سی صورت افضل ہے؟ کہ پہرے کے ساتھ تہجد بھی ہو۔ تو کیونکہ یہاں دو عبادتیں آ گئیں، جیسے روزے اور اعتکاف کی صورت میں دو عبادتیں آ گئیں اور یہ ظاہر سی بات ہے کہ ایک عبادت کے مقابلے میں دو عبادتیں افضل ہیں، تو حجِ قران میں بھی اسی طرح ہے، حج اور عمرہ دونوں ہیں، دو عبادتیں ہیں، تو یہ حجِ افراد کے مقابلے میں افضل ہے کیونکہ دو عبادتیں اس میں آ گئیں۔ **فَأَشْبَهَ الصَّوْمَ مَعَ الِاعْتِكَافِ**، تو یہ مشابہ ہوا اس روزے کے جو اعتکاف کے ساتھ ہو، **وَالْحِرَاسَةَ فِي سَبِيلِ اللهِ مَعَ صَلَاةِ اللَّيْلِ**، اور یہ مشابہ ہوا اللہ کے راستے میں اس پہرہ داری کے **مَعَ صَلَاةِ اللَّيْلِ** جو کس کے ساتھ ہو؟ تہجد کی نماز کے ساتھ ہو۔

وَالتَّلْبِيَةُ غَيْرُ مَحْصُورَةٍ، امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا ذکر فرمایا تھا کہ حجِ افراد افضل کیونکہ اس میں تلبیہ بھی زیادہ صرف حج کے لیے، اور نیز اس کے اندر سفر بھی زیادہ، اور نیز اس کے اندر حلق بھی زیادہ۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ کہتے ہیں: **وَالتَّلْبِيَةُ غَيْرُ مَحْصُورَةٍ**، اور تلبیہ وہ تو غیر محصور ہے یعنی اس کی تو کوئی حد نہیں۔ حصر کا معنی ہے بند کرنا، بند کرنا۔ محصور، بند کیا ہوا یعنی جس کی کوئی خاص تعداد مقرر ہو، بند ہو۔ تو کہتے ہیں تلبیہ تو غیر محصور ہے، اس کی تو کوئی حد نہیں ہے۔ لہٰذا وہ تو حجِ قران والے کو کیا کرنا چاہیے؟ وہ حجِ افراد کرنے والے کے مقابلے میں وہ زیادہ تلبیہ کہنا چاہیے اس کو بھائی۔ تو اس کی تو کوئی حد نہیں ہے، جتنا زیادہ کہنا چاہے کہہ سکتا ہے۔ لہٰذا حجِ قران کرنے والے کو کیا کرنا چاہیے؟ حجِ افراد کے کرنے والے کے مقابلے میں زیادہ تلبیہ کہنا چاہیے، تو اس سے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اور نیز آپ نے کیا کہا؟ سفر زیادہ ہے، ہم کہتے ہیں سفر تو وسیلہ ہے حج تک، حج کرنے کا۔ سفر تو حج کرنے کا وسیلہ ہے، سفر خود مقصود نہیں ہے بلکہ سفر کے ذریعے مقصود کیا ہے؟ حج ہے۔ لہٰذا سفر کی زیادتی سے حجِ افراد کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اور نیز آپ نے کیا کہا؟ حلق زائد ہے اس کے اندر، ہم کہتے ہیں حلق بھی جو کیا جاتا ہے وہ تو احرام سے نکلنے کے لیے ہے، وہ تو عبادت سے نکلنے کے لیے ہے، لہٰذا اس کو بھی فضیلت کی وجہ قرار نہیں دیا جا سکتا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَالتَّلْبِيَةُ غَيْرُ مَحْصُورَةٍ وَالسَّفَرُ غَيْرُ مَقْصُودٍ وَالْحَلْقُ خُرُوجٌ عَنِ الْعِبَادَةِ فَلَا يَتَرَجَّحُ بِمَا ذَكَرَ**، کہ تلبیہ جو ہے اس کی تو کوئی حد مقرر نہیں ہے، اور سفر وہ تو غیر مقصود ہے، **وَالْحَلْقُ خُرُوجٌ عَنِ الْعِبَادَةِ**، اور حلق جو ہے وہ تو عبادت سے نکلنا ہے، **فَلَا يَتَرَجَّحُ**، حجِ افراد ترجیح نہیں پا سکتا، **بِمَا ذَكَرَ**، ان چیزوں کی وجہ سے جس کو کس نے ذکر کیا؟ امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا۔

وَالْمَقْصُودُ بِمَا رَوَى نَفْيُ قَوْلِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ: إِنَّ الْعُمْرَةَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ مِنْ أَفْجَرِ الْفُجُورِ، بھائی امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث بھی تو ذکر کی تھی کہ حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے کہ «**الْقِرَانُ رُخْصَةٌ**»، کہ حجِ قران رخصت ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعے دراصل مقصد یہ ہے کہ اہلِ جاہلیت کا ایک قول تھا، وہ ایک بات کہا کرتے تھے، اور وہ یہ، وہ کہتے تھے کہ حج کے مہینوں میں یعنی شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ، ان کے ان مہینوں میں عمرہ کرنا بدترین گناہ ہے۔ وہ کہتے تھے ان مہینوں میں عمرہ کر ہی نہیں سکتے، بلکہ کیا کرنا پڑے گا صرف؟ حج کرنا پڑے گا۔ تو ان مہینوں میں عمرہ کرنا بدترین گناہ ہے۔ تو حضور علیہ السلام ان کا رد کرتے ہوئے فرما رہے ہیں: «**الْقِرَانُ رُخْصَةٌ**»، کہ قران کیا ہے؟ رخصت ہے، یعنی اس کی ہمیں رخصت دے دی گئی ہے اللہ کی طرف سے، اجازت دے دی گئی ہے۔ ہم اشہرِ حج ہی میں، حج کے ساتھ ساتھ کیا کر سکتے ہیں؟ عمرہ بھی کر سکتے ہیں۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو ہم کہتے ہیں: **وَالْمَقْصُودُ بِمَا رَوَى نَفْيُ قَوْلِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ**، اور مقصود اس حدیث کے ذریعے جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ نفی کرنا ہے جاہلیت والوں کے اس قول کی، وہ یہ کہتے تھے: **إِنَّ الْعُمْرَةَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ مِنْ أَفْجَرِ الْفُجُورِ**، کہ عمرہ جو ہے حج کے مہینوں میں یہ بدترین گناہ ہے۔

وَلِلْقِرَانِ ذِكْرٌ فِي الْقُرْآنِ، اب امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل کا بھی جواب دے رہے ہیں۔ انہوں نے کیا ذکر کیا تھا؟ کہ حجِ تمتع افضل ہے کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں ہے اور حجِ قران کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں حجِ قران کا ذکر بھی ہے قرآن میں۔ دیکھیے آگے ذکر فرما رہے ہیں کہاں پر اللہ اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَلِلْقِرَانِ ذِكْرٌ فِي الْقُرْآنِ**، اور قران کا ذکر بھی قرآن میں ہے، **لِأَنَّ الْمُرَادَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى**، اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد جو ہے، یہ جو قول ہے: ﴿**وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ**﴾، کہ تم لوگ پورا کرو حج اور عمرے کو اللہ کے لیے، ہم کہتے ہیں اللہ کے اس قول سے مراد: **أَنْ يُحْرِمَ بِهِمَا مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ**، کہ وہ حج کرنے والا احرام باندھے ان دونوں کا، حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھے، **مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ**، اپنے اہل و عیال کے گھر سے ان دونوں کا احرام باندھے، **عَلَى مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ**، بوجہ اس کے جس کو ہم نے روایت کر دیا پہلے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں: ﴿**وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ**﴾، اس کا کیا معنی ہے؟ کہ دونوں حج اور عمرے کا دونوں کا احرام باندھا جائے، کہاں سے باندھا جائے؟ اپنے اہل و عیال کے گھر سے۔ اور اپنے اہل و عیال کے گھر سے جب دونوں کا احرام باندھا جائے یہ کون سا حج ہوتا ہے؟ یہ حجِ قران ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں کس کا ذکر کیا جا رہا ہے؟ حجِ قران کا، معلوم ہوا اس کا بھی ذکر قرآن میں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

ثُمَّ فِيهِ تَعْجِيلُ الْإِحْرَامِ وَاسْتِدَامَةُ إِحْرَامِهِمَا مِنَ الْمِيقَاتِ إِلَى أَنْ يَفْرُغَ مِنْهُمَا، وَلَا كَذَلِكَ التَّمَتُّعُ، فَكَانَ الْقِرَانُ أَوْلَى

مِنْهُ، جوابات سب کے گزر گئے۔ اب وجہِ ترجیح بھی ذکر کر رہے ہیں۔ بھائی قران حج افراد سے تو افضل ہے، یہ تو دلیلیں گزر گئیں۔ ان جوابات کے ضمن میں ہی کیا آ گئیں؟ دلیلیں آ گئیں کہ افراد میں ایک عبادت ہے اور قران میں دو عبادتیں ہیں، اور ظاہر سی بات ہے کہ دو عبادتیں کیا ہیں؟ ایک عبادت کے مقابلے میں افضل۔ باقی تیسرا طریقہ تھا حج کا حجِ تمتع، اس سے بھی یہ حجِ قران افضل ہے۔ اس لیے کیونکہ حجِ تمتع والا گھر سے عمرے کا احرام باندھ کر چلتا ہے اور حج کا احرام بعد میں باندھتا ہے، آٹھویں کو یا آٹھویں کے قریب باندھ لیتا ہے۔ آٹھویں ذوالحجہ کو یا آٹھویں کے قریب وہ حج کا احرام باندھتا ہے۔ اور حجِ قران میں گھر سے ہی حج اور عمرے کا احرام باندھتا ہے، تو یہاں حج کا احرام دیکھو جلدی شروع ہو گیا، جلدی شروع ہو گیا۔ اور نیز تمتع میں عمرہ کرنے کے بعد پھر حلال ہو جاتا ہے اور کچھ روز جو مکہ میں گزارتا ہے راحت سے گزارتا ہے، کوئی پابندی نہیں ہوتی احرام کی۔ خوشبو بھی لگا سکتا ہے، بال بھی کاٹ سکتا ہے، ناخن بھی کاٹ سکتا ہے، بیوی بھی حلال ہے۔ تو دیکھو اس میں کوئی پابندی نہیں۔ اور حجِ قران میں شروع سے جو احرام باندھا ہے وہ حج اور عمرے دونوں کا ہے، تو حج کا بھی ہوا، لہٰذا بیچ میں وہ حلال نہیں ہوتا، عمرہ کر کے حلال نہیں ہوتا، بلکہ جب حج پورا کر لے گا بالکل آخر میں، پھر جا کر کیا ہو گا؟ وہ دونوں احراموں سے حلال۔ تو اس کے اندر دیکھو احرام کا دوام بھی زیادہ ہے، پابندی زیادہ ہے۔ جب پابندی زیادہ ہے معلوم ہوا اس میں مشقت زیادہ ہے، اور ظاہر سی بات ہے ایک وہ عبادت جس میں مشقت کم ہو، ایک وہ عبادت جس میں مشقت زیادہ ہو، کون سی عبادت افضل ہے؟ جس میں مشقت زیادہ ہو بھائی۔ اس وجہ سے معلوم ہوا حجِ قران تمتع کے مقابلے میں بھی افضل ہے۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **ثُمَّ فِيهِ تَعْجِيلُ الْإِحْرَامِ**، پھر حجِ قران کے اندر احرام کو جلدی کرنا ہے یعنی احرام کو جلدی باندھنا ہے، **وَاسْتِدَامَةُ إِحْرَامِهِمَا مِنَ الْمِيقَاتِ**، استدامت کا معنی دائم رہنا، مسلسل رہنا، اور مسلسل ان دونوں کے احرام کا باقی رہنا ہے، **مِنَ الْمِيقَاتِ**، میقات سے لے کر، **إِلَى أَنْ يَفْرُغَ مِنْهُمَا**، یہاں تک کہ وہ ان دونوں سے یعنی حج اور عمرے سے فارغ ہو جائے، **وَلَا كَذَلِكَ التَّمَتُّعُ**، اور تمتع تو ایسا نہیں ہے، اس میں تو احرام جلدی بھی نہیں ہوتا حج کا، اور نیز اس میں تو احرام مسلسل بھی نہیں رہتا، **فَكَانَ الْقِرَانُ أَوْلَى مِنْهُ**، تو قران جو ہے تمتع سے اولیٰ ہے، اس سے افضل ہے، بہتر ہے۔

وَقِيلَ: الِاخْتِلَافُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْقَارِنَ عِنْدَنَا يَطُوفُ طَوَافَيْنِ، اچھا بھائی، بعض علماء نے یہ ذکر کیا کہ ہمارا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا جو اختلاف ہے، ہمارے نزدیک قران افضل اور ان کے نزدیک افراد افضل ہے، اس اختلاف کی وجہ دراصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک حجِ قران کرنے والا دو طواف کرتا ہے اور دو ہی سعی کرتا ہے۔ دو طواف کرتا ہے اور دو سعی۔ ایک طواف عمرے کا اور ایک سعی کس کی؟ عمرے کی، پھر ایک طواف حج کا اور ایک سعی کس کی؟ حج کی، تو دو طواف اور دو سعی کرتا ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ جو ہیں ان کے نزدیک یہاں پر تداخل ہو جاتا ہے۔ عمرے اور حج کا جو طواف ہے ان میں تداخل ہو جاتا ہے، ایک ہی طواف دونوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عمرے کی سعی ہے اور حج کی سعی ہے، ان دونوں میں بھی کیا ہو جاتا ہے؟ تداخل، تو ایک ہی سعی کافی ہو جاتی ہے عمرے کے لیے بھی اور حج کے لیے بھی۔ تو ہمارے نزدیک حجِ قران والا دو طواف کرتا ہے اور دو سعی، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حجِ قران والا ایک طواف کرتا ہے اور ایک ہی سعی بھائی۔ تو اس وجہ سے اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک چونکہ دو طواف اور دو سعی ہیں، یہ افضل ہیں حجِ افراد کے مقابلے میں جس میں ایک طواف اور ایک سعی ہوتی ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حجِ افراد افضل ہے، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ حجِ افراد میں جو ایک طواف اور ایک سعی کی وہ صرف حج کے لیے، اور حجِ قران میں بھی ایک ہی طواف ہے اور ایک ہی سعی ہے لیکن یہ حج اور عمرے دونوں کے لیے ہے۔ تو ایک وہ طواف اور سعی ہے جو صرف حج کے لیے ہو، ایک وہ طواف اور سعی ہے جو حج اور عمرے دونوں کے لیے ہو، اور ظاہر سی بات ہے کہ وہ صورت افضل ہے جس میں طواف اور سعی صرف کس کے لیے ہو؟ حج کے لیے ہو، جہاں تقسیم لازم نہ آئے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس وجہ سے وہ حجِ افراد کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں حجِ قران میں ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی ہے۔ اور ہم اس لیے حجِ قران کو افضل کہتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک حجِ افراد میں تو ایک طواف اور ایک سعی ہے لیکن حجِ قران میں دو طواف اور دو سعی ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: **وَقِيلَ: الِاخْتِلَافُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ**، اور کہا گیا ہے کہ ہمارے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے درمیان جو اختلاف ہے، **بِنَاءً**، وہ اس بنا پر ہے، اس وجہ سے ہے، **عَلَى أَنَّ الْقَارِنَ عِنْدَنَا يَطُوفُ طَوَافَيْنِ وَيَسْعَى سَعْيَيْنِ**، کہ قارن جو ہے ہمارے نزدیک وہ دو طواف کرتا ہے اور دو سعی کرتا ہے، **وَعِنْدَهُ طَوَافًا وَاحِدًا وَسَعْيًا وَاحِدًا**، اور ان کے نزدیک ایک ہی طواف کرتا ہے اور ایک ہی سعی کرتا ہے۔

قَالَ: وَصِفَةُ الْقِرَانِ، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں اور قران کی صفت یعنی قران کا طریقہ جو ہے وہ یہ ہے: **أَنْ يُهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مَعًا مِنَ الْمِيقَاتِ**، کہ حاجی جو ہے وہ تلبیہ کہے عمرے اور حج کا اکٹھا ہی، **مِنَ الْمِيقَاتِ**، کہاں سے؟ میقات سے، **وَيَقُولُ عَقِيبَ الصَّلَاةِ**، اور نماز کے بعد کہے۔ کون سی نماز بھائی؟ ہاں احرام کی دو چادریں باندھ لیں، پھر دو رکعت سنت پڑھ لیے، اس کے بعد کیا یوں کہے بھائی وہ، اس کے بعد وہ یوں کہے: «**اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي**»، اے اللہ! میں حج اور عمرے دونوں کا ارادہ کرتا ہوں، تو اے اللہ آپ ان دونوں کو میرے لیے آسان فرما دیجیے اور ان دونوں کو میری طرف سے قبول فرما لیجیے۔ تو دونوں کا احرام باندھتا ہے شروع سے ہی۔ **لِأَنَّ الْقِرَانَ هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ**، اس لیے کیونکہ قران جو ہے وہ جمع کرنا ہے حج اور عمرے کے بیچ بھائی، ان دونوں کو جمع کرنا ہے، **مِنْ قَوْلِكَ**، اور یہ آپ کے اس قول سے ماخوذ ہے: «**قَرَنْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ**»، آپ عربی زبان میں کہتے ہیں: «**قَرَنْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ**»، کب کہتے ہیں؟ «**إِذَا جَمَعْتَ بَيْنَهُمَا**»، جب آپ دو چیزوں کو جمع کر دیں۔ جب آپ دو چیزوں کو ملا دیں تو پھر

عربی زبان میں کیسے کہیں گے؟ «قَرَنْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ»، میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملادیا، جمع کر دیا۔ تو یہاں پر بھی کیا کیا گیا، اس احرام کے اندر حج اور عمرے کو جمع کر دیا گیا، تو اس لیے اس کو حجِ قران کہتے ہیں۔

وَكَذَا إِذَا أَدْخَلَ حَجَّةً عَلَى عُمْرَةٍ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ لَهَا أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ، صورت یہ کہ ایک آدمی نے اشہرِ حج میں، حج کے مہینوں میں عمرہ کیا، اور عمرے کے افعال کیا کیا ہوتے ہیں میں تفصیل بیان کر چکا ہوں۔ طواف کرنا ہے اور اس کے بعد سعی کرنی ہے اور اس کے بعد پھر بال کٹوا کر حلال ہو جائے گا۔ تو ایک آدمی نے حج کے مہینوں میں عمرہ شروع کیا، اور طواف شروع کر دیا۔ اور طواف میں کل کتنے چکر لگائے جاتے ہیں بیت اللہ کے؟ سات چکر۔ اور سات میں سے ابھی چار چکر کم از کم باقی ہیں۔ سات میں سے؟ کیونکہ سات کا سات میں سے چار ہوں، یہ چار اکثر ہیں، زیادہ ہیں یعنی سب سے زیادہ۔ اور آپ پڑھ چکے ہیں: «**لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**»، اکثر شے کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے بھائی، کل کا حکم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس شخص نے طواف شروع کر دیا لیکن ابھی اکثر طواف باقی ہے، یعنی کم از کم کتنا باقی ہے؟ چار طواف باقی ہے۔ چاہے اس نے ابھی ایک چکر لگایا ہو، چاہے دو لگائے ہوں، چاہے تین لگائے ہوں، ابھی کتنے باقی ہیں؟ اکثر طواف کے چکر باقی ہیں۔ اور اسی دوران وہ نیت کر لیتا ہے حج کی بھی، کر کیا رہا ہے؟ عمرہ، اور عمرے کا احرام باندھا ہوا ہے۔ اور اسی دوران وہ کس کی نیت کر لیتا ہے؟ حج کی بھی نیت کر لیتا ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں بھی اب یہ اس کا حج حجِ قران بن جائے گا بھائی۔ کیا بن جائے گا؟ حجِ قران بن جائے گا۔ اس لیے کیونکہ ابھی عمرے کا اکثر حصہ باقی، اور جب اکثر باقی تو گویا «**لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**»، گویا کل عمرہ ہی ابھی باقی ہے۔ اور اس سے پہلے ہی اس نے کیا کر لیا؟ حج کی بھی نیت کر لی، تو یہ احرام حج اور عمرے دونوں کا ہو گیا، اور حج اور عمرے دونوں کا احرام ہو تو اس حج کو کیا کہتے ہیں؟ حجِ قران کہتے ہیں۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَكَذَا إِذَا أَدْخَلَ حَجَّةً عَلَى عُمْرَةٍ،** اور اسی طرح ہے مسئلہ جب کوئی شخص داخل کر دے حج کو عمرے پر، کس پر داخل کر دے؟ عمرے پر، **قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ لَهَا أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ،** قبل اس کے کہ وہ طواف کرے عمرے کے لیے چار چکر، یعنی چار چکر پورے کرنے سے پہلے پہلے اس نے حج کو بھی داخل کر دیا عمرے میں۔ **لِأَنَّ الْجَمْعَ قَدْ تَحَقَّقَ،** اس لیے کیونکہ جمع کرنا تحقیق پایا گیا۔ کہ ایک ہی احرام میں حج بھی جمع ہو گیا اور عمرہ بھی جمع۔ **إِذِ الْأَكْثَرُ مِنْهَا قَائِمٌ،** اس لیے کیونکہ اکثر جو ہے وہ عمرے میں سے قائم ہے، ابھی بھی موجود ہے یعنی باقی ہے اس کے ذمے۔ **وَمَتَى عَزَمَ عَلَى أَدَائِهِمَا،** اور جب وہ ارادہ کر لے ان دونوں کی ادائیگی کا، **فَيَسْأَلُ التَّيْسِيرَ فِيهِمَا،** تو وہ اللہ سے دعا کرے ان دونوں میں آسانی کی بھائی، آسانی کی دعا کرے بھائی۔ **وَقَدَّمَ الْعُمْرَةَ عَلَى الْحَجِّ فِيهِ،** اور مقدم کرے عمرے کو حج پر اس صورت میں۔ کیا کرے؟ عمرے کو حج پر مقدم کرے، کیونکہ یہ حجِ قران بن گیا اور حجِ قران میں کیا ہوتا ہے؟ عمرہ پہلے ہوتا ہے اور حج بعد میں ہوتا ہے۔

وَكَذَلِكَ يَقُولُ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا، اور اسی طرح وہ شخص یوں کہے، تلبیہ کہنے لگا تلبیہ، تلبیہ کہنے لگا، احرام کی چادریں باندھ لیں، اور دو رکعت جو سنت ہے وہ بھی پڑھ لیے، اور اب نیت کرنے لگا ہے اور تلبیہ کہنے لگا ہے تو تلبیہ یوں کہے۔ **وَكَذَلِكَ يَقُولُ،** اور یوں کہے: «**لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا**»، وہاں تو کیا کہتا تھا حجِ افراد میں؟ «**لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ**»، لیکن یہاں کس طرح کہے؟ «**لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا**»، کہ عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا ہی لبیک، یعنی دونوں کے لیے میں کیا کہتا ہوں؟ تلبیہ کہتا ہوں، دونوں کے لیے اے اللہ میں حاضر ہوں۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ «**لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا**»، کہ حج اور عمرے دونوں کا اکٹھا ہی میں لبیک کہتا ہوں یعنی اے اللہ ان کے دونوں کے لیے اکٹھا ہی میں حاضر ہوں۔

لِأَنَّهُ يَبْدَأُ بِأَفْعَالِ، یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ «**لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا**»، لفظوں پر توجہ ہے بھائی؟ اس میں عمرے کا لفظ پہلے آیا اور حج کا ذکر بعد میں آیا بھائی۔ یہ کیا وجہ عمرے کو پہلے کیوں ذکر کیا؟ بتلا رہے ہیں بھائی اس لیے کیونکہ عمرہ پہلے کیا جاتا ہے لہٰذا اس کو پہلے ذکر کرے اور حج کو بعد۔ لیکن اگر کوئی اس کا عکس کر دیتا ہے، حج کو پہلے ذکر کرتا ہے اور عمرے کو بعد میں اور یوں کہتا ہے: «**لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعًا**»، تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کیونکہ درمیان میں واؤ آیا اور واؤ صرف جمع کا فائدہ دیتا ہے۔ «**جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو**»، آیا میرے پاس زید اور عمرو، کون پہلے آیا؟ کوئی تفصیل نہیں اس کلام کے اندر، کیونکہ درمیان میں واؤ آیا۔ اس کلام نے صرف اتنا فائدہ دیا اور یہ بتلا دیا کہ میرے پاس زید بھی آیا ہے اور میرے پاس عمرو بھی آیا ہے۔ «**جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو**»، زید کا لفظ پہلے ہے، عمرو کا لفظ بعد میں ہے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ زید پہلے آیا ہو اور عمرو بعد میں آیا ہو تبھی یہ کہہ سکتے ہیں، بلکہ جو بھی صورت ہوئی، چاہے حقیقت میں زید پہلے آیا ہو اور عمرو بعد میں، پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں «**جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو**»۔ چاہے دونوں بالکل اکٹھے آئے تب بھی آپ کہہ سکتے ہیں «**جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو**»۔ عمرو پہلے آیا ہو اور زید بعد میں آیا ہو لیکن لفظوں میں آپ پھر بھی زید کو مقدم کر کے کہہ سکتے ہیں «**جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو**»، کیونکہ واؤ صرف کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ جمع کا فائدہ دیتا ہے، جیسے کہ آپ علمِ نحو کے اندر اور اسی طرح اصولِ فقہ کے اندر آپ پڑھ چکے ہیں تفصیل بھائی۔ تو لہٰذا تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ يَبْدَأُ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ فَكَذَلِكَ يَبْدَأُ بِذِكْرِهَا،** اس لیے کیونکہ یہ شخص جو ہے وہ ابتدا کرتا ہے عمرے کے افعال کے ساتھ تو اسی طرح ابتدا کرے گا عمرے کے ذکر کے ساتھ، **وَإِنْ أَخَّرَ ذَلِكَ فِي الدُّعَاءِ وَالتَّلْبِيَةِ لَا بَأْسَ بِهِ،** اور اگر اس نے مؤخر کر دیا عمرے کو دعا میں اور تلبیہ کے اندر لَا **بَأْسَ بِهِ** تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، **لِأَنَّ الْوَاوَ لِلْجَمْعِ،** اس لیے کیونکہ واؤ جو درمیان میں آیا «**بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ**»، یہ جو واؤ درمیان میں آیا **لِلْجَمْعِ** یہ کس لیے ہے؟ جمع کے لیے ہے بھائی۔

وَلَوْ نَوَى بِقَلْبِهِ، بھائی صورت یہ، ایک شخص ہے اس نے اس نے حجِ قران کا ارادہ کیا، لیکن تلبیہ وہی پڑھا «**لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ**»، یہ لفظ اس نے نہیں کہے «**لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا**»، تو کہتے ہیں کوئی حرج نہیں۔ دل سے ارادہ کر لیا تو کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں، جیسے نماز کے لیے۔ زبان سے نیت نہیں کہتا، صرف دل سے نیت کر لیتا ہے تو یہ کافی ہے یا کافی نہیں ہے؟ کافی ہے، تو یہاں پر بھی جب دل سے نیت ہے تو وہ کافی ہے اگرچہ زبان سے نہ کہے۔ یہ معنی: **وَلَوْ نَوَى بِقَلْبِهِ،** اور اگر اس نے نیت کی دل سے، **وَلَمْ يَذْكُرْهُمَا فِي التَّلْبِيَةِ،** اور ان دونوں کو اس نے ذکر نہیں کیا تلبیہ کے اندر، **أَجْزَأَهُ،** تو یہ بھی اس کے لیے کافی ہے، **اعْتِبَارًا بِالصَّلَاةِ،** قیاس کرتے ہوئے نماز پر۔

چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۱۴۷: مسئلہ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ...

سبق نمبر ۱۴۷: مسئلہ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۸۰ — بتاریخ: ۵ مئی ۲۰۱۳ء

فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ ابْتَدَأَ وَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ يَرْمُلُ فِي الثَّلَاثِ الْأُوَلِ مِنْهَا وَيَسْعَى بَعْدَهَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهَذَا أَفْعَالُ الْعُمْرَةِ ثُمَّ يَبْدَأُ بِأَفْعَالِ الْحَجِّ فَيَطُوفُ طَوَافَ الْقُدُومِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ وَيَسْعَى بَعْدَهُ كَمَا بَيَّنَّا فِي الْمُفْرِدِ وَيُقَدِّمُ أَفْعَالَ الْعُمْرَةِ۔ [1]

بھئی گزشتہ سبق کے اندر حجِ قران کا طریقہ ہم پڑھ رہے تھے بھئی۔ اور صاحبِ قدوری نے آپ کو بتلایا تھا کہ حجِ قران کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھا جائے اور وہ احرام کی دو سنتیں پڑھنے کے بعد یہ دعا کرے: «**اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي**»۔ اور اسی طرح یہ کہے: «**لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا**»۔ اور اگر اس میں اس نے حج کے لفظ کو مقدم کر دیا اور عمرے کے لفظ کو مؤخر کر دیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اگر سرے سے ان دونوں کو ذکر ہی نہیں کیا صرف دل سے نیت کر لی دونوں کی تو بھی کافی ہے، کس پر قیاس کرتے ہوئے؟ نماز پر قیاس کرتے ہوئے، جیسے نماز کے اندر زبان سے نیت پر تلفظ ضروری نہیں ہے بلکہ دل سے نیت بھی کافی ہے بھئی۔

اب آگے بتلا رہے ہیں: **فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ**، کہ جب وہ قارن یعنی حجِ قران کرنے والا مکہ میں داخل ہو جائے، **ابْتَدَأَ وَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ**۔ پہلے طریقہ سمجھ لیجیے میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ حجِ قران کرنے والے نے عمرہ بھی کرنا ہے اور حج بھی کرنا ہے، تو پہلے جاتے ہی یہ عمرہ کرے گا۔ اور عمرہ کس چیز کا نام ہے؟ طواف اور سعی بھئی، سعی۔ تو طواف کر لے اور اس طواف کے بعد چونکہ سعی کرنی ہے تو اس میں اضطباع بھی کر لے یعنی دایاں کندھا بھی ننگا کر لے گا اور رمل بھی کرے گا پہلے تین چکروں کے اندر بھئی۔

تو جب یہ طواف کر لے، اس کے بعد اس کی دو رکعت واجب جو ہیں وہ پڑھ لے، پھر اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے بھئی۔ تو یہ عمرہ مکمل ہوا، لیکن یہ عمرہ کرنے کے بعد اس نے حلال نہیں ہونا، یعنی سر کے بال استرے سے صاف نہیں کرنے یا سر کے بال کٹوانے نہیں ہیں، اس لیے کیونکہ یہ احرام صرف عمرے کا اس نے نہیں باندھا تھا بلکہ حج اور عمرے دونوں کا باندھا تھا، تو ابھی صرف عمرے کے افعال ہوئے ہیں۔ لہٰذا آگے حج کے بھی افعال کرے اور جب حج پورا ہو جائے تو آخر میں جا کر دونوں احراموں سے اکٹھا ہی حلال ہو گا یوم النحر والے دن بھئی، ترتیب سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ جب اس نے عمرہ کر لیا، عمرہ کر لیا، اس کے بعد یہ طوافِ قدوم کر لے، کیا کر لے؟ طوافِ قدوم کر لے۔ اور اسی طوافِ قدوم کے بعد اگر یہ حج کی سعی کرنا چاہتا ہے تو حج کی سعی بھی کر لے، اگر ان دنوں میں حج کی سعی نہ کر سکا تو پھر طوافِ زیارت کے بعد حج کی سعی کرنا پڑے گی بھئی، طوافِ زیارت کے بعد۔

تو یہ جو عمرہ کر لیا، عمرے کے بعد یہ جو بھی طواف کر لے گا، جو بھی پہلا طواف ہو گا وہ خود بخود طوافِ قدوم بن جائے گا، جیسے حج کے بعد جو بھی طواف آخری ہوتا تھا وہ خود بخود کیا بن جاتا تھا؟ طوافِ وداع بن جاتا تھا، تفصیل پیچھے بیان ہو چکی ہے بھئی۔ تو یہ چاہے تو اس طوافِ قدوم کے بعد ہی کیا کر لے؟ حج کی سعی کر لے، یا جتنے دن مکہ میں ہے حج سے پہلے پہلے، ان میں بھی کسی دن بھی وہ کسی طواف کے بعد بھی کیا کر سکتا ہے؟ حج کی سعی کر سکتا ہے کیونکہ حج کا احرام اس نے باندھا ہوا ہے۔ لیکن جب بھی سعی کرنی ہے اس سے پہلے کیا کر لے؟ ایک طواف کر لے اور اس طواف میں کیا کر لے؟ اضطباع بھی کر لے اور رمل بھی کر لے بھئی، طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ**، جب حجِ قران والا مکہ میں داخل ہو جائے، **ابْتَدَأَ وَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ**، تو ابتدا کرے گا اور طواف کرے گا بیت اللہ کے سات چکر، **يَرْمُلُ فِي الثَّلَاثِ الْأُوَلِ مِنْهَا**، اور ان میں سے پہلے تین چکروں کے اندر وہ رمل کرے گا، اور میں نے بتلایا تھا پہلے تین چکروں میں رمل نہ کر سکا، بھول گیا، تو بعد میں نہ کرے بھئی، کیونکہ پہلے تین ہی میں رمل مسنون ہے بعد والوں میں رمل کرنا مسنون نہیں۔

[1] شاملہ (ص ۲۰۱) میں «وَطَافَ» کے بجائے «فطاف»، شاملہ (ص ۲۰۱) میں «وَهَذَا» کے بجائے «وهذه» درج ہے۔

وَيَسْعَى بَعْدَهَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، اور سعی کرے اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان، **وَهَذَا أَفْعَالُ الْعُمْرَةِ**، اور یہ عمرے کے افعال ہیں، **ثُمَّ يَبْدَأُ بِأَفْعَالِ الْحَجِّ**، پھر اس کے بعد حج کے افعال شروع کرے، **فَيَطُوفُ طَوَافَ الْقُدُومِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ**، پس طواف کرے طوافِ قدوم کے **سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ** سات چکر بھئی، **وَيَسْعَى بَعْدَهُ**، اور اس کے بعد کیا کرلے؟ سعی کرلے۔ طوافِ قدوم آپ پڑھ چکے بھئی کہ قدوم کا معنی ہے آنا، چونکہ حاجی دور سے سفر کر کے آیا ہے لہٰذا ابتدا میں کیا ضروری ہے؟ طوافِ قدوم، جو پہلا طواف کرے گا بیت اللہ کا یہ طوافِ قدوم ہے، تو دور سے سفر کر کے آیا ہے تو پہلے بیت اللہ کا طواف کرے اور یہ طواف طوافِ قدوم کہلاتا ہے اور ہمارے نزدیک یہ سنت ہے واجب نہیں ہے بھئی۔

تو اس کے بعد **فَيَطُوفُ طَوَافَ الْقُدُومِ سَبْعَةَ أَشْوَاطٍ**، تو اس کے بعد طوافِ قدوم کرلے سات چکر، **وَيَسْعَى بَعْدَهُ كَمَا بَيَّنَّا فِي الْمُفْرِدِ**، اور اس کے بعد سعی کرلے اگر کرنا چاہتا ہے، یہ قید آپ نے یاد رکھنی ہے، اس کے بعد کیا کرنا چاہے؟ سعی کرنا چاہے تو کرلے، کوئی لازمی نہیں ہے، لیکن آسانی ہو جائے گی بھئی، طوافِ زیارت کے بعد سعی کرے گا اس دن بہت ہجوم ہو گا، بڑی مشکل ہو گی سعی، لہٰذا چاہے تو طوافِ قدوم کے بعد سعی کرلے اور چاہے تو جب تک مکہ میں ہے کسی بھی طواف کے بعد سعی کرلے۔ یہ معنی ہے: **وَيَسْعَى بَعْدَهُ**، اور اس طواف کے بعد سعی کرلے، **كَمَا بَيَّنَّا فِي الْمُفْرِدِ**، جیسے کہ ہم نے مفرد کے اندر بیان کیا، مفرد جو حجِ افراد کرنے والا ہے تو وہ حجِ افراد کا طریقہ پیچھے تفصیلاً ذکر ہو گیا۔

وَيُقَدِّمُ أَفْعَالَ الْعُمْرَةِ، اور مقدم کرے یہ شخص عمرے کے افعال کو، بھئی پہلے کیا کرے؟ پہلے عمرہ کرے اور اس کے بعد پھر کیا کرے؟ حج کے افعال کرے بھئی، اس کا عکس نہ کرے کہ حج کے افعال پہلے کرلے اور عمرہ بعد میں، بلکہ پہلے عمرہ کرے، اور دلیل اس کی کیا کہ عمرہ پہلے ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں: **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿**فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ**﴾، تو وہ شخص جس نے نفع اٹھایا عمرے کا **إِلَى الْحَجِّ** حج تک بھئی۔ تو دیکھو یہاں پر حج پر لفظِ «**إِلَى**» داخل ہوا اور «**إِلَى**» کس لیے آتا ہے؟ غایہ اور انتہا بتلانے کے لیے، معلوم ہوا انتہا کس پر ہو گی؟ حج پر، جب حج پر انتہا ہے تو دو ہی تو افعال ہیں ایک عمرہ اور ایک حج، تو جب حج پر انتہا ہے تو معلوم ہوا ابتدا کس سے ہو گی؟ عمرے سے ہو گی بھئی۔

وَالْقِرَانُ فِي مَعْنَى الْمُتْعَةِ، یہ سوال کا جواب دے رہے ہیں، سوال یہ کہ یہ تو حجِ تمتع کا ذکر ہے: ﴿**فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ**﴾، یہ تو حجِ تمتع کا ذکر ہو رہا ہے قرآن میں، حجِ قران کا تو ذکر نہیں، تو آپ تو قران کی بات یہاں کر رہے ہیں؟ کہتے ہیں بھئی حجِ قران بھی **فِي مَعْنَى الْمُتْعَةِ** کس معنی میں ہے؟ حجِ تمتع ہی کے معنی میں ہے بھئی، کیونکہ حجِ تمتع میں جس طرح ایک عمرہ اور حج ہوتا ہے اسی طرح حجِ قران میں بھی عمرہ اور حج ہوتا ہے تو یہ اسی کے معنی میں ہے۔ یہ معنی ہے: **وَالْقِرَانُ فِي مَعْنَى الْمُتْعَةِ**، اور حجِ قران جو ہے حجِ متعہ کے معنی میں ہے یعنی حجِ تمتع کے معنی میں ہے۔

وَلَا يَحْلِقُ بَيْنَ الْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ، بھئی عمرے اور حج کے درمیان یہ شخص حلال نہیں ہو گا، حجِ تمتع والا تو کیا کرتا تھا؟ حلال ہو جاتا تھا، بال کٹوا دیتا تھا اور احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی تھیں، لیکن حجِ قران اس میں مشقت زیادہ ہے کہ یہ جو احرام باندھا ہے اس نے یہ صرف عمرے کا احرام نہیں ہے کہ اب حلال ہو جائے اور اتار دے، بلکہ یہ تو حج اور عمرے دونوں کا احرام ہے لہٰذا درمیان میں حلال نہیں ہونا، عمرہ کر کے پھر اسی طرح حالتِ احرام میں، احرام کی پابندیوں کے ساتھ ہی مکہ میں رہے اور طواف کرتا رہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يَحْلِقُ بَيْنَ الْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ**، اور حلق نہ کروائے یہ شخص عمرے اور حج کے درمیان، حلق یعنی استرے سے بال صاف نہ کروائے، **لِأَنَّ ذَلِكَ جِنَايَةٌ عَلَى إِحْرَامِ الْحَجِّ**، اس لیے کیونکہ یہ جرم ہے حج کے احرام پر۔ اگر اس نے بال صاف کروا لیے بھئی عمرے کے بعد تو یاد رکھیے یہ اس نے جنایت کر دی حج کے احرام پر بھئی، کیونکہ یہ احرام حج کا بھی تھا اور عمرے کا بھی، لہٰذا ایک دم لازم آئے گا یعنی ایک جانور کی قربانی اس پر واجب ہو جائے گی۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ ذَلِكَ جِنَايَةٌ عَلَى إِحْرَامِ الْحَجِّ**، کیونکہ یہ جنایت ہے حج کے احرام پر، **وَإِنَّمَا يَحْلِقُ فِي يَوْمِ النَّحْرِ كَمَا يَحْلِقُ الْمُفْرِدُ**، اور یہ شخص حلق کروائے گا، یہ حجِ قران والا قارن جو ہے یہ حلق کروائے گا یوم النحر والے دن ہی **كَمَا يَحْلِقُ الْمُفْرِدُ** جیسے حلق کرواتا تھا حجِ افراد والا۔ وہ جیسے یوم النحر والے دن حلق کرواتا تھا یہ بھی اسی دن حلق کروائے گا اور پھر اس کے دونوں احرام ختم ہو جائیں گے بھئی۔

اور یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حجِ افراد میں احرام صرف کس کا ہوتا ہے؟ حج کا، اور حجِ تمتع میں اولاً احرام ہوتا ہے عمرے کا اور پھر بعد میں احرام ہوتا ہے حج کا، لہٰذا ان سے اگر کوئی جنایت ہو جائے تو ان پر ایک دم آئے گا، کتنا آئے گا؟ ایک دم۔ لیکن اگر حجِ قران والے سے کوئی جنایت ہو جائے تو حجِ قران والے کا احرام دو چیزوں کا ہے، عمرے کا بھی ہے اور حج کا بھی ہے، اس پر پھر دو دم آئیں گے بھئی، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

وَيَتَحَلَّلُ بِالْحَلْقِ عِنْدَنَا لَا بِالذَّبْحِ كَمَا يَتَحَلَّلُ الْمُفْرِدُ، اور یہ قارن بھی حلال ہو گا حلق سے ہی ہمارے نزدیک، کس کے ذریعے حلال ہو گا؟ حلق، سر کے بال استرے سے صاف کروا لے یا سر کے بال چھوٹے کروا لے، اسی سے یہ حلال ہو جائے گا، **لَا بِالذَّبْحِ**، ذبح کی وجہ سے حلال نہیں ہو گا، **كَمَا يَتَحَلَّلُ الْمُفْرِدُ**، جیسے مفرد حلال ہوتا ہے۔ حجِ افراد کرنے والا کس سے حلال ہوتا ہے؟ آپ پیچھے پڑھ چکے، وہ بھی حلق ہی کے ذریعے حلال ہوتا ہے تو یہ بھی حلق ہی کے ذریعے حلال ہو گا۔

ثُمَّ هَذَا مَذْهَبُنَا، پھر یہ ہمارا مذہب ہے۔ یہ ہمارا مذہب ہے، آگے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بھی بیان ہو گا۔ ہمارا کیا مذہب ہوا؟ کہ یہ جو قارن ہے، یہ عمرے

کے افعال الگ کرے گا اور حج کے افعال الگ کرے گا، یہ ہمارا مذہب ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ جو ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عمرے کا تداخل ہو جائے گا حج کے اندر، لہٰذا ان کے نزدیک، ان کے نزدیک قارن جو ہے ایک طواف اور ایک سعی کرے گا، وہی طواف حج کا بھی ہو گا اور عمرے کا بھی، اور وہی سعی حج کی بھی ہو گی اور عمرے کی بھی ہو جائے گی، جبکہ ہمارے نزدیک قارن دو طواف اور دو سعی کرے گا، ایک طواف اور سعی عمرے کی اور ایک طواف اور سعی حج کی بھئی۔

تو کہتے ہیں: **ثُمَّ هَذَا مَذْهَبُنَا**، پھر یہ ہمارا مذہب ہے یعنی کہ عمرے اور حج کے افعال الگ الگ کرنے پڑیں گے۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يَطُوفُ طَوَافًا وَاحِدًا وَيَسْعَى سَعْيًا وَاحِدًا**، کہ قارن جو ہے وہ ایک ہی طواف کرے گا اور ایک ہی سعی کرے گا، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، وہ دلیل پیش کرتے ہیں حضور علیہ السلام کا قول بھئی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ**»، عمرہ داخل ہو گیا حج میں قیامت کے دن تک۔ عمرہ کس میں داخل ہو گیا؟ حج میں داخل ہو گیا قیامت تک کے لیے، تو معلوم ہوا عمرے کے افعال کس میں داخل ہو جائیں گے؟ حج میں داخل ہو جائیں گے۔

یہ ایک دلیل ان کی، اور نیز آگے عقلی دلیل بھی وہ ذکر کرتے ہیں، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ مَبْنَى الْقِرَانِ عَلَى التَّدَاخُلِ**، اور اس لیے کیونکہ قران کی بنیاد تداخل پر ہے، قران میں کیا ہوتا ہے؟ تداخل ہوتا ہے، ایک فعل دوسرے کے اندر داخل ہو جاتا ہے، **حَتَّى اكْتُفِيَ فِيهِ بِتَلْبِيَةٍ وَاحِدَةٍ**، یہاں تک کہ اکتفا کیا جاتا ہے اس میں ایک ہی تلبیہ پر، کس پر؟ ایک ہی تلبیہ پر۔ بھئی دیکھیے، حجِ تمتع والا ہے ناحجِ تمتع والا، وہ شروع میں جب احرام باندھتا ہے کس کا باندھتا ہے؟ عمرے کا، تو اس کے لیے الگ تلبیہ کہے گا، نیت کے ساتھ ساتھ کیا ضروری؟ تلبیہ کا کہنا بھی ضروری ہے۔ پھر جب وہ یوم الترویہ والے دن حج کا احرام باندھے گا حجِ تمتع والا تو پھر وہ تلبیہ کہے گا اور وہ کس لیے ہو گا؟ حج کے لیے تلبیہ ہو گا۔ لیکن یہاں جو قران والا تلبیہ کہے گا وہ جو احرام باندھتے ہوئے شروع میں اس نے کہا نیت کرتے ہوئے، اس وقت ایک ہی تلبیہ کہے گا حج اور عمرے دونوں کے لیے، تو دیکھو وہ فرماتے ہیں یہاں تداخل آ گیا، ایک ہی تلبیہ دونوں کے لیے کافی ہو گیا۔ معلوم ہوا قران کی بنیاد تداخل پر ہے۔

اسی طرح وہ فرماتے ہیں ایک ہی سفر دونوں کے لیے کافی ہو گیا۔ یہ جو سفر کر کے جا رہا ہے یہ عمرے کا بھی سفر اور یہ حج کا بھی سفر، حالانکہ ہونا کیا چاہیے؟ حج کے لیے الگ سفر اور عمرے کے لیے الگ سفر، لیکن دونوں میں تداخل آ گیا۔ تداخل آ گیا، ایک ہی سفر دونوں کے لیے کافی ہو گیا۔ اسی طرح حلق کے اندر بھی تداخل آ جاتا ہے، یوم النحر والے دن ایک ہی حلق کے ذریعے وہ حلال ہو جائے گا عمرے کے احرام سے بھی اور حج کے احرام سے بھی، تو معلوم ہوا قران کی بنیاد کس پر ہے؟ تداخل پر ہے۔ جب باقی چیزوں کے اندر تداخل آ رہا ہے تو طواف اور سعی میں بھی کیا آئے گا؟ تداخل آئے گا اور ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کرے گا حجِ قران کرنے والا۔ دلیل ان کی سمجھ میں آ گئی؟

تو وہ فرماتے ہیں: **وَلِأَنَّ مَبْنَى الْقِرَانِ عَلَى التَّدَاخُلِ**، قران کی بنیاد تداخل پر ہے، **حَتَّى اكْتُفِيَ فِيهِ بِتَلْبِيَةٍ وَاحِدَةٍ وَسَفَرٍ وَاحِدٍ وَحَلْقٍ وَاحِدٍ**، یہاں تک کہ اکتفا کیا جاتا ہے اس میں ایک ہی تلبیہ پر اور ایک ہی سفر پر اور ایک ہی حلق پر، **فَكَذَلِكَ فِي الْأَرْكَانِ**، تو اسی طرح ارکان میں بھی ہو گا یعنی ارکان بھی، یعنی طواف اور سعی جو وغیرہ جو ہیں وہ ان میں بھی کیا ہو گا؟ تداخل ہو گا۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ لَمَّا طَافَ صُبَيُّ بْنُ مَعْبَدٍ طَوَافَيْنِ وَسَعَى سَعْيَيْنِ قَالَ لَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: «هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ»**۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب طواف کیا صبی بن معبد نے **طَوَافَيْنِ وَسَعَى سَعْيَيْنِ**، جب انہوں نے دو طواف اور دو سعی کیں، وہ حج قران کر رہے تھے اور کیا کیا انہوں نے؟ دو طواف کیے اور دو سعی کیں جیسا کہ ہمارا مذہب ہے، ہمارے نزدیک کتنے کرے گا قارن؟ دو طواف اور دو سعی۔ تو انہوں نے بھی جب دو طواف اور دو سعی کر لیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ذکر کیا، **فَقَالَ لَهُ عُمَرُ**، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے فرمانے لگے: «**هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ**»، تمہاری رہنمائی کر دی گئی حضور علیہ السلام کی سنت کی طرف بھئی۔ تمہاری رہنمائی کر دی گئی حضور علیہ السلام کی سنت کی طرف، یعنی ان کی سنت پر تم نے عمل کر لیا بھئی۔ معلوم ہوا اس سے کہ حج قران کرنے والا کیا کرے گا؟ دو طواف اور دو سعی کرے گا کیونکہ اسی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کی سنت قرار دے رہے ہیں بھئی۔

وَلِأَنَّ الْقِرَانَ، جی آگے عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْقِرَانَ ضَمُّ عِبَادَةٍ إِلَى عِبَادَةٍ**، نیز اس لیے کیونکہ قران جو ہے وہ ملانا ہے ایک عبادت کو دوسری عبادت کے ساتھ۔ اور ایک عبادت کو دوسری عبادت کے ساتھ ملانا، یہ کس طریقے پر ہو گا؟ کہ ایک عبادت کے افعال بھی پورے طور پر کیے جائیں اور دوسری عبادت کے افعال بھی پورے طور پر کیے جائیں، تو تب کہا جائے گا اس نے کیا کیا، ایک عبادت کے ساتھ دوسری عبادت کو ملا دیا بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْقِرَانَ ضَمُّ عِبَادَةٍ إِلَى عِبَادَةٍ**، اور نیز اس لیے کیونکہ قران جو ہے وہ ملانا ہے ایک عبادت کو دوسری عبادت کے ساتھ، **وَذَلِكَ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِأَدَاءِ عَمَلِ كُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الْكَمَالِ**، اور یہ تو اسی وقت پایا جائے گا، کیا چیز؟ ایک عبادت کو دوسری عبادت کے ساتھ ملانا، یہ تو اسی وقت اس کا تحقق ہو گا، اسی وقت یہ پایا جائے گا کہ جب کیا کرے؟ **بِأَدَاءِ عَمَلِ كُلِّ وَاحِدٍ**، کہ ادا کرے ان میں سے ہر ایک کے عمل کو، وہ شخص کیا کرے؟ ہر عبادت کے عمل کو ادا کرے **عَلَى الْكَمَالِ** کامل طریقے سے۔ پہلی عبادت کے افعال بھی پورے طور پر کرے، دوسری عبادت کے افعال بھی پورے طور پر کرے، تو پھر کہیں گے اس نے کیا کیا، ایک عبادت کے ساتھ ملا دیا دوسری عبادت کو، یعنی پہلے ایک پوری عبادت کر لی اور پھر ساتھ ہی دوسری بھی پوری عبادت کر لی۔

وَلِأَنَّهُ لَا تَدَاخُلَ فِي الْعِبَادَاتِ الْمَقْصُودَةِ، اور نیز اس لیے کیونکہ عباداتِ مقصودہ میں تداخل نہیں ہوتا۔ وسیلہ جو ہوتا ہے ناوسیلہ، جس کے ذریعے ایک چیز تک پہنچا جائے، ان میں تو تداخل ہوتا ہے لیکن عباداتِ مقصودہ میں تداخل نہیں ہوتا، جو عبادت مقصود ہوتی ہے جس کے لیے وہ وسیلہ اختیار کر رہا ہے۔ مثلاً یہ سفر کرتا ہے انسان حج کے لیے، مقصد کیا ہے؟ یہ سفر مقصد ہے یا آگے حج مقصد ہے؟ حج مقصد ہے، تو سفر ہے وسیلہ اور وسیلے کے اندر تداخل ہو جائے گا، لہٰذا ایک ہی سفر عمرے اور حج کے لیے کافی ہو جائے گا بھئی۔ جیسے ایک ہی وضو، ایک ہی وضو ظہر کی نماز کے لیے بھی کافی ہو جائے گا اور عصر کی نماز کے لیے بھی کافی ہو جائے گا۔ تو تداخل وسائل کے اندر ہوتا ہے، عباداتِ مقصودہ کے اندر تداخل نہیں ہوتا۔

تو کہتے ہیں: **وَلِأَنَّهُ لَا تَدَاخُلَ فِي الْعِبَادَاتِ الْمَقْصُودَةِ**، اور نیز اس لیے کیونکہ عباداتِ مقصودہ کے اندر تداخل نہیں ہوتا، **وَالسَّفَرُ لِلتَّوَصُّلِ**، اور سفر تو پہنچنے کے لیے ہے، **وَالتَّلْبِيَةُ لِلتَّحْرِيمِ**، اور تلبیہ تو کس لیے ہے؟ تحریم کے لیے ہے، محرم بنانے کے لیے ہے، حرام کرنے کے لیے ہے یعنی پابندیاں لگانے کے لیے ہے، اور تو وہ بھی وسیلہ ہوا، وہ بھی کیا ہے؟ وسیلہ ہے، تلبیہ کہے گا تو محرم بنے گا، لہٰذا تلبیہ بھی یہاں پر مقصود نہیں۔

وَالْحَلْقُ لِلتَّحَلُّلِ، اور حلق یعنی سر کے بال صاف کروانا یہ تو حلال ہونے کے لیے ہے۔ یہ کوئی ان میں سے کوئی بھی چیز مقصود نہیں، نہ سفر مقصود ہے، نہ تلبیہ مقصود ہے، اور نہ حلق مقصود ہے، تو یہ غیر مقصود ہوئے اور غیر مقصود کے اندر تو تداخل آسکتا ہے، ایک ہی سفر دونوں کے لیے کافی، ایک ہی تلبیہ دونوں کے لیے کافی، ایک ہی حلق دونوں کے لیے کافی، کیونکہ یہ سب کیا ہیں؟ غیر مقصود ہیں بھئی۔

فَلَيْسَتْ هَذِهِ الْأَشْيَاءُ بِمَقَاصِدَ، لہٰذا یہ چیز مقصود نہ ہوئیں، **بِخِلَافِ الْأَرْكَانِ**، بخلاف کس کے؟ ارکان کے، کہ وہ مقصود ہیں لہٰذا ان میں تداخل نہیں ہوگا۔ آگے عجیب مثال ذکر کرتے ہیں صاحبِ ہدایہ، وہ فرماتے ہیں دیکھیے آپ نفل ادا کرنا چاہتے ہیں، طریقہ کیا ہے؟ دو رکعت ادا کیے جائیں، پھر کیا کیا جائے؟ دوبارہ نیت باندھی جائے اور دو رکعت ادا کیے جائیں۔ لیکن آپ دو اور دو کو ملانا چاہتے ہیں، چار اکٹھے ادا کرنا چاہتے ہیں تو دیکھو ایک ہی تکبیرِ تحریمہ چاروں کے لیے کافی ہو جائے گی۔ کیونکہ تکبیرِ تحریمہ آپ پڑھ چکے یہ نماز کی شرائط میں سے ہے، نماز کی حقیقت میں داخل نہیں، تو یہ وسیلہ ہے اس تک پہنچنے کا۔ تو وسیلے میں تداخل ہوا، پہلے دو اور دو پڑھ رہا تھا، پہلی دو کے لیے تحریمہ الگ تھا اور دوسری دو کے لیے تحریمہ الگ، اب وہ چار رکعت اکٹھی ادا کرتا ہے تو ایک ہی تحریمہ چاروں کے لیے کافی ہو جائے گا، دیکھو وسیلے کے اندر تداخل آیا۔ لیکن ان چار رکعتوں کے اندر تداخل نہیں آئے گا کیونکہ وہ مقصود ہیں، یہ نہیں کر سکتا وہ کہ نیت کرے چار کی اور پڑھ لے دو اور سوچے کہ ان میں کیا آگیا ان دونوں میں؟ تداخل آگیا، یہ دو ہی کس کے برابر ہو گئیں؟ چار کے برابر، نہیں بھئی، وہ مقصود ہیں، ان میں تداخل نہیں ہو سکتا، ہاں وسیلوں میں تداخل ہو سکتا ہے جیسے ایک ہی وضو بھی ان کے لیے کافی ہو جائے گا اور ایک ہی تکبیرِ تحریمہ بھی ان کے لیے کافی ہو جائے گی، دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **أَلَا تَرَى**، کیا آپ دیکھتے نہیں، **أَنَّ شَفْعَيِ التَّطَوُّعِ**، اصل میں تھا **شَفْعَيْنِ التَّطَوُّعِ**، تطوع نفل کے جو دو شفعے ہیں، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، شفعہ کسے کہتے ہیں؟ دو رکعتیں، جو دو رکعتیں ہیں۔ **أَلَا تَرَى أَنَّ شَفْعَيِ التَّطَوُّعِ**، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ نفل کے جو دو شفعے ہیں، ایک شفعے میں کتنی رکعت ہوتی ہیں؟ دو رکعت، تو دو شفعوں میں کتنی ہوئیں؟ چار۔ تو کیا آپ دیکھتے نہیں **أَنَّ شَفْعَيِ التَّطَوُّعِ** کہ نفل کے جو دو شفعے ہیں، **لَا يَتَدَاخَلَانِ**، ان میں تداخل نہیں ہوتا، **وَبِتَحْرِيمَةٍ وَاحِدَةٍ يُؤَدَّيَانِ**، اور ایک ہی تحریمہ کے ساتھ ان کو ادا کیا جاتا ہے۔

وَمَعْنَى مَا رَوَاهُ، اب اس حدیث کا بھی جواب دے رہے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کی عقلی دلیل کا تو جواب گزر گیا، اب انہوں نے حدیث ذکر کی تھی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ**»، کہ عمرہ حج میں داخل ہو گیا قیامت تک، تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَمَعْنَى مَا رَوَاهُ**، اور معنی اس حدیث کا جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا، اس کا معنی یہ ہے: **دَخَلَ وَقْتُ الْعُمْرَةِ فِي وَقْتِ الْحَجِّ**، کہ عمرے کا وقت حج کے وقت میں داخل ہو گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے جاہلیت والے کیا کہتے تھے؟ کل کے سبق میں کیا آیا تھا؟ کہ اشہرِ حج میں، حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا بدترین گناہ ہے، لیکن حضور علیہ السلام اس حدیث کے ذریعے دراصل انہی کے اس عقیدے کا رد فرما رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ عمرہ جو ہے وہ حج میں داخل ہو گیا قیامت تک کے لیے، یعنی ہمارے لیے اس کی رخصت دے دی گئی، ہم حج کے مہینوں میں بھی کیا کر سکتے ہیں؟ عمرہ کر سکتے ہیں، تو عمرہ داخل ہو گیا کس میں؟ حج میں، یعنی وہ حکم منسوخ کر دیا گیا جو پہلے سے چلا آرہا تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ نہیں کر سکتے، اب کیا کر دیا گیا؟ عمرے کے وقت کو بھی حج کے وقت میں داخل کر دیا گیا قیامت تک کے لیے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے کہ **دَخَلَ وَقْتُ الْعُمْرَةِ فِي وَقْتِ الْحَجِّ**، عمرے کا وقت داخل ہو گیا حج کے وقت میں۔

قَالَ: وَإِنْ طَافَ طَوَافَيْنِ لِعُمْرَتِهِ، صورتِ مسئلہ یہ ہے: بھئی ابھی آپ کو حجِ قران کا طریقہ بتایا کہ حجِ قران والا جائے گا اور جا کر ایک طواف کرے گا اور ایک سعی کرے گا، یہ طواف اور سعی کس چیز کی؟ یہ عمرے کی، پھر ایک طواف کرے گا اور ایک سعی کر لے گا، یہ طواف اور سعی کس کے؟ حج کے، طواف جو ہے وہ طوافِ قدوم اور سعی جو ہے وہ حج کی سعی ہے۔ ایک شخص ان میں ترتیب برقرار نہیں رکھتا، وہ کیا کرتا ہے؟ وہ کہتا ہے میں نے ایک طواف اور ایک سعی کرنی ہے، پھر ایک طواف اور ایک سعی کرنی ہے، بلکہ اس کے بجائے میں یوں کر لیتا ہوں: پہلے دو طواف کر لیتا ہوں پھر دو سعی کر لیتا ہوں۔ طریقہ تو کیا تھا؟ ایک طواف، پھر ایک سعی، پھر ایک طواف، پھر ایک سعی۔ لیکن وہ کیا کرتا ہے؟ دو طواف اکٹھے کر لیتا ہے، ایک طواف کر لیا پھر اس کے بعد دوسرا کر لیا، پھر دو سعی اکٹھی کر لیتا ہے، پہلی سعی عمرے کے لیے کر لیتا ہے، دوسری سعی حج کے لیے کر لیتا ہے، تو کیا یہ کافی ہو جائے گا؟ کہتے ہیں ہاں بھئی، اگر ایسا وہ کر لے تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا، اگرچہ اس نے برا عمل کیا کیونکہ

اس نے سنت طریقے کو چھوڑ دیا بھئی، سمجھ میں آیا؟ سنت طریقہ تو کیا ہے؟ پہلے صرف عمرے کے افعال کرے یعنی ایک طواف اور ایک سعی، پھر اس کے بعد حج کے افعال شروع کرے یعنی طواف اور سعی بھئی۔

قَالَ، تو امام محمد رحمہ اللہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں: **وَإِنْ طَافَ طَوَافَيْنِ،** اور اگر ایک شخص نے دو طواف کر لیے، اگر اس شخص نے دو طواف کر لیے حجِ قران کرنے والے نے، **لِعُمْرَتِهِ وَحَجَّتِهِ،** دو طواف کس چیز کے؟ عمرے کے لیے اور حج کے لیے، یہ دو طواف کر لیے، **وَسَعَى سَعْيَيْنِ،** اور پھر اس نے دو سعی کر لیں، **يُجْزِيهِ،** تو یہ اس کے لیے کافی ہے، **لِأَنَّهُ أَتَى بِمَا هُوَ الْمُسْتَحَقُّ عَلَيْهِ،** بھئی کہتے ہیں یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا اس لیے **لِأَنَّهُ أَتَى** اس لیے کیونکہ وہ لے آیا **بِمَا هُوَ الْمُسْتَحَقُّ عَلَيْهِ** اس چیز کو جو اس پر لازم تھی۔ اس پر بھی کیا لازم تھا؟ دو طواف اور دو سعی، اور اس نے بھی کیا کیا؟ دو طواف اور دو سعی کر لیں لہٰذا کافی ہو جائیں گی۔ **وَقَدْ أَسَاءَ،** اور تحقیق اس نے برا کیا، **بِتَأْخِيرِ سَعْيِ الْعُمْرَةِ وَتَقْدِيمِ طَوَافِ التَّحِيَّةِ عَلَيْهِ،** کہ اس نے عمرے کی سعی کو مؤخر کر دیا اور طوافِ تحیہ یعنی طوافِ قدوم کو اس پر مقدم کر دیا، وجہ سمجھ میں آ گئی؟

وَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ، اور اس پر کوئی چیز لازم نہیں، یعنی اس پر کوئی دم وغیرہ بھی نہیں آئے گا کہ جانور کی قربانی اس پر واجب ہو جائے۔ **أَمَّا عِنْدَهُمَا،** بھئی اس پر دم وغیرہ کیوں نہیں آئے گا؟ کہتے ہیں بھئی صاحبین کے نزدیک تو مسئلہ واضح ہے، صاحبین کے نزدیک تقدیم و تاخیر سے دم واجب نہیں ہوتا، لیکن امام صاحب کے نزدیک تقدیم و تاخیر سے دم واجب ہوتا ہے۔ ایک عمل پہلے کرنا چاہیے تھا اس کو بعد میں کر دیا اور ایک کو بعد میں کرنا چاہیے تھا اس کو پہلے کر دیا تو امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ اس صورت میں دم لازم آتا ہے، اور جبکہ صاحبین کے نزدیک اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بھئی، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو صاحبین کے نزدیک تو مسئلہ واضح ہے، لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے امام صاحب کے نزدیک تو دم آنا چاہیے؟ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو اس کا بھی آگے جواب دیں گے۔

تو کہتے ہیں: **أَمَّا عِنْدَهُمَا فَظَاهِرٌ،** باقی صاحبین کے نزدیک تو یہ بات ظاہر ہے، **لِأَنَّ التَّقْدِيمَ وَالتَّأْخِيرَ فِي الْمَنَاسِكِ لَا يُوجِبُ الدَّمَ عِنْدَهُمَا،** اس لیے کیونکہ تقدیم اور تاخیر جو ہے حج کے افعال میں یہ دم کو واجب نہیں کرتی صاحبین کے نزدیک، **وَعِنْدَهُ،** اور امام صاحب کے نزدیک، **طَوَافُ التَّحِيَّةِ سُنَّةٌ،** طوافِ تحیہ کیا ہے؟ سنت ہے، **وَتَرْكُهُ لَا يُوجِبُ الدَّمَ فَتَقْدِيمُهُ أَوْلَى،** اور اس کو بالکل چھوڑ دینا دم کو واجب نہیں کرتا تو اس کو مقدم کر دینا بطریقِ اولیٰ دم کو واجب نہیں کرے گا۔ اس نے طوافِ تحیہ کو مقدم کر دیا نا، کس پر؟ عمرے کی سعی پر، کس پر؟ عمرے کی سعی، تو اس کے جب چھوڑنے پہ دم نہیں آتا تو اس کو مقدم کرنے کی صورت میں بطریقِ اولیٰ دم نہیں آئے گا کیونکہ کم از کم کی تو کیا تو ہے یہ طواف اس نے، چھوڑا تو نہیں ہے، چھوڑ دیتا تو بھی دم نہیں تھا۔

وَالسَّعْيُ بِتَأْخِيرِهِ، اور باقی جو سعی میں تاخیر کی، عمرے کی سعی مؤخر کر دی اور طوافِ قدوم کو اس پر مقدم کر دیا، کہتے ہیں اس کی وجہ سے بھی دم نہیں آئے گا، اس لیے کیونکہ جو عمرے کی سعی ہے اس کو انسان کسی اور وجہ سے مؤخر کر دے تب دم نہیں آتا تو طواف کی وجہ سے مؤخر کرنے کی صورت میں بطریقِ اولیٰ دم نہیں آئے گا۔ بھئی آپ عمرہ کرنے گئے، عمرے میں کیا کیا کرنا ہے آپ نے؟ ایک طواف اور ایک سعی، آپ نے طواف کر لیا، طواف کرنے کے بعد اب آپ تھک گئے اور بھوک بھی آپ کو لگ گئی، آپ گئے آپ نے کھانا کھا لیا اور کھانا کھا کر آئے اور پھر اس کے بعد آپ نے سعی کر لی، یا آپ طواف کر کے بہت تھک گئے تھے آپ نے تھوڑی دیر آرام کر لیا بھئی، تو اور پھر اس کے بعد کیا کر لی؟ سعی، تو اس صورت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا کہ عمرے کی سعی میں کھانے پینے یا کسی اور کام میں مشغولیت کی وجہ سے تاخیر آ جائے تو تب وہاں پر دم وغیرہ واجب نہیں ہوتا تو طواف کی وجہ سے اگر تاخیر آئی ہے پھر تو بطریقِ اولیٰ اس کے اندر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی؟

وَالسَّعْيُ بِتَأْخِيرِهِ، اور سعی اپنے مؤخر کر دینے کی وجہ سے، **بِالِاشْتِغَالِ بِعَمَلٍ آخَرَ،** کسی دوسرے عمل میں مشغول ہونے کی وجہ سے، **لَا يُوجِبُ الدَّمَ،** یہ دم کو واجب نہیں کرتی، **فَكَذَا بِالِاشْتِغَالِ بِالطَّوَافِ،** تو اسی طرح طواف میں مشغولیت کی وجہ سے بھی اگر اس کو مؤخر کر دیا جائے تو یہ دم کو واجب نہیں کرے گی۔

قَالَ: وَإِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ شَاةً أَوْ بَقَرَةً أَوْ بَدَنَةً أَوْ سُبْعَ بَدَنَةٍ۔ بھئی حجِ افراد والے کے لیے تو صاحبِ قدوری نے بتلایا تھا کہ اس کو اگر پسند ہو تو قربانی کر لے، چاہے یعنی چاہے تو قربانی کر لے اور چاہے تو نہ کرے کیونکہ اس پر قربانی حج کی واجب نہیں۔ لیکن حجِ قران والے پر حج کی قربانی بھی واجب ہے اور کس دن کرے گا؟ یوم النحر والے دن جب وہ مزدلفہ سے واپس پہنچا، تو رمی جمرات رمی جمرۂ عقبہ کر لے گا، جو بڑا جمرہ ہے اس پر سات کنکریاں مارے گا، پھر اس کے بعد قربانی کرے گا، پھر اس کے بعد یہ کیا کرے گا؟ حلق کروائے گا، اور پھر اسی دن افضل یہ ہے کہ اسی دن طوافِ زیارت بھی کر لے، نہیں تو اگلے دو دنوں کے اندر بھی کر سکتا ہے۔

یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **وَإِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ،** اور جب یہ رمی کر لے جمرے کی، کون سا جمرہ؟ جمرۂ عقبہ، اس کی رمی کر لے یہ حجِ قران کرنے والا، **يَوْمَ النَّحْرِ** عید والے دن یعنی یوم النحر کو، **ذَبَحَ شَاةً،** تو یہ ایک بھیڑ بکری ذبح کر لے گا، **أَوْ بَقَرَةً،** یا ایک گائے بیل، **أَوْ بَدَنَةً،** یا اونٹ کو، **أَوْ سُبْعَ بَدَنَةٍ،** یا اونٹ کے ساتویں حصے کو اس کی قربانی کر دے گا۔

فَهَذَا دَمُ الْقِرَانِ، یہ ہے دمِ قران، **لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمُتْعَةِ،** اس لیے کیونکہ قران بھی کس معنی میں ہے؟ متعہ یعنی حجِ تمتع کے معنی میں ہے، **وَالْهَدْيُ**

مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ، اور ہدی اس کے اندر منصوص علیہ ہے بھئی، قربانی اس میں منصوص علیہ ہے اس کے بارے میں نص آئی ہے بھئی۔ چنانچہ قرآن میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ: ﴿**فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ**﴾، **فَمَا اسْتَيْسَرَ**، جو نفع اٹھائے عمرے کا حج تک تو جو میسر ہو اس کو قربانی میں سے وہ قربانی کرلے، وہ معلوم ہوا اس پر قربانی ضروری ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں ہدی جو ہے منصوص علیہ ہے فیہا، کس کے اندر؟ **أَيْ فِي الْمُتْعَةِ**، متعہ کے اندر یعنی حجِ تمتع کا ذکر چل رہا ہے نا قرآن میں تو، تو حجِ تمتع کے اندر جو ہے ہدی منصوص علیہ ہے، اور قران بھی کس کی طرح ہے؟ حجِ تمتع کی طرح ہے، اور جب حجِ تمتع میں قربانی ہے تو حجِ قران میں بھی قربانی ہوگی۔

وَالْهَدْيُ مِنَ الْإِبِلِ، اب یہاں سے یہ بیان کررہے ہیں کہ ہدی کا جانور کون کون سا ہوسکتا ہے، کس کی قربانی کرسکتے ہیں؟ تو آسان بات ہے، بھئی وہی جانور جن کی قربانی کی جاتی ہے وہ بطورِ ہدی کے بھی جائز ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: **وَالْهَدْيُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ**، اور ہدی جو ہے وہ اونٹ میں سے ہے، **وَالْبَقَرِ** اور گائے بیل میں سے ہے، **وَالْغَنَمِ** اور اور بھیڑ بکری میں سے ہے، **عَلَى مَا نَذْكُرُهُ فِي بَابِهِ**، بوجہ اس کے جس کو ہم ذکر کریں گے اس کے باب میں یعنی ہدی کے باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ اگر اللہ نے چاہا۔

وَأَرَادَ بِالْبَدَنَةِ هُنَا الْبَعِيرَ، صاحبِ قدوری نے یہاں پر بدنہ کے ذریعے اونٹ کا ارادہ کیا۔ متن میں آیا تھا نا: «**أَوْ بَقَرَةً أَوْبَدَنَةً**»، تو بقرہ چونکہ الگ ذکر ہے معلوم ہوا بدنہ سے صرف اونٹ مراد ہے۔ حالانکہ بدنہ کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے، لیکن بقرہ کو الگ ذکر کیا، معلوم ہوا یہاں وہ صرف کیا مراد لے رہے ہیں صاحبِ قدوری بدنہ سے؟ صرف اونٹ مراد لے رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: **وَأَرَادَ بِالْبَدَنَةِ هُنَا الْبَعِيرَ**، اور ارادہ کیا بدنہ کے ذریعے یہاں پر صاحبِ قدوری نے اونٹ کا، **وَإِنْ كَانَ اسْمُ الْبَدَنَةِ يَقَعُ عَلَيْهِ وَعَلَى الْبَقَرِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا**، اگرچہ بدنہ کا نام جو ہے یہ واقع ہوتا ہے اونٹ پر بھی اور گائے بیل پر بھی **عَلَى مَا ذَكَرْنَا** اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کردی، پیچھے دلیل ذکر ہوئی تھی۔

وَكَمَا يَجُوزُ سُبْعُ الْبَعِيرِ يَجُوزُ سُبْعُ الْبَقَرَةِ، بھئی متن میں آیا تھا کہ ایک بھیڑ بکری یا گائے بیل یا ایک اونٹ اونٹنی وغیرہ، **أَوْ سُبْعَ بَدَنَةٍ**، یا اونٹ کا ساتواں حصہ کرلے، صاحبِ ہدایہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ جیسے اونٹ کا ساتواں حصہ جائز ہے اسی طرح گائے بیل کا بھی ساتواں حصہ جائز ہے، یہ بیان کررہے ہیں: **وَكَمَا يَجُوزُ سُبْعُ الْبَعِيرِ**، اور جیسے اونٹ کا ساتواں حصہ جائز ہے، **يَجُوزُ سُبْعُ الْبَقَرَةِ**، تو گائے بیل کا بھی ساتواں حصہ جائز ہے۔

فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يَذْبَحُ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ آخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ وَسَبْعَةَ أَيَّامٍ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ۔ بھئی ایک شخص ہے، وہ حجِ قران کررہا ہے، اور یاد رکھیے یہی حکم ہے حجِ تمتع کا بھی۔ تو حجِ تمتع اور حجِ قران والے پر قربانی واجب ہے حج کی بطورِ شکر کے کہ اللہ نے حج اور عمرے دونوں کی توفیق نصیب فرمائی ایک ہی سفر کے اندر۔ تو اگر ان کے پاس قربانی کا جانور ان کو نہ ملے یا ان کے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ کیا کریں؟ جانور کی قربانی کریں، تو پھر یہ دس روزے رکھیں گے، دس روزے۔ تین روزے ایامِ حج میں اور سات روزے جب واپس آجائیں گھر والوں میں وہ سات روزے رکھیں گے۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ تو تین روزے ایامِ حج میں، جب مرضی رکھنا چاہے رکھ لے، ایامِ حج کے اندر، یعنی یوم النحر سے پہلے پہلے۔ یوم النحر دس کو تو عید آگئی نا، اور دس اور گیارہ، بارہ، تیرہ یہ تو کیا ہیں؟ یہ تو ایامِ تشریق ہیں، اور آپ پڑھ چکے کہ سال کے پانچ ایام ہیں جن کے اندر روزہ رکھنا حرام ہے، تو ان ایام میں تو روزہ نہیں رکھیں گے، یہ جو عید کا دن ہے اور ایامِ تشریق ہیں یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ۔ ہاں اس سے پہلے ہی نویں ذی الحجہ کو ملا کر یعنی اس دن بھی روزہ رکھے، بہتر یہ ہے، اس سے پہلے پہلے کسی دن بھی، کسی بھی وقت تین روزے رکھ لے گا، تین روزے رکھ لے گا۔ لیکن آگے آپ کو بتائیں گے، بہتر یہ ہے سات، آٹھ اور نو ذی الحجہ کو رکھے۔ سات تاریخ کو پہلا رکھے، آٹھ یعنی یوم الترویہ والے دن دوسرا رکھے، اور نو ذی الحجہ یعنی یوم عرفہ والے دن تیسرا رکھے، اس لیے کیونکہ یہ روزے بدل ہیں کس کا؟ قربانی کا، تو لہٰذا ان روزوں کو مؤخر کردے، آخری دنوں میں لے جاکر رکھے تاکہ ہوسکتا ہے اس سے پہلے کہیں سے قربانی کا جانور میسر آجائے، لہٰذا ان کو کیا کردے؟ مؤخر کردے، تفصیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يَذْبَحُ**، جب اس قارن کے پاس نہ ہو کوئی ایسا جانور جس کو وہ ذبح کرے، **صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ**، تو وہ روزے رکھے تین دن حج کے اندر، **آخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ**، کہ ان روزوں کا آخری دن کون سا ہو؟ یوم عرفہ ہو، **وَسَبْعَةَ أَيَّامٍ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ**، اور سات دن کے روزے رکھ لے جب وہ لوٹ آئے اپنے گھر والوں میں، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى**، دلیل ذکر کررہے ہیں اس کی، کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، اللہ فرماتے ہیں قرآن میں: ﴿**فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ**﴾۔ **فَمَنْ لَمْ يَجِدْ**، پس جس کو ہدی نہ ملے، قربانی کا جانور نہ ملے، **فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ**، تو تین روزے رکھنا ہے **فِي الْحَجِّ** کس کے اندر؟ حج میں، تین دن کے روزے رکھنا ہے، **وَسَبْعَةٍ**، اور سات روزے، **إِذَا رَجَعْتُمْ**، جب تم لوٹ آؤ، **تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ**، یہ پورے دس ہوگئے۔

فَالنَّصُّ وَإِنْ وَرَدَ فِي، یہاں سے سوال کا جواب دے رہے ہیں، سوال یہ کہ یہ جو قرآن میں آیا یہ تو حجِ تمتع والے کے بارے میں آیا ہے اور آپ اس وقت بات کررہے ہیں حجِ قران کی قربانی کی، تو کہتے ہیں بھئی حجِ قران بھی کس کی طرح ہے؟ حجِ تمتع ہی کی طرح ہے۔ تو کہتے ہیں: **فَالنَّصُّ وَإِنْ وَرَدَ فِي التَّمَتُّعِ فَالْقِرَانُ مِثْلُهُ لِأَنَّهُ مُرْتَفِقٌ بِأَدَاءِ النُّسُكَيْنِ**، تو کہتے ہیں نص جو ہے یعنی یہ جو آیت جو ہے اگرچہ یہ آئی ہے حجِ تمتع کے بارے میں تو قران بھی اسی تمتع کے مثل ہے، **لِأَنَّهُ**

مُرْتَفِقٌ بِأَدَاءِ النُّسُكَيْنِ، ارتفق کے معنی ہوتے ہیں فائدہ اٹھانا، کیونکہ یہ قارن جو ہے یہ مرتفق، یہ بھی فائدہ اٹھانے والا ہے دو عبادتوں کی ادائیگی کا۔ جیسے تمتع والا فائدہ اٹھاتا ہے دو عبادتوں کی ادائیگی کا تو قران والا بھی کیا کرتا ہے؟ حج اور عمرے دونوں عبادتوں کی ادائیگی کا نفع اٹھاتا ہے۔

وَالْمُرَادُ بِالْحَجِّ وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَقْتُهُ، اور کہتے ہیں صاحبِ ہدایہ معنی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں یہ جو آیت میں آیا نا: ﴿**فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ**﴾، تین دن کے روزے ہیں، کس میں؟ حج میں، کہتے ہیں حج سے مراد وقتِ حج ہے۔ حج سے کیا مراد ہے؟ وقتِ حج ہے، کہ تین دن کے روزے رکھ لے حج کے وقت میں، حج کے وقت۔ بھئی کیوں، یہ حج بول کر وقتِ حج کیسے مراد ہے؟ کہتے ہیں بھئی دیکھیے کہ حج جو ہے نا وہ افعال کا نام ہے، کس چیز کا نام ہے؟ افعال، اور افعال صلاحیت نہیں رکھتے کہ وہ ظرف بن جائیں روزے کے لیے۔ ایک فعل صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ کیا ہو؟ ظرف بن جائے دوسرے فعل کے لیے، ہاں وقت جو ہے وہ ظرف بن سکتا ہے۔

بھئی دیکھیے، میں آپ سے کہتا ہوں: «**ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الْمَكَانِ**»، میں نے زید کی پٹائی کی **فِي الْمَكَانِ** اس جگہ میں، ایک کوئی خاص مکان تھا، کوئی خاص گھر تھا، یا یوں کہیں: «**ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ**»، میں نے زید کی پٹائی کی اس گھر میں، یہ «**فِي الدَّارِ**»، یہ «**فِي**» کیا بتلا رہا ہے؟ کہ الدار ظرف ہے، کس کے لیے؟ ضربت ضربت، یہ جو ضرب کا فعل واقع ہوا اس کے لیے یہ وہ دار کیا ہے؟ ظرف، معلوم ہوا یہ ضرب والا عمل کس جگہ پر پایا گیا؟ اس گھر کے اندر پایا گیا، یعنی اس گھر نے اس کا احاطہ کیا ہوا تھا، اس جگہ نے اس کا احاطہ کیا ہوا تھا، اس کے اندر یہ پٹائی والا عمل پایا گیا، گھر سے باہر نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جگہ جو ہے وہ تو ظرف بننے کی صلاحیت رکھتی ہے کہ اس کی جگہ پر کوئی فعل واقع ہو جائے۔ اسی طرح زمانہ بھی ظرف بنے گا: «**ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ**»، میں نے زید کی پٹائی کی جمعے والے دن، کیا معنی؟ کہ جمعے کا دن یہ ظرف ہے اور یہ زید کی پٹائی جو کی گئی یہ پٹائی کا عمل اس جمعے کے دن کے اندر پایا گیا، اس دن نے اس عمل کا احاطہ کیا ہوا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وقت اور جگہ جو ہیں وہ تو کسی چیز کا احاطہ کر لیتے ہیں، اس کے لیے ظرف بن جاتے ہیں، لیکن ایک فعل دوسرے فعل کے لیے ظرف نہیں بن سکتا بھئی۔ ایک فعل دوسرے فعل کے لیے ظرف نہیں بن سکتا کہ ایک فعل کے اندر دوسرا فعل واقع ہو جائے، اور یہاں پر حج ذکر ہوا اور حج کس چیز کا نام ہے؟ افعالِ عبادات کا نام ہے، افعال کا نام ہے، اور روزہ ہو اور حج کے افعال کے اندر ہو، یہ تو نہیں ہو سکتا۔

رمی جمرات حج کا فعل ہے یا نہیں؟ رمی جمرہ کے اندر روزہ آسکتا ہے؟ رمی جمرات پہ تو چند منٹ لگیں گے اور روزہ تو فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے، تو رمی جمرات تو اس کے لیے ظرف بن ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح حج کے اندر طواف کرنا ہوتا ہے، یہ طواف روزے کے لیے ظرف بن سکتا ہے؟ نہیں، یہ بھی ایک عمل ہے، وہ روزہ ایک عمل الگ عمل ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو زمانہ اور جگہ وہ تو ظرف بن جاتے ہیں افعال کے لیے، لیکن خود ایک فعل دوسرے فعل کے لیے ظرف نہیں بن سکتا۔ تو معلوم ہوا یہاں حج ہے اور حج پر «**فِي**» داخل ہے اور «**فِي**» آتا ہے ظرفیت کے لیے ہے، اور حج خود تو ظرف بن نہیں سکتا کیونکہ حج تو کیا ہے؟ افعال کا نام ہے، تو معلوم ہوا حج بول کر کیا مراد ہے؟ حج کا وقت مراد ہے، اور حج کا وقت یہ تو وقت ہو گیا اور وقت تو ظرف بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس کے اندر تین روزے رکھے جا سکتے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَالْمُرَادُ بِالْحَجِّ**، اور حج سے مراد جو ہے، **وَاللَّهُ أَعْلَمُ**، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں، تو کہتے ہیں **وَالْمُرَادُ بِالْحَجِّ**، یہ ذرا «**وَاللَّهُ أَعْلَمُ**» کو ذرا یہاں سے ہٹا دیں اب عبارت آپ کو سمجھ میں آئے گی: **وَالْمُرَادُ بِالْحَجِّ وَقْتُهُ**، اور حج سے مراد حج کا وقت ہے، **لِأَنَّ نَفْسَهُ لَا يَصْلُحُ ظَرْفًا**، اس لیے کیونکہ نفسِ حج وہ ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

ہاں یہ درمیان میں: **وَالْمُرَادُ بِالْحَجِّ وَقْتُهُ**، درمیان میں صاحبِ ہدایہ نے «**وَاللَّهُ أَعْلَمُ**» ذکر کر دیا، وجہ اس کی یہ، وجہ اس کی یہ کہ صاحبِ ہدایہ کیا کہہ رہے ہیں کہ حج سے مراد حج کا وقت ہے، حج سے مراد حج کا وقت ہے، اور ﴿**فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ**﴾، یہ کس کا کلام ہے؟ یہ اللہ کا کلام ہے، اور مراد کا معنی یہ ہوا کہ اس کو مراد قرار دے رہے ہیں صاحبِ ہدایہ، مراد کا کیا معنی ہوتا ہے؟ جس کا ارادہ کیا جائے، جو مقصود ہو۔ تو صاحبِ ہدایہ کے کلام کا معنی یہ ہوا کہ اللہ نے یہاں حج کا لفظ ذکر کر کے اس سے وقتِ حج کا ارادہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے حج کا لفظ بول کر وقتِ حج کا ارادہ فرمایا ہے، اور کیا یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ اللہ نے حج ہی کا وقت کا ارادہ فرمایا ہو؟ نہیں بھئی، اللہ کی مراد اس پر تو انسان مطلع نہیں ہو سکتا، ہاں دلیل کے ذریعے ہمیں یہ معلوم ہو رہا ہے کیونکہ حج تو ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، معلوم ہوا کہ حج بول کر کیا مراد ہے؟ وقتِ حج۔ تو ہم نے دلیل کے ذریعے ایک بات ذکر کر دی، باقی حقیقتاً اس کے ذریعے کیا مراد ہے اللہ تعالیٰ کی، اللہ کیا کس چیز کا ارادہ فرمایا ہے اللہ نے، وہ اللہ ہی جانتے ہیں بھئی، بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ اسی لیے درمیان میں کہہ دیا انہوں نے: **وَاللَّهُ أَعْلَمُ**، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ ہمیں تو دلیل سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہاں حج مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر «**فِي**» داخل ہو رہا ہے اور «**فِي**» ظرفیت کے لیے آتا ہے اور حج تو ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، بات سمجھ میں آگئی؟ اس لیے انہوں نے کیا کیا؟ درمیان میں «**وَاللَّهُ أَعْلَمُ**» کے لفظ کو بڑھا دیا کہ یہ کوئی قطعی بات نہیں ہے، وہ قطعی بات کو ہم جان بھی نہیں سکتے کہ اللہ نے کس چیز کا ارادہ فرمایا ہے، ہاں دلیل سے ہم اس بات پر پہنچے، اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس کے ذریعے معلوم ہوتا ہے اللہ نے کس چیز کا ارادہ فرمایا ہے؟ حج بول کر وقتِ حج کا ارادہ فرمایا ہے، اس لیے کہا: **وَالْمُرَادُ بِالْحَجِّ وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَقْتُهُ**، اور حج کے ذریعے مراد جو ہے اور اللہ ہی خوب جاننے والے ہیں، تو حج کے لیے مراد جو ہے وقتہ اس کا وقت ہے، **لِأَنَّ نَفْسَهُ لَا يَصْلُحُ ظَرْفًا**، اس لیے کیونکہ خود حج جو ہے وہ ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

إِلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ يَصُومَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ وَيَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَيَوْمَ عَرَفَةَ، لیکن یہ افضل یہ ہے کہ وہ قارن جو ہے وہ روزہ رکھے

قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ یوم الترویہ سے ایک دن پہلے، یوم الترویہ کس کو کہتے ہیں؟ آٹھ ذی الحجہ کو، اور اس سے ایک دن پہلے یعنی سات، یعنی سات ذی الحجہ کو روزہ رکھے، **وَيَوْمَ التَّرْوِيَةِ** اور کس دن؟ یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو، **وَيَوْمَ عَرَفَةَ** اور یوم عرفہ کو یعنی نویں ذی الحجہ کو، **لِأَنَّ الصَّوْمَ بَدَلٌ عَنِ الْهَدْيِ،** اس لیے کیونکہ یہ روزہ بدل ہے کس سے؟ ہدی سے نا، اصل میں تو قربانی تھی، قربانی کے بدلے اب کیا کر رہا ہے؟ روزہ رکھ رہا ہے، تو یہ روزہ بدل ہے ہدی سے، **فَيُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُهُ إِلَى آخِرِ وَقْتِهِ،** لہٰذا مستحب ہو گا اس کو مؤخر کرنا اس کے آخری وقت تک۔ معلوم ہوا یوم عرفہ اس کا آخری وقت ہے، اس کے بعد روزے نہیں رکھ سکتا، اس سے پہلے پہلے تین پورے کرنے ہیں، تو مستحب ہے تاخیر اس کے آخری وقت، **رَجَاءَ أَنْ يَقْدِرَ عَلَى الْأَصْلِ،** اس امید پر کہ شاید وہ قادر ہو جائے اصل پر، کہ ہو سکتا ہے وہ شخص اس وقت تو بدل ادا کر رہا ہے، کیا؟ روزے، ہو سکتا ہے مؤخر کرے آخری وقت میں کس پر قادر ہو جائے؟ اصل یعنی قربانی پر قادر ہو جائے، قربانی کا جانور اسے مل جائے۔

وَإِنْ صَامَهَا بِمَكَّةَ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الْحَجِّ جَازَ، یاد رکھیے، ذرا وہ پیچھے آیت نکالیے: ﴿وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ﴾، اور سات روزے جب تم لوٹ جاؤ، کہاں لوٹ جاؤ؟ اپنے گھر والوں میں۔ تو ہمارے نزدیک، ہمارے نزدیک اگر حج کرنے کے بعد وہ شخص مکہ ہی میں یہ سات روزے رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، ان سات روزوں کو مقید کیا گیا ہے: ﴿إِذَا رَجَعْتُمْ﴾، جب تم لوٹ جاؤ اپنے گھر والوں کو، اور یہ اسی صورت میں ہے جب یہ واپس گھر پہنچے گا، جب گھر پہنچے گا تو ہم کہیں گے یہ شخص اپنے گھر والوں میں لوٹ آیا ہے، تو شرط پوری ہو گئی، اب اجازت ہو گئی، اب کیا کر سکتا ہے؟ سات روزے رکھ سکتا ہے، اس سے پہلے سات روزے نہیں رکھ سکتا۔

ہم کہتے ہیں کہ ﴿إِذَا رَجَعْتُمْ﴾ سے مراد یہ ہے: **إِذَا فَرَغْتُمْ مِنَ الْحَجِّ،** جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ۔ ﴿إِذَا رَجَعْتُمْ﴾ کا کیا معنی ہے؟ جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ، تو تم کیا کر لو؟ سات روزے رکھ لو۔ بھئی یہ فارغ ہو جانے کا معنی آپ نے کہاں سے کر دیا؟ ہم کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب حج سے فارغ ہو جائے گا تو اب کدھر لوٹے گا؟ گھر لوٹے گا، معلوم ہوا حج سے فارغ ہونا یہ سبب ہے لوٹنے کا، حج سے فارغ ہونا سبب ہے لوٹنے کا، تو لوٹنے کا سبب پایا جائے اور جب سبب پایا جائے تو سبب کے بعد، سبب کے پائے جانے کے بعد ادا ہو سکتی ہے۔ سبب کے پائے جانے کے بعد ادا ہو سکتی ہے۔ آپ کے پاس نصاب کے بقدر مال ہے، تو سال گزرے گا تو زکوٰۃ واجب ہو گی، لیکن سال کے بیچ میں ہی نصاب کے بقدر مال ہے آپ زکوۃ دینا چاہتے تو زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں ہو گی؟ ہو گی، کیونکہ سبب پایا جا رہا ہے اور سبب کے بعد ادا ہو سکتی ہے۔ تو ہم بھی یہاں کہتے ہیں، یہاں لوٹنے کا سبب پایا گیا اور لوٹنے کا سبب کیا ہے؟ حج سے فارغ ہونا، تو حج سے فارغ ہونا سبب ہوا لوٹنے کا اور سبب کے بعد ادا صحیح ہوتی ہے، گویا جب حج سے فارغ ہو گیا تو لوٹنے کا سبب پایا گیا، اور لوٹنے کا جب سبب پایا گیا تو لہٰذا اب کیا کر سکتا ہے؟ روزے رکھ سکتا ہے، جیسے لوٹنے کے بعد روزے رکھنا لازم تھے، لوٹنے کے بعد تو لازم ہے، لیکن یہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ پہلے رکھنا چاہتا ہے تو بھی کر سکتا ہے، جیسے سال کے گزرنے کے بعد تو زکوٰۃ لازم ہے، سال کے بیچ میں ابھی لازم نہیں لیکن ادا کرنا چاہے تو ادا کر سکتا ہے جبکہ سبب یعنی نصاب کے بقدر مال موجود ہو۔ یہاں پر بھی جب گھر واپس لوٹے گا پھر تو روزے واجب ہو جائیں گے، لیکن اس سے پہلے بھی وہ رکھنا چاہے تو جائز ہے کیونکہ لوٹنے کا سبب پایا جا رہا ہے اور سبب کے پائے جانے کے بعد ادا صحیح ہوتی ہے، ہاں سبب نہ ہو تو پھر ادا صحیح نہیں، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

وَإِنْ صَامَهَا بِمَكَّةَ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الْحَجِّ جَازَ، اور اگر قارن نے وہ سات روزے رکھ لیے مکہ ہی میں حج اپنے فارغ ہونے کے بعد **جَازَ** تو یہ جائز ہے، **وَمَعْنَاهُ بَعْدَ مُضِيِّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ،** اور معنی یہ ہے کہ ایامِ تشریق کے گزرنے کے بعد، ایامِ تشریق میں نہیں رکھے گا، ایامِ تشریق سے روزے ادا نہیں ہوں گے کیونکہ یہ کامل واجب ہوئے ہیں اور ایامِ تشریق میں اگر روزے رکھے گا بھی اس سے تو منع کیا گیا ہے تو وہ روزے کس قسم کے ہوں گے؟ ناقص ہوں گے، اور جو چیز کامل واجب ہوئی ہو اس کو کامل ہی ادا کرنا پڑے گا، ناقص سے وہ ادا نہیں ہو گی۔

وَمَعْنَاهُ، اور معنی اس کا یہ ہے: **بَعْدَ مُضِيِّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ،** ایامِ تشریق کے گزر جانے کے بعد، **لِأَنَّ الصَّوْمَ فِيهَا مَنْهِيٌّ عَنْهُ،** اس لیے کیونکہ ایامِ تشریق میں روزہ رکھنا وہ تو منہی عنہ ہے، اس سے تو منع کیا گیا ہے۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ،** امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، یہ جائز نہیں ہے کہ مکہ ہی میں کیا کر لے؟ روزے رکھ لے، **لِأَنَّهُ مُعَلَّقٌ بِالرُّجُوعِ،** اس لیے کیونکہ یہ روزے معلق ہیں رجوع کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ ﴿إِذَا رَجَعْتُمْ﴾، جب تم لوٹ جاؤ تو تب کیا کر لو؟ سات روزے، تو ان کو معلق کیا گیا ہے لوٹنے کے ساتھ، **إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ الْمُقَامَ،** مگر یہ کہ وہ شخص نیت کر لے المقام، یہ مصدر ہے بمعنی اقامت کے، **إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ،** مگر یہ کہ وہ شخص کیا کر لے؟ اقامت کی نیت کر لے، یعنی ایک آدمی ہے وہ حج کے بعد مکہ ہی میں مقیم ہو گیا، واپس جانے کا اب اس کا ارادہ ہی نہیں، مکہ کو ہی وطن بنا لیا، اب تو واپس لوٹنا ممکن ہی نہ رہا، لہٰذا یہ شخص کیا کر سکتا ہے؟ وہاں رکھ سکتا ہے۔

یہ معنی ہے: **إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ الْمُقَامَ،** مگر یہ کہ وہ شخص اقامت کی نیت کر لے، **فَحِينَئِذٍ يُجْزِيهِ،** تو اس صورت میں یہ روزے کافی ہو جائیں گے، **لِتَعَذُّرِ الرُّجُوعِ،** کس لیے؟ کیونکہ اب واپس لوٹنا ممکن ہی نہیں ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ مَعْنَاهُ،** کہ معنی اس اللہ کے اس قول کا معنی یہ ہے: **رَجَعْتُمْ عَنِ الْحَجِّ أَيْ فَرَغْتُمْ،** جب تم حج سے لوٹو یعنی کہ جب حج سے فارغ ہو جاؤ، **إِذِ الْفَرَاغُ سَبَبُ الرُّجُوعِ إِلَى أَهْلِهِ،** اس لیے کیونکہ حج سے فارغ ہونا یہ لوٹنے کا سبب ہے **إِلَى أَهْلِهِ** اپنے گھر والوں کو، **فَكَانَ الْأَدَاءُ**

بَعْدَ السَّبَبِ، تو یہ ادا ہو گا کس کے بعد؟ سبب کے پائے جانے کے بعد یعنی رجوع کے سبب کے پائے جانے کے بعد، **فَيَجُوزُ،** تو یہ ادا جائز ہو گی۔

وَإِنْ فَاتَهُ الصَّوْمُ حَتَّى أَتَى يَوْمُ النَّحْرِ لَمْ يُجْزِهِ إِلَّا الدَّمُ۔ صورت یہ ہے: ایک شخص کے پاس قربانی کا جانور نہیں تھا، حج قران کر رہا ہے، تو اب اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ دس روزے اس پر واجب ہیں، تین روزے حج کے دنوں میں، اور یہ کب تک رکھ سکتا ہے؟ نویں ذی الحجہ آخری دن ہے، اس پہ تین روزے پورے ہونے چاہیے اس سے پہلے پہلے، جس وقت بھی رکھ لے، لیکن انتہا کیا ہے؟ کب تک مؤخر کر سکتا ہے؟ کہ نویں ذی الحجہ کو اس کا تیسرا روزہ بنتا ہو، سمجھ میں آیا؟ اس سے آگے نہیں۔ اب اس شخص کے یہ روزے بھی رہ گئے اس سے، یہ ان دنوں میں روزے بھی نہ رکھ سکا تین، اب کیا کرے گا؟ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان روزوں کا وقت مقرر تھا کہ یہ حج کے دنوں میں رکھنے ہیں، تو یہ رمضان کے روزوں کی طرح ہوئے کیونکہ رمضان کے روزوں کا بھی وقت مقرر ہے، اور جن روزوں کا وقت مقرر ہوتا ہے وہ اگر اپنے وقت پر نہ رکھے جا سکیں تو بعد میں ان کی قضا کرنا پڑتی ہے، لہٰذا ان کی بھی کیا کرے گا وہ شخص حج کے گزرنے کے بعد؟ قضا کر لے گا۔ ہم کہتے ہیں نہیں۔

حج کے اندر ان روزوں کا رکھنا ضروری تھا، حج کے اندر نہیں رکھ سکا تو حکم پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے گا۔ پہلے بدل تھا، اصل میں تو اس آدمی پر کیا تھی؟ قربانی، لیکن قربانی کا بدل شریعت نے کیا بتلا دیا تھا؟ روزے رکھ لو، وہ بدل اس سے فوت ہو گیا تو اب بدل سے بات پھر کس کی طرف چلی جائے گی؟ اصل کی طرف چلی جائے گی اور قربانی ہی کرنا پڑے گی اس کو بعد میں، اب بعد میں قضا کر لے روزوں کی، اس کی گنجائش نہیں، کیونکہ ان روزوں کا وقت کب مقرر کیا شریعت نے؟ حج کے وقت میں، اور حج کا وقت جب گزر گیا اور اس نے نہیں رکھے تو بعد میں رکھنے سے یہ ادا نہیں ہوں گے، دلیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ فَاتَهُ الصَّوْمُ،** اور اگر یہ روزے اس سے فوت ہو گئے، **حَتَّى أَتَى يَوْمُ النَّحْرِ،** یہاں تک کہ قربانی والا دن آ گیا، **لَمْ يُجْزِهِ إِلَّا الدَّمُ،** تو اب اس شخص کے لیے کافی نہیں مگر قربانی ہی، اب کیا کرنا پڑے گی؟ صرف قربانی کرنا پڑے گی۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصُومُ بَعْدَ هَذِهِ الْأَيَّامِ،** کہ یہ شخص روزے رکھ لے گا ان دنوں کے بعد یعنی قضا کر لے گا، **لِأَنَّهُ صَوْمٌ مُؤَقَّتٌ،** اس لیے کیونکہ یہ وہ روزہ ہے جس کا وقت مقرر ہے، **فَيُقْضَى،** تو اس کی قضا کی جائے گی، **كَصَوْمِ رَمَضَانَ،** جیسے کہ رمضان کا روزہ ہے۔ **وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصُومُ فِيهَا،** بھئی امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایامِ تشریق ہی میں یہ روزے رکھ لے، کیونکہ ان روزوں کا وقت کون سا ہے؟ حج کے ایام ہیں، اور یہ جو تشریق کے دن ہیں ان میں بھی حج کے افعال کیے جاتے ہیں یا نہیں کیے جاتے؟ گیارہ، بارہ، تیرہ، گیارہ کو بھی رمی ہے، بارہ کو بھی رمی ہے، تیرہ کو بھی کیا ہے؟ رمی ہے، تو یہ حج کا ہی وقت ہی ابھی چل رہا ہے لہٰذا انہی تین دنوں تین دنوں میں کیا کر لے؟ روزے رکھ لے گا۔

وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصُومُ فِيهَا، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہی میں انہی ایامِ تشریق میں یہ روزے رکھ لے گا، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى،** اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، اللہ فرماتے ہیں قرآن میں: ﴿**فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ**﴾، پس جس کو ہدی نہ ملے، جس کو ہدی میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھ لے حج میں، **وَهَذَا وَقْتُهُ،** اور یہ اسی کا وقت ہے، یہ جو ایامِ تشریق ہیں یہ بھی کس کا وقت ہیں؟ حج ہی کا وقت ہیں لہٰذا انہی میں رکھ لے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ النَّهْيَ الْمَشْهُورَ عَنِ الصَّوْمِ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ،** کہ وہ جو مشہور نہی ہے روزے سے ان ایام میں، **وَلَنَا** اور ہماری دلیل جو ہے: **أَنَّ النَّهْيَ الْمَشْهُورَ عَنِ الصَّوْمِ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ،** کہ ان ایام کے اندر روزے سے جو نہی ہے وہ مشہور ہے، **فَيَتَقَيَّدُ بِهِ النَّصُّ،** تو لہٰذا اس کی وجہ سے نص کو مقید کیا جائے گا، **فَيَتَقَيَّدُ بِهِ النَّصُّ،** تو اس سے یہ نص مقید ہو گی۔ ہم اس سے کیا ہو گی یہ نص؟ ہم کہتے ہیں ان ایام میں روزے رکھنے کے بارے میں مشہور نہی آئی ہے، روکا گیا ہے کہ یہ ایام جو ہیں کھانے پینے اور صحبت کے دن ہیں، لہٰذا ان ایام میں کیا کیا جائے گا؟ روزے نہیں رکھے جائیں گے، اور باقی نص جو آیا تھا: ﴿**فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ**﴾، اس کو مقید کر دیا جائے گا، اس میں تو یہ قید نہیں ہے کہ ان تین دنوں میں نہ رکھو، لیکن خبرِ مشہور سے پتہ چل گیا کہ ان دنوں میں روزے رکھنے سے، خبرِ مشہور سے پتہ چل گیا کہ ان تین دنوں میں روزے رکھنا ممنوع ہیں، اور خبرِ مشہور کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے، لہٰذا اس مطلق کو بھی مقید کر دیا جائے گا: «**فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ إِلَّا أَيَّامَ التَّشْرِيقِ**»، قید کیا کر دیں گے یہاں پر؟ بڑھا دیں گے کس کی وجہ سے؟ خبرِ خبرِ مشہور کے ذریعے اس کو مقید کر دیا جائے گا۔

تو یہ معنی ہے: **وَلَنَا أَنَّ النَّهْيَ الْمَشْهُورَ عَنِ الصَّوْمِ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ فَيَتَقَيَّدُ بِهِ النَّصُّ،** کہ وہ جو مشہور نہی آئی ہے روزے رکھنے سے ان ایام میں تو مقید ہو جائے گی اس کی وجہ سے نص، **أَوْ يَدْخُلُهُ النَّقْصُ،** یا یہ وجہ کہ ان روزوں میں نقصان آ جائے گا، خبرِ مشہور کی وجہ سے کیا آیا؟ معلوم ہوا ان دنوں میں روزے رکھنا ممنوع ہے، تو اب روزے رکھے گا تو وہ کامل ہوں گے یا ناقص ہوں گے؟ تو خبرِ مشہور کی وجہ سے ان روزوں میں نقصان آ گیا، کمی آ گئی، اور جب کمی آ گئی تو یہ روزے تو کس طرح کے چاہیے تھے؟ کامل چاہیے تھے، کامل واجب ہوئے تھے، تو ادا بھی کیسی چاہیے؟ کامل چاہیے، لہٰذا ناقص روزوں سے یہ ادا نہیں ہوں گے۔ یہ معنی ہے: **أَوْ يَدْخُلُهُ النَّقْصُ،** کہ داخل یہ داخل ہو جائے گا ان کے اندر نقصان، **فَلَا يَتَأَدَّى بِهِ مَا وَجَبَ كَامِلًا،** لہٰذا ان سے ادا نہیں ہو گا وہ روزہ جو کامل واجب ہوا ہے۔

وَلَا يُؤَدِّي بَعْدَهَا، اور اس کے بعد بھی یہ روزے ادا نہیں کر سکتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ تو کیا فرما رہے تھے؟ ان دنوں میں اگر روزے رہ گئے تو بعد میں کیا کر لے اس کی؟ قضا، ہم کہتے ہیں نہیں، **وَلَا يُؤَدِّي بَعْدَهَا،** ان دنوں کے بعد وہ قارن ان روزوں کی، ان روزوں کو ادا نہیں کر سکتا، **لِأَنَّ الصَّوْمَ بَدَلٌ،** اس لیے کیونکہ یہ

روزہ بدل ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ شخص حجِ قران کرنے والا ہے اور اس پر اصل میں کیا واجب ہوئی تھی؟ قربانی، لیکن قربانی تو اس کو میسر نہ ہوئی تو شریعت نے اس کا بدل کیا بتلایا؟ روزے بتلائے، اور بدل بتلانا یہ شریعت کا کام ہے، عقل کے ذریعے اس کا پتہ کبھی بھی نہیں چل سکتا، عقل کے ذریعے اس کا پتہ نہیں چل سکتا، اس لیے کیونکہ قربانی اور روزے دیکھو دونوں میں کوئی مماثلت ہی نہیں ہے کسی بھی اعتبار سے بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو قربانی میں خون کا بہانا ہے، خون جانور کا بہا دینا اس کو ذبح کرنا، اور روزے کے اندر اپنے آپ کو کھانے پینے وغیرہ سے روکنا ہے، تو دونوں میں کوئی مماثلت نہیں کسی بھی اعتبار سے، لیکن بس شریعت نے ہمیں بتلا دیا تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ تو یہ جو بدل ہے نا بدل مقرر کرنا، یہ شریعت بدل مقرر کرتی ہے، اپنی عقل کے ذریعے ایک چیز کو دوسری چیز کا بدل قرار نہیں دیا جا سکتا، لہٰذا قربانی کے بجائے شریعت نے اس قربانی کا بدل کیا بتلایا؟ کہ تین روزے رکھ لے ایامِ حج کے اندر، اگر یہ ان دنوں میں روزے نہیں رکھ سکا اور پھر بعد میں کہا جائے اب ان تین روزوں کی قضا کر لو تو یہ تو بدل کا بدل مقرر کیا جا رہا ہے، بدل کا بدل، روزوں کا بدل روزے تو اس وقت کے اندر ضروری تھے، وقت کے بعد اگر آپ روزوں کا حکم دیں گے تو یہ تو بدل کا بدل مقرر کیا جا رہا ہے اور بدل مقرر کرنا یہ شریعت کا کام ہے، عقل کے ذریعے بدل مقرر نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا بعد میں کیا کرنا پڑے گا؟ قضا نہیں کرے گا، ان دنوں میں روزے نہیں رکھے تو قضا نہیں کرے گا بلکہ کیا کرنا پڑے گی؟ قربانی کرنا پڑے گی، قربانی کرنا پڑے گی۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّ الصَّوْمَ بَدَلٌ**، اس لیے کیونکہ روزہ جو ہے یہ تو بدل ہے، **وَالْأَبْدَالُ لَا تُنْصَبُ إِلَّا شَرْعًا**، اور بدل جو ہوتے ہیں ان کو مقرر نہیں کیا جاتا مگر شریعت کی طرف سے ہی، **وَالنَّصُّ خَصَّهُ بِوَقْتِ الْحَجِّ**، اور نص نے اس بدل کو یعنی اس روزے کو خاص کیا ہے کس کے ساتھ؟ حج کے وقت کے ساتھ، تو حج کے وقت ہی میں یہ بدل ہو سکتا ہے بعد میں نہیں ہو سکتا۔

وَجَوَازُ الدَّمِ عَلَى الْأَصْلِ، یہ اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ احناف ہمیں ضابطہ بتلاتے ہو اور خود توڑتے ہو، کیا کرتے ہو؟ ہمیں ضابطہ بتلاتے ہو اور خود ضابطہ توڑتے ہو۔ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ بدل بتلانا کس کا کام؟ شریعت کا کام، اور شریعت نے کیا بدل بتلایا تھا اس قربانی کا؟ تین روزے رکھ لے حج کے دنوں میں اور سات بعد میں، تو یہ تین روزے اگر کوئی نہ رکھ سکے تو آپ کہتے ہیں اس کو پھر قربانی کرنا پڑے گی، تو یہ تو آپ نے روزے کا بدل پھر قربانی کو لے آئے، اور ہمیں کہہ رہے ہو کہ بدل قائم کرنا کس کا کام ہے؟ شریعت کا کام ہے، تو آپ خود روزے کے بدل کو پھر کیا کس چیز کو روزے کا بدل بنا رہے ہو؟ قربانی کو بدل بنا رہے ہو۔ ہم جواب دیتے ہیں، ہم کب بدل قائم کر رہے ہیں؟ ہم بدل نہیں بنا رہے، قربانی تو اصل ہے، قربانی تو اصل ہے، اس شخص پر آتی ہی کیا تھی؟ آہی کیا رہی تھی؟ قربانی آ رہی تھی اور روزہ اس کا بدل تھا، جب بدل یہ نہیں لا سکا تو حکم پھر اصل کی طرف لوٹ جائے گا اور اصل کیا تھی؟ قربانی تھی، حج کے دنوں میں یہ روزے رکھ لیتا بس ٹھیک ہے بدل آ جاتا، جب اس میں وہ بدل نہیں لا سکا تو حکم پھر کس کی طرف لوٹے گا؟ اصل کی طرف اور اب اسے کیا کرنا پڑے گی؟ قربانی ہی کرنا پڑے گی کیونکہ بدل کی گنجائش بھی ختم ہو گئی، حکم اصل ہی کی طرف لوٹ جائے گا، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو ہم کہتے ہیں: **وَجَوَازُ الدَّمِ عَلَى الْأَصْلِ**، اور قربانی کا جائز ہونا وہ اپنی اصل پر ہے وہ بدل نہیں ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: **أَنَّهُ أَمَرَ فِي مِثْلِهِ بِذَبْحِ شَاةٍ**، کہ انہوں نے اس قسم کے مسئلے میں بھیڑ بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ہمارے پاس دلیل بھی موجود ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے بھئی اور وہاں پر حج کے دنوں میں وہیں پر ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا، حج کے دنوں میں، یہ حج میں مشغول ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی، ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ مجھ پر حج کی قربانی واجب ہے اور میرے پاس قربانی کا جانور نہیں ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ روزے رکھ لیتے، اس کے بدلے روزے رکھ لو، اس نے کہا روزوں کے ایام بھی روزے بھی میں نہیں رکھ سکا، روزے بھی گزر گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال میں سے ایک بھیڑ بکری اس کو دینے کا حکم دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا حکم دیا؟ اس کو ایک بھیڑ بکری دے دی جائے۔ معلوم ہوا یہ تین روزے اگر وہ نہ رکھ سکا تو حکم پھر اصل کی طرف لوٹ جائے گا جبھی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھیڑ بکری دینے کا حکم دے رہے ہیں کہ اس کو ایک شات دے دو۔ اگر روزوں کی قضا جائز ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے فرماتے بھئی بعد میں کیا کر لینا؟ بعد میں ان کی قضا کر لینا، تین دن کے بعد پھر ان کی قضا شروع کر دینا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھیڑ بکری دینے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ ان حج کے ایام میں روزے نہ رکھ سکے تو پھر کیا کرنا پڑے گی؟ قربانی ہی کرنا پڑے گی۔

فَلَوْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْهَدْيِ تَحَلَّلَ وَعَلَيْهِ دَمَانِ دَمُ الْمُتْعَةِ وَدَمُ التَّحَلُّلِ قَبْلَ الْهَدْيِ۔ اب صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص تھا حجِ قران کرنے والا اور اس کے پاس قربانی کا جانور نہیں تھا تو اس پر کیا واجب ہو گئے؟ روزے، پھر یہ روزے بھی نہ رکھ سکا تو حکم کس کی طرف لوٹ گیا؟ اصل یعنی قربانی کی طرف، اور قربانی کا جانور تو اس کے پاس ہے نہیں، اب کیا کرے؟ کہتے ہیں بھئی اب یہ حلال ہو جائے، کیا کرے؟ حلال ہو جائے بھئی، بال وغیرہ کٹوا دے، احرام اتار دے، قربانی کا تو جانور ہے نہیں اس کے پاس۔ ہاں اب اس پر دو قربانیاں واجب ہو گئیں، دو قربانیاں، ایک تو یہ حج کی قربانی اس کے ذمے ابھی بھی باقی ہے، یہ اس کو بعد میں کرنا پڑے گی، اور ایک یہ جو اس نے احرام اتار دیا قربانی کرنے سے پہلے تو یہ بطورِ جرمانے کے ایک قربانی مزید اس پر آ گئی، تو بس احرام اتار دے، احرام کی ساری پابندیاں ختم ہو گئیں، لیکن اب اس کے ذمے دو قربانیاں ہیں، کیا کرے؟ کسی وقت پھر وہ دو قربانیاں حرم بھجوا دے اور دو قربانیاں کروا دے، طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **فَلَوْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْهَدْيِ**، اگر یہ شخص قادر نہ ہو ہدی پر، **تَحَلَّلَ**، تو حلال ہو جائے، **وَعَلَيْهِ دَمَانِ**، اور اس پر دو دم واجب ہیں اور اس پر

دو دم واجب ہیں: **دَمُ الْمُتْعَةِ**، ایک تو حجِ تمتع کا دم یعنی وہی حجِ قران اور حجِ تمتع دونوں کا دم جو ہے، **وَدَمُ التَّحَلُّلِ قَبْلَ الْهَدْيِ**، اور دوسرا احلال ہونے کا دم ہدی سے پہلے ہی یہ جو حلال ہو گیا، اس وجہ سے یہ ایک اور دم بھی اس پر آجائے گا بھئی، ایک اور دم بھی۔

فَإِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْقَارِنُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ إِلَى عَرَفَاتٍ فَقَدْ صَارَ رَافِضًا لِعُمْرَتِهِ بِالْوُقُوفِ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے بھئی، ایک شخص نے ایک شخص نے حجِ قران کا احرام باندھا، اور حجِ قران کا کیا طریقہ ہے؟ پہلے عمرہ کیا جاتا ہے اس کے بعد حج کیا جاتا ہے، لیکن یہ شخص سیدھا آیا تو عرفات چلا گیا، پہنچا ہی اس دن تو کہاں چلا گیا؟ عرفات چلا گیا، تو اور اس نے وقوفِ عرفہ کر لیا، اور پھر یہ آکر عمرے کے افعال کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا؟ کیونکہ اس نے حج کا احرام صرف حج کا احرام نہیں باندھا بلکہ عمرے اور حج دونوں کا احرام باندھا ہے، تو کیا پھر آکر عمرہ کر لے وقوف کے بعد؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، حجِ قران کے اندر عمرہ پہلے کیا جاتا ہے اور عمرے پر حج کی بنیاد رکھی جاتی ہے، اور وقوف کے بعد اگر یہ عمرہ کرے گا تو پھر تو گویا حج پر کس کی بنیاد رکھ رہا ہے؟ عمرے کی بنیاد رکھ رہا ہے، حالانکہ طریقہ کیا ہے؟ حج پر عمرے کی بنیاد ہو یا عمرے پر حج کی بنیاد ہو؟ عمرے پر حج کی بنیاد ہونی چاہیے، مشروع طریقہ یہی ہے، لہٰذا عمرہ اس کا چھوٹ گیا، عمرہ کیا ہوا؟ عمرہ چھوٹ گیا رہ گیا، تو اس کی بعد میں اس کو قضا بھی کرنا پڑے گی اور اس کی وجہ سے قربانی بھی اس پر واجب ہو گی بھئی، تفصیل سمجھ میں آگئی؟

تو اس صورت میں یاد رکھنا اس سے حجِ قران والی قربانی ساقط ہو جائے گی، حجِ قران والی قربانی کیوں ساقط ہو جائے گی؟ کیونکہ اس کو دو عبادتوں کی توفیق نہ مل سکی۔ عمرہ تو چھوٹ گیا، رہ گیا، صرف حج کر سکا یہ، ہاں عمرے کی قضا بھی اس کے ذمے ہے کیونکہ عمرہ اس نے شروع تو کر دیا تھا، احرام باندھا تھا یا نہیں؟ اور ایک عمل شروع کر دیا جائے تو وہ کیا ہوتا ہے انسان پر؟ لازم ہو جاتا ہے، تو عمرہ اس پر لازم ہے، بعد میں اس کی قضا کرنا پڑے گی، اور یہ عمرہ جو ہے یہ چونکہ شروع کرنے کے بعد اس نے چھوڑا ہے لہٰذا اس پر ایک دم بھی واجب ہو گا، یا تو شروع ہی نہ کرتا، شروع کرنے کے بعد چھوڑا ہے لہٰذا اس پر ایک دم بھی ہو گا، تو بعد میں ایک قربانی بھی کر لے اور پھر کسی وقت آکر کیا کر لے؟ عمرہ بھی کر لے بھئی۔

کہتے ہیں: **فَإِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْقَارِنُ مَكَّةَ**، اگر حجِ قران کرنے والا مکہ میں داخل نہ ہوا، **وَتَوَجَّهَ إِلَى عَرَفَاتٍ**، اور متوجہ ہو گیا عرفات کی طرف، کدھر چل پڑا؟ عرفات چل پڑا سیدھا، **فَقَدْ صَارَ رَافِضًا لِعُمْرَتِهِ بِالْوُقُوفِ**، تو تحقیق کہ عمرے کو چھوڑنے والا ہو گیا وقوف کی وجہ سے یعنی جب وقوف کر لے گا تو عمرے کو چھوڑ دیا۔ **لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ أَدَاؤُهَا**، اس لیے کیونکہ اس پر اس کے لیے ممکن نہ رہا عمرے کی ادائیگی، **لِأَنَّهُ يَصِيرُ بَانِيًا أَفْعَالَ الْعُمْرَةِ عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ وَذَلِكَ خِلَافُ الْمَشْرُوعِ**، اس لیے کیونکہ یہ بنا کرنے والا ہو گا عمرے کے افعال کی کس پر؟ اگر بعد میں یہ عمرہ کرے گا تو کیا کرے گا؟ عمرے کے افعال کی بنیاد کس پر رکھ دے گا؟ افعالِ حج پر، حالانکہ یہ تو مشروع نہیں ہے بلکہ مشروع طریقہ تو کیا ہے؟ افعالِ حج کی بنیاد رکھے کس پر؟ عمرے پر یعنی عمرہ پہلے کرے، لہٰذا تو بعد میں نہیں کرے گا، **لِأَنَّهُ يَصِيرُ بَانِيًا أَفْعَالَ الْعُمْرَةِ عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ**، اس لیے کیونکہ اس صورت میں یہ بنیاد رکھنے والا ہو گا افعالِ عمرہ کی کس پر؟ افعالِ حج پر، **وَذَلِكَ خِلَافُ الْمَشْرُوعِ**، اور یہ تو خلافِ مشروع ہے۔

وَلَا يَصِيرُ رَافِضًا بِمُجَرَّدِ التَّوَجُّهِ، بھئی یاد رکھیے، ایک شخص حجِ قران کا احرام باندھا ہے اور عرفات کی طرف چل پڑا، تو کیا صرف چل پڑنے سے عمرہ چھوڑنے والا شمار ہو گا؟ یا عرفات جا کر جب زوال کے بعد یہ وقوف کر لے گا تو تب عمرہ چھوڑنے والا شمار ہو گا؟ کہتے ہیں بھئی جب وقوف کر لے گا تب عمرہ چھوڑنے والا شمار ہو گا، صرف چل پڑنے سے عمرہ چھوڑنے والا نہیں۔ عرفات کی طرف چل پڑا پھر گیا اور جا کر عمرہ کر آیا تو پھر ٹھیک ہو گیا معاملہ بھئی، صورت سمجھ میں آگئی؟ صرف چل پڑنے سے عمرہ چھوڑنے والا نہیں بلکہ کیا کرے گا جب؟ جب وقوف کر لے گا پھر عمرہ چھوٹ گیا، پھر عمرہ نہیں کر سکتا، سمجھ میں آئی بات؟ دراصل اس بارے میں امام صاحب سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ کہ صرف عرفات کی طرف چل پڑے تو بس عمرہ اس کا ختم اب عمرہ نہیں کر سکتا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں، جب جا کر کیا کر لے گا؟ وقوف کر لے گا تو پھر عمرہ ختم ہو گا اس سے پہلے عمرہ ختم نہیں، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: **وَلَا يَصِيرُ رَافِضًا بِمُجَرَّدِ التَّوَجُّهِ**، اور صرف متوجہ ہونے کی وجہ سے یہ عمرہ چھوڑنے والا نہیں ہو گا، **وَهُوَ الصَّحِيحُ مِنْ مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَيْضًا**، اور یہی صحیح ہے امام صاحب کے مذہب میں سے، **وَالْفَرْقُ لَهُ**، یہاں سے اب فرق بیان کر رہے ہیں کہ صحیح روایت کیا آئی؟ صرف متوجہ ہونے سے عمرہ ختم ہو گا یا جب وقوف کر لے گا تب عمرہ ختم ہو جائے گا؟ جب وقوف کر لے گا۔ تو کہتے ہیں بھئی فرق کی وجہ کیا ہے؟ امام صاحب جمعے کے مسئلے میں فرماتے ہیں ایک آدمی نے گھر پر ہی ظہر کی نماز پڑھ لی جمعے سے پہلے، جمعے پر اس کا جانے کا ارادہ ہی نہیں ہے، اس نے جمعے کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز گھر پر ہی پڑھ لی، اور پھر اس کا ارادہ بنا کہ میں جمعے کی نماز پڑھ لیتا ہوں وقت ہے، تو وہ لہٰذا جمعہ ابھی کھڑا تھا یا جمعہ ابھی ہوا نہیں تھا یہ گھر سے چل پڑا، جیسے ہی چلے گا امام صاحب فرماتے ہیں ظہر کی نماز اس کی باطل ہو گئی۔ لہٰذا گیا، جمعہ اس کو نہیں ملا تو پھر اس کو ظہر کی نماز دوبارہ پڑھنا پڑے گی کیونکہ نکلتے ہی اس کی ظہر کی نماز کیا ہو گئی تھی؟ باطل۔ تو جمعے کی نماز میں صرف متوجہ ہونے سے ہی وہ فرماتے ہیں نماز اس کی باطل ہو جاتی ہے، اور یہاں عرفات کے مسئلے میں صرف متوجہ ہونے سے جو ہے اس کا عمرہ باطل نہیں ہوتا بلکہ جب وقوف کر لے گا تب کیا ہو گا؟ عمرہ باطل ہو گا، تو یہ فرق کیوں کیا گیا ان دو مسئلوں میں؟ کہتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ جمعے کے دن جب اس نے ظہر کی نماز پہلے ادا کر لی لیکن ابھی جمعہ ہوا نہیں تو ابھی بھی اس کی تو اس کی طرف وہ اللہ کا حکم متوجہ ہے: ﴿**فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ**﴾، تم لوگ کیا کرو؟ اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو، کوشش کرو، تو وہ حکم ابھی بھی اللہ کی طرف سے آرہا ہے، لہٰذا یہ جب گھر سے چلے گا تو یہ حکم پر عمل کر رہا ہے یا اس کے خلاف کر رہا ہے؟ یہ تو حکم پر عمل کر رہا ہے، جب عمل کر رہا ہے

لہٰذا نکلتے ہی اس کا اس کی وہ نماز کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔ بر خلاف اس کے کہ جب یہ حجِ قران کا احرام اس نے باندھا ہے اور یہ سیدھا کدھر کو چل پڑا؟ عرفات، ابھی پہنچا نہیں تو صرف چلنے سے عمرہ باطل نہیں ہو گا، کیونکہ یہ چل رہا ہے کس طرف؟ عرفات کی طرف، اور عرفات کی طرف چلنے کا اس کو حکم ہے یا اس کو روکا جا رہا ہے؟ حجِ قران کا احرام باندھا ہوا ہے، حجِ قران والے کو کیا حکم ہے؟ کیا کرے وہ پہلے؟ وہ پہلے عمرہ کرے، اور یہ کدھر کو جا رہا ہے؟ عرفات، تو اس کو تو روکا جا رہا ہے کہ عرفات نہیں جانا، کدھر جانا ہے؟ عمرے کے لیے جانا ہے، تو وہ جو جمعے کے لیے چلتا ہے اس کی طرف حکم متوجہ ہے اور اس کی اس کو تو کیا کیا جا رہا ہے؟ چلنے سے باقاعدہ روکا جا رہا ہے، اس لیے دونوں میں فرق ہے، وہاں متوجہ ہونے سے ہی کیا ہو جائے گی؟ وہ نماز وہ نماز باطل ہو جائے گی ظہر کی، اور یہاں پر صرف چلنے سے عمرہ باطل نہیں ہو گا کیونکہ چلنا منہی عنہ ہے، بات سمجھ میں آ گئی۔

وَالْفَرْقُ لَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُصَلِّي الظُّهْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، اور فرق جو ہے امام صاحب کے نزدیک اس شخص کے درمیان، کون سا شخص؟ جو عرفات کی طرف متوجہ ہے، حجِ قران والا ہے اور عرفات کی طرف متوجہ ہے اس کے درمیان، **وَبَيْنَ مُصَلِّي الظُّهْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ** اور وہ جو ظہر کی نماز پڑھنے والا ہے جمعے کے دن، ان دونوں میں فرق یہ ہے: **إِذَا تَوَجَّهَ إِلَيْهَا**، کب؟ جب یہ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں، جمعے والا جمعے کی طرف اور عرفات کی طرف جانے والا عرفات کی طرف جب متوجہ ہو جائے تو ان دونوں میں فرق یہ ہے: **أَنَّ الْأَمْرَ هُنَالِكَ بِالتَّوَجُّهِ مُتَوَجِّهٌ بَعْدَ أَدَاءِ الظُّهْرِ**، اس لیے کیونکہ وہاں پر **أَنَّ الْأَمْرَ هُنَالِكَ بِالتَّوَجُّهِ** متوجہ ہونے کا جو حکم ہے، متوجہ ہونے کا جو حکم کون سا حکم؟ «**فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِاللَّهِ**»، وہ حکم **مُتَوَجِّهٌ بَعْدَ أَدَاءِ الظُّهْرِ**، وہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد بھی اس شخص کی طرف متوجہ ہے، وہ ظہر گھر پر بے شک پڑھ چکا ہے لیکن اس دن تو اللہ نے ظہر پڑھنے کا حکم نہیں دیا، کیا حکم دیا؟ جمعہ پڑھنے، تو وہ حکم اس کی طرف ابھی متوجہ ہے۔

وَالتَّوَجُّهُ فِي الْقِرَانِ وَالتَّمَتُّعِ مَنْهِيٌّ عَنْهُ، اور جبکہ قران اور تمتع کے اندر تو متوجہ ہونا منہی عنہ، اس سے تو روکا گیا ہے، **قَبْلَ أَدَاءِ الْعُمْرَةِ** عمرے کی ادائیگی سے پہلے، **فَافْتَرَقَا**، تو یہ دونوں ایک کیا تو یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

قَالَ، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَسَقَطَ عَنْهُ دَمُ الْقِرَانِ**، اور یہ شخص جو کدھر چلا گیا؟ عرفات چلا گیا، اور اس سے عمرہ اس سے کیا ہوا؟ ساقط، یہی بیان کر رہے ہیں۔ تو **وَسَقَطَ عَنْهُ دَمُ الْقِرَانِ**، اور اس شخص سے دمِ قران بھی یعنی حجِ قران کی قربانی بھی ساقط ہو گئی، **لِأَنَّهُ لَمَّا ارْتَفَضَتِ الْعُمْرَةُ**، اس لیے کیونکہ جب عمرہ چھوٹ گیا، **لَمْ يُرْفَقْ لِأَدَاءِ النُّسُكَيْنِ**، تو اس کو آسانی نہ ہوئی دو عبادتوں کی ادائیگی کی، اس کو سہولت نہ مل سکی کون سی؟ دو عبادتوں کی ادائیگی کی، لہٰذا اس پر قربانی بھی واجب نہیں۔ **وَعَلَيْهِ دَمٌ**، ہاں البتہ اس پر دم واجب ہو گا، **لِرَفْضِ عُمْرَتِهِ بَعْدَ الشُّرُوعِ فِيهَا**، عمرے کو چھوڑ دینے کی وجہ سے بعد اس کے کہ جب اس نے اس کو شروع کر دیا تھا، **وَعَلَيْهِ قَضَاؤُهَا**، اور اس پر اس عمرے کی قضا بھی واجب ہے، **لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا**، بوجہ اس میں شروع ہو جانے کے کیونکہ اس نے شروع کر دیا تھا، احرام باندھتے ہی چلتے ہی عمرہ کیا ہوا تھا؟ احرام شروع ہوتے ہی عمرہ بھی شروع ہو گیا تھا، **فَأَشْبَهَ الْمُحْصَرَ**، تو یہ شخص کس کے مشابہ ہوا؟ محصر کے۔ محصر وہ شخص جو حج یا عمرے کے لیے چل پڑا تھا راستے میں رکاوٹ آ گئی اب آگے نہیں جا سکتا، کسی وجہ سے کوئی رکاوٹ آ گئی وہ نہیں جا سکتا اب تو یہ روک لیا گیا، یہ جیسے یہاں پر یوں کہیں اج کل کوئی حج پر جا رہا تھا اور اس کی فلائٹ رہ گئی تو یہ کیا ہوا؟ محصر ہو گیا محصر، نہیں جا سکتا بھئی۔ تو اس پر کیا ضروری محصر پر؟ اس نے احرام باندھ لیا تھا، اگر حج کا احرام باندھا ہے تو یہ حج شروع ہو چکا لہٰذا اب اس پر ایک تو حلال جانور بھیج کر وہاں کیا کرے؟ قربانی کروا دے گا اس سے حلال ہو جائے گا اور پھر اس حج کی قضا بھی اس کے ذمے ہے، جا کر کیا کرے گا؟ قضا، اور اگر عمرے کا احرام باندھا تھا تو کیا کرے گا؟ عمرے کی بھی قضا کرے گا، سمجھ میں آیا؟ تو ایک دم بھی دے گا اور عمرے یا حج کی قضا، تو یہ معنی ہے: **فَأَشْبَهَ الْمُحْصَرَ**، تو یہ شخص بھی کس کے مشابہ ہوا؟ محصر کے مشابہ ہوا لہٰذا اس پر بھی قضا بھی آئے گی اور دم بھی آئے گا، **وَاللَّهُ أَعْلَمُ**، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۴۸: بَابُ التَّمَتُّعِ

ہدایہ صفحہ: ۲۸۳ — بتاریخ: ۶ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ التَّمَتُّعِ «التَّمَتُّعُ أَفْضَلُ مِنَ الإِفْرَادِ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: أَنَّ الإِفْرَادَ أَفْضَلُ؛ لِأَنَّ الْمُتَمَتِّعَ سَفَرُهُ وَاقِعٌ لِعُمْرَتِهِ، وَالْمُفْرِدَ سَفَرُهُ وَاقِعٌ لِحَجَّتِهِ. وَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ: أَنَّ فِي التَّمَتُّعِ جَمْعًا بَيْنَ الْعِبَادَتَيْنِ فَأَشْبَهَ الْقِرَانَ». [1]

«**بَابُ التَّمَتُّعِ**»، یہ باب ہے تمتع کے بیان میں بھائی۔ حج تمتع کے اندر آپ پڑھ چکے کہ حج اور عمرہ دونوں کیے جاتے ہیں، البتہ یہاں سے جب محرم احرام باندھے گا تو وہ صرف اور صرف عمرے کی نیت کرے گا، اور عموماً یہاں سے جو لوگ جاتے بھی ہیں تو وہ عموماً حج تمتع کی نیت کرتے ہیں بھائی۔ اور اس میں پھر بالخصوص خیال رکھا جائے کہ یہاں سے احرام باندھتے وقت حج کی نیت نہیں کرنی بلکہ عمرے کی نیت کرنی ہے۔ حج کا احرام وہاں ساتویں آٹھویں ذوالحجہ کو پھر حج کا احرام باندھا جائے گا حرم سے ہی۔ تو اس کا بالخصوص خیال رکھا جائے کہ جو بھی حج تمتع پر جا رہا ہے، وہ یہاں سے جب احرام باندھے گا تو کس چیز کی نیت کرے گا؟ عمرے کی نیت کرے گا، حج کی نہیں، حج کا احرام وہاں جا کر باندھے گا۔ اگر اس نے یہاں غلطی سے بھی حج کی نیت کر لی تو بس پھر حج کا احرام شروع ہو گیا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ پھر حج کا احرام شروع ہو جائے گا اور پھر وہ حج افراد بن جائے گا، تو لہٰذا یہاں سے خیال رکھے خصوصاً احتیاط کرے اور کون سی نیت کرے؟ عمرے ہی کی نیت کرے بھائی۔

اور پھر عمرہ وہاں کرنے کے بعد انسان حلال ہو جاتا ہے اور — یرحمک اللہ — عمرہ کرنے کے بعد انسان وہاں حلال ہو جاتا ہے، احرام کی ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور پھر ساتویں آٹھویں ذوالحجہ کو جا کر وہ کیا کرے گا؟ حج کا احرام باندھے گا۔ تو یہ جو درمیان کے دن ہیں، ان میں احرام نہیں ہوتا، احرام کی کوئی پابندی نہیں ہوتی بھائی۔ اور البتہ پھر اس حج کے اندر چونکہ حج اور عمرہ دونوں عبادتیں ادا کرنے کی توفیق اللہ نے دی ایک ہی سفر کے اندر، تو لہٰذا بطور شکر کے ایک قربانی کرنا پڑے گی، جسے **دَمِ تَمَتُّع** کہتے ہیں یا **دَمِ مُتْعَہ** کہتے ہیں بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «**التَّمَتُّعُ أَفْضَلُ مِنَ الإِفْرَادِ**»، تمتع جو ہے وہ افراد سے افضل ہے۔ بھائی ہمارے نزدیک سب سے افضل طریقۂ حج، حج قران ہے، حج قران۔ اور اس کے بعد دوسرا درجہ حج تمتع کا ہے بھائی، کیونکہ حج تمتع میں دو عبادتیں کر رہا ہے، عمرہ بھی اور حج بھی، جبکہ حج افراد میں صرف حج ہے، تو لہٰذا تمتع کا دوسرا درجہ ہوا اور حج افراد کا تیسرا درجہ ہوا۔

■ مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى

«**وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى**»، یہ تو ظاہر روایت آئی کہ تمتع افضل ہے افراد سے۔ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ حج افراد افضل ہے حج تمتع سے بھائی۔ حج افراد افضل ہے حج تمتع سے۔ وجہ اس کی یہ کہ حج افراد والا یہاں سے جو احرام باندھتا ہے، وہ حج کا احرام ہوتا ہے، تو اس کا یہ سفر کس کے لیے ہے؟ حج کے لیے ہے۔ جبکہ حج تمتع کرنے والا یہاں سے جو احرام باندھتا ہے، وہ عمرے کا احرام ہے، شروع میں وہ عمرہ کرتا ہے، تو لہٰذا اس کا سفر عمرے کے لیے ہوا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ سفر جو حج کے لیے ہو وہ اعلیٰ ہے کس کی بنسبت؟ وہ سفر جو عمرے کے لیے ہو، تو اس وجہ سے افراد کیا ہے؟ اعلیٰ ہے۔ یہ امام صاحب کی ایک روایت ہے اور اس کی دلیل بھی ذکر کر دی بھائی میں نے۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۲۰۳): «عندنا»۔

تو کہتے ہیں: «وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: أَنَّ الإِفْرَادَأَفْضَلُ»، اور امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ حج افراد افضل ہے، «لِأَنَّ الْمُتَمَتِّعَ سَفَرُهُ وَاقِعٌ لِعُمْرَتِهِ وَالْمُفْرِدَ سَفَرُهُ وَاقِعٌ لِحَجَّتِهِ»، اس لیے کیونکہ متمتع جو ہے یعنی حج تمتع کرنے والا جو ہے اس کا سفر عمرے کے لیے ہوا ہے اور مفرد جو ہے یعنی حج افراد کرنے والا اس کا سفر حج کے لیے ہوا ہے۔

«وَجْهُ ظَاهِرِالرِّوَايَةِ»، بھائی ظاہر روایت کیا آئی؟ متن میں کیا آیا؟ تمتع افضل ہے۔ یہ تو ایک روایت تھی نا امام صاحب سے کہ حج افراد افضل ہے اور اس کی وجہ بھی ذکر کر دی۔ ظاہر روایت کے مطابق تمتع افضل ہے افراد سے، اور اس کی وجہ یہ ہے: «أَنَّ فِي التَّمَتُّعِ جَمْعًا بَيْنَ الْعِبَادَتَيْنِ»، کہ حج تمتع کے اندر دو عبادتوں کو جمع کرنا ہے، «فَأَشْبَهَ الْقِرَانَ»، تو یہ کس کے مشابہ ہوا؟ قران کے مشابہ ہوا، اور یہ بات پہلے ذکر ہو چکی کہ قران کیا ہے؟ افضل ہے، تو معلوم ہوا تو تمتع بھی افراد کی بنسبت افضل ہے۔

■ مسئلہ: ثُمَّ فِيهِ زِيَادَةُ نُسُكٍ وَهُوَ إِرَاقَةُ الدَّمِ

«ثُمَّ فِيهِ زِيَادَةُ نُسُكٍ وَهُوَ إِرَاقَةُ الدَّمِ»، پھر اس کے اندر ایک عبادت کی زیادتی بھی ہے، تمتع میں ایک عبادت کی زیادتی بھی ہے: «وَهُوَ إِرَاقَةُ الدَّمِ»، اور وہ خون کا بہا دینا ہے، یعنی ایک جانور کی قربانی کرنا ہے۔ اس وجہ سے بھی یہ کیا ہے؟ افضل ہے بھائی، ایک تو دو عبادتیں آ گئیں اس میں اور ایک اس میں قربانی بھی ہے، تو یہ افضل ہے۔

«وَسَفَرُهُ وَاقِعٌ لِحَجَّتِهِ»، یہ جواب دے رہے ہیں بھائی، اوپر جو روایت آئی تھی کیا؟ کہ حج افراد افضل ہے، کیوں افضل ہے؟ اس کی وجہ کیا ذکر ہوئی تھی؟ کیونکہ اس کا سفر کس کے لیے ہے؟ حج کے لیے، اور متمتع کا سفر کس لیے ہے؟ عمرے کے لیے، وجہ ذکر ہوئی تھی۔ اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ بھائی متمتع کا سفر بھی عمرے کے لیے نہیں ہے، درحقیقت اس کا سفر بھی حج ہی کے لیے ہے اور عمرہ جو ہے حج کے تابع ہے، بیچ میں آ گیا، درمیان میں آ گیا، لیکن یہ کیا ہے؟ حج کے تابع ہے، دراصل یہاں اس کا سفر حج ہی کے لیے ہے۔ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے انسان سَعْيٌ إِلَى الْجُمُعَةِ کرتا ہے لیکن جمعے سے پہلے سنتیں بھی پڑھتا ہے وہاں جا کر، جمعے سے پہلے سنتیں بھی پڑھتا ہے، تو سنتیں بھی بیچ میں آ گئیں، لیکن سنتیں بیچ میں آنے کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ سَعْيٌ إِلَى السُّنَّةِ ہے، بلکہ یہ کیا ہے؟ سَعْيٌ إِلَى الْجُمُعَةِ ہی کہلائے گی بھائی۔ تو سنتیں کس کے تابع ہیں؟ جمعے کے تابع ہیں، تو لہٰذا یہ سعی کس لیے ہوئی؟ جمعے ہی کے لیے ہوئی۔ تو یہاں پر بھی یہ سفر حج ہی کے لیے ہوا اگرچہ بیچ میں کیا آ گیا؟ عمرہ آ گیا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «وَسَفَرُهُ وَاقِعٌ لِحَجَّتِهِ وَإِنْ تَخَلَّلَتِ الْعُمْرَةُ لِأَنَّهَا تَبَعٌ لِلْحَجِّ كَتَخَلُّلِ السُّنَّةِ بَيْنَ الْجُمُعَةِ وَالسَّعْيِ إِلَيْهَا»، اور اس کا سفر جو ہے وہ حج ہی کے لیے ہوا ہے اگرچہ بیچ میں عمرہ آ گیا ہے، اس لیے کیونکہ عمرہ جو ہے وہ حج کے تابع ہے، جیسے کہ سنتوں کا بیچ میں آ جانا، سنتوں کا بیچ میں آ جانا کس کے بیچ میں؟ «بَيْنَ الْجُمُعَةِ وَالسَّعْيِ إِلَيْهَا»، جمعے اور سَعْيٌ إِلَى الْجُمُعَةِ کے بیچ میں۔ جمعے اور سعی، ایک جمعے کے لیے چل پڑا اور پھر جمعے سے پہلے بیچ میں کیا آ گئیں؟ سنتیں، تو سَعْيٌ إِلَى الْجُمُعَةِ اور جمعے کے درمیان سنتیں آ گئیں، لیکن پھر بھی اس سعی کو کیا کہیں گے؟ یہ سَعْيٌ إِلَى الْجُمُعَةِ ہی ہے بھائی، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ سنتیں جمعے کے تابع ہیں بھائی۔

یہ ہے مولانا فقہ حنفی بھائی، ایک ایک بات دلیل کے ذریعے واضح کرتے چلے جاتے ہیں فقہاء، اور یہ تو صاحب ہدایہ کا طریقہ ہے، وہ مختصر طریقے سے چل رہے ہیں۔ آپ نے پہلے پڑھا کہ انہوں نے جو پہلے کتاب لکھی تھی وہ اسی جلدوں کے اندر تھی، اسی جلدوں کے اندر، اور پھر اسی کو مختصر کر کے انہوں نے چار جلدوں میں کیا بھائی۔ تو یوں سمجھیں یہ اس خلاصے کا خلاصہ ہے، خلاصہ بھی نہیں بلکہ خلاصے کا خلاصہ ہے، وہاں کتنی تفصیل ہو گی، کتنے دلائل ہوں گے، تو یہاں بس وہ صرف ایک آدھ مختصر سی بات کرتے ہوئے آگے چلے جاتے ہیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ ہمارے پاس یہی دلائل وغیرہ ہیں، بس یہ ایک آدھ دلیل ذکر کر دیتے ہیں اور پھر دوسرے مسئلہ اگلا مسئلہ ذکر کرتے ہیں بھائی۔

■ مسئلہ: وَالْمُتَمَتِّعُ عَلَى وَجْهَيْنِ: مُتَمَتِّعٌ يَسُوقُ الْهَدْيَ...

«وَالْمُتَمَتِّعُ عَلَى وَجْهَيْنِ: مُتَمَتِّعٌ يَسُوقُ الْهَدْيَ، وَمُتَمَتِّعٌ لَا يَسُوقُ الْهَدْيَ». بھائی یاد رکھیے، یہ حج تمتع کرنے والا جو ہے یہ دو قسم پر ہے۔ اس نے وہاں جا کر قربانی تو کرنی ہی ہے، تو ایک صورت یہ ہے کہ یہ وہاں جا کر قربانی کا جانور خرید تا ہے اور پھر اس کی قربانی کرتا ہے یوم النحر والے دن، اور ایک صورت یہ ہے کہ یہیں سے قربانی کا جانور اپنے ہمراہ لے جاتا ہے بھائی، اپنے ہمراہ لے جاتا ہے۔ تو دونوں میں یاد رکھیے، پھر حج کے طریقے میں بھی تھوڑا سا فرق آئے گا، تھوڑا سا معمولی سا، اور وہ فرق صرف احرام کے اندر آئے گا۔ کہ حج تمتع کر رہا ہے اور اس کا کیا طریقہ تھا؟ کہ وہاں جا کر عمرہ کرتا تھا انسان اور پھر حلال ہو جاتا تھا اور پھر احرام کی پابندیاں

درمیان میں ختم ہو جاتی تھیں۔ لیکن یہ اس حاجی کے اندر ہے جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لے کے جائے، وہ بیچ میں حلال ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ متمتع جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لے کر جاتا ہے، وہ جا کر جب عمرہ کر لے گا تو پھر حلال نہیں ہو گا، سر کے بال نہیں منڈوائے گا یا سر کے بال چھوٹے نہیں کروائے گا، بلکہ اسی طرح حالتِ احرام ہی میں حرم میں رہے گا بھائی۔ حالتِ احرام ہی میں حرم میں رہے گا اور پھر آگے چل کر اسی احرام کے اندر پھر وہ حج کے احرام کی بھی نیت کر لے گا، تو حج کا احرام بھی شروع ہو جائے گا، تو پھر آگے اس کا یہ احرام حج اور عمرے دونوں کا بن جائے گا۔ عمرے کے بیشک افعال کر چکا ہے وہ، لیکن احرام تو ابھی باقی ہے۔ احرام کے ختم کرنے کے لیے تو کیا ضروری تھا؟ حلق کروائے یعنی سر کے بال استرے سے صاف کروائے یا بال چھوٹے کروائے۔ لیکن اس نے جب ہدی لے کر گیا ہے تو عمرہ کرنے کے بعد یہ حلق یا قصر نہیں کروائے گا، بال چھوٹے نہیں کروائے گا اور اسی احرام کو نہیں اتارے گا، اسی احرام کی پابندیوں کے ساتھ وہ وہاں رہے گا اور پھر انہی اسی میں آگے چل کر وہ کیا کرے گا؟ حج کے احرام کی بھی نیت کر لے گا، تو اب یہ احرام کس کا ہو گیا؟ دونوں کا، حج اور عمرے دونوں کا ہو گیا۔ معلوم ہوا، معلوم ہوا کہ یہ بھی بالکل قارن کی طرح ہو گیا، حج قران کی طرح ہو گیا۔ اس میں بھی آخر تک دو احرام رہتے ہیں، اس میں بھی آخر تک دو احرام رہتے ہیں، اس میں بھی قربانی واجب ہوتی ہے، اس میں بھی کیا واجب ہے؟ قربانی واجب ہے۔ ہاں صرف یہ فرق ہے حج قران سے کہ حج قران والا گھر سے ہی حج اور عمرے دونوں کی نیت کر کے چلا تھا، اس کا احرام شروع سے ہی حج اور عمرے دونوں کا ہے، جبکہ یہ حج تمتع والا جو ہدی لے کر گیا ہے، اس کا گھر سے جو احرام تھا وہ تو کون سا تھا؟ عمرے کا، اور آگے چل کر پھر کون سا شروع ہو گیا؟ حج والا بھی ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو صرف یہ فرق آجائے گا ان دونوں میں۔

تو کہتے ہیں: «وَالْمُتَمَتِّعُ عَلَى وَجْهَيْنِ»، اور متمتع جو ہے وہ دو قسم پر ہے: «مُتَمَتِّعٌ يَسُوقُ الْهَدْيَ»، ایک وہ متمتع ہے جو ہدی کو ہانکتا ہے، ہدی کو ہانک کر لے جاتا ہے۔ یہ لفظ آگے بھی آئے گا۔ جانور کو پیچھے سے ہانکنا کہ انسان پیچھے چل رہا ہو اور جانور آگے ہو، اس کو کہتے ہیں **سَوْق**، س، واو ر ق دو نقطوں والا، **سَوْق**، اور یہ ہانکنے والا **سَائِق** کہلاتا ہے۔ اور اگر جانور کو آگے سے کھینچا جائے، انسان آگے ہے اور جانور پیچھے ہے، تو اس کو کہتے ہیں **قَوْد** بھائی، کیا کہتے ہیں؟ **قَوْد**، ق، واو ر د، اور یہ کھینچنے والا **قَائِد** کہلائے گا، کیا کہلائے گا؟ قائد کہلائے گا بھائی۔ اور اسی لیے قوم کے جو رہنما ہوتا ہے اس کو بھی قائد کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ آگے ہوتا ہے اور ساری قوم اس کے پیچھے ہوتی ہے ہر عمل کے اندر بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں متمتع دو قسم پر ہے: «مُتَمَتِّعٌ يَسُوقُ الْهَدْيَ»، ایک وہ متمتع ہے جو ہدی کو یعنی قربانی کے جانور کو ہانکتا ہے یعنی اس کو اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے، «وَمُتَمَتِّعٌ لَا يَسُوقُ الْهَدْيَ»، اور ایک وہ متمتع ہے جو ہدی کو نہیں ہانکتا یعنی اس کو اپنے ساتھ نہیں لے کر جاتا۔

■ مسئلہ: وَمَعْنَى التَّمَتُّعِ

«وَمَعْنَى التَّمَتُّعِ»، التمتع کا معنی بیان کر رہے ہیں کہ حج تمتع کہتے ہیں، کس کو کہتے ہیں؟ یہ تمتع کا کیا معنی؟ یاد رکھیے تمتع کا لغوی معنی ہے فائدہ اٹھانا، کیا معنی ہے؟ فائدہ اٹھانا، نفع اٹھانا، اور اصطلاحِ شریعت میں اس کی تعریف جو ہے وہ آگے بیان کر رہے ہیں بھائی، دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں: «وَمَعْنَى التَّمَتُّعِ: التَّرَفُّقُ بِأَدَاءِ النُّسُكَيْنِ فِي سَفَرٍ وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُلِمَّ بِأَهْلِهِ بَيْنَهُمَا إِلْمَامًا صَحِيحًا»، اور تمتع کا معنی جو ہے وہ فائدہ اٹھانا ہے دو عبادتوں کی ادائیگی کا ایک ہی سفر میں، بغیر اس کے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ الممام کرے ان دو عبادتوں کے درمیان یعنی حج اور عمرے کے درمیان، بغیر اس کے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ الممام کرے ان دو عبادتوں کے درمیان، «إِلْمَامًا صَحِيحًا»، کون سا الممام؟ صحیح، بغیر اس کے کہ وہ صحیح الممام کرے اپنے گھر والوں کے ساتھ ان دو عبادتوں کے درمیان۔

بھائی یاد رکھیے، **اِلْمَام**، الممام کا معنی ہوتا ہے کسی جگہ پر مختصر اقامت اختیار کرنا۔ تھوڑے عرصے کے لیے کہیں رہنا یہ کیا کہلاتا ہے؟ الممام کہلاتا ہے، الممام کہلاتا ہے۔ اور **اِلْمَامِ صَحِيْح** یہ ہے کہ انسان بغیر احرام کے اپنے گھر جا کر قیام کر لے۔ مثلاً آیا تھا شہر حج میں اور اس نے عمرہ کر لیا، اور عمرہ کرنے کے بعد پھر یہ اپنے وطن واپس چلا گیا عمرے سے حلال ہو کر۔ تو اب یہ گھر جب گیا، حالتِ احرام میں ہے یا بغیر احرام کے ہے؟ بغیر احرام، توجہ ہے سبق کی طرف؟ عمرہ کر کے یہ کہاں چلا گیا؟ پھر اپنے وطن چلا گیا، تو اس نے اپنے گھر میں اپنے گھر والوں کے ساتھ الممام کیا یعنی وہاں پر مختصر قیام کیا، اور حالتِ احرام میں ہے یا بغیر حالتِ احرام کے ہے؟ بغیر حالتِ احرام کے، عمرے سے تو یہ حلال ہو چکا ہے، تو اس کو کہیں گے **اِلْمَامِ صَحِيْح**، کیا کہیں گے؟ الممامِ صحیح کہیں گے۔ اور اگر یہ ہدی کا جانور اپنے ساتھ لے کر گیا تھا عمرے کے اندر، تو پھر اس کے لیے تو احرام سے حلال ہونا جائز نہیں، تو یہ اسی احرام کے ساتھ واپس گھر آگیا اور گھر آ کر اس نے مختصر چند دنوں کے لیے اقامت کی، تو یہ الممام ہوا اپنے گھر والوں کے ساتھ، اپنے گھر اس کا نزول ہوا مختصر وقت کے لیے، لیکن یہ اس پر یہ حالتِ احرام میں ہے اور اس پر مکہ واپس لوٹنا ضروری ہے کہ جا کر کیا کرے وہاں اب؟ حج بھی کرے گا، حج بھی کرنا چاہتا ہے، تو اس پر واپس لوٹنا ضروری ہوا، تو یہ جو اس کا گھر میں الممام ہوا، یہ **اِلْمَامِ فَاسِد** کہلائے گا، کیونکہ یہ کس حالت میں ہے؟ حالتِ احرام میں، اور اس پر مکہ لوٹنا ضروری ہے بھائی۔ فرق سمجھ میں آیا بھائی؟ تو معلوم ہوا کہ جب بغیر احرام کے گھر والوں کے ساتھ اقامت کرے گا تو یہ کیا ہے؟ الممامِ صحیح ہے اور اس پر مکہ لوٹنا واجب نہیں۔ اور اگر یہ احرام کے ساتھ اپنے گھر والوں کے اپنے گھر میں نزول کرے گا اور وہاں اقامت کرے گا تو یہ کون سا الممام ہوا؟ الممامِ فاسد ہوا کیونکہ

حالتِ احرام میں ہے اور اس پر مکہ واپس جانا لازم ہے، واجب ہے بھائی۔ فرق سمجھ میں آگیا بھائی؟

تو کہتے ہیں دوبارہ دیکھیے اب، کہتے ہیں: «وَمَعْنَى التَّمَتُّعِ»، اور تمتع کا معنی جو ہے یعنی اصطلاحِ شریعت میں: «التَّرَفُّقُ بِأَدَاءِ النُّسُكَيْنِ فِي سَفَرٍ وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُلِمَّ بِأَهْلِهِ بَيْنَهُمَا إِلْمَامًا صَحِيحًا»، وہ فائدہ اٹھانا ہے دو عبادتوں کی ادائیگی کا ایک ہی سفر میں، بغیر اس کے کہ وہ صحیح الملام کرے اپنے گھر والوں کے ساتھ ان دو عبادتوں کے درمیان۔ معلوم ہوا ان دو عبادتوں کے درمیان اگر وہ الملام صحیح کرلے گا، بغیر احرام کے گھر جا کر اقامت اختیار کرلے گا تو اس کا حج تمتع باطل ہو گیا، کیونکہ حج تمتع کہتے ہی کس کو تھے؟ «مِنْ غَيْرِ أَنْ يُلِمَّ»، جس میں کیا ہو؟ الملام صحیح نہ ہو بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس میں الملام صحیح نہیں ہونا چاہیے، اگر الملام صحیح بیچ میں آگیا تو حج تمتع رہے گا ہی نہیں۔ لہٰذا بعد میں جا کر یہ پھر کیا کرتا ہے؟ حج کرتا ہے۔ اس نے عمرہ ادا کر لیا تھا، قربانی کا جانور نہیں لے کر گیا تھا، وہاں جا کر عمرہ کر لیا، حلال ہو گیا، پھر گھر آگیا اور پھر گھر سے واپس جاتا ہے، کیا کرتا ہے؟ حج کرتا ہے، اب یہ متمتع نہیں بلکہ یہ حج افراد کرنے والا ہے، حج افراد کرنے والا۔ اور ثمرہ ظاہر ہو گا کہ اس پر قربانی واجب ہے یا واجب نہیں؟ یہ گھر آیا تھا، گھر میں رہا اور پھر گیا ہے حج کرنے، یہ کون سا حج؟ حج افراد ہے اور حج افراد والے پر تو قربانی واجب نہیں، لہٰذا اس پر قربانی واجب نہیں ہو گی بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن اگر یہ ہدی لے کر گیا تھا، وہ تو حالتِ احرام میں ہی رہتا ہے، اس حالت میں وہ احرام کی حالت میں ہی گھر واپس آیا اور الملام تو کیا لیکن یہ الملام کون سا ہے؟ الملامِ فاسد ہے اور اس کا تو کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا یہ پھر چلا گیا اور جا کر اب کیا کر رہا ہے؟ حج کر رہا ہے، تو یہ حج کون سا ہے؟ حج تمتع ہی ہے کیونکہ وہ کس سے باطل ہوتا تھا؟ الملامِ صحیح سے باطل ہوتا تھا اور الملامِ صحیح تو اس نے نہیں کیا بلکہ کون سا کیا ہے؟ الملامِ فاسد کیا ہے، لہٰذا اب جا کر حج کرے گا تو وہ حج تمتع ہی ہے اور اس پر قربانی بھی واجب ہے، اور اس میں اختلافات بھی آئیں گے وہ آگے صاحبِ ہدایہ بیان کریں گے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَيَدْخُلُهُ اخْتِلَافَاتٌ نُبَيِّنُهَا إِنْ شَاءَ اللهُ»، اور اس میں اختلافات آتے ہیں، اختلافات داخل ہوتے ہیں جن کو ہم بیان کریں گے اگر اللہ نے چاہا۔

■ مسئلہ: وَصِفَتُهُ أَنْ يَبْتَدِئَ مِنَ الْمِيقَاتِ فِي أَ...

«وَصِفَتُهُ أَنْ يَبْتَدِئَ مِنَ الْمِيقَاتِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ»، اور اس تمتع کا طریقہ یہ ہے، اس کی صفت یعنی اس کا طریقہ یہ ہے کہ حج کرنے والا ابتدا کرے کہاں سے؟ میقات سے فی اشہر الحج، حج کے مہینوں میں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ حج اور عمرہ دونوں کس میں ہونے چاہئیں؟ اشہرِ حج میں ہونے چاہئیں، پھر ہی تمتع کہلائے گا۔ اور اشہرِ حج وہ آگے بیان کریں گے، رمضان گزرتے ہی فوراً اشہرِ حج شروع ہو گئے۔ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن، یہ دو مہینے دس دن یہ کس کے ہیں؟ اشہرِ حج ہیں، حج کے مہینے ہیں۔ تو عمرہ بھی انہی کے اندر ہو اور حج تو آئے گا ہی اسی میں، تو پھر ہی حج تمتع کہلائے گا۔ اگر عمرہ اس سے پہلے ہے تو پھر یہ حج تمتع نہیں ہے بھائی، تفصیل سمجھ میں آگئی؟

اسی لیے کہا: «وَصِفَتُهُ أَنْ يَبْتَدِئَ مِنَ الْمِيقَاتِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ»، اور حج تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ ابتدا کرے میقات سے فی اشہر الحج، کس میں؟ حج کے مہینوں میں، «فَيُحْرِمَ بِالْعُمْرَةِ»، تو احرام باندھے عمرے کا، کس کن مہینوں میں شروع کر رہا ہے؟ حج کے مہینوں میں، تو احرام باندھے عمرے کا، «وَيَدْخُلَ مَكَّةَ»، اور مکہ میں داخل ہو جائے، «فَيَطُوفَ لَهَا وَيَسْعَى لَهَا»، «فَيَطُوفَ لَهَا» أَيْ فَيَطُوفَ لِعُمْرَةٍ بھائی، طواف کرے کس کے لیے؟ عمرے کے لیے، «وَيَسْعَى لَهَا»، اور سعی کرے عمرے کے لیے، «وَيَحْلِقَ أَوْ يُقَصِّرَ»، اور اس کے بعد کیا کروالے گا؟ حلق کروالے گا یعنی سر کے بال استرے سے صاف کروالے گا، «أَوْ يُقَصِّرَ»، یا قصر کروالے گا، سر کے بال چھوٹے کروالے گا۔ «وَقَدْ حَلَّ مِنْ عُمْرَتِهِ»، اور تحقیق یہ شخص اپنے عمرے سے حلال ہو گیا۔ جب بال کیا کروا دیے؟ چھوٹے کروا دیے یا حلق کروالیا تو عمرے سے حلال ہو گیا۔

«وَهَذَا هُوَ تَفْسِيرُ الْعُمْرَةِ»، اور یہی عمرے کی تفسیر ہے، یعنی عمرے کی تفسیر اور اس کا طریقہ بھی یہی ہے بھائی، کہ وہ صرف طواف اور سعی کا نام ہے اور اس کے بعد حلق کروالے تو حلال ہو جاتا ہے انسان۔

■ مسئلہ: وَكَذَلِكَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُفْرِدَ بِالْعُمْرَ...

«وَكَذَلِكَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُفْرِدَ بِالْعُمْرَةِ فَعَلَ مَا ذَكَرْنَا»، اور اسی طرح ہو گا جب وہ کوئی شخص ارادہ کرے اکیلا عمرہ کرنے کا بھائی۔ کوئی شخص صرف کیا کرنا چاہتا ہے؟ عمرہ، تو اس کا بھی یہی طریقہ ہے۔ «فَعَلَ مَا ذَكَرْنَا»، وہ کرے جو ہم نے ذکر کر دیا، جو اکیلے عمرے کا ارادہ کرے وہ یہ چیز کرے جو ہم نے ذکر کر دی۔

«هَكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ»، اسی طرح سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا عمرۃ القضاء میں، کس میں؟ عمرۃ القضاء میں۔ بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھائی وہ چھ ہجری کے اندر آپ صحابہ کے ہمراہ عمرے کے لیے آئے بھائی، اور مکہ پر ابھی مشرکین کا قبضہ تھا۔ جب آپ حرم جب آپ مکہ کے قریب پہنچے تو مشرکین نے مشرکین نے اندر آنے کی اجازت نہیں دی بھائی، سمجھ میں آیا؟ انہوں نے لڑائی وغیرہ کی تیاری کر لی کہ ہم آپ لوگوں کو اندر

سبق نمبر ۱۴۸: بَابُ التَّمَتُّعِ
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

نہیں آنے دیں گے۔ چنانچہ ان سے بات چیت شروع کی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا گیا ان کی طرف کہ ان سے بات چیت کریں کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے، صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں، عمرہ ادا کر کے ہم چلے جائیں گے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک لیا، واپس آنے ہی نہیں دیا، تین دن تک انہوں نے روکے رکھا۔ ادھر یہ افواہ پھیل گئی کہ کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے تمام صحابہ سے موت پر بیعت لی، موت پر بیعت لی کہ عثمان کا بدلہ لیے بغیر ہم یہاں سے نہیں جائیں گے چاہے ہمیں اپنی جانیں دینا پڑیں بھائی۔ اور پھر جب وہ مکہ والوں کو پتہ لگا کہ یہ تو بالکل جنگ کے لیے آمادہ ہو چکے ہیں تو انہوں نے پھر آدمی بھیجے اور صلح ہوئی اور وہ شرائط لکھی گئیں کہ انسان ان کو پڑھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے کتنی سخت سخت شرائط ان کی منظور کر لیں بھائی۔ انہی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمانوں میں سے اگر کوئی ان کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے گا مکہ والوں کے پاس تو مکہ والے اس کو حوالے نہیں کریں گے، لیکن مکہ والوں میں سے اگر کوئی مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس چلا گیا تو مسلمان اس کو واپس مکہ والوں کے حوالے کریں گے۔ اور حضور علیہ السلام نے اس شرط کو بھی منظور کر لیا بھائی، اس شرط کو بھی۔ تو بہر حال یہ کتابوں کے اندر واقعے کی تفصیل ہے، حضور علیہ السلام نے بیعت لی اور پھر یہ معاہدہ لکھا گیا اور یہ صلح ہوئی، یہ صلح حدیبیہ کہلاتی ہے، اور انہوں نے اس صلح کے اندر ایک یہ بات بھی طے ہوئی کہ اس سال ہم عمرے کی اجازت نہیں دیں گے، اس سال واپس آپ لوگ چلے جائیں گے، اگلے سال آ کر کیا کریں گے؟ عمرہ ادا کریں گے بھائی۔ چنانچہ پھر اگلے سال آ کر حضور علیہ السلام نے وہ عمرہ قضا فرمایا جو جس کا احرام آپ پچھلے سال آپ نے باندھا تھا اور پھر بغیر عمرے کے ہی آپ کو اس سے حلال ہونا پڑا، اور آپ ابھی پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص روک دیا جائے حج یا عمرے سے تو اس پر اس کی قضا واجب ہوتی ہے، کیونکہ ایک دفعہ جس عمل کو شروع کر دیا ہے وہ انسان پر لازم ہو جاتا ہے بھائی۔ تو جب احرام باندھ لیا تھا تو عمرہ شروع ہو گیا تھا، تو عمرہ تو یہ عمرہ جو اگلے سال حضور علیہ السلام نے آ کر فرمایا، یہ کیا کہلاتا ہے؟ عمرۃ القضاء، کہ یہ اسی عمرے کی قضا تھی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں ہم کہتے ہیں: «هَكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي عُمْرَةِالْقَضَاءِ»، اسی طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا عمرۂ قضا میں، یعنی آپ نے طواف بھی کیا، آپ نے سعی بھی کی، اور سعی کے بعد آپ نے حلق بھی کروایا، تو یہ عمرے کے یہ افعال ہیں اور اس طرح انسان اس احرام سے حلال ہوتا ہے۔

■ مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ: لَا حَلْقَ عَلَيْهِ

«وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ: لَا حَلْقَ عَلَيْهِ»، کہ یہ عمرہ کرنے والے پر حلق نہیں ہے، یعنی سر کے بال اس کے استرے سے صاف کرنا یا بال چھوٹے کروانا اس پر ضروری نہیں۔ تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «إِنَّمَا الْعُمْرَةُ الطَّوَافُ أَوِالسَّعْيُ»، بھائی «أَوِ» ہے آپ کی کتابوں میں؟ «أَوِ» نہیں ہونا چاہیے، واؤ ہے یہ واؤ بھائی: «إِنَّمَا الْعُمْرَةُ الطَّوَافُ وَالسَّعْيُ»، کہ عمرہ تو طواف اور سعی ہی ہے بھائی، عمرہ صرف کس چیز کا نام ہے؟ طواف اور سعی کا نام ہے بھائی، تو یہ «أَوِ» نہیں ہے، یہ واؤ ہے بھائی واؤ۔ وہ فرماتے ہیں طواف اور سعی ہی کا نام عمرہ ہے، اس میں حلق وغیرہ نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں ہماری دلیل جو ہے: «وَحُجَّتُنَا عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا»، اور ان کے خلاف ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کر دیا، وہ جو اوپر گزرا: «هَكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ»، حضور علیہ السلام نے اس طرح فرمایا تھا عمرۃ القضاء میں۔ اور نیز ہماری دلیل جو ہے: «قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ﴾» بھائی۔ تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو سچا خواب دکھایا کہ آپ البتہ ضرور داخل ہوں گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا، آمنین اس حال میں کہ آپ مامون ہوں گے، ﴿مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ﴾، اس حال میں کہ آپ اپنے سروں کا حلق کروانے والے ہوں گے، ﴿وَمُقَصِّرِينَ﴾ اور قصر کروانے والے ہوں گے۔ تو دیکھیے یہاں پر یہ عمرۃ القضاء ہی کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور یہاں پر مقصرین اور محلقین ذکر کیا گیا، معلوم ہوا عمرے کے بعد بھی انسان کو کیا کرنا پڑے گا؟ حلق یا قصر کروانا پڑے گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: «﴿مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ﴾ الْآيَةَ، نَزَلَتْ فِي عُمْرَةِالْقَضَاءِ»، یہ آیت نازل ہوئی بھائی عمرۃ القضاء میں، اس کے بارے میں۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّهَا لَمَّا كَانَ لَهَا تَحَرُّمٌ بِالتَّلْبِيَةِ...

«وَلِأَنَّهَا لَمَّا كَانَ لَهَا تَحَرُّمٌ بِالتَّلْبِيَةِ»، بھائی دو نقلی دلیلیں ذکر کر دیں، ایک حدیث اس سے بھی پتہ چلا عمرے کے بعد حلق یا قصر ہو گا اور دوسری آیت اس سے بھی پتہ چلا کہ عمرے کے بعد حلق یا قصر ہو گا۔ اب عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں بھائی عمرے کے عمرے کے لیے جب تلبیہ کہہ کر احرام باندھا جاتا تھا، تو حلق کے ذریعے اب اس سے حلال بھی ہو جائے گا۔ احرام باندھا تھا یا نہیں باندھا تھا؟ جب تلبیہ کہہ کر احرام باندھا تھا تو اس احرام سے نکلنا بھی اب ضروری ہو گا اور وہ کس طرح ہوتا ہے؟ حلق یا قصر کے ذریعے ہوتا ہے جیسے حج کے اندر بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَلِأَنَّهَا لَمَّا كَانَ لَهَا تَحَرُّمٌ بِالتَّلْبِيَةِ كَانَ لَهَا تَحَلُّلٌ بِالْحَلْقِ كَالْحَجِّ»، اور نیز اس لیے کہ عمرے کے لیے جب احرام باندھنا ہے تلبیہ

کے ساتھ تو اس کے لیے حلال ہونا بھی ہو گا بالحلق، کس کے ذریعے؟ حلق کے ذریعے، «كَالْحَجِّ»، جیسے کس میں ہے؟ جیسے حج میں ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

«وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ إِذَا ابْتَدَأَبِالطَّوَافِ»، اور تلبیہ بند کر دے جب طواف کی ابتدا کرے۔ بھائی حج تمتع پر کوئی شخص گیا اور تلبیہ کہہ رہا ہے اور شروع میں عمرہ کرنا ہے، تو کب تک یہ تلبیہ کہتا رہے گا؟ کہتے ہیں ہمارے نزدیک جب یہ طواف شروع کرے گا اس وقت تلبیہ بند کر دے گا۔ طواف کے آغاز تک وہ تلبیہ کہتا رہے گا اور جب طواف شروع کرے گا یعنی حجرِ اسود کو بوسہ دے گا یا حجرِ اسود کا استلام کرے گا، تو اس وقت کیا کر دے گا؟ تلبیہ بند کر دے گا۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، بیت اللہ پر جیسے ہی پہلی نظر پڑے گی فوراً ہی تلبیہ بند کر دے گا بھائی، اس لیے کیونکہ یہ عمرہ جو ہے وہ بیت اللہ ہی کی زیارت کا نام ہے، تو جب اس کی پہلی نظر بیت اللہ پر پڑ گئی تو بیت اللہ کی زیارت کر لی، مقصود تک پہنچ گیا، جو مقصد تھا جو مقصد تھا اس تک پہنچ گیا، لہٰذا اب تلبیہ بند کر دے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے عمرۃ القضاء میں جب آپ نے حجرِ اسود کا استلام فرمایا تھا اس وقت آپ نے تلبیہ بند کیا تھا، اور نیز اس لیے کیونکہ عمرے کے اندر مقصود جو ہے وہ طواف ہے اور تو جب تک مقصود تک نہیں پہنچا تلبیہ کہتا رہے، بیشک نظر پڑ چکی ہے لیکن ابھی طواف شروع نہیں کیا، مقصد تک نہیں پہنچا تو تلبیہ کہتا رہے بھائی، اور جب مقصد شروع کر دے یعنی طواف شروع کر دے تو تلبیہ بند کر دے۔

تو کہتے ہیں: «وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ إِذَا ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ، وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ: كَمَا وَقَعَ بَصَرُهُ عَلَى الْبَيْتِ؛ لِأَنَّ الْعُمْرَةَ زِيَارَةُ الْبَيْتِ وَتَتِمُّبِهِ»، اور تلبیہ بند کر دے جب ابتدا کرے طواف کی، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے ہی اس کی نظر پڑے علی البیت بیت اللہ پر تو تب تلبیہ بند کر دے، «لِأَنَّ الْعُمْرَةَ زِيَارَةُالْبَيْتِ»، اس لیے کیونکہ عمرہ جو ہے وہ بیت اللہ کی زیارت ہے، «وَتَتِمُّ بِهِ»، اور اس سے یہ پورا ہو جاتا ہے۔ بھائی عمرہ بیت اللہ کی زیارت ہے اور جب پہلی نظر پڑے گی تو یہ مقصد حاصل ہو گیا، تو پہلی نظر پڑنے سے یہ بات پوری ہو جاتی ہے، وہ زیارت حاصل ہو جاتی ہے، لہٰذا اس وقت وہ تلبیہ بند کر دے۔ تو کہتے ہیں: «وَتَتِمُّ بِهِ»، اور یہ نظر واقع ہونے سے یہ پورا ہو جاتا ہے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا: أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي...

«وَلَنَا: أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ حِينَ اسْتَلَمَ الْحَجَرَ»، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے عمرۃ القضاء کے اندر تلبیہ بند فرمایا تھا حین استلم الحجر، جس وقت آپ نے حجرِ اسود کا استلام فرمایا، تو اس وقت تک آپ تلبیہ کہتے رہے تھے۔ «وَلِأَنَّ»، یہاں سے دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں: «وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الطَّوَافُ فَيَقْطَعُهَا عِنْدَافْتِتَاحِهِ»، اور نیز اس لیے کیونکہ مقصود وہ طواف ہے تو تلبیہ کو بند کر دے طواف کے آغاز پر، اس کے شروع کرتے وقت بھائی۔ «وَلِهَذَا يَقْطَعُهَا الْحَاجُّ عِنْدَ افْتِتَاحِ الرَّمْيِ»، اور اسی وجہ سے حاجی جو ہے اس تلبیہ کو بند کرتا ہے رمی کا افتتاح کرتے ہوئے، رمی کو شروع کرتے ہوئے۔

ہم کہتے ہیں کہ عمرے کے اندر مقصود بیت اللہ کا طواف ہے، لہٰذا مقصود میں جب شروع ہو تو تلبیہ کہنا بند کر دے۔ اور اسی طرح حج کے اندر جب حج کے افعال شروع کرے تو اس وقت تلبیہ کہنا بند کر دے، اور حج کے افعال وہ کب شروع کر رہا ہے؟ جب وہ رمی کرنے لگا جمرۂ عقبہ کی تو مقصود تک پہنچ گیا، حج کے افعال اس نے شروع کر دیے، لہٰذا اب تلبیہ کہنا بند کر دے۔ آپ کہیں گے بھائی حج کے اعمال تو پہلے سے ہی شروع ہیں، اس نے کیا کیا تھا؟ ہو سکتا ہے پہلے سعی بھی کر چکا ہو، اور اس کے بعد کیا کیا ہو؟ یہ وقوفِ عرفہ بھی وقوفِ عرفہ بھی کر کے آ رہا ہے، رمی تو ۱۰ کو کرنی ہے، یہ ۹ کو کہاں حاضری دے چکا؟ عرفات میں حاضری دے چکا اور پھر مزدلفہ کے اندر بھی وقوف کر چکا، اب دسویں تاریخ کو کہاں پہنچا ہے؟ منیٰ، اور کیا کر رہا ہے؟ رمی جمرہ کر رہا ہے۔ تو حج کے افعال تو پہلے سے شروع ہیں، لہٰذا پہلے سے ہی تلبیہ بند ہونا چاہیے اور آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کہ حج کے افعال کب شروع ہو رہے ہیں؟ جب رمی شروع کر رہا ہے۔

بھائی جواب یہ کہ اگر اس نے پہلے سعی کر بھی لی لیکن سعی یہ تو شریعت نے اس کو رخصت دے دی پہلے کرنا چاہو تو کر لو، ورنہ دراصل تو یہ سعی کس کے بعد تھی؟ طوافِ زیارت کے بعد تھی اور وہ تو ابھی اسی دن کرنا ہے، ابھی رمی جمرہ سے پہلے تو طوافِ زیارت نہیں، اس کے بعد ہے بھائی۔ بات سمجھ بھی آ رہی ہے کہ نہیں؟ سبق کی طرف توجہ ہے؟ اشکال کیا ہوتا ہے؟ کہ حج آپ نے کہا حج کے افعال جب شروع کرے گا تب تلبیہ بند کرے گا، اور اسی وجہ سے جب جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے لگے تو حج کے افعال شروع ہو رہے ہیں لہٰذا تلبیہ بند کر دے۔ اشکال ہوتا ہے کہ حج کے افعال تو پہلے سے ہی وہ کئی افعال کر چکا ہے، سعی بھی کر چکا ہے اور وقوفِ عرفہ بھی کر چکا ہے، وقوفِ مزدلفہ بھی کر چکا ہے، تو اس کا جواب میں بتلا رہا ہوں کہ سعی کا وقت تو دراصل کیا تھا؟ طوافِ زیارت کے بعد تھا، یہ تو شریعت نے اس کو رخصت دے دی پہلے بھی کر سکتے ہو، اس نے پہلے کر لی اس وجہ سے۔ اور نیز عرفات میں، عرفات میں آپ نے کیا کیا؟ عرفات میں تو کچھ بھی نہیں کیا، صرف حاضری دی، وہاں پہنچے، وہاں سے تو گزر کے بھی آ جائے تو کافی ہو جائے گا بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کوئی الگ عمل ابھی تک آپ کو نہیں کرنا پڑا تھا حج کا۔ اب جب رمی کرنے لگے ہیں آپ باقاعدہ پہلا حج کا عمل شروع کر رہے ہیں آپ، کیا کر رہے ہیں؟ رمی کر رہے ہیں، اس سے ماقبل تو کیا تھا؟ وقوفِ عرفہ میں بھی صرف کیا کیا تھا؟ صرف حاضری دی تھی، کوئی عمل نہیں کرنا پڑا آپ کو بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ وہاں سے تو کوئی نیند کی حالت میں بھی گزر جائے اس کا وقوف ادا ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ حالانکہ اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو لہٰذا یہاں تو صرف وقوف یہاں سے گزرنا یا حاضری ایک لمحے کے لیے بیچ میں سے گزر جاتا تو بھی کافی ہو جاتا، تو وہ بھی کوئی عمل گویا نہیں ہے ابھی تک۔ اور اسی

طرح وقوفِ مزدلفہ کے اندر بھی، وہاں بھی کوئی عمل الگ نہیں کرنا پڑا، اب آکر کیا کرنا پڑا؟ باقاعدہ پہلا عمل کرنا پڑا، پہلا فعل کرنا پڑا حج کا، تو لہٰذا جیسے ہی یہ عمل شروع ہو اس سے پہلے ہی کیا کر دے؟ تلبیہ بند کر دے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «وَلِهَذَا يَقْطَعُهَا الْحَاجُّ عِنْدَ افْتِتَاحِ الرَّمْيِ»، اور اسی وجہ سے حاجی جو ہے تلبیہ بند کر دیتا ہے رمی کو شروع کرتے وقت۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَيُقِيمُ بِمَكَّةَ حَلَالًا

«قَالَ: وَيُقِيمُ بِمَكَّةَ حَلَالًا»، اور پھر وہ شخص یہ شخص جو حج تمتع کرنے والا ہے جس نے کیا کر لیا؟ عمرہ کر لیا تو اس کے بعد اب حلال ہو کر مکہ ہی میں رہے۔ تو کہتے ہیں: «وَيُقِيمُ بِمَكَّةَ حَلَالًا»، اور وہ مقیم رہے مکہ میں حلال ہو کر یعنی بغیر احرام کے، «لِأَنَّهُ حَلَّ مِنَ الْعُمْرَةِ»، اس لیے کیونکہ یہ شخص عمرے سے حلال ہو چکا ہے۔

«فَإِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ مِنَ الْمَسْجِدِ»، بھائی اب یوم الترویہ آگیا، حج تمتع کرنے والے نے عمرہ کر لیا تھا اور عمرے کے بعد اب وہ مکہ ہی میں حلال ہو کر رہنے لگا، اب یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذوالحجہ آگئی تو اب یہ حج کا احرام باندھے گا، حج کا احرام باندھے گا۔ اور حج کا احرام حرم سے جس جگہ سے بھی باندھنا چاہے باندھ سکتا ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ مسجد حرام سے باندھے، کہاں سے؟ مسجد۔ لہٰذا وہ دو چادریں وہ اپنی رہائش پر ہی پہن لے اور پھر مسجد حرام آجائے۔ دو چادریں پہننے سے احرام نہیں شروع ہوتا، احرام تو ان چادروں کا نام نہیں بلکہ اس پابندیوں والی اس حالت کا نام ہے۔ تو لہٰذا دو چادریں پہن لیں لیکن احرام ابھی بھی شروع نہیں۔ اب بہتر یہ ہے کہ مسجد حرام آجائے، یہاں آکر وہ احرام کی دو سنتیں بھی پڑھ لے اور پھر اس کے بعد نیت بھی کر لے اور تلبیہ بھی کہہ لے تو احرام شروع ہو جائے گا۔ تو افضل کیا ہے یہ احرام کہاں سے شروع کرے اور کہاں اس کی نیت کرے؟ مسجد حرام میں، لیکن ضروری نہیں ہے بلکہ حرم کے اندر جہاں سے بھی یہ احرام باندھنا چاہے باندھ سکتا ہے، اپنی رہائش گاہ پر بھی باندھ سکتا ہے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ یہی ذکر کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: «فَإِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ»، اور جب یوم الترویہ آجائے بھائی، «فَإِذَا كَانَ» أَيْ «فَإِذَا ثَبَتَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ»، «كَانَ» یہاں کس معنی میں ہے؟ «ثَبَتَ» کے معنی میں، اور «كَانَ» «ثَبَتَ» کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے، اور جب یہ «ثَبَتَ» کے معنی میں ہے تو پھر یہ ایک اسم اور خبر کا تقاضا نہیں کرے گا بلکہ صرف فاعل کو چاہے گا، اور آگے «يَوْمُ التَّرْوِيَةِ» اس کے لیے فاعل ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ پس جب یوم الترویہ ثابت ہو جائے یعنی یوم الترویہ آجائے، «أَحْرَمَ بِالْحَجِّ مِنَ الْمَسْجِدِ»، تو وہ شخص احرام باندھ لے حج کا «مِنَ الْمَسْجِدِ» کہاں سے؟ مسجد سے۔ بھائی متن میں آیا وہ احرام باندھ لے مسجد سے، حالانکہ مسجد سے احرام باندھنا ضروری نہیں، یہی بات صاحبِ ہدایہ ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں: «وَالشَّرْطُ أَنْ يُحْرِمَ مِنَ الْحَرَمِ، أَمَّا الْمَسْجِدُ فَلَيْسَ بِلَازِمٍ»، اور شرط یہ ہے کہ حرم سے احرام باندھے، باقی مسجد سے احرام باندھنا لازم نہیں ہے بھائی، بات سمجھ؟ ہاں یہ افضل ہے اس لیے متن میں افضل صورت ذکر کر دی گئی، تو متن میں مسجد کا ذکر ہونے کا یہ معنی نہیں کہ مسجد ہی سے باندھنا ضروری ہے۔ تو یہ معنی ہے کہ شرط یہ ہے کہ یہ احرام حرم سے باندھے جس جگہ سے بھی باندھ لے، حرم کے اندر اندر بھائی، «أَمَّا الْمَسْجِدُ فَلَيْسَ بِلَازِمٍ»، باقی مسجد جو ہے وہ ضروری نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَهَذَا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَكِّيِّ

«وَهَذَا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَكِّيِّ»، اور یہ اس وجہ سے، کیا؟ کس وجہ سے؟ یہ احرام کا حرم میں سے باندھنا کیوں ضروری ہے؟ حرم جانتے ہو نا؟ ایک تو مسجد حرام ہے، پھر یہ بیت اللہ کے ارد گرد چاروں طرف کچھ علاقہ ہے، بعض طرف چار پانچ میل، بعض طرف تین چار میل، بعض طرف آٹھ دس چودہ میل تک، یہ سارا علاقہ یہ کیا کہلاتا ہے؟ حرم۔ تو حرم کے اندر سے احرام ہونا چاہیے جس جگہ سے بھی ہو جائے، مسجد حرام سے ہونا لازمی نہیں، مسجد حرام سے باندھنا افضل ہے۔ تو بھائی یہ آپ نے کیوں کہا کہ حرم کے اندر سے ہی احرام ہونا چاہیے؟ اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں وجہ یہ کہ جب اس نے عمرہ کر لیا اور عمرہ کرنے کے بعد یہ مکہ ہی میں مقیم رہا تو یہ بھی مکہ والوں کی طرح ہو گیا، کس کی طرح ہو گیا؟ مکہ والوں کی طرح ہو گیا، اور مکہ والے حج کا احرام مکہ ہی سے باندھتے ہیں تو لہٰذا یہ بھی کہاں سے باندھے گا؟ مکہ یعنی حرم سے ہی۔ مکہ والے حرم سے ہی احرام حج کا باندھتے ہیں تو یہ شخص بھی مکہ والوں کی طرح ہے تو یہ بھی حج کا احرام کہاں سے اب باندھے گا؟ حرم ہی سے باندھے گا بھائی، تفصیل سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «وَهَذَا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَكِّيِّ»، اور یہ اس لیے کیونکہ یہ شخص جو ہے یہ مکہ والوں کے معنی میں ہے، مکی شخص کے معنی میں ہے، «وَمِيقَاتُ الْمَكِّيِّ فِي الْحَجِّ الْحَرَمُ عَلَى مَا بَيَّنَّا»، اور مکہ والے کا میقات حج کے اندر وہ حرم ہی ہے «عَلَى مَا بَيَّنَّا» بوجہ اس کے جو ہم نے بیان کر دیا، یہ پہلے ذکر ہو چکا بھائی کہ مکہ والوں کا میقات حرم ہی ہے حج میں۔ عمرہ وہ کرنا چاہے مکہ والا، مکے والا عمرہ کرنا چاہے تو حرم سے نکلنا پڑے گا، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کو حضور علیہ السلام نے کہاں سے عمرہ کروانے کا حکم دیا تھا؟ تنعیم مقام سے، اور اس کو آج کل وہاں ایک مسجد ہے جس کو مسجد عائشہ کہتے ہیں بھائی۔ تو عمرے کے لیے تھوڑا سفر

کرنا پڑے گا کیونکہ عمرہ طواف اور سعی کا نام ہے اور طواف اور سعی تو حرم ہی میں کی جاتی ہے، لہٰذا تھوڑا سفر کر کے وہ آ جائے۔ اور حج، حج تو اس میں تو مزدلفہ بھی جانا ہے، اس میں تو عرفات بھی جانا ہے، وہاں تو سفر کرنا ہی پڑے گا، لہٰذا اس کے لیے حرم ہی سے احرام باندھ لیا جاتا ہے۔

«وَفَعَلَ مَا يَفْعَلُهُ الْحَاجُّ الْمُفْرِدُ»، اور یہ جو متمتع ہے یہ حج کا احرام باندھنے والا یہ کرے گا وہ ماوہ عمل «يَفْعَلُهُ الْحَاجُّ الْمُفْرِدُ» جو مفرد حاجی کرتا ہے، وہ اعمال جو مفرد حاجی کرتا تھا حج افراد والا، وہی اعمال وہ سارے یہ بھی عمل کرے گا بھائی، «لِأَنَّهُ مُؤَدٍّ لِلْحَجِّ»، اس لیے کیونکہ یہ شخص جو ہے یہ حج ادا کرنے والا ہے۔

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ يَرْمُلُ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ

«إِلَّا أَنَّهُ يَرْمُلُ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ»، بھائی آگے یہ مسئلہ ذکر کر رہے ہیں، کس کا ذکر چل رہا ہے؟ حج تمتع والے کا۔ حج تمتع والے نے آتے ہی حرم پہنچتے ہی سب سے پہلے کیا کیا تھا؟ عمرہ کیا تھا، پھر حلال ہو گیا تھا۔ پھر اب اس نے آٹھویں ذوالحجہ کو کیا کیا ہے؟ حج کا احرام باندھا، اور پھر آگے آپ کو یہ چل کر بتائیں گے بھی کہ آٹھویں ہی کو احرام حج کا باندھنا ضروری نہیں ہے، آٹھویں کو تو باندھنا ہی باندھنا ہے، آٹھویں سے پہلے بھی یہ باندھ سکتا ہے اور پہلے باندھ لے تو وہ افضل ہے۔ پہلے کیا کر لے؟ پہلے احرام کی نیت کر لے اور احرام باندھ لے تو افضل ہے تاکہ پہلے سے ہی یہ حج کے لیے مکمل تیار ہو بھائی، تو افضل یہ ہے۔

اب یہ جو اس نے حج کا احرام باندھ لیا اور پھر اس نے جانا ہے منیٰ، لیکن یہ حج کی سعی پہلے ہی کرنا چاہتا ہے تو پہلے بھی کر سکتا ہے۔ کیا کر لے؟ سعی پہلے بھی کر سکتا ہے حج کی، کیونکہ اب احرام تو حج کا باندھ لیا، اب حج کی سعی کر سکتا ہے۔ اور اس کے لیے پھر پہلے ایک طواف کر لے، نفلی طواف، اور اس کے بعد کیا کر لے؟ سعی کر لے۔ لیکن اگر ابھی سعی نہ کی پھر سعی کب کرنا پڑے گی؟ طوافِ زیارت کے بعد کرنا پڑے گی، اور یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں، ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو اس میں اضطباع بھی کیا جاتا ہے یعنی دائیں کندھے کو بھی ننگا کیا جاتا ہے اور رمل بھی کیا جاتا ہے۔ بار بار ذکر کر رہا ہوں دو چیزیں: ایک اضطباع اور ایک رمل۔ رمل تو ہو گا ہی ہو گا ہر اس طواف میں، اس ہر اس طواف کے پہلے تین چکروں میں جس کے بعد کیا ہے؟ سعی ہے۔ اضطباع بھی ہو گا لیکن اضطباع تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس نے احرام باندھا ہو، اگر احرام باندھا ہوا ہے اس طواف میں تو اضطباع بھی کر لے گا، اور اگر طواف احرام وہ اتار چکا ہے جیسے طوافِ زیارت میں عموماً کیا کرتا ہے انسان؟ احرام اتارا ہوتا ہے، کپڑے پہن لیے ہوتے ہیں، پھر طوافِ زیارت کرنے عموماً آتا ہے، تو پھر تو اضطباع وہاں نہیں ہو سکتا تو وہاں اضطباع پھر نہیں ہو گا، صرف کیا ہو گا؟ رمل ہو گا، لیکن اگر احرام اس وقت باندھا ہوا تو اس میں بھی کیا کرنا پڑے گا؟ اضطباع بھی کرے گا اور رمل بھی کرے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

تو اب دیکھیے اس شخص نے آٹھویں ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا اور پھر دسویں کو کیا کرے گا جا کر؟ طوافِ زیارت کرے گا یہاں آ کر، تو طوافِ زیارت میں یہ رمل بھی کرے گا، کیا کرے گا؟ کیوں، رمل کیوں کرے گا؟ بھائی ساری وجہ میں ذکر کر چکا ہوں، پھر تفصیل سوچ میں کیوں پڑتے ہیں آپ؟ ہاں، طوافِ زیارت کے بعد چونکہ اس نے سعی کرنی ہے تو اس میں رمل بھی کرے گا، اور اگر سعی اس نے آٹھ کو ہی کر لی پھر تو اس کے بعد سعی نہیں، لہٰذا پھر اس میں رمل بھی نہیں کرے گا۔ یہ سارا کچھ آگے یہ بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: «إِلَّا أَنَّهُ يَرْمُلُ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ وَيَسْعَى بَعْدَهُ»، مگر یہ بات ہے کہ یہ جو متمتع ہے یہ رمل بھی کرے گا طوافِ زیارت میں، «وَيَسْعَى بَعْدَهُ»، اور طوافِ زیارت کے بعد سعی بھی کرے گا۔ یہ کون سی صورت ہے؟ جب پہلے اس نے سعی نہ کی ہو۔ تو رمل بھی کرے گا طوافِ زیارت میں اور اس کے بعد سعی بھی کرے گا، «لِأَنَّ هَذَا أَوَّلُ طَوَافٍ لَهُ فِي الْحَجِّ»، اس لیے کیونکہ یہ اس شخص کا پہلا طواف ہے حج کے اندر، «بِخِلَافِ الْمُفْرِدِ»، بخلاف مفرد کے، حج افراد کرنے والا، «لِأَنَّهُ قَدْ سَعَى مَرَّةً»، اس لیے کیونکہ وہ تو سعی کر چکا تھا۔ حج افراد والے نے طوافِ قدوم کے بعد ہی کیا کر لی تھی؟ سعی کر لی تھی، لہٰذا وہ رمل بھی نہیں کرتا تھا طوافِ زیارت میں اور اس کے بعد سعی بھی نہیں کرتا تھا، لیکن یہ کیا کرے گا؟ رمل بھی کرے گا اور سعی بھی کرے گا، لیکن یہ کب؟ جب اس نے پہلے سعی نہ کی ہو۔ اگر پہلے سعی کر چکا ہے یہ تمتع والا تو پھر یہ بھی رمل بھی نہیں کرے گا اور سعی بھی نہیں کرے گا، یہ آگے بیان کر رہے ہیں۔

■ مسئلہ: وَلَوْ كَانَ هَذَا الْمُتَمَتِّعُ بَعْدَمَا أَحْرَمَ...

«وَلَوْ كَانَ هَذَا الْمُتَمَتِّعُ بَعْدَمَا أَحْرَمَ بِالْحَجِّ طَافَ وَسَعَى قَبْلَ أَنْ يَرُوحَ إِلَى مِنًى لَمْ يَرْمُلْ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ وَلَا يَسْعَى بَعْدَهُ»، اور اگر یہ متمتع بعد اس کے کہ جب اس نے حج کا احرام باندھ لیا، اس کے بعد «طَافَ وَسَعَى»، اس نے آٹھویں کو ہی، آٹھویں ہی کو «طَافَ وَسَعَى»، طواف بھی کر لیا اس متمتع نے اور سعی بھی کر لی، «قَبْلَ أَنْ يَرُوحَ إِلَى مِنًى»، منیٰ روانہ ہونے سے پہلے، تو اس صورت میں: «لَمْ يَرْمُلْ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ وَلَا يَسْعَى بَعْدَهُ»، تو پھر طوافِ زیارت میں رمل بھی نہیں کرے گا اور اس کے بعد سعی بھی نہیں کرے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

«لِأَنَّهُ قَدْ أَتَى بِذَلِكَ مَرَّةً»، اس لیے کیونکہ تحقیق وہ یہ کر چکا ہے ایک مرتبہ، آٹھویں ہی کو جب یہ ایک مرتبہ یہ سعی کر چکا ہے تو دوبارہ اس کو نہیں کرے گا بھائی۔

«وَعَلَيْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ لِلنَّصِّ الَّذِي تَلَوْنَاهُ»، اور نیز اس حج تمتع کرنے والے پر دَمِ تمتع یعنی تمتع کی قربانی بھی واجب ہے، اس نص کی وجہ سے جس کو ہم نے تلاوت کیا۔ نص میں نے بتلایا تھا، قرآن اور حدیث کو کیا کہتے ہیں؟ نص، تو اس نص کی وجہ سے یعنی اس آیت کی وجہ سے جس کو ہم نے تلاوت کیا تھا اور وہ کیا آیت تھی؟ ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾، تو جو اس کو میسر ہو قربانی میں سے اس کی کیا کرلے؟ قربانی کرلے۔

■ مسئلہ: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ

«فَإِنْ لَمْ يَجِدْ»، اچھا بھائی اگر اس متمتع کو قربانی کا جانور نہ ملا پھر کیا کرے گا؟ آپ پہلے پڑھ چکے حج قران کے اندر کہ دس روزے رکھنا پڑیں گے، تین روزے ایامِ حج میں اور سات روزے جب گھر واپس آجائے بھائی، وہی ذکر کر رہے ہیں: «فَإِنْ لَمْ يَجِدْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعَ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي بَيَّنَّاهُ فِي الْقِرَانِ»، اگر اس کو قربانی نہ ملے تو یہ تین روزے رکھے گا ایامِ حج میں اور سات روزے رکھے گا جب واپس لوٹ آئے، اسی طریقے پر جس کو ہم نے حج قران میں بیان کر دیا۔

«فَإِنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ ثُمَّ اعْتَمَرَ لَمْ يُجْزِهِ عَنِ الثَّلَاثَةِ»، صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص ہے، اس کا حج تمتع کرنے کا ارادہ ہے، حج تمتع کرنے کا ارادہ ہے، لیکن باقی خرچہ تو اس کے پاس پورا ہے، قربانی کے پیسے اس کے پاس نہیں ہیں، تو اس نے کیا سوچا؟ کہ میں وہ دس روزے رکھ لوں گا، اور دس میں سے تین تو اشہرِ حج کے وقت میں رکھنے ہیں اور حج کا وقت تو کب شروع ہو جاتا ہے؟ رمضان گزرتے ہی حج کا وقت شروع ہو گیا، تو شوال بھی کس کا وقت ہے؟ حج کا وقت ہے، لہٰذا اس نے شوال ہی میں وہ تین روزے رکھ لیے جو حج کے وقت میں رکھنے ضروری تھے، اور حال یہ ہے کہ ابھی اس نے عمرے کا بھی احرام نہیں باندھا، تو کیا یہ روزے اس کے لیے تین کافی ہو جائیں گے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، یہ کافی نہیں ہوں گے، اس لیے کیونکہ یہ روزے کیوں واجب ہوئے اس پر؟ کیوں واجب ہوں گے؟ حج تمتع کی وجہ سے، کیونکہ وہ حج تمتع آئے گا اور حج تمتع میں پھر کیا آئے گی؟ قربانی آئے گی، اور قربانی کے بعد یہ جب اس کو نہیں اس کے پاس موجود نہیں ہے تو اس کو کیا کرنا پڑیں گے؟ تین روزے حج کے دنوں ہی میں رکھنا پڑیں گے، اور ابھی تو اس نے تمتع ابھی اس نے شروع ہی نہیں کیا، عمرے کا احرام باندھے گا تو تمتع شروع ہو جائے گا، کیونکہ تمتع کس کو کہتے ہیں؟ حج اور عمرے کو جمع کرنا کس میں؟ اشہرِ حج میں، اور عمرے کا احرام الگ ہو اور حج کا احرام الگ ہو۔ تو لہٰذا ابھی تو یہ متمتع بنا ہی نہیں ہے، لہٰذا پہلے سے ہی روزے رکھ روزے اس نے رکھے تو یہ سبب کے پائے جانے سے پہلے اس نے ایک چیز کو ادا کیا اور سبب سے پہلے تو ادا نہیں ہو سکتی، ہاں سبب پایا جائے تو پھر ادا صحیح ہے۔ جیسے ایک شخص ہے ایک شخص ہے اور اس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہیں لیکن وہ پھر بھی کیا کرتا ہے؟ پہلے سے ہی زکوٰۃ دے دیتا ہے کہ ہو سکتا ہے سال کے آخر تک میرے پاس کیا آ جائے؟ نصاب کے بقدر مال آجائے، تو بھائی آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس صورت میں یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، کیونکہ ابھی جب یہ نصاب کے بقدر مال کا ہی مالک نہیں ہے تو سبب نہیں پایا گیا، جب سبب نہیں پایا گیا تو اس پر اس تو اس کی طرف سے ادائیگی بھی صحیح نہیں۔ ہاں اگر نصاب کے بقدر مال ہوتا پھر تو سبب موجود تھا، پھر پہلے سے ادا کر سکتا تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا اس کے یہ روزے اس کے لیے کافی نہیں۔

تو کہتے ہیں: «فَإِنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ ثُمَّ اعْتَمَرَ لَمْ يُجْزِهِ عَنِ الثَّلَاثَةِ»، پس اگر اس نے روزے رکھے تین کس میں سے؟ شوال میں سے، «ثُمَّ اعْتَمَرَ»، پھر اس نے عمرہ کیا، پھر عمرہ کیا یعنی پھر اس کا احرام باندھا اور عمرہ کیا، «لَمْ يُجْزِهِ عَنِ الثَّلَاثَةِ»، تو یہ اس کے لیے ان تین روزوں سے کافی نہیں، یہ جو تین روزے اس نے رکھے یہ وہ قربانی والے تین روزوں سے کافی نہیں، یہ اس کے قائم مقام نہیں، یعنی اس سے وہ ادا نہیں ہوں گے۔ «لِأَنَّ سَبَبَ وُجُوبِ هَذَا الصَّوْمِ التَّمَتُّعُ»، اس لیے کیونکہ ان روزوں کے وجوب کا سبب حج تمتع ہے، «لِأَنَّهُ بَدَلٌ عَنِ الدَّمِ»، اس لیے کیونکہ یہ روزے بدل ہیں اس تمتع کے دَم سے، «وَهُوَ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ غَيْرُ مُتَمَتِّعٍ»، اور یہ شخص تو اس حالت میں غیر متمتع ہے، یعنی جب ابھی اس نے عمرے کا احرام ہی نہیں باندھا تو پھر تو یہ ابھی متمتع ہی نہیں بنا، نہیں ہوا، اور ان روزوں کے وجوب کا سبب ہی کیا تھا؟ حج تمتع تھا، تو یہ تو ابھی متمتع ہی نہیں بنا تو سبب سے پہلے ہی اس نے روزے ادا کر لیے، «فَلَا يَجُوزُ أَدَاؤُهُ قَبْلَ وُجُودِ سَبَبِهِ»، تو لہٰذا اس روزے کو ادا کرنا اس کے سبب کے پائے جانے سے پہلے جائز نہیں ہے۔ «فَلَا يَجُوزُ أَدَاؤُهُ»، لہٰذا جائز نہیں ہے اس روزے کو ادا کرنا، «قَبْلَ وُجُودِ سَبَبِهِ»، اس کے سبب کے پائے جانے سے پہلے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ صَامَهَا بَعْدَمَا أَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ ق...

«وَإِنْ صَامَهَا بَعْدَمَا أَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ جَازَ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ»، اور اگر اس شخص نے روزہ رکھا بعد اس کے کہ جب اس نے عمرے کا احرام باندھ لیا تھا طواف سے پہلے ہی، عمرے کا احرام باندھ چکا ہے اگرچہ ابھی اس نے عمرے کا طواف بھی نہیں کیا، تو اس سے پہلے یہ روزے

رکھتا ہے اس طواف احرام کی حالت میں، «جَازَ عِنْدَنَا»، تو ہمارے نزدیک جائز ہے، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ»، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ «لَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾»، ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾ کہ تین روزے رکھنا ہے کس میں؟ حج میں، معلوم ہوا کہ یہ روزے حج میں ہونا ضروری، یعنی حج کے احرام میں ہونا ضروری ہیں اور یہ تو ابھی اس نے کس چیز کا احرام باندھا ہے؟ عمرے کا، لہٰذا جائز نہیں۔

«وَلَنَا: أَنَّهُ أَدَّاهَا بَعْدَ انْعِقَادِ سَبَبِهِ»، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے ان روزوں کو ادا کیا ہے بعد اس کے کہ جبکہ ان روزوں کا سبب منعقد ہو گیا، روزوں کا سبب منعقد ہو گیا تھا، اور روزوں کا سبب کیا تھا؟ حج تمتع تھا، اور یہ شخص متمتع ہے، جب اس نے عمرہ شروع کر دیا تو کیا بن گیا؟ اس نے آگے چل کے حج بھی کرنا ہے، تو جب عمرہ شروع عمرے کا احرام باندھتے ہی یہ کیا کہلائے گا اب؟ متمتع کہلائے گا، تو سبب پایا گیا اور سبب کے پائے جانے کے بعد ادا صحیح ہوتی ہے، لہٰذا اس کے یہ روزے جائز ہو جائیں گے۔ یہ معنی ہے: «وَلَنَا: أَنَّهُ أَدَّاهَا بَعْدَ انْعِقَادِ سَبَبِهِ»، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے ان روزوں کو ادا کیا ہے ان کے سبب منعقد ہو جانے کے بعد۔

«وَالْمُرَادُ بِالْحَجِّ الْمَذْكُورِ فِي النَّصِّ وَقْتُهُ عَلَى مَا بَيَّنَّا»، اور وہ حج جو مذکور ہے نص میں یعنی آیت کے اندر، اس سے مراد «وَقْتُهُ» اس حج کا وقت مراد ہے، «عَلَى مَا بَيَّنَّا»، بوجہ اس کے جو ہم بیان کر چکے، پچھلے سبق میں تفصیل آئی تھی کہ حج سے مراد حج کا وقت ہے۔

■ مسئلہ: وَالْأَفْضَلُ تَأْخِيرُهَا إِلَى آخِرِ وَقْتِهَا...

«وَالْأَفْضَلُ تَأْخِيرُهَا إِلَى آخِرِ وَقْتِهَا وَهُوَ يَوْمُ عَرَفَةَ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْقِرَانِ»، اور افضل ان روزوں کے اندر یہ ہے کہ ان کو مؤخر کیا جائے ان کے آخری وقت تک، «وَهُوَ يَوْمُ عَرَفَةَ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْقِرَانِ»، اور وہ آخری وقت کیا ہے؟ یوم عرفہ ہے، اس وجہ سے جو ہم نے حج قران میں بیان کر دی۔ تو لہٰذا آخر تک مؤخر کرے بھائی آخری وقت تک، اور سات، آٹھ اور نو یعنی یوم عرفہ آخری دن اس کا بنے، تو سات، آٹھ، نو ذوالحجہ کو یہ روزے رکھے، کس وجہ سے جو ہم نے قرآن میں بیان کر دی؟ کیا وجہ بیان کی تھی قرآن میں؟ کہ شاید اس کو اس وقت تک کہیں سے قربانی کا جانور میسر آ جائے تو یہ قربانی پر ہی قادر ہو جائے، لہٰذا مؤخر کرتا رہے ان کو بھائی آخری وقت تک۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر۱۴۹:وَإِنْ أَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ أَنْ يَسُوقَ الْهَدْيَ أَ...

ہدایہ صفحہ:۲۸۴—بتاریخ:۶ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِنْ أَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ أَنْ يَسُوقَ الْهَدْيَ أَحْرَمَ وَسَاقَ هَدْيَهُ وَهَذَا أَفْضَلُ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَاقَ الْهَدَايَا مَعَ نَفْسِهِ وَلِأَنَّ فِيهِ اسْتِعْدَادًا وَمُسَارَعَةً، فَإِنْ كَانَتْ بَدَنَةً قَلَّدَهَا بِمَزَادَةٍ أَوْ نَعْلٍ لِحَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا عَلَى مَا رَوَيْنَاهُ۔ [1]

حج تمتع کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ اور آپ نے پڑھا کہ متمتع جو ہے یعنی حج تمتع کرنے والا جو ہے، وہ ہدی کا جانور اپنے ساتھ بھی لے جا سکتا ہے۔ تو ساتھ اگر لے جانا چاہے تو ساتھ ہدی کا جانور لے جائے اور یہ افضل ہے۔ ہدی کا جانور اپنے ساتھ ہی لے جانا افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہیں وہ ہدی کے جانور اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔

وَإِنْ أَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ أَنْ يَسُوقَ الْهَدْيَ أَحْرَمَ اور اگر متمتع کا ارادہ یہ ہو کہ وہ ہدی کو ہانکے، **أَحْرَمَ** وہ احرام باندھ لے، **وَسَاقَ هَدْيَهُ** اور ہدی کو اپنی ہدی کو ہانکے۔

تو انہوں نے بتلا دیا: **أَحْرَمَ وَسَاقَ هَدْيَهُ** کہ احرام باندھ لے۔ احرام باندھ لے کیونکہ آپ پڑھ چکے کہ احرام کے لیے نیت اور تلبیہ کا ہونا ضروری۔ صرف نیت سے بھی محرم نہیں بنتا اور صرف تلبیہ سے بھی محرم نہیں بنتا۔ اور ایک شخص نیت کرے اور جب تلبیہ کہہ لے گا تو محرم بن جائے گا۔ یا تلبیہ کے قائم مقام کوئی چیز آ جائے مثلاً ہدی کے جانور کو ہانکے۔ صرف نیت کی اور ہدی کے جانور کو ہانکا اور چل پڑا اس کے ساتھ تو وہ کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ تلبیہ کے ذریعے محرم بنے بھائی، سمجھ میں آیا؟ اسی لیے انہوں نے کہا: **أَحْرَمَ** کیا کر لے؟ احرام باندھ لے یعنی پہلے سے ہی تلبیہ کے ذریعے احرام باندھ لے، نیت کر لے اور تلبیہ کہہ لے، **وَسَاقَ هَدْيَهُ** اور اپنی ہدی کو ہانکے۔

وَهَذَا أَفْضَلُ اور یہ ہدی کو ہانکنا افضل ہے کہ یہیں سے لے کر جائے، **لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَاقَ الْهَدَايَا مَعَ نَفْسِهِ** اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدی کے جانور تھے ان کو ہانکا **مَعَ نَفْسِهِ** اپنے ساتھ ہی۔ حضور علیہ السلام چلے تھے اور ہدی کے جانور آپ کے ساتھ آپ کے سامنے ہانکے جا رہے تھے، لے جائے جا رہے تھے۔ معلوم ہوا ہدی کو ساتھ لے جانا افضل ہے۔ یہ معنی ہے **لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَاقَ الْهَدَايَا مَعَ نَفْسِهِ** جی، کیونکہ حضور علیہ السلام نے ہدی کے جانوروں کو ہانکا اپنے ساتھ ہی۔

وَلِأَنَّ فِيهِ اسْتِعْدَادًا وَمُسَارَعَةً یہ عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں۔ نیز اس لیے کیونکہ اس کے اندر تیاری کرنا ہے **وَمُسَارَعَةً** اور جلدی کرنا ہے۔ ہدی کے جانور کو یہیں سے لے کر چلے گا تو ابھی سے گویا قربانی کی تیاری کر رہا ہے۔ تو یہ تیاری کرنا ہے خیر کے لیے **وَمُسَارَعَةً** اور جلدی کرنا ہے کہ پہلے سے ہی کیا کر لیا؟ جانور کو قربانی کے لیے تیار کر لیا۔

فَإِنْ كَانَتْ بَدَنَةً اور اگر وہ جانور جو ہے قربانی کا وہ بدنہ ہے، **قَلَّدَهَا بِمَزَادَةٍ أَوْ نَعْلٍ** تو اس کو قلادہ پہنا دے **بِمَزَادَةٍ** کوئی چمڑے کا ٹکڑا **أَوْ نَعْلٍ** یا جوتا۔ کوئی چمڑے کا ٹکڑا یا جوتا جو ہے اس کے اس کے گلے میں لٹکا دے بھائی۔ مزادہ میں نے آپ کو بتلایا تھا پانی کے مشکیزے کو کہتے ہیں، تو مراد یہاں چمڑے کا ٹکڑا ہے بھائی۔ تو اس کے گلے میں لٹکا دے چمڑے کا ٹکڑا یا جوتا، **لِحَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا عَلَى مَا رَوَيْنَاهُ** بہ وجہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۲۰۴): «والتقليد»۔

وجہ سے، بہ وجہ اس کے جس کو ہم نے روایت کر دیا کہ پہلے ذکر ہوا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیا فرماتی ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے جو ہدی کے جانور ہوتے تھے، ان کے قلادے میں بٹا کرتی تھی بھائی۔

وَالتَّقْلِيدُ أَوْلَى مِنَ التَّجْلِيلِ، ایک ہے تقلید، ایک ہے تجلیل۔ تقلید کا معنی ہے قلادہ پہنانا، گلے میں کوئی جوتا وغیرہ یا پرانا چمڑے کا ٹکڑا وغیرہ لٹکا دینا، یہ ہے تقلید، قلادہ پہنانا۔ اور ایک ہے تجلیل۔ تجلیل کہتے ہیں جانور کو جھول پہنانا یعنی اس کے اوپر وہ جو کپڑا ڈالا جاتا ہے، سردی گرمی سے بچانے کے لیے بھی ڈالتے ہیں، اسی طرح یہ اس بات کی اطلاع دینے کے لیے بھی کہ یہ ہدی کا جانور ہے، اس پر کیا کر دیتے ہیں؟ جھول ڈال دیتے ہیں۔ لیکن بہر حال تقلید اولیٰ ہے جھول ڈالنے کے مقابلے میں، یعنی قلادہ پہنانا اولیٰ ہے اس کو کپڑا پہنانے کے بجائے۔

لِأَنَّ لَهُ ذِكْرًا فِي الْكِتَابِ اس لیے کیونکہ تقلید کا ذکر کتاب کے اندر یعنی قرآن کے اندر آیا ہے بھائی۔ تقلید کا ذکر، قلائد کا ذکر قرآن میں آیا ہے یا نہیں بھائی؟ قلائد کا ذکر قرآن میں آیا ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿**جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ**﴾، تو دیکھو قلائد کا ذکر کس میں آیا؟ قرآن میں آیا ہے۔

وَلِأَنَّهُ لِلْإِعْلَامِ وَالتَّجْلِيلُ لِلزِّينَةِ، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ تقلید جو ہے یعنی قلادہ پہنانا یہ اعلان کے لیے ہے، اطلاع دینے کے لیے ہے کہ یہ کون سا جانور ہے؟ ہدی یعنی قربانی کا جانور ہے جسے حرم لے جایا جا رہا ہے۔ **وَالتَّجْلِيلُ لِلزِّينَةِ** اور یا یوں پڑھ لیں: **وَالتَّجْلِيلَ لِلزِّينَةِ** اور جھول پہنانا کس لیے ہوتا ہے؟ وہ تو زینت کے لیے بھی ہوتا ہے، تو کبھی کبھار زینت کے لیے بھی پہنا دیتے ہیں جھول، لیکن تقلید تو اور کسی وجہ سے نہیں کی جاتی، صرف ہدی کے جانور ہی کو تقلید کی جاتی ہے یہ بتلانے کے لیے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔ تو اس میں اعلان زیادہ ہے، لہٰذا تقلید اولیٰ ہے۔

وَيُلَبِّي ثُمَّ يُقَلِّدُ اور تلبیہ کہے پھر تقلید کرے، پھر قلادہ پہنائے۔ ابھی اوپر بات میں نے ذکر کر دی کہ اگر تلبیہ نہیں کہے گا، صرف نیت ہے اور جانور کو ہانک کر چل پڑا تو اس سے بھی کیا بن جائے گا؟ محرم بن جائے گا۔ لیکن بہتر کیا ہے؟ کہ خود زبان سے تلبیہ کہے اور اس کے ذریعے احرام کو شروع کرے، پھر اس کے بعد قلادہ پہنائے اور اس کو لے کر چل پڑے۔ یہی کہہ رہے ہیں: **وَيُلَبِّي ثُمَّ يُقَلِّدُ** اور تلبیہ کہے پھر اس کے بعد قلادہ پہنائے، **لِأَنَّهُ يَصِيرُ مُحْرِمًا بِتَقْلِيدِ الْهَدْيِ وَالتَّوَجُّهِ مَعَهُ عَلَى مَا سَبَقَ** اس لیے کیونکہ یہ شخص محرم بن جائے گا ہدی کو قلادہ پہنانے سے اور اس کے ساتھ متوجہ ہونے سے یعنی اس کے ساتھ چل پڑنے سے **عَلَى مَا سَبَقَ** بہ وجہ اس کے جو مقدم گزر گئی بھائی، کہ اس سے بھی محرم بن جائے گا تو بہتر یہ ہے کہ تلبیہ پڑھے۔ تو کہتے ہیں: **وَالأَوْلَى أَنْ يَعْقِدَ الإِحْرَامَ بِالتَّلْبِيَةِ** اور بہتر یہ ہے کہ احرام باندھے کس کے ساتھ؟ تلبیہ کے ساتھ احرام باندھے، یہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ یہ محرم بنے ہدی ہانکنے سے۔ تو بہتر کیا ہے؟ تلبیہ سے محرم بنے۔

وَيَسُوقُ الْهَدْيَ اور ہدی کو ہانکے۔ بھائی ایک صورت یہ ہے ہدی کا جانور آگے ہو اور خود پیچھے چلے، اور دوسری صورت یہ ہے ہدی کا جانور پیچھے ہو اور خود اس کے آگے چلے، آگے سے اس کو کھینچے اور لے کر جائے۔ تو بہتر یہ ہے کہ یہ شخص پیچھے ہو اور ہدی کا جانور آگے ہو۔ تو کہتے ہیں: **وَيَسُوقُ الْهَدْيَ** اور ہدی کو ہانکے یعنی خود پیچھے اور ہدی آگے ہو، **وَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ أَنْ يَقُودَهَا** اور یہ افضل ہے یعنی ہانکنا افضل ہے **مِنْ أَنْ يَقُودَهَا** اس کو کھینچنے کے مقابلے میں۔

لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَحْرَمَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے احرام باندھا ذوالحلیفہ سے، یہ مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ ہے، وہاں سے آپ نے احرام باندھا، **وَهَدَايَاهُ تُسَاقُ بَيْنَ يَدَيْهِ** اور حضور علیہ السلام کی جو ہدایا تھیں، جو ہدی کے جانور تھے ان کو ہانکا جا رہا تھا آپ کے سامنے۔ معلوم ہوا ہانکنا افضل ہے۔

وَلِأَنَّهُ أَبْلَغُ فِي التَّشْهِيرِ اور نیز یہ کہ یہ بڑھ کر ہے تشہیر کے اندر، مشہور کرنے میں بڑھ کر ہے۔ اس سے زیادہ لوگوں کو جلدی پتہ چل جائے گا کہ یہ جانور کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ حرم لے جایا جا رہا ہے۔

إِلَّا أَنْ لَا تَنْقَادَ فَحِينَئِذٍ يَقُودُهَا مگر یہ کہ وہ جانور فرماں برداری نہیں کرتا یعنی چلتا ہی نہیں ہے، خود پیچھے ہے اور جانور آگے، تو وہ چل نہیں رہا، فرماں برداری نہیں کر رہا، **فَحِينَئِذٍ يَقُودُهَا** تو اس وقت پھر اس کو آگے سے کھینچے بھائی، پھر یعنی اس وقت آگے سے کھینچ سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ہانکے اس کو۔

قَالَ: وَأَشْعَرَ الْبَدَنَةَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَلَا يُشْعِرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَيُكْرَهُ۔ اور بدنہ کا اشعار کر سکتا ہے حاجی صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ اشعار گزشتہ سے پیوستہ سبق کے اندر اس کا ذکر آیا تھا۔ اشعار کسے کہتے ہیں؟ کہ جانور کے جو بڑا جانور ہے اونٹ ہے یا گائے بیل ہے، ان کے کوہان کو زخمی کر دیا جائے نیزے کے ذریعے اور خون کے ساتھ ان کے کوہان کو لت پت کر دیا جائے۔ تو اس سے دیکھنے والوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس جانور کو کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ حرم لے جایا جا رہا ہے قربانی کے لیے، تو پھر وہ اس کو تنگ نہیں کرتے، تکلیف نہیں دیتے، کہیں گھاس کے لیے وہ رکتا ہے گھاس کھانے کے لیے یا پانی پینے کے لیے تو کوئی اس کو دھتکارتا یا بھگاتا نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَأَشْعَرَ الْبَدَنَةَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ** اور بدنہ کا اشعار کر سکتا ہے صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک، **وَلَا يُشْعِرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور اشعار نہ کرے امام صاحب کے نزدیک، **وَيُكْرَهُ** اور یہ مکروہ ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اشعار کیا ہے؟ مکروہ ہے بھائی، مکروہ ہے۔

تو امام صاحب پر اشکال ہوتا ہے کہ اشعار کا ثبوت تو احادیث سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے اشعار فرمایا اور اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی اشعار فرمایا ہے، تو وہ کیسے اس کو مکروہ کہتے ہیں؟ تو جواب ہمیشہ یاد رکھنا، جواب اس کا یہ کہ امام صاحب مطلقاً اشعار کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اپنے زمانے کے اشعار کو مکروہ کہتے ہیں کیونکہ ان کے زمانے میں لوگ اشعار میں بڑا مبالغہ کرتے تھے، جانور کو زیادہ ہی زخمی کر دیتے تھے حتیٰ کہ وہ زخم پھیلنے کا اور اس سے جانور کی ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا۔ تو اس وجہ سے امام صاحب اس کو مکروہ کہتے ہیں، ویسے مطلقاً اشعار کو وہ مکروہ نہیں کہتے بھائی۔

وَالإِشْعَارُ هُوَ الإِدْمَاءُ بِالْجَرْحِ لُغَةً اور اشعار جو ہے وہ خون نکالنا ہے زخمی کر کے لغۃً باعتبار عربی زبان کے۔ عربی زبان میں اشعار کا معنی ہے زخمی کر کے خون نکالنا۔

وَصِفَتُهُ اور اس اشعار کا کی صفت یعنی اس کا طریقہ یہ ہے، **أَنْ يَشُقَّ سَنَامَهَا** کہ وہ شخص جو ہے وہ پھاڑ دے اس جانور کے کوہان کو، ہدی کے کوہان کو پھاڑ دے، **بِأَنْ يَطْعَنَ فِي أَسْفَلِ السَّنَامِ مِنَ الْجَانِبِ الأَيْمَنِ** بایں صورت کہ نیزہ مارے اس کے کوہان کے نچلے حصے میں دائیں جانب سے۔ کیا کرے؟ دائیں جانب سے نیزہ مارے۔

قَالُوا اور فقہاء فرماتے ہیں، علمائے متاخرین فرماتے ہیں: **وَالأَشْبَهُ هُوَ الأَيْسَرُ** اور درست کے بات کے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ بائیں طرف بھائی۔ کس طرف نیزہ مارے؟ بائیں طرف مارے، **لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ طَعَنَ فِي جَانِبِ الْيَسَارِ مَقْصُودًا وَفِي جَانِبِ الأَيْمَنِ اتِّفَاقًا** اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام، بھائی حضور علیہ السلام نے اشعار فرمایا اور دائیں طرف بھی اشعار فرمایا اور بعض جانوروں کے بائیں طرف بھی اشعار فرمایا، تو فقہائے متاخرین فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جو بائیں طرف نیزہ مارا تھا **مَقْصُودًا** وہ مقصود تھا یعنی ارادے کے ساتھ، بالقصد تھا، ارادے کے ساتھ تھا، اور جو دائیں طرف جو نیزہ مارا وہ اتفاقاً ایسا ہوا بھائی، سمجھ میں آئی صورت؟ تو کہتے ہیں حضور علیہ السلام نے نیزہ مارا تھا دائیں طرف اس طور پر کہ وہ مقصود تھا یعنی اس میں ارادہ تھا، **وَفِي جَانِبِ الأَيْمَنِ اتِّفَاقًا** اور دائیں جانب جو نیزہ مارا اتفاقاً وہ وہ اتفاقی طور پر تھا۔

وَيَلْطَخُ سَنَامَهَا بِالدَّمِ إِعْلَامًا اور لت پت کر دے اس کے کوہان کو خون کے ساتھ **إِعْلَامًا** اعلان کرنے کے لیے، بتلانے کے لیے، اطلاع دینے کے لیے۔

وَهَذَا صُنْعٌ مَكْرُوهٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ اور یہ کرنا مکروہ ہے امام صاحب کے نزدیک، یعنی یہ اشعار کیا ہے؟ اس طرح زخمی کر کے اور خون، یہ مکروہ ہے۔

وَعِنْدَهُمَا حَسَنٌ اور صاحبین کے نزدیک یہ حسن ہے، اچھا ہے۔ **وَعِنْدَ شَافِعِيٍّ رَحِمَهُ اللَّهُ سُنَّةٌ** اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے۔

تو امام صاحب کے نزدیک اشعار مکروہ، اور صاحبین کے نزدیک سنت تو نہیں البتہ حسن ہے، اچھا ہے، ٹھیک ہے کر سکتا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل، کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ مَرْوِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعَنِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ** کیونکہ یہ اشعار روایت کیا گیا ہے حضور علیہ السلام سے بھی اور خلفائے راشدین سے بھی۔

وَلَهُمَا اور صاحبین کیا فرماتے تھے؟ اشعار حسن ہے، ان کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ التَّقْلِيدِ أَنْ لَا يُهَاجَ إِذَا وَرَدَ مَاءً أَوْ كَلَأً أَوْ يُرَدَّ إِذَا ضَلَّ** کہ مقصود جو ہے تقلید سے، جانور کو جو قلادہ پہنایا جاتا ہے، گلے میں وہ جو جو تا وغیرہ لٹکایا جاتا ہے اس کے ذریعے مقصد یہ ہوتا ہے **أَنْ لَا يُهَاجَ** کہ اس جانور کو دھکیلا نہ جائے، اس کو دھتکارا نہ جائے، **إِذَا وَرَدَ مَاءً أَوْ كَلَأً** جب یہ کسی پانی یا گھاس پر اترے، کسی پانی یا گھاس پر آئے تو تاکہ اس کو دھکیلا نہ جائے، **أَوْ يُرَدَّ إِذَا ضَلَّ** یا یہ کہ اس کو لوٹا دیا جائے جب یہ گم ہو جائے۔ یہ قلادہ کیوں پہنایا جاتا ہے؟ تاکہ اس کو پانی یا گھاس سے کوئی بھگائے نہ اور نیز تاکہ اگر یہ گم ہو جائے تو لوگ اس کو کیا کر دیں؟ وہ پہچان لیں کہ یہ تو ہدی کا جانور ہے تو واپس کر دیں بھائی۔

وَأَنَّهُ فِي الإِشْعَارِ أَتَمُّ اور یہ بات اشعار کے اندر زیادہ تام ہے۔ تقلید کے ذریعے تو یہ مقصود ہے نا، قلادہ اس لیے پہنایا جاتا ہے اور اشعار میں یہ بات زیادہ تام ہے، **لِأَنَّهُ أَلْزَمُ** کیونکہ اشعار اس کے ساتھ زیادہ لازم ہے۔ وجہ یہ کہ گلے میں قلادہ پہنایا ہے یہ تو اتر بھی سکتا ہے لیکن اشعار میں تو کوہان کو زخمی کیا ہے وہ تو اس سے ختم نہیں ہو سکتا، تو لہٰذا زیادہ لازم کیا چیز ہے اس جانور کے ساتھ؟ اشعار زیادہ لازم ہے اور اس کے اندر یہ یہ مقصد زیادہ اچھے طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔

فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ يَكُونُ سُنَّةً تو اس وجہ سے اس کو سنت ہونا چاہیے، **فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ يَكُونُ سُنَّةً** اس وجہ سے اس کو سنت ہونا چاہیے، **إِلَّا أَنَّهُ عَارَضَتْهُ جِهَةُ كَوْنِهِ مُثْلَةً** مگر اس کے معارض ہے، اس کے مقابل ہو گئی اس کے مثلہ ہونے کی جہت، کہ اشعار کے اندر مثلہ بھی ہے۔ مثلہ کہتے ہیں صورت بگاڑنا، اعلیٰ سے اعلیٰ صورت سے ادنیٰ صورت بنا دینا۔ تو اشعار جب کرے گا، زخمی کرے گا تو اس میں کیا ہے؟ مثلہ ہے اور جانور کی صورت بگاڑنا ہے۔ تو دو جہتیں آ گئیں۔ ایک جہت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کو سنت کہنا چاہیے کیونکہ اس کے ساتھ زیادہ لازم ہے اور اس سے زیادہ اچھے طریقے سے لوگوں کو پتہ چلے گا کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔ اور دوسری طرف دیکھا جائے تو یہ اشعار کیا ہے؟ مثلہ ہے، تو لہٰذا صاحبین نے دونوں کی رعایت رکھی اور اس کو حسن قرار دیا۔ سنت بھی نہ کہا اور مکروہ بھی نہ کہا بلکہ کیا کہا؟

حسن کہا بھائی، حسن کہا۔ یہ معنی ہے: **فَقُلْنَا بِحُسْنِهِ** لہٰذا ہم قائل ہو گئے اس کے اچھا ہونے کے۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے، **أَنَّهُ مُثْلَةٌ** کہ اشعار کیا ہے؟ مثلہ ہے، **وَأَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ** اور مثلہ تو ممنوع ہے، اس سے تو روکا گیا ہے مثلہ کرنے سے۔

وَلَوْ وَقَعَ التَّعَارُضُ فَالتَّرْجِيحُ لِلْمُحَرِّمِ اور جب تعارض واقع ہو جائے تو ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔ یہ فقہ کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ اگر دو دلیلیں جمع ہو جائیں، ایک دلیل ایک چیز کو مباح قرار دے، جائز قرار دے اور ایک دلیل اس کو حرام قرار دے، تو وہ دلیل جو محرم ہے اس کو ترجیح ہوتی ہے۔ وہ دلیل جو محرم ہے اس کو ترجیح ہوتی ہے، اس لیے کیونکہ اگر مباح پر عمل کیا جائے مباح پر تو اس چیز پر عمل کیا جائے گا لیکن ہو سکتا ہے حقیقت میں وہ کیا ہو؟ حرام ہو، تو اس صورت میں تو حرام پر عمل لازم آئے گا۔ لیکن اگر محرم دلیل پر عمل کیا جائے گا تو اس چیز کو حرام قرار دے دیا جائے گا، منع کر دیا جائے گا اس سے، اور اگر حق کیا ہو؟ ترجیح تو ہم نے کس کو دی؟ محرم دلیل کو، لیکن اگر حق میں حقیقت میں کیا ہو وہ؟ مباح بھی ہو، تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا ایک مباح چیز کے استعمال سے انسان رک گیا تو اس میں تو کوئی خرابی نہیں ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ فقہ کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ ایک دلیل اباحت والی ہو اور ایک دلیل حرمت والی ہو تو کس کو ترجیح ہوتی ہے؟ حرمت والی دلیل کو ترجیح ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا کہ: **وَلَوْ وَقَعَ التَّعَارُضُ** اور اگر تعارض واقع ہو جائے یعنی دو دلیلوں میں ٹکراؤ آ جائے، **فَالتَّرْجِيحُ لِلْمُحَرِّمِ** تو ترجیح کس دلیل کو ہوتی ہے؟ جو حرام کرنے والی ہے۔

وَإِشْعَارُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ یہاں سے امام صاحب کی طرف سے جواب بھی دے رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بھی اشعار فرمایا تھا، تو جواب دے رہے ہیں امام صاحب کی طرف سے کہ اس زمانے میں چونکہ مشرکین تھے اور مشرکین ویسے جانور کو چھوڑتے ہی نہیں تھے، صرف اگر اشعار ہوتا اس کا تو پھر اس کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے ان ہدایا کی حفاظت کے لیے کیا کیا؟ اشعار کیا تا کہ مشرکین ان کو نقصان وغیرہ نہ پہنچائیں۔ تو کہتے ہیں: **وَإِشْعَارُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِصِيَانَةِ الْهَدْيِ** اور حضور علیہ السلام کا اشعار جو تھا وہ اس ہدی کی حفاظت کے لیے تھا، **لِأَنَّ الْمُشْرِكِينَ لَا يَمْتَنِعُونَ عَنْ تَعَرُّضِهِ إِلَّا بِهِ** اس لیے کیونکہ مشرکین جو ہیں وہ باز نہیں آتے تھے اس ہدی کے پیچھے پڑنے سے **إِلَّا بِهِ** مگر کس کے ذریعے؟ اشعار ہی کے ذریعے۔

وَقِيلَ اور کہا گیا ہے: **إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ كَرِهَ إِشْعَارَ أَهْلِ زَمَانِهِ** کہ امام صاحب نے اپنے زمانے والوں کے اشعار کو مکروہ کہا ہے، **لِمُبَالَغَتِهِمْ فِيهِ** بہ وجہ ان کے مبالغہ کرنے کے اس اشعار میں **عَلَى وَجْهٍ** ایسے طریقے پر **يُخَافُ مِنْهُ السِّرَايَةُ** کہ اس سے خوف ہوتا تھا اس زخم کے سرایت کر جانے یعنی پھیل جانے کا کہ کہیں اس سے جانور ہلاکت تک ہی نہ پہنچ جائے، اتنا وہ زخمی کرتے تھے۔ تو بعضوں نے کہا اس وجہ سے مکروہ کہا ہے امام صاحب نے۔

وَقِيلَ اور کہا گیا ہے: **إِنَّمَا كَرِهَ إِيثَارَهُ عَلَى التَّقْلِيدِ** کہ امام صاحب نے **إِيثَارَهُ** ای ایثار الاشعار، ایثار کا معنی ترجیح دینا، اور بعضوں نے کہا کہ امام صاحب نے اشعار کو تقلید پر ترجیح دینے کو مکروہ کہا ہے۔ مطلقاً اشعار امام صاحب کے نزدیک بھی جائز ہے اور اسی طرح تقلید بھی جائز ہے، لیکن اشعار کو کس پر ترجیح دینا؟ تقلید پر ترجیح دینا، اس کو امام صاحب مکروہ قرار دیتے ہیں بھائی۔

قَالَ: فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ وَسَعَى، وَهَذَا لِلْعُمْرَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّا فِي مُتَمَتِّعٍ لَا يَسُوقُ الْهَدْيَ۔ بھائی یہ کونسے متمتع کا بیان چل رہا ہے؟ حج تمتع کرنا چاہتا ہے اور گھر سے اب چلا ہے اور قربانی کا جانور ساتھ لے کر گیا ہے۔ یہ بھی اسی طرح پہلے جا کر کیا کرے گا؟ عمرہ کرے گا لیکن پھر حلال نہیں ہونا عمرے سے بلکہ پھر آخر میں جا کر اسی احرام کے ساتھ ساتھ کون سا احرام شروع کر دینا ہے؟ حج کا بھی شروع کر دینا ہے۔

تو کہتے ہیں: **فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ وَسَعَى** جب یہ متمتع جس نے ہدی کو ہانکا ہے یہ جب مکہ میں داخل ہو جائے تو طواف کر لے اور سعی کر لے، **وَهَذَا لِلْعُمْرَةِ** اور یہ طواف اور سعی کس لیے ہیں؟ عمرہ کے لیے ہیں، **عَلَى مَا بَيَّنَّا** بہ وجہ اس کے جو ہم نے بیان کر دیا، **فِي مُتَمَتِّعٍ لَا يَسُوقُ الْهَدْيَ** اس متمتع کے بیان میں جو ہدی کو نہ لے کر ہدی کو نہیں ہانکتا یعنی ہدی ساتھ لے کر نہیں جاتا۔

إِلَّا أَنَّهُ لَا يَتَحَلَّلُ مگر یہ کہ یہ والا متمتع جس نے ہدی کو ہانکا ہے یہ حلال نہیں ہو گا، عمرہ کر کے **لَا يَتَحَلَّلُ** حلال نہیں ہو گا، **حَتَّى يُحْرِمَ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ** یہاں تک کہ یہ احرام باندھ لے حج کا کس دن؟ یوم الترویہ والے دن، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ** بہ وجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمان مبارک کے، آپ نے فرمایا: «**لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمَا سُقْتُ الْهَدْيَ وَلَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً وَتَحَلَّلْتُ مِنْهَا**» یہاں تک حدیث ہے۔ کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: **لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي،** استقبال کا معنی ہے نئی چیز کا پیش آنا۔ استقبال کا کیا معنی؟ نئی چیز کا پیش آنا۔ اور استدبار کا معنی ہے آخر امر ہو ایک چیز کا جو ہے، یعنی نتیجہ جو سامنے آئے۔ نتیجے کا سامنے آنا اس کو کیا کہتے ہیں؟ استدبار۔ تو حضور علیہ السلام اپنے ساتھ ہدی لے کر گئے تھے، ہدی لے کر گئے تھے اور آپ نے پھر فرمایا: **لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي** اگر میرے سامنے پہلے یہ بات پیش آتی من امری میرے معاملے میں، میرے معاملے میں اگر یہ بات پہلے پیش آتی **مَا اسْتَدْبَرْتُ** جو آخر میں پیش آئی ہے۔ یہ بات جو آخر میں میرے سامنے آئی ہے اگر یہ میرے سامنے پہلے پیش آتی یعنی پہلے میرے ذہن میں ہوتی، **لَمَا سُقْتُ الْهَدْيَ** تو میں ہدی نہ ہانکتا، **وَلَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً** اور میں اس کو کیا کر دیتا؟ عمرہ بنا دیتا، **وَتَحَلَّلْتُ مِنْهَا** اور اس سے پھر حلال ہو جاتا۔

تو میں اس کو کیا کرتا؟ عمرہ بناتا اور اس سے کیا ہو جاتا؟ حلال ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ ہدی ہانکنے والا احرام سے حلال نہیں ہوتا، جبھی تو حضور فرما رہے ہیں: اگر یہ بات

میرے ذہن میں پہلے ہوتی جو بعد میں پیش آئی ہے تو میں ہدی کا جانور نہ ہانکتا اور پھر کیا ہو جاتا احرام سے؟ حلال ہو جاتا۔ معلوم ہوا جب ہدی ہانکی اب حلال نہیں ہو سکتا، دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ**» اگر پہلے یہ بات پیش آتی میرے معاملے میں مَا **اسْتَدْبَرْتُ** جو آخر میں سامنے آئی ہے، «**لَمَا سُقْتُ الْهَدْيَ**» تو البتہ میں ہدی کو نہ ہانکتا، «**وَلَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً**» اور اس کو میں عمرہ بنا دیتا، «**وَتَحَلَّلْتُ مِنْهَا**» اور اس سے حلال ہو جاتا، **وَهَذَا يَنْفِي التَّحَلُّلَ عِنْدَ سَوْقِ الْهَدْيِ** اور یہ حدیث نفی کرتی ہے حلال ہونے کی ہدی ہانکتے وقت۔ معلوم ہوا ہدی ہانکنے کے بعد اب وہ حلال نہیں ہو سکتا۔

وَيُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ اور پھر یہ شخص جو ہے یہ احرام باندھ لے گا حج کا یوم ترویہ والے دن، **كَمَا يُحْرِمُ أَهْلُ مَكَّةَ** جیسے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں یوم ترویہ والے دن، **عَلَى مَا بَيَّنَّا** بہ وجہ اس کے جو ہم نے بیان کر دی۔

وَإِنْ قَدَّمَ الإِحْرَامَ قَبْلَهُ جَازَ اور بھائی یوم ترویہ والے دن ہی احرام باندھنا ضروری نہیں، اس سے پہلے بھی کیا کر سکتا ہے؟ احرام باندھ سکتا ہے اور افضل یہ ہے کہ پہلے باندھ لے۔ تو کہتے ہیں: **وَإِنْ قَدَّمَ الإِحْرَامَ قَبْلَهُ جَازَ** اور اگر یوم ترویہ سے پہلے ہی احرام کو مقدم کر دیا تو بھی جائز ہے۔

وَمَا عَجَّلَ الْمُتَمَتِّعُ مِنَ الإِحْرَامِ بِالْحَجِّ فَهُوَ أَفْضَلُ اور جس قدر جلدی کر دے متمتع حج کے احرام میں تو یہ افضل ہے، جتنا پہلے کر لے اتنا ہی افضل ہے، **لِمَا فِيهِ مِنَ الْمُسَارَعَةِ** اس وجہ سے کہ اس کے اندر جلدی کرنا ہے کہ پہلے سے کس کی تیاری شروع کر دی؟ حج کی، **وَزِيَادَةُ الْمَشَقَّةِ** اور اس کے اندر مشقت کی زیادتی ہے کیونکہ پہلے سے ہی احرام کی پابندیاں شروع ہو جائیں گی تو مشقت اس میں زیادہ ہے، اور ظاہر سی بات ہے جس عبادت میں مشقت زیادہ ہو اس وہ افضل ہے۔

وَهَذِهِ الأَفْضَلِيَّةُ فِي حَقِّ مَنْ سَاقَ الْهَدْيَ، یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ ابھی ہم نے آپ کو مسئلہ بتلا دیا کہ اگر ہدی ہانکی ہو تو یوم ترویہ والے دن حج کا احرام بھی باندھے گا، اور پہلے اگر یہ احرام باندھ لے آٹھ کے بجائے سات کو یا چھ یا پانچ، جتنا پہلے باندھ لے اتنا ہی افضل۔ تو کیا یہ صرف اسی کے لیے افضل ہے جو ہدی لے کر گیا ہے یا جو ہدی نہیں لے کر گیا اس کے لیے بھی پہلے سے باندھنا افضل ہے؟ کہتے ہیں دونوں کے لیے افضل ہے، دونوں کے لیے پہلے جلدی کرنا افضل ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَهَذِهِ الأَفْضَلِيَّةُ فِي حَقِّ مَنْ سَاقَ الْهَدْيَ وَفِي حَقِّ مَنْ لَمْ يَسُقْ** اور یہ افضل ہونا اس شخص کے حق میں بھی ہے جس نے ہدی کو ہانکا ہے اور اس شخص کے حق میں بھی ہے جس نے ہدی کو نہیں ہانکا، یعنی جو ہدی لے کر گیا ہے اس کے حق میں بھی یہ افضل ہے اور جو ہدی نہیں لے کر گیا اس کے حق میں بھی افضل ہے۔

وَعَلَيْهِ دَمٌ اور اس شخص پر دم واجب ہے۔ کیا واجب ہے؟ دم واجب ہے۔ بھائی یہ وہی دمِ تمتع ہے، یہ جو ہدی لے کر گیا ہے اس جانور کو اس نے کیا کرنا ہے؟ قربانی کرنی ہے۔ تو اس پر یہ متمتع ہے نا، حج تمتع کر رہا ہے، **وَعَلَيْهِ دَمٌ** اور اس پر دم واجب ہے، **وَهُوَ دَمُ التَّمَتُّعِ** اور یہ دمِ تمتع ہے، **عَلَى مَا بَيَّنَّا** بہ وجہ اس کے جو ہم نے بیان کر دیا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کا ذکر فرمایا ہے: ﴿**فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ**﴾۔

وَإِذَا حَلَقَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْ حَلَّ مِنَ الإِحْرَامَيْنِ اور جب یہ شخص یہ متمتع جس نے کیا کیا تھا؟ ہدی کو ہانکا تھا، عمرہ کر کے یہ حلال ہوا تھا؟ نہیں، یہ حلال نہیں ہوا، اور پھر یوم ترویہ والے دن حج کا بھی احرام باندھ لیا۔ تو اب آگے اس کے یہ احرام حج کا بھی ہے اور عمرے کا بھی ہے۔ لہٰذا جب یہ حلق کروالے گا یوم النحر، یوم النحر یعنی عید والے دن، **فَقَدْ حَلَّ مِنَ الإِحْرَامَيْنِ** تو تحقیق یہ حلال ہو گیا دونوں احراموں سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جب یہ حج کا احرام باندھ لے گا تو اس کے یہ احرام حج کا بھی ہے اور عمرے کا بھی ہے۔ معلوم ہوا اگر اس سے بھی کوئی جنایت ہو گئی تو اس پر بھی ایک دم نہیں آئے گا بلکہ دو دم آئیں گے جیسے قران والے پر دو دم آتے تھے کیونکہ اس کا احرام حج کا بھی ہوتا تھا اور عمرے کا بھی۔ تو وہ جو بھی جنایت کرتا تھا وہ عمرے کے احرام کے اعتبار سے بھی جنایت اور حج کے احرام کے اعتبار سے بھی جنایت، تو دو دم آتے تھے، تو اس پر بھی جب یہ دونوں احرام ہیں تو دو دم آئیں گے ہر جنایت میں، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا حَلَقَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْ حَلَّ مِنَ الإِحْرَامَيْنِ** اور جب یہ حلق کروالے گا عید والے دن تو تحقیق یہ حلال ہو جائے گا دونوں احراموں سے، **لِأَنَّ الْحَلْقَ مُحَلِّلٌ فِي الْحَجِّ كَالسَّلَامِ فِي الصَّلَاةِ** اس لیے کیونکہ حلق جو ہے وہ حلال کرنے والا ہے حج میں یعنی احرام کی پابندیوں کو ختم کرنے والا ہے، **كَالسَّلَامِ فِي الصَّلَاةِ** جیسے کہ سلام نماز کے اندر۔ سلام بھی کیا کرتا ہے؟ نماز کے احرام کو ختم کر دیتا ہے۔ تکبیر تحریمہ کے ذریعے نماز کا احرام شروع ہوتا ہے اور سلام کے ذریعے وہ احرام ختم ہوتا ہے، تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔ **فَيَتَحَلَّلُ بِهِ عَنْهُمَا** تو یہ شخص حلال ہو جائے گا **بِهِ** ای بالحلق، کس کے ذریعے؟ حلق کے ذریعے، **عَنْهُمَا** دونوں سے یعنی حج سے بھی اور عمرے سے بھی یعنی دونوں کے احرام سے۔

وَلَيْسَ لِأَهْلِ مَكَّةَ تَمَتُّعٌ وَلَا قِرَانٌ وَإِنَّمَا لَهُمُ الإِفْرَادُ خَاصَّةً، بھائی یاد رکھیے، میں نے آپ کو شروع میں بتلایا تھا کہ بیت اللہ کے ارد گرد تھوڑا سا علاقہ جو ہے، چھوٹا سا علاقہ ہے یہ حرم کہلاتا ہے۔ اور پھر اس حرم سے باہر کچھ حدود ہیں ان کو میقات کہتے ہیں۔ تو یہ حرم کے اندر رہنے والے ہیں اہل حرم، اور میقات کے اندر رہنے والے جو ہیں وہ حلّی کہلاتے ہیں، اور میقات سے جو باہر رہنے والے ہیں وہ آفاقی کہلاتے ہیں، آفاقی۔ اور یاد رکھیے یہ حج قران اور حج تمتع یہ صرف آفاقی کے لیے

جائز ہے جبکہ اہل حرم اور اہل میقات جو ہیں یعنی حلی جو ہیں ان کے لیے صرف حج افراد ہے۔ وہ صرف کون سا حج کر سکتے ہیں؟ حج افراد کر سکتے ہیں، جبکہ تمتع اور قران یہ صرف کس کے لیے جائز ہے؟ آفاقی کے لیے بھائی۔

لہٰذا اہل مکہ میں سے اگر کوئی تمتع یا قران کرتا ہے، بھائی اس کے لیے تو قران یا تمتع جائز نہیں تھا لیکن یہ کر کیا رہا ہے؟ حج قران یا حج تمتع، تو اس صورت میں ان پر دم لازم ہو گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کیونکہ اس سے تو ان کو منع کیا گیا ہے تو یہ ایک جنایت کا الگ دم ان پر لازم ہو گا۔

تو کہتے ہیں: **وَلَيْسَ لِأَهْلِ مَكَّةَ تَمَتُّعٌ وَلَا قِرَانٌ** اور اہل مکہ کے لیے تمتع اور قران نہیں ہے یعنی وہ یہ دونوں طریقے سے حج نہیں کر سکتے، **وَإِنَّمَا لَهُمُ الْإِفْرَادُ خَاصَّةً** اور ان کے لیے حج افراد ہی ہے خاص طور پر، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ** بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، اہل مکہ تینوں طرح سے حج کر سکتے ہیں، افراد بھی، تمتع بھی اور قران۔ اور وہ فرق یہ کرتے ہیں کہ مکہ والوں پر تمتع اور قران میں قربانی واجب نہیں۔ آفاقی جو ہے باہر سے جو آیا ہے میقات کے، اس پر تو تمتع اور قران کے اندر دمِ تمتع دمِ متعہ بھی واجب ہے لیکن مکہ والے پر نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ** بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، **وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ قَوْلُهُ تَعَالَى** اور امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف دلیل جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿**ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِالْحَرَامِ**﴾ اور یہ اس شخص کے لیے ہے کہ اس کے گھر والے مسجد الحرام کے حاضرین میں سے نہ ہوں یعنی اس کے پاس رہنے والے نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں حج تمتع کا ذکر فرماتے ہیں اور اس کے بعد کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ اس شخص کے لیے ہے، یہ حج تمتع اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد الحرام کے پاس حاضر نہ ہوں یعنی اس کے پاس رہنے والے نہ ہوں۔ معلوم ہوا جو مسجد الحرام کے پاس رہنے والے ہیں وہ حج تمتع نہیں کر سکتے، اور حج تمتع جب نہیں کر سکتے تو معلوم ہوا حج قران بھی نہیں کر سکتے کیونکہ قران بھی کس کی طرح ہے؟ حج تمتع ہی کی طرح ہے کیونکہ اس میں بھی دو عبادتیں کی جاتی ہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ ہماری دلیل ہے۔

اور نیز: **وَلِأَنَّ شَرْعَهُمَا لِلتَّرَفُّهِ بِإِسْقَاطِ إِحْدَى السَّفْرَتَيْنِ وَهَذَا فِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ** اور نیز اس لیے کیونکہ **شَرْعَهُمَا** یہ قران اور تمتع کا مشروع ہونا **لِلتَّرَفُّهِ** کس لیے ہے؟ راحت لینے کے لیے ہے۔ کس لیے؟ راحت لینے کے لیے ہے، **بِإِسْقَاطِ إِحْدَى السَّفْرَتَيْنِ** دو سفروں میں سے ایک کو ساقط کرتے ہوئے۔ بھائی ہونا تو کیا چاہیے؟ حج کے لیے الگ سفر ہونا چاہیے اور عمرے کے لیے الگ سفر ہونا چاہیے، لیکن حج تمتع اور قران میں ایک ہی سفر کے اندر دونوں عبادتوں کی اجازت دے دی گئی، یہ کس لیے؟ راحت دینے کے لیے، آسانی کے لیے۔ تو یہ آسانی کس کے حق میں ہے؟ آفاقی کے حق میں تو ہے، مکہ والے کے تو حق میں نہیں، اس کے لیے تو سرے سے سفر ہی نہیں کرنا پڑتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ آسانی دینے کے لیے ہے اور یہ آسانی آفاقی کے حق میں تو پائی جا رہی ہے، مکہ والے کے حق میں نہیں پائی جا رہی، لہٰذا اس کے لیے یہ دو طریقے حج کے جائز بھی نہیں ہوں گے۔

یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّ شَرْعَهُمَا لِلتَّرَفُّهِ بِإِسْقَاطِ إِحْدَى السَّفْرَتَيْنِ** اس لیے کیونکہ ان دونوں طریقوں کا مشروع ہونا یعنی تمتع اور قران کا مشروع ہونا **لِلتَّرَفُّهِ** کس لیے ہے؟ راحت دینے کے لیے ہے **بِإِسْقَاطِ إِحْدَى السَّفْرَتَيْنِ** دو سفروں میں سے ایک کو ساقط کر کے، **وَهَذَا فِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ** اور یہ کس کے حق میں ہو گا صرف؟ آفاقی کے حق میں ہو گا۔

وَمَنْ كَانَ دَاخِلَ الْمَوَاقِيتِ، بھائی اوپر انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ اہل مکہ کے لیے حج تمتع کرنا بھی درست نہیں اور حج قران کرنا بھی درست نہیں۔ اچھا جو مکہ میں نہیں رہتا لیکن میقات کے اندر رہتا ہے ان کا کیا حکم ہے؟ تو آگے آپ کو بتلائیں گے کہ ان کا بھی وہی حکم ہے جو مکہ والوں کا ہے، اور مکہ والے تو قران اور تمتع نہیں کر سکتے لہٰذا میقات کے اندر رہنے والے بھی تمتع اور قران نہیں کر سکتے۔ تو کہتے ہیں: **وَمَنْ كَانَ دَاخِلَ الْمَوَاقِيتِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَكِّيِّ** اور وہ جو مواقیت کے اندر رہتے ہیں تو وہ بھی مکہ والوں کے درجے میں ہیں، **حَتَّى لَا يَكُونَ لَهَا مُتْعَةٌ وَلَا قِرَانٌ** یہاں تک کہ ان کے لیے بھی حج تمتع اور قران نہیں ہو گا، **بِخِلَافِ الْمَكِّيِّ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ وَقَرَنَ حَيْثُ يَصِحُّ** بخلاف اس کے کہ جب مکہ والا کہ مکہ والا **إِذَا خَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ** جب وہ نکلا کس کی طرف؟ کوفہ کی۔ صورت یہ کہ ایک مکہ میں رہنے والا شخص وہ اشہر حج سے پہلے ہی میقات کی حدود سے نکل گیا، مثلاً کوفہ یا بصرہ جانا پڑا، کسی بھی شہر میں میقات کے حدود سے باہر اس کو جانا پڑا۔ اور پھر اس کے بعد اشہر حج میں وہ آ رہا ہے واپس، رہنے والا کہاں کا ہے؟ مکہ کا۔ لیکن اب یہ آتے ہوئے کیا کرتا ہے؟ وہاں سے قران کا ارادہ کرتا ہے اور وہاں سے میقات سے احرام باندھ کر آتا ہے تو اب اس کے لیے قران جائز ہے۔ اس لیے کیونکہ اشہر حج سے پہلے نکل گیا تھا اور اب یہ اشہر حج میں آ رہا ہے تو جب یہ اشہر حج سے پہلے باہر تھا اب آ رہا ہے تو یہ بھی آفاقی کے حکم میں ہو گیا۔ کس کے حکم میں؟ اور آفاقی کے لیے تو قران جائز ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی قران جائز ہو جائے گا لیکن یہ وہ صورت ہے جب وہ اشہر حج سے پہلے نکلا ہو۔ اور اگر اشہر حج شروع ہو گئے پھر اس کے لیے اس طرح کرنا جائز نہیں ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **بِخِلَافِ الْمَكِّيِّ** بخلاف اس مکہ والے شخص کے، **إِذَا خَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ** کہ جب وہ نکلے کوفہ شہر کی طرف، کوفہ سے کوفہ ہی نہیں مراد، کوئی بھی شہر جو مواقیت سے باہر ہو۔ کہ جب وہ کوفہ کی طرف نکلے، **وَقَرَنَ** اور کیا کرے؟ حج قران کرے، حج قران کرے، **حَيْثُ يَصِحُّ** کیونکہ یہ صحیح ہے۔ پیچھے آیا تھا نا متن کے ساتھ جوڑیں کہ مکہ والا تمتع اور قران نہیں کر سکتا، اسی طرح جو میقاتوں کے اندر رہتے ہیں وہ بھی مکہ والوں کے درجے میں ہیں وہ تمتع اور قران نہیں کر سکتے،

بخلاف اس مکہ والے کے جو کوفہ نکلا تھا اور پھر قران کیا کیونکہ اس کے لیے کیا ہے؟ یہ صحیح ہے۔ تو اس کی صورت ان کے مخالف ہے، ان کے لیے قران اور متعہ جائز نہیں تھا لیکن اس مکی یہ مکی ان کے خلاف ہے یعنی کیونکہ اس کے لیے قران صحیح ہے۔

لِأَنَّ عُمْرَتَهُ وَحَجَّتَهُ مِيقَاتِيَّتَانِ، بھائی آپ کی کتابوں میں **مِيقَاتَانِ** لفظ ہے، اس کی تصحیح کر لیں: **مِيقَاتِيَّتَانِ، مِيقَاتِيَّتَانِ۔ لِأَنَّ عُمْرَتَهُ وَحَجَّتَهُ مِيقَاتِيَّتَانِ** اس لیے کیونکہ یہ جو مکہ والا جواب کہاں سے آرہا ہے؟ کوفہ سے یعنی میقات کے باہر سے آرہا ہے، اس کا عمرہ اور حج **مِيقَاتِيَّتَانِ** یہ دونوں کیا ہیں؟ میقاتی ہیں، میقات والے ہیں۔ **فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الْآفَاقِيِّ** تو یہ کس کے درجے میں ہوا؟ آفاقی کے درجے میں ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور آفاقی کے لیے تو یہ جائز تھا لہٰذا اس کے لیے بھی جائز ہے کیونکہ وہ وہی صورت بن گئی جو آفاقی میں صورت بنتی ہے وہ یہاں بھی بن گئی بھائی۔ آفاقی شخص جب حج قران کرتا ہے، کیا کرتا ہے؟ حج قران، تو میقات کے باہر سے کون سا احرام باندھ کے آتا ہے؟ عمرے کا بھی اور حج، تو اس کا عمرہ بھی میقاتی ہوا اور اس کا حج بھی کیا ہوا؟ میقاتی ہوا، تو یہاں پر بھی یہ جو حج اور عمرے کا احرام باندھ کر آیا ہے کہاں سے آیا ہے؟ میقات کے باہر سے، تو اس کا حج بھی میقاتی ہوا اور عمرہ بھی میقاتی ہوا تو یہ جائز ہے تو یہ آفاقی ہی کے درجے میں ہو گیا۔

وَإِذَا عَادَ الْمُتَمَتِّعُ إِلَى بَلَدِهِ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الْعُمْرَةِ وَلَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ بَطَلَ تَمَتُّعُهُ، جی یہ وہ مسئلہ آگیا بھائی، المام والا، المام۔ المام کس کو کہتے تھے؟ میں نے شروع میں بتلایا تھا، المام عربی زبان میں کہتے ہیں کسی جگہ مختصر قیام کرنا، مختصر۔ اور یہاں مراد ہے المام سے اپنے گھر والوں کے پاس قیام کرنا یعنی وہ اپنے وطن واپس جا کر اپنے گھر والوں میں قیام کرنا، تو یہ ہے المام۔ اور یہ المام دو قسم پر ہے: ایک المامِ صحیح ہے، ایک المامِ فاسد۔

المامِ صحیح کیا ہے؟ بغیر احرام کے جا کر ان کے ساتھ قیام کرتا ہے۔ یعنی آیا شروع میں اور آ کر اس نے عمرہ کر لیا اور عمرہ کر کے احرام سے حلال ہو گیا، پھر چلا گیا اپنے وطن واپس اور گھر والوں کے ساتھ قیام کیا اور اس وقت حالت احرام میں ہے؟ حالت احرام میں چونکہ نہیں تو یہ المامِ صحیح ہوا۔ اور المامِ صحیح سے کیا ہوتا ہے؟ حج تمتع باطل ہو جاتا ہے، لہٰذا اب یہ آ کر پھر کیا کرے؟ اگر حج کرتا ہے انہی مہینوں اسی سال، تو اب آپ یہ نہ کہئے گا کہ اس نے اشہر حج میں کیا کیا تھا؟ عمرہ بھی کیا تھا اور اب کیا کر رہا ہے؟ حج بھی کر رہا ہے تو یہ متمتع ہوا، لہٰذا اس پر قربانی واجب ہو گی؟ نہیں۔ جب اس نے المامِ صحیح کر لیا، گھر واپس لوٹ کر گھر والوں کے ساتھ بغیر احرام کے قیام گھر میں کر لیا تو اس کا تمتع کیا ہو گیا؟ باطل ہو گیا۔ تمتع ختم، اب اگر اسی سال یہ احرام حج کا باندھ کر آتا ہے تو یہ حج افراد ہو گا، حج تمتع نہیں، اور حج افراد میں تو قربانی واجب نہیں لہٰذا اس شخص پر بھی قربانی واجب نہیں ہو گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو المامِ صحیح کیا ہوا؟ کہ بغیر احرام کے واپس جا کر گھر والوں میں رہے، اور المامِ فاسد کیا ہے؟ احرام کے ساتھ جا کر احرام کی حالت میں ہی ہو اور گھر واپس چلا جائے، گھر میں جا کر رہے اور پھر حج کے دنوں میں واپس آجائے۔ تو یہ اگرچہ المام تو ہوا لیکن المام کون سا ہے؟ فاسد ہے کیونکہ یہ شخص حالت احرام میں ہے اور اس پر مکہ لوٹنا اور حج کرنا لازم ہے تو اس وجہ سے یہ المام فاسد ہوا، اور المام فاسد سے حج تمتع باطل نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ آ کر جب دوبارہ کیا کرے گا؟ حج کرے گا تو یہ عمرہ بھی کر چکا اور حج بھی کیا، اور اگرچہ بیچ میں یہ گھر گیا تھا لیکن وہ المام تو کون سا تھا؟ فاسد تھا، اس کا تو کوئی اعتبار نہیں، تو لہٰذا اس صورت میں اس کا یہ حج حج تمتع ہی ہو گا اور نتیجہ کیا نکلے گا؟ کہ اس پر قربانی واجب ہو گی۔ قربانی واجب ہو گی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا عَادَ الْمُتَمَتِّعُ إِلَى بَلَدِهِ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الْعُمْرَةِ** اور جب واپس چلا گیا حج تمتع کرنے والا اپنے شہر بعد فارغ ہو جانے کے عمرے سے، **وَلَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ** اور حال یہ ہے کہ اس نے ہدی نہیں ہانکی تھی۔ جب ہدی نہیں ہانکی تھی تو عمرہ کر کے کیا ہو جاتا ہے انسان؟ حلال ہو جاتا ہے تو یہ بھی حلال ہو گیا تھا۔ **بَطَلَ تَمَتُّعُهُ** اب المام کر لیا تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا، **لِأَنَّهُ أَلَمَّ بِأَهْلِهِ فِيمَا بَيْنَ النُّسُكَيْنِ إِلْمَامًا صَحِيحًا** اس لیے کیونکہ اس نے المام کر لیا اپنے گھر والوں کے ساتھ دو عبادتوں کے درمیان یعنی حج اور عمرے کے درمیان **إِلْمَامًا صَحِيحًا** کون سا المام؟ المامِ صحیح کر لیا، **وَبِذَلِكَ يَبْطُلُ التَّمَتُّعُ** اور اس سے حج تمتع باطل ہو جاتا ہے، **كَذَا رُوِيَ عَنْ عِدَّةٍ مِنَ التَّابِعِينَ** اسی طرح روایت کیا گیا ہے کئی جلیل القدر تابعین سے بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

وَإِذَا سَاقَ الْهَدْيَ دوسری صورت، کہ یہ متمتع جو گھر چلا گیا عمرہ کر کے یہ ہدی کا جانور شروع میں ساتھ لے کر چلا تھا، تو لہٰذا جب یہ ہدی کا جانور لے کر چلا ہے تو پھر تو یہ عمرہ کر کے حلال نہیں ہو گا۔ لہٰذا یہ اگر گھر واپس چلا بھی جائے اور المام بھی کر لے لیکن یہ المام کون سا ہے؟ المامِ فاسد، اور اس سے حج تمتع پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں: **وَإِذَا سَاقَ الْهَدْيَ** اور جب اس نے ہدی کو ہانکا تھا، **فَإِلْمَامُهُ لَا يَكُونُ صَحِيحًا** تو اس کا المام صحیح نہ ہوا، **وَلَا يَبْطُلُ تَمَتُّعُهُ** اور اس کا حج تمتع بھی باطل نہیں، **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى** شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يَبْطُلُ** اس صورت میں بھی اس کا حج تمتع باطل ہو جائے گا، **لِأَنَّهُ أَدَّاهُمَا بِسَفْرَتَيْنِ** اس لیے کیونکہ اس شخص نے عمرے اور حج کو دو سفروں سے ادا کیا ہے، چاہیے تو کیا تھا؟ ایک ہی سفر سے ادا کرتا لیکن اس نے دو سفروں سے عمرے کے لیے الگ سفر کیا، حج کے لیے الگ سفر کیا لہٰذا اس کا حج تمتع باطل ہو گیا۔

وَلَهُمَا اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے، **أَنَّ الْعَوْدَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ مَا دَامَ عَلَى نِيَّةِ التَّمَتُّعِ** کہ واپس لوٹنا اس شخص پر لازم ہے جب تک یہ اپنے تمتع

کی نیت پر باقی ہے، جب تک یہ تمتع کی نیت پر باقی ہے تو اگرچہ اس نے الممام کر لیا گھر میں لیکن یہ الممام کس حالت میں ہے؟ احرام کی حالت میں ہے نا، یہ ہدی لے کر گیا تھا تو یہ احرام کی حالت میں ہے، تو احرام کی حالت میں ہے معلوم ہوا اس کی کیا نیت ہے؟ کہ یہ واپس جائے گا اور حج کرے گا تو اس کی ابھی تک تمتع کی نیت باقی ہے، تو جب تک اس کے تمتع کی نیت باقی ہے اس پر حرم واپس لوٹنا لازم ہے۔ واپس لوٹنا لازم ہے، جب لازم ہے تو لہٰذا اس کا الممام صحیح نہ رہا کیونکہ کس حالت میں تھا؟ احرام کی حالت میں، اور نیز اس پر واپس لوٹنا لازم ہے تو لہٰذا الممام صحیح نہ ہوا۔ اور جبکہ دوسری صورت میں جب یہ عمرے سے حلال ہو گیا تھا اور گھر چلا گیا تھا اس پر تو واپس حج کے لیے آنا لازم نہ تھا، حج کے لیے واپس آنا کیوں نہیں تھا؟ اس نے شروع میں جو احرام باندھا تھا وہ عمرے کا تھا اور وہ عمرہ کر کے آ گیا ہے حلال ہو کر، حج تو ابھی اس پر لازم نہیں، تو لہٰذا وہاں پر اس پر واپس لوٹنا لازم نہیں تھا، وہ چاہتا تو اسی سال جا کر کیا کر سکتا تھا؟ حج کر سکتا ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو نہ کرے، اور یہ شخص یہ تو حالت احرام میں ہے اور ابھی تک اس کا کیا ارادہ ہے؟ کہ وہ حج تمتع پر ہے، آگے کیا کرنا ہے اس نے چل کر؟ حج، تو لہٰذا جب اس پر یہ حالت احرام میں ہے اور مکہ لوٹنا اس پر لازم ہے تو لہٰذا اس کا یہ الممام صحیح نہیں، الممام فاسد ہوا، اور الممام فاسد سے تمتع باطل نہیں ہوتا، تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

تو شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْعَوْدَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ** کہ واپس لوٹنا اس شخص پر لازم ہے، واجب ہے، **مَا دَامَ عَلَى نِيَّةِ التَّمَتُّعِ** جب تک کہ اپنی تمتع کی نیت پر باقی ہے، **لِأَنَّ السَّوْقَ يَمْنَعُهُ مِنَ التَّحَلُّلِ** اس لیے کیونکہ ہدی کو لے جانا یہ اس کو روک دیتا ہے حلال ہونے سے، تو یہ ابھی تک حلال بھی نہیں، واپس لوٹنا اس پر لازم ہے، **فَلَا يَصِحُّ إِلْمَامُهُ** لہٰذا اس کا الممام صحیح نہیں، لہٰذا اس سے اس کا تمتع باطل نہیں ہو گا۔

بِخِلَافِ الْمَكِّيِّ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی مکہ والا جب وہ نکلے کدھر؟ دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں۔ بھائی اوپر آیا تھا کہ مکہ والا اگر کوفہ نکلا اور کوفہ سے پھر اشہر حج میں وہ کس کی نیت کر کے آیا؟ قران کی نیت کر کے، حج اور عمرے دونوں کی نیت کر کے آیا تو اس کا حج قران صحیح ہو جائے گا۔ بخلاف اس کے کہ اگر وہ حج تمتع کی نیت کر کے آیا تو چاہے ہدی کو وہ ہانک کر لائے گھر یا چاہے نہ لائے، دونوں صورتوں میں اس کا حج تمتع درست نہیں۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ اوپر کس کی بات آئی تھی؟ مکہ والا نکلا تھا اور کدھر گیا تھا؟ کوفہ گیا تھا اور وہاں سے پھر اشہر حج میں جب آ رہا ہے اس نے کون سا احرام باندھ لیا؟ حج قران کا یعنی عمرے اور حج دونوں کا، تو انہوں نے آپ کو بتلایا تھا اس کا حج قران صحیح ہو گیا کیونکہ حج قران والے کا عمرہ بھی میقاتی ہوتا ہے اور حج بھی میقاتی ہوتا ہے، لہٰذا اس مکہ والے کا عمرہ بھی میقاتی ہوا اور حج بھی میقاتی تو یہ آفاقی کی طرح ہوا، اس کا حج قران کرنا صحیح ہے۔ لیکن اگر اس کے بجائے یہ کس کی نیت کر کے چلتا ہے؟ حج تمتع کی نیت کر کے چلا، صورت وہی ہے لیکن اب نیت کس کی کر کے چلا وہ؟ حج تمتع کی نیت کر کے چلا تو اس صورت میں چاہے وہ ہدی ہانکے چاہے ہدی نہ ہانکے، دونوں صورتوں میں اس کا حج تمتع صحیح نہیں۔ تمتع صحیح نہیں۔ بھائی کیوں نہیں صحیح؟ کہتے ہیں اس لیے کہ یہ جا کر کیا کرے گا؟ اگر ہدی نہیں ہانکتا اور کہاں سے آ رہا ہے؟ ہے مکے والا اور آ رہا کہاں سے ہے؟ کوفہ سے آ رہا ہے، یہ عمرے کی نیت کر کے چل پڑا کہ میں اس سال حج تمتع کروں گا، ابھی جا کے عمرہ کرتا ہوں اور پھر کیا کروں گا؟ حج کروں گا۔ یہ جب آئے گا آ کر عمرہ کرے گا اور عمرہ کر کے حلال ہو جائے گا، اور حلال ہو کر کہاں رہ رہا ہے؟ اپنے گھر والوں میں، تو یہ الممام صحیح ہو گیا۔ اور الممام صحیح سے تو تمتع کیا ہو جاتا ہے؟ باطل، تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور دوسری صورت بناؤ، یہ وہاں سے ہدی کو لے کر آتا ہے باقاعدہ، مکہ والا ہے اور کدھر گیا ہے؟ کوفہ گیا ہے اور اشہر حج میں یہ آ رہا ہے، اب یہ اپنے ساتھ باقاعدہ ہدی کا ایک جانور بھی لے آیا، جانور بھی لے آیا، اور پھر آ کر اس نے عمرہ کیا اور عمرہ کر کے حلال نہیں ہوا، اب اپنے گھر والوں کے ساتھ رہ رہا ہے، گھر والوں کے ساتھ رہ رہا ہے، تو کیا اس کا حج تمتع صحیح ہو جائے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اب بھی اس کا حج تمتع صحیح نہیں۔ حج تمتع بھائی کیوں، حج تمتع کیوں نہیں صحیح؟ یہ تو حالت احرام میں گھر والوں کے ساتھ رہ رہا ہے اس وقت؟ کہتے ہیں بھائی الممام فاسد وہ تھا جس میں حالت احرام میں گھر والوں کے ساتھ رہتا تھا اور مکہ واپس لوٹنا اس پہ لازم ہوتا تھا۔ کیا ہوتا تھا؟ لازم ہوتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے، ایک شرط تو پوری ہو رہی ہے، یہ کس حالت میں ہے؟ احرام کی حالت میں ہے، لیکن اس کا گھر ہے ہی کہاں پر؟ مکہ پر، جب یہ ہے ہی مکہ میں تو مکہ لوٹنا اس پر واجب نہیں کیونکہ ایک چیز پہلے سے ہی حاصل ہے، تحصیل حاصل تو ہو نہیں سکتا۔ مکہ لوٹنا تو تبھی واجب کہیں گے نا جب یہ مکہ سے کہیں باہر رہتا ہو، یہ تو رہتا ہی کہاں پر ہے؟ مکہ میں رہتا ہے، اور الممام فاسد کس کو کہتے تھے؟ کہ اس میں مکہ لوٹنا لازم ہوتا ہے، اور یہ تو ہے ہی کہاں پر؟ لہٰذا اس پر مکہ لوٹنا لازم نہیں، تو لہٰذا معلوم ہوا اس کا اس کا الممام فاسد نہیں، الممام کیا ہوا؟ صحیح ہو گیا، اور الممام صحیح سے تو کیا ہو جاتا ہے؟ حج تمتع باطل ہو جاتا ہے۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

الممام فاسد کے اندر کتنی شرطیں ہیں؟ دو شرطیں، ایک تو یہ؟ احرام کی حالت میں ہو۔ یا یوں کہو آسان لفظوں میں احرام کی قید بھی نہ لگاؤ، بس مکہ لوٹنا اس پر واجب ہوتا ہے، مکہ لوٹنا۔ الممام فاسد میں مکہ لوٹنا واجب ہوتا ہے اور یہاں پر الممام فاسد نہیں پایا جا رہا کیونکہ اس میں مکہ لوٹنا واجب نہیں، تو جب الممام فاسد نہیں تو الممام تو دو ہی قسم کا تھا، یا فاسد ہو گا یا صحیح، معلوم ہوا اس کا الممام کون سا ہوا؟ صحیح ہو گیا، اور الممام صحیح سے کیا ہو جاتا ہے؟ حج تمتع باطل ہو جاتا ہے، تفصیل سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: **بِخِلَافِ الْمَكِّيِّ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ وَأَحْرَمَ لِعُمْرَةٍ** بخلاف مکہ والے شخص کے کہ جب وہ کوفہ کی طرف نکلے اور پھر احرام باندھ لے عمرے کا، **وَسَاقَ الْهَدْيَ** اور ہدی کو بھی ہانکے، **حَيْثُ لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعًا** کیونکہ یہ متمتع نہیں ہو گا، **لِأَنَّ الْعَوْدَ هُنَالِكَ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهِ** اس لیے کیونکہ لوٹنا یہاں پر اس پر لازم نہیں ہے۔ لوٹنا کیوں نہیں لوٹنا لازم؟ کیونکہ یہ تو رہ ہی مکہ میں رہا ہے تو لوٹنے کا کیا معنی؟ تو اس پر مکہ لوٹنا لازم نہیں ہے، **فَصَحَّ إِلْمَامُهُ**

بِأَهْلِهِ تو اس کا الماماپنے گھر والوں کے ساتھ صحیح ہوا اور الماما صحیح سے تو حج تمتع کیا ہو جاتا ہے؟ باطل ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا مکہ والا حج تمتع تو کسی صورت میں بھی اس کا نہیں ہو سکتا، ہاں قران ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی کیا صورت ہے؟ کہ وہ اشہر حج سے پہلے ہی میقات نکل آئے اور پھر اشہر حج کے اندر قران کی نیت کر کے مکہ جائے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمُرَادُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۵۰: وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ فَطَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۸۶ــــ بتاریخ: ۷ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ فَطَافَ لَهَا أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْوَاطٍ ثُمَّ دَخَلَتْ أَشْهُرُ الْحَجِّ فَتَمَّمَهَا وَأَحْرَمَ بِالْحَجِّ كَانَ مُتَمَتِّعًا، لِأَنَّ الْإِحْرَامَ عِنْدَنَا شَرْطٌ فَيَصِحُّ تَقْدِيمُهُ عَلَى أَشْهُرِ الْحَجِّ، وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ أَدَاءُ الْأَفْعَالِ فِيهَا وَقَدْ وُجِدَ الْأَكْثَرُ وَلِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ۔

حج تمتع کا بیان چل رہا ہے بھئی۔ اور حج تمتع آپ پڑھ چکے کہ اس میں عمرہ اور حج دونوں عبادتیں کی جاتی ہیں بھئی۔ تو اب آپ کو آگے مسئلہ بتلا رہے ہیں کہ یہ عمرہ اور یہ حج جو ہے، یہ دونوں اشہرِ حج میں ہونے چاہئیں بھئی۔ یعنی حج تو ہو گا ہی اشہرِ حج میں، یہ متمتع کا جو عمرہ ہے وہ بھی اسی اشہرِ حج کے اندر ہو تو پھر یہ شخص متمتع کہلائے گا۔ اور اگر اس کا عمرہ اشہرِ حج سے پہلے ہوا، چاہے اسی سال ہوا لیکن اشہرِ حج سے پہلے اس نے عمرہ کیا ہے تو پھر اس صورت میں یہ متمتع نہیں کہلائے گا بھئی، یہ متمتع نہیں ہے بھئی۔ اور ثمرہ ظاہر ہو گا وجوبِ قربانی کے اندر بھئی۔ تو اگر عمرہ بھی اس نے اشہرِ حج ہی میں کیا تھا تو یہ متمتع ہے اور متمتع پر قربانی واجب ہوتی ہے تو اس پر حج کی قربانی بھی واجب ہو گی۔ اور اگر عمرہ اس نے اشہرِ حج سے پہلے کیا تھا تو پھر اس صورت میں یہ متمتع نہیں اور اس پر حج کی قربانی بھی واجب نہیں ہے بھئی۔

اب صورت یہ کہ ایک شخص نے عمرے کا احرام جو ہے وہ اشہرِ حج سے پہلے باندھ لیا، یعنی رمضان کے اندر ہی عمرے کا احرام باندھ لیا۔ عمرے کا احرام اس نے رمضان ہی میں باندھ لیا اور عمرہ بھی شروع کر دیا۔ اور عمرے کے اندر تو طواف اور سعی ہے، اور طواف کے اندر سات چکر لگائے جاتے ہیں بیت اللہ کے، بیت اللہ کے۔ تو یہ جو اس نے احرام پہلے باندھ لیا اشہرِ حج سے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا بھئی۔ اس لیے کیونکہ احرام ہمارے نزدیک شرط ہے بھئی۔ احرام کیا ہے؟ شرط ہے، وہ عمرے کا رکن نہیں ہے۔ اسی طرح حج کے لیے بھی احرام شرط ہے، حج کا رکن نہیں ہے۔ تو اگر شرط کو مقدم بھی کر دیا جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسے وضو جو ہے وضو، وضو نماز کے لیے شرط ہے تو اگر وقت سے پہلے بھی کر لیا جائے تو اس سے کوئی فرق، کوئی فرق اس سے نہیں پڑتا بھئی۔ تو اس نے احرام اشہرِ حج سے پہلے باندھا ہے، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں، اس کے عمرے کے افعال کو دیکھو کہ یہ عمرے کے افعال اس نے اشہرِ حج میں کیے ہیں یا اس سے پہلے کیے ہیں۔ اگر عمرے کے افعال جو ہیں اس نے اشہرِ حج سے پہلے کیے تو پھر یہ متمتع نہیں۔ اور اگر عمرے کے افعال اس نے اشہرِ حج کے اندر کیے ہیں تو پھر یہ متمتع ہے۔

اور اسی طرح اگر عمرے کے کچھ افعال اس نے اشہرِ حج سے پہلے کیے اور کچھ بعد میں کیے، تو پھر کیا کریں گے؟ کہ اس کو متمتع کہیں گے یا نہیں کہیں گے؟ تو کہتے ہیں بھئی عمرے کے اندر آپ طواف کے اکثر حصے کو دیکھ لیں۔ اگر طواف کا اکثر حصہ اس نے اشہرِ حج کے اندر کیا ہے تو یوں کہیں گے کہ یہ عمرہ بھی گویا اس نے اشہرِ حج کے اندر ہی کیا ہے۔ اور اگر طواف کے اکثر چکر اس نے اشہرِ حج سے پہلے کیے ہیں تو یوں سمجھا جائے گا گویا اس نے عمرہ اشہرِ حج سے پہلے کیا ہے۔ اور عمرے کے اندر جو طواف ہے اس کے اندر تو سات چکر ہیں، تو سات چکروں میں سے اکثر کسے کہیں گے؟ چار کو۔ جو نصف سے زائد ہے وہ کیا، اسے کیا کہتے ہیں؟ اکثر شئے کہتے ہیں۔ تو اگر اس نے طواف کے چار چکر جو ہیں وہ اشہرِ حج میں کیے، یعنی اشہرِ حج سے پہلے اس نے تین یا تین سے کم چکر لگائے تھے، تو بھی اکثر کس میں پایا گیا طواف؟ اشہرِ حج میں۔ تو اس کو متمتع کہیں گے۔ اور اگر اس نے عمرے کے چار یا چار سے زیادہ چکر اشہرِ حج سے پہلے لگا لیے تھے تو اس صورت میں یوں سمجھا جائے گا گویا اس نے عمرہ پہلے ہی کیا ہے تو اس کو متمتع نہیں کہیں گے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ**، اور جس نے عمرے کا احرام باندھا اشہرِ حج سے پہلے ہی، **فَطَافَ لَهَا أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْوَاطٍ**، پھر اس نے اس عمرے کا طواف کیا چار چکروں سے کم بھئی۔ چار چکروں سے کم، اور یہ بھی کب کیے؟ اشہرِ حج سے پہلے ہی۔ **ثُمَّ دَخَلَتْ أَشْهُرُ الْحَجِّ**، پھر حج کے مہینے

داخل ہو گئے، **فَتَمَّمَهَا**، تو پھر اس نے عمرے کو پورا کر لیا۔ اور اشہر حج سے پہلے کتنے چکر کیے تھے؟ چار سے کم کیے تھے، اور معلوم ہوا اشہر حج میں کتنے کر لیے؟ چار یا چار سے زیادہ کر لیے۔ تو عمرہ گویا کس میں ہوا؟ اشہر حج میں ہوا، لہٰذا اس کو کیا کہیں گے؟ متمتع کہیں گے جبکہ یہ اسی سال حج بھی کرے۔ **فَتَمَّمَهَا**، تو اس نے اشہر حج میں عمرہ پورا کر لیا، **وَأَحْرَمَ بِالْحَجِّ**، اور حج کا احرام باندھ لیا، **كَانَ مُتَمَتِّعًا**، تو یہ شخص متمتع ہو گا۔ **لِأَنَّ الْإِحْرَامَ عِنْدَنَا شَرْطٌ فَيَصِحُّ تَقْدِيمُهُ عَلَى أَشْهُرِ الْحَجِّ**، اس لیے کیونکہ احرام ہمارے نزدیک شرط ہے، یعنی رکن نہیں، جب یہ شرط ہے تو صحیح ہے اس کو مقدم کرنا اشہر حج پر۔ **وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ أَدَاءُ الْأَفْعَالِ فِيهَا**، اعتبار تو کس چیز کا کیا جاتا ہے؟ کہ وہ ادائے افعال کس کے اندر ہوں؟ اشہر حج میں ہوں، اور یہاں پر بھی ادائے افعال کس کے اندر پائے گئے؟ اشہر حج میں پائے گئے، کیونکہ اکثر پائے گئے، اکثر افعال، اکثر طواف کے چکر اشہر حج میں پائے گئے تو لہٰذا یوں سمجھا جائے گا عمرہ ہی اشہر حج میں ہوا۔ تو کہتے ہیں: **وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ أَدَاءُ الْأَفْعَالِ فِيهَا**، اور معتبر تو وہ اشہر حج کے اندر افعال کا ادا کرنا ہے، **وَقَدْ وُجِدَ الْأَكْثَرُ**، اور تحقیق اکثر افعال تو پائے گئے، یعنی کس کے اندر پائے گئے؟ اشہر حج میں، **وَلِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**، اور اکثر کے لیے کل کا حکم ہے، تو گویا کل عمرہ ہی کس کے اندر پایا گیا؟ اشہر حج میں، تو یہ متمتع ہے۔

اب اس کی عکس صورت ذکر کریں گے کہ چار یا چار سے زیادہ چکر اشہر حج سے پہلے لگا لیے تھے۔ تو کہتے ہیں: **وَإِنْ طَافَ لِعُمْرَتِهِ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ فَصَاعِدًا**، اور اگر اس نے طواف کیا عمرے کا اشہر حج سے پہلے ہی چار چکر **فَصَاعِدًا** یا اس سے زیادہ، **ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعًا**، پھر اس نے حج بھی کر لیا اپنے اسی سال کے اندر تو یہ متمتع نہیں ہو گا، **لِأَنَّهُ أَدَّى الْأَكْثَرَ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ**، اس لیے کیونکہ اس نے اکثر عمرہ اشہر حج سے پہلے ادا کر لیا ہے، **وَهَذَا**، اور یہ اس وجہ سے۔ بھئی اکثر عمرہ اشہر حج سے پہلے ادا کر لیا لیکن بہر حال کچھ حصہ تو کس میں پایا گیا؟ اشہر حج میں پایا گیا، تو آپ یہ کیوں کہتے ہیں اس صورت میں کہ اس نے عمرہ اشہر حج سے پہلے ہی کر لیا ہے؟ اشہر حج سے پہلے ہی کر لیا ہے۔ ایک ضابطہ تو ذکر ہو گیا، کیا؟ **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**۔ جب اکثر عمرہ اشہر حج سے پہلے پایا گیا تو گویا کل عمرہ ہی اشہر حج سے پہلے پایا گیا۔ اور نیز، **وَهَذَا**، اور یہ اس وجہ سے ہے، **لِأَنَّهُ صَارَ بِحَالٍ**، کہ وہ شخص ایسی حالت پر ہو گیا ہے، **لَا يَفْسُدُ نُسُكُهُ بِالْجِمَاعِ**، کہ اس کی عبادت جماع سے بھی فاسد نہیں ہوتی، **فَصَارَ كَمَا إِذَا تَحَلَّلَ مِنْهَا قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ**، تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے وہ حلال ہو گیا ہو اس عمرے سے اشہر حج سے پہلے ہی۔

بھئی یاد رکھیے، یہ عمرے اور حج کے لیے، عمرے اور حج کے لیے یہ احرام شرط ہے۔ احرام شرط ہے۔ تو جب عمرے یا حج کے لیے احرام باندھ لیا اس شخص نے تو جب تک یہ عمرے یا حج کا کوئی بڑا رکن نہیں کر لیتا، بڑا رکن نہیں کر لیتا تو اس وقت تک ابھی احرام پکا نہیں ہوا۔ ابھی تک احرام پکا نہیں۔ ابھی تک صرف احرام باندھا ہے نا، جب تک کوئی بڑا رکن نہیں کر لیتا یہ احرام پکا نہیں۔ لہٰذا اگر اس نے عمرے میں طواف کرنے سے پہلے ہی، عمرے کا احرام باندھ چکا ہے اور اس نے بیوی کے ساتھ صحبت کر لی۔ بھئی بیوی کے ساتھ صحبت تو ممنوع تھی احرام کے اندر اور ابھی اس نے طواف نہیں کیا، تو یہ احرام ابھی پکا نہیں ہوا اور احرام کے پکا ہونے سے پہلے ہی کیا کر دی اس نے؟ بڑی جنایت کر دی، تو لہٰذا یاد رکھیے اس کا عمرہ ہی فاسد ہو جائے گا۔ عمرہ ہی کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ لیکن حج اور عمرہ اگر فاسد ہو جائیں، حج اور عمرہ اگر فاسد ہو جائیں ہمیشہ یاد رکھنا، اس کا پھر یہ معنی نہیں کہ اب باقی افعال چھوڑ دیے جائیں، نہیں۔ یہ شخص کیا کرے گا؟ عمرے کے افعال پورے کرے گا۔ یعنی طواف بھی کرے گا اور سعی بھی کرے گا۔ البتہ یہ عمرہ ہوا نہیں اس کا، عمرہ کیا ہو چکا؟ فاسد ہو چکا ہے، لیکن اس کے افعال یہ سارے سر انجام دے گا اور پھر اس کے بعد عمرہ جب پورا کر لے گا، پھر حلق یا قصر کے ذریعے کیا کرے گا؟ احرام سے نکلے گا، کیونکہ یہ احرام اس نے کس لیے باندھا تھا؟ ان افعال کو ادا کرنے کے لیے، تو بے شک اگرچہ عمرہ فاسد ہو چکا لیکن یہ افعال اس کو کرنا پڑیں گے، یہ افعال کرے گا اور پھر یہ اس احرام سے نکل جائے گا بھئی، احرام سے نکل جائے گا، لیکن یہ عمرہ ہوا فاسد، اس کا اعتبار کوئی نہیں، لہٰذا بعد میں اس کو اس کی قضا کرنا پڑے گی اور نیز جنایت بھی چونکہ اس نے بڑی کی تھی لہٰذا اس پر دم بھی لازم ہو گا، تو ایک جانور کی قربانی بھی کرنا پڑے گی اور اس عمرے کی قضا بھی کرنا پڑے گی۔ یہ کس صورت میں؟ جب اس نے بیوی کے ساتھ صحبت کر لی طواف کرنے سے پہلے ہی یا اکثر طواف کرنے سے پہلے ہی، یعنی چار چکر پورے ہونے سے پہلے اگر اس نے صحبت کر لی تب بھی یہی حکم ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تب بھی یہی حکم ہے۔

اسی طرح حج کے اندر ہے، حج کا احرام بھی جب باندھ لیا جب تک حج کا کوئی بڑا رکن یہ ادا نہیں کر لیتا یہ احرام ابھی پختہ نہیں ہوا۔ یہ احرام ابھی پختہ نہیں ہوا اور پختہ ہونے سے پہلے یہ کیا کر لیتا ہے؟ بیوی سے صحبت کر لیتا ہے تو اس کا حج ہی فاسد ہو گیا۔ کیونکہ ابھی احرام پکا نہیں ہوا تھا اور اس نے اتنی بڑی جنایت کر لی تو اس کا حج ہی فاسد ہو جائے گا۔ لیکن حج فاسد ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اب یہ احرام اتار دے اور بس ختم ہوا حج، نہیں۔ حج کے افعال کرتا رہے، آخر تک سارے افعال حج کے کرے گا اور پھر اسی طریقے سے حج کے احرام سے حلال ہو گا جس طرح پہلے صحیح حج کرنے والا کیا ہوتا ہے؟ احرام سے حلال ہوتا ہے۔ تو یہ حج کے اس نے افعال تو سارے کر لیے لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ کیا کر چکا ہے؟ حج کو فاسد کر چکا ہے، تو حلال ہو جائے، اب اس کے ذمے اس حج کی قضا واجب ہے، اس کی قضا کرے گا اگلے سال آ کر بھئی۔ اور نیز اس نے جنایت کی، بہت بڑی جنایت کی بھئی، تو لہٰذا اس صورت میں حج کے اندر بھی دم واجب ہو گا۔ تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر بھیڑ بکری کی قربانی واجب ہو گی۔ عمرے کو فاسد کر دیا تو اس صورت میں بھی کس کی قربانی واجب ہو گی؟ بھیڑ بکری کی قربانی واجب ہو گی، اور اگر اس نے حج کو فاسد کیا ہے تو اس صورت میں بھی کیا کرنا پڑے گا؟ بھیڑ بکری کی قربانی بھی کرے گا اور اس حج کی قضا بھی کرے گا۔ صورت مسئلہ سمجھ میں آ گئی بھئی؟ اچھی طرح؟ تو یہ حج کے افعال کرتا رہے گا آخر تک اور پھر حج سے حلال ہو جائے گا لیکن اس نے جنایت کی ہے، حج کو فاسد کیا ہے تو اس پر ایک دم واجب ہو گا۔ اس حج کی بھی قضا کرنا پڑے گی اور حج کے اندر جنایت کی ہے، حج کو فاسد

کیا ہے لہٰذا اس پر ایک بھیڑ بکری کی قربانی بھی واجب ہے بھئی۔ تو عمرہ فاسد کرنے کی صورت میں بھی عمرے کی قضا بھی کرے گا اور ایک بھیڑ بکری کی قربانی بھی اس پر واجب ہے، اور حج کو فاسد کر دینے کی صورت میں بھی حج کی قضا بھی کرے گا اگلے سال اور بھیڑ بکری کی قربانی بھی اس پر واجب ہے بھئی۔ یہ وہ صورت تھی جب اس نے کوئی حج یا عمرے کا بڑا رکن ادا کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت کی تھی بھئی۔ تو اس صورت میں حج اور عمرہ ہی کیا ہو گئے تھے؟ فاسد، کیونکہ احرام ابھی پکا نہیں ہوا تھا، مضبوط نہیں ہوا تھا۔ رکن ادا کر لیتا کوئی ایک تو احرام کیا ہو جاتا؟ پکا ہو جاتا، مضبوط ہو جاتا۔

اور جب یہ کوئی بڑا رکن ادا کر لے حج یا عمرے کا تو پھر اس صورت میں اب احرام پکا ہو جائے گا۔ اب بیوی سے صحبت بھی کر لے گا تو حج یا عمرہ فاسد نہیں ہو گا۔ مثلاً عمرے کے لیے، عمرے کے اندر وہ طواف کر چکا ہے یا طواف کے اکثر چکر لگا چکا ہے یعنی چار یا چار سے زیادہ، اس کے بعد یہ بیوی سے صحبت کر لیتا ہے، بیوی سے صحبت کر لیتا ہے، اگرچہ اس نے بڑی جنایت کی لیکن بہر حال طواف کا اکثر حصہ ادا کر چکا تو گویا کل طواف ہی ادا کر چکا ہے کیونکہ **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**، اور کل طواف، طواف تو رکن اعظم ہے عمرے کا لہٰذا اس کا احرام پکا ہو چکا، اب بیوی سے صحبت کرنے کی وجہ سے بھی اس کا احرام فاسد نہیں ہو گا، فاسد، ہاں البتہ اس نے جنایت کی ہے تو اس پر ایک بھیڑ بکری کی قربانی واجب ہو گی بھئی اور یہ عمرے کو پورا کر لے، اسی عمرے کو کیا کر لے؟ پورا کر لے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں حج کے اندر، حج کا مثلاً بڑا رکن اس نے وقوف عرفہ کر لیا اور اس کے بعد بیوی سے صحبت کر لی طواف زیارت کرنے سے پہلے ہی کیا کیا؟ بیوی سے صحبت کر لی، تو حج فاسد نہیں ہو گا کیونکہ یہ صحبت اس نے کب کی ہے؟ وقوف عرفہ کے بعد، اور حج کا رکن اعظم بھی کیا ہے؟ وقوف عرفہ ہے، تو لہٰذا اس کا احرام پکا ہو چکا، اب جماع کی وجہ سے بھی اس کا احرام فاسد نہیں ہو گا، لہٰذا یہ حج کے افعال کرتا چلا جائے اس کا حج صحیح ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ اس نے جرم بہت بڑا کیا ہے لہٰذا یاد رکھیے بھئی یاد رکھیے، اس صورت میں حج کے معاملے میں اس پر قربانی واجب ہو گی لیکن قربانی اب یہاں بھیڑ بکری کی قربانی سے کام نہیں چلے گا بلکہ اونٹ یا گائے کی قربانی اس کو کرنا پڑے گی۔ عمرے کے اندر عمرے کا درجہ چونکہ کم لہٰذا وہاں پر بھیڑ بکری کی قربانی سے کام چل جاتا تھا لیکن حج کا درجہ چونکہ بڑا لہٰذا یہاں پر اگر اس نے وقوف عرفہ کے بعد جنایت کی ہے تو احرام پکا ہو چکا حج تو فاسد نہیں ہوا لیکن حج تو فاسد نہیں ہوا لیکن جنایت بہت بڑی اس نے کی ہے تو اس صورت میں بھیڑ بکری کی قربانی سے کام نہیں چلے گا بلکہ کیا ضروری اس کے لیے؟ اونٹ یا گائے کی قربانی کرنا پڑے گی بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا حج یا عمرے کا کوئی بڑا رکن کر لیا جائے یا بڑے رکن کا اکثر حصہ کر لیا جائے تو **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ** تو گویا کل اس رکن ہی کو وہ کر چکا ہے اور اس صورت میں اس کا عمرہ یا حج فاسد نہیں ہوتا۔ تفصیل مسئلہ سمجھ میں آ گئی؟

اب مسئلہ یہاں کتاب میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے اشہر حج سے پہلے ہی عمرے کے چار چکر کر، لگا لیے، چار چکر لگا لیے اور پھر باقی کا عمرہ اس نے اشہر حج میں مکمل کیا، لیکن **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**، اکثر کے لیے کل کا حکم ہے، تو جب چار یا چار سے زیادہ چکر طواف کے وہ پہلے لگا چکا ہے اشہر حج سے تو یوں سمجھا جائے گا گویا پورا عمرہ ہی کیا کر چکا وہ اشہر حج سے پہلے ادا کر چکا ہے، تو یہ متمتع نہیں ہو گا، کیونکہ متمتع تو وہ ہوتا ہے جو حج اور عمرہ دونوں اشہر حج کے اندر ادا کرتا ہے، حالانکہ اس نے تو عمرہ اشہر حج سے پہلے ادا کر لیا ہے۔ اور نیز یہ اس وجہ سے کیونکہ جب اس نے طواف کے چار چکر پہلے ہی لگا لیے کس کے اندر؟ اشہر حج سے پہلے ہی لگا لیے، تو اس کا احرام پکا ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ احرام کیا ہو گیا اس کا؟ احرام پکا ہو گیا۔ اب بیوی کے ساتھ صحبت کرے تو بھی عمرہ فاسد نہیں، فاسد نہیں۔ تو گویا یہ شخص ایسی حالت پر ہو گیا کہ بیوی سے صحبت کرنے سے بھی اس کا عمرہ فاسد نہیں ہو رہا، تو یوں سمجھا جائے گا گویا یہ پہلے ہی سے حلال ہو چکا ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ اس شخص نے کیا کیا ہے؟ چار چکر لگا چکا ہے اشہر حج سے پہلے، تو یہ ایسی حالت پر آ چکا ہے کہ بیوی سے صحبت بھی کر لے تو عمرہ فاسد نہیں، تو یوں ہی سمجھا جائے گا یہ عمرے سے حلال ہو چکا ہے، کیونکہ ایسی حالت پر آ گیا کہ بیوی کے ساتھ صحبت بھی کرے تو عمرہ فاسد نہیں، تو یوں ہی سمجھا جائے گا کہ یہ عمرے سے حلال ہی ہو چکا ہے، اور یہ کب ہو چکا ہے؟ اشہر حج سے پہلے ہی، کیونکہ چار چکر لگا لیے اس کے بعد وہ حالت آ گئی تو یہ حالت ایسی ہے گویا پہلے سے ہی وہ حلال ہو چکا، تو گویا اشہر حج سے پہلے ہی وہ عمرے سے حلال ہونے کی حالت پر آ چکا ہے تو گویا اس کا عمرہ پہلے ہی پایا گیا اور لہٰذا یہ متمتع نہیں ہے بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح سب کو؟ جی، اب دیکھیے کتاب پر۔

تو کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ أَدَّى الْأَكْثَرَ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ**، اور یہ اس لیے کیونکہ اس نے اکثر عمرے کو ادا کر لیا ہے اشہر حج سے پہلے ہی، **وَهَذَا**، اور یہ اس وجہ سے، **لِأَنَّهُ صَارَ بِحَالٍ**، کہ یہ جو عمرہ کرنے والا ہے یہ ایسی حالت پر ہو گیا، **لَا يَفْسُدُ نُسُكُهُ بِالْجِمَاعِ**، کہ اس کی عبادت جو ہے وہ جماع سے بھی فاسد نہیں ہوتی، جب کتنے چکر لگا چکا ہے؟ چار، تو جماع سے بھی اس کی عبادت نہیں فاسد ہو رہی، **فَصَارَ كَمَا إِذَا تَحَلَّلَ مِنْهَا قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ**، تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے یہ اس عمرے سے حلال ہو چکا ہے اشہر حج سے پہلے ہی۔

وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَعْتَبِرُ الْإِتْمَامَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طواف کے پورا ہونے کا اعتبار کیا جائے گا، پورا کب کر رہا ہے؟ اگر اس نے طواف پورا کر لیا اشہر حج سے پہلے تو پھر متمتع نہیں، اور بے شک زیادہ چکر اشہر حج سے پہلے لگا لے لیکن پورا کب کرے؟ اشہر حج میں، تو پورا کرنے کا اعتبار ہے تو یوں سمجھا جائے گا اس نے عمرہ بھی کس میں، یہ طواف بھی کس میں کیا؟ اشہر حج ہی میں کیا ہے تو عمرہ اشہر حج میں ہوا تو یہ کیا بنے گا؟ متمتع بنے گا۔ تو کہتے ہیں: **وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَعْتَبِرُ الْإِتْمَامَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ**، اور امام مالک رحمہ اللہ جو ہیں وہ اعتبار کرتے ہیں پورا کرنے کا فی اشہر الحج اشہر حج میں، **وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَا**، اور دلیل ان کے خلاف وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی کہ **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ** بھئی۔ **وَلِأَنَّ التَّرَفُّقَ بِأَدَاءِ الْأَفْعَالِ**، اور نیز اس لیے کیونکہ فائدہ اٹھانا جو ہے وہ افعال کی ادائیگی کے ذریعے ہے، متمتع کیا ہوتا ہے؟ متمتع تمتع کا معنی ہی کیا ہے عربی زبان میں؟ فائدہ اٹھانا، تو فائدہ اٹھانا کس کے ذریعے ہو گا؟ کہ وہ افعال ادا کرے اور کس

وقت ادا کرے وہ افعال؟ اشہر حج میں۔ صورت سمجھ میں آئی؟ **وَلِأَنَّ التَّرَفُّقَ بِأَدَاءِ الْأَفْعَالِ**، اس لیے کیونکہ فائدہ اٹھانا وہ افعال کی ادائیگی سے ہوگا، **وَالْمُتَمَتِّعُ الْمُتَرَفِّقُ بِأَدَاءِ النُّسُكَيْنِ فِي سَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ**، اور متمتع جو ہے وہ نفع اٹھانے والا ہے دو عبادتوں کی ادائیگی کا ایک ہی سفر میں اشہر حج کے اندر۔ تو اگر اس نے افعال پہلے کر لیے تو پھر تو یہ نفع اٹھانے والا نہیں ہے ایک ہی سفر میں دو اشہر حج کے اندر بھئی، تو لہٰذا اس کو پھر متمتع نہیں کہیں گے۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

قَالَ: صاحب قدوری فرماتے ہیں: **وَأَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ**، کہ حج کے مہینے جو ہیں وہ شوال ہے، ذوالقعدہ ہے اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ **كَذَا رُوِيَ عَنِ الْعَبَادِلَةِ الثَّلَاثَةِ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ**، اسی طرح روایت کیا گیا ہے عبادلۂ ثلاثہ سے اور عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان سب سے بھئی۔ عبادلۂ ثلاثہ اور عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے کہ اشہر حج جو ہیں وہ شوال، ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں بھئی۔

عبادلہ یاد رکھیے یہ جمع ہے عبد اللہ کی، عبد اللہ کی بھئی۔ اور عبادلۂ ثلاثہ یہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان تین پر یہ بولا جاتا ہے بھئی، ان کو کیا کہتے ہیں؟ عبادلۂ ثلاثہ کہتے ہیں۔ بلکہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ان کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے، اور جب صرف عبادلہ کہا جائے تو اس سے مراد یہ چاروں ہوتے ہیں۔ عبادلہ سے کیا مراد ہوتے ہیں؟ یہ چاروں بھئی: حضرت عبد اللہ ابن مسعود، عبد اللہ ابن عمر، عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھئی۔ تو ان سب سے اسی طرح روایت ہے۔

وَلِأَنَّ الْحَجَّ يَفُوتُ بِمُضِيِّ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ، اور نیز اس لیے کیونکہ حج جو ہے وہ فوت ہو جاتا ہے دس ذوالحجہ کے گزرنے سے۔ بھئی پہلے نقلی دلیل ذکر کر دی کہ اشہر حج کون کون سے مہینے ہیں: شوال، ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن۔ اور اب عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ دس ذوالحجہ کے گزرنے پر کہہ دیا جاتا ہے کہ اس شخص کا حج فوت ہو گیا۔ دس ذوالحجہ تک وہ حج کے افعال نہیں کر سکا تو کیا کہتے ہیں؟ کہ حج فوت ہو گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حج کا وقت گزر گیا، کیونکہ اگر ابھی بھی دس کے بعد بھی وقت باقی ہو تو پھر اس صورت میں تو فوت ہونا نہیں پایا جائے گا، کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ حج کیا ہو گیا؟ فوت ہو گیا۔ لیکن دس ذوالحجہ کے گزرنے پر کیا کہہ دیا جاتا ہے؟ اس کا حج فوت ہو گیا، معلوم ہوا یہ ذوالحجہ پورا نہیں مراد بلکہ اس کے صرف دس دن مراد ہیں، تو فوت ہونے کا معنی ہی یہ ہے کہ اس کا وقت گزر گیا، اس کا وقت گزر گیا۔ تو کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ الْحَجَّ يَفُوتُ بِمُضِيِّ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ**، اور اس لیے کیونکہ حج جو ہے وہ فوت ہو جاتا ہے ذوالحجہ کے دس دن گزرنے سے، **وَمَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ لَا يَتَحَقَّقُ الْفَوَاتُ**، اور وقت کے باقی رہتے ہوئے تو فوت ہونا ثابت نہیں ہوتا، فوت ہونا تو نہیں پایا جاتا، معلوم ہوا وقت بھی گزر گیا اور معلوم ہوا وقت تھا ہی کب تک؟ دس ذوالحجہ تک، تو ذوالحجہ کے دس دن ہی شامل ہیں اشہر حج میں، باقی دن نہیں بھئی۔ **وَهَذَا يَدُلُّ**، اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے، یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے، **عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى**، کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد جو ہے، اللہ قرآن میں جو فرماتے ہیں: **الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ**، کہ اللہ کا یہ قول جو ہے کہ حج کے مہینے معلوم ہیں، حج کے مہینے معلوم ہیں، اللہ کے اس قول سے مراد جو ہے: **شَهْرَانِ وَبَعْضُ الثَّالِثِ لَا كُلُّهُ**، دو ماہ اور تیسرے کا کچھ حصہ ہے لَا **كُلُّهُ** نہ کہ تینوں، نہ کہ تینوں سارے، سارے تینوں مہینے مراد نہیں ہیں بلکہ دو ماہ اور تیسرے کا کچھ حصہ یعنی دس دن ہیں بھئی۔

فَإِنْ قَدَّمَ الْإِحْرَامَ بِالْحَجِّ عَلَيْهَا جَازَ إِحْرَامُهُ وَانْعَقَدَ حَجًّا۔ بھئی ایک شخص ہے وہ حج کا احرام اشہر حج سے پہلے ہی باندھ لیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو ابھی بات گزر چکی، ابھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ احرام کیا ہے؟ حج اور عمرے کے لیے شرط ہے، اور شرط اگر وقت پر مقدم ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے مغرب کی نماز کے لیے کوئی مغرب کے وقت سے پہلے ہی وضو کر لے تو وضو نماز کے لیے شرط ہے اور مغرب کے وقت سے پہلے ہی کر لیا تو بھی یہ جائز ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: **فَإِنْ قَدَّمَ الْإِحْرَامَ بِالْحَجِّ عَلَيْهَا**، اگر مقدم کر دیا حج کے احرام کو **عَلَيْهَا** ان اشہر حج پر، **جَازَ إِحْرَامُهُ**، تو اس کا یہ احرام جائز ہے، **وَانْعَقَدَ حَجًّا**، اور اس کا حج منعقد ہو جائے گا، **خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ**، بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں نہیں، حج کا احرام، وہ فرماتے ہیں یہ احرام جو ہے حج کا رکن ہے اور رکن کا بھی اشہر حج میں ہونا ضروری ہے۔ **فَإِنَّ عِنْدَهُ يَصِيرُ مُحْرِمًا بِالْعُمْرَةِ**، وہ فرماتے ہیں اگر اشہر حج سے پہلے کوئی حج کا احرام باندھے تو احرام تو ضرور ہو جائے گا لیکن بہر حال حج کا نہیں ہو گا، تو پھر کس کا ہو گا؟ کہتے ہیں بھئی حج کے علاوہ دوسری چیز جس کے لیے احرام باندھا جاتا ہے وہ عمرہ ہی ہے اور تو کوئی چیز نہیں، لہٰذا یہ احرام کس کا ہو جائے گا؟ عمرے کا ہو جائے گا۔ یہ معنی ہے: **فَإِنَّ عِنْدَهُ يَصِيرُ مُحْرِمًا بِالْعُمْرَةِ**، پس ان کے نزدیک یہ شخص جو ہے محرم بال Shakespeare / العمرۃ ہو جائے گا، **لِأَنَّهُ رُكْنٌ عِنْدَهُ**، اس لیے کیونکہ احرام جو ہے یہ رکن ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک، **وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَنَا**، اور ہمارے نزدیک یہ احرام شرط ہے، **فَأَشْبَهَ الطَّهَارَةَ فِي جَوَازِ التَّقْدِيمِ عَلَى الْوَقْتِ**، تو یہ طہارت کے مشابہ ہو گیا فی جواز التقدیم علی الوقت وقت پر مقدم کرنے کے جائز ہونے میں۔ وقت پر مقدم کرنے کو مقدم کرنے کے جائز ہونے کے اعتبار سے، جیسے طہارت وقت پر مقدم کرنا جائز ہے اسی طرح احرام بھی شرط ہے تو وہ بھی وقت پر مقدم کرنا جائز ہے، اشہر حج سے پہلے بھی باندھنا جائز ہے۔

وَلِأَنَّ الْإِحْرَامَ تَحْرِيمُ أَشْيَاءَ وَإِيجَابُ أَشْيَاءَ، اور نیز اس لیے کیونکہ احرام جو ہے وہ کچھ چیزوں کو حرام کرنا ہے اور کچھ چیزوں کو واجب کرنا ہے۔ احرام کے ذریعے دراصل انسان کیا کرتا ہے؟ کچھ چیزوں کو اپنے اوپر واجب کرتا ہے اور کچھ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرتا ہے، حرام کرتا ہے۔ مثلاً ناخن نہیں کاٹ سکتا، بال

نہیں کاٹ سکتا، بیوی سے صحبت نہیں کر سکتا، شکار وغیرہ نہیں کھیل سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا، تو دیکھو یہ سب چیزیں اس پر احرام کے ذریعے انسان کیا کر لیتا ہے؟ اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، اور کچھ چیزوں کو اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے، مثلاً طواف کرنا ہے، سعی کرنی ہے، اسی طرح حج کا ہے تو رمی کرنی ہے، وقوف مزدلفہ کرنا ہے وغیرہ بھئی۔ تو کچھ چیزوں کو احرام کے ذریعے اپنے اوپر انسان واجب کرتا ہے اور کچھ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرتا ہے، اور یہ کام تو ہر زمانے کے اندر ہو سکتا ہے۔ اشہر حج میں بھی ایسا کیا جا سکتا ہے اور اشہر حج سے پہلے بھی کیا جا سکتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں یہ اسی طرح ہو گیا، یہ اسی طرح ہو گیا جیسے جگہ کے اعتبار جگہ کے اعتبار سے احرام کو مقدم کرنا جائز ہے۔ جب جگہ کے اعتبار سے مقدم کرنا احرام کو جائز ہے تو زمانے کے اعتبار سے بھی مقدم کرنا جائز ہو گا۔ بھئی جگہ کے اعتبار سے آپ احرام کو مقدم کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ آپ حج پر جا رہے ہیں، آپ کو کہاں جا کر احرام باندھنا چاہیے؟ میقات پر۔ میقات پر، اس سے آگے احرام کے بغیر گزرنا جائز نہیں تو وہاں احرام باندھنا ضروری ہے، لیکن کیا اس سے پہلے احرام باندھ سکتے ہیں یا نہیں باندھ سکتے؟ آپ گھر سے ہی باندھ کر چلنا چاہتے ہیں تو کیا کر سکتے ہیں؟ احرام باندھ سکتے ہیں۔ تو جیسے جگہ کے اعتبار سے احرام کو مقدم کرنا جائز ہے تو اسی طرح زمانے کے اعتبار سے بھی اس کو مقدم کرنا جائز ہو گا کیونکہ یہ کچھ چیزوں کا اپنے اوپر حرام کرنا ہے اور کچھ چیزوں کا اپنے اوپر واجب کرنے ہی کا نام ہے اور یہ ہر زمانے میں ہو سکتا ہے۔ یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّ الْإِحْرَامَ تَحْرِيمُ أَشْيَاءَ وَإِيجَابُ أَشْيَاءَ**، اور نیز اس لیے کیونکہ احرام جو ہے وہ کچھ چیزوں کو حرام کرنا ہے اور کچھ چیزوں کو واجب کرنا ہے، **وَذَلِكَ يَصِحُّ فِي كُلِّ زَمَانٍ**، اور ایسا کرنا تو صحیح ہے ہر زمانے کے اندر، **فَصَارَ كَالتَّقْدِيمِ عَلَى الْمَكَانِ**، اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسے احرام کو مقدم کرنا ہے علی المکان، علی المکان جگہ پر۔

قَالَ: وَإِذَا قَدِمَ الْكُوفِيُّ بِعُمْرَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَفَرَغَ مِنْهَا وَحَلَقَ أَوْ قَصَّرَ ثُمَّ اتَّخَذَ مَكَّةَ أَوِ الْبَصْرَةَ دَارًا وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ۔ بھئی یہ مسئلہ تو آپ پہلے پڑھ چکے کہ ایک شخص اگر اشہر حج میں آیا اور اس نے عمرہ ادا کر لیا اور عمرے سے حلال ہو کر پھر وہ چلا گیا گھر واپس اور پھر اسی سال آ کر اس نے حج کیا تو یہ متمتع ہے یا متمتع نہیں ہے؟ یہ متمتع نہیں کیونکہ اس نے کیا کر لیا؟ الممام صحیح کر لیا، یعنی اپنے وطن میں نازل ہوا ہے اور اس حال میں کہ اس پر مکہ واپس لوٹنا واجب نہیں کیونکہ احرام سے تو یہ حلال ہو چکا ہے عمرہ تو پورا کر کے آ گیا ہے، تو اب مکہ واپس جانا اس پر واجب نہیں ہے، تو اس نے الممام صحیح کر لیا لہٰذا اس کا حج تمتع باطل ہو گیا اور اگر یہ پھر بھی چلا گیا اسی سال حج کے لیے تو یہ اس حج حج تمتع نہیں ہو گا بلکہ کون سا حج ہو گا؟ حج افراد ہو گا۔ یہ کون سی صورت ذکر ہوئی؟ کہ جب عمرہ کر کے یہ کہاں چلا گیا تھا؟ اپنے گھر چلا گیا تھا۔

اب دوسری صورتیں ذکر کر رہے ہیں۔ ایک شخص جو ہے آیا اور آ کر اس نے عمرہ ادا کیا اور عمرہ ادا کر کے مکہ ہی میں مقیم رہا اور پھر حج بھی کر لیا اسی سال، تو کیا یہ متمتع ہو گا یا نہیں؟ کہتے ہیں یہ بالاتفاق متمتع ہے، کیونکہ متمتع کرتا بھی اسی طرح ہے، اس کا عمرہ میقاتی ہوتا ہے، عمرے کا احرام کہاں سے باندھا ہوتا ہے؟ میقات سے، اور اس نے بھی کہاں سے باندھا؟ میقات سے۔ اور اس کا حج مکی ہوتا ہے، یعنی حج کا احرام کہاں سے باندھتا ہے؟ مکہ سے، اور یہ عمرہ کر کے جب مکہ ہی میں رہا تو لازمی بات ہے حج کا احرام کہاں سے باندھے گا؟ مکہ ہی سے باندھے گا، تو لہٰذا اس صورت میں بالاتفاق یہ شخص کیا ہوا؟ متمتع ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ شخص گھر سے آیا، آ کر اس نے عمرہ ادا کیا اور عمرے سے حلال ہو گیا، پھر اس کے بعد یہ دوبارہ میقات سے باہر نکل گیا لیکن اپنے وطن نہیں گیا، اپنے وطن جائے گا تو پھر تو الممام صحیح ہو جائے گا اور اس کا تمتع کیا ہو جائے گا؟ باطل۔ تو یہ میقات سے تو نکلا لیکن اپنے وطن نہیں گیا، کسی دوسری جگہ مثلاً وطن کیا تھا اس کا؟ آیا کہاں سے تھا؟ کوفہ سے، فرض کر لیں۔ اور واپس جا کر اب کہاں رہنے لگا؟ مثلاً بصرہ میں رہنے لگا، یہ بطور مثال کے دو شہر ذکر کیے، ورنہ بس اپنے وطن کے علاوہ کہیں اور جا کر رہنے لگا، تو کیا اس صورت میں پھر یہ اسی سال حج بھی کر لے تو یہ متمتع ہو گا یا متمتع نہیں ہو گا؟ تو ایک روایت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ بالاتفاق یہ متمتع ہے۔ بالاتفاق یہ کیا ہے؟ متمتع ہے بھئی، متمتع ہے۔ اس لیے کیونکہ متمتع اس کو کہتے ہیں جو ایک ہی سفر کے اندر حج اور عمرہ دونوں عبادتیں ادا کرے۔ اور یہ شخص بھی ایک ہی سفر کے اندر دونوں عبادتیں ادا کرنے والا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے ایک سفر کہاں ہے؟ ایک سفر میں تو عمرہ کیا تھا اور پھر واپس چلا گیا تھا کسی دوسرے شہر اور حج کے لیے تو اس نے دوبارہ سفر کیا ہے؟ جواب یہ کہ نہیں بھئی، جب تک یہ اپنے وطن واپس نہیں جاتا یہ کیا چل رہا ہے؟ وہی پہلا سفر ہی چل رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ پہلی روایت آئی کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے، ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک یہ شخص کیا ہو گا؟ متمتع ہو گا، جب اس نے کیا کیا تھا؟ عمرہ کے بعد پھر میقات سے نکل گیا تھا لیکن اپنے وطن نہیں گیا اور پھر کیا کیا ہے؟ حج کیا ہے اسی سال۔

جبکہ دوسرے بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ متمتع ہے، امام صاحب کی یہ دلیل ہے کہ ابھی پہلا سفر چل رہا ہے لہٰذا یہ کیا ہے؟ متمتع ہے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں یہ متمتع نہیں، اس لیے کیونکہ وہ فرماتے ہیں متمتع وہ ہے جس کا عمرہ میقاتی ہو یعنی عمرے کا احرام کہاں سے باندھا ہو؟ میقات سے، اور حج مکی ہو یعنی حج کا احرام کہاں سے باندھا ہو؟ مکہ سے، حالانکہ اس شخص کا عمرہ بھی میقاتی اور حج بھی میقاتی، کیونکہ میقات سے باہر نکل گیا تھا نا تو حج کے لیے بھی احرام کہاں سے باندھ کے آئے گا؟ میقات سے، تو اس کا حج بھی میقاتی اور عمرہ بھی میقاتی، لہٰذا اس کو متمتع نہیں کہیں گے۔ اور ثمرہ ظاہر ہو گا وجوب دم کے بارے میں کہ اس پر حج کی قربانی واجب ہو گی یا واجب نہیں، تو امام صاحب کے نزدیک چونکہ یہ متمتع ہے لہٰذا اس پر تمتع کی قربانی واجب ہو گی، جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ متمتع نہیں لہٰذا اس پر حج کی قربانی بھی واجب نہیں۔ دونوں صورتیں سمجھ میں آگئیں؟ ایک صورت کیا تھی؟ اس نے عمرے کے بعد مکہ ہی کو وطن بنایا۔ دوسری صورت کیا تھی؟ کہ اس نے عمرے کے بعد میقات سے باہر کسی اور جگہ کو وطن بنا لیا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے اب یہ دونوں مسئلے اکٹھے ذکر کریں گے۔

قَالَ: وَإِذَا قَدِمَ الْكُوفِيُّ بِعُمْرَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، امام محمد رحمہ اللہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں: اور جب آیا کوفہ والا کوئی شخص **بِعُمْرَةٍ** عمرے کے لیے **فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ** حج کے مہینوں میں، **وَفَرَغَ مِنْهَا**، اور وہ یہ شخص عمرے سے فارغ ہو گیا، **وَحَلَقَ أَوْ قَصَّرَ**، اور اس نے حلق کروادیا یعنی سر کے بال استرے سے صاف کروادیے **أَوْ قَصَّرَ** یا سر کے بال چھوٹے کروادیے، یعنی عمرے سے حلال ہو گیا، **ثُمَّ اتَّخَذَ مَكَّةَ أَوِ الْبَصْرَةَ دَارًا**، پھر اس نے مکہ یا بصرہ کو اپنا دار بنالیا۔ مکہ کو بنایا تو یہ ایک صورت، اور بصرہ کو بنایا؟ دوسری صورت۔ بصرہ کہاں ہے؟ میقات سے باہر ہے یعنی کسی دوسری جگہ، میقات سے باہر جا کر رہنے لگا، **وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ**، اور اس نے پھر حج کر دیا اپنے اسی سال میں، **فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ**، تو یہ شخص کیا ہے؟ متمتع ہے۔ مکے کی والی صورت میں تو بالاتفاق کیا ہے؟ متمتع، اور بصرہ کو وطن بنایا تو اس میں بھی ایک روایت کیا آئی ہے؟ کہ یہ متمتع ہی ہے۔ **أَمَّا الْأَوَّلُ**، باقی پہلا جو ہے، کون سا پہلا؟ جس نے مکہ کو وطن بنایا، **فَلِأَنَّهُ تَرَفَّقَ بِنُسُكَيْنِ فِي سَفَرٍ وَاحِدٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ**، اس لیے کیونکہ اس نے نفع اٹھایا ہے دو عبادتوں کا ایک ہی سفر میں حج کے مہینوں میں، تو لہٰذا یہ تو بالاتفاق کیا ہے؟ متمتع ہے۔ **وَأَمَّا الثَّانِي**، اور باقی دوسرا جو ہے وہ کون سا؟ جس نے بصرہ کو دار بنالیا وہاں اقامت اختیار کر لی، **فَقِيلَ هُوَ بِالِاتِّفَاقِ**، تو کہا گیا ہے وہ بھی بالاتفاق کیا ہے؟ متمتع ہے۔ **وَقِيلَ**، اور کہا گیا ہے: **هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، کہ یہ امام صاحب کا قول ہے، **وَعِنْدَهُمَا لَا يَكُونُ مُتَمَتِّعًا**، اور صاحبین کے نزدیک یہ بصرہ کو دار بنانے والا متمتع نہیں ہو گا۔ بھئی کیوں نہیں ہو گا صاحبین کے نزدیک؟ ان کی دلیل آ رہی ہے، کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْمُتَمَتِّعَ مَنْ تَكُونُ عُمْرَتُهُ مِيقَاتِيَّةً وَحَجَّتُهُ مَكِّيَّةً**، اس لیے کیونکہ متمتع وہ ہے کہ جس کا عمرہ میقاتی ہو اور حج اس کا مکی ہو، **وَنُسُكَاهُ هَذَانِ مِيقَاتِيَّانِ**، اور اس کی یہ دونوں عبادتیں کیا ہیں؟ یہ تو میقاتی ہیں، عمرہ بھی میقاتی عمرے کا احرام بھی میقات سے باندھا اور پھر حج کا احرام بھی میقات سے باندھا ہے۔ یہ صاحبین کے نزدیک، صاحبین کے نزدیک یہ متمتع نہیں۔ **وَلَهُ**، اور امام صاحب کے نزدیک یہ بھی کیا ہے؟ متمتع ہے، تو اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں: **وَلَهُ** اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ سَفْرَتَهُ الْأُولَى قَائِمَةٌ مَا لَمْ يَعُدْ إِلَى وَطَنِهِ**، کہ پہلا سفر قائم ہے یعنی وہ موجود ہے **مَا لَمْ يَعُدْ إِلَى وَطَنِهِ** جب تک یہ اپنے وطن واپس نہیں لوٹتا۔ تو پہلا سفر ہی اس کا چل رہا ہے، **وَقَدِ اجْتَمَعَ لَهُ نُسُكَانِ فِيهِ**، اور تحقیق اس کے لیے جمع ہو گئیں دو عبادتیں **فِيهِ** اسی سفر کے اندر، **فَوَجَبَ دَمُ التَّمَتُّعِ**، تو اس پر تمتع کا دم واجب ہو گا۔ یہاں تک مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟

فَإِنْ قَدِمَ بِعُمْرَةٍ فَأَفْسَدَهَا وَفَرَغَ مِنْهَا وَقَصَّرَ ثُمَّ اتَّخَذَ الْبَصْرَةَ دَارًا ثُمَّ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعًا۔ بھئی صورت مسئلہ یہ کہ میقات کی حدود سے باہر کو سے کوئی شخص آیا، جیسے اوپر ذکر تھا کوفہ والا، کوفہ بھی کدھر ہے؟ میقات سے باہر، تو کوفہ والا شخص آیا اور اس نے آ عمرے کا احرام باندھا اشہر حج میں لیکن درمیان میں اس نے بیوی سے صحبت کر لی تو اس کا عمرہ فاسد ہو گیا۔ طواف سے پہلے ہی اس نے کیا کر لی؟ بیوی سے صحبت کر لی تو اس کا عمرہ فاسد ہو گیا۔ لیکن بہر حال عمرہ یا حج فاسد بھی ہو جائے تو اس کے افعال انسان پر لازم ہے وہ کرتا چلا جائے، یہ عمرے کے سارے افعال اس نے کر لیے اور پھر حلق یا قصر بھی کروالیا اور اس عمرے سے وہ فارغ ہوا لیکن اب اس پر ایک دم لازم ہے اور عمرے کی قضا لازم ہے۔ یہ پھر یہ اس عمرے کی قضا کرتا ہے۔ پھر اس میں تین صورتیں ہیں اس عمرے کی قضا کرنے کی:

ایک صورت یہ: یہ ابھی گھر چلا گیا، پھر کسی وقت آیا انہی حج کے مہینوں میں اور کیا کیا؟ عمرے کی قضا کی اور پھر اسی سال حج بھی کیا، تو کیا یہ متمتع ہو گا یا نہیں؟ دوسری صورت: کہ یہ عمرہ فاسد ہونے کے بعد اور پھر اس نے افعال کر لیے، پھر یہ مکہ ہی میں مقیم رہا اور پھر وہیں سے کیا کی اس نے؟ اس عمرے کی قضا بھی کی اور پھر اسی سال حج بھی کیا، تو متمتع ہو گا یا نہیں؟ یہ دوسری صورت آ گئی۔ تیسری صورت یہ ہے: کہ عمرہ فاسد ہو گیا، تو یہ پھر میقات سے نکلا لیکن اپنے وطن نہیں گیا، کسی اور جگہ جا کر رہنے لگا اور پھر وہاں سے وہ آیا اور اس نے اس عمرے کی بھی قضا کی اور اسی سال حج بھی کیا، تو اس کو متمتع کہیں گے یا نہیں کہیں گے؟

تینوں صورتیں سمجھ میں آ گئیں؟ کہ یہ شخص اصلاً کہاں کا رہنے والا ہے؟ کوفہ یعنی میقات سے باہر کا رہنے والا ہے، اور احرام باندھ کر اشہر حج میں آیا اور عمرے کو کیا کر دیا؟ فاسد کر دیا، پھر اس کے بعد یہ اس عمرے کی قضا کرتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں کہ وہیں مکہ میں رہتے ہوئے ہی قضا کرتا ہے اور پھر حج بھی کرے گا، یا اپنے وطن چلا گیا اور پھر وہاں سے آ کر عمرہ بھی کیا اور اسی سال کیا کیا؟ حج بھی کیا، اور تیسری صورت یہ کہ میقات سے نکل گیا لیکن اپنے وطن نہیں گیا اور پھر اسی سال آ کر قضا بھی عمرے کی کی اور حج بھی کیا، تو ان تینوں صورتوں میں کیا حکم ہو گا؟ وہ اب بیان کریں گے۔ صورتیں اچھی طرح سمجھ میں آ گئیں؟

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ قَدِمَ بِعُمْرَةٍ**، تو اگر وہ کوفہ والا عمرے کے لیے آیا، **فَأَفْسَدَهَا**، پھر اس نے اس عمرے کو فاسد کر دیا، یعنی بیوی کے ساتھ صحبت کر لی طواف سے پہلے ہی، **وَفَرَغَ مِنْهَا**، اور پھر پھر اس عمرے سے وہ فارغ بھی ہوا، کیا معنی؟ یعنی اس کے سارے افعال بھی اس نے کر لیے، **وَقَصَّرَ**، اور بال بھی چھوٹے کروا لیے، **ثُمَّ اتَّخَذَ الْبَصْرَةَ دَارًا**، پھر اس نے بصرہ کو اپنا دار بنالیا، اس کو اپنا دار اقامت بنالیا وہاں اقامت اختیار کر لی۔ تو کون سی صورت ذکر ہو رہی ہے؟ کہ میقات سے باہر چلا گیا ہے اور کسی اور جگہ اپنے وطن کے علاوہ کسی اور جگہ وہ رہنے لگا، اب وہاں سے آ کر یہ عمرہ کرے گا تو اس کو متمتع کہیں گے یا متمتع نہیں کہیں گے۔ تو کہتے ہیں: **ثُمَّ اتَّخَذَ الْبَصْرَةَ دَارًا**، پھر اس نے بصرہ کو دار بنالیا یعنی دار اقامت، **ثُمَّ اعْتَمَرَ**، پھر اس نے عمرہ کیا، کون سا عمرہ؟ وہی قضا، **فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ**، حج کے مہینوں میں، **وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ**، اور حج بھی کر لیا اپنے اسی سال میں، **لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعًا**، تو یہ متمتع نہیں، یہ **عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام صاحب کی کے نزدیک ہے، **وَقَالَا هُوَ مُتَمَتِّعٌ**، صاحبین اس صورت میں اختلاف کرتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ متمتع ہے، یہ متمتع ہے۔ **لِأَنَّهُ إِنْشَاءُ سَفَرٍ**،

صاحبین فرماتے ہیں جب یہ میقات سے نکل گیا، کہاں سے؟ میقات سے نکل گیا، اب جب وہاں سے مثلاً بصرہ وغیرہ جہاں بھی وہ رہنے لگا وہاں سے جب یہ آئے گا تو یہ گویا ایک نیا سفر ہے، کیا ہے؟ ایک نیا سفر ہے، اور اسی سفر میں اس نے عمرہ بھی کر لیا اور پھر اسی سفر میں اس نے کیا کر لیا؟ حج بھی کر لیا، تو اس نے ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کا نفع اٹھالیا، اور متمتع بھی کس کو کہتے ہیں؟ جو ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کا نفع اٹھائے، لہٰذا اس کو کیا کہیں گے؟ متمتع کہیں گے۔ سمجھ میں آئی بات؟ وہ فرماتے ہیں اس کا پہلا سفر جو تھا جو گھر سے آیا تھا وہ تو عمرہ فاسد ہونے کی وجہ سے ختم ہو گیا بھئی، کس کی وجہ سے؟ عمرہ فاسد ہوا تھا وہ تو ختم ہو گیا سفر، اور یہ جو اب سفر کر کے آیا ہے کہاں سے آیا ہے؟ حرم کے یا میقات کے اندر سے آیا ہے یا باہر سے آرہا ہے؟ باہر سے آرہا ہے، تو یہ ایک نیا سفر ہے اور اسی میں اس نے عمرہ بھی کیا اور اسی میں حج بھی کیا تو اس کو متمتع کہیں گے۔ جبکہ امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ یہ متمتع نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَقَالَا**، صاحبین فرماتے ہیں: **هُوَ مُتَمَتِّعٌ**، یہ شخص متمتع ہے، **لِأَنَّهُ إِنْشَاءُ سَفَرٍ**، اس لیے کیونکہ یہ انشاء سفر ہے، انشاء کا معنی وجود دینا، اس لیے کیونکہ یہ بصرہ سے اس کا نکلنا یہ کیا ہے؟ سفر کو وجود دینا ہے، ایک نیا سفر کیا جا رہا ہے، **وَقَدْ تَرَفَّقَ بِنُسُكَيْنِ**، اور تحقیق اس نے نفع اٹھالیا دو عبادتوں کا، تو لہٰذا یہ متمتع ہے۔ **وَلَهُ**، اور امام صاحب کی دلیل، امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ پچھلے مسئلے میں بھی ذکر ہو چکا کہ جب تک یہ اپنے وطن نہیں جائے گا وہی پہلا سفر چل رہا ہے، اور پہلا سفر کے اندر تو اس کا ایک عمرہ فاسد ہو چکا، معلوم ہوا اس سفر میں اس کو دو صحیح عبادتوں کی توفیق نہ مل سکی لہٰذا یہ متمتع نہیں، حالانکہ متمتع کے لیے کیا ضروری تھا؟ اس کو دو صحیح عبادتوں کی توفیق ملے، پہلا پہلے عبادت عمرہ اس کو تو اس نے فاسد کر دیا، بعد میں بے شک اس کی قضا کر لیتا ہے لیکن پہلا عمرہ تو کیا ہو چکا؟ فاسد ہو چکا، یہ تو اسی کی قضا کر رہا ہے، لہٰذا یوں کہیں گے اس کو اس سفر میں دو صحیح عبادتوں کی توفیق نہیں ملی، یہ نفع اس نے نہیں اٹھایا اور جب یہ نفع نہیں اٹھایا تو یہ متمتع بھی نہیں ہے۔ امام صاحب کی دلیل سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو: **وَلَهُ**، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ بَاقٍ عَلَى سَفَرِهِ مَا لَمْ يَرْجِعْ إِلَى وَطَنِهِ**، کہ یہ شخص اپنے سفر پر ہی باقی ہے جب تک کہ اپنے وطن واپس نہیں لوٹتا، اور اس سفر میں تو اس کو دو صحیح عبادتوں کی توفیق نہیں مل سکی۔

یاد رکھیے یہ صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف اس صورت میں ہے جب یہ شخص جو ہے اشہر حج کے اندر بصرہ کی طرف نکلا ہو اور بصرہ میں اس نے اقامت اختیار کی ہو اور پھر وہاں سے آیا ہو بھئی۔ یہ اختلاف کس صورت میں ہے؟ اشہر حج کے اندر وہ نکلا ہو اور اس نے بصرہ میں اقامت اختیار کی ہے اور پھر عمرہ اور حج کرنے کے لیے وہاں سے آیا ہے تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک یہ متمتع نہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک وہ متمتع ہے۔ لیکن اگر اس کے بجائے وہ اشہر حج سے پہلے ہی نکل گیا تھا بصرہ کی طرف، یہ جو عمرہ فاسد کیا اس نے یہ اشہر حج سے پہلے فاسد کیا تھا اور اشہر حج سے پہلے ہی نکل کر کہاں چلا گیا؟ بصرہ چلا گیا، اور پھر اشہر حج کے اندر وہ بصرہ سے آیا اور اس نے پھر عمرہ بھی کیا اور حج بھی کیا، تو یاد رکھیے اس صورت میں وہ بالاتفاق متمتع ہو گا بھئی، بالاتفاق متمتع ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا یہ اختلاف صرف کس صورت میں ہے؟ جب وہ اشہر حج کے اندر نکلا ہو بصرہ کی طرف بھئی، اور اگر اشہر حج سے پہلے ہی بصرہ کی طرف نکلا تھا پھر بالاتفاق وہ متمتع ہے بھئی۔

دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں اب۔ پہلی صورت کیا تھی؟ عمرہ فاسد کر کے وہ میقات سے باہر نکل گیا تھا اور پھر آکر اس نے عمرہ اور حج کیا تھا۔ دوسری صورت یہ کہ عمرہ فاسد کر دیا اور پھر وطن چلا گیا اور پھر وہاں سے آکر عمرہ بھی کرتا ہے اور حج بھی اسی سال کرتا ہے، تو یاد رکھیے اس صورت میں بالاتفاق یہ متمتع ہے، کیونکہ جب گھر واپس چلا گیا تو سفر کیا ہوا؟ ختم ہو گیا سفر، اور اب جب آئے گا تو یہ نیا سفر ہے اور اسی سفر میں اس کا دو عبادت، دو صحیح عبادتوں کی توفیق مل گئی تو لہٰذا اس یہ کیا کہلائے گا؟ متمتع کہلائے گا اور اس پر حج کی قربانی بھی واجب ہو گی۔

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ كَانَ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ**، اور اگر یہ شخص اپنے گھر واپس لوٹ گیا، **ثُمَّ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ**، اور پھر اس نے عمرہ کیا حج کے مہینوں میں، **وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ**، اور حج بھی کیا اسی سال اپنے اسی سال میں، **يَكُونُ مُتَمَتِّعًا فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا**، تو یہ شخص متمتع ہو گا ہمارے تینوں ائمہ کے قول کے مطابق، **لِأَنَّ هَذَا إِنْشَاءُ سَفَرٍ**، اس لیے کیونکہ یہ انشاء سفر ہے، جب دوبارہ گھر سے چلے گا تو یہ انشاء سفر ہے، ایک نئے سفر کو وجود دینا ہے، **لِانْتِهَاءِ السَّفَرِ الْأَوَّلِ**، اس وجہ سے کہ پہلا سفر تو ختم ہو چکا ہے، جب یہ وطن واپس چلا گیا تھا پہلا سفر ختم ہو چکا، تو اب یہ نیا سفر ہے، **وَقَدِ اجْتَمَعَ لَهُ نُسُكَانِ صَحِيحَانِ فِيهِ**، اور تحقیق اس کے لیے جمع ہو گئیں دو صحیح عبادتیں **فِيهِ** اسی سفر میں۔

اب آگے تیسری صورت ذکر کریں گے کہ عمرے کو فاسد کر کے وہ کہاں رہنے لگ پڑا؟ مکہ ہی میں رہنے لگ پڑا اور وہاں اس نے عمرے کی قضا بھی کی اور اسی سال حج بھی کیا۔ آپ مجھے بتائیے اس کو متمتع کہیں گے یا نہیں کہیں گے؟ کیوں نہیں کہیں گے؟ وجہ اس کی یہ کہ یہ مکی ہے، مکی ہے اور مکہ والے کے لیے تو تمتع درست ہی نہیں، وہ تو متمتع بن ہی نہیں سکتا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں: **وَلَوْ بَقِيَ بِمَكَّةَ**، اور اگر یہ عمرہ فاسد کرنے والا مکہ ہی میں باقی رہا، **وَلَمْ يَخْرُجْ إِلَى الْبَصْرَةِ**، اور وہ بصرہ کی طرف نہیں نکلا، **حَتَّى اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ**، یہاں تک کہ اس نے عمرہ کر لیا حج کے مہینوں میں، **وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ**، اور حج بھی کر لیا اپنے اسی سال میں، **لَا يَكُونُ مُتَمَتِّعًا بِالِاتِّفَاقِ**، تو یہ بالاتفاق متمتع نہیں ہو گا، **لِأَنَّ عُمْرَتَهُ مَكِّيَّةٌ**، اس لیے کیونکہ اس کا عمرہ مکی ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے عمرہ کیسے مکی ہے؟ عمرہ تو یہ گھر سے سفر کر کے آیا تھا اور پھر وہ فاسد ہو گیا عمرہ، تو یہ تو اسی کی قضا کر رہا ہے؟ کہتے ہیں بھئی وہ سفر جب عمرہ فاسد کر دیا تھا وہ سفر کیا ہو گیا تھا؟ ختم ہو گیا تھا، اب یہ عمرہ کر رہا ہے تو یہ عمرے کہاں سے کر رہا

ہے؟ میقات سے احرام باندھ کر آرہا ہے یا وہیں حرم سے نکل کر احرام باندھ لیتا ہے؟ وہیں حرم سے نکلتا ہے اور احرام باندھ لیتا ہے، تو اس کا عمرہ بھی مکی ہوا، حالانکہ متمتع کا تو عمرہ میقاتی ہوتا ہے۔ **لِأَنَّ عُمْرَتَهُ مَكِّيَّةٌ**، اس لیے کیونکہ اس کا عمرہ مکی ہے، **وَالسَّفَرُ الْأَوَّلُ انْتَهَى بِالْعُمْرَةِ الْفَاسِدَةِ**، اور پہلا سفر جو ہے وہ تو ختم ہو چکا عمرۂ فاسدہ کی وجہ سے، **وَلَا تَمَتُّعَ لِأَهْلِ مَكَّةَ**، تو اس کا عمرہ مکی ہوا، اور حج تمتع تو مکہ والوں کے لیے نہیں ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی، ھٰذا ھو المرام، واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۵۱: وَمَنِ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ...

ہدایہ صفحہ: ۲۸۷ — بتاریخ: ۷ مئی ۲۰۱۳ء

وَمَنِ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ فَأَيُّهُمَا أَفْسَدَ مَضَى فِيهِ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ الْخُرُوجُ عَنْ عُهْدَةِ الْإِحْرَامِ إِلَّا بِالْأَفْعَالِ، وَسَقَطَ دَمُ الْمُتْعَةِ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَرَفَّقْ بِأَدَاءِ نُسُكَيْنِ صَحِيحَيْنِ فِي سَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ. [1]

بھئی مسئلہ یہاں پر یہ ذکر کر رہے ہیں کہ ایک شخص نے اشہرِ حج میں عمرہ کیا اور حج بھی کیا۔ تو ان دونوں میں سے جس کو بھی وہ فاسد کر دے، چاہے حج کو فاسد کر دے چاہے عمرے کو فاسد کر دے، تو اس میں چلتا رہے گا۔ یعنی اس کے اعمال سرانجام دیتا رہے گا، جیسے گزشتہ سبق میں ذکر ہوا تھا۔ اس لیے کیونکہ اس نے احرام باندھا ہے ان افعال کو سرانجام دینے کے لیے۔ تو جب تک یہ افعال سرانجام نہیں دے گا، احرام کی ذمہ داری سے یہ نہیں نکل سکتا۔ تو اگرچہ یہ حج یا عمرہ جو ہے جس کو اس نے فاسد کر دیا، یہ حج اور عمرہ اگرچہ فاسد ہے لیکن بہر حال اس کے یہ افعال کرے گا آخر تک اور پھر حلق یا قصر کروا کر اس احرام سے نکل جائے گا، بھائی نکل جائے گا۔ ہاں البتہ اس سے دمِ متعہ ساقط ہو جائے گا۔ اس لیے کیونکہ دمِ متعہ یعنی تمتع کا دم وہ تو کب آتا ہے؟ جب ایک ہی سفر میں وہ حج اور عمرے دونوں کا نفع اٹھائے۔ اور یہاں تو ایک عبادت چونکہ فاسد ہو گئی، تو دو عبادتوں کا یہ نفع نہ اٹھا سکا۔ لہٰذا اس پر دمِ متعہ بھی واجب نہیں، وہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔ البتہ حج یا عمرے کو فاسد کرنے کی وجہ سے اس پر دم لازم ہو گا بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنِ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ**، اور جس نے عمرہ کیا حج کے مہینوں میں، **وَحَجَّ مِنْ عَامِهِ**، اور حج بھی کیا اپنے اسی سال میں، **فَأَيُّهُمَا أَفْسَدَ**، پس ان دونوں میں سے جس کو بھی اس نے فاسد کر دیا، **مَضَى فِيهِ**، تو اس میں چلتا رہے یعنی اس کے اعمال کرتا چلا جائے آخر تک، **لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ الْخُرُوجُ عَنْ عُهْدَةِ الْإِحْرَامِ إِلَّا بِالْأَفْعَالِ**، اس لیے کیونکہ ممکن نہیں ہے اس کے لیے نکلنا احرام کی ذمہ داری سے مگر کس کے ذریعے؟ افعال کے ذریعے جن کو اس نے اپنے اوپر لازم کیا تھا۔ تو عہدہ کا معنی ہے ذمہ داری بھائی۔ تو اس کے لیے ممکن نہیں ہے احرام کی ذمہ داری سے نکلنا مگر افعال کے ذریعے ہی، تو ان افعال کو آخر تک کرتا چلا جائے گا۔

وَسَقَطَ دَمُ الْمُتْعَةِ، اور دمِ متعہ کیا ہوا اس سے؟ ساقط ہو گیا۔ **لِأَنَّهُ لَمْ يَتَرَفَّقْ بِأَدَاءِ نُسُكَيْنِ صَحِيحَيْنِ فِي سَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ**، اس لیے کیونکہ اس نے نفع نہیں اٹھایا دو صحیح عبادتوں کی ادائیگی کا ایک ہی سفر میں۔

وَإِذَا تَمَتَّعَتِ الْمَرْأَةُ فَضَحَّتْ بِشَاةٍ لَمْ يُجْزِهَا مِنْ دَمِ الْمُتْعَةِ.

بھئی یہ بات میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ یہ جو قربانی ہے جو حجِ تمتع یا قران والا کرتا ہے، یہ وہ عید کی قربانی نہیں ہے بلکہ یہ حج کی قربانی ہے کہ اللہ نے اس کو دو عبادتیں کرنے کی توفیق نصیب فرمائی ایک ہی سفر کے اندر۔ تو یہ بطورِ شکر کے واجب ہے۔ لہٰذا صورت یہ کہ ایک عورت نے مثلاً حجِ تمتع کیا اور عید کے دن قربانی کرنی ہے۔ اتنا اسے پتہ ہے کہ قربانی کرنی ہے بھائی حج میں۔ لیکن یہ نہیں پتہ کہ یہ حج کی قربانی ہے یا عید کی۔ بس اس نے قربانی کر دی اور ارادہ کیا کیا؟ عید کی قربانی کی نیت کی اور جانور ذبح کر دیا۔ تو کیا یہ اس کے حج کی قربانی سے ادا ہو جائے گی؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، عید کی قربانی الگ چیز ہے، حج کی قربانی الگ چیز ہے۔ تو اس پر حج کی قربانی واجب تھی، اس نے وہ واجب ادا نہیں کیا، اس نے دوسری قربانی ادا کی ہے۔ تو لہٰذا یہ حج کی قربانی اس کی نہیں ہوئی، وہ ابھی بھی اس کے ذمہ باقی ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

تو یاد رکھیے، حاجی اگر مکہ میں مقیم رہتا ہے اور مسافر ہے یعنی پندرہ دن سے کم اس کی اقامت ہے وہاں پر، تو یہ مسافر ہوا اور مسافر پر عید کی قربانی نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ مکہ کے اندر اس کی اقامت پندرہ دن کی ہوئی، تو پھر یہ مقیم بن گیا اور مقیم جب صاحبِ نصاب ہو تو اس پر عید کی قربانی بھی واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر اس کے پاس نصاب کے بقدر مال ہے، تو پھر اس کو عید کی بھی قربانی کرنا پڑے گی اور اگر حجِ تمتع یا قران کر رہا ہے، تو اس کی بھی قربانی کرنا پڑے گی۔

[1] شاملہ (ص ۲۰۶) میں «مِنْ» کے بجائے «عن» درج ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا تَمَتَّعَتِ الْمَرْأَةُ**، پس جب حج تمتع کیا ایک عورت نے، **فَضَحَّتْ بِشَاةٍ**، تو اس نے عید کی قربانی کی ایک بھیڑ بکری بھائی۔ ضحّٰی کے معنیٰ عید کی قربانی کرنا۔ **فَضَحَّتْ بِشَاةٍ**، اس نے عید کی قربانی کی ایک بھیڑ بکری کے ساتھ، **لَمْ يُجْزِهَا مِنْ دَمِ الْمُتْعَةِ**، تو یہ کافی نہیں اس کے لیے دمِ متعہ سے۔ یہ قربانی اس کے لیے دمِ متعہ سے کافی نہیں ہے۔ **لِأَنَّهَا أَتَتْ بِغَيْرِ الْوَاجِبِ**، اس لیے کیونکہ وہ لے کر آئی ہے غیر واجب کو، وہ چیز جو اس پر واجب نہیں تھی یعنی عید کی قربانی، وہ اس نے کی ہے اور اس سے وہ واجب قربانی ادا نہیں ہو گی۔ **وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الرَّجُلِ**، اور اسی طرح جواب ہے مرد میں بھی بھائی۔ بھائی مسئلے کے اندر تو عورت کا ذکر کیا، تو یہ معنیٰ نہیں کہ مرد کا یہ حکم نہیں ہے۔ مرد کا بھی یہی حکم ہے، وہ عید کی قربانی کرے گا تو وہ تمتع کی قربانی نہیں ہو گی، اس کی قربانی الگ کرنا پڑے گی بھائی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ مسئلے میں عورت کا کیوں ذکر کیا گیا بطورِ خاص بھائی؟ تو وجہ اس کی یہ بھائی کہ یہ مسئلہ پوچھنے والی دراصل ایک عورت تھی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، اس لیے اس کو ذکر بھی اسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح پیش آیا تھا بھائی۔

وَإِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ عِنْدَ الْإِحْرَامِ، صورتِ مسئلہ یہ کہ احرام باندھنے کے موقع پر ایک عورت کو حیض آ گیا، حیض کے ایام شروع ہو گئے۔ تو یہ کیا کرے اب؟ تو یاد رکھیے، بھائی یہ حیض کوئی احرام کے منافی نہیں ہے۔ لہٰذا غسل کر لے جیسے مسنون طریقہ ہے، اور احرام کی نیت کر لے، اس کا احرام شروع ہو گیا، احرام اس کا شروع ہو گیا۔ اور یہ بھی یاد رکھیے کہ اس احرام کی حالت میں وہ حج اور عمرے کے باقی افعال کر سکتی ہے، صرف وہ افعال نہیں کر سکتی جو مسجد الحرام میں کیے جاتے ہیں، کیونکہ حالتِ حیض میں مسجد کے اندر داخل ہونا منع ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا یہ احرام تو باندھ لے گی غسل کر کے اور مسجد میں داخل نہیں ہو گی، وہ پھر جب پاک ہو جائے گی حیض سے تو پھر جا کر طواف بھی کرے گی اور سعی بھی کر لے، تو عمرہ ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اگر حج کے اندر حیض کے ایام شروع ہو گئے، تو پھر اس میں وقوفِ عرفہ بھی کرتی رہے، وقوفِ مزدلفہ بھی کرے، رمیِ جمار بھی کرے، تمام افعال کر سکتی ہے، صرف طوافِ زیارت نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ مسجد میں کیا جاتا ہے اور نیز اس میں طہارت بھی ہونا ضروری ہے، تو باقی افعال کرتی رہے۔ اور طوافِ زیارت عید کے ان تین دنوں میں کرنا واجب ہے، لیکن اگر عورت کو حیض آ گیا تو پھر وہ اس کو مؤخر بھی کر سکتی ہے۔ اور عام آدمی اگر اس کو مؤخر کرے گا تو اس پر دم لازم ہو گا۔ لیکن عورت اگر اس مجبوری کی بناء پر طوافِ زیارت کو مؤخر کرتی ہے، تو اس پر دم بھی واجب نہیں بھائی۔ اور اسی طرح واپسی کے وقت طوافِ وداع بھی حاجی پر واجب ہوتا ہے رخصتی کا طواف بھائی۔ لیکن اگر ان ایام میں عورت کو حیض آ گیا تو پھر اس صورت میں اس عورت پر طوافِ وداع بھی واجب نہیں، وہ اسی طرح واپس روانہ ہو جائے بغیر طوافِ وداع کے ہی بھائی اور اس پر دم بھی لازم نہیں بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ عِنْدَ الْإِحْرَامِ**، اور جب حیض والی ہو گئی عورت احرام کے وقت، **اغْتَسَلَتْ وَأَحْرَمَتْ**، تو وہ غسل کر لے اور احرام باندھ لے، **وَصَنَعَتْ كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ**، اور اسی طرح کرے جیسے کہ حاجی کرتے ہیں یعنی تمام افعال کرے، **غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَطُوفُ بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرَ**، سوائے اس کے کہ یہ بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی یہاں تک کہ یہ پاک ہو جائے، **لِحَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا حِينَ حَاضَتْ بِسَرِفَ**، بوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے جس وقت کہ وہ حائضہ ہو گئی تھیں سرف مقام کے اندر۔ تو ان کو بھی حضور علیہ السلام نے یہی حکم دیا تھا کہ وہ بیت اللہ کا طواف نہ کریں جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔

وَلِأَنَّ الطَّوَافَ فِي الْمَسْجِدِ وَالْوُقُوفَ فِي مَفَازَةٍ، اور نیز اس لیے کیونکہ طواف جو ہوتا ہے وہ مسجد میں ہوتا ہے، اس لیے یہ مسجد میں نہیں جائے گی، طواف نہیں کرے گی۔ **وَالْوُقُوفَ فِي مَفَازَةٍ**، اور وقوف تو جنگل میں ہوتا ہے۔ عرفات کیا ہے؟ کھلا میدان ہے، جنگل ہے۔ اسی طرح وقوفِ مزدلفہ بھی، وہ بھی کہاں ہے؟ مزدلفہ جنگل میں ہے۔ تو وہاں وہ جا سکتی ہے، وہ وقوف کر سکتی ہے۔

وَهَذَا الِاغْتِسَالُ لِلْإِحْرَامِ لَا لِلصَّلَاةِ فَيَكُونُ مُفِيدًا، اور یہ غسل جو ہے یہ احرام کے لیے ہے، آپ پہلے پڑھ چکے احرام کا جہاں بیان شروع ہوا تھا کہ یہ غسل یہ غسل جو ہے یہ احرام کے لیے ہے نماز کے لیے نہیں ہے۔ تو یہ غسل فائدہ دے گا، اس سے نظافت حاصل ہو جائے گی۔ کیا حاصل ہو جائے گی؟ نظافت حاصل ہو جائے گی یعنی صفائی ستھرائی حاصل ہو جائے گی اور پاکی البتہ حاصل نہیں ہو گی، یعنی یہ نماز نہیں پڑھ سکتی بھائی۔ ہاں وہ جب حیض ختم ہو گا، پھر اس کے بعد وہ فرض غسل کرے گی اور اس سے پاک ہو جائے گی۔ تو یہ غسل صرف کس لیے ہے؟ صاف ستھرا ہونے کے لیے ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَهَذَا الِاغْتِسَالُ لِلْإِحْرَامِ لَا لِلصَّلَاةِ**، اور یہ غسل احرام کے لیے ہے نہ کہ نماز کے لیے، **فَيَكُونُ مُفِيدًا**، تو یہ فائدہ دے گا یعنی صاف ستھرا ہونے کا فائدہ دے گا اور وہی مقصود ہے اس غسل کے ذریعے۔

فَإِنْ حَاضَتْ بَعْدَ الْوُقُوفِ وَطَوَافِ الزِّيَارَةِ انْصَرَفَتْ مِنْ مَكَّةَ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِطَوَافِ الصَّدْرِ، اگر عورت حیض والی ہو گئی اس کو حیض آ گیا وقوفِ عرفات اور طوافِ زیارت کرنے کے بعد، یعنی حج کے افعال پورے کر لیے ہیں، **انْصَرَفَتْ مِنْ مَكَّةَ**، تو یہ پلٹ جائے گی لوٹ جائے گی مکہ سے، **وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا**، اور کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہے، **لِطَوَافِ الصَّدْرِ**، طوافِ صدر کی وجہ سے یعنی طوافِ وداع کوئی، طوافِ صدر کس کا نام ہے؟ بھائی طوافِ وداع کا نام ہے نا۔ تو طوافِ وداع چھوڑنے کی وجہ سے اس پر کوئی چیز واجب نہیں، **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَخَّصَ لِلنِّسَاءِ الْحُيَّضِ فِي تَرْكِ طَوَافِ الصَّدْرِ**، اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام نے رخصت دی حیض والی عورتوں کو طوافِ صدر چھوڑنے کی یعنی طوافِ وداع چھوڑنے کی۔

وَمَنِ اتَّخَذَ مَكَّةَ دَارًا فَلَيْسَ عَلَيْهِ طَوَافُ الصَّدْرِ، بھائی طوافِ صدر، صدر کا کیا معنیٰ ہے؟ روانگی۔ تو حاجی چونکہ مکہ سے روانہ ہو رہا ہے اپنے وطن

جارہاہے، تولہٰذا اس پر ایک طواف واجب ہے بھائی، واجب ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا، طوافِ زیارت کے بعد کوئی بھی طواف کرلیا جائے، تو وہ خود بخود کس کے قائم مقام ہو جائے گا؟ طوافِ وداع کے قائم مقام ہو جائے گا بھائی۔ اب صورت یہ کہ ایک شخص نے مکہ ہی کو دارِ اقامت بنالیا، مکہ ہی کو وطن بنالیا کہ وہ یہیں پر رہے گا حج کے بعد بھائی۔ تو یاد رکھیے، پھر اس صورت میں اس سے طوافِ صدر یعنی طوافِ وداع بھی ساقط ہو جائے گا بھائی، اس لیے کیونکہ طوافِ صدر یا طوافِ وداع تو رخصتی کا طواف تھا، اور یہ تو اب یہاں سے رخصت نہیں ہو رہا یہیں پر رہ رہا ہے، تو اس پر طوافِ صدر بھی واجب نہیں ہے بھائی۔

ہاں البتہ یہ یاد رکھیے، آگے یہ ذکر کریں گے بھی، کہ یہ مکہ کو دار بنانے کا ارادہ مکہ کو وطن بنانے کا ارادہ یہ اس کا پہلے سے ہو۔ تو پھر اس صورت میں طوافِ وداع ساقط ہو جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ لیکن اگر روانگی کا وقت آگیا، یعنی حج پورا کرلیا، گیارہ بارہ کے بعد تیرہ تاریخ کو جا کر اس کا کیا ارادہ بنا؟ کہ اب مکہ ہی میں رہتا ہوں میں جاتا ہی نہیں ہوں۔ تو بھائی اب تو روانگی کا وقت آچکا اور جیسے ہی حج کے باقی اعمال پورے ہوئے تھے روانگی کا وقت آگیا تھا، اور روانگی کا وقت ہوتے ہی اس پر طوافِ وداع واجب ہو گیا تھا۔ لہٰذا اب وہ واجب ہو چکا ہے، اب نیت کے بدلنے سے بھی وہ ساقط نہیں ہو گا وہ کرنا پڑے گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنِ اتَّخَذَ مَكَّةَ دَارًا**، اور جس نے مکہ کو وطن بنالیا، **فَلَيْسَ عَلَيْهِ طَوَافُ الصَّدْرِ**، تو اس پر طوافِ صدر یعنی طوافِ وداع واجب نہیں ہے، **لِأَنَّهُ عَلَى مَنْ يَصْدُرُ**، اس لیے کیونکہ طوافِ صدر تو اس شخص پر واجب ہے جو روانہ ہوتا ہے، **إِلَّا إِذَا اتَّخَذَهَا دَارًا بَعْدَمَا حَلَّ النَّفْرُ الْأَوَّلُ**، مگر یہ کہ جب اس نے مکہ کو دار بنایا ہو بعد اس کے کہ جب وقت ہو گیا تھا پہلی روانگی کا۔ جب پہلی روانگی کا وقت ہو گیا تھا یعنی حج پورا کرنے کے بعد اب روانگی کا وقت آگیا، حج پورا ہوتے ہی کس کا وقت آگیا؟ روانگی کا وقت شروع ہو گیا۔ تو نفرِ اول یعنی پہلی روانگی کا وقت آچکا ہے، اس کے بعد اگر یہ مکہ کو دار بنا بھی لے تو اس سے طوافِ وداع ساقط نہیں کیونکہ اس کا وجوب ہو چکا ہے اس پر۔ یہ معنیٰ ہے: **إِلَّا إِذَا اتَّخَذَهَا دَارًا بَعْدَمَا حَلَّ النَّفْرُ الْأَوَّلُ**، مگر یہ کہ جب وہ اس مکہ کو دار بنالے یعنی وطن بنا لے بعد اس کے کہ جب وقت ہو چکا ہے پہلی روانگی کا، **فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ**، اس روایت میں جو مروی ہے امام صاحب سے، **وَيَرْوِيهِ الْبَعْضُ عَنْ مُحَمَّدٍ**، اور بعض اس کو روایت کرتے ہیں کس سے؟ امام محمد رحمہ اللہ سے یہی بات۔ بعضوں نے اس کو روایت کیا کہ یہ امام صاحب فرماتے ہیں، اور بعضوں نے روایت کیا ہے امام محمد رحمہ اللہ سے، **لِأَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ بِدُخُولِ وَقْتِهِ**، اس لیے کیونکہ طوافِ صدر اس پر واجب ہو گیا اس کا وقت داخل ہو جانے کی وجہ سے یعنی اس کا وقت شروع ہو جانے کی وجہ سے، **فَلَا يَسْقُطُ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ بَعْدَ ذَلِكَ**، تو وہ ساقط نہیں ہو گا اقامت کی نیت کی وجہ سے بعد اس وقت کے بعد بھائی، **وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ**، اور اللہ ہی درست بات کو خوب جاننے والے ہیں۔

■ بَابُ الْجِنَايَاتِ، یہ باب ہے جنایتوں کے بیان میں

بَابُ الْجِنَايَاتِ، یہ باب ہے جنایتوں کے بیان میں۔ جنایت بھائی احرام کے اندر کوئی ایسا فعل کرلینا جو ممنوع قرار دیا ہے شریعت نے، جس سے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ تو یہ فعل احرام میں کرلیا جائے تو یہ اس نے جرم کیا، یہ جنایت کہلاتا ہے بھائی، جنایت۔ اب اس باب کے اندر صاحب ہدایہ یہ بیان کریں گے کہ کون کون سی جنایت احرام کے اندر کرے گا تو اس میں صرف صدقہ آئے گا، صرف کیا آئے گا؟ صدقہ۔ یعنی نصف صاع گندم دینا ہی کافی ہو جائے گا۔ اور کون کون سی صورتوں کے اندر اس پر دم آئے گا بھائی، اور پھر دم کے اندر کن صورتوں کے اندر صرف بھیڑ بکری کافی ہو جائے گی اور کن صورتوں کے اندر بھیڑ بکری بھی کافی نہیں ہو گی بلکہ اونٹ یا گائے وغیرہ کرنا پڑے گی۔

■ بَابُ الْجِنَايَاتِ، یہ باب ہے جنایتوں کے بیان میں

بَابُ الْجِنَايَاتِ، یہ باب ہے جنایتوں کے بیان میں۔ **وَإِذَا طَيَّبَ الْمُحْرِمُ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ**، اور جب خوشبو لگالے محرم تو اس پر کفارہ واجب ہے۔ بھائی اب کتنا کفارہ ہو گا؟ اس میں آگے تفصیل ہے، تھوڑی خوشبو لگائی تو پھر صدقہ کافی ہے، اور زیادہ خوشبو لگائی تو دم دینا پڑے گا۔

فَإِنْ طَيَّبَ عُضْوًا كَامِلًا فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ دَمٌ، اگر اس نے خوشبو لگائی پورے عضو پر۔ بھائی یہ بعض خوشبوئیں ہوتی ہیں وہ پورے عضو پر لگالی جاتی ہیں، مثلاً جیسے مہندی ہے بھائی، کیا ہے؟ مہندی ہے۔ تو اس صورت میں یہ یعنی یہ خوشبو یہ خوشبوئیں لگائی ہی اعضاء پر جاتی ہیں، وہ خوشبوئیں مراد ہیں۔ یہ عام خوشبو نہیں جو ہم استعمال کرتے ہیں، یہ تو پورے اعضاء پر نہیں لگائی جاتی بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ان کے اندر یہ تفصیل نہیں ہے، ان میں تو یہ استعمال کرلے گا عام خوشبو تو پھر اس میں اس پر دم واجب ہو گا بھائی۔

فَإِنْ طَيَّبَ عُضْوًا كَامِلًا، تو اگر اس نے خوشبو لگالی پورے عضو پر، **فَمَا زَادَ**، یا اس سے زیادہ پر، **فَعَلَيْهِ دَمٌ**، تو اس پر دم واجب ہے، **وَذَلِكَ مِثْلُ الرَّأْسِ وَالسَّاقِ وَالْفَخِذِ**، پورے عضو سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں پورا عضو جو ہے جیسے کہ سر ہے اور پنڈلی ہے اور ران ہے، یہ ایک ایک عضو ہے بھائی۔ **وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ**، اور وہ جو ان کے مشابہ ہے یعنی چہرہ ہے بازو وغیرہ بھائی۔ **لِأَنَّ الْجِنَايَةَ تَتَكَامَلُ بِتَكَامُلِ الِارْتِفَاقِ**، اس لیے کیونکہ جرم جو ہے وہ کامل ہو

جاتا ہے کامل نفع اٹھانے سے۔ جب پورے عضو پر خوشبو لگالی تو کامل نفع اٹھالیا، اور جب کامل نفع اٹھایا تو جرم کامل ہوا، اور جب جرم کامل ہے تو جزا بھی کامل واجب ہو گی، اور کامل جزا کیا ہے؟ دم واجب ہو گا۔ **وَذَلِكَ فِي الْعُضْوِ الْكَامِلِ**، اور یہ پورا نفع اٹھانا پورے عضو کے اندر ہو گا، **فَيَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ كَمَالُ الْمُوجَبِ**، تو اس پر مرتب ہو گا کامل موجب بھائی، یعنی مقتضیٰ جو ہے۔ کامل مقتضیٰ جس کا یہ جنایت تقاضا کر رہی ہے۔ جنایت کی، جرم کیا، تو یہ جنایت کیا تقاضا کرتی ہے؟ کفارے کا۔ اور جب جرم کامل ہے تو یہ جنایت کس قسم کے کفارے کا تقاضا کرے گی؟ کامل کفارے کا، اور کامل کفارہ پھر کیا ہو گا؟ دم دینا پڑے گا۔ تو موجب کا معنیٰ مقتضیٰ یعنی جس کا وہ جنایت تقاضا کرتی ہے۔ **فَيَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ كَمَالُ الْمُوجَبِ**، تو اس پر مرتب ہو گا کامل مقتضیٰ یعنی کامل حکم جنایت کا حکم بھائی۔

وَإِنْ طَيَّبَ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ فَعَلَيْهِ الصَّدَقَةُ، اور اگر خوشبو لگالی ایک عضو سے کم پر، پورے عضو پر خوشبو نہیں لگائی بلکہ کم پر خوشبو لگائی، **فَعَلَيْهِ الصَّدَقَةُ**، تو اس پر صدقہ واجب ہے بھائی۔ اور کتنا صدقہ؟ یاد رکھیے آپ کو آگے بتلائیں گے کہ احرام کے اندر جہاں کہیں بھی صدقے کا ذکر آئے گا یہاں جنایتوں کے اندر یعنی جس کی کوئی مقدار ذکر نہ کی گئی ہو کوئی مقدار مقرر نہ ہو، تو وہاں نصف صاع گندم دینا پڑے گا، صورت سمجھ میں آئی؟ یہ قریب ہی اگلے متن میں آرہا ہے۔ تو کہتے ہیں: اگر خوشبو لگالی **أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ** ایک عضو سے کم پر، تو اس پر صدقہ واجب ہے، **لِقُصُورِ الْجِنَايَةِ**، جنایت کے کم ہونے کی وجہ سے۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَجِبُ بِقَدْرِهِ مِنَ الدَّمِ، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واجب ہو گا اسی کے بقدر دم میں سے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جتنے عضو پر خوشبو لگائی ہے، اسی کے بقدر دم میں سے واجب ہو گا۔ پورے عضو پر خوشبو لگاتا تھا تو پورا دم پوری ایک بھیڑ بکری واجب ہوتی تھی، آدھے عضو پر لگائی ہے خوشبو تو آدھی بھیڑ بکری کی قیمت صدقہ کرنا پڑے گی، چوتھائی عضو پر لگائی ہے خوشبو تو چوتھائی بھیڑ بکری کی قیمت کیا کرنا پڑے گی؟ صدقہ کرنا پڑے گی۔

تو کہتے ہیں: **وَقَالَ مُحَمَّدٌ**، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، **يَجِبُ بِقَدْرِهِ مِنَ الدَّمِ**، کہ اسی کے بقدر واجب ہو گا دم میں سے، **اعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ**، قیاس کرتے ہوئے جز کو کل پر۔ کل کی صورت میں پوری بھیڑ بکری ہے، تو جز میں اسی کے بقدر بھیڑ بکری آئے گی۔

وَفِي الْمُنْتَقَى: أَنَّهُ إِذَا طَيَّبَ رُبْعَ الْعُضْوِ فَعَلَيْهِ دَمٌ، اور منتقیٰ کتاب کے اندر ہے کہ اگر خوشبو لگالی عضو کے چوتھے حصے پر، چوتھائی حصے پر صرف خوشبو لگالی، **فَعَلَيْهِ دَمٌ**، تو بھی اس پر دم واجب ہے۔ بھائی شیخین رحمہما اللہ تو کیا فرماتے تھے؟ صرف صدقہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اسی کے بقدر دم میں سے واجب ہو گا۔ جبکہ منتقیٰ کتاب میں کیا آیا کہ چوتھائی عضو پر بھی لگالی خوشبو تو اس پر پورا دم واجب ہو گا، **اعْتِبَارًا بِالْحَلْقِ**، قیاس کرتے ہوئے حلق پر۔ کس پر؟ حلق پر قیاس کرتے ہوئے۔ جیسے احرام کی حالت میں حلق کروانا ممنوع ہے اور کوئی شخص حلق کروائے گا تو اس پر کفارہ واجب ہو گا، لیکن اگر چوتھائی سر کا حلق کروا دیا تو اس صورت میں دم واجب ہو جائے گا اس پر۔ کیا واجب ہو جائے گا؟ دم واجب ہو جائے گا۔ تو جیسے حلق کے اندر چوتھائی سر کا حلق جو ہے وہ کل سر کے قائم مقام ہے اور اس سے دم واجب ہو جاتا ہے، تو یہاں خوشبو لگانے میں بھی چوتھائی عضو جو ہے وہ کل کے قائم مقام ہو گا اور اس صورت میں دم واجب ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے کہ منتقیٰ کتاب میں ہے کہ **إِذَا طَيَّبَ رُبْعَ الْعُضْوِ** کہ جب خوشبو لگالی محرم نے چوتھائی عضو پر، **فَعَلَيْهِ دَمٌ**، تو اس پر دم واجب ہے، **اعْتِبَارًا بِالْحَلْقِ**، حلق پر قیاس کرتے ہوئے۔

وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْفَرْقَ بَيْنَهُمَا مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں اور ہم فرق ذکر کریں گے ان دونوں کے درمیان، کن دونوں کے درمیان؟ یہ خوشبو لگانے میں اور حلق میں۔ حلق میں تو چوتھائی عضو کا حلق کل کے قائم مقام ہو جائے گا، لیکن خوشبو کے اندر چوتھائی عضو کل کے قائم مقام نہیں ہو گا۔ ہم ان میں فرق ذکر کریں گے بعد میں ان شاء اللہ تعالیٰ اگر اللہ نے چاہا۔

ثُمَّ وَاجِبُ الدَّمِ يَتَأَدَّى بِالشَّاةِ فِي جَمِيعِ الْمَوَاضِعِ إِلَّا فِي مَوْضِعَيْنِ، پھر وہ دم جو واجب ہے وہ ادا ہو جاتا ہے **بِالشَّاةِ** ایک بھیڑ بکری سے ہی **فِي جَمِيعِ الْمَوَاضِعِ** تمام جگہوں میں، **إِلَّا فِي مَوْضِعَيْنِ**، مگر دو جگہ میں۔ دو جگہ کے اندر جو دم واجب ہوا ہے وہ بھیڑ بکری سے ادا نہیں ہو گا بلکہ اونٹ یا گائے کی قربانی کرنا پڑے گی۔ دو جگہیں ہیں۔ **نَذْكُرُهُمَا فِي بَابِ الْهَدْيِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ**، ہم اس کو بابِ ہدی میں ذکر کریں گے۔ بابِ ہدی میں آگے کہتے ہیں ہم ذکر کریں گے۔ آپ یاد رکھیے ابھی سے وہ دو جگہیں بھائی: ایک تو یہ کہ وقوفِ عرفہ کے بعد کوئی بیوی سے صحبت کر لے، طوافِ زیارت سے پہلے اور وقوفِ عرفہ کے بعد۔ وقوفِ عرفہ سے پہلے اگر صحبت کر لی پھر تو حج ہی فاسد ہو گیا۔ لیکن جب وقوفِ عرفہ کر لیا تو احرام پکا ہو چکا، اب حج فاسد تو نہیں ہو گا۔ لیکن چونکہ اس نے جرم بہت بڑا کیا کہ طوافِ زیارت سے پہلے ہی کیا کر لیا؟ بیوی سے صحبت کر لی، تو اب بھیڑ بکری بھی کافی نہیں ہو گی بلکہ اونٹ یا گائے کی قربانی کرنا پڑے گی۔ ایک یہ مقام ہے جہاں بھیڑ بکری کافی نہیں بلکہ اونٹ یا گائے کی قربانی کرنا پڑے گی۔ اور دوسرا مقام ہے کہ طوافِ زیارت کو کوئی شخص جنابت کی حالت میں کر لے، یا عورت جو ہے حیض یا نفاس کی حالت میں کر لے۔ کس کو؟ طوافِ زیارت کو۔ تو اس صورت میں یہ بہت بڑا جرم کیا، تو اب دم واجب ہو گا اور دم کے اندر بھی بھیڑ بکری کافی نہیں بلکہ اونٹ یا گائے وغیرہ کی قربانی کرنا پڑے گی۔

وَكُلُّ صَدَقَةٍ فِي الْإِحْرَامِ غَيْرِ مُقَدَّرَةٍ فَهِيَ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ إِلَّا مَا يَجِبُ بِقَتْلِ الْقَمْلَةِ وَالْجَرَادَةِ، اور ہر وہ صدقہ جو احرام کے اندر مقرر نہیں ہے یعنی جس کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، **فَهِيَ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ**، تو وہ نصف صاع گندم سے ہے، وہ کیا ہے؟ نصف صاع گندم ہے یعنی تقریباً

پونے دو کلو گندم بھائی۔ اور یہ اوزان وغیرہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ ایک صاع کتنا ہوتا ہے؟ دو سو ستر تولے کا، دو سو ستر تولے کا۔ اور نصف صاع کتنا ہو گا؟ ایک سو پینتیس تولے اور آدھا تولہ، یہ کیا ہوا؟ نصف صاع۔ اور اسی تولے کا ایک سیر ہوتا ہے، کلو کی بات نہیں کر رہا، سیر، سیر کلو سے چھوٹا ہوتا ہے ذرا۔ تو اسی تولے کا ایک سیر ہوتا ہے۔ تو سیر اسی تولے کا ہے اور جو کلو ہے کلو یہ کوئی چھیاسی تولے یا اس کے لگ بھگ کچھ بنتا ہے بھائی، تو یہ چھ تولے یا کتنا زیادہ ہے سیر سے۔ تو اسی تولے کا ایک سیر اور باقی کتنے بچے؟ ایک سو پینتیس اعشاریہ پانچ تولوں میں سے اسی تولے ذرا نکالیں کتنے رہ گئے؟ پچپن اعشاریہ پانچ تولے، اور ساٹھ تولے ہو تا تو یہ تین پاؤ بنتا۔ ساٹھ تولے ہوتا تو یہ تین پاؤ یعنی ایک سیر پورا اور تین پاؤ یعنی پونے دو سیر سے تھوڑا سا کم بنتا ہے نصف صاع بھائی۔ مقدار سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: ہر وہ صدقہ جو احرام کے اندر مقرر نہیں ہے یعنی اس کی مقدار مقرر نہیں ہے، **فَهِيَ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ**، تو وہ نصف صاع ہے گندم میں سے، **إِلَّا مَا يَجِبُ بِقَتْلِ الْقَمْلَةِ وَالْجَرَادَةِ**، مگر وہ جو واجب ہو، قملۃ کہتے ہیں جوں کو بھائی جو سر کی جوں ہوتی ہے، اور جرادۃ کہتے ہیں ٹڈی کو بھائی، ٹڈی کو۔ مگر وہ جو جوں یا ٹڈی کو قتل کرنے کی وجہ سے واجب ہو، وہ نصف صاع نہیں ہے۔ اس میں جو کچھ بھی دے دے، تھوڑا بہت بھی دے دے کافی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور قول ہے: **تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ**، ایک کھجور بھی ٹڈی سے بہتر ہے بھائی، ایک کھجور بھی۔ تو کچھ بھی صدقہ کر دے جوں کے اندر اور ٹڈی کے اندر۔ **هَكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ**، اسی طرح روایت کیا گیا ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ٹڈی اور جوں کے اندر ایک کھجور بھی دے دے کافی ہو جائے گی صدقے میں یا ایک مٹھی گندم وغیرہ کوئی چیز دے دے بھائی۔

قَالَ: فَإِنْ خَضَبَ رَأْسَهُ بِحِنَّاءٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ، اگر محرم نے رنگا اپنے سر کو **بِحِنَّاءٍ** مہندی کے ساتھ۔ حناء نون مشدد ہے یاد رکھیے بھائی۔ اردو میں تو ہم حنا استعمال کرتے ہیں نون مشدد نہیں ہے، لیکن عربی میں کیا ہے؟ مشدد ہے بھائی۔ تو اگر کسی نے اپنے سر کو، خضب کے معنیٰ رنگنا، رنگ لگانا۔ اگر کسی نے اپنے سر کو رنگا **بِحِنَّاءٍ** مہندی سے، **فَعَلَيْهِ دَمٌ**، تو اس پر دم واجب ہے بھائی، قربانی کرنا پڑے گی۔ **لِأَنَّهُ طِيبٌ**، اس لیے کیونکہ مہندی خوشبو ہے۔ بھائی اس کی کیا دلیل ہے مہندی خوشبو ہے؟ کہتے ہیں بھائی: **قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «الْحِنَّاءُ طِيبٌ»**، حضور علیہ السلام نے فرمایا: مہندی خوشبو ہے۔

وَإِنْ صَارَ مُلَبَّدًا فَعَلَيْهِ دَمَانِ: دَمٌ لِلتَّطَيُّبِ، وَدَمٌ لِلتَّغْطِيَةِ، اور اگر اس وہ اس کا سر جو ہے ملبد ہو گیا یعنی چپک گیا، یعنی یوں کہیں اس نے سر کو لیپ دیا سارے سر کو مہندی سے لیپ دیا، **فَعَلَيْهِ دَمَانِ**، تو اس پر دو دم واجب ہیں: **دَمٌ لِلتَّطَيُّبِ**، ایک تو دم جو ہے خوشبو کے لگانے کی وجہ سے، **وَدَمٌ لِلتَّغْطِيَةِ**، اور ایک دم جو ہے ڈھانپنے کی وجہ سے۔ محرم کے لیے تو سر ڈھانپنے کی اجازت نہیں تھی، تو جب مہندی سے اس نے پورے سر کو لیپ دیا تو گویا پورے سر کو ڈھانپ لیا، تو دو دم اس پر واجب ہوں گے۔

وَلَوْ خَضَبَ رَأْسَهُ بِالْوَسْمَةِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ، اور کسی نے اگر اپنے سر کو رنگا **بِالْوَسْمَةِ**، وسمہ یہ بھی کوئی بوٹی وغیرہ ہے کوئی پودا وغیرہ ہے یا گھاس ہے، اس کے ساتھ اگر کسی نے اپنے سر کو رنگا، **لَا شَيْءَ عَلَيْهِ**، اس پر کچھ نہیں ہے۔ صدقہ بھی نہیں اور دم بھی نہیں، اس پر کچھ نہیں ہے۔ **لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِطِيبٍ**، اس لیے کیونکہ وہ خوشبو نہیں ہے۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے، **أَنَّهُ إِذَا خَضَبَ رَأْسَهُ بِالْوَسْمَةِ لِأَجْلِ الْمُعَالَجَةِ مِنَ الصُّدَاعِ**، کہ جب محرم نے اپنے سر کو رنگا وسمہ بوٹی کے ساتھ لأجل المعالجۃ من الصداع، صداع کہتے ہیں سر درد کو بھائی۔ سر کا جو درد ہے اس کو عربی میں صداع کہتے ہیں۔ تو وہ فرماتے ہیں اگر کسی نے اپنے سر کو وسمہ بوٹی سے رنگا **لِأَجْلِ الْمُعَالَجَةِ مِنَ الصُّدَاعِ** دردِ سر کے سے علاج کے طور پر، دردِ سر سے علاج کے لیے، **فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ**، تو اس پر جزا واجب ہے، **بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ يُغْلِقُ رَأْسَهُ**، اس اعتبار سے کہ یہ بوٹی جو ہے یہ اس کے سر کو بند کر دے گی یعنی ڈھانپ لے گی۔ کیا کر لے گی؟ ڈھانپ لے گی۔ سر پر لگائے گا تو یہ ڈھانپ لے گی سر کو اور سر کو تو ڈھانپنے سے محرم کو منع کیا گیا ہے۔ تو خوشبو ہونے کی وجہ سے یہاں جزا واجب نہیں بلکہ سر ڈھانپنے کی وجہ سے ہے۔ **وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ**، اور یہی قول صحیح ہے۔

ثُمَّ ذَكَرَ فِي الْأَصْلِ: رَأْسَهُ وَلِحْيَتَهُ، پھر امام محمد رحمہ اللہ نے اصل یعنی مبسوط کے اندر تو **رَأْسَهُ وَلِحْيَتَهُ** دونوں کو ذکر کیا ہے، کہ محرم نے اپنے سر کو رنگا، اپنے سر کو بھی رنگا اور **وَلِحْيَتَهُ** اور داڑھی کو بھی، داڑھی کو بھی۔ تو دونوں کا ذکر ہے مبسوط کے اندر۔ **وَاقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ الرَّأْسِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ**، اور امام محمد رحمہ اللہ نے اکتفاء کیا ہے صرف سر کے ذکر پر جامع صغیر میں۔ بھائی امام محمد رحمہ اللہ نے مبسوط کے اندر سر اور داڑھی دونوں کا ذکر فرمایا ہے یہاں پر، اور جامع صغیر کے اندر اسی مسئلے کے اندر انہوں نے صرف سر کا ذکر فرمایا ہے۔ صاحبِ ہدایہ، دیکھیے فقہاء کی نظر کتنی گہری ہوتی ہے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا سر اور داڑھی دونوں الگ الگ عضو شمار ہوں گے۔ اس سے کیا معلوم ہوا؟ بھائی مبسوط میں تو دونوں ذکر ہیں، اس سے تو معلوم یوں ہوتا ہے کہ شاید سر اور داڑھی دونوں پر کیا کرے گا؟ وسمہ لگائے گا تو یہ پورے ایک عضو اس کو ایک ہی عضو شمار کریں گے۔ لیکن جامع صغیر سے پتہ چلا کہ نہیں، صرف سر ہی کو پر وسمہ لگائے گا تو سر علیحدہ عضو ہے، معلوم ہوا داڑھی علیحدہ عضو ہے۔ اور پتہ چل گیا کہ مبسوط کے اندر بھی یہ جو دونوں کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے، یہ اس لحاظ سے نہیں ذکر کہ دونوں ملا کر ایک عضو ہیں، بلکہ دو الگ الگ عضو کے طور پر دونوں ذکر ہیں کہ سر پر لگالے تو بھی جزا واجب ہو گی، اور داڑھی پر لگالے تو بھی جزا واجب ہو گی بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں کہ مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے **رَأْسَهُ وَلِحْيَتَهُ** سر اور داڑھی دونوں کو، **وَاقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ الرَّأْسِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ**، اور اکتفاء کیا ہے صرف سر کے ذکر پر جامع صغیر میں، **دَلَّ**، یہ دلالت کرتا ہے جامع صغیر میں صرف سر کا ذکر کرنا یہ دلالت کرتا ہے، **أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَضْمُونٌ**، کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مضمون ہے، ہر ایک میں کیا آئے گا؟ علیحدہ ضمان آئے گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

فَإِنِ ادَّهَنَ بِزَيْتٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ، ادَّهَنَ کے معنیٰ تیل لگانا، اور زیت کہتے ہیں روغنِ زیتون کو، زیتون کا جو تیل ہے۔ **فَإِنِ ادَّهَنَ بِزَيْتٍ**، اگر محرم نے زیتون کا تیل لگایا، **فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، تو اس پر دم واجب ہے امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَا: عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ**، اور صاحبین فرماتے ہیں اس پر صدقہ ہے، دم نہیں۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِذَا اسْتَعْمَلَهُ فِي الشَّعْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر زیتون کا تیل بالوں پر لگایا تو پھر اس پر دم واجب ہے۔ اس لیے کیونکہ اس سے بالوں کا بالوں کی پراگندگی دور ہوتی ہے۔ بالوں کی؟ بالوں کا میل کچیل اور بکھرے ہوئے ہونا وہ اس سے ختم ہو جاتا ہے، حالانکہ محرم کو تو کیا ہونا چاہیے؟ ایک عاشق کے رنگ میں ہونا چاہیے، اور حدیث میں آیا تھا: «**الْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ**»، حاجی تو پراگندہ بالوں والا اور بغیر خوشبو کے ہوتا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس سے پراگندگی کو دور کیا ہے۔ یہ کس کی بات چل رہی ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل چل رہی ہے کہ اگر بالوں پر زیتون کا تیل لگایا تو اس پر دم واجب ہے۔ اور اگر بالوں پر نہیں لگاتا، ویسے بدن میں کس پر یا کسی عضو وغیرہ پر لگاتا ہے، تو پھر اس صورت میں اس پر کچھ نہیں ہے بھائی، اس لیے کیونکہ اس صورت میں پراگندگی اور میل کچیل کو دور کرنا نہ پایا گیا، اور دم کس وجہ سے آیا تھا؟ کہ اس نے اس کے ذریعے پراگندگی اور میل کچیل کو دور کیا تھا۔

تو امام صاحب فرماتے ہیں اس پر دم واجب ہے، **وَقَالَا: عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ**، اور صاحبین فرماتے ہیں اس پر صدقہ واجب ہے، **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِذَا اسْتَعْمَلَهُ فِي الشَّعْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ**، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس نے زیتون کے تیل کو استعمال کیا بالوں میں تو اس پر دم واجب ہے، **لِإِزَالَةِ الشَّعَثِ**، بوجہ پراگندگی کو دور کرنے کے، **وَإِنِ اسْتَعْمَلَهُ فِي غَيْرِهِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِانْعِدَامِهِ**، اور اگر اس نے اس زیتون کے تیل کو استعمال کیا بالوں کے علاوہ میں، تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ازالۂ شعث معدوم ہے، پراگندگی کا دور کرنا یہاں پر معدوم ہے۔

وَلَهُمَا، اب صاحبین کی دلیل آئی۔ صاحبین کیا فرماتے تھے؟ صدقہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں: **أَنَّهُ مِنَ الْأَطْعِمَةِ**، کہ یہ زیتون کا تیل تو کھانے کی چیزوں میں سے ہے، دراصل تو یہ کس میں سے ہے؟ کھانے کی چیزوں میں سے ہے، **إِلَّا أَنَّ فِيهِ ارْتِفَاقًا**، مگر یہ بات ہے کہ اس کے اندر کچھ نفع ہے۔ اس کے اندر؟ کچھ نفع بھی ہے۔ تو کہتے ہیں وہ صاحبین فرماتے ہیں: **أَنَّهُ مِنَ الْأَطْعِمَةِ** کہ یہ زیتون کا تیل کھانے کی چیزوں میں سے ہے، **إِلَّا أَنَّ فِيهِ ارْتِفَاقًا** مگر یہ کہ اس کے اندر نفع ہے، **بِمَعْنَى قَتْلِ الْهَوَامِّ**، جوؤں کو قتل کرنے کے معنیٰ کی وجہ سے کہ اس کی وجہ سے جوئیں کیا ہو جاتی ہیں؟ مر جاتی ہیں۔ ہوام حشرات کو کہتے ہیں، حشرات، لیکن مراد یہاں جوئیں ہیں۔ تو وہ فرماتے ہیں: مگر یہ کہ اس کے اندر کچھ نفع بھی ہے، **بِمَعْنَى قَتْلِ الْهَوَامِّ**، ہوام کے قتل کے معنیٰ کی وجہ سے، **وَإِزَالَةِ الشَّعَثِ**، اور پراگندگی کو دور کرنے کی وجہ سے، **فَكَانَتْ جِنَايَةً قَاصِرَةً**، تو یہ جنایت جنایتِ قاصرہ ہوئی، کم درجے کی جنایت ہوئی۔ صاحبین کی دلیل کیا ہوئی؟ کہ زیتون کا تیل تو کھانے کی چیز ہے، ہاں کچھ نفع ہے کہ اس کی وجہ سے جوئیں مر جاتی ہیں اور کچھ پراگندگی دور ہو جاتی ہے، تو لہٰذا جرم تو پایا گیا لیکن کم درجے کا جرم ہے، لہٰذا دم واجب نہیں ہو گا بلکہ صدقہ واجب ہو گا۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے، امام صاحب کیا فرماتے تھے کہ دم واجب ہو گا۔ ان کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ أَصْلُ الطِّيبِ**، کہ یہ خوشبو کی اصل ہے۔ زیتون کا تیل خوشبو کی اصل ہے۔ بھائی آپ دیکھتے ہیں مختلف قسم کے عطر ہوتے ہیں، مختلف کے کوئی چنبیلی کی خوشبو ہے، کوئی بنفشہ وغیرہ اور مختلف قسم کی خوشبو ہیں بھائی۔ تو یہ ان کو کیسے بناتے ہیں؟ کہ اس خوشبو کو تیل میں ملا دیا جاتا ہے، تو وہ سارا تیل ہی کیا بن جاتا ہے؟ خوشبو بن جاتا ہے بھائی۔ تو یہ زیتون کا تیل کیا ہے؟ خوشبوؤں کے لیے اصل ہے، اس کے اندر خوشبو ملا کر اسے کیا بنا لیتے ہیں؟ خوشبو۔ صورت سمجھ میں آئی؟ جو آپ عطر استعمال کرتے ہیں یہ تیل ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ تو اس کے اندر دراصل کیا کرتے ہیں؟ اس تیل میں خوشبو ملا دیتے ہیں تو یہ سارا تیل ہی کیا بن جاتا ہے؟ خوشبو۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں یہ زیتون کا تیل کیا ہے؟ خوشبوؤں کے لیے اصل ہے، اصل ہے۔

وَلَا يَخْلُو عَنْ نَوْعِ طِيبٍ، اور یہ خود بھی ایک قسم کی خوشبو سے خالی نہیں۔ ایک قسم کی، اس میں خود بھی کچھ نہ کچھ خوشبو ہے، اگرچہ پوری خوشبو تو نہیں لیکن کچھ اس کی بھی خوشبو ہے۔ **وَيَقْتُلُ الْهَوَامَّ**، اور نیز یہ کیا کرتا ہے یہ؟ حشرات کو قتل کرتا ہے یعنی جوؤں کو قتل کر دیتا ہے۔ **وَيُلَيِّنُ الشَّعْرَ**، اور بالوں کو نرم کر دیتا ہے۔ **وَيُزِيلُ التَّفَثَ وَالشَّعَثَ**، تفث کہتے ہیں میل کچیل کو، شعث کہتے ہیں بالوں کا پراگندہ ہونا۔ اور نیز یہ دور کر دیتا ہے میل کچیل کو اور بالوں کی پراگندگی کو۔ **فَيَتَكَامَلُ الْجِنَايَةُ بِهَذِهِ الْجُمْلَةِ**، تو جنایت کامل ہو جاتی ہے ان سب کے مجموعے سے۔ دیکھو کچھ خوشبو بھی ہے، نیز اس سے جوئیں بھی مر جاتی ہیں، نیز اس سے بال بھی نرم ہو جاتے ہیں، نیز اس سے میل کچیل اور بالوں کی پراگندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ تو اتنی ساری چیزیں مل گئیں تو پھر جنایت کیا ہو گئی؟ کامل ہو گئی، **فَيُوجِبُ الدَّمَ**، تو یہ دم کو واجب کرے گی۔

باقی صاحبین نے کیا فرمایا تھا کہ یہ تو دراصل کھانے کی چیز ہے، تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں امام صاحب کی طرف سے کہ بھائی کھانے کی چیز ہونا ان چیزوں کے

منافی تو نہیں ہے، کھانے کی چیز بھی ہو اور خوشبو بھی ہو، کھانے کی چیز بھی ہو اور کیا کرے؟ یہ باقی فائدے بھی دے، ان میں کوئی منافات تو نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَكَوْنُهُ مَطْعُومًا لَا يُنَافِيهِ**، اور اس زیتون کے تیل کا مطعوم ہونا یعنی کھانے کے قابل ہونا یہ ان چیزوں کے منافی نہیں ہے، **كَالزَّعْفَرَانِ**، جیسے کہ زعفران ہے۔ اب زعفران یہ خوشبو بھی ہے اور کھانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو یہ کھانے کے قابل ہونا یہ خوشبو وغیرہ ہونے کے منافی نہیں۔

وَهَذَا الْخِلَافُ فِي الزَّيْتِ الْبَحْتِ وَالْحَلِّ الْبَحْتِ، زیت میں نے بتلایا زیتون کا تیل، بحت کا معنیٰ ہوتا ہے خالص چیز۔ بحت کا کیا معنیٰ؟ خالص چیز۔ اور **حَلٌّ**، حل کہتے ہیں تلوں کا تیل بھائی، تل جو ہوتے ہیں جو وہ روٹی وغیرہ نان اور مٹھائی وغیرہ پر لگائے جاتے ہیں، تو وہ جو تلوں کا تیل ہے اس کو حل کہتے ہیں، حل۔ آگے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں: **وَهَذَا الْخِلَافُ فِي الزَّيْتِ الْبَحْتِ وَالْحَلِّ الْبَحْتِ**، کہ یہ اختلاف خالص زیتون کے تیل اور خالص تلوں کے تیل میں ہے۔ اس میں یہ اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک دم واجب اور صاحبین کے نزدیک صدقہ واجب ہے۔ **أَمَّا الْمُطَيَّبُ مِنْهُ**، باقی ان میں سے جس کو خوشبودار کر لیا گیا ہو، یعنی زیتون کا تیل تھا اس میں خوشبو بھی ملا دی، اب تو وہ سارا ہی کیا بن گیا؟ خوشبو بن گیا، تو پھر اس صورت میں بالاتفاق دم واجب ہو گا بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ ہاں، خالص جب تھا تو خوشبو تو تھی اس میں لیکن اتنے کامل درجے کی نہیں تھی، معمولی سی تھی۔ تو کہتے ہیں: **أَمَّا الْمُطَيَّبُ مِنْهُ**، باقی جو اس میں سے خوشبودار کیا گیا ہو، **كَالْبَنَفْسَجِ وَالزَّنْبَقِ**، جیسے کہ بنفشہ ہے، **وَالزَّنْبَقِ**، اور جیسے کہ چنبیلی ہے۔ زنبق، چنبیلی بھائی، اور اسی کو بعض لوگ چمیلی بھی کہتے ہیں، تو جیسے وہ ہے ان کو اس میں ملا لیا گیا، **وَمَا أَشْبَهَهُمَا**، اور وہ جو ان دونوں کے مشابہ ہو یعنی ان جیسی کوئی اور خوشبو بیچ میں ملالی گئی، **فَيَجِبُ بِاسْتِعْمَالِهِ الدَّمُ بِالِاتِّفَاقِ؛ لِأَنَّهُ طِيبٌ**، تو واجب ہو گا اس کے استعمال سے دم بالاتفاق بھائی۔ اس قسم کے زیتون کا تیل استعمال کیا یا تلوں کا تیل، تو پھر بالاتفاق دم واجب ہو گا کیونکہ یہ تو خوشبو ہے۔

وَهَذَا إِذَا اسْتَعْمَلَهُ عَلَى وَجْهِ التَّطَيُّبِ، اور یہ اس وقت ہے جب اس نے اس چیز اس کو اس تیل کو استعمال کیا ہو خوشبو کے طریقے پر۔ کس طریقے پر؟ بھائی یہ خالص تل ہے یا خالص خالص زیتون کا تیل ہے، جب اس نے اس کو کس طریقے پر استعمال کیا ہو؟ خوشبو کے طور پر ہی استعمال کیا ہو، تو پھر اس وقت یہ یہ دم واجب ہو گا۔ امام صاحب کے نزدیک جب یہ زیتون کا تیل لگائے گا تو دم واجب ہو گا یا نہیں؟ تو یہ کس وقت ہے؟ جب یہ خوشبو کے طور پر ہی، خوشبو کی نیت سے ہی اس کو استعمال کرتا ہے، اور اگر علاج معالجے کے طور پر استعمال کرتا ہے، مثلاً پاؤں کے پاؤں جو ہے وہ پھٹ گئے تھے، ایڑیاں پھٹ گئی تھیں، ان پر وہ کیا کر لیتا ہے؟ پاؤں پر یہ زیتون کا تیل لگا لیتا ہے، تو پھر اس صورت میں کفارہ نہیں ہے بھائی، کفارہ نہیں ہے بھائی۔ اس لیے کیونکہ یہ خود خوشبو نہیں ہے۔ ہاں من وجہ خوشبو ہے، بعض اعتبارات سے خوشبو ہے، من کل الوجہ یہ خوشبو نہیں ہے۔ تو خوشبو کی نیت سے لگائے گا تو پھر اس جہت کا ہم اعتبار کریں گے کہ یہ تو من وجہ خوشبو ہے اور لگائی بھی کس نیت سے؟ خوشبو کی نیت سے، لہٰذا دم ہو گا۔ اور من وجہ خوشبو نہیں ہے، لہٰذا اگر علاج معالجہ علاج معالجے کے طور پر لگایا تو پھر ہم بھی خوشبو کی پھر تو پھر اس صورت میں خوشبو کی جہت کا اعتبار بھی نہیں کیا جائے گا۔

یہ معنیٰ ہے: **وَلَوْ دَاوَى بِهِ جُرْحَهُ أَوْ شُقُوقَ رِجْلِهِ فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ**، اور اگر علاج کیا اس کے ذریعے اپنے زخم کا یعنی زخم تھا اس پر یہ زیتون کا تیل لگا لیا، **أَوْ شُقُوقَ رِجْلِهِ**، یا اپنے پاؤں کی پھٹن کا علاج کیا یعنی اس پر یہ زیتون کا تیل لگا لیا، **فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ**، تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، **لِأَنَّهُ لَيْسَ بِطِيبٍ فِي نَفْسِهِ**، اس لیے کیونکہ یہ جو ہے خود اپنی ذات کے اعتبار سے خوشبو نہیں ہے، **إِنَّمَا هُوَ أَصْلُ الطِّيبِ**، یہ تو خود خوشبو نہیں ہے یہ تو خوشبوؤں کی اصل ہے یعنی اس سے خوشبو بناتے ہیں، **أَوْ هُوَ طِيبٌ مِنْ وَجْهٍ**، یا اس وجہ سے کہ یہ بعض اعتبارات سے خوشبو ہے ہر اعتبار سے خوشبو نہیں، **فَيُشْتَرَطُ اسْتِعْمَالُهُ عَلَى وَجْهِ التَّطَيُّبِ**، تو شرط ہو گا اس کا استعمال کرنا خوشبو کے طور پر، خوشبو لگانے کے طریقے پر، **بِخِلَافِ مَا إِذَا تَدَاوَى بِالْمِسْكِ وَمَا أَشْبَهَهُ**، بخلاف اس صورت کے کہ کوئی شخص جب جو ہے وہ دوا لگائے بطورِ دوا کے استعمال کرے بالمسک، دوا لگائے کس چیز کی؟ مشک کی، مشک خوشبو بھائی، **وَمَا أَشْبَهَهُ**، اور جو اس کے مشابہ ہے۔ مشک یا اس جیسی کوئی خوشبو لگائے تو وہ چاہے بطورِ دوا کے ہی کیوں نہ لگائے، وہاں دم واجب ہو گا۔ وجہ یہ کہ کیونکہ وہ تو خود ہی خوشبو ہے۔ اور یہ زیتون کا تیل خود خوشبو نہیں بلکہ خوشبوؤں کی اصل تو ہے لیکن خود خوشبو نہیں، اور مشک وغیرہ تو خود ہی خوشبو ہیں، عینِ خوشبو ہیں، تو وہ چاہے دوا کے طور پر بھی لگائے گا تو اس میں دم واجب ہو گا بھائی۔

چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۵۲:وَإِنْ لَبِسَ ثَوْبًا مَخِيطًا أَوْ غَطَّى رَأْسَهُ يَوْ...

ہدایہ صفحہ:۲۸۹ــــبتاریخ:۱۳ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِنْ لَبِسَ ثَوْبًا مَخِيطًا أَوْ غَطَّى رَأْسَهُ يَوْمًا كَامِلًا فَعَلَيْهِ دَمٌ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ إِذَا لَبِسَ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَوَّلًا۔ [1]

■ بَابُ الْجِنَايَاتِ ہم پڑھ رہے ہیں کہ حالت احرام میں محرم اگر

بَابُ الْجِنَايَاتِ ہم پڑھ رہے ہیں کہ حالت احرام میں محرم اگر مختلف ممنوعہ افعال میں سے کوئی فعل کرلے تو اس صورت میں اس پر کفارہ کیا آئے گا، صدقہ اس پر آئے گا یا دم آئے گا، وہ تفصیلات بیان ہو رہی ہیں بھائی۔

تو آج آپ کو بتلا رہے ہیں **وَإِنْ لَبِسَ ثَوْبًا مَخِيطًا**، بھائی آپ جانتے ہیں، آپ پڑھ چکے ہیں کہ حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہننا منع ہیں۔ تو اگر کسی نے سلا ہوا کپڑا پہن لیا اور سارا دن پہنے رکھا تو اس پر دم واجب ہو گا۔ اسی طرح اپنے سر کو محرم نہیں ڈھانپ سکتا، اگر اس نے اپنے سر کو ڈھانپ لیا اور سارا دن اس نے سر کو ڈھانپے رکھا تو بھی اس صورت میں اس پر دم واجب ہو گا۔ اور اگر اس سے کم ہوا تو پھر صدقہ واجب ہو گا۔

تو کہتے ہیں **وَإِنْ لَبِسَ ثَوْبًا مَخِيطًا** اور اگر محرم نے پہن لیا سلا ہوا کپڑا، **مَخِيط** سلا ہوا۔ **ثَوْبًا مَخِيطًا** سلا ہوا کپڑا پہن لیا **أَوْ غَطَّى رَأْسَهُ** یا ڈھانپ لیا اپنے سر کو **يَوْمًا كَامِلًا** پورا ایک دن **فَعَلَيْهِ دَمٌ** تو اس پر دم واجب ہے، یعنی ایک جانور کی قربانی کرنا پڑے گی۔ **وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ** اور اگر وہ ایک دن سے کم ہو یعنی یہ جو سلا ہوا کپڑا پہنا ہے یا سر ڈھانپا ہے، یہ ایک دن سے کم ہوا **فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ** تو اس پر صدقہ واجب ہے بھائی۔ اور صدقہ آپ پڑھ چکے کہ نصف صاع گندم بھائی دینی پڑے گی بھائی۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ إِذَا لَبِسَ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب اس نے نصف یوم سے زیادہ وہ سلا ہوا کپڑا پہنے رکھا **فَعَلَيْهِ دَمٌ** تو اس پر دم واجب ہے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ اکثر کا اعتبار کرتے ہیں **وَلِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ**، تو جب نصف دن سے زیادہ پہنے رکھا تو گویا سارا دن ہی پہنے رکھا تو دم واجب ہو گا۔ **وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَوَّلًا** اور یہی قول ہے امام صاحب کا پہلا، امام صاحب کا پہلا قول بھی یہی تھا بھائی۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ الدَّمُ بِنَفْسِ اللُّبْسِ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دم واجب ہو جائے گا نفس پہننے سے ہی۔ وہ مدت کا اعتبار کرتے ہی نہیں، بس کپڑا پہن لیا سلا ہوا تو فوراً ہی کیا واجب ہو جائے گا؟ دم واجب ہو جائے گا۔ **لِأَنَّ الِارْتِفَاقَ يَتَكَامَلُ بِالِاشْتِمَالِ عَلَى بَدَنِهِ**، ارتفاق کہتے ہیں فائدہ بھائی۔ **لِأَنَّ الِارْتِفَاقَ يَتَكَامَلُ** اس لیے کیونکہ فائدہ جو ہے وہ کامل ہو جاتا ہے **بِالِاشْتِمَالِ عَلَى بَدَنِهِ** اپنے بدن پر مشتمل ہونے سے، یعنی محرم کے بدن پر جب وہ کپڑا مشتمل ہو گیا یعنی اس کے بدن پر وہ سلا ہوا کپڑا جب آ گیا تو اس نے اس کپڑے کا فائدہ اٹھا لیا، لہٰذا یہ جرم کیا تو دم دینا پڑے گا۔

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص۲۰۸): «وقال»۔

وَلَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے **أَنَّ مَعْنَى التَّرَفُّقِ مَقْصُودٌ مِنَ اللُّبْسِ،** ہم کہتے ہیں کہ نفع اٹھانے کا معنی ہی مقصود ہے کپڑے پہننے سے۔ کپڑے کس لیے پہنے جاتے ہیں؟ کہ ان سے نفع اٹھانا مقصود ہوتا ہے۔ **فَلَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ الْمُدَّةِ** لہٰذا ضروری ہے کسی مدت کا اعتبار کرنا **لِيَتَحَصَّلَ عَلَى الْكَمَالِ** تاکہ مقصد جو تھا فائدہ اٹھانے کا یہ کامل طور پر حاصل ہو جائے، **وَيَجِبَ الدَّمُ** اور پھر اس سے دم واجب ہو تاکہ یہ فائدہ کامل طور پر حاصل ہو جائے اور تاکہ دم واجب ہو جائے **فَقُدِّرَ بِالْيَوْمِ** تو اس کا اندازہ کس سے لگایا گیا؟ ایک دن سے، ایک دن مقرر کیا گیا **لِأَنَّهُ يُلْبَسُ فِيهِ ثُمَّ يُنْزَعُ عَادَةً** اس لیے کیونکہ کپڑے پہنے جاتے ہیں اس دن کے اندر پھر اتار دیے جاتے ہیں عادۃً۔ عادۃً کیا کیا جاتا ہے؟ صبح کپڑے پہنے جاتے ہیں تو شام کو اتار دیے جاتے ہیں، تو ایک دن کا پورا فائدہ ان کے سے مقصود ہوتا ہے، تو لہٰذا جو شخص ایک پورا دن پہن لے گا سلے ہوئے کپڑے حالت احرام میں تو اس نے ان کا پورا فائدہ اٹھا لیا۔

وَتَتَقَاصَرُ فِيمَا دُونَهُ الْجِنَايَةُ اور کم ہو جائے گی اس سے کم کے اندر جنایت۔ پورا دن پہنے گا تو جنایت کامل ہو گی اور پورے دن سے کم پہنے گا تو جنایت یعنی جرم کم درجے کا ہو گا **فَتَجِبُ الصَّدَقَةُ** تو اس صورت میں صدقہ واجب ہو گا۔ **غَيْرَ أَنَّ أَبَا يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَقَامَ الْأَكْثَرَ مَقَامَ الْكُلِّ** علاوہ اس کے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو ہیں انہوں نے اکثر کو کل کے قائم مقام کیا ہے۔ وہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ اکثر یوم پہن لیے سلے ہوئے کپڑے یا اکثر یوم سر ڈھانپ لیا تو اس صورت میں دم واجب ہو گا کیونکہ **لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ** بھائی۔

وَلَوِ ارْتَدَى بِالْقَمِيصِ أَوِ اتَّشَحَ بِهِ أَوِ اتَّزَرَ بِالسَّرَاوِيلِ فَلَا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَلْبَسْهُ لُبْسَ الْمَخِيطِ۔ وَلَوِ ارْتَدَى بِالْقَمِيصِ اور اگر اوڑھ لی محرم نے قمیص، محرم نے اگر قمیص اوڑھ لی، بھائی قمیص کو پہنا نہیں اس نے، قمیص کو چادر کی طرح اوڑھ لیا اپنے اوپر۔ **أَوِ اتَّشَحَ بِهِ** یا اس کے ذریعے اتشاح کر لیا۔ اتشاح اس کو کہتے ہیں کہ کپڑے کو بائیں کندھے پر ڈالا جائے اور دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر پھر اس کے جو دونوں سرے ہیں، ایک سرا اس طرف سے بائیں کندھے کے اوپر سے آ رہا ہے اور ایک سرا دائیں بغل کے نیچے سے آیا تو دونوں سروں کو سینے پر باندھ دیا آپس میں بھائی، یہ کیا ہے؟ اتشاح ہے۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ یہ ہے اتشاح۔ تو کسی نے اگر اتشاح کر لیا یعنی وہ قمیص کو اس طرح بائیں کندھے پر ڈال کر اور دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر سینے پر باندھ لیا، **أَوِ اتَّزَرَ بِالسَّرَاوِيلِ** یا تہبند بنا لیا سراویل شلوار سے بھائی، یعنی شلوار کو تہبند کے طور پر باندھ لیا، شلوار پہنی نہیں بلکہ تہبند کی طرح اس کو اس نے شلوار کو باندھ لیا **فَلَا بَأْسَ بِهِ** تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے **لِأَنَّهُ لَمْ يَلْبَسْهُ لُبْسَ الْمَخِيطِ** اس لیے کیونکہ اس نے اس کو سلے ہوئے کپڑے کی طرح نہیں پہنا۔ قمیص سے بھی اگر اس نے چادر کی طرح اوڑھا ہے سلے ہوئے کپڑے کی طرح تو اس کو پہنا نہیں، یا اس سے اتشاح کیا ہے تو بھی سلے ہوئے کپڑے کی طرح نہیں پہنا، یا شلوار کو تہبند کی طرح باندھ دیا تو بھی سلے ہوئے کپڑے کی طرح نہیں پہنا، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَكَذَا لَوْ أَدْخَلَ مَنْكِبَيْهِ فِي الْقَبَاءِ وَلَمْ يُدْخِلْ يَدَيْهِ فِي الْكُمَّيْنِ، بھائی قبا، قبا یہ قدیم زمانے کا ایک لباس تھا جیسے آج کل یہ کوٹ یا شیروانی ہوتی ہے جو بڑا المبا کوٹ ہو، تو جس طرح یہ ہے اس طرح قبا ہوتی تھی بھائی۔ البتہ کوٹ وغیرہ کے تو بٹن ہوتے ہیں، قبا کو درمیان سے کمر پر اس کو باندھ لیا جاتا تھا بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ جس طرح یہ کوٹ یا شیروانی قمیص کے اوپر پہنی جاتی ہے اسی طرح قبا بھی قمیص کے اوپر پہنی جاتی تھی۔ تو اگر کسی نے قبا پہن لی، قبا پہن لی لیکن پہنی نہیں بھائی، قبا کے اندر اس نے اپنے کندھے ڈال دیے اور اس کی آستینیں تھیں اس کے اندر بازو نہیں ڈالے، صرف کندھے پر رکھ لی قبا تو اس صورت میں بھی کوئی حرج نہیں بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس صورت میں دم وغیرہ یا صدقہ نہیں آئے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں **وَكَذَا لَوْ أَدْخَلَ مَنْكِبَيْهِ فِي الْقَبَاءِ** اور اسی طرح ہے حکم اگر محرم نے داخل کر دیے اپنے دونوں کندھے قبا کے اندر **وَلَمْ يُدْخِلْ يَدَيْهِ فِي الْكُمَّيْنِ** اور داخل نہیں کیے اس نے اپنے بازو آستینوں کے اندر تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے یعنی کوئی حرج نہیں۔ **خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ** بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، وہ اس صورت میں بھی دم یا صدقے کے قائل ہیں بھائی۔ تو آگے ہماری دلیل ہے **لِأَنَّهُ مَا لَبِسَهُ لُبْسَ الْقَبَاءِ،** ہماری دلیل یہ ہے کیونکہ اس نے اس قبا کو قبا کی طرح نہیں پہنا بلکہ صرف کس پر رکھا ہے؟ کندھوں پر رکھا ہے، **وَلِهَذَا يَتَكَلَّفُ فِي حِفْظِهِ** اسی وجہ سے اس آدمی کو تکلف کرنا پڑے گا اس کی حفاظت میں۔ بھائی صرف کندھوں پر کوٹ رکھا ہے یا شیروانی رکھی ہے تو بار بار سنبھالنا پڑے گا یا نہیں؟ کہ گر نہ جائے بھائی، تو یہاں پر بھی اس آدمی کو محرم کو تکلف کرنا پڑے گا اس قبا کی حفاظت میں۔

وَالتَّقْدِيرُ فِي تَغْطِيَةِ الرَّأْسِ مِنْ حَيْثُ الْوَقْتِ مَا بَيَّنَّاهُ، اچھا بھائی! ابھی تک یہ ساری تفصیل بیان کر رہے تھے سلے ہوئے کپڑے پہننے میں، کس میں؟ سلے، کہ سلے ہوئے کپڑے سارا دن پہنے تو دم واجب ہو گا، آگے سر ڈھانپنے میں بھی کہتے ہیں وہی تفصیل ہے۔ جس طرح سلے ہوئے کپڑے سارا دن پہننے سے دم واجب ہوتا تھا تو سارا دن سر ڈھانپنے سے بھی دم واجب ہو گا۔ تو کہتے ہیں **وَالتَّقْدِيرُ فِي تَغْطِيَةِ الرَّأْسِ مِنْ حَيْثُ الْوَقْتِ مَا بَيَّنَّاهُ** اور اندازہ لگانا سر کے ڈھانپنے میں وقت کی حیثیت سے وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی۔

وَلَا خِلَافَ أَنَّهُ إِذَا غَطَّى جَمِيعَ رَأْسِهِ يَوْمًا كَامِلًا يَجِبُ عَلَيْهِ الدَّمُ اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب محرم نے ڈھانپا اپنے سارے سر کو پورا دن تو اس پر دم واجب ہو گا **لِأَنَّهُ مَمْنُوعٌ عَنْهُ** اس لیے کیونکہ اس سے روکا گیا ہے۔

وَلَوْ غَطَّى بَعْضَ رَأْسِهِ، بھائی اگر کوئی محرم سارے سر کو نہیں ڈھانپتا بلکہ سر کے کچھ حصے کو ڈھانپتا ہے تو پھر کیا حکم ہے؟ تو کہتے ہیں **وَلَوْ غَطَّى بَعْضَ**

رَأْسِهِ اور اگر محرم نے اپنے سر کے کچھ حصے کو ڈھانپا **فَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** تو روایت کیا گیا ہے امام صاحب سے **أَنَّهُ اعْتَبَرَ الرُّبْعَ اعْتِبَارًا بِالْحَلْقِ وَالْعَوْرَةِ** کہ انہوں نے ربع کا یعنی چوتھائی حصے کا اعتبار کیا ہے، قیاس کرتے ہوئے حلق پر اور عورت پر یعنی ستر پر۔ حلق اور ستر پر قیاس کرتے ہوئے امام صاحب فرماتے ہیں جیسے محرم اگر چوتھائی سر کا حلق کروالے حالت احرام میں تو اس پر دم واجب ہو جاتا ہے۔ بالوں کا کاٹنا منع ہے نا حالت احرام میں؟ وہ آخر میں جا کر تو پھر حلال ہونے کے لیے حلق وغیرہ کروائے گا، اس کی بات نہیں کر رہے، درمیان میں اگر کوئی کیا کروالیتا ہے؟ حلق کروالیتا ہے تو پورے سر میں جیسے دم واجب ہوتا ہے اسی طرح چوتھائی سر میں بھی دم واجب ہوتا ہے بھائی، دم واجب ہوتا ہے۔

اور اسی طرح عورت، ستر عورت بھائی، آپ جانتے ہیں کہ نماز کے اندر اگر کشف عورت ہو چوتھائی عضو کے بقدر یعنی وہ حصہ جس کا چھپانا فرض ہے اس میں سے چوتھائی عضو نظر آجائے تو پھر اس صورت میں نماز کیا ہو جاتی ہے؟ فاسد ہو جاتی ہے، تو جیسے وہاں چوتھائی عضو کا اعتبار کیا گیا اور جیسے حلق کے اندر چوتھائی سر کا اعتبار کیا گیا تو یہاں سر ڈھانپنے میں بھی وہ کس کا اعتبار کرتے ہیں؟ چوتھائی سر کا، کہ جس نے چوتھائی سر کو ڈھانپا اور سارا دن ڈھانپا تو اس پر کیا واجب ہو گا؟ دم، اور اس سے کم ڈھانپا تو صدقہ واجب ہو گا۔

تو کہتے ہیں **أَنَّهُ اعْتَبَرَ الرُّبْعَ اعْتِبَارًا بِالْحَلْقِ وَالْعَوْرَةِ** کہ امام صاحب سے روایت ہے کہ انہوں نے اعتبار کیا ہے چوتھائی کا یعنی سر ڈھانپنے میں بھی چوتھائی کا اعتبار کیا ہے قیاس کرتے ہوئے حلق اور ستر پر۔ **وَهَذَا** اور یہ اس وجہ سے **لِأَنَّ سَتْرَ الْبَعْضِ اسْتِمْتَاعٌ مَقْصُودٌ يَعْتَادُهُ بَعْضُ النَّاسِ**، بھائی یہ کیا وجہ؟ سر کا کچھ حصہ ڈھانپنے کی وجہ سے دم کیوں آتا ہے؟ کہتے ہیں بھائی اس لیے کیونکہ یہ مقصودی نفع ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہی یہ ہوتی ہے، وہ پورے سر کو ڈھانپ کر رکھتے ہی نہیں، سر کے کچھ حصے کو کیا کرتے ہیں؟ ڈھانپ کر رکھتے ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ تو بعض لوگوں کی عادت ہی کیا ہوتی ہے؟ وہ پورے سر کو نہیں ڈھانپتے، سر کے کچھ حصے کو ڈھانپ کر رکھتے ہیں تو لہٰذا کچھ حصے کو ڈھانپنا بھی ایک مقصودی نفع ہوا اور جہاں بھی مقصودی نفع آئے گا، یاد رکھنا ضابطہ، جہاں بھی کس قسم کا نفع ہے؟ مقصودی نفع جو مقصود ہوتا ہے لوگوں کا تو وہاں پر وہ جنایت کامل ہو گی اور اگر وہ مقصودی نفع نہ ہوا تو پھر وہ جنایت کامل نہیں، اس میں پھر صرف صدقہ آئے گا لیکن اگر مقصودی نفع ہوا تو اس میں دم آئے گا۔ تو لہٰذا یہ بعض سر کا ڈھانپنا بھی کیا ہے؟ یہ مقصودی نفع ہے، بعض بالارادہ ہی اتنا سر، تھوڑا سر ڈھانپ کر رکھتے ہیں تو لہٰذا یہ جنایت کامل ہوئی۔

تو کہتے ہیں **وَهَذَا** اور یہ اس وجہ سے ہے **لِأَنَّ سَتْرَ الْبَعْضِ اسْتِمْتَاعٌ مَقْصُودٌ** اس لیے کیونکہ بعض حصہ کا ڈھانپنا جو ہے وہ مقصودی نفع ہے **يَعْتَادُهُ بَعْضُ النَّاسِ** جس کی عادت ہوتی ہے بعض لوگوں کو۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَعْتَبِرُ أَكْثَرَ الرَّأْسِ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ اعتبار کرتے ہیں سر کے اکثر حصے کا حقیقت کثرت کا اعتبار کرتے ہوئے۔ وہ کس کا اعتبار کرتے ہیں؟ حقیقت کثرت کا، اور حقیقت کثرت کب ہو گی؟ جب نصف سے زائد ہو، تو وہ بھی اب اس لیے اکثر راس کا اعتبار کرتے ہیں۔

وَإِذَا حَلَقَ رُبْعَ رَأْسِهِ أَوْ رُبْعَ لِحْيَتِهِ فَصَاعِدًا فَعَلَيْهِ دَمٌ اور اگر محرم نے مونڈ دیا اپنے چوتھائی سر کو یا اپنی چوتھائی داڑھی کو یا اس سے زیادہ تو اس پر دم واجب ہے۔ دیکھا، ابھی مسئلہ آپ نے پڑھا چوتھائی سر یا چوتھائی داڑھی منڈوانے سے یہ دم واجب ہو گا، **وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ الرُّبْعِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ** اور اگر وہ کم ہو اچوتھائی حصے سے تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ إِلَّا بِحَلْقِ الْكُلِّ، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دم واجب نہیں ہوتا مگر سارے سر کے حلق سے۔ سارے سر کا حلق کروائے گا یا ساری داڑھی کا کوئی حلق کروائے گا تو تب دم واجب ہو گا، اگر اس سے کچھ کم ہوا تو دم واجب نہیں۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ بِحَلْقِ الْقَلِيلِ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دم واجب ہو گا تھوڑے سے حلق کے سے بھی۔ تھوڑا سا حلق بھی کوئی کروالے کیونکہ حلق ممنوع ہے تو تھوڑا سا بھی حلق کروائے گا، ممنوع فعل کا ارتکاب کیا لہٰذا کیا واجب ہو گا؟ دم واجب ہو گا، یہ ہے فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ بھائی۔ امام مالک رحمہ اللہ فرما رہے ہیں سارے سر کا حلق کرے گا تو دم واجب ہو گا، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تھوڑے سے چند بال بھی کاٹ لے گا تو دم واجب ہو جائے گا اور ہمارے نزدیک چوتھائی سر کم از کم حلق کروائے گا تو تب دم واجب ہو گا۔ تو سمجھ میں آیا بھائی؟ اور ہر ایک کے اپنے دلائل ہیں بھائی۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ بِحَلْقِ الْقَلِيلِ کہ واجب ہو گا دم تھوڑے سے حلق سے بھی **اعْتِبَارًا بِنَبَاتِ الْحَرَمِ** قیاس کرتے ہوئے حرم کی نبات یعنی پودوں پر، حرم کے پودوں، جیسے حرم کے پودے اور گھاس وغیرہ کا ٹنا منع ہے۔ تو وہ قیاس کرتے ہیں **بِنَبَاتِ الْحَرَمِ** حرم کی، حرم کی گھاس اور حرم کے پودے، کہ جیسے حرم کی گھاس اور پودے وغیرہ کاٹنا ممنوع ہیں، ممنوع ہیں ان سے روکا گیا ہے چاہے تھوڑے ہوں چاہے زیادہ، اسی طرح محرم کے لیے بھی حلق ممنوع ہے چاہے تھوڑے بالوں کا ہو چاہے زیادہ بالوں کا ہو بھائی۔

وَلَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے **أَنَّ حَلْقَ بَعْضِ الرَّأْسِ ارْتِفَاقٌ كَامِلٌ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ**، ہم کہتے ہیں کہ بعض سر کا حلق جو ہے **ارْتِفَاقٌ كَامِلٌ** وہ بھی کامل نفع ہے، کامل نفع اٹھانا ہے **لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ** اس لیے کیونکہ یہ معتاد ہے، لوگوں کو اس کی عادت ہوتی ہے **فَتَتَكَامَلُ بِهِ الْجِنَايَةُ** تو اس سے جنایت کامل ہو جائے گی

وَتَتَقَاصَرُ فِيمَا دُونَهُ اور اس سے کم کے اندر جنایت کم ہو گی۔ ہم کہتے ہیں کہ بعض راس کا حلق کروانا، سر کے کچھ حصے کا حلق کروانا یہ بھی لوگوں میں عام ہے، رائج ہے، آپ دیکھتے ہیں بھائی، آج کل بھی آپ دیکھتے ہیں، بعض لوگ کیا کرتے ہیں؟ سر کے صرف کچھ حصے کا حلق کرواتے ہیں، مثلاً کانوں کے اوپر سے اور گردن پر جو ہے صرف یہاں پر وہ کیا کروالیتے ہیں؟ حلق کروالیتے ہیں اور اوپر کے سارے بال اسی طرح ہوتے ہیں ان کے، تو دیکھا، بعض راس کا حلق بھی کیا ہے؟ وہ مقصودی نفع ہے، لوگ کرتے ہی اتنا ہیں بعض لوگ، لہٰذا یہاں پر بھی حکم اسی طرح ہو گا، کچھ سر کا حلق بھی کیا ہوا؟ وہ مقصودی نفع ہوا اور وہ نفع اٹھایا تو جنایت کی کامل درجے کی تو دم آئے گا اور اس کا اندازہ کس سے لگایا گیا؟ ربع راس کے ساتھ چوتھائی سر، جہاں اس سے کم ہو تو پھر جنایت کم درجے کی ہے اس میں دم نہیں ہو گا۔

بِخِلَافِ تَطَيُّبِ رُبْعِ الْعُضْوِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَقْصُودٍ، بھائی پیچھے مسئلہ آیا تھا باب الجنایات جہاں شروع ہوا تھا، اس کی تیسری چوتھی سطر میں آیا تھا کہ منتقی کتاب کے اندر ہے کہ کسی نے اگر چوتھائی عضو پر بھی خوشبو لگالی، یہ وہ خاص خوشبوئیں مراد ہیں جو بدن پر لگائی جاتی تھیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ وہ خوشبوئیں مراد نہیں جو آج کل ہم استعمال کرتے ہیں جو عطر وغیرہ ہے، وہ تو کچھ بھی استعمال کر لے گا تو کیا لازم ہو گا؟ دم آئے گا بھائی۔ تو یہ وہ خوشبوئیں جن کی معمولی خوشبو ہوتی تھی اور بدن پر استعمال کی جاتی تھیں جیسے ذکر ہو گیا مہندی ہے بھائی، تو وہاں پر اس قسم کی کسی نے خوشبو لگائی تو منتقی کتاب میں کیا ہے؟ چوتھائی عضو پر بھی اگر یہ خوشبو لگالی تو اس صورت میں دم واجب ہو گا اور انہوں نے اس کو قیاس کیا تھا حلق پر، جیسے چوتھائی عضو کا حلق کروالیا جائے یعنی چوتھائی سر کا تو کیا واجب ہوتا ہے؟ دم، تو چوتھائی عضو پر خوشبو لگالی تو یہ بھی اسی کی طرح ہے چوتھے حصے پر لگ گئی، لہٰذا دم واجب ہو گا۔ اور صاحب ہدایہ نے آپ کو بتلایا تھا **وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْفَرْقَ بَيْنَهُمَا** ہم ان دونوں میں کیا کریں گے؟ فرق بیان کریں گے، وہ فرق اب بیان کرنے لگے ہیں۔ تو صاحب ہدایہ آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی چوتھائی سر کا حلق یہ تو بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے، یہ تو مقصودی نفع ہے لیکن چوتھائی عضو کو یہ جو خوشبو لگائی جاتی ہے یہ مقصودی نفع نہیں ہے، تو لہٰذا اس لیے دونوں کا حکم الگ الگ ہو گا، ایک جیسا نہیں ہو گا کیونکہ ایک چیز مقصودی ہے اور ایک چیز مقصود نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں **بِخِلَافِ تَطَيُّبِ رُبْعِ الْعُضْوِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَقْصُودٍ** بخلاف چوتھائی عضو پر خوشبو لگانا کیونکہ وہ مقصود نہیں ہے، **وَكَذَا حَلْقُ بَعْضِ اللِّحْيَةِ مُعْتَادٌ بِالْعِرَاقِ وَأَرْضِ الْعَرَبِ،** یہ تو پیچھے سر کا بیان تھا کہ بعض سر کا حلق کیا ہے؟ لوگوں کو اس کی عادت، تو اب داڑھی کا بھی حکم بتلا رہے ہیں کہ داڑھی کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر چوتھائی داڑھی کیا کر لی؟ حلق کروالی تو دم آئے گا، اس لیے کیونکہ داڑھی کے کچھ حصے کا حلق یہ بھی کیا ہے؟ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے جیسے آج کل بھی آپ دیکھتے ہیں بھائی کہ ٹھوڑی وغیرہ پر داڑھی رہنے دی اور ارد گرد کیا کر دی؟ داڑھی کے بال حلق کروا دیتے ہیں، تو یہ معلوم ہوا بعض لحیہ کا حلق بھی معتاد ہے بھائی، مقصود ہے۔ تو کہتے ہیں **وَكَذَا حَلْقُ بَعْضِ اللِّحْيَةِ مُعْتَادٌ بِالْعِرَاقِ وَأَرْضِ الْعَرَبِ** اور اسی طرح داڑھی کے کچھ حصے کا حلق جو ہے وہ بھی معتاد ہے یعنی لوگوں کو اس کی عادت ہے عراق میں اور سرزمین عرب میں بھائی۔

وَإِنْ حَلَقَ الرَّقَبَةَ كُلَّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ اور اگر حلق کروا دیا گردن کا، بھائی گردن یہ گدی جو ہے کمر کی جانب جو حصہ ہے اور اس پر جو بال ہیں گردن پر ان کو کیا کروا دیا کسی نے؟ حلق کروا دیا، تو اس صورت میں بھی یہ مقصودی نفع حاصل کر لیا تو دم آئے گا۔ تو کہتے ہیں **وَإِنْ حَلَقَ الرَّقَبَةَ كُلَّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ** اور اگر حلق کروایا ساری گردن کا تو اس پر دم واجب ہے **لِأَنَّهُ عُضْوٌ مَقْصُودٌ بِالْحَلْقِ** اس لیے کیونکہ وہ ایسا عضو ہے جو حلق سے مقصود ہے، حلق کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ بعض اوقات بعض لوگ صرف گدی کے بال صاف کروا لیتے ہیں۔

وَإِنْ حَلَقَ الْإِبِطَيْنِ أَوْ أَحَدَهُمَا فَعَلَيْهِ دَمٌ اور اگر حلق کروایا محرم نے دونوں بغلوں کا یا ایک کا، دونوں میں سے ایک بغل کا حلق کروالیا **فَعَلَيْهِ دَمٌ** تو اس پر دم واجب ہے **لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَقْصُودٌ بِالْحَلْقِ** اس لیے کیونکہ دونوں بغلوں میں سے ہر ایک جو ہے وہ حلق کے ذریعے مقصود ہے **لِدَفْعِ الْأَذَى وَنَيْلِ الرَّاحَةِ، لِدَفْعِ الْأَذَى** تکلیف کو دور کرنے کے لیے **وَنَيْلِ الرَّاحَةِ** اور راحت کو پانے کے لیے، راحت کو حاصل کرنے کے لیے۔ بھائی دونوں بغلوں میں سے ہر ایک مقصود ہے، ایک بغل بھی صاف کرے گا تو تکلیف دور ہو گی یا نہیں بھائی؟ اور راحت حاصل ہو گی یا نہیں اس سے؟ تو لہٰذا ہر ایک مقصود بالحلق ہوا اور اس میں پھر دم آئے گا۔ **فَأَشْبَهَ الْعَانَةَ** تو یہ مشابہ ہو گیا عانہ کے، عانہ زیر ناف کے بال بھائی، جیسے وہ مقصود بالحلق ہوتا ہے تو ہر ایک بغل کیا ہے؟ مقصود بالحلق ہوئی۔

ذَكَرَ فِي الْإِبِطَيْنِ الْحَلْقَ هُنَا وَفِي الْأَصْلِ النَّتْفَ وَهُوَ السُّنَّةُ، ذکر کیا ہے امام محمد رحمہ اللہ نے دونوں بغلوں کے اندر حلق کو یہاں پر، جامع صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ نے بغلوں کے اندر کیا ذکر کیا ہے؟ یہ جو متن میں آیا **وَإِنْ حَلَقَ الْإِبِطَيْنِ،** حلق کو ذکر کروایا ہے، **وَفِي الْأَصْلِ النَّتْفَ** اور اصل یعنی مبسوط کے اندر امام محمد رحمہ اللہ نے نتف کو ذکر کیا ہے۔ بھائی حلق تو کہتے ہیں نا استرے سے بال صاف کرنا اور نتف کا معنی ہے اکھاڑنا، کھینچ کر نکالنا۔ تو اصل مبسوط کے اندر نتف کو ذکر کیا ہے کہ اگر محرم نے کیا کیا؟ بغل کے بال کھینچ کر نکال دیے، تو وہاں نتف کا ذکر کیا ہے **وَهُوَ السُّنَّةُ** اور یہی سنت ہے۔ یاد رکھیے بغل کے بال صاف کرنا ان میں مسنون طریقہ وہ حلق نہیں ہے بلکہ نتف ہے بھائی، کیا ہے؟ نتف ہے کہ ان کو اکھاڑ کر نکالا جائے۔ اسی لیے کہا **وَهُوَ السُّنَّةُ** اور یہی سنت ہے۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ إِذَا حَلَقَ عُضْوًا فَعَلَيْهِ دَمٌ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جب کسی عضو کا حلق کروا دیا تو اس پر دم واجب ہے۔ کسی بھی عضو کا، کامل عضو کا اگر محرم کیا کروا دے گا؟ حلق کروا دے گا تو اس پر دم ہے، **وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ فَطَعَامٌ** اور اگر اس سے کم ہوا تو پھر طعام آئے گا بھائی۔ طعام کا اطلاق بھائی یاد رکھیے گندم پر ہوتا ہے اور اسی طرح آٹے پر بھی بھائی، تو اس میں گندم آئے گی یعنی صدقہ آئے گا۔

أَرَادَ بِهِ الصَّدْرَ وَالسَّاقَ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، بھائی کیا مراد ہے کسی عضو کا حلق کروالیا؟ سر کو بھی ذکر کر دیا، داڑھی کو بھی ذکر کر دیا اور بغلوں کو بھی اور گدی وغیرہ سب کو تو ذکر کر دیا، اس کے علاوہ اور کون سے اعضاء کا حلق ہو سکتا ہے؟ کہتے ہیں بھائی **أَرَادَ بِهِ الصَّدْرَ وَالسَّاقَ** ارادہ کیا اس کے ذریعے امام محمد رحمہ اللہ نے سینے کا اور پنڈلی وغیرہ کا، ان جیسے اعضاء کا، یعنی کوئی بھی عضو ہو، بطور مثال یہ ذکر کیے، ان کا اگر کوئی حلق کروائے گا تو بھی دم آئے گا۔ تو کہتے ہیں **أَرَادَ بِهِ الصَّدْرَ وَالسَّاقَ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ** ارادہ کیا اس کے ذریعے امام محمد رحمہ اللہ نے سینے اور پنڈلی کا اور جو ان کے مشابہ ہیں **لِأَنَّهُ مَقْصُودٌ بِطَرِيقِ التَّنَوُّرِ**، تنور کا معنی ہے، بھائی تنور یہ نورہ سے ہے، نورہ، اور نورہ یہ چوناچونے کو کہتے ہیں، تو یہ قدیم طریقہ تھا چونا وغیرہ عضو پر لگا لیا جاتا تھا اور اس سے پھر بالوں کو عضو سے صاف کر لیا جاتا تھا۔ بھائی جیسے آج کل کوئی دوائی یا پاؤڈر وغیرہ ملتے ہیں اور وہ جو پنڈلی وغیرہ پر لگا لیے یا بازو پر لگا لیا اور اس سے بال وغیرہ اتر جاتے ہیں سارے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اسی طرح یہاں پر بھی سینے اور پنڈلی سے اگر کسی نے بالوں کو دور کیا تو اس صورت میں دم واجب ہو گا، اس لیے کیونکہ ان سے بھی بالوں کی صفائی بعض اوقات مقصود ہوتی ہے، بعض لوگوں کو کیا ہوتی ہے؟ عادت ہوتی ہے، وہ اس طرح کوئی بال صاف کرنے والی چیز کے ذریعے جیسے چونا وغیرہ ہے ان بالوں کو صاف کرتے ہیں تو یہ کیا کس قسم کا فائدہ ہوا؟ جو مقصود ہے اور مقصودی نفع کوئی بھی اٹھائے گا جو ممنوع ہے اور مقصودی نفع ہے احرام کے اندر تو اس صورت میں کیا لازم ہوتا ہے؟ دم، تو یہاں بھی دم لازم ہو گا بھائی۔ تو کہتے ہیں **لِأَنَّهُ مَقْصُودٌ بِطَرِيقِ التَّنَوُّرِ** اس لیے کیونکہ یہ مقصود ہے تنور کے طریقے پر، تنور وہی چونے وغیرہ کے ذریعے بال صاف کرنا بھائی۔

فَيَتَكَامَلُ بِحَلْقِ كُلِّهِ وَيَتَقَاصَرُ عِنْدَ حَلْقِ بَعْضِهِ تو جنایت کامل ہو گی اس سارے عضو کے حلق سے یعنی سینے یا پورا سینہ یا پوری پنڈلی اس کے جب حلق کر لے گا تو جنایت کامل ہو جائے گی **وَيَتَقَاصَرُ عِنْدَ حَلْقِ بَعْضِهِ** اور کم ہو گی جنایت اگر کچھ حصے کا حلق کروایا۔

وَإِنْ أَخَذَ مِنْ شَارِبِهِ فَعَلَيْهِ طَعَامُ حُكُومَةِ عَدْلٍ اور اگر محرم نے کترہ اپنی مونچھ میں سے، شارب کسے کہتے ہیں؟ مونچھ کو بھائی، کترہ یعنی کاٹا اپنی مونچھ میں سے **فَعَلَيْهِ طَعَامُ حُكُومَةِ عَدْلٍ** تو اس پر حکومت عدل کا طعام آئے گا۔ حکومت کا معنی فیصلہ اور عدل بمعنی عادل کے ہے یعنی قابل اعتماد شخص بھائی۔ تو کسی نے اگر اپنی مونچھ کو کاٹا ہے تو اس میں ایک عادل شخص کے فیصلے کو دیکھا جائے گا اور وہ جو فیصلہ کر دے گا اس کے مطابق اس پر غلہ اور صدقہ کرنا واجب ہو گا یعنی بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس کے مطابق اس پر غلہ، صدقہ کرنا واجب ہو گا۔ مثلاً بھائی وہ دیکھے گا عادل شخص کہ اس نے یہ جو مونچھ کے بال کاٹے ہیں یہ چوتھائی داڑھی کا کتنا حصہ بنتے ہیں، اور چوتھائی داڑھی میں تو کیا واجب تھا؟ دم واجب تھا، ایک بھیڑ بکری واجب تھی، تو لہٰذا وہ دیکھے گا کہ یہ جو مونچھوں کے بال اس نے کاٹے یہ چوتھائی داڑھی کا کتنا حصہ بنتا ہے، اگر یہ چوتھائی داڑھی کا مثلاً چوتھا حصہ بنتا ہے، اس کے چوتھائی داڑھی کا چوتھا حصہ بنتا ہے مثلاً تو چوتھائی داڑھی میں ایک بھیڑ بکری آتی تھی تو اس کے چوتھے حصے کے برابر ہے یہ تو اس میں بھیڑ بکری کا چوتھا حصہ واجب ہو گا بھائی یعنی اس کے برابر غلہ جو ہے یعنی گندم صدقہ کرنا پڑے گی بھائی۔

تو کہتے ہیں **وَإِنْ أَخَذَ مِنْ شَارِبِهِ فَعَلَيْهِ طَعَامُ حُكُومَةِ عَدْلٍ** اور اگر محرم نے کاٹا اپنی مونچھ میں سے تو اس پر حکومت عدل یعنی ایک عادل آدمی کے فیصلے کے مطابق اس پر غلہ واجب ہو گا یعنی اتنا صدقہ واجب ہو گا **وَمَعْنَاهُ** اور معنی اس کا یہ ہے **أَنَّهُ يَنْظُرُ** کہ وہ عادل شخص دیکھے گا **أَنَّ هَذَا الْمَأْخُوذَ كَمْ يَكُونُ مِنْ رُبْعِ اللِّحْيَةِ** کہ یہ جو کاٹا گیا ہے یہ کتنا ہے چوتھائی داڑھی میں سے، چوتھائی داڑھی کا کتنا حصہ بنتا ہے **فَيَجِبُ عَلَيْهِ الطَّعَامُ بِحَسَبِ ذَلِكَ** تو اس شخص پر طعام واجب ہو گا اسی کے بقدر بھائی، **حَتَّى لَوْ كَانَ مَثَلًا مِثْلَ رُبْعِ الرُّبْعِ يَلْزَمُهُ قِيمَةُ رُبْعِ الشَّاةِ** یہاں تک کہ مثلاً جو ہے یہ چوتھائی داڑھی کے چوتھے حصے کے مثل ہوا **يَلْزَمُهُ قِيمَةُ رُبْعِ الشَّاةِ** تو اس پر بھیڑ بکری کی قیمت کا چوتھائی حصہ ہو گا یعنی بھیڑ بکری کے چوتھائی قیمت اس شخص پر لازم ہو گی۔

وَلَفْظَةُ الْأَخْذِ مِنَ الشَّارِبِ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ هُوَ السُّنَّةُ فِيهِ دُونَ الْحَلْقِ اور متن میں بھائی **وَإِنْ أَخَذَ**، اخذ کا لفظ ذکر کیا، حلق کا لفظ ذکر نہیں کیا، حلق کا لفظ۔ یاد رکھیے مونچھوں کے اندر مسنون حلق نہیں ہے یعنی استرے سے صاف کرنا مسنون نہیں ہے بلکہ مونچھوں کے اندر مسنون ان کو کترنا ہے، کاٹنا ہے قینچی وغیرہ سے یہاں تک کہ وہ لبوں کے برابر ہو جائیں مونچھیں بھائی۔ تو کہتے ہیں **وَلَفْظَةُ الْأَخْذِ مِنَ الشَّارِبِ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ هُوَ السُّنَّةُ فِيهِ دُونَ الْحَلْقِ** اور کاٹنے کا لفظ شارب کے اندر یہ دلالت کر رہا ہے کہ یہ سنت ہے مونچھوں میں نہ کہ حلق بھائی۔ **وَالسُّنَّةُ أَنْ يُقَصَّ حَتَّى يُوَازِيَ الْإِطَارَ** اور سنت یہ ہے کہ کاٹا جائے ان کو یہاں تک کہ یہ برابر ہو جائیں اطار کے۔ اطار یاد رکھیے ہونٹ کا جو کنارہ ہے جو جلد کے ساتھ ملا ہوا ہے، آخری کنارہ، یہ کیا کہلاتا ہے؟ اطار کہلاتا ہے۔ تو سنت یہ ہے کہ ان کو چھوٹا کیا جائے مونچھوں کو **حَتَّى يُوَازِيَ الْإِطَارَ** یہاں تک کہ یہ اس ہونٹ کے کنارے کے برابر ہو جائیں یعنی بالکل چھوٹی چھوٹی ہو جائے، یہ جو کنارہ ہے ہونٹ کے ساتھ آخری کنارہ جو جلد کے ساتھ ملا ہوا ہے اس کے برابر ہو جائیں بال بھائی، یعنی خوب چھوٹے کر دیں ان کو۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھائی۔

قَالَ: وَإِنْ حَلَقَ مَوْضِعَ الْمَحَاجِمِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، صاحب قدوری فرماتے ہیں **وَإِنْ حَلَقَ مَوْضِعَ الْمَحَاجِمِ** اور اگر محرم نے حلق کروایا حجامت کی جگہوں کا **فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** تو اس پر دم واجب ہے امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَ: عَلَيْهِ صَدَقَةٌ** اور صاحبین فرماتے ہیں اس پر صدقہ واجب ہے بھائی۔ بھائی حجامت یہ قدیم طریقہ علاج تھا، پہلے بھی کئی جگہ اس کا ذکر آ چکا ہے کہ بدن کے مختلف حصوں سے جو ہے خاص آلات کے ذریعے خون کھینچ کر نکالا جاتا تھا جس کو پچھنے لگوانا اور سینگی لگوانا بھائی، سینگی لگوانا، تو اگر محرم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگوانے کے لیے میں نے بتلایا خاص آلات کے ذریعے کیا کیا جاتا؟ خون کو کھینچ کر نکالا جاتا تو اس جگہ کے بال صاف کیے جاتے اور پھر وہاں اس آلے کے ذریعے خون کھینچ کر نکالا جاتا۔ تو اگر محرم نے پچھنے لگوانے کے لیے وہ بال صاف کروائے اس مقام کے جہاں پچھنے لگانے ہیں تو کیا اس صورت میں صدقہ آئے گا یا دم؟ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ دم آئے گا اور صاحبین فرماتے ہیں صدقہ۔

یہ معنی ہے **وَإِنْ حَلَقَ مَوْضِعَ الْمَحَاجِمِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** اور اگر حلق کروایا پچھنے لگوانے کی جگہوں کا تو اس پر دم واجب ہے امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَ: عَلَيْهِ صَدَقَةٌ** اور صاحبین فرماتے ہیں اس پر صدقہ واجب ہے۔

لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَحْلِقُ لِأَجْلِ الْحِجَامَةِ وَهِيَ لَيْسَتْ مِنَ الْمَحْظُورَاتِ فَكَذَا مَا يَكُونُ وَسِيلَةً إِلَيْهَا، صاحبین کی دلیل یہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو پچھنے لگوانے کے لیے وہ کسی عضو پر سے بال صاف کرواتا ہے تو یہ کس لیے بال صاف کروا رہا ہے؟ پچھنے لگوانے کے لیے، اور پچھنے لگانا یعنی حجامت کروانا یہ تو احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے نہیں ہے۔ احرام کے اندر بھائی خوشبو نہیں لگا سکتا، بال نہیں کاٹ سکتا، ناخن نہیں کاٹ سکتا، سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتا، شکار نہیں کھیل سکتا وغیرہ، یہ چیزیں تو منع ہیں لیکن پچھنے لگوانا تو احرام کی حالت میں منع نہیں، جب یہ احرام کی حالت میں پچھنے لگانا منع نہیں تو وہ چیز جس کے ذریعے پچھنے لگانے تک پہنچا جائے وہ بھی ممنوع نہیں ہو گی۔ احرام میں پچھنے لگوانا ممنوع نہیں اور پچھنے کب لگیں گے؟ جب اس جگہ سے بال صاف کیے جائیں، تو جب پچھنے لگوانا ممنوع نہیں تو جس چیز کے لیے پچھنے لگانے تک پہنچیں گے اور وہ مقصد حاصل ہو گا وہ بھی ممنوع نہیں ہو گی بھائی، لہٰذا اس صورت میں دم نہیں آئے گا۔ **لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَحْلِقُ لِأَجْلِ الْحِجَامَةِ** اس لیے کیونکہ محرم اس کا حلق کرواتا ہے حجامت کے لیے **وَهِيَ لَيْسَتْ مِنَ الْمَحْظُورَاتِ** اور یہ پچھنے لگوانا یہ تو احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے نہیں ہے **فَكَذَا مَا يَكُونُ وَسِيلَةً إِلَيْهَا** تو اسی طرح وہ چیز بھی ہو گی جو اس کے لیے پچھنے لگوانے کی طرف وسیلہ ہے جس کے لیے اس تک پہنچا جاتا ہے۔

إِلَّا أَنَّ فِيهِ إِزَالَةَ شَيْءٍ مِنَ التَّفَثِ فَتَجِبُ الصَّدَقَةُ، اچھا اعتراض ہوتا ہے صاحبین پر کہ اگر یہ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے نہیں ہے اور وسیلہ بھی لہٰذا ممنوع نہیں ہو گا تو پھر اس میں آپ صدقہ کیوں واجب فرماتے ہیں؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، صدقہ اس لیے واجب ہو گا کہ اس جگہ کے بال جب صاف کروائے گا تو کچھ میل کچیل سے صفائی حاصل ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ لہٰذا اس وجہ سے صدقہ واجب ہو گا۔ یہ معنی ہے **إِلَّا أَنَّ فِيهِ إِزَالَةَ شَيْءٍ مِنَ التَّفَثِ** مگر یہ کہ اس کے اندر کچھ میل کچیل کا دور کرنا ہے **فَتَجِبُ الصَّدَقَةُ** تو اس میں صدقہ واجب ہو گا۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ، امام صاحب فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے، پچھنے لگوانا تو ممنوع نہیں احرام کے اندر لیکن پچھنے لگوانے کے لیے یہ جس حصے سے بال صاف کروا رہا ہے وہ بال صاف کرنا مقصود ہو گیا اس کے، کیا بن گیا اس کا؟ مقصد بن گیا اور مقصودی نفع جب بھی اٹھایا جائے اس صورت میں جبکہ ایک چیز ممنوع ہے اور پھر وہ مقصودی نفع کوئی شخص اٹھالے تو اس صورت میں کیا واجب ہوتا ہے؟ دم واجب ہوتا ہے تو چونکہ جس حصے پر اس نے پچھنے لگوانے ہیں وہاں سے بال صاف کروانا اس کا مقصد بن گیا اور بالوں کا صاف کرنا تو کیا تھا؟ ممنوع تھا، تو ایک ممنوع چیز تھی اور اس کے اندر اس نے مقصودی نفع اٹھالیا تو کیا واجب ہو گا؟ دم واجب ہو گا۔ **وَلِأَبِي حَنِيفَةَ** امام صاحب کی دلیل یہ ہے **أَنَّ حَلْقَهُ مَقْصُودٌ** کہ ان بالوں کا حلق مقصود ہے **لِأَنَّهُ لَا يَتَوَصَّلُ إِلَى الْمَقْصُودِ إِلَّا بِهِ** اس لیے کیونکہ وہ محرم جو ہے پہنچ نہیں سکتا مقصود تک یعنی حجامت تک **إِلَّا بِهِ** مگر اس کے ذریعے، اس حلق کے ذریعے، **وَقَدْ وُجِدَ إِزَالَةُ التَّفَثِ عَنْ عُضْوٍ كَامِلٍ** اور تحقیق میل کچیل کا دور کرنا پایا گیا پورے عضو سے **فَيَجِبُ الدَّمُ** تو دم واجب ہو گا۔

میل کچیل کا دور کرنا پایا گیا پورے عضو سے، لہٰذا کیا واجب ہو گا؟ دم۔ اشکال ہوتا ہے کہ پچھنے پورے عضو پر تو نہیں لگائے جاتے، عضو کے کسی ایک حصے پر لگائے جاتے ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا پورے عضو سے تو میل کچیل دور نہ ہوا، عضو کے ایک حصے سے میل کچیل دور ہوا ہے تو لہٰذا صدقہ واجب ہونا چاہیے، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ بھائی ٹھیک ہے کہ جس حصے سے میل کچیل کو دور کیا گیا وہ پورا عضو تو نہیں، عضو کا ایک حصہ ہے لیکن پچھنے لگانے کے اعتبار سے یہ پورا عضو شمار ہو گا بھائی کیونکہ پچھنے صرف اتنے ہی حصے پر لگائے جاتے ہیں تو اس پچھنے لگانے کے اعتبار سے اس بعض کو بھی کیا شمار کریں گے؟ پچھنے اسی جس حصے پر لگانے ہیں اس کو کیا شمار کریں گے؟ کل عضو ہی شمار کریں گے کیونکہ پچھنے لگائے ہی کتنے پر جاتے ہیں؟ اتنے ہی حصے پر لگائے جاتے ہیں جتنے سے اس نے کیا کیا ہے؟ بالوں کو صاف کیا ہے، تو پچھنے لگانے کے اعتبار سے اتنا ہی عضو مقصود ہوتا ہے تو گویا کل عضو سے کیا کر لیے گئے؟ بال صاف کر لیے گئے، لہٰذا کیا واجب ہو گا؟ لہٰذا یہ یہ اشکال آپ کے ذہن میں نہ آئے کہ یہاں تو میل کچیل پورے عضو سے دور نہیں کیا گیا، اس کے ایک حصے سے، بلکہ کس اعتبار سے کامل عضو ہے؟ پچھنے لگانے کے اعتبار سے کامل عضو ہے کیونکہ پچھنے تو لگائے اتنے حصے پر جاتے ہیں جتنے سے اس نے کیا کیا بالوں کو صاف کیا ہے تو گویا سارے پچھنے لگانے کے اعتبار سے کامل عضو سے اس نے میل کچیل کو دور کر دیا۔ تو کہتے ہیں **وَقَدْ وُجِدَ إِزَالَةُ التَّفَثِ عَنْ عُضْوٍ كَامِلٍ** اور تحقیق میل کچیل کو دور کرنا پایا گیا پورے عضو سے **فَيَجِبُ الدَّمُ** تو دم واجب ہو گا۔

وَإِنْ حَلَقَ رَأْسَ مُحْرِمٍ بِأَمْرِهِ أَوْ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَعَلَى الْحَالِقِ الصَّدَقَةُ وَعَلَى الْمَحْلُوقِ دَمٌ، بھائی صورت مسئلہ یہ کہ ایک محرم نے دوسرے محرم کے سر کا حلق کر دیا، ایک محرم نے دوسرے محرم کے سر کا حلق کر دیا تو یاد رکھیے اس صورت میں وہ محرم جس نے حلق کیا ہے اس پر صدقہ واجب ہو گا اور وہ محرم جس کا حلق کیا گیا، جس کے سر کو صاف کر دیا گیا اس پر دم واجب ہو گا بھائی، مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔ تو کہتے ہیں **وَإِنْ حَلَقَ رَأْسَ مُحْرِمٍ بِأَمْرِهِ أَوْ بِغَيْرِ أَمْرِهِ** اور اگر محرم نے حلق کر دیا کسی دوسرے محرم کے سر کو **بِأَمْرِهِ أَوْ بِغَيْرِ أَمْرِهِ** چاہے اس کے حکم سے ہو یا اس کے حکم کے بغیر، اس کے حکم سے ہو یا اس کے حکم کے بغیر **فَعَلَى الْحَالِقِ الصَّدَقَةُ** تو حلق کرنے والے پر صدقہ واجب ہے **وَعَلَى الْمَحْلُوقِ دَمٌ** اور محلوق جس کا حلق کیا گیا اس پر دم واجب ہے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ إِنْ كَانَ بِغَيْرِ أَمْرِهِ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دم واجب نہیں ہو گا **إِنْ كَانَ بِغَيْرِ أَمْرِهِ** اگر یہ

حلق اس کے حکم کے بغیر، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھائی اگر اس کے کہنے پر بال اس کے صاف کیے ہیں پھر تو اس پر دم واجب ہو گا محلوق پر، لیکن اگر محلوق کے کہے بغیر ہی اس کے بال صاف کیے ہیں تو اس صورت میں دم واجب نہیں ہو گا۔ بھائی اس کے حکم کے بغیر اس کے بال صاف کر دیے جائیں اس کی کیا صورت ہے؟ کہتے ہیں **بِأَنْ كَانَ نَائِمًا** بایں صورت کہ وہ سویا ہوا تھا، تو اگر سویا ہوا ہو یا اسی طرح مثلاً بے ہوش ہے یا اسی طرح زبردستی بھائی اگر سر کے بال اس کے استرے سے صاف کر دیے تو ان تمام صورتوں میں وہ فرماتے ہیں چونکہ اس کی مرضی شامل نہیں تھی بلکہ اس کا تو اختیار ہی نہیں تھا، وہ تو سویا ہوا تھا یا بے ہوش تھا یا مجبور تھا تو لہٰذا اس کا کوئی جرم نہیں کہ اس پر دم واجب ہو بھائی، صورت سمجھ میں آئی؟

بِأَنْ كَانَ نَائِمًا بایں صورت کہ وہ سویا ہوا تھا **لِأَنَّ مِنْ أَصْلِهِ أَنَّ الْإِكْرَاهَ يُخْرِجُ الْمُكْرَهَ مِنْ أَنْ يَكُونَ مُؤَاخَذًا بِحُكْمِ الْفِعْلِ**، امام شافعی رحمہ اللہ کا ضابطہ یہ ہے کہ اکراہ جو ہے یعنی زبردستی کرنا وہ نکال دیتا ہے مکرہ کو اس بات سے **أَنْ يَكُونَ مُؤَاخَذًا** کہ اس کا یہ کہ اس کا مواخذہ کیا جائے **بِحُكْمِ الْفِعْلِ** فعل کے حکم سے بھائی۔ یعنی فعل کی وجہ سے اس کا مواخذہ نہیں کیا جاتا، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کسی پر زبردستی کی گئی تو اس کا مواخذہ نہیں ہو گا، نہ دنیا کے اندر مواخذہ ہے نہ آخرت کے اندر مواخذہ ہے کیونکہ اس کا تو ارادہ نہیں تھا یہ جرم کرنے کا۔ تو دنیا کے اندر مواخذہ نہیں لہٰذا دنیاوی سزا نہیں آئے گی اور یہ دم کیا ہے؟ یہ دنیاوی سزا ہے، یہ بھی نہیں آئے گی اور اوپر بھی سزا بھی نہیں یعنی گناہ وغیرہ بھی نہیں ہو گا۔ ضابطہ ان کا سمجھ میں آ گیا بھائی؟

■ اختلافِ ائمہ: ہمارے نزدیک، ہمارے نزدیک ٹھیک ہے اگر کسی پر ز

ہمارے نزدیک، ہمارے نزدیک ٹھیک ہے اگر کسی پر زبردستی کی گئی کسی معاملے کے اندر اخروی اعتبار سے تو مواخذہ نہیں ہو گا یعنی گناہ وغیرہ اس پر نہیں ہو گا لیکن دنیاوی سزا آئے گی بھائی، دنیاوی سزا آئے گی اور دم کیا ہے؟ دنیاوی سزا ہے لہٰذا دم اس پر آئے گا بھائی، اگرچہ گناہ نہیں ہو گا۔

تو کہتے ہیں **لِأَنَّ مِنْ أَصْلِهِ أَنَّ الْإِكْرَاهَ يُخْرِجُ الْمُكْرَهَ مِنْ أَنْ يَكُونَ مُؤَاخَذًا بِحُكْمِ الْفِعْلِ** امام شافعی رحمہ اللہ کا ضابطہ یہ ہے کہ زبردستی کرنا یہ نکال دیتا ہے مکرہ کو یعنی وہ شخص جس پر زبردستی کی گئی ہے اس کو نکال دیتا ہے اس بات سے کہ اس کا مواخذہ کیا جائے فعل کے حکم سے بھائی، **وَالنَّوْمُ أَبْلَغُ مِنْهُ** اور نوم جو ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے، نیند تو اکراہ سے بھی بڑھ کر ہے، اکراہ کے اندر ہوش میں تو ہوتا ہے آدمی اور نیند کے اندر تو ہوش میں نہیں، اسے پتہ ہی نہیں ہے بھائی بالکل سویا۔

وَعِنْدَنَا بِسَبَبِ النَّوْمِ وَالْإِكْرَاهِ يَنْتَفِي الْمَأْثَمُ دُونَ الْحُكْمِ اور ہمارے نزدیک نیند اور زبردستی کرنے کی وجہ سے **يَنْتَفِي الْمَأْثَمُ** گناہ تو منتفی ہو گا یعنی گناہ تو نہیں ہو گا **دُونَ الْحُكْمِ** نہ کہ حکم، یعنی لیکن گناہ تو منتفی ہو گا، حکم منتفی نہیں ہو گا یعنی دم آئے گا۔ **وَقَدْ تَقَرَّرَ سَبَبُهُ** اور تحقیق اس کا سبب پایا گیا، دنیا کے اندر جو حکم لگنا تھا اس کا سبب پایا گیا **وَهُوَ مَا نَالَ مِنَ الرَّاحَةِ وَالزِّينَةِ** اور وہ جو اس شخص نے راحت اور زینت حاصل کر لی۔ بھائی جب سر کے بال صاف کر دیے، حاجی تو کیا ہوتا ہے؟ پراگندہ بال ہوتا ہے اور میلا کچیلا، تو جب اس شخص نے اس کا سر مونڈ دیا استرے سے تو تو راحت حاصل ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ تو محرم کو راحت بھی حاصل ہوئی اور زینت بھی، لہٰذا اس کی وجہ سے دم آئے گا اس پر۔

تو کہتے ہیں **وَقَدْ تَقَرَّرَ سَبَبُهُ** اور تحقیق اس کا سبب پایا گیا **وَهُوَ مَا نَالَ مِنَ الرَّاحَةِ وَالزِّينَةِ** اور وہ جو اس نے راحت اور زینت حاصل کر لی **فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ** تو اس پر دم لازم ہو گا حتماً قطعی طور پر، **بِخِلَافِ الْمُضْطَرِّ حَيْثُ يَتَخَيَّرُ لِأَنَّ الْآفَةَ هُنَاكَ سَمَاوِيَّةٌ** بخلاف مجبور کے، مضطر وہ شخص جو مجبور ہے، بھائی جو شخص کسی بیماری وغیرہ یا تکلیف کی وجہ سے شدید مجبور ہو گیا اور اسے اپنے سر کا حلق کروانا پڑا، کیا کروانا پڑا؟ سر کا حلق کروانا پڑا، تو اب یہاں آفت چونکہ سماوی ہے، بندوں کی طرف سے یہ تکلیف نہیں آئی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو آسمانی آفت ہے، تکلیف ہے، بیماری وغیرہ ہے، اس کی وجہ سے یہ شخص مجبور ہو گیا اور اس کو اپنے سر کا حلق کروانا پڑا تو اس کو اختیار ہے، اس کو اختیار ہے اور یہ کیا کر سکتا ہے؟ کن چیزوں میں اختیار ہے؟ یہ بھائی اگلے صفحے کے آخر میں متن آ رہا ہے، چاہے تو ایک بھیڑ بکری ذبح کرے، چاہے تو چھ مسکینوں پر تین صاع صدقہ کر دے اور چاہے تو تین روزے رکھ لے۔ اختیار یہ عبارت مل گئی بھائی؟ آخری متن میں وہاں دیکھو، تو یہ اس کو اختیار ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے کسی کو حلق وغیرہ کروانا پڑ جائے یا خوشبو لگانی پڑ جائے تو وہ ایک بھیڑ بکری ذبح کرے یا پھر کیا کرلے؟ چھ مسکینوں پر تین صاع غلہ جو ہے وہ صدقہ کر دے اور چاہے تو تین روزے رکھ لے بھائی۔ تو یہاں یہ جو مجبور ہے اس کی آفت چونکہ سماوی ہے، آسمانی ہے لہٰذا اس کو اختیار ہو گا، جبکہ اکراہ کے اندر بھی ٹھیک ہے آفت آئی، تکلیف آئی لیکن کس کی طرف سے آئی؟ بندوں کی طرف سے آئی لہٰذا وہاں پر یہ اختیار نہیں ہو گا بھائی۔

تو کہتے ہیں **بِخِلَافِ الْمُضْطَرِّ حَيْثُ يَتَخَيَّرُ** بخلاف مجبور کے کیونکہ اس کو اختیار ہو گا **لِأَنَّ الْآفَةَ هُنَاكَ سَمَاوِيَّةٌ** اس لیے کیونکہ آفت وہاں پر آسمانی ہے **وَهَا هُنَا مِنَ الْعِبَادِ** اور یہاں پر آفت کس قسم کی ہے؟ بندوں کی طرف سے ہے۔

ثُمَّ لَا يَرْجِعُ الْمَحْلُوقُ رَأْسُهُ عَلَى الْحَالِقِ، بھائی ابھی آپ نے مسئلہ پڑھ لیا کہ کوئی شخص چاہے سویا ہوا ہو، چاہے بے ہوش ہو، چاہے زبردستی کی گئی محرم تھا اور اس کے سر کے بال کسی دوسرے نے استرے سے صاف کر دیے تو اس پر دم واجب ہو گا، جس کے سر جس کے بال استرے سے صاف کر دیے گئے اس پر کیا واجب

ہو گا؟ دم واجب ہو گا۔ تو یہ دم اس پر کس کی وجہ سے آیا؟ جس نے اس کے بال صاف کیے تھے، تو کیا یہ اس پر پھر رجوع کرے گا؟ کہ لاؤ بھائی، تمہاری وجہ سے مجھ پر دم لازم آیا لہٰذا مجھے اب اس کی قیمت ادا کرو، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، یہاں مخلوق جو ہے وہ حالق پر رجوع نہیں کر سکتا، اس لیے کیونکہ یہ جو دم اس پر لازم ہوا وہ اس جو راحت اس نے حاصل کی، راحت کی وجہ سے اس پر دم آیا ہے۔ جس کے بال صاف کر دیے گئے اس کو راحت مل گئی یا نہیں مل گئی؟ تو اس کو جو راحت حاصل ہوئی ہے اور راحت اس نے پائی ہے یا وہ حلق کرنے والے نے پائی ہے؟ مخلوق نے راحت حاصل کی ہے لہٰذا دم بھی اس راحت کی وجہ سے دم اس پر واجب ہوا ہے تو یہ اس پر رجوع نہیں کر سکتا۔

کہتے ہیں ثُمَّ لَا يَرْجِعُ الْمَحْلُوقُ رَأْسُهُ عَلَى الْحَالِقِ پھر رجوع نہیں کر سکتا وہ شخص جو ہے المحلوق جس کا حلق کیا گیا، کس چیز کو؟ رَأْسُهُ اس کے سر کو۔ یاد رکھیے یہ رَأْسُهُ یہ نائب الفاعل ہے محلوق کے لیے، جیسے آپ پڑھ چکے فعل معروف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، فعل مجہول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے، اسم فاعل ہو تو اس کے لیے فاعل چاہیے ہوتا ہے اور اسم مفعول ہو تو اس کے لیے نائب فاعل، تو یہاں المحلوق اسم مفعول آیا اور الرَّأْسُهُ جو ہے اس کا نائب فاعل ہے۔ نہیں لوٹے گا، رجوع نہیں کرے گا الْمَحْلُوقُ رَأْسُهُ وہ شخص کہ جس کے سر کا حلق کیا گیا، وہ رجوع نہیں کرے گا عَلَى الْحَالِقِ حلق کرنے والے پر لِأَنَّ الدَّمَ إِنَّمَا لَزِمَهُ بِمَا نَالَ مِنَ الرَّاحَةِ اس لیے کیونکہ دم جو ہے یہ اس پر لازم ہوا ہے اس نے جو راحت حاصل کی ہے اسی کی وجہ سے، فَصَارَ كَالْمَغْرُورِ فِي حَقِّ الْعُقْرِ تو یہ اس شخص کی طرح ہو گیا جس کو دھوکا دیا گیا تھا فِي حَقِّ الْعُقْرِ کس کے حق میں؟ عقر کے حق میں، مَغْرُور فِي حَقِّ الْعُقْرِ بھائی۔

■ صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک باندی فروخت کر

صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک باندی فروخت کر دی کہ یہ میری باندی ہے، دوسرے شخص نے باندی خرید لی اور خریدنے کے بعد اب چونکہ یہ اس کی باندی ہو گئی اس کے لیے اس سے صحبت کرنا جائز، اس نے اس کے ساتھ صحبت کی اور اس سے اس کی اولاد پیدا ہو گئی اور پھر اس کے بعد ایک دن ایک تیسرے شخص کی نظر اس باندی پر پڑی تو اس نے کہا بھائی یہ تو میری باندی ہے۔ وہ خریدار کہنے لگا بھائی میں نے تو فلاں سے خریدی ہے یہ باندی، تو یہ شخص کہنے لگا بھائی اس نے کیسے میری باندی آپ کے ہاتھ فروخت کر دی، وہ تو اس کا مالک ہی نہیں ہے، مالک تو میں ہوں، چنانچہ وہ قاضی کے پاس چلا گیا اور وہاں باقاعدہ اس نے گواہ پیش کر دیے کہ یہ اس کی باندی ہے، تو چنانچہ یہ باندی اس شخص کو لوٹا دی جائے گی کیونکہ وہ اس کا مالک ہے، سمجھ میں آیا؟ باندی لوٹا دے گا۔

اور نیز یہ جو بچہ تھا، بچہ یہ آزادی اور غلامی میں ماں کے تابع ہوتا ہے، کس کے تابع ہوتا ہے؟ ماں کے تابع۔ اگر ماں باندی ہو تو بچہ بھی غلام اور اگر ماں آزاد ہو تو بچہ آزاد۔ تو یہاں پر یہ بچہ بھی کس کا حق بنتا ہے؟ یہ بچہ کس کا؟ باندی جو لے گیا جس کی باندی تھی یہ بچہ بھی اسی کا حق بنتا ہے لیکن چونکہ یہ بچہ تو ہے مالک کا اور مالک کا بچہ تو کیا ہوتا ہے؟ آزاد ہوتا ہے نا، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ اگر بچہ اگر اس باندی کا کہ مثلاً کسی غلام سے نکاح ہوا ہو تا تو بچہ بھی کیا شمار ہوتا؟ وہ، لیکن یہاں پر تو آقا کا اپنی اولاد ہے، جب اپنی اولاد ہے تو یہ کیا ہے؟ تو یہ آزاد ہے، لہٰذا اب بچہ تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا لہٰذا البتہ اس کی قیمت پھر دینا پڑے گی کیونکہ یہ بچہ بھی اسی کا حق تھا، کس کا حق تھا؟ ہاں، وہ جو مستحق جو باندی کا اصل مالک تھا اسی کا حق بنتا تھا لہٰذا باپ کو اب اس کی قیمت دینا پڑے گی اس بچے کی، باندی بھی دے دی، بچے کی قیمت بھی دے دی اور تیسری چیز عقر دینا پڑے گا، اس نے باندی کے ساتھ صحبت کی ہے، صحبت کی ہے اور جیسے آزاد عورت کے ساتھ نکاح ہوتا ہے تو اسے کیا دینا پڑتا ہے؟ مہر دینا پڑتا ہے اس صحبت کے بدلے میں، کس کے بدلے میں؟ تو نکاح کے اندر تو مہر مقرر ہوتا ہے تو یہ عقر بھی اسی طرح ہے لیکن یہاں چونکہ یہ مقرر نہیں ہوتا تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ عقر۔ تو یاد رکھیے عقر کہتے ہیں وہ مال جو وہ مال جو وطی بالشبہ کی وجہ سے دینا پڑے وہ عقر کہلاتا ہے بھائی۔ اس نے بھی اس باندی سے وطی کی تھی کس شبہے میں؟ کہ یہ میری اپنی باندی ہے، یہ تو میں نے مالک سے خریدی ہے تو میں مالک بن گیا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ نہیں، یہ تو اس کا مالک نہیں تھا، تو لہٰذا اگر کسی عورت سے شبہے میں وطی کر لی جائے اس صورت میں جو مال آتا ہے اس شخص پر اسے کیا کہتے ہیں؟ عقر کہتے ہیں جیسے نکاح کے اندر اس کو کیا کہتے ہیں؟ مہر کہتے ہیں، لیکن مہر کیوں کہتے ہیں؟ وہاں تو باقاعدہ نکاح ہوا اور وہ مہر کو مقرر کیا گیا لیکن چونکہ یہاں تو مقرر نہیں کیا گیا لہٰذا اس کو مہر نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ عقر کہیں گے، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اور یہ یاد رکھیے یہ عقر کتنا ہو گا؟ تو بعضوں نے کہا کہ یہ مہر مثل ہے بھائی، کتنا ہے؟ آزاد عورت کے اندر مہر مثل جتنا اس کا مہر ہوتا ہے وہی دینا پڑے گا بھائی، اور باندی کے اندر اس کی قیمت کا دسواں حصہ دینا پڑے گا اگر وہ باکرہ تھی اور بیسواں حصہ دینا پڑے گا اگر وہ ثیبہ تھی بھائی، مسئلہ سمجھ میں آگیا۔

تو یہاں کل تین چیزیں آرہی تھیں اس شخص پر: ایک تو باندی دینی پڑی اس کو واپس، ایک وہ بچے کی قیمت اس کو دینا پڑی اور یاد رکھیے اس نے باندی کے ساتھ صحبت بھی کی ہے، صحبت کا نفع بھی اٹھایا ہے لہٰذا عقر بھی دینا پڑے گا، کیا دینا پڑے گا؟ عقر بھی دینا پڑے گا، تو کتنی چیزیں آگئیں؟ تین چیزیں آگئیں۔

اچھا، اب ان تین میں سے یاد رکھیے باندی تو ہاتھ سے نکل گئی لہٰذا باندی کی قیمت اس شخص سے واپس کر لے گا یہ، خریدار کیا کرے گا؟ جس نے اس کے ساتھ دھوکا کیا تھا اس سے جا کر باندی کی قیمت واپس لے گا اور بچہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا اس کی قیمت دینا پڑی اس کو اور یہ بھی کس کی وجہ سے؟ اسی شخص کی وجہ سے لہٰذا اس بچے

کی قیمت بھی اس آدمی سے جا کر وہ وصول کرے گا لیکن عقر جو ہے اس کے اندر وہ اس پر رجوع نہیں کر سکتا، خریدار جو ہے وہ بیچنے والے پر عقر کے اندر رجوع نہیں کر سکتا۔ کیوں نہیں کر سکتا؟ کیونکہ عقر جو اس شخص پر لازم آیا وہ کس وجہ سے آیا؟ کیونکہ اس نے صحبت کا نفع اٹھایا ہے اور صحبت کا نفع تو اس نے خود اٹھایا ہے لہٰذا اس صورت میں وہ عقر کا جو ہے، عقر کے اندر اس پر رجوع نہیں کر سکتا۔

تو یہاں بھی اسی طرح ہے، یہاں جس شخص کا حلق کیا گیا جو محلوق ہے اس نے حلق کی وجہ سے نفع خود اٹھایا ہے تو اس پر جو دم آیا اس میں وہ پھر حالق پر رجوع نہیں کر سکتا۔ صورت بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں بھائی؟ یہاں محلوق حالق پر کیوں نہیں رجوع کر سکتا؟ کیونکہ راحت کا راحت اس نے خود حاصل کی ہے جیسے عقر کے اندر وہ شخص بیچنے والے پر رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ صحبت کا نفع اس نے خود اٹھایا ہے۔

یہ معنی ہے **لِأَنَّ الدَّمَ إِنَّمَا لَزِمَهُ بِمَا نَالَ مِنَ الرَّاحَةِ فَصَارَ كَالْمَغْرُورِ فِي حَقِّ الْعُقْرِ**، اس لیے کیونکہ دم جو ہے وہ تو اسی وجہ سے لازم ہوا ہے جو اس نے راحت حاصل کی ہے **فَصَارَ كَالْمَغْرُورِ فِي حَقِّ الْعُقْرِ** تو یہ شخص ہو گیا اس شخص کی طرح جس کو دھوکا دیا گیا **فِي حَقِّ الْعُقْرِ** کس کے حق میں؟ عقر کے حق میں، وہ شخص جس کو دھوکا دیا گیا تھا وہ جیسے عقر کے حق میں ہے یعنی عقر کے سلسلے میں رجوع نہیں کر سکتا تو یہ بھی اسی کی طرح ہے رجوع نہیں کر سکتا۔

وَكَذَا إِذَا كَانَ الْحَالِقُ حَلَالًا لَا **يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ فِي الْمَحْلُوقِ رَأْسُهُ** اور اسی طرح اگر حلق کرنے والا حلال تھا تو بھی جواب مختلف نہیں ہے اس شخص کے بارے میں جس کے سر کو حلق کیا گیا۔ صورت کیا؟ متن میں کیا صورت ذکر ہوئی؟ ایک محرم نے دوسرے محرم کا سر مونڈ دیا تو محلوق پر کیا آیا؟ دم آیا۔ اب دوسری صورت: ایک حلال شخص نے یعنی غیر محرم نے کیا کیا؟ محرم کے سر کو مونڈ دیا، تو بھی اس محلوق پر کیا آئے گا؟ دم ہی آئے گا، جیسے محرم اس کا سر مونڈتا تھا تو دم آتا تھا تو اگر حلال شخص بھی اس کا سر مونڈے گا تو کیا آئے گا؟ دم ہی آئے گا، یہ معنی ہے **وَكَذَا إِذَا كَانَ الْحَالِقُ حَلَالًا** اور اسی طرح جب حلق کرنے والا حلال ہو یعنی غیر محرم ہو لَا **يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ فِي الْمَحْلُوقِ رَأْسُهُ** تو جواب مختلف نہیں ہے اس شخص کے بارے میں جس کا سر جو ہے حلق کر دیا گیا۔

وَأَمَّا الْحَالِقُ تَلْزَمُهُ الصَّدَقَةُ فِي مَسْأَلَتِنَا فِي الْوَجْهَيْنِ اور باقی جو حلق کرنے والا ہے اس پر صدقہ لازم ہو گا ہمارے مسئلے میں دونوں صورتوں کے اندر۔ حلق کرنے والے پر دونوں صورتوں میں صدقہ واجب ہو گا، دونوں صورتیں کون سی؟ ہاں، چاہے اجازت دی ہو، متن میں آیا تھا نا **بِأَمْرِهِ أَوْ بِغَيْرِ أَمْرِهِ**، چاہے اجازت اس نے دی تھی حلق کرنے کی یا اجازت نہیں، دونوں صورتوں میں اس حلق کرنے والے پر صدقہ لازم ہو گا۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا **شَيْءَ عَلَيْهِ** جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کوئی چیز نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بال مونڈنے والے پر کچھ نہیں لازم کیونکہ اس نے تو کوئی راحت نہیں حاصل کی، راحت تو کس نے حاصل کی؟ محلوق نے راحت حاصل کی ہے، حالق نے راحت لہٰذا حالق پر کچھ لازم نہیں، لیکن ہم کہتے ہیں نہیں، اس پر بھی صدقہ لازم ہے۔

وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا حَلَقَ الْمُحْرِمُ رَأْسَ حَلَالٍ اور اسی اختلاف پر ہے جب محرم نے حلال شخص کے سر کو مونڈ دیا۔ صورت یہ سر مونڈنے والا جو ہے وہ ہے محرم اور جس کے بال کاٹے گئے اور بال مونڈے گئے وہ کیا ہے؟ وہ حلال ہے، بال مونڈنے والا محرم اور دوسرا کیا ہے جس کے بال مونڈے گئے وہ حلال ہے۔ تو وہ حلال جو ہے اس پر کیا آئے گا؟ جی، ہاں شاباش، اس پر تو کچھ نہیں آئے گا، وہ تو حلال ہے اس پر تو ممنوع نہیں ہے بال کاٹنا۔ ہاں، یہ بال کاٹنے والا کون ہے؟ محرم ہے اور اس تو اس پر کیا آئے گا؟ صدقہ آئے گا جیسے پچھلے مسئلے میں تھا ہمارے نزدیک، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کچھ نہیں کیونکہ اس نے کوئی راحت حاصل نہیں کی۔ ہم کہتے ہیں نہیں، اس نے بھی راحت حاصل کر لی، ہم کیا کہتے ہیں؟ اس نے بھی راحت حاصل کر لی۔ ہاں، اپنے بال اس کے اگر کاٹے جاتے پھر کامل راحت ہوتی تو اس پر دم آتا، جس کے اپنے بال مونڈے گئے اس نے کامل راحت حاصل کر لی اس پر دم آتا ہے لیکن جس نے دوسرے کے بال مونڈ دیے تو اس نے بھی راحت حاصل کر لی اگرچہ بال دوسرے کے کٹے لیکن راحت اس کو بھی مل گئی، اس لیے کیونکہ دوسرے کے دوسرا شخص میلا کچیلا ہو اور بری حالت میں ہو تو انسان تکلیف میں ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ ہوتا ہے، تو لہٰذا جب اس کے بال کاٹے گئے اس کی پراگندگی دور ہو گئی تو اس کو بھی کچھ نہ کچھ راحت ضرور مل گئی اگرچہ راحت کم درجے کی ہے لیکن بہر حال راحت اس نے حاصل کر لی۔

تو کہتے ہیں **وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا حَلَقَ الْمُحْرِمُ رَأْسَ حَلَالٍ** اور اسی اختلاف پر ہے یعنی یہی اختلاف ہے ہمارا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا جب کہ محرم نے حلق کر دیا کس کے سر کو؟ حلال کے سر کو، ہمارے نزدیک اس پر محرم پر صدقہ واجب ہے جو حالق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں، کچھ بھی نہیں ہے۔ **لَهُ** امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے **أَنَّ مَعْنَى الِارْتِفَاقِ** لَا **يَتَحَقَّقُ بِحَلْقِ شَعْرِ غَيْرِهِ** کہ نفع اٹھانے کا معنی جو ہے وہ نہیں پایا جاتا غیر کے بال کاٹنے میں، غیر کے بالوں کا حلق کرنے میں نفع نہیں ہے **وَهُوَ الْمُوجِبُ** اور وہی واجب کرنے والا ہے۔ بھائی کیا چیز یہ دم کس چیز سے کس وجہ سے واجب ہو رہا ہے؟ فائدہ اٹھانے کی وجہ سے، اور جب اپنے بال نہیں کاٹے بلکہ کیا کیا ہے؟ دوسرے کے بال کاٹے ہیں تو اس نے تو کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، فائدہ اٹھاتا تو وہی تو دم واجب کرتا لیکن اس نے تو کوئی فائدہ ہی نہیں اٹھایا تو لہٰذا اس پر دم بھی واجب نہیں ہو گا۔

سبق نمبر ۱۵۲: وَإِنْ لَبِسَ ثَوْبًا مُخِيطًا أَوْ غَطَّى رَأْسَهُ يَوْ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

وَلَنَا اور ہماری دلیل یہ ہے **أَنَّ إِزَالَةَ مَا يَنْمُو مِنْ بَدَنِ الْإِنْسَانِ مِنْ مَحْظُورَاتِ الْإِحْرَامِ** کہ دور کرنا اس چیز کو جو بڑھتی ہے انسانی بدن میں سے یعنی جیسے بال اور ناخن ہیں، یہ کیا ہوتے ہیں؟ بڑے ہوتے ہیں، یہ جو چیز بڑھنے والی ہے انسانی بدن میں سے اس کو دور کرنا **مِنْ مَحْظُورَاتِ الْإِحْرَامِ** یہ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے **لِاسْتِحْقَاقِهِ الْأَمَانَةَ** اس لیے کیونکہ یہ امان کے مستحق ہیں **بِمَنْزِلَةِ نَبَاتِ الْحَرَمِ** حرم کی گھاس اور پودوں کے درجے میں۔ بھائی حالت احرام کے اندر ہر چیز کو تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ حتیٰ کہ شکار وغیرہ شکار وغیرہ سے بھی منع کیا گیا ہے، اپنی جوئیں وغیرہ بھی نہیں مار سکتا اور بدن کی جو بڑھنے والی چیزیں ہیں ان کا کاٹنا بھی منع ممنوع ہے یعنی بال اور ناخن وغیرہ ان کا کاٹنا ممنوع ہے۔ جس طرح حرم کے گھاس اور پودے وغیرہ ان کو امان حاصل ہے ان کو کاٹنے کی اجازت نہیں، تو یہ بھی بڑھنے والی جیسے وہ گھاس اور پودے بڑھنے والی چیزیں ہیں ان کو امان حاصل ہے، اسی طرح یہ بھی بڑھنے والی چیزیں ہیں ان کو بھی کیا حاصل ہے؟ امان حاصل ہے۔ توجہ ہے؟ دلیل کس کی چل رہی ہے؟ ہماری، اچھا، تو جیسے حرم کے گھاس پودوں وغیرہ کو امان حاصل ہے اس طرح بدن انسانی میں سے جو چیز بڑھنے والی ہے ان کو بھی کیا حاصل تھا؟ امان حاصل تھا، اور جیسے حرم کے گھاس اور پودوں کو کاٹنا جرم ہے تو ان بالوں اور ناخنوں کو کاٹنا بھی یہ بھی کیا ہے؟ جرم ہے، تو لہٰذا یہاں بھی جرم ہے تو آنا تو دم ہی چاہیے چاہے اپنے بال کاٹے چاہے غیر کے بال کاٹے، کیا آنا چاہیے؟ دم آنا چاہیے کیونکہ بدن انسانی میں سے جو بڑھنے والی چیز ہے اس کو اس نے کاٹا ہے اور اس کا کاٹنا تو کیا تھا؟ ممنوع تھا تو لہٰذا دم آنا چاہیے، لیکن چونکہ اپنے بال نہیں کاٹے غیر کے بال کاٹے ہیں اس لیے جرم کم درجے کا ہوگا اس وجہ سے صدقہ آئے گا، لیکن اگر اپنے بال کاٹے تو جرم کامل درجے کا ہے لہٰذا اس میں دم آئے گا۔

تو کہتے ہیں اس لیے کہ دور کرنا اس چیز کو جو بڑھنے والی ہے انسانی بدن میں سے یہ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے **لِاسْتِحْقَاقِهِ الْأَمَانَةَ** اس لیے کیونکہ یہ امان کے مستحق ہیں **بِمَنْزِلَةِ نَبَاتِ الْحَرَمِ** حرم کی گھاس پودوں وغیرہ کے درجے میں **فَلَا يَفْتَرِقُ الْحَالُ بَيْنَ شَعْرِهِ وَشَعْرِ غَيْرِهِ** لہٰذا حال مختلف نہیں ہے اپنے بالوں میں اور غیر کے بالوں میں **إِلَّا أَنَّ كَمَالَ الْجِنَايَةِ فِي شَعْرِهِ** مگر یہ کہ کامل جنایت اپنے بالوں میں ہے لہٰذا اس میں تو دم آئے گا اور غیر کے بالوں میں چونکہ جنایت کامل نہیں لہٰذا وہاں دم نہیں آئے گا بلکہ کیا آئے گا؟ صدقہ آئے گا۔ مسئلہ سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟ چلیے بس بھائی، **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

1351

سبق نمبر ۱۵۳: مسئلہ: فَإِنْ أَخَذَ مِنْ شَارِبِ حَلَالٍ أَوْ قَلَمَ أَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۹۰ــــ بتاریخ: ۱۴ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«فَإِنْ أَخَذَ مِنْ شَارِبِ حَلَالٍ أَوْ قَلَمَ أَظَافِيرَهُ أَطْعَمَ مَا شَاءَ، وَالْوَجْهُ فِيهِمَا بَيِّنًا، وَلَا يَعْرَى عَنْ نَوْعِ ارْتِفَاقٍ؛ لِأَنَّهُ يَتَأَذَّى بِتَفَثِ غَيْرِهِ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ التَّأَذِّي بِتَفَثِ نَفْسِهِ فَيَلْزَمُهُ الطَّعَامُ. وَإِنْ قَصَّ أَظَافِيرَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ دَمٌ». [1]

■ باب الجنایات ہم پڑھ رہے ہیں کہ حالت احرام میں مختلف قسم کی ج

باب الجنایات ہم پڑھ رہے ہیں کہ حالت احرام میں مختلف قسم کی جو جنایتیں ہو جائیں تو اس صورت میں کیا کفارہ آئے گا۔

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ اگر ایک محرم جو ہے وہ دوسرے محرم کا حلق کر دے، یعنی استرے سے اس کے بال صاف کر دے، تو اس صورت میں حلق کرنے والے پر صدقہ آئے گا اور محلوق یعنی جس کا حلق کیا گیا اس پر دم واجب ہو گا اس لیے کیونکہ اس نے راحت حاصل کر لی۔ کیا حاصل کر لی؟ راحت حاصل کر لی۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکراہ کی صورت میں مکرہ جو ہے نہ اس کا دنیاوی مواخذہ ہے، نہ اخروی مواخذہ ہے۔ دنیاوی مواخذہ نہیں لہٰذا دنیاوی سزا اس پر نہیں آئے گی۔ کس پر؟ مکرہ جس پر زبردستی کی گئی۔ تو اس پر دم وغیرہ نہیں آئے گا اور اخروی مواخذہ بھی نہیں یعنی گناہ بھی اس کو نہیں ہوتا، اور نیند تو اس سے بڑھ کر ہے اکراہ سے بھی بڑھ کر۔ تو جب مکرہ کا مواخذہ نہیں تو جو سویا ہوا شخص ہے اس کا بطریق اولیٰ مواخذہ نہیں ہو گا بھائی۔

جبکہ ہمارے نزدیک اس شخص کا یہ جو مکرہ ہے، اس نے زینت حاصل کر لی، راحت حاصل کر لی، تو سبب پایا گیا لہٰذا اس پر دم واجب ہو گا بھائی۔

جبکہ اس کے مقابلے میں جو مجبور شخص ہے، مجبور یعنی کسی بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے اس کو اپنے سر کا حلق کروانا پڑا دوران احرام، تو اس کو اختیار ہے چاہے تو وہ ایک قربانی کر دے، چاہے تو چھ مسکینوں کو ان پر تین صاع جو ہے گندم صدقہ کر دے اور چاہے تو تین روزے رکھ لے۔ تو یہ جو مجبور ہے جس کا عذر ہے اس کو اختیار ہے کیونکہ یہاں پر آفت آسمانی ہے، یعنی یہ تکلیف اس پر اللہ کی جانب سے آئی ہے، اس میں بندوں کا کوئی عمل دخل نہیں۔ جبکہ یہاں پر جو تکلیف آئی ہے اور آفت آئی ہے وہ بندوں کی طرف سے آئی ہے لہٰذا اس کا حکم اس کی طرح نہیں ہو گا، اس میں اختیار نہیں ہو گا بلکہ یہاں کیا آئے گا؟ دم آئے گا ہر حال کے اندر بھائی، دم آئے گا۔

تو اب آگے آپ کو مسئلہ بتلا رہے ہیں: «فَإِنْ أَخَذَ مِنْ شَارِبِ حَلَالٍ أَوْ قَلَمَ أَظَافِيرَهُ أَطْعَمَ مَا شَاءَ». اگر محرم نے کاٹ لیں کسی حلال شخص کی مونچھیں بھائی، حلال تھا یعنی غیر محرم تھا، اس کی مونچھیں اس کی مونچھوں کو کتر لیا، کاٹ لیا، کس نے کاٹا؟ محرم نے۔ «أَوْ قَلَمَ أَظَافِيرَهُ» اس کو چاہے «قَلَمَ» پڑھیں، چاہے «قَلَّمَ» پڑھیں، دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے بھائی۔ لیکن زیادہ مناسب «قَلَمَ» پڑھا جائے، قلم کے معنی کاٹنے کے کاٹنے کے، اور «قَلَّمَ» اسی کے اندر مبالغہ ہے، اسی کے اندر مبالغہ ہے یعنی خوب کاٹنا۔ تو مناسب یہ ہے اس کو مجرد سے پڑھیں «قَلَمَ» بھائی۔

تو اگر محرم نے کسی حلال شخص کی مونچھیں کاٹیں «أَوْ قَلَمَ أَظَافِيرَهُ» یا اس حلال شخص کے ناخنوں کو کاٹا، کس نے کاٹا؟ محرم نے، «أَطْعَمَ مَا شَاءَ» تو وہ کھلائے جو وہ چاہے، یعنی جس قدر جی چاہے وہ کیا کر دے؟ یعنی کچھ صدقہ کر دے۔ کیا کر دے؟ کچھ صدقہ کر دے بھائی، صدقہ کر دے۔ «وَالْوَجْهُ فِيهِمَا بَيِّنًا» اور

[1] شاملہ (ص ۲۱۰) میں «فِيهِمَا» کے بجائے «فيه ما» درج ہے۔

وجہ اس کے اندر وہ ہے جو ہم نے بیان کر دی۔ کیا وجہ ہے؟ کیونکہ محرم نے بالوں کو یا ناخنوں کو کاٹا ہے اور یہ بدن انسانی میں سے وہ چیزیں ہیں جو بڑھنے والی ہیں، جو بڑھنے والی ہیں اور ان کو تو امان حاصل تھا، جس طرح حرم کے گھاس اور پودے جو ہیں ان کو امان حاصل ہوتا ہے، ان کو کاٹنا درست نہیں۔ تو یہ ان چیزوں کو بھی امان حاصل تھا تو چونکہ اس نے ان کا امان ختم کیا ہے، ان کو کاٹا ہے لہٰذا یہ کیا کر دے؟ کچھ صدقہ کر دے۔

■ مسئلہ: وَلَا يَعْرَى عَنْ نَوْعِ ارْتِفَاقٍ

«وَلَا يَعْرَى عَنْ نَوْعِ ارْتِفَاقٍ» اور نیز یہ ایک قسم کے نفع سے خالی بھی نہیں، اس میں بھی اس نے کچھ نہ کچھ فائدہ اور راحت حاصل کر لی۔ محرم نے کس کے بال یا ناخن کاٹے؟ حلال کے۔ لیکن اگرچہ بال یا ناخن دوسرے کے کاٹے ہیں لیکن کاٹنے والے نے بھی ایک قسم کا نفع ایک قسم کی راحت حاصل کر لی اور وہ میں نے گزشتہ سبق میں بیان کیا تھا، کیا راحت حاصل کی؟ کہ دوسرے کے بال وغیرہ اگر وہ بری حالت میں ہو دوسرا، تو اس ساتھی کو اور دیکھنے والے کو بھی اس سے کیا ہوتی ہے؟ تکلیف ہوتی ہے۔ تو لہٰذا جب ساتھی کی پراگندگی دور ہو گئی، اس کا میل کچیل دور ہوا تو دوسرے نے کیا حاصل کر لی؟ راحت حاصل۔ اگرچہ یہ راحت کم درجے کی ہے۔ اپنی پراگندگی دور ہو گی تو راحت کامل درجے کی ہے، دوسرے کی پراگندگی دور ہوئی اس میں بھی راحت حاصل ہوئی اگرچہ کم درجے کی، اور جب کم درجے کی راحت حاصل کی ہے تو لہٰذا اس سے دم تو واجب نہیں ہو گا البتہ کچھ نہ کچھ کیا کر دے؟ صدقہ کر دے۔

یہ معنی ہے «وَلَا يَعْرَى عَنْ نَوْعِ ارْتِفَاقٍ» اور یہ بھی خالی نہیں ہے ایک قسم کے نفع سے، «لِأَنَّهُ يَتَأَذَّى بِتَفَثِ غَيْرِهِ» اس لیے کیونکہ محرم جو ہے یہ بھی تکلیف اٹھاتا ہے دوسرے کے میل کچیل سے، «وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ التَّأَذِّي بِتَفَثِ نَفْسِهِ» اگرچہ یہ تکلیف جو ہے کم ہے اپنے ذاتی میل کچیل کی تکلیف سے۔ اگرچہ اپنا میل کچیل ہے اس سے انسان زیادہ تکلیف میں ہوتا ہے بنسبت دوسرے کے میل کچیل سے، تو بہر حال تو کچھ اس نے راحت حاصل کر لی، «فَيَلْزَمُهُ الطَّعَامُ» تو اس پر طعام لازم ہو گا بھائی، یعنی کچھ گندم جو ہے وہ صدقہ کر دے۔

«وَإِنْ قَصَّ أَظَافِيرَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ دَمٌ». اور اگر محرم نے کاٹے اپنے دونوں ہاتھوں کے ناخن اور دونوں پاؤں کے «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر دم واجب ہے۔ محرم نے کیا کیا؟ اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے ناخن کاٹ دیے «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر دم واجب ہے۔

■ مسئلہ: لِأَنَّهُ مِنَ الْمَحْظُورَاتِ

«لِأَنَّهُ مِنَ الْمَحْظُورَاتِ» اس لیے کیونکہ یہ ممنوعہ چیزوں میں سے ہے یعنی احرام کے اندر اس سے منع کیا گیا ہے، «لِمَا فِيهِ مِنْ قَضَاءِ التَّفَثِ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر میل کچیل کو دور کرنا ہے، «وَإِزَالَةِ مَا يَنْمُو مِنَ الْبَدَنِ» اور اس کے اندر دور کرنا ہے اس چیز کو جو بڑھنے والی ہے انسانی بدن میں سے، «فَإِذَا قَلَّمَهَا كُلَّهَا فَهُوَ ارْتِفَاقٌ كَامِلٌ» تو جب اس نے ان ساروں کو کاٹ دیا، سارے ناخن ہیں نا دونوں ہاتھوں کے بھی اور دونوں پاؤں کے، تو جب اس نے ان سب کو کاٹ لیا «فَهُوَ ارْتِفَاقٌ كَامِلٌ» تو یہ کامل نفع اٹھانا ہے، «فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ» تو اس پر دم لازم ہو گا۔

«وَلَا يُزَادُ عَلَى دَمٍ إِنْ حَصَلَ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ». بھائی آگے آپ کو بتلائیں گے کہ ایک ہاتھ کے ناخن کاٹ لے تو بھی دم واجب ہے، یا صرف ایک پاؤں کے ناخن سارے یعنی پانچوں ناخن ایک پاؤں کے یا پانچوں ناخن ایک ہاتھ کے کاٹ لیے تو کیا لازم ہو گا؟ دم۔ تو یہاں جب اس نے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے ناخن کاٹے ہیں تو ایک ہاتھ میں دم تھا دوسرے میں بھی کیا آنا چاہیے؟ دم۔ ایک پاؤں میں دم تھا دوسرے میں بھی کیا آنا چاہیے؟ دم آنا چاہیے تو کل کتنے دم اس پر ہونے چاہئیں؟ چار دم واجب ہونے چاہئیں، لیکن یہ چونکہ جنایت ایک ہی جنس کی ہے ایک ہی قسم کی ہیں، اور ایک ہی قسم کی جنایتیں ہوں تو ان میں تداخل ہوتا ہے بشرطیکہ ایک ہی مجلس کے اندر ہوں۔ کس کے اندر؟ ایک ہی مجلس کے اندر۔ لہٰذا اگر اس نے یہ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے ناخن ایک ہی مجلس میں کاٹے ہیں تو ان میں تداخل ہو گا کفارے کے اندر، تداخل ہو گا اور ایک ہی دم واجب ہو گا، جیسے ایک ہی مجلس کے اندر جتنی مرتبہ بھی آیت سجدہ کو پڑھا جائے ایک ہی سجدہ واجب ہوتا ہے۔

لیکن اگر اس نے یہ ناخن جو کاٹے مختلف مجلسوں میں ہیں، یعنی ایک مجلس میں ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے، دوسری مجلس میں دوسرے ہاتھ کے ناخن کاٹے، تیسری مجلس میں ایک پاؤں کے اور چوتھی مجلس میں دوسرے پاؤں کے، تو یاد رکھیے اس صورت میں چار دم اس پر آئیں گے کیونکہ مجلسیں مختلف ہو گئیں، لہٰذا اب تداخل کی بھی صورت ممکن نہ رہی تو کتنے دم آئیں گے؟ چار آئیں گے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں ہر صورت میں ایک ہی دم آئے گا، وہ اتحاد مجلس کا بھی اعتبار نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں جب ایک نوع کی ہیں تو ان میں تداخل ہو گا چاہے مجلس ایک ہو چاہے مجلس ایک نہ ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں «وَلَا يُزَادُ عَلَى دَمٍ إِنْ حَصَلَ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ» اور بڑھایا نہیں جائے گا ایک دم پر، یعنی کفارے کو ایک دم پر زائد نہیں کیا جائے گا اگر یہ حاصل ہوا ہے ایک ہی مجلس میں، «لِأَنَّ الْجِنَايَةَ مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ» اس لیے کیونکہ جنایت جو ہے ایک ہی قسم کی ہے، «فَإِنْ كَانَ فِي مَجَالِسَ

فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ » تو اگر یہ کئی مجلسوں میں ہوا تو بھی حکم اسی طرح ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یعنی ایک ہی دم آئے گا، « لِأَنَّ مَبْنَاهَا عَلَى التَّدَاخُلِ » اس لیے کیونکہ اس کی بنیاد تداخل پر ہے۔ کس پر ہے؟ تداخل پر ہے یعنی جب ایک ہی جنس کی جنایتیں ہوں تو ان میں کیا ہوتا ہے؟ تداخل ہوتا ہے، « فَأَشْبَهَ كَفَّارَةَ الْفِطْرِ » تو یہ مشابہ ہو گیا کفارۂ فطر کے۔ کس سے مشابہ ہوا؟ کفارۂ فطر کے مشابہ ہو گیا، اور کفارۂ فطر کے اندر جیسے تداخل آتا ہے یہاں بھی تداخل آئے گا۔ کفارۂ فطر کیا؟ فطر روزہ توڑنا، کفارۂ فطر ایک شخص جان بوجھ کر روزہ توڑ دیتا ہے تو کیا کفارہ آئے گا؟ ایک غلام یا باندی آزاد کرنا پڑے گی، اگر وہ میسر نہ ہو یا اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے، اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔ اب ایک شخص نے ایک ہی رمضان کے کئی روزے توڑ دیے تو ان کے اندر تداخل آئے گا اور اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہو گا۔

ایک ہی کفارہ، تو ان کفارات میں کیا آئے گا؟ تداخل آئے گا۔ لیکن یہ ضروری ہے اس میں کہ اس نے ابھی پہلے پہلا کفارہ ادا نہ کیا ہو کہ دوسرا کفارہ بھی اس پر آیا تو پھر تداخل ہو گا۔ اگر پہلا ادا کر چکا ہے پھر تداخل ہونے کی صورت ممکن نہیں۔ ایک روزہ توڑ دیا کفارہ ابھی نہیں ادا کیا دوسرا بھی توڑ دیا تو اب کیا آئے گا دونوں میں؟ تداخل۔ لیکن ایک روزہ توڑ دیا تھا اس کا کفارہ ادا کر دیا غلام یا باندی آزاد کر دی اور پھر اگلے دن دوسرا روزہ توڑ دیا، اب تداخل نہیں ہو سکتا۔ کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ کفارہ کب آئے گا؟ جب روزہ توڑے گا، اور پہلے روزے کا تو وہ کفارہ ادا کر چکا ہے اور اب اگلا اس کے بعد توڑ رہا ہے تو اب کیا آ رہا ہے؟ کفارہ۔ تو اب یہ نہیں کہا جا سکتا کفارہ آج آ رہا ہے اور ادا یہ ایک دن پہلے کر چکا ہے، وہ تو سب سے پہلے پھر پایا جائے گا اور سب سے پہلے تو حکم نہیں پایا جا سکتا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس لیے اگر کفارہ مؤخر ہوا پھر تو تداخل ہو گا اور اگر کفارہ مقدم ہو گیا تو پھر تداخل کی صورت نہ رہے گی۔

یہ معنی ہے « فَأَشْبَهَ كَفَّارَةَ الْفِطْرِ » تو یہ مشابہ ہو گیا کفارۂ فطر کے، « إِلَّا إِذَا تَخَلَّلَتِ الْكَفَّارَةُ » مگر یہ کہ جب بیچ میں کفارہ آ جائے، کیا آ جائے بیچ میں؟ پھر تداخل نہیں ہو گا، « لِارْتِفَاعِ الْأُولَى بِالتَّكْفِيرِ » اس لیے کیونکہ پہلا جو ہے کفارہ دینے سے وہ کفارہ کیا ہو گیا؟ پورا ہو گیا ختم ہو گیا تو اب دوسرا آیا ہے تو اب تداخل نہیں ہو سکتا۔

■ مسئلہ: وَعَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِ...

« وَعَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يَجِبُ أَرْبَعَةُ دِمَاءٍ إِنْ قَلَمَ فِي كُلِّ مَجْلِسٍ يَدًا أَوْ رِجْلًا » اور شیخین رحمہما اللہ کے قول پر چار دم واجب ہوں گے اگر کاٹا ہر مجلس میں ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کو یعنی ان کے ناخنوں کو، « لِأَنَّ الْغَالِبَ فِيهِ مَعْنَى الْعِبَادَةِ » اس لیے کیونکہ اس کفارے کے اندر غالب جو ہے وہ عبادت والا معنی ہے، « فَيَتَقَيَّدُ التَّدَاخُلُ بِاتِّحَادِ الْمَجْلِسِ » تو لہٰذا تداخل کو مقید کیا جائے گا اتحاد مجلس کے ساتھ۔ اتحاد مجلس ہو گا تو تداخل ہو گا، اتحاد مجلس نہیں تو تداخل بھی نہیں، « كَمَا فِي آيِ السَّجْدَةِ » جیسے کہ سجدے کی آیتوں میں ہوتا ہے۔ ایک ہی مجلس میں ہو تو ان میں تداخل ہوتا ہے، ایک مجلس میں نہ ہو تو ان میں تداخل نہیں ہوتا۔

« وَإِنْ قَصَّ يَدًا أَوْ رِجْلًا فَعَلَيْهِ دَمٌ » . اور اگر محرم نے کاٹا ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کو یعنی ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ناخنوں کو « فَعَلَيْهِ دَمٌ » تو اس پر دم واجب ہے، « إِقَامَةً لِلرُّبُعِ مَقَامَ الْكُلِّ كَمَا فِي الْحَلْقِ » ربع کو کل کے قائم مقام کرتے ہوئے جیسے حلق میں تھا۔ حلق کے اندر چوتھائی سر کا حلق کروالے تو دم واجب ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی دو ہاتھ ہیں دو پاؤں ہیں تو ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کیا ہوا؟ چوتھائی حصہ ہوا، تو یہاں بھی چوتھائی کے اندر دم واجب ہو گا جیسے حلق میں تھا۔

« وَإِنْ قَصَّ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَظَافِيرَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ » . اور اگر اس نے کاٹے پانچ سے کم ناخن، پر صدقہ واجب ہے۔ پانچ ناخن نہیں کاٹے، دو، تین یا چار ناخن کاٹ لیے، تو اب کیا حکم ہے؟ تو بتلایا کہ اس پر صدقہ واجب ہے، کیا واجب ہے؟ اور صدقہ کتنا ہے آپ نے پڑھا تھا جنایتوں کے اندر؟ نصف صاع گندم صدقہ کرنا پڑے گا۔ لیکن یاد رکھنا یہاں اب یہ معنی نہیں کہ دو یا تین یا چار ناخن کاٹے ہیں تو بس نصف صاع گندم دے دے، نہیں، ہر ناخن کے اندر الگ صدقہ آئے گا۔ جتنے ناخن کاٹے، ایک کاٹا ہے تو ایک صدقہ یعنی نصف صاع، دو کاٹے ہیں تو ایک صاع پورا آ جائے گا، تین کاٹے ہیں تو ڈیڑھ صاع آ جائے گا، اور چار کاٹے ہیں تو دو صاع آ جائے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں « وَإِنْ قَصَّ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَظَافِيرَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ » اور اگر کاٹے پانچ سے کم ناخن تو اس پر صدقہ واجب ہے، « مَعْنَاهُ يَجِبُ بِكُلِّ ظُفُرٍ صَدَقَةٌ » ظُفُر اور ظُفْر، فا کو ساکن پڑھنا بھی صحیح اور فا پر پیش پڑھنا بھی صحیح بھائی۔ معنی اس کا یہ ہے کہ واجب ہو گا ہر ناخن کے بدلے میں صدقہ بھائی، صدقہ واجب ہو گا۔

■ مسئلہ: وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَجِبُ الدَّمُ بِ...

« وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَجِبُ الدَّمُ بِقَصِّ ثَلَاثَةٍ مِنْهَا » . امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ہاتھ میں دم واجب تھا، ایک ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں دم واجب تھا۔ تو اگر ایک ہاتھ کے تین ناخن کسی نے کاٹ لیے تو یہ اکثر ناخن کاٹ لیے ایک ہاتھ کے، اور « لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ » اور کل ہاتھ میں تو آتا تھا دم، تو اکثر

میں بھی کیا آئے گا؟ دم ہی آئے گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَجِبُ الدَّمُ بِقَصِّ ثَلَاثَةٍ مِنْهَا» اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دم واجب ہو گا ان میں سے تین ناخن کاٹنے سے، «وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ الْأَوَّلُ» اور یہی قول ہے امام صاحب کا پہلا، یعنی امام صاحب کا پہلا قول بھی یہی تھا، «لِأَنَّ فِي أَظَافِيرِ الْيَدِ الْوَاحِدَةِ دَمًا» اس لیے کیونکہ ایک ہاتھ کے ناخنوں میں دم واجب ہے، امام زفر کی دلیل چل رہی ہے، ایک ہاتھ کے ناخنوں میں دم واجب ہے، «وَالثَّلَاثُ أَكْثَرُهَا» اور تین کیا ہے ان کا؟ اکثر ہیں، اور «لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ» تو تین ناخن کاٹے گویا کل ناخن ہی ایک ہاتھ کے کاٹ لیے تو دم آئے گا۔

«وَالْوَجْهُ الْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ» وجہ اس کی جس کو ذکر کیا گیا کتاب میں، کتاب میں کیا ذکر ہوا تھا اوپر متن میں؟ کہ پانچ سے کم ہوئے تو صدقہ، امام زفر تو فرماتے ہیں تین کاٹ لیے تو دم واجب ہے لیکن متن میں کیا آیا کہ پانچ سے کم ہوں تو صدقہ ہے دم نہیں ہے، اس کی اب وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں «وَالْوَجْهُ الْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ أَنَّ أَظَافِيرَ كَفٍّ وَاحِدٍ أَقَلُّ مَا يَجِبُ الدَّمُ بِقَلْمِهِ». خلاصہ یہ کہتے ہیں بھائی جو کتاب میں ذکر ہوا کہ پانچ سے کم ناخنوں کے اندر صدقہ واجب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کے یا ایک پاؤں کے ناخن جو ہیں یہ وہ کم سے کم ناخنوں کی تعداد ہے جس میں کیا واجب کر دیا ہم نے؟ دم واجب کر دیا، اور کیوں؟ ایک ہاتھ میں ہم نے دم کیوں واجب کیا؟ ہاں شاباش، کیونکہ کل ناخن ہیں بیس، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے، اور اس میں سے چوتھائی کو کیا کر دیا گیا؟ کل کے قائم مقام کر دیا گیا۔ جب ایک دفعہ چوتھائی کو کل کے قائم مقام کر دیا تو اب بار بار بعض کو کل کا قائم مقام نہیں کریں گے ورنہ تو یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا کبھی رکے گا ہی نہیں۔

مثلاً کیسے؟ ایک ہاتھ کو کس کے قائم مقام کر دیا ہم نے؟ کل کے، تو اس میں دم آتا ہے۔ اب اگر تین کو بھی کیا کہا جائے یہ ایک ہاتھ کا اکثر ہے اور ایک میں تو کیا آتا تھا دم تو تین میں بھی کیا آئے گا؟ دم آئے گا۔ تو پھر کہنا پڑے گا تین کے اندر دم آرہا ہے لہٰذا اگر کوئی اپنے دو ناخنوں کو کاٹ لے گا تو یہ بھی کیا ہوئے تین کا؟ اکثر، اور تین میں تو کیا آرہا تھا دم تو اس میں بھی کیا آنا چاہیے؟ دم۔ پھر اسی طرح اس سے آگے سلسلہ چلے گا کہ دو کے اندر دم آرہا ہے تو لہٰذا دو کا اگر کوئی اکثر کاٹ لے یعنی ایک ناخن اور دوسرا بھی تھوڑا سا، تو یہ یہ کیا ہوا دو ناخنوں کا؟ اکثر، اور دو میں کیا آرہا تھا دم تو اس میں بھی کیا آئے گا؟ دم۔ پھر اس سے آگے سلسلہ چلے گا کہ مثلاً سوا ناخن کے اندر یا ڈیڑھ ناخن کے اندر آرہا تھا دم، تو پونا ناخن اگر کسی نے کاٹ لیا اس میں بھی کیا آئے گا؟ دم، کیونکہ یہ کیا ہے اس ڈیڑھ کا؟ اکثر ہے، یعنی نصف سے زائد شمار کر لیں جتنا بھی بنتا ہے۔ پھر اس سے بھی سلسلہ آگے چلے گا، پونے ناخن یا پونے ناخن سے تھوڑا سا زیادہ کاٹنے میں تھا دم، تو لہٰذا اگر کوئی آدھے کے قریب بھی کاٹ لے گا تو اس میں کیا آئے گا؟ دم، کیونکہ یہ پونے ناخن کا اکثر ہے۔ تو یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہی رہے گا بھائی۔ لہٰذا جب ایک دفعہ ہم نے ایک ہاتھ کو کل کے قائم مقام کر دیا تو اب پھر باقیوں کو کل کے قائم مقام نہیں کیا جائے گا۔

تو کہتے ہیں «وَالْوَجْهُ الْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ أَنَّ أَظَافِيرَ كَفٍّ وَاحِدٍ أَقَلُّ مَا يَجِبُ الدَّمُ بِقَلْمِهِ» اور وجہ اس کی جس کو ذکر کیا گیا کتاب کے اندر وہ یہ ہے کہ ایک ہتھیلی کے ناخن جو ہیں وہ کم سے کم تعداد ہے کہ دم واجب ہوتا ہے ان کے کاٹنے سے، «وَقَدْ أَقَمْنَاهَا مَقَامَ الْكُلِّ» اور تحقیق ہم نے اس کو کل کا قائم مقام کر دیا، یعنی ایک ہاتھ کے ناخنوں کو کل کے قائم مقام کر دیا کہ یہ اس کا چوتھائی بنتا ہے، «فَلَا يُقَامُ أَكْثَرُهَا مَقَامَ كُلِّهَا» تو اب اس کے اکثر کو کل کا قائم مقام نہیں کریں گے، «لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى مَا لَا يَتَنَاهَى» اس لیے کیونکہ یہ پہنچا دے گا یہ لے جائے گا اس چیز کی طرف جس کی کوئی انتہا نہیں ہے یعنی یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا۔

■ مسئلہ: وَإِنْ قَصَّ خَمْسَةَ أَظَافِيرَ مُتَفَرِّقَةً مِن...

«وَإِنْ قَصَّ خَمْسَةَ أَظَافِيرَ مُتَفَرِّقَةً مِنْ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ». بھائی ایک ہاتھ کے پانچ ناخن یعنی سارے ایک ہاتھ کے سارے ناخن کوئی کاٹ لیتا تھا تو اس میں کیا واجب ہوتا تھا؟ دم۔ اب اگر کوئی پانچ متفرق ناخن کاٹ لیتا ہے، یعنی ایک ہاتھ کے پانچ نہیں کاٹتا بلکہ متفرق پانچ ناخن کاٹ لیتا ہے، ایک ہاتھ کے دو یا تین کاٹ لیے اور دوسرے ہاتھ کے بھی دو کاٹ لیے، یا ایک ہاتھ کے دو کاٹ لیے اور دوسرے ہاتھ میں سے ایک کاٹ دیا اور ایک دو کس میں سے کاٹ لیے؟ پاؤں میں سے۔ تو متفرق اگر پانچ ناخن کاٹے تو کیا پھر اس میں بھی دم آئے گا یا نہیں آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس میں دم نہیں آئے گا، اس میں صدقہ ہی آئے گا۔ بلکہ پانچ سے زیادہ کاٹ لیے پھر بھی صدقہ ہی آئے گا۔ یعنی صدقہ آنے کا کیا معنی؟ ہر ناخن کے بدلے کیا آئے گا؟ صدقہ آئے گا، نصف صاع گندم آتی جائے گی۔ وہ حساب لگاتے جائیں گے جتنے ناخن کاٹے ہیں جبکہ یہ ناخن متفرق ہوں۔

اور پھر اگر ان کی قیمت ایک دم تک پہنچ رہی ہو، مثلاً اس نے دس ناخن کاٹے اور دس ناخن کس قسم کے ہیں؟ متفرق۔ ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے کاٹے گا پھر تو دم آ جائے گا، لیکن اس نے متفرق کاٹے ہیں اور مثلاً کتنے کاٹے؟ دس ناخن کاٹے تو ہر ناخن میں کیا آئے گا؟ صدقہ۔ ہم نے ان کی قیمت کا حساب لگایا تو دیکھا یہ تو دم تک قیمت پہنچ رہی ہے۔ جب دم تک قیمت پہنچ رہی ہو تو پھر اس میں سے کچھ کم کر دیں گے۔ کیا کر دیں گے؟ کیونکہ جنایت اتنی بڑی نہیں ہے۔ جنایت اتنی بڑی بھائی کیوں نہیں جنایت بڑی؟ پانچ ناخنوں کے اندر دم آتا تھا اس نے دس کاٹے ہیں، صرف فرق اتنا ہے کہ متفرق کاٹے ہیں۔ کہتے ہیں بھائی ایک ہاتھ کے سارے ناخن کاٹے تو انسان کو راحت حاصل ہوتی ہے اور اچھا لگتا ہے وہ پورے ہاتھ کے ناخن ایک جیسے ہیں، لیکن جب متفرق کاٹے جائیں تو انسان خود تکلیف میں پڑ جاتا ہے اور بڑے بدنما معلوم ہوتے ہیں، تو

اس وجہ سے اس صورت میں کیا ہے؟ جنایت کم ہے، لہٰذا اس کو دم سے کم ہی رکھیں گے، تو دم تک اگر ان کی قیمت پہنچ بھی جائے پھر بھی اس میں سے کیا کر دیا جائے گا؟ کچھ کم کر دیا جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

تو کہتے ہیں «وَإِنْ قَصَّ خَمْسَةَ أَظَافِيرَ مُتَفَرِّقَةً مِنْ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ» اور اگر کاٹے پانچ متفرق ناخن دونوں ہاتھوں اور پاؤں میں سے تو اس پر صدقہ واجب ہے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک، «وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: دَمٌ اعْتِبَارًا بِمَا لَوْ قَصَّهَا مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ، وَبِمَا إِذَا حَلَقَ رُبُعَ الرَّأْسِ مِنْ مَوَاضِعَ مُتَفَرِّقَةٍ». امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ مختلف ناخن چاہے کاٹ لے پھر بھی دم آئے گا۔ وہ قیاس کرتے ہیں ایک ہاتھ کے پانچ ناخنوں پر، ایک ہاتھ کے پانچوں ناخن کاٹیں تو کیا آتا ہے؟ دم، تو لہٰذا چاہے مختلف جگہوں سے بھی کاٹ لے یہ بھی کتنے ناخن ہیں؟ پانچ ہی ہیں، تو جب ان پانچ میں دم تھا تو ان میں بھی کیا آئے گا؟ دم آئے گا۔ اور نیز قیاس کرتے ہوئے ربع راس پر، اگر کوئی اپنے کوئی چوتھائی سر کا حلق کروا لے محرم، چاہے ایک جگہ سے کروائے چاہے مختلف جگہوں سے سر کے کروائے لیکن کتنا بنتا ہو وہ حلق؟ چوتھائی حصہ، تو اس میں کیا آتا ہے؟ دم، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے پانچ ناخن چاہے ایک ہاتھ کے ہوں ایک ہی جگہ کے ہیں یا الگ الگ ہیں تو اس میں بھی کیا آنا چاہیے؟ دم آنا چاہیے بھائی۔ دلیل سمجھ میں آگئی ان کی؟

تو «وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: دَمٌ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہو گا «اعْتِبَارًا بِمَا لَوْ قَصَّهَا مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ» قیاس کرتے ہوئے اس پر کہ جب اگر اس نے کاٹا ہو اس کو ایک ہی ہتھیلی میں سے «وَبِمَا إِذَا حَلَقَ رُبُعَ الرَّأْسِ مِنْ مَوَاضِعَ مُتَفَرِّقَةٍ» اور قیاس کرتے ہوئے جب اس نے حلق محرم نے حلق کروایا ہو چوتھائی سر کا مختلف جگہوں سے، تو ان دونوں پر قیاس کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک ہی ہتھیلی پر اور چوتھائی سر مختلف جگہوں سے حلق کروایا تو اس پر قیاس کرتے ہوئے۔

■ مسئلہ: وَلَهُمَا أَنَّ كَمَالَ الْجِنَايَةِ بِنَيْلِ الرِّ...

«وَلَهُمَا أَنَّ كَمَالَ الْجِنَايَةِ بِنَيْلِ الرَّاحَةِ وَالزِّينَةِ» اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جنایت یعنی جرم کامل کب ہو گا؟ راحت اور زینت حاصل ہو، تو وہ فرماتے ہیں «أَنَّ كَمَالَ الْجِنَايَةِ بِنَيْلِ الرَّاحَةِ وَالزِّينَةِ» کہ کامل جرم جو ہے وہ راحت اور زینت حاصل کرنے سے ہے، «وَبِالْقَلْمِ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ يَتَأَذَّى وَيَشِينُهُ ذَلِكَ» اور کاٹنا اس طریقے پر جو ذکر ہوئی، اس طریقے پر کون سا طریقہ؟ یعنی متفرق طریقے پر کاٹنے کے کاٹنے سے جو ہے «يَتَأَذَّى» یہ محرم کیا ہو گا؟ تکلیف اٹھائے گا اس کو تکلیف ہو گی، «وَيَشِينُهُ ذَلِكَ» اور یہ چیز اس کو عیب دار کرے گی بد نما کرے گی۔ شان یشین کے کیا معنی ہے؟ بد نما کرنا عیب دار کرنا۔ تو یہ چیز اس کو عیب دار کرے گی لہٰذا اس لیے جنایت کم درجے کی ہے۔

«بِخِلَافِ الْحَلْقِ» اور امام محمد رحمہ اللہ نے کس پر قیاس کیا تھا؟ حلق پر کہ سر کے مختلف جگہوں سے بھی چوتھائی سر کے برابر حلق کروالیں تو کیا واجب ہوتا ہے؟ دم، تو یہاں بھی کیا ہونا چاہیے؟ دم۔ تو کہتے ہیں بھائی اس کا جواب پیچھے گزر چکا کہ بعض لوگوں کو عادت ہی کیا ہوتی ہے؟ کہ وہ متفرق جگہوں سے حلق کرواتے ہیں، معلوم ہوا وہ مقصودی نفع ہے۔ بھائی آپ دیکھتے ہیں آج کل بھی دیکھتے ہیں بعض لوگ کیا کرتے ہیں؟ بس یہ دونوں اطراف میں کانوں کے اوپر سے بال صاف کروا لیے استرے سے اور گردن کی طرف سے صاف کروا لیے، تو دیکھو مختلف طرف سے دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف سے، اور یہ سارا مل کر جب کتنا پہنچ جائے؟ چوتھائی، تو اس میں بھی اگر محرم نے ایسا کیا تو دم واجب ہو گا کیونکہ یہ لوگ اس طرح عادتاً اس طرح یہ مقصود ہی ان کا یہ ہوتا ہے اس طرح وہ حلق کرواتے ہیں، جبکہ ناخن مختلف جگہوں سے کاٹنا اس میں ایسا نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں «بِخِلَافِ الْحَلْقِ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ عَلَى مَا مَرَّ» بخلاف حلق کے اس لیے کیونکہ وہ تو معتاد ہے یعنی لوگوں کو اس کی عادت ہوتی ہے بوجہ اس کے جو گزر گیا، «وَإِذَا تَفَاصَرَتِ الْجِنَايَةُ» تو معلوم ہوا یہ جنایت کامل ہوئی یا کم ہوئی جب اس نے متفرق ناخن کاٹے ہیں؟ کم ہوئی، تو کہتے ہیں جب کم ہو گئی جنایت «تَجِبُ فِيهَا الصَّدَقَةُ» تو اس کے اندر صدقہ واجب ہو گا، «فَيَجِبُ بِقَلْمِ كُلِّ ظُفُرٍ طَعَامُ مِسْكِينٍ» تو واجب ہو گا ہر ناخن کے کاٹنے میں ایک مسکین کا طعام، ایک مسکین کا طعام واجب ہو گا۔ «وَكَذَلِكَ لَوْ قَلَمَ أَكْثَرَ مِنْ خَمْسَةٍ مُتَفَرِّقًا» اور اسی طرح اگر اس نے کاٹے پانچ سے زیادہ متفرق ناخن تو بھی حکم اسی طرح ہے، یعنی اس میں بھی کیا آئے گا؟ ہر ناخن میں صدقہ ہی آئے گا، «إِلَّا أَنْ يَبْلُغَ ذَلِكَ دَمًا فَحِينَئِذٍ يَنْقُصُ عَنْهُ مَا شَاءَ» مگر یہ کہ جب وہ صدقہ کس کو پہنچ جائے؟ ایک دم کو پہنچ جائے، تو پھر اس وقت اس میں سے کم کر دے جو چاہے بھائی۔ یہاں تک مسائل سمجھ میں آگئے؟

■ مسئلہ: قَالَ: وَإِنِ انْكَسَرَ ظُفُرُ الْمُحْرِمِ فَتَعَ...

«قَالَ: وَإِنِ انْكَسَرَ ظُفُرُ الْمُحْرِمِ فَتَعَلَّقَ فَأَخَذَهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ». بھائی مسئلہ یاد رکھیے، اگر ناخن اکھڑ گیا لیکن جلد کے ساتھ ابھی بھی کچھ لگا ہوا ہے لٹک گیا ہے، تو اس کو کاٹنا اور الگ کرنا جائز ہے اور اس کے اندر کوئی صدقہ وغیرہ بھی واجب نہیں ہو گا بھائی، واجب نہیں۔ بھائی کیا وجہ صدقہ کیوں نہیں واجب؟ کہتے

ہیں بھائی یہ ناخن اور بال یہ بدن انسانی میں سے بڑھنے والی چیزیں ہیں لہٰذا ان کو امان حاصل ہے جیسے حرم کے گھاس اور پودوں کو امان، لیکن جب یہ ٹوٹ گئے اب یہ بڑھیں گے نہیں تو یہ حرم کے خشک پودوں کی طرح ہو گئے، اور خشک پودوں کے کاٹنا تو منع نہیں، تو لہٰذا ان کا بھی کاٹنا منع نہیں ہو گا۔

«قَالَ: وَإِنِ انْكَسَرَ» اور اگر ٹوٹ گیا، انکسر کے معنی ٹوٹنے کے، اور اگر ٹوٹ گیا «ظُفْرُ الْمُحْرِمِ فَتَعَلَّقَ» محرم کا ناخن تو وہ لٹک گیا «فَأَخَذَهُ» تو اس نے اس کو کاٹ لیا «فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ» تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں، «لِأَنَّهُ لَا يَنْمُو بَعْدَ الِانْكِسَارِ» اس لیے کیونکہ یہ ناخن جو ہے یہ بڑھتا نہیں ہے ٹوٹ جانے کے بعد، «فَأَشْبَهَ الْيَابِسَ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ» تو یہ مشابہ ہو گیا وہ جو خشک ہے حرم کے درختوں میں سے اس کے مشابہ ہوا۔

«وَإِنْ تَطَيَّبَ أَوْ لَبِسَ أَوْ حَلَقَ مِنْ عُذْرٍ». اور اگر محرم نے خوشبو لگالی «أَوْ لَبِسَ» یا سلے ہوئے کپڑے پہن لیے «أَوْ حَلَقَ» یا حلق کروایا «مِنْ عُذْرٍ» کسی عذر کی وجہ سے، یعنی آسمانی آفت کی وجہ سے اللہ کی طرف سے بیماری یا تکلیف وغیرہ اس پر آئی اور اس کی وجہ سے اس کو یہ ممنوعہ افعال میں سے کوئی فعل کرنا پڑا، خوشبو لگانی پڑی یا سلے ہوئے کپڑے پہننا پڑے یا حلق کروانا پڑا، «فَهُوَ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ ذَبَحَ شَاةً، وَإِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ عَلَى سِتَّةِ مَسَاكِينَ بِثَلَاثَةِ أَصْوُعٍ مِنَ الطَّعَامِ» تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو وہ ایک بھیڑ بکری ذبح کر دے، اور اگر چاہے تو صدقہ کر دے چھ مسکینوں پر تین صاع گندم میں سے، گندم میں سے تین، کیونکہ ایک مسکین پر کتنا ہے؟ نصف صاع، تو چھ پر کتنا بنے گا؟ تین صاع بنے گا، تو چاہے یہ صدقہ کر دے، «وَإِنْ شَاءَ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ» اور چاہے تو تین روزے رکھ لے۔

بھائی اگر کسی عذر کی وجہ سے یہ ممنوعہ افعال میں سے کوئی فعل کرنا پڑا تو پھر محرم کو اختیار ہے تین چیزوں میں سے، چاہے کیا کر لے؟ قربانی کر دے، چاہے چھ مسکینوں پر صدقہ کر دے نصف صاع ہر ایک پر، اور چاہے تو تین روزے رکھ لے۔ دلیل کیا اس کی؟ کہتے ہیں «لِقَوْلِهِ تَعَالَى» اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ تو فدیہ دینا ہے، ﴿مِّن صِيَامٍ﴾ یعنی کہ روزے ﴿أَوْ صَدَقَةٍ﴾ یا صدقہ ﴿أَوْ نُسُكٍ﴾ یا عبادت، مراد ہے قربانی، کیا مراد ہے؟ قربانی، یا قربانی ہے۔ تو روزے یا صدقہ یا قربانی ان تین چیزوں میں سے جو بھی کرنا چاہے۔

اور یہ جو تین چیزیں ہیں: صیام، صدقہ اور نسک، ان میں لفظ «أَوْ» ذکر ہے، اور «أَوْ» کا اردو میں کیا ترجمہ ہے؟ یا، یعنی کہ صدقہ یعنی کہ روزے یا صدقہ یا قربانی، معلوم ہوا اختیار ہے۔ «أَوْ» تو کس لیے آتا ہے؟ اختیار کے لیے، تو یہاں بھی اختیار ہے۔ تو کہتے ہیں «وَكَلِمَةُ أَوْ لِلتَّخْيِيرِ» اور کلمۂ او جو ہے وہ اختیار دینے کے لیے ہے، «وَقَدْ فَسَّرَهَا». یہاں سے جواب دے رہے ہیں ایک سوال کا۔ سوال یہ کہ قرآن میں تو صرف روزوں کا ذکر ہے آپ نے تو تین روزے ذکر کیے، قرآن میں صرف صدقے کا ذکر ہے آپ نے چھ مسکینوں پر صدقے کا ذکر کیا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ جو آپ نے چھ مسکینوں کی قید لگا دی اور یہ جو آپ نے تین روزوں کی قید لگا دی یہ تو آپ نے اس پہ زیادتی کی۔ کہتے ہیں بھائی یہ ہم نے اپنی طرف سے زیادتی نہیں کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے جو ہم نے متن میں ذکر کر دی، کہ روزوں سے مراد کتنے ہیں؟ تین روزے، اور صدقے سے مراد کتنے مسکینوں پر صدقہ ہے؟ چھ مسکینوں پر ہے۔

تو کہتے ہیں «وَقَدْ فَسَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِمَا ذَكَرْنَا» اور تحقیق تفسیر کی ہے اس آیت کی حضور علیہ السلام نے انہی چیزوں کے ساتھ جو ہم نے ذکر کر دیں، «وَالْآيَةُ نَزَلَتْ فِي الْمَعْذُورِ» اور یہ آیت نازل ہوئی معذور کے بارے میں ایک معذور صحابی۔ تو یہ آیت «وَالْآيَةُ نَزَلَتْ فِي الْمَعْذُورِ» اور یہ آیت ایک معذور کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کہتے ہیں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہیں ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، وہ وہ ایک ہنڈیا کے نیچے آگ جلانے میں مصروف تھے اور ان کے سر اور داڑھی وغیرہ پر بہت جوئیں چل رہی تھیں کہ حضور علیہ السلام ان کے پاس سے گزرے، تو حضور علیہ السلام نے ان سے پوچھا: کیا یہ حشرات یہ جو ہیں جوئیں تمہیں تکلیف دے رہی ہیں؟ تو فرمانے لگے: ہاں یا رسول اللہ! تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور پھر حضور علیہ السلام نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان فرمائی بھائی۔ تو حضور علیہ السلام ان سے فرمانے لگے کہ اپنے سر کا حلق کروالو اور چھ مسکینوں پر صدقہ کر دو یا تین روزے رکھ لو یا ایک قربانی کر لو بھائی۔

■ مسئلہ: ثُمَّ الصَّوْمُ يُجْزِيهِ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ

«ثُمَّ الصَّوْمُ يُجْزِيهِ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ». بھائی جس کا کوئی عذر ہو اور اس کو حلق وغیرہ کروانا پڑ جائے تو اس کو اختیار دیا گیا، وہ چاہے کیا کرے؟ تین روزے رکھے یا ایک قربانی کر لے یا چھ مسکینوں کو چھ مسکینوں پر صدقہ کر دے۔ تو یہ روزے کیا مکہ ہی میں رکھنا ضروری ہیں یا کہیں اور بھی رکھ سکتا ہے؟ اور یہ صدقہ کیا حرم یا مکہ ہی میں کرنا ضروری ہے یا کہیں اور بھی صدقہ کر سکتا ہے؟ اور یہ قربانی کیا مکہ ہی میں ضروری ہے یا کہیں اور بھی کر سکتا ہے؟ تو یاد رکھیے کہ یہ روزے جہاں پر بھی وہ رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے، چاہے مکہ میں رکھے چاہے گھر واپس آ کر رکھے۔ اور اسی طرح صدقہ کرنا چاہتا ہے چاہے مکہ ہی میں کرے چاہے گھر آ کر صدقہ کر دے کسی اور جگہ صدقہ کر دے۔ لیکن اگر قربانی کرنا چاہتا ہے تو قربانی وہیں حرم ہی میں کرنا پڑے گی، کسی اور جگہ قربانی کرے گا تو وہ کافی نہیں ہے بھائی۔

کہتے ہیں «ثُمَّ الصَّوْمُ يُجْزِيهِ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ» پھر روزہ جو ہے وہ اس کے لیے کافی ہے جس مقام میں بھی وہ چاہے، «لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ فِي كُلِّ مَكَانٍ» اس لیے کیونکہ روزہ رکھنا یہ تو عبادت ہے ہر جگہ میں، «وَكَذَلِكَ الصَّدَقَةُ عِنْدَنَا» اور اسی طرح صدقہ بھی ہے ہمارے نزدیک، «لِمَا بَيَّنَّا» اس وجہ

سے جو ہم نے بیان کر دی۔ کیا وجہ بیان کی؟ کہ صدقہ جہاں بھی کرے گا وہ صدقہ تو کیا ہے؟ عبادت ہے چاہے حرم میں کرے چاہے حرم سے باہر کرے۔ ہاں البتہ قربانی کرنا، قربانی حرم ہی میں کرنا پڑے گی، اس لیے کیونکہ خون کا بہانا، قربانی میں کیا کیا جاتا ہے؟ جانور کا خون بہایا جاتا ہے، تو جانور کو کی قربانی کرنا اور اس کا خون بہا دینا یہ اس کو عبادت نہیں جانا گیا مگر کسی مخصوص زمانے میں یا مخصوص جگہ میں۔ مخصوص زمانے میں یعنی عید والے دن، قربانی کی جو عید ہوتی ہے، بھائی یہ جانور کا ذبح کرنا یہ عید کے دن اگر جانور کو ذبح کرے گا پھر تو عبادت ہے۔ عید سے پہلے یا بعد کے زمانے میں اگر وہ جانور کو ذبح کرے گا تو یہ ذبح کرنا کوئی عبادت ہے؟ نہیں۔ ذبح کرنا عبادت نہیں۔ جانور کا گوشت صدقہ کرے گا میں صدقے کی بات نہیں کر رہا، جانور کو ذبح کرنے کی بات کر رہا ہوں، عید کے دنوں میں جانور کو ذبح کرنا کیا ہے؟ عبادت ہے، لیکن اس سے آگے پیچھے دنوں میں عبادت نہیں، معلوم ہوا یہ قربانی جو ہے یعنی خون کا بہانا ایک مخصوص زمانے کے اندر یہ عبادت ہے۔

یا اسی طرح قربانی اگر حرم میں کرتا ہے، جیسے حج کی قربانی ہے یا اسی طرح جنایتیں، حج میں کوئی جنایت ہو جائے اور دم واجب ہو جائے تو وہ قربانی کہاں کرنا پڑتی ہے؟ حرم کے اندر۔ اگر حرم سے باہر کرے گا یہ قربانی تو یہ اس کے لیے کافی نہیں۔ کیوں نہیں کافی؟ کیونکہ قربانی کرنا یعنی جانور کا خون بہانا یہ یا تو کسی مخصوص زمانے کے اندر عبادت شمار کیا جاتا ہے یا کسی مخصوص جگہ پر جیسے کہ حرم ہے۔ جیسے کہ حرم ہے۔ تو دو چیزوں میں سے ایک ضرور ہونی چاہیے: یا مخصوص جگہ ہونی چاہیے قربانی کے اندر یعنی حرم، یا کیا ہونا چاہیے؟ مخصوص زمانہ ہونا چاہیے۔ یہ جو اختیار دیا گیا معذور کو کہ وہ تین روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا کیا کر دے؟ قربانی کر دے، تو یہ قربانی کسی وقت کے ساتھ کسی زمانے کے ساتھ مقید ہے؟ جب زمانے کے ساتھ مقید نہیں تو جگہ کے ساتھ مقید کرنا پڑے گا۔ معلوم ہوا یہ قربانی صرف کہاں ہو سکتی ہے؟ حرم ہی میں ہو سکتی ہے، حرم سے باہر نہیں ہو سکتی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں «وَأَمَّا النُّسُكُ فَيَخْتَصُّ بِالْحَرَمِ بِالِاتِّفَاقِ» اور باقی قربانی جو ہے تو یہ خاص ہے حرم کے ساتھ بالاتفاق یعنی تمام ائمہ کا اس میں اتفاق ہے، «لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً إِلَّا فِي زَمَانٍ أَوْمَكَانٍ» أَرَاقَ يُرِيقُ إِرَاقَةً کے معنی ہوتے ہیں خون کا بہانا، خون کا بہا دینا۔ «لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً إِلَّا فِي زَمَانٍ أَوْمَكَانٍ» اس لیے کیونکہ خون کا بہانا یہ اس کو عبادت نہیں جانا گیا مگر کسی زمانے میں یا کسی جگہ میں، «وَهَذَا الدَّمُ لَا يَخْتَصُّ بِزَمَانٍ» اور یہ دم تو کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں، حالانکہ دم کے اندر کیا ضروری؟ قربانی میں کیا ضروری؟ کسی مخصوص زمانے یا مخصوص جگہ یعنی مکہ کا ہونا ضروری، تو دو میں سے ایک چیز ہونی چاہیے، اور زمانہ تو یہاں نہیں تو معلوم ہوا کیا آئے گا؟ مخصوص جگہ یعنی حرم کی قید لگانا پڑے گی۔ «وَهَذَا الدَّمُ لَا يَخْتَصُّ بِزَمَانٍ فَتَعَيَّنَ اخْتِصَاصُهُ بِالْمَكَانِ» اور یہ دم کسی زمانے کے ساتھ تو خاص نہیں ہے تو متعین ہو گیا اس کا اختصاص بالمکان جگہ کے ساتھ یعنی حرم کے ساتھ۔

■ مسئلہ: وَلَوِ اخْتَارَ الطَّعَامَ أَجْزَأَهُ فِيهِ التَّغْدِيَةُ...

«وَلَوِ اخْتَارَ الطَّعَامَ أَجْزَأَهُ فِيهِ التَّغْدِيَةُ وَالتَّعْشِيَةُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ». اچھا صورت یہ بھائی کہ یہ جو صدقہ اس شخص پر آیا، کیا اس کے اندر صدقہ کرنا ہی ضروری ہے یا مسکین کو صبح اور شام کا کھانا کھلا دینا بھی کافی ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ تین صاع ہی مسکینوں پر صدقہ کیے جائیں یا ان کو صبح اور شام کا کھانا کھلا دیا جائے تو وہ بھی کافی ہو جائے گا؟ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبح اور شام کا کھانا ان کو کھلا دیا جائے تو بھی کافی ہو جائے گا۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں کفارۂ یمین پر جو قسم کا کفارہ ہے، اور کفارۂ یمین کے اندر وہاں پر صبح اور شام کا کھانا کھلا دینا کافی ہو جاتا ہے تو وہ فرماتے ہیں یہاں پر بھی صبح اور شام کا کھانا کھلانا کافی ہو جائے گا۔

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہاں صبح اور شام کا کھانا کھلانا کافی نہیں ہو گا۔ اس لیے کیونکہ یہاں پر قرآن میں کیا ذکر ہے؟ صدقہ کا لفظ ذکر ہے، اور صدقہ کے کسے صدقہ کہتے ہیں؟ جس میں فقیر کو اور محتاج کو ایک چیز کا مالک بنا دیا جائے تو اس کو صدقہ کہتے ہیں۔ اور کھانا کھلانا کھانا کھلانے میں تو مالک بنانا نہیں ہوتا، آپ کھانا لا کر رکھ دیتے ہیں اور مسکین کو کیا کہتے ہیں؟ اس میں سے کھا لو، تو آپ نے تو اس کو صرف اجازت دی ہے کھانا کھانے کی، اس چیز کا مالک نہیں بنایا۔ حالانکہ قرآن میں یہاں کیا ذکر ہے؟ صدقہ کا ذکر ہے اور صدقہ کے اندر مالک بنانا ضروری ہے، حالانکہ کھانا کھلانے کے اندر مالک بنانا نہیں ہے بلکہ وہاں تو اباحت ہوتی ہے مباح کر دینا ہوتا ہے کہ اس میں سے کھا لیں جتنا کھانا چاہتے ہیں بھائی۔ تو اور فرماتے ہیں کہ اس کو کفارۂ یمین پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کفارۂ یمین کے اندر وہاں اطعام کا لفظ ذکر ہے، اطعام کا معنی کھانا کھلانا، تو وہاں پر کھانا کھلانا کافی ہے کفارۂ یمین میں، لیکن یہاں پر اطعام کا ذکر نہیں ہے قرآن میں بلکہ کس چیز کا ذکر ہے؟ صدقے کا ذکر ہے اور صدقے میں کیا ضروری ہے؟ مالک بنانا ضروری ہے۔

«وَلَوِ اخْتَارَ الطَّعَامَ أَجْزَأَهُ فِيهِ التَّغْدِيَةُ وَالتَّعْشِيَةُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور اگر محرم نے طعام کو اختیار کیا، تین چیزوں کا اختیار تھا نا اس میں سے اس نے کس کو اختیار کر لیا؟ طعام کہ گندم دے گا، تو کافی ہو جائے گا اس کے اندر «التَّغْدِيَةُ» چاشت کا کھانا کھلانا «وَالتَّعْشِيَةُ» اور رات کا کھانا کھلانا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک، «اعْتِبَارًا بِكَفَّارَةِ الْيَمِينِ» قیاس کرتے ہوئے کفارۂ یمین پر، «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُجْزِيهِ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اس کے لیے کافی نہیں، «لِأَنَّ الصَّدَقَةَ تُنْبِئُ عَنِ التَّمْلِيكِ» اس لیے کیونکہ صدقہ کا لفظ جو ہے وہ خبر دیتا ہے تملیک کی یعنی مالک بنانے کی، کہ کیا ضروری ہے اس میں؟ مالک بنانا ضروری ہے، «وَهُوَ الْمَذْكُورُ» اور یہاں صدقہ کا لفظ ہی تو مذکور ہے، تو اس میں معلوم ہوا مالک بنانا ضروری ہے اور مالک بنانا وہ اطعام کے اندر نہیں پایا جاتا لہٰذا وہ کافی نہیں بھائی۔

■ مسئلہ: فَصْلٌ: فَإِنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَتِهِ بِشَهْوَةٍ...

«فَصْلٌ: فَإِنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَتِهِ بِشَهْوَةٍ فَأَمْنَى فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ». بھائی حالت احرام میں انسان پر جہاں بہت سی پابندیاں لگتی ہیں، ان میں سے ایک پابندی جو ہے وہ یہ کہ محرم جو ہے وہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کر سکتا۔ اب صورت یہ کہ ایک شخص نے بیوی سے صحبت تو نہیں کی لیکن بیوی کی شرمگاہ کی طرف دیکھا شہوت سے اور اس کو انزال ہو گیا، تو کیا اس پر بھی کوئی کفارہ آئے گا یا نہیں آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس صورت میں اس پر کفارہ نہیں آئے گا۔

تو کہتے ہیں «فَإِنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَتِهِ بِشَهْوَةٍ فَأَمْنَى فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ» پس اگر دیکھا محرم نے اپنی بیوی کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ تو اس کو انزال ہو گیا، تو اس پر کوئی چیز نہیں یعنی کوئی کفارہ نہیں، «لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ هُوَ الْجِمَاعُ» اس لیے کیونکہ وہ چیز جس کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ جماع ہے، احرام میں جس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ جماع ہے، «وَلَمْ يُوجَدْ» اور وہ تو نہیں پایا گیا یہاں پر، «فَصَارَ كَمَا لَوْ تَفَكَّرَ فَأَمْنَى» تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے اس نے سوچا اور اس سے کیا ہو گیا اس کو؟ انزال ہو گیا، تو یہ بھی اسی کی طرح ہے، اور جب اس کے اندر تو کفارہ وغیرہ نہیں تو اس صورت میں بھی کفارہ نہیں۔

«وَإِنْ قَبَّلَ أَوْ لَمَسَ بِشَهْوَةٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ». اور اگر محرم نے بیوی کا بوسہ لیا «أَوْ لَمَسَ بِشَهْوَةٍ» یا اس کو شہوت سے ہاتھ لگایا «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر دم واجب ہے۔ بیوی کا شہوت سے اگر بوسہ لیا یا ہاتھ لگایا تو اس صورت میں بھی کیا واجب ہے؟ دم واجب ہے۔

■ مسئلہ: وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ:

«وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ:» تو یہاں سے جامع صغیر، قدوری اور مبسوط وغیرہ کی جو عبارت ہے اس میں جو تھوڑا سا فرق آیا اس کو بیان کرنے لگے ہیں صاحب ہدایہ۔ متن میں تو کیا آیا؟ قدوری میں کیا آیا؟ «وَإِنْ قَبَّلَ أَوْ لَمَسَ بِشَهْوَةٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ» اگر بوسہ لے لیا یا شہوت سے چھو لیا بیوی کو تو اس صورت میں بھی محرم پر کیا واجب؟ دم۔ «وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ يَقُولُ:» اور جامع صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «إِذَا مَسَّ بِشَهْوَةٍ فَأَمْنَى» اگر شہوت سے ہاتھ لگایا بیوی کو شہوت سے چھوا اس کو «فَأَمْنَى» تو انزال ہو گیا۔ معلوم ہوا قدوری میں تو انزال کی قید نہیں، صرف بوسہ لینے یا ہاتھ لگانے سے ہی دم واجب ہو گا جب یہ شہوت سے ہاتھ لگایا ہو یا بوسہ لیا ہو۔ جبکہ جامع صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا اور پھر انزال بھی ہو گیا، تو انہوں نے انزال کی قید بڑھائی ہے۔

«وَلَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا إِذَا أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ» اور کوئی فرق نہیں ہے اس کے درمیان کہ انزال ہو یا انزال نہ ہو، «ذَكَرَهُ فِي الْأَصْلِ» اس کو امام محمد رحمہ اللہ نے اصل یعنی مبسوط میں ذکر فرمایا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو کہتے ہیں جامع صغیر کے اندر امام محمد رحمہ اللہ نے انزال کی قید لگائی ہے لیکن اصل کے اندر انہوں نے کوئی فرق نہیں کیا ہے چاہے انزال ہو یا نہ ہو، جیسے یعنی قدوری میں آیا ہے۔ بوسہ لیا یا چھوا شہوت سے تو کیا واجب ہے؟ دم واجب ہے، تو انزال کی قید ضروری نہیں۔

«وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الْجِمَاعِ دُونَ الْفَرْجِ» اور اسی طرح ہے جواب اس جماع کے اندر جو شرمگاہ کے علاوہ میں ہو۔ تو اس صورت میں بھی، شرمگاہ کے علاوہ میں جماع کیا تو اس صورت میں بھی انزال ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں کیا ہے؟ دم لازم ہو گا۔

■ مسئلہ: وَعَنِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ يَفْ...

«وَعَنِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَفْسُدُ إِحْرَامُهُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ إِذَا أَنْزَلَ» اور امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ محرم جو ہے اس کا احرام فاسد ہو جائے گا ان تمام صورتوں میں یعنی بوسہ لیا ہو یا شہوت سے ہاتھ لگایا ہو «إِذَا أَنْزَلَ» جب اس کو انزال۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس وجہ سے شخص محرم کو انزال ہو گیا تو اس کا احرام ہی فاسد ہو گیا۔ احرام ہی کیا ہو گیا؟ فاسد ہو گیا، یعنی حج ہی کیا ہو گیا؟ فاسد ہو جائے گا ان کے نزدیک بھائی۔

«وَاعْتَبَرَهُ بِالصَّوْمِ» اور انہوں نے اس کو قیاس کیا ہے روزے پر، جیسے روزے کے اندر بھائی ان چیزوں سے روزہ کیا ہو جاتا ہے؟ فاسد ہو جاتا ہے، انزال ہو جائے جب شہوت کے ساتھ اس یہ جو صورتیں ذکر ہوئیں تو انزال بھی ہو جائے تو اس سے کیا ہو جاتا ہے روزہ؟ فاسد ہو جاتا ہے، آپ تفصیل پیچھے پڑھ چکے۔ روزہ فاسد ہو جاتا ہے اگرچہ کفارہ واجب نہیں، کفارہ تو جب جماع کرے گا صحبت کرے گا تب تو کفارہ واجب ہو گا، باقی صورتوں میں کفارہ تو بے شک نہیں واجب لیکن روزہ کیا ہو جاتا ہے؟ فاسد ہو جاتا ہے، تو یہاں پر بھی اس کا احرام وہ فرماتے ہیں فاسد ہو جائے گا۔

«وَلَنَا أَنَّ فَسَادَ الْحَجِّ يَتَعَلَّقُ بِالْجِمَاعِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حج کے فاسد ہونے کا تعلق جماع کے ساتھ ہے، «وَلِهَذَا لَا يَفْسُدُ بِسَائِرِ الْمَحْظُورَاتِ» اور لہٰذا حج فاسد نہیں ہوتا تمام ممنوعہ چیزوں سے۔ یعنی باقی کی ممنوعہ چیزوں سے حج نہیں فاسد ہوتا بلکہ کس سے فاسد ہوتا ہے صرف؟ صرف جب جماع کرے گا، «وَهَذَا لَيْسَ بِجِمَاعٍ مَقْصُودٍ» اور یہ تو جماعِ مقصود نہیں، «فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْجِمَاعِ» لہٰذا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہو گا اس چیز کا جس کا تعلق جماع کے ساتھ ہے۔ جماع کے ساتھ کس کا تعلق تھا؟ فسادِ حج کا۔ حج صرف کس وجہ سے فاسد ہوتا ہے؟ جماع کی صورت میں، اور یہ چیزیں تو جماعِ مقصود نہیں۔ تو جماع کے ساتھ کس

چیز کا تعلق ہے؟ فساد، تو فسادِ حج کا تعلق ان کے ساتھ نہیں ہو گا، ان سے حج فاسد نہیں ہو گا۔ باقی چیزیں کیا؟ یہ جو بوسہ لینا ہے یا شہوت سے چھونا ہے، ٹھیک ہے یہ احرام کی ممنوعہ چیزیں ہیں، احرام کے اندر یہ منع ہیں۔ اسی لیے ہم نے کہا اس صورت میں دم واجب ہو گا لیکن حج فاسد نہیں ہو گا کیونکہ حج تو صرف کس سے فاسد ہوتا ہے؟ جماع سے فاسد ہوتا ہے، اور یہ یہ چیزیں جو ہیں جماعِ مقصود نہیں بھائی، جماعِ مقصود نہیں بھائی۔

تو ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ فَسَادَ الْحَجِّ يَتَعَلَّقُ بِالْجِمَاعِ» کہ حج کے فاسد ہونے کا تعلق جو ہے وہ جماع کے ساتھ ہے، «وَلِهَذَا لَا يَفْسُدُ بِسَائِرِ الْمَحْظُورَاتِ» اسی لیے حج فاسد نہیں ہوتا باقی ممنوعہ چیزوں سے، «وَهَذَا لَيْسَ بِجِمَاعٍ مَقْصُودٍ» اور یہ مقصودی جماع نہیں ہے یعنی چھونا اور بوسہ وغیرہ لینا، «فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْجِمَاعِ» لہٰذا اس کے ساتھ متعلق نہیں ہو گی وہ چیز جس کا تعلق جماع سے ہے یعنی فسادِ حج، یعنی فسادِ حج کا تعلق ان کے ساتھ نہیں ہو گا، «إِلَّا أَنَّ فِيهِ مَعْنَى الِاسْتِمْتَاعِ وَالِارْتِفَاقِ بِالْمَرْأَةِ» مگر اس کے اندر چونکہ استمتاع اور ارتفاق ہے عورت سے، استمتاع اور ارتفاق کا ایک معنی یعنی نفع اٹھانا۔ لیکن یہ کہ اس کے اندر یہ بوسہ لینے اور شہوت کے ساتھ چھونے میں چونکہ نفع اٹھانا ہے فائدہ اٹھانا ہے عورت سے، «وَذَلِكَ مَحْظُورُ الْإِحْرَامِ» اور یہ تو احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے، محرم کو تو کیا کیا گیا ہے؟ بیوی سے نفع اٹھانے سے روکا گیا ہے، «فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ» لہٰذا اس پر دم لازم ہو گا اگر اس نے بوسہ لیا یا شہوت سے چھوا۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ الصَّوْمِ

«بِخِلَافِ الصَّوْمِ» یہاں سے وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا فرمایا تھا کہ جس طرح بوسہ لینے یا چھونے سے انزال اگر ہو جائے تو اس سے جیسے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اسی طرح اس سے احرام بھی فاسد ہو جائے گا۔ تو ان کے اس قیاس کا جواب دے رہے ہیں کہ «بِخِلَافِ الصَّوْمِ» بخلاف روزے کے، «لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ فِيهِ قَضَاءُ الشَّهْوَةِ» اس لیے کیونکہ روزے کے اندر حرام جس چیز کو قرار دیا گیا ہے وہ شہوت کو پورا کرنا ہے، «وَلَا يَحْصُلُ بِدُونِ الْإِنْزَالِ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ» اور یہ قضائے شہوت جو ہے یہ حاصل نہیں ہوتا بغیر انزال کے شرمگاہ کے علاوہ میں۔

تو امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دے رہے ہیں کہ روزہ تو جو ہے روزہ وہ انزال سے اس وجہ سے فاسد ہو جاتا ہے اس لیے کیونکہ اس سے شہوت پوری ہو جاتی ہے اور روزے کے اندر شہوت پوری کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، تو وہاں پر جب انزال ہو گیا تو شہوت پوری ہو گئی لہٰذا اس اس وجہ سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ جبکہ جبکہ حج کے فساد کا تعلق جو ہے وہ تو صرف جماع کے ساتھ ہے، جماع کی صورت میں تو فاسد ہو گا لیکن باقی ممنوعہ چیزوں میں سے اگر کوئی کر لے گا تو اس سے حج فاسد نہیں ہوتا، ہاں البتہ چونکہ جنایت کی ہے تو اس صورت میں اس کے مطابق جو ہے وہ کفارہ اس پر آتا ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

یہ معنی ہے «بِخِلَافِ الصَّوْمِ لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ فِيهِ قَضَاءُ الشَّهْوَةِ وَلَا يَحْصُلُ بِدُونِ الْإِنْزَالِ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ» اس لیے کیونکہ روزے کے اندر حرام جو ہے وہ تو قضائے شہوت ہے اور وہ تو شرمگاہ کے علاوہ میں بغیر انزال کے حاصل نہیں ہوتا یعنی وہ قضائے شہوت شرمگاہ کے علاوہ میں بغیر انزال کے حاصل نہیں ہوتی، تو لہٰذا انزال کی صورت میں قضائے شہوت پایا جائے گا اس وجہ سے روزہ تو کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ لیکن حج جو ہے اس کے فساد کا تعلق تو صرف کس سے ہے؟ جماع کے ساتھ ہے، لہٰذا اور صورتوں کے اندر چاہے شہوت سے ہاتھ لگایا ہے یا شہوت سے بوسہ لیا ہے تو چاہے انزال ہو یا انزال نہ ہو اس سے حج فاسد نہیں ہو گا۔ ہاں البتہ چونکہ احرام کے ممنوع کاموں میں سے کام کیا ہے تو اس صورت میں کفارہ واجب ہو گا یعنی دم یہاں پر لازم ہو گا بھائی۔

اچھا بھائی یہاں انہوں نے یہ ذکر کیا اور نسبت کی امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف کہ ان کے نزدیک اگر بوسہ لینے یا شہوت سے چھونے کی وجہ سے انزال ہو جائے تو اس صورت میں اس شخص کا احرام ہی فاسد ہو جائے گا، لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نسبت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف صحیح نہیں ہے بلکہ ان کا مذہب ہی ہمارے مذہب کی طرح ہے، یعنی اس سے احرام فاسد نہیں ہوتا بھائی۔

چلیے بس، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۱۵۴: مسئلہ: وَإِنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ قَبْلَ...

ہدایہ صفحہ: ۲۹۲ــــ بتاریخ: ۱۴ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَإِنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ قَبْلَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ فَسَدَ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ شَاةٌ، وَيَمْضِي فِي الْحَجِّ كَمَا يَمْضِي مَنْ لَمْ يُفْسِدْهُ، وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا رُوِيَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ سُئِلَ عَمَّنْ وَاقَعَ امْرَأَتَهُ وَهُمَا مُحْرِمَانِ بِالْحَجِّ، قَالَ: يُرِيقَانِ دَمًا وَيَمْضِيَانِ فِي حَجَّتِهِمَا، وَعَلَيْهِمَا الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ». [1]

بھئی یہ مسئلہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ کہ وقوف عرفہ سے پہلے اگر محرم نے بیوی سے صحبت کر لی، تو اس کا احرام ابھی پختہ نہیں ہوا تھا تو اس کا حج ہی فاسد ہو جائے گا، اور اس صورت میں اس پر ایک قربانی واجب ہو گی، ایک بھیڑ بکری کی قربانی کرنا پڑے گی، اور نیز اس حج کی قضا کرنا پڑے گی، تو اگلے سال کیا کرلے پھر اس حج کی قضا کرلے۔ قضا کرلے۔

اور اسی طرح عمرے کے اندر میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اگر چار چکر پورے ہونے سے پہلے اس نے کسی محرم نے بیوی سے صحبت کر لی، تو اس کا عمرہ فاسد ہو جائے گا، اس پر بھی ایک قربانی واجب ہو گی، اور اس عمرے کی قضا اسے کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کیونکہ بڑا رکن ادا کرنے سے پہلے جنایت پائی گئی، بڑی جنایت پائی گئی، اور اس سے وہ حج یا عمرہ کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ ہاں، اگر بڑا رکن کر لے گا، اس کے بعد اگر صحبت کرتا ہے تو اب چونکہ بڑا رکن ادا کر لیا ہے، مثلاً حج میں وقوف عرفہ کر لیا ہے یا عمرے کے اندر چار چکر پورے کر چکا ہے، تو اب احرام پختہ ہو گیا، اب بیوی کے ساتھ صحبت کرلے گا تو بھی حج یا عمرہ فاسد نہیں ہو گا۔ البتہ چونکہ جنایت کی ہے اور تو حج کے اندر اس پر **بَدَنَہ** واجب ہو گا، یعنی ایک گائے یا اونٹ کی قربانی کرنا پڑے گی، جبکہ عمرے کا درجہ چونکہ حج سے کم ہے تو عمرے کے اندر یہاں بھیڑ بکری واجب ہو گی بھئی، البتہ اس کا حج یا عمرہ فاسد نہیں ہو گا۔

اور یہ بھی میں بیان کر چکا ہوں کہ حج یا عمرہ فاسد ہو جائے اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کو وہیں پر درمیان میں چھوڑ دیا جائے گا، بلکہ وہ حاجی یا جو عمرہ کرنے والا ہے وہ باقی اعمال بھی کرتا چلا جائے گا آخر تک۔ اس لیے کیونکہ اس نے ان افعال کے لیے احرام باندھا تھا، تو یہ جب پورے کرلے گا تو پھر جیسے اور حاجی جو ہیں وہ حلال ہوتے ہیں احرام سے، یہ بھی اسی طرح احرام سے حلق وغیرہ کروا کر حلال ہو جائے گا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو یہ عمرہ جس کا فاسد ہوا وہ بھی عمرے کے افعال کرتا جائے گا لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کا یہ عمرہ ہو گیا، یہ عمرہ تو فاسد ہو چکا ہے لیکن اعمال کرنے پڑیں گے، پھر قضا کرنا پڑے گی۔ اسی طرح حج اگر فاسد ہو گیا تو حج کے افعال کرتا چلا جائے گا لیکن یہ حج کیا ہو چکا؟ فاسد ہو چکا ہے، تو پھر اگلے سال پھر اس کو اس کی قضا کرنا پڑے گی۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ یہی بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: «**وَإِنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ قَبْلَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ**» اور اگر محرم نے صحبت کر لی بیوی سے «**فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ**» دو راستوں میں سے کسی ایک میں «**قَبْلَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ**» وقوف عرفہ سے پہلے ہی، «**فَسَدَ حَجُّهُ**» تو اس کا حج فاسد ہو گیا، «**وَعَلَيْهِ شَاةٌ**» اور اس پر ایک بھیڑ بکری واجب ہے، «**وَيَمْضِي فِي الْحَجِّ كَمَا يَمْضِي مَنْ لَمْ يُفْسِدْهُ**» اور یہ چلتا رہے گا حج کے اندر جیسے کہ چلتا ہے وہ شخص جس نے حج کو فاسد نہیں کیا، یعنی جیسے وہ اعمال سرانجام دیتا رہتا ہے حج کے، یہ بھی کیا کرتا رہے گا؟ حج کے سارے افعال سرانجام دیتا رہے گا۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۲۱۲): «**وعليه القضاء**»۔

■ مسئلہ: وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا رُوِيَ

«وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا رُوِيَ» اور اصل اس کے اندر وہ حدیث ہے جس کو روایت کیا گیا ہے «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ سُئِلَ عَمَّنْ وَاقَعَ امْرَأَتَهُ وَهُمَا مُحْرِمَانِ بِالْحَجِّ» کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اس شخص کے بارے میں «وَاقَعَ امْرَأَتَهُ» جس نے صحبت کرلی اپنی بیوی سے «وَهُمَا مُحْرِمَانِ بِالْحَجِّ» اس حال میں کہ وہ دونوں میاں بیوی جو تھے وہ کیا تھے؟ محرم بالحج تھے، حج کا احرام باندھے ہوئے تھے کہ کسی شخص نے اگر بیوی سے صحبت کرلی تو کیا حکم ہے؟ یہ حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ «قَالَ» تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: «يُرِيقَانِ دَمًا» یہ دونوں خون بہائیں گے، یعنی کیا کریں گے؟ قربانی کریں گے، دونوں پر قربانی واجب ہے، خاوند پر بھی اور بیوی پر بھی، «وَيَمْضِيَانِ فِي حَجَّتِهِمَا» اور یہ دونوں چلتے رہیں گے اپنے حج کے اندر، «وَعَلَيْهِمَا الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ» اور ان دونوں پر حج واجب ہے «مِنْ قَابِلٍ» أَيْ: مِنْ عَامٍ قَابِلٍ، اگلے آنے والے سال میں، یعنی اس کی قضا ان کو کرنا پڑے گی۔

«وَهَكَذَا نُقِلَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ» اور اسی طرح نقل کیا گیا ہے صحابہ کی ایک جماعت سے بھی۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: تَجِبُ بَدَنَةٌ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر بَدَنَہ واجب ہوگا۔ یعنی اونٹ یا گائے اس پر واجب ہوگی، ہم نے تو کیا کہا؟ بھیڑ بکری واجب ہوگی۔ وقوف عرفہ سے پہلے صحبت کی ہے تو حج فاسد ہو گیا اور کیا کرنا پڑے گی؟ بھیڑ بکری کی قربانی، جبکہ وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت سے پہلے صحبت کی تو بَدَنَہ ہمارے نزدیک واجب ہوگا۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقوف عرفہ کے بعد جیسے بَدَنَہ واجب ہوتا ہے صحبت کرنے کی صورت میں تو اس سے پہلے بھی کیا واجب ہوگا؟ بَدَنَہ ہی واجب ہوگا، یعنی ایک اونٹ یا گائے کی قربانی کرنا پڑے گی۔

تو «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: تَجِبُ بَدَنَةٌ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بَدَنَہ واجب ہوگا «اعْتِبَارًا بِمَا لَوْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوفِ» قیاس کرتے ہوئے اس پر کہ اگر جماع کیا ہو وقوف کے بعد، وہ اس پر قیاس کرتے ہیں۔ «وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ إِطْلَاقُ مَا رَوَيْنَا» اور دلیل جو ہے ان کے خلاف وہ مطلق ہونا ہے اس حدیث کا جس کو ہم نے روایت کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف حجت جو ہے اور دلیل جو ہے وہ اس حدیث کا اطلاق ہے جو ہم نے روایت کر دی۔ یہ حدیث مطلق ہے یہ جو ابھی ہم نے روایت کی۔ اس حدیث میں کیا آیا؟ حضور علیہ السلام کیا فرماتے ہیں؟ «يُرِيقَانِ دَمًا» یہ خون بہائیں گے، یعنی قربانی کریں گے، یہاں کوئی بَدَنَہ کی قید نہیں ہے، یہ مطلق ہے، معلوم ہوا کوئی بھی قربانی کر دے، کوئی بھی قربانی کر دے تو یہ کافی ہو جائے گا۔ معلوم ہوا بھیڑ بکری کی قربانی بھی کافی ہے، اسی لیے ہم نے کہا کہ ان پر کیا واجب ہے؟ بھیڑ بکری کی قربانی واجب ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الْقَضَاءَ لَمَّا وَجَبَ - وَلَا يَجِبُ...

«وَلِأَنَّ الْقَضَاءَ لَمَّا وَجَبَ [] وَلَا يَجِبُ إِلَّا لِاسْتِدْرَاكِ الْمَصْلَحَةِ [] خَفَّ مَعْنَى الْجِنَايَةِ» اور نیز، بھئی ایک دلیل تو ہماری یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف کہ یہ جو حدیث تھی یہ مطلق تھی، اس میں بَدَنَہ کی قید نہیں تھی، اور نیز اس لیے کیونکہ اس میں قضا بھی واجب ہو رہی ہے۔ اگر وقوف عرفہ سے پہلے کیا کر لیتا ہے؟ صحبت کر لیتا ہے، تو اس صورت میں حج فاسد ہو گیا اور کیا کرنا پڑے گی؟ قضا کرنا پڑے گی، جب قضا کرنا پڑے گی تو جنایت میں کمی آ گئی۔ جنایت میں کیا آ گئی؟ کمی آ گئی، لہٰذا بھیڑ بکری بھی کافی ہے، کیونکہ پھر اس نے دوبارہ کیا کرنا ہے اسی حج کو؟ دوبارہ اس حج کو کرنا ہے۔ صورت سمجھ میں؟ لیکن وقوف عرفہ کے بعد اگر کیا کرتا ہے؟ صحبت کرتا ہے، پھر تو حج کی قضا نہیں، لہٰذا جنایت میں کوئی کمی نہیں آئی، جب جنایت میں کمی نہیں آئی تو حکم اسی طرح سخت رہے گا اور کیا واجب ہوگا؟ بَدَنَہ واجب ہوگا۔

«وَلِأَنَّ الْقَضَاءَ لَمَّا وَجَبَ» اس لیے کیونکہ قضا جب واجب ہو گئی، یہ ہے شرط، اور «خَفَّ مَعْنَى الْجِنَايَةِ» آگے آ رہا ہے دو تین لفظوں کے بعد، اس لیے کیونکہ جب قضا واجب ہو گئی «خَفَّ مَعْنَى الْجِنَايَةِ» تو جنایت کا معنیٰ خفیف ہو گیا، جنایت میں کمی آ گئی، «فَيُكْتَفَى بِالشَّاةِ» تو کس پر اکتفا کر لیا جائے گا؟ بھیڑ بکری پر۔

تو «وَلِأَنَّ الْقَضَاءَ لَمَّا وَجَبَ» اس لیے کیونکہ قضا جب واجب ہو گئی «وَلَا يَجِبُ إِلَّا لِاسْتِدْرَاكِ الْمَصْلَحَةِ» اور قضا تو واجب نہیں ہوتی مگر مصلحت کی تلافی کے لیے، کس لیے واجب ہوتی ہے قضا؟ مصلحت کی تلافی کے لیے، کیونکہ کہ جو حج وغیرہ میں جو خرابی آئی ہے اس کی کیا ہو جائے؟ تلافی ہو جائے، تو اس کے لیے یہ واجب ہوتی ہے، «خَفَّ مَعْنَى الْجِنَايَةِ» تو جنایت کا معنیٰ ہلکا ہو گیا «فَيُكْتَفَى بِالشَّاةِ» تو اکتفا کیا جائے گا بھیڑ بکری پر ہی «بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْوُقُوفِ» بخلاف کس کے بعد؟ وقوف کے بعد جب اس نے کیا کیا؟ صحبت کی ہے، تو اس صورت میں «لِأَنَّهُ لَا قَضَاءَ» تو کیونکہ وہاں قضا واجب نہیں ہے، قضا واجب نہیں تو وہ جرم اسی طرح سخت رہا تو لہٰذا حکم بھی سخت رہے گا۔

■ مسئلہ: ثُمَّ سَوَّى بَيْنَ السَّبِيلَيْنِ

«ثُمَّ سَوَّى بَيْنَ السَّبِيلَيْنِ» پھر بھئی صاحب قدوری نے برابری کی دونوں سبیلین میں۔ متن میں کیا آیا تھا؟ «وَإِنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ» دونوں راستوں میں سے کسی ایک میں بھی جماع کر لیا تو دونوں کا یہی حکم ہے۔ آگے بیان کریں گے کہ امام صاحب سے ایک اور روایت بھی آئی ہے اس سلسلے میں۔ ایک روایت تو یہ جو متن میں ذکر ہو گئی کہ احد السبیلین میں سے کسی میں بھی جماع کرے گا تو وقوف سے پہلے تو کیا ہو گا؟ حج فاسد ہو گا، اور دوسری روایت یہ ہے کہ دوسری روایت یہ ہے کہ اگر قُبُل کے علاوہ کے اندر صحبت کی وقوف عرفہ سے پہلے، تو پھر جنایت کم درجے کی ہے، پھر حج فاسد نہیں ہو گا۔ تو کہتے ہیں معلوم ہوا امام صاحب سے دو روایتیں ہیں اس سلسلے میں۔

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے «أَنَّ فِي غَيْرِ الْقُبُلِ مِنْهُمَا لَا يُفْسِدُهُ» کہ قبل کے علاوہ میں یعنی اگلے مقام کے علاوہ میں «لَا يُفْسِدُهُ» یہ جماع جو ہے یہ حج کو فاسد نہیں کرتا «لِتَقَاصُرِ مَعْنَى الْوَطْءِ» تو وطی کے معنیٰ میں کمی کی وجہ سے، «فَكَانَ عَنْهُ رِوَايَتَانِ» تو امام صاحب سے دو روایتیں ہیں۔

«وَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُفَارِقَ امْرَأَتَهُ فِي قَضَاءِ مَا أَفْسَدَاهُ عِنْدَنَا» بھئی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے بیوی سے صحبت کر لی تھی وقوف عرفہ سے پہلے، حج اس کا فاسد ہو گیا تھا، تو اگلے سال اب یہ جب حج کرنے آئے، میاں اور بیوی دونوں، تو کیا یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ رہیں گے یا اکٹھے بھی رہ سکتے ہیں؟ تو یاد رکھیے ہمارے نزدیک الگ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں، الگ رہنے کی ضرورت نہیں، جبکہ باقی ائمہ فرماتے ہیں نہیں، بالکل ایک دوسرے سے الگ رہیں گے، الگ رہیں گے۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے ہی گھر سے نکلیں گے، جیسے ہی یہ حج کے لیے روانہ ہوئے اگلے سال، تو گھر سے نکلتے ہی سفر شروع، لہٰذا ابتدا سے ہی کیا ہو جائیں گے؟ علیحدہ، گھر سے چلتے ہی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں گے سفر کے اندر۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب احرام باندھ لیں گے، چاہے میقات پر احرام باندھیں چاہے میقات سے پہلے، جب احرام باندھ لیں گے تو کیا کریں گے؟ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اس مقام پر پہنچیں گے جہاں پر یہ خاوند نے بیوی سے صحبت کی تھی، تو اس مقام پر جا کر اب ایک دوسرے سے کیا ہو جائیں گے؟ علیحدہ ہو جائیں گے۔ جبکہ ہمارے نزدیک نہیں، علیحدہ رہنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ دیکھیے اب تفصیل کتاب میں۔

■ مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُفَارِقَ امْرَأَتَهُ فِي ق...

«وَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُفَارِقَ امْرَأَتَهُ فِي قَضَاءِ مَا أَفْسَدَاهُ عِنْدَنَا» اور واجب نہیں ہے اس شخص پر کہ وہ جدا رہے اپنی بیوی سے «فِي قَضَاءِ مَا أَفْسَدَاهُ» اس حج کی قضا کے اندر جس کو ان دونوں نے فاسد کر دیا تھا «عِنْدَنَا» ہمارے نزدیک، «خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا خَرَجَا مِنْ بَيْتِهِمَا» بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے جب یہ دونوں اپنے گھر سے نکلیں، «وَلِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا أَحْرَمَا» اور بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے جب یہ دونوں احرام باندھ لیں، «وَلِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا انْتَهَيَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي جَامَعَهَا فِيهِ» اور بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے کہ جب وہ پہنچ جائیں اس جگہ تک جہاں پر خاوند نے صحبت کی تھی بیوی سے «فِيهِ» اس جگہ میں۔ «إِذَا انْتَهَيَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي جَامَعَهَا فِيهِ» جب یہ دونوں پہنچ جائیں «إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي» اس جگہ پر «جَامَعَهَا» کہ جہاں پر خاوند نے کہ خاوند نے صحبت کی تھی بیوی سے «فِيهِ» اس جگہ میں، تو جب وہاں پہنچ جائیں تو دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔

«لَهُ» امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے «أَنَّهُمَا يَتَذَاكَرَانِ ذَلِكَ فَيَقَعَانِ فِي الْمُوَاقَعَةِ» کہ یہ دونوں یاد کریں گے اس بات کو، ان دونوں کو وہ بات پھر یاد آئے گی، «فَيَقَعَانِ فِي الْمُوَاقَعَةِ» تو یہ دونوں واقع ہو جائیں گے صحبت کے اندر، جماع کے اندر یہ دونوں پڑ جائیں گے، «فَيَفْتَرِقَانِ» تو دونوں جدا رہیں گے، دونوں کیا ہو جائیں گے؟ جدا ہو جائیں گے، یعنی اس مقام پر آ کر ان کو وہ پچھلا واقعہ یاد آئے گا تو یہ پھر صحبت میں واقع ہو سکتے ہیں، لہٰذا اب کیا کر لیں گے؟ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الْجَامِعَ وَهُوَ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا قَائِمٌ فَلَا مَعْنَى لِلِافْتِرَاقِ» ہم کہتے ہیں کہ جدائی جدا ہونا یا تو قبل الاحرام ہو گا یا بعد الاحرام ہو گا۔ قبل الاحرام تو جدا رہنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں کیونکہ صحبت کرنا جائز ہے۔ اور بعد الاحرام بھی جدا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کیونکہ نکاح تو پھر بھی موجود ہے ان دونوں کے درمیان، ان دونوں کو جمع کرنے والی چیز کیا ہے؟ نکاح، نکاح تو پھر بھی موجود ہے۔ اور نیز یہ آپ نے کیا کہا کہ اس مقام پر جب پہنچیں گے تو ان کو وہ بات یاد آئے گی، پھر کہیں صحبت میں نہ پڑ جائیں، ہم کہتے ہیں نہیں، اب صحبت میں بالکل نہیں پڑیں گے، کیونکہ اب ان کو نصیحت حاصل ہو چکی ہے، ایک تھوڑی سی لذت کی وجہ سے اتنی مشقت ان کو اٹھانا پڑی کہ اب دوبارہ ایسی غلطی یہ نہیں کریں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الْجَامِعَ وَهُوَ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا قَائِمٌ» کہ جو جمع کرنے والی چیز ہے اور وہ نکاح ہے وہ ان دونوں کے درمیان قائم ہے یعنی موجود ہے، «فَلَا مَعْنَى لِلِافْتِرَاقِ» لہٰذا کوئی سبب نہیں ہے جدا رہنے کا «قَبْلَ الْإِحْرَامِ لِإِبَاحَةِ الْوِقَاعِ» احرام سے پہلے اس وجہ سے کہ صحبت مباح ہے، احرام سے پہلے تو صحبت مباح ہے، «وَلَا بَعْدَهُ» اور احرام کے بعد بھی جدا رہنے کی کوئی سبب نہیں «لِأَنَّهُمَا يَتَذَاكَرَانِ مَا لَحِقَهُمَا مِنَ الْمَشَقَّةِ الشَّدِيدَةِ بِسَبَبِ لَذَّةٍ يَسِيرَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ دونوں یاد کریں گے وہ جوان کو جو چیز جوان کے ساتھ مل گئی تھی جوان کو پیش آئی تھی «مِنَ الْمَشَقَّةِ الشَّدِيدَةِ» یعنی کہ سخت مشقت «بِسَبَبِ لَذَّةٍ يَسِيرَةٍ» تھوڑی سی لذت کی وجہ سے، «فَيَزْدَادَانِ نَدَمًا وَتَحَرُّزًا» تو یہ دونوں بڑھ جائیں گے باعتبار ندامت کے بھی اور بچنے کے بھی، یعنی ان کا ان کی ندامت بھی بڑھ جائے گی اور ان کا اس چیز سے بچنا بھی بڑھ جائے گا، «فَلَا مَعْنَى لِلِافْتِرَاقِ» لہٰذا کوئی سبب نہیں ہے جدا رہنے کا۔

«وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ لَمْ يَفْسُدْ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ» اور جس نے صحبت کی وقوف عرفہ کے بعد «لَمْ يَفْسُدْ حَجُّهُ» تو اس کا حج فاسد نہیں «وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ» اور اس پر بَدَنَہ واجب ہے بھئی۔ مسئلہ میں پہلے میں نے ابھی پہلے ذکر کر دیا بھئی۔ اور یہ بَدَنَہ لفظ ہے، بُدْنَةٌ یہ اعراب غلط لگے ہوئے ہیں، مفرد جو ہے وہ بَدَنَةٌ ہے اور جمع اس کی کیا ہے؟ بُدْنٌ اور بُدُنٌ، دال ساکن بھی صحیح اور دال پر پیش بھی صحیح۔

«خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا إِذَا جَامَعَ قَبْلَ الرَّمْيِ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے اس صورت میں جب اس نے صحبت کی ہو رمی سے پہلے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے وقوف عرفہ سے پہلے بیوی سے کوئی صحبت کر لے تو اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے، اسی طرح وقوف عرفہ کے بعد بھی اگر کوئی صحبت کرے گا بیوی سے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا جبکہ یہ صحبت رمی جمار سے پہلے ہو، یوم النحر والے دن جمرہ عقبہ کی کیا کرتے ہیں؟ رمی، اس سے پہلے پہلے اگر کیا کرلی؟ صحبت کر لی، تو اس کا حج کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے۔ ہاں، رمی جمرات کے بعد تو اب حلق کا وقت آجاتا ہے، کیا کیا جاتا ہے؟ قربانی کی جاتی ہے اور پھر حلق کیا جاتا ہے، تو رمی کے بعد تو حلق کا وقت آگیا لہٰذا اس کے بعد پھر صحبت کر لے گا تو حج فاسد نہیں، لیکن اس سے پہلے پہلے بھی اگر صحبت کر لی تو حج کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ یہ معنی «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيمَا إِذَا جَامَعَ قَبْلَ الرَّمْيِ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے اس صورت میں جب جماع کیا رمی سے پہلے۔

■ مسئلہ: لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

«لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» یہاں سے ہماری دلیل آرہی ہے، ہم نے کیا کہا؟ وقوف کے بعد اگر جماع کیا تو حج فاسد نہیں اور اس پر کیا واجب ہے؟ بَدَنَہ، تو اس کا حج فاسد نہیں ہوتا، اس کی دلیل کہتے ہیں: «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے، آپ نے فرمایا: «مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ» جس نے وقوف عرفہ کر لیا «فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ» تو اس کا حج پورا ہو گیا۔ کیا ہو گیا؟ اس کا حج پورا ہو گیا۔ یہ معنیٰ نہیں ہے حاجی باقی افعال اب کرنے ہی نہیں پڑیں گے، حج پورا ہو گیا، حالانکہ ابھی فرض طواف زیارت باقی ہے یا نہیں باقی؟ ہاں، حج کے افعال بھی باقی ہیں اور ایک فرض بھی باقی ہے طواف زیارت، تو بالاتفاق اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں کہ اب باقی افعال نہیں کرنا پڑیں گے، حج پورا ہو گیا۔ تو پھر کیا معنیٰ؟ معنیٰ یہ ہے حج پورا ہونے کا کہ اب اس کا حج فساد سے محفوظ ہو گیا، اب فاسد ہونے کی صورت نہیں ہے، اب باقی افعال کر لے تو حج مکمل ہو جائے۔ حالانکہ اس سے پہلے تو کیا احتمال تھا؟ حج کے فاسد ہونے کا بھی۔ تو یہ معنیٰ ہے حضور علیہ السلام حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ» جس نے وقوف عرفہ کر لیا تو تحقیق اس کا حج پورا ہو گیا یعنی فساد سے محفوظ ہو گیا۔

«وَإِنَّمَا تَجِبُ الْبَدَنَةُ» بھئی متن میں تو آیا تھا اس پر بَدَنَہ بھی واجب ہے، کیا واجب ہے؟ بَدَنَہ واجب ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ وہ ذکر کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا تَجِبُ الْبَدَنَةُ» اور بَدَنَہ واجب ہو گا «لِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا» حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کی وجہ سے، ان سے پوچھا گیا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس بارے میں تو آپ نے اس صورت میں کیا حکم دیا تھا؟ بَدَنَہ کا حکم دیا تھا، تو اس وجہ سے ہم بھی کس کے قائل ہیں؟ بَدَنَہ کے قائل ہیں۔

یا تو اس وجہ سے، «أَوْ لِأَنَّهُ أَعْلَى أَنْوَاعِ الِارْتِفَاقِ فَيَتَغَلَّظُ مُوجَبُهُ» یا اس وجہ سے کہ یہ اس لیے کیونکہ یہ نفع کی اقسام میں سے اعلیٰ ترین قسم ہے، «لِأَنَّهُ أَعْلَى أَنْوَاعِ الِارْتِفَاقِ» اس وجہ سے کیونکہ یہ نفع کی اقسام میں سے اعلیٰ ہے، سب سے بڑھ کر صورت ہے، «فَيَتَغَلَّظُ مُوجَبُهُ» لہٰذا سخت ہو گا «مُوجَبُهُ» اس کا حکم بھئی۔ چونکہ یہ سب سے بڑھ کر اس شخص نے کیا کیا؟ نفع اٹھایا ہے، بیوی سے صحبت کر لی تو نفع کی اعلیٰ ترین صورت اس نے اختیار کر لی، لہٰذا اس کا حکم بھی سخت ہو گا، اب بھیڑ بکری اس کے اندر کافی نہیں بلکہ کیا کرنا پڑے گا؟ بَدَنَہ کرنا پڑے گا بھئی۔ تو موجب کا معنیٰ ہے مقتضیٰ اور اسی طرح حکم، «فَيَتَغَلَّظُ مُوجَبُهُ» تو اس کا حکم سخت ہو گا۔

■ مسئلہ: وَإِنْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ

«وَإِنْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ» اور اگر صحبت کرلی «بَعْدَ الْحَلْقِ» حلق کروانے کے بعد «فَعَلَيْهِ شَاةٌ» تو اس پر بھیڑ بکری واجب ہے۔ صورت یہ ہے ایک شخص نے یوم النحر والے دن رمی بھی کرلی اور قربانی بھی کرلی، ابھی طواف زیارت نہیں کیا، اور جب تک طواف زیارت نہیں کیا تو احرام کی باقی پابندیاں تو ختم لیکن بیوی ابھی تک حلال نہیں، لیکن اس نے اس سے پہلے ہی بیوی سے صحبت کرلی، تو اس صورت میں اس پر بھیڑ بکری واجب ہوگی، بھیڑ بکری۔ وجہ یہ، کیونکہ بیوی کے حق میں احرام باقی ہے اور جبکہ باقی چیزیں کیا ہوگئیں؟ احرام کی باقی پابندیاں ختم ہوگئیں، اس وجہ سے جنایت میں کمی آگئی کہ باقی پابندیاں کیا ہوچکی ہیں؟ کم ہوچکی ہیں، البتہ چونکہ بیوی کی پابندی ابھی بھی تھی تو لہٰذا اس وجہ سے دم واجب ہوگا اور بھیڑ بکری کافی ہے، اب بَدَنَہ کی قربانی کی بَدَنَہ کی قربانی یہاں ضروری نہیں ہے۔

«وَإِنْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ» اور اگر صحبت کی حلق کروانے کے بعد تو اس پر بھیڑ بکری واجب ہے «لِبَقَاءِ إِحْرَامِهِ فِي حَقِّ النِّسَاءِ دُونَ لُبْسِ الْمَخِيطِ وَمَا أَشْبَهَهُ» اس لیے کیونکہ اس کا احرام باقی ہے عورتوں کے حق میں، نہ کہ سلے ہوئے کپڑے پہننے کے بارے میں اور جو اس کے مشابہ چیزیں ہیں، یعنی اور احرام کی پابندیوں کے بارے میں تو اس کا احرام باقی نہیں لیکن بیوی کے حق میں اس کا احرام باقی ہے، «فَخَفَّتِ الْجِنَايَةُ فَاكْتُفِيَ بِالشَّاةِ» تو جنایت ہلکی ہوگئی تو اکتفا کرلیا جائے گا بھیڑ بکری پر۔

«وَمَنْ جَامَعَ فِي الْعُمْرَةِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ فَسَدَتْ عُمْرَتُهُ» اور جس نے صحبت کرلی عمرے کے اندر «قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ» قبل اس کے کہ وہ چکر لگائے چار چکر، «فَسَدَتْ عُمْرَتُهُ» تو اس کا عمرہ فاسد ہوگیا۔ اور عمرہ فاسد ہوا تو باقی افعال کرے گا یا نہیں کرے گا؟ کرے گا، یہی بیان کر رہے ہیں: «فَيَمْضِي فِيهَا» تو وہ شخص اس عمرے کے اندر چلتا رہے یعنی اس کے اعمال کرتا رہے، «وَيَقْضِيهَا» اور پھر کیا کرے اس عمرے کی؟ قضا بھی کرے، «وَعَلَيْهِ شَاةٌ» اور اس پر ایک بھیڑ بکری بھی واجب ہے۔

■ مسئلہ: وَإِذَا جَامَعَ بَعْدَ مَا طَافَ أَرْبَعَةَ أَشْوَ...

«وَإِذَا جَامَعَ بَعْدَ مَا طَافَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ أَوْ أَكْثَرَ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَلَا تَفْسُدُ عُمْرَتُهُ» اور اگر صحبت کرلی چار چکر یا اس سے زیادہ لگانے کے بعد تو اس پر بھیڑ بکری واجب ہے «وَلَا تَفْسُدُ عُمْرَتُهُ» اور اس کا عمرہ بھی فاسد نہیں۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: تَفْسُدُ فِي الْوَجْهَيْنِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا عمرہ فاسد ہوجائے گا دونوں صورتوں میں، چاہے چار چکروں سے کم لگائے ہوں چاہے زیادہ، دونوں صورتوں میں۔ «وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ» اور نیز وہ فرماتے ہیں اس شخص پر کیا واجب ہے؟ بَدَنَہ واجب ہے «اعْتِبَارًا بِالْحَجِّ» قیاس کرتے ہوئے حج پر، «إِذْ هُوَ فَرْضٌ عِنْدَهُ كَالْحَجِّ» اس لیے کیونکہ عمرہ بھی فرض ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک «كَالْحَجِّ» جیسے کہ حج فرض ہے۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّهَا سُنَّةٌ» عمرہ فرض نہیں، عمرہ کیا ہے؟ سنت ہے، «فَكَانَتْ أَحَطَّ رُتْبَةً مِنْهُ» لہٰذا اس کا رتبہ کمتر ہے حج سے، حج کے مقابلے میں اس کا رتبہ کم، اور حج کے اندر بَدَنَہ آتا ہے تو عمرے کے اندر اس سے کم آئے گا تاکہ فرق کا پتہ چل جائے دونوں میں، اور تو اس میں کیا کافی ہوجائے گی؟ بھیڑ بکری کافی ہوگی۔

«وَلَنَا» ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّهَا سُنَّةٌ» کہ عمرہ جو ہے وہ سنت ہے «فَكَانَتْ أَحَطَّ رُتْبَةً مِنْهُ» تو لہٰذا یہ کمتر رتبے والا ہوا حج کے مقابلے میں «فَتَجِبُ الشَّاةُ فِيهَا» تو اس کے اندر بھیڑ بکری واجب ہوگی «وَالْبَدَنَةُ فِي الْحَجِّ» اور بَدَنَہ واجب ہوگا حج کے اندر «إِظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ» فرق ظاہر کرنے کے لیے تاکہ دونوں میں فرق ظاہر کردیا جائے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ جَامَعَ نَاسِيًا كَانَ كَمَنْ جَامَعَ مُتَعَ...

«وَمَنْ جَامَعَ نَاسِيًا كَانَ كَمَنْ جَامَعَ مُتَعَمِّدًا» صورت یہ ہے ایک شخص نے جان بوجھ کر صحبت کی ہے اور ایک نے بھولے سے کی ہے، تو کیا دونوں کے حکم میں کوئی فرق ہوگا؟ تو یاد رکھیے ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں، چاہے صحبت بھولے سے کرے چاہے جان بوجھ کر کرے، دونوں کا حکم یہی ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، بھولے سے اگر صحبت کی ہے احرام یاد ہی نہیں تھا اور اس نے صحبت کرلی، تو پھر اس صورت میں اس سے حج فاسد نہیں ہوگا۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں روزے پر، جیسے روزے کے اندر بھولے سے صحبت کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اسی طرح وہ فرماتے ہیں یہاں حج بھی فاسد نہیں ہوگا۔ ہم کہتے ہیں نہیں، روزے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کیونکہ روزے کے اندر تو کوئی عمل نہیں کرنا پڑتا، لہٰذا وہاں یاد کروانے والی چیز کوئی نہیں تو انسان بھول سکتا ہے روزے کو، لیکن یہاں پر تو وہ حالت احرام میں ہے اور یہ احرام جو اس نے جو چادریں پہنی ہوئی ہیں یا اسی طرح جو حج کے افعال وغیرہ کر رہا ہے، یہ سب چیزیں اس کو یاد کروانے کروانے والی ہیں، لہٰذا

یہاں وہ حکم نہیں ہو گا جو کس میں تھا؟ روزے میں تھا، کیونکہ یہاں یاد کروانے والی چیزیں موجود ہیں جو اسے لمحہ لمحہ اسے بتلا رہی ہیں کہ وہ اس وقت حالت احرام میں ہے اور اس پر بہت سی پابندیاں ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ جَامَعَ نَاسِيًا كَانَ كَمَنْ جَامَعَ مُتَعَمِّدًا» اور جس نے صحبت کر لی بھول کر یہ اسی شخص کی طرح ہے جس نے صحبت کی ہو جان بوجھ کر، «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: جِمَاعُ النَّاسِي غَيْرُ مُفْسِدٍلِلْحَجِّ» جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بھولنے والے کی صحبت جو ہے وہ حج کو فاسد کرنے والی نہیں ہے، «وَكَذَلِكَ الْخِلَافُ فِي جِمَاعِ النَّائِمَةِ وَالْمُكْرَهَةِ» اور اسی طرح اختلاف ہے سوئی ہوئی اور زبردستی کی ہوئی عورت سے صحبت میں بھی۔ وہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ اگر کوئی بیوی سوئی ہوئی تھی اور خاوند نے اس سے صحبت کر لی یا خاوند نے اس سے زبردستی صحبت کر لی، تو ان دونوں صورتوں میں بھی خاوند کا احرام تو فاسد ہو گا لیکن بیوی کا تو کوئی عمل دخل اس میں نہیں، لہٰذا اس کا احرام فاسد نہیں ہو گا، اس کا احرام فاسد نہیں ہو گا۔ جبکہ ہمارے نزدیک بھئی دونوں صورتوں میں کیا ہو گا؟ اس کا احرام یعنی حج یا عمرہ اس کا فاسد ہو جائے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَكَذَلِكَ الْخِلَافُ فِي جِمَاعِ النَّائِمَةِ وَالْمُكْرَهَةِ» اور اسی طرح اختلاف ہے سوئی ہوئی اور زبردستی کی ہوئی کے جماع میں بھی۔ «هُوَ يَقُولُ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «الْحَظْرُ يَنْعَدِمُ بِهَذِهِ الْعَوَارِضِ» کہ ممانعت جو ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے ان عوارض کی وجہ سے۔ ممانعت کیا ہے؟ بھئی محرم کو صحبت کرنے سے منع کیا گیا لیکن اگر وہ بھول گیا تو یوں سمجھا جائے گا گویا اس کو منع کیا ہی نہیں گیا، گویا کہ اس کو منع کیا ہی نہیں گیا اور جب منع ہی نہیں کیا گیا تو جرم تو پایا ہی نہیں گیا، منع کیا گیا ہوتا اور پھر وہ ایک فعل کرتا تو کیا کہتے؟ اس نے جنایت کی ہے، لیکن یہاں تو وہ صحبت کر رہا ہے کس طریقے پر؟ بھول کر کر رہا ہے اور جب بھول کر کر رہا ہے تو گویا اس کو روکا ہی نہیں گیا اور جب روکا ہی نہیں گیا تو کوئی جرم بھی نہیں پایا گیا۔

تو کہتے ہیں: «الْحَظْرُ يَنْعَدِمُ بِهَذِهِ الْعَوَارِضِ» کہ ممانعت جو ہے معدوم ہو جاتی ہے ان عوارض کی وجہ سے، کون سے عوارض؟ یہ بھولنے کی وجہ سے یا وہ عورت کیا تھی؟ سوئی ہوئی تھی، اس کا تو کوئی ارادہ نہیں تھا، «وَالْمُكْرَهَةِ» یا وہ عورت کیا تھی؟ اس کے ساتھ زبردستی کی گئی، تو لہٰذا ان عوارض کی وجہ سے یوں سمجھا جائے گا گویا ان کے حق میں ممانعت ہے ہی نہیں، «فَلَمْ يَقَعِ الْفِعْلُ جِنَايَةً» تو لہٰذا فعل جو ہے وہ جنایت ہو کر واقع نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الْفَسَادَ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الِارْتِفَاقِ فِي الْإِحْرَامِ ارْتِفَاقًامَخْصُوصًا» کہ فساد جو آتا ہے وہ احرام کے اندر وہ مخصوص نفع اٹھانے کے معنیٰ کے اعتبار سے ہے «وَهَذَا لَا يَنْعَدِمُ بِهَذِهِ الْعَوَارِضِ» اور وہ معدوم نہیں ہوتا ان عوارض کی وجہ سے۔ وہ ان عوارض کی وجہ سے معدوم نہیں ہوتا، چاہے وہ عورت سوئی ہوئی تھی، چاہے زبردستی کی گئی اس کے ساتھ یا وہ شخص بھولنے والا تھا لیکن ان تمام حالتوں میں انہوں نے کامل نفع اٹھایا ہے یعنی لذت اٹھائی یا نہیں اٹھائی؟ جب لذت اٹھائی ہے ایک ممنوع فعل کا ارتکاب کیا ہے تو لہٰذا اب فساد ضرور آئے گا ان کی وجہ سے بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

«وَالْحَجُّ لَيْسَ فِي مَعْنَى الصَّوْمِ» اور حج جو ہے وہ روزے کے معنیٰ میں نہیں ہے «لِأَنَّ حَالَاتِ الْإِحْرَامِ مُذَكِّرَةٌ» اس لیے کیونکہ احرام کے احوال جو ہیں وہ یاد کروانے والے ہیں «بِمَنْزِلَةِ حَالَاتِ الصَّلَاةِ» نماز کی حالتوں کے درجے میں، جیسے نماز کی حالتیں انسان کو یاد کرواتی رہتی ہیں کہ وہ کبھی قیام میں ہے کبھی رکوع میں ہے کبھی سجدے میں ہے، یہ اسے یاد کرواتی رہتی ہیں کہ وہ اس وقت کیا کر رہا ہے؟ نماز ادا کر رہا ہے، اسی طرح احرام کی جو حالتیں ہیں وہ بھی انسان کو یاد کرواتی رہتی ہیں کہ وہ حالت احرام میں ہے، «بِخِلَافِ الصَّوْمِ» بخلاف کس کے؟ روزے کے، کہ وہاں کوئی چیز یاد کروانے والی نہیں ہے تو لہٰذا دونوں کا حکم ایک نہیں ہو گا۔ حج کا وہ حکم ہو گا جو نماز کا حکم ہے، اور نماز کے اندر تو جیسے کوئی جان بوجھ کر کلام کرے یا بھولے سے کلام کرے دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے، تو یہاں پر بھی جب ایک یاد کروانے والی چیز موجود ہے تو جان بوجھ کر وہ جنایت کرے یا بھولے سے کرے دونوں صورتوں میں اس کو کیا شمار کیا جائے گا؟ جنایت ہی شمار کیا جائے گا، واللہ اعلم اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

«فَصْلٌ: وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْقُدُومِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ» اب یہاں وہ جنایتیں بیان کر رہے ہیں جن کا تعلق بالخصوص طواف کے ساتھ ہے، طواف کے ساتھ۔ مثلاً کسی نے طواف بے وضو ہونے کی حالت میں کیا، طواف قدوم بے وضو ہونے کی حالت میں کیا یا طواف زیارت کیا یا طواف وداع کیا تو کیا حکم ہے؟ یا بعض صورتوں میں طواف پورا نہیں کیا، کچھ چکر رہ گئے تو ان سب کا میں صورتوں میں کیا کیا حکم ہو گا وہ بیان کریں گے اس فصل کے اندر۔

تو پہلا مسئلہ یہ ذکر کر رہے ہیں کہ جس شخص نے طواف قدوم جو ہے حالت حدث میں کیا یعنی بے وضو ہونے کی حالت میں، طواف قدوم کیا اور اس کا وضو نہیں تھا تو اس پر صدقہ واجب ہے یعنی بھیڑ بکری واجب نہیں بلکہ صرف کیا ہے؟ صدقہ ہے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْقُدُومِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ...

«وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْقُدُومِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ» اور جس شخص نے طواف قدوم کیا بے وضو ہونے کی حالت میں تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يُعْتَدُّ بِهِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے یعنی بے وضو کے طواف کا کوئی اعتبار نہیں، یوں سمجھا جائے گا اس نے طواف کیا ہی نہیں، طواف کیا ہی نہیں «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے، وہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: «الطَّوَافُ صَلَاةٌ إِلَّا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَبَاحَ فِيهِ الْمَنْطِقَ» کہ طواف جو ہے وہ نماز ہے مگر یہ کہ اللہ نے اس میں مباح فرمادیا ہے بولنے کو۔ حدیث میں کیا آیا حضور علیہ السلام کیا فرماتے ہیں؟ کہ طواف بھی نماز ہے مگر یہ کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے بولنے کی اجازت دے دی ہے۔ عام نماز جو ہے اس میں تو بولنے کی اجازت نہیں، یہ طواف بھی نماز ہے لیکن اس کے اندر بولنے کی اجازت ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل آگے چل رہی ہے ابھی، وہ فرمایہاں تک تو حدیث تھی، آگے: «فَتَكُونُ الطَّهَارَةُ مِنْ شَرْطِهِ» تو لہٰذا طہارت اس کی شرط میں سے ہو گا۔ اس حدیث سے کیا پتہ چلا؟ کہ بیت اللہ کا طواف بھی کیا ہے؟ نماز ہے، اور نماز کے لیے طہارت شرط ہے تو لہٰذا طواف کے لیے بھی طہارت شرط ہو گی۔

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل جو ہے «قَوْلُهُ تَعَالَى» اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ» اور چاہیے کہ وہ حج کرنے والے بیت عتیق کا طواف کریں، اللہ تعالیٰ کے اس قدیم گھر کا کیا کریں؟ طواف کریں۔ ہم کہتے ہیں اس آیت کے اندر صرف طواف کا حکم دیا جارہا ہے، اس میں کوئی طہارت وغیرہ کی قید نہیں ہے بھئی۔ تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ جو قول ہے یہ ہماری دلیل ہے «وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الطَّهَارَةِ» یہ طہارت کی قید کے بغیر ہے، «فَلَمْ تَكُنْ فَرْضًا» لہٰذا طہارت فرض نہیں ہو گی۔

پھر طہارت یعنی وضو کا کیا حکم ہے طواف میں؟ کیا واجب ہے یا سنت ہے؟ تو کہتے ہیں: «ثُمَّ قِيلَ: هِيَ سُنَّةٌ» پھر کہا گیا ہے کہ یہ طہارت جو ہے یہ سنت ہے یعنی کس کے لیے؟ طواف کے لیے، «وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا وَاجِبَةٌ» اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ طہارت واجب ہے۔ کیا ہے؟ واجب ہے، «لِأَنَّهُ يَجِبُ بِتَرْكِهَا الْجَابِرُ» اس لیے کیونکہ اس کو چھوڑنے کی وجہ سے جابر یعنی تلافی کرنے والی چیز واجب ہوتی ہے۔ کیا واجب ہوتی ہے؟ تلافی کرنے والی، ابھی اوپر انہوں نے مسئلہ بتلایا کہ اگر طواف قدوم بے وضو ہونے کی حالت میں کیا تو کیا واجب ہو گا؟ صدقہ واجب ہو گا۔ یہ صدقے کا وجوب بتلا رہا ہے کہ اس نے کوئی واجب چیز چھوڑی ہے، اگر سنت چیز چھوڑی ہو تو پھر اس صورت میں تو کوئی کوئی چیز واجب نہ ہوتی، تو «لِأَنَّهُ يَجِبُ بِتَرْكِهَا الْجَابِرُ» اس لیے کیونکہ اس کو چھوڑنے کی وجہ سے تلافی کرنے والی چیز واجب ہوتی ہے۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ

«وَلِأَنَّ» دوسری دلیل: «وَلِأَنَّ الْخَبَرَ يُوجِبُ الْعَمَلَ» اور نیز اس لیے کیونکہ خبر جو ہے یعنی حدیث جو ہے «يُوجِبُ الْعَمَلَ» یہ عمل کو واجب کرتی ہے۔ بھئی «الطَّوَافُ صَلَاةٌ» یہ کیا ہے؟ خبر واحد ہے اور خبر واحد کے ذریعے فرضیت تو ثابت نہیں ہوتی، البتہ وجوب ثابت ہو سکتا ہے، تو ہم نے بھی ہم بھی کس کے قائل ہوئے؟ وجوب کے قائل ہوئے کہ طہارت جو ہے وہ واجب ہے۔

«وَلِأَنَّ الْخَبَرَ يُوجِبُ الْعَمَلَ فَيَثْبُتُ بِهِ الْوُجُوبُ» اور نیز اس لیے کیونکہ حدیث جو ہے وہ عمل کو واجب کرتی ہے تو اس سے وجوب ثابت ہو گا، «فَإِذَا شَرَعَ فِي هَذَا الطَّوَافِ وَهُوَ سُنَّةٌ يَصِيرُ وَاجِبًا بِالشُّرُوعِ» اب کہتے ہیں کہ یہ طواف جو ہے یہ طواف قدوم آپ پڑھ چکے ہمارے نزدیک سنت ہے، سنت ہے۔ لیکن ایک مرتبہ جب ایک عمل شروع کر دیا جائے پھر وہ کیا بن جاتا ہے؟ واجب بن جاتا ہے، تو لہٰذا یہ طواف تو سنت تھا لیکن جب شروع کر دیا تو یہ کیا بن گیا؟ واجب بن گیا، اور اس واجب کے اندر کمی آ گئی، اس نے اس کو بے وضو کیا ہے، لہٰذا اس کی تلافی کے لیے اب کیا کرنا پڑے گا؟ صدقہ کرنا پڑے گا۔

تو کہتے ہیں: «فَإِذَا شَرَعَ فِي هَذَا الطَّوَافِ وَهُوَ سُنَّةٌ» جب وہ بے وضو شخص شروع ہو گیا اس طواف کے اندر اس حال میں کہ یہ طواف سنت ہے، تو اس سنت طواف میں جب وہ شروع ہو گیا «يَصِيرُ وَاجِبًا بِالشُّرُوعِ» تو یہ طواف کیا بن گیا؟ واجب ہو گیا شروع کرنے کی وجہ سے، «وَيَدْخُلُهُ نَقْصٌ بِتَرْكِ الطَّهَارَةِ» اور اس میں کمی آ گئی طہارت چھوڑنے کی وجہ سے، «فَيُجْبَرُ بِالصَّدَقَةِ» تو لہٰذا اس کی تلافی کی جائے گی صدقے کے ذریعے «إِظْهَارًا لِدُنُوِّ رُتْبَتِهِ عَنِ الْوَاجِبِ بِإِيجَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ» بھئی ایک وہ چیز ہے جس کو اللہ نے واجب کیا ہے فرض قرار دیا ہے اور ایک وہ چیز ہے جو بندے کے شروع کرنے کی وجہ سے واجب ہو جاتی ہے، تو یہ طواف قدوم کیا تھا؟ سنت، لیکن جب شروع کر دیا کیا بن گیا؟ واجب، اور ایک وہ طواف ہے جس کو اللہ نے واجب کیا ہے اور وہ کیا ہے؟ طواف زیارت ہے، تو طواف زیارت کے اندر اگر وہ کسی نے بے وضو کیا تو اس میں بھیڑ بکری واجب ہے، تو وہ اللہ کے واجب کرنے کی وجہ سے وہ طواف واجب ہے لہٰذا اس کا درجہ ہوا اعلیٰ، اور یہ بندے کے شروع کرنے کی وجہ سے واجب ہوا اس کا درجہ ہوا اس سے کم۔ جب اس کے اندر بھیڑ بکری واجب ہے تو اس کا درجہ اس سے کم ہے اس میں اس سے کم چیز واجب ہو گی یعنی صدقہ واجب ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: «وَيَدْخُلُهُ نَقْصٌ بِتَرْكِ الطَّهَارَةِ فَيُجْبَرُ بِالصَّدَقَةِ إِظْهَارًا لِدُنُوِّ رُتْبَتِهِ» تو لہٰذا اس کی تلافی کی جائے گی صدقے کے ذریعے اس کے

رتبے کی کمی کو، اس کے رتبے کے کم ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے، کس سے اس کا رتبہ کم ہے؟ «عَنِ الْوَاجِبِ بِإِيجَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ» اس واجب سے جو اللہ کے واجب کرنے کی وجہ سے ہے اور وہ طواف زیارت ہے، «وَكَذَا الْحُكْمُ فِي كُلِّ طَوَافٍ هُوَتَطَوُّعٌ» اور اسی طرح ہے حکم ہر اس طواف کے اندر جو نفل ہے، جو بھی نفلی طواف ہے اس کا یہی حکم ہے، اگر بے وضو کیا تو کیا کرنا پڑے گا؟ صدقہ کرنا پڑے گا۔

■ مسئلہ: وَلَوْطَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ مُحْدِثًا فَعَلَ...

«وَلَوْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ» اور اگر طواف کیا کسی نے طواف زیارت جو ہے بے وضو ہونے کی حالت میں «فَعَلَيْهِ شَاةٌ» تو اس پر بھیڑ بکری واجب ہے «لِأَنَّهُ أَدْخَلَ النَّقْصَ فِي الرُّكْنِ» اس لیے کیونکہ اس شخص نے جو ہے نقصان داخل کر دیا «فِي الرُّكْنِ» رکن کے اندر، وہ طواف جو حج کا رکن ہے اس میں اس نے نقصان داخل کر دیا، اس میں کمی کر دی «فَكَانَ أَفْحَشَ مِنَ الْأَوَّلِ» تو یہ پہلے سے زیادہ برا ہے، تو یہ پہلے سے زیادہ برا ہے، پہلا کون سا تھا؟ طواف قدوم، اس میں صدقہ آیا تھا، اور یہ تو رکن ہے باقاعدہ، اس کے اندر جب کمی اس نے کر دی تو یہ پہلے سے زیادہ برا ہے، «فَيُجْبَرُ بِالدَّمِ» تو اس کی تلافی کس سے کی جائے گی؟ دم کے ساتھ کی جائے گی۔

«وَإِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ» اور اگر یہ شخص حالت جنابت میں تھا، کون سا طواف کر رہا ہے؟ طواف زیارت، «فَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ» تو اس پر بَدَنَہ واجب ہو گا۔ یہ میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ بَدَنَہ صرف دو جگہ آتا ہے: اگر طواف زیارت سے پہلے کیا کر لے؟ وقوف کے بعد وقوف عرفہ کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے بیوی سے صحبت کر لے تو کیا واجب ہو گا؟ بَدَنَہ، اور دوسرا اگر طواف زیارت کو کس حالت میں کر لے؟ جنابت کی حالت میں، تو اس صورت میں بَدَنَہ واجب ہو گا۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ» اور اگر یہ شخص جہاں حالت جنابت میں تھا تو اس پر بَدَنَہ واجب ہے «كَذَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا» اسی طرح روایت کیا گیا حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، «وَلِأَنَّ الْجَنَابَةَ أَغْلَظُ مِنَ الْحَدَثِ» اور نیز اس لیے کیونکہ جنابت جو ہے وہ زیادہ سخت ہے بے وضو ہونے کے مقابلے میں «فَيَجِبُ جَبْرُ نُقْصَانِهَا بِالْبَدَنَةِ إِظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ» تو واجب ہو گا کہ اس کے نقصان کی تلافی کی جائے بَدَنَہ کے ساتھ فرق ظاہر کرنے کے لیے، فرق ظاہر کرنے کے لیے تاکہ بے وضو اور جنابت والے کا فرق ظاہر ہو جائے۔

■ مسئلہ: وَكَذَا إِذَا طَافَ أَكْثَرَهُ جُنُبًا أَوْ مُحْدِثًا...

«وَكَذَا إِذَا طَافَ أَكْثَرَهُ جُنُبًا أَوْ مُحْدِثًا لِأَنَّ أَكْثَرَ الشَّيْءِ لَهُ حُكْمُ كُلِّهِ، وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُعِيدَ الطَّوَافَ مَا دَامَ بِمَكَّةَ وَلَا ذَبْحَ عَلَيْهِ» بھئی طواف زیارت اگر بے وضو ہونے کی حالت میں کیا تو بھیڑ بکری، اور جنابت کی حالت میں کیا تو بَدَنَہ واجب ہے۔ تو یہ تو کل طواف کی بات تھی، اگر اکثر طواف کو اس حالت میں کر لیا تو بھی یہی حکم ہے، «لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ» یعنی ایک شخص نے اکثر طواف زیارت بے وضو ہونے کی حالت میں کیا یعنی چار چکر یا زیادہ، کچھ وضو کے ساتھ کیے لیکن زیادہ چکر بے وضو، تو اس صورت میں بھی بھیڑ بکری واجب ہو گی، اور اگر اکثر جو ہے وہ جنابت کی حالت میں کیا تو بھی کیا واجب ہو گا؟ بَدَنَہ واجب ہو گا۔

اچھا، اور یہ بھی یاد رکھیے اگر وہ شخص پھر وضو کے ساتھ اس طواف کا اعادہ کر لیتا ہے انہی ایام نحر کے اندر اندر تو پھر وہ قربانی اس سے ساقط ہو جائے گی، یعنی بھیڑ بکری تھی یا بَدَنَہ تھا وہ کیا ہو جائیں گے؟ ساقط ہو جائیں گے۔

تو کہتے ہیں: «وَكَذَا إِذَا طَافَ أَكْثَرَهُ جُنُبًا» اور اسی طرح حکم ہے جب اس نے طواف کیا اس کا اکثر جنباً حالت جنابت میں «أَوْ مُحْدِثًا» یا بے وضو ہونے کی حالت میں، «لِأَنَّ أَكْثَرَ الشَّيْءِ لَهُ حُكْمُ كُلِّهِ» اس لیے کیونکہ اکثر شے جو ہے اس کے لیے کل کا حکم ہے، «وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُعِيدَ الطَّوَافَ مَا دَامَ بِمَكَّةَ» اور افضل یہ ہے کہ وہ اس طواف کا اعادہ کرے، اس کو پھر لوٹا لے «مَا دَامَ بِمَكَّةَ» جب تک یہ مکہ میں ہے، «وَلَا ذَبْحَ عَلَيْهِ» اور پھر اس پر ذبح بھی نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ

«وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ» اور بعض نسخوں میں ہے، بھئی قدوری کے اس نسخے میں تو یہ آیا: «وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُعِيدَ» افضل یہ ہے کہ کیا کر لے؟ طواف کا اعادہ کر لے۔ بعض قدوری کے نسخوں میں آیا کہ اس پر طواف کا اعادہ واجب ہے، کیا ہے؟ واجب۔ تو وہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ» اور قدوری کے بعض نسخوں میں آیا ہے: «وَعَلَيْهِ أَنْ يُعِيدَ» اور اس پر واجب ہے اعادہ کرنا، «وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِالْإِعَادَةِ» یہاں سے آگے صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ

زیادہ صحیح قول یہ ہے، زیادہ صحیح کہ اگر بے وضو ہونے کی حالت میں طواف زیارت کیا تھا تو پھر اس کو استحباباً حکم دیا جائے گا، یعنی اس کے لیے مستحب ہے کیا کرلے؟ اعادہ کر لے، اور اگر جنابت کی حالت میں اس نے طواف زیارت کیا تھا تو پھر اس پر واجب ہے کیا کرلے؟ اعادہ کرلے، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: «وَالْأَصَحُّ» اور زیادہ صحیح یہ ہے «أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِالْإِعَادَةِ» کہ اس شخص کو لوٹانے کا حکم دیا جائے گا «فِي الْحَدَثِ» حدث کی صورت میں یعنی بے وضو ہونے کی صورت میں «اسْتِحْبَابًا» کس طریقے پر؟ استحباباً اس کو یہ حکم دیا جائے گا، «وَفِي الْجَنَابَةِ إِيجَابًا» اور جنابت کی صورت میں ایجاباً اس کو یہ حکم دیا جائے گا یعنی واجب کرتے کے طریقے پر۔ کس وجہ سے؟ «لِفُحْشِ النُّقْصَانِ بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ» نقصان کے فاحش ہونے کی وجہ سے، بدتر ہونے کی وجہ سے «بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ» جنابت کی وجہ سے، «وَقُصُورِهِ بِسَبَبِ الْحَدَثِ» اور اس میں کمی ہونے کی اس میں کمی ہونے کی وجہ سے «بِسَبَبِ الْحَدَثِ» بوجہ حدث۔ بھئی دیکھیے نا دو باتیں یہاں ذکر کر رہے ہیں تو ان کو صاحب ہدایہ نے اکٹھا ذکر کر دیا:

ایک صورت کیا؟ اگر اس نے بغیر وضو کے کیا ہے تو اس کو استحباباً حکم دیا جائے گا کہ یہ طواف پھر کرلو، کیوں؟ «لِقُصُورِهِ بِسَبَبِ الْحَدَثِ» اس لیے کیونکہ اس میں کیا آگئی؟ کمی آگئی حدث کی وجہ سے، تو یہ «قُصُورِهِ بِسَبَبِ الْحَدَثِ» اس کا تعلق کس سے ہے؟ استحباباً کے ساتھ ہے۔ اور جو ایجاباً آیا تھا اس کے ساتھ تعلق ہے «لِفُحْشِ النُّقْصَانِ بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ» اگر جنابت کی حالت میں اس نے یہ طواف زیارت کیا تھا تو اس کو ایجاباً یہ حکم دیا جائے گا کہ طواف کا کیا کرلو؟ اعادہ، ایجاب کے طریقے پر یعنی واجب کرتے ہوئے، بھئی یہ ایجاب کے طریقے پر کیوں؟ «لِفُحْشِ النُّقْصَانِ» نقصان کے فاحش ہونے کی وجہ سے کہ بڑا خراب یعنی بڑا برا نقصان اس میں آیا ہے «بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ» جنابت کی وجہ سے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟

■ مسئلہ: ثُمَّ إِذَا أَعَادَهُ وَقَدْ طَافَهُ مُحْدِثًا...

«ثُمَّ إِذَا أَعَادَهُ وَقَدْ طَافَهُ مُحْدِثًا لَا ذَبْحَ عَلَيْهِ، وَإِنْ أَعَادَهُ بَعْدَ أَيَّامِ النَّحْرِ» صورت یہ ہے دو صورتیں یہاں ذکر ہوئیں: ایک صورت یہ تھی کہ طواف زیارت کو ایک شخص نے بے وضو ہونے کی حالت میں کیا ہے تو اس پر کیا واجب تھی؟ بھیڑ بکری۔ اور ایک صورت یہ تھی کہ ایک شخص طواف زیارت کو جنابت کی حالت میں کرلیتا ہے تو اس صورت میں اس پر بَدَنَہ واجب تھا، اور آپ نے پڑھ لیا کہ ان کو اعادے کا حکم دیا جائے گا، بے وضو جو تھا اس کو استحباباً حکم دیا جائے گا یعنی اس کے لیے مستحب ہے اس کا اعادہ کرلے، اور جو جنابت کی حالت میں جس نے کیا تھا اس پر واجب ہے کہ اس طواف کا اعادہ کرلے، طواف کا اعادہ کرلے۔ تو جب یہ اعادہ کرلے گا اعادہ کرلے گا تو یہ جو بھیڑ بکری یا بَدَنَہ اس پر واجب تھا یہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

ہاں البتہ، جنابت کی حالت میں کیا تھا طواف، اس پر کیا واجب ہوا تھا؟ بَدَنَہ واجب ہوا تھا، پھر اس نے اعادہ کر لیا تو جب اعادہ کرلے گا تو بَدَنَہ ساقط ہو جائے گا، بَدَنَہ ساقط ہو جائے گا لیکن پھر دیکھیں گے کہ اس نے یہ ایام نحر جو ہیں تین دن عید کے انہی کے اندر اگر اس نے اعادہ کیا ہے تو پھر تو اپنے وقت کے اندر ہی اس نے اعادہ کر لیا، کیونکہ طواف زیارت کا وقت بھی کب ہے؟ یہ عید کے تین دن ہیں، انہی میں اس نے دوبارہ اعادہ بھی کر لیا، اپنے وقت کے اندر کر لیا تو اب اس سے بَدَنَہ بھی ساقط اور بھی کوئی چیز اس پر واجب نہیں، وہ طواف صحیح ہو گیا۔ اور اگر ایام نحر کے بعد کرتا ہے اس طواف کو، کون سی صورت میں جب پہلے کیا کیا تھا؟ پہلے جنابت کی حالت میں کیا تھا تو بعد میں اگر کرے گا تو اس صورت میں اس پر دم لازم ہو گا۔ بَدَنَہ تو ساقط ہو گیا لیکن تاخیر کی وجہ سے امام صاحب کے نزدیک چونکہ ان افعال حج کے کو اگر اپنے وقت سے مؤخر کر دیا جائے تو دم واجب ہوتا ہے، لہٰذا جو بَدَنَہ تھا وہ تو ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس نے اعادہ کر لیا لیکن تاخیر کی وجہ سے دم آئے گا۔ کب؟ جب جب پہلے کیا تھا جنابت کی حالت میں اور پھر اعادہ کب کیا ہے؟ ایام نحر کے بعد، تو وہ بَدَنَہ تو ساقط لیکن تاخیر کی وجہ سے دم ہو گا، ایک بھیڑ بکری کی قربانی کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

اور اگر بے وضو کیا تھا تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کیا کرلے؟ اعادہ کرلے، اور وہ جب اعادہ کرلے گا تو اس پر جو بھیڑ بکری کی قربانی واجب تھی وہ ساقط ہو جائے گی۔ وہ چاہے وہ اعادہ ایام نحر کے اندر کرے چاہے ایام نحر کے بعد۔ ایام نحر کے اندر اگر کر لیتا ہے تو پھر تو اپنے وقت کے اندر اعادہ کر لیا، لہٰذا پھر تو وہ دم جو تھا اس پر پہلے وہ ساقط ہو جائے گا اور تاخیر تو اس نے کی نہیں، تاخیر کی وجہ سے کوئی دم نہیں آئے گا، لیکن اگر اس نے کیا کیا؟ ایام نحر کے بعد اگر اس نے اعادہ کیا تو بھی اس صورت میں اس پر دم واجب نہیں ہو گا کیونکہ صرف نقصان کا اور کمی کا شبہ یہاں رہ گیا اور صرف شبہے کی وجہ سے اس پر دم کو واجب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے آگے صاحب ہدایہ اور اچھے انداز میں اسی کو بیان کریں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ إِذَا أَعَادَهُ» پھر جب اس شخص نے اس طواف کا اعادہ کر لیا «وَقَدْ طَافَهُ مُحْدِثًا» اس حال میں کہ اس نے اس کو بے وضو ہونے کی حالت میں کیا تھا «لَا ذَبْحَ عَلَيْهِ» تو اس پر کوئی ذبح نہیں، کوئی ذبح اس پر نہیں، «وَإِنْ أَعَادَهُ بَعْدَ أَيَّامِ النَّحْرِ» اگرچہ وہ اس کا اعادہ کرے ایام نحر کے بعد، «لِأَنَّ بَعْدَ الْإِعَادَةِ لَا تَبْقَى إِلَّا شُبْهَةُ النُّقْصَانِ» اس لیے کیونکہ اعادے کے بعد تو باقی نہیں رہا مگر صرف نقصان کا ایک شبہ، صرف نقصان کا کیا رہ گیا؟ ایک شبہ ہی رہ گیا اور اس سے وہ کوئی نقصان نہیں دیتا بھئی، اس کی وجہ سے دم واجب نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَإِنْ أَعَادَهُ وَقَدْ طَافَهُ جُنُبًا فِي أَيَّامِ...

«وَإِنْ أَعَادَهُ وَقَدْ طَافَهُ جُنُبًا فِي أَيَّامِ النَّحْرِ» اور اگر اس شخص نے اس طواف کا اعادہ کیا اس حال میں کہ پہلے کس طرح کیا تھا؟ پہلے جنابت کی حالت میں یہ طواف کیا تھا تو اس نے اس کا اعادہ کیا «فِي أَيَّامِ النَّحْرِ» کس میں؟ ایام نحر میں، «فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ» تو اس پر کوئی چیز نہیں «لِأَنَّهُ أَعَادَهُ فِي وَقْتِهِ» اس لیے کیونکہ اس نے اس کا اعادہ کر لیا اپنے وقت کے اندر، «وَإِنْ أَعَادَهُ بَعْدَ أَيَّامِ النَّحْرِ لَزِمَهُ الدَّمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِالتَّأْخِيرِ» اور اگر اس نے اس کا اعادہ کیا ایام نحر کے بعد تو اس پر دم لازم ہے امام صاحب کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے «عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ مَذْهَبِهِ» بوجہ اس کے جو معلوم ہے من مذہب یعنی ان کا مذہب، یعنی جو امام صاحب کا مذہب معلوم ہے اس کی وجہ سے اس پر دم واجب ہو گا کیونکہ امام صاحب کا کیا مذہب ہے کہ افعال حج کو اگر اپنے وقت سے مؤخر کر دیا جائے تو اس صورت میں دم واجب ہوتا ہے، تو یہاں بھی اس نے مؤخر کیا ہے تو اس پر دم واجب ہو گا بھئی۔

چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۵۵: مسئلہ: وَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَهُ جُنُبًا...

ہدایہ صفحہ: ۲۹۴ــــ بتاریخ: ۱۶ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَهُ جُنُبًا عَلَيْهِ أَنْ يَعُودَ لِأَنَّ النَّقْصَ كَثِيرٌ فَيُؤْمَرُ بِالْعَوْدِ اسْتِدْرَاكًا لَهُ وَيَعُودُ بِإِحْرَامٍ جَدِيدٍ، وَإِنْ لَمْ يَعُدْ وَبَعَثَ بَدَنَةً أَجْزَأَهُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ جَابِرٌ لَهُ إِلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ هُوَ الْعَوْدُ».

صورت مسئلہ یہ کہ حج کرنے والے نے طواف زیارت جو ہے وہ جنابت کی حالت میں کیا اور پھر اس کا اعادہ کیے بغیر ہی گھر واپس چلا گیا۔ تو اس پر واجب ہے کہ واپس آئے اور اس طواف کا اعادہ کرے بھائی۔ کیا کرے؟ اس، کیونکہ طواف زیارت فرض ہے، حج کا رکن ہے، تو نقصان جو آیا وہ بہت زیادہ آیا کہ اس نے اس طواف کو جنابت کی حالت میں کیا ہے۔ تو اس کی تلافی کے لیے اس کو واپس لوٹنے کا حکم دیا جائے گا۔

تو کہتے ہیں «**وَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَهُ جُنُبًا**» اور اگر وہ شخص جو ہے وہ حج کرنے والا لوٹ گیا اپنے گھر والوں کی طرف اس حال میں کہ تحقیق اس نے طواف کیا تھا، طواف زیارت، جنابت کی حالت میں «**عَلَيْهِ أَنْ يَعُودَ**» تو اس پر واجب ہے کہ واپس لوٹے «**لِأَنَّ النَّقْصَ كَثِيرٌ**» اس لیے کیونکہ نقصان جو ہے وہ بہت زیادہ ہے کہ طواف زیارت کو کس حالت میں کیا ہے؟ جنابت، تو نقصان بہت زیادہ ہے «**فَيُؤْمَرُ بِالْعَوْدِ**» تو اس کو لوٹنے کا حکم دیا جائے گا «**اسْتِدْرَاكًا لَهُ**» اس کی تلافی کرنے کے لیے «**وَيَعُودُ بِإِحْرَامٍ جَدِيدٍ**» اور وہ لوٹے گا نئے احرام کے ساتھ۔

گھر چلا گیا تھا تو اب آئے گا تو نئے احرام کے ساتھ آئے گا اور طواف زیارت کرے گا، اس کا اعادہ کرے گا۔ اور یاد رکھیے یہ نئے احرام کی شرط اس وقت ہو گی جب وہ میقات سے آگے نکل گیا ہو۔ اگر میقات کے اندر ہی ہے تو پھر احرام جدید کی ضرورت نہیں بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِنْ لَمْ يَعُدْ وَبَعَثَ بَدَنَةً أَجْزَأَهُ

«**وَإِنْ لَمْ يَعُدْ وَبَعَثَ بَدَنَةً أَجْزَأَهُ**» بھائی آپ پڑھ چکے طواف زیارت اگر جنابت کی حالت میں کوئی شخص کرے تو اس پر بدنہ واجب ہوتا ہے یعنی ایک اونٹ یا گائے بیل وغیرہ بھائی۔ تو یہ شخص واپس چلا گیا ہے تو اس کو کیا حکم دیا جائے گا؟ واپس لوٹنے کا اور اس طواف کے اعادے کا حکم دیا جائے گا۔ لیکن اگر یہ واپس نہیں لوٹتا بلکہ بدنہ بھیج دیتا ہے تو بھی کافی ہے کیونکہ اس صورت میں کیا لازم آتا ہے؟ بدنہ لازم آتا ہے، اس سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔

تو کہتے ہیں «**وَإِنْ لَمْ يَعُدْ**» اور اگر وہ واپس نہیں لوٹا «**وَبَعَثَ بَدَنَةً**» اور اس نے بدنہ بھیج دیا «**أَجْزَأَهُ**» تو یہ اس کے لیے کافی ہے «**لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ جَابِرٌ لَهُ**» اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی کہ یہ جو بدنہ ہے یہ اس کے لیے جابر ہے، اس کی تلافی کرنے والا ہے «**إِلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ هُوَ الْعَوْدُ**» مگر یہ کہ افضل جو ہے وہ لوٹنا ہے۔ بدنہ بھیجنا بھی درست ہے لیکن افضل کیا ہے؟ خود واپس آئے اور اس طواف کا اعادہ کرے۔

«**وَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَ**» جی۔ اب دوسری صورت بھائی، ایک شخص نے طواف زیارت بے وضو ہونے کی حالت میں کیا تھا اور پھر گھر چلا گیا۔ پھر گھر چلا گیا۔ تو یہ اگر واپس آتا ہے اور آ کر پھر وضو کے ساتھ طواف زیارت کا اعادہ کر لیتا ہے تو بھی ٹھیک ہے لیکن اس کے لیے افضل یہ ہے بھیڑ بکری کو بھیج دے۔ ماقبل میں جب جنابت کی حالت میں کیا تھا طواف زیارت تو وہاں افضل لوٹنا تھا اور یہاں پر افضل کیا ہے؟ بھیڑ بکری کا بھیجنا جب بے وضو ہونے کی حالت میں کیا ہو۔

تو کہتے ہیں «**وَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَهُ مُحْدِثًا**» اور اگر وہ حج کرنے والا لوٹ گیا اپنے گھر والوں کی طرف اس حال میں کہ اس نے طواف زیارت بے وضو ہونے کی حالت میں کیا تھا «**فَإِنْ عَادَ وَطَافَ جَازَ**» اگر یہ واپس آ گیا اور طواف کر لیا تو جائز ہے «**وَإِنْ بَعَثَ بِالشَّاةِ فَهُوَ أَفْضَلُ**» اور اگر اس

نے بھیڑ بکری بھیج دی تو یہ افضل ہے «لِأَنَّهُ خَفَّ مَعْنَى النُّقْصَانِ» اس لیے کیونکہ خفیف ہے نقصان کا معنیٰ، نقصان کا معنیٰ ہلکا ہے یعنی نقصان تھوڑا ہے «وَفِيهِ نَفْعٌ لِلْفُقَرَاءِ» اور نیز اس کے اندر فقراء کا فائدہ۔ نقصان تھوڑا ہے لہٰذا واپس لوٹنا اس پر ضروری نہیں اور بکری بھیجنا اس صورت میں افضل ہے کیونکہ اس میں فقراء کا فائدہ ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ لَمْ يَطُفْ طَوَافَ الزِّيَارَةِ أَصْلَاحَ...

«وَلَوْ لَمْ يَطُفْ طَوَافَ الزِّيَارَةِ أَصْلًا حَتَّى رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَعُودَ بِذَلِكَ الْإِحْرَامِ». صورت یہ، ایک شخص نے حج کے باقی افعال تو کیے لیکن طواف زیارت کیا ہی نہیں اور اس کے بغیر ہی گھر واپس چلا گیا۔ تو کہتے ہیں بھائی اس پر لوٹنا واجب ہے۔ واپس آئے اور آ کر کیا کرے؟ طواف زیارت کرے کیونکہ یہ طواف حج میں فرض ہے بھائی۔ اور جب تک یہ طواف نہیں کرے گا اس وقت تک وہ بیویوں کے حق میں محرم ہی رہے گا یعنی ان سے صحبت نہیں کر سکتا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

«وَلَوْ لَمْ يَطُفْ طَوَافَ الزِّيَارَةِ أَصْلًا» اور اگر حاجی نے طواف زیارت کیا ہی نہیں سرے سے «حَتَّى رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ» یہاں تک کہ وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ گیا «فَعَلَيْهِ أَنْ يَعُودَ بِذَلِكَ الْإِحْرَامِ» تو اس پر واجب ہے کہ وہ لوٹے اسی احرام کے ساتھ۔ اسی احرام کے ساتھ کیونکہ احرام تو ابھی ختم ہی نہیں ہوا تھا۔ «لِانْعِدَامِ التَّحَلُّلِ مِنْهُ» اس لیے کیونکہ اس احرام سے حلال ہونا معدوم ہے «وَهُوَ مُحْرِمٌ عَنِ النِّسَاءِ أَبَدًا حَتَّى يَطُوفَ» اور وہ محرم ہے عورتوں سے ہمیشہ کے لیے یہاں تک کہ طواف کر لے۔ جب تک طواف نہیں کرے گا آ کر عورتوں سے کیا رہے گا؟ بیویوں سے محرم ہی رہے گا۔

«وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الصَّدْرِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ» اور جس نے طواف صدر کیا، طواف صدر، صدر کا معنیٰ ہے لوٹنا، وہی طواف وداع کا ایک نام کیا ہے؟ طواف صدر۔ تو جس نے طواف صدر یعنی طواف وداع کیا «مُحْدِثًا» اس حال میں کہ یہ بے وضو تھا «فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ» تو اس پر صدقہ واجب ہے «لِأَنَّهُ دُونَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ» اس لیے کیونکہ یہ طواف جو ہے طواف زیارت سے کم درجے کا ہے۔ طواف زیارت تو فرض تھا اور طواف وداع کیا ہے؟ واجب ہے تو اس کا درجہ اس سے کم ہوا اور طواف زیارت بے وضو کرتا تھا تو بھیڑ بکری واجب ہوتی تھی تو اس کا درجہ اس سے کم ہے تو اس میں صدقہ واجب ہو گا۔

یہ معنیٰ ہے «لِأَنَّهُ دُونَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ» اس لیے کیونکہ یہ طواف صدر جو ہے طواف زیارت سے کم درجے کا ہے «وَإِنْ كَانَ وَاجِبًا» اگرچہ یہ واجب ہے لیکن اس سے کم درجے کا۔ «فَلَا بُدَّ مِنْ إِظْهَارِ التَّفَاوُتِ» لہٰذا ضروری ہے تفاوت کا اظہار کرنا یعنی دونوں میں فرق کو ظاہر کرنا ضروری ہے، اور فرق کیسے ظاہر ہو گا؟ طواف زیارت میں بھیڑ بکری ہے تو اس میں بھیڑ بکری نہیں ہونی چاہیے بلکہ صدقہ ہونا چاہیے۔ «وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ تَجِبُ شَاةٌ» اور امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہاں پر بھی بھیڑ بکری واجب ہو گی «إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَصَحُّ» مگر یہ کہ پہلی قول یا پہلی روایت کیا ہے؟ زیادہ صحیح ہے بھائی، جو متن میں آ گئی کہ اس پر بھیڑ، اس پر بھیڑ بکری نہیں بلکہ صدقہ ہے۔

■ مسئلہ: وَلَوْ طَافَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ

«وَلَوْ طَافَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ» اور اگر یہ طواف صدر جنابت کی حالت میں کیا «فَعَلَيْهِ شَاةٌ» تو اس پر بھیڑ بکری ہے۔ اور طواف زیارت میں کیا آتا تھا؟ بدنہ آتا تھا۔ تو طواف صدر کو اگر جنابت کی حالت میں کیا «فَعَلَيْهِ شَاةٌ» تو اس پر بھیڑ بکری ہے «لِأَنَّهُ نَقْصٌ كَثِيرٌ» اس لیے کیونکہ یہ بہت زیادہ نقصان ہے «ثُمَّ هُوَ دُونَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ فَيُكْتَفَى بِالشَّاةِ» پھر یہ طواف زیارت کے سے کم درجے کا ہے تو اس میں اکتفا کیا جائے گا بھیڑ بکری پر۔ وہاں پر بدنہ تھا تو یہاں بھیڑ بکری پر اکتفا کیا جائے گا۔

«وَمَنْ تَرَكَ مِنْ طَوَافِ الزِّيَارَةِ ثَلَاثَةَ أَشْوَاطٍ فَمَا دُونَهَا فَعَلَيْهِ شَاةٌ» اور جس نے چھوڑ دیا طواف زیارت میں سے تین چکر، تین چکر چھوڑ دیے «فَمَا دُونَهَا» یا اس سے کم بھائی، یعنی چار یا پانچ یا چھ چکر کر لیے اور ایک یا دو یا تین چکر رہ گئے «فَعَلَيْهِ شَاةٌ» تو اس پر بھیڑ بکری واجب ہے «لِأَنَّ النُّقْصَانَ بِتَرْكِ الْأَقَلِّ يَسِيرٌ» اس لیے کیونکہ تھوڑا چھوڑنے کی وجہ سے نقصان جو ہے «يَسِيرٌ» وہ ہلکا ہے، تھوڑا ہے «فَأَشْبَهَ النُّقْصَانَ بِسَبَبِ الْحَدَثِ» تو یہ مشابہ ہو گیا اس نقصان کے جو حدث کی وجہ سے ہو۔ بے وضو ہونے کی وجہ سے نقصان آتا تھا طواف زیارت میں تو کیا واجب ہوتا تھا؟ بھیڑ بکری، تو یہ بھی اس کے مشابہ ہے تو اس میں بھی بھیڑ بکری ہو گی «فَيَلْزَمُهُ شَاةٌ» تو اس پر بھیڑ بکری لازم ہو گی «فَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ أَجْزَأَهُ أَنْ لَا يَعُودَ وَيَبْعَثَ شَاةً لِمَا بَيَّنَّا» اور اگر یہ شخص جس نے ایک دو یا تین چکر چھوڑ دیے ہیں تو یہ اگر گھر واپس چلا گیا «أَجْزَأَهُ أَنْ لَا يَعُودَ» تو یہ اس کے لیے کافی ہے کہ واپس نہ لوٹے، کہ واپس نہ لوٹے «وَيَبْعَثَ شَاةً» اور بھیڑ بکری کو بھیج دے، یہ اس کے لیے کافی ہے «لِمَا بَيَّنَّا» اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی کیونکہ نقصان تھوڑا ہے۔

«وَمَنْ تَرَكَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ بَقِيَ مُحْرِمًا أَبَدًا حَتَّى يَطُوفَهَا». اوپر کیا صورت ذکر ہوئی؟ جس میں طواف زیارت میں تین یا تین سے کم چکر

چھوڑے۔ اب بیان کر رہے ہیں اگر کسی نے چار یا چار سے زیادہ چکر چھوڑ دیے تو پھر جو اوپر حکم بیان ہوا تھا، جو طواف زیارت ہی کو چھوڑ کر چلا جاتا تھا اس کا کیا حکم تھا؟ کہ وہ واپس لوٹے اور اس طواف کو کرے اور جب تک وہ طواف نہیں کرے گا بیویوں کے حق میں کیا رہے گا؟ محرم رہے گا تو یہاں بھی جب اکثر کو چھوڑ دیا تو یہی حکم ہے۔

تو کہتے ہیں بھائی «وَمَنْ تَرَكَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ» اور جس نے چار چکر چھوڑ دیے «بَقِيَ مُحْرِمًا أَبَدًا» تو یہ ہمیشہ محرم ہی ہو کر باقی رہے گا «حَتَّى يَطُوفَهَا» یہاں تک کہ اس کو کر لے «لِأَنَّ الْمَتْرُوكَ أَكْثَرُ» اس لیے کیونکہ وہ جس کو اس نے چھوڑ دیا ہے وہ اکثر ہے، وہ زیادہ ہے «فَصَارَ كَأَنَّهُ لَمْ يَطُفْ أَصْلًا» تو یہ اسی طرح ہو گیا گویا کہ اس نے طواف کیا ہی نہیں اصلاً سرے سے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ أَوْ أَرْبَعَةً أَ...

«وَمَنْ تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ أَوْ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ شَاةٌ» اور جس نے طواف صدر یعنی طواف وداع کو چھوڑ دیا یا اس میں سے چار چکروں کو چھوڑ دیا «فَعَلَيْهِ شَاةٌ» تو اس پر بھیڑ بکری ہے۔ طواف صدر کو چھوڑ دیا تو بھیڑ بکری واجب ہے کیونکہ یہ واجب ہے اور واجب کو چھوڑنے پر کیا لازم آتا ہے؟ دم لازم آتا ہے۔ اور اگر اکثر کو بھی چھوڑ دیا تو گویا کل کو چھوڑ دیا تو اس صورت میں بھی بھیڑ بکری ہے۔ اسی لیے کہا جس نے طواف صدر کو چھوڑ دیا «أَوْ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ مِنْهُ» یا اس میں سے چار چکر چھوڑ دیے «فَعَلَيْهِ شَاةٌ» تو اس پر بھیڑ بکری واجب ہے «لِأَنَّهُ تَرَكَ الْوَاجِبَ أَوِ الْأَكْثَرَ مِنْهُ» اس لیے کیونکہ اس نے واجب کو چھوڑ دیا «أَوِ الْأَكْثَرَ مِنْهُ» یا اس میں سے اکثر کو بھائی۔ دو چیزیں ذکر کیں، اس نے واجب کو چھوڑ دیا، یہ کون سی صورت ہے؟ اس کا تعلق کس سے ہے؟ جب اس نے طواف صدر کو پورا چھوڑ دیا، تو اس صورت میں اس نے واجب کو چھوڑ دیا تو اس پر بھیڑ بکری واجب۔ «أَوِ الْأَكْثَرَ مِنْهُ» یہ کس کی علت بیان ہو رہی ہے؟ جب چار چکر اس میں سے چھوڑے ہیں تو اکثر چھوڑ دیا تو اس پر بھیڑ بکری واجب۔

«وَمَا دَامَ بِمَكَّةَ يُؤْمَرُ بِالْإِعَادَةِ إِقَامَةً لِلْوَاجِبِ فِي وَقْتِهِ» اور جب تک یہ شخص مکہ میں ہو تو اس کو حکم دیا جائے گا اعادے کا۔ جب تک یہ شخص مکہ میں ہے اس کو کیا حکم دیا جائے گا؟ کہ طواف وداع کا کیا کر لے؟ اعادہ کر لے، اس کو لوٹا لے «إِقَامَةً لِلْوَاجِبِ فِي وَقْتِهِ» واجب کو قائم کرنے کے لیے اس کے وقت میں تاکہ واجب کیا ہو جائے؟ اپنے وقت کے اندر قائم ہو جائے، ادا ہو جائے بھائی کیونکہ طواف وداع کا وقت کب تک ہے؟ جب تک گھر نہیں لوٹا، مکہ میں ہے، کیا کر سکتا ہے؟ طواف وداع کر سکتا ہے تو یہ معنیٰ ہے اپنے وقت کے اندر تاکہ واجب کو قائم کر دے، اس کو ادا کر دے۔

«وَمَنْ تَرَكَ ثَلَاثَةَ أَشْوَاطٍ مِنْ طَوَافِ الصَّدْرِ فَعَلَيْهِ الصَّدَقَةُ» اور جس نے تین چکر چھوڑ دیے طواف صدر یعنی طواف وداع میں سے «فَعَلَيْهِ الصَّدَقَةُ» تو اس پر صدقہ واجب ہے۔ اور یہ یاد رکھیے بھائی، صدقہ واجب ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ ایک چکر یا دو چکر یا تین ہیں تو سب میں صدقہ ایک ہی آئے گا، نہیں، ہر چکر کے بدلے صدقہ آئے گا۔ ایک چکر چھوڑا ہے تو نصف صاع گندم، دو چکر چھوڑے ہیں تو ایک صاع گندم اور تین چکر چھوڑے ہیں تو ڈیڑھ صاع گندم اس پر واجب ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے «فَعَلَيْهِ الصَّدَقَةُ» تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْوَاجِبِ فِي جَوْفِ الْحِجْرِ...

«وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْوَاجِبِ فِي جَوْفِ الْحِجْرِ فَإِنْ كَانَ بِمَكَّةَ أَعَادَهُ». بھائی میں نے پہلے تفصیل بیان کی تھی کہ بیت اللہ کی تصاویر کو اگر آپ دیکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے ساتھ نصف دائرے کی ایک دیوار ہے چھوٹی سی بھائی انسانی قد کے برابر تقریباً تقریباً، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اس کے لگ بھگ ایک دیوار ہے ایک طرف نصف دائرے کی اور اس کو حطیم کہتے ہیں۔ اور نیز صاحب ہدایہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسی حطیم کا دوسرا نام حجر بھی ہے۔ کیا نام ہے؟ «حِجْرٌ»، «حِجْرٌ»۔ اور تو ایک شخص جو ہے اس نے طواف کیا اور آپ پڑھ چکے کہ یہ جو حصہ ہے یہ بھی دراصل کس کا حصہ ہے؟ یہ دراصل بیت اللہ کا حصہ ہے اور کیوں رہ گیا تھا؟ کیونکہ قریش کے پاس حلال مال کم ہوا تھا تو باقی حصے پر عمارت تعمیر کی اور اس حصے پر صرف چھوٹی سی دیوار بنا کر اس کو چھوڑ دیا۔ تو جب یہ بیت اللہ کا حصہ ہے تو طواف میں پورے بیت اللہ کے گرد چکر لگایا جاتا ہے تو اس کے گرد بھی چکر لگایا جائے گا یعنی اس کے باہر باہر سے چکر لگائیں گے۔

اور درمیان میں بھی راستہ ہے، اس دیوار کے جو دونوں کنارے ہیں وہ بیت اللہ سے ملے نہیں ہوئے بلکہ درمیان میں کھلی جگہ ہے تھوڑی سی کہ یعنی ایک طرف سے آدمی داخل ہو تو دوسری طرف سے نکل سکتا ہے۔ تو آپ کو صاحب ہدایہ نے بتلایا تھا یہ بیت اللہ کا حصہ ہے لہٰذا طواف کرتے ہوئے چکر اس کے باہر سے لگائیں گے، بیت اللہ اور اس کے درمیان سے نہیں گزریں گے۔ اب صورت یہ، ایک شخص نے طوافِ واجب کیا، طوافِ واجب کیا اور بیت اللہ کے گرد چکر لگاتے ہوئے حطیم کے گرد چکر نہیں لگایا بلکہ بیت اللہ اور حطیم کے درمیان جو کھلی جگہ تھی وہاں سے نکل کر پھر بیت اللہ کے گرد چکر لگا لیتا تھا۔

تو اس صورت میں یاد رکھیے، جب تک یہ مکہ کے اندر ہے اس کو حکم دیا جائے گا کہ اس طواف کا اعادہ کرے کیونکہ طواف تو حطیم کے باہر سے ہونا چاہیے تھا، اس نے اندر سے طواف کیا ہے تو طواف کو مشروع طریقے پر کرنے کے لیے اسے حکم دیا جائے گا کہ پھر دوبارہ طواف کرو۔ تو لہٰذا دوبارہ طواف کرے اور پھر پورے بیت اللہ کا حطیم

سبق نمبر ۱۵۵: مسئلہ: وَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَ جُنُ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

سمیت چکر لگائے اس میں۔ اور اگر یہ صرف، صرف جو حطیم ہے اس کے گرد سات چکر لگالیتا ہے تو بھی کافی ہو جائے گا۔ اس لیے کیونکہ جو حصہ رہ گیا تھا اس نے اس کی، اس کو کیا کر دیا؟ ادا کر دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

اور اگر یہ اپنے گھر چلا گیا اور اس کا اعادہ نہیں کیا تو یاد رکھیے اس پر دم واجب ہو گا بھائی، دم واجب ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا۔

■ مسئلہ: وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْوَاجِبِ فِي جَوْفِ الْحِجْرِ

«وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْوَاجِبِ فِي جَوْفِ الْحِجْرِ» اور جس نے طواف کیا، کون سا طواف؟ طوافِ واجب، واجب طواف بھائی «فِي جَوْفِ الْحِجْرِ» یعنی حطیم کے بیچ میں سے «فَإِنْ كَانَ بِمَكَّةَ» پس اگر یہ شخص مکہ میں ہے «أَعَادَهُ» تو اس کا اعادہ کرے «لِأَنَّ الطَّوَافَ وَرَاءَ الْحَطِيمِ وَاجِبٌ» اس لیے کیونکہ طواف جو ہے حطیم کے پیچھے سے یعنی اس کے باہر سے کرنا واجب ہے «عَلَى مَا قَدَّمْنَا» اس وجہ سے جو ہم نے مقدم ذکر کر دی۔ کیا ذکر کیا تھا؟ وہ جو حدیث میں آیا تھا حضور علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو، انہوں نے منت مانی تھی بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کی تو حضور علیہ السلام کہاں لے آئے ان کو؟ حطیم میں لے آئے کہ یہ بیت اللہ کا حصہ ہے، یہاں نماز پڑھ کر اپنی منت پوری کر لیں۔ تو یہ معلوم ہوا بیت اللہ کا حصہ ہے اور جب حصہ ہے تو اس کے باہر سے طواف ہو گا۔

«وَالطَّوَافُ فِي جَوْفِ الْحِجْرِ» بھائی بتلا رہے ہیں کہ حطیم کے بیچ میں سے طواف کرنے کا کیا معنیٰ؟ متن میں کیا آیا؟ جس نے طواف کیا «فِي جَوْفِ الْحِجْرِ» حطیم کے پیٹ میں یعنی حطیم کے بیچ میں سے، اس کا کیا معنیٰ ہے؟ صاحب ہدایہ معنیٰ بیان کر رہے ہیں کہ یعنی باقی عمارت کے گرد باقی بیت اللہ کے گرد وہ چکر لگاتا ہے اور کہاں سے نکل جاتا ہے؟ حطیم کے اور بیت اللہ کے درمیان جو دو راستے بنے ہوئے ہیں، ایک طرف سے جاتا ہے اور دوسری طرف سے نکل جاتا ہے، اس طریقے سے کرتا ہے۔ وہی ذکر کر رہے ہیں «وَالطَّوَافُ فِي جَوْفِ الْحِجْرِ» اور وہ طواف جو حطیم کے بیچ میں سے ہو وہ یوں وہ یہ ہے «أَنْ يَدُورَ حَوْلَ الْكَعْبَةِ» کہ وہ شخص گھومتا ہے، چکر لگاتا ہے بیت اللہ کے گرد «وَيَدْخُلَ الْفُرْجَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَيْنَهُمَا» اور داخل ہو جاتا ہے، فُرجہ کہتے ہیں کشادگی کو کشادگی کو، دو چیزوں کے درمیان جو کشادگی ہو، راستہ ہو۔ «وَيَدْخُلَ الْفُرْجَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَيْنَهُمَا» اور داخل ہو جاتا ہے ان دو کشادگیوں میں «بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْحَطِيمِ» جو کس کے درمیان ہیں؟ کعبہ اور حطیم کے درمیان جو دو فرجے ہیں ان میں داخل ہوتا ہے۔ «فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَدْخَلَ نَقْصًا فِي طَوَافِهِ» پس اگر ایسا کر لیا اس شخص نے تو تحقیق اس نے نقصان داخل کر دیا اپنے طواف میں یعنی نقصان آگیا اس کے طواف کے اندر «فَمَا دَامَ بِمَكَّةَ أَعَادَهُ» تو جب تک وہ مکہ میں ہے اس کا اعادہ کرے، «أَعَادَهُ كُلَّهُ» کیا کرے اس طواف کا؟ سارے کے سارے طواف کا اعادہ کرے «لِيَكُونَ مُؤَدِّيًا لِلطَّوَافِ عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ» تاکہ یہ شخص طواف کو ادا کرنے والا ہو مشروع طریقے پر یعنی جیسا شریعت میں طریقہ بتلایا گیا تاکہ اس طریقے پر طواف کو یہ ادا کرنے والا ہو۔ «وَإِنْ أَعَادَ عَلَى الْحِجْرِ خَاصَّةً أَجْزَأَهُ» اور اگر اس نے اعادہ کیا صرف حطیم پر ہی خاص طور پر، صرف اسی پر اعادہ کیا «أَجْزَأَهُ» تو یہ بھی اس کے لیے کافی ہے «لِأَنَّهُ تَلَافَى مَا هُوَ الْمَتْرُوكُ» اس لیے کیونکہ تلافی کی اس نے اس اس چیز کی جو چھوڑا گیا تھا، جو حصہ رہ گیا تھا اس کی اس نے تلافی کر دی۔

«وَهُوَ» اب اس کا طریقہ بھی بتلا رہے ہیں صرف حطیم کے گرد کیسے چکر لگائے گا۔ بھائی طواف کا کیا طریقہ تھا؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حجر اسود سے شروع کریں گے، حجر اسود کا استلام کر کے پھر اپنے دائیں طرف چلنا شروع کر دے گا۔ جب حجر اسود کا استلام کر رہا ہے تو دائیں جانب کس طرف بنے گی؟ دروازے کی طرف بنے گی تو اس طرف کو چلنا شروع کرے گا اور چلتے ہوئے بایاں کندھا کس کی طرف ہو جائے گا؟ بیت اللہ کی طرف ہو جائے گا۔ تو اسی انداز میں سات چکر لگانے ہیں حطیم کے۔ صرف اس کے گرد کوئی چکر لگاتا ہے اس کا طریقہ بتلا رہے ہیں تو حطیم کے دائیں طرف سے شروع کرے گا، کس طرف سے؟ حطیم کے جب دائیں طرف یہ کھڑا ہو گا، بایاں کندھا کس طرف ہو جائے گا؟ حطیم کی طرف ہو جائے گا تو شروع کرے اور چکر لگاتے ہوئے دوسری طرف جب کشادگی کے جگہ پر آجائے پھر وہاں سے داخل ہو، پھر ادھر سے جائے اور اس طرح کتنے چکر لگالے گا؟ سات چکر۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ اسی یعنی اسی رخ پر چلے جس رخ پر طواف کیا جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَهُوَ أَنْ يَأْخُذَ عَنْ يَمِينِهِ خَارِجَ الْحِجْرِ» اور وہ یہ کہ شروع کرے اپنی دائیں طرف دائیں طرف سے «خَارِجَ الْحِجْرِ» حطیم کے باہر سے «حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى آخِرِهِ» یہاں تک کہ پہنچ جائے اس کے آخر تک یعنی حطیم کے آخر تک پہنچ جائے «ثُمَّ يَدْخُلَ الْحِجْرَ مِنَ الْفُرْجَةِ» پھر داخل ہو حطیم کے اندر «مِنَ الْفُرْجَةِ» اس کشادگی میں سے «وَيَخْرُجَ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ» اور دوسری طرف سے نکل آئے اور پھر گھوم کر چکر لگائے «هَكَذَا يَفْعَلُهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ» اس طرح کر لے سات مرتبہ بھائی۔

صورت سمجھ میں آگئی۔ «فَإِنْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَلَمْ يُعِدْهُ فَعَلَيْهِ دَمٌ» اور اگر یہ شخص گھر واپس آگیا اور اس نے اس کا اعادہ نہیں کیا، حطیم کا جو حصہ رہ گیا تھا طواف کے اندر اس کا اعادہ نہیں کیا «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر دم واجب ہے «لِأَنَّهُ تَمَكَّنَ نُقْصَانٌ فِي طَوَافِهِ» اس لیے کیونکہ نقصان بیٹھ گیا اس کے طواف میں یعنی نقصان آگیا اس کے طواف کے اندر «بِتَرْكِ مَا هُوَ قَرِيبٌ مِنَ الرُّبْعِ» بوجہ چھوڑ دینے اس کے جو ربع کے قریب ہے۔ کس کے قریب ہے؟ ہاں، جو ربع کے قریب ہے اتنا حصہ اس نے چھوڑ دیا تھا «فَلَا تُجْزِيهِ الصَّدَقَةُ» تو اس کے لیے صدقہ کافی نہیں ہو گا بلکہ دم دینا پڑے گا۔

سبق نمبر ۱۵۵: مسئلہ: وَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَ جُنُبٌ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

■ مسئلہ: وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ...

«وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ وَطَوَافَ الصَّدْرِ فِي آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ طَاهِرًا فَعَلَيْهِ دَمٌ». صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے طواف زیارت کیا بغیر وضو کے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ طواف زیارت کیا بغیر وضو کے اور آپ پڑھ چکے جو شخص طواف زیارت بغیر وضو کے کرلے تو اس کو استحباباً حکم دیا جائے گا کہ وہ اس طواف کا اعادہ کرے یعنی اس کے لیے مستحب ہے اس طواف کا اعادہ کرنا۔ اور اس پر ایک دم لازم ہو گا بھائی۔ کیا لازم ہو گا؟ دم لازم۔ ہاں اگر اعادہ کرلیتا ہے پھر وہ دم بھی اس پر سے ساقط ہو جائے گا۔ تو صورت یہ، ایک شخص نے طواف زیارت کیا بے وضو ہونے کی حالت میں اور پھر اس کے بعد اس نے جو طواف صدر کیا یعنی طواف وداع، وہ وضو کے ساتھ کیا، وہ وضو کے ساتھ کیا۔ تو یاد رکھیے، اس صورت میں اس پر دم واجب رہے گا کیونکہ طواف زیارت کیا کیا ہے اس نے؟ بغیر وضو کے اور اگلا جو طواف کیا وہ طواف وداع تھا اور طواف وداع کیا ہے؟ واجب اور طواف زیارت کا اعادہ اس پر کیا تھا؟ واجب تھا یا مستحب تھا؟ طواف زیارت کا اعادہ اس پر مستحب تھا تو بعد میں جو طواف کر رہا ہے وہ کون سا ہے؟ واجب، لہٰذا اس کو منتقل نہیں کیا جا سکتا طواف مستحب کی طرف۔ جو بعد میں طواف کر رہا ہے اس کو ہم یہ نہیں کہہ سکتے یہ طواف زیارت کا اعادہ کر رہا ہے کیونکہ طواف زیارت کا اعادہ تو کیا تھا؟ مستحب اور جو طواف وداع کر رہا ہے وہ کیا ہے؟ واجب ہے تو واجب کو منتقل نہیں کیا جا سکتا کس کی طرف؟ مستحب کی طرف، لہٰذا وہ طواف زیارت بے وضو ہی رہا اور جب بے وضو رہا تو اس میں اب کیا دینا پڑے گا؟ دم دینا پڑے گا، بھیڑ بکری دینا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

دوسری صورت بھائی، دوسری صورت کہ طواف زیارت اس شخص نے کیا تھا جنابت کی حالت میں اور طواف وداع کرتا ہے وضو کی حالت میں۔ طواف وداع کرتا ہے؟ لہٰذا جب اس نے طواف زیارت جنابت کی حالت میں کیا تھا آپ پڑھ چکے، کیا حکم ہے؟ اس پہ بدنہ واجب ہے اور اس پر اعادہ واجب ہے، اعادہ واجب ہے۔ لہٰذا اس پر طواف زیارت کا اعادہ واجب اور اس نے آگے جو طواف وداع کیا ہے وہ بھی کون سا طواف؟ واجب، لہٰذا اس کو منتقل کر دیا جائے گا کس کی طرف؟ طواف زیارت کی طرف اور یوں کہا جائے گا کہ یہ اس نے طواف زیارت کا اعادہ کیا ہے۔ اور پھر یہ واپس چلا گیا تو اس طواف وداع کو تو ہم نے منتقل کر دیا کس کی طرف؟ طواف زیارت کی طرف اور حج کے بعد اس نے صرف یہی ایک طواف کیا تھا اور کوئی طواف کیا ہی نہیں، اگر کوئی اور ہوتا پھر تو ہم اس کو بھی منتقل کر لیتے کس کی طرف؟ طواف وداع کی طرف منتقل کر لیتے، اور کوئی طواف ہے نہیں، ایک ہی طواف کیا تھا اور وہ کس کی طرف منتقل ہو گیا؟ طواف زیارت کی طرف منتقل ہو گیا۔

اور اس صورت میں جب وہ طواف زیارت کی طرف منتقل ہو گیا تو بدنہ اس پر سے ساقط ہو گیا۔ کیا ہوا؟ بدنہ ساقط ہوا، ہاں ایک دم اس پر آئے گا کہ طواف زیارت کو کیا کیا؟ اپنے وقت سے مؤخر کیا، کس کے نزدیک؟ امام صاحب کے نزدیک، آپ پڑھ چکے صاحبین کے نزدیک تاخیر سے کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ امام صاحب کے نزدیک اپنے وقت سے عبادت کو مؤخر کر دیں گے تو دم آئے گا تو لہٰذا ایک دم آئے گا کس کی وجہ سے؟ طواف زیارت کو اپنے وقت سے مؤخر کیا ہے کیونکہ طواف وداع تو حج کے بعد آتا ہے نا، تو لہٰذا اس کا، حج کا وقت گزر چکا تھا اور اس نے پھر اس کے بعد اعادہ کیا تو ایک دم کس وجہ سے؟ طواف زیارت کو اپنے وقت سے مؤخر۔ اور ایک اور دم بھی آئے گا اس پر، کس وجہ سے؟ طواف وداع رہ گیا اس کا کیونکہ طواف وداع جو تھا اس کو تو کس کی طرف منتقل کر دیا؟ طواف، تو لہٰذا بدنہ تو ساقط ہو جائے گا لیکن دو دم لازم ہوں گے اس پر امام صاحب کے نزدیک جبکہ صاحبین کے نزدیک ایک دم لازم ہو گا کس وجہ سے؟ طواف وداع کو چھوڑنے کی وجہ سے۔ باقی طواف زیارت کی تاخیر کی وجہ سے ان کے نزدیک دم واجب نہیں۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

تو کہتے ہیں «وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ» اور جس نے طواف زیارت کیا بغیر وضو کے «وَطَوَافَ الصَّدْرِ فِي آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ طَاهِرًا» اور طواف صدر کیا ایام تشریق کے آخر میں، ایام تشریق کے کیا معنیٰ آخر میں؟ آخری دن ایام تشریق کے، اور ایام تشریق کا آخری دن کون سا ہے؟ تیرہ ذوالحجہ۔ اور حالانکہ طواف زیارت کا اعادہ تو کب تک ضروری ہے؟ بارہ تک، دس گیارہ بارہ یہ تین قربانی کے دن ہیں تو اس نے کب کیا ہے؟ تیرہ تاریخ۔ تو «وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ وَطَوَافَ الصَّدْرِ فِي آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ طَاهِرًا» اور جس نے طواف زیارت کیا بغیر وضو کے اور طواف صدر یعنی طواف وداع کیا ایام تشریق کے آخر میں پاکی کی حالت میں یعنی وضو کے ساتھ «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر ایک دم واجب ہے۔ سمجھ میں آیا؟ «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر ایک دم واجب ہو گا بھائی یعنی ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک بھائی کیونکہ یہاں پر طواف وداع کو طواف زیارت کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا اور طواف زیارت بے وضو کرنے کی صورت میں کیا لازم آتا تھا؟ دم، تو وہ اس پر لازم ہو گا۔

■ مسئلہ: فَإِنْ كَانَ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا

«فَإِنْ كَانَ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا» اور اگر اس نے طواف زیارت کو جنابت کی حالت میں کیا جنابت کی حالت میں کیا تھا «فَعَلَيْهِ دَمَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو اس پر دو دم واجب ہیں امام صاحب کے نزدیک «وَقَالَا عَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ» اور صاحبین کے نزدیک اس پر ایک ہی دم ہے۔ امام صاحب کے نزدیک دو دم کس چیز کے؟ ایک تو تاخیر کا دم اور ایک طواف وداع چھوڑنے کا دم۔ اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی دم ہے کس چیز کا؟ طواف وداع کو چھوڑنے کی وجہ سے۔

1375

سبق نمبر ۱۵۵: مسئلہ: وَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَ جُنُبًا...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

«لِأَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ» اس لیے کیونکہ پہلی صورت میں جب اس نے بے وضو کیا تھا طواف زیارت، اس صورت میں «لَمْ يُنْقَلْ طَوَافُ الصَّدْرِ إِلَى طَوَافِ الزِّيَارَةِ» منتقل نہیں کیا جائے گا طواف صدر یعنی طواف وداع کو طواف زیارت کی طرف «لِأَنَّهُ وَاجِبٌ» اس لیے کیونکہ طواف صدر تو واجب ہے «وَإِعَادَةُ طَوَافِ الزِّيَارَةِ بِسَبَبِ الْحَدَثِ غَيْرُ وَاجِبٍ» اور طواف زیارت کا اعادہ بے وضو ہونے کی وجہ سے وہ غیر واجب ہے یعنی واجب نہیں ہے «وَإِنَّمَا هُوَ مُسْتَحَبٌّ» اور وہ تو مستحب ہی ہے «فَلَا يُنْقَلُ إِلَيْهِ» لہٰذا اس طواف صدر کو اس طواف زیارت کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا۔

«وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي» اور دوسری صورت میں، کون سی صورت؟ جب طواف زیارت کو کس طرح کیا تھا؟ جنابت کی حالت میں، «يُنْقَلُ طَوَافُ الصَّدْرِ إِلَى طَوَافِ الزِّيَارَةِ» منتقل کیا جائے گا طواف صدر کو طواف زیارت کی طرف «لِأَنَّهُ مُسْتَحَقُّ الْإِعَادَةِ» اس لیے کیونکہ وہ مستحق الاعادہ ہے یعنی اس کا اعادہ لازم ہے «فَيَصِيرُ تَارِكًا لِطَوَافِ الصَّدْرِ» تو یہ شخص طواف صدر کو چھوڑنے والا ہو گیا کیونکہ طواف صدر تو کدھر منتقل ہو گیا؟ طواف زیارت کی طرف، تو طواف صدر کو یہ چھوڑنے والا ہوا «مُؤَخِّرًا لِطَوَافِ الزِّيَارَةِ» اس حال میں کہ یہ مؤخر کرنے والا ہے طواف زیارت کو «عَنْ أَيَّامِ النَّحْرِ» کس سے؟ ایام نحر سے، یہ دوسری وجہ آ گئی، ایک طواف صدر کو چھوڑنے والا ہوا اور نیز طواف زیارت کو مؤخر کرنے والا ہوا ایام نحر سے «فَيَجِبُ الدَّمُ بِتَرْكِ الصَّدْرِ بِالِاتِّفَاقِ» تو اس پر ایک دم واجب ہو گا طواف صدر کو چھوڑنے کی وجہ سے بالاتفاق یعنی تینوں ائمہ کے نزدیک «وَبِتَأْخِيرِ الْآخَرِ عَلَى الْخِلَافِ» اور دوسرے کو مؤخر کرنے کی وجہ سے یعنی طواف زیارت کو مؤخر کرنے کی وجہ سے «عَلَى الْخِلَافِ» اس اختلاف پر کہ کیا اختلاف ہے؟ امام صاحب کے نزدیک تاخیر پر دم ہے، صاحبین کے نزدیک تاخیر پر دم نہیں ہے تو امام صاحب کے نزدیک دو دم اور صاحبین کے نزدیک ایک دم آئے گا۔ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا۔

■ مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِإِعَادَةِ طَوَافِ الصَّدْ...

«إِلَّا أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِإِعَادَةِ طَوَافِ الصَّدْرِ مَا دَامَ بِمَكَّةَ» مگر یہ کہ اس شخص کو حکم دیا جائے گا طواف صدر کے لوٹانے کا «مَا دَامَ بِمَكَّةَ» جب تک یہ مکہ میں ہے «وَلَا يُؤْمَرُ بَعْدَ الرُّجُوعِ عَلَى مَا بَيَّنَّا» اور اس کو حکم نہیں دیا جائے گا لوٹنے کے بعد، جب یہ گھر واپس آ جائے تو اس کے بعد اس کو طواف صدر کے اعادے کا حکم نہیں دیا جائے گا «عَلَى مَا بَيَّنَّا» اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی بھائی۔

«وَمَنْ طَافَ لِعُمْرَتِهِ وَسَعَى عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ وَحَلَّ فَمَا دَامَ بِمَكَّةَ يُعِيدُهُمَا وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ». صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے عمرے کا طواف اور سعی دونوں بغیر وضو کے کیے اور پھر حلال بھی ہو گیا، حلق کروایا اور احرام اتار دیا۔ تو کہتے ہیں بھائی جب تک یہ مکہ کے اندر ہے وہ ان دونوں کا اعادہ کرے گا طواف کا بھی اور سعی کا بھی۔

تو کہتے ہیں «وَمَنْ طَافَ لِعُمْرَتِهِ وَسَعَى عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ» اور جس نے عمرے کا طواف کیا اور سعی کی «عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ» بغیر وضو کے «وَحَلَّ» اور حلال ہو گیا یعنی احرام سے نکل آیا «فَمَا دَامَ بِمَكَّةَ يُعِيدُهُمَا» تو جب تک وہ مکہ میں ہے وہ ان دونوں کا اعادہ کرے گا یعنی طواف اور سعی کا «وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ» اور اس پر کوئی چیز نہیں، جب اعادہ کر لے گا تو نقصان کی تلافی ہو گئی لہٰذا اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔

■ مسئلہ: أَمَّا إِعَادَةُ الطَّوَافِ فَلِتَمَكُّنِ النَّقْصِ...

«أَمَّا إِعَادَةُ الطَّوَافِ فَلِتَمَكُّنِ النَّقْصِ فِيهِ بِسَبَبِ الْحَدَثِ» باقی طواف کا جو اعادہ ہے اس وجہ سے جو نقصان بیٹھ گیا ہے طواف کے اندر حدث کی وجہ سے، جو نقصان آ گیا ہے طواف میں بے وضو ہونے کی وجہ سے «وَأَمَّا السَّعْيُ فَلِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلطَّوَافِ» اور باقی سعی جو ہے یعنی سعی کا جو اعادہ ہے اس لیے کیونکہ سعی طواف کے تابع ہے، تو جب طواف کا اعادہ کر لیا تو سعی کا بھی اعادہ کرے گا۔ «وَإِذَا أَعَادَهُمَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ» اور جب یہ دونوں کا اعادہ کر لے گا «لَا شَيْءَ عَلَيْهِ» تو اس پر کچھ نہیں ہے «لِارْتِفَاعِ النُّقْصَانِ» نقصان کے اٹھ جانے کی وجہ سے کیونکہ نقصان کیا ہے؟ اٹھ گیا یعنی پورا ہو گیا۔

«وَإِنْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ قَبْلَ أَنْ يُعِيدَ فَعَلَيْهِ دَمٌ» لیکن اگر یہ گھر واپس چلا گیا اسی طرح اور اعادہ نہیں کیا تو اس پر دم واجب ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں «وَإِنْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ قَبْلَ أَنْ يُعِيدَ فَعَلَيْهِ دَمٌ» اور اگر وہ گھر واپس لوٹ گیا قبل اس کے کہ وہ اس کا اعادہ کرے تو اس پر دم واجب ہے «لِتَرْكِ الطَّهَارَةِ فِيهِ» اس میں طہارت کو چھوڑنے کی وجہ سے «وَلَا يُؤْمَرُ بِالْعَوْدِ» اور اس کو واپس لوٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ دم اس پر واجب ہے اور واپس لوٹنا اس پر واجب نہیں ہے «لِوُقُوعِ التَّحَلُّلِ بِأَدَاءِ الرُّكْنِ» اس وجہ سے کہ حلال ہونا واقع ہو گیا رکن کی ادائیگی سے، رکن کی ادائیگی کے ساتھ وہ حلال ہونا پایا گیا۔ بھائی بے شک اس نے بغیر وضو کے کیا طواف، لیکن کیا یا نہیں کیا؟ طواف کیا بھائی، سعی کی تو لہٰذا حلال بھی ہوا تو یہ حلال ہونا رکن کی ادائیگی کے ساتھ ہے یا بغیر ادائیگی کے ہے؟ ادائیگی کے ساتھ ہے، ہاں نقصان آیا ہے اور وہ نقصان اتنا زیادہ نہیں ہے کہ اس کو واپس لوٹنے کا حکم دیا جائے، اس کی تلافی کس سے ہو جائے گی؟ بھیڑ بکری سے ہو جائے گی بھائی۔ یہ معنیٰ ہے «لِوُقُوعِ التَّحَلُّلِ بِأَدَاءِ الرُّكْنِ» اس وجہ سے کہ حلال ہونا جو ہے وہ واقع ہوا یعنی پایا گیا «بِأَدَاءِ الرُّكْنِ» رکن کی ادائیگی کے ساتھ «إِذِ النُّقْصَانُ يَسِيرٌ»

1376

کیونکہ نقصان کیا ہے؟ تھوڑا ہے۔

«وَلَيْسَ عَلَيْهِ فِي السَّعْيِ شَيْءٌ» اور اس پر سعی کے بارے میں کوئی چیز واجب نہیں ہے «لِأَنَّهُ أَتَى بِهِ عَلَى إِثْرِ طَوَافٍ مُعْتَدٍّ بِهِ» اس لیے کیونکہ وہ اس سعی کو لایا یعنی اس سعی کو اس نے ادا کیا «عَلَى إِثْرِ طَوَافٍ»، اِثر کا معنیٰ، اِثر ہمزہ کے نیچے کسرہ اور ثا ساکن ہے، اِثر کا معنیٰ ہوتا ہے پیچھے، بعد میں، اس لیے کیونکہ اس نے سعی کو ادا کیا ہے «عَلَى إِثْرِ طَوَافٍ» طواف کے پیچھے، طواف کے بعد «مُعْتَدٍّ بِهِ» ایسا طواف جو جو قابل اعتبار ہے، جو معتبر ہے۔ بھائی بغیر وضو کے بھی طواف معتبر ہے یا معتبر نہیں؟ معتبر ہے بھائی، جبھی تو آپ نے پڑھا کہ صرف کیا کر دے گا؟ طواف زیارت بے وضو کیا ہے تو بھیڑ بکری دے دے کافی ہے اور سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اعتبار ہے ورنہ اگر اعتبار نہ ہوتا تو پھر تو اس پر اعادہ واجب تھا لیکن آپ پڑھ چکے بے وضو کیا ہو طواف تو جیسے طواف زیارت تھا تو اعادہ مستحب ہے، واجب نہیں۔ «لِأَنَّهُ أَتَى بِهِ عَلَى إِثْرِ طَوَافٍ مُعْتَدٍّ بِهِ» اس لیے کیونکہ اس نے سعی کو ادا کیا ہے ایک ایسے طواف کے بعد جو قابل اعتبار ہے، جو معتبر ہے۔

■ مسئلہ: وَكَذَا إِذَا أَعَادَ الطَّوَافَ وَلَمْ يُعِدِ السَّ...

«وَكَذَا إِذَا أَعَادَ الطَّوَافَ وَلَمْ يُعِدِ السَّعْيَ فِي الصَّحِيحِ» اور اسی طرح ہو گا حکم جب وہ طواف کا اعادہ کر لے اور سعی کا اعادہ نہ کرے «فِي الصَّحِيحِ» صحیح قول کے مطابق۔ صحیح قول کے مطابق اگر وہ شخص پھر کیا کر لیتا ہے؟ طواف کا اعادہ کر لیتا ہے اور سعی کا اعادہ نہیں کرتا تو بھی اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ دم واجب تھا، وہ جب طواف کا اعادہ کر لے گا تو دم کیا ہو جائے گا؟ ساقط ہو جائے گا اور سعی کے بارے میں اس پر کچھ واجب نہیں ہو گا۔

«وَمَنْ تَرَكَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَحَجَّتُهُ تَامٌّ» اور جس نے سعی کو اور جس نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کو چھوڑ دیا تو اس پر دم واجب ہے «وَحَجَّتُهُ تَامٌّ» اور اس کا حج پورا ہے۔ بھائی حج کے اندر آپ پڑھ چکے ہیں سعی ایک دفعہ سعی کرنا پڑے گی جیسے عمرے کے اندر سعی ضروری، اسی طرح حج کے اندر بھی سعی ضروری، تو اگر کسی نے حج کے اندر سعی کو چھوڑ دیا تو اس پر دم واجب ہے، وجہ اس کی یہ کہ سعی جو ہے یہ حج میں واجب ہے اور واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے دم آتا ہے تو یہاں بھی دم لازم ہو گا۔ «لِأَنَّ السَّعْيَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ عِنْدَنَا» اس لیے کیونکہ سعی جو ہے یہ واجب چیزوں میں سے ہے ہمارے نزدیک «فَيَلْزَمُهُ بِتَرْكِهِ الدَّمُ» تو لازم ہو گا اس پر اس کو چھوڑنے کی وجہ سے دم «دُونَ الْفَسَادِ» نہ کہ فساد، یعنی فساد نہیں آئے گا، حج فاسد نہیں ہو گا بلکہ صرف دم لازم آئے گا۔

«وَمَنْ أَفَاضَ قَبْلَ الْإِمَامِ مِنْ عَرَفَاتٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ». صورت یہ کہ ایک شخص امام کے چلنے سے پہلے ہی عرفات سے چل پڑا۔ آپ پڑھ چکے کہ وقوفِ عرفات کا وقت نویں ذوالحجہ کو زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور وہاں وقوف کیا جائے گا اور جب سورج غروب ہو جائے تب امام وہاں سے چلے گا اور سارے اس کے ساتھ چلیں گے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو لہٰذا غروبِ آفتاب تک وہاں رہنا ضروری ہے، اگر کوئی پہلے وہاں سے چلے گا تو اس پر دم لازم آئے گا۔ تو اب اگر کوئی شخص امام سے پہلے ہی عرفات سے لوٹ آیا یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے ہی لوٹ آیا تو اس پر دم لازم ہو گا۔

تو کہتے ہیں «وَمَنْ أَفَاضَ» اور جو لوٹ آیا «قَبْلَ الْإِمَامِ» امام سے پہلے ہی «مِنْ عَرَفَاتٍ» عرفات سے «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر دم واجب ہے۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً لَا شَيْءَ عَلَيْهِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کچھ بھی نہیں ہے «لِأَنَّ الرُّكْنَ أَصْلُ الْوُقُوفِ فَلَا يَلْزَمُهُ بِتَرْكِ الْإِطَالَةِ شَيْءٌ»۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج کا رکن جو ہے صرف وقوف ہے اور امام سے پہلے بھی یہ بے شک آ جائے لیکن وقوف کر لیا یا نہیں؟ تو اصل وقوف تو پایا گیا، جب اصل وقوف پایا گیا تو اب پہلے آنے کی وجہ سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے کیونکہ اس وقوف کو لمبا کرنا ضروری نہیں۔ تو کہتے ہیں «لِأَنَّ الرُّكْنَ أَصْلُ الْوُقُوفِ» اس لیے کیونکہ رکن جو ہے وہ تو اصل وقوف ہے «فَلَا يَلْزَمُهُ بِتَرْكِ الْإِطَالَةِ شَيْءٌ» لہٰذا اس شخص پر اس وقوف کو لمبا کرنے کو چھوڑنے کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہو گی۔ اس نے تو وقوف تو کیا، بے ہاں، البتہ اس کو لمبا نہیں کیا مغرب تک، غروبِ آفتاب تک، تو صرف اس اطالت کو، اس لمبا کرنے کو چھوڑنے کی وجہ سے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہو گی۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ الِاسْتِدَامَةَ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ وَاجِبٌ»، استدامت کا معنیٰ ہے برقرار رکھنا یعنی وہی لمبا کرنا بھائی، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ استدامت یعنی اس وقوف کو برقرار رکھنا «إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ» غروبِ آفتاب تک «وَاجِبٌ» یہ واجب ہے «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس قولِ مبارک کے کہ آپ نے فرمایا «فَاذْفَعُوا بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ» تم لوگ روانہ ہو سورج غروب ہونے کے بعد، یہ حدیث کا حصہ ہے، ایک ذکر کیا اس میں بھائی۔ تو دیکھو اس حدیث میں کیا حکم دے رہے ہیں حضور علیہ السلام؟ غروبِ شمس کے بعد روانہ ہونے کا حکم دے رہے ہیں۔ «فَيَجِبُ بِتَرْكِهِ الدَّمُ» تو لہٰذا اس کو چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہو گا۔

«بِخِلَافِ مَا إِذَا وَقَفَ لَيْلًا». بھائی ایک شخص ہے وہ دن کو وقوفِ عرفات کیا ہی نہیں اس نے نویں کو، لیکن وقوفِ عرفات کا وقت کب تک ہے؟ دسویں ذوالحجہ کی طلوعِ فجر، تو لہٰذا وہ دن کو آیا ہی نہیں نویں کو اور رات کو آیا اور وقوف کر کے تھوڑی دیر اور پھر چلا گیا تو اس پر بھی دم واجب ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس نے وقوف کر لیا، اس پر دم واجب نہیں۔ بھائی کیوں؟ وہاں پر آپ کہتے تھے جس نے دن کو وقوف کیا تو غروبِ آفتاب تک اس کو لمبا کرنا ضروری ہے، تو جواب اس کا یہ کہ بھائی وہ دن کے وقت جو وقوف کرے اس پر لازم تھا، دن کو وقوف کیا ہے تو کب تک کرنا پڑے گا؟ غروبِ آفتاب، لیکن اب جب رات کو کیا ہے تو اس کے لیے وقوف کو لمبا کرنا ضروری نہیں لہٰذا اس پر دم لازم نہیں ہے بھائی۔

«بِخِلَافِ مَا إِذَا وَقَفَ لَيْلًا» بخلاف اس کے کہ جب اس نے وقوف کیا رات کے وقت «لِأَنَّ اسْتِدَامَةَ الْوُقُوفِ عَلَى مَنْ وَقَفَ نَهَارًا لَا لَيْلًا» اس لیے کیونکہ وقوف کو برقرار رکھنا یہ اس شخص پر ہے جو دن کے وقت وقوف کرے نہ کہ رات کے وقت۔

■ مسئلہ: فَإِنْ عَادَ إِلَى عَرَفَةَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ...

«فَإِنْ عَادَ إِلَى عَرَفَةَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ لَا يَسْقُطُ عَنْهُ الدَّمُ فِي ظَاهِرِالرِّوَايَةِ». صورت یہ، ایک شخص جو ہے وہ عرفات سے دن ہی کو واپس آ گیا یعنی امام کے چلنے سے پہلے ہی واپس آ گیا لیکن پھر واپس چل پڑا عرفات اور غروبِ شمس کے بعد عرفات پہنچ گیا تو کیا اب اس سے دم ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اب دم ساقط نہیں اس لیے کیونکہ جو چیز فوت ہوئی اب اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ کیا چیز فوت ہوئی؟ غروبِ شمس تک وقوف کو لمبا کرنا ضروری تھا اور وہ چیز فوت ہو چکی ہے، اب سورج غروب ہو چکا ہے، اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ صورت ہے جب وہ غروبِ شمس کے بعد واپس لوٹا۔

اور اگر دن ہی دن کو وہ واپس چلا گیا اور غروبِ شمس سے پہلے عرفات پہنچ گیا تو کیا اب اس پر سے وہ دم ساقط ہو گا یا نہیں؟ تو اس میں ائمہ کا اختلاف۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے نزدیک اب بھی ساقط نہیں ہو گا جبکہ باقی ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس سے یہ دم ساقط ہو جائے گا۔

تو کہتے ہیں «فَإِنْ عَادَ إِلَى عَرَفَةَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ» اگر وہ شخص لوٹ آیا عرفات سورج سورج غروب ہو جانے کے بعد «لَا يَسْقُطُ عَنْهُ الدَّمُ فِي ظَاهِرِالرِّوَايَةِ» تو اس سے دم ساقط نہیں ہو گا ظاہر روایت کے مطابق «لِأَنَّ الْمَتْرُوكَ لَا يَصِيرُ مُسْتَدْرَكًا» اس لیے کیونکہ وہ جو چھوٹ گیا، وہ جو چھوڑ دیا گیا حصہ وہ «لَا يَصِيرُ مُسْتَدْرَكًا» وہ مستدرک نہ ہوا یعنی اس کی تلافی نہ ہو سکی۔ «وَاخْتَلَفُوا فِيمَا إِذَا عَادَ قَبْلَ الْغُرُوبِ» اور ائمہ نے اختلاف کیا ہے اس صورت میں جب وہ لوٹا سورج غروب ہونے سے پہلے ہی، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بین السطور لکھا ہوا ہے کہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک ساقط نہیں ہو گا اور جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک ساقط ہو جائے گا اس سے وہ دم بھائی۔

■ مسئلہ: وَمَنْ تَرَكَ الْوُقُوفَ بِالْمُزْدَلِفَةِ فَعَلَيْهِ...

«وَمَنْ تَرَكَ الْوُقُوفَ بِالْمُزْدَلِفَةِ فَعَلَيْهِ دَمٌ لِأَنَّهُ مِنَ الْوَاجِبَاتِ» اور جس نے وقوفِ مزدلفہ کو چھوڑ دیا تو اس پر دم واجب ہے اس لیے کیونکہ یہ وقوفِ مزدلفہ واجبات میں سے ہے اور واجب چھوٹنے پر دم لازم ہوتا ہے۔

«وَمَنْ تَرَكَ رَمْيَ الْجِمَارِ فِي الْأَيَّامِ كُلِّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ» اور جس نے رَمْیِ جمار کو چھوڑ دیا، بھائی وہ جو شیطانوں کو کنکریاں مارتے ہیں ان کو چھوڑ دیا کسی نے «فِي الْأَيَّامِ كُلِّهَا» تمام دنوں میں، کسی دن بھی رَمْی نہیں کی «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر دم واجب ہے۔ تفصیل مسئلہ یاد رکھیے، ایک دن کی ساری رَمْی کوئی چھوڑ دے گا تو دم واجب ہو گا، لہٰذا دسویں تاریخ کو صرف جمرۂ عقبہ کی رَمْی کرنی تھی تو اس کو اگر کوئی چھوڑ دے گا تو اس پر دم واجب ہو گا۔ اور اسی طرح گیارہ تاریخ کو تینوں جمرات کی رَمْی ہے تو اس سارے کو کوئی چھوڑ دے گا تو اس پر بھی دم۔ اسی طرح بارہ تاریخ کو تینوں جمرات کی رَمْی ہے اس کو اگر کوئی چھوڑے گا اس پر بھی دم۔ تیرہ تاریخ کی رَمْی اختیاری ہے لیکن اگر حاجی منیٰ ہی میں رہا تو اس اور اس کو سارے کو ہی چھوڑ دیا تو اس پر بھی کیا لازم؟ دم۔ تو ہر دن کی رَمْی میں ایک دم آتا ہے۔

لیکن جب سارے دنوں کی رَمْی کسی نے چھوڑ دی تو پھر اس صورت میں تداخل ہو گا۔ آنے تو چار دم چاہییں لیکن چونکہ جنایت ایک ہی جنس کی ہے، ایک ہی قسم کی ہے تو ان میں تداخل ہو گا لہٰذا ایک ہی دم لازم ہو گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو ایک دن کی رَمْی چھوڑ دے یا ایک سے زیادہ دنوں کی رَمْی چھوڑ دے، سب میں کیا آئے گا؟ دم لازم ہو گا۔

اور اگر کچھ رَمْی کی اور کچھ رَمْی نہ کی ایک دن میں تو پھر دیکھیں گے کہ اس نے اکثر کو چھوڑا ہے یا اکثر سے کم کو؟ تو اگر اکثر کو چھوڑا ہے تو بھی دم لازم ہو گا اور اگر اکثر سے کم کو چھوڑا ہے تو پھر ہر کنکری کے بدلے صدقہ واجب ہو گا۔ ہر کنکری کے بدلے جتنی کنکریاں چھوڑے گا اس کے بدلے صدقہ آئے گا۔ لہٰذا پہلے دن دسویں تاریخ کو تو صرف سات کنکریاں مارنی ہیں تو اگر چار ماریں تو پھر تو دم تو نہیں آئے گا، پھر کیا آئے گا؟ صدقہ، اور ہر کنکری کے بدلے نصف صاع گندم دینی پڑے گی۔ اور اگر

چار کنکریاں چھوڑ دیں اس پہلے دن تو پھر دم لازم ہو گا بھائی دم لازم۔ دوسرے دن اکیس کنکریاں مارنی ہیں لہٰذا اگر دس کنکریاں چھوڑ دیں تو ہر کنکری کے بدلے صدقہ اور یہ صدقہ اگر دم تک پہنچ رہا ہو تو اس میں سے کیا کر دے گا؟ کچھ کم کر دے گا۔ اور اگر گیارہ کنکریاں چھوڑ دیں تو پھر تو اکثر چھوڑ دیا لہٰذا اس صورت میں دم لازم ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں «وَمَنْ تَرَكَ رَمْيَ الْجِمَارِ فِي الْأَيَّامِ كُلِّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ» اور جس نے رَمْیِ جمرات کو چھوڑ دیا تمام دنوں کے اندر تو اس پر دم واجب ہے «لِتَحَقُّقِ تَرْكِ الْوَاجِبِ» واجب کا چھوڑنا پائے جانے کی وجہ سے «وَيَكْفِيهِ دَمٌ وَاحِدٌ» اور اس کے لیے ایک ہی دم کافی ہے «لِأَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ» اس لیے کیونکہ جنس جو ہے متحد ہے، یہ ان سب جنایتوں کی جنس متحد ہے «كَمَا فِي الْحَلْقِ» جیسے کس میں؟ حلق کے اندر ہے۔ بھائی آپ پڑھ چکے کہ اگر کوئی پورے سر کا حلق کروائے تو اس پر بھی دم واجب، اگر داڑھی کا حلق کروائے تو اس پر بھی دم واجب اور اسی طرح اگر کسی اور عضو کا حلق کروائے تو اس پر بھی دم واجب دم واجب، لیکن اگر کوئی شخص سر، داڑھی اور پنڈلی وغیرہ کا ان سب کا حلق کروالیتا ہے تو ان کی ان جنایتوں کی چونکہ جنس ایک ہے لہٰذا تداخل ہو گا اور ایک ہی دم اس پر آئے گا۔ تو جیسے حلق کے اندر تداخل ہوتا ہے یہاں پر بھی رَمْی چھوڑنے میں بھی تداخل ہو گا۔ یہ معنیٰ ہے «كَمَا فِي الْحَلْقِ» جیسے حلق کے اندر ہے۔

■ مسئلہ: وَالتَّرْكُ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ

«وَالتَّرْكُ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ» یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں، اوپر کیا مسئلہ ذکر ہوا؟ اگر کسی نے سارے دنوں کی رَمْی چھوڑ دی ہے تو کب ہم کہیں گے کہ اس نے سارے دنوں کی رَمْی چھوڑ دی ہے؟ تو کہتے ہیں بھائی جب رَمْی کے آخری دن کا سورج غروب ہو جائے اور رَمْی کا آخری دن کون سا ہے؟ تیرہ ذوالحجہ، تیرہ ذوالحجہ کا جب سورج غروب ہو جائے گا تب ہم کہیں گے کہ اس نے سارے دنوں کی رَمْی کو چھوڑ دیا۔ تو کہتے ہیں «وَالتَّرْكُ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِغُرُوبِ الشَّمْسِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ الرَّمْيِ» اور چھوڑنا جو ہے یہ پایا جائے گا رَمْی کے ایام میں سے آخری دن کے سورج غروب ہونے سے، ایامِ رَمْی کے آخری دن سورج کے غروب ہونے کی وجہ سے۔ دوبارہ ترجمہ دیکھیے بھائی «وَالتَّرْكُ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِغُرُوبِ الشَّمْسِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ الرَّمْيِ» اور چھوڑنا جو ہے یہ پایا جائے گا، اس کا تحقق ہو گا یعنی یہ پایا جائے گا سورج غروب ہونے سے رَمْی کے آخری ایام میں «لِأَنَّهُ لَمْ يُعْرَفْ قُرْبَةً إِلَّا فِيهَا» اس لیے کیونکہ یہ رَمْی جو ہے اس کو عبادت نہیں جانا گیا «إِلَّا فِيهَا» مگر انہی ایامِ رَمْی کے اندر بھائی، انہی کے اندر یہ عبادت ہے، ویسے کوئی جا کر وہاں کنکریاں مارے تو یہ تو عبادت نہیں ہے بھائی، تو انہی میں عبادت ہے۔ «وَمَا دَامَتِ الْأَيَّامُ بَاقِيَةً فَالْإِعَادَةُ مُمْكِنَةٌ» اور جب تک یہ ایام باقی ہیں تو لوٹانا ممکن ہے کہ ان کا کیا کر لے؟ اعادہ کر لے «فَيَرْمِيهَا عَلَى التَّأْلِيفِ» تو لہٰذا ان کی رَمْی کر لے «عَلَى التَّأْلِيفِ»، تالیف کا معنیٰ ہے جوڑنا جوڑنا، یعنی اسی طرح جوڑ کر یعنی اسی ترتیب سے کر لے جتنے دنوں کی رَمْی باقی ہے، انہی دنوں میں کرنا چاہتا ہے تو پہلے اگر دسویں تاریخ کی باقی ہے وہ کر لے، پھر اگلے دن کی ترتیب سے تینوں کی رَمْی کر لے، پھر اس سے اگلے دن کی رَمْی ترتیب سے تینوں کی کر لے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے «فَيَرْمِيهَا عَلَى التَّأْلِيفِ» تو ان کی رَمْی کر لے اس ترتیب سے «ثُمَّ بِتَأْخِيرِهَا يَجِبُ الدَّمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لَهُمَا». اچھا بھائی اس نے تاخیر کے ساتھ لیکن رَمْی کر لی انہی دنوں کے اندر یعنی آخری دن سب کی رَمْی کر لی پچھلے دنوں کی، تو صاحبین کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے دم لازم نہیں ہوتا جبکہ امام صاحب کے نزدیک تاخیر سے دم لازم ہوتا ہے تو ان کے نزدیک دم لازم ہو گا۔ یہ معنیٰ ہے «ثُمَّ بِتَأْخِيرِهَا يَجِبُ الدَّمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لَهُمَا» پھر اس کی تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہو گا امام صاحب کے نزدیک بخلاف صاحبین کے۔

«وَإِنْ تَرَكَ رَمْيَ يَوْمٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ» اور اگر چھوڑ دیا ایک دن کی رَمْی کو تو اس پر دم ہے «لِأَنَّهُ نُسُكٌ تَامٌّ» اس لیے کیونکہ یہ پوری عبادت ہے، اس دن کی پوری عبادت ہے تو دم ہو گا۔ «وَمَنْ تَرَكَ رَمْيَ إِحْدَى الْجِمَارِ الثَّلَاثِ فَعَلَيْهِ الصَّدَقَةُ» اور جس نے چھوڑ دیا تین جمرات میں سے ایک کی رَمْی کو تو اس پر صدقہ ہے «لِأَنَّ الْكُلَّ فِي هَذَا الْيَوْمِ نُسُكٌ وَاحِدٌ» اس لیے کیونکہ سارے کے سارے جو ہیں اس دن کے اندر وہ ایک ہی عبادت ہے «فَكَانَ الْمَتْرُوكُ أَقَلَّ» تو وہ جس کو چھوڑا گیا وہ کمتر ہے بھائی۔ مثلاً گیارہ تاریخ کو تینوں جمرات کی رَمْی کرنی تھی تو ایک کی رَمْی چھوڑ دی تو اکثر کو تو کر لیا، لہٰذا یوں سمجھیں گے رَمْی کر لی، البتہ کچھ چھوڑا ہے اس کی وجہ سے صدقہ ہو گا لیکن اگر اکثر چھوڑا ہوا تو دم واجب ہو گا۔ یہ معنیٰ ہے «لِأَنَّ الْكُلَّ فِي هَذَا الْيَوْمِ» اس لیے کیونکہ سارے کے اس لیے کیونکہ سب کی رَمْی جو ہے اس دن کے اندر «نُسُكٌ وَاحِدٌ» وہ ایک ہی عبادت ہے «فَكَانَ الْمَتْرُوكُ أَقَلَّ» تو وہ جس کو چھوڑا گیا ہے وہ کمتر ہے «إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمَتْرُوكُ أَكْثَرَ مِنَ النِّصْفِ» مگر یہ کہ وہ جس کو چھوڑا گیا ہے وہ اکثر ہو نصف سے، نصف سے اگر وہ زیادہ ہو «فَحِينَئِذٍ يَلْزَمُهُ الدَّمُ» تو اس وقت اس پر دم لازم ہو گا «لِوُجُودِ تَرْكِ الْأَكْثَرِ» اکثر کو چھوڑنے کے پائے جانے کی وجہ سے کہ اکثر کو اس نے چھوڑ دیا اور میں نے بتایا کتنا صدقہ ہو گا؟ ہر کنکری کے بدلے نصف صاع گندم۔

«وَإِنْ تَرَكَ رَمْيَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فِي يَوْمِ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ» اور اگر چھوڑ دیا حج کرنے والے نے جمرۂ عقبہ کی رَمْی کو یوم النحر والے دن تو اس پر دم واجب ہے۔ بھائی یوم النحر دسویں کو صرف کس کی رَمْی کرتے تھے؟ صرف جمرۂ عقبہ کو، صرف اس کی رَمْی کرتے تھے۔ تو لہٰذا یہ اس دن کی پوری عبادت ہوئی رَمْی کے اعتبار سے، لہٰذا اس کو چھوڑنے کی صورت میں دم۔ باقی دنوں میں تو سات کنکریاں چھوڑ دے گا تو اس سے دم نہیں آئے گا بلکہ بلکہ صدقہ آئے گا لیکن اس دن

تو ہے ہی سارا ساری عبادت ہی کتنی تھی؟ سات کنکریاں تھیں تو ان کو چھوڑنے کی وجہ سے دم لازم ہو گا۔ یہ معنیٰ ہے «فَعَلَيْهِ دَمٌ» اس پر دم واجب ہے «لِأَنَّهُ تَرَكَ كُلَّ وَظِيفَةِ هَذَا الْيَوْمِ رَمْيًا» اس لیے کیونکہ اس نے اس دن کے سارے وظیفے کو چھوڑ دیا رمیاً باعتبار رَمْی، اس دن کا جو سارا وظیفہ ہے باعتبار رَمْی کے اس کو اس نے چھوڑ دیا۔ «وَكَذَا إِذَا تَرَكَ الْأَكْثَرَ مِنْهَا» اور اسی طرح ہے حکم جب وہ ان میں سے اکثر کو چھوڑ دے یعنی چار کنکریاں چھوڑ دیں تو بھی اس صورت میں دم واجب ہو گا۔ «وَإِنْ تَرَكَ مِنْهَا حَصَاةً أَوْ حَصَاتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا تَصَدَّقَ لِكُلِّ حَصَاةٍ نِصْفَ صَاعٍ» اور اگر اس نے ان میں سے ایک کنکری چھوڑ دی یا دو کنکریاں یا تین کنکریاں «تَصَدَّقَ لِكُلِّ حَصَاةٍ نِصْفَ صَاعٍ» تو صدقہ کرے ہر کنکری کے لیے نصف صاع، نصف صاع بھائی گندم صدقہ کرے «إِلَّا أَنْ يَبْلُغَ دَمًا» مگر یہ کہ یہ کس تک پہنچ جائے؟ ایک دم تک پہنچ جائے یہ صدقہ جو ہے «فَيَنْقُصُ مَا شَاءَ» تو اس میں سے کم کر دے جو چاہے «لِأَنَّ الْمَتْرُوكَ هُوَ الْأَقَلُّ فَتَكْفِيهِ الصَّدَقَةُ» اس لیے کیونکہ وہ جس کو چھوڑا گیا وہ کمتر ہے تو اس کے لیے صدقہ کافی ہے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ أَخَّرَ الْحَلْقَ حَتَّى مَضَتْ أَيَّامُ ال...

«وَمَنْ أَخَّرَ الْحَلْقَ حَتَّى مَضَتْ أَيَّامُ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ». بھائی آپ پڑھ چکے کہ دسویں تاریخ کو حاجی مزدلفہ سے منیٰ پہنچا تو کیا کرے گا؟ رَمْی کرے گا اور اگر حج تمتع یا قران کر رہا ہے تو پھر قربانی بھی کرے گا اور پھر اس کے بعد کیا کرے گا؟ حلق کروائے گا یا بال چھوٹے کروائے گا۔ اور یہ حلق یاد رکھیے، یہ قربانی کے تین دنوں میں کرنا امام صاحب کے نزدیک واجب ہے، واجب ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا اگر حلق کو کسی نے ایام نحر سے مؤخر کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک اس پر دم آئے گا، صورت سمجھ میں آ گئی۔ یعنی بال کٹوائے یا استرے سے صاف کروائے لیکن کب کروائے؟ عید کے تینوں دن گزر گئے تھے اس کے بعد کروائے تو امام صاحب کے نزدیک اس پر دم ہو گا کیونکہ اس نے واجب کو اپنے وقت سے مؤخر کر دیا جبکہ صاحبین کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے دم واجب نہیں ہو تا لہٰذا ان کے نزدیک دم نہیں آئے گا۔

تو کہتے ہیں «وَمَنْ أَخَّرَ الْحَلْقَ» اور جس نے حلق کو مؤخر کر دیا «حَتَّى مَضَتْ أَيَّامُ النَّحْرِ» یہاں تک کہ قربانی کے دن گزر گئے «فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو اس پر دم واجب ہے امام صاحب کے نزدیک «وَكَذَا إِذَا أَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ» اور اسی طرح ہے حکم جب کہ اس نے مؤخر کر دیا طواف زیارت کو یعنی اس کو بھی ایام نحر سے مؤخر کیا تو اس پر بھی دم واجب ہے «وَقَالَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي الْوَجْهَيْنِ» اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ بھی نہیں ہے دونوں صورتوں میں یعنی چاہے حلق یعنی استرے سے بال صاف کروانا اس کو مؤخر کر دے ایام نحر سے، چاہے طواف زیارت کو مؤخر کر دے، دونوں صورتوں میں اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

«وَكَذَا الْخِلَافُ فِي تَأْخِيرِ الرَّمْيِ» اور اسی طرح اختلاف ہے رَمْی کو مؤخر کرنے میں بھی۔ رَمْی کو یعنی آج کی رَمْی اگلے دن کر رہا ہے تو صاحبین کے نزدیک دم واجب نہیں لیکن امام صاحب کے نزدیک دم واجب۔ تو کہتے ہیں «وَكَذَا الْخِلَافُ فِي تَأْخِيرِ الرَّمْيِ» اور اسی طرح اختلاف ہے رَمْی کو مؤخر کرنے میں «وَفِي تَقْدِيمِ نُسُكٍ عَلَى نُسُكٍ» اور ایک عبادت کو دوسری عبادت پر مقدم کرنے میں۔ امام صاحب کے نزدیک ترتیب ضروری ہے، ایک عبادت کو دوسری پر مقدم کیا تو دم واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک تقدیم و تاخیر سے دم واجب نہیں ہوتا۔

تو کہتے ہیں اسی طرح اختلاف ہے رَمْی کو مؤخر کرنے میں «وَفِي تَقْدِيمِ نُسُكٍ عَلَى نُسُكٍ» اور ایک عبادت کو دوسری عبادت پر مقدم کرنے میں۔ اب اس کی مثالیں ذکر کر رہے ہیں «كَالْحَلْقِ قَبْلَ الرَّمْيِ» جیسے کہ حلق کروالیا رَمْی سے پہلے ہی، امام صاحب کے نزدیک دم آئے گا، صاحبین کے نزدیک نہیں آئے گا۔ «وَنَحْرِ الْقَارِنِ قَبْلَ الرَّمْيِ» اور اسی طرح حج قران کرنے والے کا نحر یعنی قربانی کر لینا رَمْی سے پہلے ہی، امام صاحب کے نزدیک دم آئے گا اور صاحبین کے نزدیک دم نہیں آئے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک ترتیب ضروری ہے، پہلے رَمْی ہونی چاہیے، پھر قربانی ہونی چاہیے، پھر اس کے بعد حلق ہونا چاہیے۔ «وَالْحَلْقِ قَبْلَ الذَّبْحِ» اور اسی طرح حلق کر لینا یعنی بال صاف کروالینا سر کے ذبح سے پہلے ہی تو امام صاحب کے نزدیک دم واجب ہے، صاحبین کے نزدیک دم واجب نہیں۔

■ مسئلہ: لَهُمَا

«لَهُمَا» صاحبین کی دلیل یہ ہے «أَنَّ مَا فَاتَ مُسْتَدْرَكٌ بِالْقَضَاءِ» کہ وہ چیز جو فوت ہو گئی جو رہ گئی وہ مستدرک ہے یعنی اس کی تلافی ہو گئی بالقضاء کس کی وجہ سے؟ قضا کی وجہ سے۔ بے شک تاخیر کر دی لیکن پھر اس کو کر لیا یا نہیں کر لیا؟ تو اس کی تلافی ہو گئی «وَلَا يَجِبُ مَعَ الْقَضَاءِ شَيْءٌ آخَرُ» اور قضا کے ساتھ کوئی اور چیز واجب نہیں ہوتی بھائی۔ جیسے کسی کی نماز رہ جائے تو بعد میں کیا کرتا ہے اس کی؟ قضا، تو قضا کے ساتھ کچھ اور بھی واجب ہوتا ہے؟ نہیں۔ کسی کا روزہ رہ جائے تو بعد میں کیا کرتا ہے؟ قضا کرتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز واجب نہیں، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، قضا جب کر لی تو کوئی اور چیز ساتھ لازم نہیں ہو گی۔

«وَلَهُ» اور امام صاحب کی دلیل «حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو ہے وہ امام صاحب کی دلیل ہے «أَنَّهُ قَالَ» کہ وہ فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ «مَنْ قَدَّمَ نُسُكًا عَلَى نُسُكٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ» جس نے مقدم

کیا ایک عبادت کو دوسری عبادت پر تو اس پر دم واجب ہے۔

«وَلِأَنَّ التَّأْخِيرَ عَنِ الْمَكَانِ» یہ دوسری دلیل ہے امام صاحب کی، امام صاحب فرماتے ہیں کہ دیکھیے، بعض چیزیں جو ہیں ان کو مقید کیا گیا ہے جگہ کے ساتھ، مثلاً احرام ہے، احرام میقات سے پہلے پہلے باندھنا پڑے گا، جو میقات سے آگے نکل گیا اور احرام نہیں باندھا تھا تو اس پر دم لازم ہوتا ہے، میقات سے تجاوز کر جائے مکہ کی طرف اور اس نے احرام نہ باندھا ہو تو اس پر دم لازم آتا ہے، تو اسی طرح جو چیز زمانے کے ساتھ مقید ہے وہ جب اس میں تاخیر کرے گا تو اس پر بھی کیا لازم ہو گا؟ دم۔ یعنی مکان کے ساتھ جو چیزیں مقید تھیں ان کو اگر اس مکان سے مؤخر کر دیا جائے تو کیا لازم ہوتا ہے؟ دم، تو زمانے کے ساتھ جو مقید ہیں ان میں زمانے کے اعتبار سے جب تاخیر کر دی جائے گی تو دم لازم ہو گا۔ دلیل سمجھ میں آ گئی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ التَّأْخِيرَ عَنِ الْمَكَانِ يُوجِبُ الدَّمَ

«وَلِأَنَّ التَّأْخِيرَ عَنِ الْمَكَانِ يُوجِبُ الدَّمَ» اس لیے کیونکہ جگہ سے مؤخر کرنا یہ دم کو واجب کرتا ہے، جگہ سے مؤخر کرنا، یہ کس چیز کو واجب کرتا ہے؟ دم کو «فِيمَا هُوَ مُؤَقَّتٌ بِالْمَكَانِ كَالْإِحْرَامِ» ان چیزوں کے اندر جو مقید ہیں جگہ کے ساتھ جیسے کہ احرام، «فَكَذَا التَّأْخِيرُ عَنِ الزَّمَانِ فِيمَا هُوَ مُؤَقَّتٌ بِالزَّمَانِ» تو اسی طرح زمانے سے مؤخر کرنا بھی ہے ان چیزوں کے اندر جو زمانے کے ساتھ مقید ہیں بھائی۔ دلیل سمجھ میں آ گئی۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ جو چیزیں جگہ کے ساتھ مقید ہیں ان کو اگر اس جگہ سے مؤخر کر دیا جائے تو کیا واجب ہوتا ہے؟ دم واجب ہوتا ہے، تو اسی طرح جو چیزیں زمانے کے ساتھ مقید ہیں ان کو اگر اس زمانے سے مؤخر کر دیا جائے گا تو دم واجب ہو گا۔

«فَإِنْ حَلَقَ فِي أَيَّامِ النَّحْرِ فِي غَيْرِ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِ دَمٌ» اگر حاجی نے حلق کروایا ایام نحر ہی کے اندر «فِي غَيْرِ الْحَرَمِ» حرم کے علاوہ میں، بھائی ایک شخص ہے وہ حلق کرواتا ہے اور ایام نحر ہی کے اندر کرواتا ہے لیکن حرم سے باہر نکل گیا حرم کی حدود سے اور وہاں اس نے حلق یا قصر کروالیا تو یاد رکھیے اس صورت میں اس پر دم واجب ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عمرہ ادا کرتا ہے اور پھر حلق یا قصر جو ہے وہ حرم کے اندر نہیں کرتا بلکہ باہر جا کر حلق یا قصر کرواتا ہے تو اس پر بھی دم واجب ہو گا بھائی۔

تو کہتے ہیں «فَإِنْ حَلَقَ فِي أَيَّامِ النَّحْرِ فِي غَيْرِ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِ دَمٌ» پس اگر حاجی نے حلق کروایا ایام نحر کے اندر اندر حرم کے علاوہ میں یعنی حرم سے باہر «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر دم واجب ہے «وَمَنِ اعْتَمَرَ فَخَرَجَ مِنَ الْحَرَمِ وَقَصَّرَ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى» اور اسی طرح وہ شخص جس نے عمرہ کیا پھر وہ نکل گیا حرم سے اور بال چھوٹے کروالیے تو اس پر دم واجب ہے طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک «وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کچھ بھی نہیں ہے، اس پر کچھ بھی نہیں۔

«قَالَ» قال سے مراد ہے صاحبِ ہدایہ بھائی، «قَالَ» صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں «ذَكَرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْمُعْتَمِرِ وَلَمْ يَذْكُرْهُ فِي الْحَاجِّ»۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بتلا دیا کہ طرفین فرماتے ہیں کہ جو شخص عمرہ کر کے عمرہ کر کے حرم سے باہر نکلا اور بال کٹوائے تو طرفین کے نزدیک اس پر دم واجب اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہیں۔ کہتے ہیں امام محمد رحمہ اللہ نے عمرہ کرنے والے کے بارے میں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کیا ہے، کیا؟ کہ حرم سے باہر بھی کوئی عمرے کے اندر بال کٹوالے گا، عمرہ کر کے پھر حرم سے باہر بال کٹوالیتا ہے احرام سے حلال ہونے کے لیے، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ کوئی چیز واجب نہیں، باقی حاجی کے بارے میں ذکر نہیں کیا کہ ان کے بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ اس کا حلق یا قصر حرم میں کروانا ضروری ہے یا باہر بھی کروالے تو کوئی حرج نہیں، وہ ذکر انہوں نے نہیں کیا۔ تو پھر بعضوں نے کہا کہ اس میں حاجی کے بارے میں وہ بھی طرفین کے ساتھ ہیں کہ اس کا حلق یا قصر حرم ہی میں ہونا چاہیے، باہر اگر حلق کرے گا تو دم واجب ہو گا، «لِأَنَّ السُّنَّةَ جَرَتْ فِي الْحَجِّ بِالْحَلْقِ بِمِنًى وَهُوَ مِنَ الْحَرَمِ» اس لیے کیونکہ سنت جاری ہے حج کے بارے میں منیٰ میں حلق کروانے کی کہ منیٰ میں حلق کروایا جاتا ہے، حاجی حاجی کہاں حلق کرواتا ہے؟ منیٰ میں «وَهُوَ مِنَ الْحَرَمِ» اور وہ منیٰ حرم میں سے ہے۔

■ مسئلہ: وَالْأَصَحُّ

«وَالْأَصَحُّ» اور زیادہ صحیح قول یہ ہے «أَنَّهُ عَلَى الْخِلَافِ» کہ حاجی بھی اسی اختلاف پر ہے یعنی اس میں بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ یہی اختلاف کرتے ہیں۔ «وَهُوَ يَقُولُ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں «الْحَلْقُ غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِالْحَرَمِ» کہ حلق جو ہے وہ حرم کے ساتھ مختص نہیں ہے «لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابَهُ أُحْصِرُوا بِالْحُدَيْبِيَةِ وَحَلَقُوا فِي غَيْرِ الْحَرَمِ» اس لیے کیونکہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ جو ہیں «أُحْصِرُوا بِالْحُدَيْبِيَةِ»، احصر کے معنیٰ ہوتے ہیں بند کرنا، روروکا روکنا، کیونکہ حضور علیہ السلام «وَأَصْحَابَهُ أُحْصِرُوا بِالْحُدَيْبِيَةِ» حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ

جو ہیں وہ روکے گئے تھے حدیبیہ میں «وَحَلَقُوا فِي غَيْرِالْحَرَمِ» اور وہیں پر انہوں نے کیا کیا تھا؟ مختصراً میں نے واقعہ ذکر کیا تھا کہ حضور علیہ السلام صحابہ کے ساتھ تشریف لائے تھے اور مشرکین نے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تو آپ یہیں پر حلال ہو گئے تھے اور اگلے سال پھر آپ عمرے کے لیے تشریف لائے تھے اور اسے کیا کہتے ہیں؟ عمرۃ القضاء کہتے ہیں۔ تو وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام اور صحابہ جو ہیں وہ روکے گئے تھے حدیبیہ میں اور انہوں نے حلق کروایا تھا غیر حرم میں کیونکہ حدیبیہ کیا ہے؟ حرم سے باہر ہے۔

«وَلَهُمَا» طرفین کی دلیل یہ ہے «أَنَّ الْحَلْقَ لَمَّا جُعِلَ مُحَلِّلًا» کہ جب حلق محلل بنایا گیا ہے، حلق کیا کام کرتا ہے؟ حلال کر دیتا ہے یعنی احرام کی پابندیوں کو ختم کر دیتا ہے «كَالسَّلَامِ فِي آخِرِالصَّلَاةِ» جیسے کہ سلام ہے نماز کے آخر میں۔ نماز میں جیسے ہی ہم نماز شروع کرتے ہیں، اللہ اکبر کہتے ہیں تو کیا شروع ہو گیا؟ نماز کا احرام شروع ہو گیا اور کب ختم ہوتا ہے؟ محلل کیا چیز ہے؟ سلام ہے، سلام کے بعد وہ پابندیاں ختم ہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں کہ حلق جو ہے «لَمَّا جُعِلَ مُحَلِّلًا» جب اس کو محلل بنا دیا گیا، محلل قرار دے دیا گیا «صَارَ كَالسَّلَامِ فِي آخِرِالصَّلَاةِ» تو یہ ہو گیا وہ سلام جو نماز کے آخر میں ہوتا ہے اس کی طرح «فَإِنَّهُ مِنْ وَاجِبَاتِهَا» تو وہ سلام جو ہے وہ نماز کے واجبات میں سے ہے۔ تو اسی طرح معلوم ہوا یہ حلق بھی حج کے واجبات میں سے ہو گا۔ حلق جیسے محلل ہے کس کی طرح ہے؟ جیسے سلام محلل ہے اور سلام کیا ہے؟ نماز کے واجبات میں سے ہے اگرچہ محلل ہے، اسی طرح حلق بھی محلل ہے لیکن یہ واجباتِ حج میں سے ہے، معلوم ہوا حج کے افعال میں سے ایک فعل ہے اور جب حج کے افعال میں سے ہے تو حج کے افعال تو کہاں کیے جاتے ہیں؟ حرم کے اندر کیے جاتے ہیں، معلوم ہوا یہ بھی کہاں کرنا پڑے گا؟ حرم ہی میں کرنا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں «فَإِنَّهُ مِنْ وَاجِبَاتِهَا وَإِنْ كَانَ مُحَلِّلًا» تو سلام جو ہے یہ نماز کے واجبات میں سے ہے اگرچہ یہ محلل ہے یعنی نماز کو حلال کرنے والا ہے «فَإِذَا صَارَنُسُكًا» پس جب یہ حلق عبادت بن گیا، کیا بن گیا؟ عبادت، محلل ہے نا تو یہ کس کی طرح ہوا؟ سلام کی طرح اور سلام تو کیا ہے؟ نماز کے واجبات میں سے ہے، معلوم ہوا حلق بھی کیا ہے؟ حج کے واجبات میں سے، حج کی عبادتوں میں سے ایک عبادت، تو جب یہ عبادت بن گیا، یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کیا ہے؟ عبادت ہے، یہ معنیٰ ہے «فَإِذَا صَارَنُسُكًا» جب یہ حلق عبادت ہو گیا «اخْتَصَّ بِالْحَرَمِ» تو یہ خاص ہوا حرم کے ساتھ «كَالذَّبْحِ» جیسے کہ ذبح ہے، جیسے وہ باقی افعال حرم کے ساتھ خاص ہیں تو یہ بھی حرم کے ساتھ خاص ہو گا۔

■ مسئلہ: وَبَعْضُ الْحُدَيْبِيَةِ

«وَبَعْضُ الْحُدَيْبِيَةِ» یہاں سے وہ جواب دے رہے ہیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل کا، انہوں نے کیا ذکر کیا تھا؟ کہ حدیبیہ میں حضور علیہ السلام اور صحابہ نے حلق کروایا اور حدیبیہ تو حرم سے باہر، تو جواب دیتے ہیں کہ نہیں، حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے تو ہو سکتا ہے صحابہ نے اور حضور علیہ السلام نے اس حصے میں حلق کروایا ہو۔ تو کہتے ہیں «وَبَعْضُ الْحُدَيْبِيَةِ مِنَ الْحَرَمِ» اور حدیبیہ کا کچھ حصہ جو ہے وہ حرم میں سے ہے «فَلَعَلَّهُمْ حَلَقُوا فِيهِ» تو شاید انہوں نے حلق اس حصے میں کروایا ہو۔

«فَالْحَاصِلُ» حاصلِ کلام یہ ہے «أَنَّ الْحَلْقَ يَتَوَقَّتُ بِالزَّمَانِ وَالْمَكَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» کہ حلق جو ہے وہ مقید ہے زمانے اور جگہ کے ساتھ امام صاحب کے نزدیک۔ امام صاحب کے نزدیک حلق زمانے کے ساتھ بھی مقید اور جگہ کے ساتھ بھی، زمانہ کون سا؟ ایام نحر ہیں، قربانی کے تین دن ہیں، اور جگہ کے ساتھ بھی مقید، جگہ کون سی؟ حرم ہونا چاہیے۔ «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَتَوَقَّتُ بِهِمَا» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان دونوں کے ساتھ مقید نہیں ہے یعنی ایام نحر کا ہونا بھی ضروری نہیں، ان کے بعد بھی حلق کروا سکتا ہے اور حرم کا ہونا بھی ضروری نہیں، باہر بھی کروا سکتا ہے۔ «وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَوَقَّتُ بِالْمَكَانِ دُونَ الزَّمَانِ» اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حلق جو ہے وہ مقید ہے جگہ کے ساتھ نہ کہ زمانے کے ساتھ۔ جگہ کے ساتھ مقید ہے یعنی کہاں ہونا چاہیے حلق؟ حرم میں۔ زمانے کے ساتھ مقید نہیں یعنی ایام نحر کے بعد بھی کروا لے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ آپ پڑھ چکے صاحبین کے نزدیک تاخیر سے بھی کوئی حرج نہیں ہوتا۔ «وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَوَقَّتُ بِالزَّمَانِ دُونَ الْمَكَانِ» اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک حلق جو ہے وہ مقید ہے زمانے کے ساتھ یعنی کب ہو گا؟ ایام نحر میں ہو گا «دُونَ الْمَكَانِ» نہ کہ جگہ کے ساتھ یعنی حرم میں ہونا ضروری نہیں۔

«وَهَذَا الْخِلَافُ فِي التَّوْقِيتِ» یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ جو ائمہ کا اختلاف ہے، یہ دم کے سلسلے میں اختلاف ہے کہ اس پر دم آئے گا یا دم نہیں آئے گا؟ باقی حلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، سب کے نزدیک چاہے اس مقیدہ زمانے کا خیال رکھے یا نہ رکھے، جب حلق کروائے گا تو کیا ہو جائے گا؟ حلال۔ اسی طرح مقید جگہ کا خیال رکھے یا نہ رکھے، لیکن جب حلق کروائے گا کیا ہو جائے گا؟ حلال۔ تو حلال ہونے کے اندر اختلاف نہیں ہے، صرف ضمان دینے کے اندر اختلاف ہے کہ ضمان اس پر دم کا ضمان آئے گا یا نہیں آئے گا۔

تو کہتے ہیں «وَهَذَا الْخِلَافُ فِي التَّوْقِيتِ فِي حَقِّ التَّضْمِينِ بِالدَّمِ» اور یہ جو اختلاف ہے توقیت مقید کرنے کے بارے میں، یہ «فِي حَقِّ التَّضْمِينِ بِالدَّمِ» یہ دم کے ساتھ ضامن بنانے کے حق میں ہے «أَمَّا لَا يَتَوَقَّتُ فِي حَقِّ التَّحَلُّلِ بِالِاتِّفَاقِ» اور باقی یہ مقید نہیں ہے حلال ہونے کے حق

میں بالاتفاق یعنی حلال ہر صورت میں وہ ہو جائے گا۔

■ مسئلہ: وَالتَّقْصِيرُ وَالْحَلْقُ فِي الْعُمْرَةِ غَيْرُ...

«وَالتَّقْصِيرُ وَالْحَلْقُ فِي الْعُمْرَةِ غَيْرُ مُوَقَّتٍ بِالزَّمَانِ بِالْإِجْمَاعِ» اور بال چھوٹے کروانا اور حلق کروانا عمرے کے اندر یہ زمانے کے ساتھ مقید نہیں ہے بالاجماع۔ بالاجماع عمرہ کر لیا ایک آدمی نے، طواف اور سعی کر لی، اب حلق کرنا رہ گیا حلال ہونے کے لیے، تو جب چاہے یہ حلق کروائے، چاہے اسی وقت کروائے، چاہے دس دن بعد کروائے، چاہے مہینے بعد کروائے کیونکہ اس میں حلق کے اندر زمانے کی کوئی قید نہیں ہے بالاجماع بھائی۔ ہاں البتہ یہ یاد رہے، جب تک حلق کروائے گا نہیں احرام کی پابندیاں ختم نہیں ہوں گی۔ تو کہتے ہیں «وَالتَّقْصِيرُ وَالْحَلْقُ فِي الْعُمْرَةِ غَيْرُ مُوَقَّتٍ بِالزَّمَانِ بِالْإِجْمَاعِ» اور بال چھوٹے کروانا اور حلق کروانا عمرے کے اندر یہ مقید نہیں ہے زمانے کے ساتھ بالاجماع «لِأَنَّ أَصْلَ الْعُمْرَةِ لَا يَتَوَقَّتُ بِهِ» اس لیے کیونکہ اصلِ عمرہ جو ہے وہ زمانے کے ساتھ مقید نہیں ہے، جب عمرہ کرنا چاہے کر سکتا ہے «بِخِلَافِ الْمَكَانِ» بخلاف جگہ کے «لِأَنَّهُ مُوَقَّتٌ بِهِ» کہ عمرہ اس کے ساتھ مقید ہے، عمرہ کہاں پر ہو گا؟ حرم ہی میں ہے کیونکہ سعی اور طواف پر مشتمل ہے اور وہ حرم کے اندر، تو لہٰذا لہٰذا اس میں حلق اور قصر میں زمانے کے اعتبار سے تو کوئی قید نہیں لیکن جگہ کے اعتبار سے قید کا یہ مقید ہو گا حلق اور قصر، اسی اختلاف کے مطابق جو ابھی اوپر تفصیل ذکر ہو گئی بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ جو جگہ کا جگہ کی قید کا اعتبار کرتے ہیں ان کے نزدیک جگہ کی قید یہاں بھی معتبر ہو گی جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جگہ کی قید کا اعتبار نہیں کرتے لہٰذا ان کے نزدیک یہاں بھی قید نہیں ہو گی۔

«قَالَ فَإِنْ لَمْ يُقَصِّرْ حَتَّى رَجَعَ وَقَصَّرَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا». صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے عمرہ کر لیا لیکن حلق یا قصر نہیں کروایا اور حرم سے نکل گیا۔ پھر بعد میں وہ واپس آیا اور حلق اور قصر اس نے حرم کے اندر کروالیا تو کیا اب اس پر دم ہے یا دم ساقط ہو گیا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس پر کوئی دم اب نہیں کیونکہ حلق یا قصر رہتا تھا اور وہ اس نے کہاں پر کر لیا؟ اپنی جگہ پر ہی کیا یعنی حرم کے اندر، تو اس پر کچھ نہیں۔

تو کہتے ہیں «فَإِنْ لَمْ يُقَصِّرْ» اگر اس شخص نے بال چھوٹے نہیں کروائے «حَتَّى رَجَعَ وَقَصَّرَ» یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آیا یعنی حرم میں «وَقَصَّرَ» اور پھر بال چھوٹے کروالیے «فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا» تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ان تینوں ائمہ کے قول کے مطابق بھائی۔ «مَعْنَاهُ إِذَا خَرَجَ الْمُعْتَمِرُ ثُمَّ عَادَ» معنیٰ اس کا یہ ہے کہ جب عمرہ کرنے والا نکلا پھر لوٹ آیا، سمجھ میں آیا بھائی؟ متن کا معنیٰ بیان کر رہے ہیں «فَإِنْ لَمْ يُقَصِّرْ حَتَّى رَجَعَ» سے کون سا شخص؟ کون لوٹ آیا واپس؟ عمرہ کرنے والا پھر لوٹ آیا، «لِأَنَّهُ أَتَى بِهِ فِي مَكَانِهِ» اس لیے کیونکہ اس نے اس کو اس لیے کیونکہ وہ اس حلق یا قصر کو لے آیا ہے اپنی جگہ میں یعنی اس کو ادا کیا ہے اپنی جگہ میں «فَلَا يَلْزَمُهُ زَمَانُهُ» تو اس پر اس کا زمانہ لازم نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: فَإِنْ حَلَقَ الْقَارِنُ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ فَمَ...

«فَإِنْ حَلَقَ الْقَارِنُ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ فَعَلَيْهِ دَمَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ». صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے حج قران کیا اور حج قران کے اندر آپ پڑھ چکے کہ اس پر قربانی بھی واجب ہوتی ہے کہ اللہ نے دو عبادتوں کی توفیق اسے دی ہے۔ اور پھر اس کے اندر آپ پڑھ چکے ہیں، یرحمک اللہ، اس کے اندر آپ تفصیل پڑھ چکے کہ دسویں ذوالحجہ کو پہلے جمرۂ عقبہ کی رَمْی کی جاتی ہے اور اس کے بعد قربانی کرے گا، پھر اس کے بعد کیا کرے گا؟ حلق کروائے گا۔ اب اگر حج قران کرنے والے نے قربانی سے پہلے ہی حلق کروالیا، قربانی سے پہلے ہی حلق کروالیا اور پھر اس کے بعد قربانی کی تو امام صاحب کے نزدیک اس پر دو دم واجب ہوں گے۔ دو دم اور صاحبین کے نزدیک اس پر ایک ہی دم واجب ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں تفصیل آ رہی ہے بھائی، «فَإِنْ حَلَقَ الْقَارِنُ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ فَعَلَيْهِ دَمَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اگر حلق کروالیا حج قران کرنے والے نے ذبح کرنے سے پہلے ہی تو اس پر دو دم ہیں امام صاحب کے نزدیک۔ کون سے دو دم؟ کہتے ہیں «دَمٌ بِالْحَلْقِ فِي غَيْرِ أَوَانِهِ» ایک دم تو جو ہے وہ حلق کروانے کی وجہ سے «فِي غَيْرِ أَوَانِهِ» اپنے وقت کے علاوہ میں۔ کیا کیا اس نے؟ ہاں ذبح سے پہلے حلق کروالیا تو اپنے وقت سے اپنے وقت کے علاوہ میں جو اس نے حلق کروالیا اس وجہ سے، «لِأَنَّ أَوَانَهُ بَعْدَ الذَّبْحِ» اس لیے کیونکہ حلق کا وقت جو ہے وہ تو ذبح کے بعد ہے، تو ایک تو دم اس وجہ سے آئے گا۔ «وَدَمٌ بِتَأْخِيرِ الذَّبْحِ عَنِ الْحَلْقِ» اور ایک دم جو ہے وہ ذبح کو مؤخر کرنے کی وجہ سے «عَنِ الْحَلْقِ» حلق سے کہ اس نے ذبح کو کیا کیا؟ مؤخر کیا ہے حلق سے۔

لیکن یہاں علماء لکھتے ہیں صاحبِ ہدایہ سے تسامح ہو گیا، سہو ہو گیا، غلطی ہو گئی بھائی۔ دو دم، دو دم، ایک دم کیا ذکر کیا؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ کہ امام صاحب کے نزدیک دو دم واجب ہیں۔ ایک دم کون سا؟ حلق کو اپنے وقت میں نہیں کیا یعنی مقدم کیا اور دوسرا دم کس وجہ سے؟ ذبح کو مؤخر کیا، حالانکہ اس تقدیم و تاخیر سے ایک ہی دم واجب ہو گا کیونکہ جب ایک کو مقدم کریں گے تو دوسرا خود بخود کیا ہو جائے گا؟ مؤخر ہو جائے گا، تو اس تقدیم و تاخیر سے ایک دم واجب ہو گا اور ایک دم جو ہے وہ خود حج

قران والا ہے۔ کتنے دم ہو گئے؟ دو۔ ایک تو اس پر تھا ہی اور دوسرا یہ جو تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اس تقدیم و تاخیر ہوئی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَهُمَا يَجِبُ عَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ وَهُوَ...

«**وَعِنْدَهُمَا يَجِبُ عَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ وَهُوَ الْأَوَّلُ**» اور صاحبین کے نزدیک اس پر ایک ہی دم واجب ہو گا «**وَهُوَ الْأَوَّلُ**» اور وہ وہی پہلا ہے۔ کون سا پہلا؟ ہاں حلق کو اپنے وقت میں نہیں بھائی نہیں، وہی پہلا، وہ حج قران والا، کون سا؟ حج قران والا۔ تو کہتے ہیں «**وَهُوَ الْأَوَّلُ**» اور وہی پہلا ہی دم ہے کیونکہ صاحبین کے نزدیک تو تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ «**وَلَا يَجِبُ بِسَبَبِ التَّأْخِيرِ شَيْءٌ عَلَى مَا قُلْنَا**» اور واجب نہیں ہو گا مؤخر کرنے کی وجہ سے کوئی چیز بوجہ اس کے جو ہم نے ہم نے کہہ بتلا دیا، ہم نے کہا کہ صاحبین کے نزدیک تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا بھائی۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۵۶: فَصْلٌ: اِعْلَمْ اَنَّ صَیْدَ الْبَحْرِ مُحَرَّمٌ عَلَی...

ہدایہ صفحہ: ۲۹۸ــــ بتاریخ: ۱۶ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اِعْلَمْ أَنَّ صَيْدَ الْبَحْرِ مُحَرَّمٌ عَلَى الْمُحْرِمِ وَصَيْدَ الْبَحْرِ حَلَالٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، وَصَيْدُ الْبَرِّ مَا يَكُونُ تَوَالُدُهُ وَمَثْوَاهُ فِي الْبَرِّ، وَصَيْدُ الْبَحْرِ مَا يَكُونُ تَوَالُدُهُ وَمَثْوَاهُ فِي الْمَاءِ. [1]

■ فَصْلٌ: اِعْلَمْ اَنَّ صَیْدَ الْبَرِّ مُحَرَّمٌ عَلَی الْمُ

فَصْلٌ: اِعْلَمْ أَنَّ صَيْدَ الْبَرِّ مُحَرَّمٌ عَلَى الْمُحْرِمِ. جان لے کہ خشکی کا شکار جو ہے وہ حرام ہے محرم پر۔ **وَصَيْدَ الْبَحْرِ حَلَالٌ،** اور بحری شکار جو ہے وہ حلال ہے بھائی۔ سمندری شکار حلال ہے۔ خشکی کا شکار حرام ہے، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿**لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ**﴾، کہ تم شکار کو قتل نہ کرو اس حال میں کہ تم محرم ہو۔ اور بحری شکار حلال ہے، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى،** اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: ﴿**أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ**﴾، حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لیے سمندر کے شکار کو، **إِلَى آخِرِ الْآيَةِ،** آخرِ آیت تک۔

اب آگے صاحبِ ہدایت بتلا رہے ہیں کہ خشکی کا شکار کسے کہیں گے اور بحری شکار کسے کہیں گے؟ تو کہتے ہیں: **وَصَيْدُ الْبَرِّ مَا يَكُونُ تَوَالُدُهُ وَمَثْوَاهُ فِي الْبَرِّ،** کہ خشکی کا شکار وہ ہے، وہ جانور کہ جس کا توالد اور مثویٰ خشکی ہو۔ توالد یعنی نسل بڑھانا، کہ جس کے نسل کا بڑھانا اور مثویٰ ہو اور اس کا ٹھکانہ جو ہے وہ خشکی میں ہو۔ یعنی جن جانوروں کی نسل خشکی پر بڑھتی ہے، یعنی انڈے وغیرہ یا بچے وغیرہ جو دیتے ہیں خشکی میں دیتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ بھی خشکی ہے، خشکی پر ہی رہتے ہیں بھائی۔ **وَصَيْدُ الْبَحْرِ مَا يَكُونُ تَوَالُدُهُ وَمَثْوَاهُ فِي الْمَاءِ،** اور بحری شکار جو ہے وہ ہے کہ جس کے نسل کا بڑھانا اور اس کا ٹھکانہ پانی میں ہو۔

وَالصَّيْدُ، شکار کسے کہتے ہیں بھائی؟ شکار۔ کہتے ہیں: **وَالصَّيْدُ هُوَ الْمُمْتَنِعُ الْمُتَوَحِّشُ فِي أَصْلِ الْخِلْقَةِ.** شکار جو ہے **هُوَ الْمُمْتَنِعُ،** وہ جانور ہے جو ممتنع ہو یعنی جسے حاصل کرنا ممکن نہ ہو، یعنی بغیر شکار کے بغیر کسی حیلے کے جسے پکڑنا اور حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔ تو وہ ممتنع ہوا بھائی، ممتنع۔ **الْمُتَوَحِّشُ،** اور وحشی ہو، **فِي أَصْلِ الْخِلْقَةِ،** اصل خلقت کے اعتبار سے، اصل پیدائش کے اعتبار سے وہ کیا ہو؟ وحشی ہو۔ بھائی کچھ جانور ہیں وہ انسانوں کے ساتھ مانوس ہوتے ہیں، انسانوں کے پاس رہتے ہیں اور کچھ کیا ہیں؟ غیر مانوس ہیں، وحشی ہیں، انسان کو دیکھتے ہی اس سے دور بھاگتے ہیں تو وہ ہیں وحشی بھائی۔ تو شکار کی تعریف انہوں نے کر دی: **وَالصَّيْدُ هُوَ الْمُمْتَنِعُ الْمُتَوَحِّشُ فِي أَصْلِ الْخِلْقَةِ.** پہلی قید کیا لگائی؟ ممتنع ہو یعنی جسے شکار کے بغیر پکڑنا اور حاصل کرنا ممکن نہ ہو، اور نیز وہ اصل خلقت کے اعتبار سے وحشی ہو۔ اس کے ذریعے نکال دیا ان جانوروں کو جن کو انسان اپنے ساتھ مانوس کر لے، مثلاً اگر کوئی کسی ہرن کو اپنے ساتھ کیا کر لے؟ مانوس کر لے تو اس قید سے وہ شکار اس تعریف سے وہ خارج نہیں ہو گا، اس لیے کیونکہ اصل خلقت کے اعتبار سے ہرن کیا ہے؟ متوحش ہی ہے بھائی، وحشی ہے۔

وَاسْتَثْنَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَمْسَ الْفَوَاسِقَ وَهِيَ الْكَلْبُ الْعَقُورُ وَالذِّئْبُ وَالْحِدَأَةُ وَالْغُرَابُ وَالْحَيَّةُ وَالْعَقْرَبُ. اور استثنا فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ فواسق کا۔ حضور علیہ السلام نے ان میں سے پانچ فواسق کا استثنا فرمایا ہے۔ فواسق جمع ہے فاسقۃ کی، فاسقۃ

[1] حوالۂ آیت (شاملہ ص ۲۱۸): (المائدۃ ۹۶)۔ • شاملہ (ص ۲۱۸) میں «الْبَحْرِ» کے بجائے «البر» درج ہے۔

مؤنث ہے فاسق کی اور فاسق کے معنی ہیں نافرمان بھائی، نافرمان۔ نافرمان اور اسی طرح حد سے نکلنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا۔ تو یہ پانچ جانور ہیں جن کو حضور علیہ السلام نے ان کا استثنا فرمایا کہ محرم ان کو قتل کر سکتا ہے، اور وہ کیا کیا ہیں؟ کہتے ہیں: **وَهِيَ الْكَلْبُ الْعَقُورُ**، عقور کاٹنے والا بھائی۔ **وَهِيَ الْكَلْبُ الْعَقُورُ**، اور وہ کاٹنے والا کتا ہے، **وَالذِّئْبُ**، اور بھیڑیا ہے، **وَالْحِدَأَةُ**، اور چیل ہے، چیل، **وَالْغُرَابُ**، اور کوا ہے، **وَالْحَيَّةُ**، اور سانپ ہے، **وَالْعَقْرَبُ**، اور بچھو ہے بھائی، بچھو ہے۔

تو حضور علیہ السلام نے پانچ فواسق کا استثنا فرمایا، آگے صاحب ہدایہ نے جو جانور گنوائے وہ چھ ہیں بھائی۔ سوال پیدا ہوتا ہے آپ نے تو پانچ ذکر کیا اور آگے چھ گنوا دیے، تو وجہ یہ ہے کہ مختلف احادیث میں یہ آتے ہیں صاحبِ ہدایہ نے ان کو کیا کیا؟ جمع کر دیا، یا یہ کہ یہ جو بھیڑیا ہے اور کلبِ عقور یہ ایک ہی قسم کے ہیں تو ان کو ایک ہی شمار کریں گے بھائی، ایک جنس قسم کے ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو ان کو فواسق کہا گیا تو یہ استعارہ ہے کہ یہ حرمت سے نکل گئے ہیں جیسے فاسق کا کیا معنی تھا؟ حد سے نکلنے والا، تو یہ جانور بھی کیا ہیں؟ حرمت سے نکل گئے ہیں، ان کا قتل کرنا حرام نہیں ہے محرم کے لیے تو اس لیے ان کے لیے فواسق کا لفظ استعمال کیا بھائی۔ اور تو ان کا استثنا فرمایا حضور علیہ السلام نے، **فَإِنَّهَا مُبْتَدِئَاتٌ بِالْأَذَى**، اس لیے کیونکہ یہ تکلیف دینے میں پہل کرنے والے ہیں۔ یہ کیا کرتے ہیں؟ تکلیف دینے میں پہل کرتے ہیں، یہ خود دوسرے پر حملہ کر دیتے ہیں۔

وَالْمُرَادُ بِهِ الْغُرَابُ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ، اور جو کوے کا ذکر آیا غراب، کوا، تو اس سے مراد وہ کوا ہے **الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ**، جو مردار کھاتا ہے۔ **وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، یہی روایت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے۔ وہ کیا فرماتے ہیں کہ غراب کا جو ذکر آیا، کوے کا، اس سے کون سا کوا مراد ہے؟ جو مردار کھاتا ہے بھائی۔ تو ہر کوا مراد اس سے نہیں ہے۔

قَالَ: صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَإِذَا قَتَلَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا أَوْ دَلَّ عَلَيْهِ مَنْ قَتَلَهُ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ**. اور جب قتل کر دیا محرم نے شکار کو، **أَوْ دَلَّ عَلَيْهِ**، یا اس پر دلالت کی، اس پر رہنمائی کی، کس کی رہنمائی کی؟ **مَنْ قَتَلَهُ**، اس شخص کی جس نے پھر اس کو کیا کر دیا؟ قتل۔ محرم نے اس شکار پر رہنمائی کی **مَنْ قَتَلَهُ** اس شخص کی جس نے اس کو پھر قتل کر دیا، **فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ**، تو ان دونوں صورتوں میں اس محرم پر جزا واجب ہے۔ چاہے خود قتل کرے، چاہے چاہے اس پر دلالت کرے اور قتل کوئی دوسرا کرے، دونوں صورتوں میں محرم پر جزا واجب ہے۔

اس کی اب آگے دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: **أَمَّا الْقَتْلُ**، باقی قتل کرنا جو ہے، **فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى**، وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ہے: ﴿**لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ**﴾، تم شکار کو قتل نہ کرو اس حال میں کہ تم محرم ہو، ﴿**وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ**﴾، اور جس نے قتل کر دیا اس کو تم میں سے متعمداً جان بوجھ کر **فَجَزَاءٌ** تو جزا ہے، تو اس پر جزا واجب ہے، **الْآيَةَ**۔ اقرأ الآیۃ۔ **نَصٌّ عَلَى إِيجَابِ الْجَزَاءِ**، اللہ کا یہ قول نص ہے جزا کے واجب ہونے پر بھائی۔ جزا کے واجب کرنے پر یہ اللہ کا قول نص ہے، اس میں تصریح ہے جزا کے واجب کرنے کی۔

یہ تو دلیل تھی کہ کوئی محرم اگر شکار کو قتل کر دیتا ہے۔ اور متن میں تو یہ آیا اگر جو رہنمائی کر دے گا اور دوسرا کوئی قتل کر دے تو بھی محرم پر کیا واجب ہو گی؟ جزا۔ اس کی دلیل اب ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَأَمَّا الدَّلَالَةُ**، اور باقی دلالت جو ہے، **فَفِيهَا خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ **هُوَ يَقُولُ**، وہ فرماتے ہیں: **الْجَزَاءُ تَعَلَّقَ بِالْقَتْلِ**، کہ جزا کا تعلق قتل کے ساتھ ہے۔ کیونکہ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ﴿**وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ**﴾، تو قرآن میں کیا ہے؟ قتل کا ذکر آیا ہے، دلالت کا ذکر نہیں ہے لہٰذا صرف دلالت کرنے اور رہنمائی کرنے کی وجہ سے محرم پر جزا واجب نہیں ہو گی۔ تو وہ فرماتے ہیں: **الْجَزَاءُ تَعَلَّقَ بِالْقَتْلِ**، کہ جزا کا تعلق قتل کے ساتھ ہے، **وَالدَّلَالَةُ لَيْسَتْ بِقَتْلٍ**، اور دلالت کرنا رہنمائی کرنا یہ تو قتل کرنا نہیں ہے، **فَأَشْبَهَ دَلَالَةَ الْحَلَالِ حَلَالًا**، تو یہ مشابہ ہو گیا کسی حلال کا حلال کی رہنمائی کرنے کے۔ جیسے بھائی ایک حلال شخص دوسرے حلال کی رہنمائی کرے کس پر؟ شکار پر، شکار پر۔ تو یہ جو حلال رہنمائی کرنے والا تھا اس پر کوئی جزا واجب نہیں ہوتی تو اسی طرح محرم بھی اگر صرف رہنمائی کرے گا تو اس پر بھی جزا واجب نہیں ہو گی، جزا کا تعلق صرف قتل سے ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل جو ہے، **مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ**، اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا یعنی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث۔ وہ احرام کے باب میں احرام کا جہاں بیان آیا تھا حج کے شروع میں، وہاں پر ذکر ہوا تھا حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکار کیا تھا اور اور یہ حلال تھے یعنی بغیر احرام کے تھے اور ان کے ساتھی حالتِ احرام میں تھے، اور حضور علیہ السلام سے پوچھا تو حضور علیہ السلام نے ان کے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم نے رہنمائی کی ہے یا تم نے اشارہ کیا یا تم نے یا تم نے مدد کی؟ تو انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ ہم نے تو مدد نہیں کی، تو پھر حضور علیہ السلام فرمانے لگے تب تم اس میں سے کھاؤ۔ تو وہاں دیکھیے حضور علیہ السلام نے ان سے پوچھا: کیا تم نے اشارہ کیا؟ کیا تم نے رہنمائی کی؟ معلوم ہوا یہ اشارہ کرنا اور رہنمائی کرنا بھی محرم کے لیے درست نہیں ہے بھائی۔

وَقَالَ عَطَاءٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: أَجْمَعَ النَّاسُ عَلَى أَنَّ عَلَى الدَّالِّ الْجَزَاءَ. اور حضرت عطاء جو ہیں، عطاء رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا اجماع ہے اس بات پر کہ دلالت کرنے والے پر بھی جزا ہے۔ یہ دوسری دلیل آ گئی۔

وَلِأَنَّ الدَّلَالَةَ مِنْ مَحْظُورَاتِ الْإِحْرَامِ، اور نیز اس لیے کیونکہ دلالت جو ہے وہ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے۔ **وَلِأَنَّهُ تَفْوِيتُ الْأَمْنِ عَلَى الصَّيْدِ إِذْ هُوَ آمِنٌ بِتَوَحُّشِهِ وَتَوَارِيهِ فَصَارَ كَالْإِتْلَافِ. لِأَنَّهُ تَفْوِيتُ الْأَمْنِ**، کیونکہ دلالت کرنا یہ فوت کر دینا ہے شکار کے امن کو۔ شکار کے امن کو، دلالت کے ذریعے بھی کیا ہو گا؟ شکار کا امن فوت ہو جائے گا، وہ تو بیچارہ مامون تھا۔ **إِذْ هُوَ آمِنٌ**، کیونکہ وہ تو مامون تھا، **بِتَوَحُّشِهِ وَتَوَارِيهِ**، اپنے وحشی ہونے کی وجہ سے اور چھپنے کی وجہ سے۔ شکار تو کسی کے قریب نہیں آتا، وہ تو وحشی ہے غیر مانوس ہے اور نیز وہ چھپا ہوا تھا لیکن دوسرے نے کیا کیا؟ دلالت کر کے اس کے امن کو فوت کر دیا۔ **فَصَارَ كَالْإِتْلَافِ**، تو یہ دلالت بھی اتلاف کی طرح ہو گئی، تلف کرنے کی طرح ہی ہو گئی کیونکہ اس کی وجہ سے اس بیچارے کا امن ختم ہوا۔

وَلِأَنَّ الْمُحْرِمَ بِإِحْرَامِهِ الْتَزَمَ الِامْتِنَاعَ عَنِ التَّعَرُّضِ، اور نیز اس لیے کیونکہ محرم جو ہے اس نے اپنے احرام کے ذریعے **الْتَزَمَ الِامْتِنَاعَ عَنِ التَّعَرُّضِ**، اس نے التزام کیا یعنی اپنے اوپر لازم کیا کس چیز کو؟ **الِامْتِنَاعَ عَنِ التَّعَرُّضِ**، امتناع باز رہنا، تعرض پیچھے پڑنا، اور التعرض الف لام آیا، پیچھے پڑنا، کس چیز کے پیچھے پڑنا مراد ہے یہاں؟ شکار کے پیچھے پڑنا مراد ہے۔ تو اس لیے کیونکہ محرم نے اپنے احرام کے ذریعے التزام کیا ہے **الِامْتِنَاعَ عَنِ التَّعَرُّضِ**، شکار کے پیچھے پڑنے سے باز رہنے کا، کہ وہ شکار کے پیچھے پڑنے سے باز رہے گا، اس کا التزام کیا کس نے؟ محرم نے اپنے احرام کے ذریعے، جب اس نے احرام باندھ لیا تو احرام باندھنے کا مطلب یہ تھا وہ کسی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دے گا، شکار کے پیچھے بھی نہیں پڑے گا۔ **فَيَضْمَنُ بِتَرْكِ مَا الْتَزَمَهُ**، تو لہٰذا یہ ضامن ہو گا اس چیز کو چھوڑنے کی وجہ سے جس کا اس نے التزام کیا تھا، جس چیز کو اپنے اوپر لازم کیا تھا، **كَالْمُودَعِ**، جیسے جیسے کہ مودَع ہے۔ مودَع وہ شخص جس کے پاس امانت رکھوائی جائے۔ بھائی امانت جب ایک شخص کے پاس رکھوا دی گئی اور اس نے امانت رکھ لی تو اس نے گویا امانت کی حفاظت کو اپنے اوپر لازم کر لیا، اور اگر وہ حفاظت اب نہیں کرے گا تو پھر اس پر ضمان آئے گا۔ ویسے تو امانت اگر ضائع ہو گئی خود بخود تو اس پر ضمان نہیں، لیکن اگر اس نے خود حفاظت نہیں کی، حفاظت کو چھوڑ دیا حالانکہ جب امانت اس نے رکھ لی تو کس چیز کا التزام کیا اپنے اوپر؟ اس کی حفاظت کا، تو یہ بھی اسی کی طرح ہو گیا۔

بِخِلَافِ الْحَلَالِ، بخلاف حلال کے، **لِأَنَّهُ لَا الْتِزَامَ مِنْ جِهَتِهِ**، اس لیے کیونکہ کوئی التزام نہیں ہے اس کی جانب سے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو قیاس کیا تھا کس پر؟ جیسے حلال رہنمائی کرتا ہے تو اس پر کوئی جزا واجب نہیں ہوتی تو اسی طرح محرم پر بھی کوئی جزا واجب نہیں، ہم کہتے ہیں نہیں، محرم نے تو اپنے اوپر التزام کیا ہے کہ وہ شکار کے پیچھے نہیں پڑے گا جبکہ حلال نے تو اپنے اوپر کسی چیز کا التزام نہیں کیا۔

عَلَى أَنَّ فِيهِ الْجَزَاءَ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى. علاوہ اس کے کہ اس کے اندر بھی جزا ہے بوجہ اس کے جو روایت کیا گیا ہے امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہما اللہ سے۔ ایک تو یہ وجہ ہم نے ذکر کر دی کہ حلال پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ محرم نے تو اپنے اوپر التزام کیا ہے لیکن حلال نے تو اپنے اوپر التزام نہیں کیا، اور اس کے علاوہ حلال پر بھی جزا واجب ہو گی وہ جو روایت کیا گیا ہے کس سے؟ امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہما اللہ سے، تو ان کے نزدیک اس حلال پر بھی جزا واجب ہو گی لہٰذا حلال پر امام شافعی رحمہ اللہ کا محرم کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

وَالدَّلَالَةُ الْمُوجِبَةُ لِلْجَزَاءِ، آگے صاحبِ ہدایہ تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ کون سی رہنمائی جو ہے اس کی وجہ سے جزا واجب ہو گی؟ کون سی رہنمائی؟ مثلاً دیکھیے بھائی ایک شخص نے دوسرے سے کہا فلاں جھاڑی کے پیچھے شکار ہے، دوسرے نے اس کی بات مانی نہیں۔ تو کیا اب اس رہنمائی کی وجہ سے بھی اس پر جزا ہو گی؟ کہتے ہیں بھائی رہنمائی ہو اور اس رہنمائی کی وجہ سے وہ شکار کو کیا کر دے؟ قتل کر دیتا ہے تو پھر جزا واجب ہو گی، کیونکہ اگر یہ رہنمائی نہ کرتا وہ شکار تو کیا تھا؟ مامون تھا اور محفوظ تھا، اس کی رہنمائی کی وجہ سے اس کی دلالت کی وجہ سے اس کی جان گئی بھائی۔ اور نیز جب یہ رہنمائی کرے اور جس کی رہنمائی کی ہے وہ بھی اس کی بات مان لے کہ ہاں واقعی اس کے پیچھے کیا ہے؟ شکار، اور اس کو پہلے اس کا پتہ نہ ہو، اگر اس کو پہلے سے ہی پتہ ہے تو بھی اس رہنمائی کی وجہ سے جزا واجب نہیں ہو گی۔ قیودات سمجھ میں آ رہی ہیں نا بھائی؟ کہ وہ اس کی تصدیق بھی کرے اور اس کو پہلے سے پتہ بھی نہ ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: **وَالدَّلَالَةُ الْمُوجِبَةُ لِلْجَزَاءِ**، اور وہ رہنمائی جو جزا کو واجب کرنے والی ہے وہ یہ ہے: **أَنْ لَا يَكُونَ الْمَدْلُولُ عَالِمًا بِمَكَانِ الصَّيْدِ**، کہ وہ کہ جس کی رہنمائی کی گئی وہ اس شکار کی جگہ کو جاننے والا نہ ہو، اس کو پہلے پتہ نہ ہو، **وَأَنْ يُصَدِّقَهُ فِي الدَّلَالَةِ**، اور یہ کہ وہ اس کی تصدیق کرے رہنمائی میں، کہ اس کی بات مان لے، **حَتَّى لَوْ كَذَّبَهُ**، یہاں تک کہ اگر اس مدلول نے اس دال کی بات کو جھٹلا دیا۔ اس نے محرم نے تو بتایا دوسرے کو کہ فلاں جگہ اس کے پیچھے شکار ہے لیکن اس نے اس کی بات مانی نہیں، اس کی بات کا یقین ہی نہیں کیا تو یعنی جھٹلا دیا۔ اور دوسرے نے پھر بتایا کہ بھائی اس جھاڑی کے اس جھاڑی کے پیچھے شکار ہے، تو محرم کی بات اس نے نہیں مانی تھی دوسرے کی بات مان لی تو اس صورت میں اس محرم پر جو ہے جزا نہیں آئے گی کیونکہ اس نے اس کی بات نہیں مانی۔ یہ معنی ہے کہ مدلول کو پتہ نہ ہو شکار کی جگہ کا، **وَأَنْ يُصَدِّقَهُ فِي الدَّلَالَةِ** اور یہ کہ وہ دلالت کے اندر اس کی تصدیق بھی کرے، **حَتَّى لَوْ كَذَّبَهُ وَصَدَّقَ غَيْرَهُ لَا ضَمَانَ عَلَى الْمُكَذَّبِ**، یہاں تک کہ اگر اس مدلول نے اس محرم کو جھٹلا دیا اور اس کے علاوہ کی تصدیق کر دی تو لَا **ضَمَانَ عَلَى الْمُكَذَّبِ**، تو وہ جس کو جھٹلایا گیا ہے یعنی وہ محرم جس کو جھٹلایا گیا ہے اس پر ضمان نہیں ہے۔

وَلَوْ كَانَ الدَّالُّ حَلَالًا فِي الْحَرَمِ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ لِمَا قُلْنَا. اور اگر وہ دلالت کرنے والا وہ حلال تھا حرم کے اندر تو اس پر بھی کوئی چیز نہیں ہے **لِمَا قُلْنَا**، اس وجہ سے جو ہم نے کہی، کہ اس نے اپنے حلال نے تو اپنے اوپر کسی کا التزام کسی چیز کا التزام نہیں کیا۔ سمجھ میں آیا؟ حرم کے اندر شکار ممنوع ہے اور بات

صرف دلالت کی ہو رہی ہے، تو محرم کی تو دلالت بھی حرام ہے لیکن حلال کی دلالت حرام نہیں ہے بھائی۔ ہاں اگر حلال حرم کے اندر شکار کرے گا تو اس پر بھی جزا آئے گی لیکن یہاں شکار کی بات نہیں ہو رہی بلکہ حلال کی صرف دلالت کی بات ہو رہی ہے۔ یہ معنی ہے: **وَلَوْ كَانَ الدَّالُّ حَلَالًا فِي الْحَرَمِ**، اگر دلالت کرنے والا حلال ہو احرم میں، **لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ**، تو اس پر کوئی چیز نہیں، **لِمَا قُلْنَا**، اس وجہ سے جو ہم نے کہی کہ اس نے کسی چیز کا اپنے اوپر التزام نہیں کیا۔

وَسَوَاءٌ فِي ذَلِكَ الْعَامِدُ وَالنَّاسِي، اور برابر ہے اس کے اندر جان بوجھ کر کرنے والا اور بھولنے والا۔ یعنی وجوبِ ضمان کے اندر دونوں برابر ہیں، چاہے جان بوجھ کر اس کو احرام یاد تھا پھر بھی اس نے کیا کیا؟ شکار کیا یا اس پر رہنمائی کی ہے، یا چاہے بھول کر اس نے شکار کیا ہے، احرام یاد ہی نہیں تھا بھول کر شکار کر لیا یا شکار پر رہنمائی کر دی، دونوں کا یہی حکم ہے دونوں پر جزا واجب ہو گی۔ تو کہتے ہیں: **وَسَوَاءٌ فِي ذَلِكَ الْعَامِدُ وَالنَّاسِي**، اور برابر ہیں اس کے اندر جان بوجھ کر کرنے والا اور بھولنے والا، **لِأَنَّهُ ضَمَانٌ يَعْتَمِدُ وُجُوبُهُ الْإِتْلَافَ فَأَشْبَهَ غَرَامَاتِ الْأَمْوَالِ**. اس لیے کیونکہ یہ ایسا ضمان ہے **يَعْتَمِدُ وُجُوبُهُ** کہ اعتماد ہے اس کے واجب ہونے کا، اس کے واجب ہونے کا اعتماد ہے **الْإِتْلَافَ**، اتلاف پر، تلف کر دینے پر۔ یہ ایسا ضمان ہے جس کا جس کے وجوب کا اعتماد تلف کرنے پر ہے، یعنی جس کا وجوب کس وجہ سے آتا ہے؟ تلف کر دینے کی وجہ سے آتا ہے۔ لہٰذا جب تلف کرے گا جانور کو چاہے جان بوجھ کر اس کو ہلاک کرتا ہے، چاہے بھول کر اس کو ہلاک کرتا ہے، دونوں صورتوں میں کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا۔ تو معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ **لِأَنَّهُ ضَمَانٌ يَعْتَمِدُ وُجُوبُهُ الْإِتْلَافَ**، اس لیے کیونکہ یہ ایسا ضمان ہے جس کے وجوب کا اعتماد جو ہے وہ تلف کر دینے پر ہے بھائی، تو جب تلف کرنا پایا جائے گا تو اس کا وجوب آ جائے گا چاہے جان بوجھ کر تلف کیا ہے چاہے بھولے سے تلف کیا ہے۔ **فَأَشْبَهَ غَرَامَاتِ الْأَمْوَالِ**، تو یہ مالی تاوان جو ہیں، مالی ضمان جو ہیں اس کے مشابہ ہوا۔ کس کے مشابہ ہوا؟ مالی ضمان کے مشابہ ہوا، کوئی شخص دوسرے شخص کی چیز تلف کر دے، ضائع کر دے، ہلاک کر دے، چاہے ارادے کے ساتھ کرے چاہے بھولے سے کرے، دونوں صورتوں میں ضمان آتا ہے یا نہیں آتا؟ ضمان اس پر آتا ہے، تو یہاں پر بھی جب ایک جانور کو تلف کیا ہے اس نے چاہے جان بوجھ کر کیا چاہے بھولے سے کیا دونوں صورتوں میں ضمان آئے گا۔

وَالْمُبْتَدِئُ وَالْعَائِدُ سَوَاءٌ، اور مبتدی اور عائد برابر ہیں، مبتدی پہلی مرتبہ کرنے والا اور عائد لوٹ کر کرنے والا، **لِأَنَّ الْمُوجِبَ لَا يَخْتَلِفُ**، اس لیے کیونکہ موجب وہ بدلتا نہیں ہے دونوں صورتوں میں۔ مبتدی اور عائد برابر ہیں، پہلی مرتبہ جنایت کرنے والا ہو چاہے دوسری مرتبہ جنایت کرنے والا ہو دونوں برابر ہیں، **لِأَنَّ الْمُوجِبَ لَا يَخْتَلِفُ**، اس لیے کیونکہ واجب کرنے والی چیز وہ مختلف نہیں ہوتی وہ بدلتی نہیں ہے۔ واجب کرنے والی کیا چیز تھی؟ کس وجہ سے اس پر ضمان آیا تھا؟ ابھی ایا ایک سطر پہلے، پچھلی سطر میں آیا، اتلاف کی وجہ سے، تلف کر دینے کی وجہ سے۔ تو چاہے اتلاف کرنے والا ابتداً تلف کرنے والا ہے، چاہے لوٹ کر تلف کرنے والا ہے دونوں صورتوں میں کیا پایا گیا؟ اتلاف تو پایا گیا، تو اتلاف تو بدل نہیں رہا دونوں صورتوں میں اتلاف پایا جا رہا ہے، اور اتلاف ہی تو موجب تھا واجب کرنے والا تھا، تو وہ واجب کرنے والی چیز دونوں صورتوں میں پائی جا رہی ہے بدل نہیں رہی تو لہٰذا دونوں اس میں ضمان آئے گا۔ معنی سمجھ میں آیا؟ تو موجب سے کیا مراد ہے؟ اتلاف، اتلاف، تلف کرنا۔ **لِأَنَّ الْمُوجِبَ لَا يَخْتَلِفُ**، اس لیے کیونکہ موجب واجب کرنے والی چیز جو ہے وہ مختلف نہیں ہے۔

وَالْجَزَاءُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يُقَوَّمَ الصَّيْدُ فِي الْمَكَانِ الَّذِي قُتِلَ فِيهِ أَوْ فِي أَقْرَبِ الْمَوَاضِعِ مِنْهُ إِذَا كَانَ فِي بَرٍّ فَيُقَوِّمُهُ ذَوَا عَدْلٍ ثُمَّ هُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْفِدَاءِ. اب جزا کیا آئے گی شکار کی؟ تو یاد رکھیے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک جزا یہ ہے کہ **أَنْ يُقَوَّمَ الصَّيْدُ**، کہ قیمت لگائی جائے گی شکار کی **فِي الْمَكَانِ الَّذِي قُتِلَ فِيهِ**، اسی جگہ میں جہاں پر اس کو قتل کیا گیا، جہاں پر اس کو اس مقام پر اس کی قیمت لگائی جائے گی کہ یہ کتنی قیمت والا جانور ہے۔ اور اگر وہ جنگل ہے تو پھر اس کے جو قریب ترین جو آبادی ہو گی جو جگہ ہو گی وہاں پر اس کی قیمت لگوائی جائے گی۔ یہ معنی ہے کہ **أَنْ يُقَوَّمَ الصَّيْدُ فِي الْمَكَانِ الَّذِي قُتِلَ فِيهِ**، کہ قیمت لگائی جائے گی شکار کی اسی جگہ میں جہاں اس کو قتل کیا گیا، **أَوْ فِي أَقْرَبِ الْمَوَاضِعِ مِنْهُ**، یا جو اس کے قریب ترین جگہ ہے، **إِذَا كَانَ فِي بَرٍّ**، جبکہ وہ کہاں پر ہو؟ جنگل میں ہو شکار، **فَيُقَوِّمُهُ ذَوَا عَدْلٍ**، تو اس کی قیمت لگائیں گے دو عادل آدمی، دو قابلِ اعتماد آدمی بھائی، جو اس چیز کو ان کی قیمت وغیرہ کا اندازہ لگانا جو جانتے ہیں قیمت کو، تو وہ قیمت لگائیں گے۔ **ثُمَّ هُوَ مُخَيَّرٌ**، پھر وہ شکار کرنے والا جو ہے اس کو اختیار ہے، **فِي الْفِدَاءِ**، فدیہ دینے کے اندر، فدیہ دینے کے اندر۔

إِنْ شَاءَ ابْتَاعَ بِهَا هَدْيًا وَذَبَحَهُ إِنْ بَلَغَتْ هَدْيًا، وَإِنْ شَاءَ اشْتَرَى بِهَا طَعَامًا وَتَصَدَّقَ عَلَى كُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ، وَإِنْ شَاءَ صَامَ. اس کو اختیار ہے، چاہے تو مثلاً انہوں نے قیمت لگا لی اس شکار کی ان دو عادل آدمیوں نے تو اگر وہ قیمت ایک ہدی کو پہنچتی ہے یعنی قربانی کے جانور تک پہنچتی ہے وہ قیمت، تو قربانی کا جانور چاہے تو وہ خرید کر کیا کر دے؟ وہ حرم میں ذبح کروا دے، اور چاہے تو اس کے بدلے میں اس کی اتنے پیسوں کے غلہ اس کا خرید لے اور ہر مسکین کو نصف صاع گندم دے دے یا ایک صاع کھجور یا جو کا دے دے، اور چاہے تو پھر روزے رکھ لے، یعنی ہر نصف صاع گندم کے بدلے ایک روزہ رکھ لے، جتنے بھی صاع بنتے ہیں تو اتنے ہی اسی حساب سے روزے ہو جائیں گے۔ تفصیل سمجھ میں آئی؟ کہ قیمت لگائیں گے اور اگر قیمت کس کو پہنچتی ہے؟ قربانی کے جانور کو، تو چاہے تو اس کی قربانی کروا دے اور چاہے اس کا قیمت کا غلہ خرید کر کیا کر دے؟ وہ فقراء میں تقسیم کر دے، لیکن تقسیم کس طرح کرنا ہے؟ ہر فقیر کو اس میں سے نصف صاع گندم دے یا ایک صاع کھجور اور کھجور یا جو دے دے، اور چاہے تو کیا کرے؟ ان میں سے ہر ایک کے بدلے روزہ رکھ لے۔

تو کہتے ہیں: **ثُمَّ هُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْفِدَاءِ**، پھر وہ جو شکار کرنے والا ہے اس کو اختیار ہے فدیہ دینے میں، **إِنْ شَاءَ ابْتَاعَ بِهَا هَدْيًا وَذَبَحَهُ**، اگر چاہے

توخرید لے اس قیمت کے بدلے میں ہدی کو یعنی قربانی کے جانور کو **وَذَبَحَهُ** اور اس کو ذبح کر دے، لیکن کہاں ذبح کرے گا؟ حرم میں، حرم میں۔ **إِنْ بَلَغَتْ هَدْيًا،** اگر اس کی قیمت جو ہے ہدی کو پہنچتی ہو۔ **وَإِنْ شَاءَ اشْتَرَى بِهَا طَعَامًا،** اور اگر چاہے تو اس کے بدلے غلہ خرید لے، **وَتَصَدَّقَ عَلَى كُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ،** اور صدقہ کرے ہر مسکین پر نصف صاع گندم میں سے، **أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ،** یا ایک صاع کھجور یا جو میں سے ہر مسکین کو دے دے، **وَإِنْ شَاءَ صَامَ،** اور اگر چاہے تو روزے رکھے، **عَلَى مَا نَذْكُرُ،** بوجہ اس کے جو ہم ذکر کریں گے، آگے دلیلیں وغیرہ آئیں گی۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: تَجِبُ فِي الصَّيْدِ النَّظِيرُ فِيمَا لَهُ نَظِيرٌ. بھائی اوپر متن میں آیا شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک شکار کیے ہوئے جانور کی قیمت لگائی جائے گی اور پھر فدیہ دینے والے کو اختیار ہے چاہے تو کیا کر دے؟ اگر ہدی تک قیمت پہنچتی ہے تو ہدی بھیج دے اور چاہے تو اس کی قیمت فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دے بھائی، سمجھ میں آیا؟ اور ہر مسکین کو اتنی مقدار دینی ہے جو ذکر ہو گئی۔ جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ شکار میں اس کا اس کی نظیر واجب ہو گی، اس کا مثل، یعنی جس قسم کا جانور شکار کیا ہے اس جیسا اس جانور اس پر واجب ہو گا۔ مثلاً اس نے ہرن شکار کیا ہے تو ہرن کے مثل جو ہے بھیڑ بکری ہے تو اس پر کیا واجب ہو گی؟ بھیڑ بکری واجب ہو گی۔ اور اسی طرح اگر اس نے شتر مرغ وغیرہ شکار کیا ہے تو شتر مرغ کے مثل بدنہ ہے بھائی، اس پر کیا واجب ہو گا؟ بدنہ واجب ہو گا یعنی ایک اونٹ یا گائے بیل وغیرہ بھائی۔ اور اگر اسی طرح اس نے جنگلی گدھا یا جنگلی گائے شکار کی ہے تو اسی کے مطابق گائے اس پر واجب ہو گی بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: تَجِبُ فِي الصَّيْدِ النَّظِيرُ فِيمَا لَهُ نَظِيرٌ.** امام محمد اور امام شافعی رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ واجب ہو گا شکار کے اندر **النَّظِيرُ** اس کا مثل، **فِيمَا لَهُ نَظِيرٌ،** ان چیزوں میں جن کا مثل ہے جن کا مثل ہے، **فَفِي الظَّبْيِ شَاةٌ،** پس ہرن کے اندر جو ہے بھیڑ بکری واجب ہو گی، **وَفِي الضَّبُعِ شَاةٌ،** اور بجو کے اندر بھیڑ بکری ہو گی۔ ضبع یہ بجو کو کہتے ہیں، ہاں یہ بجو نام کتابوں میں اکثر آتا ہے لیکن معلوم نہیں بھائی یہ کیسا جانور ہے۔ ہاں اس کا دوسرا نام ضبع لگڑ بگڑ کو کہتے ہیں بھائی، چڑیا گھر اپ اگر گئے ہوں بھائی وہاں اپ کو یہ جانور دیکھنے کو ملے گا، لگڑ بگڑ بھائی۔ اب معلوم نہیں یہ بجو وہی جانور ہے، یہی لگڑ بگڑ کا دوسرا نام ہے یا یہ کوئی اور جانور ہے بھائی؟ تو اور یہ جو لگڑ بگڑ ہے یہ یاد رکھیے یہ کتے کی طرح کا ایک جانور ہے بھائی، کس کے مثل ہے؟ کتے کی طرح کا ایک جانور ہے البتہ وحشی جانور ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: **وَفِي الضَّبُعِ شَاةٌ،** اور لگڑ بگڑ کے اندر جو ہے بھیڑ بکری ہے، **وَفِي الْأَرْنَبِ عَنَاقٌ،** اور خرگوش کے اندر عناق ہے۔ عناق کہتے ہیں بھیڑ بکری کا بچہ پہلے سال کے اندر، ابھی ایک سال کا نہیں ہوا پورا، تو اس سے پہلے پہلے کیا کہلاتا ہے بھیڑ بکری کا بچہ؟ عناق کہلاتا ہے۔ تو کہتے ہیں خرگوش کے اندر عناق ہے بھیڑ بکری کا ایک سالہ بچہ ہے، **وَفِي الْيَرْبُوعِ جَفْرَةٌ.** یربوع بھائی یہ کوئی چوہے کی خاص قسم ہے جس کے کہتے ہیں اگلے پاؤں چھوٹے ہوتے ہیں اور پچھلے پاؤں لمبے ہوتے ہیں، تو یربوع یہ جو جنگلی چوہا ہے اس کے اندر جفرۃ جفرہ ہے بھائی۔ جفرہ بھی بھیڑ بکری کا بچہ لیکن جب چار ماہ اس کے پورے ہو جائیں پھر اس کو کیا کہتے ہیں؟ جفرۃ کہتے ہیں۔ اور تو یربوع جو ہے جنگلی چوہا جو ہے اس کے اندر چار ماہ کا بھیڑ بکری کا بچہ واجب ہے، **وَفِي النَّعَامَةِ بَدَنَةٌ،** اور شتر مرغ کے اندر جو ہے بدنہ واجب ہے، **وَفِي حِمَارِ الْوَحْشِ بَقَرَةٌ،** اور جنگلی گدھے کے اندر جو ہے بقرہ یعنی گائے بیل وغیرہ واجب ہے، **لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾،** اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے: **﴿فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾،** تو جزا ہے، بھائی قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: **﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾،** شکار کو قتل نہ کرو اس حال میں کہ تم حالتِ احرام میں ہو، **﴿وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾،** تو اور جس نے قتل کیا اس کو تم میں سے متعمداً جان بوجھ کر **فَجَزَاءٌ** تو جزا ہے **مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ** اسی کے مثل جو اس نے قتل کیا، تو جزا ہے اسی کے مثل جو اس نے قتل کیا **مِنَ النَّعَمِ** یعنی کہ چوپایہ، **مِنَ النَّعَمِ** یعنی کہ چوپایہ۔

تو یہ دلیل چل رہی ہے امام محمد اور امام شافعی رحمہا اللہ کی بھائی۔ وہ کیا فرماتے ہیں؟ جس شکار کا مثل ہو اس کے اندر اس کا مثل واجب ہو گا، مثل واجب ہو۔ شیخین رحمہا اللہ تو کیا فرماتے ہیں؟ قیمت واجب ہو۔ یہ فرماتے ہیں اس کا مثل واجب ہو گا اور دلیل میں یہ آیت ذکر کرتے ہیں اور اس ایت میں کیا ایا؟ **﴿فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾،** وہ فرماتے ہیں کہ یہ **مِنَ النَّعَمِ** بیان ہے مثل کا۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ یہ وہ فرماتے ہیں یہ **مِنَ النَّعَمِ** بیان ہے مثل کا، **﴿فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ﴾،** تو جزا ہے اسی کے مثل جس کو اس نے قتل کیا، جس جانور کو اس نے قتل کیا اسی کے مثل، اور اسی کا مثل کیا ہے؟ **مِنَ النَّعَمِ** یعنی کہ چوپایہ، تو چوپایوں میں سے جو مانوس جانور ہیں یعنی گائے، بیل، بکری وغیرہ ان میں سے دیکھو جو اس قتل کیے مقتول کیے ہوئے جانور کا جو بھی اس کا مثل ہے وہ کیا ہو گا؟ بطور جزا کے ہو گا۔ تو معلوم ہوا **مِنَ النَّعَمِ** کو کس کا بیان بنایا؟ مثل کا، کہ وہ مثل جو ہے وہ مویشیوں میں سے ہو گا، چوپایوں میں سے ہو گا۔

وَمِثْلُهُ مِنَ النَّعَمِ، دیکھیے میں نے کیا بتلایا اپ کو؟ **مِنَ النَّعَمِ** کس کا بیان ہے؟ مثل کا۔ دیکھیے اگے صاحبِ ہدایہ کی عبارت سے بھی یہی پتہ چل رہا ہے: **وَمِثْلُهُ مِنَ النَّعَمِ،** اور اس کا مثل کس میں سے؟ چوپایوں میں سے، **مَا يُشْبِهُ الْمَقْتُولَ،** وہ ہے جو مشابہ ہو اس مقتول جانور کے، یعنی جس کو شکار کیا گیا ہے جو اس کے مشابہ ہو، **صُورَةً،** ب صورت کے، **لِأَنَّ الْقِيمَةَ لَا تَكُونُ نَعَمًا،** اس لیے کیونکہ قیمت جو ہے وہ تو چوپایہ نہیں۔ کیونکہ قرآن میں تو کیا ایا؟ جزا کیا ہے؟ چوپایوں میں سے جو مثل ہے کس کے؟ اس شکار کے، اس مقتول کے جو مثل ہے، اور چوپایوں میں سے مقتول کے مثل کیا ہے؟ صورتاً جو اس کے مثل ہو گا اس کو

دیکھا جائے گا، قیمت تو چوپایہ نہیں ہے حالانکہ اس مثل کا کس میں سے ہونا ضروری؟ **مِنَ النَّعَمِ**، چوپایوں میں سے ہونا ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ **لِأَنَّ الْقِيمَةَ لَا تَكُونُ نَعَمًا**، اس لیے کہ قیمت جو ہے وہ تو چوپایہ نہیں ہے۔

نیز ابھی دلیل چل رہی ہے: **وَالصَّحَابَةُ أَوْجَبُوا النَّظِيرَ مِنْ حَيْثُ الْخِلْقَةِ**، یا اس کا عطف صحابہ کا عطف قیمت پر کریں تو یہ منصوب پڑھیں: **وَالصَّحَابَةَ أَوْجَبُوا النَّظِيرَ مِنْ حَيْثُ الْخِلْقَةِ وَالْمَنْظَرِ فِي النَّعَامَةِ وَالظَّبْيِ وَحِمَارِ الْوَحْشِ وَالْأَرْنَبِ عَلَى مَا بَيَّنَّا.** تو صحابہ کا عطف ہم نے کس پر کیا؟ قیمت پر، اور یہ **أَنَّ** کا اسم ہے۔ تو دلیل پھر پیچھے سے دیکھیں: **لِأَنَّ الْقِيمَةَ لَا تَكُونُ نَعَمًا**، اس لیے کیونکہ قیمت جو ہے وہ چوپایہ نہیں، اور نیز اس لیے کیونکہ صحابہ نے واجب کیا ہے مثل کو ہی **مِنْ حَيْثُ الْخِلْقَةِ وَالْمَنْظَرِ**، مثل کس حیثیت سے؟ خلقت، پیدائش اور **وَالْمَنْظَرِ** اور صورت۔ صحابہ نے پیدائش اور صورت کے اعتبار سے مثل کو واجب کیا ہے، کس کے اندر؟ **فِي النَّعَامَةِ**، شتر مرغ میں، نعامہ یہ نون پر پیش غلط لگی ہوئی ہے بھائی، نون پر زبر ہے۔ شتر مرغ میں، **وَالظَّبْيِ**، اور ہرن میں، **وَحِمَارِ الْوَحْشِ**، اور جنگلی گدھے میں، **وَالْأَرْنَبِ**، اور خرگوش میں، **عَلَى مَا بَيَّنَّا**، اسی طریقے پر جو ہم نے بیان کر دیا۔ صحابہ نے بھی پیدائش اور صورت کے اعتبار سے مثل کو واجب کیا ہے کس کے اندر؟ شتر مرغ میں، ہرن میں اور جنگلی گدھے میں اور خرگوش میں۔ معلوم ہوا کہ جن جانوروں کا مثل ہے ان میں مثل واجب ہو گا۔

اور نیز دلیل ان کی حضور علیہ السلام کا قول بھی ہے وہ فرماتے ہیں: **وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، حضور علیہ السلام نے فرمایا: «**الضَّبُعُ صَيْدٌ وَفِيهِ الشَّاةُ**»، کہ ضبع جو ہے وہ شکار ہے **وَفِيهِ الشَّاةُ** اور اس کے اندر بھیڑ بکری واجب ہے۔ حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں کہ ضبع شکار ہے اور اس کے اندر بھیڑ بکری واجب ہے تو دیکھیے یہ بھیڑ بکری یہ صورت اور خلقت کے اعتبار سے اس کے مثل ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو معلوم ہوا کس کا اعتبار کیا جائے گا؟ جن جانوروں کا مثل ممکن ہے ان میں ان کا مثل واجب ہو گا بھائی۔

وَمَا لَيْسَ لَهُ نَظِيرٌ، اور وہ جانور جن کی نظیر یا جن کا مثل نہیں ہے، **عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَجِبُ الْقِيمَةُ**، ان میں قیمت واجب ہو گی، **مِثْلُ الْعُصْفُورِ وَالْحَمَامِ وَأَشْبَاهِهِمَا**، جیسے کہ چڑیا ہے اور کبوتر ہے اور جو ان دونوں کے مشابہ اور جانور ہیں۔ **وَإِذَا وَجَبَتِ الْقِيمَةُ كَانَ قَوْلُهُ كَقَوْلِهِمَا**، اور جب قیمت واجب ہو تو امام محمد رحمہ اللہ کا قول بھی شیخین رحمہما اللہ کے قول کی طرح ہو گیا۔ امام محمد رحمہ اللہ کا قول کیا ہوا؟ جن جانوروں کا مثل ممکن ہے ان میں مثل واجب ہو گا اور جن کا مثل ممکن نہیں ان میں قیمت واجب ہو گی۔ تو جن جانوروں کا مثل نہیں ان میں امام محمد رحمہ اللہ کا قول بھی کس کی طرح ہوا؟ شیخین رحمہما اللہ کے قول کی طرح ہوا، یہ معنی ہے: **وَإِذَا وَجَبَتِ الْقِيمَةُ كَانَ قَوْلُهُ كَقَوْلِهِمَا**، اور جب قیمت واجب ہو گی تو امام محمد رحمہ اللہ کا قول بھی شیخین رحمہما اللہ کے قول کی طرح ہوا۔

وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُوجِبُ فِي الْحَمَامَةِ شَاةً، اور امام شافعی رحمہ اللہ کبوتر میں بھیڑ بکری واجب قرار واجب فرماتے ہیں، **وَيُثْبِتُ الْمُشَابَهَةَ بَيْنَهُمَا مِنْ حَيْثُ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَعُبُّ وَيَهْدِرُ.** امام شافعی رحمہ اللہ کبوتر کے اندر بھی بھیڑ بکری واجب قرار دیتے ہیں، اور وہ ان کے درمیان ان دونوں کے درمیان مشابہت ثابت کرتے ہیں **مِنْ حَيْثُ** اس حیثیت سے **أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَعُبُّ وَيَهْدِرُ**، کہ ان میں سے ہر ایک جو ہے وہ **يَعُبُّ**، عبّ یعبّ کے معنی ہوتے ہیں کبوتر وغیرہ یا جانور کا پانی کو منہ لگا کر پانی پینا۔ بھائی عام پرندے اگر آپ نے دیکھے ہوں وہ جب پانی پیتے ہیں تو پانی میں چونچ داخل کرتے ہیں، چونچ میں پانی بھرتے ہیں اور پھر سر اوپر کی طرف اٹھا کر اس پانی کو نگلتے ہیں، پھر دوبارہ پانی میں چونچ ڈبوتے ہیں اور پھر چونچ اوپر اٹھا کر پانی نگلتے ہیں، یعنی ایک ایک گھونٹ یوں کہیں پیتے ہیں۔ جبکہ کبوتر کا اگر آپ نے غور کیا ہو تو وہ پانی پر جب منہ لگا لیتا ہے تو عام بکری وغیرہ جس طرح پانی پیتے ہیں پانی مسلسل پیتا چلا جاتا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو کبوتر کی مشابہت آگئی بھیڑ بکری کے ساتھ کس چیز میں؟ پانی پینے کے اندر۔ اور اسی طرح **يَهْدِرُ**، ہدر اواز کو کہتے ہیں بھائی، کبوتر وغیرہ کی آواز۔ آواز کے اندر بھی ان کی کچھ مشابہت ہے بھائی، ان کی اواز میں بھی کبوتر جس طرح کی آواز نکالتا ہے یہ اسی طرح کیا ہے؟ بھیڑ بکری بھی اسی طرح اواز کے اندر بھی ان کی مشابہت ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ جو ہیں **يُثْبِتُ الْمُشَابَهَةَ بَيْنَهُمَا** وہ ان دونوں کے درمیان مشابہت ثابت کرتے ہیں **مِنْ حَيْثُ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَعُبُّ وَيَهْدِرُ**، اس حیثیت سے کہ ان میں سے ہر ایک جو ہے **يَعُبُّ** وہ منہ لگا کر مسلسل پانی پیتا ہے **وَيَهْدِرُ** اور اواز نکالتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

خلاصہ کیا ہوا یہاں تک؟ کہ امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک جن جانوروں کا مثل ہے ان میں ان کا مثل واجب ہو گا۔ اب آگے شیخین رحمہما اللہ کی دلیل آرہی ہے۔ **وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ أَنَّ الْمِثْلَ الْمُطْلَقَ هُوَ الْمِثْلُ صُورَةً وَمَعْنًى وَلَا يُمْكِنُ الْحَمْلُ عَلَيْهِ فَحُمِلَ عَلَى الْمِثْلِ مَعْنًى.** یہاں سے بھائی شیخین رحمہما اللہ کی دلیل آرہی ہے۔ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں بھائی بلکہ اس سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ ایک ہے مثلِ صوری اور ایک ہے مثلِ معنوی۔ مثلِ صوری تو وہ انہی کے مثل جو جانور ہو جیسے ابھی گزرا، ہرن کا مثلِ صوری کیا ہے؟ بھیڑ بکری، کیونکہ یہ صورتاً اس کے مثل ہے۔ خرگوش کا مثلِ صوری کیا ہے؟ بھیڑ بکری کا بچہ، کیونکہ یہ اس کے مثل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ ہے مثلِ صوری جو صورتاً اس کے مثل ہو۔ اور ایک ہے مثلِ معنوی، یاد رکھیے مثلِ معنوی قیمت کو کہتے ہیں کیونکہ کسی چیز کی جو قیمت ہوتی ہے وہ اس کے مثل ہوتی ہے، صورتاً تو بے شک اس کے مثل نہیں لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ اس کے مثل ہے اس

کے برابر ہی ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو مثلِ صوری جو اسی کے مثل جانور ہو اور مثلِ معنوی کسے کہیں گے؟ قیمت کو کہیں گے۔

تو شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ آیت کے اندر مطلقاً مثل کا ذکر ایا، مثل کے ساتھ کوئی قید نہیں کہ مثلِ صوری مراد ہے یا مثلِ معنوی، لیکن مطلقاً مثل کا ذکر ایا اور المطلق اذا یطلق یراد بہ الفرد الکامل، تو اس سے فردِ کامل مراد ہوتا ہے اور کامل مثل کیا ہے؟ کہ صورتاً بھی اس چیز کے مثل ہو اور معناً بھی اس کے مثل ہو، یعنی مثلِ صوری کہیں، کیا کہیں؟ مثلِ صوری کہیں، تو لیکن مثلِ صوری پر یہاں ہم اس کو محمول نہیں کر سکتے اس لیے کیونکہ مثلِ صوری ابھی اوپر جیسے بیان ہوا کچھ جانوروں کا تو مثلِ صوری ممکن ہے اور کچھ جانور تو ایسے ہیں جن کا مثلِ صوری ممکن ہی نہیں ہے جیسے چڑیا اور کبوتر وغیرہ۔ تو جب مثلِ صوری سب میں ممکن نہیں ہے تو اس پر محمول کرنا بھی ممکن نہ رہا بلکہ پھر کس پر محمول کیا جائے گا؟ مثلِ معنوی پر، کیونکہ مثلِ معنوی تو سب میں ممکن ہے لیکن مثلِ صوری تو سب میں ممکن نہیں ہے، دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى**، اور شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْمِثْلَ الْمُطْلَقَ هُوَ الْمِثْلُ صُورَةً وَمَعْنًى**، کہ مثلِ مطلق جو ہے وہ ہے جو مثل ہو باعتبار صورت کے بھی اور باعتبار معنیٰ کے بھی، یعنی باعتبار قیمت کے بھی، **وَلَا يُمْكِنُ الْحَمْلُ عَلَيْهِ**، اور اس پر تو محمول کرنا ممکن نہیں ہے کہ آیت کے اندر جو مثل آیا اس سے کیا مراد لیا جائے؟ مثلِ صوری، یعنی جو صورتاً بھی اس کے مثل ہے اور معناً بھی اس کے مثل ہے، اس پر تو محمول کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ بعض جانوروں کا تو مثلِ صوری ہے ہی نہیں، **فَحُمِلَ عَلَى الْمِثْلِ مَعْنًى**، تو اس محمول کیا جائے اس کو کس پر؟ مثلِ معنوی پر، **لِكَوْنِهِ مَعْهُودًا فِي الشَّرْعِ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ**، اس لیے کیونکہ وہ معلوم ہے شریعت میں **كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ** جیسے کس کے اندر؟ حقوق حقوق العباد کے اندر ہے۔ حقوق العباد کے اندر بھی ایک شخص دوسرے شخص کی کوئی چیز تلف کر دیتا ہے، اس کو ضائع کر دیتا ہے، اور اس چیز کا مثل نہیں ہوتا تو پھر کیا اتی ہے اس کی؟ قیمت اتی ہے بھائی، تو یہاں بھی قیمت اے گی۔ یہ معنی ہے **كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ** جیسے حقوق العباد کے اندر ہے، **أَوْ لِكَوْنِهِ مُرَادًا بِالْإِجْمَاعِ**، شیخین رحمہما اللہ کی دلیل بھائی۔

اوپر ایک تو ذکر ہو گیا کہ مثلِ مطلق آیا اور مثلِ مطلق سے کون سا مثل مراد ہو گا؟ مثلِ صوری، لیکن اس پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے تو اس وجہ سے کس پر محمول کیا جائے گا؟ مثلِ معنوی پر۔ یا تو اس وجہ سے یا **أَوْ لِكَوْنِهِ مُرَادًا بِالْإِجْمَاعِ**، یا اس وجہ سے مثلِ معنوی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ وہ بالاجماع مراد ہے۔ مثلِ معنوی کیا ہے یعنی قیمت؟ بالاجماع مراد ہے، حتیٰ کہ وہ جانور جن کا مثل نہیں ملتا ان میں ابھی اوپر گزرا امام محمد رحمہ اللہ بھی کیا فرماتے ہیں؟ ان کی قیمت اے گی بھائی، سمجھ میں آیا؟ بالاجماع مراد ہے، **أَوْ لِمَا فِيهِ مِنَ التَّغْمِيمِ**، یا اس وجہ سے مثلِ معنوی مراد لیں گے کہ اس میں تغمیم ہے، اس صورت میں آیت کے اندر کیا اے گی؟ تغمیم۔ بھائی دیکھیے، آیت کے اندر مثل کا لفظ آیا، اگر اس سے مثلِ صوری مراد لیں جو صورتاً مثل ہو تو صورتاً مثل پھر تو یہ تو ہر جانور کا نہیں ملتا تو اس کا مطلب ہے وہ جانور جن کا مثلِ صوری نہیں ملتا آیت ان کے بارے میں خاموش ہے، آیت میں صرف کس کا ذکر ہے؟ جن کا مثلِ صوری ملتا ہے۔ تو معلوم ہوا جن کا مثل نہیں ملتا وہ ان کا ذکر آیت میں نہیں، تو آیت میں معلوم ہوا تخصیص ہے، اور اگر اس سے کیا مراد لیں مثل سے؟ مثلِ معنوی یعنی قیمت مراد لیں تو پھر آیت کے اندر تعمیم آگئی اب ہر جانور کے حکم اس کے اندر آگیا کیونکہ قیمت تو ہر جانور کی معلوم ہو سکتی ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: **أَوْ لِمَا فِيهِ مِنَ التَّغْمِيمِ**، یا اس لیے کیونکہ مثلِ معنوی کے اندر تعمیم ہے، **وَفِي ضِدِّهِ التَّخْصِيصُ**، اور مثلِ معنوی کی ضد یعنی مثلِ صوری کے اندر تخصیص ہے، اس صورت میں آیت کے اندر تخصیص ہو گی۔

وَالْمُرَادُ بِالنَّصِّ، اور تو نص اور نص سے مراد جو ہے، **وَاللَّهُ أَعْلَمُ**، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں، یہ اب آیت کا دوسرا معنی کریں گے۔ بھائی اوپر امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ نے آیت کا جو معنی کیا تھا، **مِنَ النَّعَمِ** کو کس کا بیان بنایا تھا؟ مثل کا، مثل کا۔ اب آگے شیخین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق صاحبِ ہدایہ آیت کا ترجمہ کریں گے اور **مِنَ النَّعَمِ** کو **مَا قَتَلَ** کا بیان بنائیں گے۔ کس کا بیان؟ **مَا قَتَلَ** کا، **مَا قَتَلَ** وہ جانور جس کو اس نے قتل کیا ہے **مِنَ النَّعَمِ** چوپائے میں سے یعنی شکار میں سے، کس میں سے؟ ترجمہ پہ نظر ہے بھائی؟ ﴿**فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ**﴾، تو جزا ہے مثل اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کو اس نے **مِنَ النَّعَمِ** یعنی کہ وہ جو وحشی چوپایہ تھا، یعنی وہ جو شکار تھا جس کو اس نے قتل کیا ہے اس کا مثل واجب ہو گا۔ تو اب **مِنَ النَّعَمِ** کس کا بیان ہوا؟ **مَا قَتَلَ** کا۔ ترجمے میں فرق بھی سمجھ آ رہا ہے کہ نہیں؟ **مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ**، وہ جانور جس کو اس شخص نے قتل کیا ہے کس میں سے؟ **مِنَ النَّعَمِ أَيْ مِنَ النَّعَمِ الْوَحْشِيِّ**، نعم وحشی یعنی وحشی چوپائے میں سے، یعنی جس وحشی چوپائے کو اس شخص نے قتل کیا ہے اس کا مثل واجب ہو گا، اس کا مثل واجب ہو گا۔ اور اس کا مثل کیا ہے؟ مثلِ صوری بھی ہو سکتا ہے اور مثلِ معنوی لیکن ہم نے بتلا دیا کیا مراد ہے مثل سے؟ مثلِ معنوی، اور مثلِ معنوی کیا ہے؟ قیمت، کیا ہے؟ قیمت۔ تو گویا آیت یوں ہوئی، مثل کا لفظ اٹھائیں اب ذرا اس کی جگہ قیمت کا لفظ رکھ دیں: فجزاءٌ قیمۃُ ما قتل من النعم الوحشي۔

اب عبارت پر نظر ہے بھائی؟ تو کہتے ہیں: **وَالْمُرَادُ بِالنَّصِّ**، اور نص سے مراد جو ہے، **وَاللَّهُ أَعْلَمُ**، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں: **فَجَزَاءٌ قِيمَةُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ الْوَحْشِيِّ**، تو جزا ہے قیمت اس جانور کی جس کو اس نے قتل کیا ہے وحشی چوپائے میں سے، جس وحشی چوپائے کو اس نے قتل کیا ہے اس کی قیمت ہے، اس کی قیمت ہے۔ درمیان میں **وَاللَّهُ أَعْلَمُ** کہہ کر صاحبِ ہدایہ نے بتلا دیا کہ ہم تو یہ معنی سمجھے ہیں اس لیے ہم نے کہا کہ مثل سے قیمت مراد ہے باقی اللہ کی مراد کیا ہے وہ

اللہ ہی جاننے والے ہیں، اسی لیے درمیان میں کہا **وَاللّٰهُ أَعْلَمُ** اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

تو خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ جو ہیں **مِنَ النَّعَمِ** کو مثل کا بیان بناتے ہیں، **مِنَ النَّعَمِ** کو تو معلوم ہوا اس مثل کا چوپایہ ہونا ضروری ہے۔ آیت سے کیا پتہ چلا؟ وہ جو مثل واجب ہو گا وہ کیا ہو گا؟ چوپایہ ہو گا، تو معلوم ہوا مثل سے مثلِ صوری مراد ہے۔ جبکہ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک **مِنَ النَّعَمِ** یہ بیان ہے **مَا قَتَلَ** کا، کہ وہ مقتول کس میں سے ہے؟ وحشی چوپایوں میں سے ہے، اس کا مثل واجب ہو گا، اور مثل مثلِ صوری بھی ہو سکتا ہے اور مثلِ معنوی بھی، لیکن مثلِ صوری سب میں مراد لے نہیں سکتے جیسے کبوتر اور چڑیا وغیرہ، تو مثلِ معنوی ہی مراد لینا پڑے گا کیونکہ وہ ہر ایک میں درست ہو گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ وہ ہر ایک میں مراد لے سکتے ہیں۔

اب اشکال ہوتا ہے کہ صاحبِ ہدایہ، آپ نے دلیل کے اندر نعم سے کیا مراد لیا؟ شکار، کیا مراد لیا؟ حالانکہ نعم کا لفظ تو مانوس پالتو جانوروں پر ہوتا ہے، جو پالتو چوپائے ہیں گائے، بیل، بکری، اونٹ وغیرہ ان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، وحشی جانور یعنی شکار پر تو اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ تو اس کی بھی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ نہیں بھائی، وحشی جانور پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَاسْمُ النَّعَمِ يُطْلَقُ عَلَى الْوَحْشِيِّ وَالْأَهْلِيِّ**، اور نعم کا یعنی چوپائے کا اسم جو ہے اس کا اطلاق وحشی اور پالتو دونوں جانوروں پر ہوتا ہے، **كَذَا قَالَهُ أَبُو عُبَيْدَةَ وَالْأَصْمَعِيُّ**. ابو عبید ہے اپ کی کتابوں میں؟ ابو عبیدہ، آخر میں گول تا ہونی چاہیے بھائی، گول تا۔ **كَذَا قَالَهُ أَبُو عُبَيْدَةَ وَالْأَصْمَعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى**. اسی طرح فرمایا ہے ابو عبیدہ اور امام اصمعی نے۔ بھائی انہوں نے ذکر کر دیا کہ نعم کا نام جو ہے اس کا اطلاق وحشی پر بھی ہوتا ہے اور پالتو جانوروں، وحشی جانوروں پر بھی اور پالتو جانوروں دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے بھائی، دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام ابو عبیدہ نے بھی ذکر کی ہے اور امام اصمعی نے بھی ذکر کی ہے دونوں نے ذکر کی ہے اور یہ دونوں امام ہیں عربی زبان کے، لغتِ عربی کے امام ہیں، تو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ نعم کا لفظ جو ہے یہ وحشی اور پالتو دونوں قسم کے چوپایوں پر بولا جاتا ہے۔

وَالْمُرَادُ بِمَا رُوِيَ التَّقْدِيرُ بِهِ دُونَ إِيجَابِ الْمُعَيَّنِ. اچھا بھائی، اوپر حدیث بھی دلیل کے طور پر ذکر فرمائی تھی امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہ حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا تھا: «**الضَّبُعُ صَيْدٌ وَفِيهِ الشَّاةُ**»، اور اس کے اندر بھیڑ بکری واجب ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ حدیث کے اندر جو بھیڑ بکری جو ہے وہ بطورِ تعین کے واجب نہیں کی گئی کہ بھیڑ بکری ہی دینا پڑے گی، بلکہ بھیڑ بکری کو باعتبار قیمت کے ذکر کیے قیمت کے طور پر ذکر کیا گیا کہ اس کی قیمت کس کے برابر ہوتی ہے؟ بھیڑ بکری کی قیمت کے برابر ہوتی ہے بھائی، تو اس لیے وہاں بھیڑ بکری کو ذکر کیا گیا یہ نہیں کہ بھیڑ بکری ہی متعین ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَالْمُرَادُ بِمَا رُوِيَ**، اور مراد اس سے جس کو روایت کیا گیا، **التَّقْدِيرُ بِهِ**، وہ اس کے ساتھ اندازہ لگانا ہے، **دُونَ إِيجَابِ الْمُعَيَّنِ**، نہ کہ اس معین کا واجب کرنا ہے، یعنی بھیڑ بکری کا واجب کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ چلیے بس بھائی، هذا هو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر۱۵۷:مسئلہ:ثُمَّ الْخِيَارُ إِلَى الْقَاتِلِ فِي أَنْ يَجْمَعَ...

ہدایہ صفحہ:۳۰۰ــــبتاریخ:۱۹ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«ثُمَّ الْخِيَارُ إِلَى الْقَاتِلِ فِي أَنْ يَجْعَلَهُ هَدْيًا أَوْ طَعَامًا أَوْ صَوْمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى، وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى الْخِيَارُ إِلَى الْحَكَمَيْنِ فِي ذَلِكَ، فَإِنْ حَكَمَا بِالْهَدْيِ يَجِبُ النَّظِيرُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَإِنْ حَكَمَا بِالطَّعَامِ أَوْ بِالصِّيَامِ فَعَلَى مَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى». [1]

گزشتہ سبق میں یہ بحث شروع ہوئی تھی آخر میں کہ شکار کی جزا جو ہے وہ کیا واجب ہو گی؟ تو شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک جو ہے اس شکار کی قیمت لگائی جائے گی اور پھر اختیار ہے اس شخص کو جس نے شکار کیا کہ وہ چاہے تو اس کے بدلے کوئی ہدی خرید کر اس کو ذبح کروادے مکہ میں اگر ہدی تک اس کی قیمت پہنچتی ہے، اور چاہے تو اس کے بدلے غلہ خرید کر ہر مسکین پر نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کھجور میں سے وہ صدقہ کر دے، اور چاہے تو ہر مسکین کے صدقے کے بدلے کیا کرلے؟ روزہ رکھ لے، یعنی ہر نصف صاع گندم کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔

جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ جس شکار کا مثل ممکن ہے اس کا مثل واجب ہو گا بھائی، اس کا مثل واجب ہو گا۔ اور وہ دلیل دیتے تھے: ﴿**فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ**﴾؛ «**فَجَزَاءٌ**» تو جزا ہے، «**مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ**» مثل اس کا جس کو اس نے قتل کیا ہے من النعم یعنی کہ چوپایہ۔ وہ فرماتے تھے یہ «**مِنَ النَّعَمِ**» بیان ہے مثل کا کہ وہ مثل کیا ہے؟ چوپایہ ہو گا، یعنی گائے، بیل، بھیڑ، بکری وغیرہ ان میں سے ہو گا مثل، تو معلوم ہوا مثل صوری واجب ہے۔ جبکہ شیخین رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ «**مِنَ النَّعَمِ**» جو ہے «**مَا قَتَلَ**» کا بیان ہے، «**مَا قَتَلَ**» کا، وہ جس کو قتل کیا ہے من النعم یعنی وہ جو وحشی چوپایہ ہے یعنی جو شکار ہے، اس کا مثل واجب ہو گا، اور اس کا مثل دو طرح کا ہو سکتا ہے: مثل صوری بھی اور مثل معنوی بھی، لیکن یہاں مثل صوری مراد نہیں لے سکتے کیونکہ مثل صوری ہر ایک کا ممکن ہی نہیں ہے، مثلاً چڑیا اور کبوتر وغیرہ ہے، تو البتہ مثل معنوی چونکہ سب کا ہو سکتا ہے لہٰذا مثل معنوی مراد لیں گے یعنی قیمت مراد ہو گی۔

اور پھر تین چیزیں تھیں: ہدی بھیج سکتا ہے، یا نصف صاع گندم ہر مسکین پر صدقہ کرے، یا اس کے بدلے روزے رکھے، تو اس میں اختیار کس کو ہے؟ تو شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک اختیار جو ہے شکار کرنے والے کو ہے، چاہے تو وہ اس قیمت کے بدلے کیا کروادے؟ کوئی ہدی ذبح کروادے، چاہے تو ہر مسکین پر وہ صدقہ کر دے، اور چاہے تو اس کے بدلے روزے رکھ لے، تو یہ اختیار قتل کرنے والے کو ہے۔ جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اختیار فیصلہ کرنے والوں کو ہے۔ کس کا اختیار ہے؟ فیصلہ کرنے والوں کا اختیار ہے۔ قرآن میں اللہ کیا فرماتے تھے: ﴿**يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ**﴾ کہ تم میں سے دو عادل آدمی کیا کریں؟ اس کا فیصلہ کریں گے، تو یہی دو جو عادل آدمی ہیں یہی مقرر کریں گے، یہ چاہیں تو ہدی مقرر کر دیں، یہ چاہیں تو صدقہ متعین کر دیں اور یہ چاہیں تو روزے کو متعین کر دیں، اختیار حکمین کو ہے قاتل کو نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «**ثُمَّ الْخِيَارُ إِلَى الْقَاتِلِ فِي أَنْ يَجْعَلَهُ هَدْيًا أَوْ طَعَامًا أَوْ صَوْمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى**»، پھر اختیار جو ہے قاتل کو ہے یعنی شکار کرنے والے کو ہے، «**فِي أَنْ يَجْعَلَهُ هَدْيًا**» کس چیز میں اختیار؟ اس بات میں کہ وہ اس کو ہدی بنادے،

[1] شاملہ (ص۲۱۹) میں «**رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى**» کے بجائے «**لهما أن التخيير**» درج ہے۔

«أَوْ طَعَامًا» یا غلہ بنادے، «أَوْ صَوْمًا» یا روزہ بنادے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک۔ «وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى الْخِيَارُ إِلَى الْحَكَمَيْنِ فِي ذَلِكَ»، جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اختیار جو ہے ان دو حکموں کو ہے وہ جو دو فیصلہ کرنے والے ہیں «فِي ذَلِكَ» اس معاملے میں، اس میں ان دو حکمین کو اختیار ہے۔ «فَإِنْ حَكَمَا بِالْهَدْيِ»، «حَكَمَا»، بھائی کاف پر شد آپ کی کتاب میں بھی ہے؟ شد نہیں ہونا چاہیے بھائی، حَكَّمَ کا معنی ہوتا ہے حکم بنانا، حکم بنانا مراد نہیں ہے فیصلہ کرنا مراد ہے۔ «فَإِنْ حَكَمَا بِالْهَدْيِ» پس اگر ان دونوں نے ہدی کا فیصلہ کیا، «يَجِبُ النَّظِيرُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا» تو نظیر واجب ہوگی اسی طریقے پر جو ہم نے ذکر کر دی، مثل واجب ہوگا اسی طریقے پر جو ہم نے... بھائی امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول چل رہا ہے، وہ کیا فرماتے ہیں؟ اختیار کس کو ہے؟ وہ دو فیصلہ کرنے والوں کو ہے، اور وہ اگر کیا مقرر کر دیں؟ ہاں ہدی مقرر کر دیں تو ہدی اسی طریقے کے مطابق واجب ہوگی جو ہم نے بیان کر دی یعنی اس جانور کا جس کو شکار کیا گیا ہے اس کا مثل صوری آئے گا، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «عَلَى مَا ذَكَرْنَا» اسی طریقے پر جو ہم نے ذکر کیا۔ «وَإِنْ حَكَمَا بِالطَّعَامِ أَوْ بِالصِّيَامِ فَعَلَى مَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ» اور اگر ان دونوں نے غلے یا روزوں کا فیصلہ کیا تو اسی طریقے پر جیسا کہ شیخین رحمہما اللہ نے فرمایا، یعنی قیمت لگائی جائے گی شکار کی اور پھر اس کے مطابق وہ غلہ دے گا بھائی یا اس کے مطابق پھر وہ ہر نصف صاع گندم کے بدلے ایک روزہ رکھے گا۔

■ مسئلہ: لَهُمَا

«لَهُمَا»، شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: «أَنَّ التَّخْيِيرَ شُرِعَ رِفْقًا بِمَنْ عَلَيْهِ»، کہ یہ جو تخییر ہے، اختیار دینا جو ہے، یہ «شُرِعَ» یہ مشروع ہوا ہے «رِفْقًا» نرمی کرنے کے لیے، سہولت کے لیے «بِمَنْ عَلَيْهِ» اس شخص پر جس پر یہ جزا واجب ہے بھائی۔ جس پر یہ جزا واجب ہوئی ہے اس پر... بھائی ایک ہے کہ متعین چیز ان پر لازم کر دی جائے، اور ایک ہے تین چیزوں کے اندر اختیار دے دیا جائے، سہولت کس کے اندر ہے؟ اختیار دینے میں ہے، تو یہی شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو اختیار دیا گیا یہ «شُرِعَ رِفْقًا بِمَنْ عَلَيْهِ»، یہ مشروع ہوا ہے سہولت کے لیے، نرمی کرنے کے لیے اس شخص پر جس پر یہ جزا واجب ہے۔ «فَيَكُونُ الْخِيَارُ إِلَيْهِ» لہٰذا اختیار اسی کو ہوگا، «كَمَا فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ» جیسے کس کے اندر ہے؟ کفارۂ یمین کے اندر ہے، کفارۂ یمین میں آپ پڑھ چکے کہ غلام یا باندی کو آزاد کرنا پڑے گا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کپڑے پہنائے، اور اگر ان کی استطاعت نہیں رکھتا پھر کیا کرلے؟ تین روزے رکھ لے، تو وہاں پر دیکھیے غلام آزاد کرنے میں اور کھانا کھلانے میں اور کپڑے پہنانے میں ان تین چیزوں میں اختیار ہوتا ہے، اور یہ اختیار کس کو ہوتا ہے؟ جس پر وہ کفارہ واجب ہے، تو یہاں پر بھی جس پر یہ کفارہ واجب ہے اسی کو اختیار ہوگا۔

«وَلِمُحَمَّدٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا﴾ الْآيَةَ»، اور امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا﴾ الآیۃ، فیصلہ کریں اس کا دو عادل آدمی، دو قابل اعتماد آدمی تم میں سے «هَدْيًا» اس طور پر کہ یہ ہدی ہو، «الْآيَةَ» أَيْ: اِقْرَأِ الْآيَةَ کہ آیت کو آپ پڑھ لیجیے۔ بھائی دیکھیے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا﴾، «فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ» تو جزا ہے مثل اس کے جس کو انہوں نے قتل کیا چوپایوں میں سے، «يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ» فیصلہ کریں گے اس کے دو عادل آدمی تم میں سے، «هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ» اس طور پر کہ وہ ہدی ہو بالغ الکعبۃ، کعبے کو پہنچنے والی ہو، یعنی کہاں پر یہ قربانی کی جائے گی؟ کعبے کے... کعبہ سے مراد حرم ہے، حرم، کیونکہ بالاجماع کعبہ تو مراد نہیں تو حرم مراد ہے، تو ایسی ہدی جو پہنچنے والی ہو کعبے یعنی حرم کو، «أَوْ كَفَّارَةٌ» یا کیا ہے؟ کفارہ ہے، «طَعَامُ مَسَاكِينَ» مسکینوں کا کھانا ہے، «أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا» یا اس کے برابر روزے ہیں بھائی، روزے ہیں۔ تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا﴾۔

تو وہ فرماتے ہیں، امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اندر «ذَكَرَ الْهَدْيَ مَنْصُوبًا»، اللہ تعالیٰ نے ہدی کے لفظ کو منصوب ذکر کیا ہے، «هَدْيًا» دیکھو کیا آرہا ہے اس پر؟ نصب یعنی زبر آرہا ہے، «لِأَنَّهُ تَفْسِيرٌ لِقَوْلِهِ: ﴿يَحْكُمُ بِهِ﴾»، اس لیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر ہے «يَحْكُمُ بِهِ»، «يَحْكُمُ بِهِ»۔ بھائی دیکھیے قرآن میں اللہ کیا فرما رہے ہیں: ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ﴾، فیصلہ کریں گے اس کا دو عادل آدمی۔ تو جہ ہے بھائی؟ «يَحْكُمُ بِهِ» فیصلہ کریں گے اس کا، بھائی یہ اس کا یہ کیا مراد ہے؟ بہ کی ہا ضمیر سے کیا مراد ہے؟ یہ ضمیر مبہم تھی، آگے «هَدْيًا» کے ذریعے اس کی تفسیر بیان کر دی گئی کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ہدی، یعنی اس ہدی کا فیصلہ کریں گے دو عادل آدمی۔ کس کا؟ توجہ ہے؟ یہ «هَدْيًا» کس کی تفسیر ہے؟ بہ کی جو میں جو ہا ضمیر مجرور آ رہی ہے یہ اس کی تفسیر ہے بھائی، تفسیر ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بہ کی ہا ضمیر تو مجرور ہے اور مفسَّر اور تفسیر یعنی وہ تو آپس میں بدل مبدل منہ بنتے ہیں اور بدل مبدل منہ کا اعراب تو ایک ہوتا ہے، لہٰذا ہا ضمیر مجرور ہے تو «هَدْيًا» کو اگر اس کی تفسیر بنایا جائے تو اس کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مجرور۔ جواب یہ کہ یہ «هَدْيًا» یہ بدل ہے اس کے محل سے، اس کے محل کے اعتبار

سے اس سے بدل ہے اور محل کے اعتبار سے ہاضمیر منصوب ہے کیونکہ مفعول ہے بھائی، کیا ہے؟ مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، تو یہ «هَدْيًا» بھی کیا ہے؟ بدل ہے باعتبار محل کے، اور محل کے اعتبار سے ہاضمیر کیا ہے؟ منصوب۔ لفظوں کے اعتبار سے تو بے شک مجرور ہے لیکن محل کے اعتبار سے کیا ہے؟ منصوب ہے، تو لہٰذا اس کی تفسیر جو ہوگی وہ بھی کیا ہوگی؟ منصوب ہوگی۔ تفصیل یاد رکھیے بھائی، نحو میں آپ پڑھ چکے ہیں، نحو میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک ہوتا ہے مفعول بہ اس کو فعل نصب دیتا ہے: «ضَرَبْتُ عَمْرًا»، میں نے پٹائی کی کس کی؟ عمرو کی، یہ عمرو کیا ہے؟ مفعول ہے۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے ایک لفظ ہوتا ہے اس کو فعل نصب دینا چاہتا ہے، اس میں عمل یعنی کرنا چاہتا ہے، اور جب عمل کرے گا تو اس کو نصب دے گا کیونکہ رفع تو دے نہیں سکتا رفع تو صرف فاعل پہ آئے گا باقی معمولوں پر تو رفع نہیں ہے، تو فعل ایک چیز میں عمل کرنا چاہتا ہے، مفاعیل کے علاوہ کچھ اور اس کو بنانا چاہتا ہے لیکن اس کے لیے عمل کرنا ممکن نہیں ہوتا، مثلاً یہیں پر دیکھ لیجیے: «ضَرَبْتُ عَمْرًا»، «ضَرَبْتُ عَمْرًا»، اب آگے کیا ترجمہ ہوا اس کا؟ میں نے عمرو کی پٹائی کی، اب میں کہنا یہ چاہتا ہوں لاٹھی کے ساتھ، میں نے اس کی پٹائی کس کے ساتھ کی؟ لاٹھی کے ساتھ، تو میں آگے عصا کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں لیکن عصا کو تو اب یہ فعل نصب نہیں دے سکتا کیونکہ یہ ایک ہی مفعول کو نصب دیتا تھا اور وہ مفعول آ چکا ہے، تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے، ان کی مدد لی جاتی ہے، اب حروفِ جر درمیان میں لے آؤں گا اور یوں کہوں گا: «ضَرَبْتُ عَمْرًا بِالْعَصَا»، «ضَرَبْتُ عَمْرًا بِالْعَصَا»، اچھا تو میں نے عمرو کی پٹائی کی لاٹھی کے ذریعے، اب دیکھو یہ جار مجرور متعلق ہو گئے ضَرَبْتُ فعل کے ساتھ، سمجھ میں آیا؟ تو یہ جو باجارہ ہے اور العصا مجرور ہے، ہمیشہ یاد رکھنا یہ جو مجرور ہوتا ہے نا مجرور جس پر حرفِ جر داخل ہوا، یہ مفعول بہ ہوتا ہے لیکن غیر صریح ہوتا ہے، صریح نہیں ہوتا۔ صریح مفعول بہ پیچھے «عَمْرًا» گزرا تھا وہ منصوب تھا، سمجھ میں آیا؟ صریح جو ظاہر ہو، ظاہر۔ تو یہ ظاہراً مفعول بہ تھا اس پر نصب آیا، لیکن یہ جو مجرور ہوتا ہے یہ بھی مفعول بہ ہوتا ہے لیکن یہ غیر صریح ہوتا ہے، صراحۃً مفعول بہ نہیں، صراحۃً ہوتا پھر تو کیا آتا؟ نصب آتا، لیکن اس پر تو نصب نہیں آ رہا اس پر تو حرفِ جر داخل ہے، تو یہ جو مجرور ہوتا ہے اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ یہ بھی دراصل کیا ہوتا ہے؟ مفعول بہ، البتہ غیر صریح ہوتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا یہاں پر بھی «يَحْكُمُ بِهِ»، یہ ہا ضمیر مجرور کیا ہے؟ یہ مفعول بہ غیر صریح ہے، تو لفظوں کے اعتبار سے تو اس پر با داخل ہے یہ مجرور ہے لیکن محل کے اعتبار سے یہ کیا ہے؟ مفعول بہ ہے نا، ابھی بتایا آپ کو یہ کیا ہے؟ مفعول بہ، اور مفعول بہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، تو لہٰذا یہ اس کے آگے «هَدْيًا» جو ہے وہ اس کے محل کے اعتبار سے اس سے بدل ہے بھائی، یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں امام شافعی اور امام محمد رحمہ اللہ کہ «ذَكَرَ الْهَدْيَ مَنْصُوبًا»، ذَكَرَ نہ پڑھیں، ذُكِرَ پڑھیں زیادہ بہتر ہے: «ذُكِرَ الْهَدْيُ مَنْصُوبًا» کہ یہاں پر ہدی کو منصوب ذکر کیا گیا اس آیت کے اندر، «لِأَنَّهُ تَفْسِيرٌ لِقَوْلِهِ: ﴿يَحْكُمُ بِهِ﴾»، اس لیے کیونکہ یہ تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی «يَحْكُمُ بِهِ»، «يَحْكُمُ بِهِ» کی تفسیر ہے۔ «أَوْ مَفْعُولٌ لِحُكْمِ الْحَكَمِ»، یا یہ مفعول ہے حکمِ حکم کے لیے یعنی «يَحْكُمُ» کے لیے یہ مفعول ہے «هَدْيًا»۔ ایک، ایک ترکیب انہوں نے کیا کی؟ اس کو تفسیر بنایا، تفسیر بنایا یا یوں کہیں تمیز بنایا، کیا بنایا؟ تمیز ہے، اور تمیز کیا ہوتی ہے؟ منصوب، لیکن اس کو تفسیر کہا، تفسیر کہا، کیوں کہا تفسیر؟ کیونکہ یہ تمیز بھی کیا کرتی ہے؟ ابہام کو دور کرتی ہے، ایک چیز کی تفسیر کر دیتی ہے، تو اس لیے اس کو تفسیر کہہ دیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ «يَحْكُمُ بِهِ» آگے کیا آیا؟ «هَدْيًا»، «هَدْيًا» کو کیا بنایا؟ تفسیر اگر، تفسیر ہے تو کس اعتبار سے؟ محل کے اعتبار سے، یا یوں کہو دوسرے لفظوں میں یہ کیا ہے؟ تمیز ہے۔ جب تمیز ہے پھر تو محل کی کہنے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ تمیز تو ہوتی ہی کیا ہے؟ منصوب۔ تفسیر کہیں نا تفسیر، تفسیر کہتے ہیں بدل، جو مفرد ہو نا مفرد، وہ بدل ہوتا ہے، کیا واقع ہوتا ہے؟ بدل۔ آپ ترکیب کرتے ہیں نا، آپ کہتے ہیں یہ مفسَّر یہ تفسیر، سمجھ میں آیا؟ یہ مفسَّر اور تفسیر کہیں قافیہ میں آپ نے پڑھا اس کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ مفسَّر، منصوبات میں کہیں مفسَّر کا ذکر آیا تھا؟ مجرورات میں کہیں آیا؟ مرفوعات میں آیا؟ سمجھ میں آیا؟ تو یہ مفسَّر اور تفسیر نحوی اعتبار سے کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ نحوی اعتبار سے ہم نے اعراب بتانا ہوتا ہے، اب جب آپ کسی لفظ کے بارے میں کہہ دیں نا یہ مفسَّر ہے، ٹھیک ہے مفسَّر ہو گا اپنی جگہ پر، لیکن اعراب کیا بنے گا؟ بھائی یا تو ہمیں یہ بتاؤ یہ فاعل بن رہا ہے یا ہمیں یہ بتاؤ یہ مفعول بن رہا ہے۔ فاعل سنتے ہی آپ کو پتہ چل گیا کون سا اعراب ہے؟ رفع۔ مفعول سنتے ہی پتہ چل گیا کون سا اعراب ہے؟ نصب۔ میں کہتا ہوں تمیز بن رہا ہے، اعراب کا پتہ چلا یا نہیں چلا؟ میں کہتا ہوں حرفِ جر اس پر داخل ہے، مجرور ہے، اعراب کا پتہ چلا یا نہیں چلا؟ دیکھو ان سب میں آپ کو اعراب کا پتہ چل رہا ہے، تو ترکیب کے اندر وہ چیز بیان کی جاتی ہے جس سے اعراب کا پتہ چلے، اور مفسَّر اور تفسیر تو کسی میں بھی آپ نے نہیں پڑھا، تو یہ اعراب کے اعتبار سے نہیں، یہ ویسے معنی بیان کرنے کے اعتبار سے مفسَّر تفسیر کہا جاتا ہے، ترکیب میں یہ بیان کرنا ضروری نہیں۔ تو لیکن اگر بیان کرتے ہیں تو پھر یاد رکھنا کہ مفرد سے اگر مفرد کی تفسیر ہے تو وہ آپس میں بدل مبدل منہ بنتے ہیں، کیا بنتے ہیں؟ بدل اور مبدل منہ۔ معلوم ہوا یہ ہا ضمیر اس کو مبدل منہ بنائیں گے اور «هَدْيًا» کو کیا بنائیں گے؟ بدل بنائیں گے، اور بدل مبدل منہ کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ ایک، تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اعراب تو دونوں کا ایک نہیں، میں نے بتلا دیا کہ کس اعتبار سے اعراب ہے؟ محل کے اعتبار سے چونکہ ہا ضمیر منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اس لیے بدل کا اعراب بھی کیا آیا؟ نصب ہی آیا۔

دوسری ترکیب: «أَوْ مَفْعُولٌ لِحُكْمِ الْحَكَمِ»، کہ یہ مفعول ہے حکمِ حکم یعنی «يَحْكُمُ» کے لیے مفعول ہے، کیا ہے؟ «يَحْكُمُ بِهِ» کے لیے «يَحْكُمُ» کے لیے یہ مفعول ہے، اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔ اچھا، دلیل ان کی چل رہی ہے بھائی، کہتے ہیں یہاں پر ہدی کو منصوب ذکر کیا گیا اور تو اس وجہ سے کہ یہ تفسیر ہے یا یہ مفعول ہے، «ثُمَّ ذُكِرَ الطَّعَامُ وَالصِّيَامُ بِكَلِمَةِ أَوْ»، پھر آیت کے اندر طعام اور صیام کا ذکر آیا کلمۂ او کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ کلمۂ او کے ساتھ۔ اچھا، یہ فیصلہ کریں گے اس کا، کس کا فیصلہ کریں گے؟ ہدی کا، کس کا؟ معلوم ہوا ہدی کا فیصلہ کون کریں گے؟ وہ دو قابل اعتماد آدمی جن کو فیصلہ جو قیمت لگانے کے لیے مقرر

کیے گئے تھے، صورت سمجھ میں آگئی؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ اس ہدی کا فیصلہ کون کریں گے؟ امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کا اختیار حکمین کو ہے، وہ قاتل کو نہیں ہے، وہ شکاری کو نہیں ہے، تو وہ کہتے ہیں دیکھو یہاں «هَدْيًا» آیا اور یہ «هَدْيًا» تو کیا ہے؟ منصوب ہے، معلوم ہوا یہ تفسیر ہے یا «يَحْكُمُ» کے لیے مفعول ہے، جب یہ «يَحْكُمُ» کے لیے مفعول ہے یا اس کی تفسیر ہے، معلوم ہوا اس ہدی کا فیصلہ کون کریں گے؟ وہ دو حکم کریں گے، کون کریں گے؟ توجہ ہے؟ معلوم ہوا اس ہدی کا فیصلہ وہ دو حکم کریں گے، یہ بات تو طے ہو گئی، آگے اسی پر عطف ہے او کے ذریعے طعام کا بھی اور صیام کا بھی، جب طعام اور صیام اسی پر معطوف ہیں تو معطوف علیہ اور معطوف کا ایک ہی حکم ہوتا ہے، اور ہدی معطوف علیہ جو ہے اس میں تو فیصلہ کرنے والے کون؟ حکم، تو آگے معطوف میں بھی فیصلہ کرنے والے کون؟ وہ حکم، یعنی اختیار کس کو ہو گا؟ حکم کو ہو گا، تقریر ان کی سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ ذُكِرَ الطَّعَامُ وَالصِّيَامُ بِكَلِمَةِ أَوْ»، پھر طعام اور صیام کو کلمۂ او کے ساتھ ذکر کیا گیا، «فَيَكُونُ الْخِيَارُ إِلَيْهِمَا»، تو اختیار جو ہے ان دونوں حکمین کو ہو گا۔ یہاں تک اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی کہ ہدی میں اختیار کس کو؟ حکمین کو، اور اسی پر عطف ہے کس کا؟ ہاں، اور معطوف معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں: «ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا وَبَكْرًا»، «ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا وَبَكْرًا»، عمرو اور بکر کا عطف کس پر؟ زید پر، اور زید مفعول بہ واقع ہو رہا ہے یعنی اس پر پٹائی واقع ہوئی ہے، تو معلوم ہوا باقی عمرو اور بکر بھی کیا ہیں؟ وہ مفعول ہیں ان پر بھی پٹائی واقع ہوئی ہے، سب کا حکم ایک ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی جب ہدی کے اندر اختیار دو حکمین کو ہے تو آگے جو دو معطوف اس پر ہیں ان پر ان میں بھی اختیار کس کو ہو گا؟ حکمین کو ہو گا۔

■ مسئلہ: قُلْنَا

«قُلْنَا»، ہم کہتے ہیں: «الْكَفَّارَةُ عُطِفَتْ عَلَى الْجَزَاءِ لَا عَلَى الْهَدْيِ»، کہ کفارہ جو لفظ جو آیا: «أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ»، اس میں جو کفارہ کا لفظ آیا اس کا عطف جزا پر ہے: «فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ»، تو یہ کفارۃٌ کا عطف کس پر ہے؟ «جَزَاءٌ» پر ہے، «لَا عَلَى الْهَدْيِ» ہدی پہ لفظ پر اس کا عطف نہیں، جواب دے رہے ہیں ہم ان کو، انہوں نے کیا کہا تھا؟ یہ کفارے کا عطف کس پر ہے؟ ہدی پر ہے، ہم کہتے ہیں نہیں ہدی پر عطف نہیں ہے، پیچھے لفظ «جَزَاءٌ» آیا تھا اس پر عطف ہے، «بِدَلِيلِ أَنَّهُ مَرْفُوعٌ»، اس دلیل کی وجہ سے کہ یہ مرفوع ہے۔ «كَفَّارَةٌ» کیا ہے؟ مرفوع، اور پیچھے «جَزَاءٌ» کا لفظ بھی کیا تھا؟ مرفوع، معلوم ہوا یہ اس «جَزَاءٌ» پر عطف ہے، اگر «هَدْيًا» پر عطف ہوتا، «هَدْيًا» تو منصوب ہے تو کفارے کے لفظ کو بھی کیا ہونا چاہیے تھا؟ «كَفَّارَةً» ہونا چاہیے تھا، حالانکہ آیت میں تو کیا ہے؟ «كَفَّارَةٌ»، معلوم ہوا یہ «جَزَاءٌ» پر معطوف ہے، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ «وَكَذَا قَوْلُهُ تَعَالَى: {أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا} مَرْفُوعٌ»، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول جو ہے: «أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا»، یہاں اس یہ بھی مرفوع ہے، «عَدْلُ» لام پر کیا آرہا ہے؟ پیش، تو یہ بھی مرفوع ہے، تو معلوم ہوا اس کا بھی عطف کس پر ہے؟ اسی «جَزَاءٌ» پر ہے۔ «فَلَمْ يَكُنْ فِيهِمَا دَلَالَةُ اخْتِيَارِ الْحَكَمَيْنِ»، لہٰذا ان دونوں کے اندر حکمین کے اختیار پر دلالت نہیں ہے۔ جواب سمجھ میں آرہا ہے؟ کہ ہم نے کیا کہا، انہوں نے کیا کہا تھا؟ یہ کفارے کا عطف کس پر ہے؟ ہدی پر ہے، اور اسی طرح عدل ذلک صیام کا عطف بھی کس پر؟ ہدی، اور یہ ہدی کا فیصلہ تو کون کرتے ہیں؟ حکم کرتے ہیں، لہٰذا ان دو میں بھی فیصلے کا اختیار کن کو ہو گا؟ حکم، ہم کہتے ہیں نہیں «كَفَّارَةٌ» اور «عَدْلُ ذَلِكَ» یہ دونوں مرفوع ہیں، لہٰذا ان کا عطف جس پر ہو یعنی معطوف علیہ وہ بھی مرفوع ہونا چاہیے، منصوب نہیں، اور پیچھے لفظ «جَزَاءٌ» آیا تھا، تو معلوم ہوا ان کا عطف کس پر ہے؟ جزا پر ہے، کس پر ہے؟ جب جزا پر عطف ہے ہدی پر عطف نہیں، تو معلوم ہوا ان دو میں اختیار کس کو؟ ان دو میں اختیار حکمین کو کم از کم نہیں ہے، تو باقی تو کون رہ گیا؟ وہی قاتل یا شکاری ہی رہ گیا، لہٰذا معلوم ہوا اختیار اس کو ہو گا۔ یہ معنی ہے «فَلَمْ يَكُنْ فِيهِمَا دَلَالَةُ اخْتِيَارِ الْحَكَمَيْنِ»، لہٰذا ان دونوں کے اندر حکمین کے اختیار کی دلالت نہیں ہے۔ «وَإِنَّمَا يُرْجَعُ إِلَيْهِمَا فِي تَقْوِيمِ الْمُتْلَفِ»، اور رجوع کیا جائے گا ان دو حکمین کی طرف «فِي تَقْوِيمِ الْمُتْلَفِ» وہ جو جانور تلف کیا گیا، جس کو ہلاک کیا گیا، اس کی قیمت لگانے میں۔ «وَإِنَّمَا يُرْجَعُ»، انما حصر کے لیے آتا ہے، اس ہلاک شدہ جانور کی صرف قیمت لگانے میں حکمین کی طرف رجوع کیا جائے گا، «ثُمَّ الِاخْتِيَارُ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَى مَنْ عَلَيْهِ»، پھر اس کے بعد اختیار جو ہے اس شخص کو ہو گا «مَنْ عَلَيْهِ» جس پر یہ جزا یا کفارہ واجب ہے، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

«وَيُقَوَّمَانِ فِي الْمَكَانِ الَّذِي أَصَابَهُ لِاخْتِلَافِ الْقِيَمِ بِاخْتِلَافِ الْأَمَاكِنِ»، یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ بھائی جو شکار کیا ہے جہاں پر، اسی مقام پر شکار کی قیمت لگائی جائے گی، دوسری جگہ پر نہیں، اس لیے کیونکہ قیمتیں جو ہیں چیزوں کی وہ مختلف ہوتی ہیں جگہوں کے بدلنے سے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ایک چیز آپ مثلاً یہاں خریدتے ہیں، یہاں خریدتے ہیں، اور ایک چیز دیکھیے آپ منڈی سے خریدتے ہیں، اور ایک چیز منڈی والا کہاں سے خرید کر لاتا ہے، ہر جگہ قیمتیں مختلف ہیں یا نہیں؟ سمجھ میں آیا؟ تو جوں جوں جگہیں بدلتی جاتی ہیں اس کے اعتبار سے جو چیز پر جو خرچہ وغیرہ آتا ہے اور اخراجات اس کے منتقل وغیرہ کرنے پر بہت سی اسباب وہ سب جمع ہوتے چلے جاتے ہیں ساتھ اور قیمتیں بدلتی چلی جاتی ہیں، تو ہر جگہ پر چیز کی قیمت الگ ہوتی ہے، لہٰذا اس شکار کی قیمت کہاں لگائی... وہ دو حکم کہاں لگائیں گے؟ اسی جگہ

پر جہاں اس کو شکار کیا گیا، اور اگر وہ جنگل ہے وہاں تو پتہ چل ہی نہیں سکتا اس کی کتنی قیمت ہے، تو کہتے ہیں قریب ترین جو آبادی ہے جہاں اس کو خریدا اور بیچا جاتا ہے وہاں اس کی قیمت لگالیں گے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَيُقَوَّمَانِ» اور وہ دو حکم قیمت لگائیں گے «فِي الْمَكَانِ الَّذِي أَصَابَهُ» اسی جگہ کے اندر جہاں اس کو پکڑا ہے، جہاں اس کو پایا ہے، «لِاخْتِلَافِ الْقِيَمِ بِاخْتِلَافِ الْأَمَاكِنِ» بوجہ قیمتوں کے مختلف ہونے کے جگہوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ «فَإِنْ كَانَ الْمَوْضِعُ بَرًّا»، اور اگر وہ جگہ جو ہے وہ جنگل ہے، ایسا جنگل ہے «لَا يُبَاعُ فِيهِ الصَّيْدُ» جہاں پر اس شکار کو نہیں بیچا جاتا، «يُعْتَبَرُ أَقْرَبُ الْمَوَاضِعِ إِلَيْهِ» تو اعتبار کیا جائے گا جو سب سے قریب جگہ ہے اس کے «مِمَّا يُبَاعُ فِيهِ وَيُشْتَرَى» جہاں اس کو شکار کو بیچا جاتا ہے اور اس کو خریدا جاتا ہے۔

«قَالُوا»، اور فقہاء فرماتے ہیں، بھائی قرآن میں تو اللہ نے کیا ذکر فرمایا: ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾، فیصلہ کریں گے اس کے اس کا دو عادل، دو قابل اعتماد آدمی اس کی قیمت لگائیں گے، اس کا فیصلہ کریں گے، لیکن فقہاء فرماتے ہیں دو کا ہونا ضروری نہیں، ایک بھی کافی ہے، ایک بھی کافی۔ بھائی قرآن میں تو اللہ دو کا ذکر فرمارہے ہیں؟ تو فرماتے ہیں کہ یہ دو کا حکم بطورِ استحباب کے ہے، بطورِ وجوب، یہ واجب نہیں ہے، دو کا حکم دیا گیا استحباباً کہ اس میں احتیاط زیادہ ہے، ایک آدمی کی قیمت میں غلطی ہو سکتی ہے لیکن جب دو آدمی الگ الگ قیمتیں لگا رہے ہیں بھائی تو اب اس میں غلطی کا احتمال کم سے کم ہو جائے گا بھائی۔ تو کہا مشائخ یعنی فقہاء فرماتے ہیں: «وَالْوَاحِدُ يَكْفِي»، کہ ایک بھی کافی ہے یعنی فیصلہ کرنے والا ایک بھی کافی ہے، «وَالْمُثَنَّى أَوْلَى» اور دو اولیٰ ہیں، «لِأَنَّهُ أَحْوَطُ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر زیادہ احتیاط ہے، «وَأَبْعَدُ عَنِ الْغَلَطِ» اور یہ زیادہ دور ہے غلطی سے، اس میں غلطی کا امکان کم ہے، «كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ» جیسے کس کے اندر ہے؟ حقوق العباد کے اندر جیسے ہوتا ہے۔ «وَقِيلَ: يُعْتَبَرُ الْمُثَنَّى هَاهُنَا بِالنَّصِّ»، اور کہا گیا ہے کہ یہاں پر دو ہی کا اعتبار کرنا پڑے گا «بِالنَّصِّ» نص کی وجہ سے، یعنی اس آیت میں اللہ نے جب دو کا ذکر فرمایا ہے تو قیمت لگانے میں بھی دو ہی کا اعتبار کرنا پڑے گا، دو ہی فیصلہ کرنے والے ہوں گے۔ سمجھ میں آیا؟ تو اس میں فقہاء کا اختلاف، بعض کیا فرماتے ہیں کہ یہ بطورِ احتیاط کے اللہ نے حکم دیا دو کا، ورنہ ایک بھی فیصلہ کرلے تو کافی ہے بھائی، لیکن بعضوں نے کہا نہیں وہاں نص کے اندر دو کا ذکر آیا ہے تو دو فیصلہ کرنے والوں کا ہونا ضروری ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَالْهَدْيُ لَا يُذْبَحُ إِلَّا بِمَكَّةَ

«وَالْهَدْيُ لَا يُذْبَحُ إِلَّا بِمَكَّةَ»، اب بھائی تین چیزوں کا اختیار تھا شکاری کو، چاہے کیا کر دے؟ ہدی بھیج دے، اور چاہے تو غلہ دے دے، صدقہ کر دے، اور چاہے تو روزے رکھ لے، اب ان کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں کہ یہ ہدی یہ مکہ ہی میں ضروری ہے یا مکہ کے علاوہ بھی کہیں جانور کی قربانی کر سکتا ہے، اس کو ذبح کروا سکتا ہے، اور اسی طرح یہ صدقہ یہ صرف مکہ ہی میں کرنا ضروری ہے یا کہیں اور بھی کروایا جا سکتا ہے؟ تو وہ تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَالْهَدْيُ لَا يُذْبَحُ إِلَّا بِمَكَّةَ»، اور ہدی جو ہے اس کو ذبح نہیں کیا جائے گا مگر مکہ ہی میں، «لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾»، بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «هَدْيًا» اس طور پر کہ وہ ہدی ہو «بَالِغَ الْكَعْبَةِ» کعبہ کو یعنی حرم کو پہنچنے والی ہو، معلوم ہوا یہ ہدی کہاں پہنچنا ضروری، کہاں اس کی قربانی ضروری؟ حرم کے اندر۔

«وَيَجُوزُ الْإِطْعَامُ فِي غَيْرِهَا»، اور کھانا کھلانا یا غلہ دینا یہ اس کے مکہ کے علاوہ میں بھی جائز ہے، صدقہ کرنا چاہتا ہے تو مکہ ہی کے فقراء پر صدقہ کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کے علاوہ میں بھی کر سکتا ہے، «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے اس ہدی کو مکہ کے علاوہ کہیں اور ذبح کرنا جائز نہیں، اسی طرح یہ صدقہ بھی جو ہے یہ مکہ کے علاوہ یعنی حرم کے علاوہ کہیں اور کرنا جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں: «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ»، برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، «هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالْهَدْيِ»، وہ اس کو قیاس کرتے ہیں ہدی پر، غلے کے صدقہ کرنے کو وہ قیاس کرتے ہیں ہدی پر، «وَالْجَامِعُ التَّوْسِعَةُ عَلَى سُكَّانِ الْحَرَمِ»، اور علت جامعہ جو ہے، علت مشترکہ جو ہے: «التَّوْسِعَةُ عَلَى سُكَّانِ الْحَرَمِ»، وسعت کرنا ہے حرم کے رہنے والوں پر، وسعت کرنا ہے حرم کے رہنے والوں پر، یہ علت مشترکہ ہے۔ قیاس کر رہے ہیں کس کو؟ اطعام کو، کس پر؟ ہدی پر، جیسے ہدی جو ہے قربانی کا جانور مکہ میں ذبح کیا جائے گا تو مکہ کے رہنے والوں پر وسعت آئے گی، وہ گوشت ان کو ملے گا نہیں؟ ملے گا یا نہیں بھائی وہاں کے رہنے والوں کو؟ ملے گا، تو کھانے پینے میں ان کے وسعت آجائے گی یا نہیں؟ وسعت آگئی، تو جیسے اس ہدی کے ذریعے مقصود کیا ہے کہ مکہ کے رہنے والوں پر وسعت آجائے تو اسی طرح یہاں اس صدقے کے اندر بھی اس کو بھی مکے والوں پر ہی تقسیم کیا جائے گا کس وجہ سے کہ ان کے کھانے پینے میں وسعت آجائے۔ یہ معنی ہے «وَالْجَامِعُ التَّوْسِعَةُ عَلَى سُكَّانِ الْحَرَمِ»، اور علت جامعہ جو ہے وہ وسعت کرنا ہے «عَلَى سُكَّانِ الْحَرَمِ» حرم کے رہنے والوں پر۔

«وَنَحْنُ نَقُولُ»، اور ہم کہتے ہیں، ہم کہتے ہیں ہدی جو ہے نا ہدی، یہ تو صرف مکہ میں ہی ہو گی، دلیل اوپر گزر گئی، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو ہدی ہے ہدی، اس میں جانور کو ذبح کیا جاتا ہے اور ذبح کرنا ہی عبادت ہے، ذبح کرنا ہی... بھائی آپ قربانی کا جانور ذبح کر دیتے ہیں، پھر سارا گوشت آپ خود ہی کھا جائیں، قربانی ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ قربانی ہو گئی، معلوم ہوا اس میں صدقہ کرنا نہیں ہے، وہاں صرف خون کا بہا دینا یہی کیا ہے؟ یہی عبادت ہے، اور خون کا بہانا کیسے عبادت ہے؟ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی۔ نماز میں اپ ٹھیک ہے اللہ کے سامنے جھک رہے ہیں، ماتھے کو زمین پر رکھ رہے ہیں، عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں، اس کا عبادت ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے، روزے

میں بھی اب آپ اپنے آپ کو کیا کرتے ہیں؟ اپنی خواہشات سے روکتے ہیں، تو اس کا بھی عبادت ہونا سمجھ میں آتا ہے، زکوٰۃ آپ دیتے ہیں فقراء اور محتاجوں اور مساکین کی مدد ہوتی ہے، ان کی تکلیف دور ہوتی ہے، اس کا عبادت ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے، لیکن یہ خون کا بہا دینا کس طرح عبادت ہے؟ یہ بات عقل میں نہیں آتی، تو معلوم ہوا یہ غیر معقول ہے، یہ خون کا بہا دینا یہ کیا ہے؟ غیر معقول یعنی عقل میں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ جو چیز غیر معقول ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے، اس پر اور چیزوں کو قیاس نہیں کر سکتے، اور قربانی کرنا یہ یعنی خون کا بہانا یہ عبادت ہے لیکن جہاں بھی ہم نے دیکھا غور کیا تو یا تو وہ زمانے کے ساتھ مقید ہے یا جگہ کے ساتھ، زمانے کے ساتھ مثلاً بڑی عید کے جو تین دن ہیں اس میں صرف کیا ہے؟ قربانی کرنا اور خون کا بہا دینا عبادت، یا اسی طرح ہدی کے اندر جیسے قرآن میں آگیا: ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾، یہ ہدی کہاں پہنچنے والی ہو؟ کعبہ یعنی حرم کو پہنچنے والی ہو، تو معلوم ہوا خون کا بہانا وہ اپنے مورد پر بند رہے گا اور وہ اس کا مورد کیا ہے؟ یا تو کوئی زمانہ ہو مخصوص یا کوئی مخصوص جگہ ہے جیسے حرم ہے وہ ہو بھائی، وہ ہو، سمجھ میں... تو لہٰذا ہدی تو ہے غیر معقول، تو جب وہ غیر معقول ہے تو اس کا حکم اسی پر بند رہے گا، دوسری چیزوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا یہ صدقے کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا کہ صدقے پر بھی یہی حکم لگا دیا جائے کہ حرم میں تو جائز ہے یہ صدقہ اور کہیں جائز نہیں، صدقہ تو معقول ہے عقل میں اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس کی وجہ سے محتاجوں کی محتاجگی دور ہوتی ہے، تو یہ ہر جگہ پر عبادت ہے، لہٰذا یہ صدقہ ہر جگہ کر سکتا ہے مکہ میں بھی اور غیر مکہ میں بھی، لیکن قربانی کرنی ہے یہ والی تو صرف مکہ ہی میں ہو گی۔

■ مسئلہ: وَنَحْنُ نَقُولُ: الْهَدْيُ قُرْبَةٌ غَيْرُ مَعْقُولَةٍ

«وَنَحْنُ نَقُولُ: الْهَدْيُ قُرْبَةٌ غَيْرُ مَعْقُولَةٍ»، اور ہم کہتے ہیں ہدی جو ہے وہ ایسی عبادت ہے جو عقل میں آنے والی نہیں ہے، «فَيَخْتَصُّ بِمَكَانٍ أَوْ زَمَانٍ»، «بِمَكَانٍ» کے بعد واؤ ہے؟ واؤ صحیح نہیں بھائی، «أَوْ» ہونا چاہیے، «أَوْ» بھائی، یہ کتابت کی غلطی ہے: «فَيَخْتَصُّ بِمَكَانٍ أَوْ زَمَانٍ»، تو لہٰذا یہ ہدی جب غیر معقول ہے تو یہ خاص ہو گی «بِمَكَانٍ» کسی جگہ کے ساتھ یعنی حرم کے ساتھ «أَوْ زَمَانٍ» یا کسی زمانے کے ساتھ، «أَمَّا الصَّدَقَةُ فَقُرْبَةٌ مَعْقُولَةٌ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَمَكَانٍ»، اور باقی صدقہ جو ہے وہ تو عقل میں آنے والی عبادت ہے ہر زمانے اور مکان میں، جس جگہ بھی کر دیا جائے صدقہ، جس زمانے میں بھی صدقہ کر دیا جائے محتاج کی محتاجگی دور ہو گی یا نہیں ہو گی؟ لہٰذا وہ ہر زمانے اور ہر جگہ پر صحیح ہے۔

«وَالصَّوْمُ يَجُوزُ فِي مَكَّةَ»، جی آپ کی کتابوں میں «فِي مَكَّةَ» ہے؟ ہاں «فِي مَكَّةَ» نہیں بھائی، «فِي غَيْرِ مَكَّةَ» یہاں غیر کا لفظ رہ گیا ہے، کتابت کی غلطی ہے۔ «وَالصَّوْمُ يَجُوزُ فِي غَيْرِ مَكَّةَ»، اور روزہ جو ہے وہ مکہ کے علاوہ میں بھی جائز ہے یعنی جہاں مرضی رکھنا چاہے، «لِأَنَّهُ قُرْبَةٌ فِي كُلِّ مَكَانٍ» اس لیے کیونکہ روزہ جو ہے وہ عبادت ہے ہر جگہ میں۔

«فَإِنْ ذَبَحَ بِالْكُوفَةِ أَجْزَأَهُ عَنِ الطَّعَامِ»، اگر ایک شخص نے اس قربانی کے جانور کو کوفہ میں ذبح کر دیا، بھائی اس نے شکار کیا تھا اور اس پر اس کی جزا واجب ہوئی تھی، اور اس جزا کو اس نے کہاں ذبح کیا؟ کوفہ میں، تو کہتے ہیں: «أَجْزَأَهُ عَنِ الطَّعَامِ»، تو یہ اس کے لیے کافی ہو گا غلے سے، یعنی اس کو قربانی... یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا لیکن یہ خون بہانے کے اعتبار سے اس کے لیے کافی نہیں بلکہ کس اعتبار سے کافی ہے؟ کہ یہ اس کے گوشت کو پھر صدقہ کرے، اب خود نہیں کھائے گا، اب... کیونکہ یہاں خون بہانے کا اعتبار ہی نہیں بلکہ کس کا اعتبار ہے؟ صدقے کا اعتبار ہے، تو خون کا بہانے کے اعتبار سے یہ کافی نہیں ہوا بلکہ کس اعتبار سے کافی ہو گا؟ صدقے کے اعتبار سے، بشرطیکہ اس کی قیمت اس سارے گوشت کی قیمت جتنا صدقہ اس پر لازم ہو رہا تھا اس کی قیمت جتنی ہو، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ مثلاً بھائی اس پر اس نے ایک جانور شکار کیا اور اس کی قیمت لگائی گئی تو وہ مثلاً بیس ہزار، کتنے کا تھا جانور؟ بیس ہزار کا، اس نے کوفہ میں بیس ہزار کا ایک جانور خرید اور اس کی قربانی کر دی، تو یہ قربانی کے اعتبار سے کافی نہیں کیونکہ قربانی کے اعتبار سے حرم میں کرتا پھر تو کافی ہو جاتا، اب ہم صدقے کا اعتبار یہاں کریں گے، لہٰذا اس جانور کے گوشت کا اندازہ لگاؤ سارا، اگر یہ سارا کچھ کتنے کو پہنچتا ہے؟ بیس ہزار... اس پہ واجب کتنا ہوا تھا؟ بیس ہزار نا، تو اگر یہ جو ہے ذبح شدہ گوشت وغیرہ یہ بیس ہزار کو پہنچ رہا ہے پھر تو کافی ہو جائے گا، اور اگر یہ پہنچ رہا ہے پندرہ ہزار تک، تو پھر پانچ ہزار مزید کیا کرنا پڑے گا؟ صدقہ کرنا پڑے گا اسی طرح غلہ لے لے اور ہر مسکین کو کیا کرے؟ نصف صاع گندم دے دے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: «فَإِنْ ذَبَحَ بِالْكُوفَةِ أَجْزَأَهُ عَنِ الطَّعَامِ»، اور اگر ذبح کیا اس ہدی کو کوفہ میں تو کافی ہو جائے گا اس کے لیے غلے سے۔ دیکھیے خود صاحب ہدایہ بھی یہی معنی کریں گے، کہتے ہیں: «مَعْنَاهُ إِذَا تَصَدَّقَ بِاللَّحْمِ»، معنی اس کا یہ ہے کہ جب وہ اس کے گوشت کو صدقہ کر دے، «وَفِيهِ وَفَاءٌ بِقِيمَةِ الطَّعَامِ» اور اس کے اندر اس غلے کی قیمت بھی پوری ہوتی ہو، «لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ لَا تَنُوبُ عَنْهُ»، اس لیے کیونکہ خون کا بہا دینا «لَا تَنُوبُ عَنْهُ» یہ کوفہ کے اندر خون کا بہا دینا «لَا تَنُوبُ عَنْهُ» یہ اس ہدی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اچھا بھائی یہاں انہوں نے متن میں کوفہ کے اندر ذبح کرنے کو ذکر کیا، متن میں کوفہ کے اندر جانور کو ذبح کرنے کے بارے میں ذکر کیا کہ وہاں اگر کوئی اس جانور کو ذبح کر لے گا تو یہ قربانی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، لیکن اس سے کوفہ ہی نہیں مراد بھائی بلکہ... بلکہ حرم سے باہر کی تمام جگہیں مراد ہیں، حرم کے علاوہ اور کہیں پر بھی وہ کیا کرے گا؟ اس جانور کو ذبح کرے گا تو یہ قربانی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، ہاں صدقے کے قائم مقام ہو سکتا ہے،

سبق نمبر ۱۵۷: مسئلہ: ثُمَّ الْخِيَارُ إِلَى الْقَاتِلِ فِي أَنْ يَذْبَحَ...
دروسِ ہدایہ (جلد اول)

قربانی تو حرم ہی میں کرنا پڑے گی، حرم سے باہر کرے گا تو صحیح نہیں بھائی۔

■ مسئلہ: وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الْهَدْيِ بِنَفْسِهِ...

«وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الْهَدْيِ يُهْدِي مَا يُجْزِيهِ فِي الْأُضْحِيَّةِ»، اچھا بھائی آپ نے مسئلہ پڑھ لیا کہ ہدی کو وہ اختیار کرتا ہے تو ہدی تو مکہ ہی میں ذبح کرنا پڑے گی، اور روزے یا صدقے کو اختیار کرتا ہے تو وہ جہاں بھی رکھنا چاہے روزے اور جہاں بھی صدقہ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اب اس کا اس نے ہدی کو اختیار کیا تو ہدی کے اندر پھر کیوں کون کون سے جانور کو وہ ذبح کر سکتا ہے؟ کون سے جانور کو وہ حرم بھجوا کر اس کی قربانی کروا سکتا ہے؟ تو کہتے ہیں بھائی وہی جانور جن کی قربانی عید پر جائز ہے انہی کی قربانی کروا سکتا ہے، اور عید پر کون کون سے جانور کی قربانی جائز ہوتی ہے؟ بھیڑ، بکری جو کم از کم ایک سال کی ہو، گائے ہو تو کم از کم دو سال کی ہو، اور اونٹ ہو تو پانچ سال کا، تو ان میں سے جس کی بھی قربانی کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا بھیڑ بکری کم از کم ایک سال کی ہونی چاہیے، گائے کی قربانی کر رہا ہے وہ کم از کم کتنے کی ہو؟ دو، کیونکہ اس سے کم کی تو قربانی جائز نہیں، تو جیسے عید میں جو شرط تھا وہی صورت یہاں ہو گی۔ تو کہتے ہیں: «وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الْهَدْيِ»، اور جب اختیار ہدی پر واقع ہوا یعنی اس قاتل نے ہدی کو اختیار کر لیا، «يُهْدِي» تو وہ ہدی بھیج دے «مَا» وہ جانور «يُجْزِيهِ فِي الْأُضْحِيَّةِ» جو کافی ہوتا ہے اس کے لیے قربانی میں، «لِأَنَّ مُطْلَقَ اسْمِ الْهَدْيِ مُنْصَرِفٌ إِلَيْهِ»، اس لیے کیونکہ ہدی کا مطلق اسم جو ہے وہ اسی کی طرف پلٹتا ہے، وہ... جب مطلقاً ہدی کا لفظ بولا جائے تو اس سے یہی جانور مراد ہوتے ہیں، مطلقاً جب ہدی کا لفظ بولا جائے تو اس سے کیا مراد ہوتا ہے؟ اگر بھیڑ بکری ہے تو کم از کم ایک سال والی مراد ہوتی ہے، گائے بیل ہو تو کم از کم دو سال والی مراد لیتے ہیں، اور اونٹ ہو تو پانچ سال والا۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّ مُطْلَقَ اسْمِ الْهَدْيِ مُنْصَرِفٌ إِلَيْهِ»، اس لیے کیونکہ مطلقاً ہدی کا نام جو ہے وہ اس کی طرف پلٹتا ہے۔

«وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يُجْزِي صِغَارُ النَّعَمِ فِيهَا»، اور امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: «يُجْزِي صِغَارُ النَّعَمِ فِيهَا» کہ اس کے اندر چھوٹے چوپائے جو ہیں وہ بھی کافی ہیں، یعنی بھیڑ بکری ایک سال سے کم ہو یا گائے بیل دو سال سے کم ہو، اونٹ پانچ سال سے کم ہو وہ بھی اس کے اندر جائز ہیں، «لِأَنَّ الصَّحَابَةَ أَوْجَبُوا عَنَاقًا وَجَفْرَةً»، اس لیے کیونکہ صحابہ نے واجب کیا عناق کو، اور عناق کس کو کہتے تھے؟ بھیڑ بکری کا بچہ جس کا ابھی ایک سال پورا نہ ہوا ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ عناق۔ تو صحابہ نے خرگوش کے اندر کس کو واجب کیا تھا؟ عناق کو، اور عناق تو ایک سال سے کم کا ہے، معلوم ہوا ایک سال سے کم بھیڑ بکری کی بھی قربانی اس ہدی کے طور پر قربانی جائز ہے، «وَجَفْرَةً» اور اسی طرح صحابہ نے جفرہ کو واجب کیا، جفرہ چار ماہ کا بھیڑ بکری کا جو بچہ ہے چار ماہ کا، تو وہ دیکھو وہ بھی بڑا چھوٹا ہوتا ہے، تو صحابہ نے عناق کو بھی واجب کیا ہے اور جفرہ کو، معلوم ہوا کہ یہاں اس میں چھوٹے بچوں کی قربانی بھی جائز ہے۔

«وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ»، شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: «يَجُوزُ الصِّغَارُ عَلَى وَجْهِ الْإِطْعَامِ»، کہ چھوٹے بچے جو ہیں وہ جائز ہیں اطعام کے طریقے پر، یعنی وہی صدقے کے طریقے پر ان کا اعتبار کیا جائے گا، کس طریقے پر؟ یعنی ان کے گوشت کی قیمت دیکھی جائے گی اور تو ان میں قربانی چھوٹے بچے ٹھیک ہے کر سکتے ہیں لیکن اس میں خون بہانے کا اعتبار نہیں بلکہ کس کا اعتبار ہو گا پھر؟ صدقے کا اعتبار کریں گے، قیمت لگا کر دیکھیں گے جیسے اوپر کوفہ والے مسئلے میں ذکر ہوا، صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو وہ فرماتے ہیں: «يَجُوزُ الصِّغَارُ عَلَى وَجْهِ الْإِطْعَامِ»، کہ چھوٹے بچے جو ہیں اس میں وہ جائز ہیں «عَلَى وَجْهِ الْإِطْعَامِ» کس طریقے پر؟ اطعام، کھانا کھلانے کے طریقے پر، «يَعْنِي إِذَا تَصَدَّقَ» یعنی جب ان کو کیا کر دے؟ صدقہ کر دے۔

■ مسئلہ: وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الطَّعَامِ يُقَوَّمُ...

«وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الطَّعَامِ يُقَوَّمُ الْمُتْلَفُ بِالطَّعَامِ عِنْدَنَا»، پہلی صورت کیا تھی؟ اختیار کس پر واقع ہوا تھا؟ ہدی۔ اب اگر وہ کس کا ارادہ کرتا ہے؟ غلہ صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تین چیزوں میں اختیار ہے نا، تینوں میں تفصیل بیان کر رہے ہیں: «وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الطَّعَامِ»، اور جب اختیار واقع ہوا طعام پر یعنی غلے پر، اس شخص نے کیا ارادہ کیا شکار کرنے والے نے؟ کہ میں کہ میں غلہ جو ہے وہ صدقہ کرتا ہوں، «يُقَوَّمُ الْمُتْلَفُ بِالطَّعَامِ عِنْدَنَا»، تو قیمت لگائی جائے گی اس تلف کیے ہوئے جانور کی «بِالطَّعَامِ» کس کے ساتھ؟ غلے کے ساتھ «عِنْدَنَا» ہمارے نزدیک، «لِأَنَّهُ هُوَ الْمَضْمُونُ»۔ بھائی اس میں اختلاف ہے کہ قیمت کس کی لگائی جائے گی؟ وہ جس جانور کو شکار کیا ہے اس کی قیمت لگائی جائے گی؟ شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کی قیمت لگائی جائے گی کیونکہ یہ ضمان اسی کا آ رہا ہے نا، جی؟ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ یہ ضمان کس کا آ رہا ہے؟ اسی جانور کا آ رہا ہے، لہٰذا اس جانور کی قیمت لگاؤ اور دیکھو یہ جانور کتنے کا ہے زندہ بھائی، اس کی کیا قیمت ہے؟ اور مثلاً اس کی قیمت بیس ہزار بنتی ہے، کتنی بنتی ہے؟ بیس ہزار بنتی ہے تو پھر یہ بیس ہزار کا غلہ خرید لے گا اور اس کو کیا کر دے؟ یہاں صدقہ کر دے، اور قیمت انہوں نے کہا طعام کے ساتھ لگائیں گے، طعام کے ساتھ، یعنی یہ جانور اس کی قیمت کتنا غلہ بنتی ہو گی؟ دو صورتیں ہو گئیں، دونوں جس طرح بھی کر لے انسان: ایک صورت یہ کہ بعینہٖ جانور کو اگر غلے کے بدلے خرید اجائے تو مثلاً کتنے من گندم دینا پڑے گی اس کے بدلے میں؟ ایک صورت یہ، دوسری صورت یہ کہ اس کا اس جانور کی ویسے قیمت

1399

لگوالے اور اتنی قیمت کے اندر جتنا غلہ آتا ہے وہ اس کے بدلے کیا کر دے؟ صدقہ کر دے، تو ہمارے نزدیک، شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک قیمت کس کی لگائی جائے گی؟ وہ جانور جس کو شکار کیا گیا، جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کی قیمت نہیں لگائیں گے، اس کا جو مثل ہو گا اس کی قیمت لگائیں گے، مثلاً ہرن شکار کیا تھا ہرن کے بدلے کیا آتا ہے؟ اس میں بھیڑ بکری آتی ہے، تو ہرن کی قیمت نہیں لگانی، کس کی قیمت لگانی ہے؟ بھیڑ بکری کی قیمت لگاؤ اور اس کے بدلے جتنا غلہ بنتا ہے وہ پھر کیا کر دو؟ صدقہ کر دو، صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو کہتے ہیں: «**يُقَوَّمُ الْمُتْلَفُ بِالطَّعَامِ**»، تو اس تلف کیے ہوئے جانور کی قیمت لگائی جائے گی «**بِالطَّعَامِ**» کس کے ساتھ؟ غلے کے ساتھ «**عِنْدَنَا**» ہمارے نزدیک، «**لِأَنَّهُ هُوَ الْمَضْمُونُ**» اس لیے کیونکہ وہی جانور ہی مضمون ہے، اسی کا ضمان آ رہا ہے، اس کی نظیر جو ہے یا اس کا مثل جو ہے اس کا ضمان نہیں۔ «**فَيُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ**» لہٰذا اس کی قیمت معتبر ہے، جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ جو اس کا مثل ہے اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اس کا اس کے برابر غلہ دیں گے بھائی۔

«**وَإِذَا اشْتَرَى بِالْقِيمَةِ طَعَامًا**»، اب طریقہ بتلا رہے ہیں کہ قیمت لگالی اب کیا کر لو؟ اس قیمت کے بدلے اس قیمت سے غلہ خرید لو تو ہر مسکین کو کتنا کتنا دینا ہے وہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «**وَإِذَا اشْتَرَى بِالْقِيمَةِ طَعَامًا**»، اور جب خرید لیا قیمت کے بدلے گندم کو، غلے کو، «**تَصَدَّقَ عَلَى كُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ**»، تو صدقہ کرے ہر مسکین پر نصف صاع گندم میں سے، «**أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ**» یا ایک صاع کھجور میں سے یا جو میں سے، «**وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُطْعِمَ لِمِسْكِينٍ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ**»، اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کھلائے کسی مسکین کو «**أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ**» نصف صاع سے کم، کسی مسکین کو نصف صاع سے کم دینا جائز نہیں۔ «**لِأَنَّ الطَّعَامَ الْمَذْكُورَ يَنْصَرِفُ إِلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ فِي الشَّرْعِ**»، اس لیے کیونکہ وہ طعام جس کو ذکر کیا گیا: «**أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ**»، آیت میں کیا آیا تھا؟ «**أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ**»، تو یہاں جو طعام ذکر ہوا «**يَنْصَرِفُ**» یہ پھر جائے گا، پلٹ جائے گا «**إِلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ فِي الشَّرْعِ**» اس طعام کی طرف جو شریعت کے اندر معلوم ہے، اور شریعت میں تو کیا معلوم ہے؟ صدقۂ فطر ہے، کفارۂ یمین ہے، کفارۂ ظہار ہے، اس میں کیا کیا جاتا ہے؟ ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو دیے جاتے ہیں، تو یہاں بھی اسی طرح ہو گا۔ یہ معنی ہے کہ وہ «**لِأَنَّ الطَّعَامَ الْمَذْكُورَ**» اس لیے کیونکہ وہ طعام جو آیت کے اندر ذکر ہے «**يَنْصَرِفُ**» وہ پلٹ جائے گا «**إِلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ فِي الشَّرْعِ**» اسی طعام کی طرف جو شریعت کے اندر معلوم ہے، مقرر ہے۔

«**وَإِنِ اخْتَارَ الصِّيَامَ**»، تیسری صورت آ گئی، ہدی کو بھی اختیار نہیں کیا، صدقے کو بھی اختیار نہیں کیا، بلکہ کس کو اختیار کرتا ہے؟ روزے کو، تو اس کی کیا صورت ہے؟ کہتے ہیں بھائی ہر نصف... وہی صورت وہی، جانور کی قیمت لگالیں گے اور پھر دیکھیں گے اس کے بدلے کتنا غلہ آتا ہے، پھر ہر اس غلے میں سے ہر نصف صاع کے بدلے کیا کر لے؟ ایک روزہ رکھ لے اگر وہ گندم ہے، اور اگر کھجور یا جو ہے تو ہر ایک صاع کے بدلے کیا کر لے؟ ایک روزہ رکھ لے۔ تو کہتے ہیں: «**وَإِنِ اخْتَارَ الصِّيَامَ**»، اور اگر اختیار کیا روزوں کو، «**يُقَوَّمُ الْمَقْتُولُ طَعَامًا**»، قیمت لگائی جائے گی اس مقتول جانور کی «**طَعَامًا**» کس سے؟ غلے سے، «**ثُمَّ يَصُومُ عَنْ كُلِّ نِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعٍ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ يَوْمًا**»، اور پھر روزہ رکھے وہ شخص ہر نصف صاع گندم کے بدلے میں یا ایک صاع کھجور یا جو کے بدلے میں روزہ رکھے «**يَوْمًا**» ایک دن بھائی۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ تَقْدِيرَ الصِّيَامِ بِالْمَقْتُولِ غَيْرُ...

«**لِأَنَّ تَقْدِيرَ الصِّيَامِ بِالْمَقْتُولِ غَيْرُ مُمْكِنٍ**»، بھائی یہ کیا بات ہوئی؟ آپ نے ہمیں کہا روزہ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کی کیا کرو؟ قیمت لگاؤ، پھر دیکھو اس قیمت کے بدلے غلہ کتنا آتا ہے، پھر اس غلے میں دیکھو کہ کتنے صاع گندم کے بنتے ہیں تو ہر نصف صاع میں کیا کرو؟ ایک روزہ۔ کہتے ہیں بھائی ظاہر سی بات ہے روزے رکھنے ہیں تو روزوں کا حساب تو اسی طرح کرنا پڑے گا، اس لیے کیونکہ براہِ راست یہ جانور اس کے بدلے اتنے روزے آئیں گے اس کا تو ویسے پتہ نہیں چل سکتا کیونکہ روزے کی تو کوئی قیمت نہیں ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔ «**لِأَنَّ تَقْدِيرَ الصِّيَامِ بِالْمَقْتُولِ غَيْرُ مُمْكِنٍ**»، اس لیے کیونکہ روزوں کا اندازہ لگانا «**بِالْمَقْتُولِ**» مقتول جانور کے ساتھ «**غَيْرُ مُمْكِنٍ**» یہ ممکن نہیں ہے، «**إِذْ لَا قِيمَةَ لِلصِّيَامِ**» اس لیے کیونکہ روزوں کی کوئی قیمت نہیں ہے، «**فَقَدَّرْنَاهُ بِالطَّعَامِ**» تو ہم نے اس کا اندازہ لگایا غلے کے ساتھ۔

«**وَالتَّقْدِيرُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ مَعْهُودٌ فِي الشَّرْعِ**»، یہاں سے سوال کا جواب دے رہے ہیں، سوال یہ کہ آپ نے یہ جو طعام کے ساتھ روزوں کا اندازہ لگایا کیا اس کی کوئی اور مثال بھی شریعت میں ہے یا ایک نئی بات آپ کر رہے ہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھائی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، شریعت میں اس کی اور بھی مثال موجود ہے، جیسے شیخِ فانی ہوتا ہے، بہت بوڑھا شخص ہوتا ہے، اس کو شریعت نے رخصت دی ہے اور وہ کیا کرے گا؟ ہر روزے کے بدلے فدیہ دے گا، اور کتنا فدیہ دے گا؟ نصف صاع گندم دے گا یا ایک صاع کھجور اور جو دے گا، تو دیکھو معلوم ہوا کہ شرعاً ایک روزے کی قیمت کتنی ہے؟ نصف صاع، اس لیے ہم نے بھی یہی کہا۔ «**وَالتَّقْدِيرُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ مَعْهُودٌ فِي الشَّرْعِ كَمَا فِي بَابِ الْفِدْيَةِ**»، اور اندازہ لگانا اس طریقے پر یہ معلوم بھی ہے شریعت کے اندر جیسا کہ فدیے کے باب میں ہے۔

«**فَإِنْ فَضَلَ مِنَ الطَّعَامِ**»، یہاں سے صورت ذکر کر رہے ہیں کہ آپ نے اندازہ لگا لیا غلے کا کہ کتنا غلہ بنتا ہے، جانور کی قیمت لگائی نا مقتول جانور کی آپ

نے، اور اب آپ کا ارادہ کیا ہے؟ روزے رکھیں گے، اچھا تو ہر نصف صاع گندم کے بدلے کیا کریں گے؟ ایک روزہ، آپ نے حساب لگایا، حساب لگاتے لگاتے آخر میں، آخر میں نصف صاع سے بھی تھوڑی سی گندم بچ گئی، نصف صاع گندم ہوتی اس کے بدلے تو کیا آنا تھا؟ ایک روزہ، یہ نصف صاع کا بھی نصف یعنی ربع صاع صرف گندم بچی ہے، یا یوں کہیں صرف ڈیڑھ مٹھی گندم بچی ہے، بہت تھوڑی سی ہے، اب کیا کریں گے؟ کہتے ہیں بھائی یا تو اسی گندم ہی کو کیا کر دو؟ صدقہ کر دو، یا اس کے بدلے روزہ رکھنا ہے تو پھر پورا روزہ رکھنا پڑے گا، یہ نہیں کہ اب آدھے دن کا روزہ رکھیں بھائی، کیونکہ روزہ ہوتا ہی کتنا ہے؟ پورے دن کا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: «**فَإِنْ فَضَلَ مِنَ الطَّعَامِ أَقَلُّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ**»، اور اگر بچ گیا غلے میں سے نصف صاع سے کم، «**فَهُوَ مُخَيَّرٌ**»، تو اس قاتل کو اختیار ہے، «**إِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ بِهِ**»، چاہے تو اسی کو صدقہ کر دے، «**وَإِنْ شَاءَ صَامَ عَنْهُ يَوْمًا كَامِلًا**»، اور چاہے تو اس سے روزہ اس کے بدلے روزہ رکھ لے ایک پورا دن، «**لِأَنَّ الصَّوْمَ أَقَلُّ مِنْ يَوْمٍ غَيْرُمَشْرُوعٍ**»، اس لیے کیونکہ روزہ «**أَقَلُّ مِنْ يَوْمٍ**» اس حال میں کہ یہ روزہ کیا ہو؟ ایک دن سے کم ہو، «**غَيْرُ مَشْرُوعٍ**» یہ مشروع نہیں، تو «**لِأَنَّ الصَّوْمَ**»، الصوم کو انّ کا اسم بنائیں اور «**غَيْرُ مَشْرُوعٍ**» کو انّ کی خبر بنائیں اور درمیان میں جو آیا «**أَقَلُّ مِنْ يَوْمٍ**» اس کو کیا کریں؟ حال بنالیں بھائی صوم سے: «**لِأَنَّ الصَّوْمَ أَقَلُّ مِنْ يَوْمٍ غَيْرُمَشْرُوعٍ**»، اس لیے کیونکہ ایک دن سے کم کا جو روزہ ہے وہ تو جائز ہی نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَكَذَلِكَ إِنْ كَانَ الْوَاجِبُ دُونَ طَعَامِ مِسْ...

«**وَكَذَلِكَ إِنْ كَانَ الْوَاجِبُ دُونَ طَعَامِ مِسْكِينٍ**»، یہی حکم ہے کہتے ہیں اگر جو چیز واجب ہوئی وہ ایک نصف... وہ ایک مسکین کے طعام سے کم ہوئی۔ مثلاً ایک شخص نے چڑیا کو شکار کیا اور چڑیا کی قیمت لگائی گئی تو اس کی قیمت تو بڑی تھوڑی تھی، حتی کہ نصف صاع گندم کو بھی نہیں پہنچ رہی اس کی قیمت، تو نصف صاع سے بھی کم گندم اس پر واجب ہوئی ہے تو اس میں بھی یہی حکم ہے، چاہے اس کم گندم ہی کو کیا کر دے؟ صدقہ کر دے، اور چاہے اس کے بدلے پورا ایک روزہ رکھ لے۔ یہ معنی ہے: «**وَكَذَلِكَ إِنْ كَانَ الْوَاجِبُ دُونَ طَعَامِ مِسْكِينٍ**»، اور اسی طرح اگر وہ جو واجب ہوا ہے وہ ایک مسکین کے کھانے سے کم ہے، «**يُطْعِمُ قَدْرَ الْوَاجِبِ أَوْ يَصُومُ يَوْمًا كَامِلًا لِمَا قُلْنَا**»، تو کھلا دے اسی واجب کے بقدر یعنی صدقہ کر دے «**أَوْ يَصُومُ يَوْمًا كَامِلًا**» یا ایک پورا روزہ رکھ لے «**لِمَا قُلْنَا**» اس وجہ سے جو ہم نے کہا کہ روزہ ایک دن سے کم کا جائز نہیں۔

«**وَلَوْ جَرَحَ صَيْدًا أَوْ نَتَفَ شَعْرَهُ أَوْ قَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ ضَمِنَ مَا نَقَصَهُ**»، صورت یہ کہ ایک شخص نے شکار کو زخمی کر دیا یا اس کے بال اکھاڑ دیے یا اس کا کوئی عضو کاٹ ڈالا، تو اس صورت میں اس پر کیا جزا آئے گی؟ کیا جزا آئے گی؟ تو مسئلہ یاد رکھیے، اگر یہ نقصان پہنچانے کی وجہ سے وہ جانور اب بھاگنے سے اور اپنا بچاؤ کرنے سے ہی عاجز آ گیا، اب یہ بھاگ ہی نہیں سکتا، اپنی جان دوسروں سے بچا ہی نہیں سکتا، تو پھر تو پورے جانور کی جزا واجب ہو گی، کیونکہ اب اس بیچارے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا ہی ممکن نہ رہا، یہ تو گویا اسی طرح ہو گیا پورے جانور کو ہی اس نے تلف کر دیا، اور اگر اس سے کمتر ہوا ہے نقصان، جانور ابھی بھی اپنا بچاؤ کر سکتا ہے، تو پھر دیکھیں گے کہ اس سے جانور کی قیمت میں کتنی کمی آئی ہے، مثلاً ٹھیک جانور جو ہے وہ صحیح سلامت ہو وہ بیس ہزار کا یہ والا ملتا ہے اور یہ جو تھوڑا سا کچھ عضو اس نے کاٹ دیا ہے یا کچھ، اس کی وجہ سے اس کی قیمت میں پانچ سات ہزار کی کمی ہو گئی ہے تو اسی کے بقدر اس پر بھی واجب ہو گا جو کمی ہے، مثلاً جانور کتنے کا تھا؟ بیس ہزار، اور اس نے جو نقصان پہنچایا اس سے کتنی کم ہو گئی اس کی قیمت؟ پانچ ہزار، تو اس پر پانچ ہزار واجب ہو جائیں گے جتنا اس نے نقصان کیا ہے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

«**وَلَوْ جَرَحَ صَيْدًا**»، اور اگر محرم نے زخمی کر دیا شکار کو، «**أَوْ نَتَفَ شَعْرَهُ**» یا اکھاڑ ڈالے اس کے بال، «**أَوْ قَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ**» یا کاٹ دیا اس میں سے کوئی عضو، «**ضَمِنَ مَا نَقَصَهُ**»، تو ضامن ہو گا اس قیمت اس مقدار کا جو اس میں سے کم کی ہے اس نے، «**اعْتِبَارًا لِلْبَعْضِ بِالْكُلِّ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ**»، قیاس کرتے ہوئے بعض کو کل پر جیسے کہ حقوق العباد میں ہوتا ہے، جز کو کل پر قیاس کرتے ہوئے۔ پورا جانور تلف کرتے تھے تو پوری قیمت آتی تھی تو جتنی قیمت میں کمی کی ہے وہ قیمت اب اس پر آئے گی بھائی وہ نقصان اس پر آئے گا، جیسے کس میں ہوتا ہے؟ حقوق العباد میں ہوتا ہے، آپ کسی کی پوری چیز تلف کر دیں تو پورا پوری چیز کی قیمت آپ پر آتی ہے، اور اگر کچھ اس میں نقصان کر دیں تو جتنا نقصان کیا تھا اس کے بقدر آپ کو دینا پڑتا ہے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

■ مسئلہ: وَلَوْ نَتَفَ رِيشَ طَائِرٍ أَوْ قَطَعَ قَوَائِمَ...

«**وَلَوْ نَتَفَ رِيشَ طَائِرٍ أَوْ قَطَعَ قَوَائِمَ صَيْدٍ فَخَرَجَ مِنْ حَيِّزِ الِامْتِنَاعِ فَعَلَيْهِ قِيمَةٌ كَامِلَةٌ**»، یہ وہ صورت آ گئی کہ اب جانور اپنا بچاؤ ہی نہ کر سکے تو اس پر کیا آئے گی؟ پوری قیمت آئے گی۔ تو کہتے ہیں: «**وَلَوْ نَتَفَ رِيشَ طَائِرٍ**»، اور اگر محرم نے اکھاڑے پرندے کے پر، «**أَوْ قَطَعَ قَوَائِمَ صَيْدٍ**» یا توڑ دیے شکار کے پاؤں بھائی، شکار کے پاؤں توڑ دیے، «**فَخَرَجَ مِنْ حَيِّزِ الِامْتِنَاعِ**»، حیز کا معنی ہے جگہ، جگہ۔ امتناع، یہ لفظ پیچھے بھی گزرا تھا، شکار وہ ہے جو ممتنع ہو، جو قابو میں آنے والا نہ ہو، اسے حاصل کرنا ممکن نہ ہو بغیر کسی حیلے کے، تو تو وہ «**فَخَرَجَ مِنْ حَيِّزِ الِامْتِنَاعِ**»، تو وہ شکار نکل گیا امتناع کے محل سے، امتناع کی جگہ سے۔ بھائی امتناع کا کیا معنی تھا؟ ہاں جو جسے حاصل کرنا ممکن نہ ہو، شکار کو آپ ویسے پکڑ سکتے ہیں بغیر کسی حیلے ترکیب کے؟ بغیر تو ویسے تو پکڑ نہیں، تو یہ ممتنع تھا۔ اب وہ حیز

امتناع سے نکل گیا، پہلے تو وہ ناممکن الحصول تھا، اب اس نے اس کے اعضاء توڑے تو وہ اس سے نکل کر کیا بن گیا؟ ممکن الحصول بن گیا یعنی اب اسے پکڑنا ممکن ہے، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ ہاں، آسان لفظوں میں یوں کہیے، شکار اپنے بچاؤ سے نکل گیا، اب اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا۔ «فَخَرَجَ مِنْ حَيِّزِالِامْتِنَاعِ»، تو وہ شکار جو ہے بچاؤ کے مقام سے نکل گیا یعنی اب اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا، «فَعَلَيْهِ قِيمَةٌ كَامِلَةٌ» تو اس محرم پر اس کی پوری قیمت واجب ہے، «لِأَنَّهُ فَوَّتَ عَلَيْهِ الْأَمْنَ بِتَفْوِيتِ آلَةِ الِامْتِنَاعِ»، اس لیے کیونکہ اس محرم نے، شکاری نے فوت کر دیا ہے اس جانور پر، کس چیز کو فوت کر دیا ہے؟ «الْأَمْنَ» اس کے امن کو، وہ تو پہلے مامون تھا ہر ایک سے اپنے آپ کو بچا سکتا تھا، تو اب اس نے اس کے امن کو فوت کر دیا ہے «بِتَفْوِيتِ آلَةِ الِامْتِنَاعِ»، کس طرح فوت کیا اس کے امن کو؟ آلۂ امتناع کو فوت کر کے، وہ جس چیز کے ذریعے، جن اعضاء کے ذریعے اپنے آپ کو بچاتا تھا اس نے ان اعضاء ہی کو کیا کر دیا ہے؟ فوت کر دیا ان کو ہلاک کر دیا ہے، «فَيَغْرَمُ جَزَاءَهُ» لہٰذا یہ شخص ضامن ہو گا اس کی جزا کا۔

«وَمَنْ كَسَرَ بَيْضَ نَعَامَةٍ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ»، صورت یہ: ایک شخص نے شتر مرغ کے انڈے توڑ دیے تو کیا اس پر جزا آئے گی یا نہیں آئے گی؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، اس پر بھی ان انڈوں کی قیمت آئے گی۔ تو کہتے ہیں: «وَمَنْ كَسَرَ بَيْضَ نَعَامَةٍ»، اور جس نے شتر مرغ کے انڈہ توڑ دیا، «فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ» تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے، «وَهَذَا مَرْوِيٌّ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ»، اور یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے، کس سے روایت ہے؟ یہ اشکال ہوتا ہے نا اس کا جواب دے رہے ہیں، اشکال یہ کہ آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ مسئلہ چل رہا ہے شکار کا اور شکار کی صورت میں جزا واجب ہوتی ہے، اور یہ انڈے یہ تو شکار نہیں ہیں، تو ان میں کیوں جزا واجب ہو رہی ہے؟ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہی روایت ہے کس سے؟ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان سے اسی طرح روایت ہے، یہ تو نقلی دلیل ہو گئی، عقلی دلیل بھی آگے دیں گے صاحبِ ہدایہ کہ بھائی یہ انڈے جو ہیں یہ شکار کی اصل ہیں، اسی انڈے سے چوزہ نکلے گا اور آگے چل کر وہ کیا بن جائے گا؟ شتر مرغ، اور شتر مرغ کیا ہے؟ شکار ہے، تو چونکہ یہ انڈے اس شکار کی اصل ہیں اس لیے ان میں جزا واجب ہو گی۔ تو کہتے ہیں: «وَلِأَنَّهُ أَصْلُ الصَّيْدِ»، اور نیز اس لیے کیونکہ انڈہ جو ہے یہ شکار کی اصل ہے، «وَلَهُ عَرَضِيَّةُ أَنْ يَصِيرَ صَيْدًا»، اور اس میں صلاحیت ہے کہ یہ شکار بن جائے، «فَنُزِّلَ مَنْزِلَةَ الصَّيْدِ احْتِيَاطًا مَا لَمْ يَفْسُدْ»، تو اس کو شکار کے درجے میں اتار لیا گیا بطورِ احتیاط کے جب تک کہ یہ خراب نہ ہو۔ ہاں اگر انڈہ توڑا اور وہ خراب نکل آیا، وہ تو پہلے سے ہی خراب ہے، تو پھر اس صورت میں پھر جزا واجب نہیں ہو گی۔ یا اس کو یوں پڑھ لیں: «وَلَهُ عُرْضِيَّةُ أَنْ يَصِيرَ صَيْدًا»، اور اس میں صلاحیت بھی ہے کہ یہ شکار بن جائے، «فَنُزِّلَ مَنْزِلَةَ الصَّيْدِ احْتِيَاطًا مَا لَمْ يَفْسُدْ» تو اس کو شکار کے درجے میں اتار لیا جائے گا بطورِ احتیاط کے جب تک کہ یہ خراب نہ ہو۔

«فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الْبَيْضِ فَرْخٌ مَيِّتٌ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ»، اگر نکلا انڈے میں سے «فَرْخٌ»، فرخ چوزے کو کہتے ہیں بھائی، فرخ، فا، را، خا، اور راسا کن ہے، اگر انڈے میں سے «فَرْخٌ مَيِّتٌ» مردہ چوزہ نکلا، «فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ» تو اس شخص پر اس کی قیمت واجب ہے، یعنی اس کے زندہ چوزے کی جو قیمت ہوتی ہے وہ اس پر واجب ہے، «وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ»، اور یہ استحسان ہے، کیا ہے؟ استحسان ہے۔ «وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَغْرَمَ سِوَى الْبَيْضَةِ»، اور قیاس تو یہ ہے کہ یہ شخص ضامن نہ ہو سوائے انڈے کے، اس پر صرف کس کا ضمان آنا چاہیے؟ انڈے کا ضمان آنا چاہیے، لیکن یہاں اس پر اس چوزے کا بھی ضمان آئے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ گویا اس کے انڈہ توڑنے کی وجہ سے یہ چوزہ مرا ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔ «وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَغْرَمَ سِوَى الْبَيْضَةِ لِأَنَّ حَيَاةَ الْفَرْخِ غَيْرُ مَعْلُومٍ»، اور قیاس تو یہ ہے کہ یہ شخص ضامن نہ ہو انڈے کے علاوہ کا اس لیے کیونکہ چوزے کی زندگی وہ تو غیر معلوم ہے، بھائی اس نے انڈہ توڑا تھا اور اس میں سے کیا نکل آیا؟ مرا ہوا چوزہ نکل آیا، چوزہ مرا ہوا چوزہ نکل آیا، تو اس پر تو چوزے کی قیمت نہیں آنی چاہیے، قیاس یہ تقاضا کرتا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے چوزہ پہلے کا ہی مرا ہو، سمجھ میں آیا بھائی؟ چوزہ پہلے کا ہی، لیکن استحساناً اس پر اس چوزے کی قیمت آئے گی وہ اب ذکر کر رہے ہیں۔ «وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْبَيْضَ مُعَدٌّ لِيَخْرُجَ مِنْهُ الْفَرْخُ الْحَيُّ»، اور استحسان یہ ہے کہ یہ جو انڈہ ہے یہ مہیا ہوتا ہے تاکہ نکلے اس میں سے زندہ چوزہ، انڈہ ہوتا ہی کس لیے ہے؟ تاکہ اس میں سے زندہ چوزہ نکلے، «وَالْكَسْرُ قَبْلَ أَوَانِهِ سَبَبٌ لِمَوْتِهِ»، اور اس انڈے کو اپنے وقت سے پہلے توڑنا یہ اس چوزے کی اس چوزے کی موت کا سبب ہے ہوتا ہے، «فَيُحَالُ بِهِ عَلَيْهِ احْتِيَاطًا»، تو حوالہ کیا جائے گا اس کو اسی پر بطورِ احتیاط کے، «فَيُحَالُ بِهِ» اس چوزے کی موت جو ہے اس کو حوالہ کیا جائے گا «عَلَيْهِ» کس پر؟ اسی توڑنے پر، اسے توڑنے کے حوالہ کیا جائے گا یا یوں کہیں آسان لفظوں میں: «فَيُحَالُ بِهِ عَلَيْهِ احْتِيَاطًا» تو اسی پر محمول کیا جائے گا اس کو بطورِ احتیاط کے، کس کو کس پر محمول کریں گے؟ اس چوزے کے مرنے کو انڈے کے توڑنے پر محمول کیا جائے گا کہ انڈہ توڑنے کی وجہ سے یہ مرا ہے اور کس وجہ سے؟ بطورِ احتیاط کے، بطورِ احتیاط کے۔

■ مسئلہ: وَعَلَى هَذَا إِذَا ضَرَبَ بَطْنَ ظَبْيَةٍ فَأَلْقَتْ...

«وَعَلَى هَذَا إِذَا ضَرَبَ بَطْنَ ظَبْيَةٍ فَأَلْقَتْ جَنِينًا مَيِّتًا وَمَاتَتْ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُمَا»، اور اسی بنا پر جب مارا کسی شخص نے «بَطْنَ ظَبْيَةٍ» کسی ہرنی کے پیٹ پر، «فَأَلْقَتْ جَنِينًا مَيِّتًا» تو اس ہرنی نے ایک مردہ بچے کو ڈال دیا یعنی اس کو جنم دے دیا، «وَمَاتَتْ» اور وہ مر گئی، «فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُمَا» تو اس شخص پر ان دونوں کی قیمت واجب ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ صورت کیا؟ ایک شخص نے ایک حاملہ ہرنی تھی اس کے پیٹ پر ضرب لگائی اور وہ ہرنی نے ایک مردہ بچے کو

جنم دیا اور مر گئی، تو اب قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اس پر صرف ہرنی کی قیمت آنی چاہیے، ہو سکتا ہے بچہ پہلے سے ہی پیٹ میں مرا ہوا ہو، تو کہتے ہیں نہیں لیکن استحساناً اس پر ہرنی کے ساتھ ساتھ اس بچے کی قیمت بھی آئے گی، تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس کی ضرب کی وجہ سے ہی یہ بچہ بھی مرا ہے، تو ہرنی کی قیمت بھی اس پر آئے گی اور اس بچے کی بھی قیمت، یہ معنی ہے «فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُمَا» تو اس پر ان دونوں کی قیمت واجب ہو گی۔

«وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْغُرَابِ وَالْحِدَأَةِ وَالذِّئْبِ وَالْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَالْفَأْرَةِ وَالْكَلْبِ الْعَقُورِ جَزَاءٌ»، اور نہیں ہے «فِي قَتْلِ الْغُرَابِ» کوے کے قتل میں، «وَالْحِدَأَةِ» اور چیل جو ہے چیل کے قتل میں، «وَالذِّئْبِ» اور بھیڑیے کے قتل میں، «وَالْحَيَّةِ» اور سانپ کے قتل میں، «وَالْعَقْرَبِ» اور بچھو کے قتل میں، «وَالْفَأْرَةِ» اور چوہے کے قتل میں، «وَالْكَلْبِ الْعَقُورِ» اور کاٹنے والے کتے کے قتل میں «جَزَاءٌ» ان میں جزا نہیں ہے، «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمانِ مبارک کے کہ آپ نے فرمایا: «خَمْسٌ مِنَ الْفَوَاسِقِ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: الْحِدَأَةُ، وَالْحَيَّةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ»، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پانچ فواسق جو ہیں ان کو قتل کیا جائے گا «فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ» حل میں بھی اور حرم میں بھی، اور وہ یہ ہیں: چیل ہے، سانپ ہے، بچھو ہے، اور چوہا ہے، اور کاٹنے والا کتا ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا؟ پانچ فواسق جو ہیں ان کو قتل کیا جائے گا، چاہے حرم میں ہو انسان چاہے حرم سے باہر، یعنی ان کو قتل کر سکتا ہے۔ اور فواسق کہا گیا ان کو، یہ بات پہلے بھی بیان ہوئی تھی کہ فواسق بطورِ استعارہ کے کہ یہ جانور کیا ہیں؟ حرمت سے نکل گئے ہیں، چونکہ ان کی حرمت نہیں ہے ان کو قتل کیا جا سکتا ہے تو اس لیے ان کو فواسق کہا گیا، فواسق کہا گیا، کیونکہ فاسق کا معنی بھی ہوتا ہے حد سے نکل جانے والا، جو حد سے تجاوز کرنے والا ہے، تو اسی طرح یہ جانور بھی کیا ہیں؟ حرمت سے نکل گئے ہیں، یا ان کو فواسق کہا گیا ان کے خبث کی وجہ سے کہ ان میں خباثت ہوتی ہے، یعنی یہ تکلیف دینے میں پہل کرتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ اس لیے ان کو فواسق کہا گیا۔

«وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ»، اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، دوسری حدیث بھی ذکر کر رہے ہیں بھائی، بھائی متن میں کیا کیا چیزیں ذکر ہوئیں؟ کوا، چیل، بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا، اور کاٹنے والا کتا، تو اس حدیث میں کیا کیا آیا پہلی حدیث میں؟ پانچ چیزیں آ گئیں، اور متن میں کتنی تھیں؟ سات چیزیں تھیں، تو متن میں یہ سات چیزیں ذکر ہیں تو اور احادیث بھی ذکر کر رہے ہیں کہ ان میں ان سب کا ذکر ملتا ہے، تو پہلی حدیث جو ذکر کر دی اس میں کوے اور بھیڑیے کا ذکر نہیں آیا، اگلی حدیث ذکر کر رہے ہیں اس میں کوے کا بھی ذکر آ جائے گا: «وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ الْفَأْرَةَ وَالْغُرَابَ وَالْحِدَأَةَ وَالْعَقْرَبَ وَالْحَيَّةَ وَالْكَلْبَ الْعَقُورَ»، اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قتل کر سکتا ہے محرم چوہے کو اور کوے کو اور چیل کو اور بچھو اور سانپ اور کاٹنے والے کتے کو۔ «وَقَدْ ذُكِرَ الذِّئْبُ فِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ»، اور اسی طرح تحقیق بھیڑیے کو بھی ذکر کیا گیا ہے بعض روایتوں میں۔ «وَقِيلَ: الْمُرَادُ بِالْكَلْبِ الْعَقُورِ الذِّئْبُ»، اور کہا گیا ہے کہ کلبِ عقور سے بھیڑیا مراد ہے، کاٹنے والے کتے سے کیا مراد ہے؟ بھیڑیا، دراصل اس سے بھیڑیا ہی مراد ہے، «أَوْ يُقَالُ: إِنَّ الذِّئْبَ فِي مَعْنَاهُ»، یا یوں کہا جائے گا کہ بھیڑیا بھی اس کاٹنے والے کتے کے معنی میں ہے، یہ بھی اسی کی طرح ہے۔

سمجھ میں آیا بھائی؟ بھیڑیے کا ذکر انہوں نے کہا بعض روایتوں میں آیا، اور بعضوں نے کیا کہا کہ کلبِ عقور سے کیا مراد ہے؟ بھیڑیا، یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھیڑیا بھی اسی کاٹنے والے کتے کے معنی میں ہے، اسی کی طرح ہے۔

■ مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالْغُرَابِ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ...

«وَالْمُرَادُ بِالْغُرَابِ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ وَيَخْلِطُ»، اور مراد کوے سے وہ کوا ہے جو مردار کھاتا ہے «وَيَخْلِطُ» اور آمیزش کرتا ہے، ملاتا ہے، کیا کرتا ہے؟ ملاتا ہے، یعنی مردار یعنی نجاست کھاتا ہے نا، مردار کھاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ آمیزش کرتا ہے یعنی غیر نجاست ہے اس کا دانے وغیرہ جو ہیں وہ بھی کھاتا ہے ساتھ، صرف نجاست ہی نہیں کھاتا، نجاست بھی کھاتا ہے اور دانے وغیرہ بھی کھاتا ہے، تو یہ خَلَطَ يَخْلِطُ کے معنی ہوتے ہیں آمیزش کرنا، ملانا دو چیزوں کا، تو وہ کہتے ہیں کوے سے مراد وہ ہے جو مردار کھاتا ہے «وَيَخْلِطُ» اور ساتھ اس کے ملاتا ہے یعنی دانے وغیرہ اور چیزیں بھی کھاتا ہے، اور اس کو بھی قتل کیا جائے گا وجہ ذکر کر رہے ہیں کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ يَبْتَدِئُ بِالْأَذَى»، کیونکہ یہ بھی اذیت دینے میں، تکلیف دینے میں پہل کرتا ہے اس لیے حدیث میں اس کا ذکر آیا۔ «أَمَّا الْأَعْقَاقُ فَغَيْرُ مُسْتَثْنًى»، باقی کوے کی ایک قسم جس کو اعقاق کہتے ہیں «فَغَيْرُ مُسْتَثْنًى» وہ اس کا استثناء نہیں ہے۔ بھائی محرم کے لیے جانوروں کو قتل کرنا اور ان کا شکار کرنا ممنوع ہے، لیکن ان پانچ یا یہ جو چھ سات چیزیں متن میں آ گئیں ان کا احادیث میں استثناء ہے، معلوم ہوا ان کی حرمت نہیں ہے، محرم کیا کر سکتا ہے ان کو؟ قتل کر سکتا ہے، تو یہ جو کوا ذکر ہوا یہ جس کو ہم نے ذکر کر دیا یہ والا کوا مراد ہے جو حدیث کے اندر آیا، باقی جو کوا، عام کوا ہے اعقاق، وہ اس کا استثناء نہیں ہے، اس کا استثناء نہیں یعنی وہ اس حرمت سے خارج نہیں، اس کی حرمت ہے، اس کو قتل نہیں کیا جا سکتا، جبکہ غراب جو ہے اس کی حرمت نہیں اس کا استثناء آ گیا حدیث میں کہ اس کو کیا کر سکتا ہے محرم... تو وہ اور ہے اور اعقاق اور ہے، تو اعقاق جو ہے وہ غیر مستثنیٰ ہے اس کا استثناء نہیں ہے، «لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى غُرَابًا» اس لیے کیونکہ اس کو غراب نہیں کہتے، «وَلَا يَبْتَدِئُ بِالْأَذَى» اور نیز وہ تکلیف دینے میں بھی پہل نہیں کرتا بھائی۔

«وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْكَلْبَ الْعَقُورَ وَغَيْرَ الْعَقُورِ وَالْمُسْتَأْنِسَ وَالْمُتَوَحِّشَ مِنْهُمَا سَوَاءٌ»، اور امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ کاٹنے والا کتا ہو یا غیر کاٹنے والا ہو، «وَالْمُسْتَأْنِسَ وَالْمُتَوَحِّشَ» اور مستانس یعنی مانوس کتا ہو «وَالْمُتَوَحِّشَ» یا وحشی جنگلی کتا ہو ان میں سے «سَوَاءٌ» وہ برابر ہیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کاٹنے والا کتا ہو یا غیر کاٹنے والا، چاہے مانوس ہو چاہے جنگلی ہو، سب کا یہی حکم ہے، سب کا قتل جائز ہے۔ «لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي ذَلِكَ الْجِنْسُ»، اس لیے کیونکہ معتبر اس کے اندر جنس ہے اور ان سب کی جنس ایک ہی ہے سب کیا ہیں؟ کتے ہیں، چاہے کاٹنے والا ہو یا کاٹنے والا نہ ہو، چاہے مانوس ہو چاہے وحشی ہو۔ «وَكَذَا الْفَأْرَةُ الْأَهْلِيَّةُ وَالْوَحْشِيَّةُ سَوَاءٌ»، اور اسی طرح گھریلو چوہا جو ہے «وَالْوَحْشِيَّةُ» اور جنگلی چوہا جو ہے «سَوَاءٌ» وہ برابر ہیں۔ «وَالضَّبُّ وَالْيَرْبُوعُ لَيْسَا مِنَ الْخَمْسِ الْمُسْتَثْنَيَاتِ»، اور گوہ جو ہے، ضبّ، گوہ جانتے ہو یا نہیں بھائی؟ یہ بڑا جانور چھپکلی کی طرح ہے، چھپکلی کی طرح لیکن بڑا جانور ہے کافی بھائی، «وَالضَّبُّ وَالْيَرْبُوعُ»، یربوع بھائی یہ جنگلی چوہا ہے، چوہے کی کوئی خاص قسم ہے، کہتے ہیں جس کے اگلے پاؤں چھوٹے ہوتے ہیں اور پچھلے پاؤں لمبے ہوتے ہیں، تو کہتے ہیں: «وَالضَّبُّ وَالْيَرْبُوعُ لَيْسَا مِنَ الْخَمْسِ الْمُسْتَثْنَيَاتِ»، اور گوہ اور جنگلی چوہا جو ہیں یہ ان پانچ مستثنیٰ چیزوں میں سے نہیں ہیں یعنی ان کا قتل جائز نہیں، «لِأَنَّهُمَا لَا يَبْتَدِئَانِ بِالْأَذَى»، اس لیے کیونکہ یہ تکلیف دینے میں پہل نہیں کرتے بھائی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۵۸: مسئلہ: وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْبَعُوضِ وَالنَّمْلِ وَالْ...

ہدایہ صفحہ: ۳۰۲ــــ بتاریخ: ۲۰ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْبَعُوضِ وَالنَّمْلِ وَالْبَرَاغِيثِ وَالْقُرَادِ شَيْءٌ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصُيُودٍ وَلَيْسَتْ بِمُتَوَلِّدَةٍ مِنَ الْبَدَنِ، ثُمَّ هِيَ مُؤْذِيَةٌ بِطِبَاعِهَا، وَالْمُرَادُ بِالنَّمْلِ: السَّوْدَاءُ وَالصَّفْرَاءُ الَّتِي تُؤْذِي، وَمَا لَا يُؤْذِي لَا يَحِلُّ قَتْلُهَا وَلَكِنْ لَا يَجِبُ الْجَزَاءُ لِلْعِلَّةِ الْأُولَى». [1]

■ باب الجنایات چل رہا ہے کہ محرم سے مختلف جنایتیں ہو جائیں حال

باب الجنایات چل رہا ہے کہ محرم سے مختلف جنایتیں ہو جائیں حالت احرام میں، تو اس پر کیا کفارہ آئے گا۔ اور انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ اگر شکار کرتا ہے تو اس پر جزا واجب ہو گی۔

اب آگے آپ کو بتلا رہے ہیں: «وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْبَعُوضِ وَالنَّمْلِ وَالْبَرَاغِيثِ وَالْقُرَادِشَيْءٌ». بعوض کہتے ہیں بھائی مچھر کو، نمل کہتے ہیں چیونٹی کو اور براغیث جمع ہے برغوث کی اور یہ پسو کو کہتے ہیں بھائی پسو۔ «وَالْقُرَادِ» اور قراد جو ہے یہ چیچڑی کو کہتے ہیں چیچڑی، جیسے انسانی بدن پر جوں پیدا ہوتی ہے، اسی طرح حیوانات کے بدن پر جو ہے وہ اس جوں کی طرح ایک کیڑا ہے، اسے چیچڑی کہتے ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْبَعُوضِ وَالنَّمْلِ وَالْبَرَاغِيثِ وَالْقُرَادِشَيْءٌ» اور نہیں ہے مچھر اور چیونٹی اور پسو اور چیچڑی کے قتل کے اندر کوئی چیز، یعنی ان کے قتل پر کوئی چیز اور کوئی جزا محرم پر واجب نہیں، «لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصُيُودٍ» اس لیے کیونکہ یہ شکار نہیں ہیں، «وَلَيْسَتْ بِمُتَوَلِّدَةٍ مِنَ الْبَدَنِ» اور نیز یہ بدن سے بھی، یعنی انسانی بدن سے بھی پیدا ہونے والے نہیں۔ اگر یہ شکار ہوتے تو شکار کی، شکار ہونے کی وجہ سے ان کے قتل پر جزا واجب ہوتی اور اگر یہ انسانی بدن سے پیدا ہوتے تو اس صورت میں یہ ان کا وہی حکم ہوتا جو میل کچیل کا ہے اور جس طرح محرم کو میل کچیل دور کرنے سے منع کیا گیا ہے تو ان چیزوں کے قتل پر بھی کیا آتا؟ ان پر بھی جزا آتی بھائی، جزا آتی کفارہ وغیرہ آتا، لیکن چونکہ نہ تو یہ شکار ہیں اور نہ بدن سے پیدا ہوتے ہیں، تو اس لیے میل کچیل والا حکم بھی ان کا نہیں ہے تو ان کی وجہ سے کوئی جزا واجب نہیں ہو گی۔

یہ معنی ہے «لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصُيُودٍ» اس لیے کیونکہ یہ شکار نہیں ہیں، «وَلَيْسَتْ بِمُتَوَلِّدَةٍ مِنَ الْبَدَنِ» اور یہ بدن انسانی سے بھی پیدا ہونے والے نہیں ہیں، «ثُمَّ هِيَ مُؤْذِيَةٌ بِطِبَاعِهَا» پھر یہ جانور جو ہیں یہ، یہ اذیت دینے والے ہیں اپنی طبیعت کے اعتبار سے ہی۔ ان کی طبیعت ہی کیا ہے؟ یہ تکلیف پہنچانے والے ہیں، اذیت دینے والے ہیں۔

■ مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالنَّمْلِ

«وَالْمُرَادُ بِالنَّمْلِ» متن میں چیونٹی کا ذکر آیا تھا، تو اب بتلا رہے ہیں صاحب ہدایہ کہ متن میں جو چیونٹی آئی اس سے مراد جو ہے «السَّوْدَاءُ وَالصَّفْرَاءُ»

[1] شاملہ (ص ۲۲۱) میں «السَّوْدَاءُ وَالصَّفْرَاءُ» کے بجائے «السود أو الصفر»، شاملہ (ص ۲۲۱) میں «وَمَا لَا» کے بجائے «ومالا» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۲۲۱) میں «الطَّعَامِ» کے بجائے «إطعام» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۲۲۲) میں «وَإِنْ» کے بجائے «فإن» درج ہے۔

وہ سیاہ اور زرد رنگ کی جو چیونٹی ہے وہ ہے، وہ مراد ہے، «الَّتِي تُؤْذِي» جو کہ اذیت دیتی ہے، تکلیف دیتی ہے۔ «وَمَا لَا يُؤْذِي لَا يَحِلُّ قَتْلُهَا» اور وہ چیونٹی جو تکلیف نہیں دیتی اس کا قتل کرنا جائز نہیں ہے، «وَلَكِنْ لَا يَجِبُ الْجَزَاءُ لِلْعِلَّةِ الْأُولَى» لیکن اگر اس کو کوئی قتل بھی کر دے تو جزا واجب نہیں ہوتی پہلی علت ہی کی بنا پر بھائی، کہ وہ شکار نہیں ہے بھائی اور اسی طرح نیز وہ بدن انسانی سے بھی پیدا ہونے والی نہیں ہے۔

«وَمَنْ قَتَلَ قَمْلَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ مِثْلَ كَفٍّ مِنَ الطَّعَامِ».

قملۃ، یہ جوں کو کہتے ہیں بھائی، سر کی جو جوں ہے اور میم پر شد ڈلا ہوا ہے، یہ درست نہیں بھائی۔ قملۃ ہے لفظ، قملۃ اور میم پر شد ہو تو یہ لفظ بنے گا قُمَّلَة۔ قملۃ، قُمَّلَة جو ہے وہی، وہ اس چیچڑی ہی کو کہتے ہیں جس کا دوسرا نام قراد بھی ہے، تو وہ یہاں مراد نہیں ہے کیونکہ قراد کا ذکر پیچھے آ گیا تھا، تو یہاں جوں مراد ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ قَتَلَ قَمْلَةً» اور جس نے جوں کو قتل کر دیا، «تَصَدَّقَ بِمَاشَاءَ» تو صدقہ کر دے جو چاہے، «مِثْلَ كَفٍّ مِنَ الطَّعَامِ» جیسے کہ ایک مٹھی غلے میں سے۔ ایک مٹھی کیا کر دے؟ غلہ صدقہ کر دے، یہ بھی کافی ہے بھائی، کس کے اندر؟ جوں کو اگر کوئی قتل کر دے۔ اور یاد رکھیے جوں کو صرف قتل کرنے پر یہ نہیں، جوں کو اگر کوئی زندہ ڈال دیتا ہے زمین پر، تو اس صورت میں بھی یہ جزا واجب ہو گی بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ زمین پر ڈال دینا بھی دراصل کیا ہے؟ اس کو قتل کر دینا ہی ہے بھائی۔ اور یہ بھی یاد رکھیے بھائی، جوں کو زندہ زمین پر ڈالنے سے اس سے حافظہ بھی کمزور ہوتا ہے، علماء نے لکھا ہے بھائی۔ غیر محرم بھی ہو تو جوں کو زندہ زمین پر نہ ڈالے، بلکہ اس کو مار دے بھائی۔

تو «وَمَنْ قَتَلَ قَمْلَةً تَصَدَّقَ بِمَاشَاءَ» اور جس نے جوں کو قتل کیا تو صدقہ کر دے جو چاہے، «مِثْلَ كَفٍّ مِنَ الطَّعَامِ» جیسے کہ ایک مٹھی غلے میں سے، «لِأَنَّهَا مُتَوَلِّدَةٌ مِنَ التَّفَثِ الَّذِي عَلَى الْبَدَنِ» اس لیے کیونکہ یہ جوں جو ہے یہ اس میل کچیل سے پیدا ہوتی ہے جو بدن پر ہوتا ہے، تو اس کا بھی کیا حکم ہوا؟ میل کچیل والا حکم ہوا اور جوں کو مارے گا تو یہ کیا کر رہا ہے؟ اپنے بدن سے میل کچیل کو دور کر رہا ہے، اس لیے اس میں یہ جزا واجب ہو گی۔

■ مسئلہ: وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: أَطْعَمَ شَيْئًا

«وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: أَطْعَمَ شَيْئًا» یہاں سے صاحب ہدایہ، قدوری میں تو آیا کہ جس نے جوں کو قتل کر دیا کچھ صدقہ کر دے، صدقہ کر دے اور صدقے کا معنی کیا ہوتا ہے کہ مسکین کو ایک چیز کا مالک بنا دیا جائے، یہ بات پہلے ذکر ہو چکی۔ اور تو اب جامع صغیر کے لفظ کچھ مختلف تھے، اس کے بارے میں بھی صاحب ہدایہ مطلع کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ» اور جامع صغیر میں ہے: «أَطْعَمَ شَيْئًا» کچھ کھلا دے، محرم کیا کر دے؟ کچھ کھلا دے۔ تو وہاں صدقے کا لفظ ذکر نہیں ہے، کھلانے کا لفظ ذکر ہے اور صدقے کے اندر تو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے لیکن کھلانے کے اندر تو مالک نہیں بنایا جاتا، بلکہ مسکین کے سامنے کھانا رکھ دیا جاتا ہے کہ اس میں سے وہ کھا لے، تو اس کے لیے یعنی مباح کر دیا جاتا ہے، کھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ تو جامع صغیر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسکین کو اس طعام یا غلے کا، اس چیز کا مالک بنانا بھی ضروری نہیں، بلکہ بطور اباحت کے اس کو کچھ کھلا دے تو یہ بھی کافی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ يُجْزِيهِ أَنْ يُطْعِمَ مِسْكِينًا شَيْئًا يَسِيرًا عَلَى سَبِيلِ الْإِبَاحَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُشْبِعًا» اور یہ دلالت کرتا ہے، یعنی یہ جامع صغیر کی عبارت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اس محرم کے لیے کافی ہے کہ وہ کھلا دے مسکین کو تھوڑی سی کوئی، تھوڑی سی چیز اباحت کے طریقے پر، یعنی بے شک مالک نہ بنائے صرف اباحت کے طریقے پر کوئی چیز تھوڑی سی کھلا دے، «وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُشْبِعًا» اگرچہ وہ پیٹ بھرنے والی نہ ہو۔ پیٹ بھر کر نہ کھلائے، کچھ تھوڑا سا کھلا دے تو بھی یہ اس کے لیے کافی ہے بھائی، کس چیز میں؟ اگر اس نے جوں کو قتل کیا ہو۔

«وَمَنْ قَتَلَ جَرَادَةً تَصَدَّقَ بِمَاشَاءَ» اور جس نے ٹڈی کو قتل کیا تو صدقہ کر دے جو چاہے۔

ٹڈی بھائی یہ چھوٹا سا حشرات کی قسم کیڑا، جو گھاس وغیرہ میں آپ نے دیکھا ہو گا، اچھل اچھل کر چلتا ہے اور اس کی بعض قسمیں بڑی ہوتی ہیں بھائی۔ بعض قسمیں کیا ہوتی ہیں؟ بڑی ہوتی ہیں اور ایک انگلی کے لگ بھگ یا اس سے بھی کچھ بڑی ہوتی ہیں اور وہ جو ہیں بعض اوقات لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں فصلوں پر حملہ آور ہوتی ہیں اور جس علاقے میں یہ فصلوں پر حملہ آور ہو جائیں، تباہی پھیلا دیتی ہیں، تمام فصلیں خراب کر دیتی ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ایک ایک کھیت وہ ایک آدھ دن میں چٹ کر جاتی ہیں، اتنی زیادہ تعداد ان کی ہوتی ہے بھائی۔ تو ان کو لوگ شکار بھی کرتے ہیں اور کھاتے بھی ہیں، تو لہٰذا اگر کوئی ٹڈی کو قتل کر دے، تو ایک ٹڈی کے بدلے جو چاہے صدقہ کر دے۔

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ قَتَلَ جَرَادَةً تَصَدَّقَ بِمَاشَاءَ» اور جو ٹڈی کو قتل کر دے تو صدقہ کر دے جو چاہے، «لِأَنَّ الْجَرَادَ مِنْ صَيْدِ الْبَرِّ» اس لیے کیونکہ ٹڈی جو ہے یہ خشکی کے شکار میں سے ہے، «فَإِنَّ الصَّيْدَ مَا لَا يُمْكِنُ أَخْذُهُ إِلَّا بِحِيلَةٍ وَيَقْصِدُهُ الْآخِذُ». یہاں سے شکار کی تعریف کر رہے ہیں، شکار وہ چیز ہے، وہ جانور ہے جسے بغیر کسی حیلے کے یعنی بغیر کسی ترکیب کے پکڑنا ممکن نہ ہو، بغیر کسی ترکیب کے وہ قابو میں آنے والا نہ ہو اور نیز اس کے پکڑنے کا ارادہ بھی

کیا جائے۔ تو شکار کسے کہتے ہیں؟ اس میں دو شرطیں ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ بغیر ترکیب کے قابو میں نہیں آتا اور دوسرا یہ کہ لوگ اس کے پکڑنے کا ارادہ بھی کرتے ہیں اور ٹڈی کے اندر یہ دونوں شرطیں پائی جاتی ہیں، معلوم ہوا یہ شکار ہے اور شکار کے اندر تو جزا واجب ہوتی ہے، لہٰذا اس کے اندر بھی جزا واجب ہو گی اور وہ کچھ بھی صدقہ کر دے معمولی سی چیز بھائی۔

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْجَرَادَ مِنْ صَيْدِ الْبَرِّ» اس لیے کیونکہ ٹڈی جو ہے وہ خشکی کے شکار میں سے ہے، «فَإِنَّ الصَّيْدَ مَا لَا يُمْكِنُ أَخْذُهُ إِلَّا بِحِيلَةٍ» اس لیے کیونکہ شکار وہ جانور ہے کہ ممکن نہ ہو اس کو پکڑنا بغیر کسی حیلے کے، «وَيَقْصِدُهُ الْآخِذُ» اور اس کا ارادہ بھی کرے پکڑنے والا۔ «وَتَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ» اور ایک کھجور بھی ٹڈی سے بہتر ہے بھائی، «لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ» بوجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے، آپ نے فرمایا: «تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ» ایک کھجور بھی ٹڈی سے بہتر ہے۔ آپ نے کیا فرمایا؟ ایک کھجور بھی ٹڈی سے بہتر ہے بھائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، کسی شخص نے پوچھا کہ ٹڈی کو قتل کرنے کی صورت میں کیا صدقہ کرے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر فرمایا کہ «تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ» ایک کھجور بھی ٹڈی سے بہتر ہے، تو ایک کھجور بھی صدقہ کر دے، معلوم ہوا کافی ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي ذَبْحِ السُّلَحْفَاةِ

«وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي ذَبْحِ السُّلَحْفَاةِ». سلحفاۃ بھائی لام پر فتحہ ہے اور حا ساکن ہے۔ اور کوئی چیز نہیں ہے محرم پر کچھوے کو ذبح کرنے میں۔ سلحفاۃ کہتے ہیں کچھوے کو بھائی۔ بھائی اس کے ذبح کرنے پر کوئی چیز کیوں نہیں واجب محرم پر؟ آگے وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ شکار میں سے نہیں ہے اور محرم کو کس چیز سے روکا گیا ہے؟ شکار سے۔ تو کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ مِنَ الْهَوَامِّ وَالْحَشَرَاتِ» اس لیے کیونکہ یہ کیڑے مکوڑوں اور حشرات میں سے ہے، «فَأَشْبَهَ الْخَنَافِسَ وَالْوَزَغَاتِ» تو یہ مشابہ ہو گیا خنافس اور وزغات کے۔

خنافس بھائی، خنافس جمع ہے خنفساء کی، خنافس جمع ہے خنفساء کی اور اردو کی بعض لغات میں اس کا معنی انہوں نے بھنورے کے کیا ہے، بھنورا بھائی۔ لیکن بھنورا نہیں بھائی، یہ درست معنی نہیں بھائی۔ بھنورا تو وہ پتنگے کی قسم میں سے ہے اور وہ مراد نہیں ہے، بلکہ اگر منجد آپ دیکھیں، منجد کے اندر انہوں نے باقاعدہ اس کی صورت، تصویر دی ہوئی ہے اور عربی میں اس کا دوسرا نام جُعَل ہے، جُعَل، جیم، عین، لام۔ اور یہ چھوٹے سے کیڑے، حشرات ہیں اور مختلف قسم کے ہوتے ہیں، چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، کچھ گولائی سی ہوتی ہے ان کے اندر اور ان کے بدن پر اوپر پر جو ہیں پر، پر کے اوپر بھی ایک سخت خول سا ہوتا ہے جس کو یہ کھولتے ہیں اور پھر نیچے سے، نیچے پر ہوتے ہیں اس کے ذریعے یہ اڑتے ہیں بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو المنجد میں اگر آپ دیکھیں، اس میں آپ کو اس کی تصویر مل جائے گی بھائی۔ تو وہ خنافس بھائی، حشرات کی قسم ہے بھائی اور وزغات یہ چھپکلیوں کو کہتے ہیں۔

تو بات کچھوے کی چل رہی ہے، کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ مِنَ الْهَوَامِّ وَالْحَشَرَاتِ» اس لیے کیونکہ کچھوا جو ہے وہ کیڑے مکوڑوں اور حشرات میں سے ہے، «فَأَشْبَهَ الْخَنَافِسَ وَالْوَزَغَاتِ» تو یہ مشابہ ہو گیا ان حشرات وہ جو خنافس ہیں اور جو چھپکلیاں ہیں ان کے مشابہ ہو گیا بھائی اور ان کے اندر تو کچھ واجب نہیں، لہٰذا اس میں بھی کچھ نہیں واجب۔ «وَيُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنْ غَيْرِ حِيلَةٍ» اور اس کو ممکن بھی ہے پکڑنا بغیر کسی حیلے کے، بغیر کسی ترکیب کے، «وَكَذَا لَا يُقْصَدُ بِالْأَخْذِ» اور نیز ان کا ارادہ پکڑنے کا بھی نہیں کیا جاتا، «فَلَمْ يَكُنْ صَيْدًا» تو یہ شکار نہیں۔

شکار کی کیا دو شرطیں تھیں؟ کہ بغیر حیلے کے اس کو پکڑنا ممکن نہ ہو اور نیز اس کے پکڑنے کا لوگ ارادہ بھی کریں اور یہ دونوں شرطیں یہاں نہیں، اس کو بغیر حیلے کے پکڑا جا سکتا ہے، یہ تو بڑا آہستہ چلتا ہے، بہت آہستہ، تو بغیر ترکیب کے بھی اس کو پکڑا جا سکتا ہے اور نیز لوگ اس کے پکڑنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے، تو یہ شکار نہ رہا اور جب شکار نہیں تو اس میں جزا بھی واجب نہیں ہو گی۔

■ مسئلہ: وَمَنْ حَلَبَ صَيْدَ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ

«وَمَنْ حَلَبَ صَيْدَ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ». صورت مسئلہ یہ کہ محرم نے شکار کا دودھ نکالا بھائی، دودھ نکالا، تو یاد رکھیے اس صورت میں اس دودھ کی قیمت اس محرم پر واجب ہو گی۔ دودھ کی؟ وجہ اس کی یہ کہ یہ دودھ جو ہے اس شکار کے اجزاء میں سے ہے، جب یہ اس کے اجزاء میں سے ہے تو یہ کل کے مشابہ ہوا اور کل شکار کے اندر تو جزا واجب ہوتی تھی، تو اس کے جز یعنی دودھ کے اندر بھی جزا واجب ہو گی۔ تو کہتے ہیں: «وَمَنْ حَلَبَ صَيْدَ الْحَرَمِ» اور جس نے دودھ دوہا حرم کے شکار کا، «فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ» تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے، «لِأَنَّ اللَّبَنَ مِنْ أَجْزَاءِ الصَّيْدِ» اس لیے کیونکہ دودھ جو ہے وہ شکار کے اجزاء میں سے ہے، «فَأَشْبَهَ كُلَّهُ» تو یہ اس کے کل کے مشابہ ہوا اور کل کے اندر جزا آتی تھی تو جز کے اندر بھی جزا آئے گی۔

«وَمَنْ قَتَلَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الصَّيْدِ كَالسِّبَاعِ وَنَحْوِهَا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ إِلَّا مَا اسْتَثْنَاهُ الشَّرْعُ» اور جس نے قتل کر دیا ایسے

جانور کو جس کے گوشت کو نہیں کھایا جاتا شکار میں سے، جیسے کہ درندے ہیں اور اس جیسی چیزیں ہیں، تو اس پر بھی جزا واجب ہے، مگر وہ جانور جن کا شریعت نے استثناء کر دیا۔

بھائی جس نے کوئی اور جانور درندہ وغیرہ قتل کیا، ماکول اللحم نہیں ہے، مثلاً ہرن یا نیل گائے وغیرہ ان کا شکار نہیں کیا، بلکہ کس کا شکار کیا؟ کسی درندے کا کیا، شیر کا، چیتے کا، تیندُوے وغیرہ ان کا شکار کیا، تو کیا ان میں جزا ہو گی یا نہیں؟ صاحب قدوری کیا فرماتے ہیں؟ اس میں بھی جزا واجب ہو گی سوائے ان جانوروں کے جن کا شریعت نے استثناء کیا ہے۔ اور کن کا استثناء کیا؟ وہ پچھلے سبق میں آیا تھا کہ وہ کوا ہے، چیل ہے، بھیڑیا ہے، سانپ، بچھو وغیرہ ان چیزوں کے اندر جزا واجب نہیں کیونکہ ان کا شریعت نے استثناء کیا ہے اور باقی سب میں جزا واجب ہو گی۔

تو کہتے ہیں: «**إِلَّا مَا اسْتَثْنَاهُ الشَّرْعُ**» مگر وہ جن کا شریعت نے استثناء کیا ہے، «**وَهُوَ مَا عَدَدْنَاهُ**» اور وہ یہ وہ جانور ہیں جن کا، جن کو ہم نے شمار کر لیا، پچھلے سبق میں جن کا ذکر آیا تھا صاحب ہدایہ نے شمار کروایا تھا سب کو۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَجِبُ...

«**وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجِبُ الْجَزَاءُ**» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان میں جزا واجب نہیں۔ کوئی درندے کو اگر قتل کرے تو اس میں جزا واجب نہیں، «**لِأَنَّهَا جُبِلَتْ عَلَى الْإِيذَاءِ**» اس لیے کیونکہ ان کی فطرت بنائی گئی ہے تکلیف دینے پر، ان کی فطرت ہی کیا ہے؟ جبلت ہی کیا ہے؟ یہ تکلیف دیتے ہیں، «**فَدَخَلَتْ فِي الْفَوَاسِقِ الْمُسْتَثْنَاةِ**» تو یہ بھی ان مستثنیٰ فواسق میں داخل ہو گئے جن کا استثناء کیا گیا تھا۔ وہ پانچ جانور جن کے اندر جزا واجب نہیں، یہ درندے بھی کس میں داخل ہو گئے؟ انہی پانچ کے اندر، پانچ میں داخل ہو گئے تو ان میں بھی جزا نہیں، کیونکہ جیسے وہ تکلیف دیتے تھے، یہ بھی درندے بھی کیا ہیں؟ ان کی فطرت ہی کیا ہے؟ یہ تکلیف دیتے ہیں۔

«**وَكَذَا اسْمُ الْكَلْبِ**» دوسری دلیل ان کی، امام شافعی رحمہ اللہ کی، وہ فرماتے ہیں نیز اس لیے بھی کیونکہ کلب کا لفظ عربی زبان میں، کلب کا کیا معنی؟ کتا۔ تو یہ جو کلب کا لفظ ہے یہ عربی زبان میں تمام درندوں کو شامل ہے، ان سب پر بولا جاتا ہے حقیقت لغویہ کے اعتبار سے، یعنی یہ لفظ ان سب کے لیے وضع ہے۔ یہ لفظ کیا ہے؟ ان سب کے لیے وضع ہے اور حدیث میں تو کلب کا ذکر آیا تھا اور کلب کا لفظ ان سب کو شامل ہے تو لہٰذا یہ سب بھی اسی حکم میں داخل ہو گئے۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

تو کہتے ہیں: «**وَكَذَا اسْمُ الْكَلْبِ يَتَنَاوَلُ السِّبَاعَ بِأَسْرِهَا لُغَةً**» اور اسی طرح کلب کا اسم جو ہے یہ شامل ہے تمام درندوں کو لغتًا، باعتبار زبان، یعنی عربی زبان کے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل یہ ہے۔ اب ہماری دلیل آئی، ہمارے نزدیک درندوں میں بھی جزا واجب ہے۔ «**وَلَنَا أَنَّ السَّبُعَ صَيْدٌ**» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ درندہ جو ہے وہ شکار ہے، «**لِتَوَحُّشِهِ**» اپنے وحشی ہونے کی وجہ سے، «**وَكَوْنِهِ مَقْصُودًا بِالْأَخْذِ**» اور نیز اس لیے کیونکہ وہ مقصود بالاخذ ہوتا ہے، اس کے پکڑنے کا ارادہ کیا جاتا ہے اور کیوں پکڑنے کا ارادہ کیا جاتا ہے؟ «**إِمَّا لِجِلْدِهِ**» یا تو اس کی کھال کے لیے۔ درندے کی کھال مقصود ہوتی ہے اس لیے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، «**أَوْ لِيُصْطَادَ بِهِ**» یا اس لیے تاکہ اس کے ذریعے شکار کیا جائے۔ اس کے ذریعے؟ شکار کیا جائے۔ جیسے شکاری کتے کے ذریعے شکار کیا جاتا ہے، اسی طرح چیتے اور تیندُوے کو بھی شکار سکھلا کر ان کے ذریعے بھی کیا کیا جاتا ہے؟ شکار کیا جاتا ہے، تو اس وجہ سے بھی ان کے پکڑنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، «**أَوْ لِدَفْعِ أَذَاهُ**» یا ان کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے ان کے پکڑنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تاکہ ان کو ختم کیا جائے، ان کی تکلیف سے جان چھڑائی جائے جیسے خنزیر وغیرہ بھائی۔ تو درندوں کے بھی پکڑنے کا ارادہ کیا جاتا ہے کس وجہ سے؟ بعضوں کی کھال حاصل کرنے کے لیے، بعضوں کو شکار وغیرہ سکھانے کے لیے اور بعضوں کو ان کی اذیت سے نجات حاصل کرنے کے لیے۔ تو معلوم ہوا یہ شکار ہے اور جب شکار ہے تو اس میں جزا واجب ہو گی۔

اور آگے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب ذکر کر رہے ہیں، انہوں نے ان درندوں کو فواسق پر قیاس کیا تھا کہ وہ پانچ فواسق یہ بھی انہی کی طرح ہیں۔ «**وَالْقِيَاسُ عَلَى الْفَوَاسِقِ مُمْتَنِعٌ لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ الْعَدَدِ**» اور فواسق پر قیاس کرنا ممکن نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس کے اندر عدد کو باطل کرنا ہے۔ حدیث میں تو کیا آیا تھا؟ وہ فواسق کتنے ہیں؟ پانچ ہیں، تو اگر ان درندوں کو بھی ان میں داخل کر دیا جائے تو یہ پانچ سے بڑھ جائیں گے تو عدد کا جو ہے وہ عدد باطل ہو جائے گا، حالانکہ حدیث میں ان کی تعداد باقاعدہ ذکر ہے عدد کے ساتھ۔

«**وَاسْمُ الْكَلْبِ**» دوسری دلیل امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا ذکر کی تھی؟ کہ لفظ کلب عربی زبان کے اعتبار سے ان سب کے لیے وضع ہے بھائی، ان سب کے لیے وضع ہے، تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ ایک ہے حقیقت لغویہ، اس کا یہاں اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہاں عرف کا اعتبار کیا جائے گا، عرف یعنی عام لوگوں کی جو عادت ہے۔ اور عام لوگ جو ہیں عام عرب بول چال کے اندر کلب بول کر درندہ مراد نہیں لیتے بھائی اور ترجیح کس کے ذریعے ہوتی ہے؟ عرف کے ذریعے ہوتی ہے کیونکہ عرف جو ہے وہ قوی ہے بھائی حقیقت کے مقابلے میں، حقیقت لغویہ کے مقابلے میں۔

تو کہتے ہیں: «وَاسْمُ الْكَلْبِ لَا يَقَعُ عَلَى السَّبُعِ عُرْفًا» اور کلب کا اسم جو ہے یہ درندے پر واقع نہیں ہوتا، یعنی درندے پر بولا نہیں جاتا عرفاً، باعتبار عرف کے، یعنی لوگوں کی عادت کے، «وَالْعُرْفُ أَمْلَكُ» اور عرف زیادہ مالک ہے، یعنی عرف زیادہ قوی ہے، کس کے مقابلے میں؟ حقیقت لغویہ کے مقابلے میں۔

■ مسئلہ: وَلَا يُجَاوَزُ بِقِيمَتِهِ شَاةٌ

«وَلَا يُجَاوَزُ بِقِيمَتِهِ شَاةٌ» اور تجاوز نہیں کیا جائے گا اس کی قیمت کے ساتھ بھیڑ بکری پر بھائی۔ شَاةٌ بھی پڑھ سکتے ہیں، شَاةً بھی پڑھ سکتے ہیں یہاں پر، رفع بھی اور نصب بھی۔ رفع پڑھیں تو «يُجَاوَزُ» کے لیے یہ نائب الفاعل بنے گا اور شَاةً پڑھیں تو پھر یہ «بِقِيمَتِهِ» یہ نائب الفاعل بن جائے گا جار مجرور اور شَاةً کیا بن جائے گا؟ مفعول بن جائے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَلَا يُجَاوَزُ بِقِيمَتِهِ شَاةٌ» اور تجاوز نہیں کیا جائے گا اس کی قیمت کے ساتھ ایک بھیڑ بکری پر۔ بھائی درندے میں بھی جزا واجب ہو گی، کوئی شکار درندے کا شکار کر لیتا ہے محرم تو جزا واجب ہو گی، لیکن اس درندے کی قیمت جب لگائیں گے تو اس کی قیمت میں ایک بھیڑ بکری پر تجاوز نہیں کریں گے، یعنی ایک بھیڑ بکری سے زیادہ جزا اس محرم پر واجب نہیں ہو گی۔ زیادہ سے زیادہ کتنی واجب ہو گی؟ ایک بھیڑ بکری جتنی واجب ہو گی بھائی۔ یہ معنی ہے «وَلَا يُجَاوَزُ بِقِيمَتِهِ شَاةٌ» اور تجاوز نہیں کیا جائے گا اس کی قیمت کے ساتھ بھیڑ بکری پر۔

«وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ» آگے امام زفر رحمہ اللہ کا قول ذکر کر رہے ہیں، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں، جہاں تک اس کی قیمت پہنچتی ہے وہ ساری اس محرم پر واجب ہو گی۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں ماکول اللحم جانوروں پر جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، مثلاً کوئی نیل گائے کا شکار کرتا ہے، تو اس پر پوری نیل گائے کی قیمت واجب ہوتی ہے جس جہاں تک بھی وہ پہنچے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو جب وہاں پوری قیمت واجب ہوتی ہے تو یہاں پر بھی پورے درندے کی قیمت واجب ہو گی، چاہے بھیڑ بکری سے زائد ہی کیوں نہ ہو جائے، جیسے نیل گائے کے اندر گائے واجب ہوتی تھی دیکھو بھیڑ بکری سے بڑھ جاتی تھی، تو یہاں بھی اسی طرح ہو گا۔

تو «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَجِبُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ اعْتِبَارًا بِمَأْكُولِ اللَّحْمِ» اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیمت واجب ہو گی جہاں تک بھی وہ قیمت پہنچے قیاس کرتے ہوئے ماکول اللحم جانوروں پر، یعنی جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کی قیمت جہاں تک پہنچتی ہے ساری واجب کی جاتی ہے، جیسے میں نے مثال ذکر کر دی، نیل گائے میں کیا واجب ہو جاتی ہے؟ پوری گائے واجب ہو جاتی ہے اور گائے بھیڑ بکری سے زائد ہے یا نہیں؟ دیکھو بھیڑ بکری سے زائد چیز واجب ہو رہی ہے، تو اس میں بھی درندوں میں بھی اسی طرح ہو گا، جتنی قیمت ہو گی وہ ساری واجب ہو گی۔

■ مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: الضَّبُعُ صَ...

«وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: الضَّبُعُ صَيْدٌ وَفِيهِ الشَّاةُ» اور ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک ہے، آپ نے فرمایا: «الضَّبُعُ صَيْدٌ وَفِيهِ الشَّاةُ» کہ ضبع جو ہے، ضبع میں نے آپ کو بتلایا کہ اس کا نام کتابوں میں بجو لکھا ہے، اردو کی کتابوں میں کیا لکھتے ہیں اس کا معنی؟ بجو لکھتے ہیں، لیکن بہر حال اس کی کبھی تصویر بھی نہیں دیکھی اور بجو کس قسم کا جانور ہے، ہاں دوسرا نام اور عام لغت کی کتابوں میں جو لکھا ہے وہ لگڑ بگڑ ہے اور میں نے پہلے ذکر کیا تھا یہ کتے کے لگ بھگ ایک درندہ ہے بھائی۔ تو ہماری دلیل جو ہے حضور علیہ السلام کا یہ فرمان مبارک ہے، آپ نے فرمایا: «الضَّبُعُ صَيْدٌ» کہ بجو جو ہے وہ شکار ہے، «وَفِيهِ الشَّاةُ» اور اس کے اندر بھیڑ بکری واجب ہے۔ تو دیکھیے اس میں بھی حضور علیہ السلام کیا واجب فرما رہے ہیں؟ بھیڑ بکری کو، معلوم ہوا بھیڑ بکری سے تجاوز نہیں کیا جائے گا۔

«وَلِأَنَّ اعْتِبَارَ قِيمَتِهِ لِمَكَانِ الِانْتِفَاعِ بِجِلْدِهِ لَا لِأَنَّهُ مُحَارِبٌ مُؤْذٍ». مؤذ بھائی، یہاں ذال کے نیچے دو زیر ہونے چاہیے بھائی دو زیر اور یا نہیں ہونی چاہیے، یا یہاں گر جائے گی، حالت رفعی اور حالت جری میں یہ یا گر جاتی ہے جیسے کہ قاض کے اندر ہے، قاض کے اندر، جب یہ بغیر الف لام کے ہو تو گر جائے گی یا۔

«وَلِأَنَّ اعْتِبَارَ قِيمَتِهِ لِمَكَانِ الِانْتِفَاعِ بِجِلْدِهِ» اور نیز اس لیے کیونکہ اس درندے کی قیمت کا اعتبار جو ہو گا «لِمَكَانِ الِانْتِفَاعِ» مکان بمعنی وجود کے ہے، مکان مصدر ہے اور کس معنی میں ہے؟ وجود اور یہ صاحب ہدایہ یہ پہلے بھی کئی جگہ استعمال کر چکے ہیں اسی مصدر کو، «لِمَكَانِ الِانْتِفَاعِ بِجِلْدِهِ» أَيْ: لِوُجُودِ الِانْتِفَاعِ بِجِلْدِهِ، اس لیے کیونکہ اس کی کھال سے نفع اٹھانا وہ پایا جاتا ہے، اس کا وجود ہے، یعنی اس کی کھال سے کیا کیا جاتا ہے؟ نفع۔ تو کہتے ہیں اس لیے کیونکہ درندے کی قیمت کا اعتبار اس وجہ سے ہے کہ اس کی کھال سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، یعنی، یعنی اس کے سارے اجزاء سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا، باقی گوشت وغیرہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاتا، لہٰذا سارے کی قیمت نہیں لگائی جائے گی، سارے کی قیمت نہیں لگائی جائے گی۔ باقی ماکول اللحم جانور تھا اس میں تو اس کے گوشت کا بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے، چمڑے کا بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے، لیکن یہ درندوں وغیرہ میں تو گوشت وغیرہ کا فائدہ نہیں کیونکہ وہ تو حرام ہے کھانا، ہاں البتہ اس سے چمڑے چمڑا اور اس کی جلد حاصل کی جاتی ہے، تو اس وجہ سے وہ صرف جلد ہے تو وہ ایک بھیڑ بکری سے زائد اس کی قیمت نہیں ہو گی۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھائی اگر صرف کھال کا بھی اعتبار کیا جائے، بعض درندوں کی کھال تو بڑی مہنگی ہوتی ہے، جیسے شیر اور چیتے کی کھال ہے، یہ تو مالدار لوگ یا

بادشاہ لوگ بڑی قیمت دے کر خریدتے ہیں اس کو بھائی؟ تو جواب کہ بھائی بادشاہوں کے اعتبار سے ہم بات نہیں کر رہے، ہم عام آدمی یا محرم کے اعتبار سے بات کر رہے ہیں۔ تو وہ اگر شکار کرتا بھی ہے، تو اس جانور میں مقصود کیا ہے درندے کے اندر؟ صرف اس کی کھال، تو کھال ہے تو بے شک بادشاہوں کے اعتبار سے اس کی قیمت زیادہ ہو، لیکن محرم کے اعتبار سے صرف کیا ہے؟ ایک جانور کی کھال ہے اور تو لہٰذا اس کی قیمت بھیڑ بکری سے زائد نہیں ہو گی۔

تو کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ اعْتِبَارَ قِيمَتِهِ لِمَكَانِ الِانْتِفَاعِ بِجِلْدِهِ لَا لِأَنَّهُ مُحَارِبٌ مُؤْذٍ» اور اس لیے کیونکہ درندے کی قیمت کا جو اعتبار ہے وہ اس کی کھال سے نفع اٹھانے کی وجہ سے ہے، نہ کہ اس وجہ سے کہ یہ لڑنے والا ہے، مؤذ اذیت دینے والا ہے، لڑنے والے اور اذیت دینے والا ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت نہیں ہے بلکہ صرف اس کی کھال سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔ «وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ لَا يُزْدَادُ عَلَى قِيمَةِ الشَّاةِ ظَاهِرًا» اور اسی وجہ سے، یہ جو ہم نے دلیل ذکر کر دی، اسی وجہ سے بڑھایا نہیں جائے گا اس کی قیمت کو، درندے کی قیمت کو ایک بھیڑ بکری کی قیمت پر ظاہراً، باعتبار ظاہر کے بھائی، باعتبار ظاہر کے۔

■ مسئلہ: وَإِذَا صَالَ السَّبُعُ عَلَى الْمُحْرِمِ فَقَتَلَ...

«وَإِذَا صَالَ السَّبُعُ عَلَى الْمُحْرِمِ فَقَتَلَهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ». صورت مسئلہ یہ کہ ایک درندے نے محرم پر خود حملہ کر دیا تو محرم نے اس کو قتل کر دیا، تو کیا اس کی وجہ سے بھی جزا واجب ہو گی یا نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس صورت میں اگر درندے نے خود حملہ کیا ہے تو اس صورت میں محرم پر جزا واجب نہیں، جزا واجب نہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا صَالَ السَّبُعُ عَلَى الْمُحْرِمِ» صال یصول کے معنی حملہ کرنا، «وَإِذَا صَالَ السَّبُعُ عَلَى الْمُحْرِمِ» اور جب درندہ حملہ کر دے محرم پر، «فَقَتَلَهُ» تو محرم نے، تو محرم نے اس کو قتل کر دیا، «لَا شَيْءَ عَلَيْهِ» تو اس محرم پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَجِبُ اعْتِبَارًا بِالْجَمَلِ الصَّائِلِ» اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر جزا واجب ہو گی قیاس کرتے ہوئے حملہ آور اونٹ پر۔ جیسے حملہ آور اونٹ ہے اس کے اندر قیمت وغیرہ اس کی واجب ہوتی ہے، تو یہاں پر بھی اس درندے میں جزا واجب ہو گی۔

بھائی اونٹ بڑا ہی فرماں بردار جانور ہے، حتیٰ کہ اگر کسی بچے دو سال کے بچے کے ہاتھ میں بھی اس کی مہار تھما دی جائے، تو اتنے بڑے جسم والا جانور ہونے کے باوجود اونٹ بڑی فرماں برداری سے اس کے پیچھے چلتا ہے، جدھر کو بھی وہ بچہ لے جانا چاہے، وہ اس کو آرام سے لے جاتا ہے۔ لیکن یہی اونٹ اگر کبھی کبھار بدک جائے اور بگڑ جائے تو پھر یہ بڑا ہی خطرناک ہو جاتا ہے اور کوئی انسان اس کے قابو آ جائے تو اسے پھر یہ زندہ نہیں چھوڑتا بھائی۔ تو ایک شخص کا مثلاً اگر اونٹ بگڑ گیا اور دوسرے شخص نے اس کو قتل کر دیا تو یاد رکھیے اس قتل کرنے والے پر اس اونٹ کی قیمت واجب ہو گی، وہ مالک کو دینا پڑے گی۔ اس کے مالک کو قیمت دینا پڑے گی۔ اب دیکھو اس اونٹ نے خود حملہ کیا تھا اس آدمی پر، لیکن اس کے باوجود اس کے اندر اس کی جزا اس پر واجب ہو رہی ہے، اس کی قیمت دینا پڑ رہی ہے یعنی مالک کو بھائی، مالک کو قیمت دینا پڑ رہی ہے۔ تو امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے اس حملہ آور اونٹ کے اندر اس کی قیمت واجب ہوتی ہے، اسی طرح اگر کوئی درندہ بھی کسی انسان یعنی محرم پر حملہ کر دے اور وہ محرم اس کو قتل کر دے، تو اس پر بھی کیا واجب ہو گی؟ جزا واجب ہو گی بھائی، دلیل سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «اعْتِبَارًا بِالْجَمَلِ الصَّائِلِ» قیاس کرتے ہوئے حملہ آور اونٹ پر۔

■ مسئلہ: وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَ...

«وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَتَلَ سَبُعًا وَأَهْدَى كَبْشًا» اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو روایت کیا گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ انہوں نے ایک درندے کو قتل کیا «وَأَهْدَى كَبْشًا» اور ہدی بھیجی ایک مینڈھے کی۔ کبش کہتے ہیں بھائی مینڈھا، وہ دنبہ بڑے سینگوں والا ہو، اس کو کبش کہتے ہیں۔ تو اس ایک مینڈھے کی ہدی انہوں نے بھیجی، «وَقَالَ» اور فرمایا، ساتھ یہ بھی فرمایا آپ نے: «إِنَّا ابْتَدَأْنَاهُ» کہ یقیناً ہم نے ابتدا کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مینڈھے کی ہدی بھی روانہ فرمائی اس کے قتل کی وجہ سے اور کیا فرمایا؟ کہ ہم نے پہل کی تھی، ہم نے پہل کی تھی۔ معلوم ہوا اس سے کہ اگر درندہ پہل کرتا تو اس صورت میں ہدی واجب نہ ہوتی بھائی، ہدی واجب نہیں ہو گی۔

«وَلِأَنَّ الْمُحْرِمَ مَمْنُوعٌ عَنِ التَّعَرُّضِ لَا عَنْ دَفْعِ الْأَذَى» یہ دوسری عقلی دلیل آ گئی بھائی، ایک تو نقلی دلیل گزر گئی۔ عقلی دلیل یہ کہ محرم کو شکار کھیلنے سے منع کیا گیا ہے اور اپنے آپ سے تکلیف دور کرنے سے اس کو منع نہیں کیا گیا اور یہاں پر جو جب درندے نے اس پر حملہ کیا تو یہ کوئی اس کا شکار نہیں کھیل رہا، بلکہ کیا کر رہا ہے؟ اپنے آپ سے تکلیف کو دور کر رہا ہے، اپنا بچاؤ کر رہا ہے اور یہ تو اس کے حق میں ممنوع نہیں، لہٰذا اس پر جزا بھی نہیں آئے گی۔

«وَلِأَنَّ الْمُحْرِمَ مَمْنُوعٌ عَنِ التَّعَرُّضِ» اور نیز اس لیے کیونکہ محرم جو ہے اس کو روکا گیا ہے شکار کے پیچھے پڑنے سے، «لَا عَنْ دَفْعِ الْأَذَى» تکلیف

کو دور کرنے سے نہیں روکا گیا، «وَلِهَذَا كَانَ مَأْذُونًا فِي دَفْعِ الْمُتَوَهَّمِ مِنَ الْأَذَى» اور اسی وجہ سے محرم جو ہے اس کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ، یہ جو فواسق گزرے، بھائی پانچ چیزوں کا استثناء آیا تھا حدیث کے اندر، ان فواسق کا قتل محرم کے لیے جائز ہے۔ کیوں جائز ہے؟ کیونکہ وہم ہے، وہمی خطرہ ہے کہ کہیں یہ اس محرم پر حملہ نہ کر دیں، بھائی لازمی تو نہیں ہے کہ وہ حملہ کریں، لیکن ان کے قتل کی اجازت دی گئی، کس وجہ سے؟ کیونکہ وہم تھا، ممکن ہے شاید یہ کہیں اس محرم پر حملہ نہ کر، تو جب ایک وہمی خطرے کی بنیاد پر محرم کو اجازت دی گئی ان حیوانات کو ان فواسق کو قتل کرنے کی، تو جہاں پر یقینی خطرہ موجود ہو کہ جب درندہ باقاعدہ حملہ آور ہو جائے، تو وہاں بطریق اولیٰ محرم کو شکار کو قتل کرنے کی اجازت ہو گی۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

کہتے ہیں: «وَلِهَذَا كَانَ مَأْذُونًا فِي دَفْعِ الْمُتَوَهَّمِ مِنَ الْأَذَى كَمَا فِي الْفَوَاسِقِ فَلِأَنْ يَكُونَ مَأْذُونًا فِي دَفْعِ الْمُتَحَقِّقِ أَوْلَى» اور اسی وجہ سے، اور اسی وجہ سے، کس وجہ سے؟ کہ تکلیف کو دور کرنا اپنے آپ سے یہ محرم کے لیے ممنوع نہیں، اسی وجہ سے محرم کو اجازت ہے، کس چیز کی اجازت؟ «فِي دَفْعِ الْمُتَوَهَّمِ مِنَ الْأَذَى» دور کرنا وہمی تکلیف کو، وہمی وہمی تکلیف کو دور کرنے کی اس کو اجازت ہے، «كَمَا فِي الْفَوَاسِقِ» جیسے کہ ان فواسق میں ہے، «فَلِأَنْ يَكُونَ مَأْذُونًا» پس یہ کہ اس کو اجازت ہو «فِي دَفْعِ الْمُتَحَقِّقِ أَوْلَى» متحقق یعنی یقینی اور ثابت شدہ خطرے کے اندر اس کو اجازت ہو قتل کرنے کی، اولیٰ یہ بطریق اولیٰ ہو گا۔ خلاصہ دلیل کیا ہوا؟ کہ فواسق کے اندر محرم کو ان کو قتل کرنے کی اجازت ہے کس وجہ سے؟ وہمی خطرے کی بنیاد پر، تو جب وہمی خطرے کی بنیاد پر وہاں قتل کی اجازت ہے، تو یقینی خطرے میں بطریق اولیٰ اجازت ہو گی۔

یہ معنی ہے «فَلِأَنْ يَكُونَ مَأْذُونًا فِي دَفْعِ الْمُتَحَقِّقِ أَوْلَى» تو یہ کہ اس کو اجازت ہو ثابت شدہ خطرے کو دور کرنے کے اندر، یہ اولیٰ بطریق اولیٰ ہو گا۔

■ مسئلہ: وَمَعَ وُجُودِ الْإِذْنِ مِنَ الشَّارِعِ لَا يَجِبُ...

«وَمَعَ وُجُودِ الْإِذْنِ مِنَ الشَّارِعِ لَا يَجِبُ الْجَزَاءُ حَقًّا لَهُ» اور بھائی جب، یہ جو جزا واجب ہوتی ہے یہ حق شرع ہے، حق شرع، یعنی اللہ کا، یوں کہیں حق شارع ہے، اللہ کا حق ہے۔ اللہ نے احرام کی حالت میں محرم پر پابندیاں لگا دیں، وہ اب عبادت کے لیے جا رہا ہے بیت اللہ کے پاس، تو شارع کی طرف سے اس پر پابندیاں لگ گئیں مختلف کاموں کی اور ان میں سے پابندیوں میں سے اگر کسی کو وہ توڑے گا تو اس پر جزا واجب ہو گی بھائی اور یہ جزا کس کا حق ہے؟ شارع کا، یعنی اللہ کا حق ہے، تو یہ شکار بھی احرام کی پابندیوں میں سے ایک پابندی ہے اور شکار کی صورت میں جو جزا واجب ہوتی ہے یہ بھی کس کا حق ہے؟ اللہ کا حق ہے، لیکن جب اللہ کی طرف سے خود قتل کی اجازت مل جائے، تو پھر یہ جزا بھی واجب نہیں ہو گی کیونکہ یہ جزا تو کس کا حق تھا؟ شارع کا اور جب شارع نے خود قتل کی اجازت دے دی تو شارع کے حق کے طور پر جزا بھی واجب نہیں، اسی وجہ سے وہ پانچ فواسق جو ہیں ان کے اندر جزا واجب نہیں کیونکہ ان کے قتل کی شارع نے، شارع کی طرف سے اجازت آ گئی بھائی۔

تو لہٰذا ان کے اندر جب یہ درندے نے خود حملہ کیا اس کے اندر تو شارع کے حق کے طور پر جزا واجب نہیں ہو گی کیونکہ شارع نے خود کیا کیا؟ ان کے قتل کی اجازت دی، جبکہ وہ جو حملہ آور اونٹ تھا اس کے اندر جو جزا واجب ہوتی تھی جو قیمت واجب ہوتی تھی وہ کس کا حق ہوتی تھی؟ وہ تو جس اونٹ والا، وہ جو اونٹ کا مالک تھا اس کو قیمت دینا پڑتی تھی، تو اور اس کی طرف سے کوئی، اس کو قیمت کیوں دینا پڑتی تھی؟ کیونکہ اس کی طرف سے اونٹ کو قتل کرنے کی اجازت نہیں تھی، تو لہٰذا درندوں میں اور وہ حملہ آور اونٹ کے اندر ایک ہے حملہ کرنے والا درندہ اور ایک ہے حملہ آور اونٹ، تو دونوں میں فرق واضح ہو گیا۔ حملہ آور درندے کے اندر جو جزا واجب ہوتی ہے وہ شارع کا حق ہے، لیکن شارع نے خود اس کے قتل کی اجازت دی ہے لہٰذا اس کے اندر جزا واجب نہیں ہو گی، جبکہ اونٹ جو ہے اس کا مالک وہ انسان ہے وہ بندہ ہے اور اس کی طرف سے تو اس اونٹ کے قتل کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے لہٰذا اس کے اندر قیمت واجب ہو گی، لیکن درندے کے قتل میں جزا واجب نہیں ہو گی۔ لہٰذا امام زفر کا اس حملہ آور درندے کو حملہ آور اونٹ پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ یہ درندے کے اندر جزا وہ حق شارع ہے اور حملہ آور اونٹ میں جزا وہ حق عبد ہے بھائی۔ بات نہیں سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھائی؟

«وَمَعَ وُجُودِ الْإِذْنِ مِنَ الشَّارِعِ» اور شارع کی طرف سے اجازت پائے جاتے ہوئے، «لَا يَجِبُ الْجَزَاءُ حَقًّا لَهُ» جزا واجب نہیں ہو گی شارع کے حق کے طور پر۔ جب شارع کی طرف سے اجازت ہے تو پھر جزا شارع کا حق ہو کر واجب نہیں ہو گی، «بِخِلَافِ الْجَمَلِ الصَّائِلِ» بخلاف حملہ کرنے والے اونٹ کے، «لِأَنَّهُ لَا إِذْنَ لَهُ مِنْ صَاحِبِ الْحَقِّ» اس لیے کیونکہ اس میں قتل کرنے والے کو صاحب حق کی طرف سے اجازت نہیں ہے، «وَهُوَ الْعَبْدُ» اور صاحب حق کون ہے؟ وہ بندہ ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنِ اضْطُرَّ الْمُحْرِمُ إِلَى قَتْلِ صَيْدٍ ف...

«وَإِنِ اضْطُرَّ الْمُحْرِمُ إِلَى قَتْلِ صَيْدٍ فَقَتَلَهُ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ». صورت مسئلہ یہ کہ محرم جو ہے اس کے پاس کھانے پینے کی اشیاء ختم ہو گئیں، راستے میں جنگل میں سفر کر رہا ہے، وہ مجبور ہو گیا شکار کی طرف، شکار کرنے کی طرف، تو وہ کسی شکار کو قتل کرتا ہے تو کیا اس پر جزا واجب ہو گی یا جزا واجب نہیں؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، یہ اس پر بھی جزا واجب ہو گی۔ اس پر بھی؟ جزا واجب ہو گی۔ بھائی اس پر کیوں جزا واجب ہو گی یہ بیچارہ تو مجبور ہو گیا تھا؟ تو اس کی بھی دلیل ذکر کریں گے کہ بھائی قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ» کہ تم میں سے جو شخص مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف وغیرہ ہو، «فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ» تو فدیہ دینا ہے روزے میں سے یا صدقے میں سے یا قربانی میں سے۔ تم میں سے جو کوئی مریض ہو یا سر میں کوئی تکلیف بیماری وغیرہ ہے اور یعنی اس کی وجہ سے اس کو حلق کروانا پڑا، بال وغیرہ صاف کروانا پڑے تو بال وغیرہ یہ صاف کروا سکتا ہے، لیکن کیا کرے؟ فدیہ دے دے کس چیز کا؟ یا روزے یا یا صدقہ یا قربانی کر لے، آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ قربانی کرنا پڑے گی اس کو ایک بھیڑ بکری کی یا پھر وہ کیا کر لے؟ چھ مسکینوں کو نصف صاع ہر مسکین کے حساب سے ان کو صدقہ دے دے گندم اور یا کتنے؟ تین روزے رکھ لے گا بھائی۔ تفصیل ذہن میں آئی بھائی؟ تو دیکھیے اس آیت کے اندر عذر کی صورت میں اجازت دی گئی کہ حلق کروا سکتے ہو، احرام کی ممنوعہ چیز کا ارتکاب کر سکتے ہو عذر کی صورت میں، لیکن کیا کرنا پڑے گا؟ جزا دینا پڑے گی۔ تو لہٰذا یہ شخص بھی جب مجبور ہو گیا اور کیا کر رہا ہے؟ شکار کر رہا ہے تو احرام کی پابندی کو توڑ رہا ہے اور کس وجہ سے توڑ رہا ہے؟ مجبوری کی وجہ سے اور مجبوری کی وجہ سے بھی جب شکار کی، جب احرام کی پابندی کو توڑا جائے تو اجازت ہو گی لیکن کس کے ساتھ؟ جزا دینا پڑے گی بھائی، دلیل سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنِ اضْطُرَّ الْمُحْرِمُ إِلَى قَتْلِ صَيْدٍ» اور اگر مجبور ہو گیا محرم شکار کو قتل کرنے کی طرف، «فَقَتَلَهُ» تو اس نے اس کو قتل کر دیا، «فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ» تو اس پر جزا واجب ہے، «لِأَنَّ الْإِذْنَ مُقَيَّدٌ بِالْكَفَّارَةِ بِالنَّصِّ» اس لیے کیونکہ اجازت جو ہے وہ مقید ہے کفارے کے ساتھ۔ اجازت ہے لیکن ساتھ ساتھ کیا آئے گا؟ کفارہ۔ اس لیے کیونکہ اجازت مقید ہے کفارے کے ساتھ، «بِالنَّصِّ» کس سے؟ نص سے، یعنی قرآن سے، آیت سے بھائی، «عَلَى مَا تَلَوْنَاهُ مِنْ قَبْلُ» بوجہ اس کے جو ہم نے، جس کو ہم نے تلاوت کیا اس سے پہلے، پہلے جو ہم نے یہ آیت ذکر کی تھی «فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ».

«وَلَا بَأْسَ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَذْبَحَ الشَّاةَ وَالْبَقَرَةَ وَالْبَعِيرَ وَالدَّجَاجَةَ وَالْبَطَّ الْأَهْلِيَّ» اور کوئی حرج نہیں ہے محرم کے لیے کہ وہ ذبح کرے بھیڑ بکری کو اور گائے بیل کو اور اونٹ کو اور مرغی کو اور پالتو بطخ کو۔ معلوم ہوا محرم ان کو ذبح کر سکتا ہے، «لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ لَيْسَتْ بِصُيُودٍ» اس لیے کیونکہ یہ چیزیں شکار نہیں ہیں بھائی، یہ تو پالتو جانور ہیں یہ شکار نہیں ہیں، «لِعَدَمِ التَّوَحُّشِ» وحشی نہ ہونے کی وجہ سے۔ شکار تو کیا ہوتا ہے؟ وحشی ہوتا ہے، یہ وحشی نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالْبَطِّ

«وَالْمُرَادُ بِالْبَطِّ» بھائی متن میں بطخ کا ذکر آیا تھا، صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ یہاں اس سے مراد پالتو بطخ مراد ہے، جنگلی بطخ مراد نہیں، جنگلی بطخ وہ شکار ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَالْمُرَادُ بِالْبَطِّ الَّذِي يَكُونُ فِي الْمَسَاكِنِ وَالْحِيَاضِ» اور بطخ سے مراد وہ بطخ ہے جو رہائش میں، رہنے کی جگہوں میں ہوتی ہے، یعنی لوگوں کے گھروں میں رہتی ہے، «وَالْحِيَاضِ» اور تالابوں میں ہوتی ہے، «لِأَنَّهُ أَلُوفٌ» اس لیے کیونکہ یہ جو قسم ہے بطخ کی یہ مانوس ہے، یعنی انسانوں کے ساتھ مانوس ہے، انسانوں میں رہنے والی ہے، «بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ» اصل خلقت، اصل پیدائش کے اعتبار سے ہی، اصل پیدائش کے اعتبار سے ہی انسانوں کے ساتھ مانوس ہے۔ بعض جانور اصل پیدائش کے اعتبار سے مانوس نہیں ہوتے، تو ان کو مانوس کر لیا جاتا ہے، لیکن یاد رکھیے اس میں اصل خلقت کا اعتبار ہے۔ کس کا؟ اصل خلقت کا اعتبار ہے۔ لہٰذا ہرن جو ہے وہ اصل خلقت کے اعتبار سے وحشی ہے، انسانوں سے دور بھاگتا ہے۔ اب اگر اس ہرن کو کوئی مانوس بھی کر لے تو بھی محرم کے لیے اس کو ذبح کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اعتبار کس کا ہے؟ اصل خلقت اور اصل خلقت کے اعتبار سے ہرن کیا ہے؟ وحشی ہے، شکار ہے اور محرم کو تو شکار کے پیچھے پڑنے سے منع کیا گیا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں اونٹ کو دیکھ لیں، اونٹ جو ہے وہ پالتو جانور ہے لیکن اگر وہ بدک جائے اور بگڑ جائے تو بھی وہ شکار نہیں بنے گا، بلکہ محرم کے لیے اس کو ذبح کرنا جائز ہے، جائز ہے بھائی، جائز ہے۔ اس لیے کیونکہ اعتبار اصل خلقت کا ہے اور اونٹ اصل خلقت کے اعتبار سے کیا ہے؟ مانوس اور پالتو جانوروں میں سے ہے۔ سمجھ میں آیا؟

«وَلَوْ ذَبَحَ حَمَامًا مُسَرْوَلًا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ» اور اگر محرم نے ذبح کر دیا حماما مسرولا۔ حمام کبوتر، مسرول، مسرول یہ سراویل سے ہے اور سراویل عربی زبان میں شلوار کو کہتے ہیں، تو حمام مسرول وہ کبوتر جس کو شلوار پہنائی گئی ہو۔ مراد وہ کبوتر ہے جس کے پیروں پر پر ہوتے ہیں، بھائی آپ نے دیکھا ہو گا بعض کبوتروں کے پنجوں تک جو ہے وہ پر ہوتے ہیں اور بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں، تو وہ حمام مسرول کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ حمام مسرول بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَلَوْ ذَبَحَ حَمَامًا مُسَرْوَلًا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ» اور اگر محرم نے حمام مسرول کو ذبح کر دیا تو اس پر جزا واجب ہے، «خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں کہ اس پر جزا واجب نہیں۔ «لَهُ» امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے، «أَنَّهُ أَلُوفٌ مُسْتَأْنِسٌ» کہ یہ جو حمام مسرول ہے یہ «أَلُوفٌ مُسْتَأْنِسٌ»،

الوف اور مستانس کا ایک معنی ہے کہ یہ مانوس جانور ہے بھائی، یہ مانوس پرندہ ہے بھائی، «وَلَا يَمْتَنِعُ بِجَنَاحَيْهِ لِبُطْءِ نُهُوضِهِ» اور یہ بچاؤ نہیں کر سکتا اپنے پروں کے ذریعے، «لِبُطْءِ نُهُوضِهِ» بطء کا معنی سست ہونا اور نہوض کا معنی اٹھنا، یعنی اڑان مراد ہے، کسی کو دیکھ کر جیسے ہی پرندہ وہ اوپر کو اٹھے گا یہ ہے نہوض بھائی، اڑان بھائی، ابتدائی۔ تو امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو کبوتر ہے یہ مانوس ہے بھائی، انسانوں سے مانوس پرندہ ہے اور نیز یہ اپنے پروں کے ذریعے اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتا «لِبُطْءِ نُهُوضِهِ» اس لیے کیونکہ اس کی اٹھان سست ہوتی ہے، اس کی اڑان کیا ہے؟ سست ہوتی ہے، یہ فوراً ایک دم نہیں اڑ سکتا بھائی، یہ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا اور شکار تو کیا ہوتا ہے؟ وہ تو اپنے آپ کو بچانے والا ہوتا ہے، کسی کے قابو میں نہیں آتا، تو یہ تو اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا۔ «وَنَحْنُ نَقُولُ: الْحَمَامُ مُتَوَحِّشٌ بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ مُمْتَنِعٌ بِطَيَرَانِهِ» اور ہم کہتے ہیں کہ حمام یعنی کبوتر جو ہے وہ وحشی ہے اپنی اصل خلقت، اصل پیدائش کے اعتبار سے، «مُمْتَنِعٌ بِطَيَرَانِهِ» اور یہ بچاؤ کرنے والا ہے اپنی اڑان کے ذریعے، اپنے اڑنے کے ذریعے یہ کیا کرتا ہے؟ یہ اڑنے کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتا ہے، «وَإِنْ كَانَ بَطِيءَ النُّهُوضِ» یہاں كَانَ ہونا چاہیے بھائی، «وَإِنْ كَانَ بَطِيءَ النُّهُوضِ» اگرچہ یہ اٹھان کے اعتبار سے سست ہو بھائی، اگرچہ یہ اٹھان کے اعتبار سے سست ہے، ٹھیک ہے، اڑان کے اعتبار سے بے شک یہ سست ہے لیکن یہ اپنا بچاؤ کرتا ہے کس طرح ہے؟ یہ اڑ کر اپنا بچاؤ کرتا ہے، تو لہٰذا بے شک یہ اڑان کے اعتبار سے سست ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی یہ شکار ہی ہے، یہ اسی طرح اپنا بچاؤ کرتا ہے اور یہ وحشی ہے اصل پیدائش کے اعتبار سے۔ «وَالِاسْتِئْنَاسُ عَارِضٌ فَلَمْ يُعْتَبَرْ» اور یہ جو مانوس ہونا ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے کیا فرمایا تھا کہ یہ کبوتر کیا ہے؟ مانوس ہے، انسانوں کے ساتھ رہنے والا ہے، تو اس کا جواب دے رہے ہیں: «وَالِاسْتِئْنَاسُ عَارِضٌ» کہ مانوس ہونا یہ عارضی ہے، اصل خلقت کے اعتبار سے یہ وحشی ہی ہے اور جو مانوس ہونا ہوتا ہے وہ عارضی ہے، «فَلَمْ يُعْتَبَرْ» اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ اصل اعتبار کس کا ہے؟ اعتبار اصل خلقت کا ہے، عارضی چیز کا اعتبار نہیں اور یہ اصل خلقت کے اعتبار سے وحشی ہے۔

«وَكَذَا إِذَا قَتَلَ ظَبْيًا مُسْتَأْنِسًا» اور اسی طرح اگر محرم نے قتل کر دیا مانوس ہرن کو، مانوس ہرن کو قتل کر دیا تو اس صورت میں بھی جزا واجب ہو گی، جیسے کس میں جزا تھی؟ حمام مسرول میں۔ تو کہتے ہیں: «وَكَذَا» اور اسی طرح جزا واجب ہو گی جب محرم قتل کر دے مانوس ہرن کو، «لِأَنَّهُ صَيْدٌ فِي الْأَصْلِ» اس لیے کیونکہ ہرن جو ہے وہ شکار ہے اصل کے اعتبار سے یعنی اصل خلقت کے اعتبار سے، «فَلَا يُبْطِلُهُ الِاسْتِئْنَاسُ» لہٰذا اس کے شکار ہونے کو باطل نہیں کرے گا مانوس ہونا۔ کیونکہ مانوس ہونا عارضی ہے اور اعتبار کس کا ہے؟ اصل، لہٰذا اصل خلقت کے اعتبار سے یہ شکار ہے تو یہ شکار ہونا مانوس ہونے کی وجہ سے ختم نہیں ہو گا، بلکہ یہ مانوس ہو جائے پھر بھی کیا ہے؟ شکار ہی کا حکم ہے، لہٰذا محرم کے لیے اس کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟ «كَالْبَعِيرِ إِذَا نَدَّ لَا يَأْخُذُ حُكْمَ الصَّيْدِ فِي الْحُرْمَةِ عَلَى الْمُحْرِمِ» جیسے کہ اونٹ ہے، جب وہ بدک جائے، بگڑ جائے، تو وہ شکار کا حکم نہیں لیتا حرمت کے اندر محرم پر۔ بھائی یہ پالتو جانور جو ہیں ان کا ذبح کرنا تو محرم کے لیے حلال تھا، لیکن شکار کا ذبح کرنا تو اس کے لیے حلال نہیں اور اعتبار کس کا ہے؟ اصل خلقت۔ ہرن جب اصل خلقت کے اعتبار سے شکار ہے تو اگر اس کو پالتو بنا بھی لیا جائے، پھر بھی یہ شکار ہونے سے نہیں نکلے گا، اعتبار کس کا کریں گے؟ اصل خلقت کا۔ جیسے کہ اونٹ جو ہے وہ اصل خلقت کے اعتبار سے شکار نہیں، تو جب یہ بگڑ جائے تو بھی اس کا قتل کر، اس کا ذبح کرنا محرم کے لیے حرام نہیں ہو گا کیونکہ اونٹ اصل خلقت کے اعتبار سے پالتو جانور ہے اور پالتو جانور کا ذبح کرنا تو محرم کے لیے جائز ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «كَالْبَعِيرِ إِذَا نَدَّ» جیسے کہ اونٹ جب وہ بگڑ جائے جب وہ بدک جائے، «لَا يَأْخُذُ حُكْمَ الصَّيْدِ» وہ شکار کا حکم نہیں لیتا، «فِي الْحُرْمَةِ عَلَى الْمُحْرِمِ» حرام ہونے میں محرم پر۔

■ مسئلہ: وَإِذَا ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا فَذَبِيحَتُهُ م...

«وَإِذَا ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا فَذَبِيحَتُهُ مَيْتَةٌ لَا يَحِلُّ أَكْلُهَا».

بھائی یاد رکھیے، محرم اگر شکار کو ذبح کر دے تو اس کا یہ ذبح کیا ہوا شکار مردار ہے، اس کا کھانا حرام ہے۔ محرم اگر کیا کر دے؟ اگر شکار کو ذبح کر دے تو اس کے ذبح کر دینے سے بھی وہ جانور حلال نہیں ہو گا، بلکہ وہ مردار ہے اور اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا» اور جب محرم جو ہے شکار کو ذبح کرے، «فَذَبِيحَتُهُ مَيْتَةٌ» تو اس کا ذبیحہ کیا ہے؟ ذبح کیا ہوا جانور مردار ہے، «لَا يَحِلُّ أَكْلُهَا» اس کا کھانا جائز نہیں ہے، جائز نہیں۔ اسی لیے چونکہ محرم جب کسی شکار کو ذبح کرے وہ کیا ہوتا ہے؟ مردار ہوتا ہے، اس کا کھانا جائز نہیں، اسی لیے، اسی لیے اوپر متن میں دیکھیں جہاں جہاں محرم نے کسی حلال جانور کو بھی وہ ذبح کر لیتا ہے اس کو بھی انہوں نے قتل کے ساتھ تعبیر کیا ہے: «وَإِنِ اضْطُرَّ الْمُحْرِمُ إِلَى قَتْلِ صَيْدٍ» اگر محرم مجبور ہو گیا کس چیز کی طرف؟ شکار کو قتل کرنے کی طرف، دیکھو اس نے تو شکار کو ذبح کیا، لیکن اس ذبح کو بھی کس سے تعبیر کیا جا رہا ہے؟ قتل سے، کہ ذبح ہے ہی نہیں، ذبح کی تو اس میں اہلیت ہی نہیں ہے کہ شکار کو ذبح کرے، لہٰذا یہ ذبح بھی کرے گا وہ دراصل کیا ہے؟ قتل ہے۔ اور جب وہ ذبح نہیں تو اس جانور کا کھانا بھی حلال نہیں اور اسی وجہ سے آگے بھی آیا تھا «وَكَذَا إِذَا قَتَلَ ظَبْيًا مُسْتَأْنِسًا» ہرن کو بھی ذبح کرنے کو کیا لکھا انہوں نے؟ قتل لکھا، اسی وجہ سے بھائی۔ نکتہ سمجھ میں آیا؟ اور وجہ اس کی یہ کیونکہ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «وَلَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ» اور تم شکار کو قتل نہ کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو، تو

دیکھو وہاں پر بھی شکار کے لیے قتل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تو «وَإِذَا ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا فَذَبِيحَتُهُ مَيْتَةٌ لَا يَحِلُّ أَكْلُهَا» اور جب محرم ذبح کرلے شکار کو تو اس کا ذبیحہ مردار ہے، اس کا کھانا حلال نہیں ہے، «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: يَحِلُّ مَا ذَبَحَهُ الْمُحْرِمُ لِغَيْرِهِ» امام شافعی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں ہاں، محرم اگر کسی شکار کو ذبح کرلے تو وہ شکار حرام ہے، لیکن اگر محرم یہ شکار کسی اور کے لیے ذبح کرے، کسی اور کے لیے، پھر اس کا کھانا جائز ہے، پھر حرام نہیں۔ مثلاً محرم نے شکار کو زید کے لیے ذبح کیا ہے، اپنے لیے نہیں، اپنے لیے ذبح کرے گا پھر تو حرام ہے، لیکن زید کے لیے جو غیر محرم ہے اس کے لیے کیا کر رہا ہے وہ؟ شکار کو ذبح کر رہا ہے، تو پھر وہ فرماتے ہیں یہ حرام نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب وہ غیر کے لیے اور اس کے کہنے پر شکار کو ذبح کر رہا ہے تو یہ جو فعل کر رہا ہے ذبح والا، یہ منتقل ہو جائے گا اسی دوسرے شخص کی طرف۔ گویا محرم نہیں کر رہا یہ ذبح بلکہ وہ دوسرا شخص ہی ذبح کر رہا ہے، یوں سمجھا جائے گا بھائی۔ دوسرے کے لیے جب کر رہے ہیں جب دوسرے کے لیے کر رہا ہے یا اس کے کہنے پر کر رہا ہے تو یوں سمجھا جائے گا گویا کہ وہ دوسرا ہی ذبح کر رہا ہے، تو لہٰذا وہ فعل اس کی ذبح کا فعل اس کی طرف منتقل ہو جائے گا اور وہ شکار کیا ہو گا؟ حلال ہو گا حرام نہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَحِلُّ مَا ذَبَحَهُ الْمُحْرِمُ لِغَيْرِهِ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلال ہے وہ شکار جس کو محرم نے ذبح کیا ہو اپنے علاوہ کے لیے، «لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ» اس لیے کیونکہ یہ محرم اس کے لیے کام، عمل کرنے والا ہے، یہ ذبح والا عمل اس کے لیے کرنے والا ہے، «فَانْتَقَلَ فِعْلُهُ إِلَيْهِ» تو یہ محرم کا فعل جو ہے اس کی طرف منتقل ہو جائے گا اور یوں سمجھا جائے گا گویا، گویا کہ وہ دوسرا ہی ذبح کر رہا ہے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الذَّكَاةَ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ

«وَلَنَا أَنَّ الذَّكَاةَ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنا یہ ایک مشروع فعل ہے۔ ذبح کرنا؟ ایک فعل مشروع ہے، «وَهَذَا فِعْلٌ حَرَامٌ» اور یہ جو محرم کر رہا ہے، کیا کر رہا ہے؟ شکار کی گردن پر چھری چلا رہا ہے یعنی اس کو ذبح کر رہا ہے، یہ فعل حرام ہے، قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «وَلَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ» تم شکار کو قتل نہ کرو۔ تو ذبح کرنا وہ تو ایک فعل مشروع ہے اور یہ جو فعل ہے جو محرم کر رہا ہے یہ فعل حرام ہے، «فَلَا يَكُونُ ذَكَاةً» تو یہ ذکوٰۃ نہیں، یعنی یہ ذبح کرنا نہیں ہے۔ اس کو ذبح کہیں گے ہی نہیں، ذبح کہیں گے ہی کس کو؟ جس کو، جس کی شریعت نے اجازت دی ہو اور اس کی تو شریعت نے اجازت ہی نہیں دی، تو اس کو ذبح بھی نہیں کہیں گے اور ذبح ہی سے تو جانور پاک ہوتا ہے، اس کا گوشت کھانے کے قابل ہوتا ہے، ذبح نہ کرو تو اس کا گوشت کھانے کے قابل نہیں، تو جب یہ ذبح نہیں تو جانور کا گوشت بھی پاک نہیں، لہٰذا اس کو کھانا جائز نہیں۔

تو «وَلَنَا أَنَّ الذَّكَاةَ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ» ہماری دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنا یہ ایک شرعی فعل ہے، «وَهَذَا فِعْلٌ حَرَامٌ» اور یہ جو محرم کر رہا ہے یہ حرام فعل ہے، «فَلَا يَكُونُ ذَكَاةً» تو یہ ذکوٰۃ نہیں یعنی یہ ذبح کرنا نہیں ہے، «كَذَبِيحَةِ الْمَجُوسِيِّ» جیسے کہ ایک مجوسی کا ذبیحہ، آتش پرست آدمی ہے بھائی وہ کیا کر لیتا ہے؟ وہ ایک جانور کو ذبح کرتا ہے باقاعدہ اسی طرح لٹاتا ہے اور اس کی گردن پر چھری چلاتا ہے تو آپ کیا کہیں گے یہ حلال ہے جانور؟ نہیں، وہ جیسے وہ دیکھو عمل اس نے بھی سارا کیا اسی طرح جانور کو لٹایا ہے اور اس کی گردن پر چھری پھیری، لیکن اس کو کوئی بھی حلال نہیں کہتا اگرچہ سارا عمل پایا گیا ذبح والا، تو یہاں محرم کے اندر بھی بے شک سارا عمل پایا جائے لیکن اس کو شریعت کی طرف سے اس کی اجازت ہی نہیں، جیسے کہ اس مجوسی کے لیے کے لیے اس طرح اجازت نہیں ہے بھائی اس کا ذبیحہ جیسے حلال نہیں ہے۔ «كَذَبِيحَةِ الْمَجُوسِيِّ» جیسے کہ مجوسی کا ذبیحہ ہے، «وَهَذَا» اور یہ اس وجہ سے، «لِأَنَّ الْمَشْرُوعَ هُوَ الَّذِي قَامَ مَقَامَ الْمُمَيِّزِ»، یہ المميز لفظ ہے بھائی، ایک میم یہاں کتابت کی غلطی ہے، ایک میم رہ گیا ہے۔ «وَهَذَا» اور یہ اس وجہ سے، «لِأَنَّ الْمَشْرُوعَ» أَيْ: لِأَنَّ الذَّبْحَ الْمَشْرُوعَ، مشروع سے کیا مراد ہے؟ مشروع ذبح مراد ہے اور یہ اس وجہ سے، وجہ ذکر کر رہے ہیں نا کہ یہ محرم کا، محرم کی ذبح حرام کیوں ہے؟ وجہ ذکر، کہتے ہیں: «وَهَذَا لِأَنَّ الْمَشْرُوعَ» اور یہ اس وجہ سے کہ مشروع ذبح جو ہے «هُوَ الَّذِي قَامَ مَقَامَ الْمُمَيِّزِ بَيْنَ الدَّمِ وَاللَّحْمِ» وہ والی ذبح ہے جو قائم مقام ہو جائے ممیز کے خون اور گوشت کے درمیان، «تَيْسِيرًا» آسانی کے لیے۔

بھائی یاد رکھیے، یہ ذبح کا حکم دیا شریعت نے کس وجہ سے؟ وجہ اس کی یہ کہ جانور کے سارے جسم میں خون پھیلا ہوا ہے اور یہ خون نجس ہے بھائی، یہ خون کیا ہے؟ نجس ہے، لہٰذا شریعت نے ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ خون جو ہے گوشت سے جدا ہو جائے، جب یہ خون گوشت سے جدا ہو جائے گا تو خون بہہ جائے گا اور پیچھے پاکیزہ گوشت رہ جائے گا جس کو پھر کھانے کی اجازت دی گئی بھائی، صورت سمجھ میں آ رہی؟

اب اگر دیکھا جائے کہ نجس خون ہے اس کے سارے بدن میں، جب نجس خون ہے تو اس سارے خون کو گوشت سے الگ کرنا ضروری ہے یا ضروری نہیں؟ جب تک نجاست کو پوری طرح ایک چیز سے نکالا نہیں جائے گا وہ تو صاف اور پاکیزہ نہیں ہو گی۔ تو اب پورے گوشت میں سے خون کو پوری طرح صاف کر لیا جائے یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، شریعت نے آسانی کے لیے ذبح ہی کو اس کے قائم مقام کر دیا کہ ذبح کر دو بس اور ذبح کر دیا ہے صحیح طریقے سے تو یوں سمجھیں گے کہ تم نے خون کو گوشت سے کیا کر دیا؟ الگ کر دیا، چاہے تھوڑا خون نکلے چاہے زیادہ نکلے اس کو نہیں دیکھنا پھر بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو آسانی کے لیے کیا حکم دے دیا شریعت نے؟ ذبح کر لو گے تو یہ

ذبح کرنا کس کے قائم مقام ہے؟ خون کو گوشت سے جدا کرنے کے قائم مقام ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے، اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: «وَهَذَا» اور یہ محرم کا ذبیحہ حرام اس لیے ہے «لِأَنَّ الْمَشْرُوعَ» اس لیے کیونکہ مشروع ذبح جو ہے «هُوَ الَّذِي» وہ والی ذبح ہے «الَّذِي قَامَ مَقَامَ الْمُمَيِّزِ» جو ممیز یعنی جدا کرنے والے فعل کے قائم مقام ہو، جدا کرنے والے فعل کے قائم مقام ہو، جدا کرنے والا کس چیز کے درمیان؟ «بَيْنَ الدَّمِ وَاللَّحْمِ» خون اور گوشت کے درمیان جدائی کرنے والے فعل کے قائم مقام ہو، «تَيْسِيرًا» کس لیے؟ آسانی کے لیے۔ «فَيَنْعَدِمُ بِانْعِدَامِهِ» تو حلال ہونا، «فَيَنْعَدِمُ» أَيْ: يَنْعَدِمُ الْحِلُّ، حلال ہونا معدوم ہو جائے گا «بِانْعِدَامِهِ» اس ذبح مشروع کے معدوم ہونے سے۔ «فَيَنْعَدِمُ» ضمیر کس کو لوٹائی؟ حلال ہونے کو اور «انْعِدَامِهِ» کی ہا ضمیر کس کو لوٹائی؟ ذبح مشروع کو۔ تو جب ذبح مشروع ہو گی تو کھانا حلال ہو گا اور جب ذبح مشروع معدوم ہو جائے گی تو حلال ہونا بھی کیا ہو جائے گا؟ معدوم ہو جائے گا۔ اور ذبح مشروع وہ کون سی ذبح ہے؟ جس کی شریعت کی طرف سے اجازت ہے اور جب اس کو اجازت نہیں تو ذبح مشروع نہ پائی گئی اور ذبح مشروع تو کیا تھی؟ خون اور گوشت میں ممیز تھی بھائی، خون اور گوشت میں؟ بھائی گوشت کب حلال ہو گا؟ پاکیزہ کب ہو گا؟ جب خون کو گوشت سے جدا کر دیں، کوئی ایسا ممیز فعل پایا جائے جو کیا کر دے؟ خون کو گوشت سے جدا کر دے اور یہ ذبح کرنے سے کیا سارا خون بالکل جدا ہو جاتا ہے؟ نہیں، لیکن شریعت نے اس کو اس ممیز کے قائم مقام کر دیا کہ یہ ایسا فعل ہے جو کیا کر دیتا ہے؟ خون کو گوشت سے جدا کر دیتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا، لہٰذا جانور حلال کب ہو گا؟ جب ذبح مشروع پائی جائے اور ذبح مشروع وہ کس کے قائم مقام ہے؟ اس ممیز فعل کے قائم مقام ہے جو جدائی کر دے کس کے درمیان؟ خون اور گوشت کے درمیان۔ معلوم ہوا ذبح مشروع وہ ممیز کے قائم مقام ہوتی ہے اور اس محرم کو تو ذبح کی اجازت نہیں تو یہاں ذبح مشروع نہیں پائی گئی۔ جب ذبح مشروع نہیں پائی گئی تو ممیز نہیں آیا جو کیا کرے؟ خون اور گوشت میں جدائی کر دے، جب ممیز نہیں آیا تو خون اور گوشت میں جدائی نہ آئی، جب جدائی نہ آئی تو جانور کا گوشت بھی پاکیزہ نہ ہوا بھائی، دلیل سمجھ میں آگئی۔

یہ معنی ہے «فَيَنْعَدِمُ بِانْعِدَامِهِ» تو یہ حلال ہونا معدوم ہو جائے گا مشروع ذبح کے معدوم ہونے سے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ أَكَلَ الْمُحْرِمُ الذَّابِحُ مِنْ ذَلِكَ ش...

«وَإِنْ أَكَلَ الْمُحْرِمُ الذَّابِحُ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعَلَيْهِ قِيمَةُ مَا أَكَلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: لَيْسَ عَلَيْهِ جَزَاءُ مَا أَكَلَ».

صورت یہ کہ محرم نے ایک شکار کیا اور اس کو ذبح بھی کر دیا اور اس ذبح شدہ میں سے اس نے کچھ گوشت پکا کر کھالیا۔ تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جتنا گوشت اس نے کھایا ہے اس کی بھی قیمت دینا پڑے گی۔ شکار کی قیمت الگ اور اس کھائے ہوئے گوشت کی قیمت الگ۔ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، شکار کی جزا تو اس پر آئے گی لیکن اس گوشت کی جزا الگ سے نہیں آئے گی بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

اور امام صاحب کے مذہب میں بھی تفصیل یاد رکھیے: گوشت کی قیمت علیحدہ تب آئے گی، علیحدہ تب آئے گی جب اس نے شکار کر لیا اور شکار کرنے کے بعد اس پر کیا آگئی؟ جانور کی جزا آگئی، اس نے جانور کی جزا دے دی۔ اور اس کے بعد پھر یہ دوسرا کام کیا پکا کر کھانے والا، تو لہٰذا اب گوشت کی الگ سے اس کو قیمت دینا پڑے گی، لیکن اگر شکار کرنے کے بعد ابھی اس نے جزا نہیں دی اس سے پہلے کیا کیا اس گوشت کو کچھ کھا بھی گیا، تو پھر اس صورت میں اس گوشت کی قیمت بھی اسی کل جزا کے اندر داخل ہو جائے گی اور صرف کیا آئے گی؟ اسی جانور کی جزا آجائے گی بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ أَكَلَ الْمُحْرِمُ الذَّابِحُ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا» اور اگر اس ذبح کرنے والے محرم نے اس جانور میں سے، اس شکار میں سے کچھ کھالیا، «فَعَلَيْهِ قِيمَةُ مَا أَكَلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے جس کو اس نے کھایا ہے امام صاحب کے نزدیک، «وَقَالَا: لَيْسَ عَلَيْهِ جَزَاءُ مَا أَكَلَ» صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر اس کھائے ہوئے گوشت کی جزا واجب نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

اور یہ بھی یاد رکھنا، یہ جو اس نے گوشت کھایا حرام کھایا کیونکہ یہ تو مردار تھا حلال تھا ہی نہیں، ابھی آپ نے پڑھا ہے محرم کا، شکار کو ذبح کرے تو وہ مردار ہے۔ بھائی بکری وغیرہ ذبح کر سکتا ہے آپ نے پڑھ لیا، پالتو جانوروں کی ذبح کی بات نہیں ہو رہی، وہ ذبح کر سکتا ہے وہ حلال ہو گا، ہاں شکار کو ذبح کرے گا تو وہ حرام ہو گا اس کی بات چل رہی ہے۔ تو یہ جو اس نے گوشت کھایا یہ حرام تھا مردار تھا کیونکہ اس کا تو ذبح پایا ہی نہیں گیا، لہٰذا اس پر بھی استغفار بھی کرے کہ اس نے حرام کھایا۔

■ مسئلہ: وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ مُحْرِمٌ آخَرُ فَلَا شَيْءَ ع...

«وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ مُحْرِمٌ آخَرُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا» اور اگر اس میں سے کسی دوسرے محرم نے کھالیا، کس میں سے؟ یہ شکار جس

کو ایک محرم نے ذبح کیا تھا، اس کے گوشت کو کسی دوسرے محرم نے کھالیا، «فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا» تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے ان سب، ہمارے تینوں ائمہ کے قول کے مطابق بھائی۔

«لَهُمَا» اب دلیل آگئی صاحبین کی۔ صاحبین کیا فرماتے تھے؟ چاہے یہ خود کھائے، چاہے کوئی اور اس میں سے کھالے کسی پر بھی جزا نہیں۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ کوئی اور کھائے تو جزا نہیں، یہ خود کھائے تو جزا۔ دلیل اب ذکر کر رہے ہیں۔ «لَهُمَا» صاحبین کی دلیل یہ: «أَنَّ هَذِهِ مَيْتَةٌ» کہ یہ کیا تھا؟ یہ مردار ہے، «فَلَا يَلْزَمُهُ بِأَكْلِهَا إِلَّا الِاسْتِغْفَارُ» تو اس محرم پر لازم نہیں ہے اس کے کھانے کی وجہ سے، «إِلَّا الِاسْتِغْفَارُ» سوائے استغفار کے، صرف استغفار کرے کہ حرام چیز اس نے کھالی مردار کو کھالیا، «وَصَارَ كَمَا إِذَا أَكَلَهُ مُحْرِمٌ غَيْرُهُ» اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسے اس کو کسی دوسرے محرم نے کھایا ہو اور کسی دوسرے محرم کے کھانے کی صورت میں تو بالاتفاق اس پر جزا نہیں آتی تھی، تو لہٰذا اس پر بھی جزا نہیں آئے گی۔

«وَلِأَبِي حَنِيفَةَ» امام صاحب کی دلیل آئی بھائی، امام صاحب کی باتیں بڑی گہری ہوتی ہیں بھائی۔ والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جہاں کہیں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف آتا ہے، دراصل اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ امام صاحب مسئلے کی اتنی گہرائی میں چلے جاتے ہیں کہ اس گہرائی تک پہنچنا کسی کے بس ہی میں نہیں ہوتا، تو اسی وجہ سے پھر اختلاف آتا ہے بھائی۔ «وَلِأَبِي حَنِيفَةَ» امام صاحب کی دلیل یہ ہے «أَنَّ حُرْمَتَهُ بِاعْتِبَارِ كَوْنِهِ مَيْتَةً كَمَاذَكَرْنَا» کہ اس کا حرام ہونا، یہ ذبح شدہ جانور کا حرام ہونا کس اعتبار سے؟ «بِاعْتِبَارِ كَوْنِهِ مَيْتَةً» اس کے مردار ہونے کے اعتبار سے ہے «كَمَا ذَكَرْنَا» جیسے کہ ہم نے ذکر کر دیا، «وَبِاعْتِبَارِ» اور اس اعتبار سے بھی ہے اس کا حرام ہونا «أَنَّهُ مَحْظُورُ إِحْرَامِهِ» کیونکہ یہ اس کے احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے۔ یہ کھانا، محرم کا اس شکار کو کھانا یہ بھی اس کے احرام کے اندر ممنوع تھا، اس نے ایک ممنوعہ کام کیا ہے اور ممنوعہ کام کرو گے تو کیا آئے گی؟ جزا آئے گی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

■ دلیل واستدلال: امام صاحب کی دلیل کیا؟ کہ یہ اس کا کھانا حرام

امام صاحب کی دلیل کیا؟ کہ یہ اس کا کھانا حرام ہے دو وجہ سے، ایک تو کیا؟ ایک تو یہ مردار ہے اور دوسری وجہ کیا؟ یہ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے ہے، پابندیوں میں سے ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے یہ احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے کیسے ہے؟ اب اس کا آگے جواب دیں گے۔ کہتے ہیں، وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ احرام کی ممنوعہ چیز کیوں ہے، کہتے ہیں: «لِأَنَّ إِحْرَامَهُ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الصَّيْدَ عَنِ الْمَحَلِّيَّةِ» یہ جگہ اچھی طرح سمجھ لیں بھائی۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّ إِحْرَامَهُ» اس لیے کیونکہ اس محرم کا جو احرام ہے «هُوَ الَّذِي» یہی ہے وہ چیز «أَخْرَجَ الصَّيْدَ» جس نے شکار کو نکال دیا «عَنِ الْمَحَلِّيَّةِ» محل ہونے سے، «عَنِ الْمَحَلِّيَّةِ» کس چیز سے؟ یعنی ذبح کا محل ہونے سے۔ شکار ذبح کا محل تھا یا نہیں؟ نیل گائے کوئی شکار کرتا ہے ذبح کرے گا یا نہیں کرتا؟ ذبح کرتا ہے بھائی اس کو، تو شکار بھی کیا ہے؟ ذبح کا محل، لیکن یہ شکار جس کو محرم نے شکار کیا تھا یہ کس سے نکل گیا؟ ذبح کا محل ہونے سے نکل گیا، یہ اب ذبح کا محل ہی نہ رہا، کس کے لیے؟ اس محرم کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور اسی طرح یہ شکار ذبح کا محل نہ رہا اور ذبح کرنے والا یعنی محرم میں ذبح کی اہلیت ہی نہ رہی، کس کی وجہ سے؟ احرام کی وجہ سے۔ تو یہ شکار ذبح کا محل نہ رہا کس کی وجہ سے؟ احرام اور محرم ذبح کرنے کا اہل نہ رہا کس کی وجہ سے؟ احرام کی وجہ سے۔ سمجھ میں آیا؟ تو محل جو ذبح کا نہ رہا وہ بھی احرام کی وجہ سے اور اہلیت بھی جو ذبح کی نہ رہی وہ بھی کس کی وجہ سے؟ احرام کی وجہ سے۔ لہٰذا اس حرمت کی نسبت اس احرام کی طرف کی جائے گی۔ اس کے گوشت کھانا حرام ہے، اس کی نسبت بھی کس طرف کی جائے گی؟ احرام۔

بھائی دیکھیے نا، محرم نے کیا کیا؟ ایک توجہ ہے سبق کی طرف؟ محرم نے کیا کیا؟ شکار پکڑا اور شکار کو پکڑ کر ذبح کر دیا، عام آدمی شکار کو پکڑ کر ذبح کرتا ہے وہ حلال ہوتا ہے یا نہیں؟ حلال ہوتا ہے، لیکن یہ حلال نہیں یہ مردار ہے، تو صاحبین فرماتے ہیں اس کی حرمت صرف اس لیے کیونکہ یہ مردار ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، یہ مردار بھی ہے اور نیز اس کا کھانا اب احرام کی پابندیوں میں سے ایک پابندی بن گیا، اس کو وہ کھا بھی نہیں سکتا۔ کیوں نہیں کھا سکتا؟ وہ فرماتے ہیں اس لیے، اس لیے کیونکہ یہ شکار یہ محل ذبح نہ رہا، کس وجہ سے نہیں رہا؟ احرام کی وجہ سے۔ اور یہ شخص اس میں ذبح کی اہلیت نہ رہی، کس وجہ سے نہ رہی؟ احرام کی وجہ، تو محل ہونا بھی معدوم ہوا احرام کی وجہ سے اور اہلیت بھی معدوم ہوئی کس وجہ سے؟ احرام کی وجہ سے۔ لہٰذا اس گوشت کی حرمت کی نسبت احرام کی طرف بھی کی جائے گی۔ کس کی طرف؟ احرام کی طرف بھی کی جائے گی، معلوم ہوا احرام کی وجہ سے بھی اس کا گوشت کھانا حرام ہے، دلیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ إِحْرَامَهُ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الصَّيْدَ عَنِ الْمَحَلِّيَّةِ» محل ہونے سے، محلیت، یہ یائے مشدد اور تا ملا کر ساتھ یہ کیا کر لیا جاتا ہے؟ مصدر بنا لیا جاتا ہے۔ تو محل، محل کا معنی تو جگہ، محلیت، محل ہونا، کیا ترجمہ کریں گے؟ محل ہونا۔ «لِأَنَّ إِحْرَامَهُ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الصَّيْدَ عَنِ الْمَحَلِّيَّةِ» اس لیے کیونکہ اس کا جو احرام ہے جس نے نکال دیا شکار کو محلیت سے، کس چیز سے؟ محل ہونے سے، «وَالذَّابِحَ عَنِ الْأَهْلِيَّةِ» اور ذبح کرنے والے کو نکال دیا اہلیت سے، کس سے؟ اہل ہونے سے۔ کس چیز میں؟ شکار کو محل ہونے سے نکال دیا اور ذبح کرنے والے کو اہلیت سے نکال دیا کس چیز میں؟ «فِي حَقِّ الذَّكَاةِ» ذبح کے حق میں، ذبح کے اعتبار سے اب وہ شکار محل ذبح نہیں اور ذبح کے اعتبار سے وہ محرم اب اس میں ذبح کی اہلیت نہیں۔ «فَصَارَتْ حُرْمَةُ التَّنَاوُلِ بِهَذِهِ الْوَسَائِطِ مُضَافَةً

إِلَى إِحْرَامِهِ » پس کھانے کی حرمت وہ ان واسطوں کے ذریعے وہ منسوب ہو گئی « **إِلَى إِحْرَامِهِ** » کس کی طرف؟ اس کے احرام کی طرف اس کی نسبت ہو گئی، تو معلوم ہوا اس کا کھانا کس وجہ سے حرام ہے؟ اس کے احرام کی وجہ سے بھی اس کا کھانا حرام ہے۔ دلیل اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بھائی؟

■ مسئلہ: بِخِلَافِ مُحْرِمٍ آخَرَ

« **بِخِلَافِ مُحْرِمٍ آخَرَ** » بخلاف کسی دوسرے محرم کے۔ اس میں امام صاحب بھی فرماتے تھے اس پر جزا نہیں۔ کہتے ہیں: « **لِأَنَّ تَنَاوُلَهُ لَيْسَ مِنْ مَحْظُورَاتِ إِحْرَامِهِ** » اس لیے کیونکہ اس کا کھانا وہ اس کے احرام کی پابندیوں میں سے نہیں ہے۔ اس محرم کے لیے پر پابندی تھی کیونکہ اس نے اس کو ذبح کیا تھا، حالانکہ اس نہ تو اس میں اہلیت تھی اور نہ شکار میں شکار ذبح کا محل تھا، تو اس کے حق میں پابندی تھی، لہٰذا اس کے لیے یہ گوشت کھانا ممنوع ہے۔ دوسرے محرم کے لیے اس کے احرام کی یہ پابندی نہیں۔ ہاں یہ معنی نہیں کہ دوسرے محرم کے لیے یہ گوشت حلال ہو گیا، ہے تو یہ حرام ہی لیکن یہ ہے اس پر جزا نہیں آئے گی، یعنی اس کے احرام کی پابندی نہیں ہے یہ۔ یہ پابندی صرف کس کے حق میں تھی؟ ذبح کرنے والے محرم کے حق میں تھی، غیر ذابح محرم کے حق میں نہیں۔ وہ کھائے گا تو اس نے صرف مردار کھایا اور استغفار کرے اور اس نے کھایا تو اس نے مردار بھی کھایا اور احرام کی پابندی بھی توڑی، لہٰذا جزا بھی واجب ہو گی۔

یہ معنی ہے « **بِخِلَافِ مُحْرِمٍ آخَرَ لِأَنَّ تَنَاوُلَهُ لَيْسَ مِنْ مَحْظُورَاتِ إِحْرَامِهِ** » بخلاف دوسرے محرم کے اس لیے کیونکہ اس کا کھانا جو ہے وہ اس کے احرام کی ممنوعہ چیزوں میں سے نہیں ہے۔

چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۵۹: مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْكُلَ الْمُحْرِمُ لَحْمَ...

ہدایہ صفحہ: ۳۰۵ــــ بتاریخ: ۲۰ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْكُلَ الْمُحْرِمُ لَحْمَ صَيْدٍ اصْطَادَهُ حَلَالٌ وَذَبَحَهُ إِذَا لَمْ يَدُلَّ الْمُحْرِمُ عَلَيْهِ وَلَا أَمَرَهُ بِصَيْدِهِ خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِيمَا إِذَا اصْطَادَهُ لِأَجْلِ الْمُحْرِمِ، لَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْمُحْرِمِ لَحْمَ صَيْدٍ مَا لَمْ يَصِدْهُ أَوْ يُصَادُ لَهُ». [1]

گزشتہ سبق کے آخر میں یہ مسئلہ آیا تھا کہ محرم اگر شکار کو ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ مردار ہے، اس کا کھانا جائز نہیں۔

اب صورت یہ کہ شکار کسی حلال نے یعنی غیر محرم نے کیا اور اسی نے اس شکار کو ذبح کیا ہے، تو کیا اس کا ذبیحہ، اس حلال کا یعنی غیر محرم کا ذبیحہ شکار، کیا یہ محرم کھا سکتا ہے یا نہیں؟ تو یاد رکھیے اس صورت میں محرم کے لیے یہ کھانا جائز ہے۔ جب یہ شکار کس نے کیا ہو؟ غیر محرم نے اور اسی نے ذبح کیا ہے، تو محرم کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز ہے، جبکہ اس نے دلالت نہ کی ہو۔ اس شکار پر اس نے، محرم نے رہنمائی نہ کی ہو، اس نے حلال کو نہ بتایا ہو کہ یہاں شکار ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں «**وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْكُلَ الْمُحْرِمُ لَحْمَ صَيْدٍ**» اور کوئی حرج نہیں ہے کہ محرم کھائے شکار کے گوشت کو، ایسا شکار «**اصْطَادَهُ حَلَالٌ**» کہ جس کو کسی غیر محرم نے شکار کیا ہو «**وَذَبَحَهُ**» اور ذبح کیا ہو «**إِذَا لَمْ يَدُلَّ الْمُحْرِمُ عَلَيْهِ**» جبکہ محرم نے اس پر رہنمائی نہ کی ہو «**وَلَا أَمَرَهُ بِصَيْدِهِ**» اور نہ اس کو اس کے شکار کا حکم دیا ہو «**خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ**» بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے «**فِيمَا إِذَا اصْطَادَهُ لِأَجْلِ الْمُحْرِمِ**» اس صورت میں جبکہ اس غیر محرم نے وہ شکار کیا ہو «**لِأَجْلِ الْمُحْرِمِ**» محرم کے لیے۔

■ اختلافِ ائمہ: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس غیر

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس غیر محرم نے یہ شکار اس محرم کے لیے کیا تھا تو پھر اس محرم کے لیے کھانا جائز نہیں، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

«**لَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» ان کی دلیل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا «**لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْمُحْرِمِ لَحْمَ صَيْدٍ مَا لَمْ يَصِدْهُ أَوْ يُصَادُ لَهُ**» کوئی حرج نہیں ہے محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے میں جب تک کہ اس نے اس کو شکار نہ کیا ہو، جب اس نے شکار نہیں کیا تب بھی کوئی حرج نہیں کھانے میں، «**أَوْ يُصَادُ لَهُ**» یا اس کے لیے شکار، جب تک شکار نہ کیا گیا ہو۔ معلوم ہوا محرم شکار کرے تب بھی اس کے لیے کھانا جائز نہیں، یا اس کے لیے کیا کیا جائے؟ شکار کیا جائے تو بھی محرم کے لیے کھانا جائز نہیں۔

«**وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّ الصَّحَابَةَ تَذَاكَرُوا لَحْمَ الصَّيْدِ فِي حَقِّ الْمُحْرِمِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا بَأْسَ بِهِ**» اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ نے باہم تذکرہ کیا شکار کے گوشت کے بارے میں «**فِي حَقِّ الْمُحْرِمِ**» محرم کے حق میں۔ صحابہ میں آپس میں بات چیت ہوئی، بحث ہوئی کہ محرم جو ہے وہ شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں کھا سکتا، تو حضور علیہ السلام نے اس موقع پر فرمایا کہ «**لَا بَأْسَ بِهِ**» اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی محرم کھا سکتا ہے۔

[1] شاملہ (ص ۲۲۲) میں «**مَا لَمْ**» کے بجائے «**مالم**» درج ہے۔

■ مسئلہ: وَاللَّامُ فِيمَا رَوَى لَامُ تَمْلِيكٍ

«وَاللَّامُ فِيمَا رَوَى لَامُ تَمْلِيكٍ» اور امام مالک رحمہ اللہ کی جو روایت تھی اس کا جواب دے رہے ہیں کہ «أَوْ يُصَادُلَهُ» یا اس محرم کے لیے کیا کیا گیا ہو؟ شکار کیا گیا ہو۔ تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں معلوم ہوا محرم کے لیے شکار کیا جائے گا تو وہ اس کے لیے کھانا جائز نہیں۔ ہم کہتے ہیں اس میں جو لام آیا یہ لام تملیک ہے۔ «أَوْ يُصَادُلَهُ» یا شکار کیا جائے محرم کو مالک بنانے کے لیے۔ کس لیے؟ مالک بنانے کے لیے۔ تو اس صورت میں پھر محرم کے لیے کھانا جائز نہیں۔ اور شکار کیا جائے محرم کو مالک بنانے کے لیے، کیا معنی؟ یعنی شکار کرے اور شکار کو زندہ ہی محرم کے حوالے کر دے، تو یہ شکار کس لیے ہوا؟ محرم کو مالک بنانے کے لیے۔ تو اس صورت میں محرم کے لیے کھانا جائز نہیں ہو گا، اور یہاں پر تو وہ محرم کو شکار کا مالک نہیں بنا رہا بلکہ اس کو کیا دے رہا ہے؟ گوشت دے رہا ہے بھئی۔ تو شکار کا مالک بنائے گا تب اس کے لیے کھانا جائز نہیں اور گوشت دے رہا ہے تو وہ اس کے بارے میں تو حدیث خاموش ہے، اس کے بارے میں تو حدیث میں ذکر نہیں۔ جواب سمجھ میں آیا؟

«وَاللَّامُ فِيمَا رَوَى لَامُ تَمْلِيكٍ فَيُحْمَلُ عَلَى أَنْ يُهْدِيَ إِلَيْهِ الصَّيْدَ دُونَ اللَّحْمِ» اور لام اس روایت میں جس کو امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا وہ لام تملیک ہے، تو اس کو محمول کیا جائے گا اس صورت پر کہ محرم کو ہدیہ کیا جائے وہ شکار ہی «دُونَ اللَّحْمِ» نہ کہ گوشت، اور یہاں تو گوشت ہدیہ کیا جا رہا ہے۔ «أَوْ مَعْنَاهُ» یا اس حدیث کا معنی یہ ہے، «أَوْ يُصَادُلَهُ» کا معنی یہ ہے «أَنْ يُصَادَبِأَمْرِهِ» کہ شکار کیا جائے اس محرم کے حکم پر، اس کے کہنے پر، تو پھر اس صورت میں اس کے لیے کھانا جائز نہیں۔

«ثُمَّ شَرَطَ عَدَمَ الدَّلَالَةِ وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى أَنَّ الدَّلَالَةَ مُحَرِّمَةٌ» بھئی متن میں آیا تھا «إِذَا لَمْ يَدُلَّ الْمُحْرِمُ عَلَيْهِ» جبکہ محرم نے اس پر دلالت نہ کی ہو۔ متن میں صاحب قدوری نے ذکر کیا۔ اس سے کیا معلوم ہو گیا؟ کہ اگر محرم دلالت کرے گا، رہنمائی کرے گا تو اس دلالت کی وجہ سے وہ شکار اس پر کیا ہو جائے گا؟ حرام ہو جائے گا۔ کہتے ہیں «ثُمَّ شَرَطَ عَدَمَ الدَّلَالَةِ» پھر صاحب قدوری نے دلالت نہ ہونے کی شرط لگائی ہے متن میں «وَهَذَا تَنْصِيصٌ» اور یہ تصریح ہے «عَلَى أَنَّ الدَّلَالَةَ مُحَرِّمَةٌ» کہ رہنمائی کرنا بھی حرام کرنے والی ہے، اس کی وجہ سے بھی وہ حرام ہو جائے گا شکار اس پر۔

■ مسئلہ: قَالُوا فِيهِ رِوَايَتَانِ

«قَالُوا فِيهِ رِوَايَتَانِ» فقہاء فرماتے ہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں کہ دلالت کرنے کی وجہ سے حرام ہو گا یا نہیں شکار بھئی۔ شکار کیا تو کس نے ہے؟ غیر محرم نے، لیکن رہنمائی کس نے کی تھی؟ محرم نے اس کو بتایا تھا فلاں جگہ شکار ہے۔ تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ دو روایتیں ہیں۔ کیا روایتیں ہیں؟ معلوم ہوا خود ہی پتہ چل گیا، ایک روایت میں کیا آیا ہے؟ کہ دلالت کے باوجود اس کے لیے کھانا حلال، اور دوسری روایت جو متن میں آئی اس سے معلوم ہوا کہ دلالت سے حرام ہو جائے گا۔

تو کہتے ہیں «وَوَجْهُ الْحُرْمَةِ حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ» اور حرام ہونے کی وجہ جو ہے وہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے اور تحقیق ہم نے اس کو ذکر کر دیا۔ وہ احرام کے شروع میں آیا تھا کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ غیر محرم تھے اور ان کے ساتھی محرم تھے اور انہوں نے شکار کیا، تو حضور علیہ السلام نے ان کے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم نے اشارہ کیا تھا؟ کیا تم نے رہنمائی کی تھی؟ کیا تم نے مدد کی تھی؟ انہوں نے کہا نہیں، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا پھر تم اس میں سے کھاؤ۔ معلوم ہوا رہنمائی وغیرہ کی صورت میں بھی نہیں کھا سکتا بھئی۔

«وَفِي صَيْدِ الْحَرَمِ إِذَا ذَبَحَهُ الْحَلَالُ تَجِبُ قِيمَتُهُ يَتَصَدَّقُ بِهَا عَلَى الْفُقَرَاءِ» اور حرم کے شکار میں «إِذَا ذَبَحَهُ الْحَلَالُ» جب اس کو حلال ذبح کر دے «تَجِبُ قِيمَتُهُ» تو اس کی قیمت واجب ہو گی «يَتَصَدَّقُ بِهَا عَلَى الْفُقَرَاءِ» جس کو وہ صدقہ کرے فقراء پر۔

بھئی محرم کی بات نہیں چل رہی اب۔ محرم کے لیے تو شکار مطلقاً ممنوع ہے چاہے حرم میں ہو چاہے حرم سے باہر ہو۔ البتہ حرم کے اندر ہر ایک کے لیے شکار ممنوع ہے چاہے وہ محرم ہو چاہے غیر محرم۔ اب ایک غیر محرم نے کیا کیا؟ حرم کے شکار کو ذبح کر دیا، تو اس پر اس کی جزا واجب ہو گی، قیمت واجب ہو گی اور اس قیمت کو وہ کیا کرے؟ فقراء پر صدقہ کرے۔

تو کہتے ہیں «وَفِي صَيْدِ الْحَرَمِ» اور حرم کے شکار میں «إِذَا ذَبَحَهُ الْحَلَالُ» جب اس کو کوئی غیر محرم ذبح کرے «تَجِبُ قِيمَتُهُ» اس کی قیمت واجب ہوتی ہے «يَتَصَدَّقُ بِهَا عَلَى الْفُقَرَاءِ» اس کو صدقہ کرے وہ فقراء پر «لِأَنَّ الصَّيْدَ اسْتَحَقَّ الْأَمْنَ بِسَبَبِ الْحَرَمِ» اس لیے کیونکہ شکار جو ہے وہ امن کا مستحق ہو گیا حرم کی وجہ سے۔ حرم کا ہے، جب حرم میں ہے تو حرم کی وجہ سے وہ امن کا مستحق ہو گیا۔

■ مسئلہ: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثٍ فِيهِ طُولٌ

«قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثٍ فِيهِ طُولٌ» فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے «فِي حَدِيثٍ» حدیث نکرہ آیا، «فِيهِ طُولٌ» یہ فیہ خبر مقدم ہے، طول مبتدا مؤخر ہے، جملہ اسمیہ آ گیا، اور نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آئے تو جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو نکرہ کے بعد نکرہ آیا تو یہ موصوف صفت بنیں گے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا «فِي حَدِيثٍ فِيهِ طُولٌ» ایسی حدیث میں جس میں طول ہے، جس میں لمبائی ہے، یعنی لمبی حدیث ہے، اس کے اندر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا» اور بدکایا نہ جائے یعنی بھگایا نہ جائے «صَيْدُهَا» اس کے حرم کے شکار کو، یعنی مکہ کے شکار کو بھگایا نہ جائے یعنی حرم کے شکار کو بھگایا نہ جائے۔ تو جب شکار کو بھگانے سے بھی منع کیا گیا، تو معلوم ہوا اس کو ذبح کرنے سے بطریق اولیٰ منع کیا گیا ہے۔

«وَلَا يُجْزِيهِ الصَّوْمُ» اور اس کے لیے روزہ کافی نہیں ہے۔ بھئی آپ پڑھ چکے کہ اگر محرم کیا کرتا ہے؟ شکار، تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ وہ ہدی بھی جانور، قربانی کا جانور بھی ذبح کروا سکتا ہے اگر اس کی قیمت ہدی کو پہنچتی ہے، اور چاہے تو اس کی قیمت کے برابر غلہ خرید کر ہر مسکین کو کیا کرے؟ نصف صاع گندم دے دے، اور چاہے تو کیا کر لے؟ ہر نصف صاع گندم کے بدلے روزہ رکھ لے۔ یہاں آپ کو بتلا رہے ہیں، یہ جو حلال شخص نے حرم کا شکار کیا، اس کی قیمت تو وہ صدقہ کر سکتا ہے لیکن یہاں وہ روزے نہیں رکھ سکتا۔ روزے نہیں رکھ سکتا۔

یہ معنی ہے «وَلَا يُجْزِيهِ الصَّوْمُ» اور اس کے لیے روزے کافی نہیں ہیں، اس کے لیے روزے کافی نہیں ہیں «لِأَنَّهَا غَرَامَةٌ» اس لیے کیونکہ یہ تاوان ہے، یہ ضمان ہے «وَلَيْسَتْ بِكَفَّارَةٍ» یہ کفارہ نہیں ہے۔ وہ روزے جو آتے تھے وہ تو کس وجہ سے آتے تھے؟ وہ کفارہ ہوتا تھا، لیکن یہ کفارہ نہیں ہے بلکہ ضمان ہے۔ «فَأَشْبَهَ ضَمَانَ الْأَمْوَالِ» تو یہ مالوں کے ضمان کے مشابہ ہو گیا۔ جیسے کوئی شخص کسی کی دوسرے کی کوئی چیز ضائع کر دے، ہلاک کر دے، تو اس پر اس چیز کی قیمت آتی ہے۔ تو یہاں پر بھی اس حلال شخص نے حرم کے شکار کو ذبح کیا ہے تو اس پر اس کی قیمت آئے گی۔ روزے نہیں آئیں گے۔ بھئی کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز ضائع کر دے، تو کوئی کبھی کسی نے اس کو کہا کہ یوں کرو پانچ یا دس روزے رکھ لو بھئی؟ سمجھ میں آیا؟ کسی دوسرے کی چیز جب تلف کی جائے گی تو اس میں روزے وغیرہ نہیں آتے بلکہ کیا آتا ہے؟ ضمان آتا ہے، قیمت دینا پڑتی ہے۔ تو یہاں بھی یہ اسی طرح ہے۔ یہ معنی ہے «فَأَشْبَهَ ضَمَانَ الْأَمْوَالِ» تو یہ اموال کے ضمان کے مشابہ ہو گیا۔

■ مسئلہ: وَهَذَا

«وَهَذَا» اور یہ اس وجہ سے، بھئی یہ ضمان کیوں ہے؟ یہ کفارہ کیوں نہیں ہے؟ کہتے ہیں «وَهَذَا لِأَنَّهُ يَجِبُ بِتَفْوِيتِ وَصْفٍ فِي الْمَحَلِّ» یہ جگہ اچھی طرح سمجھ لینا بھئی، ذرا مشکل جگہ ہے۔ «وَهَذَا» یہ اس وجہ سے «لِأَنَّهُ يَجِبُ» اس لیے کیونکہ یہ جو ضمان واجب ہوا ہے، یہ کیوں واجب ہوا؟ «بِتَفْوِيتِ وَصْفٍ» یہ وصف کو فوت کر دینے کی وجہ سے «فِي الْمَحَلِّ» کس میں؟ محل میں۔ محل میں سے اس نے وصف کو فوت کر دیا، اس لیے یہ جزا واجب ہوئی۔ یاد رکھیے محل سے مراد ہے شکار۔ محل سے کیا مراد ہے؟ شکار۔ اور وصف سے مراد ہے امن۔ جب حرم کا شکار ہے تو اس کا وصف کیا ہے؟ یہ مستحق امن ہے، اس کو شکار نہ کیا جائے۔ تو اس شخص پر جو ضمان آیا وہ اس وجہ سے کہ اس نے محل یعنی شکار میں سے اس وصف امن کو کیا کر دیا؟ فوت کر دیا۔ «لِأَنَّهُ يَجِبُ بِتَفْوِيتِ وَصْفٍ فِي الْمَحَلِّ وَهُوَ الْأَمْنُ» اس لیے کیونکہ یہ ضمان واجب ہوتا ہے محل میں سے وصف کو فوت کر دینے کی وجہ سے اور وہ کیا ہے وصف؟ «وَهُوَ الْأَمْنُ» وہ امن ہے۔

«وَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِطَرِيقِ الْكَفَّارَةِ جَزَاءٌ عَلَى فِعْلِهِ» اور وہ جو محرم پر واجب ہوتا ہے وہ «بِطَرِيقِ الْكَفَّارَةِ» وہ کفارے کے طریقے پر واجب ہوتا ہے «جَزَاءٌ عَلَى فِعْلِهِ» وہ اس کے فعل کی جزا ہے۔ «وَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِطَرِيقِ الْكَفَّارَةِ جَزَاءٌ عَلَى فِعْلِهِ» اور وہ جو محرم پر واجب ہوتا ہے کفارے کے طریقے سے وہ جزا ہے اس کے فعل کی «لِأَنَّ الْحُرْمَةَ بِاعْتِبَارِ مَعْنًى فِيهِ» اس لیے کیونکہ اس کی جو حرمت ہے باعتبار معنی، معنی یہاں سبب کے معنی میں ہے، باعتبار معنی فیہ یعنی باعتبار سبب فیہ، اس لیے کیونکہ اس کی جو حرمت ہے وہ ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے فیہ جو کس کے اندر ہے؟ اسی محرم میں ہے۔ اسی محرم میں ہے، «وَهُوَ إِحْرَامُهُ» اور وہ اس کا احرام ہے۔

بھئی یہ مشکل مقام ہے، توجہ سے سمجھ لیں۔ یہ جو حلال نے کیا کیا تھا؟ حرم کا شکار کیا تھا، اس پر جو ضمان آیا یہ محل کا ضمان ہے۔ کس کا؟ محل کا۔ اور محل سے کیا مراد ہے؟ شکار۔ تو یہ محل کا ضمان ہے، یہ کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اس محل سے وصف امن کو فوت کر دیا، وہ تو مامون تھا، مستحق امن تھا حرم کی وجہ سے، لیکن اس نے کیا کیا؟ اس کے امن کو فوت کر دیا۔ تو یہ جزا ہے کس چیز کی؟ یہ ضمان ہے کس چیز کا؟ محل کا ضمان ہے۔ جبکہ محرم جب شکار کرتا ہے تو یہ اس کے فعل کی جزا ہوتی ہے۔ اس نے ایک ممنوعہ کام کا ارتکاب کیا۔ اس کے لیے تو شکار کھیلنا ممنوع تھا، اس نے اس ممنوع کام کا ارتکاب کیا۔ اور یہ کام اس کے لیے ممنوع کیوں تھا؟ ایک ایسی چیز کی وجہ سے، ایک ایسے سبب کی وجہ سے جو اس محرم کی ذات میں تھا اور وہ سبب کیا تھا؟ احرام، یہ کس حالت میں تھا؟ حالت احرام میں۔ اور حالت احرام میں جہاں اور پابندیاں لگتی ہیں وہاں ایک پابندی کیا آتی ہے؟ شکار نہیں کر سکتا۔ تو لہٰذا اس محرم پر جو شکار کی حرمت تھی وہ اس کے احرام کی وجہ سے تھی۔ تو لہٰذا اس پر جو ضمان آیا وہ اس کے فعل کی جزا ہے کہ اس نے ایک ممنوعہ کام کیا ہے۔ جبکہ حلال نے جو شکار کیا اس پر جو جزا آتی ہے وہ اس کے وہ اس پر شکار کوئی ممنوع نہیں تھا، لیکن اس پر جو جزا آئی وہ کس وجہ سے آئی؟ اس محل کی جزا ہے۔ تو محرم پر جو جزا آئی وہ اس کے فعل کی جزا ہے، اور وہ حلال پر جو حرم کا شکار جس نے کیا ہے اس پر جو جزا آئی وہ محل کی جزا ہے۔ اور روزہ روزہ فعل کی جزا تو بن سکتا ہے، محل کی جزا نہیں بن سکتا۔

جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی: کوئی شخص کسی دوسرے کی گاڑی تباہ کر دے، کوئی اس کو کہے گا یوں کرو بھئی دو مہینے کے روزے رکھ لو؟ جی، کوئی بھی اس کو تسلیم

نہیں کرے گا۔ مالک کہے گا بھئی دو مہینے کے روزے تو میں نہیں جانتا، مجھے میری گاڑی کی قیمت چاہیے بھئی۔ سمجھ میں آئی بات؟ کیوں؟ کیونکہ وہ محل کا ضمان ہے، وہ محل کا ضمان ہے۔ وہ اس شخص کی ملکیت تھی اور اس کی حرمت تھی اور اس نے کیا کیا؟ اس کو تباہ کر دیا تو اس کو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔ تو لہٰذا حرم میں جو شکار کیا گیا حلال شخص نے، اس پر جو ضمان آیا وہ کس چیز کا ضمان ہے؟ اس محل کا ضمان ہے۔ جبکہ محرم نے جو شکار کیا وہ اس کے فعل کی جزا ہے اور روزہ فعل کی جزا بن سکتا ہے۔ جیسے کوئی شخص روزہ رکھتا ہے رمضان میں اور وہ روزے کو توڑ دیتا ہے جان بوجھ کر، تو کیا آئے گا؟ ساٹھ روزے رکھنا پڑیں گے یا نہیں؟ تو یہ ساٹھ روزے جزا ہیں کس چیز کی؟ اس نے جو فعل کیا، ممنوعہ فعل کیا، روزہ توڑ دیا جان بوجھ کر، صورت سمجھ میں آگئی؟ یا اسی طرح قسم کے اندر کیا آجاتے ہیں؟ روزے آجاتے ہیں۔ کیوں آتے ہیں؟ کیونکہ اس نے قسم توڑ دی ہے۔ تو دیکھو، روزہ معلوم ہوا فعل کی جزا بن سکتا ہے لیکن محل کی جزا نہیں بن سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو اب دوبارہ ترجمہ دیکھیے: «**وَهَذَا**» اور یہ جو ہے یہ ضمان اس لیے ہے «**لِأَنَّهُ يَجِبُ بِتَفْوِيتِ وَصْفٍ فِي الْمَحَلِّ**» اس لیے کیونکہ یہ واجب ہوا ہے محل یعنی شکار میں سے وصف یعنی امن کو فوت کر دینے کی وجہ سے «**وَهُوَ الْأَمْنُ**» اور وہ وصف امن ہے، «**وَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِطَرِيقِ الْكَفَّارَةِ جَزَاءٌ عَلَى فِعْلِهِ**» اور وہ جو محرم پر واجب ہوا ہے کفارے کے طریقے پر وہ اس کے فعل کی جزا ہے «**لِأَنَّ الْحُرْمَةَ بِاعْتِبَارِ مَعْنًى فِيهِ**» اس لیے کیونکہ اس کی حرمت جو ہے وہ ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے جو محرم کے اندر پایا جا رہا ہے «**وَهُوَ إِحْرَامُهُ**» اور وہ اس کا احرام ہے «**وَالصَّوْمُ يَصْلُحُ جَزَاءَ الْأَفْعَالِ لَا ضَمَانَ الْمَحَالِّ**» اور روزہ جو ہے وہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ افعال کی جزا بنے نہ کہ محل کے نہ کہ محل کا ضمان۔

■ مسئلہ: وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُجْزِيهِ الصَّوْمُ

«**وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُجْزِيهِ الصَّوْمُ**» اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں «**يُجْزِيهِ الصَّوْمُ**» اس کے لیے روزہ بھی کافی ہے، یہ حلال جس نے حرم کا شکار ذبح کیا اس کے لیے روزہ بھی کافی ہے «**اعْتِبَارًا بِمَا وَجَبَ عَلَى الْمُحْرِمِ**» قیاس کرتے ہوئے وہ جو محرم پر واجب ہوا، محرم کے لیے جیسے قیمت واجب ہوئی تھی لیکن وہ کیا کر سکتا تھا؟ روزے رکھ سکتا تھا، تو وہ فرماتے ہیں یہ حلال بھی روزے رکھ سکتا ہے۔ «**وَالْفَرْقُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ**» اور فرق ہم نے تحقیق ذکر کر دیا کہ دونوں میں فرق ہے، تو یہ محرم کے لیے تو روزے کافی ہو جائیں گے لیکن اس حلال کے لیے روزے کافی نہیں۔

«**وَهَلْ يُجْزِيهِ الْهَدْيُ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ**» اور کیا اس کے لیے ہدی کافی ہو جائے گی؟ تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ کہ ہدی کافی ہو گی اور ایک روایت یہ کہ ہدی کافی نہیں ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ محرم کے لیے تو تین چیزیں تھیں نا: یا کیا کرے؟ یا ہدی کرے، قربانی کروا دے حرم میں، یا قیمت صدقہ کرے، یا روزے رکھے۔ تو قیمت تو صدقہ کر سکتا، قیمت تو صدقہ کرے گا وہ حلال، البتہ روزے نہیں رکھ سکتا، اور ہدی کر سکتا ہے یا نہیں، قربانی کر سکتا ہے یا نہیں تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں بھئی۔

«**وَمَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ بِصَيْدٍ فَعَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ فِيهِ إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ**» اب صورت یہ کہ ایک حلال شخص جو ہے وہ شکار اس نے پکڑا ہوا ہے، اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کو لے کر وہ حرم میں داخل ہوا۔ حرم میں داخل ہوا، تو یاد رکھیے اس شخص پر واجب ہے کہ اس شکار کو وہ چھوڑ دے، آزاد کر دے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «**وَمَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ بِصَيْدٍ**» اور جو داخل ہوا حرم میں، مراد اس سے حلال ہے بھئی، حلال شخص۔ کوئی غیر محرم جب وہ حرم میں داخل ہوا «**بِصَيْدٍ**» شکار کے ساتھ «**فَعَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ**» تو اس پر واجب ہے کہ اس کو آزاد کر دے، اس کو چھوڑ دے «**فِيهِ**» اس حرم میں «**إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ**» جبکہ وہ شکار اس کے ہاتھ میں ہو «**خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ**» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے «**فَإِنَّهُ يَقُولُ: حَقُّ الشَّرْعِ لَا يَظْهَرُ فِي مَمْلُوكِ الْعَبْدِ لِحَاجَةِ الْعَبْدِ**» وہ فرماتے ہیں کہ یہ آزاد کرنا حق شرع ہے اور یہ شکار جس کو حلال کے جو حلال کے ہاتھ میں ہے یعنی غیر محرم کے ہاتھ میں ہے، یہ شکار اس نے حرم سے باہر پکڑا ہے اور جب حرم سے باہر پکڑا ہے تو باہر حرم سے باہر تو شکار اس کے لیے جائز تھا تو یہ اس کا مالک بن گیا، کیا بن گیا؟ مالک۔ تو یہ جو شکار ہے یہ اس غیر محرم کا مملوک ہے اور بندے کی مملوکہ چیزوں کے اندر حق شرع ظاہر نہیں ہوتا اس لیے کیونکہ بندہ محتاج ہے بھئی، بندہ کیا ہے؟ محتاج ہے، لہٰذا یہاں حق شرع ظاہر نہیں ہو گا، لہٰذا اس پر اس شکار کو آزاد کرنا اور چھوڑنا چھوڑنا واجب نہیں ہے۔ «**فَإِنَّهُ يَقُولُ**» کیونکہ وہ فرماتے ہیں «**حَقُّ الشَّرْعِ لَا يَظْهَرُ فِي مَمْلُوكِ الْعَبْدِ**» کہ شریعت کا جو حق ہے وہ بندے کی مملوکہ چیز میں ظاہر نہیں ہوتا «**لِحَاجَةِ الْعَبْدِ**» بندے کے محتاج ہونے کی وجہ سے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّهُ لَمَّا حَصَلَ فِي الْحَرَمِ وَجَبَ...

«**وَلَنَا أَنَّهُ لَمَّا حَصَلَ فِي الْحَرَمِ وَجَبَ تَرْكُ التَّعَرُّضِ**» اور ہماری دلیل یہ ہے، ہم نے کیا کہا تھا؟ کہ اس پر شکار کو آزاد کرنا اور چھوڑنا واجب ہے۔ «**وَلَنَا**» ہماری دلیل یہ ہے «**أَنَّهُ لَمَّا حَصَلَ فِي الْحَرَمِ**» کہ جب شکار حرم میں حاصل ہو گیا یعنی جب حرم میں آگیا «**وَجَبَ تَرْكُ التَّعَرُّضِ**» تو اس کے سے

تعرض کو چھوڑنا واجب ہو گیا۔ اس شکار کے پیچھے پڑنے کو چھوڑ دینا، ترک کرنا اس شخص پر کیا ہو گیا؟ واجب ہو گیا «لِحُرْمَةِ الْحَرَمِ» حرم کے احترام کی وجہ سے، حرم کے احترام کی وجہ سے «أَوْ صَارَ هُوَ مِنْ صَيْدِالْحَرَمِ» یا یوں کہیں کہ وہ شکار جو ہے وہ حرم کے شکار میں سے ہو گیا «فَاسْتَحَقَّ الْأَمْنَ» تو وہ امن کا مستحق ہو گیا «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حرم کے شکار کو نہ بھگایا جائے۔ جب بھگانا منع ہے تو پکڑنا بطریق اولیٰ منع ہے۔

«فَإِنْ بَاعَهُ رَدَّ الْبَيْعَ فِيهِ إِنْ كَانَ قَائِمًا» اگر اس حلال شخص نے کیا کیا پھر؟ اس کو بیچ دیا، حرم میں داخل ہو گیا، اس پر تو واجب تھا اس کو آزاد کرنا لیکن اس نے اس کو بیچ دیا، تو کہتے ہیں اس پر اس بیع کو رد کرنا واجب ہے کہ اس بیع کو کیا کرے؟ ختم کرے۔ «فَإِنْ بَاعَهُ» اگر اس نے اس شکار کو بیچ دیا «رَدَّ الْبَيْعَ فِيهِ» تو وہ بیع کو لوٹا لے، فیہ اس میں «إِنْ كَانَ قَائِمًا» تو وہ بیع کو لوٹا لے اس شکار میں «إِنْ كَانَ قَائِمًا» اگر وہ شکار قائم ہو یعنی موجود ہو، ابھی ہلاک نہیں ہوا، تو اس وقت تک کیا کرلے؟ اس پر کیا واجب ہے؟ بیع کو لوٹا لے، بیع کو ختم کرے۔ «لِأَنَّ الْبَيْعَ لَمْ يَجُزْ» اس لیے کیونکہ بیع جائز نہیں ہے «لِمَا فِيهِ مِنَ التَّعَرُّضِ لِلصَّيْدِ وَذَلِكَ حَرَامٌ» اور اس اس لیے کیونکہ اس میں شکار کے پیچھے پڑنا ہے اور وہ تو حرام ہے، شکار کے پیچھے پڑنا تو حرام ہے۔ «وَإِنْ كَانَ فَائِتًا» اور اگر وہ شکار فوت ہو چکا ہے یعنی ہلاک ہو چکا ہے، یعنی بیع تو اب تو رد نہیں ہو سکتی «فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ» تو اس پر جزا واجب ہے «لِأَنَّهُ تَعَرَّضَ لِلصَّيْدِ بِتَفْوِيتِ الْأَمْنِ الَّذِي اسْتَحَقَّهُ» اس لیے کیونکہ یہ شکار کے پیچھے پڑ گیا بوجہ اس امن اس امن کو فوت کر دینے کی وجہ سے جس کا وہ شکار مستحق تھا۔ جس کا وہ شکار مستحق تھا اس کو اس نے فوت کر دیا، تو اس وجہ سے یوں کہا جائے گا کہ یہ شکار کے پیچھے پڑ گیا۔

«وَكَذَلِكَ بَيْعُ الْمُحْرِمِ الصَّيْدَ مِنْ مُحْرِمٍ أَوْحَلَالٍ» اور اسی طرح ہے محرم کا بیچنا شکار کو «مِنْ مُحْرِمٍ أَوْحَلَالٍ» کسی محرم یا حلال کے ہاتھ۔ صورت یہ کہ محرم نے شکار کو بیچا کس کے ہاتھ؟ کسی دوسرے محرم کے ہاتھ یا کسی غیر محرم کے ہاتھ، تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ وہ کیا کرے؟ جب تک شکار موجود ہے اس بیع کو لوٹا لے، اور اگر شکار ہلاک ہو چکا تو اس پر اس کی جزا ہے۔ یہ معنی ہے «وَكَذَلِكَ بَيْعُ الْمُحْرِمِ الصَّيْدَ» اور اسی طرح جو ہے محرم کا شکار کو بیچنا ہے «مِنْ مُحْرِمٍ» کسی محرم کے ہاتھ پر «أَوْ حَلَالٍ» یا غیر محرم کے ہاتھ پر «لِمَا قُلْنَا» اس وجہ سے جو ہم نے کہا کہ یہ بیع جائز نہیں ہے۔

■ مسئلہ: وَمَنْ أَحْرَمَ وَفِي بَيْتِهِ أَوْفِي قَفَصٍ مَعَ...

«وَمَنْ أَحْرَمَ وَفِي بَيْتِهِ أَوْ فِي قَفَصٍ مَعَهُ صَيْدٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ» اب دوسری صورت ہے بھئی۔ ایک شخص احرام باندھتا ہے بھئی احرام، حج یا عمرے کا، اور جس وقت اس نے احرام باندھا اس وقت اس کے گھر پر کوئی شکار ہے، پہلے سے اس نے شکار کیا ہوا ہے، یا اس کے پاس کوئی پنجرہ ہے اس پنجرے میں شکار موجود ہے، تو کیا اس پر واجب ہے کہ وہ گھر والے شکار کو آزاد کر دے یا پنجرے کے شکار کو آزاد کر دے؟ تو کہتے ہیں نہیں بھئی، اس پر یہ واجب نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں «وَمَنْ أَحْرَمَ» اور جس نے احرام باندھا «وَفِي بَيْتِهِ أَوْ فِي قَفَصٍ مَعَهُ صَيْدٌ» اور اس کے گھر پر یا پنجرے میں اس کے ساتھ کوئی شکار تھا «فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ» تو اس پر واجب نہیں ہے کہ اس کو آزاد کر دے۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ شکار کو چھوڑ دے «لِأَنَّهُ مُتَعَرِّضٌ لِلصَّيْدِ» اس لیے کیونکہ یہ شخص شکار کے پیچھے پڑنے والا ہے، اس کو بھی کیا کہا جائے گا؟ یہ شکار کے پیچھے پڑنے والا ہے جب شکار اس کے قبضے میں ہے «بِإِمْسَاكِهِ فِي مِلْكِهِ» بوجہ اس کو روکنے کے اپنی ملکیت میں۔ جب اس نے شکار کو اپنی ملکیت میں روک کر رکھا ہوا ہے احرام باندھنے کے بعد بھی تو کیا کہا جائے گا؟ یہ شکار کے پیچھے پڑنے والا ہے۔ «فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ» تو یہ ہو گیا اسی طرح جیسے کہ شکار اس کے اپنے ہاتھ میں ہو۔ شکار تو اس کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ گھر پر ہے یا پنجرے کے اندر ہے، لیکن اس کو بھی کیا یہ کس کی طرح ہو گیا؟ جیسے ایک شخص احرام باندھے اور شکار اس کے ہاتھ میں ہو اور اس کے لیے تو شکار کا آزاد کرنا ضروری ہے تو اس کے لیے بھی ضروری ہو گا۔

«وَلَنَا أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ كَانُوا يُحْرِمُونَ وَفِي بُيُوتِهِمْ صُيُودٌوَدَوَاجِنُ» ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو وہ جو تھے احرام باندھتے تھے، وہ محرم ہوتے تھے «وَفِي بُيُوتِهِمْ صُيُودٌوَدَوَاجِنُ» اور ان کے گھروں میں شکار بھی ہوتے تھے «وَدَوَاجِنُ» اور پالتو جانور بھی ہوتے تھے۔ گائے وغیرہ، یہ پالتو جانور بھی ہوتے تھے اور شکار۔ «وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْهُمْ إِرْسَالُهَا» اور صحابہ سے منقول نہیں ہے ان کو آزاد کرنا۔ صحابہ سے ان کو آزاد کرنا منقول نہیں۔ «وَبِذَلِكَ جَرَتْ الْعَادَةُ الْفَاشِيَةُ» اور اسی پر جاری ہے کھلی عادت بھئی، پھیلی ہوئی عادت۔ عام عادت بھی اسی پر جاری ہے کہ لوگوں کے گھروں میں شکار وغیرہ ہوتے ہیں اور احرام باندھنے کے بعد بھی وہ ان کو آزاد نہیں کرتے۔ «وَهِيَ مِنْ إِحْدَى الْحُجَجِ» اور یہ بھی شرعی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔ کہ تمام مسلمان ایک چیز پر کیا کر رہے ہیں؟ عمل کر رہے ہیں، تو یہ بھی ایک قسم کا اجماع ہے تو شرعی دلیلوں میں سے ایک شرعی دلیل ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ جو اور چنانچہ حدیث میں آتا ہے: «مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ» جس کو مسلمان اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے

نزدیک بھی اچھا ہے بھئی۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ تَرْكُ التَّعَرُّضِ وَهُوَ لَ...

«وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ تَرْكُ التَّعَرُّضِ وَهُوَ لَيْسَ بِمُتَعَرِّضٍ مِنْ جِهَتِهِ» اور اس لیے کیونکہ جب اس نے احرام باندھ دیا باندھا تو اس پر کیا واجب ہے؟ ترک تعرض، اس شکار کے پیچھے پڑنے کو چھوڑ دینا، شکار سے کا تعرض جو ہے اس کو چھوڑنا اس پر واجب ہے۔ «وَهُوَ لَيْسَ بِمُتَعَرِّضٍ مِنْ جِهَتِهِ» اور یہ تو اپنی طرف سے شکار کے پیچھے نہیں پڑا ہوا «لِأَنَّهُ مَحْفُوظٌ بِالْبَيْتِ وَالْقَفَصِ» اس لیے کیونکہ شکار جو ہے وہ تو گھر پر یا پنجرے میں محفوظ ہے «لَا بِهِ» اس محرم کے ساتھ نہیں ہے بھئی، اس کے ساتھ محفوظ نہیں، «غَيْرَ أَنَّهُ فِي مِلْكِهِ» علاوہ اس کے کہ وہ اس کی ملکیت میں ہے۔ صرف کیا ہے؟ اس کی ملکیت میں ہے، یہ شکار کے پیچھے نہیں پڑا ہوا بھئی۔

«وَلَوْ أَرْسَلَهُ فِي مَفَازَةٍ فَهُوَ عَلَى مِلْكِهِ» اور اگر یہ اس کو آزاد بھی کر دے «فِي مَفَازَةٍ» جنگل کے اندر «فَهُوَ عَلَى مِلْكِهِ» تو بھی وہ شکار اس کی ملکیت ہی میں ہے۔ بھئی آپ جنگل میں چلے جائیں اور اپنی گاڑی چھوڑ کر آجائیں وہاں پر بھئی، تو کیا وہ گاڑی آپ کی ملکیت سے نکل جائے گی؟ نہیں، جنگل میں کوئی چیز چھوڑ کر آنے سے وہ ملکیت سے تو نہیں نکلتی۔ لہٰذا اگر یہ اگر یہ اس شکار کو چھوڑ بھی دیتا ہے جیسے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، تو چھوڑنے کے باوجود یہ اس کی ملکیت سے نہیں نکلتا، یہ اس کی ملکیت سے نہیں نکلتا۔ تو صرف اس کی ملکیت باقی ہے، وہ شکار کے پیچھے نہیں پڑا ہوا بھئی۔ اور صرف ملکیت باقی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اگر جنگل میں چھوڑ بھی دیا جائے گا ملکیت تو پھر بھی باقی رہے گی۔

تو کہتے ہیں «وَلَوْ أَرْسَلَهُ فِي مَفَازَةٍ فَهُوَ عَلَى مِلْكِهِ» اور اگر وہ اس کو آزاد کر دیتا ہے جنگل میں تو بھی وہ شکار اس کی ملکیت میں ہے «فَلَا مُعْتَبَرَ بِبَقَاءِ الْمِلْكِ» تو کوئی اعتبار نہیں ہے ملکیت کے باقی رہنے کا۔ «فَلَا مُعْتَبَرَ بِبَقَاءِ الْمِلْكِ» تو معتبر نہیں ہے ملکیت کے باقی رہنے کی وجہ سے، یعنی یہ آزاد کر دینا بھی ملکیت کے باقی رہنے کی وجہ سے معتبر نہیں۔ بھئی ہم نے کیا کہا؟ اس پر آزاد کرنا احرام باندھا ہے اور شکار پہلے سے موجود ہے، گھر پر ہے یا پنجرے میں ہے، تو اس پر آزاد کرنا واجب نہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ واجب ہے۔ تو ہم کہتے ہیں اگر آزاد کر بھی دے گا تو ملکیت تو پھر بھی اس کی باقی رہے گی، ملکیت تو پھر بھی باقی رہے گی۔ تو لہٰذا آزاد کرنا، ملکیت کے باقی رہتے ہوئے آزاد کرنے کا تو کوئی اعتبار نہ ہوا۔ پاس رہے تو بھی ملکیت میں، چھوڑ دے گا تو بھی ملکیت میں ہے۔ کہ آزاد کرے تب بھی ملکیت ہے، آزاد نہ کرے تب بھی ملکیت ہے، بات تو ایک ہی جیسی رہتی ہے تو لہٰذا معلوم ہوا ملکیت کے باقی رہتے ہوئے آزاد کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے بھئی، اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔

■ مسئلہ: وَقِيلَ إِذَا كَانَ الْقَفَصُ فِي يَدِهِ لَزِمَهُ إِ...

«وَقِيلَ إِذَا كَانَ الْقَفَصُ فِي يَدِهِ لَزِمَهُ إِرْسَالُهُ لَكِنْ عَلَى وَجْهٍ لَا يَضِيعُ» اور کہا گیا ہے کہ جب پنجرہ جو ہے اس محرم کے ہاتھ میں ہو تو لازم ہے اس کو چھوڑ دینا «لَكِنْ عَلَى وَجْهٍ لَا يَضِيعُ» لیکن ایسے طریقے پر کہ وہ شکار ضائع نہ ہو۔ شکار ضائع نہ ہو، یعنی کسی گھر میں وغیرہ میں یا کمرے میں وہاں چھوڑ دے، وہاں رکھ لے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ کیونکہ ملکیت تو پھر بھی ختم نہیں ہو گی اگر چھوڑ دے گا۔

«قَالَ: فَإِنْ أَصَابَ حَلَالٌ صَيْدًا ثُمَّ أَحْرَمَ فَأَرْسَلَهُ مِنْ يَدِهِ غَيْرُهُ يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص غیر محرم تھا اس نے شکار کو پکڑ لیا، پھر اس کے بعد اس نے احرام باندھا۔ احرام باندھنے کے بعد جب یہ محرم ہو گیا تو اس کا کوئی ساتھی تھا اس نے اس سے کہا بھئی یہ شکار کو آزاد کر دو، اس نے آزاد نہیں کیا تو اس نے خود کیا کیا اس دوسرے ساتھی نے؟ اس کے شکار کو آزاد کر دیا۔ تو کیا اس پر ضمان آئے گا یا نہیں آئے گا؟ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، اس پر ضمان نہیں آئے گا، اس نے تو نیکی کا کام کیا۔ وہ جب اس نے احرام باندھ لیا تو اس پر تو کیا ضروری تھا؟ شکار کو چھوڑ دینا ضروری تھا، لہٰذا اس نے اس نے جب نہیں چھوڑا تو اس نے کیا کیا؟ یہ نیکی کا کام اس نے کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی، لہٰذا اس پر ضمان نہیں۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، وہ شکار اس نے احرام باندھنے سے پہلے کیا تھا، لہٰذا وہ اس شکار کا مالک بن گیا تھا اور اس نے اس کے ہاتھ سے شکار کو آزاد کر کے اس کی ملکیت کو ضائع کیا ہے، لہٰذا اس پر ضمان آئے گا، اس کو اس کی قیمت دینا پڑے گی اس شکار کے مالک کو بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔

«قَالَ: فَإِنْ أَصَابَ حَلَالٌ صَيْدًا» اگر پکڑ لیا کسی غیر محرم نے شکار کو «ثُمَّ أَحْرَمَ» پھر اس نے احرام باندھ لیا «فَأَرْسَلَهُ مِنْ يَدِهِ غَيْرُهُ» تو آزاد کر دیا اس شکار کو اس محرم کے قبضے سے غیرہ کسی دوسرے نے «يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» تو یہ غیر جو ہے یہ ضامن ہو گا امام صاحب کے نزدیک «وَقَالَا: لَا يَضْمَنُ» اور صاحبین فرماتے ہیں یہ ضامن نہیں ہو گا «لِأَنَّ الْمُرْسِلَ آمِرٌ بِالْمَعْرُوفِ نَاهٍ عَنِ الْمُنْكَرِ» اس لیے کیونکہ یہ آزاد کرنے والا جو ہے یہ نیکی کا حکم دینے والا ہے «نَاهٍ عَنِ الْمُنْكَرِ» اور ناپسندیدہ چیز سے روکنے والا ہے «وَمَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ» اور قرآن میں اللہ فرماتے ہیں نیکی کرنے

والوں پر کوئی راستہ نہیں ہے یعنی ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں، تو لہٰذا اس پر ضمان نہیں آئے گا۔

■ مسئلہ: وَلَهُ أَنَّهُ مَلَكَ الصَّيْدَ بِالْأَخْذِ مِلْكًا...

«وَلَهُ أَنَّهُ مَلَكَ الصَّيْدَ بِالْأَخْذِ مِلْكًا مُحْتَرَمًا» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص جو ہے یہ جو حلال جس نے ابھی احرام باندھا ہے، یہ جو حلال ہے «مَلَكَ الصَّيْدَ» یہ شکار کا مالک بن گیا کیونکہ شکار کب کیا تھا؟ احرام سے پہلے، تو یہ شکار کا مالک بن گیا «بِالْأَخْذِ» پکڑنے کی وجہ سے، «مِلْكًا مُحْتَرَمًا» اور کس قسم کی ملکیت ہے؟ ملک محترم ہے، حرمت والی ملکیت ہے، لہٰذا اگر کوئی اس کو ہلاک کرے گا تو اس پر کیا آئے گا؟ ضمان آئے گا۔ تو یہ حرمت والی ملکیت ہے «فَلَا يَبْطُلُ احْتِرَامُهُ بِإِحْرَامِهِ» لہٰذا اس شکار کا احترام جو ہے یعنی اس کی حرمت جو ہے وہ باطل نہیں ہو گی، ختم نہیں ہو گی «بِإِحْرَامِهِ» اس کے احرام کی وجہ سے «وَقَدْ أَتْلَفَهُ الْمُرْسِلُ» اور تحقیق اس شکار کو تو تلف کر دیا، اس کو تو ضائع کر دیا مرسل نے، آزاد کرنے والے نے «فَيَضْمَنُهُ» تو لہٰذا وہ اس کا ضامن ہو گا۔

«بِخِلَافِ مَا إِذَا أَخَذَهُ فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ» بخلاف اس صورت کے کہ جب اس شکار کو اس شخص نے پکڑا ہو «فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ» کس حالت میں؟ احرام کی حالت میں ایک آدمی نے شکار کو پکڑا تھا، دوسرے نے کیا کر دیا؟ اس کو آزاد کر دیا، تو اس پر ضمان نہیں، بھئی کیوں نہیں ضمان؟ کہتے ہیں اس وجہ سے کہ شکار کے پیچھے پڑنے سے اس کو منع کیا گیا تھا، لہٰذا اس نے شکار کو بے شک پکڑ بھی لیا لیکن وہ مالک نہیں بنا۔ جب مالک نہیں بنا تو اس نے جو شکار کو آزاد کیا کوئی مملوکہ چیز کو آزاد کیا ہی نہیں، لہٰذا اس پر ضمان بھی نہیں۔ «بِخِلَافِ مَا إِذَا أَخَذَهُ فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ» بخلاف اس کے کہ جب اس نے اس شکار کو پکڑا ہو احرام کی حالت میں، یعنی اس یہ صورت اس کے خلاف ہے، اس میں ضمان نہیں آئے گا «لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ» اس لیے کیونکہ یہ شخص اس کا مالک نہیں بنا «لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ» اس لیے کیونکہ یہ محرم احرام کی حالت میں جب اس نے شکار کو پکڑا ہے تو یہ اس کا مالک نہیں بنا۔

«وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ» یہ پھر وہ پچھلے مسئلے سے تعلق ہے اس کا بھئی۔ درمیان میں صرف اتنا بتایا کہ بخلاف اس صورت کے کہ جب حالت احرام میں شکار کو پکڑا ہو تو اس صورت میں ضمان نہیں ائے گا کیونکہ یہ محرم جس نے شکار کو پکڑا یہ اس کا مالک ہی نہیں بنا۔ اب وہی پچھلے مسئلے سے متعلق بات آ رہی ہے: «وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ تَرْكُ التَّعَرُّضِ» غیر محرم نے کیا کیا تھا؟ شکار پکڑا تھا اور پھر کیا باندھ لیا؟ احرام باندھ لیا، دوسرے نے کیا کر دیا؟ اس کو آزاد کر دیا، تو جب اس نے پہلے شکار کو پکڑا تھا تو یہ اس کا مالک بن گیا تھا اور مالک بننے کے بعد جب اس نے احرام باندھا تو اس پر «وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ تَرْكُ التَّعَرُّضِ» اس پر تعرض کو چھوڑنا واجب تھا کہ شکار کے پیچھے نہ پڑے۔ «وَيُمْكِنُهُ ذَلِكَ» اور یہ اس کے لیے ممکن بھی تھا کہ یہ اس تعرض کو چھوڑ دیتا کس طرح؟ «بِأَنْ يُخَلِّيَهُ فِي بَيْتِهِ» بایں صورت کہ اس شکار کو چھوڑ دیتا اپنے گھر پر، اپنے کمرے میں یعنی اپنے گھر پر چھوڑ دیتا تو ترک تعرض ہو جاتا یا نہ ہوتا؟ ترک تعرض ہو جاتا۔ «فَإِذَا قَطَعَ يَدَهُ عَنْهُ» پس جب اس دوسرے شخص نے اس کے قبضے کو ختم کر دیا «عَنْهُ» اس شکار سے، جس نے کیا کیا تھا؟ جس نے شکار کو آزاد کر دیا تھا، تو اس نے اس کے قبضے کو اس شکار سے ختم کر دیا «كَانَ مُتَعَدِّيًا» تو وہ دوسرا شخص زیادتی کرنے والا ہوا، زیادتی کرنے، لہٰذا اس پر ضمان آئے گا۔

■ مسئلہ: وَنَظِيرُهُ الِاخْتِلَافُ فِي كَسْرِ الْمَعَازِفِ

«وَنَظِيرُهُ الِاخْتِلَافُ فِي كَسْرِ الْمَعَازِفِ» اور اس کی مثال جو ہے وہ اختلاف ہے جو معازف کے توڑنے میں ہے۔ بھئی جیسے اس مسئلے کے اندر امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک ضمان ائے گا، صاحبین کے نزدیک ضمان نہیں ائے گا، تو اسی کی مثال وہ اختلاف بھی ہے جو معازف کے توڑنے میں ہے۔ معازف کہتے ہیں لہو و لعب کے آلات جو ہیں، یہ گانے بجانے وغیرہ کے جو آلات ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے گانے بجانے کے آلات توڑ دے تو امام صاحب کے نزدیک توڑنے والے پر ضمان آئے گا۔ صاحبین فرماتے ہیں نہیں، کہ اس پر ضمان نہیں ائے گا کیونکہ اس نے نیکی کا کام کیا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ بھئی یہ جو آلات تھے یہ مملوک تھے، کیا تھے؟ مملوک تھے اور لہٰذا اس کی وجہ سے اس پر ضمان آئے گا۔ لیکن اس میں پھر یاد رکھیے گا کہ اس پر وہ آلات کا پورا ضمان نہیں ائے گا بلکہ وہ جو ان کی لکڑی وغیرہ صرف ہے اس کی قیمت اس پر ائے گی بھئی۔ ویسے تو آلات مہنگے ہوں گے لیکن وہ پورے کی قیمت نہیں، بنے ہوئے کی قیمت نہیں بلکہ صرف کس کو دیکھا جائے گا؟ اس پر جو لکڑی وغیرہ اور چیزیں لگی ہیں ان کی قیمت اس پر ائے گی تھوڑی سی بھئی۔

«وَإِذَا أَصَابَ مُحْرِمٌ صَيْدًا فَأَرْسَلَهُ مِنْ يَدِهِ غَيْرُهُ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ بِالِاتِّفَاقِ» صورت مسئلہ یہ: محرم نے شکار پکڑ لیا حالت احرام میں، دوسرے نے اس سے شکار کو آزاد کر دیا، چھڑوا دیا، تو بالاتفاق اس چھڑانے والے پر ضمان نہیں، کیونکہ محرم نے جب شکار پکڑا وہ اس کا مالک نہیں بنا، کیونکہ اس کو تو روکا گیا تھا شکار کے پیچھے پڑنے سے۔ تو اب جب اس نے دوسرے شخص نے اس شکار کو آزاد کیا تو یہ اس کی کسی مملوکہ چیز کو ضائع نہیں کیا، لہٰذا اس پر ضمان نہیں۔

«وَإِذَا أَصَابَ مُحْرِمٌ صَيْدًا» اور جب محرم نے پالیا شکار کو یعنی شکار کو پکڑ لیا «فَأَرْسَلَهُ مِنْ يَدِهِ» تو اس کو آزاد کر دیا اس کے قبضے سے «غَيْرُهُ» اس محرم کے علاوہ کسی دوسرے نے «لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ بِالِاتِّفَاقِ» اس پر بالاتفاق ضمان نہیں ہے «لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ بِالْأَخْذِ» اس لیے کیونکہ وہ محرم جو ہے شکار کا

مالک نہیں بنا پکڑنے کی وجہ سے «فَإِنَّ الصَّيْدَ لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ فِي حَقِّ الْمُحْرِمِ» اس لیے کیونکہ شکار جو ہے وہ تملک کا محل ہو کر باقی نہ رہا محرم کے حق میں۔ تملک کا معنی ہے مالک بننا۔ شکار جو ہے وہ محل تملک نہ رہا کس کے حق میں؟ محرم کے حق، یعنی محرم اس کا مالک نہیں بن سکتا، وہ مالک ہونے کا محل ہی نہ رہا کس کے لیے؟ محرم۔ یہ معنی ہے «فَإِنَّ الصَّيْدَ لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ» اس لیے کیونکہ شکار جو ہے وہ مالک ہونے کا محل ہو کر نہ رہا «فِي حَقِّ الْمُحْرِمِ» محرم کے حق میں «لِقَوْلِهِ تَعَالَى» اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، اللہ فرماتے ہیں: «وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا» اور حرام کر دیا گیا ہے تم پر خشکی کے شکار کو جب تک تم حالت احرام میں ہو، تو یہ مالک نہیں بن سکتا۔ «فَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَى الْخَمْرَ» تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ اس نے شراب خریدی۔ اور آپ جانتے ہیں مسلمان شراب کا نہ مالک بن سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے۔ مالک بننے کو کہتے ہیں تملک، اور دوسرے کو مالک بنانا اس کو کہتے ہیں تملیک۔ تو مسلمان کے لیے شراب کا تملک بھی درست نہیں اور تملیک بھی درست نہیں۔ خود بھی مالک نہیں بن سکتا اور دوسرے کو مالک بنا بھی نہیں بنا بھی نہیں سکتا۔ ہاں مسلمان کی ملک میں شراب ہو سکتی ہے، کیسے؟ مثلاً ایک شخص نے انگور کا رس خریدا مسلمان نے، اور یہ انگور کا رس اس کا یہ مالک بن گیا، اور پھر یہ انگور کا رس کس میں بدل گیا؟ شراب میں خود بخود بدل گیا کچھ وقت کی وجہ سے، تو اب جیسے وہ انگور کے رس کا مالک کون تھا؟ یہ مسلمان تھا، تو یہ شراب کا مالک بھی کون ہے؟ یہ مسلمان ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ لیکن اس میں مالک بننا نہیں پایا گیا۔ مالک بننا تو یہ ہے کہ پہلے مالک نہ ہو اور پھر مالک بنے۔ تو لہٰذا شراب ہو اور مسلمان پہلے مالک نہیں تھا اور پھر کیا بن جائے اس کا؟ مالک، تو یہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں پر جو شراب بن گئی، یہ اس کا پہلے سے مالک تھا، اب نہیں مالک بن رہا۔ اب تو مالک بن ہی نہیں سکتا، نہ کسی دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے، لہٰذا نہ خرید سکتا ہے اور نہ بیچ سکتا ہے۔ ہاں اس کی ملک میں آ سکتی ہے شراب کہ جیسے خریدی کوئی اور چیز تھی اور وہ پھر کیا بن گئی؟ شراب بن گئی۔ تو کہتے ہیں «فَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَى الْخَمْرَ» تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ اس نے شراب خریدی ہو، تو جیسے اس میں مالک نہیں بنتا اسی طرح اس شکار کا بھی وہ مالک نہیں بنتا۔

■ مسئلہ: فَإِنْ قَتَلَهُ مُحْرِمٌ آخَرُ فِي يَدِهِ فَعَلَى...

«فَإِنْ قَتَلَهُ مُحْرِمٌ آخَرُ فِي يَدِهِ فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا جَزَاءٌ» صورت مسئلہ یہ: ایک شخص نے شکار کیا محرم نے، کیا کیا؟ محرم نے شکار کیا، اور شکار اس کے پاس ہے، زندہ ہے۔ ایک دوسرے شخص نے، دوسرے محرم نے اس شکار کو قتل کر دیا۔ تو کہتے ہیں اب اس صورت میں دونوں پر ضمان آئے گا۔ پہلے محرم پر اس لیے کیونکہ اس نے شکار کو پکڑا تھا حالانکہ اس کو تو شکار کے پیچھے پڑنے سے منع کیا گیا تھا۔ اور دوسرے پر محرم پر اس لیے جزا آئے گی کیونکہ اس نے شکار کو ذبح کر دیا حالانکہ اس کو بھی شکار کے پیچھے پڑنے سے منع کیا گیا تھا۔ تو دونوں پر پوری پوری جزا آئے گی۔ پورے پورے شکار کی قیمت پہلے محرم پر بھی ائے گی، پکڑنے والے پر بھی، اور قتل کرنے والے پر بھی۔ لیکن پھر جو پکڑنے والا تھا وہ اس جزا کے اندر رجوع کرے گا اس قاتل پر۔ کس پر؟ قاتل پر۔ وہ جزا پھر اس سے وصول کرے گا، خود جزا ادا کر دے اور پھر کیا کرے؟ اس قاتل پر وہ رجوع کر کے اس سے بھی وہ اپنے پورے پیسے وصول کر سکتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہ قاتل سے کیوں وصول کر سکتا ہے؟ اس نے بھی تو غلطی کی ہے، یہ شکار کے پیچھے پڑا تھا اور اس وجہ سے اس پر جزا آئی ہے، تو لہٰذا وہ جزا اسی کی اپنی غلطی اپنی غلطی کی وجہ سے اس پر آئی ہے، اس میں قاتل کا کیا عمل دخل ہے؟ تو جواب یہ کہ بھئی ٹھیک ہے اس پر جزا اپنی غلطی کی وجہ سے آئی ہے، لیکن اس غلطی کی تلافی ہو سکتی تھی۔ اس نے زندہ شکار پکڑا تھا، اس کو چھوڑ دیتا تو اس پر سے وہ جزا کیا ہو جاتی؟ ساقط ہو جاتی، لیکن قاتل نے اس کو قتل کر کے کیا کر دیا؟ اس جزا کو اس پر پکا کر دیا، اب ختم ہونے کی کوئی صورت نہیں، تو یوں ہی سمجھا جائے گا گویا یہ جزا اس پر آئی ہی کس کی وجہ سے؟ قاتل کی وجہ سے ہے، لہٰذا یہ کیا کرے گا؟ اس جزا کو ادا کرنے کے بعد قاتل پر رجوع کر کے اس سے یہ پیسے وصول کر سکتا ہے۔

کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی، صحبت وغیرہ نہیں کی، اور آپ جانتے ہیں صحبت سے پہلے اگر طلاق دی جائے تو نصف مہر دینا پڑتا ہے اور صحبت کے بعد پورا مہر دینا پڑتا ہے، تو اس نے نکاح کر لیا ایک عورت سے اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی، صحبت نہیں ہوئی، اس سے پہلے ہی عورت نے دعویٰ کر دیا قاضی کے پاس کہ اس نے مجھے طلاق دے دی ہے، اور دو گواہ بھی پیش کر دیے اپنی طرف سے، دو گواہ بھئی۔ اور گواہوں نے آ کر گواہی دے دی کہ اس شخص نے کیا کیا ہے؟ اس عورت کو طلاق دے دی ہے۔ تو جب گواہ آ گئے قاضی تو فیصلہ کر دے گا کہ طلاق ہو گئی ہے، اور اب اس خاوند کو نصف مہر دینا پڑے گا کیونکہ یہ رخصتی سے پہلے طلاق دی ہے اس نے۔ بعد میں بھئی وہ جو گواہ تھے وہ وہ تبلیغی جماعت میں چلے گئے بھئی اور ان کی اصلاح ہوئی اور پھر انہوں نے آ کر قاضی کے سامنے رجوع کیا کہ ہم نے جھوٹی گواہی دی تھی، ہم سے غلطی ہو گئی بھئی، سمجھ میں ایا؟ تو اب یاد رکھیے اس صورت میں وہ شخص جو ہے، وہ جو خاوند جس کو نصف مہر دینا پڑا تھا، اس کا ادھے مہر کا نقصان ہوا تھا، نصف مہر جتنا مال اس کے ہاتھ سے گیا تھا، تو وہ ان گواہوں پر رجوع کر کے ان سے وہ مال وصول کر سکتا ہے۔ بھئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد تو طلاق دے دے چاہے صحبت سے پہلے طلاق دے دے، پھر بھی نصف مہر تو دینا ہی پڑتا ہے، تو اس میں گواہوں کی وجہ سے تو وہ اس پر لازم نہیں ہوا۔ کہتے ہیں بھئی ٹھیک ہے، نکاح سے پہلے نصف مہر خاوند پر لازم ہو جاتا ہے لیکن وہ ساقط بھی ہو سکتا ہے اگر جدائی کا سبب عورت بن جائے۔ مثلاً عورت مرتدہ ہو گئی۔ جب مرتدہ ہوئی تو جدائی کا سبب کس کی طرف سے آیا؟ عورت، تو اس صورت میں وہ نصف مہر بھی خاوند پر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یا اس عورت نے اس خاوند کے بیٹے سے غلط تعلق قائم کر لیا، تو اس صورت میں بھی جدائی کا سبب کس کی طرف سے ایا؟ عورت کی طرف سے، وہ خاوند پر حرام ہو گئی، تو لہٰذا اس صورت میں اب وہ نصف مہر بھی کیا ہو جاتا ہے؟

ساقط ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا صحبت سے پہلے کا جو نصف مہر ہے وہ خاوند پر کوئی پکا نہیں ہے بلکہ اس کے بھی ساقط ہونے کا احتمال ہے، لیکن گواہوں نے اپنی گواہی کے ذریعے کیا کر دیا؟ اس پر وہ نصف مہر پکا کر دیا، لہٰذا اس وجہ سے ان کو وہ خاوند کیا کر سکتا ہے؟ ان سے ضمان وصول کر سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں «فَإِنْ قَتَلَهُ مُحْرِمٌ آخَرُ فِي يَدِهِ» اگر قتل کر دیا اس شکار کو کسی دوسرے محرم نے اس پہلے محرم کے ہاتھ میں سے «فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا جَزَاءٌ» تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر جزا واجب ہو گی «لِأَنَّ الْآخِذَ مُتَعَرِّضٌ لِلصَّيْدِ» اس لیے کیونکہ پکڑنے والا جو ہے وہ بھی شکار کے پیچھے پڑنے والا ہے «بِإِزَالَتِهِ الْأَمْنَ» بوجہ اس شکار کے بوجہ اس کے امن کو زائل کرنے کی وجہ سے «وَالْقَاتِلُ مُقَرِّرٌ لِذَلِكَ» اور قاتل بھی جو ہے وہ اس اس جزا کو پکا کرنے والا ہے، اس کو ثابت کرنے والا ہے، «وَالتَّقْرِيرُ كَالِابْتِدَاءِ» اور ثابت کرنا بھی ابتدا کی طرح ہے۔ قاتل نے کیا کر دیا؟ اسی جزا کو پکا کر دیا، اس کو ثابت کر دیا، تو یہ پکا کرنا بھی کس کی طرح ہے؟ «كَالِابْتِدَاءِ» ابتدا کی طرح ہے «فِي حَقِّ التَّضْمِينِ» ضامن بنانے کے حق میں۔ کس کے حق میں؟ ضامن بنانے کے حق میں یہ بھی ابتدا کی طرح ہے «كَشُهُودِ الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ إِذَا رَجَعُوا» جیسے کہ طلاق کے گواہ جو ہیں، کون سی طلاق؟ «قَبْلَ الدُّخُولِ» جو صحبت سے پہلے ہو، اس کے گواہ جو ہیں جب «إِذَا رَجَعُوا» جب وہ رجوع کر لیں۔

تو «وَالتَّقْرِيرُ كَالِابْتِدَاءِ فِي حَقِّ التَّضْمِينِ» معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ ثابت کرنا بھی کس کی طرح ہے؟ «كَالِابْتِدَاءِ» ابتدا کی طرح ہے «فِي حَقِّ التَّضْمِينِ» کس میں؟ ضامن بنانے کے حق میں۔ بھئی دیکھیے، شکار تو دوسرے نے پکڑا تھا نا، اس نے صرف کیا کیا ہے اس کو؟ قتل کیا ہے، لیکن قتل کرنا بھی اسی طرح ہے گویا یہ ابتداءً ہی کیا کر رہا ہے؟ شکار کر کے اس کو قتل کر رہا ہے، لہٰذا اس کو بھی کیا بنایا جائے گا؟ ضامن۔ اس کو پکڑنے کی وجہ سے اور اس کو قتل کرنے کی وجہ سے، اور یہ قتل بھی کس طرح ہے؟ ابتدائے صید کی طرح ہے، گویا یہ ابتداءً کیا کر رہا ہے؟ شکار کر رہا ہے۔ یہ معنی ہے «وَالتَّقْرِيرُ كَالِابْتِدَاءِ» اور ثابت کرنا یہ بھی ابتدا کی طرح ہی ہے «فِي حَقِّ التَّضْمِينِ» کس میں؟ ضامن بنانے کے حق میں «كَشُهُودِ الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ إِذَا رَجَعُوا» جبکہ صحبت سے پہلے کی جو طلاق ہے اس کے گواہ جب وہ رجوع کر لیں۔

■ مسئلہ: وَيَرْجِعُ الْآخِذُ عَلَى الْقَاتِلِ

«وَيَرْجِعُ الْآخِذُ عَلَى الْقَاتِلِ» اور وہ پکڑنے والا رجوع کرے گا کس پر؟ قاتل پر۔ «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَرْجِعُ» امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پکڑنے والا رجوع نہیں کرے گا قاتل پر «لِأَنَّ الْآخِذَ مُؤَاخَذٌ بِصُنْعِهِ» اس لیے کیونکہ پکڑنے والا جو ہے وہ مواخذ ہے اپنے عمل کی وجہ سے، اس کا مواخذہ کس وجہ سے ہے؟ اپنے عمل کی وجہ سے کہ اس نے پکڑا ہے، «فَلَا يَرْجِعُ عَلَى غَيْرِهِ» لہٰذا وہ کسی دوسرے پر اس سلسلے میں رجوع نہیں کرے گا۔ «وَلَنَا أَنَّ الْأَخْذَ إِنَّمَا يَصِيرُ سَبَبًا لِلضَّمَانِ عِنْدَ اتِّصَالِ الْهَلَاكِ بِهِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ پکڑنا جو ہے یہ ضمان کا سبب بن گیا «عِنْدَ اتِّصَالِ الْهَلَاكِ بِهِ» جب اس کے ساتھ ہلاکت مل گیا، اس کا قتل کرنا جب اس کے ساتھ مل گیا اس لیے پکڑنا یہ ضمان کا سبب بن گیا «فَهُوَ بِالْقَتْلِ جَعَلَ فِعْلَ الْآخِذِ عِلَّةً» تو وہ جو قاتل ہے، ہوا ضمیر قاتل کو راجع ہے، تو وہ جو قاتل ہے اس نے قتل کے ذریعے پکڑنے پکڑنے کے فعل کو علت بنا دیا، پکڑنے کے فعل کو جزا کی علت بنا دیا «فَيَكُونُ فِي مَعْنَى مُبَاشَرَةِ عِلَّةِ الْعِلَّةِ» تو یہ علۃ العلۃ کو سرانجام دینے کی طرح ہوا۔ یہ قتل کس کس معنی میں ہوا؟ فی معنی مباشرۃ مباشرۃ علۃ العلۃ، یہ قتل جو ہے علت کی علت کو سرانجام دینے کی طرح ہوا۔ علت کی علت کیا؟ اس نے پکڑا تھا شکار کو اور یہ پکڑنا علت ہے کس چیز کی؟ ضمان کی، لیکن اس کے ختم ہونے کا بھی احتمال تھا۔ لیکن آگے جب دوسرے نے اس کو قتل کر دیا تو وہ قتل نے کیا کیا؟ اس ضمان کو پکا کر دیا۔ تو یہ قتل کی وجہ سے وہ پکڑنا بھی کیا بن گیا؟ علت بن گیا کس چیز کی؟ ضمان کی، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ قتل تو ہے علت اور اس قتل کی وجہ سے، یہ قتل نے اس پکڑنے کو بھی کیا بنا دیا؟ علت بنا دیا جزا کی، تو یہ علۃ العلۃ کی طرح ہوا۔ «فَيَكُونُ فِي مَعْنَى مُبَاشَرَةِ عِلَّةِ الْعِلَّةِ» تو یہ قتل جو ہے علت کی علت کو سرانجام دینے کے معنی میں ہوا، قتل قتل کیا تو گویا اس نے علت کی علت سرانجام دے دی۔ «فَيُحَالُ بِالضَّمَانِ عَلَيْهِ» تو حوالہ کیا جائے گا ضمان کو علیہ اسی قاتل پر، یعنی ضمان کو اسی کے حوالے کیا جائے گا یعنی اسی پر ڈالا جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ چلیے بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۶۰: مسئلہ: فَإِنْ قَطَعَ حَشِيشَ الْحَرَمِ أَوْ شَجَرَةً لَ...

ہدایہ صفحہ: ۳۰۷ــــ بتاریخ: ۲۱ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«فَإِنْ قَطَعَ حَشِيشَ الْحَرَمِ أَوْ شَجَرَةً لَيْسَتْ بِمَمْلُوكَةٍ وَهُوَ مِمَّا لَا يُنْبِتُهُ النَّاسُ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ إِلَّا فِيمَا جَفَّ مِنْهُ لِأَنَّ حُرْمَتَهُمَا تَثْبُتُ بِسَبَبِ الْحَرَمِ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا وَلَا يُعْضَدُ شَوْكُهَا، وَلَا يَكُونُ لِلصَّوْمِ فِي هَذِهِ الْقِيمَةِ مَدْخَلٌ لِأَنَّ حُرْمَةَ تَنَاوُلِهَا بِسَبَبِ الْحَرَمِ لَا بِسَبَبِ الْإِحْرَامِ، فَكَانَ مِنْ ضَمَانِ الْمَحَالِّ عَلَى مَا بَيَّنَّا». [1]

بھئی، اب حرم کے درختوں اور پودوں وغیرہ کا حکم بیان کرنے لگے ہیں کہ ان کے کاٹنے کی صورت میں بھی کاٹنے والے پر جو ہے، جزا واجب ہو گی بھئی۔

خلاصۂ کلام یاد رکھیے گا کہ حرم میں اگنے والے گھاس اور پودے جو ہیں، وہ دو قسم کے ہیں۔ کچھ وہ ہوں گے جس کو لوگ اگاتے ہیں اور کچھ وہ ہوں گے جو خود بخود اگنے والے ہیں۔ بعض پودے کیا ہیں وہ؟ خود بخود اگانے والے ہوتے ہیں بھئی۔

تو وہ قسم جس کو انسان اگاتے ہیں، اس کو چاہے کسی نے اگایا ہو یا وہ خود بخود اگایا ہو۔ دونوں صورتوں میں اس کے کاٹنے پر کوئی جزا واجب نہیں۔ کن پودوں میں؟ جس کو انسان عموماً اگاتے ہیں، وہ چاہے خود بخود بھی اگ آئے، پھر بھی اس میں جزا نہیں ہے۔ چاہے انسان نے اگایا ہو، چاہے خود بخود اگ آئے ہوں، دونوں صورتوں میں ان میں جزا واجب نہیں ان کو اگر کوئی کاٹتا ہے۔

اور دوسری قسم وہ ہے جو خود بخود اگاتے ہیں، وہ پودے ہیں۔ تو اس میں بھی اگر وہ خود بخود اگ آیا ہے، پھر تو اس کے اندر جزا ہے۔ وہ ہے بھی کس قسم کا پودا؟ خود اگنے والا ہے اور اگا بھی خود ہی ہے، تو اس میں جزا ہے۔ لیکن اگر اس کو کسی انسان نے اگایا ہے، وہ ہے تو اس قسم کا پودا جو خود بخود اگاتا ہے لیکن اس کو اب کسی نے باقاعدہ اگایا ہے، تو اس صورت میں بھی اس میں جزا واجب نہیں بھئی۔ ہے خود اگنے والا، لیکن کسی نے اگایا ہے، تو اس کا بھی وہی حکم ہو جائے گا جو انسان اگاتے ہیں ان پودوں والا حکم اور ان میں تو جزا واجب نہیں ہوتی تھی، تو لہٰذا اس میں بھی جزا واجب نہیں۔

معلوم ہوا حرم کے چار قسم کے پودے ہو گئے اور ان میں سے صرف ایک کے اندر جزا واجب ہے۔ چار قسم کے پودے اور ایک قسم میں جزا واجب ہے اور وہ کون سا ہے؟ جو خود بخود اگنے والا ہو اور خود بخود اگا ہو بھئی۔ اور اگر اس کو انسان اگاتے ہیں، پھر چاہے وہ خود اگا ہو یا انسان نے اگایا ہو، دونوں صورتوں میں جزا نہیں۔ اور اگر اگتا تو خود ہے لیکن کسی انسان نے اس کو باقاعدہ اگایا ہے، تو اس میں بھی جزا نہیں۔ تو تین قسموں کے اندر جزا نہیں اور ایک قسم کے اندر جزا ہے بھئی۔ خلاصہ سمجھ میں آ گیا بھئی؟

تو کہتے ہیں: «**فَإِنْ قَطَعَ حَشِيشَ الْحَرَمِ**»، «**حَشِيشَ**» گھاس کو کہتے ہیں بھئی۔ اگر کاٹا کسی شخص نے «**حَشِيشَ الْحَرَمِ**» حرم کی گھاس کو «**أَوْ شَجَرَةً**» یا ایسے درخت کو «**لَيْسَتْ بِمَمْلُوكَةٍ**» جو مملوک نہیں ہے کسی کا۔ یعنی کسی کی زمین میں نہیں ہے۔ زمین میں ہو گا تو وہ اس کا مملوک ہو گا۔ یاد رکھیے، یہ آگے آپ کو بتائیں گے بھی، اگر کسی کی زمین میں اگا ہے تو یہ اس کا مملوک ہو گیا، مملوک ہو گیا۔ اور مملوک درخت جیسے عام احوال کے اندر کوئی کسی کا مملوک درخت کاٹتا ہے تو اس پر اس کی قیمت آتی ہے، تو یہاں اس مالک کے لیے بھی قیمت آئے گی، کس کے لیے؟ مالک کے لیے بھی قیمت اس کے مالک کو دینا پڑے گی بطور ضمان کے اور درخت میں خود حرم کا پودا ہونے کی وجہ سے جزا ہو گی یا نہیں؟ اس میں پھر وہی چار صورتوں میں آپ غور کر لیں گے۔ اگر وہ انسانوں کے اگانے والا ہے تو اس میں جزا نہیں، اگر ہے

[1] شاملہ (ص ۲۲۴) میں «تَثْبُتُ» کے بجائے «ثبتت» درج ہے۔

تو خود اگنے والا لیکن اس شخص نے اگایا ہے تو بھی اس میں جزا نہیں اور اگر وہ خود اگنے والا ہے اور خود ہی اگا ہے، تو پھر مالک کو بھی قیمت دینا پڑے گی کیونکہ اس کی زمین میں تھا اور حرم کا پودا کاٹنے کی وجہ سے اس میں جزا بھی واجب ہو گی بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «فَإِنْ قَطَعَ حَشِيشَ الْحَرَمِ أَوْ شَجَرَةً لَيْسَتْ بِمَمْلُوكَةٍ» اگر کاٹا کسی شخص نے حرم کی گھاس یا ایسے درخت کو جو کسی کا مملوک نہیں ہے «وَهُوَ مِمَّا لَا يُنْبِتُهُ النَّاسُ» اس حال میں کہ یہ درخت یا پودا جو ہے ان پودوں میں سے ہے جس کو لوگ نہیں اگاتے «فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ» تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے۔ صرف کیا واجب ہے؟ قیمت، کیونکہ اس نے حرم کے پودے کو کاٹا ہے اور چونکہ کسی کا مملوک نہیں، لہٰذا مالک تو کوئی ہے نہیں ورنہ اس کو بھی کیا دینا پڑتا؟ ضمان دینا پڑتا۔ «فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ» تو اس شخص پر، اس کاٹنے والے پر اس کی قیمت واجب ہے «إِلَّا فِيمَا جَفَّ مِنْهُ» مگر وہ جو کوئی اس میں سے خشک ہو جائے۔ ہاں، جو درخت اور پودا خشک ہو چکا ہے، اس کے کاٹنے میں کوئی جزا نہیں ہے۔

■ مسئلہ: لِأَنَّ حُرْمَتَهُمَا تَثْبُتُ بِسَبَبِ الْحَرَمِ

«لِأَنَّ حُرْمَتَهُمَا تَثْبُتُ بِسَبَبِ الْحَرَمِ» اس لیے کیونکہ ان دونوں کی حرمت جو ہے وہ حرم کی وجہ سے ثابت ہے، یہ گھاس اور درخت جو ہیں۔ ان کی حرمت جو ہے حرم کی وجہ سے ثابت ہے۔ «قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ» حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا»، «خَلَا» کہتے ہیں سرسبز گھاس کو، تر و تازہ گھاس کو۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا» کہ مکہ کی سرسبز گھاس نہ کاٹی جائے «وَلَا يُعْضَدُ شَوْكُهَا» اور نہ اس کے کانٹے توڑے جائیں۔ تو دیکھیے، سرسبز گھاس کاٹنے سے بھی منع کیا گیا اور اس کے کانٹے توڑنے سے بھی منع کیا گیا۔

«وَلَا يَكُونُ لِلصَّوْمِ فِي هَذِهِ الْقِيمَةِ مَدْخَلٌ» اور روزے کا اس قیمت کے اندر کوئی دخل نہیں ہے «لِأَنَّ حُرْمَةَ تَنَاوُلِهَا بِسَبَبِ الْحَرَمِ» اس لیے کیونکہ ان کو لینے کی جو حرمت ہے وہ حرم کی وجہ سے ہے۔ تناول کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو ہاتھ بڑھا کر پکڑنا بھئی، یہاں مراد کاٹنا ہے۔ کیا مراد ہے؟ «لِأَنَّ حُرْمَةَ تَنَاوُلِهَا بِسَبَبِ الْحَرَمِ» اس لیے کیونکہ ان کے کاٹنے کی جو حرمت ہے وہ حرم کی وجہ سے ہے «لَا بِسَبَبِ الْإِحْرَامِ» وہ احرام کی وجہ سے نہیں ہے۔ «فَكَانَ مِنْ ضَمَانِ الْمَحَالِّ» تو یہ محل کے ضمان میں سے ہوا «عَلَى مَا بَيَّنَّا» بوجہ اس کے جو ہم نے بیان کر دیا۔ تو لہٰذا یہ جو درخت اور پودے کاٹے ہیں، ان کی حرمت کس کی وجہ سے تھی؟ حرم کی وجہ سے تھی، احرام کی وجہ سے نہیں۔ جب حرم کی وجہ سے ہے تو یہ محل کا ضمان ہوا اور محل کے ضمان میں روزے نہیں آ سکتے، لہٰذا یہاں قیمت ہی دینا پڑے گی، روزے رکھنے کی گنجائش نہیں ہے بھئی۔ گزشتہ سبق میں یہ تفصیلاً یہ مسئلہ آیا تھا بھئی۔

«وَيَتَصَدَّقُ بِقِيمَتِهِ عَلَى الْفُقَرَاءِ» اور صدقہ کرے گا وہ اس کی قیمت کو فقراء پر «وَإِذَا أَدَّاهَا مَلَكَهُ» اور جب وہ شخص اس کی قیمت ادا کر دے، «مَلَكَهُ» تو اس درخت یا پودے کا مالک بن جائے گا جس کو اس نے کاٹا ہے «كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ» جیسے کس کے اندر ہے؟ حقوق العباد کے اندر ہے، کوئی شخص کسی کی چیز غصب کر لے اور پھر اس کی قیمت ادا کر دے تو اس غصب شدہ چیز کا مالک بن جاتا ہے۔

■ مسئلہ: وَيُكْرَهُ بَيْعُهُ بَعْدَ الْقَطْعِ

«وَيُكْرَهُ بَيْعُهُ بَعْدَ الْقَطْعِ» اور مکروہ ہے اس کا بیچنا کاٹنے کے بعد۔ کاٹنے کے بعد اس کا بیچنا مکروہ ہے۔ بیشک اس کی قیمت فقراء کو دے دی اور یہ اس کا مالک بن گیا لیکن پھر بھی اس کا بیچنا اس کے لیے مکروہ ہے، مکروہِ تحریمی ہے۔ آگے آپ کو بتائیں گے اس کا بیچنا مکروہ ہے اور شکار کا بیچنا باطل ہے اس کے لیے۔ شکار کا بیچنا؟ شکار پکڑ لیا کسی نے اور اس کی جزا بھی دے دی اس نے، کفارہ بھی دے دیا، تو اس کے باوجود اس کا بیچنا اس کے لیے باطل ہے۔ جبکہ یہ جو درخت اور پودے وغیرہ ہیں، ان کا بیچنا باطل تو نہیں، جائز تو ہے لیکن پھر بھی مکروہ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَيُكْرَهُ بَيْعُهُ بَعْدَ الْقَطْعِ» اور مکروہ ہے اس کا بیچنا کاٹنے کے بعد «لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِسَبَبٍ مَحْظُورٍ شَرْعًا» اس لیے کیونکہ یہ شخص اس کا مالک ہوا ہے ایک ایسے سبب کی وجہ سے جو ممنوع ہے شرعاً، باعتبار شریعت کے۔ شریعت کے اعتبار سے اس کے لیے یہ درخت وغیرہ کاٹنا ممنوع تھا بھئی، تو اس سبب سے اس کا مالک بنا ہے۔ «فَلَوْ أُطْلِقَ لَهُ فِي بَيْعِهِ» اگر اس کو اجازت دے دی جائے اس کے بیچنے کی «لَتَطَرَّقَ النَّاسُ إِلَى مِثْلِهِ» تو لوگ راستہ نکالیں گے اس جیسی چیزوں کے لیے۔ اگر لوگوں کو اس کے بیچنے کی اجازت دے دی جائے تو پھر تو لوگ کیا کریں گے؟ اس کی طرف اس جیسی چیزوں کی طرف راستہ نکالیں گے اور سبھی اس پر عمل شروع کر دیں گے۔ «إِلَّا أَنَّهُ يَجُوزُ الْبَيْعُ مَعَ الْكَرَاهَةِ» مگر یہ بات ہے کہ اس کا بیچنا کراہت کے ساتھ جائز ہے «بِخِلَافِ الصَّيْدِ» بخلاف شکار کے کہ اس کا بیچنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ «وَالْفَرْقُ مَا نَذْكُرُهُ» اور فرق جو ہے ان دونوں کے درمیان وہ ہے جس کو ہم ذکر کریں گے بھئی۔

«وَالَّذِي يُنْبِتُهُ النَّاسُ عَادَةً عَرَفْنَاهُ غَيْرَ مُسْتَحِقٍّ لِلْأَمْنِ بِالْإِجْمَاعِ» اور وہ درخت وغیرہ پودے وغیرہ جس کو لوگ عادۃً اگاتے ہیں،

«عَرَفْنَاهُ» ہم نے ان کو جانا، ہم نے اس کو جانا «غَيْرَ مُسْتَحِقٍّ لِلْأَمْنِ» کہ وہ امن کے مستحق نہیں «بِالْإِجْمَاعِ» کس کی وجہ سے؟ اجماع۔ وہ درخت اور پودے وغیرہ جن کو لوگ اگاتے ہیں، میں نے ابھی آپ کو بتلایا وہ پودے جن کو لوگ اگاتے ہیں ان کا ان کے کاٹنے میں جزا نہیں، معلوم ہوا ان کا کاٹنا جائز ہے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ «وَالَّذِي يُنْبِتُهُ النَّاسُ عَادَةً» اور وہ پودے وغیرہ جن کو لوگ عادۃً اگاتے ہیں «عَرَفْنَاهُ غَيْرَ مُسْتَحِقٍّ لِلْأَمْنِ بِالْإِجْمَاعِ» ہم نے جانا اجماع کے ذریعے کہ وہ امن کے مستحق نہیں ہیں، کہ وہ امن کے مستحق نہیں۔ یہ کس کے ذریعے ہم نے جانا؟ اجماع کے ذریعے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر اب تک لوگ حرم کے اندر جو ہے درخت وغیرہ اگاتے ہیں یا فصل وغیرہ کاشت کرتے ہیں اور اس کو کاٹتے ہیں اور کسی نے بھی ان پر نکیر نہیں فرمائی، کسی نے بھی ان کا رد نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ پودے اور درخت جن کو انسان اگاتے ہیں، وہ حرم میں ہوں تو بھی مستحقِ امن نہیں ہیں یعنی ان کو کاٹا جا سکتا ہے۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّ الْمُحَرَّمَ الْمَنْسُوبَ إِلَى الْحَرَمِ

«وَلِأَنَّ الْمُحَرَّمَ الْمَنْسُوبَ إِلَى الْحَرَمِ» اور یہاں سے دوسری دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں بھئی۔ «وَلِأَنَّ الْمُحَرَّمَ الْمَنْسُوبَ إِلَى الْحَرَمِ» اور نیز اس لیے کیونکہ وہ جو حرام قرار دیا گیا ہے، «الْمَنْسُوبُ إِلَى الْحَرَمِ» وہ ہے جو منسوب ہے کس کی طرف؟ حرم۔ وہ درخت اور پودے وغیرہ جس کے کاٹنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، وہی پودا ہے منسوب ہے کس کی طرف؟ حرم کی طرف جو منسوب ہو۔ اور کامل طور پر نسبت حرم کی طرف تبھی ہو گی جب کسی اور کی طرف نسبت نہ ہو۔ کامل طور پر حرم کی طرف نسبت تبھی ہو گی جب کسی اور کی طرف نہ ہو اور اگر کسی نے اگایا ہے، پھر تو اس شخص کی طرف بھی نسبت ہو گی، لہٰذا اس وجہ سے وہ حرام نہیں کاٹنا بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَلِأَنَّ الْمُحَرَّمَ الْمَنْسُوبَ إِلَى الْحَرَمِ» اس لیے کیونکہ وہ جس کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ ہے جس کی نسبت کی گئی ہو حرم کی طرف «وَالنِّسْبَةُ إِلَيْهِ عَلَى الْكَمَالِ عِنْدَ عَدَمِ النِّسْبَةِ إِلَى غَيْرِهِ بِالْإِنْبَاتِ» اور نسبت ہونا حرم کی طرف کامل طریقے پر یہ اس وقت ہو گی جب نسبت نہ ہو اس کے علاوہ کی طرف اگانے کی وجہ سے۔

«وَمَا لَا يُنْبَتُ عَادَةً إِذَا أَنْبَتَهُ إِنْسَانٌ الْتَحَقَ بِمَا يُنْبَتُ عَادَةً» اور وہ جس کو عادۃً اگایا نہیں جاتا، وہ پودے جن کو اگایا نہیں جاتا خود اگتے ہیں، «إِذَا أَنْبَتَهُ إِنْسَانٌ» جب اس کو کوئی انسان اگائے «الْتَحَقَ» تو یہ بھی مل جائے گا «بِمَا يُنْبَتُ عَادَةً» ان پودوں کے ساتھ جن کو عادۃً اگایا جاتا ہے۔ اور جن کو عادۃً اگایا جاتا ہے ان کا کاٹنا تو حرام نہیں، لہٰذا اس کا بھی کاٹنا حرام نہ رہے گا۔

«وَلَوْ نَبَتَ بِنَفْسِهِ فِي مِلْكِ رَجُلٍ» اور اگر وہ پودا خود اگ آیا کسی شخص کی ملکیت میں یعنی اس کی زمین میں «فَعَلَى قَاطِعِهِ قِيمَةٌ لِحُرْمَةِ الْحَرَمِ» تو کاٹنے والے پر اس کی قیمت واجب ہے «لِحُرْمَةِ الْحَرَمِ» کس وجہ سے؟ حرم کی حرمت کی وجہ سے «حَقًّا لِلشَّرْعِ» بطور شریعت کے حق کے «وَقِيمَةٌ أُخْرَى» اور اس پر اس کی ایک اور قیمت بھی آئے گی «ضَمَانًا لِمَالِكِهِ» اس کے مالک کے لیے بطور ضمان کے «كَالصَّيْدِ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَرَمِ» جیسے کہ وہ شکار جو مملوک ہو کس میں؟ حرم میں۔ اس مملوک شکار کو اگر کوئی قتل کرے گا تو اس پر دو دو جزا آئیں گی بھئی۔ ایک تو وہ بطور کفارے کے اور ایک اس کے مالک کو ضمان دینا پڑے گا۔

■ مسئلہ: وَمَا جَفَّ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ لَا ضَمَانَ فِيهِ

«وَمَا جَفَّ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ لَا ضَمَانَ فِيهِ» اور وہ جو خشک ہو جائے حرم کے درخت میں سے «لَا ضَمَانَ فِيهِ» اس میں کوئی ضمان نہیں ہے «لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَامٍ» اس لیے کیونکہ وہ بڑھنے والا نہیں ہے۔ امان تو کس کو تھا؟ جو بڑھنے والا ہے پودا، اور یہ تو خشک ہو چکا۔

«وَلَا يُرْعَى حَشِيشُ الْحَرَمِ وَلَا يُقْطَعُ إِلَّا الْإِذْخِرَ» «وَلَا يُرْعَى حَشِيشُ الْحَرَمِ» اور چرائی نہیں جائے گی حرم کی گھاس، یعنی حرم کی گھاس میں جانوروں وغیرہ کو نہیں چرایا جائے گا۔ «وَلَا يُقْطَعُ إِلَّا الْإِذْخِرُ» اور کاٹا نہیں جائے گا سوائے اذخر گھاس کے۔ حرم کی جو گھاس ہے اس میں جانوروں کو بھی نہیں چرایا جائے گا، جانوروں کا چرانا بھی اس میں ممنوع ہے اور اس گھاس کو کاٹنا بھی ممنوع سوائے اذخر گھاس کے۔ اذخر کہتے ہیں یہ کوئی خوشبودار گھاس ہے اور اس کو وہ لوگ جو ہے گھروں میں بطور خوشبو کے استعمال کرتے تھے اور حضور علیہ السلام نے اس کا استثناء فرمایا۔ باقی درختوں کے کاٹنے سے تو منع فرمایا، لیکن اس کا استثناء فرمایا، یہ آگے صاحبِ ہدایہ بھی آپ کو بتلائیں گے۔

«وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا بَأْسَ بِالرَّعْيِ فِيهِ» اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی حرج نہیں ہے اس میں چرانے کے اندر، حرم کی گھاس میں جانور کے چرانے میں کوئی حرج نہیں۔ «لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً» اس لیے کیونکہ اس کے اندر ضرورت ہے۔ بھئی ضرورت کیوں ہے؟ کہتے ہیں: مویشیوں کو روکنا اس سے وہ متعذر ہے، ممکن نہیں ہے۔ مویشی کو تو جس طرف آپ لے کر جائیں گے، وہ کیا کرے گا؟ وہ تو جہاں گھاس نظر آئے گی اس میں سے کچھ کھاتا چلا جائے گا، تو لہٰذا جانور کو اس سے منع کرنا ممکن نہیں، لہٰذا اس میں ضرورت کی بنا پر چرانے کی اجازت ہے۔

مسئلہ: وَلَنَا

«وَلَنَا» اور ہمارے نزدیک، ہمارا کیا مذہب ذکر ہوا؟ متن میں آ گیا کہ اس میں جانوروں کو نہیں چرایا جائے گا۔ «وَلَنَا» اور ہماری دلیل «مَا رَوَيْنَا» وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا، حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا تھا؟ «لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا» کہ حرم کی سر سبز گھاس کو نہ کاٹا جائے۔

«وَالْقَطْعُ بِالْمَشَافِرِ كَالْقَطْعِ بِالْمَنَاجِلِ» یہ ایک اعتراض کا جواب کہ حدیث کے اندر تو کاٹنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ چرانا، یہ تو کاٹنے کی طرح نہیں۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ نہیں، یہ چرانا بھی کس کی طرح ہے؟ کاٹنے کی طرح ہے۔ کاٹنے میں یہ ہے بس آپ درانتی استعمال کرتے ہیں اس کے ذریعے گھاس وغیرہ کو کاٹیں گے، اور یہاں پر وہ جانور کیا کر رہا ہے؟ اپنے ہونٹوں اور دانتوں کے ذریعے اس کو کاٹ رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَالْقَطْعُ بِالْمَشَافِرِ»، «مَشَافِرِ» جمع ہے مشفر کی اور مشفر مشفر کا معنی ہے ہونٹ بھی ہونٹ، لیکن جب یہ ہونٹ کے معنی میں ہو تو پھر یہ بالخصوص اونٹ کے جو ہونٹ ہیں اس کے لیے استعمال ہوتا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور جانور بھی جب گھاس وغیرہ چرتے ہیں اگر آپ نے غور کیا ہو وہ زیادہ مدد جو ہے وہ اپنے ہونٹوں سے لیتے ہیں اس کے ذریعے گھاس کو کھینچ کر توڑتے ہیں اور پھر دانتوں سے اس کو کھاتے ہیں۔ اور بالخصوص اونٹ جو ہے وہ تو گھاس، پودے وغیرہ جو بھی کاٹتا ہے وہ اپنے ہونٹوں کے ذریعے اس کو پہلے کاٹتا ہے، کھینچ کر توڑتا ہے اور پھر دانتوں کے ذریعے کھاتا ہے۔ اسی لیے مشافر یعنی ہونٹوں کو بالخصوص ذکر کیا۔ کہتے ہیں: «وَالْقَطْعُ بِالْمَشَافِرِ» اور ہونٹوں کے ذریعے کاٹنا «كَالْقَطْعِ بِالْمَنَاجِلِ»، «مَنَاجِلِ» جمع ہے منجل کی، درانتی کو کہتے ہیں بھئی جس کے ذریعے گھاس وغیرہ اور پودے کاٹے جاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: ہونٹوں کے ذریعے کاٹنا بھی جو ہے درانتیوں کے ساتھ کاٹنے کی طرح ہے۔

«وَحَمْلُ الْحَشِيشِ مِنَ الْحِلِّ مُمْكِنٌ» یہ جواب دے رہے ہیں بھئی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کیا فرمایا تھا کہ اس کے اندر ضرورت ہے اور ہاں، اس میں یہ اضافہ کر لیں: ضرورت ہے اور کہ جانوروں کو اس سے منع نہیں کیا جا سکتا اور نیز اس لیے کیونکہ جانور انسان لے کر جائے گا وہاں حرم جانوروں کو ساتھ لے کر جائے گا تو ان کو بھی گھاس وغیرہ کی ضرورت ہو گی یا نہیں ہو گی؟ ان کو بھی گھاس وغیرہ کی ضرورت ہو گی تو اس لیے اس میں اجازت ہے۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہتے ہیں بھئی وہ ضرورت حرم کے باہر سے گھاس لا کر بھی پوری کی جا سکتی ہے۔ حرم تو چھوٹا سا علاقہ ہے کیا کیا جا سکتا ہے؟ ان جانوروں کے لیے گھاس حرم کے باہر سے بھی لائی جا سکتی ہے۔ «وَحَمْلُ الْحَشِيشِ مِنَ الْحِلِّ مُمْكِنٌ» اور گھاس کو لانا حل سے یعنی حرم کے باہر سے بھی ممکن ہے «فَلَا ضَرُورَةَ» لہٰذا کوئی ضرورت نہیں ہے۔ «بِخِلَافِ الْإِذْخِرِ» بخلاف اذخر گھاس کے «لِأَنَّهُ اسْتَثْنَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کیونکہ اس کا استثناء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا «فَيَجُوزُ قَطْعُهُ وَرَعْيُهُ» لہٰذا اس کا کاٹنا اور اس کا چرانا جائز ہے۔

مسئلہ: وَبِخِلَافِ الْكَمْأَةِ

«وَبِخِلَافِ الْكَمْأَةِ»، «كَمْأَةٌ» بھئی یہ وہ چھوٹے چھتری نما پودے ہوتے ہیں جو برسات وغیرہ میں اگ آتے ہیں بھئی، جسے وہ عموماً سانپ کی چھتری کہا جاتا ہے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ سانپ کی چھتری بھی اور اسی طرح کھمبی بھی کہا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَبِخِلَافِ الْكَمْأَةِ» اور بخلاف سانپ کی چھتری کے «لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ جُمْلَةِ النَّبَاتِ» اس لیے کیونکہ یہ جملہ پودوں میں سے نہیں ہے بھئی۔ یہ پودوں میں سے نہیں ہے، لہٰذا اس میں بھی اجازت ہے۔

«وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلَهُ الْقَارِنُ مِمَّا ذَكَرْنَا أَنَّ فِيهِ عَلَى الْمُفْرِدِ دَمًا فَعَلَيْهِ دَمَانِ دَمٌ لِحَجَّتِهِ وَدَمٌ لِعُمْرَتِهِ» یہ بات میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حج افراد کرنے والا اگر کوئی جنایت کرتا ہے تو اس پر ایک دم واجب ہو گا۔ اور اسی طرح متمتع بھی جب اگر کوئی جنایت کرتا ہے اس پر ایک دم آئے گا، کیونکہ متمتع کا پہلا احرام جو تھا وہ کون سا تھا؟ عمرے کا، اور پھر بعد میں عمرے کا احرام ختم ہوا اور پھر آخر میں حج کا احرام شروع ہوا۔ تو ایک وقت میں اس کا احرام ایک ہی چیز کا ہے، لہٰذا اس وہ جو بھی جرم کرتا ہے وہ ایک ہی شمار ہو گا اور ایک ہی دم آئے گا۔ لیکن قارن نے جو احرام باندھا ہے وہ حج اور عمرے دونوں کا ہے، لہٰذا اگر وہ کوئی جنایت کرتا ہے تو اس پر دو دم آئیں گے۔ ایک دم کس وجہ سے؟ کہ یہ عمرے کی جنایت ہے اور ایک دم کس وجہ سے؟ کہ یہ حج کی جنایت ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلَهُ الْقَارِنُ مِمَّا ذَكَرْنَا» اور ہر وہ چیز جس کو قارن کرے ان میں سے جن کو ہم نے ذکر کیا «أَنَّ فِيهِ عَلَى الْمُفْرِدِ دَمًا» کہ اس کے اندر حج افراد کرنے والے پر ایک دم ہے، وہ تمام چیزیں جن میں ہم نے ذکر کیا کہ اس میں مفرد پر ایک دم ہے، ہر ایسی چیز کو جب قارن کرے گا «فَعَلَيْهِ دَمَانِ» تو اس پر دو دم ہیں: «دَمٌ لِحَجَّتِهِ وَدَمٌ لِعُمْرَتِهِ» ایک دم اس کے حج کا ہے اور ایک دم اس کے عمرے کا ہے۔

مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: دَمٌ وَاحِدٌ

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: دَمٌ وَاحِدٌ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر ایک ہی دم آئے گا، قارن پر بھی ایک ہی دم آئے گا «بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ مُحْرِمٌ بِإِحْرَامٍ وَاحِدٍ عِنْدَهُ» بنا بر اس کے، بوجہ اس کے کہ وہ شخص محرم ہے ایک ہی احرام کے ساتھ، اس نے ایک ہی احرام باندھ رکھا ہے۔ کس کے

نزدیک؟ امام شافعی رحمہ اللہ۔ آپ پڑھ چکے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عمرے کا تداخل ہو جائے گا کس کے اندر؟ حج کے اندر، لہٰذا عمرے کے الگ افعال نہیں کرنا پڑیں گے۔ وہی ایک طواف اور ایک سعی حج کی بھی ہو گی اور وہی عمرے کی بھی ہو گی۔ تو اس لیے وہ: «بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ مُحْرِمٌ بِإِحْرَامٍ وَاحِدٍعِنْدَهُ» بوجہ اس کے کہ وہ محرم ہے ایک ہی احرام کے ساتھ ان کے نزدیک «وَعِنْدَنَا بِإِحْرَامَيْنِ» اور ہمارے نزدیک وہ محرم ہے دو احراموں کے ساتھ «وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ» اور تحقیق یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

«قَالَ:» صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: «إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ الْمِيقَاتَ غَيْرَ مُحْرِمٍ بِالْعُمْرَةِ أَوْ بِالْحَجِّ فَيَلْزَمُهُ دَمٌوَاحِدٌ» ہاں، ایک مقام ایسا ہے کہ وہاں پر قارن پر بھی ایک ہی دم آئے گا، ایک ہی دم آئے گا۔ اور وہ کہ وہ صورت کہ جب ایک شخص یہاں سے چلا حج قران کے ارادے سے، لیکن ابھی اس نے احرام نہیں باندھا اور وہ میقات سے بھی آگے نکل گیا بغیر احرام باندھے ہی۔ اور آپ پڑھ چکے، میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں جب کوئی شخص مکہ جا رہا ہو یا حج عمرے کا ارادہ ہو۔ لہٰذا اب اس قارن پر دم آئے گا، لیکن یہاں اس پر اب دو دم نہیں آئیں گے بلکہ ایک ہی دم آئے گا، ایک ہی دم آئے گا۔

تو کہتے ہیں: «إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ الْمِيقَاتَ غَيْرَ مُحْرِمٍ بِالْعُمْرَةِ أَوْبِالْحَجِّ» مگر یہ کہ وہ حج قران کرنے والا میقات سے آگے بڑھ جائے اس حال میں کہ وہ محرم بالعمرہ یا محرم بالحج نہ ہو «فَيَلْزَمُهُ دَمٌوَاحِدٌ» تو اس پر ایک ہی دم لازم ہے «خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام زفر رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں: نہیں، یہاں پر بھی اس پر دو دم لازم ہوں گے۔

آگے ہماری دلیل آ رہی ہے: «لِمَا أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمِيقَاتِ إِحْرَامٌوَاحِدٌ» ہماری دلیل یہ ہے کہ اس شخص پر میقات سے، بھئی ایک آدمی ہے وہ میقات سے گزر کر مکہ جانا چاہتا ہے تو میقات کا حق کیا ہے؟ کہ اس سے احرام باندھ کر گزرا جائے اور ایک ہی احرام کافی ہو جائے گا یا دو ہونا ضروری ہوتے ہیں؟ ایک ہی احرام کافی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ جب شخص حج قران کے لیے بیشک چلا ہے لیکن میقات سے جب یہ آگے تجاوز کر گیا تو اس پر کیا واجب تھا؟ کم از کم ایک احرام باندھ کر گزرے اور اس میں اس نے تاخیر کر دی ہے، تو لہٰذا اس پر ایک ہی دم آئے گا دو دم نہیں آئیں گے۔ یہ معنی ہے: «لِمَا أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمِيقَاتِ إِحْرَامٌوَاحِدٌ» اس لیے کیونکہ اس پر واجب جو ہے، لازم جو ہے اس پر میقات کے پاس ایک ہی احرام ہے «وَبِتَأْخِيرِ وَاجِبٍ وَاحِدٍ لَا يَجِبُ إِلَّا جَزَاءٌوَاحِدٌ» اور ایک واجب کو مؤخر کرنے کی وجہ سے ایک ہی جزا واجب ہو گی۔

■ مسئلہ: وَإِذَا اشْتَرَكَ مُحْرِمَانِ فِي قَتْلِ صَيْدٍ...

«وَإِذَا اشْتَرَكَ مُحْرِمَانِ فِي قَتْلِ صَيْدٍ فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا جَزَاءٌ كَامِلٌ» صورتِ مسئلہ یہ: آپ پڑھ چکے کوئی شخص اگر حالتِ احرام میں شکار کرے تو اس پر جزا واجب ہو گی۔ اب اگر دو محرم تھے، انہوں نے مل کر شکار کر لیا یا تین تھے انہوں نے مل کر شکار کر لیا یا چار تھے انہوں نے مل کر شکار کر لیا، تو اب کیا حکم ہے؟ تو یاد رکھیے، اس صورت میں ہر ایک پر کامل جزا آئے گی۔ ایک تھا تو ایک پر ہی آ جائے گی جزا، دو نے مل کر قتل کیا ہے تو دونوں پر پوری پوری جزا آئے گی اور پانچ یا دس نے مل کر قتل کیا ہے تو ہر ایک پر پوری پوری جزا آئے گی۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا اشْتَرَكَ مُحْرِمَانِ فِي قَتْلِ صَيْدٍ» اور جب دو محرم شریک ہوئے شکار کے قتل میں «فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا جَزَاءٌ كَامِلٌ» تو ان میں سے ہر ایک پر پوری جزا ہے «لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالشِّرْكَةِ يَصِيرُ جَانِيًا جِنَايَةً تَفُوقُ الدَّلَالَةَ» اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک جو ہے شریک ہونے کی وجہ سے «يَصِيرُ جَانِيًا» جنایت کرنے والا ہو گیا «جِنَايَةً تَفُوقُ الدَّلَالَةَ» ایسی جنایت، ایسا جرم «تَفُوقُ الدَّلَالَةَ» جو رہنمائی سے بڑھ کر ہے۔ دونوں نے مل کر کیا کیا اس کو؟ قتل کیا۔ تو ایسا جرم انہوں نے کیا جو رہنمائی سے بڑھ کر ہے «فَيَتَعَدَّدُ الْجَزَاءُ» تو لہٰذا جزا بھی متعدد ہو جائے گی «بِتَعَدُّدِ الْجِنَايَةِ» جرموں کے متعدد ہونے سے۔ جب جرم متعدد ہوئے کیونکہ ہر شخص کا فعل کیا ہے؟ وہ جرم ہے تو جرم متعدد ہو گئے تو اس کے مطابق جو جزا آئے گی وہ بھی متعدد ہو گی۔

«وَإِذَا اشْتَرَكَ حَلَالَانِ فِي قَتْلِ صَيْدِالْحَرَمِ» اس کے برعکس بھئی حرم کے ایک شکار کے اندر دو یا تین یا چار حلال آدمی یعنی غیر محرم شریک ہو گئے تو پھر کیا ان میں سے ہر ایک پر کامل جزا آئے گی؟ کہتے ہیں: نہیں بھئی۔ یہاں جو یہاں جو جزا آتی ہے وہ محل کا ضمان ہے، لہٰذا ایک شخص اس جانور کو شکار کرے یا دس شکار کریں محل یعنی وہ شکار تو ایک ہی ہے لہٰذا ایک ہی جزا آئے گی بھئی، ایک ہی۔ صرف اسی کی قیمت آئے گی اور پھر اس کے مطابق ان پر تقسیم ہو جائے گی۔ دو ہوں گے تو آدھی آدھی قیمت دے دیں گے اور تین یا چار ہیں تو اس کے مطابق حصے ہو جائیں گے، تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

■ مسئلہ: وَإِذَا اشْتَرَكَ حَلَالَانِ فِي قَتْلِ صَيْدِ الْ...

«وَإِذَا اشْتَرَكَ حَلَالَانِ فِي قَتْلِ صَيْدِالْحَرَمِ» اور جب شریک ہوئے دو حلال شخص یعنی غیر محرم حرم کے شکار کو قتل کرنے میں «فَعَلَيْهِمَا جَزَاءٌوَاحِدٌ» تو ان پر ایک ہی جزا واجب ہے «لِأَنَّ الضَّمَانَ بَدَلٌ عَنِ الْمَحَالِّ لَا جَزَاءٌ عَنِ الْجِنَايَةِ» اس لیے کیونکہ یہ جو ضمان ہے یہ محل کا بدل ہے «لَا جَزَاءٌ عَنِ الْجِنَايَةِ» یہ جنایت کی جزا نہیں، یہ حالتِ احرام میں نہیں تھے کہ جنایت ہوتی تو اس صورت میں ان پر۔ تو «لَا جَزَاءٌ عَنِ الْجِنَايَةِ» یہ جنایت کی جزا نہیں ہے «فَيَتَّحِدُ بِاتِّحَادِالْمَحَالِّ» تو لہٰذا یہ ضمان جو ہے متحد یعنی ایک ہی ہو گا «بِاتِّحَادِ الْمَحَالِّ» محل یعنی شکار کے متحد ہونے کی وجہ سے یعنی اس کے ایک ہونے کی وجہ سے۔ «كَرَجُلَيْنِ قَتَلَا رَجُلًاخَطَأً» جیسے دو شخص جو ہیں وہ قتل کر دیتے ہیں کسی دوسرے آدمی کو خطا غلطی سے «يَجِبُ عَلَيْهِمَا دِيَةٌ وَاحِدَةٌ» ان دونوں پر ایک ہی دیت واجب ہو گی بھئی، کیونکہ یہ محل کا ضمان ہے۔ «وَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَاكَفَّارَةٌ» اور ان میں سے ہر ایک پر کفارہ ہے بھئی۔ آپ پڑھ چکے قتلِ خطا کے اندر دیت بھی آتی ہے اور کفارہ بھی آتا ہے، تو ساٹھ روزے بھی رکھنا پڑیں گے اور وہ کفارہ کفارہ کس لیے آیا؟ فعل کی وجہ سے، ایک ممنوعہ فعل کیا انہوں نے، اور دیت کس لیے آئی؟ اس جان کے بدلے آئی اور جان تو ایک ہی تھی لہٰذا دیت ایک ہی آئے گی اور فعل تو دونوں کا الگ الگ تھا لہٰذا ہر ایک پر کفارہ آئے گا کیونکہ کفارہ فعل کی جزا ہے اور دیت جو ہے وہ محل یعنی اس جان کی جزا ہے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ ان دونوں پر ایک ہی دیت آئے گی «وَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَاكَفَّارَةٌ» اور ان دونوں میں سے ہر ایک پر کفارہ ہو گا۔

«وَإِذَا بَاعَ الْمُحْرِمُ الصَّيْدَ أَوِ ابْتَاعَهُ فَالْبَيْعُبَاطِلٌ» اور جب بیچا محرم نے شکار کو یا اس کو خریدا تو بیع باطل ہے۔ پیچھے شروع میں ذکر ہوا تھا مسئلہ کہ گھاس پودے وغیرہ جو ہیں حرم کے ان کی بیع مکروہ ہے اور یہ شکار کی بیع باطل ہے، وہ فرق بیان کریں گے۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّ بَيْعَهُ حَيًّا تَعَرُّضٌ لِلصَّيْدِ» اس لیے کیونکہ شکار کو زندہ بیچنا یہ شکار کے پیچھے پڑنا ہے «بِتَفْوِيتِ الْأَمْنِ» امن کو فوت کرنے کی وجہ سے۔ اس کی وجہ سے کیا ہو گا؟ شکار کا امن فوت ہو گا اور تو یہ شکار کے پیچھے پڑنا ہوا اور محرم کو تو شکار کے پیچھے پڑنے سے روکا گیا ہے، تو زندہ بیچنا جائز نہیں کیونکہ زندہ بیچے گا تو کس کے پیچھے پڑنا ہے؟ شکار کے پیچھے پڑنا اور اس سے تو اس سے منع کیا گیا ہے۔ «وَبَيْعُهُ بَعْدَ مَا قَتَلَهُ بَيْعُمَيْتَةٍ» اور اس شکار کو بیچنا بعد اس کے کہ جب اس نے اس کو قتل کر دیا تھا تو وہ تو مردار کی بیع ہے اور مردار کی بیع بھی درست نہیں ہے بھئی۔ تو زندہ بیچے گا تو شکار کے پیچھے پڑنا لازم آیا اور یہ درست نہیں اور مردہ بیچے گا تو مردار کی بیع ہے اور یہ بھی درست نہیں۔

«وَمَنْ أَخْرَجَ ظَبْيَةً مِنَ الْحَرَمِ فَوَلَدَتْ أَوْلَادًا فَمَاتَتْ هِيَ وَأَوْلَادُهَا فَعَلَيْهِجَزَاؤُهُنَّ» صورتِ مسئلہ یہ: ایک شخص نے حرم کے اندر ہرنی کو پکڑ لیا اور اس کو لے کر حرم سے نکل گیا، باہر لے گیا، لے جا رہا ہے اب اس کو، اور یہ ہرنی حاملہ تھی، اس نے بچوں کو جنم دیا اور پھر خود بھی مر گئی اور بچے بھی مر گئے بھئی سارے۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں اس شخص پر کیا آئے گی؟ جزا آئے گی، کیونکہ یہ کس کے پیچھے پڑا؟ شکار کے پیچھے پڑا اور اس سے تو اس کو منع کیا گیا تھا بھئی۔ اور نیز اولاد کی بھی جزا آئے گی، صرف ہرنی کی جزا نہیں آئے گی بلکہ اس کے جو اولاد، جو بچے جتنے تھے ان کی بھی جزا اس پر آئے گی بھئی، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ أَخْرَجَ ظَبْيَةً مِنَالْحَرَمِ» اور جس نے حرم سے کسی ہرنی کو نکالا «فَوَلَدَتْ أَوْلَادًا» تو اس نے کئی بچوں کو جنم دیا «فَمَاتَتْ هِيَوَأَوْلَادُهَا» تو پھر وہ ہرنی اور اس کی اولاد مر گئی «فَعَلَيْهِ جَزَاؤُهُنَّ» تو اس شخص پر ان سب کی جزا واجب ہے «لِأَنَّ الصَّيْدَ بَعْدَ الْإِخْرَاجِ مِنَ الْحَرَمِ بَقِيَ مُسْتَحِقًّا لِلْأَمْنِشَرْعًا» اس لیے کیونکہ شکار جب اس کو حرم سے نکال دیا گیا تو بھی وہ امن کا مستحق ہے شرعاً بھئی۔ شرعاً پھر بھی وہ کیا ہے؟ امن کا مستحق ہے کیونکہ کہاں سے لے کر گیا ہے اس کو؟ حرم سے، یہ حرم کا شکار ہے، تو باہر لے بھی جائے پھر بھی یہ مستحقِ امن ہے۔ اور جب یہ مستحقِ امن ہے، کس وجہ سے؟ یہ حکم کس نے دیا؟ شریعت نے۔ تو اس کا مستحقِ امن ہونا یہ وصف اس کے لیے شرعاً ثابت ہے، جب یہ وصف اس کے لیے شرعاً ثابت ہے تو یہ اس کے بچوں کی طرف بھی سرایت کر جائے گا۔ جیسے جیسے ایک عورت کی اولاد ہوتی ہے اور آپ پڑھ چکے بچہ آزادی اور غلامی میں ماں کے تابع ہوتا ہے کیونکہ یہ آزادی اور غلامی یہ کیا ہے؟ یہ ایک وصفِ شرعی ہے اور یہ اولاد کی طرف بھی سرایت کرے گا، لہٰذا اگر ماں باندی ہے تو اس کا بچہ بھی کیا ہو گا؟ غلام ہو گا اور اگر ماں آزاد ہے تو بچہ بھی کیا ہو گا؟ آزاد۔ تو دیکھو یہ وصف سرایت کر گیا کس کی طرف؟ اس کی اولاد کی طرف۔ تو یہاں پر بھی یہ جو ہرنی تھی یہ کیا تھی؟ مستحقِ امن تھی اور یہ ایک وصفِ شرعی ہے شریعت نے اس کو مستحقِ امن قرار دیا ہے تو یہ وصف کس کی طرف سرایت کر جائے گا؟ اس کے بچوں کی طرف، لہٰذا وہ بھی کیا ہوئے؟ مستحقِ امن ہوئے اور جب وہ مر گئے تو صرف ہرنی کی جزا نہیں بلکہ اب ان سب کی جزا آئے گی کیونکہ سب مستحقِ امن تھے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں: «وَلِهَذَا وَجَبَ رَدُّهُ إِلَى مَأْمَنِهِ» اور اسی وجہ سے اس کو واپس لوٹانا واجب ہے اس کے امن کی جگہ کی طرف یعنی حرم کی طرف «وَهَذِهِ صِفَةٌ شَرْعِيَّةٌ فَتَسْرِي إِلَى الْوَلَدِ» اور یہ مستحقِ امن ہونا یا یوں کہیں اس کا مستحقِ رد ہونا یعنی اس کا یہ لوٹانے کی مستحق ہے حرم کی طرف، یہ ایک صفتِ شرعی ہے «فَتَسْرِي إِلَى الْوَلَدِ» تو یہ سرایت کر جائے گی اس کے بچوں کی طرف۔

■ مسئلہ: فَإِنْ أَدَّى جَزَاءَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ لَيْسَ عَ...

«فَإِنْ أَدَّى جَزَاءَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ لَيْسَ عَلَيْهِ جَزَاءُ الْوَلَدِ» ہاں، ایک صورت میں بچوں کی جزا ساقط ہو گی بھئی، اس پر نہیں آئے گی۔ اور وہ یہ کہ بچوں کو جنم دینے سے پہلے ہی اس نے اس کی جزا ادا کر دی۔ اس نے کیا کیا؟ اس کی جزا ادا کر دی اور جب جزا ادا کر دے گا تو وہ درختوں کے اندر آپ نے مسئلہ پڑھا تھا، حرم کے کوئی گھاس اور درخت وغیرہ توڑ توڑتا ہے تو اس پر جزا آتی ہے اور جب جزا ادا کرے گا تو کیا بن جائے گا؟ مالک بن جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہاں پر بھی یہ جب جزا ادا کرے گا کیا بن جائے گا؟ مالک بن جائے گا اور بعد میں وہ بچوں کو جنم دیتی ہے تو اب جیسے ہرنی کا اب اس پر اور مزید کوئی ضمان نہیں، اسی طرح اس کے بچوں کا بھی کوئی ضمان نہیں۔

«فَإِنْ أَدَّى جَزَاءَهَا» پس اگر اس شخص نے اس کی جزا ادا کر دی «ثُمَّ وَلَدَتْ» پھر اس ہرنی نے بچوں کو جنم دیا «لَيْسَ عَلَيْهِ جَزَاءُ الْوَلَدِ» تو اب اس شخص پر بچوں کی جزا نہیں ہے «لِأَنَّ بَعْدَ أَدَاءِ الْجَزَاءِ لَمْ تَبْقَ آمِنَةً» اس لیے کیونکہ جزا ادا کرنے کے بعد اب یہ یہ ہرنی جو ہے یہ مامون نہ رہی یعنی مستحق امن اب نہ رہی، یہ مالک بن گیا۔ «لِأَنَّ وُصُولَ الْخَلَفِ كَوُصُولِ الْأَصْلِ»، «خَلَفِ» کہتے ہیں نائب کو، نائب کو، وصول کا معنی پہنچنا۔ «لِأَنَّ وُصُولَ الْخَلَفِ» اس لیے کیونکہ نائب کا وصول ہونا یا اس کا پہنچ جانا «كَوُصُولِ الْأَصْلِ» یہ اصل کے پہنچنے کی طرح ہے۔ جب ہرنی کی جزا دے دی تو یہ جزا کیا ہے؟ اس ہرنی کا قائم مقام ہے، اس کا نائب ہے، تو جب جزا یہ جو قیمت ہے یہ حرم کے فقراء تک پہنچ گئی تو یوں ہی سمجھا جائے گا گویا اصل یعنی ہرنی ہی حرم تک پہنچ گئی بھئی۔ لہٰذا اس وجہ سے اب اس میں پھر اس کے بچوں میں ضمان نہیں آئے گا۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّ وُصُولَ الْخَلَفِ كَوُصُولِ الْأَصْلِ» اس لیے کیونکہ نائب کا پہنچ جانا یہ اصل کے پہنچ جانے کی طرح ہے «وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ» اور اللہ ہی خوب جاننے والے ہیں درست بات کو۔

«بَابُ مُجَاوَزَةِ الْوَقْتِ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ» وقت سے مراد ہے میقات بھئی میقات۔ «بَابُ مُجَاوَزَةِ الْوَقْتِ» یہ باب ہے میقات سے بڑھ جانے کے بیان میں «بِغَيْرِ إِحْرَامٍ» بغیر احرام کے۔ یہ باب ہے بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ جانے کے بیان میں۔ بھئی آپ پڑھ چکے اور ابھی مسئلہ گزرا کہ میقات سے آگے کسی شخص کے لیے جب وہ مکہ جانا چاہتا ہو بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں۔ پھر دوبارہ سن لیجیے، حج کے بیان کے شروع میں میں نے بتلایا تھا کہ بیت اللہ کے ارد گرد قریب کا جو علاقہ ہے، بعض طرف تین چار میل ہے پانچ میل ہے، بعض طرف تیرہ چودہ پندرہ میل تک ہے، یہ سارا علاقہ کیا کہلاتا ہے؟ حرم کہلاتا ہے، تو یہ ایک حد ہوئی۔ اور پھر اس سے باہر ایک اور حد ہے وہ میقات کہلاتی ہے، میقات کہلاتی ہے۔ اور تو یہ جو حرم کے اندر رہنے والے ہیں یہ ہیں اہلِ حرم، اور پھر حرم اور میقات کے درمیان میں جو رہنے والے ہیں ان کو کہتے ہیں حلی اور یہ علاقہ حل کہلاتا ہے، لام مشدد ہے حلّ۔ اور اس میقات سے باہر کے رہنے والے جو لوگ ہیں تمام دنیا کے وہ آفاقی کہلاتے ہیں۔

اور آفاقی شخص اگر کوئی مکہ جانا چاہتا ہے، چاہے کسی بھی کام سے جا رہا ہو، تجارت کے لیے جا رہا ہے یا ملازمت کے لیے جا رہا ہے یا کسی بھی نیت سے مکہ جا رہا ہے، تو میقات سے آگے بغیر احرام کے جانا اس کے لیے جائز نہیں کیونکہ مکہ جا رہا ہے اس جگہ پر جا رہا ہے جہاں اللہ کا سب سے قدیم گھر ہے، لہٰذا اس گھر کی عظمت کی وجہ سے اس پر لازم ہے کہ اس میقات سے احرام باندھ کر گزرے اور جا کر اس وہاں پر عبادت ادا کرے، عمرہ یا حج ادا کرے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو آفاقی شخص کے لیے بغیر احرام کے میقات سے آگے گزرنا جائز نہیں۔

جبکہ وہ لوگ جو حل میں رہتے ہیں یعنی میقات اور حرم کی حدود کے اندر بھئی، یہ وہ بغیر احرام کے بھی مکہ آ جا سکتے ہیں، بغیر احرام کے بھی مکہ آ جا سکتے ہیں، اس لیے کیونکہ وہ حرم کے قریب ہیں، مکہ کے قریب ہیں تو ان کو ضرورت پیش آئے گی کبھی کسی کام کے لیے مکہ جانا پڑے گا کبھی کسی کام کے لیے، اگر ان پر پابندی لگا دی جائے تو وہ تو مشکل میں پڑ جائیں گے۔ تو ضرورت کی بنا پر حل والے جو ہیں وہ مکہ بغیر احرام کے بھی آ جا سکتے ہیں۔

معلوم ہوا آفاقی مکہ جا رہا ہے تو میقات سے آگے بغیر احرام کے نہیں گزر سکتا، اور حلی شخص جب چاہے مکہ آ جائے اور اس کے لیے احرام ضروری نہیں۔ یہاں تک تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

اور یہ بھی میں نے بیان کیا تھا کہ یہ آفاقی کے لیے جب میقات سے گزر رہا ہو تو احرام کب ضروری ہے؟ جب وہ مکہ جانے کا ارادہ کرتا ہے، اگر اس کا ارادہ مکہ جانے کا نہیں ہے بلکہ حل کے اندر ہی کسی جگہ وہ جانا چاہتا ہے مثلاً جدہ وغیرہ ایسی ایسی کوئی جگہ جو حل کے اندر ہے وہاں وہ جانا چاہتا ہے، تو اب تو چونکہ وہ مکہ نہیں جا رہا لہٰذا اب احرام ضروری نہیں، لہٰذا یہ بغیر احرام کے چلا جائے۔ اور جب یہ حل میں چلا گیا تو اب یہ حلیوں حل والوں کے حکم میں ہو گیا، لہٰذا وہاں سے اس کا پھر ارادہ بنتا ہے مکہ کسی کام کے لیے جانے کا، تو اب یہ حل والوں کے حکم میں ہو گیا اور حل والوں کے لیے تو احرام ضروری نہیں تھا مکہ جاتے وقت، لہٰذا اب اس کے لیے بھی احرام ضروری نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو اب اس باب میں اسی سے متعلقہ یہ جو جنایت ہے، اگر کوئی بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ گیا اور وہ جانا مکہ چاہتا تھا تو اس صورت میں اس پر دم آئے گا اور پھر کس کس صورت میں وہ دم اس سے ساقط ہو جائے گا، وہ بیان کریں گے تفصیل بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا أَتَى الْكُوفِيُّ بُسْتَانَ بَنِي عَامِرٍ فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ فَإِنْ رَجَعَ إِلَى ذَاتِ عِرْقٍ وَلَبَّى بَطَلَ عَنْهُ دَمُ الْوَقْتِ وَإِنْ رَجَعَ إِلَيْهِ وَلَمْ يُلَبِّ حَتَّى دَخَلَ مَكَّةَ وَطَافَ لِعُمْرَتِهِ فَعَلَيْهِ دَمٌ»

■ مسئلہ: وَإِذَا أَتَى الْكُوفِيُّ

«وَإِذَا أَتَى الْكُوفِيُّ» اور جب آیا کوئی کوفہ والا، کوفہ والا بھئی یہ بات پہلے بھی کئی جگہ ذکر آیا، کوفہ وغیرہ تو یہ کوفہ والے سے کوفہ ہی کا شخص مراد نہیں ہے بلکہ آفاقی مراد ہے کیونکہ کوفہ بھی کہاں ہے؟ وہ میقات سے باہر ہے تو کوفہ والے بھی آفاقی ہیں، تو کوفہ والے سے بالخصوص کوفہ کے لوگ مراد نہیں بلکہ تمام آفاقی جو ہیں ان کا یہی حکم ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَإِذَا أَتَى الْكُوفِيُّ بُسْتَانَ بَنِي عَامِرٍ» اچھا، بستان بنی عامر بھئی یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ کے قریب ہے اور حرم سے باہر ہے، حرم سے باہر ہے۔ معلوم ہوا یہ کس جگہ پر ہے؟ حل میں ہے، میقات کے اندر ہے اور حرم سے باہر ہے۔ اور آگے ایک جگہ اور آرہی ہے ذاتِ عرق بھئی، ذاتِ عرق یہ میقات ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ میقات ہے بھئی، میقات ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا أَتَى الْكُوفِيُّ بُسْتَانَ بَنِي عَامِرٍ» اور جب آیا کوئی کوفہ والا یعنی کوئی آفاقی آدمی بستان بنی عامر میں، کہاں پر آیا؟ بستان بنی عامر میں آیا یعنی حل کے اندر آیا۔ اب دیکھیے وہ کہاں آیا؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ میقات سے گزرا ہے لیکن مکہ جانے کا ارادہ تھا یا بستان بنی عامر جانے کا ارادہ تھا؟ جب بستان بنی عامر جانے کا ارادہ تھا تو اس پر حج یا عمرے کا احرام میقات سے باندھنا ضروری نہیں۔ تو اس پر میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں، تو یہ بغیر احرام کے چلا گیا وہاں۔ پھر اب آگے: «فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ» پھر اس نے وہاں سے کیا کیا؟ بستان بنی عامر سے عمرے کا احرام باندھا۔

اچھا، یہاں دوسری صورت ذکر ہے بھئی۔ کوفہ والا بستان بنی عامر آیا لیکن اس کا پہلے سے ہی ارادہ تھا عمرہ کرنے کا۔ پہلے سے کیا ارادہ تھا؟ عمرہ کرنے کا ارادہ تھا، اور جب پہلے سے عمرہ کرنے کا ارادہ تھا پھر تو بیشک مکہ سیدھا نہ بھی جائے لیکن جانے کا ارادہ کہاں کا ہے اس کا؟ مکہ جانے کا ارادہ ہے یا نہیں اس کا؟ اور جو بھی مکہ جانا چاہے اور میقات سے گزرے گا تو اس کے لیے کیا ضروری؟ احرام ضروری۔ تو یہ شخص بھی جب میقات سے آگے گزرا تو اس پر کیا ضروری تھا؟ احرام باندھنا۔ اس نے احرام باندھا نہیں اور بغیر احرام کے گزر گیا تو اس پر کیا لازم ہوا؟ ایک دم لازم ہو جائے گا، کیا لازم ہو جائے گا؟ دم لازم ہوا۔ پھر اس نے کیا کیا؟ وہ بستان بنی عامر پہنچ کر وہاں اس نے عمرے کا احرام باندھا۔ تو دم اس پر ہے یا نہیں ابھی تک؟ توجہ ہے؟ اس پر دم ابھی بھی ہے۔ تو اس احرام باندھ لیا، تلبیہ کہہ لیا اور پھر وہاں سے وہ واپس آیا ذاتِ عرق یعنی میقات سے باہر آگیا، میقات پر آگیا۔ سمجھ میں آیا؟ میقات پر آیا اور پھر یہاں سے وہ مکہ چلا گیا عمرہ ادا کرنے کے لیے۔ تو کیا یہ جو باہر آگیا اور پھر گیا احرام کی حالت میں اب تو میقات سے گزرا ہے، توجہ ہے نا؟ احرام کی حالت میں میقات سے گزرا ہے تو کیا اب اس سے وہ دم ساقط ہو گیا یا ساقط نہیں ہو گا؟ صاحبین فرماتے ہیں اس سے یہ دم ساقط ہو جائے گا جبکہ یہ احرام کی حالت میں یہاں سے گزر گیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں: نہیں، صرف احرام میں گزرنا کافی نہیں بلکہ میقات پر آکر یہاں باقاعدہ وہ احرام کی نیت کرے اور تلبیہ کہے گا۔ باقاعدہ یہاں اس کو تلبیہ کہنا پڑے گا یعنی نئے احرام کی یہاں سے نیت کر کے چلے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تلبیہ کہے گا یہاں پر۔ تو تلبیہ اگر یہاں آکر وہ کہہ دیتا ہے، احرام کی نیت تو ہے ہی اس کی، صرف یہاں آکر کیا کہہ دے؟ تلبیہ کہہ دے تو اس سے یہ دم ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر بغیر تلبیہ کے یہ صرف آیا اور پھر چلا گیا تو اس سے وہ دم ساقط نہیں ہو گا۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دم اس سے اب کسی حال میں ساقط نہیں ہو گا چاہے تلبیہ کہے یا نہ کہے، کسی بھی حال میں یہ دم اس سے اب ساقط نہیں ہو سکتا کیونکہ اس غلطی کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اس کو بغیر احرام کے گزرنے کی اجازت نہیں تھی اور پھر یہ گزر گیا تو اس نے ایک جرم کر لیا ہے، وہ جرم اب ختم نہیں ہو سکتا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: «وَإِذَا أَتَى الْكُوفِيُّ بُسْتَانَ بَنِي عَامِرٍ» اور جب آیا کوئی کوفہ والا یعنی آفاقی شخص بستان بنی عامر میں، «فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ» تو بستان بنی عامر آیا اور اس کا پہلے سے ہی ارادہ کس چیز کا ہے؟ عمرے کا ہے۔ «فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ» تو پھر اس نے احرام باندھا عمرے کا «فَإِنْ رَجَعَ إِلَى ذَاتِ عِرْقٍ وَلَبَّى بَطَلَ عَنْهُ دَمُ الْوَقْتِ» پس اگر یہ شخص واپس لوٹ گیا ذاتِ عرق یعنی میقات کی طرف اور «وَلَبَّى» اور تلبیہ کہا «بَطَلَ عَنْهُ دَمُ الْوَقْتِ» تو اس سے میقات والا دم باطل ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا۔ «وَإِنْ رَجَعَ إِلَيْهِ وَلَمْ يُلَبِّ حَتَّى دَخَلَ مَكَّةَ وَطَافَ لِعُمْرَتِهِ فَعَلَيْهِ دَمٌ» اور اگر یہ لوٹ گیا چلا گیا، کہاں تک آیا؟ میقات تک آیا اور تلبیہ نہیں کہا اور چلا گیا۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ رَجَعَ إِلَيْهِ» اور اگر یہ وہ میقات تک لوٹ گیا «وَلَمْ يُلَبِّ» اور حال یہ کہ اس نے تلبیہ نہیں کہا «حَتَّى دَخَلَ مَكَّةَ» یہاں تک کہ پھر یہ مکہ میں داخل ہوا «وَطَافَ لِعُمْرَتِهِ» اور عمرے کا طواف کر لیا «فَعَلَيْهِ دَمٌ» تو اس پر دم واجب ہے۔ «وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، یعنی اب اس سے دم ساقط نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَقَالَا: إِنْ رَجَعَ إِلَيْهِ مُحْرِمًا فَلَيْسَ عَ...

«وَقَالَا: إِنْ رَجَعَ إِلَيْهِ مُحْرِمًا فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ لَبَّى أَوْ لَمْ يُلَبِّ» صاحبین فرماتے ہیں: اگر یہ لوٹا میقات کی طرف محرماً حالتِ احرام میں، تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے چاہے تلبیہ کہے یا نہ کہے، بس واپس لوٹ آیا حالتِ احرام میں تو کافی ہے۔ «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَسْقُطُ لَبَّى أَوْ لَمْ يُلَبِّ» اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دم اس سے ساقط نہیں ہو گا تلبیہ کہے یا تلبیہ نہ کہے «لِأَنَّ جِنَايَتَهُ لَمْ تَرْتَفِعْ بِالْعَوْدِ» اس لیے کیونکہ اس کا یہ جرم جو ہے یہ اٹھ یہ اٹھ نہیں سکتا لوٹنے سے۔ جرم کیا ہے وہ ہو چکا ہے، لہٰذا اب یہ وہ اٹھے گا نہیں، ختم نہیں ہو گا، اس پر دم لازم ہو چکا ہے۔

خلاصۂ مسئلہ کیا ہوا؟ امام صاحب کے نزدیک واپس لوٹ کر اگر تلبیہ وہاں کہہ لے گا تو دم ساقط۔ صاحبین کے نزدیک تلبیہ کہے یا نہ کہے حالتِ احرام میں جب یہاں سے گزر گیا ایک دفعہ تو دم ساقط۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسی بھی صورت میں اب یہ دم ساقط نہیں ہو سکتا۔

تو امام زفر کی دلیل چل رہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ جنایت جو ہے اب واپس لوٹنے سے بھی ختم نہیں ہو سکتی: «**وَصَارَ كَمَا إِذَا أَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ ثُمَّ عَادَ إِلَيْهِ بَعْدَالْغُرُوبِ**» اور یہ شخص اسی طرح ہو گیا جیسے کہ عرفات سے واپس لوٹا ہو، «**ثُمَّ عَادَ إِلَيْهِ بَعْدَالْغُرُوبِ**» اور پھر عرفات کی طرف لوٹا ہو غروب کے بعد۔ بھئی آپ پڑھ چکے کہ عرفات کے اندر وقوف کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ نویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد، اور جب اس وقت کوئی شخص وقوف کر لے دن کے وقت تو کب تک وقوف ضروری ہے؟ غروبِ آفتاب تک وقوف ضروری ہے۔ اگر غروبِ آفتاب سے پہلے کوئی شخص وہاں سے نکل آئے گا تو اس پر کیا لازم ہو گا؟ اس پر دم لازم ہو گا۔ اور پھر اگر یہ شخص غروبِ آفتاب کے بعد واپس چلا بھی جائے وہ دم ساقط نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جو جو کمی رہ گئی تھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تو یہاں تو کہتے ہیں جیسے اس کے اندر وہ تلافی نہیں ہو سکتی غروب کے بعد واپس لوٹنے سے، یہاں پر بھی واپس لوٹنے سے اب اس غلطی کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تو کہتے ہیں: «**وَصَارَ كَمَا إِذَا أَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ ثُمَّ عَادَ إِلَيْهِ بَعْدَالْغُرُوبِ**» اور یہ ہو گیا اسی طرح جیسے کہ یہ عرفات سے واپس لوٹا ہو، پھر وہ عرفات لوٹ آیا ہو غروب کے بعد۔

■ مسئلہ: وَلَنَا

«**وَلَنَا**» اور ہماری دلیل یہ ہے، یہ صاحبین اور امام صاحب کی مشترکہ دلیل آ رہی ہے۔ صاحبین کے نزدیک احرامِ جدید کے ساتھ لوٹ آئے گا تو دم ساقط، اور امام صاحب کے نزدیک آ کر تلبیہ کہہ لے گا تو دم ساقط۔ تو گویا ان کے نزدیک غلطی کی تلافی ہو گئی جبھی تو دم ساقط ہوا، بات سمجھ میں آ گئی؟ یہی ذکر کرنے لگے ہیں۔ «**وَلَنَا أَنَّهُ تَدَارَكَ الْمَتْرُوكَ فِي أَوَانِهِ**» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے اس چھوڑی ہوئی چیز کی تلافی کر دی، «**تَدَارَكَ الْمَتْرُوكَ**» اس چھوڑی ہوئی چیز کی تلافی کر دی «**فِي أَوَانِهِ**» اس کے اپنے وقت میں ہی، وقت کے اندر اندر ہی کیا کر دی اس نے؟ اس کی تلافی کر دی۔ بھئی اس کا وقت کون سا ہے؟ کوئی وقت مقرر ہے احرام کے لیے؟ میقات سے کوئی گزر رہا ہے اس کے لیے کوئی وقت مقرر ہے؟ نہیں، اس کے لیے تو کوئی وقت نہیں، یہ «**فِي أَوَانِهِ**» کا کیا معنیٰ؟ وہ بھی آگے صاحبِ ہدایہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں بھئی: «**وَذَلِكَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فِي الْأَفْعَالِ**» اور وہ اس عبادت یا عمرے کے افعال میں شروع ہونے سے پہلے ہے۔ یعنی عمرے کے افعال میں شروع ہونے سے پہلے جتنا وقت ہے یہ سارا کس کا ہے؟ یہ احرام کا وقت ہے، اس میں کیا کر سکتا ہے؟ وہ میقات سے احرام باندھ سکتا ہے۔ تو «**وَلَنَا أَنَّهُ تَدَارَكَ الْمَتْرُوكَ فِي أَوَانِهِ**» ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے چھوڑی ہوئی چیز کا تدارک کر لیا اپنے وقت کے اندر «**وَذَلِكَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فِي الْأَفْعَالِ**» اور اس کا وقت جو ہے وہ اس عمرے کے افعال میں شروع ہونے سے پہلے ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ عمرے کے افعال شروع کرنے سے پہلے کیا ہے؟ یہ احرام کا وقت ہے، اس میں اس کی تلافی کر لی اس نے تو تلافی ہو گئی۔ «**فَيَسْقُطُ الدَّمُ**» تو لہٰذا دم ساقط ہو جائے گا۔ «**بِخِلَافِ الْإِفَاضَةِ**» بخلاف عرفات سے واپس لوٹنے کے جس کو امام زفر نے ذکر کیا تھا «**لِأَنَّهُ لَمْ يَتَدَارَكْ الْمَتْرُوكَ عَلَى مَا مَرَّ**» اس لیے کیونکہ اس نے اس چھوڑی ہوئی چیز کی تلافی نہیں کی بوجہ اس کے جو گزر چکی۔ بھئی عرفات کے مسئلے میں تو جو حصہ چھوٹ گیا تھا اس کی تلافی ہو ہی نہیں سکتی، چھوٹا کیا حصہ تھا؟ کہ وقوف کو لمبا کرے غروب تک، اور یہ واپس کب آیا ہے؟ یہ تو غروب کے بعد آیا ہے اور جو حصہ چھوٹ گیا غروب تک وقوف کو لمبا کرنا اس کی تو تلافی اب نہیں ہو سکتی۔ جبکہ یہاں پر کیا ہے؟ عمرے کے افعال شروع کرنے سے پہلے اگر وہ میقات پر آ کر احرام نیا کر لے تو کیا ہو جائے گی اس کی؟ تو یہاں پر تلافی اپنے وقت کے اندر ہو سکتی ہے اور وہاں پر وہ وقت گزر چکا ہے تلافی ہوئی ہی نہیں بھئی، تو دونوں میں فرق ہے۔

«**غَيْرَ أَنَّ التَّدَارُكَ عِنْدَهُمَا**» ہاں، اب یہاں سے وہ فرق بیان کر رہے ہیں۔ صاحبین اور امام صاحب دونوں کے نزدیک عمرے کے افعال شروع کرنے سے پہلے تلافی ہو سکتی ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک صرف احرام پہن کر لوٹ آئے تو تلافی ہو جائے گی اور امام صاحب کے نزدیک تلبیہ کہے گا تو تلافی ہو گی ویسے نہیں، وہ اب ذکر کرنے لگے ہیں۔ «**غَيْرَ أَنَّ التَّدَارُكَ عِنْدَهُمَا بِعَوْدِهِ مُحْرِمًا**» علاوہ اس کے کہ تلافی جو ہے صاحبین کے نزدیک وہ اس کے محرم ہو کر لوٹنے کی وجہ سے ہو گی «**لِأَنَّهُ أَظْهَرَ حَقَّ الْمِيقَاتِ**» اس لیے کیونکہ اس شخص نے میقات کے حق کو ظاہر کر دیا۔ کس کے حق کو؟ میقات کا کیا حق تھا؟ کہ وہ یہاں سے کس حالت میں گزرے؟ احرام، اور اس نے بھی اس کے حق کو ظاہر کر دیا احرام کے ساتھ لوٹ آیا اور یہاں سے گزر گیا۔ یہ اسی طرح ہے کہتے ہیں جیسے کوئی شخص پیچھے ہی احرام باندھ کر چلا ہے اور میقات پر آ کر وہ تلبیہ نہیں کہتا کیونکہ اس کا تو احرام پہلے سے ہی ہے، میقات پر وہ خاموشی سے گزر جاتا ہے، تو یہ شخص بھی جب احرام اس نے کہاں سے باندھا ہے؟ بستان بنی عامر سے یعنی حل کے اندر سے، اور پھر کہاں پر آ گیا؟ میقات پر آ کر یہاں سے گزر گیا تو یہ بھی اسی شخص کی طرح ہوا جو میقات سے حالتِ احرام میں گزرا تھا اور خاموشی سے گزرا تھا، تلبیہ نہیں کہا تھا، تو یہ بھی جب بغیر تلبیہ کے گزرے گا تو اسی کی طرح ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ «**لِأَنَّهُ أَظْهَرَ حَقَّ الْمِيقَاتِ كَمَا إِذَا مَرَّ بِهِ مُحْرِمًا سَاكِتًا**» اس لیے کیونکہ اس شخص نے میقات کے حق کو ظاہر کر دیا جیسے کہ اس پر گزرا ہو وہ حالتِ احرام میں خاموشی سے۔

«**وَعِنْدَهُ بِعَوْدِهِ مُحْرِمًا مُلَبِّيًا**» اور امام صاحب کے نزدیک «**بِعَوْدِهِ**» اس کا عطف ہے پیچھے جو آیا تھا «**بِعَوْدِهِ مُحْرِمًا**»، اور امام صاحب کے نزدیک تلافی ہو گی «**بِعَوْدِهِ مُحْرِمًا مُلَبِّيًا**» اس کے لوٹنے سے اس حال میں کہ یہ حالتِ احرام میں ہو، ملبیا تلبیہ کہنے والا ہو۔ احرام بھی ہو اور تلبیہ بھی کہے۔ امام

صاحب فرماتے ہیں کہ بھئی اصل تو یہ تھا، عزیمت تو یہ تھی احرام کے اندر کہ وہ گھر سے احرام باندھ کر چلے بھئی۔ جو عمرے کے لیے آرہا ہے یا حج کے لیے اسے گھر سے احرام باندھ کر چلنا چاہیے لیکن شریعت نے رخصت دی ہے کہ چاہو تو میقات تک بغیر احرام کے آجاؤ، پھر یہاں کیا کرلو؟ احرام۔ تو اس سے آگے بغیر احرام کے گزرنا درست نہیں۔ تو عزیمت تو یہ تھی کہ یہ گھر سے احرام باندھتا، لیکن جب اس نے رخصت لے لی کہاں تک کی؟ میقات تک کی، تو اب اس پر واجب ہوا کہ اس میقات کے حق کو ادا کرے جب میقات پہنچ جائے۔ کوئی آدمی گھر سے چلا ہے بغیر احرام کے تو میقات پر پہنچ کر اس پر کیا لازم ہو گا؟ اس نے رخصت سے فائدہ اٹھالیا، اب کیا حق ہے میقات کا؟ کہ یہاں احرام باندھے اور تلبیہ کہے اور پھر آگے حالتِ احرام میں جائے۔ توجہ ہے؟ ایک آدمی عمرے کے لیے جاتا ہے تو عزیمت تو یہ ہے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلے، لیکن اگر رخصت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو میقات تک چاہے بغیر احرام کے آجائے، لیکن اس سے آگے پھر کیا کرنا پڑے گا؟ احرام بھی باندھنا پڑے گا اور تلبیہ بھی کہنا پڑے گا۔ تو اس سے معلوم ہوا میقات سے آگے بغیر تلبیہ کے گزرنا اس کے لیے درست نہیں۔ لہٰذا اس شخص نے جب بستان بنی عامر میں آکر احرام باندھا تو اس نے عزیمت پر عمل کیا؟ عزیمت تو کیا تھی؟ عمرے کے لیے چلا ہے تو کہاں سے باندھے احرام؟ گھر سے۔ اس نے گھر سے تو باندھا نہیں، عزیمت پر تو عمل نہیں کیا، معلوم ہوا یہ رخصت پر عمل کرے گا اور رخصت کہاں تک تھی؟ میقات تک، اور رخصت کی صورت میں کیا ضروری ہوتا ہے؟ میقات پر آکر احرام باندھے اور تلبیہ کہے، تو لہٰذا جب اس نے عزیمت پر عمل نہیں کیا تو رخصت پر تو ضرور عمل کرنا پڑے گا، لہٰذا اب صرف میقات تک واپس آنا اس کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کا حق ادا کرے، کیا کرے؟ احرام کے ساتھ ساتھ احرام تو ہے ہی اب تلبیہ بھی کہے بھئی تب رخصت پر عمل ہو گا ورنہ تلبیہ نہیں کہے گا تو پھر تو عزیمت بھی نہ رہی اور رخصت پر بھی اس نے عمل نہیں کیا۔ دلیل سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں: «وَعِنْدَهُ بِعَوْدِهِ مُحْرِمًا مُلَبِّيًا» اور امام صاحب کے نزدیک اس غلطی کا یا اس چھوڑی ہوئی چیز کی تلافی ہو گی جبکہ یہ لوٹے حالتِ احرام میں تلبیہ کہتے ہوئے «لِأَنَّ الْعَزِيمَةَ فِي حَقِّ الْإِحْرَامِ مِنْ دُوَيْرَةِ أَهْلِهِ» اس لیے کیونکہ عزیمت جو ہے احرام کے حق میں وہ اپنے اپنے اہل کے گھروں سے ہے، احرام کہاں سے ہو؟ اپنے اہل کے گھروں سے ہو۔ «فَإِذَا تَرَخَّصَ» جب اس نے رخصت لے لی «بِالتَّأْخِيرِ إِلَى الْمِيقَاتِ» میقات تک مؤخر کرنے کی «وَجَبَ عَلَيْهِ قَضَاءُ حَقِّهِ» تو اس پر واجب ہے میقات کے حق کی قضا کرنا، میقات کے حق کی قضا کرنا اس پر واجب ہے یعنی اس کو ادا کرنا اس پر واجب ہے «بِإِنْشَاءِ التَّلْبِيَةِ» انشاء تلبیہ کے ساتھ، یعنی کیا کرے یہاں پر؟ انشاء تلبیہ کرے، تلبیہ کو وجود دے یعنی تلبیہ کہے بھئی۔ «وَكَانَتْ التَّلَافِي بِعَوْدِهِ مُلَبِّيًا» اور تلافی جو ہو گی وہ اس کے تلبیہ کہہ کر لوٹنے کے ساتھ ہو گی، یہ کس طرح لوٹے؟ تلبیہ کے ساتھ پھر ہی تلافی ہو گی۔

■ مسئلہ: وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا أَحْرَمَ بِحَجَّتِهِ...

«وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا أَحْرَمَ بِحَجَّتِهِ بَعْدَ الْمُجَاوَزَةِ مَكَانَ الْعُمْرَةِ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا» آگے یہ بیان کر رہے ہیں کہ ہم نے تو صورتِ مسئلہ عمرے میں ذکر کی لیکن حج کے احرام میں بھی یہی اختلاف اسی طرح ہے۔ حج کے احرام میں بھی ایک شخص آتا ہے اور اس کا ارادہ حج کا ہے وہ بستان بنی عامر آگیا یعنی میقات سے آگے نکل آیا اور بغیر احرام کے، اور پھر وہاں سے اس نے حج کا احرام باندھا تو چونکہ یہ بغیر احرام کے گزرا تو اس پر دم لازم ہے اور یہ دم اس سے ساقط ہو جائے گا صاحبین کے نزدیک اگر یہ اس جو احرام اس نے باندھ لیا ہے اسی کے ساتھ میقات تک آجائے اور پھر چلا جائے۔ اور امام صاحب کے نزدیک احرام کے ساتھ صرف لوٹنا کافی نہیں بلکہ یہاں آکر تلبیہ بھی کہنا پڑے گا پھر وہ دم ساقط ہو گا۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دم کسی صورت میں بھی اب ساقط نہیں ہو سکتا۔ یہ معنی ہے: «وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ» اور اسی اختلاف پر ہے «إِذَا أَحْرَمَ بِحَجَّتِهِ بَعْدَ الْمُجَاوَزَةِ» کہ جب اس کوفہ والے نے احرام باندھا ہوا اپنے حج کا «بَعْدَ الْمُجَاوَزَةِ» بعد بڑھ جانے کے یعنی میقات سے آگے بڑھ جانے کے بعد اس نے حج کا احرام باندھا ہو، کہاں سے؟ بستان بنی عامر سے، «مَكَانَ الْعُمْرَةِ» عمرے کی جگہ۔ پچھلے مسئلے میں تو عمرہ تھا لیکن عمرے کی جگہ اگر وہ حج کا احرام باندھے تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے «فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا» ان تمام صورتوں میں جو ہم نے ذکر کر دیں۔

«وَلَوْ عَادَ بَعْدَ مَا ابْتَدَأَ الطَّوَافَ وَاسْتَلَمَ الْحَجَرَ لَا يَسْقُطُ عَنْهُ الدَّمُ بِالِاتِّفَاقِ» بھئی یاد رکھیے، یہ وہ صورتیں ذکر ہوئیں کہ عمرہ شروع کرنے سے پہلے ہی یہ واپس چلا گیا اور میقات سے ہو کر آیا، پھر اس صورت میں دم ساقط ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر عمرہ اس نے شروع کر دیا تو شروع کرتے ہی اب وہ دم پکا ہو گیا، اب وہ ساقط نہیں ہو سکتا۔ صرف حجرِ اسود کا استلام کیا ہے لیکن حجرِ اسود کا استلام کرتے ہی کیا ہے؟ طواف شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا اب بھی واپس چلا جائے گا تو وہ دم اس سے ساقط نہیں ہو گا۔ تو کہتے ہیں: «وَلَوْ عَادَ بَعْدَ مَا ابْتَدَأَ الطَّوَافَ وَاسْتَلَمَ الْحَجَرَ» اور اگر یہ شخص لوٹا طواف کو شروع کرنے کے بعد اور حجرِ اسود کا استلام کرنے کے بعد «لَا يَسْقُطُ عَنْهُ الدَّمُ بِالِاتِّفَاقِ» تو اس سے بالاتفاق وہ دم ساقط نہیں ہو گا۔

«وَلَوْ عَادَ إِلَيْهِ قَبْلَ الْإِحْرَامِ يَسْقُطُ بِالِاتِّفَاقِ» اور اگر یہ لوٹ گیا میقات کی طرف «قَبْلَ الْإِحْرَامِ» احرام سے پہلے ہی لوٹ گیا۔ وہ آدمی آیا تھا اور کہاں پہنچا؟ بستان بنی عامر پہنچ گیا۔ پچھلی صورت میں تو تھا یہاں سے اس نے احرام باندھا ہے اور اب وہ کیا کرتا ہے؟ بستان بنی عامر سے واپس چلا جاتا ہے اور پھر میقات سے احرام باندھ کر آتا ہے، تو اس صورت میں بالاتفاق اس سے دم ساقط ہو جائے گا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ «وَلَوْ عَادَ إِلَيْهِ قَبْلَ الْإِحْرَامِ» اور اگر وہ میقات لوٹ آیا احرام سے پہلے ہی «يَسْقُطُ بِالِاتِّفَاقِ» تو بالاتفاق اس سے وہ دم ساقط ہو جائے گا۔

■ مسئلہ: وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا إِذَا كَانَ يُرِيدُ الْحَ...

«وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا إِذَا كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ أَوْالْعُمْرَةَ» اور یہ جو ہم نے ذکر کیا یہ اس وقت ہے جب وہ شخص حج یا عمرے کا ارادہ رکھتا ہو۔ جب وہ شخص حج یا عمرے کا؟ بھئی وہ کوفہ والا بستان بنی عامر آیا تھا لیکن کیا یہیں آنا اس کا مقصد تھا یا اس کا حج یا عمرے کا بھی ارادہ تھا پہلے سے ہی؟ حج اور عمرے کا بھی پہلے سے ارادہ تھا بھئی۔ اگر اس کا پہلے سے ارادہ ہی نہیں تھا وہ تو آیا ہی کسی کام سے کہاں تھا؟ بستان بنی عامر آیا تھا، تو پھر تو اس صورت میں اس پر احرام لازم نہیں ہے اور پھر یہاں آ کر اس کا ارادہ بن گیا چلو عمرہ بھی کر لیتا ہوں، پھر تو اس صورت میں بالاتفاق اس پر دم نہیں آئے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: «وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا إِذَا كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ أَوْالْعُمْرَةَ» اور یہ جو ہم نے ذکر کیا یہ جب ہے کہ وہ یہ اس وقت ہے جب وہ ارادہ کرے حج یا عمرے کا۔ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۶۱: فَإِنْ دَخَلَ الْبُسْتَانَ لِحَاجَتِهِ فَلَهُ أَنْ يَدْ...

ہدایہ صفحہ: ۳۰۹ــــ بتاریخ: ۲۱ مئی ۲۰۱۳ء

فَإِنْ دَخَلَ الْبُسْتَانَ لِحَاجَتِهِ فَلَهُ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ، وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ، وَهُوَ وَصَاحِبُ الْمَنْزِلِ سَوَاءٌ، لِأَنَّ الْبُسْتَانَ غَيْرُ وَاجِبِ التَّعْظِيمِ فَلَا يَلْزَمُهُ الْإِحْرَامُ بِقَصْدِهِ۔ [1]

بھئی گزشتہ سبق میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اہل حل جو ہیں، حل میں رہنے والے، وہ بغیر احرام کے بھی مکہ آجاسکتے ہیں۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص باہر سے آیا تھا اور حل میں کسی جگہ کا اس نے ارادہ کیا، تو اس کے بعد پھر حل کے اندر اس کا ارادہ بن گیا عمرہ یا حج کرنے کا، تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو اہل حل کا ہے۔ اہل حل کا ہے۔ یعنی جب وہ آیا اور ابھی اس کا حج اور عمرے کا ارادہ نہیں تھا، تو جب حل آگیا تو حلیوں والا حکم ہو گیا اور اہل حل جو ہیں وہ تو بغیر احرام کے مکہ آجاسکتے ہیں تو یہ بھی بغیر احرام کے مکہ آجاسکتا ہے۔

اور اہل حل کا اگر عمرے یا حج کا ارادہ بنتا ہے تو ان کا میقات یہی حل ہے۔ وہ حل میں سے جہاں سے بھی چاہیں احرام باندھ کر حرم جاسکتے ہیں۔ تو یہ جو شخص باہر سے آیا اور کہاں رہنے لگا؟ حل میں۔ یہ بھی انہی کے حکم میں ہے۔ لہٰذا اس کا بعد میں یہاں حل کے اندر عمرے یا حج کا ارادہ بنا تو اس کا میقات بھی یہی حل ہے۔ وہ یہاں جہاں سے بھی چاہے احرام باندھ سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہی ذکر کر رہے ہیں۔

فَإِنْ دَخَلَ الْبُسْتَانَ لِحَاجَتِهِ، اگر وہ کوفی شخص یعنی کوفہ کا رہنے والا، مراد کیا ہے؟ آفاقی۔ تو اگر وہ آفاقی شخص بستان میں داخل ہوا **لِحَاجَتِهِ**، کس لیے؟ اپنی حاجت اپنی ضرورت کے لیے۔ یعنی مکہ جانے کا ارادہ نہیں، وہ آیا ہی کدھر ہے؟ بستان میں آیا ہے یعنی حل میں آیا ہے، **فَلَهُ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ**، تو اس کے لیے جائز ہے کہ یہ مکہ داخل ہو جائے **بِغَيْرِ إِحْرَامٍ**، بغیر احرام کے۔ **وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ**، اور اس کا میقات بستان ہے۔ بستان سے مراد حل ہے۔ یعنی اس کا میقات کیا ہے؟ حل ہے۔ اب جب یہ عمرہ یا حج کا ارادہ کرتا ہے تو جہاں سے بھی چاہے احرام باندھ سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ**، اور اس کا میقات جو ہے وہ بستان ہے۔ **وَهُوَ وَصَاحِبُ الْمَنْزِلِ سَوَاءٌ**، وہ اور گھر والا دونوں برابر ہیں۔ وہ بھئی جو باہر سے آیا ہے اور کہاں رہنے لگا؟ حل میں۔ اور صاحب منزل گھر والا، یعنی وہ جو بستان کا رہنے والا ہے، یہ دونوں کیا ہیں؟ **سَوَاءٌ**، برابر ہیں بھئی۔

لِأَنَّ الْبُسْتَانَ غَيْرُ وَاجِبِ التَّعْظِيمِ فَلَا يَلْزَمُهُ الْإِحْرَامُ بِقَصْدِهِ، بھئی وہ شخص آفاقی تھا اور کہاں آیا؟ حل میں آیا یعنی بستان میں آیا۔ تو حل تو کوئی واجب التعظیم جگہ نہیں۔ اس وجہ سے اس پر احرام کا باندھنا واجب نہیں تھا بھئی۔ یہی ذکر کر رہے ہیں: **لِأَنَّ الْبُسْتَانَ غَيْرُ وَاجِبِ التَّعْظِيمِ**، اس لیے کیونکہ بستان جو ہے وہ تو واجب التعظیم نہیں ہے، **فَلَا يَلْزَمُهُ الْإِحْرَامُ بِقَصْدِهِ**، لہٰذا اس پر احرام لازم نہیں ہے بستان کا ارادہ کرنے کی وجہ سے۔ یعنی حل میں کوئی آتا ہے تو بغیر احرام کے آسکتا ہے کیونکہ جو مکہ جانا چاہتا ہے اس کے لیے احرام ضروری ہے اس کی عظمت کی وجہ سے، اس کی تعظیم کے لیے۔ لیکن حل تو کوئی تعظیم کی جگہ نہیں ہے لہٰذا وہاں بغیر احرام کے بھی آسکتا ہے۔

وَإِذَا دَخَلَهُ، اور جب یہ شخص بستان میں داخل ہو گیا یعنی حل میں داخل ہو گیا، **الْتَحَقَ بِأَهْلِهِ**، تو یہ بھی مل گیا اس کے رہنے والوں کے ساتھ۔ اس کا بھی وہی حکم ہو گیا جو حل والوں کا تھا۔ **وَلِلْبُسْتَانِيِّ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ لِلْحَاجَةِ فَكَذَلِكَ لَهُ**، اور بستانی کے لیے تو جائز ہے کہ وہ مکہ داخل ہو بغیر احرام کے **لِلْحَاجَةِ**، کس وجہ سے؟ حاجت کی وجہ سے، **فَكَذَلِكَ لَهُ**، تو اسی طرح اس شخص کے لیے بھی ہے جو باہر سے آیا ہے۔

وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ: وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ، اور کہتے ہیں متن میں جو ماتن کا قول آیا تھا: **وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ**، اور اس کا میقات کیا ہے؟ بستان ہے۔ میں نے کیا معنیٰ بیان کیا تھا؟ کہ اس کا میقات یعنی حل ہے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ**، اور ماتن کا قول جو ہے: **وَوَقْتُهُ الْبُسْتَانُ**، اس سے مراد جو ہے

[1] شاملہ (ص ۲۲۶) میں «لِحَاجَتِهِ» کے بجائے «لحاجة» درج ہے۔

جَمِيعُ الْحِلِّ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْحَرَمِ، اس سے وہ سارا حل مراد ہے جو اس میقات اور حرم کے درمیان ہے۔ **وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ**، اور تحقیق یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ **فَكَذَا وَقْتُ الدَّاخِلِ الْمُلْحَقِ بِهِ**، تو اسی طرح میقات ہے اس شخص کا جو داخل ہونے والا ہے **الْمُلْحَقِ بِهِ**، جو اس کے ساتھ ملایا گیا۔ جیسے اہل حل کے لیے میقات کیا ہے؟ سارا حل ہے۔ تو ان کے ساتھ جس شخص کو ملایا گیا وہ جو داخل ہوا ہے حل میں، تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ معنیٰ ہے: **فَكَذَا وَقْتُ الدَّاخِلِ**، تو اسی طرح میقات اس شخص کا ہے جو حل میں داخل ہونے والا ہے، **الْمُلْحَقِ بِهِ**، جس کو ان اہل حل کے ساتھ ملایا گیا ہے۔

فَإِنْ أَحْرَمَا مِنَ الْحِلِّ وَوَقَفَا، صورت یہ کہ یہ شخص باہر سے آیا اور کہاں آیا؟ بستان بنی عامر میں یعنی حل میں آیا۔ تو یہ شخص یا حل کا کوئی رہنے والا شخص، ان کا ارادہ حج کا بنا۔ تو انہوں نے اس حل سے ہی احرام باندھ لیا، ان دونوں نے، اور وقوف عرفات کر لیا۔ تو کیا ان پر کوئی دم لازم ہو گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، ان پر کوئی دم لازم نہیں کیونکہ ان کا میقات تھا ہی کیا؟ حل تھا اور یہ وہیں سے احرام باندھ کر آئے ہیں۔ یہ معنیٰ ہے: **فَإِنْ أَحْرَمَا**، تو اگر ان دونوں نے احرام باندھ لیا۔ کون کون دونوں؟ ایک حل کا رہنے والا اور ایک وہ جو باہر سے آیا ہے۔ تو اگر ان دونوں نے احرام باندھ لیا **مِنَ الْحِلِّ**، حل سے ہی، **وَوَقَفَا بِعَرَفَةَ**، اور ان دونوں نے وقوف کر لیا عرفات میں، **لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِمَا شَيْءٌ**، تو ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ **يُرِيدُ**، بھئی یہ دونوں جنہوں نے احرام باندھا اور وقوف کیا اس سے کون دونوں مراد ہیں؟ وہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **يُرِيدُ بِهِ الْبُسْتَانِيَّ**، ارادہ کیا اس کے ذریعے ماتن نے بستانی کا، **وَالدَّاخِلَ فِيهِ**، اور وہ شخص جو بستان میں داخل ہوا ہے، ان دونوں نے اگر احرام باندھا اور وقوف کیا۔ تو یہ دونوں مراد ہیں۔ **لِأَنَّهُمَا أَحْرَمَا مِنْ مِيقَاتِهِمَا**، اس لیے کیونکہ ان دونوں نے احرام باندھا ہے اپنے میقات سے۔

وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ إِلَى الْوَقْتِ وَأَحْرَمَ بِحَجَّةٍ عَلَيْهِ أَجْزَأَهُ ذَلِكَ مِنْ دُخُولِهِ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ۔ صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص جو ہے مکہ آیا اور مکہ آنے والے پر تو کیا لازم تھا؟ احرام باندھنا لازم تھا، لیکن وہ بغیر احرام کے مکہ آ گیا۔ پھر اسی سال وہ نکلا اور میقات تک آیا اور پھر اس نے حج کا احرام باندھ لیا، وہ حج جو اس پر واجب تھا، جو فرض تھا، اس حج کا احرام باندھ لیا اور پھر آ کر اس نے حج کر لیا۔ کیا صورت؟ پہلے وہ گزرا تھا بغیر احرام کے اور پھر اسی سال میقات پہ آ کر اس نے اپنے فرض حج کا احرام باندھ لیا، تو کہتے ہیں یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا اور اس سے وہ دم ساقط ہو جائے گا۔ دم کیا ہو جائے گا؟ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس پر بھی میقات سے احرام کا باندھنا ضروری تھا بیت اللہ کی تعظیم کی وجہ سے اور اس نے اس کو ادا کر دیا ہے، اسی سال میقات تک آیا اور پھر احرام باندھ کر کیا کیا؟ پھر حج ادا کیا ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ**، اور جو شخص مکہ میں داخل ہوا بغیر احرام کے، یعنی جو آفاقی تھا وہ داخل ہوا مکہ میں بغیر احرام کے، **ثُمَّ خَرَجَ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ إِلَى الْوَقْتِ**، پھر وہ نکل آیا اپنے اسی سال میں میقات تک، **وَأَحْرَمَ بِحَجَّةٍ عَلَيْهِ**، اور اس نے احرام باندھا ایسے حج کا جو اس پر واجب تھا یعنی فرض تھا، **أَجْزَأَهُ ذَلِكَ مِنْ دُخُولِهِ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ**، تو اس کا یہ احرام کافی ہو جائے گا اس کے وہ جو مکہ میں داخل ہوا تھا بغیر احرام کے اس سے یہ کافی ہو جائے گا۔

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يُجْزِيهِ، اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس کے لیے، یہ احرام، یہ حج والا احرام اس کے اس احرام سے کافی نہیں جو اس نے چھوڑ دیا تھا۔ **وَهُوَ الْقِيَاسُ**، اور یہی قیاس بھی ہے، **اعْتِبَارًا بِمَا لَزِمَهُ بِسَبَبِ النَّذْرِ**، قیاس کرتے ہوئے اس احرام پر جو اس پر لازم ہوا ہو منت کی وجہ سے۔ صورت یہ کہ ایک شخص جو ہے وہ بغیر احرام کے مکہ چلا گیا تو اس پر کیا لازم ہوا؟ دم۔ پھر یہ نکل آیا اور اس نے احرام باندھا ایک حج کا جو اس نے منت کے ذریعے اپنے اوپر لازم کیا تھا، منت مانی تھی کہ اگر میرا یہ کام ہوا تو میں حج کروں گا۔ اب اس نے وہ منت والے حج کا احرام باندھ لیا۔ تو بالاتفاق اس صورت میں یہ احرام اس، وہ جو احرام رہ گیا تھا اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ یہ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ تو جیسے یہ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، اس سے وہ احرام ادا نہیں ہو گا، اسی طرح امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اگر اپنے فرض حج کا احرام باندھے گا تو اس سے بھی وہ والا احرام جو رہ گیا تھا وہ ادا نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: **اعْتِبَارًا بِمَا لَزِمَهُ بِسَبَبِ النَّذْرِ**، قیاس کرتے ہوئے اس احرام پر جو اس شخص پر لازم ہوا تھا منت کی وجہ سے، **فَصَارَ كَمَا إِذَا تَحَوَّلَتِ السَّنَةُ**، تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ سال پلٹ گیا ہو، سال بدل گیا ہو۔ بھئی متن میں مسئلہ ذکر ہو گیا کہ اگر بغیر احرام کے مکہ گیا تو اس پر کیا واجب؟ دم۔ اور اسی سال آ کر پھر حج کا، فرض حج کا احرام باندھتا ہے تو اس سے وہ دم ساقط ہو جائے گا اور یہ احرام اس احرام سے کافی ہو جائے گا۔ لیکن وہاں قید تھی، اسی سال کیا کرے؟ اسی سال وہ فرض حج کرتا ہے تو پھر کافی ہو گا۔ اگلے سال اگر اگلا سال آتا ہے اور پھر وہ حج کا احرام باندھتا ہے، تو پھر بالاتفاق وہ والا حج کا احرام اس احرام سے کافی نہیں ہو گا اور اس سے وہ دم ساقط نہیں ہو گا۔ تو یہاں بھی امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فَصَارَ كَمَا إِذَا تَحَوَّلَتِ السَّنَةُ**، تو یہ بھی اسی طرح ہو گیا جیسے کہ سال بدل گیا ہو، سال بدل گیا ہو اور اس کے اندر تو وہ احرام اس احرام کے قائم مقام نہیں ہوتا تھا تو یہاں پر بھی یہ اس کے قائم مقام نہیں ہو گا۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے۔ ہم نے کیا کہا تھا؟ اسی سال اگر فرض حج کرے گا تو یہ اس احرام کے قائم مقام ہو جائے گا، یہ اس سے کافی ہو جائے گا۔ **وَلَنَا**، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ تَلَافَى الْمَتْرُوكَ فِي وَقْتِهِ**، کہ اس نے چھوڑی ہوئی چیز کی تلافی کر لی اپنے وقت میں، یعنی اسی سال میں۔ **لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ تَعْظِيمُ هَذِهِ الْبُقْعَةِ بِالْإِحْرَامِ**، اس لیے کیونکہ اس شخص پر واجب تھا کہ وہ زمین کے اس حصے کی تعظیم کرتا **بِالْإِحْرَامِ**، کس کے ذریعے؟ احرام کے ذریعے۔ اور وہ اس نے

چھوڑی تھی اور دوبارہ کیا کرلی؟ احرام باندھ کر جب اسی سال حج کا آیا تو تعظیم کرلی یا نہیں کرلی اس نے؟ اس کو ادا کر دیا۔ **كَمَا إِذَا أَتَاهُ مُحْرِمًا بِحَجَّةِ الْإِسْلَامِ فِي الِابْتِدَاءِ**، تو جیسے کہ وہ آیا ہو احرام کی حالت میں اپنے فرض حج کے لیے **فِي الِابْتِدَاءِ**، کس میں؟ شروع میں۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا۔

بھئی جیسے کوئی شخص شروع سے احرام باندھ کر، حج کا احرام، حج کے لیے آتا ہے پہلی مرتبہ اور وہ حج ادا کرتا ہے، تو اس کے لیے بھی میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں، اور جب وہ اپنے فرض حج کا احرام باندھے گا تو یہ میقات کا حق بھی ادا ہو جائے گا یا نہیں ہو جائے گا؟ میقات کا حق بھی ادا ہو جائے گا۔ تو ہم کہتے ہیں یہاں بھی اسی طرح ہے۔ اس پر کیا لازم تھا؟ میقات کا حق لازم تھا کہ وہ مکہ جا رہا ہے تو کیا کرے؟ احرام باندھ کر جائے، تو اسی سال جب وہ اپنا فرض حج ادا کر رہا ہے تو جیسے پہلی مرتبہ فرض حج فرض حج کے لیے آنے والے سے اس میقات کا حق ادا ہو جاتا تھا اور بیت اللہ کی تعظیم کے لیے وہ احرام کافی ہو جاتا تھا، تو اس کے لیے بھی جب اسی سال یہ حج کرتا ہے یہ احرام اس احرام سے کافی ہو جائے گا جو رہ گیا تھا بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

یہ معنیٰ: **كَمَا إِذَا أَتَاهُ مُحْرِمًا بِحَجَّةِ الْإِسْلَامِ فِي الِابْتِدَاءِ**، جیسے کہ وہ آیا ہو اپنے فرض حج کا محرم ہو کر ابتدا کے اندر۔ **بِخِلَافِ مَا إِذَا تَحَوَّلَتِ السَّنَةُ**، امام زفر رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ کہ یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے کہ سال بدل چکا ہو، بدل چکا ہو۔ ہم کہتے ہیں نہیں، سال کے بدلنے کی صورت ہی الگ ہے، اس پر آپ قیاس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ سال جب بدل جائے گا، سال جب بدل جائے گا تو وہ احرام اس کے ذمے دین ہو کر باقی رہ گیا۔ جب دین ہو کر باقی رہ گیا تو دین کی علیحدہ سے ادائیگی ضروری ہو گی، فرض حج اگلے سال جب وہ ادا کرے گا تو اس سے اس دین کی ادائیگی نہیں ہو گی۔ جیسے کوئی شخص منت مان لیتا ہے تو منت اس کے ذمے دین ہو جاتی ہے، اس کو پورا کرنا اس پر ضروری ہے۔ لہٰذا اگر وہ فرض حج اپنا ادا کرے گا تو اس سے وہ منت ادا نہیں ہو گی، اس کے لیے علیحدہ سے اس کو حج کرنا پڑے گا۔ تو یہاں بھی جب سال بدل جائے گا تو وہ احرام اس کے ذمے دین بن گیا لہٰذا اب وہ فرض حج سے ادا نہیں ہو گا۔ اسی سال کرتا، اسی سال وہ فرض حج ادا کرتا تو اس سے تو وہ احرام ادا ہو جاتا لیکن اگلے سال اس سے ادا نہیں ہو گا۔ وجہ سمجھ میں آ گئی۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا تَحَوَّلَتِ السَّنَةُ، بخلاف اس کے کہ جب سال پلٹ جائے، سال بدل جائے، **لِأَنَّهُ صَارَ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِ**، اس لیے کیونکہ وہ جو احرام رہ گیا تھا وہ دین ہو گیا اس کے ذمے میں، **فَلَا يَتَأَدَّى إِلَّا بِإِحْرَامٍ مَقْصُودٍ**، تو لہٰذا وہ ادا نہیں ہو گا مگر ایسے احرام کے ساتھ جس کا ارادہ کیا جائے، **كَمَا فِي الِاعْتِكَافِ الْمَنْذُورِ**، جیسے کہ وہ اعتکاف ہے جس کی منت مانی گئی ہو، **فَإِنَّهُ يَتَأَدَّى بِصَوْمِ رَمَضَانَ مِنْ هَذِهِ السَّنَةِ دُونَ الْعَامِ الثَّانِي**، اس لیے کیونکہ وہ تو ادا ہو جائے گا اس سال رمضان کے روزوں کے ساتھ، نہ کہ دوسرے سال کے۔

صورت یہ: ایک شخص نے منت مانی کہ اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں اس رمضان کے اندر اعتکاف کروں گا۔ کیا کروں گا؟ اعتکاف۔ مثلاً آخری دس دن کی منت مان لیتا ہے، وہ تو واجب تو نہیں ہے لیکن اس نے کیا کر لیا منت کے ذریعے اپنے اوپر؟ واجب کر لیا۔ تو میں آخری عشرے میں اعتکاف کروں گا۔ اور آپ مسئلہ پڑھ چکے ہیں کہ جب کوئی شخص اعتکاف کی منت مانے تو اس کے ساتھ خود بخود روزے بھی واجب ہو جاتے ہیں۔ خود بخود روزے بھی واجب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اسی سال اگر یہ شخص، اسی سال اگر یہ اعتکاف کرتا ہے تو وہی رمضان کے روزے اعتکاف کے روزوں سے بھی کافی ہو جائیں گے، یعنی رمضان کے اندر اس کا بیٹھنا کافی ہو جائے گا، حالانکہ ہونا تو کیا چاہیے تھا؟ الگ سے دس روزے بھی اس پر آئیں، لیکن وہی رمضان کے روزے اس کے اعتکاف کے روزوں سے بھی کافی ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ اس سال اعتکاف نہ بیٹھ سکا اور اگلے سال وہ اعتکاف کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ رمضان کے روزوں کے ضمن میں وہ اعتکاف نہیں ہو سکے گا بلکہ اس کے لیے اس کو علیحدہ سے دس روزے رکھنا پڑیں گے اور ان میں اعتکاف کرنا پڑے گا۔ اس لیے کیونکہ اس سال تو وہ، اس سال جب اس نے اعتکاف نہیں کیا تو یہ اعتکاف اس کے ذمے دین ہو گیا، اور اعتکاف تو ہوتا ہی کس کے ساتھ ہے؟ روزوں کے ساتھ، تو اس کے ذمے دس روزے بھی کیا ہو گئے؟ دین ہو گئے، تو لہٰذا اب وہ دین والے روزے وہ رمضان کے جو فرض روزے ہیں ان سے ادا نہیں ہوں گے، ان کو علیحدہ کرنا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

كَمَا فِي الِاعْتِكَافِ الْمَنْذُورِ، جیسے کہ اس اعتکاف میں ہوتا ہے جس کی منت مانی گئی ہو، **فَإِنَّهُ يَتَأَدَّى بِصَوْمِ رَمَضَانَ مِنْ هَذِهِ السَّنَةِ دُونَ الْعَامِ الثَّانِي**، اس لیے کیونکہ وہ اس سال کے رمضان کے روزوں کے ساتھ تو وہ ادا ہو جائے گا، یہ، یہ جو اعتکاف ہے اس سال کے رمضان کے روزوں کے ساتھ تو وہ اعتکاف ادا ہو جائے گا، **دُونَ الْعَامِ الثَّانِي**، دوسرے سال کے روزوں کے ساتھ ادا نہیں ہو گا، یعنی دوسرے سال کے رمضان کے روزوں کے ساتھ ادا نہیں ہو گا، الگ روزے رکھنا پڑیں گے۔

وَمَنْ جَاوَزَ الْوَقْتَ فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَفْسَدَهَا مَضَى فِيهَا وَقَضَاهَا۔ صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص میقات سے آگے بڑھ گیا بغیر احرام کے اور اس کا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا یعنی مکہ جانے کا تھا۔ تو اس پر کیا لازم؟ دم لازم ہو گیا۔ اور پھر اس نے احرام باندھا، اس نے احرام باندھا اندر جا کر حل کے اندر، اور عمرہ شروع کر دیا۔ اور پھر عمرے کو فاسد کر دیا یعنی یعنی چار چکروں سے پہلے ہی اس نے کیا کیا؟ بیوی کے ساتھ صحبت کر لی۔ تو اس صورت میں عمرہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اور جب عمرہ فاسد ہو جائے آپ پڑھ چکے ہیں اس کو چھوڑنا نہیں درمیان میں، پھر بھی کیا کرنا ہے؟ اس میں چلتے رہنا ہے، اس کے افعال پورے کرنے ہیں۔ چنانچہ اس نے افعال پورے کر لیے اور پھر حلق یا قصر کروایا اور حلال ہو گیا۔ بعد میں اس نے پھر اس عمرے کی قضا کی، عمرے کی قضا کی۔ تو یاد رکھیے جب یہ عمرے کی قضا کرے گا تو اس سے وہ دم ساقط ہو جائے گا۔ دم کیا ہو جائے گا؟ ساقط ہو جائے گا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اس لیے کیونکہ جب یہ اس عمرے کی قضا کرے گا تو وہ جو میقات سے بغیر احرام کے گزرا تھا اس کی بھی تلافی ہو

جائے گی۔

یہ اسی طرح ہے جیسے ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور اس سے نماز کے اندر غلطی ہوئی، کوئی واجب چھوٹ گیا بھولے سے، تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو گیا۔ لیکن اس نے نماز کو درمیان میں ہی پھر فاسد کر دیا، تو اس پر کیا لازم ہے؟ نماز کی قضا لازم ہے اور جب یہ قضا کرے گا تو پچھلی نماز میں تو ایک غلطی ہوئی تھی، اس میں سجدہ سہو واجب ہوا تھا، تو کیا سجدہ سہو یہاں اس پر لازم ہو گا یا یہ قضا کر لے گا تو وہ اس سب کی تلافی ہو جائے گی؟ وہ سارے کی تلافی ہو جائے گی جب دوبارہ ادا کرے گا۔ تو یہاں پر بھی جو جنایت ہوئی تھی اس سارے کی کیا ہو جائے گی قضا کے اندر؟ تلافی ہو جائے گی اور اس پر دم واجب نہیں ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ جَاوَزَ الْوَقْتَ**، اور جو شخص میقات سے آگے نکل گیا آگے بڑھ گیا، **فَأَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ**، پھر اس نے عمرے کا احرام باندھا، **وَأَفْسَدَهَا**، اور پھر اس عمرے کو فاسد کر دیا، **مَضَى فِيهَا**، تو اس میں چلتا رہے گا، **وَقَضَاهَا**، اور اس کی قضا کرے گا، **لِأَنَّ الْإِحْرَامَ يَقَعُ لَازِمًا**، اس لیے کیونکہ احرام جو ہے وہ لازم ہو کر واقع ہو گیا، **فَصَارَ كَمَا إِذَا أَفْسَدَ الْحَجَّ**، تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے اس نے حج کو فاسد کیا ہو، اور حج کو فاسد کرنے کی صورت میں تو حج کے افعال پورے کرنا پڑتے تھے تو یہاں پر بھی افعال پورے کرنا پڑیں گے کیونکہ جب ایک دفعہ احرام باندھ لیا تو یہ احرام لازم ہو گیا اس کے ساتھ۔ اور احرام کس لیے باندھا ہے؟ عمرے کے افعال ادا کرنے کے لیے، تو جب تک وہ افعال نہیں کرے گا وہ اس سے حلال نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا بیشک عمرہ اس نے فاسد کر دیا لیکن یہ اس کے اعمال پورے کرے گا اور پھر کیا ہو گا احرام سے حلال ہو گا۔ اس لیے کہا: **لِأَنَّ الْإِحْرَامَ يَقَعُ لَازِمًا**، کیونکہ احرام کیا ہوا؟ لازم ہو گیا اس پر۔ **فَصَارَ كَمَا إِذَا أَفْسَدَ الْحَجَّ**، تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ اس نے حج کو فاسد کیا ہو۔

وَلَيْسَ عَلَيْهِ دَمٌ لِتَرْكِ الْوَقْتِ، اور اس پر میقات کو چھوڑنے کی وجہ سے اب دم بھی واجب نہیں جب قضا کر لے گا۔ **وَعَلَى قِيَاسِ قَوْلِ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَسْقُطُ عَنْهُ**، اور امام زفر رحمہ اللہ کے قول کے قیاس کے مطابق اس پر سے یہ دم ساقط نہیں ہو گا۔ جیسے امام زفر رحمہ اللہ فرماتے تھے جو شخص میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھ جائے تو اس پر کیا لازم ہوتا ہے؟ دم۔ اور پھر واپس آ کر بیشک چاہے وہ تلبیہ کہے یا نہ کہے، کسی صورت میں بھی وہ دم ساقط نہیں ہوتا۔ تو یہاں بھی ان کے قول پر قیاس کیا تقاضا کرتا ہے؟ کہ دم ساقط نہ ہو بھئی، لیکن بہر حال ہمارے نزدیک دم ساقط ہو جائے گا۔

وَهُوَ نَظِيرُ الِاخْتِلَافِ فِي فَائِتِ الْحَجِّ إِذَا جَاوَزَ الْوَقْتَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ۔ توجہ سے یہ جگہ سمجھ لینا بھئی، مختصر سی مختصر سے لفظوں میں صاحب ہدایہ نے بڑی لمبی بات کہہ دی بھئی۔ **وَهُوَ نَظِيرُ الِاخْتِلَافِ**، اور یہ مثال ہے اس اختلاف کی **فِي فَائِتِ الْحَجِّ**، جو حج کو فوت کر دینے والے شخص میں ہے **إِذَا جَاوَزَ الْوَقْتَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ**، جب وہ میقات سے آگے بڑھ جائے بغیر احرام کے۔ یہی صورت اب بنا لیں بھئی۔ ایک شخص حج کے لیے آیا، آفاقی تھا، اور آفاقی کے لیے کیا ضروری؟ میقات سے احرام باندھے، لیکن یہ بغیر احرام کے آگے چلا گیا۔ پھر اس نے حل کے اندر جا کر حج کا احرام باندھا اور پھر اس کا حج فوت ہو گیا، یعنی وقوف عرفہ اس سے رہ گیا۔ وقوف عرفہ اس سے رہ گیا۔ جب وقوف عرفہ رہ گیا تو یہ احرام باندھ چکا ہے ایک دفعہ، لہٰذا اس پر اس حج کی قضا ہو گی۔ اور جب یہ اس حج کی قضا کرے گا تو اس پر جو دم لازم آیا تھا میقات سے تجاوز کرنے کی وجہ سے بغیر احرام کے، وہ دم بھی اس پر سے کیا ہو جائے گا؟ ساقط ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک ساقط نہیں ہو گا۔ یہ معنیٰ ہے: **وَهُوَ نَظِيرُ الِاخْتِلَافِ فِي فَائِتِ الْحَجِّ**، اور یہ مثال ہے اس اختلاف کی جو حج کو فوت کر دینے والے شخص کے بارے میں ہے **إِذَا جَاوَزَ الْوَقْتَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ**، جب وہ تجاوز کر جائے میقات سے بغیر احرام کے۔

وَفِيمَنْ جَاوَزَ الْوَقْتَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ وَأَحْرَمَ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَفْسَدَ حَجَّتَهُ، یہ دوسری صورت آ گئی۔ **فِيمَنْ** کا عطف ہے **فِي فَائِتِ الْحَجِّ** پر۔ اور یہ مثال ہے اس اختلاف کی **فِيمَنْ**، جو اس شخص کے بارے میں ہے **جَاوَزَ الْوَقْتَ**، جو میقات سے تجاوز کر گیا **بِغَيْرِ إِحْرَامٍ**، بغیر احرام کے، **وَأَحْرَمَ بِالْحَجِّ**، اور پھر اس نے کیا کیا؟ حج کا احرام باندھا، **ثُمَّ أَفْسَدَ حَجَّتَهُ**، پھر اس نے اپنے حج کو فاسد کر دیا۔ وہی صورت، البتہ پہلے کیا صورت تھی؟ حج فوت ہوا تھا، اب حج کو وہ فاسد کر دیتا ہے۔ صورت یہ: ایک آدمی حج کے ارادے سے آیا، آفاقی آدمی ہے اور وہ میقات سے بغیر احرام کے آگے نکل گیا۔ تو اس پر کیا لازم ہوا؟ دم لازم ہوا۔ پھر اس نے میقات کے اندر سے ہی حج کا احرام باندھا اور وقوف عرفہ سے پہلے ہی کیا کر لیا؟ بیوی سے صحبت کر لی، تو اس کا حج فاسد ہو گیا۔ حج فاسد ہو گیا، تو پھر یہ اس حج کی قضا کرے گا۔ حج کے اس حج کے تو افعال کرتا چلا جائے گا لیکن پھر اس کو اس حج کی قضا کرنا پڑے گی۔ اور جب حج کی قضا کرے گا تو یہ جو میقات سے بغیر احرام کے گزرا تھا اس کی بھی تلافی ہو جائے گی کیونکہ جب حج کی قضا کرے گا تو کہاں سے احرام باندھ کر آئے گا؟ میقات سے احرام باندھ کر آئے گا، تو لہٰذا اس سے وہ دم بھی ساقط ہو جائے گا جو بغیر احرام کے گزرنے کی وجہ سے اس پر لازم ہوا تھا۔ تو ہمارے نزدیک وہ دم ساقط ہو جائے گا، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ساقط نہیں ہو گا۔

تو کہتے ہیں یہ مثال ہے اس اختلاف کی جو **فِيمَنْ جَاوَزَ الْوَقْتَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ**، جو اس شخص کے بارے میں ہے جو میقات سے بڑھ جائے بغیر احرام کے، **وَأَحْرَمَ بِالْحَجِّ**، اور پھر حج کا احرام باندھے، **ثُمَّ أَفْسَدَ حَجَّتَهُ**، پھر وہ اپنے حج کو فاسد کر دے۔ **هُوَ يَعْتَبِرُ الْمُجَاوَزَةَ هَذِهِ بِغَيْرِهَا مِنَ الْمَحْظُورَاتِ**، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو میقات سے آگے بڑھنا ہے بغیر احرام کے، یہ جنایت ہے۔ یہ کیا ہے؟ جنایت۔ اور جنایت کی وجہ سے دم واجب ہوتا ہے۔ اور جب جنایت کی وجہ سے ایک دفعہ دم واجب ہو جائے تو وہ ساقط نہیں ہوتا۔ جیسے ایک شخص محرم تھا اور اس نے خوشبو لگا لی، تو اس پر کیا واجب؟ دم واجب ہے۔ وہ اب دم بعد میں

چاہے وہ قضا کرے بھی، وہ دم اس پر سے ساقط نہیں ہو گا۔ یا کسی نے حالت احرام میں کیا کیا؟ حلق کروادیا، تو اس پر کیا واجب؟ دم۔ بیشک یہ حج وہ فاسد کر دے، اگلے سال پھر بھی پھر اسی حج کی کیا کرتا ہے وہ؟ قضا۔ تو بھی یہ دم اس سے ساقط نہیں، تو جنایت کی وجہ سے جب ایک دفعہ دم آجائے تو وہ ساقط نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا اس میقات سے آگے نکلنا بغیر احرام کے، اس جنایت کو وہ قیاس کرتے ہیں باقی احرام کی ممنوعہ چیزوں پر، ان میں جب ایک دفعہ دم آجائے تو ساقط نہیں ہوتا تو اس میں بھی جو دم آئے گا وہ ساقط نہیں ہو گا۔

یہ معنٰی ہے: **هُوَ يَعْتَبِرُ الْمُجَاوَزَةَ هَذِهِ**، وہ اعتبار کرتے ہیں وہ قیاس کرتے ہیں **مُجَاوَزَةَ هَذِهِ**، اس مجاوزت کو، اس آگے بڑھنے کو، وہ قیاس کرتے ہیں **بِغَيْرِهَا مِنَ الْمَحْظُورَاتِ**، اس کے علاوہ جو ممنوعہ چیزیں ہیں ان پر۔ **وَلَنَا**، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ يَصِيرُ قَاضِيًا حَقَّ الْمِيقَاتِ**، کہ یہ شخص جو ہے یہ ادا کرنے والا ہو گیا میقات کے حق کو، یا یوں کہیں یہ شخص میقات کے حق کی قضا کرنے والا ہو گیا **بِالْإِحْرَامِ مِنْهُ**، اسی میقات سے احرام کے ذریعے **فِي الْقَضَاءِ**، کس کے اندر؟ قضاحج کے اندر۔ **وَهُوَ يَحْكِي الْفَائِتَ**، اور یہ قضاحج جو ہوتا ہے یہ بھی اسی فوت شدہ حج کی حکایت کرتا ہے۔ اس سال تو حج کیا ہوا اس کا؟ فوت ہوا یا فاسد ہو گیا، جو بھی ہو گیا۔ بعد میں جب کیا کرے گا؟ قضا۔ تو یہ قضاحج بھی کیا کرتا ہے؟ اسی فوت شدہ حج کی حکایت کرتا ہے یعنی یہ اسی کے قائم مقام ہے، اور اس میں دم آیا تھا بغیر احرام کے گزرنے سے، تو یہ جب اسی کے قائم مقام ہے تو اس میں جو کمی آئی تھی بغیر احرام کے گزرنے کی، اس کی تلافی اس دفعہ ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ یہ معنٰی: **وَهُوَ يَحْكِي الْفَائِتَ**، اور یہ قضاحج جو ہے یہ بھی اسی فوت شدہ حج کی حکایت بیان کرتا ہے۔

وَلَا يَنْعَدِمُ بِهِ غَيْرُهُ مِنَ الْمَحْظُورَاتِ، اور امام زفر نے کیا کیا تھا؟ اس مجاوزت کو کس پر قیاس کیا تھا؟ اور ممنوعہ چیزوں پر۔ ہم کہتے ہیں نہیں، اور ممنوعہ چیزیں جو ہیں ان کی تو تلافی نہیں ہو سکتی، لیکن اس کی تو تلافی ہو گئی۔ یہ جو احرام کے بغیر میقات سے آگے گزرا تھا اس کی تلافی تو ہو گئی کہ اب جب قضا کر رہا ہے تو اب باقاعدہ احرام کے ساتھ وہاں سے گزر رہا ہے، جبکہ اور ممنوعہ چیزوں کی تو تلافی نہیں ہو سکتی، ایک دفعہ اس نے خوشبو لگالی تھی اور وہ نفع اٹھالیا تھا اس کی تو تلافی نہیں ہو سکتی، ایک دفعہ اگر اس نے حلق کروالیا تھا نفع تو اس نے اٹھالیا تھا اس کی تو تلافی نہیں ہو سکتی۔ تو کہتے ہیں: **وَلَا يَنْعَدِمُ بِهِ**، اور اس قضاحج کی وجہ سے معدوم نہیں ہوتا **غَيْرُهُ مِنَ الْمَحْظُورَاتِ**، اس کے علاوہ جو ممنوعہ چیزیں ہیں۔ یہ جب قضاحج جو ادا کرے گا اس کی وجہ سے اس کے علاوہ اور جو ممنوعہ چیزیں ہیں ان وہ معدوم نہیں وہ ختم نہیں ہوتیں، ان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ **فَوَضَحَ الْفَرْقُ**، تو فرق واضح ہو گیا۔

وَإِذَا خَرَجَ الْمَكِّيُّ يُرِيدُ الْحَجَّ فَأَحْرَمَ وَلَمْ يَعُدْ إِلَى الْحَرَمِ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ فَعَلَيْهِ شَاةٌ۔ بھئی آپ مسئلہ پڑھ چکے ہیں کہ حج کی تین قسمیں ہیں: حج قران، حج تمتع اور حج افراد۔ اور آفاقی کے لیے حج کے یہ تین طریقے ہیں، لیکن جو شخص مکہ کا رہنے والا ہے اس کے لیے حج کا صرف ایک ہی طریقہ ہے: حج افراد۔ وہ حج تمتع بھی نہیں کر سکتا اور حج قران بھی نہیں کر سکتا۔ اب صورت یہ کہ ایک مکہ کا رہنے والا آدمی ہے، اس کا حج کرنے کا ارادہ ہے۔ کس کا ارادہ ہے؟ یہ قید یاد رکھنا، اس کا حج کرنے کا ارادہ ہے، چنانچہ اس کو کیا چاہیے؟ حرم ہی سے احرام باندھے کیونکہ مکہ والوں کا میقات کیا ہے؟ حرم ہی ہے حج کے لیے۔ عمرے کے لیے تو ان کو حرم سے باہر نکلنا پڑے گا لیکن حج میں ان کا میقات حرم ہی ہے۔ تو اس مکہ والے کا ارادہ حج کرنے کا ہے، اس کو حرم سے احرام باندھنا چاہیے تھا لیکن یہ حرم سے باہر نکل آیا اور باہر آکر اس نے احرام باندھا اور پھر جا کر اس نے حج ادا کیا۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں اس پر دم واجب ہو گا اس لیے کیونکہ اس کا میقات کیا تھا؟ حرم تھا، اور یہ اپنے میقات سے تجاوز کر گیا بغیر احرام کے، اور میقات سے بغیر احرام کے کوئی تجاوز کرے تو اس پر دم واجب ہوتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: **وَإِذَا خَرَجَ الْمَكِّيُّ يُرِيدُ الْحَجَّ**، اور جب نکلا ایک مکہ والا اس حال میں کہ وہ حج کا ارادہ کرتا ہے، **فَأَحْرَمَ**، پھر اس نے احرام باندھ لیا یعنی حرم سے باہر نکل کر احرام باندھ لیا، **وَلَمْ يَعُدْ إِلَى الْحَرَمِ**، اور حرم واپس نہیں لوٹا۔ حرم پھر واپس نہیں گیا بلکہ سیدھا کہاں چلا گیا؟ عرفات چلا گیا۔ عرفات چلا گیا۔ تو کہتے ہیں: **وَلَمْ يَعُدْ إِلَى الْحَرَمِ**، اور وہ حرم واپس نہیں لوٹا، **وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ**، اور اس نے عرفات میں وقوف کر لیا، **فَعَلَيْهِ شَاةٌ**، تو اس پر بھیڑ بکری واجب ہے۔

اب مجھے مسئلہ بتائیے، یہ مکہ والا جس نے حل میں آکر احرام باندھ لیا ہے اور پھر یہ حرم چلا جاتا ہے اور پھر جا کر وقوف عرفہ کرتا ہے، تو کیا اس سے یہ دم ساقط ہو گا یا ساقط نہیں ہو گا؟ جی؟ ہاں، یاد رکھیے تفصیل: صاحبین کے نزدیک میقات سے جو آگے نکل جاتا تھا پھر میقات احرام کے ساتھ آتا تھا تو اس کی تلافی ہو جاتی تھی۔ لہٰذا صاحبین کے نزدیک یہاں پر یہ شخص بھی جب حرم پھر آگیا تو اس نے تلافی کر دی، میقات آگیا، احرام کے ساتھ آیا، لہٰذا تلافی ہو گئی، دم کیا ہو جائے گا؟ ساقط۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صرف واپس آنا کافی نہیں بلکہ کیا کرے؟ تلبیہ بھی کہے، تو پھر تلافی ہو گی اور دم ساقط ہو گا۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اب تلافی کی کوئی گنجائش نہیں، اب یہ ہر حال میں دم دینا ہی پڑے گا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی۔

لِأَنَّ وَقْتَهُ الْحَرَمُ، اس لیے کیونکہ یہ مکہ والے کا میقات جو ہے وہ حرم ہے، **وَقَدْ جَاوَزَهُ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ**، اور تحقیق یہ اس میقات سے بڑھ گیا ہے بغیر احرام کے، **فَإِنْ عَادَ إِلَى الْحَرَمِ**، پس اگر یہ حرم لوٹ آیا، **وَلَبَّى أَوْ لَمْ يُلَبِّ**، اور تلبیہ کہا یا تلبیہ نہیں کہا، **فَهُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ فِي الْآفَاقِيِّ**، تو یہ اسی اختلاف پر ہے جس کو ہم نے ذکر کیا تھا آفاقی میں، جو ابھی میں نے ذکر کر دی تفصیل بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ اور یہ یاد رکھنا، یہ جو قید لگائی کہ یہ اس مکی کا حج کا باقاعدہ ارادہ ہو اور پھر یہ باہر نکل کر کیا کرتا ہے؟ احرام باندھتا ہے۔ اگر حج کا ارادہ نہیں تھا اس کا ابھی، یہ ویسے ہی حرم سے باہر نکل آیا اور پھر اس کا ارادہ کس کا بنا؟ حج کا بنا، تو پھر اس صورت میں احرام باہر سے بھی بیشک حل سے باندھ کر آجائے تو بھی اس پر دم نہیں ہے کیونکہ جب یہ حل میں آگیا، یہ حلیوں کے حکم میں ہو گیا اور

اہل حل کے لیے میقات کیا ہے حج کا؟ حل ہے، تو یہ بھی حل سے ہی احرام باندھ کر آیا ہے۔

وَالْمُتَمَتِّعُ إِذَا فَرَغَ مِنْ عُمْرَتِهِ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْحَرَمِ فَأَحْرَمَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ فَعَلَيْهِ دَمٌ۔ صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص حج تمتع کر رہا ہے۔ حج تمتع کا کیا طریقہ تھا؟ حج تمتع میں آپ نے پڑھا کہ آفاقی شخص حج تمتع کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ میقات سے احرام باندھ کر آئے گا اور آکر عمرہ ادا کرے گا اور پھر اس کے بعد حلال ہو جائے گا، احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی، اور پھر وہ آٹھویں ذوالحجہ کو کیا کرے گا؟ حج کا احرام مکہ ہی سے باندھے گا، مکہ ہی سے باندھے گا۔ اب صورت یہ کہ ایک حج تمتع کرنے والا ہے، یہ عمرے سے فارغ ہو گیا اور پھر حج کے دنوں میں یہ حرم سے باہر نکلا اور اور حل سے کیا کر لیا اس نے؟ حج کا احرام باندھ لیا، حج کا احرام باندھ لیا اور پھر حرم گیا ہی نہیں، سیدھا کدھر چلا گیا؟ عرفات چلا گیا۔ تو کہتے ہیں اس پر بھی دم لازم ہے بھئی، اس پر بھی دم لازم ہے۔ ہاں، اگر یہ حرم آ گیا وقوف عرفات سے پہلے، تو حالت احرام میں ہے لہٰذا صاحبین کے نزدیک وہ اس نے تلافی کر دی، لہٰذا اس سے دم کیا ہو جائے گا؟ ساقط۔ امام صاحب فرماتے ہیں احرام میں صرف آنا کافی نہیں بلکہ کیا کرے؟ تلبیہ بھی کہے۔ جبکہ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اب تلافی نہیں ہو سکتی۔

وَالْمُتَمَتِّعُ إِذَا فَرَغَ مِنْ عُمْرَتِهِ، اور حج تمتع کرنے والا جب اپنے عمرے سے فارغ ہوا، **ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْحَرَمِ،** پھر وہ حرم سے نکلا، **فَأَحْرَمَ،** تو پھر اس نے احرام باندھا یعنی حل کے اندر احرام باندھا، **وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ،** اور پھر وقوف کیا اس نے عرفات میں یعنی حرم واپس نہیں گیا، **فَعَلَيْهِ دَمٌ،** تو اس پر دم واجب ہے، **لِأَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ،** اس لیے کیونکہ یہ شخص جب مکہ میں داخل ہو گیا، **وَأَتَى بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ،** اور اس نے ادا کر دیے عمرے کے افعال، **صَارَ بِمَنْزِلَةِ الْمَكِّيِّ،** تو یہ بھی کس کے درجے میں ہو گیا؟ مکہ والے کے درجے میں ہو گیا، **وَإِحْرَامُ الْمَكِّيِّ مِنَ الْحَرَمِ لِمَا ذَكَرْنَا،** اور مکہ والے کا حج کا احرام تو کہاں سے ہوتا ہے؟ حرم سے ہی ہوتا ہے **لِمَا ذَكَرْنَا،** اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی، پیچھے ذکر ہوا تھا بھئی۔ **فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ بِتَأْخِيرِهِ عَنْهُ،** تو اس شخص پر دم لازم ہو گا **بِتَأْخِيرِهِ، أَيْ: بِتَأْخِيرِ الْإِحْرَامِ، عَنْهُ، أَيْ: عَنِ الْوَقْتِ،** کہ اس نے احرام کو مؤخر کر دیا کس سے؟ وقت یعنی میقات سے۔ اس نے اپنے میقات سے احرام کو مؤخر کر دیا، اس کا میقات تو کیا تھا؟ حرم تھا، اور اس نے کہاں جا کر باندھا؟ حل میں، تو اس نے احرام کو اپنے میقات سے مؤخر کر دیا، اس وجہ سے اس پر دم لازم ہو گا۔

فَإِنْ رَجَعَ إِلَى الْحَرَمِ، اگر یہ شخص جو ہے یہ متمتع حرم لوٹ آیا، **وَأَهَلَّ فِيهِ،** اور اس میں تلبیہ کہا، **أَهَلَّ** کے معنیٰ آواز بلند کرنا، مراد تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرنا۔ **وَأَهَلَّ فِيهِ،** اور اس نے حرم کے اندر تلبیہ کہا **قَبْلَ أَنْ يَقِفَ بِعَرَفَةَ،** عرفات میں وقوف کرنے سے پہلے ہی، اس سے پہلے ہی وہ حرم آیا اور حرم میں تلبیہ بھی کہہ دیا، **فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ،** تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں یعنی اس سے وہ دم ساقط ہو جائے گا۔ **وَهُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ الَّذِي تَقَدَّمَ فِي الْآفَاقِيِّ،** اور یہ اسی اختلاف پر ہے جو آفاقی میں گزر چکا ہے۔ یعنی امام صاحب کے نزدیک تلبیہ کہے گا تو دم ساقط ہو گا، صاحبین کے نزدیک احرام کافی ہے تلبیہ کہنا ضروری نہیں، اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک اب دم ساقط ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی۔ **هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔**

سبق نمبر ۱۶۲: بَابُ إِضَافَةِ الْإِحْرَامِ

ہدایہ صفحہ: ۳۱۰ــــ بتاریخ: ۲۳ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ إِضَافَةِ الْإِحْرَامِ

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: إِذَا أَحْرَمَ الْمَكِّيُّ بِعُمْرَةٍ وَطَافَ لَهَا شَوْطًا ثُمَّ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ فَإِنَّهُ يَرْفُضُ الْحَجَّ، وَعَلَيْهِ لِرَفْضِهِ دَمٌ، وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: رَفْضُ الْعُمْرَةِ أَحَبُّ إِلَيْنَا وَقَضَاهَا، وَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِهَا. [1]

■ بَابُ إِضَافَةِ الْإِحْرَامِ

بَابُ إِضَافَةِ الْإِحْرَامِ

یہ باب ہے احرام کا اضافہ کرنے کے بیان میں۔ یعنی ایک شخص کا احرام ہے پہلے سے ایک حج یا ایک عمرے کا، اور اس کے ساتھ وہ ایک اور احرام کو ملا دیتا ہے حج یا عمرے کے۔ تو اس کا کیا حکم ہے، اور کن صورتوں کے اندر اس پر دم وغیرہ واجب ہو گا، وہ ذکر کر رہے ہیں بھائی۔

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **إِذَا أَحْرَمَ الْمَكِّيُّ بِعُمْرَةٍ وَطَافَ لَهَا شَوْطًا ثُمَّ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ،** بھائی آپ پڑھ چکے کہ آفاقی شخص جو ہے، یعنی جو میقات سے باہر رہنے والا ہے، اس کے حج کے تین طریقے ہیں: حج قران، حج تمتع، اور حج افراد۔ جبکہ مکہ کا رہنے والا جو ہے، وہ صرف حج افراد کر سکتا ہے، اس کے لیے حج تمتع بھی نہیں اور حج قران بھی نہیں۔

تو صورت مسئلہ یہ کہ مکہ کا رہنے والا ایک شخص جو ہے، اس نے عمرے کا احرام باندھ لیا، اور پھر عمرہ شروع بھی کر دیا، مثلاً ایک چکر اس کا لگا لیا، اس کے بعد اس کا ارادہ حج کا بنا تو اس نے حج کا احرام بھی باندھ لیا۔ عمرے کا احرام پہلے سے تھا اور اس پر کس کا اضافہ کر دیا؟ حج کے احرام کا اضافہ کر دیا۔

تو اس صورت میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حج کو چھوڑ دے گا۔ کیا کرے گا؟ حج کو چھوڑ دے گا، اور اس پر حج چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہو گا بھائی، اور پھر چونکہ اس نے حج کو چھوڑا ہے تو اس کی قضا کرے گا اور اس پر ایک حج اور عمرہ لازم ہو گا۔ ایک حج اور ایک عمرہ لازم ہو گا، اس لیے کیونکہ یہ جب حج کو چھوڑ دے گا تو یہ حج کو فوت کر دینے والے شخص کی طرح ہوا، اور حج کو فوت کر دینے والے شخص پر ایک عمرہ اور ایک حج ہوتا ہے۔ حج کو فوت کر دینے والے پر ایک عمرہ اور ایک حج ہوتا ہے۔

تفصیل یاد رکھیے یہ بار بار آئے گا کسی کا حج فوت ہو جائے۔ حج فوت ہونے کا کیا معنی؟ کہ وقوف عرفہ اس سے رہ گیا۔ وقوف عرفہ ہو گیا پھر تو حج فوت نہیں ہو سکتا۔ پھر تو باقی اعمال وہ کسی بھی وقت ادا کرے، ادا کر سکتا ہے۔ ہاں، تاخیر وغیرہ کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک دم آئے گا، لیکن بہر حال اس کے بعد جب ایک دفعہ وقوف عرفات کر لیا، پھر اس کے بعد حج کے فوت ہونے کا کوئی خطرہ نہیں بھائی۔

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۲۲۸): «الإحرام إلى الإحرام باب إضافة الإحرام إلى»۔ • شاملہ (ص ۲۲۸) میں «وَقَضَاهَا» کے بجائے «وقضاؤها»، شاملہ (ص ۲۲۸) میں «لِرَفْضِهَا» کے بجائے «لأنه» درج ہے۔

تو حج فوت ہونے کا کیا معنی ہوتا ہے؟ کسی کا وقوف عرفات رہ جائے، کیونکہ وقوف عرفات کا وقت متعین ہے، نویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد سے لے کر دسویں ذی الحجہ کی طلوع فجر تک، یہ سارا کس کا وقت ہے؟ وقوف عرفات کا۔ اگر یہ کسی کا رہ جائے تو اس کا حج فوت ہو گیا۔

اب جب حج فوت ہو گیا تو اب یہ کیا کرے؟ اس نے احرام تو باندھا ہوا ہے۔ تو اس کا طریقہ یاد رکھیے، یہ شخص جو ہے عمرہ کر لے گا اور حلال ہو جائے گا، یعنی ایک طواف کر لے گا اور ایک سعی کر لے گا۔ سمجھ میں آیا؟ اس سے پہلے آپ نے پڑھا تھا اگر کسی کا حج فاسد ہو جائے تو وہ حج کے اعمال کرتا رہے گا۔ بھائی وہ حج فاسد ہوا تھا، وہاں وقوف عرفات رہا نہیں تھا، اس لیے وہ سارے اعمال کرتا چلا جاتا تھا، لیکن یہاں اس کا وقوف عرفات ہی رہ گیا، اب باقی اعمال کرنے کا تو کوئی مطلب نہیں کیونکہ حج تو رہ گیا۔ تو اب یہ نہیں کہ باقی اعمال کرتا رہے گا، بلکہ کیا کرے گا صرف یہ؟ عمرہ کر لے گا، یعنی ایک طواف کر لے اور ایک سعی کر لے اور اس کے بعد حلق یا قصر کروائے گا اور احرام سے حلال ہو جائے گا۔ کیونکہ احرام تو اس نے باندھا تھا اور اب اس احرام سے حلال بھی ہونا ہے، اور احرام سے حلال دو ہی چیزوں کے ذریعے ہوا جاتا ہے: یا حج کر کے حلق وغیرہ کروایا جاتا ہے یا عمرہ کر کے حلق وغیرہ کروایا۔ اور حج تو فوت ہو گیا، اور وہ اب آئے گا اگلے سال، تو شریعت نے آسانی کر دی کہ کیا کر لے؟ عمرہ کر لے، یعنی ایک طواف کر لے اور ایک سعی کر لے اور پھر حلق یا قصر کروا کر اس احرام سے حلال ہو جائے۔ تو دیکھیے ایک عمرہ اس نے کر لیا اور اگلے سال پھر اس حج کی قضا بھی کرے گا، کیونکہ اس نے اس کا احرام باندھ کر اس کو شروع کر دیا تھا اور ایک دفعہ جو عبادت شروع کر دی جائے وہ اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟ تو حج جس کا فوت ہو جائے اسے کیا کرنا پڑتا ہے؟ ایک عمرہ اور ایک حج کرنا پڑتا ہے۔

تو اب اس مکی شخص نے عمرے کا احرام باندھا تھا اور پھر درمیان میں اس کا ارادہ بنا حج کا بھی، اس نے حج کا بھی احرام باندھ لیا، تو اس کے حج اور عمرے کا احرام اکٹھا ہو گیا، اور حالانکہ اس کو تو حج اور عمرے کا احرام اکٹھا کرنے کی اجازت نہیں، آفاقی کو تو اجازت ہوتی ہے اس کو اجازت نہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں سے ایک کو چھوڑنا پڑے گا، ایک کو چھوڑنا پڑے گا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ حج کو چھوڑ دے اس وقت بھائی، حج کو چھوڑ دے اور عمرہ کرے، اور جو حج کو چھوڑا ہے اس کی وجہ سے اس پر کیا آئے گا؟ ایک حج اور ایک عمرہ۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: امام صاحب فرماتے ہیں: **إِذَا أَحْرَمَ الْمَكِّيُّ بِعُمْرَةٍ**، جب احرام باندھا مکہ والے نے عمرے کا، **وَطَافَ لَهَا شَوْطًا**، اور طواف کر لیا عمرے کے لیے ایک چکر، **ثُمَّ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ**، پھر اس نے حج کا احرام باندھ لیا، **فَإِنَّهُ يَرْفُضُ الْحَجَّ**، تو یہ شخص جو ہے حج کو چھوڑ دے گا، **وَعَلَيْهِ لِرَفْضِهِ دَمٌ**، اور اس پر حج کو چھوڑنے کی وجہ سے ایک دم واجب ہو گا، **وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ**، اور اس نے حج چھوڑا ہے تو لہٰذا اس پر ایک حج اور عمرہ ہے۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: صاحبین فرماتے ہیں کہ اس نے حج اور عمرے کو اکٹھا کر دیا ہے دونوں کے احرام کو، اور دونوں میں سے ایک کو چھوڑنا پڑے گا بھائی، کیونکہ مکی شخص ہے اس کو دونوں کا احرام جمع کرنے کی اجازت نہیں، تو وہ فرماتے ہیں حج کا درجہ بڑا ہے لہٰذا ہمیں زیادہ پسند یہ ہے کہ یہ عمرے کو چھوڑ دے، کیا کر دے؟ عمرے کو چھوڑ دے، کیونکہ عمرے کے ابھی اس نے اکثر افعال نہیں کیے، یعنی طواف کا اکثر حصہ نہیں کیا، چار سے کم کم چکر ہیں ابھی، تو کیا کر دے؟ عمرے کو چھوڑ دے اور حج کر لے بھائی، حج کر لے، اور البتہ عمرے کو چھوڑنے کی وجہ سے بھی اس پر دم واجب ہو گا بھائی۔

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: رَفْضُ الْعُمْرَةِ أَحَبُّ إِلَيْنَا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ عمرے کا چھوڑنا وہ ہمیں زیادہ پسند ہے، **وَقَضَاهَا**، اور یہ پھر اس عمرے کی قضا کرے گا، **وَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِهَا**، اور اس پر ایک دم واجب ہے اس عمرے کو چھوڑنے کی وجہ سے۔

ان کی دلیل بھائی، صاحبین کی دلیل: کہتے ہیں: **لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ رَفْضِ أَحَدِهِمَا**، اس لیے کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑنا ضروری ہے، **لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا فِي حَقِّ الْمَكِّيِّ غَيْرُ مَشْرُوعٍ**، اس لیے کیونکہ ان دونوں کو جمع کرنا یعنی حج اور عمرے کو جمع کرنا مکہ والے کے حق میں **غَيْرُ مَشْرُوعٍ** جائز نہیں ہے، **وَالْعُمْرَةُ أَوْلَى بِالرَّفْضِ**، اور عمرہ زیادہ لائق ہے چھوڑنے کے۔ بھائی عمرہ کیوں زیادہ چھوڑنے کے لائق ہے؟ کہتے ہیں: **لِأَنَّهَا أَدْنَى حَالًا**، اس لیے کیونکہ عمرہ جو ہے کمتر ہے باعتبار حال کے، عمرے کے حالت کیا ہے حج سے؟ کم ہے، **وَأَقَلُّ أَعْمَالًا**، اور عمرہ جو ہے وہ اعمال کے اعتبار سے تھوڑا ہے، عمرے میں تھوڑے سے اعمال کرنا پڑتے ہیں حج میں زیادہ، **وَأَيْسَرُ قَضَاءً**، اور نیز اس لیے کہ عمرہ جو ہے وہ زیادہ آسان ہے باعتبار قضا کے، کہ عمرے کی قضا بھی آسان ہے، **لِكَوْنِهَا غَيْرَ مُوَقَّتَةٍ**، اس لیے کیونکہ عمرہ کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں۔ حج جو ہے وہ تو اپنے مخصوص ایام میں ہو گا سال کے اندر ایک دفعہ، جبکہ عمرہ تو سال بھر میں جب بھی کرنا چاہے کر سکتا ہے، لہٰذا اس کی قضا آسان ہے بھائی۔ تو وہ کہتے ہیں کہ عمرہ زیادہ لائق ہے چھوڑنے کے کیونکہ وہ حال کے اعتبار سے بھی ادنیٰ ہے، عمل کے اعتبار سے بھی تھوڑا ہے، اور قضا کے اعتبار سے بھی آسان ہے۔

وَكَذَا إِذَا أَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ بِالْحَجِّ وَلَمْ يَأْتِ بِشَيْءٍ مِنْ أَفْعَالِ الْعُمْرَةِ لِمَا قُلْنَا. اب دوسری صورت ہے۔ پہلی صورت میں یہ تھا کہ اس نے عمرہ شروع کر دیا تھا، دیکھا انہوں نے متن میں کہا تھا ایک چکر لگا چکا ہے، ایک چکر، یعنی اکثر حصہ تو نہیں کیا لیکن شروع کر چکا ہے۔ تو اس صورت میں امام صاحب فرماتے ہیں حج کو چھوڑ دے اور صاحبین فرماتے ہیں عمرے کو چھوڑ دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے عمرے کا احرام باندھا، ابھی عمرہ شروع نہیں کیا، اس سے پہلے ہی حج کا ارادہ بھی بنا تو اس نے حج کا بھی احرام باندھ لیا، کس شخص نے؟ مکہ کے رہنے والے نے۔ تو اب ان دو میں سے ایک کو چھوڑنا پڑے گا۔ تو ابھی جب عمرہ اس نے شروع نہیں کیا تو بالاتفاق یہ شخص عمرے کو چھوڑ دے بھائی، کیا کرے؟ اب امام صاحب بھی فرماتے ہیں کہ یہ عمرے کو چھوڑ دے کیونکہ ابھی اس نے عمرہ شروع نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں: **وَكَذَا إِذَا أَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ**، اور اسی طرح حکم ہے جب اس نے عمرے کا احرام باندھا، اسی طرح حکم ہے یعنی جیسے پیچھے آیا تھا کہ عمرے کو چھوڑنا بہتر ہے تو یہاں بھی اسی طرح ہے، اور اسی طرح حکم ہے یعنی یہ عمرے کو چھوڑ دے گا: **إِذَا أَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ بِالْحَجِّ**، جب اس نے عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا، **وَلَمْ يَأْتِ بِشَيْءٍ مِنْ أَفْعَالِ الْعُمْرَةِ**، اور حال یہ ہے کہ اس نے ادا نہیں کیا افعال عمرہ میں سے کسی بھی چیز کو، تو بھی یہی حکم ہے، **لِمَا قُلْنَا**، اس وجہ سے جو ہم نے کہی کہ عمرہ کیا ہے؟ ادنیٰ ہے حال کے اعتبار سے، اقل ہے اعمال کے اعتبار سے، اور ایسر ہے قضا کے اعتبار سے۔

تو بہر حال یہاں عبارت میں تسامح ہے، کیونکہ پچھلے متن میں جو عبارت آئی تھی اس میں اختلاف تھا، اور یہاں پر جو ہے وہ اتفاقی صورت بیان ہو رہی ہے، اور وہاں پر ذکر ہوا تھا حج کو چھوڑنے کا اور یہاں کس کا چھوڑنا مراد ہے؟ عمرے کا چھوڑنا مراد ہے۔ تو یہ خیال رکھنا بھائی، بظاہر لگتا ہے کہ شاید یہاں پر بھی وہ حج کو چھوڑے گا، حالانکہ ایسا نہیں، یہاں بالاتفاق وہ عمرے کو چھوڑے گا۔

فَإِنْ طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ ثُمَّ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ رَفَضَ الْحَجَّ بِلَا خِلَافٍ. تیسری صورت بھائی: کہ اس نے عمرے کے چار یا چار سے زیادہ چکر لگا لیے تھے عمرے کے طواف کے بھائی، تو اس صورت میں بھائی اس صورت میں بالاتفاق وہ حج کو چھوڑ دے گا، کیونکہ عمرے کا اکثر طواف یہ کر چکا ہے، تو گویا کہ عمرہ ہی کر چکا ہے، اب چھوڑا نہیں جا سکتا۔ چھوڑنا تو مکمل ہونے سے پہلے ہوتا ہے، مکمل ہونے کے بعد نہیں چھوڑا جا سکتا، اور جب اس نے اکثر چکر لگا لیے تو گویا مکمل ہی طواف کر لیا، اور عمرے کے اندر یہ طواف فرض ہے اور سعی اور حلق یہ تو واجب ہیں بھائی، تو اکثر فرض کر لیا گویا سارا ہی فرض کر لیا، گویا کہ عمرہ ہو چکا ہے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ**، اگر اس نے طواف کیا عمرے کے لیے چار چکر، **ثُمَّ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ**، پھر اس نے حج کا احرام باندھا، **رَفَضَ الْحَجَّ بِلَا خِلَافٍ**، تو یہ حج کو چھوڑ دے گا بغیر کسی اختلاف کے، **لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ**، اس لیے کیونکہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے، کہ اکثر کر دیا تو گویا کل ہی کر لیا، **وَتَعَذَّرَ رَفْضُهَا**، تو ممکن نہ رہا اس کو چھوڑنا، متعذر ہو گیا اس کا چھوڑنا یعنی ممکن نہ رہا اس کا چھوڑنا، **كَمَا إِذَا فَرَغَ مِنْهَا**، جیسے کہ وہ اس عمرے سے فارغ ہو چکا ہو یعنی اس کو مکمل کر چکا ہو، تو پھر اس کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

وَلَا كَذَلِكَ إِذَا طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ. اور حکم اس طرح نہیں ہے جب وہ طواف کر لے عمرے کے لیے اس سے کمتر امام صاحب کے نزدیک۔ بھائی **وَلَا كَذَلِكَ** آیا بھائی، تو بعض علماء نے لکھا یہاں پر کہ یہ لَا جو ہے یہ کتابت وغیرہ کی غلطی ہے، یہ لَا کو نہیں ہونا چاہیے، بلکہ عبارت یوں ہونی چاہیے: **وَكَذَلِكَ**، اور اسی طرح حکم ہے، پچھلے مسئلے کا کیا حکم بیان ہوا؟ جس نے عمرہ کیا اور اس کے طواف کے چار چکر کر لگا لیے تو وہ کیا کرے گا؟ حج کو چھوڑے گا۔ اور اگلے مسئلے میں بھی اسی طرح ہے: **وَكَذَلِكَ**، اور اسی طرح حکم ہے، یعنی حج کو چھوڑ دے گا، **إِذَا طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ**، جب وہ عمرے کا طواف کر لے اس سے کمتر، اس صورت میں بھی کیا کرے گا؟ بھائی سب سے پہلے متن میں کیا آیا تھا؟ عمرے کا طواف کا ایک چکر کر لگا لے گا تو کس کو چھوڑے گا امام صاحب کے نزدیک؟ حج کو چھوڑے گا، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، یہاں پر بھی اسی طرح ہے، یہاں اس کو حج کو چھوڑنا پڑے گا، تو کہتے ہیں: لَا نہیں ہونا چاہیے پھر بات صحیح بنتی ہے۔ **وَكَذَلِكَ إِذَا طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور اسی طرح ہے حکم یعنی وہ حج کو چھوڑ دے گا جب اس نے عمرے کا اس سے کم طواف کیا ہو امام صاحب کے نزدیک، عبارت سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ بعض علماء دیگر علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، لَا کے ساتھ عبارت صحیح ہے، اور یہ دراصل ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض کا جواب۔ اعتراض کا جواب یہ کہ بھائی پیچھے سب سے پہلے متن میں آیا تھا کہ عمرے کے طواف کے کم چکر لگائے ہوں، اکثر نہ ہوں بلکہ کم ہوں، تو بھی امام صاحب کے نزدیک کس کو چھوڑے گا؟ حج کو چھوڑے گا۔ اور یہاں پر تو کیا آیا کہ عمرے کے طواف کے اکثر چکر لگا چکا ہو پھر تو بالاتفاق کیا کرے گا؟ حج کو چھوڑ دے گا، کیوں چھوڑے گا حج کو؟ اس لیے کیونکہ عمرے کے طواف کے وہ اکثر چکر لگا چکا ہے اور جب اکثر لگا چکا ہے تو گویا کہ پورا طواف ہی وہ کر چکا ہے، اب چھوڑنا ممکن ہی نہ رہا۔ لیکن جب اقل چکر لگائے ہوں، جب تھوڑے چکر لگائے ہوں، پھر تو یہ علت درست نہیں بنتی۔ زیادہ چکر لگائے ہوں پھر تو نہ چھوڑنے کی علت کیا ہے؟ کیونکہ اکثر ہو چکا ہے، جب اکثر ہو چکا ہے تو کل ہو چکا ہے، وہاں تو ٹھیک ہے، زیادہ چکر لگائے ہیں یہ علت ٹھیک بن جائے گی کہ عمرے کو اب نہیں چھوڑ سکتا، اب کس کو چھوڑنا پڑے گا؟ حج کو۔ لیکن اگر اقل چکر لگائے ہوں، تھوڑے چکر لگائے ہوں، پھر تو وہاں پر یہ علت نہیں بنتی، تو حالانکہ امام صاحب کے نزدیک وہاں پر بھی حج ہی کو چھوڑے گا، حکم اسی طرح ہے، تو اس کی تو علت یہ نہیں بنتی، تو وہی بیان کر رہے ہیں: **وَلَا كَذَلِكَ إِذَا طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ**، اور ایسا نہیں ہے، کیا معنی ایسا نہیں ہے؟ یعنی اس کو چھوڑنا ابھی متعذر نہیں ہے کیونکہ ابھی تو اکثر نہیں ہوا، تو وہاں یعنی یہ علت نہیں ہے **إِذَا طَافَ لِلْعُمْرَةِ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ** جب اس نے عمرے کا طواف اس سے کم کیا ہو امام صاحب کے نزدیک، تو پھر وہاں چھوڑنے کی کیا وجہ ہے؟ تو کہتے ہیں امام صاحب الگ علت بیان کرتے ہیں جو آگے بیان ہو رہی ہے۔ اگر اقل چکر لگائے ہیں تو پھر اس کی یہ علت نہیں ہے عمرہ چھوڑنے کی، بلکہ اب اس کی الگ علت ہے جو امام صاحب بیان کرتے ہیں۔

یاد رکھیے! علت یہ، امام صاحب فرماتے ہیں جب عمرے کا طواف ایک دفعہ شروع کر دیا تو عمرہ پکا ہو گیا، کیونکہ کچھ نہ کچھ عمل اس کا ادا کر دیا، اس کا کچھ فعل ادا کر دیا، لہٰذا یہ مؤکد ہو گیا۔ عمرہ کیا ہوا؟ مؤکد ہو گیا، پکا ہو گیا۔ اور حج کا تو ابھی کوئی فعل اس نے نہیں کیا، صرف حج کا احرام باندھا ہے، تو حج ہے غیر مؤکد، اور غیر مؤکد کو چھوڑنا آسان ہے کس کے مقابلے میں؟ مؤکد کے مقابلے میں بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟ اور نیز اس لیے بھی کہ عمرے کے افعال کو وہ ادا کرنا شروع کر چکا ہے، اب عمرہ چھوڑے

گا تو اپنے عمل کو باطل کرنا لازم آئے گا، حالانکہ قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: ﴿لَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾۔ اور حج، حج کا تو صرف ابھی اس نے احرام باندھا ہے کوئی عمل نہیں کیا، لہٰذا حج کو چھوڑے گا تو یوں کہا جائے گا یہ حج سے رک گیا۔ عمرے کو چھوڑتا ہے تو عمل کو باطل کرنا لازم آتا ہے، اور حج کو چھوڑنا ہے تو پھر صرف رکنا لازم آتا ہے، اور رکنا آسان ہے کس کی بنسبت؟ باطل کرنے کے مقابلے میں، اس لیے وہ کیا کرے گا؟ حج کو چھوڑ دے گا۔ وجہ سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَلَهُ**، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ إِحْرَامَ الْعُمْرَةِ قَدْ تَأَكَّدَ بِأَدَاءِ شَيْءٍ مِنْ أَعْمَالِهَا**، کہ عمرے کا احرام جو ہے وہ تحقیق پکا ہو گیا ہے اس کے اعمال میں سے کچھ ادا کر دینے کی وجہ سے، **وَإِحْرَامَ الْحَجِّ لَمْ يَتَأَكَّدْ**، اور حج کا احرام جو ہے وہ پکا نہیں ہوا، **وَرَفْضُ غَيْرِ الْمُتَأَكِّدِ أَيْسَرُ**، اور چھوڑ دینا غیر متاکد کو یہ زیادہ آسان ہے، **وَلِأَنَّ فِي رَفْضِ الْعُمْرَةِ وَالْحَالَةُ هَذِهِ إِبْطَالَ الْعَمَلِ**، اور اس لیے کیونکہ عمرے کو چھوڑنے میں، عمرے کو چھوڑنے میں، **أَنَّ** کا اسم آگے ہے **إِبْطَالَ الْعَمَلِ**، عمرے کو چھوڑنے میں عمل کو باطل کرنا ہے، اور درمیان میں حال آگیا: **وَالْحَالَةُ هَذِهِ**، اور حالت یہ والی ہے۔ عمرے کو چھوڑنا اس حال میں کہ حالت یہ والی ہو، کون سی حالت ہو؟ جب اس کو شروع کر چکا ہے چاہے ایک چکر لگایا ہے چاہے دو چکر لگائے ہیں، یہ حالت ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ فِي رَفْضِ الْعُمْرَةِ وَالْحَالَةُ هَذِهِ إِبْطَالَ الْعَمَلِ**، اس لیے کیونکہ عمرے کو چھوڑنے میں اور حالت یہ ہو، عمل کو باطل کرنا ہے، **وَفِي رَفْضِ الْحَجِّ امْتِنَاعٌ عَنْهُ**، اور حج چھوڑنے کے اندر حج سے باز رہنا ہے، حج سے رکنا ہے، اور یہ زیادہ آسان ہے۔ **وَعَلَيْهِ دَمٌ بِالرَّفْضِ أَيَّهُمَا رَفَضَهُ**، اور اس شخص پر دم واجب ہو گا چھوڑ دینے کی وجہ سے، **أَيَّهُمَا رَفَضَهُ** ان دونوں میں سے وہ جس کو بھی چھوڑ دے بھائی، **لِأَنَّهُ تَحَلَّلَ قَبْلَ أَوَانِهِ**، اس لیے کیونکہ یہ شخص حلال ہو گیا قبل اُوانہ اپنے وقت سے پہلے ہی۔ جب حج چھوڑ دے گا تو عمرہ کر کے حلال ہو جائے گا، تو دیکھو حج حالانکہ احرام باندھ دیا تھا تو یہ اپنے وقت پر حج سے، عمرے سے تو اپنے وقت پر حلال ہوا ہے لیکن حج سے تو اپنے وقت سے پہلے حلال ہوا ہے۔ **لِأَنَّهُ تَحَلَّلَ قَبْلَ أَوَانِهِ**، اس لیے کیونکہ یہ اپنے وقت سے پہلے حلال ہو گیا، **لِتَعَذُّرِ الْمُضِيِّ فِيهِ**، اس لیے کیونکہ اس میں چلتے رہنا ممکن نہیں بھائی، اس میں چلتے رہنا متعذر ہو گیا۔ کیوں متعذر ہوا اس میں چلتے رہنا؟ دونوں کو ہی چلانا کیوں مشکل ہو گیا اکٹھا؟ کیونکہ مکہ والا ہے اور مکہ والے کے لیے تو ان دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں، اس وجہ سے، **لِتَعَذُّرِ الْمُضِيِّ فِيهِ** اس وجہ سے کہ اس میں چلتے رہنا اس کے لیے متعذر ہو گیا تھا، تو یہ حلال ہوا وقت سے پہلے، **فَكَانَ فِي مَعْنَى الْمُحْصَرِ**، تو یہ شخص کس کے معنی میں ہوا؟ محصر کے معنی میں ہوا۔ محصر وہ شخص، **أَحْصَرَ يُحْصِرُ إِحْصَارٌ** کے معنی روکنے کے، محصر وہ شخص جو کسی دشمن کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے حج پر نہ جا سکے، احرام باندھ چکا ہے اور پھر بیمار ہو گیا، آگے نہ جا سکا، یا آگے دشمن آ گیا اب یہ آگے نہیں جا سکتا تو یہ محصر ہے محصر ہے۔

تو کہتے ہیں: **فَكَانَ فِي مَعْنَى الْمُحْصَرِ**، تو یہ شخص جو ہے محصر کے معنی میں ہوا، **إِلَّا أَنَّ فِي رَفْضِ الْعُمْرَةِ قَضَاءَهَا لَا غَيْرُ، وَفِي رَفْضِ الْحَجِّ قَضَاءَهُ وَعُمْرَةً، لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى فَائِتِ الْحَجِّ. إِلَّا أَنَّ فِي رَفْضِ الْعُمْرَةِ قَضَاءَهَا لَا غَيْرُ**، مگر یہ بات ہے کہ عمرہ چھوڑنے کی صورت میں اس پر اس عمرے کی قضا ہے لَا غَيْرُ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، اور جبکہ **فِي رَفْضِ الْحَجِّ**، حج کو چھوڑنے کی صورت میں **قَضَاءَهُ وَعُمْرَةً**، اس پر اس حج کی قضا بھی ہے اور عمرے کی بھی اور عمرہ بھی ہے اس پر، **لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى فَائِتِ الْحَجِّ**، اس لیے کیونکہ یہ شخص جو ہے حج کو فوت کر دینے والے کے معنی میں ہوا، وہ شخص جس کا حج فوت ہو گیا ہو، اور جس کا حج فوت ہو گیا ہو اس پر کیا ہوتا ہے؟ کیا لازم ہوتا ہے؟ ایک عمرہ اور ایک حج۔ عمرہ کون سا؟ حلال ہونے کے لیے، اور حج جو اس کی قضا کرے گا۔ تو یہ شخص بھی کس کی طرح ہوا؟ فائت الحج، حج کو فوت کر دینے والے شخص کے معنی میں ہو گیا، تو لہٰذا اس پر بھی حج کی قضا بھی ہو گی اور ایک عمرہ بھی ہو گا۔ یہاں تک بات سب کو سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

وَإِنْ مَضَى عَلَيْهِمَا أَجْزَأَهُ. بھائی اس پر حج یا عمرے کو چھوڑنا ضروری تھا، لیکن یہ اسی طرح چلتا رہا، اس نے نہیں چھوڑا حج کو یا عمرے کو، اور دونوں کو ادا کرتا ہے، تو کہتے ہیں: یہ بھی اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ یہ بھی کیا ہو گا اس کے لیے؟ کافی ہو جائے گا۔ البتہ اس پر دم لازم ہو گا۔ شریعت نے تو اس کو منع کیا تھا کہ یہ حج اور عمرے کو جمع نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مکہ کا رہنے والا ہے، اور اس نے جمع کیا ہے تو اس پر ایک دم واجب ہو گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: **وَإِنْ مَضَى عَلَيْهِمَا**، اور اگر یہ ان دونوں پر چلتا رہا، یعنی حج اور عمرے پر، **أَجْزَأَهُ**، تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا، **لِأَنَّهُ أَدَّى أَفْعَالَهُمَا كَمَا الْتَزَمَهُمَا**، اس لیے کیونکہ اس نے ان دونوں کے افعال کو ادا کر دیا جیسے کہ اس نے اپنے اوپر لازم کیا تھا، **غَيْرَ أَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُمَا**، علاوہ اس کے کہ اس کو تو منع کیا گیا تھا ان دونوں سے، **وَالنَّهْيُ لَا يَمْنَعُ تَحَقُّقَ الْفِعْلِ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ أَصْلِنَا**، اور نہی جو ہے یہ روکتی نہیں ہے فعل کے تحقق کو، یعنی فعل کے پائے جانے کو، **عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ أَصْلِنَا**، بوجہ اس کے جو جانا گیا ہے ہماری اصل سے، ہمارے ضابطے سے۔

بھائی آپ پڑھ چکے، نہی کی بحث یاد ہے؟ یعنی اصول فقہ میں آپ پڑھ چکے ہیں، آپ نے پڑھا تھا کہ افعال جو ہیں وہ دو قسم کے ہیں: کچھ افعال شرعیہ ہیں، کچھ افعال حسیہ ہیں۔ افعال حسیہ وہ ہیں جن کے معنی میں شریعت نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، جو معنی شریعت کے آنے سے پہلے لوگ اس کا سمجھتے تھے شریعت نے بھی اسی معنی کو برقرار رکھا، جیسے زنا ہے زنا۔ زنا کس کو کہتے تھے لوگ؟ غیر ملکیت کے اندر وطء کرنا، کس کے اندر؟ غیر ملکیت کے اندر وطء کرنا، صحبت کرنا، اس کو لوگ زنا کہتے تھے۔

شریعت نے بھی اسی معنی کو برقرار رکھا بھائی، اور غیر ملکیت کے اندر وطء کرنا یہ کیا کہلاتا ہے؟ زنا کہلاتا ہے۔ اور تو یہ افعال حسی ہیں، کیا ہیں؟ افعال حسی ہیں، حس کے ذریعے ہی یعنی یوں کہیں عقل کے ذریعے ہی ان کا پتہ چل جاتا ہے، اسی لیے تو لوگوں کو بھی اس کا پہلے سے ہی پتہ تھا بھائی، اور پہلے تو شریعت نہیں تھی لیکن عقل کے ذریعے وہ لوگ اس کو جان گئے تھے بھائی۔

اور دوسری قسم کے افعال جو ہیں وہ افعال شرعیہ کہلاتے ہیں۔ افعال شرعیہ وہ ہیں کہ جن کے معنی میں شریعت نے تبدیلی پیدا کر دی ہو بھائی، تو ان کو افعال شرعیہ کہتے ہیں۔ مثلاً بھائی بیع بھائی بیع، خریدنا کسی چیز کا۔ بیع کس کو کہتے تھے؟ شریعت کے آنے سے پہلے لوگ بیع کی تعریف کرتے تھے کہ بیع جو ہے وہ **مُبَادَلَةُ الشَّيْءِ بِالشَّيْءِ**، ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ کرنا یہ بیع کہلاتا ہے۔ بیع کا کیا معنی لوگ سمجھتے تھے؟ ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ کر لینا یہ بیع کہلاتا ہے۔ لیکن شریعت نے آکر بتلایا: نہیں، **مُبَادَلَةُ الشَّيْءِ بِالشَّيْءِ** نہیں ہے بیع، بلکہ **مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ**، مال کا مال کے بدلے مبادلہ ہو، مال کا مال کے ساتھ مبادلہ ہو تو یہ کیا کہلاتا ہے؟ بیع کہلاتا ہے، اور نیز شریعت نے اس میں قید بڑھادی کہ **بِالتَّرَاضِي**، **مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ بِالتَّرَاضِي**، کہ آپس کی باہمی رضامندی بھی ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ ایک آدمی تلوار نکالتا ہے دوسرے سے کہتا ہے اپنی یہ چیز میرے حوالے کرو اور اپنی کوئی چیز اس کے حوالے کر دیتا ہے تو اس کو بیع نہیں کہیں گے، بلکہ بیع کے اندر کیا ضروری ہے؟ باہمی رضامندی بھی ضروری ہے دونوں عقد کرنے والوں کی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو شریعت نے دیکھو بیع کے معنی میں تبدیلی پیدا کر دی، تو یہ جو بیع ہے اس کو فعل شرعی کہیں گے۔ فعل شرعی کیا معنی؟ معنی یہ ہے کہ بیع کو شریعت کے آنے سے پہلے لوگ جانتے ہی نہیں تھے، لوگوں کو پتہ ہی نہیں تھا بھائی یہ کیا ہوتی ہے، شریعت نے آکر بتلایا کہ بیع یہ ہوتی ہے۔ لوگ جو جانتے تھے وہ غلط جانتے تھے، شریعت نے اس کو رد کر دیا اور اس میں شرطیں اور قیودات کا اضافہ کر دیا، معلوم ہوا لوگ پہلے بیع کو جانتے ہی نہیں تھے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو افعال حسیہ وہ افعال جن میں شریعت کے آنے کے بعد بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، شریعت نے ان کے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں کی، اور افعال شرعیہ وہ ہیں کہ جن کے معنی میں شریعت نے تبدیلی پیدا کر دی، تو اس لیے ان کو افعال شرعیہ کہتے ہیں کہ پہلے ان کو کوئی جانتا ہی نہیں تھا بھائی، شریعت نے آکر بتلایا بھائی۔

اور ان کے اندر آپ پڑھ چکے کہ نہی آئے اگر اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف سے حکم آجائے، ایک چیز سے روکا جائے، تو دیکھا جائے گا یہ کس چیز سے روکا جا رہا ہے، یہ فعل کون سا ہے، فعل حسی ہے یا فعل شرعی ہے؟ اگر فعل حسی کے اندر نہی آجائے تو پھر وہ فعل باطل ہو گا۔ نہی کے آجانے کے بعد پھر بھی کوئی اس فعل کو کرے گا تو اس کا کرنا بھی نہ کرنا ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، وہ فعل ہی باطل ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ جب نہی کس کے بارے میں آئے؟ فعل حسی کے بارے میں، تو وہ باطل ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں بھائی، اس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے، سمجھ میں آیا؟ یعنی اس کا وجود نہیں آئے گا، یہ نہیں کہ گناہ نہیں ہو گا گناہ تو ہو گا، یعنی اس کا وجود اور عدم برابر ہیں بھائی۔

اور ایک ہے فعل شرعی، فعل شرعی کے اندر اگر نہی آجائے، یعنی اللہ اور اس کے رسول جو ہیں وہ کسی فعل سے منع کریں کہ یہ فعل نہیں کرنا، تو غور کریں گے یہ کون سا فعل ہے، غور کیا تو پتہ چلا یہ فعل شرعی ہے، معلوم ہوا یہ نہی کس کے بارے میں آئی ہے؟ فعل شرعی، اور فعل شرعی کے بارے میں جب نہی آجائے تو یاد رکھیے وہ ذات کے اعتبار سے جائز ہوتا ہے، وصف کے اعتبار سے ناجائز ہوتا ہے۔ ذات کے اعتبار سے جائز لیکن وصف کے اعتبار سے جائز نہیں ہے بھائی، جائز نہیں۔ مثلاً بھائی، شریعت میں شرط لگا کر بیع کرنے سے منع کیا گیا کہ بیع کے اندر کوئی شرط نہ لگائی جائے بھائی، شرط نہ لگائی جائے۔ لیکن کوئی آدمی شرط لگا کر بیع کر لیتا ہے، مثلاً دوسرے ساتھی سے کہتا ہے کہ یہ کتاب میں آپ کو سو روپے میں فروخت کروں گا، فروخت کرتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے آپ مجھے پچاس روپے ساتھ بطور قرض کے بھی دیں گے، وہ میں آپ کو بعد میں دے دوں گا کتاب آپ کو سو کی ہی دے رہا ہوں، لیکن آپ نے بیع کے اندر دیکھو شرط لگا دی شرط لگا دی، تو یاد رکھیے یہ بیع جو ہے بیع فعل شرعی ہے، اور فعل شرعی کے اندر نہی آئی ہے اس کے اندر شرط لگانے کی، تو اس کے باوجود اگر کوئی شخص یہ شرط لگا کر یہ بیع کر لیتا ہے تو یہ ذات کے اعتبار سے جائز اور وصف کے اعتبار سے ناجائز ہے، یعنی بیع منعقد ہو جائے گی، یعنی وہ جب دوسرے کو آپ کتاب دے دیں گے وہ اس کتاب کا مالک بن جائے گا، لیکن چونکہ شریعت نے منع کیا تھا تو لہٰذا یہ بیع واجب الرد ہے، آپ دونوں پر ضروری ہے کہ اس بیع کو توڑ دیں، ختم کر دیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ ورنہ گناہگار ہوں گے۔

تو فعل حسی کے اندر نہی آئے تو وہ باطل ہوتا ہے، ہوتا ہی نہیں سرے سے، کوئی صورت ہی نہیں اس کے جائز ہونے کی، اور فعل شرعی کے اندر نہی آئے تو نہی کے آنے کے بعد بھی وہ ذات کے اعتبار سے جائز ہوتا ہے اور وصف کے اعتبار سے ناجائز ہوتا ہے۔

تو یہی بیان کر رہے ہیں بھائی، اب دیکھیے کتاب پر: **وَالنَّهْيُ لَا يَمْنَعُ تَحَقُّقَ الْفِعْلِ**، اور نہی جو ہے یہ فعل کے پائے جانے کو نہیں روکتی، یعنی فعل شرعی کے اندر، فعل شرعی کے اندر نہی آئی ہو اور پھر اس کو کوئی کر لیتا ہے تو فعل کا وجود پایا جائے گا یا نہیں؟ جیسے وہ بیع کی شرط لگا کر، بیع کا وجود پایا گیا جبھی تو وہ دوسرا شخص جب اس پر قبضہ کرے گا تو اس کا کیا بن جائے گا؟ مبیع کا مالک بن جائے گا۔ اگر یہ بیع باطل ہوتی تو وہ اس کتاب پر قبضہ بھی کر لیتا تو بھی مالک نہ بنتا، مالک آپ ہی رہتے، لیکن جب بیع فاسد ہوئی، فاسد ہونے کا کیا معنی؟ ذات کے اعتبار سے بیع منعقد ہو گئی، یعنی وہ اس پر قبضہ کر لے گا آپ کی مرضی سے تو کیا بن جائے گا؟ اس کتاب کا مالک بن جائے گا، لیکن گناہ والا کام کیا لہٰذا اس کو توڑنا ضروری ہے۔ تو معلوم ہوا نہی کے بعد بھی فعل شرعی جو ہو گا اس کا وجود ہو سکتا ہے، فعل حسی کا تو وجود ہی نہیں ہو سکتا لیکن فعل شرعی کا وجود ہو سکتا ہے، کس کے بعد؟ نہی کے۔ تو یہی کہہ رہے ہیں: **وَالنَّهْيُ لَا يَمْنَعُ تَحَقُّقَ الْفِعْلِ**، اور نہی جو ہے یہ فعل کے پائے جانے کو نہیں منع کرتی، **عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ**

أَصْلِنَا، بوجہ اس کے جو معلوم ہے ہمارے ضابطے سے، سمجھ میں آیا بھائی؟

تو دیکھو یہاں پر اس شخص کو حج اور عمرے کو جمع کرنے سے منع کیا گیا کیونکہ یہ کہاں کا رہنے والا ہے؟ مکہ کا رہنے والا ہے، اور منع کیا جا رہا ہے فعل شرعی سے، کس چیز سے؟ فعل شرعی سے منع کیا جا رہا ہے، لہٰذا منع کرنے کے باوجود اگر یہ اس کو کرے گا تو فعل کا وجود پایا جائے گا، یعنی یہ ادا ہو جائیں گے، یعنی ادا ہو جائیں گے، البتہ اس نے گناہ کیا، اس کو تو منع کیا گیا تھا لہٰذا اس پر دم واجب ہو جائے گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

وَعَلَيْهِ دَمٌ لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا، اور اس شخص پر دم واجب ہے، **لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا** بوجہ اس شخص کے جمع کرنے کے ان دونوں کے درمیان یعنی حج اور عمرے کے درمیان، **لِأَنَّهُ تَمَكَّنَ النُّقْصَانُ فِي عَمَلِهِ**، اس وجہ سے کہ نقصان بیٹھ گیا اس کے عمل میں، نقصان آ گیا اس کے عمل میں، **لِارْتِكَابِهِ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ**، اس وجہ سے کہ اس نے ارتکاب کیا ہے ایک **مَنْهِيٌّ عَنْهُ** فعل کا، ایسے فعل کا جس سے اس کو روکا گیا تھا، **وَهَذَا فِي حَقِّ الْمَكِّيِّ دَمُ جَبْرٍ**، اور یہ جو ہے مکہ والے کے حق میں دم جبر ہے، جبر کا معنی تلافی کرنا، یہ تلافی کا دم ہے، اس نے جو غلطی کی اس کی تلافی کے طور پر دم دے گا، **وَفِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ دَمُ شُكْرٍ**، اور آفاقی کے حق میں یہ دم شکر ہے۔

بھائی دیکھیے! مکہ والے نے کیا کیا؟ حج اور عمرے کو جمع کر دیا تو اس پر دم واجب، لیکن یہ دم دم شکر نہیں ہے کہ اس کو اللہ نے دو عبادتوں کو جمع کرنے کی توفیق دیا، بلکہ یہ دم کون سا ہے؟ دم جبر ہے، یعنی یوں کہیں دم کفارہ ہے، یہ تلافی کا دم ہے کہ اس نے غلطی کی ہے۔ اور جبکہ آفاقی شخص جو میقات سے باہر کا رہنے والا ہے، اگر وہ حج اور عمرے کو اکٹھا کرتا تھا تو اس پر بھی ایک دم واجب ہوتا تھا، یعنی حج قران اور حج تمتع کرنے والا، اس پر بھی دم واجب ہوتا تھا، لیکن وہ دم کفارے کا نہیں تھا بلکہ شکر کا دم تھا، بطور شکر کے واجب ہوتا تھا کہ اللہ نے اس کو ایک ہی سفر میں دو عبادتوں یعنی حج اور عمرہ دونوں کی توفیق نصیب فرمائی بھائی۔

تو دیکھیے، وہی دم مکہ والے کے حق میں دم جبر ہے، دم کفارہ ہے، اور آفاقی کے حق میں دم شکر ہے بھائی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا بھائی، آپ کہیں گے چلے نام بدل دیا، ہے تو دم ہی، نہیں بھائی حکم بھی بدل جائے گا۔ یہ جو مکہ والا ہے اس کا جو دم ہے وہ دم کفارہ ہے، دم جبر ہے، لہٰذا وہ اس میں سے خود نہیں کھا سکتا، سارا گوشت فقراء اور مساکین کو دینا پڑے گا۔ اور جبکہ وہ جو آفاقی تھا جس نے حج تمتع یا قران کیا ہے، اس نے جو دم دیا وہ دم شکر ہے بطور شکر کے، وہ کفارہ نہیں۔ جب دم شکر ہے تو خود اس کے لیے بھی اس میں سے کھانا جائز ہے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ جو دم کفارات کے دم ہیں ان میں سے وہ کفارہ دینے والا خود نہیں کھا سکتا، سارا فقراء کو دینا پڑتا ہے، اور جو دم شکر وغیرہ ہے وہ اس میں سے خود کھا سکتا ہے۔ اسی لیے قربانی کے گوشت میں سے آپ کھا سکتے ہیں، اس لیے کیونکہ یہ قربانی کس لیے کر رہے ہیں آپ؟ یہ شکر کے طور پر کہ اللہ نے آپ کو اتنا مال دیا ہے نصاب کے بقدر مال ہے مالدار ہیں، جبھی تو کیا کر رہے ہیں؟ تبھی تو آپ پر قربانی واجب ہوئی ہے، تو اس میں سے خود کھا سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: **وَهَذَا فِي حَقِّ الْمَكِّيِّ دَمُ جَبْرٍ وَفِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ دَمُ شُكْرٍ**، اور یہ دم جو ہے یہ مکہ والے کے حق میں دم جبر ہے یعنی دم کفارہ ہے، اور آفاقی کے حق میں یہ دم شکر ہے۔

وَمَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ يَوْمَ النَّحْرِ بِحَجَّةٍ أُخْرَى، وَمَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ، یاد رکھیے یہ اس سے بالخصوص مکی نہیں مراد بلکہ عام ہے، چاہے مکی ہو مکہ کا رہنے والا ہو یا آفاقی ہو، یعنی میقات سے باہر رہنے والا ہو، سب کے لیے یہی حکم ہے اور مسئلہ اسی طرح ہے جیسے یہ بیان ہو رہا ہے بھائی۔

■ صورت مسئلہ یہ بھائی: کوئی شخص ہے وہ اس نے حج کا احرام باندھا

صورت مسئلہ یہ بھائی: کوئی شخص ہے وہ اس نے حج کا احرام باندھا ہے اور حج شروع کر دیا، وقوف عرفات کر لیا، اگلا دن یوم النحر آ گیا، یہ حج ادا کر رہا ہے حج کے احرام میں ہے، اس نے اسی یوم النحر والے دن اگلے حج کا بھی احرام باندھ لیا، اگلے حج کا بھی احرام باندھ لیا۔ تو یاد رکھیے اس نے دو دو احرام جمع کر دیے، دو حج یا دو عمرے کے احرام جمع کر نا یاد رکھیے یہ بدعت ہے بھائی، اور اس صورت میں اس پر دم واجب ہو گا بھائی، کیا واجب ہو گا؟ دم واجب ہو گا بھائی۔ تو دو حج یا دو عمرے کے احرام جمع کرنا یاد رکھیے یہ بدعت ہے اور اس کی وجہ سے کیا واجب ہوتا ہے؟ دم واجب ہو گا، تو اس پر دم آئے گا بھائی۔

تفصیل مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے حج کا احرام باندھا اور وقوف عرفات کر لیا اور پھر اگلے یوم النحر والے دن اگلے حج کا احرام باندھ لیا، تو اگر یہ پہلے حج کا حلق کروا چکا ہے، پہلے حج کا حلق کروا چکا ہے تو اس صورت میں یہ دوسرا احرام اس پر لازم ہو جائے گا، کیونکہ جب حلق کروا لیا تو پہلے احرام سے کیا ہوا؟ حلال ہو گیا، جب پہلے احرام سے حلال ہو گیا اب اس کے بعد اس نے دوسرا احرام شروع کیا ہے تو دو احراموں کا جمع کرنا نہ پایا گیا، جمع کرنا، لہٰذا اس پر کوئی چیز واجب نہیں، ہاں دوسرا حج اس پر لازم ہو گیا اور اب یہ محرم ہے اور اگلے سال تک ہی یہ محرم رہے گا، اگلے سال جا کر کیا کرے گا؟ حج کرے گا، صورت سمجھ میں آ گئی۔

اور اگر اس نے ابھی حلق نہیں کروایا تھا، حلق پہلے حج کے احرام ہی میں تھا، یوم النحر والا دن ہے اور پہلے حج کا احرام چل رہا ہے، اسی کے اندر اس نے دوسرے حج کا احرام شروع کر دیا، تو یاد رکھیے دوسرا حج بھی اس پر لازم ہو جائے گا اور اس پر دم لازم ہو گا امام صاحب کے نزدیک۔ صورت ذہن میں صورت مسئلہ بھی سمجھ میں آ رہی ہے

کہ نہیں؟ پہلا احرام ابھی چل رہا ہے اور اس نے کیا کر لیا؟ حلق سے پہلے ہی دوسرے حج کا احرام باندھ لیا، تو امام صاحب کے نزدیک اس پر دم واجب ہے، چاہے پہلے احرام کے لیے وہ حلق کروائے یا نہ کروائے، دونوں صورتوں میں اس پر دم آئے گا۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں: اگر پہلے احرام کا یہ حلق کروالے گا تو اس پر دم آئے گا، اگر حلق نہیں کرواتا تو اس پر دم نہیں آئے گا۔ کیا صورت ہوئی؟ یوم النحر والے دن اگر حلق کے بعد دوسرا احرام باندھتا ہے پھر تو دو احرام جمع نہیں ہوئے، پھر تو جائز ہے اس کے لیے۔ لیکن اگر حلق سے پہلے ہی کیا کر لیتا ہے؟ احرام دوسرا باندھ لیتا ہے تو اس نے دو احرام جمع کر دیے، اور دو احراموں کا جمع کرنا بدعت ہے بھائی بدعت ہے۔ تو اب امام صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے احرام کے لیے یہ چاہے قصر کروائے یا قصر نہ کروائے، دونوں صورتوں میں اس پر کیا لازم؟ دم لازم ہے، جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر یہ پہلے احرام کے لیے قصر کروالیتا ہے پھر تو اس پر دم لازم ہو گا، اگر قصر نہیں کرواتا تو اس پر دم لازم نہیں۔

بھئی سوال پیدا ہوتا ہے امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ پہلے احرام کے لیے قصر کروائے یا قصر نہ کروائے دونوں صورتوں میں اس پر کیا لازم؟ دم لازم، اس کی کیا وجہ ہے؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ حلق نہیں کرواتا پہلے احرام کا اور اگلے سال دوسرا حج کر کے پھر اکٹھا ہی دونوں کا حلق کروالیتا ہے، تو پہلے حج کا قصر وہ تو کس دن ضروری تھا؟ یوم النحر والے دن، اس نے کیا کر دیا اس کو؟ مؤخر کر دیا، تو اس کو تو اس پہلے احرام کے قصر کو اپنے وقت سے مؤخر کرنے کی وجہ سے اس پر کیا لازم ہو گا؟ دم لازم ہو گا، جبکہ صاحبین کے نزدیک تو تاخیر کی وجہ سے دم واجب نہیں ہوتا بھائی۔

اور اگر یہ شخص قصر کروالیتا ہے پہلے احرام کے لیے قصر کروالیتا ہے، تو ٹھیک ہے پہلا احرام تو ختم ہو جائے گا، لیکن دوسرا احرام بھی تو شروع ہو چکا تھا اس سے پہلے، تو دوسرے احرام کے اعتبار سے یہ جنایت ہو گئی، کیونکہ احرام کے اندر تو حلق ممنوع ہے، تو پہلے احرام سے تو وہ کیا ہو جائے گا؟ حلال، لیکن دوسرے احرام کے اعتبار سے وہ یہ کیا ہے؟ جنایت، صورت ہے ذہن میں بھائی؟ پہلا احرام چل رہا تھا اور دوسرا احرام بھی شروع کر دیا، اب کیا کرتا ہے؟ حلق کروالیتا ہے، تو پہلے احرام تو ٹھیک ہے ختم ہو جائے گا، لیکن دوسرا احرام تو شروع کر چکا ہے لہٰذا اس پر یہ جنایت ہوئی اور لہٰذا اس صورت میں بالاتفاق اس پر کیا آئے گی؟ دم، امام صاحب کے نزدیک بھی اور صاحبین کے نزدیک بھی۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ يَوْمَ النَّحْرِ بِحَجَّةٍ أُخْرَى**، اور جس شخص نے حج کا احرام باندھا پھر احرام باندھا یوم النحر والے دن دوسرے حج کا، **فَإِنْ حَلَقَ فِي الْأُولَى**، اگر وہ حلق کروا چکا ہے پہلے حج کا، **لَزِمَتْهُ الْأُخْرَى**، تو دوسرا حج کیا ہو گا اس پر؟ لازم ہو جائے گا، **وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ**، اور اس پر کوئی چیز نہیں کیونکہ اس نے دو احرام جمع نہیں کیے۔ **وَإِنْ لَمْ يَحْلِقْ فِي الْأُولَى لَزِمَتْهُ الْأُخْرَى**، اور اگر اس نے حلق نہیں کروایا تھا پہلے حج میں تو اس پر دوسرا حج لازم ہو جائے گا، **وَعَلَيْهِ دَمٌ**، اور اس پر دم واجب ہے، **قَصَّرَ أَوْ لَمْ يُقَصِّرْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، چاہے وہ قصر چاہے وہ قصر کروائے یا قصر نہ کروائے امام صاحب کے نزدیک، **وَقَالَا: إِنْ لَمْ يُقَصِّرْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ**، اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اس نے قصر نہیں کروایا تو اس پر کوئی چیز نہیں۔

لِأَنَّ الْجَمْعَ، یہاں خیال رکھنا بھائی خصوصاً، یہ بظاہر شبہ لگتا ہے شاید یہ صاحبین کی دلیل ہے، نہیں یہ صاحبین کی دلیل نہیں، یہ اکٹھی دلیل ذکر ہو رہی ہے اس سارے مسئلے کی۔ امام صاحب کیا فرماتے ہیں قصر کروائے یا نہ کروائے دونوں صورتوں میں دم، اور صاحبین فرماتے ہیں قصر کروائے تب تو دم ہے نہ کروائے تو کوئی دم نہیں ہے۔ تو دلیل ذکر کر رہے ہیں: کہتے ہیں: **لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ إِحْرَامَيِ الْحَجِّ أَوِ، لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ إِحْرَامَيِ الْحَجِّ أَوْ إِحْرَامَيِ الْعُمْرَةِ بِدْعَةٌ**، اس لیے کیونکہ حج کے دو احراموں کو جمع کرنا یا عمرے کے دو احراموں کو جمع کرنا **بِدْعَةٌ** یہ کیا ہے؟ بدعت ہے، اور اس صورت میں کیا واجب ہوتا ہے؟ دم واجب ہوتا ہے بھائی، بات سمجھ میں آ گئی۔

فَإِذَا حَلَقَ، اب صورتیں ذکر کر رہے ہیں، حلق کروائے گا یا نہیں کروائے گا؟ تو کہتے ہیں: **فَإِذَا حَلَقَ**، تو جب یہ حلق کروالے گا، **فَهُوَ وَإِنْ كَانَ نُسُكًا فِي الْإِحْرَامِ الْأَوَّلِ**، اگرچہ یہ حلق جو ہے پہلے احرام میں یہ عبادت ہے، پہلے احرام کے اعتبار سے یہ عبادت ہے کیونکہ یوم النحر والے دن کر رہا ہے، لیکن **فَهُوَ جِنَايَةٌ عَلَى الثَّانِي**، یہی حلق جو ہے یہ جنایت ہے کس پر؟ دوسرے احرام پر، **لِأَنَّهُ فِي غَيْرِ أَوَانِهِ**، اس لیے کیونکہ یہ حلق اپنے وقت کے علاوہ میں ہے، اس کا وقت تو کب تھا؟ دوسرا حج کرے گا پھر اس کا وقت آنا تھا، ابھی تو احرام شروع ہوا تھا دوسرا، تو دوسرے کے اعتبار سے یہ جنایت، **فَلَزِمَهُ الدَّمُ بِالْإِجْمَاعِ**، تو اس پر دم لازم ہو گا بالاجماع بھائی۔

وَإِنْ لَمْ يَحْلِقْ، اور اگر یہ حلق نہیں کرواتا، **حَتَّى حَجَّ فِي الْعَامِ الْقَابِلِ**، یہاں تک کہ یہ حج کر لیتا ہے آنے والے سال میں، **فِي الْعَامِ الْقَابِلِ** کس میں؟ آنے والے سال میں، **فِي الْعَامِ الْقَابِلِ** یاد رکھنا یہ میم مشدد نہیں ہے بھائی، **حَتَّى حَجَّ فِي الْعَامِ الْقَابِلِ**، آنے والے سال میں، **فَقَدْ أَخَّرَ الْحَلْقَ عَنْ وَقْتِهِ فِي الْإِحْرَامِ الْأَوَّلِ**، تو تحقیق اس نے حلق کو مؤخر کر دیا اپنے وقت سے پہلے احرام میں، **وَذَلِكَ يُوجِبُ الدَّمَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور یہ دم واجب کرتا ہے امام صاحب کے نزدیک، **وَعِنْدَهُمَا لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَا**، اور صاحبین کے نزدیک اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے بوجہ اس کے جو ہم نے ذکر کر دی کہ صاحبین کے نزدیک تاخیر سے دم واجب نہیں ہوتا۔ **فَلِهَذَا**، اور اسی وجہ سے کہ تاخیر سے دم واجب نہیں ہوتا، اسی وجہ سے **سَوَّى بَيْنَ التَّقْصِيرِ وَعَدَمِهِ عِنْدَهُ**، برابری کی ماتن نے تقصیر اور عدم تقصیر میں عندہ امام صاحب کے نزدیک۔ امام صاحب کے نزدیک قصر کروائے یا نہ کروائے دونوں

صورتوں میں دم ہے، تو یہ دونوں صورتیں برابر ہیں امام صاحب کے نزدیک، **وَشَرَطَا التَّقْصِيرَ عِنْدَهُمَا،** اور شرط لگائی قصر کی صاحبین کے نزدیک۔ بات سمجھ میں، متن میں اسی لیے امام صاحب کے نزدیک قصر اور عدم قصر کو برابر کہا کہ ہر صورت میں دم آئے گا، اور صاحبین کے نزدیک صرف کس صورت میں؟ قصر کی صورت میں دم آئے گا اس لیے اس کی شرط لگائی۔

وَمَنْ فَرَغَ مِنْ عُمْرَتِهِ إِلَّا التَّقْصِيرَ فَأَحْرَمَ بِأُخْرَى فَعَلَيْهِ دَمٌ. اب بھائی عمرے کے دو احرام جمع کرتا ہے ایک شخص، ایک شخص نے عمرہ کیا، عمرے کے میں طواف بھی کر لیا اور سعی بھی کر لی، لیکن حلق ابھی باقی تھا، حلق سے پہلے ہی اس نے دوسرے احرام کا ارادہ کیا اور دوسرے عمرے کا بھی احرام باندھ لیا، تو یاد رکھیے اس پر دم واجب ہے کیونکہ اس نے دو عمرے کے احرام جمع کر دیے، اور دو عمرے یا دو حج کے احرام جمع کرنا بدعت ہے اور اس پر کیا واجب ہوتا ہے؟ دم لازم ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ فَرَغَ مِنْ عُمْرَتِهِ إِلَّا التَّقْصِيرَ،** اور جو شخص فارغ ہو گیا اپنے عمرے سے سوائے بال چھوٹے کروانے کے، **فَأَحْرَمَ بِأُخْرَى،** تو اس نے احرام باندھ لیا دوسرے عمرے کا، **فَعَلَيْهِ دَمٌ،** تو اس پر دم واجب ہے، **لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ الْوَقْتِ،** کس وجہ سے؟ کہ اس نے اس کا یہ احرام جو ہے وقت سے پہلے ہے، **لِأَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ إِحْرَامَيِ الْعُمْرَةِ،** اس لیے کیونکہ اس نے جمع کر دیا عمرے کے دو احراموں کو، **وَهَذَا مَكْرُوهٌ،** اور یہ مکروہ ہے، **فَيَلْزَمُهُ الدَّمُ،** تو اس پر دم لازم ہے، **وَهُوَ دَمُ جَبْرٍ وَكَفَّارَةٍ،** اور یہ جبر اور کفارے کا دم ہے، یعنی تلافی اور کفارے کا دم ہے لہٰذا خود نہیں کھا سکتا فقیروں کو کھلائے گا۔

چلیے بس بھائی! **هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.**

سبق نمبر ۱۶۳: مسئلہ: وَمَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرٍ...

ہدایہ صفحہ: ۳۱۱ — بتاریخ: ۲۳ مئی ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَمَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ لَزِمَاهُ، لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا مَشْرُوعٌ فِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ، وَالْمَسْأَلَةُ فِيهِ، فَيَصِيرُ بِذَلِكَ قَارِنًا، لَكِنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ فَيَصِيرُ مُسِيئًا، فَلَوْ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ وَلَمْ يَأْتِ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ فَهُوَ رَافِضٌ لِعُمْرَتِهِ». [1]

«**وَمَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ لَزِمَاهُ**» صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے حج کا تلبیہ کہا یعنی حج کا احرام باندھ لیا، پھر اس کے بعد اس نے عمرے کا احرام باندھا تو دونوں چیزیں اس پر لازم ہو جائیں گی یعنی حج بھی اور عمرہ بھی لازم ہو جائے گا، کیونکہ یہ اب آفاقی کا بیان ہے اور آفاقی جو ہے اس کے بارے میں آپ پڑھ چکے کہ وہ حج اور عمرے کے احرام کو جمع کر سکتا ہے جیسے حجِ قران میں ہوتا ہے بھائی حجِ قران میں۔

تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ**» اور جس نے حج کا تلبیہ کہا «**ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ**» پھر اس نے عمرے کا احرام باندھا «**لَزِمَاهُ**» تو یہ دونوں اس پر لازم ہو جائیں گے۔

مسئلہ: أَهَلَّ بِالْحَجِّ

«**أَهَلَّ بِالْحَجِّ**» کیا معنی کیا میں نے؟ جس نے حج کا تلبیہ کہا۔ فقہائے کرام جو ہیں عموماً جو ہے تلبیہ کہنے کے بجائے «**أَهَلَّ**» کا لفظ ذکر کرتے ہیں اور «**أَهَلَّ**» کا معنی ہے آواز بلند کرنا، تو اس میں دراصل اشارہ ہوتا ہے اس بات کی طرف کہ تلبیہ کے اندر مسنون طریقہ یہ ہے کہ بلند آواز سے کہا جائے بھائی۔ تو «**مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ**» جس نے بلند آواز سے حج کا تلبیہ کہا، مراد وہی احرام باندھنا ہے۔

تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ**» اور جس نے حج کا احرام باندھا «**ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ**» پھر اس کے بعد اس نے عمرے کا احرام باندھ لیا «**لَزِمَاهُ**» تو یہ دونوں اس پر لازم ہو جائیں گے یعنی حج اور عمرہ۔ «**لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا مَشْرُوعٌ فِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ**» اس لیے کیونکہ ان دونوں کو جمع کرنا یہ جائز ہے آفاقی کے حق میں۔ آفاقی بھی جب حجِ قران کرتا ہے کیا کرتا ہے؟ عمرے اور حج کے احرام کو جمع کر دیتا ہے تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔ «**وَالْمَسْأَلَةُ فِيهِ**» اور مسئلہ بھی اسی کے بارے میں ہے یعنی آفاقی کے بارے میں ہے۔ «**فَيَصِيرُ بِذَلِكَ قَارِنًا**» تو اس سے وہ شخص جو ہے قارن بن جائے گا، جب دونوں احراموں کو جمع کر دیا حج اور عمرے کے تو وہ کیا ہوا؟ قارن یعنی حجِ قران ادا کرنے والا ہوا۔ «**لَكِنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ**» لیکن اس نے سنت میں غلطی کی «**فَيَصِيرُ مُسِيئًا**» تو وہ برا عمل کرنے والا ہوا۔ خلافِ سنت کرنے کی وجہ سے برا عمل کرنے والا ہوا، ہاں البتہ دم وغیرہ تو نہیں آئے گا البتہ برا عمل کرنے والا ہے کہ اس نے سنت میں غلطی کی، کیونکہ سنت تو یہ تھی کہ یا تو وہ دونوں کا احرام اکٹھا باندھتا جیسے حجِ قران والا کیا کرتا ہے؟ دونوں کا احرام اکٹھا باندھتا ہے، یا پھر یہ کرتا کہ عمرے پر کیا کرتا؟ حج کو داخل کرتا کیونکہ حجِ قران میں عمرے کے افعال پر حج کے افعال کو داخل کیا جاتا ہے، حالانکہ یہاں اس نے پہلے حج کا احرام باندھا اور پھر اس کے بعد عمرے کا احرام باندھا اس لیے سنت میں غلطی کی «**فَيَصِيرُ مُسِيئًا**» تو یہ برا عمل کرنے والا ہوا۔

[1] شاملہ (ص ۲۲۹) میں «**وَالْمَسْأَلَةُ**» کے بجائے «**والمسئلة**» درج ہے۔

«فَلَوْ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ وَلَمْ يَأْتِ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ فَهُوَ رَافِضٌ لِعُمْرَتِهِ» تو اگر اس شخص نے وقوفِ عرفات کر لیا، بھائی یہ قارن بن گیا حج قران والا تو وہی حکم آئے گا۔ تو صورت یہ کہ یہ حج قران کرنے والا یا یہ شخص جس نے پہلے حج کا احرام باندھا اور پھر عمرے کا احرام باندھا تو یہ بھی قارن بن گیا، تو اس نے وقوفِ عرفات کر لیا اور حال یہ ہے کہ اس سے پہلے اس نے عمرہ نہیں کیا، حالانکہ اس نے احرام تو عمرے کا بھی باندھا تھا، تو اس صورت میں یہ عمرے کو چھوڑنے والا ہے جب کیا کر لیا؟ وقوفِ عرفات کر لیا، اس لیے کیونکہ حج قران کے اندر بھی پہلے عمرہ کیا جاتا ہے اور پھر عمرے پر حج کے افعال کی بنیاد رکھی جاتی ہے، جبکہ اس نے پہلے کیا کر لیا؟ اس نے حج کا رکنِ اعظم یعنی وقوفِ عرفات کر لیا، اب عمرہ کرے گا تو حج پر عمرے کی بنیاد رکھنے والا ہو گا اور یہ تو جائز نہیں ہے بھائی۔ تو لہٰذا جب یہ وقوفِ عرفات کر لے اور ابھی عمرہ نہیں کیا تو کیا کہیں گے؟ یہ عمرے کو چھوڑنے والا ہے، اور یاد رکھیے عمرہ چھوڑنے کی صورت میں اس پر دم لازم آئے گا بھائی دم لازم آئے گا۔

لیکن اگر یہ عمرے کو نہیں چھوڑتا پھر بھی کر لیتا ہے، حج بھی کر لیتا ہے اور ساتھ ہی عمرہ بھی کر لیتا ہے تو اس صورت میں بھی وہ دم اس پر آئے گا، کیونکہ اس نے کیا کیا؟ حج کے افعال پر عمرے کی بنیاد رکھی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

■ مسئلہ: فَلَوْ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ

«فَلَوْ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ» اگر اس شخص نے وقوفِ عرفات کر لیا «وَلَمْ يَأْتِ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ» اس حال میں کہ اس نے ادا نہیں کیے عمرے کے افعال «فَهُوَ رَافِضٌ لِعُمْرَتِهِ» تو یہ عمرے کو چھوڑنے والا ہے «لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ أَدَاؤُهَا» اس لیے کیونکہ اس پر عمرے کی ادائیگی متعذر ہو گئی «إِذْ هِيَ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْحَجِّ غَيْرُ مَشْرُوعَةٍ» یہ یاد رکھیے بھائی «مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْحَجِّ» یہ حال ہے «هِيَ» ضمیر جو مبتدا ہے اس سے، اور «غَيْرُ مَشْرُوعَةٍ» یہ ہے «هِيَ» کی خبر۔ «إِذْ هِيَ غَيْرُ مَشْرُوعَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ عمرہ کیا ہے؟ غیر مشروع ہے، کب؟ «مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْحَجِّ» اس حال میں کہ اس کی بنیاد کس پر ہو؟ حج پر ہو بھائی۔ تو کہتے ہیں: «إِذْ هِيَ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْحَجِّ غَيْرُ مَشْرُوعَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ عمرہ جو ہے اس حال میں کہ اس کی بنیاد حج پر ہو یہ غیر مشروع ہے یعنی جائز نہیں ہے۔

«فَإِنْ تَوَجَّهَ إِلَيْهَا لَمْ يَكُنْ رَافِضًا حَتَّى يَقِفَ» اگر یہ شخص عرفات کی طرف متوجہ ہوا تو یہ عمرے کو چھوڑنے والا نہیں ہے حتی کہ وہ وقوف کر لے۔ بھائی آپ پڑھ چکے پیچھے صاحب ہدایہ نے بتلایا تھا کہ امام صاحب کا جو زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جب تک وقوفِ عرفات نہیں کر لے گا اس وقت تک یہ عمرہ چھوڑنے والا نہیں ہے۔ بے شک عرفات کی طرف چل پڑے پھر بھی یہ آ کر واپس آ کر عمرہ کر سکتا ہے، لیکن اگر وقوف کر لیا اس کے بعد اب یہ عمرہ نہیں یہ عمرے کو چھوڑنے والا ہے، یہ معنی ہے «فَإِنْ تَوَجَّهَ إِلَيْهَا لَمْ يَكُنْ رَافِضًا حَتَّى يَقِفَ» اگر یہ عرفات کی طرف متوجہ ہوا یعنی عرفات کی طرف یہ چل پڑا تو «لَمْ يَكُنْ رَافِضًا» تو یہ عمرہ چھوڑنے والا نہیں ہے یعنی ابھی بھی کر سکتا ہے «حَتَّى يَقِفَ» یہاں تک کہ یہ وقوف کر لے پھر نہیں کر سکتا۔ «وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ» اور تحقیق یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں یعنی قران کے بیان میں۔

«فَإِنْ طَافَ لِلْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ فَمَضَى عَلَيْهِمَا لَزِمَاهُ وَعَلَيْهِ دَمٌ» اگر ایک شخص ہے اس نے حج کا احرام باندھا اور طواف بھی حج کا کر لیا۔ ایک شخص نے کیا کیا تھا؟ حج کا احرام باندھا تھا اور حرم پہنچ گیا اور طواف کرنے کے بعد پھر اس نے عمرے کا احرام باندھ لیا، اور پھر ان پر چلتا رہا تو اس پر یہ دونوں لازم ہو جائیں گے، یعنی یہ جو حج ہے اور ساتھ ساتھ یہ عمرہ یہ دونوں، اور نیز اس پر دم لازم ہو گا بھائی دم لازم ہو گا۔ کیونکہ اس نے پہلے کس کا احرام باندھا؟ حج کا، اور حج کا احرام باندھنے کے بعد ہی عمرے کا احرام باندھ لیتا تو صرف برا عمل کرنے والا ہوتا یعنی خلافِ سنت کرنے والا ہوتا، لیکن اب تو اس نے کیا کر لیا تھا؟ حج کا طواف بھی کر لیا تھا یعنی وہ طوافِ قدوم جو شروع میں حاجی جاتے ہی کرتا ہے اور وہ افعالِ حج میں سے ہے، لہٰذا اس نے جب وہ طوافِ قدوم کر لیا تو اب عمرہ کرے گا تو بعض اعتبارات سے دیکھا جائے تو عمرے کی بنیاد کس پر رکھ رہا ہے؟ حج کے افعال پر، «مِنْ كُلِّ الْوَجْهِ» ہر اعتبار سے تو نہیں کیونکہ حج کے رکن وغیرہ تو ابھی باقی ہیں لیکن بہر حال طوافِ قدوم کر لیا یا نہیں؟ تو بایں اعتبار یہ کیا کر رہا ہے؟ حج پر عمرے کی بنیاد رکھ رہا ہے حالانکہ ہوتا کیا ہے حج قران میں؟ عمرے پر حج کی بنیاد رکھی جاتی ہے نہ کہ حج پر عمرے کی، لہٰذا اس صورت میں اس پر دم لازم آئے گا۔

تو کہتے ہیں: «فَإِنْ طَافَ لِلْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ» اگر شخص نے طواف کر لیا حج کا «ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ» پھر اس نے عمرے کا احرام باندھا «فَمَضَى عَلَيْهِمَا» تو ان دونوں پر یہ چلتا رہا یعنی عمل کرتا رہا «لَزِمَاهُ» تو اس پر یہ دونوں لازم ہو جائیں گے یعنی حج بھی اور عمرہ بھی «وَعَلَيْهِ دَمٌ» اور اس پر دم واجب ہے «لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا» بوجہ ان دونوں کے جمع حج اور عمرے کو جمع کرنے کی وجہ سے «لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا مَشْرُوعٌ عَلَى مَا مَرَّ» اس لیے کیونکہ ان دونوں کے درمیان جمع کرنا یہ جائز ہے بوجہ اس کے جو گزر گیا، کیونکہ یہ کیا ہے؟ آفاقی ہے اور آفاقی کے لیے حج اور عمرے کو جمع کرنا جائز ہے «فَصَحَّ الْإِحْرَامُ بِهِمَا» تو ان دونوں کا احرام صحیح ہو جائے گا۔ «وَالْمُرَادُ بِهَذَا الطَّوَافِ» بھائی متن میں آیا تھا «فَإِنْ طَافَ لِلْحَجِّ» اگر اس نے حج کا طواف کر لیا، اس سے کہتے ہیں: «الْمُرَادُ بِهَذَا الطَّوَافِ طَوَافُ التَّحِيَّةِ» اس طواف سے طوافِ تحیہ یعنی طوافِ قدوم مراد ہے «وَإِنَّهُ سُنَّةٌ» اور وہ طوافِ قدوم کیا ہے؟ سنت ہے «وَلَيْسَ بِرُكْنٍ» اور

یہ رکن نہیں ہے «حَتَّى لَا يَلْزَمَهُ بِتَرْكِهِ شَيْءٌ» یہاں تک کہ حاجی پر لازم نہیں ہوتا اس کو چھوڑنے کی وجہ سے کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہوتی، اگر یہ واجب ہوتا پھر تو دم لازم آتا چھوڑنے سے لیکن اس کے چھوڑنے سے کوئی چیز لازم نہیں آتی معلوم ہوا یہ سنت ہے۔ «وَإِذَا لَمْ يَأْتِ بِمَا هُوَ رُكْنٌ يُمْكِنُهُ أَنْ يَأْتِيَ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ» اور جب اس نے ابھی ادا نہیں کیا اس چیز کو جو کہ رکن ہے، ابھی جب اس نے کوئی رکن ادا نہیں کیا تو «يُمْكِنُهُ» تو اس کے لیے ممکن ہے «أَنْ يَأْتِيَ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ ثُمَّ بِأَفْعَالِ الْحَجِّ» تو اس کے لیے ممکن ہے کہ یہ عمرے کے افعال ادا کرلے پھر اس کے بعد کیا کرلے؟ حج کے افعال ادا کرلے «فَلِهَذَا لَوْ مَضَى عَلَيْهِمَا جَازَ» پس اسی وجہ سے اگر یہ ان دونوں پر چلتا رہا یعنی عمل کرتا رہا «جَازَ» تو جائز ہے «وَعَلَيْهِ دَمٌ لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا» اور اس پر دم واجب ہے ان دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے۔

اور آگے بتلا رہے ہیں کہ یہ دم جو ہے یہ دم شکر نہیں ہے یہ نہ سمجھنا کہ عمرہ اور حج دونوں کر رہا ہے تو شکرانے کے طور پر یہ دم ہے بلکہ: «وَهُوَ دَمُ كَفَّارَةٍ وَجَبْرٍ» بلکہ یہ کفارے اور تلافی کا دم ہے «وَهُوَ الصَّحِيحُ» یہی قول صحیح ہے۔ جب یہ کفارے اور تلافی کا دم ہے معلوم ہوا یہ شخص اس میں سے خود نہیں کھا سکتا بلکہ سارا اس کو دینا پڑے گا؟ سارا فقراء کو۔ تو کہتے ہیں یہی قول صحیح ہے کہ یہ کفارے اور تلافی کا دم ہے «لِأَنَّهُ بَانٍ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ مِنْ وَجْهٍ» اس لیے کیونکہ یہ بنیاد رکھنے والا ہے افعالِ عمرہ کی افعالِ حج پر «مِنْ وَجْهٍ» بعض اعتبارات سے۔ بعض اعتبارات سے افعالِ حج پر کیا کر رہا ہے؟ افعالِ عمرہ کی بنیاد رکھ رہا ہے حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ افعالِ عمرہ پر افعالِ حج کی بنیاد رکھتا۔

■ مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَرْفُضَ عُمْرَتَهُ

«وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَرْفُضَ عُمْرَتَهُ» اور مستحب ہے اس کے لیے کہ یہ اپنا عمرہ چھوڑ دے «لِأَنَّ إِحْرَامَ الْحَجِّ قَدْ تَأَكَّدَ بِشَيْءٍ مِنْ أَعْمَالِهِ» اس لیے کیونکہ حج کا احرام جو ہے وہ پکا ہو چکا ہے اس کے اعمال میں سے کچھ کرنے کی وجہ سے، اس کے اعمال میں سے ایک عمل اس نے کر لیا تو حج کا احرام کیا ہو چکا؟ پکا ہو چکا «بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَطُفْ لِلْحَجِّ» بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے حج کا طواف نہ کیا ہو تا، جب اس نے نہ کیا ہو حج کا طواف پھر تو عمرہ نہ چھوڑے گا لیکن اگر حج کا طواف کر چکا ہے تو پھر عمرہ چھوڑ دے۔ «وَإِذَا رَفَضَ عُمْرَتَهُ يَقْضِيهَا لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا» اور جب یہ اپنے عمرے کو چھوڑ دے گا تو «يَقْضِيهَا» تو اس کی قضا کرے گا «لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا» اس لیے کیونکہ اس کے اندر شروع ہونا صحیح تھا۔ اس عمرے کے اندر شروع ہونا صحیح تھا کیونکہ یہ آفاقی تھا اور آفاقی کے لیے عمرے اور حج کا احرام جمع کرنا جائز ہے، تو احرام جب باندھ لیا تھا تو عمرہ شروع ہو گیا تھا، اور جب اس نے اس کو ختم کیا ہے تو اب ایک عمل کو جب شروع کر دیا جائے وہ انسان پر لازم ہو جاتا ہے یہ معنی ہے تو اس کی قضا کرے گا «لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا» اس میں شروع کے صحیح ہونے کی وجہ سے «وَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِهَا» اور اس پر دم واجب ہو گا اس کو چھوڑنے کی وجہ سے۔ عمرے کو چھوڑ دے گا تو اس کی قضا بھی کرے گا اور چھوڑنے کی وجہ سے دم بھی واجب ہو گا۔

«وَمَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فِي يَوْمِ النَّحْرِ أَوْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ لَزِمَتْهُ لِمَا قُلْنَا وَيَرْفُضُهَا» «وَمَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ» اور جس نے عمرے کا تلبیہ کہا یعنی عمرے کا احرام باندھا «فِي يَوْمِ النَّحْرِ» کس دن؟ یوم النحر والے دن «أَوْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ» یا ایامِ تشریق۔ یوم النحر یعنی دس ذوالحجہ وقوفِ عرفات ہو چکا ہے اور یوم النحر دس ذوالحجہ یعنی قربانی والے دن یہ عمرے کا احرام بھی باندھ لیتا ہے، «أَوْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ» یا ایامِ تشریق کے اندر یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ ان میں کسی کے اندر وہ عمرے کا احرام باندھ لیتا ہے «لَزِمَتْهُ» تو یہ اس پر لازم ہو جائے گا «لِمَا قُلْنَا» اس وجہ سے جو ہم نے کہی، کیونکہ یہ آفاقی ہے اور آفاقی کے لیے حج اور عمرے کے احرام کو جمع کرنا جائز ہے تو یہ صحیح ہے تو اس پر لازم ہو جائے گا «وَيَرْفُضُهَا» اور یہ اس کو چھوڑ دے گا، «أَيْ يَلْزَمُهُ الرَّفْضُ» یعنی اس پر چھوڑنا لازم ہے، اس پر اس عمرے کو چھوڑنا لازم ہے «لِأَنَّهُ قَدْ أَدَّى رُكْنَ الْحَجِّ» اس لیے کیونکہ تحقیق یہ حج کے رکن کو ادا کر چکا ہے کیونکہ وقوفِ عرفات کر چکا ہے «فَيَصِيرُ بَانِيًا أَفْعَالَ الْعُمْرَةِ عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ» تو یہ بنیاد رکھنے والا ہوا افعالِ عمرہ کی کس پر؟ افعالِ حج پر «مِنْ كُلِّ وَجْهٍ» ہر اعتبار سے، جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے یہ کیا کر رہا ہے؟ افعالِ حج پر افعالِ عمرہ کی بنیاد رکھ رہا ہے۔ «وَقَدْ كُرِهَتِ الْعُمْرَةُ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ أَيْضًا» اور نیز عمرہ مکروہ بھی ہے ان دنوں کے اندر، آگے یہ بیان کریں گے کہ ان پانچ دنوں کے اندر عمرہ ادا کرنا مکروہ ہے، حدیث میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے، اور اس لیے کہ یہ دن جو ہیں یہ حج کے ایام ہیں تو یہ وقت سارا کس کے لیے خالص کرنا چاہیے؟ حج کے لیے خالص کرنا چاہیے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَقَدْ كُرِهَتِ الْعُمْرَةُ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ أَيْضًا عَلَى مَا نَذْكُرُ» اور تحقیق عمرہ مکروہ ہے ان ایام کے اندر بوجہ اس کے جو ہم ذکر کریں گے «فَلِهَذَا يَلْزَمُهُ رَفْضُهَا» اور اسی وجہ سے اس شخص پر لازم ہے اس عمرے کو چھوڑ دینا «فَإِنْ رَفَضَهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِهَا» پس اگر یہ اس عمرے کو چھوڑ دیتا ہے تو اس پر دم واجب ہے اس کو چھوڑنے کی وجہ سے «وَعُمْرَةٌ مَكَانَهَا» اور اس پر ایک عمرہ لازم ہے اس عمرے کی جگہ، یہ جس کو اس نے چھوڑ دیا اس کی جگہ ایک عمرہ لازم ہے یعنی اس کی قضا لازم ہے «لِمَا بَيَّنَّا» اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی کیونکہ اس کا شروع کرنا صحیح تھا، تو جب صحیح تھا تو اب اس پر لازم ہو گیا ہے اب چھوڑے گا تو اس کی قضا کرے گا۔

■ مسئلہ: فَإِنْ مَضَى عَلَيْهَا

«فَإِنْ مَضَى عَلَيْهَا» بھائی اس پر چھوڑنا لازم تھا لیکن یہ عمرے کو چھوڑتا نہیں بلکہ اس کو ادا کر دیتا ہے، اس پر عمل کرتا چلا جاتا ہے، تو کیا ہو جائے گا یا نہیں؟ کہتے ہیں ہاں بھائی ہو جائے گا عمرہ کیا ہے؟ ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں: «فَإِنْ مَضَى عَلَيْهَا أَجْزَأَهُ» اگر یہ اس پر چلتا رہا یعنی اس عمرے پر چلتا رہا تو یہ اس کے لیے کافی ہے «لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهَا» وجہ اس کی یہ کہ اس وقت یہ عمرہ کرتا ہے تو خود عمرے کی اپنی ذات میں کوئی خرابی نہیں ہے، کیونکہ عمرہ تو کس چیز کا نام ہے؟ کس چیز کا نام ہے؟ طواف اور سعی کا نام ہے تو طواف اور سعی کرتا ہے اس میں تو کوئی خرابی نہیں ہے، لیکن خرابی جو اس میں آئی وہ کس وجہ سے آئی؟ کہ یہ وقت کس کا ہے؟ حج کا ہے تو یہ سارا وقت کس کے لیے ہونا چاہیے؟ حج کے لیے ہونا چاہیے، اس وجہ سے اس میں خرابی آئی، تو یہ خرابی اس کی اپنی ذات میں آئی یا غیر کی وجہ سے آئی؟ غیر کی وجہ سے آئی اس لیے ادا کرے گا تو ہو جائے گا بھائی۔

«لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهَا» اس لیے کیونکہ کراہت جو ہے ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے، معنیٰ کا کیا ترجمہ کریں یہاں؟ سبب۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ معنیٰ کا لفظ سبب کے معنی میں ہماری پرانی کتابوں میں عام استعمال ہوتا ہے، سبب کہیں یا علت کہیں علت کے معنی میں۔ یہ علت کا لفظ جو ہے ہمارے فقہاء اور بزرگ اس کو استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے وجہ یہ کہ یہ لفظ علت کا لفظ مناطقہ اور فلاسفہ زیادہ استعمال کرتے تھے، یہ زیادہ استعمال کرتے تھے تو ہمارے بزرگ اس لفظ کو پسند نہیں کرتے تھے بھائی، تو اس کی بجائے وہ معنیٰ کا لفظ استعمال کرتے بھائی، لیکن پھر بعد میں آہستہ آہستہ اس کو بھی استعمال کرنے لگے، سمجھ میں آیا؟ بعد میں پھر آہستہ آہستہ علت کے لفظ کو بھی استعمال کرنے لگے لیکن ناپسند کرتے تھے بھائی۔

«لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهَا» اس لیے کیونکہ کراہت جو ہے یہ ایک ایسے علت کی وجہ سے ایک ایسی ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے «فِي غَيْرِهَا» جو اس عمرے کے علاوہ میں ہے «وَهُوَ كَوْنُهُ مَشْغُولًا فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ بِأَدَاءِ بَقِيَّةِ أَعْمَالِ الْحَجِّ» اور وہ اس شخص کا مشغول ہونا ہے ان دنوں کے اندر حج کے باقی اعمال کی ادائیگی کے اندر «فَيَجِبُ تَخْلِيصُ الْوَقْتِ لَهُ تَعْظِيمًا» تو واجب ہوا وقت کو خالص کرنا حج کے لیے تعظیماً بطورِ تعظیم کے «وَعَلَيْهِ دَمٌ لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا» اور اس شخص پر دم واجب ہے ان دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے «إِمَّا فِي الْإِحْرَامِ أَوْ فِي الْأَعْمَالِ الْبَاقِيَةِ» اور اس پر دم واجب ہے ان دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے، «إِمَّا فِي الْإِحْرَامِ» یا تو یہ جمع کرنا کس اعتبار سے ہے؟ احرام کے اندر ہے اگر یہ حلق سے پہلے کروائے گا، حلق سے پہلے کروائے گا تو احرام کے اعتبار سے دونوں جمع ہو گئے، ابھی حج کا بھی احرام چل رہا تھا کہ کس کا احرام شروع ہو گیا؟ عمرے کا شروع ہو گیا، اور اگر یہ حلق کے بعد عمرے کا احرام باندھتا ہے تو بھی جمع کرنا پایا گیا اب اگرچہ احرام کے اعتبار سے جمع کرنا نہیں کیونکہ حلق کروالیا تو حج کا احرام ختم ہو گیا اب صرف کس کا احرام ہے؟ عمرے کا، لیکن افعال کے اعتبار سے جمع کرنا ہے کیونکہ حج کے ابھی افعال باقی ہیں رمی جمرات وغیرہ باقی ہیں اور ساتھ کس کے افعال بھی آ گئے؟ عمرے کے بھی، تو افعال کے اعتبار سے جمع کرنا ہے۔ تو قبل الحلق عمرے کا احرام باندھا ہے تو احرام کے اعتبار سے دونوں کا جمع کرنا، اور بعد الحلق عمرے کا احرام باندھا ہے تو افعال کے اعتبار سے دونوں کا جمع کرنا ہے تو لہٰذا دم اس پر وہ لازم ہو گا۔

یہ معنی ہے: «وَعَلَيْهِ دَمٌ لِجَمْعِهِ بَيْنَهُمَا إِمَّا فِي الْإِحْرَامِ أَوْ فِي الْأَعْمَالِ الْبَاقِيَةِ» اور اس شخص پر دم واجب ہے ان دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے، یا تو احرام میں ہے یعنی یہ جمع کرنا یا باقی اعمال کے اندر ہے۔ «قَالُوا: وَهَذَا دَمُ كَفَّارَةٍ أَيْضًا» فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ بھی دمِ کفارہ ہے دمِ شکر نہیں بلکہ دمِ کفارہ ہے، دمِ کفارہ کیوں ہے؟ کیونکہ یہ عمرے کی بنیاد کس پر رکھ رہا ہے؟ حج پر حالانکہ ہونا کیا چاہیے تھا؟ حج کی بنیاد عمرے پر ہوتی۔

■ مسئلہ: وَقِيلَ: إِذَا حَلَقَ لِلْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ لَا...

«وَقِيلَ: إِذَا حَلَقَ لِلْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ لَا يَرْفُضُهَا عَلَى ظَاهِرِ مَا ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ» اور کہا گیا ہے کہ جب یہ حج کا حلق کروالے پھر اس کے بعد احرام باندھے عمرے کا «لَا يَرْفُضُهَا» تو پھر اس کو نہ چھوڑے «عَلَى ظَاهِرِ مَا ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ» بوجہ اس کے ظاہر کے جو ذکر کیا گیا ہے اصل یعنی مبسوط میں۔ مبسوط کے اندر جو ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ جب حج کا حلق کروالے تو اس کے بعد عمرے کا احرام باندھے تو پھر عمرے کو نہ چھوڑے۔ «وَقِيلَ يَرْفُضُهَا» اور کہا گیا ہے کہ پھر بھی اس کو چھوڑ دے، چاہے حج کا حلق کروالیا ہے پھر بھی کیا کر دے؟ عمرے کو چھوڑ دے «احْتِرَازًا عَنِ النَّهْيِ» نہی سے بچنے کے لیے، کس سے؟ کیونکہ ان پانچ ایام میں عمرہ کرنے سے منع کیا گیا ہے تو نہی سے بچنے کے لیے اس کو پھر بھی چھوڑ دے۔ «قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: وَمَشَايِخُنَا عَلَى هَذَا» فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہاء اسی پر ہیں، ہمارے فقہاء اسی پر ہیں کہ حلق کے بعد بھی اگرچہ عمرے کا احرام باندھا ہو پھر بھی کیا کرنا چاہیے؟ عمرے کو چھوڑ دینا چاہیے نہی سے بچنے کے لیے، کیونکہ ان ایام میں عمرے سے منع کیا گیا ہے بھائی، اور ابو جعفر رحمہ اللہ یہ بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں بھائی بہت بڑے فقیہ، باسٹھ سال کی عمر میں کہتے ہیں ان کا انتقال ہوا تھا اور یہ تین سو بتیس ہجری کے اندر بھائی تین سو بتیس ہجری میں۔

«فَإِنْ فَاتَهُ الْحَجُّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ أَوْ بِحَجَّةٍ فَإِنَّهُ يَرْفُضُهَا» بھائی صورت یہ ایک شخص نے حج کا احرام باندھا لیکن حج اس سے فوت ہو گیا، کیا معنی حج فوت ہو گیا؟ وقوفِ عرفات اس سے رہ گیا وقوفِ عرفات، پھر اس نے عمرے کا یا حج کا احرام باندھ لیا، عمرے یا حج کا احرام باندھ لیا تو لہٰذا یہ اس جو دوسرے عمرے یا دوسرے حج کا احرام جس نے باندھا ہے اس کو چھوڑ دے گا اور اس کو چھوڑنے کی وجہ سے اس پر دم واجب ہو گا۔

صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ حج کا احرام باندھا اور حج اس سے فوت ہو گیا پھر اس نے کیا کیا؟ عمرے یا حج کا احرام باندھا تو کیا کرے ان کو؟ چھوڑ دے، چھوڑ دے گا اور ان کو چھوڑنے کی وجہ سے اس پر دم واجب ہو گا۔

اب دونوں صورتیں الگ الگ ذکر کریں گے عمرے کی صورت الگ، حج کی صورت الگ۔ پہلی صورت کیا؟ حج کا احرام باندھا تھا اور حج فوت ہو گیا اور اس نے اگلا احرام کون سا باندھ لیا؟ عمرے کا احرام باندھ لیا تو پھر یہ عمرے کو چھوڑ دے گا۔ بھائی اس لیے کیونکہ جس شخص کا حج فوت ہو جائے وہ کیا کرتا ہے؟ وہ حج کی قضا بعد میں کرے گا اور اس وقت کیا کرے گا؟ حج تو فوت ہو گیا لیکن یہ حالتِ احرام میں ہے ابھی، ہاں یہ حلال ہونے کے لیے عمرہ کرے گا، طواف اور سعی کرے گا اور پھر کیا ہو جائے گا؟ حلال ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کا یہ احرام ہے تو حج ہی کا احرام، عمرے کا احرام نہیں بنے گا یہ ہے تو کون سا احرام؟ حج ہی کا احرام ہے لیکن افعال اب کون سے کرنے ہیں اس نے؟ عمرے والے، تو یہ جب اگلے عمرے کا بھی احرام باندھ لے گا تو دو عمرے جمع ہو گئے باعتبارِ افعال کے، دو عمرے جمع ہو گئے؟ بھائی پہلا احرام کس کا ہے؟ حج کا ہے اعمال بے شک اب اس نے عمرے والے کرنے ہیں لیکن احرام تو کون سا ہے؟ حج کا ہے، اور دوسرا احرام جو ہو گا وہ عمرے کا ہو گا، تو دونوں احرام تو عمرے کے نہیں یا دونوں احرام تو حج کے نہیں، تو دو عمرے یا دو حج کے احراموں کو تو یہ جمع کرنے والا نہیں، لیکن افعال اس نے اس حج کے احرام سے حلال ہونے کے لیے بھی کیا کرنے ہیں؟ عمرے، اور اگلے عمرے کا احرام ہے اس میں بھی افعال کون سے ہیں؟ عمرے کے، تو دو عمرے کے افعال جمع ہو گئے۔ تو کہتے ہیں یہ بھی اسی طرح ہو گیا جیسے دو عمروں کے احرام جمع کرنا کرنے میں ہوتا ہے اور جیسے وہ درست نہیں تو یہ بھی درست نہیں، لہٰذا اس عمرے کو وہ چھوڑ دے اور چھوڑنے کی وجہ سے اس پر دم لازم ہو گا، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «فَإِنْ فَاتَهُ الْحَجُّ» اگر اس شخص سے حج فوت ہو گیا «ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ أَوْ بِحَجَّةٍ» پھر اس نے احرام باندھ لیا عمرے کا یا حج کا «فَإِنَّهُ يَرْفُضُهَا» تو یہ اس کو چھوڑ دے گا یعنی اس اگلا عمرہ یا حج جس کا احرام باندھا ہے اس کو چھوڑ دے گا «لِأَنَّ فَائِتَ الْحَجِّ يَتَحَلَّلُ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ» اس لیے کیونکہ وہ شخص جس کا حج فوت ہو گیا ہو وہ حلال ہوتا ہے عمرے کے افعال کے ذریعے «مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقَلِبَ إِحْرَامُهُ إِحْرَامَ الْعُمْرَةِ» بغیر اس کے کہ اس کا احرام پلٹ جائے عمرے کے احرام کی طرف، یعنی احرام تو حج والا ہی رہے گا احرام تو عمرے کا نہیں بنے گا لیکن حلال کس سے ہو گا؟ عمرے کے افعال سے ہو گا «عَلَى مَا يَأْتِيكَ فِي بَابِ الْفَوَاتِ إِنْ شَاءَ اللهُ» بوجہ اس کے جو باب الفوات کے اندر آگے آئے گا ان شاء اللہ اگر اللہ نے چاہا۔ «فَيَصِيرُ جَامِعًا بَيْنَ الْعُمْرَتَيْنِ مِنْ حَيْثُ الْأَفْعَالِ» تو یہ شخص جمع کرنے والا ہوا دو عمروں کو افعال کے اعتبار سے «فَعَلَيْهِ أَنْ يَرْفُضَهَا كَمَا لَوْ أَحْرَمَ بِعُمْرَتَيْنِ» تو اس پر واجب ہے اس دوسرے عمرے کو چھوڑنا جیسے کہ اس نے احرام باندھا ہو دو عمروں کا تو اس میں بھی ایک عمرے کو چھوڑنا واجب ہوتا ہے۔

■ مسئلہ: وَإِنْ أَحْرَمَ بِحَجَّةٍ

«وَإِنْ أَحْرَمَ بِحَجَّةٍ» اور اگر اس نے دوسرا احرام کس کا باندھا ہے؟ حج کا «فَيَصِيرُ جَامِعًا بَيْنَ الْحَجَّتَيْنِ إِحْرَامًا» تو یہ جمع کرنے والا ہوا دو حجوں کو احراماً باعتبارِ احرام۔ صورت کیا؟ وہی صورت، اس نے حج کا احرام باندھا تھا اور حج اس سے فوت ہو گیا، اور اب یہ کس کے ذریعے حلال ہو گا؟ عمرے کے ذریعے، تو بے شک یہ عمرے کے ذریعے حلال ہو لیکن احرام تو کون سا ہے؟ حج ہی کا ہے اور اگلے حج کا احرام باندھ لے گا تو اس شخص نے دو حج کے احرام کیا کر دیے؟ جمع کر دیے اور یہ تو بدعت ہے لہٰذا ایک کو کیا کرے گا؟ چھوڑ دے گا، یہ جو دوسرا احرام باندھا اس کو چھوڑ دے گا اور چھوڑنے کی وجہ سے اس پر دم لازم ہو گا۔

تو یہ معنی ہے «وَإِنْ أَحْرَمَ بِحَجَّةٍ» اور اگر اس نے حج کا احرام باندھا «فَيَصِيرُ جَامِعًا بَيْنَ الْحَجَّتَيْنِ إِحْرَامًا» تو یہ جمع کرنے والا ہوا دو حجوں کو باعتبارِ احرام کے «فَعَلَيْهِ أَنْ يَرْفُضَهَا» تو اس پر واجب ہے کہ اس دوسرے حج کو چھوڑ دے «كَمَا لَوْ أَحْرَمَ بِحَجَّتَيْنِ» جیسے کہ اس نے احرام باندھا ہو دو حجوں کا، تو اس میں جیسے ایک کو چھوڑنا واجب ہے اس میں بھی ایک کو چھوڑ دے گا۔ «وَعَلَيْهِ قَضَاؤُهَا» اور اس پر اس کی قضا واجب ہے، یہ جو حج کو اس نے چھوڑ دیا اس کی قضا واجب ہے «لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ فِيهَا» اس لیے کیونکہ اس کے اندر شروع ہونا صحیح تھا «وَدَمٌ لِرَفْضِهَا» اور اس پر دم واجب ہے «لِرَفْضِهَا» اس حج کو چھوڑنے کی وجہ سے «بِالتَّحَلُّلِ قَبْلَ أَوَانِهِ» بوجہ حلال ہونے کے اس کے وقت حلال ہونے کے اپنے وقت سے پہلے ہی بھائی، «بِالتَّحَلُّلِ» حلال ہونے کی وجہ سے «قَبْلَ أَوَانِهِ» حلال ہونے کے وقت سے پہلے۔ یہ حلال ہونے کے وقت سے پہلے ہی حلال، بھائی جب چھوڑ دے گا تو حلال ہو گا یا نہیں اس سے؟ اس کو جب چھوڑ دے گا تو جب ایک ہی عمرہ کرے گا حلال ہو گا تو دوسرے کو چھوڑ دیا اس نے تو اس سے بھی حلال ہوا اور وقت سے پہلے حلال ہوا لہٰذا اس پر دم لازم ہو گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

اور یاد رکھیے بھائی اس شخص پر اب دو حج ہوں گے دو حج بھائی، سمجھ میں آیا؟ اس لیے کیونکہ پہلا حج اس کا فوت ہو چکا ہے اس کی بھی قضا اس کے ذمے ہے، اور دوسرے حج کا حج کو اس نے شروع کر دیا تھا اور پھر اس کو چھوڑ دیا ہے تو اس کی بھی قضا اس پر، تو ان دونوں کی قضا اس پر آئے گی بھائی قضا آئے گی۔

■ مسئلہ: بَابُ الْإِحْصَارِ

«بَابُ الْإِحْصَارِ» یہ باب ہے احصار کے بیان میں۔

«أَحْصَرَ يُحْصِرُ إِحْصَارًا» کے معنی ہیں روکنے کے، قید کرنے کے، بند کرنے کے بھائی۔ روکنا، بند کرنا، قید کرنا۔ تو یہ باب ہے احصار کے بیان میں۔ مثلاً ایک شخص تھا اور اس نے حج یا عمرے کا احرام باندھا اور پھر بیماری یا دشمن کی وجہ سے جانہ سکا یا راستے میں ہی رکنا پڑا اس کو تو یہ محصر کہلاتا ہے، یہ شخص کیا کہلاتا ہے؟ محصر یعنی جس کو روکا گیا ہے۔

اور محصر کے بارے میں اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ اگر تمہیں تم محصر ہو جاؤ یعنی تمہیں روک دیا جائے تو جو تمہیں میسر ہو ہدی میں سے یعنی قربانی کے جانور میں سے۔ یعنی قربانی بھیج دے گا وہ شخص اور پھر اس کے ذریعے حلال ہو جائے گا بھائی۔

صورت یاد رکھیے، اگر کوئی شخص محصر ہو جاتا ہے یعنی حج کا یا عمرے کا احرام باندھ لیا اور پھر جانہ سکا، جانہ سکا، اب یہ حالتِ احرام میں ہے تو اب احرام کی پابندیاں اس پر رہیں گی، تو اور احرام کی پابندیاں لمبے عرصے تک رہیں گی، مثلاً حج ہے تو حج تو ایک دفعہ اب نکل گیا اب اگلے سال ائے گا اور پورے سال احرام کی پابندیاں یہ تو بڑا ہی مشکل کام ہو جائے گا تو شریعت نے آسانی کر دی کہ کیا کرو؟ ایک قربانی کا جانور حرم بھیج دو اور جس کے ہاتھ بھیجو اس سے وعدہ لے لو کہ فلاں دن کو تم نے اس کو ذبح کرنا ہے، سمجھ میں آیا؟ آج کل تو آسانی ہو گئی فون وغیرہ کے ذریعے ہر وقت انسان کا رابطہ ہو سکتا ہے، پہلے تو رابطے کی کوئی صورت نہیں تھی اس لیے کیا کرلے؟ اس سے کسی معین دن کا وعدہ لے لے، اور پھر اس دن یہ حلال ہو جائے حلال ہو جائے بھائی، اور یاد رکھیے اس میں حلق یا قصر کی بھی پھر ضرورت نہیں ہو گی سمجھ میں آیا؟ بس جب وہ جانور ادھر قربانی کر دے گا اس جانور کی تو یہ شخص ادھر کیا ہو جائے؟ حلال ہو جائے بس احرام کی پابندیاں ختم ہو گئیں بھائی احرام کی پابندیاں۔ اور یہ بھی یاد رکھیے جانور ہی کو یہاں سے بھیجنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت دے دے، جانور بھجوا دے یہاں سے یا اس کی قیمت دے دے کہ وہاں ایک جانور خرید کر ذبح کر دینا میری طرف سے بھائی، صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «بَابُ الْإِحْصَارِ» یہ باب ہے احصار کے بیان میں۔ «وَإِذَا أُحْصِرَ الْمُحْرِمُ بِعَدُوٍّ أَوْ أَصَابَهُ مَرَضٌ فَمَنَعَهُ مِنَ الْمُضِيِّ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ» اور جب محصر ہو گیا محرم «بِعَدُوٍّ» کسی دشمن کی وجہ سے «أَوْ أَصَابَهُ مَرَضٌ» یا اس کو کوئی مرض پہنچا یعنی وہ بیمار ہو گیا «فَمَنَعَهُ مِنَ الْمُضِيِّ» تو اس مرض نے اس کو روک دیا «مِنَ الْمُضِيِّ» جانے سے چلنے سے «جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ» تو اس کے لیے جائز ہے حلال ہونا۔

■ مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَكُونُ...

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَكُونُ الْإِحْصَارُ إِلَّا بِالْعَدُوِّ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احصار جو ہے وہ صرف دشمن کی وجہ سے ہو سکتا ہے مرض کی وجہ سے نہیں۔ احصار صرف کس کی وجہ سے ہو گا؟ دشمن کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور مرض کی وجہ سے نہیں۔ اور وہ دلیل ذکر کرتے ہیں کہتے ہیں احصار کا جو حکم بیان ہوا قرآن کے اندر: ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ یہ محصر بعدو کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرے کا احرام پہن عمرے کا احرام باندھ کر تشریف لے گئے تھے اور وہاں مشرکینِ مکہ نے عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی تو یہ محصر ہوئے، اور کس کی وجہ سے محصر ہوئے؟ دشمن کی وجہ سے محصر ہوئے، تو لہٰذا معلوم ہوا کہ محصر جو ہے وہ صرف کس کی وجہ سے ہو گا؟ دشمن، یعنی احصار صرف دشمن کی وجہ سے ثابت ہو گا اور پھر اس صورت میں ہدی کا جانور بھیج کر حلال ہونا جائز ہے۔ بیماری کی وجہ سے احصار ثابت نہیں ہو گا لہٰذا بیماری کی صورت میں جانور بھیج کر کوئی حلال نہیں ہو سکتا، مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

تو ایک دلیل تو امام شافعی رحمہ اللہ کی یہ کہ یہ آیتِ احصار کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ دشمن کے ذریعے جو احصار تھا اس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور نیز وہ فرماتے ہیں وجہ یہ کہ ہدی کے ذریعے جو حلال ہونا ہے یہ صرف محصر کے لیے جائز ہے یعنی جس کو جو دشمن کی وجہ سے جس کو روکا گیا ہے جو روکا ہے۔ اس لیے کیونکہ جب یہ ہدی بھیج کر حلال ہو جائے گا تو دشمن سے نجات پالے گا، توجہ ہے سبق کی طرف؟ جب یہ ہدی بھیج کر حلال ہو گا تو دشمن سے نجات پالے گا۔ مثلاً یہ حج کے لیے جا رہا تھا اور آگے کون آگیا؟ دشمن، اب آگے جاتا ہے تو دشمن ہے سامنے لہٰذا یہ ہدی بھیج کر یہیں حلال ہو جاتا ہے تو دشمن سے نجات مل گئی یا نہیں مل گئی؟ تو وہ فرماتے ہیں یہ ہدی کے ذریعے حلال ہونا کس لیے مشروع ہے؟ تاکہ اس کے ذریعے نجات حاصل کرلے، لیکن اگر کوئی بیمار ہے اور بیماری کی وجہ سے آگے نہ جا سکا اور وہ قربانی کا جانور بھیج کر حلال ہوتا ہے تو یہ قربانی کا جانور بھیج کر حلال ہونا تو کس لیے تھا؟ تاکہ اس کے ذریعے نجات حاصل کرلے، کس سے؟ دشمن سے، تو یہاں اب اگر وہ حلال ہو گا تو کیا بیماری سے نجات ملے گی؟ بیماری سے تو نجات پھر بھی نہیں ملے گی، تو یہ تو نجات کے لیے تھا یہ حلال ہونا اس طریقے پر، اور وہ صرف دشمن کی صورت میں تو نجات ملتی ہے بیماری کی صورت میں بیماری سے نجات نہیں ملتی لہٰذا اس شخص کے لیے جو بیمار ہے اس طریقے پر حلال ہونا جائز ہی نہیں، دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَكُونُ الْإِحْصَارُ إِلَّا بِالْعَدُوِّ» کہ احصار جو ہے وہ نہیں ہوتا مگر دشمن کی وجہ سے ہی «لِأَنَّ التَّحَلُّلَ

بِالْهَدْيِ شُرِعَ فِي حَقِّ الْمُحْصَرِ» اس لیے کیونکہ ہدی کے ذریعے حلال ہونا جو یہ مشروع ہے کس کے حق میں؟ محصر کے حق میں مشروع ہے اس کے حق میں جائز ہے، کس لیے؟ «لِتَحْصِيلِ النَّجَاةِ» نجات حاصل کرنے کے لیے «وَبِالْإِحْلَالِ يَنْجُو مِنَ الْعَدُوِّ» اور حلال ہونے کے ذریعے یہ کیا کرلے گا؟ دشمن سے تو نجات حاصل کرلے گا «لَا مِنَ الْمَرَضِ» مرض سے نجات حاصل نہیں کرے گا، اور یہ تو تھا ہی کس لیے؟ نجات حاصل کرنے کے لیے، لہٰذا دشمن کے معاملے میں تو یہ جائز ہے اس طرح حلال ہونا مرض کے معاملے میں اس طرح حلال ہونا جائز نہیں۔

■ مسئلہ: وَلَنَا: أَنَّ آيَةَ الْإِحْصَارِ وَرَدَتْ فِي الْ...

«وَلَنَا: أَنَّ آيَةَ الْإِحْصَارِ وَرَدَتْ فِي الْإِحْصَارِ بِالْمَرَضِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ» ہم کہتے ہیں کہ آیت کے اندر آیا ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ﴾ ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ﴾ یعنی یہ بابِ احصار ہے، بابِ افعال بھائی، ثلاثی مزید فیہ۔ اور اسی طرح یاد رکھیے ایک ہے حصر بھائی، «حَصَرَ يَحْصُرُ حَصْرًا» ثلاثی مجرد سے۔ حصر کا معنی بھی روکنا، احصار کا معنی بھی روکنا۔ تو «حَصَرَ يَحْصُرُ حَصْرًا» یہ استعمال ہوتا ہے جب کسی کو کوئی دشمن روکے، تو اس کے لیے کیا لفظ عربی میں استعمال ہوتا ہے؟ حصر حصر کا لفظ استعمال ہوتا ہے، سمجھ میں آیا؟ چنانچہ دشمن کی وجہ سے دشمن اگر کسی کو قید کردے یا روک دے تو عربی میں کہتے ہیں: «حَصَرَهُ الْعَدُوُّ» اس کو دشمن نے روک دیا، «حَصَرَهُ الْعَدُوُّ»، یا اسی طرح اگر کوئی دشمن کی وجہ سے قید میں ہے تو کہتے ہیں: «هُوَ مَحْصُورٌ بِالْعَدُوِّ» وہ محصور ہے کس کی وجہ سے؟ دشمن کی وجہ سے۔ تو دیکھو محصور اور حصر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے عربی زبان میں کس کے لیے؟ کہ جب یہ روکنے والا کون ہو؟ دشمن ہو بھائی دشمن ہو، کیا لفظ استعمال کرتے ہیں؟ محصور اور محصور مفعول یہ کس باب سے ہے؟ ثلاثی مجرد سے ہے ثلاثی مزید فیہ سے نہیں ہے یہ، تو یہ اسی حصر سے ہے سمجھ میں آیا؟ تو معلوم ہوا دشمن کے روکنے کے لیے کیا لفظ عربی میں استعمال ہوتا ہے؟ محصور کا اور باب کون سا؟ حصر یعنی ثلاثی مجرد والا، اور قرآن میں جو آیا ہے وہ ہے احصار اور احصار کا لفظ عربی زبان میں مرض کی وجہ سے اگر کسی کو روکا جائے جو شخص روکا جائے اس کو اس کے لیے احصار کا لفظ استعمال ہوتا ہے، مرض کسی شخص کو کسی کام سے روک دے تو اس کے لیے محصر کا لفظ استعمال کرتے ہیں محصور کا لفظ استعمال نہیں کرتے، بات سمجھ میں آگئی؟

تو ہم کہتے ہیں کہ دشمن کے روکے جانے کے لیے حصر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور مرض کے روکے جانے کے لیے احصار کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور قرآن کے اندر احصار کا لفظ ذکر ہے احصار کا لفظ۔ تو یہ آیت اگرچہ نازل ہوئی ہے دشمن سے روکے جانے والوں کے بارے میں یعنی حضور علیہ السلام کو کس نے روکا تھا؟ دشمن، اگرچہ نازل تو ان کے بارے میں ہوئی ہے لیکن آیت کے اندر احصار کا لفظ استعمال کرکے بتلا دیا گیا کہ مرض کی حالت میں بھی یہی حکم ہے بھائی، مرض کی حالت میں بھی یہی حکم ہے۔ تو آیت کا شانِ نزول بتلاتا ہے کہ دشمن کے معاملے میں بھی احصار ہوگا اور آیت کے لفظ بتلاتے ہیں کہ مرض کی صورت میں بھی احصار ہوگا اور دونوں کے اندر پھر ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ہدی میں سے جو میسر ہو اس کے ذریعے انسان حلال ہوگا، تقریر سمجھ میں آگئی بھائی؟

«وَلَنَا» اور ہماری دلیل یہ ہے «أَنَّ آيَةَ الْإِحْصَارِ وَرَدَتْ فِي الْإِحْصَارِ بِالْمَرَضِ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ» کہ آیتِ احصار جو ہے وہ نازل ہوئی ہے احصار بالمرض کے بارے میں «بِإِجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ» اہلِ لغت کے اجماع سے۔ تمام اہلِ لغت کہتے ہیں کہ بھائی یہ احصار کا لفظ مرض کے لیے استعمال ہوتا ہے دشمن کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ «فَإِنَّهُمْ قَالُوا: الْإِحْصَارُ بِالْمَرَضِ وَالْحَصْرُ بِالْعَدُوِّ» کیونکہ اہلِ لغت جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ احصار جو ہے وہ مرض کی وجہ سے ہوگا اور حصر جو ہے وہ دشمن کی وجہ سے ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں پر نازل تو کس کے بارے میں ہوئی تھی؟ دشمن کے بارے میں تو لہٰذا معلوم ہوا اس صورت میں بھی ہدی بھیج کر حلال ہو سکتا ہے وہی تو حکم بیان ہو رہا ہے، لیکن لفظ لا کر اشارہ اس بات کی طرف کر دیا گیا احصار کا لفظ لا کر اشارہ اس بات کی طرف کر دیا گیا کہ مرض کے معاملے میں بھی یہی حکم ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَالتَّحَلُّلُ قَبْلَ أَوَانِهِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ...

«وَالتَّحَلُّلُ قَبْلَ أَوَانِهِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ الْآتِي مِنْ قِبَلِ امْتِدَادِ الْإِحْرَامِ» اور حلال ہونا، امام شافعی رحمہ اللہ نے تو کیا فرمایا تھا یہ حلال ہونا کس لیے ہے تاکہ نجات مل جائے اور دشمن سے تو نجات ملے گی لیکن مرض سے تو نجات نہیں ملے گی اس لیے اس طرح حلال ہونا جائز نہیں۔ ہم کہتے ہیں «وَالتَّحَلُّلُ قَبْلَ أَوَانِهِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ» یہ حلال ہونا جو ہے اپنے حلال ہونے کے وقت سے پہلے ہی «لِدَفْعِ الْحَرَجِ الْآتِي» وہ جو حرج آرہا ہے اس کو دور کرنے کے لیے، کون سا حرج؟ «الْآتِي مِنْ قِبَلِ امْتِدَادِ الْإِحْرَامِ» جو احرام کے لمبا ہونے کی جانب سے آرہا ہے، اگر حلال نہیں ہوگا پھر تو احرام بڑا لمبا ہو جائے گا، تو یہ احرام کے لمبا ہونے کی جانب سے جو حرج آرہا ہے اس کو دور کرنے کے لیے یہ حلال ہونا ہے۔ «وَالْحَرَجُ فِي الِاصْطِبَارِ عَلَيْهِ مَعَ الْمَرَضِ أَعْظَمُ» اور حرج جو ہے «فِي الِاصْطِبَارِ» اصطبار بمعنی صبر کے «عَلَيْهِ» ای علی الاحرام اور احرام پر صبر کرنے میں جو حرج ہے «مَعَ الْمَرَضِ» کس کے ساتھ؟ مرض کے ساتھ۔ مرض کے ساتھ ساتھ احرام پر صبر کرنا اس میں جو حرج ہے «أَعْظَمُ» وہ زیادہ بڑا ہے۔

ایک احرام پر صبر کرتا ہے انسان دشمن کی وجہ سے، مثلاً آگے دشمن آگیا وہ آگے نہیں جاسکتا اب اگر ابھی حلال نہیں ہوگا تو احرام لمبا ہوگا احرام لمبا ہوگا لیکن اس وقت اس وقت صرف احرام کے لمبا ہونے کی کی مشقت ہے اور کوئی مشقت نہیں، لیکن اگر مرض ہوگا تو پھر تو احرام کی بھی مشقت اور مرض کی بھی تکلیف ہے تو اس میں زیادہ تکلیف اور مشقت ہے، لہٰذا دشمن کے معاملے میں اس طرح حلال ہونے کی شریعت نے اجازت دی ہے تو مرض کے معاملے میں بطریقِ اولیٰ اس کی اجازت ہوگی، دلیل سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ ترجمہ دیکھیے بھائی: «وَالتَّحَلُّلُ قَبْلَ أَوَانِهِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ الْآتِي مِنْ قِبَلِ امْتِدَادِالْإِحْرَامِ» اس لیے کیونکہ حلال ہونا حلال ہونے کے وقت سے پہلے ہی «لِدَفْعِ الْحَرَجِ» وہ اس حرج کو دور کرنے کے لیے ہے «الْآتِي» جو آنے والا ہے «مِنْ قِبَلِ امْتِدَادِالْإِحْرَامِ» احرام کے لمبا ہونے کی جانب سے «وَالْحَرَجُ فِي الِاصْطِبَارِ عَلَيْهِ مَعَ الْمَرَضِ أَعْظَمُ» اور حرج جو ہے احرام پر صبر کرنے میں ساتھ مرض کے «أَعْظَمُ» یہ زیادہ بڑا ہے یعنی اس میں مشقت زیادہ ہے مشکل زیادہ ہے۔

■ مسئلہ: وَإِذَا جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ يُقَالُ لَهُ ابْعَثْ...

«وَإِذَا جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ يُقَالُ لَهُ ابْعَثْ شَاةً تُذْبَحُ فِي الْحَرَمِ، وَوَاعِدْ مَنْ تَبْعَثُهُ بِيَوْمٍ بِعَيْنِهِ يُذْبَحُ فِيهِ ثُمَّ تَحَلَّلْ» اور جب «وَإِذَا جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ» اور جب اس شخص کے لیے حلال ہونا جائز ہے جو محصر بالعدو ہے یا محصر بالمرض ہے جب اس کے لیے حلال ہونا جائز ہے تو «يُقَالُ لَهُ» تو اس سے کہا جائے گا یعنی اس محصر سے کہا جائے گا «ابْعَثْ شَاةً» کہ تم ایک بھیڑ بکری بھیج دو «تُذْبَحُ فِي الْحَرَمِ» ایسی بھیڑ بکری جس کو حرم میں ذبح کیا جائے «وَوَاعِدْ» اور تم وعدہ لے لو «مَنْ» اس شخص سے «تَبْعَثُهُ» جس کو آپ بھیجیں «بِيَوْمٍ بِعَيْنِهِ» کسی معین دن کا «يُذْبَحُ فِيهِ» کہ جس میں اس بھیڑ بکری کو ذبح کیا جائے گا اس سے معین دن کا وعدہ لے لو «ثُمَّ تَحَلَّلْ» پھر اس دن میں حلال ہو جاؤ۔

«وَإِنَّمَا يُبْعَثُ إِلَى الْحَرَمِ» بھائی یہ ہدی کو حرم ہی کیوں بھیجا جائے گا؟ یہاں کیوں نہیں ذبح کر لیا جاتا؟ تو وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا يُبْعَثُ إِلَى الْحَرَمِ لِأَنَّ دَمَ الْإِحْصَارِقُرْبَةٌ» اس ہدی کو بھیجا جائے گا حرم اس لیے کیونکہ یہ جو احصار کا دم ہے یہ قربتہ یہ عبادت ہے «وَالْإِرَاقَةُ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً إِلَّا فِي زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ عَلَى مَا مَرَّ» اور خون کا بہانا اس کو تو عبادت نہیں جانا گیا مگر کسی زمانے میں یا کسی جگہ میں «عَلَى مَا مَرَّ» بوجہ اس کے جو گزر گئی، یہ دو تین جگہ پیچھے ذکر ہو چکا بھائی۔ «فَلَا يَقَعُ قُرْبَةً دُونَهُ» لہٰذا یہ اس کے بغیر عبادت نہیں ہوگی «فَلَا يَقَعُ بِهِ التَّحَلُّلُ» تو اس سے حلال ہونا بھی واقع نہیں ہوگا یعنی اس کی وجہ سے حلال بھی نہیں ہوگا اگر کہیں اور کروا دیتا ہے۔

بھائی یہ جو دم احصار ہے نا یہ عبادت ہے اور قربانی میں کیا کیا جاتا ہے؟ جانور کا خون بہایا جاتا ہے تو یہ خون کا بہانا عبادت ہے، اور خون کا بہانا اس کا عبادت ہونا ہماری عقل میں نہیں آتا تو یہ ایک غیر معقول ہے، عبادت ہے لیکن غیر معقول ہے عقل میں آنے والی نہیں۔ اور جو چیز غیر معقول ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے، لہٰذا وہ یہ بھی اپنے مورد پر بند رہے گی، اور خون کا بہانا یا تو وہ کسی زمانے کے اندر عبادت ہے یا کسی جگہ میں یعنی حرم کے اندر، اور ہر جگہ پر خون کا بہا دینا جانور کا ذبح کر دینا یہ عبادت نہیں۔ اس کا گوشت صدقہ کرتا ہے وہ صدقہ تو ٹھیک ہے عبادت ہوگا لیکن بات صدقے کی نہیں چل رہی بات کس کی چل رہی ہے؟ خون بہانے کی یعنی صرف ذبح کرنے کی، تو یہ ذبح کرنا بھی عبادت ہے لیکن اس کے لیے کوئی خاص زمانہ چاہیے جیسے عید کے ایام ہوتے ہیں یا خاص جگہ چاہیے جیسے کہ حرم ہے، اور اس کے لیے کوئی خاص زمانہ تو مقرر نہیں جب زمانہ نہیں مقرر تو پھر لازمی بات ہے اس کے لیے جگہ متعین ہوگی اور وہ حرم ہے لہٰذا اس کو حرم بھیجنا پڑے گا۔ تو اگر نہیں بھیجے گا تو پھر قربانی نہیں ہوگی اور حلال نہیں ہو سکتا، تو کہتے ہیں: «فَلَا يَقَعُ قُرْبَةً دُونَهُ» تو یہ دم جو ہے قربت واقع نہیں ہوگا دونہ حرم کے بغیر، جب قربت نہیں ہوگا تو «فَلَا يَقَعُ بِهِ التَّحَلُّلُ» تو اس کے لیے حلال ہونا بھی نہیں ہوگا۔

■ مسئلہ: وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَ...

«وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾» اور اسی کی طرف اشارہ ہے اللہ کے اس قول میں: ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ اور تم حلق نہ کرواؤ اپنے سروں کا یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی کا جانور محلہ اپنی جگہ کو۔ تم حلق نہ کرواؤ اپنے سروں کا یہاں تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ کو پہنچ جائے بھائی۔ تو دیکھیے اس میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ قربانی جو ہے یہ کیا ہے؟ دمِ احصار یہ قربت ہے عبادت ہے بھائی عبادت ہے، سمجھ میں آیا؟ اور نیز اس کے اندر کیا آرہا ہے یہاں تک کہ وہ قربانی کا جانور اپنی جگہ کو یعنی حرم کو پہنچ جائے «فَإِنَّ الْهَدْيَ اسْمٌ لِمَا يُهْدَى إِلَى الْحَرَمِ» کیونکہ بے شک ہدی جو ہے وہ نام ہے اس جانور کا جس کو قربانی کے لیے حرم بھیجا جائے، اور آیت میں کیا لفظ آیا؟ ہدی کا لفظ آیا تو معلوم ہوا اس کو بھی حرم بھیجا جائے گا۔

«وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَتَوَقَّتُ بِهِ لِأَنَّهُ شُرِعَ رُخْصَةً وَالتَّوْقِيتُ يُبْطِلُ التَّخْفِيفَ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہیں حرم کے ساتھ یہ ہدی مقید نہیں، اس قربانی کے جانور کو حرم بھیجنا ضروری نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی ذبح کروادے تو اس سے وہ حلال ہو جائے گا حلال ہو جائے گا، تو یہ حرم کے ساتھ مقید نہیں۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو دم مشروع ہوا یہ کس لیے ہے؟ یہ بطورِ رخصت کے آسانی کے لیے کہ یہیں پر کیا ہو جائے؟ جانور ذبح کر کے حلال، تو یہ رخصت کے طور پر ہے یہ قربانی کا جانور جو اس پر واجب ہوا ہے، اور اگر اس پر یہ لازم کر دیا جائے کہ یہ جانور کہاں ذبح کروانا پڑے گا؟ حرم میں، تو پھر تو یہ مشکل میں پڑ جائے گا حالانکہ یہ دم واجب کیا گیا ہے یہ کس لیے ہے؟ رخصت اور آسانی کے لیے ہے بھائی، دلیل سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ» اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں «لَا يَتَوَقَّتُ بِهِ» کہ یہ دم جو ہے حرم کے ساتھ مقید نہیں ہو گا «لِأَنَّهُ شُرِعَ رُخْصَةً» اس لیے کیونکہ یہ مشروع ہوا ہے بطورِ رخصت کے «وَالتَّوْقِيتُ يُبْطِلُ التَّخْفِيفَ» اور مقید کرنا یعنی حرم کی قید لگانا «يُبْطِلُ التَّخْفِيفَ» یہ تو تخفیف یعنی آسانی کو باطل کر دیتا ہے۔

■ مسئلہ: قُلْنَا: الْمُرَاعَى أَصْلُ التَّخْفِيفِ لَا نِهَايَتُهُ...

«قُلْنَا: الْمُرَاعَى أَصْلُ التَّخْفِيفِ لَا نِهَايَتُهُ» ہم کہتے ہیں کہ وہ جس کی رعایت رکھی گئی ہے وہ اصلِ تخفیف ہے نہ کہ انتہائے تخفیف بھائی، «نِهَايَتُهُ أَيْ نِهَايَةُ التَّخْفِيفِ» ھا ضمیر تخفیف کو راجع ہے۔ ہم کہتے ہیں ایک ہے نفسِ تخفیف اور ایک ہے کامل تخفیف، کامل۔ کامل تخفیف تو یہ ہے کامل آسانی تو یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی اس جانور کی قربانی کر دے اور پھر کیا ہو جائے؟ حلال ہو جائے۔ اور نفسِ تخفیف کس کے اندر ہے؟ کہ قربانی حرم بھیج کر حلال ہو جائے، بھائی اگر قربانی حرم بھیج کر بھی حلال نہ ہو سکتا پھر تو احرام بڑا لمبا ہو جاتا مشکل میں پڑ جاتا ہے یا نہ پڑ جاتا؟ تو حرم بھیج کر بھی قربانی کروائے گا اور پھر حلال ہو جائے گا تو نفسِ آسانی آگئی یا نہیں آگئی؟ نفسِ آسانی آگئی، تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں نفسِ آسانی جو ہے وہ اس کی رعایت رکھی گئی ہے، کامل درجے کی آسانی کی رعایت ملحوظ نہیں ہے یہاں پر بلکہ کون سی؟ چاہے حرم میں قربانی کروائے اور حلال ہو جائے پھر بھی نفسِ آسانی آگئی ہے۔

«قُلْنَا: الْمُرَاعَى أَصْلُ التَّخْفِيفِ لَا نِهَايَتُهُ» ہم کہتے ہیں کہ وہ جس کی رعایت رکھی گئی ہے وہ اصلِ تخفیف ہے «لَا نِهَايَتُهُ» نہ کہ نہ کہ کامل تخفیف بھائی، یعنی اصلِ تخفیف کی رعایت رکھی گئی ہے «لَا نِهَايَتُهُ» تخفیف کی انتہا کی رعایت نہیں رکھی گئی بھائی۔

چلیے بس بھائی «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ».

سبق نمبر ۱۶۴: باب الإحصار چل رہا ہے بھئی

ہدایہ صفحہ: ۳۱۳ــــ بتاریخ: ۲۳ مئی ۲۰۱۳ء

وَيَجُوزُ الشَّاةُ لِأَنَّ الْمَنْصُوصَ عَلَيْهِ الْهَدْيُ وَالشَّاةُ أَدْنَاهُ، وَتُجْزِيهِ الْبَقَرَةُ وَالْبَدَنَةُ كَمَا فِي الضَّحَايَا، وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِمَا ذَكَرْنَا بَعْثَ الشَّاةِ بِعَيْنِهَا لِأَنَّ ذَلِكَ قَدْ يَتَعَذَّرُ بَلْ لَهُ أَنْ يَبْعَثَ بِالْقِيمَةِ حَتَّى تُشْتَرَى الشَّاةُ هُنَالِكَ وَتُذْبَحَ عَنْهُ۔ [1]

■ باب الإحصار چل رہا ہے بھئی

باب الإحصار چل رہا ہے بھئی۔ کوئی شخص جو ہے وہ کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے حج پر نہ جاسکا۔ احرام باندھ چکا ہے اور پھر مرض یا دشمن کی وجہ سے حج پر نہ جاسکا تو وہ ایک بھیڑ بکری بھیج دے گا حرم اور جس کے ہاتھ بھیجے اس سے وعدہ لے لے گا کہ فلاں معین دن اس کو ذبح کر دینا اور پھر اس دن یہ کیا ہو جائے یہاں پر؟ حلال ہو جائے بھئی۔

تو اب اس کے اندر کون سا جانور بھیجنا جائز ہے اور کون سا بھیجنا جائز نہیں؟ تو کہتے ہیں: **وَيَجُوزُ الشَّاةُ**، اور اس ہدی کے اندر بھیڑ بکری کا بھیجنا جائز ہے بھئی، بھیڑ بکری کا بھیجنا بھی جائز ہے۔ **لِأَنَّ الْمَنْصُوصَ عَلَيْهِ الْهَدْيُ**، اس لیے کیونکہ وہ جس پر نص لائی گئی ہے وہ ہدی ہے۔ نص کے اندر کیا لفظ آیا تھا؟ ہدی، **حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ**۔ تو نص میں یعنی آیت کے اندر ہدی کا لفظ آیا تھا۔ **وَالشَّاةُ أَدْنَاهُ**، اور بھیڑ بکری جو ہے یہ اس ہدی کا میں کم سے کم ہے۔ تو ہدی کا لفظ آیا تو ہدی کا لفظ تو بھیڑ بکری کو بھی شامل، گائے بیل کو بھی شامل اور اونٹ کو بھی شامل ہے۔ تو ان میں سب سے کم تر کیا ہے؟ بھیڑ بکری ہے، تو ہدی کا لفظ جب ان پر بولا جاتا ہے تو بھیڑ بکری بھیجنا بھی جائز ہو گا۔ تو کہتے ہیں: **وَالشَّاةُ أَدْنَاهُ**، اور بھیڑ بکری اس میں کم سے کم ہے۔ **وَتُجْزِيهِ الْبَقَرَةُ وَالْبَدَنَةُ كَمَا فِي الضَّحَايَا**، اور کافی ہے اس کے لیے گائے بیل، **وَالْبَدَنَةُ** اور اونٹ، **كَمَا فِي الضَّحَايَا** جیسے کہ قربانی میں ہوتا ہے۔ جیسے قربانیوں کے اندر یہ جائز ہیں اسی طرح یہاں بھی یہ جائز ہیں۔

اور **وَتُجْزِيهِ الْبَقَرَةُ وَالْبَدَنَةُ**، آگے عبارت ہے کسی کی کتاب میں؟ وسبعهما۔ چلیے بہر حال یاد رکھیے بعض ہدایہ کے بعض نسخوں میں **وَسُبْعُهُمَا** کا لفظ بھی ہے کہ بقرہ یا بدنہ یا ان کا ساتواں حصہ بھی کافی ہے، جیسے کس میں ہے؟ ضحایا یعنی قربانی کے جانوروں میں ہے بھئی۔

وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِمَا ذَكَرْنَا، آگے یہ ذکر کر رہے ہیں کہ متن میں تو آیا تھا کہ اس آدمی سے کہا جائے گا ایک بھیڑ بکری بھیج دو، تو اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ عین بھیڑ بکری کو ہی بھیجے گا اور یہ اس پر لازمی ہے، بلکہ بھیڑ بکری کو بھی بھیج سکتا ہے اور اس کی قیمت بھی بھیج سکتا ہے۔ کہتے ہیں: **وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِمَا ذَكَرْنَا بَعْثَ الشَّاةِ بِعَيْنِهَا**، اور وہ جو ہم نے ذکر کیا اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ معین طور پر بھیڑ بکری کو بھیجے، **لِأَنَّ ذَلِكَ قَدْ يَتَعَذَّرُ**، اس لیے کیونکہ کبھی کبھار یہ مشکل ہو جاتا ہے، **بَلْ لَهُ أَنْ يَبْعَثَ بِالْقِيمَةِ**، بلکہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قیمت بھیج دے، **حَتَّى تُشْتَرَى الشَّاةُ هُنَالِكَ**، یہاں تک کہ اس سے بھیڑ بکری وہاں پر خرید لی جائے، **وَتُذْبَحَ عَنْهُ**، اور اس کی طرف سے ذبح کر لی جائے، تو معلوم ہوا قیمت بھیجنا بھی جائز ہے۔

وَقَوْلُهُ: «ثُمَّ تَحَلَّلْ»، اور ماتن کا قول جو ہے، متن میں جو آیا تھا **«ثُمَّ تَحَلَّلْ»** پھر تم حلال ہو جاؤ، کہتے ہیں: اشارۃ یہ قول جو ہے اشارہ ہے اس بات کی طرف: **إِلَى أَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ الْحَلْقُ أَوِ التَّقْصِيرُ**، کہ اس شخص پر، یہ جو حلال ہونے والا ہے، یہ جو محصر ہے، اس پر حلق یا تقصیر واجب نہیں۔ سر منڈوانا یا سر کے بال چھوٹے کروانا اس پر واجب نہیں ہے بھئی۔

وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى، اور یہی قول ہے طرفین رحمہما اللہ کا۔ **وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ ذَلِكَ،**

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۲۳۲): «أو سبعهما»۔ • شاملہ (ص ۲۳۲) میں «وَيَجُوزُ» کے بجائے «وتجوز» درج ہے۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس پر حلق یا تقصیر واجب ہے۔ **وَلَوْ لَمْ يَفْعَلْ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ،** اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو بھی اس پر کچھ نہیں ہے، ہے اس پر واجب لیکن اگر وہ نہ بھی کرے تو اس پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہے۔

دلیل ان کی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی، وہ فرماتے ہیں: **لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَلَقَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ وَكَانَ مُحْصَرًا بِهَا وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِذَلِكَ،** وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حدیبیہ کے سال حلق کروایا تھا جب آپ محصر ہو گئے تھے، مشرکین نے عمرے کی اجازت نہیں دی تھی تو آپ نے حلق کروایا تھا، **وَكَانَ مُحْصَرًا بِهَا،** اور آپ حدیبیہ میں محصر تھے، **وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِذَلِكَ،** اور آپ نے اپنے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔

وَلَهُمَا، اور طرفین کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْحَلْقَ إِنَّمَا عُرِفَ قُرْبَةً مُرَتَّبًا عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ فَلَا يَكُونُ نُسُكًا قَبْلَهَا،** طرفین فرماتے ہیں کہ حلق یا قصر جو ہے یہ عبادت ہے لیکن یہ عبادت اس وقت ہے جب یہ حج کے افعال پر مرتب ہو، یعنی حج کے افعال کے بعد کوئی شخص کیا کرے؟ حلق یا قصر کروائے تو تب تو اس کو عبادت جانا گیا ہے، لہٰذا اس سے پہلے اگر کوئی حلق یا قصر کرواتا ہے تو وہ عبادت نہیں۔ اور یہاں پر تو یہ شخص محصر ہے، اس نے تو حج یا عمرے کے افعال نہیں کیے، لہٰذا اس کے لیے حلق یا قصر عبادت نہیں تو اس پر لازم نہیں ہے بھئی۔ تو **وَلَهُمَا** اور طرفین کی دلیل یہ ہے: **أَنَّ الْحَلْقَ إِنَّمَا عُرِفَ قُرْبَةً مُرَتَّبًا عَلَى أَفْعَالِ الْحَجِّ،** کہ حلق جو ہے اس کو جانا گیا ہے ایسی عبادت کے طور پر جو مرتب ہوتی ہے حج کے افعال پر، **فَلَا يَكُونُ نُسُكًا قَبْلَهَا،** تو لہٰذا یہ ان افعالِ حج سے پہلے عبادت نہیں ہو گی۔

وَفَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ لِيُعْرَفَ اسْتِحْكَامُ عَزِيمَتِهِمْ عَلَى انْصِرَامِ، اور اب آگے جواب دے رہے ہیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل کا، انہوں نے کیا ذکر کیا کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ نے حلق کروایا تھا؟ تو کہتے ہیں: اور حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ نے حلق کروایا **لِيُعْرَفَ اسْتِحْكَامُ عَزِيمَتِهِمْ عَلَى انْصِرَامِ،** انصرام ہے آپ کی کتابوں میں؟ انصراف نہیں ہے کسی کی کتاب میں؟ انصراف ہے؟ ہاں، یہ انصراف ہونا چاہیے، میم نہیں ہے بلکہ فا ہے۔ انصراف کا معنی: پلٹنا، پلٹنا بھئی، پھر جانا، واپس ہونا۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے یہ حلق اس لیے کروایا تھا تاکہ مشرکین کو بھی پتہ چل جائے کہ انہوں نے حلق کروالیا ہے، معلوم ہوا ان کا واپس جانے کا پکا ارادہ ہے۔ ویسے تو حلق کب کرواتے تھے؟ عمرے کے بعد کرواتے ہیں، لیکن یہاں حضور علیہ السلام نے خود بھی کیا اور صحابہ کو بھی حکم دیا کس لیے؟ تاکہ ان کو پتہ چل جائے، ان کو خبر مل جائے کہ انہوں نے حلق بھی کروا دیا ہے، تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ اب مسلمان واقعی واپس جا رہے ہیں، اب ان کا عمرے کا ارادہ نہیں ہے، اگر عمرے کا ارادہ ہوتا تو یہ پہلے حلق نہ کرواتے۔ اور یہ اس لیے کیا تاکہ ان کو خبر مل جائے اور وہ کہیں پھر کوئی تکلیف وغیرہ نہ پہنچائیں بھئی مسلمانوں کو، سمجھ میں آیا؟ تو کہتے ہیں: **وَفَعَلَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ،** اور کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ نے، **لِيُعْرَفَ اسْتِحْكَامُ عَزِيمَتِهِمْ،** تاکہ جان لیا جائے ان کے ارادے کے پکا ہونے کو، **عَلَى انْصِرَافِ،** کس چیز پر؟ پلٹ جانے پر، پھر جانے پر کہ یہ اب واپس جا رہے ہیں، تاکہ ان کو پتہ چل جائے اور وہ پھر مسلمانوں کو کوئی تکلیف وغیرہ نہ پہنچائیں بھئی۔

قَالَ: وَإِنْ كَانَ قَارِنًا بَعَثَ بِدَمَيْنِ لِاحْتِيَاجِهِ إِلَى التَّحَلُّلِ عَنْ إِحْرَامَيْنِ۔ بھئی جو شخص محصر ہوا حج یا عمرے سے، وہ کیا کرے گا؟ ایک ہدی بھیجے گا، لیکن اگر وہ شخص حج قران کرنے والا تھا جو محصر ہے، اس کا ارادہ حج قران کا تھا تو اس نے تو حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھا ہے، لہٰذا اب اس کے لیے ایک بھیڑ بکری کافی نہیں بلکہ اس پر دو دم آئیں گے، تو وہ دو جانور بھیجے گا یا وہاں پر قیمت دے دے، دو حصے کروا دے گا گائے یا اونٹ کے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: **وَإِنْ كَانَ قَارِنًا،** اور محصر اگر وہ حج قران کرنے والا تھا، **بَعَثَ بِدَمَيْنِ،** تو وہ دو دم بھیجے گا، **لِاحْتِيَاجِهِ إِلَى التَّحَلُّلِ عَنْ إِحْرَامَيْنِ،** اس لیے کیونکہ وہ محتاج ہے دو احراموں سے حلال ہونے کا، تو دونوں کے لیے ایک ایک ہدی بھیجے۔

فَإِنْ بَعَثَ بِهَدْيٍ وَاحِدٍ لِيَتَحَلَّلَ عَنِ الْحَجِّ وَيَبْقَى فِي إِحْرَامِ الْعُمْرَةِ لَمْ يَتَحَلَّلْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا۔ صورت یہ کہ حج قران والا تھا، وہ محصر ہو گیا۔ اب حج کے تو مخصوص دن ہیں اور وہ گزر جائیں گے تو پھر تو حج فوت ہو جائے گا، تو اس نے کیا کیا ایک ہدی وہ بھیج دیتا ہے کہ چلو یہ حج کا جو احرام ہے اس سے میں حلال ہو جاتا ہوں اور عمرہ تو میں پھر بھی کر لوں گا چند دن ٹھہر کر بھی، تو کہتے ہیں: نہیں بھئی، یہ دونوں احرام اکٹھے باندھے گئے تھے اور ان سے اکٹھا ہی حلال ہوا جاتا ہے، یہ نہیں کہ ایک سے حلال ہو جائے اور دوسرا باقی رہے، لہٰذا ایک جانور بھیج دے گا تو بھی کوئی ایک احرام بھی اس کا ختم نہیں ہو گا کیونکہ دونوں سے اکٹھا حلال ہوا جاتا ہے، الگ الگ نہیں، لہٰذا ایک جانور بھیج بھی دے گا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، دونوں احرام اسی طرح باقی رہیں گے۔ تو کہتے ہیں: **فَإِنْ بَعَثَ بِهَدْيٍ وَاحِدٍ،** اگر اس نے ایک ہی ہدی بھیجی، **لِيَتَحَلَّلَ عَنِ الْحَجِّ،** تاکہ وہ حج سے حلال ہو جائے، **وَيَبْقَى فِي إِحْرَامِ الْعُمْرَةِ،** اور باقی رہے عمرے کے احرام میں، **لَمْ يَتَحَلَّلْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا،** تو وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے بھی حلال نہیں ہو گا، **لِأَنَّ التَّحَلُّلَ مِنْهُمَا شُرِعَ فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ،** اس لیے کیونکہ ان دونوں سے حلال ہونا جو ہے مشروع ہوا ہے ایک ہی حالت میں، یعنی اکٹھا ہی۔

وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ دَمِ الْإِحْصَارِ إِلَّا فِي الْحَرَمِ، وَيَجُوزُ ذَبْحُهُ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ۔ کہتے ہیں: **وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ دَمِ الْإِحْصَارِ إِلَّا فِي الْحَرَمِ،** اور جائز نہیں ہے دمِ احصار کو ذبح کرنا سوائے حرم کے، وہ صرف وہیں ذبح کر سکتے ہیں۔ **وَيَجُوزُ ذَبْحُهُ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ،** اور جائز ہے اس کو یوم النحر سے پہلے بھی ذبح کرنا امام صاحب کے نزدیک۔ **وَقَالَا: لَا يَجُوزُ الذَّبْحُ لِلْمُحْصَرِ بِالْحَجِّ إِلَّا**

فِي يَوْمِ النَّحْرِ، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ محصر بالحج جو ہے اس کے لیے ذبح جائز نہیں ہے مگر یوم النحر میں، اسی دن قربانی کروانا پڑے گی۔ **وَيَجُوزُ لِلْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ مَتَى شَاءَ،** اور محصر بالعمرہ کے لیے جائز ہے جب وہ چاہے ذبح کرواسکتا ہے، لیکن محصر بالحج کے لیے کیا ضروری؟ یوم النحر والا دن ضروری ہے بھئی۔

اعْتِبَارًا بِهَدْيِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ، قیاس کرتے ہوئے متعہ اور قران کی ہدی پر۔ صاحبین قیاس کرتے ہیں اس دمِ احصار کو دمِ متعہ پر یعنی وہ جو تمتع والا قربانی کرتا ہے، یا دمِ قران پر جو قران والا کیا کرتا ہے؟ قربانی، اور حجِ تمتع اور حجِ قران کرنے والا وہ کس دن قربانی کرتا ہے؟ وہ تو یوم النحر والے دن کرتا ہے، تو اسی پر وہ قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ محصر جو دم بھیج رہا ہے یہ بھی کس دن کرنا ضروری؟ یوم النحر والے دن بھئی۔ یہ معنی ہے: **اعْتِبَارًا بِهَدْيِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ،** قیاس کرتے ہوئے متعہ یعنی تمتع اور قران کی ہدی پر۔

وَرُبَّمَا يَعْتَبِرَانِهِ بِالْحَلْقِ إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُحَلِّلٌ، اور بسا اوقات وہ اس کو قیاس کرتے ہیں حلق پر۔ اس دمِ محصر، یہ جو محصر نے قربانی بھیجی، اس کو وہ کس پر قیاس کرتے ہیں؟ حلق پر قیاس کرتے ہیں، **إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُحَلِّلٌ،** اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک حلال کرنے والا ہے۔ بھئی جو شخص حج کرتا ہے تو حج کے افعال جب پورے ہوگئے، یوم النحر والے دن پھر وہ کیا کرتا ہے؟ حلق کرتا ہے، کیا کرتا ہے؟ حلق کرواتا ہے، اور اس سے احرام ختم ہو جاتا ہے تو وہ حلال ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا حلق محلل ہے، اس شخص کو حلال کرنے والا ہے، یعنی اس کو احرام سے نکالنے والا ہے۔ اسی طرح یہ دمِ محصر بھی کیا ہے؟ یہ جس دن ذبح ہو گا اس دن یہ شخص احرام سے نکل جائے گا یہ محصر جو ہے، تو حلق بھی محلل اور یہ دمِ احصار بھی محلل، اور حلق تو کس دن کیا جاتا ہے؟ یوم النحر والے دن، تو لہٰذا دمِ احصار بھی کس دن ذبح کیا جائے گا؟ یوم النحر والے دن۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: **وَرُبَّمَا يَعْتَبِرَانِهِ بِالْحَلْقِ إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُحَلِّلٌ،** اور بسا اوقات صاحبین اس کو قیاس کرتے ہیں حلق پر اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک محلل ہے یعنی حلق اور یہ ذبح جو ہے۔

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے، امام صاحب کیا فرماتے تھے؟ یوم النحر سے پہلے بھی ذبح کرواسکتا ہے، جب چاہے۔ تو امام صاحب کی دلیل یہ ہے: **أَنَّهُ دَمُ كَفَّارَةٍ حَتَّى لَا يَجُوزَ الْأَكْلُ مِنْهُ فَيَخْتَصُّ بِالْمَكَانِ دُونَ الزَّمَانِ كَسَائِرِ دِمَاءِ الْكَفَّارَاتِ،** کہ یہ دمِ کفارہ ہے، حتیٰ کہ اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے اس کے لیے، تو یہ جگہ کے ساتھ خاص ہو گا نہ کہ زمانے کے ساتھ، جیسے کہ تمام کفارات کے دم ہیں۔ جیسے کفارات کے دم ہیں جتنے بھی وہ سارے جس جب بھی کرنا چاہے یوم النحر سے پہلے بھی کرنا چاہے تو ان کو ذبح کرواسکتا ہے، بلکہ پہلے کروانا بہتر ہے تاکہ جلدی سے جلدی جنایت کی تلافی ہو جائے اور یہ گوشت فقراء تک پہنچ جائے۔ تو یہ معنی ہے کہ یہ جو ہے یہ دمِ کفارہ ہے، یہاں تک کہ اس میں سے کھانا اس کے لیے جائز نہیں ہے، تو یہ جگہ یعنی حرم کے ساتھ تو خاص ہو گا زمانے کے ساتھ یعنی یوم النحر کے ساتھ یہ خاص نہیں ہو گا، **كَسَائِرِ دِمَاءِ الْكَفَّارَاتِ** جیسے کہ کفارات کے سارے دم ہیں۔

بِخِلَافِ دَمِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ لِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ، بخلاف دمِ متعہ اور قران کے، اس لیے کیونکہ وہ تو عبادت کے دم ہیں، وہ تو بطورِ شکر کے ہیں، لہٰذا ان پر آپ اس کو قیاس نہیں کر سکتے، یہ دمِ کفارہ اور وہ دمِ شکر، دونوں الگ چیزیں ہیں۔

وَبِخِلَافِ الْحَلْقِ، اور صاحبین نے کس پر قیاس کیا تھا؟ حلق پر، اور حلق پر بھی کہتے ہیں قیاس نہیں کر سکتے: **لِأَنَّهُ فِي أَوَانِهِ،** اس لیے کیونکہ حلق تو اپنے وقت پر ہوا ہے کیونکہ وہ یوم النحر یہ وقت ہی کس چیز کا ہے؟ حلق کا ہے، کیونکہ وہ حج کا رکنِ اعظم یعنی وقوفِ عرفہ ادا کر چکا ہے، کیا کر چکا ہے؟ وقوفِ عرفات ادا کر چکا ہے اور اب یہ حلق ہی کا وقت ہے، تو لہٰذا وہ یوم النحر والے دن ہی کروائے گا کیونکہ اس سے پہلے تو ابھی اس کا وقت ہی نہیں آیا تھا حلق کا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا حلق کا تو وہ وقت ہے جبکہ اس دم کا تو کوئی وقت نہیں ہے، یہ پہلے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ معنی ہے: **وَبِخِلَافِ الْحَلْقِ لِأَنَّهُ فِي أَوَانِهِ،** اور بخلاف حلق کے اس لیے کیونکہ حلق تو اپنے وقت میں ہے، **لِأَنَّ مُعْظَمَ أَفْعَالِ الْحَجِّ وَهُوَ الْوُقُوفُ يَنْتَهِي بِهِ،** اس لیے کیونکہ حج کے افعال میں جو سب سے بڑا فعل ہے، **وَهُوَ الْوُقُوفُ** اور وہ وقوف ہے، **يَنْتَهِي بِهِ** وہ اس حلق کے ذریعے پورا ہو جاتا ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ وہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے یعنی پورا ہو جاتا ہے۔

قَالَ، صاحبِ قدوری فرماتے ہیں: **وَالْمُحْصَرُ بِالْحَجِّ إِذَا تَحَلَّلَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ،** اور محصر بالحج جب وہ حلال ہو جائے تو اس پر ایک حج ہے اور ایک عمرہ ہے۔ **هَكَذَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ،** اسی طرح روایت کیا گیا ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھئی۔ **وَلِأَنَّ الْحَجَّةَ يَجِبُ قَضَاؤُهَا لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ وَالْعُمْرَةُ لِمَا أَنَّهُ فِي مَعْنَى فَائِتِ الْحَجِّ۔** ایک تو عقلی دلیل ذکر کر دی کہ محصر بالحج کیا کرے گا؟ جب حلال ہو جائے گا تو پھر اس پر ایک حج بھی واجب اور ایک عمرہ بھی واجب۔ نقلی دلیل ذکر کر دی کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی طرح روایت ہے۔ اور نیز عقلی دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: حج کی قضا تو اس لیے کیونکہ اس نے حج کا احرام جب باندھا تھا حج شروع کر دیا تھا تو حج اس پر لازم ہو گیا، اور عمرہ کس لیے لازم؟ کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ یہ فائت الحج کے معنی میں ہے، وہ شخص جس کا حج فوت ہو جائے یعنی وقوفِ عرفہ رہ جائے، اور جس کا وقوفِ عرفہ رہ جاتا ہے وہ پھر احرام سے کس طرح حلال ہوتا ہے؟ عمرہ کر کے حلال ہوتا ہے، تو یہ شخص اس کا بھی جب یہ محصر ہو گیا وقوفِ عرفہ رہ جائے گا یا نہیں رہ جائے گا؟ تو یہ بھی فائت الحج کی طرح ہوا اور فائت الحج پر تو عمرہ ہوتا ہے، لہٰذا اس پر بھی کیا واجب ہو گا؟ ایک عمرہ واجب ہو گا، تو ایک حج بھی اس کے ذمے اور عمرہ بھی۔ **وَلِأَنَّ الْحَجَّةَ يَجِبُ قَضَاؤُهَا لِصِحَّةِ الشُّرُوعِ،** اور اس لیے کیونکہ حج جو ہے اس کی قضا واجب ہے شروع کے صحیح ہونے کی وجہ سے،

وَالْعُمْرَةُ لِمَا أَنَّهُ فِي مَعْنَى فَائِتِ الْحَجِّ، اور عمرہ بھی اس پر واجب ہے اس وجہ سے کہ یہ شخص جو ہے حج کو فوت کر دینے والے کے معنی میں ہے۔

وَعَلَى الْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ الْقَضَاءُ، اور محصر بالعمرہ پر اس کی قضا ہے۔ یہ تو محصر بالحج کی بات ختم ہوئی، اب محصر بالعمرہ کی بات آئی۔ کوئی شخص عمرے پر جا رہا تھا احرام باندھ لیا اور پھر کسی مرض یا دشمن کی وجہ سے روک دیا گیا تو یہ محصر بالعمرہ ہے اور یہ بھی اسی طرح قربانی کا جانور بھیجے گا اور پھر جب وہ جانور ذبح ہو جائے تو یہ حلال ہو جائے گا اور اس کے ذمہ اس عمرے کی قضا ہے، کیونکہ اس عمرے کا اس نے احرام باندھا تھا تو عمرہ کیا ہوا اس کے ذمے؟ لازم ہو گیا۔ **وَعَلَى الْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ الْقَضَاءُ**، اور محصر بالعمرہ پر اس عمرے کی قضا ہے۔

وَالْإِحْصَارُ عَنْهَا يَتَحَقَّقُ عِنْدَنَا، اور اچھا بھئی، کوئی محصر بالعمرہ ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ محصر بالحج تو بالاتفاق ہو سکتا ہے اس لیے کیونکہ حج کے مخصوص ایام ہیں۔ اگر ایک شخص کو دشمن نے روک دیا یا مرض نے روک دیا اور پھر وہ حج گزر گیا تو کب آئے گا حج؟ اگلے سال آئے گا حج بھئی، تو یہ تو بڑا المباز مانہ ہے، لہٰذا حج سے تو احصار ہو سکتا ہے۔ اور عمرے کے اندر احصار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، عمرے سے احصار نہیں ہو سکتا اس لیے کیونکہ عمرہ تو سارا سال جائز ہے، تاخیر ہو جائے گی خیر ہے لیکن احصار نہیں ہو سکتا۔ ہم کہتے ہیں: نہیں، عمرے سے بھی احصار ہو سکتا ہے جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر، وہاں حضور علیہ السلام عمرہ ادا کرنے ہی تشریف لائے تھے اور دشمنوں نے عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی بھئی، تو وہ محصر بالعمرہ ہی تھے بھئی۔ **وَالْإِحْصَارُ عَنْهَا يَتَحَقَّقُ عِنْدَنَا**، اور احصار عن العمرہ جو ہے یہ ہو سکتا ہے ہمارے نزدیک، اس کا تحقق ہو سکتا ہے ہمارے نزدیک۔ **وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَتَحَقَّقُ**، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا تحقق نہیں ہو سکتا، یعنی احصار عن العمرہ کا تحقق نہیں ہو سکتا یعنی یہ نہیں ہو سکتا، **لِأَنَّهَا لَا تَتَوَقَّتُ**، اس لیے کیونکہ یہ کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں۔ **وَلَنَا**، اور ہماری دلیل یہ ہے: **أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابَهُ أُحْصِرُوا بِالْحُدَيْبِيَةِ وَكَانُوا عُمَّارًا**، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جو ہیں محصر ہوئے تھے حدیبیہ میں اور وہ عمرہ کرنے والے تھے، وہ کس لیے آئے تھے؟ عمرہ کرنے آئے تھے۔ **وَلِأَنَّ شَرْعَ التَّحَلُّلِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ**، اور اس لیے کیونکہ یہ حلال ہونے کا مشروع ہونا، یہ جو حلال ہونا جائز ہے کس کے لیے؟ محصر کے لیے، تو یہ حلال ہونے کا جواز جو ہے **لِدَفْعِ الْحَرَجِ** یہ کس لیے ہے؟ حرج کو دور کرنے کے لیے ہے، **وَهَذَا مَوْجُودٌ فِي إِحْرَامِ الْعُمْرَةِ**، اور یہ تو عمرے کے احرام میں بھی موجود ہے کہ اس کے اندر بھی پھر احرام لمبا ہو جائے گا۔

وَإِذَا تَحَقَّقَ الْإِحْصَارُ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ إِذَا تَحَلَّلَ كَمَا فِي الْحَجِّ، اور جب احصار کا تحقق ہو جائے یعنی جب احصار عن العمرہ پایا جائے، **فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ** تو اس شخص پر اس کے عمرے کی قضا واجب ہے، **إِذَا تَحَلَّلَ** جب یہ حلال ہو جائے، **كَمَا فِي الْحَجِّ** جیسے کہ حج میں حج کی قضا ہوتی ہے۔

وَعَلَى الْقَارِنِ حَجٌّ وَعُمْرَتَانِ، اور قارن پر حج اور دو عمرے ہیں۔ محصر ہو گیا حج قران کرنے والا، تو جو حج سے محصر ہوتا تھا اس پر کیا آتا تھا؟ ایک حج اور ایک عمرہ، اور ایک عمرے کا تو اس نے احرام باندھا بھی ہوا ہے، وہ عمرہ بھی اس پر آ جائے گا تو کتنے ہو گئے؟ ایک حج اور دو عمرے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ صرف محصر بالحج ہوتا تھا تو اس پر ایک حج اور ایک عمرہ، اور اس کا جو حج رہ گیا اس کی وجہ سے حج کی وجہ سے ایک حج آیا اس پر اور ایک عمرہ، اور دوسرا یہ حج قران والا ہے اس نے تو عمرے کا بھی احرام باندھ رکھا ہے تو عمرے کی قضا بھی آ جائے گی، تو دو عمرے اور ایک حج۔ یہ معنی ہے: **وَعَلَى الْقَارِنِ حَجٌّ وَعُمْرَتَانِ**، اور قارن پر جو ہیں ایک حج اور دو عمرے ہیں۔ **أَمَّا الْحَجُّ وَإِحْدَاهُمَا فَلِمَا بَيَّنَّا**، باقی ایک حج اور عمروں میں سے ایک جو ہے **فَلِمَا بَيَّنَّا** اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی کہ حج افراد والا اگر محصر ہو جائے تو اس پر کیا آتا ہے؟ ایک حج اور ایک عمرہ۔ **وَالثَّانِيَةُ**، اور دوسرا عمرہ جو ہے: **لِأَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا بَعْدَ صِحَّةِ الشُّرُوعِ**، اس لیے کیونکہ یہ اس عمرے سے نکل گیا بعد اس کے شروع کے صحیح ہونے کے، اس کا شروع کرنا صحیح تھا اور اس کے بعد یہ اس عمرے سے نکل گیا تو اس کی بھی قضا آئے گی۔

فَإِنْ بَعَثَ الْقَارِنُ هَدْيًا وَوَاعَدَهُمْ أَنْ يَذْبَحُوهُ فِي يَوْمٍ بِعَيْنِهِ ثُمَّ زَالَ الْإِحْصَارُ فَإِنْ كَانَ لَا يُدْرِكُ الْحَجَّ وَالْهَدْيَ۔ اچھا بھئی، یہاں سے مختلف صورتیں ذکر کر رہے ہیں۔ حج قران والا تھا اور اس نے وہ محصر ہو گیا اور اس نے ہدی بھجوا دی اور بھیجنے والے سے ایک معین دن کا وعدہ لے لیا کہ فلاں دن پہنچ کر تم نے اس جانور کو ذبح کرنا ہے، ذبح کرنا ہے۔ وہ شخص اس سے قربانی کا جانور لے کر چل پڑا یا اس کی قیمت لے کر چل پڑا۔ ادھر احصار ختم ہو گیا، وہ دشمن چلا گیا یا یہ بیمار تھا وہ بیماری ختم ہوئی، یہ ٹھیک ہو گیا۔ تو اب چار صورتیں بنتی ہیں۔ ایک صورت یہ کہ اگر یہ اب چلتا ہے تو اپنی قربانی کے جانور کو بھی پالے گا اور حج کو بھی پالے گا، دونوں کو پا لیتا ہے، ایک صورت۔ دوسری صورت: نہ قربانی کے جانور کو پا سکتا ہے اور نہ حج کو پا سکتا ہے۔ تیسری صورت: قربانی کے جانور کو تو پا سکتا ہے لیکن حج کو نہیں پا سکتا۔ چوتھی صورت: حج کو پا سکتا ہے لیکن قربانی کے جانور کو نہیں پا سکتا۔ تو یہ چار صورتیں ذکر ہوں گی اور ہر ایک کا حکم بیان کریں گے۔

تو کہتے ہیں: **فَإِنْ بَعَثَ الْقَارِنُ هَدْيًا**، اور اگر قارن نے ہدی بھیجی، **وَوَاعَدَهُمْ أَنْ يَذْبَحُوهُ فِي يَوْمٍ بِعَيْنِهِ**، اور ان لوگوں سے وعدہ لے لیا کہ وہ اس کو ذبح کریں گے ایک معین دن میں، **ثُمَّ زَالَ الْإِحْصَارُ**، پھر وہ احصار ختم ہو گیا، وہ رکاوٹ جو تھی وہ ختم ہو گئی، **فَإِنْ كَانَ لَا يُدْرِكُ الْحَجَّ وَالْهَدْيَ**، پس اگر یہ شخص نہ تو حج کو پا سکتا ہے اور نہ ہدی کو، دونوں میں سے کسی کو نہیں پا سکتا، **لَا يَلْزَمُهُ أَنْ يَتَوَجَّهَ**، تو اس پر چلنا لازم نہیں ہے، یعنی اب اس کے لیے جانا لازم نہیں ہے، **بَلْ يَصْبِرُ حَتَّى يَتَحَلَّلَ بِنَحْرِ الْهَدْيِ**، بلکہ یہ صبر کرے گا یہاں تک کہ حلال ہو جائے گا ہدی کے نحر سے، اس کے ذبح سے۔ بس انتظار کرے یہیں پر، صبر کرے کیونکہ ہدی اور حج دونوں کو یہ پہنچ ہی نہیں سکتا تھا تو بس یہیں پر صبر سے انتظار کرے اور پھر جب وہ دن آ جائے جس دن وہ ہدی ذبح ہو جائے گی تو پھر حلال ہو جائے،

تو پھر حلال ہو جائے گا۔ **لِفَوَاتِ الْمَقْصُودِ مِنَ التَّوَجُّهِ**، اس لیے کیونکہ وہ جو توجہ سے مقصود تھا وہ فوت ہو گیا، اور وہ کیا تھا؟ **وَهُوَ أَدَاءُ الْأَفْعَالِ**، وہ تو حج کے افعال کا ادا کرنا تھا، وہ فوت ہو گیا۔ **وَإِنْ تَوَجَّهَ لِيَتَحَلَّلَ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ لَهُ ذَلِكَ**، بھئی یہ شخص چاہتا ہے کہ جائے، حج تو فوت ہو گیا، جا کر عمرہ کر کے حلال ہو جائے، کہتے ہیں: ہاں ایسا کر سکتا ہے، ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہے کیونکہ یہ فائت الحج کے معنی میں ہے، اس وہ شخص جس کا حج فوت ہو گیا ہو۔ تو کہتے ہیں: **وَإِنْ تَوَجَّهَ**، اور اگر یہ متوجہ ہوتا ہے یعنی چل پڑتا ہے، **لِيَتَحَلَّلَ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ**، تاکہ حلال ہو جائے عمرے کے افعال کے ذریعے، **لَهُ ذَلِكَ**، تو اس کے لیے یہ جائز ہے، **لِأَنَّهُ فَائِتُ الْحَجِّ**، اس لیے کیونکہ یہ حج کو فوت کرنے والا ہے۔

وَإِنْ كَانَ يُدْرِكُ الْحَجَّ وَالْهَدْيَ لَزِمَهُ التَّوَجُّهُ، اور اگر یہ حج اور ہدی دونوں کو پا سکتا ہے تو اس پر متوجہ ہونا اور چلنا لازم ہے، **لِزَوَالِ الْعَجْزِ**، اس لیے کیونکہ عاجزی ختم ہو گئی، پہلے تو جا ہی نہیں سکتا تھا عاجز تھا، اب عاجزی ختم ہو گئی، **قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْخَلَفِ**، نائب کے ذریعے مقصود کے حاصل ہونے سے پہلے ہی۔ بھئی دیکھیے، یہ ہدی کے ذریعے مقصد کیا تھا اس کا؟ تاکہ اس کے ذریعے حلال ہو گا، حلال ہو گا۔ اور کیوں حلال ہو گا؟ کیونکہ جا تو سکتا نہیں تھا جانے سے تو یہ عاجز تھا، لیکن اب اس کا عجز ختم ہو گیا اور ابھی اس نائب کے ذریعے مقصود حاصل نہیں ہوا۔ کیا نائب تھا؟ یہ جو ہدی بھیجی تھی یہ وہاں جا کر ذبح ہو گی اور پھر یہ کیا ہو جائے گا؟ حلال۔ تو اس نائب کے ذریعے بھی حلال ہونا حاصل نہیں ہوا تھا کہ اس سے پہلے ہی کیا ہو گیا؟ عجز ختم ہو گیا۔ جب عجز ختم ہو گیا اور مقصود بھی ابھی حاصل نہیں ہوا تو اس کے لیے جانا لازم ہے کہ جائے جا کر اب کیا کرے؟ افعال ادا کرے، حج کرے اور پھر اس کے بعد کیا ہو؟ حلال ہو جائے بھئی، دلیل سمجھ میں آ گئی؟ اب دوبارہ ترجمہ دیکھ لیجیے: **لِزَوَالِ الْعَجْزِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْخَلَفِ**، اس وجہ سے کہ نائب کے ذریعے مقصود کے حاصل ہونے سے پہلے ہی عجز ختم ہو گیا، اب ترجمہ سمجھ میں آیا؟

وَإِذَا أَدْرَكَ هَدْيَهُ صَنَعَ بِهِ مَا شَاءَ۔ اچھا بھئی، یہ چل پڑا، حج تو اس نے کر لیا، اپنی ہدی کو بھی پالیا ذبح سے پہلے ہی پہنچ گیا، ہدی اس کو مل گئی جو اس نے بھجوائی تھی، اب اس کا کیا کرے؟ یہ تو اس نے قربانی کے لیے بھیجا تھا جانور تو کیا قربانی کرنا ضروری ہے؟ کہتے ہیں: نہیں بھئی، یہ اس کی ملکیت ہے، جو چاہے اس کے ساتھ کرے، چاہے قربانی کرنا چاہتا ہے کر دے، چاہے بیچنا چاہتا ہے بیچ دے، چاہے صدقہ جو کرنا چاہے اس کا مال ہے جیسے عام مال اس کا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَإِذَا أَدْرَكَ هَدْيَهُ**، اور جب یہ اپنی ہدی کو پالے، **صَنَعَ بِهِ مَا شَاءَ**، تو اس کے ساتھ کرے جو چاہے، **لِأَنَّهُ مِلْكُهُ**، اس لیے کیونکہ یہ اس کی ملکیت ہے، **وَقَدْ كَانَ عَيَّنَهُ لِمَقْصُودٍ اسْتَغْنَى عَنْهُ**، اور تحقیق اس نے اس کو متعین کیا تھا ایسے مقصود کے لیے جس سے یہ بے نیاز ہو چکا ہے۔ اب تو اس کے اس کی ضرورت، یہ تو حلال ہونے کے لیے اس نے متعین کیا تھا لیکن وہ اس مقصود سے تو وہ بے نیاز ہو چکا ہے، اب اسے اس کی ضرورت نہیں۔

وَإِنْ كَانَ يُدْرِكُ الْهَدْيَ دُونَ الْحَجِّ، تیسری صورت آ گئی، وہ ہدی کو تو پا سکتا ہے، حج کو نہیں پا سکتا۔ تو کہتے ہیں: **وَإِنْ كَانَ يُدْرِكُ الْهَدْيَ دُونَ الْحَجِّ**، اگر وہ ہدی کو پا سکتا ہے نہ کہ حج کو، **يَتَحَلَّلُ**، تو حلال ہو جائے، **لِعَجْزِهِ عَنِ الْأَصْلِ**، اس لیے کیونکہ یہ اصل سے عاجز ہے، اصل کیا؟ حج، اصل تو مقصود اصل تو حج ہے تو اس سے یہ چونکہ عاجز ہے لہٰذا اس صورت میں بھی یہ حلال ہو جائے۔

وَإِنْ كَانَ يُدْرِكُ الْحَجَّ دُونَ الْهَدْيِ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ۔ چوتھی صورت، کہ احصار ختم ہوا اب یہ چلے گا، حج کو تو پا سکتا ہے لیکن ہدی کو نہیں پا سکتا، تو کہتے ہیں: اس صورت میں بھی اس کے لیے حلال ہونا جائز ہے۔ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اب اس کے لیے حلال ہونا جائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ احرام اس نے کس کے لیے باندھا تھا؟ حج کے لیے، اور حج پر تو اب یہ قادر ہو گیا ہے پہنچ کر ادا کر سکتا ہے، لہٰذا اب جانا چاہیے اور حج ادا کرنا چاہیے، لیکن استحساناً اس کے لیے جائز ہے کہ یہ اسی طرح ہدی جب ذبح ہو جائے یہ یہیں پر حلال، یعنی اس پر جانا لازم نہیں، چلا جائے تو افضل ہے لیکن جانا لازم نہیں۔ یہ معنی ہے: **وَإِنْ كَانَ يُدْرِكُ الْحَجَّ دُونَ الْهَدْيِ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ اسْتِحْسَانًا**، اور اگر یہ حج کو تو پا سکتا ہے نہ کہ ہدی کو تو اس کے لیے حلال ہونا جائز ہے استحساناً۔

وَهَذَا التَّقْسِيمُ لَا يَسْتَقِيمُ عَلَى قَوْلِهِمَا فِي الْمُحْصَرِ بِالْحَجِّ۔ صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ یہ چوتھ یہ تقسیم جو ہے یعنی یہ جو چوتھی قسم بن جاتی ہے اس کے اندر، یہ صاحبین کے قول پر درست نہیں رہتی محصر بالحج میں۔ یہ چوتھی صورت، کون سی ہے چوتھی صورت؟ کہ حج کو تو پا سکتا ہے، ہدی کو نہیں پا سکتا، یہ صاحبین کے قول پر یہ تقسیم درست نہیں رہتی، اس لیے کیونکہ صاحبین کے نزدیک محصر بالحج کی ہدی کب ذبح ہو گی؟ یوم النحر والے دن، اور یوم النحر تو یوم عرفہ کے بعد آئے گا اور یہ حج کو پانے پر جب قادر ہے معلوم ہوا یہ عرفہ تک، یوم عرفات تک پہنچ سکتا ہے، تو یہ تو نویں کو ہی وہاں پہنچنے پر قادر ہو گیا ہے، لہٰذا تو جب نویں کو پہنچ گیا تو ہدی نے تو دسویں تاریخ کو ذبح ہونا ہے، یہ اس کو بھی بطریق تو پھر تو جب حج کو یہ پالے گا تو یقیناً ہدی کو بھی پالے گا، حالانکہ ذکر کیا ہو رہا ہے؟ حج کو پالے اور ہدی کو نہ پا سکے، تو معلوم ہوا یہ صورت صاحبین کے قول کے مطابق نہیں بنتی بھئی۔ تو کہتے ہیں: **وَهَذَا التَّقْسِيمُ لَا يَسْتَقِيمُ عَلَى قَوْلِهِمَا فِي الْمُحْصَرِ بِالْحَجِّ**، اور یہ تقسیم درست نہیں رہتی صاحبین کے قول پر محصر بالحج میں، **لِأَنَّ دَمَ الْإِحْصَارِ عِنْدَهُمَا يَتَوَقَّتُ بِيَوْمِ النَّحْرِ**، اس لیے کیونکہ دم احصار جو ہے وہ صاحبین کے نزدیک مقید ہے یوم النحر کے ساتھ، **فَمَنْ يُدْرِكُ الْحَجَّ يُدْرِكُ الْهَدْيَ**، تو جو شخص حج کو پا سکتا ہے وہ ہدی کو بھی پا سکتا ہے، **وَإِنَّمَا يَسْتَقِيمُ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**، اور یہ تقسیم درست رہتی ہے امام صاحب کے قول پر۔ **وَفِي الْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ يَسْتَقِيمُ بِالِاتِّفَاقِ**، محصر بالعمرہ میں البتہ یہ تقسیم بالاتفاق درست رہے گی، **لِعَدَمِ تَوَقُّتِ الدَّمِ بِيَوْمِ النَّحْرِ**، اس لیے کیونکہ وہاں پر یوم النحر کے ساتھ یہ دم مقید نہیں ہے بھئی۔

وَجْهُ الْقِيَاسِ، بھئی انہوں نے کیا ذکر کیا؟ استحساناً اس کے لیے حلال ہونا جائز ہے، قیاس تو کیا تقاضا کرتا ہے؟ حلال ہونا جائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ حج پر قادر ہو گیا ہے۔ تو اب پہلے قیاس ذکر کریں گے اور پھر استحسان۔ **وَجْهُ الْقِيَاسِ،** قیاس کی وجہ جو ہے، **وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ،** اور یہی امام زفر کا بھی قول ہے، تو قیاس کی وجہ یہ ہے: **أَنَّهُ قَدَرَ عَلَى الْأَصْلِ،** کہ یہ شخص جو ہے اصل یعنی حج پر قادر ہو گیا، **وَهُوَ الْحَجُّ،** اور وہ حج ہے، **قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْبَدَلِ،** بدل کے ذریعے مقصود کے حاصل ہونے سے پہلے ہی، بدل کیا ہے؟ **وَهُوَ الْهَدْيُ،** اور وہ ہدی، تو ہدی کے ذریعے مقصود کے حاصل ہونے سے پہلے یہ حج پر قادر ہو گیا ہے۔

وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ، اور استحسان کی وجہ یہ ہے: **أَنَّا لَوْ أَلْزَمْنَاهُ التَّوَجُّهَ لَضَاعَ مَالُهُ،** اگر ہم اس پر چلنے کو لازم قرار دے دیں، متوجہ ہونے کو ہم اگر اس پر لازم قرار دے دیں، تو اس کا مال ضائع ہو جائے گا، کیونکہ ہدی کو تو یہ پا نہیں سکتا، حج کو پا سکتا ہے۔ ہدی کا اس نے کوئی دن پہلے ہی مقرر کیا تھا کہ چھ تاریخ کو ذبح کر دو گے یا سات کو ذبح کر دو گے، تو ہدی کو تو نہیں پا سکتا البتہ حج کو پا سکتا ہے۔ تو اس پر اگر ہم اس کو کہیں اس پر لازم کر دیں کہ حج پر اس کا جانا ضروری ہے تو اس صورت میں ہدی کو تو یہ نہیں پا سکے گا، وہ ہدی تو ویسے ہی ذبح ہو جائے گی تو اس کا مال ضائع ہو گا، مال ضائع ہو گا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور مال کی بھی اسی طرح حرمت ہے جس طرح جان کی حرمت ہے، جان کی حرمت ہے۔ تو کہتے ہیں استحسان کی وجہ یہ ہے: **أَنَّا لَوْ أَلْزَمْنَاهُ التَّوَجُّهَ لَضَاعَ مَالُهُ،** اگر ہم اس پر لازم کر دیں متوجہ ہونے کو تو البتہ اس کا مال ضائع ہو گا، **لِأَنَّ الْمَبْعُوثَ عَلَى يَدَيْهِ الْهَدْيُ لَيَذْبَحُهُ وَلَا يَحْصُلُ مَقْصُودُهُ۔** ترجمے پہ نظر رکھنا: **لِأَنَّ الْمَبْعُوثَ،** اس لیے کیونکہ وہ شخص، **عَلَى يَدَيْهِ،** جس کے ہاتھوں پر، **الْهَدْيُ،** ہدی کو، **لَيَذْبَحُهُ،** وہ کیا کرے گا؟ وہ اس کو ذبح کر دے گا، **وَلَا يَحْصُلُ مَقْصُودُهُ،** اور اس شخص کا مقصود بھی حاصل نہیں ہو گا، یہ تو کیا چاہتا تھا؟ اس ہدی کے حلال ہونے، اس ہدی کے ذبح ہونے پر حلال ہو جائے، اور ہم اس پر کیا کر دیں؟ حلال نہیں ہو سکتے، تمہیں جا کر حج کرنا پڑے گا، تو اس صورت میں وہ شخص جس کے ہاتھ پر اس نے ہدی کو بھیجا تھا **لَيَذْبَحُهُ** وہ کیا کرے گا؟ اس کو ذبح کر دے گا، **وَلَا يَحْصُلُ مَقْصُودُهُ،** اور اس بھیجنے والے کا مقصود بھی حاصل نہیں ہو گا کیونکہ اس پر تو ہم نے کیا لازم کر دیا؟ حج، تو اس صورت میں اس کا مال ضائع ہو گا۔ **وَحُرْمَةُ الْمَالِ كَحُرْمَةِ النَّفْسِ،** اور مال کی حرمت بھی اسی طرح ہے جیسے نفس کی حرمت ہے، مال بھی اسی طرح معزز اور محترم ہے جیسے کہ جان معزز اور محترم ہے، جیسے جان کو بچانا ضروری ہے اسی طرح مال کو بھی بچانا ضروری ہے بھئی۔

وَلَهُ الْخِيَارُ، اب اس آدمی کو اختیار ہے، کون سا آدمی؟ جو حج کو تو پا سکتا ہے لیکن ہدی کو نہیں پا سکتا۔ **وَلَهُ الْخِيَارُ،** اس کو اختیار ہے: **إِنْ شَاءَ صَبَرَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ،** چاہے تو اسی جگہ پر صبر کرے یعنی حج کے لیے نہ جائے، یہیں صبر کر لے، **أَوْ فِي غَيْرِهِ،** یا اس جگہ کے علاوہ کہیں اور صبر کر لے، **لِيُذْبَحَ عَنْهُ،** تاکہ اس کی طرف سے وہ جانور ذبح کر دیا جائے، **فَيَتَحَلَّلَ،** پھر یہ کیا ہو؟ حلال ہو جائے۔ **وَإِنْ شَاءَ تَوَجَّهَ لِيُؤَدِّيَ النُّسُكَ الَّذِي الْتَزَمَهُ بِالْإِحْرَامِ،** اور اگر چاہے تو یہ متوجہ ہو جائے تاکہ ادا کر دے عبادت کو، وہ عبادت جس کو اس نے اپنے اوپر احرام کے ذریعے لازم کیا تھا۔ **وَهُوَ أَفْضَلُ،** اور یہی افضل اور یہ افضل ہے یعنی متوجہ ہونا اور چل پڑنا افضل ہے، **لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْوَفَاءِ بِمَا وَعَدَ،** اس لیے کیونکہ یہ زیادہ قریب ہے اس چیز کے پورا کرنے کے جس کا اس نے وعدہ کیا تھا، اس نے بھی کیا وعدہ کیا تھا؟ جب اس نے احرام باندھ لیا تھا تو گویا وعدہ کر لیا کہ میں حج کروں گا جا کر۔

وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ ثُمَّ أُحْصِرَ لَا يَكُونُ مُحْصَرًا لِوُقُوعِ الْأَمْنِ عَنِ الْفَوَاتِ۔ اور جس شخص نے وقوفِ عرفات کر لیا، **ثُمَّ أُحْصِرَ** پھر اس کو روک دیا گیا، **لَا يَكُونُ مُحْصَرًا** تو یہ محصر نہیں ہے، **لِوُقُوعِ الْأَمْنِ عَنِ الْفَوَاتِ** اس لیے کیونکہ حج کے فوت ہو جانے سے امن واقع ہو گیا۔ جب وقوفِ عرفہ کر لیا اب تو حج فوت نہیں ہو سکتا، باقی افعال میں تاخیر بھی ہو جائے اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اس صورت میں اس کو محصر نہیں کہیں گے کیونکہ حج کے فوت ہونے سے امن حاصل ہو گیا۔ امن حاصل ہو گیا کیونکہ وقوفِ عرفات جب کر لیا تو حج تو ہو گیا، اب تو فوت ہونے کی کوئی صورت نہیں حج کے، سمجھ میں آیا؟ اور جو محصر تھا وہ تو حج پر جا ہی نہیں سکتا تھا، سمجھ میں آیا بھئی؟ اس کا تو حج رہ جاتا تھا تو یہ زیادہ سے زیادہ اس میں تاخیر ہو گی۔

وَمَنْ أُحْصِرَ بِمَكَّةَ وَهُوَ مَمْنُوعٌ۔ صورت مسئلہ یہ: ایک شخص مکہ میں روک دیا گیا، نہ تو وہ طواف کر سکتا ہے اور نہ وقوف کر سکتا ہے، تو اس کو محصر کہیں گے، کیا کہیں گے؟ محصر کہیں گے، محصر کہیں گے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی وہ قادر ہو تو اس کو محصر نہیں کہیں گے، اس کو محصر نہیں کہیں گے۔ اگر دونوں سے روکا گیا ہے طواف سے بھی اور وقوفِ عرفہ سے بھی پھر تو محصر کہیں گے، اس لیے کیونکہ جب وقوف نہیں کر سکتا تو حج کو پورا نہیں کر سکتا، جب حج کو پورا نہیں کر سکتا اور پھر دوسری صورت کیا تھی؟ حج فوت ہو جاتا ہے تو پھر انسان کیا کرتا ہے؟ عمرہ کر کے حلال ہوتا ہے، ادھر طواف بھی یہ نہیں کر سکتا کہ عمرے کے افعال کے ذریعے حلال ہو جائے، لہٰذا اس کو کیا کہیں گے؟ محصر کہیں گے۔ یہ کیا کر سکتا ہے؟ ہدی وغیرہ کے ذریعے حلال ہو سکتا ہے، مسئلہ سمجھ میں آیا؟ ہاں۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی وہ قادر ہوا، چاہے وقوفِ عرفہ پر قادر ہو چاہے طواف پر، تو یہ محصر نہیں، لہٰذا یہ ہدی کے ذریعے حلال نہیں ہو سکتا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ بھئی کیوں نہیں ہو سکتا؟ وجہ یہ کہ اگر اس کو صرف طواف سے روکا گیا ہے، وقوف کر سکتا ہے وقوفِ عرفہ، تو جب وقوفِ عرفہ کر سکتا ہے پھر تو حج فوت ہی نہیں ہوا، پھر کیا کرے گا؟ وقوفِ عرفہ کر لے گا اور باقی طواف سے روکا گیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں، اس میں تاخیر ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ وقوفِ عرفات تو وہ کر سکتا ہے نا، صرف طواف سے روکا گیا ہے، اور وقوفِ عرفات کے بعد یوم النحر والے دن انسان قصر کروا کے حلال ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ تو یہ بھی حلال ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کو محصر نہیں کہیں گے۔ اور دوسری صورت کیا؟ وقوف سے اس کو روک دیا لیکن طواف سے نہیں روکا، تو بھی اس کو محصر نہیں کہیں گے یعنی یہ ہدی کے ذریعے حلال نہیں ہو سکتا۔ وقوف سے روکا گیا

ہے تو کوئی حرج نہیں، اس کا حج فوت ہو گا اور جس کا حج فوت ہو جائے وہ کس طرح حلال ہوتا ہے؟ عمرے کے افعال ادا کر کے حلال ہوتا ہے، تو طواف تو یہ کر سکتا ہے اس سے تو نہیں روکا گیا، صرف کس سے روکا گیا ہے؟ وقوف سے، تو ادھر آئے اور آ کر کیا کر لے؟ عمرہ کر لے اور پھر حلال ہو جائے، مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ أُحْصِرَ بِمَكَّةَ وَهُوَ مَمْنُوعٌ عَنِ الطَّوَافِ وَالْوُقُوفِ فَهُوَ مُحْصَرٌ**، اور جس شخص کو روک دیا گیا مکہ میں اور اس کو روکا گیا طواف اور وقوف دونوں سے تو یہ محصر ہے، **لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْإِتْمَامُ**، اس لیے کیونکہ اس پر حج کو پورا کرنا متعذر ہو گیا ممکن نہ رہا، **فَصَارَ كَمَا إِذَا أُحْصِرَ فِي الْحِلِّ**، تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے اس کو حل میں روک دیا گیا ہو۔ **إِذَا أُحْصِرَ**، اذا کے بعد ایک الف ہے، دو الف ہونے چاہیے بھئی، ایک احصر کا الف بھی یہاں آئے گا۔ تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے اس کو حل میں روک دیا گیا ہو۔

وَإِنْ قَدَرَ عَلَى أَحَدِهِمَا فَلَيْسَ بِمُحْصَرٍ، اور اگر یہ جو مکہ میں جس کو روکا گیا تھا اگر یہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی قادر ہو یعنی طواف یا وقوف، ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی قادر ہوا، **فَلَيْسَ بِمُحْصَرٍ** تو یہ محصر نہیں۔ بھئی کیوں نہیں محصر؟ کہتے ہیں: **أَمَّا عَلَى الطَّوَافِ**، یعنی باقی جب یہ طواف پر قادر ہو، دو صورتیں ہیں نا، ایک صورت یہ ہے کہ صرف طواف پر قادر، ایک صورت صرف کس پر؟ وقوف، تو کہتے ہیں: **أَمَّا عَلَى الطَّوَافِ**، باقی جب یہ طواف پر قادر ہے، **فَلِأَنَّ فَائِتَ الْحَجِّ يَتَحَلَّلُ بِهِ**، پس اس لیے کیونکہ حج کو فوت کر دینے والا شخص جو ہے وہ اسی کے ذریعے حلال ہوتا ہے، اسی طواف کے ذریعے حلال ہوتا ہے یعنی طواف، اور سعی کو ذکر نہیں کیا کیونکہ سعی طواف کے تابع ہے بھئی۔ **وَالدَّمُ بَدَلٌ عَنْهُ فِي التَّحَلُّلِ**، اور دم جو تھا وہ تو بدل تھا اس سے حلال ہونے میں۔ بھئی دیکھیے، جس کا حج فوت ہو جاتا ہے وہ کیا کرتا ہے کس طرح حلال ہوتا ہے؟ عمرے کے ذریعے، اور یہ محصر جو تھا محصر، محصر تو وہ آدمی ہے جس نے حج کا احرام باندھا تھا چل پڑا اور راستے میں کوئی دشمن آ گیا اس نے روک لیا، اب یہ آگے جا نہیں سکتا، تو یہ بھی کس کی طرح ہے؟ حج کے ایام گزر رہے ہیں گزر جائیں گے اور یہ بیچارہ نہیں جا سکتا تو یہ بھی کس کی طرح ہے؟ فائت الحج کی طرح ہے۔ لہٰذا اور فائت الحج پر کیا ہوتا ہے؟ عمرہ کر کے حلال ہوتا ہے لیکن یہ تو آگے جا ہی نہیں سکتا کیونکہ آگے دشمن ہے، تو لہٰذا یہ کس طرح حلال ہوتا ہے پھر؟ ہدی کے ذریعے، تو یہ ہدی جو ہے یہ ہدی، یہ دم جو ہے یہ بدل ہے کس کا؟ اس عمرے کا، کس کا؟ عمرے کا، وہاں وہ عمرے کے ذریعے حلال ہوتا ہے جو جا سکتا ہے اور یہ جا نہیں سکتا تو یہ کس کے ذریعے حلال ہو گا؟ ہدی کے ذریعے حلال ہو گا۔ تو یہاں پر یہ شخص جو طواف پر قادر ہے یہ اصل پر قادر ہو گیا یعنی عمرے پر اور اس کے ذریعے حلال ہو گا، اور دم تو اس کا بدل تھا، عمرے پر قادر نہ ہوتا تو پھر اس کے لیے دم کی گنجائش ہوتی، لیکن یہ تو اصل پر قادر ہے تو بدل کی طرف جانے کی ضرورت نہیں اور اس طرف جانا اس کے لیے جائز نہیں، صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: **فَلِأَنَّ فَائِتَ الْحَجِّ يَتَحَلَّلُ بِهِ وَالدَّمُ بَدَلٌ عَنْهُ فِي التَّحَلُّلِ**، اس لیے کیونکہ حج کو فوت کر دینے والا اس عمرے کے ذریعے حلال ہوتا ہے اور دم تو اس سے بدل ہے حلال ہونے میں۔

وَأَمَّا عَلَى الْوُقُوفِ فَلِمَا بَيَّنَّا، اور باقی وقوف پر جب یہ شخص قادر ہے تو اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی کہ جب یہ وقوف پر قادر ہے بے شک طواف پر قادر نہیں لیکن وقوف پر قادر ہے، تو وقوف کر لے اور اس کے بعد یوم النحر والے دن کیا کروالے گا؟ حلق کروالے گا اور حلال ہو جائے گا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی ہے: **وَأَمَّا عَلَى الْوُقُوفِ فَلِمَا بَيَّنَّا**، اور جب یہ وقوف پر قادر ہو تو اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔

وَقَدْ قِيلَ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ خِلَافٌ بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، اور تحقیق کہا گیا ہے کہ اس مسئلہ کے اندر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، **وَالصَّحِيحُ مَا أَعْلَمْتُكَ مِنَ التَّفْصِيلِ**، اور آگے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: صحیح وہ تفصیل ہے جو ہم نے آپ کو بتلا دی کہ اس میں اختلاف نہیں ہے بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

■ بَابُ الْفَوَاتِ، یہ باب ہے حج کے فوت ہو جانے کے بیان میں

بَابُ الْفَوَاتِ، یہ باب ہے حج کے فوت ہو جانے کے بیان میں۔ الفوات میں الف لام عوض ہے مضاف الیہ سے، **أَيْ بَابُ فَوَاتِ الْحَجِّ**، یہ باب ہے حج کے فوت ہو جانے کے بیان میں۔

وَمَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَفَاتَهُ الْوُقُوفُ بِعَرَفَةَ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ، اور جس نے حج کا احرام باندھا اور اس سے وقوفِ عرفہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ قربانی والے دن کی فجر طلوع ہو گئی، دن میں بھی وقوف نہ کر سکا رات بھی گزر گئی یہاں تک کہ یوم النحر آ گیا، **فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ** تو تحقیق اس کا حج فوت ہو گیا، **لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ وَقْتَ الْوُقُوفِ يَمْتَدُّ إِلَيْهِ**، اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی کہ وقوف کا وقت جو ہے وہ اس فجر تک لمبا ہوتا ہے اس کے بعد نہیں۔

وَعَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ وَيَسْعَى وَيَتَحَلَّلَ، اور اس شخص پر واجب ہے کہ طواف کرے اور سعی کرے اور حلال ہو جائے، **وَيَقْضِيَ الْحَجَّ مِنْ قَابِلٍ**، اور قضا کرے حج کی اگلے آنے والے سال میں، **وَلَا دَمَ عَلَيْهِ**، اور اس پر کوئی دم نہیں ہے، **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «مَنْ فَاتَهُ عَرَفَةُ بِلَيْلٍ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ فَلْيَتَحَلَّلْ بِعُمْرَةٍ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ»**، یہاں تک ہے حدیث بھئی، کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس سے عرفات چھوٹ گیا عرفات رہ گیا

رات کے وقت تو تحقیق اس کا حج فوت ہو گیا، پس اس کو چاہیے کہ عمرے کے ذریعے حلال ہو جائے اور اس پر حج واجب ہے من قابل، **أَيْ مِنْ عَامٍ قَابِلٍ**، اگلے آنے والے سال میں۔

وَالْعُمْرَةُ لَيْسَتْ إِلَّا الطَّوَافَ وَالسَّعْيَ، اور عمرہ تو طواف اور سعی ہی ہے، طواف اور سعی ہی ہے۔ اسی لیے کہا متن میں: **وَعَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ وَيَسْعَى**، عمرہ بھی اسی کا نام ہے اس لیے متن میں یہ نہیں کہا عمرہ کرے، یہ کہہ دیا طواف اور سعی کرلے تو عمرہ بھی اسی چیز کا نام ہے۔

وَلِأَنَّ الْإِحْرَامَ بَعْدَمَا انْعَقَدَ صَحِيحًا لَا طَرِيقَ لِلْخُرُوجِ عَنْهُ إِلَّا بِأَدَاءِ أَحَدِ النُّسُكَيْنِ كَمَا فِي الْإِحْرَامِ الْمُبْهَمِ، اور نیز اس لیے، دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ احرام جب کہ وہ صحیح طور پر منعقد ہو جائے تو اس سے نکلنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے یہ کہ دو عبادتوں میں سے کوئی ایک عبادت ادا کرے، جیسے کہ احرامِ مبہم کے اندر ہے، بھئی ایک شخص احرام باندھ لیتا ہے اور تعیین ارادہ نہیں کرتا کہ یہ حج کا ہے یا عمرے کا ہے، احرام باندھ لیا نیت کرلی تلبیہ کہہ لیا لیکن نیت نہیں ہے کہ یہ کس کا ہے حج کا ہے یا عمرے کا، تو اب اس پر بھی احرام سے نکلنے کے لیے ضروری ہے دونوں میں سے کوئی ایک عبادت کرلے، یا حج کرلے یا عمرہ کرلے، اور یہاں پر بھی اسی طرح ہے کہ احرام ایک باندھ چکا ہے اور احرام سے نکلنے کی تو ایک ہی صورت ہے کہ دو عبادتوں میں سے کوئی ایک عبادت ادا کرلی جائے، یا عمرہ یا حج، اور حج سے تو یہ عاجز آ گیا کیونکہ حج تو فوت ہو گیا، اب کیا کرنا پڑے گا؟ عمرہ ہی کرلے اور حلال ہو جائے۔ یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّ الْإِحْرَامَ بَعْدَمَا انْعَقَدَ صَحِيحًا لَا طَرِيقَ لِلْخُرُوجِ عَنْهُ إِلَّا بِأَدَاءِ أَحَدِ النُّسُكَيْنِ كَمَا فِي الْإِحْرَامِ الْمُبْهَمِ**، اور اس لیے کیونکہ احرام جب کہ یہ صحیح منعقد ہو جائے تو کوئی طریقہ نہیں ہے اس سے نکلنے کا مگر یہ کہ دو عبادتوں میں سے کوئی ایک جو ہے اس کو ادا کر دے جیسے کہ مبہم احرام کے اندر ہے، **وَهُنَا عَجَزَ عَنِ الْحَجِّ فَتَعَيَّنَتْ عَلَيْهِ الْعُمْرَةُ**، اور یہاں وہ شخص جو ہے حج سے عاجز آ گیا تو اس پر عمرہ متعین ہو گیا، **وَلَا دَمَ عَلَيْهِ لِأَنَّ التَّحَلُّلَ وَقَعَ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ**، اور اس پر دم واجب نہیں ہے اس لیے کیونکہ حلال ہونا عمرے کے افعال کے ذریعے ہوا ہے، **فَكَانَتْ فِي حَقِّ فَائِتِ الْحَجِّ بِمَنْزِلَةِ الدَّمِ فِي حَقِّ الْمُحْصَرِ**، تو یہ جو ہے حج کو فوت کر دینے والے شخص کے حق میں اسی طرح ہوا جیسے محصر کے حق میں دم تھا، جیسے محصر کے حق میں دم تھا حج کے فوت کر دینے والے کے حق میں یہ عمرہ ہے یا افعالِ عمرہ ہیں، بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ اور وہ دم کیا ہے؟ وہ اسی عمرے کا بدل ہے، اسی عمرے کا بدل ہے۔ یہ معنی ہے: **لِأَنَّ التَّحَلُّلَ وَقَعَ بِأَفْعَالِ الْعُمْرَةِ فَكَانَتْ فِي حَقِّ فَائِتِ الْحَجِّ بِمَنْزِلَةِ الدَّمِ فِي حَقِّ الْمُحْصَرِ**، اس لیے کیونکہ حلال ہونا جو ہے عمرے کے افعال کے ذریعے واقع ہوا ہے تو یہ عمرے کے افعال جو ہیں یہ حج کو فوت کر دینے والے شخص کے حق میں اسی طرح ہیں جیسے محصر کے حق میں وہ خون ہے وہ دم ہے، اسی کے درجے میں ہے، **فَلَا يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا**، لہٰذا ان دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اسی لیے کہا جب یہ عمرے کے افعال کر کے، جب یہ عمرے کے افعال ادا کر کے حلال ہو گیا تو اب اس پر دم واجب نہیں، اور دم اس پر آتا تھا جو یہ عمرے کے افعال نہیں کر سکتا تھا جیسے وہ محصر تھا بھئی۔

وَالْعُمْرَةُ لَا تَفُوتُ، اور عمرہ جو ہے وہ تو فوت نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تو کوئی وقت متعین نہیں۔ **وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ إِلَّا خَمْسَةَ أَيَّامٍ يُكْرَهُ فِيهَا فِعْلُهَا**، اور یہ جائز ہے سارے سال میں سوائے پانچ دنوں کے کہ مکروہ ہے ان کے اندر اس عمرے کا کرنا، **وَهِيَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ**، اور وہ پانچ دن یہ والے ہیں: یومِ عرفہ ہے یعنی نو ذوالحجہ، **وَيَوْمُ النَّحْرِ** اور یوم النحر ہے یعنی دسویں ذوالحجہ، اور ایامِ تشریق ہیں یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ، یہ پانچ دن ہیں، ان میں عمرہ مکروہ ہے۔ دلیل کیا؟ کہتے ہیں: **لِمَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا**، بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، **أَنَّهَا كَانَتْ تَكْرَهُ الْعُمْرَةَ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ الْخَمْسَةِ**، کہ وہ جو ہیں عمرے کو مکروہ کہتی تھیں ناپسند کرتی تھیں ان پانچ دنوں میں، **وَلِأَنَّ هَذِهِ أَيَّامُ الْحَجِّ فَكَانَتْ مُتَعَيِّنَةً لَهُ**، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ حج کے دن ہیں تو یہ دن جو ہیں حج کے لیے متعین ہیں۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا تُكْرَهُ فِي يَوْمِ عَرَفَةَ قَبْلَ الزَّوَالِ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرہ جو ہے وہ مکروہ نہیں ہے یومِ عرفہ والے دن زوال سے پہلے، زوال سے پہلے تک مکروہ نہیں، **لِأَنَّ دُخُولَ وَقْتِ رُكْنِ الْحَجِّ بَعْدَ الزَّوَالِ لَا قَبْلَهُ**، اس لیے کیونکہ رکنِ حج جو ہے جو حج کا رکن ہے یعنی وقوفِ عرفہ اس کا وقت داخل ہوتا ہے زوال کے بعد نہ کہ اس سے پہلے۔

وَالْأَظْهَرُ مِنَ الْمَذْهَبِ مَا ذَكَرْنَاهُ، اور زیادہ ظاہر مذہب میں سے یعنی ہمارے مذہب میں سے وہ ہے جس کو ہم نے ذکر کر دیا کہ یومِ عرفہ میں مطلقاً عمرہ مکروہ ہے، چاہے زوال کے بعد ہو چاہے پہلے ہو۔

وَلَكِنْ مَعَ هَذَا لَوْ أَدَّاهَا فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ صَحَّ وَيَبْقَى مُحْرِمًا بِهَا فِيهَا، مگر اس کے باوجود اگر ایک شخص اگر اس عمرے کو کوئی شخص ادا کر دیتا ہے ان دنوں کے اندر، **صَحَّ** تو صحیح ہے، **وَيَبْقَى مُحْرِمًا بِهَا فِيهَا**، اور وہ باقی رہے گا محرم بالعمرہ ہو کر ان دنوں میں، **لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِغَيْرِهَا**، اس لیے کیونکہ جو کراہت تھی وہ اس عمرے کے علاوہ کی وجہ سے تھی، عمرے کی اپنی ذات میں کوئی کراہت نہیں بلکہ کراہت اس کے علاوہ کی وجہ سے تھی، **وَهُوَ تَعْظِيمُ أَمْرِ الْحَجِّ وَتَخْلِيصُ وَقْتِهِ لَهُ**، اور وہ حج کے معاملے کی تعظیم ہے اور اس وقت کو حج کے لیے خالص کرنا ہے، اس کی وجہ سے کراہت تھی، **فَيَصِحُّ الشُّرُوعُ**، تو لہٰذا اس عمرے کو شروع کرنا اس آدمی کے لیے صحیح ہوا۔

وَالْعُمْرَةُ سُنَّةٌ، اور عمرہ جو ہے یہ سنت ہے۔ **وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: فَرِيضَةٌ**، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عمرہ فرض ہے، وہ دلیل دیتے ہیں: **لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، بوجہ حضور علیہ السلام کے فرمانِ مبارک کے آپ نے فرمایا: «**الْعُمْرَةُ فَرِيضَةٌ كَفَرِيضَةِ الْحَجِّ**»، کہ عمرہ بھی فرض ہے جیسے کہ حج فرض ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل: **قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ**، حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے آپ نے فرمایا: «**الْحَجُّ فَرِيضَةٌ وَالْعُمْرَةُ تَطَوُّعٌ**»، کہ حج فرض ہے اور عمرہ نفل ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے۔

وَلِأَنَّهَا غَيْرُ مُوَقَّتَةٍ بِوَقْتٍ وَتَتَأَدَّى بِنِيَّةِ غَيْرِهَا كَمَا فِي فَائِتِ الْحَجِّ وَهَذِهِ أَمَارَةُ النَّفْلِيَّةِ، ہم کہتے ہیں ایک تو یہ حدیث ہماری دلیل، اور نیز ہم کہتے ہیں کہ عمرہ کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں، اس کا کوئی وقت متعین نہیں، جب چاہے کوئی شخص عمرہ کر سکتا ہے، اور نیز یہ غیر عمرہ کی نیت سے بھی وہ عمرہ ادا ہو جائے گا جیسے ابھی آپ نے پڑھا، ایک شخص کا حج فوت ہو گیا تو وہ کس طرح حلال ہو گا؟ عمرہ کر کے۔ حالانکہ دیکھو اس آدمی نے جو احرام باندھا تھا وہ تو کس کی نیت سے باندھا تھا؟ حج کی نیت سے، پھر بھی اس احرام کے عمرہ کیا تو عمرہ ادا ہو گیا۔ تو دیکھو، یہ عمرے کے لیے کوئی وقت بھی متعین نہیں ہے جب چاہیں کر سکتے ہیں، اور یہ غیر عمرہ کی نیت سے بھی ادا عمرے کے بغیر کسی اور چیز کی نیت سے پھر بھی یہ عمرہ ادا ہو جاتا ہے، اور یہ علامت ہے اس کے نفل ہونے کی، یہ علامت ہے اس کے نفل ہونے کی، کیونکہ فرض میں تو تعیینِ نیت ضروری ہوتی ہے اور فرض کے لیے تو وقت متعین ہوتا ہے، صورت سمجھ تو کم از کم تعیینِ نیت تو ہر جگہ آئے گی بھئی، تو وہ بھی اس کے اندر نہیں ہے، معلوم ہوا یہ نفل ہے بھئی۔ یہ معنی ہے: **وَلِأَنَّهَا غَيْرُ مُوَقَّتَةٍ بِوَقْتٍ**، اس لیے کیونکہ عمرہ جو ہے وہ وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے، **وَتَتَأَدَّى بِنِيَّةِ غَيْرِهَا**، اور یہ غیر عمرہ کی نیت سے بھی ادا ہو جاتا ہے، **كَمَا فِي فَائِتِ الْحَجِّ**، جیسے کہ حج کو فوت کر دینے والے شخص میں ہے، **وَهَذِهِ أَمَارَةُ النَّفْلِيَّةِ**، اور یہ نفل ہونے کی نشانی ہے۔

وَتَأْوِيلُ مَا رَوَاهُ أَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِأَعْمَالٍ كَالْحَجِّ، اب جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی حدیث کا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث ذکر کی تھی: «**الْعُمْرَةُ فَرِيضَةٌ كَفَرِيضَةِ الْحَجِّ**»، کہ عمرہ بھی فرض ہے جیسے کہ حج فرض ہے۔ ہم کہتے ہیں: نہیں، یہ ترجمہ نہیں یہ معنی نہیں اس کا، بلکہ معنی یہ ہے: «**الْعُمْرَةُ فَرِيضَةٌ**»، فرض کے معنی مقرر ہونے کے، تو ہم کہتے ہیں عمرے مقرر ہے یعنی اس کے اس کے افعال مقرر ہیں، «**كَفَرِيضَةِ الْحَجِّ**» جیسے کہ حج کے افعال مقرر ہیں۔ حج کے جیسے افعال ہیں اس میں وقوفِ عرفات ہے اور وقوفِ مزدلفہ ہے وغیرہ یہ چیزیں جو ہیں جیسے حج کے افعال مقرر ہیں اسی طرح عمرے کے افعال بھی مقرر ہیں بھئی، معنی سمجھ میں آ گیا؟ **وَتَأْوِيلُ مَا رَوَاهُ**، اور تاویل اس حدیث کی جس کو روایت کیا ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تاویل یہ ہے: **أَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِأَعْمَالٍ كَالْحَجِّ**، کہ عمرہ جو ہے وہ مقدر ہے اعمال کے ساتھ یعنی اس کے اعمال مقرر ہیں متعین ہیں **كَالْحَجِّ** جیسے کہ حج کے اعمال حج کے اعمال متعین ہیں اور مقرر ہیں۔

إِذْ لَا تَثْبُتُ الْفَرْضِيَّةُ مَعَ التَّعَارُضِ فِي الْآثَارِ، یہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں اعتراض کا جواب۔ اعتراض یہ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ تاویل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی آپ کو؟ حالانکہ حدیث تو واضح تھی: «**الْعُمْرَةُ فَرِيضَةٌ**»، عمرہ فرض ہے یہ ترجمہ ہونا چاہیے تھا، آپ نے تاویل کر کے کیا کہا کہ عمرے کے افعال مقرر ہیں۔ کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ احادیث میں تعارض آ رہا ہے۔ ہماری حدیث سے کیا پتہ چلا؟ کہ عمرہ نفل ہے، اور اس حدیث کو کا اگر وہی معنی کیا جائے تو دونوں نصوص میں کیا آئے گا؟ تعارض آئے گا، اور فرضیت تو ثابت ہو نہیں سکتی کیونکہ فرض کے لیے قطعی دلیل چاہیے، اور یہاں پر تو احادیث میں کیا آیا؟ تعارض آیا، تو فرضیت تو ثابت ہو نہیں سکتی لہٰذا اس حدیث میں بھی تاویل کر کے ہم نے اس حدیث کے مطابق اس کو کر لیا بھئی، اب تعارض ختم ہو گیا جب یہ ترجمہ کر لیا جائے۔ تو فرضیت تو ثابت ہو نہیں سکتی لہٰذا ہم نے تعارض کو بھی کیا کر دیا؟ ختم کر دیا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ **إِذْ لَا تَثْبُتُ الْفَرْضِيَّةُ مَعَ التَّعَارُضِ فِي الْآثَارِ**، اس لیے کیونکہ فرض ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ساتھ تعارض کے پائے جانے کے احادیث میں۔

قَالَ: وَهِيَ الطَّوَافُ وَالسَّعْيُ، اور عمرہ جو ہے یہ طواف اور سعی ہے، طواف اور سعی ہی ہے، **وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي بَابِ التَّمَتُّعِ**، اور تحقیق ہم اس کو باب التمتع میں ذکر کر چکے ہیں۔ **وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ**، اور اللہ ہی درست بات کو خوب جاننے والے ہیں۔ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بالصواب۔

سبق نمبر ۱۶۵: باب الحج عن الغیر (حج بدل کے احکام و مسائل)

ہدایہ صفحہ: ۳۱۶ــــ بتاریخ: ۲۵ مئی ۲۰۱۳ء

■ متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ

«الْأَصْلُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَهُ أَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهِ لِغَيْرِهِ صَلَاةً أَوْ صَوْمًا أَوْ صَدَقَةً أَوْ غَيْرَهَا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَحَدِهِمَا عَنْ نَفْسِهِ وَالْآخَرِ عَنْ أُمَّتِهِ مِمَّنْ أَقَرَّ بِوَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَشَهِدَ لَهُ بِالْبَلَاغِ» [1]

«**بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ**» یہ باب ہے کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بیان میں۔ یعنی کہ کیا کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے حج کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا، اور کر سکتا ہے تو اس میں کیا مختلف صورتوں میں کیا حکم ہو گا، وہ بیان کریں گے بھائی۔ تو کہتے ہیں «**بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ**» یہ باب ہے کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بیان میں۔

■ مسئلہ: اَلْاَصْلُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ

«**الْأَصْلُ فِيْ هٰذَاالْبَابِ**» اصل جو ہے اس باب کے اندر وہ یہ ہے «**أَنَّ الْإِنْسَانَ لَهُ أَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهِ لِغَيْرِهِ**» کہ انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب کر دے **لِغَيْرِهِ** کسی دوسرے کے لیے۔ اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے کے لیے کر دے یعنی اس کو بخش دے، «**صَلَاةً أَوْ صَوْمًا أَوْ صَدَقَةً أَوْغَيْرَهَا**» چاہے اس کا وہ عمل جو ہے وہ نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا ان کے علاوہ ہو۔ تو یہ اس کے لیے جائز ہے «**عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ**» اہل سنت والجماعت کے نزدیک۔

دلیل آگے ذکر کر رہے ہیں: «**لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ**» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، «**أَنَّهُ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ**» **كَبْش** میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہ مینڈھا جو ہے بڑے سینگوں والا اس کو **كَبْش** کہتے ہیں۔ **ضَحّٰى** کے معنی قربانی کرنا۔ **أَمْلَحَيْنِ، أَمْلَحُ** کہتے ہیں جس میں سفیدی اور سیاہی ہو بھائی۔ وہ مینڈھا جس میں سفید اور سیاہ رنگ کا مینڈھا۔ کہتے ہیں «**أَنَّهُ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ**» کہ آپ نے قربانی فرمائی دو سیاہ اور سفید رنگ کے مینڈھوں کی۔ «**أَحَدِهِمَا عَنْ نَفْسِهِ**» ایک تو اپنی طرف سے حضور علیہ السلام نے اس کی قربانی کی، «**وَالْآخَرِ عَنْ أُمَّتِهِ**» اور دوسرے کی قربانی اپنی امت کی طرف سے کی، «**مِمَّنْ أَقَرَّ بِوَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَشَهِدَ لَهُ بِالْبَلَاغِ**» اور امت حضور علیہ السلام کی آپ جانتے ہیں دو قسم پر ہے۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، توحید پر ہیں وہ لوگ، اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، حضور علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور دوسرے کچھ لوگ جیسے آپ دیکھتے ہیں دنیا میں یہ کفار ہیں، یہ بھی اگرچہ حضور علیہ السلام کی امت ہیں لیکن یہ حضور علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے۔ تو حضور علیہ السلام نے دو سرا مینڈھا جو ہے وہ اپنی امت کی طرف سے کیا اور امت میں سے بھی کن کی طرف سے؟ جو اہل ایمان ہیں بھائی اہل ایمان۔ تو یہ معنی ہے «**وَالْآخَرِ عَنْ أُمَّتِهِ**»

---

[1] شاملہ (ص ۲۳۶) میں «**مِنْهَا**» کے بجائے «**منهما**» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۲۳۷) میں «**أَنْ**» کے بجائے «**بأن**»، شاملہ (ص ۲۳۷) میں «**مِّنْهُمَا**» کے بجائے «**منها**» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۲۳۷) میں «**أَحَدِهِمَا**» کے بجائے «**أيهما شاء**» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۲۳۷) میں «**هُنَالِكَ مَجْهُوْلٌ**» کے بجائے «**هناك كمجهول**»، شاملہ (ص ۲۳۷) میں «**فَاقْتُفِيَ**» کے بجائے «**فاكتفي**» درج ہے۔ • شاملہ (ص ۲۳۷) میں «**الْمَسْأَلَةُ**» کے بجائے «**المسئلة**» درج ہے۔ • حوالۂ آیت (شاملہ ص ۲۳۷): (**الحج**)، حوالۂ آیت (شاملہ ص ۲۳۸): (**الحج**)۔

اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے «مِمَّنْ أَقَرَّ بِوَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى» یعنی وہ جو کہ اقرار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا جنہوں نے اقرار کیا ہے «وَشَهِدَ لَهُ بِالْبَلَاغِ» اور گواہی دی ہے حضور علیہ السلام کے لیے پہنچانے کی، کہ حضور علیہ السلام نے دعوت اور پیغام پہنچادیا جس کے ساتھ ان کو بھیجا گیا تھا۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: «جَعَلَ تَضْحِيَةَ إِحْدَى الشَّاتَيْنِ لِأُمَّتِهِ» کہ حضور علیہ السلام نے کر دیا دو مینڈھوں میں سے ایک کی قربانی کو لِأُمَّتِهِ کس کے لیے؟ اپنی امت کے لیے۔ دیکھیے، قربانی کرنے والے حضور علیہ السلام ہیں لیکن کس کے لیے کر رہے ہیں؟ اپنی امت کے لیے، یعنی ان کو ثواب پہنچا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانا جائز ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَالْعِبَادَاتُ أَنْوَاعٌ: مَالِيَّةٌ مَحْضَةٌ کا...

«وَالْعِبَادَاتُ أَنْوَاعٌ: مَالِيَّةٌ مَحْضَةٌ كَالزَّكَاةِ، وَبَدَنِيَّةٌ مَحْضَةٌ كَالصَّلَاةِ، وَمُرَكَّبَةٌ مِنْهَا كَالْحَجِّ، وَالنِّيَابَةُ تَجْرِي فِي النَّوْعِ الْأَوَّلِ فِي حَالَتَيِ الِاخْتِيَارِ وَالضَّرُورَةِ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ بِفِعْلِ النَّائِبِ، وَلَا تَجْرِي فِي النَّوْعِ الثَّانِي بِحَالٍ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ إِتْعَابُ النَّفْسِ لَا يَحْصُلُ بِهِ، وَتَجْرِي فِي النَّوْعِ الثَّالِثِ عِنْدَ الْعَجْزِ لِلْمَعْنَى الثَّانِي وَهُوَ الْمَشَقَّةُ بِتَنْقِيصِ الْمَالِ، وَلَا تَجْرِي عِنْدَ الْقُدْرَةِ لِعَدَمِ إِتْعَابِ النَّفْسِ، وَالشَّرْطُ الْعَجْزُ الدَّائِمُ إِلَى وَقْتِ الْمَوْتِ لِأَنَّ الْحَجَّ فَرْضُ الْعُمْرِ، وَفِي الْحَجِّ النَّفْلِ تَجُوزُ الْإِنَابَةُ حَالَةَ الْقُدْرَةِ لِأَنَّ بَابَ النَّفْلِ أَوْسَعُ»

«وَالْعِبَادَاتُ أَنْوَاعٌ» اور عبادات جو ہیں وہ کئی قسم پر ہیں۔ «مَالِيَّةٌ مَحْضَةٌ» کچھ محض مالی عبادتیں ہیں، صرف مالی عبادتیں ہیں «كَالزَّكَاةِ» جیسے کہ زکوٰۃ ہے۔ «وَبَدَنِيَّةٌ مَحْضَةٌ» اور کچھ صرف بدنی عبادتیں ہیں «كَالصَّلَاةِ» جیسے کہ نماز ہے۔ «وَمُرَكَّبَةٌ مِنْهَا» اور کچھ عبادتیں ان دونوں سے مرکب ہیں، یعنی مالی بھی ہیں اور بدنی بھی ہیں «كَالْحَجِّ» جیسے کہ حج ہے۔

«وَالنِّيَابَةُ تَجْرِي فِي النَّوْعِ الْأَوَّلِ فِي حَالَتَيِ الِاخْتِيَارِ وَالضَّرُورَةِ» اور نیابت جو ہے یعنی نائب ہونا، یہ جاری ہوتا ہے پہلی قسم میں اختیار اور ضرورت دونوں حالتوں میں۔ اختیار اور ضرورت دونوں حالتوں میں نیابت جاری ہوتی ہے یعنی اس میں ایک شخص دوسرے کا نائب ہو سکتا ہے۔ کون سی قسم پہلی؟ جو صرف مالی عبادتیں ہیں جیسے زکوٰۃ بھائی۔ اس میں آپ خود زکوٰۃ دینا چاہیں تو بھی صحیح ہے، آپ کسی کو اپنا نائب بنا دیتے ہیں اور اس کو اپنی زکوٰۃ کی رقم اس کے حوالے کر کے کہتے ہیں یہ فقراء اور مساکین کو دے دینا، تو وہ بھی آپ کا نائب ہو کر یہ رقم فقراء اور مساکین کو دے سکتا ہے۔ تو دیکھیے، معلوم ہوا کہ یہ جو پہلی قسم ہے یعنی مالی عبادت، ان کے اندر نائب ہونا یعنی نیابت جو ہے وہ جاری ہوتی ہے اختیار کی حالت میں بھی اور ضرورت کی حالت میں بھی۔ حالتِ اختیار میں یعنی آپ تندرست ہیں آپ بھی زکوٰۃ دے سکتے تھے فقراء کو لیکن آپ نے کیا کیا، کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا دیا۔ تو ایک حالت اختیار کی ہوئی یہ جو تندرست اور صحیح ہو انسان اور اس کو اختیار، اور دوسری حالت ضرورت والی ہوئی مثلاً آپ بیمار وغیرہ ہیں یا کوئی اور رکاوٹ آ گئی جس کی وجہ سے آپ تو نہیں پہنچا سکتے فقراء تک تو آپ کیا کرتے ہیں کسی دوسرے کو اپنا نائب بناتے ہیں۔ تو چاہے حالتِ اختیار ہو چاہے حالتِ ضرورت ہو، دونوں کے اندر مالی عبادتوں کے اندر نیابت جاری ہو سکتی ہے۔

■ مسئلہ: لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ بِفِعْلِ النَّائِبِ

«لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ بِفِعْلِ النَّائِبِ» اس لیے کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے نائب کے فعل سے بھی۔ نائب جو ہے وہ بھی آپ کی طرف سے جب زکوٰۃ دے گا تو مقصود حاصل ہو گیا یا نہیں؟ زکوٰۃ فقراء تک پہنچ گئی یا نہیں پہنچی؟ پہنچ گئی۔ تو یہاں چاہے آپ دیں تب بھی زکوٰۃ فقراء تک پہنچ جائے گی، آپ کی طرف سے کوئی دوسرا بھی دے تو بھی زکوٰۃ فقراء تک پہنچ جائے گی، تو اس لیے اس میں نیابت جاری ہو سکتی ہے کہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے بِفِعْلِ النَّائِبِ نائب کے فعل سے۔

«وَلَا تَجْرِي فِي النَّوْعِ الثَّانِي بِحَالٍ» اور دوسری قسم جو ہے اس میں کسی حال میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔ دوسری قسم کون سی تھی؟ جو صرف بدنی عبادتیں ہیں جیسے نماز ہے۔ نماز کے اندر اپنی نماز آپ کو خود ہی ادا کرنا پڑے گی، چاہے حالتِ اختیار ہو چاہے حالتِ ضرورت ہو یا اضطرار ہو، آپ کو اپنی نماز خود ہی پڑھنا پڑے گی، کوئی اور آپ کی طرف سے یہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ کو خود پڑھنا پڑے گی یا تو رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھیں، اگر وہ مشکل ہے تو پھر بیٹھ کر پڑھیں، اگر بیٹھ کر پڑھنا مشکل ہے تو لیٹ کر اشارے سے پڑھیں لیکن پڑھنا آپ کو خود ہی پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ معلوم ہوا نماز کے اندر یعنی بدنی عبادتوں کے اندر نیابت جاری نہیں ہوتی۔ یہ معنی ہے «وَلَا تَجْرِي فِي النَّوْعِ الثَّانِي بِحَالٍ» اور نیابت جاری نہیں ہوتی دوسری قسم کے اندر کسی بھی حال میں، «لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ

إِتْعَابُ النَّفْسِ لَا يَحْصُلُ بِهِ » اس لیے کیونکہ جو مقصود ہے، بدنی عبادتوں کے ذریعے مقصود کیا ہوتا ہے؟ اپنے نفس کو تھکانا، اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنا، تو یہ اگر کوئی اور آپ کی طرف سے ادا کرے گا تو آپ کا نفس تو مشقت میں نہ پڑا، آپ کا نفس تو اس کو تو کوئی تھکن نہ ہوئی، اور مقصد ہی کیا تھا؟ اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنا اور اس کو تھکانا، تو جب مقصد حاصل نہیں ہوا تو کوئی اور آپ کی طرف سے کر بھی نہیں سکتا۔ یہ معنی ہے « لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ » اس لیے کیونکہ مقصود جو ہے اس کے ذریعے « وَهُوَ إِتْعَابُ النَّفْسِ » اور وہ نفس کو تھکا دینا ہے « لَا يَحْصُلُ بِهِ » وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا یعنی کوئی دوسرا ادا کرے گا نائب ہو کر تو اس سے یہ ادا نہیں ہوتا۔

« وَتَجْرِيْ فِي النَّوْعِ الثَّالِثِ » تیسری قسم تھی حج بھائی، جو مرکب تھی مالی عبادت سے بھی اور بدنی عبادت سے بھی۔ تو کہتے ہیں اس میں، اس میں حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے تو بایں اعتبار دیکھا جائے تو یہ مالی عبادت ہے، اور حج کے اندر جا کر آپ کو افعال بھی کرنے پڑتے ہیں طواف ہے، سعی ہے، رمی ہے وغیرہ، یہ افعال بھی کرنا پڑتے ہیں تو معلوم ہوا یہ بدنی بھی ہے۔ تو بعض اعتبارات سے حج جو ہے وہ مالی عبادت ہے اور بعض اعتبارات سے بدنی یعنی دونوں کا مجموعہ ہے، تو اس میں اب دونوں جہتوں کی رعایت رکھی گئی، دونوں جانب کی رعایت رکھی گئی۔ بدنی عبادت ہے حج اور بدنی عبادت میں تو نیابت جاری نہیں ہوتی لہٰذا حالتِ اختیار میں حج کے اندر نیابت جاری نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص تندرست ہے، صحیح ہے، وہ خود جا سکتا ہے تو کسی دوسرے کو اپنی جگہ حج پر نہیں بھیج سکتا، اس سے اس کا وہ فرض حج ادا نہیں ہو سکتا بھائی، سمجھ میں آیا؟ اور حج کے اندر دوسرا پہلو جو ہے یہ ہے کہ یہ مالی عبادت بھی ہے کیونکہ اس کے اندر خرچ ہوتا ہے، تو اس اعتبار سے مالی عبادتوں کی رعایت رکھی گئی اور مالی عبادتوں میں تو نائب بنانا جائز ہوتا ہے، لہٰذا حج کے اندر بھی عذر کی صورت میں یعنی جب خود عاجز آ جائے، نہ کر سکے، تو کیا کر سکتا ہے؟ کسی دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو اس میں معلوم ہوا حالتِ اختیار میں حج میں نائب نہیں بنا سکتا اور ضرورت میں نائب بنا سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں « وَتَجْرِيْ فِي النَّوْعِ الثَّالِثِ عِنْدَالْعَجْزِ » اور نیابت جاری ہوتی ہے تیسری قسم میں یعنی حج میں عِنْدَ الْعَجْزِ عاجزی کے وقت جب انسان خود کرنے سے عاجز آ جائے « لِلْمَعْنَى الثَّانِيْ » دوسرے معنی کی وجہ سے اور وہ کیا ہے؟ کہتے ہیں « وَهُوَ الْمَشَقَّةُ بِتَنْقِيْصِ الْمَالِ » اور وہ مشقت کا ہونا ہے مال کے کم کرنے سے بھائی۔ مال جب کم ہو گا، مال کا خرچ کرنا یہ بھی کیا ہے؟ مشقت ہے، انسان پر بڑا بوجھ ہے، مشکل کام ہے اس کے لیے کہ کیا کرے، اپنے مال کو خرچ کرے۔ تو بایں اعتبار اس میں عاجزی کے وقت جب خود نہیں کر سکتا تو پھر کیا کر سکتا ہے؟ اپنا کسی کو نائب بنا سکتا ہے اور نائب کو بنا کر بھیجے گا تو اس کو خرچہ دے گا یا نہیں دے گا؟ خرچہ وغیرہ دے گا تو دیکھو اس کی وجہ سے اس کا نفس بھی، بھیجنے والے کا نفس بھی مشقت میں پڑے گا تو مقصود حاصل ہو رہا ہے اس لیے جائز ہے۔ « وَلَا تَجْرِيْ عِنْدَالْقُدْرَةِ » اور نیابت جاری نہیں ہوتی قدرت کے وقت جبکہ یہ قادر ہو، خود بھی جا سکتا ہو، پھر نائب نہیں بنا سکتا « لِعَدَمِ إِتْعَابِ النَّفْسِ » اس لیے کیونکہ اس میں نفس کا تھکانا نہیں ہے۔ جب خود تندرست ہے خود کر سکتا ہے تو پھر نائب کو نہیں بھیج سکتا کیونکہ نائب اگر کرے گا، مقصد تو کیا تھا؟ اپنے نفس کو تھکانا، وہ تو حاصل نہیں ہو گا۔

■ مسئلہ: وَالشَّرْطُ الْعَجْزُ الدَّائِمُ إِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ

« وَالشَّرْطُ الْعَجْزُ الدَّائِمُ إِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ » اور شرط جو ہے، نیابت کی شرط جو ہے وہ عاجزی کا دائمی رہنا ہے إِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ موت تک۔ ایک شخص شدید بیمار ہو گیا، اس نے اپنی طرف سے کسی دوسرے کو نائب بنا کر حج کے لیے بھیج دیا۔ اس نے اس کی طرف سے حج ادا کر دیا، ہو گیا اس کی طرف سے حج۔ لیکن اگر یہ شخص تندرست ہو گیا پھر بعد میں، اس کا تو خیال تھا میں بچوں گا ہی نہیں لیکن اگر یہ تندرست ہو گیا تو پھر دوبارہ اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ اپنا وہ فرض حج ادا کرنا پڑے گا کیونکہ نیابت تبھی صحیح تھی اس کے لیے شرط تھی کہ موت کے وقت تک یہ عاجزی رہنی چاہیے کہ یہ حج کرنے سے عاجز ہے، اور اس کی تو عاجزی کیا ہو گئی؟ ختم ہو گئی، یہ خود بھی کرنے پر قادر ہو لہٰذا اب کرنا پڑے گا۔ تو کہتے ہیں « وَالشَّرْطُ الْعَجْزُ الدَّائِمُ إِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ » اور شرط جو ہے نیابت کی وہ عاجزی کا دائمی رہنا ہے موت کے وقت تک « لِأَنَّ الْحَجَّ فَرْضُ الْعُمْرِ » اس لیے کیونکہ حج جو ہے یہ عمر بھر کا فرض ہے۔

« وَفِي الْحَجِّ النَّفْلِ تَجُوْزُ الْإِنَابَةُ حَالَةَ الْقُدْرَةِ » اور نفل حج میں انابت جائز ہے یعنی نائب بنانا جائز ہے حَالَةَ الْقُدْرَةِ قدرت کی حالت میں بھی۔ بھائی آپ نفلی حج کروانا چاہتے ہیں، فرض حج اپنا کر چکے ہیں، تو پھر حالتِ اختیار میں بھی کیا کر سکتے ہیں؟ کسی کو نائب بنا کر بھیج سکتے ہیں کیونکہ نفل کے اندر وسعت ہوتی ہے جیسے آپ پڑھ چکے ہیں کہ قدرت کے باوجود اگر کوئی شخص نفل بیٹھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، تو نفل میں وسعت ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں « وَفِي الْحَجِّ النَّفْلِ تَجُوْزُ الْإِنَابَةُ حَالَةَ الْقُدْرَةِ » اور نفل حج کے اندر نائب بنانا جائز ہے قدرت کی حالت میں « لِأَنَّ بَابَ النَّفْلِ أَوْسَعُ » اس لیے کیونکہ نفل کا باب زیادہ وسیع ہے۔

«ثُمَّ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْمَحْجُوْجِ عَنْهُ وَبِذٰلِكَ تَشْهَدُ الْأَخْبَارُ الْوَارِدَةُ فِي الْبَابِ كَحَدِيْثِ الْخَثْعَمِيَّةِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِيْهِ: حُجِّيْ عَنْ أَبِيْكِ وَاعْتَمِرِيْ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْحَاجِّ وَلِلْآمِرِ ثَوَابُ النَّفَقَةِ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ بَدَنِيَّةٌ وَعِنْدَ الْعَجْزِ أُقِيْمَ الْإِنْفَاقُ مَقَامَهُ كَالْفِدْيَةِ فِيْ بَابِ الصَّوْمِ»

■ مسئلہ: ثُمَّ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ

«ثُمَّ ظَاهِرُالْمَذْهَبِ» یہاں سے آگے یہ بتلا رہے ہیں کہ ایک شخص جب وہ بیمار ہو گیا، خود حج نہیں کر سکتا، اس نے اپنا نائب کسی دوسرے کو بنا کر بھیج دیا کہ میری طرف سے میرا جو فرض حج ہے وہ کر کے آجاؤ، وہ گیا اور اس نے حج ادا کیا۔ تو یہ حج کس کی طرف سے ادا ہو گا؟ کس کی طرف سے ادا ہو گا؟ تو ظاہر مذہب یہی ہے ہمارے نزدیک کہ یہ حج جو بھیجنے والا ہے اس کی طرف سے ادا ہو گا، جس نے خرچہ دے کر اس کو بھیجا ہے۔ یوں سمجھا جائے گا یہ اس نے حج کیا ہے، یوں سمجھا جائے گا اس نے حج کیا ہے۔ جبکہ آگے بتلائیں گے امام محمد رحمہ اللہ جو ہیں وہ ان سے روایت ہے کہ یہ حج، حج جو کر رہا ہے اسی کی طرف سے ہو گا، بھیجنے والے کی طرف سے نہیں بلکہ وہ جو حج کرنے والا ہے جس کو خرچہ دیا گیا اسی کی طرف سے حج ہو گا، البتہ ثواب جو ہے وہ بھیجنے والے کو ملے گا۔ سمجھ میں آیا؟ تو ہمارے ظاہر مذہب کے مطابق ہو گا ہی کس کی طرف سے؟ بھیجنے والے کی طرف سے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ سے جو روایت ہے اس کے مطابق بھیجنے والے کی طرف سے نہیں ہو گا، ہو گا حج کرنے والے ہی کی طرف سے جو گیا ہوا ہے، حج تو اسی کی طرف سے ہے البتہ ثواب کس کو پہنچ جائے گا؟ بھیجنے والے کو ثواب صرف ملے گا، اس کی طرف سے حج نہیں ہو گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں «ثُمَّ ظَاهِرُالْمَذْهَبِ» پھر ظاہرِ مذہب یہ ہے «أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْمَحْجُوْجِ عَنْهُ» کہ حج جو ہے یہ محجوج عنہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ محجوج عنہ جس کی طرف سے حج کیا گیا، کہ یہ حج جو ہے یہ محجوج عنہ یعنی وہ شخص جس کی طرف سے حج کیا گیا اس کی طرف سے واقع ہوتا ہے «وَبِذٰلِكَ تَشْهَدُ الْأَخْبَارُ الْوَارِدَةُ فِي الْبَابِ» اور اسی کی گواہی دیتی ہیں وہ احادیث بھی جو اس باب میں آئی ہیں «كَحَدِيْثِ الْخَثْعَمِيَّةِ» جیسے کہ خثعمی عورت کی ایک حدیث ہے «فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِيْهِ: حُجِّيْ عَنْ أَبِيْكِ وَاعْتَمِرِيْ» یہ قبیلہ خثعم کی عورت تھیں، وہ حضور علیہ السلام کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ، میرے والد صاحب جو ہیں ان پر حج فرض ہے لیکن وہ بہت بوڑھے ہیں حتیٰ کہ سواری پر بھی نہیں بیٹھ سکتے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں تم ان کی طرف سے حج کر سکتی ہو بھائی۔ «فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِيْهِ» اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا «حُجِّيْ عَنْ أَبِيْكِ وَاعْتَمِرِيْ» کہ تو حج کر اپنے والد کی طرف سے اور عمرہ کر۔

«وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ» اب امام محمد رحمہ اللہ کا قول آیا، اور امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے «أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْحَاجِّ» کہ حج جو ہے واقع ہو گا حاجی کی طرف سے۔ اوپر کیا آیا تھا؟ حج ہو گا محجوج عنہ کی طرف سے، جس کی طرف سے حج کر رہا ہے، اور یہاں پر کیا آیا؟ یہ حج ہو گا حاجی کی طرف سے یعنی جو حج کرنے والا ہے «وَلِلْآمِرِ ثَوَابُ النَّفَقَةِ» اور حکم دینے والے کو نفقے کا یعنی خرچے کا ثواب ملے گا کہ اس نے خرچہ کیا ہے۔ وجہ اس کی، دلیل کیا؟ امام محمد رحمہ اللہ دلیل دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں «لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ بَدَنِيَّةٌ» اس لیے کیونکہ یہ حج کیا ہے؟ بدنی عبادت ہے «وَعِنْدَ الْعَجْزِ أُقِيْمَ الْإِنْفَاقُ مَقَامَهُ» اور عاجزی کے وقت خرچے کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔ عاجزی کے وقت کیا کر دیا گیا؟ خرچے کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا «كَالْفِدْيَةِ فِيْ بَابِ الصَّوْمِ» جیسے کہ فدیہ ہے روزے کے باب میں۔ بھائی ایک شخص بہت بوڑھا ہو جائے، شریعت نے اس کو کیا حکم دیا؟ کہ فدیہ دے دے ہر روزے کے بدلے۔ تو فدیہ دینے سے اس کو ثواب مل جائے گا روزے کا۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فدیہ دینے سے اس کو روزے کا ثواب مل جائے گا، یہ نہیں کہ فرض روزہ ہی اس کی طرف سے باقاعدہ ادا ہو گیا، نہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ فرض روزہ نہیں ادا ہوا، ہاں روزے کا اس کو ثواب۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح، یہ حج جو ہے وہ حج تو کرنے والے ہی کی طرف سے ہے البتہ اس بھیجنے والے نے چونکہ خرچ کیا ہے تو اس خرچ کی وجہ سے اس کو ثواب مل جائے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ أَمَرَهُ رَجُلَانِ أَنْ يَّحُجَّ عَنْ...

«قَالَ: وَمَنْ أَمَرَهُ رَجُلَانِ أَنْ يَّحُجَّ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا حَجَّةً فَأَهَلَّ بِحَجَّةٍ عَنْهُمَا فَهِيَ عَنِ الْحَاجِّ وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ لِأَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْآمِرِ حَتّٰى لَا يَخْرُجَ الْحَاجُّ عَنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا أَمَرَهُ أَنْ يُّخْلِصَ الْحَجَّ لَهُ مِنْ غَيْرِ اشْتِرَاكٍ، وَلَا يُمْكِنُ إِيْقَاعُهُ عَنْ أَحَدِهِمَا لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ فَيَقَعُ عَنِ الْمَأْمُوْرِ، وَلَا يُمْكِنُهُ أَنْ يَّجْعَلَهُ عَنْ أَحَدِهِمَا بَعْدَ ذٰلِكَ بِخِلَافِ مَا إِذَا حَجَّ عَنْ أَبَوَيْهِ»

صورتِ مسئلہ یہ کہ دو آدمیوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کی طرف سے حج کرے، الگ الگ کہا بھائی۔ مثلاً بھائی ایک شخص تھا اس کو زید نے کہا کہ یہ لو خرچہ اور جاؤ جا کر میری طرف سے میرا فرض حج ادا کر دو۔ زید نے اس کو خرچہ وغیرہ دے دیا۔ پھر بعد میں بکر کی اس سے ملاقات ہوئی، بکر کو یہ علم نہیں ہے، بکر نے بھی اس کو خرچہ دے دیا کہ جاؤ بھائی میری طرف سے اس سال تم میرا فرض حج ادا کر دو۔ دونوں عاجز ہیں جانے سے بھائی، زید اور بکر خود جانے سے عاجز ہیں، بوڑھے ہیں بہت یا بیمار ہیں تو دونوں نے دیکھو اپنا اپنا خرچ دے دیا کہ جا کر ہماری طرف سے یہ حج ادا کر دو۔ تو اس نے کیا کیا؟ اس نے جا کر حج کر دیا بھائی دونوں کی طرف سے۔ نیت

کیا کی؟ زید کی بھی نیت کی اور عمرو کی بھی نیت کی۔ تو یاد رکھیے آگے آپ کو بتلائیں گے کہ اس سے زید کا فرض حج بھی ادا نہیں ہوا اور بکر کا فرض حج بھی ادا نہیں ہوا، اور اس آدمی پر اگر خود حج فرض تھا ابھی اس نے خود نہیں کیا تھا کیونکہ اس کے پاس تو پیسے نہیں تھے کہ خود کرتا، تو اس کا اپنا فرض حج بھی اس سے ادا نہیں ہو گا۔ اس لیے کیونکہ یہ حج بعض اعتبارات سے بھیجنے والوں کی طرف سے ہے اور بعض اعتبارات سے اس کی اپنی طرف سے ہے۔ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ یہ جو اس نے حج کیا، یہ من وجہ زید اور عمرو کی طرف سے ہے اور من وجہ اس کی اپنی طرف سے ہے، لہٰذا کسی کا بھی فرض ادا نہیں ہو گا کیونکہ فرض تو اس حج سے ادا ہوتا ہے جو من کل الوجہ اس شخص کی طرف سے ہو، ہر اعتبار سے۔ اور یہ حج ہر اعتبار سے کیا زید کی طرف سے ہے؟ نہیں، لہٰذا زید کا بھی نہیں۔ کیا یہ حج ہر اعتبار سے بکر کی طرف سے ہے؟ لہٰذا اس کا بھی نہیں ادا ہو گا، اور کیا یہ حج ہر اعتبار سے یہ جانے والے کے خود اپنی طرف سے ہے؟ اس کے اپنی طرف سے بھی نہیں، لہٰذا کسی کا بھی فرض حج ادا نہیں ہو گا کیونکہ فرض حج کب ادا ہوتا ہے؟ جب وہ من کل الوجہ ہر اعتبار سے اس شخص کی طرف سے ہو یعنی چاہے بھیجنے والے کی طرف سے یا جو جا رہا ہے اس کے اپنی طرف سے ہو بھائی۔ حالانکہ یہاں پر تو وہ ہر اعتبار سے کسی کی جانب سے بھی نہیں ہے بھائی، بعض اعتبارات سے زید کی طرف سے ہے، بعض اعتبارات سے عمرو کی طرف سے ہے اور بعض اعتبارات سے اس کے اپنی طرف سے ہے بھائی۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

اور یہ بھیجنے والوں کی طرف سے کیوں نہیں ہو گا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس نے ان کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ زید نے اس کو پیسے اس لیے دیے تھے کہ وہ حج صرف کس کی طرف سے کرے؟ زید کی طرف سے۔ بکر نے تو پیسے اس کو صرف اس لیے دیے تھے کہ میری طرف سے کرو، تو اس نے دونوں کی مخالفت کی، جب دونوں کی طرف سے حج کر رہا ہے تو دونوں کے حکم کی مخالفت کی۔ لہٰذا ان دو کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے ہم کہ صرف زید کے لیے قرار دے دیں یہ حج یا صرف بکر کے لیے، کیونکہ اس صورت میں تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا۔ زید کو کیوں ترجیح دیں ہم یا بکر کو ترجیح دیتے ہیں تو کیوں ترجیح دیں؟ کسی ایک کو بھی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا ان کی طرف سے بھی نہ ہوا پورے طور پر اور اس کے اپنی طرف سے بھی پورے طور پر نہ ہوا، تو کسی کی طرف سے فرض حج ادا نہیں۔

تو کہتے ہیں «**وَمَنْ أَمَرَهُ رَجُلَانِ**» اور وہ شخص کہ حکم دیا اس کو دو آدمیوں نے «**أَنْ يَحُجَّ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا حَجَّةً**» کہ وہ حج کرے ان دونوں میں سے ہر ایک کی طرف سے «**فَأَهَلَّ بِحَجَّةٍ عَنْهُمَا**» تو اس نے تلبیہ کہا حج کا ان دونوں کی طرف سے یعنی دونوں کے لیے وہ احرام باندھا «**فَهِيَ عَنِ الْحَاجِّ**» تو یہ حج کس کی طرف سے ہو گا؟ حاجی، حج کرنے والے کی طرف سے، کس کی طرف سے؟ ہاں، آگے پوری تفصیل آ جائے گی۔ یہ حج کرنے والے کی طرف سے ہو گا یعنی بعض اعتبارات سے، اور جب اس کی طرف سے ہے اور خرچہ تو انہوں نے دیا تھا لہٰذا خرچے کا ضامن ہو گا۔ ان کو ان کا خرچہ دینا پڑے گا۔ تو کہتے ہیں «**فَهِيَ عَنِ الْحَاجِّ**» یہ حج جو ہے حاجی حج کرنے والے کی طرف سے ہے یعنی جس کو پیسے دیے گئے تھے «**وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ**» اور یہ اس نفقے کا ضامن ہو گا۔ «**لِأَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْآمِرِ**» اس لیے کیونکہ حج جو ہے یہ کس کی طرف سے ہو گا؟ آمر، بھیجنے والے کی طرف سے۔ اوپر کیا آیا تھا؟ «**عَنِ الْحَاجِّ**» کس کی طرف سے؟ حج کرنے والے کی طرف سے، اور میں نے بتلایا کیا قید بڑھا دو؟ بعض اعتبارات سے، اور نیچے پھر آیا «**لِأَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْآمِرِ**» اس لیے کیونکہ حج کس کی طرف سے ہوا؟ آمر یعنی جو حکم دینے والے ہیں، جو بھیجنے والے ہیں، یہاں بھی قید بڑھا دو کون سی؟ بعض اعتبارات سے۔ «**حَتّٰى لَا يَخْرُجَ الْحَاجُّ عَنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ**» یہاں تک کہ یہ حاجی یہ نکلے گا نہیں کس سے؟ اپنے حجِ اسلام سے یعنی فرض حج سے اس حج کی وجہ سے نہیں نکلے گا یعنی وہ اس سے ادا نہیں ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ معلوم ہوا یہ حج حاجی کی طرف سے نہیں ہے پورے طور پر، اگر وہ کرنے والے کی طرف سے پورے طور پر ہوتا تو اس کا فرض حج کیا ہونا چاہیے تھا؟ ادا ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ ادا نہیں ہوا، معلوم ہوا پورے طور پر اس کی طرف سے نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے کس کی طرف سے ہے؟ بھیجنے والوں کی طرف سے بھی ہے۔ یہ معنی ہے «**لِأَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْآمِرِ حَتّٰى لَا يَخْرُجَ الْحَاجُّ عَنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ**» اس لیے کیونکہ یہ حج جو ہے واقع ہوا ہے بھیجنے والوں کی طرف سے یہاں تک کہ یہ حج کرنے والا نکلے گا نہیں اپنے فرض حج سے۔

■ مسئلہ: وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا أَمَرَهُ

«**وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا أَمَرَهُ**» دیکھو اب وہ بتائیں گے کہ اس نے دونوں کی مخالفت کی ہے، «**وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا أَمَرَهُ أَنْ يُّخْلِصَ الْحَجَّ لَهُ**» اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے حکم دیا تھا اس کو کہ وہ خالص کرے حج کو اس کے لیے «**مِنْ غَيْرِ اشْتِرَاكٍ**» بغیر کسی اشتراک کے۔ ان دونوں نے تو کیا کہا تھا؟ زید نے تو کہا تھا خالص حج میرے لیے کرنا کسی اور کے لیے نہیں، اس نے پیسے پورے دیے تھے اور بکر نے پورے پیسے دیے تھے کہ خالص حج میرے لیے کرنا اس میں کسی اور کو شریک نہیں کرنا۔ «**وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا أَمَرَهُ أَنْ يُّخْلِصَ الْحَجَّ لَهُ مِنْ غَيْرِ اشْتِرَاكٍ**» اور ان میں سے ہر ایک نے اس کو حکم دیا تھا کہ خالص کرے حج کو اس کے لیے بغیر کسی شرکت کے، «**وَلَا يُمْكِنُ إِيْقَاعُهُ عَنْ أَحَدِهِمَا لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ**» اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اس حج کو واقع کر دیا جائے ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے **لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ** کیونکہ اولویت نہ ہونے کی وجہ سے، دونوں میں سے کوئی ایک بھی اولیٰ نہیں ہے۔ تو اولویت نہ ہونے کی وجہ سے «**فَيَقَعُ عَنِ الْمَأْمُوْرِ**» تو یہ حج کس کی طرف سے ہو گا؟ مامور، جس کو حکم دیا گیا ہے، جو خود حج پر گیا ہے، اس کی طرف سے ہو گا یعنی بعض اعتبارات سے اس کی طرف سے ہو گا کیونکہ اس نے مخالفت کی ہے۔ «**وَلَا يُمْكِنُهُ أَنْ يَّجْعَلَهُ عَنْ أَحَدِهِمَا بَعْدَ ذٰلِكَ**» اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اس حج کو وہ کر دے ان دونوں میں سے کسی ایک

کے لیے بَعْدَ ذٰلِكَ اس کے بعد۔ اس کے بعد شروع میں سے کسی ایک کے لیے نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے احرام دونوں کی طرف سے باندھا ہے تو کسی ایک کو بھی ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اور اب حج کرنے کے بعد یہ چاہتا ہے زید یا بکر میں سے کسی ایک کے لیے حج کو کر دے تو بعد میں بھی نہیں کر سکتا کیونکہ تعین یہ حج کرنے سے پہلے ہونی چاہیے تھی، ادائے افعال کے بعد کی تعین نہیں ہو سکتی بھائی۔ یہ معنی ہے «وَلَا يُمْكِنُهُ أَنْ يَّجْعَلَهُ عَنْ أَحَدِهِمَا بَعْدَذٰلِكَ» اور ممکن نہیں ہے اس کے لیے کہ اس حج کو کر دے ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے اس کے بعد۔

«بِخِلَافِ مَا إِذَا حَجَّ عَنْ أَبَوَيْهِ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يَّجْعَلَهُ عَنْ أَحَدِهِمَا لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِجَعْلِ ثَوَابِ عَمَلِهِ لِأَحَدِهِمَا أَوْ لَهُمَا فَيَبْقَى عَلٰى خِيَارِهِ بَعْدَ وُقُوْعِهِ سَبَبًا لِّثَوَابِهِ، وَهٰهُنَا يَفْعَلُ بِحُكْمِ الْآمِرِ وَقَدْ خَالَفَ أَمْرَهُمَا فَيَقَعُ عَنْهُ، وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ إِنْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِمَا لِأَنَّهُ صَرَفَ نَفَقَةَ الْآمِرِ إِلٰى حَجِّ نَفْسِهِ»

«بِخِلَافِ مَا إِذَا حَجَّ عَنْ أَبَوَيْهِ» بخلاف کہتے ہیں اس صورت کے کہ ایک شخص ہے وہ حج ادا کرتا ہے اپنے والدین کی طرف سے۔ کس کی طرف سے؟ اپنے والدین کی طرف سے حج ادا کرتا ہے۔ ہاں اس کو اختیار ہے، اس نے نیت کیا کی کہ میں دونوں کی طرف سے یہ حج کرتا ہوں۔ بعد میں حج کرنے کے بعد اس کو اختیار ہے وہ چاہے تو یہ حج دونوں کے لیے رکھے اور چاہے تو والد یا والدہ دونوں میں سے کسی ایک کے لیے کر دے۔ دونوں میں سے ایک کے لیے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے ابھی پچھلے مسئلے میں آپ نے بتلایا کہ ادائیگی کے بعد کسی ایک کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ تو اس کا جواب دیں گے کہ بھائی یہ جو والدین کے لیے اس نے کیا، یہ اس نے نفلی حج کیا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور نفلی حج میں کیا ہوتا ہے؟ اس میں تو ثواب پہنچایا جاتا ہے تو ثواب تو کرنے کے بعد بھی اس کی مرضی ہے جس کو چاہے، چاہے دونوں کو دے دے ثواب اور چاہے دونوں میں سے ایک کو ثواب دے دے۔ تو یہاں ہم ثواب، اوپر جو مسئلہ ذکر ہوا اس میں ہم ثواب کی بات نہیں کر رہے بلکہ حج کے اس شخص کی طرف سے ادا ہونے کو بیان کر رہے تھے کہ وہ ادائیگی کے بعد کسی ایک کے لیے اس کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔

تو کہتے ہیں «بِخِلَافِ مَا إِذَا حَجَّ عَنْ أَبَوَيْهِ» بخلاف اس کے کہ جب کوئی حج کرے اپنے والدین کی طرف سے «فَإِنَّ لَهُ أَنْ يَّجْعَلَهُ عَنْ أَحَدِهِمَا» کیونکہ اس شخص کے لیے جائز ہے کہ اس حج کو کر دے ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے «لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ» اس لیے کیونکہ یہ شخص کیا ہے؟ متبرع ہے۔ متبرع کہتے ہیں اپنی طرف سے کوئی چیز دینا یعنی جو کسی پر واجب نہ ہو یعنی نفل ہے نفلی چیز ہے۔ «لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِجَعْلِ ثَوَابِ عَمَلِهِ لِأَحَدِهِمَا أَوْلَهُمَا» اس لیے کیونکہ یہ شخص متبرع ہے بوجہ کر دینے اپنے عمل کے ثواب کو ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے یا دونوں کے لیے۔ تو اس میں متبرع ہے اس کو اختیار ہے، «فَيَبْقَى عَلٰى خِيَارِهِ» تو یہ شخص اپنے اختیار پر ہی باقی رہے گا «بَعْدَ وُقُوْعِهِ سَبَبًالِّثَوَابِهِ» بعد اس کے کہ جب وہ حج واقع ہو گیا تھا اپنے ثواب کا سبب ہو کر۔ حج اپنے ثواب کا سبب ہو کر واقع ہو گیا تھا یعنی حج ہو گیا اور ثواب کا سبب بن گیا، اس سے ثواب مل گیا، تو اب اس کی مرضی ہے جس کو یہ چاہے یہ ثواب بخش دے بھائی۔ «وَهٰهُنَا يَفْعَلُ بِحُكْمِ الْآمِرِ» اور یہاں پر یہ حج جو کر رہا ہے یہ کوئی نفلی حج نہیں ہے بلکہ بِحُكْمِ الْآمِرِ حکم دینے والے کے حکم سے کر رہا ہے «وَقَدْ خَالَفَ أَمْرَهُمَا» اور تحقیق اس نے ان دونوں کے حکم کی مخالفت کی «فَيَقَعُ عَنْهُ» تو لہٰذا یہ حج اس کی طرف سے ہو گا، صورت سمجھ میں آگئی یعنی بعض اعتبارات سے۔

■ مسئلہ: وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ إِنْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِمَا

«وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ إِنْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِمَا» اور یہ شخص نفقے کا ضامن ہو گا، اوپر متن میں آیا تھا نا «وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ» تو یہ اس کے اوپر لکیر جو لگی ہے یہ درست نہیں ہے، یہ متن کا حصہ نہیں۔ «وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ» اور نفقے کا ضامن ہو گا، صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کب ضامن ہو گا ان دونوں کے لیے نفقے کا؟ کہتے ہیں «إِنْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِمَا» اگر اس نے خرچ کیا تھا ان دونوں کے مال میں سے «لِأَنَّهُ صَرَفَ نَفَقَةَ الْآمِرِ إِلٰى حَجِّ نَفْسِهِ» اس لیے کیونکہ اس نے آمر کے خرچے کو لگا دیا إِلٰى حَجِّ نَفْسِهِ اپنے ذاتی حج میں۔

«وَإِنْ أَبْهَمَ الْإِحْرَامَ بِأَنْ نَّوٰى عَنْ أَحَدِهِمَا غَيْرَ عَيْنٍ فَإِنْ مَضٰى عَلٰى ذٰلِكَ صَارَ مُخَالِفًا لِّعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ، وَإِنْ عَيَّنَ أَحَدَهُمَا قَبْلَ الْمُضِيِّ فَكَذٰلِكَ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهُوَ الْقِيَاسُ لِأَنَّهُ مَأْمُوْرٌ بِالتَّعْيِيْنِ وَالْإِبْهَامُ يُخَالِفُهُ فَيَقَعُ عَنْ نَّفْسِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يُعَيِّنْ حَجَّةً أَوْ عُمْرَةً حَيْثُ كَانَ لَهُ أَنْ يُّعَيِّنَ مَا شَاءَ لِأَنَّ الْمُلْتَزَمَ هُنَالِكَ مَجْهُوْلٌ وَهٰهُنَا الْمَجْهُوْلُ مَنْ لَّهُ الْحَقُّ، وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْإِحْرَامَ شُرِعَ وَسِيْلَةً إِلَى الْأَفْعَالِ لَا مَقْصُوْدًا بِنَفْسِهِ وَالْمُبْهَمُ يَصْلُحُ وَسِيْلَةً بِوَاسِطَةِ التَّعْيِيْنِ فَاقْتُفِيَ بِهِ شَرْطًا بِخِلَافِ مَا

إِذَا أَدَّى الْأَفْعَالَ عَلَى الْإِبْهَامِ لِأَنَّ الْمُؤَدَّى لَا يَحْتَمِلُ التَّعْيِيْنَ فَصَارَ مُخَالِفًا»

صورت یہ، پہلی صورت تو کیا تھی کہ اس نے احرام دونوں کی طرف سے باندھا تھا بھائی، دونوں کی طرف سے باندھا تھا۔ اب دوسری صورت یہ ہے کہ وہ احرام دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے باندھتا ہے لیکن متعین نہیں کرتا کہ وہ زید کی طرف سے یہ احرام باندھ رہا ہے یا بکر کی طرف سے، تو بھی اس صورت میں یہ ان کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہوا۔ لہٰذا اس صورت میں بھی یہی حکم ہوگا جو ابھی اوپر بیان ہو گیا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ من وجہ اس کی طرف سے ہوگا اور من وجہ ان کی طرف سے۔ اور اگر حج کے افعال کرنے سے پہلے اس نے دونوں میں سے ایک کی تعین کر دی، تعین کر دی، اس نے احرام تو مبہم باندھا تھا کہ دونوں میں سے ایک کی طرف سے باندھتا ہوں، تعین نہیں کی تھی لیکن حج کے افعال ابھی شروع نہیں کیے تھے اس سے پہلے اس نے تعین کر دی کہ یہ احرام میں نے کس کی طرف سے مثلاً باندھا ہے؟ زید کی طرف سے، زید کی طرف سے۔ تو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن استحساناً جو ہے یہ جائز ہوگا اور یہ حج زید کی طرف سے ہو جائے گا بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں «وَإِنْ أَبْهَمَ الْإِحْرَامَ» اور اگر اس نے احرام کو مبہم رکھا «بِأَنْ نَّوَى عَنْ أَحَدِهِمَا غَيْرَ عَيْنٍ» بایں صورت کہ اس نے نیت کی ان دونوں میں سے کسی ایک غیر معین کی «فَإِنْ مَضٰى عَلٰى ذٰلِكَ صَارَ مُخَالِفًا» اگر وہ اسی پر چلتا رہا یعنی اسی طرح مبہم احرام باندھا تھا اور اسی پر چلتا رہا «صَارَ مُخَالِفًا» تو یہ ان دونوں کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہو گیا «لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ» کیونکہ یہاں اولویت نہیں ہے، کسی ایک کو بھی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ «وَإِنْ عَيَّنَ أَحَدَهُمَا قَبْلَ الْمُضِيِّ» اور اگر اس نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو متعین کر دیا قبل المضی افعال میں چلنے سے پہلے «فَكَذٰلِكَ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ» تو بھی حکم اسی طرح ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک لیکن طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک استحساناً جس کی طرف سے ادا کرے گا، جس کی تعین کرے گا اس کی طرف سے ہو جائے گا۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں۔ بعد میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگا۔ جب شروع میں احرام مبہم تھا تو بعد میں متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوگا۔ «وَهُوَ الْقِيَاسُ» اور یہی قیاس بھی یہی ہے، قیاس بھی یہی تقاضا کرتا ہے «لِأَنَّهُ مَأْمُوْرٌ بِالتَّعْيِيْنِ» اس لیے کیونکہ یہ تو مامور بالتعیین تھا، اس کو تو کس چیز کا حکم دیا گیا تھا؟ تعین کا کہ متعین کرے، «وَالْإِبْهَامُ يُخَالِفُهُ» اور ابہام تو اس کے مخالف ہے «فَيَقَعُ عَنْ نَّفْسِهِ» لہٰذا یہ حج بھی کس کی طرف سے ہوگا؟ اس کی اپنی طرف سے ہوگا، قیاس یہ تقاضا کرتا ہے۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يُعَيِّنْ حَجَّةً أَوْ عُ...

«بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يُعَيِّنْ حَجَّةً أَوْ عُمْرَةً» بخلاف اس صورت کے، یہاں ایک اور صورت بیچ میں ذکر کر رہے ہیں۔ بخلاف اس صورت کے «إِذَا لَمْ يُعَيِّنْ حَجَّةً أَوْ عُمْرَةً» کہ جب اس نے حج یا عمرے کو متعین نہ کیا ہو، بھائی صورت یہ: ایک شخص احرام باندھتا ہے لیکن احرام ہی کو مبہم رکھتا ہے کہ یہ حج کا ہے یا عمرے کا ہے، کسی کی تعین نہیں کرتا، کسی کی نیت نہیں کرتا، تو اس شخص کے لیے بالاتفاق تعین جائز ہے یعنی یہ حج کی تعین کر دے بعد میں یا حج کی تعین کر کے حج ادا کر لے یا عمرے کی تعین کر کے عمرہ ادا کر لے، یہ کر سکتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ دیکھو اس شخص نے بھی احرام کو مبہم باندھا تھا اور بعد میں تعین کر دی تو متعین ہو گیا۔ تعین کرنے سے متعین ہو گیا کہ یہ حج کا احرام ہے یا عمرے کا احرام ہے، تو لہٰذا یہاں پھر کیوں یہاں کس وجہ سے تعین بعد میں نہیں ہوتی؟ دلیل، بات کس کی چل رہی ہے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی، اور یہی قیاس بھی ہے، تو قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کا کہ یہ حج بھی اسی کی طرف سے ہو جس کی تعین کرے، اس سے اس کی طرف سے نہ ہو۔

مسئلے کی طرف توجہ بھی ہے یا سارا ذہن سے نکلتا جا رہا ہے؟ صورت یہ: ایک شخص نے احرام باندھا اور مبہم احرام باندھا کہ یہ زید کی طرف سے ہے یا بکر کی طرف سے ہے، تعین نہیں کی، ہاں اتنا کہا اتنا ذہن میں ہے ایک کی طرف سے ہے بس، لیکن کس کی طرف سے ہے اس نے تعین نہیں کی کہ زید کی طرف سے ہے یا بکر کی طرف سے۔ تو کہتے ہیں کہ قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس صورت میں بھی حج اس کی اپنی طرف سے ہی ہوگا کیونکہ اس پر تو لازم تھا کیا؟ شروع سے ہی تعین، اور اس نے شروع میں کیا کیا؟ ابہام رکھا اور ابہام کیا ہے؟ تعین کے مخالف ہے، تو اس نے گویا ان کے حکم کی مخالفت کر دی اور جب حکم کی مخالفت کر دی تو ان کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ اپنی طرف سے ہوا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ایک شخص جو ہے مبہم احرام باندھتا ہے اور یہ تعین نہیں کرتا کہ یہ حج کا احرام ہے یا عمرے کا، وہ تو بعد میں تعین سے متعین ہو جاتا ہے تو یہ والا تعین سے کیوں نہیں متعین ہوگا؟ تو جواب یہ کہ وہاں پر، وہاں پر جب احرام اس نے مبہم باندھا اور یہ نیت نہیں کی کہ یہ حج کا ہے یا عمرے کا، تو وہاں پر صاحبِ حق معلوم ہے، کیا ہے؟ صاحبِ حق معلوم ہے۔ وہ یہ حج جس کے لیے بھی جس چیز کا بھی احرام باندھا لیکن کس کے لیے کر رہا ہے یہ؟ اپنے لیے، کیا کر رہا ہے؟ تو وہاں صاحبِ حق معلوم ہے، ہاں کس چیز کو اپنے اوپر وہ لازم کر رہا ہے احرام کے ذریعے وہ مجہول ہے، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ جب احرام باندھ رہا ہے تو احرام کے ذریعے یا انسان اپنے اوپر عمرے کو لازم کرتا ہے یا حج کو لازم کرتا ہے لیکن اس نے متعین نہیں کیا کہ کس چیز کو اپنے اوپر لازم کر رہا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کس چیز کو اپنے اوپر لازم کر رہا ہے وہ مجہول ہو، وہ بعد میں بھی عمل کرنے سے پہلے ہی کیا کی جا سکتی ہے؟ متعین کی جا سکتی ہے۔ تو وہ چیز جس کا انسان التزام کرے

اس کا مجہول ہونا نقصان نہیں دیتا بشرطیکہ صاحبِ حق یعنی جس کے لیے یہ حج یا عمرہ کیا جارہا ہے وہ کیا ہونا چاہیے؟ معلوم ہونا چاہیے۔ جبکہ یہاں پر جو چیز کر رہا ہے، حج یا عمرہ، کیا کر رہا ہے وہ یہاں؟ حج کر رہا ہے، تو حج تو یہاں جس چیز کا التزام کر رہا ہے وہ تو معلوم ہے اور جس کا حق ہے وہ کیا ہے؟ مجہول ہے، کس کے لیے کر رہا ہے، زید کے لیے کر رہا ہے یا بکر کے لیے کر رہا ہے؟ صورت سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں «**بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يُعَيِّنْ حَجَّةً أَوْعُمْرَةً**» بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ متعین نہ کرے حج یا عمرے کو «**حَيْثُ كَانَ لَهُ أَنْ يُّعَيِّنَ مَا شَاءَ**» کیونکہ اس کے لیے جائز ہے کہ یہ متعین کر دے جو بھی یہ چاہے، چاہے حج کو متعین کر دے چاہے عمرے کو، «**لِأَنَّ الْمُلْتَزَمَ هُنَالِكَ مَجْهُوْلٌ**» اس لیے کیونکہ وہ چیز جس کا التزام کیا گیا یعنی جس کو اپنے اوپر لازم کیا گیا ہنالک مجہول یہ وہاں پر مجہول ہے، تو جس کو بھی چاہے متعین کر دے اس میں کوئی نقصان نہیں، «**وَهٰهُنَا الْمَجْهُوْلُ مَنْ لَّهُ الْحَقُّ**» اور یہاں پر کیا ہے؟ من لہ الحق، وہ جس کا حق ہے یعنی صاحبِ حق یہاں مجہول ہے۔ تو پچھلے میں ملتزم مجہول تھا اور من لہ الحق کیا تھا؟ معلوم تھا، اور یہاں پر ملتزم معلوم ہے اور من لہ الحق مجہول ہے اور یہ درست نہیں ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ

«**وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ**» استحسان کی وجہ یہ ہے، بھائی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تو فرماتے تھے جائز نہیں ہے قیاس کے مطابق لیکن استحساناً طرفین فرماتے ہیں جائز ہے۔ تو اس کی اب وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ «**وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْإِحْرَامَ شُرِعَ وَسِيْلَةً إِلَى الْأَفْعَالِ**» استحسان کی وجہ یہ ہے کہ احرام جو ہے یہ وسیلہ ہو کر مشروع ہوا ہے افعال کے لیے۔ یہ حج یا عمرے کے افعال کے لیے یہ احرام وسیلہ ہو کر مشروع ہوا ہے یعنی اس کے ذریعے حج یا عمرے تک پہنچا جاتا ہے «**لَا مَقْصُوْدًا بِنَفْسِهِ**» یہ احرام خود مقصود نہیں ہوتا۔ «**وَالْمُبْهَمُ يَصْلُحُ وَسِيْلَةً بِوَاسِطَةِ التَّعْيِيْنِ**» اور مبہم احرام جو ہے وہ بھی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ وسیلہ بن جائے **بِوَاسِطَةِ التَّعْيِيْنِ** کس کے ذریعے؟ تعین کے ذریعے، احرام اگر مبہم بھی ہو لیکن پھر یہ کہ وسیلہ بن جائے حج یا عمرے تک پہنچنے کا **بِوَاسِطَةِ التَّعْيِيْنِ** کس کے ذریعے؟ تعین کے ذریعے، شروع میں احرام مبہم باندھا تھا کہ کسی ایک کے لیے ہے تعین نہیں کی تھی لیکن پھر بعد میں کیا کر دیتا ہے؟ تعین کر دیتا ہے تو یہ احرام تو صرف وسیلہ تھا کوئی حرج نہیں، ابھی افعال تو نہیں کیے۔ تو لہٰذا یہ مبہم احرام اب تعین کے بعد کیا بن سکتا ہے؟ وسیلہ بن سکتا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ یہ معنی ہے «**وَالْمُبْهَمُ يَصْلُحُ وَسِيْلَةً بِوَاسِطَةِ التَّعْيِيْنِ**» اور مبہم احرام وہ صلاحیت رکھتا ہے وسیلہ بننے کی تعین کے واسطے سے «**فَاقْتُفِيَ بِهِ شَرْطًا**» تو اسی پر اکتفاء کر لیا جائے گا شرط ہونے کے اعتبار سے، تو اسی پر کیا کر لیا جائے گا؟ اسی مبہم احرام پر اکتفاء کر لیا جائے گا باعتبار شرط ہونے کے کہ یہ کیا ہے؟ شرط ہے خود مقصود نہیں ہے۔

«**بِخِلَافِ مَا إِذَا أَدَّى الْأَفْعَالَ عَلَى الْإِبْهَامِ**» بخلاف اس کے کہ جب وہ ادا کر دے اس حج کے افعال کو **عَلَى الْإِبْهَامِ** کس طریقے پر؟ ابہام ہی کے طریقے پر، یعنی یہ متعین ہی نہیں کرتا کہ یہ زید کے لیے کر رہا ہے یا عمرو کے لیے تو ابہام کے طریقے پر ہی حج کے افعال جب ادا کر لیتا ہے «**لِأَنَّ الْمُؤَدَّى لَا يَحْتَمِلُ التَّعْيِيْنَ**» اس لیے کیونکہ وہ چیز جس کو ادا کر دیا گیا وہ تعین کا احتمال نہیں رکھتا «**فَصَارَ مُخَالِفًا**» تو یہ کیا ہوا؟ ان دونوں کی مخالفت کرنے والا ہوا تو ضامن ہو گا۔

«قَالَ: فَإِنْ أَمَرَهُ غَيْرُهُ أَنْ يَّقْرُنَ عَنْهُ فَالدَّمُ عَلٰى مَنْ أَحْرَمَ لِأَنَّهُ وَجَبَ شُكْرًا لِّمَا وَفَّقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ النُّسُكَيْنِ، وَالْمَأْمُوْرُ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ لِأَنَّ حَقِيْقَةَ الْفِعْلِ مِنْهُ، وَهٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ تَشْهَدُ بِصِحَّةِ الْمَرْوِيِّ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْمَأْمُوْرِ»

■ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ میری طرف سے حج

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ میری طرف سے حج کر لو اور یوں کر لو کہ حج قران کر لینا، کیا کر لینا؟ حج قران کر لینا، اور آپ جانتے ہیں کہ حج قران میں حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا جاتا ہے اور دو عبادتوں کی توفیق ملنے کی وجہ سے حاجی پر قربانی واجب ہوتی ہے، دمِ شکر جو ہے، دمِ قران جو ہے بھائی۔ تو اب یہ دمِ قران کیا یہ بھیجنے والے پر آئے گا یا حج کرنے والے پر آئے گا؟ یعنی اس کا خرچہ کس پر ہو گا؟ کہتے ہیں بھائی یہ نفع جو اٹھایا اور یہ جو دو عبادتوں کو جمع کرنے کی توفیق ملی، یہ حج کرنے والے کو ملی ہے، یہ بھیجنے والے کو نہیں ملی، لہٰذا اس دم کا خرچہ حج کرنے والے پر ہو گا۔ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ بھیجنے والے پر اس کا خرچہ نہیں۔

«**فَإِنْ أَمَرَهُ غَيْرُهُ أَنْ يَّقْرُنَ عَنْهُ**» اگر حکم دیا ایک شخص کو دوسرے نے کہ وہ اس کی طرف سے حج قران کر لے «**فَالدَّمُ عَلٰى مَنْ أَحْرَمَ**» تو یہ دمِ قران جو ہے اس شخص پر آئے گا جس نے احرام باندھا ہے، جو حج پر گیا ہے «**لِأَنَّهُ وَجَبَ شُكْرًا لِّمَا وَفَّقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ النُّسُكَيْنِ**» اس لیے کیونکہ یہ دم واجب ہوا ہے بطورِ شکر کے بوجہ اس کے جو اس کو توفیق دی ہے اللہ تعالیٰ نے دو عبادتوں کو جمع کرنے کی «**وَالْمَأْمُوْرُ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ**»

اور وہ جو مامور ہے جس کو حکم دیا گیا یعنی جس کو بھیجا گیا ہے وہ خاص ہے اس نعمت کے ساتھ، یہ نعمت کس کو حاصل ہوئی؟ حج اور عمرے کو اکٹھا کرنے کی، یہ تو مامور جس کو بھیجا گیا ہے لہٰذا اسی پر دم آئے گا «لِأَنَّ حَقِيْقَةَ الْفِعْلِ مِنْهُ» اس لیے کیونکہ حقیقتِ فعل اس کی طرف سے پایا جا رہا ہے، یہ حج اور عمرے کا فعل حقیقتاً اس کی طرف سے ہے۔

«وَهٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ تَشْهَدُ بِصِحَّةِ الْمَرْوِيِّ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْمَأْمُوْرِ» یہاں سے صاحبِ ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ یہ مسئلہ گواہی دیتا ہے اس روایت کے صحیح ہونے کی جو امام محمد رحمہ اللہ سے روایت کی گئی بھائی۔ امام محمد رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ کہ حج جو ہے حج کرنے والے ہی کی طرف سے ہوتا ہے، بھیجنے والے کو صرف ثواب ملتا ہے۔ یہاں پر بھی دیکھو قربانی کس پر آ رہی ہے؟ حج کرنے والے ہی پر آ رہی ہے، معلوم ہوا یہ کس کی طرف سے ہو رہا ہے حج؟ حج کرنے والے ہی کی طرف سے اور دوسرے کو صرف کیا مل رہا ہے؟ ثواب مل رہا ہے۔ کہتے ہیں «وَهٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ تَشْهَدُ بِصِحَّةِ الْمَرْوِيِّ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عَنِ الْمَأْمُوْرِ» اور یہ مسئلہ گواہی دیتا ہے اس روایت کے صحیح ہونے کی جو مروی ہے امام محمد رحمہ اللہ سے کہ حج جو ہے مامور کی طرف سے واقع ہوتا ہے یعنی جس کو حکم دیا گیا جس کو بھیجا گیا۔

■ مسئلہ: وَكَذٰلِكَ إِنْ أَمَرَهُ وَاحِدٌ بِأَنْ يَّحُجَّ ع...

«وَكَذٰلِكَ إِنْ أَمَرَهُ وَاحِدٌ بِأَنْ يَّحُجَّ عَنْهُ وَالْآخَرُ بِأَنْ يَّعْتَمِرَ عَنْهُ وَأَذِنَا لَهُ بِالْقِرَانِ فَالدَّمُ عَلَيْهِ»

صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میری طرف سے حج کر لینا، دوسرے نے کہا کہ میری طرف سے عمرہ کر لینا اور انہوں نے حج قران کی اس کو اجازت دے دی، حج قران کی اجازت دے دی تو اب عمرہ ایک کی طرف سے ہو گا اور حج دوسرے کی طرف سے لیکن جب حج قران کرے گا آئے گا کیا؟ دم آئے گا، شکر کا دم جو ہے، دمِ قران، تو اس صورت میں بھی پیسے اس دم کے حاجی پر ہی آئیں گے بھائی، حاجی پر ہی آئیں گے بھائی۔

«وَكَذٰلِكَ إِنْ أَمَرَهُ وَاحِدٌ بِأَنْ يَّحُجَّ عَنْهُ وَالْآخَرُ بِأَنْ يَّعْتَمِرَ عَنْهُ وَأَذِنَا لَهُ بِالْقِرَانِ فَالدَّمُ عَلَيْهِ» اور اسی طرح ہے مسئلہ، اسی طرح ہے حکم اگر حکم دیا اس کو کسی ایک نے کہ اس کی طرف سے حج کر لے اور دوسرے نے کہ اس کی طرف سے عمرہ کر لے اور ان دونوں نے اس کو حج قران کی اجازت دے دی، حج قران کی اجازت دے دی، یاد رکھیے یہ قید ضروری ہے بھائی، اگر اجازت نہ دی ہو تو پھر اس صورت میں یہ مخالفت کرنے والا ہو گا۔ کیا کرنے والا؟ مخالفت کرنے والا ہو گا کیونکہ ایک شخص نے اس کو حج کا کہا ہے، اس نے حج کا پورا خرچہ دیا تو اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میری طرف سے یہ سارا سفر کس کے لیے ہونا چاہیے؟ صرف میرے لیے، میرے حج کے لیے۔ اور دوسرے نے اس کو عمرے کا پورا خرچہ دیا، اس کے کہنے کا کیا مطلب ہے؟ کہ سارا سفر میرے اس عمرے کے لیے ہونا چاہیے، سمجھ میں آیا؟ اور اس نے کیا کیا؟ دونوں سے، اس نے دونوں سے حج قران کی اجازت لے لی تاکہ کیا کروں؟ ایک ہی سفر میں دونوں کا دونوں کر لوں بھائی۔ تو کہتے ہیں «وَأَذِنَا لَهُ بِالْقِرَانِ فَالدَّمُ عَلَيْهِ» اور دونوں نے اس کو اجازت دے دی حج قران کی تو بھی دم اس حج کرنے والے پر ہے «لِمَا قُلْنَا» اس وجہ سے جو ہم نے کہا کہ اس نے دو عبادتوں کو جمع کرنے کی نعمت حاصل کی ہے۔

■ مسئلہ: وَدَمُ الْإِحْصَارِ عَلَى الْآمِرِ وَهٰذَا عِنْدَ...

«وَدَمُ الْإِحْصَارِ عَلَى الْآمِرِ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى، وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَى الْحَاجِّ لِأَنَّهُ وَجَبَ لِلتَّحَلُّلِ دَفْعًا لِّضَرَرِ امْتِدَادِ الْإِحْرَامِ وَهٰذَا الضَّرَرُ رَاجِعٌ إِلَيْهِ فَيَكُوْنُ الدَّمُ عَلَيْهِ، وَلَهُمَا أَنَّ الْآمِرَ هُوَ الَّذِيْ أَدْخَلَهُ فِيْ هٰذِهِ الْعُهْدَةِ فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ، فَإِنْ كَانَ يَحُجُّ عَنْ مَّيِّتٍ فَأُحْصِرَ فَالدَّمُ فِيْ مَالِ الْمَيِّتِ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِّأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، ثُمَّ قِيْلَ هُوَ مِنْ ثُلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ لِأَنَّهُ صِلَةٌ كَالزَّكَاةِ وَغَيْرِهَا، وَقِيْلَ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ لِأَنَّهُ وَجَبَ حَقًّا لِّلْمَأْمُوْرِ فَصَارَ دَيْنًا»

«وَدَمُ الْإِحْصَارِ عَلَى الْآمِرِ» ہاں دمِ احصار جو ہے وہ آمر پر آئے گا بھیجنے والے پر جس نے حکم دیا تھا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ایک شخص کو کسی نے بھیجا حج پر، میری طرف سے حج کر آؤ، اور یہ شخص آگے محصر ہو گیا، دشمن کی وجہ سے آگے نہ جا سکا تو اس صورت میں جو دمِ احصار بھیج کر یہ حلال ہو گا وہ دم کس پر آئے گا؟ بھیجنے والے پر آئے گا۔ تو کہتے ہیں «وَدَمُ الْإِحْصَارِ عَلَى الْآمِرِ» اور دمِ احصار جو ہے وہ حکم دینے والے پر ہے «وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا

اللّٰہُ تَعَالٰی » اور یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے، « **وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَى الْحَاجِّ** » اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دمِ احصار حاجی پر ہو گا جو حج کر رہا ہے، « **لِأَنَّهُ وَجَبَ لِلتَّحَلُّلِ دَفْعًا لِّضَرَرِ امْتِدَادِ الْإِحْرَامِ وَهٰذَا الضَّرَرُ رَاجِعٌ إِلَيْهِ فَيَكُوْنُ الدَّمُ عَلَيْهِ** » وہ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو دم واجب ہوا ہے للتحلل کس لیے ہے؟ حلال ہونے کے لیے ہے دفعالضرر امتداد الإحرام تاکہ دور کیا جائے احرام کے لمبا ہونے کی تکلیف کو، ورنہ تو احرام کیا ہو جاتا؟ لمبا ہو جاتا، تو احرام کے لمبا ہونے کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے دور کرنے کے لیے دم واجب ہوا ہے تاکہ یہ حلال ہو جائے، « **وَهٰذَا الضَّرَرُ رَاجِعٌ إِلَيْهِ** » اور یہ تکلیف اور نقصان کس کو لوٹ رہا ہے، کس کو ہو رہا ہے یہ نقصان بھائی؟ جو صاحبِ احرام ہے جو حج کر رہا ہے اس کو یہ ضرر اس کی جانب لوٹ رہا ہے « **فَيَكُوْنُ الدَّمُ عَلَيْهِ** » تو دم بھی اسی پر ہو گا۔ یہ کس کی دلیل؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی۔

« **وَلَهُمَا أَنَّ الْآمِرَ هُوَ الَّذِيْ أَدْخَلَهُ فِيْ هٰذِهِ الْعُهْدَةِ فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ** » اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ آمر جو ہے، حکم دینے والا ہے جو حج پر بھیجنے والا ہے وہ وہی ہے وہ شخص جس نے اس حاجی کو اس ذمہ داری میں داخل کیا « **فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ** » تو اسی پر اس کا چھڑانا بھی اسی پر واجب ہے تو دم اس پر آئے گا۔

■ مسئلہ: فَإِنْ كَانَ يَحُجُّ عَنْ مَّيِّتٍ فَأُحْصِرَ فَال...

« **فَإِنْ كَانَ يَحُجُّ عَنْ مَّيِّتٍ فَأُحْصِرَ فَالدَّمُ فِيْ مَالِ الْمَيِّتِ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِّأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ** » اگر وہ شخص حج کر رہا تھا کسی مرنے والے کی طرف سے، کسی کا انتقال ہوا تھا اس کی طرف سے حج پر بھیجا گیا ہے « **فَأُحْصِرَ** » تو یہ محصر ہو گیا، یہ جو میت کی طرف سے حج کرنے والا ہے یہ کیا ہوا؟ محصر، اس کو رکنا پڑا دشمن کی وجہ سے، « **فَالدَّمُ فِيْ مَالِ الْمَيِّتِ عِنْدَهُمَا** » تو یہ جو دمِ احصار ہے یہ مرنے والے کے مال میں سے ہو گا عند ہما طرفین کے نزدیک، « **خِلَافًا لِّأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ** » بخلاف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے۔

« **ثُمَّ قِيْلَ هُوَ مِنْ ثُلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ لِأَنَّهُ صِلَةٌ كَالزَّكَاةِ وَغَيْرِهَا** » اچھا، پھر کہا گیا ہے کہ یہ مرنے والے کے ثلثِ مال میں سے ہو گا۔ کس میں سے؟ ثلثِ مال میں سے یہ دم دیا جائے گا « **لِأَنَّهُ صِلَةٌ** » اس لیے کیونکہ یہ عطیہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ صلہ جس کا کوئی جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو، مالی عوض نہ ہو یعنی عطیہ اور انعام کہیں بھائی، عطیہ اور انعام، یعنی یوں کہیں یہ تبرع ہے یہ کیا ہے؟ تبرع ہے جس کے مقابلے میں کچھ نہ ہو۔ تو اس لیے کیونکہ یہ جو دم ہے یہ صلہ ہے « **كَالزَّكَاةِ وَغَيْرِهَا** » جیسے زکوٰۃ اور اس کے علاوہ چیزیں ہیں۔ بھائی آپ پڑھ چکے، ایک آدمی کا انتقال ہوتا ہے اور اس کے ذمے زکوٰۃ واجب ہے تو اس کے اگر اس نے وصیت نہیں کی تو وارثوں پر اس کی طرف سے زکوٰۃ دینا واجب نہیں، بہتر ہے وہ دے دیں تاکہ مرنے والے کی آخرت آخرت جو ہے اس کی تکلیف دور ہو جائے لیکن ان پر شرعاً لازم نہیں کیونکہ مرنے والے نے کوئی وصیت نہیں کی، لیکن اگر مرنے والا وصیت کر جاتا ہے کہ میرے ذمے اتنی زکوٰۃ ہے وہ دے دینا تو پھر یاد رکھیے اس صورت میں بھی آپ مسئلہ پڑھ چکے کتاب الزکوٰۃ کے اندر کہ ثلثِ مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ یعنی سب سے پہلے کفن دفن کریں گے پھر اس کے بعد قرضے ادا کریں گے، اب جو مال باقی بچ گیا اس کے تیسرے حصے تک اس میں اگر وہ ساری زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے تو ٹھیک ہے، اگر نہیں ہو سکتی تو زائد میں سے ادائیگی کرنا یہ وارثوں پر لازم نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے کرنا چاہتے ہیں، اچھی بات ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو لہٰذا اب یہ جو دمِ احصار دیا گیا تو یہ کس میں سے دیا جائے گا؟ ثلثِ مال میں سے یا سارے مال میں سے؟ تو کہتے ہیں کہ « **هُوَ مِنْ ثُلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ** » یہ کس میں سے ہو گا؟ مرنے والے کے مال کے تیسرے حصے میں « **لِأَنَّهُ صِلَةٌ** » اس لیے کیونکہ یہ عطیہ ہے یعنی تبرع ہے « **كَالزَّكَاةِ وَغَيْرِهَا** » جیسے زکوٰۃ وغیرہ ہیں۔ « **وَقِيْلَ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ** » اور کہا گیا ہے کہ یہ سارے مال میں سے دیا جائے گا « **لِأَنَّهُ وَجَبَ حَقًّا لِّلْمَأْمُوْرِ فَصَارَ دَيْنًا** » اس لیے کیونکہ یہ مامور کا حق ہو کر واجب ہوا ہے تو یہ دین ہوا، اور دین تو کس میں سے ادا کیا جاتا ہے؟ سارے مال میں سے، لہٰذا یہ بھی سارے مال میں سے ادا کیا جائے گا چاہے سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے۔

« وَدَمُ الْجِمَاعِ عَلَى الْحَاجِّ لِأَنَّهُ دَمُ جِنَايَةٍ وَهُوَ الْجَانِيْ عَنِ اخْتِيَارٍ، وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ مَعْنَاهُ إِذَا جَامَعَ قَبْلَ الْوُقُوْفِ حَتّٰى فَسَدَ حَجُّهُ لِأَنَّ الصَّحِيْحَ هُوَ الْمَأْمُوْرُ بِهِ بِخِلَافِ مَا إِذَا فَاتَهُ الْحَجُّ حَيْثُ لَا يَضْمَنُ النَّفَقَةَ لِأَنَّهُ مَا فَاتَهُ بِاخْتِيَارِهِ، أَمَّا إِذَا جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ لَا يَفْسُدُ حَجُّهُ وَلَا يَضْمَنُ النَّفَقَةَ لِحُصُوْلِ مَقْصُوْدِ الْآمِرِ وَعَلَيْهِ الدَّمُ فِيْ مَالِهِ لِمَا بَيَّنَّا، وَكَذٰلِكَ سَائِرُ دِمَاءِ الْكَفَّارَاتِ عَلَى الْحَاجِّ لِمَا قُلْنَا»

■ مسئلہ: وَدَمُ الْجِمَاعِ عَلَى الْحَاجِّ

« **وَدَمُ الْجِمَاعِ عَلَى الْحَاجِّ** » اور دم جماع جو ہے حاجی پر ہے۔ بھائی ایک شخص نے دوسرے کو خرچہ دیا کہ جاؤ میری طرف سے حج بدل کر آؤ، میری طرف

سے حج کر آؤ۔ اب اس حاجی سے غلطی ہوئی، اس نے بیوی سے صحبت کر لی، بیوی سے صحبت کر لی۔ تو اس صورت میں جو صحبت کی وجہ سے دم لازم ہو گا، کہتے ہیں یہ حاجی پر آئے گا، یہ اس بھیجنے والے پر نہیں کیونکہ یہ جنایت کس نے کی ہے؟ حاجی نے کی ہے لہٰذا یہ دم بھی اسی پر آئے گا۔ تو کہتے ہیں «وَدَمُ الْجِمَاعِ عَلَى الْحَاجِّ» اور دمِ جماع جو ہے وہ حاجی پر ہے «لِأَنَّهُ دَمُ جِنَايَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ تو جنایت کا دم ہے «وَهُوَ الْجَانِي عَنِ اخْتِيَارٍ» اور وہ ہے جنایت کرنے والا اپنے ہاں تو وہ اختیار کے ساتھ جنایت کرنے والا ہے، جرم کرنے والا ہے۔

«وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ» اور یہ حاجی جو ہے نفقے کا ضامن ہو گا۔ بھیجنے والے نے تو اس کو حج کا خرچہ دے کر بھیجا تھا تو اب یہ نفقے کا ضامن ہو گا یعنی خرچہ اس کو لوٹانا پڑے گا۔ آگے صاحبِ ہدایہ بتلائیں گے کہ بھائی معنی اس کا یہ ہے اگر اس نے وقوفِ عرفات سے پہلے کیا کر لیا؟ جماع کر لیا، پھر تو حج ہی فاسد ہو گیا اور بھیجنے والے کا تو مقصد ہی فوت ہو گیا، اس نے تو پیسے کس لیے دیے تھے تاکہ اس کی طرف سے حج ہو جائے تو لہٰذا اب حج فوت ہو گیا، حج فاسد ہو گیا، لہٰذا اس صورت میں یہ جانے والے کو، یہ جو جنایت کرنے والا ہے اس کو سارا خرچہ لوٹانا پڑے گا۔ اور اگر وقوفِ عرفات کے بعد وہ صحبت کرتا ہے پھر تو حج فاسد نہیں ہوتا، ہاں صرف کیا آئے گا؟ دم آئے گا اس کے اندر تو وہ دم، وہ ٹھیک ہے جو حج پر گیا ہوا ہے خود اسی پر آجائے گا اور حج تو ادا ہو جائے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں «وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ مَعْنَاهُ إِذَا جَامَعَ قَبْلَ الْوُقُوْفِ» اور یہ نفقے کا ضامن ہو گا، معنی اس کا یہ ہے اگر اس نے صحبت کی ہے وقوف سے پہلے یعنی وقوفِ عرفات سے پہلے «حَتّٰى فَسَدَ حَجُّهُ» یہاں تک کہ اس کا حج فاسد ہو گیا «لِأَنَّ الصَّحِيْحَ هُوَ الْمَأْمُوْرُبِهِ» اس لیے کیونکہ صحیح حج جو ہے اس کا حکم دیا گیا تھا، اس فاسد حج کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ «بِخِلَافِ مَا إِذَا فَاتَهُ الْحَجُّ» بخلاف اس کے کہ جب اس سے حج فوت ہو جائے، بخلاف اس کے کہ اس سے حج فوت ہو جائے «حَيْثُ لَا يَضْمَنُ» کیونکہ یہ ضامن نہیں ہو گا، کیونکہ یہ ضامن نہیں ہو گا، «لَا يَضْمَنُ النَّفَقَةَ» اس صورت میں یہ نفقے کا ضامن نہیں ہو گا «لِأَنَّهُ مَا فَاتَهُ بِاخْتِيَارِهِ» اس لیے کیونکہ اس نے حج کو اپنے اختیار سے فوت نہیں کیا۔ دوسری صورت بھائی، پہلی صورت تو کیا تھی؟ اس نے جنایت کے ذریعے حج فاسد کیا۔ دوسری صورت یہ حج تک پہنچ ہی نہیں سکا، وقوفِ عرفہ نکل گیا اور وقوفِ عرفہ نکل گیا تو حج فوت ہو گیا، تو کیا اس صورت میں بھی اس پر ضمان آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس صورت میں اس پر ضمان نہیں کیونکہ یہ اس نے اپنے اختیار سے فوت نہیں کیا۔

■ مسئلہ: أَمَّا إِذَا جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ لَا يَفْسُدُ...

«أَمَّا إِذَا جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ لَا يَفْسُدُ حَجُّهُ» اور باقی جب اس نے صحبت کی ہو وقوف کے بعد تو پھر اس کا حج فاسد نہیں ہو گا «وَلَا يَضْمَنُ النَّفَقَةَ» اور اس پر نفقے کا ضامن بھی نہیں ہو گا «لِحُصُوْلِ مَقْصُوْدِالْآمِرِ» اس لیے کیونکہ بھیجنے والے کا مقصد حاصل ہو گیا، حج صحیح ہو گیا یا نہیں؟ تو حاصل ہو گیا۔ «وَعَلَيْهِ الدَّمُ فِيْ مَالِهِ لِمَابَيَّنَّا» اور ہاں اس ماموربہ پر دم واجب ہو گا اس کے اپنے مال میں اس وجہ سے جو ہم نے بیان کر دیا کہ یہ صحبت والی جنایت اس نے خود کی ہے۔ «وَكَذٰلِكَ سَائِرُ دِمَاءِ الْكَفَّارَاتِ عَلَى الْحَاجِّ لِمَاقُلْنَا» اور اسی طرح کفارات کے سارے دم جو ہیں وہ حاجی پر ہوں گے اس وجہ سے جو ہم نے کہی۔ یعنی حج، جو حج بدل کر رہا ہے، کوئی بھی جنایت کی وجہ سے کوئی بھی دم آیا تو یہ اس حج کرنے والے پر آئے گا، بھیجنے والے پر اس کا خرچہ نہیں آئے گا کیونکہ یہ جنایت یہ کرنے والا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۶۶: حج بدل کی وصیت اور اس کا نفاذ

ہدایہ صفحہ: ۳۱۸ــــ بتاریخ: ۲۵ مئی ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت)

«وَمَنْ أَوْصَى بِأَنْ يُحَجَّ عَنْهُ فَأَحَجُّوا عَنْهُ رَجُلًا فَلَمَّا بَلَغَ الْكُوفَةَ مَاتَ أَوْ سُرِقَتْ نَفَقَتُهُ وَقَدْ أَنْفَقَ النِّصْفَ يُحَجُّ عَنِ الْمَيِّتِ مِنْ مَنْزِلِهِ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ الْأَوَّلُ».

صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے حج کروادیا جائے اور اس کا انتقال ہو گیا، تو وارثوں نے اس کی طرف سے ایک شخص کو حج پر بھیجا۔ جب یہ شخص کوفہ پہنچا، یہ جو حج بدل کر رہا ہے میت کی طرف سے، یہ جب کوفہ پہنچا مراد کوفہ سے کوفہ ہی نہیں مراد یعنی راستے میں کسی مقام پر پہنچا اور وہاں اس کا انتقال ہو گیا یا اس کا جو خرچہ تھا وہ چرا لیا گیا، تو اب اس صورت میں پھر کسی اور سے اگر حج بدل کروایا جائے گا تو وہ کیا اسی مقام سے حج بدل کروایا جائے گا جہاں اس پہلے شخص کا انتقال ہوا ہے یا گھر سے کروایا جائے گا؟ اگر اسی مقام سے حج کرواتے ہیں تو خرچہ اچھا خاصا کم ہو جاتا ہے اور اگر گھر سے حج کروایا جاتا ہے اپنے وطن سے پھر تو خرچہ زیادہ ہو گا، پورا خرچہ آئے گا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ میت کے گھر سے، اس کے وطن سے ہی دوبارہ کسی شخص کو حج کروانے کے لیے بھیجا جائے گا۔ اور جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جہاں پر اس شخص کا انتقال ہوا یہیں سے کسی کے ذریعے حج کروادیا جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

تو کہتے ہیں: «**وَمَنْ أَوْصَى بِأَنْ يُحَجَّ عَنْهُ**» اور اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے حج کروادیا جائے «**فَأَحَجُّوا عَنْهُ رَجُلًا**» تو اس کی، وارثوں نے اس کی طرف سے حج کروایا، رجلًا ایک شخص کو «**فَلَمَّا بَلَغَ الْكُوفَةَ**» پس جب وہ شخص کوفہ پہنچا «**مَاتَ**» تو اس کا انتقال ہو گیا «**أَوْ سُرِقَتْ نَفَقَتُهُ**» یا اس کے خرچے کو چرا لیا گیا «**وَقَدْ أَنْفَقَ النِّصْفَ**» اور تحقیق وہ اس میں سے نصف خرچ کر چکا ہے۔ یہ ویسے بطور مثال کے ذکر کیا۔ تو اگر اس کا انتقال ہوتا ہے اس صورت میں تو وہ کچھ خرچہ بچ جائے گا اور اگر چوری ہو گیا تو اس میں احتمال ہے، ہو سکتا ہے سارا چوری ہوا ہو، ہو سکتا ہے کچھ چوری ہوا ہو۔ تو کہتے ہیں: «**يُحَجُّ عَنِ الْمَيِّتِ مِنْ مَنْزِلِهِ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ**» تو میت کی طرف سے حج کروایا جائے گا، من منزلہ اس کے گھر سے ہی یعنی اس کے وطن سے ہی، بثلث ما بقی باقی بچ جانے والے مال کے ثلث میں سے۔

باقی بچ جانے والے مال کے ثلث میں سے۔ کون سا جو مال باقی بچا ہے؟ یہ جو آدمی حج پر لے کر جا رہا تھا اس مال کی بات نہیں کر رہے بلکہ اس کو ملا کر میت کا جتنا سارا مال ہے اس سارے کے ثلث میں سے پھر حج کروایا جائے گا۔ «**وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» اور یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ «**وَقَالَا: يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ الْأَوَّلُ**» اور صاحبین فرماتے ہیں کہ حج کروایا جائے گا مرنے والے کی طرف سے، من حیث اس جگہ سے مات الاول کہ جہاں پر پہلے کا انتقال ہوا۔

مسئلہ: فَالْكَلَامُ هَاهُنَا فِي اعْتِبَارِ الثُّلُثِ وَف...

«**فَالْكَلَامُ هَاهُنَا فِي اعْتِبَارِ الثُّلُثِ وَفِي مَكَانِ الْحَجِّ**» تو کلام یہاں پر یعنی اس مسئلے کے اندر ثلث کا اعتبار کرنے میں ہے کہ ثلث کا اعتبار کریں گے یا اعتبار نہیں کریں گے، ایک اس کے اندر کلام ہے «**وَفِي مَكَانِ الْحَجِّ**» اور حج کی جگہ میں کہ کہاں سے حج کروایا جائے گا، یہیں سے جہاں اس پہلے کا انتقال ہوا یا اس مرنے والے کے وطن سے؟ تو دو چیزوں میں اختلاف ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ ایک تو کس چیز میں؟ کہ ثلث کا اعتبار کریں گے یا اعتبار نہیں کریں گے اور دوسرا یہ کہ حج کہاں سے کروایا جائے گا، اسی جگہ سے جہاں اس پہلے کا انتقال ہوا ہے یا مرنے والے کے وطن سے بھائی۔

«**أَمَّا الْأَوَّلُ: فَالْمَذْكُورُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ**» باقی پہلا جو ہے یعنی ثلث کا اعتبار تو وہ جو ذکر کر دیا گیا متن میں وہ امام صاحب کا قول ہے کہ ثلث کا اعتبار کریں گے۔

«أَمَّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُحَجُّ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنَ الْمَالِ الْمَدْفُوعِ إِلَيْهِ» امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، توجہ ہے سبق کی طرف؟ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ جو مال پہلے شخص کو دیا تھا اس میں سے جو بچ گیا ہے اگر اس کے ذریعے ہی وہاں سے حج ہو سکتا ہے تو وہاں سے حج کروا دیں گے اور اگر سارا ہی مال ختم ہو گیا ہے تو وصیت ہی باطل ہو جائے گی۔ وصیت کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔

وہ اس کو قیاس کرتے ہیں وصیت کرنے والے کی تعیین پر، یہ جو وصی نے تعیین کی اس کو وصیت کرنے والے کی تعیین پر وہ قیاس کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوتا ہے اور اس نے وصیت کی ہے مثلاً میرے مال میں سے دولاکھ روپے کے بدلے میری طرف سے حج کروا دیا جائے، کسی کو دے دینا وہ میری طرف سے کیا کر دے؟ حج کر دے۔ تو یہ دولاکھ روپے کی تعیین کس نے کی؟ مرنے والے نے، وصیت کرنے والے نے۔ تو لہٰذا اسی دولاکھ میں سے حج کروایا جائے گا جب کہ یہ ثلث میں سے نکلتے ہیں اور اگر یہ دولاکھ کیا ہو جاتے ہیں؟ کسی کو دے دیے اور اس سے گم ہو گئے یا چوری ہو گئے تو بس، وصیت کیا ہو جائے گی؟ باطل ہو جائے گی۔ تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے موصی یعنی وصیت کرنے والا جب کسی مال کی تعیین کر دیتا ہے تو اسی کو اس کی وصیت اسی کے اندر نافذ ہوتی ہے اور اگر وہ مال ضائع ہو جائے تو وصیت کیا ہو جاتی ہے؟ باطل ہو جاتی ہے۔ تو یہاں پر بھی جو وصی جس کو وصیت کی گئی تھی جو ورثاء کہہ لیں وغیرہ یا جو نگران ہے تو اس نے جب پہلے شخص کو حج پر بھیجا تو کچھ مال نکال کر اس کو دیا حج کے خرچے کے طور پر، تو اس کا متعین کرنا بھی کس کی طرح ہے؟ موصی کے متعین کرنے کی طرح، اور موصی کے جتنے کی تعیین کر دیتا تھا اسی میں سے حج کروایا جاتا تھا اور اگر وہ ضائع ہو جاتا تھا تو وصیت باطل۔ تو یہاں بھی وصی کا بھی جدا کرنا اسی کی طرح ہے تو اسی میں سے حج کروایا جائے گا اور کچھ خرچ ہو چکا ہے کچھ باقی ہے تو لہٰذا اسی سے حج کروا دیں گے اگر ہو سکتا ہے، اور اگر سارا مال ضائع ہو گیا ہے تو وصیت ہی باطل ہو جائے گی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو گویا وہ وصی کی تعیین کو کس پر قیاس کرتے ہیں؟ موصی کی تعیین پر، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: «أَمَّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحَجُّ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنَ الْمَالِ الْمَدْفُوعِ إِلَيْهِ إِنْ بَقِيَ شَيْءٌ وَإِلَّا بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ اعْتِبَارًا بِتَعْيِينِ الْمُوصِي إِذْ تَعْيِينُ الْوَصِيِّ كَتَعْيِينِهِ» باقی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حج کروایا جائے گا اس مرنے والے کی طرف سے اس میں سے جو باقی ہے اس مال میں سے جو حوالے کیا گیا تھا اس شخص کے، اگر کچھ اس میں سے باقی ہے ورنہ وصیت باطل ہو جائے گی، قیاس کرتے ہوئے وصیت کرنے والے کی تعیین پر، اس لیے کیونکہ وصی کا متعین کرنا یہ بھی موصی کے متعین کرنے کی طرح ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ کیونکہ وصی کیا ہے؟ موصی کے قائم مقام ہے کیونکہ موصی تو مر چکا ہے بھائی۔

■ مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُحَجُّ عَ...

«وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحَجُّ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ الْأَوَّلِ» امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثلث اول میں سے اگر کچھ باقی ہے اور اس سے حج ہو سکتا ہے تو حج کروا دیا جائے گا اور اگر باقی نہیں ہے تو اس صورت میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً بھائی، وہ شخص جس کا انتقال ہوا اس کا کل مال تھا نو لاکھ روپے، کتنا تھا؟ کل جائیداد جو اس نے چھوڑی تھی قرضے وغیرہ ادا کرنے کے بعد کتنے بچے؟ نو لاکھ۔ اس نو لاکھ کا ثلث کتنا ہے؟ تین لاکھ۔ اس تین لاکھ میں سے اگر حج ہو سکتا ہے تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ پہلے شخص کو ہم نے دو لاکھ دیے تھے حج کے لیے اور وہ حج پر چلا گیا تھا لیکن ایک لاکھ خرچ کر دیے تھے کہ اس کا انتقال ہو گیا اور جہاں پر اس کا انتقال ہوا وہاں سے بھی اتنا ہی خرچہ تقریباً حج کا بنتا ہے فرض کریں یا اس سے کم جتنا بھی کم بنتا ہے، تو ابھی بھی ثلث کتنا بنتا تھا کل مال کا؟ تین لاکھ، اور ابھی ہم نے کتنے دیے تھے؟ دو لاکھ دیے تھے اور اس میں سے بھی کتنا ہے فرض کرو ایک لاکھ بچ گئے ہیں اور ایک لاکھ ابھی اس تین میں سے بھی باقی، تو لہٰذا اس میں سے حج ہو سکتا ہے، لہٰذا وہ فرماتے ہیں حج کروائیں گے، اس پہلے ثلث کا ہی اعتبار کرنا ہے، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو «وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحَجُّ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَحَلُّ لِنَفَاذِ الْوَصِيَّةِ» کہ حج کروایا جائے گا وہ جو باقی ہے ثلث اول میں سے، اس لیے کیونکہ وہی محل ہے یعنی وہ ثلث اول ہی محل ہے وصیت کے نافذ کرنے کی بھائی، کیونکہ وصیت کتنے میں نافذ ہوتی ہے؟ ثلث میں بھائی، تو لہٰذا یہی محل ہے۔

«وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ» امام صاحب فرماتے ہیں نہیں، بلکہ جو مال باقی بچ گیا ہے اس کو پھر کل مال کے ساتھ ملا لو اور پھر دیکھو ثلث میں سے حج ہوتا ہے یا نہیں، پھر اس کا ثلث نکال لو، سمجھ میں آیا؟ پھر دوسرا شخص بھی راستے میں انتقال کر گیا، وہ کہتے ہیں فرماتے ہیں پھر کیا کرو؟ جو باقی مال بچ گیا اس کو پھر ساری جائیداد کے ساتھ ملا کر پھر کیا کر لو؟ اس میں سے ثلث میں سے حج کروا دو، صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کیا فرماتے تھے؟ صرف پہلے ثلث کا اعتبار کریں گے، بعد میں بار بار ثلث کا اعتبار نہیں، جبکہ امام صاحب فرماتے کہ ثلث کا بار بار اعتبار کریں گے جب تک وہ مال اس جگہ پر خرچ نہیں ہو جاتا جس کی مرنے والے نے وصیت کی تھی۔ جس کی مرنے والے نے وصیت کی تھی، جب اس جگہ پر جب تک نہیں خرچ ہوا تو یوں سمجھیں گے جو بھی مال ضائع ہو رہا ہے وہ تقسیم سے پہلے ہی ضائع ہو رہا ہے اور تقسیم سے پہلے ضائع ہو رہا ہو تو پھر اس کا تو کوئی اعتبار نہیں، وہ تو سب کے حصوں میں کمی آ رہی ہے، صرف ثلث میں تو کمی نہیں آ رہی بلکہ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تقسیم کے بعد ہوتا نا

اگر آپ کیا اعتبار کریں؟ کل مال نو لاکھ ہے، نو میں سے تین الگ کر لیے، تو امام صاحب فرماتے ہیں یہ تین جب تک اس حج پہ لگیں گے نہیں یوں سمجھیں گے گویا ابھی الگ کیے ہی نہیں، الگ کیے ہی نہیں ویسے ہی اکٹھے ہی تھے ابھی، نو کے نو اکٹھے پڑے تھے کہ اس میں سے ضائع ہو گئے اور جب نو اکٹھے پڑے ہوں اور اس میں سے ضائع ہو جائیں تو کیا یہ وہ وصیت والے کٹے ہیں یا سب میں کٹوتی ہوئی ہے؟ سب میں کمی آ گئی اس کے مطابق، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں جب تک لگیں گے نہیں اپنی جگہ پر اس وقت تک یوں سمجھیں گے ابھی تقسیم ہی نہیں ہوئی بھائی۔

■ مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ قِسْمَةَ...

«**وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ قِسْمَةَ الْوَصِيِّ وَعَزْلَهُ الْمَالَ لَا يَصِحُّ إِلَّا بِالتَّسْلِيمِ إِلَى الْوَجْهِ الَّذِي سَمَّاهُ الْمُوصِي**» اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ وصی کا تقسیم کر دینا، وصی جس کو وصیت کی گئی ہے جو نگران ہے ذمہ دار ہے، کہ وصی کا تقسیم کر دینا «**وَعَزْلَهُ الْمَالَ**» اور اس کا جدا کر دینا مال کو «**لَا يَصِحُّ**» یہ صحیح نہیں ہے «**إِلَّا بِالتَّسْلِيمِ إِلَى الْوَجْهِ الَّذِي سَمَّاهُ الْمُوصِي**» مگر سپرد کر دینے سے اسی طریقے پر جس کو ذکر کیا تھا موصی نے، یعنی اسی جگہ پر جب خرچ ہو جائیں گے پھر کہیں گے کہ اس نے سپرد کر دیا، صورت سمجھ میں آئی؟ جب تک خرچ نہیں ہوں گے اس وقت تک سپرد بھی نہیں، اور یہ تو راستے میں مرا ہے، کوئی حج پہ مال لگا ہے؟ حج تو ابھی ہوا ہی نہیں، لہٰذا یوں سمجھیں گے ابھی حوالے ہی نہیں کیا۔

تو وہ فرماتے ہیں کہ وصی کا مال کو تقسیم کرنا اور اس کو جدا کرنا یہ درست نہیں ہے مگر یہ کہ وہ سپرد کرے اسی طریقے پر جس کو موصی نے ذکر کیا تھا «**لِأَنَّهُ لَا خَصْمَ لَهُ لِيَقْبِضَ**» اس لیے کیونکہ موصی کا کوئی مقابل نہیں ہے تاکہ وہ اس پر قبضہ کرے، کوئی مقابل ہوتا نا، کوئی مقابل ہوتا اور پھر مال الگ کرتے اور مقابل کیا کر لیتا؟ اپنے حصے پر قبضہ کر لیتا اور یہ کیا کر لیتا؟ اس کی طرف سے بھی کوئی قبضہ کر لیتا، لیکن یہاں پر تو کوئی مقابل ہے نہیں۔ کوئی مقابل ہے نہیں کیونکہ وصیت ہے، تو جب مقابل نہیں ہے تو یوں سمجھا جائے گا گویا ابھی مال تقسیم ہی نہیں ہوا، اس سے پہلے ہی کیا ہو گیا؟ مال ضائع ہو گیا۔ «**لِأَنَّهُ لَا خَصْمَ لَهُ لِيَقْبِضَ**» اس لیے کیونکہ اس موصی کا کوئی مقابل نہیں ہے تاکہ اس پر قبضہ کرے «**وَلَمْ يُوجَدِ**» اور یہ تسلیم تو نہیں پائی گئی، امام صاحب نے کیا فرمایا تھا کہ وصی کا مال کو جدا کرنا اور تقسیم کرنا صحیح نہیں مگر اس طریقے پر سپرد کرنا جس کو کس نے ذکر کیا تھا؟ موصی نے ذکر کیا تھا، «**وَلَمْ يُوجَدِ**» اور اس طرح کا سپرد کرنا تو یہاں پر نہیں پایا گیا کیونکہ حج ہوا ہے؟ ابھی حج ہوا ہی نہیں تو اس طریقے پر سپرد کرنا نہیں پایا گیا «**فَصَارَ كَمَا إِذَا هَلَكَ قَبْلَ الْإِفْرَازِ وَالْعَزْلِ**» تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ وہ مال ہلاک ہو گیا ہو قبل الافراز، افراز کا معنی ہے حصہ الگ کرنا، جدا کرنا، تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے کہ وہ مال ہلاک ہو گیا ہو الگ کرنے اور جدا کرنے سے پہلے ہی، تو افراز اور عزل کا ایک معنی، «**فَيُحَجُّ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ**» پس حج کروایا جائے گا مابقیہ کے ثلث میں سے، جتنا مال باقی بچ گیا ہے اس کے ثلث میں سے۔ کس طرح؟ کل مال کتنا تھا؟ نو لاکھ، دو لاکھ وہ لے کر حج پر چلا اور راستے میں ایک لاکھ خرچ ہو گیا اور پھر اس کا انتقال ہو گیا تو کتنا بچا؟ ایک لاکھ، اس کو پھر اس باقی کل مال سے ملائیں گے، کل مال کتنا بچا تھا؟ سات پیچھے بچا تھا اور یہ والا لاکھ بھی بچ گیا کتنا ہوا؟ آٹھ، اب آٹھ کا پھر ثلث نکالیں گے اور یہ تقریباً ڈھائی لاکھ سے کچھ اوپر پھر بنتا ہے تو اس میں سے بھی حج ہو سکتا ہے، لہٰذا پھر اس کو کیا کریں گے؟ حج پر کسی کو یہیں سے بھیجیں گے۔ یہ معنی ہے «**فَيُحَجُّ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ**» تو حج کروایا جائے گا مابقیہ کے ثلث میں سے۔

«**وَأَمَّا الثَّانِي: فَوَجْهُ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ الْقِيَاسُ أَنَّ الْقَدْرَ الْمَوْجُودَ مِنَ السَّفَرِ قَدْ بَطَلَ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الدُّنْيَا**» دوسرا مسئلہ کیا تھا کہ حج کروایا کہاں سے جائے گا؟ وہیں سے جہاں پہلے شخص کا انتقال ہوا یا اس کے اپنے وطن سے، مرنے والے کے اپنے وطن سے؟ تو امام صاحب کیا فرماتے ہیں؟ اپنے وطن سے ہی کروایا جائے گا، اور صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ اسی جگہ سے کروایا جائے گا، تو اس میں اب امام صاحب کی دلیل ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں اور باقی جو جگہ کا اعتبار ہے حج میں تو امام صاحب کے قول کی وجہ جو ہے اور یہی قیاس بھی ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک شخص کو بھیجا تھا اور اس کا راستے میں انتقال ہو گیا تو اس نے کچھ سفر تو کیا ہے، کیا کیا ہے؟ کچھ سفر تو کیا ہے لیکن اس سفر کا کوئی اعتبار نہیں، دنیاوی احکام کے اعتبار سے یہ سفر بھی لاسفر کی طرح ہے، گویا ہوا ہی نہیں۔ وجہ اس کی یہ، کیونکہ حدیث میں آتا ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: «**إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ**» کہ جب ابن آدم یعنی کسی انسان کا انتقال ہوتا ہے «**انْقَطَعَ عَمَلُهُ**» تو اس کا عمل جو ہے منقطع ہو جاتا ہے، اس کے اعمال کیا ہو جاتے ہیں؟ منقطع ہو جاتے ہیں «**إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ**» مگر تین چیزیں ہیں کہ وہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا ہے اور وہ کیا ہیں؟ ایک تو صدقہ جاریہ ہے، صدقہ جاریہ مثلاً کنواں وغیرہ کہیں کھدوا دیا ہے یا کہیں پر ہسپتال وغیرہ بنوا دیا ہے اور لوگ اس سے مسلسل نفع حاصل کر رہے ہیں تو یہ یا تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا رہے گا یا کوئی ایسا علم اس نے چھوڑا ہے جس سے لوگ نفع اٹھا رہے ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو کوئی علم کتاب وغیرہ لکھی تو اس سے لوگ نفع اٹھا رہے ہیں، یا یا اس کے کوئی نیک اولاد ہے جو اس کے لیے دعا کرتی ہے بھائی، جو دعا کرتی رہے۔ تو جب انسان کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر یہ تین عمل، یہ تین نیکیاں اس کی جاری رہتی ہیں یعنی مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے۔ تو یہ جو شخص جس کو حج پر بھیجا گیا اور اس کا انتقال ہوا تو اس کا یہ جو سفر ہے یہ بھی دنیاوی احکام کے اعتبار سے باطل ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حدیث کے اندر صرف تین چیزیں تھیں جن کا ذکر کیا گیا کہ وہ باقی رہتی ہیں، باقی چیزیں منقطع ہو جاتی ہیں اور یہ تو ان تین چیزوں میں سے یہ سفر تو نہیں ہے ان میں سے، لہٰذا یہ بھی باطل ہو جائے گا، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں، تو اب حج کہاں سے کروایا جائے گا؟ مرنے والے کے وطن سے بھائی، دلیل سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے تفصیل آ رہی ہے کتاب میں۔

تو کہتے ہیں امام صاحب کے قول کی وجہ جو ہے اور وہ قیاس بھی ہے کہ وہ مقدار جو سفر میں سے موجود ہے یعنی جو ہو چکی ہے تحقیق وہ دنیاوی احکام کے حق میں باطل ہے یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں «قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ، الْحَدِيثَ» حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ابن آدم کا انتقال ہوتا ہے یعنی کسی انسان کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں ہیں، الحدیث یعنی حدیث پوری پڑھ لیجیے، بین السطور جو ہے حدیث باقی مکمل دی ہوئی ہے کہ مگر تین چیزیں ہیں: «صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ، أَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُولَهُ» ایک صدقہ جاریہ ہے یا ایسا علم ہے جس کے ذریعے نفع اٹھایا جاتا ہے یا کوئی ایسی نیک اولاد ہے جو اس کے لیے دعا کرتی ہے، یہ تین چیزیں ان کا ثواب جاری رہتا ہے۔ امام صاحب کی دلیل چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ دنیاوی احکام کے حق میں یہ سفر باطل ہو گیا کیونکہ حضور علیہ السلام نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تین چیزوں میں سے سفر تو ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا یہ بھی باطل ہوا «وَتَنْفِيذُ الْوَصِيَّةِ مِنْ أَحْكَامِ الدُّنْيَا» اور نیز یہ وصیت کا نافذ کرنا کس میں سے ہے؟ احکام دنیاوی میں سے ہے، دنیا کے احکام میں سے ہے «فَبَقِيَتِ الْوَصِيَّةُ مِنْ وَطَنِهِ» تو وصیت باقی رہی اس کے وطن سے ہی، اس نے گویا کیا کہا ہے میری طرف سے حج کروا دینا، اب وہ کہاں سے کروایا جائے گا؟ اس کے وطن سے، اور جو سفر تھا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

تو «فَبَقِيَتِ الْوَصِيَّةُ مِنْ وَطَنِهِ كَأَنْ لَمْ يُوجَدِ الْخُرُوجُ» تو وصیت باقی رہے گی اس کے وطن سے ہی، گویا کہ وہ خروج پایا ہی نہیں گیا، وہ جو پہلا شخص سفر پر نکلا تھا وہ پایا ہی نہیں گیا۔ «وَوَجْهُ قَوْلِهِمَا وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ أَنَّ سَفَرَهُ لَمْ يَبْطُلْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾» صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے اور وہی استحسان بھی ہے کہ اس کا سفر باطل نہیں ہوا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: اور جو شخص نکلا اپنے گھر سے اس حال میں کہ وہ ہجرت کرنے والا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف، بین السطور باقی آیت بھی دی ہوئی ہے: «ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ» پھر اس کو موت پالے، جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرتا ہوا نکلا پھر راستے میں اس کو موت آ گئی تو تحقیق اس کا اجر اللہ پر ہے یعنی اللہ اس کو ثواب دیں گے۔ اللہ اس کو اس کے اس کی ہجرت کا ثواب دیں گے، معلوم ہوا کہ مرنے سے بھی اس کا وہ جو ہجرت کرنے کا عمل ہے وہ باطل نہیں ہوا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔

■ مسئلہ: وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ مَاتَ فِي طَرِيقٍ...

«وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ مَاتَ فِي طَرِيقِ الْحَجِّ كُتِبَ لَهُ حَجَّةٌ مَبْرُورَةٌ فِي كُلِّ سَنَةٍ» اور نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، دوسری دلیل صاحبین کی کہ جو شخص حج کے راستے میں مر گیا اس کے لیے حج مبرور لکھا جاتا ہے یعنی مقبول حج، ایسا حج جس کو اللہ نے قبول فرما لیا ہو، تو اس کے لیے حج مبرور لکھا جاتا ہے ہر سال میں۔ حدیث میں آتا ہے جس شخص، جو شخص سفر حج پر نکلا اور راستے میں اس کا انتقال ہو گیا تو قیامت تک اس کے لیے، قیامت تک اس کے لیے ہر سال مقبول حج کا ثواب لکھا جاتا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ اللہ کی رحمت کا اندازہ لگائیے بھائی، تا قیامت اس کے لیے حج مبرور کا ثواب لکھا جاتا ہے، اللہ کی رحمت کتنی وسیع ہے بھائی، اور ہم کتنے غافل ہیں بھائی۔ تو صاحبین فرماتے ہیں دیکھو، وہ جو شخص ابھی حج کے راستے میں ہے اس نے حج کیا نہیں اور اس کے لیے بھی ثواب لکھا جا رہا ہے، معلوم ہوا اس کا یہ جو سفر ہے یہ باطل نہیں جیسے اوپر آیت میں آیا تھا کہ جو ہجرت پر نکلتا ہے اور راستے میں ہی اس کو موت آ گئی تو بھی اس کی یہ نکلنا باطل نہیں بلکہ اس کا اس کو اللہ ثواب دیتے ہیں۔

«وَإِذَا لَمْ يَبْطُلْ سَفَرُهُ أُعْتُبِرَتِ الْوَصِيَّةُ مِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ» اور جب اس شخص کا سفر باطل نہیں جس کو اجر دیا جا رہا ہے تو وصیت کا اعتبار اسی جگہ سے کیا جائے گا۔ جب یہ سفر باطل نہیں اس پر ثواب ملا یا نہیں ملا؟ ثواب ملا ہے، معلوم ہوا یہ سفر باطل نہیں، جب باطل نہیں تو اس کا اعتبار کرنا پڑے گا، جب اعتبار کریں گے تو کچھ سفر تو ہو چکا ہے اور کچھ باقی ہے تو وہیں سے کیا کر دیا جائے گا؟ حج کروا دیا جائے گا۔

«وَأَصْلُ الِاخْتِلَافِ فِي الَّذِي يَحُجُّ بِنَفْسِهِ» صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ اصل اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے «يَحُجُّ بِنَفْسِهِ» جو خود حج کرتا ہے، خود حج پر چلا اور پھر کیا ہوا؟ راستے میں اس کا انتقال ہوا اور مرنے سے پہلے اس نے وصیت کر دی کہ میری طرف سے کیا کروا دیا جائے؟ حج کروا دیا جائے، تو امام صاحب کے نزدیک اسی مقام سے حج نہیں کروائیں گے بلکہ کہاں سے کروائیں گے؟ اس کے وطن سے، اور صاحبین کیا فرماتے ہیں؟ اسی جگہ سے کروائیں گے کیونکہ یہ جو سفر اس نے کیا ہے یہ باطل نہیں ہے۔ یہ معنی ہے «وَأَصْلُ الِاخْتِلَافِ فِي الَّذِي يَحُجُّ بِنَفْسِهِ وَيَبْتَنِي عَلَى ذَلِكَ الْمَأْمُورُ بِالْحَجِّ» اور اصل اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے جو خود حج کرتا ہے اور اسی پر بنیاد ہے مامور بالحج کی بھی یعنی جس کو حج کا حکم دیا گیا ہے یعنی جس کو حج پر بھیجا گیا، تو یہ دراصل اختلاف کس مسئلے میں ہے؟ کہ جو شخص خود حج پر چلا تھا اور پھر راستے میں انتقال ہو گیا، اور جو مسئلہ ذکر کیا تھا اس میں تو حج بدل کروایا جا رہا تھا دوسرے کی طرف سے، تو اس مسئلے کی بنیاد اس مسئلے پر ہے کہ جو شخص خود حج کے لیے نکلا تھا اور اس کا انتقال ہو گیا۔

■ مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ عَنْ أَبَوَيْهِ يُ...

«قَالَ: وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ عَنْ أَبَوَيْهِ يُجْزِيهِ أَنْ يَجْعَلَهُ عَنْ أَحَدِهِمَا» بھائی یہ مسئلہ گزشتہ سبق میں آیا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنے والدین کے لیے حج کی نیت کر کے دونوں کے لیے حج کر لیتا ہے اور پھر بعد میں اس کا ارادہ بنتا ہے کہ اس حج کو ان میں سے کسی ایک کے لیے خاص کر دے تو وہ بعد میں بھی خاص کر سکتا ہے، اور چاہے تو دونوں کے لیے کر دے اور چاہے تو دونوں میں سے کسی ایک کے لیے کر دے بھائی، اس لیے کیونکہ یہ نفلی حج ہے اس کا صرف ثواب پہنچا رہا ہے اور اس ثواب تو ادا کرنے کے بعد بھی کسی ایک کے لیے متعین کرنا درست ہے۔ ادا اگر کر رہا ہو کسی کی طرف سے، ادا کے لیے تو پہلے سے تعیین چاہیے لیکن ثواب پہنچانے میں پہلے تعیین کی ضرورت نہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ عَنْ أَبَوَيْهِ يُجْزِيهِ أَنْ يَجْعَلَهُ عَنْ أَحَدِهِمَا» اور جس نے تلبیہ حج کا کہا اپنے والدین کی طرف سے تو اس کے لیے کافی ہے کہ وہ کر دے اس حج کو ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے «لِأَنَّ مَنْ حَجَّ عَنْ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ فَإِنَّمَا يَجْعَلُ ثَوَابَ حَجِّهِ لَهُ» اس لیے کیونکہ وہ شخص جو حج کرتا ہے کسی دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر تو وہ دراصل صرف اس حج کا ثواب اس کے لیے کر دیتا ہے «وَذَلِكَ بَعْدَ أَدَاءِ الْحَجِّ» اور یہ کس کے بعد ہوتا ہے؟ ادائے حج کے بعد، کیونکہ ثواب کب ملے گا؟ ادائے حج کے بعد، «فَلَغَتْ نِيَّتُهُ قَبْلَ الْأَدَاءِ» لہٰذا اس کی نیت لغو ہو گئی ادا سے پہلے جو تھی، اس کی وہ نیت جو ادا سے پہلے تھی وہ لغو ہو گئی۔ ادا سے پہلے کیا نیت تھی؟ کہ یہ حج میں دونوں کے لیے کر رہا ہوں، تو دونوں کے لیے حج تو ہو گا اس کے اپنی طرف سے ہی، جو کر رہا ہے حج تو اسی کی طرف سے ہو گا صرف ان کو کیا ملے گا؟ ثواب، تو یہ اس کی نیت جو تھی کہ ان دونوں کی طرف سے وہ کر رہا ہے یہ نیت لغو ہو گئی «وَصَحَّ جَعْلُهُ ثَوَابَهُ لِأَحَدِهِمَا بَعْدَ الْأَدَاءِ» اور صحیح ہے اس کا اس حج کے ثواب کو ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے کر دینا بعد الاداء، ادا کے بعد «بِخِلَافِ الْمَأْمُورِ» بخلاف اس شخص کے جس کو حکم دیا گیا تھا کہ اس میں ایسا نہیں ہے «عَلَى مَا فَرَّقْنَا مِنْ قَبْلُ» بوجہ اس کے جو ہم نے فرق بیان کر دیا اس سے پہلے۔ اس سے پہلے جو ہم نے فرق بیان کر دیا تھا وہ جو مسئلہ آیا تھا یہ صفحہ نمبر ۳۱۷ پر: «وَمَنْ أَمَرَهُ رَجُلَانِ أَنْ يَحُجَّ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَجَّةً»، مسئلہ مل گیا بھائی؟ اس میں جیسے کہتے ہیں ہم نے اس مسئلے میں فرق بیان کر دیا تھا۔ «وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ» اور اللہ درست بات کو خوب جاننے والے ہیں۔

«بَابُ الْهَدْيِ» یہ باب ہے ہدی کے بیان میں، بھائی وہ جو قربانی کا جانور حرم بھیجا جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «الْهَدْيُ أَدْنَاهُ شَاةٌ» ہدی جو ہے اس میں کمتر جو ہے وہ بھیڑ بکری ہے «لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سُئِلَ عَنِ الْهَدْيِ فَقَالَ: أَدْنَاهُ شَاةٌ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا کہ سرور کونین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ہدی کے بارے میں تو آپ نے فرمایا: «أَدْنَاهُ شَاةٌ» کہ ہدی میں کمتر، سب سے کم جو ہے وہ بھیڑ بکری ہے۔ «قَالَ: وَهُوَ مِنْ ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ: الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ» اور ہدی جو ہے وہ تین قسم کی ہے: اونٹ ہے اور گائے بیل ہے اور غنم یعنی بھیڑ بکری ہے، یہ تینوں کے ذریعے ہدی کی جا سکتی ہے۔ «لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا جَعَلَ الشَّاةَ أَدْنَى لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَعْلَى وَهُوَ الْبَقَرُ وَالْجَزُورُ» یہاں دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ بقر اور ابل کے ہدی ہونے کی کیا دلیل؟ کہتے ہیں بھائی اوپر حدیث میں آ گیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہدی میں کمتر کیا ہے؟ بھیڑ بکری ہے، جب کمتر فرمایا معلوم ہوا اس میں اعلیٰ قسم بھی کوئی ہے، معلوم ہوا اور بھی جانور ہیں اور وہ پھر کیا ہیں؟ وہ اونٹ ہے اور گائے بیل ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے بھیڑ بکری کو جو ہے ادنیٰ قرار دیا تو ضروری ہوا کہ اس کے لیے کوئی اعلیٰ قسم بھی ہو اور وہ گائے بیل اور اونٹ ہے «وَلِأَنَّ الْهَدْيَ مَا يُهْدَى إِلَى الْحَرَمِ لِيُتَقَرَّبَ بِهِ فِيهِ» اور نیز اس لیے کیونکہ ہدی جو ہے وہ جانور ہے جس کو بھیجا جاتا ہے حرم کی طرف تاکہ اس کے ذریعے قرب حاصل کیا جائے یعنی اللہ کا، اللہ کا قرب حاصل کیا جائے فیہ اس حرم میں «وَالْأَصْنَافُ الثَّلَاثَةُ سَوَاءٌ فِي هَذَا الْمَعْنَى» اور یہ تینوں قسمیں اس معنی کے اندر برابر ہیں، بھیڑ بکری ذبح کرنے سے جیسے وہاں پر اللہ کا قرب حاصل ہو گا یعنی عبادت ہو گی اسی طرح گائے بیل اور اونٹ ذبح کرنے سے بھی۔

■ مسئلہ: وَلَا يَجُوزُ فِي الْهَدَايَا إِلَّا مَا جَازَ فِي...

«وَلَا يَجُوزُ فِي الْهَدَايَا إِلَّا مَا جَازَ فِي الضَّحَايَا» اور جائز نہیں ہے ہدایا کے اندر مگر وہ جو جائز ہے قربانیوں میں، یعنی بھائی قربانی کے اندر جو جو جانور جائز ہیں ہدی میں بھی وہی جانور جائز ہیں، اور قربانی میں کیا جانور، کون سے جانور جائز تھے؟ بھیڑ بکری اور وہ بھیڑ بکری ایک سال کی ہو اور گائے بیل ہو تو دو سال کے ہوں اور اونٹ ہو تو پانچ سال کا ہو، تو کہتے ہیں اور ہدی کے جانوروں میں جائز نہیں ہے مگر وہ جانور جو جائز ہیں قربانیوں کے اندر «لِأَنَّهُ قُرْبَةٌ تَعَلَّقَتْ بِإِرَاقَةِ الدَّمِ كَالْأُضْحِيَّةِ فَيَتَخَصَّصَانِ بِمَحَلٍّ وَاحِدٍ» اس لیے کیونکہ ہدی جو ہے ایسی قربت ہے کہ جس کا تعلق کس سے ہے؟ خون کے بہا دینے سے ہے جیسے کہ قربانی ہے، جیسے قربانی میں خون بہاتے ہیں اسی طرح ہدی کے اندر بھی خون بہایا جاتا ہے «فَيَتَخَصَّصَانِ بِمَحَلٍّ وَاحِدٍ» تو یہ دونوں خاص ہوں گی کس کے ساتھ؟ ایک ہی محل کے ساتھ۔ قربانی میں بھی خون کا بہانا، ہدی کے اندر بھی خون کا بہا دینا، تو قربانی کا تعلق جس محل سے ہے یعنی جس جس جانور میں ہے قربانی جائز ہے وہی ہدی میں بھی، یعنی قربانی کا تعلق جس محل سے ہے محل سے کیا مراد ہے؟ وہ جانور جس کو ذبح کیا جاتا ہے، تو قربانی کا تعلق جس محل سے ہے یعنی جس جانور سے ہے جس کو ذبح کرنا جائز

ہے ہدی کا تعلق بھی اسی محل سے اور اسی جانور سے ہو گا کیونکہ دونوں میں کیا کیا جاتا ہے؟ ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ معنی ہے «فَيَتَخَصَّصَانِ بِمَحَلٍّ وَاحِدٍ» تو یہ دونوں خاص ہوں گے ایک ہی محل کے ساتھ۔

«وَالشَّاةُ جَائِزَةٌ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا فِي مَوْضِعَيْنِ» اور بھیڑ بکری جائز ہے ہر چیز میں سوائے دو جگہوں میں۔ حج میں آپ نے پڑھا دو جگہیں جہاں پر بھیڑ بکری سے قربانی کافی نہیں ہو گی بلکہ بدنہ کرنا پڑے گا، اور وہ کون سی دو جگہیں تھیں؟ کہ طواف زیارت جنابت کی حالت میں کر لے یا وقوف عرفات کے بعد جماع کر لے، تو یہی بیان کر رہے ہیں: «مَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا» وہ شخص جو طواف زیارت جنابت کی حالت میں کر لے «وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَالْوُقُوفِ» اور دوسرا وہ شخص جو وقوف عرفات کے بعد جماع کر لے یعنی صحبت کر لے بیوی سے «فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ فِيهِمَا إِلَّابَدَنَةٌ» کیونکہ ان کے اندر جائز نہیں ہے سوائے بدنہ کے «وَقَدْ بَيَّنَّا الْمَعْنَى فِيمَاسَبَقَ» اور تحقیق ہم بیان کر چکے ہیں علت کو ماقبل میں۔ معنی سے کیا مراد ہے؟ علت اور سبب، اس کی علت اور سبب ہم ماقبل میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ جنایت بہت بڑی ہے۔

«وَيَجُوزُ الْأَكْلُ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ» اور جائز ہے کھانا نفلی ہدی میں سے اور متعہ یعنی تمتع کی ہدی میں سے «وَالْقِرَانِ» اور قران۔ حج تمتع، حج قران کرنے والا جو قربانی کرتا ہے وہ شکرانے کے طور پر ہے اور اسی طرح نفلی قربانی جو کرتا ہے تو ان میں سے قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے، جبکہ جبکہ جو کفارات کے دم ہیں ان میں سے خود کھانا جائز نہیں وہ سارا کس کو دینا پڑے گا؟ وہ فقراء کو وہ گوشت دینا پڑے گا۔ تو کہتے ہیں کھانا جائز ہے نفلی قربانی میں سے اور تمتع اور قران کی قربانی میں سے «لِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ» اس لیے کیونکہ یہ عبادت کا خون ہے یعنی عبادت کی قربانی ہے «يَجُوزُ الْأَكْلُ مِنْهَا بِمَنْزِلَةِ الْأُضْحِيَّةِ» جائز ہے اس میں سے کھانا قربانی کے درجے میں، جیسے قربانی کے جانور میں سے کھانا جائز ہوتا ہے اسی طرح اس میں سے بھی کھانا جائز کیونکہ یہ بھی قربانی ہے۔ «وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَكَلَ مِنْ لَحْمِ هَدْيِهِ وَحَسَا مِنَ الْمَرَقَةِ» اور تحقیق یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی کے گوشت میں سے کھایا «وَحَسَا» اور پیا «مِنَ الْمَرَقَةِ» اس شوربے میں سے، قربانی کے گوشت میں سے، اپنی ہدی کے گوشت میں سے آپ نے کھایا اور اس شوربے میں سے پیا۔ «وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا» اور مستحب ہے اس ہدی کرنے والے کے لیے، ہدی بھیجنے والے کے لیے کہ وہ اس میں سے کھالے «لِمَا رَوَيْنَا» اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی کہ حضور علیہ السلام نے بھی اس میں سے کھایا ہے۔ «وَكَذَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي عُرِفَ فِي الضَّحَايَا» اور اسی طرح مستحب ہے کہ اس کو صدقہ کرے اسی طریقے پر جو کہ قربانی کے اندر جانا گیا ہے، ہاں عید کی قربانی میں جیسے جانا گیا ہے اسی طریقے سے اس میں سے بھی کیا کرے؟ صدقہ کرے یعنی مستحب یہ ہے، عید کی قربانی میں آپ جانتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ تیسرا حصہ گوشت کا صدقہ کر دے فقراء اور مساکین پر، تو یہاں پر بھی اسی طریقے پر تیسرا حصہ صدقہ کرنا مستحب ہے۔

■ مسئلہ: وَلَا يَجُوزُ الْأَكْلُ مِنْ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا

«وَلَا يَجُوزُ الْأَكْلُ مِنْ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا» اور باقی ہدایا جو ہیں ان میں سے کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ کفارات کے دم ہیں اور وہ سارا گوشت کس کو دینا ضروری؟ فقراء کو، «لِأَنَّهَا دِمَاءُ كَفَّارَاتٍ» اس لیے کیونکہ وہ کفارات کے دم ہیں «وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا أُحْصِرَبِالْحُدَيْبِيَةِ» اور تحقیق یہ بات ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام جب وہ محصور کیے گئے حدیبیہ میں، حضور علیہ السلام جب روکے گئے حدیبیہ میں «وَبَعَثَ الْهَدَايَا عَلَى يَدَيْ نَاجِيَةَ الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ» اور بھیجا آپ نے ہدایا کو ناجیہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر کہ جا کر ذبح کر دو، «قَالَ لَهُ» تو ان سے آپ نے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: «لَا تَأْكُلْ أَنْتَ وَرُفَقَاؤُكَ مِنْهَاشَيْئًا» کہ تم اور تمہارے ساتھی اس میں سے کچھ بھی نہ کھائیں، تم اور تمہارے ساتھی کچھ بھی نہ کھائیں۔ تو دیکھو یہ دم احصار تھا، دم احصار، لہٰذا اس میں سے کھانے سے منع فرمایا، تو معلوم ہوا باقی جو دم، کفارات ہیں ان میں سے بھی کھانا جائز نہیں۔

«وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ إِلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ» اور جائز نہیں ہے تطوع کی اور تمتع کی اور قران کی جو ہدی ہے اس کو ذبح کرنا مگر یوم النحر میں، یوم النحر کو اس کو صرف ذبح کیا جا سکتا ہے اور کسی دن ذبح نہیں کیا جا سکتا۔ «قَالَ: وَفِي الْأَصْلِ يَجُوزُ ذَبْحُ دَمِ التَّطَوُّعِ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ وَذَبْحُ يَوْمِ النَّحْرِأَفْضَلُ» قال، وفی الاصل، قال سے مراد صاحب ہدایہ ہیں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں وفی الاصل اور مبسوط کے اندر ہے کہ نفلی دم جو ہے اس کو یوم النحر سے پہلے ذبح کرنا بھی جائز ہے اور یوم النحر کو ذبح کرنا افضل ہے۔ «وَهَذَا هُوَالصَّحِيحُ» اور یہی قول صحیح ہے «لِأَنَّ الْقُرْبَةَ فِي التَّطَوُّعَاتِ بِاعْتِبَارِ أَنَّهَا هَدَايَا وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِتَبْلِيغِهَا إِلَى الْحَرَمِ» اس لیے کیونکہ قربت یعنی عبادت جو ہے نفلی چیزوں، نفلی قربانیوں میں اس اعتبار سے ہے کہ یہ ہدی کے جانور ہیں «وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ» اور یہ ثابت ہو جاتا ہے «بِتَبْلِيغِهَا إِلَى الْحَرَمِ» حرم تک ان کو پہنچا دینے سے، جب حرم پہنچ گئے تو پتہ چل گیا کہ یہ ہدی کا جانور ہے تو اس عید سے پہلے بھی ذبح کر سکتا ہے جب کہ نفلی ہو، ہاں عید کے دن ذبح کرنا افضل ہے۔ «فَإِذَا وُجِدَذَلِكَ» پس جب یہ چیز پائی جائے «جَازَ ذَبْحُهَا فِي غَيْرِ يَوْمِ النَّحْرِ» تو یوم النحر کے علاوہ بھی کسی دن ذبح کرنا جائز ہے «وَفِي أَيَّامِ النَّحْرِأَفْضَلُ» اور ایام النحر میں ذبح کرنا افضل ہے «لِأَنَّ مَعْنَى الْقُرْبَةِ

فِي إِرَاقَةِ الدَّمِ فِيهَاأَظْهَرُ» اس لیے کیونکہ قربت کا معنی خون کے بہادینے میں فیہا ان دنوں کے اندر اظہر زیادہ ظاہر ہے۔ بھائی ان دنوں کے اندر تو ویسے بھی قربانی کا حکم دیا گیا ہے تو معلوم ہوا ان دنوں کے اندر خون کا بہادینا وہ عبادت ہے، یہ بات زیادہ ظاہر ہے۔

«أَمَّا دَمُ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ: فَلِقَوْلِهِتَعَالَى» باقی دم تمتع اور قران جو ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، یہ دلیل ذکر کر رہے ہیں نا کہ دم تمتع اور دم قران یہ خاص ہیں کس کے ساتھ؟ یوم النحر کے ساتھ، تو اس کی دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ باقی دم تمتع اور دم قران جو ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے یوم النحر کے ساتھ خاص ہیں: «﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ﴾» اللہ فرماتے ہیں: فکلو منہا تم خود بھی اس قربانی کے گوشت میں سے کھاؤ «وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ» اور کھلاؤ سختی میں مبتلا فقیر کو، بائس جو شدت اور سختی میں مبتلا ہے کہ تم بھی اس میں سے کھاؤ اور کس کو کھلاؤ؟ سختی میں مبتلا فقیر کو بھی کھلاؤ «﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾» پھر چاہیے کہ وہ حاجی اپنے میل کچیل کو دور کریں، کیا کریں؟ اپنے میل کچیل کو دور کریں یعنی حلق وغیرہ کروالیں بھائی، اور حلق تو کب کروایا جاتا ہے؟ یوم النحر، معلوم ہوا یہ جو پیچھے ذکر ساتھ ہو رہا ہے معطوف علیہ جس میں گوشت کو کھانے اور کھلانے کا حکم دیا جا رہا ہے معلوم ہوا یہ ذبح بھی کس دن ہو گی؟ یوم النحر میں، دلیل سمجھ میں آگئی؟ «ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ» چاہیے کہ وہ کیا کریں؟ اپنے میل کچیل کو دور کریں، اور میل کچیل کا دور کرنا کس دن ہوتا ہے؟ یوم النحر کو، اور یہ ہے معطوف اور ما قبل میں ہے معطوف علیہ، اور معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے، تو جب یہ یوم النحر میں ہے تو وہ ما قبل والے یعنی ذبح کرنا اور کھانا اور کھلانا بھی کس دن ہو گا؟ یوم النحر میں ہو گا، معلوم ہوا حج قران اور حج تمتع میں جو قربانی کی جائے گی وہ یوم النحر کو ہو گی۔

تو کہتے ہیں: «وَقَضَاءُ التَّفَثِ يَخْتَصُّ بِيَوْمِالنَّحْرِ» اور میل کچیل کا دور کرنا یہ تو یوم النحر کے ساتھ خاص ہے تو اسی طرح وہ ذبح بھی یوم النحر کے ساتھ خاص ہو گی «وَلِأَنَّهُ دَمُنُسُكٍ» اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو دم تمتع اور دم قران ہے یہ دم نسک ہے، یہ عبادت کا دم ہے «فَيَخْتَصُّ بِيَوْمِ النَّحْرِكَالْأُضْحِيَّةِ» تو یہ بھی خاص ہو گا یوم النحر کے ساتھ جیسے کہ جیسے عید کی قربانی، وہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ اسی دن کے ساتھ۔ «وَيَجُوزُ ذَبْحُ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا فِي أَيِّ وَقْتٍشَاءَ» اور جائز ہے ذبح کرنا باقی ہدایا کا جس وقت بھی چاہے، اور باقی ہدایا جو دم کفارات وغیرہ ہیں وہ جب بھی ذبح کرنا چاہے ذبح کر سکتا ہے۔ «وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ اعْتِبَارًا بِدَمِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ» امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باقی ہدایا کو بھی ذبح کرنا جائز نہیں ہے سوائے یوم النحر کے، قیاس کرتے ہوئے دم تمتع اور دم قران پر، وہ فرماتے ہیں جیسے دم تمتع اور دم قران یوم النحر کے علاوہ ذبح کرنا جائز نہیں تو باقی بھی ہدایا ہیں ان کو بھی کیا کیا جائے گا؟ یوم النحر والے دن ذبح کیا جائے گا۔ «فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ دَمُ جَبْرٍعِنْدَهُ» اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک جو ہے وہ دم جبر ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ یہ دم قران بھی دم جبر ہے تلافی والا دم ہے، دم تمتع بھی کیا ہے؟ دم جبر ہے تلافی والا دم ہے، اور دم کفارات بھی کیا ہیں؟ وہ دم جبر ہیں، تو سب ایک چیز ہیں لہٰذا ایک ہی دن کے ساتھ خاص ہوں گے۔

■ مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ هَذِهِ دِمَاءُ كَفَّارَاتٍ فَلَا يَخ...

«وَلَنَا أَنَّ هَذِهِ دِمَاءُ كَفَّارَاتٍ فَلَا يَخْتَصُّ بِيَوْمِالنَّحْرِ» اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ جو دم ہیں باقی یہ دم کون سے ہیں؟ کفارات کے ہیں، لہٰذا یہ یوم النحر کے ساتھ خاص نہیں ہوں گے «لِأَنَّهَا لَمَّا وَجَبَتْ لِجَبْرِ النُّقْصَانِ كَانَ التَّعْجِيلُ بِهَا أَوْلَى لِارْتِفَاعِ النُّقْصَانِ بِهِ مِنْ غَيْرِتَأْخِيرٍ» اس لیے کیونکہ جب یہ واجب ہوئے ہیں نقصان کی تلافی کرنے کے لیے تو ان میں جلدی کرنا بہتر ہو گا تاکہ ان کے ذریعے نقصان اٹھ جائے، جو کمی ہے وہ پوری ہو جائے بغیر کسی تاخیر کے، تو ان میں جلدی کرنا بہتر ہو گا تاکہ نقصان اٹھ جائے اور پورا ہو جائے بغیر کسی تاخیر کے، «بِخِلَافِ دَمِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ لِأَنَّهُ دَمُنُسُكٍ» بخلاف دم تمتع اور دم قران کے کیونکہ وہ تو عبادت کا دم ہے، وہ تو کسی غلطی کی وجہ سے واجب نہیں ہوا تو دونوں چیزیں الگ ہیں، دم تمتع اور دم قران یہ دم نسک ہے، یہ شکرانے کا دم ہے اور کفارات کے جو دم ہیں وہ وہ دم جبر ہیں، وہ جو غلطی ہوئی ہے اس کی تلافی کے طور پر آئے ہیں، تو ایک چیز غلطی کی تلافی کے طور پر آئی ہے، ایک چیز شکرانے کے طور پر آئی ہے، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، دونوں کا حکم بھی الگ ہو گا اور دم تمتع اور قران تو خاص ہیں یوم النحر کے ساتھ جبکہ باقی دم پہلے بھی کر دے تو ٹھیک ہے بلکہ پہلے کرنا افضل ہے تاکہ جلدی سے جلدی اس جو کمی آئی تھی یا جو غلطی ہوئی تھی اس کی تلافی ہو جائے بھائی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر۱۶۷:باب الھدایا(ہدی کے جانوروں کے احکام)

ہدایہ صفحہ:۳۲۱ــــبتاریخ:۲۶مئی ۲۰۱۳ء

متنِ ہدایہ(درس کی ابتدائی عبارت)

قَالَ: «وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ الْهَدَايَا إِلَّا فِي الْحَرَمِ» لِقَوْلِهِ تَعَالَى فِي جَزَاءِ الصَّيْدِ ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾. فَصَارَ أَصْلًا فِي كُلِّ دَمٍ هُوَ كَفَّارَةٌ، وَلِأَنَّ الْهَدْيَ اسْمٌ لِمَا يُهْدَى إِلَى مَكَانٍ وَمَكَانُهُ الْحَرَمُ. قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «مِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ، وَفِجَاجُ مَكَّةَ كُلُّهَا مَنْحَرٌ». [1]

باب الھدی چل رہاہے

باب الھدی چل رہاہے۔تو صاحب قدوری فرماتے ہیں: «وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ الْهَدَايَا إِلَّا فِي الْحَرَمِ» اور ہدی کے جو جانور ہیں ان کو حرم کے علاوہ کہیں اور ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ «لِقَوْلِهِ تَعَالَى فِي جَزَاءِ الصَّيْدِ» دلیل ذکر کررہے ہیں، کہتے ہیں:بوجہ اللہ تعالیٰ کے قول کے شکار کی جزا کے بارے میں، اللہ فرماتے ہیں: ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ ہدی جو پہنچنے والی ہو کعبہ کو یعنی حرم کو۔ «فَصَارَ أَصْلًا فِي كُلِّ دَمٍ» تو یہ جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کا قول اصل ہوا «فِي كُلِّ دَمٍ هُوَ كَفَّارَةٌ» ہر ایسے دم کے اندر جو کہ کفارہ ہے۔ معلوم ہوا کفارے کا ہر دم جو ہے اس کا حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔

«وَلِأَنَّ الْهَدْيَ اسْمٌ لِمَا يُهْدَى إِلَى مَكَانٍ» اور نیز اس لیے کہ کیونکہ ہدی جو ہے وہ نام ہے اس جانور کا «يُهْدَى إِلَى مَكَانٍ» جس کو منتقل کیا جائے کسی جگہ، کہ ایک جگہ سے کوئی کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے، دوسری جگہ اس کو بھیجا جائے۔ «وَمَكَانُهُ الْحَرَمُ» اور اس کی جگہ حرم ہے۔ «قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ» حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ» منیٰ جو ہے سارا کا سارا وہ نحر کی جگہ ہے، قربانی کی یا ذبح کرنے کی جگہ ہے۔ «وَفِجَاجُ مَكَّةَ كُلُّهَا مَنْحَرٌ» اور مکہ کے راستے جو ہیں، فجاج جمع ہے فج کی، کشادہ راستے کو کہتے ہیں، «وَفِجَاجُ مَكَّةَ كُلُّهَا مَنْحَرٌ» اور مکہ کے کھلے راستے جو ہیں سارے کے سارے «مَنْحَرٌ» وہ نحر کی جگہ ہیں یعنی ذبح کی جگہ ہیں۔

«وَيَجُوزُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهَا عَلَى مَسَاكِينِ الْحَرَمِ وَغَيْرِهِمْ» اور جائز ہے کہ وہ ان کو صدقہ کرے حرم کے مسکینوں پر «وَغَيْرِهِمْ» اور ان کے علاوہ پر۔یعنی یہ ہدی کے گوشت کو حرم کے مسکین ہوں یا کسی اور جگہ کے مسکین ہوں سب پر صدقہ کرنا جائز ہے۔ «خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ» بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں، حرم ہی کے مساکین کو دینا پڑے گا۔

دلیل واستدلال:دلیل ہماری آگے ذکر ہورہی ہے:«لِأَنَّ الصَّد

دلیل ہماری آگے ذکر ہورہی ہے: «لِأَنَّ الصَّدَقَةَ قُرْبَةٌ مَعْقُولَةٌ، وَالصَّدَقَةُ عَلَى كُلِّ فَقِيرٍ قُرْبَةٌ». ہم کہتے ہیں ہر مسکین کو دے سکتے ہیں، اس لیے کیونکہ صدقہ جو ہے «قُرْبَةٌ مَعْقُولَةٌ» وہ ایک ایسی عبادت ہے جو معقول ہے یعنی عقل میں آنے والی ہے۔ عقل میں آنے والی ہے کیونکہ صدقہ جب کیا جائے گا مسکین کو جب اس مال کا یا اس چیز کا مالک بنایا جائے گا تو اس کی حاجت پوری ہوگی، اس کی تکلیف دور ہوگی، اور یہ چاہے حرم میں ہو یا حرم سے باہر ہو، ہر جگہ پر یہ فائدہ حاصل ہوگا اور مسکین کی حاجت دور کرنا یہ عبادت ہے۔ تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ الصَّدَقَةَ قُرْبَةٌ مَعْقُولَةٌ» اس لیے کیونکہ صدقہ جو ہے وہ ایسی عبادت ہے جو معقول ہے یعنی عقل میں آنے والی ہے، «وَالصَّدَقَةُ عَلَى كُلِّ فَقِيرٍ قُرْبَةٌ» اور صدقہ کرنا ہر فقیر پر یہ عبادت ہے۔

[1] حوالۂ آیت(شاملہ ص۲۴۰):(المائدة ۹۵)۔

«قَالَ: وَلَا يَجِبُ التَّعْرِيفُ بِالْهَدَايَا» صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ ہدائی جو ہے یعنی ہدی کے جو جانور ہیں ان کی تعریف واجب نہیں ہے۔ تعریف، بھائی تعریف کے دو معنی ہیں۔ ایک تو عَرَّفَ يُعَرِّفُ تَعْرِيف کا معنیٰ ہے ہدی کے جانور کو عرفات لے جانا۔ تو یہ عرفات لے جانا اسی سے ہے تعریف، دیکھیے وہی مادہ عین، را، فا اس میں آرہے ہیں۔ تو تعریف کا ایک معنی کیا ہوا؟ ہدی کے جانور کو عرفات لے جانا۔ اور تعریف کا دوسرا معنی عَرَّفَ يُعَرِّفُ تَعْرِيف کا معنیٰ ہے پہچان کروانا یعنی مشہور کرنا۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ ہدی کے جانور کے گلے میں قلادہ پہنایا جائے جیسے آپ پہلے پڑھ چکے، کہ کیا طریقہ تھا؟ کہ ہدی کے جانور کے گلے میں کوئی پرانا چمڑے کا یا جوتے کا ٹکڑا وغیرہ یا اس طرح کی کوئی چیز لٹکا دی جاتی تھی جس سے دیکھنے والوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ یہ ہدی کا جانور ہے جسے حرم ذبح کرنے کے لیے لے جایا جارہا ہے۔ یا اسی طرح اشعار کیا جاتا تھا ہدی کے جانور کا کہ اس کے کوہان کو زخمی کر دیا جاتا اور اس کو خون سے لت پت کر دیا جاتا، تو دیکھنے والوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ یہ ہدی کا جانور ہے، چنانچہ وہ پھر اس جانور کو تکلیف وغیرہ نہیں دیتے تھے بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو دیکھیے یہ قلادہ پہنانا یا یہ اشعار کرنا اس سے ہدی کی تعریف ہو گی، لوگوں کو پہچان ہو گی، لوگوں میں شہرت یعنی سب کو پتہ لگے گا کہ یہ کون سا جانور ہے؟ ہدی۔ تو کیا یہ تعریف واجب ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، «وَلَا يَجِبُ التَّعْرِيفُ بِالْهَدَايَا» ہدی کے جانوروں میں تعریف واجب نہیں ہے۔ یعنی عرفات لے جانا واجب نہیں یا ان کو قلادہ پہنانا یا اشعار کرنا واجب نہیں ہے۔

«لِأَنَّ الْهَدْيَ يُنْبِئُ عَنِ النَّقْلِ إِلَى مَكَانٍ لِيُتَقَرَّبَ بِإِرَاقَةِ دَمٍ فِيهِ، لَا عَنِ التَّعْرِيفِ فَلَايَجِبُ» اس لیے کیونکہ ہدی کا لفظ جو ہے «يُنْبِئُ عَنِ النَّقْلِ إِلَى مَكَانٍ» وہ خبر دیتا ہے کسی جگہ کی طرف منتقل کرنے کی، ابھی اوپر ہدی کا معنی بیان ہوا، ہدی کس جانور کو کہتے ہیں جس کو کسی مکان کی طرف منتقل کیا جائے، تو یہ ہدی کا لغوی معنی بیان کر رہے ہیں، کیونکہ ہدی کا لفظ جو ہے یہ خبر دیتا ہے کسی جگہ کی طرف منتقل کرنے کی «لِيُتَقَرَّبَ بِإِرَاقَةِ دَمٍ فِيهِ» تاکہ قربت حاصل کی جائے اس کے خون کے بہانے کے ذریعے «فِيهِ» اس جگہ میں، «لَا عَنِ التَّعْرِيفِ» ہدی کا لفظ تعریف کی خبر نہیں دیتا یعنی اس کا معنیٰ تعریف نہیں ہے، «فَلَا يَجِبُ» لہٰذا تعریف واجب نہیں ہو گی۔ خلاصہ اس دلیل کا یہ ہے کہ ہدی کے جانور میں تعریف واجب نہیں، یا تعریف واجب ہو گی یا تو کسی نص کی وجہ سے، کسی قرآن یا حدیث میں یہ ذکر آیا ہوتا کہ واجب ہے تو پھر واجب ہوتا، لیکن قرآن اور حدیث میں تو ایسا کوئی حکم نہیں آیا۔ اور یا دوسری صورت یہ تھی کہ تعریف تب واجب ہوتی اگر اس کا لغوی معنیٰ جو ہے وہ تعریف کی خبر دیتا، اور ہدی کا لغوی معنیٰ جو ہے وہ تو اس جانور کا ہے جس کو منتقل کیا جائے، اس میں تو کوئی تعریف والا معنیٰ نہیں ہے تو لہٰذا کسی بھی اعتبار سے یہاں تعریف واجب نہیں ہو گی۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّ الْهَدْيَ يُنْبِئُ عَنِ النَّقْلِ إِلَى مَكَانٍ لِيُتَقَرَّبَ بِإِرَاقَةِ دَمٍ فِيهِ» اس لیے کیونکہ ہدی کا لفظ جو ہے یہ خبر دیتا ہے کسی جگہ کی طرف منتقل کرنے کی تاکہ قربت حاصل کی جائے خون بہانے کے ذریعے اس جگہ میں، «لَا عَنِ التَّعْرِيفِ» نہ کہ تعریف یعنی تعریف کی خبر نہیں دیتا یہ لفظ، «فَلَا يَجِبُ» تو لہٰذا تعریف واجب نہیں ہو گی۔

■ مسئلہ: فَإِنْ عَرَّفَ بِهَدْيِ الْمُتْعَةِ فَحَسَنٌ

«فَإِنْ عَرَّفَ بِهَدْيِ الْمُتْعَةِ فَحَسَنٌ» حج تمتع کی جو ہدی ہے اگر اس کی تعریف کی، کیا معنی تعریف کی؟ یعنی عرفات لے گیا یا اس کو قلادہ وغیرہ پہنایا، «فَحَسَنٌ» تو یہ اچھا ہے۔ «لِأَنَّهُ يَتَوَقَّتُ بِيَوْمِ النَّحْرِ فَعَسَى لَا يَجِدُ مَنْ يُمْسِكُهُ فَيَحْتَاجُ إِلَى أَنْ يُعَرِّفَ بِهِ» اس لیے کیونکہ یہ حج تمتع کی جو ہدی ہے اس کو کس دن ذبح کیا جائے گا؟ یوم النحر والے دن، اور یوم النحر وقوف عرفات کے بعد آئے گا تو ہو سکتا ہے یہ حاجی جو ہدی لے کر گیا ہے اس کو کوئی شخص منیٰ میں ایسا نہ ملے جو پیچھے اس کے جانور کی حفاظت کرے، تو لہٰذا یہ محتاج ہو گا کہ عرفات جارہا ہے اب جانور تو پیچھے منیٰ میں نہیں چھوڑ سکتا تو اس کو بھی کیا کر سکتا ہے؟ ساتھ لے جانا پڑے گا اس کو بھائی مجبوری میں۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّهُ يَتَوَقَّتُ بِيَوْمِ النَّحْرِ» اس لیے کیونکہ یہ ہدی جو ہے یہ مقید ہے قربانی کے دن کے ساتھ، «فَعَسَى لَا يَجِدُ مَنْ يُمْسِكُهُ» پس شاید کہ یہ نہ پائے کسی ایسے شخص کو جو اس کو روک کر رکھے، «فَيَحْتَاجُ إِلَى أَنْ يُعَرِّفَ بِهِ» تو یہ حاجی محتاج ہو گا کہ اس کی تعریف کرے یعنی اس کو عرفات لے کر جائے۔

«وَلِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى التَّشْهِيرِ» اور نیز اس لیے کیونکہ یہ قربانی کا دم ہے، «فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى التَّشْهِيرِ» تو اس کی بنیاد تشہیر پر ہو گی۔ یعنی قلادہ وغیرہ، تعریف کا اگر دوسرا معنی کریں قلادہ پہنانا، تو اس صورت میں یہ قربانی کا دم ہے، عبادت کا دم ہے تو اس کی بنیاد تشہیر پر ہو گی۔ کس پر ہو گی؟ تشہیر پر ہو گی، تاکہ دوسرے بھی دیکھیں اور ان کو بھی رغبت حاصل ہو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ہاں، «بِخِلَافِ دِمَاءِ الْكَفَّارَاتِ» بخلاف کفارات کے جو دم ہیں کہ ان کے مناسب یا در کھیے چھپانا ہے۔ یہ دم جو ہے دم تمتع یہ تو کیا ہے؟ عبادت کا دم ہے، اور جو دم کفارہ ہوتا ہے وہ؟ وہ تو کوئی غلطی ہوئی، کوئی جنایت ہوئی اس کا دم ہے، لہٰذا اس کو چھپانا چاہیے اور اس کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کی شہرت ہونی چاہیے، لہٰذا اس لیے بھی اس میں تعریف بہتر ہے بھائی۔

«لِأَنَّهُ يَجُوزُ ذَبْحُهَا قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا» اچھا، بھائی جو کفارے کا دم ہے اس میں تعریف بمعنیٰ اول اس کی بھی ضرورت نہیں۔ تعریف کا معنیٰ اول کیا تھا؟ عرفات لے جانا۔ اس کی بھی ضرورت نہیں، اس لیے کیونکہ دم کفارات کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان کو یوم النحر میں ہی ذبح کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی ذبح کر سکتے ہیں بلکہ پہلے ذبح کرنا افضل ہے۔ لہٰذا اگر یہ عرفات جارہا ہے اس کو کوئی نہیں ملتا جس کے پاس جانور چھوڑ کر جائے اور جانور کون سا ہے؟ دم کفارہ کے لیے اس نے لیا، تو یہ اس کو تو پہلے بھی کوئی نہیں ملتا تو کوئی حرج نہیں، اس کو پہلے ہی کیا کر لے؟ ذبح کر لے بھائی۔ «لِأَنَّهُ يَجُوزُ ذَبْحُهَا قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ

عَلَى مَا ذَكَرْنَا » اس لیے کیونکہ اس کو یوم النحر سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے بوجہ اس کے جو ہم نے ذکر کر دیا کہ اس میں جلدی کرنا افضل ہے۔ « وَسَبَبُهُ الْجِنَايَةُ فَيَلِيقُ بِهِ السَّتْرُ » اور اس دم کا سبب جو ہے وہ جنایت ہے، وہ جرم ہے، « فَيَلِيقُ بِهِ السَّتْرُ » تو اس کے مناسب جو ہے وہ ستر ہے، چھپانا ہے، تو اس کو قلادہ وغیرہ نہیں پہنایا جائے گا۔

■ مسئلہ: وَالْأَفْضَلُ فِي الْبُدْنِ النَّحْرُ، وَفِي الْبَقَرِ...

« وَالْأَفْضَلُ فِي الْبُدْنِ النَّحْرُ، وَفِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ » اور افضل جو ہے اونٹ کے اندر نحر ہے، اور گائے اور بھیڑ بکری کے اندر ذبح ہے بھائی۔ بھائی گائے، بھیڑ بکری وغیرہ کو ذبح کیا جاتا ہے جبکہ اونٹ میں نحر افضل ہے۔ نحر یہ ہے کہ یہ جو آپ اگر اپنی گردن پر ہاتھ لگائیں اور سینے کی طرف انگلی لائیں تو یہاں ایک گڑھا سا پڑا ہوا ہے بھائی، جو سینے کے ساتھ جہاں گردن ملی ہوئی ہے یہ گڑھا سا اور یہ بڑی نرم جگہ ہے۔ تو اسی طرح یہ جو اونٹ کا یہ حصہ ہوتا ہے جہاں گردن اس کے بدن کے ساتھ ملی ہوئی ہے، یہ بڑی نرم جگہ ہوتی ہے اور یہاں پر پھر نیزہ مارا جاتا ہے بھائی، یہاں پر۔ اور اونٹ میں یہ نحر افضل ہے کیونکہ مسنون یہی ہے اونٹ کے اندر کہ اس کو کیا کیا جائے؟ ذبح بھی کیا جا سکتا ہے لیکن نحر افضل ہے، اس میں اس جانور کے لیے آسانی ہے بھائی۔ کیونکہ ذبح کا مقصد کیا ہے؟ خون نکالنا، اور یہاں جب نیزہ مارا جائے گا تو خون جو ہے وہ سارا بدن سے اس کے نکل جائے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں: « وَالْأَفْضَلُ فِي الْبُدْنِ النَّحْرُ » بدن جمع ہے بدنۃ کی، اور بدن یعنی اونٹوں کے اندر افضل نحر ہے۔ بدنۃ کا اطلاق ویسے تو اونٹ اور گائے وغیرہ ان دونوں پر ہوتا ہے، لیکن یہاں چونکہ آگے بقر کا الگ ذکر آ رہا ہے لہٰذا یہاں بدنۃ سے کیا مراد ہے؟ صرف اونٹ مراد ہے۔ تو کہتے ہیں: « وَالْأَفْضَلُ فِي الْبُدْنِ النَّحْرُ » اور افضل جو ہے بدنۃ کے اندر نحر ہے، « وَفِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ » اور گائے بیل اور بھیڑ بکری کے اندر ذبح ہے، « لِقَوْلِهِ تَعَالَى » اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ پس آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیے « وَانْحَرْ » اور نحر کیجیے، « قِيلَ فِي تَأْوِيلِهِ الْجَزُورَ » کہا گیا ہے اس کی تاویل یعنی تفسیر میں، تاویل کا کیا معنیٰ؟ تفسیر، اس کی تفسیر میں جزور کہا گیا ہے، جزور کہتے ہیں اونٹ کو بھائی۔ تو قربانی کے لیے جو اونٹ ہو، تو اس کی تاویل میں جزور یعنی اونٹ کہا گیا، یعنی اس کی تفسیر اونٹ کے ساتھ کی گئی ہے کہ وَانْحَرِ الْجَزُورَ کہ نحر کیجیے اونٹ کا۔ « وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى » اور اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً﴾ کہ تم ذبح کرو بقرہ کو۔ تو دیکھیے اونٹ کے بارے میں نحر کا لفظ ذکر ہوا قرآن میں اور بقرہ کے لیے ذبح کا۔ اور تو یہ، « وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى » اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ اور ہم نے فدیہ دیا ان کا ایک بڑا ذبیحہ۔ ذَبْحٌ کا معنیٰ ہوتا ہے ذبح کرنا، اور ذِبْحٌ کا معنیٰ ہوتا ہے ذبیحہ، وہ جانور جسے قربانی کے لیے تیار کیا گیا ہو بھائی۔ تو اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ اور ہم نے فدیہ دیا ان کا ایک بڑا ذبیحہ، ایک بڑا قربانی کا جانور۔ خود معنی بیان کر رہے ہیں صاحب ہدایہ: « وَالذِّبْحُ مَا أُعِدَّ لِلذَّبْحِ » اور ذبح جو ہے وہ جانور ہے جس کو ذبح یعنی قربانی کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ تو دیکھیے صاحب ہدایہ نے ذکر کر دیا کہ اونٹ کے لیے قرآن میں کیا لفظ آیا ہے؟ نحر کا، بقرہ کے لیے ذبح کا، اور یہ جو « بِذِبْحٍ عَظِيمٍ » آیا، یہاں آپ پڑھ چکے کہ اس بڑے ذبیحے سے کیا مراد ہے؟ مینڈھا مراد ہے اور مینڈھے اور بکری وغیرہ کا ایک ہی حکم ہے، معلوم ہوا ان میں بھی کیا ہوگا؟ ذبح ہو گا بھائی۔

« وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَحَرَ الْإِبِلَ وَذَبَحَ الْبَقَرَةَ وَالْغَنَمَ » اور تحقیق یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کا نحر فرمایا اور گائے بیل اور بھیڑ بکری کو ذبح فرمایا۔ « ثُمَّ إِنْ شَاءَ نَحَرَ الْإِبِلَ فِي الْهَدَايَا قِيَامًا أَوْ أَضْجَعَهَا » پھر وہ حاجی اگر چاہے تو اونٹ کو نحر کرے، وہ جو اونٹ کو ہدائی میں سے جو اونٹ ہے اس کو نحر کرے « قِيَامًا » کھڑے ہوئے ہی « أَوْ أَضْجَعَهَا » یا اس کو پہلو پر لٹا کر بھائی۔ تو اونٹ کو جب نحر کرنا ہے تو چاہے کھڑے کھڑے نحر کر دیا جائے یا چاہے اس کو لٹا کر۔ « وَأَيَّ ذَلِكَ فَعَلَ فَهُوَ حَسَنٌ » اور ان میں سے جو بھی وہ کر لے تو وہ اچھا ہے، چاہے کھڑے کر کے چاہے لٹا کر۔ « وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَنْحَرَهَا قِيَامًا » اور افضل یہ ہے کہ اس کو نحر کرے کھڑے ہوتے ہوئے، « لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَحَرَ الْهَدَايَا قِيَامًا، وَأَصْحَابُهُ كَانُوا يَنْحَرُونَهَا قِيَامًا مَعْقُولَةَ الْيُسْرَى » بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو ہدائی تھے ان کا نحر فرمایا کھڑے ہوئے، « وَأَصْحَابُهُ كَانُوا يَنْحَرُونَهَا » اور حضور علیہ السلام کے جو صحابہ تھے وہ بھی ان کا جانوروں کا نحر کر رہے تھے « قِيَامًا مَعْقُولَةَ الْيُسْرَى » کھڑے ہوئے اس حال میں کہ ان کے بائیں ہاتھ باندھے ہوئے تھے۔ بائیں ہاتھ سے مراد جانور کا اگلا پاؤں ہے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو جو اگلے دو پاؤں ہیں ان کے لیے ید کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور پچھلے دو پاؤں کے لیے رجل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ « قِيَامًا » اس حال میں کہ وہ جانور کھڑے تھے « مَعْقُولَةَ الْيُسْرَى » اور ان کے بائیں ہاتھ یعنی بایاں اگلا پاؤں جو تھا وہ باندھا ہوا تھا، عقل کے معنی باندھنے کے بھائی۔ یعنی اگلا پاؤں اس کو گھٹنے سے موڑ کر باندھ دیا جاتا تاکہ جانور زیادہ حرکت ادھر ادھر نہ کرے بھائی، آسانی سے تاکہ نحر ہو سکے۔

■ مسئلہ: وَلَا يَذْبَحُ الْبَقَرَ وَالْغَنَمَ قِيَامًا، لِأَنَّ...

«وَلَا يَذْبَحُ الْبَقَرَ وَالْغَنَمَ قِيَامًا، لِأَنَّ فِي حَالَةِ الِاضْطِجَاعِ الْمَذْبَحُ أَبْيَنُ فَيَكُونُ الذَّبْحُ أَيْسَرَ، وَالذَّبْحُ هُوَ السُّنَّةُ فِيهِمَا» اور گائے بیل اور بھیڑ بکری کو کھڑے ہوئے ذبح نہ کرے، «لِأَنَّ فِي حَالَةِ الِاضْطِجَاعِ الْمَذْبَحُ أَبْيَنُ» اس لیے کیونکہ پہلو پر لٹانے کی حالت میں ذبح کی جگہ زیادہ واضح ہوگی، «فَيَكُونُ الذَّبْحُ أَيْسَرَ» تو ذبح کرنا زیادہ آسان ہوگا، «وَالذَّبْحُ هُوَ السُّنَّةُ فِيهِمَا» اور ذبح ہی سنت ہے ان دونوں میں یعنی بقر اور غنم میں۔

«وَالْأَوْلَى أَنْ يَتَوَلَّى ذَبْحَهَا بِنَفْسِهِ إِذَا كَانَ يُحْسِنُ ذَلِكَ» یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ جو شخص قربانی کر رہا ہے بہتر یہ ہے کہ قربانی کے جانور کو خود ذبح کرے اگر وہ اچھے طریقے سے ذبح کر سکتا ہے۔ اور اگر خود اچھے طریقے سے نہیں کر سکتا پھر دوسرے کو بھی ذبح کا ذمہ دار بنا سکتا ہے۔ «وَالْأَوْلَى أَنْ يَتَوَلَّى ذَبْحَهَا بِنَفْسِهِ إِذَا كَانَ يُحْسِنُ ذَلِكَ» اور بہتر یہ ہے کہ متولی ہو اس بدنہ کے ذبح کا خود بھائی، اور بہتر یہ ہے کہ اس جانور کے ذبح کا خود متولی ہو یعنی خود اس کی ذمہ داری لے «إِذَا كَانَ يُحْسِنُ ذَلِكَ» جبکہ وہ اس کو اچھے طریقے سے کر سکے۔

«لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَاقَ مِائَةَ بَدَنَةٍ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَنَحَرَ نَيِّفًا وَسِتِّينَ بِنَفْسِهِ، وَوَلَّى الْبَاقِيَ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ» بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے «سَاقَ مِائَةَ بَدَنَةٍ» آپ نے ہانکا سو بدنوں کو «فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ» حجۃ الوداع میں، یعنی آپ لے کر گئے حجۃ الوداع میں سو بدنے لے کر گئے، «فَنَحَرَ نَيِّفًا وَسِتِّينَ بِنَفْسِهِ» پس آپ نے نحر فرمایا ساٹھ سے کچھ زائد کا بنفسِ خود۔ نیف یاد رکھیے اس کا اطلاق جو ہے یہ ایک سے لے کر تین تک ہوتا ہے، اور دہائی سے زائد کے لیے یہ استعمال ہوتا ہے، تو دہائی دیکھو ساٹھ آگئی اور ساٹھ سے کچھ اوپر یعنی ایک سے لے کر تین تک زائد، جبکہ بعض نے کہا کہ اس کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے، تو ساٹھ سے کچھ زائد یعنی ایک سے لے کر نو تک، اور وہ کتنے ہیں وہ یہاں بیان نہیں ہوئے لیکن دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ۶۳ اونٹ جو ہیں وہ خود نحر فرمائے تھے بھائی، ۶۳ اونٹ حجۃ الوداع کے موقع پر بھائی۔ تو یہاں معلوم ہوا نیف سے کتنے مراد ہیں؟ تین مراد ہیں یہاں پر۔ یہ معنی ہے کہ حضور علیہ السلام لے گئے تھے سو بدنے حجۃ الوداع میں «فَنَحَرَ نَيِّفًا وَسِتِّينَ بِنَفْسِهِ» تو آپ نے ساٹھ سے کچھ زائد خود نحر ان کا فرمایا، «وَوَلَّى الْبَاقِيَ عَلِيًّا» اور ولی بنا دیا باقی کا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، یعنی باقی کا ذمہ دار جو ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنا دیا۔ تو حضور علیہ السلام یہ سو اونٹ لے گئے تھے بھائی اور آپ نے ان سب کی ان کی قربانی وہاں کی، اور ۶۳ اونٹ جو تھے ان کا نحر آپ نے فرمایا، نحر آپ نے فرمایا اور اس میں اشارہ بھی تھا آپ کی عمر مبارک کی طرف کہ آپ کی عمر بھی کتنی ہوئی پھر؟ ۶۳ سال بھائی، ۶۳ سال۔ اور اس وقت لوگوں نے عجیب منظر دیکھا بھائی، کہ حضور علیہ السلام ایک اونٹ کا نحر فرماتے تھے تو دوسرا اونٹ دوڑتا ہوا آتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا، آپ اس کو نحر فرماتے تو فوراً تیسرا اونٹ دوڑتا ہوا آتا آپ کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا، جیسے بے چین ہو کہ اس کو یہ عظیم سعادت مل جائے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نحر فرما دیں بھائی اللہ کے راستے میں۔ تو باقی کا پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمہ دار بنایا۔

■ مسئلہ: وَلِأَنَّهُ قُرْبَةٌ، وَالتَّوَلِّي فِي الْقُرَبِ...

«وَلِأَنَّهُ قُرْبَةٌ، وَالتَّوَلِّي فِي الْقُرُبَاتِ أَوْلَى، لِمَا فِيهِ مِنْ زِيَادَةِ الْخُشُوعِ» اور نیز اس لیے کیونکہ یہ قربانی جو ہے یہ عبادت ہے، «وَالتَّوَلِّي فِي الْقُرُبَاتِ أَوْلَى» اور متولی ہونا عبادتوں کے اندر یہ بہتر ہے کہ خود انسان ذمہ داری لے، «لِمَا فِيهِ مِنْ زِيَادَةِ الْخُشُوعِ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر خشوع کی خشوع کی زیادتی ہے، جب خود اپنی طرف سے قربانی پیش کر رہا ہے تو یقیناً بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کے سامنے اس کو نحر کرے گا یا ذبح کرے گا جبکہ کوئی اور کرے گا وہ اس طرح نہیں بھائی۔ «إِلَّا أَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ لَا يَهْتَدِي لِذَلِكَ وَلَا يُحْسِنُهُ، فَجَوَّزْنَا لَهُ تَوْلِيَةَ غَيْرِهِ» مگر یہ کہ انسان جو ہے کبھی اس کی طرف راہ نہیں پاتا اور اس کو اچھے طریقے سے نہیں کر سکتا، «فَجَوَّزْنَا لَهُ تَوْلِيَةَ غَيْرِهِ» تو ہم نے جائز قرار دیا دوسرے کو متولی بنانے کو، کہ دوسرے کو بھی کیا کر سکتا ہے اس ذبح کا متولی بنا سکتا ہے۔

«قَالَ: وَيَتَصَدَّقُ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا» اور وہ شخص جو ہے وہ حاجی صدقہ کرے «بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا»۔ جلال جمع ہے جُلٌّ کی اور جُلٌّ کہتے ہیں جھول کو، جھول۔ جھول وہ کپڑا جو جانور کے اوپر ڈالا جاتا ہے بھائی۔ «وَخِطَامِهَا» اور خطام جو ہے وہ اونٹ کی مہار، وہ رسی جس کے ساتھ آگے اونٹ کو پکڑ کر چلتے ہیں وہ اسے خطام کہتے ہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَيَتَصَدَّقُ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا» اور صدقہ کر دے ان جانوروں کی جھول جو ان کے اوپر کپڑا ڈالا جاتا تھا ان کو بھی صدقہ کر دے، «وَخِطَامِهَا» اور ان کی جو مہار ہے یعنی رسیاں ہیں ان کو بھی۔ «وَلَا يُعْطِي أُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْهَا» اور اس میں سے قصاب کی اجرت نہ دے۔ جزار جو ذبح کرنے والا ہے قصاب، تو اس میں سے قصاب کی اجرت نہ دے بھائی۔ «لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ» بوجہ حضور علیہ السلام کے اس فرمان مبارک کے جو آپ نے فرمایا: «لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: تَصَدَّقْ بِجِلَالِهَا وَبِخُطُمِهَا وَلَا تُعْطِ أُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْهَا» حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: «تَصَدَّقْ بِجِلَالِهَا» کہ ان کی جھولیں جو ہیں ان کو صدقہ کر دو «وَبِخُطُمِهَا» اور ان کی جو مہاریں ہیں یعنی ان کی جو رسیاں ہیں ان کو بھی، «وَلَا

تُعْطِ أُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْهَا » اور قصاب کی اجرت اس میں سے نہ دینا۔

« **وَمَنْ سَاقَ بَدَنَةً فَاضْطُرَّ إِلَى رُكُوبِهَا رَكِبَهَا، وَإِنِ اسْتَغْنَى عَنْ ذَلِكَ لَمْ يَرْكَبْهَا** » یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ کوئی شخص اگر قربانی کے جانور کو مثلاً اونٹ وغیرہ کو لے گیا لے گیا تو اگر ضرورت نہیں ہے تو پھر اس اونٹ پر اس کو سوار نہیں ہونا چاہیے، اس اونٹ کو اس نے اللہ کی رضا کے لیے کر دیا ہے تو لہٰذا اس سے خود کسی طرح کا نفع نہ اٹھائے، لیکن اگر مجبوری ہو تو پھر اس پر سوار ہو سکتا ہے۔ پھر اس پر سوار ہو سکتا ہے، اور کوئی سواری وغیرہ کا جانور نہیں ہے اور خود چلنا مشکل ہے تو سوار ہو سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں: « **وَمَنْ سَاقَ بَدَنَةً** » اور جو بدنہ لے کر چلا « **فَاضْطُرَّ إِلَى رُكُوبِهَا** » تو وہ مجبور ہو گیا اس کی سواری کی طرف « **رَكِبَهَا** » تو اس پر سوار ہو جائے، « **وَإِنِ اسْتَغْنَى عَنْ ذَلِكَ** » اور اگر اس سے اس کو بے نیازی ہو یعنی ضرورت نہ ہو « **لَمْ يَرْكَبْهَا** » تو اس پر سوار نہ ہو۔ « **لِأَنَّهُ جَعَلَهَا خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى، فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَصْرِفَ شَيْئًا مِنْ عَيْنِهَا أَوْ مَنَافِعِهَا إِلَى نَفْسِهِ** » اس لیے کیونکہ اس نے اس جانور کو خالص اللہ کے لیے کر دیا ہے، تو لہٰذا مناسب نہیں ہے کہ خرچ کرے اس میں سے کچھ بھی اس جانور کی ذات میں سے یا اس کے منافع میں سے اپنی ذات کے لیے۔ تو مناسب نہیں ہے کہ اس میں کس کی ذات یا اس کے منافع میں سے کچھ بھی اپنی ذات کے لیے خرچ کرے، یہ مناسب نہیں ہے۔ « **إِلَى أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ** » یہاں تک کہ وہ جانور اپنی جگہ کو پہنچ جائے، « **إِلَّا أَنْ يَحْتَاجَ إِلَى رُكُوبِهَا** » مگر یہ کہ وہ شخص محتاج ہو جائے اس پر سواری کا۔ اس پر سواری کا محتاج ہو جائے تو پھر سواری کر سکتا ہے۔ « **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ: ارْكَبْهَا وَيْلَكَ** » بوجہ اس حدیث کے جس کو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا « **يَسُوقُ بَدَنَةً** » کہ وہ بدنہ کو ہانک رہا ہے، « **فَقَالَ: ارْكَبْهَا وَيْلَكَ** » تو حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا: « **ارْكَبْهَا** » کہ اس پر سوار ہو جاؤ، اس پر سوار ہو جاؤ، « **وَيْلَكَ** » تمہارے لیے ہلاکت ہو۔ یاد رکھیے یہ « **وَيْلَكَ** » یہ اس کے لفظی معنی تو ہیں « **وَيْلَكَ** » تیرے لیے ہلاکت ہو، لیکن یہ کلمہ بطور شفقت اور محبت کے استعمال ہوتا ہے جیسے یوں کہہ لیں اردو میں کم بخت کا لفظ ہے بھائی۔ تو وہ شخص جو تھا یہ روایات میں آتا ہے کہ یہ ہدی کا جانور ہانک کر لے جا رہا تھا اور حضور علیہ السلام نے کچھ دیکھا ہو گا کہ یہ اس کے لیے چلنا مشکل ہے یہ بیچارہ تکلیف میں ہے، اور ادھر ہدی کا جانور ہے اس پر تو لوگ سوار ہونا پسند نہیں کرتے تھے تو یہ اس پر سوار بھی نہیں ہو رہا، تو حضور علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو فرمانے لگے کہ « **ارْكَبْهَا** » اس پر سوار ہو جاؤ، تو وہ کہنے لگا کہ یہ قربانی کا جانور ہے، حضور علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے پھر کہا یا رسول اللہ یہ قربانی کا جانور ہے، تو حضور علیہ السلام فرمانے لگے: « **ارْكَبْهَا وَيْلَكَ** » کم بخت اس پر سوار ہو جاؤ۔ تو معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر ہدی کے جانور پر سوار ہونا بھی جائز ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: « **لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَأَى رَجُلًا** » بوجہ اس کے جس کے روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے دیکھا ایک شخص کو « **يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ** » کہ وہ بدنہ ہانک رہا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا « **ارْكَبْهَا وَيْلَكَ** » کم بخت سوار ہو جاؤ۔ « **وَتَأْوِيلُهُ أَنَّهُ كَانَ عَاجِزًا مُحْتَاجًا** » اور تاویل اس حدیث کی یہ ہے کہ وہ شخص کیا تھا؟ عاجز تھا، چلنا مشکل تھا اس کے لیے، اور محتاج تھا، کوئی اور جانور اس کے پاس نہیں تھا۔

■ مسئلہ: وَلَوْ رَكِبَهَا فَانْتَقَصَ بِرُكُوبِهِ فَعَلَيْهِ...

« **وَلَوْ رَكِبَهَا فَانْتَقَصَ بِرُكُوبِهِ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ، وَإِنْ كَانَ لَهَا لَبَنٌ لَمْ يَحْلِبْهَا** » بھائی صورت یہ، آپ نے پڑھ لیا کہ ہدی کے جانور پر ضرورت کی وجہ سے سوار ہوا جا سکتا ہے، اگر وہ شخص سوار ہوا اور اس کے سوار ہونے کی وجہ سے جانور کو کوئی نقصان پہنچا تو کہتے ہیں بھائی اس کی وجہ سے جانور کی قیمت میں جتنی کمی آئے گی اس کا ضمان اس کو دینا پڑے گا بھائی۔ اور اگر اس جانور کا دودھ ہو تو پھر وہ دودھ نہ نکالے بھائی، دودھ نہ نکالے بھائی، کیونکہ اس سے نفع اٹھانا اس کے لیے جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں: « **وَلَوْ رَكِبَهَا فَانْتَقَصَ بِرُكُوبِهِ فَعَلَيْهِ ضَمَانٌ** » اور اگر وہ شخص اس جانور پر سوار ہوا تو وہ جانور کم ہو گیا یعنی اس میں نقص آ گیا اس کے سوار ہونے کی وجہ سے، تو جانور میں نقص آ گیا اس کے سوار ہونے کی وجہ سے « **فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ** » تو اس شخص پر ضمان ہے اس کا جو نقصان آیا سوار ہونے کی وجہ سے۔ « **وَإِنْ كَانَ لَهَا لَبَنٌ لَمْ يَحْلِبْهَا** » اور اگر اس جانور کا دودھ ہے تو اس کا دودھ نہ دوہے یعنی دودھ نہ نکالے، « **لِأَنَّ اللَّبَنَ مُتَوَلِّدٌ مِنْهَا فَلَا يَصْرِفُهُ إِلَى حَاجَةِ نَفْسِهِ** » اس لیے کیونکہ یہ دودھ جو ہے اسی جانور سے پیدا ہوا ہے تو لہٰذا اس کو خرچ نہ کرے اپنی ذاتی ضرورت میں۔

« **وَيَنْضَحُ ضَرْعَهَا بِالْمَاءِ الْبَارِدِ حَتَّى يَنْقَطِعَ اللَّبَنُ** » نضح کے معنی ہوتے ہیں چھینٹے مارنا، « **وَيَنْضَحُ ضَرْعَهَا** » اور چھینٹے مارے اس جانور کے تھن پر « **بِالْمَاءِ الْبَارِدِ** » ٹھنڈے پانی کے « **حَتَّى يَنْقَطِعَ اللَّبَنُ** » یہاں تک کہ دودھ جو ہے منقطع ہو جائے، یہاں تک کہ وہ دودھ یعنی خشک ہو جائے۔ دودھ ہو تو اس کو نکالے نہ بلکہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتا رہے تو آہستہ آہستہ وہ دودھ خشک ہو جائے گا۔ آگے صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں بھائی یہ چھینٹے مارے اور دودھ اس سے خشک ہو جائے یہ اس وقت ہے جبکہ ذبح کا وقت قریب ہو، تھوڑا وقت باقی ہے۔ اور اگر ذبح کا وقت ابھی دور ہے تو پھر وہ دودھ نکالے ورنہ جانور بیچارے کو تکلیف ہو گی دودھ زیادہ ہونے کی وجہ سے بھائی۔ دودھ تو آئے گا پھر اگلے وقت میں پھر اسی طرح بتا رہے گا مسلسل تو وہ جانور کو تکلیف ہو گی اس کی وجہ سے، لہٰذا اس کو نکالے اور اس کو صدقہ کر دے بھائی، خود استعمال نہ کرے۔ تو کہتے ہیں: « **وَلَكِنْ هَذَا إِذَا كَانَ قَرِيبًا مِنْ وَقْتِ الذَّبْحِ، فَإِنْ كَانَ بَعِيدًا مِنْهُ يَحْلِبُهَا وَيَتَصَدَّقُ بِلَبَنِهَا كَيْلَا يَضُرَّ ذَلِكَ بِهَا** » لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ ذبح کے وقت کے قریب ہو، « **فَإِنْ كَانَ بَعِيدًا مِنْهُ يَحْلِبُهَا** » اور اگر اس سے دور ہو یعنی ذبح کا وقت جو ہے دور ہو تو اس کو اس کا دودھ نکالے « **وَيَتَصَدَّقُ بِلَبَنِهَا** » اور اس کے دودھ کو صدقہ کر دے « **كَيْلَا يَضُرَّ ذَلِكَ بِهَا** » تاکہ کہیں نقصان نہ دے، تکلیف

نہ دے یہ دودھ کا چھوڑ دینا اس بدنہ کو یعنی اس جانور کو۔ «وَإِنْ صَرَفَهُ إِلَى حَاجَةِ نَفْسِهِ تَصَدَّقَ بِمِثْلِهِ أَوْبِقِيمَتِهِ» اور اگر اس دودھ کو اس نے اپنی حاجت میں خرچ کر دیا یعنی خود استعمال کر لیا تو ضمان دینا پڑے گا، اور دودھ چونکہ مثلیات میں سے ہے یعنی اس کا مثل مل جاتا ہے لہٰذا بدلے کے طور پر اب اتنا ہی دودھ جو ہے فقراء پر صدقہ کر دے یا اس کی قیمت صدقہ کر دے، دونوں صورتیں جائز ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ صَرَفَهُ إِلَى حَاجَةِ نَفْسِهِ» اور اگر اس دودھ کو اس نے خرچ کر دیا اپنی ذاتی حاجت میں «تَصَدَّقَ بِمِثْلِهِ» تو اس کے مثل دودھ کو صدقہ کرے یعنی اسی کے برابر «أَوْ بِقِيمَتِهِ» یا اس کی قیمت کو صدقہ کرے «لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ» اس لیے کیونکہ یہ دودھ اس پر مضمون ہے یعنی اس پر اس کا ضمان آئے گا۔

«وَمَنْ سَاقَ هَدْيًا فَعَطِبَ فَإِنْ كَانَ تَطَوُّعًا فَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ» اور جس نے ہدی کے جانور کو ہانکا یعنی ہدی کا جانور لے چلا «فَعَطِبَ» تو وہ جانور ہلاک ہو گیا، «فَإِنْ كَانَ تَطَوُّعًا» اگر وہ نفلی تھا «فَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ» تو اس شخص پر اس کے علاوہ دوسرا جانور واجب نہیں۔ یہ نفلی ہدی لے کر وہ چلا ہے، کوئی اس پر واجب نہیں ہے اور ہلاک ہو گیا راستے میں وہ جانور مر گیا تو اس پر اب اس کی جگہ دوسرا جانور خریدنا واجب نہیں ہے۔ «لِأَنَّ الْقُرْبَةَ تَعَلَّقَتْ بِهَذَا الْمَحَلِّ وَقَدْفَاتَ» اس لیے کیونکہ قربت جو ہے یعنی عبادت جو ہے وہ متعلق ہو گئی تھی اسی محل کے ساتھ، اسی محل یعنی یہ جو جانور ہے۔ کیونکہ عبادت اسی محل یعنی اسی جانور کے ساتھ متعلق ہو گئی تھی جب یہ اس کو لے کر چلا تھا۔ پہلے تو اس پر یہ جانور ذبح کرنا ضروری نہیں تھا لیکن اب جب لے کر چل پڑا اب اس کے لیے اس جانور کو ذبح کرنا ضروری ہو گیا۔ تو لہٰذا ذبح جو عبادت کا تعلق اس جانور کے ساتھ تھا «وَقَدْ فَاتَ» اور تحقیق یہ تو فوت ہو گیا ہے، تو اب اس پر دوسرا جانور ضروری نہیں۔ «وَإِنْ كَانَ عَنْ وَاجِبٍ فَعَلَيْهِ أَنْ يُقِيمَ غَيْرَهُمَقَامَهُ» اور اگر وہ جو جانور تھا وہ کسی واجب سے تھا یعنی کوئی واجب ہدی تھی تو «فَعَلَيْهِ» تو اس شخص پر واجب ہے «أَنْ يُقِيمَ غَيْرَهُمَقَامَهُ» کہ اب کسی دوسرے جانور کو اس کا قائم مقام کرے، کوئی دوسرا جانور لے اور اس کی قربانی کرے۔ «لِأَنَّ الْوَاجِبَ بَاقٍ فِي ذِمَّتِهِ» اس لیے کیونکہ وہ واجب جو ہے وہ اس کے ذمے میں باقی ہے۔ اس کے ذمے قربانی یہ والی واجب تھی اور یہ تو واجب تو ادا نہ ہوا، ذبح تو نہ کر سکا، وہ تو راستے میں ہی مر گیا تو اب دوسرا جانور لے جانا پڑے گا اور اس کو ذبح کرنا پڑے گا۔

■ مسئلہ: وَإِنْ أَصَابَهُ عَيْبٌ كَثِيرٌيُقَامُ غَيْرُهُم...

«وَإِنْ أَصَابَهُ عَيْبٌ كَثِيرٌ يُقَامُ غَيْرُهُمَقَامَهُ» اور اگر اس جانور کو عیب کثیر پہنچ گیا، بہت زیادہ عیب اس میں پیدا ہو گیا «يُقَامُ غَيْرُهُمَقَامَهُ» تو کسی دوسرے کو اس کا قائم مقام کیا جائے گا۔ عیب کثیر والے جانور کی قربانی جائز نہیں، جیسے عید کے اندر بھی آپ جانتے ہیں بھائی کہ جس جانور میں زیادہ عیب ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ تو اگر اس جانور میں بھی عیب کثیر آ گیا تو دوسرے جانور کو اس کا قائم مقام کرنا پڑے گا۔ «لِأَنَّ الْمَعِيبَ بِمِثْلِهِ لَا يَتَأَدَّى بِهِالْوَاجِبُ» ترجمے پہ نظر رکھنا: «لِأَنَّ الْمَعِيبَبِمِثْلِهِ» اس لیے کیونکہ وہ جانور جو عیب دار ہو بمثلہٖ اس کے مثل، کیا معنی اس کے مثل؟ یعنی عیب کثیر کے ساتھ کیا ہو؟ عیب دار ہو۔ اس لیے کیونکہ وہ جانور جو عیب دار ہو اس کی مثل یعنی عیب کثیر کے ساتھ «لَا يَتَأَدَّى بِهِالْوَاجِبُ» اس سے واجب ادا نہیں ہوتا، «فَلَا بُدَّ مِنْ غَيْرِهِ» تو لہٰذا ضروری ہوا کوئی دوسرا جانور۔ «وَصَنَعَ بِالْمَعِيبِ مَا شَاءَ» اچھا بھائی دوسرا جانور تو لے لیں گے، اس جانور کا کیا کریں؟ کہتے ہیں دوسرا لے لے اور اس کے ساتھ جو چاہے کرے، یہ اس کی ملکیت ہے، چاہے بیچے یا صدقہ کرے جو کرنا چاہے۔ تو کہتے ہیں: «وَصَنَعَ بِالْمَعِيبِ مَا شَاءَ» اور کرے عیب والے جانور کے ساتھ جو چاہے، «لِأَنَّهُ الْتَحَقَ بِسَائِرِأَمْلَاكِهِ» اس لیے کیونکہ یہ جانور اس کی باقی مملوکہ چیزوں کے ساتھ مل گیا، یہ بھی انہی کی طرح ہو گیا۔

«وَإِذَا عَطِبَتِ الْبَدَنَةُ فِي الطَّرِيقِ فَإِنْ كَانَتْ تَطَوُّعًا نَحَرَهَا وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهَا وَضَرَبَ بِهَا صَفْحَةَ سَنَامِهَا وَلَا يَأْكُلُ هُوَ وَلَا غَيْرُهُ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ» آگے مسئلہ بتلا رہے ہیں، یاد رکھیے اگر کوئی شخص نفلی قربانی لے کر گیا، جو قربانی کا جانور لے کر گیا وہ اس پر واجب نہیں تھا بلکہ نفلی قربانی کے لیے لے کر گیا ہے اور وہ جانور راستے میں ہلاکت کے قریب پہنچ گیا، ہلاک ہونے والا ہے تو کہتے ہیں بھائی پھر اس کو نحر کر دے یا ذبح کر دے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ ذبح کر دے، اور چونکہ یہ نفلی قربانی تھی اور اس کی جگہ دوسرا جانور تو کرنا نہیں، لہٰذا اس جو یہ جو جانور ہے اس کو جب ذبح کر دیا تو اس کا جو قلادہ تھا، گلے میں جو جوتا وغیرہ جو لٹکایا ہوا تھا تو اس کو اس کے خون کے ساتھ رنگ دے اور وہی خون اس کے کوہان وغیرہ پر بھی لگا دے تاکہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے، اور خود اس میں سے نہ کھائے اور نہ دوسرے مالدار کھائیں بلکہ اس میں سے صرف فقراء کھائیں گے، جو غریب اور محتاج ہیں صرف وہ کھائیں گے، اور یہ جو خون لگایا اس کے قلادے پر اور کوہان پر یہ اس لیے لگایا تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ یہ ہدی کا جانور ہے جس کو راستے میں ذبح کرنا پڑ گیا اور پھر اس میں سے صرف کون کھائیں گے؟ صرف فقراء اور محتاج ہی کھائیں گے، مالدار نہیں کھائیں گے۔ اور اس کے بجائے اگر وہ واجب قربانی تھی جس کو جانور کو وہ لے کر گیا تھا اور وہ راستے میں ہلاکت کے قریب پہنچ گئی اور اس کو وہ جانور ذبح کرنا پڑا تو اس کا تو دوسرا جانور قائم مقام یہ کرے گا تو اس جانور کے اس گوشت کے ساتھ جو چاہے کرے۔ سمجھ میں آیا؟ اس میں اب فقراء ہی کو کھلانا ضروری نہیں بلکہ یہ اس کی ملکیت ہے، جو چاہے اس کے ساتھ کرے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا عَطِبَتِ الْبَدَنَةُ فِي الطَّرِيقِ» اور جب بدنہ ہلاک ہو جائے راستے میں، بدنہ کیا ہو؟ اور یاد رکھیے ہلاک ہونے سے یہاں ہلاک ہونا نہیں مراد بلکہ ہلاکت کے قریب ہو جائے، اگر ہلاک ہو گیا پھر تو وہ مردار ہے پھر تو اس کا کھانا جائز نہیں، تو مراد یہاں کیا ہے؟ ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے۔ تو کہتے ہیں:

«وَإِذَا عَطِبَتِ الْبَدَنَةُ فِي الطَّرِيقِ» اور جب ہلاکت کے قریب ہو جائے بدنہ راستے میں «فَإِنْ كَانَتْ تَطَوُّعًا نَحَرَهَا» تو اگر یہ نفلی تھا تو اس کو نحر کر دے «وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهَا» اور رنگ دے، صبغ کا معنی ہے رنگنا، رنگ لگانا، «وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهَا» اور رنگ دے اس کے جوتے کو اس کے خون کے ساتھ۔ اس کے جوتے کو مراد وہ جو قلادہ ہے، قلادے کے طور پر قلادے میں عام طور پر پرانا جوتا وغیرہ اس کا ٹکڑا لٹکایا جاتا تھا تو وہ مراد ہے۔ «وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهَا» اور اس کے جوتے کو یعنی قلادے کو رنگ دے اس کے خون سے، «وَضَرَبَ بِهَا صَفْحَةَ سَنَامِهَا» صفحہ کہتے ہیں جانب کو، سنام کہتے ہیں کوہان کو، «وَضَرَبَ بِهَا» اور مارے اس جوتے کو جس کو خون میں رنگ دیا ہے اس کے کوہان کی جانب میں، یعنی اس کے کوہان پر بھی کیا کر دے؟ خون لگا دے۔ «وَلَا يَأْكُلُ هُوَ وَلَا غَيْرُهُ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ» اور نہ اس میں سے وہ کھائے یعنی جس نے جس کا یہ جانور ہے «وَلَا غَيْرُهُ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ» اور نہ اس کے علاوہ کوئی مالداروں میں سے۔ «بِذَلِكَ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَاجِيَةَ الْأَسْلَمِيَّ» اسی کا حکم دیا تھا حضور علیہ السلام نے حضرت ناجیہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ ان کے ہاتھ جب وہ جانور بھیجے تھے تو کیا فرمایا تھا؟ کہ تم اور تمہارے ساتھی اس میں سے مت کھانا بھائی، گزشتہ سبق میں یہ حدیث آئی تھی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور کیونکہ یہ لوگ مالدار تھے تو اس لیے ان کو منع کیا۔

■ مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالنَّعْلِ قِلَادَتُهَا

«وَالْمُرَادُ بِالنَّعْلِ قِلَادَتُهَا» اور نعل یہ جو متن میں نعل یعنی جوتے کا ذکر آیا تھا کہتے ہیں اس سے مراد «قِلَادَتُهَا» اس بدنہ کا قلادہ ہے وہ جو گلے میں لٹکایا گیا ہے۔ «وَفَائِدَةُ ذَلِكَ» بھائی اس کا فائدہ کیا ہو گا یہ اس کے جو قلادے کو خون لگا دیا جائے اور کوہان پر؟ تو وہ بتلا رہے ہیں: «وَفَائِدَةُ ذَلِكَ أَنْ يَعْلَمَ النَّاسُ أَنَّهُ هَدْيٌ فَيَأْكُلَ مِنْهُ الْفُقَرَاءُ دُونَ الْأَغْنِيَاءِ» اور اس کو خون لگانے کا فائدہ یہ ہو گا تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ ہدی ہے تو اس میں سے پھر فقراء کھائیں گے نہ کہ مالدار۔ «وَهَذَا لِأَنَّ الْإِذْنَ بِتَنَاوُلِهِ مُعَلَّقٌ بِشَرْطِ بُلُوغِهِ مَحِلَّهُ» يَتَنَاوَلُ ہے آپ کی کتابوں میں، یا نہیں بھائی با ہونی چاہیے، «بِتَنَاوُلِهِ». «وَهَذَا لِأَنَّ الْإِذْنَ بِتَنَاوُلِهِ مُعَلَّقٌ بِشَرْطِ بُلُوغِهِ مَحِلَّهُ» یہاں سے آگے صاحب ہدایہ یہ بتلا رہے ہیں کہ اصل تو یہ ہے کہ جب تک یہ قربانی کا جانور جس کو کہاں لے جایا جا رہا ہے؟ حرم، جب تک یہ حرم نہ پہنچے اس کا تو کھانا جائز ہی نہیں ہونا چاہیے سرے سے، نہ مالداروں کے لیے اور نہ فقراء کے لیے، نہ فقراء کے لیے۔ لیکن چونکہ یہاں اب اس کو لے جا نہیں سکا اور راستے ہی میں ذبح کرنا پڑا تو لہٰذا اس وجہ سے اب مجبوری پیش آ گئی، تو مجبوری کی وجہ سے فقراء کے لیے اس کا کھانا اس وجہ سے جائز ہو جائے گا، اور اگر فقراء بھی نہیں کھائیں گے پھر تو یہ درندوں کے لیے بچ جائے گا ویسے ہی ضائع ہو جائے گا تو فقراء کو دے دے گا، تو فقراء کو دینا بھی کیا ہے؟ یہ بھی قربت کا قرب کا سبب ہے، لہٰذا فقراء اس لیے اس میں سے کھائیں گے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَهَذَا لِأَنَّ الْإِذْنَ بِتَنَاوُلِهِ» اور یہ اس لیے کیونکہ اس کے کھانے کی جو اجازت ہے «مُعَلَّقٌ بِشَرْطِ بُلُوغِهِ مَحِلَّهُ» وہ تو معلق ہے اس کے اپنی جگہ کو پہنچنے کی شرط کے ساتھ۔ اس کے کھا لینے کی جو اجازت ہے وہ اس کے اپنی جگہ کو پہنچ جانے کی شرط کے ساتھ معلق ہے، یہ اپنی جگہ پر پہنچے گا یہ شرط پوری ہو گی تو پھر اس کا کھانا جائز ہو گا۔ «لِأَنَّ الْإِذْنَ بِتَنَاوُلِهِ مُعَلَّقٌ بِشَرْطِ بُلُوغِهِ مَحِلَّهُ» اس لیے کیونکہ اس کے کھانے کی جو اجازت ہے وہ معلق ہے اس شرط کے ساتھ کہ یہ پہنچ جائے اپنی جگہ کو، «فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَحِلَّ قَبْلَ ذَلِكَ أَصْلًا» تو مناسب تو یہ ہے کہ اس کو حلال ہونا ہی نہیں چاہیے اس سے پہلے اصلاً سرے سے، یعنی نہ مالداروں کے لیے اور نہ فقراء کے لیے۔ «إِلَّا أَنَّ التَّصَدُّقَ عَلَى الْفُقَرَاءِ أَفْضَلُ مِنْ أَنْ يَتْرُكَهُ جَزَرًا لِلسِّبَاعِ» مگر یہ کہ اس کو صدقہ کرنا فقیروں پر یہ افضل ہے اس کے مقابلے میں کہ اس کو چھوڑ دیا جائے «جَزَرًا لِلسِّبَاعِ» درندوں کے کھانے کے لیے۔ جَزَر وہ گوشت جسے درندے کھائیں بھائی، اسے کیا کہتے ہیں؟ جزر۔ «وَفِيهِ نَوْعُ تَقَرُّبٍ» اور نیز اس کے اندر ایک قسم کا تقرب بھی ہے فقراء جب کھائیں گے، «وَالتَّقَرُّبُ هُوَ الْمَقْصُودُ» اور قربت بنانا ہی تو اس کو مقصود ہے، قربت کا سبب بنانا۔

«فَإِنْ كَانَتْ وَاجِبَةً أَقَامَ غَيْرَهَا مَقَامَهَا وَصَنَعَ بِهَا مَا شَاءَ» اور اگر وہ ہدی جو تھی وہ واجب تھی جو مرنے کے قریب ہو گئی اور ذبح کرنا پڑا، «أَقَامَ غَيْرَهَا مَقَامَهَا» تو دوسرے جانور کو اس کا قائم مقام کرے «وَصَنَعَ بِهَا مَا شَاءَ» اور اس کے ساتھ جو چاہے کرے، «لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ صَالِحًا لِمَا عَيَّنَهُ لَهُ» اس لیے کیونکہ یہ باقی نہ رہا اس طور پر کہ اس میں صلاحیت ہو اس چیز کی جس کے لیے اس نے متعین کیا تھا، اس لیے اس نے تو کس کے لیے متعین کیا تھا؟ کہ حرم میں ذبح کرے گا اور یہ تو اس کے قابل نہ رہا، تو کہتے ہیں اس کے ساتھ جو چاہے کرے، «وَهُوَ مِلْكُهُ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهِ» اور یہ اس کی ملکیت ہے جیسے کہ اس کے باقی ساری مملوکہ چیزیں ہیں۔

«وَيُقَلِّدُ هَدْيَ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ» اور تقلید کرے نفلی ہدی کی بھی اور متعہ یعنی حج تمتع کی ہدی کی بھی «وَالْقِرَانِ» اور قران کی ہدی کی بھی تقلید کرے یعنی اس کو قلادہ پہنائے، «لِأَنَّهُ دَمُ نُسُكٍ» اس لیے کیونکہ یہ عبادت کا دم ہے «وَفِي التَّقْلِيدِ إِظْهَارُهُ» اور تقلید کے اندر اس کا اظہار ہے بھائی تاکہ دیکھنے والوں کو بھی پتہ چلے یہ کون سا جانور ہے؟ قربانی کا جانور ہے، «وَتَشْهِيرُهُ» تو کہتے ہیں: «وَفِي التَّقْلِيدِ إِظْهَارُهُ وَتَشْهِيرُهُ» اور قلادہ پہنانے کے اندر اس بات کا اظہار ہے اور اس بات کی شہرت کرنا ہے «فَيَلِيقُ بِهِ» تو وہ اس کے لائق ہے۔

■ مسئلہ: وَلَا يُقَلِّدُ دَمَ الإِحْصَارِ وَلَا دَمَ الْجِنِ...

«وَلَا يُقَلِّدُ دَمَ الإِحْصَارِ وَلَا دَمَ الْجِنَايَاتِ» اور تقلید نہ کرے دم احصار کی اور نہ دم جنایات کی، جنایتوں کے جو دم ہیں یا اسی طرح جو دم احصار ہے ان کی تقلید نہ کرے یعنی ان کو قلادہ نہ پہنائے، «لِأَنَّ سَبَبَهَا الْجِنَايَةُ» اس لیے کیونکہ ان کا سبب کیا ہے؟ جنایت ہے «وَالسَّتْرُ أَلْيَقُ بِهَا» اور ستر یعنی چھپانا اس کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ تو جرم کی وجہ سے اس پر واجب ہوئے ہیں تو چھپانا اس کے زیادہ مناسب ہے۔ «وَدَمُ الإِحْصَارِ جَابِرٌ» یہاں سے سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ باقی میں تو اس نے جرم کیے تھے ٹھیک ہے، یہ دم احصار میں تو اس کا کوئی جرم نہیں، اس کے سامنے کیا آ گیا تھا؟ دشمن آیا تھا یا مرض تھا جس کی وجہ سے جا نہ سکا تو اس میں تو کوئی جنایت نہیں ہے۔ کہتے ہیں بھائی: «وَدَمُ الإِحْصَارِ جَابِرٌ» دم احصار بھی تلافی کرنے والا ہے، تلافی کرنے والا ایک کمی کی، اور وہ کیا کمی؟ وہ حرم نہیں جا سکا، اس نے تو احرام باندھا تھا کہ میں کہاں جا کر افعال ادا کروں گا؟ حرم، تو لہٰذا یہ بھی ایک جو نقصان آیا تھا بڑا اس کی تلافی کے لیے ہے، «فَيُلْحَقُ بِجِنْسِهَا» تو اس کو بھی اس کی جنس کے ساتھ ملایا جائے گا لہٰذا اس کا بھی وہی حکم، اور باقی دم کفارات کو تو چھپایا جاتا ہے تو اس کو بھی چھپایا جائے۔

«ثُمَّ ذَكَرَ الْهَدْيَ وَمُرَادُهُ الْبَدَنَةُ» یہاں سے بتلا رہے ہیں کہ «وَيُقَلِّدُ هَدْيَ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ» پچھلے متن میں آیا تھا بھائی ایک سطر پہلے: «وَيُقَلِّدُ هَدْيَ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ» یہ ایک سطر جو پہلے آیا، تو اس میں دیکھیے ہدی کا ذکر ہے اور اس کو قلادہ پہنانے کی بات ہو رہی ہے، صاحب ہدایہ بتلا رہے ہیں کہ بھائی ہدی بول کر یہاں بدنہ مراد ہے کیونکہ قلادہ صرف کس کو پہنایا جاتا ہے؟ بدنہ کو یعنی گائے بیل ہو یا اونٹ ہو، بھیڑ بکری ہو اگر تو اس کو قلادہ نہیں پہنایا جاتا۔ تو کہتے ہیں: «ثُمَّ ذَكَرَ الْهَدْيَ وَمُرَادُهُ الْبَدَنَةُ» پھر صاحب قدوری نے ہدی کو ذکر کیا اور ان کی مراد جو ہے وہ بدنہ ہے، «لِأَنَّهُ لَا يُقَلَّدُ الشَّاةُ عَادَةً» اس لیے کیونکہ قلادہ نہیں پہنایا جاتا بھیڑ بکری کو عادۃً یعنی عام طور پر، «وَلَا يُسَنُّ تَقْلِيدُهُ عِنْدَنَا» اور اس کی اس کو اس کی تقلید جو ہے یعنی اس کو قلادہ پہنانا مسنون بھی نہیں ہے ہمارے نزدیک «لِعَدَمِ فَائِدَةِ التَّقْلِيدِ» اس لیے کیونکہ اس کو قلادہ پہنانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے «عَلَى مَا تَقَدَّمَ» بوجہ اس کے جو پہلے ذکر ہو جو پہلے گزر گیا، «وَاللَّهُ أَعْلَمُ» اور اللہ خوب جاننے والے ہیں۔ چلیے بس بھائی، ہذا ہو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۶۸: مسائلِ منثورہ (حج کے متفرق اور اہم مسائل)

ہدایہ صفحہ: ۳۲۳ــــ بتاریخ: ۲۶ مئی ۲۰۱۳ء

مَسَائِلُ مَنْثُورَةٌ، أَهْلُ عَرَفَةَ إِذَا وَقَفُوا فِي يَوْمٍ وَشَهِدَ قَوْمٌ أَنَّهُمْ وَقَفُوا يَوْمَ النَّحْرِ أَجْزَأَهُمْ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يُجْزِيَهُمْ اعْتِبَارًا بِمَا إِذَا وَقَفُوا يَوْمَ التَّرْوِيَةِ۔

مَسَائِلُ مَنْثُورَةٌ، یعنی متفرق مسائل بھائی۔ یہ عموماً مصنفین کی عادت ہے کہ وہ کتاب کے اندر بعض ایسے مسائل جن کا جن کا پورے طور پر کسی دوسرے باب سے تعلق نہیں بنتا یا جو انتہائی نادر قسم کے مسائل ہیں، ان کو ابواب کے آخر میں مسائلِ منثورہ یا مسائلِ متفرقہ وغیرہ کے عنوان کے ساتھ علیحدہ ذکر کرتے ہیں۔ تو اس کے یہاں پر بھی صاحبِ ہدایہ کچھ متفرق مسائل ذکر کریں گے بھائی۔

تو کہتے ہیں: **أَهْلُ عَرَفَةَ إِذَا وَقَفُوا فِي يَوْمٍ وَشَهِدَ قَوْمٌ أَنَّهُمْ وَقَفُوا يَوْمَ النَّحْرِ أَجْزَأَهُمْ**۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ حاجیوں نے یومِ عرفہ والے دن وقوف کیا، تو کچھ گواہ آ گئے اور انہوں نے آ کر یہ گواہی دی حاکم کے سامنے کہ یہ جو لوگوں نے وقوف کیا ہے، یہ یومِ عرفہ والے دن نہیں کیا بلکہ یوم النحر کو کیا ہے یعنی دسویں ذوالحجہ کو۔ وقوف کا وقت تو نو ذوالحجہ ہے، لیکن انہوں نے دس ذوالحجہ کو وقوف کیا ہے کیونکہ ہم نے چاند دیکھا تھا اور اس اعتبار سے یہ دسویں ذوالحجہ بنتی ہے جس دن انہوں نے وقوف کیا ہے۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں حاکم جو ہے ان کی گواہی نہیں سنے گا اور لوگوں کا یہ حج جو ہے درست ہو گیا، یہ ان کے لیے کافی ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

أَهْلُ عَرَفَةَ إِذَا وَقَفُوا فِي يَوْمٍ، اہلِ عرفہ جب انہوں نے وقوف کر لیا ایک دن، **وَشَهِدَ قَوْمٌ**، اور گواہی دی کچھ لوگوں نے، **أَنَّهُمْ وَقَفُوا يَوْمَ النَّحْرِ**، کہ ان لوگوں نے وقوف کیا ہے یوم النحر کو یعنی قربانی والے دن، یعنی نو کو نہیں کیا بلکہ دس کو کیا ہے، **أَجْزَأَهُمْ**، تو ان لوگوں کے لیے یہ وقوف کافی ہو جائے گا۔ **وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يُجْزِيَهُمْ**، اور قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ ان کے لیے کافی نہ ہو، **اعْتِبَارًا بِمَا إِذَا وَقَفُوا يَوْمَ التَّرْوِيَةِ**، قیاس کرتے ہوئے اس پر کہ جب وہ وقوف کریں یوم الترویہ کو، یوم الترویہ یعنی آٹھ ذوالحجہ۔ بھائی آٹھ ذوالحجہ کو اگر انہوں نے آ کر گواہی دی کہ آٹھ ذوالحجہ ہے آج جو لوگ وقوف کر رہے ہیں اور یہ تو آٹھ ذوالحجہ ہے، وقوف کا دن تو کل ہے، تو اس صورت میں لوگوں کو اگلے دن وقوف کا حکم دے گا امام۔ اگلے دن وقوف کا حکم دے گا۔ تو جیسے یوم الترویہ والے دن وقوف کریں تو وہ ان کے لیے کافی نہیں، یعنی ایک دن پہلے، تو اسی طرح اگر ایک دن بعد وقوف کریں تو وہ وقوف بھی ان کے لیے کافی نہیں ہونا چاہیے، قیاس یہ تقاضا کرتا ہے۔ یہ معنی ہے **وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يُجْزِيَهُمْ** اور قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ وقوف ان کے لیے کافی نہیں ہونا چاہیے، **اعْتِبَارًا بِمَا إِذَا وَقَفُوا يَوْمَ التَّرْوِيَةِ** قیاس کرتے ہوئے اس پر کہ جب وہ وقوف کریں یوم الترویہ یعنی آٹھ ذوالحجہ کو۔

وَهَذَا لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ تَخْتَصُّ، اور یہ اس وجہ سے، یہ وقوف ان کے لیے کافی نہیں ہو گا، یہ اس وجہ سے کیونکہ وقوف ایسی عبادت ہے، **تَخْتَصُّ بِزَمَانٍ وَمَكَانٍ**، جو خاص ہے ایک زمانے اور ایک مکان کے ساتھ۔ زمانہ کون سا ہے؟ نو ذوالحجہ۔ اور جگہ کون سی ہے؟ عرفات۔ تو یہ وقوف ایسی عبادت ہے جو ایک خاص زمانے یعنی نو ذوالحجہ اور ایک مکان یعنی عرفات کے ساتھ خاص ہے، **فَلَا يَقَعُ عِبَادَةً دُونَهُمَا**، لہٰذا یہ وقوف جو ہے عبادت ہو کر واقع نہیں ہو گا ان دونوں کے علاوہ۔ یعنی زمانہ بھی نو ذوالحجہ کا ہونا چاہیے اور جگہ بھی عرفات کی ہونی چاہیے، تو ان دونوں کے علاوہ یہ وقوف عبادت نہیں ہو گا۔ تو لہٰذا نہیں ہونا چاہیے، جیسے ایک دن پہلے وقوف کیا جائے وہ صحیح نہیں کیونکہ زمانہ نہیں، تو اسی طرح ایک دن بعد کیا جائے تو بھی وقوف صحیح نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ زمانہ وہ والا نہیں ہے۔

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ، اور متن میں کیا آیا تھا؟ یہ وقوف ان کے لیے کافی ہو جائے گا، یہ استحساناً تھا، تو اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ**، استحسان کی وجہ یہ ہے، **أَنَّ هَذِهِ شَهَادَةٌ قَامَتْ عَلَى النَّفْيِ**، کہ یہ ایسی گواہی ہے جو قائم ہوئی ہے نفی پر۔ اور نفی پر تو گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ یاد رکھیے، گواہی جو دی جاتی ہے وہ اثبات پر ہوتی ہے کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے، کسی چیز کی نفی پر گواہی نہیں ہوتی۔ تو گواہی جو ہو گی وہ مدعی کے ذمے ہوتی ہے کیونکہ وہ کیا کرتا ہے کسی چیز کو ثابت کرتا ہے ثابت کرتا ہے، اور نفی کی صورت میں قسم آتی ہے اس دوسرے شخص پر، وہ انکار کرتا ہے نفی کرتا ہے تو اس پر کیا آتی ہے؟ قسم۔ تو تو یہ ایسی گواہی ہے

قَامَتْ عَلَى النَّفْيِ جو نفی پر قائم ہوئی ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو بظاہر تو اگرچہ گواہی اثبات پر ہے، وہ کس چیز کی گواہی دے رہے ہیں؟ چاند کے دیکھنے کی گواہی دے رہے ہیں، لیکن دراصل وہ اس بات پر گواہی دے رہے ہیں کہ لوگوں کا حج نہیں ہوا، لوگوں کا وقوف نہیں ہوا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا یہ نفی پر گواہی ہوئی تو یہ درست نہیں۔

وَعَلَى أَمْرٍ، اور یہ گواہی ہے ایسی چیز پر، **لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ**، جو قاضی کے حکم کے تحت داخل نہیں، جس پر جس میں قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اور تو یاد رکھیے، قاضی انہی چیزوں میں گواہی کو قبول کرے گا جو اس کے حکم کے تحت اور اس کے فیصلے کے تحت داخل ہوتی ہوں بھائی، اور وہ کیا؟ یعنی جس میں قاضی دوسرے پر کسی چیز کو لازم کر سکے، اس کے لیے اس چیز کو ثابت کر سکے۔ مثلاً آپ نے زید پر دعویٰ کیا کہ اس نے میرا ایک لاکھ روپیہ دینا ہے اور قاضی کے پاس چلے گئے اور گواہ پیش کر دیے، تو قاضی کیا کرے گا؟ اس ایک لاکھ کو زید پر لازم کر دے گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو قاضی کن چیزوں کا فیصلہ کر سکتا ہے؟ جو اس کے حکم کے تحت داخل ہیں یعنی وہ دوسروں پر اس کو لازم کر سکے۔ اور یہ حج ایسی چیز نہیں ہے کہ جو قاضی کے حکم کے تحت داخل ہو کیونکہ قاضی کسی پر حج کو لازم وغیرہ نہیں کر سکتا۔ تو کہتے ہیں: یہ ایسی شہادت ہے **قَامَتْ عَلَى النَّفْيِ** جو نفی پر قائم ہوئی ہے، **وَعَلَى أَمْرٍ** اور ایک ایسے امر پر یہ گواہی قائم ہوئی ہے کہ **لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ** جو قاضی کے حکم کے تحت داخل نہیں ہوتا، **لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا نَفْيُ حَجِّهِمْ**، اس لیے کیونکہ اس گواہی کے ذریعے مقصود جو ہے ان لوگوں کے حج کی نفی کرنا ہے کہ ان کا حج نہیں ہوا، **وَالْحَجُّ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ**، اور حج جو ہے وہ قاضی کے حکم کے تحت داخل نہیں ہوتا، **فَلَا تُقْبَلُ**، لہٰذا اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

وَلِأَنَّ فِيهِ بَلْوَى عَامًّا لِتَعَذُّرِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ وَالتَّدَارُكُ غَيْرُ مُمْكِنٍ، اور نیز اسی اس لیے کیونکہ اس کے اندر بلوائے عام ہے یعنی عمومِ بلویٰ ہے۔ بلویٰ کا معنیٰ مبتلا ہونا، ابتلاء بھائی۔ اور عام کا معنیٰ عام لوگ یعنی جس میں کثرت سے لوگ کیا ہوں؟ مبتلا ہوں۔ تو عمومِ بلویٰ کا معنیٰ ہے کثرت سے لوگوں کا کسی چیز میں مبتلا ہونا۔ اور یاد رکھیے، عمومِ بلویٰ کی وجہ سے بھی حکم کے اندر تخفیف آجاتی ہے، تخفیف آجاتی ہے وہ شدت اس میں نہیں رہتی۔ تو کہتے ہیں: **وَلِأَنَّ فِيهِ بَلْوَى عَامًّا**، اور نیز اس کے لیے کیونکہ اس کے اندر ابتلاءِ عام ہے، لوگ بڑی کثرت سے اس کے اندر مبتلا ہیں، **لِتَعَذُّرِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ**، اس لیے کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، **وَالتَّدَارُكُ غَيْرُ مُمْكِنٍ**، اور تلافی بھی ممکن نہیں ہے۔ یا تو تلافی بھی نہیں ہے ممکن کہ وہ حج کا دن گزر چکا ہے، اور نیز اس طرح کی چیزوں سے احتراز نہیں ہو سکتا کیونکہ چاند کے دیکھنے میں لوگ کوشش کرتے ہیں تو پھر بھی اس میں غلطی وغیرہ ہو جاتی ہے، اشتباہ ہو جاتا ہے، تو یہاں یہ ایسی غلطی ہے جس میں عمومِ بلویٰ ہے، لاکھوں حاجی اس میں کیا ہیں اس وقت مبتلا، اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا ہے؟ عمومِ بلویٰ ہے اور لاکھوں لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ اور تلافی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ گواہی کیا دے رہے ہیں؟ کہ یہ دسویں ذوالحجہ ہے۔ معلوم ہوا وقوف کا وقت گزر چکا، اور لوگ تو وقوف آج کر رہے ہیں۔ اور وقوف کا وقت جب گزر چکا تلافی ہو سکتی ہے؟ اب تو تلافی کی کوئی صورت نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے اگلے سال پھر لوگ حج کریں، اور اگلے سال کا اگر حکم دیا جائے ان لاکھوں لوگوں کو تو کتنی مشکل میں لوگ پڑ جائیں گے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

تو یہ معنیٰ ہے: **وَلِأَنَّ فِيهِ بَلْوَى عَامًّا لِتَعَذُّرِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ**، اور نیز اس لیے کیونکہ اس میں ابتلاءِ عام ہے اس وجہ سے کہ اس سے تو بچنا متعذر ہے، **وَالتَّدَارُكُ غَيْرُ مُمْكِنٍ**، اور تلافی بھی ممکن نہیں ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا روزہ اس دن ہے جس دن تم روزہ رکھتے ہو، اور تمہارا فطر اس دن ہے جس دن تم فطر کرتے ہو، اور تمہارا عرفات اس دن ہے جس دن تم عرفات جاتے ہو۔ معلوم ہوا اس میں لوگوں کے اعتقاد کا دخل ہے، جب لوگوں نے اپنی پوری کوشش کر کے چاند کو دیکھا پھر بے شک غلطی بھی ہو جائے، لیکن جب سب لوگوں نے دیکھا اور ان کا یہ اعتقاد ہوا کہ یہ کون سا دن ہے جس دن وقوف کیا ہے؟ یہ نویں ذوالحجہ ہی ہے، عرفات ہی کا دن ہے، تو یہ وقوف ان کے لیے کافی ہو جائے گا کیونکہ حدیث میں کیا آیا: تمہارا یومِ عرفہ کون سا ہے؟ جس دن تم عرفات جاتے ہو۔

تو کہتے ہیں: **وَفِي الْأَمْرِ بِالْإِعَادَةِ حَرَجٌ بَيِّنٌ**، اور اعادے کا حکم دینے میں کھلا حرج ہے، ظاہر حرج ہے، **فَوَجَبَ أَنْ يُكْتَفَى بِهِ عِنْدَ الِاشْتِبَاهِ**، تو واجب ہوا کہ اسی پر اکتفاء کر لیا جائے اشتباہ کے وقت، **بِخِلَافِ مَا إِذَا وَقَفُوا يَوْمَ التَّرْوِيَةِ**، بخلاف اس کے کہ جب لوگ وقوف کریں یوم الترویہ میں یعنی آٹھویں ذوالحجہ کو، **لِأَنَّ التَّدَارُكَ مُمْكِنٌ فِي الْجُمْلَةِ**، اس لیے کیونکہ تلافی جو ہے وہ ممکن ہے مجموعی مجموعی اعتبار سے، **بِأَنْ يَزُولَ الِاشْتِبَاهُ فِي يَوْمِ عَرَفَةَ**، بایں صورت کہ اشتباہ جو ہے وہ زائل ہو جائے گا یومِ عرفہ والے دن۔ آٹھویں کو اگر وقوف کیا ہے اور گواہوں نے آ کر گواہی دے دی پھر تو تلافی ہو سکتی ہے کہ لوگ کیا کر لیں؟ اگلے دن وقوف کر لیں، لیکن اب تو نہیں ہو سکتی۔ تو لہٰذا وہاں تلافی ہو سکتی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو وہاں تلافی ہو سکتی ہے، اس لیے اس دن اگر وہ یوم الترویہ کو وقوف کیا ہے تو وہ ان کے لیے کافی نہیں ہو گا، لیکن یوم النحر میں اگر گواہی کے مطابق انہوں نے وقوف کیا ہے تو بھی یہ وقوف ان کے لیے کافی ہو جائے گا۔

وَلِأَنَّ جَوَازَ الْمُؤَخَّرِ لَهُ نَظِيرٌ وَلَا كَذَلِكَ جَوَازُ الْمُقَدَّمِ، اور نیز اس لیے کیونکہ مؤخر کے جائز ہونے کی تو مثال موجود ہے، **وَلَا كَذَلِكَ جَوَازُ الْمُقَدَّمِ**، اور مقدم کا جائز ہونا اس طرح نہیں ہے۔ ایک چیز اپنے وقت سے مؤخر ہو جائے اور پھر بھی جائز ہو اس کی تو مثال موجود ہے، جیسے نماز کسی کی اپنے وقت سے رہ گئی تو بعد میں کیا کر لے گا؟ قضا کر لے گا، روزہ اپنے وقت سے رہ گیا تو کیا کر لے گا؟ بعد میں اس کی قضا کر لے گا۔ تو مؤخر ہونے کی تو مثال موجود ہے، لیکن اپنے وقت سے مقدم ہونے کی مثال موجود نہیں، اور یہاں پر بھی یوم الترویہ میں اگر انہوں نے وقوف کیا ہے تو یہ تو اپنے وقت سے مقدم ہو گیا وقوف، اور مقدم ہونے کی تو کوئی نظیر موجود

نہیں، اس لیے یہ درست نہیں ہے، بخلاف یوم النحر کو وقوف جب کرتے ہیں تو وہ تو مؤخر ہونے کی اس کی نظیر، وہ تو مؤخر ہے اور اس کی نظیر تو موجود ہے۔

قَالُوا، فقہاء فرماتے ہیں، **وَيَنْبَغِي لِلْحَاكِمِ،** اور مناسب ہے حاکم کے لیے، **أَنْ لَا يَسْمَعَ هَذِهِ الشَّهَادَةَ،** کہ وہ اس گواہی کو نہ سنے، **وَيَقُولَ،** اور کہے: **قَدْ تَمَّ حَجُّ النَّاسِ فَانْصَرِفُوا،** تحقیق لوگوں کا حج پورا ہو گیا پس تم پلٹ جاؤ۔ گواہوں کو کیا کہے؟ وہ گواہی دینے آئے کہ یہ تو یومِ عرفہ نہیں ہے بلکہ یوم النحر ہے، تو حاکم ان گواہوں کو، حاکم کو کیا کہنا چاہیے؟ کہ تم بس واپس چلے جاؤ لوگوں کا حج ہو گیا ہے۔ **لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهَا إِلَّا إِيقَاعُ الْفِتْنَةِ،** اس لیے کیونکہ اس گواہی کے اندر نہیں ہے مگر فتنے کا واقع کرنا۔ اس گواہی میں تو صرف فتنے کا واقع کرنا ہی ہے، اس سے تو فتنہ بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔

وَكَذَا إِذَا شَهِدُوا عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ، اور اسی طرح جب وہ گواہ گواہی دیں عشیۃ عرفہ عرفات کی شام کو عرفات کی رات کو **بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ** چاند کے دیکھنے کی۔ مثلاً بھائی صورت یہ، لوگوں کا خیال ہے کہ کل یومِ عرفہ ہے اور کچھ گواہوں نے آ کر شام کو یارات کو آ کر انہوں نے گواہی دی حاکم کو کہ ہم نے چاند دیکھا تھا، یہ جو آج کا دن گزرا ہے یہ یومِ عرفہ تھا اور لوگ تو ابھی منیٰ ہی میں ہیں، ان کا تو کیا خیال ہے؟ کہ کل جائیں گے عرفات، تو اب انہوں نے کس وقت گواہی دی ہے؟ شام کے وقت یارات کے وقت گواہی دی ہے، اور اب ممکن نہیں ہے کہ تمام لوگ یا اکثر لوگ کیا کر لیں؟ عرفات پہنچ جائیں صبح سے پہلے پہلے اور وقوف کر لیں۔ تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے، یعنی اس گواہی کو نہیں سنا جائے گا اور رد کر دیا جائے گا، ان کو واپس بھیج دیا جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ یہ معنیٰ ہے: **وَكَذَا إِذَا شَهِدُوا عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ،** اور اسی طرح حکم ہے جب گواہی دیں وہ گواہ عرفات کی رات کو چاند کے دیکھنے کی، **وَلَا يُمْكِنُهُ الْوُقُوفُ فِي بَقِيَّةِ اللَّيْلِ مَعَ النَّاسِ أَوْ أَكْثَرِهِمْ،** اور ممکن نہ ہو حاکم کے لیے وقوف کرنا باقی رات میں لوگوں کے ساتھ یا ان میں سے اکثر کے ساتھ، **لَمْ يُعْمَلْ بِتِلْكَ الشَّهَادَةِ،** تو عمل نہیں کیا جائے گا اس گواہی پر۔

قَالَ، امام محمد رحمہ اللہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں: **وَمَنْ رَمَى فِي الْيَوْمِ الثَّانِي الْجَمْرَةَ الْوُسْطَى وَالثَّالِثَةَ وَلَمْ يَرْمِ الْأُولَى فَإِنْ رَمَى الْأُولَى ثُمَّ الْبَاقِيَتَيْنِ فَحَسَنٌ۔** صورتِ مسئلہ یہ کہ پہلے دن آپ پڑھ چکے کہ صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے یعنی دسویں ذوالحجہ کو۔ گیارہ اور بارہ کو تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے علی الترتیب، پہلے چھوٹے جمرے کی، پھر درمیانے کی، اور پھر بڑے جمرے کی۔ تو صورت یہ، ایک شخص نے گیارہ ذوالحجہ کو یعنی رمی کے دوسرے دن تینوں کی رمی کرنی تھی، لیکن اس نے پہلے جمرے کی رمی اس سے رہ گئی، دوسرے اور تیسرے یعنی وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کی اس نے رمی کر لی بھائی، رمی کر لی۔ تو اب ایک کی رمی رہ گئی۔ تو اگر وہ پھر سب کی رمی کر لیتا ہے علی الترتیب تو اس نے اچھا کیا۔ پھر علی الترتیب کیا کر لیتا ہے اسی دن؟ تینوں، پہلے جمرۂ صغریٰ کی، پھر جمرۂ وسطیٰ کی، اور پھر جمرۂ کبریٰ کی۔ تو اس نے اچھا کیا کہ ترتیب سے کر لی مسنون طریقے کے مطابق۔ اور اگر وہ تینوں کی رمی نہیں کرتا بلکہ صرف جو جمرہ چھوٹ گیا تھا یعنی جمرۂ صغریٰ، صرف اس کی رمی کر لیتا ہے تو بھی اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں: **وَمَنْ رَمَى فِي الْيَوْمِ الثَّانِي،** اور جس نے رمی کی دوسرے دن میں، کس کی رمی کی؟ **الْجَمْرَةَ الْوُسْطَى وَالثَّالِثَةَ،** جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ ثالثہ کی رمی کی، **وَلَمْ يَرْمِ الْأُولَى،** اور پہلے جمرے کی رمی نہیں کی، **فَإِنْ رَمَى الْأُولَى ثُمَّ الْبَاقِيَتَيْنِ فَحَسَنٌ،** پس اگر اس نے پہلے جمرے کی رمی کی پھر باقی دو کی بھی رمی کی تاکہ یہ تینوں ترتیب سے ہو جائیں، **فَحَسَنٌ،** تو یہ اچھا ہے، **لِأَنَّهُ رَاعَى التَّرْتِيبَ الْمَسْنُونَ،** اس لیے کیونکہ اس نے رعایت رکھی مسنون طریقے کی، **وَلَوْ رَمَى الْأُولَى وَحْدَهَا أَجْزَأَهُ،** اور اگر اس نے صرف پہلے جمرے کی رمی کی تو بھی یہ اس کے لیے کافی ہے، **لِأَنَّهُ تَدَارَكَ الْمَتْرُوكَ فِي وَقْتِهِ،** اس لیے کیونکہ اس نے چھوڑے ہوئے کی تلافی کر لی فی وقتہ اس کے وقت میں، **وَإِنَّمَا تَرَكَ التَّرْتِيبَ،** اور صرف اس نے ترتیب کو چھوڑ دیا۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُجْزِيهِ مَا لَمْ يُعِدِ الْكُلَّ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے لیے کافی نہیں ہے جب تک وہ ساروں کا اعادہ نہ کر لے، یعنی امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تینوں کی دوبارہ رمی کرنا پڑے گی، صرف اس چھوڑے ہوئے کی رمی کر لے یہ اس کے لیے کافی نہیں ہے، **لِأَنَّهُ شُرِعَ مُرَتَّبًا،** اس لیے کیونکہ یہ رمی مشروع ہوئی ہے مرتب ہو کر یعنی ترتیب کے ساتھ، **فَصَارَ كَمَا إِذَا سَعَى قَبْلَ الطَّوَافِ أَوْ بَدَأَ بِالْمَرْوَةِ قَبْلَ الصَّفَا،** تو یہ شخص وہ فرماتے ہیں اسی طرح ہو گیا جیسے اس نے سعی کی ہو طواف سے پہلے، اور طواف سے پہلے تو سعی درست نہیں، **أَوْ بَدَأَ بِالْمَرْوَةِ قَبْلَ الصَّفَا** یا یہ اسی طرح ہوا جیسے اس شخص نے ابتداء کی ہو سعی کی مروہ سے صفا سے پہلے۔ صفا سے ابتداء حالانکہ کس سے کرنی چاہیے تھی؟ صفا سے، لیکن اس نے صفا سے پہلے مروہ سے ابتداء کر لی، تو جیسے یہ صورتیں جائز نہیں ہیں تو اسی طرح اس کا بغیر ترتیب کے رمی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

وَلَنَا، اور ہماری دلیل یہ ہے، **أَنَّ كُلَّ جَمْرَةٍ قُرْبَةٌ مَقْصُودَةٌ بِنَفْسِهَا،** کہ ہر جمرہ جو ہے وہ قربتِ مقصودہ ہے، یرحمک اللہ، تو ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر جمرہ جو ہے وہ قربتِ مقصودہ ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، ہر جمرہ کیا ہے؟ قربتِ مقصودہ ہے یعنی وہ الگ عبادت ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، **فَلَا يَتَعَلَّقُ الْجَوَازُ بِتَقْدِيمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ،** لہٰذا جائز ہونے کا تعلق بعض کو بعض پر مقدم کرنے کے ساتھ نہیں ہو گا، کہ بعض کو بعض پر مقدم کر دیا جائے تو اس کے ساتھ جواز کا تعلق نہیں ہو گا کہ یعنی صرف اسی صورت میں جائز نہیں ہو گی کہ پہلے جمرۂ صغریٰ کی کی جائے پھر جمرۂ وسطیٰ کی کی جائے اور پھر جمرۂ کبریٰ کی۔ سمجھ میں آیا؟ بلکہ ہر جمرہ کیا ہے؟ وہ الگ عبادت ہے۔ تو اگر بے ترتیب بھی کر لے لیکن کر لے تو یہ عبادت ادا ہو جائے گی۔ یہ معنیٰ ہے: **فَلَا يَتَعَلَّقُ الْجَوَازُ بِتَقْدِيمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ،** تو جواز کا تعلق نہیں ہو گا بعض کو بعض پر مقدم کرنے کے ساتھ، یعنی جواز کا تعلق ترتیب کے ساتھ نہیں ہو گا۔

بِخِلَافِ السَّعْيِ، بخلاف سعی کے، یہ جواب دے رہے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا۔ انہوں نے اس کو کس پر قیاس کیا تھا؟ جیسے کسی نے سعی کر لی ہو طواف سے پہلے یا سعی کی ابتداء کس سے کر لی ہو؟ مروہ سے، اس کا جواب دے رہے ہیں کہ **بِخِلَافِ السَّعْيِ لِأَنَّهُ تَابِعٌ لِلطَّوَافِ لِأَنَّهُ دُونَهُ** بخلاف سعی کے کیونکہ وہ تو طواف کے تابع ہے اس لیے کیونکہ وہ طواف سے کم درجے کی ہے، کمتر ہے، اس لیے وہ تو طواف ہی کے تابع رہے گی اس سے پہلے نہیں ہو سکتی لہٰذا آپ کا اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اور نیز کس پر آپ نے قیاس کیا تھا؟ مروہ سے ابتداء کرنے پر، اس کا بھی جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں: **وَالْمَرْوَةُ عُرِفَ مُنْتَهَى السَّعْيِ بِالنَّصِّ فَلَا تَتَعَلَّقُ بِهِ الْبِدَايَةُ**، اور مروہ جو ہے اس کو جانا گیا ہے **مُنْتَهَى السَّعْيِ** کہ یہ سعی کا منتہیٰ ہے جس پر سعی کی انتہاء ہوتی ہے، **بِالنَّصِّ** کس کے ذریعے؟ نص کے ذریعے۔ یعنی مروہ پر سعی کی انتہاء ہوتی ہے اس بات کو نص کے ذریعے یعنی حدیث کے ذریعے جانا گیا ہے، **فَلَا تَتَعَلَّقُ بِهِ الْبِدَايَةُ** لہٰذا شروع کرنے کا تعلق اس سے نہیں ہو گا، اس سے سعی شروع نہیں ہو سکتی، اس سے شروع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مروہ جو ہے اس پر سعی کی انتہاء ہوتی ہے، کس سے پتہ چلا ہے یہ؟ حدیث سے، حدیث سے پتہ چلا ہے، اور وہ حدیث آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں یہاں حاشیے میں بھی دی ہوئی ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: **اِبْدَؤُا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تَعَالَى**، کہ تم لوگ بھی شروع کرو جس سے اللہ نے شروع فرمایا ہے۔

قَالَ، وَمَنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ أَنْ يَحُجَّ مَاشِيًا فَإِنَّهُ لَا يَرْكَبُ حَتَّى يَطُوفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ۔ صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے اپنے اوپر واجب کر لیا کہ وہ پیدل حج کرے گا، منت مان لی کہ وہ پیدل حج کرے گا، تو کہتے ہیں اس کو پیدل ہی حج کرنا پڑے گا اور یہ سوار نہیں ہو گا جب تک یہ طوافِ زیارت نہ کر لے، طوافِ زیارت کے بعد سوار ہو سکتا ہے سواری پر اس سے پہلے نہیں۔ تو کہتے ہیں: **وَمَنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ أَنْ يَحُجَّ مَاشِيًا**، اور جس نے کر دیا اپنے اوپر کہ وہ پیدل حج کرے گا، **أَنْ يَحُجَّ مَاشِيًا** کہ وہ حج کرے گا ماشیاً پیدل، **فَإِنَّهُ لَا يَرْكَبُ**، تو یہ شخص سوار نہیں ہو گا، **حَتَّى يَطُوفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ**، یہاں تک کہ طوافِ زیارت کر لے۔

وَفِي الْأَصْلِ، اور اصل میں یعنی مبسوط کے اندر، **خَيَّرَهُ بَيْنَ الرُّكُوبِ وَالْمَشْيِ**، امام محمد رحمہ اللہ نے اس شخص کو اختیار دیا ہے سوار ہونے اور پیدل چلنے میں، **وَهَذَا إِشَارَةٌ إِلَى الْوُجُوبِ**، اور یہ جو متن میں آیا یعنی یہ جو جامع صغیر میں آیا اس میں اشارہ ہے وجوب کی طرف۔ متن میں تو کیا آیا؟ **فَإِنَّهُ لَا يَرْكَبُ حَتَّى يَطُوفَ**، یہ سوار نہیں ہو گا جب تک طوافِ زیارت نہ کر لے، تو اس میں وجوب کا ذکر ہے اور مبسوط کے اندر امام محمد رحمہ اللہ نے اختیار دیا ہے۔ تو کہتے ہیں: **وَهَذَا إِشَارَةٌ إِلَى الْوُجُوبِ**، اور یہ جو متن میں آیا یہ اشارہ ہے وجوب کی طرف، **وَهُوَ الْأَصْلُ**، اور یہی اصل ہے، **لِأَنَّهُ الْتَزَمَ الْقُرْبَةَ بِصِفَةِ الْكَمَالِ فَيَلْزَمُهُ بِتِلْكَ الصِّفَةِ**، اس لیے کیونکہ اس شخص نے قربت یعنی عبادت کو اپنے اوپر لازم کیا ہے صفتِ کمال کے ساتھ کہ اس کو کامل طریقے سے اس کو ادا کرے گا، **فَيَلْزَمُهُ بِتِلْكَ الصِّفَةِ** تو وہ عبادت اس پر لازم ہو گی اسی صفت کے ساتھ، **كَمَا إِذَا نَذَرَ الصَّوْمَ مُتَتَابِعًا**، جیسے کہ وہ منت مانے روزوں کی متتابعاً پے در پے مسلسل۔ ایک شخص ویسے روزوں کی منت مانتا ہے اور ایک شخص مسلسل دس روزے رکھنے کی منت مانتا ہے تو اسے یہ دس روزے مسلسل ہی رکھنا پڑیں گے، الگ الگ رکھے گا تو منت پوری نہیں ہو گی، واجب اس کے سر سے نہیں اترے گا بھائی۔

وَأَفْعَالُ الْحَجِّ تَنْتَهِي بِطَوَافِ الزِّيَارَةِ فَيَمْشِي إِلَى أَنْ يَطُوفَهُ، اور حج کے جو افعال ہیں ان کی انتہاء طوافِ زیارت پر ہوتی ہے، تو یہ شخص پیدل چلے گا **إِلَى أَنْ يَطُوفَهُ** یہاں تک کہ یہ طواف کر طوافِ زیارت کر لے، **ثُمَّ قِيلَ**، پھر کہا گیا ہے، **يَبْتَدِئُ الْمَشْيَ مِنْ حِينَ يُحْرِمُ**، کہ یہ ابتداء کرے گا پیدل چلنے کی جس وقت یہ احرام باندھے گا۔ بھائی یہ پیدل کب چلنا شروع کرے گا؟ کیا احرام باندھتے وقت احرام باندھنے کے وقت ہی پیدل چلے گا یا گھر سے چلتے ہی پیدل چلنا ضروری ہے سفر کے آغاز سے ہی؟ تو کہتے ہیں: **يَبْتَدِئُ الْمَشْيَ مِنْ حِينَ يُحْرِمُ** کہ یہ پیدل چلنے کی ابتداء کرے گا جس وقت یہ احرام باندھے گا جس وقت یہ محرم ہو گا، **وَقِيلَ مِنْ بَيْتِهِ**، اور کہا گیا ہے کہ اپنے گھر سے پیدل چلے گا، **لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ هُوَ الْمُرَادُ**، اس لیے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہی مراد ہے۔ جب اس نے پیدل حج کی منت مانی تو ظاہر یہی ہے کہ اس کی مراد کیا تھی؟ کہ اپنے گھر سے ہی پیدل چلے گا۔

وَلَوْ رَكِبَ أَرَاقَ دَمًا، اور اگر یہ شخص سوار ہو گیا تو دم بہائے گا، خون بہائے گا یعنی قربانی کرے گا، **لِأَنَّهُ أَدْخَلَ نَقْصًا فِيهِ**، اس لیے کیونکہ اس نے اس میں حج میں نقصان داخل کر دیا۔

قَالُوا إِنَّمَا يَرْكَبُ إِذَا بَعُدَتِ الْمَسَافَةُ وَشَقَّ الْمَشْيُ، قَالُوا، یہاں سے فقہاء نے تطبیق دی ان دو روایتوں میں۔ مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ نے اختیار دیا تھا کہ یہ شخص پیدل بھی چل سکتا ہے اور سوار بھی ہو سکتا ہے، اور جامع صغیر میں جیسا کہ متن میں آیا اس میں پیدل چلنے کو واجب قرار دیا گیا، تو دونوں میں فقہاء تطبیق دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر مسافت بہت لمبی ہو دور کی ہو اور پیدل چلنا اس شخص کے لیے دشوار ہو، یہ کمزور آدمی ہے زیادہ پیدل نہیں چل سکتا تو اس کے لیے سوار ہونا جائز ہے جائز ہے۔ تو البتہ حج کرنا پڑے گا جیسے اس نے لازم کیا، لیکن پھر راستے میں سوار ہو سکتا ہے۔ اور اگر مسافت کم ہے اور یہ شخص جو ہے پیدل چلنے کا عادی ہے، مضبوط آدمی ہے، پیدل چلنے سے اس کو کوئی مشقت نہیں ہوتی تو پھر اس پر واجب ہے کہ یہ پیدل چلے گا، اس کے لیے سوار ہونا جائز نہیں ہے۔

قَالُوا، فقہاء فرماتے ہیں: **إِنَّمَا يَرْكَبُ إِذَا بَعُدَتِ الْمَسَافَةُ وَشَقَّ الْمَشْيُ**، کہ یہ سوار ہو گا جس وقت مسافت دور کی ہو، **وَشَقَّ الْمَشْيُ**، اور پیدل

چلنا دشوار ہو، **وَإِذَا قَرُبَتْ**، اور جب مسافت قریب کی ہو، **وَالرَّجُلُ مِمَّنْ يَعْتَادُ الْمَشْيَ**، اور وہ آدمی بھی ان لوگوں میں سے ہے جو عادی ہیں پیدل چلنے کے، **وَلَا يَشُقُّ عَلَيْهِ**، اور پیدل چلنا اس پر دشوار نہیں ہے، **يَنْبَغِي أَنْ لَا يَرْكَبَ**، تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ یہ سوار نہ ہو بھائی۔

وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً مُحْرِمَةً، چلیے بس بھائی، باقی انشاء اللہ کل کریں گے اور کل انشاء اللہ کتاب بھی ختم کرلیں گے۔ اچھا چلیے کل سبق تو کل ختم کریں گے، آیئے آج بھی دعا کرلیتے ہیں بھائی۔ **بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔**

دعا کا طریقہ ہمیشہ یاد رکھیے گا میں بار بار ذکر کرتا ہوں کہ دعا کے شروع میں **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** ہو اور اس کے بعد درود شریف ہو اور آخر میں بھی درود شریف اور آمین ہو، اس سے دعا قبولیت کے قریب تر ہو جاتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔

اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ ہر شر اور فتنے سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ یہ مبارک مجلس ہے، اس مجلس میں ہماری ایک کتاب ختم ہو رہی ہے، اے اللہ اس مجلس کو ہم سب کے لیے مبارک فرما۔ اے اللہ ہمارے اس پڑھنے اور پڑھانے کو قبول فرما۔ اے اللہ اس کو اپنی رضا کا ذریعہ بنا۔ اے اللہ اس میں یقیناً ہم سے بڑی کوتاہیاں ہوئی ہوں گی، بہت زیادہ کوتاہیاں ہوئی ہوں گی، لیکن اے اللہ آپ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اے اللہ آپ کی وسیع رحمت کا واسطہ ہم سب کی کوتاہیوں کو معاف فرما۔ اے اللہ اس کتاب کے ختم کو ہم سب کے لیے مبارک فرما۔ اے اللہ اس کتاب کو ہم سب کے لیے اے اللہ ہم سب کے لیے عظیم صدقۂ جاریہ فرمادے۔ اے اللہ ان اسباق کو اے اللہ قبولیت اور مقبولیت نصیب فرما۔ اے اللہ ہر قسم کی غلطیوں سے اس میں حفاظت فرما۔ اے اللہ ہر شر اور فتنے سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ یقیناً ہمارے گناہ بہت زیادہ ہیں لیکن اے اللہ آپ کی رحمت بڑی وسیع ہے، آپ خود فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اگر اتنے گناہ لے آئے کہ اس سے یہ ساری زمین پر ہو جائے تو میں اس سے بھی بڑھ کر اپنی رحمت لاؤں گا اور اس کے گناہوں کو بخش دوں گا۔ اے اس وسیع رحمت والے، اے اللہ ہم اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ ہمیں آئندہ زندگی میں گناہوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ جتنے حاضرین ہیں، اے اللہ میرے جتنے تلامذہ ہیں، اے اللہ سب کو گھروں میں اطمینان اور سکون نصیب فرما۔ اے اللہ جو جو پریشانیاں ہیں اے اللہ ان کو دور فرما۔ اے اللہ جو مشکلات ہیں اے اللہ ان کو حل فرما۔ اے اللہ جو مشکلات ہیں ان کو حل فرما۔ اے اللہ ہم سب کو وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ اے اللہ ہمیں بھی اور قیامت تک ہماری آنے والی نسلوں کو بھی وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ اے اللہ حرام کے ذرے ذرے سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہماری بھی حفاظت فرما، اے اللہ قیامت تک ہماری آنے والی نسلوں کی بھی حرام سے حفاظت فرما۔ اے اللہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔ اے اللہ ہم سب کی قبروں کو منور فرما۔ اے اللہ قیامت تک ہماری آنے والی نسلوں کا خاتمہ بھی ایمان پر فرما، اے اللہ ان کے بھی ایمان کی حفاظت فرما۔

يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص تین مرتبہ **يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ** کہہ دیتا ہے تو ایک فرشتہ اللہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے جو اس دعا مانگنے والے کو پکار کر کہتا ہے کہ اے مانگنے والے مانگ **أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ** پوری طرح تمہاری طرف متوجہ ہیں۔ آپ سب بھی تین مرتبہ کم از کم کہہ لیجیے۔ **يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔**

اے اللہ ہماری اس مجلس کی ساری دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ جتنے حاضرین ہیں ان کی جو جو حاجات ہیں اے اللہ سب کو پورا فرما۔ اے اللہ آپ کے خزانے تو بڑے وسیع ہیں، اے اللہ ہماری یہ چھوٹی سی جماعت ہے، اے اللہ ہمارے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹا۔ اے اللہ ہماری ساری دعائیں قبول فرما، اے اللہ ہماری ساری حاجات پوری فرما، اے اللہ ہماری ساری مشکلات حل فرما۔ اے اللہ ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرما، اے اللہ ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل فرما جن سے آپ کی ساری مخلوقات محبت کرتی ہیں، جن سے آپ کے فرشتے بھی محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ، اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ ہمارے اس پڑھنے اور پڑھانے کو قبول فرما، اے اللہ اس کو ہم سب کے لیے عظیم صدقۂ جاریہ بنادے، اے اللہ اس کو ہمارے لیے عظیم صدقۂ جاریہ بنادے، اے اللہ اس کو ہمارے لیے عظیم صدقۂ جاریہ بنادے۔ اے اللہ ہمارے جو عزیز و اقارب وفات پاچکے ہیں اے اللہ سب کی مغفرت فرما، اے اللہ سب کی مغفرت فرما، اے اللہ سب کی لغزشات سے درگزر فرما، اے اللہ سب کے درجات بلند فرما۔ اے اللہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے بھی اے اللہ لاکھوں کروڑوں درجات بلند فرما، اے اللہ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرما، اے اللہ ہمیں بھی ان کی طرح قبولیت اور مقبولیت نصیب فرما، اے اللہ ہمیں بھی ان کی طرح علوم میں پختگی نصیب فرما، اے اللہ ہمیں بھی ان کی طرح کا اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ہمیں بھی ان کی طرح عزت نصیب فرما۔ اے اللہ اے اللہ آپ تو قادر ہیں، اے اللہ آپ کے خزانے تو بڑے وسیع ہیں، اے اللہ ہمیں تمام زندگی سنتوں کے مطابق گزارنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ سنتوں کی حقیقی محبت اور تڑپ ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے، اے اللہ حرام کی نفرت ہمارے دلوں میں ڈال دے، اے اللہ ہر حرام کے ذرے ذرے کی نفرت ہمارے دلوں میں ڈال دے۔ اے اللہ حاضرین میں سے کوئی بیمار ہو یا ان کے گھروں میں کوئی بیمار ہو اے اللہ سب کو شفا نصیب فرما، اے اللہ سب کو صحت اور عافیت نصیب فرما۔ اے اللہ اس کتاب کی برکت سے ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔ اے اللہ قبر کے عذاب سے، قبر کی تاریکی سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ قیامت کے دن کی شرمندگی سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ قیامت کے دن ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جن کو آپ بلا حساب کتاب

جنت میں داخل فرمائیں۔ اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما، اے اللہ جہنم سے ہماری حفاظت فرما۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص تین مرتبہ جنت مانگتا ہے تو جنت خود کہتی ہے کہ اے اللہ اس کو میرے اندر لے آ، اور جو شخص تین مرتبہ جہنم سے پناہ مانگتا ہے تو جہنم خود کہتی ہے کہ اے اللہ اس کو مجھ سے دور کر دے۔ اے اللہ اے اللہ جہنم سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ جہنم سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ جہنم سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہمیں جنت الفردوس نصیب فرما، اے اللہ ہمیں جنت الفردوس نصیب فرما، اے اللہ ہمیں جنت الفردوس نصیب فرما۔ اے اللہ ہمیں نیک اعمال کرنے کی توفیق نصیب فرما، اے اللہ زندگی کے اندر ہمیں آسانیاں نصیب فرما۔ اے اللہ ہم کمزور بندے مشکلات کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اے اللہ ہماری مشکلات حل فرما، اے اللہ مشکلات سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہم سب کو اطمینان سے تمام زندگی دین کا کام کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ دین کے کام میں ہمارے لیے آسانیاں فرمادے۔ اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، اے اللہ ہمارے سارے گناہوں کو معاف فرما، اے اللہ ہمارے سارے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ مجاہدین کی بھی خصوصی مدد و نصرت فرما، اے اللہ ان کو ہمت اور قوت نصیب فرما۔ اے اللہ اس زمانے کے اندر تمام عالم کے مسلمان بے انتہا تکلیف میں ہیں، اے اللہ اے اللہ تمام مسلمانوں کی تکالیف دور فرما۔ اے اللہ مسلمانوں کو پھر دین کی طرف لوٹا دے، اے اللہ مسلمانوں کو پھر دین پر چلنے والا بنا دے، اے اللہ مسلمانوں میں پھر دینی غیرت پیدا فرمادے، اے اللہ مسلمانوں میں پھر پہلے کی طرح کا اتفاق اور اتحاد پیدا فرمادے۔ اے اللہ، اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ اے اللہ ہر شر اور فتنے سے ہماری حفاظت فرما۔ **یَا عَزِیزُ یَا لَطِیفُ، یَا غَفَّارُ یَا عَزِیزُ یَا لَطِیفُ، یَا عَزِیزُ یَا لَطِیفُ، یَا اَللهُ۔** اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ اے اللہ اس مجلس میں ہم نے جتنی دعائیں مانگیں سب کو قبول فرما۔ اے اللہ آپ کے خزانے بڑے وسیع ہیں، آپ کے وسیع خزانوں کا واسطہ، آپ کی وسیع رحمت کا واسطہ، اے اللہ ہمارے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹا۔ اے اللہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو پھیلانے والا بنا، اے اللہ ان سنتوں کو اے اللہ اے اللہ ہر ہر جگہ پہنچانے والا بنا۔ اے اللہ، اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ ہماری باتوں میں اثر پیدا فرما، اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ میرے لیے بھی آپ حضرات سے دعاؤں کی درخواست ہے، بیمار بھی ہوں دعا کریں اللہ اے اللہ صحت نصیب فرما، اے اللہ مکمل صحت اور عافیت نصیب فرما۔ اے اللہ جو مشکلات بعض کاموں میں جو مشکلات اور رکاوٹیں ہیں اللہ ان کو دور فرما۔ اے اللہ زندگی کے اندر اطمینان اور سکون نصیب فرما۔ اے اللہ ہر شر اور فتنے سے حفاظت فرما۔ اے اللہ میرے تمام تلامذہ جو ہیں ان کو بھی اے اللہ دنیا میں بھی معزز اور محترم فرما اور اے اللہ آخرت میں بھی معزز اور محترم فرما۔ اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ ہمیں نیک حاکم نصیب فرما۔ اے اللہ اے اللہ اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما، اے اللہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔ اے اللہ اس کتاب کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرما۔ اے اللہ ہمارے اس پڑھنے اور پڑھانے کو قبول فرما، اے اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

سبق نمبر ۱۶۹: احرام والی لونڈی کی بیع اور اختتامِ کتاب

ہدایہ صفحہ: ۳۲۴ــــ بتاریخ: ۲۷ مئی ۲۰۱۳ء

یا اللہ! چلیے جی۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ «وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً مُحْرِمَةً قَدْ أَذِنَ لَهَا فِي ذٰلِكَ فَلِلْمُشْتَرِي أَنْ يُحَلِّلَهَا وَيُجَامِعَهَا، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً: لَيْسَ لَهُ ذٰلِكَ؛ لِأَنَّ هٰذَا عَقْدٌ سَبَقَ مِلْكَهُ فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْ فَسْخِهِ كَمَا إِذَا اشْتَرَى جَارِيَةً مَنْكُوحَةً. وَلَنَا أَنَّ الْمُشْتَرِيَ قَامَ مَقَامَ الْبَائِعِ وَقَدْ كَانَ لِلْبَائِعِ أَنْ يُحَلِّلَهَا فَكَذَا الْمُشْتَرِي إِلَّا أَنَّ يُكْرَهُ ذٰلِكَ لِلْبَائِعِ لِمَا فِيهِ مِنْ خُلْفِ الْوَعْدِ، وَهٰذَا الْمَعْنَى لَمْ يُوجَدْ فِي حَقِّ الْمُشْتَرِي بِخِلَافِ النِّكَاحِ لِأَنَّهُ مَا كَانَ لِلْبَائِعِ أَنْ يَفْسَخَهُ إِذَا بَاشَرَ بِإِذْنِهِ فَكَذَا لَا يَكُونُ ذٰلِكَ لِلْمُشْتَرِي. وَإِذَا كَانَ لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهَا لَا يَتَمَكَّنُ مِنْ رَدِّهَا بِالْعَيْبِ عِنْدَنَا، وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى يَتَمَكَّنُ؛ لِأَنَّهُ مَمْنُوعٌ مِنْ غِشْيَانِهَا. وَذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ أَوْ يُجَامِعَهَا، وَالْأَوَّلُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ يُحَلِّلُهَا بِغَيْرِ الْجِمَاعِ بِقَصِّ شَعْرٍ أَوْ بِقَلْمِ ظُفْرٍ ثُمَّ يُجَامِعُ، وَالثَّانِي يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ يُحَلِّلُهَا بِالْمُجَامَعَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَخْلُو عَنْ تَقْدِيمِ مَسٍّ يَقَعُ بِهِ التَّحْلِيلُ، وَالْأَوْلَى أَنْ يُحَلِّلَهَا بِغَيْرِ الْمُجَامَعَةِ تَعْظِيمًا لِأَمْرِ الْحَجِّ، وَاللهُ أَعْلَمُ».

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ [1]

سب سے پہلے تو آپ حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور خصوصاً آپ کے استاد محترم کو کہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص توفیق ہوئی کہ یہ کتاب مکمل ہوئی، اور کتاب یہاں مکمل ایک نہ سمجھیں بلکہ دو کتابیں مکمل ہوئیں۔ یہ الحمد للہ یہ آپ کے استاد محترم کا پڑھایا ہوا سبق، یہ لازمی فائدے پر مشتمل نہیں ہے بلکہ متعدی فائدے پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے استاد محترم کہ یہ اللہ کے فضل و کرم سے نقش قدم پر چل رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو مزید ترقی نصیب فرمائے۔

اس کتاب کے آغاز میں اپنے استاد صاحب سے آپ نے پڑھا ہو گا کہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے مقدمے کے اندر یہ فرمایا کہ میں نے پہلے ایک فقہ کا متن لکھا تھا جس کا نام «**بِدَايَةُ الْمُبْتَدِي**» تھا۔ پھر اس کی تفصیل لکھی، اس کا نام رکھا «**كِفَايَةُ الْمُنْتَهِي**»، وہ تقریباً اسی جلدوں پر مشتمل تھی۔ ان اسی جلدوں کا خلاصہ مصنف علیہ الرحمہ نے چار جلدوں کے اندر نکالا جس کا نام «**هِدَايَةُ الْمُهْتَدِي**» رکھا۔ اس ہدایۃ المہتدی کی چار جلدوں میں سے آخری جلد کا آخری مسئلہ آپ کے سامنے عبارت میں پڑھا گیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمہ اس مسئلے کو پہلے ذکر فرماتے ہیں اور پھر دو قسم کی آراء کو اس میں پیش فرما رہے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے جو متن میں مذکور ہے: «**وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً مُحْرِمَةً قَدْ أَذِنَ لَهَا فِي ذٰلِكَ**». بائع نے ایک لونڈی بیچی۔ بائع نے اس لونڈی سے خود اس کو کہا تھا کہ تم حج یا عمرے کا احرام باندھ لو، اس نے احرام باندھ لیا۔ اب اس احرام کے دوران محرمہ جو لونڈی تھی، اس کو بائع نے بیچ دیا۔ «**فَلِلْمُشْتَرِي أَنْ يُحَلِّلَهَا وَيُجَامِعَهَا**». تو مشتری کو کیا اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس کا

---

[1] ساقط لفظ / عبارت فی الشاملۃ (ص ۲۴۴): «**مولاها**»۔ • شاملہ (ص ۲۴۴) میں «**بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ**» کے بجائے «**ينبغي أن لا يركب**»، شاملہ (ص ۲۴۴) میں «**قَامَ**» کے بجائے «**قائم**»، شاملہ (ص ۲۴۴) میں «**أَنَّ**» کے بجائے «**أنه**»، شاملہ (ص ۲۴۴) میں «**بَاشَرَ**» کے بجائے «**باشرت**»، شاملہ (ص ۲۴۴) میں «**وَذُكِرَ**» کے بجائے «**و ذكر**»، شاملہ (ص ۲۴۴) میں «**التَّحْلِيلُ**» کے بجائے «**التحلل**»، شاملہ (ص ۲۴۵) میں «**بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ**» کے بجائے «**كتاب النكاح كتاب النكاح**» درج ہے۔
• تکملۂ عبارت از نسخہ مکتبہ شاملہ (ص ۲۴۵): «**الصيغة وإن كانت للإخبار وضعا فقد جعلت للإنشاء شرعا دفعا للحاجة وينعقد بلفظين يعبر بأحدهما**»۔
• تکملۂ عبارت از نسخہ مکتبہ شاملہ (ص ۲۴۵): «**الترويج للتلفيق والنكاح للضم ولا ضم ولا ازدواج بين المالك والمملوكة أصلا**»۔

احرام کھلوادے اور اس سے جماع کرلے، اس کو اس بات کی اجازت ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ ہے۔ کہ بائع نے اپنی اجازت سے اپنی لونڈی کو احرام بندھوایا تھا اور وہ احرام کے باندھنے کے بعد بائع نے اس کو فروخت کر دیا، تو کیا مشتری کو اب اس بات کا انتظار کرنا پڑے گا کہ پہلے یہ احرام سے فارغ ہو، اپنا عمرہ یا حج مکمل کرے، اس کے بعد اس سے اپنے تعلقات قائم کرے یا اس سے پہلے پہلے بھی یہ معاملہ ہو سکتا ہے؟ اس میں دو قسم کی آراء ہیں۔

ایک رائے تو ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ کی نقل کی گئی ہے جو متن کے اندر کہ اس بات کی اجازت ہے کہ جو مشتری ہے وہ اس کو احرام سے نکال لے، اس کے نکلنے کا طریقہ آخری عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے ذکر فرمادیا، یا تو دواعی جماع کے ذریعے احرام سے اس کو نکال لے یا جماع کے ذریعے اس کو احرام سے نکال لے۔ یہ مشتری کو اس بات کی اجازت ہے۔

لیکن امام زفر رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اگر لونڈی نے احرام باندھ لیا ہے اور اس کے بعد مشتری نے بائع سے اس حالت میں لونڈی کو خریدا ہے تو اس صورت کے اندر پھر مشتری کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کا احرام سے اس کو نکالنے کی کوشش کرے۔ کیوں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ اس کی ملکیت میں آنے سے پہلے پہلے وہ حالت احرام میں جاچکی تھی۔ اور جو حالت اس کی ملکیت کے آنے سے پہلے پہلے اس کو حاصل ہو چکی ہو اس کو یہ مشتری ختم کرنا چاہے وہ ختم نہیں کر سکتا۔

مزید برآں وہ قیاس کرتے ہیں جیسے کہ دیکھیں، جس طرح کہ بائع نے ایک لونڈی کا نکاح کر دیا ایک تیسرے شخص کے ساتھ اور پھر اس کے بعد اس لونڈی کو ایک دوسرے شخص کو بیچ دیا۔ اب مشتری کو جب یہ لونڈی منکوحہ لونڈی بیچی گئی تو کیا مشتری اس منکوحہ لونڈی کا نکاح ختم کر کے اپنے تعلقات اس سے قائم کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ اس لیے کہ یہ نکاح والی حالت مشتری کے پاس آنے سے پہلے پہلے بائع کے پاس یہ لونڈی کو یہ حالت حاصل ہو چکی تھی۔ تو امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب وہ لونڈی بائع کے پاس منکوحہ ہو چکی تھی تو اب اگر مشتری یہ چاہے کہ میں اس کے نکاح کو ختم کر کے میں اس کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کروں تو یہ اس کے لیے ہر گز اس بات کی اجازت نہیں، جس طرح اس مسئلے میں اجازت نہیں اس طرح «مِمَّا نَحْنُ فِيهِ» متن والے مسئلے میں بھی مشتری کو اس بات کی اجازت نہیں ہو گی جبکہ وہ بائع کے پاس اس نے احرام باندھ لیا تو احرام باندھنے کے بعد اب احرام کے کھلوانے کی اجازت مشتری کو نہیں ہو گی تاوقتیکہ وہ مکمل عمرہ یا حج سے فارغ نہ ہو جائے۔

یہاں تک تو امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک دلیل اور ایک قیاس کا ذکر فرمایا گیا۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل صاحب ہدایہ رحمہ اللہ ذکر فرماتے ہیں، فرمارہے ہیں کہ دیکھو یہاں پر مشتری ایک سیٹ سے مشتری اٹھا یعنی کہ بائع اٹھا ہے اور اس سیٹ پہ آ کے مشتری بیٹھ گیا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟ پہلے وہ چیز بائع کی تھی اب وہ چیز کس کی ہو گئی ہے؟ مشتری کی ہو گئی۔ مشتری قائم مقام ہے بائع کے۔ اچھا، بائع کو اس بات کی اجازت ہے یا نہیں کہ وہ اپنی لونڈی کو جس نے احرام بندھوایا تھا اس کا احرام کھلوادے؟ کیا بائع کو اس بات کی اجازت ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں جب بائع کو اس بات کی اجازت ہے تو مشتری تو قائم مقام کس کے ہے؟ بائع کے۔ تو مشتری کو بھی حق حاصل ہو گا۔ دیکھیں نا، یہ مشتری نے بائع سے یہ چیز خریدی ہے۔ بائع نے جس لونڈی کو احرام بندھوایا ہے، کیا بائع کو اس بات کی اجازت ہے کہ نہیں کہ اس کا احرام کھلوادے؟ کہتے ہیں بالکل ہے۔ تو مشتری کس کے قائم مقام ہوتا ہے؟ بائع کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جب مشتری بائع کے قائم مقام ہے تو جس طرح بائع کو اجازت ہے اس کو احرام سے نکلوانے کی، اسی طرح مشتری کو بھی اجازت ہو گی۔

فرق صرف اتنا ہو گا کہ اس صورت کے اندر جو بائع ہے چونکہ ایک قسم کا اس نے اس کو احرام باندھ کر ایک اپنے ذمے وعدہ کر لیا ہے کہ تجھے میں عبادت پوری کرنے دوں گا، اب اس کا احرام کھول رہا ہے تو یہ خلف وعد لازم آرہا ہے، اور خلف وعد، وعدہ کی خلاف ورزی یہ اچھی چیز نہیں ہے۔ اس، اس کے لیے مناسب بائع کے لیے مناسب نہیں ہے کہ احرام بندھوا کر پھر احرام کھلوالے، بخلاف مشتری کے کہ مشتری چونکہ مشتری گو بائع کے قائم مقام تو ہو گیا لیکن مشتری نے وعدہ نہیں کیا تھا۔ اس لونڈی کے ساتھ مشتری کا وعدہ متحقق نہیں ہوا، لہٰذا مشتری اگر اس کا احرام کھلوالے گا تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہو گی۔

■ مسئلہ: بِخِلَافِ النِّكَاحِ

«بِخِلَافِ النِّكَاحِ»، آپ نے پڑھا ہے صاحب ہدایہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ یہ ہے کہ جو مسلک مرجوح ہوتا ہے اس کا جواب دیتے ہیں۔ تو امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک ان کے نزدیک چونکہ مرجوح ہے، اس کا جواب، ان کے نزدیک تو مشتری اس کا احرام نہیں کھلوا سکتا اور انہوں نے قیاس کیا کہ لونڈی کو جب بائع نے لونڈی کا نکاح کر دیا ہو اور اس کے بعد فروخت کیا ہو تو مشتری کو جیسے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کا نکاح ختم کروا کے اپنے ازدواجی تعلق اس سے قائم کرے تو اس طرح یہاں پہ بھی نہیں، اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس مسئلے کو نکاح والے مسئلے پر قیاس کرنا یہ ٹھیک نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ اگر بائع نے لونڈی کا نکاح کر دیا، نکاح کرنے کے بعد اب اگر بائع خود اس نکاح کو توڑنا چاہے اس کی اجازت اس کو نہیں ہے۔ تو جب بائع کو نکاح کے ختم کرنے کی اجازت نہیں ہے تو مشتری تو بائع کے قائم مقام ہے تو مشتری کو بھی بطریق اولیٰ نکاح کے ختم کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ ہمارے والے مسئلے میں، اس مسئلے میں بائع کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اگر اس کو احرام سے نکلوانا چاہے تو وہ نکلوا سکتا ہے، لہٰذا مشتری کو بھی اجازت ہے۔ اور اس جس مسئلے پہ آپ قیاس کر رہے ہیں اس پر قیاس کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے، اس میں تو بائع کو خود اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ کیا کرے؟ اس کو احرام سے باہر وہ نکاح سے باہر لے کر ازدواجی تعلقات قائم کرے، جب بائع کو اجازت نہیں ہے تو مشتری کو کیسے اجازت ہو؟

اس کے بعد آگے چل کر پھر تفریع کے طور پر ایک مسئلہ ذکر فرماتے ہیں کہ: «وَإِذَا كَانَ لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهَا لَا يَتَمَكَّنُ مِنْ رَدِّهَا بِالْعَيْبِ عِنْدَنَا». کہ ہمارے نزدیک جب مشتری کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس کو احرام سے نکلوا سکتا ہے تو اس لونڈی کے محرمہ ہونے کی وجہ سے اس کے اندر عیب اب شمار نہیں ہو گا کہ یہ لونڈی، مشتری کہے جی لونڈی آپ نے مجھے حالت احرام والی دے دی میں اس عیب کی وجہ سے اس کو واپس کرتا ہوں، بھائی تم اس کا احرام کھلوا سکتے ہو، ہمارے نزدیک یعنی یہ عیب نہیں ہے اس کا محرمہ ہونا عیب نہیں کیونکہ اس کے احرام کو وہ مشتری ختم کر سکتا ہے، ہمارے نزدیک یہ ہے۔ لیکن امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا نہیں ہے، امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا نہیں ہے اس لیے ان کے نزدیک مسئلے کی تفصیل مختلف ہو جائے گی۔

آخر میں چل کے مصنف علیہ الرحمہ جو متن میں عبارت آئی ہے: «أَنْ يُحَلِّلَهَا وَيُجَامِعَهَا». کہتے ہیں بعض نسخوں میں «أَنْ يُحَلِّلَهَا أَوْ يُجَامِعَهَا»، کہتے ہیں دونوں عبارتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ دونوں عبارتیں اپنی جگہ درست ہیں، «أَنْ يُحَلِّلَهَا وَيُجَامِعَهَا» بھی درست ہے، «أَنْ يُحَلِّلَهَا أَوْ يُجَامِعَهَا» یہ بھی درست ہے۔ اور پہلی جو عبارت ہے وہ کہتے ہیں وہ اس بات کی طرف مشیر ہے کہ مشتری کو چاہیے کہ وہ اس کو اس طریقے سے احرام سے باہر نکالے کہ دواعی جماع، دواعی جماع کہہ رہے ہیں یعنی اس سے ہٹ کر یعنی جماع سے ہٹ کر کسی اور طریقے سے اس کو لونڈی کو احرام سے باہر نکال لے، مثال کے طور پر اس کے جو ہیں کچھ بال کاٹ دے یا اس کے ناخن تراش دے اس وجہ سے وہ احرام سے باہر نکل جائے گی۔ اور «أَوْ يُجَامِعَهَا» جہاں آرہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع کی صورت میں وہ اس کو حالت احرام سے باہر نکالے اور جماع سے پہلے عام طور پر یہ حالتیں پیش آ ہی جاتی ہیں تو لہٰذا دونوں میں تطبیق ہو ہی جائے گی۔ لیکن صاحب ہدایہ رحمہ اللہ تعالیٰ بالکل آخری سطر میں جا کے کہہ رہے ہیں کہ حج کی اور عمرے کی تعظیم کے پیش نظر اس میں جماع کے ذریعے سے احرام سے باہر نہیں نکلنا چاہیے بلکہ باقی جو اسباب ہیں اس کے ذریعے یعنی کہ وہ احرام سے باہر ہو۔ اب دیکھیں اس کو ذرا عبارت میں چسپاں کریں۔

■ مسئلہ: وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً مُحْرِمَةً

«وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً مُحْرِمَةً»، کسی شخص نے کوئی ایسی لونڈی بیچی جو حالت احرام میں تھی۔ «قَدْ أَذِنَ لَهَا فِي ذٰلِكَ»، اور مالک نے، بائع نے اس کو اجازت دے رکھی تھی احرام کی۔ «فَلِلْمُشْتَرِي أَنْ يُحَلِّلَهَا»، مشتری نے جب اس کو خریدا تو اس کو اس بات کی اجازت ہے کہ اس کو وہ احرام سے باہر نکال لے اور حلال کر لے، «وَيُجَامِعَهَا»، اور اس سے جماع کر لے۔ «وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ: لَيْسَ لَهُ ذٰلِكَ»، اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو اس بات کی اجازت نہیں ہے۔ «لِأَنَّ هٰذَا عَقْدٌ سَبَقَ مِلْكَهُ»، یہ ایسا عقد ہے یعنی یہ احرام والا عقد سمجھ لیجیے، یہ اس کی ملکیت سے، مشتری کی ملکیت پر میں آنے سے پہلے پہلے یہ معاملہ سبقت کر چکا ہے۔ «فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْ فَسْخِهِ»، لہٰذا مشتری کو اس بات کی قدرت نہیں ہے کہ وہ اس کو توڑ سکے۔ «كَمَا»، مقیس علیہ ذکر فرماتے ہیں: «كَمَا إِذَا اشْتَرَى جَارِيَةً مَنْكُوحَةً»، جس طرح کہ مشتری اگر ایسی لونڈی خریدے جو منکوحہ ہو تو منکوحہ جاریہ مشتری اگر یہ چاہے کہ اس کا میں نکاح ختم کر سکوں، بھائی آپ نہیں ختم کر سکتے، اس لیے کہ آپ کی ملکیت میں آنے سے پہلے پہلے بائع کی ملکیت ہی میں یہ نکاح میں جا چکی تھی، اب یہ عقد ملکیت میں آنے سے پہلے پہلے حاصل ہو چکا تھا، اب اس کو اگر مشتری ختم کرنا چاہے تو ختم نہیں کر سکتا۔

«وَلَنَا أَنَّ الْمُشْتَرِيَ قَامَ مَقَامَ الْبَائِعِ»، ہماری دلیل یہ ہے کہ مشتری یہ قائم مقام کس کے ہوتا ہے؟ بائع کے قائم مقام۔ پہلے اس کا مالک بائع تھا اب اس کا مالک کون بن گیا؟ مشتری۔ «وَقَدْ كَانَ لِلْبَائِعِ أَنْ يُحَلِّلَهَا»، امام زفر رحمہ اللہ سے ہم درخواست کرتے ہیں حضرت آپ ہی ارشاد فرمائیے کیا بائع اس کو حلال کر سکتا ہے کہ نہیں کر سکتا؟ اس کو احرام سے باہر نکلوا سکتا ہے؟ اس کے تو آپ بھی معترف ہیں کہ بائع خود اگر اس کو یعنی احرام سے باہر نکالنا چاہے تو وہ نکال سکتا ہے، «فَكَذَا الْمُشْتَرِي»، اسی طرح مشتری بھی نکال سکتا ہے کیونکہ مشتری کس کے قائم مقام ہے؟ بائع کے۔ اب تھوڑا سا فرق آئے گا بائع اور مشتری میں، «إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ ذٰلِكَ لِلْبَائِعِ»، بائع کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے کہ اس کا احرام اس سے کھلوائے، «لِمَا فِيهِ مِنْ خُلْفِ الْوَعْدِ»، اس لیے کہ اس میں وعدہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ «وَهٰذَا الْمَعْنَى لَمْ يُوجَدْ فِي حَقِّ الْمُشْتَرِي»، اور یہ معنی یہ مشتری کے حق میں یعنی خلف وعد کا معنی مشتری کے حق میں متحقق نہیں ہوا۔

باقی رہا امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قیاس کرنا اس مسئلے کو مسئلہ نکاح پر، جاریہ منکوحہ پر، اس کا جواب یہ ہے: «بِخِلَافِ النِّكَاحِ لِأَنَّهُ مَا كَانَ لِلْبَائِعِ أَنْ يَفْسَخَهُ»، کہ جب بائع کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس نکاح کو توڑ سکتا ہے «إِذَا بَاشَرَ بِإِذْنِهِ»، جب بائع نے خود نکاح کروایا ہو لونڈی کا، اب یہ چاہے کہ بائع اس نکاح کو توڑ دے تو اس کو اس بات کی اجازت نہیں ہے۔ «فَكَذَا لَا يَكُونُ ذٰلِكَ لِلْمُشْتَرِي»، تو بھائی اسی طرح یہ تو اتنا پکا کام ہوا ہے نکاح والا کہ بائع جو ہے یہ نہیں توڑ سکتا تو مشتری بھی نہیں توڑ سکتا۔

■ مسئلہ: وَإِذَا كَانَ لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهَا لَا يَتَمَكَّنُ...

«وَإِذَا كَانَ لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهَا لَا يَتَمَكَّنُ مِنْ رَدِّهَا بِالْعَيْبِ»، تو جب مشتری کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس کو حالت احرام سے باہر نکال

لے تو اب اس بنیاد پر یہ عیب شمار نہیں ہو گا جس کی وجہ سے یہ مشتری بائع کو واپس لوٹا دے ہمارے نزدیک۔ «وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللهُ يَتَمَكَّنُ»، اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو اس بات کی قدرت ہے یعنی کہ اس کو اس بات کی قدرت ہے مشتری کو کہ وہ بناء بر عیب کے اس کو واپس کرے، کیوں؟ «لِأَنَّهُ مَمْنُوعٌ مِنْ غِشْيَانِهَا»، اس لیے کہ مشتری اس وقت اس پر پابندی ہے کہ وہ اس سے صحبت نہیں کر سکتا۔ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ عیب کے درجے میں آ جائے گا اور ہمارے نزدیک یہ عیب کے درجے میں نہیں آئے گا، لہٰذا بناءً علی یعنی عیب کی وجہ سے وہ رد کرنا چاہے تو ان کے نزدیک یہ مشتری بائع کو رد کر سکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک رد نہیں کر سکتا۔

«وَذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ»، بعض نسخوں میں عبارت یوں بھی ہے، جامع صغیر کی بعض نسخوں میں جو اوپر عبارت آئی ہے: «أَنْ يُحَلِّلَهَا وَيُجَامِعَهَا»، جبکہ بعض نسخوں میں ہے: «أَوْ يُجَامِعَهَا». «وَالْأَوَّلُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ يُحَلِّلُهَا بِغَيْرِ الْجِمَاعِ»، پہلی عبارت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ وہ اس کو احرام سے نکالے بغیر جماع کے، کس طرح؟ «بِقَصِّ شَعْرٍ»، اس کے ناخن تراش لے اور اس کے اس کے بال کاٹ لے، «بِقَصِّ شَعْرٍ»، بال کاٹ لے، «أَوْ بِقَلْمِ ظُفْرٍ»، یا اس کے ناخن تراش لے۔ اس کے بعد «ثُمَّ يُجَامِعُ»، پھر اس کے بعد اس سے جماع کرے۔ «وَالثَّانِي يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ يُحَلِّلُهَا بِالْمُجَامَعَةِ»، اور «أَوْ» والی عبارت یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس کو احرام سے باہر نکالے مجامعت کے ذریعے، «لِأَنَّهُ لَا يَخْلُو عَنْ تَقْدِيمِ مَسٍّ يَقَعُ بِهِ التَّحْلِيلُ»، اس لیے کہ یہ مجامعت خالی نہیں ہو گی کہ چھونا پایا جائے گا اور اس کی وجہ سے تحلیل ہو ہی جائے گی۔ لیکن صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَالْأَوْلَى أَنْ يُحَلِّلَهَا بِغَيْرِ الْمُجَامَعَةِ»، بہتر یہی ہے کہ اس حالت میں مشتری جو ہے وہ لونڈی کو احرام سے باہر نکالے بغیر جماع کے، «تَعْظِيمًا لِأَمْرِ الْحَجِّ»، حج کے معاملے کے عظمت کے پیش نظر اس کو جماع سے ہٹ کر دوسرے طریقے سے احرام سے باہر نکالنا چاہیے، «وَاللهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ، وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ».

حضرت اب دعا کروائیں آپ۔

■ مسئلہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلَاۃ...

«الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ. رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، وَقِنَا عَذَابَ الْقَبْرِ، وَقِنَا عَذَابَ الْحَشْرِ، وَقِنَا عَذَابَ الْمِيزَانِ». یا اللہ، جتنے ساتھیوں نے یہ کتاب پڑھی ہے یا اللہ ان کا پڑھنا قبول فرما۔ اور استاد صاحب مولانا زبیر صاحب کا یا اللہ پڑھانا قبول فرما۔ ہمارے استاد محترم اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا موسیٰ رحمہ اللہ کے لیے خاص طور پر دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ان کو علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور ان کی قبور کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے۔ یا اللہ، ان کے علم سے ہم سب کو زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہونے کی توفیق نصیب فرما۔ یا اللہ، یا اللہ ہم سب کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرما۔ یا اللہ، عافیت والا معاملہ فرما۔ یا اللہ، ہمارے تمام اساتذہ کی بخشش فرما، سب کو علیین میں جگہ نصیب فرما۔ یا اللہ، ہم سب کو مرتے دم تک یا اللہ اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ اپنے دین کا یا اللہ ادنیٰ سا سپاہی بنا۔ اے اللہ، ہم سب کو اپنے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور آپ کی سنت بیضاء پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ یا اللہ، ہمارے والدین، اعزہ اقرباء، یا اللہ جتنے بھی مومنین مومنات، مسلمین مسلمات اس دنیا سے جا چکے ہیں یا اللہ تمام کو علیین میں جگہ نصیب فرما، ان کی قبور کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا۔ یا اللہ، تمام بیماروں کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ دائمہ نصیب فرما۔ «رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا يَا مَوْلَانَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ. وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ».

بہت بہت مبارک ہو آپ حضرات کو بھائی۔ آپ کو حضرت بہت مبارک ہو۔

تفصیلی فہرستِ مضامین و ابواب

(مشتمل بر تمام اسباق، ابواب، فقہی مسائل اور ذیلی عنوانات مع صفحات)

1 تمہید: ریکارڈنگ اور اشاعت کے متعلق ضروری وضاحت 2
1.1 ابتدائی دعائیں اور تضرع و مناجات 2
1.2 فائدہ و تنبیہ 2

2 سبق نمبر ۱: ابتدائیہ، تعارفِ کتاب اور علمِ فقہ کی مبادیات 4
2.1 ابتدائی دعائیں اور تضرع و مناجات 4

3 سبق نمبر ۲: صاحبِ ہدایہ کے احوال اور تالیف کا پس منظر 8
3.1 صاحبِ ہدایہ کے احوال اور نام و نسب 8

4 سبق نمبر ۳: خطبۂ مصنف کی تشریح (الحمد للہ الذي أعلى معالم العلم) 11
4.1 ابتدائی دعائیں اور تضرع و مناجات 11

5 سبق نمبر ۴: خطبۂ مصنف (وخص أوائل المستنبطين بالتوفيق) 15

6 سبق نمبر ۵: خطبۂ مصنف (تسمیۂ ہدایہ اور منہجِ تالیف) 19

کتاب الطھارات (از فرضیتِ وضو و احکامِ طہارت تا احکامِ نجاست) 23

7 سبق نمبر ۶: کتاب الطہارات: فرضیتِ وضو اور آیتِ وضو کی تفسیر 24
7.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 24

8 سبق نمبر ۷: وَالْغَسْلُ هُوَ الْإِسَالَةُ، وَالْمَسْحُ هُوَ الْإِصَابَةُ... 27
8.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 27

9 سبق نمبر ۸: مسئلہ: لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ 30
9.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 30

9.2 مسئلہ: بِسْمِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَر... 30

10 سبق نمبر ۹: مسئلہ: وَیُسْتَحَبُّ لِلْمُتَوَضِّیْ اَنْ یَّنْوِیَ الط... 33

10.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 33

10.2 مسئلہ: قَالَ: وَیُسْتَحَبُّ 33

10.3 مسئلہ: وَیَتَوَعَّبَ رَأْسَہٗ بِالْمَسْحِ 35

10.4 مسئلہ: وَالَّذِیْ یُرْوٰی مِنَ التَّثْلِیْثِ 37

10.5 مسئلہ: وَالتَّرْتِیْبُ فِی الْوُضُوْءِ سُنَّۃٌ عِنْدَنَا 37

10.6 مسئلہ: وَالْبِدَایَۃُ بِالْمَیَامِنِ فَضِیْلَۃٌ 38

11 سبق نمبر ۱۰: مسئلہ: مَا یَخْرُجُ مِنَ السَّبِیْلَیْنِ 40

11.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 40

11.2 مسئلہ: وَکَلِمَۃُ مَا عَامَّۃٌ فَتَتَنَاوَلُ الْمُعْتَادَ... 41

11.3 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی: الْ... 42

11.4 مسئلہ: وَلِاَنَّ غَسْلَ غَیْرِ مَوْضِعِ الْاِصَابَۃِ اَمْ... 43

11.5 مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ: اَلْوُضُوْءُ م... 44

11.6 مسئلہ: وَلِاَنَّ خُرُوْجَ النَّجَاسَۃِ مُؤَثِّرٌ فِی زَوَا... 44

12 سبق نمبر ۱۱: مسئلہ: فَلَمْ یَتَوَضَّأْ 47

12.1 مسئلہ: وَمِلْءُ الْفَمِ اَنْ یَکُوْنَ بِحَالٍ لَا یُمْکِنُ... 50

12.2 مسئلہ: وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَلِیْلُ الْ... 51

12.3 مسئلہ: وَاِذَا تَعَارَضَتِ الْاَخْبَارُ 51

12.4 مسئلہ: وَلَوْ قَاءَ مُتَفَرِّقًا 52

12.5 مسئلہ: ثُمَّ مَا لَا یَکُوْنُ حَدَثًا لَا یَکُوْنُ نَجِسًا 53

13 سبق نمبر ۱۲: مسئلہ: خَارِجٌ مِنْ غَیْرِ السَّبِیْلَیْنِ 54

13.1 مسئلہ: فَاِنْ قَاءَ بَلْغَمًا 56

13.2 مسئلہ: لِاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ اَنَّہٗ نَجِسٌ بِ... 56

13.3 مسئلہ: وَلَوْ نَزَلَ مِنَ الرَّأْسِ اِلٰی مَا لَانَ مِنَ... 57

13.4 مسئلہ: وَالْاِتِّکَاءُ یُزِیْلُ مُسْکَۃَ الْیَقْظَۃِ 59

14 سبق نمبر ۱۳: مسئلہ: وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا 61

14.1 مسئلہ: لِاَنَّہٗ فَوْقَ النَّوْمِ مُضْطَجِعًا فِی الِاسْت... 62

14.2 مسئلہ: وَالْقَهْقَهَةُ فِي صَلَاةٍ ذَاتِ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ 62
14.3 مسئلہ: وَالْقَهْقَهَةُ مَا يَكُونُ مَسْمُوعًا هُوَ الْحَدُّ... 64
14.4 مسئلہ: فَأَشْبَهَ الْبُكَاءَ وَالْأُنْثَى 64
14.5 مسئلہ: فَإِنْ قَشَرَتْ نُقْطَةٌ فَسَالَ مِنْهَا مَاءٌ أَوْ... 65
14.6 مسئلہ: هَذَا إِذَا قَشَرَهَا فَخَرَجَ بِنَفْسِهِ 66

15 سبق نمبر ۱۴: مسئلہ: عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ **67**
15.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 67
15.2 مسئلہ: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَحِ... 69
15.3 مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِمَا رَوَى 70
15.4 مسئلہ: وَسُنَّتُهُ 71
15.5 مسئلہ: ثُمَّ يَتَنَحَّى عَنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ 71
15.6 مسئلہ: هَكَذَا حَكَتْ مَيْمُونَةُ اغْتِسَالَ رَسُولِ اللّٰ... 71
15.7 مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ أَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَ... 72
15.8 مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَيْهَا بَلْ ذَوَائِبِهَا 73
15.9 مسئلہ: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ خُرُوجُ ال... 73
15.10 مسئلہ: وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْخُرُوجِ عَنْ شَهْوَةٍ 74
15.11 مسئلہ: وَلَهُمَا 75

16 سبق نمبر ۱۵: باب پڑھ رہے تھے جو غسل کو واجب کرنے والے ہیں **76**
16.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 76
16.2 مسئلہ: وَلِأَنَّهُ سَبَبٌ لِلْإِنْزَالِ 76
16.3 مسئلہ: وَيَجِبُ عَلَى الْمَفْعُولِ بِهِ احْتِيَاطًا 77
16.4 مسئلہ: وَسَمَّى مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى الْغُسْلَ... 78
16.5 مسئلہ: ثُمَّ هَذَا الْغُسْلُ لِلصَّلَاةِ عِنْدَ أَبِي يُو... 79
16.6 مسئلہ: وَالْعِيدَانِ بِمَنْزِلَةِ الْجُمُعَةِ 80
16.7 مسئلہ: وَالْمَنِيُّ طَاهِرٌ أَبْيَضُ 81

17 سبق نمبر ۱۶: مسئلہ: اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُزِيْلُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَ... **82**
17.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 82
17.2 بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يَجُوزُ بِهِ الْوُضُوءُ، یہ باب ہے اس 82
17.3 مسئلہ: وَمُطْلَقُ الِاسْمِ يُطْلَقُ عَلَى هَذِهِ الْمِيَاهِ 83

17.4 مسئلہ: وَالْوَظِيفَةُ فِي هَذِهِ الْأَعْضَاءِ تَعَبُّدِيّ... 84
17.5 مسئلہ: أَمَّا الْمَاءُ الَّذِي يَقْطُرُ مِنَ الْكَرْمِ فَ... 85
17.6 مسئلہ: وَلَا يَجُوزُ بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ فَأَ... 86
17.7 مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِمَاءِ الْبَاقِلَّى مَا تَغَيَّرَ بِ... 86
17.8 مسئلہ: وَالْمَاءُ الَّذِي اخْتَلَطَ بِهِ الزَّعْفَرَانُ أَ... 87
17.9 مسئلہ: وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ أَ... 88
17.10 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَجُوزُ... 89
17.11 مسئلہ: وَلَنَا 89
17.12 مسئلہ: أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَمْ يَتَجَدَّدْ لَهُ اسْمٌ عَ... 90
17.13 مسئلہ: إِلَّا إِذَا طُبِخَ فِيهِ مَا يُقْصَدُ بِهِ الْمُبَ... 91
17.14 مسئلہ: إِلَّا أَنْ يَغْلِبَ ذَلِكَ عَلَى الْمَاءِ 91

18 سبق نمبر ۱۷: مسئلہ: وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ 92
18.1 مسئلہ: وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتِ النَّجَاسَةُ فِيهِ 92
18.2 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ يَجُوزُ 95
18.3 مسئلہ: وَالَّذِي رَوَاهُ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ 96

19 سبق نمبر ۱۸: وَالْمَاءُ الْجَارِي إِذَا وَقَعَتْ فِيهِ نَجَاسَةٌ جَا... 99
19.1 مسئلہ: وَالْأَثَرُ 100
19.2 مسئلہ: وَالْغَدِيرُ الْعَظِيمُ الَّذِي لَا يَتَحَرَّكُ أَ... 100
19.3 مسئلہ: ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ 101
19.4 مسئلہ: وَوَجْهُ الْأَوَّلِ 102
19.5 مسئلہ: تَوْسِعَةً لِلْأَمْرِ عَلَى النَّاسِ 103

20 سبق نمبر ۱۹: مسئلہ: الْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَا يُطَهِّرُ الْأَحْدَاثَ... 108
20.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 108
20.2 مسئلہ: خِلَافًا لِمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ 110
20.3 مسئلہ: وَقَالَ زُفَرُ 110
20.4 مسئلہ: وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَ... 112
20.5 مسئلہ: ثُمَّ فِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ... 112

21 سبق نمبر ۲۰: مسئلہ: وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ هُوَ مَاءٌ أُزِيلَ بِ... 117
21.1 مسئلہ: قَالَ: هَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ... 117

21.2 مسئلہ: وَمَتَى يَصِيرُ الْمَاءُ مُسْتَعْمَلًا؟ . . . 118
21.3 مسئلہ: وَالْجُنُبُ إِذَا انْغَمَسَ فِي الْبِئْرِ لِطَلَبِ... . . . 119
21.4 مسئلہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: كِلَاهُمَا طَ... . . . 120
21.5 مسئلہ: وَقِيلَ: . . . 120
21.6 مسئلہ: لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ . . . 121
21.7 مسئلہ: وَحُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي جِلْدِ الْكَلْبِ . . . 122
21.8 مسئلہ: وَحُرْمَةُ الِانْتِفَاعِ بِأَجْزَاءِ الْآدَمِيِّ ل... . . . 123
21.9 مسئلہ: ثُمَّ مَا يَطْهُرُ جِلْدُهُ بِالدِّبَاغِ يَطْهُرُ... . . . 124

22 سبق نمبر ۲۱: وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ وَقَالَ الشَّا... 125

22.1 فَصْلٌ فِي الْبِئْرِ یہ فصل ہے کنویں کے بارے میں یعنی کنویں . . . 125

23 سبق نمبر ۲۲: مسئلہ: وَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا فَأْرَةٌ أَوْ عُصْفُورَةٌ 133

23.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 133
23.2 مسئلہ: يَعْنِي بَعْدَ إِخْرَاجِ الْفَأْرَةِ . . . 133
23.3 مسئلہ: وَالْعِشْرُونَ بِطَرِيقِ الْإِيجَابِ وَالثَّلَا... . . . 134
23.4 مسئلہ: وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَرْبَعُونَ أَوْ خَم... . . . 134
23.5 مسئلہ: ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِي كُلِّ بِئْرٍ دَلْوُهَا الَ... . . . 134
23.6 مسئلہ: وَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا شَاةٌ أَوْ آدَمِيٌّ أَوْ كَ... . . . 136
23.7 مسئلہ: وَإِنْ كَانَتِ الْبِئْرُ مَعِينَةً بِحَيْثُ لَا يَ... . . . 137
23.8 مسئلہ: وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ . . . 138
23.9 مسئلہ: وَقِيلَ . . . 139

24 سبق نمبر ۲۳: وَإِنْ وَجَدُوا فِي الْبِئْرِ فَأْرَةً أَوْ غَيْرَهَا و... 141

24.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 141
24.2 اختلافِ ائمہ: صاحبین فرماتے ہیں کسی صورت میں، چاہے حیوان پھ . . . 142
24.3 مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ لِلْمُو... . . . 144
24.4 مسئلہ: وَلَوْ سُلِّمَ . . . 145
24.5 مسئلہ: فَصْلٌ فِي الْآسَارِ وَغَيْرِهَا . . . 145
24.6 مسئلہ: وَهَذَا يُفِيدُ النَّجَاسَةَ وَالْعَدَدَ فِي الْغُسْلِ . . . 147
24.7 مسئلہ: وَسُؤْرُ الْخِنْزِيرِ نَجِسٌ لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَ... . . . 148

25 سبق نمبر ۲۴: مسئلہ: اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ 150
25.1 مسئلہ: وَمَارَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَاقَبْلَ التَّحْرِيمِ 151
25.2 مسئلہ: وَلَوْ اَكَلَتِ الْفَارَةَ ثُمَّ شَرِبَتْ عَلَى ف... 152
25.3 مسئلہ: وَسُؤْرُ الدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ مَكْرُوهٌ 153
25.4 مسئلہ: وَعَنْ اَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهَا اِذ... 153
25.5 مسئلہ: وَالتَّنْبِيهُ عَلَى الْعِلَّةِ فِي الْهِرَّةِ 154
25.6 مسئلہ: لِاَنَّهُ لَوْوَجَدَ الْمَاءَ لَايَجِبُ عَلَيْهِ... 154
25.7 مسئلہ: فَكَذَا سُؤْرُهُ 155
25.8 مسئلہ: وَالْبَغْلُ مِنْ نَسْلِ الْحِمَارِ 155
25.9 مسئلہ: وَسُؤْرُ الْفَرَسِ طَاهِرٌ عِنْدَهُمَا 157
25.10 مسئلہ: اَوْهُوَ مَنْسُوخٌ بِهَا 158
25.11 مسئلہ: قُلْنَا 159

26 سبق نمبر ۲۵: مسئلہ: وَاَمَّا الْاِغْتِسَالُ بِهٖ فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُ... 160
26.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 160
26.2 مسئلہ: وَالنَّبِيذُ الْمُخْتَلَفُ فِيهِ اَنْ يَكُونَ حُلْ... 160
26.3 مسئلہ: بَابُ التَّيَمُّمِ 161
26.4 مسئلہ: وَالْمِيلُ هُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْمِقْدَارِ 163
26.5 مسئلہ: وَالْمُعْتَبَرُ الْمَسَافَةُ دُونَ خَوْفِ الْفَوْتِ 164
26.6 مسئلہ: وَلَافَرْقَ بَيْنَ اَنْ يَشْتَدَّ مَرَضُهُ بِالتَّ... 165
26.7 مسئلہ: وَهٰذَا اِذَا كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ لِمَابَيَّنَّا 166

27 سبق نمبر ۲۶: مسئلہ: اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ، وَ... 168
27.1 مسئلہ: وَيَنْفُضُ يَدَيْهِ بِقَدْرِ مَايَنْتَثِرُ التُّرَابُ 168
27.2 مسئلہ: وَلَابُدَّ مِنَ الْاِسْتِيعَابِ فِي ظَاهِرِ الرَّوْ... 169
27.3 مسئلہ: وَلِهٰذَا قَالُوا 169
27.4 مسئلہ: لِمَارُوِيَ 170
27.5 مسئلہ: وَقَالَ اَبُويُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَايَجُوزُ... 171
27.6 مسئلہ: وَلَهُمَا: اَنَّ الصَّعِيدَ اسْمٌ لِوَجْهِ الْاَرْضِ 172
27.7 مسئلہ: ثُمَّ لَايُشْتَرَطُ اَنْ يَكُونَ عَلَيْهِ غُبَارٌ... 173

27.8 مسئلہ: وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِي التَّيَمُّمِ 173
27.9 مسئلہ: ثُمَّ إِذَا نَوَى الطَّهَارَةَ أَوِ اسْتِبَاحَةَ ا... 174
27.10 مسئلہ: فَإِنْ تَيَمَّمَ نَصْرَانِيٌّ يُرِيدُ بِهِ الْإِس... 175
27.11 مسئلہ: لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقُرْبَةٍ مَقْصُودَةٍ 176
27.12 مسئلہ: بِخِلَافِ سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ 176

28 سبق نمبر ۲۷: فَإِنْ تَيَمَّمَ مُسْلِمٌ ثُمَّ ارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ ب... 178

29 سبق نمبر ۲۸: وَكَذَا إِذَا خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ لَوْ تَوَضَّأَ لَم... 188

29.1 بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ یہ باب ہے موزوں پر مسح کے 193

30 سبق نمبر ۲۹: مسئلہ: وَيَجُوزُ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ 196
30.1 مسئلہ: خَصَّهُ بِحَدَثٍ مُوجِبٍ لِلْوُضُوءِ 196
30.2 مسئلہ: وَقَوْلُهُ: إِذَا لَبِسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَام... 198
30.3 مسئلہ: حَتَّى لَوْ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ 199
30.4 مسئلہ: قَالَ: وَابْتِدَاؤُهَا عَقِيبَ الْحَدَثِ 200
30.5 مسئلہ: لِحَدِيثِ مُغِيرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّ... 200
30.6 دلیل واستدلال: ہماری دلیل یہ ہے: أَنَّ الْخُفَّ لَا تَحُلُّ 204

31 سبق نمبر ۳۰: باب چل رہا ہے بھائی، مسح الخفین کا 207
31.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 207
31.2 مسئلہ: وَيَنْقُضُ الْمَسْحَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ 208
31.3 مسئلہ: وَكَذَا مُضِيُّ الْمُدَّةِ لَمَا رَوَيْنَا 208
31.4 مسئلہ: وَكَذَا إِذَا نَزَعَ قَبْلَ الْمُدَّةِ 208
31.5 مسئلہ: وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيمٌ فَسَافَرَ... 209
31.6 مسئلہ: وَلَوْ أَقَامَ وَهُوَ مُسَافِرٌ إِنِ اسْتَكْمَلَ م... 210
31.7 مسئلہ: فَصَارَ كَخُفٍّ ذِي طَاقَيْنِ 210
31.8 مسئلہ: وَلَوْ كَانَ الْجُرْمُوقُ مِنْ كِرْبَاسٍ لَا يَجُو... 211
31.9 مسئلہ: وَهُوَ أَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْخُفِّ 212
31.10 مسئلہ: لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ ذَلِكَ وَأَمَ... 213
31.11 مسئلہ: وَلَا يَتَوَقَّتُ لِعَدَمِ التَّوْقِيفِ بِالتَّوْقِيتِ 213

31.12 مسئلہ: وَإِنْ كَانَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَقْبَلَ 214

32 سبق نمبر ۳۱: مسئلہ: أَقَلُّ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثّ... 215

32.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 215

32.2 بَابُ الْحَيْضِ وَالِاسْتِحَاضَةِ 215

33 سبق نمبر ۳۲: مسئلہ: وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ ف... 225

33.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 225

33.2 مسئلہ: وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ 225

33.3 مسئلہ: وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي... 227

33.4 مسئلہ: وَأَقَلُّ الطُّهْرِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا 228

33.5 مسئلہ: وَدَمُ الِاسْتِحَاضَةِ كَالرُّعَافِ 230

33.6 مسئلہ: وَلَمَّا عُرِفَ حُكْمُ الصَّلَاةِ ثَبَتَ حُكْمُ ال... 230

33.7 مسئلہ: وَلِأَنَّ الزَّائِدَ عَلَى الْعَادَةِ يُجَانِسُ مَ... 231

34 سبق نمبر ۳۳: مسئلہ: الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ 232

34.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 232

35 سبق نمبر ۳۴: فَصْلٌ فِي النِّفَاسِ 239

35.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 239

35.2 فَصْلٌ فِي النِّفَاسِ 239

36 سبق نمبر ۳۵: بَابُ الْأَنْجَاسِ وَتَطْهِيرِهَا 246

36.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 246

36.2 بَابُ الْأَنْجَاسِ وَتَطْهِيرِهَا: انجاث جمع ہے نجس کی، نجس 246

37 سبق نمبر ۳۶: مسئلہ: فَغُسْلُهُ إِنْ كَانَ رَطْبًا، وَافْرُكْهُ إِ... 254

37.1 مسئلہ: يَجِبُ غَسْلُهُ رَطْبًا 254

37.2 مسئلہ: وَلَوْ أَصَابَ الْبَدَنَ 255

37.3 مسئلہ: وَإِنْ أَصَابَتِ الْأَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِا... 256

37.4 مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: زَكَاةُ الْأَ... 257

37.5 مسئلہ: وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَا دُونَهُ مِنَ النَّجَسِ... 258

37.6 مسئلہ: وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَادُونَهُ مِنَ النَّجَسِ... 259
37.7 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْقَلِيلَ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ... 259
37.8 مسئلہ: وَيُرْوَى 260
37.9 مسئلہ: وَإِنَّمَا كَانَتْ نَجَاسَةُ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ... 261
37.10 مسئلہ: وَإِنْ كَانَتْ مُخَفَّفَةً 262
37.11 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُبَرُّ فِي تِبْرٍ 263

38 سبق نمبر ۳۷: وَإِذَا أَصَابَ الثَّوْبَ مِنَ الرَّوْثِ أَوْ مِنْ أَخْ... 265

39 سبق نمبر ۳۸: وَالنَّجَاسَةُ ضَرْبَانِ مَرْئِيَّةٌ وَغَيْرُ مَرْئِيَّةٍ... 272

39.1 مسئلہ: ثُمَّ هُوَ أَدَبٌ 277
39.2 مسئلہ: وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ: إِلَّا الْمَائِعَ 278
39.3 مسئلہ: وَلَا يُسْتَنْجَى بِعَظْمٍ وَلَا بِرَوْثٍ 280

كتاب الصلاة (از مواقیتِ صلاۃ تا نمازِ جنازہ واحکامِ شہید) 283

40 سبق نمبر ۳۹: کتاب الصلاۃ: باب المواقیت (نماز کے اوقات کا بیان) 284

40.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 284
40.2 بَابُ الْمَوَاقِيتِ: مواقیت جمع ہے میقات کی، میقات 284
40.3 بَابُ الْمَوَاقِيتِ: یہ باب ہے مواقیت کے بیان میں، یعنی نماز 284

41 سبق نمبر ۴۰: مسئلہ: أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ 291

41.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 291
41.2 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يُسْتَحَبُّ... 291
41.3 مسئلہ: وَتَأْخِيرُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ... 292
41.4 مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ تَعْجِيلُ الْمَغْرِبِ 293
41.5 مسئلہ: وَتَأْخِيرُ الْعِشَاءِ إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّ... 293
41.6 مسئلہ: وَالتَّأْخِيرُ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ مُبَاحٌ 294
41.7 مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ فِي الْوِتْرِ لِمَنْ يَأْلَفُ صَلَاةَ... 295
41.8 مسئلہ: وَلَا تَوْهُمَ فِي الْفَجْرِ 296

42 سبق نمبر ۴۱: مسئلہ: ثَلَاثَةُ أَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ عَلَي... 297

42.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 297

42.2 فَصْلٌ فِي الْأَوْقَاتِ الَّتِي تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ: 297

43 سبق نمبر ۴۲: بَابُ الْأَذَانِ 305

43.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 305

43.2 مسئلہ: وَصِفَةُ الْأَذَانِ 305

43.3 مسئلہ: وَلَا تَرْجِيعَ فِيهِ 306

43.4 مسئلہ: وَيَزِيدُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ:... 307

43.5 مسئلہ: وَالْإِقَامَةُ مِثْلُ الْأَذَانِ 308

43.6 مسئلہ: وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ 309

43.7 مسئلہ: وَالْأَفْضَلُ لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يَجْعَلَ أُصْبُعَ... 310

43.8 مسئلہ: وَهٰذَا التَّثْوِيبُ أَحْدَثَهُ عُلَمَاءُ الْكُوفَةِ... 311

43.9 مسئلہ: وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ خَصَّهُمْ بِذٰلِكَ 311

44 سبق نمبر ۴۳: مسئلہ: وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ إِلَّا... 313

44.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 313

44.2 مسئلہ: وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ 313

44.3 مسئلہ: وَالْمَكَانُ فِي مَسْأَلَتِنَا مُخْتَلِفٌ 314

44.4 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ يَفْصِلُ بِـ... 314

44.5 مسئلہ: وَقَالَ يَعْقُوبُ رَأَيْتُ أَبَا حَنِيفَةَ رَحِمَهُ... 315

44.6 مسئلہ: وَهٰذَا يُفِيدُ مَا قُلْنَاهُ 315

44.7 مسئلہ: فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ أَذَّنَ لِلْأُولَى وَأَ... 317

44.8 مسئلہ: قَالُوا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ هٰذَا قَوْلَهُمْ جَمِيعًا 317

45 سبق نمبر ۴۴: بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ الَّتِي تَتَقَدَّمُهَا 322

45.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 322

45.2 بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ الَّتِي تَتَقَدَّمُهَا یہ باب ہے 322

46 سبق نمبر ۴۵: مسئلہ: قَالَ: وَلَوْ لَمْ يَجِدْ مَا يُزَيِّلُ بِهِ النَّ... 330

46.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 330

46.2 مسئلہ: وَإِنْ كَانَ الظَّاهِرُ أَقَلَّ مِنَ الرُّبُعِ فَكَ... 331

46.3 مسئلہ: وَالْاَفْضَلِيَّةُ 332
46.4 مسئلہ: قَالَ: وَيَنْوِي الصَّلَاةَ الَّتِي يَدْخُلُ فِيهِ... 333
46.5 مسئلہ: وَلَا عِبْرَةَ بِالْمُتَأَخِّرَةِ مِنْهَا عَنْهُ 334

47 سبق نمبر ۴۶: وَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَتَحَرَّى... 340
47.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 340
47.2 بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ 341

48 سبق نمبر ۴۷: مسئلہ: اللّٰهُ أَكْبَرُ 350
48.1 مسئلہ: فَإِنْ قَالَ بَدَلَ التَّكْبِيرِ: اللّٰهُ أَجَلُّ 350
48.2 مسئلہ: وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى يَقُولُ: إِ... 351
48.3 مسئلہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ لَا يُحْسِنُ 352
48.4 مسئلہ: أَمَّا الْكَلَامُ فِي الِافْتِتَاحِ 353
48.5 مسئلہ: إِلَّا أَنَّ عِنْدَ الْعَجْزِ يَكْتَفِي بِالْمُعْنَى... 354
48.6 مسئلہ: وَيَجُوزُ بِأَيِّ لِسَانٍ كَانَ سِوَى الْفَارِسِيِّ... 355
48.7 مسئلہ: وَيُرْوَى رُجُوعُهُ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ إِلَى... 356
48.8 مسئلہ: وَإِنِ اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ بِـ: اللّٰهُمَّ اغْفِ... 356

49 سبق نمبر ۴۸: قَالَ: وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى... 358
49.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 358

50 سبق نمبر ۴۹: مسئلہ: ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ 367
50.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 367
50.2 مسئلہ: قَالَ: ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ 367
50.3 مسئلہ: لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُكَبِّرُ... 368
50.4 مسئلہ: وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّ... 369
50.5 مسئلہ: وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ 369
50.6 مسئلہ: وَيَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا 370
50.7 مسئلہ: وَقَالَا: يَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ 370
50.8 مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَوْلُهُ عَلَيْ... 371
50.9 مسئلہ: وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الِانْفِرَادِ 372
50.10 مسئلہ: وَالطُّمَأْنِينَةُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ 372

50.11 مسئلہ: وَلَهُمَا أَنَّ الرُّكُوعَ هُوَ الِانْحِنَاءُ، وَا... 373
50.12 مسئلہ: وَكَذَا فِي الِانْتِقَالِ 374
50.13 مسئلہ: ثُمَّ الْقَوْمَةُ وَالْجِلْسَةُ سُنَّةٌ عِنْدَهُمَا 375
50.14 مسئلہ: وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ 375

51 سبق نمبر ۵۰: مسئلہ: وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ لِأَنَّ... 377
51.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 377
51.2 مسئلہ: وَقَالَا: لَا يَجُوزُ إِلَّا قِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ... 378
51.3 مسئلہ: وَالْمَذْكُورُ فِيمَا رُوِيَ الْوَجْهُ فِي الْمَشْهُورِ 378
51.4 مسئلہ: فَإِنْ سَجَدَ عَلَى كُورِ عِمَامَتِهِ أَوْ فَاضِلِ... 379
51.5 مسئلہ: وَقِيلَ: إِذَا كَانَ فِي صَفٍّ لَا يُجَافِي كَيْ لَ... 380
51.6 مسئلہ: وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْ... 381
51.7 مسئلہ: ثُمَّ تَسْبِيحَاتُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ سُنَّةٌ 381
51.8 مسئلہ: وَلَوْ لَمْ يَسْتَوِ جَالِسًا وَكَبَّرَ وَسَجَدَ أَ... 382
51.9 مسئلہ: فَإِذَا اطْمَأَنَّ سَاجِدًا كَبَّرَ 382

52 سبق نمبر ۵۱: مسئلہ: وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ م... 385
52.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 385
52.2 مسئلہ: وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا... 385
52.3 مسئلہ: وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ... 385
52.4 مسئلہ: هَكَذَا وَصَفَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى ع... 388
52.5 مسئلہ: وَإِنْ كَانَتِ امْرَأَةً 388
52.6 مسئلہ: وَالْأَخْذُ بِهَذَا أَوْلَى مِنَ الْأَخْذِ بِتَشَه... 388
52.7 مسئلہ: وَالْأَلِفُ وَاللَّامُ 389
52.8 مسئلہ: وَتَأْكِيدًا لِلتَّعْلِيمِ 390
52.9 مسئلہ: وَجَلَسَ فِي الْأَخِيرَةِ كَمَا جَلَسَ فِي الْأُولَى 391
52.10 مسئلہ: وَيَتَشَهَّدُ 391
52.11 مسئلہ: فَكُفِينَا مُؤْنَةَ الْأَمْرِ 393

53 سبق نمبر ۵۲: مسئلہ: وَدَعَا بِمَا يُشْبِهُ أَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَال... 394
53.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 394
53.2 مسئلہ: وَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ... 394

53.3 مسئلہ: وَقَوْلُہٗ: «اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي . . . 395
53.4 مسئلہ: وَلَایَنْوِي النِّسَاءَ فِي زَمَانِنَا . . . 396
53.5 مسئلہ: وَالْإِمَامُ یَنْوِي بِالتَّسْلِیمَتَیْنِ . . . 396
53.6 مسئلہ: فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ . . . 398
53.7 مسئلہ: وَفِي التَّطَوُّعِ بِالنَّھَارِ یُخَافِتُ . . . 399

54 سبق نمبر ۵۳: وَمَنْ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي الْأُولَیَیْنِ السُّوَرَ... 401
54.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 401
54.2 مسئلہ: وَقَالَ أَبُو یُوسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ . . . 401
54.3 مسئلہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا . . . 402
54.4 مسئلہ: وَیَجْھَرُ بِھِمَا . . . 403
54.5 مسئلہ: وَقَالَ الْکَرْخِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ: أَدْنَی الْجَ... 404
54.6 مسئلہ: وَأَدْنَی مَا یُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّ... 405

55 سبق نمبر ۵۴: وَفِي السَّفَرِ یَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ وَأَيِّ... 407
55.1 مسئلہ: وَلِأَنَّ . . . 407
55.2 مسئلہ: وَیَقْرَأُ فِي الْحَضَرِ . . . 408
55.3 مسئلہ: وَقِیلَ یَنْظُرُ إِلَی طُولِ اللَّیَالِي وَقِصَرِھَا . . . 409
55.4 مسئلہ: وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ سَوَاءٌ یَقْرَأُ فِیھِمَا... 409
55.5 مسئلہ: وَلِأَنَّ بَنِي الْمَغْرِبِ عَلَی الْعَجَلَةِ وَ... 410
55.6 مسئلہ: قَالَ: وَرَکْعَتَا الظُّھْرِ سَوَاءٌ . . . 411
55.7 مسئلہ: وَلَا مُعْتَبَرَ بِالزِّیَادَةِ وَالنُّقْصَانِ بِہِمْ... 411
55.8 مسئلہ: وَلَا یَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ . . . 412
55.9 مسئلہ: وَیُسْتَحْسَنُ عَلَی سَبِیلِ الِاحْتِیَاطِ فِیمَا... 413
55.10 مسئلہ: وَاخْتَلَفُوا فِي النَّائِي عَنِ الْمِصْرِ . . . 413

56 سبق نمبر ۵۵: مسئلہ: اَلْجَمَاعَةُ مِنْ سُنَنِ الْھُدَی لَایَتْرُکُ... 415
56.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 415
56.2 بَابُ الْإِمَامَةِ، اس باب میں امامت سے متعلقہ مسائل ذکر ہوں . . . 415
56.3 مسئلہ: وَأَوْلَی النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُھُمْ بِا... 416
56.4 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي یُوسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ أَقْرَؤُھُمْ . . . 416

56.5 مسئلہ: وَاَقْرَؤُهُم كَانَ اَعْلَمَهُمْ 417
56.6 مسئلہ: فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَسَنُّهُمْ 418
56.7 مسئلہ: وَالْاَعْرَابِيّ 418
56.8 مسئلہ: وَوَلَدِ الزِّنَا 418
56.9 مسئلہ: وَلَا يُطِيلُ الْاِمَامُ بِهِمُ الصَّلَاةَ 419
56.10 مسئلہ: وَاِنْ فَعَلْنَ قَامَتِ الْاِمَامُ وَسْطَهُنَّ 419
56.11 مسئلہ: وَمَنْ صَلَّى مَعَ وَاحِدٍ اَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ 420
56.12 مسئلہ: وَلَا يَتَاَخَّرُ عَنِ الْاِمَامِ 420
56.13 مسئلہ: وَاِنْ صَلَّى خَلْفَهُ اَوْ فِي يَسَارِهِ جَازَ 420
56.14 مسئلہ: وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ اَنْ يَقْتَدُوا بِامْرَاَ... 421
56.15 مسئلہ: فَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُهَا 421
56.16 مسئلہ: وَفِي التَّرَاوِيحِ وَالسُّنَنِ الْمُطْلَقَةِ جَوَّ... 422
56.17 مسئلہ: وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّقَ الْخِلَافَ فِي النَّفْلِ ا... 424
56.18 مسئلہ: وَلَا بُنْيَ الْقَوِيُّ عَلَى الضَّعِيفِ 424

57 سبق نمبر ۵۶: مسئلہ: لِيَلِنِي مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهَى 426
57.1 مسئلہ: وَلِاَنَّ الْمُحَاذَاةَ مُفْسِدَةٌ فَيُؤَخَّرْنَ 427
57.2 مسئلہ: وَوَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ مَارَوَيْنَا 428
57.3 مسئلہ: وَاِنْ لَمْ يَنْوِ اِمَامَتَهُمْ لَمْ تَفْسُدْ صَلٰوتُ... 428
57.4 مسئلہ: وَاِنَّمَا يُشْتَرَطُ نِيَّةُ الْاِمَامَةِ اِذَا... 430
57.5 مسئلہ: وَمِنْ شَرَائِطِ الْمُحَاذَاةِ اَنْ تَكُونَ الصَّلٰ... 431

58 سبق نمبر ۵۷: وَيُكْرَهُ لَهُنَّ حُضُورُ الْجَمَاعَاتِ يَعْنِي الشَّ... 433

59 سبق نمبر ۵۸: مسئلہ: فَاِنْ قَرَاَ الْاِمَامُ فِي الْاُولَيَيْنِ ثُمَّ... 442
59.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 442
59.2 مسئلہ: وَلَنَا 442
59.3 مسئلہ: وَكَذَا عَلَى هٰذَا لَوْ قَدَّمَهُ فِي التَّشَهُّدِ 443
59.4 مسئلہ: وَلَنَا 444
59.5 مسئلہ: وَقِيلَ: الْمُنْفَرِدُ يَسْتَقْبِلُ وَالْاِمَامُ و... 445
59.6 مسئلہ: وَمَنْ ظَنَّ اَنَّهُ اَحْدَثَ 446

59.7 مسئلہ: وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ افْتَتَحَ... 446
59.8 مسئلہ: وَمَكَانُ الصُّفُوفِ فِي الصَّحْرَاءِ لَهُ حُكْمُ... 447
59.9 مسئلہ: وَإِنْ جُنَّ أَوْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ أُغْمِيَ... 448
59.10 مسئلہ: وَإِنْ حُصِرَ الْإِمَامُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فَقَدَّ... 448

60 سبق نمبر ۵۹: مسئلہ: وَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ تَ... 450
60.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 450
60.2 مسئلہ: لَكِنْ لَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ 450
60.3 مسئلہ: أَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ يَسِيرٍ 451
60.4 مسئلہ: أَوْ مُؤْمِيًا فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ 451
60.5 مسئلہ: أَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي الْفَجْرِ 452
60.6 مسئلہ: أَوْ كَانَ صَاحِبَ عُذْرٍ فَانْقَطَعَ عُذْرُهُ 452
60.7 مسئلہ: فَاعْتِرَاضُ هٰذِهِ الْعَوَارِضِ عِنْدَهُ فِي هٰذِ... 453
60.8 مسئلہ: وَلَهُ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ أَدَاءُ صَلَاةٍ أُخْ... 453
60.9 مسئلہ: وَالْأَوْلَى أَنْ يُقَدِّمَ مُدْرِكًا 454
60.10 صورتِ مسئلہ اب یہ ذکر ہو رہی ہے بھائی کہ یہ جو مسبوق تھا جس 455
60.11 مسئلہ: فَإِنْ لَمْ يُحْدِثِ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ وَقَعَدَ... 456
60.12 مسئلہ: وَلَهُ أَنَّ الْقَهْقَهَةَ مُفْسِدَةٌ لِلْجُزْءِ ا... 457

61 سبق نمبر ۶۰: مسئلہ: وَمَنْ أَحْدَثَ فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ تَو... 458
61.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 458
61.2 مسئلہ: وَلَوْ كَانَ إِمَامًا فَقَدَّمَ غَيْرَهُ دَامَ الْ... 458
61.3 مسئلہ: وَلِأَنَّ الِانْتِقَالَ مَعَ الطَّهَارَةِ شَرْطٌ وَ... 459
61.4 مسئلہ: وَتَعْيِينُ الْأَوَّلِ لِقَطْعِ الْمُزَاحَمَةِ وَل... 460
61.5 مسئلہ: وَلَوْ لَمْ يَكُنْ خَلْفَهُ إِلَّا صَبِيٌّ أَوْ امْ... 460
61.6 مسئلہ: بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا 460
61.7 مسئلہ: وَلَنَا 461
61.8 مسئلہ: بِخِلَافِ السَّلَامِ سَاهِيًا 461
61.9 مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ قَطَعَهَا 462
61.10 مسئلہ: وَقِيلَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ أَنَّ الْكَلِمَةَ إِذَا... 462
61.11 مسئلہ: وَإِنْ تَنَحْنَحَ بِغَيْرِ عُذْرٍ بِأَنْ لَمْ يَكُ... 463

61.12 مسئلہ: وَإِنِ اسْتَفْتَحَ فَفَتَحَ عَلَيْهِ فِي صَلَاتِهِ 464
61.13 مسئلہ: ثُمَّ شَرْطُ التَّكْرَارِ فِي الْأَصْلِ لِأَنَّهُ... 464
61.14 مسئلہ: وَإِنْ فَتَحَ عَلَى إِمَامِهِ لَمْ يَكُنْ كَلَامًا... 465
61.15 مسئلہ: وَلَوْ كَانَ الْإِمَامُ انْتَقَلَ إِلَى آيَةٍ أُخْ... 465

62 سبق نمبر ۶۱: فَلَوْ أَجَابَ فِي الصَّلَاةِ رَجُلًا بِلَا إِلٰهَ إِلَّا... 467
62.1 باب چل رہا ہے ان چیزوں کے بیان میں جو نماز کو فاسد کر دیتی ہ 467

63 سبق نمبر ۶۲: مسئلہ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا 475
63.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 475
63.2 فَصْلٌ: وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي أَنْ يَعْبَثَ بِثَوْبِهِ أَوْ 475

64 سبق نمبر ۶۳: مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِقَتْلِ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ ف... 482
64.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 482
64.2 مسئلہ: وَيَسْتَوِي جَمِيعُ أَنْوَاعِ الْحَيَّاتِ 482
64.3 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰ... 483
64.4 مسئلہ: وَالِاسْتِدْبَارُ يُكْرَهُ فِي رِوَايَةٍ 484
64.5 مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِالْبَوْلِ فَوْقَ بَيْتٍ فِيهِ مَسْجِدٌ 484
64.6 مسئلہ: بَابُ صَلَاةِ الْوِتْرِ 486

65 سبق نمبر ۶۴: بَابُ النَّوَافِلِ 491
65.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 491
65.2 بَابُ النَّوَافِلِ، یہ باب ہے نوافل کے بیان میں 491
65.3 مسئلہ: وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ 492
65.4 مسئلہ: وَخُيِّرَ لِاخْتِلَافِ الْآثَارِ 492
65.5 مسئلہ: وَذَكَرَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ 493
65.6 مسئلہ: فَأَمَّا نَافِلَةُ اللَّيْلِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ... 493
65.7 مسئلہ: وَلَهُمَا 494
65.8 مسئلہ: وَلِهٰذَا لَوْ نَذَرَ أَنْ يُصَلِّيَ أَرْبَعًا بِت... 494
65.9 مسئلہ: وَمَعْنَى مَا رَوَاهُ شَفْعًا لَا وِتْرًا 495
65.10 فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ «وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرْضِ وَاجِب 495
65.11 فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ، یہ فصل ہے قراءت کے بیان میں 496

65.12 مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ فِي ثَلَاثِ رَكَعَا... 496
65.13 مسئلہ: وَصِفَةُ الْقِرَاءَةِ 497
65.14 مسئلہ: وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، إِنْ شَاءَ س... 497
65.15 مسئلہ: وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ الن... 498
65.16 مسئلہ: وَلِهَذَا يَجِبُ بِالتَّحْرِيمَةِ الْأُولَى إِ... 499
65.17 مسئلہ: وَأَمَّا الْوِتْرُ فَلِلِاحْتِيَاطِ 499

66 سبق نمبر ۶۵: مسئلہ: وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ ثُمَّ أَفْسَدَهَا قَضَاهَا 500
66.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 500
66.2 مسئلہ: وَلَنَا 500
66.3 مسئلہ: وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ تَحْ... 501
66.4 مسئلہ: وَلَهُمَا 502
66.5 مسئلہ: وَصِحَّةُ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا تَتَعَلَّقُ بِا... 503
66.6 مسئلہ: وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا 503
66.7 مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَرَكَ الْ... 504
66.8 مسئلہ: وَفَسَادُ الْأَدَاءِ لَا يَزِيدُ عَلَى تَرْكِهِ 505
66.9 مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ 505
66.10 مسئلہ: وَلَنَا 506
66.11 مسئلہ: وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ تَحْ... 507
66.12 مسئلہ: وَلَهُمَا 507
66.13 مسئلہ: وَصِحَّةُ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا تَتَعَلَّقُ بِا... 508
66.14 صورت مسئلہ یہ ہے: ایک آدمی نے نفل پڑھنا شروع کیے اور چار رکع 509
66.15 مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَرَكَ الْ... 510
66.16 مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَرَكَ ا... 510
66.17 مسئلہ: إِذَا ثَبَتَ هَذَا 512
66.18 مسئلہ: وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ 513
66.19 مسئلہ: وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُولَيَيْنِ وَإِحْدَى... 514
66.20 مسئلہ: وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُولَيَيْنِ لَا غَيْرُ 515
66.21 مسئلہ: وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ لَا غَيْ... 515

67 سبق نمبر ۶۶: مسئلہ: صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ... 517
67.1 فَصْلٌ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ یہ فصل ہے قیامِ رمضان کے بارے م 522

68 سبق نمبر ۶۷: بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيضَةِ وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً ثُمَّ... 526
68.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 526
68.2 بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے . . . 526
68.3 بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے . . . 526
68.4 اختلافِ ائمہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رکعت . . . 531
68.5 بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيضَةِ، «وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ . . . 532
68.6 بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے . . . 532
68.7 بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيضَةِ، یہ باب ہے فریضے کے پالینے کے . . . 532
68.8 مسئلہ: لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ . . . 533
68.9 مسئلہ: وَلَوْ كَانَ فِي السُّنَّةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْ... . . . 533
68.10 مسئلہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ . . . 534
68.11 مسئلہ: وَيَتَخَيَّرُ . . . 534
68.12 مسئلہ: فَإِنْ صَلَّى مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً ثُمَّ أُقِيمَ... . . . 535
68.13 مسئلہ: وَبَعْدَ الْإِتْمَامِ . . . 535
68.14 مسئلہ: وَمَنْ دَخَلَ مَسْجِدًا قَدْ أُذِّنَ فِيهِ يُكْرَهُ... . . . 536
68.15 مسئلہ: وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى وَكَانَتِ الظُّهْرَ وَالْ... . . . 536
68.16 مسئلہ: وَإِنْ كَانَتِ الْعَصْرَ أَوِ الْمَغْرِبَ . . . 537
68.17 مسئلہ: بِخِلَافِ سُنَّةِ الظُّهْرِ . . . 538
68.18 مسئلہ: وَلَا كَذَلِكَ سُنَّةُ الْفَجْرِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ... . . . 538
68.19 مسئلہ: وَإِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ لَا يَقْضِيهِ... . . . 539
68.20 مسئلہ: وَإِنَّمَا تُقْضَى تَبَعًا لَهُ وَهُوَ يُصَلِّي بِ... . . . 540
68.21 مسئلہ: وَمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الظُّهْرِ رَكْعَةً وَلَمْ يُدِ... . . . 540
68.22 مسئلہ: وَمَنْ أَتَى مَسْجِدًا قَدْ صُلِّيَ فِيهِ فَلَا بَ... . . . 541
68.23 مسئلہ: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ . . . 542
68.24 مسئلہ: وَالْأَوْلَى أَنْ لَا يَتْرُكَهَا فِي الْأَحْوَالِ... . . . 542
68.25 مسئلہ: هُوَ يَقُولُ أَدْرَكَ الْإِمَامَ فِيمَا لَهُ حُكْمٌ... . . . 543
68.26 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الشَّرْطَ هُوَ الْمُشَارَكَةُ فِي جُ... . . . 544
69 سبق نمبر ۶۸: بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ 545
69.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 545

69.2 بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ یہ باب ہے فوت شدہ نمازوں کی قضا کے 545

70 سبق نمبر ۶۹: مسئلہ: وَلَوْ قَضَى بَعْضَ الْفَوَائِتِ حَتَّى قَامَ... 553

70.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 553

70.2 مسئلہ: فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ... 554

70.3 مسئلہ: وَمَنْ صَلَّى الْعَصْرَ وَهُوَ ذَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ... 556

70.4 مسئلہ: وَلَهُمَا 556

70.5 مسئلہ: ثُمَّ الْعَصْرُ يَفْسُدُ 557

70.6 مسئلہ: وَعَلَى هَذَا إِذَا صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ تَوَضَّ... 558

71 سبق نمبر ۷۰: بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ 559

71.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 559

71.2 مسئلہ: بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ 560

71.3 مسئلہ: فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَا فِعْلِهِ فَبَقِيَ التَّمَ... 560

71.4 مسئلہ: وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ 561

71.5 مسئلہ: قَالَ: وَيَلْزَمُهُ السَّهْوُ إِذَا زَادَ فِي صَلَ... 561

71.6 مسئلہ: لِأَنَّهَا تَجِبُ 562

71.7 مسئلہ: وَإِنَّمَا وَجَبَتْ بِالزِّيَادَةِ 562

71.8 مسئلہ: قَالَ: أَوْ تَرَكَ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ لِأَنَّهُ... 563

71.9 بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ 563

71.10 بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ 564

71.11 بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ 564

72 سبق نمبر ۷۱: مسئلہ: وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَ... 573

72.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 573

72.2 مسئلہ: وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ 574

72.3 مسئلہ: وَتَحَوَّلَتْ صَلَاتُهُ نَفْلًا 574

72.4 مسئلہ: ثُمَّ إِنَّمَا يَبْطُلُ فَرْضُهُ بِوَضْعِ الْجَبْهَةِ 575

72.5 مسئلہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ بِرَفْعِهِ 575

72.6 مسئلہ: وَلَوْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ... 576

72.7 مسئلہ: وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ 576

72.8 مسئلہ: ثُمَّ لَا تَسْتُوبَانِ 577

72.9 مسئلہ: وَلَوْ قَطَعَهَا 578
72.10 مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَسَدَ... 579

73 سبق نمبر ۷۲: مسئلہ: وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَسَهَا فِ... 581
73.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 581
73.2 مسئلہ: وَمَعَ هَذَا لَوْ أَدَّى 582
73.3 مسئلہ: وَمَنْ سَلَّمَ وَعَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ 582
73.4 مسئلہ: وَإِلَّا 583
73.5 مسئلہ: وَيَظْهَرُ الِاخْتِلَافُ فِي هَذَا 584
73.6 مسئلہ: وَمَنْ سَلَّمَ يُرِيدُ بِهِ قَطْعَ الصَّلَاةِ وَعَ... 585
73.7 مسئلہ: وَمَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا... 586
73.8 مسئلہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رَأْيٌ 586
73.9 مسئلہ: وَعِنْدَ الْبِنَاءِ عَلَى الْأَقَلِّ يَقْعُدُ 587

74 سبق نمبر ۷۳: بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ 588
74.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 588
74.2 بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ، یہ باب ہے مریض کی نماز کے بیان میں 588

75 سبق نمبر ۷۴: باب صلاۃ المریض 597
75.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 597
75.2 باب صلاۃ المریض 597
75.3 مسئلہ: وَالْخُرُوجُ أَفْضَلُ 597
75.4 مسئلہ: وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ 598
75.5 مسئلہ: فَشِبْهُ الْجُنُونِ 598
75.6 مسئلہ: وَالْجُنُونُ كَالْإِغْمَاءِ 599
75.7 مسئلہ: بِخِلَافِ النَّوْمِ 600
75.8 مسئلہ: بَابٌ فِي سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ 600
75.9 مسئلہ: وَمَوْضِعُ السَّجْدَةِ فِي حم السَّجْدَةِ عِنْدَ ق... 601
75.10 مسئلہ: وَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَه... 602
75.11 بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ 602

76 سبق نمبر ۷۵: وَكُلُّ سَجْدَةٍ وَجَبَتْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَسْجُدْ... 611

77 سبق نمبر ۷۶: مسئلہ: وَلَوْتَبَدَّلَ مَجْلِسُ السَّامِعِ دُونَ المتَّ... 616
77.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 616
77.2 مسئلہ: وَكَذَا إِذَا تَبَدَّلَ مَجْلِسُ التَّالِي دُونَ ا... 616
77.3 مسئلہ: قَالَ: وَيُكْرَهُ أَنْ يَقْرَأَ السُّورَةَ فِي صَل... 617
77.4 مسئلہ: قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: أَحَبُّ... 617
77.5 مسئلہ: بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ: السَّفَرُ الَّذِي يَتَ... 618
77.6 مسئلہ: وَقَدَّرَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ بِيَوْمَي... 620
77.7 مسئلہ: وَالسَّيْرُ الْمُدْكُورُ هُوَ الْوَسَطُ 620
77.8 مسئلہ: وَلَا يُعْتَبَرُ السَّيْرُ فِي الْمَاءِ 621

78 سبق نمبر ۷۷: مسئلہ: وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ فِي الرُّبَاعِيَّةِ رَكْعَ... 622
78.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 622
78.2 مسئلہ: وَلَنَا 623
78.3 مسئلہ: بِخِلَافِ الصَّوْمِ 623
78.4 مسئلہ: وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَ هَاب... 623
78.5 مسئلہ: وَفِيهِ الْأَثَرُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَ... 624
78.6 مسئلہ: لِأَنَّهُ 625
78.7 مسئلہ: وَالتَّقْيِيدُ بِالْبَلْدَةِ وَالْقَرْيَةِ يُشِيرُ... 625
78.8 مسئلہ: وَلَوْ دَخَلَ مِصْرًا عَلَى عَزْمِ أَنْ يَخْرُجَ غ... 626
78.9 مسئلہ: لِأَنَّ الدَّاخِلَ بَيْنَ أَنْ يُهْزَمَ فَيَفِرَّ... 626

79 سبق نمبر ۷۸: باب کا مصدر کیا آتا ہے؟ 636
79.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 636
79.2 مسئلہ: وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ مِنْهُ 637
79.3 مسئلہ: وَهَذَا 637
79.4 مسئلہ: وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ أَنْ يُقِيمَ بِمَكَّةَ... 638
79.5 مسئلہ: إِلَّا إِذَا نَوَى أَنْ يُقِيمَ بِاللَّيْلِ فِي أَ... 639
79.6 مسئلہ: وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِ... 640
79.7 مسئلہ: وَالْمُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ آخِرُ الْوَقْتِ 640
79.8 مسئلہ: وَالْعَاصِي وَالْمُطِيعُ فِي سَفَرِهِ فِي الرُّخَص... 641

79.9 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ سَفَرُ الْمَ... 642

80 سبق نمبر ۷۹: بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ 643

80.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 643
80.2 بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ، یہ باب ہے نماز جمعہ کے بیان میں 643
80.3 مسئلہ: وَالْمِصْرُ الْجَامِعُ 645
80.4 مسئلہ: وَالْأَوَّلُ اخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ... 645
80.5 مسئلہ: وَالْحُكْمُ غَيْرُ مَقْصُورٍ عَلَى الْمُصَلِّي 645
80.6 مسئلہ: وَلَهُمَا 647
80.7 مسئلہ: وَالتَّقْلِيدُ بِالْخَلِيفَةِ وَأَمِيرِ الْحِجَازِ 647
80.8 مسئلہ: وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِي وَقْتِ... 648
80.9 مسئلہ: وَلَوْ خَرَجَ الْوَقْتُ وَهُوَ فِيهَا اسْتَقْبَلَ ا... 649
80.10 مسئلہ: وَمِنْهَا الْخُطْبَةُ 649
80.11 مسئلہ: وَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ 650
80.12 مسئلہ: وَلَوْ خَطَبَ قَاعِدًا أَوْ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ... 650
80.13 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَجُوزُ... 651
80.14 مسئلہ: وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَ... 652

81 سبق نمبر ۸۰: وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ لِأَنَّ الْجُمُعَةَ مُ... 653

82 سبق نمبر ۸۱: وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَعْذُورُونَ الظُّهْرَ بِجَ... 661

83 سبق نمبر ۸۲: بَابُ الْعِيدَيْنِ 666

83.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 666
83.2 مسئلہ: وَوَجْهُ الثَّانِي 667
83.3 مسئلہ: وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ 668
83.4 مسئلہ: وَلَا يُكَبِّرُ 668
83.5 مسئلہ: وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ ا... 669
83.6 مسئلہ: وَإِذَا حَلَّتِ الصَّلَاةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ... 670
83.7 مسئلہ: وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ يَكَ... 670
83.8 مسئلہ: وَفِي الثَّانِيَةِ يَبْدَأُ بِالْقِرَاءَةِ 671
83.9 مسئلہ: وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي س... 672

83.10 بَابُ الْعِيدَيْنِ «وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ عَلَى كُلِّ مَ 672
83.11 مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ قَ... 674
83.12 مسئلہ: وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ 674
83.13 مسئلہ: وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ ا... 675
83.14 مسئلہ: وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ يُكَ... 676
83.15 مسئلہ: وَهَذَا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَ... 678
83.16 مسئلہ: وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ أَخَذَ بِقَوْلِ ا... 680
83.17 مسئلہ: قَالَ: وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِي... 681
83.18 مسئلہ: وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ... 682

84 سبق نمبر ۸۳: فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِ... 683

84.1 فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ، وَيَبْدَأُ بِتَكْبِيرِ 686
84.2 فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ، یہ فصل ہے تکبیرات تشری 686
84.3 فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ وَيَبْدَأُ بِتَكْبِيرِ 691
84.4 فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ، یہ فصل ہے تکبیراتِ تشر 691
84.5 بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ یہ باب ہے کسوف کی نماز کے بیان میں 695

85 سبق نمبر ۸۴: بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ 698

85.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 698
85.2 بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ، استسقاء جو ہے یہ سَقْيٌ سے ہے، سَقْيٌ 698
85.3 بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ، یہ باب ہے استسقاء کے بیان میں یعنی اس 698
85.4 بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ 701

86 سبق نمبر ۸۵: بَابُ الْجَنَائِزِ 705

86.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 705
86.2 بَابُ الْجَنَائِزِ کتاب الصلاۃ ختم ہونے والی ہے اور تمام نما 705
86.3 فَصْلٌ فِي الْغُسْلِ یہ فصل ہے غسلِ میت کے بیان میں بھی 707

87 سبق نمبر ۸۶: فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ 713

87.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 713
87.2 فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ 713

87.3 فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ السُّنَّةُ أَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ . . . 717
87.4 فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ، یہ فصل ہے میت کو کفن دینے کے بیان م . . . 717
87.5 فَصْلٌ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ یہ فصل ہے میت پر نماز . . . 722

88 سبق نمبر ۸۷: مسئلہ: وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ خَمْسًا لَمْ يُتَابَعْ... 727
88.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 727
88.2 مسئلہ: وَالْإِتْيَانُ بِالدَّعَوَاتِ اسْتِغْفَارٌ لِلْمَيِّتِ . . . 727
88.3 مسئلہ: وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ تَكْبِيرَةً أَوْ تَكْبِيرَ... . . . 728
88.4 مسئلہ: وَلَهُمَا . . . 729
88.5 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ يَ... . . . 729
88.6 مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِالْإِذْنِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ . . . 730
88.7 مسئلہ: وَفِيمَا إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ... . . . 731
88.8 مسئلہ: وَمَنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ . . . 732

89 سبق نمبر ۸۸: وَإِذَا بَقِيَ صَبِيٌّ مَعَ أَحَدِ أَبَوَيْهِ وَمَاتَ ل... 734
89.1 فَصْلٌ فِي حَمْلِ الْجَنَازَةِ یہ فصل ہے جنازے کے اٹھانے کے . . . 735
89.2 فَصْلٌ فِي الدَّفْنِ یہ فصل ہے دفن کرنے کے بیان میں کہ اب می . . . 737

90 سبق نمبر ۸۹: مسئلہ: زَمْلُوهُمْ بِكُلُومِهِمْ وَدِمَائِهِمْ وَلَا... 741
90.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 741
90.2 مسئلہ: بَابُ الشَّهِيدِ . . . 744
90.3 مسئلہ: لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى شُهَدَاءِ أُحُدٍ . . . 744
90.4 مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالْأَثَرِ الْجِرَاحَةُ . . . 744
90.5 مسئلہ: وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُخَالِفُنَا فِي... . . . 745
90.6 مسئلہ: وَالطَّاهِرُ عَنِ الذُّنُوبِ لَا يَسْتَغْنِي عَنِ... . . . 745
90.7 مسئلہ: وَإِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِلَ عِنْدَ أَبِي... . . . 746
90.8 مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى أَنَّ... . . . 746
90.9 مسئلہ: وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ... . . . 747

91 سبق نمبر ۹۰: مسئلہ: وَلَا يُغَسَّلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَمُهُ، وَلَا يُ... 749
91.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 749

91.2 مسئلہ: وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ 749
91.3 مسئلہ: وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ مَا شَاؤُوا 750
91.4 مسئلہ: وَالِارْتِثَاثُ 751
91.5 مسئلہ: وَلَوْ بَقِيَ حَيًّا حَتَّى مَضَى وَقْتُ صَلَاةٍ وَ... 751
91.6 مسئلہ: وَمَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي الْمِصْرِ غُسِلَ 752
91.7 مسئلہ: وَمَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي الْمِصْرِ غُسِلَ 753
91.8 مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰ... 753
91.9 مسئلہ: وَلَا يُغَسَّلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَمُهُ، وَلَا يُنْزَ... 754
91.10 مسئلہ: وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ 754
91.11 مسئلہ: وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ مَا شَاؤُوا 755
91.12 مسئلہ: وَالِارْتِثَاثُ 756
91.13 مسئلہ: وَلَوْ بَقِيَ حَيًّا حَتَّى مَضَى وَقْتُ صَلَاةٍ وَ... 756
91.14 مسئلہ: وَلَوْ أَوْصَى بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ 757
91.15 مسئلہ: إِلَّا إِذَا عُلِمَ 758
91.16 مسئلہ: وَمَنْ قُتِلَ فِي حَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِلَ وَصُلِ... 759
91.17 مسئلہ: وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُغَاةِ أَوْ قُطَّاعِ الطَّرِ... 759
91.18 مسئلہ: بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ 761
91.19 مسئلہ: فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فِيهَا 761
91.20 مسئلہ: وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَا... 762
91.21 مسئلہ: أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ صَلَّى عَلَى جَبَلِ أَبِي... 763

کتاب الزکاۃ (از وجوبِ زکوٰۃ و نصاب تا صدقۃ الفطر) 765

92 سبق نمبر ۹۱: کتاب الزکاۃ: وجوبِ زکوٰۃ، نصاب اور شرائط 766
92.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 766
92.2 مسئلہ: مَعَ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كَ... 767
92.3 مسئلہ: مِنْ مُسْلِمٍ 767
92.4 مسئلہ: كِتَابُ الزَّكَاةِ، الزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى الْ... 768
92.5 مسئلہ: أَمَّا الْوُجُوبُ 770
92.6 مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالْوَاجِبِ الْفَرْضُ 770

92.7 مسئلہ: وَالْإِسْلَامِ 770
92.8 مسئلہ: ثُمَّ قِيلَ هِيَ وَاجِبَةٌ عَلَى الْفَوْرِ 772

93 سبق نمبر ۹۲: وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ زَكَاةٌ خِلَاف... 773
93.1 اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ جوہ 773

94 سبق نمبر ۹۳: مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مَالُهُ أَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهِ زَكّ... 779
94.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 779
94.2 مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِهِ دَيْنٌ لَهُ مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ... 779
94.3 مسئلہ: وَدَيْنُ الزَّكَاةِ مَانِعٌ حَالَ بَقَاءِ النِّصَا... 780
94.4 مسئلہ: لِأَنَّ لَهُ مُطَالِبًا 782

95 سبق نمبر ۹۴: وَلَيْسَ فِي دُورِ السُّكْنَى وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَأَث... 784
95.1 اختلافِ ائمہ: صاحبین فرماتے ہیں قاضی نے تحقیق کرلی، اس کے 789

96 سبق نمبر ۹۵: وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ وَنَوَاهَا لِلْ... 791
96.1 مسئلہ: وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً لِلتِّجَارَةِ وَنَوَاهَا... 795
96.2 مسئلہ: وَإِنْ نَوَاهَا لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ ت... 797
96.3 مسئلہ: وَلِهَذَا يَصِيرُ الْمُسَافِرُ مُقِيمًا بِمُجَرَّدِ... 797
96.4 مسئلہ: وَإِنِ اشْتَرَى شَيْئًا وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَ... 798
96.5 مسئلہ: وَلَوْ نَكَحَهُ بِالْهِبَةِ أَوْ بِالْوَصِيَّةِ أَ... 798
96.6 مسئلہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَصِيرُ لِ... 799
96.7 مسئلہ: لِأَنَّ الزَّكَاةَ عِبَادَةٌ فَكَانَ مِنْ شَرْطِهَ... 801
96.8 مسئلہ: وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مَالِهِ لَا يَنْوِي الز... 802
96.9 مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَسْقُطُ 803

97 سبق نمبر ۹۶: بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ 806
97.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 806
97.2 بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ 806

98 سبق نمبر ۹۷: بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ 811
98.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 811
98.2 مسئلہ: بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ 811
98.3 مسئلہ: فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاه... 812

98.4 مسئلہ: فَإِذَا كَانَتْ إِحْدَى وَسِتِّينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ 812
98.5 مسئلہ: بِهَذَا اشْتَهَرَتْ كُتُبُ الصَّدَقَاتِ مِنْ رُسُو... 812
98.6 مسئلہ: وَفِي الْعُشْرِ شَاتَانِ 812
98.7 مسئلہ: ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيضَةُ 813
98.8 مسئلہ: وَلَنَا 814
98.9 فَصْلٌ فِي الْبَقَرِ «لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِينَ مِنَ 814
98.10 مسئلہ: بِهَذَا أَمَرَ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ م... 815
98.11 مسئلہ: وَفِي الِاثْنَيْنِ نِصْفُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ 815
98.12 مسئلہ: وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ 817
98.13 مسئلہ: لِأَنَّ بِنَى هَذَا النِّصَابِ عَلَى أَنْ يَكُونَ... 817
98.14 مسئلہ: ثُمَّ فِي السِّتِّينَ تَبِيعَانِ أَوْ تَبِيعَتَانِ 818
98.15 مسئلہ: إِلَّا أَنَّ أَوْهَامَ النَّاسِ لَا تَسْبِقُ إِلَيَّ... 819

99 سبق نمبر ۹۸: فَصْلٌ فِي الْغَنَمِ. 820
99.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 820
99.2 فَصْلٌ فِي الْغَنَمِ: یہ فصل ہے بھیڑ بکریوں کے بیان میں یعنی 820
99.3 فَصْلٌ فِي الْخَيْلِ: یہ فصل ہے گھوڑوں کے بیان میں 823

100 سبق نمبر ۹۹: فَصْلٌ، وَلَيْسَ فِي الْفُصْلَانِ وَالْعَجَاجِيلِ وَالْحُمُ... 827
100.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 827

101 سبق نمبر ۱۰۰: مسئلہ: وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ فَلَمْ يُوجَدْ أَ... 833
101.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 833
101.2 مسئلہ: إِلَّا أَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَهُ أَنْ لَ... 834
101.3 مسئلہ: وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ عِنْدَنَ... 834
101.4 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَ... 835
101.5 مسئلہ: وَلَنَا 836
101.6 مسئلہ: فَصَارَ كَالْجِزْيَةِ 837
101.7 مسئلہ: وَلَيْسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعَلُ... 838
101.8 مسئلہ: لَهُ ظَوَاهِرُ النُّصُوصِ 838
101.9 مسئلہ: إِلَّا أَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَهُ أَنْ لَ... 839

101.10 مسئلہ: وَيَجُوزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكَاةِ عِنْدَنَا . . . 840
101.11 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى رَ... . . . 841
101.12 مسئلہ: فَصَارَ كَالْجِزْيَةِ . . . 843
101.13 مسئلہ: وَلَيْسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعَلُ... . . . 843
101.14 مسئلہ: لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِي . . . 844
101.15 مسئلہ: ثُمَّ السَّائِمَةُ هِيَ الَّتِي تَكْتَفِي بِالرَّعْ... . . . 845
101.16 مسئلہ: وَلَا يَأْخُذُ الْمُصَدِّقُ خِيَارَ الْمَالِ وَلَا... . . . 845
101.17 مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ كَانَ لَهُ نِصَابٌ فَاسْتَفَادَ فِي... . . . 846
101.18 اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو بچے اور من . . . 847
101.19 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْمَجَانَسَةَ هِيَ الْعِلَّةُ فِي ا... . . . 848

102 سبق نمبر ۱۰۱: مسئلہ: وَالزَّكَاةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوس... 850
102.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 850
102.2 مسئلہ: وَلَهُمَا . . . 851
102.3 مسئلہ: وَلِأَنَّ الْعَفْوَ تَبَعٌ لِلنِّصَابِ فَيَصْرِفُ... . . . 851
102.4 مسئلہ: كَالرِّبْحِ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ . . . 852
102.5 مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يُصْرَفُ إِ... . . . 854
102.6 مسئلہ: وَأُفْتُوا . . . 856
102.7 مسئلہ: وَقِيلَ . . . 856
102.8 مسئلہ: وَالْأَوَّلُ أَحْوَطُ . . . 857

103 سبق نمبر ۱۰۲: مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ فِ... 858
103.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 858
103.2 مسئلہ: وَإِنْ هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزَّكَاةِ س... . . . 859
103.3 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: ي... . . . 859
103.4 مسئلہ: وَلِأَنَّهُ . . . 859
103.5 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْوَاجِبَ جُزْءٌ مِنَ النِّصَابِ تَ... . . . 860
103.6 مسئلہ: وَالْمُسْتَحِقُّ فَقِيرٌ يُعَيِّنُهُ الْمَالِكُ وَ... . . . 861
103.7 مسئلہ: وَبَعْدَ طَلَبِ السَّاعِي قِيلَ يَضْمَنُ وَقِيلَ لَ... . . . 862
103.8 مسئلہ: وَفِي هَلَاكِ الْبَعْضِ يَسْقُطُ بِقَدْرِهِ اعْتِب... . . . 862
103.9 مسئلہ: وَإِنْ قَدَّمَ الزَّكَاةَ عَلَى الْحَوْلِ . . . 863
103.10 مسئلہ: وَفِيهِ خِلَافُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ . . . 863

103.11 مسئلہ: وَيَجُوزُ لِلنُّصُبِ إِذَا كَانَ فِي مِلْكِهِ نِصَاب... 864
103.12 مسئلہ: بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ 864

104 سبق نمبر ۱۰۳: بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ 867
104.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 867
104.2 بَابُ زَكَاةِ الْمَالِ 867
104.3 مسئلہ: فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ 868
104.4 مسئلہ: وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ 868
104.5 مسئلہ: وَبَعْدَ النِّصَابِ فِي السَّوَائِمِ تَحَرُّزًا عَ... 869
104.6 مسئلہ: وَأَصْلُهُ أَنَّ الدَّرَاهِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ... 871
104.7 مسئلہ: فَصَارَ كُلُّ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَزْنَ سَبْعَةٍ م... 872
104.8 مسئلہ: وَهُوَ أَرْبَعَةَ عَشَرَ قِيرَاطًا 873
104.9 مسئلہ: وَالْمُعْتَبَرُ فِيهَا الْوَزْنُ دُونَ الْعَدَدِ 873
104.10 مسئلہ: ثُمَّ فِي كُلِّ أَرْبَعَةِ مَثَاقِيلَ قِيرَاطَانِ... 874
104.11 بابُ زَكَاةِ الْمَالِ فَصْلٌ فِي الْفِضَّةِ لَيْسَ فِيمَا دَ 874
104.12 بابُ زَكَاةِ الْمَالِ 874
104.13 فَصْلٌ فِي الذَّهَبِ، یہ فصل ہے سونے کے بیان میں، یعنی سونے 880

105 سبق نمبر ۱۰۴: فَصْلٌ فِي الْعُرُوضِ 883
105.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 883
105.2 فَصْلٌ فِي الْعُرُوضِ 883

106 سبق نمبر ۱۰۵: باب ہے اس شخص کے بیان میں جو عاشر پر گزرتا ہے 889

107 سبق نمبر ۱۰۶: قَالَ: وَيُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِ رُبُعُ الْعُشْرِ، وَ... 896
107.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 896

108 سبق نمبر ۱۰۷: مسئلہ: وَلَوْ مَرَّ صَبِيٌّ أَوْ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي ت... 904
108.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 904
108.2 مسئلہ: وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَأَ... 904
108.3 مسئلہ: فَلَوْ مَرَّ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ بِضَاعَةً 905
108.4 مسئلہ: ثُمَّ رَجَعَ 906
108.5 مسئلہ: وَلَوْ مَرَّ عَبْدٌ مَأْذُونٌ لَهُ بِمِائَتَيْ دِر... 906

108.6 مسئلہ: وَقِيلَ فِي الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا 907
108.7 مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مَوْلَاهُ مَعَهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ 908
108.8 مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ مَرَّ عَلَى عَاشِرِ الْخَوَارِجِ فِي... 909
108.9 مسئلہ: مَعْنَاهُ 909

109 سبق نمبر ۱۰۸: بَابُ فِي الْمَعَادِنِ وَالرِّكَازِ قَالَ: مَعْدِنُ ذَهَبٍ... 911

110 سبق نمبر ۱۰۹: بَابُ زَكَاةِ الزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ 925
110.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 925
110.2 بَابُ زَكَاةِ الزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ 925

111 سبق نمبر ۱۱۰: مسئلہ: وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْ سَانِي... 932
111.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 932
111.2 مسئلہ: لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ 932
111.3 مسئلہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ فِيمَا لَا... 933
111.4 مسئلہ: وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ: يَجِبُ الْعُشْرُ... 934
111.5 مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: فِي الْعَسَلِ... 934
111.6 مسئلہ: وَعَنْهُ 935
111.7 مسئلہ: وَمَا يُوجَدُ فِي الْجِبَالِ مِنَ الْعَسَلِ وَالثَّ... 935
111.8 مسئلہ: فَلَا مَعْنَى لِرَفْعِهَا 936
111.9 مسئلہ: لِأَنَّ الْمُؤْنَةَ تَكْثُرُ فِيهِ 937
111.10 مسئلہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ فِيمَا لَا... 937
111.11 مسئلہ: وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ يَجِبُ الْعُشْرُ... 938
111.12 مسئلہ: ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ يَجِ... 939
111.13 مسئلہ: وَكَذَا فِي قَصَبِ السُّكَّرِ 940
111.14 مسئلہ: قَالَ: تَغْلِبِيٌّ لَهُ أَرْضُ عُشْرٍ فَعَلَيْهِ ا... 941
111.15 مسئلہ: وَكَذَا إِذَا اشْتَرَاهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ أَوْ أَس... 942
111.16 مسئلہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يَعُودُ إِل... 942
111.17 مسئلہ: إِلَّا أَنَّ قَوْلَهُ لَا يَتَأَتَّى إِلَّا فِي ال... 943
111.18 مسئلہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ هِيَ عُشْرِيَّ... 944
111.19 مسئلہ: وَأَمَّا الثَّانِي 945

112 سبق نمبر ۱۱۱: مسئلہ: وَإِذَا كَانَتْ لِمُسْلِمٍ دَارُ حِظَّةٍ فَجَعَل... 946

112.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 946

112.2 مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَى الْمَجُوسِيِّ فِي دَارِهِ شَيْءٌ 946

112.3 مسئلہ: وَمَاءُ جَيْحُونَ وَسَيْحُونَ وَدِجْلَةَ وَالْفُرَ... 947

112.4 مسئلہ: وَلَيْسَ فِي عَيْنِ الْقِيرِ وَالنِّفْطِ فِي أَرْضٍ... 948

112.5 مسئلہ: بَابُ مَنْ يَجُوزُ دَفْعُ الصَّدَقَاتِ إِلَيْهِ وَ... 949

112.6 مسئلہ: وَفِي الرِّقَابِ 950

112.7 مسئلہ: وَالْفَقِيرُ مَنْ لَهُ أَدْنَى شَيْءٍ وَالْمِسْكِي... 951

113 سبق نمبر ۱۱۲: مسئلہ: وَفِي الرِّقَابِ: أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُونَ م... 954

113.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 954

113.2 مسئلہ: وَالْغَارِمُ: مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ 955

113.3 مسئلہ: وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ 955

113.4 مسئلہ: وَابْنُ السَّبِيلِ 956

113.5 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ... 957

113.6 مسئلہ: وَالَّذِي ذَهَبْنَا إِلَيْهِ مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ... 957

113.7 مسئلہ: وَيَدْفَعُ إِلَيْهِ مَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الصَّدَقَةِ 958

113.8 مسئلہ: وَلَوْلَا حَدِيثُ مُعَاذٍ لَقُلْنَا بِالْجَوَازِ ف... 958

113.9 مسئلہ: وَلَا تُشْتَرَى بِهَا رَقَبَةٌ تُعْتَقُ خِلَافًا ل... 959

113.10 مسئلہ: قَالَ: وَلَا يَدْفَعُ الْمُزَكِّي زَكَاةَ مَالِهِ... 959

113.11 مسئلہ: وَفِي الرِّقَابِ 960

113.12 مسئلہ: وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ 960

113.13 مسئلہ: وَلَا يُصْرَفُ إِلَى أَغْنِيَاءِ الْغُزَاةِ عِنْدَ... 961

113.14 مسئلہ: وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَدْفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى ذِمِّيٍّ 962

113.15 مسئلہ: وَلَا يُقْضَى بِهَا دَيْنُ مَيِّتٍ 963

113.16 مسئلہ: وَلَا تُدْفَعُ إِلَى غَنِيٍّ 964

113.17 مسئلہ: قَالَ: وَلَا يَدْفَعُ إِلَى مُدَبَّرِهِ، وَمُكَاتَ... 965

113.18 مسئلہ: وَلَا يَدْفَعُ إِلَى مَمْلُوكِ غَنِيٍّ 966

113.19 مسئلہ: قَالَ: وَهُمْ آلُ عَلِيٍّ، وَآلُ عَبَّاسٍ، وَآلُ ج... 968

114 سبق نمبر ۱۱۳: قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ... 970

114.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 970

114.2 باب چل رہا ہے کہ کس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کس شخص کو . . . 970
114.3 باب چل رہا ہے کہ کس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کس شخص کو . . . 974
114.4 بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ، یہ باب ہے صدقہ فطر کے بیان میں . . . 981

115 سبق نمبر ۱۱۴: قَالَ يُخْرِجُ ذَلِكَ عَنْ نَفْسِهِ لِحَدِيثِ ابْنِ عُم... 984
115.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 984

116 سبق نمبر ۱۱۵: مسئلہ: أَدُّوا عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ يَهُودِيٍّ أَ... 991
116.1 فَصْلٌ فِي مِقْدَارِ الْوَاجِبِ وَوَقْتِهِ یہ فصل ہے واجب کی . . . 993
116.2 فَصْلٌ فِي مِقْدَارِ الْوَاجِبِ وَوَقْتِهِ یہ فصل ہے واجب ک . . . 998

117 سبق نمبر ۱۱۶: كِتَابُ الصَّوْمِ 1005
117.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1005

118 سبق نمبر ۱۱۷: مسئلہ: وَهَذَا الضَّرْبُ مِنَ الصَّوْمِ يَتَأَدَّى بِهِمْ... 1013
118.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1013
118.2 مسئلہ: لِأَنَّهُ بِنِيَّةِ النَّفْلِ . . . 1014
118.3 مسئلہ: وَإِذَا نَوَى النَّفْلَ أَوْ وَاجِبًا آخَرَ . . . 1015
118.4 مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰہُ: إِذَا... . . . 1016
118.5 مسئلہ: وَعَنْهُ فِي نِيَّةِ التَّطَوُّعِ رِوَايَتَانِ . . . 1016
118.6 مسئلہ: وَالضَّرْبُ الثَّانِي: مَا ثَبَتَ فِي الذِّمَّةِ . . . 1017
118.7 مسئلہ: وَلِأَنَّ الْمَشْرُوعَ خَارِجَ رَمَضَانَ هُوَ النَّ... . . . 1017
118.8 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰہُ: يَجُوزُ،... . . . 1018

119 سبق نمبر ۱۱۸: مسئلہ: وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ أَنْ يَلْتَمِسُوا الْهِلَا... 1020
119.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1020
119.2 مسئلہ: لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . . . 1020
119.3 مسئلہ: وَلَا يَصُومُونَ يَوْمَ الشَّكِّ إِلَّا تَطَوُّعًا . . . 1021
119.4 مسئلہ: ثُمَّ إِنْ ظَهَرَ أَنَّ الْيَوْمَ مِنْ رَمَضَانَ . . . 1021
119.5 مسئلہ: وَالثَّانِي أَنْ يَنْوِيَ عَنْ وَاجِبٍ آخَرَ . . . 1022
119.6 مسئلہ: وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ مِنْ شَعْبَانَ فَقَدْ قِيلَ... . . . 1023
119.7 اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوم الشک و . . . 1025
119.8 مسئلہ: ثُمَّ إِنْ وَافَقَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ فَالصَّ... . . . 1025

119.9 مسئلہ: وَالْمُخْتَارُ أَنْ يَصُومَ الْمُفْتِي بِنَفْسِهِ... 1026

120 سبق نمبر ۱۱۹: وَالرَّابِعُ أَنْ يُرَجِّحَ فِي أَصْلِ النِّيَّةِ بِأَن... 1028

کتاب الصوم (از رویتِ ہلال تا قضاء، کفارہ اور اعتکاف کے مسائل) 1037

121 سبق نمبر ۱۲۰: کتاب الصوم: رویتِ ہلال اور روزے کے بنیادی مسائل 1038

121.1 بَابُ مَا يُوجِبُ الْقَضَاءَ وَالْكَفَّارَةَ، یہ باب ہے اس چ 1042

122 سبق نمبر ۱۲۱: فَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ لَمْ يُفْطِرْ لِقَوْلِهِ صَلَّ... 1046

123 سبق نمبر ۱۲۲: روزہ توڑنے والی اشیاء، قضا اور کفارہ کے مسائل 1061

123.1 مسئلہ: وَمَنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ عَامِدًا... 1061

123.2 مسئلہ: وَالْكَفَّارَةُ لِتَكَامُلِ الْجِنَايَةِ 1062

123.3 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ لَ... 1062

123.4 مسئلہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ 1063

123.5 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَوْلٍ... 1063

123.6 مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ... 1063

123.7 مسئلہ: وَلَا تَحَمُّلَ 1064

123.8 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى رَ... 1065

123.9 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ تَعَلَّقَتْ بِجِنَايَةٍ... 1065

123.10 مسئلہ: ثُمَّ قَالَ: وَالْكَفَّارَةُ مِثْلُ كَفَّارَةِ الظ... 1066

123.11 مسئلہ: وَقَالَ 1067

123.12 مسئلہ: وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ... 1067

123.13 مسئلہ: وَمَنْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ ف... 1068

124 سبق نمبر ۱۲۳: جن اعذار کی بنا پر روزہ چھوڑنا جائز ہے (مسافر و مریض) 1082

124.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1082

124.2 فصل: اس فصل میں صاحبِ ہدایہ وہ عذر وغیرہ بیان کریں گے جن کی 1082

124.3 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يُفْطِرُ 1082

124.4 مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مُسَافِرًا لَا يَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ... 1083

124.5 مسئلہ: بِخِلَافِ الْمَرَضِ 1083

124.6 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ رَمَضَانَ أَفْضَلُ الْوَقْتَيْنِ 1084

124.7 مسئلہ: وَإِذَا مَاتَ الْمَرِيضُ وَالْمُسَافِرُ وَهُمَا عَ... 1084
124.8 مسئلہ: وَلَوْ صَحَّ الْمَرِيضُ وَأَقَامَ الْمُسَافِرُ ثُمَّ... 1085
124.9 مسئلہ: وَفِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ 1086
124.10 مسئلہ: وَإِنْ أَخَّرَهُ حَتّٰى دَخَلَ رَمَضَانٌ آخَرُ صَا... 1086
124.11 مسئلہ: وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلٰى أَ... 1087
124.12 مسئلہ: وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا فِي رَمَضَانَ فَخَافَ إِنْ ص... 1088
124.13 مسئلہ: ازْدَادَ 1088
124.14 مسئلہ: وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ زِيَادَةَ الْمَرَضِ وَامْت... 1089
124.15 مسئلہ: بِخِلَافِ الْمَرَضِ 1089
124.16 مسئلہ: وَإِذَا مَاتَ الْمَرِيضُ وَالْمُسَافِرُ وَهُمَا عَ... 1090
124.17 مسئلہ: وَلَوْ صَحَّ الْمَرِيضُ وَأَقَامَ الْمُسَافِرُ ثُمَّ... 1091
124.18 مسئلہ: وَفِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ 1092
124.19 مسئلہ: وَإِنْ أَخَّرَهُ حَتّٰى دَخَلَ رَمَضَانُ آخَرُ صَا... 1092
124.20 مسئلہ: وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلٰى أَ... 1093
124.21 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْفِدْيَةَ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فِي... 1094
124.22 مسئلہ: وَلَوْ قَدَرَ عَلَى الصَّوْمِ يَبْطُلُ حُكْمُ الْف... 1096
124.23 مسئلہ: ثُمَّ لَابُدَّ مِنَ الْإِيصَاءِ عِنْدَنَا خِلَافً... 1096
124.24 مسئلہ: وَلَنَا 1097
124.25 مسئلہ: وَالصَّلَاةُ كَالصَّوْمِ بِاسْتِحْسَانِ الْمَشَايِخِ 1098
124.26 مسئلہ: وَلَا يَصُومُ عَنْهُ الْوَلِيُّ وَلَا يُصَلِّي 1099

125 سبق نمبر ۱۲۴: مسئلہ: وَمَنْ دَخَلَ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ أَوْ فِي... 1100

125.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1100
125.2 اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دیکھیے ایک ش 1100
125.3 مسئلہ: وَلَنَا 1101
125.4 مسئلہ: ثُمَّ عِنْدَنَا لَا يُبَاحُ الْإِفْطَارُ فِيهِ لِغ... 1101
125.5 مسئلہ: وَإِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ أَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ... 1102
125.6 مسئلہ: وَصَامَا مَا بَعْدَهُ 1102
125.7 مسئلہ: وَهٰذَا بِخِلَافِ الصَّلَاةِ 1103
125.8 مسئلہ: وَوَجْهُ الظَّاهِرِ 1103
125.9 مسئلہ: وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ الْإِفْطَارَ ثُمَّ قَدِ... 1104

125.10 مسئلہ: وَإِنْ كَانَ فِي رَمَضَانَ 1105
125.11 مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ إِذَا أَفْطَرَ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ... 1106

126 سبق نمبر ۱۲۵: مسئلہ: وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ لَمْ يَقْضِ... 1107
126.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1107
126.2 مسئلہ: وَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِنْهُ ق... 1107
126.3 مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ 1108
126.4 مسئلہ: وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ قَضَاهُ 1108
126.5 مسئلہ: وَلَنَا 1109
126.6 مسئلہ: وَلَنَا 1110
126.7 مسئلہ: ثُمَّ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ 1111

127 سبق نمبر ۱۲۶: وَمَنْ لَمْ يُبَيِّتْ فِي رَمَضَانَ كُلِّهِ لَا صَوْمَ لَهُ... 1112
127.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1112
127.2 صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک شخص نے صبح کی اس حال میں کہ اس کی نیت 1113
127.3 اختلافِ ائمہ: صاحبین فرماتے ہیں: کہ اگر یہ شخص جس نے روزے ک 1114
127.4 اختلافِ ائمہ: امام صاحب کے نزدیک اوپر متن میں مسئلہ آیا تھا 1114
127.5 اختلافِ ائمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: التَّشْبِيهُ 1116
127.6 صورتِ مسئلہ یہ: کہ ایک شخص سحری کھاتا ہے، رمضان کے اندر سحری 1118

128 سبق نمبر ۱۲۷: مسئلہ: ثُمَّ التَّسَحُّرُ مُسْتَحَبٌّ لِقَوْلِهِ عَلَيْ... 1120
128.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1120
128.2 مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ إِذَا شَكَّ فِي الْفَجْرِ 1120
128.3 مسئلہ: وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ ذَلِكَ 1121
128.4 مسئلہ: وَلَوْ أَكَلَ فَقَدْ أَسَاءَ 1121
128.5 مسئلہ: وَلَوْ ظَهَرَ أَنَّ الْفَجْرَ طَالِعٌ لَا كَفَّارَ... 1122
128.6 مسئلہ: وَلَوْ أَكَلَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ عَمَلًا بِالْأَصْلِ 1123
128.7 مسئلہ: وَلَوْ كَانَ شَاكًّا فِيهِ وَتَبَيَّنَ أَنَّهُ حَالَ... 1123
128.8 مسئلہ: وَمَنْ أَكَلَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا وَظَنَّ أَنَّ... 1123
128.9 مسئلہ: لِأَنَّ الِاشْتِبَاهَ اسْتَنَدَ إِلَى الْقِيَاسِ ف... 1124
128.10 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ... 1124
128.11 مسئلہ: وَلَوِ احْتَجَمَ وَظَنَّ أَنَّ ذَلِكَ يُفَطِّرُهُ ث... 1126

128.12 مسئلہ: إِلَّا إِذَا أَفْتَاهُ فَقِيهٌ بِالْفَسَادِ لِأَنَّ... 1127
128.13 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ خِلَافُ ذَلِ... 1128
128.14 مسئلہ: وَإِنْ عَرَفَ تَأْوِيلَهُ تَجِبُ الْكَفَّارَةُ لِا... 1128
128.15 مسئلہ: وَلَوْ أَكَلَ بَعْدَمَا اغْتَابَ مُتَعَمِّدًا فَعَ... 1129
128.16 مسئلہ: لِأَنَّ الْفِطْرَ يُخَالِفُ الْقِيَاسَ، وَالْحَدِي... 1129

129 سبق نمبر ۱۲۸: وَإِذَا جُمِعَتِ النَّائِمَةُ وَالْمَجْنُونَةُ وَهِيَ... 1130
129.1 فَصْلٌ فِيمَا يُوجِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ، یہ فصل ہے ان روزوں ک 1131

130 سبق نمبر ۱۲۹: مسئلہ: وَلَوْ قَالَ لِلّٰهِ عَلَيَّ صَوْمُ هٰذِهِ السَّ... 1137
130.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1137
130.2 مسئلہ: وَلَوْ قَالَ لِلّٰهِ عَلَيَّ صَوْمُ هٰذِهِ السَّنَ... 1138
130.3 مسئلہ: قَالَ: وَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ إِنْ أَرَادَ... 1139
130.4 مسئلہ: وَالْفَرْقُ لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَه... 1140
130.5 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ 1141
130.6 مسئلہ: بَابُ الِاعْتِكَافِ 1142
130.7 مسئلہ: وَلَنَا 1143
130.8 مسئلہ: وَفِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ 1144
130.9 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ 1144

131 سبق نمبر ۱۳۰: مسئلہ: وَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَّا لِحَاجَةٍ... 1146
131.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1146
131.2 مسئلہ: وَلَا يَمْكُثُ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الظُّهُورِ لِ... 1146
131.3 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: الْخُرُوجُ لِ... 1147
131.4 مسئلہ: وَيَخْرُجُ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ 1147
131.5 مسئلہ: وَيُصَلِّي قَبْلَهَا أَرْبَعًا وَفِي رِوَايَةٍ سِتًّا 1148
131.6 مسئلہ: وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا أَوْ سِتًّا عَلَى حَسَبِ الِ... 1148
131.7 مسئلہ: وَلَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ سَاعَةً بِغَيْرِ عُ... 1149
131.8 اختلافِ ائمہ: صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہ 1149
131.9 مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَبِيعَ وَيَبْتَاعَ فِي الْمَسْ... 1149
131.10 مسئلہ: لِأَنَّهُ قَدْ يَحْتَاجُ إِلَى ذٰلِكَ بِأَنْ لَا ي... 1150
131.11 مسئلہ: قَالَ: وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِخَيْرٍ وَيُكْرَهُ... 1150

131.12 مسئلہ: وَيَحْرُمُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ الْوَطْءُ . . . 1151
131.13 مسئلہ: بِخِلَافِ الصَّوْمِ . . . 1151
131.14 مسئلہ: فَإِنْ جَامَعَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا عَامِدًا أَوْ... . . . 1152
131.15 مسئلہ: وَلَوْ جَامَعَ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ أَ... . . . 1152
131.16 مسئلہ: لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجِمَاعِ حَتَّى يَفْسُدَ... . . . 1152
131.17 مسئلہ: وَمَنْ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ اعْتِكَافَ أَيَّامٍ... . . . 1153
131.18 مسئلہ: وَكَانَتْ مُتَتَابِعَةً وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطِ الت... . . . 1154
131.19 مسئلہ: وَإِنْ نَوَى الْأَيَّامَ خَاصَّةً صَحَّتْ نِيَّتُهُ... . . . 1154
131.20 مسئلہ: وَمَنْ أَوْجَبَ اعْتِكَافَ يَوْمَيْنِ يَلْزَمُهُ... . . . 1154
131.21 مسئلہ: وَفِي الْمُتَوَسِّطَةِ ضَرُورَةُ الِاتِّصَالِ . . . 1155

کتاب الحج (از مواقیت، احرام، طواف و وقوف تا ہدی و احکامِ حج بدل) **1157**

132 سبق نمبر ۱۳۱: کتاب الحج: وجوبِ حج کی شرائط اور مواقیت **1158**
132.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1158

133 سبق نمبر ۱۳۲: امنِ طریق اور شرائطِ وجوب وادا **1166**
133.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1166
133.2 مسئلہ: قَالَ: وَيُعْتَبَرُ فِي الْمَرْأَةِ أَنْ يَكُونَ ل... . . . 1167
133.3 مسئلہ: وَإِذَا وَجَدَتْ مَحْرَمًا لَمْ يَكُنْ لِلزَّوْجِ... . . . 1168
133.4 مسئلہ: وَلَهَا أَنْ تَخْرُجَ مَعَ كُلِّ مَحْرَمٍ إِلَّا أَ... . . . 1169
133.5 مسئلہ: وَاخْتَلَفُوا فِي أَنَّ الْمَحْرَمَ شَرْطُ الْوُجُ... . . . 1169
133.6 مسئلہ: فَصْلٌ: وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُ... . . . 1170

134 سبق نمبر ۱۳۳: فَصْلٌ: وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُجَاوِ... **1176**
134.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1176
134.2 فَصْلٌ: وَالْمَوَاقِيتُ الَّتِي لَا يَجُوزُ أَنْ يُجَاوِزَهَا . . . 1177
134.3 بَابُ الْإِحْرَامِ، یہ باب ہے احرام کے بیان میں . . . 1180

135 سبق نمبر ۱۳۴: بابُ الإحرام **1188**
135.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1188
135.2 مسئلہ: بَابُ الْإِحْرَامِ . . . 1190

135.3 مسئلہ: قَالَ: وَمَسَّ طِيبًا إِنْ كَانَ لَهُ . . . 1191
135.4 مسئلہ: وَلِأَنَّ الْمَمْنُوعَ عَنْهُ التَّطَيُّبُ بَعْدَ... 1192
135.5 مسئلہ: لِأَنَّ أَدَاءَهُ . . . 1193
135.6 مسئلہ: وَإِنْ كَانَ مُفْرِدًا بِالْحَجِّ . . . 1193
135.7 مسئلہ: وَهُوَ إِجَابَةٌ لِدُعَاءِ الْخَلِيلِ صَلَوَاتُ ال... 1195
135.8 مسئلہ: وَلَوْ زَادَ فِيهَا جَازَ . . . 1195

136 سبق نمبر ۱۳۵: وَلَا يَصِيرُ شَارِعًا فِي الْإِحْرَامِ بِمُجَرَّدِ النِّ... 1197

137 سبق نمبر ۱۳۶: مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَغْتَسِلَ وَيَدْخُلَ الْحَمَّامَ 1205
137.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1205
137.2 مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَسْتَظِلَّ بِالْبَيْتِ وَالْمِ... 1205
137.3 مسئلہ: وَلَوْ دَخَلَ تَحْتَ أَسْتَارِ الْكَعْبَةِ حَتَّى... 1205
137.4 مسئلہ: وَلَا يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَلَا لِحْيَتَهُ بِالْخِطْمِيِّ . . . 1206
137.5 مسئلہ: وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّلْبِيَةِ . . . 1207
137.6 مسئلہ: وَإِذَا عَايَنَ الْبَيْتَ كَبَّرَ وَهَلَّلَ . . . 1207
137.7 مسئلہ: وَإِنْ تَبَرَّكَ بِالْمَنْقُولِ مِنْهَا فَحَسَنٌ . . . 1208
137.8 مسئلہ: وَاسْتَلَمَهُ إِنِ اسْتَطَاعَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤْ... 1209
137.9 مسئلہ: وَلِأَنَّ الِاسْتِلَامَ سُنَّةٌ وَالتَّحَرُّزَ عَنِ... 1210
137.10 مسئلہ: وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ . . . 1210
137.11 مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ إِذَا اسْتَقْبَلَ الْحَطِيمَ وَحْدَهُ . . . 1212

138 سبق نمبر ۱۳۷: مسئلہ: وَيَرْمُلُ فِي الثَّلَاثِ الْأُوَلِ مِنَ الْأَشْ... 1214
138.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1214
138.2 مسئلہ: وَكَانَ سَبَبُهُ إِظْهَارَ الْجَلَدِ لِلْمُشْرِكِينَ . . . 1214
138.3 مسئلہ: وَالرَّمَلُ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ . . . 1215
138.4 مسئلہ: وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ . . . 1216
138.5 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: سُنَّةٌ؛ ل... 1217
138.6 مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ طَوَافُ الْقُدُومِ؛... 1218
138.7 مسئلہ: وَيَخْرُجُ إِلَى الصَّفَا مِنْ أَيِّ بَابٍ شَاءَ . . . 1218

138.8 مسئلہ: ثُمَّ يَمْشِي عَلَى هَيْئَتِهِ حَتَّى يَأْتِيَ الْمُ... 1219
138.9 مسئلہ: وَإِنَّمَا يُبْدَأُ بِالصَّفَا 1220
138.10 مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ... 1220
138.11 مسئلہ: ثُمَّ مَعْنَى مَا رَوَى كَتَبَ اسْتِحْبَابًا كَمَا... 1221
138.12 مسئلہ: وَالصَّلَاةُ خَيْرُ مَوْضُوعٍ 1222

139 سبق نمبر ۱۳۸: مسئلہ: فَإِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْ... 1223

139.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1223
139.2 مسئلہ: وَالْحَاصِلُ أَنَّ فِي الْحَجِّ ثَلَاثَ خُطَبٍ 1223
139.3 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا التَّعْلِيمُ، وَ... 1224
139.4 مسئلہ: فَإِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ 1225
139.5 مسئلہ: قَالَ: ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى عَرَفَاتٍ فَيُقِيمُ... 1226
139.6 مسئلہ: وَقِيلَ: 1226
139.7 مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَخْطُبُ بَعْدَ... 1227
139.8 مسئلہ: وَيُقِيمُ الْمُؤَذِّنُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْخُ... 1228
139.9 مسئلہ: وَلَا يَتَطَوَّعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ تَحْصِيلًا... 1229
139.10 مسئلہ: فَإِنْ صَلَّى بِغَيْرِ خُطْبَةٍ أَجْزَأَهُ 1229

140 سبق نمبر ۱۳۹: مسئلہ: وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ وَحْدَهُ صَ... 1231

140.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1231
140.2 مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ 1232
140.3 مسئلہ: ثُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا... 1233
140.4 مسئلہ: ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ قَبْلَ... 1234
140.5 مسئلہ: وَيَنْبَغِي أَنْ يَقِفَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ 1236
140.6 مسئلہ: وَيُلَبِّي فِي مَوْقِفِهِ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ 1237
140.7 مسئلہ: وَلَنَا 1237

141 سبق نمبر ۱۴۰: مسئلہ: قَالَ: وَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَا... 1239

141.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1239
141.2 مسئلہ: فَإِنْ خَافَ الزِّحَامَ فَدَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ... 1239

141.3 مسئلہ: فَلَوْمَكَثَ قَلِيلًا بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَ... 1240
141.4 مسئلہ: لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَفَ عِنْ... 1240
141.5 مسئلہ: وَلِأَنَّ الْعِشَاءَ 1241
141.6 مسئلہ: وَلَا تُشْتَرَطُ الْجَمَاعَةُ لِهٰذَا الْجَمْعِ... 1241
141.7 مسئلہ: وَلَهُمَا مَارُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ق... 1242
141.8 مسئلہ: قَالَ: وَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُصَلِّي الْإِمَام... 1243
141.9 مسئلہ: ثُمَّ هٰذَا الْوُقُوفُ وَاجِبٌ عِنْدَنَا 1244
141.10 مسئلہ: وَلَنَا مَارُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَد... 1244
141.11 مسئلہ: قَالَ: وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا... 1245

142 سبق نمبر ۱۴۱: مسئلہ: فَيَبْتَدِئُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا... 1246
142.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1246
142.2 مسئلہ: لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا أَتَ... 1247
142.3 مسئلہ: وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ 1247
142.4 مسئلہ: ثُمَّ كَيْفِيَّةُ الرَّمْيِ أَنْ يَضَعَ الْحَصَاةَ... 1248
142.5 مسئلہ: وَلَوْ وَضَعَهَا وَضْعًا لَمْ يُجْزِهِ 1249
142.6 مسئلہ: وَيَأْخُذُ الْحَصَى مِنْ أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ 1250
142.7 مسئلہ: وَلِأَنَّ الْحَلْقَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ وَ... 1251
142.8 مسئلہ: وَإِنَّمَا عَلَّقَ الذَّبْحَ بِالْمَحَبَّةِ 1252
142.9 مسئلہ: وَيَكْتَفِي فِي الْحَلْقِ بِرُبُعِ الرَّأْسِ 1253
142.10 مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: وَإِلَّا الطِّيب... 1253
142.11 مسئلہ: ثُمَّ الرَّمْيُ لَيْسَ مِنْ أَسْبَابِ التَّحَلُّلِ... 1254
142.12 مسئلہ: بِخِلَافِ الطَّوَافِ لِأَنَّ التَّحَلُّلَ بِالْحَلْ... 1255

143 سبق نمبر ۱۴۲: مسئلہ: ثُمَّ يَأْتِي مِنَ الْغَدِ ذٰلِكَ بِمَكَّةَ أَوْ... 1256
143.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1256
143.2 مسئلہ: وَوَقْتُهُ أَيَّامُ النَّحْرِ 1256
143.3 مسئلہ: وَأَوَّلُ وَقْتِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَ... 1257
143.4 مسئلہ: وَأَفْضَلُ هٰذِهِ الْأَيَّامِ أَوَّلُهَا كَمَا فِي... 1257

143.5 مسئلہ: وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ هَذَا الطَّوَافِ 1258
143.6 مسئلہ: قَالَ: وَهَذَا الطَّوَافُ هُوَ الْمَفْرُوضُ فِي ال... 1258
143.7 مسئلہ: وَلِأَنَّهُ بَقِيَ عَلَيْهِ الرَّمْيُ وَمَوْضِعُهُ... 1258
143.8 مسئلہ: فَيَبْدَأُ بِالَّتِي تَلِي مَسْجِدَ الْخَيْفِ 1259
143.9 مسئلہ: وَيَحْمَدُ اللَّهَ وَيُثْنِي 1259
143.10 مسئلہ: ثُمَّ الْأَصْلُ 1260
143.11 مسئلہ: قَالَ: وَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ 1260
143.12 مسئلہ: وَهُوَ أَنْ يَنْفِرَ مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ مِ... 1261
143.13 مسئلہ: وَإِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِي هَذَا الْيَوْمِ بَعْ... 1261
143.14 مسئلہ: وَلِأَنَّهُ 1262
143.15 مسئلہ: فَبَقِيَ عَلَى الْأَصْلِ الْمَرْوِيِّ 1262

144 سبق نمبر ۱۴۳: یوم النحر میں رمی جمرات کے اوقات اور احکام **1263**
144.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1263
144.2 دلیل واستدلال: دلیل وہ پیش کرتے ہیں حدیث بھائی 1264

145 سبق نمبر ۱۴۴: فَصْلٌ: وَإِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْمُحْرِمُ مَكَّةَ وَتَوَ... **1272**
145.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1272

146 سبق نمبر ۱۴۵: مسئلہ: وَمَنْ قَلَّدَ بَدَنَةً تَطَوُّعًا، أَوْ نَذَرًا... **1280**
146.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1280
146.2 مسئلہ: وَلِأَنَّ سَوْقَ الْهَدْيِ 1281
146.3 مسئلہ: وَصِفَةُ التَّقْلِيدِ 1282
146.4 مسئلہ: لِمَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَ... 1282
146.5 مسئلہ: فَإِذَا أَدْرَكَهَا وَسَاقَهَا، أَوْ أَدْرَكَهَا،... 1283
146.6 مسئلہ: وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ 1285
146.7 مسئلہ: فَلِهَذَا اكْتُفِيَ فِيهِ بِالتَّوَجُّهِ 1287

147 سبق نمبر ۱۴۶: فَإِنْ جَلَّلَ بَدَنَةً أَوْ أَشْعَرَهَا أَوْ قَلَّدَ ش... **1288**
147.1 بَابُ الْقِرَانِ الْقِرَانُ أَفْضَلُ مِنَ التَّمَتُّعِ وَالْ 1290

148 سبق نمبر ۱۴۷: مسئلہ: اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ... **1296**

149 سبق نمبر ۱۴۸: بَابُ التَّمَتُّعِ 1308
149.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1308
149.2 مسئلہ: وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى . . . 1308
149.3 مسئلہ: ثُمَّ فِيهِ زِيَادَةُ نُسُكٍ وَهُوَ إِرَاقَةُ الدَّمِ . . . 1309
149.4 مسئلہ: وَالْمُتَمَتِّعُ عَلَى وَجْهَيْنِ: مُتَمَتِّعٌ لَيْسَ... . . . 1309
149.5 مسئلہ: وَمَعْنَى التَّمَتُّعِ . . . 1310
149.6 مسئلہ: وَصِفَتُهُ أَنْ يَبْتَدِئَ مِنَ الْمِيقَاتِ فِي أَ... . . . 1311
149.7 مسئلہ: وَكَذَلِكَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُفْرِدَ بِالْعُمْرَ... . . . 1311
149.8 مسئلہ: وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللهُ: لَا حَلْقَ عَلَيْهِ . . . 1312
149.9 مسئلہ: وَلِأَنَّهَا لَمَّا كَانَ لَهَا تَحَرُّمٌ بِالظِّلِّ... . . . 1312
149.10 مسئلہ: وَلَنَا: أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي... . . . 1313
149.11 مسئلہ: قَالَ: وَيُقِيمُ بِمَكَّةَ حَلَالًا . . . 1314
149.12 مسئلہ: وَهَذَا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمُكِّيِّ . . . 1314
149.13 مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ يَرْمُلُ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ . . . 1315
149.14 مسئلہ: وَلَوْ كَانَ هَذَا الْمُتَمَتِّعُ بَعْدَمَا أَحْرَ... . . . 1315
149.15 مسئلہ: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ . . . 1316
149.16 مسئلہ: وَإِنْ صَامَهَا بَعْدَمَا أَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ ق... . . . 1316
149.17 مسئلہ: وَالْأَفْضَلُ تَأْخِيرُهَا إِلَى آخِرِ وَقْتِهَا وَ... . . . 1317

150 سبق نمبر ۱۴۹: وَإِنْ أَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ أَنْ يَسُوقَ الْهَدْيَ أَ... 1318
150.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1318

151 سبق نمبر ۱۵۰: وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ فَط... 1327
151.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1327

152 سبق نمبر ۱۵۱: وَمَنِ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَحَجَّ مِنْ عَا... 1335
152.1 بَابُ الْجِنَايَاتِ، یہ باب ہے جنایتوں کے بیان میں . . . 1337
152.2 بَابُ الْجِنَايَاتِ، یہ باب ہے جنایتوں کے بیان میں . . . 1337

153 سبق نمبر ۱۵۲: وَإِنْ لَبِسَ ثَوْبًا مَخِيطًا أَوْ غَطَّى رَأْسَهُ يَوْ... 1342
153.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) . . . 1342

153.2 بَابُ الْجِنَايَاتِ ہم پڑھ رہے ہیں کہ حالت احرام میں محرم اگ 1342
153.3 اختلافِ ائمہ: ہمارے نزدیک، ہمارے نزدیک ٹھیک ہے اگر کسی پر ز 1348
153.4 صورت مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک باندی فروخت کر 1349

154 سبق نمبر ۱۵۳: مسئلہ: فَإِنْ أَخَذَ مِنْ شَارِبِ حَلَالٍ أَوْ قَلَّمَ أَ... 1352
154.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1352
154.2 باب الجنایات ہم پڑھ رہے ہیں کہ حالت احرام میں مختلف قسم کی ج 1352
154.3 مسئلہ: وَلَا يَعْرَى عَنْ نَوْعِ ارْتِفَاقٍ 1353
154.4 مسئلہ: لِأَنَّهُ مِنَ الْمَحْظُورَاتِ 1353
154.5 مسئلہ: وَعَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِ... 1354
154.6 مسئلہ: وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَجِبُ الدَّمُ بِ... 1354
154.7 مسئلہ: وَإِنْ قَصَّ خَمْسَةَ أَظَافِيرَ مُتَفَرِّقَةً مِن... 1355
154.8 مسئلہ: وَلَهُمَا أَنَّ كَمَالَ الْجِنَايَةِ بِنَيْلِ الرِّ... 1356
154.9 مسئلہ: قَالَ: وَإِنِ انْكَسَرَ ظُفْرُ الْمُحْرِمِ فَتَعَل... 1356
154.10 مسئلہ: ثُمَّ الصَّوْمُ يُجْزِيهِ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَ 1357
154.11 مسئلہ: وَلَوِ اخْتَارَ الطَّعَامَ أَجْزَأَهُ فِيهِ التَّنَ... 1358
154.12 مسئلہ: فَصْلٌ: فَإِنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَتِهِ بِش... 1359
154.13 مسئلہ: وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: 1359
154.14 مسئلہ: وَعَنِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُف... 1359
154.15 مسئلہ: بِخِلَافِ الصَّوْمِ 1360

155 سبق نمبر ۱۵۴: مسئلہ: وَإِنْ جَامَعَ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ قَبْلَ... 1361
155.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1361
155.2 مسئلہ: وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا رُوِيَ 1361
155.3 مسئلہ: وَلِأَنَّ الْقَضَاءَ لَمَّا وَجَبَ - وَلَا يَجِبُ... 1362
155.4 مسئلہ: ثُمَّ سَوَّى بَيْنَ السَّبِيلَيْنِ 1362
155.5 مسئلہ: وَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُفَارِقَ امْرَأَتَهُ فِي ق... 1363
155.6 مسئلہ: وَلَنَا 1363
155.7 مسئلہ: لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ 1364
155.8 مسئلہ: وَإِنْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ 1364
155.9 مسئلہ: وَإِذَا جَامَعَ بَعْدَ مَا طَافَ أَرْبَعَةَ أَشْوَ... 1365

155.10 مسئلہ: وَمَنْ جَامَعَ نَاسِيًا كَانَ كَمَنْ جَامَعَ مُتَمَتِّعٌ... 1365
155.11 مسئلہ: وَلَنَا 1366
155.12 مسئلہ: وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْقُدُومِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ... 1366
155.13 مسئلہ: وَلِأَنَّ 1367
155.14 مسئلہ: وَلَوْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ مُحْدِثًا فَعَلَ... 1368
155.15 مسئلہ: وَكَذَا إِذَا طَافَ أَكْثَرَهُ جُنُبًا أَوْ مُحْدِثًا... 1368
155.16 مسئلہ: وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ 1368
155.17 مسئلہ: ثُمَّ إِذَا أَعَادَهُ وَقَدْ طَافَهُ مُحْدِثًا لَا... 1369
155.18 مسئلہ: وَإِنْ أَعَادَهُ وَقَدْ طَافَهُ جُنُبًا فِي أَيَّا... 1369

156 سبق نمبر ۱۵۵: مسئلہ: وَلَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَقَدْ طَافَهُ جُنُبٌ... 1371

156.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1371
156.2 مسئلہ: وَإِنْ لَمْ يَعُدْ وَبَعَثَ بَدَنَةً أَجْزَأَهُ 1371
156.3 مسئلہ: وَلَوْ لَمْ يَطُفْ طَوَافَ الزِّيَارَةِ أَصْلًا حَ... 1372
156.4 مسئلہ: وَلَوْ طَافَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ 1372
156.5 مسئلہ: وَمَنْ تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ أَوْ أَرْبَعَةً أَ... 1373
156.6 مسئلہ: وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْوَاجِبِ فِي جَوْفِ الْحِجْ... 1373
156.7 مسئلہ: وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْوَاجِبِ فِي جَوْفِ الْحِجْرِ 1374
156.8 مسئلہ: وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ عَلَى غَيْرِ وُضْ... 1375
156.9 مسئلہ: فَإِنْ كَانَ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا 1375
156.10 مسئلہ: إِلَّا أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِإِعَادَةِ طَوَافِ الصَّدَ... 1376
156.11 مسئلہ: أَمَّا إِعَادَةُ الطَّوَافِ فَلِتَمَكُّنِ النَّقْصِ... 1376
156.12 مسئلہ: وَكَذَا إِذَا أَعَادَ الطَّوَافَ وَلَمْ يُعِدِ السَّ... 1377
156.13 مسئلہ: وَلَنَا 1377
156.14 مسئلہ: فَإِنْ عَادَ إِلَى عَرَفَةَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْ... 1378
156.15 مسئلہ: وَمَنْ تَرَكَ الْوُقُوفَ بِالْمُزْدَلِفَةِ فَعَلَيْ... 1378
156.16 مسئلہ: وَالتَّرْكُ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ 1379
156.17 مسئلہ: وَمَنْ أَخَّرَ الْحَلْقَ حَتَّى مَضَتْ أَيَّامُ النَّ... 1380
156.18 مسئلہ: لَهُمَا 1380
156.19 مسئلہ: وَلِأَنَّ التَّأْخِيرَ عَنِ الْمَكَانِ يُوجِبُ الدَّمَ 1381

156.20 مسئلہ: وَالْأَصَحُّ 1381
156.21 مسئلہ: وَبَعْضُ الْحُدَيْبِيَةِ 1382
156.22 مسئلہ: وَالتَّقْصِيرُ وَالْحَلْقُ فِي الْعُمْرَةِ غَيْرُ... 1383
156.23 مسئلہ: فَإِنْ حَلَقَ الْقَارِنُ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ فَعَ... 1383
156.24 مسئلہ: وَعِنْدَهُمَا يَجِبُ عَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ وَهُوَ... 1384

157 سبق نمبر ۱۵۶: فَصْلٌ: اِعْلَمْ أَنَّ صَيْدَ الْبَحْرِ مُحَرَّمٌ عَلَى... 1385
157.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1385
157.2 فَصْلٌ: اِعْلَمْ أَنَّ صَيْدَ الْبَرِّ مُحَرَّمٌ عَلَى الْمُ 1385

158 سبق نمبر ۱۵۷: مسئلہ: ثُمَّ الْخِيَارُ إِلَى الْقَاتِلِ فِي أَنْ يَجْمَ... 1393
158.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1393
158.2 مسئلہ: لَهُمَا 1394
158.3 مسئلہ: قُلْنَا 1396
158.4 مسئلہ: وَالْهَدْيُ لَا يُذْبَحُ إِلَّا بِمَكَّةَ 1397
158.5 مسئلہ: وَنَحْنُ نَقُولُ: الْهَدْيُ قُرْبَةٌ غَيْرُ مَعْقُولَةٍ 1398
158.6 مسئلہ: وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الْهَدْيِ يُهْدَ... 1399
158.7 مسئلہ: وَإِذَا وَقَعَ الِاخْتِيَارُ عَلَى الطَّعَامِ يُقَ... 1399
158.8 مسئلہ: لِأَنَّ تَقْدِيرَ الصِّيَامِ بِالْمَقْتُولِ غَيْرُ... 1400
158.9 مسئلہ: وَكَذَلِكَ إِنْ كَانَ الْوَاجِبُ دُونَ طَعَامِ مِس... 1401
158.10 مسئلہ: وَلَوْ نَتَفَ رِيشَ طَائِرٍ أَوْ قَطَعَ قَوَائِمَ... 1401
158.11 مسئلہ: وَعَلَى هَذَا إِذَا ضَرَبَ بَطْنَ ظَبْيَةٍ فَأَلْقَ... 1402
158.12 مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالْغُرَابِ الَّذِي يَأْكُلُ الْحَيَ... 1403

159 سبق نمبر ۱۵۸: مسئلہ: وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْبَعُوضِ وَالنَّمْلِ وَالْ... 1405
159.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1405
159.2 باب الجنایات چل رہا ہے کہ محرم سے مختلف جنایتیں ہو جائیں حال 1405
159.3 مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالنَّمْلِ 1405
159.4 مسئلہ: وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: أَطْعَمَ شَيْئًا 1406
159.5 مسئلہ: وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي ذَبْحِ السُّلَحْفَاةِ 1407
159.6 مسئلہ: وَمَنْ حَلَبَ صَيْدَ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ 1407

159.7 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَجِبُ... 1408
159.8 مسئلہ: وَلَنَا 1408
159.9 مسئلہ: وَلَا يُجَاوِزُ بِقِيمَتِهِ شَاةً 1409
159.10 مسئلہ: وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: الضَّبُعُ صَ... 1409
159.11 مسئلہ: وَإِذَا صَالَ السَّبُعُ عَلَى الْمُحْرِمِ فَقَتَلَ... 1410
159.12 مسئلہ: وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَ... 1410
159.13 مسئلہ: وَمَعَ وُجُودِ الْإِذْنِ مِنَ الشَّارِعِ لَا يَجِبُ... 1411
159.14 مسئلہ: وَإِنِ اضْطُرَّ الْمُحْرِمُ إِلَى قَتْلِ صَيْدٍ فَ... 1411
159.15 مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالْبَطِّ 1412
159.16 مسئلہ: وَإِذَا ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا فَذَبِيحَتُهُ مُ... 1413
159.17 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ الذَّكَاةَ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ 1414
159.18 مسئلہ: وَإِنْ أَكَلَ الْمُحْرِمُ الذَّابِحُ مِنْ ذَلِكَ شَ... 1415
159.19 مسئلہ: وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ مُحْرِمٌ آخَرُ فَلَا شَيْءَ ع... 1415
159.20 دلیل واستدلال: امام صاحب کی دلیل کیا؟ کہ یہ اس کا کھانا حرام 1416
159.21 مسئلہ: بِخِلَافِ مُحْرِمٍ آخَرَ 1417

160 سبق نمبر ۱۵۹: مسئلہ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْكُلَ الْمُحْرِمُ لَحْمَ... 1418

160.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1418
160.2 اختلافِ ائمہ: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس غیر 1418
160.3 مسئلہ: وَاللَّامُ فِيمَا رَوَى لَامُ تَمْلِيكٍ 1418
160.4 مسئلہ: قَالُوا فِيهِ رِوَايَتَانِ 1419
160.5 مسئلہ: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثٍ فِيهِ طُولٌ 1419
160.6 مسئلہ: وَهَذَا 1420
160.7 مسئلہ: وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُجْزِيهِ الصَّوْمُ 1421
160.8 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّهُ لَمَّا حَصَلَ فِي الْحَرَمِ وَجَبَ... 1421
160.9 مسئلہ: وَمَنْ أَحْرَمَ وَفِي يَدِهِ أَوْ فِي قَفَصٍ مَعَ... 1422
160.10 مسئلہ: وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ تَرْكُ التَّعَرُّضِ وَهُوَ لَ... 1423
160.11 مسئلہ: وَقِيلَ إِذَا كَانَ الْقَفَصُ فِي يَدِهِ لَزِمَهُ إِ... 1423
160.12 مسئلہ: وَلَهُ أَنَّهُ مَلَكَ الصَّيْدَ بِالْأَخْذِ مِلْكً... 1424
160.13 مسئلہ: وَنَظِيرُهُ الِاخْتِلَافُ فِي كَسْرِ الْمَعَازِفِ 1424

160.14 مسئلہ: فَإِنْ قَتَلَهُ مُحْرِمٌ آخَرُ فِي يَدِهِ فَعَلَى... 1425
160.15 مسئلہ: وَيَرْجِعُ الْآخِذُ عَلَى الْقَاتِلِ 1426

161 سبق نمبر ۱۶۰: مسئلہ: فَإِنْ قَطَعَ حَشِيشَ الْحَرَمِ أَوْ شَجَرَةً لَا... 1427
161.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1427
161.2 مسئلہ: لِأَنَّ حُرْمَتَهُمَا تَثْبُتُ بِسَبَبِ الْحَرَمِ 1428
161.3 مسئلہ: وَيُكْرَهُ بَيْعُهُ بَعْدَ الْقَطْعِ 1428
161.4 مسئلہ: وَلِأَنَّ الْمُحَرَّمَ الْمَنْسُوبَ إِلَى الْحَرَمِ 1429
161.5 مسئلہ: وَمَا جَفَّ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ لَا ضَمَانَ فِيهِ 1429
161.6 مسئلہ: وَلَنَا 1430
161.7 مسئلہ: وَبِخِلَافِ الْكَمْأَةِ 1430
161.8 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: دَمٌ وَاحِدٌ 1430
161.9 مسئلہ: وَإِذَا اشْتَرَكَ مُحْرِمَانِ فِي قَتْلِ صَيْدٍ فَ... 1431
161.10 مسئلہ: وَإِذَا اشْتَرَكَ حَلَالَانِ فِي قَتْلِ صَيْدٍ الْ... 1431
161.11 مسئلہ: فَإِنْ أَدَّى جَزَاءَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ لَيْسَ عَ... 1432
161.12 مسئلہ: وَإِذَا أَتَى الْكُوفِيُّ 1434
161.13 مسئلہ: وَقَالَا: إِنْ رَجَعَ إِلَيْهِ مُحْرِمًا فَلَيْسَ عَ... 1434
161.14 مسئلہ: وَلَنَا 1435
161.15 مسئلہ: وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا أَحْرَمَ بِحَجَّتِهِ... 1436
161.16 مسئلہ: وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا إِذَا كَانَ يُرِيدُ الْحَ... 1437

162 سبق نمبر ۱۶۱: فَإِنْ دَخَلَ الْبُسْتَانَ لِحَاجَتِهِ فَلَهُ أَنْ يَدَ... 1438

163 سبق نمبر ۱۶۲: بَابُ إِضَافَةِ الْإِحْرَامِ 1444
163.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1444
163.2 بَابُ إِضَافَةِ الْإِحْرَامِ 1444
163.3 صورت مسئلہ یہ بھائی: کوئی شخص ہے وہ اس نے حج کا احرام باندھا 1449

164 سبق نمبر ۱۶۳: مسئلہ: وَمَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ بِعُمْرَ... 1452
164.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1452
164.2 مسئلہ: أَهَلَّ بِالْحَجِّ 1452

164.3 مسئلہ: فَلَوْ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ 1453
164.4 مسئلہ: وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَرْفُضَ عُمْرَتَهُ 1454
164.5 مسئلہ: فَإِنْ مَضَى عَلَيْهَا 1455
164.6 مسئلہ: وَقِيلَ: إِذَا حَلَقَ لِلْحَجِّ ثُمَّ أَحْرَمَ لَا... 1455
164.7 مسئلہ: وَإِنْ أَحْرَمَ بِحَجَّةٍ 1456
164.8 مسئلہ: بَابُ الْإِحْصَارِ 1457
164.9 مسئلہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَكُونُ... 1457
164.10 مسئلہ: وَلَنَا: أَنَّ آيَةَ الْإِحْصَارِ وَرَدَتْ فِي الْ... 1458
164.11 مسئلہ: وَالتَّحَلُّلُ قَبْلَ أَوَانِهِ لِدَفْعِ الْحَرَجِ... 1458
164.12 مسئلہ: وَإِذَا جَازَهُ التَّحَلُّلُ يُقَالُ لَهُ ابْعَ... 1459
164.13 مسئلہ: وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَ... 1459
164.14 مسئلہ: قُلْنَا: الْمُرَاعَى أَصْلُ التَّخْفِيفِ لَا هَا... 1460

165 سبق نمبر ۱۶۴: باب الإحصار چل رہا ہے بھئی **1461**

165.1 باب الإحصار چل رہا ہے بھئی 1461
165.2 بَابُ الْفَوَاتِ، یہ باب ہے حج کے فوت ہو جانے کے بیان میں 1467

166 سبق نمبر ۱۶۵: باب الحج عن الغیر (حج بدل کے احکام و مسائل) **1470**

166.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1470
166.2 مسئلہ: الْأَصْلُ فِي هَذَا الْبَابِ 1470
166.3 مسئلہ: وَالْعِبَادَاتُ أَنْوَاعٌ: مَالِيَّةٌ مَحْضَةٌ كَا... 1471
166.4 مسئلہ: لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ بِفِعْلِ النَّائِبِ 1471
166.5 مسئلہ: وَالشَّرْطُ الْعَجْزُ الدَّائِمُ إِلَى وَقْتِ الْمَوْتِ 1472
166.6 مسئلہ: ثُمَّ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ 1473
166.7 مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ أَمَرَ رَجُلَانِ أَنْ يَحُجَّ عَنْ... 1473
166.8 مسئلہ: وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَمَرَهُ 1474
166.9 مسئلہ: وَيَضْمَنُ النَّفَقَةَ إِنْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِمَا 1475
166.10 مسئلہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يُعَيِّنْ حَجَّةً أَوْ عُ... 1476
166.11 مسئلہ: وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ 1477
166.12 صورتِ مسئلہ یہ کہ ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ میری طرف سے حج 1477
166.13 مسئلہ: وَكَذَلِكَ إِنْ أَمَرَهُ وَاحِدٌ بِأَنْ يَحُجَّ عَ... 1478

166.14 مسئلہ: وَدَمُ الْإِحْصَارِ عَلَى الْآمِرِ وَهٰذَا عِنْدَ... 1478
166.15 مسئلہ: فَإِنْ كَانَ يَحُجُّ عَنْ مَيِّتٍ فَأُحْصِرَ فَال... 1479
166.16 مسئلہ: وَدَمُ الْجِمَاعِ عَلَى الْحَاجِّ 1479
166.17 مسئلہ: أَمَّا إِذَا جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوفِ لَا يَفْسُ... 1480

167 سبق نمبر ۱۶۶: حج بدل کی وصیت اور اس کا نفاذ 1481
167.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1481
167.2 مسئلہ: فَالْكَلَامُ هَاهُنَا فِي اعْتِبَارِ الثُّلُثِ وَف... 1481
167.3 مسئلہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ يَحُجُّ عَ... 1482
167.4 مسئلہ: وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّ قِسْمَةَ... 1483
167.5 مسئلہ: وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ مَاتَ فِي طَرِيقِ... 1484
167.6 مسئلہ: قَالَ: وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ عَنْ أَبَوَيْهِ أَ... 1484
167.7 مسئلہ: وَلَا يَجُوزُ فِي الْهَدَايَا إِلَّا مَا جَازَ فِي... 1485
167.8 مسئلہ: وَلَا يَجُوزُ الْأَكْلُ مِنْ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا 1486
167.9 مسئلہ: وَلَنَا أَنَّ هَذِهِ دِمَاءُ كَفَّارَاتٍ فَلَا يَخ... 1487

168 سبق نمبر ۱۶۷: باب الہدایا (ہدی کے جانوروں کے احکام) 1488
168.1 متنِ ہدایہ (درس کی ابتدائی عبارت) 1488
168.2 باب الہدی چل رہا ہے 1488
168.3 دلیل واستدلال: دلیل ہماری آگے ذکر ہو رہی ہے: «لِأَنَّ الصَّد 1488
168.4 مسئلہ: فَإِنْ عَرَّفَ بِهَدْيِ الْمُتْعَةِ فَحَسَنٌ 1489
168.5 مسئلہ: وَالْأَفْضَلُ فِي الْبُدْنِ النَّحْرُ، وَفِي الْبَق... 1490
168.6 مسئلہ: وَلَا يَذْبَحُ الْبَقَرَ وَالْغَنَمَ قِيَامًا، لِأَ... 1490
168.7 مسئلہ: وَلِأَنَّهُ قُرْبَةٌ، وَالتَّوَلِّي فِي الْقُرَبَا... 1491
168.8 مسئلہ: وَلَوْ رَكِبَهَا فَانْتَقَصَ بِرُكُوبِهِ فَعَلَيْهِ... 1492
168.9 مسئلہ: وَإِنْ أَصَابَهُ عَيْبٌ كَثِيرٌ يُقَامُ غَيْرُهُ مِ... 1493
168.10 مسئلہ: وَالْمُرَادُ بِالنَّعْلِ قِلَادَتُهَا 1494
168.11 مسئلہ: وَلَا يُقَلِّدُ دَمَ الْإِحْصَارِ وَلَا دَمَ الْجِن... 1494

169 سبق نمبر ۱۶۸: مسائلِ منثورہ (حج کے متفرق اور اہم مسائل) 1496

170 سبق نمبر ۱۶۹: احرام والی لونڈی کی بیع اور اختتامِ کتاب 1502

170.1 مسئلہ: بِخِلَافِ النِّكَاحِ 1503
170.2 مسئلہ: وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً مُحْرِمَةً 1504
170.3 مسئلہ: وَإِذَا كَانَ لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهَا لَا يَتَمَكَّنُ... 1504
170.4 مسئلہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ... 1505